تفسیر القرآن

پارہ الٓمٓ (۱) تا لَا یُحِبُّ اللہ (٦)

مصنفہ
سیّد المفسرین
ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی
بانی جامعہ امامیہ و صدر جامعہ امامیہ کمیٹی

مصنف دو سو سترہ (۲۱۷) کتب

جلد اوّل

ناشر
ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ

تفسیر القرآن

جلد اوّل

مفسر

الحاج حضرت ادیبِ اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

میں نے اس تفسیر القرآن جلد اول کے متن کو بغور پڑھا ہے
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی
بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے

حافظ عبدالرؤف خان بقلم خود

مورخہ ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۷۷ء

(حافظ عبدالرؤف خان)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
ناظم آباد ۲ کراچی

مطبع : قریشی آرٹ پریس ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

کاتب : محمود ابنِ الماس رقم

بار: دوئم | ہدیہ /۱۴۰ روپے | جولائی ۱۹۸۹ء

فہرست مضامین

مفسّر کی خدمات ———— ۵
عرضِ حال ———— ۷
مُقدّمہ ———— ۱۱
الفاتحۃ ———— ۵۷
البقرۃ ———— ۶۳
آلِ عمران ———— ۲۰۸
النّساء ———— ۲۷۷
المائدۃ ———— ۳۵۱

آج تک ان کا قلم چلتا ہی رہا۔ چند کتابوں نے خصوصیت سے شہرت حاصل کی جیسے،

مصباح المجالس چہار جلد۔ تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار۔ مجمع الفضائل ترجمہ مناقب ابنِ شہر آشوب۔ محافل و مجالس۔ الشافی ترجمہ اصولِ کافی ہر دو جلد۔ الشافی ترجمہ فروعِ کافی ہر دو جلد۔ رموز القرآن۔ حقائق القرآن۔ مجمع الآیات۔ قصص القرآن ——— کافی کے ترجمہ کی طرف سب سے پہلے آپ ہی نے توجّہ کی۔

۳۔ قومی معاملات کی طرف بھی آپ نے پوری توجّہ سے کام لیا۔ ۱۹۱۲ء میں جب آپ بسلسلۂ ملازمت کانپور پہنچے تو وہاں مومنین کو توجّہ دلا کر ایک شیعہ اسکول چھوٹے بچّوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کھلوایا۔ ۱۹۲۰ء میں جب بسلسلۂ ملازمت مراد آباد آئے تو امروہہ میں شیعہ آرٹ سکول کھولا۔ ۱۹۵۰ء میں جب پاکستان تشریف لائے اور کراچی میں قیام کیا تو حضرت ثقۃ الاسلام علّامہ محمد بشیر صاحب قبلہ کی تحریک سے مدرسۃ الواعظین عرف جامعہ امامیہ کی بنیاد ڈالی اور ایک عالیشان عمارت تعمیر کرا کر درس کا سلسلہ جاری کیا۔ بحمد اللہ اس وقت سے اب تک آپ کی سرپرستی میں مدرسہ چل رہا ہے۔ کراچی میں قابلِ دید تعلیمی مرکز ہے۔ برسوں آپ نے اس میں بلامعاوضہ تعلیم بھی دی اور کئی ہزار روپیہ اس کی ضرورتوں میں اپنی جیب سے خرچ کیا۔

۴۔ ۲۸ سال آپ کی سرپرستی میں رسالہ **نور** نکلتا رہا، جس میں زیادہ تر مضامین آپ کے ہوتے تھے۔ یہ رسالہ قوم میں بیحد مقبول تھا۔ بعض وجوہ کی بنا پر ۱۹۶۸ء میں مجبوراً اسے بند کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ تمام قومی جرائد و اخبارات میں آپ کے گرانقدر مضامین چھپتے رہے۔

۵۔ تقریر سے زیادہ آپ کو تحریر پسند ہے۔ فرمایا کرتے ہیں، تقریر ہوا کا ایک جھونکا ہے۔ اِدھر آیا اُدھر گیا۔ اور تحریر ایک ایسا چشمۂ فیض ہے جو صدیوں لوگوں کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔ بحمد اللہ باوجود کم توجہی کے آپ کا شمار واعظین کی صفِ اوّل میں ہے۔ یہ خصوصیت آج تک کسی واعظ کو نصیب نہیں ہوئی کہ آپ ۵۶ سال سے عشرۂ محرم کی مجالس ایک منبر پر پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں ان مجالس کے پڑھنے کا سلسلہ پٹیالہ میں وزیر صاحب کے امام باڑہ میں شروع ہوا تھا۔ تقسیمِ ملک کے بعد جب یہ خاندان لاہور میں قیام پذیر ہوا تو ان مجالس کا سلسلہ یہاں ۲۶۔ ایبٹ روڈ پر جو خلیفہ سعادت حسین صاحب کے زیرِ اہتمام ہوتی ہیں قائم ہوا۔ اس وقت سے آج تک آپ یہ مجالس پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۴ سال سے ایک عشرہ اربعین اندرون موچی دروازہ لاہور محلہ شیعاں میں پڑھتے ہیں۔ یہ عشرہ محمد عباس مرزا صاحب کی طرف سے ہوتا ہے۔

ابّا جان قبلہ نہایت سیدھی سادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ دُنیوی آرائش سرود ستار سے کوسوں دُور ہیں۔ امراء کی دربارداری کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ خانہ نشین رہ کر مذہب و قوم کی خدمت بقدر امکاں کرتے رہتے ہیں۔ اس تفسیر کی تحریک سب سے پہلے راقم الحروف نے کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ بڑی کدو کاوش کے بعد اس کی پہلی جلد آپ کے سامنے آرہی ہے۔ خدا سے دُعا ہے کہ باقی جلدیں بھی جلد چھپ جائیں۔ اُمید ہے کہ مومنین کرام اس کارِ خیر میں حصّہ لیں گے یہ سب سے بڑا کارِ ثواب ہے۔

راقم ناچیز
سیّد ندیم الحسن

عرضِ حال

اُردو زبان میں شیعی تفاسیر ایسی ہیں جیسے آنکھوں میں سُرمہ یا آٹے میں نمک بلکہ اس سے بھی کم۔ گویا اس باغ میں بہار آئی ہی نہیں، دو چار پھول کھلے بھی تو ان کی مہک کہاں تک اور کتنی۔ پھر ان میں سے بھی کچھ کھلتے ہی مُرجھا گئے۔ کچھ کا رنگ ایسا پھیکا پڑا کہ دلفریبی جاتی رہی۔ تفسیر عمدۃ البیان ایک بار چھپ کر رہ گئی۔ اب نگاہِ شوق اس کی زیارت کو ترستی ہے۔ تفسیر انوار النجف کی ضیا باری ۲۶ منزل تک جا کے رُک گئی۔ آگے کی چار منزلیں تاریک ہیں۔ خدا ان کو بھی جلد پُر نور بنائے۔

کچھ لوگوں نے مقدّمات لکھ کر قلم روک لیے، خدا جانے ان پر کیا گزری ——— رہے مترجم قرآن، ان سے تفسیری ذوق سے فائدہ تو خاصہ پہنچا مگر فیض کے چشمے اتنے ہی اُبل سکتے تھے جتنی حواشی کے تنگنائے میں گنجائش تھی۔ کوزہ میں دریا تو نہیں سما سکتا تاہم چلّوؤں سے جتنی پیاس بُجھ سکتی ہے بُجھ گئی۔ ہمیں ان بزرگواروں کا شکر گزار ہونا چاہیئے جتنا کام ہو گیا ہزار غنیمت ہے۔

زمانے کا خاصہ ہے کہ جتنا آگے بڑھتا جاتا ہے ابنائے روزگار کی طبیعتوں میں نئے سے نیا رنگ بھرتا جاتا ہے ——— کل کی پری زاد جمال افروز دیویاں آج کی چڑیلیں کہی جاتی ہیں۔ گئے دن کی بات ہے کہ لیتھو کی چھپی ہوئی کتابیں سب کو پسند تھیں۔ ہوا کا رُخ بدلتے ہی اس کے چہرہ پر بڑھاپے کی جھریاں نظر آنے لگیں۔ آفسٹ کی چھپائی نے وہ شیشہ جادو مارا کہ سارا رنگ روغن اُتر کر آنکھوں میں سمانے کے قابل نہ رہا۔

اب تو نوجوان طبقہ ایسی کتابیں پڑھنی چاہتا ہے کہ کاغذ پر حوروں کے رُخسار کی چمک اُتار کر پھیلا دی ہو اور اُن کی پتلیوں کی سیاہی سے کتابت کی گئی ہو۔ اب لوگ قرآن کریم کی ایسی خوشنما چھپی ہوئی تفسیریں ڈھونڈ رہے ہیں جن پر نظر کرتے ہی آنکھوں کا نُور اور دل کا سرور بڑھ جائے۔ یہ تو رہی صورت، اب رہا باطنی کمال تو اس کے متعلق خواہش یہ ہے کہ:

۱۔ نہ تو زیادہ مختصر ہو نہ زیادہ طُولانی خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (درمیانی درجہ سب کاموں میں بہتر ہوتا ہے)۔ نہ تو پڑھنے والا پڑھتے پڑھتے بُور ہو جائے نہ اتنی مختصر کہ انسان لبِ شوق چاٹتا رہ جائے۔

۲۔ كُلُّهَا فِى التَّفْسِيْرِ اِلَّا التَّفْسِيْرُ کی مصداق نہ ہو۔ ضروری چیزیں بالاختصار آجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ حج کا ذکر آئے تو تمام مسائلِ حج بیان کر دیئے جائیں۔ زکوٰۃ کا لفظ آجائے تو زکوٰۃ کا پُورا نصاب نقل کر دیا جائے۔ انہیں تو فقہ کی کتابوں پر چھوڑ دیا جائے۔ یا اس تحقیق میں صفحہ کے صفحے بھر دیئے جائیں کہ نسلِ آدمؑ کیسے چلی۔ حوّا کے بطن سے کتنی اولاد ہوئی۔ لڑکیاں کہاں بیاہی گئیں۔ لڑکوں کے لیے دُلہنیں کہاں سے آئیں۔

۳۔ ایسی روایتیں درج نہ ہوں جو نہ تو روایتاً صحیح ہوں اور نہ قرآنِ کریم جیسی مقدّس کتاب میں درج کرنے کے لائق۔ طلسم ہوشربا یا الف لیلیٰ کی کہانیوں سے ملتی جُلتی نہ ہوں۔ جیسے ہارُوت و ماروت کے سلسلہ میں زہرہ و مشتری کے قصّے۔ عوج بن عوق کے ناقابلِ فہم واقعات۔ سکندر کی تلاشِ آبِ حیات میں سرگردانی۔ شدّاد کے اِرم کا قصّہ۔ بُراق کا قصّہ۔

مُعاونین

اِس فہرست میں اُن تمام حضرات کے نام شامل ہیں جنہوں نے دامے درمے قدمے اور سخنے مدد فرمائی ہے۔

الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن نقوی بی۔ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس
سیّد شمیم الحسن نقوی ایم اے، ایل۔ایل۔بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ و ممبر ایگزیکٹو بورڈ آف یونائیٹڈ بنک
سیّد نسیم الحسن بی۔ایس سی انجینئر سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس کراچی
سیّد قسیم الحسن بی۔ایس سی، بی ای، ایم ایس (گولڈ میڈلسٹ) پرنسپل سیفی کالج کراچی
سیّد شبیہ الحسن ایم اے، ایل۔ایل۔بی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی
سیّد عرفان حسن زیدی ایم اے، بی ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیّدہ پروین دولت صاحبہ
ڈاکٹر سیّدہ نازنین ایم۔ایس سی، پی ایچ۔ڈی
سیّد فردوس شمیم (انجینئرنگ کالج)
سیّد سبطین محمد مینجر یونائیٹڈ بنک
محترمہ بیگم صاحبہ خان بہادر الحاج نواب امیر علی خان صاحب بالقابہ مرحوم
مس این لاہوری آف لاڑکانہ
سیّد محمد ثو علی نقوی صاحب نائب مہتمم جامعہ امامیہ کراچی
مولانا سیّد عنایت حسین صاحب قبلہ جلالوی بانیِ مجلسِ علی پاکستان
خلیفہ سیّد سعادت حسین صاحب بی اے لاہور
سیّد آصف جاہ ایم۔ایس سی
ڈاکٹر سیّد خاقان حسن صاحب پی ایچ۔ڈی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُفسّر مدّظلّہ العالی کی خدمات کا تعارف

از

الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن بی ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسے عالمِ متبحر کی فرزندی کا شرف بخشا ہے جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مذہب اور قوم کی خدمت میں اس اِنہماک سے گزارا ہے کہ نہ دن کو دن سمجھا ہے نہ رات کو رات۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھا کہ ان کے لیے ہر وقت کے لیے ایک کام ہے اور ہر کام کے لیے ایک وقت۔ انہوں نے جو کام اپنی زندگی میں بڑی دلچسپی سے انجام دیئے ان کا مختصر حال یہ ہے:

۱۔ اپنے سات بیٹوں[1] کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی جو بحمد اللہ سب اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت اس خوبی سے کی کہ ہر ایک مذہبی دائرہ کے اندر رہ کر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ابا جان قبلہ اکثر اس پر فخر کیا کرتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کیا کرتے ہیں کہ میرے گھر میں کسی گوشہ سے حرام کا پیسہ نہیں آرہا اور کوئی لڑکا مذہبی فرائض انجام دینے سے بے خبر نہیں۔

۲۔ ابا جان قبلہ کی تصانیف اب دو سو سترہ تک پہنچ چکی ہیں اور بحمد اللہ چند کتابوں کے سوا سب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ یہ تصانیف تین قسم کی ہیں)

الف: وہ کتابیں جو محکمۂ تعلیم کی ضرورت کے لحاظ سے لکھی گئیں۔
ب: وہ کتابیں جو اپنے ادبی اور تحقیقی ذوق کی بنا پر لکھیں۔
ج: وہ کتابیں جو مذہب حقہ جعفریہ کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر لکھیں۔

مذہبی تصنیفات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس قسم کی تصنیفات کا سلسلہ یوں تو ۱۹۲۰ء سے چل رہا ہے لیکن دھیمی رفتار سے تھا۔ ۱۹۳۸ء سے قلم کی رفتار میں زیادہ تیزی آگئی۔ ۱۹۵۰ء میں جب ملازمت کی قید سے آزاد ہو کر واردِ پاکستان ہوئے تو اس وقت

[1] ۱۔ مولوی سیّد تہذیب الحسن صاحب فاضل علومِ شرقیہ (انڈیا) ۲۔ سیّد شمیم الحسن صاحب سینئر ایگزیکٹیو وائس پریذیڈنٹ و ممبر ایگزیکٹو بورڈ آف یونائیٹڈ بنک۔ ۳۔ ڈاکٹر سیّد توصیف الحسن صاحب ایم ایس سی، پی ایچ ڈی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (انڈیا) ۴۔ سیّد نسیم الحسن صاحب بی ایس سی انجینئر سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس کراچی ۵۔ سیّد ندیم الحسن بی ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس ۶۔ سیّد قسیم الحسن بی ایس سی، بی ای، ایم ایس (گولڈ میڈلسٹ) پرنسپل سیفی کالج ۷۔ سیّد شبیہ الحسن ایم اے اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی

۴ - اُردو ایسی ثقیل نہ ہو کہ اس کا سمجھنا دماغ پر چوٹ دیتا ہو۔

۵ - عبارت ایسی فلسفیانہ نہ ہو کہ مسائل حل کرنے کے لیے افلاطون و ارسطو کو پکارا جائے۔

۶ - ایسے بھاری اور موٹے الفاظ نہ ہوں کہ کتابوں کی سطروں پر کوہ ابوقبیس کی چٹانیں پڑی نظر آئیں اور صراح و قاموس کی ورق گردانی کے بغیر بات ہی سمجھ میں نہ آئے۔

۷ - عبارت ایسی سادہ و سلیس ہو جیسے ریشم کے لچھے۔ عبارت پڑھتے ہی مطلب سمجھ میں آجائے۔

۸ - حواشی پر ایسی باریک تحریر نہ ہو کہ بڈھے بوڑھوں کو عینک منگانی پڑے۔

۹ - کاغذ ایسا بُھدا نہ ہو کہ پڑھنے والا ابھی کتاب کے آخری حصّہ تک بھی نہیں پہنچا کہ وہ اس طرح اپنی جماعت سے الگ ہو گیا جیسے میدانِ جنگ سے بُودا سپاہی۔

۱۰ - عبارت ایسی دلچسپ ہو کہ پڑھنے والا صفحہ کتاب پر اس طرح نظر جمائے رہے جیسے کوئی حُسن پرست کسی حسین کے چہرہ سے نظر ہٹانا نہیں چاہتا۔

۱۱ - مفسّر کہیں تفسیر بالرائے کر کے اپنے لیے جہنّم نہ خرید لے۔

۱۲ - کمزور روایات و احادیث کو درج کرنے سے گریز کرے۔

۱۳ - اگر کسی فرقہ کے خلاف کوئی بات کہنا ہو تو لطیف پیرایہ میں ذکر کرے کسی کا منہ نہ کھسوٹے۔ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پر نظر رکھے۔ ورنہ کسی فتنہ کا ذمّہ دار وہ خود ہو گا۔ تبلیغ کے معنی لڑائی مول لینا نہیں ہے۔

۱۴ - صرف ترجمہ پہ اکتفا نہ کی جائے بلکہ آیات کے مفہوم پہ جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کو مزود حل کیا جائے ــــ تاکہ پڑھنے والوں کے دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہو۔

۱۵ - سائنسی تحقیقات سے بھی مدد لی جائے۔

اپریل ۱۹۷۵ء میں جب میں رموز القرآن۔ حقائق القرآن اور قصص القرآن لکھنے سے فارغ ہؤا تو یکایک بڑھاپے نے قلم چھوڑ اسٹرائک کر کے اعلان کیا کہ اب ہمارے مطالبات پُورے کیجئے یعنی مجھے آرام سے وقت گزارنے دیجئے۔ ساٹھ برس سے آپ جو چکّی چلا رہے ہیں اس کا ہتّا ہاتھ سے چھوڑ دیجئے۔ اب آپ پچاسی برس کے ہو چکے تابکے۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنے پایا تھا کہ میرے صاحبزادے میاں ندیم سلّمہٗ آگئے اور مجھ سے ایک ایسی تفسیر لکھنے کی فرمائش کرنے لگے جس کی خصوصیات کا ذکر اُوپر کیا جا چکا ہے۔ میں نے کہا صاحبزادے میری عُمر اب تفسیر لکھنے کی نہیں۔ میری عمر کا آفتاب لبِ بام سے بھی نیچے آچکا ہے۔ یہ ایسا معمُولی کام نہیں کہ اس گئی گزری عمر میں کیا جا سکے۔ جب جوانی میں یہ ہمّت نہ ہوئی تو اب کیا ہو گی۔ پیری و صد عیب۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ وہ ڈاکٹر تو تھے ہی اب مولوی بھی بنتے جا رہے ہیں۔ ایک اچھا خاصہ کتب خانہ بھی جمع کر رکھا ہے۔ میرا کتب خانہ بھی لُوٹ کر لے گئے۔ انہیں شوق چرّا رہا تھا کہ شیعوں میں ایک ایسی تفسیر ضرور ہو۔ دُوسرے دن انہوں نے ایک وفد بنایا جس میں پانچوں بھائی شریک تھے اور بہن (پروین دولت) اور بہنوئی (سیّد عرفان حسن ایم۔اے، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) اور

سیّد سبطین محمد (میرے نواسے) یہ سب میرے پاس آئے اور سب نے اس حد تک اصرار کیا کہ مجھے انکار کرتے نہ بنی۔ اتنا ضرور کہا کہ تم مجھے ایک ایسے بار کے نیچے دبا رہے ہو جس کی برداشت شاید مجھ سے نہ ہو سکے ؎

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
چہ دانند حالِ ما سُبکسارانِ ساحل ہا

میں خاموش تو ہو رہا مگر ایک دہشت میرے اُوپر طاری تھی کہ اس عُمر میں مَیں یہ تفسیر پُوری کر سکوں گا یا نہیں۔ اگر بیچ میں مر گیا یا صحت خراب ہو گئی تو یہ محنت بیکار جائے گی۔ غرض جو کام ہونا ہوتا ہے اُس کے اسباب کھنچے چلے آتے ہیں۔ طے ہؤا کہ چھ چھ پاروں کی پانچ جلدیں تیار ہوں اور نہایت شاندار طریقہ سے چھپوایا جائے۔ تخمینہ کیا گیا تو ایک لاکھ پینتیس ہزار روپیہ ۵ جلدوں کی تیاری میں صرف ہو گا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسی صُورت میں کیا قلم اُٹھاؤں۔ اتنی کثیر رقم کہاں سے آئے گی۔ لڑکوں نے ہمّت بندھائی کہ حتی الامکان ہم اس کے چھپوانے کی کوشش کریں گے۔ کتابت کا کام سب سے مشکل تھا۔ لاہور کے ایک کاتب محمُود ابن الماس رقم سے بیس روپیہ صفحہ طے ہؤا اور پندرہ سو رُوپے پیشگی ادا کیے۔

بہرحال میں نے خدا پہ بھروسہ کر کے تیئیسویں ماہِ صیام ۱۳۹۵ھ کی شب میں کہ شبِ قدر تھی استخارہ کر کے اور دو رکعت نماز پڑھ کے کام شروع کر دیا۔ اُس شب کی برکت، خدا کی رحمت اور چہاردہ معصومین کی تائید سے بحمد اللہ یہ کام پُورا ہو گیا۔

میں نے اس پیرانہ سالی میں دس دس گھنٹے روزانہ کام کیا مگر خدا کے فضل سے ناقابلِ برداشت زحمت نہ ہوئی۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اسے مقبولِ خاطرِ مومنین بنائے اور میری بخشش کا ذریعہ قرار دے۔ میں نے اختصار کو اس لیے مدِّنظر رکھا کہ ضخیم ہونے کی صورت میں چھپوانا ناممکن ہو جاتا۔ میرے پیشِ نظر حسبِ ذیل تفاسیر رہیں اور جو جہاں سے مناسب سمجھا لے لیا ہے ؎

تمتّع زہر گوشہ یافتم　　زہر خرمنے خوشہ یافتم

تفسیر صافی۔ تفسیر مجمع البیان۔ لوامع التنزیل۔ تفسیر ابنِ عباس۔ تفسیر طنطاوی۔ تفسیر کبیر رازی۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ اصولِ کافی (میں نے ترجمہ میں مولانا فرمان علی صاحب کے ترجمہ سے زیادہ مدد لی ہے)۔ میں نے کسی فرقہ کی دِلآزاری نہیں کی۔ بلکہ نہایت رواداری کے ساتھ پُوری تفسیر لکھی ہے۔

میں اپنے عزیز محترم خلیفہ سیّد سعادت حسین صاحب بی۔اے کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ ان سے مجھے بڑی مدد ملی ہے۔ چُونکہ کتابت لاہور میں ہو رہی تھی لہٰذا میرے مسوّدات میں جو لفظ کاتب صاحب کی سمجھ میں نہ آتا تھا وہ اُسے بتاتے تھے اور جو اوراق کتابت ہوتے جاتے تھے وہ ان کو غائرانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اُجرت کا حساب بھی انہی سے متعلق تھا۔ گویا لاہور میں میری پوری پوری قائم مقامی کا حق ادا کیا۔ خلیفہ صاحب موصوف کی یہ خدمت انشاءاللہ باعثِ اجرِ عظیم ہو گی ــــ حق ناشناسی ہو گی اگر میں ان چند حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کتابت شُدہ اوراق پر غائرانہ نظر ڈالی اور ان میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کو نوٹ کر کے کاتب صاحب سے درست کرایا۔ روزانہ کئی کئی گھنٹے اس مبارک خدمت میں انہوں نے صَرف کیے۔ حسبِ ذیل حضرات اس کارِ خیر میں شرکت فرماتے رہے ؎

اس بورڈ کے سربراہ جناب فاضلِ محترم مولانا سیّد عنایت حسین صاحب قبلہ جلالوی بانی مجلسِ ملّی پاکستان، اُن کے معاون سیّد محمد گوہر علی نقوی صاحب، ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن سلّمہٗ۔ پروفیسر سیّد غلام عبّاس صاحب ایم اے (اِن انگلش)۔ سیّد محمود الحسن صاحب ایم اے ایل ایل بی رہے۔

سیّد ظفر حسن

مُقدّمہ

تفسیرُ القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ وَالطَّاہِرِیۡنَ

انسان عموماً نیکی سے زیادہ بدی کی طرف مائل رہتا ہے اس رجحان کے عوامل یُوں تو بے شمار ہیں لیکن چند چیزیں ایسی ہیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر اس کے دل کو بدی کی طرف کھینچتی ہیں۔ خود غرضی۔ جاہ طلبی۔ شوقِ تفوق و برتری۔ عیش کوشی و تن آسانی سخت گیری و تشدد پسندی، جس دل میں یہ زہریلا خون دوڑتا ہو وہ انسانیت کی صراطِ مستقیم پر کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ اور جس جماعتی نظام میں ایسے شر پسند افراد جمع ہو جائیں وہاں اخلاقی قدروں کی چمک کا مارا جانا تمدنی و معاشرتی روابط میں فتنہ و فساد پیدا ہو جانا حتمی و اذعانی چیزیں ہیں جن سے کوئی عقلِ سلیم انکار نہیں کر سکتی۔

انسان مدنی الطبع ہے۔ امن و امان کے سایہ میں رہ کر اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ جب تک بنی نوعِ انسان کے حقوق کا بندوبست کسی معاشرہ میں نہ ہو کوئی فرد سکون کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ خدا نے عقل انسان کو اس لیے دی ہے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کرے اور اُسے شیطانی تسلط سے بچائے۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ وساوسِ شیطانی کے جال میں پھنس کر اور جذبات کے طوفان میں غوطے کھا کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور واقعات کی کڑیوں کو جوڑ کر صحیح نتیجہ نکالنے کے قابل نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں زندگی کا صحیح راستہ اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی کے دو ہی مقصد ہیں۔ ایک دُنیوی فلاح و بہبُود دُوسرے اخروی نجات۔ دُنیوی فلاح سے میری مراد ہے نیک نامی سے زندگی بسر کرنا۔ اخروی فلاح سے میری مُراد یہ ہے کہ اس صحیح راستہ پر چلنا کہ اعمالِ صالحہ مقبُول ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں راستے بڑے کٹھن ہیں۔ بغیر کسی کی رہنمائی کے یہ منزلیں طے نہیں ہو سکتیں۔

خدا نے اپنے لُطف و کرم سے بندوں کی ہدایت کا پُورا پُورا بندوبست کر دیا ہے۔ یعنی ایک دو نہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین کو ہر خطۂ ارض پر بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی ہے۔ اس امر کی تصدیق کے لیے کہ انبیاءؑ فرستادۂ خدا ہیں۔ ان کو معجزات عطا فرمائے۔ خطا و نسیان سے محفوظ کر کے ان کے اقوال و افعال پر اعتماد و اعتبار کی مُہر لگائی۔ اپنی سیرتوں کا مظہر بنا کے ان کی تاسّی کی طرف توجہ دلائی۔

اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کر کے پسندیدہ زندگی کے قوانین سمجھائے۔ معاشرہ کے اصول بتائے۔ نیکو کاری و خیر پسندی کے حدود قائم کیے۔

۱- آسمانی کتابوں کی ضرورت اور شانِ نزول

انسان کی اجتماعی زندگی کے لیے خواہ کسی صورت میں ہو کچھ قواعد و قوانین کی ضرورت ہے جو کسی اقتدارِ اعلیٰ کے تحت نافذ ہوں تاکہ تمدن میں امن و امان قائم رہ سکے اور ہر شخص اپنی علمی۔ فنی۔ اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کو پُرسکون فضا میں بروئے کار لا سکے۔

ہر ملک کا قانون جداگانہ ہوتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ آغازِ آفرینش سے لے کر اب تک کسی تمدن اور کسی ملک میں کوئی قانون اب تک ایسا نہیں بنا جو نظامِ حیاتِ انسانی کو صحیح طور پہ چلانے کے لیے من جمیع الوجوہ مبنی بر عدل و انصاف ثابت ہو اور شکایتوں کے دفتر نہ کھلے ہوں۔ لوگوں کی چیخ و پکار فضا میں نہ گونجی ہو اور مخالفت کے جذبات نے جوش میں آکر بغاوت کی خاک نہ اُڑائی ہو۔ یہی کھلا ثبوت اس بات کا ہے کہ اُن قوانین میں حقوق الناس کے تحفظ کا پورا پورا بندوبست نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے کہ مجلسِ قانون ساز پہ خود غرضی کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ وہ رعایا سے زیادہ تاج و حکومت کے مفاد کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ اس تجربہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ ایسا قانون جو ہر حیثیت سے مبنی بر عدل و انصاف ہو اور تمام افراد کے لیے ممکن العمل بھی ہو سوائے اس قادرِ قیّوم کے جس کی نظر میں شاہ و گدا سب برابر ہیں جس کی کوئی ذاتی غرض و پسند نہیں، کوئی نہیں بنا سکتا۔

لہٰذا ہر زمانہ میں انسان کی فطرتِ سلیم اس کی متمنّی رہی کہ اس کے تمدن میں قانونِ قدرت نافذ ہو لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ قانون خواہ کتنا ہی اچھا ہو اگر اس کے نافذ کرنے والے اس کی دفعات کی رُوح سے پوری طرح واقف نہ ہوں یا اپنی اغراض کے ناپاک لفافہ میں لپیٹ کر اسے چلائیں تو پبلک کے لیے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ خدائی قانون کے چلانے والے خدا ہی کے فرستادہ بندے ہونے چاہئیں۔ جو پاکیزگیٔ سیرت کے لحاظ سے معصوم ہوں اور خوشنودیٔ خدا کا قدم قدم پر انہیں لحاظ ہو۔ مر جائیں مگر صراطِ مستقیم سے بال برابر ہٹنا انہیں گوارا نہ ہو۔

آسمانی کتابیں دو طریق سے نازل ہوئیں ایک بصورتِ صحیفہ جن میں وقتی قانون ہوتے تھے بعض کے نزدیک ان کی تعداد ایک سو چودہ تھی بعض کے نزدیک زیادہ۔ جو کتابیں مستقل نظامِ حیات و ممات لے کر آئیں وہ چار ہیں۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن۔ زبور میں دعائیں اور مناجاتیں تھیں۔ انہی میں قانون سموئے ہوئے تھے۔

۱- توریت یہ کتاب جنابِ موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ۔ (سورۂ مائدہ آیت ۴۴)۔ "ہم نے توریت کو نازل کیا جس میں ہدایت و نور ہے۔" یہ کتاب جنابِ موسیٰؑ کو بصورتِ الواح ملی تھی۔ جو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آئی تھی۔

۲- زبور حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (النسآء ۱۶۳)۔ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔" اس میں اخلاقی فضائل کا ذکر ہے۔ حضرت داؤدؑ بڑے خوش الحان تھے جب زبور کو پڑھتے تھے تو درندے۔ چرندے۔ پرندے سب آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

۳- انجیل حضرتِ عیسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ (پ۶، مائدہ ۵ آیت ۴۶) "ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت و نور ہے۔"

۴- قرآن نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ پر نازل ہوا جس کا مقدمہ لکھنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

۲- قرآن کی شانِ نزول

یہ کتابِ مقدس توریت کی طرح دفعۃً واحدہً نازل نہیں ہوئی بلکہ ۲۳ سال تک وقتاً فوقتاً حضرتؐ پر نازل ہوتی رہی ۱۳ برس مکہ میں اور ۱۰ برس مدینہ میں قرآنِ کریم کا نزول تین صورت سے ہوا۔

۱- براہِ راست قلبِ رسولؐ پر نازل ہوتا۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (پ۱۸، الفرقان ۲۵ آیت ۱) "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب کو نازل کیا تاکہ وہ تمام عالموں کو ڈرائے۔"

۲- یہ کہ فرشتہ کلامِ خدا لے کر آئے اور رسولؐ تک پہنچائے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ (پارہ ۱۹، الشعراء ۲۶ آیت ۱۹۴)۔ "روح الامین نے اسے تیرے قلب پر اُتارا تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو جائے۔"

۳- تیسرے یہ کہ خواب میں کوئی حکم دیا جائے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرتے دیکھا اور آنحضرتؐ نے بنی اُمیّہ کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح کودتے دیکھا۔

خدا کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہماری طرح زبان سے بولتا ہے یعنی منہ کے اندر جب اس کی زبان حرکت کرتی ہے تو آواز نکلتی ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے۔ اس کا ہر کام بغیر حرکات و آلہ کے ہوتا ہے۔ جیسے اُس نے کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز پیدا کر دی یا وادیٔ ایمن میں حضرت موسیٰؑ سے غیبی آواز نے کہا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طٰہٰ ۲۰- آیت ۱۲) یہی مطلب ہے وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ (پ۶، سورہ ۴- آیت ۱۶۴)۔

قرآنِ کریم کے نزول کی سب سے پہلی منزل لوحِ محفوظ ہے جس پر شبِ قدر میں پورا قرآن نازل ہوا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔) وہاں سے جبریل امین سیّد المرسلینؐ کے پاس موقع موقع کے لحاظ سے لاتے ہے۔ منکرینِ قرآن آیہ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ خود رسولؐ کا بنایا ہُوا ہے لیکن یہ ایک بے وزن بات ہے۔ مفسرین نے دو طریق سے اس کا رَدّ فرمایا ہے۔ رسول سے مراد جبرئیل ہیں، جو آیاتِ الٰہیہ کو رسولؐ سے بیان کرتے تھے۔ دُوسرے حضرت رسُول قرآنِ کریم کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتے تھے۔ لہٰذا مجازاً قولِ رسُول کہا گیا۔ یعنی منکرین کو بتایا گیا کہ یہ کسی شاعر یا کاہن یا مجنُون کے منہ سے نِکلا ہُوا کلام نہیں بلکہ خدا کے رسُول کی زبان سے نِکلا ہُوا کلام ہے۔ اس کے بیان میں اس قدر احتیاط مدِّنظر رکھی گئی ہے کہ پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ آیت ۴۶ میں فرماتا ہے۔

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ (الحاقہ ۶۹ آیت ۴۴)

(اگر رسول ہماری طرف سے ایک بات بھی غلط بیان کر دے تو ہم اُسے پُوری قوّت سے دھر پکڑیں گے اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیں گے۔)

مزید احتیاط یہ ہے کہ خدا نے اپنے کلام کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر پ۱۴ آیت ۹)

(اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے حفاظت کرنے والے ہیں۔)

خدا نے قرآنِ کریم کو خالص عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (پ۲۵ الزخرف ۴۳ آیت ۳)

(ہم نے قرآن کو خالص عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو)۔

یہ اعتراض احمقانہ ہے کہ اس کلام کا تعلق صرف اسی قوم سے ہو سکتا ہے جس کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی نہ جاننے والوں سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔

جس رسول کے پاس بھی کوئی کتاب آئی وہ اُسی زبان میں بھیجی گئی جس کی طرف وہ رسول بھیجا گیا تھا تاکہ وہ پہلے اُن لوگوں کو سمجھائے جو اس کے سامنے ہوں۔ چُونکہ نبیؐ آخرالزماںؐ کی اُمّت قیامت تک ہونے والے لوگ ہیں لہٰذا قرآن کا تعلق اُن سب سے ہُوا پس یہ کیسے ممکن تھا کہ ان سب کی زبانوں میں کوئی کتاب نازل ہوتی۔ لامحالہ کسی ایک ہی زبان میں آنی تھی اور اب اس ایک زبان کی سب سے زیادہ مستحق وہی قوم تھی جو اس وقت حضورؐ کے سامنے تھی۔ رہیں دُوسری قومیں تو ان پر قرآن کے سمجھنے والوں پہ تبلیغ کرنا فرض قرار دیا۔

۳- قرآن کی مِثل لانا طاقتِ بشری سے باہر ہے

اِس نقارۂ فخر کی آواز کو کون دبا سکتا ہے اور اس اَنَا وَلَاغَیْرِی کے سیلاب کو کون روک سکتا ہے کہ عرب والوں کو فصاحت و بلاغت میں وہ کمال حاصل تھا کہ اپنے مقابلہ میں تمام دُنیا اُن کو عجم یعنی گُونگی نظر آتی تھی۔ عکاظ کے سالانہ میلوں میں نیستانِ شاعری کے شیر جب ڈکارتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ سُننے والے کسی جادُو کے اثر میں جکڑے ہُوئے مدہوش کھڑے ہیں۔ ایک ایک شعر فصاحت و بلاغت کا وہ مستحکم قلعہ تھا جس کی کوئی ایک اینٹ جگہ سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ کیا کہنا ان کی شیریں کلامی کا

کہ ایک ایک لفظ سے رَس ٹپکتا تھا۔ معاشقہ ہو یا حماسہ، نسبی فخر ہو یا مہمان نوازی ہر منزل ان کے قدموں کو بوسے دیتی تھی اور انشاء پردازی ان کے ہر ایک لفظ کی چمک پر پروانہ وار نثار تھی۔ ایک عالم گیر مذاق تھا جو چھوٹے سے بڑے تک اور مَردوں سے لے کر عورتوں تک خُون کی طرح ان کی ایک ایک رگِ حیات میں موجیں مار رہا تھا۔

اپنے کمال پر غرور کا یہ عالم کہ سات قصیدے (سبعہ معلقہ) خانہ کعبہ کی دیواروں پر اس دعویٰ کے ساتھ لٹکائے تھے کہ ہے کوئی مائی کا لال کہ ایسا ایک قصیدہ بھی لکھ لائے۔ سالہا سال گزرتے چلے جاتے تھے۔ مگر اس طلسمِ ہوشرُبا کا ایک گوشہ کسی سے نہ ٹوٹا۔

آخر جس کلام نے ان کے غرور کا سر نیچا کیا اور ان کی شیخیت کی ناک خاکِ ندامت پر رگڑی۔ ان کے دعویٰ فصاحت و بلاغت کی کل کل توڑی۔ وہ ملکِ علّام کا کلام معجز نظام یعنی قرآن واجب الاحترام تھا۔ جس کے سُنتے ہی بڑے بڑے باکمالوں کی عقل و فہم پر فالج گر گیا۔ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ اسے شاعری کہیں، جادُو کہیں یا از قسمِ کہانت کوئی صنفِ سخن قرار دیں۔ قرآن آیا اور بڑے طمطراق سے آیا۔ بڑی آن بان سے آیا۔ بڑے دعوے کے ساتھ آیا۔ جس نے عرب کی سخنوری کی تذلیل میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہلکے ہلکے نہیں ڈنکے کی چوٹ کہتا آیا۔ اے شعر و شاعری کے متوالو، فصاحت و بلاغت کے دیوتاؤ (پ۱۵ - بنی اسرائیل)

اگر تم تمام جِن و انس مِل کر اس جیسا قرآن بنا کر لانا چاہو گے تو ہرگز نہ لا سکو گے۔ چاہے تم ایک دُوسرے کے مددگار بن کر بھی ایسا کرنا چاہو۔ انتظار کی گھڑیاں دن بنیں اور دن مہینے بنے اور مہینے برسوں میں تبدیل ہُوئے مگر منکروں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ عاجز پا کر دُوسرا اعلان ہُوا۔ اچھا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب ہمارے رسول نے خود بنا لی ہے تو اگر تم میں طاقت ہے تو ایسے من گھڑت دس ہی سورے بنا لو۔ (پ۱۲ سورۂ ہُود آیت ۱۳) منکروں نے بغلیں بجائیں لو اب تو بار ہلکا ہو گیا۔ اپنے فصاحت و بلاغت کے سرتاجوں سے کہا کس پنک میں ہو اب تو کافی وزن کم ہو گیا۔ اُٹھو اور عرب کے کمال کی لاج رکھ لو۔ وعدے ہوئے اور بڑے تاؤ دار ہوئے لیکن سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ بات جہاں تھی وہیں رہی۔ قرآن نے پھر اعلان کیا۔ اچھا اگر دس سُورے ممکن نہیں تو ایک ہی سُورہ بنا لاؤ۔ (پ۱، البقرۂ آیت ۲۳) جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے اگر اس کے کلامِ خدا ہونے میں شک ہے تو سب مِل کر ایک ہی سورہ بنا لاؤ۔

اس اعلان کے بعد تو منکروں کی باچھیں کھِل گئیں۔ اُچھلنے کُودنے لگے لو اب بات ہی کیا رہ گئی۔ یہ مسئلہ تو چٹکی بجاتے حل ہو جائے گا۔ ہمارے فصحا ایسے گئے گزرے تو نہیں ہیں کہ ایک سُورے کی مثل بھی بنا کر نہ لا سکیں۔ موسمِ حج آیا تو اس زمانہ کے چار نامور فصیح البیان جن کی قادر الکلامی کے ڈنکے سارے مُلک میں بج رہے تھے، وہاں آئے۔

ابنِ ابی العوجا - ابو شاکر دیصانی - ابنِ مقفع - عبد الملک مصری۔

ساری قوم نے ان کو آ کر گھیر لیا۔ ہر طرف سے لعن طعن کی بوچھاڑ ہوئی۔ تم اب تک کس خوابِ خرگوش میں ہو۔ محمدؐ کی طرف سے آسمانیوں پہ آسانیاں دی جا رہی ہیں اور تمہارے کان پر جُوں نہیں رینگتی۔ اگر بے حسی کا یہی عالم رہا تو پھر ہماری ناک تو کٹ گئی۔ عکاظ کے میلوں پہ تو بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہو۔ خم ٹھوک کر آتے ہو کہ ہے کوئی مائی کا لال کہ ہمارے مقابل میں آئے اور یہاں تمہاری غیرت و حمیت پر ایسے پتھر پڑے ہیں کہ سانس تک نہیں لیتے۔ چاروں نے وعدہ کیا کہ اگلے سال جب ہم آئیں گے تو اس

دعوائے قرآنی کی تردید لے کر آئیں گے۔ سال بھر تک چاروں اپنی دماغی صلاحیتوں کا تیل ٹپکاتے رہے اور فصاحت و بلاغت کی رگ رگ سے پسینہ نچوڑتے رہے لیکن ایک آیت کا جواب بھی نہ بن پڑا۔ اگلے سال جب اداس چہرے لیے ہوئے پھر حج کرنے آئے تو چاروں نے بیک زبان کہا۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (یہ آدمی کا کلام نہیں)۔ یہ سُن کر تمام قوم پر مُردنی چھاگئی۔ اور ایک دُوسرے کا منہ تکنے لگا۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جو چار آیتیں ان چاروں کے پُورے سال زیرِ غور رہیں اور جواب نہ بن پڑا وہ یہ تھیں:

- ابوالعوجاء۔ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا۔ (یوسف ۱۲)
- عبدالملک۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔ (الحج ۲۲، آیت ۷۳)
- ابُوشاکر۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیا ۲۱، آیت ۲۲)
- ابنِ مقنع۔ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ۔ (ھود ۱۱، آیت ۴۴)

ایک سوال کا جواب

اگر قرآن کے کلامِ خدا ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس کی مثل ممکن نہیں تو ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن کا جواب نہیں ہوسکا۔ جیسے مقاماتِ حریری۔ شاہنامہ فردوسی۔ گلستانِ سعدی اور دیوانِ غالب۔

جواب یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفوں نے نہ تو دعوائے نبوت کیا اور نہ یہ کہہ کر پیش کیا کہ کسی کا حوصلہ ہو تو ایسی کتاب پیش کرے۔ اگر دعوائے نبوت کے ساتھ یہ تحدی ہوتی تو خدا ضرور اس دعویٰ کو جھٹلا دیتا۔ جیسے مسیلمہ کذاب کو جھٹلا کر ذلیل کیا۔

اگر کسی کتاب کا جواب اب تک کسی سے نہیں ہوسکا تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ ان کی عدیم المثالی کو ملیامیٹ کر دے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ اُس نے دماغِ انسانی میں ایسی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں کہ بہتر سے بہتر کلام پیش کر رہے ہیں۔ وہ بلاوجہ اپنی مخلوق کے کلام پر کیوں پانی پھیرے۔ وہ کتنی ہی اچھی سہی مگر کلامِ خدا کا مقابلہ تو نہیں کر سکتیں۔ یہی عیب ان کے لیے کافی ہے کہ بیان میں تضاد ہے۔ کتابِ خدا اس عیب سے سرتاسر پاک ہے۔ اُس نے خود فرمایا ہے کہ اگر یہ کتاب خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس میں اختلافِ کثیر پایا جاتا۔

۴۔ قرآنِ مجید کی اعجازی شان

اس امر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا باعتبارِ الفاظ معجزہ ہے یا باعتبارِ معانی۔

۱۔ جو گروہ عبارت کو معجزہ کہتا ہے اس کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے ہر رسول کو وہی معجزہ دیا جس میں اس کی قوم کو کمال حاصل تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادوگری انتہائی عروج پر تھی۔ لہٰذا ان کو عصا کا معجزہ دیا گیا جو سانپ بن جاتا تھا۔

جس سے اس زمانہ کے جادوگروں کا زور ٹوٹا اور انہوں نے سمجھا کہ جادُو سے بالاتر بھی کوئی چیز ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں طبیبوں نے امراض کے علاج میں کمال حاصل کیا تھا۔ لہٰذا ان کو مُردوں کے جلانے اور بیماروں کے اچھا کرنے کا معجزہ دیا گیا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ طبِّ جسمانی اور چیز ہے اور طبِّ رُوحانی اور چیز ہے۔

حضور سرورِ انبیاء کے زمانہ میں عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا لہٰذا ان کی رعونت کا سر کچلنے کے لیے قرآن نازل کیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے نامور شاعروں اور باکمال انشا پردازوں کے کمالات سرجھکا کر رہ گئے۔ تحدی اسی میں ان سے کی گئی ورنہ معنوی کمالات میں کی جاتی تو وہ کہہ دیتے کہ ہمیں اس میں دعوائے فوقیت و برتری ہی نہیں لہٰذا ہم سے اس میں معارضہ و مقابلہ بالکل عبث ہے۔

لیکن اس نظریہ پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قرآن کا دعوائے تحدی صرف عربوں ہی سے نہ تھا بلکہ قیامت تک کے تمام بنی آدم سے ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زبان عربی نہیں نہ ہمیں اس زبان کی فصاحت و بلاغت سے کوئی سروکار ہے لہٰذا اس تحدی کا تعلق ہم سے نہ ہونا چاہیئے۔ اس بنا پر قرآن ہمارے لیے معجزہ نہیں۔ جس چیز کو ہم جانتے ہی نہیں اس میں ہم کو مدِمقابل بنانا اور معارضہ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

۲۔ دُوسرا گروہ کہتا ہے قرآن معجزہ ہے باعتبار اپنی ہدایت کے اس میں جس انداز سے ہدایت کی گئی ہے وہ دُنیا کی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے فلسفیانہ دلائل اور حکیمانہ بُراہین ہر دعویٰ پر کچھ اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دو چار لفظوں میں اہم مسائل کو اس طرح سمو دیا ہے کہ ایک فلسفی ایک منطقی لمبی چوڑی عبارتوں میں نہیں سمجھا سکتا مثلاً لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۲۱/۲۲ چند الفاظ کی ایک عبارت ہے لیکن جو معنویت اس کے اندر ہے ایک فلسفی اس کو بیان کرے گا تو اس کو بہت سے دلائل پیش کرنا ہوں گے۔ قرآنِ کریم نہ شاعری کا کوئی صحیفہ ہے نہ انشاء پردازی کی کوئی کتاب۔ بلکہ بنی نوع کی نصیحتوں کا مرقع ہے اور نظامِ حیات و ممات کا ایک مکمل ضابطہ ہے۔ دینی و دُنیوی فلاح و بہبُود کے جو قواعد اس میں بتائے گئے ہیں وُہ اپنے مقام پر ایسے اٹل ہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں وہ نہیں ہل سکتے۔ پس معارضہ طرزِ بیان ہدایت میں ہے نہ کہ الفاظ کی فصاحت و بلاغت میں یہ کوئی ادبی کتاب نہیں بلکہ ایک نُورانی و رُوحانی صحیفہ ہے جو اپنے انداز میں بالکل اچھوتا ہے۔

لیکن اس عقیدہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس صُورت میں عرب سے مُعارضہ بالکل ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ایک قوم سے جو لُٹیری، چور، قزاق، خانہ بدوش، علم سے کوری، فلسفہ سے ناآشنا تھی جو معمولی معمولی بات پر چالیس چالیس سال لڑتی ہو، جس میں شیطانی رسم و رواج کی بھرمار ہو، فلسفیانہ دلائل اور منطقیانہ استدلالات سے معارضہ کرنا، کیا معنی وہ کب اپنے کو حکیم یا فلسفی کہتے تھے کہ ان کا دعویٰ توڑنے کے لیے قرآن بطورِ معجزہ نازل کیا گیا۔ مقابلہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب ایک کمال میں دونوں حریف شریک ہوں نہ یہ کہ ان کے حالات و کیفیات بالکل متضاد ہوں۔ جب ایک قوم کے ایسے خیالات ہونے ہی ناممکن تھے اور جو اجہل۔ غیر مہذب و ناتربیت یافتہ تھی تو اس سے ایک سُورہ کا جواب نہ لانا قرآن معجز نظام کے لیے باعثِ فخر و مباہات نہیں ہوسکتا اور نہ اس قوم کی عاجزی اس کے لیے باعثِ توہین ہوسکتی ہے۔ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر ہو دُوسرا

زمین کی سطح پر اور پہاڑ پر کہے میں تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ درآنحالیکہ تُو اپنے مقام پر ہے اور میں اپنے مقام پر۔ تو یہ مقابلہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

۳۔ تیسری رائے جو صحیح رائے ہے وہ یہ ہے کہ قرآن لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے۔ لفظی فصاحت و بلاغت اور حُسنِ بیان و جدّتِ نگارش کی بنا پر تحدّی ہے۔ قومِ عرب اور ان لوگوں سے جو عربی زبان کے ماہر اور انشاپردازی میں صاحبِ کمال ہیں۔ اور بلحاظ اپنی معنویت یعنی بے مثل ہادی ہونے کے دُنیا کے تمام اہلِ قلم سے جو قیامت تک ہونے والے ہیں ان میں سے کوئی ایسی کتاب پیش نہ کر سکے گا جس میں حسبِ ذیل معنوی خصوصیات ہوں،

۱ ۔ اوّل سے آخر تک اس میں بیانات مختلف نہ ہوں۔
۲ ۔ جس میں شروع سے آخر تک کوئی جھوٹ بات نہ لکھی گئی ہو۔
۳ ۔ جس میں لغو و ہزل کا کہیں نام نہ ہو۔
۴ ۔ جس کے ہر جزو میں ہدایت اسی طرح سمائی ہوئی ہو جیسے بدن میں رُوح۔
۵ ۔ جس میں کوئی کمزور استدلال نہ ہو۔
۶ ۔ جس کی مختصر عبارت میں کوئی طولانی مضمون ادا کیا گیا ہو۔
۷ ۔ جس میں تمام علُوم کا ذکر ہو مگر وہ کسی علم کی کتاب نہ ہو۔
۸ ۔ جو ایک منظّم نظامِ حیات بن کر انسان کے سامنے آئی ہو۔
۹ ۔ جس کا دعوٰی ہو کہ اس کے اندر ہر شے کا بیان ہو۔
۱۰ ۔ جس میں رُوحانی ارتقاء کے تمام سامان فراہم کیے گئے ہوں۔
۱۱ ۔ جس نے دین و دُنیا دونوں کی فلاح و بہبُود کے طریقے بیان کیے ہوں۔
۱۲ ۔ جس نے ہدایت کا کوئی طریقہ نظر انداز نہ کیا ہو۔

۵ – قرآن اور فصاحت و بلاغت

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسانی تخیلات اور ذہنی صلاحیتوں میں جزر و مد ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تحریر و تقریر میں ہمواری نہیں پائی جاتی۔ تاثرات کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات بدلتے ہیں اور خیالات کے ساتھ اس کے قلم کی رفتار بدل جاتی ہے۔ فردوسی شاہنامہ میں جس جوش کے ساتھ رستم کے عزائم کو لکھتا ہے اور کسی نبرد آزما کے حالات میں اس کے قلم کی وہ رفتار نہیں رہتی۔ سعدیؒ نے گلستان میں بابِ اوّل جس گہری فکر اور جذبۂ نصیحت آموزی سے لکھا ہے اور ابواب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ غالب نے جہاں وارداتِ قلبی کی نقشہ کشی کی ہے اس کی بات کچھ اور ہے۔ جہاں شاعرانہ دَلدَل میں پھنس گیا ہے وہاں اثرات کی سحر انگیزی رُخصت ہو گئی ہے۔ تیز ہوا کے جھونکے اور دریائی تموّج باقی رہ جاتا ہے۔

اب رہا قرآن تو اس میں اوّل سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے کہیں ناہمواری پیدا نہیں ہوئی۔ پند و نصیحت امرِ خیر کی طرف ہدایت جو اس مقدس صحیفہ کی تنزیل کا مقصد ہے وہ کہیں غائب نہیں ہوتا۔ آیات کے الفاظ میں جو حُسنِ بندش اور طرفہ طرزِ نگارش ہے وہ آخر تک ایک ہی انداز سے چلا گیا ہے۔ مصنّفِ کتاب (خُدا) نے کہیں اپنی غرضِ تصنیف پر آنچ نہیں آنے دی۔ کہیں اپنے قلم کی رفتار میں سُستی اور ڈھیلا پن نہیں دکھایا۔ اس اندازِ تحریر نے فصحائے عرب کو حیرت و استعجاب کے بے پایاں سمندر میں غوطے کھلائے تھے۔ باوجود انتہائی غور و فکر کے ان کی سمجھ میں یہی نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہے کیونکہ اس قسم کا کلام اس سے پہلے نہ ان کی زبان سے نکلا تھا نہ ان کے کانوں نے سُنا تھا۔ وہ گھبرائے ہُوئے تھے کہ اس کو کہیں تو کیا کہیں اس دیوانگی میں کبھی اس کو شاعری کہتے تھے اور کبھی جادُوگری، کبھی یہ کہہ کر سر جُھکا لیتے تھے کہ یہ کلامِ بشر نہیں ہے۔ اس کے مقابل چونکہ ان کی فصاحت و بلاغت کی تلواروں کی باڑھ ماری گئی تھی اور شہرت و ناموری اور دعوٰئے بے ہمتائی کے تمام جھنڈے سرنگوں ہو گئے تھے لہٰذا اس کو اپنے کلام سے مافوق الفطرت تسلیم کرنے میں ان کے دل لرزتے تھے۔

صنادید اُدبائے عرب کا کیا ذکر جب افصح الفصحا اور ابلغ البلغا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کا کلامِ معجز نظام اس کلامِ ملکِ العلّام کے مقابل رکھا جاتا ہے تو وہی فرق نظر آتا ہے جو خالق و مخلوق میں ہے یہی عالم احادیثِ رسولؐ اور دیگر ائمہ کرام کے کلام کا ہے۔ جہاں ان حضرات کے کلام کے درمیان کوئی آیت آجاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے گندن کے زیور میں ہیرا جڑا ہُوا ہے۔ ہم اس مقام پر چند آیتیں اور ان کے محاسن بطورِ نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اس کلامِ ربّ الانام کی خصوصیّات کا کچھ تو پتہ چل جائے۔

۱۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (نوحؑ نے) اپنے ربّ سے دُعا کی، میں مغلوب ہوں میری مدد کر۔) گِن کر دیکھو اس میں زیادہ نہیں صرف پانچ لفظ ہیں۔ اب اس کا نظامِ بلاغت دیکھو۔ لیکن پہلے یہ سُن لو کہ جب کسی سے دُعا کی جائے تو اس کے لیے کِن کِن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) جس سے مدد مانگی جائے اُس کو پکارنا۔ (یہاں دَعَا کا لفظ موجود ہے۔)
(۲) پھر مدد دینے والے کی رحمت و عظمت کا اقرار۔ (اس کے لیے رَبَّ کا لفظ ہے۔)
(۳) معطی کی مدح و ثنا (لفظ ربّ سے کی گئی، یعنی اے میرے پالنے والے۔)
(۴) اظہارِ انکسار و عجز۔ (دُعا مانگنا اس کی دلیل ہے۔)
(۵) بیانِ مصیبت۔ (مَغْلُوْبٌ سے اس کا اظہار ہے یعنی میں بے کس و مجبُور لوگوں کا ستایا ہُوا تیری بارگاہ میں آیا ہوں۔)
(۶) عرضِ حاجت۔ (میری مدد کر۔ اس کے لیے فَانْتَصِرْ کا لفظ ہے۔)
(۷) اختصارِ کلام۔ کیونکہ بارگاہِ عظیم میں طُولانی کلام گستاخی سمجھا جاتا ہے لہٰذا تین لفظوں میں عرضِ حال کیا گیا۔

——— بتائیے یہ جواہرات جو چند لفظوں میں چھپے ہُوئے ہیں بغیر رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کے بتائے کون سمجھتا۔

کشکول بہائی علیہ الرحمہ میں اصمعی سے روایت ہے، میں نے ایک روز یہ آیت پڑھی:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(چور مرد و عورت کی سزا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ یہ ان کی بدکرداری کی سزا ہے جو اللہ کی طرف سے عذاب ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

ایک عرب میرے پاس بیٹھا تھا۔ اُس نے پُوچھا یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلامِ خُدا ہے۔ اُس نے کہا یہ کلامِ خدا نہیں ہو سکتا۔ تب میں چونکا کہ میں نے غلطی سے عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کی جگہ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پڑھ دیا تھا۔ اُس نے کہا ہاں اب ٹھیک ہے۔ میں نے کہا تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ کلامِ خدا نہیں ہے؟ اُس نے کہا چوری کی سزا دینے کے بعد غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سے کیا تعلق — بلاغت اس کو کہتے ہیں کہ ہر کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور فصاحت یہ ہے کہ صاف و سلیس ہو۔

فصاحت و بلاغت کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے جو کلام کا زیور کہلاتی ہے یعنی لفظی و معنوی صنائع و بدائع کا استعمال اس کا تعلق علمِ بدیع سے ہے۔

(۱) صنعتِ جمع۔ یعنی ایک کلام میں چند چیزوں کا جمع کر دینا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (خدا ان پر عذاب نہ کرے گا جب تک اے رسول تم ان میں ہو۔) اس میں چند نکات ایک جگہ جمع ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ مستحقِ عذاب ہیں تاکہ حرکاتِ ناشائستہ سے باز رہیں۔ دُوسرے عذاب دینے پر اپنی قدرت۔ تیسرے پیغمبرؐ کی فضیلت کہ ان کا وجود باعثِ امن ہے۔

۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اوّل اپنے غنا یعنی بے پروائی کا اظہار کیا کہ ارسالِ پیغمبرؐ محض از راہِ رحمت ہے نہ کسی نفع کی وجہ سے۔ دُوسرے اس کا اظہار کہ پیغمبرؐ کو ہم نے بھیجا ہے۔ تیسرے پیغمبرؐ کا وجود اہلِ عالم کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ چوتھے آپؐ کی بعثت لوگوں کے لیے باعثِ رحمت ہے نہ صرف عرب کے لیے۔ پانچویں آپؐ کی پیغمبری باعثِ نزولِ رحمت ہے۔

اب لفظی اعتبار سے دیکھیے:

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ (وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو شفا دیتا ہے۔)

يَسْقِيْنِ اور يَشْفِيْنِ میں تجنیسِ خطی ہے۔ صرف نقطوں کا فرق ہے۔ پھر صحت و مرض کا مقابلہ ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۔

یہاں ابرار کے مقابل فجار اور نعیم کے مقابل جحیم ہے۔

— ہم نے بطورِ نمونہ چند باتیں ذکر کر دی ہیں ورنہ ایسی بے شمار صنعتیں ہیں۔

ثُمّ

۶۔ قرآن اور اخبار بالغیبؑ

قرآنِ کریم نے ان تمام اعتراضات کو دفع فرمایا ہے جو عموماً کفار و مشرکین کی طرف سے کیے جاتے تھے۔ عرب والے عموماً کاہنوں اور نجومیوں کی پیش گوئیوں پر بڑا یقین رکھتے تھے۔ وہ بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب اس کلام میں کوئی پیش گوئی نہیں تو ہم کیسے سمجھیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ کوئی پیش گوئی ہوتی تو ہم اس کی صداقت کو جانچتے۔ چنانچہ اسی بنا پر قرآن میں چند پیش گوئیاں کی گئی ہیں جو سب سچ ثابت ہوئیں۔ مگر جو ضدی اور ہٹی تھے وہ اس پر بھی ایمان نہ لائے۔

۱۔ الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (الرّوم ۳۰، آیت ۲،۳)

(قریب کے مُلک میں رُومی شکست کھائیں گے لیکن اس کے بعد غالب آ جائیں گے۔)

چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ شکست کے بعد رُومیوں نے پارسیوں پر فتح حاصل کی۔

۲۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (ہم نے تم کو بہت بڑی فتح دی)۔ چنانچہ فتحِ مکّہ کے بعد یہ پیش گوئی پُوری ہوئی۔

۳۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (ہم نے تم کو کثیر اولاد دی)۔ (الکوثر ۱۰۸، آیت ۱)

یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ باوجود بنی اُمیّہ و بنی عبّاس کے قتلِ عام کے اب بھی دُنیا میں لاکھوں سیّد موجود ہیں۔

۴۔ یہودیوں کے متعلق یہ پیش گوئی کی گئی،

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرہ، آیت ۶۱) "جہاں کہیں ہیں گے ذلّت ان پر چھائی رہے گی" چنانچہ آنحضرتؐ کے عہد میں قوم یہود حد درجہ ذلّت و خواری میں زندگی بسر کرتی رہی اور آپؐ کے بعد بھی۔

۵۔ یہود و نصاریٰ کے درمیان عداوت کی پیش گوئی۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(ہم نے ان کے درمیان عداوت و بغض کو قیامت تک پیدا کر دیا۔)

چنانچہ یہ دونوں قومیں ایک دُوسرے کی دشمنی پر ہمیشہ کمربستہ رہیں اور قیامت تک رہیں گی۔ اگرچہ سیاسی میدان میں مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے عیسائی بظاہر یہودیوں کے مددگار بنے ہوئے ہیں۔ مگر عداوت کی آگ دلوں میں تو بھڑک ہی رہی ہے۔ دونوں کے مذہبی پیشوا ایک دُوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

۶۔ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (ہم نے ایک علیم لڑکے کی ابراہیمؑ کو بشارت دی۔)

چنانچہ جناب اسحاق پیدا ہوئے۔

۷۔ جناب موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی گئی کہ تم اسے دریا میں ڈال دو۔ ہم پھر تمہارے پاس لوٹا دیں گے۔ چنانچہ لوٹا دیا۔

۷ - قرآن اور تفاؤل

قرآنِ کریم کی جہاں اور بہت سی اعجازی شانیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن سے جو تفاؤل کیا جاتا ہے وہ غلط ثابت نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ صدقِ نیت کے ساتھ سیاق و سباق کو سمجھ کر نتیجہ نکالا جائے۔ اکثر اوقات ایسی آیات نکلتی ہیں جو سائل کے سوال سے بے ربط نظر آتی ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ہم چند قسم کے تفاؤل کا ذکر کر کے قرآن کی اعجازی شان دکھاتے ہیں۔

۱۔ ولید بن عبدالملک اُموی بادشاہ نے ایک روز قرآن سے تفاؤل کیا۔ یہ آیت نکلی، وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ۔ (ہر ظالم سرکش نااُمید ہوا)۔ ولید یہ پڑھ کر غضبناک ہوگیا اور یہ دو شعر اُسی وقت کہہ ڈالے اور قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔

أَتُوعِدُ كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۔۔۔ فَهَا أَنَا ذَاكَ جَبَّارٌ عَنِيدُ

إِذَا مَا جِئْتَ رَبَّكَ يَوْمَ حَشْرٍ ۔۔۔ فَقُلْ يَا رَبِّ مَزَّقَنِي الْوَلِيدُ

کیا تُو ہر سرکش ظالم کو ڈراتا ہے تو سُن لے میں ہوں سرکش ظالم۔ جب تُو روزِ قیامت خدا کے سامنے جانا تو اُس سے کہنا اے میرے ربّ مجھے ولید نے پھاڑ ڈالا۔

چند ہی روز بعد لوگوں نے اُسے قتل کر کے سُولی پر چڑھا دیا۔

۲۔ کتاب نصرُ المومنین میں مفتی سید محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے سلطان سلیمان زیارت امیرالمومنین علیہ السّلام کے لیے عراق گیا۔ جب روضۂ اقدس کا قبہ نظر آیا تو اُس نے ازراہ ہیبت و اجلال پاپیادہ چلنا چاہا۔ وزیر نے کہا، حضور ایسا کیوں کرتے ہیں آپ بادشاہ ہیں اور علیؑ بھی بادشاہ تھے۔ کچھ دیر دونوں میں گفتگو رہی آخر طے ہوا کہ قرآن مجید سے تفاؤل کیا جائے۔ جب تفاؤل کیا تو یہ آیت نکلی،

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۲۰/۱۲ (اے موسیٰ جوتے اُتار دو کیونکہ تم وادیٔ مقدس میں ہو) یہ آیت نکلتے ہی بادشاہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور پاپیادہ چل کر شرفِ زیارت بجا لایا۔ اور وزیر کے قتل کا حکم دیا اور یہ دو شعر پڑھے۔

تَزَاحَمُ تِيجَانُ الْمُلُوكِ بِبَابِهِ ۔۔۔ وَيَكْثُرُ عِنْدَ الِاسْتِلَامِ ازْدِحَامُهَا

إِذَا رَأَتْهُ مِنْ بَعِيدٍ تَرَجَّلَتْ ۔۔۔ وَإِنْ هِيَ لَمْ تَفْعَلْ تَرَجَّلَ هَامُهَا

یعنی یہ وہ درگاہ ہے کہ بادشاہوں کے تاج سر سے اُتر پڑتے ہیں۔ اس آستان کو بوسہ دینے کے لیے ہجومِ خلائق ہے اور جب روضۂ اقدس کو دُور سے دیکھتے ہیں تو پاپیادہ چلتے ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ان کے سر گردن سے اُتر کر زمین پر آجاتے ہیں۔

بغرضِ اختصار اسی پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ ایسے بہت سے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ خود اس ناچیز راقم الحروف نے بارہا اپنے اور دُوسروں کے لیے تفاؤل کر کے راہِ عمل معین کی ہے۔ اور کبھی فال کو غلط نہیں پایا۔

۸ - قرآن اور تاریخ

اپنی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہونے والی قوموں کی زندگی کے حالات ایک ایسا شخص اپنی قوم سے بیان کر رہا تھا جس نے کسی قوم کی تاریخ کا ایک حرف نہ کسی سے پڑھا تھا نہ سُنا تھا۔ نہ توریت و انجیل کا اس نے مطالعہ کیا تھا نہ صحایفِ انبیاء اُس کی نظر کے سامنے تھے۔ جو کتاب اُس پر نازل ہوئی تھی تمام واقعات اس کے تعلیم کردہ تھے جن میں نہ غلط بیانی تھی نہ مبالغہ آرائی۔ بلکہ توریت و انجیل میں جو غلط بیانیاں رہبان و احبار نے تحریف کر کے کر دی تھیں، اُن کی تصیح کر دی گئی۔

یہ غیب کی خبریں ہیں جو خدا نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہیں۔

۱۔ سورۂ آلِ عمران میں حضرت مریمؑ کے قصّہ کے متعلق ہے:

اے رسول یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجتے ہیں۔ اے رسول تم اس وقت (بیت المقدس کے ان رہبانوں کے پاس) موجود نہ تھے جو مریمؑ کے بارہ میں اپنے اپنے قلم (بطور قرعہ کے) ڈال رہے تھے کہ دیکھیں کون مریمؑ کا کفیل بنتا ہے۔ یہ واقعہ سینکڑوں برس پہلے کا ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔

۲۔ حضرت یوسفؑ کا پورا واقعہ سورۂ یوسف میں ہے۔ یہ حضرت کے پیدا ہونے سے کئی ہزار برس پہلے کا ہے۔

قرآن میں سب سے زیادہ حصّہ اقوامِ عالم کی تاریخ کا ہے کہیں مختصر کہیں طُولانی۔ کہیں ایک جگہ کہیں کئی جگہ۔ یہ واقعات فنِ تاریخ نویسی سے پہلے کے ہیں۔ یہ قصّے دل بہلانے کے لیے نہیں بیان کیے گئے بلکہ امم سابقہ کے حالات سے سبق لینے کے لیے ہیں۔ اربابِ عقل و فہم کو ان واقعات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے۔ قومِ نوحؑ۔ قومِ عاد۔ قومِ ثمود۔ قومِ شعیبؑ۔ قومِ لوط۔ اصحابِ رس۔ اصحابِ اُخدود۔ اصحابِ موسیٰؑ وغیرہ کے حالات قرآن میں پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے قرآن کا بیان کس قدر مختلف ہے۔ قرآن کا اسلوبِ بیان اور طرزِ نگارش سب سے نرالا ہے۔ واقعات کے درمیان جہاں جہاں خلا چھوڑ دیا گیا ہے آیت کا سیاق و سباق خود اس خلا کو پُر کر دیتا ہے۔ ہر قوم کے مؤرخین نے جو تاریخیں لکھی ہیں ان میں زیادہ تر سلاطین کے حالات ان کے محاربات، طرزِ جہانبانی، رعایا کی بغاوتیں، بادشاہوں کی ظلم پسندی کے متعلق بیان کر کے اوراق کو سیاہ کر دیا ہے۔ تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ باطن۔ رُوحانی اور اخلاقی ترقی۔ حقوق شناسی اور نیکوکاری کے متعلق کوئی سبق ان سے نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے نظامِ حیاتِ انسانی میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ برخلاف اس کے قرآن میں چھوٹے سے چھوٹا قصّہ سورۂ کوثر اور بڑے سے بڑا قصّہ یوسف اپنی ہر تہ میں کوئی اخلاقی یا روحانی سبق دبائے ہوئے ہے سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ان قصّوں میں دینی اور دُنیوی مفاد کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب موجود ہیں۔

جن بداعمالوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور جن نیکوکاروں کو اَجر ملا ان کے وجوہ واقعات کی تہ میں لپیٹ دئیے گئے ہیں اور جا بجا یہ بتا دیا گیا ہے کہ اپنے خالق کی نافرمانی سے اقوامِ عالم کو کیسے کیسے سخت مصائب کا سامنا ہوا ہے ـــــ

واقعہ نگاری کا صحیح مقصد بھی یہی ہے۔ ورنہ وہ تاریخیں نہیں بلکہ طلسم ہوشربا اور الف لیلہ کی داستانیں ہیں۔ صحت مند معاشرہ اور پُرامن تمدن دُنیا میں جب ہی پایا جاسکتا ہے کہ ہر فرد اپنے فرض کو محسوس کرے اور پہلے لوگوں کے حالات سے سبق لے۔ قَصَصُ الْاَوَّلِیْنَ عِبْرَۃٌ لِّلْاٰخِرِیْنَ۔ اور یہ نہ سمجھے کہ جو مصیبتیں ان پر گزر چکی ہیں وہ ہم تک تو نہ آئیں گی۔ چکی کا پاٹ تو سب ہی طرف گھومے گا۔ اعمال کے نتائج کبھی نہیں بدلتے۔ انسان کی بنائی ہوئی تاریخوں کے دامنوں میں گاجریں اور گٹھلیاں، موتی اور سنگریزے سب ہی کچھ ہوتے ہیں لیکن قرآن میں ایسا نہیں۔ وہاں واقعات سے نتائج انسانی زندگی کے ہر موڑ پر اسے چوٹ کھانے سے بچا لیتے ہیں۔ اگر غور سے پڑھا جائے تو اسلام کی صحیح تاریخ ان ہی قصص و حکایت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

۸۔ سودا ہے جو اس کا نظر چاہیئے اس کو

اقوام عالم کے ذکر کے ساتھ انبیاء علیہم السّلام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کو تبلیغ دین میں کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے ہر منزل پر ثبات قدمی اور ارادہ کی پختگی کے ساتھ اپنی اپنی اُمّت کو راہِ راست دکھانے کی کوشش کی۔ صرف نوعِ انسان کی ہمدردی میں کون سی تکلیف تھی جو نہ اُٹھائی۔ یہ تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ ہوشربا اور روح فرسا ورق ہے۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو انسانی تاریخ پہ اندھیرا چھایا ہوا ہوتا۔ جن لوگوں نے انبیاءؑ کی پیروی کی ان کی تاریخ کا ہر باب نافرمان بندوں کی تاریخ سے جُدا رہا۔

قرآنی تاریخ سمجھانے میں سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو ہوا۔ اس لیے کہ آپؐ کے دُشمن بکثرت تھے۔ ایک طرف یہودی قرآن کے واقعات کو جھٹلانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اور اپنی محرّف توریت کے واقعات کی صداقت تسلیم کرانا چاہتے تھے۔ دُوسرے نصاریٰ کا گروہ منکرِ قرآن تھا۔ وہ محرّف انجیلوں کو ہاتھوں میں لیے ہوئے قرآنی واقعات کی تردید پر کمر بستہ تھا۔ تیسرا گروہ مشرکین کا تھا جو قرآن کو پُرانے لوگوں کے قصّے بتا رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سب ہم لوگوں کو ڈرانے کے لیے من گھڑت باتیں ہیں جن کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں۔ لیکن آخر ان سب کی کوششیں ناکام ہو کر رہ گئیں اور قرآن کی صداقت کا پرچم ہر خطۂ زمین پر لہرا گیا۔

۹۔ قرآنِ کریم مکمّل نظامِ حیات ہے

ہم انسانی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ جسمانی و رُوحانی یا دینی و دُنیوی۔ اب ہم ان دونوں کا تجزیہ کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ ان منزلوں میں قرآنِ کریم کہاں تک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

۱۔ جسمانی یا مادّی زندگی انسان کی بقائے حیات کے لیے جس قدر سامان کی ضرورت تھی وُہ قدرت نے خود ہی زمین سے لے کر آسمان تک اسکے گرد پھیلا دیا ہے اور جا بجا قرآن میں اس کا ذکر کر کے انسان کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

کائنات کا ایک ایک ذرّہ ہر وقت اس کی خدمت کے لیے کمربستہ ہے۔ زمین کو گرمانے والا سُورج چمکتے دمکتے چاند تارے۔ گنگھور گھٹائیں۔ بجلی کی کڑک چمک موسلادھار مینہ برسانے والے بادل ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں۔ سر بفلک پہاڑ۔ بہتے دریا ہرے بھرے درخت۔ رسیلے میوے۔ زمین پر دوڑنے والے جانور۔ فضا میں اُڑنے والے پرندے جن کا ذکر جا بجا قرآن میں ہے سب کے سب نظامِ حیاتِ انسانی کی بقا کا سامان ہیں۔ ان سے فائدہ یا نقصان اُٹھانا خود انسان کا ذاتی فعل ہے۔ عقل مختلف تدابیر سے کام لے کر اپنے مفاد کے حق میں ان کو کارآمد بنا لیتی ہے۔ خداوندِ عالم نے اس کی عقل پر بھروسہ نہ کر کے اس کی رہنمائی کے دُوسرے سامان بھی کیے ہیں۔

۵۔ عملی اقدام کے لیے ہر انسان کے سامنے تین منزلیں ہیں جن سے اس کا نظامِ حیات وابستہ ہے۔

۱۔ گھریلو زندگی۔ ۲۔ معاشرتی زندگی۔ ۳۔ تمدّنی زندگی

ان تینوں مرحلوں میں صحت مند نظام اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا، انفرادی ہو یا اجتماعی، جب تک ماحول میں امن و سکون کی قابلِ اطمینان حالت نہ ہو۔ دماغی صلاحیتیں اسی وقت بروئے کار آسکتی ہیں جبکہ فتنہ و فساد کے گرد و غبار سے فضا محفوظ ہو۔ اسی لیے قرآن نے لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ۔ رُوئے زمین پر فتنہ و فساد جھگڑا اور ٹنٹا برپا نہ کرو۔ جیئو اور جینے دو کے اُصول کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(۱) اہلی یا گھریلو زندگی: یہ ایک چھوٹی سی سلطنت ہوتی ہے جس کے ارکان میاں۔ بی بی۔ اولاد اور نوکر چاکر ہوتے ہیں۔ قرآن نے اس زندگی کے جو قانون بنائے ہیں ان پر عمل کرنے سے گھر جنّت نشان بن جاتا ہے۔ قرآن نے بتایا کہ مردوں کو عورتوں پر قابو حاصل ہے۔ عورت کو چاہیئے کہ مرد کی اطاعت کرے۔ اس کے بعد زن و شوہر دونوں کے حقوق معین کیے نکاح و طلاق کی صورتیں بیان کیں۔ چند بی بیوں کی صورت میں سب کے ساتھ مرد کو یکساں سلوک کرنا چاہیئے۔ مرد کو گھر والوں کے نان نفقہ کا ذمّہ دار بنایا۔ عورت کے سپرد گرہستی کے معاملات کیے۔ اخراجات میں فضول خرچی سے روکا۔ نافرمان عورتوں کی سزائیں مقرر کیں۔ نا اتفاقی کی صُورت میں مصالحت کا طریقہ بتایا۔ طلاق کی صورت میں عورت کے کچھ حقوق بیان کیے۔ مرد کے اختیار میں طلاق رکھی تو عورت کے اختیار میں خلع۔ کوئی مر جائے تو ترکہ کا قانون بنایا۔ بیوہ کی عورت کو مدّت بتائی۔ اولاد کی تربیت کے قاعدے بتائے۔ اولاد کے حقوق ماں باپ پر رکھے۔ ماں باپ کے حقوق اولاد پر معیّن کیے۔ غلام و کنیز کے حقوق معیّن کیے۔ ان کی آزادی کے طریقے بتائے۔ غرض کسی پہلو کو ناقص نہیں چھوڑا گیا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی سمجھا دی تاکہ کوئی نزاعی صُورت آپس میں پیدا ہو کر خانہ داری کا لُطف خاک میں نہ مِل جائے۔ سورۂ نساء میں یہ تمام قوانین درج ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل پارہ پندرہ میں اولاد کو بتایا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ کیا طریقۂ اطاعت اختیار کریں۔

(۲) معاشرتی زندگی: انسان اینٹ پتھر سے تو پیدا نہیں ہوتا، اس کے ضرور کچھ رشتہ دار ہوتے ہیں۔ جہاں رہتا ہے وہاں اس کے ہمسائے بھی ہوتے ہیں۔ اپنی ضروریات میں مدد لینے کے لیے کچھ دوست احباب بھی بنائے جاتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نہ ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش نہ آئیں تو جان اجیرن ہو جائے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر قدرت نے حکم دیا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

(تم سب مل جل کر رہو اور ٹکڑیاں نہ بناؤ)۔ معاشرہ کی اصلاح کے قواعد بیان فرما دیئے مثلاً:

سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اپنا مال خدا کی محبت میں اپنے رشتہ داروں کو دو۔ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرو۔

سورۂ نساء آیت ۳۶ میں ہے۔ احسان کرو اپنے والدین کے ساتھ اور یتیموں، مسکینوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور اجنبی پردیسیوں اور اپنے پاس بیٹھنے والوں، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ۔

کوئی ایسا نہیں چھوڑا جس کا تعلق انسانی معاشرہ سے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ سب مل جل کر پیار و محبت سے زندگی بسر کریں۔ اگر کوئی نزاعی صورت پیدا ہو جائے تو اس کی اصلاح کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ناجائز مال کھانے سے روکا گیا ہے۔ بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ سخت کلامی کا جواب نرمی سے دو۔ وقتِ ضرورت ایک دوسرے کی مدد کرو۔ یتیموں کا مال چٹ نہ کر جاؤ۔ چوری۔ ڈکیتی۔ زنا۔ شراب خواری۔ سود خواری۔ غیبت۔ حسد۔ جھوٹ۔ ظلم۔ دست درازی وغیرہ اعمالِ بد سے بچو کہ اس سے معاشرہ میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور لوگ سکون و اطمینان سے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

درحقیقت یہی وہ بازار ہے جہاں سے انسان اپنے لیے زادِ آخرت خرید کرتا ہے۔ یہی وہ کھیتی ہے کہ جیسا بیج بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ اہلی اور معاشرتی زندگی ہی انسان کو مستحقِ جنت یا مستحقِ دوزخ بناتی ہے۔ خدا کی طرف سے جو ہادی بھیجے جاتے تھے اور کتابیں نازل ہوتی تھیں، ان سے انہی معاملات کی اصلاح مقصود ہوتی تھی۔ ان تمام باتوں پر اگر بحکمِ خدا عمل کیا جائے تو یہی عبادت بن جاتی ہیں۔

(۳) تمدنی زندگی: کوئی تمدن ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا جب تک ملکی قانون میں عامۃ الناس کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت نہ ہو اور حکمران پارٹی اس قانون کے نفاذ میں عدل و انصاف سے کام نہ لے۔ اس کے متعلق جو کچھ قرآن کہتا ہے اس کو سُنیئے:

۱۔ (قضایا کے فیصلوں میں) عدل سے کام لو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔
۲۔ النساء رکوع ۸ میں ہے کہ جب لوگوں کے درمیان حکم کرو تو انصاف سے حکم کرو۔
۳۔ النساء رکوع ۱۶ میں ہے۔ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنو۔
۴۔ اسی سورہ میں ہے کہ خدا کی خوشنودی کے لیے انصاف سے گواہی دو۔

عدل و انصاف کے علاوہ جرائم پیشہ لوگوں کو قرار واقعی سزا دو۔ بغیر اس کے بحالی کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی اور ظالم لوگ دست درازی سے نہیں رک سکتے۔ قرآن نے جرائم کی سزائیں بتا دی ہیں۔ صرف قید اور جرمانوں سے مظالم کا پورا پورا استیصال نہیں ہو سکتا۔

رعایا کا فرض ہے کہ حدودِ مملکتِ اسلامی کی حفاظت میں اپنی جان و مال سے دریغ نہ کرے۔ اگر دشمن حملہ آور ہو تو ان سے دفاعی جنگ کرے۔ عادل بادشاہ کی مطیع و فرمانبردار رہے۔ ملک کے اندر بغاوت کی خاک نہ اُڑا اٹھے۔

اِن اصلاحاتِ سہ گانہ کے علاوہ قرآنِ کریم نے اخلاقی تعلیم کا پورا بندوبست کیا ہے اور نکوکاروں کے لیے

بڑے بڑے اجر رکھے ہیں۔ یہ بھی بتا دیا کہ جو ان پر عمل نہ کرے گا وہ چوپاؤں میں شامل سمجھا جائے گا بلکہ ان سے بھی بدتر۔

۲۔ رُوحانی زندگی

نظامِ حیاتِ رُوحانی کی اصلاح کے لیے بے شمار آیات قرآن میں موجود ہیں۔ حیات بعد الموت میں جو کچھ انسان کے سامنے آتا ہے اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ جنت اور دوزخ کا پورا نقشہ انسان کی نظر کے سامنے کھول کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ دوامی زندگی تو آخرت والی ہے اس کے لیے اسی دُنیا میں انسان کو تیار رہنا چاہیئے۔ مرنے کے بعد کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ قیامت جب آ جائے گی تو پھر کوئی کسی کا ساتھ نہ دے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔

رُوحانی زندگی مادی زندگی سے علیحدہ ایک چیز ہے۔ آدمی جب مادی غذا کھاتا ہے تو چار چیزیں بنتی ہیں، خون، سودا، صفرا اور بلغم۔ لیکن جب انسان اپنے نفس کو تقویٰ کی غذا دیتا ہے تو چار چیزیں بنتی ہیں، حکمت۔ عفت۔ عدالت اور شجاعت۔ اور جب معرفت کی غذا دیتا ہے تو چار چیزیں بنتی ہیں، یقین۔ وجدان۔ جذب اور فنا۔

انسان جب تک اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرے گا وہ رُوحانیت کی منزل میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اور جب تک رُوحانیت کی منزلیں طے نہ ہوں گی وہ مقربِ بارگاہِ یزدی نہیں بن سکتا۔ حکمت و عفت و عدالت و شجاعت کو فضائلِ چہارگانہ کہا جاتا ہے۔ ان چاروں سے جو زمیں نکلتی ہیں وہ اڑتالیس ہیں۔ جیسے صبر و شکر و قناعت و توکل، زہد و ورع وغیرہ وغیرہ۔ جب ان منزلوں کو طے کر لیا جاتا ہے تو انسان روشن ضمیر بن جاتا ہے اور اس کے نفس میں اتنی قوت آ جاتی ہے کہ وہ اگر درخت سے کہے کہ اکھڑ آ تو وہ اکھڑ آئے گا۔ قرآن میں ان سب منزلوں کا ذکر ہے اور ان کے اجر عظیم کا بھی۔

یہی زندگی انسان کی اصلی زندگی ہے جسمانی زندگی تو ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ یہ مدارج حاصل کیے جاتے ہیں۔ جب تک یہ مراحل طے نہ کیے جائیں نفسِ مطمئنہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ انبیاء و آئمہ اسی زندگی کے مالک تھے۔

۱۰۔ قُرآن اور تحریف

خدا کی کتابوں میں تحریف سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کرنے والے یہ بھی کر جاتے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ توریت و انجیل میں تحریف ہوئی ہے اور بہت بدنما طریقہ سے ہوئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ کتابیں ذمہ دار ہستیوں کے ہاتھوں سے نکل کر علمائے یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں۔ چونکہ وہ خدا و رسول کی طرف سے ذمہ دار نہیں بنائے گئے تھے لہٰذا انہوں نے نہایت بے باکی سے من مانے تصرفات شروع کر دیے۔ قرآن کہتا ہے:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (وہ کلماتِ خدا کو ان کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔)

پھر سورۂ بقرہ ع ۵ میں ہے۔ میری آیات کو تھوڑی قیمت (دنیوی فائدہ کے لیے) پر فروخت نہ کرو۔ پھر سورہ بقرہ ع ۶ میں ہے جو بات ان سے کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ سورۂ بقرہ ع ۹ میں ہے۔ جو بات ان سے

کبھی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ سورۂ بقرہ ع ۹ میں ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ ڈالیں۔

بحمد اللہ قرآن میں ایسے تصرفات نہیں ہوئے تاہم تحریف سے محفوظ نہیں رہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قرآن کو موافق تنزیل جمع کیا۔ لیکن حکومت نے کسی مصلحت سے اس کا رائج کرنا منظور نہ کیا۔ ان کی جمع کا کام مختلف اوقات میں ہوتا رہا۔ موجودہ قرآن حضرت عثمانؓ کا جمع کیا ہوا ہے جس کو افسوس ہے چند حافظین قرآن صحابہؓ کے ذریعہ سے سرانجام دیا تھا۔ اس کے سوروں اور آیتوں کی ترتیب موافق تنزیل نہیں۔ بلکہ مکی و مدنی سورے کھچڑی ہو رہے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے مکی سورے ہوتے پھر مدنی مگر ایسا ہے نہیں۔ پہلا سورہ بقر مدنی ہے دوسرا آلِ عمران بھی مدنی ہے۔ آگے سورۂ مائدہ بھی مدنی ہے۔ اس کے بعد سورہ الانعام مکی ہے۔ آگے بھی یہی صورت ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کون بتائے۔ اسی طرح آیات میں بھی بے ترتیبی ہے۔ مثلاً

(۱) بیوہ کا عدہ سپ۲ سورہ بقرہ ع ۳۰ میں چار مہینے دس دن بتایا گیا ہے۔
سپ۲ البقر ع ۳۱ میں ایک سال ہے۔ پہلی آیت دوسری کی ناسخ ہے لیکن ہے یوں کہ منسوخ بعد میں ہے اور ناسخ پہلے۔ یعنی اُلٹی بات۔

(۲) سپ۱۱ یونس آیت ۳ میں، اگر تم سچے ہو تو ایک ہی سورہ ایسا بنا لاؤ۔
پھر سورہ ہود آیت ۱۳ پارہ ۱۲ میں ہے، دس سورے ایسے بنا لاؤ۔ قاعدہ سے پہلے تحدی کی جاتی دس سوروں کی پھر ہوتی ایک سورہ سے۔

(۳) تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ اقراء سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن وہ آخری پارہ میں ہے۔

(۴) آیہ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جو حضورؐ کی آخر زندگی میں نازل ہوئی تھی وہ سورۂ مائدہ میں ہے۔ اسی طرح آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آیہ بلّغ کے بعد نازل ہوئی۔ وہ بھی سورۂ مائدہ میں ہے۔

(۵) آیہ تطہیر کے اوّل و آخر ازواج رسولؐ کا ذکر ہے اس کے بیچ میں آیت تطہیر رکھ دی گئی ہے۔ جس کا ازواجؓ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں سب ضمیریں جمع مذکر حاضر کی ہیں اور اوّل و آخر جو ازواج سے متعلق آیات ہیں، ان سب میں جمع مؤنث حاضر کی ہیں۔

بہرحال یہ مسلّم ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف خدا کا کلام ہے اور اس پورے قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کبھی قبول نہ کرتے چاہے آن کو کیسی ہی بڑی سے بڑی قربانی دینا پڑتی۔ شیعوں پر یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ وہ اس قرآن کو نہیں مانتے۔ کوئی ایک شیعہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو موجودہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ بلکہ تمام حرکات و سکنات پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو جو قرآن شیعہ پڑھتے ہیں ان میں کچھ تو اختلاف ہوتا مگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اس اعتراض کے کیا معنی ہیں کہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں۔

۱۱۔ جمعِ قرآن

آنحضرتؐ کے زمانہ میں قرآن کی آیات جب نازل ہوتی تھیں تو ان کی حفاظت دو طریق سے کی جاتی تھی کچھ لوگ حفظ کر لیتے تھے اور کچھ لوگ جو کاتبانِ وحی کہلاتے تھے بحکم حضورؐ اُونٹ کی ہڈیوں۔ لکڑی کی تختیوں۔ کھجور کے پتوں یا کھال پر لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی تک قرآنی آیات میں کوئی ترتیبی صورت پیدا نہ ہوئی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن کو موافق تنزیل جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کسی وقت اپنے شانوں پر ردا نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ دو سال تک آپؑ نے گوشہ نشینی گزیں ہو کر یہ خدمت نہایت جانفشانی سے انجام دی۔ درحقیقت یہ کام تھا بھی حضرت علیؑ ہی کے کرنے کا۔ اوّل تو آپؑ ایک ایک آیت سے باخبر تھے۔ کیونکہ آغازِ نزول سے آخر تک آپؑ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ کے ساتھ رہے تھے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ یہ سعادت کسی اور صحابیؓ کو نصیب نہیں ہوئی۔ دُوسرے خود حضورؐ نے ایک ایک آیت کی تفسیر و تاویل حضرت علیؑ کو بتائی تھی اور جس کی شان میں جو آیت نازل ہوئی تھی اس کا نام اور وجہ نزول بھی بتا دی تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ کو جمع و ترتیب کے وقت کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس وقت قرآن مجید بخطِ کوفی لکھا جاتا تھا۔ جس میں اعراب اور نقطے نہیں ہوتے تھے۔ الغرض موافق تنزیل جب پورا قرآن جمع ہو گیا تو آپؑ اس کو لے کر خلیفہ وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے تاکہ اسلامی حکومت میں رائج ہو۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ دونوں نے کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو جاری کرنا نامنظور کیا۔ حضرت علیؑ کو سخت ملال ہوا۔ اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے کہ اب اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد پردۂ غیب میں رکھا گیا جو ایک منصوص من اللہ امام سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اب وہ ولیٔ عصر حضرت امام مہدی آخر الزمان کے پاس ہے اور قُربِ قیامت میں جب حضرتؑ کا ظہور ہوگا اس وقت ظاہر فرما دیں گے۔

اس کے بعد قرآن کا بیان حافظوں کی زبان پر رہا۔ جب جنگِ یمامہ میں چار سو حافظینِ قرآن شہید کیے گئے، تو حضرت عمرؓ کو اس کے کتابی صورت میں لانے کی فکر ہوئی۔ وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ کام حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا مگر وہ چونکہ خود اس کی تکمیل سے قاصر تھے لہٰذا ایک نوجوان زیدؓ بن ثابت کو اس کا منصرم و مہتمم بنایا۔ یہ کام زید کے کرنے کا نہ تھا کیونکہ وہ عہدِ رسالتؐ میں ایک کمسن لڑکا تھا۔ صحبتِ رسولؐ کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ تاہم حافظوں اور قاریوں کی مدد سے اور ان اجزا سے جو حضرت حفصہؓ یا ابنِ مسعودؓ وغیرہ کے پاس تھے، یہ قرآن مرتب کیا گیا۔

قرآن کا جمع کرنا بے شک بڑی نیکی اور باعثِ اجرِ عظیم ہے کیونکہ وہ اساسِ شریعت ہے۔ لیکن جمع کرنے والے کو علمِ قرآن سے پُوری طرح واقف ہونا چاہیئے تھا ورنہ ترتیبِ آیات و سُور موافق تنزیل نہیں ہو سکتی۔ جب آیات کے باہمی تعلق و سیاق و سباق پر جامع مطلع نہ ہو تو یہ کام صحیح نہ ہوگا۔

رسولؐ نے علی علیہ السلام کے سوا قرآن کو اور کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ آپؐ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے، عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ (علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔) حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن میں

ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں تفسیری توضیحات حواشی پر تھیں مثلاً کون آیت کہاں نازل ہوئی، کب نازل ہوئی، کس کی شان میں نازل ہوئی اور کس امر کے متعلق نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے اگر علی علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن ہمارے پاس ہوتا تو ہمیں بڑے فوائد حاصل ہوتے۔ منافقین کی مذمت میں جو آیات تھیں ان کے نام بھی لکھ دیئے گئے تھے۔ ایسی صورت میں لوگ کیونکر علیؑ کے جمع کردہ قرآن کو تسلیم کرسکتے تھے اور اگر تسلیم کر لیتے تو پھر دنیا کو کیا منہ دکھاتے اور پس پردہ اسلام میں جو شکار کھیلے گئے وہ کیسے کھیلے جاتے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حکومت کے مسترد کرنے کے بعد جب حضرت علیؑ قرآن واپس لے گئے تو زیدؓ بن ثابت نے حضرت عمرؓ سے کہا اس قرآن کو حضرت علیؑ سے لے لیجئے اور اس کے حواشی مٹا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جب مانگا تو حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا حجت تمام ہو چکی۔ اب تم اسے کبھی نہ دیکھو گے۔ اس کو میرا فرزند قائم آلِ محمدؐ اپنے ظہور کے وقت اپنے ساتھ لے کر نکلے گا۔

جمع قرآن کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ قرآن عہد رسالتؐ میں جمع ہو چکا تھا۔ علامہ بیہقی نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ جمع قرآن سے مراد جمع آیات قرآنیہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے سورتوں کی حدود مقرر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد جو آیت نازل ہوتی تھی آپؐ فرما دیتے تھے کہ فلاں سورہ میں اسے درج کرو۔ اسی طرح حضرتؐ نے تمام آیات کو خود ہی سورتوں میں علیحدہ علیحدہ جمع فرما دیا تھا۔ لیکن سورتیں یکجا نہ تھیں۔ بعض پتھروں پر بعض درختوں کے پتوں پر اور بعض چمڑے پر تحریر تھیں جن کو بعد میں جمع کیا گیا۔ موطا میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر جمع کیا تھا۔ چنانچہ اس کام میں بحکم عمر زید بن ثابتؓ سے کام لیا گیا۔

سیوطی نے بروایت ابن داؤد حضرت علیؑ کو پہلا جامع قرآن ہونا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ قرآن کے جامع حضرت عثمانؓ ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ انہوں نے لوگوں کو ایک قرأت پر متفق ہونے پر آمادہ کیا تھا۔ جناب حفصہؓ سے واپسی کے وعدہ پر قرآن منگا کر یہ کام انجام دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور ہر اسلامی شہر میں ایک ایک نقل بھیج دی تھی۔ نتیجہ اس بیان سے یہ نکلا کہ حضرت عثمانؓ صرف حکم دینے والے تھے اور جامع قرآن یہ پانچ شخص تھے۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت علیؑ نے عہدِ رسالتؐ میں قرآن جمع کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پس اگر علیؑ کا جمع کردہ قرآن مصدقہ رسولؐ تھا تو پھر اس کو رد کیوں کیا گیا۔

ایک بڑی ضروری بحث اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عہدِ سلطنت میں اپنے جمع کردہ قرآن کو رائج کیوں نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ قرآن جب تمام اسلامی ممالک میں رواج پا چکا تھا۔ گھر گھر میں پڑھا جا رہا تھا۔ تو حضرت علیؑ ان تمام قرآنوں کو کیسے واپس لے سکتے تھے۔ خصوصاً جبکہ ملک شام پر معاویہ کی حکومت تھی اور انہیں حضرت علیؑ سے سخت عداوت تھی۔

۲۔ اگر بالفرض حضرت علیؑ اپنے جمع کردہ قرآن کو اپنے مقبوضہ علاقہ میں جمع کر دیتے تو دو قرآن ہو جاتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں ساقط الاعتبار ہو جاتے۔ وقتِ مباحثہ و مناظرہ غیر مسلم قومیں کہہ سکتی تھیں پہلے یہ ثابت کرو کہ ان دونوں قرآنوں میں صحیح کون سا ہے۔ جیسے ان اختلافات نے انجیل کو ساقط الاعتبار بنا دیا۔ قرآن بھی ایک مسلمہ حقیقت نہ رہتا۔ اور یہ اسلام کے لیے ایک ایسا عظیم الشان نقصان ہوتا جس کی تلافی ناممکن ہوتی۔ علی علیہ السلام اسے کیسے گوارا کرسکتے تھے۔

۳۔ صرف ترتیب قرآن کے بدل جانے سے اتنا فائدہ نہ ہوتا جتنا اس کے ساقط الاعتبار ہو جانے سے نقصان ہوتا۔ لہٰذا حضرت علیؑ نے موجودہ قرآن ہی کو باقی رکھنا مناسب سمجھا اور اس کے ایک زیر زبر کو بھی بدلنا گوارا نہ کیا۔

لوگ کہتے ہیں شیعوں کا ایمان اس قرآن پر نہیں۔ ایسے لوگ تعصب کی آگ سے سوختہ ذہن ہیں۔ اگر ہمارا ایمان اس قرآن پر نہ ہوتا تو کوئی دوسرا قرآن ہمارے پاس ہوتا۔ حالانکہ کسی زمانہ میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ جو قرآن شیعہ پریسوں میں شیعوں کی نگرانی میں چھپے ہیں ان کو پڑھ کر بتاؤ کہاں فرق ہے۔ جب ایسا نہیں تو یہ الزام احمقانہ اور متعصبانہ ہے۔

۱۲۔ اقسامِ آیات

قرآن مجید میں مختلف قسم کی آیات ہیں:

۱۔ حلال : ہر پاک چیز اور درست قول۔
۲۔ حرام : ناپسندیدہ عمل جیسے خون۔ سُؤر کا گوشت۔ مُردہ حرام ہے۔
۳۔ فرائض : واجبات جیسے نماز، روزہ۔
۴۔ فضائل : جیسے نوافل و صدقات۔
۵۔ ناسخ : جو کسی حکم کا منسُوخ کرنے والا ہو۔
۶۔ منسُوخ : جو کسی آیت سے ناقابلِ عمل قرار دیا گیا ہو۔
۷۔ رخصت : جس کی اجازت بہ مجبُوری دی گئی ہو۔
۸۔ خاص : جیسے اگر کوئی عورت رسول کو اپنا نفس ہبہ کرے یہ حکم خاص رسول کے لیے ہے۔
۹۔ عام : جو حکم سب کے لیے ہو جیسے نماز، روزہ۔
۱۰۔ عِبر : جن سے دُوسروں کو عبرت ہو۔
۱۱۔ اَمثال : مثالیں بغرض اصلاحِ نفس
۱۲۔ مرسل : غیر مقید حکم جیسے گائے ذبح کرو۔
۱۳۔ محکم : جن کا مفہوم صاف ہو۔
۱۴۔ متشابہ : جو محتاجِ تاویل ہوں۔

۱۵- محدود : احکام کے ساتھ مقید جیسے بنی اسرائیل کے یے گائے کو صفات کے ساتھ محدود کر دیا تھا۔

۱۶- مجمل : جن کی تفصیل ظاہر نہ ہو جیسے نماز کا حکم ہے مگر وقت، رکعات وغیرہ نہیں بتائی گئیں۔

۱۷- مُبیّن : وہ احکام جن کی تفصیل بتا دی گئی ہو۔

سب سے زیادہ اہم چیز آیات متشابہات کی تاویلیں ہیں۔ اسلام میں تہتر فرقے انہی کی غلط تاویلات سے بنے ہیں۔ یہ تاویلیں جو حضرت رسولِ خدا اور حضرات ائمہ کی بتائی ہوئی ہیں وہی صحیح ہیں باقی سب غلط ہیں۔

ایک مولوی کسی مجمع میں وعظ کر رہا تھا۔ کہنے لگا ہم قیامت میں اپنے پروردگار کو ایک تخت پر بیٹھا دیکھیں گے اس کا منوّر چہرہ ہمارے سامنے ہوگا۔ ایک عالم ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے کہا اے شخص! اس کا کیا ثبوت ہے کہ تو خدا کا چہرہ دیکھے گا۔ اس نے کہا، قرآن کی کیا یہ آیت تو نے نہیں پڑھی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۲-۲۳﴾ (کچھ چہرے اس روز شگفتہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔) اس عالم نے کہا، اے شخص جب تو ان آنکھوں سے اپنا ہی چہرہ نہیں دیکھ سکتا تو خدا کا چہرہ کیا دیکھے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں خدا کے احکام کی طرف نظر کر رہے ہوں گے کہ کیا حکم صادر ہوتا ہے۔

رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو اس لیے کیا ہے کہ لوگوں کو تفسیر بالرائے سے بچائیں اور آیات متشابہات کی صحیح تاویلیں بتائیں۔ لوگوں نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ میں ایک دین کے تہتر فرقے ہو گئے۔ ان سب کے پاس قرآن ہے مگر ان کو ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔

۱۳- قرآن اور اس پر اعراب

جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں قرآن پہلے خطِ کوفی میں سالہا سال لکھا جاتا رہا۔ اس طرزِ تحریر میں الفاظ پر نہ تو نقطے ہوتے تھے نہ اعراب۔ سیاق و سباق سے آیات کو پڑھا جاتا تھا۔ اس صورت میں غلط اعراب پڑھنے سے الفاظ کے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے تھے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان اُموی بادشاہ کے زمانہ سے قرآن خطِ کوفی سے خطِ نسخ میں تبدیل ہوا اور اس پر اعراب لگائے گئے۔ یہ کام اُس نے حجاج بن یوسف ثقفی گورنر کوفہ کے سپرد کیا۔ یہ وہی اظلم روزگار انسان ہے جس نے شیعیانِ علیؑ کو چن چن کر قتل کیا تھا اور جس کے متعلق عمر بن عبدالعزیز اُموی بادشاہ نے یہ کہا تھا اگر روزِ حشر لوگوں کے گناہ تولے جائیں گے تو جس پلڑے میں تمام دنیا کے گناہ ہوں گے ہم اس کے مقابل پلڑے میں صرف حجاج کے گناہ رکھ دیں گے تو یہ پلڑہ پھر بھی بھاری رہے گا۔ بہرحال علماء و قاریوں نے قرآن کو جمع کر کے اعراب لگائے۔ لیکن اعراب لگانے والوں نے اپنے مذہبی عقیدہ کو ترک نہیں کیا۔ مثلاً آیۂ وضو میں اَرْجُلَكُمْ کے لام پر بجائے زیر کے زبر لگا دیا۔ آیت یہ ہے:

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (المائدہ: ۵، آیت: ۶)

اَرْجُلَكُمْ کا تعلق بجائے وَامْسَحُوْا کے جو قریبی فعل ہے فَاغْسِلُوْا سے پیدا کیا گیا جو دور ہے اور ایک فصلِ اجنبی وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ کا بیچ میں حائل ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے پیر کا مسح کرنے کے اس کا دھونا لازم قرار دیا گیا۔

ایسے ہی وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ (آل عمران ۳ آیت ۷) میں اِلَّا اللّٰہ کے بعد مطلق کی میم لگا دی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ متشابہات کی تاویل بس اللہ ہی جانتا ہے۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کا اس سے تعلق نہ رہا بلکہ اگلے حصہ سے ہوگیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب تاویل جاننے کا تعلق صرف اللہ ہی سے ہے تو اللہ سے معلوم کون کرے۔

۱۴- قرآن کی ہمہ گیر اثر انگیزی و معجز نمائی

سولہ سنگھار سے آراستہ ایک دوشیزۂ حُسن کا پیکر ایک شباب سے بھرپور جوان کی طرف سے گزرتی ہے تو یکایک اس کے دل سے سمندر کا سا طوفان پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ حسینہ کے جمالِ جاں فروز کا اثر ہے۔ ایک عالم متبحر بحر العلوم ایک محفل میں آتا ہے۔ سب لوگ اس کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ اُس کے فضل و کمال کی عظمت کا اثر ہے۔ ایک شیر کو دیکھتے ہی لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل کانپنے لگتے ہیں۔ یہ اُس کی قوت و ہیبت کا اثر ہے یہ فطری عوامل ہیں جو بغیر اپنا اثر دکھائے نہیں رہتے۔ اب ذرا قرآنِ کریم کی اثر انگیزی پر ایک نظر ڈالیے اور دیکھئے کہ وہ فطرتِ انسانی کو اپنے اثرات کے پنجہ میں کس طرح دبوچتا ہے۔

۱- ایک فلسفی قرآن پڑھ رہا ہے مگر وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنے میں گم ہو جاتا ہے۔ شاید بحرِ ناپیدا کنار کے اندر اُسے کچھ ایسے موتی نظر آتے ہیں جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھے تھے۔ وہ دریائے حیرت میں ڈوبا ہوا اپنے اندازِ فکر کو کھو بیٹھا ہے۔ یہ قرآن کی حقائق بیانی کا اثر ہے۔ اگرچہ قرآن فلسفہ کی کتاب نہیں۔

۲- ایک منطقی قرآنی دعووں پر روشن دلیلوں کو اشکالِ اربعہ کے معیار پر کس کس کر دیکھ رہا ہے۔ اس کے تصورات تصدیقات کی شکل میں اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ کلی تشکیک اس کے دماغ میں مر کر رہ گئی ہے۔ وہ حیران ہے کہ میں کہاں ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں۔ ایسے پختہ دلائل میں نے کسی منطقی کتاب میں نہیں دیکھے۔ یہ خاصہ اسی کتاب کا ہے کہ اس نے مجھے جادو کی نہیں بلکہ معجزہ کی شان دکھائی ہے۔ یہ اثر ہے ان دلائل و براہین کا جو قرآن اپنے ہر دعویٰ پر بیان کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ منطق کی کتاب نہیں۔

۳- ایک باکمال سائنس دان قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔ نظامِ شمسی کا ایک ایک ناویہ مسلسل فلم کی طرح اس کی نظر کے سامنے آ رہا ہے۔ سورج۔ چاند۔ کواکب۔ بروج۔ برق۔ بادل۔ ہوا۔ دریا۔ پہاڑ۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کا بیان ایک نئے انداز سے پا رہا ہے، وجد میں ہے کہ چودہ سو برس پہلے قرآن کائنات کے ان عقدوں کو حل کرتا ہوا آیا ہے۔ جن کی جستجو میں ہم سرگرداں ہیں۔ یہ اثر ہے ان سربستہ رازوں کے انکشاف کا جو قرآن نے کیے ہیں،

حالانکہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں۔

۴۔ ایک طبیب کے ہاتھ میں قرآن ہے وہ حفظانِ صحت کے اُصول اس میں پڑھ کر اپنی تمام معلومات کو اس کے مقابل ہیچ سمجھ رہا ہے۔ یہ اثر ہے قرآن کے اس بیان کا جو نظامِ حیاتِ انسانی کے قائم و برقرار رکھنے کے متعلق ہے حالانکہ وہ طبی کتاب نہیں۔

۵۔ علم الاخلاق کا ایک ماہر جب تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے قاعدے قرآن میں پاتا ہے تو اس کے تعجب کی انتہا نہیں رہتی۔ یہ اثر ہے قرآن کے نفس اور رُوح کو مدارجِ ترقی پر پہنچانے کے بیان کا۔ حالانکہ وہ علم الاخلاق کی کتاب نہیں۔

— اسی طرح تمام علوم و فنون کے ماہر اس سے درس لے رہے ہیں اور کہیں شک و شبہ کی ان کو گنجائش نظر نہیں آتی۔ وہ قرآن کے اس دعوے کو بالکل سچا پاتے ہیں کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے۔ چھوٹی بڑی کوئی شے چھوڑی نہیں گئی۔ ہاں تلاش کرنے کے لیے نظر درکار ہے اس کے اثرات انسان کے جسم و نفس و روح۔ بچّے اور بُوڑھے۔ زن و مرد۔ عالم و جاہل غریب و امیر سب پر چھائے ہُوئے ہیں۔ یہ اسی کے اثرات کا نتیجہ ہے کہ دائرۂ اسلام میں جوق در جوق لوگ داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ان اثرات کے عالم گیر ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ اس مقدّس کتاب کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کی ہدایت میں شک و شبہ کی گنجائش ہو یا کوئی منکرِ قرآن اس کی کسی ہدایت کو غلط ثابت کر سکے۔

— اب اس کی معجز نمائی پر ذرا سا غور کیجئے:

دُنیا میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس کو بار بار پڑھنے کے بعد بھی انسان کی دلچسپی بدستور باقی رہے۔ وہ چاہے کیسی ہی دلچسپ کتاب ہو دو چار بار پڑھنے کے بعد طبیعت اس سے سیر ہو جاتی ہے۔ لیکن قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ عمر بھر لوگ اُسے صبح و شام پڑھتے رہتے ہیں مگر دلچسپی کم نہیں ہوتی۔

جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے ان کو طبعًا کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جو بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی اُسے نہ شوق سے پڑھتا ہے نہ سنتا ہے لیکن قرآن کی یہ اعجازی شان دیدنی ہے کہ بے شمار افراد جو عربی نہیں جانتے بڑے احترام اور شوق سے اُسے پڑھتے ہیں اور ہر روز پڑھتے ہیں اور اُسی ذوق و شوق سے جیسے ایک عربی دان پڑھتا ہے۔

دُنیا میں کسی کتاب کے قلمی نسخے قرآن سے زیادہ نہیں پائے گئے۔ ہزارہا آدمیوں نے بڑے شوق و ذوق سے قرآن کو لکھا ہے اور اس کو اپنی سعادت سمجھ کر لکھا ہے۔ فنِ خطاطی کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کی مثل نہیں لکھی گئی۔ اور کسی کتاب کے اوراق پر موقلم سے ایسی خوشنما خط کشی نہیں ہوئی اور نہ ایسے نظر افروز بیل بُوٹے بنائے گئے ہیں عقل حیران ہوتی ہے کہ لکھنے والوں نے کتنے سالوں میں اِسے لکھا ہوگا اور یہ رنگ برنگ کی سیاہیاں کیسے بنائی گئی ہیں۔ ہم نے ایسے قرآن اپنی آنکھوں سے لکھے ہوئے دیکھے ہیں:

۱۔ جن پر مختلف وزن کا سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے۔ ایک قرآن کے اوراق پر ۳۵ تولے سونا چڑھا ہُوا دیکھا۔

۲۔ ایک قرآن ایسا دیکھا جس کے حروف کے دائرے اس شان سے لکھے گئے ہیں کہ اگر اُوپر کے صفحہ کے کسی دائرہ میں سُوئی گڑو دی جائے تو آخر تک کسی نہ کسی دائرہ کے اندر ہی جائے گی۔

۳۔ ایسا قرآن بھی دیکھا جس کے ہر صفحہ پر چار خانے بنائے گئے ہیں۔ ہر خانہ کا پہلا خط شاملِ الفاظ ہے مثلاً:

لحمدُ لله ربّ	لعالمين الرّحمن	لرّحيم مالك يوم	لدّين اياك نعبدُ وَ
يّاك نستعين	هدنا الصّراط	لمستقيم صراط الّذين	نعمت عليهم غير

۴۔ آیاتِ قرآنی کو ناخن سے نہایت خوش خط لکھا گیا ہے۔

۵۔ آیات کے قابلِ دید طغرے بنائے گئے ہیں۔

یہ بھی قرآن کی اعجازی شان ہے کہ اس کے حافظ لاکھوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ہر زمانہ میں پائے جاتے رہے ہیں۔ ورنہ اتنی ضخیم کتاب مع صحیح اعراب کے حفظ کرنا سوائے اعجازی شان کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کسی زمانہ میں کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں ہُوا۔

یہ احترام بھی قرآن ہی سے مخصوص ہے کہ بے وُضو اس کی عبارت کو چھُونا جائز نہیں۔

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کے کسی حکم کی تبدیلی کا قیامت تک کسی کو اختیار حاصل نہیں۔ خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو یا کتنا ہی بڑا بادشاہ۔

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کی سُورتوں اور آیتوں سے امراض کا علاج کیا جاتا ہے سحر و آسیب کے اثرات کو دُور کیا جاتا ہے۔

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کی سینکڑوں تفسیریں ہر زبان میں لکھی جا چکی ہیں، جن میں سے بعض ستّر جلد پر مشتمل ہیں۔

یہ بھی خصوصیت قرآن ہی کو حاصل ہے کہ باوجود تحدّی کے چودہ سو برس سے کوئی ایک سورہ کا بھی جواب نہیں لا سکا۔

یہ خصوصیت بھی قرآن کو حاصل ہے کہ اس کی تلاوت سے پہاڑ چل نکلتے ہیں، زمین سمٹ آتی ہے اور مُردے بول اُٹھتے ہیں۔ (پ ۱۳ الرّعد آیت ۳۱)

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ آج تک وہ عربی زبان میں بدستور باقی ہے۔ توریت و انجیل اصلی زبان میں ڈھونڈے نہیں ملتیں۔

یہ بھی قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ کو بصورت معجزہ دیا گیا تھا۔ سب انبیاء کے معجزات ختم ہو گئے مگر قرآن اُسی اعجازی شان سے آج تک باقی ہے۔

۱۵- قرآن معجزہ ہے

خدا جب کسی نبی کو ہدایتِ خلق کے لیے بھیجتا ہے تو اس کی نبوت کی تصدیق کے لیے کوئی معجزہ بھی دیتا ہے ورنہ لوگوں کو کیسے یقین آئے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ خدا خود تو ان سے یہ کہنے نہیں آتا کہ یہ میرا رسول ہے تم اس کی ہدایت پر عمل کرو اور جب تک اس سے کوئی خارقِ عادت امر ظاہر نہ ہو لوگ اس کو رسول تسلیم نہیں کرتے۔ ایک جھوٹا نبی بھی یہ دعا کر سکتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ اس کے دعوے کا ابطال کیونکر کیا جائے۔ لہٰذا جھوٹے نبی کی تکذیب اور سچے نبی کی تصدیق کے لیے معجزہ دینا ضروری ہے۔

معجزہ کے معنی عاجز کر دینے والا ہے یعنی نبی جو خارقِ عادت عمل دکھاتا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے مقابل ویسا ہی عمل پیش کر سکے یا معجزہ پر غالب آئے۔ معجزہ دیکھنے کے بعد اگر کوئی نہ مانے تو وہ کافر کہلاتا ہے اور مستحقِ عذاب ہو جاتا ہے۔ معجزہ کے ساتھ ضروری ہے کہ دعوئ نبوت بھی ہو۔

دُنیا میں بہت سے باکمال ہوئے ہیں۔ اور اب بھی ہیں جو خارقِ عادت بہت سی چیزیں لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ جیسے جادوگر۔ شعبدہ باز۔ مسمریزم والے۔ صناع۔ موجدین اور اُدبا وغیرہ۔ لیکن چونکہ وہ دعوئ نبوت نہیں کرتے لہٰذا وہ معجزہ نہیں کہلاتا بلکہ ذاتی کمال کہلاتا ہے جس کا اظہار دنیا میں اکثر افراد سے ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس کے باطل کرنے کی خدا کو ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ خدا کی عطا کردہ دماغی صلاحیت کی پیداوار ہوتی ہے اور ان اسباب سے کام لینے کا نتیجہ ہوتا ہے جو خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ خدا کو کیا پڑی ہے کہ کسی صاحبِ کمال بندہ کے کمال کو ملیامیٹ کرے ہاں اگر دعوئ نبوت کے ساتھ کوئی کمال دکھائے اور اس کو معجزہ کہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے تب البتہ خدا اس کے اس دعویٰ کو باطل کر دے گا جیسا مسیلمہ کذاب کا مشہور واقعہ ہے کہ لوگوں نے اس سے کہا اگر تم نبی ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اس نے کہا بتاؤ کیا کروں۔ انہوں نے کہا اس کنویں کا پانی کھاری ہے تم اسے میٹھا کر دو۔ اس نے اپنا لعابِ دہن اس میں ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کنواں ہی خشک ہو گیا۔ یا سجاح نے جو مدعیِ نبوت تھی ایک کالی عورت کو گوری بنانے کے لیے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا وہ نہایت بدشکل بوڑھی عورت بن گئی۔

معجزہ اور جادو میں فرق معجزہ پر کسی جادوگر کا عمل غالب نہیں آسکتا۔ معجزہ اس پر غالب آسکتا ہے۔ ایک جادوگر کے جادو کا اثر دوسرا جادوگر باطل کر سکتا ہے معجزہ کے لیے ایسا نہیں۔ جادوگر کو کچھ سفلی عمل کرنے کے بعد جادو میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ معجز نما کے لیے کسی ریاضت کی ضرورت نہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کا عصا ہاتھ سے گرتے ہی سانپ بن جاتا تھا۔ جادو شیطانی عمل ہے اور معجزہ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق ریاضتِ نفس کے بعد اکثر اولیائے خدا سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ جو

خارقِ عادات ہوتی ہیں۔ لیکن ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا کیونکہ معجزہ کے لیے دعوئ نبوت کی شرط ہے۔ کرامت، ریاضتِ نفس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ معجزہ نبوت کا ثبوت ہوتا ہے۔ صاحبِ کرامت مدعی نبوت نہیں ہوتا ورنہ اس کی کرامت غائب ہو جائے۔

اکثر لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ معجزہ کا لفظ تو قرآن میں آیا ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہ لفظ نہیں آیا تو اس سے معجزہ کے وجود پر کیا اثر۔ قرآن کوئی لغت کی کتاب نہیں کہ اس میں معجزہ کا لفظ ہونا ضروری ہو۔ اگر قرآن میں کہیں دماغ کا لفظ نہیں آیا تو کیا دماغ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے گا۔ قرآن میں معجزہ کے لیے بیّنہ یا آیات کا لفظ آیا ہے۔ جیسے ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ یہاں آیات سے مُراد معجزات ہیں ایسے ہی وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ (پ۱، بقرہ، آیت ۹۹) میں آیات سے مُراد معجزات ہیں۔

معجزہ اور حدیثِ قدسی قرآن اور حدیثِ قدسی دونوں کے الفاظ و معانی خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ قرآن سے تحدّی اور معارضہ کیا گیا ہے۔ حدیثِ قدسی سے نہیں۔ اس کے الفاظ معجزہ نہیں ہوتے۔ بعض کے نزدیک معانی و مفاہیم خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ فرشتے کے ہوتے ہیں۔

حدیثِ قُدسی اور غیر قُدسی حدیثِ غیر قدسی کے معانی تو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں مگر الفاظ خود رسول کے ہوتے ہیں۔

۱۶- وراثتِ قرآن

قرآن خُدا کی آخری کتاب ہے جو قیامت تک چلنے والی ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد اس کا وارث کون ہے۔ یہ مادی وراثت نہیں جو ایک مجنون اور طفلِ غیر ممیز کو بھی مل جاتی ہے۔ یہ ایک قانونِ الٰہی ہے جو قیامت تک چلنے والا ہے۔ اس کا وارث ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جس کے سینہ میں اس کا پُورا پُورا علم ہو۔ ایک ایک دفعہ اس کی نظر کے سامنے ہو۔ تمام تاویلات و تفسیرات پر حاوی ہو۔ معصوم ہو تاکہ کوئی غلط بیانی نہ کرے۔ رسُول کا تعلیم کردہ ہو تاکہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہے۔ ہم کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں کتابِ خدا سے پوچھیں۔ اس کی زبان سے سُننا چاہتے ہیں کہ اس کا وارث کون ہے۔ پارہ ۲۲ سورہ فاطر رکوع ۴ کی یہ آیت پڑھیئے،

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (فاطر آیت ۳۲)۔ (پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا ہے اور وہ تین قسم کے ہیں کچھ تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔ کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں اور کچھ نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں)۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان تین صفتوں میں خدائی انتخاب میں کنے اور وارثِ کتاب بننے کی اہلیت کس میں ہے؟

۱- ظالم لِنفسِہ، مشرک کے سوا ظالم لنفسہ انتخاب میں آسکتا ہے جیسے آدمؑ و یونسؑ انتخاب میں آگئے۔ لیکن مشرک نہ انتخاب میں آسکتا ہے نہ وارثِ کتاب بن سکتا ہے چاہے اُس نے شرک باللہ ایک ہی دن کیوں نہ کیا ہو۔

۲- میانہ رَو بھی وارثِ کتاب نہیں بن سکتا کیونکہ وہ نیکیوں میں کم ہے اور اس سے اُوپر درجہ والے یعنی سابق بالخیرات موجود ہیں۔

۳- جب یہ دو قسمیں خارج ہوگئیں تو لامحالہ سابق بالخیرات ہی وارثِ کتاب قرار پاتے ہیں۔ حضرت علیؑ سے بہتر کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ نیکیوں میں سب سے بڑھ کر حصہ لینے والے یہی ہیں۔ سب سے پہلے دعوتِ اسلام قبول کرنے والے یہی ہیں۔ سب سے زیادہ مشرکوں کو قتل کرنے والے یہی ہیں۔ غریب مسلمانوں کی سب سے زیادہ ہمدردی کرنے والے بھی یہی ہیں رسولؐ کی جان بچانے میں ہر موقع پر سب سے آگے یہی ہیں۔ سب سے زیادہ عبادت کرنے والے یہی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ من عندہٗ علم الکتاب کے مصداق ہیں۔ رسولؐ نے علیؑ کے متعلق فرمایا ہے، علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔

کتابُ اللہ کا وارث

- وہی ہوسکتا ہے جو کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔
- وہی ہوسکتا ہے جس نے قرآن کے سمجھنے میں کسی سے مدد نہ لی ہو۔
- وہی ہوسکتا ہے جو آیات کی تفسیر و تاویل صحیح صحیح جانتا ہو۔
- وہی ہوسکتا ہے جس نے حسبِ فرمودۂ رسولؐ تاویلِ کتاب پر اس طرح جہاد کیا ہو جس طرح رسولؐ نے تنزیلِ کتاب پر کیا تھا۔
- وہی ہوسکتا ہے جو کتاب اللہ کے ظاہر و باطن دونوں کو جانتا ہو۔
- وہی ہوسکتا ہے جس نے دعویٰ کیا ہو سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ۔
- وہی ہوسکتا ہے جس نے سورۂ فاتحہ کے متعلق کہا ہو کہ اگر میں چاہوں تو اس سورہ کی تفسیر سے ستر اُونٹ لاد دوں۔
- وہی ہوسکتا ہے جس نے قرآن کو موافق تنزیل جمع کیا ہو۔
- وہی ہوسکتا ہے جس کو رسولؐ نے حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ کیا ہو۔
- وہی ہوسکتا ہے جو تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ۱۶/۸۹ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتا ہو کہ جو کچھ قرآن میں ہے مجھے ان سب کا علم ہے۔

○

۱۷- قرآن و کتابؐ

دُنیا کا ہر قانون جسے قانون ساز جماعت بناتی ہے بطور اوریجنل original یعنی اصلی کاپی کے سرکاری المارہی میں محفوظ رہتا ہے۔ اس کی نقلیں پبلک میں تقسیم کردی جاتی ہیں۔ کسی غلطی کی صورت میں اس کو اصلی کاپی سے مِلا کر دیکھا جاتا ہے۔ قانونی بحثیں جو عدالتوں میں وکلا صاحبان کے درمیان ہوتی ہیں اور کسی قانونی دفعہ کے مختلف مطالب بیان کیے جاتے ہیں اس وقت ناطق فیصلہ اُس جج کا مانا جاتا ہے جو حکومت کی طرف سے اس فیصلہ کا ذمّہ دار ہوتا ہے اگر ججوں کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہوتا تو پھر مقدمہ پریوی کونسل میں جاتا ہے جو مجلسِ قانون ساز ہوتی ہے۔ اس کا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا ہے پھر اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان سے بہتر قانونی دفعات کا سمجھنے والا دوسرا نہیں ہوتا۔

قرآنِ مجید خدا کا بنایا ہوا ایک دائمی قانون ہے جس کے سب سے بہتر سمجھنے والے رسولؐ ہیں۔ یا وہ لوگ جن کو خود رسولؐ نے سمجھایا ہو۔ دوسروں کے فیصلے ان کے مقابل ناطق نہیں ہوسکتے۔ اس قانون کے دو نام ہیں، کتاب اللہ اور قرآن۔

کتاب اللہ کے معنی ہیں المکتوب بیداللہ (اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی)۔ یہ کتاب بقلمِ قدرت قلبِ رسولؐ پر لکھی گئی اور سینہ بسینہ حضرت علیؑ سے لے کر قائمِ آلِ محمدؐ تک چلتی رہی۔ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ عنکبوت ۲۹ آیت ۴۹ (بلکہ وہ روشن آیات ان سینوں میں ہیں جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔) یہی قرآن کی اصلی یا اوریجنل کاپی ہے جس کو معصوم ہستیوں میں محفوظ کردیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اختلافی صورت ہو تو ان سے معلوم کیا جاسکے۔ اس کتاب اللہ کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کیا اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

رہا قرآن تو یہ اس کتابُ اللہ کی مَقروء یعنی پڑھی ہوئی صورت ہے۔ پس جو قلبِ رسولؐ پر لکھا گیا وہ کتاب اللہ ہے اور جو حضورؐ نے پڑھ کر سُنایا وہ قرآن کہلایا۔ کتاب سینہ بسینہ چلی اور قرآن زبان سے زبان پر چلا۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۙ (الواقعہ ۵۶ آیت ۷۷ تا ۷۹)

"بے شک قرآنِ کریم ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے جس سے تعلق نہیں رکھتے مگر وہ لوگ جو (بمصداق آیۂ تطہیر) پاک و پاکیزہ ہیں۔"

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (یونس ۱۰، آیت ۳۷)

"یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے بنالیا جائے۔ بلکہ وہ تصدیق ہے اس سچی کتاب کی جو اُن کے پاس ہے اور تمام جہان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"

اس سے فرقِ قرآن و کتاب معلوم ہوگیا۔ مَس کے معنی چھونے کے بھی ہیں اور تعلق رکھنے کے بھی۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص

کو علم سے مَس نہیں ۔

اگر کتابِ مکنون سے لوحِ محفوظ مُراد لی جائے تو پھر پاک لوگوں کے چھُونے کا اس سے تعلق ہی نہیں ہو سکتا اور نہ تعلق رکھنے کا۔ کیونکہ وہاں تک نہ کسی بشر کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے نہ خیال بلکہ فرشتہ تک وہاں نہیں جا سکتا ۔

۱۸ - قرآن اور اہلبیتؑ

کوئی قانون کیسا ہی مبنی بر عدل و انصاف ہو جب تک اس کے نافذ کرنے والے منصف مزاج نہ ہوں، رعایا مطمئن نہیں ہو سکتی ۔ اور شکوہ و شکایات کا دروازہ کھُلا ہی رہتا ہے ۔

قرآن خدائی قانون ہے جو قیامت تک چلنے والا ہے ۔ رسولؐ کے بعد اس کو سمجھانے والے اور جاری کرنے والے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو خود غرضی کے اندیشوں سے پاک ہوں ۔ خلافِ حکمِ خدا کوئی فیصلہ اپنی طرف سے صادر نہ کریں۔ توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آئی تھی لیکن اس کے احکام بتانے والے غیر ذمہ دار نااہلوں نے اس میں وہ تصرفات کیے کہ پایۂ اعتبار سے گر گئی اور بجائے ہدایت کے بنی اسرائیل میں وہ ضلالت پھیلی کہ بار بار ان پر خدا کے عذاب نازل ہوئے ۔ کتاب موجود تھی ۔ مگر نافذ کرنے والے نااہل تھے ۔ اپنی اغراض کے پیشِ نظر آیات کا مطلب توڑ موڑ کر جو چاہتے بیان کر دیتے تھے ۔ ان کا رُخ خدا کی طرف نہیں تھا بلکہ بندوں کی طرف تھا وہ بجائے خدا کے بندوں کو خوش کرنا چاہتے تھے ۔

حضرت رسولِ خداؐ یہ جانتے تھے کہ ان کے بعد ان کی امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ہر فرقہ اپنی حقانیت کا ثبوت قرآن ہی سے پیش کرے گا ۔ نیز یہ بھی جانتے تھے کہ آپؐ کے بعد فتنہ و فساد پھوٹ نکلیں گے ۔ کنزالاعمال میں ہے کہ حضورؐ کی ۹۵۰ حدیثیں ایسی ہیں جن میں ان فتنوں کی خبر دی گئی ہے ۔ ان میں سے ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ فتنے تم پر اس طرح برسیں گے جیسے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور باطل حق کو چھپانے کی کوشش کرے گا اور بدی نیکی پر غالب آئے گی ۔

ان خوفناک حالات سے بچانے کے لیے حضورؐ کو کوئی مرکز و مرجع ایسا بنانا چاہیئے تھا جس کی طرف رجوع کر کے لوگ امرِ حق کا پتہ چلا سکیں اور ضلالت سے محفوظ رہیں اس کے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں :

۱ - اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ - اَھْلَبَیْتِیْ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ -

(لوگو! میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنی عترت یعنی اہلبیتؑ جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔ اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ آ جائیں ۔)

اس حدیث کے متعلق چند باتوں پر غور کیجئے :

الف ۔ حضورؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو رکھا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو اپنے اہلبیتؑ پر پورا اعتماد تھا کہ یہ کتابِ خدا کے خلاف ہرگز کوئی عمل نہ کریں گے ۔

ب ۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ قرآن صامت ہے وہ کسی غلط عمل پر ٹوک نہیں سکتا ۔ لہٰذا ایک ناطق معصوم کو ساتھ کیا گیا کہ وہ غلط عمل کرنے والوں اور آیتوں کا غلط مطلب بیان کرنے والوں کو ٹوکتا رہے اور صحیح عمل بتاتا رہے ۔

ج ۔ یہ بھی بتا دیا کہ جو لوگ اہلبیتؑ سے تمسک رکھیں گے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے کیونکہ ان کے عمل میں غلطی نہ ہو گی ۔

د ۔ یہ بھی بتا دیا کہ دونوں سے تمسک رکھنے میں نجات ہے ۔ ایک کو کافی سمجھنے میں نجات نہیں ۔

ھ ۔ یہ بھی بتا دیا کہ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے یعنی قرآن و اہلبیتؑ ساتھ ساتھ چلیں گے کوئی زمانہ ایسا نہ ہو گا کہ قرآن ہو اور میرے اہلبیتؑ نہ ہوں تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ قرآن کا کوئی صحیح مفہوم بتانے والا موجود نہ تھا اس لیے ہم گمراہ ہوئے ۔

۲ - دوسری حدیث یہ ہے مَثَلُ اَھْلَبَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ وَھَوٰی ۔ (میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے کہ جو اس پر سوار ہُوا نجات پا گیا اور جس نے رُوگردانی کی ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا) ۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ اتباعِ اہلبیتؑ ہے ۔

۳ - عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ (علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ علیؑ کا کوئی عمل قرآن کے خلاف نہیں جو عمل علیؑ کا ہے وہ قرآن کا حکم ہے اور جو قرآن کا حکم ہے وہی علیؑ کا عمل ہے ۔

اس سے زیادہ حضورؐ امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے اور کیا سامان کر سکتے تھے ۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے دو بازو ہیں، علم اور عمل ۔ اگر علم کو صحیح مرکز سے نہ لیا جائے گا تو وہ وبال بن جائے گا اور اگر عمل کو صحیح مرکز سے نہ لیا جائے گا تو وہ کھُلی گمراہی ہو گا ۔ قرآن ایسی کتاب نہیں کہ ہر شخص اس کو سمجھ لے ۔ اُسے ایسے لوگوں سے حاصل کرنے کی ضرورت ہے جو خدا کے یہاں کے پڑھے ہوئے ہوں ۔ اور رسولؐ کے تعلیم کردہ ہوں ۔ یہی لوگ رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کہلاتے ہیں ۔ قرآن کے متعلق جو تفسیر و تاویل وہ بیان کریں وہی قابلِ عمل ہے ورنہ قدم قدم پر گمراہی کا اندیشہ ہے ۔ اگر صرف قرآن ہدایت کے لیے کافی ہوتا تو امت تہتر فرقوں میں تقسیم نہ ہوتی اور تفسیر بالرائے کا سلسلہ نہ چلتا، جس نے کوئی آیت ایسی نہ چھوڑی جس میں علماء کا اختلاف نہ ہو ۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں اس اختلاف کی صورتیں ملاحظہ فرما لیجئے ۔ متکلم کے کلام کا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے نہ کہ دس بیس ۔

اگر صرف کتابِ خدا ہدایت کے لیے کافی ہوتی تو خدا یہ نہ فرماتا، قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ (تمہاری ہدایت کے لیے اللہ نے ایک کتاب بھیجی ہے اور روشن نُور یعنی رسولؐ) ۔ کتاب کے ساتھ ساتھ نُور کو رکھنا اس کی دلیل ہے کہ ایک ہادی کافی نہیں ۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر زمانہ میں کتاب کے ساتھ ایک ناطق ہادی اور ہونا چاہیئے جو

نورِ رسولؐ کا جزو ہو۔ چنانچہ ایک ہادیٔ معصوم ہر زمانہ میں ساتھ رہا اور اب بھی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ اس کی طرف رجوع نہ کریں۔ خدا کی حجت تو تمام ہوگئی۔

۱۹- قرآن کے اندر سب کچھ ہے

قرآنِ کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے اندر سب کچھ ہے جیسا کہ فرماتا ہے :

۱- وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ (پ، الانعام آیت ۵۹) "ہر خشک و تر کا بیان اس کتاب کے اندر ہے۔"

۲- تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ (پ۱۴، النحل، آیت ۸۹) "اس کتاب میں ہر شے کا بیان ہے۔"

۳- مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔ (پ، الانعام آیت ۳۸) "اس کتاب میں ہم نے کوئی شے نہیں چھوڑی۔"

۴- وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ (الانعام ۶ آیت ۱۵۴) "ہر شے کا مفصل بیان ہے۔"

۔ لیکن اس کتاب سے ہر شے کا اخذ کرنا ہر انسان کا کام نہیں۔ اس کے حقائق و دقائق صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو قرآن میں رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کہا گیا ہے۔ ایک دو مثال سے سمجھئے ،

ایک روز امیر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا کیا قرآن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس کے اندر ہر شے کا بیان ہے۔ فرمایا، بالکل صحیح ہے۔ اس نے کہا، کیا میری اور آپؑ کی داڑھی کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا، کیوں نہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ معاویہ کی داڑھی چھدری تھی امام حسنؑ کی گھنی۔ امام علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ (پ، الاعراف، آیت ۵۸)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

(جو پاک زمینیں ہیں ان کا سبزہ خوب گھنا اُگتا ہے اور جو زمین بنجر ہے اس کی پیداوار بھی خراب ہوتی ہے۔ یعنی چھدری گھاس اُگتی ہے)۔

دوسرا واقعہ سنیئے : ایک گھر میں دو عورتیں بچہ جنیں۔ ایک نے لڑکا جنا دوسری نے لڑکی۔ لڑکے والی جب سو رہی تھی، لڑکی والی نے چپکے سے اپنی لڑکی لڑکے والی کے پہلو میں لٹا دی۔ اور اس کا لڑکا اپنے پہلو میں لٹا لیا۔ جب لڑکے والی نے اپنے پہلو میں لڑکی دیکھی تو جھگڑا شروع ہوا۔ آخر یہ قضیہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ جب فیصلہ ان کی سمجھ میں نہ آیا تو حضرت علیؑ کے پاس دونوں کو لے کر آئے۔ آپؑ نے قنبر سے فرمایا، دو شیشیاں ہم وزن لاؤ اور ان میں دونوں کا دودھ بھر کر تولو۔ جس شیشی کا وزن زیادہ ہو وہ دودھ لڑکے والی کا ہے۔ لڑکا اسی کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ یہ فیصلہ آپؑ نے کہاں سے کیا۔ فرمایا، قرآن سے۔ انہوں نے کہا، قرآن میں اس کا ذکر کہاں ہے۔ فرمایا، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ (مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوتا ہے)۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے ابوالحسنؑ، آپ آیت پڑھنے میں جلدی کرتے ہیں۔ ممکن ہے غلطی ہو جائے۔ فرمایا، اے عمر! تمہارے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے پانچ ہیں۔ فرمایا تم نے جواب دینے میں جلدی کی۔ انہوں نے کہا، جب یہ میرے سامنے ہیں تو سوچ بچار کیسا۔ فرمایا، اے عمر! اسی طرح قرآن کے تمام حقائق میری نظر کے سامنے ہیں۔

امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے اِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ وَبَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ ۔ (قرآن کا ظاہر بڑا اچھا ہے لیکن اس کا باطن بڑا گہرا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے نَحْنُ كُهُوْفُ كُتُبِهٖ ۔ ہم تمام آسمانی کتابوں کے پہاڑ ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا، اگر میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں۔

۲۰- قرآن اور اخلاق

ہمارے رسولؐ کی غرضِ بعثت یہ تھی کہ وہ لوگوں کا تزکیۂ نفس کریں یعنی ان کے اخلاق کو درست کریں اور جو بد عادتیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کو ترک کرائیں۔ جس قوم کی طرف آپؐ مبعوث کیے گئے تھے وہ بداخلاقیوں کی پوٹ تھی۔ کوئی برا کام ایسا نہ تھا جو اُن سے چھوٹا ہو۔ چوری، زناکاری، ڈکیتی، لوٹ مار، قتل و غارت، بے حیائی، سفاکی، دغابازی، فریب، کینہ پروری۔ غرض سب گُن پورے تھے۔ ایسی ناکارہ اور بدسرشت قوم کی اصلاح کے لیے حضورؐ کو بھیجا گیا۔ حضورؐ نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ ان کی دشمنی کو دوستی سے بدلا۔ پھر رفتہ رفتہ ان کو رذائلِ اخلاق سے نفرت دلائی۔ قرآن میں جن فضائلِ انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور جن بداخلاقیوں سے بچایا گیا ان کا ذکر موقع موقع سے کیا گیا ہے، جیسے :

۱- جن چیزوں سے بچایا گیا ،

شراب نوشی۔ بت سازی۔ شگون۔ رشوت۔ جادو۔ ناچ۔ گانا بجانا۔ ناپ تول میں کمی۔ زنا۔ وعدہ خلافی۔ جھوٹی گواہی۔ شوہردار عورت پر تہمت۔ ڈکیتی و رہزنی۔ قتلِ مومن۔ قتلِ عمد۔ جہاد سے بھاگنا۔ قطعِ رحم۔ چوری۔ ظلم۔ لوٹ مار۔ فتنہ و فساد۔ خدا کی نافرمانی۔ رسولؐ کی نافرمانی۔ غیبت۔ سرگوشی۔ بدکاری۔ لغو شعرگوئی۔ بدگمانی۔ بری صحبت میں بیٹھنا۔ تفرقہ پردازی۔ تکبر۔ غرور۔ لواطہ۔ گالی دینا وغیرہ۔

۲- جن کی طرف ہدایت کی گئی ہے ،

امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ معاملات میں راست بازی۔ قرض و رہن میں ایمانداری۔ گھوڑ دوڑ۔ تیر اندازی۔ وصیت۔ نکاح۔ منگنی۔ متعہ۔ حرام عورتوں سے بچنا۔ نیک چلنی کی طرف رغبت۔ مہر۔ حقوقِ زوجیت۔ پردہ کا حکم۔ رضاعت۔ نان نفقہ۔ عہد و پیمان کی پابندی۔ جہاد۔ مظلوم کا بدلہ لینا۔ صلح جوئی۔ مشورہ کا حکم۔ آپس میں نہ لڑو۔ صبر۔ درگذر۔ نرمیٔ قلب۔ برائی کا جواب نیکی سے دینا۔ انکساری و فروتنی۔ شکر وغیرہ۔

انبیاءؑ کا اپنی اپنی امتوں سے بداخلاقی دور کر کے ان کے نفوس کو پاک و پاکیزہ بنانا اتنا مشکل کام تھا کہ تمام انبیائے سابقین سے مکمل نہ ہو سکا۔ اس کی تکمیل نبیٔ آخر الزماںؐ کے سپرد ہوئی اور کُل ۲۳ سال کا زمانہ اس کی تکمیل کے لیے دیا گیا۔ یہ حضورؐ ہی کا کام تھا کہ آپؐ نے اپنے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کر دکھایا اور خدا سے مہرِ تصدیق ثبت کرا لی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی سند لے لی۔

۲۱- قرآن اور مکررات

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن میں ایک ایک بات کو کئی کئی بار بیان کیا گیا ہے۔ کسی نبی کا قصہ ایک جگہ نہیں بلکہ جا بجا بکھرا ہوا ہے جیسے :

قصۂ آدمؑ ۱۰ جگہ۔ شیطان کا قصہ ۲۷ جگہ۔ ادریسؑ ۲ جگہ۔ نوحؑ ۲۰ جگہ۔ ہود و عاد ۱۲ جگہ۔ صالحؑ و ثمود ۷ جگہ۔ ابراہیمؑ ۳۰ جگہ۔ اسمٰعیلؑ ۷ جگہ۔ اسحٰقؑ ۸ جگہ۔ یعقوبؑ ۷ جگہ۔ یوسفؑ ۲ جگہ۔ ایوبؑ ۳ جگہ۔ شعیبؑ ۵ جگہ۔ موسٰیؑ ۱۲ جگہ۔ حزقیل ۳ جگہ۔ ہارونؑ ۳ جگہ۔ آسیہ ۲ جگہ۔ الیسع ۲ جگہ۔ ذوالکفل ۲ جگہ۔ طالوت و جالوت ۲ جگہ۔ عزیر ۲ جگہ۔ داؤدؑ ۱۰ جگہ۔ سلیمانؑ ۷ جگہ۔ بلقیس ۲ جگہ۔ یونسؑ ۷ جگہ۔ زکریاؑ ۴ جگہ۔ یحیٰیؑ ۵ جگہ۔ مریمؑ ۱۰ جگہ۔ عیسٰیؑ ۱۹ جگہ۔ یاجوج و ماجوج ۲ جگہ۔ اصحابِ رس ۲ جگہ۔ اس شمار سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا قصہ بار بار بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح احکام کا تکرار ہے۔ آیات کا تکرار ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کوئی چیز مسلسل بیان ہوتی ہے تو اس میں لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ یہ بکھرے ہوئے قصے ایک جگہ بھی بیان ہو سکتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ قرآن بصورت کتاب ایک ہی بار نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا بلحاظ ضرورت نازل ہوتا رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ۔ انبیاء کے قصوں کے متعلق بار بار سوال کرتے تھے۔ کبھی کوئی گروہ آتا تھا کبھی کوئی گروہ۔ لہٰذا جیسا ان کا سوال ہوتا تھا اسی کے مطابق جواب دیا جاتا تھا۔ اسی لیے انبیاء کے قصے بار بار بیان ہوئے۔

عہدِ رسالتؐ میں اور اس سے قبل وجودِ باری تعالیٰ کے منکر بہت زیادہ تھے۔ جو ملحدین و زنادقہ کہلاتے تھے۔ لہٰذا اس امر کو ذہن نشین کرانے کے لیے کہ خدا موجود ہے بار بار ذکر کرنا پڑا ہے۔ اسی لیے اس ذکر کے لیے ۹۵ آیات قرآنِ مجید میں مختلف جگہوں پر پائی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو وجودِ باری کو تو تسلیم کرتے تھے لیکن اس کی توحید کے قائل نہ تھے بلکہ دوسروں کو اس کا شریک مانتے تھے لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کی توحید پر بار بار زور دیا جائے۔ چنانچہ قرآن میں یہ مضمون ۴۵ جگہ آیا ہے۔ سورۂ نمل میں بار بار یہ سوال کیا گیا ہے ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے) ردِّ شرک چونکہ بہت ہی اہم امر تھا لہٰذا ۱۲۱ جگہ اس کا ذکر کیا گیا۔ جو لوگ خدا کی نعمتوں کو بھول گئے تھے ان کو یاد دہانی ۲۷ جگہ کرائی گئی۔ سورۂ رحمٰن میں بار بار اس آیت کو دہرایا گیا۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان کو آگاہ کرنے کے لیے ۱۰۶ جگہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ بار بار ذکر سے ان کے دل میں خوف پیدا ہو اور وہ ایمان لے آئیں۔ بس اسی طرح اور مضامین کو سمجھئے۔

دوزخ سے ڈرانے کا ذکر ۶۱ جگہ اور بہشت کی رغبت دلانے کا ذکر ۵۹ جگہ ہوا۔ اسلام میں چونکہ اہلِ ایمان کا درجہ سب سے بلند ہے لہٰذا ۷۰ جگہ ان کا ذکر کیا گیا اور ان کا اجر بیان کیا گیا۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قرآن کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے کہ مسلسل بیان ہو۔ وہاں تو مقصود لوگوں کو

ہدایت کرنا ہے۔ لہٰذا قولی صورت میں فعلی صورت میں، مثالی صورت میں قدرت نے جہاں جیسا موقع پایا ہے کسی بات کو ذکر کرنے میں تامّل نہیں کیا۔ قوموں کے عبرتناک قصے کئی جگہ اس لیے بیان کیے گئے کہ لوگوں کے ذہن نشین یہ بات ہو جائے، کہ نافرمانوں کو کیسی عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ پس قرآن میں وہ چیزیں تلاش کیجئے جو دین و دُنیا میں انسان کی بھلائی کا باعث ہوں یہ نہ تلاش کیجئے کہ کون ذکر کتنی بار ہوا ہے۔

۲۲- قرآن اور عواملِ کائنات

مشہور تو یہی ہے کہ خدا نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے ہیں اور ان کا ہر ہر جزو نظامِ حیاتِ انسانی کے برقرار رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ عمل کر رہا ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ ان کے سربستہ رازوں کو معلوم کر سکے۔ جزوی طور پر جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ ایسا ہے جیسے آٹے میں نمک یا آنکھ میں سُرمہ۔ بلکہ اتنا بھی نہیں۔ یہ زمین اور اس کی مخلوقات اور ان سب سے زیادہ جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے ان سب کا مرکزِ توجہ ہے۔ خداوندِ عالم قرآن میں جا بجا ان کے نام اور کام بتاتا چلا جاتا ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے بے شمار احسانات پر نظر رکھ کر تم اس کے فرمانبردار بندے بنے رہو۔ اور اس سے سرکشی نہ کرو۔ اور اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ۔ اور اپنے دین اور دُنیوی زندگی کو سنوارنے کی کوشش میں لگے رہو اور خدا کے انبیاء و مرسلین نے جو ہدایت کی ہے اُس پر عمل کرو۔

قرآن کا یہ دعوٰی ہے کہ اس کے اندر سب کچھ ہے۔ اس کا مجملاً ذکر انسانی آگاہی کے لیے موقع و محل کے لحاظ سے کر دیا گیا ہے تاکہ تم ان چیزوں پر غور کیا کرو۔

ہم کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اوّل مخلوقِ سماوی محسوس و غیر محسوس۔ دُوسرے مخلوقاتِ ارضی محسوس و غیر محسوس۔ انہی دونوں میں وہ تمام عوامل موجود ہیں جو انسان کی زندگی اور موت کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

۱- مخلوقاتِ سماوی غیر محسوس

ملائکہ: جن کا ذکر قرآن میں ۷۳ جگہ آیا ہے۔ یہ خدا کی ایک نُورانی مخلوق ہے۔ باذنِ الٰہی ان کو نظامِ عالم میں بڑا دخل ہے۔ یہ مُدبّراتِ امر کہلاتے ہیں یعنی ان کے ذریعہ سے وہ تمام کام انجام پاتے ہیں جو از قسم حوادثِ ارضی و سماوی ہیں۔ جو رزق رسانیِ انسان کا وسیلہ ہیں۔ یہ ہماری آنکھوں سے اپنے اصلی وجود میں نظر نہیں آتے۔ ہاں جب بشکلِ انسانی زمین پر آتے ہیں تو ہماری آنکھیں ان کو دیکھ لیتی ہیں جیسے حضرت ابراہیمؑ کے پاس بصورتِ مہمان آئے اور جنابِ اسحاقؑ کی پیدائش کی خبر دی یا جناب لوطؑ کے پاس آئے اور ان کی قوم پر عذاب آنے کا حال بیان کیا یا جناب مریمؑ کے پاس حضرت عیسٰیؑ کی ولادت کی خبر دی یا جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے پاس بصورتِ دحیہ کلبی آئے۔ یہی وہ ہیں جو غیر محسوس صورت میں انسان کے بدن سے جان نکالتے ہیں۔ یہی وہ ہیں جو ہر انسان کے داہنے بائیں رہ کر اس کا ایک ایک عمل لکھتے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت میں گزرتا ہے۔ یہ عبادتِ خدا

سے کبھی تھکتے نہیں۔ ایک ایک رکنِ عبادت ان کو دیا گیا ہے جو قیام میں ہیں وہ قیامت تک قیام ہی میں رہیں گے۔ جو رکوع میں ہیں وہ قیامت تک اسی حالت میں رہیں گے۔ جو سجدہ میں ہیں وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ ان کی تعداد سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ سب باتیں قرآن میں مذکور ہیں۔

۲۔ حُور: یہ بھی خدا کی مخلوق ہے یہ بے پناہ حسن کی مالک ہے۔ خدا کے جو نیک بندے جنت میں جائیں گے یہ ان کی دلبستگی کا سامان ہوں گی۔ ان کے حسن و جمال کی تعریفیں قرآن میں مذکور ہیں۔ سورۂ رحمٰن پ۲۷ وغیرہ میں ان کی خصوصیات کا ذکر پڑھیئے۔

۳۔ غلمان: یہ نہایت خوبصورت لڑکے جنت میں لوگوں کی خدمت کے لیے ہوں گے۔ شراب طہورا کے پیالے پلائیں گے اور کوثر و تسنیم کے خالی جام بھر کر جنتیوں کو پیش کریں گے۔ سورۂ واقعہ میں ان کا حال پڑھیئے۔

۴۔ جنّت: پ۲۷ سورۂ واقعہ وغیرہ میں اس کا روح پرور حال پڑھیئے۔ ہرے بھرے درخت میووں سے لدے زمین پر سایہ کیے ہوں گے۔ سُہانا وقت ہوگا۔ نہریں بہتی ہوں گی۔ تخت بچھے ہوں گے۔ گاؤ تکیے لگے ہوں گے۔ آمنے سامنے بیٹھے لوگ باتیں کرتے ہوں گے۔ حُوریں اور غلمان خدمت کو حاضر ہوں گے۔

۵۔ دوزخ: اس کے عذاب سے خدا پناہ میں رکھے۔ آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوزخیوں کی جلدیں گل گل کر گر رہی ہوں گی۔ خاردار تھوہر کے درخت کا زہریلا کھانا ملے گا اور زخموں کی پیپ ملا کھولتا ہوا پانی پیتے ہوں گے موت نہ ہوگی نہ عذاب سے چھٹکارا۔ یہ دائمی عذاب ہوگا۔

۶۔ اعراف: سورۂ اعراف ع ۵ میں اس کا حال پڑھیئے۔ یہ مقام جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا۔

۷۔ پُل صراط: پارہ ۱۳ سورۂ والصّٰفّٰت ع ۲ میں اس کا حال پڑھیئے۔

۸۔ حوضِ کوثر: پارہ ۳۰ سورۂ کوثر میں اس کا ذکر ہے۔

۹۔ سلسبیل: یہ بھی جنت کا ایک چشمہ ہے۔ سورۂ دہر میں اس کا ذکر ہے۔

۱۰۔ صُور: سورۂ الحاقہ پ۲۹ میں اس کا حال پڑھیئے۔

۱۱۔ تسنیم: پ۳۰ سورۂ التطفیف میں اس کا ذکر ہے۔

۱۲۔ عرش: سورۂ اعراف پ۸ ع ۷۔

۱۳۔ کُرسی: پ۳ البقرہ ع ۳۴۔

۱۴۔ سدرۃ المنتہیٰ: النجم پارہ ۲۸۔

۱۵۔ قابَ قوسین: النجم پارہ ۲۸۔

۱۶۔ برزخ: جہاں مرنے کے بعد قیامت تک رہنا ہوگا۔

۱۷۔ عرصۂ محشر: جہاں روز قیامت تمام مخلوق جمع ہوگی۔

مذکورہ بالا چیزیں عوالم الملکوت سے تعلق رکھتی ہیں جو ہمارے لیے غیر محسوس ہیں۔ ان کے متعلق ہمیں غور و فکر و تدبیر و تفکر کی دعوت نہیں دی گئی۔ بلکہ جو کچھ رسولؐ نے بتایا ہے اس پر ایمان لانا ہم پر واجب ہے۔ چون و چرا کی گنجائش نہیں

عقلِ انسانی چونکہ ان کے اسرارِ خلقت سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا صرف تسلیم کرنے کی ہدایت ہے۔ مرنے کے بعد یہ چیزیں نظر آئیں گی۔

مخلوقاتِ سماوی محسوس

مخلوقاتِ سماوی محسوس میں اجرامِ سماوی خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان پر غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ معرفت حاصل کی جائے۔ خدا نے جو اسرار ان میں ودیعت فرمائے ہیں ان کی جستجو میں لگا رہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ نظامِ حیاتِ انسانی میں ان کو کہاں تک دخل ہے۔

۱۔ آسمان: سورۂ الغاشیہ پ۳۰ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ انسان اس پر غور کرے کہ قدرت نے کس طرح بغیر کسی ستون کے اس کو بلند کیا ہے۔ یہ کوئی ٹھوس چیز نہیں بلکہ جو چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں وہ ایک رقیق مادہ (ایتھر) ہے جو فضا میں بھرا ہوا ہے۔ انسان یہ غور کرے کیا اس کا بنانا زیادہ مشکل تھا یا آسمانوں کا بنانا۔ (پ۳۰)

۲۔ آفتاب: سورۂ والشمس پ۳۰۔ اس کو حیاتِ انسانی کے بنانے بگاڑنے میں بڑا دخل ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو روئے زمین کی تمام مخلوق مر کر رہ جائے۔ دن میں روشنی اس کے وجود سے ہے۔ یہ خدا کی مخلوق ہے خدا نہیں۔ کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو اسے خدا سمجھ کر پوجتے ہیں۔ سورۂ انعام ع ۸ میں حضرت ابراہیمؑ کا وہ استدلال پڑھیئے، جو ستارہ پرستوں کے ابطال میں ہے۔

۳۔ چاند: یہ بھی خدا کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ رات کو روشن کرنے والا بھی ہے۔ نظامِ حیاتِ انسانی کی فنا و بقا میں اس کو بھی بڑا دخل ہے۔ اس کی تمام ادلتی بدلتی حالتیں قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہر روز اس کی کرنیں ایک علیٰحدہ اثر رکھتی ہیں جن سے مخلوقِ ارضی متاثر ہوتی ہے۔

۴۔ ستارے: ان کی چالیں بُرجوں میں داخلہ کے لحاظ سے مختلف اثرات اپنی کرنوں میں پیدا کرتی ہیں۔ جواہرات میں چمک انہی کی کرنیں پیدا کرتی ہیں۔ انسانی جسم کے خلیے کھولنے اور بند کرنے میں ان کی شعاعوں کو بڑا دخل ہے۔

۵۔ کواکب: ان کی تعداد کوئی بتا نہیں سکتا۔ ان میں بعض زمین سے اتنی دُور ہیں کہ تین سو برس بعد اس کی کرن زمین کی سطح کو مَس کرتی ہے۔ یہ سب کُرّے ہیں جن پر خدا کی کسی قسم کی مخلوق آباد ہے۔

۶۔ بادل: انسانی زندگی کا بڑا سامان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اس کی بارش سے مُردہ زمین میں جان آجاتی ہے اور نباتات اُگتی ہے۔

۷۔ رعد یا گرج: یہ بجلی کو چمکاتی ہے اور بجلی کی چمک بادلوں کی رفتار میں تیزی پیدا کرتی ہے۔

۸۔ ہَوا: انسانی زندگی کے لیے کیسی ضروری چیز ہے دَم بھر کو رُک جائے تو آدمی کا دم نکل جائے۔ نباتات میں اسی کے دَم سے تازگی ہے۔ حیوانات اسی سے زندہ ہیں۔

الغرض ان تمام چیزوں کا ذکر قرآن میں کئی جہت سے کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔ یہ خدا کی مخلوق ہیں۔ یہ سب حادث ہیں۔ ان میں کوئی معبود بننے کا مستحق نہیں۔ آفتاب پرست،

ستارہ پرست، راجہ اندر کے پجاری سب گمراہ تھے۔ دوسرے ان کے ذکر سے غرض ہے کہ ان چیزوں کو اپنی حیات کا ممد سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ تیسرے ان کی تحقیقات کرکے اپنے علم کو بڑھاؤ اور ان کے ذریعہ نئی سے نئی ایجادیں کرکے بازاری دُنیا کو سجاؤ۔

۲۔ مخلوقاتِ ارضی

مخلوقاتِ ارضی میں کون سی چیز ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ پہاڑ، دریا، دریا کے ذخیرے، سونا، چاندی، کوئلہ، گیس وغیرہ زمین کے پوشیدہ ذخائر ہیں۔ موتی، مونگے، مشک، نباتات اُن کے اقسام جڑی بوٹیوں سے لے کر بڑے بڑے درختوں تک، حیوانات میں چیونٹی سے لے کر ہاتھی اور شیر تک۔ ان کے اقسام ان کی خصوصیات انسان اور اس کا نظامِ بدن۔ بچہ سے بوڑھے تک۔ زن و مرد غرض ان چیزوں کا ذکر قرآن کے اندر موجود ہے۔ ہر اس چیز سے جو انسانی زندگی کے لیے کار آمد ہے قرآن نے رُوشناس کرا دیا ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ ان چیزوں سے کیسے فائدہ حاصل کرے اور کہاں سے کرے اور کیسے کرے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند چیزوں کا اجمالی ذکر کرتے ہیں:

۱۔ زمین: (سورۂ بقرہ ع ۲۲) زمین کے فرش بچھانے کا ذکر ہے۔ (سورۂ النساء آیت ۱۰۰) میں آسمان و زمین میں جو چیزیں ہیں ان پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ دیکھو یہ کیسا عجیب و غریب فرش ہے۔ نہ زیادہ سرد نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ اس کے قدم قدم پر انسانی ضرورت کا سامان موجود ہے۔ پانی ہے ہوا ہے دھوپ ہے رات ہے دن ہے۔ پھل پھلاری ہے۔ جانوروں کے لیے گھاس ہے۔ سایہ کے لیے درخت ہیں۔ پہاڑوں کی بلندی پر چشمے ہیں۔ روئی کے کپڑے پہنو تو اس کا سامان، اُون کے پہنو تو اس کا سامان۔ طرح طرح کے غلے لہرا رہے ہیں۔ کھیتوں میں بہار آ رہی ہے مکانات بنانے کا سامان موجود۔ اس کو سجانے کا سامان مہیا۔ غرض انسان کو قدرت نے ایک بہت بڑے ذخیرے کے اندر بٹھا دیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کر دی ہے کہ مالِ غیر کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ لقمۂ حرام سے پرہیز کرو۔ اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد نہ بپا کرو۔ محنت سے کما کر کھاؤ۔ چوری نہ کرو۔ ڈاکے نہ ڈالو۔ بدکاریوں کی طرف توجہ نہ کرو۔ ورنہ یہ زمین تمہارے لیے جہنم بن جائے گی۔ تم اسی سے پیدا ہوئے ہو اسی میں چلے جاؤ گے۔ چند دن کی زندگی گزارنے کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔ تم یہاں ایسے ہو جیسے مسافر سرائے میں، ہمیشہ یہاں رہنے کا بندوبست نہ کرنا۔

۲۔ پہاڑ: (سورۂ ص پ ۲۳ ع ۲) میں۔ ہم نے پہاڑوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ ان کی چوٹیوں پر چڑھو۔ ان کے غاروں میں گھسو، ان کی وادیوں میں ٹہلو۔ وہ تم سے کچھ نہ کہیں گے۔ نیک ہو گے تو ان کے پتھر تمہارے قدم لیں گے۔ تمہارے لیے پانی کے چشمے نکالیں گے۔ تمہارے ہاتھ میں تسبیح پڑھیں گے۔ تمہاری بات کا جواب دیں گے۔ یہ ہے ہمارا احسان تم پر، آتش فشاں پہاڑ تمہارے لیے زمین کے اندر سے ذخیرے نکالتے ہیں۔ ان ہی پہاڑوں سے تمہاری زمین پر دریا بہتے ہیں۔ انہی کے اندر سے جواہرات نکلتے ہیں، دھاتیں نکلتی ہیں۔

۳۔ سمندروں اور دریاؤں کو دیکھو۔ ان کی تموج خیز موجوں میں تمہاری کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ ان کے بچانے والے ہم ہی ہیں ورنہ تم ڈوب کر رہ جاؤ۔ سمندروں میں غوطے لگا کر تم طرح طرح کی قیمتی چیزیں نکال کر لاتے ہو۔ وہاں کے

جانور تمہاری غذا کا سامان بھی ہیں۔

۴۔ آندھی: اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے جب آندھیاں چلتی ہیں تو زہریلے مادوں کو بستیوں سے اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ خرمنوں سے غلہ کے دانے اپنے دامنوں میں بھر کر لے جاتی ہیں۔ تاکہ ریگستانوں اور کھلے میدانوں میں جا کر بکھیر دیں۔ جن سے پرندوں کو غذا ملے اور مختلف قسم کی نباتات اُگے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو دانہ کون پہنچاتا۔ سبزہ کیسے اُگتا۔ وحشی چرندے کہاں سے کھاتے۔

۵۔ زلزلہ: (پ ۳۰، الزلزال)۔ یہ بھی آیاتِ الٰہیہ میں سے ہے جب زمین کے اندر گیس زیادہ یورش کرتی ہے تو قدرت زمین کو شق کرکے انہیں نکال دیتی ہے۔ انہی کے یورش کرنے سے زلزلے آتے ہیں۔

۶۔ نباتات: (الانعام پ ۷ ع ۴)۔ خدا نے اپنی قدرت سے کیسی کیسی نباتات اُگائی ہے۔ بعض کے دانے کھائے جاتے ہیں بعض کے پھل پھول بعض کی چھال بعض کے پتے۔ کچھ چیزیں غذا کے لیے ہیں کچھ دوا کے لیے۔ کچھ سایہ کے لیے۔ کچھ لکڑی کے لیے۔ غرض ایک پتہ بیکار نہیں۔ پھل ہیں تو کیسے لذیذ خوش ذائقہ۔ زبان ان کی مٹھاس میں تمیز کرتی ہے مگر الفاظ میں ان کی شیرینی کا فرق ادا نہیں کر سکتی۔ زمین پر پھیل جانے والی گھاس کو دیکھئے پتلے پتلے لمبے بدن اور ان کے پھل سیروں وزنی۔ تربوز۔ خربوزہ۔ سردہ۔ پیٹھا۔ اونچے اونچے درختوں کو دیکھو پھل چھوٹے چھوٹے۔ جیسے برگد کا درخت اور اس کا پھل۔ ان نباتات سے ہماری زندگی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم مر جاتے۔

۷۔ حیوانات: (پ ۲۳۔ یٰسٓ ع ۵)۔ چوپاؤں میں دیکھو شیر۔ ہاتھی۔ گینڈا۔ چھوٹے جانوروں میں دیکھو، چیونٹی۔ جُوں وہ جراثیم جو انسانی خون میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ اُونٹ کو دیکھو کس صنعت سے بنایا گیا ہے خود فرماتا ہے، اونٹ کو دیکھو اس کی خلقت کیسی عجیب ہے۔ خوبصورت چرندوں کو دیکھو ہرن۔ پاڑہ۔ بارہ سنگھا۔ گائے پرندوں میں بلبل۔ طوطا۔ مینا، غرض ہر جانور جو سینکڑوں قسم کا ہوتا ہے انسان کی تسخیر میں دے دیا ہے۔ وہ ان پر سواری کرتا ہے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ ان کا دودھ پیتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتا ہے۔ سرکسوں میں ان کے تماشے دکھاتا ہے ان کی ایک ایک چیز دودھ۔ کھال۔ بال۔ ہڈی۔ ناخن۔ خون سب اس کے کام میں آتے ہیں کوئی چیز بیکار نہیں۔ برّی جانوروں کے علاوہ بحری جانور بھی اس کے قبضہ میں ہیں۔ مچھلیاں۔ مگرمچھ۔ دریائی گھوڑے۔ سب کی گردنیں اس کے پنجہ میں دبی ہوئی ہیں۔

غرض انسان قدرت کے کس کس احسان کا شکریہ ادا کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جمادات ہوں یا نباتات یا حیوان برّی ہوں کہ بحری ہوں یا ہوائی سب اس کے بدن کا جزو بن جاتے ہیں کیسی عجیب مخلوق ہے انسان، سب سے الگ بھی ہے اور سب اس میں سموئے ہوئے بھی ہیں۔ غور کیا آپ نے ان سب چیزوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے انسان کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہارا معبود وہ ہے جو ان سب چیزوں کا خالق ہے۔ پس اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو۔ مگر انسان بھی کیسا خر دماغ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کونسی مخلوق ہے جس کو اس نے اپنا معبود نہیں بنایا۔ پتھر اس کے معبود۔ درخت اس کے معبود۔ حیوان اس کے معبود۔ انسان اس کے معبود۔ آفتاب اور ستارے اس کے معبود۔ انتہا یہ ہے کہ شیطان اس کا معبود۔ قرآن نے بار بار اس طرف اسے توجہ دلائی ہے۔

۲۳- اِنسان اور قرآن

اس میں شک نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ خدا نے اس کو بڑی عزت بخشی ہے اور اپنی کثیر مخلوق پر اس کو فضیلت دی۔ سب سے زیادہ عقل اسی کو عطا فرمائی ہے۔ ساری کائنات کا خلاصہ ہے۔ چمنستانِ تکوین کا گلِ سرسبد ہے مگر سب سے زیادہ بے عقل و بے ہوش بھی ہے۔ اونچی اُڑان اُڑے تو فرشتوں کی منازلِ قربت سے اوپر نظر آئے۔ نیچے گرے تو چوپاؤں کی ٹھوکروں میں پڑا دکھائی دے بلکہ اس سے بھی ذلیل تر۔ یہ انقلابِ حالت کیوں ہے؟ اپنی حقیقت کو نہ سمجھنے اور اپنی شعوری قوتوں سے کام نہ لینے سے۔ اپنی اشرفیت کا ثبوت دینے کے لیے اس کے اندر ہر قسم کا سامان موجود تھا مگر جو عقل کا چراغ گُل کر کے بیٹھ گیا ہو اُسے کیا نظر آتا۔ ابلیس اپنے شکار کی جستجو میں ہر طرف جال بچھاتا رہتا ہے جن کی گردنیں پھنس گئیں وہ انسانی دائرہ سے نکل کر کوسوں دُور جا پڑے۔ ہاں جس نے فریب کار شکاری کو پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا، خدا کی رحمت نے اس کو اشرفیت کی مسند پر لا بٹھایا۔

آغازِ آفرینش سے ان ہی دو گروہوں میں ٹکر رہی ہے۔ خدا والے چاہے کتنے ہی کم ہوتے تھے مگر شیطان والوں کے مقابل بول بولا ان کا ہی رہا۔ غالب وہی رہے۔

جب قومِ عاد پر سرکشی کا بھوت سوار ہوا تو اکیلے ہُودؑ خم ٹھونک کر ان کے مقابل آ گئے۔ کہاں ہزاروں کہاں ایک تنِ تنہا۔ خدا کے منکروں نے جی بھر کے ستایا مگر ہودؑ کے پہاڑ سے زیادہ مضبوط ارادہ میں بال برابر جنبش نہ ہوئی بشریت کی یہ بھی ایک اُونچی منزل تھی۔ جب حضرت ہودؑ کا سمجھانا کسی طرح کارگر نہ ہوا تو سب کے سب عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ گئے۔

اسی طرح یہ مقابلے بڑے زور و شور کے ساتھ بار بار ہوتے رہے۔ خدا کی فوج کے علمبردار اور نافرمان قوموں کے سردار بدلتے رہے۔ سرکشوں نے اپنا رستم آرائی کی رگ رگ سے پسینہ بہا کر دیکھ لیا مگر خدا والوں کے ماتھے پر شکن تک نہ پڑی—— معرکہ آرائیاں ہوئیں اور بڑے زور شور سے ہوئیں۔ مگر خدائی طاقتوں کے سامنے ابلیس کا زور کیا چلتا۔ عذاب کے شعلوں کی لپیٹ سے کون بچ سکتا۔ بستیاں تلپٹ ہو گئیں۔ مرنے والوں کی لاشیں تو کیا ملتیں، ان کی قوم کا نشان تک ڈھونڈا نہ ملا۔ یہ تھیں ایمان و کفر کی عبرتناک ٹکریں جو مئے غرور و نخوت کے مدہوشوں کو ہوش میں لانے کے لیے وجود میں آتی تھیں۔

زمانہ کروٹیں بدلتے بدلتے حضرت موسیٰؑ تک آ گیا۔ یہاں حماقتِ انسانی نے ایک نیا رُوپ دھارا۔ یعنی ایک خدا کا نافرمان بندہ (فرعون) خدا بن بیٹھا۔ یہ عقلِ انسانی کی انتہائی پستی کا دَور تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا دو معجزے اپنے ساتھ لائے۔ کھلے میدان میں جادوگروں سے مقابلہ ہوا۔ فرعون کی دماغی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں کہ سابقہ واقعات سے سبق نہ لیا۔ نتیجہ وہی ہوا جو انبیاء سے مقابلہ کا ہوا کرتا ہے۔ فرعون مع اپنی خدائی کے غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔ اس کی خدائی ماننے والے بھی سب ڈوب گئے۔ خس کم جہاں پاک۔

اب ایک نیا دَورِ ہدایت شروع ہوا۔ خدا کے احکام بصورت توریت حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے۔ جہالت میں

جکڑی قوم بحث مباحثہ کرنے لگی کہ اتنی موٹی کتاب کے احکام پر کیسے عمل ہو گا۔ بات بننے کی بجائے بگڑنی شروع ہو گئی۔ سرکشوں کی رگیں جو موسیٰؑ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے سوکھنے لگی تھیں بت پرستی کا خون بھر لائیں۔ جن کو خدا کا پرستار بننا چاہیے تھا وہ بچھڑے کے پجاری بن گئے۔ انسانیت کی یہ پستی بھی دیدنی تھی۔ موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل تھی۔ انتہائی سرکش، نافرمان، ہٹی اور ضدی جہالت سے پیچھے نہیں بلکہ عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتی تھی۔ یہ بھی انسانیت کا ایک شرمناک دَور تھا۔ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی پر دھکے بھی بہت کھائے۔ بند رہے، وادیٔ تیہ میں چالیس برس مارے مارے پھرے مگر پھر بھی رہے رام داس ہی۔ پھر بھی غنیمت کہ کانوں سے جہاں پتھر نکلے وہاں کچھ جواہرات بھی برآمد ہوئے۔ ایمان و کفر کی جھڑپیں عہدِ موسیٰؑ میں ہوئیں اور بڑے زور سے ہوئیں۔ ایک طرف انسانیت سر پیٹ رہی تھی دوسری طرف جہالت تالیاں بجاتی تھی۔ موسیٰؑ توریت کے احکام سناتے تو شور مچ جاتا فلاں بات پر عمل کریں گے فلاں پر نہیں۔ وہ جہاد کے لیے ساتھ لے جاتے تو عین ٹکر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے کہ ایسے جباروں سے ہم نہیں لڑ سکتے۔ تم اور تمہارا رب جا کر لڑے ہم تو یہیں براجمان ہیں۔

زمانہ کی جھولی عمرو عیار کی زنبیل ہے جس میں رنگ برنگ کے شعبدے بھرے رہتے ہیں۔ موسیٰؑ مر گئے تو قوم نے خوشیاں منائیں جان بچی لاکھوں پائے۔ اب توریت بنی اسرائیل کے ہاتھ لگی۔ روک ٹوک ختم۔ دیکھ بھال رخصت۔ سارے احکام مٹھی میں تھے۔ اب کیا تھا مزے آ گئے۔ کوڑیوں کے مول آیتیں بکنی شروع ہو گئیں۔ جو آیت چاہی بدل دی جو لفظ جہاں سے چاہا ہٹا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا وہ توریت، توریت ہی نہ رہی۔

جب زیادہ گڑبڑ مچی تو اصلاح کے لیے عیسیٰؑ بن مریمؑ تشریف لائے۔ انجیل ان کے ساتھ آئی۔ کتاب بدل گئی مگر قوم وہی رہی۔ کثیر جماعت نے ان کو رسول ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ جو کچھ لوگ انجیل کے محافظ تھے ان کے ہاتھوں انجیل پر وہی گزری جو اس سے پہلے توریت پر گزر چکی تھی۔ ایک کی چار انجیلیں بن گئیں۔

جب یہی تماشہ صدیوں ہوتا رہا، انبیاء قتل کیے جاتے رہے خدا کی کتابوں میں تحریف ہوتی رہی اور انسانیت کے بدن میں جونک نہ لگی تو خدا نے یہ سلسلہ ہی بند کر دیا۔ چنانچہ تقریباً چند سو سال تک کوئی نبی آیا ہی نہیں۔ انہی چند سو سال کے اندر انسانیت کے بدن میں اتنے کیڑے پڑے اور معاشرتی اور تمدنی سرزمینوں پر فتنوں کے اتنے سیلاب آئے، کہ خدا پرستی کی رُوح چیخیں مارنے لگی۔ ظلم و ستم کے شعلے بھڑکے۔ قتل و غارت کے بازار گرم ہوئے۔ شہوت پرستی نے عورتوں کی عصمت لوٹی۔ سنگدلی نے نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا۔ معاشقت کی زہریلی ہواؤں نے تمام فضا کو مسموم بنا دیا۔ امن و امان کی پریاں لاحول پڑھ کر ہر بستی سے اڑ گئیں۔ بت پرستی کے بھوت دھم دھم ہر گھر میں آ کودے۔ جب انسانیت کی ہڈیاں چُور چُور ہونے لگیں تو دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھے۔ الٰہی اس مصلح کو قوم میں جلدی بھیج جس کے آنے کی خوشخبری تُو نے توریت و انجیل میں دی ہے۔ ہم اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔ ہم ان کی اطاعت کریں گے۔

ملکِ عرب پر رحمتِ ایزدی نے پھر اپنے پَر پھیلائے۔ نبی آخر الزماںؐ کا ظہور ہوا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو سماں ہی کچھ اور تھا۔ کفر و زندقہ اس طرح ہر طرف پھیلا ہوا تھا جیسے درخت پر آکاشی بیل یا تالاب کے پانی پر کائی۔ چالیس سال تک انہی گندی ہواؤں میں سانس لیتے رہے۔ بشریت کی یہ مسخ شدہ لاشیں آنکھوں کے سامنے پڑی دیکھتے رہے جب

اعلانِ رسالت کا حکم ہوا تو وہی لوگ جو بلبلا کر نزولِ رحمت کی دُعائیں مانگ رہے تھے اب اُمّی رسُولؐ کو جس کی صفات توریت انجیل میں پڑھ چکے تھے اور جسے اپنے بچوں سے زیادہ پہچانتے تھے جھُوٹا رسول کہنے لگے۔ کبھی اسے مجنون کہتے کبھی کاہن کبھی شاعر۔ کبھی فسانہ گو۔ خدا نے اپنے رسُولؐ کی تصدیق کے لیے قرآن نازل کیا۔ اُس میں اپنی توحید کے ایسے مستحکم دلائل اور اپنی قدرتِ کاملہ کی ایسی روشن علامات بیان کیں جن کی تردید ناممکن تھی۔ پھر اپنے رسُولؐ کی صداقت اور قرآن کے پُراز حکمت ہونے کے اتنے ثبوت دیئے کہ منکرین کی لایعنی حجتوں کو سانپ سونگھ گیا۔ رسولؐ کو اوّلِ قرآنی کے تحت کئی محاذوں پر جنگ کرنا پڑی اور ہر محاذ پر کامیاب رہے۔

۱۔ ملحدوں سے ۲۔ مشرکوں سے ۳۔ اپنی قوم کے بُت پرستوں سے ۴۔ منافقوں سے، یہودیوں سے نصاریٰ سے۔ یہ معمولی مناظرے اور مباحثے نہ تھے۔ بات بات پر مخالفوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ تھی اور ان سب کو نیچا دکھانے میں قرآن کی آیات سے مدد لی جاتی تھی۔ یہ تھی قرآن کی استدلالی قوت، یہ تھا قرآن کے بیان میں زور۔ یہی قرآن رسولؐ کا وہ سب سے بڑا اعجاز تھا جس کے دلائل و براہین ایک ہی قوت کے ساتھ قیامت تک باقی رہیں گے۔

قرآن نے فطرتِ انسانی کے وہ وہ اسرارِ خفی و جلی بیان کیے ہیں جہاں حکمائے عالم اور فلاسفرانِ کی نگاہِ جستجو پہنچ ہی نہ سکی تھی۔ انسانی کمزوریوں کو ایک ایسے نرالے انداز میں بیان کیا ہے کہ الفاظ کم ہیں مگر ان کے نتائج بڑے دُور رس ہیں۔ مثلاً یہ کہہ کر چھوڑ دیا خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ (انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے) لیکن یہ نہیں بتایا گیا کس اعتبار سے اس کو انسان کی عقل پر چھوڑ دیا کہ وہ سوچے سمجھے اور غور کرے اس میں کہاں کہاں کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور ان کمزوریوں کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ اگر خود بیان کر دیتا تو انسان کو غور کرنے کا موقع نہ ملتا۔ فلسفیوں کی عقل اسی طرزِ نگارش پر چکرائی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ تین لفظوں میں فطرتِ انسانی کی خصوصیات کے دریا بہا دیئے ہیں۔ صرف اتنا کہہ کر بات ختم کر دی گئی ہے کہ "انسان جلد باز ہے"۔ تفصیلی بات کچھ نہیں۔ نتائج سے بحث نہیں کی گئی۔ یہ سب باتیں انسان کی عقل پر چھوڑ دی گئیں۔ وہ سمجھے کہ جلد بازی نے کہاں کہاں اُسے نقصان پہنچایا تاکہ وہ خود اپنے افعال کو اس کمزوری کا باعث قرار دے۔

اسی طرح جابجا انسان کی بے شمار خلقی و فطری خوبیاں اور کمزوریاں قرآنِ کریم میں بیان کی گئی ہیں اور جہاں جہاں اس کی غفلت اس کے دین اور دُنیوی نقصان کا باعث نظر آئی ہے اس کو آیاتِ قرآنی نے بُری طرح جھنجھوڑا ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے اور انعام و اکرام سے نوازا ہے ان لوگوں کو جو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔

قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھ جائیے کہیں کوئی حکم ایسا نظر نہ آئے گا جو انسان کی فطرت پر غیر معمولی بار ہو۔ جہاں فطرت دبتی نظر آئی ہے وہیں حکم کا بار ہلکا کر دیا گیا ہے۔ مثلاً نماز کھڑے ہو کر پڑھو۔ بیمار ہو تو بیٹھ کر پڑھو۔ بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر سہی، اشارہ سے سہی۔ سفر میں ہو تو قصر کرو۔ وضو نہیں کر سکتے تو تیمم سے پڑھو۔ پیسہ پاس نہیں تو حج کا وجوب ساقط۔ راستہ پُرامن نہیں تو وجوب ساقط۔ بیمار ہو تو وجوب ساقط۔ غرض خالقِ فطرت

نے ہر جگہ فطرتِ انسانی کی قوت کا اندازہ کر کے کوئی حکم دیا ہے۔ غرض عجیب و غریب کتاب ہے جس پہلو سے نظر کرو کوئی کتاب اس کا جواب نہیں ہو سکتی۔ اندازِ نگارش ایسا انوکھا کہ جس نے بڑے بڑے فصحائے عرب اور باکمال انشاء پردازوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ چھوٹی آیات میں اتنا کثیر مطلب سمو دیا ہے کہ ان کا مطلب پھیلاؤ تو دفتر بن جائے جہاں عبارت میں خلا ہے اسے پُر کرو تو لمبی لمبی عبارتیں بن جائیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ پہلی اور پچھلی بات خود ہی اس خلا کو پُر کر دیتی ہے سیاق و سباق عبارت خود پتہ دیتا ہے کہ یہاں جو خلا ہے اُسے یوں پُر کرو۔ ایک دو مثال ملاحظہ کیجئے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں بڑے بڑے مشاق انشاء پرداز چوٹ کھا جاتے ہیں۔ یا بیان ایسا گنجلک ہو جاتا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ یا گاجروں میں گٹھلیاں اور جواہرات میں سنگریزے مل جاتے ہیں۔

۱۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے چند کھوٹے درموں میں یوسفؑ کو بیچ ڈالا اور وہ تو یوسفؑ سے بیزار ہو ہی رہے تھے۔ آگے بیان ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ۔ مصر کے لوگوں میں سے جس نے یوسفؑ کو خریدا تھا اُس نے اپنی بی بی سے کہا اسے عزت و آبرو سے رکھو۔ غور کرو ان دونوں عبارتوں میں کتنا خلا پیدا ہو گیا۔ دوسرا لکھتا تو یوں لکھتا کہ جب یوسفؑ کے بھائی بیچ چکے تو قافلہ والے یوسفؑ کو لے کر مصر میں آئے اور اس بازار میں انہیں جا بٹھایا جہاں غلام بکتے تھے۔ لوگ خریداری کو آنے لگے۔ ان میں عزیزِ مصر بھی تھا جس نے یوسفؑ کو خرید لیا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ بی بی سے کہا اسے ذرا اچھی طرح رکھنا۔

خط کشیدہ عبارت کا خلا ہے لیکن تمام عبارت قلم انداز کر دی گئی۔ کیونکہ یہ سب باتیں پڑھنے والے کی سمجھ میں فوراً آ جائیں گی۔ ان کا ذکر انشاء پردازی کا سُقم تھا۔

۲۔ اسی سورۂ یوسف میں ہے زلیخا کے گھر میں جو بچہ تھا اس نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ اگر یوسفؑ کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے یوسف جھوٹے ہیں۔ اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے یوسف سچے ہیں۔

یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ کیوں وہ سچے ہیں کیوں وہ جھوٹی ہے۔ اس کو انسان کی ذہنی صلاحیت پر چھوڑ دیا گیا ہے واقعہ کی نوعیت پر غور کرے اور خود سبب معلوم کرے۔

اس حسنِ نگارش کے نمونے ایک دو نہیں سیکڑوں جگہ پائے جاتے ہیں۔ انسان کی کیا طاقت کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔

۲۴- رُموزِ اوقاف

قرآن مجید میں آیات پر کچھ اشارے بنے ہوتے ہیں - ان پر عمل کرنا چاہیئے - ان علامتوں کو رُموزِ اوقاف کہتے ہیں - ان کی صُورت یہ ہے :

م - وقف لازم ، یہاں ٹھہرنا چاہیئے ورنہ عبارت کا مطلب منشائے الٰہی کے خلاف ہوگا -
ط - وقف مطلق ، یہاں سے گزرنا نہیں چاہیئے بہتر یہی ہے کہ توقف کرنیکے بعد سے ابتدا کی جائے -
ج - وقف جائز ، یہاں ٹھہرنا نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں -
ز - وقف مجوز ، یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے -
ص - وقف مرخص ، یہاں ملاکر پڑھنا چاہیئے لیکن تھک جانے کی حالت میں ٹھہرنا جائز ہے -
ق - کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے (قیل علیہ الوقف) ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں بہتر ہیں -
لا - وقف نہ کرنا چاہیئے - اگر بھُولے سے ٹھہر جائے تو اعادہ واجب ہے -
قف - ٹھہرنا چاہیئے -
سکتہ - اس جگہ آواز توڑے سانس نہ توڑے -
وقفہ - لمبے سکتہ کی علامت ہے - اس جگہ ذرا دیر تک آواز توڑے رکھے - سکتہ اصل سے قریب تر ہوتا ہے اور وقفہ وقف سے -
صل - (قَدْ یُوصَلُ) کبھی ملاکر پڑھا جاتا ہے - یہاں وقف کرنا احسن ہے -
صلے - (وصل اولیٰ) یعنی ملاکر پڑھنا بہتر ہے -
∴ - اگر کوئی عبارت ایسے نقطوں کے درمیان ہو تو پہلے تین نقطوں پر ٹھہرنا اور دُوسرے تین نقطوں پر نہ ٹھہرنا یا اس کے برعکس کرنا اس قسم کی عبارت کو معانقہ کہتے ہیں -
۵ - آیت کا نشان ہے - اس پر ٹھہرنا چاہیے - اگر اس پر کوئی اور علامت ہو تو اس کا اعتبار ہوگا -

۲۵ - قرآن خوانی اور اس کا ثواب

قرآن مجید کو جہاں تک ممکن ہو روزانہ پڑھے - جس گھر میں اس کی تلاوت ہوتی ہے شیاطین اُس سے دُور رہتے ہیں - اور پڑھنے والا بہت سی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے -

ـ حدیث میں ہے کہ تین چیزیں روزِ قیامت خدا سے شکایت کریں گی :

ا - وہ مسجد جس میں قرب و جوار کے لوگ نماز نہ پڑھیں اور لوگوں کی بے اتفاقی سے وہ شکستہ و خراب ہو جائے -
۲ - وہ عالِم جس کی عزّت لوگ ملحوظ نہ رکھیں اور مسائل اس سے دریافت نہ کریں -
۳ - وہ قرآن جو لوگوں کے گھر میں رکھا ہو اور اس کی تلاوت نہ کی جائے -

ـ ایک حدیث میں ہے کہ چھ چیزیں ایسی ہیں کہ مرنے کے بعد مومن ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے :

ا - زن و فرزند جو اس کے لیے استغفار کریں -
۲ - قرآن جو اس کے بعد اس کے گھر میں پڑھا جائے -
۳ - وہ کنواں جو خلق اللہ کے فائدہ کے لیے بنوایا جائے -
۴ - وہ درخت جس کے سایہ میں لوگ بیٹھیں -
۵ - وہ چشمہ جو رفاہِ عام کے لیے جاری کیا گیا ہو -
۶ - وہ نیک رسم جس کو قوم میں رائج کیا ہو -

ـ مستحب ہے کہ جب قرآن کو کھولا جائے تو اسے بوسہ دیا جائے اور پُورا احترام اس کا مدِنظر رکھا جائے بغیر وضو اس کے الفاظ کو مَس نہ کیا جائے - پڑھنے میں جلدی نہ کی جائے - زیادہ پڑھنا قابلِ تعریف نہیں بلکہ ترتیل و خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھا جائے - اس کی آیات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جائے - جب آیۂ رحمت پڑھے تو خدا سے رحمت طلب کرے - آیۂ عذاب پڑھے تو خدا سے پناہ مانگے - جب پڑھنا شروع کرے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور کہے - جب آیۂ سجدہ پڑھے تو سجدہ میں جائے اور کہے سَجَدْتُ لَکَ یَا رَبِّ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا لَا مُتَکَبِّرًا وَّ لَا مُسْتَنْکِفًا عَنْہُ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ -

جب پڑھنا ختم کرے تو کہے صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ
الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾ ع

حمد ہے اس خدا کی جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے۔ رحمٰن و رحیم ہے قیامت کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو اس سیدھے راستہ پر ثابت قائم رکھ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں، نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ اُن لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہو گئے ہیں۔

فضائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوائے سورۂ برأت (توبہ) ہر سورہ کا جزو ہے۔ بسم اللہ کے بیشمار فضائل ہیں ہم یہاں صرف ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کرتے ہیں جو تمام فضائل پر حاوی ہے۔ حدیث "کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَمۡ یُبۡدَءۡ بِبِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ فَھُوَ اَقۡطَعُ وَ اَبۡتَرُ" یعنی جس کام کا آغاز بسم اللہ سے نہ کیا جائے گا وہ نہ تو پورا ہوگا اور نہ پریشانی کا دُور کرنے والا۔ بسم اللہ پڑھ کر کام کرنے میں اللہ کی رحمت و برکت شامل رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیہ مبارکہ انہی الفاظ کے ساتھ انبیائے سابقین پر نازل ہو چکی تھی۔ جناب سلیمانؑ نے جو خط بلقیس کو لکھا تھا اس کا سرنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں کُل ۱۹ حرف ہیں جن کے اندر پورا قرآن سمویا ہوا ہے۔ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے الفاظ میں سنیئے:

"جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ سب 'بائے بسم اللہ' میں ہے اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو ب کے نیچے ہے اور میں وہی نقطہ ہوں جو اس ب کے نیچے ہے۔"

امیرالمؤمنین علیہ السلام کے اس ارشاد کے متعلق مفسرین نے جو توضیحات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ میں نے اس وضاحت کو پسند کیا جو لمدد الملت مولانا سید امداد حسین صاحب کاظمی نے اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ انصاف پریس لاہور میں کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

اس نقطہ کی تشریح کے لیے پڑھیے ایڈورڈ کلاڈ Edward Claud کی کتاب اسٹوری آف دی ایلفے بٹ Story of the Alphabet جس میں اس نے ایک ایک حرفِ تہجی کا ماخذ بتایا ہے۔ وہ لکھتا ہے اہلِ فینقیہ اور

اہلِ مصر معاصر تھے اور ان کے درمیان تجارتی معاہدے ہوتے تھے جن کی تفہیم کے لیے کچھ اشارات مقرر کیے تھے جو بعد میں حروفِ تہجی بن گئے۔ مثلاً آنکھ کہنا ہوتا تو آنکھ کی شکل بنا دیتے تھے جو حرف ع سے مشابہ ہے اور عربی میں عین کے معنی آنکھ ہیں، ج سے مراد اُونٹ لیتے یہ حرف اُونٹ ہی کی شکل کا ہے۔ عربی میں جَمَل اور عبرانی میں جیم اُونٹ ہی کو کہتے ہیں یہ بیٹھے ہوئے اُونٹ کی شکل ہے اور نقطہ سے مراد اُونٹ کا مالک ہے جو اس پر سوار ہے۔ اس طرح ش سے مراد شجر (درخت) ہے جس پر دو پرندے بیٹھے ہیں اور ایک اُڑ رہا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے کہ ب سے مراد گھر ہے اور ب کے نیچے جو نقطہ ہے اس سے مراد گھر کا مالک ہے جو دروازہ پر بیٹھا ہے۔

یہ مضمون مولانا محمد حسین صاحب آزاد نے آبِ حیات میں بھی لکھا ہے۔ پس آپ سمجھیے کہ امیر المومنین علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں جو کچھ ہے اُس کی ابتدا بائے بسم اللہ سے ہے یعنی ایک گھر ہے جس کا دروازہ میں ہوں۔ بس میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو کُل قرآن کے اندر ہے۔ اسی بنا پر فرماتے تھے سَلُوْنِيْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِيْ (جو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔) تمام علومِ قرآنی کا دروازہ میں ہوں۔ رسول اللہؐ نے اس کو یوں واضح فرمایا ہے اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔) اور یہ بھی فرمایا ہے اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) مطلب صاف اور واضح ہے کہ جملہ علومِ قرآنی کا میں شہر ہوں اور علیؑ دروازہ ہیں۔ لہٰذا علومِ قرآنی حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ دروازے سے آئے۔ اسی طرح حکمت کے گھر میں داخل ہونے والے پر لازم ہے کہ دروازہ سے آئے، پشت کی طرف سے نہ آئے کیونکہ پشت سے آنے والا چور ہوتا ہے۔ قرآن بھی یہی فرما رہا ہے وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازوں سے آؤ۔) علوم القرآن کے اسرار و غوامض کی نقاب کشائی جس طرح امیر المومنینؑ نے فرمائی ہے کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہوتی۔ علی علیہ السلام ہی مصداق مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ہیں۔ (پ ۱۳، آیت ۴۳)

تفسیر سُورۂ فاتحہ

اس سورہ کے تین نام ہیں، سورہ فاتحہ۔ سورہ الحمد اور سبع مثانی۔ یہ سورہ دو بار نازل ہوا۔ مکہ اور مدینہ میں، اسی لیے سبع مثانی کہلاتا ہے یعنی وہ سات آیتیں جو دو بار نازل ہوئیں۔ اس سورہ کی عظمت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ وہ ہر نماز میں پڑھنی واجب ہے اگر اس کو نہ پڑھا جائے تو نماز باطل۔

اس کی جامعیت اور معنویت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا مِنْ تَفْسِيْرِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ (میں اگر چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اتنی کتابیں لکھ دوں جو ستّر اُونٹوں پر بار ہو سکیں) اور یہ بھی فرمایا جو تمام قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ اس کی پُوری تفسیر بیان کر سکے یہ تو ان ہی کا حق ہے جو من عندہ علم الکتاب (پ ۱۳، ع ۲) کے مصداق تھے اور آیات بیّنات جن کے سینہ میں محفوظ تھیں۔

بعض لوگ اس بات کو نہیں مانتے کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستّر اُونٹ کیسے بار کیے جا سکتے ہیں جبکہ پورے قرآن کی تفسیر میں بھی اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ سُنا ہے لندن کے کتب خانہ میں سب سے بڑی تفسیر وہ ہے جو ستّو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ایسے خیالات انہی لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جن کو قرآن کریم کی معرفتِ تامّہ حاصل نہیں۔ ہم ایک مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کر سکتے ہیں۔

اسلام جو اللہ کے دین کا نام ہے صرف پانچ حرفوں کا ایک لفظ ہے لیکن اس کی پہنائی اور گیرائی کہاں تک ہے اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسا باغ ہے جس میں ہزارہا پھول کھلے ہوئے ہیں اور ہر پھول کا رنگ۔ خوشبو اور قد و قامت جداگانہ ہے۔

کتنے علوم اس کے زیرِ سایہ پرورش پا رہے ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ ان کا شمار کر سکے۔ مثلاً

۱۔ اسلامی علمِ تفسیر، کتنی ہزار کتابیں اس علم میں لکھی گئی ہیں۔

۲۔ اسلامی احادیث کے متعلق کتنے کتب خانے چھلک رہے ہیں، کون شمار کر سکتا ہے۔ یہ علمِ تفسیر سے ایک جداگانہ چیز ہے۔

۳۔ علمِ کلام میں کتنے دقیق مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ کتنے مباحث اس کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔ کتنی کتابیں اس علم میں لکھی جا چکی ہیں، ہے کوئی جو بتلا سکے! پھر تفسیر ہے جو حدیث سے جداگانہ ایک چیز ہے مگر ہے اسلام ہی کے باغ کا پھول۔

۴۔ علمِ فقہ۔ لاکھوں کتابیں اس علم کے تحت لکھی جا چکی ہیں۔ فقہ کے تمام مسائل ان میں حل کیے گئے ہیں۔ یہ بھی اسلام ہی کا خزانہ ہے۔

۵۔ اسی طرح علم اصولِ فقہ۔ تاریخ۔ قصص و حکایات۔ معاملات۔ اخلاق۔ تجارت۔ مطالب۔ میراث۔ وکالت۔ رہن۔ نکاح۔ طلاق وغیرہ پر لکھنے والوں نے کیا کچھ نہیں لکھا۔

غرض ایک لفظ اسلام کے اندر جب یہ تمام ذخائر موجود ہیں جن سے کتنے اُونٹ بار کیے جا سکتے ہیں تو سورہ فاتحہ تو سورہ فاتحہ ہی ہے۔ اس کی جامعیت کا کیا ٹھکانہ۔ اس کی تفسیر میں امیر المومنینؑ جیسا لکھنے والا اگر ستّر اونٹ بار کر دے تو کیا تعجب کی بات ہے۔

اس کے معجزات بھی ذرا ملاحظہ ہوں:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر سورہ فاتحہ ستّر مرتبہ کسی مُردہ پر پڑھ دی جائے تو بعید نہیں کہ وہ زندہ ہو جائے اور اگر مریض کا بازو پکڑ کر دَم کی جائے تو اس کو شفا حاصل ہو گی اور اگر اس سے شفا نہ ہو تو پھر کسی دوا سے آرام نہ ہو گا۔ بشرطیکہ دم کرنے والا صاحبِ زہد و تقویٰ ہو۔ عبادت گزار ہو اور مریض بھی بندہ مومن ہو اور قرآن کی اس اعجازی صفت پر پورا پورا یقین رکھتا ہو۔

راقم الحروف کئی بار اس کا تجربہ کر چکا ہے۔ میں نے اکثر مریضوں کو یہ عمل بتایا ہے کہ ایک شخص باوضو ہو کر مریض کا داہنا بازو پکڑے اور بائیں ہاتھ میں پانی کا گلاس لے اور اس پر ستّر مرتبہ سورہ الحمد دم کرے اور یہ پانی نصف گلاس صبح کو اور نصف گلاس رات کو سوتے وقت مریض کو پلائے۔ یہ عمل سات روز متواتر کیا جائے۔ چنانچہ بہت سے مریضوں کو اس عمل مبارک سے شفا حاصل ہوئی ہے۔

اگر کوئی شخص سات مرتبہ سورہ الحمد سینہ پر دم کر کے سوئے گا تو اس کو بدخوابی نہ ہو گی۔

اگر گھر کا دروازہ بند کرتے وقت سات بار سورہ الحمد قفل پہ دم کر دے تو سرقہ سے محفوظ رہے گا۔

حقایق و معارف

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ بکثرت ہیں لیکن اس سورہ میں سب سے پہلے جس صفت کا ذکر کیا ہے وہ اس کی صفتِ ربوبیت ہے۔ یہ نہیں فرمایا حمد ہے اُس خدا کی جو اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ہے حالانکہ خلق کا مرتبہ ربوبیت سے پہلے ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ کوئی مخلوق اپنی خلقت کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتی کیونکہ خلقت کے وقت قدرتی صنّاعیوں کو کوئی مخلوق بچشم خود نہیں دیکھتی، لیکن خلقت کے بعد جب اس کی پرورش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ وہ رب العلمین کس کس شان سے اس کی پرورش کرتا ہے، اس کی پرورش کے لیے کیا کیا سامان مہیا کرتا ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی اپنی پرورش کا سامان اپنی

ماں کی چھاتی میں مہیا پاتا ہے۔ اس کے بعد کیا کیا نعمتیں اس کے سامنے آتی ہیں اور کس طرح اس کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ شانِ ربوبیت خدا کے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا۔ انسان ہی پر کیا موقوف ہے سطحِ ارض پر جتنے ذی حیات موجود ہیں ان سب کی وہی روزی فراہم کرتا ہے جو اس کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اُونچے اُونچے پہاڑوں پر ہوں یا ناپیدا کنار سمندروں میں ہوں یا درختوں پر بسنے والے پرندے ہوں یا سطحِ ارض پر دوڑ دھوپ کرنے والے چرندے۔ درندے اور رینگنے والے حشرات الارض، سب اس کے خوانِ یغما پر صبح و شام پلتے ہیں۔ اُس نے وعدہ کیا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہر زمین پر چلنے پھرنے والے کا رزق اللہ پر ہے) اس ربوبیت کا شکر بجالانا انسان کا فرضِ اولین ہے۔ قرآن میں دیکھیے ہر نبی جب کوئی دُعا کرتا ہے تو رَبّ کا لفظ پہلے استعمال کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا خدا کو اپنی صفتِ ربوبیت سب سے زیادہ پسند ہے۔

۲۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ ربوبیت کے بعد اس نے اپنی صفت رحمٰن و رحیم ذکر فرمائی ہے۔ یعنی دُنیا و آخرت دونوں جگہ رحم کرنے والا وہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک گنہ گار انسان اپنے گناہوں کا تصور کر کے اور نجاتِ آخرت سے مایوس ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور انتہائی بے کیف زندگی بسر کرتا۔ اگر اللہ صفت رحمٰن و رحیم سے اس کی ڈھارس نہ بندھاتا۔ وہ رحمٰن تمام مخلوق کے لیے ہے اور رحیم مومنین کیلئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جو ذات رحمٰن و رحیم ہے وہ عادل نہیں ہو سکتی۔ رحم چاہتا ہے کہ گناہ معاف کیا جائے۔ عدل چاہتا ہے کہ انصاف کیا جائے۔ جواب یہ ہے کہ وہ رحم کرے گا اُن گناہوں کے متعلق جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو گا۔ مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا تو وہ رحم فرما کر اس کا گناہ معاف کر دے گا لیکن جو گناہ بندوں کا بندوں نے کیا ہے تو ان کے درمیان وُہ ضرور عدل سے کام لے گا۔

۳۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اپنے قدرت و اختیار کا تین لفظوں میں ایسا ہیبت ناک مرقع قدرت نے پیش کیا ہے کہ عاقبت سے بے خبر انسان ایک مرتبہ ہی چونک پڑتا ہے۔ ایک دن اُسے میدانِ قیامت میں اس طرح کھڑا ہونا پڑے گا کہ اس کا کوئی معاون و مددگار نہ ہو گا۔ دنیا کی ساری سلطنتیں اس روز ختم ہو جائیں گی اور پھر یہ آواز عرصۂ محشر میں گونجے گی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (بتاؤ آج کس کی حکومت ہے) کون جواب دے گا۔ آخر خود ہی لبِ حقیقت سے فرمائے گا — لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج خدائے واحد و قہار کی حکومت ہے)۔ جو لوگ روزِ قیامت پر اور خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے وہ سوچیں کہ اگر خدا اور قیامت پر ایمان لانے والوں کا عقیدہ صحیح ہوا تو ان کا کیا حشر ہو گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہو گا تو ایمان لانے والوں کا کیا بگڑے گا۔

۴۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اس آیت سے پہلے جو تین آیتیں ہیں وہ ذاتِ باریؑ کو غائب سمجھ کر کہنے والا کہہ رہا ہے لیکن مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر پہنچ کر جب معرفت اپنے انتہائی عروج پر آجاتی ہے تو عبد و معبود کے درمیان جو حجاب حائل ہوتے ہیں وہ اُٹھ جاتے ہیں۔ اب کہنے والا جو کچھ کہتا ہے وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے۔ اب وُہ یوں نہیں کہتا کہ ہم خاص اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتا ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبدیت اپنے اصلی روپ میں نمایاں ہو جاتی ہے اور بندہ اپنے خالق کی توحید و یکتائی کا دل سے اقرار کرتے ہوئے اپنی عبادت کو اُسی سے مخصوص کرتا ہے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ خدا کے سوا کوئی سچا مددگار نہیں وُہ خدا سے اعانت طلب کرتا ہے۔ اب آگے جو کچھ اس کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہتا ہے وہ براہِ راست اُسے مخاطب کر کے کہتا ہے کسی کو واسطہ قرار نہیں دیتا۔ اب جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے اس کا معبود اس کا ربّ

سب سنتا جاتا ہے۔ دو لفظوں میں توحیدِ الٰہی کا کتنا زبردست درس موجود ہے۔ ان اسرار و رموز کو عام لوگ کیا سمجھیں، اس کا مزہ تو کوئی سالکانِ راہِ طریقت اور رہ نوردانِ وادئ معرفت سے پُوچھے۔

۵۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ یہ ترجمہ غلط ہے کہ ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دُعا کرنے والا ابھی صحیح راستہ پر اپنے آپ کو نہیں سمجھتا۔ اور اگر ایسا ہے تو اس کا طریقہ عمل غلط ہے۔ ہمارے علمائے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ہم کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھ۔ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی سیدھے خط کو کہتے ہیں۔ اس کے اوپر نیچے جتنے خطوط نکلیں گے وہ سب کج ہوں گے لہٰذا نجات پانے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو افراط و تفریط سے محفوظ رہ کر خطِ مستقیم پر چل رہے ہوں۔ اس سے ہمیں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ اسلام میں جو تہتر فرقے ہیں ان میں سے صرف ایک ناجی ہو گا سب نہیں ہو سکتے۔ اس کا پتہ رسولؐ نے دے دیا ہے۔ یعنی قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیت کو کر دیا ہے تاکہ ہر زمانہ میں وہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتے رہیں۔ اہلبیت کے سوا اسلام میں کوئی گروہ ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جس کو رسولؐ نے قرآن کے ساتھ کیا ہو۔

۶۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یہ صراطِ مستقیم صرف انہی لوگوں کا راستہ ہو سکتا ہے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کی نشان دہی یوں کرائی گئی ہے:

اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۝

یعنی (خدا کے نیک بندے) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہ چار گروہ ہیں۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء و صالحین۔ یہاں نعمتوں سے مراد دنیوی نعمتیں نہیں ہیں بلکہ سعاداتِ آخروی اور مراتب و مدارج رُوحانی ہیں۔ دنیا میں کسی نبی یا ولی کا گھر آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس میں انعام پانے والوں کی یہ چار صفتیں پائی جاتی ہوں۔ سوائے بیت مکرم و مقدس سرکارِ دوعالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جہاں ان میں ان اصناف کے بہترین افراد بیک وقت موجود تھے۔ نبی تھے تو سیّد الانبیاءؐ۔ صدیق تھے تو افضل الصدیقین۔ شہید تھے تو سیّد الشہداءؑ اور صالح تھے تو صالح المومنین۔ پس ان کے ساتھ ہونے والا اور ان سے محبت کرنے والا یقیناً صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا۔

قرآن نے بتایا کہ رسولؐ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے سید و سردار قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم مرسلین میں سے ہو اور سیدھے راستہ پر ہو) اور رسولؐ نے فرمایا۔ يَا عَلِيُّ اَنْتَ مِيْزَانُ الْاَعْمَالِ وَصِرَاطُ الْمُسْتَقِيْمِ۔ (اے علیؑ، تم میزانِ اعمال ہو اور صراطِ مستقیم ہو۔)

۷۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ اچھے لوگوں کی نشان دہی کے بعد اب یہ دُعا کی جاتی ہے کہ مغضوب علیہم ولا الضالین کے راستہ سے ہمیں بچائے رکھنا۔ پہلا گروہ یہودیوں کا ہے جن پر ایک بار نہیں نہ معلوم کتنی بار غضبِ الٰہی نازل ہوا۔ دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر گمراہ ہو گئے۔

نکتۂ بلیغہ : سورہ فاتحہ درحقیقت دُعا ہے۔ بندہ اپنے خالق سے کچھ مانگنا چاہتا ہے۔ ہر مانگنے والے کے لیے چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلے اپنے محسن کی تعریف کرے چنانچہ الحمد للہ سے مالکِ یوم الدین تک تعریف ہے۔ پھر اپنی احتیاج کو اس سے مخصوص کرے۔ چنانچہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے ظاہر ہے۔ پھر اپنی حاجت بیان کرے جیساکہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے ظاہر ہے۔ پھر آخر میں کچھ ایسے لوگوں سے اپنا تعلق دکھائے جو محسن کے محبوب بندے ہوں۔ چنانچہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے واضح ہے۔ پھر اس کے دشمنوں سے اظہارِ نفرت کرے جیساکہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے ثابت ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

معترض کہتا ہے جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے ثابت ہے کہ مدد صرف خدا ہی سے چاہی جائے بندوں سے نہیں تو شیعوں کا یا علیؑ مدد کہہ کر علیؑ سے مدد مانگنا کفر ہے (نعوذ باللہ)۔ جواب یہ ہے، کہ استعانت کا نقطۂ آخر بے شک خدا ہے۔ دینے والا وہی ہے مگر براہِ راست کسی کو نہیں دیتا بلکہ بیچ میں کسی کو واسطہ ڈالتا ہے۔ لہٰذا اگر اس واسطہ کے ذریعہ سے مدد مانگی جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ سورۂ آل عمران میں پڑھیے کہ حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں سے کہا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ یعنی اللہ کے معاملہ میں میرا مددگار کون ہے۔ حواری کہنے لگے نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ۔ ہم ہیں اللہ کے ناصر۔ اگر غیرِ خدا سے نصرت طلب کرنا کفر ہوتا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندوں سے نصرت کے خواہاں نہ ہوتے۔ نوعِ انسانی تو ایک دوسرے کی مدد کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ معاشرت اور تمدن کی فلاح و بہبود کے تمام دروازے بند ہو جائیں اگر ایک دوسرے کی مدد نہ کرے۔ کوئی شیعہ حضرت علی علیہ السلام کو معاذ اللہ خدا مان کر حاجت طلب نہیں کرتا بلکہ ان سے سفارش چاہتا ہے۔ یعنی اے علیؑ ہماری مدد کیجیے ہمیں بارگاہِ الٰہی سے مدعا حاصل کرنے میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۚ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿٢﴾ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾

یہ وہ کتاب ہے جس کے کتابِ خدا ہونے میں ذرا بھی شک نہیں یہ اُن پرہیزگاروں کو پوری پوری ہدایت کرتی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق اُن کو دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور اے رسولؐ جو تم پر اور تم سے پہلے انبیاءؑ پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں

اس سورہ کا نام سورۂ بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں گائے کا ایک حیرت انگیز قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورہ ۲½ پاروں پر منقسم ہے۔ اس کا آغاز الٓمّٓ سے ہوا ہے۔ یہ حروفِ مقطعات کہلاتے ہیں کیونکہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ الف۔ لام۔ میم، قرآن مجید میں کئی سورتوں کی ابتدا ان حروفِ مقطعات سے کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حروف اسرارِ الٰہیہ میں سے ہیں۔ ہمیں ان کی حقیقت معلوم کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔ ان کا علم نبیؐ اور امامؑ کے سوا کسی اور کو نہیں دیا گیا۔

ان تمام حروف کی تعداد ۸۴ ہے جن میں بہت سے حروف مکرر ہیں۔ اگر ان کی تلخیص کی جائے یعنی مکررات کو حذف کر دیا جائے تو چودہ حروف باقی رہتے ہیں: ص ر ا ط ع ل ی ح ق ن م س ک ہ ۔

ان چودہ حروف سے عبارتیں تو بیشمار بنتی ہیں مگر یہ ایک اعجازی شان ہے کہ سوائے اس عبارت کے

صِرَاطُ عَلِیٍّ حَقٌّ نُمْسِکُہٗ

باقی تمام عبارتیں مہمل بنتی ہیں۔ کئی صدیوں تک علمائے اسلام اس کوشش میں لگے رہے کہ شیعوں کے اس دعوٰی کو غلط ثابت کر دیں لیکن اس اعجازی شان کو کون مٹا سکتا تھا۔ (علیؑ کا راستہ حق ہے ہم اسی پر قائم ہیں۔)

اس کے بعد فرمایا گیا ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۔ ذٰلِکَ سے بعید چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور ھٰذَا سے قریب شے کی طرف۔ آیہ مَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ (یونس، ۱۱/۴) میں قرآن کی طرف ھٰذَا سے اشارہ کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے مراد یا تو لوحِ محفوظ ہے یا پھر وہ کتاب ہے جو قلمِ قدرت سے قلبِ رسولؐ پر لکھی گئی۔ جو رسولؐ نے پڑھ کر سُنایا وہ قرآن کہلایا اور جو اللہ نے لکھا وہ کتاب اللہ کہلائی۔

اس کتاب میں بہت سے دلائل ایسے موجود ہیں کہ ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اللہ کی کتاب ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ اس کا دعوٰی ہے کہ ایک سورہ ہی ایسا بنا لاؤ۔ اُس وقت سے آج تک کوئی اِس کی

تردید نہ کرسکا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ یُوں تو قرآن کریم ہر اس شخص کے لیے باعثِ ہدایت ہے جو ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن پُوری پوری ہدایت تو صرف وہی متقی اور پرہیزگار لوگ حاصل کرسکتے ہیں جن کی چند صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے والے ہوں۔ بے شک ایمان کی صحیح قوت کا اندازہ ایمان بالغیب سے ہوتا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی تمام صفات سے پہلے اس کو بیان کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو چیز آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے اس کا یقین بہت آسانی سے ہوجاتا ہے، برعکس غائب چیز کے کہ اس میں سوچ بچار کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ بے شمار شکوک و اوہام کے دروازے دل پر کُھل جاتے ہیں۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ ہماری نظروں سے غائب ہے تو کتنے لوگ ہیں کہ اس کے وجود سے انکار کررہے ہیں۔ اسی طرح فرشتے۔ جنّت۔ دوزخ۔ قیامت وغیرہ ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ زبان سے چاہے اقرار کرلیتے ہوں لیکن ان کا دل نہیں مانتا۔ صرف اس بنا پر کہ یہ چیزیں ان کو نظر نہیں آتیں۔

اس لفظ غیب کے تحت میں امام غائب ولی عصر مہدیؑ آخر الزماں پر ایمان لانا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ ورنہ انکار کرنے والا متقیوں کی صفت سے خارج ہوجائے گا۔

۲۔ متقی کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھنے والا ہو۔ تارک الصلوٰۃ خدا سے ڈرتا نہیں اور نہایت غیر محتاط انسان ہے۔ یعنی وہ اپنی عبدیت کا ثبوت دینا نہیں چاہتا اور اپنے معبود کے سامنے پابندی سے سر جھکانا انسانی فریضہ نہیں سمجھتا

۳۔ متقی کی تیسری صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو رزق اس کو دیا ہے وہ اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ وہ اس سے ڈرتا ہے کہ کل کو وہ بھی دوسروں کی طرح محتاج نہ بن جائے خدا نے جو اس پر نوازش فرمائی ہے اس کا شکر یہی ہے کہ وہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دے۔

۴۔ تقویٰ کی چوتھی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو احکام اپنے نبیؐ پر اور ان سے پہلے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں صدق دل سے اُن کی تصدیق کرے۔

۵۔ پانچویں علامت تقوٰی کی یہ ہے کہ روزِ قیامت پر صدق دل سے ایمان لائے اور صدق دل سے ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسے اعمال بجالائے جو روزِ قیامت اس کے لیے نجات کا باعث ہوں۔ ورنہ بداعمالی کی صورت میں اقرارِ قیامت زبانی جمع خرچ ہوگا۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ
قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۷﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾
يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾
فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا
يَكْذِبُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ
مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

(جن متقی لوگوں کی صفتیں پہلے بیان کی جاچکی ہیں) یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے برابر ہے کہ (اے رسولؐ) چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وُہ ایمان نہ لائیں گے۔ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر (نظر کرکے) خدا نے تصدیق کی مہر لگا دی ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہُوا ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لے آئے حالانکہ وُہ دل سے ایمان نہیں لائے یہ لوگ خدا کو اور ایمان لانے والوں کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وُہ اپنے ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور کچھ شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دِلوں میں تو مرض تھا ہی اللہ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا اور ان کے لیے ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے بہت دردناک عذاب ہے جب ان سے کہا گیا کہ ملک میں فساد نہ کرتے پھرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرتے ہیں خبردار ہوجاؤ یہ سچے فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

متقیوں اور اہلِ ایمان کی صفات بیان کرنے کے بعد اب کافروں کا حال بیان کیا جاتا ہے یعنی کفر نے اس حد تک اُن کے اُوپر اثر کرلیا ہے کہ اب

رسولؐ کا ہدایت کرنا یا نہ کرنا ان کے لیے برابر ہو گیا ہے چکنے گھڑے بن گئے ہیں کہ جیسے اس پر پانی نہیں ٹھہرتا ایسے ہی ان کے پتھر جیسے دلوں پر ہدایت اثر نہیں کرتی۔ اِس کان سنتے ہیں اُس کان اُڑا دیتے ہیں۔ ان کی یہ حالت علم الٰہی میں آ چکی ہے لہٰذا اس نے اپنے رسولؐ کو بتا دیا کہ یہ ایمان والے نہیں۔ جب ان کی یہ حالت دیکھی گئی اللہ نے بھی اپنی نیک توفیق ان سے سلب کر لی تفسیر مجمع البیان میں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ نے ان کے قلوب کی حالت دیکھ کر تصدیق کر دی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں اور یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر ایسے نشان بنا دیئے کہ ملائکہ فوراً پہچان لیں کہ یہ کٹّے کافر ہیں وقتِ مرگ ان پر سختی کی جائے۔

یہ لوگ چونکہ درپئے تخریب اسلام تھے لہٰذا بات بات پر فساد اٹھا کھڑا کرتے تھے تاکہ مسلمان پریشان ہو کر اپنے سابق دین کی طرف پلٹ آئیں اور جب ان مفسدوں کو ٹوکا جاتا تو کہتے کیا خوب ہم تو آپ لوگوں کے درمیان اصلاح کے خواستگار ہیں اور آپ ہمیں مفسد بتاتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے، اے مسلمانو! ذرا ان سے خبردار رہنا یہ کھلے مفسد ہیں لیکن اپنی فساد انگیزی کو سمجھتے نہیں۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی حالت بیان کی پھر کافروں کی اور مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ سے منافقوں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اللہ کو دھوکا دینا یہ ہے کہ بظاہر مسلمان بنے ہوئے ہیں لیکن بباطن کافروں سے ملے ہوئے ہیں۔

فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ سے مراد مرضِ نفاق ہے۔ اور اللہ کے مرض کو زیادہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اپنی توفیقات ان سے سلب کر لیں اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا پس خباثتِ باطنی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے ان کا نفاق روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اگر خدا منافقوں کے مرضِ نفاق کو بڑھاتا ہے تو پھر منافق کیوں نجات سے محروم رہیں گے۔ اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء و مرسلین کو بھیجا۔ وہ تو یہی چاہتا ہے کہ اس کے سب بندے صاحبِ ایمان بن کر دنیا میں رہیں۔ لیکن اس نے کسی بندہ کو مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ وہ صاحبِ اختیار ہے چاہے نیکیوں کا راستہ اختیار کرے چاہے بدیوں کا۔ اس کے اس معاملہ میں خدا دخل نہیں دیتا۔ ہاں اگر کسی کو امرِ نیک کی طرف جھکتا دیکھتا ہے تو اس کے ارادہ میں قوت پیدا کر دیتا ہے اس کو توفیق کہتے ہیں اور اگر کوئی امورِ خیر کی طرف راغب نہیں ہوتا تو اپنی مدد سے دست کش ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روز بروز اس کا نفاق بڑھتا ہی جاتا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّہُمْ
ہُمُ السُّفَہَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا
خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ
بِہِمْ وَیَمُدُّہُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی ۪
فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُہُمْ وَمَا کَانُوْا مُہْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُہُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ
اَضَآءَتْ مَا حَوْلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِہِمْ وَتَرَکَہُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ
بُکْمٌ عُمْیٌ فَہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ ۙ اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْہِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّ
بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَہُمْ فِیْٓ اٰذَانِہِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰہُ مُحِیْطٌۢ
بِالْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَہُمْ ؕ کُلَّمَآ اَضَآءَ لَہُمْ مَّشَوْا فِیْہِ ۙ وَ
اِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْہِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَذَہَبَ بِسَمْعِہِمْ وَاَبْصَارِہِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ ع

جب ان سے کہا گیا کہ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہنے لگے (کیا خوب) کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے کچھ بے وقوف لا چکے ہیں۔ (خدا فرماتا ہے) آگاہ ہو یہ لوگ خود بے وقوف ہیں لیکن یہ جانتے نہیں (ان منافقوں کی حالت یہ ہے) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے جب اپنے شیطانی (سرکش) بھائیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اجی ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ وہ کیا مذاق اُڑائیں گے، اللہ ان کے مذاق کی خاصی سزا دے دیتا ہے اور ان کو

(نزولِ عذاب میں) اس لیے ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں غلطاں و پیچاں رہیں (اور ان کی گردنوں پر گناہوں کا بوجھ لدتا چلا جائے) یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی (نتیجہ یہ ہُوا) کہ نہ تو ان کی اس تجارت ہی نے ان کو نفع دیا اور نہ انہوں نے ہدایت ہی پائی۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (رات کے وقت مجمع میں) بھڑکتی آگ روشن کی جب اس کے شعلوں نے اس پاس کے مقاموں کو خُوب روشن کر دیا تو خدا نے اُن کی روشنی لے لی اور ان کو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ اب انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ لوگ بہرے۔ گُونگے اور اندھے ہیں یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آسکتے۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمانی بارش جس میں تاریکیاں اور گرج بھی ہو اور موت کے خوف اور کڑک کے مارے یہ لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں حالانکہ خدا کافروں کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ نکل نہیں سکتے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو چُندھیا دے جب ان کے آگے بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں چل کھڑے ہوئے اور جب ان پر اندھیرا چھا گیا تو ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اگر خدا چاہتا تو ان سے دیکھنے اور سننے کی قوتیں چھین لیتا، بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ عہدِ رسالت میں چار قسم کے مسلمان پائے جاتے تھے اوّل صدقِ دل سے ایمان لانے والے جو صاحبانِ زہد و تقویٰ تھے۔

۲۔ دوسرے منافق جو جان کے خوف اور مال کے لالچ میں بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن بباطن وُہ مشرک و کافر ہی تھے۔

۳۔ ضعیفُ الایمان۔ یہ وہ سیدھے سادے کم عقل لوگ تھے جو اصول و فروعِ اسلام میں غور و فکر کرنے والے نہ تھے بلکہ رسولؐ کو جیسا کرتے دیکھتے تھے ایسا ہی عمل خود کرنے لگتے تھے۔

۴۔ مؤلفۃُ القلوب، یہ وہ لوگ تھے جو فتحِ مکّہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ یہ پختہ ایمان والے نہ تھے۔ جان جانے کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ کریں آنحضرتؐ مالِ غنیمت میں سے کچھ حصّہ ان کو زیادہ دلوا دیتے تھے تاکہ اس لالچ میں وہ اسلام کے ساتھ کوئی چال نہ چلیں۔

مذکورہ بالا آیات میں تذکرہ ہے ان مشرکوں اور کافروں کا کہ جب مسلمان ان سے کہتے تھے کہ جب برابر لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں تو تم کیوں چپ سادھے بیٹھے ہو، کیوں نہیں مسلمان ہو جاتے۔ وہ گستاخانہ انداز میں جواب دیتے کیا ان لوگوں کی طرح ہم بھی بے وقوف بن جائیں کہ ایسے خدا کو مان لیں جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ خدا فرماتا ہے یہ لوگ خود بے وقوف ہیں جو خالق و مخلوق، قدیم و حادث کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

آنحضرتؐ سے پہلے بھی جو اُمتیں گزری ہیں وہ بھی انبیاء پر ایمان لانے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کو اپنی قوم کے رذیل افراد سمجھتے تھے اور نبی سے کہتے تھے ان کو نکال باہر کرو تو ہم ایمان لے آئیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ یہاں سے منافقوں کی چالاکیوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ منافقوں کا چونکہ ہر عمل

ریا اور فریب کے پردے میں ہوتا تھا لہٰذا وہ مسلمانوں میں بیٹھ کر تو اپنے کمالِ ایمان کے متعلق بڑی شیخیاں بگھارتے لیکن اپنے شیطان یعنی سرکش دوستوں اور عزیزوں کے درمیان بیٹھتے تو ہنس ہنس کر کہتے ہیں کہ ہم تو محض مسلمانوں کا ٹھٹھا اڑانے کے لیے مسلمان بنے ہوئے ہیں ورنہ ہم وہی ہیں جو تم ہو۔ اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ اللہ اُن کا استہزا کرتا ہے ـــــ کسی کا مذاق اڑانا۔ پھبتیاں کسنا، انسان کی کمینگی۔ اخلاقی پستی اور رذالتِ طبع کی دلیل ہے لہٰذا جس استہزا کا اللہ سے تعلق ہے اس کے وہ معنی نہیں جو بندوں کے استہزا کے ہیں۔ علم بدیع میں ایک صنعت کا نام صنعتِ مشاکلت ہے یعنی ایک شخص جس انداز و الفاظ سے کوئی بات کرے دوسرا اسی انداز و الفاظ میں جواب دے مگر معنی مختلف ہوں مثلاً ایک بھوکا ننگا آدمی آپ کے پاس آئے اور سوال کرے۔ آپ اس سے کہیں جو کھانا آپ کو مرغوب ہو وُہ بتا دیجیے کہ ہم پکوا دیں۔ وُہ کہے آپ میرے لیے ایک کُرتا اور پاجامہ پکوا دیجیے۔ ظاہر ہے کہ پکوانا دونوں جگہ ہم معنی نہیں۔ ایک جگہ اصلی معنی میں دوسری جگہ مجازی معنی میں پکوا دینا بمعنی سلوا دینا ہے۔ ایسی ہی یہ آیت ہے۔ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔)

دو مثالیں ۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے منافقوں کی مثال بیان کی ہے:

۱۔ یہ مثال ان منافقوں کی ہے جو کسی غرض سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کا دل حقانیتِ اسلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔ بیان یہ ہے کہ جب اسلام کی روشنی پھیلی اور ادھر اُدھر کے لوگ مسلمان ہونے لگے تو یہ منافق بھی اسلام لے آئے۔ لیکن اس روشنی سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تو ایسے ہو گئے جیسے روشنی پیدا ہونے کے بعد اندھے ہو جائیں۔

۲۔ دوسری مثال ان منافقوں کی ہے جو ضعفِ ایمانی میں مبتلا تھے۔ حق کے قائل تھے مگر ایسی حق پرستی نہ تھی کہ خدا کی راہ میں سخت سے سخت معائب و آلام کو برداشت کر سکتے۔ اندھیاری اور کڑک چمک سے مراد مشکلاتِ زندگی اور قسم قسم کے مصائب و آلام ہیں۔ یعنی جب کوئی آسانی کی صورت نظر آتی ہے تو یہ چل پڑتے ہیں اور جب کوئی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یا ایسے احکام ان کے کانوں میں پڑتے ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں تو پھر جاہلیت کی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ گونگے بہرے اور اندھے ہیں۔ نہ آثارِ قدرت کو دیکھتے ہیں نہ رسولؐ کی بات پر کان لگاتے ہیں نہ حق بات ان کے منہ سے نکلتی ہے پھر ان کا امرِ حق پر ثابت قدم رہنا کیسے ممکن ہے۔

ایسے لوگ اگر رسولؐ کی گواہی بھی دیں تو خدا اس کو قبول نہیں کرتا۔ وُہ کہتا ہے رسولؐ تو بے شک خدا کے فرستادہ ہیں لیکن یہ منافق جھوٹے ہیں۔

خدا نے ہر بندہ کو فاعل مختار بنایا ہے مجبور نہیں بنایا اور اچھے بُرے دونوں راستے بھی دکھا دیے ہیں۔ عقل بھی عطا کر دی ہے۔ تجربوں کے لیے اقوامِ عالم کے حالات بھی سامنے رکھ دیے ہیں۔ اس پر بھی لوگ اگر ایمان والے نہ بنیں اور اعمالِ صالحہ بجا نہ لائیں تو ان کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کہاں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں گروہوں میں قرآن کی پوری پوری ہدایت صرف ان ہی لوگوں سے متعلق ہو سکتی ہے جو متقی کہلاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (۲۱)
الَّذِىْ جَعَلَ لَـكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّـكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۲) وَاِنْ كُنْتُمْ
فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۳) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (۲۴)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ تمہارا رب وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کا سائبان تیار کیا اور آسمان سے پانی برسایا اور اس سے پھل پھلاری پیدا کی جو تمہارا رزق بنے۔ پس تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور تم یہ سب باتیں جانتے ہو۔

ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر جو کچھ نازل کیا ہے (قرآن) اگر تمہیں اس کے بارہ میں شک ہے (کہ یہ خدا کا کلام ہے یا نہیں) تو صرف ایک سورت اس جیسی بنا لاؤ۔ اگر تم سچے ہو اپنے دعوٰی میں تو خدا کو چھوڑ کر اپنے جتنے گواہوں کو چاہو بُلا لو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو عبادت یعنی ادائے شکر کا حکم دیا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ عبادت کا مستحق کیوں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ دوسرے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا کہ اس پہ آرام سے اٹھو بیٹھو اور آسمان کو سائبان بنایا۔ تیسرے آسمان سے مینہ برسا کر تمہاری روزی کا سامان کیا یعنی پھل اور غلہ پیدا کیا تو پھر تمہارا فرض ہے اور عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ الخ عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ اپنے سوا دنیا بھر کے اہلِ زبان کو گونگا

جانتے تھے لیکن جب قرآن نازل ہُوا تو اس کی اعجازی فصاحت و بلاغت اور محاسن کلام پر نظر کر کے وہ حواس باختہ ہو گئے۔ کلامِ الٰہی کی فوقیت و برتری کا سکہ تو دل پر بیٹھ چکا تھا مگر عرب کی عصبیت چونکہ ان کی تمام ذہنی صلاحیتوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی لہٰذا یہ کہنے سے کہ یہ کلامِ خدا ہے ان کی زبان میں چھالے پڑتے تھے۔ حقیقت سے دُور ہو کر قیاس آرائیوں پر کمر باندھی۔ کسی نے کہا جادُو ہے۔ کسی نے کہا قصصِ پارینہ کا مجموعہ ہے۔ کسی نے کہا ایک مردِ عجمی نے رسولؐ کے پاس آ کر یہ سب باتیں ان کو لکھوا دی ہیں۔ کسی نے کہا یہ سب دل کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب جھگڑے چھوڑ کر صرف ایک بات کہی اور مختصر سی کہی۔ اگر تمہارے نزدیک یہ کلام اللہ کا کلام نہیں کسی بشر کا ہے اور رسولؐ اس کے مدعی ہیں کہ اللہ کا ہے تو ان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کونسی بڑی بات ہے ایک ایسا ہی سورہ بنا لاؤ۔ تم تو اپنے آپ کو بڑا فصیح و بلیغ سمجھتے ہو۔ تمہارے نزدیک ایسا کرنا اگر سہل ہے تو ایک دو نہیں دس بیس نہیں ہزار دو ہزار نہیں بلکہ جن و انس سب مل کر اس قرآن کا جواب لکھنے بیٹھ جاؤ۔ یہ چیلنج جیسے اس وقت تھا آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ عرب کے ناخدایانِ سخن کی ایک دو بار نہیں کئی بار غیرت جوش میں آئی۔ موسم حج میں ہزارہا لوگوں کے مجمع میں یہ اقرار بھی کیا کہ اگلے سال جب آئیں گے تو جوابات کا پلندہ لے کر آئیں گے۔ مگر باوجود پورا سال گزرنے کے ایک چھوٹا سا سورہ بھی نہ بن سکا۔ اگر بنا لیتے تو رسولؐ کی رسالت خود بخود باطل ہو جاتی مگر بن سکتا ہوتا تو باطل ہوتی۔ کتنی لڑائیاں حضرت رسولِ خدا سے کفّار و مشرکین نے لڑیں جس میں ہزارہا مشرک مارے گئے اور بے شمار بضاعت ضائع ہوتی۔ اگر ایک سورہ بنا لاتے تو آگ کے شعلوں یعنی تلوار کی دھاروں سے کھیلنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔

قرآنِ کریم کی یہ تحدی اپنے اندر اتنا زور لیے ہوئے تھی کہ صاف صاف لفظوں میں اپنے مخالفوں کو بتا دیا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے۔ اس یقین کے ساتھ قرآن کے سوا کسی نے اپنے کسی دعوٰی کو پیش نہیں کیا۔ مشرکین سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تم ہرگز قرآن کے مقابل کوئی کلام نہیں لا سکتے تو جہنم کی اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ پتھروں سے مراد وہ بُت ہیں جن کی عرب میں پُوجا کی جاتی تھی۔ اگر ان کو جہنم میں نہ جھونکا جاتا تو بت پرستوں کو اس کا یقین کیسے ہوتا کہ عبد و معبود، طالب و مطلوب، بُت اور بُت پرست ایک ہی درجہ میں ہیں۔ ورنہ وہ اس خیال میں رہتے کہ ہمارے معبُود ہمیں اس مصیبت میں پھنسا کر خود مزہ سے جنت میں جا پہنچے۔ پتھر کے بُتوں کو جہنم کا ایندھن بنانا اس لیے بھی ہے کہ ان کے پجاری سمجھ لیں کہ ان میں کوئی طاقت نہ تھی۔ بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ پتھروں سے مراد گندھک جیسے پتھر ہیں جو آگ بھڑکانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ
اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ
كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

(اے رسولؐ) ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب اُنہیں ان باغات کا کوئی میوہ کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی میوہ ہے جو پہلے بھی ہمیں کھانے کو مل چکا ہے کیونکہ ان کو ملتی جلتی صورت اور رنگ کے میوے ملا کریں گے اور ان کے لیے صاف ستھری بیبیاں ہوں گی اور یہ لوگ اس باغ میں ہمیشہ رہیں گے بے شک خدا مچھر یا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز کی مثل بیان کرتے میں حیا نہیں کرتا۔ پس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وُہ بہ یقین جانتے ہیں کہ ان کے پروردگار کی طرف سے یہ مثل بالکل ٹھیک ہے اور جو کافر ہیں وُہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ مثل بیان کرنے سے خدا کا کیا مقصد ہے؟ ایسی ہی مثالوں سے خدا اکثر کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور ایسی ہی مثل سے بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ گمراہی میں چھوڑتا ہے تو ایسے بدکار لوگوں کو جو خدا کے عہد و پیمان کو مضبوط ہو جانے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جن تعلقات کو اللہ نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں۔ یہ ضرور گھاٹے میں رہیں گے۔

ان آیات میں چند باتوں پر روشنی ڈالنی ضروری ہے:

۱۔ جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گھنے درخت زمین پر چھائے ہوئے ہوں۔ اگرچہ جنت کے باغوں کے پھلوں کے

نام وہی ہیں جو یہاں ہیں جیسے سیب، انار، خرما وغیرہ لیکن بھول کر بھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ہی ذائقہ کے ہوں گے جیسے ہم یہاں کھاتے ہیں۔ وہاں کی نعمتوں کی تعریف ایک حدیث میں یوں ہے لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ فِيْ قَلْبِ بَشَرٍ (نہ کسی آنکھ نے ایسے پھل دیکھے ہوں گے نہ کانوں نے ان کی تعریف سنی ہو گی اور نہ کسی کے دل میں ان کے صفات گزرے ہوں گے۔)

۲۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اکثر مفسرین نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ پاکیزہ عورتیں وہاں ملیں گی۔ حالانکہ ازواج جمع زوج کی ہے، جس کا اطلاق شوہر و زوجہ دونوں پر ہوتا ہے۔ پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ جو مرد نیک ہیں اور ان کی بی بیاں بھی نیک ہیں تو وہ بیبیاں وہاں اپنے شوہروں کو مل جائیں گی اور اگر بیبیاں بد ہیں تو ان کے بدلے مردوں کو دوسری نیک بیبیاں ملیں گی۔ اسی طرح اگر شوہر بد تھے تو عورتوں کو پاکیزہ شوہر ملیں گے۔

۳۔ جب مخالفین اسلام نے قرآن میں مچھر، مکھی اور مکڑی کی مثالیں سنیں تو ان کو مذاق اڑانے کے لیے ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔ کہنے لگے یہ عجیب اللہ کی کتاب ہے جس میں مچھر، مکھی اور مکڑی جیسی حقیر و ذلیل مخلوق کا ذکر ہے۔ وہ کیا سمجھتے کہ اللہ نے ان حقیر اور چھوٹے چھوٹے جانوروں میں اپنی کیسی کیسی حیرت انگیز اور محیر العقول صنعتوں کو ودیعت فرمایا ہے۔ مچھر کے متعلق اہل سائنس اور ماہرین علم الحیوانات نے جو تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اعضا ہاتھی جیسے عظیم الجثہ جانور میں ہیں وہی خدا کی مچھر جیسی چھوٹی مخلوق میں ہیں۔ اس کی سونڈ ہاتھی کی سی سونڈ ہے۔ جس کے اندر دو آلے اور ہیں۔ ایک سوئی جیسے وہ جسم میں چبھوتا ہے دوسرے نلکی جس سے وہ خون چوستا ہے اور یہ کام اتنی جلدی کر لیتا ہے کہ آدمی کا ہاتھ اس تک پہنچنے سے پہلے وہ خون پی کر اُڑ جاتا ہے۔ یہی وہ سب سے نرالا دشمن ہے کہ جب حملہ کرنے کے لیے آتا ہے تو پہلے آواز دے کر آگاہ کر دیتا ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ اس کے حملہ کو روک سکے یہ ہمیشہ جسم کے نرم حصہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس چھوٹے سے جثہ میں اس بلا کا زہر ہے کہ اس کے اثر سے بیشمار بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض ایسی مہلک ہوتی ہیں کہ انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ افریقہ کے مچھر جو معمولی مچھروں سے قد میں سوائے ہوتے ہیں، اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ ان کے کاٹتے ہی سارا بدن ورم آلود ہو جاتا ہے اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کی کوئی مثل بیان کرے تو اس کو بیان کر کے کیوں شرمائے اور لوگوں کو اس پر اعتراض کیوں ہو۔

۴۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا کے یہ معنی نہیں کہ اللہ کا کلام انہیں گمراہ کرتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایسی مثلیں بیان کر کے وہ ایسے لوگوں کو جو عقل و فہم سے دُور ہیں گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور یہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق و فاجر ہوں۔ لیکن جو خدا کے نیک بندے ہیں وہ ایسی مثلوں سے ہدایت پاتے ہیں۔

یہ فاسق وہی لوگ ہیں جو اللہ سے عہد کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس صلۂ رحم کا اس نے حکم دیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں اس بدکرداری اور حق ناشناسی سے سراسر اُن ہی کا نقصان ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ
فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ع ۳ ۹

تم ذاتِ باری تعالیٰ کا انکار کیسے کرتے ہو درآنحالیکہ تم پیدائش سے پہلے مُردہ تھے یعنی معدوم شے تھے۔ اللہ نے تم کو زندہ کیا یعنی عدم سے وجود میں لایا۔ نیست سے ہست کیا۔ اس کے بعد پھر تمہیں مار ڈالے گا۔ قیامت میں پھر تمہیں زندہ کر دے گا اور تم مر کر اس کی طرف آؤ گے (ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد بھی تم اپنے رب اور خالق کے وجود کا انکار کرتے ہو، ذرا سوچو) اللہ وہی تو ہے جس نے روئے زمین کی تمام پیداوار کو تمہارے لیے پیدا کیا (یعنی تمہاری بقا کے لیے جتنی چیزیں ضروری تھیں، وہ زمین سے اُگائیں اور تمہارے استعمال کے قابل بنائیں۔ اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک ثبوت اور دیتا ہے وہ یہ کہ) اُس نے سات آسمان بنائے اور ان کو ہموار و مستحکم بنایا اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے (ایسی حالت میں جبکہ وہ تمہارے ہر قول و فعل کو جانتا ہے، تمہیں اس کی نافرمانی کی جرأت کیسے ہوتی ہے)۔

سماء کے متعلق مختلف زمانوں میں اقوامِ عالم کے مختلف نظریات رہے ہیں۔ صدیوں یونانیوں کا یہ نظریہ داخلِ معتقدات رہا کہ آسمان طبق در طبق ہیں اور کسی سخت مادے کے بنے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں خرق والتیام کے متعلق سخت بحثیں چھڑیں پھر یہ نظریہ اٹھارھویں صدی میں بدل گیا اور یہ طے کر لیا گیا کہ یہ بلندیاں سیاروں کی گردش کے اعتبار سے ہیں اور جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے وہ ایک لطیف مادّہ ہے جس کو ایتھر کہتے ہیں۔ ہر سیارہ جس مدار پر گردش کرتا ہے اُسے فلک کہتے ہیں۔ پہلے سات فلک مانے جاتے تھے۔ پھر جب سے لوریس اور نیپ چون دو سیارے اور معلوم ہوئے تو ان کی تعداد نو ہو گئی۔ سات سیاروں کے ساتھ عرش و کرسی کو شامل کر کے مسلمانوں کا علمِ ہیئت بھی جدید تحقیق کے ساتھ ہو گیا۔ میں تو یہ عرض کرتا ہوں کہ زمین کے علاوہ مافوق میں جو کچھ بھی ہے وہ سبع سماوات ہی ہے۔ ان کے متعلق نظریات جو کچھ ہوں ہمیں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۗ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ
يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّيْٓ
اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ
اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ
اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾

اے رسولؐ، جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کیا تُو ایسے کو بنائے گا جو زمین پر فساد اور خونریزی کرے۔ ہم تو تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا نے کہا میں وہ جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔ خدا نے آدمؑ کو تمام اسماء تعلیم کر دیے پھر اُن (کے مُسمّیات) کو ملائکہ پر پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان کے نام مجھے بتاؤ۔ انھوں نے کہا تیری ذات پاک اور قابلِ تسبیح ہے ہمارے پاس تو اتنا ہی علم ہے جتنا تُو نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ تُو تو بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ پھر خدا نے آدمؑ سے کہا، تم ان کے نام بتاؤ۔ جب آدمؑ نے ان کے نام بتا دیئے تو فرمایا (اے ملائکہ) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہوں اور ان چیزوں کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ انکار کیا اور تکبّر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ (یعنی تکبّر ایک ایسی چیز ہے جو ہر متکبّر کی ناک رگڑوا دیتا ہے اور اس کا کیا کرایا سب خاک میں مل جاتا ہے۔)

ان آیات میں بہت سی چیزیں قابلِ وضاحت ہیں :

۱- اِنِّیْ جَاعِلٌ الخ یہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام و ثبات پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ بنانے کا کام ہمیشہ اللہ سے متعلق رہے گا اور جاعل اسم فاعل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایک زمانہ میں نہیں بلکہ قیامت تک ہر زمانہ میں خلیفہ بنانا خدا ہی کے یدِ قدرت میں رہے گا۔

۲- خلیفہ کے معنی جانشین اور نائب کے ہیں پس جو خدا کا نائب ہو کر زمین پر آئے گا سمجھ لیجئے کہ وہ کن صفات کا مالک ہوگا اور اس کے اندر کتنی قوت ودیعت کی گئی ہوگی اور عام آدمیوں سے وہ کتنا ممتاز ہوگا۔ اس کے اندر وہ ضرور کوئی ایسی قوت رکھے گا جو عام آدمیوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ اسی کو روحِ نبوتی کہتے ہیں۔

۳- خلیفہ زمین بنانے کا ذکر ملائکہ سے کیوں کیا گیا۔ کیا ملائکہ سے اُسے مشورہ لینا تھا؟ ہرگز نہیں، اس کو کسی مشیر کی ضرورت ہے نہ وزیر کی۔ پھر ایسا کیوں ہوا۔ بات یہ ہے کہ جب سے آدم کا پتلا بنا تھا ملائکہ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ اسی کو روئے زمین کی سلطنت سونپی جائے گی اور اسی کو خلیفۃ الارض بنایا جائے گا۔ لہٰذا اس آرزو نے ان کے دل میں چٹکی لی کہ جب ہم آدم سے بہتر ہیں تو یہ عہدہ ہم ہی کو کیوں نہ ملے۔ یہ خواہش وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ تو اس چھپے ہوئے بھید کو ظاہر کرنا اور ان پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ خلافتِ ارضی کے لیے تم اہل نہیں لہٰذا آدم کی خلافت کا مسئلہ ان کے سامنے رکھا گیا۔

۴- ملائکہ چونکہ مزاج شناسِ قدرت تھے لہٰذا اپنی خواہش ظاہر کرنے کے لیے ایک نہایت بلیغ اسلوبِ بیان اختیار کیا۔ یعنی صاف طور سے یہ نہیں کہا کہ ہمیں خلیفہ بنا دے بلکہ پہلے اپنے حریف کی مذمت کی کہ یہ فسادی اور خون ریزی کرنے والا ہے پھر اس کے ساتھ اپنی تسبیح و تقدیس کرنے کا ذکر چھیڑا تاکہ فوقیت ثابت ہو جائے۔

۵- ملائکہ کو قبل از وقت کیسے پتہ چلا کہ آدمؑ اور ان کی اولاد مفسد و سفاک ہوگی۔ ابھی تک کوئی عملی حیثیت ملائکہ کی نظر کے سامنے نہ تھی۔ ملائکہ نے یہ نتیجہ اس بنا پر نکالا تھا کہ جب آدم کے اندر قوتِ شہوی اور قوتِ غضبی کو داخل ہوتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ قوتِ شہوی کا تقاضا چونکہ بعض چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا ہوگا لہٰذا ضرور باعثِ فتنہ و فساد بن کر رہے گی اور قوتِ غضبی کا تقاضا ہوگا کہ انسان غصہ میں آپے سے باہر ہو کر خونریزی پر آمادہ ہو۔

۶- خدا نے ان کی اس خواہش کو ایک مختصر سے جواب کے ساتھ رد کر دیا کہ تم وہ باتیں نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ یعنی تم نے آدم کے طبعی اثرات کے ایک پہلو پر جو تخریبی ہے اپنی نظر کو جما دیا ہے اور اس کے دوسرے پہلو پر جو اصلاحی ہے غور ہی نہیں کیا۔ تمہاری نظر صرف آدم کے پیکرِ مادی پر گئی۔ اس روحِ نبوتی پر نہ گئی جو تمام خواہشات پر کنٹرول کرنے والی ہوگی۔ دوسرے بنی آدم پر حکومت کرنے کے لیے اُسی نوع کی کوئی فرد ہونی چاہیئے۔ تم جنسِ غیر ہو لہٰذا وہ تم سے مانوس نہیں ہو سکتے اور اس صورت میں مشلۂ ہدایت فوت ہو جائے گا۔ اگر ہم تم میں سے کسی کو خلیفۃ الارض بناتے تو اس کو بھی جامہ بشری ہی میں بھیجتے نہ کہ ہیئتِ ملکی میں۔ تیسرے استحقاقِ خلافت میں جو چیز (تسبیح و تقدیس) تم نے پیش کی ہے وہ کافی نہیں کیونکہ اس کے لیے بڑے علم کی ضرورت ہے اور تمہارا علم محدود ہے۔ جو کام تم میں سے کسی کے متعلق کیا گیا ہے ہم نے صرف اسی کے متعلق اس کو علم دیا ہے اور ہمارا خلیفہ وہ ہوگا جو روئے زمین کی تمام مخلوق کے متعلق علم رکھتا ہو ورنہ وہ خلافت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ جو بادشاہ اپنی رعایا کے حال سے ناواقف ہو وہ ان پر حکومت کیسے کر سکتا ہے۔

چوتھے تمہاری تکلیف اور ہے اور بنی آدم کی اور، تمہاری عبادت ایک مخصوص دائرہ کے اندر ہے اور بنی آدم کے دائرہ عبادت میں بڑی توسیع ہے۔ پانچویں تمہاری معرفت ایک مقام پر ٹھہری ہوئی ہے اس سے آگے نہیں بڑھتی اور بنی آدم کی معرفت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس بنا پر وہ تم سے افضل ہوں گے۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔

۷- اس خیال سے کہ غالباً میرے مجمل جواب سے تسکین نہ ہو مزید توضیح یوں کی گئی : وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ آدم کو تمام نام تعلیم کر دیئے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے بڑا اختلاف کیا ہے۔ اسلام کے تمام مفسرین تو یہ لکھ رہے ہیں کہ روئے زمین پر جو چیزیں پائی جاتی ہیں ان سب کے نام ایک ایک کر کے آدم کو بتا دیئے گئے تاکہ جب زمین پر جائیں تو کسی چیز کا نام معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ لیکن یہ تفسیر ایک عقلمند انسان کیونکر قبول کر سکتا ہے جس کی چند وجوہ ہیں :

(۱) کیا نام بتا دینے سے کسی چیز کی شناخت بھی ہو جاتی ہے اگر میں کسی سے کہوں نئی ایجادات میں ٹیلی ویژن بھی ہے تو کیا یہ نام بتانے سے وہ ٹیلی ویژن کو پہچان لے گا جبکہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہ دیکھا ہو۔

(۲) روئے زمین پر تو خدا کی بیشمار مخلوق ہے ہر ایک کی جنس جُدا ہے نوع جُدا ہے۔ نوع کے افراد جُدا ہیں۔ افراد کے رنگ روپ اور خصوصیات جُدا ہیں تو پھر یہ سبق کب تک پڑھایا گیا ہوگا۔ کیا انسانی حافظہ میں اتنی جان ہے کہ وہ ان سب ناموں کو یاد رکھ سکے۔

(۳) اگر ہر چیز کا نام خدا نے بتایا ہے تو لازم آتا ہے کہ وہی نام دنیا میں رائج ہونے چاہیئں حالانکہ وہ سب انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر صرف آدمؑ کو تمام اسما تعلیم بھی ہوئے ہیں تو کیا اُن کی اولاد کو بھی وہی نام بتائے گئے پھر کیا وجہ ہے کہ ہر زبان میں اشیا کے نام مختلف ہیں۔

(۴) اس سے فائدہ کیا تھا۔ اگر آدمؑ زمین پر آ کر ان چیزوں کے نام خود ہی وضع کر لیتے تو کیا خرابی پیدا ہوتی اور خدا کے بتائے ہوئے ناموں کی نگہداشت کرنا کن فوائد پر مبنی سمجھا جائے۔

(۵) اس غلط خیال کی تردید ثُمَّ عَرَضَهُمْ کے بیان میں آ رہی ہے جس سے ہمارے دعوٰی کی پوری پوری تائید ہوگی۔

رفعِ شبہ: کہا جاتا ہے کہ خدا نے آدمؑ کو نام بتائے تھے اگر ملائکہ کو بھی بتا دیئے جاتے تو آدمؑ کی طرح وہ بھی بتا دیتے۔ اس کے دو جواب ہیں: اوّل یہ کہ تعلیم کسی کونہ گوشہ میں تو ہوئی نہ تھی۔ کھلی نُورانی فضا میں لبِ قدرت سے آواز نکل رہی تھی ملائکہ بھی سُن رہے تھے اور آدمؑ بھی۔ دوسرے ملائکہ یہ نام جن کا ذکر آگے آئے گا پہلے سے سُنے ہوئے تھے۔ البتہ آدمؑ نئی مخلوق تھے ان کے کانوں میں یہ نام ابھی تک نہیں پڑے تھے۔

۸- اگر ملائکہ کو پہلے سے یہ نام معلوم نہ ہوتے تو ان سے کیوں کہا جاتا کہ ان کے نام بتاؤ۔ عَرَضَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر بتاتی ہے کہ جن مسمیات کے نام پوچھے جا رہے تھے وہ ذوی العقول میں سے تھے۔ غیر ذوی العقول کے لیے عربی میں لفظ هَا آتا ہے نہ کہ هُمْ۔ یہیں سے مفسرین کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ آدمؑ کو روئے زمین کی تمام چیزوں کے نام بتائے گئے تھے۔ بلکہ کچھ مخصوص ہستیاں تھیں جن کے نام بتائے گئے۔ اگر تمام روئے زمین کی چیزوں کے نام بتائے گئے ہوتے اور پھر ان تمام کے مسمیات کو حاضر کر کے ان کے نام پوچھے جاتے تو قیامت کا منظر سامنے آ جاتا۔ ساری مخلوق ہی اپنی اپنی بولیاں بولتی اور فضائے قدس میں ورود عمومی کرتی۔

۹- اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ سے واضح کر دیا گیا کہ ملائکہ کا دعوٰی فضیلت غلط تھا۔ خلیفہ خدا کی فضیلت علم سے ہوتی ہے۔ نہ کہ صرف تسبیح و تقدیس سے۔

۱۰۔ اسما اور مسمیات کا معاملہ یہاں کیوں چھیڑا گیا۔ ملائکہ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ خلیفۃ الارض بننے کی اہلیت ان میں نہیں ہے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے انوارِ مقدسہ کو زیرِ عرش ملائکہ برابر دیکھتے چلے آ رہے تھے اگرچہ ان کے نام نہیں جانتے تھے لیکن ان کے نورانی پیکروں کو نظر میں ضرور لیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے اور ان کے نام بتا کر پوچھا بتاؤ ان میں سے محمدؐ کس کا نام ہو سکتا ہے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کس کا۔ ملائکہ میں چونکہ قوتِ استنباط نہ تھی یعنی مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ اخذ کرنا نہیں جانتے تھے لہٰذا آثارِ نورانیہ سے یہ پتہ نہ چلا سکے کہ فلاں کا نام محمدؐ ہے فلاں کا علیؑ ہے۔ آدمؑ کے اندر جو روحِ نبوتی تھی اس میں یہ قوت موجود تھی لہٰذا انھوں نے بتا دیا کہ جس کا نام محمدؐ ہے وہ یہ ہیں جن کا نام علیؑ ہے وہ یہ ہیں۔ ملائکہ کو یہ بتا دیا گیا کہ چونکہ تم میں قوتِ استنباط نہیں لہٰذا تم خلیفۃ الارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو شخص اس قوت کا مالک ہوگا وہ فساد و خونریزی سے بچا رہے گا۔

۱۱۔ ملائکہ کو بڑا غرّہ اس بات پر تھا کہ تسبیح و تقدیس کی بنا پر ان کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ ان کے اس خیال کو یوں برطرف کیا گیا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے انوارِ مقدسہ دکھائے گئے اور ان پر یہ ظاہر کیا گیا کہ جس شجرہ طیبہ کی جڑ بوجود مادی آدم ہیں اس کے پھل پھول یہ انوارِ مقدسہ ہیں ان کو پہچانو اور بتاؤ یہ کب سے تسبیح و تقدیس الٰہی کر رہے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے: اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ اٰدَمَ بِتِسْعَۃِ الْاٰفِ عَامٍ (میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا کیے گئے ہیں خلقتِ آدم سے نو ہزار برس پہلے)۔ صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ، آپ اس زمانہ میں کہاں تھے۔ فرمایا، کُنَّا اَشْبَاحًا مِنْ نُوْرٍ تَحْتَ عَرْشِ اللّٰہِ نُسَبِّحُہٗ وَنُقَدِّسُہٗ سَبَّحْنَا فَسَبَّحَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ بِتَسْبِیْحِنَا لَوْلَا نَحْنُ مَا عُرِفَ اللّٰہُ وَلَوْلَا نَحْنُ مَا عُبِدَ اللّٰہُ (ہم ایک نور کا پرتو تھے، عرشِ الٰہی کے نیچے خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے ہم نے تسبیح کی تو ہماری تسبیح سے ملائکہ نے تسبیح کرنا سیکھی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو لوگوں کو اللہ کی معرفت نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔

اولادِ آدم میں چونکہ یہ حضرات بھی ہیں لہٰذا ان کو پیش کر کے ملائکہ کو بتا یا گیا کہ ان کی تسبیح و تقدیس کے مقابل تمہاری تسبیح و تقدیس ہے کیا تم نے جو کچھ سیکھا انہی سے نہیں سیکھا۔ پس خدا نے یہ بتایا کہ اے میرے ملائکہ، میں ایسوں کو خلیفۃ الارض بنانے والا ہوں تم ان کا کیا مقابلہ کر سکتے ہو۔ وہ تمہارے استاد ہوں گے اور تم ان کے شاگرد ہو گے۔ بنی آدم میں فساد و خونریزی کرنے والوں کی ہدایت کے لیے میں ایسے لوگوں کو بھیجتا رہوں گا۔ پس جو مان جائیں گے ان کے لیے اجرِ بے حساب ہے جو نہ مانیں گے ان کے لیے دردناک عذاب مہیا ہے۔

۱۲۔ جب یہ قضیہ فیصل ہو گیا اور ملائکہ نے اپنی شکست مان لی تو پھر ان سے کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ ان سب نے سجدہ کر لیا سوائے ابلیس کے وہ اکڑ گیا اور کہا میں سجدہ نہیں کروں گا۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ اگر تعظیمی سجدہ جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی معصوم مخلوق کو سجدہ کرنے کا ہرگز حکم نہ دیتا۔

۱۳۔ ملائکہ نے بالاجماع استحقاقِ خلافت پیش کیا تھا لیکن ان کا اجماع نص کے مقابل قابلِ قبول نہ ہوا۔ حالانکہ وہ سب معصوم تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نص کے مقابل اجماع کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

خلاصہ: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۂ خدا میں حسبِ ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اس کو عام آدمیوں سے علیحدہ ایک روح القدس یا روحِ نبوتی دی جاتی ہے جس سے اس کا براہِ راست خدا سے تعلق ہو جاتا ہے وہ اس کے ذریعہ سے خدا سے احکام لیتا ہے اور بندوں تک پہنچاتا ہے یعنی وہ خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ پیغام رسانی بن جاتا ہے۔

(۲) اس کا علم وہبی ہوتا ہے یعنی وہ براہِ راست خدا سے حاصل کرتا ہے۔

(۳) تمام ابنائے روزگار پر اس کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) تمام ابنائے روزگار پر اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔

(۵) اس کی قوتِ استنباط کبھی غلط نتیجہ اخذ نہیں کرتی۔

۱۴۔ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ یعنی شیطان خلیفۂ خدا کو سجدہ نہ کرنے کے باعث کافروں میں سے ہو گیا۔ اس سے یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ خلافتِ الٰہیہ کا انکار کرنے والے کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔ ان میں سب سے پہلا انکار کرنے والا ابلیس ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ شیطان از قسمِ جن تھا پس جس طرح اس نے انکارِ خلافتِ آدم کیا تھا اور جنات نے بھی کیا تھا۔ لیکن یہ بات کان کو نہیں لگتی۔ خلیفۂ خدا کا انکار کرنے والے صرف جنات ہی نہ تھے بلکہ آدمیوں میں بھی بہت سے تھے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا
هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا
كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ
مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾ ع

ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو اور اس میں بفراغت کھاؤ پیو مگر اس درخت کے پاس بھی نہ جانا ورنہ تم اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔ تب شیطان نے آدم و حوّا دونوں کو دھوکا دے کر ڈگمگا دیا اور آخر جس عیش و راحت میں وہ دونوں تھے اس سے نکال باہر کیا۔ ہم نے کہا اے آدم و حوّا، اب تم نیچے جاؤ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا اور وہیں تمہارے لیے ایک خاص وقت تک ٹھہراؤ اور ٹھکانہ ہے۔

پھر آدم نے اپنے رب سے معافی کے چند الفاظ سیکھے پس خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور جب ہم نے ان کو اُترنے کا حکم دیا تھا تو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو اس کی پیروی کرنا کیونکہ جو لوگ میری ہدایت پر رہیں گے تو روزِ قیامت نہ تو ان کے لیے خوف ہو گا، اور نہ رنج۔ اور یاد رکھو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

آدمؑ اور جنّت کے بارے سلسلہ میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ وہ کونسی جنّت تھی جس میں آدمؑ رہے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ جنّتِ خُلد تو نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں جا کر پھر نکلنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دوسرے وہ اعمالِ صالحہ کی جزا میں ملتی ہے، آدمؑ سے ابھی اعمال متعلق ہی نہ ہوئے تھے پھر جزا کیسی۔ تیسرے جس جنّت میں سانپ اور مور جیسے حرام گوشت جانور پائے جائیں وہ جنّت خُلد نہیں کہی جا سکتی۔ چوتھے جنّتِ خُلد میں کوئی ایسا درخت نہیں ہو سکتا جس کا پھل کھانا اس درجہ مضرت رساں ہو کہ آدم و حوّا کے بدن کا لباس جنت اُتر پڑے۔ جنّتِ خُلد میں تو ایسی چیزوں کا نام و نشان بھی نہ ہو گا۔

علمائے اسلام کی تحقیق یہی ہے اور عقل بھی یہی بتاتی ہے کہ وہ جنّتِ ارضی تھی اور کسی اُونچے مقام پر تھی، آدم کو عارضی طور پر اس میں رکھا گیا تھا۔ اصلی مقام تو ان کا سطح زمین ہی تھا۔ اگر پھل کھانے کا واقعہ پیش نہ آتا تو کچھ دنوں وہاں اور رہ سکتے تھے۔

۲۔ ایک درخت اس جنّت میں ایسا بھی تھا جس کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا۔ یہ نہی تحریمی نہ تھی یعنی اس درخت کا پھل کھانا ان پر حرام نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس خیال سے روکا گیا تھا کہ اس کے کھانے سے ان کے نفسوں کو نقصان پہنچ جائے گا اور پھر اس جنّت میں رہنے کے قابل نہ رہیں گے۔ اسے یوں سمجھئے جیسے ایک طبیب کسی مریض سے کہے کہ آپ روٹی نہ کھائیے گا ورنہ آپ کو نقصان پہنچے گا۔ روٹی مریض پر حرام نہ تھی مگر موجودہ حالت اس کے کھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ گیہوں کھانا اگر حرام ہوتا تو یقیناً ان کی اولاد پر بھی حرام ہوتا۔ کیونکہ جو چیز نبی پر حرام ہوتی ہے وہ اس کی امت پر بھی حرام ہوتی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ جنت کی فضا اس غذا کے لیے سازگار نہ تھی۔ جیسے ہماری زمین کے بعض خطّے ایسے ہیں کہ وہاں بعض غذائیں سازگار نہیں ہوتیں۔ ان کے کھانے سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ اجنبی آدمی اگر وہاں چلا جائے تو لوگ اس مضر غذا کے کھانے سے روکتے ہیں۔

۳۔ اس جنت میں جو غذائیں اللہ تعالیٰ نے آدم و حوّا کے لیے مہیا کی تھیں وہ ایسی ہی تھیں جیسی جنت الخلد میں جنت والوں کو کھانے کے لیے ملیں گی۔ آدم و حوّا وہی کھاتے تھے اور ویسا ہی لباس پہنتے تھے جو جنت الخلد والوں کا ہو گا لیکن اس جنت میں ایک درخت ایسا بھی تھا جس کا پھل مادی غذا کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ غالباً یہ آدم کی آگاہی کے لیے ہو گا کہ جب زمین پر اُترو گے تو وہاں ایسی غذا ملے گی۔ یہاں اس کو نہ کھانا یہاں کی فضا اس کے لیے سازگار نہیں۔

۴۔ شیطان ملعون نے ورغلا کر وہ پھل ان کو کھلا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بخواہش خود اس پھل کو کھانے کی طرف رغبت نہیں کی بلکہ شیطان نے وہ چکنی چپڑی باتیں کیں کہ وہ اس کے بہکانے میں آ گئے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی لڑکے سے ماں باپ کہیں کہ دوڑ کر نہ چلو گر پڑو گے مگر ایک دوسرا لڑکا اسے دوڑ کر چلنے کی ترغیب دلائے اور وہ دوڑتے ہوئے گر پڑے تو اگر چہ یہ دوڑنا حرام نہیں تھا مگر جو گر پڑنے کا فطری نتیجہ تھا یعنی گھٹنوں کا ٹوٹنا اس سے بچ نہیں سکتا۔ آدمؑ نے تو خوشی سے نہ کھایا بلکہ بہکانے سے کھایا مگر جو اس کا

فطری نتیجہ تھا وہ تو ظاہر ہو کر رہا۔ جنت سے نکالا جانا کسی فعلِ حرام کے جرم کی سزا نہ تھی بلکہ اس غذا کے کھانے کا نتیجہ تھا۔ لیکن بہر حال اگر گناہ نہ تھا تو ترکِ اولیٰ تو ضرور تھا۔ اگر گناہ ہوتا تو اس کے بعد خلافت کے عہدہ سے ان کو ضرور ہٹا دیا جاتا۔

۵۔ آدم خلیفۃ الارض تو اسی وقت کہلائے جب وہ زمین پر آئے۔ یہاں آنے کے بعد ان پر شیطانی تسلط نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ خلیفۂ خدا معصوم ہوتا ہے۔ رہی اس اوپر والی دنیا کی بات تو وہاں کے معاملات ہی کچھ اور ہیں۔ ہمیں ان کے سمجھنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ ہر جگہ کا قانون جُدا گانہ ہے۔

۶۔ مثل مشہور ہے نیکوں کی نیکیاں خدا کے مقرب بندوں کے گناہ سمجھے جاتے ہیں۔ جتنا کسی وزیر یا امیر کو بادشاہ سے زیادہ تقرب ہوتا ہے اتنا ہی اسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ ترکِ اولیٰ خدا کے نزدیک تو ضرور گناہ کہا جا سکتا ہے لیکن ہم لوگوں کی شریعت میں ایسے امور قابلِ سزا نہیں ہوتے۔ انبیاءؑ و ائمہ سے صدورِ گناہ ناممکن ہے مگر ترکِ اولیٰ بلحاظ فطرتِ بشری ہو جاتا ہے تو اس کی وہ معافی مانگا کرتے ہیں اور توبہ و استغفار کیا کرتے ہیں۔

۷۔ **قُلْنَا اهْبِطُوْا** (ہم نے ان سے کہا اترو) اس کے یہ معنی لینے غلط ہیں کہ آسمان پر سے انہیں اترنے کا حکم دیا گیا۔ بلکہ کسی بلند مقام سے نیچے اترنے کو بھی **ھبط** کہا جاتا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل جب ایک کھانا کھاتے کھاتے اکتا گئے اور انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا خدا سے دعا کیجئے کہ وہ زمین سے اُگنے والی چیزیں ہمیں دے یعنی ساگ پات۔ ککڑی۔ لہسن۔ مسور اور پیاز وغیرہ تو ان سے کہا گیا **اِهْبِطُوْا مِصْرًا** (تم کسی شہر کی طرف اُتر جاؤ) جس سے معلوم ہوا کہ وہ کسی اُونچے مقام پر تھے جہاں یہ چیزیں نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ کسی ہموار زمین پر جا کر ان چیزوں کو حاصل کرو۔

۸۔ یہ جنت کہاں تھی؟ اس کو کوئی نہیں بتا سکتا۔ بہت سی چیزیں ہیں جو نظرِ خلائق سے چھپا دی گئی ہیں — جیسے چشمۂ آبِ حیات۔ سکندر ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار۔ یاجوج و ماجوج۔ اصحابِ کہف وغیرہ۔

جب آدمؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو زمین پر آ کر بہت روئے۔ خدا کو ان کی حالت پر رحم آ گیا اور ان کو چند کلمات کے ذریعے توبہ کرنے کی تعلیم دی۔ چنانچہ جب ان کا واسطہ دے کر حضرت آدمؑ نے دعا کی تو ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ وہ کلمات کیا تھے؟ تمام شیعی تفاسیر میں اور تفسیر دُرِّ منثور کی جلد اوّل میں ہے کہ انھوں نے **محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ** کا واسطہ دے کر دعا کی تھی۔ یہی وہ خدا کے محبوب بندے تھے جن کے نام آدمؑ کو بتائے گئے تھے اور مسمیات کو دکھایا گیا تھا۔

انسان کی اشرفیت کو تمام مخلوق نے تسلیم کر لیا ہے سوائے شیطان کے وہ اس دنیا میں اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی نہ کسی تدبیر سے اس کو ذلیل کرے اور اس کی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کر دے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ
وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ
بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي
الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

اے بنی اسرائیل میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں تم پر پہلے کر چکا ہوں، تم میرے عہد و پیمان (ایمان) کو پورا کرو تو میں بھی تمہارے عہد (ثواب) کو پورا کروں گا۔ اور تم بس مجھ سے ڈرتے رہو اور جو (قرآن) میں نے نازل کیا ہے وہ اس کتاب (توریت) کی بھی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ پس تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت (دنیوی فائدہ) نہ لو۔ اور مجھی سے ڈرتے رہو اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جو حق بات ہے اُسے نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو لوگ عبادت کرنے کے لیے جھکتے ہیں تم بھی اُن کے ساتھ جھکا کرو۔ تم اور لوگوں سے تو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتابِ خدا کو برابر رٹا کرتے ہو تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (اور مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔ البتہ نماز دوبھر تو ہے مگر ان خاکساروں پر نہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور ضرور اس کی طرف اُن کو لوٹ کر جانا ہوگا۔

بنی اسرائیل کے معنی ہیں اسرائیل کی اولاد۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام ہے۔ اس کے معنی ہیں بندہ اور ایل کے معنی ہیں اللہ، یعنی اللہ کا بندہ۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد کہلاتی ہے جو تمام عرب میں پھیلی ہوئی تھی انہی کو یہودی کہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب قوم تھی جس میں نیک بندے بھی سب سے زیادہ تھے اور بد بندے بھی سب سے زیادہ۔ انبیاء و

مرسلین کی زیادہ تعداد اسی قوم میں ہوئی اور اسی قوم پر رات دن سخت سے سخت عذاب بھی آتے رہے۔

قرآن میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ ان یہودیوں سے متعلق ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ چونکہ ان کی اولاد انہی کے راستے پر گامزن ہے اور انہی کے معتقدات پر عمل کر رہی ہے لہذا ان سے خطاب کر کے ان کے بزرگوں کے کارنامے یاد دلائے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بیشمار نعمتیں اس قوم کو دیں مثلاً کتاب، حکمت۔ ملک عظیم۔ عزت۔ دولت وغیرہ اور نکوکاروں کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ بھی کیا لیکن یہ سب بھول گئے اور خدا کا ڈر ان کے دل سے نکل گیا۔ قرآن مجید کے کتابِ خدا ہونے سے انکار کر دیا حالانکہ توریت کی وہ تصدیق کر رہا ہے۔ سب سے پہلے جنہوں نے حضرت رسولِ خدا کی رسالت اور قرآن سے انکار کیا وہ یہودی ہی تھے جبکہ پہلی کتابوں میں وہ آنحضرتؐ اور قرآن کے متعلق سب کچھ پڑھ چکے تھے۔ انہوں نے توریت میں تصرّف کرنا شروع کیا اور لوگوں سے پیسے لے کر اس کی آیات کو بدلا۔ اور اس تجارت میں خوب خوب کمایا۔ خوفِ خدا ان کے دل سے نکل گیا تھا وہ باطل پرستی کے جنون میں حق بات کو چھپا لیتے تھے حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کی کارروائی بالکل غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو نصیحت فرما رہا ہے کہ نماز پڑھا کرو۔ زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ یہودیوں نے اپنی نماز سے رکوع نکال دیا ہے یہ خصوصیت صرف اسلامی نماز کی ہے۔

بنی اسرائیل کی یہ عادت تھی کہ جب دوسروں سے معاملہ کرتے تو اپنے حق میں نیکی چاہتے۔ انصاف کے طالب ہوتے۔ لیکن جب اپنی باری آتی تو عدل و انصاف اور حق پسندی سب بھول جاتے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو یاد دلا رہا ہے اور بعض تفسیروں میں یہ بھی ہے کہ مدینہ کے بعض یہودی اور لوگوں سے تو کہا کرتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ لیکن خود نہیں ہوتے تھے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ یعنی یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ صبر کے ساتھ محنت کرو اور حرام کھانا چھوڑ دو اور مسلمانوں کی طرح صحیح طریقہ سے نماز پڑھو۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے کہ صبر سے مراد روزہ ہے اس میں شک نہیں کہ نماز روزہ سخت ہیں مگر ان لوگوں کے لیے نہیں جو خدا سے عاجزی کرنے والے اور ڈرنے والے ہیں۔ یعنی جو لوگ سچے دل سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا
عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ
فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے پہلے تم کو دی ہیں اور میں نے تم کو تمام عالموں پر فضیلت دی تھی۔ تم اس دن سے ڈرو جس میں ایک شخص کسی دوسرے کا نہ تو فدیہ ہو سکے گا اور نہ اس کی طرف سے کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد پہنچائے جائیں گے (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں کو) قوم فرعون کے پنجہ سے چھڑایا تھا جو تمہیں بڑے بڑے دکھ دے کر ستاتے تھے تمہارے لڑکوں پر چھری پھیرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے صبر کی بڑی آزمائش تھی۔ (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔ پھر ہم نے تم کو تو نجات دی اور فرعون کے آدمیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل پر جو بیشمار احسانات کیے تھے ان کو یاد دلا کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ کیا میرے احسانات کا یہی بدلہ ہے کہ تم میرے دین کا صحیح راستہ چھوڑ کر میرے نافرمان بندے بنے رہو۔ یاد کرو میں نے روحانی اور مادی ہر طرح کی نعمتیں تمہیں دیں۔ افسوس ہے کہ تم ان سب کو بھول گئے۔ میں نے تم کو تمام عالموں پر فضیلت دی۔

اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ میں عالمین سے مراد اس زمانہ کی تمام اقوام ہیں نہ کہ قیامت تک ہونے والی اقوام۔ نہ ان کو مسلمانوں پر فضیلت حاصل تھی نہ ان کے پیغمبروں کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ یہودیوں کا عقیدہ تھا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (بقرہ)۔ ہم اللہ کی اولاد ہیں اور اس کے دوست ہیں۔ لہٰذا خدا ہم کو عذابِ جہنم کی سزا نہ دے گا اور اگر دے گا تو چند روز۔ ہمارے انبیاء ہمیں عذابِ آخرت سے بچا لیں گے۔ ان کے اس غلط عقیدہ کی تردید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے جو کچھ سمجھا ہے غلط سمجھا ہے۔ یاد رکھو قیامت کے دن نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی کا فدیہ لیا جائے گا اور نہ گناہ کا بدلہ کسی چیز سے ہو سکے گا اور نہ وہاں ایک دوسرے کی مدد کر سکے گا۔ لہٰذا باپ دادا کی تقلید میں نجات کا راستہ اپنے اوپر بند نہ کرو۔ اور ہمارے رسولؐ پر اور ہماری آخری کتاب (قرآن) پر ایمان لے آؤ۔

جناب موسیٰؑ کے زمانے میں مصر میں دو قومیں آباد تھیں۔ بنی اسرائیل اور قبطی۔ جب حضرت یوسفؑ مصر میں بادشاہ ہوئے تھے تو انھوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر میں لا بسایا تھا۔ اس زمانہ میں قبطی قوم کی حکومت تھی اور فرعون بادشاہ تھا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ فرعون ایک خرد ماغ انسان تھا۔ اپنی وسعتِ سلطنت کو دیکھ کر اپنی خدائی کا مدعی بن بیٹھا۔ کہتا تھا میں تم سب کا ربِ اعلیٰ ہوں۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ تم سب کو روزی دینے والا ہوں اور تمہاری مشکلات کا حل کرنے والا میں ہوں۔ اس کی قوم نے اس کی خدائی کو تسلیم کر لیا تھا۔ بنی اسرائیل بھی حضرت موسیٰؑ کی ولادت سے قبل اس کے جال میں پھنس چکے تھے۔

ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے آگ کا ایک ایسا شعلہ نکلا جس نے مصر کے سارے گھر جلا کر خاک کر دیئے۔ جب نجومیوں سے تعبیر پوچھی تو انھوں نے کہا۔ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت کو تہس نہس کر دے گا اور تیری ہلاکت کا باعث ہو گا۔ اس وقت سے فرعون بنی اسرائیل کا جانی دشمن بن گیا اور اس نے یہ احکام جاری کیے کہ بنی اسرائیل میں جو عورت حاملہ ہو اس پر پہرہ بٹھا دیا جائے۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو فوراً ذبح کر دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو

اس کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ جب فراسیانی ہو تو اس سے لونڈیوں کی طرح خدمت لی جائے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ نہ تابِ زدن نہ جائے ماندن۔ نہ مصر چھوڑ کر کہیں جا سکتے تھے اور نہ وہاں امن و سکون سے رہ سکتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے پہلے فرعون دس ہزار بچوں کو قتل کرا چکا تھا۔ مگر جس کو خدا سلامت رکھے اُسے کون مار سکتا ہے موسیٰؑ فرعون ہی کے گھر پلے بڑھے اور اُسے ذرا پتہ نہ چلا کہ میرا جانی دشمن میرے گھر میں ہے۔ جب نجومیوں نے یہ خبر دی کہ وہ بچہ پیدا ہو چکا تب وہ قتل سے باز آیا۔

الغرض وہ وقت بھی آگیا کہ موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے۔ فرعون نے ان کا پیچھا دبایا۔ دریائے نیل کو معجزانہ طور پر بنی اسرائیل تو پار کر گئے لیکن جب فرعون مع اپنی فوج کے داخل ہوا تو ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ چونکہ یہ قصہ آگے بہت تفصیل کے ساتھ آئے گا لہٰذا یہاں صرف اتنے ہی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اب ان آیات میں چند اسرار و غوامض پر غور کیجئے:

۱۔ فِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو مصیبت نازل ہوئی تھی وہ خدا کی طرف سے امتحان تھا۔ خدا تو رحمٰن و رحیم ہے اس نے بنی اسرائیل کا ایسا سخت امتحان کیوں لیا اور بے وجہ ان کو ان مصائب و آلام کے شکنجہ میں کیوں کھینچا ـــــ جواب یہ ہے کہ یہ سزا تھی بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی۔ انھوں نے انبیاءؑ و مرسلین کی ہدایات کو یکسر پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان میں خدا پرستی کی جگہ بت پرستی آگئی تھی۔ وہ فرعون کی خدائی پر ایمان لے آئے تھے۔ لہٰذا فرعون کے ہاتھوں جو مصیبت سالہا سال ان پر آتی رہی یہ سب ان کے کرتوتوں کی سزا تھی۔ ان کی گمراہی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب موسیٰؑ ان کو دریا پار کرا کے دوسرے کنارہ پر پہنچے تو وہاں انھوں نے ایک قوم کو دیکھا کہ چھوٹے بڑے خوبصورت بتوں کو سامنے رکھے پوجا کر رہے ہیں۔ انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے ہٹ ماری کہ ہمیں بھی ایسے بت بنوا دیجئے۔ جس قوم کا موسیٰؑ جیسے ہادی کے ساتھ رہ کر یہ حال ہو، سمجھ لیجیے کہ اس سے پہلے ان کی گمراہی کس حد تک پہنچی ہو گی۔ بنی اسرائیل پر خدا کا یہ اتنا بڑا احسان تھا کہ انھیں عمر بھر نہ بھولنا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ ان کی طبیعتیں شرک و کفر سے پوری طرح مانوس ہو چکی تھیں لہٰذا وہ خدا کے ہر احسان کو بھلا بیٹھے۔

۲۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ۔ فرعون کے اولاد نہ تھی لہٰذا آلِ فرعون سے مراد فرعون کی قوم ہے۔ پس جب یہ معلوم ہوا کہ آل کا لفظ قوم پر بولا جاتا ہے تو آلِ رسولؐ اور آلِ محمدؐ سے بھی مراد تمام مسلمان ہوئے نہ کہ وہ مخصوص لوگ جن کو شیعہ اہلبیتؑ کہتے ہیں ـــــ جواب یہ ہے کہ جو الفاظ مشترک المعنی ہوتے ہیں ان کے معنی کا تعین بلحاظ سیاق و سباق اور شواہد و حالات کیا جاتا ہے اور روایت کے ساتھ درایت کی کسوٹی پر بھی پرکھا جاتا ہے۔ چند مثالوں پر غور کیجئے: تابوت سکینہ جس میں انبیاءؑ کے تبرکات تھے قرآن میں اس کا تذکرہ یوں ہے۔ فِیْہِ بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ھٰرُوْنَ (بقرہ) اس میں بقیہ تھا اُن تبرکات کا جو اولادِ موسیٰؑ و اولادِ ہارونؑ نے چھوڑے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے اولاد نہ تھی۔ پس اگر یہاں آلِ موسیٰؑ سے مراد قومِ موسیٰؑ لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تمام قومِ موسیٰؑ کے تبرکات اس صندوق میں رکھے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اس صندوق میں صرف موسیٰؑ و ہارونؑ اور اولادِ ہارونؑ کے تبرکات تھے۔ جیسے عمامہ موسیٰؑ و ہارونؑ۔ قمیص موسیٰؑ و ہارونؑ کفشِ موسیٰؑ۔ ردائے موسیٰؑ وغیرہ ـــــ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ

وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ - (اللہ نے انتخاب کر لیا آدمؑ و نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ و آلِ عمرانؑ کو تمام عالموں میں سے) اگر آل کے معنی قوم ہو تو یہ معنی ہوئے کہ تمام اولادِ ابراہیمؑ و اولادِ عمرانؑ کا اصطفا کیا گیا۔ چونکہ عقلاً و نقلاً یہ باطل ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ عمرانؑ سے پوری قوم مراد نہیں بلکہ مخصوص افراد مراد ہیں جو اولادِ ابراہیمؑ و عمرانؑ سے تھے۔

۳ - اگر آلِ رسولؐ سے مراد تمام اُمّتِ رسولؐ ہو تو پھر رسول کی طرح تمام امت پر صدقہ حرام ہونا چاہیئے حالانکہ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ پھر درود میں بھی ساری امت کو شریک ہونا چاہیئے اور اسی طرح وجوبِ اطاعت میں بھی ماننا پڑے گی ــــــ

۴ - یہ کہنا بھی غلط ہے کہ رسولؐ کے چونکہ اولادِ ذکور میں سے کوئی نہ تھا لہٰذا آلِ رسولؐ اُمّتِ رسولؐ ہی ماننا پڑے گی ــــــ اہلبیتِ رسولؐ بنصِّ قرآنی آلِ رسولؐ ہیں جیسا کہ آیہ مباہلہ سے ظاہر ہے اور حضورؐ نے ایک حدیث بیان فرما کر اس غلط فہمی کو دُور کر دیا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ - یعنی اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب میں قرار دی ہے اور میری اولاد صلبِ علیؑ سے ہے۔ اسی بنا پر کفار و مشرکین کا یہ طعنہ غلط تھا کہ معاذ اللہ حضورؐ ابتر ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ آلِ موسیٰؑ سے مراد اولادِ ہارونؑ ہے۔ بس آلِ فرعون سے یا تو اس لیے قوم مراد ہے کہ وہ ساری قوم کو اپنی اولاد سمجھتا تھا۔ یا آلِ فرعون سے مراد اس کے خاندان والے ہیں جو برسرِ اقتدار تھے لہٰذا ان کے ڈوبنے کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔

وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ
الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ
بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ
نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا اور تم لوگوں نے ان کے جانے کے بعد ایک بچھڑے کو پرستش کے لیے خدا بنا لیا حالانکہ تم اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے پھر بھی ہم نے اس کے بعد تم سے

درگزر کی تاکہ تم شکر کرو (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰؑ کو کتاب توریت عطا کی اور حق و باطل کا جدا کرنے والا قانون عطا کیا تاکہ تم ہدایت پاؤ (اور وہ وقت بھی یاد کرو تم) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم نے بچھڑے کو خدا بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے تو اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ تم اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور وہ یہ ہے کہ اپنے کو قتل کر ڈالو۔ تمہارے خدا کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر جب تم نے ایسا کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ظاہر بظاہر خدا کو ہمیں نہ دکھا دو۔ اس پر تمہیں بجلی نے لے ڈالا اور تم تکتے ہی رہ گئے۔ پھر تمہیں مرنے کے بعد ہم نے زندہ کر اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات کا ذکر کیا ہے جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر ہوتے رہے تھے۔

۱ - جب فرعونی مظالم سے نجات پا کر بنی اسرائیل صحرائے سینا میں جو ایک لق و دق مقام تھا پہنچے تو اب اس کی ضرورت تھی کہ ان کی معاشرتی ترقی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے لیے خدا کی طرف سے کوئی قانون نازل ہوتا کہ وہ آئے دن کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہیں خدا نے اس قانون (توریت) کو دینے کے لیے موسیٰؑ کو کوہِ طور پر بُلایا اور وعدہ کیا کہ چالیس دن میں یہ کتاب تم کو مل جائیگی مفسرین لکھتے ہیں کہ پہلے تیس۳۰ دن کا وعدہ تھا۔ موسیٰؑ روز خدا سے ہمکلام ہوتے تھے۔ ہر دن روزہ رکھتے تھے ایک دن خیال آیا کہ روزہ دار کے منہ سے بدبو آیا کرتی ہے لہٰذا اس کے دُور کرنے کے لیے ایک درخت کی پتی جو خوشبودار تھی منہ میں رکھ لی۔ خدا کو یہ بُرا معلوم ہُوا۔ اس نے کہا اے موسیٰؑ روزہ دار کے منہ کی بدبو ہمارے لیے ہر خوشبو سے بہتر ہے تم نے یہ کیا کیا۔ لہٰذا اب کفارہ میں دس روز اور توریت ملنے کا انتظار کرو۔ چنانچہ تیس۳۰ دن کے چالیس۴۰ دن ہو گئے۔ یہ ہے ہمارے مفسرین کی روایت پرستی، جو کچھ کسی سے سُنا لکھ مارا۔ بھلا ایک پتی منہ میں رکھ لینے کا اتنا بڑا کفارہ کیوں ہوا۔ بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے ایمان کی آزمائش مقصود تھی کہ حکمِ خدا کو کس حد تک مانتے ہیں۔ بے شک موسیٰؑ نے قوم سے تیس دن غائب رہنے کو کہا تھا لیکن جب تیس دن بعد نہ آئے تو ان کو یقین کر لینا چاہیئے تھا کہ قدرت نے دس دن کے لیے روک لیا ہے لیکن وہاں تو یہ غضب آیا کہ بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی اور سمجھ لیا کہ موسیٰؑ کا خدا طور کی بجائے اس بچھڑے کے اندر بول رہا ہے۔

قدرت نے اس گمراہی کی ایسی سخت سزا دی کہ جو لوگ ایمان پر قائم رہے تھے ان کے ہاتھوں سے رات کے وقت ان مشرکین کو قتل کرایا جو بچھڑے کے پجاری بنے ہوئے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہ فعل اس لیے ہوا تاکہ قتل کرنے والا اپنے کسی عزیز کو پہچانے نہیں۔ قتل ہونے والے گردن جھکائے بیٹھے تھے اور ایمان لانے والوں کی تلواریں اُن کے سرتن سے اڑاتی چلی جا رہی تھیں۔

۲ - جب طور پر حضرت موسیٰؑ جانے لگے تھے تو تم نے ہٹ ماری کہ خدا سے کہنا اپنے کو کھُلم کھُلا دکھا دے ورنہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر چند سمجھایا کہ وہ ذاتِ پاک قابلِ رویت نہیں مگر وہ ضدی اور ہٹی کہاں ماننے والے تھے۔ کہنے لگے

اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہم آپ کو مار ڈالیں گے۔ مجبور ہو کر حضرت موسیٰؑ نے درخواست کی۔ جواب ملا، ہرگز تم مجھے نہیں دیکھو گے۔ میں ایک بجلی چمکاتا ہوں اگر تم اس کے دیکھنے کی تاب لا سکے تو مجھے بھی دیکھ لو گے۔ چنانچہ اس کے چمک مارتے ہی موسیٰؑ تو غش کھا گئے۔ طور جل گیا۔ اس قصّہ کو کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں چونکہ مختصر ہے لہٰذا ہم نے بھی اختصار اختیار کیا ہے۔

ان آیات کے معاملہ میں چند باتوں پر غور کیجیے:

(۱) موسیٰؑ چند روز کے لیے طور پر گئے تھے پھر بھی قوم کی ہدایت کے لیے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ پس کیسے ممکن تھا کہ حضورؐ سرورِ انبیاء بغیر اپنا جانشین بنائے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے۔

(۲) قومِ موسیٰ نے موسیٰؑ کے وصی و جانشین کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور گئو سالہ پرست بن گئے۔ یعنی اپنے قدیمی مذہب کی طرف جو بت پرستی تھا لوٹ گئے۔

(۳) حضرت موسیٰؑ نے قوم کی تشدد پسندی سے مجبور ہو کر رویت باری تعالیٰ کے متعلق وہ سوال کیا جو ان کو نہ کرنا چاہیے تھا۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ ایک نبی کبھی رویت باری تعالیٰ کا قائل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجبوری دوسری چیز ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ
وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا
مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ
وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى
الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ ع

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر مَن و سلویٰ اتارا اور (یہ بھی کہہ دیا تھا) جو صاف ستھری روزیاں ہم نے تم کو دی ہیں۔ انہیں شوق سے کھاؤ تو ان لوگوں نے نافرمانی کر کے ہمارا تو کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ بلکہ اپنی جانوں پر ستم ڈھایا (اور وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے کہا کہ اس گاؤں (اریحا) میں جاؤ اور اس میں جہاں چاہو رغبت سے کھاؤ پیو اور دروازہ پر سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے حطّۃ (بخشش) کہتے ہوئے آؤ تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور ہم نیکی کرنے والوں کی نیکی بڑھا دیں گے تو جو بات ان سے کہی گئی تھی اُسے شریروں نے بدل کر دوسری بات کہنی شروع کر دی تب ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے شرارت کی تھی ان کی بدکاری کی وجہ سے آسمانی بلا نازل کی۔

ان آیات کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ جب موسیٰؑ مصر سے لے کر اپنی قوم کو نکلے تھے تو لاکھوں آدمی تھے۔ خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر تم قوم عمالقہ سے لڑو گے تو ہم تم کو سلطنت عطا کریں گے۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے ہرچند اُبھارا، جوش دلایا مگر ان پر بزدلی ایسی غالب آئی کہ کسی طرح لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اسی بنا پر صحرائے سینا میں چالیس برس تک بھٹکتے پھرے۔ وہاں تھا کیا لق و دق صحرا، یہ لاکھوں آدمی کہاں سر چھپاتے۔ مکانوں کا کیا ذکر جھونپڑیاں بھی نہ تھیں، درختوں کا سایہ بھی نہ تھا۔ جب کڑی دھوپ پڑتی تو بلبلا جاتے اور موسیٰؑ سے کہتے، خدا سے دعا کیجیے کہ وہ اس دھوپ سے ہمیں بچائے ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب جناب موسیٰؑ نے دعا کی تو آسمان پر بادل چھا گئے اور ان کی جانیں ہلاکت سے بچیں۔ اس کے بعد کھانے کا سوال پیدا ہوا۔ خدا نے ان پر پھر رحم کھایا۔ اور مَن و سلویٰ نازل ہونے لگا۔ جب پھر شرارت پر کمر باندھی تو وہ بھی موقوف ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی اس سرگشتگی کے زمانہ میں وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت یوشعؑ پیغمبر ہوئے۔ ان کے سمجھانے بجھانے سے ان لوگوں نے عمالقہ پر حملہ کیا اور کئی شہر بھی فتح کیے۔ ان کو حکم تھا کہ جب پہلا شہر فتح کرو تو حطّہ (بخشش) کہتے ہوئے شہر میں داخل ہو مگر شرارت تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے حطّہ کی بجائے حنطہ (گیہوں) کہنا شروع کیا۔ اس شرارت کی سزا میں طاعون پھیلا اور چوبیس پچیس ہزار آدمی مر گئے اور فتح کیا ہوا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔

وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوسٰى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا
عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي
الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نَصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ
أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ ۗ وَ
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ
كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ ع

جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو۔ پس اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا (ہم نے ان سے کہا کہ) اللہ کے رزق کو کھاؤ پیو، لیکن رُوئے زمین پر فساد کرتے نہ پھرو۔ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا اے موسیٰؑ ہم ایک کھانے پر (من وسلویٰ) پر صبر نہیں کر سکتے آپ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ وُہ ہمیں زمین سے اُگی ہوئی چیزیں دے ساگ پات کھیرا، ککڑی، لہسن، مسُور اور پیاز۔ موسیٰؑ نے کہا (بے وقوفو) کیا اچھی چیز کو اس سے بدلتے ہو جو ادنیٰ قسم کی ہے (اچھا اگر یہی چاہتے ہو) تو کسی شہر میں اُتر پڑو۔ وہاں جو کچھ تم چاہتے ہو موجود ہو گا۔ آخر ان پر رسوائی اور محتاجی کی مار پڑی اور ان لوگوں نے قہر خدا کی طرف پلٹا کھایا۔ یہ سب اس لیے ہُوا کہ وہ لوگ خدا کی نشانیوں سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے تھے اور اس بنا پر بھی کہ وہ نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل اپنی نافرمانی کی بنا پر وادی تیہ میں جو لق و دق جنگل تھا محصُور ہو گئے تو ان کو کئی پریشانیوں کا سامنا ہُوا۔ پہلے یہ کہ کوئی سایہ کی جگہ نہ تھی۔ کڑی دھوپ میں بلبلائے جاتے تھے۔ خدا نے ان پر رحم کیا اور بادل ان کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا دوسری چیز کھانے کی تکلیف، وہ اللہ نے من وسلویٰ نازل کر کے دُور کی۔ اب تیسری تکلیف پانی کی تھی۔ کسی تاریخ یا تفسیر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ موسیٰؑ کے دُعا کرنے سے پہلے تک پانی کا انتظام کیا تھا۔ قیاس کہتا ہے کنویں کھودے گئے ہوں گے بہر حال موسیٰؑ کے پتھر پر عصا مارنے سے چشمہ پھوٹ نکلا۔ مگر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے وہ بھلا ایک چشمہ سے کیسے پانی پی سکتے تھے۔ آپس میں جھگڑا شروع ہُوا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک چشمہ سے بارہ دھاریں بہا دیں اور ہر ایک گروہ نے ایک ایک دھار پر اپنا قبضہ کر لیا۔ جب یہ معاملہ بھی طے ہو گیا تو اب انھوں نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ ہم ایک ہی کھانا کہاں تک کھائے جائیں۔ یہ بمقتضائے فطرت تو صحیح تھا کیونکہ آدمی کا دل ایک ہی غذا بار بار کھاتے کھاتے اکتا جاتا ہے لیکن اس بات پر غور نہ کیا کہ ہم پر یہ مصیبت آئی کیوں ہے۔ اگر عمالقہ سے جا لڑتے اور سلطنت کے مالک ہو جاتے تو مزے سے زمین کی پیداوار کھاتے پیتے۔ یہ ذلت اور پریشانی ان کی نافرمانی کی سزا تھی۔ ان پر غضب الٰہی نازل ہوتا رہا۔ مگر وہ ایسے چکنے گھڑے تھے کہ ذرا ان پر اثر نہ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہی رہے اور انبیا کے قتل پر ان کی کمر بندھی ہی رہی۔ ان ظالموں کے ہاتھوں نہ معلوم کتنے انبیا قتل ہوئے۔ چونکہ انبیاء کی بد دعاؤں سے ان پر عذاب آتے تھے لہٰذا وہ بجائے خدا کا فرمانبردار بندہ بننے کے اُلٹا انبیا کو قتل کرتے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ
وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا
مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ
يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

بے شک مسلمانوں اور یہودیوں اور نصرانیوں اور لامذہبوں میں سے جو کوئی خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتا ہے تو ان کے لیے ان کا اجر و ثواب خدا کے پاس ہے اور (روز قیامت) ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہو گا نہ رنج۔ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تعمیل توریت کا تم سے اقرار لیا اور ہم نے تمہارے سروں پر کوہِ طور کو لا کر لٹکایا اور کہہ دیا کہ توریت جو ہم نے تم کو دی ہے اُس کو مضبُوط پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ اس کے بعد پھر تم اپنے عہدِ پیمان سے پھر گئے۔ بس اگر تم پر خدا کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم نے سخت گھاٹا اٹھایا ہوتا اور اپنی قوم کے تم ان لوگوں کی حالت بخوبی جانتے ہو جو شنبہ کے دن اپنی حد سے گزر گئے (یعنی باوجود ممانعت شکار کھیلنے لگے) تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ (چنانچہ وہ بندر ہو گئے) پس ہم نے اس واقعہ کو اُن لوگوں کے لیے جن کے سامنے ہُوا تھا اور آنے والوں کے لیے عذاب قرار دیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت۔

پہلی آیت میں اِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد منافق ہیں جو بظاہر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور بہ باطن وہ دشمنانِ اسلام تھے یہودیوں اور نصرانیوں کا یہ حال تھا کہ جب تک وہ صدق دل سے توریت پر عمل کرتے رہے اور اپنے انبیاء کو مانتے رہے مؤمن رہے

لیکن جب وساوسِ شیطانی میں مبتلا ہو کر انھوں نے بداعمالیاں شروع کیں تو ایمان باللہ سے کوسوں دُور ہو گئے۔ صابئین سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے تھے اور لاآف نیچر پر ہر مسئلہ میں ان کی نظر رہتی تھی۔ پس ان سب سے کہا جا رہا ہے کہ اب بھی اگر تم ہمارے رسولؐ پر اور قرآن پر ایمان لے آؤ گے تو روزِ قیامت تمہارے اعمال کا اجر ضرور ملے گا اور وہاں کے خوف اور رنج سے بچ جاؤ گے۔

جب حضرت موسٰیؑ توریت لے کر آئے اور یہودیوں نے اس کی ضخامت کو دیکھا تو کانوں پر ہاتھ دھر کر کہنے لگے اس کا تو بوجھ بھی ہم سے نہ اُٹھے گا۔ اس پر عمل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ حضرت موسٰیؑ نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کہاں ماننے والے تھے آخر کوہِ طور کو ان کے سروں پر لٹکایا گیا جب انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر یہ ہم پر گرا تو ہم سب اس کے نیچے دب کر مر جائیں گے۔ تب بادلِ ناخواستہ عمل کرنے کا اقرار کیا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ۔ (طور کو تم پر بلند کیا) مفسرین نے اس کی عجیب و غریب تاویلیں کی ہیں:

(۱) طور کا سروں پر چھتری کی طرح آجانا خلافِ عقل ہے وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا نہ اکھڑا۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کو ایسا معلوم ہوا گویا وہ اُن پر جھکا آرہا ہے۔ اس پر کافی بحث ہم نے اپنی کتاب رموز القرآن میں کی ہے۔

(۲) بعض نے لکھا ہے کہ کوہِ طور اس وقت آتش فشانی کر رہا تھا۔ یہودیوں کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی لپیٹ میں آجائیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ طور کی وادی میں کوہِ طور کے سایہ کے نیچے عہد لیا گیا تھا۔

(۳) اُن کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر موسٰیؑ نے بددعا کی اور یہ طور ہم پر آگرا تو ہم مر جائیں گے۔

جو لوگ معجزاتِ انبیاءؑ کے قائل نہیں ایسی رکیک تاویلیں وہی کر سکتے ہیں۔ کاش وہ اس پر غور کرتے کہ اگر یہ معمولی بات ہوتی تو تنبیہ کے موقع پر اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی جس طرح یہودیوں پر اُن کی نافرمانی کی بدولت اور بہت سے عذاب آئے ان میں ایک عذاب کی صورت یہ بھی تھی تاکہ وہ اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ طور کے بلند کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس کا ایک حصہ جھک کر ان کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا تھا جس سے ان کو یہ خوف پیدا ہوا کہ وہ اگر ان پر گر گیا تو ہلاک ہو جائیں گے یہ سب کچھ معجزانہ شان کے اندر تھا۔ اگر خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو وہ بڑا گھاٹا اٹھاتے یعنی ان کی بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتیں۔

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ۔ اس میں بھی مفسرین کا بڑا اختلاف ہے:

(۱) وہ آدمی سے بندر نہیں بنے تھے ورنہ مسئلہ تناسخ کا اسلام میں جواز ثابت ہوگا۔

(۲) ان کی صرف صورت بندروں کی سی ہو گئی تھی باقی جسم انسانوں کا سا رہا۔

(۳) ان کی عادتیں بندروں کی سی ہو گئی تھیں۔

(۴) موجودہ بندر انہی کی نسل سے ہیں۔

یہ سب قیاس آرائیاں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ تناسخ تو جب ثابت ہوتا کہ ایک رُوح کسی دُوسرے بدن میں منتقل ہوئی ہوتی۔ جب رُوح ایک ہی رہے اور بدن کی ہیئت بدل جائے تو وہ تناسخ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کہنا کہ عادتیں

بندروں کی سی ہو گئی تھیں، یہ بھی کوئی بات نہ ہوئی۔ بندروں کی سی عادتیں تو یوں بھی بہت سے آدمیوں میں پائی جاتی ہیں۔

یہ کہنا کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بندر انہیں بندروں کی نسل سے ہیں۔ اے سبحان اللہ، گویا اس سے پہلے بندر جیسی مخلوق موجود ہی نہ تھی۔ حالانکہ اور جانوروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ سے ہیں۔

ہمارے ائمہ کے اقوال سے یہ ثابت ہے کہ وہ بندر بن گئے تھے۔ تین دن اسی حالت میں رہے اس کے بعد وہ مر گئے۔

یومِ سبت کا قصہ: جس طرح ہمارے یہاں روزِ جمعہ مقدس دن ہے نصارٰی میں اتوار، یہودیوں میں ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ یہودیوں کا ایک گروہ تھا جو مچھلیوں کا روزانہ شکار کرتا تھا، جیسے ہمارے یہاں مچھیرے روزانہ سمندر یا دریاؤں سے مچھلیاں پکڑ کر لاتے ہیں۔ اس دوامی شکار کی وجہ سے مچھلیوں کی تعداد دریا میں روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور اس کا اثر ان کی نسل پر پڑ رہا تھا۔ لہٰذا حکمِ خدا ہوا کہ ایک روز ان کا شکار بند رہا کرے۔ ہفتہ کے روز کوئی شکار نہ کرے۔ شرارت تو یہودیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کمی کو پورا کرنے کی یہ صورت نکالی کہ دریا کے کنارے بہت سے گڑھے کھود دیئے اور ان کے اور دریا کے درمیان نالیاں بنا دیں تاکہ جب دریا کا پانی ان گڑھوں میں آئے تو مچھلیاں بھی اس کے ساتھ آجائیں۔ سبت کی شام کو جا کر نالیوں کا منہ بند کر دیتے تاکہ مچھلیاں دریا میں واپس نہ جائیں۔ اتوار کی صبح کو ان سب کو جا پکڑتے۔ اس نافرمانی کی بنا پر ان کو بندر بنایا گیا اور بعد کو ہلاک کر دیا گیا۔

ان کی تعداد میں اختلاف ہے کسی نے سات لکھی ہے کسی نے بیس کسی نے چالیس۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انبیائے سابقین کی اُمتوں کو نافرمانی کی سزا بصورتِ عذاب فوراً یہیں دنیا میں مل جاتی تھی۔ قومِ عاد و ثمود و اصحابِ رس و اصحابِ مدین اور اصحابِ اُخدود اور اُمتِ موسٰیؑ کے واقعات قرآن میں پڑھ لو جو لوگوں کی عبرت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے لہٰذا ان کی اُمت سے یہ فوری عذاب ہٹا لئے گئے اور ان کی تمام بداعمالیوں کی سزا روزِ قیامت پر موقوف رکھی گئی۔ بداعمال مسلمانوں کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ انہیں بےخوف ہو کر گناہ اس خیال سے نہ کرنے چاہئیں کہ ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

ان کے سب اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ روزِ قیامت ان سب کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ چھوٹنے کا کوئی نہیں۔ دُنیا کے عذاب سے وہ عذاب ہزاروں گنا زیادہ ہوگا۔ جو واقعات نافرمان قوموں کے بیان کیے گئے ہیں وہ طلسم ہوشربا یا الف لیلہ کے من گھڑت قصے نہیں کہ اس کان سُن کر اُس کان نکال دیئے جائیں بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ خدا سے دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمارے نفسوں کو شرور سے بچائے رکھے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا۟ بَقَرَةً ۖ قَالُوٓا۟ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ
قَالَ أَعُوذُ بِٱللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْجَٰهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِىَ ۚ
قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَٱفْعَلُوا۟ مَا
تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ ٱلنَّٰظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا۟ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِىَ إِنَّ
ٱلْبَقَرَ تَشَٰبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّآ إِن شَآءَ ٱللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُۥ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ
لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ ٱلْأَرْضَ وَلَا تَسْقِى ٱلْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا۟ ٱلْـَٰٔنَ
جِئْتَ بِٱلْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَٱدَّٰرَٰٔتُمْ
فِيهَا ۖ وَٱللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا ٱضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ
يُحْىِ ٱللَّهُ ٱلْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

موسیٰ نے کہا، خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے کو ذبح کرو۔ انھوں نے کہا کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ موسیٰ نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہل بنوں۔ وہ بولے اچھا تم اپنے خدا سے دُعا کرو کہ ہمیں بتائے کہ وُہ گائے کیسی ہو۔ موسیٰ نے کہا، خدا فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بہت بوڑھی ہو اور نہ بچھیا ہی بلکہ ان میں سے اوسط درجہ کی ہو اور جو تم کو حکم دیا گیا ہے اُسے بجا لاؤ۔ وُہ کہنے لگے تم اپنے خدا سے دُعا کرو وہ ہمیں یہ تو بتا دے کہ اس کا رنگ کیا ہو۔ موسیٰ نے کہا، خدا فرماتا ہے وُہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو کہ دیکھنے والے اُسے دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ پھر وُہ کہنے لگے تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے اور کیسی ہو۔ وہ تو اور گاؤں میں مل جائے گی اور اب خدا نے چاہا تو ہم ضرور اس کا پتہ لگا لیں گے۔ موسیٰ نے کہا، خدا فرماتا

ہے وہ گائے نہ تو اتنی سدھائی ہوئی ہو کہ زمین جوتے یا کھیت سینچے بھلی چنگی ایک رنگ کی ہو کہ اس میں کوئی داغ دھبّہ تک نہ ہو کہنے لگے اب اس کا بیان ٹھیک ٹھیک ہو گیا۔ الغرض ان لوگوں نے وہ گائے ذبح کی حالانکہ اس کی امید نہ تھی کہ وُہ ایسا کریں گے۔ جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا اور تم میں اس کی بابت پھوٹ پڑی کہ ایک دُوسرے کو قاتل بتانے لگا اور جو تم چھپاتے تھے اللہ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا پس ہم نے کہا اس گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر اس کی لاش پر مارو، یوں خدا مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا دیتا ہے۔

گائے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک عورت بہت حسین تھی۔ اس کو ایک شخص نے جس کا نام عامیل تھا اور بہت نیک اور مالدار تھا شادی کا پیغام بھیجا اور عامیل کے چچازاد بھائی نے بھی پیغام دیا۔ اس عورت نے عامیل کے پیغام کو منظور کر لیا اور شادی ہو گئی۔ اس کے چچازاد بھائی نے رشک و حسد کے غلبہ سے ایک رات عامیل کو قتل کر دیا اور اس کی لاش دوسرے محلہ کی مسجد کے دروازہ پر رکھ آیا اور خود صبح کو اس کے خون کے قصاص کا دعویٰ دار ہوا۔ اس پر بنی اسرائیل میں سخت ہنگامہ ہوا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کو اس کے قتل کا مجرم بناتا تھا۔ خدا کا حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو وُہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتا دے گا۔ پہلے تو بنی اسرائیل نے گائے ہی کے بارہ میں بہت سی کج بحثیاں کیں حالانکہ اگر حکم کے ساتھ ہی کوئی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو اتنے بکھیڑے میں نہ پڑتے پھر اس کے بعد گائے کی خریداری میں بڑی شرارتیں کیں۔ آخر ایک مردِ دیندار کو خدا نے ان احمقوں سے اتنی بڑی قیمت دلوا دی کہ اس شہر کے بنی اسرائیل سب محتاج بن گئے۔ یعنی اس گائے کی کھال میں جتنا سونا آسکے۔ غرض بعد خرابیٔ بسیار ان لوگوں نے گائے ذبح کر کے ایک پارچہ مقتول پر مارا۔ وہ زندہ ہو گیا اور اُس نے اپنے چچازاد بھائی کو اپنا قاتل بتایا پھر اس کو دوبارہ عمر بھی عطا ہوئی (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب مترجم قرآن مترجم)

اس قصہ ہی کی وجہ سے اس سورہ کا نام سورۃ البقر رکھا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ گائے کے گوشت میں اتنی قوتِ حیات ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ مسلمان گائے کا گوشت زیادہ کھاتے ہیں۔

قابلِ غور امر ہے کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں نے اس پر ریسرچ کیوں نہیں کی؟ مسلمان بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں سب کچھ تحقیقات کرائی۔ بڑے بڑے جید علما و حکما کو اپنا درباری بنا کر بہت سے علمی مسائل حل کرائے۔ لیکن آج تک اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ کی۔ چونکہ قرآن کا بیان کیا ہوا قصہ ہے لہٰذا اس کی صداقت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے۔ ضرور مردہ کو زندہ کرنے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔ ایسی گائے جس کے صفات قرآن میں مذکور ہیں کیوں نہیں تلاش کرائی گئی۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ایسی گائے اب بھی مل جائے تو بے شک مردہ زندہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسی گائے ملے گی نہیں ورنہ موت کا آسان نسخہ انسان کے ہاتھ آجانے سے پھر کوئی مرے گا ہی نہیں۔ تاہم اس پر تو ریسرچ ہو سکتی تھی کہ ان صفات کی گائے کے گوشت میں یہ تاثیر کیوں پیدا ہوئی۔ ایسی گائیں تو بہت مل سکتی ہیں جو نہ بوڑھی ہوں نہ بچھیا، درمیانی عمر کی ہوں اور ایسی بھی مل سکتی ہیں جنہوں نے نہ کھیت جوتا

ہو نہ دھبّہ چلایا ہو۔ گھر پر بندھی رہی ہو۔ اب جو چیز تلاش کرنے کی ہے وہ اس کا کھلتا ہوا زرد رنگ ہے، دوسری چیز
اس کے بدن پر ذرا سا بھی داغ دھبّہ نہ ہونا ہے پس علم الحیوانات کے ماہروں اور محققوں کو اس پر غور کرنا چاہیئے تھا۔

یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس تمام کارروائی میں جناب موسیٰؑ کو کوئی دخل نہ تھا سب کچھ بنی اسرائیل نے خود کیا۔ خود ہی تلاش
کیا اور خود ہی اسے ذبح کیا اور خود ہی پارچہ گوشت کو مقتول پر مارا۔ البتہ یہ سب کچھ تھا حکمِ خدا سے۔ لہٰذا جو تاثیر اس کے گوشت میں
پیدا ہوئی وہ ایک معجزانہ شان سے نہیں ہوئی بلکہ اس غیر معمولی گائے کے گوشت کے اثر سے ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ تمام مفسرین نے
اس واقعہ کو تو نقل کر دیا لیکن اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ ایسا کیوں ہوا۔

آریوں کے اخبار "مسافر" آگرہ میں سوامی دیانند سرسوتی کا ایک مقالہ مسلمانوں کے خلاف چھپا تھا۔ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا
تھا کہ قرآن میں گائے کے ذبیحہ کا کہیں حکم نہیں۔ مسلمانوں نے محض ہندوؤں کی دل آزاری کے لیے گاؤکشی کو جائز کر رکھا ہے۔
جواب یہ ہے کہ قرآن میں سورہ بقرہ کا مذکورہ بالا واقعہ بتاتا ہے کہ اگر گاؤکشی خدا کے نزدیک جائز نہ ہوتی تو وہ ہرگز بنی اسرائیل
کو ذبح کرنے کا حکم نہ دیتا۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جب خدا نے اس خوبصورت اور مخصوص گائے کا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو عام
گایوں کا ذبیحہ اس کے حکم کے خلاف کیسے ہوا۔

ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ بنی اسرائیل مدّتِ دراز سے گائے کی عظمت اور اس کی پوجا پاٹ کرنے کی طرف مائل تھے اسی رجحان
سے فائدہ اُٹھا کر سامری نے ان کے ظاہری ایمان پر ڈاکہ ڈالا تھا اور بچھڑے کی پوجا کرانی شروع کر دی تھی۔ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ
نے یہ بھی چاہا کہ گائے کی عظمت کا نقش بنی اسرائیل کے دل سے مٹ جائے۔

بنی اسرائیل کے جو لوگ گائے کے متعلق حیلے حوالے کر رہے تھے وہ اس بنا پر تھے کہ وہ گائے کو ذبح کرنا نہیں چاہتے
تھے جیسا کہ قرآن کہتا ہے وہ ہرگز ذبح نہ کرتے اگر ان میں کا دوسرا گروہ ان کے خلاف نہ اُٹھ کھڑا ہوتا۔ ممکن ہے اس میں بھی
یہ راز ہو کہ جس یتیم بچہ کے پاس یہ گائے تھی خدا اس کو بہت بڑی قیمت بنی اسرائیل سے دلوا کر فائدہ پہنچانا چاہتا ہو۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ
لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا
يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ
وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

خدا کی قدرت کا یہ تماشا دیکھنے کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہو گئے اور وہ بھی پتھر کی مثل سخت ہو گئے، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ کیونکہ پتھروں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے پانی نکل پڑتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی خوفِ خدا سے لرز کر گر پڑتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ مسلمانو! کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہودی تمہارا سا ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ خدا کا کلام سُن کر اور اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی اُلٹ پھیر کر دیتا تھا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے۔ یہ جب ان لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے ہم پر (توریت میں) ظاہر کر دیا ہے کیا وہ تم مسلمانوں کو بتا دو گے تاکہ اس کے سبب سے کل تمہارے خدا کے سامنے تم پر حجت لائیں کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ جو کچھ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں، اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ الخ۔ کے بعد سے مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم ان مکّار یہودیوں سے یہ اُمید نہ رکھو کہ یہ تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ان میں کا ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے لیکن پھر بھی اسے ادل بدل کر کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں جب یہودی توریت میں ان آیات کو پڑھتے تھے جو حضرت رسولِ خداؐ کی تعریف میں تھیں تو ان میں ردّ و بدل کر دیتے تھے۔ ایک دن حضرتؐ نے یہ حکم دیا کہ اب یہودی مدینہ میں نہ آیا کریں کیونکہ ان کے آنے سے مدینہ میں روز نئے جھگڑے اُٹھتے ہیں۔ جو نو مسلم ہیں ان کے دل میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ یہ حکم سُن کر یہودیوں نے دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹ موٹ اسلام قبول کر لیا۔ لیکن جب شام کو اپنے گھر لوٹے اور آپس میں ایک دوسرے سے ملے تو دوسرے یہودی ان منافقوں سے کہنے لگے تم نے یہ کیا غضب کیا کہ مسلمانوں سے جا ملے اور مسلمانوں سے وہ باتیں بیان کر دیں جو خدا نے محمدؐ کے بارہ میں توریت میں نازل کی ہیں تو اب تو مسلمانوں کو اپنے دین کے برحق ہونے کا بڑا پکا ثبوت مل گیا۔ تمہیں اتنی سمجھ نہ آئی کہ دشمن کو اپنے بھید بتانا کیسی کھلی بے عقلی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مدینہ کے بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو توریت کی وہ آیات سُنا دی تھیں جن میں حضرت رسولِ خدا

کی تعریف تھی۔ جب کعب اور حی بن اخطب کو جو یہودیوں کے سردار تھے یہ پتہ چلا تو انھوں نے ان نومسلم یہودیوں کو بہت ڈانٹا
اور کہا تم کو چاہیئے تھا کہ ان باتوں کو اپنی زبان پر نہ لاتے۔ روز قیامت مسلمان انہی باتوں سے تمہارے اوپر حجت قائم کریں گے
اس کے بعد یہودیوں نے توریت سے ان تمام آیات کو نکال دیا اور تحریف کردہ توریت سب کو سنانے لگے اور لوگوں سے
کہنے لگے چونکہ ہماری کتاب میں محمدؐ کا کہیں ذکر نہیں لہٰذا ہم ان پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ یہودی قوم کو اسلام سے ہمیشہ دشمنی رہی ہے۔ جو آج تک چلی آرہی ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ق ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۗ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ
عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ
خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور کچھ لوگ ان میں ایسے بھی اَن پڑھ ہیں جو کتاب خدا کو اپنے مطلب کے سوا اور کچھ نہیں جانتے وہ فقط خیالی باتیں کیا کرتے ہیں۔ بس وائے ہو اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بتائی ہوئی ہے تاکہ اس کی وجہ سے تھوڑی سی قیمت یعنی دنیوی فائدہ حاصل کر لیں۔ پس وائے ہو ان پر جو ایسی کمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گنتی کے چند دن کے سوا ہمیں آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ (ذرا ان سے پوچھو) کیا تم نے خدا سے کوئی اقرار لے لیا ہے کہ وہ پھر اپنے عہد کے خلاف کبھی نہ کرے گا یا بے سوچے سمجھے خدا پر طوفان جوڑتے ہو ہاں سچ تو ہے کہ جس نے برائی حاصل کی اور اس کے گناہوں نے چاروں طرف سے اُسے گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایماندار ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں وہ جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

توریت موسیٰؑ کے بعد جب ان کے اوصیا سے نکل کر علمائے یہود کے پاس پہنچی تو انھوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر آنحضرتؐ کا حلیہ اور ان کے اوصاف توریت میں باقی رہے تو لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگیں گے اور ہماری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی بہ حیثیت پیشوائے دین اور عالم توریت ہونے کے جو چڑھاوے ہم پر چڑھتے ہیں ان سب سے محروم ہو جائیں گے لہٰذا انھوں نے وہ سب باتیں توریت سے نکال دیں اور لوگوں سے کہنا شروع کیا اس نبی کے متعلق ہماری کتاب میں کوئی ذکر نہیں

دوسرا سبب تحریف کا یہ ہوا کہ ان کی قوم میں جو رؤسا و امرا بدکاریاں کرتے تھے ان کے دلوں سے عذاب آخرت کا خوف مٹانے کے لیے کہہ دیا کرتے تھے آخرت میں ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا کیونکہ ہم اَبْنَاءُ اللّٰهِ اور اَحِبَّاءُهٗ ہیں یعنی اللہ کا کنبہ ہیں ہم پر وہ عذاب کیوں نازل کرے گا اور اگر کچھ کیا بھی تو محض چند روز کے لیے ہوگا باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ بدکار یہ سن کر خوش ہوتے تھے اور ان کی اس تسلی کے سلسلہ میں بڑی بڑی رقوم ان کو دیتے تھے۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ سلاطین و امرا حرام کاری کے جواز پر ان سے فتویٰ چاہتے تھے وہ بڑی بڑی رقمیں لے کر ان کے لیے حرام کو حلال قرار دیتے تھے۔ حضرت یحییٰؑ کے قتل کا فتویٰ ان ہی سیہ کاروں میں سے ستر علماء نے دیا تھا اور بادشاہ سے بڑے بڑے انعام پائے تھے پورا واقعہ حضرت یحییٰؑ کے حال میں آئے گا۔

یعنی احبار یا عالموں کا قوم پر اتنا اثر تھا کہ ان کے احکام کے خلاف کسی کی بات سنتے ہی نہ تھے۔ وہ خود توریت کو پڑھتے ہی نہ تھے بس انہی مفتیوں کے فتووں پر اُن کا دین چل رہا تھا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ
ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

(اے یہودیو، وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے (جو تمہارے بزرگ تھے) عہد و پیمان لیا تھا، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور لوگوں کے ساتھ اچھی طرح نرمی سے باتیں کرنا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا پھر تم میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب ہی پھر گئے تھے اور تم لوگ ہو ہی اقرار سے پھرنے والے۔

اس معاہدہ کا ذکر جس طرح توریت میں تھا قرآن میں بھی والدین۔ ذوی القربیٰ یتیم۔ مسکین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہر مسلمان کو بھی ہے۔ اس آیت میں خصوصیت سے تین گروہوں پر احسان کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے:

(۱) والدین - والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ تم ان کو اس کی تکلیف نہ دو کہ وہ تم سے مانگیں - ان کی آواز پر آواز بلند نہ کرو ان کے آگے نہ چلو - ان کی طرف تُند نگاہی سے نہ دیکھو - اگر وہ تم کو ماریں تو کہو اللہ ان کو بخش دے - اگر وہ تم پر غصہ ہوں تو ان کے سامنے اُف تک نہ کہو - اگر تم بیٹھے ہو اور وہ آئیں تو کھڑے ہو جاؤ ورنہ لعنت کے مستحق ہو گے -

(۲) ذوی القربیٰ کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ صلہ رحم کرو ان کے رنج و خوشی میں شریک ہو - ان سے مہربانی کا برتاؤ کرو -

(۳) یتیموں سے نیکی یہ ہے کہ ان سے نرمی کا برتاؤ کرو - ان کی تکلیفیں دُور کرو - ایسا سلوک کرو کہ ان کو ماں باپ یاد نہ آئیں -

---

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ
اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا
مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِهِمۡ ز تَظٰهَرُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی
تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ
وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوةِ
الدُّنۡیَا ج وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَةِ ز فَلَا یُخَفَّفُ
عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ ع ۱۰

وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم (تمہارے بزرگوں) سے یہ عہد لیا تھا کہ آپس میں خونریزیاں نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو شہر بدر کرنا - تو تم نے اقرار کیا تھا اور تم بھی (اپنے بزرگوں کے اس اقرار کی) گواہی دیتے ہو کہ ہاں (ایسا ہوا تھا) پھر وہی لوگ تم ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک جتھے کے ناحق اور زبردستی حمایتی بن کر دوسرے کو شہر بدر کرتے ہو (اور لطف تو یہ ہے کہ) اگر وہی لوگ قیدی بن کر

تمہارے پاس مدد مانگنے کو آئیں تو ان کو تاوان دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام کیا گیا تھا تو پھر کیا تم کتابِ خدا کی بعض آیتوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں اُن کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندگی بھر کی رسوائی ہو اور قیامت کے دن بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کی زندگی خرید کی پس نہ ان کے عذاب ہی میں کمی کی جائے گی اور نہ وہ کسی طرح کی مدد ہی دیئے جائیں گے -

---

ان آیات میں آنحضرتؐ کے زمانہ کے یہودیوں کو ان کے بزرگوں کا یہ واقعہ یاد دلایا گیا ہے ، مدینہ میں یہودیوں کے دو گروہ تھے ، بنی قریظہ اور بنی نضیر - یہ دونوں آپس میں خونریزیاں کرتے رہتے تھے اور ہجرت سے پہلے مدینہ میں دو گروہ مشرکوں کے تھے - اوس اور خزرج - بنی قریظہ اوس سے مل گئے اور بنی نضیر خزرج سے اور باہم جنگ شروع کر دی - جس کو غلبہ ہوتا وہ مغلوب کا گھر لوٹ لیتا اور وہ لوگ مجبوراً ترکِ وطن کر کے چلے جاتے اور جب پکڑ لیے جاتے تو ان کو خرید لیتے - حالانکہ توریت کی رُو سے ان غریبوں کا وطن سے نکال دیا جانا حرام تھا - تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ توریت کے بعض احکام پر تو عمل کرتے تھے اور بعض پر نہیں -

تفسیر "تنویر البیان" میں ہے کہ آیہ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ - الخ کے متعلق حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یہ آیتیں بظاہر یہودیوں کے بارہ میں ہیں لیکن کیا میں ایسے لوگ بتاؤں جو اس امت کے یہودی ہیں -- امت کا ایک گروہ میرے بعد مذہب پر ہونے کا دعویدار ہو گا لیکن میری اولاد کو قتل کرے گا اور میری شریعت اور سنت کو بدل دے گا میرے حسنینؑ کو اس طرح قتل کرے گا جیسے یہودیوں نے یحییٰؑ و ذکریاؑ کو قتل کیا تھا - خدا کی طرف سے ان پر ایسی ہی لعنت ہو گی جیسی ان یہودیوں پر ہوئی تھی -

یہودی بظاہر توریت کو مانتے تھے لیکن اس کے صرف انہی احکام پر عمل کرتے تھے جو ان کی منشا اور مقصد کے موافق ہوتے تھے - انبیاء علیہم السلام ان کے منافقانہ عمل سے سخت پریشان تھے - اکثر اوقات وہ ان کی تکذیب نہایت گستاخانہ لہجہ میں کرتے تھے اور صاف لفظوں میں کہتے تھے کہ یہ خدا کا حکم نہیں بلکہ آپ نے اپنی طرف سے ہمارے ڈرانے کے لیے کہہ دیا ہے - ایک مرتبہ ان کا ایک گروہ حضرت ہارونؑ سے کسی بات پر اُلجھ پڑا - حضرت ہارونؑ نے اس کی شکایت حضرت موسیٰؑ سے کی - حضرت موسیٰؑ نے ان کو ڈانٹا اور کہا یاد رکھو اس کی اطاعت بھی تم پر میری اطاعت کی طرح فرض ہے - انھوں نے گستاخانہ انداز میں کہا خدا نے ہم کو ایسا حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہے -

کتنا مشابہ ہے یہ واقعہ حارث بن نعمان فہری کے واقعہ سے ، جس نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی خلافت کے اعلان کے بعد حضرت رسولِ خداؐ سے کہا تھا کہ یہ حکم خدا کا نہیں بلکہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہے - پھر وہ بعذابِ الٰہی ہلاک ہوا -

---

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ
وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ج
فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ز وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ
فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ لا وَکَانُوْا
مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ج فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰہِ
عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بَغْیًا اَنْ
یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ج فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ط
وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ﴿۹۰﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی اور اس کے بعد بہت سے پیغمبروں کو ان کے قدم بقدم لے چلے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھی واضح اور روشن معجزے دیئے اور پاک رُوح (جبریل) کے ذریعہ ان کی مدد کی تو کیا تم اس قدر بد دماغ ہو گئے کہ جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس تمہاری خواہش کے خلاف حکم خدا لے کر آیا تو تم اکڑ بیٹھے۔ پھر تم نے بعض پیغمبروں کو تو جھٹلایا اور بعض کو جان سے مار ڈالا اور کہنے لگے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھا ہوا ہے (ایسا نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان پر لعنت کی ہے پس ان میں سے کم لوگ ایمان لاتے ہیں جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب (قرآن) آئی اور وہ اس کتاب (توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتی ہے اور اس سے پہلے (اس کی امید پر) کافروں پر غالب آنے کی دعائیں بھی مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تھے تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہو ان منکروں پر، کیسا بُرا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفسوں کی تسلی حاصل کرتے ہیں اور جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر دیتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو چاہا نواز دیا لہٰذا اب غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور کافروں کے لیے ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو توریت دی جس میں بنی اسرائیل کے لیے قانونِ شریعت مدوّن تھا اور توریت کی تعلیم دینے کے لیے حضرت موسیٰؑ کے بعد اور انبیا بھی آئے جیسے یوشعؑ۔ شموئیلؑ۔ شمعونؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ شعیاؑ۔ ارمیاؑ۔ عزیرؑ۔ حزقیلؑ۔ یونسؑ۔ الیاسؑ۔ زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ مگر بنی اسرائیل وہ نالائق قوم تھی کہ کسی نبی کو بغیر جھٹلائے چھوڑا ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، موسیٰؑ کے بعد صاحبِ شریعت ہو کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے اور روح القدس یعنی جبریلؑ کو ان کی مدد کے لیے معین کیا تھا۔ بعض علما نے اس سے مراد طہارت جناب عیسیٰؑ لی ہے یعنی ان کو ہر گناہ سے پاک و پاکیزہ بتایا۔ لیکن یہودیوں نے ان کو نہ مانا۔

بنی اسرائیل کے پاس جب کوئی حکم ایسا آتا جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتا تو اکثر کہا کرنے لگتے کہ صاحب ہم تو اس کو نہیں مانیں گے، خدا سے کہیے کہ اس کو بدلے۔ اگر ان کی یہ منشا پوری نہ ہوتی تھی تو اپنے زمانہ کے نبی کو قتل کر دیتے تھے اور ساری کتاب ہی سے انکار کر دیتے تھے۔

یہودی کہا کرتے تھے کہ محمدؐ بن عبداللہ کا مصاحب جبرئیلؑ ہے وہی وحی لایا کرتا ہے اور چونکہ یہ فرشتہ ہم کو بہت تکلیف دے چکا ہے۔ ہم پر عذاب نازل کرتا رہا ہے لہٰذا یہ ہمارا دوست کیسے ہو سکتا ہے اگر کوئی اور فرشتہ وحی لاتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس پر خدا نے اپنے رسولؐ سے کہا کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔

جب قرآن اس کتاب کی جو یہودیوں کے پاس تھی تصدیق کر رہا تھا تو یہودیوں کو چاہیئے تھا کہ اسے مان لیتے لیکن وہ تو حضرتؐ کی رسالت ہی کے خلاف تھے کیسے مان لیتے۔ توریت میں حضرتؐ کے متعلق جو پیش گوئیاں تھیں یہودی ان کی بنا پر بڑی بے چینی سے آنے والے رسولؐ کا انتظار کر رہے تھے اور توریت کی اس پیش گوئی کو بار بار کفار و مشرکین کے سامنے بیان کر کے کہتے جب اس نبی کا ظہور ہو گا تب وہ تمہاری سرکوبی کرے گا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ آنے والا نبی، بنی اسرائیل میں سے ہو گا لیکن جب حضرتؐ کا ظہور بنی اسمٰعیل میں ہوا تو یہودی رشک و حسد سے جل مرے اور حضرتؐ کے جانی دشمن بن گئے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ق
وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ
وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا
یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ

اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ
اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ
عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

جب ان سے کہا گیا کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر یعنی بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا ہے اس کے علاوہ جو آیا اس کے ماننے سے وُہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا ہے جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ اے رسول، ان سے کہو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (اور تعلیم توریت پر ایمان لانے والے ہو) تو اللہ کے پیغمبروں کو جو بنی اسرائیل میں ہوئے تم قتل کیوں کرتے رہے۔ تمہارے پاس موسیٰ واضح اور روشن معجزات لے کر آئے پھر بھی ان سے پیٹھ موڑ کر گئوسالہ پرستی کرنے لگے۔ بات یہ ہے تم ہو ہی ظالم۔ اور وُہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا اور تمہارے سروں پر طور کو ہم نے بلند کیا تھا اور تمہیں تاکید کی تھی کہ جو ہدایتیں ہم کر رہے ہیں ان کی پابندی سختی سے کرو اور کان لگا کر سُنو۔ تمہارے بزرگوں نے کہا ہم نے سُن لیا مگر ہم مانیں گے نہیں اور ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبّت ان کے دلوں میں گھول کر پلادی گئی تھی۔ اے رسول، ان سے کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت بُرا حکم دیتا ہے اور یہ بھی کہہ دو کہ اگر سب لوگوں کو چھوڑ کر اللہ کے نزدیک دارِ آخرت خاص کر تمہارے ہی لیے ہے تو اگر اس قول میں سچے ہو تو ذرا تمنّائے موت تو کرو چونکہ یہ پہلے سے اپنی بداعمالیاں بھیج چکے ہیں لہٰذا ہرگز ہرگز یہ موت کی تمنّا نہ کریں گے اور اللہ تو ظالموں کے حالات کا خوب جاننے والا ہے۔ تم انہیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے یہ تو اس معاملہ میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کئی ہزار برس جئے لیکن یہ لمبی عمر اُن کو عذاب سے تو نہیں بچا سکتی اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے۔

جب یہودیوں سے رسولؐ کی رسالت اور قرآن کے مُنزّل من اللہ ہونے پر ایمان لانے کو کہا جاتا تو کہتے ہم تو صرف اسی کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہماری قوم پر نازل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نہ کسی کتاب پر ایمان لائیں گے نہ کسی نبی پر۔ ہمارا دین بھی سچا اور ہمارے

رسول بھی سچے۔ خدا کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ اگر تم اپنی کتاب کی تعلیم کو ماننے والے تھے اور انبیا کو سچا جانتے تھے تو پھر ان کو قتل کیوں کرتے تھے۔ اگر تم موسیٰؑ پر ایمان لاچکے تھے اور اپنے اس ایمان میں سچے تھے تو جب چند روز کے لیے موسیٰؑ طور پر گئے تھے تو ان کے جاتے ہی تم نے خدا کو چھوڑ کر بچھڑے کی پُوجا کیوں شروع کر دی تھی۔ کیا سچا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب یہ سوال مسلمان ان سے کرتے تھے تو لاجواب ہو کر رہ جاتے تھے۔

یہودیوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جنت بنی ہی خاص کر ہمارے لیے ہے ہمارے سوا سب قومیں جہنمی ہیں تو ان سے کہا گیا، اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر مرنے کی تمنّا کیوں نہیں کرتے کیونکہ وہاں تو تمہیں بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی۔ اُن کے شوق میں اس دنیا کو چھوڑنا کیوں نہیں چاہتے۔ (جھوٹے مکّار فریبی) محض لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے پھرتے تھے۔ وہ کیا تمنّائے موت کرتے وہ تو زندگانیِ دنیا کے سب سے زیادہ حریص تھے۔ لیکن اس سے ہوتا کیا ہے اگر وہ ہزاروں برس یہاں رہتے تو بھی وُہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتے تھے۔ یہودی مسلمانوں کو بہکانے کے لیے ان سے کہا کرتے تھے :

(۱) تمہاری ہدایت کے لیے صرف ایک نبی آیا جسے تمہارے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہمارے یہاں تو بیشمار انبیا آئے جن کو تم بھی مانتے ہو۔

(۲) ہم اللہ کے دوست کی اولاد اور اس کے کنبہ والے ہیں۔ ہمیں وہ کبھی سزا نہ دے گا۔

(۳) ہم کو اُس نے دولت دی حکومت دی۔ تمہارے لیے نہ تن پر کپڑا نہ پیٹ کو ٹکڑا۔

ایسی باتیں سُن کر ضعیف الایمان مسلمان ڈگمگا جاتے تھے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ
جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ ۚ
وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ز

اے رسول کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اللہ کے حکم سے اس نے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا ہے، یہ قرآن تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو اُس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور جو اس کے سامنے ہیں اور یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ جو کوئی اللہ کا اس کے ملائکہ کا اس کے رسولوں کا اور جبرئیلؑ و میکائیل کا دشمن ہے تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے اور ہم نے اے رسول تم پر روشن آیات نازل کیں۔ سوائے فاسق لوگوں کے کوئی ان سے انکار نہیں کرے گا جب کبھی بھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو ایک گروہ نے اسے پسِ پشت ڈال دیا بلکہ اکثر ان میں سے ایمان لائے ہی نہیں۔ اللہ کی طرف سے جب ان کے پاس ایک رسول (محمدؐ) آیا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے تو بجائے اس پر ایمان لانے کے ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی ایک گروہ نے کتابِ خدا کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

اور وہ اس منتر کے پیچھے پڑ گئے جس کو سلیمان کے زمانۂ سلطنت میں شیاطین جپا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے کفر اختیار نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور جو چیزیں ہاروت و ماروت دونوں فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھی حالانکہ وہ دونوں فرشتے کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے تھے

کہ ہم دونوں تمہارے لیے ذریعہ آزمائش ہیں لہٰذا اس پر عمل کر کے بے ایمان نہ بن جانا۔ اس پر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بی بی میں جدائی ڈال دیں حالانکہ بے اذنِ الٰہی وہ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور یہ لوگ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو خود انہی کو نقصان پہنچاتی تھیں کوئی نفع نہ دیتی تھیں باوجودیکہ وہ یقینی طور پر جان چکے تھے کہ جو شخص ان برائیوں کا خریدار ہوگا وہ آخرت میں بے نصیب رہے گا۔ بے شک یہ معاوضہ کیسا بُرا ہے جس کے بدلہ انھوں نے اپنی جان کو بیچا۔ کاش وہ اسے کچھ سوچے سمجھے ہوتے اگر وہ ایمان لاتے اور جادو وغیرہ سے بچ کر پرہیزگار بنتے تو خدا کی بارگاہ سے جو ثواب ملتا وہ اس سے کہیں بہتر ہوتا۔

شیطان تو انسان کی گھات میں لگا ہوا ہی ہے خصوصاً بنی اسرائیل پر تو اس کا جادو سب سے زیادہ چلتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد اس نے بنی اسرائیل کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہیں معلوم نہیں کہ سلیمانؑ نے جو تمام انسان اور جنات وغیرہ کو اپنے قابو میں کر لیا تھا وہ عملِ تسخیر کیا تھا۔ میں نے ان کے تخت کے نیچے سے وہ کتاب نکال لی ہے جس میں جادو کے وہ منتر اور ٹونے ٹوٹکے لکھے ہوئے ہیں جن سے سلیمانؑ کام لیتے تھے۔ وہ احمق اس کے دامِ فریب میں آ گئے۔ اور اس سے جادو سیکھنا شروع کر دیا۔ منجملہ اور کرشموں کے سب سے بڑا کرشمہ یہ تھا کہ شادی شدہ عورتوں کو ان کے شوہروں سے جُدا کر کے اپنے تصرف میں لاتے تھے اس سے تمام قوم میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور جادوگروں سے لوگ حد درجہ خائف رہنے لگے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو بشکل انسانی اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس بھیجا کہ لوگوں کو بتائیں کہ ہم اس جادو کا توڑ سکھانے آئے ہیں تاکہ وہ جادوگروں کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ یہ خبر سنتے ہی لوگ ان کے پاس آنے لگے۔ انھوں نے ان سے کہا دیکھو ہم تمہارے لیے اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہیں۔ خبردار کوئی عمل ایسا نہ کرنا جو خلافِ شرع ہو صرف اس لیے ہم تمہیں سکھاتے ہیں کہ تم پر جادو کا اثر نہ ہو۔ تم خود کسی پر جادو نہ کرنا ورنہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ یہ واقعہ ارضِ بابل کا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب جادو حرام ہے تو فرشتوں نے لوگوں کو اس کی تعلیم کیوں دی۔ جواب یہ ہے کہ جب تک ان کو بتایا نہ جاتا کہ جادو اس چیز کا نام ہے وہ کیسے جانتے کہ جادو کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم اگر کسی سے کہیں کہ گالیاں نہ دیا کرو تو ان کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ اس قسم کے الفاظ گالی کہلاتے ہیں۔ وہ جادو کا توڑ بتاتے تھے تو یہ کہہ کر بتاتے تھے کہ تم خود ایسا نہ کرنا۔ یہ کوئی بُری بات نہ تھی۔ مقصود یہ بتانا تھا کہ ان الفاظ سے جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

یہ تھا اصلی واقعہ مگر مفسرین اور مورخین نے اس واقعہ میں وہ رنگ بھرا کہ طلسم ہوشربا اور الف لیلہ کی ایک داستان بنا دیا۔ لکھتے ہیں جب ہاروت و ماروت خوش رو نوجوانوں کی صورت میں زمین پر آئے تو یہاں کی دو حسین عورتوں پر جن کے نام زُہرہ اور مشتری تھے عاشق ہو گئے اور وصل کے خواہشمند ہوئے۔ انھوں نے کہا جب تک آپ ہم کو وہ اسمِ اعظم نہ بتائیں گے جن سے آپ آسمان پر آتے جاتے ہیں ہمارے وصل کی لذت سے محروم رہیں گے۔ وہ تو دیوانے بنے ہوئے تھے ہی اسمِ اعظمِ الٰہی ان کو سکھا بیٹھے۔ وہ ان کو پڑھ کر فوراً آسمان پر اُڑ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو زُہرہ ستارہ بنا دیا دوسری کو مشتری اور اس گناہ کی پاداش میں ہاروت و ماروت کو بابل کے ایک کنوئیں میں اُلٹا لٹکا دیا۔ ان کے منہ اور ناک سے دھوآں نکلنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ وہ قیامت تک

اس میں اسی طرح لٹکے رہیں گے۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ)

بہت سے لوگ جادو وغیرہ کا یقین نہیں رکھتے حالانکہ اس سے خوفناک اثرات ہر زمانہ میں لوگوں کے سامنے آتے رہے ہیں۔ انگریز محققین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ حضور سرورِ کائناتؐ پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے توڑ کے لیے سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ نازل ہوا۔ ہم نے خود کئی بار لوگوں کے اوپر جادو کا اثر دیکھا ہے اس کے ساتھ اہلِ ایمان پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو لوگ تعویذ گنڈوں کے خلاف ہیں وہ اپنے اس خیال میں درست نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ شیطانی عمل میں تو اثر ہو اور رحمانی عمل اس کے توڑ میں بے اثر رہے۔ کیا شیطان کی قوت خدا سے زیادہ ہے ہرگز نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ڈاکٹر اور طبیب ادویہ کے ذریعہ سے مریضوں کا علاج کریں اور ان کو شفا حاصل ہو جائے اور اسمائے الٰہی یا آیاتِ قرآنی سے علاج کیا جائے تو شفا نہ ہو اور لوگ اس کو ڈھکوسلا بتائیں۔ جس خدا نے ادویات میں یہ اثر بخشا ہے کیا اپنے ناموں میں اپنی کتاب مقدس کی آیات میں یہ اثر نہیں بخش سکتا۔ ایک مومن تو اس کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ائمہ نے بہت سے علاج آیاتِ قرآنی دم کر کے اور اسمائے الٰہی پڑھ کر کیے ہیں اور ان کو شفا حاصل ہوئی ہے۔ ہم سالہا سال سے اس روحانی علاج سے کام لے رہے ہیں اور الحمد للہ ان سے لوگوں کو تسکین بخش فائدے ہو رہے ہیں۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ اس قسم کے معالج کو پاک نفس ہونا چاہیے۔ اور عملیات کے جو منقولہ طریقے ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ تعویذوں کو گلے میں ڈالنا یا بازو پر باندھنا جو لوگ عار سمجھتے ہیں وہ آیاتِ قرآنی اور اسمائے الٰہی کی توہین کرتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ اعتقاد صادق کے ساتھ کوئی تعویذ گلے میں ڈالا جائے اور شفا نہ ہو۔ جس طرح ڈاکٹروں اور طبیبوں کی دوائیں اکثر اوقات امراض کی پیچیدگی سے اپنا اثر نہیں کرتیں یا تشخیص میں غلطی کرنے سے معالج اپنے علاج میں کامیابی حاصل نہیں کرتا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک مریض کا ایمان صحیح نہ ہو۔ بے نمازی ہو۔ احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے سے تعویذ بے اثر رہے لیکن اگر شرائط پر عمل ہو تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اثر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ یہ اسرارِ الٰہیہ ہیں ہم ان کے راز سے واقف نہیں۔

تعویذوں کے اثرات

حرز ابو دجانہ۔ حرز جواد۔ دعائے مشلول۔ جوشن کبیر۔ جوشن صغیر۔ حرز امیر المومنین۔ دعائے یَا مَنْ تَحَلَّ۔ سورہ الحمد۔ ایسے مجرب عمل ہیں کہ امراض کی شفا میں تیر بہدف ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ ان کو قرینہ سے پڑھا جائے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کسی سواری پر سوار ہو تو یہ آیت پڑھ لیا کرو۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۔ پھر اس سواری پر کوئی حادثہ پیش نہ آئے گا اگر اتفاقاً گر بھی جاؤ گے تو چوٹ نہ لگے گی۔ یہ سب کیا ہے؟ آیاتِ الٰہیہ کے اثرات۔

اس طرح دعاؤں میں اثر پیدا کرنے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، رجوعِ قلب اور آنکھ کے آنسو خوفِ خدا میں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا تھا یَا ابْنَ عِمْرَانَ هَبْ لِیْ مِنْ قَلْبِكَ الْخُشُوْعَ وَمِنْ عَیْنَیْكَ الدُّمُوْعَ تَجِدْنِیْ قَرِیْبًا مُجِیْبًا (اے موسیٰ دو چیزیں مجھے دے دو، اپنے دل کی رجوع اور اپنی آنکھ کے آنسو۔ پھر جو دعا تم کرو گے میں اسے قبول کروں گا)۔ کسی آیت یا دعا کے عمل میں جو ایام مقرر کیے جاتے ہیں وہ صرف اس غرض سے ہوتے ہیں کہ ان ایام میں کسی نہ کسی وقت تو دل اس کی طرف رجوع کر ہی جائے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ
اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ
خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ
مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾

اے ایماندارو (اگر رسول کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو تو) رَاعِنَا (ہماری رعایت کر) نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا (ہم پر نظرِ توجہ رکھ) کہا کرو (کان لگا کر) سنتے رہو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (اے رسول) اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے بھلائی (وحی) نازل کی جائے (ان کا تو اس میں کچھ اجارہ نہیں) جس کو چاہتا ہے اللہ اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور خدا بڑا فضل کرنے والا ہے ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا تمہارے ذہن سے مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی سلطنت خدا ہی کے لیے ہے اور خدا کے سوا نہ کوئی تمہارا سرپرست ہے نہ مددگار (مسلمانو) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول سے ویسے ہی (بے ڈھنگے) سوالات کرو جس طرح موسیٰ سے (سابق زمانہ میں بے تکے) سوالات کیے گئے تھے اور جس نے ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کیا وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ عبرانی زبان میں راع کے معنی بد کے ہیں اور عربی زبان میں چرواہے اور رعایت کرنے کے ہیں۔ جب حضرت رسولِ خداؐ کوئی بات بیان فرماتے تھے اور کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی تو وہ روک کر مکرر پوچھتا تھا حضرتؐ اس کو بیان فرما دیتے تھے یہودی جب ایسی صحبتوں میں شریک ہوتے اور انؐ کو روکنا مقصود ہوتا تو رَاعِنَا کہہ کر خطاب کرتے۔ ان کی

دیکھا دیکھی بے سمجھے بُوجھے مسلمان بھی یہی کہنے لگے - خدا نے ان کو منع کیا کہ تم رَاعِنَا کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو کیونکہ اس میں دو پہلو مذمت کے ہیں ؛
ایک معنی ہیں ہمارے چرواہے دوسرے معنی ہیں ہمارے بد اور ایک پہلو اچھا ہے یعنی ہماری رعایت کرو بلکہ اس کی بجائے اُنْظُرْنَا
کہہ کر خطاب کیا کرو کہ اس میں کوئی پہلو مذمت کا نہیں مطلب یہ ہے کہ تم اس معاملہ میں یہودیوں کی پیروی نہ کرو وُہ تو دشمن اسلام ہونے
کی وجہ سے ہر طرح حضرتؐ کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں دوسرے وہ حضرتؐ کی مجلس میں کان لگا کر سننے کے لیے نہیں آتے - اے
مسلمانو ، تم ایسا نہ کرو جو کچھ حضرتؐ فرماتے ہیں اُسے کان لگا کر سنو - جب یہودیوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے رَاعِنَا کہنا شروع کیا
تو یہودی اپنے مقام پر جا کر خوب قہقہے لگاتے اور کہتے ہم تو مسلمانوں کے رسُول کو بُرا کہا ہی کرتے تھے اب مسلمان خود بھی کہنے لگے -

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ یہودیوں نے توریت میں جس نبی کی پیش گوئیاں پڑھی تھیں اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا اور نبوت بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل نہ ہوگی - ادھر مشرکین اس خیال میں مست تھے کہ یہودی جس نبی کے آنے کی بشارت دیتے ہیں وہ ولید و مغیرہ و نعیم ثقفی ہوں گے جو ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہیں پس خدا نے ان لوگوں کے خیالات کی تردید میں فرمایا کہ اللہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر دیتا ہے -

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ - یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تو انہیں خواہ مخواہ چھیڑنے اور اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سوالات کیا کرتے تھے - کبھی کہتے تمہارا کیسا خدا ہے کہ جو کتابیں نازل کرتا ہے خود ہی اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر انھیں منسوخ کر دیتا ہے - کبھی کہتے تمہارے رسول بھی کچھ سمجھ بوجھ کے آدمی نہیں ہیں آئے دن احکام بدلا کرتے ہیں پہلے ایک حکم دیتے ہیں جب کام نہیں چلتا تو پشیمان ہو کر اس حکم کو بدل دیتے ہیں - خدا نے اس پر ان کو پھٹکار بتائی اور فرمایا حکم کا اُولٹنا بدلنا ہمارا کام ہے - کیونکہ قانونِ شریعت قانونِ مصلحت ہے اور یہ قانون ہمارا دیا ہوا ہے ایک وقت مصلحت تھی کہ ہم نے موسیٰؑ کو نبی کیا اور توریت دی - دوسرے وقت مصلحت دیکھ کر ہم نے عیسیٰؑ کو رسول بنایا اور انجیل دی اب مصلحت یہ ہے کہ ہم نے محمدؐ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا اور ان کو ایک نیا قانون بصورت قرآن دیا ہم جو حکم منسوخ کرتے ہیں وہ مصلحتِ وقت اور زمانہ کے حالات کے مطابق ہوتا ہے - تم اس میں دخل دینے والے کون - تم ہماری مصلحتوں کو جب نہیں سمجھ سکتے تو اس پر اعتراض کیوں کرتے ہو - ہم اگر کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتے ہیں -

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہودی احکامِ توریت کو دوامی سمجھتے تھے اور ناقابلِ ترمیم و تنسیخ جانتے تھے اور توریت کے احکام میں جو تحریف کر لی تھی اس کو بھی حکمِ خدا سمجھ کر دوامی مانتے تھے - اللہ تعالیٰ نے ان کے بنائے ہوئے احکام کو منسوخ کیا اور ان کے تصرفات کو لغو قرار دیا اور توریت کی بجائے قرآن کے احکام کو دوامی قرار دیا - جو بلحاظ فطرتِ انسانی ان سے بہتر ہیں - یہ جو فرمایا ہے کہ جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اُن سے قرآن کی آیت مراد نہیں بلکہ شریعت موسوی کے وہ احکام مراد ہیں جو شریعتِ محمدیؐ میں بدل گئے ہیں - یا وہ احکام شریعت موسوی مراد ہیں جن کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا - امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تنسیخ ، خدا کی مصلحت پر موقوف ہے مثلاً رسولؐ کو حکم ملا فَتَوَلَّ عَنْھُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ (تم ان سے روگردانی کرو تم پر کوئی الزام نہ ہوگا -) جب مصلحت بدلی تو حکم ہوا اَدْرِکْھُمْ بِرَحْمَتِیْ (ان سے نرمی کا برتاؤ کرو) -

وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ
اَنْفُسِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ
مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ
اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ ؕ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗۤ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ۪
۱۲ ع ۹ ۱۲ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے اس کے بعد بھی یہ تمنا باقی ہے پس تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا کوئی اور حکم بھیجے - بیشک خدا ہر شے پر قادر ہے نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے جاؤ اور جو کچھ بھلائی اپنے لیے خدا کے یہاں پہلے سے بھیج دو گے اس کے ثواب کو موجود پاؤ گے - جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اسے ضرور دیکھ رہا ہے یہودی کہتے ہیں کہ یہوُد کے سوا ، اور نصارٰی کہتے ہیں نصرانیوں کے سوا کوئی بہشت میں جانے ہی نہ پائے گا یہ ان کی خیالی باتیں ہیں - اے رسولؐ ، تم ان سے کہو کہ بھلا اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ بہشت میں ہم ہی جائیں گے تو کوئی دلیل پیش کرو - البتہ جس نے خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور اچھے کام کرتا رہا - اس کے لیے اس کے پروردگار کے یہاں اس کا بدلہ موجود ہے اور آخرت میں ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم -

یہوُدیوں کو بڑا غرہ اس بات پر تھا کہ چونکہ سب سے زیادہ انبیا ہماری قوم میں ہو گزرے ہیں اور ہم ان کی اولاد ہیں لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی اولاد کو داخل دوزخ کرے - اسی خیالی پلاؤ نے ان کو بدکاریوں پر آمادہ کیا -

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى
شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ بھی نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی مذہب ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے حالانکہ یہ دونوں فریق کتابِ خدا پڑھتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی بے تکی باتیں وہ (مشرکینِ عرب) بھی کیا کرتے ہیں جو احکامِ خدا کو کچھ بھی نہیں جانتے پس جس معاملہ میں یہ لوگ جھگڑا کر رہے ہیں (دنیا میں تو طے نہ ہوگا) البتہ قیامت میں خدا ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔

یہود و نصاریٰ کا اختلاف

یہودی نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانتے تھے اور نہ انجیل کو مُنَزَّل مِنَ اللہ کتاب جانتے تھے اس لیے نصاریٰ سے ان کو سخت عداوت تھی۔ نصاریٰ اپنے اس خیال کی بنا پر کہ وہ ابن اللہ کے ماننے والے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے ان کے تمام گناہ اپنے اوپر لے لیے ہیں وہ اپنے کو یہودیوں سے از راہِ قربتِ ایزدی بہتر جانتے تھے۔ یہودی چونکہ احکامِ توریت کی بجا آوری میں بہت غفلت برتتے تھے لہٰذا نصاریٰ ان کو طعنہ دیتے تھے کہ تمہارا مذہب چونکہ بدکاری سے نہیں روکتا اس لیے تم جنت میں نہیں جا سکتے۔ غرض اس دشمنی کی بنا پر آپس میں جنگ ٹھنی رہتی تھی۔ یہودیوں کا گروہ چونکہ زیادہ بڑا تھا اس لیے اکثر اوقات وہ نصاریٰ پر غالب آتے تھے۔ اسلام دشمنی میں دونوں برابر تھے فرق اتنا تھا کہ یہودی علماء نہایت سخت دل اور ظلم پسند تھے اور علمائے نصاریٰ جو رہبان و قسیس کہلاتے تھے نرم دل تھے اور مسلمانوں سے مہذب طریقہ سے ملتے جلتے تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ
اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ
وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ
تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ
بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ
قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ
حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع ١٤

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا کی مسجدوں میں اس کا ذکر کیے جانے سے روکے اور اس کی بربادی کے درپے ہو۔ ایسوں کو اس میں جانا مناسب نہیں مگر سہمے ہوئے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا بھاری عذاب۔ مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رُخ کرو گے پس اسی طرف اللہ کا رُخ ہے۔ بے شک اللہ بڑی گنجائش والا اور خوب واقف ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے حالانکہ اللہ تو اس بکھیڑے سے پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرمانبردار ہیں وہی آسمان و زمین کا موجد ہے اور جب کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہہ دیتا ہے 'ہو جا' پس وہ (خود بخود) ہو جاتا ہے۔ اور جو مشرکین کچھ نہیں جانتے کہتے ہیں کہ خدا ہم سے خود کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمارے پاس خود اس کی کوئی نشانی کیوں نہیں آئی۔ اسی طرح ان لوگوں کی سی باتیں وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ ان سب کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کو تو ہم اپنی نشانیاں صاف صاف دکھا چکے۔ اے رسولؐ ہم نے تم کو دینِ حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارہ میں تم سے کچھ نہ

پوچھا جائے گا (اے رسول) نہ تو یہودی کبھی تم سے رضامند ہوں گے اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی کرو۔ ان سے کہدو کہ خدا کی ہدایت ہی بس ہدایت ہے (باقی سب ڈھکوسلا ہے) اگر تم اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس علم (قرآن) آچکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے تو (یاد رہے کہ پھر) تم کو خدا کے غضب سے بچانے والا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ مددگار۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (قرآن) دی ہے وہ لوگ اُسے اس طرح پڑھتے ہیں جو پڑھنے کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الخ جب بخت نصر کو بنی اسرائیل پر غلبہ ہوا تو اس نے نصاریٰ کو سخت مصیبت میں مبتلا کیا۔ اس نے ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کے گھروں کو لوٹ لیا۔ بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس آیت میں مسجد سے مراد بیت المقدس ہے چونکہ بیت المقدس کی ہر جگہ بجائے خود ایک مسجد ہے اس لیے مساجد کہا گیا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ منع کرنے والوں سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ جنہوں نے حضرت رسولِ خدا کو مسجد الحرام میں آنے سے روکا تھا اور اس آیت میں جو مسجد کی بربادی کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب مومن مسجد میں داخل نہ ہو سکے اور خدا کی عبادت نہ کر سکے تو یہ بھی مسجد کی ویرانی ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الخ مروی ہے کہ جب آیت تحویل قبلہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کیا۔ یہودیوں نے مذاق اڑایا کہ مسلمانوں کا دین بھی کیا دین ہے کبھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں کبھی کعبہ کی طرف۔ ان کا قبلہ ہی اب تک معین نہیں ہوا۔ اس کا جواب ان کو دیا گیا کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے پس جدھر رُخ کر لو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ خدا کے لیے نہ کوئی سمت ہے نہ کوئی جگہ۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ خدا چاہے تو تمام زمین کو مسجد قرار دے سکتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ۔ یہودی کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصاریٰ کہتے تھے عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اللہ نے ان دونوں کے اعتقاد کی تردید کر دی کہ وہ پاک ذات ہے نہ اس کے کوئی جورو ہے نہ بیٹا ہے۔ یہ سب خدا پر اتہام لگا کر اپنا دین برباد کر رہے ہیں۔

قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الخ جو لوگ مشرک اور جاہل ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ اے محمدؐ، خدا ہم سے اس طرح کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح بذریعہ وحی تم سے کرتا ہے۔ ہمارے پاس اس مضمون کی کوئی آیت کیوں نہیں بھیجتا کہ محمدؐ ہمارا رسول ہے تاکہ ہم مان جائیں۔ یہ جاہل لوگ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ ہر شخص کا نفس اس قابل کیسے ہو سکتا ہے کہ اس پر نزولِ وحی ہو سکے۔ اس کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو مخصوص کیا ہے۔ دوسرے اسی پر کیا موقوف ہے مشرکین، آنحضرتؐ میں بہت سی نشانیاں ایسی دیکھ رہے تھے جو ان کی نبوت کی دلیل تھیں تو اگر ان کے پاس کوئی آیت بھی آجاتی تو اُسے کیسے مان لیتے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار۔

یہود و نصاریٰ جو آنحضرتؐ سے ناراض تھے وہ اس وجہ سے نہیں کہ حضورؐ نے امرِ حق کو واضح کرنے میں کوئی کوتاہی کی تھی بلکہ اس لیے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کو توڑ مروڑ کر کیوں نہیں بیان کیا اور ان کی طرح خدا پرستی کو خود پرستی کے لباس میں کیوں نہیں پیش کیا اور احکامِ الٰہی کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں اس طرح کام کیوں نہ لیا جیسے وہ خود کر رہے تھے۔ وہ دنیوی حالات کو بہتر بنانے کے لیے ان سے مل جُل کر کیوں نہیں رہے۔ ان کی بداعمالیوں کو اُجاگر کیوں کیا۔ توریت میں جو تصرفات

انہوں نے کیے تھے ان کو لوگوں پر ظاہر کیوں کیا۔

مشرکین اس لیے ناراض تھے کہ ان کے معبودوں کی مذمت کیوں کی۔ بت پرستی کو باطل پرستی کیوں کہا۔ لوگوں کو بت پرستی سے روکا کیوں۔ جو عقیدہ ان کے بزرگوں سے چلا آرہا تھا اس کی شدت سے مخالفت کیوں کی۔ ایسے خدا پر ایمان لانے کی طرف لوگوں کو توجہ کیوں دلائی جو نہ دیکھنے میں آتا ہے نہ اس کے لیے کوئی جگہ ہے۔ ان کے اسلاف کی حماقت کا مذاق کیوں اڑایا اور نجس العین کیوں کہا۔

غرض ہر قوم اپنے اپنے مطلب کی دیکھ رہی تھی۔ حقیقتِ امر پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی تھی۔ انسان جس امر سے جاہل ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ
اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ
اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ
النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

اے بنی اسرائیل میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھیں اور میں نے تم کو اس وقت کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ اس دن سے ڈرو جس میں ایک شخص دوسرے کے کام نہ آئے گا اور نہ کسی کا فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی کی مدد کی جائے گی۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے چند کلمات

میں ابراھیم کی آزمائش کی پس وہ اُن سب میں پُورے اُتر گئے تو خدا نے ان سے کہا میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اور میری اولاد سے (بھی بنائے گا)۔ خدا نے کہا ظالم لوگ میرے اس عہدۂ امامت کو نہ پائیں گے۔ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب حاصل کرنے اور امن پانے کی جگہ بنایا۔ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکُوع وسجُود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے یہ دُعا کی، اے میرے پالنے والے اس گھر کو جائے امن قرار دے اور میری اولاد میں سے ان لوگوں کو پھلوں کا رزق دے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائیں۔ خدا نے فرمایا (تمہاری اولاد میں سے) جو کفر اختیار کرے گا اُسے کچھ دن تو (نعماتِ دنیا سے) فائدہ حاصل کرنے دوں گا پھر اُسے عذابِ جہنم کا مزہ چکھاؤں گا اور وُہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ۔ مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ جن کلمات میں حضرت ابراھیمؑ کا امتحان لیا گیا تھا۔" اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی باتیں تھیں، ایک روایت میں ہے وہ تھیں۔ سال کے سر میں بال ہوں تو مانگ نکالنا۔ کلی کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ تین دفعہ مسواک کرنا۔ مونچھوں کا کٹوانا۔ بغل کے بال منڈوانا۔ زیرناف کے بال مونڈنا۔ ختنہ کرانا۔ پانی سے استنجا کرنا۔ ناخن کٹوانا۔ انہی باتوں کا نام سنت ابراہیمیؑ ہے۔

مولانا کا یہ لکھنا تو تسلیم ہے کہ یہ سنتِ ابراہیمیؑ ہیں لیکن یہ قابلِ قبول نہیں کہ ان چیزوں میں امتحان لے کر ان کو منصبِ امامت پر فائز کیا گیا۔ یہ تو معمولی باتیں ہیں جن کو ایک پاکیزگی پسند انسان بجالانا ضروری سمجھتا ہے۔ جیسے کلی کرنا۔ مسواک کرنا بغلوں کے بال منڈوانا۔ زیرناف کے بال مونڈنا۔ ناخن کٹوانا۔ ان کے اوپر عہدۂ امامت کا انحصار کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں جن باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا وہ حضرت ابراہیمؑ کے وہ سخت امتحانات تھے جن میں کامیاب ہونا بڑے حوصلے کا کام تھا۔ مثلاً بُت پرستوں میں رہ کر جبکہ کوئی ان کا مددگار نہ تھا بت پرستی کی مذمت کرنا ان کے بتوں کو توڑنا پھوڑنا آتشِ نمرود میں پھینکا جانا۔ ستارہ پرستی کی تردید ایسی حالت میں کرنا جبکہ قوم کے بیشتر افراد ستارہ پرست تھے۔ پھر نمرود سے مقابلہ اور مباحثہ۔ پھر بیٹے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا۔ ان میں سے ہر مصیبت بجائے خود ہزار مصیبتوں کا مجموعہ تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ بڑے صبر، استقلال وثبات کے ساتھ ان منزلوں سے گزر گئے۔ اس کمال ایمان کے صلہ میں ان کو بارگاہ ذوالجلال سے عہدۂ امامت ملا۔ بارگاہِ ایزدی کا یہ سب سے بڑا عہدہ تھا۔ جناب ابراہیمؑ نے یہ پانچواں منصب بھی حاصل کیا۔ وہ عبد تھے۔ نبی تھے۔ رسول تھے۔ خلیل تھے۔ سب سے آخر میں امامِ خلق بنائے گئے۔ تھوڑے سے تامل کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو شخص اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوگا اس کے اختیارات کیا ہوں گے اور اس کی رُوحانی عظمت کس پایہ کی ہوگی۔ اس عہدہ کو پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان وزمین کا تمام نظام دکھا دیا۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۷۵؍۶ غور کیجئے جس شخص نے آسمان وزمین کے تمام نظام کو دیکھ لیا ہو اس کا یقین کس پایہ کا ہوگا۔ یہ ہے عہدۂ امامت کی معلومات اور

اختیارات کی ایک ہلکی سی جھلک۔

امامت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک امامتِ کبریٰ یعنی امامتِ کلیۂ مطلقہ جو حاوی ہوتی ہے تمام کائنات کے علم پر اور جس کے اختیارات کی حدود زمین سے آسمان تک ہوتی ہیں۔ دوسری امامتِ صغریٰ جو ہر نبی کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ہر نبی اپنی امّت کا امام ہوتا ہے یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ۔ بنی اسرائیل ۷۱؍۸ (روزِ قیامت ہم ہر امّت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) یہ امام صرف اپنی امّت کا گواہ ہوتا ہے اس کو اتنا ہی علم دیا جاتا ہے جو بلحاظ امّت اور بلحاظ مقتضیاتِ روزگار ضروری ہو۔

پھر امام دو طرح کے ہوتے ہیں، خیر کی طرف بُلانے والے اور شر کی طرف بُلانے والے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ۔ انبیاء علیہم السلام خیر کی طرف بُلانے والے ہوتے ہیں اور اشرارِ امّت شر کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں جو خیر کی طرف بُلانے والے ہیں ان سب کے مراتب یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے)۔ پ ۳

تمام انبیاؑ و مرسلین میں یہ شرف صرف حضرت ابراہیمؑ کو حاصل ہے کہ وہ شَجَرَةُ الْاَنْبِيَا کہلاتے ہیں یعنی تمام نبوتوں کی اصل اور بیخ جناب ابراہیمؑ ہیں۔ اور یہ فضیلت بھی انہیں سے مختص ہے کہ ان کی نبوت پر تمام اہلِ کتاب کا اتفاق ہے۔ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مسلمان سب ان کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت بھی انہی کی ہے کہ زمین پر سب سے پہلے خدا کا گھر بنانے والے وہی ہیں۔ اور یہ بھی اعزاز اللہ تعالیٰ نے انہی کو بخشا ہے کہ امامتِ کلیۂ مطلقہ انہی کو دی گئی اور یہ بھی کہ اسلام جو اللہ کا دین ہے ملّتِ ابراہیمیؑ کے نام سے مشہور ہوا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ الخ الغرض جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ مژدۂ رُوح افزا سنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو امامِ خلق بنانے والا ہے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کی کہ میری طرح میری اولاد کو بھی امام بنائے گا۔ خدا نے جواب دیا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (میرے اس عہد کو ظالم لوگ نہیں پائیں گے)۔ اس جواب سے اس عہدۂ جلیلہ کی عظمت وجلالت کا پتہ چلتا ہے یعنی جس کے دامن اعمال پر ظلم کا ہلکا سا دھبہ بھی لگا ہوگا وہ امام منصوص من اللہ نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ عمر کے کسی حصہ میں ہو۔

ظلم تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) وہ ظالم جس نے صرف اپنے نفس پر ظلم کیا ہو اگر ایسا ظلم ترکِ اولیٰ کی مد میں آتا ہے تو بخش دیا جاتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام نے ممنوعہ پھل کھا کر اپنے اوپر ظلم کیا۔ خدا نے ان کو بخش دیا اور ان کی خلافت پر اس ظلم کا کوئی اثر نہ پڑا۔

(۲) ظالم للغیر۔ یعنی جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کرے گا وہ اس وقت تک معاف نہ ہوگا جب تک مظلوم اس کو معاف نہ کرے اور اللہ تعالیٰ ظالم ومظلوم کے درمیان عدل وانصاف کرے گا اور اس ظلم کی سزا ظالم کو ضرور دے گا چاہے وہ ظلم تھوڑا ہو یا بہت ایسا ظالم عہدۂ امامت کے لائق نہ ہوگا۔

(۳) تیسرا ظلم جو سب سے بڑا ظلم ہے وہ شرک باللہ ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یہ ظلم اگر کسی نے آنِ واحد کے لیے بھی کیا ہے تو وہ عہدۂ امامت پانے کا اہل نہیں قرار پائے گا۔ دوم وسوم دونوں قسم کے لوگ دربارِ الٰہی کے کسی عہدہ پر فائز نہیں

ہو سکتے کیونکہ وہ ساقط الاعتبار ہو چکے۔ جو شخص ایک بار بہک سکتا ہے وہ پھر بھی بہک سکتا ہے۔ جس کی عقل ایک بار دھوکا کھا سکتی ہے وہ دوسری بار بھی کھا سکتی ہے اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دوبارہ ظلم نہ کرے گا۔ دوسرے ظالم کی وقعت نگاہِ خلق سے گر جاتی ہے وہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں پس ایسے شخص کو خدا اپنی طرف سے حاکم کیوں بنائے جس کو عام لوگ نفرت سے دیکھتے ہوں۔ توبہ کرنے کے بعد اس کا گناہ تو بخشا جا سکتا ہے مگر کوئی عہدۂ الٰہی نہیں پا سکتا۔ اگر کوئی مشرک مسلمان ہو جائے تو اسلام کی کچھ مخصوص رعایتوں سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے مثلاً مسلمان اس کے ساتھ کھا پی سکتے ہیں۔ شادی بیاہ کر سکتے ہیں۔ اس کو میراث مل سکتی ہے۔ ہمسائیگی کے حقوق اسے مل سکتے ہیں اس کے ساتھ مؤاخات اور ہمدردی ہو سکتی ہے۔ قتل و نہب و غارت سے بچ سکتا ہے لیکن کوئی عہدہ البتہ نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صفوف انبیاؑ و مرسلین میں کوئی نظیر ایسی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

تمام عہود الٰہیہ اللہ تعالیٰ نے معصوم ہستیوں سے مخصوص کیے ہیں یعنی ان لوگوں سے جو مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ ہر قسم کے گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا، پاک و صاف رہے ہوں اور ان کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہو جیسے جناب ابراہیمؑ کو بچپن ہی سے صاحبِ عقل و ہوش بنا دیا گیا تھا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ۔ (انبیاء ۔ ۲۱/۵۱) یہی وجہ ہے کہ جو لوگ عہدۂ الٰہیہ پر مامور ہوتے ہیں ان کو کبھی معزول نہیں کیا جاتا وہ مرتے دم تک اسی عہدہ پر فائز رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں چونکہ مرتد و مشرک سب قسم کے لوگ ہونے والے تھے لہٰذا خدا نے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کہہ کر ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جو صفت ایمان سے خارج ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد دو نسلوں میں چلی۔ ایک جناب اسحٰقؑ کی نسل میں دوسرے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں۔ اولادِ جناب اسحٰقؑ میں امامتِ کبریٰ کسی کو نہیں ملی۔ جو انبیاء آئے وہ اپنی اپنی قوم کے ہادی بن کر آئے اور جو سلطنت ان کو ملی وہ صرف سطحِ زمین تک محدود رہی خواہ یوسفؑ ہوں یا سلیمانؑ یا داؤدؑ۔ دوسری نسل جو جناب اسمٰعیلؑ سے چلی اس میں صرف ایک نبی ہوئے یعنی سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ وہ نہ صرف اہلِ زمین کے امام و حاکم تھے بلکہ تمام عالموں پر زمین سے لے کر آسمان تک سب موجودات و مخلوقات خداوندی پر امام اور حاکم تھے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن کو نازل کیا تاکہ وہ تمام عالموں کے لیے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہو۔) یہ امامتِ کبریٰ حضرت ابراہیمؑ کی امامت سے بالاتر مرتبہ رکھتی تھی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو نظامِ کائنات زمین پر دکھایا گیا تھا اور نبی آخر الزماںؐ کو قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى تک لے جا کر دکھایا گیا۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ غور یہ بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کسی عہدہ کے ملتے وقت اپنی اولاد کو یاد نہیں کیا لیکن جب امام بنائے گئے تو اولاد یاد آئی۔ غالباً اس کی یہی وجہ ہوگی کہ وہ بعلمِ نبوت یہ جانتے تھے کہ نبیوں یا رسولوں کے آنے کا سلسلہ کسی نہ کسی وقت ختم ہو جائے گا سوائے عہدۂ امامت کے کہ قیامت تک ایک نہ ایک امام ہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے۔

نسلِ ابراہیمؑ میں صرف سرکارِ دو عالمؐ کا سلسلۂ نبوت قیامت تک چلنے والا ہے اور جو کتاب حضرتؐ پر نازل ہوئی وہ بھی قیامت تک لوگوں کی ہدایت کے لیے موجود رہے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر حضورؐ کے بعد امامتِ کبریٰ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو ہدایتِ خلق کا بندوبست کیا ہوگا۔ اگر صرف قرآن رہ جائے گا تو وہ بلحاظ صامت ہونے کے کیسے ہدایت کرے گا اور اگر اُمتِ رسولؐ میں اس

کی آیات کے سمجھنے میں اختلاف ہوگا تو اس اختلاف کو دُور کون کرے گا۔ قرآن خود تو ناطق نہیں اور اختلاف سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک اُمت کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ اختلاف قرآن کو نہ سمجھنے ہی سے پیدا ہوا ہے۔ علمائے اُمت اس اختلاف کو دُور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اختلاف ہوا اور اس حد تک کہ اصول و فروع میں کوئی مسئلہ ایسا نہ رہا جس میں علمائے اُمت کا اختلاف نہ ہو تو کیا قرآن اختلاف پیدا کرنے کے لیے نازل ہوا تھا؟ وہ تو اختلاف مٹانے کے لیے آیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے ہادی بنائے ایک ناطق اور ایک صامت۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ مائدہ ۵/۱۵ (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت کو ایک نور آیا ہے اور ایک کتاب مبین)۔ تمام مفسرین نے نور سے مراد ذاتِ رسولؐ لی ہے۔ منشا یہ ہے کہ جو بات قرآن میں نہ سمجھو وہ رسولؐ سے پوچھ لو۔ اگر صرف قرآن کافی ہوتا تو رسولؐ سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس اس پر غور کیا جائے کہ رسولؐ کے بعد دُوسرا ہادی کیوں نہ رہے۔ اور رسولؐ کے بعد والے مسلمانوں کے لیے اس کا کیا بندوبست ہوا کہ اگر قرآن سمجھ میں نہ آئے تو فلاں نور سے پوچھ لینا۔ اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر رسولِ خدا نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا۔ جیسا کہ حدیثِ ثقلین سے ظاہر ہے یہ اہلبیتِ رسولؐ انہی صفات کے رکھنے والے تھے جو رسولؐ میں تھیں۔ رسولؐ کی طرح وہ بھی خدا کے یہاں سے علم حاصل کیے ہوئے تھے اور رسولؐ کی طرح معصوم تھے۔ بمصداق آیت تطہیر ہر قسم کے رجس سے پاک تھے۔ اُن کے معجزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام عالموں پر ان کا تصرف تھا۔ ان کے سیّد و سردار حضرت علی علیہ السلام تھے جو کتابِ خدا کا پورا پورا علم رکھتے تھے۔ اور وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کے مصداق تھے پس کیوں ان کو رسول کی طرح صاحبِ امامتِ کبریٰ مانا جائے۔

لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان کا نام نہیں لیکن قرآن میں تو تمام انبیاء و مرسلین کے نام بھی نہیں۔ تمام احکام کی توضیح بھی نہیں بس جس طرح احادیثِ رسولؐ سے اور باتوں کا علم حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے اہلبیتؑ کے تعین و تشخص کو بھی حاصل کیا جائے ورنہ یہ کیا بات ہوگی کہ بعض باتوں پر ایمان لاؤ اور بعض پر نہ لاؤ۔ نام تو قرآن میں تھے مگر اپنی جگہ پر نہ رہے یہ دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی وہ صفات جا بجا بیان کی ہیں جو اس امامتِ کبریٰ کے مصداق ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ غور یہ بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے متعلق سوال کیا تھا کہ کیا وہ بھی امام بنائے جائیں گے۔ تو اس کا جواب قدرت کو یہ دینا چاہیئے تھا کہ تمہاری اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے وہ عہدۂ امامت کو نہ پائیں گے۔ لیکن جو جواب دیا گیا ہے وہ عمومیت کے ساتھ ہے یعنی تمہاری اولاد ہی کیا جو کوئی بھی ظالم ہوگا اس عہدہ کو نہ پا سکے گا یعنی میرا یہ حکم عام ہے کہ کسی نسل کا ہو یا کسی قوم کا یا کسی خطہ کا رہنے والا ہو اگر وہ صاحبِ اعمالِ صالحہ نہیں اور شرک باللہ اس میں پایا گیا ہے تو امامت ہرگز ہرگز اس کو نہیں مل سکتی۔

اس آیت میں دو باتوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر کر دیا ہے ایک یہ کہ امامت کا عہدہ میری طرف سے دیا جائے گا خدا کے سوا کوئی کسی کو امام نہیں بنا سکتا۔ دوسرے یہ کہ جس کو میں امام بناؤں گا وہ معصوم ہوگا۔ کسی چھوٹے بڑے ظلم کا تعلق اس سے ہوگا ہی نہیں عمر کے کسی حصہ میں بھی۔

اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کس کس کو کہا ہے:

۱۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ پ ۲۱ لقمان ۳۱/۱۳ (شرک سب سے بڑا گناہ ہے)۔

۲۔ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ سورۃ بقرۃ۔ آیت ۲۵۴ (اور خدا کی نعمتوں اور احکام سے انکار کرنے والے بھی ظالم ہیں)۔

۳۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ سورۃ بقرۃ۔ آیت ۲۲۹ (اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے بھی ظالم ہیں)۔

پس معلوم ہوا جب تک کوئی شرک و کفر یا معصیت میں مبتلا رہے گا عہدۂ امامت اُسے نہیں مل سکتا۔

یہ وہ لوگ جو شرک کے بعد اسلام لائے یا کفر کے بعد مومن ہوئے یا گناہ سے توبہ کر کے اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بھی امام نہیں بن سکتے جیسا کہ خدا فرماتا ہے وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ ۱۲ ہود۔ع۔۱۰) یعنی خبردار اُن لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جانا جو پہلے گناہگار رہ چکے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ نے امامت کے ملنے کو عہدِ الٰہی قائم رکھنے پر متعلق کیا ہے اور قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ عہد سے مراد گناہوں سے بچنا ہے۔ آیہ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (یٰس) سے معلوم ہوا عہد یہ ہے کہ اے بنی آدم تم شیطان کی عبادت نہ کرنا یعنی اس کے بندے بن کر اس کی اطاعت نہ کرنا چونکہ ہر گناہ اطاعتِ شیطان ہے لہٰذا گناہگار امام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس پر سے خدا اور بندوں کا بھروسہ اُٹھ جاتا ہے۔

جو لوگ بت پرست رہ چکے ہوں وہ اپنی عقل کی کمزوری کا ثبوت دے چکے ہیں اس کے بعد بھی ان کی عقل پر جہالت کا پردہ چھا سکتا ہے چنانچہ اسلام میں بہتیرے ایسے لوگ پائے گئے کہ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے منافقت اختیار کی اور اسلامی مفاد کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اگر عہدہ الٰہیہ دے دیا جائے تو وہ صحیح معنی میں اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان کے ایمان کی کمزوری جو ان کو منافقت کی طرف لے گئی ہے وہ اسلام کو تباہ کرنے کی طرف بھی لے جا سکتی ہے۔

عہدۂ امامت کا تعلق دینی اور دنیوی حکومتوں سے ہوتا ہے یعنی معاشرتی تمدنی اور سیاسی اصلاحات کے ساتھ وہ اخلاقی، نفسانی اور روحانی کمزوریوں کا دُور کرنے والا بھی ہوتا ہے لہٰذا اس کو دینی اور دنیوی تمام علوم کا ایسا بڑا عالم ہونا چاہیئے کہ کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا ایسا عالم وہی ہو سکتا ہے جس کا علم وہبی ہو نہ کہ کسبی۔

جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی جس اولاد کے لیے امامت کے خواستگار تھے اُن کا اِن تمام اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے جناب ابراہیمؑ کی تمام اولاد یکساں نہ تھی ان میں مومن و کافر دونوں قسم کے لوگ تھے۔ پس کافروں سے متعلق یہ دعا تو ہو ہی نہیں سکتی اور جن مومنوں سے متعلق ہو ان کا اوّل تو معصوم ہونا پھر علمِ وہبی رکھنا بھی ضروری ہے۔

جنابِ ابراہیمؑ کی اس شاخ میں جو جناب اسمٰعیل علیہ السلام سے چلی یہ امامت کلیہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملی۔ وہ تمام کائنات پر حقِ تصرف رکھتے تھے۔ حضرتؐ کے بعد بھی یہ سلسلہ گم نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ آپؐ کی امت کو قیامت تک ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہر زمانہ میں باقی رہے گی جو معصوم ہو اور مکتب مِنْ لَدُنْ کا تعلیم یافتہ ہو۔ چنانچہ رسولؐ نے وفات سے پہلے اس گروہ کی نشاندہی کر دی جو اس امامتِ کلیہ کے حق دار تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری کو ان کے نام بھی بتا دیئے۔ اگرچہ ان میں سے دو کے سوا کسی کو حکومتِ ظاہری کا موقع نہیں ملا تاہم انہوں نے اپنے معجزات سے یہ ثابت کر دیا کہ اشیائے کائنات پر ان کو کس درجہ تصرف حاصل ہے اور مختلف اقوام کے سوالات کے جواب دے کر ثابت کر دیا کہ وہ وہبی علم رکھنے والے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ یہی ثبوت تھا اس امر کا کہ وہ خدا کے یہاں سے علم حاصل کیے ہوئے آئے تھے۔

یہی وہ ذریت ابراہیمؑ تھی جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بعد خدا سے عہدہ امامت عطا کرنے کے لیے دعا کی تھی۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا
وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے تو خدا سے یہ دعا کر رہے تھے کہ ہمارے پالنے والے ہماری اس خدمت کو قبول کر لینا تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے ہم دونوں کو اسلام کے راستہ پر ثابت قدم رکھنا اور ہماری اولاد میں سے کچھ لوگوں کو بھی اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔ اور ہم کو ہمارے حج کے مقامات دکھا دے اور ہماری توبہ قبول کر لے بے شک تو بڑا توبہ کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے پالنے والے اس امتِ مسلمہ میں سے ایک رسول کو بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے ان کے نفوس کو پاک و پاکیزہ کر دے۔ بے شک تو غالب اور صاحبِ تدبیر ہے۔

جن لوگوں نے وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ہم کو اپنا مسلمان بندہ بنا لے وہ غلط ہے۔ اگر ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام ابھی تک مسلمان ہی نہ تھے تو خدا ان سے یہ خدمت کیوں لے رہا تھا۔ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں فعلیتِ اسلام پر قائم رکھ یعنی جو کام تیرے ایک فرمانبردار بندے کے لیے لازم ہیں وہ ہم سے ہمیشہ ہوتے رہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے اسلام مانگ رہے تھے ان کا اسلام تو بلا واسطہ تھا وہ تو خدا کے یہاں سے اسلام لیے ہوئے آئے تھے، جیسا آگے آئے گا۔ ہاں اس پر ثابت قدم رہنے کی دعا ان کو ضرور کرنی چاہیئے تھی۔

اس کے بعد وَابْعَثْ فِيهِمْ کا ترجمہ لوگوں نے یہ کیا ہے کہ مکہ والوں میں سے ایک رسول بھیج۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ مکہ والے یہاں کہاں سے آ گئے اوپر والی آیتوں میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں۔ اگر ذکر ہے تو امتِ مسلمہ کا ہے پس ھم کا مرجع وہی ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول ایسے لوگوں میں مبعوث ہو جن کا اسلام ہماری طرح بے واسطہ ہو خدا کے مسلمان بنائے ہوئے ہوں بندوں کے نہیں۔ چنانچہ اس وقت تک حضرت رسولِ خدا نے اعلانِ رسالت نہیں کیا جب تک حضرت علیؑ پیدا ہو کر خاصے

سیلانے نہیں ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ یہ چاہتے تھے کہ جب نبی آخر الزمانؐ اعلانِ رسالت کریں تو سب سے پہلے جو ان کی تصدیق کرے وہ ایسا شخص ہو جس کے منہ سے کفر کی بُو نہ آتی ہو اور خدا کے یہاں سے مسلمان بنا بنایا آیا ہو۔ چونکہ امت کا لفظ صرف فردِ واحد پر بھی بولا جاتا ہے جیسے خدا نے فرمایا ہے کَانَ اِبْرٰهِیْمُ اُمَّةً قَانِتًا۔ لہٰذا ایک علیؑ کے ہونے سے امتِ مسلمہ کا وجود پایا گیا۔ رسول کے سپرد اللہ نے چار خدمتیں کیں:

۱۔ آیاتِ الٰہیہ کو پڑھ کر سنانا۔ یہ تعلیم ہر اس شخص کے لیے تھی جو دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا۔

۲۔ مطالبِ کتاب کو سمجھانا۔ یہ اوسط درجہ کے مسلمانوں کی تعلیم کا بند و بست تھا۔

۳۔ حکمت کی تعلیم دینا یعنی حکمتِ نظری اور عملی دونوں کو سمجھانا۔ یہ تعلیم اہلِ بیتِ رسولؐ سے مخصوص تھی۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ اس میں اگرچہ دوسرے بھی جزوی طور پر شریک تھے لیکن حکمت کی پوری تعلیم سوائے حضرت علیؑ کے دوسروں سے مخصوص نہ ہوئی۔

۴۔ نفسوں کا پاک و پاکیزہ بنانا، اس میں صاحبانِ زہد و تقویٰ کو شرکت حاصل تھی لیکن مکمل تزکیہ والے تو صرف وہی لوگ تھے جن کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ حضرت علیؑ کے سوا کسی اور کے لیے حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا نَفْسُكَ نَفْسِیْ۔ اس کے معنی یہی ہوئے کہ جو پاکیزگی نفسِ آنحضرتؐ کو حاصل تھی وہی حضرت علیؑ کو حاصل تھی۔ آیۂ مباہلہ کی عملی تفسیر سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

آیات کی تلاوت سب سے پہلے آنحضرتؐ، علیؑ کے سامنے کرتے تھے یعنی جو وحی ہوتی تھی وہ سب سے پہلے علیؑ کو سناتے کیونکہ خلوت و جلوت، سفر و حضر، رزم و بزم میں ہر وقت علیؑ آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔

تعلیم کی صورت یہ تھی کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ سے جب میں کوئی بات پوچھتا تھا تو مجھے بتاتے تھے اور جب میں چُپ رہتا تھا تو خود تعلیم دیتے تھے۔ اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کرتے تھے، هٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ هٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَقًّا۔ (یہ سینہ علم کا خزانہ ہے یہ لعابِ رسولؐ کا اثر ہے یہ وہ تعلیم ہے جو رسولؐ اللہ نے مجھے اس طرح دی جیسے طائر اپنے بچہ کو بھراتا ہے) کتابِ خدا کی تعلیم اس طرح ہوئی کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا، عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ (قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ)۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

سوائے احمق آدمی کے طریقۂ ابراہیم سے کوئی بھی نفرت نہیں کر سکتا ہم نے ان کو دنیا ہی میں منتخب کر لیا اور وہ آخرت میں بھی نکوکاروں میں سے ہوں گے۔ جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ اسلام قبول کرو تو انھوں نے کہا میں عالموں کے پالنے والے پر اسلام لے آیا۔ اور ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو اسی طریقہ (اسلام) کی وصیت کی اور کہا اے فرزندو! اللہ نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو برگزیدہ کیا ہے پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان بن کر۔ (اے یہودیو) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تھی۔ جب انھوں نے اپنی اولاد سے کہا تھا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے جواب دیا تھا ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق کے معبود کی۔ جو خدائے واحد ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں گے۔

ملتِ ابراہیمؑ کے جو اصول تھے ہر نبی کے زمانہ میں وہی رہے البتہ فروعی احکام جو شریعت کہلاتے ہیں بدلتے رہے۔ اسلام کے وہ اصول ایسے مبنی بر عقل و فہم ہیں کہ سوائے بیوقوف آدمی کے کوئی دوسرا ان سے انحراف نہیں کر سکتا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ کا اسلام بے واسطہ تھا یعنی خدا کا تعلیم کردہ تھا کسی اور نے ان کو مسلمان نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خدا کے یہاں سے مسلمان بنے ہوئے آئے تھے۔

یہودی کہتے تھے کہ ہمارا دین وہی ہے جو ابراہیمؑ و یعقوبؑ کا تھا۔ لہٰذا ان سے کہا جا رہا ہے کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ مرنے لگے تھے۔ کیا یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ تم دینِ یہود پر قائم رہنا۔ یعنی غلط کہتے ہو۔ انھوں نے تو مرتے وقت اپنی اولاد کو جمع کر کے یہ پوچھا تھا کہ تم میرے بعد کس کو خدا مانو گے اور کس کی پرستش کرو گے تو انھوں نے جواب دیا تھا

ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی آپ کرتے ہیں یا آپ کے دادا ابراہیمؑ اور آپ کے چچا اسمٰعیلؑ یا آپکے باپ اسحٰقؑ کرتے تھے۔

اس آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آباء کے تحت حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ وہ چچا تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو باپ کہتے تھے جیسے ہمارے یہاں بھی چچا کو چھوٹا ابا کہا جاتا ہے پس اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آذر کو جو حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا لفظ اَب (باپ) سے ذکر کیا ہے۔ عقلاً بھی کوئی نبی کسی مشرک و کافر کی گندی نسل سے نہیں ہو سکتا۔ اس کا نطفہ اصلابِ طاہرہ سے اجسامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾
وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾

(اے یہودیو) یہ وہ لوگ تھے جو چل بسے جو انھوں نے کیا وہ اُن کے آگے آئے گا اور جو تم کروگے تمہارے آگے آئے گا جو کچھ بھی وہ کرتے تھے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔ یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ، تو راہِ راست پر آجاؤگے۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ ہم ابراہیمؑ کے طریقہ پر ہیں جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ
الْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ

ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
١٦ ع ١٢ ١٦ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ع

اور اے مسلمانو، ان سے کہو ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس پر بھی جو ہم پر نازل کیا گیا ہے (قرآن) اور جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ پر نازل کیا گیا تھا اور جو کتاب موسٰیؑ و عیسٰیؑ پر نازل کی گئی اس پر بھی اور جو اور پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا اس پر بھی، اور ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو خدا کے فرمانبردار ہیں اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم لے آئے ہو تو وُہ راست پر آجائیں گے اور اگر اس طریقہ سے منہ پھیر لیں تو (سمجھو) وہ تمہاری ضد پر ہیں تو اے رسول ان کے شر سے بچانے کو تمہارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ سب حالات کو خوب جانتا ہے اور سنتا ہے۔ مسلمانوں سے کہو کہ رنگ تو خدا ہی کا رنگ ہے جس میں تم رنگے گئے اور خدائی رنگ سے بہتر کون رنگ ہوگا۔ ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں ــ اے رسولؐ تم ان سے پوچھو کیا تم ہم سے خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا بھی ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے، ہم تو بس نِرے کھرے اُسی کے ہیں۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ سب کے سب یہودی اور نصرانی تھے۔ اے رسول ان سے پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی گواہی موجود ہو کہ وہ یہودی نہ تھے اور پھر وہ اس گواہی کو چھپائے (یاد رکھو) جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو مر چکے اور جو کچھ وہ کر گئے ان کے لیے تھا اور جو کچھ تم کروگے تمہارے لیے ہوگا اور جو کچھ وہ کر گئے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

سابق زمانوں میں انبیاء و مرسلین پر جو کتابیں یا صحیفے نازل ہوئے ان سب کی تصدیق کرنا لازم ہے اور ان کے درمیان بحیثیت فرستادۂ خدا ہونے کے کوئی فرق نہ کرنا چاہیے۔ یہودی آنحضرتؐ کی بعثت کے متعلق آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں سب کچھ پڑھ چکے تھے پھر بھی وہ حضرتؐ کی رسالت اور قرآن کے منزّل من اللہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے تھے یہ صرف ہٹ کی بات تھی ورنہ حقیقت تو ان پر واضح ہو چکی تھی۔

نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسٰیؑ کو زرد رنگ کے پانی میں نہلایا گیا تھا اور اس پانی کو محفوظ کر لیا گیا تھا اس کا ایک قطرہ اور زرد رنگ کے پانی میں شامل کر کے اس کو متبرک بنایا جاتا تھا اور اس میں اپنے بچوں کو غسل دیتے تھے جسے اصطباغ یا بپتسمہ

کہا جاتا ہے جب تک یہ غسل نہیں دیا جاتا تھا وہ اس کو پورا عیسائی نہیں سمجھتے تھے اور جب غسل ہو چکتا تھا تو کہتے تھے :- "Now he is true Christian."
مسلمانوں سے طنزاً کہتے تھے چونکہ تمہارا اصطباغ نہیں ہوتا اس لیے تمہارا دین سچا نہیں۔ خدا نے ان کے جواب میں مسلمانوں سے فرمایا تم ان سے کہو کہ
اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے اللہ نے ہم کو ایمان کے رنگ میں رنگا ہے۔ یہ زرد رنگ کے پانی میں رنگنا احمقانہ فعل ہے۔ کہیں ان ظاہری
غسلوں سے رُوحانی و ایمانی قوت کسی کے اندر آتی ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ اسلام فطری دین ہے۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ
یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَاَبَوَاہُ یُہَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ یعنی ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں ماں باپ اُسے
یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ اگر اس کو عقلِ فطری پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً وہ صاحبِ عقل و ہوش ہو کر اللہ کی توحید کی گواہی دے گا
کیونکہ انسانی فطرت جیسے ایک بدن میں دو دل یا دو رُوحیں برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح اس کائنات کے دو یا دو سے زیادہ مدبر و منتظم ہونے کو بھی تسلیم
نہیں کر سکتی ——— اس کا ثبوت کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ ہر قوم بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی رسم ایسی ادا کرتی ہے
جس سے وہ بچہ اس کے دین میں داخل ہو جائے۔ مثلاً ہندو جنیؤ پہناتے ہیں اس کے بعد وہ سچا ہندو بن جاتا ہے اس سے پہلے وہ اس کو اپنے دین میں
داخل نہیں سمجھتے مزید ثبوت اس کا یہ ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کو مرنے کے بعد جلاتے نہیں بلکہ دباتے ہیں اور دبانا فطرتِ اسلامی کا تقاضا
ہے۔ اسی طرح عیسائی جب تک اصطباغ نہ ہو اُسے ٹرو کرسچین یعنی سچا عیسائی نہیں سمجھتے۔ مزید ثبوت یہ ہے کہ ایسے بچے کو وہ اس
قبرستان میں دفن نہیں کرتے جہاں عیسائیوں کی قبریں ہوں بلکہ اس کے کسی کونے گوشے میں دبا دیتے ہیں۔ مجوسی جب تک ہنسلی نہیں
پہناتے اس کو سچا آتش پرست نہیں سمجھتے۔ سکھ جب تک کڑا انہیں پہنا نہ لیں سچا سکھ نہیں سمجھتے۔ یہ فطرتِ اسلامی کی قوت ہے کہ
وہ ان تمام مذاہب کے گلے دبا کر اسلامی اصول کے تقاضے پورا کراتی ہے۔ بغور دیکھئے جو چیز خارج نہ ہو اس کو داخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے
کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں بھی تو ختنہ کے بغیر مسلمان نہیں سمجھا جاتا لیکن یہ کہنا قطعاً غلط ہے ختنہ سے پہلے بھی بچہ مسلمان ہی ہوتا
ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ مرجائے تو اس کا کفن دفن اسی طرح ہوتا ہے جس طرح سب مسلمانوں کا ہوتا ہے میراث اسی طرح ملتی ہے جیسے بڑوں کو۔
ختنہ سنتِ ابراہیمیؑ ہے جو فطرت کے ایک تقاضا کے مطابق ہے یعنی عورت سے مباشرت کے وقت اگر حشفہ پر کھال ہو تو وہ
مانعِ لذت ہے اس لیے اس کو کٹوا دیا جاتا ہے۔ اگر ختنہ پر اسلام موقوف ہوتا تو کوئی کافر بغیر ختنہ کرائے دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو سکتا
مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ ختنہ کرا سکتا ہے۔

یہودی کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا جو اعمالِ صالحہ دنیا میں کر گئے ہیں اُن کی وجہ سے ہم پر عذاب نہ ہوگا کیونکہ خدا
اپنے پیارے بندوں کی اولاد کو جہنم میں نہ بھیجے گا۔ اسی طرح نصاریٰ کہتے تھے کہ عیسٰیؑ مسیح نے ہمارے تمام گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر
لے لیا۔ قرآن ان دونوں خیالوں کی تردید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم سے پہلے جو کچھ کر گئے وُہ جانیں ان کے اعمال جانیں تم سے ان کا
کوئی تعلق نہیں جو کچھ تم کرو گے اس کی جزا سزا تم کو آخرت میں ملے گی۔ روزِ قیامت اس کا کوئی لحاظ نہ ہوگا کہ یہ کس کا بیٹا یا
پوتا ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے خود کیا کیا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَ
الْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي
كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً
إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ
رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

تحویل قبلہ کے متعلق بعض بیوقوف لوگ یہ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ (بیت المقدس) کی طرف پہلے سجدہ کرتے تھے اس سے
دوسرے قبلہ (کعبہ) کی طرف مڑنے کا کیا باعث ہُوا۔ اے رسول تم ان کے جواب میں کہو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا
ہے جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور جس طرح تمہیں قبلہ کے بارہ میں ہدایت کی ہے اس طرح
تم کو امتِ عادل بنایا تاکہ اور لوگوں کے مقابل تم گواہ بنو اور رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں۔ اور جس قبلہ کی طرف تم
پہلے سجدہ کرتے تھے ہم نے اس کو صرف اس وجہ سے قبلہ قرار دیا تھا کہ جب قبلہ بدلا جائے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی
پیروی کرتے ہیں ان لوگوں سے الگ دیکھ لیں جو اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں اگرچہ یہ تبدیلی ان لوگوں کے سوا جن کو خدا نے
ہدایت کی ہے سب ہی پر شاق ہے اور خدا ایسا نہیں ہے کہ تمہارا ایمان یعنی نماز کو جو بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے ہو
ضائع کر دے، بے شک خدا لوگوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اے رسول قبلہ بدلنے کے لیے تمہارا بار بار آسمان
کی طرف منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور تم کو ایسے قبلہ کی طرف پھیر دیں گے کہ تم خوش ہو جاؤ۔ اچھا تو تم نماز ہی میں
مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کر لو۔ اور اے مسلمانو، تم جہاں کہیں ہو اس کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو۔ جن لوگوں کو کتاب

دی گئی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں یہ تبدیلیٔ قبلہ بالکل بجا و درست ہے اور ان کے پروردگار کی طرف سے ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اس سے بے خبر نہیں۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا کیوں ضروری ہوا جبکہ خدا کی ذات مکان و مکانیات سے مبرّہ و منزّہ ہے اور اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے پھر ایک سمتِ معین کی طرف نماز پڑھنا اور ایک خاص عمارت کو قبلہ قرار دے لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ نماز بہر حال کسی نہ کسی سمت تو رخ کر کے پڑھنا ہی ہوگی لہٰذا کیوں نہ اس عمارت کی طرف رخ کیا جائے جس کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ قدوسیت حاصل ہے۔ کعبہ ہو یا بیت المقدس چونکہ ان کی تعمیر انبیاؑ نے کی ہے لہٰذا ان پر رحمت و برکتِ الٰہیہ ضرور نازل ہوتی ہے۔ پس اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں اس کی قدوسیت کا اثر ضرور قلب پر پڑتا ہے کعبہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے لہٰذا بہ نسبت بیت المقدس کے اُسے فوقیت و برتری ضرور حاصل ہے نیز یہ سب سے پہلی عبادتگاہ ہے جو روئے زمین پر بنی۔

دوسری وجہ قبلہ کے تعین کے ساتھ نماز پڑھنے کی یہ بھی ہے کہ یہ ایک جماعتی تنظیم کی بہترین صورت ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک قوم یا ایک دین کے لوگ مختلف سمتوں میں رخ کر کے پڑھیں۔ زیادہ بہتر صورت یہی ہے کہ سب کا رُخ ایک ہی طرف رہے۔

تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی مرکزیت کا بھی پتہ چلتا رہے کہ جس دین کے احکام کے تحت ہم نماز پڑھ رہے ہیں اس کا مرکز کہاں تھا۔

۲۔ حضرت رسولِ خدا جب تک مکہ میں رہے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ بعد ہجرت ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک مدینہ میں بھی بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ سنہ ۳ھ میں بعد غزوۂ بدر تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا۔ سوال یہ ہے کہ قیامِ مکہ کے زمانہ میں حضورؐ نے کعبہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف رخ کیوں کیا؟ اس کے متعلق مفسرین نے دو وجہیں لکھی ہیں

(۱) چونکہ کعبہ میں اندر و باہر بت رکھے ہوئے تھے اس لیے حضورؐ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں۔

(۲) کفارِ قریش جب حضرتؐ کو کعبہ کی طرف نماز پڑھتے دیکھتے تو طرح طرح سے ستاتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ محمدؐ کے دل میں تو ہمارے معبودوں کی محبت ہے لیکن ہماری ضد میں ان کو بُرا کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۔ جب حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی شروع کی تو یہودیوں نے خوشی منائی کہ اب محمدؐ راہِ راست پر آ گئے ہمارے قبلہ کو تسلیم کر لینا گویا ہمارے دین کو آدھا مان لینا ہے۔ حضرتؐ کو ان کی طعن و طنز ناگوار ہوتی تھی اور بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بارگاہِ باری میں عرض کرتے تھے کہ یہودیوں کے ان طعنوں سے مجھے بچا لے۔ دوسرے خانہ کعبہ چونکہ ان کے دادا حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا بنایا ہوا تھا اس لیے فطرۃً اس سے آپؐ کو محبت تھی، چاہتے تھے کہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تڑپ پر رحم کھایا۔ ایک دن حضرت علیؑ آپ کے ساتھ کسی ضرورت سے مدینہ سے باہر گئے واپسی پر مدینہ سے چند میل دُور ایک جگہ دونوں نے نمازِ ظہر پڑھی وہیں تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا اور آپؐ نے کعبہ کی طرف اپنا رُخ کر لیا اس مقام پر ایک مسجد بنا دی گئی جسے مسجدِ ذوالقبلتین کہتے ہیں اور اس فضیلت کی وجہ سے کہ حضرت علیؑ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی آپؑ کو مصلی الی القبلتین یعنی دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والا کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے مسجدِ قبا کو مسجد ذوالقبلتین بیان کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

۴۔ جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان اب بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے لگے ہیں تو ان کو مذاق اڑانے کے لیے ایک اور موقع ہاتھ آیا کہنے لگے محمدؐ کا دین بھی کیا دین ہے جس میں آج تک قبلہ کا تعین نہیں ہوا۔ کبھی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں کبھی مغرب کی طرف۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں۔ ہم جدھر چاہیں رُخ پھیر دیں کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ دونوں گھر اُسی کے نام پر بنائے گئے ہیں۔ اس تحویل کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے۔ صورت یہ ہوئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں کو بہکانا شروع کیا کہ تمہارا دین ایک ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے کبھی بیت المقدس کو قبلہ بنا لیتے ہو کبھی پلٹ کر کعبہ کی طرف رُخ کر لیتے ہو۔ بہت سے مسلمانوں پر اس بہکانے کا اثر ہوا اور ان کے ایمان کی کمزوری ان کی باتوں سے ظاہر ہونے لگی لیکن جو مومن خاص تھے انھوں نے تحویلِ قبلہ سے کوئی گرانی محسوس نہ کی۔ اور یہودیوں کے جواب میں کہنے لگے قبلہ خدا کی طرف توجہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے خدا کو اختیار ہے کہ وہ جس سمت کو چاہے قبلہ بنا دے۔

۵۔ مسلمانوں کی سہولت کے لیے یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب تم سفر میں ہو اور کعبہ سے دُور ہو تو نماز کعبہ کی طرف رُخ کر کے پڑھ لیا کرو۔ خدا اس کو قبول کرے گا۔

۶۔ ان آیات میں سب سے اہم آیت یہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ یعنی ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ روزِ قیامت تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تحویلِ قبلہ کے ساتھ امت کی گواہی کو کیا ربط ہے تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے کئی توجیہات لکھی ہیں مگر کان کو ایک بھی نہیں لگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ آیت کہیں اور کی ہے بہر حال جہاں کہیں ہو ہمیں تو یہ بتانا ہے کہ امتِ وسط کون ہے۔

مفسرین عامہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تمام امتِ رسول ہے جو روزِ قیامت اس کی گواہی دیں گے کہ حضورؐ نے احکامِ الٰہیہ کی ساری امت پر تبلیغ کی ہے اور رسولؐ یہ بیان فرمائیں گے کہ میں نے ساری امت پر پوری طرح تبلیغ کر دی ہے۔ یہ تاویل بھی کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ ساری امت نے کب رسولؐ کو تبلیغ کرتے دیکھا ہے جس کی گواہی دے گی۔ زیادہ سے زیادہ وہی لوگ گواہ ہو سکتے ہیں جنھوں نے حضورؐ کو تبلیغ کرتے دیکھا ہو وہ بھی سب نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ سب ہر جگہ رسولؐ کے ساتھ نہیں رہتے تھے۔

ہمارے ائمہ سے منقول ہے کہ امتِ وسط یعنی بیچ کی امت رسول اور لوگوں کے درمیان ہم ہیں۔ ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک امام ضرور رہے گا وہ شہیدِ اعمالِ امت ہوگا۔ جو جس نے زندگانیٔ دنیا میں کیا ہوگا وہ اس کی روزِ قیامت پیشِ خدا گواہی دے گا اور ہماری گواہی کی تصدیق رسولؐ کریں گے۔

عام مسلمانوں کو تو اپنے گھر کے رہنے والوں کے اعمال کا بھی پوری طرح پتہ نہیں چلتا اپنے زمانہ کے تمام لوگوں کے اعمال کا تو کیا پتہ چلائیں گے پھر ایسا قوی حافظہ کہاں سے لائیں گے کہ سب کے اعمال کو یاد رکھیں۔ پھر غیر معصوم ہونے کی بنا پر ان کی گواہی پر اعتماد کیسے ہوگا۔ ایک آیت بتاتی ہے کہ اللہ و رسولؐ کے سوا کچھ ایمان والے بھی لوگوں کے اعمال کو دیکھتے رہتے ہیں۔

پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (جو چاہو عمل کرو مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اس کا رسولؐ اور کچھ ایمان والے۔ تم عنقریب اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے جو غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے پس

وہ تمہیں آگاہ کرے گا جو کچھ تم کرتے ہو)۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کے علاوہ کون سے ایمان والے ہیں جو اعمالِ خلق کو دیکھنے والے ہیں اور روزِ قیامت ہر ایک کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس لیے ہر زمانہ میں ایک حجتِ خدا کا ہونا ضروری ہے۔ تفسیرِ صافی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امتِ وسط ہم ہیں، ہم خلق اللہ پر اللہ کی طرف سے گواہ ہیں۔ ہم زمین و آسمان میں اللہ کی حجت ہیں۔ اسی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ انبیاء اور اوصیائے انبیاء چونکہ صادق اور معصوم ہیں اس لیے ان کی گواہی معتبر ہوگی۔ حضرات ائمہ اس کی گواہی دیں گے کہ کن لوگوں نے ان کی اطاعت کی اور کن لوگوں نے نہیں کی اور رسولؐ ہماری تصدیق کریں گے۔

ولئن اتيت الذين اوتوا الكتب بكل اية ما تبعوا قبلتك ج وما انت بتابع قبلتهم ج
وما بعضهم بتابع قبلة بعض ط ولئن اتبعت اهواءهم من بعد ما جاءك من العلم لا
انك اذا لمن الظلمين ﴿۱۴۵﴾ الذين اتينهم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم ط وان
فريقا منهم ليكتمون الحق وهم يعلمون ﴿۱۴۶﴾ الحق من ربك فلا تكونن من الممترين ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۶ ۱
ولكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرت ط اين ما تكونوا يات بكم الله جميعا ط ان
الله على كل شيء قدير ﴿۱۴۸﴾ ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام ط
وانه للحق من ربك ط وما الله بغافل عما تعملون ﴿۱۴۹﴾ ومن حيث خرجت فول
وجهك شطر المسجد الحرام ط وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره لا لئلا يكون
للناس عليكم حجة ق الا الذين ظلموا منهم ق فلا تخشوهم واخشوني ق ولاتم
نعمتي عليكم ولعلكم تهتدون ﴿۱۵۰﴾ كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم
ايتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون ﴿۱۵۱﴾

اے رسول اہلِ کتاب کے سامنے اگر تم دنیا کی ساری دلیلیں بھی پیش کرو گے تو بھی وہ تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے اور نہ تم ہی ان کے قبلہ کو ماننے والے ہو خود اہلِ کتاب بھی ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور جو علمِ قرآن تمہارے پاس آچکا ہے اس کے بعد بھی اگر تم ان کی خواہش پر چلے تو البتہ نافرمان ہو جاؤ گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب توریت دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح وہ اس پیغمبر (رسولؐ خدا) کو پہچانتے ہیں۔ اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ اے رسول (تبدیلیٔ قبلہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے پس تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ اور ہر دین کے واسطے ایک سمت ہے اس کی طرف وہ (نماز میں) اپنا منہ کر لیتا ہے پس اے مسلمانو، تم اس جھگڑے کو چھوڑو اور نیکیوں میں ان سے آگے بڑھ جاؤ تم جہاں کہیں ہو گے خدا تم کو اپنی طرف لے آئے گا اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اے رسول تم جہاں جاؤ اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف کر لیا کرو بیشک (نیا قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور تمہارے کاموں سے خدا غافل نہیں ہے اور اے رسول تم جہاں سے بھی جاؤ (حتیٰ کہ مکہ سے بھی) تو بھی تم نماز میں اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف کر لیا کرو اور جہاں کہیں ہوا کرو تو اپنا منہ نماز میں اس کعبہ کی طرف کر لیا کرو (بار بار حکم دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے) تاکہ لوگوں کا الزام تم پر نہ آئے مگر ان میں سے جو لوگ ناحق ہٹ دھرمی کرتے ہیں (وہ تو ضرور الزام دیں گے) تو تم لوگ ان سے ڈرو نہیں صرف مجھ سے ڈرو (دوسرا فائدہ یہ ہے) کہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں (اور تیسرا فائدہ یہ ہے) کہ تم ہدایت پاؤ (مسلمانو، یہ احسان بھی ویسا ہی ہے) جیسے ہم نے تم میں کا ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سنائے اور تمہارے نفسوں کو پاکیزہ کرے اور تمہیں کتاب (قرآن) عقل کی باتیں سکھائے جن کی تمہیں پہلے سے خبر نہ تھی۔

ان آیات میں چند باتوں پر غور کرنا ہے:

۱- مسجد الحرام، خانہ کعبہ ۲۱ ہاتھ لمبی اور ۹ ہاتھ چوڑی عمارت ہے اس کے گرد ایک خاص حد تک کا رقبہ مسجد الحرام کہلاتا ہے اس کی حرمت خانہ کعبہ کی وجہ سے ہے۔ اُسے مسجد الحرام اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر کسی کا قتل کرنا اور ایذا دینا اگرچہ واجب القتل ہو، درخت اکھاڑنا اور گرا پڑا مال اٹھانا حرام ہے۔

۲- یَعْرِفُوْنَهٗ۔ تفسیرِ قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مرقوم ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارہ میں ہے کیونکہ وہ توریت و زبور و انجیل میں آنحضرتؐ، آپؐ کے سچے اصحابؓ اور ان کی مہاجرت وغیرہ کا ذکر آچکا ہے اس لیے وہ حضرتؐ کو اچھی طرح پہچانتے تھے لیکن جب حضورؐ کا ظہور ہوا تو سب نے انکار کر دیا کیونکہ وہ بجائے بنی اسحاق کے بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوئے۔ اور اس بنا پر ایسا شدید حسد ان میں پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ کے جانی دشمن بن گئے۔

۳- اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا۔ (تم کہیں ہو اللہ تم کو اپنی طرف لے آئے گا۔) اکمال الدین اور تفسیرِ عیاشی میں

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت قائم آلِ محمدؐ کے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو رات کو اپنے اپنے بستروں سے مفقود ہو جائیں گے اور صبح انہیں مکہ معظمہ میں ہوگی۔ تفسیر صافی میں بھی یہی مضمون ہے۔

۴۔ ان آیات میں بار بار اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم جہاں کہیں ہو نماز میں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر لیا کرو۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب باہر جاتے تو مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا ایک پتھر اٹھا کر لے جاتے اور اس کو ایک جگہ گاڑ کر اس کو قبلہ قرار دے لیتے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرما رہا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں جہاں جاؤ مسجد الحرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو چونکہ یہ رسم عرب میں راسخ ہو گئی تھی لہٰذا ان کو روکنے کے لیے یہ مضمون دہرایا گیا۔

۵۔ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ (تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو)۔ بظاہر یہ خطاب رسولؐ سے ہے لیکن حقیقت میں ہدایت ہے امت کو کیونکہ شک کا تعلق رسولؐ سے ہو ہی نہیں سکتا۔

ع ۱۸ ۵

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

پس تم میری یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا تم میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔ اے ایمان والو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جو لوگ راہِ خدا میں قتل کیے جائیں انہیں مُردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ اور ہم ضرور تم کو تھوڑے سے خوف کچھ بھوک اور کچھ مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور اے رسول اُن صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو جن پر جب کوئی مصیبت آ پڑی تو کہنے لگے بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اس کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے صلوات و رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔

ان آیات میں چند امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کا ذکر ہر جگہ کرو وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ موجود ہے۔ معانی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اے ابنِ آدم تو اپنے مجمع میں میرا ذکر کر میں فرشتوں کے مجمع میں تیرا ذکر کروں گا۔

۲۔ وَاشْكُرُوا لِي۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا جو شخص حصولِ نعمت کے وقت الحمد للہ کہے اس نے خدا کی کُل نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ تفسیر صافی میں ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے اُن سے پرہیز کریں۔

خدا کی ہر نعمت کا شکر جداگانہ ہے۔ دولت کا شکریہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے۔ علم کا شکریہ ہے کہ جاہلوں کو تعلیم دی جائے۔ صحت کا شکریہ ہے کہ بیماروں کی تیمارداری کی جائے وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ صبر کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے صبر سے مراد روزہ لی ہے کیونکہ اس میں جسمانی اور رُوحانی سختی پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبر سے یہ مراد ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس میں اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور مخلوق سے خدا کی شکایت نہ کرے۔ اور خدا کی نازل کردہ بلا کو خوشی سے قبول کرے۔ سکون و قرار کو ہاتھ سے نہ دے اس کا شمار صابرینِ خاص میں ہوگا اور اس کا حصہ اس خوشخبری میں ہوگا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

۴۔ أَحْيَاءٌ۔ یعنی جو لوگ راہِ خدا میں قتل کیے جاتے ہیں وہ بظاہر مردہ سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ زندہ ہیں ان کی زندگی کو سمجھنا ہماری عقل و فہم سے باہر ہے وہ ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ ایسے لوگ شہید کہلاتے ہیں۔ ان کے مدارج مختلف ہیں۔ خاص کر جو معصوم شہید ہوتے ہیں ان کے مراتب عام شہیدوں سے بالاتر ہوتے ہیں وہ اپنے اجسامِ مثالیہ میں جہاں چاہے جا سکتے ہیں اور جس کی چاہیں مدد کر سکتے ہیں ورنہ ان میں اور عام شہیدوں میں فرق کیا ہو۔ ہم ان سے اسی طرح مدد مانگ سکتے ہیں جس طرح بحالتِ زندگی ان سے طالبِ امداد ہوتے تھے۔ احمق ہیں وہ لوگ جو "یا علیؑ مدد" کہنے کو کفر کہتے ہیں۔ جب خدا کہتا ہے کہ وہ زندہ ہیں تو پھر مدد مانگنا کیوں کفر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خدا کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا کفر ہے تو اس کفر سے تو دنیا کا کوئی آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کسی کا کام بغیر دوسرے کی مدد کے چل ہی نہیں سکتا۔ پس یا تو یہ مانو کہ شہیدانِ راہِ خدا زندہ نہیں مردہ ہیں تو یہ مفہوم آیت کے خلاف ہے۔ اور اگر زندہ ہیں تو زندہ سے مدد مانگنا کفر کیوں ہے۔ ہمارا ان حضراتِ معصومین سے مدد مانگنا درحقیقت اس ذاتِ قادر و قیوم سے مدد مانگنا ہے جس نے ان کو مرنے کے بعد زندہ رکھا ہے۔ جب صبر و صلوٰۃ جیسی بے جان چیزوں سے مدد مانگنے کا حکم موجود ہے تو پھر خدا کے ان مخصوص بندوں سے کیوں نہ مدد مانگی جائے جو صبر و صلوٰۃ کی تعلیم دینے کے لیے یہاں بھیجے گئے تھے۔

۵۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان امتحانات کا ذکر کیا ہے جو وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کا لیتا رہتا ہے۔ جو لوگ ان مصائب میں راضی برضائے خدا رہتے ہیں ان پر اللہ کی صلوات و رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ پانچ امتحانات بیک وقت نہ کسی نبی کے لیے گئے اور نہ کسی ولی کے، کیونکہ بیک وقت ان سب پر صبر کرنا فطرتِ انسانی پر ناقابلِ برداشت بار

بن جاتا ہے۔ اور انسان کو اس سخت وقت میں صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اوّلین و آخرین صرف ایک ذات امام حسین علیہ السلام کی ایسی پائی جاتی ہے جنہوں نے بیک وقت یہ پانچوں امتحان دیئے اور ان میں کامیابی حاصل کی۔ جب کوئی مصیبت ان پر آئی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے سوا کوئی بے صبری کا کلمہ ان کی زبان سے نکلا ہی نہیں۔ یہ صبر نہ صرف ان کی ذات تک محدود رہا بلکہ ان کے تمام ساتھیوں نے کسی وقت صبر کی باگ کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خدا کی طرف سے صلوات و رحمت کا ایسا دوامی انعام ان کو ملا کہ آج تک ان کا نام سنتے ہی اہلِ ایمان ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

۶۔ خدا کو ہر بات کا علم ہے کسی کے آزمانے کی ضرورت نہیں پس جہاں کہیں خدائی آزمائش کا ذکر ہے وہاں یہ غرض ہے کہ دوسرے لوگوں کو امتحان دینے والوں کے صبر استقلال کا حال معلوم ہو جائے اور ان کے مدارج و مراتب میں اضافہ کی صورت پیدا ہو۔ اس آیت میں کئی امتحانوں کا ذکر ہے سب سے پہلی اور بڑی چیز دشمن سے خائف ہونا ہے اور سب سے بڑا خوف ایک مومن کے لیے دین کی تباہی کا ہے۔ دوسرا امتحان بھوک کا ہے چونکہ الجوع پر الف لام تخصیص کا داخل ہے لہٰذا ایسی بھوک مراد ہے جس میں پیاس بھی شامل ہو۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ دو چیزیں یکجا ہو جانے سے انسان پر کیا گزرتی ہے پھر اس کے ساتھ جانوں اور مالوں اور اولاد کے نقصان کا بھی امتحان ہو تو غور کیجئے یہ امتحان کیسا سخت ہو جاتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہزارہا دشمن سیر و سیراب اسلحہ جنگ سے لیس چند خدا پرستوں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہوں۔ مجاہدینِ راہِ خدا کی لاش پر لاش گر رہی ہو، اور ایسے نازک وقت میں کہ آفتاب کی حدّت اور زمین کی تپش اپنی پوری طاقت پر ہو وہ بھوکے پیاسے بھی ہوں۔ دشمن لوٹ کھسوٹ پر بھی آمادہ ہو، ناموس کی ہتک کا بھی خوف ہو۔ دیکھیں دنیا میں کتنے صبر کرنے والے ہیں کہ ان روح فرسا حوادث میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ یہ صرف کلیجہ تھا کربلا والوں کا جنہوں نے دینِ خدا کو ضلالت و بدعت سے بچانے کے لیے ہر قسم کی مصیبت کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا اور مذکورہ بالا کسی امتحان میں ناکامی کا منہ نہ دیکھا۔

انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنے اپنے وقت میں امتحان دیئے مگر ایک وقت میں صرف ایک امتحان ان کا لیا گیا وہ بھی اس شان سے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اب صبر کی باگ ان کے ہاتھ سے چھوٹنے والی ہے اور وہ طالب امداد ہیں تو فوراً اس امتحان کو ان سے ہٹا لیا گیا۔ اس کی مثالیں قرآن کریم میں جابجا موجود ہیں۔ یہ صرف کربلا والوں ہی کا دل گردہ تھا کہ انہوں نے کسی وقت کسی امتحان کے ہٹا لینے کی درخواست نہیں کی بلکہ جتنا مصائب کا ہجوم زیادہ ہوتا جاتا تھا، دشمن کی جتنی سختیاں اُن پر بڑھتی جاتی تھیں اتنا ہی ان کے نورانی چہروں کا رنگ نکھرتا جاتا تھا۔ کون ہے مصائب میں یہ کہنے والا سوائے حسین علیہ السلام کے

تَرَكْتُ الْكُلَّ طُرًّا فِيْ هَوَاكَ ۔۔۔ وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ كَيْ اَرَاكَ

فَلَوْ قَطَّعْتَنِيْ بِالْحُبِّ اِرْبًا ۔۔۔ لَمَا حَنَّ الْفُؤَادُ اِلٰى سِوَاكَ

میرے معبود میں نے تیری محبت میں دنیا کو چھوڑ دیا۔ میں تیری محبت میں اپنے بچوں کو یتیم بنانے پر آمادہ ہوں اگر تو اپنی محبت میں میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو بھی میرا دل سوائے تیرے کسی اور کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ
يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ
اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ
اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ
عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ
عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

بے شک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جس نے حج کیا یا عمرہ بجا لایا اسے لازم ہے کہ ان دونوں کا طواف بھی کرے اور جو نیکی کو بجا لایا تو خدا اس کا قدرداں اور واقف کار ہے۔ جو لوگ ان واضح ارشادات و ہدایت کو جنہیں ہم نے اُتارا ہے چھپاتے ہیں اس کے بعد بھی کہ ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کے لیے واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور جو چھپایا تھا اُسے بیان کر دیا تو میں اُن کی توبہ قبول کر لوں گا اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ اور سب فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ اُن کو مُہلت دی گئی۔

مکہ میں بیت اللہ کے قریب دو پہاڑیاں تھیں ایک کا نام صفا تھا دوسری کا نام مروہ۔ اب ان کے صرف تھوڑے تھوڑے نشان باقی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو طواف کی جگہ ہے وہ مسقّف ہے اور زمین پر دونوں کے درمیان نہایت صاف ستھرا فرش ہے۔ قدرت نے ان دونوں کو ایک خاص واقعہ کی بنا پر اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ جناب ہاجرہؑ کو جن کی گود میں حضرت اسمٰعیلؑ تھے سرزمینِ حجاز پر خانہ کعبہ کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔

اس وقت وہاں کوئی آبادی نہ تھی اور نہ پانی کا نام ونشان تھا۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ پیاس سے بے چین ہو گئے تو جناب ہاجرہؑ تلاش آب میں پہلے کوہِ صفا پر چڑھیں کہ اگر کہیں پرندے اُڑتے نظر آئیں تو سمجھوں کہ وہاں پانی ہے۔ جب کہیں کچھ نشان نہ ملا تو کوہِ مروہ پر گئیں۔ بار بار اس لیے دوڑ کر بچہ کے پاس آتی تھیں کہ کسی جانور نے کوئی گزند تو نہیں پہنچائی۔ سات مرتبہ ان پہاڑیوں پر چڑھیں اور لوٹ آئیں۔ اسی لیے سات مرتبہ ان کا طواف اس واقعہ کی یادگار میں حاجیوں پر واجب ہُوا۔

زمانہ جاہلیت میں مشرکوں کے دو بڑے بُت تھے آساف و نائلہ۔ آساف صفا پر رکھا ہُوا تھا اور نائلہ مروہ پر۔ جب مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہُوا تو ان دونوں بتوں کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا گیا۔ تو مسلمانوں نے ان پہاڑیوں کا طواف کرنا اس لیے مکروہ سمجھا کہ وہاں وُہ بُت رکھے ہُوئے تھے جن کی قبل از اسلام پرستش کرتے تھے۔ تب خدا نے ان کے طواف کو واجب قرار دیا اور بتایا کہ طواف نہ کرنا گناہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ۔ یعنی لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے دلائل اور نجات کے طریقوں کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم ان باتوں کو اپنی کتاب توریت میں واضح طور پر بیان کر چکے ہیں تاکہ جب ہمارا رسولؐ مبعوث ہو اور اسلام کی دعوت دے تو اس کی بات کو کان لگا کر سُنیں اور دل سے ایمان لائیں اور جو قانون وہ بتائے اس پر عمل کریں۔ لیکن یہودیوں نے ان باتوں کو توریت میں بدل دیا اور آنحضرتؐ کی صفات کو چھپا دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پس ان پر اللہ اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ ہاں جنہوں نے اپنے اس عمل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کے بعد جو چھپایا تھا اُسے ظاہر کر دیا، تو خدا ان کی توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی حق بات کو چھپائے گا خواہ یہودی ہو یا نصرانی یا مسلمان، اس کا بھی یہی حشر ہوگا —

جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم سے روگردانی کرتا ہے وہ صاحبِ تقویٰ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ (جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے تقویٰ کا ثبوت ہوگا۔)

صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا ان مناسکِ حج میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم فرمائے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بدو سب برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی روک دیا۔ کیونکہ یہ شعائر اللہ کی تعظیم کے خلاف ہے۔

۱۹ ع ۱۱ ۴

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وُہ رحمٰن و رحیم ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور دریا میں کشتیوں کے چلنے میں جو لوگوں کے لیے نفع کی چیزیں (مالِ تجارت) لے کر چلتی ہیں اور پانی میں خدا نے جو آسمان سے برسایا جس سے زمین کو مُردہ ہونے کے بعد جلا دی (شاداب کر دیا) اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان حکمِ خدا سے کھڑا رہتا ہے عقل والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

مذکورہ بالا تمام چیزوں میں جو قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں انسان کو دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے۔ انسان کا تمام نظامِ حیات انہی چیزوں سے قائم ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو زندگی دوبھر ہو جائے۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو انسان باختیارِ خود پیدا کر سکے۔ یہ سب قدرت کے عطیات ہیں جن کو منظم طریقہ سے چلانے میں سوائے اس کے کسی کا ہاتھ نہیں۔ تعجب ہے اُن لوگوں پر جو باوجود ان سب باتوں کے دیکھنے کے اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے سوا اس کی ناکارہ مخلوق کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ کیا ان کو مذکورہ بالا باتوں میں سے کسی ایک بات پر بھی اختیار ہے؟ ہرگز نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ
مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ
وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا اوروں کو بھی خدا کا مثل و شریک بناتے ہیں اور ان سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی خدا سے رکھنی چاہیئے اور ان میں جو ایماندار ہیں وہ اُن سے بڑھ کر کہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ کاش ظالموں کو اس وقت وہ بات سوجھتی جو عذاب دیکھنے کے بعد سوجھے گی کہ یقیناً ہر طرح کی قوت خدا ہی کو ہے۔ اور بے شک وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے اور کیا سخت وقت ہو گا جب پیشوا لوگ اپنے پیروؤں سے اپنا پیچھا چھڑائیں گے اور بچشم خود عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے ان کے پیرو کہنے لگیں گے کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں پلٹ جانا ملے تو ہم بھی ان سے اس طرح الگ ہو جائیں گے جس طرح عین وقت پر وہ ہم سے الگ ہو گئے۔ جونہی اللہ ان کے اعمال کو دکھائے گا تو ان کو (سراپا) یاس ہی یاس دکھائی دے گی۔ اور وہ بھلا کہاں دوزخ سے نکل سکیں گے۔ لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ چیز شوق سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس محبت کا حال بیان کیا ہے جو شدت کے ساتھ ان کو اپنے بتوں سے تھی۔ جتنی محبت ان کو خدا سے کرنی چاہیئے تھی وہ بتوں سے کرتے تھے۔ خدا سے محبت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی اطاعت کرے اور اس کے اوامر و نواہی کو بجا لائے۔ تفسیر صافی میں ہے کہ بندہ سے خدا کی محبت یہ ہے کہ اس کے نفس کا رجحان ان چیزوں کی طرف ہو جو اس کو کمال

کی طرف لے جائے اور اس کے دل پر سے پردے ہٹا دے اور اس کو خدا کی خوشنودی کا احساس ہونے لگے اور یہ صورت نہیں ہو سکتی جب تک وہ رسولؐ کی اطاعت نہ کرے اور رسولؐ کی اطاعت ان کے اہلبیتؑ کی اطاعت پر موقوف ہے۔ چنانچہ حدیث رسولؐ ہے مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِىْ (جس نے علیؑ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا)۔ جو لوگ دنیا میں ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن کی اطاعت و پیروی کا خدا نے حکم نہیں دیا وہ روز قیامت ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور اُن کے مرید حسرت سے تکتے رہ جائیں گے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا
يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

وہ (شیطان) تمہیں برائی اور بدکاری کا حکم دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تم بے جانے بوجھے خدا پر بہتان باندھو جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے مانو تو کہتے ہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھے ہوں اور نہ راہِ راست پر چلتے رہے ہوں اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایسے جانور کو پکار کر اپنا گلا پھاڑے جو آواز کے سوا سنتا سمجھتا خاک نہ ہو۔ یہ لوگ بہرے گونگے اور اندھے ہیں کہ سمجھتے بوجھتے کچھ نہیں۔ اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے صاف ستھری چیزیں شوق سے کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو اور بس اسی کی عبادت کرو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ۔ ان آیات میں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب حضرت رسولؐ خدا نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگے ہم تو اپنے باپ دادا کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں وہ ہمارے رہنما تھے اور عقل و فہم میں ہم سے زیادہ تھے۔ ان کو جائز ناجائز اور حلال و حرام سب کا علم تھا۔ ایسی صورت میں بھلا ہم آپ کی بات کیسے مان لیں۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی ہے۔ اور

فرمایا ہے، یہ یہودی کیا ان لوگوں کی پیروی کرنے پر اڑے ہوئے ہیں جو امورِ دین۔ (عدل، توحید اور قیامت) کے بارے میں کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ خدائی احکام کے مقابل اپنی عقل لڑاتے تھے۔ انھوں نے ذرا بھی دینی معاملات میں غور و تامّل سے کام نہیں لیا تھا۔ یہ سوچنے کی طرف انھوں نے رغبت ہی نہ کی کہ کون سا مذہب حق پر ہے اور کون سا باطل پر۔ ایسی صورت میں اگر یہ لوگ اپنے باپ دادا کی پیروی کریں تو کس قدر تعجب کی بات ہے۔ یہ خود کیوں نہیں تحقیق کرتے۔ ہر مذہب میں ایسے ہی لوگ زیادہ ہوتے ہیں جو تقلیدی مذہب رکھتے ہیں یعنی جس مذہب پر باپ دادا کو پایا وہی اختیار کر لیا حالانکہ یہ طریقہ غلط ہے۔ اصولِ دین میں کسی کی تقلید نہیں ہوتی ہر شخص کو اپنی عقل و فہم سے کام لے کر ان کا اقرار کرنا چاہیئے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا
يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا
الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ج فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ
نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾ ع

تم پر مُردہ جانور اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقتِ ذبح خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام کیا گیا ہے پس جو کوئی مجبور ہو سرکشی اور نافرمانی کرنے والا نہ ہو اگر ان میں سے کوئی چیز کھالے تو اس پر گناہ نہیں بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک جو لوگ ان باتوں کو جو خدا نے کتاب میں نازل کی ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت (دنیوی فائدہ) لے لیتے ہیں ایسے لوگ انگاروں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ قیامت کے روز خدا نہ تو ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی اور بخششِ خدا کے بدلے عذاب خریدا۔ بس یہ لوگ دوزخ کی آگ کیسے برداشت کریں گے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ خدا نے برحق کتاب نازل کی تو جن لوگوں نے اس کتاب میں ردّ و بدل کی تو وہ پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔

پہلی آیت کی توضیح یہ ہے کہ مردہ جانور کا گوشت حرام ہے خواہ حلال جانور ہو یا حرام۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مر جانے کے بعد خونِ جہندہ اس کے جسم میں رہ جاتا ہے جو انسانی صحت کے لیے سخت مضر ہے۔ دوسرے خونِ جہندہ کے ذریعہ سے جو مہلک جراثیم اس کے جسم سے نکل جاتے وہ جسم میں باقی رہ جاتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رگوں میں خونِ جہندہ رہ جانے سے گوشت کی لذت میں فرق آجاتا ہے۔ ایک قسم کی تلخی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کہ جانور کے مر جانے کے بعد فطرۃً طبعِ سلیم کو اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب عموماً مردہ جانور کا گوشت کھاتے تھے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

دوسرے ہر جانور کا خون جو جہندہ یعنی اچھل کر نکلنے والا ہے حرام قرار دیا ہے خواہ وہ جانور حلال ہو یا حرام۔ البتہ خونِ جہندہ نکل جانے کے بعد گوشت کے اندر جو خون رہ جاتا ہے وہ حرام نہیں۔ جو جانور خونِ جہندہ نہیں رکھتے ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں جیسے مچھلی۔ اس کا پانی سے زندہ باہر آجانا ہی اس کا ذبح کرنا ہے۔ شریعت میں صرف وہی مچھلی حلال ہے جو فلس یعنی کھپڑے والی ہو۔ ایسی مچھلی کا گوشت مضرِ صحت نہیں ہوتا۔ ٹڈی کو بھی ذبح کرنا ضروری نہیں کیونکہ خونِ جہندہ اس کے اندر بھی نہیں ہوتا۔

تیسرے سؤر کا گوشت بھی حرام ہے۔ کیونکہ اس سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ اس جانور کی ہر شے نجس العین ہے۔

چوتھے جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔ وقتِ ذبح اس لیے اللہ کا نام لینا ضروری ہے کہ اس گوشت کا کھانا باعثِ خیر و برکت ہے۔ جس طرح کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم، کہنا بسم اللہ کہہ کر کھانا یا ذبح کرنا بہت سی بیماریوں کو روک دیتا ہے اور صحت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ سؤر کے علاوہ اور بھی بہت سے جانور حرام ہیں جن کا تفصیلی ذکر احادیث میں آپ کو ملے گا۔

یہ حرام چیزیں اس وقت کھائی جا سکتی ہیں جب انسان کو کوئی حلال چیز کھانے کو نہ ملے اور بھوک سے اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو بقدرِ قوتِ لایموت کھا سکتا ہے۔ باغی اور عادی سے مراد یہ ہے کہ یہ حرام اس لیے نہ کھائے کہ کسی پر ظلم کرے گا یا لوٹ مار کے لیے بدن میں طاقت بہم پہنچائے گا ان پر بقدرِ ضرورت بھی کھانا جائز نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ ۔ یہ آیات یہودیوں سے متعلق ہیں۔ ان ظالموں نے توریت سے ان آیات کو قطعاً نکال دیا جو حضرت رسولِ خدا کی صفات کے بارہ میں تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ لوگوں سے پیسے لے کر احکامِ الٰہی کو بھی بدل دیتے تھے۔ کہیں سرے سے عبارت ہی بدل دیتے تھے اور کبھی الفاظ کے معنی اور آیتوں کی تاویل مجرموں کے بچانے کے لیے کچھ سے کچھ بیان کر دیتے تھے۔ غرض ان مکّاروں اور دغابازوں نے توریت کا ایسا قیمہ کیا کہ وہ کتابِ خدا کہلانے کے قابل نہ رہی۔ انبیاء علیہم السلام کے قصّوں میں ایسی لایعنی باتیں بھر دیں جن کو پڑھنے سے شرم آتی ہے۔ ایک روز ایک صحابیٔ رسولؐ نے بنی قریظہ کے ایک یہودی سے کہا تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا گھبراؤ مت، کچھ دنوں بعد تم کو بھی ایسا ہی کرنا پڑیگا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى
الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ
حِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی کچھ یہی تو نہیں کہ نماز میں اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی تو اس کے لیے ہے جو خدا اور روز قیامت اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور خدا کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام کے آزاد کرانے میں صرف کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور جب کوئی عہد کریں تو اپنے قول میں پورے ہوں اور فقر و فاقہ رنج و سختی اور کٹھن وقت میں ثابت قدم رہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دعوائے ایمان میں سچے ثابت ہوئے اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

یہودی مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے اور نصاریٰ مشرق کی طرف رخ کر کے اور یہ دونوں گروہ اپنے اپنے قبلہ کی سمت پر ہمیشہ جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم حق پر ہیں، نصاریٰ کہتے تھے ہم حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا یہ کوئی ایسی بڑی نیکی نہیں کہ تم اس پر اتنا جھگڑا کرو نیکی کی باتیں تو یہ ہیں کہ اللہ پر، روز قیامت پر، ملائکہ پر، کتابوں پر اور انبیاء پر ایمان لاؤ۔ پھر وہ اعمال بجا لاؤ جس کا ذکر آیت میں ہے۔

ان آیات میں ایمان و عمل دونوں سے روشناس کیا گیا ہے پہلے ایمان کا ذکر پھر عمل صالح کا۔ آیت کے پہلے حصہ میں صرف ۵ چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے، جیسے غیب اور اس کے تمام متعلقات۔ عدلِ باری تعالیٰ، امامت وغیرہ۔ لیکن یہ سب باتیں ضمنی طور پر ان پانچوں کے اندر آگئی ہیں اس لیے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مثلاً اللہ پر ایمان لانے کے تحت عدل پر بھی ایمان لانا ضروری ہوگا۔ قیامت کے تحت جنت دوزخ پر ایمان کی نقاب کشائی ہوگی۔ نبوت کے تحت امامت پر ایمان کا ذکر ہوگا۔ ماجاء بہ النبی پر ایمان کا ذکر ہوگا۔ یہاں جو پانچ باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ وہ ہیں جن میں یہودیوں اور نصرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان بنیادی اختلاف ہے۔ خدا کا کہنا ان مخالفوں سے یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر تو آئے دن جھگڑتے رہتے ہو پہلے ان باتوں پر اپنا ایمان تو ثابت کرو۔ جب تم عزیر کو ابن اللہ کہتے ہو، عیسیٰ مسیح کو خدا کا

شریک اور اس کا بیٹا بتاتے ہو تو تمہارا ایمان باللہ کہاں ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح روز قیامت پر تمہارا ایمان ناقص ہے کہتے ہو وہاں ہم پر عذاب ہوگا ہی نہیں کیونکہ ہم اللہ کے رشتہ دار اور اس کی اولاد ہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔ (آیت) حالانکہ تم ان میں سے ہو جو جبرئیل کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ انبیاء میں تم کسی کو مانتے ہو کسی کو نہیں۔ کتابوں میں یہودی صرف توریت کو مانتے ہیں انجیل و قرآن سے انکار کرتے ہیں۔ نصاریٰ قرآن کو نہیں مانتے۔ اس صورت میں تمہارا ایمان ہی صحیح نہیں پھر تمہاری نماز کیسے صحیح ہوتی چاہے کسی طرف رخ کر کے پڑھے جاؤ۔

اب رہے اعمالِ صالحہ ان میں بھی تمہاری ریاکاری کو دخل ہے حالانکہ جو عمل بھی ہو وہ خالصتاً للہ ہونا چاہیئے۔ محبت خدا کی بنا پر ہونی چاہیئے۔ اسی طرح دیگر اعمال میں بھی خلوص شرط ہے۔ یہ صرف یہود و نصاریٰ ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ہے مال کو خرچ کرنے والے اور صاحبانِ احتیاج کو دینے والے نماز روزہ کرنے والے مسلمان تو بہت ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نام و نمود اور اغراضِ ذاتی سے بچ کر صرف محبتِ الٰہی کے جذبہ کے تحت یہ اعمال کرنے والے کتنے ہیں؟ بہت کم۔ مسلمانوں میں صرف ایک گروہ اہلِ بیت کا ایسا ہے جن کے ہر عمل پر خلوص اور محبتِ الٰہی کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ سورۂ دہر کو پڑھیے کہ وہ اپنے منہ کا لقمہ مسکین و یتیم و اسیر کو دے کر کہتے ہیں اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۔ ہم تم کو خدا کی خوشنودی کے لیے دیتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ قرآن نے اس پر خلوص سخاوت کی یوں تعریف کی ہے، وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (وہ لوگوں کو محبتِ خدا میں کھانا کھلاتے ہیں)۔ رہی نماز تو اس میں بھی یہی محبتِ الٰہی جلوہ نمائی کر رہی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے، اِلٰهِيْ عَبَدْتُكَ لَا طَمَعًا فِيْ جَنَّتِكَ وَلَا خَوْفًا مِنْ نَارِكَ بَلْ وَجَدْتُكَ مُسْتَحِقًّا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ (اے میرے معبود میں تیری عبادت نہ جنت کی طمع میں کرتا ہوں نہ خوفِ جہنم سے بلکہ میں نے تجھے مستحق عبادت سمجھ کر تیری عبادت کی ہے)۔ اسی طرح جہاد میں کبھی اپنی ذاتی غرض کو دخل نہیں کیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپؑ ایک دشمن کے سینہ پر جب سوار تھے اور قتل کرنا چاہتے تھے تو اُس نے اپنا لعابِ دہن آپؑ کے چہرہ مبارک کی طرف پھینکا آپؑ فوراً اس کے سینہ پر سے اُٹھ بیٹھے۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا اگر اب میں اس کو قتل کرتا تو میرا نفس شامل ہو جاتا یعنی وہ میرے جذبۂ انتقامی کے تحت قتل ہوتا۔ اسی طرح ہر مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہ ہیں اعمالِ صالحہ کی صحیح تصویریں۔ اب اس آیت کا دوسرا رخ لیجئے اور یہ دیکھئے کہ یہ اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کا اجر پیشِ خدا کیا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ مسافر اور یتیم کو صدقہ دینا باعثِ اجرِ جمیل ہے مگر اپنے رشتہ داروں کو دینا اس سے زیادہ اجر رکھتا ہے کیونکہ اس سے رشتہ داری کے تعلقات مضبوط رہتے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالی سے فرمایا تھا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری موت خوشحالی میں آئے اور تمہارے گناہ معاف کیے جائیں تو نیکی کیا کرو اور پوشیدہ طور سے کیا کرو۔ اپنوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ یہ صفت عمر کو بڑھاتی ہے اور تنگدستی کو دور کرتی ہے اور ستر طرح کی بُری موت سے بچاتی ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے جو کوئی یتیم بچہ کی پرورش کرے اور کھانے پینے کی فکر سے اُسے آزاد کر دے تو خدا پر واجب ہے کہ بہشت کو اس پر واجب کر دے اور یہ بھی فرمایا کہ غریبوں سے دوستی کرو اور راہِ خدا میں انہیں کچھ دو اگرچہ بقدر نصف خرمہ کے ہو۔ ایک حدیث میں ہے جو کوئی کسی مسافر کی خاطر داری کرے گا اس کی دین و دنیا کی مرادیں پوری ہوں گی اور جو کوئی کسی لونڈی یا غلام کو آزاد کرے گا تو روز قیامت خدا اس کے سر پر اپنی رحمت کا سایہ کرے گا اور یہ بھی فرمایا کہ مصیبت پر صبر کرنے والوں کو روز قیامت بڑا اجر ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ
بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ ؕ

اے ایمان والو جو لوگ ناحق مار ڈالے جائیں ان کے بدلہ میں تم کو جان کے بدلہ میں جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ بس جس قاتل کو اس کے طالبِ قصاص کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اس کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے (خون بہا) ادا کر دینا چاہیئے یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے عقلمندو، قصاص کے قواعد مقرر کر دیتے ہیں تمہاری زندگی اسی میں ہے تاکہ تم خونریزی سے پرہیز کرو مسلمانو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو بشرطیکہ وہ کچھ مال چھوڑ جائے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھی وصیت کرے جو خدا سے ڈرتے ہیں ان پر ایک حق ہے۔

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی قبیلہ کا ایک آدمی دوسرے قبیلہ کے آدمی سے قتل ہو جاتا تو صرف قاتل ہی کے قتل پر اکتفا نہ کی جاتی بلکہ اس قبیلہ کے بہت سے آدمیوں کو جب تک قتل نہ کر دیا جاتا انتقام کی آگ نہ بجھتی یا اگر ایک قبیلہ کے معمولی آدمی کو دوسرے قبیلہ کا آدمی قتل کر دیتا تو صرف قاتل ہی کے قتل پر اکتفا نہ کی جاتی بلکہ قاتل کے قبیلہ کے کسی معزز آدمی سے اس کا بدلہ لیا جاتا۔ اس سلسلہ میں بے شمار بے قصور تہ تیغ ہو جاتے۔ اسی طرح معمولی انسان کا خون بہا اس کی حیثیت کے مطابق نہ طلب کیا جاتا۔ بلکہ کسی سردارِ قبیلہ کی جان کی قیمت مانگا جاتا اور ادا نہ کرنے کی صورت میں پھر وہی تلواریں تھیں اور لوگوں کی گردنیں یہ نوعِ انسانی پر کھلا ہوا ظلم تھا۔ دنیا میں آج بھی ایسا ہی دستور ہے اگر کسی سلطنت کا کوئی بڑا دشمن قتل کیا جاتا ہے تو قاتل کے پورے ملک پر دھاوا بول دیا جاتا ہے اور ایک کے بدلہ میں ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے اس جاہلانہ رسم کا انسداد کیا اور ایک ایسا قانون بنایا جو مبنی بر عدل و انصاف ہے۔

شریعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ ہے جس کے قوانین عدل پر مبنی ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ کی شریعت کہ جرم کے لحاظ سے اس کی سزا دی جاتی تھی۔ دوسری وہ جس کا نظم و نسق حُب پر مبنی ہو جیسے شریعت حضرت عیسیٰؑ۔ چنانچہ ان کے احکام میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی ایک رخسارہ پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے کر دو اور اگر کوئی بیگار میں ایک کوس لے جائے تو تم دو کوس اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے شریعتِ حُب کو ترجیح دی ہے۔ اکثر حکما نے شریعتِ عدل ہی کو پسند کیا ہے اور دنیوی سلطنتوں میں بھی نظامِ سلطنت کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے اور قاتل سے مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو جرائم پیشوں کی ہمت افزائی کا باعث ہوتا ہے۔

شریعتِ اسلامی نے اسی بناء پر قصاص کا حکم دیا ہے لیکن اگر قاتل و مقتول کے ورثا آپس میں صلح کر لیں تو دیت بھی دی جا سکتی ہے یعنی خون بہا تو اس صورت میں شریعتِ حُب پر بھی عمل ہو جائے گا۔

فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اگر کسی کو مار ڈالیں گے تو اس کے بدلہ میں قاتل کی گردن بھی ماری جائے گی تو اس خوف سے وہ قتل کے ارادہ سے باز رہیں گے قصاص میں یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ آزاد کے عوض آزاد، مرد کے عوض مرد اور غلام کے عوض غلام ہی کو قتل کیا جائے اور انہی کے لحاظ سے خون بہا دیا جائے۔ اگر مقتول کے وارث خون بہا لینے کو تیار ہو جائیں تو قاتل کو چاہیئے کہ اس کے دینے میں ٹال مٹول نہ کرے۔ مقتول کے ورثا کو چاہیئے کہ ایسا خون بہا طلب کریں جو قاتل دے سکے۔ اگر قاتل تنگدست ہو تو اس کو کچھ مہلت دی جائے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاتل کی جان بچتی ہے اور مقتول کے وارثوں کو مالی فائدہ پہنچتا ہے لیکن قتلِ عمد کی صورت میں قاتل کو قتل کرنا ہوگا۔

توریت میں قصاص لینا واجب تھا اور خون بہا لینا حرام تھا۔ انجیل میں قصاص لینا اور خون بہا لینا دونوں حرام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی امت پر رحم کھا کر نیا قانون قصاص نافذ کیا۔

اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الخ یعنی جب تم مرنے کو ہو یا بہت بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہارے پاس کچھ مال ہے اور یہ چاہتے ہو کہ تمہارے بعد یہ مال تمہاری منشا کے مطابق صرف ہو تو تم کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ یا اولاد یا رشتہ داروں کو یہ وصیت کرو کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ قواعدِ میراث کے مطابق صرف کریں۔ اگر کوئی کسی کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق صرف نہ کرے گا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع ۲۲ ۶

جو (وصیت) سُن چکا اور اس کے بعد کچھ کا کچھ کر دے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہوگا جو اسے بدل ڈالیں گے۔ بے شک خدا سب کچھ جانتا اور سنتا ہے۔ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے سے بیجا طرف داری یا بے انصافی کا خوف رکھتا ہو اور ان (وارثوں) میں صلح کرا دے تو اس پہ بدلنے کا کچھ گناہ نہیں ہے بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر وصیت کرنے والے سے یہ خوف ہو کہ وہ بے جا وصیت کرے گا یا کسی گناہ کا مرتکب ہوگا یا کوئی ایسی وصیت کرے گا جس سے حقداروں کا حق پورا نہ ملے گا یا غیر مستحق کے متعلق وصیت کر دے گا، ایسی صورت میں وصی یا کوئی وارث اس طرح صلح کرا دے کہ کسی کا حق رایگاں نہ ہو اور وصیت شرع کے مطابق ہو جائے تو یہ کوشش باعث گناہ نہ ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ
خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

اے ایمان والو! روزہ رکھنا تم پر اس طرح واجب ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا تاکہ تم اس کی وجہ سے

بہت سے گناہوں سے بچے رہو (وہ بھی ہمیشہ نہیں بلکہ) گنتی کے چند روز، اس پر بھی اگر روزہ کے دنوں میں تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو قضا کیے ہوئے روزے اور دنوں میں رکھ لو اور جنہیں بہ تکلف روزہ رکھنا پڑے ان پر ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے اور جو شخص اپنی خوشی سے (تکلیف برداشت کر کے) رکھ لے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ لو کہ روزہ رکھنا تمہارے حق میں بہرحال بہتر ہے۔ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور اس میں لوگوں کو ہدایت کرنے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی روشن نشانیاں ہیں۔ مسلمانو، تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں اپنی جگہ پہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کر دے۔

انسانی صحت اور تزکیہ نفس کے لیے روزہ ایسی ضروری چیز ہے کہ خدا نے ہر زمانہ میں ہر رسول کی امت پر اس کو واجب کیا ہے اور اس عبادت میں سختی کے پیشِ نظر بہت سی رعائتیں بھی دی ہیں مثلاً بیمار ہو یا بیمار ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے سفر میں ہو تو روزہ نہ رکھے۔ حاملہ عورت اگر وقتِ ولادت قریب ہو یا دودھ پلانے والی عورت کو دودھ خشک ہونے کا اندیشہ ہو تو نہ رکھے لیکن معاف نہیں کیا رمضان المبارک کے بعد جب عذر برطرف ہو جائے تو قضا بجا لائے۔ ماہ صیام کے روزوں کی اہمیت اور عظمت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اس کا کفارہ اتنا سخت ہے جو اور کسی فرض کا نہیں۔ مثلاً کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے تو دوسرے وقت صرف وہی نماز پڑھ لے۔ زکوٰۃ اگر بروقت نہ دے سکے تو دوسرے وقت اتنی ہی دے دے۔ حج نہیں کیا تو عذر برطرف ہونے پر پھر حج کر لے۔ لیکن روزہ اگر بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں رکھا تو ایک روزہ کا کفارہ دو ماہ متواتر روزہ رکھنا ہے اگر تواتر باقی نہ رہے تو پھر سے دو ماہ کے روزے رکھنا ہوں گے۔ جب ایک روزہ کا کفارہ اتنا ہے تو اگر کوئی پورے رمضان کے نہ رکھے یا دس بیس نہ رکھے تو اس کا کفارہ کتنا زبردست ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدرت چاہتی ہے کہ رمضان کا کوئی روزہ حتی الامکان قضا ہی نہ ہو لیکن مجبوری کی صورت دوسری ہے۔ اس کی یہ رحمت بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ اگر بیمار ہو یا بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس نے کسی ڈاکٹر یا طبیب کا سرٹیفکیٹ طلب نہیں کیا بلکہ اس کا اندازہ کرنا کہ رکھ سکتا ہے یا نہیں خود اسی شخص پر چھوڑ دیا ہے۔

پھر جو لوگ زیادہ بوڑھے ہو گئے ہوں عورت ہو یا مرد اور انہیں روزہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہو تو ان پر سے اس فرض کو اُٹھا لیا گیا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے، تین چیزیں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ الاکرام للضّیف و الجِہادُ بالسَّیف و الصَّومُ فِي الصَّیف یعنی مہمان کی خاطر تواضع کرنا۔ تلوار سے جہاد کرنا اور گرمی کے موسم میں روزہ رکھنا۔

روزہ صحت کے لیے اس لیے مفید ہے کہ گیارہ مہینے کھانے سے جو رطوباتِ فاسدہ انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں ایک مہینہ روزہ رکھنے سے روزہ کی گرمی ان کو جلا کر خاک دیتی ہے۔ افطار کے بعد اگر احتیاط سے کھایا جائے اور سحری کے وقت بھی خوب ڈٹ کر نہ کھایا جائے تو روزہ کی یہ غرض اچھی طرح پوری ہو جاتی ہے۔

شریعتِ حضرت موسیٰؑ کی رُو سے روزہ کے بعد کھا کر اگر کوئی سو جاتا تھا تو پھر اس کو رات بھر کوئی چیز کھانے کی اجازت نہ تھی رات کو اپنی عورت کے ساتھ جماع بھی نہ کر سکتا تھا۔ امتِ محمدیؐ پر یہ خدا کا فضل ہے کہ ان سختیوں کو مسلمانوں پر سے ہٹا لیا۔ وہ رات کے

ہر حصہ میں صبح ہونے سے پہلے ہر شے کھا پی سکتے ہیں اور جماع بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام میں صوم اتّصال حرام ہے یعنی ایسا روزہ جو لگاتار بغیر افطار کیے ہوئے رکھا جاتا ہے جیسے ہندو قوم کے لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں چاند غائب ہو جاتا ہے تو وہ روزہ رکھتے ہیں اور رات دن برابر رکھے چلے جاتے ہیں جب پہلی تاریخ کو چاند نمودار ہوتا ہے تو روزہ کھولتے ہیں۔ فطرتِ انسانی پر نظر رکھتے ہوئے خدا نے ایسا روزہ حرام کیا ہے۔ اسی لیے تو اسلام کو فطری دین کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق نہیں دی جاتی۔

اسلام میں صوم صمت یعنی چپ کا روزہ رکھنا بھی حرام ہے یعنی ایسا روزہ جس میں انسان دن بھر کسی سے کلام نہ کرے چونکہ ایسا کرنا فطرت پر بار ہوتا ہے لہٰذا قدرت نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ ایسا روزہ حضرت مریمؑ نے ایک دن رکھا تھا اس کے بعد پھر کبھی نہیں رکھا۔ چونکہ وقتی مصلحت یہ تھی کہ وہ کسی سے کلام نہ کریں لہٰذا صرف ان کے لیے جائز قرار دیا تھا۔

روزہ صرف اس کا نام نہیں کہ آدمی دن بھر کھائے پیئے نہیں یہ تو روزہ کی سب سے ادنیٰ قسم ہے بلکہ صحیح روزہ یہ ہے کہ اپنے نفس میں پاکیزگی پیدا کی جائے۔ اصلی صورت یہ ہے کہ زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ آنکھ سے کسی نامحرم عورت کو بنظرِ بد نہ دیکھے۔ کان سے کسی کی غیبت نہ سُنے۔ ہاتھوں سے چوری کا مال نہ پکڑے۔ پیروں سے بارادۂ بد کسی طرف نہ جائے۔ دل میں بدی کا ارادہ نہ کرے کسی پر ظلم نہ کرے۔ مکر و فریب سے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ زیادہ وقت یادِ خدا میں بسر کرے۔ رمضان ہی وہ مقدس مہینہ ہے کہ جس میں پورا قرآن لوحِ محفوظ پر نازل کیا گیا اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا حضرت رسولِؐ خدا پر ۲۳ سال کے اندر آتا رہا۔ یہی وہ متبرک مہینہ ہے جس میں شب قدر ہے یعنی رمضان کی ۲۳ ویں شب۔ اس رات کو خدا نے ایک ہزار رات (یعنی بنوامیہ کے تمام عہدِ حکومت سے) بہتر بیان فرمایا ہے۔ یہی وہ رات ہے جس میں روح فرشتہ اور ملائکہ ولی عصر اور امامِ زمانہ پر صبح تک احکامِ الٰہی لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ یہ تمام رات عبادتِ الٰہی میں بسر کرے۔ اس شب کے بیشمار فضائل ہیں۔ جو لوگ امام غائب کو نہیں مانتے وہ بتائیں کہ ملائکہ اس رات کس پر نازل ہوتے ہیں۔ کیا کسی عالم کسی امام جماعت کسی امام فقہ کسی ولی کسی پیر نے آج تک یہ دعویٰ کیا ہے کہ فرشتے احکامِ الٰہی لے کر ہم پر آتے ہیں۔ کوئی یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ فرشتے غیر معصوم کے پاس آ ہی نہیں سکتے اور نہ غیر معصوم اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ خدا کے احکام اس پر نازل ہوں۔ سوائے امام منصوص من اللہ اور جانشین رسولؐ کے ملائکہ کا نزول کسی پر نہیں ہو سکتا۔ شب قدر ہر سال آتی ہے پس لامحالہ ہر زمانہ میں امام کا وجود ضروری ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۱۸۵ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۱۸۶ اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ط هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ ج فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ ص وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ج

خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے سختی کرنی نہیں چاہتا اور شمار کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اس لیے کہ خدا نے جس راہ پر تم کو لگا دیا ہے غنیمت سمجھ کر اس کی بڑائی کا اظہار کرو اور اس کے شکرگزار بندے بنو۔ اور اے رسول جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں ان کے پاس ہی ہوں اور جب مجھ سے کوئی دُعا مانگتا ہے تو میں ہر دُعا کرنے والے کی دُعا کو سُن لیتا ہوں اور (جو مناسب ہو تو) اس کو قبول کرتا ہوں پس انہیں چاہیئے کہ میرا ہی کہنا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھی راہ پر آجائیں۔ (مسلمانو) تمہارے واسطے روزوں کی راتوں میں اپنی بی بی کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ عورتیں گویا چولی ہیں اور تم ان کے لیے گویا دامن ہو۔ خدا نے دیکھا کہ تم گناہ کر کے اپنا نقصان کرتے تھے کہ آنکھ بچا کر اپنی بی بی کے پاس چلے جاتے تھے تو اُس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہاری خطا سے درگزر کی پس اب تم ہم بستری کرو اور (اولاد سے) جو کچھ خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے مانگو اور کھاؤ پیئو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے آسمان پر (پورب کی طرف) تمہیں صاف نظر آنے لگے پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ۔ یعنی اللہ نہیں چاہتا کہ تم بیماری کی حالت میں بھی روزہ رکھو جس سے بیماری اور بڑھے۔ یا سفر میں جو زحمت اٹھانا پڑتی ہے اس میں اضافہ ہو مگر صحت کے بعد اور سفر سے لوٹنے پر اور بیماری سے اچھا ہونے پر جتنے روزے

قضا ہوئے ہیں ان کو پورا کرو اور میری بزرگی کے ساتھ مجھے یاد کرو اور جو سہولتیں میں نے تم کو دی ہیں اس پر میرا شکر ادا کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ۔ یعنی جب کوئی بندہ مجھ سے دعا کرے تو وہ مجھے اپنے سے دُور نہ جانے میں اس کے قریب ہوں یعنی میرا علم ہر شے کو محیط ہے اور میں ہر ایک کی آواز کو اس طرح سنتا ہوں جیسے قریب سے سننے والا سنتا ہے اور میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں بشرطیکہ کوئی مصلحت مانع نہ ہو اور اس کی دعا شریعت کے خلاف نہ ہو۔ روزہ دار کی دعا سب سے جلد قبول ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کے دل میں اکثر یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے دُعا قبول کرنے کا وعدہ تو کیا ہے لیکن جب ہم دعا کرتے ہیں تو قبول نہیں کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے یہ شرط بھی تو لگا دی ہے کہ مجھ پر ایمان بھی لاؤ۔ یعنی مجھ پر پورا پورا اعتماد بھی رکھو مجھے اپنا معبود برحق بھی تو جانو۔ تاخیر قبولیت میں میری طرف سے بدظن بھی تو نہ ہو۔ تم تو اپنے مستقبل کو دیکھنے والے نہیں ہو میں تو دیکھنے والا ہوں میں اگر یہ جانوں کہ تمہاری دعا قبول کرنے سے تمہارے آئندہ حالات خراب ہو جائیں گے یا کوئی مصیبت تم پر نازل ہو جائے گی تو ایسی حالت میں میں تمہاری دعا کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو جب میری مصلحت ہو گی جلد یا بدیر تمہاری دُعا قبول کروں گا دوسرے ان شرائط کے تحت دعا کرو جو دعا کے لیے تم کو تمہارے رسولؐ نے بتا دیے ہیں۔ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی جائے پھر اس کے احسانات کا ذکر ہو پھر اپنی بندگی اور مجبوری کا اقرار ہو پھر اس پر اعتمادِ کُلّی کا اظہار ہو تو دُعا ضرور قبول ہو گی۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ۔ جب تک رات کے وقت عورتوں کے ساتھ ماہِ رمضان میں مباشرت کا حکم نہ آیا لوگ چھپ چھپ کر اپنی بی بیوں کے پاس جاتے تھے اور جب یہ راز افشا ہو جاتا تھا تو اظہارِ ندامت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر یہ قید برطرف فرما دی۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ الخ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سے خدا کی مراد کیا ہے؟ ابن عباس سے مروی ہے کہ میاں بی بی ایک دوسرے کے آرام کا باعث ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وقتِ مباشرت ایک دوسرے سے لباس کی طرح چمٹا رہتا ہے اس لیے لباس کا لفظ فرمایا ہے۔ بعض نے کہا ہے عورتیں تمہارا فرش ہیں اور تم ان کا لحاف ہو۔ مجھے تو مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کا ترجمہ پسند آیا" چولی دامن کا ساتھ"

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ یعنی جب تک شام کو شفق کی سرخی پر سیاہی نہ آ جائے یا مشرق میں سیاہی پیدا نہ ہو اس وقت تک افطار نہ کرو۔ اس آیت میں الی اللیل کے معنی ہیں جہاں سے رات شروع ہو۔ اسی طرح آیہ وضو میں اِلَى الْمَرَافِقِ سے یہ مطلب ہے کہ جہاں سے کہنی شروع ہو وہاں سے دھوؤ۔ یہ نہیں کہ کہنیوں تک دھوؤ۔ یا رات داخل ہونے سے پہلے افطار کرو مشرق کی سُرخی یہ بتاتی ہے کہ مغرب میں سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا اس کی ہلکی شعاعیں مشرق کے افق پر پڑ رہی ہیں۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے بیٹھو تو اپنی بیبیوں سے رات کو بھی ہم بستری نہ کرو یہ خدا کی معیّن کی ہوئی حدیں ہیں تم ان کے پاس نہ جانا۔ خدا یوں کُھلم کُھلا اپنے احکام لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نافرمانی سے بچیں اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا جاؤ اور نہ مال کو (رشوت میں) حکام کے یہاں جھونک دو تاکہ لوگوں کے مال سے جو کچھ ہاتھ لگے بغیر استحقاق خورد برد کر جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ تم سے لوگ پوچھتے ہیں چاند کے بارہ میں کہ یہ کیوں گھٹتا بڑھتا ہے، تم کہہ دو اس سے لوگوں کو دنیوی امور اور حج کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔

ماہِ صیام کی آخری دس تاریخوں میں مساجد کے اندر اعتکاف کی عبادت بجالانے میں سوائے ضروری حاجتوں کے اور کسی کام کے لیے صاحبِ اعتکاف کو مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ رمضان کی راتوں میں روزہ دار کو وقتِ شب اپنی بی بی سے جماع کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن بحالتِ اعتکاف اس کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اعتکاف تو صرف دن رات عبادت کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ اعتکاف تین دن سے کم نہیں ہوتا۔ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ مسجد سے گھر میں آجاتے تھے اور عورت سے مباشرت کر کے پھر مسجد میں جا پہنچتے تھے۔ لہٰذا اس آیت نے ان کو اس کام سے روک دیا۔

فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ یعنی جو حدودِ الٰہی ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ ورنہ احتمال ہے کہ اگر کسی وجہ سے ایک قدم آگے بڑھ گیا تو داخلِ معصیت ہو جاؤ گے۔ مثلاً ایک شخص باغ کی سیر کر رہا ہو اور اس کے کنارہ پر گہرا کھڈ ہو تو مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ کنارہ کے پاس ہی نہ جائے ورنہ ممکن ہے پاؤں پھسل جائے اور کھڈ میں گر پڑے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ حدودِ الٰہیہ میں وہ کوئی جواز کی صورت پیدا کرنے کی دھن میں رہتے ہیں اور حرام کو اپنے لیے حلال کرنا چاہتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس کو وہ حلال سمجھ کر کرتے ہیں وہ حُرمت کی حد میں داخل ہوتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ الخ۔ یعنی باطل طریقہ سے مال مت کھاؤ جیسے جوا کھیلنا۔ خیانت کرنا۔ کسی سے زبردستی چھین لینا۔ سود لینا اور حاکموں کے پاس ایسے جھگڑے لے جانا جس میں حاکم کو رشوت دے کر مقدمہ کا فیصلہ اپنے حق میں کرا لیا جائے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ۔ یہودی اکثر حضرت رسولِ خدا سے چاند کے متعلق سوال کیا کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ چھوٹے

سے بڑا اور بڑے سے چھوٹا ہوتا رہتا ہے۔ خدا نے بتایا کہ یہ وقت کی نشانیاں ہیں۔ اس سے تاریخوں کا شمار ہوتا ہے اور اوقاتِ عبادت کا پتہ چلتا ہے۔ حج، صوم، عدت وغیرہ جیسی عبادتیں اسی چاند کے ذریعہ اپنا وقت بتاتی ہیں۔

اسلام نے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی جنتری سورج سے نہیں بنائی بلکہ چاند سے بنائی ہے اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ شمسی نظام کی رُو سے کئی مہینے ۳۱ دن کے ہوتے ہیں۔ قمری نظام میں کوئی مہینہ ۳۱ دن کا نہیں ہوتا۔ اس طرح مزدوروں کو ایک دن کی تنخواہ کا گھاٹا نہیں ہوتا۔ دوسرے رویت ہلال کے وقت ہر ماہ دعائیں پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ تیسرے مسلمانوں کا قبلہ مغرب میں ہے اور ہر مہینہ کا پہلا چاند مغرب ہی سے طلوع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس خصوصیت کو وہ نیک فال سمجھتے ہیں۔ چوتھے لوگوں کے ایمان کی جانچ ہوتی ہے جو رویت ہلال کی جھوٹی گواہی اپنے کسی مطلب کی وجہ سے دیتے ہیں۔ ان کے ایمان کا نقصان ظاہر ہو جاتا ہے اور عبادتوں کے غلط وقت پر پڑھنے کا تمام الزام ان پر عاید ہوتا ہے۔ حیض کی تاریخوں کا حساب بھی چاند سے لگایا جاتا ہے۔

آیت میں حج کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ کئی روز کی مسلسل عبادت ہے اس کے اوقات کا تعین رویت ہلال سے کیا جاتا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پچھواڑے سے آؤ بلکہ نیکی اس کے لیے ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور گھروں میں آنا ہو تو اس کے دروازوں سے آؤ اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو، خدا زیادتی کرنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا اور تم ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان لوگوں کو جنہوں نے تمہیں (مکہ سے) شہر بدر کیا ہے تم بھی نکال باہر کرو اور فتنہ پردازی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے اور جب تک یہ لوگ (کفار) مسجد الحرام (کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی ان سے اس جگہ نہ لڑو۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو کیونکہ کافروں کی یہی سزا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ الخ۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھتا تھا تو پھر گھر میں دروازہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پشت کی طرف سے کسی سیڑھی یا لکڑی کے سے آتا تھا یا دیوار توڑ کر۔ اور ایسا نہ کرنے والے کو فاجر سمجھتے تھے۔ یہ طریقہ تمام قبائلِ عرب کا تھا سوائے چند قبیلوں کے جیسے قریش، بنی عامر، ثقیف اور کنانہ۔ اتفاقاً احرام کے وقتوں میں ایک دفعہ حضرت رسولِ خداؐ دروازہ سے باہر نکلے، آپ کے پیچھے رفاعہ انصاری بھی نکلا۔ مہاجر و انصار نے اسے فاجر کہا۔ جب حضرت رسولِ خداؐ نے رفاعہ سے سبب پوچھا تو اس نے کہا میں نے آپ کی پیروی کی ہے۔ فرمایا مجھ کو حالتِ احرام میں دروازہ سے نکلنا جائز ہے کیونکہ میں قریشی ہوں اور تم قریشی نہیں ہو۔ اس نے کہا اگر آپ قریشی ہیں تو میں قریشی کا پیرو ہوں کیونکہ میں آپ کا دین رکھتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کی باطنی تفسیر یہ ہے کہ علم کو ان لوگوں سے حاصل کرو جو علم دین کے دروازہ ہیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں خداوند عالم نے یہ بتایا ہے کہ جس بات کو حاصل کرنا ہو تو جو اس کا اہل ہو اس سے حاصل کرو نا اہل کے پاس نہ جاؤ۔ جس طرح مکان میں دروازہ سے جانا مناسب ہے اور عقلِ سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے اس طرح کسی چیز کا حاصل کرنا اس کے اہل سے چاہیئے۔ حضرت رسولِ خداؐ نے اس مضمون کو کئی طرح سے ادا کیا ہے۔ کبھی فرمایا اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں)، اور کبھی فرمایا، مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِ مِنَ الْبَابِ (جو علم حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ دروازہ سے آئے) اور یہ بھی فرمایا مَنْ يَاْتِ مِنْ غَيْرِ بَابِهَا سُمِّيَ سَارِقًا (جو دروازہ چھوڑ کر کسی اور دروازہ سے آئے گا وہ چور سمجھا جائے گا۔) اور یہ بھی فرمایا اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں)۔ لوگوں نے آیت کے ظاہری معنی تو لیے اور باطنی معنی چھوڑ دیئے۔

رسولِ خداؐ کا فرض تھا کہ اپنی امت کو بتا جائیں کہ علم دین میرے بعد کس سے حاصل کیا جائے گا۔ ورنہ ہر کس و ناکس سے تعلیم حاصل کرنا اپنے کو گمراہی میں ڈالنا ہے کیونکہ علومِ دینیہ کا پورا پورا علم علیؑ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو بعد رسولؐ اس کا تجربہ ہوا کہ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تھا تو علیؑ ہی کی طرف دوڑتے تھے۔

ابنِ عباسؓ فرمایا کرتے تھے میرا اور تمام اصحابِ محمدؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ۔

آگے آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کفار چھیڑ چھاڑ نہ کریں تو اے مسلمانو تم بھی خاموش رہو اور اگر وہ قتل پر تُل بیٹھے ہوں تو پھر تم بھی اپنی تلواریں نیام سے نکال لو اور پھر چاہے حرم میں ہوں یا غیر حرم میں جہاں پاؤ اچھی طرح ان کو قتل کرو ورنہ یہ لوگ باز نہ آئیں گے۔ اور جس طرح انہوں نے تم کو مکہ سے نکالا تھا تم بھی ان کو شہر بدر کرو۔ مگر ہاں اس کا خیال رکھو کہ حرمِ خدا کے اندر قتل کا سلسلہ تمہاری طرف سے شروع نہ ہو اس کی حرمت تمہارے ہاتھوں نہ جائے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اے مسلمانو تم حرم میں قتال کرنا تو بُرا جانتے ہو لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ حرم میں بت پرستی کرنا اور بتوں کو خدا کا شریک بنانا اور تم کو حج و عمرہ سے روکنا کیسی سرکشی ہے یہ تو قتل سے کہیں بڑی ہوتی ہے پھر تم سے یہ بھی تو کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ تم سے حرم میں نہ لڑیں تو تم بھی نہ لڑو ورنہ بدرجہ مجبوری تو تمہیں ان سے لڑنا ہی ہوگا پھر چاہے جہاں کہیں بھی ہو۔ کیونکہ کافروں کی سزا تو یہی ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ
لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ
الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ مع

پھر اگر وہ لوگ باز آجائیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور (نہ مانیں) تو اُن سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور صرف خدا ہی کا دین رہ جائے۔ (اس کے بعد) اگر وہ لوگ باز رہیں تو زیادتی نہ کرو کیونکہ ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی اچھی نہیں۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے برابر ہے اور صرف مہینوں ہی کی خصوصیت نہیں سب حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کی برابر ہیں پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم بھی ان پر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ خدا پرہیزگاروں کا ساتھی ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ اسلام نے سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینوں کو صاحبِ حرمت قرار دیا ہے یعنی رجب، شوال، ذی قعد اور ذی الحجہ۔ ان میں جنگ اس مصلحت سے حرام قرار دی گئی ہے کہ مجاہدین کچھ دن آرام کر لیں اور سامانِ حرب بھی ٹھیک کر لیں حضرت کی بعثت کے قبل بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب اسلام نے بھی ان مہینوں کو محرم رکھا اور مسلمان اس کے پابند ہو گئے تو کفار ان پر مختلف حیلوں سے حملہ کرتے اور مسلمان حرمت کے خیال سے چُپ رہ جاتے۔ تب خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ادب ادب والوں کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ لوگ اس کا خیال نہیں کرتے اور تمہارے پیچھے پڑے ہیں تو تم بھی ترکی بہ ترکی جواب دو۔ ہاں اگر باز آ جائیں تو پھر ان پر زیادتی نہ کرو یعنی لڑو نہیں۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ تمہاری جانوں کا مالک اللہ ہے تمہیں یہ حق نہیں کہ اپنے بے کام لے کر بے موقع لڑائی جھگڑا کر کے اپنے کو خطرہ میں ڈال دو۔ جہاد کے سوا جو نبیؐ یا امامؑ کے حکم سے ہو تم پر اپنی جان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اسی طرح مال کے متعلق حکم ہے کہ اُسے مرضیِ الٰہی کے مطابق صرف کرو۔ اس کی محبت میں خرچ کرو خلوصِ نیت سے خرچ کرو۔ اسراف سے بچے رہو۔ جان و مال دونوں کے متعلق جو احکامِ الٰہی ہیں ان کا ہر حالت میں لحاظ رکھو۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا
رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۪ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى
الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ
اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

اور عمرہ اور حج کو خاص خدا کے لیے پورا کرو پس اگر تم محصور ہو جاؤ تو قربانی سے جو بھی میسر آئے کر دو اور اپنے سروں کو نہ مُنڈاؤ جب تک قربانی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی قسم کی تکلیف ہو تو اس کا بدلہ روزے یا خیرات یا قربانی ہے پھر جب امن حاصل ہو جائے تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھانا چاہے تو قربانی کے لیے جو بھی میسر آئے کرے اور جسے میسر نہ ہو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور جب تم واپس آجاؤ تو سات دن اس کے بعد رکھ دو کہ یہ سب ملا کر دس دن ہو جائیں گے۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد الحرام (مکہ) اور اس کے مضافات کے رہنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں، حج تمتع حج افراد اور حج قران حج تمتع ان لوگوں پر واجب ہے جو مکہ معظمہ سے ۱۲ میل یا اس سے زیادہ فاصلہ پر رہتے ہیں اور جو خاص مکہ یا بارہ میل کے اندر رہنے والے ہیں ان کے واسطے حج قران یا افراد ہے۔

حج تمتع کی یہ صورت ہے کہ جس کا جو میقات ہو وہاں سے عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ میں جائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرے اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز بجالائے پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور تقصیر کرے اور مُحل ہو جائے۔ اس کے بعد ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے اور نویں ذی الحجہ کو عرفات میں جائے اور غروب تک وہاں ٹھہرے اور اعمال بجالائے اس کے بعد مشعر الحرام میں آئے اور صبح تک وہاں رہے اور اعمال کرے دسویں کی صبح کو منٰی میں آئے اور سر منڈوائے اور قربانی کرے اور جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکے اس کے بعد اگر چاہے تو اسی دن یا اس کی صبح کو مکہ چلا آئے اور طواف حج کرے اور نماز طواف پڑھے۔

سعی کرے طواف صفا و مروہ کرے اس کے بعد پھر منیٰ میں آئے اور تین مقامات پر جو کنکریاں پھینکنی رہ گئی تھیں انہیں پھینک کر حج تمام کرے
اگر چاہے تو گیارہویں بارہویں کو کوچ کرکے مکہ آئے اور طواف وغیرہ بجالا کر حج کو تمام کرے۔

عرفات ایک مقام کا نام ہے جو مکہ سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے وہاں نویں ذی الحجہ کو جاکر کچھ خاص اعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اور مشعر الحرام، مکہ اور عرفات کے درمیان ہے جہاں شب دہم ذی الحجہ قیام کرکے کچھ اعمال کرتے ہیں اور کنکریاں جمروں پر مارنے کے لیے چنتے ہیں۔ مشعر الحرام اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی دینے گئے تھے یہ مقام منیٰ میں ہے جہاں قربانی کی جاتی ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ
فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ
وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ
اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

حج کے مہینے تو اب سب کو معلوم ہیں (رجب، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ) پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج واجب کرلے تو احرام سے آخر حج تک نہ تو عورت کے پاس جائے نہ کوئی گناہ کرے اور نہ کسی سے جھگڑے اور نیکی کا کوئی سا بھی کام کرو خدا اس کو خوب جانتا ہے اور راستہ کے لیے زادِ راہ مہیا کرو اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیزگاری ہے، اے عقلمندو مجھ سے ڈرو۔ اس میں کوئی الزام نہیں کہ حج کے ساتھ تم اپنے پروردگار کے فضل (نفع تجارت) کی خواہش کرو اور پھر جب تم عرفات سے چل کھڑے ہو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح اس کی یاد کرو جس طرح تمہیں بتایا ہے اگرچہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے پھر جہاں سے لوگ چل کھڑے ہوں وہیں سے تم بھی چل کھڑے ہو اور خدا سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔

عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں جو رجب، شوال، ذی قعدہ و ذی الحجہ میں بجالا سکتے ہیں۔ حج کے اعمال ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ
اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ
مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ
تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي
الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

جب تم ارکانِ حج بجالا چکو تو اسی طرح ذکرِ خدا کرو جس طرح تم اپنے باپ داداؤں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے میرے پروردگار ہم کو جو دینا ہے دنیا ہی میں دیدے حالانکہ پھر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پالنے والے مجھے دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں ثواب دے اور دوزخ کی آگ سے بچائے رکھنا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اپنی کمائی کا حصہ چین ہے اور خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے اور ان گنتی کے چند دنوں تک تو خدا کا ذکر کرو پھر جو کوئی جلدی کر بیٹھے اور منیٰ سے دو ہی دن میں چل کھڑا ہو تو اس پر بھی گناہ نہیں اور جو تیسرے دن تک ٹھہرا رہے تو اس پر بھی گناہ نہیں لیکن یہ رعایت اس کے لیے ہے جو پرہیزگار ہو اور خدا سے ڈرتے رہو اور یقین جانو کہ تم سب کے سب اسی کی طرف قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ اے رسول بعض لوگ منافقین میں ایسے بھی ہیں جن کی چکنی چپڑی باتیں اس دنیوی زندگی میں تمہیں بہت پسند ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر کرتا ہے حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے جہاں تمہاری طرف سے منہ پھیرا

اور اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے لگا تاکہ ملک میں فساد پھیلائے اور زراعت و مویشی کا ستیاناس کر دے اور خدا فساد کو اچھا نہیں سمجھتا اور جب کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو اسے غرورِ گناہ پر اُبھارتا ہے پس ایسے کمبخت کے لیے جہنّم ہی کافی ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

حج تو اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا مگر عرب کا قاعدہ تھا کہ اعمالِ حج سے فارغ ہو کر باہمی مفاخرہ کے لیے چوڑے قصّے چھیڑ دیتے تھے کوئی اپنے باپ دادا کی شجاعت بیان کرتا کوئی سخاوت کوئی محتاجوں سے ہمدردی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک اور اس پر فخر کرتے اور قصیدے پڑھتے۔ خدا نے ان کو بہ نرمی اس سے روکا اور فرمایا کہ اگر تمہیں بات ہی کرنی ہے تو خدا کی یاد کرو۔ پدرم سلطان بود کہنے سے کیا فائدہ۔ تمہارے لیے تو فخر کی بات یہ ہے کہ خدا سے لو لگاؤ اور اس کی یاد میں اپنا وقت گزارو۔

فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں مجھے علم کی نعمت دے اور آخرت کے ثواب سے مراد بہشت ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو شکر گزار دل اور ذکرِ خدا کرنے والی زبان اور ایماندار بی بی ملی جو اس کو دین و دنیا کے کاموں میں مدد دے تو اسے دنیا و آخرت دونوں قسم کی نیکی مِل گئی۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص منیٰ میں ہو وہ دسویں کی نمازِ ظہر سے تیرھویں کی نمازِ صبح تک پندرہ نمازوں کے بعد اور جو دوسری جگہ ہو تو وہ دسویں کی ظہر سے بارھویں کی صبح تک دس نمازوں کے بعد یہ تکبیریں پڑھے اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَوْلٰنَا۔ چند دنوں سے مراد ۱۱، ۱۲، ۱۳۔ ذی الحجہ ہے اور ان کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع

اور لوگوں میں خدا کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو اسلام میں سب کے سب داخل ہو جاؤ اور شیطان کے

قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کُھلم کُھلا دشمن ہے۔ پھر جب تمہارے پاس روشن دلیلیں آچکیں تو سمجھ لو کہ خدا ہر طرح غالب اور تدبیر والا ہے۔ کیا وہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ سفید ابر کے سائبانوں کی آڑ میں عذابِ خدا اور عذاب کے فرشتے ان پر آہی جائیں اور سب جھگڑے ایک بار ہی چُک جائیں آخر کُل اُمور خدا ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جب کفّارِ مکّہ نے حضرت رسولِ خدا کے قتل پر کمر باندھی اور یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نمائندہ اس قتل میں شریک ہو تاکہ بنی ہاشم ان سب سے قصاص طلبی پر قادر نہ ہوں۔ ایک رات اپنے اس منصوبہ کی بنا پر حضورؐ کے گھر کو آگھیرا اور برہنہ تلواریں لے کر اس کے منتظر ہوئے کہ جونہی صبح کو حضرتؐ اپنے گھر سے نکلیں گے ان کو تلواروں کی باڑوں میں رکھ لیا جائے گا۔ ان کے اس ارادۂ بد سے اللہ تعالیٰ نے اوّل شب ہی میں آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہ حکم دے دیا تھا کہ حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سُلا کر آپ غارِ ثور کی طرف چلے جائیں اور وہاں سے مدینہ کا رُخ کریں جب گھر سے نکلیں تو مٹھی بھر خاک شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر ان کی طرف پھینکنا۔ وہ وقتی طور پر اندھے ہو جائیں گے تم اُن کے درمیان سے نکلے چلے جانا۔ جب وحی نے یہ اطلاع دی تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، کفّارِ مکّہ نے میرے قتل کا ارادہ کیا ہے تم میرے بستر پر میری عبا اوڑھ کر سو رہو وہ لوگ سمجھیں گے میں سو رہا ہوں اور میں غارِ ثور کی طرف جاتا ہوں۔ تم میرے جانے کے تین دن بعد زنانِ بنی ہاشم کو ساتھ لے کر اور جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس ہیں ان کو اُن کے مالکوں تک پہنچا کر مدینہ کی طرف کوچ کرنا میں وہاں تمہارا منتظر رہوں گا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی اگر میرے یہاں رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی تو میری جان جائے یا رہے میں یہ خدمت ضرور انجام دوں گا۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں آیہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ الخ حضرت علیؑ کی تعریف میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ و میکائیلؑ سے فرمایا میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ (اخوت) قرار دیا اور ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ کی تم میں کون ایسا ہے کہ اپنی زیادہ عمر کا حصّہ اپنے بھائی کو دے دے، مگر دونوں نے اس سے انکار کیا۔ تب خدا نے ان دونوں سے فرمایا کہ میں نے نبی اور علی میں بھائی چارہ قرار دیا ہے۔ دیکھو علی نے اپنی جان نبیؐ پر کیونکر نثار کی ہے اور بسترِ نبی پر کیسا بے خوف سو رہا ہے۔ لہٰذا تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کی حفاظت اس کے دشمنوں سے کرو۔ یہ سنتے ہی وہ دونوں زمین پر آئے اور جبریلؑ، علیؑ کے سرہانے اور میکائیلؑ پائنتی ان کی حفاظت کرنے لگے اور کہتے جاتے تھے مبارک ہو اے علیؑ مبارک ہو اے علیؑ تمہارا مثل کون ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس ہمدردی پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ اس واقعہ کو تفسیر ثعلبی احیاء العلوم امام غزالی میں آپ ملاحظہ فرماویں۔

واقعہ کی تاریخی حیثیت ختم ہو گئی اب اس کے مضمرات پر روشنی ڈالنا باقی ہے:

۱۔ علیؑ کے ایمان کا اندازہ کیجئے کہ رسولؐ کی صداقت پر کس پایہ کا یقین تھا کہ ہلکا سا کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا ایسے موقعوں پر فطرۃً انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جان بچی تو جہان بھلا۔ رسولؐ اپنی جان تو بچانا چاہتے ہیں اور مجھے خون آشام تلواروں کی دھاروں پر رکھ رہے ہیں ایسے خونخواروں کے نرغہ میں ہلاکت سے کیسے بچ سکتا ہوں۔ لیکن ایسے واہی خیالات علیؑ جیسے کامل الایمان انسان کے دل میں کیسے گزر سکتے تھے۔ انھوں نے ایمان کی بھرپور قوت کے اعتبار سے جواب دیا کہ میں ہزار جان سے یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں۔

۲۔ اس کے ساتھ دوسرے خطرہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ حضورؐ اپنی امانتوں کو سپرد کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں جس کی جو امانت ہو اُسے دے کر آنا۔ علی علیہ السلام کے لیے یہ کیسا نازک موقع تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ مکہ کا چپّہ چپّہ ذرّہ ذرّہ اس بنا پر ان کے خون کا خواہاں تھا کہ وہ حضرت رسولِ خدا کے معتمد خاص اور چچازاد بھائی تھے گھر گھر جاکر امانت سپرد کرنا جہاں کوئی اپنا ہمدرد اور مددگار نہ ہو۔ علیؑ کی انتہائی شجاعت کی دلیل ہے کتنا اعتماد تھا ان کو خدا کی مدد پر کہ ذرا نہ گھبرائے اور بخوشی اس خدمت کو منظور کر لیا۔

۳۔ تیسرا مرحلہ اور زیادہ سخت تھا یعنی زنانِ بنی ہاشم کو اپنے ساتھ مدینہ لے جانا۔ کیا یہ کوئی معمولی بات تھی۔ اوّل تو سواری کا مہیا کرنا۔ پھر گرمی کے موسم میں، ریگستان کا سفر۔ پہاڑوں سے گزر۔ کئی عورتوں کی حفاظت اور تن تنہا کے سپرد۔ ہر قدم پر دشمن کے پیچھا کرنے اور قتل و غارت کرنے کا خوف بہادر سے بہادر آدمی کے دل کو لرزانے کے لیے کافی تھا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے پاس خوف کہاں۔

۴۔ یہ سفر کس مصیبت سے طے کیا۔ بعض نے لکھا ہے دو اُونٹ بمشکل کرایہ پر لیے۔ خود پیدل چلے۔ کتنی تکلیف ہوئی ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ مدینہ پہنچے تو اس حال میں کہ پائے مبارک اور پنڈلیاں لہولہان تھیں۔ قدم اُٹھانا دوبھر تھا۔ کیا یہ خدمات ایسی معمولی تھیں کہ مسلمانوں نے اس طرح نظر انداز کیں کہ آپؑ کے متعلق اتنا لکھنے کی توفیق نہ ہوئی کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں ہے۔ اس کا مفہوم عام لوگ کے سر تھوپ کر رہ گئے۔

۵۔ اس پُرخوف رات میں دوسرا ہوتا تو نہ معلوم فرطِ اضطراب سے اپنا کیا حال بنا لیتا۔ مگر دیکھیے علی علیہ السلام کس اطمینان سے سو رہے ہیں۔ کسی نے آپؑ سے پوچھا کہ آپؑ تمام رات عبادت کرتے ہیں کیا کسی رات آپ پیر پھیلا کر سوئے بھی ہیں؟ فرمایا، ہاں! ایک رات میں بڑے چین سے عمر بھر میں سویا ہوں اور وہ شبِ ہجرت تھی۔ اللہ رے نفسِ مطمئنہ، جتنا خوف زیادہ اتنا ہی قلب کو اطمینان زیادہ۔

۶۔ علیؑ نے اس رات اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے بدلے بیچا تو اس رات کے بعد سے علیؑ کا نفس، نفسُ اللہ کہلایا گیا اور خدا کی مرضی علیؑ کی مرضی بنی۔ اب نفس اللہ ہونے کی حیثیت سے اللہ کو اختیار ہے جہاں وہ چاہے استعمال کرے۔ جس میدان میں چاہے لڑائے۔ اسی طرح اللہ کی مرضی کو بحیثیت اپنے نفس کی قیمت ہونے کے علیؑ جہاں چاہیں صرف کریں۔ جسے چاہیں جنّت میں داخل کریں۔

۷۔ علیؑ نے بسترِ رسولؐ پر سو کر کتنے فضائل حاصل کیے۔ رسولؐ کے جانشین بنے۔ اللہ کا نفس بنے۔ جانِ رسولؐ کے محافظ بنے۔ اسلام کے جاں نثار بنے۔ اسلام کے سب سے بڑے محسن بنے۔

۸۔ اس پر بھی غور کر لیجیے کہ جب مشرکین تلواروں کو تانے خانۂ رسالت میں داخل ہوئے تو ان کے شور و غل نے علیؑ کو جگایا۔ فوراً بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے پوچھا کہ بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں؟ دوسرا ہوتا تو گھبرا جاتا اور پتہ بتا دیتا۔ مگر امیر المومنینؑ کے پاس گھبراہٹ کہاں۔ بھرپور استقلال سے جواب دیا کہ کیا مجھے

سونپ گئے تھے جو پوچھنے آئے ہو جہاں ہو پتہ لگا لو۔

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار لافتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار

اگر اس واقعہ سے انکار کیا جائے تو یہ بتانا پڑے گا کہ شبِ ہجرت فرشِ رسولؐ پر کون سویا تھا۔ امانتیں کس نے لوٹائی تھیں۔ زنانِ بنی ہاشم کو لے کر کون گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ سب کام علیؑ نے کیے تھے۔

اب اس کے بعد دوسری آیات پر غور کیجیے۔

خدا چاہتا ہے کہ اس کے بندے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن شیطان جو لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہے وہ نہیں چاہتا کہ لوگ خدا و رسولؐ پر ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کو اسی لیے بھیجا اور انھوں نے مختلف قسم کے معجزے بھی دکھائے عذابِ خدا سے ڈرایا بھی مگر جو جہنم کا ایندھن بننے والے تھے وہ ایمان نہیں لائے اور انھوں نے قطعاً اس بات پر غور نہ کیا کہ ایک دن انہیں پلٹ کر خدا کے یہاں جانا ہے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ
فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی کھلی نشانیاں دیں پس جو کوئی اللہ کی نعمتوں کو اس کے بعد بھی کہ اس کے پاس آ چکی ہوں بدل ڈالے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے کافروں کے لیے دنیا کی زندگانی سجائی گئی ہے وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں ہنسی مخول کرتے ہیں حالانکہ جو لوگ متقی و پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن

ان پر فوقیت رکھتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی امت تھے پس اللہ نے انبیاء بھیجے جو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ کردیں لیکن اس میں اختلاف کرنے والے وہی لوگ تھے جنہیں کتاب دی گئی تھی اور ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں بھی آچکی تھیں اس کی وجہ ان لوگوں کی آپس میں شرارت تھی پس اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے تھے اپنے حکم سے وہ راہِ راست دکھا دی جس میں اختلاف رکھتے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

بنی اسرائیل سے سوال کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ سب سے زیادہ نعماتِ الٰہی کا کفران انھوں نے ہی کیا تھا۔ باوجودیکہ بہت سی اللہ کی نشانیاں ان کے پاس آئیں مگر وہ بدستور اپنے کفر پر اڑے رہے انھوں نے کتابِ خدا (توریت) کی عبارتوں میں تحریف کی اس کے الفاظ بدلے اس کے مفاہیم بدلے اور حضرت رسولِ خداؐ کی جو صفات اس میں مذکور تھیں ان کو نکال ڈالا اور ان کی بجائے آنحضرتؐ کی مذموم صفات اس میں اپنے قلم سے لکھ دیں۔

اس کے بعد عہدِ رسالت کے کافروں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے نزدیک زندگانیٔ دنیا بڑی سجی بنی تھی یہ لوگ ان لوگوں کا جو ایمان لا چکے تھے مذاق اڑاتے تھے۔ مثلاً عمار یاسرؓ۔ بلالؓ اور صہیبؓ کو جو غریب اور مسکین مسلمان تھے، جب ابوجہل وغیرہ دیکھتے تھے تو طرح طرح کی پھبتیاں ان پر چست کرتے تھے اور طرح طرح سے ان کو ستاتے تھے اور کہا کرتے تھے ایسے کنگالوں اور رذیلوں کا ایمان لانا کوئی وزن نہیں رکھتا۔

کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً - امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ذکر طوفانِ نوح علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ اس وقت سب لوگ گمراہی کی حالت میں تھے۔ ہر خطۂ زمین پر بت پرستی ہو رہی تھی اور اوصیائے آدم ان کے خوف سے خاموش تھے اور اظہارِ دین کی جرأت نہ کر سکتے تھے کیونکہ قابیل کی طرف سے ان کو قتل کی دھمکی دی جاتی تھی یہاں تک کہ حضرت نوحؑ سے پہلے جو وصی تھے، وہ عبادت کرنے کے لیے ایک جزیرہ میں چلے گئے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ - اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھ کر کہ کفر و شرک بڑھتا ہی جا رہا ہے اپنے انبیاء کو آگے پیچھے بھیجنا شروع کر دیا اور ان پر کتابیں بھی نازل کیں تاکہ جو اختلاف ان کے درمیان خدا پرستی اور بت پرستی میں پیدا ہو گیا ہے اسے دور کر دیں اور ان کے باہمی تنازعات میں جو فیصلہ حق ہو وہ ان کو سنا دیں لیکن چونکہ بغاوت اور سرکشی پر وہ لوگ اُدھار کھائے بیٹھے تھے اس لیے انبیاء کی ہدایت کو انھوں نے کان لگا کر نہ سنا اور ان سے اختلافِ رائے کرنے لگے۔ جو لوگ عقل و فہم رکھتے تھے انھوں نے ایمان قبول کر لیا۔ اور جو تابعینِ شیطان تھے وہ بدستور جہنم کے کندے بنے رہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ اختلافات کی خلیج کو پاٹ دیا جائے اور پوری امت ایک ہی عقیدہ پر قائم رہے لیکن مسلمان کیوں اس عقیدہ سے پرے ہوئے ہیں کہ اختلافِ امت رحمتِ خداوندی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے رسولؐ نے فرمایا ہے: اختلاف امتی رحمة (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)۔ اوپر والی آیت اس کی تردید کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ

نے ایسا نہیں فرمایا۔ حضورؐ نے جو کتابِ خدا کے ساتھ اپنے اہلبیت کو کیا تھا وہ صرف اس لیے کہ امت کے درمیان مطالب قرآن سمجھنے میں جو اختلاف ہو، اہلبیت اس کو مٹا دیں اور آیات کا جو حقیقی مفہوم ہو ان کو سمجھا دیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بہشت میں پہنچ ہی جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں پہلے زمانہ والوں کے سے حالات پیش نہیں آئے۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفوں (محتاجی و فاقہ کشی) نے گھیر لیا تھا اور ایسے سخت جھنجوڑے گئے تھے کہ آخر عاجز ہو کر پیغمبر اور ایمان والے جو اُن کے ساتھ تھے کہنے لگے کہ دیکھیے خدا کی مدد کب آتی ہے۔ دیکھو، گھبراؤ نہیں خدا کی مدد یقیناً بہت قریب ہے۔ اے رسولؐ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تو تم اُن سے کہو کہ تم اپنی نیک کمائی سے جو کچھ خرچ کرو وہ تمہارے ماں باپ، قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا حق ہے اور تم جو نیک کام کرو گے خدا اسے ضرور جانتا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں بھی سب مسلمان تو یکساں نہ تھے جہاں ایسے لوگ تھے کہ ہر مصیبت کو صبر سے برداشت کر لیتے تھے وہاں ایسے بھی تھے جو کفار کے ستانے اور اپنی مختلف قسم کی تکلیفوں کا خیال کر کے گھبرا جاتے تھے اور مایوسی کے عالم میں کہتے تھے ہم تو انتظار کرتے کرتے تھکے جاتے ہیں، دیکھیے خدا کی مدد کب آتی ہے اور ان پریشانیوں سے کب نجات ملتی ہے۔ ان کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل ہوئی ہیں کہ گھبراؤ نہیں صبر سے کام لو۔ خدا کی مدد عنقریب تم تک پہنچنے والی ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تم تو بہت امن سے ہو تم سے پہلے جو لوگ دینِ حق پر ہوتے تھے اُن کے تو ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے۔ ان کو صلیب پر چڑھایا جاتا تھا۔ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ لہٰذا ان کے واقعات پر نظر رکھتے ہوئے صبر سے کام لو۔

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ - یہ جواب ہے ان لوگوں کے لیے جو حضرت رسولِ خداؐ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا چیز راہِ خدا میں دینی چاہیے

اور اس کے مستحق کون کون ہیں۔ ان سے کہا گیا سب سے پہلے ماں باپ ہیں ان کی خدمت کے بعد کچھ بچے تو قریبی رشتہ داروں کو دیا جائے اس کے بعد یتیم مسکین اور مسافر درجہ بدرجہ مستحق ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کوئی چیز مستحق کی بجائے غیر مستحق کو دے دیں۔ اس صورت میں دینے سے فائدہ نہ ہوگا اور جو دیا ہے وہ سب ضائع جائے گا۔ لہٰذا سمجھا دیا گیا کہ جو کچھ دو ہمارے حکم کے مطابق دو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَ

عَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ ربع

الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ

مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾

مسلمانو جہاد تم پر واجب کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا سمجھو اور حقیقتاً وہ تمہارے لیے مفید ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم اچھا سمجھو اور حقیقتاً وہ تمہارے لیے ضرر رساں ہو۔ اللہ ہر بات کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کو پوچھتے ہیں تم کہہ دو ان میں جنگ کرنا سخت گناہ ہے۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ خدا کی راہ میں چلنے سے روکنا۔ خدا سے کفر کرنا مسجد الحرام میں جانے سے روکنا۔ اس کے اہل کو وہاں سے نکال باہر کرنا یہ سب خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور فتنہ پردازی تو کشت و خون سے بھی بڑھ کر بُری ہے (یہ کفار و مشرکین تو) اے رسولؐ ہمیشہ لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اور یہ یاد رہے کہ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرا تو اس کے تمام اعمال دُنیا و آخرت میں اکارت ہو جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو بعض مسلمانوں کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور اسلام لانے کو

وبالِ جان سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے چونکہ آئندہ واقعات کا تمہیں صحیح علم نہیں اس لیے تم ایسی بہت سی باتوں کو ناپسند کرنے لگتے ہو جو آئندہ تمہارے لیے مفید ہونے والی ہیں اور بہت سی ایسی باتوں کو تم پسند کرنے لگتے ہو جو آگے چل کر تمہارے حق میں نقصان دہ ہوتی ہیں مثلاً شرعی تکلیفیں تمہیں شاق گزرتی ہیں مگر وہ روزِ قیامت تمہارے لیے مفید ہوں گی یا جہاد کا حکم تم پر شاق گزرا ہے حالانکہ اس کا فائدہ دنیا میں تو یہ ہے کہ ملک فتح ہوں گے، مالِ غنیمت ہاتھ لگے گا تمہارے دشمن زیر ہوں گے اور آخرت میں یہ فائدہ ہے کہ جنت میں رہو گے یا مثلاً میدانِ جنگ سے بھاگ جانا تم اچھا جانتے ہو لیکن وہ تمہارے حق میں اچھا نہیں۔ دنیا میں تو یہ نقصان ہے کہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو گے اور آخرت کا یہ نقصان ہے کہ شہادت کے مرتبہ سے محروم ہو جاؤ گے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے جنگِ بدر سے دو ماہ پہلے عبداللہؓ بن جحش اپنے پھوپھی زاد بھائی کو آٹھ اصحاب کے ساتھ جمادی الآخر کے مہینہ میں یہ کہہ کر روانہ کیا کہ قریش کا ایک قافلہ طائف سے آرہا ہے تم جا کر ان سے قتال کرو۔ عبداللہؓ نے قریش کا مقابلہ کیا عمرو حضرمی قافلۂ قریش کا سردار مارا گیا۔ جس سے شام تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا وہ رجب کی پہلی تھی مسلمانوں نے اسے چاند رات سمجھتے ہوئے لڑائی جاری رکھی اس پر قریش نے طعنہ دیا کہ محمدؐ نے ماہِ حرام کو حلال کر دیا حضرتؐ نے عبداللہؓ بن جحش کو بُلا کر پوچھا کہ کیا ماجرا ہے، تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے کہا دھوکا ہو گیا ہمیں قوی گمان تھا کہ آج چاند رات ہے۔ قتال کے بعد معلوم ہوا کہ رجب کی پہلی تاریخ ہے۔ قریش نے چونکہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کیا تھا لہٰذا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنا بڑی بُری بات ہے لیکن اس پر اعتراض ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا تھا جنہوں نے ۱۳ سال مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر نہ صرف اس لیے بے پناہ مظالم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے بلکہ یہاں تک کیا کہ وہ جلا وطنی پر مجبور ہو گئے اس پر بھی بس نہ کی ان کا مسجد الحرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا حالانکہ مسجد الحرام کسی کی جائداد نہ تھی دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ کسی نے اس کا راستہ روکا ہو پس جن کا نامۂ اعمال اتنا سیاہ ہے انہیں کیا حق ہے مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا۔ قریش آنحضرتؐ کے مدینہ میں آنے کے بعد سے اس خیال سے مضطرب تھے کہ حضرتؐ ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ لہٰذا وہ حضرتؐ کے خلاف برابر غلط پروپیگنڈے میں لگے رہتے تھے، چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو توڑ کر پھر اپنے گروہ میں لے لیں چنانچہ اس غلط پروپیگنڈے کا منافقوں پر بُرا اثر ہوا۔ اور وہ آپس میں چہ چہ کرنے لگے کہ ایسا کرنا ہرگز روا نہ تھا۔ خدا نے ان کو بتایا کہ اگر اس خیال پر قائم رہتے ہوئے مرو گے تو کفر کی موت مرو گے اور جتنے نیک عمل تم نے کیے ہوں گے وہ سب اکارت ہو جائیں گے کوئی اجر ان کا نہ ملے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ

اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ

الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا تو ایسے ہی لوگ رحمتِ خدا کے امیدوار ہیں اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے رسولؐ تم سے لوگ شراب اور جُوئے کے بارہ میں پُوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لیکن فائدہ سے ان کا گناہ زیادہ ہے۔ اور تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم ان سے کہہ دو کہ جو تمہاری ضرورت سے بچے اس میں سے راہِ خدا میں دو اور خدا تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں غور کرو۔

اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو ایمان والے ہیں اور جنہوں نے انتہائی تکالیف برداشت کر کے اپنے عزیز وطن کو چھوڑا اور ہجرت اختیار کی پھر راہِ خدا میں جہاد کیا۔ قتال و جہاد میں یہ فرق ہے کہ قتال لڑنے کو کہتے ہیں اور جہاد ہر اس قسم کی کوشش کا نام ہے جو دامے درمے قدمے سخنے حفاظتِ اسلام کے لیے کی جائے۔

جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد ہجرت سے محروم رہے یا جہاد میں شریک نہ ہوئے وہ برائے نام ہی مسلمان سمجھے گئے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ اس آیت میں شراب جوئے کے صرف نقصان کو بتایا گیا ہے اس کے بعد پھر حرمت کا حکم بھی آگیا۔ خمر کے تحت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو نشہ آور ہو اور جس سے انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہو۔ حضرت رسولِ خداؐ سے جب لوگوں نے پوچھا کہ شراب کو خدا نے کیوں حرام کیا ہے تو ان کے جواب میں خدا نے یہ آیت نازل کی اور اپنے رسولؐ سے کہا تم ان سے کہو اس میں فائدے کم ہیں اور نقصان زیادہ ہیں۔ شراب سے انسان کو سُرور ضرور ہوتا ہے حرارتِ غریزی بھی بڑھتی ہے، کھانا بھی جلد ہضم ہوتا ہے لیکن جب پینے کے بعد عقل پر پردہ پڑتا ہے تو ایسے ایسے ناشائستہ عمل کرتا ہے جو اس کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیتے ہیں پھر جس کو اس کا چسکا لگ جاتا ہے عمر بھر نہیں چھوٹتا۔ بلکہ اس کی مقدار یوماً فیوماً بڑھتی ہی جاتی ہے پھر اس کی قیمت پر جو خرچ ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ شرابی کو مفلوک الحال بنا دیتا ہے بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ اس کی ایک ایک بوتل سَو سَو دو دو سَو روپیہ میں ملتی ہے۔ شراب کا نشہ جب اُترنے پر ہوتا ہے تو شرابی کی رگ رگ ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور وہ اس وقت کسی مصرف کا نہیں رہتا جب تک پھر نہ پی لے۔ اس طرح شراب خوری کا سلسلہ اس کی جان کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔ شراب خور انسان اگر دنیوی معاملات میں کوئی اچھی کارگزاری دکھائے بھی تو کیا دینی معاملات سے تو وہ بالکل بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ احکامِ شریعت کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس طرح اس کی دنیا سنور جائے تو سنور جائے لیکن آخرت تو برباد ہو ہی جاتی ہے۔

حدیث میں ہے جو کوئی شراب کا ایک گھونٹ پی لے تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کر لے تو قبول ہو جائے گی اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمّت میں دس آدمی بوئے جنّت نہ سونگھیں گے۔ تارک الصلوٰۃ۔ مانع زکوٰۃ۔ سود خوار زانی۔ شراب خور۔ چغلخور۔ فتنہ پرداز۔ غیبت کرنے والا۔ ہمسایہ کو ستانے والا۔ ظالموں کا دوست اس لیے بننے والا کہ لوگوں کو کسی مصیبت میں ڈالے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، ہر گناہ کی سردار اور ہر بدی کے قفل کی کنجی شراب ہے اور یہ کہ شراب پینے والے سے زیادہ خدا کا نافرمان بندہ اور کوئی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حالت بیخودی میں نماز واجب کو ترک کر دے اور اپنی ماں بیٹی کی آبرو ریزی کرے اور یہ کہ شراب پینے والا بے نمازی سے بھی بدتر ہے۔

علم الاجسام کے ماہرین۔ اطبا اور ڈاکٹروں نے تجربات سے بتایا ہے کہ شراب خوار کا جگر خراب ہو جاتا ہے اس پر چربی چھا جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح کام نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شراب خوار کو کبابوں کی طرف زیادہ توجہ رہتی ہے کیونکہ گوشت جگر والی چربی کو پگھلاتا ہے اسی طرح معدہ کے خلیے شراب کی گرمی سے جل جاتے ہیں اور معدہ صحیح کام نہیں کرتا۔

اب رہا جُوا، اس کے بھی بے شمار نقصانات ہیں۔ جواری بغیر محنت و مشقت کے مال حاصل کرنا چاہتا ہے اور پرائے مال پر اس کی نگاہ رہتی ہے۔ جواریوں میں چونکہ غیرت و حمیت باقی نہیں رہتی اس لیے مکر و حیلہ سے وہ مالِ غیر پر تصرف کرنا چاہتے ہیں اور ان میں بے رحمی اور سنگدلی آجاتی ہے۔ رفتہ رفتہ جُوا اس کی عادات پر اتنا خراب اثر کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہ کا مرتکب ہونے لگتا ہے۔ بہت سے لوگ اس لت کی بنا پر مفلس بھی بن جاتے ہیں گرفتار ہو کر جیل میں بھی جاتے ہیں۔ ذلیل بھی ہوتے ہیں۔ خدا ہر بندہ مسلم کو ان دونوں گناہوں سے بچائے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

اے رسول تم سے لوگ یتیموں کے بارہ میں پوچھتے ہیں تم ان سے کہہ دو کہ ان کی اصلاح و درستی بہتر ہے اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو کچھ حرج نہیں وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ فسادی آدمی کو خیر خواہ سے الگ رکھنا خوب جانتا ہے اگر خدا چاہتا تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اور مسلمانو تم مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو اور مشرک عورت چاہے (حُسن و جمال میں) کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو پھر بھی ایماندار

لونڈی اس سے ضرور اچھی ہے اور (اسی طرح) مشرکین جب تک ایمان نہ لائیں اپنی عورتیں ان کے نکاح میں نہ دو۔ مشرک چاہے تمہیں کیسا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو پھر بھی بندۂ مومن اس سے ضرور اچھا ہے۔ یہ مشرک مرد یا عورت لوگوں کو دوزخ کی طرف بُلاتے ہیں اور خدا اپنی عنایت سے بہشت اور بخشش کی طرف بُلاتا ہے اور اپنے احکام لوگوں سے صاف صاف بیان کرتا ہے۔

مشرک صرف اس کو نہیں کہتے جو خدا کا شریک کسی کو قرار دے بلکہ اس کو بھی کہتے ہیں جو خدا کی صفتوں میں یا عبادت میں دوسروں کو شریک بنائے۔ انبیاء یا ائمہ کو وسیلہ و ذریعہ قرار دینا ان تین قسموں میں سے کسی ایک میں بھی داخل نہیں، کیونکہ وہ خدا کا شریک سمجھ کر ان سے کچھ نہیں مانگتے بلکہ خدا کا مقرب اور برگزیدہ سمجھ کر ان سے سفارش چاہتے ہیں یا یہ سمجھ کر کہ خدا نے ان حضرات کو کائنات پر حقِ تصرف دیا ہے کچھ ان سے مانگتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى۔ اس آیت کے نزول سے پہلے قرآن میں یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق بار بار سخت احکام آچکے تھے یہاں تک کہا گیا تھا، یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو۔ اور جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ ان شدید احکام کی بنا پر جو یتیم بچے بھی مسلمانوں کی تربیت میں تھے وہ اس قدر خائف ہو گئے تھے کہ ان کا کھانا پینا تک الگ کر دیا تھا اور اس احتیاط پر بھی ڈر تھا کہیں مالِ یتیم سے کچھ ہمارے حصہ میں نہ آجائے۔ اس لیے خدا فرماتا ہے اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو یہ بہت بہتر ہے ہاں یہ خیال رہے کہ ان کا مال تلف نہ ہو نہ تو خود کھاؤ اور نہ کوئی اپنی ذاتی غرض پوری کرنے کے لیے دوسروں کو کھلاؤ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ۔ اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں اوّل مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا دوسرا اپنی بیٹیاں مشرکوں کے نکاح میں نہ دینا۔ یہ قانون مسلمان اور رسولِ اسلام دونوں کے لیے ہے۔ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں پر بعد ظہور اسلام یہ پابندی عاید ہوتی ہے اور حضرت رسولِ خدا قبل بعثت بھی اس کے پابند تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے جبکہ قبلِ خلقتِ آدم آپؐ نبی تھے اور اور تمام دنیا کے لیے نمونہ عمل تھے، جیسا کہ شفائے قاضی عیاض میں ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آپؐ نے اپنی شریعت کے محرمات کا ارتکاب نہیں کیا یعنی نہ کبھی آپؐ نے مشرک عورتوں سے نکاح کیا اور نہ مشرکوں کے نکاح میں کوئی لڑکی دی لہٰذا جناب خدیجہؑ کو مشرک کہنا غلط ہے بلکہ وہ ملتِ ابراہیمؑ پر تھیں اس طرح یہ بھی غلط ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے علاوہ حضور صلعم کے تین لڑکیاں اور تھیں، جو عتبہ و عتیبہ پسران ابولہب اور ابوالعاص مشرک سے بیاہی گئیں اس سلسلہ میں ان روایتوں پر غور کرنا چاہیئے جو کتب اسلام میں وارد ہوئی ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ یہ لڑکیاں جناب خدیجہؑ کی تھیں شوہر اوّل سے۔ لیکن اس روایت کی تردید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں جناب خدیجہؑ کو وقتِ عقد باکرہ لکھا ہے (مناقب شہر آشوب)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ لڑکیاں حضرت رسولِ خدا کی تھیں۔ لہٰذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرتؐ اپنی صلبی بیٹیاں مشرکوں سے بیاہتے ان میں ایک ہی روایت درست ہو سکتی ہے۔ اور روایت کے صحیح ہونے کا معیار کتب فریقین میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو روایت کتابِ خدا کے خلاف ہو وہ غلط ہے اور جب یہ ثابت ہے کہ ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہوا تو یقیناً یہ حضرت رسولِ خدا کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ پروردہ تھیں اور اسی پرورش کے رشتہ کی بنا پر حضرت عثمانؓ کو داماد رسولؐ

کہا گیا۔ جیسی لڑکیاں ویسی رشتہ داری۔ نہ حقیقی لڑکیاں نہ حقیقی داماد۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آیہ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ میں لفظ بنات جمع ہے لہٰذا ایک لڑکی ماننے کی صورت میں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بنات سے مراد بناتِ علیؑ و فاطمہؑ ہیں جو درحقیقت بناتِ رسولؐ ہیں کیونکہ قرآن میں نواسیوں کو بنات کہا گیا ہے جب کہ آیہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ میں نواسیاں اور پوتیاں داخل ہیں۔ اسی لیے جناب امّ کلثومؑ نے بازار کوفہ میں کہا تھا نَحْنُ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ہم رسولؐ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔)

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ ۔ اس کے سلسلہ میں مفسرین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہؓ بن رواحہ نے کسی قصور پر اپنی کنیز کے طمانچہ مارا۔ اس نے حضرت رسولِ خدا سے فریاد کی۔ آپؐ نے عبداللہ کو بُلا کر ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا یہ کنیز با ایمان ضرور ہے نماز روزہ بھی کرتی رہتی ہے لیکن جھگڑالو بہت ہے میری فرمانبردار نہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا چونکہ مومنہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ کوئی نیکی کرو عبداللہؓ نے اس کو آزاد کر دیا اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ عبداللہؓ کے ہمسایہ میں ایک خوبصورت مشرکہ عورت رہتی تھی، وہ بھی عبداللہؓ سے نکاح چاہتی تھی مگر عبداللہؓ نے منظور نہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا عبداللہ بڑا بیوقوف ہے ایک بدصورت لونڈی سے تو نکاح کر لیا اور خوبصورت عورت کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ الخ یعنی ایک مومن بندہ مشرک سے بہتر ہے چاہے وہ مشرک از روئے مال و جمال و کمال کتنا ہی بہتر ہو ہرگز اپنی لڑکی کو اس کے عقد میں نہ دو۔ قوی اندیشہ ہے کہ جس طرح وہ مشرک جہنمی ہے زور دے کر اپنی بی بی کو بھی اپنا ہی جیسا بنا لے ورنہ دونوں کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہو جائے گی۔

اس زمانہ میں چونکہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ بسلسلہ ملازمت ممالک یورپ امریکہ میں جاتا ہے لہٰذا اکثر نے وہاں نصرانی عورتوں سے شادی کر لی ہے اور مسلمان عورتوں پر ان کو ترجیح دی ہے چنانچہ ایسے بہت سے واقعات ہمارے پیش نظر ہیں کہ ان عورتوں نے اگر پورا نہیں تو آدھا عیسائی ضرور بنا لیا ہے اب وہ نہ نماز کے ہیں نہ روزہ کے۔ مزہ سے شراب پیتے ہیں اور سؤر کا گوشت کھاتے ہیں حلال و حرام کی طرف ان کی کوئی توجہ ہی نہیں۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر مشرکوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان مشرکہ عورتوں کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر مسلمان اپنے اسلام کو اُن کے عشق میں تج دیتے ہیں اور پھر ہر قسم کے اخلاقی و مذہبی گناہ ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا
تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اے رسول لوگ تم سے حیض کے بارہ میں پوچھتے ہیں تم ان سے کہہ دو کہ یہ گندگی اور گھن کی بیماری ہے۔ ایام حیض میں تم عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ پس جب وہ پاک ہو جائیں تو جدھر سے تمہیں خدا نے حکم دیا ہے ان کے پاس جاؤ بیشک خدا توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

ایام جاہلیت میں یہود و مجوس میں یہ دستور تھا کہ جب عورتوں کو حیض آتا تو مرد عورتوں سے بات کرنا۔ منہ دیکھنا اور ان کے ساتھ کھانا کھانا گناہ سمجھتے تھے۔ عورتیں حیض کے زمانہ میں منہ چھپائے ایک کونہ میں بیٹھی رہتی تھیں۔ برخلاف اس کے نصاریٰ کے یہاں کھانا پینا ملنا جلنا سب درست تھا یہاں تک کہ وہ مجامعت بھی کرتے تھے۔ اسلام کے زمانہ میں ایک روز ابو دحداح چند لوگوں کے ساتھ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے ہمیں ایام حیض میں عورتوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ وہ ایک گھن والی نجاست سے بھری بیماری ہے۔ اس زمانہ میں عورت سے جماع کرنا صحت کے لیے سخت مضر ہوتا ہے عورت کے اندام نہانی میں اس زمانہ میں زیادہ گرمی ہوتی ہے اور خون آتا رہتا ہے جو بعض اوقات وقت مجامعت مرد کے سوراخ ذکر میں داخل ہو جاتا ہے جس سے مختلف پریشان کن بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ نفس انسانی اس حالت میں جماع کو پسند نہیں کرتا۔

حیض سے پاک ہونے کے بعد جس طرح خدا نے حکم دیا ہے عورت سے مجامعت کر سکتے ہو قبل غسل ایسا کرنا مکروہ ہے حالت حیض میں جماع کرنے والا گنہ گار ہوگا اور اس کو کفارہ دینا ہوگا۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ
اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾
لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

تمہاری بیبیاں تمہارے لیے کھیتی ہیں پس تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہے آؤ اور اپنی جانوں کے لیے اچھے اعمال آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم ضرور اس کے حضور میں پیش ہونے والے ہو اور مومنین کو خوشخبری دو اور اے مسلمانو تم اللہ کے نام کو ایسی قسموں کے کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جس سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور بندگانِ خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہنا ہو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ خدا تم سے ان قسموں کے بارہ میں مواخذہ نہیں کرے گا جو لغو ہوں گی مگر ان قسموں کے لیے ضرور پکڑے گا جو تم نے ارادۃً دل سے کھائی ہوں اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھا لیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے پس اگر وہ باز آ گئے تو اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے اور اگر انھوں نے طلاق کا پکّا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۔ جب اللہ تعالےٰ نے یہ بتا دیا کہ عورتوں کے پاس اس طرح جاؤ جیسا کہ خدا نے بتا دیا ہے یعنی جو فطری طریقہ ہے اور جہاں سے حیض خارج ہوتا ہے اس سے پاک ہونے کے بعد وہیں سے جماع کرو۔ لہٰذا جماع فی الدبر کا جس کی مسلمان فقہا نے اجازت دے رکھی ہے کوئی جواز ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ نے یہ فرما کر کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں ایسی واضح مثال سے جماع فی الفرج کو بتا دیا ہے کہ ہر ذی عقل انسان اس کو قبول کر لے گا۔ مرد کی مثال کاشتکار کی ہے اور عورت کی مثال کھیت کی اور کھیت میں بیج ڈالنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ فصل پیدا ہو غلہ اُگے۔ یہ بات عورت کی فرج ہی میں جماع سے پیدا

ہو سکتی ہے کتنا بیوقوف ہے وہ کسان جو اپنا بیج ایسی جگہ ڈالتا ہے جہاں سے کچھ پیدا ہونے کی امید ہی نہ ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جماع فی الدبر عقلاً و نقلاً صحیح نہیں۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ - ایلا کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی زوجہ سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالے۔ عرب کا دستور تھا کہ جو شخص اپنی بی بی سے ناراض ہو کر قسم کھالیتا کہ اب میں اس سے ہم بستر نہ ہوں گا۔ ایسی صورت میں عورت کسی دوسرے سے عقد بھی نہیں کر سکتی تھی اور یوں ہی اُدھر میں لٹکی رہتی تھی۔ شریعت نے اس کی حد مقرر کر دی کہ عورت اگر چاہے تو حاکم شرع کی طرف رجوع کرے۔ حاکم شرع اُسے چار ماہ کی مہلت دے گا اور مرد کو مجبور کرے گا کہ یا تو کفارہ ادا کرکے اپنی بی بی سے میل کرے یا طلاق دیدے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً - ایک بار عبداللہ بن رواحہ نے اپنے بہنوئی بشیر بن نعمان سے ناراض ہو کر اسم اعظم الٰہی کی قسم کھائی کہ میں بہن اور بہنوئی سے بات نہ کروں گا اور میاں بی بی کے درمیان صلح نہ کراؤں گا نہ اس کے ساتھ نیکی کروں گا اور نہ اس کے دشمنوں سے میل کروں گا۔ جب کوئی کہتا اے عبداللہ اپنے بہنوئی کا اس کے دشمنوں سے میل کرا دو تو وہ کہتے کہ میں قسم کھا چکا ہوں اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی اور یہ بتایا کہ ایسے موقع پر خدا کی قسم نہ کھایا کرو کہ ہم اپنے رشتہ داروں اور برادرانِ ایمانی کے ساتھ نیکی نہ کریں گے یا مروّت و احسان نہ کریں گے ایسی نامناسب بات پر قسم کھانا ہی نامناسب ہے یہ حکم سُن کر عبداللہؓ نادم ہوئے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ - اس آیت میں خدا نے حلف کے جواز و عدمِ جواز کو بتایا ہے کہ اگر کوئی بلا ارادہ حلفاً کوئی بات کہہ گزرتا ہے تو ایسے شخص پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں نہ اس کے اوپر کفّارہ ہے۔ البتہ اگر بالارادہ قسم کھائے گا تو کفارہ دینا ہوگا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے کو طلاق کے بعد تین حیض کے ختم ہو جانے تک (نکاح ثانی سے) روکیں اور اگر وہ عورتیں خدا اور رسول پر ایمان لائی ہیں تو ان کے لیے تو یہ جائز نہیں جو کچھ بھی خدا نے ان کے رحم یعنی پیٹ میں (بچہ) پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اور اگر ان کے شوہر میل جول کرنا چاہیں تو وہ مدتِ مذکورہ میں ان کے واپس بلانے کے زیادہ حقدار ہیں اور شریعت میں عورتوں کا مردوں پر وہی حق ہے جو مردوں کا عورتوں پر ہے۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ضرور ہے اور خدا زبردست حکمت والا ہے۔ طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع ہو سکتی ہے) دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو شریعت کے مطابق روک لو یا تیسری دفعہ باحسنِ سلوک بالکل رخصت کر دو اور تم کو یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے پھر کچھ واپس لے لو جب دونوں کو اس کا خوف ہو کہ خدا نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کو دونوں میاں بی بی قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں خدا کی مقرر کی ہوئی حدود پر قائم نہ رہیں گے تو اگر عورت مرد کو کچھ دے کر اپنا پیچھا چھڑائے (خُلع کرالے) تو اس میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو ان حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ - یعنی جو عورتیں مطلقہ ہوں ان کو چاہیئے کہ تین مرتبہ حیض آنے تک انتظار کریں اور جب تک تین بار پاک نہ ہو جائیں دوسرا عقد نہ کریں۔ اس صورت میں حمل کا شبہ جاتا رہے گا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا حمل چھپائیں۔

جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے اور وہ ابھی عدہ کی مدت ختم نہیں کر پائی ہیں تو ان کے شوہر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو پھر اپنی زوجہ بنالیں بشرطیکہ ان کا ارادہ عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کا ہو اور ایسا نہ ہو کہ ان کو دوبارہ مصیبت میں لا ڈالیں۔ ابتدائے اسلام میں جب مرد عورتوں کو ستانا چاہتے تھے تو طلاق دے دیتے تھے اور عدہ ختم ہونے سے پہلے پھر نکاح کر لیتے تھے خدا نے ان کو اس حکم سے روکا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ - ایامِ جاہلیت میں طلاق کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ایک شخص جب چاہتا طلاق دے دیتا اور جب چاہتا رجوع کر لیتا۔ اسلام نے اس سے روکا ہے۔ طلاق رجعی کی صورت یہ ہے کہ پہلی بار طلاق شرعی دے کر مرد عدہ کے اندر پھر اُسے اپنی بی بی بنا سکتا ہے بغیر نکاح کے۔ دوسری بار بھی یہی صورت ہوتی ہے البتہ تیسری بار طلاق دینے سے طلاق بائن ہو جاتی ہے اور پھر اس وقت تک اس سے نکاح جائز نہ ہوگا جب تک وہ بعد ختم عدہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور وہ پھر اسے طلاق دے۔

طلاق کو رسول اللہ نے اَبْغَضُ الْاَشْیَاۗءِ فرمایا ہے یعنی میرے نزدیک سب سے بری چیز طلاق ہے۔ پہلی طلاق کے بعد عدت تک دوسرا نکاح کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اول تو یہ پتہ چل جائے کہ حمل تو نہیں ہے دوسرے اس عدت میں مرد و عورت اپنی تنہائی محسوس کر کے اپنی اپنی غلطی پہ آگاہ ہوں اور پھر دوبارہ یکجا ہو جائیں اور حسن سلوک روا رکھیں۔ اسی طرح دوسری بار دونوں کو سوچنے کا موقع دیا گیا ہے لیکن تیسری بار پھر رجوع کرنے کا اس لیے سوال پیدا نہیں ہوتا کہ دو بار کے تجربے نے بتا دیا کہ ان کے درمیان خوش معاملگی نہیں ہو سکتی اور ان کے خیالات میں اصلاح کی گنجائش نہیں رہی۔

اہلسنت کی فقہ میں تین بار صیغہ طلاق پڑھ دینے سے طلاق بائن ہو جاتی ہے اس صورت میں زن و مرد کو اپنی غلطیوں پر نظر ثانی کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔

دوسری صورت مرد و عورت میں جدائی کی خلع ہے یعنی اگر عورت یہ سمجھتی ہے کہ اس کا نباہ شوہر کے ساتھ نہیں ہو سکتا تو وہ زرِ مہر معاف کر کے یا کچھ زرِ نقد دے کر اپنے شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ
سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ
اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ
يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٢﴾

پس اگر عورت کو طلاق بائن دے دے تو اس کے بعد جب تک دوسرے سے نکاح نہ کر لے اس کے لیے حلال نہ ہوگی اور دوسرا شخص نکاح کے بعد اُسے طلاق دے دے تب میاں بی بی کے باہم میل کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ان دونوں کو یقین ہو کہ خدا کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سمجھ دار لوگوں کے لیے وہ صاف صاف بیان کرتا ہے۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئے تو یا تو اچھے عنوان سے انہیں روک لو یا حسنِ سلوک سے بالکل ہی رخصت کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کے لیے نہ روکو کہ پھر اُن پہ زیادتی کرنے لگو اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے اُوپر ہی ظلم کرے گا اور خدا کے حکم کو ہنسی ٹھٹھا نہ سمجھو اور خدا نے جو نعمتیں تمہیں دی ہیں انہیں یاد کرو اور اس نے جو کتاب اور عقل کی باتیں تم پر نازل کی ہیں ان سے تم کو نصیحت کرتا ہے خُدا سے ڈرتے رہو اور سمجھ رکھو کہ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ دونوں میاں بی بی شریعت کے موافق اچھی طرح مل جائیں یہ اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے خدا اور آخرت پر ایمان لائے گا۔ یہی تمہارے حق میں بڑی صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ تین طلاقوں کے بعد پھر عورت کے لیے طلاق بائن ہے وہ اس وقت تک پھر اپنے شوہر پر حلال نہیں ہو سکتی جب تک ایک دوسرا شخص اس سے نکاح کر کے طلاق نہ دے۔ یہ صورت اس لیے رکھی گئی ہے کہ تین بار طلاق حاصل کر کے جب عورت دُوسرے شوہر کے پاس جائے گی تب اُسے اندازہ ہوگا کہ پہلے شوہر اور اس شوہر کے مزاج میں کیا فرق ہے اور شوہروں کے ساتھ برتاؤ کس طرح کرنا چاہیئے۔ اس تجربہ کے بعد اُسے عقل آئے گی اور چوتھی بار جب وہ پہلے شوہر کے یہاں جائے گی تو نہایت فرمانبردار بن کر جائے گی۔ تین طلاقوں اور چوتھی بار نئے شخص کے ساتھ نکاح کرنے اور اس کے ساتھ رہنے میں جن پریشانیوں کا اُسے سامنا ہوگا وہ اس کو صحیح طریقہ سے بی بی بن کر رہنے میں مدد دے گی۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ کسی مرد کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں نے تجھے طلاق دی شرعی طلاق نہیں ہوتی جب تک ایک عالم عادل باقاعدہ صیغۂ طلاق نہ پڑھے اور دو عادل اس کو نہ سنیں اور اس کے گواہ نہ بنیں کہ ان کے سامنے صیغۂ طلاق جاری کیا گیا تھا۔

مرد کو چاہیئے کہ جب کسی عورت سے نباہ کی صورت نہ دیکھے تو اسے طلاق دے دے تاکہ وہ دوسرے سے نکاح کر لے۔ بدبخت ہے وہ شخص جو عورت کو ستائے اور خواہ مخواہ پریشان کرنے کے لیے طلاق نہیں دیتا یہ عورت پر کھلا ظلم ہے اس کی سزا پیشِ خدا بھگتنی ہوگی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر عورت ایامِ حیض میں ہو تو اس وقت اس کو طلاق دینا صحیح نہ ہوگا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

(طلاق دینے کے بعد) جو شخص اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اس کی خاطر سے مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں اور جس کا وہ لڑکا ہے یعنی باپ اس پر ماؤں کا کھانا کپڑا دستور کے مطابق دینا لازم ہے کسی شخص کو زحمت نہیں دی جاتی مگر اس کی گنجائش بھر۔ نہ ماں کا اس بچّہ کی وجہ سے نقصان ہو اور نہ جس کا لڑکا ہے (بچّہ کا باپ) اس کا، بلکہ دستور کے مطابق خرچ دیا جائے اور اگر باپ نہ ہو تو دودھ پلانے کا حق اسی طرح وارث پر لازم ہے۔ پھر دو برس سے پہلے ماں باپ دونوں اپنی مرضی سے دودھ بڑھائی کرنا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور تم اپنی اولاد کو کسی انا سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جو تم نے دستور کے مطابق مقرر کیا ہے اس کے حوالے کر دو اور خدا سے ڈرتے رہو اور تم جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو ضرور دیکھتا ہے۔

مطلب ان آیات کا یہ ہے کہ اگر کسی بچہ والی عورت کو شوہر طلاق دیدے تو عورت کو واجب ہے کہ پورے دو برس بچہ کو دودھ پلائے اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ دودھ پلانے تک عورت کے کھانے کپڑے کے لیے دیتا ہے۔ جیسا رسم و رواج ہو اس کے مطابق دے اس میں کمی کرنا عورت کا حق تلف کرنا ہے۔

عورت کو نہیں چاہیئے کہ اگر کسی بات پر شوہر سے لڑ پڑے تو بچہ کو دودھ پلانا بند کر دے بالخصوص جبکہ وہ اس سے بے حد مانوس ہو یا شوہر سے دودھ پلانے کی اس قدر اجرت مانگے جو دستور کے خلاف ہو اور اس کی حیثیت سے زیادہ ہو یا بچہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جس سے باپ کے دل کو صدمہ پہنچے اسی طرح باپ کے لیے بھی جائز نہیں کہ بچّہ کی ماں کو تکلیف پہنچائے اور ایسی حالت میں

بچّہ کو اس سے چھین لے جبکہ وہ دودھ پلانا چاہتی ہو اور اس کے نان نفقہ میں کوئی چیز نہ کم کرے نہ روکے۔ اگر انا دائی سے دودھ پلوانا طے پائے تو وہ غیر مسلم نہ ہو مسلمان عورت ہو اگر کسی شریف خاندان کی خوش اخلاق عورت مل جائے تو اس کا دودھ پلوالے چاہے اجرت کچھ زیادہ دینا پڑے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیاں چھوڑ کر مر جائیں تو یہ عورتیں چار مہینے دس روز اپنے کو دوسرا نکاح کرنے سے روکیں جب عدہ کی مدت پوری کر لیں تو شریعت کے مطابق اپنے بارہ میں جو کچھ کریں تم پر کوئی الزام نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے اور اگر تم اس خوف سے کہ شاید کوئی دوسرا نکاح کر لے ان عورتوں سے اشارۃً قبل عدت نکاح کی خواہش ظاہر کرو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو تو اس میں بھی تم پر کوئی الزام نہیں کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا اور ان عورتوں سے نکاح کا خیال آئے گا لیکن چوری چھپے سے نکاح کا وعدہ نہ کر لینا بلکہ ان سے کوئی اچھی بات کہہ گزرو تو حرج نہیں۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی خواہش نکاح ثانی کی ہو اور وہ اپنا بناؤ سنگار کریں تو تم پر اس کا کوئی الزام نہیں کہ تم نے زیادہ دن تک سوگ پر کیوں نہ مجبور کیا جیسا کہ عرب میں دستور تھا اور ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ ہونا دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو جانا ہے نہ وہ خوشی سے کسی رسم میں شریک کی جاتی ہے نہ اس کے ہاتھ پاؤں مبارک سمجھے جاتے ہیں گویا اُس نے اپنے شوہر کو مار ڈالا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ۔ یعنی جو عورتیں اپنے خاوند کے مرنے کے بعد عدہ میں ہوں اگر کوئی شخص ان سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اپنے نکاح کا پیغام صاف صاف لفظوں میں نہ دے بلکہ گول گول لفظوں میں اشارۃً کنایۃً اپنی خواہش کا اظہار کرے اور کھلم کھلا اس لیے نہ کہا جائے کہ وہ اپنے شوہر کے سوگ میں ہے اگر اسے نکاح منظور نہ ہو گا تو شوہر کی یاد اُسے بے چین کر دیگی

اور اگر راضی ہوگی تو اشارۃً وہ بھی ظاہر کردے گی۔ تم کو چاہیئے کہ مخفی وعدہ نہ کرو۔ اور اگر یہ سمجھ کر عدہ کا انتظار کیا جائے گا تو یہ خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسرے سے عقد پر راضی نہ ہو جائے گی تو ایسے الفاظ میں ظاہر کرو جیسے تم خوبصورت ہو بڑی نیک بخت بی بی ہو تم کو لوگ پسند کرتے ہیں اس سے وہ سمجھ لے گی کہ یہ مجھ سے نکاح چاہتا ہے اور علانیہ طور پر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں۔

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ ع ٣٠ / ١٤
طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِيْضَةً ښ وَّمَتِّعُوْھُنَّ ۚ عَلَي
الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَي الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾

اور جب تک میعاد مقررہ نہ گزر جائے نکاح کا قصد بھی نہ کرنا اور سمجھ رکھو کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے خدا اس کو ضرور جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور یہ بھی جان لو کہ خدا بڑا بخشنے والا بردبار ہے اور اگر تم نے اپنی بی بیوں کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو اور نہ مہر ہی معین کیا ہو اس سے قبل ہی تم ان کو طلاق دے دو تو اس میں بھی تم پر کچھ الزام نہیں ہاں ان عورتوں کے ساتھ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ سلوک کرنا لازم ہے۔ نیکی کرنے والوں پر یہ بھی ایک حق ہے۔

یعنی اگر ایسی حالت میں تم عورتوں کو طلاق دے دو کہ تم نے ان کو چھوا چھیڑا نہیں اور مہر بھی مقرر نہیں کیا تو اس صورت میں ان کے ساتھ کچھ سلوک کرنا چاہیئے مثلاً مالدار آدمی گھر یا زمین دے دے غریب کپڑے بنا دے یا کچھ نقد دے دے کیونکہ وہ تمہارے بھروسہ پر کسی دوسرے سے نکاح تجویز نہ کر سکیں۔ حدیث کے مطابق بعد تعیین مہر اور قبل از مجامعت طلاق دینے پر نصف مہر دینا چاہیئے لیکن اگر مہر قرار نہیں پایا تو طلاق دینے پر مہر دینا واجب نہیں بلکہ حسن سلوک سے نوازا جائے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَھُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا
فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾

اگر تم ان عورتوں کا مہر تو مقرر کر چکے ہو مگر ہاتھ لگانے یعنی مجامعت کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدو تو ان عورتوں کے مہر معین کا آدھا دیدو مگر یہ کہ یہ عورتیں خود معاف کر دیں یا ان کا ولی جس کے ہاتھ میں نکاح کا اختیار ہو معاف کر دے تب کچھ نہیں اور اگر تم ہی عورت کو سارا مہر بخش دو تو پرہیزگاری سے بہت ہی قریب ہے اور آپس کی بزرگی کو مت بھولو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو ضرور دیکھ رہا ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَي الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا
اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ
يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ
اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾
ع ٣١ / ١٥ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾

مسلمانو تم تمام نمازوں کی خصوصاً بیچ والی نماز (ظہر و عصر) کی پابندی کرو اور خاص خدا ہی کے لیے نماز میں قنوت پڑھنے والے ہو کر کھڑے ہو۔ پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو اور پوری نماز نہ پڑھ سکو تو سواری پر یا پیدل جیسے بن پڑے

پڑھ لو پھر جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو جس طرح خدا نے تمہیں ان باتوں کو سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے اس طرح خدا کو یاد کرو تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیاں چھوڑ کر مر جائیں ان پر اپنی بیبیوں کے حق میں سال بھر تک کے نان و نفقہ اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کرنا لازم ہے پس اگر عورتیں خود نکل کھڑی ہوں اور یہ جائز باتوں (نکاح وغیرہ) سے کچھ اپنے حق میں کریں تو اس کا تم پر کچھ الزام نہیں ہے اور اللہ ہر شے پر غالب اور حکمت والا ہے اور جن عورتوں کو تعین مہر اور ہاتھ لگائے بغیر طلاق دے دی جائے تو ان سے کچھ سلوک کرنا لازم ہے یہ بھی پرہیزگاروں پر ایک حق ہے خدا تم لوگوں کو ہدایت کے واسطے اپنے احکام صاف صاف بیان فرماتا ہے۔

ان آیات کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰةِ الخ۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟ کسی نے کہا ہے نماز ظہر مراد ہے کسی نے نماز عصر مراد لی ہے کسی نے نماز مغرب۔ لیکن اکثر کا اتفاق اس پر ہے کہ اس سے مراد نماز ظہر ہے جو صبح اور نماز عصر کے درمیان ہے۔

وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ ۔ اس سے مراد بحالت نماز قنوت پڑھنا ہے جس کے شیعہ پابند ہیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ۔ عرب میں یہ رسم تھی کہ جب شوہر مر جاتا تو عورت ایک سال تک عدہ میں رہا کرتی تھی اور پرانے کپڑے پہنتی اور بناؤ سنگھار ترک کر دیتی تھی اور اگر وہ شہر کی رہنے والی ہوتی تو اسی گھر میں رہتی جہاں شوہر مرا ہے اور اگر صحرا نشین ہوتی تو اس کے لیے ایک علیحدہ گھر بنوا دیا جاتا وہ اس گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ کھانے پینے کی کفالت مرنے والے کے ورثا پر واجب ہوتی تھی اور اگر گھر سے باہر قدم نکالتی تو کھانے کپڑے کی ذمہ داری ختم ہو جاتی۔

واضح رہے کہ یہ ایک سال کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا لیکن جب چار مہینے دس دن والا حکم آیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ جامع قرآن نے جو ناسخ حکم ہے اُسے پہلے جگہ دی ہے اور جو منسوخ ہے اُسے بعد میں۔ حالانکہ منسوخ حکم پہلے ہونا چاہیے تھا اور ناسخ بعد میں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ

قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت سے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور وہ ہزاروں آدمی تھے تو خدا نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب مر جاؤ (اور وہ مر گئے) پھر خدا نے انہیں زندہ کیا بیشک خدا لوگوں پر بڑا مہربان ہے لیکن اکثر لوگ اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور مسلمانو تم راہِ خدا میں جہاد کرو اور جان لو کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ ہے کوئی جو خدا کو قرضِ حسنہ دے تاکہ خدا اس کے مال کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے خدا ہی تنگدست کرتا ہے اور وہی کشائش دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان لوگوں کے مرنے کے متعلق مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے ترجمہٴ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"باختلاف روایات چار یا آٹھ یا دس یا بیس یا چالیس یا ستر ہزار آدمی تھے جو طاعون کی وبا کے خوف سے بھاگے تھے آخر موت کے پنجے سے نہ چھوٹے۔ سب مر کر ڈھیر ہو گئے ایک عرصہ بعد حضرت حزقیلؑ کا ادھر سے گزر ہوا آپؑ نے دعا کی خدا کا حکم ہوا چلو میں پانی لے کر ان پر چھڑکو۔ آپؑ چھڑکتے جاتے تھے اور لوگ زندہ ہوتے جاتے تھے۔ چونکہ یہ واقعہ نوروز کے دن کا ہے خدا نے اس دن ایک کا دوسرے پر پانی چھڑکنا یا گلاب چھڑکنا سنت قرار دیا ہے مگر افسوس ہمارے بھائیوں نے اس کو ہولی سے بدتر بنا دیا خدا ہدایت کرے۔"

مولانا مرحوم نے اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ ان کے مرنے کا اصلی سبب کیا تھا۔ طاعون سے بچ کر بھاگنا اور اپنی جان کی حفاظت کرنا کوئی گناہ نہ تھا جس کی سزا میں خدا ان کو مار ڈالتا اور پھر زندہ بھی کرتا۔

ائمہ علیہم السلام کی تفسیر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ جس بستی میں طاعون کی وبا پھیلی تھی وہاں کے امراء یا متوسط حال لوگ جن کے پاس سواریاں تھیں اپنا سامان لاد کر جب چلنے لگے تو غریبوں نے فریاد کی کہ ہمیں بھی ساتھ لے لیجئے مگر امیروں نے ان بے بسوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور چلتے بنے۔ اس بنا پر ان کو قدرت کی طرف سے یہ سزا دی گئی کہ سب کو موت کی نیند سلا دیا اور بستی کے غریب لوگ اس وبا سے محفوظ رہے۔ ان سنگدلوں کی سختی کی یہی سزا تھی۔ دوسرے جب آیت میں اُلُوْفٌ (ہزاروں) کا لفظ موجود ہے تو پھر مولانا نے چار یا آٹھ یا دس یا بیس والی روایت کو جو سراسر غلط ہے کیوں نقل کیا۔ تیسرے اس کا جوڑ نوروز سے کیوں ملایا۔ نوروز تو ایک ایرانی تہوار ہے جو آتش پرستوں کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے اسلام کا اس سے کیا تعلق۔ عربی زبان میں تو اس کے لیے کوئی لفظ بھی نہیں۔ نوروز کا معرّب نیروز بنا لیا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ کے متعلق جو سر سید احمد خاں صاحب نے لکھا ہے وہ بھی سُن لیجئے:

اس آیت میں حیات و موت کے اصلی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں۔ یعنی موت سے مراد ہے ان کا بزدل ہونا اور حیات سے مراد ہے بہادر بن کر دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست کھائی تھی۔ اور اپنا گھر چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے۔ سات برس تک ان پر یہ مصیبت رہی پھر جدعون نبی ان پر مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان کو لڑائی کی ترغیب دی اور ان کا دل مضبوط کیا اور مدیانیوں پر انہوں نے فتح پائی۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی غور کیا جو لڑائی کے خوف سے اپنا گھر چھوڑ بھاگے تھے حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ پس اللہ نے ان سے کہا جاؤ مرو اور مصیبتیں اور ذلتیں اٹھاؤ پھر خدا نے ان کے دل کو قوی کیا۔ یہ کلام اس طرح کا

ہے جیسے قرآن میں ہے مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ یعنی اپنے غصہ میں مرو۔

ہمارے نزدیک تو پہلی تفسیر صحیح ہے مجازی معنی مراد لینا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی خرابی لازم آتی ہو۔ پہلی تفسیر میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی۔ جب انھوں نے اپنے غریب بھائیوں کو بچانے میں مدد نہ دی اور اپنی جانوں کی خیر منائی تو اس سنگدلی بے مروتی اور بداخلاقی کی جو سزا قدرت نے عبرتِ خلق کے لیے دی وہ حق بجانب تھی۔ پھر ایک نبی کی سفارش پر انہیں زندہ بھی کر دیا تاکہ لوگ ان کے واقعہ سے سبق لیں۔

مَنْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ قرضِ حسنہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے تنگدست مسلمان بھائی کو خدا کی خوشنودی کے لیے یہ کہہ کر قرض دے کہ جب تمہارے پاس ہو دے دینا بغیر کسی سُود کے۔ اور اگر عمر بھر تم یہ قرضہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو میں نے بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو کئی گنا زیادہ ثواب دے گا۔ لینے والے کا فرض ہے کہ مکر و حیلہ سے کام نہ لے اور جس وقت اس کے پاس رقم آجائے فوراً اسے چاہیئے کہ اپنا قرضہ ادا کرے۔ اگر یہ طریقہ مسلمانوں میں جاری رہتا تو ناداری اور تنگدستی اور سُود کی مصیبت سے محفوظ رہتے۔ روزی گھٹانا بڑھانا سب خدا کے اختیار میں ہے اگر قرض لینے والے کے دل میں پاپ نہ ہو تو ضرور اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جلد اسے قرضہ ادا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا
مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ
قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

طالوت اور جالوت کا قصہ

اے رسول کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کی حالت پر نظر نہیں کی جب انھوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرر کیجیے تاکہ ہم راہِ خدا میں جہاد کریں پیغمبر نے فرمایا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے جب ہم اپنے گھروں اور اپنے بال بچوں سے نکالے جاچکے تو پھر ہمیں کونسا عذر باقی ہے کہ راہِ خدا میں جہاد نہ کریں لیکن جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب نے لڑنے سے منہ پھیرا اور خدا تو ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل چند روز تک تو چین سے رہے فتوحات کرتے رہے لیکن ان کی شریر طبیعتیں خاموش کیسے

رہ سکتی تھیں پھر شرارتیں شروع کر دیں خدا نے جالوت بادشاہ کو ان پر مسلط کر دیا۔ اس نے انہیں خوب رگیدا تب ان لوگوں نے شموئیلؑ نبی کی طرف رجوع کیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے انتقال کیا تو بنی اسرائیل احکام شریعت کا مذاق اڑانے لگے۔ اس وقت کے نبی نے بہت سمجھایا مگر وہ اپنی نامعقول حرکتوں سے باز نہ آئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس زمانہ میں کون نبی تھے کسی نے ارمیا لکھا ہے کسی نے شموئیل۔ زیادہ اتفاق اس پر ہے کہ ان کا نام شموئیل تھا۔ اس سرکشی کی سزا میں خدا نے ان پر قوم عمالقہ کے بادشاہ جالوت کو مسلط کیا۔ اس نے بُری طرح بنی اسرائیل کو قتل کیا، شہر سے باہر نکال دیا، ان کا مال لُوٹ لیا، ان کی عورتیں لونڈی اور لڑکوں کو غلام بنالیا۔ جب یہ بلا سر پر آئی تو نبی سے کہنے لگے آپ دُعا کیجیے کہ خدا ہم پر رحم کھاکر ایک ایسا بادشاہ ہم کو دے کہ اس کے ساتھ ہو کر ہم اپنے دشمن سے لڑیں۔ نبی نے کہا اگر تم پھر بھاگ گئے تو کیا ہوگا۔ انھوں نے عہد و پیمان کیے کہ اب ہم نہیں بھاگیں گے۔ لیکن جب بازار قتال گرم ہُوا تو وہ جالوت کے لشکر کو دیکھ کر ڈر گئے اور تین سو تیرہ آدمیوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے آخر پھر خدا نے ان پر طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ
عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ خدا نے تمہارے لیے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اس کی حکومت ہم پر کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ سلطنت کے حقدار اس سے زیادہ ہم ہیں کیونکہ مال کے اعتبار سے بھی وہ فارغ البال آدمی نہیں۔ نبی نے کہا خدا نے تم پر اس کو فضیلت دی ہے اور مال میں نہ سہی علم اور جسم میں تو خدا نے اس کو زیادہ بنایا ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ بڑی گنجائش والا واقف کار ہے۔

اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ طالوت ایک منصوص من اللہ بادشاہ تھا یعنی خدا کا بنایا ہُوا۔ بنی اسرائیل نے اس سے پہلے جس کو بطور خود بادشاہ بنالیا تھا اس کو فتح حاصل نہ ہوئی کیونکہ فنِ حرب سے واقف نہ تھا اور بہادر آدمی بھی نہ تھا۔ لیکن جب خدا کا بھیجا ہُوا آیا تو پھر شکست کا سوال ہی نہ رہا۔

۲۔ خدا کا انتخابی نقطہ نظر مال و دولت اور کسی جتھے کی سرداری نہ تھا بلکہ طالوت کا انتخاب اس بنا پر عمل میں آیا کہ وہ

بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ عالم تھا اور مردِ شجاع تھا۔ پس معلوم ہوا جس میں یہ دو صفتیں نہ ہوں وہ کسی قوم کی سرداری یا کسی ملک کی بادشاہت کا اہل قرار نہیں پاتا۔

۴۔ یہ کہنا کہ طالوت مردِ مفلس تھا اور خاندانِ انبیاء میں سے بھی نہ تھا خدائی انتخاب میں آگیا لہٰذا حضرات شیعہ کا یہ کہنا کہ امام ذریتِ رسولؐ میں سے ہونا چاہیئے غلط ہے۔ جواب یہ ہے کہ طالوت صرف بادشاہ تھا مردِ کارزار تھا لہٰذا اس کی قیادت کا تعلق صرف حرب و ضرب اور ملکی سلطنت سے تھا لیکن اسلام میں اس کی نوعیت بدلی ہوئی تھی وہاں دنیوی اور دینی دونو قسم کی حکومتیں اس شخص کے حوالے ہوتی تھیں جو فنِ حرب و ضرب سے بھی واقف ہو اور سیاستِ الٰہیہ اور ریاستِ نبویہ کے اصول و قواعد سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو اور پوری طرح خود ان احکام پر عامل ہو۔ بے شک وہ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے لیکن غیر مستحق کو نہیں۔ حاکم کے لیے صاحبِ علم و شجاعت ہونا لازم ہے اگر کسی میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو وہ ہرگز انتخابِ الٰہی میں نہیں آسکتا۔ کسی ملک پر قبضہ کر لینا اور چیز ہے اور انتخابِ الٰہی میں آنا کچھ اور ہے۔

خدائی انتخاب میں آنے والا خدا کی طرف سے کچھ ایسی نشانیاں لے کر آتا ہے جو منتخب من اللہ ہونے کی دلیل ہوتی ہیں چنانچہ طالوت کے لیے بھی ایسا ہی ہوا۔ یعنی روغن سے بھرا ہوا ایک برتن اور عصا بھیجا گیا اور کہا گیا جس کے آنے سے روغن جوش میں آجائے اور عصا اس کے قد کے برابر ہو جائے اسی کو خدا کا نمائندہ سمجھا جائے۔ بہت سے لوگ بن سنور کر اُونچی بنے ہوئے آئے لیکن نہ روغن جوش میں آیا اور نہ عصا بڑھا گھٹا۔ ہاں جب طالوت آیا تو یہ سب کچھ ہوگیا اگرچہ وہ سقائی کرتا تھا مگر اپنے ایمان میں راسخ تھا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ ع فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین دہ چیزیں اور ان تبرکات سے بچا کھچا ہوگا جو موسیٰ و ہارون کی اولاد یادگار چھوڑ گئی ہے اور اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک اس میں تمہارے واسطے پوری نشانی ہے۔ جب طالوت لشکر سمیت (شہر ایلیا سے) روانہ ہوا تو اپنے ساتھیوں سے کہا، دیکھو

آگے ایک نہر ملے گی اس سے خدا تمہارے صبر کی آزمائش کرے گا پس جو کوئی اس کا پانی پیئے گا وہ مجھ سے نہیں، یعنی مجھ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اور جو اس کو نہ چکھے گا بے شک وہ مجھ سے ہوگا مگر ہاں جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لے تو کچھ حرج نہیں۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجم قرآن میں لکھا ہے کہ "تابوت سکینہ وہ صندوق تھا جس میں موسیٰؑ کی والدہ نے آپ کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔ اس میں بہت سی چیزیں تبرکات سے تھیں۔ جیسے انبیاء کی تصویریں، ان کے گھروں کی نقلیں، موسیٰؑ کا عصا، توریت کی دو تختیاں اور آسمانی ترنجبین۔ حضرت رسول خدا کی تصویر، حضرت ہارونؑ کا عمامہ اور جوتیاں تھیں۔ جب جالوت کو غلبہ ہوا تو وہ اس صندوق کو بھی چھین لے گیا۔ جب طالوت کے ساتھ بنی اسرائیل لڑنے لگے تو جالوت کے آدمیوں نے اس صندوق کو چھکڑے پر لاد کر ان کی طرف ہانک دیا کہ فساد کی جڑ یہی ہے۔ فرشتے اس کو گھسیٹ کر بنی اسرائیل کی طرف لائے انھوں نے اس کو فالِ نیک سمجھا اور جم کر لڑنے لگے۔

مولانا مرحوم کی اس تحریر میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ تابوت سکینہ وہ صندوق تھا جس میں موسیٰؑ کی ماں نے موسیٰؑ کو لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ صندوق اتنا ہی چھوٹا ہوگا جتنا بچپن میں حضرت موسیٰؑ کا قد تھا۔

۲۔ وہ جلدی میں معمولی لکڑی کا بنوایا گیا ہوگا۔ وہ اتنا پائدار کیسے ہو گیا کہ طالوت کے زمانہ تک باقی رہا۔

۳۔ اس چھوٹے سے صندوق میں تمام تبرکاتِ انبیاء مع عصائے موسیٰؑ کیسے سما گئے۔

۴۔ آلِ موسیٰؑ کا ترجمہ اولادِ موسیٰ کیا ہے اور اس پر کوئی نوٹ نہیں دیا کہ جب موسیٰؑ صاحبِ اولاد نہ تھے تو پھر قرآن میں آلِ موسیٰ کیوں ہے۔ یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ اولادِ حضرت ہارونؑ اولادِ موسیٰؑ اُسی طرح کہلاتی تھی جیسے اولادِ علیؑ اولادِ رسولؐ کہلاتی تھی۔

۵۔ فرشتے تابوتِ سکینہ کو گھسیٹ کر لائے حالانکہ آیت میں تحملہٗ ہے یعنی اسے اٹھائے ہوئے تھے۔ گھسیٹ کر لاتا وہ ہے جس سے وہ بوجھ سنبھل نہ سکے یا اتنا چوڑا ہو کہ کندھوں پر رکھا نہ جا سکے۔ فرشتوں کو گھسیٹنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اللہ اللہ انبیاء کے جوتوں کی عند اللہ یہ قدر ہے کہ فرشتے اس صندوق کو اٹھا کر لائے ہیں جس میں موسیٰؑ و ہارونؑ کے جوتے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ۔ جب طالوت اپنا لشکر لے کر چلے تو گرمی کا موسم تھا۔ اثنائے راہ میں سب کو شدت سے پیاس لگی اور پانی کے متلاشی ہوئے طالوت نے کہا آگے ایک نہر آنے والی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تمہارے صبر کا امتحان لے گا۔ خبردار اس کا پانی نہ پینا، ورنہ میرا پینے والوں سے کوئی تعلق نہ رہے گا ہاں تھوڑا سا چکھ لینے یا چلو بھر پی لینے میں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ باوجود اس ممانعت کے سوائے تین سو تیرہ صاحبانِ ایمان کے سب ہی نے تو ڈگ ڈگ کر کے پی لیا پس پھر کیا تھا اپھر گئے، چلنے کے قابل ہی نہ رہے وہیں لمبے لمبے لیٹ گئے۔ طالوت نے اِسی لیے منع کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے ہونٹ بھی سیاہ ہو گئے تھے۔

ذرا غور کیجیے کتنا فرق ہے طالوت کی اور امام حسین علیہ السلام کی فوج میں۔ یہاں سختی سے منع کیا جا رہا ہے مگر ایک دو نہیں

بلکہ ستتر ہزار آدمیوں نے اپنے بادشاہ کے حکم کی ذرا تعمیل نہ کی اور امام حسین علیہ السلام کی مختصر فوج باوجودیکہ تین دن کی پیاسی تھی اور باوجودیکہ امامؑ نے منع بھی نہ کیا تھا بلکہ اجازت دے دی تھی لیکن کسی نے پانی کی خواہش نہ کی اور جو نہر تک پہنچے، پانی لائے یا نہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے پانی کے چند قطروں سے اپنے لب آشنا نہ کیے۔ اللہ اللہ یہ پیاس اور یہ صبر۔

بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ
قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا
اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ؕ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ قف وَقَتَلَ دَاوٗدُ
جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ
النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

بس چند آدمیوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ غرض جب طالوت اور جو آدمی ان کے ساتھ تھے نہر سے پار ہو گئے تو خالص مومنوں کے سوا سب نے کہا آج جالوت اور اُس کی فوج سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے وہ کہنے لگے کہ ایسا بہت ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ پس جب یہ لوگ جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کو نکلے تو دعا کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافی صبر عطا فرما اور میدانِ جنگ میں ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر لوگوں پر ہمیں فتح عنایت کر۔ غرضکہ ان لوگوں نے خدا کے حکم سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا اور خدا نے ان کو سلطنت اور حکمت عطا کی اور علم و ہنر سے جو چاہا اُن کو سکھا دیا۔

پس اگر خدا بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کا شر دفع نہ کرتا تو تمام روئے زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن خدا تو سارے جہان کے لوگوں پر فضل (رحم و کرم) کرتا ہے۔ یہ اللہ کی سچی آیتیں ہیں جو ہم تم کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سُناتے ہیں اور بے شک تم ضرور رسُولوں میں سے ہو۔

جب طالوت و جالوت دونوں کے لشکر میدان میں نکلے اور جالوت نے اپنا مقابل طلب کیا تو طالوت نے اپنے لشکر والوں سے کہا جو تم میں جالوت کو قتل کرے گا میں اپنا آدھا ملک اُسے دے دوں گا اور اپنی بیٹی بھی بیاہ دوں گا مگر کسی کی ہمت نہ پڑی۔ تب حضرت شمویلؑ نے فرمایا کہ اشیا جو اولادِ یعقوبؑ میں سے ہے اس کے بیٹوں میں سے جس میں فلاں فلاں صفتیں پائی جائیں وہی جالوت کا قاتل ہوگا۔ چنانچہ اشیا نے اپنے سب بیٹوں کو پیش کیا مگر سوائے حضرت داؤدؑ کے کسی میں وہ علامات نہ پائے گئے۔ غرض حضرت داؤدؑ مقابلہ کو چلے۔ ان کے تھیلے میں تین پتھر تھے۔ ایک پتھر کو جو اپنی گوپھن میں رکھ کر جالوت کی طرف پھینکا تو وہ اس کی پیشانی پر لگا اور سر کو توڑتا ہوا پیچھے کی طرف سے نکل گیا اور کئی آدمی اور زخمی ہوئے۔ جالوت کے مرتے ہی اس کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے۔

اس صلہ میں حضرت داؤدؑ کو سلطنت ملی اور طالوت کے داماد بنے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ
الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۖ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ
لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

یہ سب رسول جو ہم نے بھیجے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن سے خود خدا نے بات کی اور بعض کے درجات بلند کیے اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو روشن معجزات عطا کیے اور رُوح القدس یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے ان کی مدد کی اگر خدا چاہتا تو جو لوگ اُن پیغمبروں کے بعد ہوئے وہ اپنے پاس روشن معجزات آنے کے بعد آپس میں نہ لڑ مرتے مگر ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہو گئے اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سعی سفارش سے کام چلے گا اور کفر کرنے والے تو ظلم ڈھاتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے اپنے جو رسول بھیجے وہ سب ایک ہی مرتبہ کے نہ تھے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت تھی لیکن اس فضیلت کا معیار کیا تھا کوئی شخص اس کو نہیں بتا سکتا اس کو تو بس خدا ہی جانتا ہے ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس رسول کی امت جن حالات میں بسر کر رہی تھی اور ان کی معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی زندگی کا جو تقاضا تھا ان کے رسول کو اتنا ہی علم دیا گیا تھا کہ وہ اسی کے مطابق ان کی اصلاح میں مشغول ہوں۔ ان سب کے دائرۂ ہدایت بھی یکساں نہ تھے بعض کو صرف ایک گاؤں کی ہدایت کا کام سپرد تھا۔ بعض کو ہزار دو ہزار کی طرف بھیجا گیا تھا۔ بعض کو کسی بڑے شہر کی طرف۔ بعض کو تمام عالموں کی ہدایت کا ذمہ دار بنایا گیا۔ جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی وقتی لحاظ سے تھے مثلاً حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ساحروں کا زور تھا لہٰذا عصا کا معجزہ دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں اطباء نے بڑا کمال حاصل کیا تھا ان کو اسی کے لحاظ سے معجزات دیے گئے۔ حضرت رسولؐ خدا کی رسالت و ہدایت کا تعلق چونکہ روزِ قیامت تک تھا لہٰذا آپؐ کو بے شمار معجزات عطا کیے گئے۔

ان آیات میں حضرت موسیٰؑ سے کلام کرنے کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ خدا کا کسی بندہ سے کلام کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی اس نے جناب موسیٰؑ کا مرتبہ بہت بلند کر دیا۔ خدا کے کلام کرنے کی یہ صورت نہ تھی جو ہمارے کلام کرنے کی ہے کہ زبان و لب کو حرکت ہوتی ہے حلق سے آواز پیدا ہوتی ہے اگر خدا بھی ایسا ہی کلام کرے تو پھر خدا و بندہ میں فرق کیا ہے۔ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے۔ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز آتی تھی۔

دوسرے جس رسول کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰؑ ہیں جو خدا کی طرف سے بہت سے معجزات لے کر آئے تھے۔ جیسے مُردوں کو زندہ کرنا۔ کوڑھی اور جذامی کا اچھا کرنا۔ مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دینا۔ لوگ اپنے گھروں میں جو ذخیرہ کرتے تھے اس کو بتا دینا۔ جبرئیل کے ذریعہ ان کی مدد کرنا جس سے یہودی ان کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

تیسری بات جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے بندہ کو فاعل مختار بنایا ہے وہ کسی کی گردن دبا کر یا گلا گھونٹ کر اپنے کسی حکم کی تعمیل کرانا نہیں چاہتا۔ ہر انسان کو اس نے عقل دی ہے وہ اچھے بُرے کام کو خود سوچے۔ انبیاء و مرسلین کے معجزات دیکھنے کے بعد جو اختلاف لوگوں میں پیدا ہوئے خدا چاہتا تو دم بھر میں ان سب جھگڑوں کو چکا دیتا۔ کس کی طاقت تھی کہ اس کے حکم کے خلاف ورزی کر سکتا۔ مگر وہ جبر کر کے کسی کو مومن بنانا چاہتا ہی نہیں۔ اس ڈھیل دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ مومن بن گئے، کچھ کافر ہو گئے۔ اس نے کافروں کو صاف صاف بتا دیا کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ نہ وہاں کوئی خرید و فروخت ہو گی کہ بداعمال نیک اعمال سے کچھ نیکیاں خرید لے نہ کوئی دوست وہاں کسی کے کام آئے گا نہ کسی کی سعی سفارش کام دے گی۔ کسی کی طاقت نہ ہو گی کہ جہنم کی طرف کشاں کشاں جانے والوں کو کسی تدبیر سے بچا لے وہاں تو کفر کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ
فِی الدِّیْنِ ۙۚ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ

الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور تمام کائنات کا مدبر و منتظم ہے اس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب اسی کا ہے کون ہے جو بدوں اس کی اجازت کے اس کی بارگاہ میں کسی کی سفارش کرے جو کچھ ان کے سامنے موجود ہے اور جو کچھ اُن سے پہلے ہو چکا اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ جسے چاہے سکھا دے اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور ان دونوں (زمین و آسمان) کی نگہداشت اس پر ذرا بھی گراں نہیں۔ وہ عالیشان والا بزرگ مرتبہ والا ہے۔ دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں کیونکہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی تو جس نے طاغوت (جھوٹے خداؤں یعنی بتوں) سے انکار کیا اور خدا ہی پر ایمان لایا تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔ اور خدا سب کچھ جانتا اور سنتا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لا چکے ہیں وہ انہیں گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تو ان کے سرپرست شیاطین ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں ڈال دیتے ہیں یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کرسی کے معنی بیٹھنے والی کرسی نہیں ہے۔ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے کسی نے تو اس سے آسمان مراد لیا ہے کسی نے عرش اور کسی نے علم الٰہی اور یہی معنی سب سے زیادہ بہتر ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مذاہب باطلہ کی تردید مختصر لفظوں میں فرمائی ہے۔

هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ یہ بتانے کے بعد کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنی صفت ہمیشہ زندہ رہنے والا اور تمام کائنات پر حکومت کرنے والا بیان کی ہے۔ یہ ابطال ہے بت پرستوں کے مذہب کا۔ جب ان کے بُت زندہ ہی نہیں اور کسی چیز پر تصرف ہی نہیں کر سکتے تو ان سے نظام عالم میں تصرف کرنے کا کیا تعلق۔ ان سے بہتر تو ان کے پجاری ہیں۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۔ یہ بھی تردید بت پرستوں کے مذہب کی ہے۔ اونگھ ہو یا نیند انسانی حواس پر غلبہ حاصل کرنے والی اور معاملات دنیا سے بے خبر کر دینے والی ہوتی ہے۔ پس اگر کائنات کا مدبر بھی اونگھنے لگے یا سو جائے تو پھر اس تمام نظام کو سنبھال کون سکتا ہے۔ بت سوتے ہیں مندروں کے پجاری گھنٹی بجا کر اور ان پر پانی ڈال کر جگاتے ہیں مگر وہ اس پر بھی نہیں جاگتے۔ پھر ایسوں کو خدا ماننا کیسی سخت حماقت ہے۔

ایک بار حضرت موسیٰؑ سے کچھ لوگوں نے کہا آپ اپنے خدا سے یہ معلوم کیجیے وہ سوتا بھی ہے یا نہیں۔ موسیٰؑ نے یہ سوال بارگاہ الٰہی

ہیں پیش کیا۔ خدا نے دو بوتلیں دے کر ان کے پاس فرشتہ بھیجا اور کہا یہ دونوں بوتلیں دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے دو رات برابر جاگتے رہو یہ بوتلیں آپس میں ٹکرائیں نہیں۔ چنانچہ موسیٰؑ نے یہی کیا پہلی ہی رات کے آخری حصہ میں بوتلیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ وحی ہوئی، اے موسیٰؑ اگر میں سوتا تو اس تمام کائنات کا انتظام کون سنبھالتا۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ – یعنی کوئی چیز اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ ہر شے خدا کی مخلوق ہے اور اس کا علم اس کو گھیرے ہوئے ہے جب جو چیز خود گھری ہوئی ہو وہ اپنے گھیرنے والے کو کیسے گھیر سکتی ہے

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ – دین میں کوئی جبر نہیں یعنی اسلام میں جو اعتقادی، اخلاقی اور تمدنی اصول و فروع ہیں ان کو زبردستی کسی پر ٹھونسا نہیں جا سکتا اور نہ ایسا اسلام مفیدِ نجات ہو سکتا ہے بلکہ ان کی حقانیت کو عقل سے سمجھا جائے۔ جبراً کسی کو مسلمان بنانا اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ – یعنی جو شخص خدا کا نافرمان بندہ ہوتا ہے وہ شیطان کا بندہ بن جاتا ہے وہ اس نافرمانی کی بنا پر صرف ایک شیطان کا بندہ نہیں بنتا بلکہ بہت سے شیاطین جو اس کی خواہشات ہوتی ہیں اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں اور پھر وہ عقل و فہم کی روشنی سے نکال کر جہالت کی تاریکیوں میں لا ڈالتی ہیں لیکن اگر اللہ کا بندہ بن کر رہتا ہے تو وہ اسے ان تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

اے رسول تم نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اس کو سلطنت دی تھی ابراہیم سے ان کے رب کے بارہ میں جھگڑا کرنے لگا جب ابراہیم نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے تو وہ بھی کہنے لگا یہ کام تو میں کر سکتا ہوں (تمہارے رب میں کیا خصوصیت ہے) تب ابراہیم نے کہا میرا رب تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے تو پچھم سے نکال کر دکھا دے یہ سن کر وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور خدا ظالموں کو منزلِ مقصود تک پہنچایا ہی نہیں

حضرت ابراہیمؑ کو تین محاذوں پر دشمنوں کو نیچا دکھانا تھا۔ اوّل ستارہ پرستوں کو جن کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کے معبود ہیں کائنات کا تمام نظام انہی سے وابستہ ہے دوسرے بت پرستوں کو جن کا سردار ان کا چچا آذر بت تراش تھا۔ تیسرے نمرود اور اس کے تابعین کو

جو اس کو اپنا رب مانتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا جب اس سے مناظرہ ہوا تو اس نے کہا تمہارے رب میں وہ کیا خصوصیات ہیں جو مجھ میں نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میرا رب لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے اس نے کہا واہ یہ کون سی بڑی بات ہے یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک قیدی کو جو واجب القتل تھا بلایا اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا اس کی موت میرے ہاتھ میں ہے مگر میں اسے چھوڑے دیتا ہوں۔ گویا میں نے مردہ کو جلا دیا۔ دوسرے قیدی کو بلا کر اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ کہا لیجئے میرا زندہ کو مار ڈالنا بھی ثابت ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ آدمی کوڑھ مغز ہے بات کی تہہ کو نہیں پہنچا۔ فرمایا میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر اس کا مدمقابل ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ رات کو دن بنا دے۔

یہ سنتے ہی وہ سٹ پٹا گیا، اب کہے تو کیا کہے۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

اے رسول تم نے اس بندہ کے حال پر بھی غور کیا جو ایک گاؤں کی طرف سے گزرا اور وہ ایسا اجڑا تھا کہ اپنی چھتوں پر ڈھے کے گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بندہ کہنے لگا اللہ اس گاؤں کو ایسی ویرانی کے بعد کیسے آباد کرے گا۔ پس خدا نے اس کو مار ڈالا اور سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اس سے پوچھا تم کتنی دیر پڑے رہے اس نے کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا نہیں تم اس حالت میں سو برس پڑے رہے ہو۔ تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ لسی تک نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھو اس کی ساری ہڈیاں ڈھیر پڑی ہیں اور یہ سب اس لیے کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لیے تمہیں قدرت کا نمونہ بنائیں۔ اچھا اب گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ ہم کس طرح انہیں جوڑ جاڑ کر ڈھانچہ بناتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب ان پر یہ ظاہر ہوا تو بے ساختہ بول اٹھے کہ اب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱ - اس میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ ارمیا نبی کا ہے یا عزیرؑ نبی کا - اس میں بھی اختلاف ہے کہ بخت النصر بادشاہ کے زمانہ کا ہے جس نے بیت المقدس میں قتلِ عام کیا تھا یا کسی اور بادشاہ کا۔

۲ - یہ تو طے شدہ بات ہے کہ یہ واقعہ ایک نبی سے متعلق ہے۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ ایک نبی حیات بعد الموت کا قائل کیوں نہ تھا بات یہ ہے کہ کوئی نبی اس کا منکر نہیں ہو سکتا اور نہ اُسے حیات بعد الموت میں شبہ ہو سکتا ہے لیکن انبیاؑ کے لیے ایک دقت یہ تھی کہ ان کی اُمت یہ بھی سوال کرتی تھی کہ آپ نے بچشمِ خود دیکھا ہے اگر وہ اس کا جواب یہ دیتے کہ آنکھ سے تو نہیں دیکھا تو ضرور یہ کہتے کہ سُنی سنائی بات کا ہمیں یقین نہیں لہٰذا یہ حضرات چاہتے تھے کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں تاکہ پورے پورے وثوق سے لوگوں کو سمجھا سکیں۔ جب تک آدمی کسی چیز کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا اس کے بہت سے دبے ہوئے پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہوتا یہی وجہ تھی کہ آدم علیہ السلام کو جنت کی ایک جھلک دکھا دی تاکہ وہاں کی نعمات اور وہاں کی رہائش وغیرہ پر وہ پوری طرح روشنی ڈال سکیں۔ یہی ضرورت تھی کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ درخواست کی تھی کہ میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا، کیا تم ایمان نہیں لائے۔ عرض کی ایمان کیوں نہیں لایا لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ اعتقاد میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور قلب کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جبکہ کوئی چیز آنکھ سے دیکھ لی جائے۔ ایسے امر کے متعلق پھر لوگ کتنے ہی سوال کریں نبی پورے اطمینان سے ہر بات کا جواب دے سکتا ہے۔

۳ - یہ روایت محلِ تامّل ہے کہ جب حضرت عزیرؑ اپنے گھر پہنچے تو کسی نے ان کو نہیں پہچانا۔ آپ کی تصدیق آپ کے اُس لڑکے نے کی جو اس وقت بطنِ مادر میں تھا۔ جب آپ نے اپنے خدوخال اس کے سامنے بیان کیے تب اس بچہ نے آپ کو پہچان لیا۔ سوال یہ ہے کہ آپ کی زبان سے آپ کی خصوصیات سُن کر اس نے کیسے تصدیق کی۔ وہ تو پیدا بھی نہ ہُوا تھا۔

۴ - اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ طاہرہ پر زمین و مخلوقاتِ زمین میں سے کوئی چیز اپنا تصرف نہیں دکھا سکتی۔ سو برس تک زمین پر پڑے رہے اور اُن کا ایک بال بیکا نہ ہُوا۔ انبیاء ہی پر موقوف نہیں شہدائے راہِ خدا اور خاصانِ خدا کے اجسام بھی مرنے کے بعد زیرِ زمین محفوظ رہتے ہیں۔ جیسے جناب حمزہؑ کی قبر کو جب معاویہ کے زمانہ میں ایک نہر نکالنے کے سلسلہ میں کھودا گیا تو آپ کو اسی حالت میں دیکھا گیا جس حالت میں وہ دفن کیے گئے تھے۔ اسی طرح جناب جابر بن عبداللہ اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہما کی قبروں کو کھول کر ۱۹۳۲ء میں جب ان کی میتیں دوسری جگہ منتقل کی گئیں تو کوئی تغیر ان میں نہ پایا گیا بلکہ جسموں کا کیا ذکر کفن تک بدستور محفوظ رہے۔

۵ - یہ تو ظاہر ہے کہ جناب عزیرؑ کی میت سو برس تک رہی تو زمین کے اوپر تھی مگر قدرت نے اس کو نظرِ خلائق سے اس طرح پوشیدہ رکھا کہ کسی کو پتہ نہ چلا۔ پس لوگوں کو کیوں تعجب ہے اس بات پر کہ امام مہدیؑ آخر الزمان لوگوں کو باوجود اسی زمین پر ہونے کے دکھائی نہیں دیتے۔

۶ - کھانے پینے کی چیزوں کا سو برس بدستور رہنا اور اُن میں بُو پیدا نہ ہونا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا اس کا ثبوت ہے کہ جن چیزوں کو انبیاء کا ہاتھ لگ جائے یا اُن سے منسوب ہوں، عناصرِ زمین و آسمان میں سے کوئی چیز اُن پر اپنا تصرف نہیں دکھا سکتی

یہی صورت گدھے کی ہڈیوں کا پنجر سو برس تک باقی رہنے کی ہے۔

۷ - گدھے کی ہڈیوں کے ڈھانچہ پر از سرِ نو گوشت چڑھانا اور اس کو زندہ کر کے اُٹھا کھڑا کرنا اس کا ثبوت ہے کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ہر ایک کو یوں ہی زندہ کر کے میدانِ حشر میں لے آئے گا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے یہ دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے خدا نے کہا کیا تم (حیات بعد الموت پر) ایمان نہیں لائے۔ انھوں نے کہا ضرور ایمان رکھتا ہوں لیکن اس معاملہ میں اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا تو چار چڑیاں لو اور اپنے پاس رکھو پھر (ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قیمہ بنا لو) اس کو ہر پہاڑ پر تھوڑا تھوڑا سا رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور یہ جان لو کہ بے شک اللہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے حیات بعد الموت پر ایمان لانے کو کہا تو وہ کہنے لگے اے ابراہیمؑ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو اجزا بہت سے اجسام میں متفرق ہو جائیں وہ پھر زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ اتفاقاً ایک روز دریا کے کنارے سے گزر رہے تھے کہ ایک لاش کو دیکھا کہ آدھی پانی میں ہے اور آدھی خشکی میں۔ جو حصہ پانی میں ہے اُسے پانی کے جانور کھا رہے ہیں اور جو خشکی میں ہے اُسے خشکی کے جانور کھا رہے ہیں دل میں خیال آیا جب ایک جسم کے اجزا بہت سے اجسام میں چلے گئے تو پھر یہ قیامت میں کیسے جمع ہوں گے۔ خدا سے دعا کی کہ مجھے یہ دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ حکم ہُوا چار پرندے ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ کرو اور چاروں کے گوشت ملا کر گڈمڈ کر دو پھر یہ قیمہ تھوڑا تھوڑا مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اور ان کی چونچیں ہاتھ میں لے کر انھیں پکارو۔ اُن کے اجزا جہاں جہاں ہوں گے دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور اپنی اپنی منقار سے لپٹ کر پورا جسم بنا لیں گے اور جب تم چھوڑ دو گے تو اُڑتے چلے جائیں گے۔

جناب ابراہیمؑ سے جو یہ سوال کیا گیا تھا کہ کیا تم ایمان نہیں لائے۔ یہ سوال ایمان باللہ اور اس کے متعلقات کے متعلق نہ تھا بلکہ صرف حیات بعد الموت کے متعلق تھا۔ یعنی اس معاملہ میں حضرت ابراہیمؑ کا اعتقاد تو تھا لیکن اطمینان چاہتے تھے کہ اپنی آنکھ سے زندہ ہونے کی جو صورت ہوگی وہ دیکھ لیں تاکہ دوسروں کو اچھی طرح سمجھا سکیں۔ تاکہ پھر انہیں چون و چرا کی گنجائش نہ رہے۔

اس مسئلہ کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ ہر جسم حیوانی دو قسم کے اجزا سے مرکب ہے۔ اجزائے اصلیہ اور اجزائے زائدہ یا فاضلہ۔ اجزائے اصلیہ کبھی نہیں بدلتے، اجزائے زائدہ آئے دن بدلتے رہتے ہیں کبھی انسان موٹا ہوتا ہے کبھی لاغر۔ اجزائے اصلیہ نہایت لطیف ہوتے ہیں جو ہمیں آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ انہی کا نام حقیقتِ انسانیہ ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے۔ یہی وہ اجزا ہیں جن سے عالمِ ذرّ میں اللہ نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ انسان کے اندر سے جو 'میں' کی آواز نکلتی ہے وہ نہ بدن کی ہے نہ نفس کی نہ رُوح کی بلکہ ان ہی اجزائے اصلیہ کی ہے جو جان و نفس و روح سے علیحدہ ایک چیز ہیں۔ یہی کسی جسم میں اوّل سے آخر تک اس کی خصوصیات کے باقی رکھنے کے ضامن ہوتے ہیں اور اس کے کسی حصّہ کو بدلنے نہیں دیتے۔ ایک برگد کے بیج کو دیکھو کتنا چھوٹا سا ہوتا ہے اس کے اندر اس کے اجزائے اصلیہ پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس درخت کے آخری پتے تک چاہے کتنا ہی اونچا ہو ان اجزائے اصلیہ کا وجود پایا جاتا ہے جو اس درخت کی کسی شاخ یا کسی پتہ کو اصلیت سے بدلنے نہیں دیتا۔ جب یہ اجزائے اصلیہ بدن انسان سے نکل جاتے ہیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ پس قیامت میں جب یہ اجزائے اصلیہ انسانیہ میدانِ حشر میں رکھے جائیں گے تو جہاں جہاں ان کے اجزائے زائدہ ہوں گے وہ اسی طرح اس سے آملیں گے جیسے حضرت ابراہیمؑ کے پرندوں کے اجزا منقاروں سے آملے تھے۔ سوال وہاں اجزائے فاضلہ یا زائدہ سے نہ ہوگا بلکہ ان اجزائے اصلیہ سے ہوگا ——— جو عالم ذر میں معاہدہ کرنے والے اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُم کے جواب میں بلیٰ کہنے والے تھے۔ چونکہ انہی اجزائے اصلیہ کے تحت نفس انسانی نے جسم انسان میں اپنے تصرفات کیے ہوں گے لہٰذا اس سے بھی جواب طلب کیا جائے گا کیونکہ جسم پر کنٹرول کرنے والا تو وہی تھا اجزائے اصلیہ تو بقائے جسم کے ضامن ہوتے ہیں نہ کہ افعال انسانی کے۔ اس کی مکمل بحث ہم نے اپنی کتاب سیرت الرسولؐ میں بطور ایک ضمیمہ کے حقیقتِ انسانیہ کے عنوان کے تحت لکھی ہے اور رسالہ نور میں جو ۱۹۶۶ء میں بند ہوا ہے کئی سال اس موضوع پر لکھتے رہے تھے۔ یہ ایک دقیق بحث ہے یہاں زیادہ لکھنے کا موقع نہیں۔

جناب ابراہیمؑ کے اعتقاد میں کوئی نقص نہ تھا وہ اس پر پورا پورا عقیدہ رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد مُردوں کو زندہ کیا جائے گا وہ صرف اس کی عملی صورت دیکھنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اس سے پہلے جناب عُزیرؑ کا واقعہ گزر چکا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ درخواست اس وجہ سے کی تھی کہ حضرت جبریلؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ خدا آپ کو اپنی دوستی کے مرتبہ پر فائز کرے گا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ آپ کی خاطر سے مردہ کو جِلائے گا۔ اس اشتیاق میں حضرت ابراہیمؑ نے یہ درخواست کی تھی اور یہ اس وقت درخواست کی جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی سیر کرائی۔ اس کے بعد اس کا وہ واقعہ بیان کیا گیا جس کا ذکر اوپر ہوا۔

ایک روایت ہے کہ وہ چار پرندے گدھ۔ بط۔ مور اور مرغ تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ
سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ
مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثل اس دانہ کی سی ہے جس سے (زمین میں بونے کے بعد) سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے دُونا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا ہر چیز سے واقف ہے جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرنے کے بعد کسی پر احسان نہیں جتاتے اور نہ جس پر احسان کیا ہے اُسے ستاتے ہیں تو ان کا اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے۔ آخرت میں نہ اُن کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ سائل کو نرمی سے جواب دے دینا اور اس کے اصرار پر نہ جھڑکنا اس سے درگزر کرنا اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس سے سائل کو ایذا پہنچے اور خدا ہر شے سے بے پروا اور بردبار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے تو اس سے یہ نہ کہو کہ ہم نے تمہارے ساتھ ایسا ایسا کیا تھا تم بڑے احسان فراموش ہو کہ اس کا کوئی اچھا بدلہ ہمیں نہ دیا یا ہمارے شکر گزار نہ ہوئے۔ یا تم کیسے بڑھ بڑھ کر بولتے ہو حالانکہ تمہارا ہاتھ ہمارے سامنے پھیلا ہوا رہتا تھا۔ ایسی باتیں کسی غریب کے دل پر خنجر کا کام کرتی ہیں اور احسان کرنے والے کا اجر و ثواب سب خاک میں مل جاتا ہے۔ احسان کر کے نہ جتانا دشمن کو دوست بنا دیتا ہے اور جتانا دوست کو دشمن۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ
رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور سائل کو اذیت دے کر ضائع نہ کرو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے واسطے خرچ کرتا ہے اور خدا اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کی خیرات کی مثال اس چکنی چٹان کی سی ہے جس پر کچھ خاک پڑی ہو پھر اس پر بڑے زور شور سے بڑے قطروں والا مینہ برسے اور مٹی بہا کے اُسے چکنا چھوڑ جائے اسی طرح ریاکار اپنی خیرات یا اس کے ثواب میں سے جو حاصل کیا ہے کچھ بھی نہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا یعنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور ان لوگوں کی مثال جو خوشنودیٔ خدا کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں اُس ہرے بھرے باغ کی سی ہے جو کسی ٹیلے پر لگا ہو اور اس پر زور شور سے پانی برسے تو دوگنے پھل لائے اور اگر اس پر زور کا پانی نہ بھی برسے تو اس کے لیے ہلکی پھوار ہی کافی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جوانمرد چار ہیں:
دولت کے ساتھ انکسار کرنے والا۔ قابو پاکر عوض سے درگزر کرنے والا۔ باوجود دشمنی کے دشمن کو نصیحت کرنے والا۔ بغیر احسان جتائے کچھ دینے والا۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ
اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا
لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ
تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ښ يُّؤْتِي
الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَ
مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اس کے نیچے نہریں جاری ہوں اور اس باغ میں اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور اس شخص کو بڑھاپا آپہنچے اس حالت میں کہ اس کے بچے کمزور ہوں پھر اس باغ میں (اچانک) ایک بگولا آجائے جس میں آگ ہو جس سے اس کا باغ جل جائے (تو اس کے دل پر کیا گزرے گی) اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ اے ایمان والو اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جنہیں تم نے کمایا ہے اور اُن میں سے بھی جنہیں ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے کچھ خرچ کرو اور اس میں سے خراب چیز کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جبکہ تم خود بھی اس کے لینے کے روادار نہیں ہو سوائے اس کے کہ تم اس کے متعلق چشم پوشی کرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور حمد کے لائق ہے شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے معافی دینے اور مہربانی کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا سب سے زیادہ جاننے والا ہے وہ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی بے شک اُسے بہت زیادہ خیر و برکت دی گئی۔

تفسیرِ صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایامِ جاہلیت میں کچھ لوگوں نے بُرے پیشوں سے روپیہ کمایا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس مال میں سے صدقہ نکالنا چاہا لیکن اللہ نے منع کر دیا اور حکم دیا کہ صدقہ اسی مال میں سے نکالو جسے تم نے جائز پیشوں سے کمایا ہو۔ اس طریقہ سے اللہ نے روک تھام کی ہے بُرے پیشوں سے روزی کمانے کی۔

شیطان لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم اپنے مال سے محتاجوں کو دے دیں گے تو رفتہ رفتہ ہم خود محتاج ہو جائیں گے اس لیے وہ شیطان کے بہکانے میں آکر محتاجوں کی مدد سے دست کش ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بتایا کہ شیطانی وسوسوں میں نہ پڑو۔ جو تم راہِ خدا میں دو گے ہم اس سے دس گنا زیادہ کسی نہ کسی طریق سے تم تک پہنچا دیں گے۔ ہمارے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔

مَنْ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حکمت سے مراد معرفت تَفَقُّہ فِی الدِّیْن ہے پس جس نے تم میں سے علمِ فقہ حاصل کیا وہ حکیم ہے۔ حکمت کے تحت دونوں چیزیں آجاتی ہیں حکمتِ نظری یعنی علم اور حکمتِ عملی پس جس کے پاس علم و عمل دونوں ہوں اس کے پاس خیرِ کثیر ہوگی تو کس کے پاس ہوگی اس لیے حضرت رسولِ خدا نے علیؑ کے متعلق دونوں چیزیں بیان کر دیں۔ ایک جگہ فرمایا، اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ دوسری جگہ فرمایا، اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک جگہ شہرِ علم کا دروازہ بیان فرمایا دوسری جگہ گھر کا دروازہ۔ راز اس میں یہ ہے کہ علم کی وسعت عمل سے بہت زیادہ ہے عملی صورت محدود ہوتی ہے اور علم غیر محدود ہے روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی اس کی حد نہیں پا سکتا فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ ہر علم والے سے اوپر ایک اور زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک سے دوسرا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے برخلاف اس کے عمل کی صورت محدود ہے۔ عملِ صحیح کی ایک ہی صورت ہمیشہ رہتی ہے اور اس کی تعداد ایک دائرہ کے اندر محصور و محدود ہوتی ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا
الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے یا کوئی مَنّت مانو گے خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔ اُن ظالموں کا جو لوگوں کا حق مار کر

دوسروں کی نذر کرتے ہیں قیامت کے دن کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ اگر خیرات کو ظاہری طور پر دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے وہ دینے کو تمہارے گناہوں کا کفارہ قرار دے گا اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے اے رسولؐ منزلِ مقصود تک پہنچانا تمہارا فرض نہیں صرف راستہ دکھانا تمہارا فرض ہے۔ لیکن خدا جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ تم جو کچھ نیک کام میں خرچ کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور تم تو خدا کی خوشنودی کے سوا اور کام میں خرچ کرتے ہی نہیں ہو۔ بس تم جو کچھ نیک کام میں خرچ کرو گے قیامت میں اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں مل جائے گا۔

ہدایت کے دو معنی ہیں: اِيْصَالُ اِلَى الْمَطْلُوْبِ یعنی کسی کو اس کے مقصود و مطلوب تک پہنچا دینا دوسرے اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ یعنی راستہ دکھانا۔ رسولؐ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح راستہ دکھا دے اس کے بعد اس کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا صراطِ مستقیم پر قائم رہنا یہ اللہ کا اختیار ہے۔ یعنی وہ اپنی توفیقات نازل کر کے اسے صاحبِ ایمان و عرفان بنا دے یا اس کی حالت پر چھوڑ دے۔ راہِ خدا میں دینے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ دیں کم ہو یا زیادہ محض خوشنودیٔ خدا کے لیے دیں نہ کسی کے ڈر سے نہ کسی کی خوشامد میں۔ نہ اپنی کسی غرض سے۔ یہ خیرات بارگاہِ باری میں قبول نہ ہوگی اور رد کر دی جائے گی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

خاص اُن حاجتمندوں کے لیے جو خدا کی راہ میں دشمنوں میں گھر گئے ہوں اور اگر وہاں سے جانا چاہیں تو نکل نہیں سکتے ناواقف لوگ ان کو سوال نہ کرنے کی وجہ سے امیر سمجھتے ہیں لیکن تم ان کی صورت دیکھتے ہی تاڑ جاؤ گے کہ محتاج ہیں وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ تم جو کچھ نیک کام میں خرچ کرتے ہو (اور ایسے لوگوں کو دیتے ہو) خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔ جو لوگ رات کو دن کو چھپا کے یا دکھا کے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اُن کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر قیامت میں ہے نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ کے پاس چار درہم تھے۔ آپؓ نے ایک درہم رات کو خیرات کیا اور ایک دن کو، ایک چھپاکر دیا اور ایک دکھاکر۔ اسی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ
الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى
اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو اس وجہ سے کہ وہ لوگ اس کے قائل ہوگئے ہیں کہ جیسا فروخت کا معاملہ ہے ویسا ہی سود کا ہے۔ حالانکہ خرید و فروخت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے پس جس کے پاس اس کے پروردگار کی نصیحت آئی، اور وہ سود کھانے سے باز آگیا تو اس حکم کے آنے سے پہلے جو سود وہ لے چکا ہے وہ اسی کا ہوگیا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے اور جس نے ممانعت کے بعد بھی سود لیا تو ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا ہے۔

عرب میں سب سے بڑی سود خور قوم یہودی تھے جنہوں نے ہر طرف اپنے قرضوں کا جال بچھا رکھا تھا اور ہندوستانی بنیوں اور ساہوکاروں کی طرح سود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کر رکھی تھیں اور پھر سود در سود لے کر اصل رقم میں شامل کر لیتے تھے پھر کل رقم پر سود لگاتے تھے غرض ان سے قرض لینے والا چند سال میں تباہ ہو جاتا تھا اور اپنا سارا سرمایہ ان کے سپرد کر دیتا تھا جب حضرت رسولِ خدا ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہ تماشا دیکھا کہ مدینہ کے انصار کا بال بال قرضہ میں جکڑا ہوا ہے اور یہودی سود در سود لے کر ان کے سروں پر بلا کی طرح سوار ہیں جو قرضہ نہیں چکاتا تھا اس کے بال بچوں کو بطور رہن اپنے گھر لے جاتے اور غلام و کنیز بنا کر ان سے کام لیتے۔ یہ تباہ کن سلسلہ ایامِ جاہلیت سے چلا آرہا تھا اور مسلمان نہایت عسرت و تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے بلکہ بہت سے ایسے تھے جنہیں دونوں وقت کھانا بھی میسر نہ آتا تھا۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی یہ سلسلہ آپس میں شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بنا پر سود کو حرام قرار دیا اور اس کی جگہ قرضِ حسنہ کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ قرضِ حسنہ کی صورت یہ تھی کہ مالداروں سے کہا گیا کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کو اس شرط پر بلا سود قرضہ دیں کہ جب ان کے پاس اتنی رقم ہو جائے تو بغیر کسی عذر و حیلہ کے اپنا قرضہ ادا کر دیں۔ اور قرض دینے والا ان کو مہلت دیتا رہے اگر عمر بھر

ان سے وہ قرضہ ادا کرنا ممکن ہی نہ ہو تو معاف کر دے اللہ اس کو روزِ قیامت دس گنا اجر دے گا۔ لین دین کے اس طریقہ کے رواج پانے کے بعد مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا اور وہ یہودیوں کے ظلم و ستم سے نجات پاگئے۔ لیکن بددیانت اور بے ایمان لوگوں نے جب یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ باوجود پیسہ پاس ہونے کے قرضہ ادا نہ کیا اور قرض دینے والے سے حیلے بہانے کرنے لگے تو لوگوں نے قرضِ حسنہ دینا بند کر دیا۔ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے رہتے تو سود کے چکر میں کبھی نہ پھنستے۔

وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ
الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور خدا ناشکرے گنہگاروں کو دوست نہیں رکھتا جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے پابندی سے نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے روز قیامت نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ رہ گیا ہے اگر تم سچے مومن ہو تو اسے چھوڑ دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار رہو۔ ہاں اگر تم نے خدا سے توبہ کر لی ہے تو تمہارے لیے تمہارا اصلی مال کافی ہے نہ تم کسی کا زبردستی نقصان کرو اور نہ تم پر زبردستی

کی جائے اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو اس کو اس کی خوشحالی تک مہلت دو اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے کہ اصل بھی بخش دو اور اس دن سے ڈرو جس دن تم سب کے سب خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور پھر وہاں جو کچھ کسی شخص نے کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر زیادتی یا حق تلفی نہ ہو گی۔

اس زمانہ میں بنکاری کا سسٹم روز بروز ترقی پر ہے۔ شہروں، قصبوں بلکہ دیہات تک میں بنک کھلے ہوئے ہیں اور لوگ ان میں برابر اپنا روپیہ جمع کرتے اور اپنی جمع شدہ رقم پر سالانہ سُود لیتے ہیں۔ یہ طریقہ اس سُود جیسا نہیں ہے جس کو شریعت نے حرام کیا ہے ان دونوں میں بیّن فرق ہے۔

۱۔ جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس پر قرض کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہم بخوشی اس کو جمع کرتے ہیں اور مقصود ہمارا اپنے پیسے کی حفاظت ہوتا ہے۔

۲۔ نفع و نقصان میں دونوں پارٹیاں برابر کی شریک ہیں یعنی اگر کوئی بنک فیل ہو جائے تو اس کا نقصان ان سب کو برداشت کرنا ہو گا جو اپنی اپنی رقم جمع کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اس کو قرض نہیں کہا جا سکتا بلکہ ایک تجارتی معاہدہ ہے۔

۳۔ بنک والے ختم سال پر جو کچھ بطور سُود دیتے ہیں وہ اپنی مرضی سے دیتے ہیں۔ ورنہ پیسہ جمع کرانے والے کی طرف سے اس کے متعلق کوئی شرط نہیں ہوتی۔

۴۔ بنک والے جو رقم جمع کرتے ہیں وہ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ اس سے تجارت کرتے ہیں اور جو منافع ہوتا ہے، اس کا ایک حصہ رقم جمع کرنے والوں کو بقدر اس کی رقم کے دیتے ہیں۔ یہ منافع مطابق ان کی سالانہ آمدنی کے تقسیم ہوتا ہے۔ زیادہ رقم پر سود کی رقم بڑھ جاتی ہے کم ہونے پر کم دی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا وہ سودی قرضہ سے علیحدہ ایک چیز ہے۔

البتہ جو قرضہ بنک سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں کیونکہ وہ تو لیا ہی قرض کے طور پر جاتا ہے۔ اس میں ضرر کی ایک ہی صورت باقی رہتی ہے یعنی اگر قرض لینے والے کو تجارت میں نقصان ہو تو بنک سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی زد صرف قرض لینے والے پر پڑے گی۔ اس طرح اگر کوئی رقم ذاتی ضرورت کے لیے لی جاتی ہے اور قرض لینے والا ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو بنک کا سُود بڑھتا ہی جاتا ہے اور یہی اس کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا سُود حرام کر کے خدا نے مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچا لیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ

اے ایماندارو جب تم ایک میعادِ مقررہ تک کے لیے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اس کی لکھا پڑھی کر لیا کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارے درمیان جو قول قرار ہوا ہے اُسے ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ جس طرح خدا نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے اسی طرح اس کو بے عذر لکھ دینا چاہیئے اور جس کے ذمہ قرض عائد ہوتا ہے اس کو چاہیئے کہ تمسک کی عبارت بتاتا جائے اور خدا سے جو اس کا رب ہے ڈرتا رہے اور بتانے میں قرض دینے والے کے حقوق میں کچھ کمی نہ کرے اور اگر قرض لینے والا کم عقل یا ضعیف ہو یا خود تمسک کا مطلب نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست ٹھیک ٹھیک انصاف سے لکھوا دے اور اپنے بڑوں میں سے جن لوگوں کو تم گواہی کے لیے پسند کرو کم سے کم دو مردوں کی گواہی کرا لیا کرو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور ۲ دو عورتیں ہوں۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک اگر بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلا دے گی۔ اور جب

گواہ حاکم کے سامنے گواہی کے لیے بلائے جائیں تو وہ حاضر ہونے سے انکار نہ کریں اور قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد معین تک کی
دستاویز لکھوانے میں کاہلی نہ کریں خدا کے نزدیک لکھا پڑھی بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کے لیے بھی مضبوطی ہے،
(اور بہت قرینِ قیاس ہے) تاکہ تم آئندہ کسی شک و شبہ میں نہ پڑو۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ
يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

اگر نقد لین دین ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں لیکن جب ایسی خرید و فروخت ہو تو گواہ کر لیا کرو اور کاتبِ دستاویز اور گواہ کو ضرر نہ
پہنچایا جائے اگر تم ایسا کر بیٹھے تو یہ تمہاری شرارت ہوگی اللہ سے ڈرو۔ خدا تم کو معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب
جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے اور قرض دینا ہو تو رہن با قبضہ رکھ لو اور اگر تم میں سے ایک کو ایک کا اعتبار ہو
تو یوں ہی قرضہ دیا جا سکتا ہے۔ قرض لینے والے کو چاہیے کہ قرض دینے والے کی امانت پوری پوری ادا کر دے اور اپنے پالنے والے
خدا سے ڈرے۔ مسلمانو تم گواہی کو نہ چھپاؤ جو چھپائے گا بیشک اُس کا دل گنہگار ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُسے خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ
اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ
الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق غُفْرَانَكَ رَبَّنَا
وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ
وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے چاہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ،
اللہ اُس کا محاسبہ ضرور کرے گا۔ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا اُس پر عذاب کرے گا اور اللہ ہر شے
پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ہمارے پیغمبر محمدؐ پر جو کچھ ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے اور ان
کے ساتھ مومنین بھی سب کے سب خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور کہنے
لگے، اے ہمارے پروردگار ہم نے تیرے احکام سُنے اور مان لیے۔ پروردگار ہمیں تیری ہی مغفرت کی خواہش ہے اور تیری
ہی طرف لوٹ کر جانا ہے خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جس نے اچھا کام کیا تو اپنے نفع کے لیے
کیا اور جس نے بُرا کام کیا تو اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہماری گرفت
نہ کر۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے اگلے لوگوں پر ڈالا تھا اے ہمارے پروردگار اتنا بوجھ ہم پر نہ
ڈال جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم پر
رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور تو ہی کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔

اسلام میں یہی خوبی ہے کہ اس کے جتنے احکام ہیں وہ فطرتِ انسانی پر غیر معمولی بار نہیں ہر شخص کو اتنی ہی تکلیف دی گئی ہے جتنی
وہ برداشت کر سکے مثلاً نماز کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے لیکن اگر بیمار ہو تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر بیٹھا بھی نہ جائے تو لیٹ کر پڑھے۔ اشارہ
سے پڑھے۔ اسی طرح روزہ میں بھی، سفر میں اور بعض مجبوریوں میں رعایت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا آرام چاہتا ہے ان کو
تکلیف نہیں دینی چاہتا۔ پہلی اُمتوں کے لیے جو احکام تھے وہ اُن کی شرارتوں کی وجہ سے بہت سخت کر دیے گئے تھے۔ مثلاً پچاس نمازیں
مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ۔ نجس کپڑے کو بجائے دھونے کے کاٹ دینا۔ مسجد کے سوا دوسری جگہ نماز نہ پڑھنا۔ تیمم سے نماز
صحیح نہ ہونا۔ رمضان میں سو جانے کے بعد پھر کھانے کی اجازت نہ ہونا۔ رمضان میں عورت کے پاس جانے کی ممانعت وغیرہ وغیرہ۔
چونکہ ہمارے رسولؐ رحمۃ للعالمین تھے لہٰذا خدا نے اُن کی اُمت پر اپنے احکام بہت آسان کر دیے۔

[سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ
الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ
الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِيْلِهٖ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا
بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں وُہ زندہ ہے اور سارے جہان کا انتظام کرنے والا ہے اے رسول اُس نے تم پر حق کتاب نازل کی ہے جو ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں۔ اس سے پہلے اللہ نے توریت و انجیل کو نازل کیا جو لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت تھی اور قرآن کو نازل کیا جن لوگوں نے آیاتِ خدا کے قبول کرنے سے انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اللہ ہر چیز پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ اللہ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ وُہی تو وُہ خُدا ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی صورت چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا

کوئی معبود نہیں وہ ہر شے پر غالب اور دانا ہے۔ وُہ وہی ہے جس نے کتاب (قرآن) نازل کی اس میں بعض آیتیں تو محکم ہیں جو بہت صریح ہیں عمل کرنے کے لیے اصل و بنیادی ہیں اور کچھ آیتیں متشابہ یعنی گول گول ہیں جن کے معنی میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وُہ انہی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس واسطے بھی کہ انہیں اپنے مطلب کے موافق ڈھال لیں اور خدا اور ان لوگوں کے سوا جو بڑے پایہ کے ہیں ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب محکم ہوں یا متشابہ، ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور عقل والے ہی اس کو سمجھتے ہیں۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ۔ قرآنِ کریم اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں ان سب کی تصدیق کرتا ہے لیکن یہ تصدیق صرف انہی احکام و ہدایات کی ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوئے نہ کہ ان تحریفات کی جو علمائے یہود و نصاریٰ نے کر کے ایک نئی توریت و انجیل بنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

توریت سے مراد وہ احکام جو حضرت موسیٰؑ پر تقریباً چالیس سال تک نازل ہوتے رہے ان میں سے دس احکام تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی الواح پر کندہ کر کے ان کو دیئے تھے باقی احکام کو حضرت موسیٰؑ نے لکھوا کر ان کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اس کا نام توریت تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی صورت میں بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ تھی۔ لیکن جب بخت النصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا تو توریت کی تمام کتابیں، جو لوگوں کے پاس تھیں تباہ ہو گئیں۔ اس کے بعد لوگوں نے جو جس کو یاد تھا لکھ کر توریت نام رکھا۔ اسی زمانہ میں تحریفات و تصرفات شروع ہو گئے بہت زمانہ بعد حضرت عزیر نے اصلی توریت کا پتہ چلایا۔ لیکن محرّفہ توریت کا رواج عام ہو چکا تھا اس لیے یہودیوں کے پاس وہی رہی۔ یہی حشر انجیل کا ہوا جو چار انجیلیں رائج ہیں وہ اصلی انجیلیں نہیں بلکہ ان کے اندر وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے بیان کی تھیں۔ موجودہ انجیلوں میں وہ اقوال داخل ہیں لیکن ان کو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی انجیل نہیں کہا جا سکتا۔

هُوَ الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (وہ رحموں میں تمہاری جیسی صورت چاہتا ہے بناتا ہے) اس آیت میں خدا نے اپنی کمالِ صنعت کا ذکر کیا ہے۔ پہلے وقتِ مجامعت نطفہ کو اصلاب آباء سے نکالنا۔ پھر اس کا رحم تک پہنچانا پھر عورت کی منی کو اس سے ملانا۔ پھر کچھ دن بعد اس نطفہ کو علقہ (خون کا لوتھڑا) بنانا پھر علقہ کو گوشت کا ٹکڑا بنانا پھر ہڈی بنائی پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا پھر اس میں روح ڈال کر مُردہ کو زندہ کیا۔ یہ اس کی قدرت کے کرشمے ہیں دوسرا کون کر سکتا ہے۔ اس پر بھی غور کرو ہر مصوّر جو نقش بناتا ہے وہ ساکن سطح پر بناتا ہے چلتی پھرتی موجوں پر نہیں بناتا، متحرک سطح پر نہیں بناتا لیکن اس صانعِ عالم نے نطفہ کے قطرہ پر جو سیال تھا، انسانی بدن کا نقش بنانا شروع کیا۔ پھر یہ دیکھو کہ ہر مصوّر جو نقش بناتا ہے وہ روشن سطح پر بناتا ہے تاکہ ہر خد و خال آسانی سے بن سکے لیکن مصوّرِ قدرت نے اپنا کمال دکھانے کے لیے یہ نقش تین تین تاریکیوں میں بنایا ہے۔ اوّل وہ جھلی جس میں وہ نطفہ ڈالا گیا پھر بچہ دانی کی تاریکی پھر پیٹ کی تاریکی اور پھر ایسا نقش بنایا کہ قدرت اپنی صنعتِ کاملہ پر جھوم گئی اور اپنی تعریف میں یہ الفاظ کہہ اٹھی فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ "پاک ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے"۔ نہ ماں کو خبر کہ اس کے پیٹ میں کیا بن رہا

ہے۔ لڑکا ہے یا لڑکی۔ کالا ہے یا گورا شقی ہے یا سعید۔ ناقص الخلقت ہے یا کامل الخلقت۔ نہ باپ کو اطلاع کر اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ صرف نو ماہ بعد کارخانۂ قدرت کی یہ بنی ہوئی مکمل مشین شکمِ مادر سے باہر آتی ہے۔ قدرت نے جو پُرزے اس میں فٹ کیے ہیں اگر ان میں سے کوئی پُرزہ خراب ہو جائے تو دُنیا کے کسی کارخانہ سے ایسا پُرزہ نہیں مِل سکتا۔ عجب یہ ہے کہ اگر ایک بال گر جائے تو کوئی اسے دوبارہ جما نہیں سکتا۔

مُحکَمٌ و مُتَشَابِہ ۔ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں۔ اوّل مُحکم، جن کا مطلب سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تمام احکام جو از قسم عبادات و معاملاتِ باہمی ہیں وہ سب آیاتِ محکمات کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وغیرہ۔ دوسری آیات متشابہات ہیں جن کے معنی واضح نہیں اور ان کے معنی میں کئی کئی پہلو نِکلتے ہیں اور اصلی مفہوم سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ بنا بر تقلید یا تعصب کوئی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کے مقصد و مدعا اور عقیدہ کے مطابق ہو چونکہ اسلام میں تہتّر فرقے ہیں جن کے عقیدے مختلف ہیں لہٰذا وہ آیاتِ متشابہات ہی سے کام لے کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایسی آیات کو پیش کرتے ہیں۔

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ الخ ۔ خدا فرماتا ہے کہ ان آیات کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے جو علم کے بڑے تبحر پر فائز ہیں۔ انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ سے پوچھا کہ راسخون فی العلم کون ہیں فرمایا وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ سے نیکی ہو زبان سچی ہو دل مستقیم ہو اور جو حرام پیٹ اور فرج سے محفوظ ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ صفات معصوم کے سوا دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ کیونکہ اس اُمت میں ان کے سوا کوئی ایسا نہیں جس نے نیکی کے سوا کوئی ظلم نہ کیا ہو۔ کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ دل میں کبھی کوئی غلط خیال نہ گزرا ہو لقمۂ حلال کے سوا لقمۂ حرام نہ کھایا ہو۔ (درمنثور سیوطی) یہ سب صفتیں علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ من حیث المجموع اہلبیت کے سوا دوسروں میں نہ ملیں گی۔

راسخون فی العلم سے مراد صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو علم میں اتنا رسوخ حاصل ہو کہ وہ کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہیں کہ ہم اس کا جواب نہیں جانتے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ متکلم اپنے کلام میں ایک ہی معنی معیّن کرتا ہے نہ کہ دس دس۔ پس جن کے گھر میں کلامِ خدا نازل ہوا اور جن کو اس کی تعلیم دی گئی وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اس آیت کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ ایسی آیات اس لیے نازل کی گئی ہیں کہ لوگ رسولؐ کی طرف سے بے خبر نہ ہو جائیں اور جو باتیں ان کی سمجھ میں نہ آئیں اُن کا مطلب کسی غیر سے نہ پوچھیں بلکہ رسولؐ سے آکر پوچھیں تاکہ رسولؐ اور اُمت میں رابطہ قائم رہے۔ پس رسولؐ کے بعد ہر زمانہ میں کوئی ایک شخص ایسا باقی رہنا چاہیئے جو معصوم ہو اور رسولؐ کی طرح وہی علم رکھتا ہو تاکہ وہ صحیح تاویل بتا سکے ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

موجودہ قرآن میں راسخون فی العلم کے بعد "و" لکھی ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آیاتِ متشابہات کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ رسولؐ بھی نہیں جانتے۔ تو ایسی صورت میں ان آیات کا نازل کرنا بے سُود ہُوا کیونکہ خدا تو کسی کو بتانے کے لیے نہیں آتا اور اس کے سوا کوئی اور ان آیات کی تاویل جانتا نہیں پھر لوگ کس سے معلوم کریں۔ ضرور اللہ کے بعد کچھ لوگ ہر زمانہ میں ایسے موجود رہنے چاہئیں جو صحیح تاویل بتا سکیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْــــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫

اور وہ رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کرنے کے بعد ڈانواں ڈول نہ کرنا، اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کر تو سب سے زیادہ بخشنے والا ہے تو ہی ایک دن جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں سب لوگوں کو جمع کرے گا بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کو خُدا کے عذاب سے نہ ان کے مال ہی بچائیں گے نہ ان کی اولاد ہی کچھ کام آئے گی یہی لوگ جہنّم کے ایندھن بنیں گے۔ ان لوگوں کا حال قومِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا سا ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا خدا نے ان کے گناہوں کے بدلہ میں انہیں دھر پکڑا اور خدا تو سخت سزا دینے والا ہے۔ اے رسول کافروں سے کہہ دو تم مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو کر رہو گے اور جہنّم میں اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ
يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ

وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿١٤﴾ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ
بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾

بے شک تمہارے سمجھنے کے لیے ان دو مخالف گروہوں میں جو بدر کی لڑائی میں ایک دوسرے سے گتھ گئے تھے رسول کی سچائی کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ ایک گروہ راہِ خدا میں جہاد کرتا تھا، ایک کافروں کا تھا جن کو مسلمان اپنی آنکھ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے۔ بے شک آنکھوں سے دیکھنے والوں کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے (دُنیا میں) لوگوں کو ان کی مرغوب چیزیں مثلاً بیبیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیروں عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ الفت کھُل کر دکھادی گئی ہے یہ سب دنیوی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو خدا ہی کے یہاں ہے ان لوگوں سے کہو کیا میں تم کو ان سب چیزوں سے بہتر چیز بتاؤں (اچھا سنو) جن لوگوں نے پرہیز گاری اختیار کی ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں بہشت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اس کے علاوہ ان کے لیے صاف ستھری بیبیاں اور سب سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی ہے اور خدا اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

پہلی آیات میں بدر کا مختصر قصہ بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ ظاہر کرے کہ اس جنگ میں ہمارے رسولؐ کی رسالت کی تصدیق کے لیے بڑی بڑی نشانیاں موجود تھیں ایک تو ان میں مسلمانوں کا گروہ تھا جن کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی جن میں ستتر مہاجر تھے اور دو سو چھتیس انصار تھے جو خدا کے عبادت گزار بندے تھے اور اسلام کے فدائی دوسری جماعت کافروں کی تھی جو مسلمانوں سے دوگنے تھے جن کا سردار ابوجہل تھا۔ مسلمان کافروں سے آنکھیں بند کر کے نہیں لڑے نہ ایسے نادان تھے کہ کم و زیادہ میں تمیز نہ کر سکتے ہوں سب کچھ ان کے علم میں تھا مگر وہ خدا پر بھروسہ کر کے لڑے اُن کو یقین تھا کہ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہے اور فتح ہماری ہی ہوگی۔

آگے کی آیت میں خدا مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ جن چیزوں کی محبت انسان کے دل میں سب سے زیادہ ہے ان میں اوّل نمبر عورتوں کا ہے شیطان کا سب سے بڑا جال عورت ہے۔ دوسری محبت کی چیز اولاد ہے جس کی محبت میں انسان سب کچھ کر گزرتا ہے۔ تیسری چیز خدا کی یاد سے غافل کرنے والی روپیہ پیسہ کی محبت ہے۔ چوتھی چیز گھوڑے ہیں پانچویں چیز کھیتی باڑی ہے۔ فرماتا ہے کہ مسلمانوں تم ان کی محبت میں اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ یہ تو چند روزہ بہار ہے آخر ایک دن ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر دُنیا سے رخصت ہو جاؤ گے ان میں سے کوئی چیز تمہارے ساتھ جانے والی نہیں لہٰذا ان کی فکر میں نہ رہو بلکہ اپنے اعمال کی طرف

توجہ کرو جو تم کو ایسے باغوں میں لے جانے کے باعث ہوں گے جہاں نہریں بہت ہوں گی اور خوبصورت عورتیں تمہارے سامنے ہوں گی اور پھر خدا کی خوشنودی بھی تمہیں حاصل ہوگی یہ سب نعمتیں دوامی ہوں گی۔

جنگِ بدر میں رسولؐ کی رسالت کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ اوّل تو دشمن کی تعداد زیادہ تھی دوسرے اس کے ساتھ سامانِ جنگ بہت زیادہ تھا۔ پھر عیش و نشاط کا سامان بھی ساتھ تھا۔ شرابیں پیتے تھے۔ رقص و سرود میں راتیں گزارتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کل دو آدمیوں کے پاس گھوڑے تھے اور چھ زرہ پوش تھے۔ کھانے کی طرف سے بھی مطمئن نہ تھے۔ اس صورت میں فتح کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ پس مسلمانوں کی فتح ہونا اس کی دلیل ہے کہ خدا کی مدد ان کے ساتھ تھی اگر حضرت رسولِ خدا سچے نبی نہ ہوتے تو خدا ان کی مدد کیوں کرتا۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ الصَّابِرِينَ
وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم تجھ پر ایمان لائے ہیں پس ہمارے گناہ بخش دے اور عذابِ جہنم سے بچا لے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں سچ بولنے والے ہیں خدا کے سامنے گڑگڑانے والے ہیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی راتوں میں خدا سے استغفار کرنے والے ہیں۔ خدا اس کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی گواہی دی ہے کہ خدا عدل و انصاف کے ساتھ دنیا کے کارخانے کا چلانے والا

ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر شے پر غالب اور حکمت والا ہے، بے شک سچا دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے اہلِ کتاب نے جو اس دینِ حق سے اختلاف کیا ہے تو آپس کی شرارت اور حقیقتِ امر معلوم ہونے کے بعد ہی کیا ہے۔ جس شخص نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا تو خدا اس سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اگر یہ لوگ تم سے خواہ مخواہ کج بحثی کریں تو کہہ دو کہ میں نے تو خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور اُس نے بھی جو میرا پیرو ہے۔ اے رسول تم اہلِ کتاب اور جاہلوں (مکّہ والوں) سے پوچھو کہ کیا تم بھی اسلام لے آئے ہو یا نہیں اگر اسلام لے آئے تو راہِ راست پر آگئے اگر منہ پھیریں تو اے رسول تم پر صرف پیغام پہنچا دینا فرض ہے اور خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ سے معلوم ہوا کہ خدا عادل ہے اپنی توحید کے بعد ہی اُس نے اپنے عدل کا ذکر کیا ہے لہٰذا ہم نے عدل کو اصولِ دین میں داخل کر لیا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے نبی کو بھی قتل کر دیا ہے تو توبہ کے بعد خدا اس کو بخش سکتا ہے یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ عدلِ الٰہی کا اقتضا یہ ہے کہ مقتول کا بدلہ لے۔ ورنہ مقتول کی فریاد سننے والا کون ہوگا۔ جب اُس نے فرمایا ہے کہ اگر عمداً بندۂ مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے تو پھر معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ دنیا میں بہت سے ادیان پائے گئے۔ ان میں سے بعض تو مر گئے بعض نیم مُردہ ہیں اور بعض چل رہے ہیں۔ عقلی فیصلہ یہ ہے کہ جب سب کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ لیکن دنیا والوں نے دینِ خدا میں تصرفات کر کے نئے نئے دین بنا لیے۔ لیکن اس امرِ اہم کو بندوں کی مرضی پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءؐ تک خدا کا پسندیدہ دین تو ایک ہی ہے جس کا نام اسلام ہے۔ یہ دین فطرتِ انسانی پر نظر رکھ کر بنایا گیا ہے پس جہاں فطرت کے خلاف کوئی امر پایا جائے گا وہ عقل کے خلاف ہوگا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ خدا کے دین کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ خدا کا شریک کسی کو قرار نہ دیا جائے اور صدقِ دل سے اس کی توحید کا اقرار کیا جائے۔ ہر انسان اپنی فطرت پر غور و خوض کے بعد اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور ہوگا کیونکہ اس کی فطرت یہ بتاتی ہے کہ مُدبّرِ عالم ایک ہی ہونا چاہیے جیسے اس کے بدن کا مُدبّر صرف ایک ہی دل ہے اگر اس کے سینہ میں دو دل رکھ دیئے جائیں تو تمام بدن کا نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک ہی رُوح اس کے سارے بدن پر کار فرما ہے اگر کوئی دُوسری رُوح اس پر مسلّط کر دی جائے تو پھر اس کی موت یقینی ہے۔ دو حکومتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔ اگر دونو برابر اختیار والے ہیں تو دو کی ضرورت نہیں اور اگر ان کی طاقت و قدرت کم و بیش ہے تو غالب قوت اپنے شریک کو ہرگز مداخلت نہ کرنے دی گی۔ پس جن ادیان میں توحید نہیں یا ناقص ہے وہ خدائی دین نہیں کہے جا سکتے۔ اسلام جو خدا کا دین ہے شروع سے آخر تک اسی عقیدہ کی تعلیم دیتا چلا آرہا ہے۔ اسی طرح نبوت و قیامت وغیرہ کا عقیدہ بھی دلائل و براہین سے ثابت ہے پس جہاں اصول اسلام نہیں پائے جاتے یا ناقص صورت میں پائے جاتے ہیں وہ خدائی دین کہلانے کے مستحق نہیں۔ جن لوگوں نے بُتوں کو خدا سمجھا یا اُن کے اندر خدا کو حلول کیا ہوا جانا یا جنہوں نے عُزیرؑ نبی کو ابن اللہ کہا (یہودی) یا جنہوں نے حضرت عیسٰیؑ کو ابن اللہ اور حضرت مریمؑ کو معاذ اللہ خدا کی بی بی سمجھا وہ کھلے مشرک ہیں۔ ان کا

دین خدا کا دین نہیں کہا جا سکتا کیونکہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ جورو۔ باپ بیٹا ہونا مخلوق کی صفت ہے نہ کہ خالق کی

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا
نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ
وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ
وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ
فِيهِ قف وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ
تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط

جو لوگ خدا کی آیات سے انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو انہیں انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو ان لوگوں کو اے رسول دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو یہی وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں بیکار ہو گئے کوئی ان کا مددگار نہیں کیا تم نے ان علمائے یہود کے حال پر نظر نہیں کی جن کو کتابِ توریت کا ایک حصہ دیا گیا تھا اب ان کو کتابِ خدا کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ وہی کتاب ان کے جھگڑے کا فیصلہ کر دے تو اس پر بھی ان میں کا ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے یہی لوگ تو رُوگردانی کرنے والے ہیں۔ یہ سرکشی اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں سوائے چند دنوں کے جہنّم کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں۔ جو افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے رہے ہیں انہوں نے ہی ان کو دین کے معاملہ میں بھی دھوکا دیا ہے پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں

اکٹھا کر دیں گے اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اے رسول کہہ دو کہ تم یہ دُعا مانگو اے خدا تمام عالم کا مالک تُو ہی ہے تُو جسے چاہے مُلک عطا کر دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

یہودیوں کو اس بات پر بڑا غرّہ تھا کہ خدا ہم پر عذاب کرے گا اور اگر کرے گا بھی تو چند روز کے لیے کیونکہ ہم اولادِ انبیاءؑ ہیں وہ اپنے پیارے نبیوں کی اولاد کو آتشِ جہنم میں کیوں جلائے گا۔ اس بنا پر بدکاری کرتے ہیں ان کی جسارت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ جب اس زمانہ کے انبیاءؑ جو شہر شہر گاؤں گاؤں پھیلے ہوئے تھے ان کو بُرے کاموں سے روکنا چاہتے تھے تو وہ کہتے تھے آپ ہماری فکر نہ کریں جس عذاب سے آپ ڈراتے ہیں اُسے ہم دھیان میں نہیں لاتے آخر ایک روز آپس میں مشورہ کر کے انہوں نے صبح ہونے سے پہلے سولہ نبیوں کو قتل کر دیا۔ جب ایک سو بارہ خدا کے نیک بندوں نے اس قتل پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا تو ان شریروں نے ان سب کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو یہودی تھے چونکہ وہ اپنے اسلاف کی اس حرکت پر نادم نہیں تھے لہٰذا اُن کی تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو آگاہ کیا گیا کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہوگا۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ۔ توریت میں شوہر والی عورت اور بی بی والے مرد کی سزا سنگسار کرنا تھی۔ ابتدائے اسلام میں دو ایسے ہی مرد و عورت نے زنا کیا چونکہ دونوں مالدار تھے یہودی عالم ان کے خلاف فتویٰ دینا نہیں چاہتے تھے اور اس فکر میں تھے کہ کسی حیلہ سے ان کو بچا لیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ پیغمبرِ اسلامؐ سے کرایا جائے۔ چنانچہ قوم کے سربرآوردہ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا توریت کے حکم کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کیا جائے۔ یہودی علماء نے یہ سمجھ کر حضرتؐ توریت پڑھے ہوئے نہیں ہیں بڑی دلیری سے کہا یہ حکم توریت میں نہیں ہے حضرتؐ نے فرمایا توریت کو لا کر میرے سامنے پڑھو وہ لے آئے مگر شرارت یہ کی کہ اصلی آیت چھوڑ گئے اور آگے پیچھے کی آیتیں پڑھ دیں جن کا اس سزا سے تعلق نہ تھا۔ عبداللہ بن سلامؓ نے جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے اور توریت کے حافظ تھے انہوں نے توریت کو ان سے لے کر اس آیت کو پڑھ دیا اور ان کی چوری ظاہر کر دی۔ ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا
يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ
اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ
الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ
مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا
وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع

بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ وہ زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور مُردہ سے زندہ کو اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے مومنوں کو چاہیئے کہ وُہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں جو کوئی ایسا کرے گا پھر اُسے کسی چیز یعنی خدا سے واسطہ نہ رہے گا سوائے اس کے کہ تم ان کے شر سے ڈر کر کچھ بچاؤ کر لو اور اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔ اے رسول لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے خواہ اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اُسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اُسے بھی جانتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے وُہ دن یاد رکھو جبکہ ہر شخص اپنی ہر نیکی اور بدی کو جو وہ کر چکا ہے موجود پائے گا اور یہ خواہش کرے گا کہ اس کے اور اس کی بُرائی کے درمیان ایک لمبی مدّت حائل ہو جاتی (اور اس سے مواخذہ نہ ہوتا) اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

ان آیات میں حسبِ ذیل باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے :

۱۔ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ سے زندہ کو۔ جیسے انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈا یا جیسے نطفہ سے انسان بنایا ہے اور انسان سے نطفہ۔

۲۔ دوسرے مومنین کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں یعنی اپنے اوپر اُن کو ایسا غلبہ نہ دیں کہ اسلامی فرائض ادا کرنے سے وہ قاصر ہو جائیں۔ اگر سیاسی یا تمدنی مصالح کی بنا پر اُن سے تعلقات پیدا کرنے ناگزیر ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے۔ تو یہ تعلقات اس حد تک رہیں کہ اسلام کے اصول و فروع پر کوئی زد نہ پڑ سکے۔

۳۔ اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کے درمیان محصور ہو گیا ہو جو اس کے دین اور مذہب کے سخت مخالف ہوں اور وہ اپنے عقیدہ کا اقرار کرانا چاہتے ہوں یا کوئی غلط بات اس سے کہلوانی چاہتے ہوں اور درصورتِ انکار اُس کی اپنی جان جانے کا خوف ہو تو اسلام نے اجازت دی ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے جو کچھ وہ لوگ کہلانا چاہیں کہہ دے بشرطیکہ وہ اپنے دل میں اپنے ایمان پر قائم ہو اس کو تقیہ کہتے ہیں ہر شخص فطرۃً جان کے لیوا خطروں میں اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔ یہ قابلِ اعتراض بات نہیں۔ جو لوگ اس مسئلہ میں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ غور و تأمل سے کام نہیں لیتے اور محض شیعوں کی ضد میں اعتراض کر دیتے ہیں۔ تقیہ کے جواز اور ثبوت میں ایک دو

نہیں سینکڑوں مضامین لکھے جاچکے ہیں اور کتابوں کی صورت میں بھی جواز ثابت کیا جاچکا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ عہدِ رسولؐ میں بھی تقیہ کیا جاتا تھا جیسا کہ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ثابت ہے کہ جب انہیں مشرکین مکہ نے قتل کی دھمکی دے کر کلمۂ کفر کہلوانا چاہا تو کہہ دیا اور روتے ہوئے رسولؐ کے پاس آئے حضرتؐ نے فرمایا "ایسا کہہ دینے سے تم کافر نہیں ہوئے کیونکہ تمہارا دل ایمان سے پُر ہے اگر پھر کبھی ایسا موقع آئے تو پھر کہہ دینا"۔ ہم اس موقع پر جناب مولانا مودودی صاحب کی کتاب تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۲۴۳ سے تقیہ کے متعلق ان کی رائے لکھتے ہیں۔

"لہٰذا اپنے بچاؤ کے لیے اگر بدرجہ مجبوری کبھی کفار کے ساتھ تقیہ کرنا پڑے تو وہ اس حد تک ہونا چاہیئے کہ اسلام کے مشن اور اسلامی جماعت کے مفاد اور کسی مسلمان کی جان و مال کو نقصان پہنچائے بغیر تم اپنی جان و مال کا تحفظ کر لو۔"

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے تقیہ کے جواز کے متعلق یوں کہا ہے۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

یعنی جو جھوٹ کسی مصلحت کی بنا پر ہو وہ اس سچ سے کہیں بہتر ہے جو کسی فتنہ کے برپا کرنے کا سبب ہو۔

۴۔ اس دنیا کے مشاغل میں غرق ہو کر انسان کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ایک دن اُسے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہاں جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہوگا سب کا سب ذرّہ ذرّہ اس کے سامنے موجود ہوگا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اے رسول لوگوں سے کہدو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخشدے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے (اے رسول) کہدو کہ تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم نے رُوگردانی کی تو اللہ انکار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنی محبت کو اتباعِ رسولؐ پر موقوف رکھا ہے یعنی جو لوگ رسولؐ کی پیروی کریں گے اور عمل میں ان کے قدم بقدم چلیں گے اللہ ان کو دوست رکھے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اطاعت اور پیروی بغیر محبت نہیں ہو سکتی محبت مقناطیسِ اطاعت ہے جہاں محبت نہیں وہاں اطاعت نہیں۔ محبت کے یہ معنی نہیں کہ صرف ذاتِ رسولؐ ہی سے محبت ہو بلکہ رسولؐ جن سے محبت رکھتے ہوں اُن سے محبت کرنا بھی فرض ہے۔ جن لوگوں نے صرف رسول سے محبت کی اور ان لوگوں کی محبت کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا جن سے رسولؐ محبت کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ یہ محبت مفیدِ نجات نہ ہوگی۔ رسولؐ نے حضرت علیؑ سے بارہا فرمایا حُبُّكَ حُبِّيْ (تیری محبت میری محبت ہے)

(تم سے صلح مجھ سے صلح ہے اور تم سے جنگ مجھ سے جنگ ہے) جس طرح اللہ کی محبت بغیر محبتِ رسولؐ نہیں ہو سکتی اسی طرح رسولؐ کی محبت بغیر ان کے اہلبیتؑ کی محبت کے نہیں ہو سکتی۔ اگر اہلبیتؑ کی محبت واجب و لازم نہ ہوتی تو اس کو اجرِ رسالت قرار نہ دیا جاتا۔ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (میں تم سے اس کے سوا اور کوئی اجرِ رسالت نہیں چاہتا کہ میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو۔ اس کا مفصل حال سورۂ شوریٰ میں ملاحظہ کیجیے۔

کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں جو ایسے شخص کو دوست رکھتا ہو جو اس کی اولاد کا دشمن ہو اور اُن کے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دیتا ہو۔ محبت ایک صلہ رکھتی ہے اور محبت کے ہزارہا درجات ہیں پس جس کسی کو جس درجہ کی محبت ہوگی اسی کے لحاظ سے اس کو صلہ ملے گا۔ مدارج ناشناس کی محبت اور ہے منافق کی اور صدقِ دل سے محبت کرنے والوں کی اور ہے۔ یہ آخری محبت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی پوری پوری اطاعت کرے اور اس کے نقشِ قدم پہ چلنے کی انتہائی کوشش کرے اور جان و مال سے ہر وقت اس کی مدد کرنے کے لیے تیار رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا آدمؑ و نوحؑ اور اولادِ ابراہیمؑ و اولادِ عمران کو تمام عالموں پر بعض کی اولاد کو بعض سے (بلند مرتبہ بنایا) اور اللہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاءؑ و مرسلین بھیجے وہ سب اس کے برگزیدہ بندے تھے اس کے انتخاب میں آئے ہوئے تھے۔ پھر یہ کون سا انتخاب ہے جو مخصوص ہے آدم و نوح و آلِ ابراہیم و آلِ عمران سے۔ نبوت و رسالت کے علاوہ ضرور کوئی ایسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر یہ اصطفا عمل میں آیا۔

۱۔ آدم علیہ السلام کا یہ انتخاب خصوصی یا تو اس بنا پر ہے کہ وہ بے ماں باپ کے پیدا کیے گئے تھے یا اس بنا پر کہ نسلِ انسانی ان سے چلی یا یہ کہ وہ خدا کے پہلے خلیفہ ہوئے۔

۲۔ نوحؑ کا انتخابِ خصوصی یا تو اس بنا پر ہے کہ شریعت کا آغاز اُن سے ہوا یا اس بنا پر ہے کہ نسلِ انسانی دوبارہ ان سے چلی اور اس بنا پر وہ آدمِ ثانی کہلائے۔

۳۔ آلِ ابراہیمؑ کا انتخابِ خصوصی اس بنا پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب دی۔ حکمت دی اور ملکِ عظیم عطا فرمایا جیسا فرماتا ہے فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔

۴۔ آلِ عمران کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک موسیٰؑ مراد ہیں لیکن یہ تو آلِ ابراہیمؑ میں داخل ہیں اور ان کا

اصطفا ہو چکا ہے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (میں نے تمہیں اپنے لیے انتخاب کیا)۔ بعض نے کہا ہے آلِ عمران سے مراد مریمؑ ہیں۔ ان کا انتخاب بھی ہو چکا ہے۔ يَا مَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ۔ کوئی اور خصوصیت موسیٰؑ و مریمؑ میں ایسی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر یہ خصوصی انتخاب ہوا ہو۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آلِ عمران کچھ اور لوگ ہیں جن کو ان خصوصیات کے علاوہ جو آلِ ابراہیمؑ کو دی تھیں کوئی اور بھی خصوصیت حاصل ہے یعنی اولادِ ابراہیمؑ تو ہیں مگر ایک نئی فضیلت کے مالک ہیں عمران نام ہے حضرت ابوطالب کا پس ان کی اولاد یعنی ائمہ اثنا عشر کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ ان میں ایک نہ ایک فرد ہر زمانہ میں بمصداق لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہدایت کے لیے موجود رہے گا۔ آلِ ابراہیمؑ میں سوائے آلِ محمدؐ کسی کو یہ فضیلت حاصل ہی نہیں ہے۔

تفسیر اہلبیت میں وارد ہے کہ آلِ عمران سے مراد علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد ہیں کیونکہ عمران ابوطالبؑ کا نام ہے۔ تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں آلِ عمران کے بعد آلِ محمدؐ بھی تھا اور تفسیر ثعلبی میں ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ مولانا مقبول احمد صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر وہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ج وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا لا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ط كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

جب عمران کی بی بی (حنّہ) نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار، میں نے جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اُسے دُنیا کے معاملات سے آزاد کر کے تیری نذر کر دیا ہے بس میری اس نذر کو قبول کر لے تو سب سے زیادہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ پس جب وضع حمل ہو (اور دیکھا کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی) تو کہنے لگیں اے میرے پروردگار، اب میں کیا کروں میں تو لڑکی جنی ہوں (اس کہنے کی ضرورت کیا تھی) جو وہ جنی تھیں اللہ اس سے واقف تھا اور انہوں نے کہا لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اس کو اور اس کی اولاد کو

کو شیطان مردود کے فریب سے بچانے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اُن کے پروردگار نے اس نذر (مریم) کو خوشی سے قبول فرما لیا اور ان کی نشو و نما اچھی طرح کی اور زکریا کو ان کا کفیل بنایا جب کبھی زکریا مریم کے حجرۂ عبادت میں جاتے تو مریم کے پاس کچھ کھانا موجود پاتے، پوچھتے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا وہ کہتیں یہ اللہ کے یہاں سے آیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

بنی اسرائیل میں سالہا سال سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ وہ خدمتِ بیت المقدس کے لیے اپنا ایک لڑکا مخصوص کر دیتے تھے۔ وہ عمر بھر بیت المقدس میں رہ کر عبادت کرتا اور جھاڑو دیغیرہ دینا اور صفائی کرتا تھا۔ اس رسم کی بنا پر بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے اس رسم کو پورا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بعض عورتیں جب پیٹ میں بچہ ہوتا تھا اُس وقت سے یہ نذر مان لیتی تھیں چنانچہ اسی بنا پر حضرت مریمؑ کی والدہ نے بھی جب حاملہ ہوئیں تو یہ نذر مان لی۔ لیکن ان کی امید کے خلاف بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی کو دیکھ کر وہ بہت رنجیدہ ہوئیں کیونکہ اب تک کوئی لڑکی بیت المقدس کی خدمت کے لیے نذر نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی تڑپ دیکھ کر رحم کھایا اور لڑکی ہی کو منظور فرما لیا اور ان کی نشو و نما میں فضلِ خدا شاملِ حال ہوا اور عام لڑکیوں سے جلد وہ خاصی سیانی ہو گئیں۔ چنانچہ ان کی والدہ ان کو ساتھ لے کر بیت المقدس میں پہنچیں اب وہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ لڑکی کا نگران کون بنے۔ ہر پجاری چاہتا تھا کہ میں ہی کفالت میں لے لوں۔ آخر قرعہ ڈالا گیا تو حضرت زکریاؑ کے نام پر نکلا۔ اور نکلنا بھی چاہیئے تھا، اگرچہ وہ سب لوگ خدا کے نیک بندے تھے لیکن معصوم تو نہ تھے نیت کا کسی وقت بگڑ جانا ممکن تھا۔

حضرت زکریاؑ نے جناب مریمؑ کو ایک حجرہ میں مصلّیٰ بچھا کر بٹھا دیا کہ یہاں اللہ اللہ کیے جاؤ۔ اس حجرہ کا دروازہ بند کر کے کنجی اپنے پاس رکھتے تھے صرف دن میں ایک بار کھانا پانی دینے کے لیے دروازہ کھولتے تھے۔ لیکن جب آتے تو دیکھتے کہ خوشبودار کھانا ان کے سامنے رکھا ہوا ہے پوچھتے یہ کہاں سے آیا وہ بتا دیتیں کہ اللہ کے یہاں سے آیا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ اگر ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنینؑ کے لیے حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت جنت سے کھانا آیا یا جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے لیے ایسا ہوا تو لوگ مانتے نہیں لیکن مریمؑ کے لیے کھانا آنا تسلیم کرتے ہیں حالانکہ جناب خاتونِ جنتؑ کا مرتبہ مریمؑ سے کہیں زیادہ ہے۔

سر سید احمد خاں صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ سے انکار کیا ہے ان کا کہنا ہے یہ کھانا اس طرح وہاں کے پجاری ان کو پہنچایا کرتے تھے جیسا کہ لوگ عموماً مسجدوں کے درویشوں کو یا مندروں کے پجاریوں کو بھیج دیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا قرآن کے بیان کے بالکل خلاف ہے کھانے کی ذمہ داری جناب زکریاؑ نے اپنے سر لی تھی دوسرے حجرہ کا دروازہ بند رہتا تھا کوئی غیر کیسے اندر داخل ہو سکتا تھا تیسرے یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی کہ کسی نے کھانا پہنچا دیا ہو اور حضرت زکریاؑ نے دیکھ لیا ہو۔ بلکہ قرآن کہتا ہے جب کبھی زکریا آتے کھانا موجود پاتے۔ چوتھے اگر کسی غیر کا بھیجا ہوا ہوتا تو جناب مریمؑ یہ نہ فرماتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے بلکہ صاف بتا دیتیں کہ یہاں کے رہنے والوں میں سے فلاں نے مجھے لا کر دیا ہے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ پانچویں یہ کھانا پھلوں کی صورت میں ہوتا تھا اور وہ بھی غیر موسمی، یعنی گرمی کے موسم میں جاڑے کے پھل اور جاڑے کے موسم میں گرمی کے پھل۔ ایسا سوائے خداداد عطیہ کے اور کیسے ممکن تھا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ
الدُّعَآءِ (۳۸) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ
بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۳۹) قَالَ
رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ
مَا يَشَآءُ (۴۰) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (۴۱) ع ۱۱ ۱۲

جب حضرت زکریاؑ نے یہ دیکھا کہ ان کی سالی کی لڑکی یعنی مریمؑ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم ہے تو ان کے دل میں بھی اولاد پیدا ہونے کا خیال پیدا ہوا پس بارگاہ باری میں یہ دعا کرنے لگے، اے میرے پالنے والے مجھے بھی اپنی بارگاہ سے پاک و پاکیزہ اولاد عطا فرما تو بے شک دعاؤں کا سننے والا ہے ابھی حجرۂ عبادت میں کھڑے یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ فرشتوں نے ان سے کہا اللہ تم کو یحییٰ کے پیدا ہونے کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ عیسیٰؑ کی تصدیق کرے گا، لوگوں کا سردار ہوگا اور خواہشات کی روک تھام کرے گا اور ایک نکوکار نبی ہوگا۔ انہوں نے کہا اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح ہوگا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے انہوں نے عرض کی میرے اطمینان کے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ خدا نے کہا بس نشانی یہی ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے مگر اشارے سے اور اس کے شکریہ میں اپنے ربّ کا ذکر زیادہ کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دعا حضرت زکریاؑ نے اس وقت کی جب وہ کافی بوڑھے تھے اور بی بی بانجھ تھی یعنی کوئی امید اولاد ہونے کی باقی نہ رہی تھی لیکن چونکہ قدرت الٰہی پر اعتماد رکھتے تھے اس لیے دُعا کی مگر جب ان کو بشارت دی گئی تو پھر کیوں کہا کہ ایسا کیسے ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہ سامنے آکر نہیں کہا تھا بلکہ ان کی آواز سُنائی دی تھی اس لیے اس کی تصدیق کے لیے پھر انہوں نے کہا یہ کیسے ہوگا۔ جب اس کی تصدیق ہوگئی تو مزید اطمینانِ قلب کے لیے علامت کا سوال کیا۔ جواب ملا تین دن تم اشاروں میں بات چیت کرو گے۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس شکریہ میں

سوائے ذکرِ الٰہی کوئی اور کلام کر نا ہی نہیں۔ بعض نے اس کے معنی یہ لیے ہیں کہ اب اس سلسلہ میں کسی سے کوئی اور بات کر دہی نہیں تاکہ لوگ تمہاری نسبت یہ بدگمانی نہ کرنے لگیں کہ تم سٹھ گئے ہو۔ اور تمہارے اس کہنے پر کہ میرے لڑکا ہوگا تمہارا مذاق نہ اُڑائیں۔ خاموش رہو جب لڑکا پیدا ہوگا تو سب ہی قدرتِ خدا کا تماشہ دیکھ لیں گے۔

حصوراً کے معنی جن لوگوں نے یہ سمجھے ہیں کہ وہ عورتوں کی طرف رغبت کرنے والے نہ تھے ہمارے خیال میں غلط ہیں۔ اس سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ معاذ اللہ نامرد تھے۔ حالانکہ انبیاؑ کے لیے یہ عیب ہے۔ بلکہ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی پر پورا پورا کنٹرول رکھنے والے تھے۔

حضرت یحییٰؑ چند ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہوئے۔ ایسا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا۔ یہ خصوصیت صرف دو بچوں کو حاصل ہوئی اولادِ اسحاق میں صرف حضرت یحییٰؑ کو اور اولادِ اسمٰعیلؑ میں صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ سے چھ ماہ بڑے تھے اور حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے سے چھ ماہ قبل شہید کیے گئے تھے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ
الْعٰلَمِيْنَ (۴۲) يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (۴۳) ذٰلِكَ مِنْ
اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ
مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (۴۴) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۴۵) ۙ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۴۶) قَالَتْ
رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۴۷)

جب ملائکہ نے کہا اے مریم اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا اور تمہیں برگزیدہ کیا دنیا کی عورتوں پر۔ اے مریم اپنے ربّ کی فرمانبرداری کرو سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ اے رسول یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو بذریعہ

وحی بتا رہے ہیں۔ تم ان کے پاس اس وقت نہیں تھے جب انہوں نے اپنے اپنے قلم اس لیے پانی میں ڈالے کہ یہ معلوم کریں کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور جب وہ جھگڑا کر رہے تھے تم اس وقت بھی کہاں تھے۔ جب ملائکہ نے کہا اے مریم، اللہ تمہیں اپنے اُس کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں باعزت اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ بچپن میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے یکساں کلام کرے گا اور نکوکاروں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ کسی مرد کا مجھ سے تعلق ہی نہیں۔ خدا نے فرمایا اس طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے جب وہ کہتا ہے ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

ان آیات میں بہت سی چیزیں قابلِ بیان ہیں:

۱۔ حضرت مریمؑ کا اِصطفا دو بار ہُوا۔ پہلا اِصطفا اس بنا پر ہے کہ اولادِ انبیاء میں سے ان کو نساء العالمین کا سردار بنانے کے لیے چُنا گیا۔ دوسرا اصطفا اس بنا پر ہے کہ ان کو بغیر شوہر بچّہ جننے کے لیے چُنا گیا۔ آخر کی یہ فضیلت بے شک ایسی ہے کہ دُنیا کی کسی عورت کو اس میں شرکت نہیں ہے، رہیں اور صفات تو اُن میں دیگر عورتوں کی شرکت بھی ہے۔ مثلاً جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا بہت سے فضائل میں اس سے کہیں بہتر ہیں مثلاً جناب مریمؑ کے باپ نبی نہ تھے اور فاطمہ زہراؑ کے باپ خاتم الانبیاءؐ تھے۔ دوسرے جناب مریمؑ کو شوہر کی طرف سے کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کے شوہر افضل الصدیقین امیرالمومنینؑ اور خلیفۂ ختم الانبیاءؐ تھے۔ جناب مریمؑ کی نسل سے صرف ایک معصوم ہو کر آئے اور جناب فاطمہؑ کی نسل سے گیارہ معصومین ہوئے ——— پس حضرت فاطمہؑ کا مرتبہ یقیناً جناب مریمؑ سے زیادہ تھا۔ اگر مریمؑ اس وقت کی تمام عورتوں کی سردار تھیں تو جناب فاطمہؑ تمام زنانِ عالم کی سردار ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سیدۃ النساء اہل الجنۃ بھی ہیں یعنی جنت کی عورتوں کی سردار بھی ہیں۔

۲۔ طَهَّرَكِ۔ اولادِ جناب اسحاقؑ میں صرف ایک جناب مریمؑ ایسی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کے رجس سے پاک رکھا تھا۔ یعنی حیض و نفاس وغیرہ کی آلائش سے پاک تھیں۔ گناہوں کی نجاست سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ تاہم یہ تاکیدی طہارت نہ تھی یہی سبب تھا کہ یہودیوں نے ازراہِ عداوت ان پر معاذ اللہ بدکاری کی جھوٹی تہمت عاید کر دی لیکن جناب فاطمہؑ جس آیتِ تطہیر کا مصداق ہیں اس میں يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ہے یعنی اہلبیتؑ سے طہارتِ کاملہ کا تعلق ہے۔ کوئی افترا پردازی بھی اُڑ کر اُن کی طرف نہیں آ سکتی۔

جناب مریمؑ کا یہ واقعہ حضرت رسولِ خدا کی رسالت کی تصدیق کے لیے کافی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہزارہا برس پہلے کا ہے نہ تو حضرتؐ وہاں موجود تھے اور نہ آپؐ نے توریت کو پڑھا تھا بلکہ یہ تمام واقعات بذریعہ وحی آپؐ کے علم میں آئے۔ اگر آپؐ سچے نبی نہ ہوتے تو ان واقعات کا علم آپؐ کو کیسے ہوتا۔ اسی لیے آپؐ کو لکھنے پڑھنے کی ممانعت تھی تاکہ شک کرنے والے یہ شک نہ کریں کہ فلاں کتاب میں پڑھ لیا ہوگا۔

۳۔ ملائکہ نے کہا اے مریمؑ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی بشارت دینے بہت سے ملائکہ آئے تھے حالانکہ اس آیت سے ان کی نفی ہوتی ہے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا وہ فرشتہ ایک آدمی کی شکل میں ان کے سامنے آگیا اور بشارت دی

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جمع کا صیغہ تعظیماً استعمال کیا گیا ہے ورنہ مراد جبرئیلؑ امین ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ملائکہ جبرئیل امینؑ کے ساتھ اظہارِ عظمت کے لیے آئے تھے سلام کرنے والے صرف جبرئیلؑ تھے۔

۴۔ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ جس سے معلوم ہُوا کہ یہ نام خدا کا خود رکھا ہُوا ہے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں صرف دو نام ایسے ہیں جن کو خدا نے رکھا ہے ایک جناب یحییٰؑ کا نام دوسرے جناب عیسٰیؑ کا نام۔ یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ یہ دو نام ایسے ہیں کہ ان سے پہلے کسی اور کے رکھے ہی نہیں گئے۔ اور بنی اسمٰعیل میں پانچ نام ایسے ہیں جو خدا نے رکھے ہیں اور یہ نام ان سے پہلے کسی نے نہیں رکھے تھے وہ محمدؐ۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔

۵۔ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی ولادت کا تعلق عالم امری سے تھا جہاں کلمۂ کُن کہتے ہیں وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اسباب و وساطت سے تعلق نہیں ہوتا۔

۶۔ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ دنیا میں تو خدا نے یہ شرف بخشا کہ نبی و رسول کلمۃ اللہ و روح اللہ بنایا اور آخرت میں ان کو شفاعت کا اختیار دیا۔

يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بچپن میں بھی ایسا ہی دانشمندانہ اور ہدایت آمیز کلام کرتے ہیں جیسا کہ ادھیڑ عمر میں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ آسمان سے ضرور نازل ہوں گے ورنہ جب ان کا انتقال جوانی میں ہُوا تھا تو پھر ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام کرنا کیسا؟

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ الخ۔ جب فرشتہ سے ولادتِ فرزند کی بشارت جناب مریمؑ نے سُنی تو تعجب سے کہا بھلا میرے بچّہ کیسے ہوگا جبکہ میرا تعلق کسی مرد سے رہا ہی نہیں۔ لَمْ يَمْسَسْنِي کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا ہی نہیں۔ کیونکہ ناممکن تھا کہ جناب مریمؑ کا بدن کوئی نہ چھوتا۔ کم سے کم اُن کے رشتہ داروں نے تو بچپن میں ضرور چھوا ہوگا۔ مَس کے دو معنی ہیں، ایک مسِّ ظاہری جیسے ہم کسی بدن یا چیز کو چھو لیں۔ دوسرے مسِّ باطنی یعنی تعلق ہونا جیسے عرفِ عام میں کہا جاتا ہے فلاں شخص کو علم سے مس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔ یہی معنی یہاں مراد ہیں یعنی کسی مرد سے میرا تعلق جب رہا ہی نہیں تو پھر بچّہ پیدا ہونا کیسا؟

۷۔ ہمارے بعض مفسرین نے جیسے سرسیّد احمد خاں نے جو خرقِ عادت کے قائل نہیں، توریت سے یہ روایت تفسیر میں نقل کی ہے کہ حضرت مریمؑ کی منگنی یوسف نجار سے ہوئی تھی۔ چونکہ یہودیوں میں یہ قاعدہ تھا جیسا کہ ہمارے یہاں بھی ہے کہ شادی سے پہلے عورت اپنے منگیتر کے پاس نہیں سوتی تھی اس کو وہ بہت معیوب سمجھتے تھے۔ مریمؑ و یوسف شادی سے پہلے مِل گئے لہٰذا حضرت عیسٰیؑ کا باپ یوسف ہُوا۔ لیکن کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے:

(ا) یہودی ایسا ازراہِ عداوت کہتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کی عداوت میں یہ غلط روایت بنائی گئی ہے۔

(ب) خدا جناب مریمؑ کو صدّیقہ کہتا ہے۔ دو بار اُن کا اِصطفا ہُوا ہے ان کی طہارتِ نفس کی خبر دی گئی ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیسے جھوٹ بول سکتی تھیں کہ میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا۔

(ج) جا بجا قرآن میں ان کو عیسٰی بن مریم کہا گیا ہے۔ باپ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی باپ ہوتا جائز یا ناجائز

تو اس کو کیوں چھپایا جاتا۔

(۵) اگر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کسی شیطانی عمل کے تحت ہوتی تو بعد پیدائش یہ کیوں کہتے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا بندہ ہوں شیطان کا نہیں۔

(۵) اگر حضرت عیسیٰؑ معاذ اللہ زنا زادہ ہوتے تو خدا انہیں آغوشِ مادر میں سلام کرنے کی قوت کیوں دیتا اور ان کو اپنا رسول کیوں بناتا ان پر اپنی کتاب نازل کیوں کرتا۔ لہٰذا معلوم ہوا یہ سب افترا پردازی ہے۔ لوگوں کو بے باپ کے حضرت عیسیٰؑ کا پیدا ہونا عقل میں نہیں آتا۔ لیکن جس نے آدمؑ و حوّاؑ کو بے ماں باپ کے پیدا کر دیا اس کے لیے باپ کے بغیر پیدا کرنا کیا دشوار تھا۔ جو منی کے ایک قطرہ کو ترقی دے کر آدمی بنا دیتا ہے اس کے لیے کیا دشوار ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ
اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ
فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ

فرشتہ نے کہا اے مریم، خدا اس کو تمام کتب آسمانی حکمت اور توریت و انجیل کی تعلیم دے گا اور بنی اسرائیل کا رسول بنائے گا اور ان سے کہے گا میں تمہارے پاس خدا کی طرف سے اپنی نبوت کی یہ نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے ایک پرندہ کی صورت بناؤں گا پھر اس پر کچھ دم کروں گا پس وہ حکم خدا سے پرندہ بن کر اُڑ جائے گا اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کروں گا اور مُردوں کو بحکم خدا زندہ کر دوں گا اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو وہ بھی بتا دوں گا بیشک ان باتوں میں تمہارے لیے میری نبوت کی بڑی نشانی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے جتنے معجزات کا دعویٰ کیا ہے ان سب میں یہ شرط لگا دی ہے کہ یہ سب میں بحکم خدا کر سکتا ہوں یعنی میرا خالق ہونا مجازی سمجھو اصلی خالق تو وہی ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا اور غیب کی خبریں دینا سب خدا کے عطیات اور اس کے تفضلات ہیں۔ جناب عیسیٰؑ کے زمانہ میں جادوگروں کا بھی زور تھا اور اطبا کا بھی۔ لہٰذا ان کو ایسے ہی معجزات دئے گئے جو

ان کے غروروں کی ناک رگڑنے والے تھے ہر موقعہ پہ آپؑ کا باذن اللہ کہنا اس لیے تھا کہ لوگ مجھے خدا سمجھ کر گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ باوجود اس احتیاط کے پھر بھی لوگ ان کو خدا کا بیٹا کہنے ہی لگے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ
جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ قف فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى
اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا
وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور توریت جو میرے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں تاکہ جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان میں سے بعض کو بحکم خدا تم پر حلال کروں اور خدا کی طرف سے اپنی نبوت کی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہی نجات کا سیدھا راستہ ہے اس کے بعد بھی جب عیسیٰ نے ان کو کفر پر اَڑے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کون ایسا ہے جو خدا کی طرف ہو کر میری مدد کرے۔ حواریوں نے کہا ہم خدا کے طرفدار ہیں ہم خدا پر ایمان لائے اور عیسیٰ سے کہا آپ گواہ رہنا کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب جو تُو نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی۔ پس ہمیں اپنے رسول کے گواہوں میں رکھ لے۔ یہودیوں نے عیسیٰ سے مکاری کی اور خدا نے اُن کے دفعیہ کی تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے معجزات دکھا کر جب اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کرانی چاہی تو کچھ لوگ آپؑ کے دشمن بن گئے اور آپؑ کو ستانا شروع کیا۔ آپؑ نے یہ حال دیکھ کر لوگوں سے کہا اس خدائی معاملہ میں کوئی میرا مدد کرنے والا ہے۔ حواریوں نے کہا ہم آپ کی مدد کریں گے۔ حور کے معنی سفید کے ہیں چونکہ یہ لوگ دھوبی تھے اور کپڑے سے میل کچیل صاف کرتے

تھے لہٰذا حواری کہلائے۔

جب شریر لوگوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ جن کی تعداد بارہ تھی حضرت عیسٰیؑ کے تابعین میں سے بن گئے ہیں تو انہوں نے ان کو ستانے کی تدبیر کی یعنی ان کو گرفتار کر کے سولی دینا چاہا مگر اللہ کی تدبیر کے سامنے اُن کی کیا چلتی۔ یہاں مکر اللہ کے معنی یہ نہیں کہ اللہ نے مکر کیا۔ علم بدیع میں ایک صنعت کا نام مشاکلہ ہے یعنی جن الفاظ میں کوئی بات کہے انہی الفاظ میں اس کو جواب دیا جائے اور معنی اور ہوں۔ مثلاً ایک برہنہ تن آدمی آپ کے سامنے آئے اور آپ اس سے کہیں جو تم کھانا چاہتے ہو بتا دو وہی ہم تمہارے لیے پکوا دیں۔ وہ جواب میں کہے ایک کرتا یا جامہ پکوا دیجئے یعنی مجھے دے دیجئے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

جب خدا نے کہا اے عیسٰی، میں تمہاری دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو پورا کرنے اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں نے جو الزام گندگی کا تم پر لگایا ہے اس سے بھی پاک رکھوں گا اور روز قیامت تک تمہارا اتباع کرنے والوں کو کافروں پر غالب رکھوں گا پھر تمہاری بازگشت میری طرف ہو گی پس اس روز تمہارے درمیان جو جھگڑے ہوتے رہے تھے ان سب کا فیصلہ کر دوں گا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہو گا دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کو سخت عذاب دوں گا اور پھر وہاں ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو پورا پورا اجر ملے گا۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اے رسول یہ جو ہم تمہارے سامنے بیان کر رہے ہیں ہماری قدرت کی نشانیاں اور پُر حکمت تذکرے ہیں۔

جب یہودیوں کی عداوت حد سے بڑھی تو انہوں نے بادشاہِ وقت سے ان کو سولی دینے کا حکم حاصل کیا اور حضرت عیسٰیؑ کو ایک مکان میں مقید کر دیا کہ صبح کو سولی دیں گے۔ مکان کے سامنے ہی صلیب قائم کی گئی۔ حضرت عیسٰیؑ کے ساتھ اس وقت دو حواری تھے ایک تو دیوار پھاند کر رات ہی میں چل دیا اور دوسرا بھی کسی حیلہ سے نکل گیا حالانکہ مرتے دم تک وفادار رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مصیبت کے وقت ساتھ دینا بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ صبح کو ایک آدمی حضرت عیسٰیؑ کو پکڑ کر لانے کے لیے اس مکان میں داخل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسٰیؑ کا مشابہ بنا دیا۔ جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسی کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ رات میں حضرت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور حضرت عیسٰیؑ کو لے کر آسمان پر چلے گئے۔

یہودی بھی جھوٹے نصرانی بھی جھوٹے اور قادیانی بھی جھوٹے۔ خدا فرماتا ہے اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ، متوفی کا اصل یا مادہ وفا ہے جس کے معنی پورا کر دینے کے ہیں یعنی دنیا میں رہنے کی جو مدت تھی وہ پوری کر دی۔ جیسے یہ کہتے ہیں فلاں نے وفاء عہد کیا یعنی جو وعدہ کیا تھا پورا کیا۔ یہاں مار ڈالنے کے معنی نہیں۔ جیسا کہ سورۂ زمر میں فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (اللہ جانوں کی مدت ان کی موت کے وقت پوری کر دیتا ہے اور جن کی موت نہیں آتی ان کی موت ان کی نیند میں پوری کرتا ہے پس جن کی مدت حیات پوری ہو گئی ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور نیند والوں کو چھوڑ دیتا ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ توفّی موت سے عام ہے یعنی نیند کے وقت تمام نفسوں کی موت ہو جاتی ہے یعنی جن کی موت آچکی ہوتی ہے ان کو روک لیا جاتا ہے اور باقی کو واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے عیسٰی میں تمہیں محفوظ کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ کے متعلق جنہوں نے کہا ہے وہ رفع روحانی تھا نہ کہ جسمانی تو انہوں نے غلط سمجھا ہے کیونکہ مرنے کے بعد رفع روح تو ہر مرنے والے کا ہوتا ہے۔ حضرت عیسٰیؑ پر ہی کیا موقوف ہے اور اس کو خاص طور سے بیان کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق یہود و نصارٰی میں سخت اختلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے دونوں غلط ہیں۔ یہودی کہتے ہیں ہم نے ان کو قتل کر کے سولی پر چڑھایا تھا۔ نصارٰی کہتے ہیں قتل نہیں کیا بلکہ سولی دی تھی اور جب رمق جان باقی تھی تو ان کو سولی پر سے اُتار لیا گیا تھا اور حضرت عیسٰیؑ پر ایمان لانے والوں نے اُن کو قبر میں دفن کر دیا تھا تاکہ یہودیوں کو پتہ نہ چلے لیکن تیسرے روز قبر کھول کر دیکھا گیا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس واقعہ کو دیکھنے والے ہزارہا آدمی تھے۔ یہودی بھی نصرانی بھی اور ان کے بیان میں اس قدر اختلاف، یہ دلیل ہے اس کی یہ دونوں جھوٹے ہیں۔ نہ اُن کو قتل کیا گیا نہ صلیب دی گئی بلکہ اللہ نے تو صحیح سلامت اُن کو اُٹھا لیا۔ اور جس کو قتل کیا یا صلیب دی وہ عیسٰیؑ نہ تھے بلکہ ایک دوسرا شخص تھا جس پر حضرت عیسٰیؑ کا شبہ ہوا تھا۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ
اَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع ع ۹ ۱۴

بے شک عیسٰی کی مثل خدا کے نزدیک آدم جیسی ہے جن کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا پس وہ ہوگیا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ بننا۔ اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آچکا (کہ عیسٰی خدا کے بندہ ہیں) اگر یہ لوگ تم سے ان کے بارہ میں جھگڑا کریں تو ان سے کہو آؤ ہم بھی اپنے بیٹوں کو بلائیں تم بھی اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم بھی اپنی عورتوں کو بلائیں تم بھی اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم بھی اپنے نفسوں کو بلائیں تم بھی اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر خدا کے سامنے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ بے شک یہ سچے قصے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر یہ لوگ رُوگردانی کریں تو بیشک اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیت مباہلہ کے متعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے دعوتِ اسلام دینے کے لیے کچھ وفد بھیجے۔ ایک وفد نجران بھی گیا۔ وہاں کے عیسائیوں نے دلائل سُنے تو حضورؐ سے بحث کرنے کا خیال اُن کے دل میں پیدا ہوا چنانچہ ان کا ایک وفد جس میں چالیس آدمی تھے تین سرداروں کی ماتحتی میں جو اسقف۔ عاقب اور سید کہلاتے تھے۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ میں وارد مدینہ ہوا حضرتؐ نے اُن سے پوچھا کس ارادہ سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے مناظرہ کریں گے چنانچہ آپؐ کئی روز اُن کو سمجھاتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا تم عیسٰیؑ کو ابن اللہ اس لیے کہتے ہو کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوتے تھے لیکن آدمؑ کو کیوں نہیں کہتے جو بے ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ خدا نے جس طرح آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا اسی طرح عیسٰیؑ کو پیدا کیا تھا۔ مگر وہ نہ مانے اور اپنی ہٹ پر جمے رہے بہرحال یہ طے پایا کہ مباہلہ کیا جائے۔ مباہلہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ہر فریق یہ کہتا تھا کہ اگر میرا حریف اپنے دعوٰی میں جھوٹا ہے تو یا اللہ تو اس پر عذاب نازل کر۔ جب مباہلہ طے پاگیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ باوجود علم آجانے کے اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو ان سے

کہو ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی لڑکیوں کو بلائیں تم اپنی لڑکیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت قرار دیں۔

مباہلہ میں جانے سے پہلے حضورؐ خانۂ اُمّ سلمہؓ میں تشریف لائے اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنی یمنی چادر کے اندر لے کر فرمایا، یا اللہ یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔ اُمّ سلمہؓ نے اس چادر میں آنے کی خواہش کی تو یہ کہہ کر ان کو روک دیا کہ تم خیر پر ضرور ہو مگر اہلبیت میں تمہارا شمول نہیں۔ معلوم ہُوا ازواج سے علیحدہ یہ ایک طبقہ تھا۔ اسی وقت جبرئیلؑ امین آیت تطہیر لے کر نازل ہوئے جس کے مصداق یہی پانچوں بزرگ تھے اور یہی وہ اہلبیت تھے جن کو اللہ نے تمام ظاہری و باطنی عیوب سے پاک رکھا ہے۔ آیہ مباہلہ کی عملی تفسیر دکھانے کے لیے حضورؐ مباہلہ کے لیے بیتُ الشّرف سے اِس طرح نکلے کہ امام حسنؑ کی اُنگلی پکڑے ہوئے تھے اور امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے۔ حضرت فاطمہؑ ان کے پیچھے تھیں اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے۔ جب نصارٰی کے پادری کی نظر ان پر پڑی تو اس نے اپنے گروہ سے کہا تم ان سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دُعا کریں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔ اگر محمدؐ کو اپنی صداقت پر پُورا یقین نہ ہوتا تو آتشِ غضبِ الٰہی میں جلوانے کے لیے کبھی اس کنبہ کو ساتھ لے کر نہ آتے۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ سے گریز کی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کا ہے ——— اب اس واقعہ کے تحت میں چند باتوں پر غور کرنا ہے:

۱۔ حضرتؐ جب اپنے اہلبیتؑ کو ساتھ لے کر چلے تھے تو فرمایا تھا جب میں بددعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جس طرح آپؐ کو اپنی بددعا کے رَد نہ ہونے کا یقین تھا اسی طرح اپنے اہلبیتؑ کی آمین کے رَد نہ ہونے کا بھی یقین تھا۔

۲۔ جب حضورؐ بددعا کے لیے خود ہی کافی تھے تو اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیوں لے گئے۔ اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ دکھانا مقصود تھا کہ یہ شریکِ کارِ رسالت ہیں۔ دوسرے میری رسالت کے معصوم گواہ ہیں۔ ان کی اور میری عظمت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ میرے نُور کے ٹکڑے ہیں ہم ایک جان اور پانچ قالب ہیں۔

۳۔ میں ہدایت کا پُورا بندوبست اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ حسنؑ و حسینؑ بچوں کے لیے ہیں فاطمہ زہراؑ عورتوں کے لیے ہیں اور علیؑ جوانوں کے لیے اور میں من حیث المجموع سب کے لیے ہادی ہوں۔ گویا میرے گھر میں انسان کے ہر طبقہ کی ہدایت کا سامان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ خدا نے آیہ مباہلہ میں ان سب کو ساتھ لے جانے کا حکم دیا۔ ورنہ نصارٰی سے مقابلہ کے لیے صرف رسولؐ کافی تھے۔ بچوں اور عورتوں کا اس سے تعلق نہ تھا۔

۴۔ یہ بھی بتانا تھا کہ آیہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ میں صادقین کے مصداق یہی ہیں۔ کیونکہ جب نصارٰی نے مباہلہ سے گریز کی تو گویا اپنے کو کاذب تسلیم کر لیا۔ اس صورت میں ان کا مدِّمقابل صادق قرار پایا۔

۵۔ دشمنانِ اہلبیتؑ نے ہر اس آیت میں تاویل کی ہے جو اہلبیت علیہم السلام کی شان میں ہے، سوائے اس آیت کے کہ یہاں کوئی تاویل کرتے نہیں بنتی۔ کیونکہ عملی صورت اس کے ساتھ ہے۔

۶۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حسنین علیہما السلام فرزندانِ رسولؐ نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا یہ جانتے ہوئے کہ رسولؐ کے بیٹے نہیں ہیں بیٹوں کو شریکِ مباہلہ کرنے کا ذکر آیت میں کیوں کرتا۔

۷- اب کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ علیؑ نفسِ رسولؐ نہیں۔ اگر آیت میں اَنْفُسَنَا سے مراد خود نفسِ رسولؐ ہو تو حضورؐ اپنے ساتھ ایک ایسے شخص کو کیوں لے گئے جس کے لے جانے کا آپؐ کو حکم نہ تھا۔ اور خدا نے ٹوکا کیوں نہیں کہ میری مرضی کے خلاف علیؑ کو کیوں لے جا رہے ہو۔

۸- اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت مسلمانوں میں ان چار افراد کے سوا جو رسولؐ کے ساتھ میں تھے اور کوئی مسلمان ایسا سچا نہ تھا جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور کبھی حضورؐ کی صداقت میں ہلکا سا شک بھی نہ کیا ہو۔

۹- یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے چہرں پر صداقت کا نور اس حد تک چمکتا تھا کہ کفار بھی اسے دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ مقربانِ بارگاہِ ایزدی ہیں ان کی کوئی درخواست بارگاہِ ایزدی سے بغیر قبول ہوئے نہیں رہ سکتی۔

۱۰- یہ بھی معلوم ہوا کہ نفسِ واحد پر جمع کا اطلاق ہو سکتا جیسے علیؑ و فاطمہؑ کے لیے نِسَآءَنَا وَ اَنْفُسَنَا کا لفظ بولا گیا۔ بس اسی طرح آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ میں تعظیماً حضرت علیؑ کے لیے جمع کے صیغے لائے گئے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ
بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (٦٤) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٦٥) هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (٦٦)

اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اُس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائے۔ اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (کسی اور کے نہیں۔) اے اہلِ کتاب تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ توریت و انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہیں کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تم تو ایسے احمق لوگ ہو کہ ایسی بات میں جھگڑا کرتے ہو جس کے متعلق تمہیں علم نہیں پس جس بات کا تمہیں علم ہی نہیں اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

یہود و نصاریٰ برسوں سے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ جھگڑا کرتے چلے آ رہے تھے کہ یہودی کہتے تھے وہ یہودی تھے اور

نصاریٰ کہتے تھے وہ نصرانی تھے۔ قرآن کہتا ہے یہ کیسا بے عقلی کا جھگڑا ہے غور کرو تم یہودی بنے جب توریت نازل ہوئی اور نصرانی بنے جب انجیل نازل ہوئی اور یہ دونوں کتابیں تو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ پھر ان کا یہودی یا نصرانی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ (٦٧) اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (٦٨) وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (٦٩) يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (٧٠)

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وُہ تو بڑے کھرے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ ابراہیم سے زیادہ خصوصیت تو ان لوگوں کو تھی جو ان کی پیروی کرتے تھے اور اس پیغمبر اور ایمانداروں کو بھی ہے اور اللہ مومنوں کا مالک ہے۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے تو بہت چاہا کہ کسی طرح تم کو راہِ راست سے بھٹکا دیں حالانکہ وہ تم کو تو کیا بھٹکاتے اپنے ہی کو بھٹکاتے ہیں لیکن اس کو سمجھتے نہیں۔ اے اہلِ کتاب تم آیاتِ الٰہی سے کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ (ان کی صداقت کے) تم خود گواہ ہو۔

اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کے درمیان ایک مدت سے یہ جھگڑا چلا آ رہا تھا کہ ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ ابراہیمؑ ہماری جماعت کے آدمی تھے۔ قرآن ان سے کہتا ہے کہ وہ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ اللہ کے مخلص بندے تھے۔ یہ کہنا کہ وہ ہماری جماعت میں سے تھے بالکل غلط ہے کیونکہ تم جب ان کی پیروی نہیں کرتے اور تم نے اپنا مذہب ان کے مذہب سے الگ بنا لیا ہے تو پھر تم کو یہ کہنے کا حق ہی نہیں۔ ہاں ان کے سچے پیرو ہمارے نبیؐ ہیں یا وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے ہیں۔

ع ۸ ۱۵ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَ
قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ط
قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ
عِنْدَ رَبِّكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ج يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ لا
يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

اے اہلِ کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو تم جان بُوجھ کر حق کو چھپاتے ہو۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان والوں پر جو کتاب (قرآن) نازل ہوئی ہے صبح کو تو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کردو تاکہ مسلمان اس تدبیر سے اپنے دین سے پھر جائیں۔ جو تمہارے دین کے سوا کسی اور دین کا پیرو ہو اس کی بات نہ مانو اے رسول ان سے کہہ دو کہ ہدایت تو بس وہی ہے جو خدا کرے اور یہودی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ تمہارا سا دین کسی اور کو دیا گیا ہے اس کی بات بھی نہ ماننا اور یہ بھی نہ ماننا کہ خدا کے یہاں کوئی تم سے جھگڑا کرے گا۔ اے رسول تم ان سے کہدو (یہ تمہارا خیال خام ہے) فضل و کرم اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے وہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

بنی اسرائیل اس حسد میں مرے جاتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل میں کیوں چلی گئی۔ اس بنا پر وہ اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ کوئی تدبیر ایسی کریں کہ مسلمان اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں آخر سب نے مل کر یہ تدبیر نکالی کہ کچھ لوگ صبح کو جاکر مسلمان ہو جائیں اور مسلمانوں سے بڑے خلوص سے ملیں جلیں لیکن جب شام ہو تو پھر یہودی بن جائیں اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ایسا کرنے پر مسلمان اس شبہ میں پڑ جائیں گے کہ ضرور اسلام میں کوئی خرابی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اسلام لاکر پھر پلٹ گئے۔ لیکن ان کی یہ تدبیر چلی نہیں بہت جلد مسلمانوں پر ان کا یہ فریب ظاہر ہو گیا۔
یہودی یہ بھی کہتے پھرتے تھے کہ سچا دین ہمارا ہے ایسا دین تو کسی کو دیا ہی نہیں گیا جو اس کے خلاف کہے اس کی

بات مت مانو۔ خدا کے یہاں کسی دین والا ہم سے اس بارہ میں جھگڑا نہیں کر سکتا۔ توریت میں آنحضرتؐ کے متعلق جو بشارتیں دی گئی تھیں یہودی اُن کو چھپاتے تھے بلکہ تحریف کر کے حضرتؐ کے خلاف باتیں درج کر دی تھیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ
بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا
فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى
بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ
اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا
يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾

اور اہلِ کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس سونے کا ڈھیر رکھ دو تو جس وقت مانگو وہ تمہیں دے دیں گے اور بعض ایسے (نادہند) ہیں کہ اگر ان کی سپرد ایک دینار کر دو تو جب تک ان کے سر پر کھڑے نہ رہو تمہیں واپس نہ دیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عرب کے جاہلوں کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی الزام عاید ہی نہیں ہوتا۔ وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ہاں جو کوئی اپنے عہد کو پُورا کرے اور تقوٰی اختیار کرے تو اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے عہد کو جو اللہ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کو (جو پُورا کرنے کے لیے کھائی تھیں) تھوڑی سی قیمت میں بیچ ڈالتے ہیں تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ روز قیامت خدا ان سے نہ تو کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ (گناہوں کی گندگی سے) ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

اس آیت سے مسلمانوں کو یہ سبق سکھایا گیا ہے کہ امانت میں خیانت نہ کیا کریں اور جو عہد قسم کھا کر کیا ہو اس کو نہ توڑیں۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ج
وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ
لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط
اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ ۱۶

ان اہلِ کتاب میں ایک گروہ ایسا بھی تو ہے جو توریت کی عبارت کو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ پڑھ جاتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ یہ عبارت کتاب کی ہے حالانکہ وہ کتاب کی نہیں ہوتی اور کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں کسی آدمی کے لیے زیبا نہیں کہ خدا تو اسے اپنی کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم تو ہمیشہ کتابِ خدا دوسروں کو پڑھاتے رہتے ہو اور خود بھی پڑھتے رہتے ہو اور وہ تم سے یہ تو کبھی نہ کہے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے کہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم کرے۔

یہودی اکثر مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تمہارے رسولؐ اگرچہ بظاہر خدا کی پرستش کے دعوے دار ہیں لیکن ان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی عبادت کرائیں۔ ورنہ ہم تو خدا کی عبادت پہلے ہی سے کرتے آئے ہیں۔ خدا نے اس آیت میں ان کا جواب دیا ہے کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کسی کو اپنا نبی بنائے اور اس کو علم و حکمت عطا کرے پھر وہ بجائے خدا کی عبادت کرانے کے اپنی عبادت کرانے لگے۔ تم توریت کو پڑھتے ہو اس میں یہ کہاں ہے کہ تم پیغمبروں یا فرشتوں کی عبادت کرو۔ پس ہمارا رسولؐ مسلمانوں کو ایسا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ
اِصْرِيْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

جب خدا نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ ہم جو کچھ تم کو کتاب و حکمت دیں اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پھر خدا نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے میرے عہد کا بوجھ اٹھا لیا تو انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا اچھا تو تم آج کے قول قرار پر آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ ایک گواہ ہوں۔

یہ عہد انبیاء سے عالمِ ذر میں لیا گیا تھا اس بنا پر ہر نبی کو آپؐ کی رسالت و نبوت پر ایمان لانا ضروری تھا۔ اور آپ کی مدد یہ تھی کہ ہر نبی اپنی امت سے آپ کا تعارف کرائے اور آپؐ پر ایمان لانے کی ہدایت کرے۔ یہ میثاق آنحضرتؐ کے ختم الانبیاءؐ ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ کیونکہ آپؐ سے کسی نبی کے متعلق کوئی میثاق نہیں لیا گیا اگر آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو آپؐ سے ضرور اس کے متعلق عہد لیا جاتا۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ
اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ص لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ز وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

یاد رکھو جو کوئی اس عہد سے پھر جائے گا وہ نافرمانوں میں شمار ہوگا کیا خدا کے دین کے سوا وہ کوئی اور دین تلاش کر رہے ہیں حالانکہ جو لوگ آسمانوں میں ہیں (فرشتے) اور زمین میں ہیں خوشی سے یا ناخوشی سے اسکے مطیع بن چکے ہیں۔ اور اسی کی طرف وہ پلٹ کر جائیں گے۔ اے رسول کہدو ہم تو اللہ پر ایمان لا چکے اور جو ہم پر نازل ہوا اس پر بھی اور اس پر بھی جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور اسباط پر آیا اور اس پر بھی جو موسٰی و عیسٰی اور خدا کی طرف سے آنے والے نبیوں پر نازل ہوا ہے ہم بحیثیت فرستادہ خدا ہونے کے ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم خدا کے فرماں بردار بندے ہیں اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا دین اختیار کرے گا تو خدا اسے قبول نہیں کرے گا اور وُہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

اسلام کے معنی گردن بطاعت نہادن کے ہیں یعنی فرماں بردار ہونا۔ آسمان و زمین میں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو قانونِ قدرت کو قبول نہ کرے چاہے خوشی سے قبول کرے یا ناخوشی سے، قبول کرنا پڑے گا ضرور۔ دین اسلام خدا کا دین ہے جس کے تمام قوانین فطری ہیں پس جو کوئی اس کے سوا کوئی اور دین قبول کرے گا وہ لامحالہ اصولِ فطرت سے ہٹا ہوا ہوگا ایسی صورت میں خدا اُسے کیسے قبول کر سکتا ہے تمام کائنات کا خالق ایک ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ
الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ
اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَ
اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ
اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ ع

خدا ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت کرے گا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا اور اس کی گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہیں اور ان کے پاس قدرت کی نشانیاں بھی آئیں خدا ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (یعنی اپنی توفیق ان سے سلب کر لیتا ہے) ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہوتی ہے وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں گے اور اپنی حالت درست کر لیں گے تو بے شک خدا بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور کفر کو بڑھاتے رہے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اسی حالت میں مر گئے تو اگر وہ اپنی گلو خلاصی کے لیے اتنا سونا بھی دیں کہ زمین بھر جائے تب بھی یہ بدلا ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ انہی کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا
مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

تم ہرگز نیکی نہ پاؤ گے جب تک وُہ چیز راہِ خدا میں صرف نہ کرو جس کو تم محبوب رکھتے ہو اور جو چیز تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے اللہ اس کا جاننے والا ہے۔ تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر وہ جو توریت کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔ تم یہودیوں سے کہو توریت کو لاؤ اور اگر تم سچے ہو تو اُسے ہمارے سامنے پڑھو اس کے بعد جو اللہ پر افترا پردازی کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ کہدو اللہ نے سچ کہا ہے بس اے مسلمانو تم ملّتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

یہودی ہمیشہ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہم نسلِ ابراہیم علیہ السلام سے ہیں اور ہم ہی ان کے سچے پیرو ہیں۔ وہ آئے دن اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی ایسا اعتراض کریں کہ ان سے جواب نہ بن پڑے۔ آخر بہت سے سوچ بچار کے بعد دو اعتراض بڑے طمطراق سے لے کر آئے۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ ملّتِ ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور اے مسلمانو تم اسے کھاتے ہو اور حلال سمجھتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمام انبیاء بیت المقدس کو قبلہ مانتے آئے ہیں تم نے اسے چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنا لیا، ایسی صورت میں تم ملّتِ ابراہیمؑ پر کہاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں دونوں اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ کا گوشت یعقوب علیہ السلام اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ ان کو ایک ایسی بیماری تھی کہ اونٹ کا گوشت نقصان دیتا تھا۔ تم کہتے ہو توریت کا حکم یہ ہے ذرا توریت لا کر ہمارے سامنے پڑھو تو، تاکہ تمہارا جھوٹ کھل جائے۔ حضرت یعقوبؑ کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ یہ تو ایک رسمی بات ہوئی اس سے حرام ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے۔ یہ جواب سُن کر وہ ڈھیلے پڑ گئے اور توریت لا کر سُنانے کی ہمت نہ ہوئی۔

دوسری بات کا جواب اگلی آیت میں یوں دیا گیا ہے :

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ
بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ
اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔ وہ برکت والا ہے اور تمام عالموں کے لیے ہدایت کا باعث ہے اس میں خدا کی روشن نشانیاں ہیں ان میں سے ایک مقام ابراہیم ہے جو شخص اس میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خوشنودی خدا کے لیے خانۂ کعبہ کا حج کریں بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جو انکار کرے تو اللہ تمام عالموں سے بے پروا ہے۔

یہ جواب ہے یہودیوں کے دوسرے اعتراض کا کہ بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی طرف نماز کیوں پڑھتے ہو۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ بیت المقدس سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔ بائیبل سے یہ ثابت ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے ساڑھے چار سو برس بعد حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بنا تھا اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے درمیان آٹھ نو سو سال کا فاصلہ تھا پھر جو عمارت ابراہیمؑ نے بنائی تھی اس سے بیت المقدس کو اولیت کیسے حاصل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ بنایا۔ اس کا ثبوت مقام ابراہیمؑ سے ہے جس پر کھڑے ہو کر بنایا تھا اور اس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان بھی ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ بیت المقدس کو خانہ کعبہ پر شرف حاصل ہو۔

دوسری وجہ فضیلت یہ ہے کہ خدا نے اس کو جائے امن قرار دیا ہے جو اس میں داخل ہو گیا چاہے قاتل ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ خود نہ نکلے کوئی جبراً اُسے باہر نہیں نکال سکتا۔

تیسرے ہر سال لوگوں کو وہاں حج کرنے کے لیے بُلایا جاتا ہے اور اس کی ابتدا زمانہ ابراہیمؑ سے ہوئی۔ یہ فضیلتیں بیت المقدس کے لیے نہیں لہٰذا تم بیکار اس پر فخر کرتے ہو کہ بیت المقدس کو خانۂ کعبہ پر شرف حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک بار ہر اس شخص پر حج فرض کیا ہے جو اتنا پیسہ رکھتا ہو کہ وہاں تک جا سکے اور واپس آ سکے اور راستہ بھی پُرامن ہو۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اے اہلِ کتاب تم آیاتِ خدا سے کیوں انکار کرتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے۔ اے رسول کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب جو لوگ ایمان لائے ہیں تم ان کو راہِ خدا سے کیوں روکتے ہو۔ دیدہ و دانستہ کجروی کو ڈھونڈتے ہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ اے ایمان والو، اگر تم نے اہل کتاب کے کسی فرقہ کا بھی کہنا مانا تو یاد رکھو ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں پھر کافر بنا دیں گے اور تم کیسے کافر بن جاؤ گے حالانکہ آیاتِ خدا تم پر پڑھی جاتی ہیں اور اللہ کا رسول بھی تم میں موجود ہے۔ یاد رکھو جو شخص اللہ سے وابستہ رہا وہ ضرور صراطِ مستقیم پر لگا دیا گیا۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ شاس بن قیس یہودی جو بڑا فریبی انسان اور بدگو تھا اور اسلام کی عداوت کی آگ بُری طرح اس کے دل میں بھڑک رہی تھی ایک روز اوس اور خزرج کی طرف سے جو عرب کے نامور قبیلے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے گزرا۔ پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت عداوت تھی ہمیشہ آپس میں جنگ ٹھنی رہتی تھی مسلمان ہونے کے بعد دشمنی دوستی سے بدل گئی اور آپس میں پیار اور محبت سے رہنے لگے۔ شاس ملعون کو اُن کا یہ میل جول سخت ناگوار ہوا سوچا کوئی چال چل کر ان میں جنگ کرا دینی چاہیئے قبیلہ اوس کے ایک شخص کو اُس نے ورغلانا شروع کیا اور کہنے لگا تمہارا قبیلہ ہمیشہ ان بزدلوں پر غالب رہا ہے اب کیسے میل ہو گیا پھر دونوں قبیلوں کی خانہ جنگیوں کے متعلق جو قصیدے تھے پڑھنے لگا وہ اوسی جوان اس کے دامِ فریب میں پھنس گیا رفتہ رفتہ نوبت جنگ و پیکار کی آ گئی۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ جب حضرتؐ نے ان کو یہ آیت سُنائی تو وہ بہت نادم ہوئے اور پھر آپس میں مل جل گئے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ
مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو حق ڈرنے کا ہے اور مرو تو مسلمان رہ کر مرو اور اللہ کی رسّی کو سب مِل کر پکڑ لو اور ٹکڑیوں میں نہ بٹ جاؤ اور اللہ کی جو نعمتیں تم کو ملی ہیں ان کو یاد کرو (وہ وقت یاد کرو) جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دِلوں میں محبّت ڈالی پس تم خدا کی اس نعمت کی بدولت آپس میں بھائی بن گئے اور تم تو اپنے اعمال کی بدولت دوزخ کے کنارہ پر کھڑے تھے اللہ نے تم کو اُس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکیوں کی طرف بُلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے بُرے کاموں سے روکے انہی لوگوں کے لیے آخرت میں بہتری ہو گی اُن لوگوں جیسے مت بنو جنہوں نے آپس میں پھوٹ ڈالی اور روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی اختلاف سے نہ بچے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ الخ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہم اہلبیت خدا کی وہ رسّی ہیں جس کے پکڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے (صواعق محرقہ۔ تفسیر ثعلبی)۔

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً الخ اسلام سے پہلے قبائل عرب میں وہ بدامنی پھیلی ہوئی تھی کہ خدا کی پناہ۔ ذرا ذرا سے جھگڑے پر تلواریں نیام سے نکل آتی تھیں اور پھر وہ جنگل کی آگ کی طرح تمام قبیلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی اور اس کا سلسلہ ایک دو دن نہیں چالیس چالیس اور ساٹھ ساٹھ برس تک چلتا تھا۔ مقتول کے تمام خاندان سے نسلاً بعد نسلٍ بدلہ لیا جاتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد

حضرت رسولِ خدا کی ہدایت سے یہ آگ خدا خدا کر کے بجھی اور صدیوں کی دشمنی دوستی سے بدلی اور ان کے درمیان اخوت قائم ہوئی۔

شیطان نے کسی دین کو بغیر اختلاف کے نہیں چھوڑا۔ یہودیوں میں اکہتر فرقے بنے۔ نصارٰی میں بہتّر اور اسلام میں تہتّر۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے میری اُمّت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں بہتّر ناری ہوں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ یہ وہی فرقہ ہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بُلائے گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو معصوموں کے پیچھے چلے ہوں ورنہ غیر معصوم کی اقتدا میں صحیح راستے سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ
فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط
وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اس دن کے عذاب سے ڈرو جس میں کچھ چہرے تو سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ پس جن کے منہ کو کالک لگی ہو گی ان سے کہا جائے گا تم (وہی تو ہو جو) ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے۔ لیکن جن کے چہرے سفید براق ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے رسول یہ خدا کی آیتیں ہیں جن کو ہم ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سُناتے ہیں اور اللہ سارے جہان کے لوگوں میں سے کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

صحیح بخاری اور جمع بین الصحیحین میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ قیامت میں کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے میں ان کو پہچان لوں گا اور فرشتوں سے کہوں گا انہیں دوزخ کی طرف کیوں لیے جاتے ہو یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ وہ فرشتے کہیں گے آپ نہیں جانتے ان لوگوں نے آپ کے بعد آپکے دین میں کیا کیا نئی باتیں پیدا کیں۔ جب سے آپ ان سے جُدا ہوئے یہ لوگ آپ کے دین سے اپنی ایڑیوں پر پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ
اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ
اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۚ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور تمام معاملات کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے تم کیسے اچھے لوگ ہو کر لوگوں کی ہدایت کے لیے پیدا کیے گئے ہو تم لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اگر اہلِ کتاب بھی اسی طرح ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو ایماندار ہیں اور اکثر تو بدکار ہی ہیں یہ لوگ معمولی ایذا کے سوا تمہیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر یہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کے بھاگیں گے اور کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی۔

تمام مسلمان بہترین امت نہیں کہے جا سکتے اول تو ان میں ہر قسم کے بدکار لوگ موجود ہیں پھر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کیسے انجام دے سکتے ہیں جبکہ خود ہی بدکاری سے ان کا نامہ اعمال بھرا ہوا ہے اور جو نکوکار ہیں وہ بھی خطا و نسیان سے مبرا نہیں۔ گناہوں سے ان کا دامن بالکل پاک نہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خیر امت ہم ہیں۔ سیوطی نے بھی درِ منثور میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ق ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۚ وَ
اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

یہ اہلِ کتاب جہاں کہیں ہتے چڑھے ان کو ذلت ہی نصیب ہوئی۔ اگر ان کو اللہ سے یا بندوں سے عہد کرنے پر کہیں پناہ مل گئی تھی پھر ہیر پھیر کے خدا کے غضب میں آ ہی گئے اور ان پر محتاجی کی مار الگ پڑی یہ سب کچھ اس سبب سے ہوا کہ وہ آیاتِ خدا سے انکار کیا کرتے تھے اور ناحق انبیائے خدا کو قتل کرتے تھے یہ سزا اس کی ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے یہ لوگ بھی سب کے سب یکساں نہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو دینِ خدا پر قائم ہیں اور راتوں کو آیاتِ خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور نیکیاں حاصل کرتے ہیں۔ جلدی کرنے میں یہ نیک بندوں میں سے ہیں۔

یہودیوں میں سے چار پانچ آدمی ایسے بھی تھے جو مسلمان ہو گئے تھے ان کے سردار عبداللہ بن سلام تھے یہ اللہ کے عبادت گزار بندے تھے۔ انہی کی تعریف ان آیات میں کی گئی ہے۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ
تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ
أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

جو کچھ وہ نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تو ان کو عذابِ خدا سے بچانے میں نہ ان کے مال کام آئیں گے اور نہ اُن کی اولاد، ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا کے کاروبار میں خلافِ شرع جو کچھ یہ لوگ خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالے کا ٹھر ہو اور وہ ان لوگوں کے کھیت پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور پھر پالا (ساری کھیتی کو) ناس کر دے خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فضول خرچی سے کام لیتے ہیں اور لہو و لعب اور ناجائز کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں۔ اگر راہِ خدا میں خرچ کرتے تو بارگاہِ باری سے ان کو ثواب بھی ملتا اور ان کے سرمایہ میں اضافہ بھی ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا
عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ
بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ
الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾
إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا
وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع

اے ایمان والو مومنین کے سوا غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہ کریں گے اور جتنا تم تکلیف میں رہو گے اتنا ہی یہ خوش ہوں گے اور عداوت تو ان کے منہ سے ٹپکی پڑتی ہے اور جو بغض و حسد انکے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس ظاہری حالت سے کہیں زیادہ ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو ہم نے تمہارے لیے کھلم کھلا آیات بیان کر دی ہیں اگر تم (ایسے سیدھے ہو کر) ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو مگر وہ ایسے نہیں (تو پھر میل کیسا)۔ جب یہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ میں انگلیوں کو کاٹتے ہیں۔ تم ان سے کہو اپنے غصہ میں جل مرو۔ بے شک اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ اگر تمہیں خوشحالی چھو بھی جاتی ہے تو انہیں بُرا معلوم ہوتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اگر تم صبر سے کام لو اور پرہیزگار بنے رہو تو ان کا فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ خدا ان کے ہر ایک عمل کو گھیرے ہوئے ہے۔

کچھ ایسے مسلمان بھی تھے کہ باوجود یہودیوں کے مکر و فریب سے آگاہ ہونے کے ان میں خوامخواہ گھسے رہتے تھے۔ وہ ان کا راز معلوم کرنے کے لیے بظاہر ان کے دوست بنے ہوئے تھے اور کہتے تھے اجی ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہ احمق ان کے فریب میں آکر راز کی باتیں سب اُگل دیتے تھے ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ ان سے میل جول ترک کرو۔ یہ ظاہر میں تمہارے دوست ہیں باطن

ہیں پکّے دشمن۔ ایسے لوگ جو بظاہر دوست ہوں اور بباطن دشمن۔ کُھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾
اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اے رسول ایک وقت وہ بھی تھا جب تم مع بال بچّوں کے صبح سویرے ہی نکل کھڑے ہوئے اور مومنین کو لڑائی کے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ سب سے زیادہ سننے والا اور جاننے والا ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب تم میں سے دو گروہوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ پسپائی کریں (پھر سنبھل گئے) کیونکہ اللہ تو ان کا سرپرست تھا اور اللہ پر تو ایمان والے ہی توکّل کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھے (پھر بھی خدا نے فتح دی) پس تم خدا سے ڈرتے رہو تاکہ اس کے شکرگزار بنو۔ اے رسول اس وقت تم مومنین سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار آسمان سے تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور کفّار اپنے جوش میں ابھی تم پر چڑھ بھی آئیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے مدد کرے گا جو نشانِ جنگ لگائے ہوں گے۔

جنگِ بدر میں کفّارِ قریش کو جو شکست فاش ہوئی تھی اس نے ان کے دلوں میں ناسور ڈال دئے تھے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی آگ اس طرح ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی کہ کسی پہلو چین نہ تھا۔ اپنی عورتوں کو اس لیے رونے سے منع کر دیا تھا کہ رونے سے دل کی گرمی کم ہو جاتی ہے۔ اگلے ہی سال ابوسفیان پانچ ہزار جنگجو اپنے ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ کے لیے بڑھا۔ جب حضورؐ کو خبر ہوئی

تو آپؐ ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے لیکن عبداللہ بن اُبی منافق راستہ ہی میں سے تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس آگیا۔ اور اب کل سات سو آدمی حضورؐ کے ساتھ رہ گئے۔

جب میدانِ اُحد میں پہنچے تو آپؐ نے پہاڑ کو پس پُشت لیا اور اس درّہ پر جہاں سے دشمن کے لیے کمک آنے کا اندیشہ تھا عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ معیّن کیا اور ان سے کہہ دیا کہ چاہے پرندے تمہارا گوشت نوچ نوچ کر کھالیں مگر تم جگہ سے نہ ہٹنا۔ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خدا کی شان دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمان تلواریں نیام میں رکھ کر مالِ غنیمت کو لُوٹنے میں ایسے سرگرم ہوئے کہ کسی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ درّہ کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ یار لوگ بڑے دھڑلّے سے لوٹ رہے ہیں تو وہ کیوں اپنی جگہ جمے رہتے، درّہ چھوڑ کر لُوٹنے والوں میں شامل ہو گئے۔ درّہ کو خالی پاکر خالد بن ولید جو ایک ہزار سوار لیے گھات میں لگا کھڑا تھا فوراً درّہ پار کرکے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور پیچھے سے ایسی مار دی کہ مسلمان حواس باختہ ہو کر ہر طرف بھاگنے لگے۔ اور جیتی ہوئی لڑائی شکست میں تبدیل ہو گئی۔ اگر حضرت علیؑ اپنی خداداد شجاعت سے کام نہ لیتے تو اُس روز حضرت رسولِ خداؐ کا شہید ہونا یقینی تھا۔ آپؐ کے دندان مبارک شہید ہو چکے تھے اور آپؐ زخمی ہو کر ایک پست مقام پر امدادِ خدا کے خواستگار بن بیٹھے تھے۔

بہرحال ان آیات میں مسلمانوں کی ہمّت افزائی کے لیے بتایا جارہا ہے کہ جب تم بدر کی جنگ میں یہ دیکھ چکے تھے کہ خدا نے تمہاری مدد کی تھی اور تین ہزار فرشتوں کو تمہاری نصرت کے لیے بھیج دیا تھا اور مزید پانچ ہزار کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا تو پھر تم پر بزدلی کیوں غالب ہوئی اور میدان چھوڑ کر کیوں بھاگے۔ اس واقعہ کا بقیہ حصّہ آگے آرہا ہے یہاں ہم صرف ملائکہ کی امداد کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن میں جو ملائکہ کی مدد کا ذکر ہے سرسیّد احمد خاں صاحب نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی تفسیر انوارالقرآن میں لکھا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ ملائکہ کی کوئی فوج وہاں نہیں آئی تھی۔ اگر ملائکہ لڑے ہوتے تو ان کے کُشتے بھی میدان میں پائے جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہُوا۔ صرف وہی ستّر مشرکین کی لاشیں میدانِ جنگ میں تھیں جن کو مسلمانوں نے قتل کیا تھا۔ علاوہ اس کے جب صرف ایک فرشتہ ان سب کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا تو پھر تین ہزار کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

سرسیّد صاحب ایسے واقعات کو جن میں کوئی معجزانہ شان پائی جائے خواب کا واقعہ بتا کر ٹال دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب ابراہیمؑ کے پرندوں کو زندہ کرنے اور حضرت عزیرؑ کے زندہ ہونے کے اہم واقعات کو بھی انہوں نے خواب ہی قرار دیا ہے ــــ مگر سیّد صاحب کی یہ رائے تمام مفسرین کی رائے کے خلاف ہے۔

آیات میں کہیں اس کا ذکر نہیں کہ ملائکہ شمشیر بکف ہو کر لڑے بھی تھے۔ بلکہ یہ تو مسلمانوں کی ہمّت افزائی اور اطمینانِ قلبی کے لیے فرشتوں کو بھیجا گیا تھا جو کفّار کو نظر آتے تھے اور انہیں دیکھ کر اُن کی ہمّتیں پست ہو گئی تھیں اور ان کے دلوں پر ایسی کپکپی پیدا ہو گئی تھی کہ تلوار چلانی بھول گئے تھے ورنہ کیسے ممکن تھا کہ صرف تین سو آدمی جن کے پاس معمولی سامانِ جنگ تھا ایک ہزار مسلح جوانوں پر جن میں عرب کے نامور نبرد آزما شامل تھے فتحیاب ہو جاتے۔

اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنگِ احد کے سلسلہ میں دُہراتا نہیں۔ پھر رسولِ خداؐ نے جیسے اپنی اور خواہیں

صحابہؓ سے بیان کی نہیں یہ بھی بیان فرماتے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر خواب کی صورت میں کیا جاتا۔ جب غلط بیانی کا تعلق خدا سے نہیں ہو سکتا تو ضرور اس کی اصلیت ہے یہ کہنا کہ جہاں ایک ہی فرشتہ تمام دشمنوں کا صفایا کر سکتا تھا وہاں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلوبِ بیان ایک یہ بھی ہے کہ دشمن کو مرعوب کرنے اور اپنے ساتھیوں کا دل بڑھانے کے لیے ایسا کہا جاتا ہے۔ ایک بادشاہ اپنے دشمن کو آگاہ کرتا ہے کہ اگر تم نے میری سرحد میں قدم رکھا تو دس ہزار سپاہی کیل کانٹے سے لیس تمہیں کچلنے کے لیے تیار کھڑے ہوں گے اور ان کی کمک کے لیے ایک لاکھ مسلح سپاہی ان کی پس پشت ہوں گے۔ حالانکہ دشمن سے مقابلہ کے لیے صرف دس ہزار ہی بہت ہوتے۔ یہ اپنی قوت کا اظہار صرف دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے اور دوستوں کا دل بڑھانے کے لیے ہوتا ہے۔

سورۂ تحریم کی آیت ۴ میں دیکھئے کہ دو بی بیوں سے کہا جا رہا ہے اگر تم نے نبی کے خلاف شورہ پشتی کی تو اللہ اس کا مددگار ہے اور جبرئیل اور صالح المؤمنین اور اس کے بعد تمام ملائکہ اس کی پشت پر ہیں۔ دو عورتوں کا مقابلہ ایسا کو نسا بڑے لشکروں کا مقابلہ تھا کہ سارے ملائکہ کا ذکر کیا گیا۔ صرف جبرئیل کافی تھے یہ صرف رسولؐ کی اعزازی شان دکھانے اور دونوں بی بیوں کو مرعوب کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

اگر ملائکہ کے لڑنے کا معاملہ ہوتا تو تعداد کی کمی یا زیادتی کا سوال پیدا ہو سکتا تھا اور جب صرف صف آرائی کی صورت تھی تو پھر یہ سوال مہمل ہے۔ کوئی آیت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ ملائکہ نے تلوار چلائی بلکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ تمہارے قلوب کے اطمینان کے لیے ایسا عمل کیا گیا تھا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ
اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَھُمْ فَيَنْقَلِبُوْا
خَاۗىِٕـبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْھِمْ اَوْ يُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا
مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اللہ نے تمہاری یہ امداد (ملائکہ سے) صرف تمہاری خوشی کے لیے کی ہے اور اس لیے کہ تمہارے دل کو ڈھارس ہو اور مدد تو ہمیشہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو سب پر غالب اور حکمت والا ہے یہ مدد اس لیے کی تھی کہ کافروں کے ایک گروہ کو (قتل کرا کے) کم کر دے اور انہیں ایسا چوپٹ کر دے کہ ناکام و نامراد اپنے گھروں کو واپس ہوں۔ تمہارا اس میں کوئی اختیار نہیں چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے ان کو سزا دے بے شک یہ لوگ ظالم ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دے دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو دونا دون (سود در سود) نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم اچھے حال میں رہو اور اُس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ بدر میں جو ملائکہ سے مدد کی گئی تھی اس کا منشا یہ تھا کہ یہ خبر سُن کر کہ ملائکہ ہماری مدد کے لیے موجود ہیں مسلمانوں کے دل خوش ہو جائیں اور دلوں سے گھبراہٹ جاتی رہے اور جنگ میں کامیابی کے لیے سب سے پہلی بات لڑنے والوں کے دل کا قوی کرنا ہوتا ہے اور اس امر کی خوشخبری ملنا کہ ہمیں کامیابی ہوگی۔ ملائکہ اگرچہ تلواریں لے کر لڑے نہیں مگر ان کی صف آرائی دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے بہت کافی تھی۔

سود کی حرمت پہلے بیان کی جا چکی ہے یہاں خصوصیت کے ساتھ سود در سود کھانے سے روکا گیا ہے کیونکہ مقروض کے تباہ و برباد کرنے میں سب سے بڑا حصہ اسی کا ہوتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ
عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو اپنے رب کی مغفرت کی طرف تیزی سے دوڑو اور اس جنت کو حاصل کرنے کے لیے بڑھو جس کی چوڑائی تمام آسمان و زمین ہیں اور جو متقیوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ وہ متقی جو راحت و مصیبت دونوں حالتوں میں راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ غصّہ کو پینے والے ہیں۔ لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور جب اتفاقاً کوئی بُرا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی اس سے معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے اور وہ دیدہ و دانستہ اس پر ہٹ نہیں کرتے اور ان کی جزا ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور وہ جنّت ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور عملِ صالح کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا اجر ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ الخ اس آیت کے متعلق مفسّرین عامّہ و خاصّہ نے لکھا ہے کہ امام حسنؑ اس آیت کے مصداق ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار امام حسن علیہ السلام اشراف قوم کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک غلام سالن کا پیالہ لیے ہوئے آیا آپؑ کے رعب سے اس کا پاؤں تھرتھرایا اور وہ پیالہ مع سالن آپؑ کے سر اور چہرہ مبارک پر گر گیا۔ حضرتؑ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کانپنے لگا اور دفعتاً اس کی زبان سے نکلا الکاظمین الغیظ یعنی آپ غصّہ کو روکنے والے ہیں۔ فرمایا میں نے اپنا غصّہ ختم کیا۔ اس نے فوراً کہا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آپ لوگوں کا گناہ بخشنے والے ہیں) فرمایا میں نے معاف کیا اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔ فرمایا، جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ بعض لوگوں نے یہ واقعہ امام حسینؑ کے متعلق لکھا ہے اور بعض نے امام زین العابدینؑ کے متعلق، بہرحال ہے اسی گھر کا واقعہ۔

آخری آیات کے متعلق ابن مسعودؓ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار اصحابِ رسولؐ باہم یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ بنی اسرائیل ہم سے افضل تھے کیونکہ جب وہ گناہ کرتے تھے تو ان کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا تھا اور اپنے ناک کان کا کفارہ دے کر گناہ سے پاک ہو جاتے تھے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہمارا گناہ بخشا گیا یا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ تم بنی اسرائیل سے افضل ہو۔ کیونکہ توبہ کرنے کے بعد تمہارے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ خدا کی یہ خاص رحمت تم پر ہے کہ توبہ کے بعد گناہ بخش دیتا ہے بشرطیکہ تم صدقِ دل سے توبہ کرو اور اس کے بعد گناہ کرنے کا خیال چھوڑ دو۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸ وَلَا تَهِنُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱

تم سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں پس روئے زمین پر سیر کرو اور غور سے دیکھو کہ آیاتِ الٰہی کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور نصیحت ہے متقی بندوں کے لیے۔ اے مسلمانو سستی اور کاہلی کو اپنے میں راہ نہ دو اور (اُحد کی اتفاقی شکست سے) رنجیدہ نہ ہو اگر تم مومن ہو تو آئندہ تم ہی غالب رہو گے اگر تمہیں شکست کا زخم لگا ہے تو ایسا ہی زخم (بدر میں) تمہارے مخالفوں کو بھی لگ چکا ہے یہ تو اتفاقات زمانہ ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان اُلٹ پھیر کیا کرتے ہیں اور اس لیے تاکہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان والے ہیں اور تم میں سے بعض کو درجہ شہادت عطا فرمائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس شکست سے یہ بھی مقصود تھا کہ ثابت قدم رہنے والے سچے مسلمانوں کو الگ کر دے ان لوگوں سے جو بھاگنے والے اور ثابت قدم رہنے والے نہ تھے۔

سوائے چند کے جنگِ اُحد میں سب ہی تو رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس جنگ میں وہ نمایاں خدمتِ اسلام کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپؑ لڑتے مارتے دشمنوں کو دُور تک بھگاتے بھی اور پھر ڈھال میں بھر کر پانی بھی لاتے اور جناب سیّدہؑ کے ساتھ رسولِ خدا کے زخموں کو دُھلاتے بھی تھے۔ یہ کام میدانِ جنگ میں جیسے مشکل ہوتے ہیں یہ لڑنے والے ہی جانتے ہیں۔ جب ہی تو جبرئیلؑ نے نازل ہو کر کہا تھا یا رسولؐ اللہ، یہ ہے سچّی مواسات و ہمدردی۔ فرمایا کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیلؑ نے کہا اور میں آپ دونوں سے ہوں۔

جب رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ سے یہ سوال کیا۔ یا علی جس طرح مجھے چھوڑ کر سب بھاگے تھے تم کیوں نہ بھاگے ؟

فرمایا اَاَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا)۔ اس سے ثابت ہوا کہ علیؑ کے نزدیک اس روز میدانِ جنگ سے بھاگنا کفر تھا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

ع ۱۴ / ۵

اے مسلمانو، کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم سب کے سب جنّت میں داخل ہو جاؤ گے کیا اب تک خدا نے ان لوگوں کو بھی نہیں پہچانا جنہوں نے تم میں سے راہِ خدا میں جہاد کیا اور ان لوگوں کو بھی نہیں پہچانا جو جہاد میں ثابت قدم نہ رہے۔ لڑائی سے پہلے تو تم (اسلام کے فدائی بن کر) موت کی آرزو کیا کرتے تھے پس تم نے اس کو دیکھ لیا اور اب بھی دیکھ رہے ہو (پس وہ تمہاری شیخیاں کہاں گئیں)۔

جنگِ بدر میں جو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو مسلمانوں کی ہمت کچھ بڑھ گئی اور اسلام کی صداقت کا نقش ان کے دلوں میں اتنا اجاگر ہوا کہ راہِ خدا میں مرنے کی تمنا کرنے لگے لیکن جب اُحد کا معرکہ سامنے آیا اور تین ہزار مشرکوں کا مقابلہ سات سو مسلمانوں سے آپڑا تو پہلے تو جم کر لڑے لیکن جب پسِ پشت سے آکر خالد نے حملہ کیا اور شیطان نے یہ آواز بلند کی قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ تو سب کے پیر اکھڑ گئے اور جسے جدھر جانے کا موقع ملا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔ اس وقت ایک حضرت علیؑ تھے کہ جن کی بے نظیر شجاعت نے رسولؐ کی جان بچائی۔ تین مرتبہ گھوڑے سے گرے اور ہر مرتبہ جبرئیلؑ نے سوار کیا۔ اس کا ذکر خدا نے ان آیات میں کیا ہے کہ اس روز پتہ چل گیا کہ کون ثابت قدم رہنے والا تھا اور کون بھاگ جانے والا۔ کس کو اپنی جان پیاری تھی اور کس کو رسولؐ کی جان پیاری تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول یقیناً ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں پس اگر وہ مر جاتے یا قتل کر دیئے جاتے تو تم کیا اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو شخص پھر جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ تو شکر کرنے والوں ہی کو اچھا بدلہ دے گا۔

جب میدانِ اُحد میں یہ آواز بلند ہوئی کہ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ (محمدؐ قتل کر دیئے گئے) تو بعض لوگوں نے دل میں کہا اور بعض نے آپس میں تذکرہ کیا کہ بس اسلام تو آج ختم ہو گیا اب ہم کو اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جانا چاہیئے۔ خدا ان سے فرماتا ہے کہ محمدؐ اسی طرح ہمارے رسول تھے جیسے پہلے ہو چکے ہیں تو کیا ان رسولوں کے مرنے یا قتل ہونے سے خدا کا دین ختم ہو گیا تھا جو اب ختم ہو جائے گا۔ تمہارے پلٹ جانے سے اللہ کا کیا نقصان ہے اس کا دین تو ہر حالت میں قائم رہے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ط وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ج وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ط وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بغیر حکم خدا کے کوئی شخص نہیں مرتا۔ وقتِ معیّن تک ہر ایک کی موت لکھی ہوئی ہے جو شخص اپنے عمل کا بدلہ دُنیا میں چاہتا ہے تو ہم دُنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور جو آخرت میں بدلہ چاہتا ہے اُسے آخرت میں دیتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو ہم بہت جلد اس کا بدلہ دیں گے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (١٤٦) وَمَا كَانَ
قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (١٤٧)

اے مسلمانو جہاد کی مصیبت کچھ تم ہی پر نہیں آئی بلکہ ایسے بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے پس اُنہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ کمزوری دکھائی۔ اور اللہ تو ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے اس کے سوا ان کا کہنا کچھ نہ تھا اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور ہم نے اپنے معاملات میں جو زیادتیاں کی ہیں وہ بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔

بہت سے کمزور ایمان والے مسلمان جب جہاد پر چلنے کا حکم ملتا تھا تو آپس میں مل کر کہتے تھے۔ اس رات دن کی کربندی سے ہم تو اکتا گئے ہیں۔ چین سے گھروں میں بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔ یہ صورت جو جہاد کی پیش آرہی ہے آنحضرتؐ کے دورِ نبوت میں دیکھی جا رہی ہے اس سے پہلے جو انبیاء گزرے ان کے ساتھ رہنے والوں کے لیے تو یہ جان جوکھوں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے غلط خیال کی تردید میں فرما رہا ہے کہ تم ہی وہ لوگ اکیلے نہیں ہو جو اپنے نبی کے ساتھ جا کر لڑتے ہو بلکہ بہت سے انبیاء ایسے ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ بہت سے خدا پرستوں نے قتال کیا۔ انہوں نے کافروں کو قتل بھی کیا اور قتل بھی ہوئے۔

لیکن ایسے بھی مسلمان تھے جو لڑنے سے ذرا نہ ڈرتے تھے۔ بلکہ جہاد کے مشتاق رہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں الاکرام بالضیف۔ والصوم فی الصیف۔ والجہاد بالسیف۔ یعنی مہمان کا اکرام کرنا۔ گرمیوں میں روزہ رکھنا اور تلوار سے جہاد کرنا۔

جو خالص مومن ہیں وہ دُعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار، ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے کیں اُن سے درگزر فرما اور کافروں کے مقابل ہماری مدد فرما۔

اللہ ایسے صابروں کو دوست رکھتا ہے۔

ع ١٥ ٥ ٦

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (١٤٨)
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (١٤٩) بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (١٥٠) سَنُلْقِيْ فِيْ
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ
مَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (١٥١)

پس ایسے کامل مومنوں کو اللہ نے دُنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت میں تو بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور اللہ تو احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اے ایمان والو اگر تم کافروں کی اطاعت کرو گے تو وُہ تم کو اُلٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر کر لے جائیں گے اور پھر تم گھاٹے میں پڑے رہ جاؤ گے (نہ اِدھر کے رہو گے نہ اُدھر کے)۔ تم گھبراتے کیوں ہو اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وُہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے ہم ان کافروں کے دلوں پر تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ جو ایسے بُت کو پُوجتے ہیں جس کو خدا نے کوئی قوت نہیں دی۔ ان مشرکوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لیے وہ بہت بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ جب جنگِ اُحد سے ابوسفیان ناکام واپس ہوا تو راستہ میں اُسے خیال آیا کہ ہم نے بہت بُرا کیا کہ وہاں سے چلے آئے۔ اس وقت مسلمان تتر بتر بھی تھے اور زخمی بھی تھے۔ ان کے رسول بھی زخمی تھے۔ چلو ہم پلٹ چلیں اور دل کھول کر مسلمانوں کو قتل کریں لیکن حضرت علیؑ نے جس بُری طرح اُن کو کاٹا تھا اور ان کا صفایا کیا تھا اس کا منظر ابوسفیان کے ساتھیوں کی نظر میں تھا انہوں نے کہا بس جو کٹ چکے انہی پر بس کرو۔ پھر کر جاؤ گے تو جو زندہ ہیں ان سے بھی ہاتھ دھو گے مسلمان چاہے کتنے ہی تباہ حال ہوں لیکن جب تک علیؑ اُن کے ساتھ ہیں تم اُن پر فتح نہیں پاسکتے۔ بات کچھ یہ تھی کہ ابوسفیان کا کلیجہ بھی دھک دھک کرنے لگا اور کچھ ایسا رعب اس پر چھایا کہ پیچھے پلٹنے کی ہمت نہ پڑی۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ
وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ
مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اللہ نے جنگِ اُحد میں بھی اپنا وعدہ (فتح) سچ کر دکھایا جب تم پہلے حملہ میں اللہ کے حکم سے اُن کو قتل کر رہے تھے (مالِ غنیمت کے لالچ میں) پھر تم پر بزدلی غالب آگئی اور مورچہ کے معاملہ میں تم آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کے بعد کہ خدا نے تمہیں وہ چیز دکھا دی (فتح) جسے تم دوست رکھتے تھے تم نے نافرمانی کی۔ تم میں کچھ ایسے لوگ تھے جو دُنیا کا فائدہ چاہتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو آخرت کا فائدہ چاہتے تھے۔ (اور انہوں نے اپنی جان فدا کر دی) اس پر بھی تمہارے بزدلے پن نے تم کو کفار کی طرف سے پھیر دیا یعنی بھاگ پڑے۔ اس سے خدا کو تمہارا امتحان لینا منظور تھا۔ اللہ نے پھر بھی تم کو معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

جنگِ اُحد کے سلسلہ میں منافقوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب خدا نے فتح کا وعدہ کر لیا تھا تو پھر ہمیں شکست کیوں ہوئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پہلے حملہ میں فتح تو تمہارے سامنے آگئی تھی۔ تم کفار کو قتل کرتے جا رہے تھے۔ لیکن فتح کو شکست کی صورت میں تو تم نے خود بدلا۔ جب مالِ غنیمت کے لالچ میں تم درّہ چھوڑ کر لوٹ مار کے لیے دوڑ پڑے۔ تمہارے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے ہر چند تمہیں روکا مگر تم نہ مانے۔ چند آدمی عبداللہؓ کے ساتھ رہ گئے اور وہ سب شہید کر دئے گئے۔ باوجودیکہ یہ تمہاری نافرمانی سخت سزا کے قابل تھی مگر ہم نے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا۔ اس پر بھی تم اُلٹا الزام ہم پر لگاتے ہو۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ
غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ
وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ
كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ
اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

(اور وہ وقت یاد کر کے شرماؤ) جب تم پہاڑ پر چڑھتے چلے جا رہے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کھڑے پکار رہے تھے مگر تم جان کے خوف سے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے (چونکہ تم نے رسول کو آزردہ کیا تھا) لہٰذا خدا نے بھی تم کو شکست کا صدمہ پہنچایا (یہ سبق دینے کے لیے) کہ جب تمہاری کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت تم پر آ پڑے تو صبر کرنا سیکھو اور اللہ تو جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ اس غم کے بعد اللہ نے تمہارے اوپر اطمینانی حالت طاری کی کہ تم میں ایک گروہ کو (جو سچے ایماندار تھے) گہری نیند آگئی اور دوسرے گروہ کے لوگ جن کو اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی، اللہ کے حق میں ناحق جاہلیت کی سی بدگمانی کرنے لگے، کہنے لگے کیا اس معاملہ میں ہمارے لیے بھی کچھ اختیار ہے۔ اے رسول، ان سے کہہ دو کہ ہر معاملہ میں پورا اختیار خدا ہی کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ چیزیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر اس معاملہ میں ہمارا اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ اے رسول تم ان سے کہو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن جن کے مقدر میں مرنا تھا وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اپنے مرنے کی جگہ ضرور آ جاتے

اور یہ اس واسطے کیا گیا تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اس کا امتحان کر لے (اور لوگ دیکھ لیں) اور اس لیے کہ جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے اُسے صاف کر دے اور اللہ تو دِلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

جنگِ اُحد میں سب سے نمایاں کام حضرت علیؑ نے کیا۔ مشرکین میں چوٹی کے جنگجو اور نبرد آزما طلحہ بن ابی طلحہ اور ابو سعید بن ابو طلحہ جو علمدار لشکر بھی تھے اور ان دونوں پہ کفار کو بڑا گھمنڈ تھا۔ مسلمان ان سے مرعوب بھی تھے۔ سب سے پہلے ان کا حضرت علیؑ سے مقابلہ ہُوا۔ آپؑ نے بہت جلد ان دونوں کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد نو آدمی اور علمدار بنائے گئے۔ یہ سب بھی ذوالفقارِ حیدرِ کرّار کا لقمہ بنے۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے اس جنگ میں اتنے مشرکوں کو قتل کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس جنگ میں حضرت حمزہؓ ایک حبشی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ہندہ زوجہ ابو سفیان نے آپؓ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اُسے دانتوں سے چاب کر نگلنا چاہا مگر نِگل نہ سکی۔ اسی جنگ میں جب حضرت علیؑ مشرکوں کے سروں کا مینہ برسا رہے تھے مابین زمین و آسمان یہ آواز بلند ہوئی: لَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ وَلَا سَيْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَار۔

ابتداءً جنگ کی صورت بہت اچھی تھی۔ مسلمان مجاہد خوب جم کر لڑ رہے تھے۔ دشمن ہر طرف بھاگ رہے تھے کہ یکایک پانسہ پلٹ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ مسلمان لُوٹ مار میں پڑ گئے۔ اُدھر درّہ پر عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں جو پچاس آدمی حفاظت کے لیے متعین کیے گئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ دشمن کا مال لُٹ رہا ہے لُوٹ میں شریک ہونے کے لیے درّہ چھوڑ بیٹھے۔ عبداللہؓ نے ہر چند روکنا چاہا مگر نہ رُکے۔ چند آدمی جو عبداللہ کے ساتھ رہ گئے وہ کیا حفاظت کرتے۔ خالد بن ولید جو گھات میں تھا فوراً ایک ہزار فوج کے ساتھ یلغار کرتا ہُوا مسلمانوں پر آ پڑا اور وہ مار پڑی کہ حواس باختہ ہو کر ہر طرف بھاگنا شروع ہو گئے۔ بعض پہاڑیوں پر جا چڑھے بعض ایسے لمبے گئے کہ تین دن بعد واپس آئے۔ رسولِ خداؐ ان کا نام لے لے کر پکار رہے تھے۔ ارے تم کہاں مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو مگر جان بڑی پیاری چیز ہے اس آواز کو کون سُنتا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اگر حضرت علیؑ اور چند اور مجاہد اس وقت اپنی جانوں پر نہ کھیل گئے ہوتے تو دشمن حضورؐ کو بے شہید کیے نہ چھوڑتے۔

جب بھاگے ہُوئے لوگ مدینہ پہنچے تو منافقوں نے طعن آمیز باتیں کرنا شروع کیں اور ہنس ہنس کر کہنے لگے ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ باہر نکل کر لڑنا اچھا نہیں ہوگا یہیں مدینہ میں ڈٹے رہو اپنے گھروں کی حفاظت کرو اگر دشمن آئے تو یہیں اس کا مقابلہ کرو۔ مگر رسول اللہؐ نے ہماری بات نہ مانی اور بے شمار لوگوں کو قتل کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی انہی احمقانہ باتوں کا جواب ان آیتوں میں دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ جو کچھ ہُوا تمہاری بزدلی اور نااہلی سے ہُوا رسول کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ فتح و شکست سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ تم رسول کی بات مانتے اور میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے تو اس روزِ بد کا منہ نہ دیکھتے۔ اگر تم گھروں میں بھی بیٹھے رہتے تو جن کے مقدر میں مرنا لکھا تھا وہ ضرور گھروں سے نکل کر وہیں پہنچ جاتے جہاں انہیں مرنا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پیٹھ پھیر گئے تھے جب دو جماعتیں آپس میں گتھ گئی تھیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ شیطان نے ان کے بعض افعال کی وجہ سے ان کے قدم ڈگمگا دئے تھے۔ خدا نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ بے شک اللہ غفور و حلیم ہے۔ اے ایمان والو تم ان لوگوں جیسے مت بنو جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اپنے ان بھائیوں کے متعلق جنہوں نے سفر کیا یا مجاہد بنے کہنے لگے اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے نہ قتل کیے جاتے اور یہ اس لیے کہتے تھے تاکہ خدا اس خیال کو ان کے دِلوں میں حسرت بنا دے اور یوں تو خدا ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے اور اگر تم راہِ خدا میں قتل کیے جاؤ یا مر جاؤ اللہ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو اگر تم ویسے ہی مر جاؤ یا قتل کیے جاؤ تب بھی ایک دن اللہ کی طرف اُٹھائے جاؤ گے۔

منافق نہ تو جہاد میں خود جاتے تھے نہ دوسروں کو جانے دیتے تھے۔ جب جہاد کے لیے حضورؐ جانے لگے تو یہ منافق مختلف قسم کے حیلے حوالے کرتے کبھی کہتے ہمارے گھر خالی ہیں کبھی کہتے ہمارے باغوں میں فصلیں تیار ہیں کبھی کہتے شہر کے اندر جنگ کیجئے تو ہم لڑیں گے باہر نہیں اور جو لوگ شریکِ جہاد ہوتے اور شہید ہو جاتے تو واپسی پہ لوگوں سے کہتے اگر ہمارے کہنے پر عمل کرتے اور رسول کے کہنے میں آ کر نہ نکل کھڑے ہوتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے۔ گویا ان کے

نزدیک گھر میں رہنے والوں کو موت نہیں آتی۔ خدا ان کو بتا رہا ہے کہ موت تو گھر میں بیٹھنے والوں کو بھی آئے گی مگر جہاد میں مرنے والوں پر جو خدا کی رحمت اور بخشش ہوگی وہ اپنے بستر پر مرنے والوں کے لیے کہاں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ
حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ج
وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اے رسول یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم جیسا نرم دل رسول ان کو ملا اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے بھاگ جاتے پس ان کی خطاؤں سے درگزر کرو اور ان کے لیے استغفار کرو اور حسب دستور (کام کاج میں) ان سے مشورہ کر لیا کرو لیکن جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جب اللہ تمہارا مددگار ہے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں ذلیل کر دے تو اس کے بعد تمہاری مدد کرنے والا کون ہو سکتا ہے اور مومنین کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

خدا پر بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ہر کام میں انسان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور تدبیر سے کام لینا چھوڑ دے۔ یہ تو انتہائی خطرناک اور اخلاقی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری اور باطنی قوتیں اسی لیے دی ہیں کہ انسان ان سے کام لے اور معطل ہو کر نہ بیٹھ جائے۔ کوشش کرنا انسان کا فرض ہے نتیجہ جو کچھ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انبیاء اور ائمہ علیہم السلام جو سب سے زیادہ خدا پر توکل کرنے والے تھے کوئی کام ہی نہ کرتے۔ توکل کے تو یہ معنی ہیں کہ انسان اپنی سی تدبیر تو کرتا رہے اور اس میں کامیابی کے لیے خدا پر بھروسہ کرے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے حکمران کو نرم دل اور خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہونا چاہیئے۔ بدمزاج اور کھری طبیعت کا نہ ہو کہ بات بات پر انہیں مارنے کو تیار ہو جائے اور صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا تو روز قیامت وہی چیز بعینہٖ خدا کے سامنے لانا ہوگی پھر ہر شخص اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ بھلا وہ شخص جو خدا کی مرضی کا پابند ہو گیا اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے غضب میں گرفتار ہوا اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہو اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ وہ لوگ خدا کے یہاں مختلف درجوں میں ہوں گے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ ان کا دیکھنے والا ہے۔ مومنین پر خدا کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان پر آیاتِ خدا کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے نفسوں کو پاک صاف بناتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے کیونکہ خیانت امرِ نبوت کے منافی ہے تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو مالِ غنیمت بدر کے دن آیا تھا اس میں ایک سرخ رنگ کا سربند کم تھا۔ اصحابِ رسول میں سے ایک صاحب نے کہا یہ سوائے رسول اللہ کے اور کسی نے نہیں لیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ بعد میں اطلاع ملی کہ فلاں شخص نے چرایا ہے اور فلاں جگہ دبا دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب اس جگہ کو کھدوایا تو وہ برآمد ہو گیا۔ عہدِ رسالت میں ایسے لوگ بھی مسلمان کہلاتے تھے اور زمرۂ صحابہ میں داخل تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱۶۵) وَمَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ
اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ (۱۶۶) وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ
یَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ج

جب جنگِ اُحد میں تم پر وُہ مصیبت پڑی جس کی دوگنی تم کفار پر ڈال چکے تھے تو گھبرا کر کہنے لگے یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے رسول کہہ دو کہ یہ خود تمہاری ہی طرف سے ہے (نہ رسول کی مخالفت کرتے نہ یہ سزا ملتی) بیشک خدا ہر شے پر قادر ہے اور جس دن جنگِ اُحد میں دونوں جماعتیں لڑ پڑی تھیں تو جو مصیبت تم پر پڑی وہ آئی تو خدا کے اِذن سے مگر اس کا سبب تمہاری شرارت تھی تاکہ خدا دیکھ لے کہ سچے ایمان والے کون ہیں اور ان لوگوں کو بھی جان لے جو منافق ہیں منافقوں سے جب کہا گیا کہ آؤ خدا کی راہ میں جہاد کرو اور اپنے دشمن کو ہٹا دو تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ یہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے۔

مِثْلَیْهَا۔ دونی اس لیے کہا کہ جنگِ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور جنگِ بدر میں ستر کفار قتل

اور یہ جو کہا گیا کہ یہ سب مصیبت تمہارے کرتوتوں سے تم پر آئی تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم رسول کی مخالفت نہ کرتے اور اپنے مقام پر جمے رہتے۔ لوٹ مار کے چکر میں نہ پھنس جاتے تو ہرگز شکست کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔

یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ (۱۶۷) اَلَّذِیْنَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۱۶۸) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ (۱۶۹)

وہ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں مزہ سے بیٹھے رہے اور اپنے شہید بھائیوں کے بارہ میں کہنے لگے اگر ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ اے رسول ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو موت کو اپنے سے ٹال تو دو۔ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے اُن کو مُردہ نہ سمجھنا وہ تو زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں سے طرح طرح کی روزی پاتے ہیں۔

منافقین ضرور جانتے تھے کہ اُحد میں جنگ ضرور ہوگی کیونکہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے پر مشرکین تلے بیٹھے تھے۔ مگر یہ منافق زبان سے کہتے تھے کہ لڑائی وڑائی کچھ نہ ہوگی بیکار جانا ہے۔ چنانچہ تین سو منافق راستہ ہی میں سے واپس آگئے تھے۔ جب جنگِ اُحد میں کچھ لوگ مارے گئے تو ان کے عزیزوں سے کہنے لگے ہم تو کہتے تھے کہ نہ جاؤ مگر وہ مانتے ہی نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ قتل ہو گئے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان شہیدانِ راہِ خدا کو مردہ مت سمجھو یہ تو زندہ ہیں اللہ کے یہاں سے رزقِ روحانی ان کو مل رہا ہے۔ تمہارا ان کا کیا مقابلہ۔

شہیدوں کے بہت سے درجات ہیں۔ اور انہی کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ سب سے اُونچا درجہ معصوم شہید کا ہے دوسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو میدانِ جنگ میں شہید ہوئے تیسرا درجہ ان کا ہے جو میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر اپنے بستر پر مرے چوتھا درجہ ان لوگوں کا ہے جو تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل ہوئے پانچواں درجہ ان لوگوں کا ہے جو حدودِ سلطنتِ اسلامی کی حفاظت میں مرے۔ چھٹا درجہ ان کا ہے جن کو دشمنانِ اسلام نے مسلمان سمجھ کر قتل کر دیا۔

میدانِ جنگ میں جو لوگ شہید ہوتے تھے ان کو انہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ یہی ان کا کفن ہوتا تھا۔ رسولؐ کے ساتھ جہاد میں شہید ہونے والے خاص اعزاز کے مالک ہوتے تھے۔ ان کی مقدس لاشوں پر مخلوقاتِ ارضی میں سے کسی کا تسلط نہیں ہوتا وہ بدستور اپنے مرقد میں رہتی ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ
اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا
اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ
اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ
اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

راہِ خدا میں شہید ہونے والے جو زندہ ہیں ان کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان سے آکر نہیں ملے ان کے متعلق اس خیال سے خوشیاں مناتے ہیں کہ وہ بھی شہید ہو کر ان سے جا ملیں ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور وہ خوش ہیں اللہ کی دی ہوئی نعمت پر اور اس کے فضل و کرم پر اور اس پہ کہ اللہ مومنین کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ جنگِ اُحد میں جن لوگوں نے زخمی ہونے کے بعد بھی خدا اور رسولؐ کا کہنا مانا اور جن لوگوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری اختیار کی ان کے لیے بہت بڑا ثواب ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا گیا کہ دشمنوں نے تم سے لڑنے کے لیے بڑا لشکر جمع کیا ہے اُن سے ڈرتے رہو تو بجائے خوف کے ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے اللہ کی مدد ہمارے لیے کافی ہے وہ سب سے اچھا کارساز ہے (پھر وہ گئے اور جب لڑائی نہ ہوئی تو) خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آئے ان کو کوئی بُرائی چھو بھی نہ گئی۔ وہ اللہ کی خوشنودی کے پابند رہے اور اللہ بڑا افضل و کرم والا ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کو ایسے خوف دلایا ہی کرتا ہے پس تم اس سے ڈرو نہیں اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد جب حضورؐ واپس ہونے لگے تو جبرئیل امینؑ نے آکر کہا کہ حکمِ خدا ہے کہ آپ ابوسفیان کے پیچھے جائیں اور اپنے ساتھ انہی لوگوں کو لیجئے جو زخمی ہیں (تاکہ وہ دل کھول کر ان سے بدلہ لیں) چنانچہ آپ اپنے زخمی اصحابؓ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد میں جا کر ٹھہرے۔ کفار مقام روحا میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کا ارادہ تھا کہ پلٹ کر جائیں اور مدینہ میں مسلمانوں کو تہ تیغ کریں۔ ابوسعید خزاعی نے حضرتؐ سے عرض کیا کہ ان زخمیوں کو زیادہ تکلیف میں ڈالنا مجھے گوارا نہیں ہیں ایک چال چلتا ہوں تاکہ دشمن گھبرا جائے چنانچہ وہ ابوسفیان سے ملے اور کہا، کیا مدینہ کا ارادہ کر رہا ہے کچھ خبر بھی ہے، حضرتؐ ایک جرار لشکر ساتھ لیے پھر تجھ سے لڑنے کے لیے چلے آرہے ہیں۔ یہ سن کر وہ خوفزدہ ہو کر مکہ کو بھاگا۔ مگر چلتے چلاتے ایک چال چل گیا۔ نعیم ابن مسعود اشجعی کو جو مدینہ آرہا تھا اپنے پاس بُلا کر کہا اگر تو محمدؐ کے لشکر میں جا کر یہ خبر اُڑا دے کہ کفار قریش کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر ہے وہ تم سے لڑنے کے لیے آنا ہی چاہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ تو میں تجھے خرموں اور سوکھے انگوروں سے لدے ہوئے دس اُونٹ انعام میں دوں گا۔ جب نعیم یہ خبر لے کر آپؐ کے لشکر میں آیا تو حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کچھ پرواہ نہیں حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے)۔ خدا کو حضرت علیؑ کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ اس قول کی حکایت کر دی۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد جبرئیل امینؑ نے آکر یہ خبر دی کہ کفار بھاگ کر مکہ کو روانہ ہو گئے اب آپؐ اطمینان سے مدینہ کو واپس ہو جائیے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اے رسول جو لوگ کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ ہرگز خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ ہی قرار نہ دے اور ان کے لیے تو وہاں بڑا سخت عذاب ہو گا۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا انہوں نے کوئی نقصان اللہ کو نہیں پہنچایا اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے ہی۔ جو لوگ

کافر ہیں اُن کو بھول کر بھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم نے جو اُن کو مہلت و فارغ البالی دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے ہم نے تو یہ مہلت اس لیے دے رکھی ہے کہ وہ گناہ اور زیادہ کریں اور ان کے لیے تو رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

کافروں کی زیادتی دیکھ کر آنحضرتؐ اکثر ملول رہا کرتے تھے خصوصاً جب منافقین یہ طعنہ زنی کرتے تھے کہ جو لوگ کافر ہیں اللہ نے ان کا کیا بگاڑا۔ مزہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خدا ان کو مارتا کیوں نہیں۔ ان کی فارغ البالی کو چھین کیوں نہیں لیتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی رسّی اس لیے ڈھیلی چھوڑ دی ہے کہ بہت سے گناہوں کا بار اُن کے سر پر لد جائے جب وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہی نہیں اور ہمارے رسول کی ہدایت پر عمل کرنے کی بجائے اُن کو ستاتے ہی رہتے ہیں تو بس اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب جی بھر کر گناہ کر لیں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ
مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اللہ ایسا نہیں ہے کہ مومنین کو اس حالت میں چھوڑ دے جس پر کہ تم ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ نہ کر دے اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے بلکہ وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے (علم غیب دینے کے لیے) چُن لیتا ہے پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگار بنے رہو گے تو تمہارے لیے بڑا اجر ہوگا۔ جو لوگ اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دے رکھا ہے کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لیے بہت بُرا ہے (یاد رہے کہ) جس چیز میں انہوں نے بخل کیا ہے اور قیامت میں ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے گا۔ اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

علم غیب بالذات خدا سے مخصوص ہے۔ رہے انبیاؑ و مرسلین جو کہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں ان کا علم اللہ کی طرف سے ان کو عطا ہوتا ہے یعنی اُن کے لیے عین ذات نہیں البتہ داخل فی الذات ہوتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے روز قیامت ان کا مال طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک آتشیں سانپ بنا کر بطور طوق اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا جو حساب سے فارغ ہونے تک اس کا گوشت کھاتا رہے گا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا
وَقَتْلَھُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا
نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ
كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

بے شک اللہ نے ان کی باتیں سُن لیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہم اس کو بھی لکھ لیتے ہیں اور ناحق انبیاؑ کے قتل کرنے کو بھی (وہ جو چاہیں کہے جائیں اور کیے جائیں) قیامت کے دن ہم ان سے کہیں گے کہ اب اس کی سزا میں جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھو یہ سزا ہے ان بد افعال کی جن کو تم مرنے سے پہلے بھیج چکے ہو بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک کوئی رسول یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ اُسے جلا دے اُس وقت تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے تم ان سے کہو کہ مجھ سے پہلے بھی خدا کے رسول معجزات لے کر آئے اور جس چیز کی تم نے فرمائش کی، وہ بھی پوری کی تھی۔ پس اگر تم سچے ہو تو تم نے (تمہارے باپ دادا نے) ان کو قتل کیوں کیا تھا۔ اے رسول اگر اس پر وہ تمہیں جھٹلائیں تو غم نہ کرو تم سے پہلے بھی یہ اُن رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں جو معجزے صحیفے اور نورانی کتاب لے کر آئے تھے۔

یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف نے ایک روز رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ ہم سے خدا نے معاہدہ کیا ہے کہ جب تک کوئی رسول معجزہ لے کر نہ آئے تم ہرگز اس پر ایمان نہ لانا۔ آپ نے ابھی تک کوئی ایسی قربانی نہیں دکھائی جسے آسمانی آگ نے آکر جلا دیا ہو پھر ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں، آپ کا دعویٰ نبوت محض زبانی ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے جواب میں خدا نے یہ آیات نازل کیں۔ اگرچہ مخاطبہ اس زمانہ کے یہودیوں سے ہے لیکن عمل دکھایا گیا ہے ان کے باپ دادا کا۔ چونکہ انہوں نے اپنے اسلاف کے اس عمل کو بُرا نہیں سمجھا پس گویا یہ سب کرتوت انہی کے قرار دئے گئے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ آنحضرتؐ نے کیوں نہ ایسی قربانی کا معجزہ دکھا دیا جسے آگ جلا ڈالتی۔ جواب یہ ہے کہ اگر حضورؐ ایسا کرتے تو آئے دن لوگ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق معجزہ دکھانے کی فرمائشیں کیا کرتے اور معجزہ ایک تماشہ بن جاتا۔ دوسرے قربانی اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کے گوشت پوست سے غریبوں کو فائدہ پہنچے۔ لیکن جس قربانی کو آگ جلا دے بھلا اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ
عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ہر نفس کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے قیامت کے دن تم اپنے کیے کا بھرپور بدلہ پاؤ گے۔ جو شخص جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور زندگانیٔ دنیا متاعِ غرور کے سوا اور کیا ہے۔

جب ہر شخص کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور کوئی بچنے والا نہیں حتیٰ کہ سب ملائکہ بلکہ ملک الموت تک مر جائیں گے۔ پھر قیامت میں جب سب محشر میں جمع ہوں گے اور ہر ایک کی گردن میں اس کا اعمال نامہ پڑا ہو گا اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہو گا، تو یہاں دنیا میں بہت سوچ سمجھ کر رہنا چاہئے۔ یہاں کی ساری دولت دھوکا ہے جسے انسان یونہی چھوڑ چھاڑ کر چلا جائے گا۔ آخرت میں کام آنے والے صرف اعمالِ خیر ہوں گے۔ بس ایسی صورت میں انسان کو غافل نہ ہونا چاہیئے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا
تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا
يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ
يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

اے مسلمانو، تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش ضرور ہو گی۔ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور جو مشرک ہیں ان سے تم نے ضرور تکلیف دہ باتیں سُنی ہوں گی پس ان پر صبر کرو اور پرہیزگار بنے رہو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ان کو وہ وقت یاد دلاؤ جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ جو کچھ کتاب میں ہے تم لوگوں سے اسے صاف صاف بیان کرو گے اور کوئی بات چھپاؤ گے نہیں مگر انہوں نے بجائے عمل کرنے کے کتاب کو پسِ پُشت ڈال دیا اور اس کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ ڈالا۔ پس کیا ہی بُرا سودا انہوں نے کیا۔ اے رسول، تم انہیں خیال میں بھی نہ لانا جو اپنی کارستانیوں پر اترا رہے ہیں اور کیا کرایا کچھ نہیں مگر تعریف کے خواستگار ہیں کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ یہ عذاب سے بچ جائیں گے ہرگز نہیں ان کے لیے تو بڑا دردناک عذاب ہے۔

یہودیوں اور مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو سخت طعن آمیز باتیں کرتے اور کہتے تم نے مسلمان ہو کر کیا پایا۔ سوائے اپنی جان و مال کی قربانیاں دینے کے چونکہ ان کی تعداد زیادہ اور مسلمان تھوڑے سے ہوتے اگر ان کی باتوں کا جواب دیتے تو وہ مارنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔ مجبوراً بیچارے چُپ رہتے۔ خدا انہی کی تسلی کے لیے فرما رہا ہے کہ صبر سے کام لو اور اپنی پرہیزگاری کو ترک نہ کرو۔ ان ظالموں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ ایک دن ضرور ملے گا۔ بے شک ایسی باتوں پر صبر کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ دوسرا گروہ یہودیوں کا ہے جن کا ذکر ان آیات میں ہے جب توریت نازل ہوئی تو یہودیوں نے اپنے انبیاء سے اس پر عمل کرنے کے بڑے بڑے لمبے چوڑے وعدے کیے مگر جب طمعِ دُنیا غالب آئی تو سارے وعدے پسِ پشت ڈال دیئے۔ احکامِ توریت پر عمل کرنا چھوڑ دیا بلکہ یہ غضب ڈھایا کہ امیر لوگوں کو جرم کی سزا سے بچانے کے لیے

توریت کے خلاف فتوے دینے لگے بلکہ توریت کی عبارتوں میں تحریف کر کے لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے لگے۔ انہی کے لیے فرمایا ہے کہ یہ ہمارے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ تیسرا گروہ ان مسلمانوں کا تھا کہ جب رسولؐ جہاد پر جاتے تو گھر رہ جاتے اور جب وہاں سے پلٹتے تو حضرتؐ سے کہتے کہ ہم تو فلاں عذر کی وجہ سے نہ جا سکے تھے۔ یہ لوگ کرتے کراتے کچھ نہ تھے خواہ مخواہ کی تعریفیں لوگوں سے سننا چاہتے تھے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ
اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

آسمان و زمین کی تمام سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے آنے جانے میں صاحبانِ عقل و فہم کے لیے اللہ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں عقلمند لوگ وہی ہیں جو کھڑے ہوتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارہ میں فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پالنے والے یہ چیزیں تو نے بیکار پیدا نہیں کیں پس ہم کو عذابِ نار سے بچا لے۔

جو لوگ مومنین کاملین ہیں وہ جب رات کو تہجد کی نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت آسمانوں پر غور کرتے ہیں کہ اس قادرِ مطلق نے یہ بے ستون کی چھت کیسے بنائی ہے۔ یہ ستارے کیسے حسین اور روشن ہیں اور یہ زمین پانی پر کیسے بچھائی ہے۔ اس غور و فکر میں ان پر معرفتِ الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ اپنی مغفرت کے لیے دعائیں مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں جہنم سے بچا لے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا
تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

اے ہمارے پالنے والے جسے تو نے دوزخ میں ڈالا اسے تو نے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہ ہوگا۔ اے ہمارے پروردگار جب ہم نے ایک ندا کرنے والے (پیغمبر) کو ایمان کی طرف بلاتے سنا تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا لے۔ اے ہمارے رب تو نے اپنے رسولوں کی معرفت جو ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں دے اور قیامت کے روز ہمیں رسوا نہ کر، بے شک تو وعدہ خلافی کرنے والا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علیؑ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو فاطمہؑ بنت اسد آپؑ کی والدہ اور فاطمہ زہراؑ اور فاطمہ بنت زبیر آپؑ کے ہمراہ تھیں۔ جب منزل صحنان پر پہنچے تو ایک رات اور ایک دن وہاں ٹھہرے، ان چاروں خدا والوں نے تمام راستے اٹھتے بیٹھتے ذکرِ خدا میں گزار دیے۔ ہر منزل پر ان کی یہی حالت رہی۔ چنانچہ یہ آیاتؑ انہی کی مدح میں ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا
وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ان کے ربنے ان کی دُعاؤں کو قبول کر لیا اور فرمایا میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت، ضائع کرنے والا نہیں کیونکہ تم ایک ہی جنس سے ہو پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو اذیت دی گئی۔ انہوں نے قتل کیا اور قتل کیے گئے میں اُن کی بُرائیوں سے ضرور درگزر کروں گا اور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کی طرف سے اُن کو یہ ثواب ملے گا، اور اللہ کے پاس تو بڑا اچھا ثواب ہے۔ اے رسول، کفّار کا شہروں میں چین سے پھرنا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ تو چند روز کی بہار ہے پھر تو ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور وہ بڑی بُری جگہ ہے۔ البتّہ جو لوگ اپنے ربسے ڈرے اُن کے لیے ضرور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ خدا کی طرف سے ان کی دعوت کا سامان ہے اور جو سامان خدا کے یہاں ہے وہ نیک بندوں کے لیے بہتر ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا
وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

بے شک اہلِ کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی ایمان لائے ہیں خدا کے سامنے سر جھکاتے ہیں تھوڑی سی قیمت میں خدا کی آیات کو بیچتے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اجر خدا کے پاس ہے۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو، سختیوں

میں صبر سے کام لو اور دوسروں کو بھی برداشت کرنے کے لیے کہو اور جہاد کے لیے کمریں کس لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح و بہبودی نصیب ہو۔

اس میں دو باتوں کا ذکر ہے اوّل یہ کہ جب بادشاہ نجاشی کا جو بباطن مسلمان ہو گیا تھا انتقال ہوا تو حضرت رسولِ خدا نے مسلمانوں سے فرمایا میرے ساتھ آؤ تاکہ اپنے ایک ایمانی بھائی کی نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ آپؐ جنت البقیع میں تشریف لائے خدا نے آپؐ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اور نجاشی کا جنازہ آپؐ کے سامنے تھا۔ پس آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ منافقوں نے اس پر اعتراض کیا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بتایا گیا کہ وہ غائبانہ حضورؐ پر ایمان لا چکا تھا اور اعمالِ صالحہ بجا لاتا تھا۔ دوسری آیت مسلمانوں کی ہمّت افزائی کے لیے ہے ان سے کہا گیا ہے کہ جہاد میں جو تکلیفیں تم کو پہنچیں انہیں خود بھی برداشت کرو اور دوسروں کو بھی برداشت کرنے کی تعلیم دو اور جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اس میں تمہارے لیے دُنیا و دین دونوں جگہ بہتری ہے۔ دُنیا میں یوں کہ مالِ غنیمت تمہارے ہاتھ لگے گا اور آخرت میں یوں کہ تمہیں جہاد کرنے کا بہت اچھا بدلہ ملے گا۔

(۴) سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ (۹۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

اے لوگو اپنے اس ربسے ڈرو جس نے تم کو صرف ایک شخص سے پیدا کیا اس طرح کہ پہلے ان کی بی بی (حوّا) کو ان کی باقی مٹی سے پیدا کیا اور پھر انہی دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور اس خدا سے ڈرو جس کے وسیلہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحم سے بھی ڈرو بے شک خدا تمہارا نگران ہے

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور حرام مال کو حلال مال کے بدلہ میں نہ لو اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت حواؑ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ پسلی آدم کے بدن کا جزو تھی پس کیونکر جائز ہوا کہ جو آدم کے بدن کا جزو ہو اس سے مباشرت کی جائے۔ جس خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اس کے لیے کیا دشوار تھا کہ وہ حوا کو بھی اسی طرح پیدا کر دے۔

حضرت آدمؑ کی نسل کیونکر چلی اس میں بھی بڑا اختلاف ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت حوا کے بطن سے تین سو بار اولاد ہوئی ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی، ایک بار کا لڑکا دوسری بار کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا تھا۔ اوّل تو تین سو بار جننا ہی غیر معقول ہے۔ بیچاری حوا کی ساری عمر اس جننے میں ہی صرف ہو گئی ہو گی۔ ایک نحیف الجثہ عورت پر قدرت نے اتنا بھاری بوجھ کیوں ڈالا۔ آٹھ دس بچے پیدا کرنے کے بعد ہی عورت لفافہ ہو جاتی ہے عورت کی فطری کمزوری پر نظر رکھتے ہوئے یہ صورت کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر اس التزام کے ساتھ کہ ہر بار ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہو۔ یہ فطرتِ انسانی کے خلاف ہے کہ بھائی کا بیاہ بہن کے ساتھ ہو چاہے ان کی ولادت میں بُعد ہو مگر ہوں گے تو دونوں ماں جائے ہی۔ ایسی مباشرت فطرۃً باعثِ ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ اسلام آدمؑ سے شروع ہوا ہے لہٰذا فطرت کے خلاف کوئی امر وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں ان سب لڑکوں کے لیے عورتیں کہاں سے آئیں اور تین سو لڑکیاں کس گھر بیاہی گئیں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ دو حوریں جنت سے آئیں۔ ایک کی شادی شیث علیہ السلام سے ہوئی دوسری کی یافث سے اور انہی کی اولاد سے نسل چلی۔ یہ روایت بھی کچھ کان کو نہیں لگتی۔ ایک جنت کی حُور کو جو جنت کی نعمتوں میں پلی بڑھی ہو برزخ بدل کر بشریت کا جامہ پہنا کر اس دار التکلیف میں بھیجنا اس لیے کہ وہ حضرت آدمؑ کی بہو کہلائے اور کسی کُنبے کی ماں بنے۔ اس کی ضرورت کیا پیش آئی۔ اس حُور بیچاری کو کس جرم کی سزا دی گئی۔ کیا جو نفس ملکی اس کے اندر تھا وہ ایک مٹی کے پیکر میں خانہ نشین ہو کر چین سے رہ سکتا ہے اور جسم کو آلہ کار بنا کر گھر گرہستی کا بوجھ سنبھال سکتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے وہ قادرِ مطلق جس نے حوا کو پیدا کیا تھا یہ کھڑاگ کیوں پھیلاتا اس کے لیے دو عورتیں پیدا کرنا کیا دشوار تھا۔ تیسرا خیال یہ ہے کہ دو جنّیہ دو عورتوں کی صورت میں آئیں اور آدمؑ کے دو بیٹوں کی دُلہنیں بن گئیں۔ کہاں جن کی آتشی خلقت کہاں آدمی مٹی کا پُتلا ان کا نباہ کیونکر ہوا ہو گا۔

چونکہ یہ مسئلہ تو اصولی ہے نہ فروعی لہٰذا ہماری رائے میں تو اس پر غور کرنا ہی فضول ہے۔ ہم نے تو صرف لوگوں کے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ ہم تو اس تصور پر جھوم رہے ہیں کہ کتنا صاحبِ قدرت ہے ہمارا پروردگار جس نے ایک مرد اور ایک عورت کی نسل سے تمام روئے زمین کو بھر دیا اور سب کی روزی کا سامان مہیا کر دیا اور سب کی ہدایت کا بندوبست کر دیا اور اٹھارہ ہزار عالموں کی مخلوق کو حکم دیا کہ وہ ان کی بقا کے لیے اپنے اپنے فرائض برابر انجام دیتے رہیں۔ سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ۔

پھر انسانوں کو ان آیات میں یہ ہدایت کی گئی وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھیں صلہ رحم کو مدِّنظر رکھیں

یتیموں کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھائیں۔ حلال روزی کو حرام سے نہ بدلیں۔ جو لوگ یتیموں کو اپنی پرورش میں لے کر ان کا مال چٹ کر جاتے ہیں یہ تنبیہ اُن کے لیے ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً ط فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ نکاح کر کے تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو تین تین اور چار چار نکاح کر و پھر اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ متعدد بیبیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو یا جو لونڈی تمہاری زر خرید ہو اس پر قناعت کرو یہ ترکیب بے انصافی نہ کرنے کے بہت ہی قرین قیاس ہے اور عورتوں کو جو اُن کا مہر ہے خوش خوش ادا کر دو اگر پھر تمہیں بخوشی کچھ چھوڑ دیں تو اُسے شوق سے کھاؤ۔

ان آیات میں پہلی بات تو یہ بیان کی گئی کہ اگر یتیم لڑکیوں سے تم نکاح کرو اور ان کے بے وارث ہونے کی وجہ سے انصاف نہ کر سکو یعنی ان کے حقوق کما حقہٗ ادا نہ کر سکو تو پھر انہیں چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لو۔ دو تین چار تک لیکن اگر ان کے درمیان انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کا یہ حکم انصاف کے بالکل خلاف ہے۔ مرد کو تو چار چار عورتوں کی اجازت اور عورت کو صرف ایک مرد کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجازت مجبوری کی صورت میں دی گئی ہے دوسرے اگر مرد ان کے درمیان انصاف نہیں کر سکتا اور ان کے حقوق پوری طرح ادا نہیں کر سکتا تو پھر یہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حکم عیاشی کرنے کے لیے نہیں دیا گیا بلکہ ایسی صورت میں ہے جبکہ دوسری عورت سے شادی کے بغیر چارہ نہ ہو۔ مثلاً:

۱۔ ایک عورت سے شادی کی وہ شادی کے بعد کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو گئی کہ مرد اس کے پاس نہیں جا سکتا۔

۲۔ عورت اتنی کمزور ہے کہ وہ مرد کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔ مرد طاقتور ہے وہ مباشرت کا زیادہ خواہاں ہوتا ہے عورت اسے برداشت نہیں کر سکتی۔

۳۔ عورت ایامِ حیض میں کئی روز کے لیے بیکار ہو جاتی ہے یا ایامِ حمل میں اس سے مباشرت باعثِ ضرر ہوتی ہے،

یا وضع حمل کے بعد بہت دِن تک عورت قابلِ مجامعت نہیں ہوتی۔

۴۔ عورت بدمزاج ہے شوہر سے اکثر اس کی اَن بَن رہتی ہے اور وہ اپنے میکے میں زیادہ رہتی ہے۔

۵۔ بالفرض مرد میں شہوت اس قدر زیادہ ہے کہ ایک عورت سے اس کی آتشِ شہوت نہیں بجھتی۔

ایسی صورتوں میں شریعت نے اجازت دے دی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اپنی بی بیوں کے درمیان انصاف کرے ورنہ ایک سے زیادہ کی اجازت نہیں چاہے مرد کی کوئی حالت بھی ہو۔

تعدد کی اجازت ایسی صورت میں ہے جبکہ شدید مجبوری لاحق ہو مثلاً:

ایک عورت سے شادی کی وہ جذام میں مبتلا ہو گئی۔ پھر دوسرے سے کی وہ تپ دق میں مبتلا ہو گی تیسری سے کی، وہ بانجھ ثابت ہوئی۔ چوتھی سے کی وہ ٹھیک نکلی۔ اب بتائیے اگر وہ چوتھی شادی نہ کرتا تو نہ تو اپنی خواہش کو پوری کر سکتا تھا اور نہ صاحبِ اولاد بن سکتا تھا۔ اگر چوتھی بھی کسی عارضہ میں مبتلا ہو تو مرد اپنی قسمت پر رو لے اور کچھ نہیں ہاں اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی جگہ دوسری لا سکتا ہے۔

مہر کے مسئلہ کو لوگوں نے ایک مذاق بنا لیا ہے شادی کے وقت بڑے بڑے وزنی مہر قبول کر لیتے ہیں۔ محض اس خیال سے لیتا دیتا کون ہے یہ تو دفع الوقتی ہے لڑکی والے جتنا چاہیں بندھوا لیں۔ یہ تو اللہ سے کھلی بغاوت ہے۔ دوسرے عورت کی طلب پر کم ہو یا زیادہ، مرد دیتا ہی نہیں۔ بلکہ اس کی طلب پر عورت سے بہ سختی پیش آتا ہے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ مرد کو چاہیئے کہ شادی کے وقت یہ تہیہ کرے جو مہر میں نے قبول کیا ہے اُسے ضرور ادا کروں گا اور جب عورت مانگے تو اُسے ادا کرنے میں پوری کد کرے ہاں اگر عورت کل یا جزو بخش دے تو دُوسری بات ہے۔

تفسیرِ صافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو وہ شخص خدا کے نزدیک زانی ہے۔ امیر المؤمنینؑ سے منقول ہے کہ شرائطِ نکاح کا پورا کرنا واجب ہے ورنہ ازواج حلال نہیں ہوتیں۔

اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مردوں کو تو بیک وقت چار عورتوں کی اجازت دی گئی ہے اور عورت کو صرف ایک کی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ مرد میں بہ نسبت عورت کے شہوت زیادہ ہوتی ہے عورت میں کم۔ شہوت کا دار و مدار قوت پر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے مرد زیادہ قوی ہوتا ہے۔ دوسرے اگر عورت کو کئی مردوں سے مباشرت کی اجازت دے دی جاتی تو پتہ نہ چلتا کہ کون سا بچّہ کس کا ہے اس صورت میں میراث میں جھگڑا پڑ جاتا اور بچہ محرُوم الارث ہو جاتا۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۶

اپنے وہ مال جس پر تمہاری گزر بسر موقوف ہے بیوقوفوں اور ناسمجھ یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے بیٹھو البتہ اس میں سے انہیں کھلاؤ پلاؤ اور ان سے پیار و محبت کی بات کرو اور ان کو پہلے کچھ رقم دے کر کاروبار میں لگاؤ یہاں تک کہ شادی کرنے کے قابل ہو جائیں پس اگر تم دیکھو کہ ان میں طریقہ سے خرچ کرنے کی صلاحیت آگئی ہے تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو اور خبردار ایسا نہ کرنا کہ اس خوف سے کہ بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال تم سے نکل جائے گا۔ فضول خرچی میں پڑ کر جلدی سے ان کا مال نہ کھا بیٹھنا۔ اگر ولی دولتمند ہے تو اس کو چاہیئے کہ ان کا مال کھانے سے بچا رہے اور اگر فقیر ہے تو واجبی طور پر اس میں سے کچھ لے کر کھا لے۔ اور جب تم یتیموں کی سپرد اُن کا مال کرو تو لوگوں کو اس پر گواہ ضرور بنا لینا اور اللہ تو حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کے بچوں کا کفیل کوئی شخص قرار پاتا تو وہ اس کے باپ کے مال کا مالک ہو جاتا اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق صَرف کرتا، یتیم بچوں کے کھانے کپڑے پر توجہ نہ کرتا۔ جب دیکھتا کہ وہ بالغ ہونے والے ہیں تو اس خیال سے کہ وہ مال اس سے نکل جائے گا بہت جلد فضولیات میں خرچ کر کے اپنا دامن جھاڑ دیتا۔ اس سے روکنے کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ
الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا
عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ
ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں کچھ حصّہ تو خاص مردوں کا ہے اور اس طرح ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں کچھ حصّہ عورتوں کا بھی ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ ہر ایک کا حصّہ ہماری طرف سے معیّن کیا ہوا ہے اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت وہ قرابت دار جن کا کوئی حصّہ نہیں اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے بعنوان شائستہ اچھی طرح بات کرو۔ ان لوگوں کو ڈرنا اور خیال کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتے تو ان پر کس قدر ترس آتا پس ان غریب بچوں پر سختی کرنے میں خدا سے ڈرنا چاہیئے اور ان سے اچھی طرح بات کرنی چاہیئے۔ جو لوگ از راہِ ظلم یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ داخلِ جہنّم ہوں گے۔

عرب میں قبلِ اسلام یہ دستور تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو ترکہ سے کچھ نہیں دیتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ مال کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ جب حضورؐ مدینہ آئے تو یہی رسم وہاں جاری تھی۔ اس کی روک تھام کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ دنیا میں مختلف بلاؤں میں مبتلا ہوں گے اور آخرت میں انہیں جہنم کی بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے گا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ
أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي
بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ
اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

خدا تمہاری اولاد کے حق میں تم سے وصیّت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر میّت کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا دو سے زیادہ) تو ان کا مقرّرہ حصّہ کل ترکہ کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کا آدھا ہے اور میّت کے ماں باپ میں ہر ایک کا حصّہ اگر میّت کے کوئی اولاد ہو تو متروکہ میں سے خاص چیزوں میں چھٹا حصّہ ہے اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا حصّہ (خاص چیزوں میں) ایک تہائی ہے اور باقی باپ کا ہے۔ اور اگر میّت کے (حقیقی یا سوتیلے) بھائی بھی ہوں تو (اگرچہ انہیں کچھ بھی نہ ملے گا) اس وقت ماں کا حصّہ چھٹا ہی ہوگا اور وہ بھی میّت نے جس کے بارہ میں وصیت کی ہے اس کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد تمہارے باپ ہوں یا بیٹے تم تو یہ نہیں جانتے ہو کہ ان میں کون تمہاری نفع رسانی میں زیادہ قریب ہے (پھر تم کتنا دخل دے سکتے ہو)۔ حصّہ تو صرف خدا کی طرف سے معیّن ہوتا ہے کیونکہ خدا تو ضرور ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ صاحبِ حکمت و تدبیر ہے۔

میراث کے مسائل کتبِ فقہ میں دیکھنے چاہئیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا
تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ
أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ
شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً
مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

اور جو کچھ تمہاری بی بیاں چھوڑ کر مر جائیں پس اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو تو تمہارا آدھا حصّہ ہے اور اگر ان کے اولاد ہو تو جو کچھ وہ ترکہ چھوڑیں اس میں سے بعض چیزوں میں چوتھائی تمہارا ہے اور وہ بھی عورت نے جس کی وصیّت کی ہو اور ادائے قرض کے بعد اور اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں تمہاری بی بیوں کا بعض چیزوں میں چوتھائی ہے اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں ان کا خاص چیزوں میں آٹھواں حصّہ ہے اور وہ بھی تم نے جس کے بارہ میں وصیّت کی ہے اس کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد اور اگر کوئی مرد یا عورت اپنے اخیافی بھائی یا بہن کو چھوڑے تو ان میں سے ہر ایک کا خاص چیزوں میں چھٹا حصّہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو سب کے سب ایک خاص تہائی میں شریک رہیں گے اور یہ سب میّت نے جس کے بارہ میں وصیّت کی ہے اس کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد مگر ہاں جبکہ وہ وصیّت وارثوں کو خواہ مخواہ نقصان پہنچانے والی نہ ہو یہ وصیّت خدا کی طرف سے ہے اور خدا تو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرات اہلسنّت کا یہ اعتراض ہے کہ شیعہ اپنی بی بیوں کو ہر چیز میں ترکہ نہیں دیتے بلکہ خاص خاص چیزوں سے دیتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ بی بیوں کو کُل چیزوں سے دو بلکہ لَهُنَّ الرُّبُعُ

مِمَّا تَرَكْتُمْ میں ربع پر الف لام داخل کرکے اور مِمَّا میں من تبعیضیہ داخل کرکے بتا دیا کہ ان کا حصّہ خاص چیزوں میں ہے اسی طرح جن لوگوں کے حصّوں میں کچھ بھی تخصیص ہے اور ہر چیز سے ترکہ نہیں دلایا گیا ان میں الف لام اور من موجود ہے اور جن کو ہر چیز سے دلوایا ہے وہاں الف لام یا من نہیں ہے دیکھو شوہر کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں پورا آدھا دلوایا ہے وہاں الف لام یا من نہیں۔ اور جب اولاد ہو تو ہر چیز سے چوتھا حصّہ نہ ملے گا بلکہ اگر اولاد کا حق جبوٗ نکالا جائے گا اس واسطے الف لام اور من دونوں کے ساتھ بیان کیا۔ پورا حال کسی رسالہ میراث میں دیکھئے۔ تفسیر انوار النجف میں مولانا حسین بخش صاحب قبلہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۴﴾ وَاللَّاتِي
يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ
شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ
سَبِيلًا ﴿۱۵﴾ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا
عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ
السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾

یہ ہیں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا،

اور حدودِ خدا سے تجاوز کرے گا تو خدا اُسے جہنّم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس کے لیے سخت رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اپنے لوگوں میں سے چار کی گواہی لو پس اگر وہ تصدیق کر دیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا خدا ان کے لیے کوئی دوسری راہ نکالے اور تم لوگوں میں جن سے بدکاری سرزد ہوئی ہو ان کو مارو اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اِصلاح کر لیں تو چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ توبہ تو درحقیقت ان ہی کے لیے ٹھیک ہے جو نادانستہ بُری حرکت کر بیٹھیں پھر جلدی سے توبہ کر لیں اور اللہ بھی ایسوں کی توبہ قبُول کر لیتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ ان کو کہیں نہ نکلنے دو یہاں تک وہ مر جائیں لیکن کچھ دِن بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کوئی بے شوہر والی عورت زنا کر لے تو عورت و مرد دونوں کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر شوہر دار عورت زنا کرلے تو سنگسار کی جائے۔

توبہ کے متعلق حضرت رسولِ خدا نے فرمایا، جو گنہگار اپنے مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کر لے تو خدا قبول فرماتا ہے پھر فرمایا ایک سال بہت ہے اس کو توبہ کرنا نصیب ہو یا نہ ہو لہٰذا ایک مہینہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے تو خدا قبول کرلے گا پھر فرمایا ایک مہینہ بھی بہت ہے اگر ایک دن قبل توبہ کر لے تو بھی قبول ہو جائے گی پھر فرمایا، ایک دن بھی بہت ہے اگر مرنے سے ایک گھڑی پہلے بھی توبہ کر لے تو رحمتِ خدا اُسے قبُول کر لے گی۔

توبہ سے وہی گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تدارک نہیں ہو سکتا اور اگر تدارک ممکن ہے تو محض توبہ کام نہ دے گی۔ اگر بندوں کے حقوق اس کے ذمّہ ہیں تو انہیں واپس دے یا معاف کرا لے تو خدا انہیں معاف نہیں کرتا۔

اسلام نے زانی اور زانیہ کے لیے سخت سزا رکھی ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ افسوس ہے کہ اسلامی سزائیں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے لوگوں کو گناہوں پر جرأت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اب زنا کو بہت سے لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ نوجوان مرد اور عورتوں میں اس کا رجحان بڑھتا جاتا ہے۔ اگر دونوں برضا و رغبت زنا کے مرتکب ہوں تو اسے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ایسے عظیم گناہوں پر چند ماہ کی سزا دوسروں کے لیے باعثِ عبرت نہیں ہو سکتی۔ اگر سرِ بازار ان کو کوڑے لگائے جاتے تو لوگ کانپ جاتے اور ایسا کرنے کی انہیں جرأت نہ ہوتی۔ اکثر عورتیں اپنے شوہروں سے بیزار ہو کر دوسرے مردوں سے ناجائز تعلقات پیدا کر کے مرتکبِ زنا ہوتی ہیں اور جو اولاد ان سے ہوتی ہے اُسے اپنے شوہر کے سر تھوپتی ہیں کتنا عظیم گناہ ہے لیکن سزا کچھ بھی نہیں ــــ اگر حکومت سزا نہ دے تو کم از کم معاشرہ میں تو ایسے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ان سے تعلقات قطع کیے جائیں۔ عبرت کے لیے تو یہ بھی زبردست تازیانہ ہو سکتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ
يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ
اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ
اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

توبہ ایسے لوگوں کے لیے مفید نہیں جو عُمر بھر بُرے کام کرتے رہے یہاں تک کہ موت سر پر آ کھڑی ہُوئی تو کہنے لگے اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے ایماندارو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے مورث کی عورت سے نکاح کر کے زبردستی وارث بن جاؤ اور جو کچھ تم نے انہیں ترکہ میں دیا ہے اس کو واپس لینے کی نیّت سے نہ روکو۔ ہاں اگر وُہ کھُلم کھُلا بدکاری کریں تو روکنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اپنی بی بیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو اور اگر تم کسی وجہ سے انہیں ناپسند کرو تو صبر سے کام لو ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور خدا تمہارے لیے اس کو بہتر بنا دے اور اگر تم ایک بی بی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بی بی تبدیل کرنا چاہو تو تم اگرچہ اس عورت کو جسے طلاق دینا چاہتے ہو بہت سا سامان دے چکے ہو تاہم اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تمہاری غیرت

اور حدودِ خدا سے تجاوز کرے گا تو خدا اُسے جہنّم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس کے لیے سخت رسوا کرنے والا عذاب ہو گا۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اپنے لوگوں میں سے چار کی گواہی لو پس اگر وہ تصدیق کر دیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا خدا ان کے لیے کوئی دوسری راہ نکالے اور تم لوگوں میں جن سے بدکاری سرزد ہوئی ہو ان کو مارو اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اِصلاح کر لیں تو چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ توبہ تو درحقیقت ان ہی کے لیے ٹھیک ہے جو نادانستہ بُری حرکت کر بیٹھیں پھر جلدی سے توبہ کر لیں اور اللہ بھی ایسوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ ان کو کہیں نہ نکلنے دو یہاں تک وہ مر جائیں لیکن کچھ دن بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کوئی بے شوہر والی عورت زنا کر لے تو عورت و مرد دونوں کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر شوہر دار عورت زنا کر لے تو سنگسار کی جائے۔

توبہ کے متعلق حضرت رسولِ خدا نے فرمایا، جو گنہگار اپنے مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کر لے تو خدا قبول فرماتا ہے پھر فرمایا ایک سال بہت ہے اس کو توبہ کرنا نصیب ہو یا نہ ہو لہٰذا ایک مہینہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے تو خدا قبول کر لے گا۔ پھر فرمایا ایک مہینہ بھی بہت ہے اگر ایک دن قبل توبہ کر لے تو بھی قبول ہو جائے گی پھر فرمایا، ایک دن بھی بہت ہے اگر مرنے سے ایک گھڑی پہلے بھی توبہ کر لے تو رحمتِ خدا اُسے قبول کر لے گی۔

توبہ سے وہی گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تدارک نہیں ہو سکتا اور اگر تدارک ممکن ہے تو محض توبہ کام نہ دے گی۔ اگر بندوں کے حقوق اس کے ذمّہ ہیں تو انہیں واپس دے یا معاف کرائے خدا انہیں معاف نہیں کرتا۔

سلام نے زانی اور زانیہ کے لیے سخت سزا رکھی ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ افسوس ہے کہ اسلامی سزائیں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے لوگوں کو گناہوں پر جرأت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اب زنا کو بہت سے لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ نوجوان مرد اور عورتوں میں اس کا رجحان بڑھتا جاتا ہے۔ اگر دونوں برضا و رغبت زنا کے مرتکب ہوں تو اس کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ایسے عظیم گناہوں پر چند ماہ کی سزا دوسروں کے لیے باعثِ عبرت نہیں ہو سکتی۔ اگر سرِ بازار ان کو کوڑے لگائے جاتے تو لوگ کانپ جاتے اور ایسا کرنے کی انہیں جرأت نہ ہوتی۔ اکثر عورتیں اپنے شوہروں سے بیزار ہو کر دوسرے مردوں سے ناجائز تعلقات پیدا کر کے مرتکبِ زنا ہوتی ہیں اور جو اولاد ان سے ہوتی ہے اُسے اپنے شوہر کے سر تھوپتی ہیں کتنا عظیم گناہ ہے لیکن سزا کچھ بھی نہیں ـــــ اگر حکومت سزا نہ دے تو کم از کم معاشرہ ہی تو ایسے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ان سے تعلقات قطع کیے جائیں۔ عبرت کے لیے تو یہ بھی زبردست تازیانہ ہو سکتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ج حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ⑱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط وَلَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ج
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ
يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لا وَّ
اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ط اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ
اِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑

توبہ ایسے لوگوں کے لیے مفید نہیں جو عُمر بھر بُرے کام کرتے رہے یہاں تک کہ موت سر پر آکھڑی ہوئی تو کہنے لگے اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے ایماندارو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے مورث کی عورت سے نکاح کر کے زبردستی وارث بن جاؤ اور جو کچھ تم نے انہیں ترکہ میں دیا ہے اس کو واپس لینے کی نیّت سے نہ روکو۔ ہاں اگر وہ کُھلم کُھلا بدکاری کریں تو روکنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اپنی بی بیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو اور اگر تم کسی وجہ سے انہیں ناپسند کرو تو صبر سے کام لو ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور خدا تمہارے لیے اس کو بہتر بنا دے اور اگر تم ایک بی بی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بی بی تبدیل کرنا چاہو تو تم اگرچہ اس عورت کو جسے طلاق دینا چاہتے ہو بہت سا سامان دے چکے ہو تاہم اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تمہاری غیرت

یہ گوارا کرے گی کہ کوئی جھوٹا الزام لگا کر واپس لے لو حالانکہ تم میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خلوت کر چکا ہے اور بیبیاں تم سے نکاح کے وقت (عقد وغیرہ کا) پکّا اقرار لے چکی ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس بیوہ عورت کے سر پر کپڑا ڈال کر پہلے شوہر کے مہر ہی پر اُسے اپنی بی بی بنا لیتا یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیتا اور اس کا مہر خود صرف کرتا یا اس کو مقید کر دیتا یہاں تک کہ جو میراث اُسے شوہر سے ملی تھی اُسے دے کر یا تو چھٹکارا پاتی یا اُسی قید میں مر جاتی۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ چنانچہ جب ابوقیس انصاری نے وفات پائی، تو اس کی بیوہ مسماۃ کبیشہ کے سر پر کپڑا ڈال کر اس کا سوتیلا بیٹا محصن بن قیس اپنے تصرف میں لایا اور اُسے تنگ کرنے لگا۔ کبیشہ نے حضورؐ کے پاس آکر فریاد کی۔ حضرتؐ نے فرمایا تو اپنے گھر جا جو وحی تیرے بارہ میں نازل ہوگی اس سے مطلع کروں گا۔ اس کے دوسرے ہی دن مدینہ کی بہت سی عورتیں جو اس مصیبت میں مبتلا تھیں آپؐ کی خدمت میں فریاد کرنے آئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان بیچاریوں نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

یہ کس قدر انسانیت سوز رسم تھی۔ اسی طرح اور بہت سی بیہودہ رسمیں زمانہ جاہلیت میں جاری تھیں۔ دنیائے انسانیت پر یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے ان کثافتوں سے معاشرہ کو پاک و صاف کیا۔ خیر اب تو اسلامی دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی ماں کو اپنی جورو بنا لے لیکن اور بہت سی باتیں ہیں کہ باوجود سخت ممانعت کے عمل میں آ رہی ہیں چوری۔ زناکاری۔ اغوا۔ ڈکیتی۔ یتیم کا مال کھانا۔ جھوٹی گواہی۔ جھوٹ بولنا۔ شراب نوشی مالِ غیر پر تصرف۔ ظلم و ستم۔ غرض سب کچھ ہو رہا ہے مگر لوگوں کے منہ پر مہرِ سکوت لگی ہوئی ہے۔ سزا تو ایک طرف کوئی مرتکبِ گناہ سے اظہارِ بیزاری بھی نہیں کرتا۔ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ اصلی تباہی کا باعث یہی ہے۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر لوگ قائم رہتے تو انسانی معاشرہ میں یہ گندگی نہ پائی جاتی۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً
وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ
وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ
وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ
مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ
الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢٣﴾

جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو۔ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، اب نہیں یہ تو بہت بُری اور اللہ کی ناخوشی کی بات ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔ تمہارے اُوپر تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دُودھ پلایا ہے اور تمہاری دُودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پا چکی ہیں اور تمہاری ان بیبیوں کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہیں جن سے تم ہم بستری کر چکے ہو اور اگر ہم بستری نہیں کی صرف نکاح ہی ہوا ہے تو ایسی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں اور تمہارے صلبی لڑکوں (پوتوں، نواسوں) کی بیبیاں (بہویں) اور دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ ہاں جو پہلے (ایّامِ جاہلیت میں) ہو چکا وہ ہو چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی یا مادری۔ پھوپھیاں خواہ اپنی ہوں یا باپ کی یا ماں کی یا دادا دادی یا نانا نانی کی ایسے ہی خالائیں خواہ اپنی ہوں یا باپ ماں یا دادا نانا کی۔ جس طرح یہ عورتیں مردوں پر حرام ہیں، اسی طرح ان رشتوں

کے مرد عورتوں پر حرام ہیں۔

دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد اس لیے حرام ہے کہ ان دونوں کے درمیان عداوت پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ یہ مرد کی فطرت ہے کہ وہ کسی ایک کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اور عورت کی فطرت یہ ہے کہ وہ دوسری بی بی کی طرف شوہر کا رجحان نہیں چاہتی اس بنا پر بہنوں کی فطری محبت عداوت سے بدل جائے گی اور اس طرح ان پر ظلم ہوگا۔

ان آیات میں بیٹیوں سے نکاح کرنے کی حرمت کا تو ذکر ہے لیکن نواسیوں کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نواسیاں حکم بنات میں شامل ہیں یعنی وہ بھی لڑکیوں ہی میں شمار ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر اولادِ جناب فاطمہ زہرا زینبؑ و امّ کلثومؑ بناتِ رسولؐ کہلاتی تھیں جس کا ذکر انہوں نے خود بازار کوفہ میں کیا اور ان ناواقف الحال لوگوں کو بتایا کہ نَحْنُ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ہم رسولؐ اللہ کی بیٹیاں ہیں)۔ جو لوگ نواسیوں کو لڑکیوں میں داخل نہیں سمجھتے وہ بتائیں کہ اُن سے نکاح کی حرمت کس طرح ثابت ہوتی۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۚ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ فَرِیْضَۃً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِہٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۲۴﴾

(اور حرام ہیں تم پر) شوہر دار عورتیں مگر وہ شوہر دار عورتیں جو جہاد میں کفار سے تمہارے ہاتھ آجائیں (حرام نہیں) یہ خدا کا تحریری حکم ہے جو تم پر فرض کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا عورتوں کے سوا اور عورتیں تم پر حلال ہیں، بشرطیکہ بدکاری و زنا کا مقصد نہ ہو بلکہ تم عفت اور پاکدامنی کے لحاظ سے ان کے مہر کے بدلے نکاح کرنا چاہو۔ ہاں جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو ان کا جو مہر تم نے معین کیا ہے دے دو اور مہر مقرر ہونے کے بعد اگر آپس میں مدت کی کمی بیشی پر راضی ہو جاؤ تو اس میں کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔

اس آیت سے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ الخ صاف اور صریحی طور پر متعہ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اس آیت سے پہلے نکاح دائمی کا مفصل بیان آچکا ہے۔ تمام شرائط بیان ہو چکی ہیں پھر نکاح کے متعلق یہ بیان غیر ضروری تکرار ہوگا۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن کے علاوہ جو قرآن کے اور نسخے صحابہ کے پاس تھے ان میں اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (یعنی وقتِ معین تک) لکھا ہوا تھا۔ عقد دائمی جب غیر معین صورت میں ہوتا ہے تو معین صورت والا عقد ضرور اس کے علاوہ کوئی ہونا چاہیے۔ تفسیر دُرِّ منثور وغیرہ میں ہے کہ جب ابن عباسؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو انہوں نے اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی کے ساتھ پڑھی اور جب ابی نضرہ وغیرہ نے کہا کہ ہم تو یوں نہیں پڑھتے تو ابن عباسؓ نے کہا واللہ خدا نے اس آیت کو یوں نازل کیا ہے۔ اس بنا پر حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ

"اگر عمرؓ لوگوں کو متعہ سے منع نہ کرتے تو قیامت تک سوائے شقی و بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا۔"

جناب جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے پورے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے نصف زمانہ خلافت تک لوگ برابر متعہ کرتے تھے لیکن نصف زمانہ خلافت کے بعد حضرت عمرؓ نے متعہ کی حرمت کا حکم جاری کیا وہ بھی ان الفاظ میں:

مُتْعَتَانِ کَانَتَا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاَنَا اَنْھٰی عَنْھُمَا وَاُعَاقِبُ عَلَیْھِمَا۔

(دو متعہ عہدِ رسالت میں حلال تھے (متعۃ الحج و متعۃ النساء) میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ ان کے کرنے والے کو

سزا دوں گا۔ (درمنثور سیوطی جلد۲، تفسیر کشاف جلد۱، معالم التنزیل، مستدرک، تاریخ طبری جمع بین الصحیحین عینی شرح صحیح بخاری)

اس سلسلہ میں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ اس آیت کی ناسخ کوئی دوسری آیت قرآن میں موجود نہیں۔
۲۔ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ متعہ عہدِ رسالت میں حلال تھا اور لوگ متعہ کرتے تھے۔
۳۔ یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ حضرت عمرؓ کو حرام کرنے کا مجاز تھا یا نہیں۔
۴۔ شریعتِ رسولؐ میں جو حلال اور حرام ہے وہ قیامت تک باقی رہنے والی چیز ہے کسی کو اس میں ترمیم یا تنسیخ کی اجازت نہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کوئی حکم باقی نہیں رہ سکتا۔
۵۔ جو لوگ اسے عیاشی یا رنڈی بازی سے تعبیر کرتے ہیں وہ حقیقت سے دُور ہیں اور تعصب کی آگ میں جل رہے ہیں۔
۶۔ متعہ کرنا کسی پر واجب نہیں ایک فطری ضرورت کا پورا کرنا اور زنا جیسے حسنات سوز گناہ سے بچنا ہے۔

چند ضروری باتوں پر غور کیجیے :

(الف) ایک فوجی اپنے وطن سے دُور کسی محاذ پر پڑا ہوا ہے۔ سال دو سال وہیں اُسے گزارنا ہیں اس کے شہوانی جذبات زور پر ہیں۔ بتائیے وہ کیا کرے۔ اس کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہ دائمی عقد کرکے دوسری بی بی ساتھ رکھے۔ فوجی قوانین اس کی اجازت نہیں دیتے۔ دوسری یہ ہے کہ کسی عورت سے زنا کرکے بھڑکتی آگ کو دبائے لیکن شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس صورت میں صرف ایک ہی علاج ہے چند روز یا صرف ایک دو رات کے لیے وہ متعہ کرلے تاکہ شرعی دائرہ میں بھی رہے اور تسکینِ نفس بھی ہو جائے۔

(ب) ایک شخص کی بی بی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ وہ اس سے ہم بستر نہیں ہو سکتا۔ غریب آدمی ہے دوسری شادی نہیں کرسکتا۔ دو بیبیوں کا خرچ برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ دوسرے اُسے امید ہے کہ علاج کرنے کے بعد اس کی بی بی صحتیاب ہو جائے گی مگر کچھ وقت درکار ہے ایسی صورت میں یا تو وہ زنا کی طرف جھک پڑے گا یا اپنی صحت کھو بیٹھے گا۔ ایسی مجبوریوں کے وقت شرع نے متعہ کی اجازت دے رکھی ہے۔

۷۔ متعہ نکاح کی ایک قسم ہے جس کے تمام احکام نکاحِ دائمی کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ متعہ میں مدت معین کرلی جاتی ہے۔ نکاحِ دائمی میں مدت معین نہیں ہوتی باقی سب احکام اسی طرح ہیں صیغہ پڑھا جاتا ہے۔ زن و مرد کا ایجاب قبول ہوتا ہے۔ مہر بھی معین ہوتا ہے۔ مدت متعہ ختم ہونے کے بعد ممتوعہ عورت بھی مطلقہ عورت کی طرح عدہ میں بیٹھتی ہے۔ اس سے پہلے وہ کسی سے عقد دائمی یا متعہ نہیں کرسکتی۔ ممتوعہ عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ نکاح دائمی والی عورت کی اولاد کی طرح ورثہ میں حصہ لیتی ہے۔ متعہ بازاری عورت سے مکروہ ہے۔ پاکدامن اور مومنہ عورت سے مستحب ہے جبکہ اس میں وہی شرائط پائی جائیں جو نکاحِ دائمی کے لیے ہوتی ہیں۔ اگر مدتِ متعہ گزر جائے تو آپس کی رضامندی پر مدت کو بڑھایا جاسکتا ہے یہ کہہ کر کہ اِسْتَحْلَلْتُكِ بِاَجَلٍ (میں نے تجھے ایک مدت کے لیے حلال کیا)۔ مدت کا ذکر کر دیا جائے۔

۸۔ جو عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور کسی وجہ سے وہ کسی دوسرے سے عقدِ دائمی نہیں کرسکتیں تو زنا سے بچنے کے لیے بہتر صورت یہی ہے کہ وہ متعہ کرلیں۔
۹۔ متعہ کی حالت زن و مرد دونوں کو حرامکاری سے بچا لیتی ہے۔

اس زمانہ میں جو جابجا کاروبارِ زنا کے بازار قائم ہیں اور ان میں یہ جو چہل پہل نظر آرہی ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ جو حلال صورت خدا اور رسولؐ نے بتائی تھی لوگوں نے اُسے ترک کر دیا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۵ ع

تم میں سے جس کی مالی حالت کسی پاکدامن مومنہ سے نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو وہ اُن مومنہ لونڈیوں سے جو تمہارے قبضہ میں آچکی ہیں نکاح کرسکتا ہے اللہ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ ایمان کی حیثیت سے تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو پس اُن کے مالکوں کی اجازت سے ان لونڈیوں سے نکاح کرسکتے ہو اور ان کا مہر حسنِ سلوک کے ساتھ ان کو دے دو مگر انہی لونڈیوں سے نکاح کرو جو عفت کے ساتھ نہ تو کھلے خزانے زنا کرنا چاہیں نہ چوری چھپے آشنائی۔ پھر جب تمہارے نکاح میں آجائیں اور کوئی بدکاری کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کو دی جاتی ہے اُس کی آدھی اُن لونڈیوں کو دی جائے گی اور لونڈیوں سے نکاح وہی شخص کرسکتا ہے جس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو پس اگر صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آزاد عورتیں اگر شوہردار ہو کر زنا کریں تو ان کی سزا سنگسار کرنا ہے اور بے شوہر والی زنا کریں تو ان کی سزا سو کوڑے ہے اگر لونڈی بے شوہردار ہو کر زنا کرے تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے یعنی آزاد عورت سے آدھی کیونکہ بحیثیت لونڈی ہونے کے اوّل تو اس کی عزت کم ہے دوسرے اس کی ذمہ داریاں بھی کم ہیں اور اگر شوہردار ہو کر زنا کرے تو سات بار تک یہی سزا اس کو دی جائے گی۔ آٹھویں بار ایسا کرنے پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ مردوں کے لیے بھی آزاد و غلام ہونے کی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت غلام ہو یا کنیز، زنا سے بچا رہے کیونکہ اس سے بہت سے مفسدے پیدا ہوتے ہیں۔ اور معاشرتی اخلاقی اور تمدنی نظام میں بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر افسوس مسلمان اس کی طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔ گویا اس کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے۔

نوجوانوں کا رجحان دن بدن اس طرف بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اغوا کی خبریں برابر اخباروں میں آ رہی ہیں۔ عصمت مآب لڑکیوں اور عورتوں کی ناموس پر مجرمانہ حملے کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اس جرم کی سزا وہ نہیں دی جاتی جو شرع نے مقرر کی ہے لہٰذا جرائتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ اگر سرِ بازار دو چار زانیوں کو کوڑوں کی سزا دی جانے لگے تو دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور زنا کرنے والوں کی ہمتیں پست ہو جائیں۔ دو چار ماہ کی قید سے ایسے لوگ نہیں گھبراتے۔

جن لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کی عصمت دری کی جاتی ہے ان بیچاریوں پر کتنا سخت ظلم ہوتا ہے اس کی کون پروا کرتا ہے اوّل تو کنبہ قبیلہ میں اس کی عزّت و وقعت جاتی رہتی ہے۔ ایسی لڑکی کو اچھے خاندان والے شادی کا پیغام ہی نہیں دیتے مجبوراً کسی معیار سے گرے ہوئے پست سوسائٹی کے لڑکے سے اس کی شادی ہوتی ہے جب اس بیچاری کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور جس بے وقعتی سے وہ رہتی ہے وہ اس کے معزز خاندان کے لیے سخت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ایک بدکردار اس کی آبرو کو اپنی بدنفسی اور کمینہ پن کی بھینٹ چڑھا کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور ذرا اس کا خیال نہیں کرتا کہ میں کیسا عظیم نقصان اس غریب لڑکی کی زندگی کو پہنچا رہا ہوں۔ اللہ مسلمانوں کی اس ظالمانہ اور وحشیانہ زندگی پر رحم کرے اور مسلمانوں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ ایسے بدکرداروں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ قف وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ
اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ
ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ

تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم سے صاف بیان کرے اور جو اچھے لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں اُن کے طریقوں پر تم کو چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرلے۔ جو لوگ بُری خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں راہِ حق سے ہٹا دیں۔ خدا چاہتا کہ تمہارے بارہ میں تخفیف کرے اور آدمی تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے۔ اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال حرام طریقہ سے کھایا کرو۔ ہاں اگر باہمی رضامندی سے تمہاری تجارت ہو اور اس میں ایک دُوسرے کا مال ہو تو اس صورت میں (جائز طریقہ سے کھانے میں) مضائقہ نہیں اور اپنے نفسوں کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کرو یعنی خودکشی نہ کرو اللہ ضرور تمہارے حال پر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم و جور سے ناحق ایسا کرے گا تو ہم بہت جلد اس کو جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔ جن بُرے کاموں سے تم کو منع کیا گیا ہے اُن سے بچتے رہو تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں سے درگزر کریں گے۔ اور تم کو بہت اچھی عزت کی جگہ پہنچا دیں گے۔

گناہانِ کبیرہ کے بارہ میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا اتفاق حسبِ ذیل گناہوں کے کبیرہ ہونے پر ہے:
کفر۔ قتلِ ناحق۔ والدین کی نارانسی۔ سود کھانا۔ مالِ یتیم کا ظلماً لے لینا۔ جہاد سے بھاگنا۔ خودکشی کرنا۔ ہجرت کے بعد صحرانشین ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے گناہِ کبیرہ ہیں۔ ہر گناہ صغیرہ اگر بار بار کیا جائے تو گناہِ کبیرہ ہی بن جاتا ہے۔
تِجَارَةً بَيْنَكُمْ۔ تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد خرید و فروخت ہے جو حلال طریق سے کی جائے۔
لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ تفسیر قمی میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے ساتھ غزوات میں ایک شخص ایسا بھی جاتا تھا جو حضرتؐ کے حکم کے بغیر اکیلا ہی دشمن پر حملہ کر دیا کرتا تھا۔ خدا نے اُسے منع فرمایا کہ بغیر حکمِ رسولؐ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالو۔
امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کون کونسے ہیں آپؐ نے فرمایا ہر وہ گناہ جس پر اللہ نے عذابِ جہنم کا وعدہ کیا ہے کبیرہ ہے تفسیر صافی میں ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ گناہانِ کبیرہ کی تعداد سات سو تک پہنچتی ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ
وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ
اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع ۴ ۲

اللہ نے جو ہم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس نہ کرو (کیونکہ) فضیلت تو اعمال سے ہوتی ہے۔ مردوں کو ان کے کیے کا حصہ ملے گا اور عورتوں کو اپنے کیے کا۔ تم تو خدا سے اس کے فضل وکرم کی خواہش کرو بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ ماں باپ ہوں یا قرابتداروں میں سے جو کوئی ترکہ چھوڑ جائے ہم نے ہر ایک کا ولی و وارث مقرر کر دیا ہے۔ جن لوگوں سے تم نے پکا وعدہ کر لیا ہے اُن کا مقرر حصہ بھی دے دو بے شک اللہ ہر شے پر گواہ ہے۔

ایامِ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ لوگ جس کو لے پالک کرتے تھے اس کو اپنے وارثوں میں داخل سمجھتے تھے۔ خدا نے اس آیت میں اس کی ممانعت کر دی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اکثر لوگ حضرت رسولؐ پر اکیلے ایمان لاتے تھے اور باقی اقربا کافر رہتے تھے تو ان کی پریشانی دُور کرنے کے لیے حضورؐ نے مسلمانوں کے درمیان اخوت قائم کی۔ حضرت علیؓ کو خود اپنا بھائی بنایا۔ لیکن جب اُن کے اقربا مسلمان ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور ایک دوسرے کا وارث مقرر ہوا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ
اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ
نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ
فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

اللہ نے مردوں کو عورتوں پر قابو دیا ہے (انتظام کرنے کا اہل قرار دیا ہے) اس نے بعض کو (مردوں کو) بعض (عورتوں) پر فضیلت دی ہے اور انہوں نے ان (عورتوں) کے لیے اپنے اموال کو خرچ کیا ہے۔ پس جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور جس طرح اللہ نے ان کی حفاظت کی ہے وہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو پہلے اُن کو سمجھاؤ اگر نہ مانیں تو ان کے پاس سونا چھوڑ دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانیں تو ہلکی سی مار دو (خون نہ نکلے اور کوئی عضو نہ ٹوٹے) اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو تم بھی ان کے نقصان کی راہ نہ ڈھونڈو۔ اور یقین رکھو کہ اُوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔

مغربی تقلید کے دلدادوں میں یہ خیال بھی روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے کہ مردوں سے آگے عورتوں کو چلنا چاہیئے کیونکہ وہ حسن وجمال کے علاوہ اور بہت سی باتوں میں مردوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ بہرحال اپنا اپنا خیال ہے اس چڑھی آندھی کو کون آڑے۔ لیے ہم تو ہمیں بحیثیت مسلمان خدا کے قول ہی کی تائید کرنا ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ چند باتیں بیان کر کے صاحبانِ عقل کو دعوتِ غور وفکر دیتے ہیں:

(۱) فضیلت کا تعلق قوت سے ہوتا ہے چاہے جسمانی ہو یا روحانی۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بہ نسبت عورت کے مرد زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ حصولِ معاش میں وہ عورت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہے اور ایسی سخت منزلیں طے کرتا ہے جس کے تصور سے عورت کانپ جاتی ہے۔ (۲) بہ نسبت عورت کے مرد قوی دل ہوتا ہے۔ عورت ذرا سی تکلیف میں رو پڑتی ہے، گھبرا جاتی ہے مرد تلواروں کی چھاؤں میں بھی نہیں گھبراتا۔ (۳) جنگ کے تمام محاذ مردوں کے زورِ بازو سے ہی فتح ہوتے ہیں۔ عورتوں کی کسی رجمنٹ نے آج تک یہ سعادت حاصل نہیں کی۔ (۴) سلطنتوں کا نظام ہمیشہ مردوں ہی سے متعلق رہا ہے۔ ہر ملک کا بادشاہ مرد ہی بنایا جاتا ہے اگر خال خال کہیں دو چار عورتیں نظر بھی آتی ہیں تو وہ حکم شاذ میں ہیں اور ان کے نظامِ سلطنت کو برقرار رکھنے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔ (۵) علم میں سبقت لے جانے والے بھی مرد ہی ہوتے ہیں۔ جتنے نامور حکماء۔ فلاسفر۔ سائنسدان مصنف مؤلف۔ موجد۔ ڈاکٹر۔ اطبا وغیرہ گزرے ہیں وہ مرد ہی تھے اور اب بھی ان دائروں میں عورت کا وجود اگر پایا بھی جائے تو ایسا ہے جیسے آٹے میں نمک۔ (۶) عورت کی اخلاقی کمزوری کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ آج تک قدرت نے کسی عورت کو نبی یا امام نہیں بنایا۔ (۷) قدرت نے عورت کے فرائض میں بچّوں کی پرورش کرنا اور گرہستی میں لگا رہنا قرار دیا ہے اور مرد کے فرائض میں کسبِ معاش کرنا ہے۔ زمانہ کی ناہمواری سے معاملہ اُلٹا ہو جائے تو یہ انسانی عقل کی کمزوری ہی کہا جائے گا۔ (۸) رُوحانی ترقی میں بھی عورت مرد پر فوقیت نہیں رکھتی کیونکہ اس کی زندگی کے بہت سے ایام اس کو عبادت کرنے سے محروم رکھتے ہیں۔ (۹) عورت کے اختیار میں اللہ تعالیٰ نے طلاق نہیں دی اس سے بھی اس کی عقل کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ (۱۰) سب باتوں کو جانے دو اوقاتِ مباشرت میں عورت کی جو پوزیشن ہوتی ہے وہ اس کا ناطق فیصلہ کر دیتی ہے کہ فوقیت کس کو ہے۔

نافرمان عورتوں کے لیے قدرت نے جو سزا تجویز کی ہے وہ فطرت کے مطابق ہے پہلے اُسے سمجھانا چاہیئے کہ نافرمانی کی صورت میں اُسے کیا کیا نقصان پہنچ سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسی کج فہم اور ناعاقبت اندیش ہے کہ اپنے نفع نقصان میں تمیز نہیں کر سکتی تو پھر اس کی دوسری سزا یہ ہے کہ مرد اس کے پاس سونا چھوڑ دے تاکہ غور کرے کہ مرد سے جدا ہو کر اس کی رات کیسی بے کیف ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر آخری درجہ ہے کہ اُسے ہلکی مار دے یعنی ایسی کہ اس کے بدن سے خون نہ نکلے اور اس کی ہڈی نہ ٹوٹے۔ اگر اس کے بعد اطاعت کرنے لگے تو پھر اس سے اچھا سلوک کیا جائے ورنہ بدرجہ مجبوری طلاق دے کر اُسے جدا کر دیا جائے۔ یہ سب صورتیں اس لیے رکھی گئی ہیں کہ عورت نیک چلن رہے۔ اپنی آبرو کا تحفظ کرے۔ اپنے شوہر کے لیے بلائے جان نہ بنے اس کی رسوائی اور اپنی بدنامی کا باعث نہ ہو۔ نافرمان عورت کے ساتھ ایک مرد کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور وہ دماغی الجھن میں مبتلا ہو کر اپنی صحت کھو بیٹھتا ہے اور کسبِ معاش کے قابل نہیں رہتا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ
اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اگر تمہیں میاں بی بی کے درمیان نا اتفاقی کا قوی اندیشہ ہو تو (ان کے معاملات فیصل کرانے کے لیے) ایک مرد ثالث مرد کے کنبہ سے لو اور ایک عورت کے کنبہ سے اگر یہ دونوں ثالث میل کرا دینا چاہیں تو خدا ان کے درمیان میل کرانے کا اچھا بندوبست کر دے گا۔ خدا تو بے شک واقف و خبردار ہے۔

اگر میاں بی بی میں جھگڑا ہو جائے اور وہ دونوں آپس میں مصالحت کی کوئی صورت نہ نکال سکتے ہوں تو پھر یہ صورت اختیار کی جائے گی کہ ایک شخص مرد کے کنبہ سے بطور ثالث لیا جائے اور ایک عورت کے کنبہ سے۔ یہ دونوں مل کر بیٹھیں اور مرد و عورت دونوں کی شکایتیں سُن کر اس بات کی کوشش کریں کہ ان کے درمیان صلح ہو جائے۔ اگر ثالثوں کے فیصلہ کو وہ دونوں قبول نہ کریں تو آخری فیصلہ یہی ہوگا کہ طلاق یا خُلع کے ذریعہ ان دونوں میں جُدائی کر دی جائے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی چیز کو نہ بناؤ اور احسان کرو اپنے والدین۔ رشتہ داروں و یتیموں محتاجوں۔ رشتہ دار پڑوسیوں۔ اجنبی پڑوسیوں۔ پاس بیٹھنے والوں۔ پردیسیوں اور لونڈی غلام کے ساتھ۔ بے شک اللہ اکڑ کر چلنے والوں اور شیخی بازوں کو دوست نہیں رکھتا اور ان کو جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے اور جو لوگ دکھاوے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ خدا ان کو بھی دوست نہیں رکھتا اور جس کا ساتھی شیطان ہے وہ بہت بُرا ساتھی ہے۔

یہ آیات ان کفارِ مکہ کے بارہ میں ہیں جنہوں نے آپس میں مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوںؓ کو ایک کوڑی نہ دو تاکہ یہ پریشان ہو کر حضرتؐ کا ساتھ چھوڑ دیں اور دکھاوے کے طور پر دوسروں کو دیتے تھے اور شیخی مارتے تھے کہ ہمارے پاس بڑا مال ہے اگر تم ہم سے مل جاؤ تو ہم ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔ حالانکہ یہ سب مکاری اور دھوکہ بازی تھی۔ وہ کسی کی مدد کرنے والے نہ تھے وہ پکے بخیل تھے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ
عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ
لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ
هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ
وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

بھلا کیا مصیبت ان پر آجاتی اگر وہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اس کو راہِ خدا میں خرچ کرتے اللہ تو ان سب کا حال جاننے والا ہے اللہ تو ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اگر کسی نے ذرا سی نیکی بھی کی ہے تو خدا اُسے دُونا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بڑا ثواب عطا کرتا ہے۔ یہ دُنیا میں جو چاہیں کریں لیکن اس وقت اُن کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور اے رسول تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے بُلائیں گے اس دن جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور رسول کی نافرمانی کی ہے یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم پیوندِ خاک ہو جاتے اس روز یہ لوگ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا ۔ کی تفسیر میں وارد ہے کہ روزِ قیامت اللہ ہر امت کو اس کے رسول کے ساتھ بلائے گا اور رسول سے پوچھے گا تم نے ہمارے تمام احکام اپنی امت کو پہنچا دیئے تھے یا نہیں۔ وہ عرض کریں گے ہم نے تمام احکام بے کم و کاست ان لوگوں کو بتا دئے تھے۔ اس وقت بہت سے لوگ انکار کریں گے اور کہیں گے ہم تک کوئی حکم نہیں پہنچا۔ تب بطور گواہ سرکار حضرت رسولِ خدا کو بُلا کر پوچھا جائے گا آپ تصدیق کریں گے کہ ضرور پہنچائے تھے یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہی مصلحت تھی کہ خدا نے نورِ محمدیؐ کو ہر رسول کے ساتھ رکھا تاکہ وہ بحیثیت عینی گواہ کے گواہی دیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا
جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ
أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک جو تم کہتے ہو اس کے سمجھنے کا ہوش نہ ہو اور نہ بحالتِ جنابت بغیر غسل کیے۔ مگر راہ میں رواروی ہیں جب غسل ممکن نہ ہو یا تم مریض ہو اور غسل کرنا نقصان دے یا سفر میں ہو یا پاخانہ نکل آئے یا عورتوں سے صحبت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی پر تیمم کرلو۔

صلوٰۃ سے بعض لوگوں نے نماز مراد لی ہے اور بعض نے مقامِ نماز یعنی مسجد۔
اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ ۔ بحالتِ جنابت اس طرح مسجدوں سے گزرنا جیسے انسان راستے سے گزرتا ہے ناجائز نہیں لیکن مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ سے اس طرح گزرنا بھی جنب پر حرام ہے۔ البتہ اس حکم سے حضرت رسولِ خدا اور اُن کے اہلبیت مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ حدیثِ رسولؐ سے ثابت ہے اور باتفاق فریقین ثابت ہے کہ تمام اصحابِ رسولؐ کے دروازے جو مسجدِ رسولؐ کی طرف کھلے ہوئے تھے بند کر دیئے گئے تھے صرف حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا گیا تھا۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۶ سطر ۱۰ مطبوعہ نولکشور مع شرح مظاہر الحق)

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

اور تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے منہ اور ہاتھوں پر مٹی بھرا ہاتھ پھیر لو بے شک خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا
السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ
الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر کی جنہیں کتاب خدا کا کچھ حصہ دیا گیا مگر وہ لوگ ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خریدنے لگے ان کی خواہش یہ ہے کہ تم بھی راہ راست سے بہک جاؤ اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے اور دوستی کے لیے بس خدا کافی ہے۔ اے رسول یہود میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو باتوں میں ان کے محل و موقع سے ہیر پھیر ڈال دیتے ہیں اور اپنی زبان کو مروڑ کر اور دین پر طعنہ زنی کی راہ سے تم سے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سُنا اور نافرمانی کی) اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ (تم میری سنو اور خدا تم کو نہ سنوائے) اور رَاعِنَا (میرا خیال کرو میرے چرواہے) کہا کرتے ہیں اگر وہ اس کے بدلے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سُنا اور مانا) اور اِسْمَعْ (میری سُنو) اور رَاعِنَا کے عوض اُنْظُرْنَا (ہم پر نگاہ رکھو) کہتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور بالکل سیدھی بات ہے مگر ان پر ان کے کفر کی وجہ سے خدا کی پھٹکار ہے چند لوگوں کے سوا وہ ایمان نہ لائیں گے۔

یہودی سب سے زیادہ اسلام کے دشمن تھے۔ شرارت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی وہ حضرتؐ کی خدمت میں آتے تو ایسے الفاظ بولتے جن کے دو معنی ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں ان سے کہا جاتا تو کہتے سَمِعْنَا (ہم نے سُنا) عَصَيْنَا (مگر ہم مانتے نہیں) پھر کہتے اِسْمَعْ یعنی ہم جو کہتے ہیں اس کو بھی تو سنئے پھر غَيْرَ مُسْمَعٍ کہتے، جس کے معنی ہیں خدا تم کو نہ سنوائے۔ ایک معنی تو یہ ہوئے کہ تمہاری کوئی بُری بات سننے میں آئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خدا کرے تم بہرے ہو جاؤ۔ اس طرح رَاعِنَا کو زبان سے اس طرح نکالتے کہ رَاعِيْنَا ہو جاتا یعنی اے ہمارے چرواہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ
اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

اے اہل کتاب (یہودی) جو کتاب ہم نے نازل کی ہے وہ تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پس اس پر اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ کر ان کو پشت کی طرف پھیر دیں یا ان پر اس طرح ہم لعنت کریں جیسے سبت والے یہودیوں پر ہم نے لعنت کی تھی اور خدا کا حکم تو کیا ہوا ہی سمجھو۔

یہودی کہتے تھے کہ ہم قرآن پر کیوں ایمان لائیں جبکہ اس کے احکام ہماری توریت کے خلاف ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن توریت کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس توریت کی نہیں جو تم لیے پھرتے ہو، تم نے تو اس میں بہت سے تصرفات کر لیے ہیں اس لیے قرآن ان سے کیسے موافقت کر سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ
مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ع ﴿۵۰﴾

خدا شرک کا گناہ کبھی نہیں بخشے گا ہاں اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ جس نے شرک باللہ کیا اس نے افترا پردازی کر کے بہت بڑا گناہ کیا۔ اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو بڑے مقدس بنے پھرتے ہیں (اس سے کیا ہوتا ہے) بلکہ خدا جسے چاہتا ہے مقدس بناتا ہے اور ظلم تو کسی پر بال برابر بھی نہ ہوگا۔ اے رسول ذرا دیکھو تو یہ لوگ خدا پر کیسے جھوٹ کے طوفان جوڑتے ہیں اور کھلم کھلا گناہ کے لیے یہی کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَ
يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ
الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

اے رسُولؐ تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن کو کتاب کا کچھ حصّہ دیا گیا پھر بھی وہ شیطان اور بتوں پر ایمان لے آئے وُہ کافروں سے کہتے ہیں جو لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں ان سے زیادہ اچھا راستہ تو یہی ہے (جو ہم اختیار کیے ہُوئے ہیں) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو اس کا تم مددگار کسی کو پاؤ گے ہی نہیں۔ کیا اس دُنیا کی سلطنت میں کچھ دن ہی ان کا حصّہ ہے وُہ تو لوگوں کو پھُوسی بھی نہ دیں گے۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ اُحد کی لڑائی کے بعد کعب بن اشرف یہُودی ستّر سواروں کے ساتھ رسول اللہؐ سے عہد شکنی کر کے کفارِ قریش کو آپؐ کے مقابلہ پر آمادہ کرنے کے لیے مکّہ میں آیا۔ ابوسفیان نے اُسے کہا تم اور محمدؐ دونوں اہلِ کتاب ہو جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہ کرو گے ہمیں تم میں سے کسی کا اعتبار نہیں۔ کعب نے جبت اور طاغوت کو سجدہ کیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا ہم حاجیوں کو اونٹوں پر چڑھا کر بھیجتے ہیں، ان کو کھانا پانی دیتے ہیں، حرم کی حرمت کرتے ہیں، بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں۔ بھلا یہ بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا۔ کعب نے خوشامد میں کہا کہ تمہارا ہی دین بہتر ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کو یہ جلن کھائے جا رہی تھی کہ نبوت اولادِ اسحاقؑ سے ہٹ کر اولادِ اسمٰعیلؑ میں کیوں چلی گئی۔ (ماخوذ از ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ
وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

کیا یہ لوگ اُن سے حسد کرتے ہیں جن کو ہم نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت دی اور ہم نے ان کو ملکِ عظیم عطا فرمایا پس ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس سے رُک گئے پس ان کے لیے جہنّم کی دہکتی ہُوئی آگ کافی ہے۔

شیعی تفاسیر میں بالاتفاق امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں النّاس سے مراد ہم اہلبیت ہیں جن سے لوگوں نے حسد کیا۔ صواعق محرقہ میں بھی امام کا یہ قول نقل ہے۔

اخلاق ذمیمہ میں سب سے بُری عادت حسد کی ہے۔ خدا نے حاسدوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اہلبیتؑ رسولؐ کمالاتِ رُوحانی اور عطیاتِ یزدانی کی بنا پر ہمیشہ محسودِ خلائق رہے چونکہ لوگ ان کے مراتب کے کسی پایہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے لہٰذا حسد کی آگ میں جل کر انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیمؑ پر اگرچہ اپنی بیشمار نعمتیں نازل کیں لیکن اُن میں سب سے زیادہ نعمتوں کا نزول آلِ رسولؐ پر ہُوا۔ اسی وجہ سے آلِ ابراہیمؑ میں ان کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔

اس آیت میں سب سے پہلی نعمت جس پر لوگوں کو حسد ہُوا وہ کتاب کا ملنا ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے آلِ ابراہیمؑ پر جو نسلِ جنابِ اسحاقؑ سے تھے توریت و زبور و انجیل جیسی کتابوں کے علاوہ اور بہت سے صحیفے بھی آئے۔ مگر نسلِ جنابِ اسمٰعیلؑ میں حضرت رسولِ خداؐ پر جو کتاب نازل ہوئی اس کو اپنی خصوصیات کی بنا پر سابق میں نازل ہونے والی کتابوں پر فوقیت و برتری حاصل ہوئی۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کے سوا کسی کتاب سے تحدی نہیں کی گئی یعنی کسی کتاب کے متعلق یہ دعویٰ نہیں تھا کہ ایسی کتاب اگر تم میں قدرت ہے تو لا کر دکھاؤ۔ پوری کتاب نہیں تو دس ہی سورے بنا کر دکھاؤ۔ یہ بھی نہیں تو کم سے کم ایک سورہ لے آؤ۔ دوسرے یہ کہ اس کے احکام بلا تغیر و تبدّل قیامت تک باقی رہنے والے ہیں پس کتنا صاحبِ فضیلت ہے وہ شخص جس کے سینہ میں پوری کتاب کا علم ہو جو اس کا حافظ و نگہبان ہو۔ جس کی مثل امّتِ محمدی میں بلحاظ عالمِ کتاب ہونے کے پیدا ہی نہیں ہُوا۔ یہ فضیلت خدا نے علی علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ اور اس فضیلت کی بنا پر وہ محسودِ خلائق ہوئے۔

دوسری چیز جو خدا نے آلِ ابراہیمؑ کو دی وہ حکمت ہے جس میں حکمتِ نظری اور عملی دونوں شامل ہیں۔ خدا فرماتا ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ اس فضیلت میں بھی کوئی حضرت علیؑ کا ہمسر نظر نہیں آتا جس کا ثبوت یہ ہے کہ علیؑ کے سوا کسی کے لیے رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ دروازہ ہیں)۔ حکمتِ نظری میں عدیم المثال ہونے کا ثبوت آپ کے وہ خطبات ہیں جن کا مثل آج تک کسی عالم سے نہ بن پڑا۔ خدا کے کلام کے بعد اگر حکمتِ نظری سے فیض یاب ہونے کی کسی کو خواہش ہو تو وہ امیر المومنینؑ کے خطبات کو غائرانہ نظر سے پڑھے۔ حکمتِ عملی کی علمائے اخلاق نے فضائل چہارگانہ کے تحت جو انواع لکھی ہیں وہ سب فضائل حضرت علیؑ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اور قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "اہلبیتؑ و منازلِ روحانیت" میں تفصیل سے ان کا ذکر کر دیا ہے۔

اب رہا ملک عظیم پر حکومت کرنے والا، اولادِ جناب اسحاقؑ میں جناب یوسفؑ، جناب داؤدؑ، جناب سلیمانؑ کو جو سلطنتیں ملیں وہ محدود تھیں جن کو ملکِ عظیم نہیں کہا جا سکتا۔ ان سے کہیں بڑی سلطنتیں آج دنیا میں موجود ہیں۔ ملکِ عظیم کا اطلاق تو اس سلطنت پر ہوگا جو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پھیلی ہوئی ہو اور ہر خطۂ زمین پر ایک ہی حکمران کا حکم چلتا ہو اور ساری دنیا میں ایک ہی دین ہو۔ اس عظیم الشان سلطنت کے مالک اولادِ ابراہیمؑ میں ہمارے امام آخر الزمان حضرت حجت عجل اللہ فرجہ ہوں گے جو روئے زمین کو عدل و داد سے اس طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

یہی ہیں وہ محسودِ خلائق لوگ جن کی محبت کو خدا نے واجب کر دیا ہے جو ان کی امامتؑ ولایت کو تسلیم نہ کریگا اسکی سزا جہنم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ
جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِـيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ
يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا
بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

جنہوں نے ہماری بات سے انکار کیا ہم عنقریب انہیں جہنم میں جھونک دیں گے۔ جب ان کی کھالیں آگ کی تپش سے گل جائیں گی تو ہم دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اچھے اچھے کام کیے ہیں ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ وہاں اُن کے لیے صاف ستھری بی بیاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں لے جا کر رکھیں گے۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے فیصلہ کرنے والے بنو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں صاحبانِ حکومت ہوں ان کی۔ اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اگر تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے۔

اس بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اولی الامر سے مراد کون ہیں۔ کوئی کہتا ہے بادشاہانِ وقت مراد ہیں کوئی کہتا ہے امرائے سرایا مراد ہیں۔ کوئی کہتا ہے علمائے وقت مراد ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس سے وہ معصوم ہستیاں مراد ہیں جو اہلبیت رسولؐ کہلاتی ہیں لہٰذا ہم اس پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں:

۱- اس آیت میں لفظ اطیعوا دو جگہ لایا گیا ہے۔ پہلے سے مراد اللہ کی اطاعت ہے دوسرے اطیعوا کے تحت میں دو اطاعتیں ہیں۔ ایک رسولؐ کی دوسرے اولی الامرؑ کی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسولؐ کی اطاعت، اطاعتِ مطلقہ ہے یعنی ہر امر میں ان کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ دنیوی معاملات ہوں یا دینی اسی طرح اولی الامر کی اطاعت ہے۔

۲- اولی الامر کی اطاعت اس وقت تک اطاعتِ مطلقہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ رسولؐ کی طرح معصوم نہ ہوں کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت باعثِ فتنہ و فساد ہو گی۔

۳- اصحابِ رسولؐ میں سے سوائے اہلبیتِ رسولؐ نہ کسی نے خود معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کسی کو اُمت نے بنایا ہے۔

۴- یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت وقتی نہیں کسی ایک جماعت سے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ آپس میں جھگڑے ہمیشہ ہوتے رہیں گے لہٰذا اگر رسولؐ موجود نہ ہوں تو اولی الامر میں سے کم از کم ایک شخص ہر زمانہ میں ضرور موجود رہنا چاہیئے تاکہ عدل و انصاف سے بے غرض ہو کر ہر نزاع کا فیصلہ کرے۔

۵- دینی مسائل میں اگر اختلافی صورت پیدا ہو تو اس کا فیصلہ یا تو رسولؐ کر سکتے تھے یا پھر اولی الامر۔ یہ کام علماء کے بوتے کا نہیں کیونکہ ان کے درمیان تو ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور رہے گا۔

۶- اگر اولی الامر سے مراد بادشاہانِ وقت ہوں تو اسلام کا بیڑا غرق ہو جائے گا کیونکہ کہیں عیسائی بادشاہ ہے کہیں بودھ کہیں ہندو کہیں مسلمان۔ ایسی صورت میں کس کی اطاعتِ مطلقہ کی جائے گی اور اگر سب کی اطاعت کی جائے تو یہ ناممکن۔

۷۔ اگر کہا جائے کہ صرف مسلمان بادشاہوں کی اطاعت کی جائے تو مسلمان بادشاہ ظالم۔ فاسق۔ فاجر ہر قسم کے ہوئے ہیں ایسی صورت میں ان کی اطاعتِ مطلقہ کیسے ہو سکتی ہے۔

۸۔ رہے امرائے سرایا تو وہ بھی معصوم نہ تھے۔ ان سے بار بار غلطیاں ہوتی تھیں۔ فوجیوں کو ان سے شکایات رہتی تھیں وہ لوگوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ غارتگری کرتے تھے۔ زناکاری کرتے تھے۔ اس صورت میں ان کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم کیسے دیا جا سکتا تھا۔

۹۔ رہے علماء تو ان حضرات کی مہربانی سے ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہوا اور رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا بہتر دوزخ میں جائیں گے اس صورت میں کس فرقہ کے علماؑ کی اطاعت تمام مسلمان کریں گے۔ اس مصیبت سے بچانے کے لیے رسولؐ اللہ نے صاف لفظوں میں اپنی امت کو بتا دیا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال سفینہ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جس نے رُوگردانی کی ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا۔

۱۰۔ رسولؐ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے امامِ زمانہ کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا ہونا ضروری ہے اور اس کی معرفت اس زمانہ کے لوگوں پر واجب ہے۔ نیز یہی ولی امر کہلاتا ہے۔ ہر شب قدر ملائکہ احکامِ الٰہی اس کے پاس لے کر آتے ہیں جو نہیں مانتے وہ بتائیں کہ شب قدر جو ہر سال آتی ہے اس میں ملائکہ کس پر نازل ہوتے ہیں۔ رسولؐ کے بعد سے اب تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم پر نازل ہوتے ہیں۔ غیر معصوم کے پاس ملائکہ آتے ہی نہیں اور نہ وہ اس کا اہل ہے کہ احکامِ الٰہی اس پر نازل ہوں۔

۱۱۔ آیت بتاتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں نزاعی شکل پیدا ہو تو اس میں اللہ کی طرف رجوع کرو یا رسولؐ کی طرف یعنی کتاب و سنت کی طرف۔ لیکن کتاب و سنت یعنی احادیث خاموش ہیں۔ ان سے ہر شخص اپنے مقصد کے مطابق دلیل لاتا ہے۔ جب دونوں فریق قرآن و حدیث سے اپنی اپنی دلیلیں پیش کر رہے ہوں تو اس کا فیصلہ کون کرے کہ حق کس طرف ہے۔ عقلی فیصلہ یہی ہوگا کہ ان کے درمیان حق فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا جو معصوم ہو اور قرآن و حدیث کا سب سے بڑا عالم ہو۔ اور رسولؐ نے جس کو اپنے بعد ایسے مسائل حل کرنے کا ذمہ دار بنایا ہو۔ جس کا فیصلہ ہر امر میں ناطق ہو۔ یعنی فیصلہ میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ پس ایسا شخص اہلبیت رسولؐ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کا علم وہبی تھا اکتسابی نہ تھا۔ وہبی علم میں غلطی واقع نہیں ہوتی۔ سامنے کی مثال ہے کہ حضرت علیؑ نے ہزارہا فیصلے عہدِ رسالت سے لے کر اپنی سلطنت کے آخر تک کیے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی غلط ثابت نہ کیا گیا حالانکہ ان کے دشمن اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ کوئی غلط فیصلہ ان سے صادر ہو۔

۱۲۔ ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کی اطاعت نہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا لیکن امامِ زمانہؑ کی اطاعت نہ کرنے والا کفر کی موت مرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مَنْ مَاتَ سے ظاہر ہے۔

۱۳۔ خدا فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔ (اے رسول تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے)۔ لہٰذا اس ہادی کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح واجب ہونی چاہیئے۔

۱۴۔ اہلبیتؑ رسولؐ کا معصوم ہونا آیتِ تطہیر سے ظاہر ہے بس جب وہ طہارت میں شریکِ رسولؐ ہیں تو رسولؐ کی طرح معصوم ہیں اور اسی وجہ سے ان کی اطاعت رسولؐ کی سی اطاعت ہے۔

۱۵۔ اولی الامر کا اطلاق بارہ اماموں پر ہوتا ہے جن کے نام ایک ایک کر کے آنحضرتؐ نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ کو بتا دیئے تھے۔

۱۶۔ کوئی یہ نہ کہے کہ جب ان کی اطاعت مثل اطاعتِ رسولؐ امت پر واجب تھی تو ان کے نام کیوں نہ ذکر کیے تو جواب ہے کہ جہاں ذکر کیا تھا وہ کب رہ گئے جو یہ رہ جاتے دوسرے قرآن میں تو بہت سی چیزیں ذکر نہیں کی گئیں جیسے رکعات نماز۔ زکوٰۃ کا نصاب۔ مناسکِ حج۔ پس جیسے ان باتوں کو رسولؐ سے پوچھا گیا اسی طرح اولی الامر کو بھی معلوم کرنا امت کا فرض تھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ
اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ
اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

اے رسول تم نے ان لوگوں کی حالت پر بھی نظر کی جن کا گمان یہ ہے کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ سرکشوں کو اپنا حاکم بنائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی بات نہ مانیں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں اچھی طرح گمراہ کر دے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو ذرا ان منافقوں کو دیکھو کس طرح تم سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور جب ان کے کرتوتوں سے کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو کیسے تمہارے پاس خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو میل ملاپ کے سوا کچھ نہ تھا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي
أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ
إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۶۴﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں جو کچھ ہے خدا اس کو جانتا ہے پس اے رسول تم ان سے درگزر کرو اور ان کو نصیحت کرو اور ان سے ان کے دل میں اثر کرنے والی بات کہو ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تمہارے پاس چلے آتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور اے رسول تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

ایک بار دس بارہ آدمیوں نے نفاق پر اتفاق کیا خدا نے اپنے رسولؐ کو اس کی خبر دے دی آپؐ نے ان سب کو بلایا اور فرمایا تم میں سے جن بارہ آدمیوں نے نفاق پر اتفاق کیا اگر وہ اٹھ کر آئیں اور اپنی مغفرت چاہیں تو میں ان کے لیے خدا سے سفارش کروں مگر وہ لوگ نہ اٹھے اور اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ حضرتؐ نے فرمایا تم یہ جانتے ہو کہ میں تمہارے ناموں سے بے خبر ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک ایک کے نام بتا دئے اور وہ ذلیل و رسوا ہوئے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت نمبر ۶۰ سے لے کر نمبر ۶۴ تک منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے یہ بظاہر مسلمان تھے لیکن حقیقتاً یہ اسلام کے لیے مار آستین بنے ہوئے تھے۔ یہ دشمنانِ اسلام سے مل کر اسلام کی برائیاں کرتے تھے اور جب ان کی پردہ دری ہوتی تھی تو جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ اگر ان سے کہا جاتا کہ رسول اللہؐ سے جا کر کہو وہ تمہارے لیے استغفار کریں تو راضی نہ ہوتے تھے۔ لوگوں کو اسلام لانے سے روکتے تھے۔ غرض ان منافقوں نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ
بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿۶۶﴾ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۶۷﴾
وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۶۸﴾

اے رسول تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مؤمن نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپس کے جھگڑوں میں تمہیں اپنا حاکم نہ بنائیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ بخوشی اس کو مان لیں۔ اگر ہم بنی اسرائیل کی طرح ان پر یہ حکم جاری کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا شہر بدر ہو جاؤ تو چند آدمیوں کے سوا یہ لوگ اس کو کرتے ہی نہیں۔ اگر یہ لوگ اس بات پر عمل کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور پوری طرح ثابت قدم رہتے تو اس صورت میں ہم بھی اپنی طرف سے جو عطیہ عطا کرتے اور سیدھے راستے کی طرف ان کو ہدایت کرتے۔

منافقوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی سے جھگڑا کرتے تو یہ دکھانے کے لیے کہ ہم سچے مسلمان ہیں اور اپنے معاملات کا فیصلہ رسولؐ سے چاہتے ہیں حضرتؐ کی خدمت میں آکر اپنا مقدمہ پیش کرتے اور جب اپنے خلاف فیصلہ سنتے تو آزردہ خاطر ہوتے اور آپس میں کہتے رسولؐ نے ہمارے حق میں غلط فیصلہ دیا ہے۔ اور اسے ماننے پر ان کا دل راضی نہ ہوتا۔ اگر مجبوراً اس پر عمل کرنا پڑتا تو بہت کچھ منہ بناتے اور اظہارِ ناخوشی کرتے۔ بنی اسرائیل کی طرح اگر ان کو سخت احکام پر عمل کرنے کے لیے کہا جاتا تو یہ منافق ان کو کبھی نہ مانتے اور سرکشی پر آمادہ ہو جاتے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام نے ان کے دلوں میں جگہ پکڑی ہی نہیں۔ یہ تو اپنے کسی فائدہ کے پیشِ نظر بظاہر مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ
الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ نے اپنی نعمتیں دی ہیں ۔ یعنی انبیاء ۔ صدیقین ۔ شہید اور صالحین ۔ اور یہ کیسے اچھے ساتھی ہوں گے یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جاننے کے لیے کافی ہے ۔

خصوصیت سے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں نازل کیں وہ چار گروہ ہیں ۔ ان میں سے پہلے حضرات انبیاءؑ ہیں ۔ اگرچہ مادی ساز و سامان اور آرائش و زیبائش، راحت و آرام سے ان حضرات کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا لیکن روحانی مدارج و مراتب حاصل کرنے میں یہ سب سے آگے ہوتے ہیں ۔

دوسرا درجہ صدیقوں کا ہے جو انبیاء کی صدق دل سے تصدیق کرتے ہیں ۔ تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں ۔ چوتھا درجہ خدا کے ان نیک بندوں کا ہے جن کی ساری زندگی اعمالِ خیر بجالانے میں بسر ہوتی ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس آیت میں نبیّین سے مراد حضرت رسولِ خداؐ ہیں اور صدیقین سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور شہداء سے مراد حسنین علیہما السلام ہیں اور صالحین سے مراد باقی ائمہؑ ہیں ۔ جمع کے صیغے بلحاظ تعظیم لائے گئے ہیں ۔

کسی نبی یا رسول کا گھرانہ ایسا نہیں ملتا جس میں نعمت پانے والوں کی یہ سب اصناف موجود ہوں ۔ سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس گھر میں صرف نبی ہی نہیں سید الانبیاءؐ تھے ۔ صدیق ہی نہیں بلکہ صدیق اکبرؑ تھے ۔ شہید نہیں بلکہ سید الشہداءؑ تھے ۔ صالح نہیں بلکہ صالح المومنین تھے ۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ صدیق تین ہیں ۔ مومن آل فرعون حزقیلؑ جو حضرت موسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لائے حبیبؑ النجار جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے ۔ اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جو حضرت رسولِ خداؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے ۔ اسی لیے حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ اَنَا اَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَاذِبٌ مُّفْتَرٍ ۔ (میں خدا کا بندہ ہوں میں رسولؐ اللہ کا بھائی ہوں میں سب سے بڑا صدیق ہوں اور میرے بعد اس کا دعویٰ نہ کرے گا مگر جھوٹا افتراپرداز)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ
مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ
يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

اے ایمان والو جہاد کے وقت اپنی حفاظت کی صورتیں سوچ لو پھر چاہے تھوڑے تھوڑے ہو کر لڑو یا سب مل کر تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جہاد سے پیچھے ہٹیں گے ۔ اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑی تو کہنے لگے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان مسلمانوں کے ساتھ موجود نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کامیابی ہوئی اور دشمن پر غالب آئے تو اس طرح اجنبی بن گئے گویا تم میں اور اس میں کبھی محبت ہی نہ تھی کہنے لگا کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا پس ان لوگوں کو راہِ خدا میں جہاد کرنا چاہیئے جو آخرت کے لیے اپنی جان تک راہِ خدا میں دے ڈالتے ہیں ۔ جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا تو وہ شہید ہوا یا غالب آیا ہر حالت میں ہم اس کو اجرِ عظیم عطا کریں گے ۔

خدا کے نزدیک شہید کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ جان جیسی عزیز تر چیز راہِ خدا میں اور دینِ خدا کی حفاظت میں بخوشی خاطر قربان کر دیتا ہے ۔ اس کے خون کے ہر قطرہ کی قیمت جنّت ہے اور اس کے زخمی بدن کی ہر تڑپ پر رحمتِ الٰہی اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور مرضیٔ الٰہی اس کی ہر سانس کی قیمت بن جاتی ہے ۔ منافق ان کا مرتبہ سمجھتے ہی نہ تھے وہ تو مالِ غنیمت کے بھوکے تھے ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ ع

اے مسلمانو، تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو کفار کے مظالم سے بچانے کے لیے جہاد نہیں کرتے (جو حالتِ مجبوری میں) کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا اور کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا۔ جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے لڑو اور یہ سمجھ کر لڑو کہ شیطان کا داؤ بہت کمزور ہے۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے بعد جو مسلمان مرد عورتیں اور بچے مکہ میں رہ گئے تھے کفار ان کو ہر طرح سے ستاتے تھے اور وہ بیچارے رات دن خدا سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ ہمارے پروردگار ہمیں ان ظالموں کے ظلم سے نجات دے ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ منجملہ ان کے میں اور میری ماں بھی تھیں یہ ہر وقت دعا کرتے رہتے تھے اس پر اللہ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ آخر خدا نے ہماری دعائیں قبول کیں اور کچھ لوگوں کے لیے ہجرت کی راہیں کھل گئیں اور جو باقی رہ گئے تھے روز فتح مکہ حضرتؐ نے ان کی دل دہی کی۔ اور عتابؓ بن اسعد کو مکہ کا حاکم بنایا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ
وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ
الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾

اے رسول تم نے ان کی حالت پر نظر نہیں کی جو جہاد کی آرزو کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ ابھی ہاتھ روکے رکھو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو لیکن جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسا کہ خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے زیادہ ڈرا۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کو کیوں واجب کیا۔ ہمیں کچھ دنوں کی اور مہلت کیوں نہ دی۔ ان سے کہہ دو دنیا کی پونجی بہت تھوڑی ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے اس کے لیے آخرت سب سے بہتر چیز ہے اور ان پر وہال ریشہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ آیات ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئیں کہ جب تک جہاد واجب نہ ہوا تھا بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے اور اپنی بہادری اور لڑائی کی خواہش کو خوب خوب اُچھالا کرتے تھے لیکن جب جہاد واجب ہوا تو لگے بغلیں جھانکنے کبھی تو کوئی حیلہ حوالہ کر کے میدانِ جنگ میں جانے سے رُک جاتے اور اگر شرما شرمی چلے جاتے تو ایسے الگ تھلگ رہتے کہ دُور کے تیر سے بھی بیچے رہیں۔ نہ کسی کو مارتے نہ اپنے بدن پر ہلکا سا چرکا لیتے۔ جب خیریت سے واپس آتے تو اپنی بہادری کے افسانے عورتوں اور بچوں کے سامنے بیان کرتے۔ میں نے وہ جنگ کی کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ بس میدانِ جنگ میں میرا ہی بول بالا تھا۔ میں تو دشمن کے پیچھے بھاگا چلا جاتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی زخم نہ کھایا اور دشمنوں کے خون سے زمین لال کر دی۔ لشکرِ رسولؐ میں یہ منافقین محض اس لیے شامل ہوتے تھے کہ مالِ غنیمت میں سے بھرپور حصہ لیں گے۔ چنانچہ جب شکست کے آثار نظر آتے اور مالِ غنیمت ملنے کی امید نظر نہ آتی، تو تنکا توڑ کر بھاگ نکلتے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھتے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ
اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ
لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ
تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ؕ

(یاد رکھو) تم چاہے کیسے ہی مضبوط بُرجوں کے اندر ہو موت تم کو پکڑ ہی لے گی۔ اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تب تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو شرارت سے کہتے ہیں اے رسول یہ تمہاری طرف سے ہے۔ تم ان سے کہہ دو جو کچھ ہے سب خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات نہیں سمجھتے (حقیقت یہ ہے) کہ جو بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بُرائی پہنچتی ہے وہ خود تمہارے نفس کی طرف سے ہے۔ اور ہم نے تم کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی گواہی کافی ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو اے رسول ہم نے تم کو ان کا کچھ نگہبان بنا کر تو بھیجا نہیں۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس زمانہ میں سالہائے گزشتہ کے مطابق مدینہ میں میوہ زیادہ پیدا نہ ہؤا اور غلّہ کا بھاؤ بھی بڑھ گیا۔ یہودیوں کو شرارت سوجھی، کہنے لگے یہ سب محمدؐ کے یہاں آنے کے سبب سے ہے خدا نے ان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ آیت نازل کی اور مسلمانوں کو بتایا، کہ ان یہودیوں کا یہ حال ہے کہ جب غلّہ کی فراوانی ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اور جب قحط اور تنگدستی کا سامنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں اے محمدؐ، یہ تمہاری وجہ سے ہے۔ اے رسولؐ تم ان سے کہہ دو ارزانی ہو یا گرانی، تونگری ہو یا مفلسی، سب خدا کی مشیت کے تحت ہے کسی کو اس میں مداخلت نہیں۔

یہ یہودی بے وقوف ہیں، بات کو سمجھتے نہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو جو آرام و آسائش حاصل ہوتی

ہے یہ اس پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ خدا ہر قسم کا آرام و آسائش بغیر کسی استحقاق کے دیتا ہے۔ کیونکہ انسان جو عبادت کرتا ہے وہ خدا کی نعمتوں کے برابر نہیں اور جو مصیبت پہنچتی ہے وہ انسان کی بداعمالی اور بدنفسی کی وجہ سے پہنچتی ہے۔

واضح ہو کہ خدا نے پہلے اس تعلیم کو مجملاً بیان فرمایا ہے کہ کُل خدا کی جانب سے ہے لیکن بعد میں اس کی وضاحت یُوں کی کہ جملہ حسنات خدا کے فضل پر موقوف ہیں اور تمام برائیاں شامتِ اعمال کا نتیجہ ہیں یعنی ہر بُرائی یا بھلائی خدا کی طرف سے تو ضرور ہے مگر اتنا فرق ہے کہ بھلائی اس کے فضل و کرم سے ہوتی ہے اور برائی بندوں کے گناہ کے عوض اس لیے حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مومن کو رنج نہیں پہنچتا یہاں تک کہ بدن میں کانٹا تک نہیں چبھتا۔ اور جُوتے کا تسمہ تک نہیں ٹوٹتا جب تک کہ معصیت کا مرتکب نہ ہؤا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے اگر وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے گا تو فضلِ خدا شاملِ حال رہے گا۔ نافرمانی کرے گا تو اس کی سزا ملے گی۔ اگرچہ مصیبت کا نزول خدا کی طرف سے ہے لیکن اس کا سبب خود انسان ہے نہ بُرائی کرتا نہ بلا میں مبتلا ہوتا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ بھلائی بُرائی سے بندوں کے افعال مراد نہیں بلکہ زحمت و رحمت آرام و تکلیف مراد ہیں جو انسان کے اختیار و قابو سے باہر ہے۔

یہ لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے کہ بداعمالی تو خود کرتے ہیں اور جب اس کی سزا ملتی ہے تو کہتے ہیں ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ اگر مدینہ کے غلّہ میں کمی ہوئی یا میوہ دار درخت کم پھل لائے تو یہ اہلِ مدینہ کی نافرمانی اور کفر پرستی کی سزا تھی اور ان کی نیت کا فتور تھا۔

کسی نبیؑ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ دو شخصوں نے برابر باغ لگائے۔ ایک باغ کے درخت خوب پھلے پھولے دُوسرے کے باغ میں جو پھل لگے تھے وہ بھی گر گئے۔ اس نے ان نبیؑ سے شکایت کی کہ ہم دونوں تو آپ کے دین میں ہیں، کیا وجہ کہ فلاں کا باغ تو خوب پھل لایا اور میرے باغ میں کچھ بھی نہ آیا۔ نبیؑ نے دُوسرے شخص کو بھی بُلایا اور فرمایا تو نے کیا نیت کی تھی۔ اس نے کہا میری نیت یہ تھی کہ اگر میرا باغ خوب پھلے گا تو میں اس کا پھل فروخت کر کے آدھی رقم تو اپنے خرچ میں لاؤں گا اور آدھی راہِ خدا میں اپنے غریب بھائیوں کو دوں گا۔ دُوسرے سے پوچھا، تیری کیا نیت تھی۔ سچ سچ بتا۔ اس نے کہا میری نیت یہ تھی کہ جو پھلوں کی قیمت حاصل ہو گی اس کا روپیہ سُود پر چلاؤں گا۔ اور اس طرح غریبوں کی کمائی سے اپنے شہر کا متموّل آدمی بن جاؤں گا۔ نبیؑ نے فرمایا بس یہی وجہ تھی کہ تیرے باغ میں پھل نہ لگا۔ تیری نیت خراب تھی، پھر خدا تیرے اُوپر اپنا فضل و کرم کیوں نازل کرتا۔ پس ان آیات کا تعلق افعالِ عباد سے نہیں بلکہ ان فضلات سے ہے جو نیکی کرنے والوں سے متعلق ہوتے ہیں اور ان کا رُک جانا اس کی دلیل ہوتا ہے کہ اس شخص کی نیت میں بدی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ
وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾
وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ
اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

وہ لوگ جب تمہارے سامنے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم فرمانبردار ہیں اور جب تمہارے پاس سے جاتے ہیں تو راتوں کو اپنے گروہ کے لوگوں سے جو کچھ تم سے کہہ گئے تھے اس کے خلاف مشورہ کرتے ہیں اللہ لکھ لیتا ہے ان کے راتوں کی باتوں کو۔ ان سے درگزر کرو اور اللہ پر توکل کرو اللہ تمہاری وکالت کے لیے کافی ہے کیا یہ لوگ قرآن کے متعلق اتنا نہیں سوچتے کہ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے بیان میں بڑا اختلاف پاتے۔ جب ان مسلمانوں کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اُسے فوراً مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر اس امر میں وہ رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرتے تو جو لوگ اس کی تحقیق کرنے والے ہیں (رسول و اولی الامر) تو وہ اس کو سمجھ لیتے۔ اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب سوائے چند آدمیوں کے شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔

شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضرت رسولِ خداؐ نے جنگِ بدرِ صغریٰ کا قصد کیا تو نعیم نے مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر کی کثرت سے ڈرا دیا اور مسلمانوں کے دل پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اکثر لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔

آخر بمشکل ستر آدمی آپؐ کے ساتھ ہوئے اور آپؐ توکل بخدا روانہ ہوئے خدا نے اس مٹھی بھر جماعت کا ایسا رعب ابوسفیان کے دل پر بٹھایا کہ وہ مکہ کو واپس چلا گیا۔ اللہ اللہ وہ کیسا وقت تھا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو تنِ تنہا ہزاروں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اگر کوئی بھی آپؐ کا ساتھ نہ دیتا تو بھی آپؐ ضرور جاتے اور یقیناً فتحیاب ہوتے۔

تفسیرِ صافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ استنباط کرنے والے ائمہ معصومین ہیں یہی اولی الامر ہیں۔ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا جس نے خدا کی ولایت اور اللہ تعالیٰ کے علم سے استنباط کرنے والوں کو انبیاء کے گھروں کے سوا کسی اور جگہ قرار دیا۔ اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی اور جاہلوں کو اولی الامر سمجھا جو خود ہدایت یافتہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

مقدمات کو ترتیب دے کر صحیح نتیجہ وہی نکال سکتا ہے جس کا علم نقصان سے بری ہو اور یہ لوگ نہیں ہو سکتے ان لوگوں کے سوا جن کا علم وہبی ہو۔

مذکورہ بالا واقعہ میں ایک شخص نے غلط افواہ پھیلا کر مسلمانوں کے قلوب کو کیسا مرعوب کیا۔ اگر اس کی خبر سُن کر سننے والے رسولؐ یا حضرت علیؑ کے پاس چلے آتے تو یہ افراتفری نہ ہوتی مگر انہوں نے تو آپس میں ایک دوسرے سے چُپ چاپ تذکرہ کر کے ہل چل مچا دی۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اولی الامر کون ہیں۔ منافقوں کی یہ عادت تھی کہ ہر اس خبر کو جس سے مسلمان خائف ہو جائیں چپکے چپکے پھیلانا شروع کر دیتے۔ مسلمان بے چارے اس کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے اسلام سے بددل ہو جاتے اور جہاد پر جانے سے پہلو تہی کرنے لگتے۔ سننے والوں کو چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ خبر سنتے ہی سیدھے یا تو رسولؐ کے پاس آتے یا اولی الامر یعنی حضرت علیؑ کے پاس جاتے اور ان سے بیان کرتے کہ ہم نے ایسا ایسا سُنا ہے۔ چونکہ ان حضرات کو خدا نے عقلِ صحیح عطا فرمائی تھی اور معصوم تھے لہٰذا وہ اس کی جانچ پڑتال کرتے۔ خبر لانے والے کی شخصیت پر غور کرتے کہ کیسا آدمی ہے۔ اس نے جس سے سُنا ہے وہ کیسا ہے۔ جھوٹا ہے یا صادق القول ہے۔ مومن ہے یا منافق۔ اس کا توڑ کیسے کرنا چاہیئے۔ اس کی مدافعت کی کیا صورت ہو۔ جب پُوری تیاری کر لیتے تب اس کو دوسروں سے بیان کرتے اس صورت میں دشمن سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہوتی۔

کسی بد خبر کو سُن کر اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہوتا۔ زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی خبر کے سنتے ہی مرعوب ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی پوری ذمہ داری یا تو رسول پر عاید ہوتی ہے یا اس شخص پر جو رسول جیسا صاحبِ علم و فہم ہو اور جس کا علم وہبی ہو اکتسابی نہ ہو جس میں وہم و قیاس کو دخل نہ ہو اور حقیقت تک اس کی رسائی ہو سکے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً
حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ ع

اے رسول تم راہِ خدا میں جہاد کرو۔ تم اپنی ذات کے سوا اور کسی کے ذمہ دار نہیں ہو۔ مومنین کو جہاد کی ترغیب دو عنقریب خدا کافروں کی ہیبت کو روک دے گا، خدا کی ہیبت سب سے زیادہ ہے اور اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کام میں کچھ حصہ ملے گا اور جو بُرے کام کی سفارش کرے گا تو اس کی سزا میں کچھ حصہ اس کو بھی ملے گا اور اللہ تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔ جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقہ سے سلام کرو یا وہی لفظ جواب میں کہہ دو، خدا تو ہر شے کا حساب کرنے والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس میں شک نہیں کہ وہ قیامت کے دن سب کو جمع کر دے گا اور اس سے بڑھ کر بات میں سچا کون ہے۔

سلام میں اگرچہ سلام کرنا سنت ہے مگر اس کا جواب دینا واجب ہے۔ سلام کہنے والے کا ثواب زیادہ ہے اور جواب دینے والے کا کم اور اگر جواب نہ دے تو گناہ ہے اسلامی تہذیب یہ ہے کہ کم لوگ زیادہ والوں کو سلام کریں، سوار پیدل کو، خچر کا سوار گدھے کے سوار کو، چھوٹا بڑے کو اور سلام بلند آواز سے کرے کہ وہ سن لے۔ بت پرست، شراب خور، شطرنج اور چوسر کھیلنے والے شوہر دار عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے والے، ہیجڑے، شاعرانِ لغو گو، سود خوار، علانیہ بدکاری کرنے والے کو سلام نہ کرنا چاہیئے۔ اور جو کہ نماز میں مشغول ہو اُسے سلام نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر کرے تو نمازی کو صرف سلام علیکم کہنا چاہیئے۔

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ
اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا
مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾ لا

مسلمانو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارہ میں دو فریق ہو گئے ہو (ایک مخالف دوسرا موافق) حالانکہ خدا نے خود ان کے کرتوتوں کی بدولت ان کی عقلوں کو اُلٹ پلٹ کر دیا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے تم اُسے راہِ راست پر لے آؤ اور جسے اللہ نے گمراہی میں چھوڑا ہے اس کو تم میں سے کوئی شخص صحیح راستہ پر لگا ہی نہیں سکتا۔ لوگوں کی خواہش تو یہ ہے کہ جس طرح وہ کافر ہو گئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم ان کی برابر ہو جاؤ۔ پس جب تک وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو انہیں گرفتار کر لو اور جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔ ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آئے اور اپنے کو مسلمان ظاہر کیا۔ کچھ دنوں بعد پھر مکہ بھاگ گئے اور اپنے شرک و کفر کا اعلان کر کے یمامہ چلے گئے۔ جب حضورؐ نے اُن سے لڑنا چاہا تو بعض مسلمانوں کو جنگ کرنے میں تامل ہوا کیونکہ وہ بحالتِ اسلام ان کے دوست بن چکے تھے۔ ان ہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا جب تک وہ ہجرت کر کے مدینہ نہ آئیں اور اپنا اسلام ظاہر نہ کریں ہرگز انہیں اپنا دوست نہ سمجھو اگر اسلام قبول کر لیں تو خیر ورنہ جہاں انہیں پاؤ قتل کر دو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ
صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

مگر جو لوگ کسی ایسی قوم سے جا ملے ہوں کہ تم میں اور ان میں صُلح کا عہد و پیمان ہو چکا ہے یا تم سے جنگ کرنے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ہو کر تمہارے پاس آئے ہوں تو انہیں آزار نہ پہنچاؤ۔ اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر غلبہ دیتا تو وُہ تم سے ضرور لڑ پڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو پھر تمہارے لیے ان لوگوں کو آزار پہنچانے کی خدا نے کوئی سبیل نہیں نکالی۔

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ الخ یہ اُس زمانہ کا حکم ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ جو تم سے لڑے تم بھی لڑو اور جو نہ لڑے تم بھی اُس سے نہ لڑو مگر سورۂ براٗت نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور تمام مشرکین سے جہاد کا حکم ہُوا۔ مگر جس نے بروز فتح مکہ حضرتؐ سے عہد و پیمان کر لیا تھا وہ مستثنیٰ تھے۔

جن قوموں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو جاتا تھا حضورؐ اُس معاہدہ پر سختی سے قائم رہتے۔ لیکن جب ان میں کوئی قوم معاہدہ کو توڑتی تو پھر ان سے جنگ کرنا لازم ہو جاتا۔ اور جو لوگ حضورؐ سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور حضورؐ کے خلاف جنگ کرنے والوں کے ساتھ بھی رہنا نہیں چاہتے تھے تو ان کے لیے یہ حکم تھا کہ ان سے نہ لڑو۔ یا جو صلح چاہتے ہوں اُن سے جنگ کرنے سے بھی روکا گیا۔ اسلام کسی قوم پر جارحانہ حملہ کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن جب کوئی قوم درپئے آزار ہوتی یا حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی اور چڑھ کر آجاتی تو پھر اُس کا دفاع لازم ہو جاتا۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ
كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

اور عنقریب تم کچھ ایسے لوگوں کو بھی پاؤ گے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی ملے جلے رہیں مگر جب کبھی جھگڑے کی طرف بُلائے گئے تو اوندھے منہ گر پڑے پس اگر وُہ تم سے نہ تو کنارہ کشی کریں اور نہ صلح کا پیغام دیں اور نہ لڑائی سے اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو یہی لوگ ہیں جن پر ہم نے تم کو صریحی غلبہ عطا فرما دیا ہے۔

عرب کے بعض قبائل نے یہ دوُرُخی پالیسی اختیار کی تھی کہ اپنی قوم سے بباطن ملے ہوئے تھے اور ان پر ظاہر کرتے تھے کہ اگر مسلمانوں سے جنگ ہو گی تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب مدینہ میں آتے تو مسلمانوں سے بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتے اور کہتے اگر مشرکین سے تمہاری جنگ ہو گی تو ہم تمہارے ساتھ رہ کر ان سے جنگ کریں گے۔ بعض سیدھے سادے مسلمان ان کے دامِ فریب میں آجاتے تھے اور سچا مسلمان سمجھ کر ان کو اپنا دوست بنا لیتے تھے لیکن جب جنگ کا وقت آتا تو یہ فریبی صاف کترا جاتے اور اپنی قوم سے جا ملتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو کیونکہ یہ گروہ بہت خطرناک ہے۔

جا بجا ایسے منافقوں کی قرآن میں مذمت وارد ہوئی ہے۔ درحقیقت یہ آستین کے سانپ تھے جن کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور انہوں نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ
رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ
عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۚ

اور کسی ایماندار کو یہ جائز نہیں کہ کسی مومن کو جان سے مار ڈالے مگر دھوکہ سے قتل کیا ہو تو دوسری بات ہے اور جو کوئی کسی مومن کو دھوکہ سے مار ڈالے تو اُس پر ایک ایماندار غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے قرابتداروں کو خون بہا دینا لازم ہے مگر جب وہ لوگ معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو تمہارے دشمن کافر حربی ہیں اور خود قاتل مومن ہے تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر مقتول ان کافروں میں سے ہو جن سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے تو قاتل وارثانِ مقتول کو خون بہا دے گا اور ایک بندۂ مومن کا آزاد کرنا واجب ہے۔

اسلام میں مومن کے خون کی بڑی قیمت رکھی گئی ہے۔ اگر کسی مومن کو قصداً قتل کیا جائے گا تو پھر قاتل کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کہیں نہیں لیکن اگر قاتل نے سہواً قتل کیا ہے تو قتل سے بچ جائے گا اور اُس کو ایک غلام آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا لازم ہوگا۔ افسوس ہے کہ اسلامی حکومتوں نے اُس قانونِ قدرت کو بھلا دیا ہے۔ اگر کسی قاتل کو پھانسی دے دی گئی یا عمر قید کی سزا دی گئی تو مقتول کے ورثا کو اپنے کسی عزیز کے خون کا کیا بدلا ملا۔ ایک عورت بیوہ ہو گئی ایک بچہ یتیم ہو گیا۔ قاتل جیل خانہ چلا گیا لیکن ان بے چاروں کی زندگی بسر کرنے میں دُنیوی قانون کیا مدد کرتا ہے۔

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۹۲﴾
وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
لَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ
اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۴﴾

اور جو غلام آزاد نہ کر سکے تو اُس کا کفّارہ خدا کی طرف سے دو مہینے لگا تار روزے رکھنا ہے۔ اور سب باتوں کا جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو اُس کی سزا جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعن ہوگی اور اس کے لیے سخت عذاب مہیّا ہوگا اے ایمان والو جب تم راہِ خدا میں جہاد کے لیے نکلو تو کسی کے قتل کرنے میں جلدی نہ کیا کرو خوب تحقیق کر لو اور جو کوئی اظہارِ اِسلام کی غرض سے تم کو سلام کرے تو اُس سے یہ نہ کہو کہ تُو مومن نہیں۔ تم دنیوی اثاثہ ملنے کی تمنا رکھتے ہو۔ (اور اس لیے کسی بے گناہ کو قتل کرتے ہو) اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ کے یہاں بہت نعمتیں ہیں (ان کے خواہشمند بنو)۔ اے مسلمانو، تم اسلام سے پہلے ایسے ہی تھے پھر بے کھٹکے مسلمان ہو گئے۔ اللہ نے یہ تم پر احسان کیا۔ بہر حال خوب تحقیق کر لو (تب کسی کو قتل کرو)۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

اس آیت کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولِ خدا نے چند مسلمانوں کو کسی قبیلہ سے لڑنے کے لیے بھیجا جوں ہی ان لوگوں کو پتہ چلا سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک شخص مُرداس نامی مسلمان تھا وہ مال و اسباب کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ جب اہلِ اسلام کا لشکر وہاں پہنچا اور ان کی تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں تو مُرداس مطمئن ہو کر نیچے اُتر آیا اور سلام علیکم کے بعد کلمۂ شہادت زبان پر لایا۔ اسامہ بن زید بے رحم نے اُس کے کہنے کا اعتبار نہ کیا اور مُرداس کو کافر سمجھ کر مار ڈالا اور اُس کا مال و اسباب لُوٹ لیا۔ جب حضرتؐ کو خبر پہنچی تو آپ بہت غمگین ہوئے اور فرمایا اُسامہ تو نے بڑا غضب کیا کہ جو خدا کی وحدانیت کا مقر تھا اُسے تُو نے قتل کیا۔ اسامہ پشیمان ہو کر کہنے لگا میں نے یہ

سمجھا کہ وہ جان کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (منقول از قرآن ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع

معذور لوگوں کے سوا جہاد سے منہ چھپا کر بیٹھنے والے مومنین اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھنے والوں پر خدا نے درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے۔ اگرچہ اللہ نے سب ایمانداروں سے (جہاد کریں یا نہ کریں) بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے مگر اللہ نے مجاہدوں کو گھر میں بیٹھنے والوں کے مقابلہ میں بڑی فضیلت دی ہے یعنی انہیں اپنی طرف سے بڑے بڑے درجے بخشے گا اور رحمت عطا فرمائے گا۔ اور خدا تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جنگِ تبوک کے وقت کعب بن مالک، رادہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ وغیرہ جان بچا کر گھر میں بیٹھ رہے اور جہاد میں جانے سے جی چھوڑ بیٹھے مگر عبداللہ بن مکتوم نے اپنی نابینائی کا عذر کیا۔ انہی منافقوں نے حضرت علی علیہ السلام پر یہ طعنہ زنی کی تھی کہ حضرت رسولِ خدا آپؑ کو اپنے ساتھ نہ لے گئے اور عورتوں اور بچوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ گئے معلوم ہوتا ہے حضورؐ کا اعتماد آپؑ پر سے اٹھ گیا۔ یہ سن کر حضرت علیؑ کو بہت رنج ہوا اور آپؑ گھوڑے پر سوار ہو کر حضرتؐ سے ایک منزل پر جا ملے۔ حضرتؐ نے فرمایا، منافقوں کے کہنے کا خیال نہ کرو۔ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہاروںؑ کی منزلت موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ
فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ۙ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ۙ فَاُولٰۗىِٕكَ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّھَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُھَاجِرًا
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

بے شک وہ لوگ جن کو فرشتوں کی جماعت نے ایسی حالت میں قبضِ روح کیا جبکہ انہوں نے جانوں کے اوپر ظلم کیا تھا فرشتوں نے ان سے کہا تم کس حال میں تھے انہوں نے کہا ہم تو زمین میں کمزور کر دئے گئے تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے پس یہ لوگ وہ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم میں ہے سوائے ان کے جو مردوں عورتوں اور بچوں میں کمزور کر دیئے گئے ہوں نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہوں نہ نکلنے کی راہ پا سکتے ہوں بس قریب ہے کہ اللہ تو ایسے لوگوں سے درگزر کر دے اور وہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی جگہیں اور کشادگی پائے گا اور جو کوئی اپنے گھر سے خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے موت آجائے تو یقیناً اس کا اجر اللہ پر واجب ہو گیا اور اللہ تو بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیرِ صافی میں ہے کہ جب ہجرت کی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص نے جس کا نام جندب تھا اور ان دنوں مکہ میں مقیم تھا آیہ ہجرت کو سنا تو کہنے لگا خدا کی قسم میں وہ نہیں ہوں جس کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے میں اپنے

میں ہجرت کرنے کی قوت بھی پاتا ہوں اور میں راستہ سے بھی واقف ہوں۔ وہ کسی شدید مرض میں مبتلا تھا اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میں مکہ میں ہرگز نہیں مروں گا میں ضرور ہجرت کروں گا مجھے ڈر ہے کہ مکہ میں نہ مرجاؤں اور ہجرت کے ثواب سے محروم ہو جاؤں پس اس کے لڑکے اسے لے کر نکلے جب مقام تنعیم تک پہنچے تو وہ مرگیا۔ اس کے بارہ میں یہ آیت ہے۔

ہجرت پر زور اس لیے دیا گیا ہے تاکہ مشرکوں کو ان کے ستانے اور ورغلانے کا موقع نہ ملے دوسرے یہ کہ ان پر معاشی ذرائع تنگ نہ ہوں۔ تیسرے وہ آزادی سے وہاں عبادت نہ کر پانے کی بنا پر دل گرفتہ نہ ہوں۔ چوتھے وہ کفار کے دباؤ میں آکر پھر کفر کی طرف نہ پلٹ جائیں۔

عباس بن عبد المطلب باوجودیکہ حضرت رسولِ خدا کے چچا تھے لیکن کفار کی دوستی ان پر ایسی غالب آئی کہ وہ ہجرت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگِ بدر میں وہ مشرکین کے ساتھ حضرتؐ سے لڑنے کے لیے نکلے۔ آخر میں قید ہوئے۔ اس کے بعد فدیہ دے کر پھر مکہ ہی کو گئے۔ یہی خدشہ تھا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے پر زور دیا ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ

جب تم زمین پر سفر کرو اور یہ خوف ہو کہ اثنائے نماز میں کفار فساد برپا کریں گے تو کوئی مضائقہ نہیں نماز میں کچھ کم کر لیا کرو۔ بے شک کفار تو تمہارے کھلے دشمن ہیں اور جب تم مسلمانوں میں موجود ہو اور لڑائی ہو رہی ہو تو تم ان کو نماز پڑھانے لگو دو گروہ کرکے ایک کو لڑائی کے لیے چھوڑو اور ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہے پھر ایک رکعت کے بعد سجدے کرکے دوسری رکعت فرادیٰ پڑھ لیں اور تمہارے پیچھے پشت پناہ بنیں اور دوسری جماعت جو لڑ رہی تھی آئے اور دوسری رکعت میں تمہارے ساتھ نماز پڑھے وہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہے۔

نماز میں کم کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ چو رکعتی نمازوں میں دو رکعت کم کرو جس طرح یہاں قصر ضروری ہے اسی طرح سفر میں ضروری ہے۔ اگر بجائے دو کے چار پڑھے تو نماز باطل ہوگی۔

نماز خوف کی صورت یہ ہوئی کہ جب حضورؐ حدیبیہ کے ارادہ سے مکہ کو روانہ ہوئے تو کفار نے خالد بن ولید کی ماتحتی میں دو سو سوار حضرتؐ کو روکنے کے لیے روانہ کیے اثنائے راہ میں پہاڑوں پر مڈبھیڑ ہوئی۔ اتنے میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپؐ نے سب کے ساتھ نماز پڑھی۔ خالد نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہم سے بڑی غلطی ہوئی اگر ہم حالتِ نماز میں ان پر حملہ کر دیتے تو سب کو مار لیتے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی نماز کو قطع نہ کرتے۔ خیر اس کے بعد موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اس کے بعد نماز خوف کی صورت کا حکم آگیا۔

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

کفار تو یہی چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو ایک مرتبہ ہی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اگر تم بارش سے تکلیف میں ہو یا تم بیمار ہو جاؤ تو تم پر کوئی الزام نہیں اگر تم نماز میں اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو اور اپنی حفاظت کرتے رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ جب تم نماز پڑھ چکو اللہ کا ذکر کھڑے ہو کر، بیٹھ کر یا لیٹ کر جس طرح ممکن ہو کرتے رہو پس جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو پوری نماز معمول کے مطابق پڑھو۔ بے شک نماز مومنین پر وقتِ معیّن کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ اے مسلمانو دشمنوں کی تلاش میں سُستی نہ کرو اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی پہنچتی ہے۔ تم تو اللہ سے وہ وہ اُمیدیں رکھتے ہو جو انہیں نصیب نہیں۔ اللہ تو بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ
خَصِيْمًا ۱۰۵ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۶ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ
مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۱۰۸

ہم نے تمہارے اُوپر برحق کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تم کو ہدایت کی ہے اسی طرح تم مسلمانوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو اور خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنو اور اللہ سے استغفار کرتے رہو۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے رسول تم ان بدکرداروں کے ساتھی بن کر لوگوں سے نہ لڑو جو اپنوں ہی سے دغا بازی کرتے ہیں۔ اللہ اُس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو بُرا خائن اور گنہگار ہو۔ وہ لوگوں سے شرارت کی باتیں چھپاتے ہیں مگر اللہ سے تو نہیں چھپا سکتے جو اُس وقت بھی اُن کے پاس ہوتا ہے جب وُہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں اور خُدا کا علم ان کے سب کرتوتوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ بنو ابیرق میں سے تین بھائی بشیر، بشر اور مبشر منافق تھے۔ ان تینوں نے قتادہ کے چچا کے مکان میں نقب لگائی اور سب سامان لے گئے اور ایک یہودی کے گھر چھپا کر رکھ آئے۔ ایک مرد دیندار لبید بن سہل ان کا رازدار تھا۔ قتادہ نے ان سب کی شکایت رسولؐ سے کی۔ بشیر وغیرہ نے اس کا ملزم لبید کو قرار دیا۔ جب لبید کو یہ خبر ہوئی تو وہ تلوار لے کر گھر سے نکلا اور کہا اے بنو ابیرق چوری کرو تم اور نام لگاؤ میرا حالانکہ تم پکے منافق ہو تم رسول اللہ کی ہجو کیا کرتے ہو اور قریش کی طرف منسوب کرتے ہو اگر میں نے چوری کی ہے تو ثابت کرو ورنہ اس تلوار سے تمہارے سر اڑا دوں گا۔ وہ لوگ یہ سُن کر اس سے دب گئے اور صلح کر لی اور الزام سے بَری کر دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ اسید بن عروہ کے پاس پہنچے جو اُن کا ہم قبیلہ اور بڑا لسّان تھا اس کو وکیل بنا کر حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے کہا قتادہ نے بڑا ہنگامہ بپا رکھا ہے ایسے عالی خاندان لوگوں پر چوری کا الزام لگاتا ہے یہ سُن کر آپؐ کو رنج ہوا اور قتادہ کو بُلا کر تنبیہ فرمائی۔ قتادہ کو اپنے جھوٹے بننے اور حضرتؐ کے غصّہ ہونے کا سخت ملال ہوا، اس کے چچا نے اس کو تسلی دی کہ خدا ہمارا مددگار ہے۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان لوگوں کی چوری کا حال سب پر کھُل گیا اور قتادہ کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۱۰ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۱۱۱ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ
بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۱۱۲ ع

اے مسلمانو تم دنیاوی زندگی کے ذرا سے معاملہ میں تو ان کے طرفدار بن کر لڑنے کو کھڑے ہو گئے بھلا قیامت کے دن ان کا طرفدار ہو کر اللہ سے کون لڑے گا یا ان کا وکیل بن کر کون کھڑا ہو گا۔ جو شخص بُرائی کرتا ہے یا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے پھر خدا سے معافی مانگ لے تو اللہ بڑا غفور و رحیم ہے جو کوئی گناہ کرتا ہے وُہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اللہ تو سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے جو کوئی بُرا کام کرتا ہے یا کوئی گناہ کرتا ہے اور کسی بے گناہ کے سر تھوپ کر اپنے کو بَری کرنا چاہتا ہے تو اُس نے بڑا افترا کیا اور صریحی گناہ اپنے ذمّہ لے لیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۱۱۳ لَا خَيْرَ فِيْ
كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۱۱۴

اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ان بدمعاشوں کا ایک گروہ تم کو گمراہ کرنے کا ضرور قصد کرتا حالانکہ وہ لوگ اپنے ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور یہ لوگ تم کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے تم پر اپنی کتاب

اور حکمت نازل کی اور جو باتیں تم نہیں جانتے تھے وُہ سب سکھادیں اور خدا کا تم پر بڑا فضل ہے۔ اے رسول ان لوگوں کی رازکی باتوں میں سے اکثر میں تو بھلائی کا نام تک نہیں مگر ہاں جو شخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے تو البتہ ٹھیک ہے اور جو کوئی شخص خدا کی خوشنودی میں یہ کام کرے گا تو ہم عنقریب اُسے اچھا بدلہ دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولؐ سے فرمایا ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس کی صفت یہ ہے کہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ یعنی اس میں ہر شے کا بیان ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ تم کو حکمت بھی دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت کتاب سے الگ ایک چیز ہے اور وہ نہیں ہوسکتی مگر رسولؐ کی نظری اور عملی قوت یعنی ہر معاملہ میں گہری نظر ڈالنا اور پھر پوری قوت سے ہر عمل کو صحیح طریقے سے انجام دینا۔ اس کے بعد فرماتا ہے جو کچھ تم نہیں جانتے تھے وہ سب کا سب تمہیں سکھادیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب و حکمت سے علیحدہ کوئی چیز ہے جس کو اس نے فضلِ عظیم قرار دیا ہے۔ یہ اسرارِ الٰہیہ ہیں جو خصوصیت کے ساتھ رسولؐ کو عطا کیے گئے ہیں۔ یہ علوم ذاتِ رسولؐ میں داخل ہیں یعنی عالم نور ہی میں ان علوم کی تعلیم رسولؐ کو دے دی گئی تھی۔ آدمؑ کے وجود سے قبل حضرتؐ کو نبوت کا عطا ہونا بغیر علم کیسے ممکن تھا۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ علم غیب بھی اس تعلیم میں داخل ہے پس یہ کہنا کہ قبلِ بعثت رسولؐ اُمّی محض تھے ذاتِ رسولؐ پر کس قدر ظلم ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ
مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ١١٥ ع اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ ع ۱۴
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ١١٦ اِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ١١٧ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

اس کے بعد بھی کہ راہِ راست واضح ہوچکی ہے جو کوئی رسولؐ سے سرکشی کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلے گا تو وہ جدھر پھر گیا ہے ہم بھی اس کو اسی طرف پھیر دیں گے اور جہنّم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ خدا شرک کا گناہ نہیں بخشے گا اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک بنایا تو وہ ٹھیک راستہ سے بہت دُور جا پڑا۔ یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بس عورتوں ہی کی پرستش کرتے ہیں وہ درحقیقت ان کی پرستش نہیں کرتے بلکہ سرکش شیطان کی کرتے ہیں جس پر خدا نے لعن کی ہے۔

مومنین کے راستہ سے مراد وہ راستہ نہیں جو مسلمانوں نے بعد رسولؐ خود بنالیا ہو۔ پبلک کے بنائے ہوئے ٹیڑھے میڑھے راستے ہوتے ہیں ان کو سرکاری سڑک نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں مراد وہ راستہ ہے جو مومنین کے لیے بنایا گیا ہے۔ جس کا نام اسلام یا شریعتِ محمدیؐ ہے۔

مشرکین نے اپنے بتوں کے نام عورتوں کے نام رکھے ہوئے تھے۔ جیسے نائلہ۔ لات۔ منات۔ جس طرح ہندو کالی سیتلا۔ بھوانی اور سیتا کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح جاہلیت کے عرب کیا کرتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک نیا بُت تھا۔ تمام قبائل کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ ایک قبیلہ کے بُت کی پوجا دوسرا قبیلہ نہیں کرتا تھا۔ چونکہ یہ سب کرشمے شیطان کے تھے بعض وقت وہ ان میں حلول بھی کر جاتا تھا۔ اس لیے شیطان کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ١١٨ ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰ
مُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ١١٩ ۭ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ١٢٠ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ١٢١

اس شیطان نے ابتدا ہی میں خدا سے کہہ دیا تھا میں تیرے بندوں میں کچھ بندوں کو اپنی طرف ضرور لے لوں گا اور انہیں بُری بُری باتوں کی امیدیں بھی ضرور دلاؤں گا اور ان کو بُرے کاموں کا حکم بھی دُوں گا اور وہ بتوں کے واسطے جانوروں کے کان ضرور چیر دیا کریں گے اور میں ان سے کہہ دوں گا کہ میری تعلیم کے موافق خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کو ضرور بدل دیں۔ پس یاد رہے جو شیطان کو اپنا ولی اور سرپرست بنائے گا تو وہ سخت گھاٹے میں رہے گا — شیطان ان سے وعدے بھی کرتا ہے اور بڑی بڑی امیدیں بھی دلاتا ہے مگر اس کے سارے وعدے دھوکا ہی دھوکا ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنّم ہے جہاں سے بھاگنے کے لیے کوئی جگہ انہیں نظر نہ آئے گی۔

مشرکوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب اپنے بتوں پر کوئی جانور چڑھاتے تو اس کے دونوں کان پھاڑ دیتے تاکہ یہ نشان ہو اس بات کا کہ یہ بتوں پر چڑھایا ہوا ہے۔ ہندوؤں میں ایک یہ رسم ہے کہ کانوں میں بڑے بڑے سوراخ کرکے ان میں لٹو ڈال دیتے ہیں شیطان نے یہ پٹی بھی پڑھائی تھی کہ مشرکین کی عورتیں اپنے ہاتھوں کے اوپر اور بازوؤں پر، پیروں پہ گُدوا کر ان میں نیل بھرواتی تھیں۔ ہندو عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ یہ سب شیطان کے سکھائے ہوئے عمل ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو عیب دار بنا دے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ
أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾
وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے کام کیے ہیں ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے قول میں کون سچا ہے۔ نہ تم لوگوں کی آرزوؤں سے کوئی کام چل سکتا ہے نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں سے۔ جو کوئی بُرا کام کرے گا اس کو ویسا ہی بدلہ ملے گا اور وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا ولی اور مددگار نہ پائے گا۔ جو کوئی نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو تو ایسے لوگوں کو جنت میں داخلہ ملے گا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ دین میں اس سے بہتر کون ہوگا جس نے خدا کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور جس نے ابراہیم کے دین کا اتباع کیا جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا۔

دنیا میں جو چھوٹا یا بڑا عمل کسی نے کیا اس کا بدلہ اُسے ضرور خدا کے یہاں سے ملے گا۔ اچھا ہے تو اچھا بدلہ اور بُرا ہے تو بُرا بدلہ۔ ہلکے ہلکے عملِ بد کی سزا یہاں بھی مل جاتی ہے جیسے بیمار ہو جانا کسی صدمے سے رنجیدہ ہونا یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جانا۔
حضرتِ ابراہیمؑ کے خلیل بنائے جانے کے متعلق مفسرین نے ایک روایت لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپؑ مہمانوں کے واسطے آٹا لانے کے لیے اپنے ایک مصری دوست کے پاس گئے اُس نے انکار کیا تو آپؑ نے شرم کے مارے ریت کو بوری میں بھر لیا خدا نے اُسے آٹا بنا دیا جب گھر پہنچے تو جناب سارہؑ اپنی بی بی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا آپ یقیناً خلیلِ خدا ہیں۔ خدا نے اس کو پسند فرما کر اپنے کلامِ پاک میں داخل کر لیا۔ ایک روایت ہے کہ ذبحِ اسمٰعیلؑ کے بعد یہ خطاب ملا۔ یہ تو روایتیں ہیں باقی خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾ وَيَسْتَفْتُونَكَ
فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ
اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ
الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ
عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ

جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے سب خدا ہی کا ہے اور اللہ کا علم ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لوگ تم سے یتیم لڑکیوں کے (نکاح کے) بارہ میں پوچھتے ہیں تم ان سے کہہ دو اللہ تم کو ان سے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے اور جو حکم قرآن میں تمہیں پہلے سُنایا جا چکا ہے وہ ان لڑکیوں کے بارہ میں تھا جنہیں تم ان کا معیّن حق نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ یوں ہی ان سے نکاح کر لو اور کمزور بچوں کے بارہ میں جو حکم سُنانا ہے وہ یہ ہے کہ تم یتیموں کے حق کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو اور جو کچھ تم نیکی کرو گے خدا اس سے ضرور واقف ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی بے توجہی سے (طلاق کا) خوف رکھتی ہے تو میاں بی بی اگر باہم مل کر میل ملاپ کر لیں تو ان میں سے کسی پر کوئی الزام نہیں۔

خولہ نامی ایک عورت مسلمہ بن رافع کی زوجہ تھی۔ جب وہ بوڑھی ہوئی تو شوہر نے دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ خولہ نے کہا تو مجھے طلاق نہ دے میں اپنی باری بخشے دیتی ہوں۔ وہ نہ مانا۔ عورت نے اس کی شکایت حضورؐ سے کی۔ اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِن تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۲۹﴾ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

اور صلح بہر حال بہتر ہے اور ہر طبیعت سے بخل قریب ہے اگر تم نیکی کرو اور اللہ سے ڈرو تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبر دار ہے لیکن تم اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ متعدد بی بیوں میں پورا پورا انصاف کر سکو مگر ایسا بھی نہ کرو کہ ایک ہی کی طرف ہمہ تن اتنا مائل ہو جاؤ کہ دوسری کو اُدھر میں لٹکا چھوڑ دو۔ اگر تم صلح کر لو اور زیادتی سے بچے رہو تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے اور دونوں طلاق سے جُدا ہی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ سے فارغ البالی عطا کر کے ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور خدا تو بڑی گنجائش والا اور حکیم ہے۔

مرد کے فرائض میں ہے کہ سب بی بیوں کو برابر روٹی کپڑا اور باری باری دے۔ باری باری ہر ایک کے پاس سوئے طبیعت کا رجحان برابر ہر ایک کی طرف رہے چونکہ ایسا انصاف قوتِ بشری سے باہر تھا لہٰذا خدا نے رعایت کر کے فرمایا۔ اگر تم پورا انصاف نہیں کر سکتے تو ظاہری باتوں میں تو فرق نہ کرو۔ حضرت رسولِ خداؐ بحالت بیماری بھی کسی ایک بی بی کے گھر میں نہ رہتے تھے اور حضرت علیؑ کا قاعدہ تھا کہ جس بی بی کی باری ہوتی آپؑ اس کے غیر کے گھر میں وضو بھی نہ کرتے۔ معاذ بن جبل کی دو بی بیاں مر گئیں تو انہوں نے قرعہ ڈالا کہ پہلے کس کو غسل دوں۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ
وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَ
كَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾
إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾

اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے خدا ہی کا ہے جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان کو اور تم کو بھی ہم نے وصیت کی تھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کہیں تم نے کفر اختیار کر لیا تو یاد رہے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور خدا کارسازی کے لیے کافی ہے اگر خدا چاہے تو تم کو دُنیا سے بالکل ہی اُٹھا لے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے اور خدا اس پر قدرت رکھتا ہے۔

بیبیوں کے درمیان عدل

مَّن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا
بَصِيرًا ﴿۱۳۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ
أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

جو شخص صرف دُنیا ہی میں بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے نزدیک دُنیا و آخرت دونوں کا اجر ہے اور اللہ ہر بات کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو، انصاف پر قائم رہو اور خدا لگتی گواہی دو چاہے وہ تمہارے لیے یا تمہارے باپ یا رشتہ داروں کے لیے مُضر ہی کیوں نہ ہو مالدار ہو یا محتاج کیونکہ خدا تو بہ نسبت تمہارے ان پر زیادہ مہربان ہے۔ اور حق سے بچنے کے لیے خواہشات کی پیروی نہ کرو اور اگر گھما پھرا کے گواہی دوگے یا بالکل انکار کر دوگے تو یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبر دار ہے۔

اس زمانہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ایک معمولی بات سمجھا جاتا ہے بلکہ سچ بولنے والے سچی گواہی دینے والوں کو لوگ احمق سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جھوٹی گواہیوں کی بدولت بے جرم و قصور لوگ جیل میں چلے جاتے ہیں اور مجرم بے قصور ثابت ہو کر دندناتے پھرتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ سوسائٹی میں ایسے لوگوں کو کوئی ناپسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ ان کو ملامت نہیں کرتا۔ ان سے ترکِ تعلق نہیں کرتا بلکہ ان کو سمجھایا بجھایا تک نہیں جاتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ
الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ
الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾

اے ایمان والو، ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو اللہ نے اس سے پہلے نازل کیں اور جو شخص اللہ. اس کے ملائکہ. اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرے گا تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر بہت دُور جا پڑا۔ جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ان کا کفر بڑھتا ہی چلا گیا تو اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو راہِ حق کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ منافقوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا وُہ ان کے پاس رہ کر عزّت چاہتے ہیں، عزت تو بس ساری خدا ہی کے پاس ہے۔

ایمان والوں سے تم یہ کہنا کہ تم ایمان لے آؤ بظاہر عجیب سا معلوم ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی دو صورتیں ہیں، ایک تو اوپری دل سے ایمان لانا دوسرے سچے دل سے ایمان لانا۔ پس جو لوگ اوپری دل سے ایمان لائے ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ سچے دل سے ایمان کو قبول کرو۔

جو لوگ ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے۔ پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہوئے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے بارہ میں سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی فائدہ کے پیشِ نظر مسلمان ہو گئے پھر کافروں نے ذرا بہکایا تو کافر بن گئے پھر مسلمانوں نے ذرا سرزنش کی اور غیرت دلائی تو مسلمان ہو گئے۔ پھر کافروں نے بُرا بھلا کہا تو پھر کافر ہو گئے اور اس کے بعد ان کا کفر بڑھتا ہی گیا یعنی پہلے تو کافر ہی تھے پھر دوسروں کو بھی کافر بنانے لگے۔ جو لوگ کافروں سے میل جول کر کے عزت و آبرو کے خواہاں ہیں وہ دھوکہ میں ہیں کیونکہ اصلی عزت تو خدا کے پاس ہے جو عزت وہ دیتا ہے درحقیقت اصلی عزت وہی ہے۔ بندوں کی دی ہوئی عزت چھن جاتی ہے لیکن خدا کی دی ہوئی عزت کو کوئی نہیں چھین سکتا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا
تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾

اور اللہ اپنی کتاب میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم کچھ لوگوں کو آیات خدا سے انکار کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے سنو تو ان کے پاس مت بیٹھو تاکہ وُہ کسی اور معاملہ میں بات چیت کرنے لگیں ورنہ تم ان کی مثل ہی قرار پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں دونوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے جو منافقین تمہارے مآلِ کار کو دیکھنے کے منتظر ہیں کہ فتح ہوتی ہے یا شکست، پس اگر تمہیں خدا کی طرف سے فتح حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو فتح ہوتی ہے تو کافروں کے طرفدار بن کر کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آ گئے تھے (مگر قصداً تمہیں چھوڑ دیا) اور کیا مومنین کے ہاتھوں سے ہم نے تمہیں بچایا نہیں تھا۔ پس اللہ روز قیامت تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور خدا نے کافروں کو مومنین پر غالب آنے کی کوئی راہ قرار نہیں دی۔

منافقوں کی یہ عادت تھی کہ جب ایمان والوں کے پاس بیٹھتے تو آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑانے لگتے لہٰذا ایمان والوں سے کہا گیا کہ جب وہ کوئی تذکرہ ایسا چھیڑیں تو تم فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑے ہو تاکہ وہ کچھ اور باتیں کرنے لگیں اور منافق جو کافروں سے ملے ہوئے تھے ان کا یہ حال تھا کہ جب مسلمانوں کو فتح ہوتی تو ڈینگیں مارنے لگتے کہ اس فتح میں ہم بھی تو تمہارے ساتھ شریک ہیں اور جب کافروں کو غلبہ ہوتا تو ان کے پاس جا کر کہتے کہ یار لوگو، ہمیں تم پر غلبہ جب ہوا تھا تو ہم نے مومنوں کو حسنِ تدبیر سے تم پر حملہ کرنے سے روک دیا اور تم کو فتح حاصل ہو گئی لہٰذا اس فتح میں ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں غرض چت اور پٹ دونوں صورتوں میں اپنے کو خیر خواہ ظاہر کرتے رہتے تھے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا
كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ

لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾

منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ خود انہیں دھوکا میں رکھتا ہے۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو
الکسائے ہوئے بیدلی سے اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے۔ اللہ کی یاد بہت تھوڑی دیر کرتے ہیں کفر و ایمان
کے بیچ میں پڑے اُدھر میں جھول رہے ہیں نہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے۔ اور اللہ جسے گمراہی میں چھوڑ دے
تو پھر تم اُسے صحیح راستہ پر لگا ہوا پاؤ گے ہی نہیں۔

منافق چونکہ صحیح دل سے ایمان لائے ہوئے ہی نہ تھے اس لیے وہ نماز پڑھتے تھے مگر جلدی جلدی بے دلی سے
تاکہ لوگ یہ دیکھ لیں کہ ہم نمازی ہیں۔ ان کے دل کبھی کفر کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور کبھی اسلام کی طرف، یہ عجیب زندگی
تھی جس میں ان کو یکسوئی حاصل نہ تھی۔ بھلا ایسے لوگ کیا صحیح راستہ پر آسکتے ہیں خدا کے سامنے ان کا دھوکا کہاں چل سکتا تھا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ
لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ
بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۷﴾

اے ایمان والو مومنین کو چھوڑ کر تم کافروں کو اپنا دوست بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا کا صریحی الزام اپنے اوپر لے لو
منافق تو جہنم کے آخری طبقہ میں ہوں گے اور تم وہاں اُن کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے مگر جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی
اِصلاح کر لی اور خدا ہی سے لگے لپٹے رہے اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے رکھا تو ایسے لوگ روزِ قیامت ایمان والوں
کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومنین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا اور اگر تم نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس پر ایمان لے آئے تو خدا
تم پر عذاب کر کے کیا کرے گا۔ اللہ تو شکر کا قدردان اور ہر بات کا جاننے والا ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾
اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ
الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾

خدا یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی کی کھلم کھلا برائی کی جائے ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہے وہ ظالم کی برائی کر سکتا ہے اور اللہ
بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے (مظلوم ہونے کی صورت میں اگرچہ تمہیں برائی کرنے کا حق ہے) لیکن اگر تم
ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ یا کم از کم برائی سے درگزر کرو تو اللہ بڑا معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق
کریں اور کہتے ہیں ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہیں اور کفر و ایمان کے درمیان ایک نیا راستہ بنانے کا ارادہ
رکھتے ہیں تو یہ سب سچے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے وہ سزا رکھی ہے جو انہیں ذلیل کرنے والی ہوگی۔

یعنی جو لوگ کسی رسول کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سب رسولوں پر ایمان
لانا ضروری ہے ان کے درجوں کی تفریق کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اس صورت میں جن رسولوں کو نہ مانا جائے گا ان کی
توہین ہوگی اور اللہ کا انتخاب غلط ثابت ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا
مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کو ان کا اجر دیا جائے گا اور اللہ تو غفور رحیم ہے۔ اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر کوئی کتاب آسمان سے نازل کرائے (تو تم اس کا خیال نہ کرو) موسیٰ سے تو اس سے کہیں بڑا سوال انہوں نے کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ظاہر بظاہر دکھائیے۔

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا
عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (١٥٣) وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ
وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ
وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (١٥٤)

تب ان کو شرارت کی وجہ سے بجلی نے لے ڈالا۔ پھر باوجود روشن دلیلیں آنے کے انہوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا ہم نے اس خطا کو بھی معاف کیا اور موسیٰ کو ہم نے کھلا ہوا غلبہ عطا فرمایا۔ اور ہم نے ان کے خلاف عہد کرنے پر ان کے سر پر کوہِ طور بلند کر دیا اور ہم نے ان سے کہا شہر کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور ہم نے یہ بھی کہا کہ تم ہفتہ کے دن ہمارے حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پکّا عہد لے لیا تھا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ
قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (١٥٥)
وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (١٥٦) وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا
الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ

شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (١٥٧) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (١٥٨)

(مگر انہوں نے ایک بات نہ مانی) بس ان کے عہد توڑ دینے کی وجہ سے اور آیاتِ خدا سے انکار کرنے کی بنا پر اور ناحق انبیاء کو قتل کر دینے کی وجہ سے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (ایسا تو نہ تھا) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس ان میں سے تھوڑے آدمی ایمان لائے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ انہوں نے مریم پر بڑا جھوٹا الزام لگایا اور اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا (ان پر ہمارا عذاب آیا) انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں اور نہ اُن کو سُولی دی بلکہ انہیں شبہ ہو گیا۔ جن لوگوں نے ان کے بارہ میں اختلاف کیا وہ شبہ میں پڑ گئے۔ ان کو اس واقعہ کا علم ہی نہیں بلکہ نفس کی پیروی کر رہے ہیں (اور من گھڑت باتیں کر رہے ہیں) انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اِن آیات میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ یہودیوں نے بار بار خدا کی نافرمانی کی جس کا ذکر آیت میں ہے۔ خدا کو ظاہر بظاہر دیکھنے کی خواہش۔ گئوسالہ کی پرستش۔ دروازہ میں داخلہ کے وقت بجائے حطّہ کے حنطہ کہنا۔ حکم السبت کی مخالفت کرنا۔ بار بار خدا سے عہد کر کے توڑنا۔ انبیاء کو بے گناہ قتل کرنا۔ ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت مریمؑ پر زنا کی تہمت لگائی۔ حضرت عیسیٰؑ کو زنا زادہ بتایا۔

۲۔ یہودیوں پر اس قدر جہالت سوار تھی کہ جو عقیدے اور رسم و رواج ان کے باپ دادا سے چلے آ رہے تھے۔ وہ ان سے بال برابر ہٹنا چاہتے ہی نہ تھے۔ انبیاء علیہم السلام انہیں کتنا ہی سمجھاتے مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ وہ انبیاء و مرسلین کی صداقت کا یقین تو رکھتے تھے لیکن یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کی بدکاریوں پر انہیں ٹوکیں چونکہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہی ہدایت کرنا تھا لہٰذا وہ کیسے رُک سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انبیاءؑ کے دشمن ہو گئے۔ اور ان کے قتل کرنے پر کمر کس لی۔ چنانچہ ایک دو نہیں جو نبی آتا رہا وہ اس کو قتل کرتے رہے۔ حضرت ذکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ حضرت ارمیاؑ وغیرہ انبیاء کو اتنی بات پر قتل کیا گیا کہ وہ ان کی بدکاریوں کو دیکھ کر خاموش کیوں نہیں رہتے تھے اور ان کی مرضی کے خلاف فتویٰ کیوں دیتے تھے۔

رہا حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور قتل کا واقعہ، تو پیدائش کے سلسلہ میں وہ حضرت عیسیٰؑ کی غیر معمولی شخصیت کے معترف

تھے۔ پیدائش کے وقت ان کا کلام کرنا اور پھر کئی معجزات کا ان سے ظاہر ہونا معمولی بات نہ تھی کہ یہودیوں کے دل پر اثر نہ ہوتا مگر جب انہوں نے ایک کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھا تو ان میں یکایک غصہ کی لہر دوڑ گئی اور بے شمار لوگ حضرت مریمؑ کے گرد جمع ہو گئے اور سوالات کی بھرمار کر دی لیکن جب حضرت عیسٰیؑ نے آغوشِ مادری میں کلام کیا اور فرمایا، میں اللہ کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ تب اُن کی سمجھ میں آیا کہ یہ ولادت معجزہ سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ پھر کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ یہودیوں نے زبانِ طعن کھولی تھی۔

لیکن جب حضرت عیسٰیؑ تیس سال کے ہوئے اور انہوں نے کارِ رسالت کا آغاز کیا اور یہودیوں کی بدکاریوں پر سختی سے ٹوکا، ان کے علماء کو ان کی ریاکاریوں اور غلط فتوے دینے پر جھڑکا تو وہ سب حضرتؑ کے خلاف ہو گئے اور جو بات تیس سال کے اندر نہ کہی تھی وُہ کہنے لگے یعنی حضرت مریمؑ کو زانیہ اور حضرت عیسٰیؑ کو معاذ اللہ ولدالزنا کہنا شروع کر دیا اور علماء ان کے قتل کے فتوے دینے لگے۔ قوم کے سرداروں نے پبلک کے سامنے پرجوش تقریریں کر کے ان کی مخالفت پر اکسایا۔ ان کی جہالت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ انبیاء کے قتل کو فخریہ بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چونکہ وہ ہماری برائیوں پر ٹوکتے تھے اور ہم کو جہنم کا ایندھن کہتے تھے لہٰذا ہم نے ان کو قتل کر دیا۔ چونکہ مسیح نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے لہٰذا ہم ان کو بھی چھوڑنے والے نہیں قتل کریں گے اور سُولی پہ چڑھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بادشاہ ہیرودیس کو بھڑکا کر ان کے قتل کی اجازت حاصل کر لی۔

٣- جب بادشاہ کا حکم حاصل کر لیا گیا تو اب حضرت عیسٰیؑ کے قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کی تیاری شروع ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی اقدام کریں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو اُٹھا لیا۔

٤- عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح نے صلیب پر جان دی۔ یہودیوں نے جس شخص کو سُولی پہ چڑھایا وہ حضرت عیسٰیؑ نہ تھے بلکہ وہ یہودی تھا جو آپؑ کا ہمشکل بقدرتِ خدا بن گیا تھا۔ اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا، اس کے منہ پر تھوکا گیا۔ یہودی اس بات پر خوش تھے کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر ان کی جان لے لی۔ عیسائیوں کے اقوال اس بارہ میں مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے جو صلیب پر چڑھا وہ مسیح نہ تھا بلکہ ان کی شکل کا کوئی اور تھا مسیح تو وہیں کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا کوئی کہتا ہے صلیب پر چڑھائے تو گئے مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی۔ کوئی کہتا ہے صلیب پر وفات پائی اور پھر جی اُٹھے اور اپنے حواریوں سے باتیں کیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں یہودی ہوں یا عیسائی شک و شبہ میں دونوں پڑے ہوئے ہیں۔

٥- قرآن نے دونوں کے خیالات کی تردید کر دی اور صاف لفظوں میں بتا دیا کہ نہ ان کو قتل کیا گیا تھا نہ صلیب دی گئی تھی بلکہ اللہ نے ان کو زمین سے اُٹھا لیا۔

٦- یہ کہنا بھی غلط ہے کہ رفع روحانی تھا نہ کہ جسمانی۔ مرنے کے بعد تو ہر شخص کی رُوح اُوپر ہی جاتی ہے پھر حضرت عیسٰیؑ کی کیا تخصیص ہوئی۔ عام آدمیوں کی رُوحیں انبیاء و مرسلین کی ارواحِ مقدسہ کا رفع تو ضرور ہوتا ہے پھر قرآن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسٰیؑ کے رفع کا ذکر کیوں کیا گیا۔ اگر صرف رُوح کا رفع ہوا ہوتا تو جہاں ان کا جسم سپردِ خاک کیا گیا ہوتا، وُہ عیسائیوں کی زیارت گاہ ہوتا۔ ان کا مقبرہ سونے چاندی سے بنایا جاتا۔ قادیانیوں کا کہنا کہ اُن کی قبر کشمیر میں ہے دروغِ بے فروغ ہے جو شخص کشمیر میں آیا ہی نہیں اس کی قبر کشمیر میں کیسے بن گئی۔ ممکن ہے اس نام کا کوئی اور شخص ہو۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو حضرت عیسٰی کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آیا ہوگا اور روزِ قیامت وہ ان پر گواہی دے گا۔ یہودیوں کے اس ظالمانہ رویہ کی بنا پر کہ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں سود لیتے ہیں ناجائز مال کھاتے ہیں۔ ہم نے بہت سی پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں اور جو ان میں کافر ہیں ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی موت سے پہلے تمام یہودی ایمان لے آئیں گے لیکن اب تک چونکہ ایسا نہیں ہوا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسٰیؑ کی موت واقع نہیں ہوئی نہ ان کو سُولی دی گئی اور نہ ان کو قتل کیا گیا۔ جب ظہورِ امام مہدی آخر الزمان کے وقت وہ آسمان سے اُتریں گے اس وقت تمام یہودی جہاں کہیں بھی ہوں گے ان پر ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت تمام مذاہب کے لوگ ایک ہی مذہب پر ہوں گے۔ سوائے دینِ اسلام کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ حضرت عیسٰیؑ حضرت امام مہدی آخر الزمان کی اقتداء میں آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چونکہ وہ زمانہ حضرت رسولِ خداؐ کی نبوت میں داخل ہوگا لہٰذا اُن کے نائب و جانشین ہی کا حق ہوگا کہ وہ فرائضِ امامت انجام دیں۔

یہودیوں کی پے در پے شرارتوں اور بہ کثرت نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر کئی حلال چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔

ان آیات میں ان کی تین مذموم صفتیں بیان کی گئی ہیں اوّل یہ کہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے تھے۔ دوسرے کم بخت سود در سود لیتے تھے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ تباہ ہو گئے۔ جب ان کا قرضہ سُود در سُود کی لپیٹ میں آ کر بہت بڑھ جاتا تھا اور لوگ دینے کے قابل نہ رہتے تھے تو وہ ان کی عورتوں اور بچوں کو ضمانت میں لے لیتے تھے اور ان سے لونڈی غلاموں کی طرح کام لیتے تھے۔ تیسرے حیلہ اور مکر سے لوگوں کا مال کھاتے تھے جو ان پر حرام تھا۔ مشرکوں کی طرح یہ بھی مسلمانوں کے پکے دشمن تھے اور ان کی نسلیں بھی آج تک اُسی ڈگر پر چلی آ رہی ہیں۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع ٢٣

لیکن اے رسول ان یہودیوں میں بھی جو پایہ کے عالم ہیں اور دوسرے ایمان لانے والے جو ایمان لائے ہیں اس پر جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا ہے اور باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کو ہم اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

یہودیوں میں جہاں جہالت کے لفافوں میں لپٹے ہوئے لوگ تھے وہاں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے آسمانی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ وہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے تھے ان میں کئی شخص تو کھلم کھلا مسلمان ہو گئے تھے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَ
سُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا
لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا
يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

ہم نے تم پر اے رسول اس طرح وحی بھیجی جیسے نوح پر اور ان کے بعد آنے والے نبیوں پر بھیجی تھی اور ہم نے وحی کی تھی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوبؑ اسباط و عیسٰی و ایوبؑ یونس و ہارون و سلیمان کو۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی اور ہم نے تم کو بھی ایسا ہی رسول مقرر کیا جیسا اور رسولوں کو جن کا حال ہم نے تم سے پہلے ہی بیان کر دیا ہے اور ان رسولوں کو بھی بھیجا جن کا حال ہم نے تم سے نہیں بیان کیا اور اللہ نے موسٰی سے باتیں بھی کیں اور ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھی بھیجے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت خدا پر باقی نہ رہے اللہ تو بڑا زبردست حکیم ہے۔

زبور حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی اس میں مناجاتیں ہیں دعائیں ہیں جو جناب داؤدؑ پڑھا کرتے تھے۔ عمل توریت ہی کے احکام پر ہوتا تھا۔ توریت کی مانند یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی طرف سے بھی کچھ چیزیں داخل کر دی ہیں جن کو نغموں یا راگوں کی طرح گایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو بڑی دلکش آواز دی تھی۔ جب پہاڑوں کے درمیان علی الصبح ان مناجاتوں کو پڑھتے تھے تو درندے چرندے پرندے آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور آپؑ کی خوش الحانی میں ایسے محو ہوتے کہ درندہ کے پاس چرندہ اور باز کے پاس کبوتر بیٹھا رہتا مگر کسی کو کسی کی خبر نہ رہتی۔

خداوندِ عالم نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے بروایت مشہور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو بھیجا۔ ان میں سے کچھ کے قصے تو قرآن میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور اکثر کے حالات کو پردۂ خفا میں رکھا گیا ہے۔ ہر رسول صاحبِ وحی ہوتا ہے۔ انبیائے سابقین پر وحی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ فضا میں ایک آواز پیدا ہوتی جس کو نبی ہی سمجھ سکتا تھا۔ یا خواب میں کوئی آواز سنائی دیتی تھی۔ کبھی فرشتے آکر خدا کا حکم بیان کر دیتے تھے یا کوئی خوشخبری سناتے تھے۔ سب سے پہلے وہ رسول جس سے خدا نے اس طرح باتیں کیں جس طرح آمنے سامنے بیٹھ کر دو آدمی باتیں کرتے ہیں وہ حضرت موسٰیؑ تھے۔ کبھی ایسا مکالمہ وادی مقدس میں ہوا اور کبھی طور پر۔ حضرت رسولِ خدا کے لیے وحی کی جتنی صورتیں تھیں وہ سب مخصوص ہوئیں۔ آپؐ کے قلبِ اقدس پر القاء بھی ہوتا تھا۔ فرشتہ بھی آکر احکامِ الٰہی سناتا تھا۔ خواب میں بھی آپؐ کو بتایا جاتا تھا۔

ہر رسول بشارت دینے والا ہوتا تھا ان لوگوں کے لیے جو خدا کے نیک بندے ہوتے تھے اور احکامِ الٰہی پر بطیب خاطر عمل کرتے تھے۔ یہ خوشخبری کبھی تو داخلۂ جنت کے متعلق ہوتی تھی کبھی خوشنودیٔ خدا کے بتانے کے لیے اور کبھی کافروں پر فتح پانے کے لیے۔ اور جو لوگ خدا کے نافرمان بندے ہوتے تھے ان کو عذابِ آخرت سے ڈرایا جاتا تھا۔ دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی کی خبر دی جاتی تھی۔ اللہ نے اپنے رسولوں کو بھیج کر حجت تمام کر دی اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پاس تیرے احکام کا بتلانے والا کوئی آیا ہی نہ تھا۔ ہر خطۂ زمین پر انبیاء کے ذریعہ سے ہدایت کو پہنچا دیا گیا تھا۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا
طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

اللہ اس کی گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے اپنے علم و حکمت کی بنا پر نازل کیا ہے اور ملائکہ بھی

اس کے گواہ ہیں اور اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا وہ گمراہی میں بہت دُور جا پڑے جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے ظلم کیا تو اللہ انہیں بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو راہِ راست تک پہنچانے والا ہے مگر ہاں ان کو جہنم کا راستہ دکھائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے رسول دینِ حق لے کر آئے ہیں پس ایمان لاؤ اور اگر تم انکار کرو گے تو (کچھ پروا نہیں) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تو بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اے اہلِ کتاب دین کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے بارہ میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسٰی بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا اور عیسٰی اس کی رُوح ہیں پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کے قائل نہ ہو اپنی بھلائی کا قصد کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ایک ہی ہے وہ اس سے پاک و منزہ ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہے (پھر اسے بی بی بیٹے کی کیا ضرورت)۔ خدا کی کارسازی کافی ہے۔

اہلِ کتاب میں یہود و نصارٰی اپنے غلو کی بنا پر حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ یہودیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مسیحؑ کو رسول ہی نہیں مانتے تھے اور عیسائیوں کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے مسیحؑ کو افراطِ محبت میں خدا کا بیٹا مان لیا تھا۔ دونوں عقیدے غلط

ہیں۔ یہودی اس لیے کہ خدا نے جس طرح آدمؑ کو بے ماں باپ کے پیدا کیا اسی طرح عیسٰیؑ کو بے باپ کے پیدا کر دیا۔ جب آدمؑ کی پیدائش اس کے لیے دشوار نہ تھی تو عیسٰیؑ کی پیدائش کیوں دشوار ہوتی۔ عیسائیوں کو اس طرح خاموش کیا کہ جب تمام آسمان و زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُس کا ہے تو اسے بیٹے کی کیا ضرورت تھی۔ باپ کو بیٹے کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں وہ اس کا مددگار ہوگا لیکن خدا جب کسی چیز کا محتاج ہی نہیں تو اُسے اولاد کی کیا ضرورت ہے۔ باپ ہو یا بیٹا سب ان چیزوں کے محتاج ہیں جو خدا نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں تو پھر جو اس کی مخلوق کا محتاج ہو وہ اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے پس وہ حادث ہوئے اور جو حادث ہو وہ قدیم کا نہ شریک ہو سکتا ہے نہ اس کی اولاد کہلا سکتا ہے۔

روح اور کلمہ کو رحمِ مریمؑ میں کس طرح ڈالا اس کو نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ اس کے سمجھنے کی ضرورت۔ اُس نے بے شمار مخلوق پیدا کی ہے انسان ان میں سے کسی کے رازِ خلقت کو بھی نہ سمجھ سکا ہے نہ سمجھے گا۔ ایک دانہ جو زمین میں بویا جاتا ہے قوتِ نامیہ کس طرح اس کے اندر داخل ہوتی ہے اور کیا کیا کام کرتی ہے کسی علمِ نباتات کے ماہر کی طاقت نہیں کہ اس راز کی نقاب کشائی کر سکے۔

عیسائیوں نے خدا کے سوا دو خدا اور شامل کر لیے ایک روح القدس اور ایک مسیح۔ اور عقیدہ یہ بنایا کہ تینوں مل کر ایک ہیں اور ایک میں تینوں ہیں۔ کوئی پوچھے کہ اگر خدا کو اپنے کام انجام دینے میں دو کی اور ضرورت تھی تو وہ محتاج الی الغیر ہو گیا۔ اور جو دوسروں کا محتاج ہو وہ قدیم بالذات نہیں ہو سکتا اور اسے احتیاج نہ تھی تو ان غیر ضروری اجزا کو اپنی الوہیت سے چپکایا کیوں۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾

نہ تو مسیح خدا کا بندہ ہونے میں عار رکھ سکتے ہیں اور نہ ملائکہ مقربین اور جو کوئی خدا کی عبادت سے عار رکھے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ ان کو عنقریب ہی اپنی طرف اُٹھا لے گا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تو پیدا ہوتے ہی اس کا اقرار کر لیا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ خدا نے مجھے کتاب دی ہے۔ رہے ملائکہ تو انہوں نے پیدائشِ آدم علیہ السلام کے وقت ہی اس کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ پھر وہ عبادتِ خدا سے کیسے عار رکھ سکتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ
فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا
نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا
الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے کام کیے ہیں ہم ان کو بھرپور بدلہ دیں گے اور ان کے فضل کو زیادہ کریں گے اور جنہوں نے ہماری عبادت کو عار سمجھا اور تکبر کیا ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور وہ خدا کے علاوہ کسی کو اپنا سرپرست اور مددگار نہ پائیں گے ۔ لوگو، تمہارے رب کی طرف سے حق کی دلیل آچکی اور ہم تمہاری طرف ایک چمکتا ہوا نور بھی نازل کر چکے پس جو لوگ ایمان لے آئے اور اس سے لپٹے رہے تو اللہ عنقریب ہی ان کو اپنی رحمت و فضل کے باغوں میں پہنچا دے گا اور ان کو اپنی حضوری کا سیدھا راستہ دکھا دے گا۔ اے رسول لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تم ان سے کہہ دو کلالہ (بھائی بہن) کے بارہ میں خدا خود تمہیں فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اس کے نہ کوئی لڑکا ہو (نہ ماں باپ) صرف ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ کا آدھا ملے گا اور اگر یہ بھی مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو (نہ ماں باپ) تو اس کا وارث صرف یہی بھائی ہوگا اور اگر دو بہنیں (یا زیادہ) ہوں تو ان کو بھائی کے ترکہ سے دو تہائیاں ملیں گی اور کسی کے ورثہ میں بھائی بہن دونوں ملے جلے ہوں

تو مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا ملے گا تم لوگوں کے بھٹکنے کے خیال سے خدا اپنے احکام بہت واضح طور سے بیان کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے واقف ہے۔

تفسیر صافی میں مروی ہے کہ ایک بار جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے آنحضرتؐ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے انہوں نے پوچھا میرا ایک سوال یہ ہے کہ میں اپنے مال میں کس طرح عمل کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَهٗۤ اُخْتٌ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں اخت سے مراد عام نہیں ہے خواہ ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو یا صرف باپ کی طرف سے جسے علاتی کہتے ہیں۔

(۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى
عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ
آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

اے ایمان والو، اپنے اقراروں کو پورا کرو۔ تمہارے لیے چوپائے جانور اور وہ جو تم کو پڑھ کر سناتے جائیں گے حلال کر دیئے گئے۔ مگر جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھنا۔ خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے

اے ایمان والو، نہ تو خدا کی نشانیوں کی بے توقیری کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ قربانی اور نہ پٹے والے جانوروں کی (جو نذرِ خدا کے لیے نشان دے کر منیٰ میں لائے جاتے ہیں) اور نہ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کرنے والوں کی جو خدا کی خوشنودی کے جویا ہیں۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ کسی قبیلہ کی یہ عداوت کہ تمہیں ان لوگوں نے خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا، اس جرم میں نہ پھنسوا دے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور تمہارا فرض تو یہ ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق یہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ یہ کیوں حلال ہیں وہ کیوں حرام ہے۔ حلال اس لیے ہے کہ ہمارے خالق و مالک نے اُسے حلال کیا اور حرام اس لیے ہے کہ ہمارے خالق و مالک نے اسے حرام کیا ہے۔ اَنعام کا لفظ اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ لیکن بہیمہ کا لفظ ہر چرندے پر بولا جاتا ہے جس کے منہ میں کیلے نہیں ہوتے اور گوشت نہیں کھاتا لہٰذا بہیمہ کہنے سے ہرن، نیل گائے، پاڑھے وغیرہ بھی حلال سمجھے جائیں گے۔

شعائر اللہ کے معنی خدا کی نشانیاں ہیں جیسے صفا و مروہ۔ قربانی کا اونٹ، خدا نے کسی اہم واقعہ کو باقی رکھنے کے لیے اپنی نشانی قرار دیا ہے پس کسی کو ان کی توہین کرنے کا حق نہیں۔ کسی حکومت کا جھنڈا اس حکومت کی عزت و وقعت کا نشان ہوتا ہے اگر کوئی اس کی توہین کرتا ہے تو حکومت کے نزدیک وہ گنہگار قرار پاتا ہے لہٰذا جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا وہ اس کے دل کے تقوے کا ثبوت ہوگا۔

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی کی دشمنی تمہیں حد سے آگے نہ بڑھا دے۔ حطم بن منذر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپؐ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ فرمایا اللہ کی توحید اپنی نبوت اور نماز و زکوٰۃ کی۔ وہ کہنے لگا اپنی قوم سے مشورہ کے بعد عرض کروں گا۔ وہ بدبخت راستہ میں چند اونٹ جو صدقے کے تھے ہنکا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ حضرتؐ عمرہ کے لیے جب مکہ میں پہنچے تو دیکھا وہ انہی اونٹوں کو تہرے پٹے ڈال کر لایا ہے۔ صحابہؓ نے چاہا کہ اسے قتل کر کے اونٹ چھین لیں۔ حضرتؐ نے منع فرمایا کہ یہ اس کے حق میں زیادتی ہوگی۔ اسی کے متعلق یہ آیت ہے۔

مطلب یہ کہ حقیقتاً جتنا ظلم کسی نے تم پر کیا ہے بدلہ میں اس سے زیادہ نہ بڑھو۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا

ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

تم پر حرام کر دیا گیا ہے مُردار، خون، سؤر کا گوشت اور جو اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا جائے اور گردن مروڑا ہوا اور چوٹ کھا کر مرا ہوا۔ کنوئیں میں گر کر مرا ہوا، سینگ مارنے سے مرا ہوا، جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو مگر جسے تم نے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا ہو اور جو جانور بتوں کے تھان پر چڑھا کر ذبح کیا جائے اور جسے تم پانسہ کے تیروں سے باہم حصہ بانٹو یہ سب گناہ کی بات ہے مسلمانو اب تو کفار تمہارے دین سے پھر جانے سے مایوس ہو گئے بس تم ان سے ڈرو ہی نہیں مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ لیکن جو شخص بھوک سے مضطر ہو جائے اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو اور (حرام چیزوں میں سے کوئی چیز) کھا لے تو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آیہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا مقدم و موخر آیات سے کیا ربط ہے۔ ابتدا میں جو ذکر حرام چیزوں کا تھا آخر میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ اس سلسلہ کی ایک چیز ہے۔ آیہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کو اس سے کوئی ربط ہی نہیں اگر یہ آیت بیچ میں سے نکال لی جائے تو سلسلہ کلام میں کوئی بے ربطی پیدا نہ ہوگی بلکہ مربوط ہو جاتا ہے۔

۲۔ تمام مفسرین نے اس آیت کی شانِ نزول مقامِ غدیرِ خم ہی لکھی ہے۔ جب حضورؐ حجِ آخر سے واپس آ رہے تھے۔ اگر ایسا ہے تو اس سے پہلے کی آیات کو بھی وہیں نازل ہونا چاہیئے لیکن ایسا کسی نے نہیں لکھا۔ سورۂ مائدہ تو اگر یہ آیات آیہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کے ساتھ ضم کی جائیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ۲۳ سال تک مسلمانوں کو یہی نہیں بتایا گیا تھا کہ کون سے جانور تم پر حلال ہیں اور کون سے حرام۔ اگر ایسا نہیں تو ماننا پڑے گا کہ آیہ اکملت سے بہت پہلے اوّل و آخر والا مضمون نازل ہو چکا تھا۔

۳۔ کسی مصلحت کے تحت آیت تطہیر کی طرح اسے بھی بیچ میں لا کر رکھ دیا ہے تاکہ حضرت علیؑ کی خلافت کے اثبات میں اس آیت کو کوئی پیش نہ کر سکے۔

۴۔ یہ بھی تو غور کیا جائے کہ حرام جانوروں کے بیان کو تکمیلِ دین سے کیا تعلق ہے۔ تکمیلِ دین تو اصولوں کی تکمیل

سے ہوتی ہے نہ کہ فروعی مسائل سے۔

۵۔ حرام جانوروں کے بیان کے بعد کفار کو مایوسی اس خیال کے تحت کیوں ہوئی کہ اب مسلمان اپنے دین سے نہ پھریں گے کیا حلال گوشت کھانے والے مرتد نہیں ہو گئے تھے۔

۶۔ لفظ الیوم بتاتا ہے کہ اس سے پہلے دین کامل نہ ہوا تھا۔ پس حلال و حرام جانور کی تمیز ہوتے ہی دین کامل ہو گیا تھا۔ کیا مزہ کی بات ہے۔

۷۔ کیا حلال و حرام جانوروں کی آیت کے بعد پھر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ اگر ہوا تو دین میں کچھ نقص رہ گیا تھا جو بعد کو پورا ہوا۔

۸۔ کفار کو مایوسی تو اس بنا پر ہونی چاہیئے تھی کہ دینِ اسلام کی جڑیں اب ایسی مضبوط ہو گئیں کہ قیامت تک کوئی اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے احکام کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہو گیا ہو۔

۹۔ اس کے بعد ہم اس آیت کی صحیح شانِ نزول تفسیر دُرِّ منثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ سطر ۴ مطبوعہ مصر سے تحریر کرتے ہیں :

جب رسولِ خدا حجِ آخر سے فارغ ہو کر مدینہ کو واپس چلے تو راستہ میں ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیرِ خم میں یہ تاکیدی حکم نازل ہوا کہ اے رسول تم لوگوں کی مخالفت سے نہ ڈرو اور جو حکم میں نے تمہارے پاس بھیجا ہے اُسے اپنی امت کو پہنچا دو آپؐ نے فوراً لوگوں کو روکا اور مجمع کثیر کے سامنے ایک طولانی خطبہ کے بعد حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ (میں جس کا حاکم ہوں اس کا علی بھی حاکم ہے یا اللہ جو اسے دوست رکھے اسے تو بھی دوست رکھ جو اس کا دشمن ہو تو بھی اس کا دشمن ہو جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر جو اسے ذلیل کرے تو بھی اسے ذلیل کر۔) اس کے بعد لوگوں نے مبارکباد دی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی کہا "اے علیؑ مبارک ہو کہ تم میرے اور کل مؤمنین و مومنات کے حاکم ہو گئے"۔

۱۰۔ مولانا مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن میں آیہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کا روزِ غدیر نازل ہونا تسلیم کیا ہے۔ بس جبکہ آخری آیت ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کا تعلق واقعہ غدیر سے نہ ہو اور یہ نہ سمجھا جائے کہ خلافتِ علیؑ کے اعلان کے بعد دینِ اسلام اپنے اصول کے لحاظ سے مکمل ہو گیا۔ اور خدا کی نعمت یعنی ہدایت کے لیے جو چیزیں ضروری تھیں وہ سب پوری ہو گئیں۔ الیوم کا لفظ بتاتا ہے کہ آج دین کامل ہوا اس سے پہلے نہیں ہوا تھا اور یہ کہ آج نعمتیں پوری ہو گئیں اس سے پہلے نہ تھیں اور یہ کہ آج خدا نے مسلمانوں کے لیے دینِ اسلام کو پسند فرما لیا اس سے پہلے نہیں۔ جو دین قیامت تک جانے والا تھا اگر اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست نہ ہوتا تو وہ اپنے تمام شرائط و احکام کے ساتھ باقی کیسے رہتا۔ جب اس دین کے تہتر فرقے ہو جانے تھے تو ضرور ان میں ناجی فرقہ تو ایک ہی ہو سکتا تھا پس ایسے فرقہ کی بقا ہر زمانہ میں ضروری تھی اور بقا کی اگر صورت نہیں ہو سکتی مگر جبکہ ہر زمانہ میں ایک منصوص من اللہ امام اس کے ساتھ چلتا ہے۔ اس سلسلہ کے پہلے امام حضرت علیؑ معین ہوئے اور ان کے بعد اپنے اپنے دور کے امام آتے رہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫

اے رسول لوگ تم سے پوچھتے ہیں کون کون سی چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے کہدو تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو شکاری جانور تم نے پال رکھے ہیں اور تم نے ان کو وہ طریقے سکھا رکھے ہیں جو خدا نے تم کو بتا دیئے ہیں یہ شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو بے تامل کھاؤ اور جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں اور اہلِ کتاب کی خشک چیزیں (غلہ وغیرہ) بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ اور تمہاری خشک چیزیں ان کے لیے بھی حلال ہیں۔

اس آیت سے جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا چھوا ہوا تر کھانا حلال ہے انہوں نے غلط سمجھا ہے۔ جب بمصداق آیہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ مشرک نجس ہیں اور نجس العین ہیں تو ان کا بنایا ہوا یا پکایا ہوا تر کھانا بھی ضرور نجس ہو گا پس اس آیت میں طعام سے مراد میوے۔ پھل پھلاری اور غلہ ہے۔ شانِ نزول یہ ہے کہ جس طرح ہندوؤں سے ہندوستان کے مسلمانوں کا میل جول ہے اسی طرح عرب کے مسلمانوں کا بت پرستوں سے میل جول تھا اور یہود و نصاریٰ سے ان کے تعلقات میں کشیدگی تھی۔ وہ بت پرستوں کے تو ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے ہوئے تھے اور اہلِ کتاب سے اس درجہ عداوت رکھتے تھے کہ تر چیزوں کا کیا ذکر وہ بسلسلۂ تجارت جو خشک میوے اور غلے بیچنے کو لاتے تھے ان کو بھی نہ خریدتے تھے اور نجس سمجھتے تھے۔ اس بنا پر اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے خشک چیزیں خرید کر کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔

طعام کے سلسلہ میں اہلِ کتاب کا ذبیحہ کھانا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کرتے۔ مفسرینِ عام نے ان کے ساتھ کھانا پینا اور ان کی پکائی ہوئی ہر شے کھانا اس شرط سے جائز رکھا ہے کہ اگر شراب یا سؤر کے گوشت کی آمیزش نہ ہو۔ لیکن یہ تو زبردستی ہے جب مشرک نجس العین ہے جو چیز اس سے متصل ہو گی وہ ناپاک قرار پائے گی۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤ ع

ع ۵

اور وہ آزاد پاکدامن عورتیں حلال ہیں ان لوگوں کی آزاد پاکدامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جاچکی ہے جب تم ان کو ان کے مہر دے دو پاکدامنی کے ارادہ سے نہ کھلم کھلا زناکاری اور نہ چوری چھپے آشنائی کے لیے۔ اور جس شخص نے ایمان سے انکار کیا تو اس کا سب کیا دھرا اکارت ہوگیا اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔

مطلب ان آیات کا یہ ہے کہ جو پاکدامن عورتیں خواہ یہودی ہوں یا نصرانی ایمان لے آئی ہیں ان سے نکاح جائز ہے اور پاکدامن عورتیں جو اہلِ کتاب سے ہوں ان سے بہ ادائے مہر متعہ کر سکتے ہو۔ نکاح دائمی نہیں کیونکہ بدون ایمان لائے ان سے نکاحِ دائمی کی اجازت نہیں دی گئی جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (مشرکہ عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو۔ رہا متعہ تو اس کی صورت عیاشی کی نہ ہو بلکہ ایک شرعی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہو۔ نکاح دائمی میں یہ اندیشہ ہے کہ در صورت مسلمان نہ ہونے کے اگر وہ کوئی سازش کر بیٹھی تو یہ نقصان دہ ہوگا۔ متعہ میں اگر سازش کا پتہ چلے تو چند روز بعد اس کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ نکاح کی صورت میں مہر کے متعلق جھگڑے کا اندیشہ ہے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے متعہ جائز ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى
الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا
فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

اے ایمان والو، جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کا مسح کر لیا کرو اور اگر حالتِ جنابت میں ہو تو غسل کر لو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کسی کو پاخانہ نکل آئے یا عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک خاک سے تیمم کر لو یعنی مٹی یا خاک پر اپنے دونوں ہاتھ مار کر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو (دیکھو خدا نے کیسی آسانی کر دی ہے) خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ پاک و پاکیزہ کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

شیعوں کے نزدیک وضو کا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں تین چلو پانی کا استعمال کرے ایک چلو سے منہ دھوئے دوسرے سے داہاں ہاتھ اور تیسرے سے بایاں پھر وضو کی بقیہ تری سے سر اور پاؤں کا مسح کرے۔ منہ کو اس طریقہ سے دھوئے کہ اوپر سے نیچے کو دھوتا ہوا آئے نیچے سے اوپر کو نہیں ورنہ وضو باطل ہوگا، کیونکہ یہ دھونے کا الٹا طریقہ ہوگا۔ دوسرے داہنے ہاتھ سے منہ پر چلو ڈالے اور اس کو کھینچتا ہوا آخر تک لائے۔ کیونکہ جو کام ایک ہاتھ سے ہوسکتا ہے اس میں دوسرے ہاتھ کو شامل کرنا فعلِ عبث ہے۔ ہاتھوں کو دھونے کی ابتدا کہنی سے کرے اور ہاتھ پھیرتا ہوا انگلیوں کے سرے تک لائے۔ نیچے سے دھوتا ہوا کہنی تک نہ لے جائے کیونکہ دھونے کا یہ بھی الٹا طریقہ ہے۔
سر اور پیر دونوں کا مسح ہے۔ پیر کا دھونا وضو میں شامل نہ کیا جائے۔ سر کا مسح قُبّۂ سر سے لے کر بال اُگنے کی جگہ تک ہو۔ سارے سر اور کانوں کو شامل نہ کیا جائے۔ اگر پیروں کا دھونا واجب ہو تو کمی آب کی صورت میں انسان وضو نہ کر پائے گا۔ ہمارے ائمہ طاہرین سے یہی منقول ہے۔ باقی مسائل کتبِ فقہیہ میں دیکھنے چاہئیں۔ تیمم اگر بعوض غسل ہو تو دو بار ہاتھوں کو خاک پر مارے ایک بار چہرہ کا مسح کرے دوبارہ ہاتھ مار کر ہاتھوں کا۔ اگر بعوض وضو ہے تو صرف ایک ضرب کے بعد دونوں جگہوں کا مسح کرے۔ طریقہ غسل و تیمم و وضو کتبِ فقہیہ میں دیکھیے۔
اتنی بات ضرور سمجھ لینی چاہیئے کہ آیہ وضو کے دو حصے ہیں:
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ۔ فاغسلوا فعل کے تحت چہرے اور ہاتھوں کو دھونا چاہیئے۔ دوسرا حصہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ میں امسحوا فعل کے تحت سر اور پیر کا مسح ہونا چاہیئے۔ ارجلکم میں زبر لگا دیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ فاغسلوا کا مفعول ہے لیکن بیچ میں وامسحوا برءوسکم کا فصل اجنبی آنے سے یہ تعلق صحیح نہیں ہوتا جب ایک فعل قریب موجود ہے تو دور کے فعل سے کیوں تعلق پیدا کیا جائے ——— چونکہ یہ کتاب مناظرہ کی نہیں لہٰذا اسی پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ شیعی طریقہ کی صحت پر بیشمار دلائل ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ
اَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ
اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞۸

جو احسانات اللہ نے تم پر کیے ہیں ان کو اور جو تم پکّا اقرار خدا سے کر چکے ہو ان کو یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سُنا اور دل سے مان لیا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ دل کے اندر کی باتوں تک کو جانتا ہے۔ اے ایمان والو، خدا کی خوشنودی کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے تیار رہو کسی قوم کی عداوت تمہیں اس جرم میں نہ پھنسوا دے کہ تم انصاف سے ہٹ جاؤ۔ انصاف سے کام لو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب کر دینے والا ہے۔ اللہ سے ڈرو جو تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے خبردار ہے۔

تمدنی یا معاشرتی نظام میں اگر لوگ عدل و انصاف سے کام نہ لیں اور ناانصافی کا دور دورہ ہو تو وہاں امن و سکون کی برکتیں اُٹھ جاتی ہیں دنیا میں جتنے جھگڑے پیدا ہوتے محض اس بنا پر کہ ایک شخص دوسرے کے معاملہ میں انصاف سے کام نہیں لیتا۔ اور اپنا فائدہ آگے رکھتا ہے۔ جب تک انسان عدل سے کام نہ لے گا تقویٰ کے قریب نہیں ہو سکتا۔ چاہے اپنا ذاتی معاملہ ہو یا اپنے کسی رشتہ دار کا یا کسی غیر کا۔ خدا سے ڈرنے والا انصاف سے کام لیتا ہے۔ چونکہ نظامِ حیات اور نظامِ کائنات میں عدل کو سب سے زیادہ دخل ہے اس لیے شیعوں نے توحید کے بعد دوسری اصل عدل کو قرار دیا ہے۔ کسی اور صفت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس قدر اہتمام نہیں کیا جتنا عدل کے متعلق کیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (آل عمران ع۲، آیت ۹۵) "اللہ گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ اور علم والے اس پر گواہ ہیں کہ وہ انصاف کرنے والا ہے۔" جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا انبیاء تک کے قاتل کو بخش سکتا ہے تو پھر عدل کہاں قائم رہا۔ اگر خدا کے یہاں بھی قاتل و مقتول کے درمیان انصاف نہ ہو تو پھر کہاں ہوگا۔ جب وہ اپنے بندوں کو ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے تو خود کیوں نہ انصاف کرے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞۹ وَالَّذِيْنَ

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ
عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞۱۱ ع

جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان سے اللہ نے بخشنے اور اجرِ عظیم عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔ اے ایمان والو، جو احسان اللہ نے تم پر کیے ہیں ان کو یاد کرو۔ وہ وقت بھی یاد کرو جب ایک قبیلہ نے تم پر حملہ کا قصد کیا تھا تو اللہ نے ان کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو چاہیئے کہ وہ بس اللہ ہی پر توکّل کریں۔

— اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ غطفان کی لڑائی میں بنی ثعلبہ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ لوگ اپنے سردار دعثور کے ساتھ قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ حضورؐ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک درخت کے نیچے تکیہ لگا کر جا بیٹھے اور پسینہ سے تر شدہ کپڑوں کو سکھانے کے لیے درخت پر ڈال دیا آپؐ کو تنہا پا کر دعثور برہنہ تلوار لے کر آپؐ کے پاس آیا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا اس وقت تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا فرمایا، خدا۔ اسی وقت جبریلؑ نازل ہوئے اور اس زور سے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ آپؐ نے فوراً اس کی تلوار اُٹھالی اور فرمایا بتا اب تجھے میری زد سے کون بچا سکتا ہے اس نے کہا بے شک آپؐ کو کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ آپؐ نے اس سے درگزر کی وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم سے کہا تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ
اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ
وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞۱۲ فَبِمَا

نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾

اللہ نے بنی اسرائیل سے ایمان لانے کا عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار بنائے اور اللہ نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں بشرطیکہ تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرتے رہو اور اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں کو قرضِ حسنہ دو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کے بعد جو کوئی تم میں سے کفر کرے گا تو وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اُن پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو گویا ہم نے خود سخت بنا دیا۔ وہ ہمارے کلمات کو اصلی معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور جن جن باتوں کی نصیحت کی تھی ان میں سے ایک بڑا حصّہ بُھلا بیٹھے ہیں۔ اے رسول تم ان میں سے چند آدمیوں کے سوا ایک نہ ایک کی خیانت پر ضرور مطلع ہوتے رہتے ہو پس انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل کو مصر کی سلطنت ملی تو حکم ہُوا ارضِ مقدس میں عمالقہ سے جاکر لڑو۔ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر عوج بن عوق کا واقعہ یوں تحریر فرمایا ہے:

"اگر ان سے لڑو گے تو تم کو ہزار شہر ایسے ملیں گے کہ ہر ایک میں ایک ایک ہزار باغات ہوں گے۔ غرض حضرت موسیٰؑ نے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو سردار بنا کر کُوچ کیا۔ وہ بارہ سردار عمالقہ کی تلاش میں جا رہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص عوج بن عوق سے ملاقات ہوئی۔ جس کا قد تین ہزار تین سو تین گز تھا۔ اور بروایتے تین لاکھ ۳۳ ہزار ۳۳۳ گز کا تھا اور ابر سے بھی اس کا سر و سینہ باہر نکلا رہتا تھا ابر سے پانی نچوڑ کر استعمال کرتا تھا۔ سمندروں سے مچھلی نکال کر آفتاب سے بھون لیتا۔ طوفانِ نوح کا پانی جو پہاڑوں سے چار سو گز اونچا تھا اس کی پنڈلی تک آیا اور اس کی عمر تین ہزار برس تھی۔

غرض جب اس نے ان لوگوں کو دیکھا تو باوجودیکہ یہ لوگ بھی چالیس گز کے تھے مگر ان کی پستیٔ قد پر اس کو سخت تعجب ہُوا اور اس نے ان لوگوں کو اپنے دامن میں رکھ کر کمر سے باندھ لیا اور اپنی ماں کے پاس ڈال دیا جس کا نام عوق تھا اور اس کی ایک ایک انگلی تین تین گز کی تھی اور کہنے لگا دیکھو یہ لوگ ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ اس کی

ماں نے کہا ان کو مارو نہیں بلکہ چھوڑ دو تاکہ ہمارا حال اپنے لشکر سے جاکر بیان کریں اور اُلٹے پاؤں پھر جائیں جب یہ لوگ باغ میں گئے تو ایک ایک انار اتنا بڑا دیکھا کہ اس کے چھلکے میں پانچ آدمی سما سکیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے اور سارا قصّہ چپکے سے بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو لڑنے کی ترغیب دی اور لشکر لے کر پہنچ گئے۔ جب عوج نے سُنا تو پہاڑ کا ایک ٹکڑا اپنے سر پر لے کر سارے لشکر کو تباہ کر دینے کے ارادہ سے چلا۔ خدا کی شان ایک جانور نے ہیرے کے ٹکڑے سے پتھر میں سوراخ کر دیا اور پتھر اس کے گلے میں طوق ہوگیا اور کسی طرح نہ نکل سکا۔ حضرت موسیٰؑ یہ دیکھ کر جوش میں بڑھے اور اچھل کر ایک عصا مارا۔ باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ خود چالیس گز کے تھے اور چالیس گز کا عصا تھا اور چالیس گز اچھلے اس پر بھی اس کے ٹخنے تک پہنچے۔ غرض وہ گرا اور بنی اسرائیل نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے ہر چند ہمت دلائی مگر بنی اسرائیل کی بزدلی نے آگے نہ بڑھنے دیا اور اپنے ملک کو واپس آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین ہزار برس تک دریائے نیل پر اس کے پاؤں کی ہڈی کا پُل بنا رہا"

جناب مولانا مرحوم اگر اس روایت کو قرآن جیسی مقدس کتاب کے حاشیہ پر جگہ نہ دیتے تو اچھا ہوتا۔ قرآن میں تو کہیں اس عجیب و غریب قصّہ کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ یہ تو طلسم ہوشربا کی سی کہانی معلوم ہوتی ہے جو احمقوں کا دل بہلانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اوّل سے آخر تک اس روایت کی ہر چُول ڈھیلی ہے۔ کچھ پتہ نہیں اتنی دراز قد قوم کس خطۂ زمین پر رہتی تھی اور ان کے مکانات کتنے اونچے ہوتے تھے یا وہ یونہی کھلے آسمان کے نیچے شب و روز بسر کرتے تھے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ تین لاکھ ۳۳ ہزار ۳۳۳ گز کے آدمی بھی کبھی اس دُنیا میں بستے تھے۔ طوفان کا پانی جس نے اونچے اونچے پہاڑوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ ان کے سردار کی پنڈلی تک آیا تھا۔ اور ابر سے اس کا سر و سینہ باہر نکلا رہتا تھا۔ راوی نے کیا مزہ دار بات لکھی ہے کہ ابر سے پانی نچوڑ کر پی لیتا تھا گویا ابر ایک کپڑا تھا۔ اس زمانہ کے تعلیم یافتہ حضرات اس کو پڑھ کر اسلامی روایات کے متعلق کیا کہیں گے۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ آفتاب سے مچھلی بھون کر کھا جاتا تھا۔ گویا تین لاکھ گز پر حرارتِ آفتاب اتنی ہو جاتی تھی کہ مچھلی بھن جاتی تھی۔ چاند تک راکٹوں پر جانے والے کیسے صحیح سالم آگئے۔ فضا میں تیرنے والے جل بھن کر نہ گرے۔ پھر باغ میں ایسے انار بھی تھے جن کے چھلکوں میں ۵ آدمی ایسے گھس بیٹھتے تھے جن کے قد چالیس گز لمبے ہوتے تھے اسی لحاظ سے ان کی موٹائی بھی ہوگی۔ پھر موسیٰؑ چالیس گز لمبے تھے، چالیس گز لمبا عصا پھر چالیس گز اچھلے تب ایک سو بیس گز کی بلندی پر مارنے کے لیے عوج کا ٹخنہ ملا یعنی اس کا پاؤں ایک سو بیس گز اونچا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ راوی نے روایت کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے اتنا اور اضافہ کر دیا کہ اس کے پیر کی ہڈی کا پُل دریائے نیل پر تین ہزار برس تک بنا رہا اور اس پر آدمی مویشی گھوڑے گاڑیاں سب چلتے رہے۔ اگر پاؤں فولاد کے بنے ہوئے بھی ہوتے تو کبھی اتنی مدت میں ناکارہ ہو جاتے مگر عوج کا پاؤں خدا جانے کس دھات کا بنا ہُوا تھا کہ اس کی ہڈی نہ گلی نہ سڑی۔

پھر حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں نسل آدم میں یہ تغیر ایکایک کیسے پیدا ہوگیا کہ چالیس چالیس گز کے قد ہونے لگے۔ کسی حدیث سے عہدِ موسیٰؑ کے انسانوں کے قد کا اتنے لمبے ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ قصّہ کہانیوں کی کتابوں میں ایسی کہانیاں بہت سی ملتی ہیں۔ افسوس ہے تو اس کا کہ قرآن مجید کے پاک حاشیوں پر اس کذب و دروغ کی گندی سیاہی کو کیوں ملایا گیا۔

بنی اسرائیل نے نہ معلوم کتنی بار حضرت موسیٰؑ سے عہد و پیمان کیے مگر بار بار انہیں توڑتے رہے اور توریت کی عبارتوں میں لفظی و معنوی ہر طرح کا تصرف کرتے رہے۔ جب عمالقہ سے حضرت موسیٰؑ لڑنے کے لیے چلے تو بنی اسرائیل نے اقرار کیا کہ ہم جم کر لڑیں گے لیکن جب محاذ پر پہنچے تو ڈھیلے پڑ گئے اور لڑنے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ یہ قوم بڑی جبار ہے ہم ان سے ہرگز نہ لڑیں گے۔ آپ اور آپکا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ان آیات میں ایسے ہی وعدے توڑنے اور ان پر خدا کی پھٹکار پڑنے کا ذکر ہے۔

ان کے دلوں کو سخت بنانے کا جو ذکر آیت میں آیا ہے تو خدا نے اس لحاظ سے ان کے دلوں کی سختی کو اپنی طرف نسبت دی ہے کہ جب اس کے علم میں یہ تھا کہ کیسی طرح ایمان لانے والے ہی نہیں تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور اپنی توفیقات کو ان سے روک دیا ورنہ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک بندہ ہدایت حاصل کرے اور اس پر ایمان لائے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ
فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا
كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ
تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

(یہودیوں کے علاوہ) جن سے ہم نے عہد لیا تھا وہ لوگ ہیں جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے پکا عہد لیا تھا مگر جو کچھ انہیں سکھایا گیا تھا اس کا بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا۔ آخر ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے آپس میں دشمنی اور بغض کا بیج بو دیا اور جو کچھ وہ دنیا میں کر رہے ہیں ایک وقت آئے گا کہ ہم ان کے کرتوتوں سے تمہیں آگاہ کر دیں گے۔ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو کتابِ الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جایا کرتے تھے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا ہے اور روشن کتاب، جو لوگ خدا کی خوشنودی کے پابند ہیں تو اللہ اس کتاب کے ذریعے سے راہِ نجات کی ہدایت کرتا ہے اور تاریکی

سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

نصاریٰ نے چونکہ معاہدہ الٰہی کی خلاف ورزی کی لہٰذا ان کو یہ سزا دی گئی کہ قدرت نے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی، جو قیامت تک رہے گی۔ نصاریٰ کی جتنی سلطنتیں دنیا میں تھیں اور اب ہیں ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں اور ہمیشہ ان میں چلتی رہتی ہے۔ امریکہ روس انگلینڈ جرمنی فرانس وغیرہ تمام ممالک ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔

علمائے یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل کی بہت سی عبارتیں چھپالی تھیں اور عام لوگوں کو نہیں بتاتے تھے مگر جب حضرت رسولِ خدا کا ظہور ہوا تو آپؐ نے ان سب کی قلعی کھول دی۔ یہودیوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے دو چیزیں بھیجی ہیں ایک ہادی کا نام نور رکھا ہے اور دوسرے کا روشن دلائل والی کتاب۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نور سے مراد جناب ختمی مرتبت ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔ پہلے ہمیں اس پر بحث کرنی ہے کہ نور کیا ہے۔

مفسرین نے نور کی تعریف میں خدا جانے کیا کیا کہا ہے ہماری سمجھ میں غور و خوض کے بعد جو کچھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ نور اس چیز کا نام ہے جو تاریکی سے روشنی میں لانے والا ہو یعنی گم گشتہ کو راستہ دکھانے والا خواہ ظاہری طور سے یا باطنی طور سے۔ مثلاً آفتاب ماہتاب ستارے چراغ۔ بجلی کے بلب تاریکی کو دور کر کے ہماری مادی آنکھوں کو ہر وہ چیز دکھا دیتے ہیں جو ہم کو تاریکی میں نظر نہیں آتی۔ روشنی کی ہدایت کی یہ ظاہری صورت ہے۔ اب رہی باطنی رہنمائی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (ہم نے تم پر توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس بظاہر کتاب توریت میں کوئی روشنی نہیں لیکن باطناً ہدایت کی روشنی ہے اس روشنی کا تعلق دل کی آنکھوں سے ہے جس کو بصیرت کہتے ہیں۔ اسی طرح انجیل کے متعلق وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ اسی طرح علم کے لیے اَلْعِلْمُ نُوْرٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ مَنْ يَّشَاۤءُ (حدیث) "علم نور ہے اللہ اسے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے" علم بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ نے دو ہادی بیان فرمائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کتاب ہدایت کے لیے کافی نہیں کیونکہ وہ صامت ہے لہٰذا اس کے ساتھ ایک نور باطن بھی ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ حکم صرف عہدِ رسالت ہی سے مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر زمانہ والوں کے لیے ہے۔ لہٰذا ہر زمانہ میں کتابِ خدا کے ساتھ ایک نور رہنا چاہیئے، ورنہ ہدایت کافی نہ ہوگی اور رسولؐ کے بعد ان کی امت کو یہ شکایت کا موقع ملے گا کہ عہدِ رسالت کے مسلمانوں کے لیے کیا خصوصیت تھی کہ ان کے لیے دو ہادی بھیجے ایک ناطق دوسرا صامت اور ہمارے لیے صرف ایک ہی رہا وہ بھی صامت۔ اگر ہماری سمجھ میں کوئی بات نہ آئے تو کس سے پوچھیں حضرت رسولِ خدا نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ حدیثِ ثقلین میں فرمایا۔ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ وَاِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ (لوگو میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب ہے دوسرے میری عترت میرے اہلبیت، جب تک تم ان سے تعلق رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ پہنچیں۔)

پس جن کو اللہ نے نُور فرمایا ہے رسولؐ نے ان کو اہلبیتؑ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ نورِ رسولؐ کے جزو ہیں جیسا کہ فرمایا ہے خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ (میں اور علی ایک نور سے پیدا کیے گئے ہیں)۔ حدیث صحیح وہی ہوتی ہے جو قرآن کے مطابق و موافق ہو لہٰذا اس حدیث کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے کیونکہ آیت میں بھی دو ہادی ہیں۔ اور حدیث میں بھی دو ہیں۔

رسولؐ نورِ اوّل ہیں۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اور اس نورِ اوّل میں بارہ اور شریک ہیں۔ انہی انوارِ مقدسہ سے تمام کائنات بنی ہے یہ کہنا غلط ہے کہ مادہ قدیم ہے اور تمام دنیا اس مادہ سے بنی ہے۔ جدید سائنس دانوں نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ نور سے بنا ہے نہ کہ نور مادہ سے۔ چنانچہ مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے جز کو جسے یونانیوں نے جزوِ لاتجزیٰ سے تعبیر کیا تھا اور جدید سائنس میں اس کو ایٹم کہتے ہیں، جب جدید آلات سے توڑا گیا تو اس میں سے دو شعاعیں نکلیں اور اس جزوِ لاتجزیٰ کا وجود ختم ہو گیا لہٰذا پتہ چلا کہ نور کی دو شعاعوں سے جو الیکٹرون و پروٹون کہلاتی ہیں مادہ کا وہ ذرہ بنا تھا جسے ایٹم کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ نور کی ایک شعاع سے مادہ نہیں بنا بلکہ دو شعاعوں نے مل کر بنایا ہے۔ رسولؐ اللہ نے اس مسئلہ کو یوں حل کیا کہ فرمایا: میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا مادہ کے اجزاء بنانے والے محمدؐ و علیؑ کے نور تھے۔ پھر مادہ کے اجزاء بننے لگے اور ان کے بننے سے اجسامِ کائنات کی تخلیق ہوتی گئی۔ اس لیے تمام کائنات پر نورِ محمدؐ و علیؑ کا احسان ہے اور ان انوارِ مقدسہ کی تعظیم سب پر واجب ہے اور سب اُن کے زیرِ فرمان ہیں۔

سورہ النساء آیت ۱۷۴ میں اس مضمون کو پھر یوں بیان کیا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آچکی ہے اور ظاہر بظاہر ایک نور بھی آچکا ہے۔ یعنی بُرہان میں ہدایت خفی ہے اور نور میں ہدایت جلی ہے۔ دونوں ہادی تمہارے رب کی طرف سے آچکے۔ اگر اب بھی تم ایمان نہ لاؤ تو یہ تمہاری حماقت کی دلیل ہوگی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا
اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑰
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ
بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱

کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے مسیح ابن مریم کو خدا کہا ان سے کہو اگر اللہ مسیح بن مریم اور ان کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام باشندوں کو ہلاک کر دے تو اُسے کون روکے گا۔ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ملک ہے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تو ہر شے پر قادر ہے۔ یہودی اور نصرانی کہتے ہیں ہم تو اللہ کی اولاد ہیں اور اس کے احباب ہیں۔ اے رسول تم ان سے کہو اگر ایسا ہے تو وُہ تمہارے گناہوں کی سزا میں تم کو عذاب کیوں دیتا ہے۔ (تمہارا یہ خیال لغو ہے) بلکہ اس کی مخلوقات میں سے تم بھی ایک مخلوق ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ملک ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹ کر جانا ہے۔

یہودی اور نصرانی اس خبط میں مبتلا تھے کہ چونکہ وہ اللہ کی اولاد اور اس کے دوست ہیں لہٰذا وہ ان کو جہنم میں ڈالے گا ہی نہیں۔ یہودیوں کا تو یہ گمان اس بنا پر تھا کہ حضرت یعقوبؑ کو خدا نے یہ وحی کی تھی کہ تیرے فرزند میرے فرزند ہیں اور تیرے احباب میرے احباب ہیں میں ان کو چالیس روز سے زیادہ دوزخ میں نہ رکھوں گا وہ بھی اس لیے کہ ان کے گناہ جل جائیں اور وہ پاک صاف ہو کر وہاں سے نکل آئیں اور نصاریٰ اس خیالِ باطل میں جھوم رہے تھے کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ اللہ اپنے پیارے بیٹے کے ماننے والوں کو آتشِ جہنم میں جھونک دے۔ نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مسیحؑ نے سُولی پر چڑھ کر اپنی تمام اُمت کا گناہ اپنے سر لے لیا پھر کیوں خدا اس کی اُمت کو داخلِ دوزخ کرے گا۔ لہٰذا خدا نے ان دونو باطل خیالوں کی تردید ان آیات میں فرمادی کہ جب تم اللہ کی اولاد ہو اس کے رشتہ دار ہو تو پھر وہ تم کو طرح طرح کے عذاب میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ مسیحؑ ہی پر کیا منحصر ہے خدا نے آسمان و زمین کے درمیان بہت سی عجیب و غریب مخلوق بنائی ہے پھر تم ان کو بھی خدا کہنے لگو۔ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اللہ کا بنایا ہوا کارخانہ ہے وہ تو صاحبِ قدرت و اختیار ہے جیسا جسے چاہے بنادے کوئی اس کی سزا کو روکنے والا نہیں وہ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے سزا دیدے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ
قَدِيْرٌ ⑲ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰٮكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳

اے اہلِ کتاب جب پیغمبروں کی آمد میں بہت رکاوٹ ہوئی تو پھر ہمارا رسول تمہارے پاس آیا جو کہ احکامِ خدا کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا آیا تھا نہ کوئی ڈرانے والا بس اب تو بشیر و نذیر پیغمبر تمہارے پاس آگیا (اب کیا غور کرتے ہو) اور اللہ تو ہر شے پر قادر ہے (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اللہ نے جو احسانات تم پر کیے ہیں ان کو یاد کرو اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تم میں بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ نعمتیں دیں جو ساری خدائی میں کسی کو بھی نہ دیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے بنی اسرائیل میں متواتر انبیاءؑ مبعوث ہوتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے درمیان ٥٦٢ سال شمسی کا فاصلہ ہے۔ اس زمانہ کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ زمانہ چونکہ حجتِ خدا سے کبھی خالی نہیں رہتا لہٰذا جو نبی یا وصی نبی اس مدت میں گزرے وہ مخفی طور پر ہدایت کرتے رہے کیونکہ ان کو مانا اور کسی دنیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نعمت کی قدر بعد زوال ہوتی ہے۔ جب تک انبیاؑ آتے رہے ان کی امتیں ان کو قتل کرتی رہیں ان کی نافرمانی پر کمر بستہ رہیں خصوصاً بنی اسرائیل نے تو سب سے زیادہ انبیاء پر ظلم کیا۔ آخر یہ تماشا کب تک ہوتا رہتا۔ قدرت نے اس سلسلہ کو بند کر دیا تاکہ ان کو پتہ چلے کہ انبیاء کے نہ آنے سے ان پر کیا کیا مصیبتیں نازل ہوئیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ضلالت و گمراہی کا سیلاب آنا شروع ہوا جس کی رفتار روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ تمام عرب اور اس کے ملحقہ ممالک بُت پرستی کی لپیٹ میں آگئے اور کوئی روک تھام کرنے والا نہ رہا۔ اسی بت پرستی کا عذاب تھا کہ ان کے درمیان اختلافات کی وہ خلیج حائل ہوئی کہ رات دن ان کے درمیان تلوار چلنی شروع ہوئی۔ معمولی معمولی بات پر چالیس چالیس سال تک ان کے قبائل کے درمیان قتل و غارت کا بازار گرم رہا اور اس کے ساتھ ہی ان کے اخلاق و عادات ایسے بدلے کہ وہ انسانی سطح سے گر کر حیوانوں کی صف میں داخل ہوگئے۔ لوٹ مار۔ چوری ڈکیتی۔ زناکاری۔ جوا۔ شراب خواری۔ قتلِ اولاد۔ ظلم پسندی۔ مکر و فریب، غرض کوئی عیب ایسا نہ رہا جو خوفناک حد تک ان کے درمیان نہ پایا جاتا ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سکون و اطمینان کی زندگی ان کے لیے ختم ہوگئی اور وہ گھبرا کر خدا سے دعائیں مانگنے لگے کہ اس نبیؐ کو جلد بھیج جس کے ظہور کی پیش گوئی توریت و انجیل میں کی گئی ہے وہ رات دن انؐ کی آمد کے منتظر تھے اور اپنی اولاد کو یہ وصیت کرتے تھے کہ جب وہ نبیؐ مبعوث ہو تو سب اس کی اطاعت کرنا اور ہمارا اسلام انؐ کو پہنچا دینا۔ فترت کا زمانہ صرف اسی لیے رکھا گیا کہ ان کو نبی و رسول کی قدر ہو اور یہ سمجھیں کہ ان مقدس ہستیوں کی وجہ سے ان کی معاشی و تمدنی اور سیاسی و مذہبی فضا میں سکون رہا کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد دلایا ہے:

موسیٰؑ نے اپنی سرکش اور نافرمان قوم سے کہا اللہ نے تم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں ان کو فراموش نہ کرو۔ تم اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ اس نے سب سے زیادہ انبیاء تمہاری قوم میں بھیجے اور تم کو بادشاہ بھی بنایا اور اتنی نعمتیں تم کو دیں جو دنیا میں کسی اور قوم کو نہ دی تھیں۔

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے بادشاہوں کو اپنی مرضی سے بنایا تو پھر وہ منصوص من اللہ ہوگئے۔

لہٰذا نبی یا امام کے لیے یہ شرفِ منصوصیت باقی نہ رہا۔ جواب یہ ہے کہ جن کو بادشاہ بنانے کا ذکر ہے ان سے مراد وہ بادشاہ ہیں جو انبیاء میں سے تھے جیسے حضرت یوسفؑ۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نہ کہ ظالم و جابر بادشاہ۔ کیونکہ عدلِ الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ ظالموں اور سرکشوں کو اپنے غریب بندوں پر مسلط کردے۔

اب رہی یہ بات کہ جو کچھ بنی اسرائیل کو دیا وہ دنیا میں کسی اور کو نہیں دیا تو بے شک خدا نے بہت سے احسانات اس قوم پر ایسے کیے ہیں جو کسی اور قوم پر نہیں کیے۔

فرعون کو غرق کر کے اس کے ظلم سے بچایا۔ دریائے نیل کو ان کے لیے شگافتہ کرنا۔ من و سلویٰ کا ان پر نازل کرنا۔ پانی کے بارہ چشمے ان کے لیے نکالنا۔ عمالقہ کے ظلم سے ان کو بچانا۔ بہ کثرت انبیاء و مرسلین ان میں پیدا کرنا۔ ان کو صاحبِ کتاب و حکمت بنانا۔ ملکِ عظیم کا مالک بنانا۔ ان پر مائدہ نازل کرنا۔ ایک مدت تک مصر میں ان کی بڑی شاندار حکومت رہنا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

(اپنی نعمتوں کو یاد دلانے کے بعد اب بنی اسرائیل کی سرکشی اور حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کی داستان سناتا ہے)۔ موسیٰ نے کہا اے میری قوم ارضِ مقدس میں جاؤ جہاں کی حکومت خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں پیچھے نہ ہٹو، ورنہ اُلٹا گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ اس بستی میں تو ایک بڑے سرکش اور سخت دل لوگ رہتے ہیں جب تک وہ وہاں سے نہ نکلیں گے ہم تو اس کے اندر داخل نہ ہوں گے البتہ جب وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔

ارضِ مقدس کے تعین میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے چنانچہ کسی نے شام کسی نے فلسطین کسی نے اُردن اور کسی نے زمینِ طور لکھا ہے۔ زیادہ اتفاق سرزمین فلسطین پر ہے۔ شانِ نزول یہ ہے کہ جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل مصر سے نکل آئے تو خدا نے حکم دیا کہ ارضِ مقدس کو فتح کر لو۔ یہ قصہ مصر سے نکلنے کے دو سال بعد کا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کئی ہزار فوج لے کر دشتِ فاران سے جہاں خیمہ زن تھے روانہ ہوئے۔ جب چلتے چلتے شہر اردن پر پہنچے تو آگے جانے سے ڈر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر قبیلہ سے ایک نقیب یعنی سردار چنا اور ان بارہ افراد کو بطور جاسوس وہاں کے لوگوں کا حال

معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آکر خبر دی کہ وہ بہت لمبے تڑنگے اور طاقتور لوگ ہیں۔ یہ سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے اور کہنے لگے ہم تو وہاں مرنے کے لیے جائیں گے نہیں۔ ہاں جب یہ لوگ بستی سے باہر نکل جائیں گے تب ہم داخل ہو سکتے ہیں۔ کیسا احمقانہ سوال تھا۔ وہ لوگ بستی چھوڑ کر بغیر کسی دباؤ کے کیوں نکل جاتے۔ چونکہ ان کے ایمان میں کمزوری تھی لہٰذا یہ بہانہ بنا کر وہ واپس ہونے پر آمادہ ہو گئے۔

قال رجلن من الذين يخافون انعم الله عليهما ادخلوا عليهم الباب ج فاذا
دخلتموه فانكم غلبون ة وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مؤمنين ﴿٢٣﴾ قالوا يموسى
انا لن ندخلها ابدا ما داموا فيها فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا
قعدون ﴿٢٤﴾ قال رب اني لا املك الا نفسي واخي فافرق بيننا وبين القوم
الفسقين ﴿٢٥﴾ قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة ج يتيهون في الارض
فلا تاس على القوم الفسقين ﴿٢٦﴾ ع

(جب قومِ موسیٰؑ پر یہ بزدلی چھائی) تو ان دو آدمیوں (یوشع و کالب) نے جو خدا کا خوف رکھتے تھے اور جن پر خدا نے اپنا فضل و کرم کیا تھا کہنے لگے (ڈرتے کیوں ہو) ان پر حملہ کر کے بیت المقدس کے پھاٹک میں داخل ہو جاؤ۔ جب تم داخل ہو جاؤ گے تو وہ ایسے بوٹے ہیں کہ جیسے ہی تم داخل ہو گے وہ سب بھاگ کھڑے ہوں گے اور تمہاری جیت ہو جائے گی اگر تم سچے ایمان والے ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ان پر کچھ ایسا رعب چھایا تھا کہ آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔) کہنے لگے جب تک یہ لوگ اس بستی میں موجود ہیں ہم تو ہرگز اس کے اندر نہ گھسیں گے۔ تم اور تمہارا رب جا کر (ایسے زبردستوں سے) لڑے ہم تو بس یہیں بیٹھے ہیں۔ تب موسیٰ نے بارگاہِ باری میں عرض کی۔ پالنے والے مجھے صرف اپنے اور اپنے بھائی کے نفس کے سوا کسی پر قابو نہیں۔ پس یا اللہ ہمارے اور اس قومِ بدکار کے درمیان جدائی قرار دے۔ خدا نے فرمایا (ان کی سزا یہ ہے) کہ ان کو اب چالیس سال تک یہاں کی حکومت نصیب نہ ہو گی اور اس مدتِ دراز تک یہ مصر کے جنگل میں سرگرداں و پریشان پھریں گے تم ان بدچلن لوگوں کی حالت پر افسوس نہ کرنا۔

جب قومِ موسیٰؑ پر بزدلی غالب آئی تو یوشع اور کالب نے ان کو سخت ملامت کی۔ اس پر قوم کو ان پر اتنا غصہ آیا کہ ان کو سنگسار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ آخر غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور فیصلہ ہوا کہ اب یوشع اور کالب کے سوا کوئی بھی بالغ مردوں میں سے اس سرزمین پر داخل نہ ہو پائے گا۔ آخر کار قوم کو چالیس سال تک سرگردان پھرنا پڑا۔ یہ وادی کل ۱۵ میل لمبی تھی لیکن کسی طرح اس سے نکلنا ممکن نہ ہوا۔ موسیٰؑ و ہارون دونوں کا انتقال اسی وادی میں ہوا جس کا نام تیہ تھا۔ ہارونؑ، موسیٰؑ سے ایک سال پہلے مرے۔ موسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ موسیٰؑ کے بعد یوشع ان کے جانشین ہوئے جو موسیٰؑ کے بعد ۲۷ سال تک زندہ رہے۔ یوشع نے اریحا بستی کا جس میں داخل ہونے سے قومِ موسیٰؑ نے انکار کیا تھا چھ ماہ تک محاصرہ جاری رکھا ساتویں مہینہ اس شہر میں داخل ہوئے اور قومِ عمالقہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ شام ہو گئی سورج غروب ہو گیا حضرت یوشع نے دعا کی۔ خدا نے دعا قبول کی سورج پلٹ آیا اور ایک گھنٹہ تک قومِ عمالقہ کے بقیہ افراد کو قتل کیا گیا اور اس طرح اریحا فتح ہو گیا اور چالیس سال بعد بنی اسرائیل کو اس میں داخلہ ملا۔ ان کو نہیں جنہوں نے سرکشی کی تھی وہ تو سب مر کھپ گئے تھے۔ داخل ہونے والی ان کی اولاد تھی۔

سورج غروب ہونے کے بعد دوبار پلٹا ہے ایک بار نسلِ اسحاق کی ایک فردِ خاص یوشع بن نون کے لیے اور دوسری بار اولادِ اسمٰعیلؑ میں حضرت علی علیہ السلام کے لیے جنگ خندق کے موقع پر۔ وہ وصی موسیٰ علیہ السلام تھے یہ وصی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ۔ بہت سے لوگ اس کو خلافِ عقل کہہ کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ عصائے موسیٰؑ کا سانپ ہو جانا۔ دریائے نیل کا پانی بارہ شگافوں میں ہو جانا۔ یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا۔ عیسیٰؑ کا مٹی کی چڑیا بنا کر اڑا دینا۔ ٹھوکر مار کر مردہ کو زندہ کر دینا۔ حضرت رسولِ خدا کی انگلی کے اشارہ سے چاند میں شق پیدا ہونا۔ کیا یہ سب باتیں عقل میں آتی ہیں اگر نہیں آتیں تو سورج پلٹنے کے معاملہ میں عقل کے گھوڑے کیوں دوڑائے جاتے ہیں؟

واتل عليهم نبا ابني ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم يتقبل من
الاخر قال لاقتلنك ط قال انما يتقبل الله من المتقين ﴿٢٧﴾ لئن بسطت الي يدك
لتقتلني ما انا بباسط يدي اليك لاقتلك ج اني اخاف الله رب العلمين ﴿٢٨﴾ اني
اريد ان تبوا باثمي واثمك فتكون من اصحب النار ج وذلك جزؤا الظلمين ﴿٢٩﴾
فطوعت له نفسه قتل اخيه فقتله فاصبح من الخسرين ﴿٣٠﴾

اے رسول آدم کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ ان لوگوں سے بیان کر دو۔ جب دونوں نے اپنی اپنی قربانیاں بارگاہِ باری

میں پیش کیں تو ایک کی قربانی قبول ہوگئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی (قابیل) اُس نے (اپنے بھائی ہابیل سے) کہا میں تجھے ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا (میرا اس میں کیا قصور ہے) اللہ تو متقیوں کی نذر قبول کرتا ہے۔ اگر تُو نے میرے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا (تو بڑھا) میں تو تیرے قتل کے لیے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ میں تو رب العالمین خدا سے (کسی بے قصور کو مار ڈالنے پر) ڈرتا ہوں میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اپنا اور تیرا گناہ تیرے اوپر لاد دوں تاکہ تو جہنمیوں میں سے بن جائے ظالموں کی سزا یہی ہے۔ قابیل کے نفس نے بھائی کے قتل پر اُسے آمادہ کیا اور اُس نے اُسے قتل کر دیا اور وُہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگیا۔

دنیا میں آدمؑ کا قدم آیا ہی تھا کہ ان کے دونوں بیٹوں ہابیل و قابیل میں چل پڑی اور یہ عداوت اتنی بڑھی کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ مفسرین یہ سبب بتانے میں چُپ سادھ گئے ہیں کہ آخر یہ عداوت اس حد تک پہنچی کیسے۔ وہاں کون سی جائداد بٹ رہی تھی جس سے اس جھگڑے کی بنیاد پڑی۔ ایک مفسر صاحب لکھتے ہیں قابیل، ہابیل کی بہن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر ہابیل راضی نہ تھا کیونکہ قابیل بلحاظ عادات و خصائل اچھا آدمی نہ تھا لیکن یہ بات تو کان کو نہیں لگتی یعنی بھائی بہن کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتا تھا۔ بلکہ پتہ کی بات یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا پیار ہابیل پر زیادہ تھا وہ اپنا جانشین اسی کو بنانا چاہتے تھے۔ انبیاء کی جانشینی کا معاملہ شروع سے جھگڑے کی جھونپڑی بنا رہا۔ پہلے ہی نبی کے گھر میں یہ قضیہ چھڑ گیا۔ قابیل نے اس کو باپ کی ناانصافی پر محمول کیا اور بھائی کا جانی دشمن بن گیا۔ آدمؑ نے اس جھگڑے کو چکانے کے لیے دونوں سے کہا کہ تم اپنی اپنی قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں پیش کرو آسمانی آگ جس کو آ کر جلائے گی وہی میرا جانشین ہوگا کیونکہ وہ منصوص من اللہ قرار پائے گا۔ دونوں بھائی راضی ہوگئے قابیل بکریاں چراتا تھا اور ہابیل کھیتی باڑی کرتا تھا۔ قابیل نے ایک موٹا تازہ دُنبہ پہاڑ پر جا رکھا وہ اس خیال میں مست تھا کہ میری قیمتی قربانی ضرور قبول ہوگی۔ ہابیل غریب نے گیہوں کے چند پودوں کا ایک مٹھا بنا کر پہاڑ پر رکھ دیا مگر سچی نیت کے ساتھ۔ بجلی گری تو اس نے ہابیل کی قربانی جلا دی، قابیل کے بکرے کو چھوا تک نہیں۔ اس پر قابیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور کہنے لگا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے کہا بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اللہ تو متقیوں کے نذرانے قبول کرتا ہے یہ بات قابیل کے زخم پر نمک چھڑک گئی۔ اس نے تیوری چڑھا کر کہا اچھا تو آپ متقی ہیں اور میں بدمعاش، دیکھ میں اس کا کیسا مزہ چکھاتا ہوں۔ غرضکہ ایک روز ہابیل ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا کہ قابیل نے ایک پتھر سے اس کا سر کچل دیا۔ مار ڈالا، تو اب پریشانی لاحق ہوئی کہ اس کی لاش چھپاؤں کہاں۔ تاکہ باپ کو پتہ ہی نہ چلے۔ لیکن نئی نئی دُنیا بسی تھی ابھی کوئی مرا ہی نہ تھا کہ قبر کھودنے کا طریقہ ایجاد ہوتا۔ یہ پہلا ہی خون تھا جو زمین نے چوسا تھا اور یہ پہلا ہی مردہ تھا جس کو سپردِ خاک کرنے کی فکر تھی۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ
يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ

مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۞ ٣١ ۛۚ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ
نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا
النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۞ ٣٢

پس اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا کہ وہ زمین کھودے اور قابیل کو دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے قابیل نے کہا ہائے افسوس میں اس کوّے کے برابر ہونے سے بھی عاجز ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پس وہ اپنی اس غلط کاری پر بہت پچھتایا۔ اسی وجہ سے تو ہم نے بنی اسرائیل پر واجب کر دیا تھا کہ جو کسی ایسے شخص کو ناحق قتل کرے گا جس نے نہ تو کسی کو قتل کیا ہو اور نہ کوئی فساد پھیلایا ہو تو گویا اُس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک آدمی کو زندہ کیا اس نے گویا سب لوگوں کو زندہ کر لیا۔ ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات لے کر آ چکے ہیں مگر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زیادتیاں کرتے رہے۔

یہ قدرت کا قانون ہے کہ قاتل چُھپتا نہیں وُہ اپنے ضمیر کی سوزش میں ایسا دیوانہ سا ہو جاتا ہے کہ اس کی مضطربانہ حرکتوں اور گھبرائی ہوئی باتوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ قاتل ہے۔ قابیل نے گڑھا کھود کر ہابیل کو مٹی میں دبا دیا تاکہ اس کا قاتل ہونا کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن بہت جلد آدمؑ اور اولادِ آدمؑ کو پتہ چل گیا کہ ہابیل کا قاتل وہی ہے۔ اس زمانہ میں کوئی شریعت نہ تھی کہ اس کے مطابق سزا دی جاتی البتہ اس کو ضمیر نے ایسی سخت سرزنش کی کہ وہ پاگل ہو کر پہاڑوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ آخر وہاں سے بھاگ کر عدن پہنچا اور وہاں باغوائے شیطانی یہ آتش پرست بن گیا۔ آتش پرستی کی بنیاد اُسی نے ڈالی۔

اس قصہ سے چند سبق ملتے ہیں :

١۔ حسد ایسی بری عادت ہے کہ انسان اپنے حقیقی بھائی تک کو قتل کر ڈالتا ہے۔

٢۔ مردہ کو قبر میں دبانا مرضئ الٰہی کے مطابق ہے ورنہ کوّا یہ طریقہ بتانے کے لیے نہ بھیجا جاتا جو دوسرے مردہ کوّے کو دبانے کے لیے اپنی چونچ سے زمین کھود رہا تھا جو لوگ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں وہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں۔

٣۔ کسی نبی کی جانشینی کا تعلق صرف متقی لوگوں سے ہوتا ہے۔

٤۔ اللہ کی بارگاہ میں صرف انہی لوگوں کے نذرانے قبول ہوتے ہیں جو اس کی ذات پاک پر ایمان رکھتے ہیں اور صدقِ دل سے کوئی نذر پیش کرتے ہیں۔

۵ - بنی اسرائیل انبیاء کے قتل پر بہت جری ہو گئے تھے۔ اس واقعہ سے ان کو بتایا گیا ہے کہ صرف ایک شخص کو بے قصور قتل کر دینا گویا تمام آدمیوں کو قتل کر دینا سمجھنا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کی اس ظالمانہ اور احمقانہ جرأت کی مثال کو سامنے رکھ کر دوسروں کو بھی اس کی طرف رغبت ہوتی ہے اور جب یہ پا چپاتی ہے تو بے شمار بے گناہ تیغ کے گھاٹ اتر جاتے ہیں پس ان سب کا قاتل وہی شخص سمجھا جاتا ہے جس نے معاشرہ میں ایسی رسم بد کی بنیاد رکھی اور جس نے ایک بے گناہ کی جان بچائی گویا اس نے سب کی جان بچائی کیونکہ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی مظلوموں کی جان بچانے کی طرف رغبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس بے گناہ کو قتل کیا گیا ہے اس سے آئندہ ہونے والی نسل کو بھی جو قیامت تک کتنی بڑی تعداد میں ہوتی گویا اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ باوجودیکہ بہت سے انبیاء و مرسلین تمہارے پاس آئے اور طرح طرح کے معجزات انہوں نے تمہیں دکھائے مگر اس پر بھی تم راہِ راست پر نہ آئے اور تم نے نافرمانی و سرکشی کو نہ چھوڑا۔

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا
اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ
خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ یا تو انہیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں ہیر پھیر کے کاٹے جائیں (یعنی ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پیر) یا ان کو جلاوطن کیا جائے یہ تو ان کو سزا دُنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذابِ عظیم ہو گا۔ ہاں وہ لوگ جو اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو حاصل کر لو (تو ان کا گناہ بخش دیا جائے گا) بیشک اللہ غفور و رحیم ہے۔

اس آیت میں ایک خاص طور پر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قدرت نے مختلف قسم کے مجرموں کے لیے مختلف سزائیں مقرر کی ہیں جو صرف قتل کرے اس کی سزا قتل ہے اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لوٹے تو اس کی سزا قتل کے بعد اس کی لاش سولی پر لٹکانا بھی ہے۔ اگر کھلے عام ڈاکہ ڈالے اور قتل نہ کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے مقابل کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں یعنی دایاں

ہاتھ تو بایاں پاؤں۔ اور اگر قتل نہ کرے نہ مال لوٹے بلکہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلائے تو اس کی سزا ملک بدر کر دینا ہے۔ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دینے کا حکم اس بنا پر ہے کہ وہ بالکل بیکار نہ بن جائے بلکہ چلنے پھرنے اور کچھ کام کاج کرنے کے قابل رہے۔ مثلاً ایک طرف کا داہنا ہاتھ اور بائیں طرف کا پیر کاٹ دیا گیا تو وہ بائیں طرف بیساکھی لگا کر چل سکے گا۔ اور بائیں ہاتھ سے کچھ کھا پی سکے گا۔ اس قدرتی سزا سے لوگوں کو عبرت ہو گی۔ اگر ایک طرف کے دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں گے تو وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے گا۔ لہٰذا قدرت نے نہ چاہا کہ کسی وجود کو معطل محض بنا کر چھوڑ دے۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی کے درمیان سے کاٹا جائے اور انگوٹھا بچایا جائے اور پاؤں کو اسی جگہ سے کاٹا جائے کہ ایڑھی بچ جائے یعنی پیر کے درمیان جو اُبھرا ہوا مقام ہے وہاں سے کاٹا جائے۔

اس کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال بنی عقبہ کے کچھ لوگ بیمار ہو کر مدینہ آئے آپؐ نے حکم دیا تا صحت یہیں ٹھہرو۔ ان لوگوں نے آب و ہوا کے ناموافق ہونے کا عذر کر کے رخصت چاہی۔ چلتے ہوئے انہوں نے جس چراگاہ میں صدقہ کے اونٹ چرتے تھے ان کے تین چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو اپنے ساتھ ہنکا لے گئے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ان کے پکڑنے کے لیے بھیجا۔ آپؓ ان کو پکڑ لائے۔ یہ آیت انہی کے بارہ میں آئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا
بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ
وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کے لیے کسی کو وسیلہ بناؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اگر روزِ قیامت جو کچھ زمین میں ان کا خزانہ ہے وہ سب او

اس کی مثل اور بھی بدلہ میں دے کر عذابِ خدا سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیں تو ان کی یہ پیشکش قبول نہ کی جائے گی اور ان کے لیے وہاں دردناک عذاب تیار ہوگا اگر وہ چاہیں گے کہ کسی طرح نارِ جہنم سے باہر نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکل سکیں گے نہیں۔ اور ان کے لیے تو دائمی عذاب ہوگا۔ چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کی سزا یہ ہے کہ ان کی غلط کاری کی سزا میں ان کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کی سزا خدا کی طرف سے ہے بیشک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ خدا کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو یہ نہیں کہا گیا کہ وسیلہ بناؤ بلکہ تلاش کرو معلوم ہوا کہ وسیلہ بنانے والا اللہ ہے اور تلاش کرنا مومنین کا کام ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وسیلہ تلاش کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ تقویٰ ہے یعنی امورِ خیر کا بجالانا اور امورِ بد سے بچنا لیکن جب تک کوئی ہمیں امورِ خیر اور امورِ شر کی حدود نہ بتائے، حرام و حلال کو نہ سمجھائے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے آگاہ نہ کرے ہم تقویٰ کی منزلوں سے کیسے گذر سکتے ہیں۔ صرف قرآن ہماری نجات اور تقربِ ایزدی حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہوتا تو ایک دین کے تہتر فرقے نہ ہوتے اور ان کے اصولِ دین اور فروعی مسائل اختلافی نہ ہوتے۔ لہٰذا ہماری ہدایت کے لیے سب سے بڑا وسیلہ ہمارے رسولؐ ہیں اور ان کے بعد ہمارے ائمہ ہیں۔

یہ ایک عقلی مسئلہ ہے کہ اس دُنیا میں بغیر وسائل تلاش کیے ہماری مشکلات حل نہیں ہو سکتیں۔ ہم ہر امر میں کامیابی کے لیے کسی وسیلہ کی تلاش کرتے ہیں۔ اسی طرح نجاتِ آخرت ہم حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہمارے پیشِ نظر کوئی ایسی ذات نہ ہو جس کے علم و عمل پر ہمیں پورا پورا اعتماد ہو اور رسولؐ نے اس کے ساتھ رہنے کا حکم بھی دیا ہو۔ پس ہمارے اور خدا کے درمیان وہی لوگ وسیلہ ہیں جن کو رسولؐ نے حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ کیا ہے۔ انہی کے وسیلہ سے ہم بارگاہِ ایزدی میں تقرب حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ خود مقربانِ الٰہی ہیں۔

فرقہ شیعہ کی فقہ میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے لیکن پورا ہاتھ نہیں بلکہ ہتھیلی کے درمیان سے کاٹا جائے تاکہ اسے وضو کرنے میں دقت نہ ہو۔ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ¼ دینار کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ دینار ہو یا اس قیمت کی دوسری چیز، اس سے کم قیمت کی چوری والوں کو چور تو کہا جائے گا لیکن ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ امامؑ نے فرمایا اگر ایسا نہ ہوتا تو اکثر لوگوں کے ہاتھ کٹے ہوتے۔ کیونکہ معمولی چوری کی لوگ پرواہ نہیں کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں انگوٹھا چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ اگر توبہ کرلے تو وضو کرنا اس کے لیے آسان ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤٠ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ
يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ
فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ
لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٤١

اے انسان کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین پر اللہ ہی کی حکومت ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے رسول جو لوگ کفر کی طرف تیزی سے دوڑے جاتے ہیں تم ان کا غم نہ کھاؤ یہ تو ان لوگوں میں سے ہیں کہ منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے بعض یہودی بھی ایسے ہیں جو (جاسوسی کی غرض سے) جھوٹی باتیں بڑے شوق سے سنتے ہیں تاکہ کفار کے دوسرے گروہ کو جو ابھی تک تمہارے پاس نہیں آئے جا کر سنائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ باوجود توریت کے اصلی معنی جاننے کے اس میں تغیر و تبدل کر دیتے ہیں کہ فلاں معاملہ میں توریت کا حکم یہ ہے اگر محمد بھی تمہیں یہی حکم دیں تو مان لینا اور اگر یہ حکم نہ دیں تو اس سے الگ رہنا۔ اے رسول جس کو خدا خراب کرنا چاہتا ہے تو اس کے معاملہ میں خدا سے تمہارا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ خدا نے کیا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

خیبر کے یہودیوں میں سے دو شخصوں نے شوہر دار عورت سے زنا کیا مگر چونکہ یہ دونوں مالدار تھے اور علمائے یہود کو ان کی رعایت کرنا منظور تھی لہٰذا باوجود اس کے کہ توریت میں اس کی سزا سنگساری تھی مگر انھوں نے سنگسار نہ کیا اور اس فکر میں رہے کہ اگر اسلام میں کوئی ہلکی سزا ہو تو مان لینا چاہیئے اس کی ٹوہ لگانے کے لیے بنی نضیر و بنی قریظہ نے جن سے مسلمانوں کی صلح تھی پتہ چلانا شروع کیا۔ زانی اور زانیہ مدینہ میں آ پہنچے۔ جب حضرتؐ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے بھی وہی سنگساری کا حکم دیا۔ یہ سن کر وہ لوگ گھبرائے اور کہنے لگے توریت میں تو ایسا حکم نہیں ہے آخر ابن صوریا جو یہودیوں میں سب سے بڑا عالم تھا ثالث قرار پایا۔ جب وہ آیا تو حضرتؐ نے قسم دے کر پوچھا۔ اس نے اقرار کیا کہ توریت کا بھی یہی حکم ہے۔ غرض وہ دونوں زانی و زانیہ سنگسار کیے گئے۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ
اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع

جھوٹی باتوں کو بڑے شوق سے سنتے ہیں حرام کا مال کھاتے ہیں اگر تمہارے پاس (کوئی قضیہ لے کر) آئیں تو تم کو اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دو یا ان سے رُوگردانی کرو۔ اگر تم ان سے کنارہ کشی کرو گے تو وُہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور اگر ان کے درمیان فیصلہ ہی کرنا ٹھہرے تو انصاف سے فیصلہ کر دو کیونکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جب خود ان کے پاس توریت ہے جس میں خدا کا حکم موجود ہے تو پھر وہ تم سے فیصلہ کرانے کے لیے کیوں آتے ہیں۔ لیکن بعد میں پھر تمہارے فیصلہ سے پھر جاتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وُہ مومن ہی نہیں ہیں۔

اس فیصلہ کا واقعہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ کچھ یہودی ایسے تھے جو مسلمانوں سے ملے جلے رہتے تھے اور بطور جاسوس مسلمانوں کی کمزوریوں کا پتہ چلاتے تھے پھر ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے خفیہ طور پر تدبیریں کرتے تھے۔ اس قوم میں زیادہ تر لوگ سُود در سُود کھاتے تھے اور تجارتی معاملات میں بھی لوگوں کو دھوکہ دے کر حرام کا پیسہ ہضم کر جاتے تھے۔ توریت میں تصرف کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اور مزہ کی بات یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کی تائید قرآنی احکام میں ڈھونڈتے تھے تاکہ لوگوں سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ ہم جو حکم بیان کرتے ہیں وہی حکم قرآن دیتا ہے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ جب وہ حضورؐ کے حکم کو اپنے فتویٰ کے خلاف پاتے تو منہ بنا کر کہتے کہ ہمارے یہاں تو توریت میں اس کے خلاف حکم ہے۔ حضرتؐ فرماتے، اچھا توریت کو لا کر میرے سامنے پڑھو۔ یہ سن کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ اخلاقی معاشرتی اور تمدنی ہر اعتبار سے یہ لوگ ننگِ انسانیت تھے لیکن ڈینگ یہ مارتے تھے کہ ہم سے زیادہ احکامِ خدا پر عمل کرنے والی کوئی قوم ہی نہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ
بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

ہم نے توریت کو نازل کیا جس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی ہے۔ اس کے مطابق خدا کے فرماں بردار بندے انبیائے بنی اسرائیل یہودیوں کو حکم دیتے رہے اور وہ اللہ والے اور علمائے یہود بھی جو کتاب خدا کے حافظ بنائے گئے تھے اور اس پر گواہ بھی تھے۔ اے مسلمانو، تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو اور جو شخص کتابِ خدا کی ہدایت کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔ ہم نے توریت میں یہودیوں پر یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے ویسا ہی برابر کا زخم ہے۔ ہاں اگر مظلوم ظالم کی خطا معاف کر دے تو یہ مظلوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو کتابِ خدا کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت میں توریت کی صفت نور بیان کی گئی ہے۔ ہم آیہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ کے تحت لکھ آئے ہیں کہ نور کا اطلاق دونوں قسم کی روشنی پر ہوتا ہے ظاہری و باطنی۔ ظاہری روشنی تو یہی ہے جو تاریکی میں ہم کو ہر چیز دکھاتی ہے اور باطنی روشنی وہ ہے جو ایمان کی راہیں ہم پر کھولتی ہے۔ یہاں یہ بھی بتا دیا گیا کہ انبیاءؑ سب مسلمان یعنی خدا کے فرمانبردار بندے تھے۔ یہودی اپنی غلط کاریوں اور قیاس آرائیوں کی بناء پر راہِ راست سے ہٹ گئے تھے باوجودیکہ ان کے علماء کو کتابِ خدا یعنی توریت کا نگہبان بنایا گیا تھا۔ مگر ان میں سے بہت سے حکمِ توریت کے حکم کے خلاف دیتے تھے بمعمولی جرائم پر وہ لوگوں کو خلافِ حکمِ توریت خود ہی بخش دیتے تھے کہ مظلوم اپنے بدلہ کے لیے تڑپتا رہ جاتا تھا۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ظلم چھوٹا ہو یا بڑا اس کا بدلہ لینے کا توریت میں حکم ہے۔ جان کے بدلے جان لی جائے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے کان کاٹنے کے بدلے کان کاٹے جائیں۔ دانت توڑنے کے بدلے دانت توڑا جائے۔ جتنا زخم کسی کے بدن پر لگایا گیا ہو زخم لگانے والے کے جسم پر ویسا ہی زخم لگایا جائے۔ ہاں اگر مظلوم اپنی نیک نفسی کی بنا پر ظالم کو بخش دے تو خدا اس کا اجر اس کو دیتا

ہے اور اس عفو کو اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ درگزر کرنا خدا کو کس قدر محبوب ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے اپنے پیغمبروں کے قدم بقدم عیسیٰ بن مریم کو چلایا جو اس کتاب توریت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو موجودہ توریت کی تصدیق کرنے والی ہے اور سراپا ہدایت ہے اور متقیوں کے لیے نصیحت ہے انجیل والوں کو اس کے مطابق حکم کرنا چاہئے جو اس کے اندر ہے اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے خلاف حکم کرنے والے فاسق ہیں۔

ان آیات میں ان عیسائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو باوجود عالمِ انجیل ہونے کے یہودیوں کی طرح کتابِ خدا کے خلاف حکم دیتے تھے۔ چونکہ یہودی اور نصرانی علماء نے توریت و انجیل کی آیات کے مطالب اپنی رائے و قیاس کی بنا پر بیان کرنا شروع کیے لہٰذا گمراہی پھیلنی شروع ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں میں اکہتر فرقے بن گئے اور نصاریٰ میں بہتر۔ یہی مصیبت اسلام پر بھی آئی۔ جب قرآن کریم کے حقیقی وارثوں کا دامن چھوڑ کر معانی و مطالب غیر ذمہ دار لوگوں سے لینے شروع کر دیئے تو ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً

وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اے رسول ہم نے تم پر کتاب برحق نازل کی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے زمانہ میں موجود ہے اور اس کی نگہبان بھی ہے پس جو کچھ اس کتاب (قرآن) میں نازل کیا گیا ہے لوگوں کے درمیان اسی کے مطابق حکم کرو اور جو حق بات خدا کی طرف سے تمہارے پاس آچکی ہے اس سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے (اپنی مصلحت کے مطابق) ایک شریعت اور ایک خاص طریقہ مقرر کر دیا ہے اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی (شریعت والی) امت بنا دیتا مگر مختلف شریعتوں سے خدا کا مقصود یہ تھا کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہارا امتحان لے لے پس تم نیکیوں کے حاصل کرنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھ جاؤ۔ تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے پس جن معاملات میں تم اختلاف کر رہے ہو وہ وہاں تمہیں بتا دے گا۔

اس آیت میں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ جب جا بجا اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم توریت و انجیل دونو کا مصدق ہے یعنی جو احکام ان میں ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے تو پھر ان کو منسوخ کیوں قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے کہ توریت و انجیل خدا کی نازل کردہ کتابیں ہیں نہ ان محرف توریت و انجیل کی جن میں احکامِ الٰہی کو تبدیل کر کے کچھ سے کچھ کر دیا ہے۔ جو احکامِ الٰہی ان میں ایسے ہیں کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوئی، وہ قرآن میں بھی موجود ہیں لہٰذا ان احکام کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ مثلاً زنِ محصنہ سے زنا کی سزا توریت میں بھی سنگساری ہے اور قرآن میں بھی۔ قصاص کا حکم توریت میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔

۲۔ یہودیوں کی خواہش تھی کہ حضرت رسولِ خدا اپنی امت کو ان ہی احکام کا پابند بنائیں جو توریت میں نازل ہو چکے ہیں لیکن ان کی اس خواہش کو پورا کرنے سے خدا نے اپنے رسول کو روک دیا کیونکہ یہودیوں نے اپنی رائے اور قیاس کو دخل دے کر احکامِ الٰہیہ کو ملیامیٹ کر دیا۔

۳۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا قانون پہلے ہی کیوں نہ بنا دیا کہ ساری امتیں اس پر عمل کرتیں۔ یہ شریعتیں بار بار کیوں بدل گئیں۔ جواب یہ ہے کہ پہلے ہمیں اس پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے اپنی مصلحت کی بنا پر کرتا ہے ہمیں اس کی مصلحت بدلوانے کا کوئی حق نہیں۔ ہر شریعت کا ماخذ ایک ہی ہے یعنی سب خدا کی طرف سے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کے حالات اور ان کی ضروریات اور ان کی مزاجی کیفیات سے بخوبی واقف ہے لہٰذا جس امت کے لیے اس نے جو احکام ضروری سمجھے،

اپنی کتابوں میں ویسے ہی احکام نازل کیے اور اپنے انبیاء کو انہی پر چلانے کی ہدایت کی مثلاً بنی اسرائیل کی جب سرکشی حد سے گزر گئی اور انہوں نے کھلم کھلا احکامِ خدا کی نافرمانی شروع کی یہاں تک کہ انبیاء کو بے محابا قتل کرنے لگے تو خدا نے اس سرکشی کو دبانے کے لیے اپنے احکام سخت کر دیئے۔ بہت سی حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ کبھی جہاد کا حکم دیا کبھی نہیں۔ عبادت کرنے کے لیے صرف ان کے گرجوں ہی کو مسجد قرار دیا ہر جگہ نہیں دی۔ افطارِ صوم کے بعد اگر کوئی سو جاتا تو پھر کچھ کھانا اس کے لیے ممنوع تھا۔ اگر نجاست کسی کے کپڑے پر لگ جاتی تو بجائے طہارت کے اُسے کاٹ دینے کا حکم تھا۔ ماہِ صیام کی راتوں میں وہ اپنی عورتوں کے پاس نہیں جا سکتے تھے خلاصہ یہ ہے جو شریعت کے احکام اس امت کے حالات کے لحاظ سے نازل کیے گئے اس میں ملکوں کی حالت کو بھی دخل تھا ان کے رسم و رواج کو بھی دخل تھا۔ اللہ کسی صورت میں اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا بلکہ جو کچھ مصیبتیں امتوں پر آئیں وہ خود اُن کے کرتوتوں کی بدولت آئیں۔

شریعتوں کے بدلنے کی سب سے بڑی وجہ وہی ہے جو خدا نے اس آیت میں خود بیان فرمائی ہے یعنی اس تبدیلی سے لوگوں کا امتحان مقصود تھا۔ مثلاً توریت کے بعد انجیل آئی تو یہودیوں نے اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ انجیل کے بعد قرآن آیا تو یہود و نصاریٰ نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمانؐ کی پیش گوئی موجود تھی دوسرے وہ عناد اور تعصب کا شکار ہو کر اپنا ایمان کھو بیٹھے۔ اور قتل و غارت گری پر آمادہ ہو گئے۔

۴ - یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے اصول اور قوانین کبھی نہیں بدلے۔ آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءؐ تک وہی رہے۔ لہٰذا کسی نبی کی امت اس دائرہ سے باہر نہیں رہی ہے فروعی احکام تو ان سب کی غرض و غایت بھی ایک ہی ہے یعنی خدا کی عبادت کرنا۔ بنی نوعِ انسان سے حُسنِ سلوک۔ دُنیا پر آخرت کو ترجیح دینا۔ اخلاقی خوبیاں حاصل کرنا وغیرہ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو عملی صورت میں ہے جو اہلِ ایمان ہیں وہ ہر زمانہ میں خدا کی فرمانبرداری پر نظر رکھتے تھے۔ اس کے حکم سے عمل کی جو صورت ہوتی بجا لاتے تھے۔ مختلف لوگوں کے مذاق کے مطابق دسترخوانوں پر جو رنگ برنگ کے کھانے جداگانہ ہوتے ہیں ذائقہ یا رنگ اور وضع قطع میں بھی اختلاف ہوتا ہے لیکن مقصد ان سب کا شکم پُری اور صحتِ بدن کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ جن کھانوں کو تیار کیا جاتا ہے وہ سب خدا ہی کی پیدا کردہ چیزیں ہوتی ہیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع ۱۱

اے رسول جیسا اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اور ان کی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچے رہو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ خدا کے نازل کردہ کسی حکم سے تم کو بھٹکا دیں اگر وہ تمہارے حکم سے منہ موڑ لیں تو سمجھ لو کہ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں کسی مصیبت میں پھنسا دے۔ بیشک لوگوں میں بہت سے آدمی غلط کار ہیں کیا یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ کے حکم کی تم سے بھی امید رکھتے ہیں اور یقین کرنے والے لوگوں کے لیے خدا کے حکم سے بہتر کس کا حکم ہوگا۔

آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے کا زمانہ جو تقریباً پونے سات سو سال کا تھا۔ جاہلیت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ یہ نوعِ انسان کی انتہائی پستی کا دور تھا۔ ان کے تمدن و معاشرت میں جو قوانین رائج تھے وہ قبیلہ کے سردار کا حکم تھا جو ان کے لیے ناقابلِ انکار تھا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو قبائلِ عرب پائے جاتے تھے وہ سب کے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ خانہ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ زناکاری کو فخر سمجھتے تھے۔ باطل اشعار کہنے کا گھر گھر چرچا تھا۔ قتل۔ غارت گری۔ جوا وغیرہ ان کے محبوب مشغلے تھے۔ جب حضورؐ نے ہدایت کا کام شروع کیا، تو وہ لوگ بہت گھبرائے۔ اپنے معمول کے خلاف کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ چاہتے تھے کہ حضرتؐ ان کی خواہشوں کے مطابق ان کے معاملات میں فیصلے کریں۔ اللہ نے اپنے رسول کو اس سے روکا اور کہہ دیا اگر نہیں مانتے تو ان کو چھوڑ دو تاکہ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

اے ایمان والو، تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ یہ تمہارے دشمن ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے دوست

ہیں جو ان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ جن لوگوں کے دل میں نفاق کا مرض ہے تم دیکھو گے وہ انہی کافروں کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ ان لوگوں سے نہ ملنے میں ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے پس عنقریب خدا (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی اور بات اپنی طرف سے ظاہر کر دے گا تب یہ لوگ اپنی بدگمانی پر جو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، شرمائیں گے اور (مومنین پر) جب ان کا نفاق ظاہر ہو جائے گا تو کہیں گے یہی تو وہ لوگ ہیں جو سخت سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے ہم صرف تمہارے ساتھ ہیں ان کا سب کیا کرایا اکارت ہوا اور سخت گھاٹے میں آگئے۔

چونکہ مدینہ میں یہودی بہت مالدار اور صاحبِ اقتدار تھے اس لیے مسلمان (منافق) ان سے بہت ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کی مخالفت میں ہمارا نقصان ہے۔ لہٰذا یہ منافق چوری چھپے ان سے ملتے رہتے اور ان پر اپنی دوستی کا اظہار کرتے رہتے۔ یہودی ان کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے اور ڈراتے کہ تمام قبائل اسلام کے خلاف ہیں وہ سب مل کر ایک نہ ایک دن اسلام کا بیڑا غرق کر دیں گے۔ لیکن جب کسی جنگ میں اسلام کو فتح ہوتی تو یہ بدبخت اپنی بدگمانی پر بہت شرماتے۔ ایمان والے ان پر طعنہ زنی کرتے کہ تم نے تو بڑی پکی قسمیں کھائی تھیں کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے۔ تم یہ کیا مضحکہ خیز ڈرامہ کھیل رہے ہو کہ بظاہر ہم سے بھی ملے ہوئے ہو اور بباطن کفار و مشرکین سے بھی۔ ان کے اس نفاق کا نتیجہ خدا نے یہ بتایا ہے کہ ان کا کیا کرایا سب ضبط کر لیا گیا۔ ان کے کسی عملِ خیر کا کوئی اجر ان کو نہیں ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ
لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع ١٢

اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین (ایمان) سے پھر جائے گا تو پھر جائے (ہمیں کوئی پرواہ نہیں)۔ عنقریب (تمہاری جگہ) خدا کچھ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت

کرتے ہیں مومنین سے ملتے ہیں تو بڑی انکساری سے کفار کے مقابل ہوتے ہیں تو بڑے کرارے نظر آتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہیں کرتے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس کے سوا نہیں کہ تمہارے سرپرست و حاکم صرف اللہ ہے اور اس کے رسول۔ اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو اپنا ولی و حاکم سمجھے گا (تو وہ لشکرِ خدا میں داخل ہوگا) اور بے شک اللہ کے لشکر میں داخل ہونے والے غالب رہیں گے۔

قرآن مجید میں جابجا ایمان والوں سے مخاطبہ کیا گیا ہے کہیں یَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (اے مسلمانو) نہیں کہا گیا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ہمت افزائی کے لیے ہر ایک کو مومن ہی کہہ کر پکارتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں میں تو بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو ایمان سے دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ مثلاً اس آیت میں جن کو مومن کہہ کر پکارا ہے وہ ایسے تھے کہ رسول کو یہ کہہ کر دھمکایا کرتے تھے کہ اگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا تو ہم اسلام سے دست بردار ہو کر اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ہی کے جواب میں فرماتا ہے اگر پلٹ جاؤ گے تو ہمیں تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ تم کیا اور تمہارا ایمان کیا ہمارے پاس تو ایسے کامل مومن ہیں جن کی صفات یہ ہیں:

١۔ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو۔ اللہ کی دوستی کا دعویٰ کرنے والے تو سب ہی مسلمان تھے مگر وہ تو یہاں ایسے لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جن کو وہ خود بھی دوست رکھتا ہے۔ کتنا بلند مرتبہ ہے ان لوگوں کا۔ ایسے لوگوں میں سے ایک کی شناخت رسول اللہ نے جنگِ خیبر میں کرائی۔ جب قلعۂ خیبر کسی طرح فتح ہونے میں نہ آیا تو ایک روز لشکر کی ناکامی پر حضورؐ نے فرمایا لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَالرَّسُوْلُ۔ (کل میں اپنا عَلَم ایسے مرد کو دوں گا جو پے در پے حملہ کرنے والا ہوگا اور بھاگ کر آنے والا نہ ہوگا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔) دوسرے روز بوقت صبح جس کو رسولؐ نے یہ عَلَم دیا وہ امیرالمومنین علی علیہ السلام تھے۔

٢۔ دوسری صفت یہ ہے کہ مومنین سے بہ انکساری پیش آنے والے ہوں گے۔ یہ صفت بھی آلِ رسولؐ سے زیادہ کسی میں نہیں پائی گئی۔ اسلامی تعلیم یہی ہے کہ مومن مومن کے ساتھ نہایت نرمی اور خُلق و مدارا سے پیش آئے۔

٣۔ تیسری صفت یہ ہے کہ کافروں کے سامنے آئے تو شجاعانہ شان سے آئے یہ صفت بھی علیؑ میں بدرجۂ اتم موجود تھی آپ نے کبھی میدانِ جنگ سے فرار نہیں کیا۔ کبھی دشمن سے شکست نہیں کھائی۔ کبھی دشمن کی طاقت کو نظر میں نہیں لائے۔

٤۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے ہوں گے۔ علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے مجھے تین چیزیں سب سے زیادہ محبوب ہیں الاكرام الضيف والصوم فى الصيف والجهاد بالسيف (مہمان کی خاطر تواضع۔ گرمی کے موسم کا روزہ اور تلوار سے راہِ خدا میں جہاد کرنا۔

ممکن ہے کہ فرداً فرداً ان صفتوں میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہوں لیکن مِن حَیثُ المَجمُوع علیؑ کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں اور ان صفات میں علی علیہ السلام نے وہ درجہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک صفت کی تعریف کی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ولی یعنی اولیٰ بالتصرف کون کون ہیں۔

لہٰذا یہ ولایتِ مطلقہ خدا نے صرف تین ذاتوں میں محدود رکھی۔ سب سے اعلیٰ حاکم اور اولیٰ بالتصرف خدا ہے اس کے بعد رسولؐ ہیں اس کے بعد تیسرا ولیِ مطلق وہ ہے جو ایمان والا ہے نماز قائم کرنے والا ہے اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے والا ہے یعنی علی بن ابی طالبؑ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ولی کے معنی دوست ہیں ان کی بات کان کو نہیں لگتی۔ دوست تو انسان کے بہت سے ہوتے ہیں پھر تین میں ان کا انحصار کیوں کیا گیا۔ ہر مومن مومن کا دوست ہوتا ہے۔

غدیرِ خم میں رسول اللہؐ نے اس تیسری ولایت کی توضیح ان الفاظ کے ساتھ کر دی تھی جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے جس کا پورا حال آگے آ رہا ہے۔ تیسرا ولی ایسا ہے جس کی نافرمانی رسول کی نافرمانی ہے اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾

اے ایمان والو جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور کھیل سمجھتے ہیں اور جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے اور کافروں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ اور اگر مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ جب تم نماز کے لیے بلائے جاتے ہو تو وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں اور کھلواڑ بناتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناسمجھ اور بے عقل لوگ ہیں اے اہلِ کتاب کیا تم اس لیے ہمیں عیب لگاتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ہم سے پہلے نازل ہوا ہے بے شک ان میں سے اکثر غلط کار (بدکار) لوگ ہیں۔

یعنی جو لوگ اسلام کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور کھیل کی باتیں سمجھتے ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے دوستی پیدا نہ کریں خواہ اہلِ کتاب ہوں یا کفار ان میں کوئی بھی دوستی کے لائق نہیں کیونکہ اس سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے یہ لوگ دوستی کے پیرایہ میں اپنی منصوبانہ
ایسے لوگوں سے میل جول رکھنے والے سب منافق تھے۔
کارروائیوں کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔
لوامع التنزیل میں ہے کہ اذان کو سن کر کفار کی ایک جماعت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی یہ آپ نے کیا نئی چیز جاری کی ہے۔ آپ سے پہلے جو انبیاء تھے انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ یہ چیخنا اور بلند آواز سے لوگوں کو اپنی نماز کے متعلق بلانا عقلاً
درست نہیں۔ یہ کہہ کر وہ مؤذن کے کلمات کی تمسخرانہ انداز میں نقل کرتے ہوئے چل دیتے تھے۔
مدینہ کا ایک نصرانی جب اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ سنتا تو بے ساختہ کہتا خدا جھوٹے کو جلا کر خاک کرے
ایک دن یہ نصرانی بے خبر پڑا سو رہا تھا اس کا نوکر کسی ضرورت سے اس کی خوابگاہ میں آگ لے کر آیا۔ اتفاقاً ایک چنگاری اس کے فرشِ خواب پر جا گری اور چند منٹ بعد اس سے شعلے بلند ہوئے تھوڑی دیر میں وہ اور اس کے بال بچے اور سارا گھر جل کر خاک ہو گیا۔
تمام ادیان اپنی عبادت کا اعلان غیر فطری طور پر کرتے ہیں یعنی اشرف المخلوقات کی عبادت کا اعلان کرایا جاتا ہے ارذل مخلوق سے جیسے گھنٹہ، سنکھ، ترہی ان سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس مقصد کے لیے ان کو بجایا جا رہا ہے۔ آیا یہ گھنٹہ اسکول کا وقت بتا رہا ہے یا کسی مرنے والے کی موت کی خبر دے رہا ہے یا سنکھ کسی سادھو نے کسی دروازہ پر بھیک مانگنے کے لیے پھونکا ہے یا کوئی تفریحاً ایسا کر رہا ہے یا کسی مندر میں عبادت کے لیے پھونکا جا رہا ہے۔ برخلاف اس کے اسلام میں جو عبادت کا اعلان کرتا ہے وہ آدمی کرتا ہے اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کہہ کر بتاتا ہے کہ وہ نماز کے لیے بلا رہا ہے کسی اور کام کے لیے نہیں۔
اسی طرح اسلام کے تمام احکام جن میں کسی مولوی ملا نے ترمیم نہیں کی ہے سب فطری اور عقلی ہیں۔ اذان میں جس کسی نے اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کیا ہے وہ حقِ ہدایت پورا نہیں کرتا۔ یہ کلمہ صبح کی اذان میں کہا جا رہا ہے۔ لیکن جو شخص سو رہا ہے اور مکلف نہیں اس پر اس کلمہ کا کیا اثر یا جو قرآن پڑھ رہا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ نماز سونے سے ضرور بہتر ہے میں تو سو نہیں رہا قرآن پڑھ رہا ہوں۔ ہاں جو لوگ نیم خوابی کی حالت میں ہیں ان پہ تبلیغ ہو سکتی ہے۔ برخلاف اس کے جب حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ کہا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اے جاگنے والو چاہے کوئی کام بھی کر رہے ہو اسے چھوڑ دو کیونکہ ہر عمل سے نماز بہتر ہے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ

اے رسول تم ان سے کہہ دو کیا میں تمہیں بتا دوں کہ خدا کے نزدیک سب سے سخت تر سزا کن لوگوں کے لیے ہے۔

سنو، جس پر خدا نے لعنت کی۔ جس پر اس کا غضب نازل ہوا۔ جن میں سے بعض کو بندر اور سؤر بنایا گیا اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کی پوجا کی یہ لوگ درجہ کے لحاظ سے سب سے بدتر اور راہِ راست سے بہت دُور پڑے ہوئے ہیں اے مسلمانو جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ کفر کو دل میں چھپائے ہوئے آتے تھے۔

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور کفر ہی لے کر نکلے اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا چھپائے ہوئے تھے تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ گناہ اور سرکشی کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ حرام روزی کھاتے ہیں۔ کتنا بُرا ہے وہ عمل جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو اسلام کی عداوت دل میں چھپائے ہوئے تھے مگر اس لیے ظاہری مسلمان بن گئے تھے کہ قتل سے محفوظ رہیں اور مالِ غنیمت میں ان کو حصہ ملتا رہے۔ اسلام کے احکام پر عمل کرنے سے کتراتے تھے اور شیطانی عمل کی طرف لپکتے تھے آخر غضبِ الٰہی میں آ گئے۔ بندر بنے سؤر بنے مگر پھر بھی عبرت نہ ہوئی۔ تفسیر صافی میں ہے کہ جو بندر اور سؤر بنائے گئے وہ اصحابِ سبت تھے اور طاغوت کی پوجا کرنے والے اور گؤسالہ پرست تھے۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ والے اور علماء ان کو جھوٹ بولنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں روکتے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ بہت ہی بُرا ہے۔ یہودی کہتے ہیں خدا کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (بخیل بن گیا ہے) انہی کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر خدا کی پھٹکار پڑے (خدا کے ہاتھ کیوں بندھنے) اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ تو جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اے رسول جو کتاب تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس سے رشک و حسد ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دے گا۔ ہم نے (ان کی یہ نافرمانی دیکھ کر) ان کے درمیان عداوت اور کینے کی بنیاد قیامت تک کے لیے ڈال دی جب یہ لوگ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو خدا اُسے بجھا دیتا ہے اور یہ لوگ فساد برپا کرنے کے لیے روئے زمین پر دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور اللہ تو فساد کرنے والوں کو دوست رکھتا ہی نہیں۔

علمائے یہود و نصاریٰ باوجودیکہ اپنی قوم میں طرح طرح کی بدکاریاں دیکھتے تھے مگر ڈر اور لالچ کی وجہ سے روکتے نہ تھے۔ وہ کھلم کھلا حرام مال کھاتے تھے مگر علماء کو انہیں ٹوکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ یہودی آنحضرتؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے بڑے مالدار تھے جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ مدینہ کے ان باشندوں سے جو بعد میں مسلمان ہو کر انصار کہلائے سُود میں بڑی بڑی رقمیں وصول کر کے اپنی دولت کو بڑھاتے چلے جاتے تھے۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ان کی کفر نوازی اور اسلام دشمنی کی بنا پر ان کو تجارت اور باغات کی آمدنی میں خسارہ ہونے لگا۔ بس کہنے لگے کہ رب بخیل ہو گیا ہے۔ خدا نے ان کے اس قول کی تردید میں فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں وہ بخیل نہیں۔ خدا کی لعنت ہو ان کہنے والوں پر (یہ اپنی سرکشی اور بے ایمانی کی سزا بھگت رہے ہیں)۔ قرآن کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ رشک و حسد کی آگ میں جلے مرتے ہیں۔ اور ان کا کفر اور ان کی بغاوت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور اس کی سزا ان کو یہ مل رہی ہے کہ ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی ہے اور ایک دو نہیں ان میں اکہتر فرقے بن گئے ہیں اور ان میں آئے دن جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک رہے گا۔ جب کبھی یہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے ان کو شکست ہی نصیب ہوئی۔ اس طرح جب انہوں نے فساد برپا کرنا چاہا تو اسکی لپیٹ میں خود ہی آ گئے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو خدا کے نیک بندے اس کی لپیٹ میں کیوں آ جاتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ نیک بندے اس لیے مبتلائے عذاب ہوتے ہیں کہ انہوں نے غلط کاروں کو بُرے کام کرنے سے روکا کیوں نہیں۔ اگر وہ نہ مانتے تھے تو ان کا بائیکاٹ کیوں نہ کیا۔ پس گویا ان کے جرائم میں وہ بھی شریک تھے ان کے نہ ٹوکنے سے گنہگاروں کی ہمت بڑھ گئی۔

حضرت شعیبؑ کو وحی ہوئی کہ میں تمہاری قوم کے ایک لاکھ آدمیوں پر عذاب نازل کروں گا جن میں چالیس ہزار بد ہونگے اور ساٹھ ہزار نیک۔ انہوں نے عرض کی خداوندا بد تو خیر عذاب کے مستحق ہیں ہی لیکن نیکوں پر کیوں عذاب نازل ہوگا۔ وحی ہوئی اے شعیب چونکہ ان لوگوں نے بدوں کی طرف سے غفلت کی اور مجھ سے سرکشی کرنے پر نہ ان پر غصہ کیا اور نہ اظہارِ نفرت، نہ ان کو چھوڑ کر ہجرت کی بلکہ ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بنے رہے اس بنا پر وہ ان کے شریکِ حال رہے۔

یہودی علماء پر جو عذاب آئے اس کی یہی وجہ تھی کہ انہوں نے روکا نہیں اور نہ نفرت کا اظہار کیا۔ یہ قانون صرف یہودیوں

ہی کے علماء کے لیے نہیں ہے بلکہ مسلمان علماء کے لیے بھی ہے۔ یہاں بھی یہی ہو رہا ہے کہ ہمارے علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتے۔ نہ ان کو نیک کاموں کا خصوصیت سے حکم دیتے ہیں نہ ان کا بائیکاٹ کرتے ہیں نہ ہی برائیوں سے روکتے ہیں اس کا خوفناک منظر ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ علماء کے وقار کو اس زمانہ میں جو زبردست دھچکا لگا ہے اس کا خاص سبب یہی ہے۔ اسی فرض ناشناسی کی بنا پر پبلک کی نظر سے ان کی وقعت گر گئی ہے۔ قرآن میں یہ قصے یوں ہی وقت گزاری کے لیے نہیں سنائے گئے بلکہ اس لیے کہ مسلمان ان سے سبق حاصل کریں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰۤاَيُّهَا ع ٩
الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور ہم سے ڈرتے بھی تو ہم ان کے گناہوں سے درگزر کرتے اور ان کو نعمتوں سے بھرے باغوں میں داخل کر دیتے۔ اگر وہ لوگ احکام توریت و انجیل پر اور ان کے رب کی طرف سے جو صحیفے نازل کیے گئے تھے ان پر عمل کرتے رہتے تو ان کے اوپر اور نیچے سے رزق ان پر برس پڑتا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو میانہ رَو ہیں اور اکثر ایسے ہیں جو بُرے کام کرتے ہیں۔ اے رسُول تمہارے ربّ کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اب اس کی تعلیم کر دو اور اگر تم نے اب بھی کر کے نہ دکھایا تو تم نے اس کو یعنی میری رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا اور (تم ڈرو مت) اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ان آیات سے پہلے یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خلافتِ امیر المومنینؑ کا ذکر ہے۔ ربط سابق کو لاحق سے یہ ہے کہ یہودی صرف اس وجہ سے غلط کاری کے راستہ پر لگے کہ انہوں نے خدا کی کتابوں کا درس اُن لوگوں سے حاصل نہ کیا جو اس کے

ذمہ دار بنائے گئے تھے یعنی انبیاؑ اور اوصیائے انبیاؑ۔ اور ان کی بجائے اپنی ہدایت کی باگ ڈور اپنی قوم کے عالموں کے سپرد کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہ ہو گئے۔ پس اے رسول چونکہ تمہاری مدّتِ حیات ختم ہونے والی ہے لہٰذا اپنی امّت کو اس شخص سے رُوشناس کرا دو جو تمہارے بعد تمہاری امّت کی ہدایت کا ذمّہ دار ہو گا۔

تمام مفسّرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حج آخر سے واپسی کے وقت جب حضورؐ مقامِ غدیر خم پر پہنچے تو نازل ہوئی ہے یہ آیت چند باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے :

١۔ خلافتِ علی علیہ السلام کے تعین و تقرر کے متعلق اس سے پہلے کوئی حکم آچکا تھا مگر حضورؐ نے دشمنوں کی مخالفت کے خوف سے اس کو اپنی امّت سے بیان نہیں کیا۔

٢۔ غدیر خم ایک ایسی منزل تھی کہ حضرت کے تمام ساتھی حج سے واپسی پر ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے اس کے بعد وہ مختلف راستوں میں تقسیم ہو جاتے، لہٰذا یہ تبلیغ کرنا ضروری تھی۔

٣۔ اس امر کی تبلیغ ایسی ضروری تھی کہ اگر اس کو پُورا نہ کیا جاتا تو کارِ رسالت اس حد تک ناکام رہتا گویا کچھ کیا دھرا ہی نہ تھا۔

٤۔ صرف تبلیغ یعنی حکم سُنانا ہی کافی نہ تھا بلکہ عملاً اپنے خلیفہ و جانشین کا تقرر کر کے امّت کو دکھا دینا ضروری تھا تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے ان کو دیکھا ہی نہ تھا صرف نام سُنا تھا لہٰذا ہم نے علیؑ سے علیِّ اعلیٰ (خدا) سمجھا تھا۔

٥۔ لوگوں سے مخالفت کا امکان اتنا زیادہ تھا کہ آپ ان کے کُھلم کُھلا اس حکم کی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔

٦۔ غدیر خم پر آپؐ ایسے وقت پہنچے کہ حدّتِ آفتاب مابین آسمان و زمین آگ برسا رہی تھی۔ کہیں درخت کا سایہ نام کو نہ تھا کیونکہ غدیر خم کوئی منزل نہ تھی۔ ایسی کڑی دھوپ میں جلتی بلتی ریت پر لوگوں کو بٹھا کر اس حکم کی تبلیغ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس خلافت کا رسالت سے کوئی بڑا گہرا تعلق ہے ورنہ لوگوں کو اتنی زحمت کیوں دی جاتی۔

٧۔ اعلان کی صورت یہ تھی کہ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو پالانِ شتر کا ایک منبر بنایا گیا۔ اس پر چادر ڈالی گئی۔ اور حضورؐ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ علی علیہ السلام کو منبر کے پاس اپنے داہنے ہاتھ کے قریب کھڑا کر لیا۔ پہلے ایک طولانی خطبہ بیان فرمایا اپنے مرنے کی خبر دی۔ اپنی تبلیغ کا مفصل ذکر کیا۔ اپنے بعد اپنے اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم دیا۔ پھر فرمایا لوگو! کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے زیادہ صاحبِ حکومت و تصرّف نہیں؟ ہر طرف سے آواز آئی ضرور ایسا ہی ہے۔ تب فرمایا، مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ (جس کا حاکم میں ہوں اس کا حاکم علی بھی ہے)۔ پھر علیؑ کے حق میں دُعا فرمائی "یا اللہ جو اس کی مدد کرے اس کی مدد تو بھی کر جو اس کا دشمن ہو تو بھی اس کا دشمن ہو۔ جو اسے ذلیل کرے تو بھی اسے ذلیل کر جو اس سے لڑے تو بھی اس سے لڑ۔"

٨۔ جب فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ فرمایا تو علیؑ کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ سفیدیٔ زیرِ بغل نمایاں ہو گئی۔ یعنی نام لے کر سُنایا اور بازو پکڑ کر دکھایا۔ اشارہ کر کے سمجھایا۔ اس سے زیادہ مؤثر معرفت اور کیا ہو گی۔

٩۔ سب نے مبارکباد دی۔ حضرت عمرؓ نے بھی ان الفاظ میں مبارکباد دی۔ بَخٍ بَخٍ لَكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَلْيَوْمَ اَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَمَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ (اے علیؑ، مبارک ہو مبارک ہو کہ آپ آج سے میرے بھی مولا بن گئے اور تمام مومنین و مومنات کے بھی)۔

١٠۔ حسان بن ثابتؓ نے بہ نوید مسرت سن کر نہایت جوشیلے انداز میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا ـ

فَقَالَ لَهٗ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّنِیْ رَضِیْتُكَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَامًا وَّ هَادِیًا

رسولؐ نے فرمایا، اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ، میں نے اپنے بعد تمہیں امام و ہادی بنانا پسند کر لیا۔

جہاں تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ اُن کو لکھ دیا۔ اب ضرورت خلافت اور لفظ مولیٰ پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی ہے۔ اس حدیث میں مولا کے دوست اور ناصر کسی وجہ سے نہیں ہو سکتے ۔

(١) آیۂ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) کے بعد غدیرِ خم میں اس اہتمام سے علیؑ کی دوستی کا اعلان ایک غیر ضروری کارروائی قرار پائے گی۔

(٢) اگر مولا کے معنی دوست و ناصر ہوتے تو حضرت عمرؓ کی مبارکباد بے معنی قرار پاتی ہے۔ کیونکہ جب وہ پہلے سے علیؑ کے دوست تھے تو یہ کیوں کہا کہ آج سے تم میرے اور ہر مومن و مومنہ کے دوست ہو گئے۔ ورنہ اس قول سے ثابت ہو گا کہ وہ علیؑ کے دوست پہلے سے نہ تھے ۔

(٣) اگر مولا کے معنی حاکم اور اولیٰ بالتصرف کے نہ تھے تو حسان بن ثابتؓ نے اماماً و ہادیاً کا لفظ کیوں استعمال کیا۔

(٤) اگر مولا کے معنی دوست و ناصر تھے تو حرث بن نعمان نے جو عربی زبان کا اہلِ زبان تھا، طیش میں کیوں آیا اور خدا سے اپنے اُوپر عذاب نازل کرنے کی دُعا کر کے ہلاک کیوں ہوا ؟

(٥) اگر علیؑ کی دوستی اتنی اہم تھی کہ بغیر اس کے اعلان کے کارِ رسالت ناتمام رہتا تھا تو پھر آنحضرتؐ کے بعد علیؑ سے دشمنی کیوں روا رکھی گئی۔ اس صورت میں لازم آئے گا کہ جو مسلمان علیؑ کے دوست نہ تھے وہ رسولؐ کے بھی دوست نہ تھے ۔

(٦) بطور براعت استہلال جب حضورؐ نے پہلے یہ فرمایا تھا، اَلَسْتُ اَوْلٰى بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ (کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں۔) تو اس کے بعد مولا بمعنی دوست لینا بلاغت سے گرا دینا ہے۔ جب تک مولا بمعنی اولیٰ نہ ہو کلام کا لطف غائب ہو جاتا ہے ۔

(٧) جب تک کسی تحریک کی بقا کا دوامی بندوبست نہیں کیا جاتا، کچھ دن بعد وہ تحریک مردہ بن کر رہ جاتی ہے اور محرک کی تمام محنت برباد ہو جاتی ہے۔ ہر تحریک کو آگے بڑھانے والے کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک کی رُوح اور اس کام کی حقیقت کو سمجھے ہوئے ہوتے ہیں صرف مُردہ باد یا زندہ باد کہنے والوں کے سہارے کوئی تحریک نہیں چلتی۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو یہی بتایا کہ اگر تم نے اپنی نبوت کی بقا کا قیامت تک کے لیے بندوبست نہ کیا اور اپنا جانشین مقرر کیے بغیر دُنیا سے چلے آئے تو اسلام کے بدن سے اس کی رُوح نکل جائے گی صرف ڈھانچہ رہ جائے گا۔ نام رہے گا معنویت رُخصت ہو جائے گی۔

(٨) حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان یُوں تو سرکارِ دو عالمؐ بار بار کرتے رہے لیکن اس شدّ و مد سے اعلان کبھی نہ ہُوا تھا جیسا کہ ١٨ ذی الحجہ سنہ ١٠ھ میں مقامِ غدیرِ خم میں کیا گیا۔

(٩) اس امر کو سمجھتے ہوئے کہ لوگ غدیرِ خم کے اعلان کو بھول جائیں گے یا نظر انداز کر دیں گے حضورؐ وقتِ آخر ضبطِ تحریر میں لانا چاہتے تھے۔ مگر ایسا لکھنے کا موقع نہ دیا گیا۔ بہرحال حُجت ہر طرح تمام کر دی گئی۔ آگے اسلام جانے اور مسلمان ـ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ
كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اے رسول تم کہو اے اہلِ کتاب جب تک تم توریت و انجیل اور صحیفوں پر جو تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں عمل نہ کرو گے تو تمہارا مذہب کچھ بھی نہیں۔ تمہارے ربّ کی طرف سے جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے اس کے رشک و حسد (میں یہ لوگ مرے جاتے ہیں) اور اُن میں سے بہتیروں کی بغاوت اور کفر پرستی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ پس تم اس کافر قوم پر ذرا افسوس نہ کرو۔ بے شک جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور یہودیوں میں اور نصرانیوں میں سے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آئے ہیں اور اُنہوں نے اچھے اچھے کام کیے ہیں، ان کے لیے (روزِ قیامت) نہ خوف ہو گا نہ حُزن ـ

یہودیوں اور نصرانیوں کے پاس توریت بھی تھی اور انجیل بھی اور انبیاء کے صحیفے بھی، مگر عمل میں کورے تھے پھر ایسے مذہب سے کیا فائدہ۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کو سُن سُن کر اور لوگوں کی بڑھتی ہوئی توجہ اس طرف دیکھ کر آتشِ حسد و بغض سے جلے مرتے تھے اور ان کی سرکشی اور کفر پرستی بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ یعنی وہ ہر تعلیمِ قرآن سے انکار کرنے پر تُلے بیٹھے تھے ـ رسولؐ سے کہا جاتا ہے تم ان کافروں کی حالت پہ ذرا افسوس نہ کرو، مرتے ہیں تو مرنے دو۔ ہاں جن یہود و نصاریٰ وغیرہ نے اسلام قبول کر لیا، خدا اور آخرت پر ایمان لے آئے، بے شک وہ عذابِ آخرت سے بے خوف ہو گئے ـ

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَ
حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَ
رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾

ہم نے بنی اسرائیل سے پکّا عہد و پیمان لے لیا تھا اور ہم نے ان کے پاس اپنے رسولوں کو بھی بھیجا۔ پس جب کوئی رسول ان کے پاس ان کی مرضی کے خلاف حکم لے کر آیا تو ایک گروہ نے تو ان کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ نے انہیں قتل کر ڈالا اور یہ سمجھ لیا کہ ایسا کرنے میں ان کے لیے کوئی خرابی نہ ہوگی۔ پس اندھے بہرے بن گئے۔ (کہ حق بات نہ دیکھتے تھے نہ سنتے تھے)۔ پھر اللہ سے انہوں نے توبہ کی۔ پھر ان میں سے اکثر اندھے بہرے بن بیٹھے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس کا دیکھنے والا ہے۔ بے شک ان لوگوں نے کُفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو بس مسیح بن مریم ہیں حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ بے شک جو شرک باللہ کرے گا تو اللہ نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

باوجودیکہ بنی اسرائیل اپنے انبیاءؑ کے سامنے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا پُورا پُورا اقرار کر چکے تھے مگر پھر بھی ان کی یہ حالت رہی کہ جب بھی اپنی مرضی کے خلاف حکم سُنتے تو فوراً اس نبی کو جھٹلانے لگتے۔ اور جب وہ ذرا سختی سے کام لیتے تو ظالم ان کو قتل کر ڈالتے۔ وہ تو آیاتِ الٰہی کو نہ پڑھتے تھے نہ سُنتے تھے بس جو کچھ ان کے دل میں آتا تھا کر بیٹھتے تھے۔ بعد میں کچھ تو ان میں سے اپنی بداعمالی پر نادم ہو کر اللہ سے توبہ کرتے تھے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہ توبہ ٹوٹ جاتی تھی اور پھر وہی شرارتیں کرنے لگتے تھے۔ نصاریٰ نے تو یہ غضب ڈھایا کہ مسیح کو خدا مانتے تھے۔ حالانکہ مسیح نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ یہی اپنی اُمّت سے کہتے تھے کہ اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

قرآنِ کریم میں جا بجا اہلِ کتاب کی مذمّت وارد ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود بکثرت انبیاءؑ ان میں پیدا ہونے کے نہ اُن کی ایمانی قوّت درست ہوئی نہ اخلاق۔ یہودیوں سے زیادہ دُنیا میں کوئی قوم غلط کاری، سفّاکی، بے ایمانی و بداخلاقی میں ڈھونڈے نہ ملے گی۔ نیز جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ یہودی سب سے زیادہ اسلام کے دشمن تھے لیکن علمائے نصاریٰ ان سے کہیں زیادہ نرم دل تھے اور اسلام کی طرف مائل بھی تھے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ
يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى
اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ
نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا
يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾

کُھلا کفر کیا اُن لوگوں نے جو کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو کچھ یہ لوگ بکواس کر رہے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو سمجھ لیں کہ جو لوگ ان میں سے کافر رہ جائیں گے ان پر دردناک عذاب نازل ہوگا تو یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اپنے قصوروں کی معافی کیوں نہیں مانگتے۔ اللہ تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مسیح بن مریم تو بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ان کی ماں بھی خُدا کی سچّی بندی تھیں وہ دونوں (عام آدمیوں کی طرح) کھانا کھاتے تھے۔ اے رسول غور تو کرو ہم اپنے احکام کیسے کیسے صاف صاف بیان کرتے ہیں پھر دیکھو تو یہ لوگ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی ناکارہ چیزوں کی عبادت کرتے ہو جن کو نہ نقصان پہنچانے کا اختیار ہے نہ نفع کا۔ اللہ تو سب کی سُنتا اور ہر بات کو جانتا ہے۔

نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کارخانۂ عالم تین کے یدِ قدرت سے چل رہا ہے۔ ایک خدا دُوسرے روح القدس تیسرے مسیح بن مریم۔ یہ تینوں مل کر ایک خدا بن گئے ہیں۔ ایک تین ہیں اور تین ایک ہیں ان کو وُہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ یہ کیسا غلط اور خلافِ عقل عقیدہ ہے۔ ذرا اس پر غور کیجئے:

۱۔ اگر یہ تین ہر بات میں اتفاقِ رائے رکھتے ہیں تو ان تین کی ضرورت کیا۔ جب سب کی رائے ایک ہی ہے تو یہ سب کام ایک ہی ذات انجام دے سکتی ہے اور اگر اُن کی رائے میں اختلاف ہے ایک کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ تو اس صورت میں نظامِ عالم برقرار کیسے رہ سکتا ہے۔ اس میں فساد کیوں نہیں پیدا ہوتا۔ جبکہ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق چاہتا ہے۔

۲۔ اگر ایک کو دُوسرے کی احتیاج ہے تو محتاج اِلَی الغیر مدبّرِ عالم اور قادرِ مطلق نہیں ہوسکتا۔
۳۔ اگر مسیح خدا کے جزو ہیں تو جب تک وہ پیدا نہ ہوئے تھے وجودِ خدا ناقص تھا اور جب نہ رہیں گے تو پھر ناقص ہوجائے گا۔
۴۔ جب بطنِ مریمؑ سے مسیح پیدا ہوئے تو وہ حادث ہوئے یعنی پہلے نہ تھے پھر ہوئے اور خدا حادث نہیں بلکہ واجب الوجود ہے اس کے لیے تو کوئی وقت و زمانہ نہیں کسی نے اس کو پیدا نہیں کیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا پس حادث و قدیم ایک ذات کیسے ہوگئے۔
۵۔ ذاتِ واجب الوجود خدائے واحد میں ایسی کیا کمی تھی جس کو پورا کرنے کے لیے اُس نے روح القدس اور مسیح کو اپنا شریکِ کار بنایا۔ اور مسیح نے اس کے ساتھ رہ کر کائنات کی کارسازی میں کیا خدمت انجام دی۔
۶۔ کیا ایسی کمزور ذات بھی خدا کہلائی جاسکتی ہے جس کو لوگ پکڑ کر بعقیدہ نصاریٰ سُولی پر چڑھادیں اور وہ گھبرا کر خدا سے فریاد کرے، اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ (اے میرے معبود تُونے مجھے ان دشمنوں میں کیوں چھوڑ دیا)۔
۷۔ مذکورہ بالا آیت میں مسیحؑ اور مریمؑ کے حدوث کا اللہ تعالیٰ نے یہ ثبوت بیان فرمایا ہے کہ وہ دونوں تو عام آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے تھے یعنی محتاجِ غذا تھے اپنی ذات کی بقا کے لیے۔ بے شمار موقعوں پر خدا کے محتاج تھے پھر وہ خدا کیسے ہوگئے۔
۸۔ مسیح کو خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرنے والے اس پر غور نہیں کرتے کہ جب مسیحؑ خود خدا کی عبادت کرتے تھے تو اُن کی عبادت کیسے جائز ہوگی۔ وہ تو نہ بذاتِ خود کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے تھے نہ نقصان پہنچانے کی، جو کرتے باذنِ خدا کرتے تھے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا
مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ ع لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ
بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا
یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ
سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

اے رسول یہ کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو۔ اور نہ اس قوم کی خواہشاتِ بد کی پیروی کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوچکی ہے جنہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور صحیح راستہ (خدائی راستہ) سے خود بھی بھٹک

گئے۔ بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم نے لعنت کی ہے۔ یہ اس بنا پر کہ اُنہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے تھے اور جس بُرے کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس سے باز نہ آئے اور کیے چلے گئے اور جو کام وہ کرتے تھے کیسا بُرا تھا تم اے رسول ان یہودیوں میں سے بہت سوں کو دیکھو گے کہ کفار سے دوستی رکھتے ہیں جو سامان پہلے سے ان لوگوں نے اپنے واسطے مہیا کیا ہے وہ کتنا بُرا کام ہے (جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ ان پر غضبناک ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی خدا کے سب سے زیادہ نافرمان بندے تھے۔ جن پر انبیاءؑ نے لعنت کی ہو جن پر خدا کا غضب نازل ہو ان کی نجات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہودیوں کا اس پر یہ کہنا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔ ہم اللہ کے دوست ہیں ہم کو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں، مجنوں کی بڑ سے زیادہ نہیں۔

وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ
لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ
وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اگر یہ یہودی اللہ اور رسول پر اور اس کتاب پر جو رسول پر نازل کی گئی ہے ایمان لائے ہوئے ہوتے تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بدکار ہیں۔ اے رسول ایمان والوں سے سخت ترین عداوت رکھنے والے یہودی ہیں اور مشرکین۔ ان سے دوستی کرنے میں سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ عالم اور عابد ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔

یہ آیت عام نصاریٰ کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ نصارائے حبشہ کے بارہ میں ہے کیونکہ جب جناب جعفرؓ مع اپنے ساتھیوں کے حبشہ پہنچے تھے اور نجاشی بادشاہِ حبشہ نے قرآن اور آنحضرتؐ کے معجزات کو سُنا تھا تو وہ ایمان لے آیا تھا۔ اور جب جعفرؓ وہاں سے واپس ہوئے تھے تو اُس نے ستّر علماء کو اُن کے ساتھ کیا تھا۔ جب یہ لوگ آنحضرتؐ کے سامنے آئے تو حضرتؐ نے ان کے سامنے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی وہ علماء اسے سُن کر بہت روئے اور ایمان لے آئے۔ کہنے لگے قرآن انجیل سے کتنا مشابہ ہے۔

فہرست موضوعات

فضائل بسم اللہ	۵۷
تفسیر سورۂ فاتحہ	۵۸
عہدِ رسالت کے مسلمان	۶۸
مشرکین کا حال	۶۸
منافقوں کا حال	۶۹
جنّت کے پھل	۷۳
مچھر کا حال	۷۳
حضرت آدمؑ کا قصّہ	۷۵
خلافتِ آدمؑ	۷۵
خدا اور ملائکہ کا مکالمہ	۷۶
اسماء کی بحث	۷۷
کلمات سے پنجتن مراد ہیں	۷۹
بنی اسرائیل کا قصّہ	۸۲
بنی اسرائیل پر احسانات	۸۳
بنی اسرائیل کو احسانات یاد دلانا	۸۴
بنی اسرائیل پر احسانات کا ذکر	۸۷
موسیٰؑ کا طُور پر جانا	۸۷
بابِ حطہ سے کیا مُراد ہے	۸۸
بنی اسرائیل پر احسانات	۸۸
بنی اسرائیل کی نافرمانیاں	۹۰
طور کا سروں پر بلند ہونا	۹۲
بندر بن جانا	۹۲
یوم سبت کا قِصّہ	۹۳
گائے کا قِصّہ	۹۴
یہودی علماء کی توریت میں تحریف	۹۹
والدین سے حُسنِ سلوک	۱۰۰
ذوی القربیٰ و یتیموں سے سلوک	۱۰۰
بنی اسرائیل کی فتنہ پردازی	۰۱
یہودی انبیاء کو قتل کرتے تھے	۰۵
یہودیوں نے کوئی معاملہ پورا نہ کیا	۰۶
ہاروت و ماروت کا قِصّہ	۰۷
تعویذوں کے اثرات	۰۸
یہودیوں کی شرارت	۱۰
تنسیخِ آیت کا مطلب	۱۰
یہود و نصاریٰ کا جھگڑا	۱۲
تحویلِ قبلہ	۴
حضرت ابراہیمؑ کا قِصّہ	۵
امامت خدا کی طرف سے ہے	۵
عہدۂ امامت	۷
امام اور کتاب کا ساتھ قیامت تک رہے گا	۹
امّتِ مسلمہ سے کیا مراد ہے	۴
تحویلِ قبلہ کا ذکر	۷
صبر و صلوٰۃ سے مدد مانگنا	۳
شہداء زندہ ہیں	۳

امتحانات کا ذکر	۱۴۲
مخلوقِ خدا میں غور وفکر	۱۴۷
بُت پرستوں کی بُتوں سے محبت	۱۴۸
کون کون چیز حرام ہے	۱۴۹
تقلید کی مذمّت	۱۴۹
اصلی نیکی کیا ہے	۱۴۲
قصاص کا حکم	۱۴۴
وصیّت کا حکم	۱۴۵
روزہ کا حکم	۱۴۶
روزۂ خاموشی	۱۴۸
عورتوں کے لباس ہونے کا مطلب	۱۵۰
اعتکاف کا ذکر	۱۵۱
رشوت کی ممانعت	۱۵۱
علم اس کے دروازہ سے حاصل کرو	۱۵۲
فتنہ پردازی سب سے زیادہ جُرم ہے	۱۵۳
اینٹ کا جواب پتھر	۱۵۴
اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو	۱۵۴
حج کا بیان	۱۵۵
حج کے احکام	۱۵۵
شبِ ہجرت کا واقعہ	۱۵۸
پہلے لوگوں کے واقعات سے سبق لو	۱۶۲
حُرمت والے مہینوں کا ذکر	۱۶۴
وہ دس آدمی جو بوئے جنّت نہ سونگھیں گے	۱۶۶
شراب کی حُرمت	۱۶۶
یتیم کا ذکر	۱۶۷
مشرکین سے نکاح کی مذمّت	۱۶۷
جماع کیونکر کرے	۱۷۱
ایلا کا بیان	۱۷۱
طلاق کے احکام	۱۷۱
طلاق کا حکم	۱۷۲
طلاق کے مسائل	۱۷۳
رضاعت کا حکم	۱۷۶
نمازِ پنجگانہ اور قنوط	۱۷۹
حضرت حزقیلؑ اور اُن کی قوم	۱۸۱
طالوت و جالوت کا قصّہ	۱۸۲
آیۃ الکرسی	۱۹۰
دین میں زبردستی نہیں	۱۹۰
حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا مناظرہ	۱۹۲
حضرت عزیرؑ کا قصّہ	۱۹۳
حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو جِلانا	۱۹۵
خیرات کیونکر کرنا چاہیئے	۱۹۷
احسان کرکے کسی کو شرمندہ نہ کرو	۱۹۷
دکھاوے کی خیرات	۱۹۸
سچی خیرات کی تعریف	۱۹۸
بُخل کی مذمّت	۱۹۹
خیرات کی ترغیب	۲۰۱
حضرت علیؑ کی خیرات	۲۰۱
خیرات کے مستحق	۲۰۱
سُود خوار رسولؐ سے لڑتا ہے	۲۰۳
قرض لینے دینے کا طریقہ	۲۰۵
گواہی سے منہ نہ پھیرو	۲۰۵
دستاویز کا موقع نہ ہو تو رہن کرلو	۲۰۶
گواہی مت چھپاؤ	۲۰۶
اُمم سابقہ کا ذکر	۲۰۷

قرآن کی تصدیق آسمانی کتب سے	۲۰۹
توریت کی بازیابی	۲۰۹
خِلقتِ انسانی کے مدارج	۲۰۹
راسخون فی العلم کون ہیں	۲۱۰
کافروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا	۲۱۱
لوگوں کی زینت کی چیزیں	۲۱۲
اسلام فطری دین ہے	۲۱۴
قتلِ نبی کی سزا	۲۱۵
علمائے یہود کی حیلہ سازی	۲۱۶
کافروں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ	۲۱۷
رسولؐ سے محبّت کی صورت	۲۱۸
آدمؑ و نوحؑ وآلِ ابراہیمؑ وآلِ عمرانؑ کا اصطفا	۲۱۹
حضرت مریمؑ کی ولادت	۲۲۱
حضرت یحییٰؑ کی پیدائش	۲۲۲
حضرت زکریّا کا قصّہ	۲۲۲
حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش	۲۲۳
حضرت مریمؑ کا قصّہ و بشارتِ حضرت عیسیٰؑ	۲۲۴
حضرت عیسیٰؑ کے معجزات	۲۲۶
حواریوں کا ایمان لانا	۲۲۷
مباہلہ	۲۳۰
انبیاؑ سے میثاق	۲۳۷
انبیاؑ میں کوئی فرق نہیں	۲۳۸
اپنی پسند کی چیزیں راہِ خدا میں دو	۲۴۱
خدا کا سب سے پہلا گھر	۲۴۲
حج کا حکم	۲۴۲
دینی امور میں کفّار کا کہنا نہ مانو	۲۴۳
اللہ کا احسان	۲۴۳
خدا کی رسّی مضبوط تھامے رہو	۴۳
دین کے بعد کفر کی سزا	۴۵
خیرِ امّت اہلبیتؑ رسولؐ ہیں	۴۶
عبداللہ ابنِ سلام کی مدح	۴۷
یہودیوں کا حال	۴۷
خلافِ شرع خرچ	۴۸
جنگِ اُحد	۵۱
سُود کی مذمّت	۵۳
توبہ کس طرح کی جاتی ہے	۵۴
جنگِ احد	۵۵
مومنوں کی دُعائیں	۵۸
جنگِ اُحد کا حال	۶۲
رسولؐ نرم دل تھے	۶۳
کام میں مشورہ کرو	۶۴
چوری کا عذاب	۶۵
جنگِ اُحد کا ذکر	۶۶
شہدائے راہِ خدا زندہ ہیں	۶۷
کفر کی مذمّت	۱
کعب ابنِ اشرف	۲
ہر نفس کے لیے موت ہے	۳
خدا سے عہد و پیمان	۳
حیلہ باز یہودی	۳
مومنین کا حال	۴
نسلِ آدمؑ کیسے چلی	۸
چار نکاحوں کی اجازت	۹
مالِ یتیم کھانے کی ممانعت	۲
میراث	۳

حرام عورتیں ۲۸۹
متعہ کا بیان ۲۹۱
کنیزوں سے عقد ۲۹۴
حرام کھانے کی ممانعت ۲۹۵
ترکہ کی تقسیم ۲۹۶
بخل کی مذمت ۲۹۹
رسولؐ سب امتوں پر گواہ ہوں گے ۳۰۰
نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ۳۰۱
یہودیوں کی چالبازی ۳۰۲
شرک ناقابلِ معافی ہے ۳۰۳
آلِ ابراہیمؑ کو خدا نے کیا کیا دیا ۳۰۵
امانت ادا کرنے کا حکم ۳۰۶
رسولؐ کا فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا ۳۱۱
خدا نے کن لوگوں پر نعمتیں نازل کیں ۳۱۲
منافقوں کا حال ۳۱۳
بُرائی کس کی طرف سے ہے ۳۱۶
اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ۳۱۸
جہاد کی ترغیب ۳۲۰
منافقوں کا ذکر ۳۲۱
مکاروں کے قتل کا حکم ۳۲۳
قاتل کی سزا ۳۲۴
بے گناہ کو قتل نہ کرو ۳۲۵
مجاہد کا مرتبہ ۳۲۶
ہجرت کرنے کا حکم ۳۲۸
رسولؐ کو سب کچھ دکھا دیا ۳۲۸
شیطانی عمل ۳۳۹
بی بیوں کے درمیان عدل ۳۳۶
جھوٹی گواہی کی ممانعت ۳۳۷
حضرت عیسیٰؑ کے متعلق غلط خیالات ۳۴۳
حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اُترنا ۳۴۵
یہودیوں کی تین مذموم صفتیں ۳۴۵
حضرت داؤدؑ کی خوش الحانی ۳۴۷
یہود و نصاریٰ دونوں ایک راستہ پر ہیں ۳۴۸
حرام جانور ۳۵۳
آیہ الیوم اکملت الیوم غیر مناسب مقام پر ہے ۳۵۳
غدیر خم میں حضرت علیؑ کی خلافت ۳۵۴
اہلِ کتاب عورتوں سے متعہ جائز ہے ۳۵۶
وضو کا بیان ۳۵۷
بنی اسرائیل سے میثاق ۳۵۷
بنی اسرائیل کو مصر کی سلطنت ملنا ۳۵۹
نُور کی تعریف ۳۶۳
یہودیوں اور نصرانیوں کا غلط عقیدہ ۳۶۶
زمانۂ فترت ۳۶۵
ارضِ مقدس ۳۶۷
ہابیل و قابیل ۳۶۹
یہودیوں کا حال ۳۷۵
حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ۳۷۸
یہود و نصاریٰ کو سرپرست نہ بناؤ ۳۸۱
ولی کون کون ہیں ۳۸۳
یہودیوں کا قولِ خدا کی نسبت ۳۸۶
غدیر خم کا واقعہ ۳۸۸
یہودی مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن ہیں ۳۹۰

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ — من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآن در بغل

تفسیر القرآن

پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا (۷) تا وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ (۱۲)

مفسر

الحاج حضرت ادیبِ اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مُصنّف دو صد سیزدہ کتب

و

بانی جامعۂ امامیہ وغیرہ

جلد دُوم

ناشر

ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ناظم آباد، کراچی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد دوم

مفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

میں نے اس تفسیر القرآن کی
جلد دوم کے متن کو بغور پڑھا ہے۔
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے
متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت
میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

حافظ عبد الرؤف خان

حافظ عبد الرؤف خان

مؤرخہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۸ء

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

ناشر: ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ ناظم آباد کراچی
مطبع: قریشی آرٹ پریس ناظم آباد ۲ کراچی
کتابت: محمود ابن الماس رقم - لاہور

بار: دوئم ہدیہ ۱۳۰/- روپے ۱۹۹۸ء

فہرست

نام پارہ	صفحہ	نام سورہ	صفحہ
وَاِذَا سَمِعُوْا (۷)	۵	اَلْمَآئِدَة (۵)	۵
وَلَوْ اَنَّنَا (۸)	۶۳	اَلْاَنْعَام (۶)	۲۴
قَالَ الْمَلَاُ (۹)	۱۱۵	اَلْاَعْرَاف (۷)	۸۴
وَاعْلَمُوْٓا (۱۰)	۱۶۳	اَلْاَنْفَال (۸)	۱۵۶
يَعْتَذِرُوْنَ (۱۱)	۲۲۳	اَلتَّوْبَة (۹)	۱۸۶
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ (۱۲)	۲۷۷	يُوْنُس (۱۰)	۲۴۱
		هُوْد (۱۱)	۲۷۵
		يُوْسُف (۱۲)	۳۱۵

مُعاونین

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی ، بی ۔ ایس سی ، ایم ۔ بی ۔ بی ایس
سید شمیم الحسن صاحب نقوی ایم اے ، ایل ۔ ایل ۔ بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ و ممبر ایگزیکٹو بورڈ آف یونائیٹڈ بنک
سید نسیم الحسن صاحب بی ۔ ایس سی انجینئر ۔ سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج کراچی
سید کاظم حسین صاحب نقوی ، سٹیٹ بنک آف پاکستان کراچی
پروفیسر مولانا سید عنایت حسین صاحب قبلہ جلالوی بانی مجلسِ علی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم اے ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سید شبیہ الحسن صاحب ایم اے ، ایل ۔ ایل ۔ بی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی
سید عرفان حسن صاحب زیدی ایم اے ، بی ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
سیدہ ثریا سلطانہ صاحبہ زوجہ خلیفہ سید سعادت حسین صاحب بی اے ، لاہور
ڈاکٹر مس نازنین دولت پی ایچ ڈی اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سید خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ آر
سید عالیجاہ حسین صاحب ایم ایس سی ، اے ۔ ایس سی ۔ پی (امریکہ)
مس گلشن بتول صاحبہ ایم اے گولڈ میڈلسٹ ، لیکچرار لاہور کالج فار ویمن ، لاہور
آغا محمد جعفر صاحب کاظمی
سید محمد بو علی صاحب نقوی امروہوی ، جامعہ امامیہ کراچی
سید محمد رضا صاحب مرشد آبادی
سید احمد رضا صاحب مرشد آبادی
سید تجمل رضا صاحب مرشد آبادی
سید رشید جعفری صاحب
عبدالحئی خان صاحب ایم ۔ ایس سی (علیگ) گولڈ میڈلسٹ جیالوجسٹ
سید محمد عباس صاحب نبیرہ خلیفہ سید سعادت حسین صاحب بی اے ، لاہور
حکیم سید حمید الظفر صاحب
سید آصف جاہ صاحب ایم ۔ ایس سی

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا
مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا
نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

تو دیکھتا ہے کہ جب یہ لوگ قرآن سنتے ہیں جو ہمارے رسول پر نازل کیا گیا ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے امرِ حق کو پہچان لیا ہے ۔ اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم تو ایمان لے آئے اب تو رسول کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی لکھ اور ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم خدا پر اور جو حق بات ہمارے پاس آ چکی ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور پھر خدا سے یہ اُمید بھی رکھیں کہ وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیں بہشت میں پہنچا دے گا تو خدا نے انھیں صدقِ دل سے عرض کرنے کے صلہ میں وہ ہرے بھرے باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور سچے دل سے نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے ۔

قریش آنحضرتؐ کے اعلانِ رسالت کے بعد بڑے برہم ہوئے ۔ حضرت رسولؐ کا تو اس لیے کچھ نہ بگاڑ سکے کہ حضرت ابو طالب کی حمایت آپؐ کو حاصل تھی لیکن جو لوگ مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کے ستانے پر کمر باندھی ۔ چونکہ آنحضرتؐ کے پاس اس وقت دفاع کی کوئی صورت نہ تھی ۔ لہٰذا مسلمانوں کو صبر کی تعلیم دینے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے ۔ لیکن جب مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ نے مسلمانوں سے کہا تم میرے چچا زاد بھائی جعفرؓ کے ساتھ حبشہ چلے جاؤ اور ترکِ وطن کر دو ۔ چنانچہ جناب جعفرؓ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر حبشہ پہنچ گئے ۔ جب قریش کو یہ خبر لگی تو انھوں نے عمرو عاص اور عمارہ بن ولید کی قیادت میں اپنا ایک وفد بادشاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان مسلمانوں کو اُن کے ساتھ واپس کر دے ۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور اپنے تحفے پیش کر کے کہا ، یہ لوگ ہماری قوم سے ہیں بھاگ کر آ گئے ہیں آپ انھیں واپس لے جانے کی اجازت دیجیے ۔ نجاشی نے جناب جعفرؓ کو بُلا کر پوچھا کیا معاملہ ہے انھوں نے کہا آپ ان سے پوچھیں ، کیا ہم ان کے غلام ہیں ؟ عمرو نے کہا نہیں ۔ فرمایا کیا ہم ان کے قرضدار ہیں ؟ اُس نے کہا نہیں ۔ جناب جعفرؓ نے فرمایا ، کیا ہم کسی کو قتل کر کے آئے ہیں ؟ اُس نے کہا نہیں ۔ جعفرؓ نے کہا ، پھر تم کو ہم سے کیا مطلب

تم لوگوں نے ہمیں اذیت پہنچائی تو ہم نے تمہارا شہر چھوڑ دیا۔ عمرو عاص نے کہا، اے بادشاہ! انھوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے یہ باپ دادا کے دین کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ ہمارے نوجوانوں کو بہکا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ آپ انھیں ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم انھیں سمجھائیں بجھائیں۔ جعفرؓ نے کہا، اے بادشاہ ہم نے ان کی اس لیے مخالفت کی ہے کہ خدا نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا جو شرک و ظلم و خونریزی، زنا اور سُود کھانے سے منع کرتا ہے اور عدل و احسان صلۂ رحم، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا، جو کتاب تمہارے رسولؐ پر نازل ہوتی ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے۔ جناب جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے وَهُزِّيٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ (مریم ١٩، آیت ٢٥) تو نجاشی رو پڑا اور کہا خدا کی قسم یہی حق ہے۔

عمرو عاص نے کہا حضور آپ انھیں ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر ایک طمانچہ مارا اور کہا اگر اب تو نے کوئی بات ان کے بارہ میں زبان سے نکالی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ۸ھ تک جعفرؓ وہاں بڑی عزت کے ساتھ رہے۔ یہ آیتیں انھیں سے متعلق ہیں۔

قرآن کی عظمت کی یہ بہترین دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا جس پر مہربان ہو تو دم بھر میں وہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ کفارِ قریش نے قرآن مجید کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں وہ کبھی اُسے جادو بتاتے رہتے کبھی شاعری کہتے رہے کبھی کہتے تھے ایک شخص رات کو سکھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے اس میں رکھا ہی کیا ہے یہ تو پُرانے لوگوں کے قصّے ہیں جو یہودیوں کی کتابیں پڑھ کر کہہ دیئے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ
يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا

اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ اے ایمان والو، جو پاک چیزیں اللہ نے تم پر حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو۔ ایسے بڑھنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا جو پاک اور حلال رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ پیو اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بیکار قسمیں کھانے پر تو گرفت نہیں کرے گا لیکن بامقصد پکّی قسمیں کھا کر خلاف کرنے پر ضرور مؤاخذہ کرے گا۔ اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو ایسا اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو لباس پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تین دن روزہ رکھنا۔ جب تم قسم کھاؤ اور اس کے خلاف کرو تو یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے۔ اور اپنی قسموں کے پُورا کرنے کا خیال رکھو اللہ اپنی آیات کو یُوں ہی کھلم کھُلا بیان کیا کرتا ہے تاکہ تم اُس کے شکر گزار بنو۔

ان آیات میں چند باتوں پر توجہ دلائی گئی ہے :-

١ - جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کی ہیں ان کو خواہ مخواہ اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ جیسے نصاریٰ میں رہبان، بودھ میں بھکشو اور ہندوؤں میں سادھو سنیاسی بیک بینی و دو گوش شہروں میں رہنا ترک کر کے پہاڑوں کے غاروں یا دریا کے کنارے یا صحراؤں کی خانقاہوں میں جا بیٹھتے ہیں اور تمام لذاتِ دنیا سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے اس رہبانیت اور قطع تعلق کی اجازت نہیں دی۔ بعض مسلمانوں نے بھی آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ لذیذ کھانا چھوڑ دیا تھا۔ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ اپنی ازواج سے ہم بستری بھی نہیں کرتے تھے۔ جب حضرتؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کو بُلا کر فرمایا، ایسا ہرگز نہ کرو، خدا ایسی زندگی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جیسا میں کرتا ہوں ویسا کرو۔ میں کھاتا پیتا بھی ہوں لوگوں سے ملتا جلتا بھی ہوں۔ اپنی ازواج سے شب باش بھی ہوتا ہوں۔ ہر قسم کا کھانا بھی کھاتا ہوں۔ ایک عورت نے حضرتؐ سے شکایت کی کہ میرے شوہر نے مجھ سے ہم بستری ترک کر دی ہے چار ماہ ہو گئے وہ رات کو میرے ساتھ نہیں سوتا۔ حضرتؐ نے اُس کو بلا کر ڈانٹا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو اس نے کہا خوشنودیٔ خدا کے لیے۔ فرمایا، خدا اس سے خوش نہیں ہوتا۔ تم ابھی جاؤ اور اپنی عورت سے مباشرت کرو۔ اس نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ فرمایا روزہ ترک کرو اور جو میں کہتا ہوں اسے بجا لاؤ۔ روزہ نماز وغیرہ عباداتِ الٰہی کیا میں بجا نہیں لاتا۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو بنی نوع کی امداد سے دست کش ہو کر نماز روزہ بجا لاتا ہے صلۂ رحم کو قطع کرتا ہے وہ دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنے پر مرتکبِ گناہ ہوتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ زہد و تقویٰ سے رہبانیت کا تعلق نہیں۔ جو شخص باوجود ہر طرف دل کھینچنے کے وقتِ مقررہ پر سب کا خیال ترک کر کے خدا کی عبادت کرتا ہے وہی خدا کا محبوب بندہ ہے۔

۲۔ قسموں کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ جو فضول قسمیں کھائی جائیں جیسا کہ عام طور پر لوگ خواہ مخواہ قسمیں کھایا کرتے ہیں، تمہارے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم وغیرہ۔ چونکہ ایسی قسموں کا بغیر ارادہ صدور ہوتا ہے لہٰذا خدا کے یہاں ان سے مواخذہ نہ ہوگا ہاں جو قسم کسی معاہدہ کے تحت 'واللہ، باللہ، باخدا' کی قسم وغیرہ کے الفاظ سے ہوگی۔ وہ ضرور خلاف ورزی کی صورت میں قابلِ مواخذہ ہوگی کیونکہ اول تو اس میں نامِ خدا بیچ میں آتا ہے لہٰذا خلاف ورزی سے خدا کی توہین ہوتی ہے دوسرے جس معاہدہ کو مؤکد کر کے دوسرے کو مطمئن کیا جاتا ہے درصورتِ خلاف ورزی اس کو دھوکا دیا جاتا ہے لہٰذا یہ جرم قابلِ سزا قرار پاتا ہے اور اس کے لیے کفارہ دینا لازم ہو جاتا ہے کفارہ میں اس نے اپنے لطف و کرم سے کتنی سہولت کر دی ہے کہ جو تمہارے لیے آسان ہو وہ دو۔

عدالتوں میں باوجود حلف کرنے کے لوگ جھوٹی گواہیاں دینے میں ذرا باک نہیں کرتے۔ گویا ان کے عقیدہ میں عدالت میں خلافِ حلف کچھ کہنا داخلِ معصیت نہیں۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ خدا نے ہدایت کی ہے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو یعنی جو قسم تم نے کھائی ہے اس کے خلاف ہرگز نہ کرو تاکہ لوگوں پر تمہارا اعتبار قائم رہے۔ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ کبھی کبھی جھوٹی قسمیں کھانے والا دوسرے لوگوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہو جاتا ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ ناپاک اور شیطانی عمل ہیں ان سے بچو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔ شراب اور جوئے کے ذریعے سے شیطان تمہارے درمیان عداوت و بغض کو پھیلاتا ہے اور ذکرِ خدا سے تم کو روکتا اور نماز سے باز رکھنا چاہتا ہے تو کیا تم اس سے باز آنے والے ہو؟ اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان چیزوں سے بچو۔ اگر تم رسول کا کہنا نہ مانو گے تو یہ سمجھ لو کہ ہمارے

رسول پر ہمارے احکام صاف صاف بیان کر دینا فرض ہے۔ (آگے تم جانو اور تمہارا عمل)

شراب کی حرمت کے متعلق سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۹ اور نساء کی آیت ۴۳ میں حکم آچکا ہے اب یہ آخری حکم ہے۔ اس آیت کے نزول سے پہلے حضورؐ نے فرما دیا تھا کہ اللہ کو شراب سخت ناپسند ہے بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت آ جائے لہٰذا جس کے پاس شراب ہو اسے فروخت کر دے۔ مگر لوگوں نے ایسا نہ کیا۔ کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی تب حضورؐ نے سب کو جمع کر کے فرمایا جس کے پاس شراب ہے اب نہ اس کو پی سکتا ہے نہ بیچ سکتا ہے۔ نہ یہودیوں کو تحفۃً دے سکتا ہے۔ اس کیلئے چارہ کار نہیں کہ اس کو زمین پر بہا دیا جائے بعض لوگوں نے کہا ہم اسے دوا کے طور پر استعمال کریں گے فرمایا نہیں یہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ جو خدا کے اس حکم کو نہ مانیں ان سے جنگ کرو۔ پھر فرمایا لعنت ہو اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے اور کشید کرنے والے پر۔

خمر کا لفظ انگور سے کشید کی ہوئی شراب پر استعمال ہوتا ہے لیکن وہ سب چیزیں داخلِ شراب ہیں جو نشہ لانے والی ہوں خواہ جَو سے بنائی جائیں یا کھجور سے یا کشمش، منقی، مہوہ یا شیرہ سے۔ غرض جس شراب سے نشہ کی صورت پیدا ہو وہ حرام ہے۔ ایسے دسترخوان پر بھی کھانا کھانے کی ممانعت ہے جس پر شراب رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کرنے کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ یہ شیطانی کام ہے جس سے نقصان یہ پہنچتا ہے کہ شرابی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں کیونکہ نشہ میں ان کی عقل ماری جاتی ہے اور پھر تمام اخلاقی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور وہ ایسے افعال کے مرتکب ہونے لگتے ہیں جو جھگڑے اور فساد کا باعث ہوں۔ دوسرے جب شرابی نشہ میں مست ہو جاتا ہے تو پھر ذکرِ الٰہی سے اس کا تعلق نہیں رہتا۔ تیسرے نشہ کی حالت میں وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اسی لیے نماز سے بحالتِ نشہ روک دیا گیا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جو مالی نقصان ہوتا ہے وہ بسا اوقات شراب خوار کو تنگدست بنا دیتا ہے۔ ہم اس کے متعلق پہلی جلد میں کافی لکھ چکے ہیں۔

شراب خوار اسلامی معاشرہ میں نہایت ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اس کے لیے کچھ کم نقصان دہ بات نہیں بعض لوگ شراب پیتے پیتے ایسے بے حیا بن جاتے ہیں کہ انہیں کھلم کھلا پینے سے ذرا شرم نہیں آتی۔ اسلامی سوسائٹی کے یہ بدترین افراد کہلاتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ
تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

جو لوگ ایمان والے اور نیک کام کرنے والے ہیں وہ حلال چیزوں میں سے جو کچھ کھائیں ان پر کوئی الزام نہیں جبکہ وہ تقوے والے ہوں ایمان والے ہوں نیک کام کرنے والے ہوں۔ پھر صاحبِ تقویٰ ہوں اور ایمان والے۔ پھر تقویٰ کو اختیار کرنے والے اور نیکیاں کرنے والے ہوں۔ اور اللہ تو نیکیاں کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اے ایمان والو خدا اس شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں تمہارا ضرور امتحان لے گا تاکہ خدا دیکھ لے کہ اُسے بے دیکھے بھالے کون اس سے ڈرتا ہے پس جو زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت میں بار بار تقویٰ کا اور اعمالِ صالحہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے تو انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آیندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں پھر جس جس چیز سے روکا جائے اُس سے رُکیں اور جو فرمانِ خدا ہے اُسے مانیں۔ پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔

حدیث میں ہے کہ تقویٰ تین قسم کا ہے: ۱۔ حرام کو ترک کرنا یہ عوام کا تقویٰ ہے۔ ۲۔ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے مشتبہ چیزوں کا ترک کرنا یہ خاص لوگوں کا تقویٰ ہے۔ ۳۔ شُبہ کے خوف سے حلال چیزوں کا ترک کرنا، یہ خاص الخاص لوگوں کا تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اس آیت میں پہلے تقویٰ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد ایمان اور اس کے بعد عملِ صالح۔ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ اگر تقویٰ نہ ہوگا تو ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اور اعمالِ صالحہ بے اجر رہیں گے اگر ایمان نہ ہوگا۔ دوسری آیت میں کہا گیا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۹/۱۱۹ التوبہ) "اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ یہاں ایمان والوں سے نام مسلمان مُراد ہیں۔ جن کو خصوصیت سے تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر وہ سچوں کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ایمان میں چمک پیدا کرنے والا اور نیک اعمال کو قبولیت کے درجہ تک پہنچانے والا تقویٰ ہے۔ اسی لیے قرآن کی ہدایت قبول کرنے والوں میں سب سے پہلے متقین کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ آیت ۲)۔ اس کے بعد متقیوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

آخری آیت میں بحالتِ احرام شکار کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ مُحرِم بحالتِ احرام نہ تو خود شکار کر سکتا ہے اور نہ شکار کرنے میں کسی دوسرے کو مدد دے سکتا ہے۔ اگر مُحرِم کے لیے کوئی شخص شکار کر کے لائے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔ اس حکم سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن سے مُحرِم کو کاٹ لینے کا خوف ہو۔

مروی ہے کہ جس سال صلح حُدَیبیہ ہوئی جنگل کے شکاری جانور حضرت رسولِ خدا کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور اصحابؓ کے خیموں میں اس طرح آجاتے تھے کہ ان کے ہاتھ اور نیزے آسانی سے ان تک پہنچ سکتے تھے۔ آخر ابو بشیرؓ بن عمرو سے نہ رہا گیا اور اُس نے ایک جانور کو شکار کر لیا۔ اصحابؓ نے اُس کو ملامت کی تو وہ حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حج میں مسلمانوں کو تفریح کے لیے نہیں بلکہ مُعیّن عبادات کے بجا لانے کے لیے بُلایا جاتا ہے۔ جب تک حاجی احرام نہیں باندھتا وہ اپنے افعال میں آزاد رہتا ہے لیکن جب اس نے احرام باندھ لیا تو اب اس کی آزادی باقی نہیں رہتی۔ وہ سر نہیں ڈھک سکتا کسی عورت کو نظرِ بد سے نہیں دیکھ سکتا۔ رفتار کے وقت سایہ میں نہیں چل سکتا۔ کسی غیر موذی جانور کو نہیں مار سکتا۔ سِلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ وغیرہ وغیرہ اسی طرح شکار کرنے کی بھی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ
اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا
اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ
لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

اے ایمان والو حالتِ احرام میں شکار نہ مارو اور جو کوئی قصداً تم میں سے قتل کرے گا تو چوپاؤں میں سے جس جانور کو مارا ہے اس کا کفارہ جو تم میں سے دو منصف آدمی تجویز کر دیں بدلہ میں دینا ہوگا اور اُسے کعبہ تک پہنچا کر اس کی قربانی کی جائے یا اس کے جرمانہ میں اس بدلہ کی قیمت سے محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے یا پھر اس کے برابر روزے رکھنے ہوں گے (اس کا فیصلہ بھی دو عادل آدمی کریں گے کہ کتنے روزے رکھے یا کتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے) یہ جرمانہ اس لیے ہے کہ اپنے کیے کی سزا کا مزہ چکھے۔ جو ہو چکا اس سے تو خدا نے درگزر کی لیکن پھر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس کو سزا دے گا اور اللہ تو سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ تمہارے اور قافلہ والوں کے لیے اللہ نے دریائی شکار جائز کر دیا ہے

لیکن جب تک تم حالتِ احرام میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور اُس خدا سے ڈرو جس کی طرف تم مرنے کے بعد اُٹھائے جاؤ گے۔

احرام کھولنے کے بعد خشکی کا شکار کرنا جائز ہو گا لیکن حرم کے اندر نہیں کہ وہاں کوئی کسی وقت شکار نہیں کر سکتا چونکہ وہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے والے کا گھر ہے لہٰذا سب کے لیے جائے امن ہے انسان ہو یا حیوان قدرت کے اس قانون کو توڑنے والا مجرم قرار پائے گا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾
مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي
الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

اللہ نے لوگوں کی امن کے لیے کعبہ کو حرمت والا گھر قرار دیا ہے اسی طرح حرمت والے مہینوں کو اور قربانی کے جانور کو اور جس قربانی کے جانور کے گلے میں پٹے ڈالے ہوں (قابلِ احترام بنایا ہے) تاکہ تم یہ جان لو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ اس کو جانتا ہے اور بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور اس کے ساتھ اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا بھی ہے۔ ہمارے رسول کا تو یہی فرض ہے کہ وہ ہمارے احکام بندوں تک پہنچا دے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو اللہ اُس کو جانتا ہے۔ اے رسول کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہیں بھلی ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دِلوں میں بُرے خیال سمائے ہوتے ہیں اور حرام مال حاصل کرنے پر ان کی نظر رہتی ہے اگرچہ وہ ظاہر نہیں کرتے لیکن اللہ تو جانتا ہے۔ پاک مال چاہے تھوڑا ہی سامان کیوں نہ ہو وہ حرام مال سے چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو ہزار درجہ بہتر ہے۔ عطر کا ایک قطرہ غلاظت سے بھرے ہوئے ایک گڑھے سے ہزار درجہ بہتر ہے بلکہ ان کے درمیان مقابلہ کے لیے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کسی بندۂ مومن کے پیٹ میں ایک لقمہ بھی حرام کا جائے یاد رکھیے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی۔ حرام کھانے والے کے سر سے اس کا وبال ٹلتا نہیں۔ خدا کے یہاں جو سزا ملے گی وہ تو ملے ہی گی دنیا میں بھی اُس کو ضرور سزا مل جاتی ہے۔ اُس لیے بہتری اسی میں ہے کہ ناپاک چیز کے قریب ہی نہ جائے اُس سے انسانی نفس پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا
عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾
قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ
بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو کسی ایسی چیز کا سوال ہمارے رسول سے نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کی جائے تو تم کو بُرا معلوم ہو اور اگر اُن کے بارہ میں قرآن نازل ہونے کے وقت پوچھ بیٹھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائے گی (مگر تم کو بُرا لگے گا)۔ جو سوالات تم کر چکے خدا نے اُن سے درگزر کی اور خدا بڑا بخشنے والا بُردبار ہے۔ تم سے پہلے بھی لوگوں نے ایسی باتیں اپنے پیغمبروں سے پوچھی تھیں پھر جب تحمّل نہ ہو سکا تو ان سے منکر ہو گئے۔ خدا نے نہ تو کوئی کن پھٹی اُونٹنی مقرر کی ہے اور نہ کوئی سانڈ اور نہ کوئی جُڑواں بچہ اور نہ بوڑھا سانڈ۔ مگر کفار ہیں کہ خدا پر خواہ مخواہ بہتان

باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ جو قرآن خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو کہنے لگے جس دین پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہی ہوں۔

کئی بار ایسا ہوا کہ کچھ بدو گنوار عقل سے کورے حضرتؐ کا امتحان لینے کے لیے آپؐ کی خدمت میں آکر ایسے نامعقول سوال کرتے تھے جن کا تعلق نہ شریعت سے ہوتا تھا نہ معاشرہ سے نہ تمدن سے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا اگر آپؐ پیغمبر ہیں تو بتایئے کہ اس وقت میری بی بی میرے گھر میں کیا کر رہی ہے۔ دوسرے نے کہا یہ بتایئے کہ میرے باپ کا کیا نام ہے۔ تیسرے نے کہا یہ بتایئے کہ میرا باپ کہاں ہے۔ حضرتؐ کو غصہ آگیا اور تیسرے سے فرمایا تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ یہ سن کر وہ بُرا ماننے لگا۔ اس کے متعلق یہ آیت ہے۔ آپؐ نے منبر پر جا کر فرمایا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں مگر ایسی باتیں مجھ سے نہ پوچھو جن کو سن کر تم کو رنج پہنچے۔ بہت سی باتیں شرع میں ایسی ہیں کہ ان کی لِمْ بتانا رسولِ خدا خلافِ مصلحت سمجھتے تھے۔ لوگ نہیں مانتے تھے اور بار بار پوچھتے تھے۔

ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں ایمان لانا ہے تو اللہ اور رسول کی طرف اور جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اسلام قبول کرو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے، ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے بدوؤں میں یہ رسم تھی کہ چار قسم کے اونٹوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے خدا کی خوشنودی کے لیے پُن کر کے چھوڑ دیتے تھے جیسے ہندو سانڈ اور گائیں پُن کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کہتے تھے یہ خدا کا نذرانہ ہے۔ ان جانوروں پر نہ کوئی سواری کر سکتا تھا نہ مار سکتا تھا، نہ ان کو ذبح کر سکتا تھا۔ خدا فرماتا ہے یہ سب خدا پر بہتان ہے وہ جھوٹے ہیں خدا نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

ان جاہل مشرکوں کو جب حضورؐ دعوتِ اسلام دیتے تھے تو کہتے تھے ہمارے باپ دادا بے وقوف نہ تھے۔ انہوں نے جو دین اختیار کیا ہے وہ سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ ہم اسے کیسے چھوڑ دیں۔ حالانکہ ان کے باپ دادا جہالت کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہوں نے کچھ جاہلانہ رسوم کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھ رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آباؤ اجداد کی اسی تقلید ہی نے ان کو ہلاکت میں ڈالا۔ آج بھی یہی صورت ہے جو بت پرست اقوام ہیں ان میں سب جاہل ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے حکماء و فلاسفر، روشن دماغ اور عالی خیال بھی ہیں کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی ہوگی کہ جن بتوں کو وہ پوج رہے ہیں ان میں کوئی طاقت نہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی سے ضرر کو دفع کر سکتے ہیں وہ خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں مگر تقلید ایسی بُری چیز ہے کہ باوجود سب کچھ سمجھنے کے وہ اپنی حماقت میں مبتلا ہیں۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ ماحول و سوسائٹی کا اثر بھی ان پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی دین کو ترک کرنے سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے اسے چھوڑ دیا تو ہم اپنے معاشرہ سے باہر ہو جائیں گے ہمارے اعزہ و اقارب جانی دشمن ہو جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو تم اپنے نفس پر قابو رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کسی کی گمراہی تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی تم سب کی بازگشت تو خدا ہی کی طرف ہے پس جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

قدرت نے گمراہی سے بچنے کا نہایت اچھا اصول اس آیت میں بتایا ہے وہ یہ کہ اگر انسان کو اپنے نفس پر پورا پورا کنٹرول ہو اور ڈانواں ڈول طبیعت والا نہ ہو۔ اپنے کو تھالی کا بینگن نہ بنالے تو کوئی گمراہ کرنے والا اُسے گمراہ نہیں کر سکتا۔ عہدِ رسالت میں کچھ ایسے نرم طبیعت لوگ بھی تھے کہ جب یہودی یا مشرکین ان کو بہکاتے اور اسلام کی بُرائیاں گھڑ کر اُن سے بیان کرتے تو وہ اُن کی باتیں توجہ سے سُنتے تھے اس کے بعد ان کا دل کفر کی طرف جُھکنے لگتا تھا۔ منافقین میں یہ عادت بہت پائی جاتی تھی۔ قدرت نے ان کی روک تھام کے لیے علم النفس کا یہ بہترین اصول انہیں بتایا ہے۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض لوگ ایمان لاتے لیکن پھر مشرکوں یا یہودیوں کے بہکانے سے پلٹ جاتے۔ اس کے بعد جب اسلام کی ترقی دیکھتے تو پھر مسلمان ہو جاتے۔ اس کے بعد پھر اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ جاتے، پھر مسلمان ہو جاتے۔ ایسے لوگوں کا جو منافق کہلاتے تھے قرآن میں ذکر ہے۔ یہی لوگ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ یہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے لوگ تھے۔ یہ صرف زبان سے اقرار کرنے والے تھے حقیقتِ اسلام نے ان کے قلوب میں جگہ نہیں پکڑی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہو تو وصیت کے وقت تم میں سے دو عادلوں کی گواہی ضروری ہے (جو مومن ہوں) اگر تم کہیں کا سفر کرو اور سفر ہی میں تمہیں موت کی مصیبت کا سامنا ہو تو دو گواہ غیر مومن ہی بنالو۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو ان دونوں غیر مومنوں کو نماز کے بعد روک لو اور پھر وہ دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کچھ دام نہیں لیں گے اگر چہ (ہم جس کی گواہی دیتے ہیں) وہ ہمارا عزیز ہی کیوں نہ ہو اور ہم خدا لگتی گواہی کو نہ چھپائیں گے اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہوں گے پھر اگر اس کا پتہ چل جائے کہ یہ دروغ گوئی سے گناہ کے مستحق ہو گئے تو دوسرے دو آدمی ان لوگوں میں سے جن کا حق دبایا گیا ہے اور میت کے زیادہ قرابت دار ہیں، ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں۔ پھر یہ دو نئے گواہ قسم کھائیں کہ پہلے دو گواہوں کی نسبت ہماری گواہی زیادہ سچی ہے اور ہم نے حق سے ایک سر مو تجاوز نہیں کیا، اگر ایسا کیا ہو تو بیشک ہم ظالم ہیں یہ زیادہ مناسب ہے کہ اس طرح خدا سے ڈر کے وہ سچی گواہی دیں یا انہیں دنیا میں رسوائی کا اندیشہ ہو کہ ہماری قسمیں دوسرے فریق کی قسموں کے بعد رد نہ کر دی جائیں (مسلمانو) خدا سے ڈرو اور کان کھول کر سُن لو کہ خدا بد چلن لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

آیاتِ مذکورہ بالا کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ تمیم داری صحابی نے ابن بیدی اور ابی ماریہ نصرانی کے ساتھ بغرض تجارت سفر کیا۔ اس کے پاس علاوہ اور اسباب کے سونے چاندی کے منقش ظروف اور ہار بھی تھے۔ اثنائے راہ میں مر گیا اور تمام مال و اسباب ان دونوں ساتھیوں کے حوالے کر گیا کہ واپس جا کر میرے وارثوں کو دے دینا۔ ان دونوں نے مدینہ آ کر سونے چاندی کے ظروف اور ہار نکال کر باقی اسباب اس کے وارثوں کو دے دیا۔ چونکہ وارثوں کو اس کے اسباب کی پوری فہرست معلوم تھی ان سے مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم کو نہیں معلوم یہ چیزیں اس نے کس کو دیں۔ تب وارثوں نے ان سے یوں جرح کی۔ کیا ہمارا مورث بہت دنوں تک بیمار رہا کہ اس کے علاج میں بہت کچھ خرچ ہو گیا۔ انہوں نے کہا ایسا تو نہیں تھا۔ وارثوں نے کہا کیا اس کا اسباب چوری ہو گیا تھا۔ کہا نہیں۔ کیا تجارت میں نقصان ہوا تھا۔ کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا پھر اس کی قیمتی چیزیں کہاں گئیں۔ وہ بولے ہم نہیں جانتے۔ جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ ہم نے پہنچا دیا۔ آخر یہ مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ چونکہ ان دعویداروں کا

کوئی گواہ نہ تھا لہٰذا حضورؐ نے ان نصرانیوں کو چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد میت کے وارثوں نے ایک کٹورا سُنار کے پاس پایا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ انہی دو نصرانیوں نے بیچا ہے۔ چنانچہ جب ان سے پوچھ گچھ کی گئی تو کہنے لگے یہ چیزیں ہم نے اس سے اُس کی زندگی میں خریدی تھیں مگر چونکہ کوئی گواہ نہ تھا اس لیے ظاہر نہ کیا۔ آخر میت کے وارثوں میں سے دو نے جو میت کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے قسم کھائی کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اس کا بیچنا ثابت نہیں۔ پھر اس کے بعد میت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست بھی نکل آئی۔ تب حضرتؐ نے نصرانیوں سے کُل مال واپس لے کر میت کے وارثوں کے حوالے کیا۔

ان آیات میں غیر مسلم کی گواہی کا ذکر ہے لیکن یہ اس وقت لی جائے گی جب مسلم گواہ دستیاب نہ ہوں۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وصیت کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ گواہوں کو چاہیے کہ وہ جھوٹی گواہی دے کر خدا کے گنہگار نہ ہوں اور گواہی غلط ثابت ہونے پر لوگوں کے سامنے انہیں رسوا نہ ہونا پڑے۔ حقوق الناس کی حفاظت کا باوجودیکہ اسلام نے پورا بندوبست کیا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کا اس پر عمل نہیں۔ ذرا سے فائدے کے لیے یا اپنے کسی عزیز کا جرم چھپانے کے لیے جھوٹی گواہیاں عدالت میں دینے کے لیے آجاتے ہیں اور ذرا اس کا خیال نہیں کرتے کہ ہماری اس جھوٹی شہادت سے صاحبِ حق کے حق پر کیسا بُرا اثر پڑے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ
اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۖ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ
وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(اُس دن کو یاد کرو) جب خدا اپنے پیغمبروں کو جمع کرکے پوچھے گا کہ تمہاری اُمت کی طرف سے تمہاری تبلیغ کا کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہم تو (چند باتوں کے سوا اور) کچھ نہیں جانتے تو خود بڑا غیب داں ہے اور

وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسٰی بن مریم اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر نازل کی اور جب میں نے روح القدس کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور تم جھولے میں پڑے تھے اور ادھیڑ عمر والوں کی طرح باتیں کرنے لگے اور جب میں نے تمہیں لکھنا اور عقل و دانائی کی باتیں اور توریت و انجیل غرض سب باتیں سکھا دیں اور جب تم میرے حکم سے مٹی کی چڑیا بناتے اور پھر اس میں کچھ دم کرتے تھے اور وہ میرے حکم سے سچ مچ چڑیا بن کر اُڑ گئی تھی۔ اور جب تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (قبروں سے) زندہ نکال کر کھڑا کرتے تھے اور جس وقت تم بنی اسرائیل کے پاس معجزے لے کر آئے تو میں نے ان کو تم پر دست درازی سے روکا۔ ان میں سے بعض کافر کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ قیامت میں رسولوں سے یہ سوال ہوگا کہ جب تم نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی تو انہوں نے کیا کہا تھا۔ اس کا جواب مرسلین کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ ہمیں علم نہیں یعنی ہماری تبلیغ کو سن کر وہ اپنے دلوں میں کیا کہتے تھے۔ اس کا علم تو تجھ ہی کو ہو سکتا ہے کیونکہ تو غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ البتہ بعض باتوں کو جو ظاہری صورت میں تھیں ہم بھی جانتے ہیں۔ یعنی ہماری نبوت کا اقرار یا انکار۔

۲۔ اس کے بعد حضرت عیسٰیؑ کا ذکر کرتا ہے۔ اور اپنی ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہے جو ان پر اور ان کی والدہ پر نازل کی تھیں۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ روح القدس یعنی جبرئیلؑ کے ذریعہ سے ان کی مدد کی۔ یعنی یہود کے شر سے ان کو بچائے رکھا ورنہ وہ جانی دشمن بنے ہوئے تھے اور آپؑ کی تبلیغ میں قدم قدم پر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے پیدا ہونے کے بعد آغوشِ مادر میں اس طرح صاف صاف مدلل کلام کیا جیسا کہ ادھیڑ عمر میں کیا تھا۔ یعنی ان کا کلام بچوں کا سا نہ تھا بلکہ پختہ مغز سن رسیدہ لوگوں کا سا دانشمندانہ کلام تھا۔ حضرت عیسٰیؑ صرف ایک بار بول کر خاموش ہو گئے تھے۔ دوبارہ پھر اُس سن میں بولے جیسے تمام بچے بولا کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ان پر احسان تھا کہ ان کو ناطق کر کے ان کی ماں کو اُس تہمت سے بچا لیا جو یہودی اُن پر عاید کر رہے تھے۔ ان کو کتاب کا علم دیا۔ صاحبِ حکمت بنایا۔ توریت و انجیل کا علم دیا۔ یہ سب باتیں خدا کی طرف سے انہیں عطا ہوئیں۔ کسی نے ان کو لکھنا سکھایا تھا نہ پڑھنا۔ نہ توریت کا درس دیا تھا نہ انجیل کا۔ انہوں نے آغوشِ مادر میں جو کلام کیا تھا وہ یہ تھا، قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۛ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ (۱۹/۳۰ مریم) یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، حلال زادہ ہوں شیطان کا بندہ نہیں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی علم کتاب لے کر خدا کے یہاں سے آتا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت رسولِ خدا چالیس سال تک اُمّی رہے۔ اس کے بعد قرآنی آیات کے عالم بنے۔ قرآن کی تعلیم تو آنحضرتؐ کو قبل از خلقت ہی دے دی گئی تھی۔

جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۵۵/۱،۲،۳ الرحمٰن) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس انسانِ کاملؐ کی خلقت بعد میں ہوئی ہے علمِ قرآن پہلے دیا گیا ہے۔ اِس بیان کرنے کا طریقہ بعد میں بتایا گیا۔

اس کے بعد حضرت عیسٰیؑ کو جو معجزات دیئے گئے ان کا ذکر ہے :

۱۔ مٹی سے ایک پرندہ بنا کر اس کے اندر آپؑ نے کچھ دم کیا اور وہ اُڑ چلا گیا۔ عیسائیوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ خلق کرنا چونکہ خدا کی خصوصیت ہے لہٰذا ہم اس بنا پر اُن کو شریکِ باری تعالیٰ بطور ابنُ اللہ کے مانتے ہیں لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ حضرت عیسٰیؑ نے باذن اللہ بھی فرمایا ہے یعنی پرندہ کا خلق کرنا اور اس کا سچ مچ پرندہ بن کر اُڑ جانا خدا کے حکم سے تھا پس جو خدا کے حکم کا تابع ہو کر یہ معجزہ دکھائے وہ خدا کیسے ہو جائے گا۔ اسی طرح اور جو معجزات اس کے بعد ذکر کیے گئے ہیں ان سب میں باذن اللہ ہے یعنی خدا کے حکم سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے (آل عمران آیت ۵)۔ کافروں نے اس اعجازی شان کو کھلا ہوا جادو قرار دیا اور نصرانیوں نے اُن کی خدائی کا ثبوت سمجھا۔ غرض حضرت عیسٰیؑ کے وجود کو سمجھنے میں دونوں گروہ حقیقت سے دُور جا پڑے ایک گروہ عداوت میں مارا گیا دوسرا محبت میں۔

عیسائیوں نے نہ صرف جناب عیسٰیؑ اور روح القدسؑ کو خدا مانا ہے بلکہ حضرت مریمؑ کی خدائی کے بھی قائل ہو گئے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے بعد سے تین سو سال تک نصرانیوں میں اس عقیدہ کا کھوج نہیں ملتا۔ اس کے بعد نصرانی علمائے ایک گروہ نے جناب مریمؑ کو اُمّ اللہ یا مادرِ خدا کے ناپاک الفاظ سے یاد کیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ذاتِ مسیحؑ میں دو شخصیتیں شامل تھیں: ایک مریمؑ دوسرے روح القدسؑ۔ یہ تینوں مل کر ایک ذات بنی، اُن میں خدا بھی آکر شامل ہو گیا۔ جن لوگوں نے مریمؑ کو داخلِ الوہیت نہیں سمجھا تھا اور صرف تین کے مجموعہ کو یعنی خدا، جبرئیلؑ اور مسیحؑ کو خدا مانتے تھے۔ ان میں اور اس دوسرے گروہ میں سالہا سال بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا اور بڑے بڑے خونریز معرکے ہوئے۔ پہلے گروہ نے مریمؑ کا بُت بنا کر اپنے گرجاؤں میں رکھا۔ اس رُومن کیتھلک گروہ پر پروٹسٹنٹ جماعت کو غلبہ رہا۔

حضرت عیسٰیؑ نے اپنی زندگی ایک خاص طریقہ سے گزاری۔ مثلاً اُونی لباس پہنتے تھے۔ درختوں کے پتے ان کی غذا کا بیشتر حصہ تھے۔ کوئی سامانِ زندگی ان کے پاس نہ تھا۔ رہنے کے لیے مرتے دم تک کوئی گھر نہ بنایا۔ رات کو جہاں جگہ ملتی سو رہتے۔ اپنا تمام دن تبلیغی ضرورتوں میں صرف کرتے۔ فرماتے تھے درخت میری روزی ہیں۔ جنگل کے گل بوٹے میرا باغ ہیں۔ آفتاب میرا لحاف ہے اور زمین میرا فرش ہے۔ سوتا ہوں تو میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ پس مجھ سے زیادہ غنی کون ہے۔ عمر بھر کسی کو جھڑکا نہیں۔ قہقہہ مار کر ہنسے نہیں۔ ترش رُو ہو کر کسی سے بولے نہیں۔ شادی کی نہیں۔ لیکن وہ تارک الدنیا رہبان نہ تھے۔ لوگوں سے ملتے جلتے تھے، وعظ و پند کرتے تھے۔ مذکورہ بالا باتیں ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ ایسی ہی زندگی حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ نے بسر کی۔ عیسائیوں نے ان کی تقلید میں رہبانیت کو ذریعۂ نجات سمجھا اور بستیاں چھوڑ کر خانقاہوں میں جا پڑے۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی، جن کو آکس اوَرنس کہا جاتا ہے۔ بے شمار کنواری لڑکیاں اس عقیدہ کی بنا پر شادی نہیں کرتیں کہ وہ مرنے کے بعد حضرت عیسٰیؑ کی زوجیت میں جائیں گی۔

اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کا یہ طریقۂ ماند و بود کیوں تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں

عیش پسندی اور تن آسانی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ حرصِ دُنیا کے جال نے انہیں چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ توریت کی تعلیم کو انہوں نے یکسر بھلا دیا تھا اور اس خیال پر قائم ہو گئے تھے کہ دُنیا میں سب کچھ ہمارے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے لطف اندوز نہ ہوں۔ جب انبیائے بنی اسرائیل اُن کو ان غلط کاریوں پر ٹوکتے تھے تو وہ اُن کو بے محابا قتل کر دیتے تھے۔ ایسے ضلالت آفرین دَور میں حضرت عیسٰیؑ مبعوث برسالت ہوئے۔ لہٰذا ان کو بنی اسرائیل کی زندگی کا رُخ بدلنے کے لیے ایک نہایت سیدھی سادی زندگی کو پیش کرنا ضروری ہو گیا تاکہ ان کی دیکھا دیکھی لوگ تعیش سے باز آئیں جو پیسہ اس ناجائز کام میں خرچ کرتے ہیں اس سے محتاجوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اس تبلیغی ضرورت کے پیشِ نظر وہ شادی سے رُکے رہے ورنہ عائلی زندگی میں ہزار ضروریات ان کو فراہم کرنا پڑتیں اور پھر وہ ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی بسر کرلے پر مجبور ہوتے اور ان کا مشن ترقی کرنے سے رہ جاتا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو کبھی شادی کرنے سے نہیں روکا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شادی کو بُرا نہیں جانتے تھے صرف اپنے کو ایک خاص مصلحت کے تحت روکے رہے۔ اگر عند اللہ ان کا شادی نہ کرنا پسندیدہ فعل ہوتا تو خُدا ضرور ان کو ہدایت کرتا۔ اسے ایسا ہی سمجھو جیسے حضرت یعقوبؑ نے ایک خاص بیماری کی وجہ سے اونٹ کا گوشت ترک کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل نے یہ سمجھ کر کہ یہ حکمِ خدا ہے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا
مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ
يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا
نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا
مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ
السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ
اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾ ع

جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اور گواہی دیتے ہیں کہ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں۔ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا اے عیسٰی بن مریم کیا تمہارا ربّ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل کرے۔ انہوں نے فرمایا، اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کچھ کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم یہ جان لیں کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے سچ ہے اور ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں۔ حضرت عیسٰی نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ اے ہمارے ربّ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل کر تاکہ ہم سے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی ایک نشانی بن جائے۔ ہم کو رزق دے اور تُو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا میں تم پر رزق نازل کرنے والا ہوں لیکن (یاد رکھو) اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفرانِ نعمت کرے گا تو پھر میں اس کو ایسی سزا دوں گا جو تمام عالموں میں کسی کو نہ دی ہوگی۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

۱۔ حواری حضرت عیسٰیؑ کے شاگرد تھے جن کو آپؑ نے سب کچھ پڑھایا تھا۔ یہ لوگ دھوبی تھے۔ چونکہ حور کے معنی سفید کے ہیں اور یہ لوگ کپڑوں کا میل کچیل صاف کر کے سفید کر دیتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دینِ اسلام پر تھے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔

۲۔ حضرت عیسٰیؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ تم ایک مہینے کے روزے رکھو پھر جو خدا سے مانگو گے مل جائے گا جب وہ رکھ چکے تو انہوں نے کہا ہم ایک ماہ بھوکے رہے ہیں لہٰذا ہمیں خدا اچھا کھانا کھلائے جو آسمان سے ہمارے لیے نازل ہو حضرت عیسٰیؑ نے پہلے تو سمجھایا کہ خدا سے ایسی درخواست نہ کرو جو کھانا مل رہا ہے اسے کھاتے جاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو مگر وہ نہ مانے اور دُعا کرنے پر مجبور کیا۔

۳۔ مائدہ کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نازل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ خدا فرماتا ہے، میں تم پر نازل کرنے والا ہوں۔ ہوسکتا ہے اس کے بعد نازل نہ کیا ہو۔ کیونکہ جس عذاب کا خدا نے بعد میں ذکر کیا ہے اسے سُن کر حواری اپنی طلب سے باز رہے تھے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اگر نازل نہ کیا ہوتا تو اس بات میں اتنی اہمیت پیدا نہ ہوتی کہ قرآن کا ایک پورا سورہ اُس کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ پھر نبی کی دعا بے اثر ثابت ہوتی اور نزول کا وعدہ جو خدا کی طرف سے تھا وہ غلط ثابت ہوتا حالانکہ خدا فرماتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران آیۃ ۹) "خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

۴۔ مائدہ کے نزول کی صورت مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ایک خوان میں سات روٹیاں ہوتی تھیں اور ایک رکابی میں گوشت جسے کتنے ہی لوگ کھاتے مگر وہ بدستور قائم رہتا۔ تفسیر صافی و مجمع البیان میں یہی ہے لیکن مولانا فرمان علی صاحب

نے بڑا شاندار خوان دکھایا ہے۔

ایک تلی ہوئی مچھلی جس سے روغن ٹپک رہا تھا۔ اس کے سر کے پاس نمک اور دُم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے آس پاس طرح طرح کی ترکاریاں اور گندنے کے سوا انواع و اقسام کے ساگ۔ پانچ روٹیاں تھیں ایک پر روغن زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر پانچویں پر خشک گوشت رکھا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بڑا اپنتے یہ مائدہ چالیس روز تک آتا رہا۔ جو مریض اُسے کھاتا تھا اچھا ہو جاتا تھا۔ لیکن پھر قوم کی نافرمانی کی بنا پر وہ بند ہو گیا اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی وہ سؤروں کی صورت میں مسخ کر دیے گئے جو مزبلوں میں جا کر پاخانہ کھاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا کی کسی نعمت کی قدر نہیں ہوتی تو پھر اُسے غائب کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ لوگ انبیاء کو برابر شہید کرتے چلے آ رہے تھے لہٰذا پھر چھ سو برس تک انبیاء کی آمد روک دی گئی۔ جب کسی نبی کے نہ ہونے سے دینی و دنیاوی نقصان کا احساس ہوا تو پھر بغرض اتمام حجت نبیؐ آخر الزمانؑ کو بھیجا لیکن جب ناشکری اس حد تک پہنچ گئی کہ آنحضرتؐ کے اوصیا کو بے جرم و قصور شہید و قید کیا جانے لگا تو خدا نے اپنی آخری حجت کو پھر غائب کر دیا تاکہ حجت خدا کے غائب ہونے سے جو بلائیں نازل ہوں ان کو سمجھیں۔ یہ خوان چونکہ یکشنبہ کو نازل ہوا تھا اس لیے اتوار کا دن نصرانیوں کے لیے عید کا دن قرار پایا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؔؕ اِنْ كُنْتُ
قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ
وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ
الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ
وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ
الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ

اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسٰی بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو اپنا معبود سمجھو۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ کیا میری یہ مجال تھی کہ میں وہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تیرے علم میں ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی تو تمام پوشیدہ باتوں کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ جب تک میں ان کے درمیان رہا ان کی دیکھ بھال کرتا رہا لیکن جب تو نے مجھے دنیا سے اُٹھا لیا اب تو خود ان پر نگہبان ہے اور تو ہر شے پر گواہ ہے۔ اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں (تجھے ان پر ہر طرح کا اختیار ہے) اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ خدا (روز قیامت فرمائے گا) یہ وہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کی سچائی کام آئے گی ان کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے، اور یہ تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو کچھ آسمان و زمین اور ان کے درمیان ہے سب اللہ ہی کا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت عیسٰیؑ اور خدا کے درمیان جو گفتگو آیت میں ہے یہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید بھی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں مریمؑ کو اپنا معبود مانو۔ پس جب قیامت کا دن ہو گا تو خدا نصارٰی اور حضرت عیسٰیؑ کو اکٹھا کرے گا۔ یہ سوال ایک دوسرے کے روبرو کرے گا جس کا جواب حضرت عیسٰیؑ وہی دیں گے جو آیت میں مذکور ہے پس جب حضرت عیسٰیؑ نے ایسا نہیں کیا تھا تو نصرانیوں کا ان کے متعلق ایسا سمجھنا سراسر ایک رسولِ برحق پر بہتانؑ ہے (تعمیر)

تفسیر صافی میں ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا مطلب یہ ہے کہ جب تو نے مجھے زمین سے آسمان کی طرف اٹھا لیا تھا جیسا کہ فرمایا ہے اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران آیت ۵۵)۔ تَوَفِّيْ کے معنی کسی شے کو پورا پورا لے لینے کے ہیں۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر ۳۹، آیت ۴۲)۔ یعنی اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت لے لیتا ہے اور جو نہیں مرے ان کو نیند کے وقت لے لیتا ہے پس فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی یہ ہوئے جب تو نے دنیا میں رہنے کی مدت ختم کر دی اس کا بیان پہلے سورہ میں آچکا ہے۔

جو لوگ اس دنیا میں ایمان کے پکے اور قول کے سچے ہیں اس کی تصدیق روز قیامت ہوگی جب خدا کے باایمان اور صادق القول بندے جنّت کی طرف بھیجے جائیں گے۔

بروایتے مشہور حضرت عیسٰیؑ کا رفع ہوا، اور وہ چوتھے آسمان پر ہیں جب قرب قیامت میں ظہور قائم آلِ محمدؑ ہوگا تو وہ زمین پر اُتریں گے اور ولی عصر کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ بس جو لوگ حضرت عیسٰیؑ کی موت کے قائل ہیں وہ گمراہ ہیں اور شیطانی وسوسہ میں گرفتار۔ کتابِ کائنات دو ہی آدمیوں کے سامنے کھلی تھی ایک آدمؑ دوسرے حوّاؑ۔ لہٰذا جب بند ہوگی تو دو ہی خدا کی حجتیں موجود ہوں گی۔

---

(۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى
اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
فِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ
اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

سب تعریفیں اس خدا ہی کے لیے سزاوار ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان میں مختلف قسم کی تاریکی اور روشنی بنائی باوجود اس کے کفار اوروں کو خدا کے برابر کرتے ہیں۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے مرنے کا وقت مقرر کر دیا (اگرچہ تمہیں معلوم نہیں) مگر اس کے نزدیک (قیامتؑ کا) وقت مقرر ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو اور وہی تو آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی، وہ تمہاری چھپی باتوں کو

بھی جانتا ہے اور ظاہری باتوں کو بھی اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے بھی۔ (لوگوں کا بھی عجیب حال ہے) خدا کی آیات میں سے جب کوئی آیت ان کے پاس آتی تو منہ پھیر لیتے تھے چنانچہ جب ان کے پاس قرآن آیا تو اس کو بھی جھٹلایا یہ لوگ جس کے ساتھ مسخرا پن کر رہے ہیں اس کی حقیقت بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گی۔

ان آیات میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ دہریوں یعنی وجود باری تعالیٰ کے منکروں کا ہے جو خدا کو خالقِ کائنات نہیں مانتے ان پر ظاہر کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق خدا ہے جب کوئی معمولی چیز بغیر کسی بنانے والے کے نہیں بن سکتی تو یہ آسمان و زمین کیسے خود بخود بن گئے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نور و ظلمت کو تمام چیزوں کا خالق مانتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ نور و ظلمت ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں کا وجود ایک ساتھ نہیں پایا جاسکتا۔ جب نور، ظلمت کو ناپید کرنے والا ہے تو ظلمت اس کمزوری کے باوجود کیسے خالقِ قادر و مختار کہی جاسکتی ہے۔ اسی طرح جب ظلمت، نور پر غالب آجاتی ہے تو نور مغلوب ہونے کی صورت میں اپنی خالقیت کا اثر کیسے دکھا سکتا ہے۔ خدا نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ نور و ظلمت دونوں کو پیدا کرنے والا خُدا ہے۔

تیسرا گروہ بُت پرستوں کا ہے جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے گڑھے ہوئے بُتوں کو اپنا معبود مانا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو ان کی بنائی ہوئی مخلوق ہے وہی ان کی بنانے والی کیسے ہوسکتی ہے جس کو وُہ معبُود مانتے ہیں۔ ان میں کونسی بات ایسی ہے جو ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ نہ تو وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نقصان دُور کرنے پر، پھر اُن سے فائدہ؟ نہ اُن میں حِس ہے نہ حرکت۔ جب کبھی بت شکنوں نے ان کے سر پر ہتھوڑے مارے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ پھر دوسروں کی مشکلات کو وہ کیا دُور کر سکتے ہیں۔

اگلی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا خدا ہے اور اسی نے ان کے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے اس کے کمالِ قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت موت کا وقت نہیں ہٹا سکتی۔ پس جب موت ہر چیز کی فنا کو ثابت کرنے والی ہے تو فانی چیز کو خدا کہنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

خدا نے قیامت کے وقت کا علم اپنی ذات تک محدود رکھا ہے تاکہ لوگ اس کے انتظار میں رہیں اور خدا کی نافرمانی سے گریز کریں۔ اگر کوئی مدت بتا دی جاتی تو وُہ لوگ مطمئن ہو جاتے جو اپنے سے بہت دُور اس وقت کو پاتے اور جو اس وقت کے قریب آگئے وہ اس قدر مضطرب ہوتے کہ ہر کام سے ہاتھ اُٹھا لیتے اور اس طرح راہِ عمل ان پر مسدُود ہو جاتی۔ جو لوگ قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں ان سے زیادہ احمق کوئی نہیں، کیونکہ جس قادر و قیوّم نے یہ تمام کارخانہ نیست سے ہست کیا ہے وہ ایک دن ہست سے نیست بھی ضرور کرے گا۔ تاکہ کرنے والے جو کچھ کر گزرے ہیں اس کی جزا و سزا پائیں ورنہ انسانوں کی خلقت کا سلسلہ بے معنی ہو جائے گا جیسا کہ فرماتا ہے، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ (المومنون۲۳، آیت ۱۱۵) "کیا تم نے

یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے۔ ضرور تمہارے اعمال سے ایک روز مؤاخذہ ہوگا اور وہی قیامت کا دن ہوگا۔ تم کو خدا کی طرف ایک دن لوٹ کر آنا ضرور ہے۔ پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہاری کوئی بات خدا سے چھپی ہوئی نہیں ہے لہٰذا جو کچھ کرتے ہو یہ سمجھ کر کرو کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ بندوں سے چھپا کر تم مطمئن نہ ہو جاؤ۔ تم کو اچھے کام کی جزا اور بُرے کام کی سزا ضرور ملنی ہے چاہے کوئی عمل سات پردوں کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔

کافروں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب خدا کی کوئی آیت سنتے تھے اور اُسے اپنے مقصد کے خلاف پاتے تھے تو فوراً منہ پھیر لیتے تھے۔ چنانچہ وہی اب بھی ہو رہا ہے کہ قرآن کو سنتے ہیں مگر اس کے ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے اس نہ ماننے سے کارِ تبلیغ نہیں رُک سکتا۔ ایک دن آنے والا ہے کہ اس کا مذاق اُڑانے کی پوری پوری سزا ان کو دی جائے گی۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

کیا یہ لوگ (کافر) اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنے گروہ کے گروہ ہلاک کر ڈالے جن کو ہم نے روئے زمین پر ایسی قوت و قدرت عطا کی تھی جو ابھی تک تم کو نہیں دی۔ ہم نے اُن پر آسمان سے موسلا دھار زور برسائی جس سے ان کے نیچے نہریں بہنے لگیں (سب مکانات منہدم ہو گئے) پس ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور اُن کے بجائے ایک دوسرے گروہ کو پیدا کر دیا۔ اگر ہم اے رسول تم پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ وہ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ لیکن اگر ہم اُن پر فرشتہ

بھیجتے تو اِن کا کام ہی تمام ہو جاتا اور ان کو مُہلت بھی نہ ملتی۔ اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو اس کو بھی مرد بنا کر بھیجتے اور جو شبہات یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شبہات گویا ہم خود اُن پر اُس وقت بھی وارد کر دیتے۔

کفّار کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور اس خیال میں مست تھے کہ ہم محمدؐ کا دعویٰ نبوت باطل کر کے رہیں گے کیونکہ اُن کے پاس کوئی طاقت نہیں اور ہمارے پاس سب کچھ ہے اس پر خدا فرما رہا ہے کہ کیسے بیوقوف لوگ ہیں، ذرا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ان سے پہلے کیسی کیسی طاقتور قومیں تھیں جن کی برابری ان لوگوں کو اب تک حاصل نہیں تھی۔ جب انہوں نے نافرمانی پر کمر باندھی تو ہم نے ان کو ملیامیٹ کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو لے آئے۔ پس تمہاری کیا ہستی ہے۔ جب چاہیں گے تمہیں بھی اسی طرح دے پٹکیں گے۔

ایک روز کچھ کفّار حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس وقت تک آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک چار فرشتے ہمارے سامنے آ کر یہ نہ کہیں کہ جو کچھ محمدؐ بیان کرتے ہیں اُسے ہم خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور ایک نوشتہ اُن کے پاس ہو جس میں لکھا ہو کہ تم ہمارے پیغمبر ہو۔ خدا فرماتا ہے اگر ایسا ہوتا تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے اور صاف کہہ دیتے یہ تو کھلا جادو ہے۔

ایک روز ایک شخص حضرتؐ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا اے محمدؐ آپ نے بڑا سخت دعویٰ کیا ہے کہ اپنے کو نبی اور خدا کا فرستادہ بیان کر رہے ہیں اگر خدا کو بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہ بھیجا۔ خدا فرماتا ہے اگر ہم فرشتہ کو بھیجتے تو نافرمانی کی صورت میں وہ تمہارا کام تمام کر دیتا اور ذرا بھی مہلت نہ دیتا۔ ہم اگر فرشتہ بھیجتے بھی تو اس کی اصلی صورت میں نہ بھیجتے کیونکہ تم اس سے مانوس نہ ہوتے اس کے پاس آتے ڈرتے بلکہ اُسے مرد کی شکل میں بھیجتے۔ مگر تم شبہات سے باز آنے والے کہاں ہو پھر طرح طرح کے شبہے پیدا کرنے لگتے یعنی اس فرشتہ سے بھی کہنے لگتے کہ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ خدا کے فرستادہ ہو جیسے آج تم کو ہمارے رسولؐ کے متعلق شبہ ہے ایسے ہی اس کے ساتھ بھی ہوتا پس ہم اسی کے ہو جاتے کہ تم کہے جاؤ اور ہم بھیجے جائیں۔

خدا نے کسی نبی کو عورت کی شکل میں نہیں بھیجا اس کی چند وجوہات ہیں: اوّل یہ کہ انبیاءؑ پر ان کی اُمتوں نے جو جو مظالم کیے ایک عورت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ دوسرے تبلیغی ضرورتوں کے پیشِ نظر وہ ہر جگہ نہیں جا سکتی تھی۔ تیسرے اُس پر اپنے شوہر کی اطاعت فرض ہو جاتی۔ اور نبی کی اطاعت تمام اُمت پر فرض ہوتی ہے وہ کسی کا مطیع نہیں ہوتا۔ چوتھے عورت صاحبِ حُسن و جمال ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس کے حُسن پر فریفتہ ہو کر خواہشاتِ بد کا شکار ہو جاتے اور جو ایمان لاتے وہ اس کے عشق میں لاتے، خدا پر ایمان لانے سے اس کا تعلق نہ ہوتا۔

خدا نے شکوک میں مبتلا کرنے کی نسبت اپنی طرف مجازاً دی ہے یعنی اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق رسول بھیجتے اور پھر ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوتے گویا وہ ہمارے عمل سے ہوتے کہ ہم نے ایک نیا نبی بھیج کر انہیں شبہات میں مبتلا کر دیا۔ اگر خدا کفار و مشرکین کی خواہشات کو پورا کرتا رہتا تو کارِ تبلیغ انجام پذیر ہو ہی نہ سکتا تھا کیونکہ ان کی خواہشوں

کا سلسلہ تو لگا ہی رہتا۔ کبھی کوئی فرمائش کرتے کبھی کوئی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾ ع قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلْ لِّلّٰهِ ۚ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ اَلَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

اے رسول تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ مسخرا پن کیا گیا ہے پس ان لوگوں کو اُس عذاب نے جس کا یہ لوگ مذاق اُڑاتے تھے گھیر لیا (اور وہ ہلاک ہو گئے) اے رسول تم ان سے کہو ذرا دُنیا میں چل پھر کر دیکھو تو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہُوا۔ تم ان سے پوچھو تو کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے یہ کس کا ہے (وہ تو کیا جواب دیں گے) تم ہی کہو کہ خاص خدا ہی کا ہے۔ اس نے اپنی ذات پر مہربانی لازم کر لی ہے۔ وہ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تم سب کو ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنا نقصان اپنے ہاتھوں کیا ہے وہ تو قیامت پر ایمان نہ لائیں گے (اور نہ یہ سمجھیں گے کہ) جو کچھ رات اور دن میں رہتا سہتا ہے وہ سب فقط اسی کا ہے اور وہ سب کی سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

جن قوموں نے اپنے انبیاءؑ کی نصیحت کو نہ مانا اور آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑایا ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے جیسے قومِ ثمود، قومِ صالح، قومِ لوطؑ، قومِ نوحؑ اور قومِ شعیبؑ ان سب پر مختلف قسم کے عذاب آئے جن کے کچھ کچھ نشانات اب بھی روئے زمین پر موجود ہیں۔ کاش یہ لوگ جو اے رسولؐ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں روئے زمین پر چل پھر کر انہیں دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کا بنایا ہُوا کارخانہ ہے اور اسی کے یدِ قدرت میں ہے وہ جو چاہے کرے کسی کی مجال نہیں کہ اسے روک سکے۔ جو لوگ اُس پر ایمان نہیں لائے انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ آج نہیں تو کل روزِ قیامت ان سب کو خدا جمع کر کے باز پُرس ضرور کرے گا۔

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ
قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾ قُلْ إِنِّيٓ
أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ
فَقَدْ رَحِمَهٗ ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

اے رسول تم ان مشرکین سے کہو کہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا کو چھوڑ کر اس کے غیر کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ حالانکہ خدا وُہ ہے جو تم کو روزی دیتا ہے اس کو کوئی روزی نہیں دیتا اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اس پر اسلام لانے والا ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خبردار تم مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ یہ بھی کہہ دو کہ نافرمانی کی صورت میں مَیں یومِ عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور اُس دن جس کے سر سے عذاب ٹل گیا تو خُدا نے اُس پر بڑا رحم کیا اور سب سے زیادہ کھُلی ہوئی کامیابی تو یہی ہوگی اگر خدا تم کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو تم کو خدا کے سوا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اگر تمہیں کچھ فائدہ پہنچائے تو وہ ہر شئے پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ بڑا حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

کفّارِ قریش نے اعلانِ رسالت کے بعد یہ خیال کیا کہ حضرتؐ نے دولت کی خواہش میں اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے۔ وہ ایک روز جمع ہو کر حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمارا خیال یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی مفلسی سے تنگ آکر ایسا دعویٰ کیا ہے۔ اگر آپؐ اس سے باز آجائیں تو ہم آپؐ کے لیے کثیر دولت جمع کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری دولت کی حاجت نہیں۔ میرا رب آسمان و زمین کا مالک ہے۔ اُس کے پاس کیا نہیں جو تم سے لوں۔ وُہ جسے دینا چاہے کوئی اُسے روک نہیں سکتا اور جسے نہ دینا چاہے کوئی اُسے فارغ البال بنا نہیں سکتا۔

پہلے خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین پر چلنے والے جانوروں اور ہوا میں اُڑنے والے پرندوں کی خلقت اور زندگی کے متعلق غور کرنے کو بتایا گیا۔ ان آیات میں اب یہ بتایا گیا ہے کہ کیا خدا کی یہ نشانی نہیں ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں

مبتلا ہوتا ہے اور نجات کی اُمید نہیں رہتی۔ اس وقت نہ تو کسی بُت کو پکار کر پناہ حاصل کرسکتا ہے نہ کسی اور مددگار کو بلکہ اس وقت تو لے دے کے خدا ہی یاد آتا ہے اور اپنے سارے معبودوں کو بھول جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے برابر اپنے پیغمبر بھیجے لیکن وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ آخر انہیں سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ خوفزدہ ہوکر خدا کے سامنے گڑگڑائیں، اپنے قصوروں کی معافی چاہیں لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ان کے دل پتھر جیسے سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کی بداعمالیوں کو اُن کی نظروں میں اچھا کر دکھایا تھا۔ جب وہ نصیحتوں کو بھول گئے تو دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا یعنی سختی دُور کر کے ان کو آسائش کے سامان دیئے گئے تاکہ اس کے شکر گزار ہوں۔ لیکن جب یوں بھی نہ سمجھے اور اپنی غلط کاریوں سے نہ رُکے تو اب کوئی صورت عذاب کے سوا باقی نہ تھی لہٰذا خدا نے ان ظالموں کی جڑ کاٹ دی اور اچانک عذابِ الٰہی نے اُن کو آگھیرا۔

خدا نے مختلف طریقہ سے اپنی حجت اپنے بندوں پر تمام کی ہے تاکہ کوئی موقع انہیں عُذر پیش کرنے کا باقی نہ رہے ہاں جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں وُہ سخت آڑے وقتوں میں خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ ہے کہ وہ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ ناگاہ کشتی کو طوفان نے آدبایا۔ اس وقت تمام اہلِ کشتی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ سب نے کہا اب اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا وقت نہیں چنانچہ عکرمہ نے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر کہا اگر میں اس وقت ہلاکت سے بچ جاؤں تو تیرے رسول حضرت محمد مصطفےٰؐ کے سامنے جاکر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ جب وہ بچ گیا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۚ وَاُوْحِیَ
اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ
اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ
مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۱۹﴾

وقف لازم

(یہودیوں نے ایک بار حضرتؐ سے کہا یہ تو بتائیے آپ کی نبوت کا گواہ کون ہے؟ اس کے جواب میں خدا نے اپنے رسول سے کہا) تم ان سے یہ تو پوچھو آخر تمہارے نزدیک سب سے بڑی شہادت کس کی ہے۔ (وہ کیا بتائیں گے تم خود ہی) کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے۔ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک اس کی خبر پہنچے ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور دوسرے معبود

بھی ہیں اور اے رسول ان سے یہ بھی کہہ دو میں تو خدا کے سوا کسی اور کے معبود ہونے کی گواہی نہیں دیتا (تم دیا کرو)۔ (صاف صاف) کہدو کہ معبود تو بس ایک ہی ہے۔ تم جن کو اس کا شریک قرار دیتے ہو میں تو ان سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے (یہود و نصاریٰ)

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ
کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح اس کو (محمدؐ) کو بھی پہچانتے تھے۔ مگر جن لوگوں نے اپنا نقصان خود کیا ہے وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا اور اس کی آیات کو جھٹلایا اور ظالموں کو ہرگز نجات نہ ہوگی۔

چونکہ توریت و انجیل میں یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات پڑھ چکے تھے اور انبیاء نے بنی اسرائیل برابر بتاتے چلے آتے تھے کہ آخر زمانہ میں ایک نبی آنے والے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے تو نام تک بتا دیا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کی شناخت پوری طرح ان کو ہو چکی تھی مگر چونکہ شقاوت ان پر سوار تھی تو جب حضورؐ کا ظہور ہوا تو صاف انکار کر بیٹھے اور کہنے لگے یہ وہ نبی نہیں ہیں اور آنحضرتؐ کی نبوت اور آیاتِ قرآنی کو جھٹلانے لگے۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْۤا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ
تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴿۲۳﴾
اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ
وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾

(اور اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ان سب کے جمع کریں گے پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا ان سے پوچھیں گے جن کو تم خدا کا شریک بناتے تھے بتاؤ اب وہ کہاں ہیں پھر ان کی کوئی شرارت باقی نہ رہے گی بلکہ وہ تو یہ کہیں گے اس خدا کی قسم جو ہمارا پالنے والا ہے ہم تو کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے تھے۔ اے رسول ذرا دیکھو تو یہ لوگ اپنے اُوپر کیسا جھوٹ بولنے لگے اور جو جھوٹے بہتان لگاتے تھے وہ سب غائب ہو کر رہ گئے اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تمہاری باتیں بڑے غور سے سنتے ہیں مگر ان کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ گویا ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اگر وہ لوگ خدا کے سارے معجزے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں اور وہ کافر کہنے لگتے ہیں کہ اس قرآن میں رکھا ہی کیا ہے وہی پُرانے لوگوں کے قصے ہیں۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ مسجد الحرام میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ وہاں پہنچے جن میں ابوسفیان، عتبہ، شیبہ اور نضر بن حارث بھی تھے۔ نضر کہنے لگا جس طرح محمدؐ پہلے لوگوں کے قصے سُناتے ہیں میں بھی اسی طرح ملوکِ عجم کی داستانیں سُنا سکتا ہوں۔

چونکہ عداوت کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکی ہوئی تھی اس بنا پر انہوں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ قرآن کے قصّوں میں بنی نوعِ انسان کو بڑے بڑے اخلاقی و روحانی، معاشرتی و تمدنی درس دئے گئے ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾
وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا
نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا

بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

یہ لوگ دوسروں کو بھی سُننے سے روکتے ہیں اور خود بھی الگ رہتے ہیں۔ ان باتوں سے یہ لوگ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (مزہ یہ ہے کہ) سمجھتے بھی نہیں۔ اے رسول اگر تم ان لوگوں کو دیکھتے (تو تعجب کرتے) جب جہنّم کے کنارے لا کھڑے کیے جائیں گے اس وقت کہنے لگیں گے کاش ہم دُنیا میں دوبارہ لوٹا دئے جاتے اور اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جاتے (مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی) وہ جس بے ایمانی کو دل میں چھپائے تھے آج اس کی حقیقت اُن پر کُھل گئی اگر ان کو لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ وہی کریں گے جس کے کرنے سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ یہ جھوٹے ہیں۔ یہ کفار یہ بھی تو کہتے ہیں کہ دُنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور مرنے کے بعد ہم اُٹھائے ہی نہ جائیں گے (یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے)۔ اے رسول تم ان کو اس وقت دیکھو گے تو تعجب کرو گے۔ جب یہ لوگ خدا کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور خدا ان سے پُوچھے گا کیا قیامت کا دن اب بھی تمہارے نزدیک صحیح نہیں، تب کہیں گے اے ہمارے رب، بالکل صحیح ہے۔ خدا کہے گا کہ اب اُس کا مزہ چکھو جس سے تم دُنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا
يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ
مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾

اقتصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے قیامت کے دن خدا کے سامنے حضوری کو جھوٹ قرار دیا تھا۔ جب اچانک وہ وقت آجائے گا تو یہی لوگ کہنے لگیں گے افسوس ہم سے اس معاملہ میں کیسی کوتاہی ہوئی اور ان کا حال اس وقت یہ ہوگا کہ اپنی پشتوں پر اپنے گناہ کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیسا بُرا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔ دُنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشہ ہے البتہ آخرت کا گھر پرہیز کرنے والوں کے لیے بہتر ہے تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لوگے۔ اے رسول ہمیں معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتیں سُن کر تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم آیاتِ خدا سے انکار کر رہے ہیں۔ تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے لیکن اُن کی تکذیب اور ایذا رسانی پر انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کے بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں اور پچھلے رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کی اطلاع تم تک پہنچ ہی چکی ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ
سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰي فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ڼ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ۳۶ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي
اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۳۷ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا
طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ
اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۳۸ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ
يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۳۹

اے رسول اگر ان کی رُوگردانی تم پر شاق ہے تو اگر تم میں اتنی طاقت ہے کہ زمین کے اندر سرنگ کھود لو یا

آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤ تو ان کے لیے کوئی ایسی نشانی لے آؤ جس سے وہ مان جائیں (تو یہ بھی کر دیکھو) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہِ راست پر اکٹھا کر دیتا (مگر وُہ تو امتحان کرتا ہے) پس دیکھو تم جاہلوں میں شامل نہ ہونا۔ تمہارا کہنا تو صرف وہی لوگ سنتے ہیں جو دل سے سنتے ہیں اور مُردوں کو تو خدا قیامت ہی میں اُٹھائے گا اور پھر وُہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کفار کہتے ہیں آخر اس نبی پر کوئی معجزہ اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل ہوتا تم ان سے کہہ دو کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ کوئی معجزہ نازل کرے لیکن ان میں اکثر لوگ اس کی مصلحت کو نہیں جانتے زمین پر جتنے چلنے پھرنے والے ہیں یا جو دونوں پروں سے اُڑنے والے ہیں ان کی جماعتیں بھی تمہاری ہی سی ہیں اور (سب لوحِ محفوظ میں موجود ہے) ہم نے کتاب (قرآن) میں کوئی فروگزاشت نہیں کی۔ یہ سب چرند ہوں یا پرند خدا کے حضور میں لائے جائیں گے جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ ضلالت کی تاریکی میں گونگے بہرے بنے پڑے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کا ایمان نہ لانا تم پر شاق نہ ہونا چاہیے۔ تم چاہے کتنی ہی کوشش کرو، آسمان سے لا کر کوئی نشانی دکھاؤ یا زمین کے اندر سے۔ یہ لوگ کسی کو بھی نہیں مانیں گے۔ تمہاری باتیں جو کان لگا کر سنتے ہیں وہ سنتے ہیں، یہ کافر تو مردہ ہیں انہیں کیا سناتے ہو۔ تم کہدو کہ میرا رب تو ہر قسم کا معجزہ دکھانے پر قادر ہے لیکن وہ تو اپنی مصلحت سے کام کرتا ہے، جہاں اس کی مصلحت ہوتی ہے دکھاتا ہے ورنہ تم اس کی مصلحت کو کیا سمجھو۔ اگر خدا یہ چاہتا کہ سب کے سب راہِ راست پر آجائیں تو کس کی مجال تھی کہ ایک کلمہ کفر کا زبان سے نکال سکتا مگر وہ ایسا جبریہ ایمان لانا نہیں چاہتا۔ اگر ایسا چاہتا تو پھر اُسے نہ اپنے انبیاءؑ بھیجنے کی ضرورت تھی نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی۔ ذرا سی دل کی کل مروڑ دیتا تو سب اس کا دم بھرنے لگتے۔ مگر وہ تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل و ہوش سے کام لیں۔ ایمان لائیں تو دلائل کے ساتھ لائیں۔ اچھے کام سوچ سمجھ کر اختیار کریں بُرے کاموں سے بچیں۔ فتنہ و فساد کے پاس نہ جائیں اللہ کی بے شمار نشانیاں ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ ان کی خلقت پر غور کریں۔ اپنے نفس پر غور کریں۔ ان کے سامنے تو ایک کیا ہزارہا قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ یہ تمام جانور جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں، یہ تمام پرند جو ہوا میں اُڑتے ہیں جن کا نظامِ حیات بھی تمہارا ہی سا ہے۔ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں۔ گھر بناتے ہیں اولاد پیدا کرتے ہیں تو کیا یہ سب نشانیاں ان کے لیے کافی نہیں کہ تم سے کسی اور نشانی کے طالب ہیں۔ ہم نے قرآن میں کسی مخلوق کے بیان کو چھوڑا نہیں۔ اگر وہ غور کرنا چاہتے ہی نہیں تو پھر ایک دن ان سب کو ہمارے سامنے جمع ہونا ہے۔ وہاں سمجھ لیا جائے گا۔ ضلالت کی تاریکیاں ان پر چھائی ہوئی ہیں اور گمراہ ہونے کی وجہ سے یہ بہرے بن گئے ہیں اور باوجود زبان سے حق بات کہہ سکنے کے گونگے بنے بیٹھے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ نے اپنی توفیق کو سلب کر لیا ہے اور انہیں گمراہی میں پڑا چھوڑ دیا ہے جو ان کا دل چاہے

کریں آخرت میں اس کا نتیجہ بھگت لیں گے ہاں جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں اللہ ان کو ضرور راہ راست پر لے آتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ
تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ
قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا
ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ
بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾

سچے ہو تو بتاؤ اگر خدا کا عذاب تم پر آجائے یا قیامت کا سامنا ہو جائے تو کیا اپنی مدد کے لیے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے (اُن کو کیا پکارو گے اللہ ہی کو پکارو گے) پس اگر وہ چاہے گا تو جس مصیبت میں تم نے پکارا ہے اس کو دفع کر دے گا اور جنہیں تم نے خدا کا شریک بنایا ہے ان کو بھول جاؤ گے۔ اے رسول تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں ہم اُن کے پاس بہتیرے رسول بھیج چکے ہیں۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو ہم نے سختی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ ہماری بارگاہ میں گڑگڑائیں۔ پس جب ان کے سر پر عذاب آکھڑا ہوا تو وہ کیوں نہیں گڑگڑائے (تاکہ ہم عذاب کو ہٹا لیتے) مگر اُن کے دل تو سخت ہو گئے تھے۔ جو کچھ وہ بداعمالیاں کر رہے تھے شیطان نے ان کی نظر میں ان کو زینت دے دی تھی پس جب ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اُسے بھول گئے تو ہم نے (ڈھیل دینے کے لیے) ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جب ان نعمتوں کو پاکر خوش ہونے لگے تو ہم نے اچانک ان کو دھر پکڑا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے الغرض

ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور ہر قسم کی حمد ربّ العالمین خدا کے لیے ہی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ
اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ
وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾

اے رسول تم ان سے پوچھو تو کہ اگر خدا تمہیں بہرا اور اندھا بنا دے اور تمہارے دلوں پر مُہر لگا دے تو خدا کے سوا کوئی اور ہے کہ یہ قوتیں تمہیں لوٹا دے۔ دیکھو تو ہم کس طرح اپنی نشانیاں بارہا ان کے سامنے لاتے ہیں مگر اس پر بھی وہ کس طرح منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اے رسول ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر عذابِ خدا اچانک بے خبری میں یا آشکارا طور پر آجائے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا (ہرگز نہیں) ہم نے اپنے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے پس جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی تو ان کے لیے نہ خوف ہے نہ غم، اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو خدا کا عذاب اُن کی بدکاریوں کی وجہ سے اُن کو لپیٹ لے گا۔

خدا کفار و مشرکین کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ اگر خدا تم سے سننے اور دیکھنے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں کو سلب کر لے تو کیا تمہارے معبودوں میں یہ طاقت ہے کہ پھر سے تمہیں سننے والا دیکھنے والا اور سوچنے سمجھنے والا بنا دیں ہرگز نہیں بنا سکتے۔ ایک دن ابوجہل نے کفارِ قریش کے مجمع سے کہا، محمدؐ جس عذاب سے ڈراتے ہیں کیا جب وہ ہم پر آئے گا تو اُنؐ پر ایمان لانے والے بچ جائیں گے، اُن سے کہو پہلے اپنوں کی خیر منائیں ہمارا خیال چھوڑ دیں۔ خدا نے جواب دیا کہ عذاب ظالموں ہی پر آئے گا ایمان والوں پر نہیں۔ جیسے طوفانِ نوح میں اہلِ ایمان بچ گئے اور کفار ہلاک

ہو گئے تھے یا جیسے قوم لوطؑ پر جب عذاب آیا تو حضرت لوطؑ کو اور ان کے خاندان کو خدا نے بچا لیا تھا۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ
مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا
تَتَفَكَّرُوْنَ ۵۰ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۵۱ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا
مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۵۲

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، جو کچھ مجھ پر وحی کی جاتی ہے میں تو اس کا تابع ہوں۔ یہ بھی کہو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوتے ہیں تو کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے تم اس قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے اور وہاں خدا کے سوا نہ تو کوئی ان کا سرپرست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں اور اپنے سے دور نہ کرو ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب سے دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ نہ تم پر ان کے حساب کتاب کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ تمہارے حساب کی ذرا سی ذمہ داری اُن پر ہے (اگر اس ذمہ داری کا خیال کر کے) تم ان کو دھتکار دو گے تو تم ظالموں میں سے قرار پاؤ گے۔

شروع ہی سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے۔ امیروں کو انبیاءؑ کے پاس ان کا بیٹھنا ناگوار ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ سے لوگوں نے یہی کہا تھا کہ ہماری قوم کے رذیل لوگ آپ پر ایمان

لائے ہیں ان کو اپنی صحبت سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے بات کریں۔ یہی صورت حضرت رسولِ خداؐ کو پیش آئی۔ جناب سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ جیسے سچے و پکے مسلمان جو غربت کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے اکثر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر مسائلِ دین دریافت کرتے رہتے تھے۔ امراء کو ان کا حضورؐ کے پاس بیٹھنا سخت ناگوار تھا۔ وہ کہتے تھے یہ ذلیل لوگ ہیں۔ آپؐ ان کو زیادہ منہ نہ لگائیے اور ان سے کہیے کہ بار بار میرے پاس آکر نہ بیٹھو۔ اگر آپؐ ان کو دھتکار بتا دیں گے تو ہم آپؐ کے پاس آکر بیٹھنے لگیں گے۔ ان منافقوں کا مطلب تھا کہ جو رسولؐ کے قابلِ اعتماد لوگ ہیں کسی طرح ان کو ہٹاؤ تاکہ رسولؐ کے اس برتاؤ سے بددل ہو کر اسلام ترک کر دیں اور ہم تو پہلے سے علیحدہ ہی ہیں اس طرح رسولؐ اکیلے رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، یہ لوگ ایمان والے ہیں رات دن خدا کو یاد کرتے ہیں۔ ان منافقوں کے دل میں یہی بات چھپی ہے ہم اس کو جانتے ہیں۔

لوگوں کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ خدا کے نزدیک دولت و ثروت و حشمت اور دنیوی وقار کوئی چیز نہیں اس کی نظر میں تو ایمان والوں کی عزت ہے۔

ایک روز ایک مومنؓ جو نابینا تھے اور مردِ مفلس تھے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بالکل حضرتؐ کے قریب آکر بیٹھے ایک مالدار کو بُرا معلوم ہوا۔ اس نے اپنے کپڑے جو اس غریبؓ کے لباس سے متصل تھے اپنی طرف کو کھینچ لیے۔ حضرتؐ کو اس پر غصہ آیا۔ اس مالدار سے فرمایا اے شخص کیا اس کی غریبی تجھے لگ جاتی یا تیری امیری اسے جا لپٹتی۔ حضرتؐ کے اس فرمانے کا اس امیر پر بڑا اثر ہوا۔ کہنے لگا حضورؐ میں اپنے اس عمل سے نہایت شرمندہ ہوں۔ میں نے اس غریب کے دل کو ستایا لہٰذا میں اپنی آدھی دولت اپنے اس غریب بھائی کو دیتا ہوں۔ آپؐ نے اس غریب سے پوچھا تجھے منظور ہے۔ اس نے کہا ہرگز نہیں، یہ اس گندگی کو میری طرف پھینک رہا ہے جس نے اس کو درجۂ انسانیت سے گرا دیا تھا۔

حضرت رسولؐ خدا کا قاعدہ تھا کہ نمازِ صبح کے بعد تھوڑی دیر کے لیے اصحابِ صفہ (وہ بے گھر لوگ جو مسجد کے چبوترے پر پڑے رہتے تھے) کے پاس تھوڑی دیر کے لیے ضرور بیٹھتے تھے، ایک روز ایک شخص کے پاس زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ اس نے اپنا زانو کھینچا۔ فرمایا، ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے عرض کی، حضور آپؐ بادشاہِ دین و دنیا ہیں میرا بدن گرد آلود ہے اور مجھے پسینہ آرہا ہے، میں نہیں چاہتا کہ حضورؐ کا لباس میلا ہو جائے۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس کا زانو اپنی طرف کھینچ کر فرمایا، فقیر کو فقیر کے پاس بیٹھنے میں کیا عار، جس خدا کے تم بندے ہو اسی کا بندہ میں ہوں۔ یہ ہے اسلام کی اخلاقی تعلیم۔ کاش مسلمان اس پر کاربند ہوں۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ
اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ۵۳ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ ع ۶
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ
اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور اس طرح ہم نے بعض لوگوں (فقیروں) کے ذریعہ سے بعض (مالداروں) کو آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ (امیر لوگ) کہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہمارے درمیان جن پر خدا نے احسان کیا ہے کیا خدا اپنے شکرگزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا۔ اے رسول جب ایسے لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لا چکے ہیں تو ان سے کہو سلام علیکم، تمہارے رب نے رحم و کرم کو اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اسی کا رحم ہی تو ہے کہ اگر نادانی سے کوئی بُرا عمل کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور ہم تو اپنی نشانیوں کو یوں ہی تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہو جائے۔ اے رسول تم کہدو اللہ کے سوا جن لوگوں کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے اور یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرنے والا نہیں اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا۔

جن لوگوں نے زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کیے تھے جب وہ اسلام لے آئے اور زندگی کا نقشہ بالکل بدل گیا تو مشرکین ان کی پہلی زندگی کے کارنامے یاد دلا کر اُن پر طعنہ زنی کرتے تھے جس سے مسلمان شکستہ دل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تسلی کے لیے فرماتا ہے اگر انہوں نے توبہ کر لی اور اصلاحِ حال کر لی تو خدا ان کے سابقہ گناہوں کو بخش دے گا اور پچھلے گناہوں پر ان کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ
مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾
وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا
تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا
يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اے رسول ان سے کہو کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں تم اسے جھٹلا رہے ہو (تو اس سے کیا ہوتا ہے) جس عذاب کے آنے کے لیے تم جلدی کر رہے ہو وُہ میرے اختیار میں تو ہے نہیں، حکومت تو بس اللہ ہی کی ہے (وہ جب چاہے عذاب نازل کرے) وہ تو حق بات بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہدو کہ جس عذاب کے نازل کرانے میں تم جلدی کر رہے ہو اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا معاملہ چُک گیا ہوتا اور اللہ تو ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ غیب کی کنجیاں تو اس کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی جانتا ہے جو درخت سے پتہ زمین پر گرتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ کہیں ہے وُہ اُسے بھی جانتا ہے اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو کتابِ مُبین کے اندر نہ ہو۔

کفار طنزاً کہا کرتے تھے کہ تمہارے رسول ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو لوگ تمہاری نبوت کا انکار کرتے ہیں ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ ان کے عیش و آرام میں خلل پڑ جاتا۔ آسمان سے آگ آتی اور انہیں جلا کر خاک کر دیتی یا زمین شق ہو جاتی اور اس میں دھنس جاتے لیکن ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جو تمہارے ماننے والے ہیں وہ تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ نہ پیٹ کو ٹکڑا ہے نہ تن کو کپڑا، ذلیل و خوار پھرتے ہیں اور جو تمہارے مخالف ہیں وہ دندناتے پھرتے ہیں، مزہ سے کھا رہے ہیں اور پہن رہے ہیں۔ ان کو یہ جواب دیا جا رہا ہے کہ جلدی وہ کرے جس کو دشمن کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ ہو تم تو ہر وقت قدرت کی گرفت میں ہو نکل کر جاؤ گے کہاں۔ جب اس کی مصلحت ہوگی عذاب نازل کر دے گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری شرک پرستی اور کفر نوازی کی اللہ کو خبر نہیں وہ تو ہر بات کا جاننے والا ہے اور کتابِ مُبین میں ایک ایک بات لکھی ہوئی ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا مل کر رہے گی۔

ہر رطب و یابس کتابِ مُبین میں ہے اُس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے یہ مُراد ہے کہ ہر وہ بات جو نیک کہی جاسکتی ہے اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ بعض نے کہا ہے اخلاقی۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ اخروی جتنی باتیں اصلاح کے لیے ضروری ہیں وُہ سب قرآن کے اندر بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ کائنات کے اندر جو جو چیزیں خدا نے خلق کی ہیں ان سب کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً یا اشارۃً، واسطہ یا بلاواسطہ قرآن کے اندر موجود ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے جتنی چیزیں مُضر و نافع ہیں ان سب کو سمجھا دیا گیا ہے۔

غیب کا عالِم بالذات پروردگارِ عالَم ہے لیکن خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کو بھی غیب کی باتیں بتادی ہیں جن کو وہ مطابق وحی اپنے اپنے موقع پر بیان کرتے ہیں۔ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کی ذات میں علمِ غیب داخل تھا یعنی بالذات علم تو خدا کے لیے ہے لیکن داخلِ ذات رسولؐ کے لیے تھا یعنی جب خدا نے ان کو خلق فرمایا تو علمِ غیب بھی ان کو عطا کردیا۔ بعض کہتے ہیں سوائے خدا کے کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت رسولِ خدا جو پیشن گوئیاں کرتے تھے وہ وحی کی تعلیم کی بنا پر کرتے تھے یعنی جب خدا کی طرف سے کسی پیشن گوئی کا علم دیا جاتا تب بیان کرتے تھے یہ علم داخلِ ذات نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ
لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ ع ١٤
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ
أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ
الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

اللہ وہی ہے جو رات کو بحالتِ خواب تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور دن کو جو کچھ کرتے ہو اُسے جانتا

ہے پھر دوسرے روز تمہیں اُٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ زندگی کی میعاد پوری کی جائے پھر تم کو اُسی کی طرف لَوٹنا ہے تب جو کچھ دُنیا میں کرتے تھے تمہیں بتائے گا، وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) مقرر کرکے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرستادہ فرشتے اُسے (دُنیا سے) اُٹھا لیتے ہیں اور وہ (ہمارے حکم کی تعمیل میں) کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب اپنے سچے مالک خدا کی طرف بُلائے جاتے ہیں، آگاہ ہو کہ فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وُہ سب سے زیادہ حساب لینے والا ہے۔ تم ان کافروں سے پُوچھو کہ خشکی و تری کے اندھیروں میں خطروں سے تمہیں کون بچاتا ہے اور کون ہے جس سے تم گڑگڑا کر اور چُپکے چُپکے دُعائیں مانگتے ہو اور کس سے کہتے ہو کہ اگر تُو نے بچا لیا تو ہم تیرے شُکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔ کہدو اللہ تم کو اُس سے اور ہر بلا سے نجات دیتا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو۔

اللہ نے تمام انسانوں پر اپنے فرشتے نگہبان مقرر کردیے ہیں جو ان کی ایک ایک بات کو نظر میں رکھتے ہیں۔ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ملک الموت اُس کی جان لینے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں کرتے۔ کس قدر لغو ہے یہ روایت کہ جب حضرت موسیٰؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو ملک الموت نے حاضر ہوکر قبض روح کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اس وقت نہیں پھر کبھی آنا۔ فرشتہ نے کہا خدا کا جو حکم ہے میں اُس کے بجا لانے پر مجبور ہوں۔ موسیٰؑ کو غصہ آیا تو ایک طمانچہ اس کے رسید کیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ کانا بن کر خدا کے سامنے گیا اور شکایت کی۔ خدا نے اُس کی آنکھ پر اپنا ہاتھ پھیر کر ٹھیک کردی اور کہا ہمارا یہ بندہ ذرا غصیلا ہے خیر ہم اس کو سمجھا دیں گے۔ استغفر اللہ معمولی لوگ بھی جانتے ہیں کہ جب موت کا وقت آتا ہے تو ٹلتا نہیں اور موسیٰؑ تو خدا کے رسول تھے وہ بھلا یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب نہیں پھر آنا، پھر طمانچہ مارنا اور فرشتہ کا کانا بن جانا اور خدا کا ہاتھ پھیر کر اس کی آنکھ درست کردینا ایسی باتیں ہیں جن کو سُن کر تمسخر ٹوپیاں اُچھالتا اور ظرافت تالیاں بجاتی ہے۔

شیطان کے اغوا میں آکر لوگ اس بات کو بھول گئے ہیں کہ انہیں ایک دن خدا کے سامنے جاکر زندگی بھر کا حساب پیش کرنا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام سے کسی نے کہا اکیلا خدا تمام انسانوں کا جن کی تعداد وہی جانتا ہے جلدی سے حساب کیسے کرلے گا۔ فرمایا، جیسے وہ سب کو وقت پر روزی دیتا ہے۔

لوگ جب مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس وقت خدا یاد آتا ہے اور رو رو کر گڑگڑا کر اس سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں لیکن جب نجات ملتی ہے تو پھر اس کا نام نہیں لیتے۔ اس کا شکریہ تک ادا نہیں کرتے۔ اور سجدے کیا کرتے ہیں تو انہی بتوں کے سامنے جاکر جن کو ان کے معاملات کے بنانے سنوارنے میں کوئی دخل نہیں۔ ایسے لوگوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑے ہیں کہ روزی کھائیں خدا کی اور عبادت کریں بتوں کی مصیبت سے نجات دے وہ اور سجدہ کریں

بتوں کے سامنے۔ ضروریاتِ زندگی فراہم کرے وہ اور شکر گزار ہوں بتوں کے۔ بات یہ ہے کہ شیطان کا بھوت ان کے سروں پر سوار ہے، وُہ خدا لگتی بات انہیں سوچنے ہی نہیں دیتا اور ہر معاملہ میں ایسی جادُو کی چھڑی اُن پر گھماتا ہے کہ خدا سے بندوں کا تعلق قطع ہو جاتا ہے۔ انبیاء و مرسلین علیہم السّلام اس کی روک تھام کے لیے برابر آتے رہے، سمجھاتے رہے۔ نیکی و بدی دونوں کے راستے دکھاتے رہے۔ مگر جن پر شقاوت سوار ہو وہ بھلا کان لگا کر ان کی بات کہاں سننے والے تھے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ
اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۗ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ
الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

اے رسول کہدو خدا اس پر اچھی طرح قابُو رکھتا ہے کہ اپنے عذاب کو چاہے تمہارے سروں کے اوپر سے نازل کرے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہارے ایک گروہ کو دُوسرے سے ٹکرا دے اور تم میں کچھ لوگوں کو دُوسرے لوگوں سے لڑنے کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم کس طرح اپنی آیتوں کو اُلٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔ تمہاری قوم نے باوجود اس قرآن کے برحق ہونے کے جھٹلایا۔ کہدو کہ میں تم پر کوئی نگہبان تو ہوں نہیں۔ ہر چیز کے پُورا ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور عنقریب ہی تم جان لوگے، جو لوگ ہماری آیات کے بارہ میں کج بحثی کر رہے ہیں (خواہ مخواہ کے اعتراض کر رہے ہیں) تم ان کے پاس سے ٹل جاؤ تاکہ وہ لوگ کسی اور معاملہ میں بحث کرنے لگیں اگر شیطان ہمارا حکم تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس ہرگز نہ بیٹھنا۔

عذاب کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں، کبھی اُوپر سے آتا تھا جیسے بجلی گرنا، پتھر برسنا، آندھی آنا۔ کبھی نیچے

آتا تھا جیسے زمین میں دھنس جانا، کبھی آپس میں کشت و خون ہوتا تھا۔

دوسری بات خاص طور سے یہ بتائی گئی ہے کہ اگر مشرکین کسی جلسہ میں قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہوں، بے بنیاد اعتراض کر رہے ہوں تو وہاں سے اُٹھ آنا چاہیئے تاکہ وہ کچھ اور باتیں کرنے لگیں۔ اگر بیٹھے رہوگے تو تمہیں چھیڑنے اور دل گرفتہ کرنے کے لیے وُہ اس ذکر کو جاری رکھیں گے۔ دوسرے تم کو نہ چاہیئے کہ اس صحبتِ بد کا کسی مسلمان پر خراب اثر پڑے اور وُہ راہِ حق سے بھٹک جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسولؐ کو نسیان سے نسبت دی گئی ہے (استغفراللہ) بعض مفسّروں نے اس سے اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رسولؐ کو سہو و نسیان عارض ہوتا تھا۔ لیکن ہمارے عقیدہ کی رُو سے یہ سراسر غلط ہے۔ نسیان ایک دماغی بیماری ہے یا شیطانی تسلّط کا اثر۔ اگر رسولؐ کو یہ عارضہ لاحق ہو تو اس کی تبلیغ ناقص ہو جائے گی۔ اور اس کے بیان سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ ہر شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے رسولؐ کسی آیت کا کچھ حصّہ بھول گئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ

جہاں جہاں رسولؐ کو نسیان سے نسبت دی گئی ہے وہ امّت سے متعلق ہے رسوؐل کی ذات سے نہیں۔ ورنہ رسوؐل کی ذات میں نقص پیدا ہوگا مثلاً کہیں کہا گیا ہے تم شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا۔ اگر رسول ہی کو خدا کے بیان میں شک ہو تو پھر وہ رسول ہی نہ رہے گا۔ یا مثلاً بعض جگہ کہا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ظالمین میں سے قرار پاؤگے۔ ایسے مواقع پر بظاہر خطاب رسولؐ سے ہوتا ہے لیکن مراد امّت ہوتی ہے۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾
وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ
تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ع ۱۴

ایسے لوگوں کے حساب کتاب کی ذمّہ داری پرہیزگار لوگوں پر تو ہے نہیں لیکن نصیحتاً انہیں سمجھانا چاہیئے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے انہیں چھوڑ دو لیکن قرآن ان کے سامنے پڑھتے رہو (اللہ کے احکام بیان کرتے رہو)

تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کی غلط کاری کی بنا پر کوئی مبتلائے بلا ہو جائے اور ایسے وقت اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا سرپرست ہوگا نہ سفارشی اور اگر وہ اپنے گناہ کے بدلے سارا جہان بھی دے دیں تو بھی نہ لیا جائے گا۔ جو لوگ اپنے کیے کی بدولت مبتلائے بلا ہوتے ہیں ان کو (جہنم میں) کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کافر ہونے کی سزا میں وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قُلْ أَنَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ
يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا
لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۷۱)

اے رسول کہدو کیا ہم خدا کو چھوڑ کر ان بتوں کو پکارنے لگوں جو نہ ہم کو نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان۔ جب خدا ہماری ہدایت کر چکا تو کیا اس شخص کی طرح پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں جسے شیطان نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و پریشان ہو اور اس کے ساتھی اسے پکار کر کہ رہے ہوں ادھر آ سیدھی راہ یہی ہے۔ تم کہہ دو کہ ہدایت بس اللہ ہی کی ہدایت ہے اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہان کے پروردگار کے فرمانبردار بنے رہیں۔

کفار و مشرکین حضرتؐ کی خدمت میں آکر کہتے تھے آپؐ نے خواہ مخواہ قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ہم کیسے آپؐ کے اس خدا کو مان لیں جسے آج تک نہ آنکھ سے دیکھا نہ ہاتھوں سے چھوا ہو۔ آپؐ ہمارے بتوں کو کیوں نہیں مانتے جن کی عبادت صدیوں سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ خدا کہتا ہے اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ تم مجھ سے ایسی ناکارہ چیزوں کی عبادت کرنے کو کہتے ہو جو کسی مصرف کے نہیں۔ یہ کم بخت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ کیا میں بھی ان لوگوں جیسا بن جاؤں جنہیں شیطان نے بہکا کر کہیں کا نہیں رکھا، خدا سے ان کا تعلق نہ رہا، بتوں سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ تم نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ صحیح راستہ وہی ہے جس کی ہدایت خدا نے کی ہے ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوهُ ۚ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۷۲) وَهُوَ الَّذِي
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ
الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (۷۳)

اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ پابندی سے نماز پڑھا کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ وہ وہی خدا ہے جس کے حضور میں تم سب کے سب حاضر کیے جاؤ گے اور وہی وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور جس دن کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا بس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کا قول سچا ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن خاص اسی کی حکومت ہوگی وہی حاضر و غائب سب کا جاننے والا ہے اور وہ دانا و واقف کار ہے۔

خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا باوجود اتنی صریحی وضاحت کے بھی جو لوگ اسے نہیں مانتے اور مختلف قسم کے بیہودہ اعتراضات کیے چلے جاتے ہیں ان کی سزا جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایک شامی مشرک حضورؐ سے بحث کرنے کے لیے آیا اور کہنے لگا آپؐ جس خدا کی طرف خلق اللہ کو بلاتے ہیں اس کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ کوئی کام کرتے پایا ہے تو کیسے سمجھا جائے کہ یہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ اسی کا بنایا ہوا ہے جس کو آپؐ خدا کہتے ہیں۔ فرمایا اگر اس نے نہیں بنایا تو بتاؤ کس نے بنایا ہے۔ اس نے کہا مادہ نے ہر شے کو بنایا ہے ایک چیز دوسرے کو بناتی چلی گئی ہے۔ فرمایا اگر چیزیں بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن جاتیں تو جس مکان میں تو رہتا ہے کیا وہ خود بخود بن کر کھڑا ہو گیا ہے، کیا یہ لباس جسے تو پہنے ہوئے ہے خود بخود سل کر تیرے بدن پر آگیا ہے۔ کیا تیرا مکان کسی بنانے والے نے اور تیرا لباس کسی سینے والے نے نہیں سیا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے کیسے بن گیا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ فرمایا اے شامی یہ سمجھ لے کہ اگر وہ دکھائی دیتا تو پھر ہم ہی جیسا آدمی نہ ہو جاتا۔ جو چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں وہ اس کی مخلوق ہیں خالق نہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ
فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۷۴) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ
فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ
فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا
رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي
بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۷۸﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۷۹﴾

جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ (آذر) سے کہا کیا تم بتوں کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہو میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (جس طرح ہم نے ابراہیم کو دکھایا تھا کہ بت قابلِ پرستش نہیں) اسی طرح ہم ابراہیم کو سارے آسمان و زمین کے انتظام دکھاتے رہے "تاکہ وہ ہماری وحدانیت کا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں" جب اُن پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا۔ کہنے لگے کیا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ چھپ گیا تو وہ کہنے لگے، میں تو غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا دیکھا تو بولے کیا یہ میرا رب ہے جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج چمکتا دیکھا تو کہنے لگے، کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے قوم جن چیزوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں ان سے بری ہوں کسی کو خدا نہیں مانتا۔ میں نے تو اپنا منہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دینِ اسلام ملتِ ابراہیمی کہلاتا ہے۔ آپ کو شجرۃ الانبیاء اس لیے کہتے ہیں کہ زیادہ تر انبیاء آپ ہی کی نسل سے ہوئے حضرت نوحؑ کے بعد یہ دوسرے رسول ہیں جو صاحبِ شریعت ہوئے۔ آپؑ پر برابر صحیفے نازل ہوتے رہے مستقل کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ آپؑ کی قوم میں آپؑ کے سوا کوئی خدا پرست نہ تھا۔ ساری قوم گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک وہ گروہ تھا جو بت پرستی کرتا تھا۔ ان کا سربراہ و رئیس یا گرو گھنٹال آپؑ کا چچا آذر تھا۔ دوسرا وہ گروہ تھا جو ستارہ پرست تھا اُن کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی تمام مخلوق کے بنانے بگاڑنے میں ستاروں کو پورا پورا دخل ہے۔ انہوں نے ہر ستارہ کا ایک مندر

بنایا تھا اور اس میں جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ تیسرا گروہ شخصیت پرستوں کا تھا جو نمرود کو خدا مانتے تھے۔ نمرود تھا تو بت پرست مگر فرعون کی طرح اپنے کو خلق اللہ کا پالنے والا سمجھتا تھا، خدا کا قائل نہ تھا، احمق لوگ اس کی سلطنت کی وسعت اور اس کا جاہ و جلال دیکھ کر اُسے خدا سمجھنے لگے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ان تینوں محاذوں پر ان مشرکین سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ وہ آذر کے بیٹے تھے۔ خدا نے کبھی کسی ایسے شخص کو اپنا رسول نہیں بنایا جس کی خلقت مشرک کے نجس نطفہ سے ہوئی ہو۔ یہ خدا کی رسالت کی توہین ہے کہ ایک کافر کے بچہ کو یہ عہدہ دیا جائے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ ہر جگہ عُرفِ عام میں چچا کو باپ بھی سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی یہ دستور ہے کہ بچے چچا کو چھوٹے ابا کہتے ہیں۔ حضرتؑ کے والد کا نام "تارخ" تھا جو حضرت ابراہیمؑ کی ولادت سے پہلے مر گئے تھے۔ چونکہ آذر نے بحیثیت چچا ہونے کے آپؑ کی پرورش کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو دیکھا تک نہ تھا لہٰذا اِس چچا کو ہی باپ کہتے تھے۔ اسی بنا پر قرآن نے یَا أَبَتِ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آذر کافر ہی نہ تھا بلکہ کافر گر تھا۔ اس کے یہاں بت سازی کی فیکٹری تھی۔ وہ بت پرستوں کا سردار تھا۔ نمرود کے متعلق نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ایک بچہ عنقریب ایسا پیدا ہونے والا ہے جو تیری خدائی کو باطل کرنے والا اور تجھے ہلاک کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ یہ سن کر اس نے حاملہ عورتوں پر پہرہ بٹھایا اور مردوں کا عورتوں کے پاس جانا جرم قرار دیا مگر حضرت ابراہیمؑ کا حمل بقدرتِ خدا اس پر ظاہر نہ ہوا۔ جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو آپؑ کی والدہ نمرود کے خوف سے ایک غار میں چلی گئیں۔ وہیں آپؑ کی ولادت ہوئی۔ خدا کی قدرت دیکھو ان کے انگوٹھے سے دودھ کا چشمہ پھوٹ نکلا اس کو چوس چوس کر انہوں نے پرورش پائی۔ جب ذرا سیانے ہوئے تو ان کو گھر لے آئیں اور آذر کی سرپرستی میں آپؑ کی پرورش ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے صغر سنی ہی میں ان کو صاحبِ عقل و فہم بنا دیا تھا۔ آذر سمجھتا تھا کہ وہ اس کے دین پر ہیں لیکن اس روز اُسے حیرت ہو گئی جب انھوںؑ نے آذر سے کہا آپ اور آپ کی ساری قوم بت پرستی کر کے کھلی گمراہی میں ہے۔ اس نے پہلے تو آپؑ پر سختی کی لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے عقیدہ سے نہیں ہٹتے تو ان کو دشمن کی نظر سے دیکھنے لگا۔

ایک دن اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تم میری مدد اتنی تو کرو کہ ان بتوں کو شہر میں گھوم پھر کر بیچ لایا کرو۔ فرمایا، ہاں یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ آپؑ نے چھوٹے چھوٹے بت تو جیب میں رکھے اور اوسط قد والے بت رسی میں باندھ کر ہاتھ میں لٹکا لیے۔ ایک بڑے بت کے پیر میں رسی باندھ کر اسے کھینچتے ہوئے لے چلے اور کہتے جاتے تھے "لے لو ایسے نکارہ خداؤں کو جو نہ بولتے ہیں نہ چلتے پھرتے ہیں نہ کسی کو کچھ کرم کر سکتے ہیں"۔ ان کا یہ کہنا آذر کی قوم کو سخت ناگوار ہوا۔ انھوں نے آذر سے شکایات کی۔ جب ابراہیمؑ آئے تو آذر نے سختی سے باز پرس کی۔ حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے اگر غلط ثابت کر دو تو میں معافی مانگ لوں گا۔ اس نے کہا خیر جو ہو گیا وہ ہو گیا، آیندہ کوئی بت بیچنے کے لیے تمہیں نہیں دیا جائے گا۔ یہ محاذ بہت لمبا ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے گا۔ دوسرا محاذ ستارہ پرستوں کے مقابل تھا۔

مفسرین کا یہ کہنا درست نہیں غلط ہے کہ جس غار میں آپ پیدا ہوئے تھے، جب ایک رات اس میں سے نکلے تو اسی رات کو

ستارہ دیکھا اور چاند دیکھا اور پھر سورج دیکھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام رات کھڑے رہے اور جب سورج نکلا تو اس کے رب ہونے سے انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک رات کا نہیں بلکہ دو راتوں اور ایک دن کا ہے۔ خدا کہتا ہے جو دلائل ستاروں کی خدائی کے ابطال میں ابراہیمؑ نے پیش کیے وہ ہم نے ان کو بتلائے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دلائل ایسے مکمل ہیں کہ ان کی تردید نہ اُس وقت والوں سے ہوئی نہ اس کے بعد کوئی کر سکا۔ حضرت ابراہیمؑ نے صرف ستاروں اور چاند سورج کے طلوع و غروب سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور حادث وہ ہے جو پہلے نہ ہو اور بعد میں پیدا ہو کر پھر معدوم ہو جائے یعنی قائم بالذات نہ ہو اور حادث کی پہچان یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ ایک حالت پر کبھی نہیں رہتا اور جو تغیر پذیر ہے وہ کسی کے زیر اثر ہو گا۔ یعنی جب تک کوئی فاعل اپنی فاعلی قوت نہ دکھائے دوسرے پر انفعالی حالت طاری نہیں ہو سکتی۔

ستارہ ایک افق سے نکلا تو ضرور کسی قوت نے اس کو نکالا۔ پھر وہ ایک مخصوص رفتار سے فضائے بسیط میں چلنا شروع ہوا۔ معلوم ہوا کوئی طاقت اُسے چلا رہی ہے۔ پھر چلتے چلتے وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ ستارہ کی یہ تمام حرکت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ کسی کا محکوم ہے اس کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی مقام پر ٹھہر کر وہاں جم جائے۔ پس جو کسی دوسری قوت سے مغلوب ہے اور اپنا اختیار کھو بیٹھا ہے ہم اسے قادرِ مطلق خدا نہیں مان سکتے۔ وہ ضرور کسی خالق کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے حکم کا تابع ہے نہ وہ مدار کو بدل سکتا ہے نہ اپنی رفتار کو کم و بیش کر سکتا ہے نہ اپنے مطلع اور مقطع میں کوئی تبدیلی لا سکتا ہے تو پھر خالقِ کائنات کیسے مانا جا سکتا ہے۔ یہی استدلال چاند کے متعلق تھا اور یہی سورج کے متعلق تھا یہ ایک ایسی قوی دلیل تھی کہ ستارہ پرست اُسے توڑ نہ سکے اور بہت سوں کے اعتقادات متزلزل ہو گئے۔ دیکھئے تو صرف ایک ذرا سی دلیل سے کس طرح سب کی خدائی کا ابطال کر دیا۔ کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں بہت مختصر سی بات تھی جو سننے والوں کے دل میں گھر کر گئی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ستارہ، چاند اور سورج کو هٰذَا رَبِّي کہا یعنی یہ میرا رب ہے۔ ایک خدا پرست کے منہ سے ایسی بات نکلنا غلط گوئی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ کہنے والوں کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ انہوں نے هٰذَا رَبِّي بطور استفہام انکاری فرمایا تھا یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ میرا رب نہیں ہے جیسا کہ اُن کی بیان کردہ دلیل سے ثابت ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶/۷۵ الانعام)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے آثار اور کائنات کے نظام کو دکھا دیا اور انہوں نے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ سب حادث ہیں۔

دیکھنے تو ہم بھی روزانہ آثارِ قدرت کو ہیں مگر ہم آنکھیں کھول کر نہیں دیکھتے اس لیے یقین کا درجہ معرفت میں حاصل نہیں ہوتا۔ جناب ابراہیمؑ کو معرفتِ باری تعالیٰ کامل تھی۔ اور خدا کے سوا ہر شے کو حادث جانتے تھے لیکن علم الیقین کے ساتھ عین الیقین بھی چاہتے تھے۔ جب آفتاب و مہتاب اور ستارہ کے نظام پر غور کیا تو عینی ثبوت بھی انہیں دکھایا اور ان کے حدوث پر ایک قوی دلیل ہاتھ آ گئی۔ مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق بھی اطمینانِ قلبی کی یہی صورت تھی یعنی یقین کے ساتھ جانتے

تھے کہ خدا مُردوں کو زندہ کرتا ہے لیکن ایک عملی صورت آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ دوسروں سے بیان کر سکیں۔

جناب ابراہیمؑ سلسلۂ انبیاء میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کے نہ ماننے والوں کے مقابل کھڑے ہو کر پُرزور دلائل سے اُن کے عقاید باطلہ کا بھانڈا پھوڑا اس کے بعد یہ سلسلۂ دلائل آگے کو بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمانؐ کے زمانہ میں تمام عالم کے ابطال کے لیے دلائل کے ڈھیر لگ گئے۔ یہودی ہوں یا نصرانی، مجوسی ہوں یا دہریئے، ہندو ہوں یا بدھ، سب کے مقابل قرآن مجید میں ایسے مسکت دلائل بیان کیے گئے کہ کسی سے جواب بن نہ پڑا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی قرآن سے اخذ کر کے اپنے خطبات میں اسلام کے مخالفوں کا سر نیچا کرنے کے لیے وہ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ جو کسی سے بیان نہ ہو سکے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ
ع ۱۲ / ۱۵ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾
وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

اور ان کی قوم ان سے جھگڑا کرنے لگی۔ انہوں نے کہا کیا تم مجھ سے خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو درآنحالیکہ اس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے ذرا نہیں ڈرتا (وہ میرا کچھ نہیں کر سکتے) مگر میرا رب اگر کچھ چاہے تو اور بات ہے۔ میرے رب کا علم تو سب پر حاوی ہے تو کیا تم اس نصیحت کو نہیں مانتے جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے کیوں ڈروں جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کا

شریک ایسوں کو بنا لیا ہے جن کے لیے خدا نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی۔ پس اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں فریق میں امن قائم رکھنے کا زیادہ حق دار کون ہے۔ اگر تم جانتے ہو (تو مجھے جواب دو)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انہی لوگوں کے لیے امن و اطمینان ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ وہ دلیلیں ہیں جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر غالب آنے کے لیے بتائی ہیں۔ ہم جس کا مرتبہ چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں بے شک تمہارا رب حکمت والا اور علم رکھنے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے جب ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمارے بتوں کو اگر نہیں مانو گے تو ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس کا جواب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دیا کہ تم کیسی موٹی عقل کے آدمی ہو کہ میں تو تمہارے ان معبودوں سے ڈروں جن کو خدا نے کوئی طاقت اور قوت نہیں دی اور تم اپنے اس رب سے نہیں ڈرتے جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا اور صاحب قدرت ہے۔ پس ذرا مجھے بتاؤ کہ امن کی صورت تمہارے لیے ہے یا میرے لیے۔ یعنی تمہارے رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور میرا رب تمہارے اوپر سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی قوم منکرِ خدا نہ تھی بلکہ اس نے خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک بنا لیا تھا یعنی اتقدہٗ آخر تو خدا تھا لیکن اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں تھیں جو اس کی خدائی میں شریک ہونے کی وجہ سے لائقِ عبادت و پرستش تھیں یہی عقیدہ ہندوؤں کا ہے کہ بظاہر وہ بھی خدا کے منکر نہیں اس کو نرنکار یعنی ایک الگ تھلگ ذات مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ اور مخلوق کو بھی لائقِ پرستش سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لوگوں کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں اور نظامِ کائنات چلانے میں ان کو بھی دخل ہے۔ اس کے بھی قائل ہیں کہ ان کے دیوی دیوتاؤں کے اندر خدا حلول کیے ہوئے تھا۔ اسی بنا پر وہ رامچندر اور کرشن وغیرہ کو خدا کا اوتار مانتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ خدا ان کی صورت میں مجسم ہو کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے آیا تھا۔

آگے چل کر خدا نے یہ بھی بتا دیا کہ امن صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا۔ یہاں ظلم کے معنی شرک باللہ ہیں جو سب سے بڑا ظلم ہے، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان آیت ۱۳) اگر خدا کا شریک کسی صورت میں بھی اس کے غیر کو بنایا جائے گا تو نجات کا راستہ اس پر مسدود ہو جائے گا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا
بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا اور ہم نے سب کو ہدایت کی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت کی اور انہی ابراہیم کی اولاد میں سے داؤدؑ و سلیمانؑ ایوبؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ ہیں۔ (اور) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس (سب کو ہدایت کی) اور یہ سب صالحین میں سے تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس اور لوط تھے۔ ان سب کو سارے جہان پر فضیلت دی اور صرف انہی کو نہیں بلکہ ان کے آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بہتیروں کو) فضیلت دی۔ ہم نے انہیں منتخب کیا اور راہِ راست کی طرف ہدایت کی۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت اور اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جنہوں نے شرک باللہ کیا ان کا سب کیا کرایا اکارت گیا۔ (جن کا اوپر ذکر ہوا) یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کی۔ بس اگر یہ لوگ اسے بھی نہ مانیں (تو کچھ پرواہ نہیں) ہم نے تو ان پر ایسے لوگوں کو مقرر کیا ہے جو (ان کی طرح) انکار کرنے والے نہیں۔ یہ پیغمبر وہ لوگ تھے جن کو خدا نے ہدایت کی تھی پس تم بھی اس کی ہدایت کی پیروی کرو۔

خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰؑ کو اولادِ ابراہیمؑ میں شمار کیا ہے حالانکہ اُن کے باپ نہ تھے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ نسبت ماں کی طرف سے ہوتی ہے یعنی نواسے بھی اولاد میں شامل ہوتے ہیں۔ پس کس قدر تعجب ہے ان لوگوں کی عقلوں پر جو حضرات حسنین علیہما السلام کو اولادِ رسولؐ تسلیم نہیں کرتے۔

خدا کی طرف سے انبیاء علیہم السّلام کو جو چیزیں دی گئی ہیں وہ مذکورہ آیت میں تین بیان کی گئی ہیں :

- اوّل کتاب جو تمام ہدایتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے اور خدائی احکام جس کے اندر ہوتے ہیں۔
- دوسرے حکمت یعنی کتاب میں جو احکام ہوتے ہیں ان کو صحیح طریقہ سے سمجھ کر عمل کرنا۔ اور مسائلِ حیات میں صحیح فیصلہ کرنے کا ملکہ ہونا۔
- تیسرے نبوت یعنی خدائی ہدایت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرنا۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ؑ ٩٠ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ ١٠ ع ٨ ١٤
حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ
الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا
وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ
ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ٩١

اے رسول ان سے کہو میں تم سے اس رسالت کے متعلق کوئی اُجرت نہیں لینا چاہتا۔ یہ تو سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور بس۔ اور ان لوگوں نے (یہودی) خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی نہ کی کیونکہ ان لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں نازل کیا۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ پھر وہ کتاب جو موسٰی لے کر آئے تھے کس نے نازل کی تھی جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی جسے تم نے الگ الگ کر کے کاغذی اوراق بنا ڈالے۔ اس میں کا کچھ حصہ (جو تمہارے مطلب کا ہے) ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں (جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہیں) انہیں چھپائے ہوئے ہو حالانکہ (اسی کتاب کے ذریعے) تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جنہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ اے رسول (وہ تو کیا جواب دیں گے) تم ہی کہہ دو کہ خدا نے ہی نازل فرمائی تھی۔ اس کے بعد انہیں چھوڑ دو کہ پڑے جھک مارا کریں۔

مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ رسولؐ نے اپنی رسالت کے اظہار سے کچھ دولت کمانی چاہی ہے۔ بالخصوص یہودی مشرکوں سے

کہا کرتے تھے کہ تمہاری قوم میں جو شخص مدعی رسالت ہے وہ دولت مند بننے کا خواستگار ہے اور مشرکین یہودیوں سے پوچھتے تھے تم اہلِ کتاب ہو کیا اس نبی کے متعلق تمہاری کتابوں میں کوئی ذکر ہے وہ کہتے تھے کہ کسی انسان پر خدا نے کوئی کتاب نہیں نازل کی۔ حالانکہ یہودی توریت کو مانتے تھے مگر ضد بڑی بُری چیز ہے۔ انسان اپنے دشمن کو شکست دینے کے لیے ایک حقیقت سے بھی انکار کر جاتا ہے۔ یہودی ایسا بے بنیاد جواب اس لیے دیتے تھے کہ مشرکوں کی عداوت کو اور زیادہ قوت پہنچے۔ یہودی بڑے چالاک تھے انہوں نے پوری توریت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے جو باتیں ان کے مقاصد کے خلاف تھیں انہیں نکال ڈالا اور اپنی رائے اور قیاس کے مطابق جو چاہا درج کر دیا۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو تاکہ یہ اپنی غلط کاریوں کی سزا بھگتیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ
حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۝ ٩٢ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ
وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ
غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ٩٣

یہ قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے برکت والا بنا کر نازل کیا اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے سامنے موجود ہے اور اس لیے نازل کیا ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے اہلِ مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس (قرآن) پر بے تامل ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی پابندی سے پڑھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو خدا پر جھوٹا افترا کرے اور کہے میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آتی یا جو یہ دعوٰی کرے کہ جیسا

قرآن خدا نے نازل کیا ہے ویسا ہی میں عنقریب نازل کیے دیتا ہوں۔ اے رسول کاش تم دیکھتے کہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہیں اور فرشتے ان کی جان نکالنے کے لیے ہاتھ لپکا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اپنی جانیں نکالو آج ہی تو تم کو رسوائی کے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم خدا پر ناحق جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر اکڑا کرتے تھے۔

ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جھوٹے نبی بنے بیٹھے تھے جیسے مسیلمہ کذاب جو اپنے دل سے جھوٹے فقرے گڑھ کر کہا کرتا تھا کہ میرے اوپر یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ یا اسود عنسی کہا کرتا تھا کہ ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر روز میرے پاس آیا کرتا ہے اور مجھے تعلیم دیا کرتا ہے۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح جو حضرت عثمانؓ کا دودھ شریک بھائی تھا کاتبانِ وحی میں سے تھا اور کبھی کبھی از رو شرارت غفور رحیم کی جگہ حکیم علیم لکھ دیا کرتا تھا۔ جب آیہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ (المومنون ۲۳) نازل ہوئی تو اس کو انسان کی حالت پر سخت تعجب ہوا تو اس کی زبان سے رسولؐ کے فرمانے سے پہلے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المومنون ۲۳) نکل گیا آپ نے اس سے فرمایا اس کو بھی لکھ لو یہ بھی قرآن و وحی ہے۔ اس نے لکھنے کو تو لکھا مگر شک میں پڑ گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ سچے ہیں کہ ان پر وحی آتی ہے تو مجھ پر بھی آتی ہے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو میں بھی ان کی طرح قرآن بنا سکتا ہوں۔ غرض وہ مردود ہو گیا اور اہلِ کتاب کے پاس جا کر کہنے لگا مجھے محمدؐ کا حال معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اپنے جی سے بنا لیتے ہیں اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں اس ناشائستہ حرکت پر آپؐ نے اسے مدینہ سے نکلوا دیا۔ ہر چند حضرت عثمانؓ نے سفارش کی مگر آپؐ نے مدینہ میں آنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں یہی شخص مصر کا حاکم ہوا۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ
ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ
لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ
وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ
اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

آخر تم لوگ ہمارے پاس اسی طرح تنہا آؤ گے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو (مال و اولاد وغیرہ) دیا تھا وہ سب پس پشت چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو بھی نہیں دیکھتے ہیں جن کو تم یہ سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری پرورش میں ہمارے شریک ہیں۔ تمہارے سب باہمی تعلقات قطع ہو گئے اور جو کچھ تم گمان کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ بے شک گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ کر کے درخت اگاتا ہے زندہ کو مردے سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ لوگو، یہی تمہارا خدا ہے تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔

جب حضرت رسولِ خدا نے فاطمہ بنت اسد مادرِ امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی تو آپ نے پوچھا بیٹا فرادیٰ کا کیا مطلب ہے فرمایا برہنہ۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا کیا لوگ قیامت میں ننگے محشور ہوں گے۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی مارے غیرت کے حضرت فاطمہؓ نے ایک چیخ ماری اور بے اختیار رونے لگیں تو آپ نے دعا کی خدا وندا، ان کو قبر سے برہنہ نہ اٹھانا پھر اسی خیال سے حضرتؐ نے ان کو اپنی عبا کا کفن دیا۔

زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالنے کے متعلق مفسرین کے بیان مختلف ہیں:

۱۔ کافر سے مومن پیدا کرتا ہے اور مومن سے کافر۔
۲۔ بے جان نطفہ سے جاندار انسان پیدا کرتا ہے اور پھر اس جاندار سے بے جان نطفہ پیدا کرتا ہے۔
۳۔ انڈے سے مرغی کا بچہ پیدا کرتا ہے اور مرغی سے انڈا۔

خدا نے اپنی قدرت کے کمالات جہاں اور بہت سے بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی پھل کی سخت گٹھلی یا کسی غلہ کا دانہ زمین میں دبا دیا جاتا ہے تو وہ شگافتہ ہو جاتا ہے اور اس میں سے کونپل پھوٹ نکلتی ہے۔ کیا کیا تصرفات ہونے کے بعد ایسا ہوتا ہے اس کو اہلِ علم سے پوچھیے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ
مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح کو نکالتا ہے اسس نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اور حساب کے لیے چاند اور سورج بنائے ہیں۔ یہ خدائے غالب و دانا کے مقرر کردہ (اصول ہیں) اس نے تمہارے نفع کے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ تم جنگلوں اور سمندروں کی تاریکی میں ان سے راستہ معلوم کرو اور واقف کار لوگوں کے لیے ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں نہایت تفصیل سے بیان کر دی ہیں، وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدمؑ) سے پیدا کیا۔ پھر ہر شخص کے قرار کی جگہ (باپ کی پشت) اور سونپنے کی جگہ (رحم مادر) مقرر کی ہے سمجھ دار لوگوں کے لیے ہم نے اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ
جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى
ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ
شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع ع ۱۲ ۱۸

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے مینہ برسایا پھر ہم نے اُس سے ہر اُگنے والی چیز کے کوے نکالے۔ پھر ہم نے اسس سے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں پھر ہم ہی اسس سے گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے بُور سے نکلتے ہوئے گچھے پیدا کیے اور انگور و زیتون اور انار کے باغات پیدا کیے۔ یہ پھل جو صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر مزہ میں جدا جدا ہیں۔ جب یہ درخت پھل لائیں اور پھل پکیں تو ان کی طرف غور کرو، بے شک ان میں ایمانداروں کے لیے قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں (کیسے بدبخت لوگ ہیں) جنہوں نے جنات کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ وہ بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور لوگوں نے بے سوچے سمجھے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں۔ جو جو باتیں یہ خدا کے لیے بیان کرتے ہیں خدا ان سب سے پاک ہے۔

یعنی احمق لوگوں نے کائنات کے انتظام میں اور انسان کی بھلی بُری قسمت بنانے میں کچھ اور چیزوں کو بھی شامل کر لیا ہے اور نہ معلوم کتنے دیوی دیوتا خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں اور اپنی زندگی ان کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے جاہلیت والے عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور عزیرؑ اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ یہ سب جہالت کے کرشمے تھے۔ ان توہمات کے طلسم کدوں کو اسلام نے آکر توڑا اور ہزاروں سال کی جہالت کے زنگ کو ان کی مردہ طبیعتوں سے کھرچا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ
كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ
وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾
وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾
اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ
اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

وہ آسمانوں اور زمین سب کا موجد ہے اسس کے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بی بی ہی نہیں اور جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اللہ ہی تمہارا رب ہے اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہر شے کا وہی پیدا کرنے والا ہے پس اُسی کی عبادت کرو وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں (نہ دُنیا میں نہ آخرت میں) وہ ہر ایک نظر کو دیکھنے والا ہے اور وہ بڑا باریک بین اور

خبردار ہے۔ دیکھو تمہارے پاس سوجھانے سمجھانے والی سب چیزیں تمہارے رب کی طرف سے آچکیں پس جو دیکھے اور سمجھے تو اس کا فائدہ اسی کی ذات کو پہنچے گا اور جو آنکھوں پر پٹی باندھ لے تو اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ اور اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تم پر کوئی نگہبان تو ہوں نہیں (اپنے نفع نقصان کو خود سوچو) اور ہم اپنی آیتیں یوں ہی اُلٹ پھیر کر بیان کیا کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو) اور وہ لوگ بھی اقرار کر لیں کہ تم نے قرآن ان کے سامنے پڑھ دیا اور اس لیے بھی کہ جو لوگ جانتے ہیں ان کے لیے خوب واضح کر کے ہم بیان کر دیں۔ جو تم پر وحی کی گئی ہے پس اسی پر چلو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ شرک ہی نہ کرتے ہم نے تم کو ان لوگوں کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

جب خدا نے اس آیت میں صاف طور سے بتا دیا کہ بینائیاں اسے نہیں دیکھ سکتیں تو پھر دیدارِ خدا کا عقیدہ بالکل باطل ہے۔ دیکھی تو وہی چیز جاتی ہے جو جسم کثیف رکھتی ہو کوئی رنگ رکھتی ہو۔ کسی جگہ پر قائم ہو اور جب خدا ان تمام باتوں سے پاک ہے تو پھر اس کا دیکھنا کیسا؟ آخرت میں بھی یہ دیکھنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ کیا آخرت میں وہ اپنی ہیئت بدل ڈالے گا کیا وہ صاحبِ جسم ہو کر بیٹھے گا، جس کے لیے نہ جسم ہے نہ مکان۔ وہ کسی وقت بھی اس کثافت میں نہیں ہو سکتا۔ وہ جس کا کسی وقت ممکن بن جانا محال ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ
زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ
بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾
وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ
نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳

اور یہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں تم بُرا نہ کہو ورنہ یہ لوگ بھی خدا کو بے سمجھے عداوت میں بُرا کہنے لگیں گے۔ یہ لوگ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے ایسے پابند ہو گئے ہیں گویا ہم نے خود ہر گروہ کے اعمال بنا سنوار کر اچھے کر دکھائے ہیں اور آخر کار ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تب جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے خدا ان کو بتا دے گا۔ ان لوگوں نے خدا کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے گا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے (اے رسول تم کہو) معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم اگر معجزہ آئے گا بھی تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے ہم ان کے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ دیں گے جس طرح یہ لوگ قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے (اب بھی نہ لائیں گے) اور ہم انہیں سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ سرگرداں رہیں۔

ایک روز کفارِ قریش حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے انبیائے سابقین نے معجزے دکھائے ہیں۔ موسیٰؑ نے پتھر سے چشمے نکالے، صالحؑ نے پہاڑ سے اُونٹنی نکالی۔ عیسیٰؑ نے مُردے زندہ کیے۔ آپؐ بھی کوئی معجزہ دکھائیے۔ حضرتؐ نے فرمایا، تم کیا دیکھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا آپؐ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں۔ حضرتؐ نے پوچھا، اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے کہا ضرور لے آئیں گے۔ حضرتؐ دُعا کرنا چاہتے تھے کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دُعا قبول کروں گا اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا مگر یاد رہے کہ یہ لوگ باوجود سخت قسمیں کھانے کے بھی ایمان نہ لائیں گے پھر میں سخت عذاب نازل کر کے ان کو تہس نہس کر دوں گا۔ اب تم جس شق کو چاہو، اختیار کرو۔ آپؐ نے ان کی علت پر غور کر کے درگزر کی۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی ہے کہ اگر مشرکوں سے تمہارا مباحثہ ہو تو جوش میں آکر ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہنا کیونکہ اس کے نتائج بہت خراب ہوں گے۔ اوّل یہ کہ وہ عداوت کے جوش میں ترکی بہ ترکی تمہارے رب کو بُرا بھلا کہنے لگیں گے اور اس طرح تم ان کے اس عملِ بد کا باعث قرار پاؤ گے۔ دُوسرے جب بات بڑھ جائے گی تو آتشِ عداوت اور تیز ہو جائے گی اور پھر یہ تمہاری بات سننے ہی کے نہیں۔ تیسرے تبلیغ کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں کہ کسی کا کلیجہ نوچ کر یا ڈنڈے مار کر اپنی بات منوائی جائے بلکہ نہایت نرمی، بردباری اور خوش خلقی سے بات چیت ہو تو اس کا اثر ہوتا ہے۔

یہ لوگ اپنے اعمالِ بد پر ایسے مگن ہیں کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں، خدا ہی ان سے یہ باتیں کرا رہا ہے اور یہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ بدکام کرنے والے یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان چیزوں کو پسند کرتا ہے اور گویا وہ خود کرا رہا ہے۔ اگر بُرا جانتے تو ضرور باز آجاتے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ
كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى
بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا
مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اے رسول اگر ہم اُن کے پاس فرشتے نازل کرتے اور اُن سے مُردے بھی کلام کرنے لگتے اور تمام مخفی چیزیں (جیسے جنت و نار وغیرہ) بھی ان کے سامنے موجود کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر جب اللہ چاہے لیکن اُن میں سے اکثر نہیں جانتے (اے رسول جس طرح یہ کفار تمہارے دشمن ہیں) گویا ہم نے (خود آزمائش کے لیے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے وہ ایک دوسرے کو فریب دینے کے لیے چکنی چپڑی باتوں سے سرگوشی کرتے ہیں اور اگر تمہارا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کر پاتے پس انہیں اور جو افترا پردازی یہ لوگ کرتے ہیں اُسے چھوڑ دو (اور یہ سرگوشیاں اس لیے تھیں کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے دل ان کی شرارت کی طرف مائل ہو جائیں اور انہیں پسند کریں۔ اور جو افترا پردازیاں یہ خود کرتے ہیں وہ بھی کرنے لگیں۔

اس آیت سے کہ "ہم نے انہیں دشمن بنایا" یہ معلوم ہوتا ہے کہ بُرا کام کرانے والا خدا ہے لیکن ایسا نہیں اگر خدا شرارت اور بدی کا پسند کرنے والا ہوتا تو اُسے نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت تھی نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بھیجنے کی۔ بات یہ ہے کہ خدا نے انسان ہوں یا جن یا شیطان سب کو فاعل مختار بنایا ہے وہ کسی بات کے لیے کسی کو مجبور نہیں کرتا لیکن اگر چاہے تو ہر بُرے کام سے روک سکتا ہے لیکن وہ ایسا کرتا نہیں کیونکہ اس سے جبر لازم آتا ہے اور اس کے بندوں کی عقل و فہم کا امتحان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اُس نے اچھے بُرے دونوں طرح کے کاموں کی قوت خود ہی دی ہے لہٰذا وہ مجازاً بہت سے کاموں کو بحیثیت خالقِ کائنات ہونے کے اپنی طرف نسبت دے لیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل بد سے راضی بھی ہے۔ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ راضی تو وہ عمل نیک ہی سے ہوتا ہے۔

خدا کا ہر نافرمان بندہ جو دوسروں کو بھی نافرمان بنانا چاہتا ہے شیطان ہے خواہ از قسم جن ہو یا از قسم انس۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنے والے یہی لوگ ہوتے تھے جو آپس میں مسکوٹ کرتے تھے کہ کس طرح کسی نبی کی تبلیغ کو رد کریں۔ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت کی کہ ہمارے علم کی بنا پر جو لوگ ایمان لانے والے نہیں ان کے ایمان لانے کا خیال چھوڑ دو اور اُن کو اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنے دو۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ
الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

(اے رسول ان سے کہو کیا تم یہ چاہتے ہو) کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو ثالث تلاش کروں حالانکہ وُہ وہی خدا ہے جس نے تمہارے پاس مفصل کتاب نازل کی ہے اور جن لوگوں کو کتاب عطا فرمائی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے تو تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ سچائی اور انصاف میں تو تمہارے رب کی بات پوری ہو ہی گئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہی سننے والا واقف کار ہے۔ اے رسول اس دنیا میں تو بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے کہنے پر چلو تو وہ خدا کی راہ سے تمہیں بھٹکا دیں گے حالانکہ وہ اٹکل پچّو باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ تو صرف اپنے خیالات کی پیروی کرنے والے ہیں۔ خدا ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

خدا نے قرآن مجید میں اپنی ذات و صفات کے متعلق بہت سی تفصیلی آیات بیان کر دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ تبلیغ کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے تو اس کے بعد اور کون ایسا تلاش کیا جائے جو اس کے فیصلہ کے سوا کوئی نیا فیصلہ پیش کرے۔ آیت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اے رسول تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا تو بظاہر مخاطب رسولؐ ہیں لیکن حقیقی مخاطب اُمّت ہے کیونکہ رسولؐ سے تو شک کا تعلق کسی حالت میں ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے از رُوئے صدق و عدل جو باتیں بیان کی ہیں وہ ایسی حتمی و یقینی ہیں کہ ان کو کوئی بدل ہی نہیں سکتا۔ لوگ جو کچھ قرآن کے متعلق بکواس کرتے ہیں اللہ اُن کی باتوں کو سنتا بھی ہے اور ان کی حالتوں کو جانتا بھی ہے۔ اس دُنیا میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں بے تُک ہیں۔ وہم و گمان نے ان کو چاروں طرف سے چونکہ گھیر لیا ہے اس لیے حقیقت تک ان کی رسائی ہی نہیں۔ ان گمراہوں کو بھی خدا جانتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں ان کو بھی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا
تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا
اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ
الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ
اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ
وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحہ پر (وقت ذبح) خدا کا نام لیا گیا ہو اُسی کو کھاؤ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جس جانور پر خدا کا نام لیا گیا ہو اُس میں سے نہیں کھاتے حالانکہ جو چیزیں اُس نے تم پر حرام کر دی ہیں وُہ تم سے تفصیلاً بیان کر دی ہیں۔ مگر (ہاں) جب مجبور ہوں (تب حرام بھی کھا سکتے ہو)۔ بہت سے لوگوں کا یہ حال ہے کہ بغیر علم کے محض اپنی خواہشوں کی بنا پر گمراہی کی باتیں کرتے ہیں۔ حد سے گزرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے ہوئے گناہوں سے بھی۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں

ان کے اعمال کا عنقریب بدلا دیا جائے گا۔ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اُسے نہ کھاؤ کیونکہ ایسا کرنا بدچلنی ہے۔ شیاطین تو اپنے ہوا خواہوں کے دل میں ایسے وسوسے ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑے کیا کریں۔ اگر کہیں تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بے شبہ پھر تم بھی مشرک ہو۔

کفارِ مکہ مُردار کھاتے تھے اور جب مسلمان ان کو ٹوکتے تھے تو وہ اُلٹے مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ واہ تم بھی عجیب عقل کے لوگ ہو جسے تم مار ڈالتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جسے خدا مار ڈالتا ہے اُسے نہیں کھاتے۔ خدا نے اس کی وجہ بیان نہیں کی بس خدا کا حکم ہی کافی ہے۔ لیکن اتنی بات تو ظاہر ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا اس کی دلیل ہے کہ جس مخلوق کا گوشت وہ کھائے گا اس کے پیدا کرنے والے کا نام لینا چاہیئے۔ نیز یہ کہ خدا کا نام لینے سے خدا کی برکت و رحمت اس میں شامل ہو جاتی ہے اور شرک کی نحوست اس سے دُور ہو جاتی ہے۔ چونکہ بُت کسی جانور کے خالق نہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کے نام پر قربانی کی جائے۔ اب رہا اپنی موت مرنے والا جانور تو اس کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے کہ اس کے اندر سے خون جمندہ جو بہت زیادہ گرم ہوتا ہے نہیں نکل پایا۔ لہٰذا اس گوشت کے کھانے سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اپنی موت مرنے والا عموماً کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہوتا ہے۔ فطرتاً طبیعت مردار کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ
فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ
وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایک ایسا نُور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اُس جیسا ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے اور وہاں سے کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ جس طرح مومنوں کے لیے ایمان آراستہ کیا گیا ہے اُسی طرح کافروں کے لیے اُن کے بداعمال آراستہ کر دیئے گئے ہیں کہ ان کو اپنی ہی بات بھلی نظر آتی ہے۔ ہم نے ہر بستی میں ان کے قصور واروں کو سردار بنایا تاکہ ان میں مکاری کیا کریں اور جو لوگ مکاری کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں لیکن سمجھتے خاک نہیں۔

یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں ہے نور کی روشنی میں چلنے والے حضرت حمزہؓ ہیں اور تاریکیوں میں چلنے والا ابوجہل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ابوجہل نے حضرت رسولِ خداؐ کے ساتھ بے ادبی کی۔ حضرت حمزہؓ شکار پر سے لوٹے تو اس کی گستاخی کا حال معلوم ہوا۔ اسی وقت غصہ میں بھرے ہوئے ابوجہل کے پاس آئے اور اس زور سے اپنی کمان اس کے سر پر ماری کہ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اُسی روز انہوں نے اسلام قبول کیا۔
آنحضورؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کا چرچا شہر شہر گاؤں گاؤں تھا قبیلوں کے جو سردار تھے ان کی طرف سے مخالفت کا اظہار ہونے لگا اور وہ غلط بیانیاں کر کے عوام کے جذبات کو آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکانے لگے تو اسکا نتیجہ ان ہی کے حق میں بُرا ہوا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ
وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ
يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾

جب ان کے پاس کوئی آیت آئی تو کہنے لگے ہم تو اُس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ایسی ہی چیز (وحی) جو رسولوں کو دی گئی ہے ہمارے پاس نہ آئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں ان کی مکاری کی سزا میں خدا کے یہاں اُن کے لیے ذلت اور سخت عذاب ہے۔ جس کے لیے خدا ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اسلام کے لیے اس کا سینہ کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ وہ گمراہی میں پڑا رہے اس کے سینہ کو تنگ کرتا اور ایسا دبا تا ہے کہ اسلام کا تصور کرنے میں اُسے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے گویا اس کی رُوح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا اس طرح بُرائی کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ میں سے بعض نے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے۔ فرمایا، جو ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو روشن

منوّر کر دیتا ہے اور کفار کے دل تاریک بنا دیتا ہے۔ کسی نے پوچھا نورانی قلب کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا، ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا، غرور سے کنارہ کش ہونا اور مرنے پر ہر وقت تیار رہنا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ
السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ
بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

(اے رسول یا اسلام) تمہارے پروردگار کا بنایا ہوا سیدھا راستہ ہے۔ عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے ہم نے اپنی آیات تفصیل سے بیان کر دی ہیں (ایمان والوں کے لیے) ان کے رب کی طرف سے چین اور آرام کا گھر ہے اور (دنیا میں) جو نیک عمل انہوں نے کیے ہیں اللہ ان کے بدلہ میں ان کا سرپرست ہوگا۔ (اے رسول، وہ دن یاد کرو) جب خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (اور تب ان سے فرمائے گا) اے گروہ جنات تم نے تو بہتیرے آدمیوں کو (بہکا بہکا کر) اپنی جماعت بڑی کر لی۔ جو لوگ ان شیاطین کے دوست تھے وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار دنیا میں ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور اپنے گناہ کی سزا پانے کے لیے جو وقت تو نے ہمارے لیے معیّن کیا تھا اب ہم اس وقت (قیامت) کو پہنچ گئے۔ خدا جواب میں فرمائے گا تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے مگر جسے خدا چاہے (نجات دے) بے شک تمہارا رب حکمت والا اور واقف کار ہے اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ان کے کرتوتوں کی بدولت سرپرست بنائیں گے۔

یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی حجت پوری طرح تمام کی ہے۔ اوّل تو اس نے عقل اور سمجھ دی کہ انسان اپنی بھلائی برائی کو سوچے سمجھے پھر اس نے اپنے انبیاء کو بھیجا تا کہ اگر ان کی عقل پر پردہ پڑا ہے تو انبیاء ان کو سمجھائیں مگر جب ان سے ہدایت حاصل نہ کی اور اپنا شیطانی گروہ بنا کر ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے لگے تو پھر اس کے سوا ان کی سزا اور کیا ہو سکتی تھی کہ ان سب کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا
عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي
بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ
مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اے گروہ جن و انس کیا تم ہی میں سے تمہارے پاس وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔ دنیا کی زندگی نے اگرچہ انہیں یہاں دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر (روز قیامت) وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ (بے شک) وہ کافر تھے۔ یہ گواہی اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا اور وہاں کے باشندے غفلت کی زندگی بسر کر رہے تھے (آخرت کے انجام سے بےخبر تھے) ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں تمہارا رب اس سے بے خبر نہیں اور تمہارا رب سب سے بے پرواہ اور رحم والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے اور تمہارے

بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے تمہیں اس نے دوسروں کی اولاد سے پیدا کیا۔ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ایک دن ضرور آنے والی ہے اور تم اس کے لانے میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔

اس دنیا کی آسائشوں میں پڑ کر جو لوگ روزِ قیامت کو بھول گئے ہیں اور اپنی غلط کاریوں میں مبتلا ہیں ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہارے پاس ہدایت کے لیے رسول نہیں آئے تھے تاکہ تمہیں آج کے دن کی پرسش سے ڈرائیں۔ وہاں کس کی مجال ہوگی کہ انکار کر دے کہنا پڑے گا کہ آئے تو تھے مگر ہمیں زندگی کے مشاغل نے ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا بیشک ہم کافر ہیں۔

جو لوگ خدا پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے بے وجہ قوموں کو ہلاک کیا۔ ان کو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بستی کے باشندوں کو خدا نے بے جرم و قصور نہیں ہلاک کیا وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اس لیے ہلاک کیے گئے کہ آخرت سے بالکل بے خبر ہو کر انہوں نے خدا کی نافرمانی پر کمر باندھ لی تھی اور اس کے احکام پر عمل کرنا قطعی چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ خدا ان کی طرف سے غافل ہے لیکن اُن کا خیال غلط تھا وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ وہ تو سب پر رحم کرنے والا ہے لیکن وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق درجہ دینے والا ہے جو جیسا کرے گا ویسا ہی بدلا اس کو دیا جائے گا۔ وہ جس قوم کو تباہ کرتا ہے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اسی نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ تو ایک دن آکر رہے گی اس کے لیے ہر شخص کو تیار رہنا چاہیے۔ وہاں تمام اعمال کا حساب ہوگا اور ضرور ہوگا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ
الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ
وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اے رسول تم ان سے کہو کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر جو چاہو کرو میں بھی بجائے خود عمل کر رہا ہوں بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہشت کس کے لیے ہے تمہارے لیے یا ہمارے لیے، اور (یاد رکھو) ظالم لوگ تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں اور چوپاؤں میں سے حصہ قرار دیتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے (یعنی جن کو ہم نے خدا بنایا ہے) پھر جو خاص حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا تک نہیں پہنچے گا لیکن جو خدا کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جائے گا یہ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں اسی طرح بہت سے مشرکوں کو اُن کے شریکوں نے اپنے بچوں کے مار ڈالنے کو اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں اَبدی ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے سچے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ ایسا کام نہ کرتے پس اے رسول تم ان کی افترا پردازیوں کو خدا پر چھوڑ دو۔ (وہ اُن سے بھگت لے گا۔)

ایامِ جاہلیت میں عجیب عجیب رسمیں قوم عرب میں جاری تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ جو حصہ خیرات کے واسطے نکالتے، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کھیتوں میں خط کھینچ کر خدا کا اور اپنے بتوں کا حصہ الگ کر دیتے تھے۔ اس طرح چوپاؤں میں بھی تقسیم کرتے تھے اگر بعد میں معلوم ہوتا کہ خدا کے حصہ کا جانور موٹا تازہ ہو گیا تو اُسے بدل کر بتوں کے حصہ کی طرف کر دیتے لیکن بتوں کی پرشاد کی اچھی چیز کو خدا کی طرف نہ بدلتے۔ خدا کے حصہ سے مہمانوں اور محتاجوں کو کھلاتے تھے اور بتوں کے حصے خاص بت خانوں کے پجاریوں کے ہوتے تھے۔ اگر اتفاقاً خدا کے حصہ کی چیز بتوں کے حصہ میں جا پڑتی تو اُسے نہ اٹھاتے اور اگر بتوں کے حصہ کی چیز خدا کے حصہ میں جا پڑتی تو اسے فوراً اُٹھا لیتے۔ انہی باتوں کی طرف آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

منجملہ ان اطوارِ بد کے ایک رسم یہ بھی تھی کہ اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو لوگ اس کو ملامت کرتے اور لڑکی کو نحوست کا نشان بتاتے وہ طعن و طنز کی تاب نہ لا کر یا تو زندہ درگور کر دیتا یا پجاریوں کے بہکانے سے بتوں پر بھینٹ چڑھا دیتا اور اپنے خیال میں اُسے بہت اچھا کام سمجھتا۔

نیاز کے جانور ان لوگوں نے تین قسم کے بنا رکھے تھے ایک تو وہ جنہیں کوئی نہ کھاتا۔ دوسرے وہ جس کی پیٹھ پر نہ تو سواری کرتے اور نہ اس پر بوجھ لادتے۔ تیسرے وہ جنہیں بتوں پر بھینٹ چڑھاتے اور خدا کا نام تک نہ لیتے اور مزہ کی بات یہ ہے کہ ان سب باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے یعنی خدا کے بتائے ہوئے احکام جانتے۔

اسلام نے جب ان جاہلانہ رسوم کی مذمت کی تو قبیلوں میں ہیجان پیدا ہوا اور کسی طرح اُن کے انسداد پر راضی نہ ہوئے۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور جنہوں نے ان رسوم کو اپنے حلقوں میں بند کر دیا تھا ان سے ان جاہلوں کو سخت عداوت ہو گئی اور ہر وقت ان کے درپے آزار رہتے تھے۔ جب ان کی شورش بڑھی تو خدا نے اپنے رسول کو وحی کی کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر خود ہی ان رسموں سے دست کش ہو جائیں گے ورنہ اپنے

کرتوتوں کی سزا بھگتیں گے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ
حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ
خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ
سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیت محفوظ ہیں صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں (حالانکہ یہ پابندی اُن کی خود ساختہ ہے) پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کردی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں کہ اللہ کا نام لے کر انہیں ذبح نہیں کرتے پھر یہ ڈھکوسلا خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس افترا پردازی کا بدلہ عنقریب ان کو مل جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان جانوروں کے پیٹ سے جنہیں ہم نے بُتوں کے نام پر چھوڑا ہے جو بچّہ پیدا ہوگا وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا پیدا ہوگا تو اس میں سب شریک ہیں خدا عنقریب ان کو افترا پردازیوں کی سزا دے گا وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے سمجھے بُوجھے بیوقوفی سے مار ڈالا ہے اور جو روزی خدا نے انہیں دی خدا پر بہتان باندھ کر اُسے اپنے اُوپر حرام کر ڈالا ہے وہ سخت گھاٹے میں ہیں وہ یقیناً گمراہ تھے اور ہدایت یافتہ نہ تھے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب ملّتِ ابراہیمی سے ہٹتے ہٹتے اِس حد پر آگئے کہ ملّت ابراہیمی کی کوئی چیز ان کے اندر باقی نہ رہی۔ وہ سر تا پا رسومِ بد کے لفافے میں ایسے لپٹے ہوئے تھے کہ ایک قدم اس سے نکلنا اپنے لیے عذاب سمجھتے تھے۔ بُتوں کی محبت ان کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے تھی کہ وہ خدا سے زیادہ بُتوں کی عزت کرتے تھے چنانچہ جو جانور بُتوں کی

بھینٹ چڑھاتے تھے ان کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کا یہی حکم ہے۔ اس طرح جو بچّہ جانور سے پیدا ہوتا اس کا گوشت مردوں کے لیے تو حلال تھا مگر عورتوں پر حرام اس کو بھی حکم خدا بتاتے تھے۔ اس طرح اولاد کو ذبح کرنا بھی خدا ہی کا حکم جانتے تھے۔ ان کے شیوخ اس من گھڑت شرع کے مفتی تھے۔ انھوں نے یہ پٹّی پڑھائی تھی کہ لڑکیاں چونکہ کمائی نہیں کر سکتیں لہٰذا ان کا پرورش کرنا اپنے لیے تنگ دستی اور محتاجی کو دعوت دینا ہے۔ نیز یہ کہ ان کی جاہلی حمیت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنی لڑکی کسی کے قبضہ میں دے کر اس پر حکومت کروائیں۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ
اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾

اللہ وہ ہے جس نے بہت سے باغات پیدا کیے جن میں بعض درخت تو ایسے ہیں کہ (انگور کی بیل کی طرح) ٹہنیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ بے چڑھائے رہتے ہیں اور کھجور کے درخت پیدا کیے اور کھیتی (اگائی) جس کے مزے مختلف قسم کے ہیں اور زیتون و انار اگائے جن میں بعض تو (صورت، رنگت اور مزہ میں) ملتے جلتے ہیں اور بعض بے میل ہیں۔ پس جب یہ درخت پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور ان چیزوں کو کاٹنے کے دن خدا کا حق (زکوٰۃ) دے دو اور فضول خرچی نہ کرو اللہ فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کھیتی یا پھلوں پر جو زکوٰۃ دی جائے وہ زکوٰۃ واجبی نہیں ہے بلکہ بطور صدقہ و خیرات ہے۔ زکوٰۃ کا وجوب مدینہ میں ہوا ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فصل کاٹتے وقت غریبوں اور محتاجوں کو ضرور کچھ دیا جائے۔

ثابت بن قیسؓ نے ایک سال پانچ سو درخت خرما کے میوے محتاجوں پر تقسیم کر دیے اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ رکھا۔ لہٰذا اس سے کہا گیا ہے کہ اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ کہنا اپنے مقام پر درست ہے کہ لَا اِسْرَافَ فِي الْخَيْرِ۔ (نیکی میں فضول خرچی نہیں ہوتی) لیکن ایک حد کے اندر نہ کہ ایسی صورت میں جیسا کہ ثابت بن قیسؓ نے کیا۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ
الْأُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ
أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۴۴﴾

اللہ نے جو چار پاؤں والے جانور پیدا کیے ہیں ان میں کچھ تو بوجھ اٹھانے والے چوپائے ہیں۔ کچھ زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد والے جانور ہیں۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے خدا نے (نر و مادہ ملا کر) آٹھ قسم کے جوڑے پیدا کیے ہیں، بھیڑ سے (نر و مادہ) دو، بکری سے (نر و مادہ) دو۔ اے رسول، ان کافروں سے پوچھو کہ خدا نے ان دونوں بھیڑ بکری کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے یا دونوں مادینوں کو یا ان بچّوں کو جو ان دونوں مادینوں کے پیٹ کے اندر ہیں اگر تم سچے ہو تو ذرا سوچ سمجھ کر بتاؤ اور اونٹ کے (نر و مادہ) دو اور گائے کے (نر و مادہ) دو۔ اے رسول، ان سے پوچھو کہ خدا نے ان دونوں (اونٹ اور گائے کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادینوں کو یا اُن بچوں کو جو دونوں مادینیں پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ جس وقت خدا نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تم اس وقت موجود تھے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھے تاکہ لوگوں کو بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے خدا ہرگز ظالم قوم کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ایّامِ جاہلیت میں عربوں نے حلال جانوروں میں سے جس کو چاہا حلال بنا دیا جس کو چاہا حرام۔ ان کی حماقت ظاہر کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ تو نہایت نامعقول بات ہے کہ ایک ہی جانور کا نر تو حلال ہو اور مادہ حرام۔ یا مادہ حلال ہو اور نر حرام یا جانور خود تو حلال ہو مگر اس کا بچہ حرام ہو، کوئی ذی عقل انسان یہ نہیں مان سکتا کہ خدا نے ایسا حکم دیا ہوگا۔

قُلْ لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ مَيْتَةً
أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ
بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِينَ
هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا
إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۗ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ
بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۱۴۶﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ
وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ
اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ

اے رسول تم ان سے کہو میرے پاس جو قرآن وحی کی صورت میں آیا ہے میں اس میں تو کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اس کو کھاتا ہے حرام نہیں پاتا سوائے مردار کے یا خون یا سؤر کا گوشت بے شک یہ ناپاک و حرام ہیں یا وہ جانور جس پر قربانی کے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی سرکش و نافرمان بندہ نہ ہو۔ اور اضطراری حالت میں (جبکہ بھوک سے مر رہا ہو) کھا لے تو البتہ تیرا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دئیے تھے اور گائے اور بکری دونوں کی چربیاں بھی ان پر حرام کر دی تھیں سوائے اس چربی کے جو ان دونوں کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ ان کی سرکشی کی سزا تھی تو اس میں شک نہیں ہم ضرور سچے ہیں۔ اے رسول اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو تم جواب میں کہو

اگرچہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب گنہگار سرکشوں سے ہٹتا نہیں۔ عنقریب مشرکین کہیں گے اگر خدا چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اپنے اوپر کوئی چیز حرام کرتے۔

حرام چیزیں اور بھی بہت سی ہیں یہاں خدا نے مردار و خون اور سؤر کے گوشت کا ہی ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے استعمال میں انسانی صحت کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ باقی حرام چیزیں دوسرے مقام پر ذکر کی گئی ہیں۔ ناخن والے جانوروں میں شترمرغ بطخ اور مرغابی پرندوں میں اور اونٹ گھوڑا گدھا چوپاؤں میں داخل ہیں۔ یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں وہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی سزا تھی، چونکہ وہ کسی چیز کو اپنے اوپر خود ہی حلال کر لیتے تھے اور خود ہی حرام کر لیتے تھے توریت کے احکام کو نظرانداز کر کے اپنی خواہشیں پوری کرتے تھے لہٰذا قدرت نے اس کی سزا میں بہت سی چیزیں جو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں۔ جب وہ مسلمانوں پر اعتراض کرتے کہ تم حرام گوشت کھاتے ہو تو ان سے کہا جاتا توریت کو لاؤ اور ہمارے سامنے پڑھو تب تمہیں معلوم ہوگا کہ تم توریت کے حکم کے خلاف عمل کر رہے ہو۔

مشرکوں کا یہ کہنا ان کی حماقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اپنے اوپر کوئی شے حرام کرتے۔ جب خدا نے سب کچھ بتا دیا سمجھا دیا اپنی کتاب نازل کر کے تمام احکام تفصیل سے بیان کر دیئے اپنے انبیاء کو ہدایت کے لیے بھیج دیا پھر یہ کہنا کہ خدا چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے جاہلانہ ہٹ دھرمی ہے۔ ہدایت کا تمام سامان مہیا ہونے کے بعد پھر بھی راہِ راست پر نہ آنا خود ان کا ہی قصور تھا نہ کہ خدا کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی۔ خدا کسی کو مجبور کر کے مومن بنانا نہیں چاہتا اور نہ ایسے ایمان کی اس کے نزدیک کوئی قدر ہے۔ جب خدا نے تمہیں عقل دی ہے تو اس سے کام کیوں نہیں لیتے۔ اس نے دونوں راستے تم کو دکھا دیئے اب تمہیں اختیار ہے چاہے ایمان لاؤ چاہے کفر اختیار کرو۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ سے ظاہر ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جاتا۔ انسان فاعلِ مختار ہے وہ باختیار خود ہر کام کر سکتا ہے۔ ہاں اگر خدا نے وہ چیزیں نہ دی ہوتیں جو ہدایت کرنے والی ہیں تب تو خدا پر الزام عاید ہو سکتا تھا ورنہ ان کا یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا یہ ان کی حماقت کی دلیل ہے۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (١٤٨) قُلْ
فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (١٤٩) قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ
الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (١٥٠) ع ١٨ ٥

جو لوگ اُن سے پہلے تھے وُہ بھی اسی طرح پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے عذاب کا مزہ چکھ لیا تم اُن سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے اگر ہے تو ہمارے لیے اُسے نکالو (تم کیا دلیل پیش کرو گے) تم لوگ تو صرف اپنے وہم و گمان کی پیروی کرتے ہو اور بالکل اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔ اے رسول تم ان سے کہو (تمہارے پاس دلیل کہاں سے آتی) خدا تک پہنچانے والی دلیل تو خدا ہی کے پاس ہے اگر وُہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے یہ بھی کہو تم اپنے گواہوں کو یہ گواہی دینے کے لیے بُلاؤ کہ اس چیز کو خدا نے حرام کیا ہے اگر وہ گواہی دے بھی دیں تو اے رسول تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ دوسروں کو خدا کا ہمسر بناتے ہیں۔

مشرکین ہمیشہ سے اس تڑپ میں تھے کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزیاں کر کے وہ پبلک میں سرخرو رہیں۔ آنحضرتؐ کے اعلان رسالت کے بعد جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور اُن کے غلط عقیدوں کا بھانڈا پھوٹا جس سے اُن میں گھبراہٹ پیدا ہوئی تو پوری کوشش کرنے لگے کہ ان کے من گھڑت عقاید صحیح ثابت ہوں۔ خدا فرماتا ہے ان سے پہلے ان کے باپ دادا بھی ایسے ہی توہمات میں مبتلا رہے جس کی سزا انہوں نے بھگتی۔ لہٰذا رسُولؐ کو حکم ہوا کہ تم ان سے کہو جو غلط باتیں تم بیان کرتے ہو ذرا توریت میں وہ نکال کر دکھاؤ ایسا کہاں لکھا ہے۔ تمہاری اٹکل پچو باتیں کسی حقیقت کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالےٰ نے جو دلائل بیان کیے ہیں وہ حقیقت کو ثابت کرنے والے ہو سکتے ہیں نہ کہ تمہاری خود ساختہ دلیلیں۔ الغرض جب مشرک مسلمانوں پر اپنے دعاوی کے ثبوت اور قرآن پر مہمل اعتراضات میں غالب نہ آ سکے تو اب انہوں نے بحث کا رُخ بدل کر یہ کہنا شروع کیا کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم گمراہ ہوتے نہ ہمارے باپ دادا۔ یہ خلافِ عقل بات انہوں نے اس لیے کہی کہ مرضی و مشیت میں جو فرق ہے وہ اس کو سمجھے ہی نہ تھے۔ مشیت تو یہ ہے کہ اس نے سب کو فاعل مختار بنا دیا ہے لہٰذا اس کی رُو سے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں وہ ان کو روکتا نہیں کیونکہ اس کی مشیت یہی ہے کہ لوگوں پر جبر ثابت نہ ہو لیکن مرضی اس کی وہی ہے کہ سب راہِ راست پر آ جائیں۔ اسی لیے اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کو ظاہر کر دیا۔ اگر وہ سب کو جبراً مسلمان بنانا چاہتا تو پھر نہ کوئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت تھی اور نہ انبیاء و مرسلینؑ کو بھیجنے کی۔ جب اس نے ہدایت کے تمام انتظامات مکمل کر دیئے تو پھر جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ مشیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ بے شک اگر وہ ارادہ کرتا کہ سب کے سب راہِ راست پر آ جائیں تو اُسے کون روک سکتا تھا مگر اس نے ایسا ارادہ کیا ہی نہیں بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار سے اچھی یا بُری راہ اختیار

کرے یہی اس کی مرضی ہے یعنی اس کے خلاف جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں وہ اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے افعال سے اس کی مشیت متعلق نہیں کیونکہ انسان کو نیک و بد کرنے کا اس نے اختیار دیا ہے۔

مشرکوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم نے بطور خود جو چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں مثلاً اونٹ وغیرہ کا گوشت، تو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ خدا کا حکم ہے گواہ لاؤ۔ اور رسولؐ کو ہدایت کی گئی کہ اگر یہ جھوٹے گواہ بنا لائیں تو تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان کی گواہی میں شریک نہ ہونا کیونکہ یہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے اور اللہ کا شریک دوسروں کو بنانے والے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي
حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا
تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ
سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾

اے رسول تم ان مشرکوں سے کہو آؤ جو چیزیں تم پر خدا نے حرام کی ہیں میں بتاؤں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تم کو اور ان کو رزق دینے والے تو ہم ہیں اور ظاہری یا باطنی کسی بدکاری کے قریب نہ جاؤ اور کسی نفس کو جس کا قتل خدا نے حرام کیا

ہے نہ مار ڈالنا مگر کسی حق کے عوض۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو اور مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ بلکہ اس طریقہ سے صرف کرو کہ اُن کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی حد کو پہنچ جائیں اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پوری کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کرو تو انصاف سے کرو اگرچہ وہ شخص (جس کے خلاف کہو) تمہارا عزیز ہی کیوں نہ ہو اور جو عہد و پیمان خدا سے کیا ہے اُسے پورا کرو۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ، دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا کر متفرق کر دیں گے یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ناپ تول میں انصاف سے کام لو تو لوگوں نے رسولؐ سے کہا حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بال برابر فرق نہ ہو کچھ کمی زیادتی ہو ہی جاتی ہے تو اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتا"۔ یعنی حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ تولنے اور ناپنے میں کوئی کمی کی صورت نہ ہو اگر وہ نادانستہ ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

خدا کا سیدھا راستہ تو وہی ہے جس کو اپنے رسولؐ برحق کے ذریعہ بتا دیا ہے اور رسولؐ نے ان الفاظ میں اس کا اعلان کیا ہے أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّىٰ يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (لوگو میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب ہے دوسرے میری عترت میرے اہلبیت ہیں جب تک تم ان سے تمسک رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں جب تک حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ آجائیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔

ہر مسلمان کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب خدا ایک ہے اور اس کا دین (اسلام) ایک ہے تو پھر ایک دین میں تہتر فرقے کیوں بن گئے قرآن تو اختلاف مٹانے کے لیے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لیے۔ پھر یہ اختلاف پیدا کس نے کیا۔ کیا رسولؐ تم یہ چاہتے تھے کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے ہرگز ایسا نہیں۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضورؐ کو اس کا یقین تھا کہ میرے بعد میری امت گمراہ ہو جائے گی اور اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے پس اس صورت میں حضورؐ پر لازم تھا کہ امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے کوئی بندوبست کریں۔ چنانچہ حدیث ثقلین کی رو سے اس کا مکمل بندوبست کر دیا یعنی امت کو اس طرف توجہ دلائی کہ تمہیں گمراہی سے بچانے والی دو چیزیں ہیں، اوّل کتاب خدا جس میں تمام احکام الٰہی درج ہیں۔ دوسرے میرے اہلبیت جو کتاب خدا کا صحیح مفہوم سمجھانے والے اور صحیح راہِ عمل بتانے والے ہیں۔ جب امت نے اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا اور صرف قرآن سے علم و عمل دونوں کو لینا چاہا تو ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس فرقے نے جیسا چاہا آیات قرآنی کا مطلب اپنی عقل کے مطابق سمجھ لیا اور اپنی قیاس و رائے کے مطابق جیسا چاہا عمل اختیار کر لیا، جس سے اعتقاد و عمل دونوں میں بکثرت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر فرقہ کہتا ہے ہم حق پر ہیں لیکن کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ باوجود اختلاف کے جو اصول و فروع

دونوں ہیں ہیں سبھی سب کیسے حق پر ہو سکتے ہیں. حق پر تو صرف ایک ہی فرقہ ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا تشخص و تعین کون کرے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے تو رسولؐ نے بتا دیا کہ میرے اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والا ناجی ہوگا اور عقل بھی یہی بتاتی ہے۔ کہ قابلِ اطمینان پیروی معصوم ہی کی ہو سکتی ہے نہ کہ غیر معصوم کی۔ کیونکہ غیر معصوم سے بہک جانے کا اندیشہ ہر حالت میں باقی رہتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ نے امت کو یہ حق نہیں دیا کہ تم جسے چاہو ہدایت کا ذمہ دار بنا لو اور اس کے کہنے کے مطابق راہِ عمل درست کرو۔

صرف ایمان باعثِ نجات نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور عملِ صالح کے لیے ضرورت ہے کہ معصوم کا نمونہ عمل سامنے ہو۔ اور معصوم امت میں سوائے اہلبیتِ رسولؐ اور کوئی نہیں۔ پس صراطِ مستقیم پر وہی سمجھا جائے گا جو عقاید و عمل میں ان کی پیروی کرنے والا ہوگا۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی
وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ ۱۹ع
فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ
عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾

پھر ہم نے نیکی کرنے والے پر اپنی نعمت پوری کرنے کے واسطے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) عطا فرمائی جس میں ہر شے کو مفصل بیان کر دیا ہے اور جو لوگوں کے لیے سر تا پا ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کریں اور یہ کتاب (قرآن) جس کو ہم نے اب نازل کیا ہے برکت والی کتاب ہے پس تم لوگ اس کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اور اے مشرکو!) ہم نے یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ تم کہیں یہ نہ کہہ بیٹھو ہم سے پہلے تو کتابِ خدا دو ہی گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل ہوئی تھی اگرچہ ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔

یہودیوں اور نصرانیوں پر یہ امر شاق تھا کہ قرآن، توریت و انجیل کی طرح بنی اسرائیل پر کیوں نہ نازل ہوا اور ان سے ہٹ کر بنی اسمٰعیلؑ پر یہ رحمت کیوں نازل ہو گئی۔ حالانکہ ایسا کہنے والوں نے توریت و انجیل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا نہ انہیں پڑھتے تھے نہ پڑھاتے تھے بلکہ ان کے علماء جو کچھ بتا دیتے تھے اس پر عمل کرتے تھے ان کا حال بھی ہندوؤں

کا سا تھا کہ ویدوں سے بے تعلق ہو کر صرف ان برہمنوں کے حکم ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے برہمن ویدوں کو اپنی بغل میں دبائے ہوتے تھے اور کسی کو دکھانا اور تعلیم دینا گوارا نہ کرتے تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّآ اَهْدٰی مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَکُمْ
بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ
وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا
یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ اَوْ
یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ
تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا
اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتابِ خدا نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں سے کہیں زیادہ راہِ راست پر ہوتے۔ اب تو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (کتابِ خدا) اور ہدایت و رحمت آچکی (اب کیا تامل ہے) پس جو شخص آیاتِ خدا کو جھٹلائے اور اس سے منہ پھیرے بھے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو لوگ ہماری آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں اس کے بدلہ میں ہم جلد ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ (اے رسول) کیا یہ لوگ اس کے منتظر بیٹھے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارا رب خود ان کے پاس آئے یا پروردگار کی کچھ نشانیاں آ جائیں (ان بیوقوفوں کو کیسے سمجھایا جائے) حالانکہ تمہارے پروردگار کی جس دن بعض نشانیاں آئیں گی تو جو شخص پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا مومن ہونے کی حالت میں کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا تو اس وقت اس کا ایمان اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ جب قیامت کے آنے کے آثار ظاہر ہونے لگیں جیسے آفتاب کا مغرب سے نکلنا اور دابۃ الارض

کا ظاہر ہونا یا زمین کا باتیں کرنا وغیرہ تو اس وقت ایمان لانا کسی کے لیے مفید نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ
اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ
اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ
حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فریق بن گئے تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ صرف خدا ہی کے حوالے ہے پس جو کچھ (دنیا میں) وہ نیک یا بد کام کیا کرتے تھے وہ انہیں بتا دے گا۔ جو کوئی نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ثواب عطا ہوگا اور جو بدی کرے گا اس کو بس اتنی ہی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ تم ان سے کہو مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ یعنی ایک مضبوط دین اور ابراہیم کے مذہب کی ہدایت فرمائی ہے جو باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ اے رسول کہدو کہ میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت بس رب العٰلمین خدا ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔

پہلی آیت یہ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا ہے رسولؐ سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی جن میں ستر ناری تھے اور ایک ناجی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی امت میں بہتر فرقے ہوئے جن میں اکہتر ناری تھے اور ایک ناجی۔ حضرتؐ نے فرمایا، میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں ایک ناجی ہوگا باقی ناری۔ اور ناجی کی

پہچان یہ بتا دی کہ وہ قرآن اور اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے "میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے، جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ رہا وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا" اور یہ بھی فرمایا، جس طرح ستارے اہلِ آسمان کے لیے باعثِ امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیتؑ اہلِ زمین کے لیے باعثِ امان ہیں۔ (ارجح المطالب۔ فلک النجاۃ)

یہودیوں اور نصرانیوں میں جو تفرقہ پڑا محض اس لیے پڑا کہ انہوں نے توریت و انجیل کا مطلب ان لوگوں سے نہ سمجھا جو اُن کے سمجھانے کے لیے خدا کی طرف سے ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ یہودیوں نے اپنی نجات احبار یعنی اپنے علماء کے حوالے کر دی اور انہوں نے امراء و سلاطین کی مرضی پر اپنی زبان اور قلم چلانے شروع کر دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماء نے اپنا اپنا ایک فرقہ علیحدہ بنا لیا۔ یہی صورت اسلام میں پیش آئی جو ہدایت کا مرکز رسول اللہؐ نے بنایا تھا اُسے چھوڑ دیا گیا نتیجہ وہی ہوا جو پہلی امتوں میں ہوا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ حالانکہ آپؐ سے پہلے بیشمار مسلمان گزر چکے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ عالمِ ذر میں ربوبیتِ باری تعالیٰ کا سب سے پہلے اقرار کرنے والے سرکارِ دو عالم تھے۔ جیسا کہ آپؐ نے اس کو ایک حدیث میں ظاہر بھی فرمایا ہے اور آپؐ کی رسالت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت علی علیہ السلام تھے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ
بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اے رسول تم پوچھو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب تلاش کروں حالانکہ ہر شے کا پالنے والا وہی ہے جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے اس کا وبال اُسی پر ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر جانا ہے پس جن جن باتوں میں تم جھگڑتے ہو اللہ وہ سب تمہیں بتا دے گا وہ وہی خدا ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں بعض کے درجے بعض پر بلند کیے ہیں تاکہ جو نعمتیں اس نے تم کو دی ہیں ان میں تمہارا امتحان لے خدا بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور بے شک غفور و رحیم ہے

(۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ
وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

اس سورہ میں خدا نے اخلاق اور تمدنی بہت باتیں تعلیم فرمائی ہیں ان میں چند یہ ہیں:
قرآن کا آسمانی کتاب ہونا۔ اس کی متابعت کا حکم - میزان کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کی خلقت اور اس کے اخلاقی نتائج۔ بنی آدم کو نصیحت۔ فضول خرچی کی ممانعت۔ قیامت پل بھر آگے پیچھے نہ ہٹے گی۔ کفار کی غیر حالت۔ خدا کی تکلیف قوت سے باہر نہیں ہوتی - اہلِ بہشت کی شکرگزاری۔ اعراف کا ذکر۔ جہنمی لوگوں کی تمنا۔ دُعا کا حکم۔ حضرت نوحؑ کا قصہ۔ حضرت ہودؑ کا قصہ۔ حضرت صالحؑ کا قصہ۔ حضرت لوطؑ کا قصہ۔ اِغلام کی مذمت۔ حضرت شعیبؑ کا قصہ۔ حضرت موسیٰؑ کا قصہ۔ حضرت ہارونؑ کی خلافت۔ عدم رویت خدا، خدا کا تکلم۔ سامری کا قصہ۔ حضرت رسولِ خدا کی مدح و ثنا۔ ازل میں حضرت علیؑ کی ولایت کا حکم۔ بلعم باعور کا قصہ۔ تہتر فرقوں میں ناجی کون ہے۔ خدا کے سوا کسی کو قیامت کی خبر نہیں۔ انسانی فطرت۔ مشرکینِ عرب کی حالتِ زار۔ جماعت کا حکم۔

ــ اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

(اے رسول) یہ کتاب (قرآن) تم پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ اور ایمانداروں کے لیے نصیحت ہو پس تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ پیدا ہو۔ تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے فرضی سرپرستوں کی (معبودوں کی) پیروی نہ کرو۔ تم لوگ تو بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو (کیا تمہیں خبر نہیں) بہتیری بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا - ہمارا عذاب (اُن پر) ایسے وقت میں آپہنچا جبکہ یا تو رات کو سو رہے تھے یا دن میں قیلولہ (لوٹ پوٹ) کر رہے تھے۔ جب ہمارا عذاب اُن پر آپڑا تو انہیں اس کے سوا اور کچھ کہتے نہ بن پڑا کہ ہم بیشک ظالم تھے ہم تو ضرور ان لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف بھیجے گئے تھے اور اُن پیغمبروں سے ہم سوال کریں گے جنہیں ان کی طرف بھیجا تھا۔ پھر ہم ان سے حقیقتِ حال (اپنے علم کی بنا پر دُہرائیں گے) (کیونکہ) ہم ان سے غائب تو نہ تھے (کہ بے خبر رہتے)۔

الـمص - یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں اس کی تاویل اللہ جانتا ہے یا راسخون فی العلم۔ عام لوگوں کو اس کا مفہوم معلوم کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ بنی امیّہ میں سے ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ المص سے خدا کی کیا مراد ہے اور لوگوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا ولئے ہو تجھ پر تو خدا کی مصلحتوں کو کیا جانے معمولی بات یہ ہے کہ ان حروف کا اعداد و شمار کر ا/۱ ل/۳۰ م/۴۰ ص/۹۰ یہ سب مل کر ۱۶۱ ہوتے ہیں یہ اشارہ ہے کہ بنی امیّہ کی حکومت ۱۶۱ سال تک ہوگی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی سچی نکلی۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

اس روز (قیامت میں) اعمال کا تولا جانا برحق ہے پس جن کا پلہ بھاری ہوگا وہ مقصد میں کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا ہماری آیات کی نافرمانی کی وجہ سے۔

ع ١٠ ٨

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾
وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ
مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ
اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾

ہم نے تم کو زمین میں قدرت دی اور ہم نے تمہارے لیے اسبابِ زندگی مہیا کیے۔ تم میں بہت ہی کم ہمارے شکر گزار ہیں۔ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ خدا نے کہا جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ اُس نے کہا میں کیوں سجدہ کروں جبکہ میں اس سے افضل ہوں۔ مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ خدا نے کہا بہشت سے نیچے اُتر، تیری یہ مجال نہیں کہ تُو یہاں تکبّر کرے۔ باہر نکل بے شک تُو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔ اُس نے کہا، مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے (کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں) خدا نے فرمایا، جا تجھے مہلت دی گئی۔

شیطان کا سجدہ سے انکار

ان آیات میں پہلے خدا نے اپنے اُن احسانات کا ذکر کیا ہے جو نوعِ انسان پر اُس نے کیے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ زمین پر رہنے کی جگہ دی یعنی زمین کو اُس کے لیے ایسا بنایا کہ وہ اس پر رہ سکے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ پھر اس کی معاش کے لیے قسم قسم کی چیزیں پیدا کیں طرح طرح کے غلے اُگائے۔ طرح طرح کے پھل اُگائے پانی بہایا، سبزہ اُگایا۔ غرض بیشمار نعمتیں اسے دیں کہ آرام سے کھائے پیئے۔ لیکن اس پر بھی بہت کم انسان اُس کے شکر گزار ہوئے۔ پھر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مختلف صورتوں کے ساتھ اُسے پیدا کیا۔ پھر اتنا ہی نہیں کیا بلکہ اس کے دادا آدمؑ کو یہ عزّت دی کہ ملائکہ کو تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب ملائکہ نے اُسے سجدہ کیا مگر ابلیس ملعون اکڑ گیا۔ اُس کی گردن نہ جھکی۔ خدا نے پوچھا، جب میں نے حکم دیا تھا تو تُو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ اُس نے اکڑ کر جواب دیا، کیوں کرتا کیا میں اس سے کچھ کم ہوں۔ مجھے تُو نے آگ سے پیدا

کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ مٹی کی آگ کے آگے کیا حقیقت ہے۔ سب سے پہلا قیاس کرنے والا یہی ملعون تھا اس کے بعد اس کی تقلید میں تمام دنیا میں حکمِ خدا کے خلاف قیاس کی وبا پھیل گئی۔

بھلا مالکُ الملک قادرِ مطلق خدا کو اس کی اکڑ بکڑ کیا پسند آتی۔ فرمایا، نکل جا یہاں سے۔ جنت میں رہ کر اور غرور میرے سامنے اور یہ گستاخی۔ ذلیل۔ کمینہ۔ وہ بھی بڑا کائیاں تھا۔ کہنے لگا، میں نے جو ہزاروں سال عبادت کی ہے اس کا صلہ تو مجھے ملنا چاہیئے فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے اُس نے کہا، بس یہ مانگتا ہوں کہ قیامت سے پہلے مجھے موت نہ آئے۔ اس وقت تک کی مہلت مجھے دے دے۔ فرمایا، جا میں نے تجھے مہلت دی وقتِ معلوم تک کی۔

شیطان قومِ جن سے تھا خلقتِ آدمؑ سے پہلے جب نسناس قوم جو از قسم جن تھی روئے زمین پر آباد تھی۔ شیطان کو اُن پر حاکم بنایا گیا تھا۔ اس نے ہزارہا سال خدا کی عبادت کی جب سرکشی و نافرمانی کی بنا پر قومِ نسناس کو ہلاک کر دیا گیا تھا تو یہ شیطان گروہِ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا۔ جب مسئلہ خلافت سامنے آیا تو اسے یہ خیال آیا کہ میں جیسے پہلے زمین پر حکمرانی کرتا تھا اب پھر خلیفۂ خدا بنایا جاؤں گا۔ لیکن جب آدمؑ کا نام آیا اور اُن کو سجدہ کرنے کا حکم ملا تو شیطان کے اندر عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کی نظر میں آدمؑ خلافت کے مستحق نہیں تھے۔ چنانچہ اس نے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدمؑ مٹی سے۔ اُس نے عداوت کے غلبہ کی بنا پر اس بات پر غور نہیں کیا کہ وجہِ فضیلت آدمؑ کا پیکرِ مادی نہیں بلکہ وہ رُوح ہے جو اس کے اندر داخل کی گئی ہے۔ چونکہ وہ اُس کے کمالات سے ناآشنا تھا اس لیے وجودِ آدمؑ اس کو اپنے سے پست نظر آیا۔ جو قیاس اس نے کیا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے یہ بھی غلط تھا۔

مٹی امین ہوتی ہے اور آگ خائن۔ جو چیز زمین میں دبا دی جائے وہ محفوظ رہتی ہے اور آگ میں جو چیز ڈال دی جائے وہ جل کر خاک ہو جاتی ہے۔ مٹی میں تواضع و انکساری ہے اور آگ میں سرکشی و سربلندی۔ مٹی نقوش کو قبول کرتی ہے اور آگ ان کو مٹا دیتی ہے۔

اگرچہ شیطان صحبتِ ملائکہ میں رہ چکا تھا مگر چونکہ عصمت کے درجہ پر فائز نہ تھا اس لیے ملائکہ کی صحبت سے اُسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بلبل اور زاغ ایک قفس میں اگر برسوں رہیں تب بھی بلبل بلبل ہی رہے گی اور زاغ زاغ ہی — جب تک کسی نفس میں اپنے مصاحب کی صحبت کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو صحبت کا اثر نہیں ہوتا یا ہوتا ہے، تو بہت کم۔ ملائکہ کا درجہ بہ حیثیت معصوم ہونے کے ابلیس سے بہت بلند تھا۔ لہٰذا جب انہوں نے سجدہ کیا تھا اس کو بھی کر لینا چاہیئے تھا۔ مگر گُم گشتۂ مغز تھا بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور دربارِ الٰہی سے نہایت ذلت و حقارت سے نکالا گیا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ
مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ

أَكْثَرَهُمْ شَٰكِرِينَ ﴿١٧﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا لَّمَن تَبِعَكَ
مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَٰٓـَٔادَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّٰلِمِينَ ﴿١٩﴾

(جب موت کی طرف سے اُسے اطمینان ہوگیا تو اکڑ کر کہنے لگا) تُو نے میری راہ تو ماری ہی ہے میں بھی اب یہ کروں گا کہ تیرا جو سیدھا راستہ ہے میں (بہکانے کے لیے) اس پر جا بیٹھوں گا پھر میں ان کے سامنے سے آؤں گا ان کے پیچھے سے آؤں گا ان کے داہنے سے آؤں گا ان کے بائیں سے آؤں گا اور (بہکا کر) ان میں بہتیروں کو تیرا ناشکرا بندہ بنا دوں گا خدا نے فرمایا یہاں سے ذلیل اور راندۂ درگاہ ہو کر نکل جا جو لوگ تیرا کہنا مانیں گے میں بھی ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اے آدمؑ تم اور تمہاری بی بی جنّت میں رہو سہو اور جہاں سے جو چیز چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اکثر لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے اس بانیٔ فتنہ و فساد کو پیدا ہی کیوں کیا جس نے انسانی زندگی کو تباہ کر دیا جواب یہ ہے کہ خدا نے تو اُسے شیطان نہیں بنایا تھا وہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بدولت شیطان بنا۔ اگر خدا نے شیطان بنایا ہوتا تو وہ زمرۂ ملائکہ میں شامل نہ ہو سکتا تھا۔ اور ہزارہا سال عبادت نہ کر سکتا تھا یہ تو جو کچھ اس کا سنیاناس مارا، باد آدم کی عداوت اور خلافت کی محبت نے مارا۔ جس طرح ہر انسان کو خدا نے فاعل مختار بنایا ہے اُس کو بھی اس کے افعال کا مختار بنایا تھا ورنہ جبر لازم آتا اور یہ عدلِ الٰہی کے خلاف ہوتا۔ اگر شیطان اس پر جا ہوا تھا کہ بنی آدمؑ کو ہر گوشہ سے آکر بہکائے گا تو خدا نے یہ بھی فرما دیا کہ میں تیرے جتنے پیرو ہوں گے ان سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ بنی آدم کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا۔ کہ اگر اس کے فریب میں آجاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ لہٰذا اس کی طرف سے ہوشیار رہو یہ تمہارے لیے ذریعۂ آزمائش ہے۔ خدا کی فرمانبرداری اس وقت ہے کہ ایک شاطر دشمن ہر طریقہ سے اُسے نافرمانی پر اُکسائے اور وہ اس کے کہنے میں نہ آکر خدا کا فرمانبردار بندہ بنا رہے ورنہ اس کی عقل کا امتحان ہوتا کیسے اگر نیکی سے کوئی روکنے والا نہ ہو تو پھر وہ نیکی کیا قابلِ تعریف رہے گی اور اس کی جزا کیا ملے گی اور رُوحانی ترقی کی صورتیں کیا پیدا ہوں گی۔ خدا نے دونوں راستے دکھا دیئے اپنا بھی اور شیطان کا بھی اور دونوں کی جزا و سزا بھی بتا دی اور انسان کو فاعل مختار بھی بنا دیا۔ اب انسان کو اختیار ہے چاہے خدا کا ہو کر رہے چاہے شیطان کا۔ شیطان کی کارگزاری سب سے بڑی یہ ہے کہ وہ انسان کے بُرے افعال کو اس کی نظر میں اچھا کر کے دکھا دیتا ہے

اگر خدا انسان کو عقل نہ دیتا تو بے شک اس کے عدل و انصاف کے خلاف ہوتا۔ لیکن جب انسان کو بھلے بُرے کی تمیز کرنے کا آلہ (عقل) دیدیا گیا اور تمام نتائج سمجھا دیئے گئے تو پھر خدا کی ذات پاک ہر الزام سے بَری ہوگئی۔ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کسی سے جبراً ہاتھ پکڑ کر کوئی کام نہیں کراتا۔ اس وسوسہ کو مٹانے کے لیے خدا نے عقل دے دی ہے جو اس سے کام نہیں لیتا وہ اپنے پیر پر آپ کلہاڑی مارتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آدمؑ جس جنّت میں مقیم تھے وہاں ان کا قیام عارضی تھا کیونکہ جب وہ خلیفۂ ارض بنائے گئے تھے تو وہاں سے نقلِ مکان کرنا ضروری تھا۔ ان کے لیے دوامی بہشت نہ تھا ہاں ذراسی چوک نہ ہو جاتی تو ترکِ اولیٰ کے داغ لے کر نہ نکلتے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حیثیت میں ان دونوں کو اور سب کچھ کھانے کی تو اجازت دی مگر ایک درخت ایسا بھی تھا جس کے قریب جانا بھی ان کے لیے ممنوع تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے نفس پر ظلم ہو جاتا یعنی ان کی ذات کو نقصان پہنچ جاتا۔ چنانچہ پہنچ گیا کہ جنّت سے نکلنا پڑا۔ ترکِ اولیٰ کا صدور یہ بتاتا ہے کہ انسان کے اندر غلطی کی طرف مائل ہو جانا ایک فطری امر ہے لیکن جن لوگوں کو اپنی خواہشات پر پورا کنٹرول ہے تو وہ فوراً سرِ تسلیم خم کر لیتے ہیں اور اس لغزش کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ یہ ترکِ اولیٰ عنداللہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتا۔ لیکن ترکِ اولیٰ کرنے والے اس کو بھی گناہ سمجھ کر شرمندہ ہوتے ہیں اور رو رو کر اس سے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں یہی ان کے پاکیزگیٔ نفس کی دلیل ہوتی ہے۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا کہ قریب جا کر اس کا پھل کھانے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ یہ آدمؑ کے لیے ایک احتیاطی صورت تھی اور فطرتِ انسانی پر گہری نظر۔

جس ظلم کی طرف آدمؑ کو نسبت دی گئی ہے وہ خود ان کے نفس پر تھا نہ کہ کسی غیر پر کیونکہ غیر تو وہاں کوئی تھا ہی نہیں درخت کے پاس جانے کی جو نہی کی گئی وہ تنبیہی تھی یعنی آدمؑ کو اس مصیبت سے بچانے کے لیے جو بعد میں پیش آئی۔

رہا یہ سوال کہ ایسا درخت جس کے پاس جانا ممنوع تھا جنّت میں رکھا ہی کیوں گیا۔ جنّت میں تو کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو باعثِ تکلیف ہو۔ جواب یہ ہے کہ یہ جنّت اوّل تو جنّتِ خلد نہ تھی جنّتِ ارضی تھی۔ دوسرے یہ کہ عقلِ انسانی کا امتحان لینا تھا اور اس کی رجحانِ طبیعت کا اظہار بھی مقصود تھا۔ بشریت کس طرح جھٹکا کھا کر پستی کی طرف آتی ہے اور کس حد تک اور کیونکر آتی ہے اس کا بتانا بھی مقصود تھا۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا وَقَالَ
مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا
مِنَ الْخَٰلِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّٰصِحِينَ ﴿٢١﴾ فَدَلَّىٰهُمَا بِغُرُورٍ

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ
وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ
اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ

شیطان نے آدم وحوا دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ (نافرمانی کی وجہ سے) ان کی شرم گاہیں جو بہشتی لباس کی وجہ سے ان کی نظر سے پوشیدہ تھیں کھول ڈالے۔ اس نے کہا تمہارے پروردگار نے اس درخت کا پھل کھانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ مبادا تم دونوں فرشتے بن جاؤ اور ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اس نے اُن دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں غرض اس نے دونوں کو دھوکہ دے کر اس کے کھانے کی طرف مائل کیا۔ جوں ہی ان دونوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا۔ ان کا بہشتی لباس ان کے بدن سے گر گیا اور ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور تب وہ بہشت کے درختوں کے پتے توڑ توڑ کر اپنے بدن کو ڈھانپنے لگے تب ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور کیا یہ نہیں جتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ان دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

سب سے پہلا وار انسان پر شیطان کا اُن کی حیا و شرم پر تھا۔ انسان سارا بدن کھول دیتا ہے لیکن شرمگاہیں کھولتے اسے حیا آتی ہے اور اگر کسی وجہ سے کھل جائے تو وہ جلدی سے اُسے ڈھانپ لیتا ہے لہٰذا شیطان نے چاہا کر ان دونوں کو انہی کی نظر میں ذلیل کرنے کے لیے ان کی شرمگاہیں کھلوا دوں۔ اس کے لیے اس نے یہ حیلہ تراشا کر ہمدردانہ لہجہ میں ان سے کہنے لگا تم دونوں کچھ سمجھتے بھی ہو کر اس درخت کے پاس جانے سے خدا نے تمہیں کیوں منع کیا ہے صرف اس لیے کہ تم فرشتے بن کر یہاں ہمیشہ کے لیے نہ رہ پڑو اور قسم کھا کر کہا میں تمہاری ہمدردی میں تمہیں یہ نصیحت کر رہا ہوں۔ غرض اس میں پورا پورا دھوکہ یہ تھا کہ وہ آدمؑ کو نیچے درجے سے اُٹھا کر اوپر لے جانا چاہتا ہے اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ دل سے اس کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کوئی اونچا درجہ اُسے ملے شیطان یہ سبق پڑھا رہا تھا کہ اس پھل کو کھاتے ہی تم ایک تو فرشتہ بن جاؤ گے دوسرے یہ کہ تم ایسی جنت میں جگہ پاؤ گے جہاں سے کبھی نکالے ہی نہ جاؤ گے اور ظالم نے اپنی تجویز کو مؤثر بنانے کے لیے خدا کی جھوٹی قسم بھی کھالی۔ اگر آدمؑ اس کو قبول نہ کرتے تو یہ الزام عاید ہوتا کہ انہوں نے خدا کے نام کی توہین کی دوسرے اس وقت تک کسی کی جھوٹی قسم آدمؑ کے کان میں نہ پڑی تھی یقین آ جانا چاہیے تھا چنانچہ یقین کر لیا۔ دشمن کا سب سے بڑا وار یہ ہوتا ہے کہ وہ دوستی کا لباس پہن کر کسی کے سامنے آئے اور ایسی چکنی چپڑی باتیں کرے کہ اس کا دشمن اُسے اپنا سچا دوست

سمجھے یہی وار آدمؑ کو فریب کے جال میں پھانسنے کے لیے شیطان نے کھیلا۔ آدمؑ سے یہ چوک ہو گئی کہ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر خدا یہی چاہتا ہے کہ میں بشکلِ انسان ہی یہاں رہوں تو مجھے یہیں رہنا چاہیے۔ بہرحال انسان تھے دھوکا کھا گئے اور دونوں میاں بی بی اسی درخت کے پاس جا پہنچے جب اس کے پھل دیکھے تو للچا گئے اور ایک پھل لے کر ابھی چکھا ہی تھا کہ بہشتی لباس جو پہنے ہوئے تھے یکایک بغیر کسی کے اتارے بدن سے اُتر پڑا اور دونوں مادرزاد ننگے ہو گئے۔ اگرچہ کوئی آنکھ ان کو دیکھنے والی فرشتوں کے سوا نہ تھی مگر ایسی حالت شرمانے کے لیے کیا کم تھی۔ گھبرائے اور دوڑ کر درختوں کے بڑے بڑے پتے توڑ کر شرمگاہیں ڈھانپنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ درخت اُن سے دُور بھاگتے تھے۔ بہرحال بڑی عبرتناک اور پریشان کن حالت تھی۔ غالباً یہ انسان کو شیطان دشمنی کا شروع ہی میں امتحان کرا دینا تھا تاکہ اس کے فریب خوردہ کو جو ذلت نصیب ہوتی ہے اس سے خبردار ہو جائیں۔

اسی حالت میں تھے کہ خدا کی یہ ندا کان میں پڑی۔ کیوں آدم وحوا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے فریب میں نہ آنا۔

حضرت آدمؑ پر یہ سب سے بڑا تازیانہ تھا اب سوائے پچھتانے اور خدا سے معافی مانگنے کے چارۂ کار نہ تھا۔ بہرحال یہ تو ماننا پڑے گا کہ آدمؑ سے جو چوک ہوئی وہ ان کی ذاتی خواہش پر مبنی نہ تھی بلکہ ایک دشمن کے فریب میں آنے کی وجہ سے ہوئی۔ جو آدمی جان بوجھ کر خود گر پڑے یہ اور بات ہے اور کوئی دھکیل کر گرا دے یہ اور بات ہے۔ تاہم گرنا کسی صورت میں ہو اس کا نتیجہ تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ جنت سے انہیں نکلنا ہی پڑا۔ انہیں نکلنا تو تھا ہی کیونکہ خلیفۃ الارض بنائے گئے تھے لیکن وقت پر نکلتے تو یہ رسوائی نہ ہوتی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت سے آدمؑ وحوا کا لباس درختوں کے پتے ہی رہے ہیں ممکن ہے درختوں کی چھال سے بھی یہ کام لیا جاتا ہو۔ یا جانوروں کی کھال زمین پر آنے کے بعد استعمال کی ہو۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
ع اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ خدا نے فرمایا، (تم دونوں میاں بی بی اور شیطان) سب کے سب بہشت سے نیچے اُترو تم میں سے ایک ایک کا دشمن رہے گا اور ایک وقتِ خاص تک تمہارا زمین پہ رہنا سہنا اور زندگی کا سامان رہے گا اور یہ بھی فرمایا کہ تم زمین

ہی میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے اور (قیامت کے دن) اسی سے نکالے جاؤ گے۔

ایک سوال یہ ہے کہ حوّا کا قصور کیا تھا کہ باہمی دشمنی میں ان کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ درخت کا پھل کھانے میں حوّا کی ترغیب کو بڑا دخل تھا۔ انہوں نے ہی آدمؑ کو خصوصیت سے توجہ دلائی تھی۔ حدیث میں ہے عورت شیطان کا جال ہے۔ تو اب دشمنی مرد و عورت کی بھی ثابت ہو گئی اور شیطان تو دشمن ہے ہی۔ دنیا میں آکر یہ دشمنی اتنی پھیلی کہ کوئی انسان بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ شیطان نے کہا تھا کہ میں چاروں طرف سے آکر بہکاؤں گا چنانچہ اسی طرح وہ بہکا رہا ہے۔ جب انسان کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال کر یا تو اُسے روک دیتا ہے یا کوئی ایسا اڑنگا لگاتا ہے کہ وہ کارِ خیر شر سے بدل جاتا ہے۔

شیطان اور اس کی ذرّیت کو خدا نے ہماری نظروں سے چھپا دیا ہے وہ کہاں رہتے ہیں اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن جنات جو شیطان کی ذرّیت ہیں جس بھیس میں چاہتے ہیں انسان کے سامنے آجاتے ہیں۔ صرف شیاطین ہی انسان کو نہیں بہکاتے بلکہ انسان بھی انسان کو بہکاتا ہے۔ اسی لیے خدا نے جن و انس دونوں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ
التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ
لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا
لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا
تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِذَا
فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾

اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے پوشاک نازل کی جو تمہارے ستر کو چھپاتی ہے اور تم کو زینت کے

کپڑے دیئے اور پرہیزگاری کا لباس سب لباسوں سے بہتر ہے یہ (لباس بھی) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ اے بنی آدم تمہیں شیطان اسی طرح نہ بہکائے جس طرح اس نے تمہارے باپ اور ماں (آدم و حوّا) کو جنت سے نکلوا چھوڑا تھا اسی نے ان دونوں سے بہشتی پوشاک اُتروائی تاکہ ان دونوں کی شرمگاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں اس طرح دیکھتا رہتا ہے کہ تم اُسے نہیں دیکھ پاتے ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ جب کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اللہ نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ تم ان سے کہو کہ خدا ہرگز بُرے کام کا حکم نہیں دیتا کیا تم خدا پر جھوٹا بہتان باندھ کر وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

آدم و حوّا کا جو لباس حقیقت میں اُتر پڑا تھا اس کے بدلے میں خدا نے اولادِ آدم کو طرح طرح کے لباس اُونی اور سُوتی درختوں اور جانوروں سے عطا کیے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لباسِ جسمانی کی طرف زیادہ توجہ نہ کرو بلکہ اپنے نفس کو تقوٰی کا لباس پہناؤ کہ یہ سب سے بہتر لباس ہے۔ یہ لباس جسمانی تیار کرنے کے لیے جو سامان خدا نے تم کو دیا ہے وہ خدا کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

پھر اولادِ آدم کو سمجھایا جا رہا ہے کہ شیطان کے کرتوتوں سے ذرا خبردار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کے فریب میں آجاؤ جیسے تمہارے بڑے دادا اور بڑی اماں کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان کے بدن سے لباس اُتر پڑے تھے۔ اور ان کی شرمگاہیں کھل گئی تھیں۔ تم اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہو غلط طریقہ سے ان کو نہ کھولو۔ شرم و حیا کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ دیکھو خبردار رہنا۔ شیطان اور اس کے چیلے چانٹے تمہاری نگاہوں سے چھپ کر تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تم ان کو دیکھ نہیں پاتے۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہیں یہ شیاطین ان کے دوست بنے ہوئے ہیں اور دوستی کے پیرایہ میں خوب خوب انہیں بہکاتے ہیں اور ان کے دماغ اتنے ماؤف بنا دیئے ہیں کہ وہ بُرائی کو بُرائی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ کریلا اور نیم چڑھا، بلکہ اُسے خدا کا حکم بتاتے ہیں۔ تم ان سے کہو بھلا کہیں خدا بدکاریوں کا حکم دیتا ہے۔ تم خدا پر بہتان باندھتے ہو اور جن باتوں کو نہیں جانتے کہ یہ خدا سے متعلق نہیں ہو سکتیں ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو۔

ایامِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ قبائلِ عرب جب طواف کرنے خانۂ کعبہ میں آتے تو مرد مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے اور عورتیں ایک چمڑے کی لنگوٹی آگے باندھ کر طواف کرتیں۔ جب غیرت دار لوگ منع کرتے تو کہتے ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح طواف کرتے دیکھا ہے ہم تو ایسا ہی کریں گے۔ آخر جب اسلام آیا تو حکماً رسولِ خدا نے ایسا کرنے سے لوگوں کو روکا۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا
حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾

اے رسول تم اُن سے کہو کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنے اپنے منہ ہر نماز کے وقت قبلہ کی طرف کر لیا کرو اور نہایت صدق دل سے اُسے پکارو جس طرح اس نے شروع شروع میں تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح تمہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک فریق نے تو ہدایت پائی اور دوسرے فریق پر گمراہی سوار ہو گئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ
تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے کو بنا سنوار لیا کرو۔ اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اے رسول یہ بھی کہو کہ جو زینت کی چیزیں اور صاف ستھرے کھانے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں انہیں کس نے حرام کر دیا۔ اور یہ بھی کہو کہ روز قیامت یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے خاص ہوں گی جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں۔ ہم سمجھ دار لوگوں کے لیے اپنی نشانیاں یوں ہی تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور یہ بھی بتاؤ کہ میرے رب نے تمام بدکاریوں کو خواہ کھلی ہوں یا ڈھکی چھپی اور ہر گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کر دیا ہے اور اس بات کو بھی کہ تم کسی ایسے کو اس کا شریک بناؤ جس کو اُس نے کوئی طاقت نہیں دی۔ ہر گروہ کی موت کا ایک وقت معین ہے جب ان کی موت کا وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی کی تاخیر ہوگی نہ تقدیم۔

خدا نے خاص طور سے نمازیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے کو بنا سنوار لیا کرو کیونکہ تمہیں مالک الملک کی سرکار میں ایک بندہ کی حیثیت سے حاضر ہونا ہے اپنا لباس درست رکھو بدن صاف ستھرا رکھو۔ کھانے پینے پر کوئی پابندی تو نہیں لیکن فضول خرچی سے بچے رہو کیونکہ یہ انسان پر بہت جلد تباہی لانے والی بن جاتی ہے۔

عہد رسالت میں بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے اچھا لباس پہننا اور لذیذ کھانا کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ خدا نے اس کی ممانعت نہیں کی۔ اچھا لباس پہنو اچھا کھانا کھاؤ قیامت میں ایمان والوں کے لیے تو یہ چیزیں خاص طور سے فراہم کی جائیں گی۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ بدکاریاں ہیں چاہے ظاہری ہوں یا باطنی۔ اور گناہ سے منع کیا ہے اور کسی پر ناحق زیادتی کرنے سے روکا ہے اور کسی کو خدا کا شریک بنانے سے کیونکہ خدا نے اپنا شریک بننے کی کسی کو کوئی سند نہیں دی ہے

ہر گروہ کے لیے خدا نے موت کا وقت مقرر کیا ہے جو ٹلنے والا نہیں۔ چاہے کتنے ہی حکیم ڈاکٹر دوائیں لیے بیٹھے رہیں۔ چاہے کتنی ہی فوجیں حفاظت کے لیے کھڑی رہیں چاہے مرنے والا مضبوط سے مضبوط برجوں کے اندر پناہ لے چاہے کتنی ہی دعائیں اس کی زندگی کے لیے مانگی جائیں وہ تو ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رُک سکتی۔

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَ
أَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾

اے بنی آدم جب تم ہی میں سے ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور تم سے ہمارے احکام بیان کریں تو ان کی اطاعت کرنا کیونکہ جو شخص پرہیزگار ہوگا اور نیک کام کرے گا تو قیامت میں ان کے لیے نہ خوف ہوگا نہ غم اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور سرکشی سے کام لیا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قادیانیوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کر دنیا میں ہمیشہ رسول آتے رہیں گے رسالت آنحضرتؐ پر ختم نہیں ہوئی۔ لیکن یہ ان کا فریب ہے کیونکہ جو کچھ کہا جا رہا ہے تمام اولادِ آدمؑ سے کہا جا رہا ہے، آگے ہوں یا پیچھے یعنی ایک دوامی اور مستقل حکم ہے جو ہر زمانہ والوں کے لیے ہے۔ تقویٰ و اصلاحِ نفس کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا حکم تمام بنی آدمؑ کے لیے ہے۔ یہ ایک مسلّم اصول ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ
نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا
ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا
فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اُس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی (تقدیر) کا لکھا حصّہ یعنی رزق ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کے پاس آکر ان کی روح قبض کریں گے تو ان سے پوچھیں گے جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے بتاؤ وہ اب کہاں ہیں وہ جواب دیں گے وہ تو سب ہمیں چھوڑ کر چنپت ہو گئے اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے

تب خدا ان سے فرمائے گا جو لوگ تم سے پہلے جنّ اور انسانوں میں سے مر چکے ہیں تم بھی ان سے مل جل کر جہنّم میں داخل ہو جاؤ۔ جب ان میں سے ایک گروہ داخل ہوگا تو اپنے ساتھی دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے لیے بددعا کرے گی کہ پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو اُن پر جہنّم کا دوگنا عذاب کر۔ خدا فرمائے گا کہ ہر ایک کے واسطے دوگنا عذاب ہے لیکن (تم پر تُف ہے کہ) تم جانتے نہیں۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ
لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ
الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہے گی اب تو تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہ رہی بس ہماری طرح تم بھی اپنے کرتوتوں کے مزے چکھو جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے نافرمانی کی نہ تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونے پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے (اسی طرح ان کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ان کے لیے جہنّم میں آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر آگ کا اوڑھنا بھی اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں یہی لوگ جنتی ہیں اور یہی جنّت میں ہمیشہ رہا سہا کریں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا
كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا
مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ
فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ
عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۴۵﴾
وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

اور ان کے دلوں میں جو کچھ (بغض و کینہ) ہوگا ہم وہ سب نکال باہر کریں گے ان کے پیروں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اس منزل (مقصود) تک پہنچا دیا۔ اگر خدا ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم کسی طرح یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمارے پروردگار کے پیغمبر دینِ حق لے کر آئے تھے اور ان لوگوں کو پکار کر کہا جائے گا یہ وہ بہشت ہے جس کے مالک و وارث تم اپنی کارگزاریوں کے باعث بنائے گئے ہو اور جنتی لوگ جہنم والوں کو پکار کر کہیں گے ہمارے ربّ نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا ہم نے اُسے ٹھیک ٹھیک پا لیا تم نے بھی جو تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ٹھیک پایا (یا نہیں)، وہ کہیں گے ہاں پایا۔ تب ایک منادی ان کے درمیان ندا کرے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو، یہی ہیں جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس میں خواہ مخواہ کجی پیدا کرنا چاہتے تھے اور آخرت سے انکار کرتے تھے اور ان کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

أَن سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ
تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾
وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ
عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۸﴾ أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا
يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ
تَحْزَنُونَ ﴿۴۹﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا
مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾

اور کچھ لوگ اعراف پر ہوں گے جو ہر شخص کو بہشتی ہوں یا جہنمی پیشانیوں کے نشان سے پہچان لیں گے اور وہ جنت والوں سے پکار کر کہیں گے سلامٌ علیکم، اعراف والے ابھی داخلِ جنت نہیں ہوئے ہیں مگر اس کی تمنا رکھتے ہیں۔ جب ان کی نگاہیں ہٹ کر جہنم والوں کی طرف جا پڑیں گی تو ان کی خراب حالتیں دیکھ کر خدا سے دعا کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ رکھنا۔ اور اعراف والے جہنمی لوگوں کو دیکھ کر جن کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہیں گے نہ تو تمہارا جتھا ہی تمہارے کام آیا اور نہ تمہاری شیخی۔ کیا انہی کے لیے تم دُنیا میں قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل نہ کرے گا۔ (ان سے کہا جائے گا) بے خوف و خطر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور جہنمی جنت والوں سے کہیں گے کچھ تھوڑا سا پانی ہمارے اُوپر ڈال دو اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دے ڈالو۔ وہ جواب دیں گے کہ کافروں پر اللہ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے۔

اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے اس میں وہ لوگ رہیں گے جن کے نیک و بد اعمال کا پلہ برابر ہوگا۔ ان کے لیے درمیانی حالت قرار دی جائے گی۔ نہ تو زیادہ آرام نہ زیادہ تکلیف۔ وہاں ایک بلند مقام ہوگا جس پر خدا کے کچھ

نیک بندے اس غرض سے جا کھڑے ہوں گے کہ اب بھی اگر کچھ لوگ جہنم میں یا اعراف کے قابلِ سفارش ہوں تو ان کی سفارش کر دی جائے اور ان میں خدا نے یہ قدرت دی ہے کہ جنتی اور جہنمی ہر شخص کی پیشانی دیکھ کر پہچان لیں گے اور جس کو چاہیں گے جہنم یا اعراف سے نکال کر بہشت میں لے آئیں گے۔ ان کے بارہ میں خدا فرماتا ہے وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ (الاعراف ۱۴۶)
چنانچہ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں ابنِ عباس سے مروی ہے کہ اعراف پر عباسؓ۔ حمزہؓ اور علیؑ بن ابی طالب کھڑے ہوں گے۔ اور اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی نورانیت سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کو ان کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔
(صواعقِ محرقہ۔ تفسیر ثعلبی)۔
ابن مردویہ نے جو اہلسنّت کے زبردست عالم ہیں روایت کی ہے کہ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ سے مراد علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ (کشف الغمہ)

اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا اور دنیا کی چند روزہ زندگی نے ان کو فریب دیا تھا پس آج ہم ان کو بھول جائیں گے (ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گے) جس طرح یہ لوگ آج کے دن کی ہماری حضوری کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ہم نے ان کے پاس (رسولوں کی معرفت) کتاب بھی بھیج دی تھی جس میں ہر طرح اپنے علم کے مطابق تفصیل وار بیان کر دیا ہے اور جو ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

خداوندِ عالم نے اپنے نافرمان بندوں پر ہر طرح اپنی حجت تمام کر دی ہے سوچنے سمجھنے کے لیے عقل بھی دی۔ اپنی کتاب بھی نازل کی۔ سمجھانے کو اپنے رسول بھی بھیجے لیکن یہ لوگ دنیوی زندگی کے جھگڑوں میں ایسے غرق ہوئے کہ بھولے سے یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن ہمیں خدا کے سامنے جانا ہے۔ پس آج جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہیں ہم ان کی طرف کیوں توجہ کریں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ ع ۱۲
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ
تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اب کیا یہ لوگ انجامِ قیامت ہی کے منتظر بیٹھے ہیں حالانکہ جس روز ان کے انجام کا وقت آ جائے گا تو جو لوگ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے کہنے لگیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے سب رسول حق لے کر آتے تھے۔ پس کیا اس وقت ہمارے سفارش کرنے والے بھی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تاکہ جو کام ہم کیا کرتے تھے انہیں چھوڑ کر دوسرے کام کریں۔ بے شک ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو سخت نقصان پہنچایا اور جو افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئیں۔ بے شک تمہارا رب وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے جو دن کو پیچھے پیچھے تیزی سے ڈھونڈتی پھرتی ہے اور اسی نے آفتاب و مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں خلق اور امر اسی کے لیے ہیں وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے برکت والا ہے۔

اس امر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ عرش کیا ہے اور استوی علی العرش سے کیا مراد ہے۔
۱۔ عرش کو قدیم فلاسفہ فلک نہم کہتے ہیں جو تمام کائنات سے بڑا ہے۔
۲۔ سات آسمانوں کے علاوہ نظامِ کائنات میں دو نظام اور ہیں جو نظامِ شمسی سے بہت دور ہیں ایک کا نام کرسی ہے دوسرے کا عرش۔ جدید علمِ ہیئت میں ان دونوں کے نام یورینس اور نیپچون ہیں۔ یہ ہم سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی سطحِ زمین پر تین سو سال بعد پہنچتی ہے۔
۳۔ عرش مرکزِ انوارِ جلالِ ایزدی ہے اسی مرکز سے تمام کائنات کو نور ملتا ہے۔

۴ - استوٰی علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایسی عظیم الشان مخلوق پر بھی غالب ہے۔

چھ دن میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔

جس طرح سولر سسٹم یا نظامِ شمسی ہماری نظر کے سامنے ہے اسی طرح آٹھ نظام قدرت نے اور بنائے ہیں جن میں سے ایک دوسرے نظام سے بڑا ہے۔ سب سے چھوٹا نظامِ شمسی ہے اور سب سے بڑا نظامِ عرشی ہے جو تمام ان وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے جو ماتحت نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔

خیال کیجیے اس نظامِ شمسی میں جو کچھ ہو رہا ہے نہ ہماری عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے اور نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں۔ کیسا قادرِ مطلق ہے وہ خدا جو ان سب نظاموں کا پیدا کرنے والا اور ان سب کا مدبر و منتظم ہے۔ یہ عرشی نظام کائنات کی حدِ آخر ہے اس کے بعد کیا ہے بس خدائے وحدہٗ لاشریک ہی جانتا ہے۔

چھ دن میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔

۱ - یہ چھ دن ہمارے سے دن نہیں جو رات کو ملا کر ۲۴ گھنٹے بنتے ہیں بلکہ خدا کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے، وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج : ۴۷/۲۲) "تمہارے رب کا ایک دن تمہارے شمار کے لحاظ سے ایک ہزار سال کا ہے"۔ تو چھ دن کے یہ معنی ہوئے کہ چھ ہزار سال میں خدا کی یہ مخلوق جن کو آسمان و زمین کہا جاتا ہے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ان کے اندر کیا کیا ہے اور اس کے بننے میں کتنا وقت صرف ہوا ہے، ان کا بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔ جب انسان کا بچہ جو شکمِ مادر میں ہوتا ہے اپنی خلقت کی تکمیل کے لیے نو ماہ چاہتا ہے تو آسمان و زمین کی تکمیل ضرور چھ ہزار سال میں رفتہ رفتہ مکمل ہوئی ہوگی۔ دیکھنے والی آنکھیں کہاں تھیں کہ اس تدریجی تخلیق کو دیکھتیں۔ اور ہوتیں بھی تو کیا دیکھ سکتیں۔ جس ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے وہی کب اس مخلوق کی تکمیل کو دیکھ سکتی ہے جو اس کے شکم میں بن رہی ہے۔

ہاں اپنی مادی آنکھوں سے دُور اس نوری وجود کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا جو خدا کی اوّل مخلوق ہے اور جس کی تخلیق خلقتِ آدم سے چودہ ہزار سال قبل ہوئی جس سال کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے اور جس کی آنکھوں کے سامنے یہ کارخانہ قدرت اپنی تخلیق کی منزلیں طے کر رہا تھا اور جس کے صدقہ میں آسمان بن رہے تھے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں فرمایا: اے ہمارے رسول اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا۔

۲ - امام رضا علیہ السلام سے عیون اخبار الرضا میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ پلک جھپکتے سب چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے لیکن آسمانوں کی پیدائش میں چھ دن لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو وہ پیدا کرنا چاہے وہ یکے بعد دیگرے فرشتوں پر ظاہر ہوتی جائیں اور وہ قدیم بالذات جن چیزوں کو حادث کرے ان کے حدوث کا ثبوت ملتا جائے اور جس چیز کی تکمیل کے لیے جتنی مدت درکار ہے اس کا اظہار ہو جائے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق دو صورتوں سے ہوئی ہے۔ ایک عالمِ خلق سے تعلق رکھنے والی مخلوق ہے دوسری عالمِ اَمر سے۔ جن کا تعلق عالمِ خلق سے ہے وہ محتاج اسباب و وسائط ہیں۔ یعنی ان میں

تدریجی ترقی ہوتی ہے اور وہ ایک دم ہی وجود میں نہیں آگئیں مثلاً خلقتِ انسانی پر غور کیجیے پہلی منزل نطفہ ہے وہ رحمِ مادر میں جا کر پہلے عَلَقَہ (خون کا لوتھڑا) بنتا ہے پھر مُضغہ یعنی گوشت کا لُگدا پھر ہڈی بنتی ہے پھر ہڈی پر گوشت بنتا ہے پھر اس قالب بے جس میں روح ڈالی جاتی ہے تب کہیں وہ مکمل ہو کر بطنِ مادر سے باہر آتا ہے لیکن جو مخلوق عالمِ امری سے ہے اس کا تعلق ان اسباب و وسائط سے نہیں ہوتا۔ عالمِ خلق کا ہر بچہ جب تک ماں باپ دو لفر نہ ہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت آدمؑ کو اس قادرِ مطلق نے بے ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰؑ کو بے باپ کے پیدا کر دیا۔ عالمِ خلق کے تمام وسائط و اسباب یہاں کام میں نہیں آئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرہ کی تخلیق اسباب و وسائط سے ہوئی ہے۔ سوائے کچھ خاص مخلوق کے جن میں سب سے پہلا مرتبہ وجودِ محمدی کا بحالتِ نوری تھا۔ چونکہ حسبِ فرمودۂ رسولؐ وہ خدا کی اوّل مخلوق ہیں لہٰذا اسباب و وسائط میں سے کوئی چیز خلق ہی نہ ہوئی تھی جو ان کی خلقت میں شریک ہوتی۔ حسبِ قولِ رسولؐ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی خلقت لاشے سے ہے یعنی بغیر کسی ایسے مادہ کے جو ان سے پہلے ہو۔ آپؐ کے نور کے علاوہ باقی تمام مخلوق خواہ فرشتے ہوں خواہ جنّ ہوں یا انسان یا حیوان وغیرہ وغیرہ سب کی خلقت شے سے ہوئی ہے یعنی کوئی مادہ پہلے سے موجود تھا اسی سے یہ تمام مخلوق بنائی گئی ہے۔ چونکہ تمام کائنات نورِ محمدی کے سامنے مخلوق ہوئی ہے اور وجودِ محمدی کے صدقہ میں عدم سے وجود میں آئی ہے لہٰذا تمام کائنات کا علم حضرتؐ کو ہونا لازمی ہے اور حقِ تصرف بھی۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ
سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ
نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع

تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو، حد سے تجاوز کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو اور عذاب کے خوف سے اور رحمت کی امید میں خدا سے دعائیں مانگو۔

نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے اور وہ وہی تو خدا ہے جو اپنی رحمت (ابر) سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے جب ہوائیں پانی سے بھرے بادلوں کو لے اُڑیں تو ہم نے ان کو ایسے کسی شہر کی طرف ہنکا دیا جس کی زمین پانی نہ مل سکنے کی وجہ سے مر چکی تھی پھر ہم نے پانی برسایا اور ہم نے زمین سے ہر طرح کے پھل نکالے۔ اسی طرح ہم (قیامت کے دن قبروں سے) مُردوں کو نکالیں گے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ اور اچھی زمین حکم خدا سے اچھا ہی سبزہ نکالتی ہے اور جو زمین شور یعنی کھاری ہے اس کی پیداوار بھی خراب ہو جاتی ہے ہم یوں اپنی آیتوں کو اُلٹ پھیر کر شکر گزار بندوں سے بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس سے دعا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے مانگی جائے تاکہ زور زور سے مانگنے میں ریا نہ پیدا ہو جائے یعنی لوگوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ ہم خدا کے خاص بندے ہیں ایسا نہ کیا جائے۔ نیز یہ کہ حد سے بڑھے نہیں یعنی ایسی دعا میں نہ مانگے جو اس کی شان سے بالاتر ہوں۔ جیسے یہ دعا کرنا کہ مجھے نبی بنا دے یا مجھے آسمان پر چڑھا دے۔ دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر وقت خدا کے سامنے اپنے عاجز و محتاج ہونے کو ظاہر کرے۔ دُعا کا قبول کرنا خدا پر چھوڑ دے تاکہ جیسی اس کی مصلحت ہو کرے۔ جو دعا خدا سے کرے وہ اس کے عذاب سے بچنے اور اس کی رحمت کی امید میں اور اسے اپنا معبود سمجھ کر کی جائے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ اے میرے معبود نہ تو میں جنت کی خواہش میں عبادت کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ میں نے تجھے مستحق عبادت پایا اس لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔

اللہ نے جہاں جا بجا قرآن میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک نعمت کا ذکر یہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے پانی کو بھاپ بنا کر اوپر اٹھاتا اور بادل کی شکل بناتا ہے۔ جب وہ بھاپ پانی کے قطروں کی صورت اختیار کر کے بادل کو بوجھل بنا دیتی ہے تو پھر اس بادل کو کسی شہر پر برسا دیتا ہے۔ بارش ہونے سے جو زمین ناقابلِ کاشت ہوتی ہے پھر قابلِ کاشت ہو جاتی ہے یہ تو وہی جانتا ہے کہ پانی کو اوپر لے جا کر ہوا کے دامنوں پر پھیلا دیا اور ادھر ادھر ہلا ڈُلا کر ایسے اجزا ان قطروں میں بھر دیئے کہ مردہ زمین میں ان کو پڑتے ہی روئیدگی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان ان کا تجزیہ کرنے سے عاجز ہے۔ میرے نواسے ڈاکٹر ریحان حسن نیپی پی۔ ایچ۔ ڈی جو پچھلے سال فرانس لیبورٹری میں کام کرتے تھے ایک روز بتا رہے تھے کہ پیٹرول کی تحقیق کی جا رہی ہے، اب تک دو ہزار اجزاء کا اس کے اندر پتہ چل چکا ہے سبحانہ ما اعظم شانہٗ اسی طرح پانی کے اندر کیا کیا اجزا ہیں اور ان کے کیا کیا کام ہیں اس کو خدا کے سوا کون جان سکتا ہے۔ جو لوگ روز قیامت قبروں سے مُردوں کے نکلنے کو نہیں مانتے وہ ذرا اس پر تو غور کریں کہ جو دانہ زمین میں دبایا جاتا ہے وہ کس طرح پردۂ خاک سے ایک درخت کی صورت میں اُگ آتا ہے اور پھر کس طرح پھل پھول لاتا ہے۔

پھر یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی ہر زمین اپنی قابلیت کے لحاظ سے فیض حاصل کرتی ہے کہیں پودے اُگتے ہیں اور کہیں گھاس۔ اس حالت کو کون بتائے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

ایک روز امیر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں ہر رطب و یابس کا بیان ہے آپؑ نے فرمایا بے شک۔ انہوں نے کہا کیا میری اور آپ کی داڑھی کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا ضرور ہے اور اس کے بعد آپؑ نے یہ آیت پڑھی وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف ۵۸) امام حسن علیہ السلام کی داڑھی گھنی تھی اور امیر معاویہ کی چھدری۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

ع ۶ ۱۵

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میں (تمہاری غلط کاریوں کی وجہ سے) اور قیامت کے خوفناک عذاب سے جو تم پر آئے گا ڈرتا ہوں ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تو آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ فرمایا اے میری قوم میرے اندر گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین خدا کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دوں اور تمہیں نصیحت

کروں اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کا ذکر تم ہی میں سے ایک شخص پر اس لیے نازل ہوا ہے کہ تمہیں عذاب آخرت سے ڈرائے اور اس لیے کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انہوں نے نوح کو جھٹلایا پس ہم نے نوح کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ تھے ان کو بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ان کو ڈبو کر رکھ دیا کیونکہ وہ لوگ یقیناً آنکھوں کے اندھے تھے۔

حضرت نوحؑ کا نام عبدالغفار تھا مگر چونکہ پانچ سو برس تک خوفِ خدا سے روتے رہے تھے اس لیے نوح کہلائے گئے۔ (نوحہ کرنے والے)۔ حضرت نوحؑ جناب آدمؑ کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔ آپؑ سے پہلے دس انبیاءؑ اور اوصیاءؑ ہو گزرے تھے۔ آپؑ کو آدم ثانی اور شیخ الانبیاء بھی کہتے ہیں۔ آپؑ کی عمر بعض مفسرین نے ڈھائی ہزار برس لکھی ہے اور بعض نے دو ہزار برس۔ یہ تمام زمانہ آپؑ نے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین میں گزارا۔ دو سو برس کشتی کے بنانے اور چلانے میں گزارے۔ پانچ سو برس دوبارہ لوگوں کو زمین پر آباد کرنے میں بسر کیے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ اس طویل مدت میں اپنے رہنے کے لیے کوئی گھر نہ بنایا ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے۔

ساڑھے نو سو برس میں جو آپؑ کا تبلیغی زمانہ تھا اپنی قوم سے وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں کہ خدا کی پناہ۔ وہ لوگ دیوانہ اور مجنون سمجھ کر پتھر مارتے تھے اور آپؑ لہولہان ہو جاتے تھے۔ ہاتھوں اور لاتوں سے مارتے تھے۔ اپنے بچوں کو کندھوں پر بٹھا کر لاتے اور ان سے کہتے، دیکھو یہ شخص دیوانہ ہے اس کی بات کان لگا کر نہ سننا۔ سب سے زیادہ روحانی تکلیف یہ تھی کہ ان کی بی بی کافرہ تھی۔ جب لوگ انہیں مارنے آتے تو طنزاً کہتی ارے اسے نہ مارو یہ تو دیوانہ ہے، دیکھتے نہیں کیسی بڑی کشتی بنا رہا ہے بھلا اسے کون سے سمندر میں چلائے گا۔ الغرض جب مظالم سہتے سہتے اکتا گئے تو خدا سے دعا کی کہ اس ظالم قوم کے ظلم سے مجھے نجات دے۔ خدا نے یہ دعا قبول کی۔ قوم کی عورتیں بانجھ ہو گئیں چوپائے ہلاک ہو گئے۔ باغات جل گئے چالیس برس پانی نہ برسا۔ جب قوم کو بلبلاتا دیکھتے تو فرماتے کہ اللہ سے توبہ کرو اس پر ایمان لاؤ مگر وہ کہاں ایمان لانے والے تھے بلکہ جتنا سمجھاتے اتنا ہی وہ زیادہ ستاتے۔

جب موت کا فرشتہ حضرت نوحؑ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس نے پوچھا، اے نوحؑ اس طویل عمر میں آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ فرمایا اس گھر کی طرح جس کے ایک دروازہ سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکلا جا رہا ہوں۔ حضرت نوحؑ وہ پہلے شخص ہیں جن پر قانونِ شریعت کا نزول ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے پیغمبر آپؑ کے شیعوں میں سے تھے۔ آپؑ کے تین فرزند تھے، سام، حام، یافث۔ انہی کی نسل سے دنیا آباد ہوئی۔ ایک نافرمان بیٹا کنعان نامی تھا جو ماں کے زیرِ اثر کافر رہا اور طوفان میں غرق ہو گیا مگر کشتیٔ نوحؑ پر اس نے بیٹھنا گوارا نہ کیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ کنعان نوحؑ کا صلبی بیٹا نہ تھا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جب نوحؑ نے وقتِ طوفان یہ دعا کی تھی کہ اے میرے ربّ، میرا بیٹا میرے خاندان سے ہے اپنے اس وعدہ کے مطابق کہ میرے خاندان کو غرق ہونے سے بچا لے گا اسے

بچا لے، تو خدا نے فرمایا، یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل اچھے نہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ بداعمالی کی بنا پر خاندان سے خارج ہو گیا۔ ابنیت سے نہیں۔ کوئی نبی پرائے بدن کی بوٹی کو اپنے بدن سے نہیں چپکا سکتا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو لے پالک کر لیا تھا مگر کبھی اس کو یا بُنیّ کہہ کر نہیں پکارا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (٦٥) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٦٦) قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٦٧) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (٦٨) اَوَ
عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا
اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ
فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (٦٩)

اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم پرہیزگار نہیں بنو گے۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تمہیں حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے قوم میں احمق نہیں ہوں بلکہ میں ربّ العٰلمین خدا کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تاکہ اپنے ربّ کا پیغام تم تک پہنچا دوں اور میں تم کو ایک سچے خیرخواہ کی حیثیت سے نصیحت کرتا ہوں۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تم ہی میں سے ایک شخص پر تمہارے ربّ کا ذکر نازل ہوا ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور یہ یاد کرو کہ خدا نے قومِ نوحؑ کے بعد تم کو پیدا کیا اور ان کا جانشین (روئے زمین پر) بنایا اور تمہاری خلقت میں بھی زیادتی کر دی پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تمہارے لیے بہتری ہو۔

حضرت ہودؑ سام بن نوحؑ کی اولاد سے تھے۔ آٹھ پشتوں کے بعد۔ ان کو قوم عاد کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قوم عاد اس زمانہ میں بڑی اچھی حالت میں تھی۔ ان کے برابر کوئی اور قوم نہ تھی یہ لوگ بہت بلند قد، جسیم اور طویل العمر ہوتے تھے۔ اور ایک مخصوص بُت کی پُوجا کرتے تھے۔ حضرت ہودؑ نے انہیں ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے۔ جب اُن کی شرارت حد سے زیادہ ہوگئی تو پہلے پانی بند ہوا اور چار برس تک قطرہ نہ برسا۔ جب اس پر بھی ان کے بَل نہ نکلے تو خدا نے ایک سیاہ بادل کو بھیجا جو ان پر چھا گیا۔ پھر ایک آندھی آئی جس میں چنگاریاں بھری ہوتی تھیں اور آٹھ روز برابر چلتی رہی اور وہ بھی اس شدت سے کہ بوجھ سے لدے ہوئے اونٹ اوپر کو اٹھا کر لے جاتی تھی اور پھر زمین پر دے ٹپکتی تھی۔ غرض یہ کہ پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ہودؑ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے ہی بستی سے باہر چلے گئے تھے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ قومیں ان حالات کے تحت بھی خدا کے پیغمبروں پر ایمان نہ لائی تھیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ
غَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

انہوں نے کہا کیا تم ہمیں یہ بتلانے آئے ہو کہ ہم ایک خدا کی عبادت کرنے لگیں اور اُن بُتوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پُوجتے چلے آئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لا کھڑا کرو جس سے تم ڈراتے ہو۔ جناب ھُودؑ نے کہا پس سمجھ لو کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے (بُتوں کے) ان ناموں کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو جن کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی تصنیف کیے ہیں۔ خدا نے تو ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ پس آنے والے

عذاب کا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ پس ہم نے ہود کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے بھی نہ تھے ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ
قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ
فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا
اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ
سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے خدا کی ایک نشانی ہے اسے آزاد چھوڑ دو تاکہ یہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ یاد کرو کہ خدا نے قوم عاد کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں اس طرح آباد کیا کہ تم نرم زمین میں (بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو) اور پہاڑوں کو کاٹ تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور روئے زمین پر فساد نہ کرتے پھرو۔ ان کی قوم کے سردار لوگوں نے ان غریبوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ صالح خدا کی طرف سے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا، جن

باتوں کا وہ پیغام لائے ہیں ہمارا تو ان پر ایمان ہے ۔

حضرت صالحؑ حضرت ہودؑ کے بعد آئے تھے آپؑ حضرت نوحؑ کی نویں پشت میں ہیں۔ ثمود جن کی طرف یہ قوم منسوب تھی بن عامر بن سام بن نوحؑ تھے۔ قوم عاد کی طرح یہ بھی بڑے مالدار تھے۔ حضرت صالحؑ جب پیغمبر بن کر ان کے پاس آئے تو ان کا سن سولہ برس کا تھا۔ ایک سو بیس برس کی عمر تک ان کو ہدایت کرتے رہے مگر وہ نہ مانتے۔ یہ لوگ پہاڑ کے ایک حصّہ کی پرستش کرتے تھے اور ہر سال اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ جب آپؑ نے منع کیا تو کہنے لگے اگر اس پتھر سے ایک اونٹنی مع بچہ کے نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؑ نے دعا کی اور جو ان کی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ تب خدا کا حکم ہوا کہ اس شہر کا کل پانی ایک روز اونٹنی پیا کرے اور ایک روز یہ سب اپنے صَرف میں لائیں۔ غرض یہی قاعدہ مقرر ہوا اور جس روز وہ اُونٹنی یہ پانی پیتی تھی اس روز اتنا دودھ دیتی تھی کہ وہ سب سیراب ہو جاتے تھے اس پر بھی ان لوگوں کو صبر نہ آیا۔ اور مشورہ کر کے ایک روز ایک شقی سے جس کا نام قدار تھا کچھ مال کی طمع دے کر اس کے پاؤں کٹوا دیئے پھر سب نے مل کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور سب نے خوب ڈٹ کر اس کا گوشت کھایا۔ اس کا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں جا کر سر بلند کر کے تین بار فریاد کی اور پہاڑ کے اندر چلا گیا۔ حضرت صالحؑ نے کہا اگر تین دن کے اندر تم توبہ کر لو گے تب تو تمہاری نجات ہو جائے گی مگر وہ کہاں توبہ کرنے والے تھے آخر چوتھے دن رات کے وقت شدید چیخ چنگھاڑ کی آواز پیدا ہوئی کہ سب کے کان پھٹ گئے اور زمین میں زلزلہ آ گیا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے آخر سب کے سب مر کر رہ گئے پھر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ان سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ
وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾
فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَ
قَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا
تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾

اُن میں جو لوگ گھمنڈی تھے کہنے لگے جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُسے نہیں مانتے۔ پس انہوں نے ناقہ کے پیر کاٹ دیئے اور رب کے حکم کی نافرمانی کی اور کہنے لگے اے صالح اگر تم رسولوں میں سے ہو تو جس

عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔ پس ان کو ایک چیخ نے لے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ اس کے بعد صالح وہاں سے چلے گئے اور یہ کہتے ہوئے گئے اے قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تم کو نصیحت کر دی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے ۔

مشرکین عرب کو یہ پُرانے قِصّے اس لیے سُنائے گئے ہیں کہ وہ عبرت حاصل کریں اور یہ سمجھ لیں کہ جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو کافروں میں سے کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ قِصّے سُن کر مشرکین کہتے تھے یہ سب ڈرانے کی باتیں ہیں ۔ ہمیں کیا معلوم کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے اور اگر ایسا ہوا بھی ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ ہم پر بھی ایسا کوئی عذاب آئے۔ جب ہم تمہیں سچا رسول ہی نہیں سمجھتے تو پھر اس بات سے کیوں ڈریں کہ تمہاری بددُعا سے ہم پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ بہرحال چونکہ ان لوگوں پر شقاوت سوار تھی لہٰذا یہ عبرتناک قِصّے ان کے کان کو نہیں لگتے تھے ۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ
الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ
قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن
قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾

اور لُوطؑ نے اپنی قوم سے کہا افسوس تم ایسی بدکاری کرتے ہو (اغلام) جو تم سے پہلے خدا کی مخلوق میں سے کسی نے نہیں کی۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت کو تسکین دینے کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ تم بیہودہ صَرف کرنے والے ہو (نطفہ کو ضائع کرتے ہو) ان کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ ان لوگوں کو (جو ہمارے خلاف ہیں) بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو تو نجات دی سوائے ان کی بی بی کے جو (اپنی بداعمالی سے)

پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان لوگوں پر پتھر کا مینہ برسایا۔ ذرا غور کرو کہ گنہگاروں کا آخر انجام کیا ہوا۔

حضرت لوطؑ جناب ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہی کی حقیقی بہن حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بی بی تھیں حضرت لوطؑ اہلِ موتفکات کی ہدایت کو بھیجے گئے تھے۔ ان سے پانچ شہر آباد تھے سب سے بڑا سدوم تھا۔ یہ لوگ مصر و شام کی درمیانی شاہراہ پر آباد تھے۔ یہ لوگ بڑے بخیل تھے اور مسافروں کی آمد و رفت سے گھبرانے لگے تھے۔ شیطان نے ان کو پٹی پڑھائی کہ جو مسافر تمہارے پاس آئے اس سے اِغلام کرو تو ان کی آمد و رفت بند ہو جائے گی۔ غرض یہ لوگ اس فعلِ بد کے مرتکب ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ایسے خوگر ہوئے کہ اپنی عورتوں کو بھی چھوڑ بیٹھے اور جو یہاں آتا اُسے رسوا کرتے۔ خدا نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت لوطؑ کو بھیجا۔ آپؑ نے تیس برس تک ان کو ہدایت کی مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر عذابِ خدا ان پر آیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے ان کی بستی کو اٹھا کر اُلٹ دیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ﴿٨٥﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ
تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ
كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٨٦﴾ وَ
اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا
فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿٨٧﴾

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں خدا کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی۔ پس پوری ناپ تول کیا کرو

اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ اور تم لوگ جو راستوں پر بیٹھ کر خدا پر ایمان لانے والوں کو ڈراتے ہو اور خدا کی راہ سے روکتے ہو اور کجی کو ڈھونڈ نکالتے ہو اب ایسا نہ کرنا اور اس بات کو یاد کرو کہ جب تم شمار میں کم تھے تو خدا ہی نے تم کو تعداد میں زیادہ کر دیا اور تم ذرا اس پر بھی غور کیا کرو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔ اور جن باتوں کا میں پیغام لے کر آیا ہوں ایک گروہ نے تو اس کو مان لیا اور ایک گروہ نے نہیں مانا، تو صبر سے بیٹھے دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کو اہلِ مدین کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ اس بستی میں کُل چالیس گھر تھے۔ ان کے علاوہ اَیکہ والوں کی ہدایت بھی آپ ہی سے متعلق تھی۔ مدین والوں میں دو باتیں بہت خراب تھیں جن میں ہر شخص مبتلا تھا، ایک تو رہزنی اور دوسرے ناپ تول میں زیادہ لینا اور کم دینا۔ حضرت شعیبؑ نے ہر چند سمجھایا مگر لوگ نہ مانے۔ خدا نے ان کی نافرمانی کی یہ سزا دی کہ پہلے تو ان میں سخت سے سخت گرمی پیدا کر دی جس سے وہ سردی کے زمانہ میں بھی چین سے نہ رہ سکتے تھے۔ اس کے بعد ایک خشک اور سرد بادل آیا جس کے نیچے وہ سب جمع ہو گئے اس نے سارے شہر کو گھیر لیا پھر ایک چیخ کی آواز آئی زمین کو زلزلہ ہوا، آگ برسنے لگی سب ہلاک ہو گئے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا آپ ہی کا عطیہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے اس عصا سے حضرت شعیبؑ نے بھی بہت سے معجزات کا اظہار کیا تھا۔

حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے خُسر تھے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی صاحبزادی صفوراؑ نامی سے آٹھ برس بکریاں چرانے کے مہر پر حضرت موسیٰؑ کا نکاح کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب یہ مدت پوری کر دی تو اپنی بی بی کو ساتھ لے کر اپنے قدیم وطن مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت شعیبؑ ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ جب سر پر دھوپ آ جاتی تو آپؑ ایک انجیر یا بادام کے درخت کے نیچے سایہ میں چلے جاتے اور ذکرِ خدا کرتے تھے۔ حضرت شعیبؑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک بھیڑیا ایک بکری کو اُٹھا کر لے گیا۔ حضرت شعیبؑ کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ آپ نے اسی درخت کی ایک موٹی شاخ کاٹ کر اپنا عصا بنایا تاکہ پھر کوئی درندہ آئے تو اس سے ماریں۔ وحی نازل ہوئی اے شعیب تم اس عصا کو جہاں بکریاں چرتی ہوں رکھ دیا کرو پھر کوئی درندہ ان کے پاس نہ آئے گا۔ چنانچہ مدت تک شعیبؑ ایسا ہی کرتے رہے۔ یہی وہ عصا تھا جو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ۚ
قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ
وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

ان کی قوم کے متکبر لوگوں نے کہا اے شعیب ہم تمہیں بستی سے نکال باہر کریں گے اور اپنے گاؤں کے ان لوگوں کو بھی جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ورنہ ہمارے مذہب میں لوٹ کر آجاؤ۔ انہوں نے کہا چاہے ہم (تمہارے مذہب کو) بُرا ہی سمجھتے ہوں اس کے بعد کہ خدا نے اس سے ہمیں نجات دی ہے اگر ہم تمہاری ملت کی طرف لوٹ جائیں تو ہم نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا، ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ ہم تمہارے مذہب کی طرف لوٹ آئیں ہاں اگر ہمارا رب چاہے تو دوسری بات ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے ہم نے تو اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اے ہمارے رب تُو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تُو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قومِ شعیب اگرچہ تعداد میں کم تھی مگر بلحاظِ دولت ان کو دوسری قوموں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس قوم میں جو زیادہ مالدار تھے وہ نہایت متکبر و مغرور ہو گئے تھے۔ ایک روز سب جمع ہو کر حضرت شعیبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے شعیب جن کاموں سے تم ہمیں روکنا چاہتے ہو ہم ان سے باز آنے والے نہیں۔ تم چاہتے ہو کہ ہماری اقتصادی حالت کمزور ہو جائے اور ہم دوسری قوموں کے دست نگر بن جائیں۔ ہماری قوم کے کچھ بیوقوف تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں لیکن یاد رکھیے کہ اگر آپ اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے۔ اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو پھر ہمارا مذہب اختیار کیجئے۔ انہوں نے فرمایا جس کو میں پسند نہیں کرتا اُسے کیسے اختیار کر لوں۔ تم خدا پر جھوٹ بولتے ہو تم سراسر غلطی پر ہو کر خدا کو چھوڑ کر بُتوں کو پُوجتے ہو۔ جب خدا نے ہم کو شرک و بداعمالی سے نجات دی تو ہم

پھر کیسے تمہاری جماعت میں داخل ہو جائیں۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخٰسِرُونَ ﴿٩٠﴾
فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا
شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ﴿٩٢﴾
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ
آسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِينَ ﴿٩٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا
أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ
فَأَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾

اُن کی قوم کے سرداروں نے اپنی قوم سے کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم گھاٹے میں رہو گے۔ الغرض ان لوگوں کو زلزلے نے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ ایسے مٹے گویا ان بستیوں میں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں رہے۔ شعیب تو ان سے علیحدہ ہو گئے اور (چلتے چلتے) یہ کہہ گئے اے قوم میں نے تو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تم کو نصیحت بھی کر دی تو اب میں کافروں پر کیوں افسوس کروں۔ ہم نے کسی گاؤں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر وہاں کے باشندوں کو سختی اور مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمارے سامنے گڑگڑائیں پھر ہم نے تکلیف کی جگہ آرام کو بدل دیا یہاں تک کہ وہ لوگ بڑھ نکلے اور کہنے لگے ایسی تکلیف و آرام ہمارے باپ دادا کو بھی پہنچ چکا ہے۔ آخر ہم نے ان کو یکایک دھر پکڑا اور وہ بالکل بے خبر تھے۔

پہلے تو ان کو اس لیے سختی میں مبتلا کیا کہ یہ پریشان اور خوفزدہ ہو کر ایمان لے آئیں لیکن جب ان پچھلے گھڑوں پر

کوئی اثر نہ ہوا تو پھر ہم نے ان کو آرام و آسائش عطا کی تاکہ جو نیکیاں اُنہوں نے اس دُنیا میں کی ہیں اُن کا بدلہ انہیں دے دیں اور جب قیامت میں ہمارے سامنے آئیں تو ان کے پلّہ میں بدی کے سوا اور کچھ نہ بندھا ہو اور عذاب کا پُورا پُورا مزہ چکھیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
وَلٰكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرٰى أَنْ
يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيٰتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرٰى أَنْ يَأْتِيَهُمْ
بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا
الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا
أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ
وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا پس ان کے کرتوتوں کی بنا پر ہم نے انہیں دھر پکڑا۔ کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب رات کو ایسی حالت میں آجائے کہ وہ بے خبر پڑے سوتے ہوں، کیا بستیوں والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب انہیں دن میں اس وقت دبا لے جبکہ وہ کھیل کود میں ہوں۔ کیا وہ خدا کے داؤ سے بے پرواہ ہو بیٹھے ہیں۔ خدا کے داؤ سے سوائے خسارہ

پالنے والوں کے اور کوئی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ کیا ان لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں اس امرِ واقعی نے کوئی سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی خطاؤں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اتنے ناسمجھ ہیں (گویا) ان کے دلوں پر ہم خود مہر کر دیتے ہیں یہ لوگ کچھ سنتے ہی نہیں۔ یہ ہیں چند وہ بستیاں جن کے حالات ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے پیغمبر اُن کے پاس بہت سے روشن معجزے لے کر آئے مگر یہ لوگ چونکہ پہلے جھٹلا چکے تھے لہٰذا اب کیوں ایمان لاتے۔ خدا یوں کافروں کے دلوں پر علامت مقرر کر دیتا ہے اور ہم نے تو ان میں سے اکثر کا عہد ٹھیک نہ پایا۔ ہم نے تو ان میں سے اکثر کو بدکار ہی پایا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ
بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۳ ۹

ان لوگوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے معجزات کے ساتھ شرارتیں کیں تو اے رسول دیکھو ان مفسدوں کا انجام کیسا خراب ہوا۔ موسیٰ نے کہا اے فرعون میں تمام عالموں کے پالنے والے خدا کا رسول ہوں میرے لیے یہی سزاوار ہے کہ میں خدا کے متعلق سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے ایک معجزہ لے کر آیا ہوں پس تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے اس نے کہا اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ موسیٰ نے (یہ سن کر) عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ ناگاہ وہ ظاہر بظاہر اژدھا بن گیا۔ پھر اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمک دکھانے لگا۔

مصر کے ہر بادشاہ کا لقب فرعون تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا۔ اور حضرت یوسفؑ چونکہ مصر میں خریدے گئے تھے لہٰذا یہ فرعون تمام بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھتا تھا اور ان سے سخت سے سخت محنت لیتا تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی ساری قوم ایسا ہی کرتی تھی۔ اس قید ستم سے چھڑانے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا گیا تھا۔ اس نے سات قلعے بنائے تھے جن کے چاروں طرف بانسوں کے جنگل تھے ان میں شیر چھوڑ رکھے تھے تاکہ موسیٰؑ اُس تک نہ پہنچ سکیں جب موسیٰؑ اُونی ٹوپی اور اُونی کُرتا پہنے اور بالوں کی رسّی کمر میں باندھے مصر میں آئے تو شیر انہیں دیکھ کر بھاگے اور جب شہر کے اندر پہنچے اور دروازہ پر آئے تو وہ خود بخود کھل گیا۔ جب فرعون کے محل کے دروازہ پہ پہنچے تو دربانوں نے ٹوکا۔ پوچھا تم کون ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہم اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا، کیا خدا کو کوئی اور رسول بنانے کے لیے نہ ملتا تھا جو تمہیں منتخب کیا۔ جب وہ یہ کج بحثی کر رہے تھے تو حضرت موسیٰؑ نے دروازہ پر عصا مارا وہ فوراً کھل گیا۔ اس کے بعد اور بھی کئی دروازے تھے جس پہ عصا مارتے وہی کھل جاتا یہاں تک کہ آپؑ اس مقام پر جا پہنچے جہاں فرعون تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے گرد اس کے ارکانِ سلطنت تھے۔ انہوں نے جو ایک اجنبی کو آتے دیکھا تو بڑھ کر روکنا چاہا۔ فرعون نے منع کیا اور کہا آنے دو، آخر میں دیکھوں تو یہ کون ہے جو اتنی رکاوٹوں کے باوجود مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے موسیٰؑ سے کہا تم کون ہو۔ انہوں نے فرمایا، میں خدا کا رسول ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ اُس نے کہا، کیا ثبوت ہے اس کا کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے عصا کو زمین پہ ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور منہ کھولے فرعون کی طرف بڑھا۔ فرعون نے دیکھا کہ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگے اور فرعون کا مارے خوف کے پاخانہ نکل گیا۔ غل مچایا کہ موسیٰؑ اسے روکو۔ جب موسیٰؑ نے اُسے پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

حضرت یوسف کے زمانہ میں جو فرعون ریّان نامی تھا یہ فرعون (ولید) اس کا پوتا تھا۔ فرعون نے اپنی وسعتِ سلطنت کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا اتنی کثیر مخلوق کا روزی دینے والا میں ہوں پس ضرور میرے اندر خدا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ میں اپنی رعایا سے اپنے ربِّ اعلیٰ ہونے کا اقرار نہ لوں۔ چنانچہ اُس نے اپنی خدائی کا اعلان کر کے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کو خدا مانیں۔ یوں سمجھئے جیسے ہندوؤں میں مہادیو مانا جاتا ہے اسی طرح مصریوں میں فرعون تھا۔

اس زمانہ میں نجومیوں کے اثرات کو بڑا دخل تھا چنانچہ نجومیوں نے فرعون سے بیان کیا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت کی تباہی اور تیری موت کا باعث ہوگا۔ فرعون نے اس کے بعد یہ احکامات جاری کیے کہ بنی اسرائیل میں جو عورت حاملہ ہو اس کی نگرانی شروع کر دی جائے۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو فوراً قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اُسے زندہ رکھا جائے اور جب سیانی ہو جائے تو اُسے کنیز بنا لیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے سے پہلے فرعون نے دس ہزار بچوں کو قتل کرایا تھا۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ بڑا سخت وقت تھا — نہ پائے رفتن نہ تابِ ماندن۔

قرآن مجید میں اس قصے سے پہلے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے قصے بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب یہاں سے حضرت موسیٰؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے جو کئی رکوع تک چلا گیا ہے۔

قرآن مجید کے یہ قصے الف لیلہ یا طلسم ہوشربا کی داستانیں نہیں جو تفریح طبع کے لیے پڑھی جاتی ہیں بلکہ یہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے قصے ہیں جو بیشمار اخلاقی و روحانی، تمدنی و معاشرتی سبق بداماں ہیں۔ ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور خدا کے نافرمان بندوں پر جو عذاب نازل ہوئے ان سے سبق لینا چاہیئے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ جو یہاں سے شروع ہو رہا ہے پڑھنے والوں کو خاص طور سے چند امور کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

۱ - ہر نبی و رسول کے زمانہ میں جب لوگوں کو دعوتِ اسلام دی گئی تو انہوں نے خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کا ثبوت طلب کیا اس لیے ضروری ہوا کہ خدا اپنے رسولوں کو اس زمانہ کے لحاظ سے معجزات عطا کرے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر اپنی رسالت ظاہر کی تو اُس نے بھی معجزہ طلب کیا۔

۲ - خداوند عالم اپنے ایک نمائندہ کو صاحبانِ سلطنت اور بڑے بڑے اُمراء و رؤسا سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی لشکر کو نہیں بھیجتا۔ چونکہ خدا کی طاقت اس کی پشت پر ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے دشمنوں پر غالب آتا ہے۔

۳ - خدا کے یہ نمائندے جو بظاہر نہایت نزدہ حالت میں ہوتے ہیں بڑے مستقل مزاج اور قوی نیت والے ہوتے ہیں وہ مصائب آلام کے ہجوم سے اکتا کر ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتے۔

۴ - وہ حکمِ خدا کو بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ جان و مال و آبرو کسی چیز کے جانے کی پرواہ نہیں کرتے اور جو بات کہنی ہوتی ہے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں خوف و ہراس ان میں جگہ نہیں پاتا۔

۵ - خدا پہلے اپنے نافرمان بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی غلط کاریوں کو سمجھیں۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے رسولوں کو ہدایت کرتا ہے کہ پہلے نرم لہجہ میں اُن کو سمجھائیں اور خدا کی حجت ان پر تمام کریں۔

۶ - جب نافرمان بندے ہدایت کرنے والوں کی بات کو کان لگا کر نہیں سنتے تو پہلے اُن کو عذاب کے نازل ہونے سے ڈرایا جاتا ہے کوئی عذاب یکایک نہیں نازل کیا جاتا۔ جب کسی طرح نہیں مانتے تو پھر قہرِ الٰہی ان پر اس طرح نازل ہوتا ہے کہ کسی فرد کو اس سے پناہ نہیں ملتی اور وہ سب ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔

۷ - عذاب کے بعد خدا اپنے مظلوم بندوں کو اُن ظالموں کی جگہ لاتا ہے اور ویران بستیوں کو ان سے آباد کرتا ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

۸ - ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب قوموں میں دولت کی بہتات ہوتی ہے اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو وہ اپنے قادر و قیوم خدا کو جو درحقیقت ان نعمتوں کا دینے والا ہوتا ہے رفتہ رفتہ بھولنا شروع کر دیتے ہیں اور بجائے اس کی طرف دل لگانے اور اس سے عرضِ حال کرنے کے وہ خدا کی بجائے کسی غیر کو اپنا محسن و مربّی سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی قسمت کا بناؤ بگاڑ سب کچھ ایسی طاقتوں کے حوالے کر دیتے ہیں جو خود اپنی بقا و ترقی میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ اندھی تقلید ہر زمانہ میں ان کی تباہی کا باعث ثابت ہوئی ہے۔

۹ - جو واقعات اقوامِ عالم کے بیان کیے گئے ہیں ان سے عبرت حاصل کرنا صرف اس زمانہ سے ہی مخصوص نہ تھا بلکہ قیامت تک ہر زمانہ والوں کو ان سے سبق لینا ہوگا اور جو لوگ ایسا نہ کریں گے وہ خدا کی سزا کے ضرور مستوجب ہوں گے۔ بہت سی سزائیں تو

دنیا ہی میں ان کو مل جاتی ہیں اور جو بچ جاتے ہیں ان کے لیے آخرت کی وہ سزائیں ہیں جن کے تصور سے کلیجے لرزتے اور دل کانپتے ہیں

۱۰ - ظالم لوگوں کے ہاتھوں جو مصیبتیں کمزوروں پر نازل ہوتی ہیں ان پر صبر کرنا پیشِ خدا بڑا اجر رکھتا ہے۔ ان سے گھبرا کر جو لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں ان کو احمقوں میں شمار کرنا چاہیئے۔ خدا اپنی مصلحت سے ڈھیل ضرور دیتا ہے لیکن عالم اسباب سے نہ تو وہ غافل ہو جاتا ہے اور نہ مظلوموں کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

۱۱ - انبیاء پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہ نسبت ایمان نہ لانے والوں کے اگرچہ ہر زمانہ میں کم رہی ہے لیکن باری پر صبر و توکل کرنے والوں کو ہی رہا ہے اور غور کر کے دیکھا جائے تو یہی کامیاب زندگی کے نمایاں پہلو ہیں۔

۱۲ - انبیاء و مرسلین پر جو غلبہ مشرکین و کفار کا دیکھا جاتا ہے اس سے بظاہر انبیاء کی مغلوبیت کا ثبوت ملتا ہے لیکن یہ سمجھنا غلط ہے مادی فتح، فتح نہیں کہلاتی اور نہ مظلوموں کی شکست کو بکثرت مخالفوں کے مقابلہ میں شکست سمجھا جا سکتا ہے فتح درحقیقت اصول کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے اصولِ زندگی کو عقلِ انسانی قابلِ تقلید سمجھتی ہے فتح اس کی ہوتی ہے۔ مادی فتح کے ڈنکے چند روز بج کر رہ جاتے ہیں لیکن اصولی فتح کی نوبت ہر زمانہ میں بجتی رہتی ہے اور لوگ ایسی زندگی ہی کو انسانی زندگی سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ
اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا
اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ
فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

قومِ فرعون کے سرداروں نے (قوم سے) کہا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے پس اس کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ ان سب نے کہا اے فرعون اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ دن کی مہلت دو اور شہروں میں کچھ ہرکارے بھیجے جائیں تاکہ وہ وہاں سے بڑے کھلنڈری جادوگروں کو

تیرے پاس لے آئیں۔ فرعون کے جادوگر آگئے۔ انہوں نے کہا اگر ہم غلبہ حاصل کرلیں تو ہمیں کوئی بڑا اجر ملنا چاہیئے۔ فرعون نے کہا ہاں (ضرور ملے گا) تم میرے مقرب لوگوں میں سے بن جاؤ گے۔ جادوگروں نے موسٰی سے کہلائے موسٰی پہلے تم (اپنے منتر) پھینکو گے یا ہم پھینکیں۔ حضرت موسٰی نے کہا تم ہی پہلے پھینکو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیاں) ڈالیں تو لوگوں کی نظر بندی کردی (کہ سب سانپ معلوم ہونے لگیں) اور لوگوں کو ڈرا دیا اور ان لوگوں نے (اپنے خیال میں) بہت بڑا جادو دکھایا۔

تفسیروں میں ہے کہ بارہ ہزار جادوگر جمع ہوئے تھے ان میں چار چوٹی کے کھلاڑی تھے اور سب کا گرو گھنٹال شمعون نامے ایک جادوگر تھا۔ مصر میں آتے ہی ان لوگوں نے سن لیا تھا کہ موسٰیؑ کے سوتے وقت بھی ان کا عصا اژدہا بن کر ان کی حفاظت کرتا ہے اسی وقت سے ان کی ہمت پست ہوگئی کیونکہ جادوگر کے سونے کے بعد جادو کا اثر نہیں رہتا۔ یہ مقابلہ اسکندریہ کی زمین پر ہوا تھا مقابلہ کے وقت تمام خلقت مع لشکرِ فرعون جمع ہوگئی تھی اور فرعون ایک تخت پر بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

اس زمانہ میں جادوگروں کا بڑا زور تھا۔ انسانی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ جادو کا تماشہ تھا۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں بکثرت جادوگر نہ ہوں۔ اس ناپاک شغل میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں۔ ماں باپ اپنی اولاد کو شروع ہی سے جادو سکھانا شروع کردیتے تھے۔ فرعون اور اس کے سرداروں نے مذاقِ عوام کے مطابق یہی سمجھا کہ موسٰیؑ و ہارونؑ دونو جادوگر ہیں۔ وہ معجزہ کی حقیقت کو سمجھے ہوئے نہ تھے۔ ہم نے سورۂ بقر (جلد اوّل) میں ہاروت و ماروت کے قصہ میں جادو اور معجزہ کا فرق بیان کردیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ معجزہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ دوسروں کو ایسا عمل دکھانے سے عاجز کردیتا ہے۔ رہا جادو تو ایک جادوگر دوسرے پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے۔

جادوگروں نے جو رسیوں کے ٹکڑے ہوا میں اُڑائے تھے اور وہ سانپ بن کر لہرانے لگے تھے حقیقتاً سانپ نہیں تھے بلکہ جادو کے زور سے لوگوں کو سانپ نظر آنے لگے تھے۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ
الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوا۟ هُنَالِكَ وَانقَلَبُوا۟ صَٰغِرِينَ ﴿١١٩﴾ وَ
أُلْقِىَ السَّحَرَةُ سَٰجِدِينَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوسَىٰ
وَهَٰرُونَ ﴿١٢٢﴾

(جب جادوگر یہ تماشہ دکھا رہے تھے) ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ اب تم اپنا عصا ڈالو۔ (جونہی اسے ڈالا) وہ

اژدہا بن کر ان چھوٹے سانپوں کو ایک ایک کرکے نگلنے لگا۔ الغرض جو حق بات تھی ثابت ہوگئی اور جو عمل جادوگر کر رہے تھے ملیامیٹ ہو کر رہ گیا پس فرعون اور اس کے پیرو سب اس اکھاڑے میں ہار گئے اور ذلیل و رسوا ہو کر پلٹے۔ جادوگروں نے (اپنی ہار مان کر) کہا ہم تو اب تمام عالموں کے پیدا کرنے والے پر جو موسٰی و ہارون کا رب ہے ایمان لے آئے۔

یہ جادوگر بڑے سمجھدار اور خوش نصیب تھے کہ بہت جلد بات کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور اپنے ہاتھوں سے جاتی عاقبت کو سنبھال لیا۔ کیا مقابلہ ان کا ان مشرکین عرب سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیشمار آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا مگر ٹس سے مس نہ ہوئے اور نتیجہ میں دنیا و دین دونوں کھو بیٹھے۔ دنیا میں مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے اور آخرت میں تو جہنم کے شعلے ان کے جلانے کے لیے ہیں ہی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ساحرانِ فرعون نے ہارونؑ و موسٰیؑ دونوں کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کیا صرف موسٰیؑ پر نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی کے ساتھ اس کے خلیفہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ ءَامَنتُم بِهِۦ قَبْلَ أَنْ ءَاذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِى
الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا۟ مِنْهَآ أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ
وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَٰفٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوٓا۟ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا
مُنقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنقِمُ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِـَٔايَٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ أَفْرِغْ
عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ
وَقَوْمَهُۥ لِيُفْسِدُوا۟ فِى الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَءَالِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَآءَهُمْ
وَنَسْتَحْىِۦ نِسَآءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَٰهِرُونَ ﴿١٢٧﴾

(جب فرعون نے دیکھا کہ جادوگر ایمان لے آئے تو غضبناک ہو کر ان سے) کہنے لگا تم میری اجازت کے بغیر موسٰی و ہارون کے خدا پر ایمان لے آئے یہ تم لوگوں کی مکاری ہے جس کو تم نے شہر میں پھیلا رکھا ہے تاکہ اس کے

باشندوں کو شہر سے نکال باہر کرو (اور خود شہر پر قابض ہو جاؤ اچھا تو) تم عنقریب (اس کی سزا) جان لو گے۔ میں تم سب کے ایک طرف سے تمہارے ہاتھ اور دُوسری طرف سے تمہارے پَیر کٹوا دوں گا اور تم کو سُولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا (پرواہ نہیں) ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ تُو ہم سے اس کے سوا اور کس بات پر عداوت رکھتا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے (اُنہوں نے دُعا کی) اے ہمارے پالنے والے ہمارے اُوپر صبر کا مینہ برسا اور ہمیں مسلمان مارنا۔ فرعون کے چند سرداروں نے فرعون سے کہا کیا آپ موسٰی اور اُس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وُہ روئے زمین پر فساد برپا کریں اور تجھے بھی چھوڑ دیں اور تیرے معبُودوں کو بھی (یعنی ان میں سے کسی کی عبادت نہ کریں)۔ اُس نے کہا (گھبراؤ نہیں) ہم عنقریب ہی ان کے بیٹوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو (لونڈیاں بنانے کے لیے) زندہ رکھتے ہیں۔

ان جادوگروں کی حالت میں کیا عجیب و غریب تغیر ہُوا کہ قدرتِ خدا یاد آتی ہے ان کی دُعائیں کتنی جلد قبول ہوئیں۔ صبح اس حالت میں ہوئی کہ کافر تھے کچھ دن چڑھے اپنا جادو لوگوں کو دکھایا اور فرعون کی عزت کی قسم کھائی اور نمازِ ظہر کے وقت ان پر خدائی فضل ہُوا اور ایمان لائے اور نمازِ عصر کے وقت ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور مغرب کے وقت سُولی دی گئی اور اُسی روز بہشت میں پہنچ گئے۔ جب بگڑی قسمت بنتی ہے تو یوں بنتی ہے۔

جادوگروں کے اس واقعہ نے تمام شہر میں ہل چل مچا دی اور گھر گھر اس کا چرچا ہونے لگا۔ فرعون کی خدائی کی طرف سے لوگوں کے دل ہٹنے لگے۔ فرعون خود سخت پریشان تھا۔ اگرچہ اس نے جادوگروں کو سزائیں دے کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا مگر حضرت موسٰیؑ کی طرف سے جو خوف اس کے دل میں سمایا تھا اس نے راتوں کی نیند اُڑا دی تھی اور دن کا چین ختم کر دیا تھا وُہ کئی روز محل کے اندر ایک عجیب کرب میں پڑا رہا کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ بنی اسرائیل کو اس واقعہ کے بعد کتنی خوشی ہوئی ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ
يَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

(جب یہ قصہ ختم ہُوا) تو موسٰی نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر (و ضبط) سے کام لو۔ زمین سب خدا ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے مالک بنا دے اور انجام بخیر تو بس پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔ وہ کہنے لگے اے موسٰی آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں تو برابر تکلیف ہی پہنچ رہی ہے (کہاں تک صبر کریں) موسٰی نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں ان کی جگہ تمہیں بسائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کام کرتے ہو۔

جنابِ موسٰیؑ کا واسطہ ایک عجیب نالائق قوم سے آپڑا تھا جو مصیبتیں اُن پر اُن کے کرتوتوں کی بدولت آن پڑی تھیں دیکھو کس ڈھٹائی سے ان کا الزام حضرت موسٰیؑ کے سر پر رکھ دیا۔ بجائے اس کے کہ حضرت موسٰیؑ کے آنے سے قوی دل ہوتے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ان کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اس شکست کے بعد فرعون ان سب کو ہلاک کر ڈالے گا اور اس ہلاکت کا باعث موسٰیؑ ہوں گے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا
بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ
مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

(فرعون کی ذِلّت کا ایک قصہ تو ختم ہُوا اب آپ اس کی قوم پر عذاب کا قصہ سنئے) ہم نے فرعون کے لوگوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کے عذاب میں گرفتار کیا تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ تو جب انہیں راحت ملتی تو کہتے یہ تو ہمارے لیے ہے ہی اور اگر کوئی مصیبت آپڑتی تو اُسے موسٰی اور اُن کے ساتھیوں کی بدشگونی سمجھتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی تو خدا کے یہاں لکھی جا چکی تھی مگر بہت سے لوگ اسے جانتے نہیں

قومِ فرعون پر عذاب

(فرعون کے لوگ ایک بار موسٰی سے) کہنے لگے تم ہم پر جادو کرنے کے لیے چاہے کتنی ہی نشانیاں لاؤ ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں تب ہم نے ان پر پانی کے طوفان، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) بھیجا کہ سب جُدا جُدا ہماری نشانیاں تھیں اس پر بھی وہ لوگ تکبّر ہی کرتے رہے اور وُہ لوگ گنہگار تھے ہی۔

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے فرعون نے اپنے وزیر کے بہکانے پر انہیں قید کر دیا اور جب حضرت موسٰیؑ کی سفارش پر بھی نہ چھوڑا تو حضرت موسٰیؑ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے باہر جا کر خیموں میں رہے۔ اُدھر خدا نے ان پر طوفان بھیجا جس سے ان کے سارے مکانات منہدم ہو گئے اور شہر چھوڑ کر جنگل میں جا بسے۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ تم دعا کرو اگر اس بلا سے نجات مل گئی تو میں سب قیدیوں کو چھوڑ دوں گا۔ جب طوفان ہٹ گیا تو اُس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اس کے بعد ٹڈیوں کا عذاب آیا جو ان کی تمام کھیتیاں چاٹ گئیں اس کے بعد چچڑیاں آئیں اور اس بُری طرح بدن اور سروں میں پڑیں کہ کوئی جگہ خالی نہ رہی پھر مینڈکوں کا عذاب آیا جو ان کے کان اور ناک سے نکلتے تھے۔ کھانوں میں آکر گرتے تھے پھر دریائے نیل کا پانی ان کے لیے خون بنا دیا مگر وہی پانی بنی اسرائیل کے لیے اصلی پانی تھا۔ یہاں تک کہ قبطی سبطیوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے منہ میں پانی لے کر ہمارے منہ میں کُلی کر دو۔ لیکن جب ان کے منہ میں جاتا تو خون ہو جاتا۔ اس کے بعد ان پر برف کا عذاب آیا جس میں دب کر بہت سے مر گئے۔ الغرض جب کوئی عذاب آتا تو فرعون حضرت موسٰیؑ کی خوشامد کرتا اور وعدہ کرتا کہ میں تمہارے خدا پر ایمان لے آؤں گا مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ لیکن جب بلا ہٹ جاتی تو پھر کچھ نہیں۔ اسی طرح چالیس برس گزر گئے آخر خدا نے ایک وبا بھیجی جس سے نصف شب کو ہر شخص کا بڑا بیٹا مر گیا جب اس طرح تمام قومِ فرعون پریشانی میں مبتلا تھی تو حضرت موسٰیؑ بنی اسرائیل کو قید سے چھڑا کر چلتے ہوئے۔ جب کئی روز بعد فرعون کو ان کے جانے کا حال معلوم ہوا تو ان کا پیچھا کیا۔

غور کیجئے جس قوم پر بار بار اتنے عذاب آئے اس کی نافرمانی کس حد تک تھی اور کیسے ہٹی لوگ تھے۔ ایک ہی عذاب ان کو کفر سے توبہ کرنے کے لیے کافی تھا مگر جب کسی کی شامت آتی ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔ بہت سے لوگ جو در پردہ ایمان لائے تھے وہ فرعون کے خوف سے اظہار نہ کر سکتے تھے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے جا رہے تھے۔ فرعون خود گھبرایا ہوا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ موسٰیؑ کے معاملہ نے زندگی تلخ کر دی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اب ان کے خدا پر ایمان لے آؤں۔ ہامان نے کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں سالہا سال خدائی کا دعوٰی کرنے کے بعد یکایک اس سے باز آجانا ساری قوم کی نظر میں آپ کو ذلیل کر دے گا اور خدائی کے ساتھ اس سلطنت سے بھی دست بردار ہونا پڑیگا ہامان بڑا چالاک آدمی تھا وہ فرعون کو احمق بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا تھا اور اس کے نام پر خود سلطنت کا مالک بنا بیٹھا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر فرعون ایمان لے آیا تو اس کے حلوے مانڈے ختم ہو جائیں گے۔

اس میں قابلِ غور لفظ اٰلِ فِرْعَوْنَ ہے۔ فرعون کے جب اولاد نہ تھی تو خدا نے اس کے لیے 'آل' کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ جواب یہ ہے کہ آل کا لفظ خاندان کے خاص خاص افراد پر بولا جاتا ہے چونکہ فرعون کے خاندان والے ارکانِ حکومت

تھے اور فرعونی قلمرو پر ان کا حکم چلتا تھا۔ لہٰذا فرعون کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ دوسرے فرعون چونکہ اپنے کو ربِّ اعلیٰ کہتا تھا اور ساری رعایا کو اس حیثیت سے اپنی اولاد سمجھتا تھا کہ وہ اپنے زعمِ ناقص میں ان سب کی پرورش کر رہا تھا۔ تیسری وجہ مفسّرین نے یہ لکھی ہے کہ فرعون کا ایک بھائی اسلون نامی تھا جس کی کثیر اولاد تھی فرعون ان کو از راہِ شفقت اپنی اولاد سمجھتا تھا اور چونکہ ملکی معاملات میں ان کو بہت بڑا دخل تھا لہٰذا ان کو آلِ فرعون کہا گیا۔ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی شکست خوردہ کے مقابل اپنی فتح کا ذکر کرتے ہیں عوام کا ذکر ان کے تحت میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں نے کیانی خاندان کو شکست فاش دے کر سارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ شکست میں ساری رعایا شریک نہیں تھی مگر کہا یہی گیا کہ کیانیوں نے شکست کھائی۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٣٤﴾
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا
عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

جب ان پر عذاب آتا تو کہنے لگتے اے موسٰی خدا نے تم سے قبولِ دُعا کا عہد کر رکھا ہے لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دُعا کرو اگر ہم سے تم نے عذاب ہٹوا دیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ضرور آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن جب ہم ان سے اس وقت کے لیے جس تک وہ ضرور پہنچتے عذاب ہٹا لیتے تو وُہ فوراً بدعہدی کرنے لگتے آخر ہم نے ان کی شرارتوں کا بدلہ لیا اور ان کو دریا میں ڈبو دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے غافل پڑے ہوئے تھے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا

صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور جس قوم کو یہ کمزور سمجھتے تھے ہم نے اسے (ملک شام کے) پورب پچھم کی ان زمینوں کا مالک بنا دیا جن کو ہم نے زرخیز بنا دیا تھا اور تمہارے رب نے جو نیک وعدہ بنی اسرائیل سے صبر کرنے کی وجہ سے کیا تھا وُہ پورا ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم نے جو بلند عمارتیں بنا کھڑی کی تھیں ان سب کو ہم نے برباد کر دیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار اتار دیا تو وُہ کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے گزرے جو اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے) بُتوں کو گھیرے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اے موسٰی ہمارے لیے بھی ایسے معبود بناؤ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ حضرت موسٰی نے کہا بے شک تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ سب جس مذہب پر ہیں وہ برباد ہو کر رہے گا اور جو کچھ وُہ کر رہے ہیں (پُوجا پاٹ) یہ سب باطل ہے اور یہ بھی کہا کیا تم خدا کے سوا کسی اور کو معبُود بنا لو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو تمام عالموں پر فضیلت دی ہے اور (بیوقوفو) ذرا اس وقت کو تو یاد کرو جب فرعون کے لوگوں سے ہم نے تمہیں نجات دی جبکہ وُہ تمہیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچا رہے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (لونڈیاں بنانے کے لیے) زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (صبر کی) سخت آزمائش تھی۔

یہاں سے بنی اسرائیل کی شرارتوں کی داستان شروع ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو کر بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا تو وہاں یمن کا ایک قبیلہ بڑے خوبصورت بُت سامنے رکھے ان کی پوجا پاٹ کر رہا تھا۔ جوں ہی بنی اسرائیل کی نظران گورے گورے چکنے چاندنے بُتوں پر پڑی تو للچا گئے اور حضرت موسٰیؑ سے کہنے لگے بس ہمیں تو ایسے خدا بنوا دیجئے تاکہ اس قوم کی نیازمندی کی طرح ہم بھی انہیں اپنے دل و جان صدقے واری کر کے دکھائیں۔ حضرت موسٰیؑ کو غصہ آگیا اور فرمانے لگے یہ بُت ہیں کیا اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے یہ سب ڈھونگ ہے اور باطل پرستی بے وقوفو، خدا کو چھوڑ کر اب کس کو خدا بنانے لگے۔ خدا کے انعامات بھول گئے اس نے بعض دنیا والوں کے مقابل کیسی عزت دے رکھی ہے کہ اولاد انبیاء کہلاتے ہو پھر اس نے تم کو فرعون کے روح فرسا اور جاں گسل مصائب سے نجات دی۔ اس پر بھی اے احمقو تم اس معبود برحق کی جگہ ان ناکارہ پتھروں کی پُوجا کرنا چاہتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کا کلیجہ تھا کہ ایسے ہٹی اور سرکش، بے عقل و کج فہموں میں رہ کر ان کو ہدایت کرتے تھے اور ان باتوں کو برداشت کرتے تھے جن پر عام لوگ غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰي ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰي لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰي لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ
اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰي
صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ہم نے موسٰی سے (توریت دینے کے لیے) تیس رات کا وعدہ کیا اور ہم نے اس میں دس دن اور بڑھا کر پورا کر دیا غرض ان کے رب کا وعدہ چالیس راتوں میں پُورا ہو گیا اور موسٰی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں تم میرے جانشین بنو اور ان کی اصلاح کرو اور مفسدوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔ جب موسٰی ہمارا وعدہ پورا کرنے طور پر آئے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو انہوں نے کہا خداوندا تو مجھے اپنی ایک جھلک دکھا

دے کر میں تجھے دیکھ لوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو (ہم) اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تو پھر تم عنقریب مجھے بھی دیکھ لوگے (ورنہ نہیں) پس جب اُن کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے تیری ذات رویت سے پاک ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

(۱) خدا نے پہلے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا کہ موسیٰؑ طور پر آکر تیس دن روزہ رکھیں اور اپنے نفس کا تزکیہ اس لیے کریں کہ وہ توریت لینے کے اہل قرار پائیں پھر خدا نے دس روز اور بڑھا دیے۔ دس دن کیوں بڑھائے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے

۱ - حضرت موسیٰؑ روزے سے تھے جبکہ کلام کرنے کے لیے جانے لگے تو اس خیال سے کہ روزہ دار کے منہ سے بُو آتی ہے ایک درخت کی پتی اپنے منہ میں رکھ لی جو خوشبودار تھی۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ تم نے یہ کیا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کی بو تو ہمیں بہت بھاتی ہے۔ لہٰذا اب دس روزے اور رکھو تب توریت ملے گی۔

۲ - حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے تیس دن غائب رہنے کا وعدہ کر کے گئے تھے خدا نے دس دن بڑھا کر ان کی قوم کا امتحان لیا۔ چنانچہ تیس دن گزرنے کے بعد جب موسیٰؑ واپس نہ ہوئے تو ان کی قوم میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں مفسدوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا ان سے ہمکلام ہوا ہی نہیں لہٰذا شرم کی وجہ سے نہیں آرہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم سامری کے دامِ فریب میں آکر گمراہ ہو گئی۔ تھوڑے لوگ ایمان والے رہ گئے جو حضرت ہارونؑ کے ساتھ رہے۔

(۲) جب حضرت موسیٰؑ طور پر جانے لگے تو اس خیال سے کہ قوم گمراہ نہ ہو جائے اپنا جانشین جناب ہارونؑ کو بنایا اور انہیں سمجھا دیا کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہنا اور مفسدوں کی راہ اختیار نہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کے گمراہ ہونے کا خدشہ تھا۔ ایک نبی نے صرف چالیس روز غائب رہنے کی صورت میں بھی اپنی قوم کو بغیر اپنا جانشین مقرر کیے نہ چھوڑا تو کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خداؐ جبکہ دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہے تھے بغیر اپنا جانشین مقرر کیے چلے جاتے اور امت پر چھوڑ دیتے کہ تم جسے چاہو بنا لینا۔ قوم نے حضرت ہارونؑ کی ہدایت پر عمل نہ کیا، ان کو اپنا ہادی نہ سمجھا اور سامری کے فریب میں آگئے نتیجہ اس کا انہی کے حق میں بُرا ہوا یعنی صراطِ حق سے ان کے قدم ہٹ گئے اور بجائے خدا پرست ہونے کے گوسالہ پرست بن گئے۔

(۳) خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ یہ سب سے پہلے نبی ہیں جو کلیم اللہ کہلائے اور خدا نے ان سے باتیں کیں لیکن خدا کا کلام کرنا ہماری طرح نہ تھا یعنی جس طرح ہم منہ سے بولتے ہیں وہ اس طرح کلام نہیں کرتا کیونکہ وہ اعضاء و جوارح سے منزہ و مُبرا ہے بلکہ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے چنانچہ حضرت موسیٰؑ بوقتِ مکالمہ ایک درخت زیتون کے پاس جاتے تھے اور اس درخت سے ایک آواز آتی تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا

تھا۔ وہ کس طرح کی آواز ہوتی تھی اس کو موسیٰؑ ہی جانتے تھے انہوں نے قوم کے سامنے اس کی کوئی توضیح نہیں کی۔

(۴) ایک بار جب جناب موسیٰؑ طور پر جانے لگے تو قوم نے اصرار کیا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر چند منع کیا مگر وہ نہ مانے اور اس ہٹ پر جمے رہے کہ وہ خدا سے یہ درخواست کریں ورنہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ مجبوراً جناب موسیٰؑ نے ان کی طرف سے ان کے الفاظ میں یہ دعا کی ورنہ ایک نبی و رسول ایسی غلط درخواست کیسے کر سکتا تھا خدا نے جواب دیا تم مجھے ہرگز نہ دیکھوگے لن ترانی میں حرف لَنْ داخل ہے جو مستقبل کی نفی کو ظاہر کرتا ہے یعنی کبھی نہ دیکھوگے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ پس جو آخرت میں دیدارِ الٰہی کی امید دل میں لیے ہوئے ہیں ان کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ خدا نے ایک بجلی چمکائی جو خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق تھی۔ اس کے چمکتے ہی طور کے ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰؑ غش کھا گئے۔ جیسا کہ جس کا ظرف تھا ویسا ہی اثر ہوا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ تم جب ایک صاعقہ کی چمک دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتے تو اس کے خالق کو دیکھنے کی درخواست کرنا ایک غلط سوال ہے۔

الغرض جب موسیٰؑ ہوش میں آئے تو خدا سے توبہ کی اور کہا میں سب سے پہلا ایمان لانے والا مومن ہوں۔

اسلام میں ایک فرقہ جو مشبّہ و مجسّمہ کہلاتا ہے خدا کو صاحبِ جسم مانتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ روزِ قیامت خدا اپنی مخلوق کے سامنے آئے گا اور وہ ایک تختِ زرنگار پر بیٹھا ہوگا بڑا موٹا تازہ گبھرو جوان ہوگا وہی خود سب سے سوال کرے گا۔ ایک فرقہ خدا کے حلول کرنے کا قائل ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ پاک باطن اور روشن ضمیر ہوتے ہیں خدا ان کے اندر حلول کر جاتا ہے یہ ایسا ہی عقیدہ ہے جیسے ہندوؤں کا کہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے اندر خدا کو حلول کیا ہوا سمجھتے ہیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ
اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً
وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ
سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

خدا نے فرمایا اے موسٰی میں نے تم کو تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا پس جو میں دے رہا ہوں اُسے لو اور میرے شکر گزار بندوں میں بنے رہو۔ اور ہم نے توریت کی تختیوں پر موسٰی کے لیے ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کو تفصیل وار لکھ دیا تھا پس اے موسٰی اُسے پُوری قوت سے لو (یعنی پوری طرح اس پر عمل کرو) اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتوں پر عمل کریں اور میں بہت جلد تمہیں بدکرداروں کا گھر دکھا دوں گا (کہ انہیں کیسے اُجاڑتا ہوں)۔ جو لوگ زمین پر ناحق اکڑ رہے ہیں میں ان کو اپنی آیتوں کی طرف سے بہت جلد پھیر دوں گا (اور میں کیا پھیر دوں گا خود ان کا دل ایسا سخت ہے کہ) اگر دُنیا جہاں کے سارے معجزے بھی دیکھ لیں گے تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر سیدھا راستہ دیکھ بھی لیں تو بھی اس راستہ پر نہ چلیں گے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں گے تو اس پر فوراً چل پڑیں گے یہ اس لیے ہے اُنہوں نے ہماری آیتوں کو جُھٹلایا اور ان سے غافل رہے ۔

الواحِ توریت کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان تختیوں کی تعداد چالیس تھی۔ کچھ کہتے ہیں تیس تھی بعض کہتے ہیں دو ہی تھیں۔ لیکن اگر دو ہوتیں تو الواح جمع کا صیغہ نہ ہوتا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان کی نوعیت کیا تھی۔ بعض نے لکھا ہے پہاڑ کے پتھروں پر موسٰیؑ نے پتھر کی نوک سے خود کھودا تھا۔ لیکن اس صورت میں ایسی سپاٹ سلیں کہاں تھیں جن پر پوری توریت لکھ لی گئی۔ موسٰیؑ کا قیام طُور پر توریت ملنے کے بعد ثابت نہیں پھر ان کو کہاں کھودا۔ بعض کے نزدیک پوری توریت لکھی لکھائی الواح پر خدا کے یہاں سے آئی تھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ پتھروں کی تختیوں پر تھی یا کسی دھات پر۔ البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تختیاں اتنی ہلکی تھیں کہ موسٰیؑ طور پر سے بغل میں دبا کر لے آتے تھے ۔

آسمانی کتابوں میں صرف یہی ایک کتاب ہے جو ایک بار لکھی ہوئی بصورتِ کتاب نازل ہوئی۔ توریت بلحاظ احکامِ الٰہی ایک نہایت مفصل کتاب تھی جس میں روحانی۔ اخلاقی۔ حیاتی۔ سیاسی۔ تمدنی اور معاشرتی مسائل کو واضح طور پر بیان کیا گیا تھا۔ ان آیات میں قومِ موسٰیؑ کی افتادِ طبیعت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جو راستہ نیکی کا ہے اس پر نہیں چلتے ہاں جو بدی کے راستے ہیں ان کو فوراً اختیار کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آیات کی طرف یہ توجہ ہی نہیں کرتے پھر ایسی صورت میں ان لوگوں کا گمراہ ہونا یقینی ہے ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور روزِ قیامت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے تمام اعمال اکارت گئے جیسا انہوں نے کیا ہے ویسا ہی بدلہ اُن کو ملے گا۔ طُور پر جانے کے بعد قومِ موسٰی نے اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑے کی مُورتی بنالی جس میں گائے کی سی آواز تھی (افسوس ہے) انہوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ نہ تو ان سے بات ہی کر سکتا ہے نہ انہیں ہدایت ہی کر سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اُسے اپنا معبُود بنا ہی لیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب ان کی فریب زدگی کا طلسم ٹُوٹا (پچھتائے) اور انہوں نے اپنے کو گمراہ دیکھ لیا تو کہنے لگے اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہمارا قصُور معاف نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔

اس موقع پر ہم چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی مذہبی اور اخلاقی حالات پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالیں۔ باوجودیکہ اس قوم میں انبیاء کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہا لیکن ان کی اخلاقی اور مذہبی حالت کسی وقت بھی قابلِ اطمینان نہ ہوئی ۔ شرارت اور سرکشی تو ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ہمیشہ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور آیاتِ الٰہی کا مضحکہ اڑاتے رہے اور یہ وبا اتنی عام تھی کہ تمام لوگوں سے گزر کر ان کے علماءؑ اور فضلاءؑ تک جا پہنچی تھی۔ حضرت موسٰیؑ کے آنے سے پہلے ہی کفر و شرک کی لپیٹ میں پوری طرح آچکے تھے۔ مصریوں میں قدیم الایام سے گائے کی پُوجا ہوتی چلی آرہی تھی چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ ان کے دلوں میں گائے کی محبت پُوری طرح سرایت کر گئی تھی۔ وہ خدا پرستی سے دُور ہو کر بُت پرستی کے دلدادہ بنے ہوئے تھے۔ ابھی مصر سے نکلے تین مہینے ہی گزرے تھے کہ وہ خدا کے تمام احسانات بھول گئے ۔

خدا نے ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دی، مصر کی سرزمین کا ان کو مالک بنایا۔ قومِ فرعون کے تمام مال و متاع پر ان کا قبضہ ہوا لیکن اس پر بھی وہ کفر کی محبت سے باز نہ آئے ۔ دریائے نیل سے پار ہوتے ہی انہوں نے جب ایک قوم کو بتوں کی پُوجا کرتے دیکھا تھا تو حضرت موسٰیؑ سے ہٹ ماری تھی کہ ہمارے لیے بھی ایسے ہی بُت بنا دیجیے۔ اس کے بعد جب موسٰیؑ کوہ طور پر گئے تو ہٹ ماری کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دیجئے۔ پھر ان کے جانے کے بعد بجائے حضرت ہارون

کی ہدایت پر عمل کرنے کے سامری کے دامِ فریب میں جا پھنسے اور گائے کے بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ گائے کی محبت پہلے سے ہی دل میں تھی اب جو سامری نے ذرا سا اکسایا تو ان کی جبینِ نیاز اس کے سامنے جھک گئی۔ غور کیجئے ایسی بدبخت قوم پر خدا نے بار بار جو عذاب کیے ضرور یہ لوگ اس کے سزاوار تھے۔ ان کی عقلوں پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ سیدھا راستہ انہیں سجھائی دیتا ہی نہ تھا۔ ہاں اگر کوئی گمراہ کرنے والا کسی راستہ کو دکھاتا تو فوراً اس پر چل پڑتے۔

یہودی جو انہی بنی اسرائیل کی اولاد ہیں یا ان کے ماننے والے ہیں آج تک اسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جن غلط راستوں پر وہ ان کو چلا گئے ہیں انہی پر بغیر آگا پیچھا دیکھے چلے جا رہے ہیں۔ محرّف توریت ان کے ہاتھوں میں ہے اسی کے مطابق ان کا عمل درآمد ہے۔ قرآن نے بار بار ان کو ٹوکا اور ان کی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی مگر جو رام رسول سے ان کے دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کو دل سے نکال کر خدا پر کیسے ایمان لا سکتے تھے۔ یہودی مذہبی معاملات میں سب سے زیادہ ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں اور ہر قوم سے زیادہ اسلام کی دشمنی ان کے دلوں میں جگہ پائے ہوئے ہے جیسا کہ قرآن نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ
بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ
إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ
بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي
وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ ع
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا
مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾

جب موسیٰ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف آئے (اور یہ دیکھا کہ گوسالہ پرستی ہو رہی ہے) تو رنج و غصہ میں اپنی قوم

سے کہنے لگے تم لوگوں نے میرے جانے کے بعد بہت ہی بری حرکت کی تم لوگ میرے پروردگار کے حکم میں کتنی جلدی کر بیٹھے (میرے آنے کا انتظار بھی نہ کیا) توریت کی تختیوں کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (ہارون نے) کہا لئے میرے ماں جائے میں کیا کرتا اس قوم نے مجھے حقیر سمجھا اور میرا کہنا نہ مانا، قریب تھا کہ یہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے ان ظالم لوگوں میں سے نہ قرار دیجئے تب موسیٰ نے کہا میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا ہے عنقریب ہی اُن کے پروردگار کی طرف سے عذاب نازل ہوگا اور دنیوی زندگی میں ذلیل ہوں گے اور ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے ہیں اس کے بعد توبہ کر لی ہے اور ایمان لے آئے ہیں تو بےشک تمہارا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات میں بہت سی باتیں قابلِ توضیح ہیں :

(۱) موسیٰ نے غصہ میں الواح کو پھینک دیا۔ بظاہر اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے کتابِ خدا کی توہین کی نفسیاتی مضمرات پر غور کیا جاتے تو حضرت موسیٰ کا یہ فعل داخلِ گستاخی نہ تھا بلکہ اس موقع پر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ایک نبی جب یہ دیکھتا ہے کہ قوم نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا اور خدا کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تو غصہ میں اپنے پر قابو رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ غصہ اپنی توہین پر نہ تھا بلکہ خدا کی توہین پر تھا۔ چونکہ حضرت ہارونؑ سے مؤاخذہ کرنا تھا لہٰذا ساری تختیاں زمین پر گرا دیں اور بھائی سے جا لپٹے۔

(۲) ہارونؑ کا کیا قصور تھا جس پر انہیں اتنا غصہ آیا۔ غصہ صرف اس بات پر تھا کہ جب قوم کو اس گمراہی میں مبتلا دیکھا تھا تو تم ان سے علیحدہ کیوں نہ ہو گئے تاکہ تمہارے جدا ہونے کے بعد ان پر عذابِ خدا نازل ہو جاتا۔ اپنے بھائی کے بال کھینچ کر اپنی طرف کھینچنا اور ان سے مؤاخذہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ دین کے معاملہ میں بھائی ہو یا باپ کسی کی پچ نہیں کی جاتی۔ جناب ہارونؑ نے اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کے لیے کہا میرے ماں جائے میں کیا کرتا، میں نہ ان سے لڑ سکتا تھا نہ ان سے الگ ہو کر کہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی کثرت تھی اور میرے ساتھی بہت تھوڑے تھے اس لیے ان کے مقابل میں کمزور تھا۔ یہ لوگ تو میرے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے۔ میں نے ان کی کفر پرستی میں ان کا ساتھ نہیں دیا لہٰذا مجھے ان میں شامل نہ کیجئے۔

یہی صورت بعد رسولِ خدا جنابِ امیر علیہ السلام کو پیش آئی تھی کہ امتِ رسولؐ نے ان کو صد درجہ کمزور بنا دیا تھا اور انکارِ بیعت پر ان کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ ملیجہ ناصروں کی کمی دیکھ کر حضرت علیؑ نے صبر سے کام لیا اور قوم سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ جانتے تھے کہ حضرت ہارونؑ معصوم ہیں ان سے کوئی عمل خلافِ مرضیٔ الٰہی نہیں ہو سکتا مگر یہ مؤاخذہ

ان سے صرف اس لیے ہوا کہ قوم پر ان کی بیگناہی ثابت ہو جائے اور حضرت موسیٰؑ کے پیچھے قوم نے جیسا برتاؤ اُن کے ساتھ کیا تھا اُس کا اظہار ہو جائے۔

(۳) جب موسیٰؑ و ہارونؑ بے قصور تھے تو پھر معافی کیوں مانگی۔ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے حالات کا ہم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ "جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"۔ وہ اس بات کو بھی اپنا قصور ہی سمجھتے تھے کہ ان کی موجودگی میں قوم مبتلائے ضلالت ہوئی اور خدا کی ناراضی کا سبب بنی۔ نیز خدا کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ اگر تیرے نزدیک اس واقعہ میں مجھ سے یا میرے بھائی سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ مقربانِ بارگاہِ ایزدی بہت ڈرے ہوئے رہتے ہیں اور اس لیے وہ ہر وقت خدا سے استغفار کیا کرتے ہیں۔ باوجود کوئی گناہ نہ کرنے کے بھی وہ طالبِ مغفرت و رحمت رہتے ہیں یہ بڑی اونچی منزلیں ہیں ان کی نزاکتوں کو مقربانِ الٰہی کے سوا دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ
رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ
مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ
تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾

جب حضرت موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت کی تختیوں کو زمین سے اُٹھایا۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے لیے توریت میں ہدایت اور رحمت تھی۔ حضرت موسیٰ نے ہمارا وعدہ (طور پر لے جانے کا) پورا کرنے کے لیے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔ پس جب زلزلہ نے انہیں دھر پکڑا (اور وہ سب مر گئے) تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب، اگر تُو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تُو ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل پر ہم کو ہلاک کرتا ہے یہ تو تیری صرف آزمائش تھی تُو جسے چاہے

گمراہی میں چھوڑ دے جسے چاہے منزلِ مقصود پر پہنچا دے تُو ہی ہمارا سرپرست ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تُو سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں قومِ موسیٰؑ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح ہم خدا کو دیکھ لیں۔ چنانچہ توریت آنے کے بعد پھر حضرت موسیٰؑ پر یہ خواہش دُہرائی گئی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہمیں طور پر اپنے ساتھ لے کر چلیے تاکہ ہم آپؑ کا اور خدا کا مکالمہ سُنیں اور اس پر آپؑ کے گواہ بنیں۔ چنانچہ جب زیادہ اصرار ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کو جنہیں وہ کامل الایمان سمجھتے تھے انتخاب کیا اور انہیں لے کر طور پر پہنچے۔ جب باتیں سنیں تو کہنے لگے ہم یوں نہیں مانتے ہیں تو خدا کو متکلم کھلا دکھلائیے۔ اُن کی اس گستاخی پر حضرت موسیٰؑ کو بہت غصہ آیا۔ سب کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ آخر اس لغو درخواست کی یہ سزا ملی کہ پہلے زلزلہ آیا پھر بجلی چمکی اور وہ سب مر گئے۔ تب حضرت موسیٰؑ نے خدا سے ان کے زندہ کرنے کے لیے دُعا کی اور سب زندہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰؑ کو یہ خوف تھا کہ اگر میں تنہا جاؤں گا تو قوم ان ستر آدمیوں کو ساتھ نہ لانے پر مجھ سے مؤاخذہ کرے گی اور پھر میرے قتل پر آمادہ ہو جائے گی لہٰذا ان کے زندہ کرنے کی درخواست کرنا ضروری ہوا۔

حضرت موسیٰؑ کے اس عرض کرنے سے کہ ہم میں سے کچھ بیوقوفوں کی بات پر جا کر تُو ہلاک کر رہا ہے یہ ثابت ہوا کہ رویت کی درخواست جو جناب موسیٰؑ نے کی تھی وہ اپنی طرف سے نہیں کی تھی بلکہ کچھ احمقوں نے انہیں مجبور کیا تھا۔ اس سورہ کی آیت ۱۴۲ اور ۱۴۳ میں جو حضرت موسیٰؑ کی دعائے رویت کرنے کا ذکر ہے وہاں بنی اسرائیل کا ان کے ساتھ جانا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو بجلی چمکی تھی اس کے صرف دو اثر ہوئے تھے طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور موسیٰؑ غش کھا گئے تھے قوم کے مرنے کا وہاں کوئی ذکر نہیں۔ نیز یہ کہ پہلا واقعہ اس وقت کا معلوم ہوتا ہے جبکہ حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنا کر توریت لینے کوہِ طور پر گئے تھے اور دوسرا واقعہ جبکا ہے کہ قوم کے ستر آدمی ساتھ گئے تھے۔ یہ توریت ملنے کے بعد کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو حضرت موسیٰؑ نے رَبِّ اَرِنِیْ کی درخواست کی تھی وہ قوم کی خواہش پر کی تھی مگر انہیں ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ توریت کے بعد جب قوم نے یہ کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ خدا آپ سے باتیں کرتا ہے لہٰذا ہمیں ساتھ لے جا کر خدا کی باتیں سنوائیے۔ پہلی بار ستر آدمیوں کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جانا ثابت نہیں پس معلوم ہوا کہ بجلی گرنے کا واقعہ غالباً دو بار پیش آیا۔ ایک بار صرف موسیٰؑ اور طور پر اثر ہوا دوسری بار قوم پر۔ دوسری بار بجلی کا ذکر نہیں بلکہ صرف رجفہ یعنی زلزلہ کا ذکر ہے۔ مفسرین نے وہاں بھی بجلی گرنے سے ستر آدمیوں کی ہلاکت دکھائی ہے حالانکہ آیت سے یہ ثابت نہیں۔ اکثر مفسرین نے دونوں واقعوں کو ایک ساتھ ہی ملا کر دکھایا ہے یعنی پہلی بار ہی کی بجلی گرنے سے طور ٹکڑے ٹکڑے ہوا، موسیٰؑ بیہوش ہوئے اور قوم ہلاک ہو گئی۔ یہ قرآن کے بیان کے خلاف ہے۔ دونوں مقام کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعات میں تقدم و تاخر ہے نیز یہ کہ پہلے واقعہ میں حضرت موسیٰؑ کا رویت کی درخواست کرنا ثابت ہے لیکن دوسرے واقعہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

درانیتاً بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جب پہلے حضرت موسیٰؑ طور پر جانے لگے تھے تو قوم نے کہا تھا کہ جب خدا سے باتیں کرو تو اس سے درخواست کرنا کہ وہ اپنے کو دکھا بھی دے۔ جب توریت لے کر آئے تو قوم نے کہا کہ جب آپ نے خدا کو دیکھا نہیں تو ہم کیسے سمجھ لیں کہ جس سے آپ نے باتیں کیں اور جس نے توریت دی وہ خدا ہی تھا ہمیں طور پر ساتھ لے کر چلیے ہم اس کی باتیں سنیں گے اور خود اس کو دیکھنے کی خواہش کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ انہیں لے کر گئے اور کلام سنوایا جو ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ تب انہوں نے خود ہی درخواست پیش کی، اس درخواست میں موسیٰؑ کی شرکت نہ تھی ورنہ یہ نہ فرماتے کہ اے پروردگار تُو نے چند احمقوں کی گستاخی پر ہمیں کیوں ہلاک کیا۔

اب ایک اور بات قابلِ غور ہے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا یہاں ہلاکت میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے کو کیوں شامل کیا وہ تو ہلاک ہونے والوں میں نہ تھے۔ جواب یہ ہے کہ اپنے کو افرادِ قوم میں شامل سمجھتے ہوئے ایسا فرمایا۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اس دُنیا میں ہمارے لیے نیکی کو لکھ لے اور آخرت میں بھی ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں خدا نے فرمایا جس کو میں چاہتا ہوں (مستحق سمجھ کر) اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے میں اُسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

۱۹ ع ۹

جو لوگ ہمارے اُس نبی اُمّی پیغمبر کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت توریت و انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے بُرے کام سے روکتا ہے جو پاک چیزیں اُن پر حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور سخت احکام کا بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور جو پھندے ان پر پڑے ہوئے تھے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو یہ سب لوگ اپنی دلی مرادیں پانے والے ہیں۔

رسول کی صفات

لفظ اُمّی کے معنی اَن پڑھ اور جاہل کے ہیں رسول کے لیے یہ لفظ اس معنی میں نہیں استعمال کیا گیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ انہوں نے دنیا میں کسی اُستاد سے کچھ پڑھا لکھا نہیں بلکہ وہ خدا کے یہاں سے پڑھے پڑھائے اور سیکھے سکھائے آئے ہیں یا یہ کہ اُمّ القُریٰ مکہ کے رہنے والے ہیں۔

توریت اور انجیل میں حضورؐ کے صفات درج تھے مثلاً توریت میں یہ تھا (ترجمہ) "احمد تقسیم کرنے والا جہاد کرنے والا اونٹ پر سوار ہوگا اور شملہ کو لٹکائے گا اور اس سے بارہ بزرگ پیدا ہوں گے اور میں اس کو ایک عظیم الشان اُمت کے لیے نامزد کروں گا۔" کیسی کھلی ہوئی بشارت ہے۔ اور انجیل میں تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول بن کر تمہارے پاس آیا ہوں اور جو کتاب میرے سامنے ہے (توریت) اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔"

یہود و نصاریٰ کے علماء نے ازراہِ تعصب تمام بشارتوں کو نکال دیا اور اپنی طرف سے حضرتؐ کی شان میں نامناسب الفاظ لکھ دیئے۔ جو صفات حضرتؐ کی ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ سب توریت و انجیل میں تھیں۔ اس آیت کے آخری حصہ میں ایمان والوں کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ (جنہوں نے اس نور کی پیروی کی جو اس رسول کے ساتھ ساتھ نازل ہوا ہے)۔ مفسرین نے نور سے مراد قرآن لیا ہے لیکن قرآن حضرتؐ کے ساتھ نازل نہیں ہوا بلکہ چالیس سال بعد نازل ہوا تھا۔ دوسرے اتباع کے معنی قدم بقدم چلنے کے ہیں۔ یہ اطاعت کی ایک عملی صورت ہے۔ قرآن کوئی جاندار چیز نہیں جو قدم بقدم چلے۔ اس سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے نہ کہ عملی صورت۔ مثلاً قرآن سے نماز پڑھنے کا حکم تو حاصل ہوتا ہے لیکن عملی صورت وہ نہیں دکھاتا۔ علمائے شیعہ نے اس نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام کو لیا ہے جن کا نور، نورِ رسالتؐ کے ساتھ نازل ہوا اور رسولؐ نے اُمت کو

ان کی پیروی کا حکم بھی دیا۔

مسلمان مفسروں نے جابجا اُمّی کے معنی جاہل اور اَن پڑھ لیے ہیں۔ ان کے عقیدہ پر اس خیال سے ذرا بوجھ نہیں پڑا کہ ایک ایسے رسول کو جو سرتاج انبیاءؑ و مرسلین ہے جاہل کہہ لیں (نعوذ باللہ) ایک رسول کے لیے کیا خوبی کی بات ہے کہ وہ چالیس سال تک جاہل رہے پھر یکایک نبی بنتے ہی عالم ہو جائے۔ ان آیات کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہلے رسول سے کی گئی ہے پھر نبی سے پھر اُمّی سے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جو رسول و نبی پہلے ہو پھر اس کی صفت اُمّی (جاہل) ذکر کرنا کون سی خوبی ہے۔ رسول اور نبی جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ رسول ہیں نبی ہیں اور مکہ والوں میں سے ہیں۔ رسول کا مرتبہ نبی سے افضل ہے پس اس کے بعد نبی کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ رسول فرشتہ بھی ہوتا ہے۔ حضورؐ وہ رسول تھے جن کا تعلق نبوت سے ہے۔ چونکہ ہر نبی کو اس کی قوم ہی میں سے بھیجا جاتا ہے لہٰذا رسول اور نبی کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ وہ مکہ والوں میں سے ہیں تاکہ ان کی قوم کا پتہ چل جائے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاْ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اے رسول تم لوگوں سے کہو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہُوا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے پس اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نبی اُمّی ہے جو خود بھی اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ
اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا
عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ ہم نے (بنی اسرائیل میں) ایک دادا کی اولاد کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور جب قوم موسیٰ نے پانی کی خواہش کی تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (اس کا مارنا تھا کہ) اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر ایک قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر مَن وسلویٰ نازل کیا اور کہہ دیا کہ لوگو جو پاک رزق ہم نے دیا ہے اُسے کھاؤ۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تین احسان گنائے ہیں جو بنی اسرائیل پر خصوصیت سے کیے گئے۔

جب بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں جو ایک وسیع بیابان تھا پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی اس کثیر جماعت کے لیے زیادہ پانی ملنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا دوسرے اس لق و دق میدان میں کھانے پینے کا سامان کہاں سے آتا تیسرے سایہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اگر پروردگارِ عالم اپنے فضل و کرم سے ان کو ان تکلیفوں سے نہ بچاتا تو سب وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتے سب سے پہلے پانی کا بندوبست کرنا تھا۔ قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا بتائیے یہاں پانی کہاں سے آئے جو اِدھر اُدھر سے بڑی کاوش سے لاتے ہیں وہ ہماری ضروریات کو کیسے پورا کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دُعا کی، وحی ہوئی پتھر پر عصا مارو۔ چنانچہ ایک چٹان پر عصا مارا تو اس سے ایک چشمہ بڑی تیز دھار کے ساتھ پھوٹ نکلا۔ لیکن ایک چشمہ پر جب لاکھوں آدمی ٹوٹ پڑیں تو جھگڑا ہونا یقینی تھا۔ خدا نے اپنی رحمت سے اس چشمہ سے بارہ دھاریں نکال دیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ہر ایک قبیلہ نے ایک دھار کو اپنا گھاٹ بنا لیا۔ چلو یہ قصہ تو یوں ختم ہُوا۔ اب رہا دھوپ کا معاملہ، وہ تھا آفتاب کی تپش سے بچنے کا۔ خدا نے اس سے بچانے کے لیے ان کے سروں پر بادل کا سایہ کر دیا۔ اب پیٹ کی پوجا کا معاملہ باقی رہا۔ خدا نے اپنی رحمت سے من و سلویٰ نازل کر کے یہ تکلیف بھی دُور کی۔

ان سب احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی غلط کاریوں سے باز آ جاتے مگر ان کے سروں پر تو شیطان سوار تھا کچھ بھی اثر نہ ہُوا۔ روز صبح کو روٹی پر ایک بھُنی ہوئی بٹیر رکھی مل جاتی تھی جو ایک آدمی کی شکم سیری کے لیے کافی ہوتی تھی۔

حکم خدا یہ تھا کہ صبح کو جا کر ایک ایک روٹی اٹھا لاؤ زیادہ کی ہوس نہ کرو۔ مگر وہ کہاں ماننے والے تھے جو پہلے جاتا وہ اس خیال سے زیادہ اٹھالاتا۔ اسہادا کل بند ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ من وسلویٰ کا نزول ختم ہو گیا۔ جو لوگ خدا کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا
حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ
الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾

جب ان سے کہا گیا اس گاؤں (ایلہ) میں جا کر رہو اور اس کے پھل پھلاری جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ اور منہ سے حطہ (بخشدے) کہتے ہوئے اور دروازہ پر سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے۔ تو ان ظالموں نے جو ان سے کہا گیا تھا اسے بدل کر کچھ اور کہنا شروع کر دیا۔ پس ہم نے ان کی شرارتوں کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (یہ واقعات سورہ بقرہ، جلد اوّل میں بیان ہو چکے ہیں۔)

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي
السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ
لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾

(اور اے رسول ان سے) ذرا اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو دریا کے کنارے واقع تھا جب یہ لوگ شنبہ کے دن زیادتی کرنے لگے یعنی جب شنبہ کا (عبادت والا) دن ہوتا تو مچھلیاں سمٹ کر آجاتیں اور جب شنبہ کا دن نہ ہوتا تو پاس نہ پھٹکتیں چونکہ یہ لوگ بدچلن تھے لہٰذا ہم بھی یوں ہی ان کی آزمائش کیا کرتے ہیں۔

(یہ واقعہ بھی سورہ بقرہ، جلد اوّل میں گزر چکا ہے۔)

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا
مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا
بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا
لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ
وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾

ان لوگوں کی ایک جماعت نے (جو شکار کو منع کرتے تھے) کہا انہیں کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں خدا ہلاک کرنا یا سخت عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ فقط تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں اپنے کو الزام سے بچانے کے لیے (کہ میری طرف سے کیوں نہ منع کیا) ہم ایسا کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ پرہیزگار بن جائیں پس جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اسے انہوں نے بھلا دیا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور جو لوگ بدچلن تھے ان کو ان کی بدکاری کی وجہ سے سخت عذاب میں گرفتار کر لیا جس امر میں انہیں روکا گیا تھا جب اس میں سرکشی سے کام لیا تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔ اور خدا نے (بنی اسرائیل کو) تاکید کے ساتھ آگاہ کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے حاکم کو مسلط رکھے گا جو ان کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتا رہے گا لہٰذا تمہارا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور (اس کے ساتھ) وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

(یہ واقعہ بھی سورہ بقرہ، جلد اوّل میں لکھا جا چکا ہے۔)

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ
وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِن

بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ
سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ
مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ
وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (١٦٩) وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ
بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (١٧٠)

پھر ہم نے ان کو روئے زمین پر منتشر کر دیا ان میں سے کچھ لوگ تو نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں یعنی بدکار ہیں۔ ہم نے ان کو رنج و راحت دونوں میں آزمایا تاکہ وہ شرارت سے باز آئیں۔ ان کے بعد ان کے کچھ ناخلف جانشین ہوئے جو کتابِ خدا (توریت) کے وارث بنے مگر انہوں نے احکام خدا کو بدل کر اس کمینی دنیا کے سامان کو لے لیا اور کہتے ہیں ہم تو عنقریب بخش دیئے جائیں گے (جو لوگ ان پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے پاس بھی ایسا ہی مال آجائے تو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب خدا نے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ خدا کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے اور جو کچھ کتاب میں تھا وہ انہوں نے پڑھ بھی لیا تھا اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ جو لوگ کتاب خدا سے تمسک کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی تو ہم یقیناً اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ ناخلف لوگوں سے مراد وہ یہودی ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھے۔ ھٰذَا الْاَدْنٰی سے مراد یہ ہے کہ جو مقدمہ ان کے سامنے آتا اس میں رشوت لے کر احکام خدا کے خلاف فیصلہ کر دیتے اور جس عمل سے روکتے خود اسی کو کرنے لگتے ان کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ مالِ دنیا کو جمع کر کے عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ توریت کو پڑھتے تو تھے مگر اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق انہیں نہ ہوتی تھی جب بداعمالیوں پر انہیں ٹوکا جاتا تھا تو بظاہر شرمندہ ہو کر کہتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ ہماری خطاء بخش دے اب ایسا نہ کریں گے لیکن جب کبھی پھر کچھ ہاتھ لگتا تو اپنا عہد و پیمان بھول کر جھٹ اُسے لے لیتے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (١٧١)

جب ہم نے ان کے سروں پر کوہِ طور کو اس طرح لٹکا دیا تھا گویا سائبان تھا اور وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ان کے سر پر اب گرا۔ ہم نے انہیں حکم دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (یہ واقعہ سورۂ بقر، جلد اوّل میں بیان کیا جا چکا ہے۔)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (١٧٢) اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ
كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (١٧٣) وَكَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (١٧٤)

جب (یوم الست) اے رسول تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذرّیت کو نکالا اور ہر ایک کو اپنے اپنے نفس پر گواہ بنا کر کہا کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں سب نے کہا بیشک تُو ہمارا رب ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ روز قیامت تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے (یعنی نہیں جانتے تھے کہ ہمارا رب کون ہے) یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے آباؤ اجداد ہی نے پہلے شرک کیا تھا ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تو کیا تُو ہمیں ان کے جُرم کی سزا میں ہلاک کرے گا۔ ہم اپنی آیتوں کو یوں ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ اپنی غلطی سے باز آئیں۔

یہ واقعہ عہدِ الست کا ہے اللہ نے جتنی مخلوق قیامت تک پیدا ہونے والی تھی ان کے اجزائے اصلیہ کو جو ذرّوں کی صورت میں حقیقتِ انسانیہ تھے اپنے سامنے حاضر کیا تاکہ عالم ظہور میں لانے سے پہلے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے لے۔ تاکہ عالمِ وجود میں جا کر کفر اگر اختیار کریں اور روز قیامت اس کی باز پرس ہو تو یہ نہ کہیں کہ ہم کو کیا معلوم تھا کہ ہمارا رب کون ہے یا یہ کہیں کہ ہمارے باپ دادا مشرک تھے ہم انہی کے قدم بقدم چلتے رہے لہٰذا یہ باز پرس اُنہی سے کی جائے ہم نے تو

جیسا انہیں کرتے دیکھا ویسا ہی کیا۔ اسی لیے تمام مخلوق کو حاضر کر کے سب کے سامنے اقرار ربوبیت کرالیا گیا اب کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اپنے رب کا علم نہ تھا۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ صاحبِ شعور تھے جب ہی تو انہوں نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ دوسرے یہ کہ عالم ذر میں ان کی پرورش ہو رہی تھی۔ یہ پرورش کس شان سے کی جا رہی تھی اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ خدا نے اس مخلوق کو کہاں رکھا ہے یہ بھی کسی کے علم میں نہیں۔ اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد پھر دنیا میں آ کر کسی کا کافر ہو جانا معاہدہ الست کے خلاف ہوگا۔

وہ اجزائے اصلیہ جن سے اقرار لیا گیا فطرتِ انسانی کا سنگِ بنیاد تھے جن سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت فطرتِ انسانی کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے پس جو بچہ پیدا ہوگا وہ یقیناً فطرتِ اسلام پر پیدا ہوگا۔ بعد میں اس کے ماں باپ چاہے یہودی بنا لیں، نصرانی بنا لیں یا مجوسی بنا لیں۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ عالم ذر میں سب سے پہلے جس نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا وہ میں تھا۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ خدا نے لوگوں سے صرف اپنی ربوبیت کا اقرار ہی نہیں لیا بلکہ میری رسالت اور علیؑ کی ولایت کا بھی اقرار لیا۔

خدا نے سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا خالقیت کا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی خلقت کی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ اسے کیا معلوم کس نے پیدا کیا ہے اور کیسے پیدا کیا ہے لیکن ہاں خلقت کے بعد جس طریقہ سے اس کی پرورش ہوتی ہے اس کو جان سکتا ہے اور گواہی دے سکتا ہے۔ دوسرے ربوبیت خدا کا انسان پر سب سے بڑا احسان ہے کیونکہ انسان کے پرورش کرنے میں خدا کی بے شمار مخلوق اس کی رزق رسانی کے لیے اپنی اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ خدا نے جو اٹھارہ ہزار عالم بنائے ہیں یہ سب بقائے نوعِ انسان کے لیے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ سورۃ الحمد میں سب سے پہلے اپنی جو صفت خدا نے ذکر فرمائی ہے وہ ربّ العالمین ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ
يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ان لوگوں کو اس شخص (بلعم باعور) کا قصہ سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں لیکن وہ ان سے نکل بھاگا شیطان نے اس کا پیچھا کیا پس وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی وجہ سے اُسے بلند مرتبہ بنا دیتے لیکن وہ تو زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ اس کی مثال اُس کتے کی ہے کہ اُسے دھتکارو تو بھی زبان نکالے رہے یا چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہ اُن لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اے رسول ان سے قصوں کو بیان کرو تاکہ یہ فکر و غور سے کام لیں کیا بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھاتے رہے۔ جس کو اللہ ہدایت کرے پس وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو وہ گھاٹے میں ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور تھا جس کو کتاب خدا کا کافی علم تھا اور وہ اُن پر عمل بھی کرتا تھا عبادت بھی بہت کرتا تھا جس کے صلہ میں اس کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ فرعون نے ایک دن اس سے کہا کہ تو یہ دُعا کر کہ میں موسیٰ پر غالب آ جاؤں اور بہت سی دولت دینے کا وعدہ کیا۔ مالِ دُنیا کی طمع اس پر غالب آئی اور اُس سے وعدہ کر لیا۔ جب اپنے گدھے پر سوار ہو کر دُعا کرنے کے لیے اپنی خانقاہ کی طرف چلا تو گدھے نے چلنے سے انکار کر دیا۔ بلعم نے ہر چند اُسے مارا پیٹا لیکن اس نے قدم نہ اٹھایا۔ آخر اس بدبخت نے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ خدا کی طرف سے بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی دُعا کا اثر جاتا رہا۔

اگر وہ حرص میں مبتلا ہو کر شیطان کے فریب میں نہ آگیا ہوتا تو خدا اس کے روحانی مرتبہ کو اور بلند کرتا۔ خدا نے اس کی مثال کتے سے دی ہے جو بہت زیادہ حریص ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دُنیا کا کتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنا منہ کھولے اور زبان نکالے رہتا ہے اگر تم پتھر مارو تو وہ فوراً بھاگ کر منہ میں بھر لے گا کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ بلاؤ تو اس لیے دوڑا چلا آئے گا کہ شاید مجھے کچھ کھانے کو دے۔ اُسے مارو تب بھی اس خیال سے منہ کھولے رہے گا کہ شاید یہ شخص مہربان ہو کر کچھ کھلا دے۔

بلعم کا قومِ موسیٰ میں بڑا اعزاز تھا۔ لوگ اُسے اپنی قوم کا ایک پاک نفس انسان مانتے تھے۔ کم بخت نے ذرا سی حرص کے پیچھے اپنا سارا وقار خاک میں ملا دیا۔ حریصوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ بلعم کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اُسے اسمِ اعظم دیا گیا تھا لیکن یہ غلط ہے اسمِ اعظم معصوم کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا
يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا
يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ
اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ
يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع ۲۲ ۱۲

ہم نے جہنّم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے ان کے دل تو ہیں لیکن (حق بات کو) سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے دیکھتے ہی نہیں ان کے کان تو ہیں لیکن ان سے سُنتے ہی نہیں یہ تو بالکل جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ یہی لوگ (امر و نہی ہیں) غفلت کرنے والے ہیں۔ تمام اچھے نام تو خدا ہی کے لیے ہیں انہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پالیں گے اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔

خدا کے ناموں میں کفر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جن ناموں سے شرع نے خدا کے یاد کرنے کی اجازت دی ہے ان سے اُسے یاد نہیں کرتے جیسے عرب کے لوگ خدا کو ابوالمکارم کہہ کر دعا مانگتے تھے اور نصاریٰ ابوالمسیح یا حکما علت اول کہتے تھے یا یہ کہ اللہ کے نام سے مشتق کر کے اس کا نام رکھنا۔ جیسے اللہ سے لات بنایا اور عزیز سے عزیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے خدا کا کوئی نام تجویز نہ کرے خواہ وہ اسم ذاتی ہو یا صفاتی۔ مثلاً ہم کو سخی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ جواد کہنا چاہیئے یا حبیب کی جگہ معشوق یا عاشق نہیں کہہ سکتے۔

حدیث رسولؐ ہے میں تیری تعریف کا احصا نہیں کر سکتا میں تیری ثنا ان ہی اسماء سے کرتا ہوں جن سے تو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔ اس کی ممانعت اس لیئے ہے کہ انسان اپنی طرف سے جو نام تجویز کرے گا وہ اپنے تصوّر کے لحاظ سے کرے گا اور انسان کے تصوّر میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔

اسماءِ حسنیٰ یا اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن سے خدا کی عظمت۔ اس کی برتری اور تقدس و پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہو۔ الحاد کے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے، پس جو لوگ ہٹ دھرمی سے خدا کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں اور سمجھانے سے مانتے نہیں تو اُن کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

خدا نے اپنی مخلوق کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جو دینِ حق کی ہدایت کرتے ہیں اور معاملات میں انصاف سے کام لیتے ہیں یہی لوگ ناجی ہیں۔ دوسرے گروہ میں وہ سب داخل ہیں جو ہدایت اور انصاف کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ میرے بعد میری اُمت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان میں بہتّر جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا اور یہ وہی ہوگا جس کے متعلق خدا نے فرمایا ہے وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ الخ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ ۚ وَاُمْلِيْ
لَهُمْ ط قف اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ
جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لا وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
اَجَلُهُمْ ج فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ م بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو بہت جلد آہستہ آہستہ جہنّم کی طرف لے جائیں گے اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی ہم انہیں (دُنیا میں) ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری تدبیر بڑی پختہ اور مضبوط ہے۔ (افسوس ہے) ان لوگوں نے اتنا بھی تو خیال نہ کیا کہ ان کے رفیق (محمدؐ) کو کچھ جنون تو ہے نہیں وہ تو کھُلم کھُلا عذاب سے ڈرانے والے ہیں کیا انہوں نے آسمان و زمین کی حکومت اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر بھی غور نہیں کیا اور نہ اس پر کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو تو بھلا اتنا سمجھانے کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یعنی یہ کفار و مشرکین جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں نہایت بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں ان کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ کیا کوئی مجنون آدمی ایسی عقل و حکمت کی باتیں بتا سکتا ہے جیسی ہمارا رسول بیان کرتا ہے۔ یہ ہماری آیات کو

کہاں تک جھٹلائیں گے آسمان و زمین میں ہماری حکومت کی بیشمار نشانیاں ہیں ہر چیز سے ہماری قدرت کا اظہار ہو رہا ہے پھر بھی یہ ہماری خدائی کے قائل نہیں ہوتے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ بھلا اب اس سے زیادہ اور کون سی نشانی ایمان لانے کے لیے یہ لوگ چاہتے ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا
يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ڼ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ
اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں (وہ ایسے لوگوں کو) ان کی گمراہی میں چھوڑ دے گا کہ سرگرداں و پریشاں رہیں لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کہیں تھل بیڑا بھی ہے کہدو اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کر دے گا وہ آسمانوں اور زمین میں ایک بڑا کٹھن وقت ہوگا وہ تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تم اس سے خوب واقف ہو تم کہدو اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

گمراہی میں چھوڑ دینے کے یہ معنی ہیں کہ جب خدا کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا فلاں بندہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے اپنی توفیقات سلب کر لیتا ہے۔ قیامت کے متعلق بار بار لوگ حضورؐ سے آکر پوچھتے تھے کہ آخر وہ کب آئے گی۔ آپؐ خدا کے رسول ہیں آپ کو اس کا علم ہونا چاہیئے۔ اس کے جواب میں خدا نے رسولؐ کو یہ وحی کی کہ تم کہہ دو کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

قیامت کا وقت پوشیدہ رکھنے میں خدا کی یہ مصلحت ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں اس کی آمد کے خوف سے اعمالِ نیک کرتے رہیں اور ان برائیوں سے بچتے رہیں۔ یاد خدا سے غافل نہ ہوں۔ اگر بالفرض وہ رسولؐ کو بتا دیتا کہ دو ہزار برس بعد آئے گی تو لوگ بے فکر ہو جاتے کہ ابھی تو بہت دور ہے۔ ہمارے بعد نہ معلوم کتنی مخلوق اور پیدا ہوگی ہمیں کیا ڈر۔ جن کے زمانہ

میں آئے گی وہ جانیں اور ان کا کام۔ اور جو لوگ اس زمانہ سے قریب ہو جاتے وہ اس کے خوف و دہشت میں تمام کاموں کو چھوڑ بیٹھتے ہر وقت اس کا ذکر کرتے اس سے تمام معاشرتی و تمدنی نظام گڑبڑ ہو جاتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ
الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ښ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ
وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

اے رسول جو لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں (ان سے) کہدو کہ میں خود اپنے معاملہ میں نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف چھو بھی نہ جاتی میں تو صرف ایمانداروں کو عذاب سے ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

اس مسئلہ میں کہ آیا رسولؐ غیب دان تھے یا نہیں۔ اس آیت سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالذات حضرت کو غیب کا علم نہ تھا لیکن جب خدا کی طرف سے ان کو غیب کی خبریں دے دی جاتی تھیں تو ان کو بیان فرما دیتے تھے۔ جہاں اور تمام علوم ان کو خدا کی طرف سے دیئے گئے غیب کا علم بھی دیا جاتا تھا۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ کا یہی مطلب ہے۔ بالذات غیب دان تو خدا کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اپنے منتخب بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا حال بتا دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ
اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ
دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ
اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾
اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (۱۹۲) وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (۱۹۳)

وہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدم) سے پیدا کیا پھر اس کی (بچی ہوئی مٹی سے) بی بی کو پیدا کیا تاکہ اس کے ساتھ رہے۔ پھر جب انسان اپنی بی بی سے ہم بستری کرتا ہے تو بی بی ایک ہلکے سے حمل سے حاملہ ہو جاتی ہے اور اسے لیے چلتی پھرتی ہے جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی نے اپنے پروردگار سے دعا کی اگر تو ہمیں نیک فرزند عطا فرمائے گا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے جب ہم نے فرزند صالح عطا فرما دیا تو لگے اس میں خدا کا شریک بنانے۔ خدا کی شان شرک سے بہت بلند ہے کیا یہ لوگ ایسوں کو خدا کا شریک بتاتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، نہ وہ ان کی مدد کی قدرت رکھتے ہیں نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اگر تم انہیں ہدایت کے لیے بلاؤ گے بھی تو تمہاری پیروی نہیں کرنے کے۔ تمہارے لیے برابر ہے چاہے تم ان کو بلاؤ یا چپ چاپ بیٹھے رہو۔

اس قصہ کی ابتداء اگرچہ آدمؑ سے ہوئی ہے لیکن بعد میں ان کی اولاد کا ذکر شروع کر دیا ہے اس لیے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ میں يُشْرِكُوْنَ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تاکہ سب اولاد شامل ہو۔ اس سے پہلے تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں عام میاں بی بی کی حالت بیان کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کا نام پیر بخش، سالار بخش، مدار بخش وغیرہ رکھتے ہیں یعنی خدا نے نہیں دیا بلکہ پیر، سالار یا مدار نے دیا ہے۔ ہاں اگر یہ مقصد نہیں بلکہ صرف نام رکھنا مقصود ہو یا صرف حصول برکت کے لیے ایسا کر لیا ہو تو شاید اس میں مضائقہ نہ ہو۔ جیسے لوگ حسین بخش یا علی بخش نام رکھ لیتے ہیں محض برکت کے لیے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ حسینؑ نے بخشا ہے یا علیؑ نے بخشا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے نام نہ رکھے جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۹۴) اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ
يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ (۱۹۵)

خدا کو چھوڑ کر تم لوگ جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے خدا کے بندے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو تو کیا وہ تمہاری بات سن کر جواب دیں گے۔ کیا ان کے ایسے پیر ہیں جن سے چلتے ہوں یا ایسے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو پکڑ سکتے ہوں کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے کسی چیز کو دیکھتے ہوں یا ایسے کان ہیں جن سے کوئی بات سنتے ہوں (ان میں سے کوئی طاقت ان کے پاس نہیں) کہدو تم اپنے سب شریکوں کو بلاؤ پھر مل کر مجھ پر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔ یعنی وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

بت پرستوں سے کہا جا رہا ہے کہ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو یہ سب ناکارہ ہیں۔ تم نے ان کو صاحب اعضا بنا تو دیا ہے لیکن ان کے اندر خدا کی پیدا کردہ قوتیں کہاں سے پیدا کرو گے۔ تمہاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے بے حس بے جان بے عقل مجسمے ہیں یہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں اور ہمارے رسول کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔
جب حضورؐ نے مشرکین عرب کے ان بتوں کی مذمت کی جن کو وہ خدا مانتے تھے تو انہوں نے کہا آپ ان کی مذمت نہ کریں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (۱۹۶) وَالَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (۱۹۷)
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۹۸) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۱۹۹)
وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۰۰)

بیشک میرا ولی وہ خدا ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک بندوں کا مددگار ہے۔ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ نہ تو تمہاری مدد پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ گے بھی تو یہ سننے ہی کے نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری

طرف آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے ہی نہیں (اے رسول) تم ان سے درگزر کرو۔ اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری (امت کے) دل میں کسی طرح کا دغدغہ پیدا ہو تو تم خدا سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے۔

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ ۔ میں بظاہر دغدغہ کی نسبت رسولؐ کی طرف ہے لیکن مراد امتِ رسولؐ ہے کیونکہ رسولؐ پر شیطانی دغدغہ اور وسوسہ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کفار و مشرکین کی گستاخانہ باتوں سے نبی کے دل میں کسی وقت اشتعال پیدا ہو تو وہ اس کو شیطانی کارروائی سمجھ کر اسی وقت خدا سے پناہ مانگ لیں تاکہ جوش میں کوئی امر ایسا سرزد نہ ہو جس سے کارِ تبلیغ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے اور یہ کام ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم
مُّبْصِرُونَ (٢٠١) وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ (٢٠٢) وَ
إِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ
إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (٢٠٣)

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب انہیں شیطان کا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ چونکتے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (کہ ان کے لیے صحیح طریقۂ کار کیا ہے)۔ رہے ان کے بھائی بند (یعنی شیاطین کے) تو وہ انہیں کجروی کی طرف کھینچے لیے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ (اے رسول) جب تم ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں تم نے (خود) کیوں نہیں بنا لیا (اے رسول) ان سے کہدو میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتی ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے (حقیقت کی) دلیلیں ہیں اور ایماندار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبانِ تقویٰ کی حالت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت ہر قسم کی برائی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اگر کبھی ہلکا سا خیال بھی ان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو انہیں اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے پس وہ یکایک چونک پڑتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ اس خیالِ فاسد کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ پرِ مگس کے برابر بھی ان کے دل میں غبار کا نشان پایا جائے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ عذابِ خدا سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی برا خیال چاہے کتنا ہی کم ہو بڑھتے بڑھتے ایک دن عملی صورت میں آ سکتا ہے اور انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اسی لیے شریعت نے حکم دیا ہے کہ اگر ایک چھینٹ پیشاب کی پڑ جائے تو ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھو اگرچہ بظاہر وہ کوئی بڑی نجاست نہیں لیکن بڑی نجاست کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اگر کسی نے ایک چھینٹ برداشت کر لی تو پھر رفتہ رفتہ وہ ہر نجاست کو برداشت کرے گا۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اگر خدا کی طرف سے آیت نہیں نازل ہوتی تو اپنی طرف سے بنا لو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقتِ نبوت کو سمجھے ہی نہ تھے وہ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ نبی کا ہر قول و فعل وحی کے مطابق ہوتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٢٠٤) وَاذْكُر
رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (٢٠٥) إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (٢٠٦) ع السجدة

جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنا جائے اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کو گڑگڑا کے اور ڈر ڈر کے اور بہت چیخ کر نہیں دھیمی آواز سے صبح و شام یاد کیا کرو (اس کی یاد سے) غافل نہ ہو جاؤ۔ بے شک جو لوگ (فرشتے وغیرہ) تمہارے پروردگار کے مقرب ہیں وہ عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین جب کسی کو قرآن پڑھتے سنتے تھے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے، یہ کلامِ خدا کی توہین تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہو تو کان لگا کر سنو

اور چپ چاپ رہو اسی لیے مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب نماز جماعت میں امام قرأت کر رہا ہو تو کان لگا کر سنتے رہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر چیخ چیخ کر نہ کریں بلکہ اس سے ڈر کر نہایت توجہ قلب کے ساتھ رو رو کر دعا مانگیں اور اس کا ذکر کریں۔ چیخ چیخ کر ایسا کرنا دوسروں کی ناپسندیدگی کا باعث ہوگا۔

---

(۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ (١) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا
تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (٢) الَّذِيْنَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (٣)

اے رسول لوگ تم سے انفال (مالِ غنیمت) کے بارہ میں پوچھا کرتے ہیں تم ان سے کہدو کہ مالِ غنیمت اللہ و رسول کا حق ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر مؤمن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو سچے مؤمن تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب خدائی آیات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں وہ وہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سورۃ میں خدا نے سب معاشرتی اور تمدنی امور ذکر فرمائے ہیں۔ جنگِ بدر کا قصہ، ابولبابہ کی توبہ، ہجرت کا واقعہ، قرآن کا مقابلہ اور نافرمانی، غنیمت کا حکم، نزاع کے نقصانات، خدا بغیر زیادتی کے کن سے نعمتیں روک لیتا ہے

کفار کی مذمت، بزدلی کی برائی، صلح چاہنے والوں سے صلح کرنے کا حکم۔

انفال نفل کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور عرفاً مالِ غنیمت کو کہتے ہیں۔ شرعاً انفال چند چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ (۱) جو مال دار الحرب سے بغیر لڑائی کے مل جائے۔ (۲) زمین جس کے باشندے بغیر لڑے جلا وطن ہو گئے ہوں۔ (۳) وہ زمین جو کفار خوشی سے مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ (۴) نیستان، صحرا، رود خانہ جو کسی کی ملک نہ ہوں۔ (۵) جس بستی کے تمام باشندے مر جائیں۔ (۶) پہاڑوں کے نیچے کی زمین۔ (۷) گھاس وغیرہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ (٤) كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (٥) يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ
اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ (٦)

یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے خدا کے یہاں درجات ہیں بخشش ہے اور عزت و آبرو کے ساتھ روزی ہے۔ (بس مالِ غنیمت کے معاملہ میں بھی وہی صورت پیش آ رہی ہے جیسی اس وقت پیش آئی تھی) جب (اے رسول) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ (جنگِ بدر کے لیے) تیرے گھر سے نکال لایا تھا۔ مومنوں کا ایک گروہ اس (جنگ) سے ناخوش تھا۔ حق بات ظاہر ہونے کے بعد بھی وہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے (اور یہ سمجھتے تھے) گویا موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ واقعہ جنگِ بدر کا ہے۔ جب مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی اور مالِ غنیمت اور قیدیوں پر قبضہ ہوا تو ایک نئی مشکل پیدا ہو گئی۔ اس جنگ میں مسلمان تین ٹکڑیوں میں تقسیم تھے۔

۱۔ جو لوگ حضرتؐ کی حفاظت پر متعین تھے بطور باڈی گارڈ کے ان کے سردار سعدؓ بن معاذ تھے۔
۲۔ جو کفار سے میدان میں جا کر لڑتے تھے جیسے حضرت علیؑ و حمزہؓ وغیرہ۔
۳۔ کچھ لوگ میدانِ جنگ میں مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔

ان میں سے ہر گروہ مالِ غنیمت کا مستحق اپنے کو سمجھتا تھا۔ پہلا گروہ کہتا تھا اگر ہم نہ ہوتے اور کفار حضرتؐ پر حملہ کر دیتے تو اسلام کا قصہ ہی ختم تھا۔ دوسرا گروہ کہتا تھا فتح ہمارے بازوئے شمشیر زن سے ہوئی ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو مسلمان

کو شکست ہو جاتی۔ تیسرا گروہ کہتا تھا مالِ غنیمت جمع کرنے میں ہم کو بڑی تکلیف ہوئی ہے خدا نے اس کا فیصلہ یہ کیا کہ مالِ غنیمت خدا و رسولؐ کا حق ہے وہ جس کو جتنا چاہیں دے دیں اس میں کسی کو جھگڑا کرنے کا حق نہیں۔

بدر کی لڑائی ۲ھ میں ہوئی۔ مدینہ میں آکر ابھی مسلمان اپنی حالت درست کرنے بھی نہ پائے تھے کہ خبریں آنے لگیں کہ کفارِ قریش یلغار کرنے والے ہیں۔ یہ امر حضرتؐ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ تشویش تھا۔ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ دوسرے مسلمانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو لڑائی کے خلاف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ سے باہر جا کر دشمن سے مقابلہ کریں بلکہ ان کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں اور جب دشمن لڑنے کو آئے تو یہیں لڑیں۔ یہ تو بہانہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بزدلی ان پر غالب آگئی تھی۔ چونکہ جنگ کا یہ پہلا موقع تھا اور سامانِ جنگ بہت ہی کم تھا لہٰذا دشمنوں کا خوف ان پر غالب آچکا تھا۔ وہ مدینہ سے نکلنا ایسا سمجھتے تھے گویا موت کے منہ میں کھینچے ہوئے جا رہے ہیں لیکن خدا و رسولؐ کی رائے مسلمانوں کے خلاف تھی۔ چند لوگ ایسے تھے جن کی شجاعت پر حضرتؐ کو پورا پورا اعتماد تھا۔ ان میں سب سے آگے حضرت علیؑ تھے۔ جو اسلام کے بازوئے شمشیر زن تھے۔ ان ہی چند بہادروں کے سہارے رسولؐ کو کفار پر غالب آنے کا یقین تھا۔ چنانچہ حضرتؐ کا خیال پورا ہوا۔ جنگِ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے ان میں سے آدھے یعنی ۳۵ اور بعض کے نزدیک ۳۶ صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اگر حضرت علیؑ اس جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی۔ کیونکہ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد کل ۳۱۳ تھی اور کفار ایک ہزار سے زائد تھے۔ دوسرے مشرکین میں بہت سے جوان بڑے جنگجو اور نبرد آزما تھے۔ پھر ان کے ساتھ راحت و آرام کے سارے سامان موجود تھے۔ جنگی سامان بھی ان کے پاس خاصہ تھا۔

مسلمانوں پر جب بزدلی کا غلبہ دیکھا تو ان کو قوی دل بنانے کے لیے ملائکہ کی فوج بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اس جنگ میں سب سے پہلے جو اسلام کے نامور سپاہی میدانِ جنگ میں لشکرِ اسلام سے نکل کر آئے وہ بنی ہاشم کے مایۂ ناز مجاہد تھے۔ ان میں ایک حضرت علیؑ تھے۔ دوسرے حمزہؓ بن عبدالمطلب تیسرے عبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب۔ حضرت عبیدہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ قریش کا نامور سردار اور بانیٔ فساد اور اسلام کا پکا دشمن ابوجہل بھی اس جنگ میں مارا گیا۔

الغرض ان آیتوں میں مسلمانوں سے کہا جا رہا تھا کہ جس طرح جنگ کرنے کے بارہ میں تمہارا اختلاف تھا اسی طرح اب تم مالِ غنیمت کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہو۔ بس یہ سمجھو کہ جنگ کے متعلق جس طرح تم نے رسولؐ کا حکم مان کر جنگ کی اور تم کو کامیابی ہوئی اسی طرح تم مالِ غنیمت کے سلسلہ میں بھی رسول کے کہنے پر عمل کرو گے تو تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو گا۔ رسولؐ ہر ایک کی کارگزاری سے خوب واقف ہیں جس نے اسلام کی جیسی خدمت کی ہو گی رسولؐ اسی کے لحاظ سے مالِ غنیمت سے اس کو حصہ دیں گے۔ تمہاری مرضی کے مطابق تقسیم نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں تم آپس میں لڑ پڑو گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کی جائے وہ غلطی پر تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مدینہ تباہ ہو جاتا اور بہت سی عورتیں اور بچے قتل ہو جاتے۔ دشمن یکایک شہر کے اندر گھس پڑتا اور حملہ بول دیتا اس وقت مسلمان جو اپنے اپنے گھروں کی حفاظت میں ہوتے اجتماعی قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

مخالفینِ اسلام کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ حضورؐ نے مالِ غنیمت کی طمع میں کفار پر حملہ کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے کفار کی فوج حرکت میں آئی اور مکہ سے چل کر مقامِ بدر میں پڑاؤ ڈالا۔ اگر وہاں جا کر ان کی روک تھام نہ ہوتی تو وہاں سے وہ مدینہ پر چڑھائی کرتے جیسا کہ وہ ارادہ کر کے مکہ سے چلے تھے۔ لہٰذا حضرتؐ کی جنگ مدافعانہ تھی نہ کہ جارحانہ۔

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضعیف الاعتقاد تھے مگر خدا نے ان کی ہمت افزائی کے لیے انہیں زمرۂ مومنین میں رکھا ہے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸
اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا
ع ۱۰/۱۵ النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

(وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل، چاہے مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو (وہ موقع بھی یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اور اس نے جواب میں فرمایا تھا (گھبراؤ نہیں) کہ میں تمہاری مدد کے لیے لگاتار ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں یہ بات اللہ نے تم سے اس لیے کہی تھی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ سب پر غالب اور دانا ہے۔

ان آیات کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ کفارِ قریش کا ایک قافلہ جس کے سردار ابوسفیان و عمرو عاص تھے شام سے

مالِ تجارت لیے ہوئے آ رہے تھے یہ خبر حضرت رسولؐ کو ہو گئی۔ آپؐ نے جہاد کا حکم دیا اور آپؐ تین سو تیرہ مسلمانوں کا چھوٹا سا لشکر لے کر اُن کی طرف چلے۔ ابو سفیان کو پتہ چلا تو اس نے مکہ سے قریش کو اپنی مدد کے لیے بُلا بھیجا وہاں یہ خبر پہنچتے ہی اچھا خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔ ابو جہل نے منادی کرا دی کہ قریش پر ایسی مصیبت کبھی نہیں پڑی کیونکہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا مال اس قافلہ میں نہ ہو۔ لہٰذا سب کا فرض ہے کہ ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں الغرض ایک بڑا لشکر فوراً تیار ہو کر روانہ ہو گیا۔ ابھی یہ لوگ پہنچنے نہ پائے تھے کہ ابو سفیان بڑی چالاکی سے مشہور راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ سے مکہ کو چل دیا۔ اور ان دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ حضرتؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کیونکہ مسلمان کمی تعداد کی وجہ سے گھبرائے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ جنگ کے خلاف تھے کچھ موافق تھے۔ الغرض حکمِ رسولؐ کے مطابق جنگ کی گئی۔ کیونکہ خدا مدد کا وعدہ کر چکا تھا قریش کے کچھ غلام نہر سے پانی لینے آئے تو مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر لیا۔ ان سے پتہ چلا کہ کفار کی تعداد ایک ہزار ہے اور اونٹوں کے علاوہ ان کے ساتھ چار سو گھوڑے ہیں مسلمانوں کے پاس کُل دو گھوڑے تھے۔ عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو بطور جاسوس سراغ لگانے کے لیے بھیجا گیا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ باوجود اپنی کثرت کے وہ فوجِ اسلام سے صد درجہ خائف ہیں۔ عتبہ ہر وہ کی رائے مکہ کو لوٹ جانے کی تھی مگر ابو جہل نے غیرت دلائی اور سب کو جنگ پر آمادہ کیا۔ باقی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ابو سفیان کے قافلہ کو لُوٹنے کا ارادہ کیا اور یہ شانِ رسالت کے خلاف تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب سے حضورؐ مدینہ میں تشریف لائے کفارِ قریش کے چڑھائی کرنے کی خبریں برابر آ رہی تھیں اور یہ شکایتیں بھی برابر سُنی جا رہی تھیں کہ مشرکین مسلمانوں پر چھوٹے چھوٹے حملے کر رہے ہیں۔ جہاں موقع ملتا ہے چراگاہوں سے ان کے اونٹ ہنکا کر لے جاتے ہیں دو چار مسلمانوں کے قتل کی خبریں بھی ملیں مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے جانے کی شکائتیں بھی سُنی گئیں ایسی حالت میں اپنی حفاظت کرنے اور دشمن کی قوت کو توڑنے کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔

یہ بات بھی نظر میں رکھیے کہ عرب میں دو متضاد خیال و مذہب کے لوگ پائے جاتے تھے ایک گروہ کفارِ مشرکین کا تھا اور دوسرا مسلمانوں کا۔ یہ دونوں قوتیں برسرِ پیکار تھیں۔ اور ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ مسئلہ دونوں کے سامنے تھا کہ آیا عرب میں نظامِ جاہلیت کو باقی رکھنے میں عوام کے لیے بہتری ہے یا نظامِ اسلام کے برقرار رہنے میں۔ ان میں سے کس کو زندہ رہنا ہے اور کس کو مرنا۔ اگر اس نازک وقت میں مسلمان مردانہ وار مقابلہ نہ کرتے تو اسلام کا سرزمینِ عرب میں باقی رہنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ کفار کی طاقت کو توڑنے کے لیے پوری ہمت و جوانمردی سے کام لیں تاکہ ان کو اپنے قدم جمانے کا موقع نہ ملے۔ اسلام تو آیا ہی تھا کفر و شرک کا قلع قمع کرنے کے لیے لہٰذا جو موقع آئے ملا وہ ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بدر کی جنگ پہلی جنگ تھی خدا نے اس میں فتح دے کر کفار کے دل پر دھاک بٹھا دی۔

یہ واقعہ آگے تک چل رہا ہے۔ درحقیقت مسلمانوں کی آئندہ فتوحات کی داغ بیل یہیں سے پڑی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو قوی دل بنانے کے لیے بہت سے واقعات پر توجہ دلائی ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ
بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ
الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لیے تم پر نیند کو غالب کر دیا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک و پاکیزہ کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دُور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدموں کو جمائے رہے (یہ وہ وقت تھا) جب تمہارا پروردگار فرشتوں سے فرما رہا تھا میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو میں بھی کافروں کے دل میں (تمہارا) رُعب ڈال دوں گا پس تم ان کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور کو چٹیال کر دو اس لیے کہ انہوں نے خدا اور رسول کی مخالفت کی ہے اور جو کوئی خدا و رسول کی مخالفت کرے گا تو خدا اُسے بڑا سخت عذاب دینے والا ہے (کافرو دنیا میں تو) اس سزا کا مزہ چکھو اور آخرت میں عذاب تو ہے ہی۔

ابو جہل نے یہ چالاکی کی تھی کہ بدر میں پہنچ کر پہلے ہی سے تالاب کے کنارے اپنے خیمے نصب کر دیئے تھے۔ اور مسلمانوں کو ریتلے میدان میں جگہ ملی تھی جہاں اس قدر ریت تھی کہ چلتے وقت ان کے پیر اس میں دھنس جاتے تھے مسلمان سخت پریشان تھے کہ ایسی حالت میں کیسے لڑیں گے تو خدا نے رفعِ تردد کے لیے ان پر نیند غالب کر دی شیطان نے ان میں سے اکثر کو محتلم کر دیا۔ ان کی نجاست دُور کرنے کے لیے خدا نے خوب پانی برسایا جس سے ریت بھی جم گئی اور ان لوگوں کے لیے پانی کا بھی بندوبست ہو گیا۔ کفار جہاں خیمہ زن تھے وہ سب زمین کیچڑ بن گئی۔ پھر خدا نے مسلمانوں کی

مدد کو فرشتے بھیجے۔ پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار۔ اگرچہ خدا کا حکم ہی کفار کی تباہی کے لیے کافی تھا مگر مسلمانوں کا دل بڑھانے کے لیے یہ ایک ظاہری تدبیر تھی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے مقابل ہوتا تو کوڑے کی آواز سنتا اور پھر اسی مشرک کو زمین پر پڑا ہوا پاتا اور کوڑے کا نشان اس کے سر پر موجود ہوتا۔ خود مشرکین کا بیان تھا کہ جب ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم پر رعب غالب تھا اور ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہاتھوں میں تلوار اور کوڑے لیے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہیں اور جس کو کوڑا مارتے ہیں فوراً مر جاتا ہے ان کے خوف سے ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔

ملائکہ کی مدد کے متعلق ہم سورۂ آل عمران کی آیت ١٢٣ میں لکھ آئے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو جو لڑائی کے لیے آمادہ نہ تھے یہ بتایا ہے کہ جو فتح تم کو حاصل ہوئی، اس میں تمہاری کارکردگی سے زیادہ ہماری امداد کو دخل تھا۔ ہم نے فرشتوں کی امداد کا وعدہ کر کے تمہارے دلوں کو قوی کیا ہم نے مینہ برسا کر ریت کو چلنے کے قابل بنایا اور تمہارے لیے پانی پینے کا اچھا خاصہ بندوبست کیا۔ پس اس معاملہ میں تم کو ہمارا شکرگزار ہونا چاہیئے۔ اگر اس وقت خدائی امداد شاملِ حال نہ ہوتی تو مسلمانوں کے لیے کفار پر غلبہ حاصل کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کفار کی گردن پر کوڑے مارنا اور ان کی پور پور کو بیتاب کرنا جس کی وجہ سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر غیبی امداد نہ تھی تو کیا تھا مسلمان مجاہد تلواروں سے لڑ رہے تھے ان کے پاس کوڑے نہ تھے معلوم ہوا یہ کوڑے مارنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے۔ جو بقیۃ السیف میدان میں چھوڑ کر بھاگے تھے ان کے جسموں پر ہر طرف کوڑوں کے نشان تھے تلواروں کے زخم نہیں تھے۔

اگر بدر میں جو پہلی لڑائی تھی مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوتی تو اگلے سالوں میں جو غزوات وسرایا ہوئے مسلمان ان میں پوری پامردی سے نہ لڑ سکتے لہٰذا خدا نے اس پہلی ہی جنگ میں ان کے قلوب کو مضبوط کرنے اور فتح دے کر آئندہ لڑائیوں میں فتح کی امید دلانے کا بندوبست کرنا ضروری سمجھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾
وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ
تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ

وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

اے ایمان والو جب میدانِ جنگ میں تمہارا مقابلہ کفار سے ہو تو خبردار ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا۔ اس شخص کے سوا جو لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ایسا کرے جو کوئی پیٹھ پھیرے گا وہ خدا کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے مسلمانو، ان کفار کو کچھ تم نے تو قتل کیا نہیں بلکہ ان کو تو خود خدا نے قتل کیا ہے اور (اے رسول) جب تم نے تیر مارا تو کچھ تم نے نہیں مارا بلکہ خود اللہ نے مارا تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنین کی اچھی آزمائش کرے بے شک خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور یہ کہ خدا تو کافروں کی مکاری کو کمزور کر دینے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ لڑتے وقت دشمن کی طرف پیٹھ کر لینا ایمان سے خارج ہو جانا اور غضبِ الٰہی میں آجانا ہے۔ جب صرف پیٹھ پھیر لینا غضبِ خدا کا مستحق بنا دیتا اور ایمان سے خارج کر دیتا ہے تو میدانِ جنگ سے فرار کر جانے کی سزا کا تو ٹھکانہ ہی کیا ہے۔ ذرا سوچنے کی بات ہے روزِ اُحد جب حضرت رسولؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا تھا کہ جب سب بھاگ گئے تو تم کیوں نہ بھاگے۔ تو آپؑ نے عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ جہاد سے بھاگنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح قولِ رسولؐ قولِ خدا ہے اسی طرح فعلِ رسولؐ فعلِ خدا ہے۔ جبھی تو یہ فرمایا کہ جو تیر تم نے پھینکا تھا وہ تم نے نہیں بلکہ خدا نے پھینکا تھا۔

خدا فرماتا ہے کہ یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ پیٹھ نہ پھیرنا اس لیے ہے کہ اللہ مومنین کا امتحان لے لے۔ تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ لڑنے والوں میں کون کیسا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ
تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ
فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

اگر تم چاہتے ہو کہ جو (حق پر ہو اس کی) فتح ہو تو (مسلمانوں کی فتح تمہارے سامنے) موجود ہو گی اب کیا عذر باقی ہے) اگر اب بھی (مخالفتِ اسلام سے) باز رہو تو یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اور اگر تم پلٹ پڑے تو ہم بھی پلٹ پڑیں گے تمہاری جماعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو ہرگز کام نہ آئے گی خدا تو یقیناً مومنین کے ساتھ ہے۔ اے ایمان والو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ درآں حالیکہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں میں سے نہ بن جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا درآنحالیکہ وہ سنتے سناتے خاک نہیں اس میں شک نہیں کہ زمین پر چلنے والے تمام حیوانات میں وہ بہرے گونگے (کفار) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ اگر اللہ ان میں سننے کی اہلیت دیکھتا تو انہیں سننے کی قابلیت عطا کرتا (اور یہ تو ایسے نادان ہیں) اگر سننے کی قابلیت عطا بھی کرتا تو بھی یہ منہ پھیر کر بھاگتے۔

جنگِ بدر کے لیے جب مشرکین مکہ سے چلنے لگے تو انہوں نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی تھی، الٰہی ان دونوں لشکروں میں جو سیدھی راہ پر ہو اور زیادہ سچا دین رکھتا ہو تو اس کی مدد کرنا اور دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس دعا کا کرنے والا سب سے زیادہ جاہل تھا جو عمرو بن الجموح کے وار سے اپنے خون میں لوٹ رہا تھا۔ اسی زخمی حالت میں اس نے عمرو بن الجموح پر وار کیا جس سے ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس اثنا میں حضرت ابن مسعود موقع پر پہنچ گئے اور ابوجہل کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور اسے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا دل ٹھنڈا ہوا اس لڑائی میں مسلمانوں کی طرف سے نو آدمی کام آئے اور کفار کی طرف سے ستر۔

جب کفار بھاگ گئے تو حضورؐ مع اصحاب رات کو وہیں میدانِ بدر میں رہے۔ اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قید ہوئے جن میں عباس اور عقیل بھی تھے۔ عباس کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ برابر کراہے جاتے تھے۔ جب ان کے کراہنے کی آواز حضورؐ کے کان میں آئی تو بے چین ہو گئے اور مسلمانوں سے کہا ان کی مشکیں ڈھیلی کر دو۔ عباس بڑے قد آور بلند آواز آدمی تھے لیکن ان کو قید کرنے والا ایک شخص ابو الیسر نامے تھا جو بہت پست قد تھا۔ جب اسیرانِ بدر سے فدیہ لینا قرار پایا تو عباس نے کہا میرے پاس کیا رکھا ہے جو اپنا اور عقیل دونوں کا فدیہ دوں۔ دوسرے میں تو مسلمان ہوں کافروں کے ساتھ بمجبوری چلا آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا، دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بظاہر تو آپ کفار کے ساتھ تھے۔ فدیہ ضرور لیا جائے گا۔ چلتے وقت جو رقم آپ نے اپنی بی بی ام الفضل کو دی تھی اس میں سے منگا کر دیجیے۔ عباس نے کہا

یہ خبر آپ کو کس نے دی، میں نے تو بہت پوشیدہ طور سے یہ کارروائی کی تھی میرے اور ام الفضل کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا، یہ خبر میرے خدا نے مجھے دی ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسے چچا جان تھے کہ کفار کے ساتھ بھتیجے سے لڑنے آئے۔ اور اگر مجبوری سے آ بھی گئے تھے تو پھر جھوٹ نہ بولتے اور اگر جھوٹ کا راز کھل گیا تھا تو پھر کٹ جانے کا نام نہ لیتے حضورؐ کے پاس ہی رہتے اور اگر کسی وجہ سے رک نہ سکتے تھے تو بعد میں ہجرت کر کے آجاتے۔ مکہ میں جا کر بھی ابوسفیان سے ان کا گٹھ جوڑ رہا وہی ابوسفیان ہے جس کی بی بی ہندہ نے عباس کے حقیقی بھائی حمزہؓ کا کلیجہ سینہ سے نکال کر چابنا چاہا تھا۔ ایسے لوگوں سے خلط ملط رہنا کیسے گوارا ہوا۔ فتح مکہ کے وقت یہی عباس تھے جنہوں نے ابوسفیان کی جاں بخشی کی سفارش حضورؐ سے کی تھی۔

ان اسیروں میں ابو العاص شوہر زینبؓ ربیبۂ رسولؐ بھی تھا۔ اس نے فدیہ میں زینبؓ کا وہ ہار منگا کر دیا جو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر حضورؐ کو خدیجہؓ یاد آ گئیں۔ چشم پُر آب ہو کر اسے زینبؓ کے لیے واپس کر دیا۔ بعد میں ابو العاص مسلمان ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾
وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ
تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم
مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾

اے ایمان والو جب تمہیں ہمارا رسول (محمدؐ) ایسے کام کے لیے پکارے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو خدا و رسول کا حکم دل سے قبول کر لو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے (ارادہ) اندر آجاتا ہے (اور یہ بھی سمجھ لو) تم اسی کے سامنے ایک دن حاضر کیے جاؤ گے۔ اور اس فتنہ سے ڈرو جو خصوصیت سے ان ہی پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہے (بلکہ تم سب اس کی لپیٹ میں آ جاؤ گے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور روئے زمین پر کمزور لوگ سمجھے ہر وقت تمہیں لوگوں کے اُچک لے جانے کا خوف رہتا تھا پس خدا نے (اپنی رحمت سے) تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں قوت پہنچائی اور پاک چیزوں کا تمہیں رزق دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

انسان اور اس کے دل میں خدا کے آجانے سے یہ مراد ہے کہ انسان جو ارادہ کرتا ہے خدا کے اختیار میں ہے کہ اگر چاہے تو اُس کو پلٹ دے یعنی آدمی چاہتا کچھ ہو اور ہو جائے کچھ۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اسی بنا پر فرمایا، عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ۔ (میں نے اپنے رب کو ارادہ کے ٹوٹ جانے سے پہچانا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی عمل کرنا چاہتے ہیں اس میں کامیابی حاصل کرنا اُن کے بس کی بات نہیں اللہ جب چاہے گا ان کے ارادہ کو توڑ کر رکھ دے گا اور انسان چاہے کتنی ہی کوشش کرے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اہلِ ایمان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فتنہ سے بچنے کے لیے کوشش کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ جب فتنہ برپا ہو گا تو صرف ظالم ہی اس کی لپیٹ میں نہیں آئیں گے بلکہ بے گناہ بھی آجاتے ہیں۔

آخری آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اس اللہ کی ذات پر توکل کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو جس نے تمہیں مکہ والوں کے مظالم سے بچایا وہاں تمہاری تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور تمہیں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مشرکین تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے اور سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تمہاری مدد کی اور تم کو ان ظالموں کے پنجہ سے نجات دلائی اور تم کو صاحبِ قوت بنا کر دشمنوں پر غلبہ دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ
فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اے ایمان والو، اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو (کہ خیانت کرنا کیسی بُری چیز ہے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں (کہ جو ان کی محبت میں خدا کو نہ بھولے وہ دیندار ہے) اور خدا کے یہاں بے شک بڑا اجر ہے۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وُہ تمہارے لیے امتیازی شان پیدا کر دے گا۔ اور تمہارے لیے گناہوں کا کفارہ قرار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا صاحبِ فضل و کرم ہے (اے رسول وُہ وقت یاد کرو) جب کفّار تم سے فریب کر رہے تھے تاکہ تمہیں قید کر لیں یا تمہیں مار ڈالیں یا تمہیں گھر سے نکال باہر کریں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور خدا بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا تھا اور خدا تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں ابو لبابہ کی توبہ کا ذکر ہے۔ واقعہ یہ ہے:

حضورؐ نے بنی قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا جس میں یہودی رہتے تھے جب محاصرہ کو اکیس روز ہو گئے تو یہودی گھبرا گئے انہوں نے حضورؐ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ حضرتؐ نے فرمایا، میں تم سے صلح نہ کروں گا۔ ہاں تم ہمارے جرنیل سعدؓ بن معاذ کے حکم سے باہر نکلو جو اس کا حکم ہو گا ویسا کیا جائے گا۔ یہودیوں نے کہا ہم اس معاملہ میں ابو لبابہؓ انصاری سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں ان کو ذرا سامنے بھیجیے۔ ابو لبابہؓ نے اُن کے سامنے جا کر گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی اگر تم نکلے تو سب قتل کر دیے جاؤ گے۔ اُدھر تو یہودیوں اور ابو لبابہؓ میں باتیں ہو رہی تھیں اِدھر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ و رسولؐ سے خیانت نہ کرو۔ جب ابو لبابہ پلٹے تو یہ آیت سنی تو اُن کو بڑا صدمہ ہوا۔ روتے ہوئے مسجدِ رسولؐ میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ کر یہ قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو گی نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں۔ آخر جب سات روز یوں ہی گزر گئے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ خدا نے ان کی توبہ قبول کی۔ لوگ اُن کے پاس دوڑے آئے اور یہ بشارت سُنائی۔ انہوں نے کہا جب تک رسولؐ مجھے خود آکر نہ کھولیں گے میں نہ مانوں گا۔ آخر رسولؐ نے آکر خود کھولا۔ یہ ستون اب تک موجود ہے اور اس پر استوانہ ابو لبابہ کھدا ہوا ہے۔

اس کے بعد خدا نے اموال و اولاد کو اہلِ ایمان کے لیے ذریعۂ آزمائش قرار دیا ہے۔ آدمی فطرۃً ان دو محبتوں کی طرف کھنچا ہوا رہتا ہے اور ان کی محبت میں ایسے کام کر جاتا ہے جو اُسے نہ کرنے چاہئیں۔ وہ ان کی محبت میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ لہٰذا بڑا دیندار وہ شخص ہے کہ جو ان کی محبت رکھتے ہوئے بھی خدا و رسولؐ کے احکام کو بجا لانا مقدم سمجھے اور خوشنودئ خدا کے لیے مال و اولاد سب کو قربان کر دے۔

ابو دردا ء صحابی بہت غریب آدمی تھے پھر اولاد بھی زیادہ تھی۔ ایک روز خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے میں ایک عیال دار آدمی ہوں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، سخت تکلیف میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔

حضورؐ نے ان کو سات درہم دیئے کہ ان کے خرمے خرید کر کے مسجد کے دروازہ پر بیٹھ کر فروخت کرو۔ ابوذرؓ دادؓ نے ایسا ہی کیا۔ شام کو حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، ابودرداء نے خرما فروشی اختیار کی ہے چلو ہم بھی خریدیں۔ چنانچہ آپؐ نے تین درہم کے خرمے خریدے۔ آپؐ کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی خریدے۔ اس روز اچھا خاصہ نفع ہوگیا۔ دوسرے روز اور زیادہ خرمے خرید لائے۔ کچھ دنوں بعد مسجد کے دروازہ پر چھپر ڈال کر ایک دکان سی بنالی۔ تجارت کو روز بروز فروغ ہوتا گیا۔ پھر کیا تھا ہزار ہا روپیہ کا مال ان کی دکان میں نظر آنے لگا۔ ایک روز لوگوں نے آکر حضورؐ کو خبر دی کہ ابوذرؓ نے کھڑے کھڑے ساری دکان لٹادی۔ حضورؐ نے بُلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کی حضورؐ اس میں مجھے ایمان خطرہ میں نظر آیا۔ پہلے میں حضورؐ کے مسجد میں آنے سے پہلے مسجد میں جا پہنچتا تھا۔ جب دکان کھولی تو حضورؐ کے تشریف لانے کے وقت جانے لگا، اس کے بعد حضورؐ کے تشریف لانے کے بعد جاتا رہا۔ اس کے بعد جب حضورؐ نماز پڑھانے لگتے تب جاتا۔ آخر ایک روز گاہکوں کا ہجوم تھا اور میں خرید و فروخت میں مصروف تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا کر چلے بھی گئے۔ بس میں نے دوسرے ہی روز دکان لٹادی کہ یہ خطرۂ ایمان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا پھر اولاد کے لیے ذریعۂ معاش کیا ہوگا۔ عرض کی جیسے اب تک بسر ہوئی ہے اسی طرح ہوتی رہے گی۔ حضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ابودرداء کی مدد کرتے رہیں۔ حضورؐ وقتاً فوقتاً خود بھی مدد کرتے تھے۔

تیسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جو لوگ تقوٰی اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو ایک امتیازی شان حاصل ہوگی جیسا کہ کسی دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ الحجرات ۴۹/۱۳ (جو تم میں زیادہ پرہیزگار و متقی ہے خدا کے نزدیک اس کی عزت زیادہ ہے۔) ایسے لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ تقوٰی کے معنی یہ ہیں کہ شرعاً جن امور کا بجالانا ممنوع ہے مومن ان کے قریب نہ جائے چاہے اس پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ نازل ہو۔

آخر میں اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے کہ وہ وقت یاد کرو کہ جب کفار کا ارادہ تم کو قید کرنے قتل کرنے اور نکال باہر کرنے کا تھا تو وہ مکاریوں سے کام لے رہے تھے۔ خدا نے کیسی اچھی تدبیر کی کہ ان کے شر سے صاف تمہیں بچا لیا یہ تدبیر وہی تھی کہ حضرت علیؑ کو بستر رسولؐ پر سلایا اور حضورؐ کو پردۂ شب میں غار ثور کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اس تدبیر میں کامیابی کا ذریعہ خدا نے علیؑ کو قرار دیا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ
هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ
يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾

(ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سُن لیا اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن ہم بھی بنا سکتے ہیں اس میں سوائے پرانے قصّوں کے اور ہے کیا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں یا اللہ اگر یہ دین تیرے نزدیک حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا کسی دردناک عذاب میں مبتلا کر۔ اے رسول جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے گا۔ اور جو لوگ استغفار کرتے ہیں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا اور جو لوگ مسجد الحرام (کعبہ) میں جانے سے روکتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کے متولّی بھی نہیں تو اللہ ان پر اپنا عذاب کیوں نہ نازل کرے۔ اس کے متولی متقی لوگ ہیں لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے۔

ان آیات کے متعلق قصّہ یہ ہے کہ نعمان بن حارث تجارت کی غرض سے ایران گیا تھا وہاں سے رستم و سہراب کے قصّے خرید لایا اور عربی میں ان کا ترجمہ کیا اور جب واپس آیا تو لوگوں سے کہنے لگا، دیکھو قرآن کی طرح ہم نے بھی اگلے لوگوں کے قصّے گڑھے ہیں۔ عثمان بن مظعون نے کہا کہ اے خدا سے ڈر، محمدؐ حق پر ہیں۔ وہ بولا میں بھی حق پر ہوں۔ عثمان نے کہا محمدؐ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگا یہ تو میں بھی کہتا ہوں مگر اس کے ساتھ هٰؤُلَاءِ بَنَاتُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی لڑکیاں ہیں) بھی کہتا ہوں۔ جب حضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اس کو جھڑکا۔ وہ کہنے لگا خداوندا اگر محمدؐ کا دین سچا ہے تو مجھ پر عذاب نازل کر۔ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔ یہ کم بخت جنگِ بدر میں واصلِ جہنم ہوا۔

چونکہ حضورؐ سرکارِ دوعالم تمام عالموں کے لیے رحمت ہیں لہٰذا جب تک ان کا وجود لوگوں کے درمیان تھا خدا نے کفار پر اپنا عذاب نازل نہیں کیا۔ اور ان کے بعد قیامت تک ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ اُن کے اہلبیتؑ میں سے کوئی نہ کوئی ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیے باعثِ نجات ہیں اسی طرح میرے اہلبیتؑ اہلِ زمین کے لیے باعثِ نجات ہیں۔ صاحب صواعق محرقہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو مسجد الحرام میں جانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے خانہ کعبہ کے متولی ہم ہیں۔ ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ جو لوگ ہمارے دین پر نہیں ان کو حرمِ خدا میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ خدا فرماتا ہے حرمِ خدا کے یہ متولی کیسے بن گئے جبکہ یہ خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ نہیں مانتے۔ اس گھر کے متولی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔

یہاں یہ اعتراض معترض کر سکتا ہے کہ جب حضورؐ کی موجودگی میں خدا کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا تو مذکورہ بالا شخص پر کیوں عذاب نازل کیا۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں پر حضورؐ کی موجودگی میں عذاب کا نازل ہونا پایا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ انبیاءِ سابقین کی قوموں پر جو عذاب نازل کیا گیا ہے وہ من حیث المجموع ہوتا تھا یعنی جب کوئی قوم شرک سے باز نہ آتی تھی اور اپنے زمانہ کے رسولؑ سے عذاب لانے کی خواہش کرتی تھی تو عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضورِ سرکارِ دو عالمؐ کے زمانہ میں بھی انہی لوگوں پر عذاب آیا ہے جنہوں نے اپنے لیے نزولِ عذاب کی خواہش کی ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾

ان کافروں کی نماز ہی کیا تھی خانہ کعبہ کے پاس آکر سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ پس اپنے کفر کی وجہ سے جو عذاب تم پر نازل ہو اس کا مزہ چکھو۔ کافر لوگ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ راہِ خدا سے لوگوں کو روکیں۔ وہ خرچ کرنے کے بعد حسرت میں رہیں گے اور مغلوب بھی ہوں گے۔ اور جو لوگ کافر ہیں، وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

بدو عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کعبہ کی زیارت کو آتے تو زور زور سے سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے وہ اسی کو اپنی نماز جانتے تھے۔ یہ انسانی تہذیب و تمدن سے بیگانہ خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ عورتوں کی شرمگاہ پر کپڑے کی ایک پتلی سی چِٹ پڑی رہتی تھی۔ پیچھے کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ فلسفہ یہ تھا کہ خدا کے یہاں سے ہم ننگے ہی آئے ہیں لہٰذا اس کے دربار میں اسی طرح جانا چاہیئے جس طرح اُس نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے۔ وہ والہانہ انداز میں اس طرح طواف کرتے تھے کہ ان کو اپنے تن و سر کا ذرا ہوش نہ رہتا تھا۔ طواف کی رسم حضرت ابراہیمؑ

کے زمانہ سے چلی آرہی ہے مگر اس کے طریقے بدلتے رہے اسلام نے رسم کو تو باقی رکھا لیکن وحشیانہ انداز بدل دیئے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۰﴾

تاکہ خدا پاک کو ناپاک سے جُدا کر دے اور ناپاک لوگوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر ڈھیر لگا دے اور پھر سب کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ گھاٹا اُٹھانے والے ہیں۔ اے رسولؐ کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر وہ پھر پلٹ آئیں گے تو جو پہلے ہوا ہے وہی ہوگا (یعنی جو اُن کو سزا ملی تھی اِن کو بھی ملے گی) اور اے مسلمانو، ان کافروں سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دینِ خدا ساری خدائی میں ہو جائے۔ اگر وہ (شرارتوں سے) رُک جائیں تو اللہ ان کی کارروائیوں کو خوب دیکھتا ہے اور اگر رُوگردانی کریں تو سمجھ لو کہ بے شک اللہ تمہارا مالک ہے اور وُہ اچھا مالک اور اچھا مددگار ہے۔

خدا چاہتا ہے کہ گناہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ خدا سے استغفار کر لیں اور اپنی حرکات سے باز آجائیں تو خدا ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اگر کسی طرح نہ مانیں تو اے مسلمانو، تم پریشان نہ ہو اللہ تمہارا سرپرست اور مددگار ہے۔ ان مشرکوں کو جو سزائیں پہلے دی جا چکی ہیں اب بھی دی جائیں گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ
اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ
اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۬ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ
عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ۙ

اور (اے مسلمانو) جان لو کہ جو مال تم (کفار سے) لُوٹو تو اس کا پانچواں حصہ مخصوص حصّہ خدا اور رسول اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے اگر تم خدا پر اور غیبی امداد پر ایمان لا چکے ہو جو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن (جنگِ بدر میں) نازل کی تھی۔ جس دن (مسلمانوں اور کافروں کی) جماعتیں باہم گتھم گتھا تھیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے (جب تم میدانِ جنگ میں) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (کفّار) بعید کے ناکے پر تھے اور سوار تم سے نشیب میں تھے۔ اگر تم ایک دوسرے سے (وقت کی تقرری کا) وعدہ کر لیتے تو وقت پر گڑبڑ کر دیتے (مگر خدا نے تم لوگوں کو اچانک اکٹھا کر دیا) تاکہ جو بات ہونے والی تھی اُسے پُورا کر دکھائے اور یہ کہ جو شخص ہلاک (گمراہ) ہو وہ حق کی حُجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کی حُجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا خبردار ہے۔

مالِ غنیمت کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہیں جن سے خمس کا نکالنا واجب ہے۔ اوّل سونے چاندی کی کان۔ دُوسرے زمین میں دبا ہُوا خزانہ۔ تیسرے موتی وغیرہ جو دریا سے نکالے جائیں۔ چوتھے پیشہ یا زراعت کے نفع میں سے

اہل وعیال کا سال بھر کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے۔ پانچویں جب اہلِ کتاب مسلمان سے زمین خریدے۔ چھٹے جو مالِ حرام مالِ حلال سے مِل جائے اور تمیز نہ ہو۔

یہ تقسیم کا حکم جنگ بدر کی غنیمت بچے وقت ہوا جو ۱۷ رمضان روز جمعہ سنہ ۲ھ میں ہوئی تھی۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کا حصّہ رسول کا حصّہ ہے اور رسولؐ کے بعد خدا اور رسولؐ کے حصّہ کا مالک امام منصوص من اللہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ کا حصّہ تو ان کے قرابت داروں کو دیا جائے گا جو یتیم و مسکین اور پردیسی ہوں یہ شرط ہے کہ قرابت دارِ رسولؐ ہوں یعنی یہ سب حصّے رسولؐ اور ان کی اولاد کے لیے خاص ہیں۔ خمس میں سہم امام علیحدہ کر کے دوسرا حصّہ سادات کی اُن صفوں میں تقسیم کیا جائے گا جن کا ذکر آیت میں ہے۔ چونکہ اولادِ رسولؐ پر غیر سیّد کی زکوٰۃ جو صدقہ ہے حرام کر دی گئی ہے لہٰذا بجائے اس کے ان کا حق خمس میں باقی رکھا گیا ہے۔

عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو خاندان حکمران ہو اس کی اولاد کے لیے کچھ ایسا بندوبست کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی باعزّت طریقہ سے گزار سکیں اور لوگوں کے سامنے ان کو ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہ آئے کیونکہ اس میں خاندانِ شاہی کی ذلّت یقینی ہے۔ تمام دنیا کی سلطنتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور رسولؐ جو دین اور دنیوی دونوں حیثیت سے مسلمانوں کے بادشاہ ہیں لہٰذا قدرت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان کی اولاد کے حقوق کا تحفظ نہ کیا جائے۔ غیر سیّد کی زکوٰۃ کو اس لیے سادات پر حرام کیا گیا ہے کہ وہ صدقہ ہے میل کچیل ہے اس کو لے کر کھانے میں اولادِ رسولؐ کی توہین ہے۔

خدا نے تو سادات نوازی کا پورا بندوبست کر دیا تھا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اولادِ رسولؐ کی کوئی عزّت نہ کی اور ان کو جائز حق سے محروم کر دیا۔ حیاتِ رسولؐ میں تو ایسا ہی ہوتا رہا جیسا خدا نے حکم دیا تھا لیکن رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اس حق کو ضبط کر کے دیگر امورِ سلطنت میں خرچ کیا جانے لگا۔ اس ناحق شناسی کی جوابدہی ایک روز مسلمانوں کو کرنا ہوگی۔

آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں کی سیاسی مصلحت اس رائے سے متفق ہو گئی کہ اولادِ رسولؐ کو ایسی اقتصادی مار دی جائے کہ وہ مسلمانوں کے معزّز طبقہ میں شامل ہونے کے قابل ہی نہ رہیں۔ چنانچہ اس کے نتائج سادات کے لیے بڑے تباہ کن ثابت ہوئے یعنی تنگدستی نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ فقیرانہ اور قلندرانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ذہنیت کا صرف اتنا ہی اثر نہ ہوا کہ سادات اپنے جائز حق سے محروم ہو گئے بلکہ خمس دینا ہی لوگوں نے بند کر دیا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

غیروں کو چھوڑیئے جانے فرقہ کے صاحبانِ استطاعت ہی نے اس طرف سے منہ موڑ لیا کم لوگ ہیں کہ اس امرِ واجب کو ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے غریب سیّد اور یتیم بچے اور بیوہ عورتیں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم کرے اور ادائے واجب کی توفیق دے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِىْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

فِى الْاَمْرِ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۴۳) وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ
اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِىْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِىْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا
كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۴۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۵)

یہ وہ وقت تھا جب خدا نے تمہیں خواب میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا تھا اور اگر ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم یقیناً ہمّت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں جھگڑا کرنے لگتے۔ خدا نے اس بدنامی سے بچا لیا اور اللہ دل کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے اور جب مڈبھیڑ ہوئی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفّار کو کم دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا دکھایا تاکہ خدا کو جو کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے اور تمام اُمور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ اے ایمان والو جب تم کسی فوج کے مقابل ہو تو قدم جمائے رکھنا اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تمہارے لیے بہتری کا باعث ہو۔

خدا نے یہ تدبیر اس لیے اختیار کی کہ کفّار پر مسلمانوں کا غلبہ ثابت کر دے اگر مسلمانوں کی تعداد کفّار کی نظر میں کم کر کے نہ دکھاتا اور مسلمانوں کی نظر میں کفّار کو کم نہ دکھاتا تو مسلمان ان سے مرعوب ہو جاتے اور ہرگز لڑائی پر آمادہ نہ ہوتے۔ خدا چاہتا تھا کہ بدر کے میدان میں دونوں گروہوں کی ٹکر ہو جائے تاکہ پہلی ہی جنگ میں کفّار کے دل پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دے اور پہلی ہی بار فتح حاصل کر کے مسلمانوں کی ہمّت ایک سے ہزار ہو جائے۔

بدر کی شکست نے درحقیقت کفّار کی کمر توڑ دی تھی کیونکہ مشرکین کے نامی گرامی سردار اس جنگ میں کام آئے تھے جیسے عتبہ، شیبہ، ولید اور ابوجہل۔ ابوسفیان کا سسرالی خاندان سب سے زیادہ تباہ ہوا تھا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۴۶) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا
وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (۴۷)

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ
وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي
بَرِيٓءٌ مِّنْكُمْ إِنِّيٓ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو مت ورنہ ہمت ہار بیٹھو گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے گھروں سے نکل پڑے اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکنے لگے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور چونکہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں زینت دے دی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آسکے۔ (ڈرتے کیوں ہو) میں تو تمہارا مددگار ہوں۔ جب لوگوں کے گروہ مقابل ہوئے تو خود وہاں سے چل چلپت ہوا اور کہہ گیا میں تم سے بالکل الگ ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

جنگِ بدر کے موقع پر شیطان سُراقہ بن حارث کی شکل بن کر لوگوں کو جنگ پر اکسا رہا تھا یکایک فرشتوں کا لشکر دیکھ کر بھاگا جب یہ لوگ مدینہ آئے تو سُراقہ کی مذمت کی۔ اس نے قسم کھا کر کہا میں تمہارے ساتھ نہ تھا اور لوگوں نے بھی گواہی دی کہ یہ تو مدینہ ہی میں رہ گیا تھا مگر ان کو یقین نہ ہوا جب سُراقہ مسلمان ہوا تب لوگوں کو یقین آیا کہ وہ ابھارنے والا شیطان تھا۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ
يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰىٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ

كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾

(اس موقع پر) منافقین اور وہ لوگ جن کے دل میں (کفر کا) مرض تھا یہ کہتے پھرتے تھے کہ ان مسلمانوں کے دین نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (اتراتے پھرتے ہیں) اور (یہ نہیں جانتے کہ) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (وہ ضرور غالب رہتا ہے کیونکہ) اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ کاش تم دیکھتے جب ملائکہ کافروں کی جان نکال رہے تھے تو ان کے چہروں اور پشتوں پر کوڑے مار رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے اب عذاب جہنم کے مزے چکھو، یہ سزا ہے ان اعمال کی جو تم نے اپنے ہاتھوں سے پہلے کیے ہیں اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (اپنے اوپر وہ ظلم کرنے والے خود ہیں۔)

قیس بن ولید حارث بن ربیعہ، عتبہ بن امیہ وغیرہ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب حضرتؐ نے ہجرت کی تو مشرکین نے ان کو روک لیا۔ جب بدر کی لڑائی کے لیے مشرکین چلے تو ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ ان سب نے ٹھان لی کہ چلے چلو جو فریق غالب نظر آئے گا اس کی طرف ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تو بہت تھوڑے ہیں اور کفار ان سے کہیں زیادہ ہیں تو کہنے لگے مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ورنہ اس قلیل تعداد میں ہو کر ایک زبردست دشمن کا مقابلہ کرنے کو آکھڑا ہونا بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ آیت انہی کی شان میں ہے۔
خدا نے مسلمانوں سے فرشتے مدد کے لیے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو یوں پورا کیا کہ فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر کوڑے مارتے تھے اس مار سے مشرکین بے دم ہو جاتے تھے اور ان میں لڑنے کی طاقت باقی نہ رہتی تھی۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ
بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ
مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيٰتِ

رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

(لوگوں کی حالت) قومِ فرعون اور اُن لوگوں کی سی ہے جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے آیاتِ الٰہی سے انکار کیا تو خدا نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں دھر پکڑا بے شک خدا قوی اور سخت عذاب دینے والا ہے۔ خدا جب کوئی نعمت کسی قوم کو دیتا ہے تو جب تک وُہ لوگ خود اپنی (قلبی) حالت نہ بدلیں خدا بھی اُسے نہیں بدلے گا خدا سب کی سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت قوم فرعون اور ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ہم نے قومِ فرعون کو غرق کر دیا اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔

اللہ کا فضل سب پر عام ہے وہ اپنی نعمتوں سے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن جب کوئی قوم اُس کی آیات کو جھٹلاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنا لیتی ہے تو خدا اپنی نعمتوں کو ان سے روک لیتا ہے اور ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا ہے خدا کا یہ عمل مبنی بر انصاف ہے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے اوپر بُرے اعمال کر کے ظلم کرتے ہیں۔ قومِ فرعون اور دوسری قوموں کو اس لیے ہلاک کیا گیا کہ انہوں نے انتہائی سرکشی اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تھی اور کمزور لوگوں کو ستاتے تھے۔ اور باوجودیکہ انبیاء ان کو طرح طرح سے سمجھاتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ
عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

ع
يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ
اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

خُدا کے نزدیک کفار چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا وہ اپنے عہد کو ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وُہ خدا سے ڈرتے نہیں اگر تم ان پر لڑائی میں قابو پالو تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی تتر بتر کر دو جو ان کے پیچھے (ان کی پشت پر) لگے ہوں تاکہ وہ بھی نصیحت حاصل کریں اگر تم کو کسی قوم سے بدعہدی کا خوف ہو تو تم بھی برابر ان کا عہد ان کے منہ پر پھینک مارو کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں (بدعہدوں) کو دوست نہیں رکھتا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے تم ان لوگوں کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ آگے بڑھ نکلے ہیں۔ وہ ہرگز (مسلمانوں کو) ہرا نہیں سکتے۔

خدا نے کافروں کو جانوروں سے بھی بدتر فرمایا ہے کیونکہ جانور تو عقل نہیں رکھتے اس لیے ان کی غلطی قابلِ گرفت نہیں لیکن یہ کم بخت تو عقل رکھتے ہوئے گمراہ ہو گئے ہیں۔ جانور باوجود بے عقل ہونے کے اپنے مالکوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں لیکن کافر اپنے مالک یعنی خدا پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حکم کی کھُلم کھُلا خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہودیوں کی بدعہدی کا بھی ذکر ہے۔ بنی قریظہ نے رسولِ خدا سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ کفارِ مکہ کا ساتھ نہ دیں گے لیکن جنگِ بدر میں انہوں نے کفار کو ہتھیار فراہم کیے اور جنگِ خندق میں تو کھُل کر ان کے ساتھ ہو گئے اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خیبر میں ان کو وُہ کھُلی شکست ہوئی کہ مارے بھی گئے اور اپنے املاک سے بے تعلق بھی کر دیے گئے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ
اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾
وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي
أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا
فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ
إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

اے مسلمانو کفار سے مقابلہ کے لیے جہاں تک تم سے اپنی قوت سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے لڑائی کا سامان مہیا ہو سکے کرو اس سے تم اللہ کے دُشمن پر اور اپنے دشمن پر اور ان کے علاوہ اُن پر جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے، اپنی (شجاعت کی) دھاک بٹھا دو اور راہِ خدا میں جو کچھ تم صَرف کرو گے وہ تم پُورا پُورا (خدا کے یہاں) پاؤ گے اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو اور خدا پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ لوگ تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تمہاری (مدد کے) لیے کافی ہے۔ اے رسول وہ وہی تو خدا ہے جس نے تمہاری تائید اپنی اور مؤمنین کی مدد سے کی اور تمہارے دِلوں میں محبت قائم کی۔ اگر تم جو کچھ روئے زمین پر ہے سب کا سب بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دِلوں میں محبت نہ پیدا کر سکتے تھے مگر خدا ہی تھا جس نے ان کے دلوں میں محبت پیدا کی بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

دُرِّ منثور سیوطی میں ہے کہ ابن عساکرؒ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہُوا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میرا کوئی شریک نہیں محمدؐ میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے علیؑ سے اس کی مدد کی۔ یہی مراد ہے هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ سے۔ مشرکوں اور یہودیوں سے جہاں جہاں مقابلے ہوئے حضرت علیؑ نے سب سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ بقول ابن عباسؓ دس ہزار کافروں کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔ سلطنتِ اسلامی کی جڑ جمانے والے اور نظامِ حکومتِ الٰہیہ کو قائم کرنے والے حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ع يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا
مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ
فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ
يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾

اے نبی تمہارے اور اُن مؤمنین کے لیے جو تمہارے پیرو ہیں اللہ (مدد کے لیے) کافی ہے۔ اے نبی مؤمنین کو قتال کے لیے اُبھارو۔ اگر تم میں سے بیس جم کر لڑنے والے ہوں گے تو دو سَو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں (ان میں ایمانی قوت نہیں)۔ اب خدا نے (اپنے حکم کی سختی میں) تخفیف کر دی اور یہ جانتے ہوئے کی کہ تم میں کمزوری ہے یہ قرار دیا کہ اگر تم میں جم کر لڑنے والے سَو ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو بحکم خدا دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ (جنگ کی تکلیفوں کو) جھیل جانے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں مومنوں اور کافروں کے تصادم میں پہلے تو یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان ایک اور دس کی نسبت ہونی چاہیے یعنی ایک آدمی دس کا مقابلہ کرے۔ لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ ابھی تمام مسلمانوں کے اندر جذبۂ ایمانی اس حد تک قوی نہیں ہوا ہے کہ دس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہ سکیں لہٰذا حکم میں تخفیف کر دی گئی کیونکہ جو لوگ کچھ مدت پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور فوجی تربیت ان کی باقاعدہ نہیں ہو پائی تھی ان کے لیے ایک اور دس کی تکلیف مالایطاق ہو جائے گی اور وہ لڑنے کی تاب نہ لا سکیں گے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ
مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

نبی جب تک رُوئے زمین پر کافروں کا خون نہ بہائے اس کے یہاں قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں۔ تم لوگ دُنیا کے ساز و سامان کے خواہاں ہو اور خدا تمہارے لیے آخرت کی بھلائی کا خواہاں ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے پہلے ہی حکم نہ آچکا ہوتا تو تم نے جو بدر کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کے لیے فدیہ لیا تھا اُس کی سزا میں تم پر بڑا عذاب نازل ہو کر رہتا۔

جنگِ بدر کی فتح کے بعد جب ستّر آدمی قید ہو کر آئے تو حضورؐ نے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یہ لوگ آپؐ کی قوم کے ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ لوگ مشرکوں کے پیشوا ہیں انہوں نے آپؐ کو شہر بدر کیا ہے ان پر رحم مناسب نہیں حکم دیجئے کہ ان کی گردن ماردی جائے۔ عباس کو میرے حوالے کرو عقیل کو علیؓ کے۔ سعیدؓ بن معاذ نے کہا کہ ان سب کو ایک گڑھے میں ڈال کر اُوپر سے کوڑا کرکٹ بھر کر آگ لگا دی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ ان کے متعلق تین صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو ان سے فدیہ لیا جائے یا اسلام قبول کرنے کو کہا جائے یا پھر انہیں قتل کر دیا جائے۔ کچھ لوگوں نے فدیہ لے لیکر سب کو چھوڑ دیا۔ حضرتؐ اس سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے سبب پوچھا تو فرمایا، تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی طمع میں فدیہ لینے سے عذاب اتنا قریب تھا جیسے کہ یہ درخت۔ اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

• جہاں تک تفسیروں کو دیکھا گیا اکثر مفسرین اس کی توضیح کرنے سے قاصر رہے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ سورہ محمدؐ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی،

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ اس آیت میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پہلے دُشمن کی طاقت کو خوب کچل ڈالو۔ جب کچھ لنگڑے لُولے وغیرہ باقی رہ جائیں تو ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

جنگِ بدر فتح ہوتے ہی مسلمان لُوٹنے میں مشغول ہو گئے اور بھاگے ہوئے دُشمن کا تعاقب کرنا اور ان کو اچھی طرح مارنا پیٹنا اور زخمی کرنا بھول گئے اور انہیں آزادی سے بھاگنے کا موقع دے دیا لہٰذا خدا کو غصہ اس بات پر آیا کہ تم نے شرط پوری کیے بغیر فدیہ لے کیسے لیا۔ اگر فدیہ کا حکم پہلے نہ آگیا ہوتا تو یقیناً تم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتے۔ جاؤ خدا نے تمہیں معاف کر دیا۔ حضرتؐ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی مگر جب مسلمانوں نے اپنے اپنے عزیزوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا

تو حضورؐ نے مجبوراً عباس و عقیل و ابو العاص سے فدیہ لیا۔ لہٰذا خدا کا سارا غصّہ مسلمانوں پر ہے رسولؐ پر نہیں۔

اللہ تو یہ چاہتا تھا کہ کفر و شرک کی جڑ جلد سے جلد کٹ جائے اور مسلمان چاہتے تھے کہ دولتِ دُنیا سے جلد از جلد مالا مال ہو جائیں۔ جنگِ بدر میں جو مالِ غنیمت مِلا تھا اس پر اکتفا کرنی چاہیئے تھی لیکن ایسا نہ ہُوا اور فدیہ کی رقم سے مزید اپنے کو فائدہ پہنچانا چاہا۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ښ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع ٥ ٩
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ
فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

(مسلمانو خیر جو ہُوا سو ہُوا) اب جو مالِ غنیمت تم کو مِلا ہے اسے کھاؤ پیؤ یہ تمہارے لیے حلال و طیّب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک غفور و رحیم ہے۔ اے نبی جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو اگر خدا تمہارے دِلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرمائے گا اور بخش دیگا اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔ یہ اگر تم سے فریب کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے یہ خدا سے فریب کر چکے ہیں (جس کی سزا میں) خدا نے تمہیں ان پر قابو دے دیا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے۔

قیدیوں سے جنگِ بدر کے بعد فدیہ لیا گیا وہ سو اُوقیہ سونا تھا یعنی پونے تین تولہ ہمارے حساب سے۔ کفارِ قریش کے ساتھ عباس، حضرتؐ کے چچا بھی تھے۔ یہ جب مکہ سے چلے تھے تو چالیس اُوقیہ سونا اپنی انٹی میں رکھ لیا تھا اور باقی اپنی بی بی کو دے آئے تھے۔ جو اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو مالِ غنیمت قرار پایا لہٰذا جب ان سے ان کا اور عقیل و نوفل کا فدیہ مانگا گیا تو انہوں نے کہا میرے پاس کیا رکھا ہے جو تھا لُٹ گیا۔ اور میں تو مسلمان ہوں میں کیوں دوں۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم کیا ہو، رہا فدیہ وہ تو دینا ہی ہوگا۔ کہنے لگے تو کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا چچا بھیک مانگ کر۔

رقم دے۔ فرمایا، بھیک کیوں مانگے اس رقم میں سے دو جو چلتے وقت اپنی بی بی کو سونپ گئے ہو۔ ان کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے
چونکہ فدیہ لینے پر آیت عذاب نازل ہوئی تھی اس لیے بعض اصحاب نے فدیہ کی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت
یہ آیت نازل ہوئی کہ جو ہوا سو ہوا، اب جو لے لیا ہے اُسے کھاؤ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فدیہ لینے کی رائے حضرت ابوبکرؓ نے دی تھی جو حضورؐ کو پسند آئی تھی۔ اگر یہ روایت
صحیح ہو تو سارا الزام حضرتؐ کے سر آجائے گا کہ بغیر وحی کا انتظار کیے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر کیوں عمل کیا اور
اس صورت میں جو آیہ عتاب صحابہؓ کے متعلق ہے اس کا رُخ حضرتؐ کی طرف مُڑ جائے گا۔ کوئی عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی۔
اس آیت کے متعلق کہ اگر خدا تمہارے دل نیکی کی طرف مائل دیکھے گا تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا جو مالِ غنیمت
کے طور پر تم سے لیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب عباسؓ مسلمان ہو گئے تو ایک جگہ سے مالِ غنیمت آیا۔ حضرتؐ نے عباسؓ سے
فرمایا، لے چچا چادر بچھائیے اور اس میں سے جتنا چاہیئے لے لیجئے۔ خدا نے جو وعدہ کیا تھا میں اُسے پورا کرتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ
الَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا
وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ
اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم
مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجروں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی تو یہ لوگ باہم ایک دُوسرے کے سرپرست و دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی سرپرستی سے کوئی سروکار نہیں جب تک وُہ ہجرت نہ کریں اگر وُہ تم سے دینی معاملہ میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابل نہیں جن سے تم نے صُلح کا عہد کر لیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

مدینہ میں آنے کے بعد حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اُخوّت قائم کی اور ایک کو دُوسرے کا دُکھ درد میں شریک بنایا۔ یہ بھائی چارہ قائم ہونے کے بعد غریب مہاجروں کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ ان کو رہنے کے لیے گھر دیئے گئے اور ہر طرح مالی امداد کی گئی مگر بعد رسولؐ حکومت پانے کے بعد مہاجرین نے ان سے کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔ انصار بیچارے ہمیشہ حکومت سے محروم ہی رہے۔

ہجرت پر زور اس لیے دیا گیا کہ جو لوگ مکّہ میں رہ گئے تھے ان کو اوّل تو طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ دُوسرے وہ آزادی سے احکامِ اسلام پر عمل نہ کر سکتے تھے تیسرے ان کا ایمان خطرہ میں رہتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ وہ مشرکین و کفار کے دباؤ سے کسی وقت اسلام ترک کر کے پھر ان سے جا ملیں اور اس لیے بھی کہ جو مکّہ میں رہ گئے تھے مسلمان ان کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ نیز یہ کہ وہ جہاد میں شریک ہونے سے محروم رہ گئے تھے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ
كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ
مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

جو لوگ کافر ہیں ان میں ایک دوسرے کا دوست ہے۔ اگر تم اس طرح مدد نہ کرو گے تو روئے زمین پر ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد ہو گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور فی سبیل اللہ جہاد بھی کیا اور وہ جن لوگوں نے پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مؤمن ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور عزّت کی روزی ہے۔ جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور کتابِ خدا کی رُو سے قرابت دار ایک دُوسرے کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے ہجرت بھی کی اور فی سبیل اللہ جہاد بھی کیا۔ اس کے بعد انصار کی تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے مہاجروں کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور وقتِ مصیبت ان کی مدد کی۔ پھر ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کر کے جہادوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ قرابت داری کے علاوہ یہ بھی ایک ایمانی تعلق ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔

---

(۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا
فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ
اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ
الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ
تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ
مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ
عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

(ترجمہ صفحہ ۱۸۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔)

اس سورہ میں حسبِ ذیل امور کا بیان ہے:

۱ ۔ حضرت علیؑ کی فضیلت ۔
۲ ۔ مشرکین سے بیزاری ۔
۳ ۔ جو مشرکین عہد نہ توڑیں تم بھی عہد کو نہ توڑو ۔
۴ ۔ مشرکین پناہ مانگیں تو دو ۔
۵ ۔ سب مؤمنین بھائی بھائی ہیں ۔
۶ ۔ کفّار کے پیشواؤں سے لڑو ۔
۷ ۔ خانہ کعبہ کی آبادی مشرک کا کام نہیں ۔
۸ ۔ حضرت علیؑ، عباس اور طلحہ کے مناظرہ کا فیصلہ ۔
۹ ۔ جنگِ حنین کا قصّہ ۔
۱۰ ۔ غرور کی برائی ۔

۱۱ ۔ مشرک نجس العین ہیں ۔
۱۲ ۔ امام مہدیؑ کے متعلق پیشگوئی ۔
۱۳ ۔ زکوٰۃ نہ دینے کی مذمت ۔
۱۴ ۔ ہمیشہ سے سال کے بارہ مہینے ہیں ۔
۱۵ ۔ حرمت کے چار مہینے ۔
۱۶ ۔ جنگِ تبوک کا قصّہ ۔
۱۷ ۔ غارِ ثور میں رسولؐ کا جانا ۔
۱۸ ۔ خوارج کی نسبت پیش گوئی ۔
۱۹ ۔ منافقین کے تذکرے ۔
۲۰ ۔ مؤمنین باہم دوست ہیں ۔
۲۱ ۔ خدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہے ۔
۲۲ ۔ منافقین ہرگز نہ بخشے جائیں گے ۔
۲۳ ۔ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ ۔
۲۴ ۔ بدو عرب کٹّے کافر ہیں ۔
۲۵ ۔ سابقین اوّلین
۲۶ ۔ مسجد الحرام کا قصّہ ۔
۲۷ ۔ مؤمنین کی جانیں خدا نے خرید لی ہیں ۔
۲۸ ۔ صادقین کون ہیں ۔
۲۹ ۔ بعض صحرائی عرب ایماندار ہیں ۔
۳۰ ۔ اوس وغیرہ کا قصّہ ۔
۳۱ ۔ مسجدِ قبا کی مدح ۔
۳۲ ۔ کعب بن مالک کی توبہ ۔
۳۳ ۔ علمِ دین سیکھنے کا حکم ۔
۳۴ ۔ رسولؐ کی مدح ۔

چند ضروری امور کی توضیح

یہ سورہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقہ پر ہوا۔ ۹ھ میں مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر کیا اور مشرکوں نے اپنے طریقہ پر۔ ۱۰ھ میں حج خالص اسلامی طریقہ پر ہوا۔ یہی مشہور حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔

مشرکین سے جو وعدے ہوتے تھے چونکہ بار بار ان کی خلاف ورزی کی گئی لہٰذا اس کی ضرورت ہوئی کہ واضح طور پر ان کو بتا دیا جائے کہ اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں کیونکہ تم اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہو۔ کفّار و مشرکین اسلام کی تباہی کے لیے اپنی کسی تدبیر سے نہ چوکتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اگر رُوم یا ایران کی طرف سے مسلمانوں پر یلغار ہو تو ہم نقضِ عہد کر کے ان سے جا ملیں۔ اگر ایسی صورت پیش نہ آئے تو ہم ایسی چالیں چلیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے اور خانہ جنگی ہونے لگے۔ وُہ اپنی جنگی قوت کو خفیہ طریقہ سے بڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ امکان تھا کہ کسی وقت نقضِ عہد کر کے حملہ کر بیٹھیں۔

اسلام کا نظامِ حیات کفر کے نظامِ حیات سے بالکل جُداگانہ تھا۔ کفّار و مشرکین اسلامی نظام کو لوگوں کے سامنے معاشرت و تمدّن کے لیے سخت نقصان دہ ثابت کر رہے تھے۔ انہوں نے یہودیوں کو اپنے سے ملا لیا تھا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہودی اہلِ کتاب ہیں ان کے معاشرتی و تمدّنی اصول خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مسلمان جب ان پر عمل نہیں کرتے تو بے دین ہیں۔

بہر حال ایک دو نہیں بہت سی صورتیں ایسی پیش آئیں کہ جنگ نہ کرنے کا جو معاہدہ آنحضرتؐ اور کفّارِ قریش

کے درمیان ہوا۔ اس کی مزید توسیع میں اسلام کے لیے خطرہ نظر آرہا تھا۔ خدا کا یہ حکم ہوا کہ اسے جلد سے جلد توڑ دو کیونکہ معاہدہ کی پابندی اس صورت میں کی جاسکتی تھی جبکہ یہ فریب و حیلہ سازی سے کام نہ لیتے۔ لہٰذا اب ایسی صورت میں ان سے جنگ کرنا اور ان کے ناپاک وجودوں سے سرزمینِ عرب کو پاک و صاف کرنا ضروری ہے۔

ـ ان کو چار ماہ کی مہلت دی جائے اس عرصہ میں خوب سوچ بچار کر کے تین باتوں میں سے ایک اختیار کریں:

۱۔ اسلام قبول کریں۔

۲۔ قلمرو اسلامی سے باہر نکل جائیں۔

۳۔ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

اس کے سوا اور کوئی صورت قابلِ قبول نہیں۔ طے پایا کہ سنہ ۹ھ میں جب مشرکینِ عرب مکہ میں جمع ہوں تو حضرتؐ کی طرف سے ایک وفد جائے اور ان سے برأت و بیزاری کے متعلق خدا کا حکم سنائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرتؐ نے ان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور سورۂ توبہ کی ابتدائی چند آیات جن کا تعلق مشرکین کے معاہدہ اور ان سے بیزاری کا تھا حضرت ابوبکرؓ کو دیکر فرمایا جاؤ اور مشرکین کے اجتماع میں ان کو جا کر سناؤ۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آیات کو لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی پہلی منزل پر پہنچے تھے کہ جبریل امینؑ نازل ہوئے اور فرمایا، خدا فرماتا ہے (حدیث قدسی) لَا يُؤَدِّيهَا إِلَّا أَنْتَ أَوْ رَجُلٌ مِنْكَ۔ (ان آیات کی تبلیغ یا تو خود جا کر کرو یا وہ کرے جو تمہارے گھر کا آدمی ہے۔) یہ سن کر آپؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور خدا کا پیغام سنا کر فرمایا تم فوراً جاؤ اور رستہ میں ابوبکرؓ کو جا لو اور ان سے آیات لے کر خود مکہ پہنچو اور اس تبلیغی ضرورت کو پورا کرو۔ چنانچہ حضرت علیؑ یہ حکم سنتے ہی روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے اور کہا یہ آیات مجھے دو حکمِ خدا یہ ہے کہ میں جا کر تبلیغ کروں۔ انہوں نے کہا کیا میرے بارہ میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ فرمایا اس کا حال رسولِ خدا سے جا کر پوچھو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ دل گرفتہ با چشم پُر آب واپس ہوئے اور حضرت رسولِ خدا سے آ کر واپس بلانے کی وجہ پوچھی۔ آپؐ نے خدائی پیغام کو ان سے بیان کر دیا۔

ـ جو حکمِ خدا آیا تھا اس پر ذرا دیر ہمیں غور کرنا ہے حضرت ابوبکرؓ کو کیوں واپس بلایا اور علیؑ کو کیوں بھیجا۔

۱۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ علی علیہ السلام شریکِ کارِ رسالت تھے۔

۲۔ رسولؐ کے نفس کا ایک جزو تھے۔

۳۔ معصوم تھے ان سے تبلیغ میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی تھی۔

۴۔ علیؑ اشجع العرب تھے۔ کفار کا خوف ان پر غالب نہیں آسکتا تھا چونکہ ان آیات کی تبلیغ سے مشرکین کے بھڑک جانے اور لڑ پڑنے کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا ایک ایسے بہادر کو بھیجنا ضروری تھا جس کی تلوار کی دھاک مشرکین کے دل پر بیٹھی ہوئی تھی اور جو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق تھا۔ (پ۲۶ سورہ فتح آیت ۲۹)

۵۔ حضرت علیؑ نے آنِ واحد کے لیے کسی بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا تھا لہٰذا مشرکین ان کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ

ایک زمانہ میں تم بھی ہماری طرح بت پرست تھے آج ہمارے سامنے ہمارے دین سے بیزاری دکھاتے ہو۔ ہم تم کو قابلِ اعتبار آدمی نہیں سمجھتے۔ محمدؐ کو بلاؤ وہ خود آکر ہم سے بات چیت کریں تمہاری وقعت ہماری نظر میں وہی ہے جو پہلے تھی۔

۶ ۔ اگر مشرکین کچھ سوال کریں تو پوری ذمہ داری سے اس کا جواب دیا جائے۔

یہ الزام حضرت رسولِ خدا پر عاید نہیں ہو سکتا کہ اگر رسولؐ کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ اس عہدہ کے قابل نہ تھے تو ان کو بھیجا کیوں تھا۔ حضورؐ کا بھیجنا اس کی دلیل ہے کہ رسولؐ کو ان کی ذات پر ہر طرح کا اعتماد تھا۔

جواب یہ ہے کہ یہ خواہش تو خود ابوبکرؓ نے حضورؐ سے کی تھی۔ اگر رسولؐ رد کر دیتے تو ان کی دل شکنی ہوتی چونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی اس وقت تک نہیں آئی تھی لہٰذا یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کر دینے میں کیا مضائقہ تھا۔

ـ جب حضرت علیؑ مکہ معظمہ میں پہنچے تو جمرۂ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:

لوگو میں رسولِ خدا کا رسول ہوں۔ اس کے بعد نہایت بے باکی سے وہ آیتیں پڑھ کر سنا دیں۔ مفسرین اہلسنت جیسے علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، بغوی نے معالم التنزیل میں، امام احمد نے اپنی مسند میں۔ ترمذی، نسائی اور ثعلبی وغیرہ نے بھی اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے جہاں بیشمار فضائل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ رَجُلٌ مِنْكَ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو کیسی خصوصیت رسولؐ کے ساتھ تھی گویا ایک جان اور دو قالب تھے۔ سوائے اہلبیتؑ کے یہ مِنْ کی نسبت اور کسی شخص کے بارہ میں نہیں پائی جاتی۔

يَا عَلِيُّ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ۔ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي۔ اَلْحَسَنُ مِنِّي۔ اَلْحُسَيْنُ مِنِّي۔

یہ لفظ مِنْ انتہائی قربت و خصوصیت پر دال ہے۔

ترجمہ:

اے مسلمانو، جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا اب خدا و رسول کی طرف سے ان سے یکدم بیزاری ہے۔ (اس کے بعد مشرکوں سے کہا جاتا ہے اے مشرکو) تم چار مہینے (ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ محرم اور رجب) چین سے بے خوف و خطر روئے زمین پر چل پھر لو۔ (اس کے بعد تم کو آزادی نصیب ہو گی) اور یہ بھی سمجھ لو کہ تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ خدا کافروں کو ضرور رسوا کر کے رہے گا۔ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو مگر ہاں جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۴

پھر انہوں نے وفائے عہد میں کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو عہد و پیمان کی جتنی مدت باقی ہے اسے پورا کرو بے شک خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۶ ع

جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ گرفتار کرو اور ان کو اپنے گھیرے میں لو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ غفور رحیم ہے اور اگر مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو اُسے پناہ دو تاکہ وُہ (تمہارے پاس رہ کر) اللہ کا کلام سُنے پھر اُسے محفوظ (امن کی) جگہ میں پہنچا دو۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ جانتے نہیں (کہ حق و باطل میں کیا فرق ہے)۔

مشرکین اگر پناہ مانگیں تو پناہ دو

خداوند عالم کا رحم و کرم دیکھو کہ وہ مشرکوں کو بھی پناہ دینے کا حکم دے رہا ہے۔ وہ تو ایسی حالت میں ان کے قتل کا حکم دیتا ہے جبکہ مشرک اسلام دشمنی سے کسی طرح باز ہی نہ آئیں۔ معاہدہ کرنے کے بعد بھی وہ نقضِ عہد کریں۔ ایسوں کے لیے قتل و قید اور ہر جگہ ان کی تاک میں رہنے کا حکم ہے۔ جن مشرکوں نے پناہ طلب کی ہو تو ان سے کہا جائے کہ وہ تھوڑی دیر تمہارے پاس آکر بیٹھا کریں اور قرآن کو سُنیں اور اس کی آیات کا مطلب سمجھیں تاکہ اسلام کی طرف سے جو غلط باتیں ان کے کان میں ڈال

دی گئی ہیں ان کی اصلاح ہو جائے اور اس طرح وہ راہِ راست پر آجائیں۔ خدا تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شرک و کفر کی جڑ کٹ جائے اور اس کے سب بندے صرف اس کو اپنا معبود قرار دیں اور بُت پرستی کی لعنت سے بچیں تاکہ دین و دنیا دونوں جگہ ان کی بہتری ہو۔
مشرکین کو پناہ دینے کی صورت یہ ہے کہ دورانِ جنگ میں اگر کوئی مشرک یہ کہے کہ میں تم سے اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں تو اُسے پناہ دے کر اپنے ساتھ رکھیں اور سمجھائیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸ اِشْتَرَوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹

(جبکہ مشرکین نے عہد شکنی کی) تو پھر خدا اور رسول کے نزدیک ان کا معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں نے تم سے خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھے طریقہ سے رہیں تو تم بھی ان سے اپنا عہد قائم رکھو بے شک خدا متقیوں کو دوست رکھتا ہے اُن کا عہد (اس حالت میں) کیونکر قائم رہ سکتا ہے کہ جب تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملہ میں نہ تو رشتہ داری ہی کا پاس و لحاظ رہتا اور نہ اپنے قول و قرار کی ذمّہ داری کا۔ صرف زبان سے تمہیں خوش کر دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر تو بہت ہی بدچلن ہیں ان لوگوں نے آیاتِ خدا کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی اور پھر لوگوں کو خدا کی راہ سے رُکنے لگے جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں بہت ہی بُرا ہے۔

مسجد الحرام کے پاس جن لوگوں سے معاہدہ ہوا تھا وہ بنی کنانہ، بنی خزاعہ اور بنی ضمرہ تھے۔ لوگ زبان سے تمہیں راضی کرتے ہیں یعنی بظاہر تو وہ صلح کی شرطیں قبول کر لیتے ہیں مگر دل میں بدعہدی کا ارادہ ہوتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب بھی انہوں نے معاہدہ کیا اس کے خلاف ہی عمل کیا۔
دوسری بات مسلمانوں کو یہ بتائی گئی ہے کہ تم پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد تم سے رشتہ داری کا تعلق بھی قطع کر لینے

ہیں یعنی ان کے اخلاق حد درجہ پست ہیں لہٰذا ان کی رشتہ داری پر کوئی بھروسہ نہ کرو۔

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾ فَإِنْ
تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا
فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿١٢﴾
أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ
بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

یہ لوگ کسی مومن کے بارہ میں نہ تو رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ اپنے قول و قرار کا۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں بس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنی آیتوں کو لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں اگر یہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں تم کو طعنہ دیں تو تم ان کفر کے سرداروں سے خوب لڑو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ (مسلمانو) تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکال باہر کرنا اپنے دل میں ٹھان لیا تھا اور تم سے چھیڑ چھاڑ بھی پہلی بار انہوں نے ہی کی تھی تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا ان سے زیادہ ڈرنے کے قابل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

کافروں کی اس حالت کو دہرایا گیا ہے کہ یہ اپنے مسلمان رشتہ داروں کا ذرا بھی پاس و لحاظ کرنے والے نہیں نہ اپنے قول و قرار کے پابند ہیں۔ پھر ایسے لوگوں سے معاہدہ کرنا ہی فضول ہے کیونکہ مسلمانوں کو اپنے ان کافر رشتہ داروں سے کوئی بھلائی کی امید نہیں۔ ان کی توبہ بھی اس وقت تک قابلِ قبول نہ ہوگی جب تک یہ عملی صورت نہ دکھائیں یعنی نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ صرف زبان سے توبہ کر لینا کافی نہ ہوگا۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ
صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ
يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ
جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ
وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

ان (مشرکوں) سے بے خوف و خطر لڑو خدا تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے گا۔ اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح دے گا اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور کفار کی طرف سے جو تکلیف مومنین کو پہنچی ہے اس کو دور کر دے گا اور خدا جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا اور اللہ بڑی حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تمہیں یونہی چھوڑ دے گا حالانکہ اللہ نے تو ابھی دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی راہ میں جانفشانی کی اور اللہ و رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا پکا دوست نہیں بنایا جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ کفار کے ہاتھوں جو تم کو تکلیفیں پہنچی ہیں ان کا غم نہ کرو وہ وقت آرہا ہے کہ ان کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دلوائے گا اور ذلیل کرائے گا اور تمہارے رنج و غم کو دور کر دے گا۔ اس کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا کہ ان کافروں میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو توبہ کر لیں گے توبہ کا دروازہ ان پر کھلا ہوا ہے اس کے بعد مسلمانوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ ابھی تو خدا نے تم میں سے ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہو اور اللہ و رسول و مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ اگر تم اس گروہ میں سے ہوگے تب تو خیر ورنہ تم سے بھی باز پرس ہوگی۔ جو لوگ کفار سے چھپ چھپ کر ملتے تھے انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ
يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ
الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
جٰهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿١٩﴾

مشرکین جب اپنے کفر کا خود اقرار کر چکے تو ان کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں ان کے اعمال تو سب اکارت گئے اور وہ تو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کریں گے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھی ہے اور زکوٰۃ دی ہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے تو عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کو اتنا بڑا سمجھ لیا ہے کہ اس شخص کے برابر ہو گئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اور جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہے خدا کے نزدیک یہ سب برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کو خانہ کعبہ کی تولیت، اس کی مجاوری، اس کی خدمت، اعلانِ عبادت اور دیگر خدمتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جس خدا کا وہ گھر ہے جب وہ اس کو مانتے ہی نہیں یا کسی اور کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں، تو انہیں اس سے کوئی تعلق رکھنے کا کیا حق ہے۔ اس کی خدمت تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں، راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں۔

ایک دن جناب عباسؓ و طلحہؓ بن شیبہ باہم فخر کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر اپنی فضیلت ظاہر کر رہے تھے۔ طلحہؓ کا کہنا تھا کہ میں آپ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں کیونکہ خانہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے گویا میں اس کا مالک ہوں۔ عباسؓ بولے میں تم سے افضل ہوں کہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں۔ اتنے میں حضرت علیؑ کا گزر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا، میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں نے سب سے پہلے رسولِ خداؐ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ایمان لایا ہوں اور خدا کی راہ میں جہاد

کیا ہے۔ آخر کار تینوں حضرت رسولِ خداؐ کے پاس فیصلہ کو آئے۔ اس وقت آیۂ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ الخ نازل ہوئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں سب سے بڑی فضیلت ان لوگوں کے لیے ہے جو مومن ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

الَّذِينَ اٰمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجٰهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۙ أَعْظَمُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ
إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ
وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
مِّنْكُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٢٣﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد فی سبیل اللہ کیا اللہ کے نزدیک ان کے درجات بہت بلند ہیں اور وہی لوگ (اپنی زندگی میں) کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی بشارت دیتا ہے اور اپنی مرضی کی بھی اور ان باغوں کی جن میں خدا کی دائمی نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ بے شک خدا کے پاس اجرِ عظیم ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا، بھائی بہن ایمان کے مقابل کفر کو دوست رکھتے ہوں تو تم ان کو اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو لوگ ان سے محبت کریں گے وہ ظالم قرار پائیں گے۔

قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۧ ﴿۲۴﴾

اے رسول کہدو کہ اگر تم کو اپنے باپ دادا اپنی اولاد اپنے بھائی اور اپنی بی بیاں اور اپنے قبیلے والے اور اپنا حاصل کیا ہوا مال اور تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو خدا و رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو ذرا ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ تو بدکار لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

بظاہر یہ حکم بڑا سخت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے تمام عزیزوں سے ذریعہ معاش سے اور تجارت اور مکانات سے ہاتھ اُٹھانا پڑتا تھا کسی طرف دل لگانے کی اجازت ہی نہ تھی۔ جو کچھ تھا وہ جہاد تھا بیشک یہ حکم مسلمانوں پر بڑا شاق گزرا ہوگا۔ لیکن ایسا حکم دینا ضروری تھا ورنہ مسلمانوں کی ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے اور اس تکلیف کے بعد جو راحتیں ان کو ملیں اُن سے محروم رہ جاتے۔ کوئی قوم جب تک ایسی بڑی قربانیاں نہیں دیتی دنیا میں اُس کا وقار بلند نہیں ہوتا۔ اس حکم کے تحت جو مصیبت مسلمانوں پر آئی اور جو تکلیف اُن کو ہوئی وہ چند سال کے بعد ختم ہو گئی۔ ورنہ دوسری قومیں انہیں پیس کر رکھ دیتیں۔ اللہ نے ہر طرف سے ان کے دل ہٹا کر صرف ایک طرف لگا دیئے یعنی اسلام کی ترقی و بہبود کی فکر کی طرف۔ دیکھو جنگِ اُحد میں مسلمانوں پر طمع غالب آتے ہی جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ یکایک کیسے بدل گیا تھا۔ اگر کچھ ایسے لوگ نہ ہوتے جن کی نظر میں دُنیا اور سامانِ دُنیا ہیچ تھا اور جو اللہ و رسولؐ اور جہاد کو سب سے زیادہ دوست رکھتے تھے تو اسلام کا بیڑا غرق ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ
جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾

اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی۔ اور حُنین کے دن جب تم کو تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈال دیا تھا (تم اترا گئے تھے لیکن) اس کثرت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور پیٹھ دکھا کر بھاگ پڑے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل کی اور ایسے لشکر نازل کیے جنہیں تم دیکھتے نہیں تھے اور کافروں پر عذاب نازل کیا اور کافروں کی یہی سزا ہے اس کے بعد خدا جس کی چاہے توبہ قبول کرے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

اس آیت میں غزوۂ حنین کا ذکر کیا گیا ہے یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی جو اس سے پہلے اور کسی غزوہ میں نظر نہیں آتی۔ مقابل میں کفّار کی تعداد کم تھی یعنی چار ہزار مسلمان یہ حال دیکھ کر کہ ہماری تعداد زیادہ ہے غرور و تکبّر میں چھک گئے اور اپنی فتح کو یقینی سمجھنے لگے۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور تلوار چلنے لگی تو کفّار مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان تلواروں کے قبضے چھوڑ کر مال لوٹنے لگے۔ بھاگے ہوئے کفّار نے کچھ دُور جا کر دم لیا اور ایک نے دوسرے کو غیرت دلائی کہ تمہاری عورتوں اور بچوں کو مسلمان قید کر رہے ہیں، تم اپنی جانیں بچا کر کیا نام پیدا کرو گے۔ الغرض وہ سب پلٹ پڑے۔ مسلمان تو لوٹ میں مشغول تھے ہی یکایک جو حملہ ہوا تو گھبرا گئے اور جس کا منہ جدھر تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ صرف دس آدمی حضرتؐ کے پاس رہ گئے یعنی علیؑ۔ عباسؓ۔ ابوسفیانؓ۔ نوفلؓ۔ فضل بن عباسؓ۔ ربیعہؓ۔ عبداللہ بن عمیرؓ۔ عتبہؓ۔ معتبؓ پسرانِ ابولہب۔ حضرت علیؑ علم لشکر لیے حضرت رسولِ خداؐ کے آگے تھے اور جہاد کر رہے تھے اور فضلؓ و عباسؓ داہنے بائیں تھے۔ بنی ہوازن کے دو ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برسا رہے تھے جس نے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو پلٹنے کی ہمت ہی نہ دلائی۔ حضرت رسولِ خدا نام لے لے کر ایک ایک کو پکار رہے تھے مگر کسی ایک نے نہ سنی۔

آخر عباسؓ جو ایک بلند آواز آدمی تھے ایک ٹیلے پر چڑھے اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ اے خدا کے بندو، اے بیعت رضوان کرنے والو اور سورۂ بقر کے صحابیو، رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ پلٹو، پھرو، جان نہ چراؤ، بیعت کا کچھ تو خیال کرو۔ آخر یہ آواز سن کر لوگوں کو غیرت آئی اور سب پلٹ پڑے اور دوبارہ کفّار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت رسولِ خدا نے ایک مٹھی خاک اُٹھا کر کفّار کی طرف پھینکی اور بددعا کی۔ فرشتے بھی مدد کو آموجود ہوئے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور چھ ہزار عورتیں اور مرد قید کیے گئے۔ بائیس ہزار اونٹ چار ہزار گائیں اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور دُنبے مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے۔

جنگِ اُحد کے بعد یہ دوسرا واقعہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کا ساتھ چھوڑا۔ اگرچہ بعد میں واپس آئے لیکن ان کے واپس آنے تک رسولؐ کے لیے جیسا خطرناک وقت تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اکثر مؤرخین و مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس موقع پر غیر معمولی شجاعت سے کام لیا۔ دشمن رسولؐ کی طرف اس خیال سے جب بھی بڑھتا تھا کہ حضورؐ کو قتل کر دیں حضرت علیؑ آگے بڑھ کر ان کے حملہ کو روکتے اور انہیں قتل کرتے تھے۔ اس عرصہ میں کہ مسلمان

پلٹ کر آئیں بے شمار تیر آپؐ کے سینۂ مبارک پر آ کر چپکے تھے اور تلواروں کے زخم بھی تھے مگر آپؐ نے نصرتِ رسولؐ سے جان نہ چرائی اور برابر لڑتے ہی رہے۔ جنگِ اُحد میں جس طرح حضورؐ کی جان کے محافظ بنے رہے تھے یہاں بھی بنے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حنین کی جنگ مسلمانوں کے لیے سخت ترین معرکہ تھا۔ قرآن کریم میں اس کی تصویر کشی جن الفاظ میں کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین مسلمانوں پر تنگ ہو گئی تھی اور انہیں کہیں اپنے لیے جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔ یہ نتیجہ تھا ان کے غرور و تکبّر اور مالِ دنیا کے لالچ کا۔ جنگِ اُحد میں بھی جو مصیبت مسلمانوں پر آئی تھی وہ بھی اسی مالِ غنیمت کی طرف لپکنے کی وجہ سے آئی تھی۔

ابو سفیان مسلمانوں کے بھاگنے پر بڑا خوش تھا مسکرا کر کہتا تھا محمدؐ کا جادو ختم ہو گیا اب یہ مسلمان سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے۔ اسی سال تو بظاہر یہ شخص داخلِ اسلام میں داخل ہوا تھا ایسا نہ کہتا تو اور کیا کہتا۔ اس کی تو دلی خواہش تھی کہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو لیکن ہوا وہی جو اللہ نے چاہا تھا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ
عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦٓ إِن شَآءَ ۚ
إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۲۸ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلْحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ
أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعْطُوا۟ ٱلْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَٰغِرُونَ ۲۹ ع

اے ایمان والو مشرکین نجس ہیں اس سال کے بعد یہ لوگ مسجد الحرام (کعبہ) کے پاس بھی نہ جانے پائیں اگر تمہیں ان سے جدا ہونے میں فقر و فاقہ کا خوف ہے تو اللہ نے چاہا تو اپنے فضل سے عنقریب تمہیں مالدار بنا دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ تم اہلِ کتاب میں سے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں لائے اور جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دی ہیں انہیں حرام نہیں جانتے اور نہ سچے دین ہی کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں سے لڑتے جاؤ تاآنکہ وہ لوگ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں

مشرکین چونکہ نجس العین ہیں لہٰذا ان کو مسجد الحرام کے پاس جانے سے روکا گیا۔ اگرچہ بظاہر وہ کیسے ہی پاک

صاف ہوں مگر چونکہ از روئے عقاید و اعمال وہ نجس ہیں، خدا اور روزِ قیامت وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا کے سوا بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی رُوح اور نفس نجس ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی چھوئی ہوئی ہر چیز نجس ہے۔ جب مشرکوں کے مکّہ میں آنے کی ممانعت ہوئی تو مسلمان گھبرائے کہ جب یہ لوگ تاجرانہ حیثیت سے بھی یہاں نہ آسکیں گے تو غلّہ ہم کو کہاں سے ملے گا۔ اس صورت میں تو ہم فاقہ کرتے کرتے مر جائیں گے۔ لہٰذا اللہ فرماتا ہے کہ تم اس کی پرواہ نہ کرو، رازق تو خدا ہے عنقریب تمہاری یہ پریشانی دُور کر دے گا۔ چنانچہ پہلے ہی سال خوب بارش ہوئی اور اہلِ یمن کے ایک گروہ کو توفیق دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور اپنا غلّہ فروخت کرنے کے لیے مکّہ میں آ گئے۔

یہ تمام پیش بندیاں اس لیے کی گئیں کہ مسلمانوں کا میل جول مشرکوں سے نہ بڑھے۔ تاکہ ان کے ناشائستہ اخلاق کا اثر نہ پڑے اور ان کے مشرکانہ عمل میں شریک ہونے سے محفوظ رہیں۔ چونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر لیا تھا اس لیے بھی ان سے بچنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ سب احتیاطی تدابیر اس لیے اختیار کی گئی تھیں کہ مسلمانوں کے ایمان میں کمزوری پیدا نہ ہو۔

اس زمانہ میں جو اختلاط و ارتباط مسلمانوں کا مشرکین سے ہو رہا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایمان و عمل دونوں خطرہ میں نظر آ رہے ہیں۔ اسلامی مراسم مٹتے جا رہے ہیں اور مشرکوں کے عادات و اطوار اپنی تسخیر کے جال میں ہمیں پھانستے چلے جاتے ہیں۔ مشرکوں کی طرح یہودیوں سے بھی جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ احکامِ خدا میں اُنہوں نے بڑا تصرّف کیا تھا۔

وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ
قَوْلُهُم بِأَفْوَٰهِهِمْ ۖ يُضَٰهِـُٔونَ قَوْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ قَٰتَلَهُمُ
ٱللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۳۰ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ
ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ
لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۳۱

یہودیوں نے کہا عزیر ابن اللہ ہیں نصاریٰ نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں۔ یہ تو خود ان ہی کی بات ہے جو انہی کے منہ سے نکلی ہے یہ لوگ بھی انہی کافروں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ خدا ان کو قتل کرے یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور زاہدوں اور مسیح و مریم کو اپنا

خدا بنا ڈالا حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک خدا کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔

یہودی ہوں یا نصرانی جو عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا بناتے ہوئے ہیں ایک بے ثبوت فرضی بات ہے جو انہی کے منہ سے نکلی ہے کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ یہودیوں میں جو اکہتر فرقے ہوئے اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے توریت کو اپنے عالموں اور رہبانوں کے ہاتھوں میں دے دیا اور ان غیر ذمہ دار لوگوں سے اس کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ وہ چونکہ غیر معصوم تھے اور مال و دولت کے حریص لہٰذا انہوں نے توریت میں تصرفات شروع کر دیئے اور ان کو ایسے غلط راستہ پر لگایا جو تعلیم توریت کے خلاف تھا۔ یہی حشر نصاریٰ کا ہوا۔ انہوں نے انجیل پادریوں کے حوالے کر دی کہ جیسا وہ چاہیں سمجھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں بہتر فرقے ہوئے۔ یہی حشر مسلمانوں کا ہوا کہ رسولؐ نے قرآن کو جن لوگوں سے لینے کا حکم دیا تھا یعنی اہل بیتؑ رسولؐ۔ ان سے نہ لیا گیا اور قرآن کو اپنے عالموں کے سپرد کر کے ان کی بیان کردہ تفسیروں اور تاویلوں پر ایمان لے آئے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ قرآن تو اختلاف مٹانے آیا تھا پھر یہ اختلاف پیدا کیوں ہوا اور کب سے ہوا۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ پھونکیں مار مار کر خدا کے نور کو بجھا دیں لیکن خدا اس کے سوا کچھ مانتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا کر ہی دے چاہے کفار کتنا ہی برا مانیں۔ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر اُسے غالب کر دے چاہے مشرک کتنا ہی برا مانیں۔

اسلام کی ترقی دیکھ کر مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ سب جلے مرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام کو ملیا میٹ کر دیں اور اس نور کو بجھا دیں جو ضلالت کی تاریکی کو مٹانے آیا ہے لیکن جس چراغ کو اللہ نے روشن کیا ہو اُسے کون بجھا سکتا ہے ؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد — اگر گیتی تف زند ریشش بسوزد
اس کے بعد خدا نے دین اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے کا ذکر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پیش گوئی

پوری ہو گئی ہے یا آگے چل کر پوری ہوگی۔ اسلام کے علاوہ جب اور بہت سے دین باقی ہیں اور وہ آزادی سے اپنی تبلیغ کر رہے ہیں مسلمانوں کی تعداد بھی ان کے مقابلہ میں تھوڑی ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آ گیا۔ یہ غلبہ تو اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب اسلام کے سوا دنیا میں کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ شرک و کفر کا نام صفحہ روزگار سے مٹ جائے گا۔ اور ہر طرف سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آوازیں آتی ہوں گی۔ ایک دو نہیں بیشمار علمائے اسلام نے اس کی تصدیق کی ہے کہ ایسا غلبہ ظہور قائم آل محمدؐ حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں کے زمانۂ ظہور میں ہوگا۔ تفسیر دُرِّ منثور و تفسیر کبیر عرف الوردی فی احوال المہدی میں اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ اس کے متعلق مبسوط کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اردو زبان میں الصراط السوی فی احوال المہدی مصنفہ علامہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی مرحوم قابلِ دید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو، بہت سے علمائے یہود اور رہبان ایسے ہیں جو غلط طریقہ سے لوگوں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور لوگوں کو راہ خدا پر چلنے سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ روز قیامت یہ سونا چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے وہ چیز جسے تم نے اپنے نفسوں کے لیے جمع کیا تھا۔ اب مزہ چکھو اُس چیز کا جس کو تم ذخیرہ کیا کرتے تھے۔

دولت حاصل کرنا شرعاً ممنوع نہیں بشرطیکہ احکام خدا کی پابندی کی جائے یعنی زکوٰۃ دی جائے۔ خمس دیا جائے صلہ رحم کیا جائے۔ امورِ نیک میں مال کو صرف کیا جائے۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہوئے ہیں جو سوائے قوتِ لایموت کوئی سامان گھر میں رکھتے ہی نہ تھے بلکہ اکثر اوقات فقر و فاقہ ہی میں گزارتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا قاعدہ تھا کہ جو جتنہ

مالِ غنیمت میں ملتا اُسے اپنے گھر کے اندر لاتے ہی نہ تھے بلکہ دروازہ ہی پر مستحقین کو تقسیم کر دیتے تھے۔ یہ منزلیں بہت بلند ہیں۔ ان تک سوائے اہلبیتِ رسولؐ اور کون پہنچ سکتا ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا
فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ
كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ
فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾ ع

اس میں شک نہیں کہ خدا نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اُسی دن سے) خدا کے نزدیک کتابِ خدا (لوحِ محفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے ان میں سے چار مہینے قابلِ احترام ہیں یہی دین کی سیدھی راہ ہے تو ان چار مہینوں میں (کُشت و خون کر کے) تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکین جس طرح سب کے سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اسی طرح مل کر لڑو اور یہ سمجھ رکھو کہ اللہ یقیناً پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر ہی کی زیادتی ہے کہ ان کی وجہ سے کفّار بہک جاتے ہیں۔ ایک سال تو اسی مہینہ کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام کہنے لگتے ہیں تاکہ خدا نے جو چار مہینے حرام کیے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں اور خدا کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اللہ منکرینِ حق کو ہدایت نہیں کرتا۔

محققین کا یہ کہنا غلط ہے کہ بارہ مہینوں کی تعداد اہلِ بابل یا یونانیوں کی ایجاد ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ تعداد خدا کی اوّل روز ہی سے مقرر کی ہوئی ہے۔ اَلنّسی کے معنی زیادتی کرنے کے ہیں۔ مشرکینِ عرب جب کسی سے لڑنا چاہتے تھے تو کسی حرام

مہینہ کو حلال قرار دے لیتے تھے اور کسی حرام مہینہ کو اس میں ملا کر تعداد پوری کر دیتے تھے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے ایک مہینہ جیسے ہندو لوند کا مہینہ کہتے ہیں زیادہ کر دیتے تھے تاکہ حج ایک ہی موسم میں رہے۔

بارہ مہینوں کو دینِ قیّم اس لیے کہا ہے کہ تمام عبادات انہی مہینوں میں بجالائی جاتی ہیں۔ ان میں کوئی زیادتی کرنے کو خدا نے حرام قرار دیا ہے اوّل تو یہ گناہ ہے کہ خدا نے جسے حرام کیا ہے اُسے حلال قرار دیا جائے دوسرے جو حساب قمری خدا نے رکھا ہے اس کو شمسی سے بدلنا کھلی ہوئی خدا سے بغاوت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ
أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا
قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا
تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلو تو تم لدھڑ بن کر زمین کی طرف جھک پڑتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا تو بہت قدرِ قلیل ہے۔ اگر تم جنگ کے لیے نہیں نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور خدا تو ہر شے پر قادر ہے۔

سنہ ۹ھ میں حضرتؐ کو پتہ چلا کہ ہرقل بادشاہِ رُوم ایک عظیم الشّان لشکر لے کر حضرتؐ سے مقابلہ کے لیے حمص تک آپہنچا ہے۔ آپؐ نے اصحاب کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور جو مسلمان جہاں کہیں تھا اُسے جہاد میں شریک ہونے کے لیے بُلایا۔ اس زمانہ میں شدید گرمی تھی اور قحط کی پریشانی بھی تھی پھر مسافت دُور کی تھی۔ دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت بھی پیشِ نظر تھی۔ خرمہ کی تیاری کا وقت بھی قریب آگیا تھا۔ ان وجوہ سے مسلمانوں کو جانے میں تامّل تھا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حکمِ خدا کے سامنے ان سب باتوں پر نظر رکھنا مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری کا ثبوت تھا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي
الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ
وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ
هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پروا نہیں خدا مددگار ہے) اُس نے تو اس وقت مدد کی جب اُسے (کفّار نے) گھر سے باہر نکال دیا تھا اس وقت رسول دو میں سے دوسرے تھے۔ جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب رسول اپنے ساتھی کو (گریہ وزاری کی وجہ سے) سمجھا رہے تھے کہ (گھبراؤ نہیں) خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے پس خُدا نے رسُول پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور فرشتوں کے لشکر سے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے ہم نے اس کی مدد کی اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے تم ہلکے پھلکے (نہتے) ہو یا بھاری بھرکم (مسلح) بہرحال جب تم کو حکم دیا جائے تو چل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں جہاد کرو اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی جس مدد کا ذکر کیا ہے وہ حضرت علیؑ جیسے بہادر کو حضورؐ کے فرش پر سُلانے کا حکم تھا۔ (حضرت علیؑ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر حضورؐ کی جان بچائی) دوسرے غارِ ثور کے دہانہ پر مکڑی نے بحکم خدا جالا تن دیا جس سے کفار سمجھے کہ آپؐ اس غار میں نہیں ہیں اگر ہوتے تو یہ جالا ضرور ٹوٹ جاتا۔ تیسرے درخت کی شاخیں جو غار کے دہانہ پر لٹکی ہوئی تھیں وہاں کبوتر اپنے آشیانہ میں بیٹھے انڈے سیہ رہے تھے۔ لہٰذا یہ بھی اس کا ثبوت تھا کہ حضورؐ اس غار میں داخل نہیں ہوئے ورنہ کبوتر اڑ جاتے۔ غار میں حضرتؐ کے ساتھی جناب ابوبکرؓ تھے۔ انہوں نے کیا خدمات انجام دیں اس کا حال تاریخی کتابوں میں پڑھ لیجیے۔

جبلِ ثور کی چوٹی پر ایک گنبد نما چٹان کے اندر ایک غار تھا جس کا دروازہ ڈیڑھ دو بالشت کے قریب لمبا چوڑا تھا اسی دروازہ سے آنحضرتؐ مع ابوبکرؓ داخل ہوئے تھے۔ مشرکین حضرتؐ کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر جب غار کے دہانہ پر جالا دیکھا اور کبوتروں کو وہاں آشیانہ میں بیٹھا دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس میں داخل نہیں ہوئے۔ پہلی آیت لِصَاحِبِہٖ

سے حضرت ابوبکرؓ کی کوئی خاص فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ صاحبِ رسول تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ دوسرے لفظ صاحب تو سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے کافر ساتھیوں پر بھی بولا گیا ہے۔ جب رسولؐ ساتھ تھے تو ان کو رنج یا حزن وملال ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جانتے تھے کہ جب رسولؐ میرے ساتھ ہیں تو اللہ بھی ساتھ ہے پھر پریشانی کیسی۔ تیسرے ان کے ساتھ ہونے سے رسُولؐ کو غار میں کیا فائدہ پہنچا۔ اگر نہ ہوتے تو کیا نقصان پہنچ جاتا۔ واقعہ ہجرت میں تو سب سے بڑی فضیلت صرف حضرت علیؑ نے حاصل کی جو فرشِ رسولؐ پر ایسی حالت میں سوئے جبکہ دشمن برہنہ تلواریں لیے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور علیؑ کے شہید کر دیئے جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ یہ معمولی خدمت نہ تھی بلکہ جان بیچ کا سودا تھا جیسا کہ اس آیہ سے ظاہر ہوتا ہے' وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ البقرہ، ۲/۲۰۷ "اور لوگوں میں (خدا کے بندے) کچھ ایسے بھی ہیں جو خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔"

(ہجرت کے واقعات کی تفصیل تفسیر القرآن جلد اول میں دیکھیے۔)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ
وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ ع ۵/۱۲
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اے رسول اگر سر دست فائدہ اور سفر آسان ہوتا تو یہ ضرور تمہارے ساتھ جاتے لیکن مسافت کی مشقت طولانی ہو گئی اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں اگر ہم میں سکت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ وُہ اپنے نفسوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اے رسول اللہ تم سے درگزر فرمائے تم نے انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت ہی کیوں دی اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم پر ظاہر ہو جاتا جو لوگ سچے تھے اور جان لیتے ان کو بھی جو جھوٹے تھے۔ اے رسول جو لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے کی اجازت نہ مانگیں گے (بلکہ خود جائیں گے) اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیات جنگِ تبوک کے موقع کی ہیں۔ منافق کسی طرح مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور طرح طرح کے حیلے حوالے کرتے تھے، کہتے تھے جب ہم سب چلے گئے اور دشمن مدینہ پر آچڑھے تو ہمارے بی بی بچے قید کر لیے جائیں گے اور سارا سامان لٹ جائے گا۔ حضرتؐ سخت پریشان تھے کہ کیا کریں۔ آخر جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا آپ پریشان نہ ہوں۔ جنگ کی نوبت نہ آئے گی صلح ہو جائے گی۔ آپؐ علیؑ کو اپنا نائب بنا کر چلے جائیں۔ چنانچہ حضرتؐ روانہ ہو گئے۔ منافقوں نے یہاں طعنہ زنی شروع کی کہ آنحضرتؐ علیؑ سے ناخوش ہیں اب ان پر اعتماد نہیں رہا جب ہی تو بال بچوں کی حفاظت کے لیے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ حضرت علیؑ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپؑ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے اور پہلی ہی منزل پر حضرتؐ سے جا ملے۔ اور حضرتؐ سے عرض کی کہ منافقین مجھے یہ طعنے دے رہے ہیں۔ فرمایا یَا عَلِیُّ اَمَا تَرْضٰی اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (حدیث منزلت) "اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ مگر ہاں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔) تم واپس جاؤ اور منافقوں کی طعنہ زنی کا خیال چھوڑ دو۔

منافقوں نے ایک نئی چال یہ چلی کہ راستہ میں ایک گڑھا خس پوش کر دیا کہ حضرت علیؑ ادھر سے گزریں تو اس میں جا پڑیں۔ جب آپؑ قریب پہنچے تو اس گڑھے کے کنارہ گھوڑا اڑ کر گیا۔ آپؑ نے فرمایا، نہیں ادھر ہی سے چل چنانچہ آپؑ خوشبو کے جھونکے کی طرح پار ہو گئے۔ منافقین ادھر ادھر لگے دیکھ رہے تھے جب یہ حال دیکھا تو بھاگے۔ حضرتؑ نے ان میں سے کئی کو پہچان لیا۔

یہ حدیثِ منزلت جس کا اوپر ذکر ہوا ہے معتبر احادیث میں سے ہے۔ بہ کثرت علمائے اہلسنّت نے اس کو نقل کیا ہے۔ فردوس مآب علامہ حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم نے عبقات الانوار کی ایک جلد اس حدیثِ منزلت کی توثیق و تصدیق کے اوپر لکھی ہے۔ اس حدیث سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ بلا فصل تھے اسی طرح حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے تھے۔ "لانبی بعدی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، میں خاتم النبیین ہوں۔ اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو اے علی تم ہی نبی ہوتے۔ جس طرح حضرت ہارونؑ منصوص من اللہ خلیفہ حضرت موسیٰؑ تھے اسی طرح حضرت علیؑ بھی منصوص من اللہ خلیفۂ رسولؐ تھے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ

خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے رسولؐ تم سے رُکنے کی اجازت تو وہی لوگ مانگتے ہیں جن کا ایمان اللہ اور روزِ قیامت پر نہیں اور ان کے دلوں میں شک ہے وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اگر ان کا ارادہ باہر نکلنے کا ہوتا تو کچھ تو سامان کرتے مگر بات یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ بھیجنے کو ناپسند کرتا ہے اس لیے انہیں کاہل بنا دیا ہے اور (گویا) ان سے کہہ دیا ہے کہ تم گھر میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے باتیں بناتے رہو۔ اگر یہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تم میں فساد ہی برپا کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور تم ہی میں سے ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ان شریروں سے خوب واقف ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنے برپا کیے تھے اور تمہارے معاملات کو اُلٹ پلٹ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حق بات آگئی اور امرِ خدا ظاہر ہو گیا درآنحالیکہ وہ ان کو ناگوار تھا۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ صاف لفظوں میں کہتے ہیں ہم کو تو پیچھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور مصیبت میں نہ پھنسایئے۔ آگاہ ہو کہ وہ خود ہی (اوندھے منہ) گر پڑے ہیں اور جہنم تو یقیناً کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو انہیں برا

معلوم ہوتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا
اور پھر خوش ہو کر تمہارے پاس سے لوٹ آتے ہیں اے رسول ان سے کہدو ہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑی مگر وہی
جو خدا نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔ وہ ہمارا مولا (مالک) ہے اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

جنگِ اُحد و خندق میں جب منافقین بھاگ نکلے تو مدینہ میں آکر کہنے لگے ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ نتیجہ کیا
ہوگا لہٰذا ہم نے تو بھاگ کر اپنی جان بچالی۔
اس آیت میں حسنہ سے مراد مالِ غنیمت ہے اور مصیبت سے شکست مراد ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ
يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا
وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اے رسول ان منافقوں سے کہدو کیا تم ہمارے واسطے دو میں سے ایک بھلائی کے منتظر ہو یعنی یا تو فتح ہوگی یا شہادت
(تو ہمارے لیے دونوں بھلائیاں ہیں) اور ہم اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تمہارے اوپر خاص طور پر عذاب نازل
کرے یا ہمارے ہاتھوں سے بس تم بھی انتظار کرو اور تمہارے ساتھ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اے رسول
کہہ دو کہ تم راہِ خدا میں خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے خدا ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا کیونکہ تم بدچلن
لوگ ہو۔ ان کی خیرات قبول کرنے میں اور کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے
رسول کی نافرمانی کی ہے۔ نماز کو آتے ہیں تو الکسائے ہوئے اور جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ بددلی سے

اس آیت میں منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے جب حضورؐ جنگ کو جانے لگتے تو منافق طرح طرح کے بہانے

تراش کر رہ جاتے اور مسلمانوں کے شکست کھانے اور لوگوں کے شہید ہونے کا انتظار کرتے۔ دوسرے راہِ خدا میں خرچ نہ
کرتے اور اگر حضورؐ کے توجہ دلانے سے کرتے بھی تو نہایت بیزاری سے۔ مسجد میں نماز کے لیے آتے تو نہایت الکسائے ہوئے
خدا نے رسولؐ سے کہا، ان سے کہہ دو نہ تو تمہاری خیرات قبول ہے نہ تمہاری یہ نمازیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ
وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ
اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي
الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ
يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا
اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۷/۱۴

اے رسول ان منافقوں کے مال اور اولاد کی زیادتی تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ چاہتا ہے کہ زندگانی دنیا
میں ان چیزوں کی وجہ سے ذلیل و خوار کرے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں ان کی جانیں نکلیں۔ وہ قسمیں کھا
کہتے ہیں کہ ہم تو تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ بزدلے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ
کی جگہ (قلعہ) یا کوئی غار یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو اس طرف رسیاں تڑا کے بھاگ جائیں گے۔ ان میں
کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خیرات کی تقسیم کے وقت تم پر الزام لگاتے ہیں بس اگر انہیں اس میں سے دے دو تو
راضی رہتے ہیں اور اگر نہ دو تو غصہ میں بھر جاتے ہیں (کیا اچھا ہوتا) اگر یہ لوگ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور
رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمارے لیے کافی ہے عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور عطا
کرے گا ہم تو صرف اللہ ہی کی طرف لو لگائے بیٹھے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقوں کی سرکشی دو وجہ سے تھی۔ اوّل تو ان کا جرگہ بڑا تھا۔ ایک ایک کے کئی کئی لڑکے تھے۔ پھر ان کے پاس مومنین کی بہ نسبت مال بھی زیادہ تھا۔ بظاہر تو کہتے تھے کہ ہم مومنوں میں سے ہیں لیکن ایسا تھا نہیں جب جنگ کا وقت آتا تو یہ کوشش کرتے کہ کہیں جا چھپیں تاکہ حضرتؐ کی نظر ان پر نہ پڑے اور جہاد پر چلنے کے لیے ان سے نہ کہیں

خیرات پر طعنہ دینے والوں کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز حضورؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ خوارج کا سردار (ذوالخویصرہ برقوص بن زہیر) کہنے لگا، یا رسولؐ اللہ ذرا انصاف سے کام لیجئے۔ حضرتؐ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ ولے ہو تجھ پر، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون کرے گا۔ اس کی اس گستاخی پر حضرت عمرؓ نے اُسے قتل کرنے کی اجازت چاہی فرمایا نہیں اسے چھوڑ دو اس کے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں کہ تم میں کا ہر شخص ان کے مقابلہ میں اپنی نماز اور روزہ کو ذلیل سمجھتا ہے یہ مارقین ہیں۔ یہ لوگ دین سے اس طرح الگ ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان سے۔ پھر کچھ اور واقعات بیان کر کے فرمایا ان کا سردار ایک سیاہ فام مرد ہو گا جس کی ایک چھاتی عورت کی سی ہو گی یہ لوگ اس وقت خروج کریں گے جب لوگوں میں پھوٹ پڑ جائیگی۔

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود رسولؐ اللہ سے ایسا سُنا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جب حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو نہروان میں قتل کیا تو میں حضرت کے ساتھ تھا۔ ایک مقتول ایسا لایا گیا جو اسی صفت کا تھا جو رسولؐ اللہ نے بیان کی تھی یعنی اس کی ایک چھاتی عورت کی سی تھی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾

صدقات تو مخصوص فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور (زکوٰۃ وغیرہ کے) مستحق کارندے ہیں اور جن کی تالیف قلب کی گئی ہے یا جن کی گردنوں میں غلامی کا پھندہ پڑا ہے یا جو مقروض ہیں (اور قرض ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے) اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو پردیسی ہیں، یہ حقوق خدا کی طرف سے معیّن کیے ہوئے ہیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ہمارے رسول کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو بس کان

ہی کان ہیں۔ ان سے کہو کان تو ہیں لیکن تمہاری بھلائی سُننے کے کان ہیں۔ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے مؤمن ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ستاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عبداللہ بن نوفل منافق جو باتیں حضرت رسولؐ سے سُنتا اپنی پارٹی کے سامنے بیان کرتا۔ خدا نے آپؐ کو اس کی باتوں کی خبر دے دی اور اس کا پتہ بھی بتا دیا کہ سر پر گھنے بال ہیں اور بڑی بڑی آنکھوں والا ہے۔ حضورؐ نے اُسے بُلا کر پوچھا، اُس نے قسم کھا کر کہا میں ایسا نہیں کرتا۔ آپؐ نے فرمایا خیر میں اس وقت تیری بات مانے لیتا ہوں۔ وہ اپنے لوگوں میں واپس آیا تو کہنے لگا محمد کے بڑے بڑے کان ہیں جو کچھ میں نے ان کے بارہ میں کہا تھا سب انہوں نے سُن لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگ حضرتؐ سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ منافقین کو یہ بات ناپسند تھی وہ اپنے حلقوں میں کہتے تھے حضورؐ کچے کانوں کے ہیں جو کوئی کچھ کہتا ہے اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ کان تو ہیں لیکن مومنوں کی باتیں سنتے ہیں اور وہ وہی ہوتی ہیں جس میں اہلِ ایمان کے لیے بہتری ہو۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

(یہ منافق) تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لیے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کا رسول بے شک سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو راضی رکھا جائے۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بڑی سخت رسوائی کا باعث ہو گا۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُم بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا

كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا
تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ ع ١٤
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں (رسول پر) کوئی ایسا سورہ نازل نہ ہو جائے جو ان کی دلی باتوں کو ظاہر کر دے۔ تم ان سے کہہ دو کہ تم مذاق اڑائے جاؤ، بے شک جن باتوں سے تم ڈرتے ہو اللہ ان کو ضرور ظاہر کر دے گا۔ اگر تم ان سے پوچھو (کہ یہ کیا بات تھی) تو ضرور یہ کہیں گے ہم تو یوں ہی آپس میں بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ تم ان سے کہو کیا تم اللہ کا اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو، تم عذر پیش نہ کرو تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر کریں بھی تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ لوگ ضرور قصوروار (ثابت ہو گئے) ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں، برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور نیکیوں سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکے رکھتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا بیشک منافق بدکار ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ
حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے متعلق جہنم میں جھونکنے کا وعدہ کیا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان کے (عذاب کے) لیے کافی ہے۔ اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ منافقو، تمہاری مثال تو انہی لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے قوت میں زیادہ تھے اور مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے تو وہ تو اپنے حصہ سے فائدہ پا چکے (اب تمہاری باری ہے) تو اس طرح تم بھی اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کر لو جس طرح تم سے پہلے لوگ حاصل کر چکے ہیں جس طرح وہ باطل میں گھسے رہے اسی طرح تم بھی (باطل میں) گھسے رہو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا و آخرت دونوں میں اکارت گئے اور یہی لوگ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ
اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

کیا ان منافقوں تک ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو ان سے پہلے ہو چکے۔ قومِ نوح و عاد و ثمود اور قومِ ابراہیم و اصحابِ مدین اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں

ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں اہل ایمان کی نشان دہی کی گئی ہے ان کی صفات بتائی گئی ہیں۔ ایک حدیثِ رسولؐ میں مومن کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ علیؑ کو دوست رکھتا ہو۔ ترمذی اور نسائی میں یہ ہدایت موجود ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا، اے علی تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمنی نہیں رکھتا مگر منافق۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ میں مومن و منافق حضرت علی علیہ السّلام کی محبّت سے پہچانے جاتے تھے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ ع ۱۵
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ
قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا
نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا
لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جنّتِ عدن میں ان کے لیے بہترین مکانات ہوں گے اور خدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہوگی اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ اے نبی کفّار و منافقین سے جہاد کرو اور

ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور وہ رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے۔ یہ منافق جو کہتے ہیں اس پر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا اور اسلام لانے کے بعد یہ کافر ہو گئے۔ اور ایسی بات دل میں ٹھانی جس پر قابو نہ پا سکے اور انہوں نے مسلمانوں سے صرف اس بنا پر عداوت مول لی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔ ان کے لیے اسی میں بہتری ہے کہ توبہ کر لیں اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور پھر روئے زمین پر نہ ان کو اپنا دوست ڈھونڈے ملے گا نہ مددگار۔

اس آیت میں رسولؐ اللہ کو منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ رسولؐ نے جتنے جہاد کیے وہ سب کفّار سے کیے۔ تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے کفار سے جہاد کیا اور حضرت علی علیہ السّلام نے منافقین سے اور حضرت علیؑ کا جہاد رسولؐ اللہ کا جہاد تھا۔

مفسّرین عامہ نے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے رسولؐ اللہ کا جہاد منافقین سے جہاد باللّسان تھا اور کفّار سے جہاد بالسّیف۔ لیکن ان کا یہ فرمانا صحیح نہیں کیونکہ جہاد باللّسان تو حضورؐ نے کفّار سے بھی کیا تھا۔ بار بار ان کو سمجھاتے رہے۔ پھر اس کی تخصیص منافقوں سے کیوں ہو۔ جہاد کی تعریف تو جہاد بالسّیف ہی پر صادق آتی ہے۔ جہاد باللّسان تو بہت سے لوگ کرتے رہے ہیں رسولؐ اللہ سے ہی مخصوص نہیں۔ رسولؐ اللہ کی حدیث ہے، اے علی جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر قتال کیا ہے تم اسی طرح اس کی تاویل پر کرو گے۔ ظاہر ہے کہ قتال تلوار ہی سے ہوتا ہے نہ کہ زبان سے۔

چونکہ آیہ مباہلہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نفسِ رسولؐ ہیں لہٰذا حضرت علیؑ کا جہاد عین رسولؐ اللہ ہی کا جہاد تھا۔ جیسا کہ رسولؐ نے فرمایا ہے یا علی حربك حربی (اے علی تمہاری جنگ میری جنگ ہے) چونکہ آنحضرتؐ کے بعد لوگوں نے خلافِ منشائے خدا و رسولؐ اپنی طرف سے تاویلیں کرنی شروع کر دی تھیں لہٰذا حضرت علیؑ پر لازم تھا کہ ان لوگوں سے جہاد کریں۔ بہرحال اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی علیہ السلام بھی کارِ رسالت میں شریک تھے۔

اس کے بعد جن منافقوں کا ذکر ہے کہ قسمیں کھاتے تھے ان سے مراد وہ منافق ہیں جنہوں نے جنگِ تبوک کے موقع پر یہ مشورہ کیا تھا کہ گھاٹی میں چھپ کر آنحضرتؐ کو قتل کر ڈالیں مگر جبریلؑ نے آکر ان کے اس ناپاک ارادہ سے حضورؐ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضرت عمار یاسرؓ نے ان لوگوں کو گرفتار کر کے حضورؐ کے سامنے پیش کیا تو کہنے لگے ہم لوگ تو دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ خدا نے ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں نے کلمۂ کفر ضرور کہا اور اسلام سے خارج ہو گئے۔ انہی لوگوں نے حضرت علیؑ کو ایک خس پوش غار میں گرانے کی کوشش کی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ منافق کفّار سے زیادہ اسلام کے لیے پریشان کن ثابت ہوئے۔ یہ دل سے تو ایمان لائے نہ تھے۔ کچھ تو اسلام کی تلوار کے خوف سے کچھ مالِ غنیمت کے لالچ سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل میں تو کفر و شرک بسا ہوا تھا اس لیے وہ ہر ہر موقع پر اسلام کی

بیع کنی پر آمادہ ہوتے تھے۔ جنگِ تبوک کے موقع پر جو منافق مدینہ میں رہ گئے تھے انھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جب آنحضرتؐ جنگ سے واپس آئیں تو ہم ان کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ لیکن جب حضورؐ وہاں سے کامیاب لوٹے تو ان منافقوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ
وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَ
اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ان منافقوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ سے قول و قرار کر چکے تھے کہ اگر تو ہم کو اپنے فضل سے مال عطا کرے گا تو ہم خیرات کریں گے اور نیک بندوں میں سے بن جائیں گے لیکن جب خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا کر دیا تو لگے بخل کرنے اور کترا کر منہ پھیرنے۔ اس بدعہدی کی سزا میں کہ انھوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی تھی اور جھوٹ بولتے تھے قیامت تک کے لیے (گویا) خدا نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ خدا ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ غیب کی باتوں کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔

ثعلبہ بن حاطب انصاری نے جو بڑا عابد تھا اپنے فقر و فاقہ سے تنگ آ کر حضرت رسولِ خداؐ سے عرض کی کہ آپ خدا سے دعا فرمایئے کہ خدا مجھے مال عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا، اس سے درگزر کر تیرے لیے بہتر نہ ہوگا۔ مگر وہ نہ مانا۔ کہنے لگا میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا۔ قرابت داروں کا خیال رکھوں گا اور کسی بات میں کمی نہ کروں گا غرض حضرتؐ نے اس کی خواہش کے مطابق دعا کی جو قبول ہوئی۔ اس کی دولت روز بروز بڑھنے لگی اس نے جو دنبیاں اور بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں رکھنے کی جگہ نہ رہی صحرا میں رہنے لگا۔ اور پھر اس کو اتنی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ نماز جماعت میں حاضر ہو سکتا۔ حضرتؐ نے کچھ دن بعد دو آدمیوں کو زکوٰۃ کی تحصیل کے لیے بھیجا۔ اور ایک خط بھی لکھ دیا۔ جب یہ لوگ پہنچے اور آیۂ زکوٰۃ پڑھ کر زکوٰۃ طلب کی تو اس نے کہا کیا رسولؐ ہم سے بھی جزیہ طلب کرتے ہیں۔ وہ لوگ

واپس آئے اور اس کا جواب بیان کیا تو آپؐ نے مذکورہ بالا آیت دے کر پھر ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا۔ جب اس نے یہ آیت سنی تو گھبرایا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آپؐ جس طرح فرمائیں دینے کو تیار ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا، اب میں تیری زکوٰۃ نہ لوں گا کیونکہ تو نے زکوٰۃ کو جزیہ کہا ہے۔ اور تو نے وعدہ خلافی کی ہے۔ وہ چلا گیا۔ کچھ دن بعد حضرتؐ نے وفات پائی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا، انھوں نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا انھوں نے بھی انکار کیا۔ تیسری بار جب حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تو انھوں نے اس کی زکوٰۃ لے لی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع

جو لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مومنین پر (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کا جو اپنی مشقت سے کما کر دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں تو خدا بھی ان سے تمسخر کرے گا (یعنی اس تمسخر کا بدلہ دے گا۔) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (اے رسول) تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو برابر ہے۔ تم اگر ستر بار بھی ان کے لیے دعا مانگو گے تب بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ بدکاروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

جو لوگ اپنے صدقات خدمتِ رسولؐ میں لاتے تھے ان میں سے بعض زیادہ لاتے تھے بعض کم۔ منافقین کو تو ہر وقت فکر ہی کچھ اور رہتی تھی جو زیادہ لاتے تو ان کا مذاق یہ کہہ کر اڑاتے کہ لوگوں پر اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لیے زیادہ لاتے ہیں، یہ سب ریاکاری ہے ورنہ ان کی حیثیت اتنے زیادہ صدقات دینے کی نہیں۔ اور جو کم حیثیت لوگ محنت مزدوری سے کما کر تھوڑا سا مال لاتے تو ان کا مذاق یہ کہہ کر اڑاتے کہ یہ سب شیخی ہی شیخی ہے تاکہ انہیں بھی لوگ بڑے آدمیوں میں شمار کرنے لگیں اور انگلی کاٹ کر شہیدوں میں یہ بھی داخل ہو جائیں۔

منافق کے لئے استغفار کی ممانعت

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ
جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا
كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ
فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ
عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

(جنگِ تبوک میں) حضرت کے ساتھ جنگ میں نہ جانے والے اور پیچھے رہ جانے والے اپنے مقام پر خوش تھے۔ اور اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں ان کو جہاد کرنا بُرا معلوم ہُوا۔ لوگوں سے کہنے لگے اس گرمی میں گھروں سے نہ نکلو۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ جہنّم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھیں۔ جو کچھ وُہ کیا کرتے تھے ان کو چاہیئے کہ اس پر کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ اگر اے رسول اللہ تمہیں جہاد سے (صحیح سالم) ان منافقوں میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر تم سے جہاد کے لیے اجازت مانگیں تو صاف کہہ دو کہ میرے ساتھ کبھی جہاد کے لیے نہ نکلنے پاؤ گے اور نہ ہرگز میرے ساتھ دشمن سے لڑنے جاؤ گے جب تم نے پہلی بار (جنگ سے بچ کر) گھر میں رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو۔

جنگِ تبوک کے لیے جب حضرت رسولِ خدا چلنے لگے اور مسلمانوں کو بُلایا کہ میرے ساتھ چلو تو منافقوں کے ایک گروہ نے لوگوں سے کہا کہ بھلا ایسی سخت گرمی میں حضورؐ لیے جاتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ ہم سب راستہ ہی میں ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا مت جاؤ چاہے حضرتؐ کتنا ہی کہیں۔ چنانچہ نہ گئے اور مدینہ میں بیٹھے رہے۔ جب حضورؐ بخیریت واپس آئے تو کہنے لگے، آئندہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لیں۔ ہمیں چلنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس گروہ کے متعلق یہ آیات ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ
اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ
رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ
الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

اے رسول اگر ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور اس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہونا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کُفر کیا ہے اور بدکاری کی حالت میں مر بھی گئے ہیں تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس دُنیا میں ان کو معذب کرے اور جان نکلتے وقت یہ کافر ہوں۔ جب کوئی سورہ اس بارہ میں نازل ہُوا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو جو اُن میں دولت والے ہیں وہ تم سے (پیچھے رہ جانے کی) اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں تو یہیں رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔ وُہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں اور بوڑھوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہیں ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی ہے پس یہ سمجھتے بُوجھتے نہیں۔

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا جب بیمار ہُوا اور حضرتؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی کہ آپؐ اپنا ایک کُرتا مجھے کفن کے لیے عطا فرما دیں اور جب میں مر جاؤں تو میرے جنازہ پر نماز پڑھائیں آپؐ نے کُرتا تو دے دیا مگر جب نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہُوئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور جبرئیلؑ نے آپؐ کا دامن پکڑ کر پیچھے کو کھینچ لیا اور نماز نہ پڑھنے دی۔ جب کُرتے کے بارہ میں لوگوں نے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ اس سے اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا مگر اور لوگ اس کے ذریعے سے اسلام لائیں گے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ منافقین

کے ساتھ حضورؐ کا یہ رحم و کرم دیکھ کر قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ آخر میں جن مالداروں کا ذکر ہے وہ اپنے گھروں میں بیٹھا رہنا چاہتے تھے وہ بنی اسد و غطفان کے منافق تھے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾

لیکن رسول اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور انہی کے لیے نیکیاں ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وُہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ تمہارے پاس کچھ دیہاتی لوگ بھی آئے تاکہ معذرت خواہ ہو کر اس بات کی اجازت لے لیں کہ ان کو بھی پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی جائے اور وُہ لوگ بھی گھروں میں بیٹھ رہیں جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے عنقریب ان کو دردناک عذاب کی سزا ملے گی۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضورؐ نے مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے تمام مسلمانوں کو دعوتِ جہاد دی تو بنی غفار کے کچھ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ اگر ہم آپؐ کے ساتھ چلیں گے تو بنی طے کے لوگ ہماری بستی پر چڑھ آئیں گے اور ہمارا سب مال و متاع لوٹ کر لے جائیں گے لہٰذا ہمیں آپ اپنی جگہ رہنے کی اجازت دیں۔

لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَي الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

جہاد پر نہ جانے کا نہ تو کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو کچھ خرچ کرنے کو اپنے پاس نہیں پاتے بشرطیکہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں اور نیکی کرنے والوں پر الزام کی کوئی صورت نہیں بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو تمہارے پاس آئے اور کہا کہ تم ان کے لیے سواری کا انتظام کر دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس تو سواری کا کوئی انتظام نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں تو وہ لوگ واپس گئے درآنحالیکہ (اس غم میں) ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ ان کو خرچ میسر نہ آیا (کہ خود سواری مہیا کر لیتے)۔ الزام تو صرف ایسے لوگوں پر ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے نہ گئے اور وُہ پیچھے رہ جانے کے لیے اجازت مانگتے تھے اور اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اپنی بی بچوں کے ساتھ گھروں میں پڑے رہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی سو وُہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضرتؐ نے سب لوگوں کو بُلایا تو انصار کے سات آدمی روتے ہوئے آئے اور کہا ہمارے پاس نہ سواری ہے نہ زادِ راہ ہم کیسے چلیں۔ ان ہی کے بارہ میں یہ آیت ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ
نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز
وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا
عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

جب تم (جہاد سے) واپس آؤ گے تو یہ منافقین تم سے معذرت کرنے لگیں گے۔ اے رسول تم کہہ دو کہ باتیں نہ بناؤ ہم تمہاری کسی بات کو نہ مانیں گے کیونکہ خدا نے تمہارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ عنقریب خدا اور اس کا رسول تمہارے عمل کو ملاحظہ کریں گے۔ پھر تم ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا کی طرف پلٹ کر جاؤ گے، تب جو کچھ تم (دُنیا میں) کیا کرتے تھے وُہ سب بتا دے گا۔ جب تم جہاد سے واپس آؤ گے تو یہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ تم ان کی طرف سے منہ پھیر لو یہ ناپاک لوگ ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بدلہ ہے ان کے اُن اعمال کا جو وہ (دُنیا میں) کرتے تھے۔ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں۔ پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بے شک اللہ تو بدکاروں سے راضی ہونے والا نہیں۔

یہ جنگِ تبوک کا واقعہ ہے۔ جب حضورؐ اس جنگ کے لیے روانہ ہوئے تھے تو اسّی منافق مدینہ میں رہ گئے تھے۔ جب حضرتؐ واپس تشریف لائے اور معلوم ہُوا کہ بادشاہِ رُوم نے اس بات پر صُلح کر لی ہے کہ ایک ہزار طلائی اُوقیہ اور دو سو تھان کپڑے کے ماہِ رجب میں دے اور اتنے ہی ماہِ صفر میں تو ان منافقوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ حضورؐ کے سامنے طرح طرح کی قسمیں کھا کر اپنی معذوری ظاہر کرنے لگے تاکہ حضرتؐ معاف کر دیں اور مالِ غنیمت میں انہیں شریک کر لیں لیکن چونکہ خدا ان سے راضی نہ تھا لہٰذا ان کی یہ چال چلی نہیں اور حضرتؐ نے ان کے کسی عُذر کو نہ سُنا۔ یہ عُذر داری کھُلا مکر و فریب تھی ورنہ اگر وُہ جانا چاہتے تو جا سکتے تھے۔ اسی سفر میں آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا۔

حضرتؐ کے جاتے ہی منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؑ پر سے رسولؐ کا اعتماد اُٹھ گیا۔ اس لیے اپنے ساتھ نہ لے گئے۔ جب یہ طعن و طنز کی باتیں حضرت علیؑ نے سنیں تو آپؑ سوار ہو کر لشکرِ اسلام سے جا ملے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، اے علی! میں تو تمہیں مدینہ میں چھوڑ آیا تھا تم کیوں آ گئے۔ عرض کی منافقین کے طعنوں سے تنگ آ کر ایسا کیا۔ فرمایا، اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ صرف یہ فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ تم میرے خلیفہ ہو۔ اور دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ یہ سن کر حضرت علیؑ لوٹ آئے۔ یہ حدیث پاک خلافتِ امیر المومنینؑ کی روشن و بیّن دلیل ہے۔ منافقوں نے حضرت علیؑ کے ہلاک کرنے کی ایک اور چال چلی کہ راستہ میں ایک گہرا گڑھا کھود کر خس و خاشاک سے ڈھانپ دیا۔ جب واپسی میں آپؑ کا گھوڑا اس غار کے کنارہ پر پہنچا تو رُک گیا۔ آپؑ نے فرمایا، جو کچھ منافقوں نے کیا ہے میں جانتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے اسی خس پوش غار پر سے گھوڑے کو بڑھایا اور کوئی گزند آپؑ کو نہ پہنچی۔ بھلا ایک نوری پھول کا کیا بوجھ ہوتا اور جسے بھی نور سے نسبت ہو وہ بھی پار لگ جاتا ہے۔

اس جنگِ تبوک کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ابوخیثمہ جو نہایت وجیہہ اور بہادر جوان تھا حضرتؐ کے ساتھ جانے سے رُک گیا تھا۔ اس کی دو حسین جوان بیویاں تھیں جنہوں نے اس کے گھر کو خوب سجایا تھا تاکہ دل کھول کر دادِ عیش دے۔ یکایک اس کے دل میں خیال آیا کہ خدا کا حبیبؐ تو اس سخت موسم میں محض خوشنودیٔ خدا کے لیے راہی دشتِ غربت ہو اور تف ہے میرے اُوپر کہ گھر میں رہ کر دادِ عیش دوں۔ فوراً سب چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرتؐ سے جا ملا۔ آنحضرتؐ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

تیسرا واقعہ جناب ابوذرؓ کا ہے۔ آپؓ کی سواری کا اونٹ بیمار تھا۔ اس لیے حضرتؐ کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔ آخر تین دن کے بعد پا پیادہ روانہ ہو گئے۔ منزلیں مارتے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ ملا۔ آپؓ نے مشکیزہ بھر لیا اور روانہ ہوئے۔ جب لشکرگاہِ اسلامی میں داخل ہوئے تو حضورؐ نے کچھ لوگوں کو آپؓ کے استقبال کو بھیجا۔ جب قریب آئے تو لوگوں سے فرمایا، ابوذر پیاسے معلوم ہوتے ہیں انہیں پانی پلاؤ۔ عرض کی حضورؐ میرے پاس پانی ہے۔ فرمایا، پھر پیاسے کیوں ہو۔ عرض کی، میں نے اس لیے اس کو محفوظ رکھا ہے کہ پہلے حضورؐ پی لیں تب میں پیوں گا۔ یہ تھے اسلام کے شیدائی اور رسولؐ کے فدائی، نہ کہ وہ منافقین جنہوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ جب حضورؐ شکست کھا کر مدینہ واپس آئیں گے تو ہم ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ نیز یہ بھی ارادہ تھا کہ لوٹ مار مچائیں گے۔ لیکن جب حضورؐ بانیلِ مرام واپس آئے تو یہ منافق اپنی وفاداری کے متعلق جھوٹی قسمیں کھانے لگے تاکہ حضرتؐ ان سے راضی ہو جائیں۔ ان آیات میں انہی کا تذکرہ ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یہ بدّو دیہاتی عرب کفر و نفاق میں بڑے سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو احکام خدا نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ان کو یہ نہ جانیں اور اللہ بڑا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔ کچھ دیہاتی عرب ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے معاملہ میں زمانہ کی گردش کے منتظر ہیں اور اللہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔

اعراب سے مراد یہاں وُہ بدّو عرب ہیں جو بادیہ نشین تھے جو کسی قانون کے پابند نہ تھے۔ لوٹ مار قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ اسلام رُو بہ ترقی ہے اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے تو اس خوف سے کہ بحالتِ کفر قتل نہ کر دیے جائیں اور اس لالچ میں کہ مالِ غنیمت میں ان کو بھی حصّہ ملے گا وہ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلامی قوانین کی پابندی ان پر سخت گراں تھی کیونکہ وُہ تو نہایت آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ زکٰوۃ دینا ان پر نہایت شاق تھا وہ اس کو اپنے لیے تاوان سمجھتے تھے اور ان کے دل میں یہ آرزو تھی کہ کوئی بُرا وقت اسلام پر آ پڑے تو وہ اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور بُت پرستی کی طرف لوٹ کر جیسے پہلے آزاد تھے پھر آزاد ہو جائیں۔ وُہ مختلف قسم کی منافقانہ چالیں چلتے رہتے تھے۔ جہاد میں شرکت سے نہ صرف اپنے کو روکتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی منع کرتے تھے اور قتل ہونے سے ڈرتے تھے۔ وہ صرف نام کے مسلمان تھے ورنہ اسلام و ایمان سے ان کا دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ
عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ
ع ۱۲ ۱۰ ۱ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور دیہاتی عربوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں اور راہِ خدا میں جو خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کی قربت اور رسول کی دُعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو یہ ان کے لیے بے شک ذریعۂ قربت ہے۔ عنقریب خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلے گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کرنے میں ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے خدا نے ان کے لیے ایسی جنتیں مہیا کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مہاجر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو کہ رہائش چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اور مدینہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدد کی تھی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ ان مہاجر و انصار میں حضرت علیؑ نے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا وہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے اور اعلانِ بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا یہ آیت انہی کی شانِ ایمان میں ہے۔ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خدا ان لوگوں سے خوش نہیں تھا جو بحالتِ کفر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد خدا ان سے راضی ہوا۔ اور یہ رضائے الٰہی صرف اس وقت تک کسی سے متعلق رہ سکتی ہے جب تک کہ مرتے دم تک وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو مرضئ الٰہی کے خلاف ہو۔ خدا کا راضی رہنا تو بندوں کے اعمال پر موقوف ہے۔ کسی کے لیے اس کی رضا کوئی دوامی سند نہیں ہے۔ اگر آخر عمر میں کوئی شخص ایسے اعمال کر بیٹھے جو تعلیم اسلام کے قطعاً خلاف ہوں تو پھر وہ رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ کبھی کسی بُت کو سجدہ کیا ہی نہ تھا لہٰذا ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہ نہیں کیونکہ اللہ تو ہمیشہ سے ہی ان سے راضی رہا۔

وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛ مَرَدُوۡا مع
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ
اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۞ ۱۰۱ وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞ ۱۰۲
خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۞ ۱۰۳ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ
التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۞ ۱۰۴

(مسلمانو) تمہارے آس پاس دیہاتوں میں سے کچھ منافق بھی رہتے ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی (بعض منافق) ہیں جو نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں (اے رسول) تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے اور پھر وہ بڑی سزا کے لیے واپس بلائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے مگر ان لوگوں نے اچھے بُرے کاموں کو خلط ملط کر دیا ہے عنقریب خدا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے کر ان کو گناہوں سے پاک صاف کر دو اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ تمہاری دُعا ان کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہوگی اور اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات کو منظور فرماتا ہے اور بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جنگِ تبوک کے لیے جہاں بہت سے منافقین نہ گئے تھے کچھ مومنین بھی جانے سے رہ گئے تھے۔ یہ تین شخص تھے ثعلبہ۔ اوس اور ابولبابہ۔ جب آنحضرتؐ واپس آئے اور ان لوگوں نے اُن آیتوں کو سنا جو منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی تھیں تو بہت پچھتائے اور مسجدِ رسولؐ کے ستونوں سے اپنے کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک خود رسولؐ نہ کھولیں گے ہم یوں ہی بندھے رہیں گے۔ جب حضرتؐ نماز کے لیے مسجد میں آئے تو یہ حالت معلوم ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا بے حکمِ خدا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ الغرض ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق جب وحی نازل ہوئی تو وہ لوگ کھولے گئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور جو جمع پونجی تھی اُٹھا لائے اور عرض کی، حضورؐ اسی کی وجہ سے ہم نہ گئے تھے لہٰذا آپؐ اس کو ہماری طرف سے خیرات کر دیجیئے۔ فرمایا، میں بغیر حکمِ خدا نہیں لے سکتا۔ تب وحی ہوئی کہ اے رسول لے لو۔ اللہ نے ان کا گناہ معاف کر دیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔ یہ خیرات بطور ان کے گناہ کے کفارہ کے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کی مدح فرمائی ہے: ۱۔ وہ مہاجرین جن کا شمار سابقین اوّلین میں ہے۔ دوسرے وہ انصار جو سابقین اوّلین میں ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو ان سابقین اوّلین کی پیروی کرتے رہے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے۔ اوّل جنہوں نے ایمان لانے کے بعد عمل کیا، یہ محسنین کہلاتے ہیں۔ دوسرے جو بظاہر ایمان لائے لیکن دل سے رسولؐ اور اہلِ اسلام کے بدخواہ بنے رہے، یہ منافقین تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو نیکی بھی کرتے رہے اور بدی بھی۔ یعنی ان کی نیکیاں

اور دیہاتی عربوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں اور راہِ خدا میں جو خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کی قربت اور رسول کی دُعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو یہ ان کے لیے بے شک ذریعۂ قربت ہے۔ عنقریب خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلے گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے
مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کرنے میں ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے خدا نے ان کے لیے ایسی جنتیں مہیا کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مہاجر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو کر رہائش چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اور مدینہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدد کی تھی وہ انصار کہلاتے ہیں۔ ان مہاجر و انصار میں حضرت علیؑ نے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا وہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے اور اعلانِ بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا یہ آیت انہی کی شانِ ایمان میں ہے۔ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خدا ان لوگوں سے خوش نہیں تھا جو بحالتِ کفر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے یہ اسلام قبول کرنے کے بعد خدا ان سے راضی ہوا۔ اور یہ رضائے الٰہی صرف اس وقت تک کسی سے متعلق رہ سکتی ہے جب تک کہ مرتے دم تک وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف ہو۔ خدا کا راضی رہنا تو بندوں کے اعمال پر موقوف ہے۔ کسی کے لیے اس کی رضا کوئی دوامی سند نہیں ہے۔ اگر آخر عمر میں کوئی شخص ایسے اعمال کر بیٹھے جو تعلیم اسلام کے قطعاً خلاف ہوں تو پھر وہ رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ کبھی کسی بُت کو سجدہ کیا ہی نہ تھا لہٰذا ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہ نہیں کیونکہ اللہ تو ہمیشہ سے ہی انؑ سے راضی رہا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا ۵ع
عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ
اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾
خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ
التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

(مسلمانو) تمہارے آس پاس دیہاتوں میں سے کچھ منافق بھی رہتے ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی (بعض منافق) ہیں جو نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں (اے رسول) تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے اور پھر وہ بڑی سزا کے لیے واپس بُلائے جائیں گے۔ اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ہے مگر ان لوگوں نے اچھے بُرے کاموں کو خلط ملط کر دیا ہے عنقریب خدا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے کر ان کو گناہوں سے پاک صاف کر دو اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ تمہاری دُعا ان کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہوگی اور اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات کو منظور فرماتا ہے اور بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جنگِ تبوک کے لیے جہاں بہت سے منافقین نہ گئے تھے کچھ مومنین بھی جانے سے رہ گئے تھے۔ یہ تین شخص تھے ثعلبہ۔ اوس اور ابولبابہ۔ جب آنحضرتؐ واپس آئے اور ان لوگوں نے اُن آیتوں کو سُنا جو منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی تھیں تو بہت پچھتائے اور مسجدِ رسولؐ کے ستونوں سے اپنے کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک خود رسولؐ نہ کھولیں گے ہم یوں ہی بندھے رہیں گے۔ جب حضرتؐ نماز کے لیے مسجد میں آئے تو یہ حالت معلوم ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا بے حکمِ خدا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ الغرض ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق جب وحی نازل ہوئی تو وہ لوگ کھولے گئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور جو جمع پونجی تھی اُٹھا لائے اور عرض کی حضورؐ اسی کی وجہ سے ہم نہ گئے تھے لہٰذا آپؐ اس کو ہماری طرف سے خیرات کر دیجئے۔ فرمایا میں بغیر حکمِ خدا نہیں لے سکتا۔ تب وحی ہوئی کہ اے رسول لے لو۔ اللہ نے ان کا گناہ معاف کر دیا اور ان کی توبہ قبول کرلی۔ یہ خیرات بطور ان کے گناہ کے کفارہ کے تھی۔
اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کی مدح فرمائی ہے: ۱۔ وہ مہاجرین جن کا شمار سابقین اوّلین میں ہے۔ دوسرے وہ انصار جو سابقین اوّلین میں ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو ان سابقین اوّلین کی پیروی کرتے رہے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے۔ اوّل جنہوں نے ایمان لانے کے بعد عمل کیا، یہ محسنین کہلاتے ہیں۔ دوسرے جو بظاہر ایمان لائے لیکن دل سے رسولؐ اور اہلِ اسلام کے بدخواہ بنے رہے، یہ منافقین تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو نیکی بھی کرتے رہے اور بدی بھی۔ یعنی ان کی نیکیاں

اور بدیاں مخلوط رہیں، یہ مذبذبین کہلاتے ہیں۔

سب سے زیادہ خوفناک گروہ منافقوں کا تھا۔ ان میں وُہ یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے اہلِ مدینہ کو جو مسلمان تھے سب سے زیادہ بہکایا۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اے رسُول تم ان سے کہہ دو کہ جو کام کرتے ہو کیے جاؤ (مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ) اللہ تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اس کا رسُول اور کچھ مخصوص ایمان والے اور بہت جلد تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے (خدا)۔ پس جو کچھ تم کیا کرتے تھے وُہ اُسے ظاہر کر دے گا۔ اور (ان کے علاوہ) کچھ اور لوگ ہیں جو حکمِ خدا کے امّیدوار ہیں خدا چاہے گا تو انہیں سزا دے گا چاہے گا تو ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ بڑا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا عمل دیکھنے والے تین ہیں: اللہ۔ رسولؐ اور ایمان والے۔ علمائے عامہ نے مؤمنین سے مراد عام مسلمان لیے ہیں۔ یعنی مسلمان چونکہ ایک دُوسرے کے عمل کو دیکھا کرتے ہیں لہٰذا وُہ بھی روزِ قیامت گواہ ہوں گے۔ لیکن یہ تفسیر غلط ہے کیونکہ کوئی مسلمان کسی کے تمام اعمال کو نہیں دیکھتا اور جو کچھ دیکھتا ہے اُسے یاد بھی نہیں رکھ سکتا۔ انسان کو خود اپنے اعمال یاد نہیں رہتے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ بہت سے کام لوگ چھُپا کر کرتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا علم دوسروں کو کیسے ہو سکتا ہے۔ چونکہ آیت میں اللہ اور رسولؐ کے ساتھ مومنین کا ذکر ہے لہٰذا علم جزئی مراد نہیں ہو سکتا بلکہ تمام اعمال کا علم مراد ہے یعنی جیسے خدا و رسولؐ تمام باتوں کا علم رکھتے ہیں اسی طرح وہ مومنین بھی رکھتے ہیں۔ شیعی تفاسیر میں مؤمنین سے مراد ائمہ طاہرین علیہ السلام ہیں جن کے سامنے لوگوں کے اعمال ہر شب و روز پیش ہوتے رہتے ہیں۔ خدا نے ہمارے ائمہ کو امّتِ رسولؐ پر گواہ بنایا اور امّتِ وسط قرار دیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ... الخ (البقرۃ: ۱۴۳/۲) "تم کو عادل امّت بنایا ہے تاکہ لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو۔" شیعی تفاسیر سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب شیعوں کے اعمال حضرت علیؑ اور دیگر ائمہؑ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ان کی نیکیوں سے یہ حضرات خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے ان کو صدمہ ہوتا ہے لہٰذا

ہر شیعہ کا فرض ہے کہ اپنے نیک اعمال سے اپنے ائمہؑ کو خوش کرے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور وہ لوگ بھی منافق ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے۔ کفر کرنے۔ مومنین کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور اس شخص کے گھات میں بیٹھنے کے لیے مسجد بنا کھڑی کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے لڑ چکا ہے اور اس پر بھی یہ لوگ قسمیں ضرور کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں کیا اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اے رسول تم اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بُنیاد اوّل روز سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے ضرور اس کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اس میں وُہ لوگ ہیں جو پاک و پاکیزہ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

قصّہ مسجدِ ضرار کا یہ ہے کہ قبیلہ خزرج کا ایک شخص ابو عامر نامی جو توریت اور انجیل کا عالم تھا مدینہ میں رہتا تھا اور لوگوں سے حضرت رسولِ خدا کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔ آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر برابر کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب آپؐ مدینہ تشریف لائے اور لوگوں کی بہت زیادہ رجُوع آپؐ کی طرف دیکھی تو حسد کی آگ اس کے اندر بھڑک اٹھی کیونکہ اب لوگوں کی رجُوع اس کی طرف کم ہوگئی تھی۔ چارہ کار نہ دیکھ کر مکّہ کو بھاگ گیا۔ وہاں مشرکین سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ بدر و اُحد و حُنین کے معرکوں میں مشرکین کے ساتھ رہا۔ جب دیکھا کہ مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہے تو وہاں سے ہرقل بادشاہِ رُوم کے پاس چلا گیا اور اُسے آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکایا۔ وہیں سے مدینہ کے منافقوں کو لکھا کہ تم ایک مسجد بناؤ تاکہ جب میں مدینہ آؤں تو اس میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و پند کروں اور غرض یہ تھی کہ حضرتؐ کی مخالفت پر لوگوں کو آمادہ کروں۔ غرض منافقوں نے جھٹ پٹ وہاں ایک

مسجد بنا ڈالی۔ جب حضرتؐ جنگِ تبوک کے لیے جانے لگے تو ان منافقوں نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ سب سے پہلے حضورؐ وہاں نماز پڑھا دیں۔ آپؐ نے فرمایا، اب تو میں جنگ کے لیے جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔ جب آپؐ واپس آئے تو انہوں نے پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آپؐ جانا چاہتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ ان کی مسجد کو ڈھا دو اور جلا کر وہاں ایک مزبلہ (کوڑا گھر) بنا دو کیونکہ اس کے بنانے سے عبادت کرنا مقصود نہ تھا بلکہ مومنوں کو ایذا پہنچانا اور فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک مرکز بنانا مدِ نظر تھا۔ اس لیے اس کا نام مسجدِ ضرار ہوا۔ جس مسجد کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی ہے اس سے مراد مسجدِ قبا ہے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ
عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ (١٠٩) لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ
تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (١١٠)

کیا جس شخص نے خدا کے خوف اور خوشنودی پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو وہ زیادہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اس بودے کگار کے کنارہ پر رکھی ہو جس میں دراڑ پڑ چکی ہو اور گرا چاہتا ہو پھر وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں پھٹ پڑے اور اللہ ظالموں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ یہ (عمارت کی) بنیاد جن لوگوں نے قائم کی ہے اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ہمیشہ کھٹکا پکڑ رہے گی یہاں تک کہ ان کے پرخچے اُڑ جائیں اور خدا تو بڑا واقف کار حکیم ہے۔

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر بنائی گئی ہے وہ مسجدِ قبا ہے جو سب سے پہلی مسجد ہے۔ ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اور اس میں سب سے پہلے آپؐ نے مدینہ میں نماز پڑھی۔ یہ مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ آپؐ کو اس مسجد سے اتنی محبت تھی کہ جب مدینہ میں قیام کیا تو ہفتہ میں ایک بار مدینہ سے یہاں آ کر نماز پڑھتے تھے۔ اس کے مقابل جو مسجدِ ضرار بنائی گئی تھی اس کا مقصد فساد برپا کرنا تھا۔ اس لیے اس کی مثال ایسی عمارت سے دی گئی ہے جس کی بنیاد دریا کے کسی ایسے کنارے پر رکھی گئی ہو جس کی جڑ کو پانی نے نیچے سے کاٹ دیا ہو اور وہ کنارہ گرا چاہتا ہو۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ جہنمی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ
وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ
بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (١١١) التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ
الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (١١٢)

بے شک اللہ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید کر لیا ہے یہ لوگ راہِ خدا میں لڑتے ہیں کافروں کو مارتے ہیں اور خود بھی مر جاتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جس کا ذکر توریت و انجیل اور قرآن میں لکھ دیا گیا ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا اور کون ہے پس تم اپنی (خرید و) فروخت سے جو تم نے خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ (جن سے خدا نے یہ معاملہ کیا ہے) وہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت گزار، خدا کی حمد و ثنا کرنے والے راہِ خدا میں سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک کام کا حکم کرنے والے بُرے کام سے روکنے والے اور خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول مومنین کو بہشت کی خوشخبری دے دو۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں :

۱۔ اللہ نے جن مومنوں کی جانوں اور مالوں کو خریدا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں چونکہ من المؤمنین میں مِنْ تبعیضیہ ہے لہٰذا جہادوں میں شرکت کرنے والے سب مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جو صفات آگے بیان کی گئی ہیں وہ سب مومنین میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ وہ ایک قلیل گروہ ہے جس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

۲۔ پہلی صفت ان مومنین کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دشمنانِ دین سے قتال کرتے ہیں اور سب کے سب قتل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد نہ ہوں تو پھر یقتلون کا ذکر بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ دُنیا کی عام لڑائیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں پھر خصوصیت سے اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی کہ قتل ہو جاتے ہیں

دُنیا میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ فریقین کی فوجوں کے کچھ لوگ میدانِ جنگ میں کام آتے ہیں کچھ لوگ اس بھڑکتی آگ سے بچ کر نکل آتے ہیں۔ تاریخ عالم آدمؑ سے لے کر آج تک کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرتی کہ کسی جنگ میں دو متحارب گروہوں میں سے ایک گروہ کے تمام افراد چُن چُن کر قتل کر دیے گئے ہوں۔ یہ خصوصیت صرف سانحۂ کربلا کو حاصل ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج کے ایک ایک مجاہد نے دشمن کو قتل کیا اور یہ سب شہید بھی کر دیے گئے۔

۳۔ تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ جو صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ ہمارے ائمہؑ کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔

۴۔ ان مومنین کے لیے جنّت کا وعدہ تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ اس سے واقعہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا تمام جہادوں سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف واقعہ کربلا اس کا مصداق ہے۔ اگرچہ توریت و انجیل محرّف ہو چکی ہیں لیکن اس پر بھی بعض عبارتیں واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ مثلاً توریت میں بیان ہے نبی کا یہ نوحہ پایا جاتا ہے (باب۴ آیت۴) شیرخوار (علی اصغر) کی زبان پیاس کے مارے تالو سے چمٹ جائیگی اور وہ روٹی مانگے گا لیکن کوئی بھی اس کے لیے روٹی کا ٹکڑا نہ توڑے گا۔ (منقول از حاشیہ ترجمہ قرآن از حضرت مولانا سیّد امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی مرحوم)۔

۵۔ جو صفات مذکورہ بالا مومنین کی بیان کی گئی ہیں ان میں تین صفتیں ہمارے ائمہؑ سے بہتر کسی میں نہیں پائی گئیں:

۱۔ امر بالمعروف۔ ۲۔ نہی عن المنکر۔ ۳۔ حدود الٰہیہ کی حفاظت۔

ہمارے ائمہؑ نے اپنی جانوں پر کھیل کر حدودِ الٰہیہ کی حفاظت فرمائی۔ اور کسی لالچ یا کسی دباؤ میں آکر کبھی اپنی زبان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں روکا۔ حدودِ الٰہیہ کی سب سے بہتر حفاظت کربلا میں ہوئی کہ امام حسینؑ اور ان کے اعزہؑ اور انصارؓ نے جان و مال سب کچھ قربان کر دیا لیکن حق پر باطل کو غالب نہ آنے دیا۔ پس اس بنا پر یہ تمام آیات کربلا والوں کی شان میں ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا

بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

جب نبی پر اور مومنین پر یہ ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنّمی ہیں تو ان کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ ان کے لیے مغفرت کی دُعا کریں چاہے وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔ ابراہیم کا اپنے (منہ بولے) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے دردمند اور بُردبار تھے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ لوگوں کو ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا کر دے جب تک کہ انہیں صاف صاف بتا نہ دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا چاہیئے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی سرپرست مددگار خدا کے سوا نہیں۔

بہت سے لوگ ایسے تھے جو حلقہ کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان کے بہت سے قریبی رشتہ دار بدستور مشرک تھے۔ فطری محبت کے غلبہ سے یہ مسلمان ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ اس آیت نے نازل ہو کر ان کو مشرکوں کے لیے استغفار کرنے سے روک دیا کیونکہ مشرک و مومن میں کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ آیہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے لیے نبی استغفار نہیں کر سکتا۔ پس حضرات اہلِ سنّت کا یہ کہنا کہ ابوطالبؑ کافر تھے ادعا کافرانہ ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت رسولِ خدا نے ان کے لیے مرتے دم اور قبر میں اُتارے جاتے وقت دعائے خیر کی۔ اگر کہا جائے کہ مرتے وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا جائے تو ایسا ایمان مقبول نہیں جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے کہ جب ڈوبتے وقت فرعون نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو خدا نے اس سے کہا اب یہ کہتا ہے حالانکہ تو ہمیشہ کافر ہی رہا ہے۔ اگر ابوطالبؑ کافر ہوتے تو حضرت رسولِ خدا کبھی ان کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتے اور نہ ابوطالبؑ اختلافِ مذہب ہونے کی بنا پر ان سے بشفقت پیش آتے۔ ایمان ابوطالب علیہ السلام کے متعلق مبسوط کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ابوطالبؑ مومن نہ ہوتے تو جناب خدیجہؑ سے جب حضرتؐ کا عقد ہوا تو اس عقد کے پڑھنے والے ابوطالبؑ نہ ہوتے۔ انہوں نے اس موقع پر جو خطبہ پڑھا ہے اس میں بجائے بتوں کی تعریف کے خدا کی تعریف کی ہے اور حضورؐ کی نبوّت کا اظہار بھی کیا ہے۔ آپؑ نے حضورؐ کی مدح میں جو اشعار فرمائے ہیں ان میں آپؐ کی نبوّت اور خدا کی توحید کا صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور

ہے کہ حضورؐ نے ابوطالبؑ کی تجہیز و تکفین اسلامی طریقہ پر کی نہ کہ بُت پرستوں کے طریقہ پر۔ اور یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایک کافر بچہ کی ولادت خدا اپنے گھر کیسے منظور کر لیتا۔ حضرت علیؑ کا کعبہ میں پیدا ہونا بتاتا ہے کہ ان کے باپ صاحبِ ایمان تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میرا نور اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ عبدالمطلبؑ کے بعد دو حصّوں میں تقسیم ہُوا۔ ایک حصّہ صلبِ ابوطالبؑ میں گیا اور دوسرا حصّہ صلبِ عبدؑاللہ میں۔ اگر ابوطالبؑ کافر ہوتے تو یہ نُورالانوار آپ کے صلب میں کیسے قرار پا سکتا تھا۔ سورۂ قصص کی ۵۶ ویں آیت ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ یہ ابوطالبؑ کے متعلق ہے یعنی "اے رسول جسے (ابوطالبؑ) تم دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے"۔ لہٰذا ابوطالبؑ کا ایمان ثابت نہ ہُوا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ہدایت کے دو معنی ہیں: اراءۃ الطریق یعنی راستہ دکھانا اور ایصال الی المطلوب یعنی مقصد تک پہنچانا۔ رسول کا کام راستہ دکھانا ہے اور مقصد تک پہنچانا خدا کا کام ہے۔ پس اس آیت کا مصداق ابوطالبؑ کو قرار دینا بے ادبی ہے۔

رہا حضرت ابراہیمؑ کا اپنے چچا آذر کے لیے استغفار کرنا تو وُہ صرف اس وجہ سے تھا کہ اُس نے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ جب یہ پتہ چلا کہ وہ ایمان لانے والا نہیں تو آپؑ اُس سے بیزار ہو گئے اور استغفار کو ترک کر دیا تھا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ
بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ
بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ
تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اللہ نے بڑا فضل کیا نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا اگرچہ ان میں کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ پھر خدا نے اُن پر بھی فضل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور اُن تینوں پر بھی فضل کیا جو جہاد میں پیچھے رہ گئے تھے، (اُن پر سختی کی گئی) یہاں تک کہ زمین باوجود اپنی وُسعت کے اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کو اپنی جانیں بھی بھاری معلوم ہونے لگیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کے سوا کہیں پناہ کی جگہ نہیں تو خدا نے ان کو توبہ کی توفیق

دی کہ وہ خدا کی طرف رجُوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جنگِ تبوک کے موقع پر جب حضرتؐ جانے لگے تو قبیلہ اوس و خزرج کے تین نامی سردار کعب بن مالکؓ بلال بن اُمیّہؓ اور برار بن ربیع آپؐ کے ساتھ نہ گئے۔ جب گھر میں بیٹھنے والوں کی مذمت نازل ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ آپؐ نے مومنین سے فرمایا، ان سے کلام نہ کرو۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے بات چیت بند کر دی۔ اور ان کی عورتوں نے بھی ان سے کنارہ کشی کی۔ تب ان لوگوں نے جنگل کا رُخ کیا اور گریہ و زاری شروع کی۔ دس دن تک اسی حالت میں رہے۔ تب آیت نازل ہوئی اور مومنین نے ان کو قبولِ توبہ کی بشارت جا کر دی اور تب یہ لوگ واپس شہر میں آئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ
لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ
اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ
ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا
يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ
صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے گرد و نواح کے دیہاتیوں کو یہ جائز نہ تھا کہ رسولِ خدا کا ساتھ چھوڑ دیں اور نہ (یہ جائز تھا) کہ نفسِ رسول سے بے پرواہ ہو کر اپنی جانیں بچانے کی فکر کریں۔ یہ حکم اس لیے تھا کہ مجاہدوں کو خدا کی راہ میں جو تکلیف پیاس کی یا بھوک کی شدّت کی پہنچتی ہے یا اس راہ کے چلنے میں جو کفّار کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہو نہ کسی دشمن سے یہ لوگ کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کے عوض ان کے نامۂ اعمال میں ایک نیک کام لکھ دیا جائے گا اور اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر برباد نہیں کرتا۔

آیہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کی چند باتیں قابلِ توضیح ہیں:

۱- اُمّتِ محمدیؐ کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک گروہ ساتھ ہونے والوں کا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان لوگوں کو پہچانا جائے جن کے ساتھ ہونے کا حکم ہے ورنہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی۔

۲- چونکہ یہ حکم تا قیامت تمام اُمّت کے لیے ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین میں سے کسی ایک کا وجود پایا جائے ورنہ ہر زمانہ کے لوگ کس کی پیروی کریں گے۔

۳- صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد ان کی پیروی کرنا ہے۔ لہٰذا صراطِ مستقیم پر صرف وہی لوگ ہوں گے جو صادقین کے پیرو ہوں گے۔ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے صرف وہی فرقہ ناجی ہو سکتا ہے جو صادقین کا پیرو ہو۔

۴- صادقین کی پیروی کے لیے صرف ایمان کافی نہیں بلکہ متقی بھی ہونا چاہیئے۔

۵- متقی کی تعریف قرآن میں یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانے والے ہوں، نماز پڑھنے والے ہوں، راہ خدا میں خیرات کرنے والے ہوں، "ما جاء النبی" پر ایمان رکھنے والے ہوں، روز قیامت پر ان کا ایمان ہو، جو آنحضرتؐ سے پہلے نازل ہو چکا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ متقی کی سب سے پہلی صفت ایمان بالغیب ہے۔ لہٰذا جو لوگ امام غائب پر ایمان نہیں رکھتے ان کا تقویٰ ناقص ہے۔

۶- كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سے معلوم ہوا کہ صادقین کی پیروی واجب ہے اختیاری نہیں۔

۷- یہ بھی معلوم ہوا کہ صادقین کا معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ غیر معصوم کی پیروی باعثِ ہدایت نہیں ہو سکتی۔

۸- صادق سے مراد صدقِ کُلّی رکھنے والا ہے یعنی اس نے من المهد الی اللحد کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو اور قول کی طرح اپنے عمل میں بھی صادق ہو یعنی کوئی ایک عمل بھی اس کا خلاف حکم خدا و رسولؐ نہ ہو۔ ایسا ہی شخص معصوم کہلایا جا سکتا ہے۔

۹- صادقین کو کافۂ اُمّت سے علیحدہ ماننا ضروری ہے کیونکہ کافۂ اُمّت میں کوئی ایک شخص بھی عہدِ رسالت سے اب تک مدعی عصمت نہیں پایا گیا۔ نہ خود کسی نے دعوٰی کیا اور نہ اس کے تابعین نے۔ پس جب مجموعِ اُمّت صفت عصمت سے خالی ہے تو ماننا پڑے گا کہ مجموعِ اُمّت کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ رہنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور وُہ گروہ سوائے اہلبیتِ رسولؐ دُوسرا نہیں ہو سکتا۔ ان کی پیروی کا کافۂ اُمّت کو حکم دیا گیا ہے۔

۱۰- یہ کہنا صحیح نہیں کہ چونکہ خارج میں کسی معصوم کا وجود نہیں پایا جاتا جس کی پیروی کی جائے لہٰذا ماننا پڑے گا، کہ اس سے مراد تمام اُمّت کا اجماع ہے کیونکہ اس اجماع سے عصمت پیدا ہو جاتی ہے۔ سب کا کسی امر پر متفق ہونا دلیلِ عصمت ہے کیونکہ سب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ایک نہایت بُودا اور کمزور خیال ہے۔ جس مجموعہ کی ہر فرد غیر معصوم ہے اور صدقِ کُلّی سے محروم ہے اس کا مجموعہ عصمت کو کیسے پیدا کرے گا۔ ناقص کا مجموعہ تو ناقص ہی رہے گا چاہے اس کی تعداد لاکھوں ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے کافۂ اُمّت کا ایک مسئلہ پر متفق الرائے ہونا بھی ناممکن ہے۔ تمام اُمّت ایک مسئلہ پر متفق ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ایسا ہو سکتا تو ایک دین کے تہتر فرقے کیسے بنتے۔ آیاتِ قرآنی کی مختلف تاویلیں و تفسیریں

بیان کی جاتیں۔ تیسرے اگر اربابِ حَلّ و عَقد کا اجماع حجت ہو اور ان کا فیصلہ بمنزلہ عصمت ہو تو عہدِ رسالت سے آج تک ایسا کیوں نہ ہُوا۔ چار اماموں کی چار فقہیں کیوں بنیں۔ اصول میں اشاعرہ و معتزلہ کے درمیان اختلاف کیوں ہے۔ اسلام میں فرقہ بندی کیسے ہو گئی۔ اربابِ حَلّ و عَقد نے اپنے اجماع سے سب اُمّت کو ایک مرکز پر کیوں نہ قائم کیا۔

رہا یہ کہنا کہ امام معصوم کا وجود دُنیا میں نہیں لہٰذا پیروی کس کی کی جائے تو یہ بھی غلط ہے۔ قرآن و حدیث کی رُو سے امام کا وجود ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ الرعد ۱۳ "اے رسول تم تو صرف خوفِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے"۔ پس اس زمانہ کی قوم کے لیے بھی ہادی ہے۔ رسولؐ نے فرمایا ہے، مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (حدیث) "جو اس حالت میں مر گیا کہ اُس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا وُہ کفر کی موت مرا"۔ لہٰذا جو امام زمانہ ہے وہی صادق ہے اس کی پیروی واجب ہے۔

اب رہا امام غائب کی پیروی کا معاملہ تو جو لوگ مومن و متقی ہیں ان کو امام کی طرف سے ہدایت ہوتی رہتی ہے پہلے اس پر ایمان لائیے اس کی محبت کو دل میں جگہ دیجئے پھر دیکھیں کیسے ہدایت نہیں ہوتی۔

۱۱- یہ آیت اہلبیتِ رسولؐ کے منصوص من اللہ جانشینِ رسولؐ ہونے پر ایسی قوی دلیل ہے کہ اسے کوئی جھٹلا ہی نہیں سکتا۔

۱۲- روزِ مباہلہ رسولؐ نے ان صادقینؑ کی شناخت اُمّت کو کرا دی تھی۔ جھوٹے پر لعنت کرنے کے لیے جن صادق ہستیوں کو آپؐ اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلے تھے وہ صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ تھے۔ پس جھوٹوں کے مقابل حق کو کامیابی ہوئی۔ وہی صادقین قرار پائے اور خدا نے انہی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

۱۳- ہر زمانہ میں کسی قوم کی رہنمائی کے لیے ایک نمونۂ عمل کی ضرورت ہوتی ہے جس کو سامنے رکھ کر لوگ اپنی زندگی کی ہر موڑ پر سند حاصل کرتے رہیں۔ انسان اپنی تمدنی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں جو غلطیاں کرتا رہتا ہے اس کو صحیح راستہ پر چلانے کے لیے خدا نے ایک نمونۂ عمل ہر زمانہ میں اپنے منتخب بندوں میں سے کسی کو رکھا ہے۔ اسی کے عمل سے لوگوں کو صحیح اور غیر صحیح راستہ کا پتہ چل سکتا ہے۔

۱۴- اللہ تعالیٰ نے صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ لوگ ان کے قدم بقدم چل کر گمراہی سے محفوظ رہیں۔ خدا نے جن کو صادقین کہا ہے رسولؐ نے حدیثِ ثقلین میں ان کو اہلبیتؑ فرمایا ہے اور یہ وضاحت فرما دی ہے کہ اگر ان سے تمسّک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اس کے بعد دیہاتی عربوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دو۔ اس آیت میں اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ کے بعد فرمایا ہے کہ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ عَنْ نَّفْسِهٖ میں نفس سے کون نفس مراد ہے۔ آیا نفسِ رسولؐ یا علی علیہ السّلام جو مباہلہ کے روز گروہِ صادقینؑ میں نفسِ رسولؐ بن کر نکلے تھے۔ نفسِ رسولؐ اگر مراد ہو تو اس سے ایک ہی

امر کی تکرار لازم آتی ہے۔ پہلے جب یہ کہہ دیا گیا کہ رسولؐ کو اپنی جانیں بچانے کے لیے چھوڑ جانا جائز نہیں تو پھر یہ کہنا کہ اپنی جان بچانے کے لیے رسولؐ کی طرف سے منہ نہ موڑیں، غیر ضروری تکرار ہے۔ ہاں اگر نفس سے مراد علی علیہ السلام ہوں تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ نہ رسولؐ کو چھوڑیں اور نہ نفسِ رسولؐ کو کیونکہ جہادوں میں سب سے بڑا کارِ نمایاں کرنے والے علیؑ تھے۔

اس کے بعد دیہاتی عربوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کے لیے جو تم سفر کرتے ہو اور اس میں تمہیں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ بھوک بھی لگتی ہے پیاس بھی لگتی ہے۔ دشمنوں کی سرحد میں قدم رکھتے ہو تو تم پر انہیں غصہ بھی آتا ہے یا کسی دشمن سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا خیال نہ کرو۔ اللہ ان سب کا بدلہ تمہیں دے گا اور تمہارا شمار احسان کرنے والوں میں ہوگا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

یہ لوگ تھوڑا یا بہت راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے اور کسی وادی کو طے نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ نیک عمل ان کے نامۂ اعمال میں لکھ لیا جاتا ہے تاکہ ان کی کارگزاری کا اچھے سے اچھا بدلہ خدا عطا کرے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

مومنوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب ایک بار ہی (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تاکہ علمِ دین حاصل کرے اور پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ کر جائے اور ان کو عذاب (آخرت) سے ڈرائے تاکہ وہ لوگ ڈریں۔ اے ایمان والو کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس کے ہیں ان سے لڑو اور (اس طرح لڑو) کہ وہ لوگ تم میں کرارا پن محسوس کریں اور یہ جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورہ نازل کیا گیا تو ان (منافقین) میں سے ایک دوسرے سے پوچھتا ہے بھلا اس سورہ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا مگر جو لوگ ایمان والے ہیں ان کا ایمان تو اس سورہ سے بڑھ گیا اور وہ اس کی خوشیاں مناتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں مرض ہے اس سورہ نے ان کی خباثت پر ایک خباثت اور بڑھا دی۔ وہ مرے تو کافر ہی رہ کر مرے۔

ان آیات کے پہلے حصہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب لوگوں نے علمِ دین حاصل کرنے کی طرف آنحضرتؐ سے بہت سی حدیثیں سنیں تو ہر جماعت کے جوق در جوق لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنے گھروں کو خالی چھوڑ آتے تب ان کو یہ حکم ہوا کہ سب کے سب ایک ساتھ نہ نکلو بلکہ ہر جماعت کے تھوڑے سے لوگ آکر علمِ دین حاصل کریں اور جب یہاں سے پلٹ کر جائیں تو دوسرے لوگوں کو تعلیم دیں اور خلافِ حکمِ خدا و رسولؐ کرنے پر عذابِ آخرت سے ڈرائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ اور اجتہاد کا حاصل کرنا واجب نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن علمِ دین سے آگاہ ہونا ہر مرد و عورت کا فرض ہے۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علمِ دین کا کمال علمِ دین حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تم پر مال کی تلاش سے علمِ دین کی طلب زیادہ واجب ہے۔ اس کے بعد مومنین کو بتایا گیا ہے، کہ جب کافروں سے لڑو تو پوری ہمت و جرأت سے لڑو۔ بزدلا پن نہ دکھاؤ ورنہ تمہاری ہوا خیزی ہوگی۔

اس کے بعد منافقوں کی حالت بتائی گئی ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں بھلا بتائیے اس سورہ کے نازل ہونے سے لوگوں کا کتنا ایمان بڑھ گیا۔ کیا فائدہ پہنچا۔ لیکن جو مومن ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اس زیادتی پر وہ خوش بھی ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جاتا ہے اور مرتے دم تک وہ کافر ہی بنے رہتے ہیں۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا
عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ
حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

کیا وہ لوگ اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ ہر سال ایک یا دو بار بلاؤں میں مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کوئی مسلمانوں میں سے تمہیں دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر اپنے گھروں کو پلٹ جاتے ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے بے شک یہ سمجھنے والے لوگ نہیں۔ لوگو تم ہی میں سے (ہمارا) ایک رسول تمہارے پاس آچکا ہے جس پر تمہارا تکلیف اُٹھانا شاق ہے اُسے تمہاری بہبودی کا بڑا ہوکا ہے۔ ایمان داروں پر بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے اگر اس پر بھی یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو کہہ دو میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور عرشِ عظیم جیسی مخلوق کا مالک ہے۔

منافقوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ ہر سال میں ایک دو دفعہ جہاد میں جانے کے لیے ان کا امتحان لیا جاتا ہے اور یہ اپنے کو بچاتے بچاتے پھرتے ہیں اور پھر مزہ کی بات یہ ہے کہ کم بخت نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت ہی حاصل کرتے ہیں بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو آنکھوں آنکھوں ہی میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ لیجئے اور ایمان بڑھانے والا سورہ نازل ہوگیا۔ بھلا بار بار ان سوروں کے نازل ہونے کا فائدہ کیا۔ ان کی یہ باتیں ازراہِ تمسخر ہوتیں۔ کنکھیوں سے دیکھتے رہتے کہ مسلمان ہماری ان باتوں کو جو اشارہ سے ہو رہی ہیں دیکھ تو نہیں رہے۔ جب کسی کو نہیں پاتے تو چپکے سے چل دیتے ہیں۔

ان احمقوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ہمارا رسولؐ تم ہی میں سے ہے اور ایسا مشفق و مہربان ہے کہ تمہاری کسی تکلیف کو گوارا نہیں کرتا اور تمہاری بھلائی کا ہر وقت خیال رکھتا ہے پھر بھی تم اس کی بات نہیں مانتے۔ اگر نہیں مانتے تو نہ مانو اللہ اس کی مدد کے لیے کافی ہے۔

حرص انسان کی صفاتِ ذمیمہ میں سے ہے کیونکہ حریص آدمی کو چاہے کتنا ہی مل جائے اس کی حرص کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہی جاتی ہے آنحضرتؐ نے اپنی امت کی محبت میں اس کو بھی گوارا کر لیا کہ ان کو حریص کے لفظ

سے یاد کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو بہبودیٔ امت کا بے پناہ ہوکا تھا، چاہتے تھے کہ ہر قسم کی بھلائی آپؐ کی امت میں پائی جائے اور یہ شوق آپؐ کا کسی وقت کم نہیں ہوتا تھا۔

---

(۱۰) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ
اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ
صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ
اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

الٓرٰ۔ یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کا مفہوم رسولؐ اور ائمۂ طاہرینؑ کے سوا دوسرا نہیں جانتا۔

یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر اپنی وحی کی تاکہ وہ لوگوں کو ڈرائے اور جو ایمان لائے ہیں ان کو بشارت دے کہ ان کے لیے ان کے رب کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے (ان آیتوں کو سن کر) کافر لوگ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش کو بلند کیا ہر کام کا انتظام وہی کرتا ہے۔ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس سے اجازت لینے کے بعد۔ پس وہی خدا تمہارا پروردگار ہے بس اسی کی عبادت کرو تو کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

اس سورہ میں حضرت علیؑ کی ولایت، سورج چاند کے برج، بہشت کی تعریف، انسان کی حالت، کفار کی انوکھی فرمائش اور اس کا جواب ہے۔ سب لوگ یکساں تھے۔ انسان کا مجبوری میں گڑگڑانا اور فارغ البالی میں اکڑنا۔ دُنیا کی مثال۔ قیامت میں گنہگاروں کے منہ پر کالک لگی ہوگی۔ قیامت میں مشرکوں کے گروہ الگ ہوجائیں گے۔ گمان کی پیروی نہ کرو۔ مشرکوں سے نہ ملو۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ دُنیا کا قیام گھڑی بھر ہے۔ کوئی شخص اپنے نفع و نقصان پر قادر نہیں۔ قرآن قلبی امراض کی شفا ہے۔ خدا کو ذرہ ذرہ کی خبر ہے۔ خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ ہر بات کی اصل ضرور ہے۔ حضرت نوحؑ و موسیٰؑ کا قصہ۔ فرعون کا لشکر اور اس کا ڈوبنا۔ قوم یونسؑ کا قصہ۔

⁂

جب حضرت رسولِ خدا آیاتِ الٰہی کو مشرکین کے سامنے تلاوت کرتے تو بجائے ان کا مفہوم سمجھنے کے اپنی جہالت سے کہتے کہ یہ شاعرانہ تخیلات ہیں ان سے کسی کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ آیات معمولی نہیں بلکہ یہ عقل و حکمت کی باتیں ہیں ان کو سمجھو۔ ان کو اس پر تعجب تھا کہ ایک ایسے شخص پر جو ہم ہی میں سے ہے اور ہم ہی جیسا ہے یہ کتاب کیوں نازل ہو رہی ہے یہ تو کھلا جادو ہے۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ کتاب ہم نے اپنے پیغمبر پر اس لیے نازل کی ہے کہ وہ لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرائے اور جو صاحبِ ایمان بندے ہیں ان کو یہ خوش خبری دے کر خدا کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ ہے۔

قدمِ صدق سے یہ مراد ہے کہ ان کا جو قدم اٹھتا ہے وہ صحیح راستہ پر اٹھتا ہے۔ ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ کیونکہ ان کا قدم کسی بھی وقت جادۂ حق سے نہیں ہٹا۔

چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ عالمِ خلقی کی مخلوق کی طرح خدا کی یہ مخلوق بھی رفتہ رفتہ اپنے مدارجِ خلقت طے کر کے پیدا ہوئی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ چھ دن ہماری دُنیا کے چھ دن نہیں بلکہ عالم بالا کے چھ دن مراد ہیں جہاں کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اجرامِ سماوی میں سب سے بڑی مخلوق عرش ہے۔ پس جب وہ بھی خدا کے یدِ قدرت میں ہے تو اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔ اسی کی ذاتِ پاک اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام کائنات کا انتظام کر رہی ہے۔ پس جو ذات ایسی ہے سب کو اُس کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اس کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں انتظامِ عالم میں دخل دینے کی کوئی قدرت نہیں۔ تعجب ہے کہ اتنی موٹی بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ
ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤

تم سب کو (ایک دن) اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے (وہ ہو کر رہے گا)۔ وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو عدل و انصاف سے بدلہ دے اور جو لوگ کافر رہے ہیں ان کے لیے (دوزخ میں) گرم (کھولتا ہوا) پانی ہے اور دردناک عذاب جو ان کی کفر پرستی کا بدلہ ہوگا۔ اُس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو اور خدا نے اسے حکمت و مصلحت سے بنایا ہے خدا اپنی آیتوں کو واقف کار لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

آیہ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) سے قیامت کا ثبوت ملتا ہے۔ انسان کو عبث پیدا نہیں کیا گیا کوئی غرض ہے۔ اس کی بقائے حیات کے لیے پوری کائنات کو اس کے قدموں پر ڈال دیا ہے ذرہ سے لے کر آفتاب تک قطرہ سے لے کر ذخار سمندروں تک پتّہ سے لے کر سربفلک درختوں تک سب اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تاکہ انسان ان تمام چیزوں کے اسرارِ خلقت سے واقف ہو کر اپنے معبود کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام کی تعمیل میں شب و روز مشغول رہے۔ اور اپنی زندگی کا ہر قدم اس خیال کے تحت اٹھائے کہ اُسے ایک دن مرنا ہے اور اپنے معبود کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ اگر قیامت کا دن باز پرس کے لیے نہ ہوتا تو انسان کو نہ عقل و فہم عطا کرنے کی ضرورت تھی نہ انبیاء و مرسلین علیہم السّلام کو اس کی ہدایت کے لیے بھیجنے کی۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ جن لوگوں نے اس دُنیا میں رہ کر اعمالِ نیک کیے ہیں اور خدا و رسولؐ پر ایمان لائے ہیں ان کو اجر ملنا چاہیئے اور جن لوگوں نے خدا سے سرکشی اور نافرمانی کی ہے ظلم و ستم سے باز نہیں آئے مشرکانہ و کافرانہ زندگی بسر کی ہے اس کی ان کو سزا ملے۔

سُورج اور چاند کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی زندگی کی منزلوں کو سال، مہینے، ہفتے اور دن بنائے اور ان کے حساب سے جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان کو بجا لائے۔ مثلاً انسان رمضان میں روزے رکھے۔ ایّامِ حج میں حج بجا لائے۔ گیارہ مہینے پورے ہونے پر بارہویں مہینے زکوٰۃ دے۔ دن میں اوقاتِ معیّنہ پر نماز پڑھے۔

سُورج تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی پر ہر شے کی حیات کا انحصار ہے اگر یہ نہ ہو تو ہر شے مر جائے۔ چاند

اسی سے کسب ضیا کرتا ہے اور اسی لیے اس میں بھی جاں بخشی کی تاثیر ہے۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿٦﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾

بے شک رات اور دن کے آنے جانے میں اور آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان سب میں اللہ کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ جن لوگوں کو (قیامت میں) ہماری حضوری کا خوف نہیں اور وُہ زندگانئ دُنیا پر راضی ہو گئے ہیں اور انہیں اس پر اطمینان حاصل ہو گیا ہے اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں تو ان سب کا ٹھکانہ جہنّم ہے اُن کرتُوتوں کی بدولت جو وُہ کر چکے ہیں۔

رات خدا نے اس لیے بنائی ہے کہ آدمی آرام کرے اور دن اس لیے ہے کہ خدا کی عبادت کرے اور اپنی زندگی کی ضرورتیں پوری کرے اور پھر خدا کی ان نشانیوں پر غور کرے جو اس کے وُجود کی بقا کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ صرف دنیا کی نعمتوں ہی میں غرقِ ہو کر نہ رہ جائے اور یہ خیال دل میں نہ لائے کہ ایک دن اُسے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو پھر ایسے لوگوں کی سزا یہی ہو گی کہ انہیں جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ
وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٠﴾ ع
وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ

فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِذَا مَسَّ
الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ
مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٢١﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں ان کا رب اُن کو اُن کے ایمان کی وجہ سے منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا، ان نعمتوں سے بھری جنّتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان باغوں میں ان کی صدائیں یہ ہوں گی، اے اللہ تو پاک و پاکیزہ ہے اور وہاں ایک دوسرے کی مزاج پُرسی سلام سے ہو گی اور آخری قول ان کا یہ ہو گا حمد ہے اس اللہ کے لیے جو ربّ العالمین ہے۔ اگر اللہ ان کو بدی کا بدلہ دینے میں ایسی ہی جلدی کرتا جیسی وُہ بھلائی کے لیے کیا کرتے ہیں تو ان کی موت ان کے پاس کب کی آ چکی ہوتی جو لوگ مرنے کے بعد ہماری حضوری کی کوئی اُمّید نہیں رکھتے ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں۔ جب انسان کو کسی مُصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو ہمیں لیٹ کر بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر پکارنے لگتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں تو ایسا چپکے سے چل دیتا ہے گویا اُس نے اس مصیبت کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا جو اس پر آ پڑی تھی اور جو لوگ زیادتی کرتے ہیں ان کی کارستانیاں یوں ہی ان کو اچھی کر کے دکھائی گئی ہیں۔ (تاکہ وُہ گناہوں کے بوجھ سے لد جائیں)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاِذَا
تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا
مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ
لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا
مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ہم نے تم سے پہلی امّت والوں کو جب انہوں نے ظلم کیا تھا تو ضرور ہلاک کر ڈالا تھا۔ ان کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے لیکن اس پر بھی وُہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ مجرم لوگوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد تم کو رُوئے زمین پر ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی گئیں تو جن لوگوں کو ہماری حضوری کا مرنے کے بعد کوئی کھٹکا نہ تھا کہنے لگے اس کے علاوہ کوئی اور نیا قرآن لائیے یا اسے بدل دیجئے۔ اے رسول تم ان سے کہو میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو مجھ پر ہوتی ہے۔ میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو اس دن سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب سخت ہوگا۔ اے رسول کہہ دو کہ اگر میرا خدا چاہتا تو میں تمہارے سامنے نہ اس کو پڑھتا اور نہ تم کو آگاہ کرتا۔ میں تو آخر تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں (اور کبھی وحی کا نام نہ لیا) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

چونکہ قرآن میں پہلے زمانہ کے کافروں اور مشرکوں کی مذمت تھی اور ان پر عذاب کا ذکر تھا لہٰذا ان کی اولاد چاہتی تھی کہ یہ قرآن بدل دیا جائے۔ خدا نے رسُول کو کہا تم ان سے کہہ دو کہ مجھے بدلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ
اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بُہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ایسے گنہگار کامیاب نہیں ہُوا کرتے۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دیتی ہے نہ نقصان اور کہتے ہیں خدا کے سامنے یہی ہماری شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ اے رسول تم ان سے کہو کیا تم خدا کو اس سے آگاہ کرتے ہو جس کو وُہ نہ تو آسمانوں میں پاتا ہے نہ زمین میں۔ مشرکین جس چیز کو اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ سب لوگ پہلے ایک ہی گروہ تھے پھر اُنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اگر اے رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات (قیامت) پہلے سے (طے) نہ ہو چکی ہوتی تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ ان کے درمیان کب کا کر دیا گیا ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے سب لوگ ایک دین پر تھے لیکن بعد میں ان کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔ پہلا اختلاف بُت پرستی سے شروع ہوا۔ پھر نبوت میں پھر قیامت میں اختلافات ہونے لگے اور ان اختلافات نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک چلے آتے ہیں۔ آج جو ادیان دُنیا میں پائے جاتے ہیں ان کے ماننے والے بھی ایک مرکز پر قائم نہیں ان کے درمیان بھی فرقہ بندی ہے اور ایسی سخت کہ ایک دوسرے کو کافر جہنمی کہتا ہے۔ خدا فرماتا ہے قیامت کا ایک وقت معیّن ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے یہ جھگڑے کب کے طے کر دیئے گئے ہوتے۔ اب تو جب قیامت آئیگی اور یہ سب گروہ اپنے معبُود کے سامنے حاضر ہوں گے اس وقت ان کے اختلاف کی قلعی کھلے گی۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ
اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ
ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا

يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا
كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا
رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ
بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

دریائی سفر میں خدا کی حفاظت

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ ہماری خواہش کے مطابق کیوں نازل نہیں کیا گیا اے رسول تم ان سے کہو کہ غیب کا علم تو اللہ ہی کے لیے ہے پس تم بھی انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ (لوگوں کا حال یہ ہے کہ) جب ان کو کوئی تکلیف پہنچی اور ہم نے اس کے بعد ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھایا (اس تکلیف کو دُور کیا) تو وُہ لگے ہماری آیات میں حیلہ بازی کرنے۔ تم ان سے کہہ دو کہ تدبیر کرنے میں خدا تم سے زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے رسول (فرشتے) جو تم مکاریاں کرتے ہو ان سب کو لکھے جاتے ہیں۔ اللہ وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ تم جب کشتی میں سفر کرتے ہو اور وہ لوگوں کو بادِ موافق کے ساتھ لے کر چلتی ہے اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں تو (یکایک) ہوا کا تیز جھونکا آتا ہے اور ہر طرف موجیں اُٹھنے لگتی ہیں اور لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ موجوں میں گھر گئے اور اس وقت وُہ گڑگڑا کر خدا کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں اگر تُو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔

ان آیات میں چند باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ کفار و مشرکین رسولؐ سے کہتے تھے کہ ہماری خواہش کے مطابق معجزہ کا اظہار کیجیے لیکن ان کی یہ احمقانہ خواہش کسی طرح پوری نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس کی چند وجہیں ہیں، اوّل یہ کہ رسالت ایک کھیل بن جاتی، یعنی لوگ اپنی اپنی خواہشوں کے مطابق معجزات طلب کرتے اور اس کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ دوسرے اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو بھی وہ ایمان نہ لاتے اور یہ کہہ کر الگ ہو جاتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ تیسرے کہتے یہ تو ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہم تو یُوں چاہتے

تھے۔ معجزات کا ظہور تو خدا کی مصلحتوں کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ ہر ایرے غیرے کی خواہش پر۔

۲۔ انسان کی ناشکری اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدا سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں اور جب خدا اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دُور کرنے لگتا ہے تو رسولؐ کے ساتھ پھر طرح طرح کی مکاری اور حیلہ سازی سے پیش آنے لگتے ہیں چنانچہ ایک بار مکہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ سات سال تک پانی کا قطرہ نہ برسا سب بلبلا گئے اور رسولؐ سے دُعا کرنے کی خواہش کرنے لگے۔ حضرتؐ نے دُعا کی اور پانی برسا تو بجائے خدا اور رسولؐ کا احسان ماننے کے حضرتؐ کو طرح طرح سے ستانے لگے۔

۳۔ خدا نے ناشکری کی ایک مثال پیش کی ہے کہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی میں بیٹھتے ہیں اور مناسب ہوائیں کشتی کو لے کر چلتی ہیں تو کشتی والے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب یکایک ہوا کے تند و تیز جھونکے آنے لگتے ہیں اور دریا میں طغیانی شروع ہو جاتی ہے اور ہر طرف سے موجیں اُٹھ اُٹھ کر کشتی کو گھیر لیتی ہیں اور وُہ ڈوبنے کے قریب ہو جاتی ہے تو اس وقت سب گھبرا جاتے ہیں اور بڑے خلوص سے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں کرنے لگتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں اگر خدا نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا تو ہم اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا
بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

لیکن جب خدا نے انہیں نجات دے دی تو وُہ لوگ زمین پر قدم رکھتے ہی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری جانوں پر پڑے گا۔ زندگانی دنیا کا فائدہ تو چند روزہ ہے پھر تم کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے پھر ہم تم کو بتا دیں گے کہ تم دُنیا میں کیا کیا کرتوت کیا کرتے تھے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ
مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ
وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

زندگانیٔ دُنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا۔ پھر زمین کی گھاس پات اس سے مل جل گئی جس کو لوگ بھی کھاتے ہیں اور چوپائے بھی یہاں تک کہ جب زمین اپنی تمام سجاوٹیں نکال چکی اور ہر طرح آراستہ ہوگئی (پودے خوب لہلہانے لگے) اور کاشتکاروں نے سمجھا کہ وہ اس پر پُوری طرح قابُو پاگئے (جب چاہیں گے کاٹ لیں گے) تو ہمارا حکم رات میں یا دن میں آگیا اور ہم نے پُورے کھیت کو کٹا ہُوا بنا دیا گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں (گرم ہواؤں سے کھیتی سوکھ کر رہ گئی اور ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی) ہم غور کرنے والے لوگوں کے لیے ایسی نشانیاں تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں۔ اللہ سلامتی کے گھر کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

زندگانیٔ دنیا کی مثال

زندگانیٔ دنیا کی کیسی بہترین مثال خدا نے بیان فرمائی ہے۔ انسان کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑے چاؤ پیار سے اس کی پرورش کرتا ہے اور جب وہ جوانی کی حد میں داخل ہوتا ہے تو بڑی بڑی امیدیں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور ماں باپ خیال کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں بڑے بڑے فائدے پہنچیں گے یکایک موت کا جھونکا سے اُڑا کر لے جاتا ہے تو ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس دُنیا میں وہ آیا ہی نہ تھا۔ کچھ نشان رونے پیٹنے کے لیے باقی رہ جاتے ہیں وہ بھی چند روز کے لیے۔ ایسی چند روزہ زندگی پر اگر انسان خدا کو بھول جائے اور حیات بعد الموت کے لیے کوئی سامان نہ کرے تو اس سے زیادہ بے وقوف کون ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ
مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

جن لوگوں نے اس دُنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے آخرت میں نیکی ہوگی بلکہ اور زیادہ۔ (گنہگاروں کی طرح) نہ تو ان کے چہروں پر سیاہی ہوگی اور نہ اُن کو ذلت کا سامنا ہوگا۔ یہی لوگ جنّت والوں میں سے ہوں گے اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں اس کی سزا اس گناہ کے برابر ملے گی اور ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی اور اللہ کے عذاب سے کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہرے ایسے کالے ہونگے گویا کالی رات کے ٹکڑے سے ڈھک دئیے گئے ہیں۔ یہ دوزخی لوگ ہوں گے جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس روز (قیامت میں) ہم سب کو یکجا کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے تم اور تمہارے بنائے ہُوئے خدا کے شریک ذرا اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان میں پھُوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم تو ہماری پرستش نہ کرتے تھے۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بُت پرست جن بتوں کو خدا کا شریک بناکر دُنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے قیامت میں وہ ان سے الگ ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں، ہم سے الگ ہو جاؤ۔ احمق بُت پرست یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بُت روزِ قیامت ہمارے لیے ذریعہ نجات بنیں گے۔ لیکن وہاں اس احمقانہ عقیدہ کی قلعی کھُل جائے گی۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ
يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ

النصف ع ۳ ۸

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾
كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

(وہ باطل معبود اپنے پجاریوں سے کہیں گے) تمہارے ہمارے درمیان گواہی کو خدا کافی ہے ہمیں پتہ ہی نہ تھا کہ تم ہماری پرستش کرتے ہو۔ وہاں ہر شخص جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے جان لے گا اور وہ اپنے برحق مولا کی طرف رد کیے جائیں گے اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گی۔ اے رسول تم ان سے پوچھو تو کہ آسمان سے (مینہ برسا کر) اور زمین سے (غلہ اگا کر) تمہیں رزق کون دیتا ہے اور تمہارے کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام امور (کائنات) کا انتظام کرتا ہے۔ ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ ایسا اللہ ہی کرتا ہے تو تم ان سے کہو کہ تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں۔ بس وہی خدا تو تمہارا سچا پالنے والا ہے۔ پس حق بات کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے پس تم کدھر چلے جا رہے ہو۔ اسی طرح تیرے رب کے کلمات بدکاروں پر حق ثابت ہو چکے ہیں لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں۔

انسان دنیوی جھگڑوں میں کچھ ایسا پھنس گیا ہے کہ اسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے معبود نے اس پر کیا کیا احسانات کیے ہیں۔ غور کرو اگر آسمان سے پانی نہ برسے اور زمین غلہ نہ اگائے تو وہ کیا کھا کر زندہ رہ سکتا ہے۔ ناشکرا بندہ اس کا دیا ہوا رزق کھائے چلا جاتا ہے مگر کبھی شکریہ کی دو رکعت نماز تک نہیں پڑھتا۔ غور کرو اگر وہ کسی کو بہرا اور اندھا بنا دے تو اس کی زندگی کا لطف خاک میں مل جائے گا یا نہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو ان نعمتوں پر اس کے شکر گزار ہیں؟ لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ اس نے نطفہ کے ایک بے جان قطرہ سے شکم مادر میں ایک جان دار بچہ بنا کر بطن مادر سے نکالا اور پھر کچھ دنوں میں اس زندہ کو پھر مار دیا۔ کیا اللہ کے سوا یہ سب کام کوئی اور کر رہا ہے۔ اگر خدا ہی کر رہا ہے تو لوگ اس سے ڈرتے کیوں نہیں اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا
يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ
اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اے رسول تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ جن کو تم خدا کا شریک بنا رہے ہو کیا ان میں کوئی ایسا ہے جس نے مخلوق کو سب سے پہلے پیدا کیا ہو یا مرنے کے بعد انہیں زندہ کیا ہو۔ کہہ دو کہ اللہ ہی نے سب سے پہلے خلق کو پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد پھر ان کو زندہ کرے گا پس تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو۔ تم ان سے یہ بھی کہو کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے کوئی ان میں ایسا ہے کہ حق کی طرف ہدایت کرے۔ کہہ دو اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے پس جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو درکنار خود ہی اس کا محتاج ہے کہ دوسرا کوئی اس کو ہدایت کرے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ ان میں اکثر تو اپنے گمان پر چلتے ہیں۔ حالانکہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

اللہ کے سوا کوئی معبود کہلانے کے قابل نہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ اس کارخانۂ عالم کا سب سے پہلے پیدا کرنے والا وہی ہے اور وہی مار کر پھر زندہ کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ جن بتوں کی پوجا کی جاتی ہے ان میں نہ تو کسی کے پیدا کرنے کی قوت ہے اور نہ مار کر دوبارہ زندہ کرنے کی، پھر وہ لائق پرستش کیسے ہو سکتے ہیں مگر بت پرستوں کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی اور وہ مختلف راستوں میں بھولے بھٹکے پھر رہے ہیں۔

جو شخص خدا کے بندوں میں حق کی طرف ہدایت کرنے والا ہے وہی امام بننے کا زیادہ مستحق ہے نہ کہ وہ لوگ جو دوسروں کی ہدایت کے خود محتاج ہوں۔ عقل اس کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ راہِ حق کی ہدایت کرنے والے محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں، دوسرے لوگ ہدایت میں ان کے محتاج ہیں۔ جو لوگ ان کے مخالف تھے وہ صحیح راستہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ اور اپنے مذہب کی بنیاد گمان و قیاس پر رکھے ہوئے تھے یقین پر نہیں یعنی ان کا مذہب تقلیدی تھا یعنی جس مذہب پر اپنے ماں باپ کو پایا اسی پر چل پڑے اس سے بحث نہیں کہ وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ امتِ رسولؐ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک معصوم دوسرے غیر معصوم۔ معصوم جو ہدایت کرتے تھے اس میں

باطل کا شائبہ بھی نہ تھا بغیر معصوم کی ہدایت قابلِ اعتبار نہیں ہوتی کیونکہ اس سے ہر حالت میں خطا کا امکان ہے۔ رسول اللہ نے حضرتِ علی علیہ السلام کے سوا کسی کے لیے نہیں فرمایا کہ حق اس کے ساتھ ہے۔ علی علیہ السلام کے لیے فرمایا، اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ حَيْثُ دَارَ (حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں یا اللہ جس طرف علی گھومیں حق کو اسی طرف گھمائے۔) اس سے معلوم ہوا کہ حق علیؑ کے پیچھے پیچھے ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ
يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ
قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾

یہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا بنا ڈالے بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور تفصیل ہے اُن کتابوں کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام عالموں کے پالنے والے کی طرف سے آیا ہوا ہے۔ اگر مشرکین یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو تم ان سے کہو کہ ایک سورہ ہی اس کی مثل بنا لاؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو خدا کے سوا جس کو تم چاہو اپنی مدد کے لیے بلا لو (یہ کیا بنا کر لاتے) بلکہ جس کے جاننے پر ان کا دسترس نہیں اُسے جھٹلاتے ہیں حالانکہ اس کے معانی کو ابھی تک سمجھے بھی نہیں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پہلی کتابوں کو) جھٹلایا تھا پس دیکھو ان ظالموں کا کیا بُرا انجام ہوا۔

جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس جیسا کلام بنا کر تو لاؤ کیونکہ اُن کی عبارتیں معمولی قسم کی ہیں۔ البتہ قرآن ایک ایسا عجیب و غریب کلام ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی کسی عبارت سے میل نہیں کھاتا چاہے بنانے والا کیسا ہی فصیح و بلیغ اور قادر الکلام کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ حضرت رسولِ خدا اور امیر المومنینؑ کے کلام میں جہاں کوئی آیت آگئی ہے صاف الگ معلوم ہوتی ہے اور وہی فرق نظر آتا ہے جو خدا اور بندہ میں ہے۔ مشرکین جہاں

یا یہود و نصاریٰ سب یہی کہتے تھے کہ یہ کلام محمدؐ نے خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے لیکن جب قرآن نے یہ دعویٰ کیا اور وہ سب اس کی تردید پر قادر نہ ہوئے تو اپنے اس الزام پر شرمائے۔ بات یہ تھی کہ انہوں نے آیات کے رموز و غوامض اور کلام کے اسلوبِ بیان کو سمجھا ہی نہ تھا بلکہ عام فصحائے عرب کا سا کلام سمجھ کر جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور جنہوں نے اس کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا وہ اُس کے کلامِ خدا ہونے پر ایمان لے آئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع
وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ
وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس قرآن پر ایمان لے آئے اور کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لائے اور مفسدوں کو تیرا رب خوب جانتا ہے۔ اگر اے رسول یہ تم کو جھٹلائیں تو کہدو کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے جو میں کرتا ہوں تم اس سے بری ہو اور جو تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں (لیکن کیا یہ تمہاری باتوں کو سن لیتے ہیں، ہرگز نہیں) بھلا تم بہروں کو کچھ سنا سکتے ہو اگر وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو جنہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں راستہ دکھا دو گے؟ ہرگز نہیں

یہودی آنحضرتؐ کی مجلس میں اکثر آیا کرتے تھے تاکہ آیات کو سنیں اور ان پر اعتراض کریں۔ بعض تو ایسے ہوتے تھے، کہ کان لگا کر حضرتؐ کی باتیں سنتے تھے مگر اس لیے نہیں کہ ایمان لائیں بلکہ اس لیے کہ کوئی قابلِ اعتراض بات مل جائے تو حضرتؐ سے بحث کرنے لگیں اور بعض حضرتؐ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے تھے لیکن سمجھتے بوجھتے کچھ نہ تھے یہ بڑے خطرناک لوگ تھے۔ مسلمانوں کو بہکانا ان کا کام تھا۔ بعض اوقات جب زیادہ کج بحثی کرنے اور حضرتؐ کے عزیز وقت کو بیکار باتوں میں ضائع کرنے تو خدا کا حکم ہوا کہ تم ان سے کہدو کہ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا، بے کار باتوں سے کیا فائدہ۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ
خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾

اللہ تو کسی شخص پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود (اپنی غلط روی سے) اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں جس دن (قیامت میں) خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (تو وہ سمجھیں گے کہ دنیا میں) بس دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے تھے وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ گھاٹے میں رہیں گے اُس دن وہ لوگ جو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو جھٹلاتے تھے اور ہدایت یافتہ نہ تھے۔ اے رسول جس عذاب کا ہم وعدہ کر چکے ہیں، ان میں سے بعض تمہیں دکھا دیں گے یا تم کو دنیا سے پہلے ہی اُٹھا لیں گے آخر ان سب کو ایک دن ہماری طرف لوٹنا ہی ہے پس جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔

جب لوگ آخرت کی بے پایاں زندگی پر نظر ڈالیں گے اور اپنی ماضی کی زندگی کو جو دنیا میں بسر کی تھی دیکھیں گے تب پتہ چلے گا کہ وہ ماضی کی زندگی اس مستقبل کی زندگی کے مقابل ایسی معلوم ہوگی جیسے دنیا میں ایک گھڑی۔ جو لوگ اولیائے خدا ہیں وہ اسی لیے تمنائے موت کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں وہ بے پناہ طولانی زندگی ہوتی ہے جس میں طرح طرح کی راحتیں نصیب ہوتی ہیں ان پر نظر رکھ کر وہ اس دنیا کی نعمات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان کے حصول کے لیے ایسے طریقے اختیار نہیں کرتے جن سے آنے والی زندگی میں خلل پڑ جائے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ
اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا
جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

ہر اُمّت کا ایک خاص رسول ہوا ہے جب ان کا رسول (مع اپنی اُمّت کے) ہماری بارگاہ میں آئے گا تو انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ لوگ تم سے پوچھا کرتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا۔ تم ان سے کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے لیے نہ نفع پر قادر ہوں نہ نقصان پر، اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہر گروہ کے لیے موت کا وقت مقرر ہے جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اُمّت سے مراد صرف وہی لوگ مراد نہیں جو کسی رسول کے زمانے میں اس کی زندگی میں موجود ہوں بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جہاں تک اس کی تعلیم کا اثر پہنچے گا وہ سب اس کی اُمّت میں داخل ہوں گے، جب تک اس رسول کی شریعت نہیں بدلتی۔ پس ہمارے رسولؐ چونکہ آخری رسولؐ ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا آپؐ کی شریعت قیامت تک چلے گی۔

لوگ آپؐ سے آ کر کہا کرتے تھے کہ جس عذاب سے آپؐ ہم کو ڈراتے دھمکاتے ہیں بتائیے وہ کب آئے گا۔ ان کے جواب میں خدا نے بتایا کہ کہو عذاب کا وعدہ کرنے والا خدا ہے میں نہیں پس عذاب کا لانا اس کے اختیار میں ہے جب چاہے گا لے آئے گا میں نے کب کہا تھا کہ تمہارے معاملات کو میں چکاؤں گا اور نہ ماننے والوں کو عذاب دوں گا۔ یہ وعدہ تو اللہ کا ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اللہ جلد باز نہیں کہ جو اس کے حکم کو نہ مانے اُسے فوراً سزا دے دے اور جو مانے اُسے انعام عطا کر دے۔ وہ بدکار لوگوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔ پہلے ڈراتا دھمکاتا ہے پھر سوچنے کا موقع دیتا ہے۔ جب اس پر بھی لوگ باز نہیں آتے تو آخری فیصلہ ان کے لیے عذاب کا لانا ہوتا ہے۔

موت کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس میں مصلحت یہ ہے کہ لوگ ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہیں اور نیکی کے حصول میں جلدی کریں اور کسی وقت خوفِ خدا کو دل سے نہ نکالیں۔ اگر موت کے وقت میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی تو لوگ ایسے ذرائع تلاش کرتے جن سے ان کی موت کا وقت ٹل سکتا۔ جن لوگوں کو وہ ذرائع میسر نہ آتے وہ اس حسرت میں مرتے کہ کاش وہ ذرائع حاصل ہو جاتے۔ امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا وزیر سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو کسی کے ہٹائے نہیں ہٹتا۔ پھر نہ دوائیں کام دیتی ہیں نہ دعائیں۔ انسان اپنی خوشی سے کبھی مرنا نہیں چاہتا چاہے موت عمر کے کسی حصے میں بھی آئے۔ لہٰذا یہ کام اس کی مرضی پر نہیں رکھا گیا۔ سب کو اسی وقت مرنا ہے جو مرنے کا وقت معیّن ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ اٰۗلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

تَسْتَعْجِلُوْنَ (۵۱) ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ
تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (۵۲) وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ
وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۵۳) وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ
مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۵۴)

اے رسول کہہ دو کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر خدا کا عذاب رات میں یا دن میں آجائے (تو تم کیا کر سکتے ہو) آخر یہ گنہگار لوگ کاہے کی جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا جب وہ تم پر آپڑے گا اس وقت مانو گے اب (بچنا چاہتے ہو) حالانکہ تم جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے۔ پھر ظالموں سے کہا جائے گا اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ دُنیا میں جیسے تمہارے کرتوت تھے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا جو تم کہہ رہے ہو وُہ ٹھیک ہے تم کہہ دو خدا کی قسم وہ بالکل ٹھیک ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں بنا سکتے۔ اور جس جس نے ہماری نافرمانی کر کے ظلم کیا ہے تو اگر روئے زمین کی دولت بھی عذاب سے بچنے کے لیے بدلہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے تب بھی نہ بچ سکے گا۔ جب وہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اظہارِ ندامت کریں گے اور ان کے درمیان انصاف سے حکم کیا جائے گا ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السّلام جب اپنی اُمّت کو عذابِ آخرت سے خبردار کرتے تھے تو وُہ ان کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور اُسے جھُوٹ سمجھ کر اپنی غلط کاریوں سے باز نہ آتے تھے لیکن جب وُہ قیامت میں ان بحرموں پر آکھڑا ہوگا تب گھبرائیں گے اور ندامت کا پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہہ رہا ہوگا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ پچھتانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اب تو بداعمالی کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ انبیاء علیہم السّلام کی اُمتوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ جب عذاب آئے گا تو ہم اپنی دولت کا بڑا حصّہ دے کر اس سے اپنے کو بچا لیں گے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمام روئے زمین کی دولت دو گے تب بھی نہ بچو گے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ (۵۵) هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۵۶) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّ
رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۵۷) قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۵۸)

آگاہ ہو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ آگاہ ہو اللہ کا وعدہ سچّا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی جو دل کی بیماری کے لیے شفا اور مومنین کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تم کو ملا ہے پس اس پر تم کو خوش ہونا چاہیئے اور جو کچھ تم جمع کر رہے ہو اس سے یہ کہیں بہتر ہے۔

قرآن گمراہوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور دل کی بیماریوں کے لیے شفا بخشنے والا ہے جیسے حسد، بغض کینہ وغیرہ۔ قرآن پڑھنے سے پریشان دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور مومنین پر رحمتِ خدا نازل ہوتی ہے۔ خدا کے اس فضل وکرم پر لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ لیکن عمُوماً لوگ دولت جمع کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کاش یہ سمجھتے کہ اس کی تلاوت سے کتنی بلائیں ان سے دُور رہتی ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ
قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (۵۹) وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (۶۰) وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ

قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ
وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

اے رسول تم (یہودیوں سے) کہو کہ کیا تم نے اس پر غور کیا کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے تم نے اس میں سے کسی کو حلال بنا دیا کسی کو حرام۔ تم ان سے کہو کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ جو لوگ اللہ پہ بہتان باندھا کرتے ہیں انہوں نے روزِ قیامت کو کیا خیال کیا ہے۔ اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے رسول چاہے تم کسی حالت میں ہو اور چاہے کوئی سی آیت ان پر تلاوت کرو اور تم کوئی عمل کرو ہم ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں جب بھی تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اے رسول تیرے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی جو زمین میں ہو یا آسمان میں ہو چھوٹی ہو یا بڑی ہو غائب نہیں رہ سکتی۔ وہ لوحِ محفوظ میں ضرور موجود ہے۔

مشرکوں اور یہودیوں کی شرارت

مشرکوں اور یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری شرارتوں کی انتہا نہیں جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے تم نے باختیارِ خود جسے چاہا حلال قرار دے لیا جسے چاہا حرام بنا دیا گویا تم قوانینِ الٰہیہ اور شریعتِ نبویہ کے مالک ہو۔ یہودیوں نے بغیر حکمِ خدا اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ بعض گوشت ان کے مردوں پر حلال تھے اور عورتوں پر حرام۔ جانوروں کے بعض اعضاء کی چربی حلال کر رکھی تھی اور بعض کی حرام۔ بعض زمینوں کی پیداوار حلال سمجھتے تھے بعض کی حرام۔ اسی طرح ایک دو نہیں بہت سی تبدیلیاں شریعتِ موسویؑ میں انہوں نے کر رکھی تھیں اور مزہ کی بات یہ ہے کہ ان سب کو خدا کی طرف سے بتاتے تھے اور توریت سے اس کو ثابت کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ ان کے دلوں سے خدا کے عذاب کا خوف نکل چکا تھا اور قیامت کا اقرار اگرچہ زبان سے کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ قیامت کی گرفت اور باز پرس کو انبیاءؑ کا بیان کیا ہوا ایک ڈھکوسلا سمجھتے تھے۔ کس قدر دیدہ دلیر اور گستاخ تھے کہ اپنی لغو باتوں اور غلط کاریوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ خدا کا فضل و کرم دیکھو کہ پھر بھی اپنی نعمتوں کو ان پر بند نہیں کرتا تھا اور ضروریاتِ زندگی کی ہر شے ان کے لیے موجود تھی مگر ان میں سے اکثر لوگ اس کا شکریہ ادا نہ کرتے تھے۔ یہی حال مشرکینِ عرب کا تھا کہ وہ بھی اپنی طبیعت سے جسے چاہتے تھے حلال قرار دے لیتے تھے اور جسے چاہتے حرام بنا دیتے۔ اے رسولؐ تم جس حال میں بھی ہو اور قرآن میں سے جو کچھ سناتے ہو اور تم جو کچھ کرتے ہو ہم ان سب حالتوں میں تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی چیز چاہے کتنی ہی چھوٹی یا بڑی ہو اس سے پوشیدہ نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔ پس جب پوشیدہ

نہیں اور لوحِ محفوظ میں اس کا اندراج ہے تو لوگو تم اس کے مؤاخذہ سے کیسے بچ سکتے ہو۔

وقف لازم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا
تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾

آگاہ ہو کہ اولیائے خدا کے لیے نہ مستقبل کا خوف ہے نہ ماضی کا غم یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے زندگانیِ دنیا اور آخرت دونوں میں، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے اے رسول کفار کی باتوں کا رنج نہ کیا کرو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قسم کی عزت تو خدا ہی کے لیے ہے وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عزتِ رسول اکرمؐ

اولیاء اللہ کی پہچان

امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو فرائضِ الٰہیہ کو ادا کریں سنتِ رسولؐ پر عمل کریں خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں زہد اختیار کریں آخرت کی طرف راغب ہوں۔ حلال رزق حاصل کریں۔ حقوقِ واجبہ کو ادا کریں۔ ایسے لوگوں کی کمائی میں خدا برکت عطا کرے گا اور آخرت میں ان کو اچھا بدلہ ملے گا۔ قرآن میں اولیاء خدا کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ وہ تمنائے موت کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین حضرت رسولِ خدا کو اپنے طعن و تشنیع سے سخت اذیت پہنچایا کرتے تھے کبھی کہتے تھے شاعر ہے کبھی کہتے تھے دیوانہ ہے کبھی کہتے جادوگر ہے۔ خدا رسولؐ کی تسکین کے لیے فرماتا ہے کہ اے رسولؐ تم ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو۔ عزت دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے ان ذلیل لوگوں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ
اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

آگاہ ہو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی کا ہے جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو (خدا کا شریک سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی راہ پر بھی نہیں چلتے وہ اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس کی روشنی میں کام کاج کرو۔ جو لوگ سن لیتے ہیں ان کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ (مشرکین نے) کہہ دیا کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے (یہ محض غلط ہے) وہ ان نقائص سے پاک ہے وہ ہر چیز سے بے پرواہ ہے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہو اس کی کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے یا تم خدا پر یوں ہی بے جانے بوجھے جھوٹ بولا کرتے ہو۔

جب یہ ثابت ہے کہ آسمان و زمین میں بسنے والے سب خدا کی مخلوق ہیں تو پھر وہ خدا کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں جن کو مشرک خدا کا شریک بیان کرتے ہیں ان کا وجود خود یہ بتاتا ہے کہ وہ حادث ہیں کیونکہ کسی بنانے والے نے ان کو بنایا ہے وہ خود نہیں بنے۔ ان کو خدا ماننے والے حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے اعتقاد کی ساری بنیاد گمان پر ہے یعنی فرض کر لیا ہے کہ یہ خدا کے شریک ہیں۔ دلیل ان کے پاس کوئی نہیں۔ ان سے زیادہ احمق وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ عزیر ابن اللہ ہیں یا مسیح ابن اللہ ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی کہ انسان اولاد اس لیے چاہتا ہے کہ وہ ناتوانی میں اس کی مددگار ہو۔ جب خدا کی ذات غنی ہے اسے کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہی نہیں وہ قادر مطلق ہے تو پھر اسے کسی کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت۔ جو اس کا بیٹا ہوگا وہ حادث ہوگا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ایک حادث قدیم ذات کا شریک بن جائے۔ اگر خدا بیٹے کی مدد کا محتاج ہے تو پھر خدا بننے کے قابل ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اس کا محتاج نہیں تو پھر اسے بیٹا بنانے سے فائدہ کیا۔ جب آسمان و زمین میں بسنے والے سب اس کے پیدا کردہ ہیں تو پھر وہ مسیح اس سے کیونکر مستثنیٰ ہوں۔ ان کا عدم سے وجود میں آنا خود اس کی دلیل ہے کہ وہ حادث ہیں قدیم نہیں وہ اپنی ذات میں کسی پیدا کرنے والے کے محتاج تھے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ
اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اے رسول ان مشرکوں سے کہہ دو کہ جو خدا پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پا سکتے۔ یہ تو دنیا کے چند روزہ فائدے ہیں (اٹھا لیں) پھر تو ہماری طرف ان کو آنا ہی ہے وہاں اپنے کفر کی بدولت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

دنیا کے چند روزہ قیام اور آرام نے لوگوں کو ایسا مدہوش بنا دیا ہے کہ وہ آخرت کے عذاب سے بے خوف ہو کر طرح طرح کی غلط کاریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور خدا کی نافرمانی کا کوئی اثر دل پر نہیں لیتے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ باوجودیکہ آئے دن وہ دیکھتے ہیں کہ مرنے والے مر رہے ہیں اور جو کچھ انہوں نے ناجائز طریقہ سے کمایا تھا چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔ ان کے ورثا ان کی دولت پر قابض ہو کر ان سے قطعاً بے خبر ہو گئے ہیں۔ کوئی ان کے نام پر ٹکا تک نہیں صرف کرتا۔ یہاں کی چند روزہ زندگی میں بھی ہزاروں بلاؤں کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے پھر بھی وہ اس زندگانی دنیا کا فریفتہ بنا رہتا ہے اور اپنے مرنے کے وقت کو یاد نہیں کرتا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ
وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ
ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ
تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ
وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾

اے رسول تم ان لوگوں سے نوح کا قصّہ بیان کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم اگر میرا ٹھہرنا اور آیاتِ الٰہی کا بیان کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے۔ تم اور تمہارے شرکائے کار ایک متفقہ فیصلہ کرلو اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہے اُسے خوب سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے پھر تم اس کو میرے خلاف عمل میں لے آؤ اور مجھے ذرا مُہلت نہ دو۔ تم نے اگر میری نصیحت سے منہ موڑا تو (میرا کیا بگاڑو گے) میں تم سے (تبلیغ کی) کوئی اجرت تو مانگتا نہیں میرا اجر تو اللہ پر ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے نوح کو اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو پہلے لوگوں کا جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو ڈبو دیا پس دیکھو جو لوگ عذاب سے ڈرائے جا چکے تھے اُن کا کیسا بُرا انجام ہُوا۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو سالہا سال سمجھاتے رہے مگر ان کی بات ہی نہ سنتے تھے حالانکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے انہی کی خیرخواہی میں کہہ رہے تھے اگر بھلے مانس ہوتے تو ان کی قدر کرتے مگر ان عاقبت برباددوں نے بجائے ان کی نصیحت ماننے کے ان پر پتھر برسائے اور ان کو دیوانہ کہا۔ مگر خدا والوں کی یہ جرأت دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ ان کی سخت گیری اور تشدد پسندی سے ذرا نہیں گھبرائے بلکہ کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ تم میرے خلاف جو منصوبہ بنانا ہے بناؤ میں ڈرتا نہیں تم ساری قوت جمع کر کے میرے مقابل آؤ تو بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں جس سے تم گھبرا گئے ہو۔ ساری قوم کا ایک شخص کے خلاف ہو جانا اور طرح طرح کی اذیت اسے پہنچانا کوئی معمولی بات نہ تھی دُوسرا ہوتا تو گھبرا جاتا۔ مگر انبیاء و مرسلین علیہم السّلام خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ نیتوں کے بڑے قوی اور ارادوں کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ جناب نوحؑ نے مستقبل سے قطعاً بے پرواہ ہو کر اپنے کام کو جاری رکھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

پھر ہم نے نوح کے بعد اپنے کچھ رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس وُہ معجزات لے کر ان کے پاس آئے اس پر بھی جس چیز کو یہ لوگ پہلے جھٹلا چکے تھے (جھٹلا دیا) اور ایمان نہ لائے ہم یوں ہی حد سے گزرنے والوں کے دِلوں پر (گویا) خود مُہر لگا دیتے ہیں۔ ان کے بعد ہم نے موسٰی و ہارُون کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات دے کر بھیجا۔ انہوں نے مکر سے کام لیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق بات (معجزے) پہنچی تو کہنے لگے یہ تو کُھلا ہُوا جادو ہے

حد سے گزر جانے والے وُہ لوگ ہوتے ہیں جو غلطی کرنے کے بعد شرماتے نہیں بلکہ اس پر اڑے رہتے ہیں اور بار بار اس کو کیے جاتے ہیں۔

فرعون اور اس کے ارکانِ سلطنت اپنی دولت اور قوت کے نشہ میں ایسے مست ہو رہے تھے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے ساتھ بعزت پیش آنا بھی وہ اپنی توہین سمجھتے تھے۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ سے برابر یہی ہوتا چلا آ رہا تھا کہ قومیں انبیاءؑ کو جادوگر کہتی تھیں اور ان کی ہدایت کا یہ غلط مفہوم ان کے ذہن میں بسا ہُوا تھا کہ یہ جادو کے زور سے ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور مُلک پر قبضہ کر کے ہم پر یہ دھونس بٹھائیں گے کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ ہم تم کو ملک بدر کر دیں گے۔ یہی خیال نسلاً بعد نسل دماغوں میں پرورش پاتا چلا آ رہا تھا۔ اور اس بدگمانی کے تحت وہ ان کی بات کان لگا کر نہ سنتے تھے۔

قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾

موسٰی نے کہا جب حق تمہارے پاس آیا تو کیا تم یہ کہتے ہو کہ یہ جادُو ہے حالانکہ جادُوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کیا تم اسی لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس دین پر ہمارے باپ دادا تھے اس سے

ہمیں بہکا دو اور رُوئے زمین پر تم ہی دونوں کو بڑائی حاصل ہو جائے ہم تم دونوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔
فرعون نے کہا میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لے کر آؤ۔

جادوگری اور معجز نمائی کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جادوگروں کو ہوسِ زر ہوتی ہے یا کسی ذاتی خواہش کی بنا پر جادو کرتے ہیں جیسا کہ فرعون سے کہا تھا کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہم کو کیا انعام ملے گا۔ معجز نما کی کوئی ذاتی غرض معجز نمائی سے نہیں ہوتی بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے لوگوں کی ہدایت اور خدا کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے۔ اگر موسیٰؑ جادوگر ہوتے تو وہ اپنا کمال دکھلانے کے لیے فرعون کے دربار میں حاضر ہوتے اس سے خواہش کرتے کہ وہ ان کا کمال دیکھے۔ اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے کہ کسی طرح وہ ان کا کمال دیکھ کر انعام دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ذرا پرواہ نہیں کی کہ فرعون ایک سلطنت کا مالک ہے، جبر و تشدد کی پوری پوری قوت رکھتا ہے وہ ان کو ہر طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تمام ملکِ مصر اس کے تحتِ تصرف تھا۔ وہ قطعاً اس سے نہیں ڈرے۔ ایک طرف ہزارہا تماشائی تھے اور ایک طرف صرف موسیٰؑ و ہارونؑ کمبل کے کرتے پہنے ہوئے۔ نہ ان کے دلوں میں دھکڑ پکڑ تھی نہ اپنی شکست کا خوف۔ نہایت استقلال سے جادوگروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ شان ایک معجز نما ہی کی ہو سکتی ہے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ہی تو جادوگر ایمان لائے تھے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ موسیٰؑ میں وہ قوت ہے جو ہم میں نہیں ہے۔ ضرور جادو سے بالا کوئی چیز ان کے پاس ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا
قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ
عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲/۱۴
فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ
اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

جب جادوگر (میدان میں) آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ جب انہوں نے (رسیوں کو سانپ بنا کر) پھینکا تو موسیٰ نے کہا جو کچھ تم بنا کر لائے ہو جادو ہے بے شک اللہ اسے ملیامیٹ کر دے گا خدا ہرگز مفسدوں کے کام کو درست نہیں ہونے دے گا اور خدا سچی بات کو اپنے کلام

کی برکت سے ثابت کر دکھاتا ہے چاہے مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں پس موسیٰ پر اُن کی قوم کی نسل سے چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا اس خوف سے مبادا فرعون اور اس کے ارکانِ سلطنت انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بے شک فرعون رُوئے زمین پر بڑے مرتبہ والوں میں سے تھا اور بے شک وہ (ظلم میں) حد سے گزر جانے والا تھا۔

جب جادوگروں نے اپنی رسیاں ہوا میں پھینکیں اور وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ جو لوگ ہم کو جادوگر کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جو ہم دکھائیں گے وہ معجزہ ہے۔ جادو تو یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ فرعون سے صرف اس غرض سے نہ تھا کہ وہ قوم بنی اسرائیل کو اس کے مظالم سے نجات دلانا چاہتے تھے یہ تو غرضِ ثانوی تھی اصل غرض تو یہ تھی کہ وہ فرعونی حکومت کو تباہ و برباد کر کے خدائی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور کفر و شرک کو ملیامیٹ کر کے خدا کی توحید کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اٹھے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے اس مقابلہ نے ایک عجیب نوعیت اختیار کی تھی۔ ایک طرف تو فرعون اور اس کی قوم کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر موسیٰؑ غالب آ گئے تو ان کا وہ نظامِ سلطنت جو سالہا سال سے چلا آ رہا تھا برباد ہو جائے گا اور اس کی خدائی کی ساری پول کھل جائے گی دوسری طرف قومِ موسیٰؑ اس مقابلہ سے خوش نہ تھی۔ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر فرعون موسیٰؑ پر غالب آ گیا تو فرعون ہم سب کو کچل کر رکھ دے گا۔ تیسرے جادوگر اس غم میں مبتلا تھے کہ اگر ہم موسیٰؑ کے مقابلہ میں شکست کھا گئے تو اول تو ہماری ساکھ ختم ہو جائے گی دوسرے نہ معلوم فرعون ہمیں کیا سزا دے۔ غرض سوائے موسیٰؑ و ہارونؑ کے سب کو کھٹکا لگا ہوا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا
بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ
لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو تو اس کے فرمانبردار بننے کے بعد

اسی کی ذات پر بھروسہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے خدا پر بھروسہ کر لیا ہے اور ہماری یہ دُعا ہے کہ اے ہمارے رب تو ہم کو ان لوگوں کا ذریعۂ امتحان نہ بنا اور اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے ہمیں نجات دے۔ اور ہم نے موسٰی اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے رہنے کے لیے گھر بناؤ اور اپنے گھروں ہی کو مسجدیں قرار دے لو اور پابندی سے نماز پڑھو اور مومنوں کو نجات کی خوشخبری دے دو۔

اُمتِ محمدیؐ پر یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ تمام روئے زمین کو ان کے لیے مسجد بنا دیا ہے جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں ورنہ بنی اسرائیل کے لیے ایسا نہ تھا۔ ان کو صرف اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ ابنِ عساکر نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت رسولِ خداؐ نے خطبہ میں فرمایا تھا کہ خدا نے حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کو حکم دیا تھا کہ اپنے اور اپنی قوم کے لیے اپنے گھروں ہی کو مسجد بنا لو اور اے موسٰی تمہاری مسجد میں ہارون اور اُن کی اولاد کے سوا نہ کوئی جنب ہو کر شب باش ہو اور نہ عورتوں سے مقاربت کرے اسی طرح میری اس مسجد میں تمام اُمت میں سے علیؑ اور اس کی اولاد کے سوا کسی کو اس کی اجازت نہیں کہ اس میں جنب ہو کر شب باش ہو یا اس میں عورتوں کے پاس جائے۔

(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴۳ صفحہ ۳۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آیت تطہیر کے مصداق صرف یہی حضرات تھے ازواج سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

موسٰی نے عرض کی اے ہمارے پالنے والے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں بڑی آرائش اور دولت دے رکھی ہے (کیا یہ سب اس لیے دیا ہے کہ) یہ لوگ تیری راہ سے لوگوں کو بہکائیں پروردگار تو ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر کیونکہ جب تک یہ لوگ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان لانے والے نہیں۔ خدا نے فرمایا، تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی۔ تم دونوں ثابت قدم رہو اور نادانوں کی راہ پر نہ چلو۔

مصر سے حبش تک سونے چاندی اور زبرجد کے پہاڑوں کی کان تھی۔ یہ سب پہاڑ فرعون کے زیرِ حکومت تھے۔ اسی سبب قبطی لوگ بڑے مالدار ہو گئے تھے اور یہی دولت ان کی گمراہی کا باعث بن رہی تھی۔ حضرت موسٰیؑ کی یہ بددُعا از راہ حسد نہ تھی بلکہ جوشِ دینی میں تھی۔ چونکہ قبطیوں کی دولت کی فراوانی دیکھ کر لوگ ان کی طرف مائل ہو رہے تھے اس لیے اس بددُعا کی ضرورت پیش آئی۔ بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ اپنے ایمان میں کمزور ہوتے جا رہے تھے اور اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے کہ اگر خدا فرعون سے راضی نہ ہوتا تو اس کو اتنا دولت مند کیوں بناتا۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۰﴾ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۹۱﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے بغاوت اور دشمنی سے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (خدا نے فرمایا) اب (مرتے وقت ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمان تھا اور تو فسادیوں میں سے تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

فرعون کا وہ لشکر جو حضرت موسٰیؑ اور ان کی قوم کا پیچھا کیے جا رہا تھا سوا لاکھ تھا اور سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ سر پر خود رکھے ہوئے تھے۔ حضرت موسٰیؑ اپنی مٹھی بھر فوج کے پیچھے پیچھے تھے اور حضرت ہارونؑ آگے آگے۔ جب بنی اسرائیل یہ عظیم الشان لشکر دیکھ کر گھبرائے تو خدا کے حکم سے حضرت موسٰیؑ نے دریا کے پانی پر چھڑی ماری اور دریا پھٹا چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اس لیے ہر ایک کے واسطے جُداگانہ راہ بنائی گئی اور ہر ایک قبیلہ دوسرے سے الگ تھلگ جانے لگا۔ پھر کہنے لگے، اے موسٰیؑ ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے نہیں ایسا نہ ہو وہ لوگ ڈوب جائیں۔ تب خدا نے پانی کے درمیان دیواروں میں جالیاں بنا دیں کہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ فرعون دریا کے کنارے پہنچا تو دریا میں کھلا ہوا راستہ دیکھ کر جانا چاہا مگر اس کا گھوڑا ہچکا آخر جبرئیلؑ ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پھر تو فرعون

اپنے گھوڑے کو ہزار روکتا رہا مگر وہ نہ رُکا۔ جب سارا لشکر دریا کے اندر آگیا تو پانی مل کر ایک ہوگیا اور سب کے سب ڈوب گئے۔

سرسید احمد خاں صاحب آنجہانی نے اس واقعہ کو معجزانہ شان سے تسلیم نہیں کیا بلکہ اپنی تفسیر میں لکھا ہے جب موسیٰؑ داخل ہوئے تھے تو بھاٹا تھا جب فرعون داخل ہوا تو جوار تھا۔ یعنی جیسے عام طور پر سمندروں میں جوار بھاٹا ہوا کرتا ہے کبھی پانی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ، وہی صورت اُس وقت دریائے نیل میں ہوئی۔ لیکن اگر سرسید کا کہنا صحیح مان لیا جائے تو پھر موسیٰؑ کا عصا مار کر پانی کے ٹکڑے کرنا ایک بے معنی بات ہو جائے گی اور قرآن میں تفصیل سے اس کا ذکر غیر ضروری ثابت ہوگا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ
اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾

آج ہم (اے فرعون) تیرے بدن کو ڈوبنے سے بچائیں گے کہ تُو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث ہو۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔ ہم نے بنی اسرائیل کو (ملکِ شام میں) بہت اچھی جگہ بسایا اور انہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ ان لوگوں نے باہم اختلاف نہیں کیا جب تک علم ان کے پاس نہ آچکا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے۔ اگر اس کے بارہ میں تم کو کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے پڑھا کرتے تھے اُن سے پُوچھ دیکھو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق کتاب آچکی تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

بنی اسرائیل نے اپنے دین میں جو تفرقے برپا کیے اور نئے نئے مذہب نکالے اُس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کو حقیقت کا

علم نہیں دیا گیا تھا اور انہوں نے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کیا تھا بلکہ یہ ان کے نفسوں کی شرارت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایک دین کو اکہتر فرقوں میں تقسیم کر لیا۔

شک کے متعلق جو مخاطبہ رسولؐ سے کیا گیا ہے اس سے مقصود دُوسرے لوگ ہیں جو ہر بات میں شک پیدا کیا کرتے تھے جو طنزاً کہا کرتے تھے یہ کیسا رسول ہے کہ ہماری طرح کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ کیا پہلے رسول ایسا نہ کرتے تھے، پھر اس رسولؐ کے متعلق شک میں کیوں پڑے ہو۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ
اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

اور اُن لوگوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا ورنہ تم بھی گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (اے رسول) جن لوگوں کے متعلق تمہارے پروردگار کی باتیں (عذاب کے متعلق) آچکی ہیں وہ لوگ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان لانے والے نہیں چاہے ان کے سامنے ساری خدائی کے معجزے آموجود ہوں۔ کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لائی تو اس کا ایمان فائدہ دیتا سوائے قومِ یونس کے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیا کی زندگی میں رسوا کرنے والے عذاب کو اُن سے دفع کر دیا۔ اور ہم نے ایک خاص مدت کے لیے انہیں چین سے رہنے دیا۔

ان آیات میں مخاطبہ اگرچہ آنحضرتؐ سے ہے مگر حقیقتاً وہ لوگ مراد ہیں جو حضرتؐ کی نبوت میں شک کرتے تھے۔ ان کے لیے حضورؐ کا دعوت دینا ایک نئی بات تھی۔ البتہ علمائے اہلِ کتاب اس کی تصدیق کرتے تھے کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ان کی کتابوں میں موجود ہے لیکن جن لوگوں کی عقلوں پر تعصب اور عداوت کے پردے پڑے ہوئے تھے وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جمے رہے اور باوجود معجزات دیکھنے کے بھی ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حضرت یونسؑ کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے

آٹھ سو سال پہلے تھا۔ یہ شہر موصل کے قریب نینوا کے رہنے والوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ نینوا بہت بڑی بستی تھی۔ یہ شہر ساٹھ میل کے اندر آباد تھا اس کے باشندوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ۳۲ سال آپؑ نے اس قوم کو ہدایت کی مگر کوئی ایمان نہ لایا صرف دو آدمی ایسے تھے جو آپؑ کی تبلیغ سے مسلمان بنے۔ ایک کا نام روبیل تھا جو مرد حکیم و عالم تھا اور آپؑ کی صحبت میں رہتا تھا۔ دوسرا تنوخا نامے تھا جو جنگل سے لکڑیاں توڑ کر بسر اوقات کرتا تھا۔

جب ان کی قوم پر آپؑ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا تو آپؑ نے بددعا کی، حکم ہوا ابھی صبر کرو۔ جب یونسؑ عذاب کے نزول پر زیادہ مُصر ہوئے تو حکم ہوا شوال کی ۱۵ چہارشنبہ کے دن عذاب نازل ہوگا۔ روبیل نے ہر چند عرض کی کہ آپ طلبِ عذاب میں جلدی نہ کریں مگر آپؑ نے تنوخا کے کہنے سے شہر میں منادی کرادی کہ فلاں روز تم پر عذاب نازل ہوگا اور خود تنوخا کے ساتھ کسی پہاڑ کے گوشہ میں چھپ کر عذاب کے منتظر ہو بیٹھے۔ روبیل نے پہاڑ پر کھڑے ہوکر قوم کو للکارا کہ کیا غافل بیٹھے ہو فلاں دن تم پر عذاب نازل ہوگا جلدی کرو اور یونسؑ پر ایمان لاؤ اور خدا سے گریہ زاری کرکے عذاب کے دفعیہ کی دعا کرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں ورنہ سب برباد ہو جاؤ گے روبیل کے سمجھانے سے وہ لوگ ایمان لے آئے اور شہر سے باہر نکل کر بچوں کو ماؤں سے اور بوڑھوں کو جوانوں سے جدا کرکے گریہ زاری میں مشغول ہوئے آخر وقتِ معیّن پر عذاب آیا اور ان لوگوں نے دیکھا مگر ان لوگوں کے ایمان لانے اور توبہ کرلے سے ٹل گیا۔ دوسرے دن یونسؑ یہ خیال کرکے کہ وہ لوگ تباہ ہوگئے ہوں گے شہر کی طرف چلے جب لوگوں کو آمد و رفت کرتے دیکھا تو سمجھے عذاب نہیں آیا۔ پس اس خیال سے کہ قوم مجھے جھوٹا سمجھے گی شہر کا راستہ چھوڑ کر دریا کی طرف چلے گئے۔ تنوخا شہر میں آیا تو روبیل نے کہا کیوں میری رائے صحیح تھی یا تیری۔ وہ بولا تیری ہی صحیح تھی۔ یونسؑ وہاں سے دریا پر آئے کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی طوفان میں گھر گئی۔ لوگوں نے ان کو منحوس سمجھ کر کشتی سے باہر پھینک دیا۔ ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ بروایتے چالیس دن اور بروایتے تیس روز اس کے پیٹ میں رہے۔ پھر بحکمِ خدا مچھلی نے ان کو دریا کے کنارہ کے قریب اُگل دیا۔ خدا نے وہاں کدو کی بیل اگادی۔ اس کے سایہ میں رہے۔ چالیس روز بعد قوم کے پاس آئے تو سب نے آپؑ کی تصدیق کی اور آپؑ خوش و خرم اپنی قوم میں رہنے لگے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے یونسؑ سے جھوٹا وعدہ کیا تھا لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا قوم کو ہلاک کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ یونسؑ نے سمجھا تھا یہ قوم کے ہلاک کرنے کا وعدہ ہے جب قوم ایمان لے آئی اور بارگاہِ خدا میں توبہ کرلی تو پھر ہلاک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے چونکہ حضرت یونسؑ کے بدن کی کھال نہایت ملائم ہوگئی تھی نہ دھوپ کی برداشت کرسکتے تھے نہ کسی مکھی وغیرہ کے بدن پر آنے کو۔ لہٰذا خدا نے دریا کے کنارے کدو کی بیل اُگادی جس کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور مکھی ان پر نہیں بیٹھتی۔ جناب یونسؑ اُس کے پتوں کے اندر کئی روز پڑے رہے جب بدن میں ذرا سکت آئی تو وہاں سے اُٹھ کر قوم کے پاس آئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یونسؑ سے ترکِ اولیٰ ہوا، ضرور جس کو خدا نے بخش دیا۔ انکو چاہئیے تھا کہ حکمِ خدا کا انتظار کرتے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ
اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
ع ۱۰/۱۱/۱۵ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اے رسول اگر تیرا رب چاہتا تو جو لوگ زمین پر بستے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ سب کے سب ایمان لے آئیں۔ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ بے اذنِ خدا ایمان لے آئے۔ جو لوگ (اصولِ دین میں) عقل سے کام نہیں لیتے خدا انہی پر (کفر کی) گندگی ڈال دیتا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ آسمان و زمین میں خدا کی کیا کیا نشانیاں ہیں جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہماری نشانیاں اور ڈراوے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے تو یہ بھی انہی سزاؤں کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکی ہیں۔ تم کہدو کہ تم بھی ان کا انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرنے والا ہوں۔ ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لانے والے ہیں (عذاب سے) بچا لیتے ہیں اور یوں ہی ہم پر لازم ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچا لیں۔

کسی کا ایمان لانا بدون اذنِ الٰہی نہیں ہوتا۔ جس طرح اور تمام نعمتیں اللہ کے اختیار میں ہیں کوئی کسی کو بے اس کی اجازت کے نہیں دے سکتا۔ اسی طرح دولتِ ایمان بھی ہے۔ کسی کا صاحبِ ایمان ہونا اللہ کے اذن پر منحصر ہے۔ نبی بھی اگر چاہے کہ کسی کو مومن بنادے تو بے اذنِ الٰہی نہیں بنا سکتا۔

مقصد یہ ہے کہ جو لوگ عقلِ سلیم سے کام لے کر اور سچے دل سے جستجوئے حق کرتے ہیں اللہ کی توفیق ان کے شاملِ حال ہوجاتی ہے یہی اس کا اذن ہے اور جو لوگ وساوسِ شیطان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دنیا کے خرخرفات میں ایسے پھنسے رہتے ہیں کہ امرِ حق کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اللہ کی توفیقات کا ان سے تعلق ہی نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کو نبی بھی چاہے

تومومن نہیں بنا سکتا۔ خدا تو یہی چاہتا ہے کہ سب لوگ اس پر ایمان لائیں مگر جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ ہی نہیں کرتے اس کی باتوں کو سنتے ہی نہیں وہ ان سے بیزار ہو جاتا ہے اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے کہ مرتے ہیں تو مریں مدد تو انہی کی کی جاتی ہے جو مدد کرنے کے قابل ہوں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ
فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶

اے رسول تم کہہ دو کہ لوگو اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو تو تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو میں تو ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری موت ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہے کہ تو باطل سے کترا کر اپنا رُخ دین کی طرف رکھ اور مشرکین سے ہرگز نہ ہونا اور خدا کو چھوڑ کر ایسوں کو نہ پکارنا جو نہ تو تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

آنحضرتؐ کی نبوت پر شک کرنے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ جس خدا کی طرف تمہیں بلایا جا رہا ہے اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود رہتی ہیں اگر تم عقل سے کام لو تو ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے مگر تم تو اندھے بنے ہوئے ہو، باوجود سب کچھ دیکھنے کے پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں اور جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں اس میں شک ہی کیے چلے جا رہے ہو تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، مجھ سے یہ امید رکھتے ہو کہ میں تمہارے بتوں کی عبادت کروں تو کان کھول کر سن لو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کر سکتا۔ تمہارے بتوں میں دھرا ہی کیا ہے کہ ان کی عبادت کروں میں تو اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری جان ہے جب چاہے تمہیں مار ڈالے کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو روک سکے ایسی قادر و قیوم ذات کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کروں جو کسی کرتب کے نہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ
خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰۹

اگر خدا کی طرف سے تمہیں کوئی برائی چھو بھی گئی ہو تو اس کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل و کرم کو رد کرنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے فائدہ پہنچائے وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اے رسول کہہ دو، اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق (قرآن) آچکا پس جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے نفس کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا وہ اپنا ہی برا چاہے گا۔ میں کچھ تمہارا ذمہ دار تو ہوں نہیں۔ اے رسول جو تم پر وحی کی گئی ہے تم تو بس اسی کا اتباع کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ (تمہارے اور کافروں کے درمیان) حکم کرے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔

---

(۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الۗرٰ ۣ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ
كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ
كَبِیْرٍ ۝۳ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ
یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ
یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

الٓرٰ ۔ یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں ایک واقف کار حکیم کی طرف سے مستحکم کر دی گئیں ۔ پھر تفصیل وار بیان کر دی گئی ہیں یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں تو اُسی کی طرف سے تمہیں عذاب سے ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت کی دُعا مانگو اور اُس کی بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کرو وُہ تمہیں ایک وقتِ خاص تک اچھے لُطف کے فائدے اُٹھانے دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اس کی بزرگی عطا فرمائے گا اور اگر تم اس سے منہ موڑ لوگے تو مجھے تمہارے بارہ میں خوفناک دن کے عذاب کا ڈر ہے ۔ تمہاری بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے اور وُہ ہر شے پر قادر ہے ۔ (اے رسول) دیکھو یہ کفّار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو گویا دُہرا کیے ڈالتے ہیں تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائے رہیں مگر دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے ہیں تب بھی تو خدا ان کی باتوں کو جانتا ہے اور جو چھپ چھپا کر کرتے ہیں اس کو بھی بے شک وہ سینوں کے بھید تک جانتا ہے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ
كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ
كَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ
مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷
وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ
یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

زمین پر چلنے والا کوئی جانور ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّہ نہیں اور جس کے متعلق وُہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے سب کچھ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج ہے ۔ وُہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے ۔ اے رسول اگر تم ان سے کہو گے کہ مرنے کے بعد سب کے سب قبروں سے اُٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ تو کُھلا ہُوا جادُو ہے اور اگر ہم گنتی کے چند روز ان پر عذاب کرنے میں دیر بھی کریں تو یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ عذاب سے کون سی چیز روک رہی ہے ، (سُن لو) جس دن ان پر عذاب آ پڑے گا تو پھر اُن کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گا ۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں :

ا ۔ جب خدا نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ زمین پر چلنے والے کا رزق میرے ذمّہ ہے تو پھر انسان کمی غذا کا شکوہ کیوں کرتا رہتا ہے ۔ یا تو اس کو خدا کے اس وعدہ پر اعتماد نہیں یا پھر کچھ لوگ خود غرضی سے ذخیرہ اندوزی کر کے دوسروں کو اُن کی روزی سے محروم کر دیتے ہیں ۔ یا یہ کہ غلہ کے عوض دیگر سامانِ آسائش یا صنعت منگا کر غلہ کی کمی پیدا کرتے ہیں ۔ یا دیہاتی لوگ کاشتکاری کا کام چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں ۔ اگر کسی ملک میں قرینہ سے کاشتکاری ہوتی ہے تو قدرت وہاں کے باشندوں کے خرچ کے لیے حسبِ وعدہ روزی ضرور مہیا کرے گی ۔ منصوبہ بندی یعنی اولاد کم پیدا کرنے

کی سکیم بھی اسی بنا پر عمل میں آرہی ہے کہ لوگوں کو خدا کے وعدہ پر بھروسہ نہیں۔ حدیث میں ہے تناکحوا وتناسلوا تکثروا الخ یعنی نکاح کرو نسل بڑھا کر اکثریت میں ہو جاؤ۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو قوم اقلیت میں ہے وہ زندہ قوم نہیں سمجھی جاتی۔ پس نسل میں کمی ہونا اس حدیث کی منشاء کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔ اللہ اپنی ہر مخلوق کے رہنے اور مرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ وہ وہیں اس کو رزق پہنچاتا ہے۔ چرندے درندے پرندے کیڑے مکوڑے سب اس کے خوانِ یغما پر اپنی اپنی روزی کھا رہے ہیں۔ بھوکے اٹھتے ہیں بھوکے سوتے نہیں۔ خدا کی بے شمار مخلوق جو رُوئے زمین پر بستی ہے خدا کے سوا اسے کون روزی دیتا ہے۔ جب کسی چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کو بھوکا نہیں رہنے دیتا تو بھلا اپنی اس مخلوق کو جو اشرف المخلوقات کہلاتی ہے کیسے بھوکا رکھ سکتا ہے۔ غرضکہ 'از ماست کہ بر ماست' اس قسم کی جو مصیبتیں ہمارے اوپر آتی ہیں وہ خود ہمارے کیے کام ہیں۔

۳۔ اُس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کی حقیقت کو یا تو نبیؐ ہی جانتا ہے یا ائمہ طاہرینؑ۔ ہمیں ان باتوں کے سمجھنے کی تکلیف نہیں دی گئی۔ صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ سب سے قوی چیز پانی ہے جس پر اس کا قبضہ ہے اس سے اُس نے دیگر اشیاء کو پیدا کیا ہے۔ مثلاً اس کے جھاگوں سے زمین بنائی۔ اس کے ابخرات سے بادل بنائے۔ اس کے تموج نے بجلی پیدا کی۔ اسی کے ریلے نے پہاڑوں کی چٹانوں کو بہا کر آپس میں ٹکرایا پھر ان کو ریت کی شکل میں لا کر سمندر میں پہنچایا۔ وہاں اُس ریت سے چٹانیں بنا کر ان کو اُبھارا اور اُبھارتے اُبھارتے پھر پہاڑ بنا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ جو کافر ہیں وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے اور جب قرآن میں اس کا ذکر سنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بہت جلد ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ جادو تھا یا ایک 'ناقابلِ انکار حقیقت'۔ خدا نے اپنی مصلحت سے کافروں پر سے اگر اپنے عذاب کو ٹال دیا ہے تو انہیں شیخیت ہو کر نہ بیٹھنا چاہیئے۔ وُہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتے اور جب وہ عذاب آ کر ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا تو پھر بچ کر جا نہیں سکتے۔

۵۔ چونکہ انسان کو پیدا کرنا مقصود تھا لہٰذا اُس نے آسمان وزمین کو پہلے پیدا کیا تاکہ اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم ہو سکیں۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ انسان کی آزمائش کی جائے کہ ان میں از روئے اعمال کون کون اچھے ہیں۔ کس نے اپنے معبود کی معرفت حاصل کر کے اس کے احکام پر عمل کیا اور اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھ کر دنیوی و دینی زندگی کی فلاح کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے اور حیات بعد الموت کے لیے اپنی زندگی کو کس طرح کار آمد بنایا۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ
أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ

لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٠﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ
أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ
يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾

اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد محروم کر دیتے ہیں تو وُہ مایوس ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اُسے نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میرے تو سارے دِلدّر دُور ہو گئے اس میں شک نہیں وہ بڑا جلدی خوش ہونے والا شیخی باز ہے۔ جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک کام کیے تو اُن کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔ اے رسول جو تم پر وحی کی جاتی ہے اس میں سے بعض کو سناتے وقت شاید تم اس خیال سے چھوڑ دینے والے اور دل تنگ ہوتے ہو کہ مبادا یہ لوگ کہنے لگیں کہ ان پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، تم تو صرف عذاب سے ڈرانے والے ہو (تمہیں ان کا خیال نہ کرنا چاہیئے) ہر شے کا ذمہ دار تو اللہ ہے۔

حضرتؐ کی دل تنگی کے متعلق تفسیرِ قمیؒ میں زید بن ارقم سے مروی ہے کہ عرفہ کی شام کو جبرئیلؑ حضرت علیؑ کی خلافت کا حکم لے کر آئے۔ حضرت رسولِ خداؐ مخالفین کی تکذیب کی وجہ سے دل تنگ ہوئے۔ باوجود اس کے حضورؐ نے کچھ لوگوں کو مشورہ کے لیے بلایا منجملہ ان کے میں بھی تھا مگر کچھ باتیں ایسی ہوئیں کہ آپؐ رونے لگے۔ جبرئیلؑ نے کہا کیا آپؐ خدا کے حکم سے روتے ہیں۔ فرمایا، نہیں بلکہ میرا خدا جانتا ہے کہ جب تک اس نے جہاد کا حکم نہ دیا، فرشتوں کو مدد کے واسطے نازل نہ کیا اُس وقت تک یہ لوگ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ پھر یہ لوگ علیؑ کی خلافت کو کیونکر مانیں گے۔ جبرئیلؑ واپس گئے اور یہ آیت لے کر نازل ہوئے، فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ الخ اس سے واضح ہوتا ہے کہ علیؑ کی خلافت کا حکم کئی بار نازل ہو چکا تھا لیکن چونکہ اس کا وقت خدا نے معین نہیں کیا تھا اس لیے حضرت رسولِ خداؐ موقع کے منتظر تھے آخر جب آیہ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ الخ کا حکم عتاب کے ساتھ نازل ہوا تو آپؐ نے غدیرِ خم میں اس فرض کو ادا کیا۔

کفار و مشرکین کہا کرتے تھے بجائے قرآن کے ان کو کسی خزانہ کا پتہ کیوں نہ بتایا گیا کہ اُسے پا کر ساری قوم نہال ہو جاتی یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو اس کی تصدیق کرتا کہ یہ رسول ہیں۔ لیکن یہ دونوں خواہشیں احمقانہ تھیں۔ خزانہ مل جانے سے لوگ عیاشی سرکشی اور فتنہ فساد کی طرف مائل ہوتے نہ کہ اپنے نفسانی اور رُوحانی امراض کا علاج کرنے

کی طرف۔ اور اگر فرشتہ ساتھ ہوتا تو اس کی تصدیق کون کرتا کہ یہ فرشتہ خدا کا بھیجا ہُوا ہے۔ جیسے رسول کی تکذیب کر رہے تھے اُس کی بھی تکذیب کر دیتے۔ خدا نے ان دونوں باتوں کا جواب دو لفظوں میں دے دیا کہ اے رسول کہہ دو میں تو عذابِ خُدا سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں تاکہ تم اپنے اطوار و اعمال کو درست کرو نہ کہ تمہیں مالدار بنانے کے لیے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا
اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ
كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ
فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم نے اس قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے تم ان سے کہو کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو (زیادہ نہیں) دس سورے ہی ایسے اپنی طرف سے گڑھ کر لے آؤ اور خدا کے سوا جس جس کو تم مدد کے لیے بُلا سکتے ہو بُلا لو۔ اس پر بھی اگر یہ تمہاری بات نہ سُنیں تو سمجھ لو کہ یہ خدا کے علم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبُود نہیں تو تم اب بھی اسلام لاؤ گے (یا نہیں) جو شخص زندگانیِ دُنیا اور اُس کی زینت کا طالب ہو تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ دُنیا ہی میں پُورا پُورا دے دیتے ہیں اور وُہ دُنیا میں گھاٹے میں نہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنّم کی آگ کے سوا کچھ نہیں اور اُنہوں نے جو کچھ کیا تھا وُہ سب اکارت گیا اور جو کچھ کرتے تھے سب ملیا میٹ ہو گیا۔

جو لوگ قرآن سُن کر کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ نے خود بنا لیا ہے ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسی کتاب بنانا انسان کی طاقت کے اندر ہے تو پھر تم باوجود اپنی انتہائی فصاحت و بلاغت کے مدعی ہونے کے کوئی ایسی کتاب کیوں نہیں بنا لاتے اگر تم خود نہیں بنا سکتے تو اپنے معبُودوں سے کہو کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ اگر وہ صاحبِ قدرت ہیں تو ان کے لیے

کون سی بڑی بات ہے لیکن اگر وُہ ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ وہ ناکارہ ہیں، اپنی خدائی کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ اگر آنحضرتؐ خدا کے فرستادہ سچے رسول نہ ہوتے تو عام انسانوں کی طرح وہ بھی ایسا کلام پیش نہ کر سکتے۔ آخر تم ہی میں پلے بڑھے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ وُہ ایسا کلام پیش کر رہے ہیں جس کی مثال لانے سے تم سب عاجز ہو۔

یہاں دس سورتوں کی مثل لانے کو کہا گیا ہے لیکن اس سے پہلے سورۂ یونس میں ایک سورہ کے متعلق تحدّی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ قرآن موافق تنزیل نہیں ہے۔ پہلے دس سوروں سے تحدی کی جاتی پھر ایک سورہ سے۔ یہاں معاملہ اُلٹا ہے پہلے دس سے نہیں ایک سے ہے۔ جامع قرآن نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ اپنی رائے سے خلافِ تنزیل ترتیب دیتے چلے گئے۔ ایک جگہ نہیں کئی جگہ ایسا ہے جس کی نشاندہی ہم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

عرب کی قادر الکلامی کی گردن جس نے توڑی اور جس نے انا ولا غیری کا بھانڈا پھوڑا وہ یہی قرآن ہے۔ لوگ برسوں اس کوشش میں لگے رہے کہ ایک سورہ اس جیسا بنا لائیں مگر ممکن نہ ہُوا۔ فرداً فرداً اور اجتماعاً ساری کوششیں بیکار گئیں۔ سوروں کا مرتبہ تو خیر بہت بلند ہے ایک آیت بھی ویسی نہ بن سکی۔

مسیلمہ کذّاب پر جب لوگوں نے زیادہ زور دیا کہ آپ بھی اپنے اوپر کوئی کتاب نازل کرائیے تو اُس نے بہت سوچ بچار کے بعد سورۃ القارعہ کے جواب میں ایک سورت لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہا میرے اوپر رات کو سورۃ الفیل نازل ہوئی ہے، جو یہ ہے الفیل ما الفیل ما ادرٰک ما الفیل ذنبہٗ قیصر و خرطومہٗ طویل ۔ "ہاتھی کیا ہے تم جانتے ہو ہاتھی کیا ہے اس کی دُم چھوٹی ہوتی ہے اور سُونڈ لمبی ہوتی ہے"۔ کوئی اس کذّاب سے پُوچھے اس عبارت سے کیا سبق دیا گیا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ
مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ
فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾

تو کیا وُہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لے کر آیا ہو اور ایک گواہ جو اس کا جزو ہو اس کے پیچھے پیچھے ہو اور اس سے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) ہو (جو لوگوں کے لیے) پیشوا اور رحمت ہے اس کی تصدیق کرتی ہو تو (وہ بہتر ہے یا کوئی اور) یہی قرآن کے ایمان لانے والے ہیں اور تمام فرقوں

میں سے جو کوئی انکار کرے تو اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے تو تم کہیں اس (قرآن) کی طرف سے شک میں نہ پڑے رہنا۔ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم محمدؐ کو کیسے سچا نبی مان لیں درآنحالیکہ ان کی رسالت پر کوئی گواہ نہیں۔ قرآن کو تو خود انہوں نے بنالیا ہے۔ سچا پیرو ان کا کوئی نظر نہیں آتا۔ کتاب موسیٰؑ (توریت) میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ ان تینوں باتوں کا جواب اس آیت سے دیا گیا ہے۔

۱۔ قرآن رسولؐ کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے اگر شک ہے تو تم بھی بنا کر دکھادو۔

۲۔ رہی پیروی تو ان کا ایک گواہ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے جو اس کا مُصدِّق ہے کہ وہ سچے رسولؐ ہیں۔

۳۔ کتاب موسیٰؑ میں ان کی رسالت کا ذکر ہے تم نے تحریف کر کے اس کو توریت سے خارج کر دیا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں حضورؐ کی رسالت کے تین گواہ مذکور ہیں پہلا گواہ قرآن ہے جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے یعنی تحریری دستاویز ہے جس میں جابجا حضورؐ کی رسالت کا ذکر ہے۔ دوسرا ناطق گواہ ان کے گھر کا ہے جو ان کے قدم بقدم چلنے والا ہے اگر اس کو ان کی رسالت میں شک ہوتا تو ان کا اتباع ہرگز نہ کرتا۔ چونکہ گھر والے کسی انسان کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس گواہ کا اتباع اس کی دلیل ہے کہ ان کا دعویٰ غلط نہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جو گواہ خدا کی طرف سے تھا یعنی قرآن وہ تو نکلا رسولؐ کے گھر سے اور جو رسولؐ کی طرف سے گواہ تھا وہ نکلا خدا کے گھر سے یعنی علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ جو گواہ ناطق تھا اُسے خدا نے اپنے گھر سے نکالا اور جو صامت تھا اُسے نکالا رسولؐ کے گھر سے تاکہ خدا اور بندہ میں فرق رہے۔ جس طرح خدا کی طرف سے آنے والے گواہ کا جواب نہیں اسی طرح رسولؐ کی طرف سے نکلنے والے گواہ کا بھی جواب نہیں۔ ان دونوں گواہوں نے علم و عمل دونوں راہوں کو ہموار کر دیا۔

یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے معلوم ہوا ایک مقدم ہے تالی۔ مقدم رسولؐ ہیں اور ثانی علیؑ جو قدم بقدم ان کے پیچھے چل رہے ہیں یعنی مقدم و ثانی کے درمیان کوئی فصل نہیں یہ دلیل ہے اس امر کی کہ علیؑ رسولؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں اور ان کا عمل رسول جیسا عمل ہے۔ مِنْهُ سے یہ امر منکشف ہوا کہ وہ ان کا جزو ہونے کی وجہ سے ان کی رسالت کے عینی گواہ ہیں۔ باقی اور گواہ سماعی ہیں یعنی رسولؐ نے ان سے کہا میں رسولؐ ہوں۔ لوگوں نے اس کی تصدیق کی، رسول کو رسولؐ بنتے نہیں دیکھا۔ علی علیہ السلام کے متعلق رسولؐ نے فرمایا ہے، اَنَا وَعَلِيٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ۔ میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ خلقتِ آدمؑ سے نو ہزار سال پہلے جب حضورؐ کو نبی بنایا گیا تھا اس وقت اس نبوت کا عینی گواہ حضرت علیؑ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ عینی اور سماعی گواہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ سماعی گواہ کے دل میں چھوٹا یا بڑا شک کسی وقت پیدا ہو سکتا ہے برخلاف عینی گواہ کے کہ وہ طرفۃ العین کے لیے بھی کبھی توحید و رسالت

میں شک نہیں کر سکتا۔ رسولؐ نے فرمایا عَلِيٌّ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہے۔ یعنی ہم دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں جو بات میری ہے وہی علی کی بات ہے جو میرا کام ہے وہی علی کا کام ہے۔ میں نبی ہوں وہ میرا وصی ہے۔ اسی طرح قرآن میں اور علیؑ میں فرق نہیں، عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یعنی علیؑ کا کوئی عمل قرآن سے الگ نہیں۔ قرآن کی تصدیق علیؑ کرتے ہیں اور علیؑ کے ہر عمل کی تصدیق کرتا ہوا قرآن نازل ہوتا ہے۔

چونکہ عالمِ نور میں حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی رسالت کے سب سے پہلے گواہ تھے لہٰذا دنیا میں اعلانِ رسالت کے بعد بھی سب سے پہلے گواہ حضرت علیؑ ہی ہوئے۔ یہ کہنا بے معنی بات ہے کہ علی علیہ السّلام چونکہ کم سن تھے اس لیے ان کی گواہی قابلِ اعتماد و اعتبار نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ قدرت نے معصوم ہستیوں کی گواہی ہمیشہ کم سن بچوں ہی سے دلوائی ہے جیسے حضرت عیسیٰؑ نے آغوشِ مادر میں مریمؑ کی عصمت کی گواہی دی۔ حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی ایک بچے نے دی جو خانۂ زلیخا میں گہوارہ کے اندر تھا۔ آنحضرتؐ مباہلہ کے لیے نکلے تو سب سے آگے معصوم بچوں ہی کو رکھا۔ اگر ان کی گواہی مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہے تو علیؑ کی گواہی کیوں قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

ابنِ حاتم۔ ابونعیم۔ ابنِ عساکر اور ابنِ مردویہ نے کئی طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ منبر پر فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کے بارہ میں قرآن میں کچھ نہ کچھ نازل نہ ہوا ہو۔ یہ سُن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا، آپ کے بارہ میں کیا نازل ہوا ہے۔ آپؑ نے فرمایا، کیا تُو نے سورۂ ہود میں یہ آیت نہیں پڑھی اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ اس سے مقصود میں ہوں۔

(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ ص ۳۲۴ سطر ۲۱، مطبوعہ مصر)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے علمائے اہلِ سنت نے اس کو نقل کیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ
وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا
كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا

وقف لازم

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ موٹ اللہ پر افترا پردازی کرے۔ یہ لوگ اپنے پروردگار کے
حضور میں پیش کیے جائیں گے اور گواہی دینے والے ظاہر کریں گے کہ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے
پروردگار پر افترا پردازی کی تھی۔ آگاہ ہو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو خدا کے راستہ پر چلنے سے
لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں کجی نکالنا چاہتے ہیں یہی لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ روئے زمین
پر نہ تو خدا کو ہرا سکتے ہیں اور نہ خدا کے سوا کوئی ان کا سرپرست ہوگا ان کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا۔
یہ لوگ (حسد کے مارے) نہ تو (حق بات کو) سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

جو لوگ قیامت میں پیش خدا گواہی دیں گے وہ کراماً کاتبین ہوں گے یا حضرت رسول خدا اور ائمہ طاہرینؑ۔
راہِ خدا سے روکنے والے کفار و مشرکین ہیں یا وہ اہلِ کتاب جو اسلام کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے اور طرح طرح
سے مسلمانوں کو بہکا کر ان کو اسلام کے راستہ سے ہٹانا چاہتے تھے لیکن ان کی کوششیں بیکار جاتی تھیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ
أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾
مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ
مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ ع ۲

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ہی نفسوں کو نقصان پہنچایا اور جو افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے تھے
(قیامت میں سب انہیں چھوڑ کر) چل دیئے۔ آخرکار یہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوں گے
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی سے جھکے وہ

جنّتی ہیں اور جنّت میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے والے اور سننے
والوں کی سی ہے، کیا یہ دونوں مثل میں برابر ہو سکتے ہیں تو کیا تم لوگ غور نہیں کرتے۔

دنیا میں ایسے لوگ بہ کثرت پائے جاتے ہیں جو باوجود کان رکھنے کے خدا کے کلام کو نہیں سنتے اور باوجود آنکھیں
رکھنے کے خدا کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے اور کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کی اس غفلت کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کیا ایک دن
ان سے بازپرس ہونے والی نہیں۔ کیا ان کے اعمالِ بد کو خدا نہیں دیکھ رہا۔ اگر وہ ہر بات کا دیکھنے والا اور سننے والا
ہے تو وہ ضرور ذرہ ذرہ کا حساب لے گا اور بدکار اس کی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو ‌‌ ‌ از مکافاتِ عمل غافل مشو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۲۵﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا
إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ
هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ
كَاذِبِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً
مِنْ عِنْدِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴿۲۸﴾ وَيَا قَوْمِ
لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ
آمَنُوا ۚ إِنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۹﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا میں تم کو کھلے لفظوں میں ڈرانے والا ہوں تم اللہ
کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں تم کو دردناک عذاب والے دن سے ڈراتا ہوں۔ ان کی قوم کے کافر
سرداروں نے کہا۔ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تمہارے
پیرو بن گئے ہیں وہ ہماری قوم کے رذیل لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے ایسا کر بیٹھے ہیں ہم تمہاری کوئی فضیلت

اپنے اوپر نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح نے کہا، اے میری قوم کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اُس نے اپنی سرکار سے رحمت (نبوّت) عطا فرمائی ہے اور تمہیں سجھائی نہیں دیتی تو کیا میں زبردستی تمہارے سر منڈھ سکتا ہوں درآنحالیکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو اے میری قوم میں تم سے مال کا خواہاں نہیں میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو نِکال نہیں سکتا۔ وُہ ضرور اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے (میں اس وقت کیا جواب دوں گا۔) میں سمجھتا ہوں تم لوگ جہالت میں پھنسے ہوئے ہو۔

انبیاءؑ کے متعلق تمام قومیں اس خبط میں مبتلا رہیں کہ جب یہ ہم ہی جیسے بشر ہیں تو ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے انہیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم کو ہدایت کریں۔ ان کا یہ دعوٰی کہ ہم خدا کے فرستادہ ہیں غلط ہے۔ ہم ان کی پیروی کیوں کریں حضرت نوحؑ نے ہر چند سمجھایا کہ اگر خدا نے مجھے نبی بنایا ہے تو تم پر کیوں گراں ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں، میرا تو اس میں کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ میں تم سے اپنی اس تبلیغ کا کوئی معاوضہ تو نہیں مانگتا۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو سمجھو، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ورنہ کسی دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے صرف چند غریب لوگ تھے۔ ان کی قوم کے اُمراء نے از راہِ طنز کہا کہ ہماری قوم کے چند رذیل لوگوں کے ایمان سے تمہاری سچائی ثابت نہیں ہوتی۔ ان کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تو ہم تمہاری بات سُنیں گے۔ انہوں نے فرمایا یہ تمہاری نظر میں ذلیل ہیں اللہ کی نظر میں تو نہیں۔ اگر میں ان کو ہٹا دوں اور یہ خدا کے سامنے جا کر میری شکایت کریں تو میں کیا جواب دوں گا۔ تم لوگ پکّے جاہل ہو کر ایسی احمقانہ باتیں کرتے ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ اَقُوْلُ
لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ
لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ
اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٢﴾

اے قوم کیا تم اس وقت کو یاد نہیں کرتے کہ اگر میں ان کو ہٹا دوں اور خدا کی طرف سے باز پُرس ہو تو بتاؤ

وہاں میری مدد کون کرے گا۔ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا بڑا جاننے والا ہوں اور نہ میرا یہ دعوٰی ہے کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں ذلیل ہیں ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ خدا ان کے ساتھ بھلائی نہ کرے گا۔ ان لوگوں کی دلوں کی بات تو خدا ہی بہتر جانتا ہے اگر میں ان کے متعلق ایسا کہوں تو یقیناً ظالم ہوں۔ اُنہوں نے کہا، اے نوح تم ہم سے جھگڑ چکے اور بہت جھگڑ چکے۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب سے ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ
نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ
وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰي نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ
اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

نوح نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو تم پر عذاب لائے گا اور تم اُسے ہرا نہیں سکتے۔ اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں اور خدا کو تمہارا راہِ راست پر لانا منظور نہ ہو تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ وُہ تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے۔ اے رسول کیا (کفارِ مکّہ بھی) کہتے ہیں کہ تم نے قرآن کو گڑھ لیا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر میں نے گڑھ لیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہوگا اور جو گناہ تم کرتے ہو میں اس سے بَری ہوں اور نوح کو وحی کی گئی جو ایمان لانا تھا لا چکے اب تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا پس جو کچھ یہ کرتے ہیں تم اس کا غم نہ کھاؤ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (کیا وُہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے قرآن خود گڑھ لیا ہے) بظاہر اس کا ربط نوحؑ کے قصّہ سے معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کا قصّہ جب حضرتؐ نے بیان کیا ہوگا تو کسی نے کہا ہوگا کہ محمدؐ انبیاؑ کے قصّے گڑھ گڑھ کر اس لیے ہمیں سُناتے ہیں کہ ہم بھی قومِ نوحؑ کی طرح ڈر جائیں یعنی قرآن کے قصّے خود محمدؐ کے بنائے ہوئے

ہیں۔ اس لیے اثنائے کلام میں اس کا جواب دے دیا گیا۔
پہلی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اپنی خواہش سے معجزہ نہیں دکھاتا بلکہ جب حکمِ خدا ہوتا ہے تب ایسا کرتا ہے۔ خدا کسی کو بہکانے کا ارادہ نہیں کرتا لیکن جب وہ کسی کو دیکھتا ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما ہوا ہے اور راہِ راست پر آنا ہی نہیں چاہتا تو اپنی توفیق کو اس سے روک لیتا ہے اور اس کو بھٹکتا ہوا ہی چھوڑ دیتا ہے کہ جا مر کم بخت۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ
مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا
مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾
حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ
اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ
مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارہ میں مجھ سے سفارش نہ کرنا وُہ تو ڈوب کر رہیں گے۔ نوح کشتی بنانے لگے تو جب کبھی ان کی قوم کے سردار ان کی طرف سے گزرتے تو ان کا مذاق اُڑاتے۔ نوح کہتے اگر اس وقت تم ہم سے مسخرا پن کرتے ہو تو جس طرح تم ہم پہ ہنستے ہو اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ ہم تم پر ہنسیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ دُنیا میں اُسے رسوا کر دے اور کس پر قیامت میں دوامی عذاب نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے (نر و مادہ) جوڑا لے لو اور اپنے گھر والوں کو بھی مگر جن کی ہلاکت کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے (ان کو نہ لو) اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان سب کو کشتی میں بٹھا لو اور ان کے

ساتھ ایمان لائے بھی تھوڑے ہی لوگ تھے۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے:
"حضرت نوحؑ کی کشتی بارہ سو گز لمبی آٹھ سو گز چوڑی اور اسی گز اُونچی تھی اس کے تین درجے تھے۔ نیچے کے درجہ میں چوپائے تھے، بیچ میں پرند اور اُوپر کے درجہ میں آدمی تھے۔ جب کشتی تیار ہو چکی تو حضرت نوحؑ نے تمام جانوروں کو آواز دی اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اور اسی آدمیوں کو جو آپؑ پر ایمان لائے تھے لے کر سوار ہوئے تو پہلے تنور سے پانی اُبلنے لگا، آفتاب کو گہن لگا، آسمان سے موسلا دھار پانی کی چادریں گرنے لگیں، پھر زمین کے تمام چشمے زوروں میں اُبلنے لگے اور ہر جگہ پانی ہی پانی ہو گیا اور آسمان اور پانی کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔
جس جگہ مسجدِ کوفہ ہے وہیں کشتی بنی تھی اور یہیں سے طوفان کی ابتدا ہوئی تھی جس تنور سے پانی اُبلا تھا وہ گویا مسجدِ کوفہ میں ہی تھا۔
سام، حام، یافث یہ تینوں حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے اور تین آپؑ کی بی بیاں تھیں ایک خود تھے اور ایک وہ بی بی تھیں جو ایماندار تھیں یہ سب ساتھ ہوئے اور بہتر آدمی اُمت کے، اس طرح اسی ہوئے۔ اسی لیے تو خدا نے فرمایا ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ۔" (اُن پر نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے سے۔)
تین بی بیوں میں سے ایک کو مولانا نے ایماندار لکھا ہے تو باقی دو کو جو کافر تھیں کیوں سوار کیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فنِ نجاری کی سب سے پہلے اللہ کی طرف سے حضرت نوح کو تعلیم دی گئی۔ یہ کشتی حضرت نوحؑ نے سات برس میں بنائی تھی۔ اور خدا کی نگرانی میں یعنی جس طرح جبرئیل بتاتے جاتے تھے اس طرح حضرت نوحؑ بنانے جاتے تھے۔ حضرت نوحؑ کی ایک کافرہ بی بی اور ایک نافرمان بیٹا اس کشتی میں سوار نہ ہوئے ان کا ذکر آگے آئے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کشتی بیس برس میں بنی تھی۔
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں لیا گیا تھا۔ ان میں کیا خصوصیت تھی باقی کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے آواز دیتے ہی جو جانور سب سے پہلے آ موجود ہوئے تھے اُن کو لے لیا گیا اور جنہوں نے ان کی آواز پر توجہ نہ کی ان کو چھوڑ دیا گیا۔
حضرت رسولِ خدا نے اپنے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ سے دی ہے (حدیث سفینہ) مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى (میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اُس نے نجات پائی جس نے اس سے رُوگردانی کی وُہ ڈوب گیا اور ہلاک ہوا۔) پس جن لوگوں نے اہلبیتؑ سے تمسک کیا وہ ضلالت کے دریا میں ڈوبنے سے بچ گئے اور جنہوں نے ان سے دشمنی کی انہوں نے اپنی عاقبت برباد کی۔ کشتی نوحؑ مطابق وحیِ الٰہی بنی تھی کسی غیر معصوم کا اس کی ساخت میں ہاتھ نہیں لگا تھا۔ اسی طرح اہلبیتؑ معصوم ہیں اور ان کا ہر عمل وحیِ الٰہی کے مطابق تھا۔ جس طرح نوحؑ کی نافرمان بی بی اور کافر بیٹے کو جگہ نہ ملی اسی طرح کفار و مشرکین و منافقین کا کوئی تعلق اہلبیت علیہ السلام سے نہیں ہو سکتا۔

جب حضرت نوحؑ کشتی بنا رہے تھے کشتی کیا ہے کوئی اچھا خاصہ جہاز تھا، تو ان کی قوم قہقہہ مار کر کہتی تھی یہ بھی نوحؑ کی دیوانگی کی ایک علامت ہے بھلا اتنی بڑی کشتی کس دریا میں چلے گی۔ یہاں دریا کہاں؟ کیا یہ خشکی میں چلانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔

مفسرین نے اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ چالیس دن کشتی پانی پر رہی تھی اتنی مدت میں کشتی والوں نے کیا کھایا۔ صاحبِ تاریخ الانبیاءؑ علامہ بدخشی نے اتنا لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایسی ہوائیں چلیں جو بھوک کو روکنے والی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾
وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ
يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي
مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ وَحَالَ
بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ
وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ الربع
وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾

اور نوح نے اپنے ساتھیوں سے کہا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (اُس کے نام سے ہی بہاؤ اور ٹھہراؤ ہے) کہہ کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی اونچی موجوں میں چلی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکار کر کہا جبکہ وہ ایک گوشہ میں تھا۔ اے بیٹے ہمارے ساتھ تو بھی سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھی مت بن۔ اُس نے کہا میں پہاڑ پر پناہ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا آج سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم کرے حکمِ خدا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے

ہو گیا۔ اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی سُوکھ لے اور اے آسمان بارش روک دے۔ پانی گھٹ گیا اور (لوگوں کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری اور (ہر چہار طرف) پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے رحمتِ خدا سے دُوری ہو۔

ایسا طوفان دُنیا میں کبھی نہیں آیا۔ تمام زمین زیرِ آب تھی۔ پانی تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُونچا بہہ رہا تھا۔ روایت ہے کہ چالیس روز تک نوحؑ کی کشتی پانی پر رہی۔ سوائے کشتیٔ نوحؑ میں سوار ہونے والوں کے کوئی ذی حیات رُوئے زمین پر سلامت نہ رہا۔ جب پانی ٹھہرا اور نوحؑ مع اپنے ساتھیوں کے کشتی سے اُترے تو ہر جگہ ہڈیوں کے انبار تھے۔

کنعان کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت نوحؑ کا صلبی بیٹا نہ تھا بلکہ لے پالک تھا لیکن یہ خیال غلط ہے۔ انبیاءؑ پرائے بدن کی بوٹی کو اپنے بدن پر نہیں چپکاتے۔ اگر صلبی بیٹا نہ ہوتا تو یٰبُنَیَّ کہہ کر نہ پکارتے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے لے پالک زیدؓ بن حارثہ کو کبھی یابُنَیَّ کہہ کر نہیں پکارا۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جب نوحؑ نے کہا تھا، کہ پروردگارا یہ میرا بیٹا ہے تو خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے بلکہ یہ کہا کہ یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ نفیِ ابنیت کی نہیں کی گئی بلکہ اہلِ بیت کی فرمائی گئی ہے۔

جو بی بی کافرہ تھی یہ کنعان اُسی کے بطن سے تھا۔ اُسی کے ساتھ یہ بھی ڈوبا۔ چونکہ نااہلوں کے جرگہ میں وہ شامل تھا لہٰذا جنابِ نوحؑ کے کہنے کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بُود   پیمبر زادگی قدرش نیفزُود

معلوم ہوتا ہے کہ صحبت کا اثر ہر جا یکساں نہیں ہوتا۔ نبیؑ کی بی بی اور بیٹا باوجود صحبتِ نبی میں رہنے کے اپنے اطوار نہ بدل سکے۔ جب کنعان ڈوبنے لگا تو قدرت نے باپ بیٹے کے درمیان ایک موج حائل کر دی تاکہ باپ بیٹے کو ڈوبتا نہ دیکھ سکے۔ یہ قانونِ فطرت کی نگہداشت تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باپ کی نافرمانی اولاد کو عاق بنا دیتی ہے اور خاندان سے خارج کر دیتی ہے۔

طُوفان ختم ہونے کے بعد دُنیا از سرِ نو آباد ہوئی۔ اس لیے حضرت نوحؑ کو آدمِ ثانی کہتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں کی نسل سے یہ تمام دُنیا کے آدمی ہیں جو رُوئے زمین پر پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے رفتہ رفتہ جا بجا بستیاں بسائیں اور شہروں کے نام رکھے۔ حضرت نوحؑ کے جانشین حضرت سام ہوئے۔ انہی کی اولاد میں سے نبوت کا سلسلہ چلا۔ حضرت نوحؑ سب سے پہلے نبی ہیں جو صاحبِ شریعت ہوئے۔ یعنی نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے جو قدرت نے قوانین بنا کر بھیجے تھے وہ بصورتِ صحیفہ سب سے پہلے جنابِ نوحؑ کے پاس آئے تھے۔ جنابِ ابراہیمؑ جنابِ نوحؑ کے شیعوں میں سے تھے۔ لفظ شیعہ سب سے پہلے جنابِ ابراہیمؑ کے لیے استعمال کیا گیا۔ کیسا مقدس نام ہے اسلام میں اور کسی فرقہ کا نام قرآن میں مذکور نہیں۔

کشتیٔ نوحؑ کے متعلق بڑے بڑے اُونچے پہاڑوں کی خواہش تھی کہ ہم پر ٹھہرے۔ جُودی سب سے چھوٹا پہاڑ

تھا کشتی اس پر ٹھہری کیونکہ اس کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ جنابِ نوحؑ اس پر جا کر ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے بعض مفسرین نے یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ جُودی سب سے نیچا پہاڑ تھا اس لیے وہاں ان لوگوں کو جو کشتیٔ نوحؑ پر سوار تھے، اُترنے میں آسانی ہوتی۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

جب کنعان ڈُوبنے لگا تو نوح نے فریاد کی کہ اے میرے ربّ میرا بیٹا میرے اہل (خاندان) سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے (تُو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے) اور تُو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ خدا نے کہا اے نوح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں پس جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کیا کرو۔ نوح نے کہا اے میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر کے سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں اگر تُو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کرے گا تو میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تب کہا گیا اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکات ہیں تم پر اور اُن لوگوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں، کشتی سے اُترو۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ہم کچھ دن فائدہ حاصل کرنے کا موقع دیں گے پھر ہماری طرف سے انہیں دردناک عذاب ہو گا۔

خدا نے نوحؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے اہل کو بچا لیں گے۔ اسی بنا پر اُنہوں نے اپنے بیٹے کے بچانے کے لیے دُعا کی۔ وُہ یہ سمجھے کہ اہل سے مراد جملہ افرادِ خاندان ہیں۔ حالانکہ خدا کی مراد اہل سے وہ لوگ تھے جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے عملِ صالح کیے تھے جو ایسے نہ تھے خدا نے ان کو خاندانِ نوحؑ سے خارج کر دیا۔

چونکہ نوحؑ بہ شفقتِ پدری کہہ رہے تھے اور ان کو باطن کا حال معلوم نہیں تھا لہٰذا قدرت نے ان کو تنبیہ کی کہ جس بات کو تم نہیں جانتے اس کے متعلق مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ کون اہل ہے کون نہیں۔ حضرت نوحؑ نے جب اپنی غلطی کو سمجھا تو خدا سے معافی مانگی۔ نوحؑ کا بیٹا کنعان بظاہر ایماندار بنا ہُوا تھا۔ نوحؑ اس کے باطن سے واقف نہ تھے۔ وُہ کافروں سے مِلا ہُوا تھا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾

اے رسول یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے تم پر وحی کی ہیں ان کو اس سے پہلے نہ تو تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔ پس صبر سے کام لو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت کی خوبیاں تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہیں۔

آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق جہاں اور بہت سی باتوں سے ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہزاروں برس پہلے کے واقعات آپؐ اس طرح بیان کر رہے ہیں گویا وہ آپؐ کے سامنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ واقعات وحی نے ان کو نہیں بتائے تو دوسرا کون بتا گیا۔ آپؐ کی قوم خود ان واقعات سے واقف نہ تھی۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد خدا نے حضورؐ کو حکم دیا کہ نوحؑ کی طرح تم بھی صبر سے کام لو۔ جس طرح نوحؑ کے زمانہ میں نافرمان اور سرکش تباہ ہوئے، اسی طرح تمہارے مخالف بھی تباہ ہوں گے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہُودؑ کو بھیجا اُنہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تم بڑے افترا پرداز ہو (کہ خدا کا شریک دُوسروں کو بنا لیے ہو۔)

نوحؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے ہودؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ جناب ہودؑ قوم عاد ہی سے تھے جب انہوں نے بہ حیثیت نبی کے ان کو افعالِ ناشائستہ سے باز رکھنا چاہا تو وہ سب بگڑ گئے اور ان کے جانی دشمن بن گئے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۵۲ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۳ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ

ہُودؑ نے کہا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اے میری قوم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو وہ تم پر موسلادھار مینہ آسمان سے برسائے گا اور تمہاری قوت کو اور زیادہ کر دے گا اور مجرم بن کر اس سے منہ نہ موڑو۔ وہ کہنے لگے اے ہُودؑ تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آئے نہیں ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو تو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تم کو مجنون بنا دیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام جب اپنی اپنی قوم کو ہدایت کرتے تھے تو ان کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے لہٰذا ہر نبی کو یہ جتا دینا ضروری ہوتا تھا کہ میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ چنانچہ حضرت ہودؑ نے بھی یہی فرمایا۔ انہوں نے فرمایا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بغیر اپنی کسی ذاتی غرض کے تمہارے فائدے کے لیے جو باتیں تم کو بتا رہا ہے اس کے دل میں تمہارا درد ہے وہ تمہیں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ طرح طرح کی مشقتیں جھیل رہا ہے۔ تمہارے مظالم کو صبر و ثبات سے برداشت کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟ محض اس لیے کہ تم کو گمراہی سے بچا لے۔ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو ان میں کوئی اہلیت معبود بننے کی نہیں، تم اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو یہ تمہارے معبود اس کو تم سے ہٹاتے کیوں نہیں۔ تم معبودِ برحق سے توبہ و استغفار کرو گے تو وہ مینہ برسا کر اس

قحط کو تم سے ہٹا دے گا۔ مگر ان کی عقلیں ماری گئی تھیں کیا سمجھتے۔ انہیں دیوانہ سمجھ کر ان کی بات پر کان ہی نہ لگاتے تھے۔

قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝۵۵ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۶ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۵۷

ہُودؑ نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تمہیں بھی کہ جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں تم سب مل کر میرے ساتھ چالیں چلو اور مجھے دم مارنے کی مہلت نہ دو (تو بھی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔) میں نے تو اسی اللہ پر جو میرا اور تمہارا رب ہے توکل کر لیا ہے۔ زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک میرا رب (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔ بس اگر تم اس کے حکم سے روگردانی کرو تو کرو مجھے تو جو حکم دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا میں اُسے تم تک پہنچا چکا میرا رب (تمہاری نافرمانی کی بنا پر تمہیں ہلاک کر کے) تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

خدا انبیاء علیہم السلام کو تحمل و برداشت کی ایک خاص قوت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ کفار و مشرکین کے تمام مظالم خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اپنے کارِ تبلیغ کو جاری رکھتے ہیں۔ ان کو اپنے پروردگار کی حفاظت پر پورا پورا یقین و بھروسہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کی مدد کے خواستگار نہیں ہوتے۔ نافرمانی کرنے والے ایک نہ ایک دن اپنی بداعمالی کی سزا پا کر رہتے ہیں اور خدا انہیں ہلاک کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو لا بساتا ہے۔ یہ طریقہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ
وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہُود کو اور جو اُن پر ایمان لائے تھے ان کو بچا لیا اور ہم نے سخت عذاب سے ان کو نجات دی۔ اس قوم عاد نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمنِ خدا کے حکم پر چلتے رہے اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) آگاہ ہو کہ قومِ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ دیکھو قومِ عاد پر (ہماری بارگاہ سے) کیسی دھتکار پڑی ہے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ
غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ
تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ
مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾

اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اس میں بسایا پس اس سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ میرا رب بے شک قریب ہے اور سب کی دُعائیں سُن کر قبول کرتا ہے۔ انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے ہماری امیدیں تم سے وابستہ تھیں۔ کیا تم ان کی پرستش سے ہمیں منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آ رہے ہیں جس امر کی طرف تم ہمیں بلاتے

ہو ہم تو اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن
يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ
هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا
بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

صالح نے کہا اے قوم اس پر غور کرو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی بارگاہ سے رحمت (نبوّت) عطا کی ہے تو اس صورت میں اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو خدا کے عذاب سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا پھر تم سوائے نقصان کے میرا کچھ بڑھا تو دو گے نہیں۔ اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے اس کی ایک نشانی ہے اسے چھوڑ دو تاکہ یہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ بہت جلد عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا صالح نے کہا تین دن اپنے گھروں میں چین سے رہ لو یہ جھوٹا وعدہ نہیں۔ جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو اُن پر ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تمہارا رب قوی و عزّت والا ہے۔

حضرت صالحؑ کی قوم ایک چٹان کی پوجا کرتی تھی انہوں نے کہا اگر آپ اس چٹان سے ایک اونٹنی مع بچے کے نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالحؑ نے دُعا کی اور اونٹنی نکل آئی۔ خدا کا حکم ہوا کہ ایک دن چشمہ کا پانی ساری

بستی پیا کرے اور ایک دن یہ اُونٹنی۔ وہ اتنا دُودھ دیتی تھی کہ ساری قوم سیر ہو کر پی لیتی تھی قوم کے بعض لوگوں کو یہ تقسیم پسند نہ آئی انہوں نے قداء نامے ایک شقی کو اس کے قتل پر آمادہ کیا چنانچہ اُس نے ایک رات کو اس کے پیر کاٹ دیئے جس سے وہ ہلاک ہو گئی اس کا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور اُس نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر فریاد کی جس سے اس قوم پر ایسا عذاب آیا کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع

جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک چیخ نے لے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور ایسے مر مٹے گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ آگاہ ہو کہ قوم ثمود نے اپنے رب کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ قوم ثمود اس کی بارگاہ سے دھتکاری ہوئی ہے۔

جب جناب صالحؑ نے اپنی قوم کو ڈرایا تو وہ ان کا مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے یہ سب ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں۔ جناب صالحؑ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان پر حسبِ وعدۂ الٰہی عذاب ضرور آئے گا وہاں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر چل دیئے اور جزیرہ نمائے سینا میں حضرت موسیٰؑ والے پہاڑ کے قریب ہی ایک پہاڑی پر جس کا نام نبی صالح ہے جا ٹھہرے۔

قوم عاد کی طرح قوم صالح بھی بدترین قوم تھی۔ سرکشی اور سینہ زوری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ قوم عاد کا قصہ جب جناب صالحؑ اُن سے بیان کرتے تھے تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ ہمارے مکانات اتنے مضبوط ہیں کہ تمہارے خدا کا کوئی عذاب ہم پر اثر نہیں کر سکتا باوجودیکہ اپنی خواہش سے ان لوگوں نے جو معجزہ حضرت صالحؑ سے طلب کیا تھا وہ ان کو دکھا دیا گیا اس پر بھی ان شریروں نے حضرت صالحؑ کو خدا کا رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ میں سب ہلاک ہوئے۔ مفسرین نے لکھا ہے یہ ایک ایسی بے وقوف قوم تھی کہ اُن کی بستی جس پہاڑ کی تلہٹی میں واقع تھی وہاں ایک بڑی چمکتی چٹان پائی جاتی تھی صرف اس کی چمک پر فدا ہو کر ان لوگوں نے اسے خدا مان لیا تھا۔ وہ صبح کو اس کی عبادت کے لیے جاتے تھے اور اس کے چاروں طرف بیٹھ کر اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے تھے اور اس سے عجز و نیاز سے دُعائیں مانگتے تھے۔

ناقۂ صالح کا قاتل قدار نامے ایک شخص تھا جس کو قرآن نے "شقی" بیان کیا ہے یعنی یہ بدبخت ترین انسان بڑا ظالم شخص تھا قوم نے کچھ مال کا لالچ دے کر اونٹنی کو اس سے ہلاک کرایا تھا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ
اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ
اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾
وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ
يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ
هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ
عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

ہمارے رسول (فرشتے) ہمارے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور انہوں نے ابراہیم کو سلام کیا۔ ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر ابراہیم بلا توقف بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں ان سے ڈرے انہوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں ہم قوم لُوط کی طرف (ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ ان کی بی بی سارہ کھڑی تھیں وہ یہ خبر سُن کر ہنس پڑیں تو ہم نے انہیں (فرشتوں کے ذریعہ سے) اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ وہ کہنے لگیں ائے ہئے کیا میں اب بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہے۔ فرشتوں نے کہا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو اے اہلِ بیت نبوت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں (نازل ہوتی رہیں) بے شک خدا قابلِ حمد اور بزرگ ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ وضاحت ہیں:

۱۔ اسلام میں سلام کا قاعدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ پہلے آنے والا سلام کرے چنانچہ اس قاعدہ کی رُو سے پہلے فرشتوں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب دینا چونکہ واجب ہے لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے فوراً جواب دیا۔

۲۔ فرشتے لباسِ بشری میں آتے تھے اور انسانوں ہی کا سا لباس پہنتے تھے اور انسانوں ہی کی طرح باتیں کرتے تھے وہی نشست و برخاست کا طریقہ تھا پس معلوم ہوا بشری صورت میں آنے سے ان کی نوع نہیں بدلی۔ اسی طرح آنحضرتؐ اگرچہ بشری صورت میں ہم جیسے بن کر آئے تھے مگر ان کی نورانی حیثیت بشری لباس میں آنے سے بدل نہیں گئی۔ جہاں تک جسم و صورت کا تعلق ہے وہ ہم ہی جیسے تھے لیکن جہاں سے ان کی نورانیت یا نبوت کا تعلق شروع ہوتا ہے ان کی نوع ایک دوسری تھی۔

۳۔ چونکہ جناب ابراہیمؑ بڑے مہمان نواز تھے اور روزمرہ ان کے ساتھ دسترخوان پر مہمان کھانا کھاتے تھے، لہٰذا جب فرشتے انسانی صورت میں آئے تو وہ سمجھے مہمان ہیں، ان کی ضیافت کا سامان کرنے لگے۔ حضرت سارہؑ نے کہا کہ آج گھر میں ضیافت کا کوئی سامان نہیں، میں نے ایک بچھڑا پال رکھا ہے اس کا گوشت بھونے دیتی ہوں۔

۴۔ جب دسترخوان بچھا اور فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو ابراہیمؑ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ مفسرین نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں پہلے یہ کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ اگر مہمان کھانا نہ کھاتے تھے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی بُری نیت سے آئے ہیں۔ دوسرے قرینے سے حضرت ابراہیمؑ پہچان گئے تھے کہ یہ فرشتے بصورت بشر آئے ہیں، ان کے آنے میں ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔ کہیں مجھ سے یا میرے خاندان والوں سے یا قوم سے کوئی ایسا کام تو نہیں ہو گیا جس کی تنبیہ کے لیے خدا نے ان فرشتوں کو بھیجا ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے چہرہ مبارک سے پریشانی محسوس کر کے فرشتوں نے کہا آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ جس کام کے لیے ہم آئے ہیں اس کا تعلق آپ سے نہیں بلکہ ہم قوم لُوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تب حضرت ابراہیمؑ کو اطمینان ہوا۔

۶۔ حضرت سارہؑ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ قوم لُوط پر عذاب کرنے کو آئے ہیں تو وہ خوش ہوئیں اور فرطِ مسرت سے ہنس بھی دیں۔ کیونکہ قوم تھی ہی اس قابل کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے۔

۷۔ جب فرشتوں نے انہیں مطمئن پا لیا تو جناب اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی اور ان کے بعد ان کے پوتے جناب یعقوبؑ کی ولادت کا مژدہ سنایا۔ یہ بشارت خصوصیت سے جناب سارہؑ کو اس لیے دی گئی کہ وہ اب تک بے اولاد تھیں۔ جناب ہاجرہؑ کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہو چکے تھے اس لیے ان کو اور زیادہ ملال تھا کہ سوتن کی گود تو بھری ہوئی ہے اور میری گود اولاد سے خالی ہے۔

۸۔ چونکہ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو چکی تھی اور حضرت سارہؑ کی عمر ۹۰ سال کی تھی ظاہر ہے کہ یہ عمر توالد و تناسل کی نہیں ہوتی لہٰذا یہ بشارت سنتے ہی انہیں حیرت ہوئی اور تعجب سے کہنے لگیں کہ لئے ہے اب میں بڑھاپے میں بچے جننے بیٹھوں گی۔ عورتوں سے شرم آئے گی کہ ایک بڑھیا عورت گود میں بچہ لیے کھلا رہی ہے انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی ایسی عجیب بات سنتا ہے تو بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ ہائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۹۔ فرشتوں نے ان کا تعجب دُور کرنے کے لیے کہا کہ حکمِ خدا پر تم تعجب کرتی ہو۔ حالانکہ خاندانِ نبوت پر تو

اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہمیشہ ہی نازل ہوتی رہتی ہیں۔

یہاں اہلبیت کے لفظ کو دیکھ کر مفسرین اہلِ سنت نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نبی کی بی بی کے لیے اہلبیت کا لفظ چونکہ آیا ہے لہٰذا آیت تطہیر میں بھی ازواج داخل اہلِ بیت ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ علیکم کی ضمیر جمع مذکر حاضر بتاتی ہے کہ اس کا تعلق سارہؑ سے نہیں ورنہ علیک ہوتا۔ یہ تو خاندانِ نبوت پر نعماتِ الٰہی کے نزول کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی جب اس خاندان پر ہمیشہ رحمتِ الٰہی نازل ہوتی رہی ہے تو اب بڑھاپے میں اولاد ہونے پر تعجب کیوں ہے۔ سارہؑ خاندانِ نبوت ہی سے تھیں ازواجِ رسولؐ کو خاندانِ نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا حضرت فاطمہؑ کو تھا لہٰذا وہ داخلِ آیۂ تطہیر ہیں۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ
جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ
رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾
وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

جب ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور ولادتِ فرزند کی خوشخبری بھی سُن چکے تو قومِ لُوط کے بارہ میں ہم سے (ازراہِ ناز) جھگڑنے لگے۔ بے شک ابراہیم بردبار نرم دل اور ہر امر میں خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اے ابراہیم اس امر میں درگزر کرو (ہٹ مت کرو) تمہارے رب کا حکم آ چکا۔ بیشک ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ جب ہمارے پیام بر (فرشتے) لُوط کے پاس آئے تو اُن کا آنا گراں گزرا تنگ دل ہو گئے اور کہنے لگے آج کا دن سخت مصیبت کا دن ہے۔ ان کی قوم دوڑی ہوئی ان کے پاس آئی یہ لوگ اس سے پہلے بھی بڑے بُرے کام کیا کرتے تھے۔ لُوط نے کہا لوگو یہ میری

بیٹیاں تمہارے لیے جائز اور صاف ستھری ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں۔

ان آیات میں چند امر قابلِ توضیح ہیں؛

۱۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ فرشتے عذاب نازل کرنے آئے ہیں تو پھر ان سے جھگڑا کیوں شروع کیا۔ یہ تو سراسر حکمِ خدا کی نافرمانی تھی۔ بات یہ تھی کہ از راہِ نرم دلی اور شفقت حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ قوم لوط سے عذاب ہٹ جائے شاید یہ لوگ سمجھانے بجھانے سے راہِ راست پر آجائیں۔ یہ جھگڑا معاندانہ نہ تھا بلکہ ناز کے ساتھ خدا سے ایک قسم کی درخواست تھی یعنی تاخیرِ عذاب چاہتے تھے۔ جب خدا نے منع فرمادیا تو چپ رہے۔

۲۔ حضرت لوطؑ پر فرشتوں کا آنا کیوں گراں گزرا اور دل تنگ کیوں ہوئے اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے اگر قوم کو خبر لگ گئی تو وہ ان کو آکر پکڑ لیں گے اور یہ میرے لیے رسوائی کا باعث ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ نے ان فرشتوں کو جو لڑکوں کی صورت میں بصورت مہمان لوطؑ کے گھر آئے تھے فرشتہ نہیں سمجھا تھا اسی لیے ان کی آمد لوط علیہ السلام کے لیے باعثِ پریشانی تھی۔

۳۔ لوطؑ کی قوم جیسا کہ سورۂ اعراف میں بیان ہوچکا لواطت کے خبیث مرض میں مبتلا تھی ان کی بستیوں سے جو اجنبی نوجوان گزرتا تھا وہ اُسے پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ جب لوطؑ کی کافرہ بی بی نے قوم کو اطلاع دی کہ لوطؑ کے گھر کچھ لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ بھُوکے بھیڑیوں کی طرح دوڑتے ہوئے لوطؑ کے گھر آگئے اور ان لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔

۴۔ لوطؑ نے کہا، لوگو یہ میری بیٹیاں یعنی قوم کی بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کرکے جائز طور پر اپنی خواہش پوری کرو۔ چونکہ نبی قوم کا باپ ہوتا ہے اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ اور انہیں سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں میرے لیے کیسی بدنامی کی بات ہوگی کہ اپنے مہمانوں کو بدکاری کے لیے تمہارے سپرد کردوں۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں کہ میری اس مجبوری پر غور کرے۔

۵۔ قوم لوط سے پانچ شہر آباد تھے۔ سدوم۔ عامورہ۔ ادوان۔ طوقیم اور صعدا۔ ان پانچوں شہروں میں سب کفار رہتے تھے مگر صعدا میں چند مومنین کے گھر بھی تھے۔ حضرت لوطؑ سدوم میں رہتے تھے اور زراعت کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرشتے پہنچے تو آپؑ اپنے کھیت ہی پر تھے۔

۶۔ قرآن میں سلسلہ وار کئی قصّے بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے نوحؑ کا پھر ہودؑ کا پھر صالحؑ کا پھر ابراہیمؑ کا پھر لوطؑ کا منشا ان مسلسل قصّوں کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ قریش جو اولادِ ابراہیمؑ سے تھے اس گھمنڈ میں تھے کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ ہیں خدا اپنے پیارے نبی کی اولاد پر کوئی عذاب نازل نہ کرے گا اور آتش جہنم سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ کسی نبی کی اولاد ہونا کافروں اور بدکاروں کو عذابِ الٰہی سے بچا نہیں سکتا۔ دیکھو نوحؑ کے بیٹے کا کیا حشر ہوا۔ ہودؑ و صالحؑ کی قوم پر کیا مصیبت نازل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کو بچانے کے لیے خدا سے کیا کچھ نہ کہا۔ مگر

ان کے کہنے سے بھی عذاب نہ ہٹا بس تم کس شمار و قطار میں ہو کہ تم سے عذاب ہٹ جائے گا۔ بداعمالوں کو ان کی بداعمالی کی سزا مل کر رہتی ہے۔ قرآن میں جو قصّے بیان کیے گئے ہیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔ ہر زمانہ کے نافرمانوں کو ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (۷۹) قَالَ لَوْ
اَنَّ لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (۸۰) قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ
رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (۸۱) فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ (۸۲) مُّسَوَّمَةً عِنْدَ
رَبِّكَ ۭ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (۸۳) النصف ع۱۵

لوط کی قوم نے کہا آپ کو معلوم ہے آپ کی لڑکیوں کی ہمیں کوئی حاجت نہیں اور جو ہم چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ لوطؑ نے کہا کاش مجھے تم سے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا فرشتوں نے کہا، اے لوط ہم تمہارے رب کے رسول ہیں (گھبراؤ نہیں) یہ لوگ تم پر قابو نہیں پاسکتے تم کچھ رات رہے اپنے لڑکے بالوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی ادھر مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بی بی کہ اس پر بھی وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو اس قوم پر آئے گا۔ بیشک عذاب آنے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح قریب نہیں آگئی۔ پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کا اوپر کا حصّہ نیچے کردیا یعنی اُلٹ دیا اور اس سرزمین پر کھرنجے دار (مضبوط) پتھر مینہ کی طرح تابڑ توڑ برسائے جن پر تمہارے رب کے نشان بنے ہوئے تھے اور وہ بستی ان ظالموں (کفارِ مکہ) سے کچھ دُور نہیں۔

چند باتوں پر غور فرمائیے :

١- لوطؑ کی قوم لواطت جیسی خبیث انسانیت سوز خلافِ فطرت گندگی میں اس حد تک لتھڑ گئی تھی کہ عورت سے مباشرت کو اپنے لیے ایک عذاب سمجھتی تھی۔ ایسی قوم کو تباہ کر دینا نوعِ انسانی پر بڑا احسان تھا۔

٢- جناب لوطؑ تن تنہا ان بدکاروں کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔ اگر ان میں قوت ہوتی تو ضرور لڑتے۔ مجبوری بری بلا ہے صرف نصیحت ہی پر اکتفا کرتے تھے مگر لاتوں کے بھوت باتوں سے کہاں مانتے ہیں۔ غور کیجئے ایک نبی کے لیے ایک گندے معاشرہ میں بسر کرنا کتنا تکلیف دہ ہوگا۔

٣- حضرت نوحؑ کی بی بی کی طرح حضرت لوطؑ کی بی بی بھی کافرہ تھی لہٰذا آنے والے عذاب نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔

٤- فرشتوں نے اس لیے مڑ کر دیکھنے سے منع کیا تھا کہ نزولِ عذاب کے وقت کسی کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے یا خوف زدہ ہو کر چلنے سے معذور نہ ہو جائے یا عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے۔

٥- عذاب کی دو صورتیں تھیں پہلے یہ کہ بستی کو اُلٹ دیا گیا دوسری یہ کہ جو لوگ نکل کر بھاگے ان پر پتھریلی مٹی کے ٹکڑوں کا مینہ برسا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ان مٹی کے ٹکڑوں پر کچھ نشان بھی بنائے گئے تھے۔ یہ کھرنچے کی مٹی ایسی سخت تھی جیسے لوہا۔ جس جسم پر پڑتی تھی اُسے پھوڑ کر نکل جاتی تھی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ
وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾
بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾
قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ
فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، انہوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو آسودگی میں دیکھ رہا ہوں (پھر ناپ تول میں کمی کی کیا ضرورت) میں تم کو اس دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں جو سب کو گھیر لے گا۔ اے قوم انصاف کے ساتھ پورا ناپا کرو اور پورا تولا کرو اور لوگوں کو کوئی چیز کم نہ دیا کرو اور روئے زمین پر فساد برپا نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو تو خدا کا بقیہ تمہارے لیے سب سے اچھا ہے۔ میں تمہارا نگہبان بن کر نہیں آیا ہوں (جو عذاب سے بچالوں گا)۔ انہوں نے کہا اے شعیب کیا تمہاری نماز (جسے تم پڑھا کرتے ہو) تمہیں یہ بتاتی ہے کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں ان کو ہم چھوڑ دیں یا ہم اپنے مالوں میں جیسا چاہیں تصرف نہ کریں۔ تم تو ایک بردبار اور سمجھ دار آدمی ہو بات کو سمجھتے کیوں نہیں۔

حضرت شعیبؑ کی قوم بڑی بے ایمان تھی جب کوئی چیز دوسروں سے خریدتے تو دھاندلی کر کے زیادہ لے لیتے۔ اور جب اپنی کوئی چیز کسی کو دیتے تو کم تولتے یا کم ناپتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر رات دن لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو۔ تم خدا کے فضل سے کھاتے پیتے لوگ ہو پھر کیا وجہ ہے کہ اس بے ایمانی پر کمر باندھے ہوئے ہو۔ چونکہ حضرت شعیبؑ نماز پڑھتے تھے اس لیے قوم نے از روئے طعن و طنز کہا کہ کیا تمہاری نماز یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے چلے آرہے ہیں۔ مذہب میں ہمیشہ تقلید زیادہ چلتی رہی ہے۔ لوگ جیسا اپنے بزرگوں کو کرتا دیکھتے تھے اُسی کو حق سمجھ کر خود بھی کرنے لگتے تھے۔ انبیاءؑ کا ٹوکنا انہیں ناگوار اسی لیے ہوتا تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کے اعتقاد کے خلاف کسی عقیدہ کو ماننا نہیں چاہتے تھے۔ نیز وہ چاہتے تھے کہ مالی معاملات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، کوئی اس میں دخل دینے والا کون۔!

مالی کی ہوس اس درجہ ان پر غالب آگئی تھی کہ وہ کمی کی کسی صورت کو بھی منظور کرنا نہیں چاہتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ عام رواج کے خلاف شعیبؑ کا کہنا ان کی بے عقلی کی دلیل ہے ان کو پرائے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ خدا پر ایمان نہیں لائے تھے۔ اور شعیبؑ کے اس کہنے کو باور نہیں کرتے تھے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں جو اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم کو غلط کاریوں سے بچالیں۔ جو لوگ بدی کو بدی ہی نہ سمجھتے ہوں ان پر کسی نبی کی نصیحت کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ کسی قوم پر سب سے بُرا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ بدی کو نیکی سمجھ کر بجالانے لگے۔ قومِ شعیبؑ اسی مرض میں مبتلا تھی۔

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہاں بالکل غیر مربوط ہے یہ کہیں اور سے لے کر یہاں بیچ میں لگا دیا گیا ہے۔ فصول المہمہ میں جو اہلِ سنت کے زبردست عالم صباغی کی تصنیف ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ظہورِ قائم آلِ محمدؑ کی علامات میں سے ہے۔ وقتِ ظہور حضرت دیوارِ کعبہ سے پشت لگا کر کھڑے ہوں گے اور تین سو تیرہ خالص مومن آپؑ کے پاس جمع ہوں گے۔ حضرت سب سے پہلے اسی آیت کی تلاوت کریں گے۔ اس وقت سب لوگ یا بقیۃ اللہ کہہ کر آپؑ سے خطاب کریں گے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ
وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا
اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ
لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ
هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ
كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ
وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

شعیب نے کہا اے قوم غور کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اچھی حلال روزی کھانے کو دی ہے (تو کیا میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لگوں)۔ میں تو یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں روکوں اُسے خود کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا اور میری تائید تو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ لوگو، میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں تم سے ایسا جرم نہ کرا دے جس کے باعث تم پر وہی مصیبت آجائے جیسی قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آئی تھی۔ قوم لُوط کا زمانہ بھی تم سے کچھ دور نہیں (ان سے عبرت حاصل کرو) اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس سے توبہ کرو۔ میرا رب مہربان اور محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا اے شعیب جو تم کہتے ہو ان میں سے اکثر باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ ہم تو تمہیں اپنے لوگوں میں بہت ہی کمزور سمجھتے ہیں۔ اگر تمہارا قبیلہ (تمہاری پشت پر) نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر غالب نہیں آسکتے۔

جناب شعیبؑ اپنی صداقت کی یہ دلیل پیش کر رہے ہیں کہ میں اگر کوئی غلط آدمی ہوتا تو جس کام سے تم کو منع کرتا ہوں اس کو خود بجالاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں تو تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ میں اپنے فرائض انجام دینے میں تمہاری مدد بھی نہیں چاہتا۔ میں تو اللہ پر توکل کیے ہوئے ہوں وہی میری مدد کرنے والا ہے۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ میری ضد میں کہیں تمہارا حال بھی وہی ہو جائے جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ لوطؑ کی قوم کا جو حشر ہوا اُسے تو زیادہ دن بھی نہیں گزرے اور ان کی بستیاں تم سے کچھ دُور بھی نہ تھیں ان سے عبرت حاصل کرو اور خدا سے توبہ استغفار کرو میرا رب رحم کرنے والا بھی ہے اور محبت کرنے والا بھی ضرور تمہارے گناہ بخش دے گا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہنے لگے اگر تمہارا طاقتور قبیلہ تمہاری پشت پر نہ ہوتا تو ہم کب کا تمہیں ہلاک کر چکے ہوتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ
اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ
وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

شعیب نے فرمایا میرے بھائیو کیا میرے قبیلہ کا دباؤ تم پر اللہ سے بھی زیادہ ہے اور تم نے خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ میرا رب جو تم کرتے ہو اس کا علم رکھتا ہے۔ میرے بھائیو جو تمہارا دل چاہے اپنے مقام پر کیے جاؤ میں بھی اپنی جگہ پر کرتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

کیسی عجیب بات تھی کہ قوم شعیبؑ ان کے قبیلہ سے تو ڈرتی تھی لیکن خدا سے نہیں ڈرتی تھی حالانکہ پہلے کتنی قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا تھا۔ یہ لوگ ان کی برباد بستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی چکے تھے پھر بھی اُن کی آنکھیں نہ کھلیں۔ جب عقل انسانی پر پردے پڑ جاتے ہیں تو پھر اس کو اپنی بُرائی نظر ہی نہیں آتی اور سمجھانے والے دشمن بن جاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا
فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ
اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ
وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو ہماری رحمت سے اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اور ایک چیخ نے ظالموں کو لے ڈالا پس وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور ایسے مرمٹے گویا ان بستیوں میں بسے ہی نہ تھے جس طرح ثمود بارگاہِ باری سے دھتکارے گئے تھے اسی طرح مدین والے بھی دھتکارے گئے ــــ ہم نے موسٰی کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے فرعون ہی کے حکم کو مانا اور فرعون کا حکم سمجھا بوجھا ہُوا نہ تھا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے چلے گا اور انہیں دوزخ میں لے جاکر جھونک دے گا وہ کس قدر بُرے گھاٹ اُتارے گئے۔ اس دُنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت میں بھی لگی رہے گی۔ کیا بُرا انجام ہے جو انہیں ملا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کے جو پیشوا ہوں گے وہ روز قیامت ان کے آگے آگے چلیں گے نکوکاروں کے پیشوا نکوکار ہوں گے اور بدکاروں کے بدکار۔ ہر گروہ کو وہاں اُن کے پیشوا کے ساتھ پکارا جائیگا بدکاروں کی پیشوائی کرنا یہاں تو آسان ہے لیکن قیامت میں وہ بڑی دردناک داستان بن جائے گی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ
شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا
لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اے رسول یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض تو قائم ہیں اور بعض تہس نہس ہوگئیں۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو وہ پکارا کرتے تھے انہوں نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا جب تمہارے رب کا حکم آپہنچا تو ان کے معبودوں نے ہلاکت کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ اے رسول جب بستیوں کے لوگوں کو سرکشی کی بنا پر تمہارا رب عذاب میں پکڑتا ہے تو اس کا عذاب ایسا ہی سخت ہوتا ہے۔ جو شخص عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے اس میں اس کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی ہے وہ ایسا دن ہوگا کہ سارے جہان کے لوگ جمع ہوجائیں گے اور ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے کا یہی دن ہوگا اور ہم ایک معیّن مدت تک اس میں تاخیر کررہے ہیں۔

خدا عادل ہے۔ رحیم ہے۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم کرتے ہیں خود لوگ اپنے اُوپر۔ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہیں اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا۔ پھر رُوئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں۔ خدا کے نیک بندوں کو ستاتے ہیں۔ الغرض جو عذاب خدا کی طرف سے ان پر آتے ہیں وہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿١٠٨﴾

جب وہ دن آپہنچے گا تو بے اِذنِ خدا کوئی بات تک نہ کر سکے گا۔ لوگوں میں کچھ تو بدبخت ہوں گے کچھ نیک بخت۔ جو شقی ہوں گے وہ جہنّم میں ڈالے جائیں گے اور وہاں ان کی چیخ پکار ہوگی اور جب تک آسمانوں اور زمین کا وجود ہے وہ اسی میں رہیں گے مگر جب تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے۔ بے شک تمہارا ربّ جو ارادہ کرتا ہے اُسے کر ہی ڈالتا ہے۔ اور جو لوگ نکوکار ہوں گے وہ جنّت میں ہوں گے اور جب تک آسمان و زمین قائم ہیں وہ اس میں رہیں گے مگر یہ کہ تیرا ربّ کچھ اور چاہے اور خدا کی یہ بخشش غیر منقطع ہوگی۔

اِن آیات میں چند باتیں قابلِ توضیح ہیں؛

۱۔ قیامت میں بے اذنِ خدا کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہ ہوگی وہاں لوگوں کی زبانوں پر مُہرِ سکوت لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یا یہ مراد ہے کہ گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے بھی بے اذنِ الٰہی ایک حرف اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے ہاں خدا سے اِذن لے کر سفارش کر سکیں گے جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ (سورۂ بقر، آیت ۲۵۵)

۲۔ شقی و سعید سے مراد وہ لوگ ہیں جو از روئے اعمال اچھے یا بُرے تھے۔ یعنی فروعی مسائل میں جن لوگوں نے اچھے اعمال کیے وہ سعید ہوں گے اور جنہوں نے غلط کاری سے کام لیا وہ شقی ہوں گے۔

۳۔ مفسّرین کا اس میں اختلاف ہے کہ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ محاورۂ عرب کے مطابق اس سے مراد ہمیشگی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عالمِ برزخ کی جزا و سزا ہے کیونکہ قیامت سے پہلے تک کا جو برزخی زمانہ ہوگا اس میں آسمان و زمین موجود ہوں گے البتہ قیامت میں یہ کارخانہ درہم برہم کر دیا جائے گا۔

۴۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے یہ مراد ہے کہ اگر خدا چاہے تو اشقیا کو کچھ دن ان کے اعمالِ نیک کی جزا

کے طور پر جنّت میں رکھ کر پھر انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا اور جن نیک لوگوں نے گناہ کیے ہوں گے ان کی سزا میں کچھ دن دوزخ میں رکھ کر پھر جنّت میں لے جائے گا اور پھر خدا کی یہ بخشش غیر منقطع ہوگی۔ (مراد برزخی جنّت و دوزخ ہے)

۵۔ جن لوگوں کے اصول غلط ہوں گے مثلاً توحید کو نہ مانا ہوگا۔ نبوّت کو تسلیم نہ کیا ہوگا۔ قیامت پر ایمان نہ ہوگا امامت کے منکر ہوں گے تو ان کی بخشش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چاہے انہوں نے کتنے ہی اچھے کام کیوں نہ کیے ہوں۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ
مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿١٠٩﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى
الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ
اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١١٠﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ
اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١١﴾

یہ لوگ خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں تم ان کے بارہ میں شک میں نہ پڑنا یہ تو ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسے ان سے پہلے ان کے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ ہم قیامت میں ان کو عذاب کا حصّہ پورا پورا بے کم و کاست دیں گے ۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی لوگوں نے اس میں اختلاف کیا اگر تمہارے رب کی طرف سے تاخیرِ عذاب کا حکم پہلے سے نہ ہو گیا ہوتا تو ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کب کا کر دیا گیا ہوتا۔ یہ کفّار تو قرآن کے معاملہ میں بڑے گہرے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیشک تمہارا ربّ ان کی کارستانیوں کا بھرپور بدلہ دے گا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ بتوں کی یہ عبادت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ لوگ تقلیداً ان ہی کے پیرو ہیں۔ ہم نے موسیٰؑ پر جب توریت نازل کی تو لوگوں نے کیا کیا۔ اختلاف پیدا کر کے نئے نئے فرقے بنا لیے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں خدا اس کا پورا پورا بدلہ قیامت میں ان کو دے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ
وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّـَٔاتِ ۚ ذٰلِكَ ذِكْرٰى
لِلذّٰكِرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ
مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا
قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَآ أُتْرِفُوا فِيهِ
وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾

اے رسول جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے سیدھے کھڑے رہو اور وہ لوگ بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ کفر سے توبہ کی اور سرکشی نہ کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ (اے مسلمانو) جن لوگوں نے (ہماری نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا ہے تم ان کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ دوزخ کی آگ تمہیں آلپٹے گی خدا کے سوا کوئی تمہارا سرپرست نہیں پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے گا۔ دن کے دونوں کنارے اور کچھ رات گئے تک نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں یقیناً گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ ہماری یاد کرنے والوں کے لیے یہ باتیں نصیحت ہیں۔ صبر سے کام لو اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ان میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے جو رہتے زمین پر فساد پھیلانے سے روکا کرتے مگر ایسے لوگ تھوڑے سے تھے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ ان ہی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ لوگ مجرم تھے ہی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ کا مطلب یہ ہے کہ جس صراطِ مستقیم پر تم ہو اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہونا۔ کسی خط پر بالکل سیدھا کھڑا رہنا آسان کام نہیں۔ حضورؐ نے خود فرمایا ہے شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ۔ سورۂ ہود نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسے فرمایا: اس میں حکم ہے کہ تم سیدھے کھڑے رہو۔ دو نقطوں کے

درمیان جو خط نکلتا ہے وہ سیدھا خط ہوتا ہے اس کے اِدھر اُدھر جتنے خطوط نکلیں گے وہ سب کج بھی ہوں گے اور سیدھے خط سے لمبے بھی۔ مثلاً شجاعت ایک وسطی خط ہے جو صراطِ مستقیم ہے اس کے اِدھر اُدھر والے خطوط سب شجاعت نہیں کہلائیں گے، $\frac{\text{تہور}}{\text{جبن}}$ شجاعت اگر بال برابر قدم اوپر اُٹھ گیا تو تہور یعنی اُجڈپن میں شمار ہوگا اور اگر بال برابر نیچے آگیا تو بزدل کہلائے گا۔ پس رسولؐ کو حکم ہے فضائل چہار گانہ میں جو حکمت، عفت، عدالت اور شجاعت کہلاتے ہیں تمہارا قدم کسی منزل پر بال برابر نیچے یا اوپر نہ ہو۔ کس قدر مشکل مرحلہ ہے۔ مگر رسولؐ نے اس حکم کو اس طرح پورا کر کے دکھایا کہ خدا نے اس کی تصدیق کر دی کہ بیشک تم صراطِ مستقیم پر ہو يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۳۶/۱،۲،۳ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ خدا کے نافرمان بندے ہیں تم ان پر اعتماد نہ کرو۔ ان کی دوستی کی طرف مائل نہ ہو۔ جب انہوں نے خدا ہی سے بے تعلقی کر لی تو بھلا تم سے کیا تعلق رکھیں گے۔

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ اس آیت سے پانچوں وقت کی نماز کا حکم نکلتا ہے۔ دونوں کناروں سے مراد ہے صبح ظہر و عصر کی نماز اور رات گئے سے مراد مغرب و عشاء کی نماز۔

یہ بھی بتایا گیا کہ اگر تم نماز باقاعدہ پابندی سے پڑھتے رہو گے تو تمہارے گناہ روز بروز کم ہوتے جائیں گے یعنی نماز کی برکت سے تم نیکیوں کی طرف زیادہ مائل ہو گے اور گناہوں کی طرف کم۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾

تمہارا رب ایسا بے انصاف نہیں کہ ظلم سے ان بستیوں کو اُجاڑ دیتا جن کے باشندے نیکوکار تھے۔

جن بستیوں پر عذاب نازل ہونے کا ذکر پہلے آچکا ہے خدا نے ان کو اس لیے تباہ و برباد کیا کہ ان کے باشندے ظالم، سرکش اور نافرمان تھے۔ خدا ایسا کبھی نہیں کرتا کہ ان بستیوں پر اپنا عذاب نازل کرے جن کے باشندوں میں نیکوکاری اور فرمانبرداری پائی جائے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾
إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا
عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی قسم کی اُمّت بنا دیتا (مگر اس نے ایسا نہ چاہا) اس لیے لوگ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمہارا رب رحم فرمائے۔ اسی لیے تو اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی لیے تو تمہارے رب کا حکم پُورا ہو کر رہا۔ یقیناً ہم جنّات اور آدمیوں سے جہنّم کو بھر دیں گے۔ لے رسول انبیائے ماسلف کے ان تمام حالات کو ہم تم سے بیان کیے دیتے ہیں جن سے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں، انہی قصّوں میں تمہارے پاس حق (قرآن) اور مؤمنین کے لیے نصیحت اور یاد دہانی تھی۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو تم بجائے خود عمل کرو ہم بھی بجائے خود کرتے ہیں۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو ہم بھی کرتے ہیں۔ آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کا علم خدا ہی کو ہے اور اسی کی طرف ہر کام پھر پھر کر لوٹتا ہے پس اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکّل کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں۔

بے شک خدا کو اس پر قدرت ہے کہ وہ سب انسانوں کو ایک ہی مذہب اور ایک ہی ذہنیت کا بنا دیتا لیکن اُس نے ایسا کیا ہی نہیں کیونکہ اس صورت میں نہ انبیاء و مرسلین کے بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتابیں نازل کرنے کی اور نہ عقل انسانی کا امتحان ہوتا۔ نہ معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی مسائل کے اچھے بُرے ہونے کا پتہ چلتا۔ اس سے نظامِ عالم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں۔ اُس نے انسان کو فاعلِ مختار بنایا اور نیکی و بدی کے راستے بتا دیے اور اس کو اختیار دیا کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اچھا راستہ اختیار کرے ورنہ مجبوری کی حالت میں اس کے اعمال قابلِ خیر و سزا ہی نہ رہتے۔
قرآن میں انبیاء کے جو جا بجا قصّے بیان کیے گئے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ ان کو جان کر رسولؐ کا دل مضبوط ہو جائے اور یہ سمجھ لیں کہ ان کی قوم سے جو مصیبتیں ان پر نازل ہوئی ہیں وہ صرف انہی پر نہیں آئیں بلکہ تمام انبیاءؑ اپنی قوموں کے

انھوں یہ مصیبتیں جھیلتے رہے ہیں۔ اسی طرح مؤمنین کو یہ بھی سبق لینا چاہیئے کہ جس طرح زمانۂ ماسلف میں اہلِ ایمان کو کفّار و مشرکین ستاتے رہتے تھے وہ بھی ستائے جا رہے ہیں پس جس طرح انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا تھا ان کو بھی لینا چاہیئے۔ اور اپنے نافرمان بندوں کو بھی یہ بتا دیا گیا کہ جو تمہارا دل چاہے با اختیارِ خود کیے جاؤ لیکن یہ سمجھتے رہنا کہ ایک دن اس سرکشی کی سزا تم کو ضرور ملے گی۔ خدا کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ ایک دن تم سب کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں ہے۔

---

(۱۲) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ
لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ
لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ
كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾

الٓرا۔ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ اے رسول ہم قرآن نازل کر کے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے تمہیں معلوم نہ تھا جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا ابّا جان میں نے گیارہ ستارے خواب میں دیکھے ہیں اور سورج اور چاند اور یہ دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب نے کہا بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ تم سے وہ کوئی چال چل جائیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اس قصہ کو خدا نے بہترین قصہ فرمایا ہے کیونکہ اس میں بہت سی اخلاقی نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک رات حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک ایسا نور ہے جس سے سارا جہان روشن ہوگیا ہے۔ میں ایک اونچے پہاڑ پر کھڑا ہوں مجھے ایک نورانی پوشاک پہنائی گئی ہے جس سے سب چیزیں روشن ہوگئیں۔ پھر زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے سامنے رکھ دی گئیں۔ یہ خواب حضرت یوسفؑ نے صرف حضرت یعقوبؑ سے بیان کیا تھا مگر کسی بھائی کی بی بی جاگتی تھی اس نے سن لیا اور اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس کے بعد یہ خواب سب بھائیوں کو معلوم ہوگیا۔

حضرت یوسفؑ کی پیدائش کا زمانہ انیس سو چھ سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے اور جب سترہ سال کے تھے تب یہ خواب دیکھا تھا بعض نے ان کی عمر ۱۱ سال لکھی ہے بعض نے ۱۰ سال اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے مختلف بی بیوں سے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسفؑ اور ابن یامین ایک ماں سے تھے جن کا نام راحیل تھا۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت یوسفؑ کو ان کی خالہ راحیل نامی نے پرورش کیا۔ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے بہت محبت تھی جس کی دو وجہیں تھیں اوّل تو وہ بے ماں کے تھے دوسرے ان کے چہرہ سے آثارِ نبوت منکشف ہوتے تھے۔ خواب دیکھنے کے بعد حضرت یعقوبؑ کے خیال کو اور زیادہ تقویت پہنچی۔

اولادِ انبیاء میں تین نبی ایسے تھے جن کی اولاد میں حسد کی بیماری اس حد تک زور پکڑ گئی کہ بھائی بھائی کے قتل پر تیار ہوگیا۔ سب سے پہلے آدمؑ کے دو بیٹوں میں حسد پیدا ہوا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ دوسرے اولادِ اسحٰق میں حضرت یعقوبؑ سے ان کے بھائی عیص کو حسد ہوا اور یعقوبؑ کو مجبوراً وطن چھوڑنا پڑا۔ بعد میں بھائی بھائی مل گئے۔ تیسرے اولادِ یعقوبؑ میں یہ بیماری پھیلی اور یوسفؑ کے درپئے آزار ہوئے۔

دو ہزار برس پہلے کا واقعہ اس تفصیل سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہودی حیران ہوگئے۔ انہوں نے حضرتؐ سے اس قصہ کے متعلق اس لیے سوال کیا تھا کہ حضرتؐ اسے بیان نہ کر سکیں گے اور ہم سے دریافت کریں گے اس صورت میں ان کی نبوت کی پول کھل جائے گی لیکن جب قرآن نے پوری تفصیل سے بیان کیا تو یہودی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور ان پر ظاہر ہوگیا کہ وحی کے سوا کوئی دوسرا اس طرح بیان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس واقعہ کے بیان نے آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق بھی کر دی۔ دوسرے یہودیوں نے جو غلط قصہ بنا رکھا تھا اس سے بھی آگاہ کر دیا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ سے اس لیے زیادہ محبت تھی کہ وہ ان کی ساری اولاد میں زیادہ حسین تھے۔ ایک نبی کی محبت کا یہ معیار اس کے وقارِ نبوت کے منافی ہے۔ حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جو ستم آگیں کردار پیش کیا جس کا ذکر آگے آئے گا ایک ایسے باپ کے لیے جو درجۂ نبوت پر فائز ہو کبھی جاذبِ محبت نہیں ہو سکتا۔ برخلاف ان کے یوسف علیہ السلام جو کردار پیش کر رہے تھے وہ باپ کی معصوم نگاہوں میں کھپ جانے والا تھا۔ پس جذبِ محبت کا سبب حسنِ سیرت تھا نہ کہ حسنِ صورت۔ حسنِ صورت بھی ایک دلکش چیز ہے لیکن حسنِ سیرت سے زیادہ نہیں۔

اس سورہ میں حضرت یوسفؑ کا خواب ان کے بھائیوں کی بدسلوکی، کنوئیں میں ڈالنے، مصر میں حضرت یوسفؑ کا فروخت ہونا، زلیخا کے گھر جانا، بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسفؑ کی عفت کی گواہی ایک شیر خوار بچے کا دینا، حضرت یوسفؑ

کا قید ہونا۔ بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسفؑ کا تعبیر بتانا، بادشاہِ مصر ہونا، ان کے بھائیوں کا غلہ کے لیے مصر آنا، یوسفؑ کا ان کو پہچان لینا، بنیامین کو روک لینا، حضرت یعقوبؑ کے پاس اپنا کرتا بھیجنا، ان کا سیا نکھا ہونا، حضرت یوسفؑ کے خاندان کا مصر آنا، حضرت یوسفؑ سے سب کا ملنا وغیرہ کا ذکر ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۟۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۟۷ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۟ۚۖ۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۟۹

اور ایسا ہی ہوگا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور اپنی نعمت تم پر اُس طرح پوری کرے گا جیسے اس سے پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم و اسحاق پر پوری کر چکا ہے بیشک تیرا رب بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں (یہودیوں) کے لیے تمہاری نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب یوسف کے بھائیوں نے (آپس میں) کہا، یوسف اور اُس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہماری بڑی جماعت ہے۔ یقیناً اس معاملہ میں ہمارے باپ کھلی غلطی میں ہیں۔ یوسف کو یا تو قتل کر ڈالو یا کسی جگہ چل کر پھینک آؤ۔ پھر ہمارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم (باپ کی نظر میں) بھلے آدمی بن جاؤ گے۔

اِن آیات میں چند باتیں قابلِ بیان ہیں:

۱۔ حضرت یعقوبؑ بعلم نبوت یہ جان چکے تھے کہ بارگاہِ ایزدی سے یوسفؑ کو کیا کیا ملنے والا ہے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ میری اولاد میں صرف یوسفؑ ہی درجۂ نبوت پر فائز ہونے والے ہیں۔

۲- یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ ہم سے زیادہ یوسفؑ سے محبت کرتے ہیں اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان کو اپنا کردار خود ایسا خراب نظر آرہا تھا کہ ان سے پوری طرح محبت نہ کی جائے۔

۳- یہ کہنا کہ ہماری بڑی جماعت ہے اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ وقتِ مصیبت ہم ان کے کام زیادہ آسکتے ہیں۔ کیونکہ ہماری تعداد زیادہ ہے اور طاقت میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا باپ کو ہماری طرف رجوع کرنی چاہیئے۔ جو مدد ان کو ہم سے مل سکتی ہے وہ یوسفؑ سے نہیں مل سکتی۔ پس ان کا جھکاؤ یوسفؑ کی طرف یقیناً ان کی رائے کی غلطی کا صاف صاف اظہار ہے۔

۴- ان کا خون کس درجہ سفید ہوگیا تھا اور یہ رائے دینا کس درجہ ان کو شرافت اور انسانیت کے درجہ سے گرا رہی تھی کہ وہ یوسفؑ کے قتل کے درپے تھے یا کسی ایسے دُور دراز اور دہشتناک مقام پر چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے تھے جہاں یوسفؑ کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔

۵- ان کا یہ فیصلہ کس قدر احمقانہ تھا کہ یوسفؑ کے مرنے کے بعد باپ کی ساری توجہ ان کی طرف ہو جائے گی وہ فطری قوانین کو اپنی وحشیانہ غرض کے تحت قطعاً بھولے ہوئے تھے، وہ یہ نہ سمجھے ؎

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ورہما از جہاں شود معدوم

(ترجمہ) "کوئی اُلّو کے سایہ کے نیچے نہ آئے گا اگر ہُما دنیا سے ناپید ہو جائے"۔ وہ باپ کی نظر میں بد سے بدتر بن جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان پر خود غرضی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے اور پھر وہ گناہ پر گناہ اپنے اُوپر لادتا چلا جاتا ہے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ
السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا
لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

ان میں سے ایک نے کہا بھئی یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں لے جا کر ڈال دو۔ کوئی راہ گیر اسے نکال کر لے جائے گا۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو یہی کرو۔ (وہ سب مل کر باپ کے پاس آئے) کہنے لگے بابا جان یہ کیا بات ہے کہ یوسف کے بارہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ (جنگل میں جا کر) کچھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے ہم اس کی ہر طرح حفاظت کریں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلے بھی ان سے کچھ ایسی بدسلوکیاں کر چکے تھے جن کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو ان سے نیک سلوک کی اُمید نہ رہی تھی تب ہی تو بھائیوں نے کہا کہ کیا وجہ ہے یوسفؑ کے بارہ میں آپ کو ہم پر اعتماد نہیں

قَالَ اِنِّیْ لَيَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ
غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ
اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ
عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ
مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ
عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تمہارا لے جانا میرے اُوپر شاق ہے۔ (مجھے یہ اندیشہ ہے کہ) اُسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔ انہوں نے کہا بھیڑیا کیسے کھا جائے گا درآنحالیکہ ہماری پوری جماعت ہے اگر ایسا ہو تو پھر ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے۔ غرض جب وہ یوسف کو لے گئے اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ یوسف کو اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں (جب ایسا کر گزرے تو) ہم نے یوسف کو وحی کی (گھبراؤ نہیں) ایک وقت آئے گا کہ تم ان کو ان کی یہ حرکت جتاؤ گے درآنحالیکہ وہ انجام سے بے خبر ہوں گے۔ شام کو وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے، بابا جان ہم تو دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا بھیڑیا آیا اور اس کو کھا گیا۔ اگرچہ ہم سچے ہیں مگر آپ ہماری بات پر کیوں یقین کرنے لگے۔ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا (بھیڑیئے

نے نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے تمہارے بچاؤ کے لیے یہ تدبیر گڑھی ہے (ورنہ کُرتا پھٹا ہوا ضرور ہوتا) پس
اب صبر و شکر ہی کرنا ہے جو تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

مثل مشہور ہے چھپتی نہیں ہے بات بنائی ہوئی کبھی۔ یوسف کے بھائیوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ تو کر گزرے لیکن اُوپر سے الزام ہٹانے میں جو بات انہوں نے بنائی وہ بنی نہیں۔ کُرتے پر ایک بکرے کا خون تو لگا لائے لیکن اس پر غور نہ کیا کہ جس کُرتے والے کو بھیڑیئے نے کھایا اُس کے بدن پر اس کی قمیص صحیح سالم کیسے رہی۔ بھیڑیئے کے پنجوں سے ضرور اس کو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا چاہیئے تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس خون کو جو قمیص پر تھا سونگھ کر کہا یہ میرے یوسفؑ کا خون نہیں۔ انبیاءؑ کے حواسِ خمسہ عام لوگوں سے جدا ہوتے ہیں۔ جناب سلیمانؑ نے وادیٔ نمل میں چیونٹی کی آواز سُن لی تھی اور اُسی چیونٹی کو پہچان کر جا پکڑا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس بھیڑیئے کو آواز دی وہ دوڑا ہوا چلا آیا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا کیا تُو نے میرے یوسفؑ کو کھایا ہے۔ اُس نے کہا یا نبیؑ اللہ ہم درندوں پر انبیاءؑ اور اولادِ انبیاءؑ کا خون حرام ہے۔

یوسفؑ کے بھائیوں نے شقاوت کی انتہا کر دی تھی جب یہ یوسفؑ کو لے کر چلے تھے تو حضرت یعقوبؑ نے کھانے پینے کا سارا سامان ساتھ کر دیا تھا لیکن جب جنگل میں پہنچے تو انہوں نے پہلے تو حضرت یوسفؑ کو خوب مارا پھر ان کی قمیص اتاری جب حضرت یوسفؑ نے پانی مانگا تو انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور صراحی کا پانی ان کی آنکھوں کے سامنے زمین پر گرا دیا۔ پھر انہیں ایک رسّی میں باندھ کر کنوئیں میں ڈالا۔ جب آدھے کنوئیں تک پہنچے تو رسّی چھوڑ دی مقصد یہ تھا کہ ایسا کرنے سے وہ ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے خدا نہ مارے اُسے کون مار سکتا ہے۔ خدا کے فرشتہ نے ان کو آلیا اور نہایت آرام سے انہیں کنوئیں کی سطح تک پہنچا دیا۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا
غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

(مصر کا ایک قافلہ ادھر سے گزرا) انہوں نے اپنے سقّہ کو پانی بھرنے کے لیے بھیجا۔ جب اُس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا تو (یوسفؑ اس میں ہو بیٹھے جب اس نے کھینچا اور یوسفؑ کو دیکھا تو) خوش ہو کر کہنے لگا کہ یہ تو لڑکا ہے قافلہ والوں نے انہیں قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا حالانکہ جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے خدا اس سے خوب واقف تھا۔

یوسفؑ کے بھائی کنوئیں کے آس پاس لگے ہوئے تھے۔ جب یوسفؑ برآمد ہوئے تو اس سقّہ سے جھگڑا کرنا

شروع کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے ہمیں دے دو۔

سقّہ نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار اس لیے کیا کہ اسے غلام بنا کر فروخت کروں گا تو بڑی قیمت ملے گی کیونکہ نہایت حسین لڑکا ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَالَ
الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ
وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ
وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ
آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي
هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ
اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ
بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ
وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾

یوسف کے بھائیوں نے (یوسفؑ کو اپنا غلام بتا کر) کھوٹے چند درہم میں بیچ ڈالا اور وہ لوگ یوسفؑ سے بیزار ہو ہی رہے تھے۔ (قافلہ والوں نے مصر میں جا کر یوسفؑ کو بڑے نفع سے بیچ ڈالا) مصر کے جس شخص نے انہیں خریدا تھا اپنی بی بی سے کہنے لگا اس کو اچھی طرح سے رکھنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں یوں ہم نے یوسف کو مصر میں جگہ دے کر قابض بنایا۔ اور غرض یہ تھی کہ ہم اُسے خواب کی باتوں کی تعبیر سکھائیں خدا تو اپنے ہر امر پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم (نبوّت) اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں جس عورت کے گھر میں

وُہ تھے اُس نے (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے لیے خود ان سے آرزو کی اور دروازے بند کر کے (بیتابانہ) کہنے لگی لو آؤ۔ یوسف نے کہا معاذ اللہ وہ (تمہارے شوہر) میرے مالک ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے (میں ایسا ظلم کیسے کرسکتا ہوں) بے شک ایسا ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ زلیخا نے تو ان کے ساتھ بُرا ارادہ کر ہی لیا تھا تو یہ بھی قصد کر بیٹھتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکے ہوتے ہم نے اس کو یوں بچا پایا تاکہ ہم اس سے بُرائی اور بدکاری کو دُور رکھیں وُہ (یوسف) ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

ان سے آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ جب حضرت یوسفؑ خانۂ زلیخا میں آئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ نہ تھے لہٰذا جن مفسروں نے ان کی عمر ۱۷ سال لکھی ہے وہ غلط ہے۔ جب حدِ بلوغ کو پہنچے تب خدا نے ان کو نبوت اور علم عطا کیا۔ جب تک یوسفؑ بالغ نہ ہوئے زلیخا ان کو ناز و نعمت سے پالتی رہی۔ اس کا بدارادہ بھی یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی اس کے دل میں پرورش پاتا رہا۔

۲۔ زلیخا نے اپنے ناز و ادا سے ہر چند حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کی طرف مائل نہ ہوئے۔

۳۔ زلیخا کا شوہر چونکہ نامرد تھا اور اس کی بھرپور جوانی تھی اور مصر کی حسین عورتوں میں اس کا شمار تھا، لہٰذا جنسی جذبات اس کے دل میں زور مار رہے تھے۔

۴۔ جب اس نے دیکھا کہ یوسفؑ برضا و رغبت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو اس نے یہ چال چلی کہ اس کے مکان میں جو چند کوٹھریاں آگے پیچھے تھیں ان میں سے سب سے آخر والی کوٹھری میں کوئی چیز رکھ دی اور یوسفؑ سے کہا، جاؤ اُسے اٹھا لاؤ۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو اس نے ہر دروازہ پر تالا ڈال دیا۔ آخری کوٹھری میں پہنچ کر وہ برہنہ ہوگئی اور حضرت یوسفؑ سے کہا آؤ میری خواہش پوری کرو۔ غور کیجئے کہ حضرت یوسفؑ کے لیے کیسا نازک موقع تھا اوّل تو وہ خود جوان تھے پھر حسین عورت شباب میں بدمست ان کو ایسے عالم میں بُلا رہی تھی۔ دوسرا ہوتا تو ہرگز ضبط نہ کرسکتا اور اس کی خواہش پوری کر دیتا مگر انبیاءؑ کے صبر و ضبط کس نے پائے۔ ان کی پاکیزگیٔ نفس کی منزلیں بہت اُونچی ہوتی ہیں۔

۵۔ حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا تو کیسی احمقانہ خواہش کر رہی ہے تیرا شوہر میرا مالک ہے۔ مجھ سے اچھا برتاؤ کرتا ہے کیا اس کے احسان کا یہی بدلہ ہے کہ میں اس کی ناموس کی عصمت پر حملہ کروں۔ جب انہوں نے صاف انکار کر دیا تو زلیخا جھنجھلا گئی۔ کہنے لگی اب تم بچ کر کہاں جا سکتے ہو میں نے سب دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا جن دروازوں کو تُو نے بند کیا ہے میرا خدا ان کو کھول دے گا۔ چنانچہ جب آپؑ اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگے تو ہر دروازہ کھلتا چلا گیا اور آپؑ صحن میں جا پہنچے۔ زلیخا بے تابانہ ان کے پیچھے دوڑی ہوئی آئی اور لپک کر ان کی قمیص کا دامن پیچھے سے پکڑ لیا۔ آپؑ نے زور مارا تو قمیص کا دامن پیچھے سے پھٹ گیا آپؑ نے چاہا کہ اس کے گھر سے باہر نکل جائیں

۶۔ اللہ نے حضرت یوسفؑ کو حکم اور علم دو چیزیں عطا فرمائیں حکم سے مراد قوتِ فیصلہ ہے چونکہ وہ مصر کے بادشاہ ہونے والے تھے لہٰذا اس قوت کی ان کو ضرورت تھی۔ دوسرے علم سے مراد وہ علم ہے جو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے۔

۷۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ میں رب کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے رب سے مراد شوہرِ زلیخا لی ہے۔ بعض نے رب سے مراد اللہ لکھو لیا ہے اور یہی زیادہ قرینِ عقل و انصاف ہے۔ اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ شوہرِ زلیخا کا کہاں ذکر ہے۔ دوسرے ایک نبی کے لیے لازم بھی یہی ہے کہ وہ ارتکابِ گناہ سے بچنے کے لیے اللہ کو پیشِ نظر رکھے نہ کہ ایک انسان کو۔

۸۔ جو برہان حضرت یوسفؑ کے پیشِ نظر تھی اور جس کی وجہ سے وہ زنا سے رُکے ہوئے تھے وہ وحی کا یہ مضمون تھا جو ان کے دل پر القا ہوا تھا کہ ایک ایسے امر کی طرف کیوں سبقت کرو جو تمہارے لیے جائز نہیں یہ زلیخا ملکِ غیر ہے تمہیں اس پر تصرف کا کوئی حق نہیں۔ خلافِ نہیِ الٰہی کر کے خدا کے عذاب کے مستحق کیوں بنو۔

۹۔ حضرت یوسفؑ کا یہ سخت امتحان تھا جوان کی پاکیزگیٔ نفس کو لوگوں پر واضح کرنے اور بنی نوع انسان کو ان کی زندگی کے اس نازک وقت سے سبق حاصل کرنے کے لیے لیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ امتحان تھا اور بڑا سخت امتحان تھا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ
مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ
رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ
فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ
اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ
لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

دونوں دروازے کی طرف جھپٹے اور یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ دونوں نے زلیخا کے

شوہر کو دروازہ کے پاس کھڑا پایا۔ زلیخا کہنے لگی جو تمہاری بی بی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ یا تو اُسے قید کر دیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔ یوسف نے کہا یہ خود ہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور زلیخا کے خاندان سے ایک (بچہ) نے گواہی دی کہ ان کی قمیص دیکھو اگر آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹے ہیں اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں۔ جب قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو زلیخا کے شوہر نے کہا۔ یہ تم عورتوں کے چلتر ہیں اور تم عورتیں بڑی مکار ہوتی ہو۔ اے یوسف اس واقعہ سے درگزر کرو۔ اے زلیخا تُو اپنے گناہ کے لیے استغفار کر بے شک تُو خطاکاروں میں سے ہے۔

ان آیات کے سلسلہ میں چند باتوں پر غور فرمایئے:

۱۔ زلیخا کے انداز سے اس کے شوہر کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ یوسفؑ کی طرف مائل ہے۔ وہ دروازہ پر اس ٹوہ میں کھڑا ہوا تھا کہ دیکھوں شرارت کس کی طرف سے ہے۔

۲۔ زلیخا کا عشق اگرچہ اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ یوسف کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے۔ مگر معاملہ ایسا نازک ہو گیا تھا کہ اگر یوسفؑ پر الزام نہ لگاتی تو شوہر کی نظر میں مجرم قرار پاتی۔ دوسرے اُسے اپنی بدنامی کا خوف بھی تھا۔ لہٰذا اس نے بے گناہ یوسفؑ پر الزام تراشی ہی مناسب سمجھی۔

۳۔ زلیخا کی خالہ کا لڑکا گہوارہ میں پڑا ہوا تھا وہ یہ سب واقعہ اپنی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ جب حضرت یوسفؑ پر زلیخا نے تہمت لگائی اور اس کے شوہر نے یوسفؑ سے کہا کیوں یوسف کیا میرے حُسنِ سلوک کا یہی بدلہ ہے تو آپؑ نے فرمایا میں اس معاملہ میں اپنی زبان سے صرف یہی کہتا ہوں کہ میں بے گناہ ہوں تمہاری بی بی نے خود ہی مجھے دعوتِ گناہ دی تھی اور اس کا گواہ یہ بچہ ہے جو گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔ اس نے کہا گناہ کرنے کے بعد تمہاری عقل ماری گئی ہے بھلا یہ بچہ جس کی زبان تک ابھی نہیں کھلی تمہاری پاکدامنی کی کیا گواہی دے گا۔ فرمایا، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اس سے پوچھ کیوں نہیں لیتے۔ الغرض وہ اور یوسفؑ اور زلیخا اس بچہ کے پاس آئے۔ اور اس کی گواہی طلب کی۔ اس نے کہا یوسفؑ کی قمیص کو دیکھو اگر یہ آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی ہے یوسفؑ نے ہاتھا پائی کی ہو گی قمیص پھٹ گئی ہو گی اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسفؑ سچے ہیں۔ یہ بھاگے ہوں گے اس نے دامن پکڑا ہو گا کھینچا تانی میں پیچھے سے دامن پھٹ گیا ہو گا۔ جب دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو شوہر کو یقین ہو گیا کہ زلیخا جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچے ہیں۔ تب اس نے زلیخا کو ڈانٹا۔ (تفسیر قمی منقول از امام جعفر صادق علیہ السلام ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ صفحہ ۳۹۹)

۴۔ خدا نے اپنے معصوم بندہ کو بچانے کے لیے اس بچہ کو ناطق کیا۔ جب کسی معصوم کی عصمت کی گواہی دلوانی ہوتی ہے تو وہ بچوں ہی سے دلواتا ہے جیسے حضرت مریمؑ کی گواہی حضرت عیسیٰؑ نے آغوشِ مادر میں دی۔ حالانکہ حضرت زکریاؑ نبی موجود تھے۔ مگر اس خیال سے کہ شاید ان کی گواہی لوگ اس لیے نہ مانیں کہ وہ حضرت مریمؑ کے رشتہ دار تھے۔ اصحابِ اُخدود

کی سرکشی کے وقت بھی اس زمانہ کے پیغمبر کی گواہی بچہ ہی سے دلوائی تھی۔ مباہلہ میں رسولؐ کی رسالت کی گواہی میں بھی بچوں (حسنؑ و حسینؑ) ہی کو آگے رکھا تھا۔

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تو خدا نے وحی کی تم نے اپنا وزیر کسے بنایا۔ عرض کی پروردگار میں تیرے حکم پر کیسے سبقت کر سکتا ہوں۔ حکم ہوا فلاں مقام پر جاؤ، وہاں ایک جوان درخت کے نیچے کھڑا ہوا ملے گا۔ وہی تمہارا وزیر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک اجنبی کو کھڑا پایا۔ عرض کی، پروردگار اس کا کیا حق میری ذات کے لیے ہے۔ خدا نے فرمایا، تم نے اسے پہچانا نہیں۔ یہ وہی بچہ ہے جس نے تمہاری عفت کی خاطر زلیخا میں سب سے پہلے گواہی دی تھی۔ پس معلوم ہوا صدیق اوّل مستحق خلافت ہوتا ہے۔

۵۔ بچہ کی اس گواہی سے ایک بات اور بھی ثابت ہے یعنی اس گواہی میں ایک ضمنی گواہی اور پیدا ہوئی وہ یہ کہ بچے نے یوسفؑ کی قمیص کی طرف توجہ دلائی۔ زلیخا کے لباس کی طرف نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یوسفؑ نے ہاتھا پائی کی ہوتی تو زلیخا کا لباس کشمکش میں ضرور پھٹتا۔ جب اس پر تشدد کی کوئی علامت پائی ہی نہ جاتی تھی تو قصور سراسر عورت ہی کا ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ آیت تطہیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس کے اوّل و آخر ازواج کا ذکر ہے لہٰذا آیت تطہیر بھی ان ہی کی شان میں ہے ورنہ بات بے ربط ہو جاتی ایسے حضرات ذرا اس آیت پر غور کریں۔

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۔ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۔ خط کشیدہ عبارتیں دونوں زلیخا کے متعلق ہیں۔ بیچ کی عبارت معصوم نبی سے متعلق ہے۔ پس اگر یہ بے ربطی یہاں نہیں تو وہاں کیوں ہو۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ
شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ
اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ
اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ
لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

مصر کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بی بی اپنے غلام سے ناجائز تعلقات چاہتی ہے اور غلام

نے اُسے اپنی محبت میں بے خود کر دیا ہے ہم اُسے صریحی غلطی میں پاتے ہیں۔ جب زلیخا نے عورتوں کی یہ طنز آمیز باتیں سُنیں تو انہیں بُلا بھیجا اور ہر ایک کے لیے ایک ایک ترنج مہیا کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چاقو دیا اور یوسف سے کہا کہ تم ان کے سامنے سے نکلے چلے جاؤ۔ جب انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو ان کو بڑا حسین پایا اور سب نے بے خودی میں اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں حاشا للہ، یہ آدمی نہیں ہے بلکہ یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ چھپا نہیں رہتا۔ تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے۔ حضرت یوسفؑ سے زلیخا کو جو والہانہ محبت تھی اس کا چرچا مصر کے امراء و رؤسا کی خواتین میں ہونے لگا۔ اور ہر ایک کی زبان پہ زلیخا کی مذمت تھی اور بے حیائی اور بے شرمی کا چرچا جب یہ آوازیں زلیخا کے کان میں پہنچے تو اس نے اُمراء کی بیگمات کو اپنے گھر بُلایا اور تخت پہ تکیے لگا لگا کر انہیں بٹھایا۔ مصر میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی محفل آراستہ ہوتی تھی تو تکیے ضرور لگائے جاتے تھے جیسا اس سے پہلے ہمارے ہاں بھی رؤسا کی محفلوں میں یہ طریقہ تھا۔ جب سب عورتیں بیٹھ گئیں تو اس نے ہر ایک عورت کو ایک ایک ترنج اور ایک ایک چاقو دیا اور کہا جب یوسفؑ تمہارے سامنے سے گزرے تو تم اس ترنج کو کاٹ دینا۔ پھر یوسفؑ سے کہا کہ تم ان عورتوں کے سامنے سے نکلے چلے جاؤ۔

چنانچہ جب وہ نکلے تو ان کے حُسنِ خداداد کو دیکھ کر وہ ایسی مبہوت ہوئیں کہ بجائے ترنج کاٹنے کے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کسی کو اپنے دل پہ قابو نہ رہا اور عالمِ بے خودی میں پکار اُٹھیں کہ یہ شخص آدمی نہیں ہے بلکہ ایک معزز فرشتہ ہے۔ غالب کہتا ہے ؎

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

زلیخا نے ان کی بے خودی دیکھ کر کہا یہی تو وُہ ہے جس کے معاملہ میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں (دل پر قابو رکھ نہ لیا) میں اپنا مطلب حاصل کرنے کی خود اس سے آرزومند تھی مگر یہ بچا رہا۔ جس کام کا میں حکم دیتی ہوں اگر یہ بجا نہ لایا تو یہ قید میں ڈال دیا جائے گا اور ذلیل ہو کر رہے گا۔

حضرت یوسفؑ کے لیے اب ایک اور سخت موقع سامنے آیا۔ جو عورتیں خانۂ زلیخا میں جمع ہوئی تھیں وہ چلی تو

گئیں مگر عشقِ یوسفؑ کا داغ دل پر لے کر اُٹھیں پہلے تو ایک ہی شمعِ رُخ کا پروانہ تھا اب تو ہر طرف سے پروانے گھر کر آنے لگے۔ ہر گھر میں حُسنِ یوسفؑ کا چرچا ہونے لگا اور ہر عورت وصلِ یوسفؑ کی خواستگار بن بیٹھی۔ حسنِ نسوانی کی شاید اتنی بے قدری کبھی نہ ہوئی ہو گی جتنی اُس زمانہ میں ہوئی۔ ایک طرف سینکڑوں تڑپتے ہوئے دل تھے اور دوسری طرف ضبطِ نفس اور سکونِ خاطر۔ ایک طرف ہم آغوشیِ یوسفؑ کی مچلتی ہوئی تمنائیں دوسری طرف ٹھنڈا دل۔ اور فرائضِ نبوت ہر قدم پہ پیشِ نظر۔ غور کیجیے کس قدر نازک موقع تھا۔ پتھر بھی ہوتا تو ان نسوانی تقاضوں پہ پانی ہو جاتا اور صبر و ضبط کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی مگر یوسفؑ تو یوسف ہی تھے۔ حُسنِ جہاں افروز کی تمام دل آویزیاں ان کی ٹھوکروں سے مَسلی جاتی رہیں۔

مصر کے اُمراء و رؤسا نے جب یہ دیکھا کہ ان کی بی بیاں دیوانی بن کر اب ان کے قابو سے باہر ہونے والی ہیں تو سب نے مل کر طے کیا کہ یوسفؑ کو جلد از جلد قید میں ڈال دیا جائے ورنہ شہر میں وہ فتنہ برپا ہو گا کہ سنبھالے نہ سنبھلے گا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

(حضرت یوسفؑ اس سلسلہ میں سخت پریشان تھے کہ کس طرح اپنی عفت کے ڈاکوؤں سے اپنا پیچھا چھڑائیں۔) آخر خدا سے دُعا کی، پالنے والے جس امر کی طرف یہ عورتیں مجھے بُلا رہی ہیں میرے لیے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے اگر تُو نے ان عورتوں کے فریب کو مجھ سے دفع نہ کیا تو ممکن ہے میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے بن جاؤں۔ خدا نے ان کی دعا قبول کیا اور ان عورتوں کے مکر کو ان سے دفع کیا بیشک وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے اس کے بعد (عزیزِ مصر اور اس کے لوگوں نے) یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ کر یہی مناسب سمجھا کہ کچھ مدت کے لیے ان کو قید کر دیں۔

دُنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ صاحبانِ حکومت اپنی دنیوی مصلحتوں پر نظر رکھ کر بیگناہوں کو قید خانوں میں ڈال دیتے ہیں اور عدل و انصاف کو اپنی خود غرضیوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کے ساتھ بھی

ہمیشہ یہی سلوک رہا کہ سلاطین وقت نے محض اس بدگمانی کی بدولت کہ کسی وقت ہم پر خروج نہ کر بیٹھیں ان کو جیلوں میں ٹھونس دیا اور ان کی طرف سے سالہا سال بے خبر ہو کر چین کی نیند سوتے رہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ
الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا
بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا
نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ
اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں (بادشاہ کے دو) غلام بھی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور انہیں پرندے کھا رہے ہیں اس کی تعبیر بتائیے ہم آپ کو یقیناً نکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں۔ فرمایا جو کھانا تمہارے کھانے کے لیے آیا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں تعبیر بتا دوں گا یہ وہ چیز ہے جسے میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے۔ میں نے اس قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو روز قیامت سے انکار کرتے ہیں میں نے پیروی کی ہے اپنے باپ دادا اور پردادا ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے دین کی ہم خدا کی عبادت میں کسی چیز کو شریک نہیں بناتے یہ ہم پر اور لوگوں پر خدا کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر میں حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی اور نیک نفسی کا چرچا تھا۔ چنانچہ جب دونوں غلاموں نے خواب دیکھیں تو حضرت یوسفؑ سے تعبیروں کے طلبگار ہو کر کہا کہ ہم آپؑ کو نکوکاروں میں سے پاتے ہیں۔ اگر عام شہرت نہ ہوتی تو بادشاہ کے غلاموں تک یہ خبر کیسے پہنچتی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا برتاؤ جیل خانے کے قیدیوں کے ساتھ ایسا اچھا تھا کہ وہ سب آپؑ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بڑے احترام و اکرام سے پیش آتے تھے۔

یہاں اتنا اور سمجھ لیجئے کہ کنوئیں میں ڈالے جانے سے زلیخا کے واقعہ تک حضرت یوسفؑ اپنا بے نظیر کردار پیش کرتے رہے۔ فرائض نبوت سے ابھی تک کوئی خدمت انجام نہیں دی تھی۔ اس کا آغاز قید خانہ سے ہوا یعنی جب پہلے چار پانچ سال شہر کے تمام زن و مرد پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ خدا کے خاص بندے ہیں تب تبلیغ دین کا کام شروع کیا۔ اب تک کسی موقع پر انہوں نے نہیں بتایا تھا کہ میں کون ہوں اور ان انبیاؑ سے جن کا احترام اس زمانہ کے سب لوگ کرتے تھے میرا کیا تعلق ہے قید خانہ میں جا کر قیدیوں پر ظاہر کیا کہ میں انبیاؑ کی نسل سے ہوں، مشرکوں کے دین سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

خاصانِ خدا کی یہ خصوصیت ہے کہ چاہے کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہوں اپنا فرض نباہنے سے غافل نہیں رہتے۔ ہمارے ائمہ نے بھی قید خانوں میں یہی کام کیا تھا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ
الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو (ذرا غور کرو) آیا جدا جدا بہت سے معبود اچھے یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے اُسے چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے تو ان کیلئے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

باطل معبودوں کے ابطال میں حضرت یوسفؑ نے دو دلیلیں بیان کیں۔ پہلی یہ کہ لوگوں نے اپنے اپنے معبود

الگ الگ بنا رکھے ہیں کوئی کسی بُت کا پجاری ہے کوئی کسی کا۔ اور ان کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہوگئی ہیں۔ اور یہ اختلاف ان کے درمیان عداوت کا سبب بن گیا ہے اگر وہ سب ایک ہی خدا کی عبادت کرتے تو سب ملے جُلے رہتے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ دوسری دلیل یہ تھی کہ لوگ جن بتوں کی پُوجا کرتے ہیں ان میں کوئی طاقت و قدرت نہیں بے جان و بے حس مُورتیاں ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی تکلیف کو دفع کر سکتے ہیں تم نے خود ان کے بڑے بڑے نام رکھ لیے ہیں لیکن نام رکھنے سے ان میں قوت تو پیدا نہیں ہوگئی۔

يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجْنِ أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسْقِى رَبَّهُۥ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا ٱلْءَاخَرُ فَيُصْلَبُ
فَتَأْكُلُ ٱلطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِۦ ۚ قُضِىَ ٱلْأَمْرُ ٱلَّذِى فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ
لِلَّذِى ظَنَّ أَنَّهُۥ نَاجٍ مِّنْهُمَا ٱذْكُرْنِى عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَىٰهُ ٱلشَّيْطَٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِۦ
فَلَبِثَ فِى ٱلسِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾ ع ۵ ۱۵

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو (تمہاری خوابوں کی تعبیر یہ ہے) تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلانے کا کام کرے گا اور دُوسرے کو سُولی دی جائے گی پس چڑیاں اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گی۔ جس بات کو تم دونوں دریافت کرتے تھے (وہ یہ ہے) یہ معاملہ فیصل ہوچکا ہے (یہی ہوگا) ان دونوں میں سے جو نجات پانے والا تھا اس سے یوسف نے کہا کہ تم اپنے مالک (بادشاہ) سے میرا تذکرہ کرنا (کہ میں بے جرم قید کیا گیا ہوں) شیطان نے اُسے بادشاہ سے ذکر کرنا بُھلا دیا اور یوسف کئی برس قید خانہ میں رہے۔

حضرت یوسفؑ نے جو تعبیر بیان کی تھی تین روز بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ سرکاری سپاہی قید خانہ سے ان دونوں کو نکال کر لے گئے۔ چنانچہ ایک کو تو سُولی پر چڑھا دیا گیا اور دوسرے کو اس کی سابقہ خدمت سپرد کر دی گئی۔ وہ حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بادشاہ سے بھول گیا اور حضرت یوسفؑ بروایتے سات سال اور بروایتے نو سال قید خانہ میں پڑے رہے۔ اس مدت میں آپؑ نے بہت سے قیدیوں کو مسلمان بنا لیا۔

وَقَالَ ٱلْمَلِكُ إِنِّىٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ

سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ ۖ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَأُ أَفْتُونِى فِى رُءْيَٰىَ إِن كُنتُمْ
لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوٓا۟ أَضْغَٰثُ أَحْلَٰمٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ ٱلْأَحْلَٰمِ
بِعَٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ ٱلَّذِى نَجَا مِنْهُمَا وَٱدَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا۠ أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِۦ
فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا ٱلصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِى سَبْعِ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ
سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ لَّعَلِّىٓ أَرْجِعُ إِلَى
ٱلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾

(ایک روز) بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں ان کو سات پتلی دُبلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات تازی سبز بالیاں دیکھیں اور پھر سات سُوکھی بالیاں۔ اے میرے دربار کے سردارو اگر تم کو خواب کی تعبیر دینی آتی ہے تو میرے اس خواب کے بارہ میں حکم لگاؤ۔ انہوں نے کہا یہ تو کچھ خواب پریشان سا ہے اور ہم لوگ خوابِ پریشاں کی تعبیر نہیں جانتے (ان دو غلاموں میں سے جس نے قید خانہ سے رہائی پائی تھی اس کو ایک زمانہ کے بعد (یوسفؑ کا قصہ) یاد آیا۔ کہنے لگا کہ مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجئے تو میں تعبیر بتا دوں گا۔ (غرض وہ گیا اور یوسفؑ سے کہنے لگا) یوسف اے بڑے سچے (یوسفؑ) ہمیں یہ تو بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات دُبلی گائیں کھائے جاتی ہیں پھر سات بالیاں ہری ہیں اور سات سوکھی ہوئی۔ اس کی تعبیر کیا ہے تاکہ میں لوگوں کے پاس پلٹ کر جاؤں (اور بیان کروں) جس سے ان کو تمہاری قدر معلوم ہو جائے۔

جس بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا اس کا نام ریان تھا اور لقب فرعون کیونکہ مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا۔ اس کا پوتا ولید بن مصعب بن ریان تھا جو موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا۔

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِى سُنۢبُلِهِۦٓ إِلَّا

قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ
فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع ۱۶

حضرت یوسفؑ نے کہا (تعبیر یہ ہے) کہ تم لوگ متواتر سات برس کاشتکاری کرتے رہو گے بس جو فصل تم کاٹو اُس کے دانوں کو بالیوں میں لگے رہنے دینا (چھڑانا نہیں) مگر تھوڑے سے (بلحاظِ ضرورت) جو تم کھاؤ۔ اس کے بعد سات برس سخت خشک سالی کے آئیں گے کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان سات سالوں کے واسطے پہلے سے جمع کر رکھا ہو گا سب کھا جاؤ گے مگر قدرِ قلیل جو تم (بیج کے لیے) بچا رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لیے خوب مینہ برسے گا (اور انگور خوب پھلیں گے) اور لوگ انہیں شراب کے لیے نچوڑیں گے۔

دانوں کو بالیوں میں سے نہ چھڑانے کا یہ مطلب تھا کہ اگر بالیوں سے دانوں کو نکال لیا گیا تو لوگ سب کھا جائیں گے اور جب خشک سالی ختم ہو گی تو بیج کے لیے کچھ نہ رہے گا۔

بعض مفسرین نے فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جب مینہ خوب برسے گا تو پھل پھلاری خوب پیدا ہو گی اور تیل دینے والے دانوں سے خوب تیل نکالیں گے۔ انگوروں کے خوب پھلنے اور ان سے شراب بنانے کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا
خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ
سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْــٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ
نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۲﴾

(جب یہ تعبیر غلام نے بادشاہ سے جا کر بیان کی تو) اُس نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب شاہی چوبدار (قید خانہ میں) یوسفؑ کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا تم پلٹ کر اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ آپ کو کچھ اُن عورتوں کا حال بھی معلوم ہے جنہوں نے (مجھے دیکھ کر) اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے بے شک میرا رب ہی ان کے مکروں سے خوب واقف ہے (بادشاہ نے ان عورتوں کو طلب کیا) اور پوچھا کہ جس وقت تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی تو تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا۔ وہ سب کہنے لگیں حاشا للہ ہم نے یوسفؑ میں کسی طرح کی بُرائی نہیں دیکھی۔ تب عزیزِ مصر کی بی بی (زلیخا) نے کہا، اب تو ٹھیک ٹھیک معاملہ سب پر ظاہر ہو ہی گیا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) میں نے خود اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی بے شک وہ سچا ہے (یہ واقعہ چوبدار نے جا کر یوسفؑ سے بیان کیا) انہوں نے کہا میں نے یہ قصہ اس لیے چھیڑا تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز کی غیبت میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی مکاری کو ہرگز نہیں چلنے دیتا۔

حضرت یوسفؑ بادشاہ کے بُلانے پر اس لیے نہیں گئے کہ چاہتے تھے پہلے میری پوزیشن صاف ہو جائے تب باعزت طریقہ سے اس کے پاس جاؤں زلیخا کا واقعہ اس قدر شہرت پذیر ہو چکا تھا کہ ہر شخص جانتا تھا۔ بادشاہ بھی واقف تھا مگر حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ ان عورتوں کی زبان سے ہی بادشاہ کو میری پاکدامنی کا حال معلوم ہو جائے میں کہوں گا تو شاید اُسے یقین نہ آئے۔ بادشاہ کے دربار میں عورتوں کا بُلایا جانا اور ان کا یوسفؑ کی عصمت کی گواہی دینا اور خود زلیخا کا اقرار۔ جب یہ واقعہ مشہور ہوا ہو گا تو شہر میں حضرت یوسفؑ کا وقار کس قدر لوگوں کی نظر میں بلند ہو گیا ہو گا۔ حضرت یوسفؑ کو یہی چاہیے تھا کہ اگر کسی کو واقعات کی لاعلمی کی بنا پر کوئی ہلکی سی بدگمانی میری طرف پیدا ہو گئی ہو تو اس کا بالکلیہ ازالہ ہو جائے اور اس کا ازالہ اس طریقہ کے بغیر ممکن نہ تھا جو حضرت یوسفؑ نے اختیار کیا تھا۔ ان کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ عورتیں بڑی چالاک ہوتی ہیں جب ان کا مطلب مجھ سے حاصل نہ ہوا تو وہ میری دشمن بن گئی ہوں گی اور میری نسبت نہ معلوم کیا کیا کہہ کر مجھے بدنام کرتی ہوں گی۔ میں ان کے مقابل چاہے کتنی ہی صفائی پیش کروں گا لوگ اس کو کبھی نہ مانیں گے لیکن اگر وہ عورتیں خود ہی اپنی غلط کاری کا اقرار کر لیں گی تو پھر کسی کو لب ہلانے کا موقع نہ رہے گا۔ یہ حضرت یوسفؑ کے کمالِ تدبر کا ایک ناقابلِ انکار مظاہرہ تھا۔

فہرست موضوعات

الف

آدمؑ کا قصہ ۸۶
ابراہیمؑ کا طریقۂ استدلال ۴۸
ابراہیمؑ کا قصہ ۴۸
ابراہیمؑ کے لیے فرشتوں کی خوش خبری ۲۹۹
ابراہیمؑ کی مہمان نوازی ۲۹۹
ابراہیمؑ کی ولادت ۵۱
ابودردا کا قصہ ۱۹۷
ابولبابہ کی توبہ ۱۹۷
آپس میں جھگڑا مت کرو ۱۷۶
اجرِ رسالت اور حضرت ہودؑ ۲۹۴
احرام کی حالت میں شکار کا کفارہ ۱۱
احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ۱۱
ادائے شہادت کا طریقہ ۱۶
اس اُمت کی فہمائش ۱۱۷
اسحاقؑ کی پیدائش ۲۹۹
آسمان اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ۴۷
آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ۲۷۷
آسمان اور زمین کی خلقت ۱۰۱
اعراف کا ذکر ۹۹
اغلام کی مذمت ۱۱۱
انجامِ قیامت ۱۰۰
امام آخر الزمانؑ کی نسبت پیشین گوئی ۳۰۵
انسان کا مجبوری میں گڑگڑانا اور فارغ البالی میں اکڑنا ۲۴۹
انسان کی حالت ۲۷۹ و ۲۴۵
انسان کی فطرت ۱۵۱
انفال کا فیصلہ ۱۵۶
انفال کا قصہ ۱۵۹
اوس۔ ثعلبہ وغیرہ کا قصہ ۲۲۷
اولیاء خدا کون ہیں ۲۶۱، ۱۵۶
اہلِ خاندان سے مراد صالحین ہیں ۲۹۲

ب

بُت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ۲۴۷
بلعم باعور کا قصہ ۱۴۶
بدر کا واقعہ ۱۵۹
بدترین خلائق کون ہے ۱۰۹
بنی آدم کو موعظہ ۹۲
بنی اسرائیل کی حماقت ۱۲۸
بنی اسرائیل کی شرارت ۱۲۵
بنی اسرائیل کے لیے چشمہ سے پانی نکلنا ۱۴۰
بنی اسرائیل کے مصر میں جانے کی وجہ ۳۲۱
بیہودہ بحث سے کنارہ کرو ۴۴

پ

پانچ وقت کی نماز کا وجوب ۳۱۱
پتھروں کی بارش کا عذاب ۳۰۳
پہلے سب لوگ یکساں تھے ۲۴۷

ت

تبوک کی جنگ کی تیاری کا حکم ۲۰۳
تبوک کی جنگ ۲۰۷
تبوک کی جنگ میں بعض مومنین کا حال ۲۲۱
تمیم داری صحابی کے وارثوں کا مقدمہ ۱۶
توبہ کے فوائد ۲۹۴
توریت ملنے میں تیس رات سے چالیس رات ہو جانا ۱۲۹
تہتر فرقوں میں ناجی کون ہے ۱۴۸

ث

ثعلبہ اور اوس وغیرہ کا قصہ ۲۲۷
ثعلبہ بن حاطب کا قصہ ۲۱۶
ثمودؑ کی قوم ۳۰۷، ۲۹۶

ج

جادوگروں کا کیا اچھا انجام ہوا ۱۲۳
جعفرؓ طیار کی ہجرت کا قصہ ۵
جنّت کی تعریف ۲۴۵
جنّت والوں کی شکر گزاری ۹۸
جنگِ بدر ۱۵۹، ۱۵۷
جنگِ تبوک کی تیاری کا حکم ۲۰۳
جنگِ تبوک ۲۰۷
جنگِ تبوک میں بعض مومنین کا حال ۲۲۱
جنگِ حنین کا قصہ ۱۹۷
جنگ سے نہ بھاگو ۱۷۵
جو عہد کا پابند نہ ہو تم بھی پابندی نہ کرو ۱۷۹
جہاد میں تخفیف کا حکم ۱۸۱

ح

حرام چارپائے ۷۵
حرمت کے چار مہینے ۲۰۲
حسنہ سے کیا مراد ہے ۸۲
حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کا واقعہ ۴۶
حق کی طرف جو ہدایت کرتا ہو وہ پیروی کا زیادہ حق دار ہے ۲۵۴
حنین کی جنگ کا قصہ ۱۹۷

خ

خانہ کعبہ کی آبادی مشرکوں کا کام نہیں ۱۹۴
خدا اور حضرت موسےٰؑ کا سوال و جواب ۲۲
خدا کا تکلم ۱۳۱
خدا کسی نعمت کو بلا وجہ نہیں چھینتا ۱۷۸
خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ۲۵۶
خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ۹۷
خدا کو دیکھنے کا سوال ۱۲۹
خدا کو دیکھنا محال ہے ۱۲۹ ۵۹
خدا کے حکم میں تغیر کا کسی کو حق نہیں ہے ۳۷
خدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہے ۲۱۴
خدا کے سوا کوئی سرپرست نہیں ۳۱۲
خدا کے کوئی اولاد نہیں ۲۹۲

خدا ہر چیز کا عالم ہے ۴۱
خلقتِ آسمان و زمین ۱۰۱
خمس کا حکم ۱۷۳
خوارج کے بارے میں پیشین گوئی ۲۱۰
خوان اُترنے کا قصہ ۲۰

د

دریائی سفر میں خدا کی حفاظت ۲۴۸
دُعا کا حکم ۱۰۳
دُنیا عبرت کی جگہ ہے ۲۵۰
دُنیا کا قیام گویا گھڑی بھر کا ہے ۲۵۶
دُنیا کے تمام خزانے بھی گناہوں کا فدیہ نہیں ہو سکتے ۲۵۸
دینی اُمور میں امیر غریب سب برابر ہیں ۳۸

ڈ

ڈوبتے وقت فرعون کا ایمان لانے کی خواہش ظاہر کرنا ۲۶۹

ذ

ذرّہ ذرّہ کی خدا کو خبر ہے ۲۶۰

ر

رسولؐ اور اہلبیتؑ کی وجہ سے عذاب نہیں آتا ۱۹۹
رسولؐ کا تالی اور گواہ کون ہے ۲۸۱
رسولؐ کا فعل اللہ کا فعل ہے ۱۹۳
رسولؐ کو تسلی ۲۶۱
رسولؐ کو علیؑ کی خلافت کا حکم ۲۷۹
رسولؐ کو فہمائش ۳۳
رسولؐ کی کفار کے ایمان لانے کی تمنا ۳۴
رسولؐ کی مدح و ثنا ۲۴۰، ۱۳۸
رسولؐ کے قرابت داروں کی خاطرداری ۱۷۴
رسولؐ کے قتل کی تدبیر اور ہجرت ۱۶۶

ز

زلیخا ۳۲۴، ۳۲۲
زلیخا کا یوسفؑ پر فریفتہ ہونا ۳۲۲
زکوٰۃ ادا کیے بغیر مال خرچ کرنے کی ممانعت ۲۰۱
زندگانیِ دُنیا کی مثال ۲۵۰

س

سابقین اوّلین ۲۲۶
سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں ۲۰۲
سامؑ حضرت نوحؑ کے جانشین ہوئے ۲۹۱
سامری کا بچھڑا ۱۳۳
سورج اور چاند کے برج و منازل ۲۴۳
سورج قوّت کا سرچشمہ ہے حیات دنیوی کا دار و مدار اسی پر ہے ۲۴۳

ش

شراب جوئے کی ممانعت ۸
شعیبؑ کا قصہ ۳۰۸، ۳۰۵، ۱۱۳
شیطان کے پیدا کرنے کی مصلحت ۹۸
شیطان نے قیاس کرنے میں غلطی کی ۸۹

ص

صالحؑ کا قصہ ۱۰۹
صالحؑ کا ناقہ ۲۹۹
صالحؑ کے ناقہ کا قاتل ۲۹۸
صادقین کون ہیں ۲۳۵
صحرائی عرب بڑے سخت کافر ہیں ۲۲۵
صحرائی عربوں میں بعض ایماندار ہیں ۲۲۶

صُلح کے لیے اگر کفار آمادہ ہوں تو تم بھی تیار ہو جاؤ ۱۸۰

ط

طوفانِ نوحؑ ۲۹۱

ظ

ظالموں پر خدا کی لعنت ۲۸۴
ظالم کی اعانت ظلم ہے ۳۱۲

ع

عباسؓ کا اسلام ۱۸۳
عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ ۵۵
عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ ۲۱۹
عذاب۔ پتھروں کی بارش کا ۳۰۳
عذاب۔ قومِ نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح پر ۳۰۶
علمِ دین سیکھنے کا حکم ۲۳۹
عہد کا پابند اگر کوئی نہ ہو تو تم بھی پابندی نہ کرو ۱۷۹
علیؑ دفعِ شر کے لیے کافی ہیں ۱۸۰
علیؑ رسولؐ کی رسالت کے سب سے پہلے گواہ ۲۸۴
علیؑ۔ عباسؓ اور طلحہؓ کے مناظرہ کا فیصلہ ۱۹۴
علیؑ کی فضیلت ۱۸۸
علیؑ کی مدد کی شہادت ۱۸۰
علیؑ کی نیابت ۲۰۶
عورتوں کا چلتّر ۳۲۴
عیسےٰؑ پر خدا کے احسانات ۱۷

غ

غارِ ثور کی حالت ۲۰۳
غرور بُری چیز ہے ۱۹۷

ف

فدیہ لے کر چھوڑ دینا خدا کو پسند نہیں ۱۸۲
فرعون کا جادوگروں کو بُلانا ۲۶۶
فرعون کا لشکر اور اس کا ڈوبنا ۲۶۹
فرعون والوں پر طرح طرح کے عذاب ۱۲۷
فضائلِ چہارگانہ ۳۱۳
فضول خرچی کی ممانعت ۹۴، ۷۳
فہمائش۔ رسولؐ کو ۳۳

ق

قرابت داروں کی وراثت ۱۸۵
قُربِ قیامت کا حال ۸۱
قرآن اللہ کے فضل سے ملا ہے مومنین کو خوش ہونا چاہیئے ۲۵۹
قرآن خدا کے سوا کسی کا کلام نہیں ۲۵۴
قرآن کا مقابلہ اور ناکامی ۱۶۹
قرآن کی حقیقت کی دلیل ۲۸۳، ۲۸۱
قرآن قلبی امراض کی شفا ہے ۲۵۹
قسم کا کفارہ ۱۱
قصۂ آدمؑ کے اخلاقی نتائج ۹۰
قصۂ شعیبؑ کے اخلاقی نتیجے ۱۱۶
قصۂ نوحؑ کے اخلاقی نتیجے ۱۰۵
قومِ ثمود ۳۰۸، ۲۹۶
قومِ شعیب کو ہدایت ۳۰۷
قومِ صالح کا قصہ ۲۹۶
قومِ عاد ۲۹۳
قومِ فرعون کا کبر و غرور ۲۶۵
قوم کی بیٹیاں حضرت لوطؑ کی بیٹیاں ہیں ۲۰۲

قومِ شعیبؑ کو ہدایت ۳۰۷
قومِ نوحؑ۔ قومِ ہودؑ اور قومِ صالحؑ پر عذاب ۳۰۶
قومِ نوح کا نوحؑ سے جھگڑا اور عذاب لے آنے کو کہنا ۲۴۲
قیامت کا حال خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم ۱۵۰
قیامت کے حالات ۳۱۰
قیامت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے ۳۱۲
قیامت میں کفار کی حسرت ۴۲
قیامت میں کفار کی حالت ۳۲
قیامت میں گنہ گاروں کے منہ میں کالک لگی ہوگی ۲۵۱
قیامت میں مشرکین کے معبود غائب ہو جائیں گے ۲۵۱
قیدیوں کا خواب ۳۲۸

ک

کشتیِ نوحؑ کی مثال ۲۸۹
کعب بن مالک کی توبہ ۲۳۵
کفار کو نعمت دے کر ڈھیل دی جاتی ہے ۳۶
کفار کی آسیب زدہ تشبیہ ۴۶
کفار کی آخیر حالت ۹۷
کفار کی مذمت ۲۴۰
کفار کی انوکھی خواہش اور جواب ۲۴۶
کفر کے سرداروں سے خوب لڑو ۱۹۲
کنعان حضرت نوحؑ کا صلبی بیٹا تھا ۲۹۱
کُن فیکون ۴۷
کوئی شخص اپنے نفع نقصان پر قادر نہیں ۲۵۷

گ

گمان کی پیروی نہ کرو ۲۵۳

ل

لفظ اہلبیت کی تفسیر ۳۰۱
لواطت ۳۰۲
لوطؑ کا قصہ ۱۱۱

م

مچھلی کا قصہ ۱۴۲
مچھلی والے بندر بن گئے ۱۴۳
مُردہ جانور نہ کھاؤ ۶۵
مرضی اور مشیئت میں فرق ۷۶
مسجدِ ضرار کا قصہ ۲۲۹
مسجدِ قبا کی [illegible] ۲۳۰
مسجد کی حرمت ۲۶۸
مسیحؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں ۱۹۹
مشرکوں اور یہودیوں کی شرارت ۲۶۰
مشرکوں کے قتل کا حکم ۱۷۱
مشرکوں کے سامنے ان کے معبودوں کو بُرا مت کہو ۶۰
مشرکین پناہ مانگیں تو پناہ دو ۱۹۰
مشرکین سے معاوضہ ۲۵۴
مشرکینِ عرب کی حرکتیں ۷۰
مشرکینِ عرب کی حالت ۱۵۲
مشرکین کے شک کا جواب ۲۷۰
مشرکین نجس العین ہیں ۱۹۸
ملک الموت کیوں کر روح قبض کرتے ہیں ۴۲
منافقوں کے عقل کی خامی ۱۷۷
منافقین کا ذکر ۲۱۱، ۲۱۵
منافقین کے حالات ۲۱۲
منافقین کی خوشامد ۲۲۳

منافقین کے لیے استغفار کی ممانعت ۲۱۷
موت کا وقت ٹلتا نہیں ۲۵۷
موت کا وقت معین ہے جب موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی کی تاخیر ہوگی نہ تقدیم ۹۴
مومنین آپس میں دینی بھائی ہیں ۱۹۲
مومنین باہم دوست ہیں ۲۱۴
مومنین کی جانیں خدا نے خرید لی ہیں ۲۲۱
مومن و کافر کی تشبیہ ۲۸۴، ۲۸۵
موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ ۱۲۲، ۲۶۷
موسیٰؑ کا قصہ ۱۱۸، ۲۶۵، ۳۰۸
موسیٰؑ کی دُعا ۲۶۸
مہاجرین اور انصار کی مدح ۱۸۵
مہدی آخر الزماںؑ کی نسبت پیشین گوئی ۲۰۰، ۳۰۵
میزان سے کیا مُراد ہے ۸۵

ن

ناپ تول پوری کرو ۷۸
ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتے ۱۲
نبی اپنی خواہش سے معجزہ نہیں دکھاتا مگر جب حکمِ خدا ہو ۲۸۸
نسل بڑھانے کی ہدایت ۲۷۸
نماز پنج وقتہ واجب ہے ۳۱۲
نماز جماعت کا حکم ۱۵۵
ناقۂ صالحؑ ۲۹۶
ناقۂ صالحؑ کا قاتل ۲۹۸
نوحؑ پر چند لوگ ایمان لائے ۲۸۶
نوحؑ کا قصہ ۱۰۵، ۲۶۴، ۲۸۹
نوحؑ کے جانشین حضرت سامؑ ہوئے ۲۹۱
نوحؑ کی قوم کا حضرت نوحؑ سے جھگڑا اور عذاب کا مطالبہ ۲۸۷
نوحؑ کی کشتی ۲۸۸
نوحؑ کی کشتی کی مثال ۲۸۹
نوحؑ کے ساتھ کشتی میں ۷۷ لوگ سوار تھے ۲۸۹

و

واقعۂ اَلَست ۱۴۵

ہ

ہارونؑ کی خلافت ۱۲۹
ہر بات کی دلیل ضروری ہے ۲۶۲
ہر جاندار کا رازق خدا ہے ۲۷۷
ہودؑ کا قصہ ۱۰۷، ۲۹۳

ی

یتیم کا مال نہ کھاؤ ۷۸
یوسفؑ پر زلیخا کا فریفتہ ہونا ۳۲۲
یوسفؑ سے دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر دریافت کرنا ۳۲۸
یوسفؑ سے بادشاہِ مصر کے خواب کی تعبیر دریافت کرنا ۳۳۱
یوسفؑ کا بکنا ۳۲۱
یوسفؑ کا خواب ۳۱۵
یوسفؑ کا قید ہونا ۳۲۷
یوسفؑ کا قیدیوں کے خواب کی تعبیر بتانا ۳۳۰
یوسفؑ کا کنوئیں میں گرانا ۳۱۹
یوسفؑ کا کنوئیں سے نکالا جانا ۳۲۰
یوسفؑ کی عصمت پر شیرخوار بچے کی گواہی ۳۲۲، ۳۲۵

یوسفؑ کی پاکدامنی ۳۲۳
یوسفؑ کی قمیص ۳۲۳
یوسفؑ کی ہدایت ۳۲۸
یوسفؑ کے بھائیوں کا مشورہ ۳۱۸
یوسفؑ کے بھائیوں کا روتے ہوئے باپ کے پاس آنا ۳۱۹
یوسفؑ کے بھائیوں کی شقاوت ۳۲۰
یوسفؑ کے حسن پر عورتوں کا ہاتھ کاٹنا ۳۲۶
یوسفؑ کے خواب کی تعبیر ۳۱۷، ۳۱۵
یونسؑ کا قصہ ۲۷۱
یہودیوں کی چالاکی ۲۵۵
یہودیوں کے بیہودہ اعتراضات کا جواب ۲۶

this electronic copy is made for use of my children and relatives to understand holy quran
syed nazar abbas 29-5-2004

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ — من نیز حاضر می شوم تفسیرِ قرآں در بغل

تفسیر القرآن

پارہ وَمَآ اُبَرِّئُ (۱۳) تا قَدْ اَفْلَحَ (۱۸)

مفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنّفِ دو صد سیزدہ کتب
و
بانیٔ جامعۂ امامیہ

جلد سوم

شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲ ● کراچی ۱۸

۷۸۶

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ ۱۳ تا پارہ ۱۸ کی تصحیح کی۔ اب اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالرؤف

حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

۲۳ جون ۱۹۷۹ء

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ

تفسیر القرآن

جلد سوم

مفسر

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

ناشر : شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸

مطبع : الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت : محمود ابن الیاس رقم

بار اول — ہدیہ : ۵۵ء۰۰ — ۱۹۸۱

فہرست

نام پارہ		صفحہ	نام سورہ		صفحہ
وَمَآ اُبَرِّئُ	(۱۳)	۵	یُوْسُفْ	(۱۲)	۵
رُبَمَا	(۱۴)	۶۹	اَلرَّعْد	(۱۳)	۲۷
سُبْحٰنَ الَّذِیْ	(۱۵)	۱۳۷	اِبْرٰهِیْم	(۱۴)	۴۹
قَالَ اَلَمْ	(۱۶)	۲۰۷	اَلْحِجْر	(۱۵)	۶۸
اِقْتَرَبَ	(۱۷)	۲۷۳	اَلنَّحْل	(۱۶)	۸۷
قَدْ اَفْلَحَ	(۱۸)	۳۳۵	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل	(۱۷)	۱۳۷
			اَلْکَهْف	(۱۸)	۱۸۰
			مَرْیَم	(۱۹)	۲۱۹
			طٰهٰ	(۲۰)	۲۴۲
			اَلْاَنْبِیَآء	(۲۱)	۲۷۳
			اَلْحَجّ	(۲۲)	۳۰۴
			اَلْمُؤْمِنُوْن	(۲۳)	۳۳۵
			اَلنُّوْر	(۲۴)	۳۶۰
			اَلْفُرْقَان	(۲۵)	۳۹۴

معاونین

الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن صاحب نقوی، بی۔ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس
سیّد شمیم الحسن صاحب نقوی ایم۔اے، ایل ایل بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ بنک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن
سیّد نسیم الحسن صاحب نقوی بی۔ایس سی انجینئر، سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس، کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج، کراچی
سیّد کاظم حسین صاحب نقوی، سٹیٹ بنک آف پاکستان، کراچی
پروفیسر مولانا سیّد عنایت حسین صاحب جلالوی بانی مجلس علی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم اے، ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سیّد شبیہ الحسن صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی
سیّد عرفان حسن صاحب زیدی ایم۔اے، بی۔ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیّدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت۔ پی ایچ ڈی، اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سیّد خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر
سیّد عالیجاہ حسین صاحب ایم۔ایس سی، اے۔ایس۔سی۔پی (امریکہ)
سیّد محمد بوعلی صاحب نقوی امروہوی، جامعہ امامیہ، کراچی
سیّد قسیم الحسن صاحب بی۔ایس سی، بی۔ای۔ایم ایس، پرنسپل گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج، کراچی
سیّد شفیق العباس صاحب ایم۔اے
سیّد سلیمان جاہ صاحب بی فارمیسی
سیّد علی امجاد صاحب نقوی بی۔اے، ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر پاکستان ریونیو
سیّد محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
پروفیسر سیّد غلام عباس صاحب ایم۔اے انگلش، ایم۔ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سیّد شہنشاہ حسین صاحب، ایم۔بی۔بی ایس
سیّد سبطین محمد نقوی بی۔اے یونائیٹڈ بنک
سیّد جعفر نسیم صاحب، ایم۔ایس سی
مس نسرین عرفان، بی۔ایس سی، ایم۔اے، ایم ایڈ
خلیفہ سیّد حسن مہدی صاحب آف لاہور
فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای
سیّد مہدی حسن صاحب عابدی
سیّد آصف جاہ صاحب، ایم۔ایس سی

○

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ
رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ ۚ
فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَكِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی
خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی
الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا
نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَكَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع

(حضرت یوسف نے کہا) یُوں تو میں بھی اپنے نفس کو گناہ سے بے لوث نہیں کہتا (کیونکہ میں بھی بشر ہوں) بے شک نفس بُرائی کی طرف اُبھارتا ہی رہتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب غفور رحیم ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس کو اپنے ذاتی کام کے لیے خاص کر لوں گا۔ جب بات چیت کی (اور حضرت یوسفؑ کی اعلیٰ قابلیّت ثابت ہوئی) تو اُس نے کہا تم آج سے ہماری سرکار میں باوقار امانت دار قرار پائے۔ حضرت یُوسف نے کہا (اگر آپ نے میری قدر دانی کی ہے) تو مجھے زمین کے خزانوں کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیجئے۔ تاکہ میں ان کا امانت دار خزانچی بنوں، میں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں۔ (غرض حضرت یوسفؑ شاہی خزانوں کے افسر مقرر ہوئے) اور یُوں ہم نے انہیں ملکِ مصر پہ قابض کیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت عطا کرتے ہیں اور ہم نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان والے اور پرہیزگار ہیں آخرت کا اجر اُن کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے۔

جب حضرت یوسفؑ کو خزانوں کی افسری ملی تو ان کا سن اس وقت ۳۳ سال کا تھا۔ سات سال کام کرنے کے بعد جب بادشاہ کو ان کی بہترین کارکردگی کا یقین ہوگیا تو اس نے اپنا جانشین بنا کر سلطنت کا تمام کاروبار ان کے

سُپرد کر دیا۔ اور خود اُمورِ سلطنت سے دست بردار ہو گیا۔ پہلے نبی تھے اب بادشاہ بھی ہو گئے۔ اَسّی سال بادشاہت کرنے کے بعد آپؑ کا انتقال ہوا۔

ارزانی کے زمانہ میں آپؑ نے جو غلّہ جمع کرایا تھا قحط کے سال آنے پر آپؑ نے اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ پہلے سال روپیہ کے عوض، دُوسرے سال زیورات و جواہرات کے عوض، تیسرے سال چوپاؤں اور جانوروں کے بدلے، چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلے، پانچویں سال گھروں۔ درختوں اور اَثاثُ البیت کے عوض، چھٹے سال کھیتوں اور نہروں کے عوض غلّہ دیتے رہے۔ جب لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہا تو ساتویں سال لوگوں کی جانیں مُول لے کر غلّہ دیا۔ غرض پُورے مُلک میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جو حضرت یوسفؑ کا غلام نہ بن گیا ہو۔ یوں خدا نے حضرت یوسفؑ سے غلامی کا دھبّہ مٹایا۔ یہ غلّہ کی فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ کسی کو ضرورت سے زیادہ نہ دیا جاتا تھا تاکہ لوگ ذخیرہ اندوزی یا تجارت نہ کر سکیں۔

لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خزانوں کی افسری' دولت کے لالچ میں کی تھی۔ جو واقعات گزر چکے تھے ان سے آپ کی راست بازی۔ دیانت داری اور کردار کی بلندی تمام اہلِ مصر پر اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی۔ آپنے کسی ذاتی فائدہ کی غرض سے اس عُہدہ کی خواہش ظاہر نہ کی بلکہ آپؑ کا منصُوبہ یہ تھا کہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی رُو سے جو قحط سالی کا زمانہ آئے اس میں مُلک کی ایک فرد بھی فاقہ کشی کی زحمت نہ اُٹھائے۔ اور جو دولتمند ہیں ان کو ذخیرہ اندوزی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ ملے۔ امیر و غریب سب کو حسبِ ضرورت غلّہ ملتا رہے۔ جو لوگ محتاج تھے اور جن کے پاس غلّہ خریدنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی اُن کو آپؑ مفت غلّہ دیتے رہے۔ رعایا کے لیے یہ ایک ایسا بہترین نظام تھا کہ جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اگر حضرت یوسفؑ اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ملکی حکمران اور سرمایہ دار طبقہ مزے اُڑاتا اور نادار مخلوق فاقہ سے مر جاتی۔

قحط سالی کا زمانہ گزر جانے کے بعد آپؑ نے غلّہ کے عوض پبلک سے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ اس طریقہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز جس کی ملکیت تھی وُہ اُسے واپس مِل گئی اور کسی کو حکومت کی ظلم پسندی اور سخت گیری کی شکایت کا موقع نہ ملا۔ دُنیا کے نظامِ جہانبانی میں ایسی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی۔ یوسف علیہ السّلام صرف بادشاہ ہی نہ تھے بلکہ نبی بھی تھے۔ لہٰذا جو کچھ عملِ خیر ہوا نبوّت کے سایہ میں ہوا اور اس علم کے تحت ہوا جو خدا کی طرف سے حضرت یوسفؑ کو عطا ہُوا تھا۔

قحط سالی کے زمانہ میں حضرت یوسفؑ کے غلّہ فروخت کرنے کا چرچا نہ صرف مصر کے ہر گھر میں تھا بلکہ اطرافِ مصر میں بھی بنظرِ تحسین و آفرین دیکھا جا رہا تھا۔ چنانچہ یہ آوازہ کنعان میں بھی پہنچا۔ اگرچہ کنعان کا علاقہ مصری حکومت سے باہر تھا لیکن یہ پتہ چلنے پر کہ صلائے عام ہے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو اس فیضِ عام سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور ایک قافلہ کے ساتھ وہ بھی غلّہ لینے مصر میں داخل ہوئے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے نفس میں غلطی کی طرف جھکنے کی قوّت تو ہے لیکن وُہ اپنے

نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں۔ ترکِ اولیٰ کا صدور بھی بتاتا ہے کہ جھکنے کی رغبت موجود ہے مگر اس سے آگے بڑھنے سے خدا ان کو بچا لیتا ہے۔ وُہ خود بھی بہت جلد اپنی کمزوری سے آگاہ ہو کر اپنے نفس کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾
وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا
تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ
بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ
وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور یوسف کے بھائی (مصر میں) آئے اور یوسف کے پاس گئے انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے اور جب (غلّہ دے کر) یوسف نے ان کا سامان (لے جانے کے لیے) درست کر دیا تو ان سے کہا تم اپنے سوتیلے بھائی کو (جسے گھر چھوڑ آئے ہو) اپنے ساتھ (اگلی بار) میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پُوری دیتا ہوں اور بہترین مہمان نواز بھی ہوں۔ (یاد رکھو) اگر تم میرے پاس اُسے نہ لائے تو پھر میں تمہیں غلّہ بھی نہ دوں گا اور نہ اپنے پاس آنے دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم اپنے والد سے جلد ہی اس کے لیے درخواست کریں گے اور یہ کام ضرور کریں گے اور یوسف نے اپنے چوبداروں کو حکم دیا کہ ان کی پُونجی (غلّہ کی قیمت) ان کے بوروں میں چپکے سے رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائیں تو اُسے پہچان لیں اور اس طمع میں وہ پھر پلٹ کر آئیں۔

حضرت یوسفؑ نے تو فوراً اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور وہ نہ پہچان سکے۔ اس کی تفسیر میں مفسّرین نے دو وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ خصائصِ انبیاءؑ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا۔ دوسرے یوسفؑ کے بھائیوں کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یوسفؑ بادشاہِ مصر ہو گئے

ہیں۔ یوسفؑ کو شاہانہ شان و شوکت میں دیکھ کر وہ کیسے پہچان سکتے تھے۔

حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی بن یامین تھے۔ جب چلتے وقت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں ساتھ لے جانا چاہا تھا تو حضرت یعقوبؑ نے انہیں روک لیا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں یوسفؑ کی طرح اس سے بھی نہ ہاتھ دھو بیٹھیں جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے اور غلّہ کی خواہش کی تو انہوں نے پوچھا تم سب کے بھائی ہو تاکہ اُسی تعداد کے لحاظ سے غلّہ دیا جائے۔ انہوں نے کہا ہم سب گیارہ بھائی ہیں۔ ہمارا ایک بھائی کنعان میں رہ گیا ہے حضرت یوسفؑ چونکہ اپنے بھائی سے ملنا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے یہ صورت پیدا کی کہ ان سے کہا میں تمہاری صداقت جانچنا چاہتا ہوں کہ گیارہ ہو یا دس۔ لہٰذا غلّہ تو میں اس وقت تم کو دیئے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ جب پھر غلّہ لینے آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا ورنہ تمہارا جھوٹ ثابت ہونے کے بعد میں تم کو نہ تو غلّہ دوں گا اور نہ اپنے سامنے آنے کی اجازت

غلّہ کی قیمت ان کے سامان میں اس لیے رکھوا دی کہ جانتے تھے ان کے باپ غریب ہیں نہ معلوم یہ قیمت انہوں نے کس طرح بھیجی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ غلّہ مفت مل جانے کی لالچ میں دوبارہ چلے آئیں گے۔

ظاہر بظاہر یہ رقم اس سبب سے واپس نہ دی گئی کہ ان کو یہ خیال نہ ہو کہ بادشاہ نے ہمیں محتاج سمجھ کر غلّہ بطور خیرات دیا ہے اور اس میں بحیثیت ایک نبی کی اولاد ہونے کے اپنی توہین سمجھیں۔

فَلَمَّا رَجَعُوٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا
نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ
عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾
وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا
مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا
وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

جب سب بھائی پلٹ کر اپنے باپ کے پاس آئے تو کہنے لگے ابّا جان آئندہ ہمیں غلّہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بن یامین کو بھیجئے تاکہ غلّہ لائیں اور ہم اس کی پوری طرح حفاظت

کریں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا۔ کیا اس کے بارہ میں تم پر ویسا ہی اعتبار کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارہ میں کیا تھا۔ خیر خدا اُس کی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انہوں نے اپنے اپنے اسباب کھولے تو دیکھا کہ ان کی پونجی (غلّہ کی قیمت) انہیں واپس کر دی گئی ہے۔ کہنے لگے ابّا جان ہمیں اور کیا چاہیئے ہماری قیمت تک تو ہمیں واپس دے دی ہے (غلّہ مفت ملا۔ بن یامین کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے کہ) ہم اہل و عیال کے لیے غلّہ لادلائیں، ہم اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور ایک بارِ شتر غلّہ (بن یامین کے حصّہ کا) اور بڑھوا لائیں گے (جو اب لائے ہیں) یہ تو تھوڑا سا غلّہ ہے۔

حضرت یوسفؑ نے غلّہ نہ دینے کی جو دھمکی دی تھی وہ اس وجہ سے کہ بن یامین کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ جب انہوں نے بن یامین کے لے جانے کو اپنے باپ سے کہا تو وہ حضرت یوسفؑ کے واقعہ کو یاد کر کے ان کے ساتھ بن یامین کو بھیجنے پر تیار نہ ہوئے۔ اور فرمایا مجھے خوف ہے کہ تم اس بھائی کے ساتھ بھی وہی عمل نہ کرو جو یوسفؑ کے ساتھ کر چکے ہو۔ جب غلّہ کی بوریاں کھولی گئیں تو ہر ایک کی بوری میں سے اس کے غلّہ کی قیمت برآمد ہوئی۔ خوش ہو کر کہنے لگے لیجئے اور کیا چاہیئے، بادشاہ نے ازراہِ کرم ہماری قیمت بھی ہمیں واپس کر دی ہے۔ جو غلّہ ہم لے آئے ہیں وہ کم ہے۔ آپ ہمارے بھائی کو اگر ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ایک بوری غلّہ اور زیادہ مل جائے گا۔

حضرت یعقوبؑ نے کہا یہ قیمت کیوں واپس آئی؟ معلوم ہوتا ہے تم نے فریب سے کام لیا ہے انہوں نے کہا جی نہیں ہم نے کوئی حیلہ نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے ازراہِ شفقت یہ قیمت واپس کر دی۔ فرمایا اچھا اب کی بار جانا تو یہ قیمت بادشاہ کو واپس کر دینا۔ ہم یہ الزام اپنے اوپر لینا نہیں چاہتے۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾
وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ
وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ
وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ

اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِىْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِىْ نَفْسِ
يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

حضرت یعقوب نے کہا جب تک تم میرے سامنے خدا سے یہ عہد نہ کروگے کہ اُسے (صحیح سالم) لے آؤگے میں اُسے تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا ہاں (یہ دوسری بات ہے کہ) تم کہیں گھر جاؤ۔ جب انہوں نے عہد کر لیا تو یعقوب نے کہا ہم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا ضامن ہے۔ پھر فرمایا اے فرزندو (میری نصیحت سنو) سب کے سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا متفرق دروازوں سے (داخل ہونا) میں تم سے (اس بلا کو جو) خدا کی طرف سے آئے ہرگز نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو دراصل خدا ہی کا ہے میں نے اُس پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جب یہ سب بھائی اسی طرح مصر میں داخل ہوئے جیسے اُن کے باپ نے کہا تھا وہ تو جو حکم خدا کی طرف سے آنے کو تھا یعقوب اُسے ذرا بھی نہیں ٹال سکتے تھے مگر ہاں یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انہوں نے یوں پُورا کر لیا کیونکہ بے شک ہم نے اُسے جو تعلیم دی تھی (تو اس کی وجہ سے) وہ صاحب علم ضرور تھا مگر بہتیرے لوگ اس سے واقف نہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا یہ اندیشہ بجا تھا کہ کہیں بن یامین بھی ان کی غفلت کا اسی طرح شکار نہ ہوجائے جیسے یوسفؑ ہوگئے تھے اسی بنا پر اُن سے عہد لینا ضروری تھا۔ حضرت کا اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کرنا کہ ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا دو وجہ سے تھا۔ اوّل یہ کہ خوبصورت کڑیل جوان تھے کسی کی نظر نہ لگ جائے دوسرے سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کنعان پر مصر کی حکومت نہ تھی بلکہ وہ ایک سرحدی اور قبائلی علاقہ تھا۔ حکومت مصر وہاں کے باشندوں پر کڑی نگرانی رکھتی تھی اور جاسوسی کے شبہ میں بعض افراد کو گرفتار بھی کر لیتی تھی۔ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ (تم گھیر لیے جاؤ) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اُن کے گرفتار ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ جو مصیبت آنے والی تھی یعقوبؑ اسے ہٹا تو نہ سکتے تھے مگر جو بات دل میں تھی اُسے بیان کر دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ جو حکم اللہ کا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ
السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ
لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ
صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا
تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یُوسف نے اپنے حقیقی بھائی (بن یامین) کو اپنے پہلو میں جگہ دی اور (چپکے سے) کہہ دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں تو یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکیاں) تیرے ساتھ کر چکے ہیں ان کا کچھ رنج نہ کر۔ جب ان کا سامانِ سفر (غلّہ وغیرہ) درست کرا دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا کٹورا (یوسف کے اشارہ سے) رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے للکار کے کہا، اے قافلہ والو (ٹھہرو) یقیناً تم لوگ چور ہو۔ وُہ لوگ پکارنے والے کی طرف مُڑے اور پوچھنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا ہے اور میں اس کا ضامن ہوں کہ جو شخص اسے لا کر حاضر کرے گا اس کو ایک بارِ شتر غلّہ ملے گا۔ وہ کہنے لگے تم کیا کہتے ہو تمہیں معلوم ہے کہ ہم تمہارے ملک میں فساد کرنے کی غرض سے نہیں آئے تھے اور ہم لوگ چور تو ہیں نہیں۔

ان آیات کے متعلق چند سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو کھلم کھلا کیوں نہ روک لیا؟ جواب یہ ہے کہ اوّل تو علاقہ غیر کے کسی آدمی کو بے جرم وقصور روکنے کا حضرت یوسفؑ کو کوئی حق نہ تھا۔ اس میں بدنامی کی صورت تھی۔

۲۔ جب برادرانِ یوسفؑ چور نہ تھے تو ان کو چور کیوں کہا گیا۔ اور نبی کے لیے یہ کہاں تک زیبا تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خود پکار کر انہیں چور نہیں کہا تھا بلکہ نوکروں نے کہا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ تم کٹورے کے چور ہو بلکہ یہ کہا گیا تھا کہ تم چور ہو چونکہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کو باپ سے چرایا تھا اس معنی میں وہ چور تو تھے۔ یوسفؑ کے نوکروں نے یہ کہا تھا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے۔ یہ

نہیں کہا تھا کہ تم پیالہ کے چور ہو۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ
رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ
قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا
لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ
دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ
فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ
يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ

تب وہ نوکر بولے اگر تم جھوٹے نکلے تو پھر چور کی کیا سزا ہوگی وہ کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بورے میں سے وہ نکلے وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے (یعنی غلام بنا لیا جائے) ہم لوگ تو اپنے یہاں ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیا کرتے ہیں غرض یوسف نے خود اپنے بھائی کا بورا کھولنے سے پہلے اپنے بھائیوں کے بوروں کی تلاشی شروع کی آخر میں اس پیالہ کو اپنے بھائی کے بورے سے برآمد کر لیا۔ ہم نے یوسف کو بھائی کے روکنے کی یہ تدبیر بتائی ورنہ بادشاہ مصر کے قانون کے موافق اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے مگر ہاں جب خدا چاہے ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور دنیا میں ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک اور عالم ہے۔ انہوں نے کہا اگر اس نے چرایا ہے (تو کوئی تعجب نہیں) اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چرایا تھا یوسف نے (اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ) اس کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور ان پر ظاہر نہ کیا۔

سب سے پہلے حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ چور کی سزا کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دینی قانون

کی رُو سے اس وقت چور کی سزا کنعان میں کیا تھی معلوم ہوا وہی تھی جو بھائیوں نے بیان کی تھی یعنی ملت ابراہیمی کا قانون اس وقت وہی تھا ورنہ پیغمبر کے بیٹے ہو کر غلط بیانی نہ کرتے۔ مصر کے قانون کی رو سے جو غیر اسلامی تھا چور کی سزا قید کر لینا تھا حضرت یوسفؑ نے نہ چاہا کہ مصری قانون پر عمل ہو اور بن یامین کو قید کیا جائے۔ دوسرے بھائیوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ خدا کہتا ہے کہ یہ تدبیر یوسف کو ہم نے بتائی کہ پہلے بھائیوں سے پوچھا اور جو سزا انہوں نے بتائی اسی پر عمل کیا۔ اس صورت میں ابراہیمی شریعت پر عمل بھی ہو گیا اور بن یامین قید سے بھی بچ گئے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب معلوم تھا کہ پیالہ بن یامین کے سامان میں ہے تو دوسروں کے سامان کی تلاشی کیوں لی گئی جواب یہ ہے کہ ملکی قانون کی رو سے ایسا کرنا ضروری تھا جیسا کہ عموماً پولیس کیا کرتی ہے ورنہ بھائیوں کو اس کا یقین ہو جاتا کہ یہ کوئی سازش ہے ورنہ کیا وجہ کہ بن یامین کا سامان پہلے کیوں دیکھا گیا۔ یہ شبہ اس لیے قوی ہو جاتا کہ جب بھائی آئے تھے تو بن یامین کو اپنے پہلو میں بٹھایا تھا اور اس سے کچھ سرگوشی بھی کی تھی۔ یوسفؑ نہیں چاہتے تھے کہ وقت سے پہلے راز افشا ہو جائے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بن یامین چور نہ تھے تو پھر چور کی سزا کیوں دی گئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ فقط روکنے کی ایک تدبیر تھی اگر حقیقتاً ان پر چوری کا الزام لگایا گیا ہوتا تو پھر وہ سزا دی جاتی جو چور کی ہوتی ہے لیکن ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی نہ ملکی قانون کی رو سے نہ شرعی سے۔

بھائیوں نے جو چوری کا الزام حضرت یوسفؑ پر لگایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کی پھوپھی نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے ان کو پالا تھا حضرت یعقوبؑ جب یوسفؑ کی جدائی گوارا نہ کر سکے تو پھوپھی کے یہاں ان کو لینے گئے ان کو یوسفؑ کا جدا کرنا گوارا نہ ہوا آخر جب حضرت یعقوبؑ کا اصرار بڑھا تو انہوں نے ایک حیلہ کیا کہ وہ کمربند جو حضرت اسحاقؑ کے ترکہ سے ان کو ملا تھا حضرت یوسفؑ کی کمر میں باندھ دیا گویا ان کو چور بنایا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کو اپنی پھوپھی کے یہاں رہنا پڑا۔ اسی کی طرف بھائیوں نے اشارہ کیا تھا۔

قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ
اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا
عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ ۹ ع ۱۱ ۲
قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

یوسف نے (اپنے دل میں) کہا تم بڑے بُرے لوگ ہو جو تم بیان کرتے ہو خدا اُس سے خوب واقف ہے۔ انہوں نے کہا اے عزیز اس (بن یامین) کے باپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ لے لیجئے۔ ہم آپ کو بہت احسان کرنے والا سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا، خدا کی پناہ! ہم تو صرف اسی کو پکڑیں گے جس کے سامان میں سے ہماری پُونجی نکلی ہے اگر ایسا نہ کریں تو ہم ظالموں میں سے قرار پائیں گے جب یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئے تو الگ جا کر باہم مشورہ کرنے لگے جو شخص (یہودا) ان میں سب سے بڑا تھا کہنے لگا (بھائیو) کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد کرا لیا تھا اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ میں کیا کچھ نہیں کر چکے ہو جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں گے یا خدا مجھے کوئی حکم نہ دے گا میں تو اس سرزمین سے ٹلنے والا نہیں اور خدا سب سے بہتر حکم دینے والا ہے۔

'عزیز' بادشاہِ مصر کا لقب نہیں تھا بلکہ ایک اعزازی لفظ تھا جیسے ہمارے یہاں صاحبِ اقتدار لوگوں کو سرکار، جہاں پناہ وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

جب بھائیوں نے یہ کہا کہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے تو حضرت یوسفؑ نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ ہم تو اسی کو پکڑیں گے جس کے سامان میں سے مال نِکلا ہے۔ اسی کو شرع میں توریہ یا تقیہ کہتے ہیں یعنی امرِ واقع کو چھپانا۔ جب کسی مظلوم کو ظلم سے بچانے یا کسی مظلمہ کے دفع کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ حقیقت پر پردہ ڈالا جائے تو وہاں خلافِ حقیقت کہنا جائز ہے۔ سعدیؒ نے کہا ہے "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستیٔ فتنہ انگیز"۔ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر میں اسے تسلیم کیا ہے۔ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم خود ہی کہہ چکے ہو کہ چور ہی کو چوری کی علت میں ماخوذ کیا جائے تو اس کے خلاف کر کے کیا ہم ظالم قرار نہ پائیں گے۔

جب یہ لوگ بن یامین کے ملنے سے مایوس ہو گئے تو الگ جا کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا ہونا چاہیئے۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ واپس چلنا چاہیئے اور یہ سارا واقعہ باپ سے بیان کرنا چاہیئے۔ لیکن اس رائے سے ان کے سب سے بڑے بھائی نے موافقت نہ کی اور کہا تمہیں واپس جاتے شرم نہیں آتی۔ تم بن یامین کے متعلق

کیا پکا وعدہ خدا کو ضامن دے کر نہیں کر آئے ہو اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارہ میں کیسا دھوکا دے چکے ہو۔ اس کے بعد تم کیسے باپ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرو گے۔ جانا ہے تو تم جاؤ میں تو یہاں سے اس وقت تک ٹلنے والا نہیں جب تک والد ماجد مجھے واپسی کا حکم نہ دیں یا اللہ کوئی ایسی صورت پیدا کرے کہ میرا واپس جانا درست ہو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت یوسفؑ کی شادی زلیخا سے ہو گئی تھی اور حضرت یوسفؑ کی دُعا سے وہ از سرِ نو جوان ہو گئی تھیں اور اس کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی تھی۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کو محض افسانہ قرار دیا ہے اور بے ثبوت قصہ بتایا ہے۔ ہمارے علمائے اس کی تصدیق کی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو روکا تو ان سے پوچھا تمہاری شادی ہو گئی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا ہو گئی ہے۔ پوچھا اولاد ہے؟ کہا، ہے۔ پوچھا، اُن کے نام کیا رکھے ہیں؟ کہا ذئب (بھیڑیا)، قمیص اور دم (خون) فرمایا، یہ نام کیوں رکھے؟ کہا، اس لیے کہ بھائی کی یاد ہر وقت تازہ رہے۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

(اس نے کہا) تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہم تو اپنی

دانست کے مطابق بیان دے رہے ہیں۔ ہم غیب کی باتوں کے نگہبان تو تھے نہیں۔ آپ اس بستی (مصر) کے لوگوں سے دریافت کر لیجئے اور اس قافلہ سے بھی جس میں ہم آئے ہیں پوچھ لیجئے بے شک ہم سچے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا (اس نے چوری نہیں کی) بلکہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے خیر صبر (کے سوا کیا چارۂ کار ہے) مجھے امید ہے کہ میرے سب لڑکوں کو (خدا) میرے پاس پہنچا دے گا۔ بے شک وہ بڑا واقف کار حکیم ہے (یہ کہہ کر) یعقوب نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور (رو کر) کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر، اور (اس قدر روئے کہ ان کی) آنکھیں صدمے سے سفید ہو گئیں۔ وہ تو بڑے رنج کے برداشت کرنے والے تھے۔ (ان کے بیٹے) کہنے لگے آپ تو ہمیشہ یوسف کو ہی یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ یعقوبؑ نے کہا میں تو اپنی بیقراری اور رنج کی شکایت اللہ سے کر رہا ہوں اور خدا کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یوسفؑ کے بھائیوں نے باپ کے سامنے جو بیان دیا وہ چوری کی تصدیق نہیں تھی بلکہ جو کچھ سنا سنایا ان کے علم میں تھا وہ بیان کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ جو وعدہ ہم کر کے گئے تھے وہ ضرور پورا کرتے مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ پردۂ غیب میں کیا ہے اور کیا بلا ہم پر نازل ہونے والی ہے۔ آپ بستی یعنی اصل بستی سے جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس سے ہم آئے ہیں ہمارے بیان کی تصدیق کر لیجئے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا میرے بیٹے نے چوری ہرگز نہیں کی جو کچھ تم بیان کر رہے ہو وہ تمہارے دل کی گھڑی ہوئی بات ہے۔ خیر صبر جمیل کے سوا کیا چارہ ہے یعنی یہ کیونکر ممکن ہے کہ میرا بیٹا ہو کر ایک معمولی سی چیز کی چوری کرے۔ تم پہلے بھی یوسف کے بارہ میں حیلہ بازی کر چکے ہو۔ اسی طرح اب اس کے بھائی کے بارہ میں ایک بہانہ تراش کر کے آئے ہو۔

جناب یعقوبؑ کو جب بعلم نبوت یہ معلوم تھا کہ سب بیٹے مل جائیں گے اور یوسفؑ زندہ ہیں تو پھر یہ گریہ و بکا اور اضطراب و بیقراری کیوں تھی؟ جواب یہ ہے کہ اپنے محبوب کا فراق کیا کچھ کم تکلیف دہ ہوتا ہے سالہا سال جس محبوب فرزند کو بے دیکھے گزر جائیں فطرت انسانی پر اس کا کافی دباؤ پڑتا ہے اور اکثر اوقات یہ صدمہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اس غم میں روتے روتے اگر آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تو کیا تعجب کی بات ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں خواہ زندہ پر ہو یا مردہ پر۔ ورنہ اس کو صبر جمیل نہ کہا جاتا ہاں اگر کوئی خدا پر اعتراض کرے تو اس کو بے صبری کہا جائے گا۔ ہم شہیدان کربلا کے غم میں اگر گریہ و بکا کرتے ہیں تو لوگوں کا اس پر اعتراض کرنا قرآن کو نہ سمجھنے کا ثبوت ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا یہ رونا اس حد تک تھا کہ ان کے بیٹوں کو ان کے بیمار پڑ جانے ہی کا نہیں بلکہ ہلاک ہو جانے کا لقین ہو گیا تھا۔

حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں کے کہنے کا یقین اس لیے نہیں آیا تھا کہ ایک پیالہ کی چوری کو وہ ایک

حضرت یعقوبؑ کا رنج و غم سے نابینا ہو جانا

حضرت یعقوبؑ کا گریہ

ایسے جو ان سے بعید از عقل سمجھتے تھے جو ان کی تربیتِ خاص کا مرکز تھا جو ملتِ ابراہیمی پر عمل کرنے والا تھا۔ دوسرے ان کے بیٹے جو واقعہ بیان کر رہے تھے وہ ان کا چشم دید نہ تھا بلکہ جو دوسروں سے سنا تھا اس کی گواہی دے رہے تھے۔ تیسرے یوسفؑ کے متعلق وہ حیلہ بازی سے کام لے چکے تھے۔

یہ کہنا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اپنے علم نبوت کا اظہار تھا اور بیٹوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ جس واقعہ کو تم چھپا چکے ہو یا اب چھپا رہے ہو اس کا پورا پورا علم مجھے حاصل ہے لہٰذا میرے سامنے غلط بیانی سے کوئی فائدہ نہیں

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

حضرت یعقوبؑ نے کہا اے میرے بیٹو، یوسف اور اس کے بھائی کو (جیسے بنے) ڈھونڈ کر لاؤ اور اللہ کی رحمت سے کافروں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ جب وہ یوسف کے پاس آئے تو کہنے لگے حضور والا ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو سخت نقصان پہنچا ہے ہم کچھ تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں ہمیں پورا غلّہ دلوا دیجئے اور ہمیں اپنا صدقہ دیجئے اللہ صدقہ دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ یوسفؑ نے کہا،

کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا عمل کیا تھا جبکہ تم جاہل ہو رہے تھے (تب وُہ چونکے) کہنے لگے کیا تم ہی یوسف ہو۔ فرمایا، ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدا نے ہم پر احسان کیا ہے، بے شک جو اُس سے ڈرتا ہے اور مصیبت میں صبر کرتا ہے تو خدا ہرگز نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یوسف کا اپنے کو ظاہر کرنا

جو نصیحت حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی تھی وہ نہ صرف انہی کے لیے تھی بلکہ تمام عالم کے خدا پرستوں کے لیے ہے۔ بے شک خدا کی رحمت سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہونا چاہیے وہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ جب یہ لوگ کنعان سے مصر کو چلے تھے تو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے نام ایک خط لکھ کر اُن کو دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

حضرت یعقوب کا خط عزیز مصر کے نام

"اے عزیز! ہم اہلبیتِ نبوّت ہمیشہ بلا میں گرفتار رہتے ہیں کیونکہ رنج و خوشی دونوں میں خدا ہمارا امتحان لیتا ہے۔ ادھر بیس برس سے اور زیادہ مصیبت کا سامنا ہے۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ میرے سُرورِ دل فرزند یوسف کو اس کے بھائی صبح کے وقت سیر و تفریح کی غرض سے لے گئے اور شام کو روتے پیٹتے اس کا کُرتا خون آلود کر کے لائے اور مجھ سے بیان کیا کہ اُسے بھیڑیے نے پھاڑ کھایا ہے یہ سُن کر دُنیا میری نظروں میں سیاہ ہو گئی اور اس کے فراق میں اتنا رویا کہ بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد اس کے چھوٹے بھائی بن یامین سے کچھ میرا دل بہلتا تھا کہ پہلی دفعہ مصر سے واپس آ کر لڑکوں نے بیان کیا کہ عزیزِ مصر نے اُسے بُلایا ہے اور بغیر اس کے جائے غلّہ نہیں ملے گا۔ تب میں نے مجبوراً اُسے تمہارے پاس جانے کی اجازت دی۔ اب کے جو یہ لوگ واپس آئے تو کہنے لگے کہ اُس نے چوری کی اور بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔ حالانکہ ہم اہلبیتِ نبوّت چوری نہیں کرتے۔ غرض تم نے جو اُسے قید کر لیا ہے اس سے میری مصیبت اور زیادہ ہو گئی۔ اب ہم پر رحم کرو اور احسان کر کے اس کو رہائی دو اور غلّہ بھی پورا دو۔" فقط

یعقوب اسرائیل بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ خلیل اللہ۔

جب یہ خط حضرت یوسفؑ نے پڑھا تو تابِ ضبط نہ رہی۔ تنہائی میں جا کر خوب روئے پھر منہ دھو کر باہر آئے اور بھائیوں سے بات چیت کرنے لگے۔ جوں ہی انہوں نے اپنی مصیبت دہرائی پھر ضبط نہ ہو سکا پھر اندر جا کر خوب روئے۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ جب کسی طرح ضبط نہ ہو سکا تو آخر اپنے کو ظاہر کر دیا۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد اسحاق و یعقوبؑ پر صدقہ حرام نہیں تھا۔ یہ شرف اللہ تعالےٰ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بخشا کہ اُن پر صدقہ حرام قرار دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ تنگدستی کی حالت میں بسر کر رہے تھے۔ اور ان کے پاس اب اتنا پیسہ نہ تھا کہ غلّہ کی پوری قیمت ادا کر کے خریدتے۔ جو کچھ تھوڑے سے دام تھے وہی دے کر لڑکوں کو بھیجا تھا۔ اس حالت کا تصوّر کر کے حضرت یوسفؑ بار بار روئے۔ بھائی قرینہ سے سمجھ تو رہے تھے کہ ہو نہ ہو یہ یُوسف ہیں لیکن اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جوں ہی حضرت یوسفؑ نے اپنا اور اپنے بھائی کا ذکر کیا اور ان کی بدسلوکی کی طرف

اشارہ کیا انہوں نے سوالیہ طور پر کہا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں۔ حضرت نے اپنا نام ظاہر کر کے ایک نصیحت بھی کی کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا بڑا اجر ہے۔ تم میری حالت پر غور کرو اور آیندہ کے لیے محتاط بنو۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ (۹۱) قَالَ لَا تَثْرِيْبَ
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (۹۲) اِذْهَبُوْا
بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ
اَجْمَعِيْنَ (۹۳) ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ
لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۹۴) قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (۹۵)
فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ
اَقُلْ لَّكُمْ ۚ ۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۹۶)

ع ۱۲

انہوں نے کہا خدا کی قسم تم کو خدا نے ہم پر فضیلت دی ہے اور یقیناً ہم خطاوار تھے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا آج سے تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہاری خطائیں معاف کرے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے یہ میرا کُرتا لے جاؤ ابا جان کے چہرہ پر ڈال دینا کہ وہ پھر بینا ہو جائیں اور سب لڑکے بالوں کو لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ جوں ہی قافلہ مصر سے چلا یعقوبؑ نے کہا، اگر مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں، مجھے یوسف کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔ وُہ لوگ (کنبہ والے) کہنے لگے آپ تو اپنے اُسی پُرانے خیالِ محبت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب یوسف کی خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف کے کُرتے کو اُن کے چہرہ پر ڈال دیا تو وُہ پھر سے بینا ہو گئے تو بیٹوں سے کہا کیوں میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں خدا کے فضل سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب کی بینائی کا واپس آ جانا

یہ انبیاء علیہم السلام کا ظرف ہے کہ وہ اپنی انتقامی قوت سے کام لینا نہیں چاہتے جو کچھ حضرت یوسفؑ

کے بھائیوں نے کیا تھا اس عمل کا ہر حصہ ان کے خون کی قیمت ہو سکتا تھا مگر یوسفؑ نے تمام باتوں سے درگزر کر کے ان کی خطائیں معاف کر دیں۔ ایسا ہی عمل حضرت سرورِ انبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنی قوم سے کیا تھا۔ باوجودیکہ وہ سب آپؐ کے خون کے پیاسے رہے تھے اور سالہا سال سے آپؐ کے ستانے پر کمربستہ تھے مگر آپؐ نے یہی کلمہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کہہ کر ان سب کی جاں بخشی کر دی تھی۔

جناب یوسفؑ کی قمیص بھی عجیب قمیص تھی ایک بار اس نے بھائیوں کی دشمنی کا پردہ چاک کیا دوسری بار زلیخا کے مکر سے نجات دلائی تیسری بار باپ کی آنکھوں کو روشن کیا۔ لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ وہی قمیص تھی جس پر ان کے بھائی جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس لائے تھے۔ کہاں تک اس خون آلود قمیص کو سالہا سال پہنے رہتے۔ بات یہ ہے کہ نبیؑ یا امامؑ کے جسم پر جو کپڑا آئے گا اس میں معجزنمائی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کو یہ خبر کیسے ہو گئی کہ ان کی قمیص چہرہ پر ڈالتے ہی باپ کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ یہ ایک نفسیاتی امر تھا۔ غم اور خوشی دونوں کے مختلف اثرات جسمِ انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ خوشی میں آدمی کا چہرہ چمک اٹھتا ہے حالانکہ کوئی شے باہر سے اندر نہیں جاتی۔ اسی طرح غم سے ایک آدمی کا چہرہ بھیانک ہو جاتا ہے اس کی رونق جاتی رہتی ہے حالانکہ کسی خارجی چیز کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ نابینائی کا سبب فراق کا صدمہ تھا باہر کی کوئی چیز نہ تھی۔ پس حضرت یوسفؑ نے اپنے مقام پر یہ سمجھ لیا کہ وہ گئی ہوئی قوت اس چیز سے پلٹ سکتی ہے جو غمِ فراق کے مقابلہ کی ہو یعنی ملنے کی خوشخبری لیکن یہ خوشخبری زبانی بھی اثر دکھا سکتی تھی مگر اس میں کذب و صدق دونوں کا وہم ہو سکتا تھا مگر جب قمیص کی بُو سونگھ لی تو کذبِ خبر کا احتمال ختم ہو گیا۔

اب رہا یہ سوال کہ کئی فرسخ مسافت سے خوشبوئے پیراہنِ یوسفؑ کیسے سونگھ لی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کے حواس ہمارے سے نہیں ہوتے بلکہ قدرت نے ان کو مخصوص قوت عطا کی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب حج کے لیے اذان دی تو وہ آواز ہوا نے ہر انسان تک پہنچا دی بلکہ ان بچوں تک بھی جو ابھی رحمِ مادر میں تھے بلکہ ان لطفوں تک بھی جو ابھی صلبِ پدر میں تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے وادیٔ نمل میں چیونٹی کی آواز سن لی۔ حالانکہ چیونٹی کیا اور اس کی آواز کیا پھر کھلا میدان۔ دوسرے جو چیونٹی بولی تھی اُسی کو بھرے دَل میں سے جا کر اُٹھا لیا یہ نظر کی قوت تھی۔ پس اسی طرح حضرت یعقوبؑ کی قوتِ شامہ اس قدر تیز تھی کہ دُور سے بُوئے پیراہنِ یوسفؑ سونگھ لی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کی قوتِ شامہ ایسی تیز تھی تو جب یوسفؑ مصر میں تھے تب ان کی خوشبو کیوں نہ سونگھی۔ جواب یہ ہے کہ یہ اعجازی شان ہے۔ جب مشیتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے تب ان قوتوں میں یہ کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے۔ ہر وقت ان کی یہ قوتیں اس ترقی پر نہیں ہوتیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کی حیات اور ان کی بادشاہت وغیرہ کے متعلق پہلے سے کیوں نہ بتا دیا۔ یہ قدرت کے راز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان کو اسی وقت ظاہر فرماتے ہیں جب قدرت کی طرف سے اشارہ ہوتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب سب کچھ معلوم تھا تو روئے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ رونا صدمۂ فراق سے تھا۔ کیا برسوں کی جدائی کچھ کم لرزہ خیز ہوتی ہے بالخصوص جب یہ بھی جانتے ہوں کہ وہ زندہ ہیں مگر ملتے نہیں۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ
اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى
یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ؕ
وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ
رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ
مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ
وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

اُن سب نے کہا، ابّا جان آپ ہماری مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگیے ہم بے شک گنہگار ہیں۔ فرمایا بہت جلد اپنے پروردگار سے تمہاری مغفرت کے واسطے دعا کروں گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے جب پھر یہ لوگ (مع یعقوبؑ کے) چلے اور یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور اُن سے کہا اب انشاء اللہ بڑے اطمینان سے مصر میں چلیئے۔ یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب یوسف کی تعظیم کے لیے سجدہ میں گر پڑے۔ اس وقت یوسف نے کہا ابا جان، یہ تعبیر ہے میرے اس پہلے خواب کی میرے پروردگار نے اُسے سچ کر دکھایا۔ بے شک اُس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور باوجودیکہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو گاؤں سے شہر میں لے آیا (اور مجھ سے ملا دیا) بے شک میرا رب جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کی تدبیر خوب جانتا ہے۔ بے شک وہ علیم و حکیم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کا قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف مع تمام لاؤ لشکر کے

اپنے باپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ وہ منظر قابلِ دید تھا جب تمام شہر کے لوگ سجے بنے جوق در جوق سرحدِ مصر کی طرف چلے جا رہے تھے۔ کیا عجب وقت ہوگا جب بیس سال کا بچھڑا ہؤا بیٹا اپنے بوڑھے باپ سے بھرپور عقیدت و محبت کے ساتھ مل رہا ہوگا اور مصر کا شہر عروس کی طرح سجا ہوگا اور ہر طرف میلہ سا لگا ہوگا۔

ذرا گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دھکیل کر کنعان کے اس وقت کو اپنے تصور میں لائیے جب یوسفؑ بھائیوں کے طمانچے کھا رہے ہوں گے جب ان کے بدن سے قمیص اتاری جا رہی ہوگی جب وہ رو رو کر فریاد کر رہے ہوں گے کہ مجھے بے کس قصور کی سزا دے رہے ہو۔ جب یہی یوسفؑ انتہائی بے دردی سے کنوئیں میں ڈالے جا رہے تھے۔ جب یہی یوسفؑ چند ٹکوں میں غلام بنا کر بیچے جا رہے ہوں گے۔ آج وہی بھائی کس ذلت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ آج وہی بھائی انہیں تعظیماً سجدہ کر رہے ہیں۔ آج اُن کا نفس ان کو ملامت کر رہا ہے اُن کا ضمیر بُری طرح نیش زنی کر رہا ہے۔ سچ ہے بدی نیکی کے مقابلہ میں کبھی سرسبز نہیں ہوتی۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ سے مراد کیا ایسا ہی سجدہ ہے جیسا کہ ہم نماز میں خدا کو کیا کرتے ہیں یا سجدہ سے مراد تعظیماً جھکنا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر بادشاہوں کی تعظیم کے لیے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کیا کرتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سجدہ سوائے خدا کے کسی کے لیے جائز نہیں۔ کسی انسان کے لیے تعظیمی سجدہ کی بھی اجازت نہیں دوسرا گروہ سجدۂ تعظیمی سے وہی سجدہ کی صورت مراد لیتا ہے جو نماز میں ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر جھکنا سجدہ نہیں کہلاتا۔ عرفِ عام میں سجدہ وہی ہے جس میں پیشانی زمین پر ٹیکی جاتی ہے۔ اب رہا جواز و عدمِ جواز کا سوال تو اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر ہم یہ نیت کر کے کسی چیز کو سجدہ کریں کہ یہ ہمارا معبود ہے تو بے شک گناہ ہوگا بلکہ شرک ہوگا لیکن اگر ہمارا مقصد صرف اظہارِ عظمت ہے تو عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ حج میں مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز جو پڑھتے ہیں سجدہ کرتے ہیں تو یہ سب از راہِ تعظیم ہوتا ہے نہ از راہِ معبودیت اسی لیے جائز ہے۔ اسی طرح برادرانِ یوسفؑ وغیرہ نے جو سجدہ کیا وہ بادشاہِ مصر کی عظمت کے لحاظ سے تھا نہ کہ ان کو معبود سمجھ کر۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سجدہ کرنے والوں میں ماں باپ بھی شامل تھے تو حضرت یوسفؑ نے ان کو کیوں نہیں روکا۔ وجہ یہ تھی کہ سلطنتِ مصر کا یہ قانون تھا کہ لوگ بادشاہ کے تخت کے سامنے آکر سجدہ کرتے تھے جیسے آج کل ہندو راجوں مہاراجوں کے سامنے جا کر کرتے ہیں۔ اگر یوسفؑ روک دیتے تو تمام مصر میں چرچا ہو جاتا کہ بادشاہ قانون شکن ہے اور آئندہ کے لیے یہ تعظیمی رسم بند ہو جاتی۔ حضرت یوسفؑ تو اس رسم کا بند ہونا پسند کر سکتے تھے لیکن مصر کے شاہی خاندان والے ہرگز اسے پسند نہ کرتے اور حضرتؑ کی مخالفت اور تیز ہو جاتی کیونکہ بادشاہ کے خاندان والوں کو حضرت یوسفؑ کا بادشاہ بن جانا سخت ناگوار تھا۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں مفسرین نے چند روایتوں کو بھی شامل کر لیا ہے:

۱۔ جب زلیخا کا شوہر جو مصر کا ایک رئیس آدمی تھا مر گیا اور متواتر سات سال کے قحط میں زلیخا بہت زیادہ محتاج ہو گئی یہاں تک کہ بھیک مانگنے لگی تو لوگوں نے اس سے کہا تو یوسفؑ کے سامنے کیوں نہیں جاتی۔ وہ بولی شرم آتی ہے جب لوگوں نے زیادہ مجبور کیا تو ایک روز وہ سرِ راہ آکر کھڑی ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کی سواری اِدھر سے گزری تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا، پاک ہے وُہ ذات جس نے شاہوں کو نافرمانی کی وجہ سے غلام بنا دیا اور غلاموں کو فرمانبرداری کی بنا پر بادشاہت دے دی۔ جب حضرت یوسفؑ نے سُنا تو پوچھا کیا تُو زلیخا ہے۔ وُہ بولی ہاں میں ہی زلیخا ہوں۔ پُوچھا کیا تیری مجھ سے کوئی حاجت ہے۔ اُس نے کہا جب میں بڑھیا ہو گئی تب پوچھتے ہو کہ تیری کیا حاجت ہے۔ یہ سُن کر حضرت یوسفؑ اُسے اپنے محل میں لے آئے اور فرمایا تم نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اُس نے کہا بالکل صحیح ہے لیکن آپ اس پہ مجھے ملامت نہ کریں۔ فرمایا، کیوں؟ اُس نے کہا، آپ جیسا حسین خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ دوسرے مصر میں مجھ جیسی کوئی خوبصورت عورت نہ تھی۔ پھر میری بھرپور جوانی تھی چوتھے میرا شوہر نامرد تھا۔ فرمایا، خیر جو ہؤا سو ہؤا۔ اب کیا ارادہ ہے۔ اُس نے کہا آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے جوان کر دے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی دُعا سے وہ جوان ہو گئی آپؑ نے اس سے نکاح کیا تو وہ باکرہ تھی۔ اس سے تین اولادیں ہوئیں دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ایک بیٹے افراہیم نامی کی شادی یوشع وصی جناب موسیٰؑ کی صاحبزادی سے ہوئی اور بیٹی رحیمہ نامی حضرت ایوبؑ کی زوجہ تھیں (واللہ اعلم بالصواب)

۲۔ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تھے تو ایک جشن منایا گیا تھا۔ تمام امرائے شہر نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفے پیش کیے۔ ایک بڑھیا بھی اپنی سوت کی اَٹیا لے کر آئی۔ حضرت یوسفؑ نے بے پرواہی سے اُسے بھی تحفوں میں رکھ دیا۔ وحی ہوئی اے یوسفؑ تم نے امرا کے تحفوں کو توقدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس بوڑھیا کی اَٹیا کی کوئی قدر نہ کی اور لوگوں کو انعامات دئیے اس کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ امرا نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ اُن کی دولت کا ایک حصہ ہے اور غریب بڑھیا نے جو پیش کیا وُہ اس کی شب و روز کی کمائی تھی وہ اس روز فاقہ سے رہی۔ حضرت یوسفؑ بہت شرمندہ ہوئے۔ عرض کی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ خدا نے فرمایا، اس بڑھیا کے پاس جاؤ اور اپنی سلطنت اُس کے سامنے پیش کرو۔ یہی صلہ ہے اُس کی اَٹیا کا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ اُس کے پاس گئے اور کہا اے ضعیفہ تو نے اپنی ملکیت مجھے تحفہ میں دی میں تجھے اپنی سلطنت دیتا ہوں۔ اُس نے کہا یوسفؑ تمہاری سلطنت تمہیں مبارک ہو میری سلطنت یہ میرا چرخہ ہے۔

۳۔ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تو وحی ہوئی، تم نے کسی کو وزیر بنایا۔ عرض کی، ابھی تو کسی کو نہیں بنایا۔ فرمایا، تم جاؤ، فلاں مقام پر درخت کے نیچے جو جوان کھڑا ہؤا ملے گا وہی تمہارا وزیر ہے۔ جب حضرت یوسفؑ وہاں پہنچے تو ایک اجنبی جوان کو کھڑا پایا۔ عرض کی بارِ الٰہا، اس کا کیا حق میرے اوپر ہے کہ تُو اس کو میرا وزیر بنا رہا ہے۔ خدا نے فرمایا، اے یوسف ہم نے اسے پہچانا نہیں، یہ وہی ہے جس نے خانۂ زلیخا میں تمہاری عصمت کی سب سے پہلے گواہی دی تھی۔ یہ واقعہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے بھی لکھا ہے۔ پس جب کسی نبی کے مصدق اول کا یہ حق ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلیفۂ اول رسولؐ نہ بنایا گیا جبکہ وہ مصدقِ اول رسولؐ تھے۔

حضرت یوسفؑ کی تعبیرِ خواب کی صورت یہ ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی تھے اور چاند سورج سے مراد ان کے ماں باپ تھے جو سب انہیں سجدہ کر رہے تھے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّ

اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ
لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ
حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ
عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے دعا کی) اے میرے پالنے والے تُو نے مجھے سلطنت بھی دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا۔ تُو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے دنیا و آخرت میں تُو ہی میرا مالک ہے مجھے مسلمان ہی مارنا اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔ (اے رسول) یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم تمہاری طرف کرتے ہیں ورنہ تم ان کے پاس اس وقت کہاں موجود تھے جب وہ جمع ہو کر اپنے کام کے مشورے کر رہے تھے اور ہلاک کرنے کی تدبیر سوچ رہے تھے اور تم کتنا ہی چاہو بہتیرے لوگ ایمان لانے والے نہیں حالانکہ تم ان سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر بھی طلب نہیں کرتے یہ قرآن تو سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور آسمان و زمین میں خدا کی قدرت کی کتنی نشانیاں ہیں جن کی طرف سے یہ لوگ گزرا کرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے پاک نفس پر غور کرو کہ کتنی سخت منزلوں سے گزرنے کے بعد وُہ بھائی ان کے سامنے ہیں جنہوں نے ان کی ہلاکت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر وہ خدا سے ان کی کوئی شکایت نہیں کرتے بلکہ نہایت عاجزی سے بارگاہِ باری میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں جو خدا نے ان کو عطا فرمائی تھیں اور اپنی عاقبت بخیر ہونے کے لیے دُعا کرتے ہیں ہر مسلمان کو اس عملی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

باوجودیکہ سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہزارہا برس پہلے کے واقعات لوگوں کو سنائے اس پر بھی لوگ حضرتؐ کی نبوّت پر ایمان نہ لائے۔ اس سے زیادہ جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ

تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِیْرَةٍ
اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی
الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ
ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ
بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی
الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ
یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان نہیں لائے اور شرک کیے جاتے ہیں کیا یہ لوگ اس سے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ ان پر وُہ عذابِ خدا آ پڑے جو اِن پر چھایا ہُوا ہے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو (اے رسول) کہدو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بُلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو دونوں مضبُوط دلیل پر ہیں۔ خدا ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (اے رسول) تم سے پہلے بھی ہم گاؤں کے رہنے والے کچھ مردوں کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا کیے ہیں ہم ان پر وحی نازل کرتے تھے تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ اتنا غور کرتے کہ جو لوگ ان سے پہلے

ہوئے ہیں ان کا انجام کیا ہوا اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت بہتر ہے۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے جب پیغمبر لوگ قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وُہ جھٹلائے جائیں گے تو اس وقت ہماری مدد آ گئی پس ہم نے جسے چاہا نجات دی اور ہمارا عذاب گنہگاروں کے سر سے ٹالا تو نہیں جاتا۔ ان کے قصّوں میں عقلمند لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ خود گڑھ لی جائے بلکہ (جو آسمانی کتابیں) اس کے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ۔ اس میں یہ غور کرنا ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِيْ سے کون مراد ہے جو رسولؐ کے ساتھ لوگوں کو بصیرت کی طرف بُلاتا ہے۔ یوں تو حضرتؐ کا اتباع کرنے والے بے شمار تھے لیکن ان سب میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی کہ وہ بصیرت کی طرف لوگوں کو بُلائیں۔ بالکلیہ حضرتؐ کا اتباع کرنے والا علیؑ کے سوا کوئی نہیں پایا جاتا۔ کون نہیں جانتا کہ بچپن ہی سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے آپؐ کی پرورش میں رہے۔ اعلانِ بعثت سے پہلے تک ہر معاملہ میں آپؐ کے قدم بقدم چلے اور جب آپؐ مبعوث برسالت ہوئے تو سب سے پہلے آپؑ ہی ان پر ایمان لائے۔ اور جب آیہ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۶/۲۱۴) نازل ہوئی تو سب سے پہلے آپؑ ہی نے حضورؐ کی نیابت کا اقرار کیا۔ جہادوں میں رسولؐ کی حفاظت سب سے زیادہ آپؑ ہی نے کی اور آپؐ کے بعد بھی جو دعوتِ اسلام و ایمان آپؑ نے لوگوں کو دی وہ بھی اسی طریقہ سے دی جو رسولؐ کا طریقہ تھا۔ لوگوں کو عقلی دلائل سے ہر بات کو سمجھایا۔

آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں بصیرت پر بُلاتا ہوں اس کی دلیل ہے کہ اسلام کے عام مسائل مبنی بر عقل ہیں، ہاں ان کو سمجھانے والا چاہیئے۔ یہ کام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو بارگاہِ باری سے علم عطا ہوا ہو۔

ان آیات میں غفلت پرستوں کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اس طرف کیوں نہیں توجہ کرتے کہ انبیاء و مرسلین جو ہدایت تم کو کرتے ہیں اس سے ان کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں تمہاری بہتری کے لیے کہتے ہیں جن لوگوں نے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا اس کا نتیجہ انہوں نے دیکھ لیا اور قیامت میں اور دیکھیں گے۔ پھر باوجود ان سب باتوں کو دیکھنے کے تمہاری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں جو باتیں بتائی جاتی ہیں اگر خلافِ عقل ہوں تو نہ مانو لیکن جب عقل کے خلاف نہیں تو پھر کیوں نہیں مانتے۔

---

(۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ
عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ
يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ
تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

الف لام میم را۔ یہ کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں اور تمہارے پروردگار کی طرف سے جو تم پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن بہت سے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لائے۔ اللہ وُہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جنہیں تم دیکھتے ہو۔ پھر عرش کو بنانے پر آمادہ ہوا اور سورج اور چاند کو مسخّر کیا، ہر ایک وقتِ مقررّہ تک چلا کرتا ہے وہی (دُنیا کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے اور اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کرو۔ وُہ وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں پیدا کیں (جیسے میٹھے کھٹے) وہی رات کے پردہ سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ بے شک غور کرنے والوں کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

کبھی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ سورۂ بقرہ ع ۹ میں ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ ڈالیں۔

بحمد للہ قرآن میں ایسے تصرفات نہیں ہوئے تاہم تحریف سے محفوظ نہیں رہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قرآن کو موافق تنزیل جمع کیا۔ لیکن حکومت نے کسی مصلحت سے اس کا رائج کرنا منظور نہ کیا۔ اس کی جمع کا کام مختلف اوقات میں ہوتا رہا۔ موجودہ قرآن حضرت عثمانؓ کا جمع کیا ہوا ہے جس کو انھوں نے چند حافظینِ قرآن صحابہؓ کے ذریعہ سے انجام دیا تھا۔ اس کے سوروں اور آیتوں کی ترتیب موافق تنزیل نہیں۔ بلکہ مکی و مدنی سورے گھڑ بڑ ہو رہے ہیں۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے مکی سورے ہوتے پھر مدنی مگر ایسا ہے نہیں۔ پہلا سورہ بقر مدنی ہے دوسرا آلِ عمران بھی مدنی ہے۔ آگے سورۂ مائدہ بھی مدنی ہے۔ اس کے بعد سورہ الانعام مکی ہے۔ آگے بھی یہی صورت ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کون بتائے اسی طرح آیات میں بھی بے ترتیبی ہے۔ مثلاً

(۱) بیوہ کا عدہ سپ۲ سورہ بقرہ ع ۳۰ میں چار مہینے دس دن بتایا گیا ہے۔
سپ۲ البقر ع ۳۱ میں ایک سال ہے۔ پہلی آیت دوسری کی ناسخ ہے لیکن ہے یوں کہ منسوخ بعد میں ہے اور ناسخ پہلے۔ یعنی اُلٹی بات۔

(۲) سپ۱۱ یونس آیت ۳ میں، اگر تم سچے ہو تو ایک ہی سورہ ایسا بنا لاؤ۔
پھر سورہ ہود آیت ۱۳ پارہ ۱۲ میں ہے، دس سورے ایسے بنا لاؤ۔ قاعدہ سے پہلے تحدی کی جاتی دس سوروں سے پھر ہوتی ایک سورہ سے۔

(۳) تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ اقرا سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن وہ آخری پارہ میں ہے۔

(۴) آیہ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جو حضورؐ کی آخر زندگی میں نازل ہوئی تھی وہ سورۂ مائدہ میں ہے۔ اسی طرح آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آیہ بلغ کے بعد نازل ہوئی۔ وہ بھی سورۂ مائدہ میں ہے۔

(۵) آیہ تطہیر کے اوّل و آخر ازواجِ رسولؐ کا ذکر ہے اس کے بیچ میں آیت تطہیر رکھ دی گئی ہے۔ جس کا ازواجؓ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں سب ضمیریں جمع مذکر حاضر کی ہیں اور اوّل و آخر جو ازواج سے متعلق آیات ہیں، اُن سب میں جمع مؤنث حاضر کی ہیں۔

بہرحال یہ مسلّم ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف خدا کا کلام ہے اور اس پورے قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کبھی قبول نہ کرتے چاہے اُن کو کیسی ہی بڑی سے بڑی قربانی دینا پڑتی۔ شیعوں پر یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ وہ اس قرآن کو نہیں مانتے۔ کوئی ایک شیعہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو موجودہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ بلکہ تمام حرکات و سکنات پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو جو قرآن شیعہ پڑھتے ہیں ان میں کچھ تو اختلاف ہوتا مگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اس اعتراض کے کیا معنی ہیں کہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں۔

۱۱- جمعِ قرآن

آنحضرتؐ کے زمانہ میں قرآن کی آیات جب نازل ہوتی تھیں تو ان کی حفاظت دو طریق سے کی جاتی تھی کچھ لوگ حفظ کر لیتے تھے اور کچھ لوگ جو کاتبانِ وحی کہلاتے تھے بحکم حضورؐ اُونٹ کی ہڈیوں۔ لکڑی کی تختیوں۔ کھجور کے پتوں یا کھال پر لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی تک قرآنی آیات میں کوئی ترتیبی صورت پیدا نہ ہوئی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن کو موافق تنزیل جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کسی وقت اپنے شانوں پر ردا نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ دو سال تک آپؑ نے عزلت گزیں ہو کر یہ خدمت نہایت جانفشانی سے انجام دی۔ درحقیقت یہ کام تھا بھی حضرت علیؑ ہی کے کرنے کا۔ اوّل تو آپؑ ایک ایک آیت سے باخبر تھے۔ کیونکہ آغازِ نزول سے آخر تک آپؑ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ کے ساتھ رہے تھے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ یہ سعادت کسی اور صحابیؓ کو نصیب نہیں ہوئی۔ دوسرے خود حضورؐ نے ایک ایک آیت کی تفسیر و تاویل حضرت علیؑ کو بتائی تھی اور جس کی شان میں جو آیت نازل ہوئی تھی اس کا نام اور وجہِ نزول بھی بتا دی تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ کو جمع و ترتیب کے وقت کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس وقت قرآنِ مجید بخطِ کوفی لکھا جاتا تھا۔ جس میں اعراب اور نقطے نہیں ہوتے تھے۔ الغرض موافق تنزیل جب پورا قرآن جمع ہو گیا تو آپؑ اس کو لے کر خلیفۂ وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے تاکہ اسلامی حکومت میں رائج ہو۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ دونوں نے کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو جاری کرنا نامنظور کیا۔ حضرت علیؑ کو سخت ملال ہوا۔ اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے کہ اب اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد پردۂ غیب میں رکھا گیا جو ایک منصوص من اللہ امام سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اب وہ ولیٔ عصر حضرت امام مہدی آخر الزماں کے پاس ہے اور قُربِ قیامت میں جب حضرتؑ کا ظہور ہو گا اس وقت ظاہر فرما دیں گے۔

اس کے بعد قرآن کا بیان حافظوں کی زبان پر رہا۔ جب جنگِ یمامہ میں چار سو حافظینِ قرآن شہید کیے گئے، تو حضرت عمرؓ کو اس کے کتابی صورت میں لانے کی فکر ہوئی۔ وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ کام حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا مگر وہ چونکہ خود اس کی تکمیل سے قاصر تھے لہٰذا ایک نوجوان زیدؓ بن ثابت کو اس کا منصرم و مہتمم بنایا۔ یہ کام زید کے کرنے کا نہ تھا کیونکہ وہ عہدِ رسالتؐ میں ایک کمسن لڑکا تھا۔ صحبتِ رسولؐ کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا — تاہم حافظوں اور قاریوں کی مدد سے اور ان اجزا سے جو حضرت حفصہؓ یا ابنِ مسعودؓ وغیرہ کے پاس تھے، یہ قرآن مرتب کیا گیا۔

قرآن کا جمع کرنا بے شک بڑی نیکی اور باعثِ اجرِ عظیم ہے کیونکہ وہ اساسِ شریعت ہے۔ لیکن جمع کرنے والے کو علمِ قرآن سے پوری طرح واقف ہونا چاہیئے تھا ورنہ ترتیبِ آیات و سُور موافقِ تنزیل نہیں ہو سکتی۔ جب آیات کے باہمی تعلق و سیاق و سباق پر جامع مطلع نہ ہو تو یہ کام صحیح نہ ہو گا۔

رسولؐ نے علی علیہ السلام کے سوا قرآن کو اور کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ آپؐ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے، عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ (علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔) حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن میں

رسولِ پاکؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جو کتاب [illegible] رہی ہے بالکل برحق ہے۔ اگر ہماری آیات کو سُن کر بھی تمہاری قوم ایمان نہیں لاتی تو نہ لائے۔ ان کی عقل [illegible] یہ بات سمجھائی نہیں دیتی کہ یہ تہ در تہ سات آسمان جو ان کے سروں پر بغیر کسی ستون کے قائم ہیں آخر [illegible] ہیں۔ کیسا قادرِ مطلق اور حکیم برحق ہے اُن کا بنانے والا کہ ایک ایسا سائبان ہمارے سروں پر تان دیا جو کسی [illegible] کا محتاج نہیں اور پھر عرش کے بنانے میں مصروف ہوا۔ سات آسمانوں سے مراد وہی سات بلندیاں ہیں جن [illegible] اپنا اپنا دائرہ گردش بنائے ہوئے ہیں۔ جس دائرہ پر یہ گردش کرتے ہیں اُسے فلک کہتے ہیں۔ آسمانوں کے [illegible] در طبقات اور ستاروں کے ان میں جڑے جانے کا وہ عقیدہ اب باطل ہو گیا جو صدیوں یونانیوں کے [illegible] کی بنا پر اہلِ زمین کا عقیدہ بنا رہا تھا۔ جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ نیلی نیلی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے [illegible] مادہ ہے جو فضائے فلکی میں بھرا ہوا ہے۔ اسی میں ستارے مچھلیوں کی طرح تیرتے ہیں جیسا کہ [illegible] ہے۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ـ (الانبیاء ۲۱: ۳۳)

چاند سورج کی گردش سے یہ مراد ہے کہ جو [illegible] کے طلوع و غروب کے ہیں ان سے ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں جاتے اور جو رفتار قدرت نے ان کی [illegible] ہے وہ اس کے خلاف کوئی چال نہیں چلتے۔ عرش کے متعلق لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ خدا کے رہنے کی [illegible]۔ معاذ اللہ خدا کسی جگہ میں محدود نہیں، کیونکہ وہ صاحبِ جسم محتاجِ مکان نہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے۔ [illegible] غلط ہے کہ وہ شبِ قدر اور شبِ برات میں عرش سے اُتر کر آسمانِ اوّل پر آتا ہے اور ندا دیتا ہے جو کچھ کسی کو مجھ سے مانگنا ہو آج کی رات مانگ لے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عرش سے نہیں سنتا اس لیے نیچے اُترتا ہے۔ شب [illegible] سے پہلے کسی کی دُعا نہیں سنتا اسی رات کو سنتا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ روزِ قیامت وہ عرش پر اس [illegible] بیٹھے گا جس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور عرش اس کے بوجھ سے چرچرائے گا اور وہ اپنے بندوں سے مخاطب [illegible] کرے گا۔ استغفر اللہ من تلک الھفوات۔

عرش اجرامِ سماوی میں خدا کی ایک عظیم المرتبت مخلوق ہے [illegible] سے بڑا کوئی سیارہ نہیں۔ خدا نے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرما کر اپنی قدرت دکھائی ہے کہ وہ ایسی عظیم الشان مخلوق [illegible] بنانے والا ہے اور اس پر قابض بھی ہے نہ یہ کہ وہ اس پر رہتا ہے۔ جدید ہیئت میں عرش کا کوئی تخیل نہیں [illegible] بعض ستارے اس نظامِ شمسی کے ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ زمین پر اُن کی روشنی سینکڑوں سال میں پہنچتی ہے [illegible] روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اگر خدا عرش [illegible] ہاتھ اٹھا کر اس سے دُعا کیوں کی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آسمانوں پر کہیں رہتا ہے۔ یہ کس قدر مہمل [illegible] ہاتھ اٹھانا تو محض اس کی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے ہے نہ کہ اس کی رہائش گاہ کے لحاظ سے۔ [illegible] تقاضا یہی ہے کہ ہاتھوں کو بلند کر کے مانگیں تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا دل اس کی عظمت کا قائل ہے۔ خدا تو [illegible] ہے اگر ہم کسی بادشاہ یا وزیر سے بھی مانگتے ہیں تو ہاتھ بلند کر کے ہی مانگتے ہیں نہ کہ ہاتھ زمین پر یا [illegible] پر رکھ کر۔

اُسی نے اپنی قدرتِ کاملہ سے زمین کا فرش [illegible] پیروں تلے بچھایا ہے جو ایسا عجیب فرش ہے کہ نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد۔ پھر اس پر سربفلک پہاڑ [illegible] جو اسے دبائے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے ڈلنے

نہیں دیتے پھر اس میں نہریں بہا دیں کہ ہماری زندگی کی ضرورتیں پوری ہوں۔ ان کے پانی سے ہم اپنی پیاس بجھائیں بدن اور لباس کی کثافت دُور کریں۔ زمینوں میں غلّہ اگائیں۔ پھر اس نے اپنے لطف و کرم سے ہر قسم کے درخت اگائے اور ان کی شاخوں میں پھلوں کے خوشے لٹکائے۔ کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹّا۔ کوئی کڑوا ہے کوئی پھیکا۔ کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا۔

ایک عقلمند آدمی کو یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ تمام مادّی نظام بغیر کسی چلانے والے کے خود ہی تو نہیں چل رہا ضرور کوئی بڑا مدبر و حکیم اپنی قدرت کا ہاتھ ان سب چیزوں پر رکھے ہوئے ہے جو اپنے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرنے دیتا۔ اس کے سوا اور کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظام کو برقرار رکھ سکے۔ جو خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے کسی کو خدا بنائے بیٹھے ہیں وہ اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ ان کے معبود کس مصرف کے ہیں۔ نہ ان کو نظامِ عالم میں کوئی دخل ہے نہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے والے ہیں۔ آسمان و زمین کا کیا ذکر وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے ان آیات میں خدا نے مشرکوں اور ملحدوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ کاش وہ اس زمین کے نظام ہی پر غور کر لیں کہ جس پانی کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے اُسے کس طرح ان کے قدموں کے نیچے بہا دیا ہے کہ جہاں چاہیں زمین کھود کر نکال لیں۔ وہ کیوں نہیں اس پر غور کرتے کہ ایک تھوڑی سی زمین پر مختلف قسم کے درخت اُگتے ہیں لیکن اپنی نوعیّت کے لحاظ سے سب جداگانہ ہوتے ہیں۔ نہ ان کا پتّہ ایک دوسرے سے ملتا ہے نہ پھول نہ پھل نہ ذائقہ۔ حالانکہ زمین ایک ہی ہے پانی بھی ایک ہی ہے۔ ہوا بھی ایک ہی ہے۔ پھر ان میں تنوّع کیوں ہے ایک دوسرے سے کیوں نہیں مل جاتے؟ ضرور کوئی مدبّر حکیم ان کو علیحدہ علیحدہ رکھ رہا ہے۔ یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور زمین کے بعض ٹکڑے ملے جُلے اور (ان میں) انگور کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور خرموں کے درخت ہیں بعض کی ایک جڑ اور دو شاخیں ہیں اور بعض اکیلے ہی شاخ کے ہیں حالانکہ سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور کھانے میں (بلحاظ مزہ) ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس میں عقل والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔

ایک ہی حصۂ زمین میں درختوں کا یا اختلاف اور پھلوں کے ذائقہ میں یہ فرق قدرت کے شاہکار ہیں۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خدا کو کہتے سُنا اَلنَّاسُ مِنْ اَشْجَارٍ شَتّٰی وَاَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ شَجَرٍ وَّاحِدٍ (لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علیؑ ایک ہی درخت سے ہیں۔) اس کے بعد اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ یہ اشارہ اسی حدیث کی طرف ہی ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ
بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۶
وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ
مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع

اور اگر تمہیں کسی بات پر تعجب ہے تو یہ ان کا قول تعجب کی بات ہے کہ جب ہم سڑ کر مٹی ہو جائیں تو کیا ہم دوبارہ ایک نئے جسم میں آئیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی گردنوں میں قیامت کے روز طوق پڑے ہوں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ تم سے بھلائی کے قبل ہی بُرائی (عذاب) کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے بہت سے لوگوں کی سزائیں گزر چکی ہیں بے شک تمہارا پروردگار باوجود ان کی شرارت کے لوگوں پر بڑا بخشش کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تمہارا پروردگار بڑا سخت عذاب دینے والا ہے کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمدؐ) شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی (ہماری

مرضی کے موافق) کیوں نہیں نازل کی جاتی (اے رسول) تم تو صرف عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔

کفار و مشرکین جو قیامت کے منکر تھے بڑے تعجب کے ساتھ کہا کرتے تھے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو پھر ہم ایک نئے جسم میں ہو کر زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ جس خدا نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا دشوار ہے۔ یہ لوگ صرف قیامت کے ہی منکر نہ تھے بلکہ خدا کو عاجز اور قاصر بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ رات دن دیکھتے تھے کہ کھیتیاں اُگتی ہیں بڑھتی ہیں اور پھر نیست و نابود ہو جاتی ہیں، اس کے بعد پھر وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تخم کو زمین میں دبایا جاتا ہے پھر ایسا ہی پودا اگ آتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے اجزائے اصلیہ برآمد کیے جائیں گے تو اجزائے زائدہ اُن سے متصل ہو کر پھر ویسا ہی انسان پیدا ہو جائے گا۔

بعض مفسرین نے اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کی گردنوں میں ہٹ دھرمی جہالت اور آباؤ اجداد کی تقلید کے طوق پڑے ہوئے ہیں اور اس تعصب کی وجہ سے وہ قیامت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضورؐ کفار و مشرکین کو عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ یہ دیکھ کر کہ اُن پر عذاب نہیں آرہا، از راہِ تمسخر حضورؐ سے کہتے تھے یہ سب آپؐ کی دھمکیاں ہیں اگر آپؐ اپنے قول میں سچے ہوتے تو وہ عذاب ہم پر ضرور آچکتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ نے ان کو مہلت دے رکھی ہے کہ شاید سنبھل جائیں۔ پہلی قوموں کے واقعات سے وہ عبرت حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی تو ایسا ہی کہا کرتے تھے۔ آخر ایک دن عذابِ خدا نے ان کو آ ہی لیا۔ باوجود ان کی غلط کاریوں کے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اگر سنبھل جائیں تو ان کے گناہ بخش دے لیکن اگر وہ سنبھلنا چاہتے ہی نہیں تو اچھی طرح سمجھ لیں کہ پھر خدا سخت سے سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ ان لوگوں کی باتیں بھی عجیب ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اے محمدؐ تم پر کوئی معجزہ ہماری مرضی کے موافق کیوں نہیں نازل ہوتا ہم جیسا کہیں کہ ایسا کر کے دکھاؤ تو تم ویسا ہی کر کے ہمیں دکھاؤ۔ اے رسولؐ، ان کی یہ احمقانہ باتیں چھوڑو، یہ تو رات دن یہی بکواس کرتے رہیں گے۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ تم ان کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤ تمہارا کام ان کی خواہشوں کا پورا کرنا نہیں۔ اگر نہیں ڈرتے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہماری طرف سے ہوا کرتا ہے تاکہ ہماری حجت تمام ہو جائے کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آیا ہی نہیں۔

تفسیر دُرِ منثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۴۵ مطبوعہ مصر میں ابن مردویہ ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آیہ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَنَا مُنْذِرٌ یعنی میں ڈرانے والا ہوں، پھر اپنے ہاتھ سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اَنْتَ الْهَادِیْ یَا عَلِیُّ بِكَ یَهْتَدِی الْمُهْتَدُوْنَ بَعْدِیْ (اے علیؑ تم ہدایت کرنے والے ہو اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعہ

سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ یہ روایت اور بھی کئی راویوں سے نقل کی گئی ہے۔
اگر ہر زمانہ میں ہر قوم کے لیے کوئی معصوم ہادی موجود نہ ہو تو روزِ قیامت اس قوم کو خدا سے شکایت کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے اہلبیت میں سے ایک امام ہر زمانہ میں موجود رہا اور اب بھی ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَ
كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ
الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ
مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿١١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ
يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿١٢﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ
خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ
فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿١٣﴾

ہر مادہ جو اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے اللہ اس کو جانتا ہے اور بچہ دانی کے اندر جو کچھ گھٹتا بڑھتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے وہ ظاہر و باطن ہر شے کا جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالیشان ہے۔ اس کے نزدیک برابر ہے چاہے کوئی چپکے سے بات کہے یا زور سے بولے۔ جو کوئی رات کی تاریکی میں چھپا بیٹھا ہو یا دن دہاڑے چلا جا رہا ہو اس کے نزدیک سب برابر

ہیں۔ (آدمی کسی حالت میں ہو) اس کے آگے اور پیچھے اس کے لیے اس کے نگہبان فرشتے مقرر ہیں کہ حکمِ خدا سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جو نعمت کسی قوم کو حاصل ہو جب تک وہ خود اپنی حالت میں تغیر پیدا نہ کرے خدا ہرگز اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا اور جب خدا کسی قوم پر برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی اس کا سرپرست ہے۔ وہ وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور لالچ دینے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور پانی سے بھرے بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور گرج اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور وہی آسمان سے بجلیوں کو بھیجتا ہے اور پھر اُسے جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے اور یہ لوگ خدا کے بارہ میں (خواہ مخواہ) جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑا سخت قوت والا ہے۔

ایک سیال مادہ پر رحم کی تاریکی کے اندر ایک بچہ بنانا اس کی قدرت کا شاہکار ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کیا بن رہا ہے، کالا ہے یا گورا ہے، سعید ہے یا شقی ہے۔ کامل الخلقت ہے یا ناقص الخلقت، کس قدو قامت کا ہے اور کس وزن کا ہے اس کے نزدیک غائب و حاضر سب برابر ہیں۔ وہ رات کے گھُپ اندھیرے میں چیونٹی کی چال کو بھی دیکھتا ہے۔ پھر ہر شخص کے ساتھ اس کے فرشتے بھی لگے ہوئے ہیں جن کی نظر انسان کی ایک ایک حرکت و سکون پر ہے، بھلا ایسے خدا سے کوئی بات چھُپ سکتی ہے۔ کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو چھُپ کر گناہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا اس کو نہیں دیکھتا۔

اگر اللہ کسی پر عذاب نازل کرنا چاہے یا کوئی بلا نازل کرے تو کس کی طاقت ہے کہ اُسے روک دے۔ انسانوں پر سب سے بڑا حاکم خدا ہے کوئی اس کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔

اگر وہ کسی قوم کو نعمت دیتا ہے تو خود اُسے واپس نہیں لیتا۔ وہ بندوں کی طرح بخشش کرنے والا نہیں کہ کوئی چیز دے کر بلا وجہ واپس لے لے بلکہ جب وہ قوم اپنی حالت خود بگاڑ لیتی ہے اور اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتی ہے تو اپنی نعمت کو روک لیتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل پر منّ وسلویٰ بند کر دیا۔ یا مائدہ کو اُٹھا لیا یا جیسے انبیاء کی آمد کو ان کے قتل کرنے کی سزا میں چھ سو سال بند رکھا جس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔

بجلی کی چمک تم کو دکھائی جس سے تم کو اس کے گر کر جلا دینے کا خوف پیدا ہوا اور لالچ بھی ہوا کہ ایک ایسا بادل جس میں بجلی کی چمک ہو ضرور برسے گا۔ جو بوجھل اور بھاری بادل ہوتے ہیں وہ ضرور برستے ہیں۔ رعد اس کی حمد کرتی ہے۔ ہر شے اس کی حمد کرتی ہے مگر اس کی تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کی ساخت اور ان کا عمل جن سے خدا کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے ان کی حمد ہے یعنی ان کا وجود ثابت کرتا ہے کہ اس کی ذات قابلِ حمد ہے اور ملائکہ بھی اس کی عظمت و جلالت کے خوف سے اس کی حمد کرتے ہیں۔

ان آیات کا منشا یہ ہے کہ باوجود خدا کی ایسی مخلوق دیکھنے کے جو سرتاسر ان کو فائدہ پہنچانے والی ہے پھر بھی

لوگ اُس کی خدائی کا اقرار نہیں کرتے اور کفر وشرک سے باز نہیں آتے۔

"رعد" گرج کو کہتے ہیں جو پانی بھرے بادلوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور خدا کی شان دیکھو کہ اس ٹکراؤ سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہی پانی جب سمندر میں رہتا ہے اور پہاڑوں جیسی موجیں تلاطم برپا کرتی شور مچاتی سطحِ آب پر گرتی ہیں تو نہ رعد کی سی گرج پیدا ہوتی ہے نہ بجلی چمکتی ہے۔ اور پر جاتے ہی ایک نیا تماشہ بن جاتا ہے۔ اسی پانی کو جب ہوا اپنے نرم و نازک دامن پر لے کر ہلاتی ڈلاتی ہے تو رعد بھی گرجنے لگتا ہے اور بجلی بھی چمکنے لگتی ہے۔ سُبحانہ ما اعظم شانہٗ۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ
اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ
الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السجدۃ
وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ
تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

سچا پکارنا اسی کو ہے اُس کے سوا لوگ جس کو پکارتے ہیں وہ کچھ جواب ان کو نہیں دیتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی دو ہتھیلیاں پانی میں پھیلانے والا کہے کہ میرے منہ میں پانی آجا۔ مگر وہ اُس کے منہ تک پہنچے گا ہی نہیں۔ اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی بہکی پھرتی ہیں۔ جو بھی آسمانوں اور

زمین میں بستے ہیں خوشی یا ناخوشی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اسی طرح ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز ہیں۔ تم پوچھو آسمانوں اور زمین کا پالنے والا (مالک) کون ہے (وُہ کیا جواب دیں گے) تم کہہ دو اللہ ہے اور یہ بھی کہو کیا تم نے خدا کے سوا ایسے کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی ذات کے لیے نہ تو نفع پر قابو رکھتے ہیں نہ نقصان پر۔ یہ بھی کہو کہ اندھے اور سیانکھے کیا برابر ہوتے ہیں کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہے (ہرگز نہیں) ان لوگوں نے جو خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں کیا انہوں نے بھی خدا کی سی مخلوق بنائی ہے جس کی وجہ سے مخلوقات ان پر مشتبہ ہوگئی ہے۔ کہہ دو اے رسولؐ ہر شے کا خالق اللہ ہی ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ کے یہ معنی ہیں کہ ہر حاجت کے وقت اُس کو پکارنا چاہیئے وہی ہر ایک کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے اگر کسی اور کو وسیلہ یا ذریعہ بنا کر اس سے دُعا کی جائے تب بھی بالواسطہ ہر حاجت کا پورا کرنے والا وہی قرار پاتا ہے وسیلہ خدا نہیں سمجھا جاتا بلکہ خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے جو لوگ یہ نہیں مانتے وہ بتائیں قیامت میں شفاعت کا کیا مقصد ہوگا۔

کافروں اور مشرکوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدا کے سوا تم جن بتوں کے سامنے بیٹھ کر دعائیں مانگتے ہو تمہاری یہ دعائیں بیکار جاتی ہیں کیونکہ جن سے مانگتے ہو ان میں تمہاری کسی حاجت کے بر لانے کی طاقت ہی نہیں وہ تو اپنے منہ کی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے بھلا وُہ تمہاری کیا مدد کریں گے۔

مشرکوں سے پوچھو آخر تم نے ان بتوں میں کیا کمال دیکھا ہے کہ ان کو اپنا معبُود بنا لیا۔ کیا انھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے جس کی وجہ سے خدا کی مخلوق اور ان کی مخلوق میں تمہیں شُبہ پڑ گیا ہے جب انہوں نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں تو پھر کس حق سے تم انہیں معبود کہتے ہو، ایسے بیکار وجُودوں کو معبود بنانے سے تم نے کیا فائدہ سوچا ہے اپنے عقیدہ کی کمزوری محسوس کر کے چونکہ وہ لوگ جواب دینے سے بچتے تھے اس لیے جا بجا رسولؐ سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان سے جواب نہیں بن پڑتا تو تم خود انہیں بتا دو کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے۔ دُنیا کی ہر مخلوق کا پیدا کرنے والا اور ان کو رُوزی دینے والا اللہ ہی تو ہے۔ پس جب سارے کام اللہ ہی کرتا ہے تو تم اُس کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ تم ذرا یہ تو بتاؤ کہ جس شخص کو اللہ نے آنکھیں دی ہیں اور جو ذرہ ذرہ میں خدا کی قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے وہ بھلا کیسے اندھا بن کر خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنا لے گا۔ اور علم و عقل کی روشنی (ہدایتِ رسولؐ) ہر طرف پھیلی ہوئی دیکھنے کے باوجود جہالت کی تاریکی میں کیسے اپنے آپ کو جا ڈالے گا۔

جب تمہیں ہر طرف خدا ہی کی مخلوق نظر آتی ہے اور اس کی خلقت کا ایک ہی قانون اوّل سے آخر تک چلا آ رہا ہے تو پھر تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ اُس کے سوا کوئی اور بھی معبُود ہے۔ عقل کے اندھو، اگر کوئی بھی خدا کا شریک ہوتا تو کہیں تو تخلیق و تکوین کے معاملہ میں اُس کا ٹکراؤ خدا سے ہوتا اور نظامِ عالم میں کوئی تبدیلی کی صورت پیدا

ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں تو پھر مانو کہ ایک ہی قوت ہے جو تمام کائنات پر غالب اور متصرف ہے۔ قرآن نے یہ ایسی قوی دلیلیں وحدانیت باری تعالیٰ کے متعلق بیان کی ہیں کہ دنیا کے کسی حکیم یا فلسفی کی طاقت نہیں کہ ان کی تردید میں منہ کھول سکے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا
رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ
مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ
جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع

(margin: وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — النصف ع ۱۱ ۸)

(اب خدا اپنی وحدانیت کی ایک اور دلیل بیان کرتا ہے) اُس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنے اپنے اندازے سے نالے بہہ نکلے۔ پھر پانی کے ریلے سے پھولا ہوا جھاگ آگیا اور اس چیز (دھات) سے بھی جسے یہ لوگ زیور یا کوئی اسباب بنانے کے لیے تپاتے ہیں اسی طرح پھین آجاتا ہے (پھر الگ ہو جاتا ہے) یوں حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے (پانی حق کی مثال ہے اور جھاگ باطل کی) پھین تو خشک ہو کر غائب ہو جاتا ہے لیکن جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے یعنی پانی وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے یوں خدا (سمجھانے بجھانے کے لیے) مثالیں بیان کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا کہا مانا اُن کے لیے تو بہتری ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہ مانا (قیامت میں ان کی یہ حالت ہوگی) کہ اگر رُوئے زمین کے سب خزانے بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی اور ملا کر بھی نجات کے لیے دے ڈالیں (پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا) ایسے ہی لوگوں سے بُری طرح

حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو بہت بُری رہنے کی جگہ ہے۔

آسمان سے مینہ برسانا اس کی قدرت کاملہ کا ایک شاہکار ہے۔ غور کرو سُورج کی ایسی لطیف کرنیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں پانی کے قطروں کو کھینچتے ہوئے اوپر کو لیے چلی جاتی ہیں۔ کوئی آنکھ نہیں دیکھتی کہ یہ انقلاب مکانی کیونکر ہو رہا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں سے لے جا کر ہوا کے لطیف دامن پر جا ڈالتی ہیں۔ کیا مجال کہ ہوا کے دامن کا ایک تار بھی اُس کے حکم کے بغیر ٹوٹ جائے۔ کروڑوں من پانی ہوا کے دامن پر پھیل جاتا ہے جو بادل کی صورت میں ہمیں نظر آنے لگتا ہے۔ ہوا اس کو اُلٹتی پلٹتی رہتی ہے اور نہ معلوم کیا کیا کیمیائی چیزیں اس میں بھرتی رہتی ہے۔ جب اس کو حکم خدا ہوتا ہے تو اپنے دامن کو جھٹکنے لگتی ہے اور پھر زمین پر بارش ہونی شروع ہو جاتی ہے جس سے ندی نالے چھلک اُٹھتے ہیں اور جب پانی میں جوش مارتا ہے تو جھاگ پیدا ہو جاتے ہیں لیکن کچھ دیر بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں دوسری بات دھاتوں کے متعلق کہی گئی ہے کہ جب ان کو گلایا جاتا ہے تاکہ زیور یا برتن وغیرہ بنائے جائیں تو وہاں میل کچیل جھاگ کی صورت میں اُوپر آجاتا ہے۔ صاف سُتھری دھات نیچے رہ جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو احکام بذریعہ وحی نازل ہوئے ان کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے اور ایمان لانے والوں کو نالوں سے۔ اور جھاگوں سے تشبیہ دی گئی ہے منافقوں اور اسلام کے مخالفوں کو جو جھاگوں یا کوڑے کرکٹ کی طرح بہہ جاتے ہیں پانی کی روانی کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

کفار و مشرکین اس خیال میں مست تھے کہ قیامت کے عذاب سے جو ہمیں ڈرایا جا رہا ہے یہ محض ہمارے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے۔ وہ از راہِ تمسخر کہتے تھے اگر وہاں ہماری پکڑ دھکڑ ہوئی بھی تو کچھ دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑا لیں گے۔ ان کے اس خیالِ باطل کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت بارانِ رحمت کی طرح تھی جس سے زرخیز زمینوں کی طرح ایمان لانے والوں کو تو فائدہ پہنچا اور بنجر زمینوں کی طرح ایمان نہ لانے والے اُن فوائد سے محروم رہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ
الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

(اے رسول) جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے سراسر حق ہے وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو نِپٹ اندھا ہے (نہ دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے) اس سے تو کچھ سمجھ دار لوگ ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے عہد کو وفا کرتے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے نہیں اور جن تعلقات کو خدا نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور (قیامت کے دن) سخت حساب سے خائف رہتے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو مصیبت ان پر پڑی اُسے جھیل گئے اور نمازیں پڑھیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اُسے چھپا کر اور ظاہر بظاہر راہِ خدا میں دیا اور یہ لوگ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں اچھا گھر ہے اور جنّت عدن کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور (نہ صرف وہ بلکہ) ان کے نیکوکار باپ دادا ان کی ازواج اور ان کی اولاد بھی (ان کے ساتھ) جائے گی اور ہر دروازہ سے ملائکہ ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے سلام علیکم تم نے جو صبر کیا تھا (اس کا یہ صلہ ہے) آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے۔

پہلی آیت میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان سب چیزوں کو حق سمجھتا ہے جو رسولؐ پر نازل ہوئیں اس کے متعلق ابنِ مردویہ نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ وہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسولؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور جو احکام حضورؐ پر نازل ہوئے ان کو حق سمجھ کر سب پر عمل کیا۔

اس آیت کے بعد جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ مومنین کاملین کی ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاقی،

معاشرتی اور تمدنی اصلاح کے لیے بہترین طریقے ہیں۔ جس تمدن میں لوگ اپنے وعدوں کو وفا کریں گے، صلۂ رحم کریں گے۔ قیامت کے حساب سے ڈر کر حرام طریقہ سے چیزیں حاصل نہ کریں گے۔ نماز پڑھیں گے اور راہِ خدا میں غریبوں اور محتاجوں کو دیتے رہیں گے۔ بدی کا بدلہ نیکی سے دیں گے، وہاں کوئی خلفشار نہ ہوگا ایک دوسرے سے محبت کریں گے ہمدردی کا برتاؤ کریں گے، فتنہ و فساد کو وہاں دخل نہ ہوگا۔ خدا اور رسولؐ یہی چاہتے ہیں کہ سب لوگ نیکوکاروں کی سی زندگی بسر کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو پکّا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس کو (صلۂ رحم) قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں اور روئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) بُرا گھر ہے۔ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے لوگ زندگانی دُنیا پر بہت خوش ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت چیز ہے

مومنین کی خصلتیں بیان کرنے کے بعد اب کافروں کی صفات بیان کی جاتی ہیں پہلی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ سے پکّا وعدہ کرتے کہ ہم اس کی وحدانیت پر قائم رہیں گے اور اس کے احکام کی تعمیل کریں گے پھر لوگوں کے بہکانے اور مال و دولت کے لالچ میں اپنے عہد سے پھر جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ عہدِ رسالت کے لوگوں کے متعلق ہے تاہم تا قیامت ایسے لوگ پائے جاتے رہیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلۂ رحم بجا نہیں لاتے اور اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ان سے ملتے جلتے نہیں، تو ان پر لعنت ہے اور ان کا بُرا انجام ہے۔ باہمی معاہدہ کے ترک پر لوگوں کو کس قدر شرمندگی ہوتی ہے سوسائٹی میں انسان منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ نہ کہ خدا سے عہد کر کے توڑا جائے۔ انسانوں کا معاہدہ خدا سے یہ ہے کہ وہ شیطان کی عبادت نہ کریں اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی عبادت

نہ کرنا) پس جب انسان خواہشِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور احکام الٰہی سے منہ موڑ لیتا ہے تو معاہدۂ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور اپنے کو خدا کی لعنت کا سزاوار بنا لیتا ہے۔

دوسری بات صلۂ رحم کرنا ہے احادیث میں ہے کہ جو کوئی صلۂ رحم کرتا ہے خدا اُس کی عمر بڑھا دیتا ہے اور جو قطع رحم کرتا ہے اُس کی عمر کم کر دیتا ہے۔ صلۂ رحم کرنے سے رشتہ داروں کے درمیان محبت قائم رہتی ہے اور ایک دوسرے کا عہد قائم رہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فساد برپا نہ کیا جائے فساد کی جڑ حق تلفی ہے جب کسی کا حق غصب کیا جائے گا، حرام طریقہ سے روزی حاصل کی جائے گی تو ضرور معاشرہ میں فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں باتوں سے اپنے بندوں کو بچانا چاہتا ہے۔

جو لوگ عیشِ دُنیا میں مست ہیں اور زندگانی دنیا پر مرمٹے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ عیش و نشاط چند روزہ ہے ایک نہ ایک دن زندگی ختم ہونے والی ہے۔ دُنیا کیا اور اس کی پونجی کیا۔ آخرت کی نعمتوں کے مقابل یہ سب خاک در خاک ہے۔

عہدِ رسالت میں مشرکین مالداروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ خدا کے محبوب بندے یہی ہیں اگر اس کے پیارے نہ ہوتے تو اس قدر دولت اُن کو کیوں دیتا۔ قرآن کے متعلق کہتے تھے کہ اگر اُسے نازل ہی ہونا تھا تو طائف کے دو مالداروں پر نازل ہوتا جو اس زمانہ کے سب سے بڑے سیٹھ سمجھے جاتے تھے۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ رزق کا بڑھانا گھٹانا تو خدا کی مصلحتوں پر موقوف ہے جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے۔ اگر کسی کو زیادہ دیا ہے تو کسی حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ اپنی کسی مصلحت سے دیا ہے۔ پس جو مالدار ہے اُسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ خدا کا محبوب بندہ بھی ہے۔ مؤمنوں سے زیادہ خدا کافروں کو اس لیے دیتا ہے تاکہ دُنیا ہی میں ان کی نیکیوں کا بدلہ پورا ہو جائے دوسرے جتنے گناہ وہ کر سکتے ہوں جی بھر کر کر لیں پھر وہ ہیں اور میں ہوں۔ دولت کی بہتات میں وہ نیکیاں کیوں نہیں کرتے خدا پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ حجت تمام کرنے کے لیے ہر طرح کا آرام دیا جاتا ہے۔ اس پر بھی اپنی غلط کاریوں سے باز نہیں آتے تو پھر خدا کا عذاب ایک دن انہیں دھر پکڑے گا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ
يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ كَذَٰلِكَ
أَرْسَلْنَاكَ فِيٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَآ أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيٓ
أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾

جن لوگوں نے رسول کی رسالت کے ماننے سے انکار کیا کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔ اے رسول ان سے کہہ دو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے اپنی طرف آنے کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور ان کے دلوں کو خدا کی یاد سے تسلی ہوتی ہے۔ یاد رکھو خدا ہی کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوتی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے بہشت میں طوبیٰ اور خوشحالی اور اچھا انجام ہے۔ ہم نے تم کو اس اُمت میں بھیجا ہے ان سے پہلے اور بھی بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم ان کے سامنے قرآن کو جو وحی کے ذریعہ سے ہم نے تم کو بھیجا ہے پڑھ کر سُنا دو اور یہ لوگ کچھ تمہارے ہی نہیں بلکہ میری خدائی کے بھی منکر ہیں۔ تم کہہ دو وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

گمراہی میں چھوڑ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو خدا اس کو زبردستی اپنا راستہ نہیں دکھاتا۔ وہی اسباب جن سے لوگ ہدایت پاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے باعثِ گمراہی بن جاتے ہیں جو اُن کی عقل کے فتور کے باعث ہوتا ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اپنی صداقت کی کوئی نشانی نہیں دکھاتے ان کی جہالت کی دلیل ہے۔ بہت سی نشانیاں ان کو دکھائی جا چکی ہیں مگر ان کو چونکہ ایمان لانا مقصود ہی نہیں لہٰذا وہ اندھے بنے ہوئے ہیں کوئی نشانی انہیں نظر ہی نہیں آتی۔ جو نشانی بھی انہیں دکھائی جائے گی وہ اس سے انکار کر کے کوئی اور نئی نشانی طلب کرنے لگیں گے۔

جو لوگ ایمان لا چکے، ذکرِ خدا کرنے کی وجہ سے ان کے قلوب مطمئن ہو چکے ہیں وُہ کسی نشانی کے طلبگار نہیں

طوبیٰ کے متعلق تفسیر صافی اور مجمع البیان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں جنّت میں پھیلی ہوئی ہیں دوسری مرتبہ جب یہی سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی جڑ علیؑ کے گھر میں ہے۔ اس پر کسی نے کہا پہلے تو آپؐ نے اور طرح فرمایا تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا، تمہاری سمجھ کا پھیر ہے حقیقت میں میرا اور علیؑ کا گھر ایک ہی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ
الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ
اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا
صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ۳۱ ع ۵

اگر کوئی ایسا قرآن بھی نازل ہُوا ہوتا جس کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے چل کھڑے ہوتے یا زمین کی مسافت طے کی جاتی یا اس کی برکت سے مُردے بول اُٹھتے (تو بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے) بلکہ (سچ تو یُوں ہے) سب کاموں کا اختیار اللہ ہی کو ہے تو کیا ابھی تک اہلِ ایمان یہی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ خدا چاہتا تو سب کو ہدایت کر دیتا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان پر ان کی بداعمالی کی سزا میں کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی ہی رہے گی یا ان پر نہ پڑی تو ان کے گھروں کے آس پاس نازل ہوگی ضرور یہاں تک کہ خدا کا وعدہ (عذاب) پُورا ہو کر رہے گا۔ خدا ہرگز خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا الخ شانِ نزول اس آیت کی یہ ہے کہ ایک بار چند مشرکین حضرت رسولؐ خدا کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہم آپؐ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپؐ مکّہ کے پہاڑوں کو دُور ہٹا دیں تاکہ شہر مکّہ کی آبادی کے لیے جگہ کشادہ ہو جائے اور زمین کو شگافتہ کر کے چشمے بہا دیں تاکہ کھیتی باڑی میں مدد ملے نیز یہ کہ آپؐ اپنے اسلاف میں کسی کو زندہ کر دیں تاکہ ہم ان سے آپؐ کی نبوّت کی صداقت کے متعلق دریافت کریں۔ ان باتوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو بھی یہ ایمان لانے والے

نہیں یہ تو صرف دفع الوقتی کی باتیں ہیں۔ جب قرآن نے ہر طرح کے دلائل پیش کر دیئے اور یہ ایمان نہ لائے تو اب ان باتوں کے ہونے کے بعد یہ کیا ایمان لائیں گے۔ قرآن کے ذریعہ یہ سب کچھ دکھایا جا سکتا ہے مگر ان کے ایمان لانے کی اُمید نہیں۔
مؤمنوں کو یہ اُمید نہ رکھنی چاہیئے کہ سب کے سب ایمان لے آئیں اگر خدا ایسا چاہتا تو بے شک سب ایمان لے آتے مگر یہ خدا کی مصلحت کے خلاف ہے وہ کسی کو جبراً مؤمن بنانا نہیں چاہتا بلکہ اس کی ہدایت کا منشا تو یہ ہے کہ سمجھ بوجھ کر ایمان لائیں۔
جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اور وہ رسولؐ کو ستانے سے باز نہیں آتے ان پر کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہے گی اور اگر ان پر نہ پڑی تو ان کی عبرت کے لیے ان کے آس پاس کے کافروں پر ضرور پڑے گی اور اللہ نے اے رسولؐ تم سے جو فتح مکّہ کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اس وقت ان کی تمام شیخی کرکری ہو جائے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ ۳۲ اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ
السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ ۳۳

اے رسول تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں پس ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر ہم نے ان کو دھر پکڑا، پس ان پر عذاب کیسا سخت تھا۔ جو خدا ہر شخص کے اعمال کی خبر رکھتا ہے (کیا وہ ان کو چھوڑ دیگا ہرگز نہیں)۔ ان (مشرکوں) نے خدا کے شریک بنا لیے ہیں۔ اے رسول ان سے کہو تم ان کے نام تو بتاؤ کیا تم خدا کو ایسے شریکوں کی خبر دیتے ہو جن کو وہ جانتا تک نہیں (کہ زمین میں کدھر بستے ہیں) یا اوپری باتیں بناتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کافروں کو ان کی مکّاریاں بھلی دکھائی گئی ہیں اور وہ راہِ راست سے روک دیئے گئے ہیں اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے تو اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

دُنیا کی اقوام کا قاعدہ یہ رہا کہ جب خدا کے رسولوں نے ان سے کہا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک خدا ہے تو وہ مذاق اڑانے لگے کہ بھلا اتنا بڑا کارخانہ اور اس کا چلانے والا صرف ایک۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سرکشی کی سزا میں ان پر سخت سے سخت عذاب آئے۔ ہر شخص جو کچھ عمل کرتا ہے وہ خدا سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ لوگوں نے اپنی بے عقلی سے خدا کے شریک بنا لیے ہیں۔ ان سے پوچھو اُن کے نام کیا ہیں۔ کیا خدا نے تمہیں اطلاع دی ہے کہ فلاں فلاں کو تم میرا شریک بنا کر پُوجو۔ یا تم نے خدا کو بتایا ہے کہ ہم نے فلاں فلاں کو تیرا شریک بنا لیا ہے اور خدا کو پتہ بھی نہیں کہ جنہیں تم نے شریک بنایا ہے وہ کہاں بستے ہیں۔ یا یہ صرف کھانے کمانے کی باتیں ہیں کہ تم بے سوچے سمجھے یہ احمقانہ عقیدہ بنائے ہوئے ہو اور ان شریکوں کے پجاری بن کر دوسروں سے ان کے نام پر فائدہ حاصل کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ ان کافروں کی مکاریوں کو شیطان نے ان کی نظر میں خوشنما قرار دے دیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ خدا نے بھی اپنی توفیقات ان سے ہٹا کر گمراہی میں پڑا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ خدا نے اپنی ہدایت ان سے روک لی ہے، کون ہے جو انہیں ہدایت کر سکے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

ان لوگوں کے لیے دُنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بڑا ہی سخت ہے اور پھر خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا بھی نہیں ہوگا۔ پس جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کے میوے سدا بہار ہیں اور اس کے سائے بھی ہر وقت رہنے والے ہیں۔ یہ انجام ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی اور کافروں کا انجام جہنّم ہے

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ

يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ
اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾ ع ٥ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُن احکام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیے گئے ہیں۔ اور ان میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو اُن میں سے بعض کا انکار کرتے ہیں۔ تم اُن سے کہہ دو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤں میں اسی کی طرف بُلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور یوں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان بنا کر نازل فرمایا اے رسول اگر اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس علم قرآن آ چکا ہے تم نے ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر خدا کی طرف سے نہ تمہارا کوئی سرپرست ہوگا نہ بچانے والا۔ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں بھی دیں اور اولاد بھی عطا کی اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا دکھائے۔ ہر ایک وقت کے لیے ہمارے یہاں ایک قسم کی تحریر ہوتی رہتی ہے۔

یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ اگر یہ رسول سچے ہوتے تو ان کا ذکر ہماری کتاب میں ہوتا اور یہود و نصاریٰ ان کی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سب یہودی یکساں نہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے چند ساتھی احکامِ قرآن پر ایمان لے آئے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا ہے۔ اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ تمہارے انکار سے ہوتا کیا ہے، میری رسالت کو تمہارے انکار سے کیا نقصان پہنچتا ہے۔ جو میرا فرض ہے میں تو اُسے پورا کروں گا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک

کسی کو نہ بناؤں اور اس ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلاؤں تو یہ کام تو میں کرتا رہوں گا۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپؐ نے بہت سی بیبیاں کر لی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عیش پرست اور شہوت پرستی کی طرف مائل ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسولؐ سے پہلے اور بھی رسول بھیجے گئے تھے۔ ان کی بیبیاں بھی تھیں اور بچے بھی۔ اپنی توریت میں تم نے خود ہی لکھ مارا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی سو بیبیاں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کی تین سو۔ پس جب اتنی کثرت کے ساتھ نبوت میں کوئی فرق نہ پڑا تو رسولِ خدا کی چند بیبیوں کے ساتھ کیا فرق پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی رسول یا نبی کی بی بیوں یا اولاد سے نبوت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اولاد یا بی بی کا تعلق اپنی جگہ ہے اور تبلیغ اپنی جگہ ہے۔ باوجود چند بی بیاں ایک وقت ہونے کے آنحضرتؐ کی تبلیغ میں کیا فرق پڑا۔ اگر فرق پڑتا تو خدا ٹوکتا اور ان کو تعدد ازواج کی اجازت ہی نہ دیتا۔

نصاریٰ اور یہودی بار بار حضرتؐ کی خدمت میں آکر کہتے تھے کہ آپؐ ایسے کھلے ہوئے معجزات کیوں نہیں دکھاتے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دکھائے۔ آپؐ بھی کسی پہاڑ سے اسی طرح پانی نکال کر دکھائیں جیسے موسیٰؑ نے عصا مار کر نکالا تھا۔ آپؐ بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح مُردوں کو جلا کر اور کوڑھیوں کو اچھا کر کے دکھائیں۔ اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ معجزہ دکھانا بغیر اذنِ خدا کسی نبی کے اختیار میں نہیں۔ جب خدا کا حکم ہوتا ہے تب کوئی نبی معجزہ دکھاتا ہے۔ یہ کوئی بھان متی کا تماشا نہیں یا شعبدہ باز کا کھیل نہیں کہ جب کسی نے کہا دکھاؤ تو دکھانے لگے۔ اگر نبی کے اختیار میں ہو اور ہر کسی کی خواہش پر دکھانے لگے تو پھر اسی کام کا ہو جائے۔ آئے دن لوگ کسی معجزہ کے دکھانے کی خواہش کرتے رہیں۔ جو لوگ ایمان نہ لانے والے تھے وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر کب ایمان لائے۔ کسی نے جادو کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کسی نے نظر بندی بنا کر چھٹکارا حاصل کیا۔ قرآن کھلا ہوا معجزہ ہے جب لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تو وہ کسی اور معجزہ پر کیا ایمان لائیں گے۔ ابوجہل نے شق القمر کا معجزہ دکھانے کی خواہش کی حضرتؐ نے جب دکھایا تو یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ محمدؐ کا جادو صرف زمین پر ہی نہیں چلتا بلکہ آسمان پر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔ (استغفر اللہ)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۤءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔ اے رسول عذاب کے جو وعدے ہم ان کفار سے کرتے ہیں چاہے تمہارے سامنے پورے کر دکھائیں چاہے تمہیں اس سے پہلے اٹھا لیں۔ تم پر تو صرف احکام کا پہنچا دینا فرض ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا انہوں نے یہ بات نہ دیکھی کہ ہم زمین کو (فتوحاتِ اسلام سے) اس کو تمام اطراف کو گھٹاتے چلے آتے ہیں (کفار کے لیے)۔ اور خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جو لوگ (ان کفارِ مکہ سے) پہلے ہو گزرے ہیں ان لوگوں نے بھی پیغمبروں کی مخالفت میں بڑی بڑی تدبیریں کیں (لیکن کر کچھ نہ سکے) کیونکہ سب تدبیریں تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو شخص جو کچھ کرتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے اور کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کی خوبی کس کے لیے ہے۔ اے رسول کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو تم ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے لیے خدا کافی ہے اور وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے۔

احکامِ الٰہیہ کا تعلق دو لوحوں سے ہے۔ ایک کو لوحِ محو و اثبات کہتے ہیں دوسری کو لوحِ محفوظ۔ لوحِ محو و اثبات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن لوحِ محفوظ جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لوحِ محو و اثبات کا علم ملائکہ اور انبیاءؑ کو ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گنہگار کی سزا لوحِ محو و اثبات میں لکھی جاتی ہے لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے یا کوئی عملِ خیر کرتا ہے تو اس کی سزا مٹا دی جاتی ہے یا کم کر دی جاتی ہے۔ یا مثلاً ایک شخص صلۂ رحم کرتا ہے اس کی عمر بڑھا دی جاتی ہے اور ایک شخص قطعِ رحم کرتا ہے اس کی عمر کم کر دی جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں لوحِ محفوظ میں ثبت ہوتی ہیں وہیں سے فرشتوں اور انبیاء کے لیے لوحِ محو و اثبات میں آتی ہیں۔

کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو صرف اللہ کے پاس ہے اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مُطلع نہیں کیا دوسرا وہ علم ہے جو ملائکہ و انبیاء کو تعلیم کیا ہے جو علم اس کے پاس ہے اس میں جس امر کو چاہے وُہ مقدم کرے یا مؤخر یا محو کرے یا ثابت رکھے۔ ہماری شریعت میں اس کو بداء کہتے ہیں۔ یہودیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا کر چکا۔ اس سے تو اُس کی مجبوری لازم آتی ہے۔ بلکہ وہ مختارِ کُل ہے جس امر کو جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔

دوسری آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے فتوحات کے جو وعدے کیے ہیں وہ ہم ضرور پُورا کریں گے چاہے رسولؐ کی زندگی میں پُورا کریں یا ان کے مرنے کے بعد۔ کفّار کے قبضہ میں جو زمینیں ہیں ہم ان پر برابر مسلمانوں کو قابض بنا رہے ہیں۔ کفّار جو تدبیریں اسلام کی تباہی کے لیے کر رہے ہیں وہ ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ کی تدبیریں ان سب پر غالب رہیں گی۔

ایک بار چند یہودی عالم آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، یہ بتائیے کہ آپؐ کی رسالت کا گواہ کون ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایک گواہ تو اللہ ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور دوسرا وُہ ہے جس کے پاس پوری کتاب (قرآن) کا علم ہے۔ مفسّرین کا اس میں اختلاف ہے۔ مفسّرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام یہودی کے متعلق ہے جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور توریت کا عالم تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مکّی ہے اور عبداللہ مدینہ میں ایمان لایا تھا۔ اس کے ایمان لانے سے پہلے یہودیوں کے مقابلہ میں اس کو کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہم شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مَن عِندَہٗ عِلمُ الکتاب سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔ وہ نزولِ قرآن کے وقت سے لے کر ہر وقت دمِ آخر تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے اور حضورؐ نے اُن کو علمِ قرآن کی تعلیم اس طرح دی جیسے طائر اپنے بچّہ کو بھراتا ہے۔ اصحابِ رسولؐ میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ بر سرِ منبر یہ کہے سلونی قبل ان تفقدونی۔ جب تک علمِ قرآن پورا سینہ میں نہ ہو کوئی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن ہی کا یہ دعویٰ ہے کہ میرے اندر ہر شے کا بیان ہے بس اس کا جاننے والا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو چاہو مجھ سے پُوچھ لو۔

ثعلبی نے عبداللہ بن عطا سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کہتے تھے کہ مَن عِندَہٗ علم الکتاب سے مراد علیؑ بن ابی طالب ہیں اور اس وجہ سے آپؑ اکثر فرمایا کرتے تھے سَلُوۡنِیۡ قَبۡلَ اَنۡ تَفۡقِدُوۡنِیۡ جن لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سلام مراد ہے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ سعید بن جُبیر سے جب کہا گیا کہ مَن عِندَہٗ علمُ الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں تو انہوں نے کہا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ سورہ تو مکہ میں نازل ہُوا اور عبداللہ مدینہ میں اسلام لائے۔ ابن منذر نے شعبی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں تو کوئی آیت نازل ہوئی ہی نہیں۔ (تفسیر دُرِ منثور جلد ۴)۔

سُوۡرَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ (۱۴) (۷۲)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ
بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ②
الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ
اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ③

الف لام را۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نُور کی طرف لاؤ (یعنی) باذنِ خدا ان کے اُس رب کے راستہ کی طرف جو غالب اور لائقِ حمد ہے۔ اللہ وہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے کافروں کے لیے جو عذاب سخت مہیا کیا گیا ہے افسوسناک ہے یہ وُہ لوگ ہیں جو آخرت سے زیادہ زندگانیٔ دُنیا کو محبُوب رکھتے ہیں اور لوگوں کو خدا کے راستہ پر چلنے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

اس سورہ میں ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ کفّار کی شناخت۔ ہر نبی اپنی قوم کی زبان میں ہدایت کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا حال۔ شکرِ نعمت اور کفران سے عذاب کی زیادتی۔ خدا مغفرت کی طرف بُلاتا ہے۔ ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ کفّار کے اعمال ایسے ہیں جیسے آندھی میں راکھ۔ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال۔ خدا کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا۔ مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت۔ مکہ کی آبادی۔ قیامت کا ذکر۔

تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لانے کا مطلب یہ ہے کہ جہالت سے نکال کر علم کی روشنی میں لانا یا یہ کہ شرک و کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لانا۔ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کا کام صرف راہِ ہدایت

دکھانا ہے ایصال الی المطلوب نہیں۔ یعنی جب تک توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو کوئی نبی اس کو ایمان کے راستہ پر نہیں لگا سکتا اور توفیق کی سعادت اُسی کو حاصل ہوگی جو برضا و رغبت اس کو حاصل کرنا چاہے گا۔ دُنیا میں اکثر لوگ ایسے ہی پائے جاتے ہیں جو دُنیا کے عیش میں ایسے مست پڑے ہیں کہ آخرت کا خوف بالکل دل سے نکال دیا ہے۔ ان کے نزدیک آخرت کوئی چیز ہی نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ
الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ع ۶/۱۴

ہم نے جس رسول کو بھیجا ہے اس کی قوم کی زبان جاننے والا بھیجا ہے تاکہ وہ ان پر احکامِ الٰہی واضح کر دے پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات (معجزات) دے کر بھیجا کہ تم اپنی قوم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آؤ اور انہیں خدا کے وہ دن یاد دلاؤ (جن میں خدا کی بڑی قدرتیں ظاہر ہوئیں)۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لیے خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔ وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا خدا نے جو احسانات تم پر کیے ہیں اُن کو یاد کرو جب تمہیں فرعون والوں کے ظلم سے نجات دی تھی وہ تم کو بڑے بڑے دکھ دے کر ستاتے تھے تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو (اپنی خدمت کے لیے) زندہ رہنے دیتے تھے۔

اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے صبر کی بڑی سخت آزمائش تھی۔

جس قوم پر جو نبی بھیجا گیا وہ اسی قوم کا ہوتا تھا اور اس قوم ہی کی زبان میں اُن کو سمجھاتا تھا ورنہ اگر ان کی مادری زبان کے علاوہ اگر کسی اور زبان میں سمجھاتا تو وہ یہ عذر پیش کرتے کہ جب تمہاری بات ہی ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو ہم تمہارا کہنا کیسے قبول کریں جو کتاب نازل ہوتی تھی ضرورت کے پیشِ نظر وہ بھی اُسی قوم کی زبان میں آتی تھی تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جب لوگ اپنی ہٹ اور ضد پر جمے رہتے ہیں اور انبیاء و مرسلین کی بات پر کان نہیں دھرتے تو خدا ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے وہ جبراً کسی کو خداپرست بنانا نہیں چاہتا۔ یہ ترجمہ کرنا غلط ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اگر خدا خود ہی گمراہ کرے تو پیغمبر ہادیوں کا بھیجنا فضول اور کتابوں کا نازل کرنا بیکار اور مشرکوں اور نافرمانوں کو سزا دینا ظلم ہی ظلم ہوگا۔ ہدایت کی توفیق بھی وہ اپنی مصلحت کے پیشِ نظر دیتا ہے ایسا نہیں کہ اندھا دھند جسے چاہا صاحبِ عرفان بنا دیا۔ وُہ دیکھتا ہے کہ میلانِ طبع کی کیا صورت ہے۔ اگر ہدایت قبول کرنے کا جذبہ اس کے اندر موجود ہوتا ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزات دے کر حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ کفر و شرک کی جس تاریکی میں وُہ زندگی گزار رہے تھے اُن کو وہاں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئیں اور جو زمانے ان پر گزرے ہیں ان کو یاد دلائیں جناب موسیٰؑ نے اُس ظلم کو یاد دلایا جو فرعون کے ہاتھوں اُن کی قوم پر ہوتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی اُن کے لڑکے ذبح کیے جاتے تھے اور لڑکیاں زندہ رکھی جاتی تھیں تاکہ ان سے قبطی قوم مختلف قسم کی خدمتیں لے۔ یہ قومِ موسیٰ پر سخت عذاب تھا جس سے خدا نے ان کو بچا لیا۔ یہ امتحان درحقیقت ان کی نافرمانیوں کی سزا تھی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ
لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ڕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا
كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ

ربع عند المتقدمين

اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ⑨

جب تمہارے پروردگار نے تمہیں بتا دیا کہ اگر میرا شکر کرو گے تو میں تم پر نعمت کی زیادتی کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔ موسیٰ نے کہا اگر تم اور وہ سب جو روئے زمین پر بستے ہیں کفر اختیار کر لیں تو اللہ ان سب سے بے نیاز ہے اور سزاوارِ حمد ہے۔ کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔ قومِ نوح۔ عاد و ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے (کیونکر خبر ہوتی) ان کو تو خدا کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ ان کے پاس ان کے وقت کے پیغمبر معجزے لے کر آئے اور سمجھانے لگے تو ان لوگوں نے پیغمبروں کے ہاتھوں کو اُن کے منہ پر اُلٹا مارا اور کہنے لگے کہ جو حکم تم خدا کی طرف سے لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس دین کی طرف تم ہم کو بُلاتے ہو ہم اس کے متعلق گہرے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

شکر سے یہ مراد ہے کہ جو نعمتیں ہم نے تم کو دی ہیں اگر اُن کا صحیح استعمال کرو گے اور ہماری فرمانبرداری اختیار کرو گے تو ہم ان میں اضافہ کریں گے اور کفرانِ نعمت کی صورت میں ان کو روک دیں گے۔

خدا کو تمہاری پرواہ کیا ہے اگر تم اور زمین کے سارے باشندے بھی کفرانِ نعمت کرنے پر اُتر آئیں تو اتر آئیں خدا کو کیا پرواہ، اُس کی ذات بے نیاز ہے۔ تمہاری شکر گزاری کی اُسے ذرہ برابر احتیاج نہیں تمہارا ہی فائدہ ہے کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہماری نافرمانی پر کمر باندھی تو ان کا کیا حشر ہوا کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ قومِ نوحؑ، قوم عاد و ثمود کے حالات پر نظر ڈالو، ان کے قصے پڑھو۔ قرآن میں ہم نے ان کے حالات بیان کر دیئے ہیں اُن سے سبق حاصل کرو۔

ہم نے ان کی ہدایت کے لیے رسولوں کو بھیجا۔ ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات دیئے۔ مگر انہوں نے ان کی بات کان لگا کر نہ سنی اور ان کی ہدایت کے حصول سے انکار کر دیا۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوئے۔ دُنیا میں ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اگر تم ان کے واقعات سے سبق حاصل نہ کرو تو تم سے زیادہ بے وقوف کون ہے۔ تم اپنی نافرمانی سے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جو مصیبت آئے گی تم پر ہی آئے گی۔

خدا نے کفار و مشرکین کے سمجھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر وہ ایسے چکنے گھڑے بنے کہ کسی بات کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ اس کی کئی وجہیں تھیں:

۱۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کرنے میں اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔
۲۔ رسولوں کو وہ اپنے ہی جیسا آدمی سمجھتے تھے۔ لہٰذا اپنے اوپر ان کی فوقیت تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔

۳۔ وُہ ان کو اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھتے تھے۔
۴۔ عذاب سے ڈرانے کو وہ صرف دھمکی سمجھتے تھے۔
۵۔ گزشتہ قوموں کے عذاب کے قصے بھی جھوٹے جانتے تھے۔

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ
مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ
تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ⑩ قَالَتۡ
لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ
عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ⑪ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ
وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ⑫

رسُولوں نے ان سے کہا کیا تم اُس اللہ کے بارہ میں شک کرتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وُہ تم کو بُلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور ایک وقتِ مقرر تک تم کو دُنیا میں (چین سے) رہنے دے۔ انہوں نے جواب میں کہا تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو تم یہ چاہتے ہو کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اُس سے ہمیں روک دو۔ کوئی صریحی معجزہ ہمیں دکھلاؤ۔ رسولوں نے ان سے کہا، یہ ضرور ہے کہ ہم تم ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔ ہم بے اذنِ خدا (تمہاری خواہش کے مطابق) کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے اور ایمان والے تو ضرور اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں ہم اس پر کیوں نہ بھروسہ کریں جبکہ اس نے ہدایت کے راستے ہم پر کھول دیئے ہیں۔ تم جو

اذیت ہم کو دو گے ہم ضرور اس پر صبر کریں گے اور توکّل کرنے والے اللہ ہی پر توکّل کرتے ہیں۔

مرسلین جب اپنی قوم کو ہدایت کرتے تھے تو سب سے پہلے وہ یہی کہتے تھے کہ جب تم ہم جیسے آدمی ہو تو ہم تمہارا یہ دعوئ نبوّت کیوں تسلیم کر لیں کہ تم خدا کے فرستادہ ہو۔ ہمارے نزدیک تو تم جھوٹ بولتے ہو اور ہم پر فوقیت جتانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو اگر سچے ہو تو ظاہر بظاہر کوئی معجزہ دکھاؤ۔ رسول کہتے تھے کہ یہ صحیح ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں، مگر ہم پر اللہ نے یہ احسان کیا ہے کہ اپنا نبی بنا کر تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ ہمارا اس میں کیا بس ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنا نمائندہ منتخب کر لیتا ہے۔ رہا معجزہ دکھانا تو یہ کوئی کھیل تماشہ تو نہیں کہ جب تم کہو ہم دکھا دیں۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے جب اس کی مصلحت ہوگی ہمارے ذریعہ سے دکھا دے گا۔ لوگوں میں کمزوری یہ تھی کہ وہ انبیاء و مرسلین کی ظاہری صورت پر نظر کر کے اپنے جیسا آدمی سمجھتے تھے۔ ان کے اُن باطنی کمالات پر اتنی نظر نہ تھی جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دے رکھے تھے۔ وُہ انبیاء کو کبھی تو یہ لالچ دیتے تھے کہ اگر تم ہمارے گروہ میں شامل رہو گے تو ہم تمہارے لیے دولت مہیا کر دیں گے۔ کبھی دھمکیاں دیتے تھے کہ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تم کو بستی سے نکال دیں گے تمہارا بائیکاٹ کر دیں گے ان کے جواب میں وہ کہتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں، ہمارا بھروسہ خدا پر ہے اور اسی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔ بار بار اللہ پر توکّل کا ذکر کر کے بنی نوع کو یہ ہدایت کی ہے کہ صرف اللہ پر بھروسہ کریں۔ دنیا کے سب بھروسے کمزور ہیں۔ مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اللہ سے زیادہ لوگوں پہ بھروسہ کرتے ہیں اور پھر اس کے جو خراب نتائج نکلتے ہیں انہیں بھگتتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ
كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

کافر لوگوں نے اپنے رسولوں کو جواب دیا ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے کہ تم ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آؤ۔ ان (انبیاء) کے ربّ نے ان کو وحی کی (گھبراؤ نہیں) ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ اور ان کے بعد ضرور تمہیں ان کی جگہ بستیوں میں بسائیں گے یہ وعدہ محض اس کے لیے ہے جو ہماری بارگاہ میں اعمال کی جوابدہی کے لیے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کھائے۔ اور پیغمبروں نے ہم سے

اپنی فتح کی دُعا مانگی (آخر وُہ پوری ہوئی) اور ہر سرکش عداوت رکھنے والا ہلاک ہوا (یہ تو دُنیا کی سزا تھی) اس کے بعد جہنّم ہے جہاں ان کو پیپ بھرا پانی دیا جائے گا۔

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اظہارِ نبوّت سے پہلے کافروں میں شامل تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نبی آنِ واحد کے لیے بھی بحالتِ کفر رہا ہو۔ لوگوں پر یہ دھوکا اس لیے ہوا کہ وہ قبلِ نبوّت اپنی خاموش زندگی بسر کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس پہ اعتراض نہیں کرتے تھے۔ اس سے ان کی قوم سمجھتی تھی کہ یہ ہمارے مذہب کو ماننے والے ہیں۔

مروی ہے کہ ولید بن عبدالملک کو جب سلطنت ملی تو اُس نے قرآن سے تفاؤل کیا ہدایت نکلی خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ اُسے غصہ آگیا اور قرآن کو پارہ پارہ کر کے کہنے لگا، جا روزِ قیامت خدا کے سامنے کہہ دینا کہ مجھے ولید نے پھاڑ ڈالا ہے اور دو شعر بھی کہے جو ہم نے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ تین دن نہ گزرے تھے کہ لوگوں نے اُسے مار دیا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا
كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾
وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

(اور جہنمی کو ایسا پیپ بھرا پانی دیا جائے گا) جسے وُہ بمشکل حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا لیکن نہ اُتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اُس پر چھائی رہے گی حالانکہ وہ مارے نہ مرے گا اور پھر اس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا جو لوگ اپنے ربّ کے منکر ہیں اُن کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن

کافروں کے اعمال کی مثال

میں ہوا کا ایک زور کا جھونکا اُڑا لے گیا ہو جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا ہوگا اس میں سے کچھ بھی ان کے کام نہ آئے گا۔ یہی تو پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان و زمین ضرور مصلحت سے پیدا کیے ہیں اگر وہ چاہے تو تم سب کو مٹا کر ایک نئی مخلوق لا بسائے اور یہ اللہ کے لیے کوئی دشوار بات نہیں ہے۔

خدا کی پناہ جہنم کا عذاب ایسا سخت ہوگا کہ اس کے تصور سے ہی روح کانپ اُٹھتی ہے۔ ایک جسم ہوگا اور اس پر طرح طرح کے عذاب پھر یہ بھی نہ ہوگا کہ مر کر اس عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ مدت بعد چھٹکارا مل جائے۔ عذاب ہوگا اور دائمی جہاں بچنے یا کم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ استغفراللہ۔

جو لوگ خدا کے منکر ہیں اس دنیا میں جو کچھ وہ کر رہے ہیں اور ان کو نیکیاں سمجھ رہے ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بنوا کر فخر کر رہے ہیں، قومی اداروں میں کثیر رقم صرف کر رہے ہیں، رفاہِ عامہ میں دولت لگا رہے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کو کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا یہ سب راکھ کا ڈھیر اور ریت کا تودہ ہے جسے تیز ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔ جب وہ خدا کو مانتے ہی نہیں تو آخر یہ کام کس کی خوشنودی کے لیے کر رہے ہیں۔ ان کی نظر نہ آسمانوں پہ جاتی ہے نہ زمین پر، کہ بنانے والے نے کیسی حکمتِ بالغہ سے ان چیزوں کو بنایا ہے یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے تو نہیں بن گیا جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے نافرمان بندوں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسروں کو لا بسائے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ
لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱ۧ

(اور قیامت کے دن) سب لوگ خدا کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے تو جو لوگ دنیا میں کمزور تھے بڑے لوگوں سے کہیں گے ہم تو تمہارے پیرو تھے تو آج تم ہمیں خدا کے عذاب سے بچانے میں کچھ بھی مدد دے سکتے ہو۔ وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھاتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں اب تو ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو دنیا میں صاحبانِ اقتدار کے پیچھے چل رہے ہیں اور انہی کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھے بیٹھے ہیں وہ سمجھ لیں کہ آج وہ تمہارے نزدیک جو کچھ ہوں لیکن کل تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے ان سے جو تمہاری عقیدت وابستہ ہے وہ کچھ بھی کام نہ آئے گی۔

شیطان کا اپنے ساتھیوں سے بیزاری

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ
فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ
لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ
اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۲
وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳

جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا اور لوگ شیطان کو الزام دیں گے تو شیطان کہے گا کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ خدا نے جو تم سے سچا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا اور میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کے متعلق میں نے وعدہ خلافی کی میری تم پر کچھ حکومت تو تھی نہیں۔ میں نے تمہیں بُرے کاموں کی طرف بُلایا تھا۔ تم نے میرا کہنا مان لیا پس اب تم مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے نفسوں کو بُرا بھلا کہو۔ اب نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو میں تو اس سے پہلے ہی بیزار ہوں کہ تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا بے شک جو لوگ نافرمان ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان والے اور عملِ صالح کرنے والے تھے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ اُن میں رہیں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

شیطان کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ کسی کے سامنے آ کر تو بہکاتا نہیں نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر کوئی بُرا کام کراتا ہے بلکہ

چپکے سے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے اور وہی وسوسہ تمام عقاید و اعمال کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ کسی کے اصول کی جڑ کاٹتا ہے کسی کے فروع کی۔ کسی کو شرک کا دلدادہ بناتا ہے کسی کو الحاد کا۔ انہی وسوسوں میں وہ جھوٹے وعدے بھی شامل ہوتے ہیں جن کے سہارے بے وقوف لوگ اپنی آخرت تباہ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ اپنے پرستاروں سے الگ ہو کر کہے گا، میں نے تمہاری گردن دبا کر تو کوئی کام کرایا نہ تھا تمہاری عقل پر چھاپہ ضرور مارا تھا تم ایسے احمق کیوں بنے کہ میرے بہکانے میں آ گئے۔ اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ مجھے ملامت کیوں کرتے ہو، اپنے نفسوں کو کیوں نہیں کرتے کہ وہ خدا کے وعدوں کو بھول کر میرے وعدوں پر ہو بیٹھے تھے۔ بے شک خدا کے وعدے سچے تھے میرے سب وعدے جھوٹے تھے میں تو تمہارا کھلا دشمن تھا۔ تمہاری آخرت برباد کرنے کی دُھن میں ہمیشہ لگا رہا۔ چنانچہ مجھے اپنی کوششوں میں خاصی کامیابی ہو گئی۔ میں نے بہت سے خداؤں کے سامنے تم سے سجدے کرا دیئے۔ اب کیا روتے پیٹتے ہو۔ جو عذاب خدا نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے اُسے جھیلو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ
خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

اے رسول کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات (کلمۂ توحید) کی کیسی اچھی مثال بیان کی ہے کہ اچھی بات ایک پاکیزہ درخت ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت پھلا پھولا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے لیے ایسی مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں اور گندی بات شرک (کی) مثال ایک گندے درخت کی ہے جس کی جڑ

اتنی کمزور ہے کہ) زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے کیونکہ اس کو کچھ ٹھہراؤ تو ہے نہیں۔ جو لوگ پکی بات (کلمۂ توحید) پر صدق دل سے ایمان لا چکے ان کو خدا دُنیا میں بھی ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں بھی (انہیں سوال اور جواب میں کوئی دقت نہ ہو گی) اور سرکشوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلمۂ توحید یعنی خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کا اقرار کرنا۔ کائنات کے تمام نظام کی صلاحیت کا اقرار کرنا ہے کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے ایک ہی ذات کے تدبّر و تصرّف سے ہوتا ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ اس کا اقرار کرے کیونکہ اس سے اس کا نظامِ حیات وابستہ ہے۔ دو خدا ماننے کی صورت میں اس کے عقایدِ صحیحہ کا تار پود بکھر جاتا ہے زمین سے آسمان تک جو نظام چل رہا ہے وہ ایک ہی ذات کے امر کے تحت چل رہا ہے اور ہر زمانہ میں یہی نظام باقی رہے گا۔ شرک کا کلمہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جس کی جڑ کو ثبات و قرار نہیں۔ ہلکے سے جھٹکے میں زمین سے اکھڑ سکتا ہے یعنی شرک کے متعلق جو دلائل ہیں وہ سب ناکارہ ہیں۔ شرک کو نظامِ عالم میں کوئی دخل نہیں۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۲/۲۱) اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو دونو تباہ ہو کر رہ جاتے۔

کلمۂ توحید کی عظمت اور شرک کی ذلت، فتح مکّہ کے روز لوگوں کے سامنے آ گئی۔ جب حضرت رسولِ خداؐ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا چاروں طرف طاقوں میں بُت رکھے ہوئے ہیں۔ آپؐ اور حضرت علیؑ نے ان سب کو چھڑی مار مار کر گرا دیا۔ ایک سب سے بڑا وزنی بُت جو چھت پر تھا باقی رہ گیا۔ حضرت علیؑ سے آپؐ نے فرمایا تم میرے شانوں پر سوار ہو کر اوپر جاؤ اور اس بُت کو بھی اکھاڑ پھینکو۔ جب حضرت علیؑ شانۂ رسولؐ پر سوار ہوئے، تو آنحضرتؐ نے پوچھا اے علی اپنے کو کہاں پاتے ہو۔ عرض کی، اتنی بلندی پر کہ اگر چاہوں تو آسمان کو اپنے ہاتھ سے چھو لوں۔ پس نبوت جو اصل اس شجرۂ طیبہ کی تھی زمین پر قائم تھی اور اس کی شاخ امامت آسمان تک پہنچی ہوئی تھی اور ہر زمانہ میں یہ شاخ پھولتی رہے گی لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ شجرۂ خبیثہ وہ نسل بنی امیہ ہے جس کو کوئی مضبوطی قدرت کی طرف سے حاصل نہیں۔ خود بخود اُگا، بڑھا، جھلس گیا۔

مثال دی جاتی ہے اس چیز سے جس کا وجود دُنیا میں پایا جائے۔ کلمۂ طیبہ کی جو مثال خدا نے دی ہے ایسا درخت کسی خطّۂ زمین پر نہیں پایا جاتا۔ پس مثال بیکار ہو جائے گی اگر اس درختِ قدسی کو نہ مانیں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا۔ خدا نے اس درخت کی صورت اپنے ہی گھر میں دکھا دی۔

شجرۂ طیبہ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ اس کی ایک شاخ ہر زمانہ میں موجود رہے گی اور اس کے پھل یعنی علمی افادات سے قیامت تک فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔ مفسّرین نے اس فضیلت اہلبیتؑ کو مٹانے کی بہت کوشش کی اور اعمالِ صالحہ سے تعبیر کیا لیکن بات بنائے نہیں بنی۔ جو خصوصیات قدرت نے اس درخت میں ودیعت فرمائی ہیں وہ کسی

درخت میں نہیں پائی جاتیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے، لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک درخت سے ہیں۔
اور وہ یہی درختِ قدسی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰ قُلْ لِّعِبَادِيَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ
سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲

اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا جہنم میں کہ وہاں آگ میں جلیں اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے انہوں نے اللہ کے شریک بنا ڈالے تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکا دیں۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ چند روز چین کر لو پھر تو تمہیں دوزخ میں جانا ہی ہے۔ اے رسول میرے ان بندوں سے کہہ دو جو ایمان لائے ہیں کہ پابندی سے نماز پڑھا کریں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اُسے ظاہر بظاہر اور چھپا کر دیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت کام دے گی نہ دوستی۔ اللہ وُہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا اور اس سے (درخت اُگا کر)

پھل پیدا کیے جو تمہارا رزق ہیں اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کر دیا کہ حکم خدا سے دریاؤں میں چلیں۔
اور تمہارے لیے نہروں کو مسخر کر دیا۔

جو لوگ کفرانِ نعمت کرتے ہیں وہ سب جہنمی ہیں بتوں کو خدا کا شریک بنا کر لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ ان لوگوں کو چند روز دنیا میں عیش کرنے کے بعد جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ کافروں کا طرزِ زندگی اختیار نہ کریں۔ نماز پڑھیں، راہِ خدا میں دیں اور اس دن سے ڈریں جس میں نہ لین دین کام دے گا نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔ جس خدا کو لوگ نہیں مانتے وہ وہی تو ہے جو ان کے لیے پانی برساتا ہے جس سے درخت اُگتے ہیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یہ منکر کیا کھا کر زندہ رہتے۔ اُس نے کشتیوں کو تمہارا تابعدار بنا دیا کہ تم انہیں سمندروں میں دریاؤں میں جدھر چاہو لے جاؤ۔ ساری زمین کی سیر کرو۔ تجارتی مال ان میں بھر کر لے جاؤ۔ ہر طرف اُس نے نہریں بہا دیں کہ ان کے پانی سے اپنے کھیت سینچو۔ اس پر بھی لوگ اس کا احسان نہیں مانتے اور اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے۔ پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ ۝۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا
تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴ ع وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵ رَبِّ اِنَّهُنَّ
اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ
فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶

اور اُس نے تمہارے لیے سُورج اور چاند کو تابعدار بنا دیا ہے جو ہمیشہ پھیری لگایا کرتے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو تابعدار بنایا اور تم نے اپنی ضرورت کے لیے جو کچھ ہم سے مانگا وُہ دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں شمار کر سکتے۔ بے شک انسان بڑا ناانصاف اور ناشکرا ہے

وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی اے میرے پالنے والے اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچائے رکھنا کہ بُت پرستی کرنے لگیں۔ اے میرے پالنے والے ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ بنا چھوڑا ہے پس جو کوئی میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرے گا تو تُو بخشنے والا مہربان ہے۔

سورج اور چاند کے مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے فائدے کے لیے ہر روز آتے جاتے ہیں گویا آپکے تابعدار ہیں۔ اسی طرح رات اور دن گردش کرتے رہتے ہیں تاکہ دن میں آپ کام کاج کریں اور رات کو آرام سے سو رہیں۔ غور کرو یہ خدا کے کتنے بڑے احسان ہیں۔ اگر یہ عمل برابر نہ ہوتا ہے تو پھر ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ پھر ہم جو کچھ خلوصِ قلب کے ساتھ اس سے مانگتے ہیں اور اپنی ضرورتیں اس کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ ان سب کو پورا بھی کرتا ہے اللہ کی اس کثرت سے نعمتیں ہمارے ارد گرد بکھری ہوئی ہیں کہ ہم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ ایک ایک نعمت میں کئی کئی نعمتیں ملی ہوئی ہیں۔ ایک پھل کو لو اس کا رس بھی نعمت ہے اس کا گودا اور چھلکا بھی نعمت ہے کیونکہ بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بیج بھی نعمت ہے۔ پھر تازہ کھاؤ تو ایک نعمت، پکا کر کھاؤ تو ایک نعمت۔ ہر حالت میں ایک علیحدہ اثر ہے علیحدہ ذائقہ ہے۔ ایسی حالت میں کس کی طاقت ہے کہ اس کی نعمتوں کو شمار کر سکے اور ان کا شکر ادا کر سکے۔ ایک سانس ہی کو لو جو اندر جاتا ہے وُہ بھی زندگی کے لیے نعمت جو باہر آتا ہے وہ بھی ممدِّ حیات۔ اب اگر ہم صرف ایک نعمت کا یوں شکر ادا کریں کہ جب سانس نکلے تو کہیں الحمد للہ اور جب اندر جائے تو کہیں شکراً للہ۔ تو ہماری ساری زندگی تو اس ایک نعمت کے شکر کی کوشش میں ختم ہو جائے گی، باقی نعمتوں کا شکر ہم کس وقت ادا کر سکیں گے۔ انسان کتنا ناشکرا ہے کہ وُہ اپنی توجہ ان باتوں پر لگاتا ہی نہیں۔ خدا کی نعمتیں کھائے چلا جاتا ہے مگر اُسے شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت پہلی دُعا تو یہ کی کہ اس شہر کو جائے امن قرار دے چنانچہ اب تک مکہ حرمِ خدا ہے۔ وہاں لڑائی جھگڑا کرنا کسی کو ستانا یا قتل کرنا ممنوع ہے۔ دوسری دعا یہ تھی کہ مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچائے رکھنا۔ چونکہ خدا نے امامت کے ملنے میں یہ شرط لگا دی تھی کہ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۲/۱۲۴ بقرہ) شرک سب سے بڑا ظلم ہے لہذا حضرت ابراہیمؑ اپنی اولاد کے لیے دُعا مانگ رہے ہیں کہ انہیں بُت پرستی سے بچائے رکھنا۔

پھر فرمایا، ان بتوں نے بہت سوں کو گمُراہ کیا ہے۔ یہ مجازی نسبت ہے یعنی چونکہ یہ بُت ہی گمراہی کا باعث ہوئے ہیں لہٰذا ان کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ پھر فرمایا جو کوئی میری پیروی کرے گا یعنی ملتِ ابراہیمی پر قائم رہے گا وہ تو مجھ سے ہو گا یعنی میرے گروہ میں سے ہو گا اور جو نافرمانی کرے گا یعنی ملتِ ابراہیمی سے خارج ہو جائے گا تو اے میرے رب تجھے اختیار ہے ان کی خطائیں بخش یا نہ بخش لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ تُو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں تو کافر و مومن سب ہی ہوئے پس خدا نے یہ دُعا ان ہی لوگوں کے حق میں قبول کی جو صاحبِ ایمان تھے اور جو ملتِ ابراہیمی پر قائم رہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ
رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ
وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾
رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

ابراہیم نے کہا اے ہمارے پالنے والے میں نے تیرے معزز گھر کے پاس ایک بے کھیتی والے بیاباں میں (مکہ میں) اپنی کچھ اولاد کو لا کر بسایا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے تیری نماز یہاں پڑھا کریں تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر (تاکہ وہ یہاں آ کر آباد ہوں) اور انہیں طرح طرح کے پھلوں کی روزی عطا کر تاکہ یہ تیرا شکر کریں، اے ہمارے پالنے والے جو کچھ ہم چھُپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تُو سب سے واقف ہے خدا پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحاق (دو بیٹے) عطا کیے۔ بے شک میرا رب دُعا کا سننے والا ہے۔ اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بھی نماز کا پابند بنائے رکھنا۔ اے میرے رب میری دُعا کو قبول فرمالے۔ اے ہمارے پالنے والے جس روز اعمال کا حساب ہو مجھے اور میرے ماں باپ اور مؤمنین کو بخش دینا۔

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ یہ ہے کہ مُلکِ شام میں رہتے تھے ان کی دو بیبیاں تھیں۔ حضرت سارہؓ اور حضرت ہاجرہؓ۔ سارہؓ بانجھ تھیں ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ہاجرہؓ سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ سوتیا ڈاہ تو مشہور ہے۔ بی بی سارہ کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ رات دن لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کو بہت کچھ سمجھایا جب بات کسی طرح نہ بنی تو حضرت ابراہیمؑ بحکم خدا ہاجرہ کو لے کر میدانِ مکہ میں آئے۔ اُس زمانہ میں یہاں پہاڑوں اور ریگستان کے سوا کیا تھا ہر طرف خاک اُڑ رہی تھی۔ بے آب و گیاہ چٹیل میدان۔ جب چلے تھے تو بی بی سارہ نے وعدہ لیا تھا کہ وہاں ٹھہرنا نہیں۔ ہاجرہ اور ان کے بچے کو چھوڑ کر چلے آنا۔ چنانچہ وہ دونوں کو چھوڑ کر چلے گئے بی بی ہاجرہ نے ایک درخت پر چادر تان کر اپنے بچہ کو اس کے سایہ میں لٹا دیا۔ جو پانی ساتھ تھا جب وہ ختم ہو گیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاس لگی تو سخت پریشان ہوئیں کہ پانی کہاں سے لائیں۔ صفا و مروہ دو پہاڑیوں کے درمیان کئی بار دوڑیں مگر وہاں پانی ہوتا تو ملتا۔ یہاں حضرت اسمٰعیلؑ پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ وہیں ایک چشمہ زن زن کرتا ہوا پھوٹ نکلا جسے آبِ زمزم کہتے ہیں۔ غرض جب یہاں پانی نکلا تو چرند پرند جمع ہونے لگے۔ پرندوں کو وہاں اُڑتا دیکھ کر خانہ بدوشوں کا ایک قبیلہ جُرہم وہاں آ گیا۔ دیکھا کہ ایک اکیلی بی بی مع اپنے بچہ کے خاک پر بیٹھی ہے انہوں نے ان سے حالات معلوم کیے اور وہاں بسنے کے لیے اجازت چاہی۔ ہاجرہؓ نے اجازت دے دی۔ غرض اس طرح وہ ویرانہ آباد ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ گاہے گاہے ان کی خیر خبر لینے کے لیے آتے جاتے رہے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے بحکم رب العالمین وہاں خانہ کعبہ اسمٰعیلؑ کی مدد سے بنانا شروع کیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں خدا نے حضرت آدمؑ کے لیے ایک قُبّہ نازل کیا تھا جو طوفانِ نوحؑ میں اُٹھا لیا گیا تھا۔ اسی لیے خانہ کعبہ کو بیتِ عتیق یعنی پُرانا گھر کہتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے تو بارگاہِ باری میں کچھ دعائیں کر رہے تھے جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔

اور خدا کے اس احسان کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے بڑھاپے میں ان کو اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ جیسے فرزند عطا کیے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کا سن ننانوے سال کا تھا تب حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تھے اور جب ایک سو بارہ برس کا سن ہوا تو حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے یعنی حضرت اسحاقؑ حضرت اسمٰعیلؑ سے تیرہ برس چھوٹے تھے۔

خدا کی شان دیکھو اس وادئ بے آب و گیاہ میں اپنا گھر بنوا کر حج کا حکم دے کر کس طرح لوگوں کو اس گھر کی طرف بُلایا۔ پہلے تو صرف عرب کے لوگ ہی حج کے لیے آتے تھے اور اب تو تمام روئے زمین سے اہلِ ایمان کھچے چلے آتے ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے احکام بجا لاتے ہیں۔

ثمرات کا رزق دینے سے مراد بظاہر تو یہی ہے کہ اس غیر آباد خطہ کے رہنے والوں کو ہر طرح کی پھل پھلاری مہیا کرنا۔ لیکن بباطن اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ یعنی جو اس بیت کے اہلِ بیت ہیں ان کو صاحبِ اولاد بنانا تاکہ یہ گھر ہمیشہ آباد رہے اور رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا کا مصداق نہ ہو۔ چنانچہ اہلبیتِ رسولؐ جو اس گھر کے حقیقی وارث و مالک ہیں ان کی نسل کا سلسلہ قیامت تک دُنیا میں باقی رہے گا۔ پس ثمرات سے مراد ثمرات الفواد یعنی اولاد ہے۔ انہی کی محبت خدا نے

مسلمانوں کے لیے اجرِ رسالت قرار دی ہے اور بجائے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کرنے کے ان کی محبت کو واجب کیا ہے۔ خانہ کعبہ میں حضرت علیؑ کا پیدا ہونا اور آخری زمانہ میں حضرت حُجّت کا خانہ کعبہ سے ظہور کرنا اس کا ثبوت ہے کہ خانہ کعبہ کے وارث و مالک اہلبیتِ رسولؐ ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ
تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ
اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ
الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ
دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ
زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ
وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور جو کچھ یہ ظالم کیا کرتے ہیں اللہ کو اس سے بے خبر نہ سمجھنا (ان پر فوراً عذاب نہ کرنے کی) صرف یہ وجہ ہے کہ اس دن تک کی مہلت دیتا ہے جس دن لوگوں کی آنکھوں کے ڈھیلے (موت سے) پتھرا جائیں گے اور اپنے اپنے سر اُٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں ان کی نگاہیں اُوپر کو اُٹھی ہوئی ہیں اور دِل اُڑے ہوئے ہونگے۔ اے رسول لوگوں کو اُس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر عذاب نازل ہوگا۔ ظالم لوگ عرض کریں گے اے ہمارے پالنے والے ہم کو تھوڑی سی مہلت اور دے دے ضرور ہم تیرے بُلانے کا جواب دیں گے اور سب رسولوں کی پیروی کریں گے (تو ان کو جواب ملے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں جنہوں نے

(نافرمانی کرکے) اپنے اوپر ظلم کیا، انہی کے گھروں میں تم بھی رہے حالانکہ تم پر یہ ظاہر ہوچکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا اور ہم نے تمہارے سمجھانے کے لیے مثالیں بھی بیان کردی تھیں اور وہ لوگ اپنی چالیں چلتے رہے حالانکہ ان سب کی چالیں اللہ کی نظر میں تھیں اگرچہ ان کی مکاریاں اس غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

خدا اپنے نافرمان بندوں کو بتا رہا ہے کہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں کیا ان کا حال تمہیں معلوم نہیں جو کچھ ان کا حشر ہوا تمہارے علم میں ہے پس اسی طرح تم بھی ایک دن عذاب کا مزہ چکھوگے۔ قیامت کے دن کو یاد کرو جب تمہاری آنکھیں پتھرا جائیں گی، ایک دوسرے کو کیا اپنے وجود کو نہ دیکھ سکوگے تم اس روز چاہے کتنا ہی گڑگڑاؤگے اور دنیا میں پلٹ جانے اور عملِ خیر کرنے کے لیے مہلت مانگوگے مگر تمہارے کہنے پر کوئی توجہ نہ ہوگی۔

جس بُری چال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھی، جب حضرت ابراہیمؑ نمرود کی آگ سے محفوظ رہے تو اسے بہت غصّہ آیا اور کہنے لگا اب میں آسمان پر چڑھ کر ابراہیمؑ کے خدا سے لڑوں گا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھایا مگر وہ دشمنِ عقل کیا مانتا۔ اس نے ایک بڑا اونچا مینار بنوایا لیکن جب اس پر چڑھا تو اُسے آسمان اُتنا ہی اونچا نظر آیا جتنا پہلے تھا، اُتر آیا۔ دوسرے ہی دن وہ خول گر پڑا اور بہت سے لوگ اس کے نیچے دب کے مر گئے۔ اس شیطان نے ایک اور پٹی پڑھائی۔ کہنے لگا، ابراہیمؑ کے خدا نے میرا محل گرایا ہے، اب تو میں بھی اس سے بغیر جنگ کیے نہیں رہ سکتا۔ اُس نے چار گدھ پالے اور ایک صندوق کے چاروں طرف انہیں باندھ کر اس صندوق میں خود ہو بیٹھا۔ اور اوپر کے حصّہ میں گوشت باندھ دیا تاکہ اس کے لالچ میں گدھ اُوپر کو اڑیں۔ ایک شب و روز اڑنے کے بعد دیکھا تو آسمان پھر اتنا ہی اونچا نظر آیا۔ تب نمرود خائف ہوا اور گوشت کا ٹکڑا نیچے لٹکایا جس سے رگدھوں نے نیچے کا رُخ کیا اور وہ صندوق سے اُتر پڑا۔

غور کیجئے کسی وقت دُنیا میں کیسے کیسے احمق بستے تھے۔ اوّل تو خدائی کا دعویٰ کرنا پھر خدا سے جنگ کرنے کا منصوبہ باندھنا۔ ایک دو نہیں دُنیا میں کئی بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ذلیل بھی ہوئے اور ہلاک بھی۔ اب تو خدائی کا دعویٰ کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ خدائی کو چھوڑ کر پھر لوگوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا یہ سلسلہ تو اب تک چل رہا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ غرضکہ ایسے جھوٹے دعوے ہوتے ہی رہے لیکن سچے اور جھوٹے موتی برابر کیسے ہوسکتے ہیں۔ پہچاننے والے پہچان ہی گئے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ
قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ
وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع

ع ۷ / ۱۹

تم یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا بے شک اللہ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے (مگر یہ انتقام کب لے گا) جب یہ زمین بدل کر دوسری کردی جائے گی اور آسمان بھی بدل جائینگے اور قہار خدا کے سامنے اپنی اپنی جگہ سے نکل کھڑے ہوں گے اس دن گنہگاروں کو دیکھوگے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ان کے لباس قطران (کولتار) کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں کو ہر طرف سے ڈھانکے ہوگی تاکہ خدا ہر کسی کو اُس کے کیے کا بدلہ دے بے شک خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک قسم کی اطلاع ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ عذابِ خدا سے ڈرایا جائے اور یہ یقین جان لیں کہ بس وہی ایک معبود ہے اور اس لیے کہ جو لوگ عقل والے ہیں وہ عبرت حاصل کریں۔

زمین و آسمان بدل کر کیا ہوجائیں گے اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

(۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱)

الف ۔ لام ۔ را ۔ یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیات ہیں ۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (۲) ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا
وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۳) وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا
كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ (۴) مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (۵) وَقَالُوْا
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (۶) لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۷) مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا
اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (۸) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۹)

ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں وہ دل سے چاہیں گے کہ ہم بھی مسلمان ہوتے ۔ اسے رسول انہیں چھوڑ دو کھائیں پئیں اور چند روز مزے اُڑا لیں اُن کی تمنائیں انہیں کھیل تماشے میں لگائے رہیں عنقریب اس کا نتیجہ انہیں معلوم ہو جائے گا ۔ ہم نے کوئی بستی تباہ نہیں کی مگر یہ کہ اس کی تباہی کے لیے پہلے ہی سے میعاد مقرر ہو چکی تھی ۔ کوئی قوم اپنی موت کے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے ۔ (کفارِ مکہ) تم سے کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر وحی و کتاب نازل ہوئی ہے تُو تو دیوانہ ہے ۔ اگر سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لا کھڑا کرتا ۔ ہم تو فرشتوں کو صرف عذاب کے ساتھ فیصلہ ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں (اور جب فرشتے نازل ہو جائیں تو) پھر ان کو جان بچانے کی مُہلت نہیں ملتی ۔ ہم ہی نے تو قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ۔

- اس سورہ میں حسب ذیل باتیں ہیں :
قرآن کی حقیقت ۔ موت کا وقت معیّن ہے ۔ آدمؑ کا قصہ ۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان ۔ قومِ لوط کا قصہ
قوم شعیب کا قصہ ۔ قومِ صالح کا قصہ ۔ مؤمنین کے لیے خدا کافی ہے ۔
کفارِ مکہ حضرتؐ کے ستانے سے باز نہیں آتے تھے اور عیش و آرام کی زندگی جو انہیں نصیب تھی اس کی وجہ
سے اپنے انجام کو بھولے ہوئے تھے اور آرزوؤں کے جھولے میں جھولتے تھے ۔ انہیں اپنے مرنے کا خیال ہی نہ تھا ۔ انہیں

معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہر قوم کے لیے جو موت کا وقت مقرر ہے وہ ایک منٹ نہ آگے ہوگا نہ پیچھے۔ کفارِ مکہ آنحضرتؐ سے کہا کرتے تھے کہ آپ تو خواہ مخواہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر کسی کو یقین نہیں آتا۔ اگر واقعی آپؐ خدا کے فرستادہ ہیں اور خدائی پیغام لے کر آئے ہیں تو پھر کسی فرشتہ کو ہمارے سامنے لاکر کیوں نہیں کھڑا کرتے تاکہ ہم کو آپؐ کی صداقت پر یقین ہوجائے۔ یہ ان کی احمقانہ باتیں ہیں جو ایسی فرمائش کرتے ہیں اگر ہم اُن کی فرمائش پُوری کریں تو ایک کھیل بن جائے آج ایک کہے فرشتہ کو بلائیے کل دُوسرا کہے فرشتہ کو بلائیے۔ اگر فرشتہ آدمی کے لباس میں آئے گا تو کہیں گے اس کی تصدیق کون کرے گا کہ یہ فرشتہ ہے اور اگر فرشتوں کے لباس میں آئے گا تو خوفزدہ ہو کر مر جائیں گے۔ غرض ان کی یہ خواہش نامعقول ہے ہم فرشتوں کو بھیجا کرتے ہیں مگر عذاب نازل کرنے کے لیے جیسا کہ ان سے پہلی قوموں پر گزر چکا۔ جب فرشتے عذاب لے کر نازل ہوجاتے ہیں تو پھر اس قوم کو دم بھر کی مہلت نہیں ملتی۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس قرآن کو ہم نے ہی اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے اور ہم اس کو قیامت تک باقی رکھیں گے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا
كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ
السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ
نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ﴿١٥﴾ ع ۱۵ ۱

(اے رسول) ہم تم سے پہلے بھی پہلی اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ اس طرح (گویا ہم خود) ان مجرموں کے دلوں میں گمراہی ڈال دیتے ہیں۔ یہ کفار قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ اگر ہم ان پر آسمانوں کے دروازے کھول بھی دیں اور یہ آسمان پر چڑھ بھی جائیں تب بھی یہی کہیں گے ہماری آنکھوں پر نظر بندی کا عمل کیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

کفارِ مکہ جو طنزیہ باتیں کرتے اور آنحضرتؐ کا مذاق اُڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو تسکین دے رہا ہے کہ کفار کی یہ باتیں کچھ نئی نہیں۔ پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اس ذکر کو سن کر ایمان والوں کے دل ٹھنڈے ہوجاتے ہیں، انہیں راحت نصیب ہوتی ہے اور کفار کے دلوں میں آگ لگ جاتی ہے گویا ہم نے گرم سلاخ ان کے دلوں میں ٹھونس دی ہے۔

آنحضرتؐ سے تسکینِ قلب کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ کفار کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ اگر تم ان کو اپنی معجزنمائی سے آسمان پر بھی چڑھا دوگے تب بھی یہی کہیں گے کہ آپؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے پس ان کے ایمان نہ لانے پر تم کیوں غم کرتے ہو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ہم نمٹ لیں گے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ
شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾
وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢١﴾
وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا
أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾

ہم نے آسمان پر کچھ بُرج بنائے ہیں اور ان کو ناظرین کے لیے زینت دی ہے اور ہر شیطان رجیم سے اس کی حفاظت کی ہے اگر کوئی بات چُرا کر لے اُڑتے ہیں تو ان کا پیچھا شہاب ثاقب کرتے ہیں زمین کو ہم نے پھیلایا ہے اور میخوں کی طرح پہاڑوں کو اس پر گاڑ دیا ہے اور ہم نے اس پر ہر قسم کی مناسب

چیز اُگائی ہے اور اس میں تمہارے لیے زندگی کے سامان بنا دیئے ہیں۔ اور اُن جانوروں کے لیے بھی جنہیں تم رُوزی نہیں دیتے اور ہمارے یہاں تو ہر چیز کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک جنچی تُلی مقدار بھیجتے رہتے ہیں اور ہم نے ہوائیں بھیجیں جو پانی سے بھری ہوتی ہیں پھر ہم ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور ہم ہی نے تم کو وُہ پانی پلایا اور تم لوگوں نے تو کچھ اس کو جمع کر کے نہیں رکھا تھا۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ بروج سے کیا مراد ہے؟ آسمان پر ستارے ہم کو کھلے ہُوئے پھُولوں کی طرح بکثرت نظر آتے ہیں — ان میں چند مقامات پر کچھ ستاروں کا جھمگٹا نظر آتا ہے۔ یہ مجموعہ مختلف ہیئت کا ہے۔ ایسے مجموعے تعداد میں بارہ ہیں — انگریزی میں ان کو کانسٹی لیشن آف سٹار (Constellation of Stars) کہتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان لکیریں کھینچ دی جائیں تو کوئی مجموعہ ترازو کی صورت میں نظر آئے گا، کوئی بچھو کی صورت میں، کوئی شیر کی اور بیل کی صورت میں، کوئی گیہوں کی بالی کی صورت میں وغیرہ۔ انہی کا نام بُرج رکھ لیا ہے۔

"بُک آف نالج" کتاب میں ہے کہ بُرجوں کے نام یونان کے چرواہوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ رات کو جب وہ مویشی چرانے چراگاہوں میں جاتے تھے تو اُس وقت گھڑی گھنٹہ تو تھا نہیں اپنی ڈیوٹی بدلنے کے لیے یہ طے کر لیتے تھے کہ جب فلاں مجموعہ فلاں مقام پر ہو تو تم آجانا۔ بُرجوں کے نام بتاتے ہیں کہ یہ جاہل چرواہوں کے ہی رکھے ہوئے ہیں مثلاً ثور (بیل) حمل (مینڈھا) حوت (مچھلی) میزان (ترازو) قوس (کمان) عقرب (بچھو) وغیرہ۔ یہ نام ابھی تک بدستور باقی ہیں۔

یہ سب علمِ ہیئت والوں کی باتیں ہیں۔ ستاروں سے جو لوگ عوام النّاس کو بہکانے کے لیے قسمتوں کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتے ہیں وُہ غلطی پر ہیں۔ ان ستاروں سے سمتوں کا حال معلُوم کیا جاتا ہے جو فنِ جہازرانی کے لیے ایک بڑی اہم چیز ہے۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ منجموں کے اقوال پر عمل نہ کرو وہ ازروئے قیاسات کوئی رائے قائم کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ قضا و قدر کے معاملات میں نجومیوں اور کاہنوں کی رائے کا کوئی دخل نہیں۔ دُنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو نجومیوں کے بیان کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اپنی زندگی کے معاملات میں یکسُو ہو جاتے ہیں۔

جس طرح قدرت نے زمین پر کہیں پہاڑ، کہیں دریا، کہیں ریگستان، کہیں جنگل، کہیں آبادی وغیرہ مقامات قائم کر دیئے ہیں جن میں لوگ آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر سیارہ اپنی منزل میں ان ستاروں کے مجموعوں کی طرف سے مختلف اوقات میں گزرتا ہے۔ اُس کے زاویوں کے لحاظ سے ان کی شعاعوں میں اثرات پیدا ہوتے ہیں اور زمین سے ان کا قرب و بعد سمجھا جاتا ہے۔

رات کو ہم ان مجموعوں میں سے بعض کو بعض حصّۂ آسمان میں دیکھتے ہیں۔ چاند کبھی کسی مجموعہ کے قریب ہوتا

ہے کبھی دُور۔ اسی طرح ہر ستارہ گردش میں ان سے قریب یا دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان مجموعوں کو اجرامِ سماوی کے حالات بدلنے میں بڑا دخل ہے۔ زمین پر ان کے اثرات کبھی اچھے پڑتے ہیں اور کبھی خراب۔ اسی لیے ان کو سعد و نحس کہا جاتا ہے۔ مثلاً مشتری ستارہ کی کرنوں میں یہ اثر ہے کہ وہ قلبِ انسانی کو آکسیجن مہیّا کرتی ہیں جس سے آدمی کو خوشی ہوتی ہے لیکن یہ صورت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ ہر بُرج میں اس کی تاثیر مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے اس میں کسی کو دخل نہیں۔ انہی برُوج سے ہم راتوں میں سفر کرتے وقت اپنے منازل کی حالت معلوم کرتے ہیں۔ جہازران انہی سے مدد لے کر اپنا راستہ معیّن کرتے تھے۔

اس نظامِ فلکی میں تدبیر کرنے والے جو فرشتے ہیں وہ ان احکام کو آپس میں بیان کرتے ہیں جو خدا کی طرف سے ان کو ملے ہوں شیطان چونکہ ان سے ملتی جُلتی مخلوق ہے اور آسمانوں پر اس کی آمد و رفت تھی لہٰذا وہ ان کی باتوں کو سُن کر راہبوں کاہنوں وغیرہ سے بیان کر دیتا تھا اور وہ پیش گوئیاں بیان کر کے قوم میں اپنا وقار قائم کرتے تھے۔ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پیدا ہوئے تو آسمانوں پر اس کا جانا بند کر دیا گیا۔ اب اگر وہ چوری چھپے کچھ سُن گن لینے جاتا ہے تو شہابِ ثاقب اس کا پیچھا کر کے اس کو کھدیڑ دیتے ہیں۔

شہابِ ثاقب کے متعلق مفسّرین میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے بعض ستارے کسی وقت غیر معمُولی شعاعیں اپنے اندر سے نکالتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ بعض چھوٹے ستارے کسی وقت بھڑک اٹھتے ہیں۔ ایک تشخیص یہ ہے کہ زمین سے سورج کی کرنیں جو ذرات اُٹھا کر لے جاتی ہیں وُہ فضا میں چکّر کھاتے کھاتے ایک چھوٹا سا گولہ بناتے ہیں اس سے پھر موادِ ارضی جب برابر ملتے رہتے ہیں تو اس کا حجم بڑھتے بڑھتے کئی کئی ٹن کا ہو جاتا ہے۔ یہ برابر گردش میں رہتے ہیں سورج کی شعاعوں کی چمک سے یہ چمکتے ہیں۔ مگر چونکہ چمک زیادہ نہیں ہوتی اس لیے ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان کو نُجیمات کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں فضائے آسمانی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے قد بھی مختلف ہوتے ہیں، جدید سائنس میں ان کو میٹئور (Meteor) کہتے ہیں۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو ان سے ایک شعلہ نکلتا ہے کیونکہ اس کے اندر آتش گیر مادے کے ذرات بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کی چمک کچھ دیر رہتی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں پھر وہ ختم ہو جاتی ہے۔ ٹکراتے وقت اس کے ٹکڑے زمین پر گرتے ہیں۔ ایسے ٹکڑے مختلف اوزان کے لندن میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں اور دو تین ٹکڑے کلکتہ میوزیم میں بھی ہیں۔ کبھی کبھی ان کا ٹکراؤ ایسا سخت ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتے ہیں انہی کو شہابِ ثاقب یا شوٹنگ اسٹار (Shooting Star) کہتے ہیں۔ یہ شیطانوں کو جب لگتے ہیں تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ شیطانوں کو بھگانے کے لیے قدرت کی طرف سے یہ انتظام ہے۔

ان آیات میں جو دوسری چیز بیان کی گئی ہے وہ زمین کا پھیلانا ہے۔ زمین آفتاب ہی کا ایک حصّہ ہے جو لاکھوں برس پہلے کبھی اس سے جُدا ہُوا تھا۔ پھر چکّر کھاتے کھاتے اس نے ایک کرّہ کی شکل اختیار کر لی۔ ہزارہا برس شعلہ خیزی کرتی رہی پھر رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی اور آخر کار ایسی اعتدالی حالت میں آگئی کہ

انسان اس پر اپنی زندگی بسر کر سکے پھر قدرت نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح ٹھونکا تاکہ ہلے ڈلے نہیں اور اپنے ساکنوں کو ایک طرف لے کر نہ جھک جائے۔ ان پہاڑوں میں قدرت کی صنعتوں کے ہزار ہا نمونے پائے جاتے ہیں۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ سمندروں، پہاڑوں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے ایک چوتھائی حصہ پر انسان آباد ہے اسی ایک چوتھائی حصہ پر ہزار ہا میل لمبے ریگستان، چٹیل میدان، پہاڑ، دریا اور جنگلات ہیں یہ سب انسان کے فائدے کے لیے ہیں۔

پھر خدائے حکیم نے سمندروں کے پانی کو بھاپ بنا کر اُڑایا اور اپنی قدرت سے بادل بنا کر اس پانی کو پھر زمین پر برسایا جس سے قسم قسم کی ایسی نباتات اُگیں جو انسان کی غذا، دوا اور دیگر ضروریات میں کام آتی ہیں۔ قدرت کے کتنے خزانے کائنات کے دامن میں بھرے ہوئے ہیں نہ کوئی ان سب کو جانتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ حسبِ ضرورتِ انسانی وہ ان میں سے کچھ چیزیں انسان کا نظامِ زندگی درست کرنے کے لیے اپنے لطف و کرم سے دیتا رہتا ہے۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل ہوا اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہے جہاں اس کی مصلحت ہوتی ہے بارش ہونے لگتی ہے۔ یہ پانی اس کے پینے کے لیے بھی برسایا جاتا ہے اور اس کی کھیتی باڑی کے لیے بھی۔ انسان کی کیا طاقت ہے کہ خدا کی ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکے۔ خدا کی قدرت کے راز انبیاء و مرسلین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ بھی اتنے ہی جتنے وہ اپنی مصلحت کے موافق بتانا چاہتا ہے۔ شیطان انبیاء و مرسلین کے اثرات کو برطرف کرنے کے لیے جو خبریں کاہنوں، رُہبانوں اور فقیروں درویشوں کو بتاتا ہے وہ قیاسی ہوتی ہیں جن میں سچی کم ہوتی ہیں اور جھوٹی زیادہ۔ انبیاء کے بیانات کبھی غلط نہیں ہوتے کیونکہ ان کا تعلق مبدءِ فیاض سے ہوتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ
حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾
وَالْجَاۗنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ
اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ
وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ
لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾

ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے والی و وارث ہیں۔ ہم تم سے پہلوں کے حال کو بھی جانتے ہیں اور جو آنے والے ہیں اُن کے حال کو بھی۔ بے شک تمہارا رب وہ ہے جو ان سب کو قیامت میں (قبروں سے اُٹھا کر) جمع کرے گا بے شک وہ بڑی حکمت والا اور جاننے والا ہے۔

ہم نے انسان کو (خمیر کی ہوئی) سڑی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھن کھن بولنے لگے پیدا کیا اور ہم نے جنّات کو تم سے بھی پہلے بے دھوئیں کی تیز آگ سے پیدا کیا اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا، میں ایک آدمی کو خمیر کی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے ہر طرح ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے رُوح پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا۔ پس فرشتے تو سب کے سب سربسجود ہو گئے مگر ابلیس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر خدا نے فرمایا، اے ابلیس آخر تجھے کیا ہوا کہ تُو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ اُس نے کہا میں ایسا گیا گزرا تو نہیں کہ ایک ایسے آدمی کو سجدہ کر بیٹھوں جسے تُو نے سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ خدا قیامت کے روز سب کو میدانِ قیامت میں جمع کرے گا۔ آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اُس نے پیدا کیے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے سامنے حاضر ہونے سے نہ رہے گا۔ جب کائنات کا ایک ذرّہ بھی خواہ وہ کہیں ہو اس کے علم میں ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ اس سے چھُپا رہے۔ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون کہاں ہے۔ وُہ سب کو بُلا کر پُوچھے گا کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کیے۔ لہٰذا کسی شخص کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے کہ ہم اس کے مؤاخذہ سے بچ جائیں گے۔

اس کے بعد خدا نے انسانی خلقت کی اصل کو بیان کیا ہے۔ پہلے تو یہ بتایا ہے کہ انسان کی خلقت مٹی سے ہوئی ہے پھر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مٹی جس سے خلق ہوا ہے کیسی تھی۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ خمیر کی ہوئی سڑی مٹی تھی دوسرے یہ کہ وہ سُوکھ کر کھن کھن بولنے والی تھی۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ (پ۱۸، المومنون ٢٣/١٢) "ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے"۔ یہ مٹی کا جوہر

انسان کے اجزائے اصلیہ یا حقیقتِ انسانیہ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اصلی انسان یہی ہیں جن کو انسان کے نطفہ کے اندر چھپا یا گیا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتے۔ یہ نطفہ جو وجودِ مادی کی خشتِ اوّل ہے ایک خمیر کی سی بُو رکھنے والا مادہ ہوتا ہے یہی نطفہ عورت کی بچہ دانی میں بیضہ سے مل کر رفتہ رفتہ مکمل انسانی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر یہی ترقی کرتا کرتا ایک وقت میں ہڈی کی صورت اختیار کرتا ہے جس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے۔ یہ سُوکھی ہوئی کھنکھناتی مٹی کی طرح ہوتا ہے۔ انسان کے جسمِ مادی میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک گوشت اور دوسرے ہڈی۔ اسی طرف قدرت کا اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب خدا نے ملائکہ سے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور کہا جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں یعنی اس مشین کے تمام پُرزے اپنی اپنی جگہ پر فِٹ ہو جائیں اور جب میں اس میں اپنی رُوح پھُونک دوں تب تم سجدہ کرنا۔ قابلِ غور یہ ہے کہ ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ خلقتِ ناقص میں وہ سب بے حرکت جمودی حالت میں تھے انہیں کیا فضیلت حاصل تھی کہ ملائکہ سے تعظیمی سجدہ کرایا جاتا۔ ان میں حرکت پیدا کرنے والی اور قدرت کی صنّاعی کو دکھلانے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح محض رُوح کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ رُوح ایک محرک ہے۔ جب تک کوئی چیز ایسی نہ ہو جس کو وہ حرکت دے اس کی فضیلت کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب رُوح بدن میں داخل ہوئی اور اس نے جسمِ انسانی کے تمام پُرزوں کو حرکت دی اور ظاہری اور باطنی قوتیں اُجاگر ہوئیں اور یہ پتہ چلا کہ قدرت نے یہ کیسی عجیب و غریب مشین بنائی ہے تب ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا گیا کیونکہ ملائکہ میں وُہ قوتیں مفقود تھیں جو اس پیکرِ انسانی میں پائی جاتی تھیں۔ ملائکہ سمجھ دار تھے بات کی تہ کو پہنچ گئے مگر شیطان چونکہ آتشیں مزاج تھا حقیقتِ امر کو نہ سمجھا، طیش میں آگیا۔ اس لعین نے قالبِ خاکی پر نظر رکھی یہ نہ دیکھا اس کے اندر کیا جوہر ہے۔ ایسے ہی احمق وہ لوگ تھے جو رسولؐ کے متعلق کہتے تھے آپ تو ہم ہی جیسے بشر ہیں ان کی نظر بھی ظرف پر تھی مظروف پر نہ تھی۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ
الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ
الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ

لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾

خدا نے کہا، یہاں سے نکل جا تُو مردُود ہے اور تیرے اُوپر قیامت تک لعنت ہوتی رہے گی۔ اُس نے کہا اے میرے رب مجھے اُس دن تک کی مُہلت دے جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ خدا نے فرمایا جا تجھے وقتِ معلوم کے دن تک کی مُہلت دی گئی۔ اُس نے کہا اے میرے رب تُو نے تو مجھے گمراہی میں چھوڑا ہی ہے میں بھی ان (بنی آدم) کے لیے دُنیا کے ساز و سامان کو عمدہ کر دکھاؤں گا۔ سوائے ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہوں گے سب ہی کو بہکاؤں گا۔ خدا نے کہا یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچتی ہے جو میرے خالص بندے ہیں ان پر کسی طرح تیری حکومت نہ ہوگی ہاں ان گمراہوں پر جو تیری پیروی کریں گے (تیرا زور چل جائے گا)۔

شیطان نے قیامت کے دن تک مہلت مانگی تھی۔ خدا نے اس کو منظور نہیں کیا اور اُسے یومِ وقتِ معلوم تک کی مہلت دینا منظور کیا۔ مفسرین عامہ وقتِ معلوم پر یا نور روشنی ڈالتے ہی نہیں اور ڈالتے ہیں تو گھا ٹیں مائیں کر جاتے ہیں آیت نے جب دونوں کو جُدا کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یومِ وقتِ معلوم قیامت کے وقت سے الگ کوئی وقت ہے۔

تفسیرِ صافی میں ہے کہ امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے جب یومِ وقتِ معلوم کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اللہ نے ابلیس کو اس دن تک کے لیے مہلت دی ہے جب قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے۔ ظہور کے وقت وہ مسجدِ کوفہ میں ہوں گے اور ابلیس سامنے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھے گا اور کہے گا کہ آج کے دن سے مفر نہیں۔ حضرت اس کی پیشانی پکڑ کر اس کی گردن مار دیں گے۔ پس یہی یومِ وقتِ معلوم ہے۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا لیکن یہ وعدہ ابھی تک پُورا نہیں ہُوا یعنی تمام دُنیا میں صرف ایک ہی دینِ اسلام نہیں پایا جاتا اور نہ اس وقت تک پایا جائے گا جب تک شیطان کا وجود دُنیا میں ہے۔ پس اگر اس کو قیامت کے دن تک مہلت دے دی جاتی تو وہ قیامت تک بہکاتا ہی رہتا۔ پھر تمام دُنیا میں صرف دینِ اسلام ہی کیسے پایا جاتا۔ لہٰذا خدا نے وقتِ معلوم تک مہلت دی۔ جب ظہورِ قائمِ آلِ محمدؐ کے وقت وہ ملعون قتل ہو جائے گا اور بہکانے کا سلسلہ بند ہو گا تو اس وقت سوائے دینِ اسلام دوسرا دین باقی ہی نہ رہے گا کیونکہ اسلام کے سوا جتنے دین بنے ہیں وہ سب باغوائے شیطانی بنے ہیں۔

دوسرے شیطان نے سب کو بہکانے کا دعویٰ کیا ہے سوائے خدا کے مخلص بندوں کے۔ اس آیت سے عصمتِ انبیاء و آئمہؑ ثابت ہوتی ہے یعنی دُنیا میں ہر زمانہ کے اندر کچھ ایسے بندے پائے جانے چاہئیں جن پر شیطان کے اغوا کا اثر نہ ہو۔ انسان گناہ باغوائے شیطانی ہی کرتا ہے پس جب شیطان کے اغوا کا ان سے تعلق ہی

شیطان کو وقتِ معلوم تک مہلت

نہ ہوگا تو لامحالہ وُہ معصوم ہوں گے۔ آنحضرتؐ کے بعد ایسے بندے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کی نشاندہی رسولِ خدا نے فرما دی ہے اور ہر ایک کا نام بتا دیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی شخص بھی شیطانی اغوا سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تیسری آیت ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ اس کا ترجمہ مفسرین نے کیا ہے "یہی سیدھا راستہ میرے اوپر کو آتا ہے"۔ یہ کس قدر بھونڈا اور نامعقول ترجمہ کیا ہے۔ خدا کے اوپر کو راستہ آنا کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ ہوتا کہ خدا کی طرف آتا ہے تو ٹھیک تھا مگر آیت میں عَلَیَّ ہے اِلَیَّ نہیں ہے۔ اس غلط ترجمہ کو نظر انداز کر کے بیضاوی نے لکھا ہے کہ اصل اس کی یوں ہوگی هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ حَقٌّ عَلَيَّ اَنْ اُرَاعِيَهٗ۔ یہ راستہ میرے اوپر آنے کے معنی یہ ہیں کہ میرے اوپر حق ہے کہ میں اس کی رعایت کروں۔ لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ایک پورے جملہ کا محذوف ماننا عبارت کے لیے عیب ہے خصوصاً قرآن کے لیے تو کسی طرح جائز ہی نہیں دوسرے اس صورت میں خدا پر اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے حالانکہ اہلسنت کسی چیز کو خدا پر واجب نہیں کہتے ان ہی خرابیوں پر نظر رکھ کر بعض افراد نے هٰذَا صِرَاطٌ عَلِیٌّ مُسْتَقِیمٌ پڑھا ہے اس کو بیضاوی نے ذکر کیا ہے اس بنا پر علیؑ فعیل کے وزن پر بلند کے معنی میں ہوگا اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بلند راستہ سیدھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے نہ کہ بلند ہونا۔ اس کے علاوہ بلندی ایک نسبتی اور اضافی چیز ہے پستی ہو تو بلندی ہو۔ اور جب پستی اور بلندی دونوں مانی جائیں تو راستہ سیدھا ہو ہی نہیں سکتا اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہ رہیں تو اب تیسری قرأت هٰذَا صِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیمٌ کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ کوئی لفظی خرابی ہے نہ معنوی۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ علیؑ کی راہ سیدھی راہ ہے۔ اس میں حضرت علیؑ کے نام کی تصریح ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حضرتؑ ہی کا راستہ سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے پیرو سیدھے جنت میں پہنچیں گے۔ تفاسیرِ اہلبیت کا بھی یہی منشا ہے اور اس کی مؤید وہ روایت ہے جو حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب کی راہ ہے اور ان کا دین سیدھا ہے اور سیدھا راستہ ہے، ان ہی کی پیروی کرو۔

(منقول از حاشیہ قرآن ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نَبِّئْ عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

ان سب کی وعدہ گاہ جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے میں جانے کے لیے ان گمراہوں کی الگ الگ ٹولیاں ہوں گی اور متقیوں کے لیے جنت میں جگہ ہوگی اور بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (فرشتے ان سے کہیں گے) ان میں سلامتی اور اطمینان سے چلے جاؤ جو رنج اُن کے دل میں ہوگا ہم اُسے نکال دیں گے اور وُہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر یوں بیٹھے ہوں گے جیسے بھائی بھائی۔ اُن کو بہشت میں نہ تکلیف چھوئے گی اور نہ کبھی ان سے نکالے جائیں گے (اے رسول) میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی کہ آپؐ کے نزدیک میں زیادہ محبوب ہوں یا فاطمہؑ۔ فرمایا، وہ زیادہ محبوب ہے اور تم زیادہ عزیز اور گویا میں تمہارے ساتھ حوضِ کوثر پر ہوں اور تم وہاں سے لوگوں کو ہٹا رہے ہو اور حوضِ کوثر پر آسمان کے ستاروں کے شمار میں لوٹنی دار کنٹر رکھے ہیں۔ تم اور حسنؑ و حسینؑ و فاطمہؑ عقیلؑ اور جعفرؑ بہشت میں ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہو تم میرے ساتھ ہو اور تمہارے شیعہ بہشت میں ہوں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔" یہ سامان اہلِ جنت کی دلچسپی کے لیے ہوگا کہ آمنے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے ہوں گے۔ اگر ان کے دل میں ایک دوسرے کی طرف سے کوئی رنج ہوگا تو اُسے دُور کر دیا جائے گا اور اس طرح وہ نہایت خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے بات کریں گے اور کوئی تکلیف اُن کو وہاں ہوگی ہی نہیں۔ مزے سے وہاں رہیں گے۔ اس دُنیا کی زندگی کو وہاں کی راحت بھری زندگی سے کوئی نسبت ہی نہ ہوگی۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ
رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

اے رسول ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سُناؤ۔ جب وہ (فرشتے) ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا حضرت ابراہیم نے (جواب سلام دے کر) کہا ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔ اُنہوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک پڑھے لکھے لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا، ایسے وقت تم کیا مجھے خوشخبری دیتے ہو جب کہ بڑھاپا چھا گیا ہے تو اب کا ہے کی خوشخبری دینے آئے ہو۔ انہوں نے کہا، ہم نے آپ کو ٹھیک خوشخبری دی ہے آپ رحمتِ خدا سے مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا ذکر

کفار و منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپؐ کی نبوّت کو ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کسی فرشتہ کو بُلا کر نہ دکھا دیں۔ خدا نے جواب دیا کہ فرشتے حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں یعنی یا تو کسی عذاب کے لیے یا کسی خوشخبری کے لیے۔ یہاں فرشتوں کا نزول دونوں صورتوں میں دکھایا گیا ہے۔ اوّل حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کی بشارت دینے کے لیے، دوسرے قومِ لُوط پر عذاب کے لیے۔ پس جب یہ دونوں صورتیں پہلے واقع ہو چکیں تو اب ان کو دُہرانے کی ضرورت کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ ڈرے کیوں؟ یا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ بے حد حسین لڑکوں کی صورت میں آئے تھے لہٰذا بالکل اجنبی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو خوف ہوُا کہ معلوم یہ کس ارادہ سے آئے ہوں۔ یا یہ وجہ تھی کہ وہ ناوقت آئے تھے۔ خدشہ ہوُا یہ کوئی نقصان پہنچانے تو نہیں آئے۔

جس لڑکے کی بشارت حضرت ابراہیمؑ کو فرشتوں نے دی اس کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثریت اس طرف ہے کہ یہ بشارت حضرت اسحاقؑ کے متعلق تھی۔ لیکن تفسیر صافی میں بحوالہ تفسیر عیاشی امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ یہ بشارت حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق تھی جو بطن جناب ہاجرہؑ سے پیدا ہوئے۔ (منقول از حاشیہ القرآن المبین مترجمہ مولانا امداد حسین صاحب قبلہ مرحوم مطبوعہ انصاف پریس، لاہور)

ہو سکتا ہے یہ بشارت دو بار دی گئی ہو۔ ایک بار جناب اسمٰعیلؑ کے متعلق دوسری بار جناب اسحٰقؑ کے متعلق۔ غلام علیم سے معلوم ہوُا کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے یہاں سے علم حاصل کیے ہوئے آتے ہیں ورنہ دنیا میں علم حاصل کرنے والے تو سب ہی ہوتے ہیں، علیم کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت ابراہیمؑ رحمتِ خدا سے مایوس تو نہ تھے لیکن تعجب اس بات پر تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اُن کی عمر تولّد و تناسل کی نہ رہی تھی۔ وہ بروایتے ایک سو بیس سال کے ہو چکے تھے اس عمر میں عموماً اولاد نہیں ہوُا کرتی جب فرشتوں نے کہا یہ بشارت ٹھیک ہے تو انہیں یقین آ گیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾
قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

(جب حضرت ابراہیمؑ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں تو) کہنے لگے اے خدا کے رسولو، تمہیں کیا مہم درپیش ہے۔ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم (قومِ لُوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر لوط کے لڑکے بالے ان سب کو ہم بچا لیں گے سوائے لوط کی بی بی کے جسے ہم نے تاک لیا ہے وہ ضرور (لڑکے بالوں سے) پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ غرض جب یہ خدا کے بھیجے ہوئے آلِ لُوط کے پاس آئے تو لُوط نے اُن سے کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تمہارے پاس وہی چیز لے کر (عذاب) آئے ہیں جس کے متعلق تمہاری قوم شک میں پڑی ہوئی تھی۔ ہم تمہارے پاس (عذاب کا) قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور ہم سچے ہیں۔

قوم لُوط ایسی سخت بدکاری میں مبتلا تھی کہ خدا نے ان کو قوم مجرمین سے ذکر کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کی بی بی کی طرح حضرت لوطؑ کی بی بی بھی کافرہ تھی۔ یہ ان کی بدکار قوم سے ملی ہوئی تھی۔ خدا نے اس کو نجات پانے والوں سے علیحدہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایمان درست نہ ہو تو کوئی قرابت یا رشتہ داری کام نہیں آتی چاہے پیغمبر کا بیٹا یا بی بی کیوں نہ ہو۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہشت پرہیزگاروں کے لیے ہے اگرچہ

غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو اور دوزخ نافرمانوں کے لیے ہے اگرچہ سید قریشی ہی کیوں نہ ہو۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

(فرشتوں نے کہا اے لوط) آپ کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے گا اور آپ ان سب کے پیچھے رہیئے اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے اور جدھر جانے کا (شام کو) حکم دیا گیا ہے چلے جائیے۔ اور یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

حضرت لوطؑ کو اس لیے پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا کہ ان میں سے کوئی آدمی چھوٹ نہ جائے یا ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔ پیچھے پھر کر نہ دیکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ عذاب کی صورت دیکھ کر مارے خوف کے ان میں سے کوئی مر نہ جائے یا اس عذاب کی لپیٹ میں آ جائے۔ بس قدم اٹھائے یہ سب چلے ہی جائیں نہ رکیں نہ ادھر اُدھر دیکھیں۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی ان کو حکم تھا کہ اس معذّب علاقہ سے باہر ہو جائیں۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا
تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ
لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ
﴿۷۳﴾
فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

(لوط کے گھر میں فرشتوں کے آنے کا حال ان کی بی بی نے قوم کے بدکاروں کو سنایا) یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شہر والے بری نیت سے خوشیاں مناتے دوڑ پڑے۔ حضرت لوطؑ نے ان سے کہا یہ میرے مہمان ہیں تم انہیں ستا کر مجھے بدنام نہ کرو۔ خدا سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں کے آنے کی مناہی نہیں کر دی تھی۔ لوطؑ نے کہا، اگر تمہیں ایسا ہی کرنا ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ اے رسول تمہاری جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بے ہوش ہو رہے تھے (لوط کی بات کیا سنتے) غرض صبح ہوتے ہوتے ان کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے لے ڈالا۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کے اوپر کے طبقہ کو نیچے کا طبقہ بنا دیا اور پھر ہم نے پکی ہوئی مٹی کی بارش کر دی اس میں شک نہیں کہ اس میں اصلی بات کو تاڑ جانے والوں کے لیے قدرت خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ اُلٹی ہوئی بستی ان کی ہمیشہ کی آمد و رفت کے راستہ ہی پر ہے اہلِ ایمان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

قومِ لوط بڑی بخیل تھی۔ ان کی بستی ایک ایسی جگہ واقع تھی جس کے آس پاس بہت سی بستیاں تھیں۔ لوگ ادھر اُدھر سے آ کر وہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس سے وہ گھبرا گئے۔ شیطان نے ان سے کہا میں ایک تدبیر بتا رہا ہوں پھر کوئی یہاں نہ آئے گا۔ جو تمہاری بستی میں آئے اس سے لواطت کرو۔ چنانچہ جب یہ طریقہ انہوں نے اختیار کیا تو رفتہ رفتہ ایسے عادی ہو گئے کہ عورتوں کو چھوڑ کر ساری توجہ نوجوان لڑکوں کی طرف ہو گئی۔ حضرت لوطؑ نے اس فعلِ بد سے ہر چند منع کیا مگر وہ نہ مانے۔

جب حضرت لوطؑ کے گھر فرشتے آئے تو ان کی کافرہ بی بی نے فوراً قوم کے بدکاروں کو یہ خبر دی کہ لوطؑ کے گھر بڑے خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ خوشیاں مناتے دوڑ پڑے۔ اور لوطؑ سے کہا اُن کو ہمارے حوالے کرو۔ حضرت لوطؑ نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں کیونکر تمہارے حوالے کر کے اپنے لیے بدنامی مول لے سکتا ہوں۔ مگر وہ مست ہو رہے تھے۔ جب کسی طرح نہ مانے تو لوطؑ نے کہا، اچھا ایک دن کی مہلت دو۔ یہ بات وہ مان گئے۔

فرشتوں کی ہدایت کے موافق لوطؑ اپنے گھر والوں کو لے کر صبح ہونے سے پہلے ہی گھر سے نکل پڑے۔ کچھ دور گئے تھے کہ وہ لوگ اُن کو روکنے کے لیے چل پڑے۔ اتنے میں عذابِ الٰہی نے ان کو دبا لیا۔ پہلے تو اس بستی کے طبقۂ زمین کو اُلٹ دیا گیا جو لوگ نکل بھاگے تھے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ غرضکہ سب کے سب

کھیت رہے۔ افسوس ہے کہ باوجود ان کا انجام دیکھنے کے اور سننے کے یہ رسم بد اب تک دنیا میں پائی جاتی ہے۔

متوسّم وہ لوگ کہلاتے ہیں جو عقل و فہم سے کام لے کر کسی معاملہ کی حقیقت کو سمجھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پہلے متوسّم رسولؐ تھے ان کے بعد میں ہوں اور میرے بعد ائمہ معصومینؑ۔

فرشتے جس طرح لباسِ بشری میں آکر اور ہو بہو انسانوں سے مشابہ ہو کر اپنی ملکی نوع کو نہیں کھو بیٹھتا، اسی طرح آنحضرتؐ اگرچہ صورت اور جسم میں بشر تھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی نورانی نوع اس جسم میں آکر بدل گئی تھی۔ ان کے صفاتِ اقدس پہ نظر کی جائے تو عام آدمیوں سے بالکل جدا تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوع جداگانہ تھی۔ صرف تبلیغی ضرورت کے لحاظ سے وہ بشری صورت میں آئے تھے۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا اٰمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾

ایکہ والے (قومِ شعیب) بھی ظالم تھے اُن سے بھی ہم نے بدلہ لیا۔ یہ دو بستیاں (قومِ لوط و شعیب کی) ایک کھلی ہوئی شاہراہ پہ (ابھی تک موجود) ہیں۔ اسی طرح حجر کے رہنے والوں (قومِ صالح) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں اس پر بھی وہ لوگ روگردانی کرتے رہے اور بڑے اطمینان سے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے رہے آخر صبح ہوتے ہوتے ان کو بڑی چنگھاڑ

نے لے ڈالا۔ وہ اپنی حفاظت کی جو تدبیریں کیا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں۔ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت و مصلحت سے پیدا کیا ہے۔ تم اے رسولؐ ان کافروں سے بعنوانِ شائستہ درگزر کرو (یقیناً فیصلہ کی گھڑی آنے والی ہے اُس وقت ان سے سمجھ لیا جائے گا) بے شک تمہارا رب بڑا پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

اصحاب ایکہ یعنی بَن والوں سے مراد قومِ شعیب ہے یہ مدین میں رہتے تھے۔ قومِ لوط اور قومِ شعیب پر جو عذاب آیا ان کی تباہ شدہ بستیوں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ یہ بستیاں شاہراہِ عام پر تھیں۔ جو راستہ حجاز سے شام یا عراق سے مصر کو جاتا ہے اس پر واقع تھیں۔

ایکہ والے بڑے سرکش اور ظالم تھے قدرت نے ان کی سرکشی کی سخت سزا دی۔ ایکہ والوں کا مرکزی مقام شہر مدین تھا یہیں شعیبؑ رہتے تھے چونکہ یہاں جنگل زیادہ تھے اس لیے بَن والے کہلاتے تھے۔ جو انبیاءؑ ان کی طرف بھیجے گئے انہوں نے انہیں جھٹلایا اور جو معجزات انہوں نے دکھائے ان سے روگردانی کی اور کہا یہ سب شعبدہ بازی ہے۔ ان لوگوں نے عذابِ الٰہی سے بچنے اور دشمنوں کے حملوں سے بے خوف رہنے کے لیے پہاڑوں کو کاٹ کر ایسے محفوظ گھر بنائے تھے کہ کوئی اُن پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ دکن میں ایلورا اور اجنتا کے غاروں کو اُن کا ایک نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ جنابِ شعیبؑ نے ان کو عذابِ الٰہی سے بہت ڈرایا دھمکایا مگر وہ اپنے قلعہ جیسے گھروں پہ ایسا بھروسہ رکھتے تھے کہ عذابِ الٰہی کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ آخر ایک روز صبح کے وقت ایسی زور کی چیخ پیدا ہوئی کہ ان کے ہارٹ فیل ہو گئے اور ان کے مکانات اور حفاظت کے اسباب نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ خدا کی پکڑ سے وہ کہاں بچ سکتے تھے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے آپ اپنی قوم کی سرکشی سے پریشان نہ ہوں یہ بچ کر کہاں جائیں گے فیصلہ کا دن یعنی قیامت آنے والی ہے۔ تم ان پر زیادہ سختی نہ کرو بلکہ نہایت نرمی اور شائستہ طریقہ سے انہیں سمجھاؤ اور ان کی گستاخیوں سے درگزر کرو ممکن ہے سمجھ جائیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اے رسول ہم نے تم کو سبع مثانی (سورۂ الحمد) اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کی بے دینی پر کچھ افسوس کرنا، ہاں ایمانداروں سے (چاہے وہ غریب ہوں) جُھک کر ملا کرو اور کہہ دو میں تو تم کو صریحی طور پر (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا ہوں (ہم ان لوگوں پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جیسے ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنہوں نے قرآن کو بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (بعض کو مانا اور بعض کو نہ مانا) اے رسول تمہارے پروردگار کی اپنی قسم ہم ان سے جو کچھ دُنیا میں یہ کیا کرتے تھے ضرور باز پرس کریں گے۔

سبع مثانی سے مراد سورۂ الحمد ہے یعنی وہ سات آیتیں جو دو بار نازل ہوئیں یا اس لیے کہ دو رکعتی نمازیں دو بار پڑھی جاتی ہیں۔

جب تک حضورؐ مکہ میں رہے مسلمان بہت پریشان رہے خصوصاً آخر زمانہ میں جبکہ جناب خدیجہؓ کی دولت بھی ختم ہو گئی تھی اور غریب مسلمانوں کے اخراجات کا بھی بار تھا مشرکین مسلمانوں کا مال چھین لیتے تھے انہیں طرح طرح سے ستاتے اور اپنی دولت کا لالچ دیتے تھے پس حضرتؐ کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ان کی چند روزہ دولت کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو، ہاں غریب مسلمانوں سے جُھک کر ملو تاکہ ان کی ہمت بڑھی رہے اور کافروں سے کہو میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔ اُن کا بھی وہی حشر ہو گا جو ان یہودیوں کا ہوا جنہوں نے قرآن (توریت) کو تقسیم کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا یعنی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا۔ بعض نے لکھا ہے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو باتیں قرآن میں تھیں یہودیوں نے ان کو بدل ڈالا اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا جیسے توریت کی انہوں نے بعض باتوں کو مانا اور بعض کو ماننے سے انکار کر دیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ

ع ۶ / ۱۰

السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

اے رسول جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اب اُسے واضح کر کے سُنا دو اور مشرکین سے علیحدہ ہو جاؤ جو لوگ تمہارا مذاق اُڑاتے ہیں اور جو لوگ خدا کے ساتھ کسی اور کو معبُود بناتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے (کہ ان کا حشر کیا ہوا) ہم جانتے ہیں کہ تم ان کفار و مشرکین کی باتوں سے دل تنگ ہوتے ہو تم اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرتے رہو اور اس کی بارگاہ میں سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤ اور جب تک تمہارے پاس موت آئے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔

بموجب حکمِ خدا جب حضورؐ نے کھلم کھلا دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو مشرکین کے دل میں عداوت کے شعلے بھڑکنے لگے اوّل تو انہوں نے خوب مذاق اڑایا، تالیاں بجائیں اور طنز آمیز فقرے کسے جب حضرتؐ نے باوجود ان باتوں کے اپنا کام جاری رکھا تو انہوں نے کہا ہم آپؐ کو چند روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر آپؐ دل تنگ ہوئے اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہے۔ اللہ نے ان کو تسکین دی کہ گھبراؤ مت بہت جلد یہ لوگ اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

ان باتوں میں پانچ آدمی بہت سرکش تھے۔ ولید بن مغیرہ، اس کا حشر یہ ہوا کہ اس کے پیر میں راستہ چلتے ایک تیر کا پیکان پیوست ہوا جس سے اس قدر خون جاری ہوا کہ اسی کی تکلیف میں چلّا چلّا کر مر گیا۔ دوسرا عاص بن وائل تھا اس کے پیر میں ایک کانٹا چُبھا جس سے سارے پیر پر ورم آ گیا اور اسی کی تکلیف میں واصلِ جہنم ہوا۔ تیسرا اسود بن مُطّلب اندھا ہو کر مر گیا۔ چوتھا اسود بن عبد یغوث تھا جو جلندر کی بیماری میں مبتلا ہو کر فی النار ہوا۔ پانچواں حرث بن طلاطلۃ الخزاعی تھا جس کی ناک سے پیپ جاری ہوئی اور ہلاک ہو گیا۔

(۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ
اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ
خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۴

اے کفّارِ مکّہ خدا کا حکم قیامت گویا آپہنچا تم اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ جس چیز کو یہ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اس سے خدا پاک و پاکیزہ اور برتر ہے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے اپنا حکم دے کر فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھی سے ڈرو اس نے آسمان و زمین مصلحت سے پیدا کیے ہیں جس چیز کو یہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں وہ اس سے برتر و بالاتر ہے۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا بن گیا۔

اس سورہ کی پہلی آیت میں قیامت کو بصیغہ ماضی بیان کیا گیا ہے یعنی اس پر اتنا یقین رکھنا چاہیئے گویا وہ آگئی۔ دوسرے مشرکین اپنی بُت پرستی کو برحق جانتے تھے اور اس کے بھروسہ پر یہ سمجھتے تھے کہ محمدؐ کی مخالفت ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ قیامت کا عذاب ایک ڈھکوسلا ہے۔ ہمارے بُت ہم کو ہر مصیبت سے بچالیں گے اور محمدؐ کے مصائب بدستور رہیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تم جھوٹے ہو کہ ان بتوں کو خدا کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ ہمارا رسولؐ سچا ہے خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُسے بھیج کر اپنا رسول بناتا ہے اور اس پر اپنی وحی نازل کرتا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنی مصلحت کے مطابق پیدا کیا ہے یہ سب اس کی مخلوق ہیں اس کے شریکِ الوہیت نہیں۔

مشرکین نے آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد ہی جان لیا کہ یکایک ان پر قیامت کی سی ایک آفت کیسے آپڑی چند ہی روز میں اُن کی اکڑ تکڑ سب ختم ہو کر رہ گئی۔ اور وہ ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ یہ ذلت اُن کے تصور میں بھی نہ آئی تھی۔ چند ہی سال کے بعد تمام عرب پر خدا کے رسولؐ کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا اور لا الٰہ الا اللہ کی صدا گونجنے لگی۔ جن بتوں پر اُن کو بڑا اعتماد تھا ان کو پاش پاش کر دیا گیا۔

آخر میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان جس کو ہم نے نطفہ کے ایک قطرہ سے پیدا کیا ہے۔ اس کا ہیکڑا پن دیکھو کہ ہم سے سرکشی کرتا ہے ہمارے احکام کو پسِ پشت ڈالتا ہے حالانکہ اس کی بساط ہی کیا ہے۔ ایک گندہ نطفہ

سے ہم نے پیدا کیا ہے اور آخر میں ایک بدبودار مُردہ بن جاتا ہے۔ ہم نے اس کو انسان بنایا ہم نے اس کی زندگی کے سارے سامان مہیا کیے پھر بھی ہم ہی سے اکڑ تکڑ کرتا ہے۔ اب آگے اپنے وہ احسانات بتاتا ہے جو ہم پر کیے ہیں

اس سورہ میں ذکر ہے: قیامت کا قریب ہونا۔ انسان کی فطرت۔ خدا کے احسانات۔ خدا کی توحید۔ انسانی عمر کی تقسیم۔ پیغمبر اپنی امت کا گواہ ہوگا۔ قسم توڑنے کی مذمت۔ شہد کی مکھی کا بیان وغیرہ۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۵ وَلَكُمْ
فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ
اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۷
وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۸

اور چوپاؤں کو اُس نے تمہارے لیے پیدا کیا جن سے تمہارے لیے (کھال اور اُون سے) لباس کا سامان ہے اس کے علاوہ اور بھی منافع ہیں ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور جب تم انہیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور صبح سویرے جب چراگاہ پر لے جاتے ہو تو ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے اور جن شہروں تک بڑی مشقت سے پہنچ سکتے تھے چوپائے وہاں تک تمہارا بوجھ اُٹھا کر لے جاتے ہیں بے شک تمہارا رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس نے گھوڑوں خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور اس میں زینت بھی ہے ان کے علاوہ اور چیزیں بھی پیدا کیں جن کے فائدوں کو تم نہیں جانتے ہو۔

انسان کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کے خالق نے اُس کی ضروریاتِ زندگی کو کس طرح پیدا کیا ہے اور کتنے سامان اس کی راحت رسانی کے لیے فراہم کر دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر ذرا مویشیوں پر ایک نظر ڈالو کہ ان سے کیا کیا فائدے نہیں پہنچتے ہیں۔ تم ان کا دودھ پیتے ہو۔ ذبح کر کے گوشت کھاتے ہو۔ ان کی کھال اور اون سے لباس

بناتے ہو۔ ان سے ہل چلاکر کھیتی باڑی کرتے ہو۔ بھاری بھاری بوجھ اُن پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہو اگر وہ نہ ہوتے تو بتاؤ تم کیا کرتے۔ ان پر تم سوار ہوتے ہو۔ ان سے اپنی گاڑیاں کھچواتے ہو۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و تفریح کرتے ہو، لمبے لمبے سفر طے کرتے ہو۔ اور جنگ میں ان پر سوار ہو کر لڑتے ہو۔ ریگستانوں کی گرم و سخت منزلیں تم اونٹوں کے ذریعے سے طے کرتے ہو۔ کیا یہ سب احسان جھُٹلا دینے کے قابل ہیں۔ افسوس ہے انسان کی عقل پر کہ جس خالق نے اس کے لیے یہ تمام چیزیں پیدا کی ہیں وہ اس کا شریک دوسروں کو بناتا ہے اسی کی فرمانبرداری سے بھاگتا ہے اُسی کے بارے میں انبیاءؑ سے جھگڑا کرتا ہے۔ اس سے اُس کی عقل کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ جس خدا نے اس کی دنیوی آسائش کا یہ سب کچھ سامان کیا ہے کیا وہ اس کی آخرت کی نجات کا کوئی بندوبست نہ کرے گا اس نے کیا اور مکمل بندوبست کیا اپنے انبیاء بھیجے۔ اپنی کتابیں بھیجیں۔ انبیاء و مرسلین نے جو حق سمجھانے کا تھا سمجھایا پھر بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر اس کو حیوانوں سے بدتر سمجھنا چاہیئے۔ یہ نہ کہنا کہ جب خدا نے ہمیں عقل دی ہے اور ہم اپنے بھلے بُرے کو سمجھ سکتے ہیں تو پھر ہمیں انبیاء و مرسلین کی ضرورت کیا ہے۔ اگر تم عقلِ سلیم رکھنے والے اور اُس سے کام لینے والے ہوتے تو دین و مذہب کے متعلق تمہارے مختلف راستے نہ ہوتے۔ تم مشرک، کافر، ملحد، منافق بن کر اس دُنیا میں نہ رہتے۔ کتابِ خدا کے سمجھنے میں تمہارے اختلافات نہ ہوتے۔ انبیاءؑ سے برسرِ پیکار نہ ہوتے۔ تمہاری اس عقل کی کمزوری پر نظر رکھ کر ہی تو خدا نے بے شمار انبیاءؑ تمہاری ہدایت کو پے در پے بھیجے۔

ع وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۹
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ
تُسِيْمُوْنَ ۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۱۱

اور سیدھی راہ دکھانا تو اللہ ہی کے ذمّہ ہے اور ان میں بعض راستے ٹیڑھے ہیں اور اللہ اگر چاہے تو تم سب کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اللہ ہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے مینہ برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور اس سے درخت شاداب ہوتے ہیں جن سے تم اپنے مویشی چراتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، خرمے اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے اس میں فکر

کرنے والوں کے لیے خُدا کی نشانی ہے۔

جس راستہ کی اللہ ہدایت کرے وہی سیدھا راستہ ہے اور یہی راستہ ہے جو اُس کے رسولؐ اور اُن کے اہلبیتؑ نے بتایا۔ اور بعض ٹیڑھے ہیں جیسے شرک۔ بعض کچھ ٹیڑھے ہیں کچھ سیدھے جیسے دیگر مذاہب۔ اگر اللہ چاہے تو سب کو سیدھے راستہ پر لگا دے مگر یہ اس کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اگر اللہ خود ہی سب کو صاحبِ ایمان بنا دیتا تو پھر انسانی عقل و فہم کی جانچ کیسے ہوتی اور ان کا اپنے عقاید و افعال میں خود مختار ہونا کیسے ثابت ہوتا۔

ان آیتوں سے پہلے خدا نے چوپاؤں کا ذکر کر کے اور ان کے کام یاد دلا کر انسان پر اپنے احسان کا اظہار کیا۔ اب اپنے اور احسانات بیان کرتا ہے۔ اس کی ذاتِ پاک نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین نے وہ گھاس اُگائی جسے جانور کھاتے ہیں درخت اُگائے جن سے انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں طرح طرح کی نباتات اُگائی جو انسان کی دوا اور غذا دونوں میں کام آتی ہے۔ اس نے کھیت لہلہائے اور غلّہ پیدا کیا۔ زیتون کا درخت اُگایا جس سے تیل حاصل ہوا۔ خرما اور انگور جیسے میٹھے پھل پیدا ہوئے ان کے علاوہ اور طرح طرح کے پھل بھی درختوں میں لٹکتے نظر آئے۔

انسان کتنا بڑا ناشکرا ہے کہ خدا کی یہ سب نعمتیں کھائے چلا جاتا ہے مگر اس کے شکریہ کے لیے اس کے دل میں گنجائش نہیں۔ اس کی زبان میں حرکت نہیں اس کے ہونٹ نہیں کھُلتے وہ دو رکعت نماز پڑھنا کیسا شکریہ کے دو لفظ الحمد للہ اور شکراً للہ بھی کہنا نہیں چاہتا۔

کیا یہ اس کی قدرت کا شاہکار نہیں کہ جو پانی آسمان سے اس نے برسایا تھا زمین نے اس کو جذب کر کے کیا کمال دکھایا۔ ایک ہی پانی سے مختلف رنگ مختلف بُو، مختلف مزہ کے پھل پیدا کیے۔ ہر ایک کی شیرینی جدا، ذائقہ جدا۔ ہماری زبان میں یہ طاقت نہیں کہ پھلوں کی مٹھاس کے درمیان امتیازی خطوط کھینچ سکے۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک لفظ میٹھا ہے۔ گنّا بھی میٹھا، انگور بھی میٹھا، کھجور بھی میٹھی، آم بھی میٹھا، تربوز بھی میٹھا حالانکہ ان سب کی مٹھاس جدا جدا ہے۔ زبان فوراً بتا دیتی ہے کہ یہ مٹھاس فلاں پھل کی ہے لیکن اس کے پاس وہ الفاظ نہیں جس سے یہ بتا سکے کہ انگور اور انجیر کی مٹھاس میں یہ فرق ہے۔ شکر اور آم کی شیرینی میں یہ تفاوت ہے۔ اس طرح ہر پھل کی تاثیر الگ ہے۔ اس کے چھلکے کا اثر الگ ہے۔ اس کے اندر بیجوں کا نظام الگ ہے۔ ان کے گوُدے کی صورت الگ ہے ان کا رسیلا پن جدا ہے۔ غرض کس کی طاقت ہے کہ خدا کی صناعیوں کو لکھ سکے اور ان کے لحاظ سے اس کی حمد کر سکے۔ لیکن جتنا سمجھ میں آتا ہے کم سے کم اس کا اتنا ہی شکر تو ادا کر لے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۱۲ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ

فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾
وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ
حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا
وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾

اُس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخّر کر دیا ہے یعنی اس کے حکم سے ستارے تمہارے فرمانبردار ہیں۔ اس میں عقلمند لوگوں کے لیے قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس نے تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں مختلف چیزیں پیدا کیں جن کے رنگ جُدا جُدا ہیں۔ اس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں وہ وہی خدا ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخّر کیا تاکہ تم اس سے مچھلیوں کا تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور کی چیزیں (موتی وغیرہ) نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ دریا میں (پانی کو) چیرتی پھاڑتی آتی جاتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل (نفع تجارت) کو تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور اس نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ (ایسا نہ ہو) زمین تمہیں لے کر جُھک جائے (اور تمہارے قدم نہ جمیں) اور اُس نے ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم اپنی منزل تک پہنچ سکو اس کے علاوہ راستوں میں اور بہت سی نشانیاں ہیں اور بہت سے لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔

■ [illegible] اور [illegible] وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد اب دُوسرے احسانات کا ذکر فرمایا جارہا ہے :
[illegible] اور دن کا آنا جانا ہے کیا ہی اچھا طریقہ رکھا ہے کہ دن بھر انسان اپنی معاش حاصل کرنے [illegible] پیر پھیلا کر سوئے۔ اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو انسان کو اپنی زندگی وبال ہو جاتی [illegible] کے ساتھ کم و زیادہ بنایا ہے تاکہ موسم کے لحاظ سے انسان معیّنہ اوقات سے

فائدہ اٹھائے تسخیر کا مطلب نہیں کہ رات دن کا گھٹانا بڑھانا انسان کے اختیار میں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس اندازہ کے ساتھ قدرت نے ان کی آمد و رفت رکھی ہے وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں جاتے۔ قدرتی قانون کے مطابق اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ رات دن پر غالب آتی اور نہ دن رات پر۔ عقلمند آدمی کو سمجھنا چاہیئے کہ نظامِ حیاتِ انسانی کے حُسن و خوبی قائم رکھنے کے لیے رات اور دن کی یہ ترتیب کتنی مبنی بر حقیقت ہے۔

پھر زمین کی رنگ برنگ کی پیداوار کی طرف انسان کی توجّہ دلائی گئی ہے۔ ہزارہا قسم کی نباتات زمین سے اُگ رہی ہے لیکن سب کا رنگ سب کا قد سب کے پھول اور پھل ایک دُوسرے سے جُدا ہیں۔ یہ امتیازی شان خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں پیدا کر سکتا۔ ہزارہا قسم کے پھول سُرخ و سبز اور زرد ہیں مگر کیا ممکن کہ ایک کا رنگ دوسرے سے مل جائے یا ایک پتہ دوسرے کی مثل ہو جائے۔

اس کے بعد ایک اور احسان کا ذکر آتا ہے وہ ہیں سمندر اور دریا جن میں ہزارہا قسم کی مچھلیاں اور دیگر مخلوق پائی جاتی ہے انسان ان میں سے مچھلیاں پکڑ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ پھر سمندروں میں غوطے لگا کر موتی نکال لاتا ہے اور ان کے ہار بنا کر پہنتا ہے انہیں زیوروں میں جڑواتا ہے اور اپنے بنی نوع پر فخر کرتا ہے۔ اس کے بعد کشتیوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح اُن پر سوار ہو کر انسان اپنا سامانِ تجارت ملکوں ملکوں میں لیے پھرتا ہے۔ سفر کر کے بڑے بڑے تجربے حاصل کرتا ہے۔ یہ اُسی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ پانی کی موجیں ان کشتیوں کو بہائے لیے چلی جاتی ہیں۔ ہواؤں کا موافق بنانا اور موجوں کے تلاطم سے نکال کر پھر ساحل پر لگانا سب اُسی کے ید قدرت میں ہے۔

پھر پہاڑوں کا ذکر آتا ہے اگرچہ ان کے بیشمار فائدے ہیں لیکن یہاں صرف ایک ہی فائدہ بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ وزنی میخیں زمین کے دامنوں پر ٹھکی ہوئی نہ ہوتیں تو زمین مع اپنے باشندوں کے کسی طرف کو جُھک جاتی، اور پھر جانداروں کو اس پر رہنا دشوار ہو جاتا۔

آخر میں اپنی ایک اور نعمت کا ذکر کرتا ہے وہ ہے ستاروں کی رہنمائی۔ ریگستانوں کو چٹیل میدانوں کو جہاں راستہ کا نشان ڈھونڈے نہیں ملتا، انہیں ستاروں کی رہنمائی سے انسان طے کرتا ہے۔ انہی کے ذریعہ سے بحری سفر طے ہوتے ہیں۔ انہی کی مدد سے وقت کا پتہ لگایا جاتا ہے سُبْحَانَہٗ مَا اَعْظَمَ شَانُہٗ۔

یہ سارا کارخانہ اسی لیے سجایا گیا ہے کہ انسان اپنے نظامِ حیات کو برقرار رکھ سکے اور اپنے معبُود کا شکر ادا کرے جس نے اپنی بیشمار صناعیوں کا اس کے گرد انبار لگا دیا ہے۔ یہ ایک مستقل نظام ہے جو لاکھوں برس سے چلا آ رہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک حکیمِ مطلق کا بنایا ہوا ہے۔

أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ

اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ
مَا تُعْلِنُوْنَ ⑲ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ
یُخْلَقُوْنَ ⑳ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ج وَمَا یَشْعُرُوْنَ لا اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ㉑ ع ۱۲/۸

توکیا جو خدا مخلوقات کو پیدا کرتا ہے وہ ان بتوں کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اللہ وہ سب باتیں جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنائے ہوئے ہیں وہ تو کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں وہ تو مُردہ ہیں بے جان، انہیں تو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔

اپنی مختلف قسم کی نعمتوں کو یاد دلانے کے بعد مشرکوں سے کہتا ہے جو ان تمام چیزوں کا خالق ہے بھلا وہ ان بتوں کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ یہ تو تھوڑی سی نعمتیں تھیں جن کا ذکر کیا گیا، باقی اللہ کی نعمتیں تو اتنی کثیر ہیں کہ تم ان کو شمار ہی نہیں کر سکتے۔ شمار تو جب کر سکو کہ ان سب نعمتوں کو تم سمجھ سکو۔ تم ان کو کھائے پیئے چلے جا رہے ہو اور ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ نعمتیں کون دے رہا ہے تمہاری اس بے خبری اور خلاف ورزی کی سزا تو یہ ہوتی کہ وہ تم سے ان نعمتوں کو روک دیتا مگر وہ ایسا غفور و رحیم ہے کہ اس نافرمانی اور شرک پرستی پر بھی تم کو دیئے چلا جاتا ہے۔ اور اپنی کسی نعمت کو تم سے نہیں روکتا۔ یہ بے جان بُت جن کی تم عبادت کرتے ہو اور جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا انہوں نے کوئی ایک چیز بھی پیدا کی ہے۔ یہ کیا پیدا کرتے یہ تو خود خدا کی مخلوق ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تم عقل و شعور سے کام ہی نہیں لیتے۔ اور اس کی تمہیں خبر ہی نہیں کہ قیامت بھی آنے والی ہے اور وہاں تمہاری اچھی طرح خبر لی جائے گی اور یہ تمہارے معبود تمہاری کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے۔ بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے کسے پکارو گے۔

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ج فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ
وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ㉒ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ط

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ ㉓ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ لا
قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ㉔ لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَھُمْ کَامِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ لا
وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَھُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ㉕ ع قَدْ مَکَرَ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ
مِنْ فَوْقِھِمْ وَاَتٰىھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ㉖

تمہارا معبود خدائے واحد و یکتا ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل میں انکار بس کر رہ گیا ہے اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ خدا ضرور جانتا ہے ہر اس بات کو جسے یہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں وہ غرور کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ (ہے کچھ بھی نہیں وہی) پرانے لوگوں کے قصے ہیں۔ کہنے دو قیامت کے دن اپنے گناہوں کے بوجھ بھی اُن کو اٹھانے پڑیں گے اور ان لوگوں کے بھی جن کو انہوں نے بے سمجھے بوجھے بہکایا ہوگا۔ دیکھو تو کیسا بُرا بوجھ یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکاریاں کی تھیں تو دیکھو اللہ نے ان کے مکر کی عمارت کیسی جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور اس کی چھت اوپر سے ان کے سروں پر آرہی اور پھر جس عذاب کی انہیں خبر تک نہ تھی وہ بھی اُن تک آپہنچا۔

پند و نصیحت کی منزلیں تو گزر چکیں اپنی نعمتوں کا ذکر سُنا دیا گیا اور ان سے جو فائدے انسانوں کو پہنچ رہے ہیں وہ بھی کان میں ڈال دیئے نافرمانی کے باوجود اپنی رحم کی عادت بھی بتا دی۔ اب آخر کار ان کے دلوں کے چھپے ہوئے بھید اور قیامت میں ان کی حالت اور ان پر عذاب کی صورت کا ذکر کر کے ہر طرح اپنی حجت تمام کر رہا ہے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد انسان کو اس کا اقرار کر لینا چاہیئے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور اس کا بھی کہ قیامت میں ایک ایک بات کی پوچھ گچھ ہوگی اور یہ کہ خدا کے مقابل غرور و تکبر چلنے والی چیز نہیں۔ خدا پر کوئی عمل چھپا ہوا نہیں چاہے ظاہر بظاہر کیا ہو یا چھپا کر۔ یہاں تو یہ کہہ دینا آسان ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے قصے ہیں لیکن روزِ قیامت جب احکامِ خدا کو نہ ماننے کی سزا دی جائے گی اس وقت کیا ہوگا۔ گناہوں کا بھاری بوجھ ان پر لدا ہوگا اور نامۂ اعمال

گلے میں پڑا ہوگا اور ہر بات کا جواب طلب کیا جا رہا ہوگا۔ اپنے گناہ بھی گردن پر ہوں گے اور جن جن کو گمراہ کیا ہوگا ان کے بھی
سوچو تو یہ بار کتنا وزنی ہوگا اور اس کی جوابدہی تمہارے لیے کیا قیامت برپا کرے گی۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام ۱۶۴ / ۶) (آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائیگا)
تو پھر بہکانے والے ان کا بوجھ کیوں اٹھائیں گے جن کو بہکایا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک
کے بدلے دوسرا اس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ (النحل ۲۵ / ۱۶) کا مطلب یہ ہے کہ جن کو بہکایا
ہے اُن کی گردنوں پر تو ان کا ذاتی بوجھ رہے گا ہی باقی اتنا ہی بوجھ بہکانے والوں کی گردنوں پر اور رکھا ہوگا۔

خدا کے منکر اور اس کی نافرمانی کرنے والے کان کھول کر سن لیں کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے شرک کیا تھا اور خدا
کے رسولوں کو جھٹلایا تھا تو ان کو ان کے مکر کی جو سزا ملی تھی اسے کفارِ مکہ تم بھی اس عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ تمہاری
ساری چالاکیوں اور مکاریوں کو بری طرح خاک میں ملا دیا جائے گا اور ایسی بلائیں تم پر نازل ہوں گی جو تمہارے وہم و گمان
میں بھی نہ ہوں گی۔

بہرحال جو حق سمجھانے بجھانے اور ڈرانے دھمکانے کا تھا وہ ہر طرح باحسن طریق ادا کر دیا گیا۔ اس پر بھی
اگر کوئی نہ سمجھے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ یہ جو کچھ ان کو سزا ہوگی دنیا ہی میں دیکھ لیں گے۔ اب رہا عذابِ آخرت،
اس کا بیان آگے آتا ہے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ
فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

پھر روزِ قیامت خدا ان کو رسوا کرے گا اور کہے گا بتاؤ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک بناتے
تھے اور اہلِ ایمان سے ان کے بارہ میں جھگڑا کرتے تھے (وہ تو کیا جواب دیتے) مگر جن کو خدا کی طرف
سے علم دیا گیا ہے کہیں گے کہ آج کے دن رسوائی اور خرابی سب کچھ کافروں ہی کے لیے ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا
نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ
عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ
كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾

(یہ رسوا ہونے والے) وہی کافر ہوں گے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہوئے جب ملائکہ کے ہاتھوں
پکڑے گئے تو (سرکشی چھوڑ کر) فوراً اطاعت پر آمادہ ہوگئے اور کہنے لگے (ہم تو اپنے خیال
میں) کوئی برائی نہیں کرتے تھے (فرشتے کہتے ہیں) ہاں جو کچھ تمہارے کرتوت تھے خدا اس سے خوب
واقف ہے (اچھا بس اب) جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تکبّر
کرنے والوں کے لیے کیسا برا ٹھکانہ ہے اور جب پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے تمہارے رب نے
کیا نازل کیا تو کہتے ہیں اچھا ہی اچھا ہے جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے یہاں بھی
بہتری ہے اور آخرت کے گھر میں بھی ان کے لیے سلامتی ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے
وہ باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو چاہیں گے ان کے لیے مہیّا
ہوگا۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ کفّار و مشرکین زندگانی دنیا میں تو برابر خدا کے منکر اور نافرمان بنے رہتے ہیں
لیکن جب موت کا فرشتہ آکر گلا دباتا ہے تو اکڑ تکڑ سب بھول جاتے ہیں اور خدا کی اطاعت پر آمادگی ظاہر کرنے
لگتے ہیں اور اس وقت بھی دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں ہم نے کوئی برائی نہیں کی۔ فرشتے کہتے ہیں بس چپ رہو
تمہاری سزا یہ ہے کہ جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبضِ روح کے بعد اس دوزخ میں داخلہ کا حکم کیوں ہوگا جس میں ہمیشہ

رہنا ہو گا۔ ایسا تو قیامت میں جرائم کے فیصلہ کے بعد ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے اس سے مراد برزخی جہنم ہے اور ہمیشہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (۲۳/۱۰۰) یعنی قیامت کے دن تک وہاں مُبتلائے عذاب رہیں گے۔

یہ تو مسلّم ہے کہ مرنے کے بعد انسان معدُوم محض نہیں ہو جاتا بلکہ نفس و رُوح دونوں جسمِ مادی سے جُدا ہو کر عالمِ برزخ میں جاتے ہیں اور وہاں ان کے لیے جزا و سزا ہے ان گناہوں کے متعلق جن کا تعلق خدا اور بندہ سے ہے اور جن کا تعلق بندہ کا بندوں سے ہے اس کا فیصلہ تو قیامت ہی میں ہو گا جب مدّعی اور مدّعا علیہ اور دونوں کے گواہ موجود ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے شرک باللہ کیا ہے یا کفرانِ نعمت کیا ہے یا عباداتِ الٰہی بجالانے میں کوتاہی کی ہے ان پر عذاب کا سلسلہ عالمِ برزخ سے شروع ہو جائے گا۔ اس عذاب کو نفسِ انسانی جھیلے گا کیونکہ وہ بدن کا مُدبر تھا اور جسم اس کو بطور آلہ کے دیا گیا تھا۔

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ (۳/۱۸۵) سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ موت کا ذائقہ بھی نفس نے چکھا ہے یعنی وہ مرا نہیں بلکہ بدن کے جُدا ہونے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کو ہوتی ہے بس وہی نفس رُوح کے ساتھ عالمِ برزخ میں رہے گا جب تک صور نہ پھونکا جائے اور میدانِ قیامت میں سب کو نہ بُلایا جائے۔

عذابِ قبر سے مراد اس عالمِ برزخ کا عذاب ہے ورنہ دو جگہ عذاب کیسا۔ قبر میں بھی اور برزخ میں بھی۔ عذابِ برزخ کو ہی عذابِ قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ برزخ کہاں ہے سوائے خدا اور رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

انسان تین چیزوں کا نام ہے بدن۔ نفس۔ رُوح، ان کے لیے تین ہی عالم بنائے گئے ہیں۔ بدن کے لیے یہ عالمِ مادّی جسے دنیا کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد یہ یہیں چھُوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ مادّیات ہی سے بنا تھا نفس کے لیے برزخی دنیا ہے جو برزخی مادہ سے ہی بنا ہُوا ہے وُہ برزخ میں جاتا ہے۔ رُوح جو مدبرِ نفس ہے اس کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر تیسرا عالم عالمِ حیات اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ہے جہاں موت نہیں۔ مرنے والوں کی جو صورتیں ہمیں خواب میں نظر آتی ہیں وہ برزخی مادہ کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہماری یہ مادی آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ عالمِ خواب میں جب ہمارا نفس ہمارے بدن سے الگ ہوتا ہے تو ہماری نفسی آنکھیں بے شک ان کو دیکھ لیتی ہیں۔ کیونکہ ہمارا نفس بھی برزخی ہوتا ہے۔ ہم جو نیکیاں مُردوں کے لیے کرتے ہیں وہ عالمِ برزخ میں ہمارے مُردوں تک پہنچتی ہیں اور ان کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہیں اور تخفیفِ عذاب یا زیادتی ثواب کا بھی۔ اس لیے مُردوں کے ساتھ نیکیاں کرنے کا حکم ہے۔

الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ ۙ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ

اَوۡ یَاۡتِیَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ نَّحۡنُ وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۚ فَہَلۡ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۵﴾

(یہ جزا دیتا ہے اللہ ان متقیوں کو) جن کی رُوحیں پاکیزگی کی حالت میں ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) جو کچھ تم نے عملِ خیر کیے ہیں (اس کے بدلہ میں) جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ اے رسول کیا اہلِ مکّہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے (قبضِ رُوح کو) آہی جائیں یا (ان کے ہلاک کرنے کو) تمہارے رب کا عذاب ہی آپہنچے جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کر چکے ہیں۔ خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے (بُرے کام کر کے) خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے ان کی سزا میں بُرے نتیجے ان کو مِلے ہیں اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور مشرکین کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کی مرضی کے بغیر کسی چیز کو حرام کر بیٹھتے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ایسی بے تُکی باتیں وُہ بھی کر چکے ہیں۔ پیغمبروں کا فرض تو یہ ہے کہ وہ احکام کو صاف صاف طریقہ سے پہنچا دیں۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جب یہ کفار ہماری قدرت کی سب کچھ نشانیاں دیکھ چکے۔ تم ہر طرح اُن کو سمجھا چکے۔ پہلے لوگوں کے واقعات سُنا چکے تو اب انہیں دینِ اسلام قبول کرنے میں کس بات کا انتظار ہے کیا اس وقت

قبول کریں گے جب موت ان کے سر پر آ کھڑی ہوگی یا عذاب ان کی گردن آ دبائے گا۔ ان سے پہلے بھی لوگ اسی طرح کی لغو باتیں کیا کرتے تھے۔ عذاب نازل کرنے میں خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا یعنی بے وجہ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے اُوپر ظلم کیا یعنی کام ہی ایسے کیے کہ ان پر عذاب نازل کرنا ہمارے لیے ضروری ہوگیا۔ ہمارے احکام کا مذاق اڑانے کی سزا یہی تھی کہ ان لوگوں کو ہمارے عذاب نے گھیر لیا۔ اپنے کرتوتوں کو تو دیکھتے نہیں اُلٹا الزام ہمارے اوپر لگاتے ہیں۔

مشرکوں کی اور سنیئے، کہتے ہیں خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت ہی نہ کرتے اور نہ حرام چیز کو حلال کرتے۔ ان پر خدا کی مار، اپنی حماقت کو ہمارے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے اگر تم سے یہ کام بجبر کرانا ہوتا تو بھلا ہمیں اپنے پیغمبر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو صاحب عقل بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آثارِ قدرت کی طرف توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی سادی بات تھی ایک ایک کی گردن پکڑ کر مسلمان بنا لیتے۔ لیکن ہم نے یہ کبھی نہیں چاہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ سمجھ بوجھ کر ہم پر ایمان لائیں۔ اپنی بھلائی برائی کو سوچیں اپنی عقل سے کام لیں کہ ایسا ایمان پختہ ہوتا ہے اور قابلِ جزا قرار پاتا ہے۔ ہم چاہتے تو یہی ہیں کہ ہمارے جتنے بندے ہیں، وہ ہم پر ایمان لے آئیں کسی کو ہمارا شریک قرار نہ دیں ہمارے احکام کی پابندی کریں ہمارے پیغمبرؐ کی اطاعت کریں مگر کسی کے گلے پر چھری رکھ کر نہیں۔ کیا عجیب بات ہے ہماری آڑ لے کر اپنے کو بچانا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ملزم قرار دیتے اُلٹا ہمیں ملزم بنا رہے ہیں۔ ہمارا کام یہ تھا کہ اپنا رسول تمہارے پاس بھیجیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ بے رُو رعایت ہمارے احکام کو صاف صاف تم سے بیان کردے۔ تمہاری مخالفت سے ذرا نہ ڈرے تمہارا فرض یہ ہے کہ کان لگا کر اس کی بات سنو، غور کرو۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمارا عذاب عنقریب تم پر آ کر رہے گا، جس طرح تم سے پہلی قوموں پر آتا رہا۔

قرآن کے متعلق تم کہتے ہو یہ ہے کیا پہلے لوگوں کے قصے ہیں تم سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی بے تُکی باتیں کر کے رُوگردانی کرتے تھے۔ ہم نے یہ قصے عبث تو نہیں بیان کیے۔ تمہاری پند آموزی کے لیے بیان کیے ہیں۔ پہلوں کے قصے اگلوں کے لیے عبرت آموز ہوتے ہیں۔ پہلوں کی بے عقلی سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا
فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِن تَحْرِصْ

عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَ
أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ
فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس لیے بھیجا کہ وہ کہے اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو پس اُن میں سے بعض کو تو خدا نے ہدایت کی اور بعض کے سر پر گمراہی سوار ہوگئی۔ بس روئے زمین پر سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اے رسول اگر تم کو ان لوگوں کی ہدایت کی حرص ہے تو (بے فائدہ ہے کیونکہ) خدا ایسے شخص کو ہرگز ہدایت نہیں کرتا (جو نا اہل ہو اُسے) گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور (عذاب سے بچانے میں) کوئی ان کا مددگار نہیں۔ خدا کی جتنی قسمیں ان کے امکان میں تھیں کھا کر کہتے ہیں خدا کسی کو مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا۔ (اے رسول تم کہہ دو ہاں ضرور ایسا ہوگا) اس پر اپنے وعدہ کی وفا لازم ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (دوبارہ زندہ کرنا اس لیے ضروری ہے) کہ جن باتوں پر لوگ جھگڑا کرتے ہیں ان کے سامنے صاف طور سے واضح کردے اور کفار یہ سمجھ لیں کہ وہ دُنیا میں جھوٹے تھے۔

خدا نے ہر امت میں اپنا ایک رسول ضرور بھیجا تاکہ ان پر حجت تمام ہوجائے اور قیامت میں ان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اس لیے گمراہ ہوئے کہ ہمیں کوئی ہدایت کرنے والا نہ تھا۔ رسول کا یہ کام نہیں کہ وہ گھر گھر جاکر ہدایت کرے بلکہ اس کی مثال کنویں کی سی ہے۔ پیاسوں کو خود اس کے پاس آنا چاہیئے۔

ہمارے رسولؐ کی بڑی خواہش یہ تھی کہ تمام کفارِ قریش مسلمان ہوجائیں۔ خدا فرماتا ہے جن بدبختوں سے خدا نے اپنی توفیق سلب کرلی ہے وہ کبھی مسلمان نہیں ہوسکتے چاہے تم کتنا ہی چاہو۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ مشرکین کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ رسولؐ سے اس مسئلہ میں برابر کج بحثی کرتے رہتے تھے۔ خدا کی قسمیں بڑے زور کے ساتھ کھا کھا کر کہتے تھے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اے رسولؐ، تم ہمیں ڈرانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی مُردے

اپنی قبروں سے زندہ ہوکر نکلیں گے اور ضرور نکلیں گے ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ خدا کے وجود کے متعلق جو لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان پر ثابت ہو جائے کہ خدا کا وجود ہے اور جن لوگوں نے رسولؐ کو اور خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے انہیں پتہ چل جائے کہ رسولؐ نے جو کچھ کہا تھا وہ سب سچ تھا۔

امتوں کے واقعات کو قرآن میں پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ایک دو نہیں ہزار ہا لوگ اس عقیدہ کے ماننے سے انکار کرتے تھے کہ موت کے بعد پھر لوگ زندہ کیے جائیں گے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک جسم گل سڑ کر راکھ ہو جانے کے بعد پھر کیسے زندہ ہوکر کھڑا ہو جائے گا۔ قرآن ان کو سمجھا رہا ہے کہ جس خدا نے نیست سے ہست کیا ہے جو عدم سے وجود میں لایا ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ جناب ابراہیمؑ کا بحکم خدا چار پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد اور ان کا گوشت قیمہ کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھنا اور اُن کی چونچ ہاتھ میں لے کر انہیں پکارنا اور ان میں سے ہر ایک کا گوشت دُھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ کر آنا اور اپنی اپنی چونچ سے مل جانا اور پرندہ بن کر اُڑ جانا اس کا ثبوت ہے کہ یوں ہی قیامت میں جس جسم کے اجزا جہاں جہاں ہوں گے وہ اپنے اجزائے اصلیہ سے مل جائیں گے۔ یہ اجزائے اصلیہ خدا کے یہاں محفوظ ہیں اجزائے زائدہ ان کو پہچانتے ہیں۔

یہ دوبارہ زندہ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ظالموں کو اُن کے ظلم کا بدلہ ملے اور مظلوموں کی فریاد رسی کی جائے اور دنیا میں جن کی فریاد کسی نے نہیں سُنی خدا اُسے سُنے۔ تیسرے اس لیے بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں نے احکامِ خدا کی پابندی کی اعمالِ خیر کی طرف متوجہ رہے ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے۔ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کا بدلہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہاں کی نعمتیں سب عارضی ہیں اور یہاں ہر آرام کے ساتھ تکلیف بھی لگی ہوئی ہے۔ ہر نیکی کا پورا پورا اجر جنت میں ہی مل سکتا ہے جہاں کی نعمتیں ایسی ہوں گی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی ہوں نہ کانوں سے سُنی ہوں نہ دل و دماغ میں ان کا تصور آیا ہو۔

ع إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ
هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ
وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۚ
فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ
الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ
فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ
فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

ہمارا کہنا کسی شے کے لیے اتنا ہی ہوتا ہے کہ جب ہم کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے کفار کے ظلم و ستم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی ہم اُن کو ضرور دُنیا میں بھی اچھی جگہ آرام سے بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بہتر ہے کاش یہ لوگ جنہوں نے راہِ خدا میں سختیوں پر صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (اپنے ثواب کو جانتے ہوتے)۔ (اے رسول) ہم تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا بنا کر بھیجا کیے جن کو ہم وحی کرتے تھے۔ (تم اہلِ مکّہ سے کہو کہ) اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (عالموں سے) پوچھو (اور ان پیغمبروں کو بھیجا بھی) تو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ اور تمہارے پاس قرآن نازل کیا ہے "تاکہ جو احکام لوگوں پر ان کے متعلق نازل کیے گئے ہیں ان کو صاف صاف بیان کر دو" تاکہ وہ لوگ کچھ غور و فکر کریں تو کیا وہ لوگ جو بڑی بڑی مکاریاں کرتے تھے ان کو اس بات کا اطمینان ہو گیا ہے اور یہ خوف نہیں رہا کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا اس کی طرف سے ان پر عذاب آ پہنچے جس کی ان کو خبر تک نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے اللہ کا عذاب گرفتار کرے اور وہ خدا کو زیر نہیں کر سکتے یا وہ عذاب سے ڈرتے ہوں تو اس حالت میں ان کو پکڑ لے بے شک تمہارا اللہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

کُنْ فَیَکُوْن کے متعلق ایک دہریہ کا یہ اعتراض ہے کہ جب کوئی چیز موجود نہ تھی تو کُن کا خطاب کس سے کیا گیا۔ اگر موجود تھی تو پھر فیکون کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی خلق کا ارادہ کیا۔

جواب یہ ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا علم خدا کو ہوتا ہے، اسی علم سے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے اس کو پیدا کرنے میں کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ارادہ کے ساتھ ساتھ ساز و سامان خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا ارادہ ہمارا سا ارادہ نہیں کہ اگر کسی چیز کو بنانا چاہیں تو پہلے سے اس کے لیے سامان مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ارادہ ہی خلق ہے۔ خلق اور ارادہ کے درمیان کوئی منزل نہیں۔

ہمارے رسولؐ سے پہلے بھی جن انبیاء و مرسلین کو اس نے ہدایت کے لیے بھیجا انہیں مردوں کی صورت میں بھیجا اور ان پر اپنی وحی نازل کی۔ اگر فرشتہ کو بھی رسول بنا کر بھیجا جاتا تو مرد ہی بنا کر بھیجتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ..... (۶/۹) ۔ فرشتہ غیر جنس ہے اس سے لوگ مانوس نہیں ہو سکتے تھے، دوسرے بشری نظامِ حیات کو فرشتہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اندر وہ قوتیں اور جذبات نہیں ہوتے جو انسانوں میں ہوتے ہیں۔ رہا عورت کا رسول بنا کر نہ بھیجنا تو اس کی کئی وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تبلیغ میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے عورت اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔ دوسرے عورت صاحبِ حسن و جمال ہوتی ہے لوگ اس پر عاشق ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کرتے لیکن اس طرح نہ تو فرضِ رسالت پورا ہوتا اور نہ ہی عشاق کے ہجوم میں وہ فتنہ و فساد کے کانٹے ہٹا کر اپنے تبلیغی فرائض انجام دے سکتی۔ تیسرے مرد کی بہ نسبت وہ عقل کی کمزور ہوتی ہے اس لیے وحی کا تعلق اس سے نہیں ہو سکتا تھا۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ.. (۱۶/۴۳) ۔ (تم اہلِ ذکر سے پوچھو) یعنی کفار سے کہا جا رہا ہے جب تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی تو جو صاحبانِ ذکر ہیں ان سے پوچھو وہ تمہارے شکوک رفع کر دیں گے۔

جن مفسرین نے اہلِ ذکر سے مراد علمائے امت لیے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اگر ذکر سے مراد قرآن ہے تو امتِ رسولؐ میں کون سا عالم ایسا ہوا ہے جو تمام قرآن کا علم رکھتا ہو۔ جو کچھ کہے اس کے متعلق بھی یقین سے نہیں کہا جاتا کہ وہ سب صحیح ہے۔ قرآن میں تو جا بجا خدا نے لفظ ذکر سے حضرت رسولؐ کو مراد لیا ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ .. (۶۵/۱۰، ۱۱) پس جب رسولؐ ذکر ہیں تو لامحالہ اہلِ ذکر سے مراد حضرتؐ کے اہلبیتؑ ہوئے جو معصوم ہیں۔

اسی بنا پر معاویہ بن عمار ذہبی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہم اہلِ ذکر ہیں۔ (فصول المہمہ) اور سعید ابن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہی ہیں کہ باوجود اس کے کہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں مگر منافق کے منافق ہیں کسی نے پوچھا یا رسولؐ اللہ ایسے شخص میں نفاق کیوں کر داخل ہوا۔ فرمایا اس وجہ سے کہ وہ اپنے امام پر طعن کرتا ہے۔ اس کو برا کہتا ہے حالانکہ اس کا امام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سے ذکر فرمایا ہے۔ (درمنثور سیوطی) ۔ منقول از ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب۔

لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہمیں صرف کتابِ خدا کافی ہے۔ اگر یہ کلام صحیح مان لیا جائے تو پھر رسولؐ

کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔
نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لیے ناکافی ہے اس لیے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر بجائے خود کافی قرار دیں مدعی سست کی حمایت میں گواہ چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی۔ اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ صرف ذکر کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی اس ذکر کا سمجھانے والا نہ ہو۔ پس جب رسولؐ دنیا میں نہ ہوں تو یہ ضرورت باقی رہے گی۔ لہٰذا رسولؐ اللہ نے اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا۔ آپؐ کے اہلبیتؑ کا سلسلہ چونکہ قیامت تک رہے گا لہٰذا ہر زمانے میں اہلِ ذکر ایک ضرور پایا جائے گا۔ اُمت کا فرض ہوگا کہ قرآن کے سمجھنے میں جب کوئی دقت ہو تو انہی سے پوچھے ورنہ گمراہی یقینی ہے۔
اسلام میں تہتر فرقے صرف اس وجہ سے بنے کہ لوگوں نے اہل الذکر سے تعلق منقطع کر لیا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ
وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝۴۸ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۹
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۵۰ السجدة

کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا سایہ کبھی داہنی طرف اور کبھی بائیں طرف پلٹا کرتا ہے (گویا) خدا کے سامنے سربسجود ہے اور سب اطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنے جانور زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سربسجود ہیں اور ملائکہ بھی جو کبھی سرکشی نہیں کرتے اپنے پروردگار سے جو اُن سے برتر و اعلیٰ ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے بجا لاتے ہیں۔

سایوں کے سجدہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ جن چیزوں کا سایہ پڑتا ہے وہ سب خدا کی مخلوق ہیں اور جو اس کی مخلوق ہے اس کا عاجزی سے سربسجود ہونا لازمی ہے۔ چوپاؤں کے بھی سر جھکے ہوتے ہیں ملائکہ جیسی عظیم الشان مخلوق

ع ۱۲ ۶ السجدة

بھی اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے اور حدیث میں ہے کہ بعض ملائکہ خوفِ خدا سے ایسا کانپتے ہیں کہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ میں ہیں اور قیامت تک سجدہ ہی میں رہیں گے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ
فَارْهَبُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ
الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔــرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا قف
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ
تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵٦﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ
وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

خدا نے کہا، دو معبود مت بناؤ۔ خدا تو بس ایک ہی ہے پس مجھی سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بس اللہ ہی کا ہے اور خالص فرمانبرداری اسی کی لازم ہے کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے بھی ڈرتے ہو، جو نعمتیں بھی تمہارے پاس ہیں سب اللہ ہی کی تو دی ہوئی ہیں۔ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی سے تو فریاد کرتے ہو لیکن جب وہ مصیبت تم سے دُور ہو جاتی ہے تو تم میں سے کچھ لوگ خدا کا شریک بنانے لگتے ہیں تاکہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں (اچھا دنیا میں چند روز) چین کر لو پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ اس ناشکری کا نتیجہ کیا ہوا)۔ جو روزی ہم نے

دو معبود مت بناؤ

ان کو دی ہے اس میں سے یہ لوگ بُتوں کا حصّہ بھی نکالتے ہیں جنہیں جانتے تک نہیں۔ اپنی ذات کی قسم جو افترا پرداز یاں تم کرتے ہو قیامت میں اس کے متعلق تم سے پُوچھ گچھ ضرور ہوگی۔ یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ خدا اس سے پاک ہے اور اپنے لیے وُہ چاہتے ہیں جس کے وُہ خواہشمند ہیں یعنی بیٹے۔

خدا فرماتا ہے، دو خدا مت بناؤ، اللہ تو بس ایک ہی ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیئے۔ مشرکین نے معبود تو بہت سے بنا ڈالے تھے۔ عرب کے مشرکین تین سو ساٹھ بتوں کو سجدہ کرتے تھے مگر یہاں دو خداؤں کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو خداؤں کے ہوتے نظامِ عالم مختل ہو جائے گا تو زیادہ کا ذکر ہی کیا۔ ایک سلطنت میں ایک ہی بادشاہ حکومت کر سکتا ہے اسی طرح اس تمام کائنات کا مدبّر و منتظم ایک ہی ہے اگر دو ہوتے تو یا تو وہ ہر معاملہ میں متفق الرائے ہوتے بس ایسی صورت میں دو کی ضرورت کیا ہوتی اور اگر مختلف الرائے ہوتے تو آپس میں جھگڑا ہوتا۔ ایک کہتا میں سورج مشرق سے نکالوں گا دوسرا کہتا میں مغرب سے نکالوں گا۔ ایک کہتا میں پانی برساؤں گا، دوسرا کہتا میں نہ برساؤں گا۔ اس نزاعی صورت میں سارا کام بگڑ کر رہ جاتا۔

آسمانوں کی مخلوق ہو یا زمین کی سب ایک ہی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جیسا چاہا ویسا بنا دیا۔ وہ کبھی بدلا نہیں کیونکہ ہر شے کی خلقت مبنی بر مصلحت و حکمت ہے۔

جو نعمتیں تم کو اس دُنیا میں حاصل ہیں سب خدا کی دی ہوئی ہیں تمہارے بُتوں کا ان میں کوئی دخل نہیں کیونکہ وہ صاحبِ قوت و اختیار ہی نہیں۔ جو اپنے منہ سے مکھی نہیں اُڑا سکتے جو بُت شکنوں کے حربہ کو نہیں روک سکتے وہ بھلا تمہیں کیا دیں گے۔ ان کے پاس ہے ہی کیا جو تم کو دیں۔ تم نے چاہے انہیں جو کچھ سمجھ لیا ہو لیکن حقیقتاً تو وہ کچھ بھی نہیں۔

بُت پرست کہتے ہیں ہماری دُعائیں ہمارے دیوی دیوتا پوری کرتے ہیں۔ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو دعائیں تم کرتے ہو وہ تمہارا خدا ہی پُوری کرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو بار بار اس کے پیغمبر آئے وہ اس کے وجود کا ثبوت بھی دیتے رہے اور یہ بھی بتاتے رہے کہ وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہارے بُتوں کے پاس سے کون آیا اور کس نے بتایا کہ بُت تمہاری دعائیں قبول کرتے ہیں۔ سب کی دعائیں تو قبول کرنے والا وہی معبُودِ برحق ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ دُعا قبول تو وہ کرتا ہے تم اُسے بُتوں کے سر منڈھ دیتے ہو۔ وہ اس لیے ان کو بھی دیتا ہے کہ اُس نے ان کو پیدا کیا ہے تو ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لی ہے، وہ مہلت دے رہا ہے کہ عقل سے کام لے کر شاید کسی وقت میرا اقرار کر لیں۔

اپنی توحید اور الوہیت کا ایک واضح ثبوت بیان کر رہا ہے وہ یہ کہ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو تم گڑ گڑا کر خدا ہی سے دُعا مانگتے ہو۔ تمہارا ضمیر اسی کی طرف مُڑتا ہے اسی کو مشکل کشا اور حاجت رَوا جانتے ہو۔ نام

اس کا چاہے کچھ رکھ لو مگر تمہارا دل نجات کا خواہاں ایک ایسی قوت سے ہوتا ہے جس سے بالاتر کوئی قوت نہیں لیکن جب تمہاری مصیبت دُور کر دی جاتی ہے تو تم میں ایسے ناشکرے اور احسان فراموش بھی ہیں جو کہنے لگتے ہیں کہ فلاں دیوی یا دیوتا نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائی ہے۔ اس سے زیادہ ناشکری اور کیا ہو گی کہ جو ہم دیتے ہیں تم اس کا دینے والا دوسروں کو قرار دیتے ہو۔ خیر تم اس شرک کی حالت میں کچھ دن دُنیا میں مزے اُڑا لو۔ بہت جلد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تمہارا کیا بُرا حشر ہوا۔ جو جھوٹے خدا بنا رہے ہیں اس کے متعلق ایک دن تم سے سوال ضرور ہوگا اور تم کو اس افترا پردازی کی سزا ضرور دی جائے گی۔

عرب کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ خدا فرماتا ہے کیا خوب تم تو بیٹیوں سے متنفر ہو کر پیدا ہوتے ہی اُنہیں زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہو اور جب بیٹا پیدا ہوتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے مگر خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہو یعنی خدا ایسا گیا گزرا ہے کہ اُسے وہ لڑکیاں پسند ہیں جن کو تم نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ خدا کی ذات واحد و یکتا ہے اس کے نہ لڑکا ہے نہ لڑکی۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ
يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ع ۱۳
وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ
يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

(زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی یہ حالت تھی) جب کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو رنج سے اُس کے چہرے کا رنگ کالا پڑ جاتا تھا اور وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ اس خبر کو باعثِ ننگ و عار

سمجھ کر وہ اپنی قوم سے چھپا چھپا پھرتا تھا اور اس فکر میں رہتا کہ آیا اُسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا زندہ ہی کو زمین میں دبا دے۔ ہائے یہ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو بُری باتیں انہی کے لیے مناسب ہیں اور خدا کی شان کے مناسب تو اعلیٰ صفتیں ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر خدا نافرمانیوں کی بنا پر لوگوں کو گرفتار کرتا تو روئے زمین میں ایک جاندار کو بھی باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقتِ خاص تک تاخیر کرتا ہے۔ پس جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ آگے ہوتا ہے نہ پیچھے۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ رسمِ بد جاری تھی کہ اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اُسے اپنے لیے باعثِ عار سمجھتا اس لیے کہ ان کی غیرت یہ تقاضا نہیں کرتی تھی کہ ان کی بیٹی کسی غیر کے قبضہ میں دی جائے اور وہ کسی کو اپنا داماد بنائیں۔ اگر از راہِ شفقتِ پدری زندہ رکھتا تو قوم میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ورنہ وہ پیدا ہوتے ہی گڑھا کھود کر اس میں دبا دیتا۔ اسلام نے اس رسمِ بد کا انسداد کیا اور لڑکیوں کو ماں باپ کے اس ظلم سے آزادی نصیب ہوئی۔ یہ کتنا بڑا احسان تھا نوعِ انسانی پر۔

اللہ کے لیے کوئی مثل نہیں یعنی شریک فی الذّات نہیں۔ اس کی صفات بہت بلند و بالا ہیں۔ عین ذات ہیں۔ کسی دوسرے میں یہ صفات عین ذات ہو کر نہیں پائی جاتیں۔ انبیاء و ائمہ میں جو صفات پائی جاتی ہیں وہ اس کی صفات کا عکس ہیں یعنی خدا نے ان کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر بھیجا تھا تاکہ لوگوں کو اس کی صفاتِ کمالیہ اور جلالیہ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ مثلاً وہ عالم ہے۔ علم اس کے لیے عین ذات ہے انبیاءؑ کو جو علم دیا جاتا ہے وہ داخل فی الذات ہوتا ہے۔ عین ذات نہیں ہوتا بلکہ پیدائش سے قبل اُن کے اندر داخل کیا جاتا ہے۔ اس کو علمِ وہبی کہتے ہیں۔

انسان جس قدر خدا کی نافرمانیاں کرتا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ فوراً سب کی گردن مروڑ دیتا۔ انہیں ہلاک کر دیتا، ان کی روزی بند کر دیتا، ان کی صحت چھین لیتا، ان کے راحت و آرام میں خلل ڈال دیتا مگر وہ ایسا کرتا نہیں۔ ایک وقتِ خاص تک مہلت دیتا ہے کہ وہ سمجھیں اور اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ آخر جب نہیں مانتے تو پھر موت کا فرشتہ ان کے سامنے آ کھڑا ہو گا جو دم بھر کی مہلت نہیں دے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موت تو سب ہی کو آتی ہے نیکوں کو بھی اور بدوں کو بھی اور مہلت بھی نہ اچھوں کو ملتی ہے نہ بُروں کو۔ تو پھر فرق کیا ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موت تو سب کو آنی ہے لیکن کہا یہ جا رہا ہے کہ جو سرکش ہیں ان کو وہ موت آنے سے پہلے ہی ہلاک کر سکتا ہے لیکن وہ ایک وقتِ معیّن تک ڈھیل دیئے رہتا ہے۔ آخر جب ان کی موت کا وقت آ ہی جاتا ہے تو پھر ان کی ساری سرکشی ختم ہو جاتی ہے۔ اس حد پر پہنچ کر ان کی ساری شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔ اور انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ خدا کے حکم کے خلاف ان کا کوئی زور اب نہیں چل سکتا۔

موت کا وقت غریب و امیر سب کے لیے یکساں ہے۔ کسی زور، کسی طاقت، کسی تدبیر سے وہ ہٹائے نہیں ہٹ

سکتا ورنہ آخرت کا خوف لوگوں کے دل سے نکل جاتا اور نظامِ حیاتِ انسانی میں خلل پڑ جاتا۔ اسی لیے خدا نے اس میں تاخیر کو روا نہیں رکھا۔ اس کا حکم امیر و غریب، جوان و پیر، مرد و عورت سب کے لیے یکساں ہے۔ کوئی امتیازی نشان نہیں تاکہ اس نہ ٹلنے والے وقت کے خوف سے لوگ نیکیوں کی طرف متوجہ رہیں۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ
لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ
أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي
اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

یہ مشرکین جو باتیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے ان کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی زبان سے جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے بھلائی ہے (بھلائی تو نہیں مگر) ہاں ان کے لیے جہنم کی آگ ضرور ہے۔ اور یہی لوگ سب سے پہلے اس میں جھونکے جائیں گے۔ اے رسول، خدا کی (اپنی) قسم تم سے پہلے بھی امتوں کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمالِ بد کو ان کی نظر میں اچھا کر دکھایا وہ آج بھی ان لوگوں کا سرپرست بنا ہوا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم واضح طور پر اُن چیزوں کو بیان کر دو جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔

رسولؐ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ پہلی اُمتوں میں جو رسول ہم نے بھیجے شیطان نے ان کی ہدایات کو بھی قبول کرنے سے روکا تھا اور وہ اس طرح کہ لوگ جو بُرے کام کرتے تھے شیطان ان کو یہ پٹی پڑھاتا تھا کہ تمہارے سب کام اچھے ہیں ڈٹے رہو کیے جاؤ۔ پیغمبر جو کچھ اُن کے خلاف تم سے کہتے ہیں وُہ غلط ہے۔ پس اے رسولؐ، اسی طرح شیطان اب بھی بہکا رہا ہے۔ خیر اُن کو کرنے دو جو کچھ یہ کر رہے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے جس سے یہ بچ نہیں سکتے۔

لوگوں میں مسائلِ دین میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور جہالت سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں تو ہم نے یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ تم ان کے اختلافات مٹا کر جو صحیح راستہ ہے وہ ان کو بتاؤ اور گمراہی سے ان کو بچاؤ۔

وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم
مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾
وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا
حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ
أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ
كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن
بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اس سے مُردہ زمین میں جان ڈالی اس میں سننے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے اور چوپاؤں میں بھی تمہارے لیے بڑی عبرت کی بات ہے ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے جن میں گوبر اور خون بھرا ہے خالص دودھ پلاتے ہیں اور جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔ اسی طرح کھجور کے اور انگوروں کے پھلوں سے ایک چیز تمہیں دیتے ہیں جس سے کبھی تم شراب بنا لیا کرتے ہو اور پاک رزق بھی۔ سمجھدار لوگوں کے لیے اس میں خدا کی قدرت کی نشانی ہے۔ اے رسول تیرے رب نے

شہد کی مکھی کو یہ وحی کر دی کہ پہاڑوں، درختوں اور ٹٹیوں میں اپنے چھتّے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں (کے بُور سے) ان کا عرق چُوس پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری کے ساتھ چلی جا۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد)، جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کی (بیماریوں کی) شفا بھی ہے۔ فکر کرنے والے لوگوں کے لیے اس میں قدرت خدا کی نشانی ہے۔

ان آیات میں خدا نے اپنے بندوں کو جو اُسے بھولے پڑے ہیں اپنی عجیب و غریب صنعتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۱) مینہ برسا کر مُردہ زمین کو جاندار بنایا یعنی جس زمین میں نباتات اُگانے کی طاقت کم ہو گئی تھی یا بالکل جاتی رہی تھی مینہ برسا کر اس میں از سرِ نو جان ڈال دی۔ وہی پانی جو زمین سے اُٹھ کر آسمان پر گیا تھا اور بادلوں کی صورت میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا خدا نے اُوپر ہی اُوپر اس کے اندر کچھ ایسی قوتیں بھر دیں کہ مینہ برستے ہی زمین سبزہ سے لہلہاتی نظر آنے لگی اور طرح طرح کی جڑی بُوٹیاں، پھول اور پھل نکلنے شروع ہو گئے۔

(۲) پھر چوپاؤں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ خدا کی یہ مخلوق گھاس پات، پھل پھلاری۔ گلی سڑی چیزیں اور نہ معلوم کیا کیا چیزیں کھا کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ ان کے پیٹ میں جاتے ہی قدرت اپنی صنّاعی دکھانے میں مصروف ہوتی ہے۔ ان کی غذاؤں کو دُودھ میں تبدیل کر کے ان کے تھنوں سے نکالتی ہے جسے انسان مزہ لے لے کر پیتا ہے۔ اور اس دُودھ سے طرح طرح کی غذائیں بناتا ہے اپنے بچّوں کو پلاتا ہے تو ان کی نشو و نما ہوتی ہے کیا یہ اس کی قدرتِ کاملہ کا عجیب و غریب نمونہ نہیں۔

(۳) پھر پھلوں پر غور و خوض کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کھجور کو دیکھو کہ یہ دُنیا میں ایک نرالا درخت ہے جس گٹھلی سے پیدا ہوتا ہے وہ پتھر کی طرح سخت ہوتی ہے۔ زمین اس کو ملائم بنا کر شگافتہ کرتی ہے پھر اس سے درخت کو نکالتی اور بڑھاتی ہے۔ ایسے ریگستانوں میں لہلہاتی ہے جہاں پانی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس کی کچھ خاصیتیں انسانوں سے ملتی ہیں مثلاً اس میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ نر کا زیرہ جب مادہ کے گُچھے میں جاتا ہے تو پھل پیدا ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ قدرت نر درخت کے ساتھ مادہ کو بھی رکھتی ہے۔ دوسرے اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر کبھی پھل اس میں نہیں لگتا گویا مُردہ ہو جاتا ہے۔ اہلِ عرب کی زندگی کا بڑا دار و مدار اس پر ہے۔ یہی وہ درخت ہے جس کے متعلق رسولؐ نے فرمایا ہے۔ اَكْرِمُوْا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ۔ (تم اپنی پھوپی کھجور کی عزت کرو) گویا اپنے کنبہ میں اس کے مفید ہونے کی وجہ سے داخل کر لیا ہے۔

(۴) اس کے بعد انگور کو لو، کیسا لطیف، نفیس اور خوش ذائقہ پھل ہے نہایت مقوی دل و دماغ غذا ہے۔ اس سے شراب بنا کر لوگ پیتے ہیں، سرکہ بھی بناتے ہیں۔

(۵) پھلوں کے بعد ایک چھوٹی سی مخلوق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یعنی شہد کی مکھی۔ اس کے کمالات دیکھ کر

عقلِ انسانی چکرا جاتی ہے۔ خدا نے اس کو وحی کی یعنی اشارہ کیا یا اس کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ یہ وحی وہ نہیں جو انبیاءؑ کو ہوتی ہے بلکہ اس کا تعلق غیر انبیاءؑ سے بھی ہے جیسے جناب موسیٰؑ کی والدہ کو وحی کی تھی وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص ۲۸/۷) "ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی کہ موسیٰ کو دُودھ پلاؤ" یا آسمانوں کو وحی کی۔ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حٰمٓ السجدۃ ۴۱/۱۲)۔ مکھی کو وحی یہ ہوئی کہ پہاڑوں، درختوں پر اپنے چھتّے لگا اور پھولوں کا رس چوس۔

کوئی جانور اس شان سے اپنے رہنے کے لیے گھر نہیں بناتا جس شان سے یہ مکھی بناتی ہے۔ چھ رُخے چھوٹے خانے اس شان سے بناتی ہے کہ ایک انجینئر اپنے پیمانہ و پرکار سے بھی بمشکل بنا سکتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی خانہ لمبائی چوڑائی اور اُونچائی میں بال بھر تو کم و زیادہ ہو جائے۔ اس تعمیر میں بیشمار مکھیاں حصّہ لیتی ہیں لیکن سب ایک ہی اُستاد کی سکھائی ہوتی ہیں جن کے بنانے کا ایک ہی انداز ہوتا ہے۔ ان خانوں کے درمیان آنے جانے کے راستے ہوتے ہیں۔ ان کے بادشاہ کے لیے جسے یعسوب کہتے ہیں سب خانوں کے بیچ میں ایک بڑا خانہ ہوتا ہے یہ بادشاہ جسامت میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ بیچ میں شہد کا ذخیرہ کرنے کے لیے علیحدہ خانے ہوتے ہیں۔

مکان کی تعمیر کے لیے یہ مکھیاں پہلے موم کی حاجتمند ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسے ہی پھلوں یا پھولوں پر بیٹھتی ہیں جہاں سے ان کو موم حاصل ہو۔ قدرت کا کرشمہ دیکھو جو رس پھلوں اور پھولوں سے چُوستی ہیں اُسے اپنے اندر سے بجائے شہد کے موم بنا کر نکالتی ہیں۔ اسی سے ایسا مضبوط گھر بناتی ہیں کہ کتنے ہی زور کی آندھی چلے یا موسلا دھار پانی برسے ان کے چھتّے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی موم کا مسالہ ہے جس سے وہ کسی درخت کی شاخ میں اس مضبوطی سے اپنا چھتّہ لٹکاتی ہیں کہ وہ سخت سے سخت جھٹکے سے نہیں گرتا۔ جب مکانات تیار ہو جاتے ہیں تو پھر شہد جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اب یہ خوشبودار پھولوں اور رسیلے پھلوں پر بیٹھتی ہیں اور ان کا رس چُوستی ہیں۔ قدرت کی اس چھوٹی سی مشین کے اندر وہ رس جا کر شہد بن جاتا ہے۔ اُسے لے کر وہ چھتّہ میں آتی ہیں اور اس کو اپنے منہ سے نکال کر خزانہ میں جمع کرتی رہتی ہیں۔ اس کی حفاظت کے لیے پہرہ دار الگ ہوتے ہیں جب کوئی مکھی چھتّہ میں داخل ہونا چاہتی ہے تو پہرہ دار اس کا منہ سونگھتا ہے اگر کسی بُو دار کڑوے پھل پھول پر بیٹھ کر آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو اس کا سر کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ اگر کوئی شہد لینے کے لیے ان کے چھتّہ پر حملہ کرتا ہے تو بادشاہ کے حکم سے وہ سب خزانہ کا شہد اپنے پیٹ میں بھر کر اُڑ جاتی ہیں اور حملہ آور کو کچھ نہیں ملتا۔ ہاں اگر حملہ بہت جلد ہو جائے اور ان کو اپنا ذخیرہ ساتھ لے جانے کا موقع نہ ملے تو دوسری بات ہے۔ تاہم جتنا لے جا سکتی ہیں لے جاتی ہیں۔ غور کیجئے کیا عجیب و غریب نظام ہے کیا یہ قدرت کی صنعت کا شاہکار نہیں۔

پہاڑ ہوں یا درخت یا ٹٹیاں یہ اپنا چھتّہ اتنے بلند مقام پر بناتی ہیں جہاں دشمن کا ہاتھ آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ بعض مقامات پر پالتو مکھیوں سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مٹکوں کے اندر ان کے چھتّے ہوتے ہیں ان کے لیے گھروں کے پاس خوشبودار پھولوں کی پھلواریاں اُگائی جاتی ہیں وہ مٹکوں سے نکل کر وہاں جاتی ہیں اور رس چوستی ہیں

اور وہاں سے پھر اپنے مٹکے میں آجاتی ہیں کیا ممکن کہ کوئی مکھی کسی دوسرے مٹکے میں چلی جائے۔ جب شہد بہت سا جمع ہو جاتا ہے تو گھر کا مالک کوئی برتن نیچے رکھ کر چھتے میں سوراخ کر دیتا ہے جس سے شہد ٹپکتا رہتا ہے۔

غور کرو ایک چھوٹے سے جانور کو خدا نے کیسی عقل دی ہے۔ آدمی بھی بعض اوقات اپنا گھر بھول جاتا ہے لیکن وہ کبھی نہیں بھولتی۔ بتاؤ یہ عقل اُسے کس نے دی ہے۔

(۶) اس کے بعد شہد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کیسی لذیذ غذا ہے۔ مکھی کی قے ہے مگر انسان کس شوق سے اُسے چاٹتا ہے اس کے غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے۔ شہد بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ مقوی قلب بھی ہے سبحانہ ما اعظم شانہٗ۔ خدا ان سب باتوں کی طرف صاحبانِ فکر کو دعوتِ غور و خوض دیتا ہے۔

حضرت رسولِ خدا نے امیر المؤمنین کو یعسوب الدین کا لقب دیا ہے یعنی اُن سے بہتر دین کا انتظام کوئی نہیں کر سکتا۔ جس طرح مکھیاں اپنے خزانہ سے خود کچھ نہیں کھاتیں بلکہ ان مکھیوں کو کھلاتی ہیں جو یا تو بوڑھی ہو جاتی ہیں یا کسی صدمہ سے ان کے پر جھڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح امیر المؤمنین بیت المال سے خود کبھی اپنے لیے ایک پائی نہیں لیتے تھے بلکہ اس کو بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں کا حق سمجھتے تھے۔ جس طرح غلط رس چوسنے والی مکھیوں کو چھتہ کے اندر داخلہ ممنوع تھا اسی طرح امیر المؤمنینؑ کی سلطنت میں حرام خوروں۔ غلط کاروں اور سرکشوں کو آزادی نصیب نہ تھی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ
لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ ع ۹ ۱۵
عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾

اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو دُنیا سے اُٹھالے گا تم میں سے بعض ایسے ہیں جو ذلیل زندگی (بڑھاپا) کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے پس وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پر ان کا دست رس ہے (غلام لونڈی) دینے والے نہیں حالانکہ اس مال میں تو سب کے سب (مالک و غلام) برابر ہیں تو کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کے منکر ہیں۔

یہ قدرت کا قانون ہے کہ جس قدر انسان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اُس کے قوائے جسمانی کمزور ہوتے جاتے ہیں اور عقل کی چمک بھی ماری جاتی ہے جس سے انسان سٹھیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ سیکھا تھا بھولتا جاتا ہے یہاں تک کہ بچہ اور بوڑھا برابر ہو جاتا ہے۔ جس طرح مشین کے پرزے کام کرتے کرتے گھس جاتے ہیں اور پھر ناکارہ ہو جانے کی وجہ سے مشین بند ہو جاتی ہے اسی طرح آدمی بھی جوں جوں سن رسیدہ ہوتا جاتا ہے اپنے فرائض انجام دینے سے معذور رہتا جاتا ہے اس کے بعد اُسے دُنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔

ذرا اس پر بھی غور کرو اللہ جن کو دولت زیادہ دے دیتا ہے وہ اپنے کنیز و غلام کو اس میں شریک نہیں سمجھتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کشادہ دلی سے کام نہیں لیتے حالانکہ خدا نے جو دولت لوگوں کو دی ہے۔ اس میں یہ بیچارے بھی شریک ہیں۔ جس خدا نے ان کو مالدار بنایا ہے وہ ان غریبوں کو بھی مالدار بنا سکتا ہے اور ان مالداروں کو ذلیل حالت میں رکھ سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ
وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ فَلَا
تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا
حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

اللہ نے تمہارے لیے تم ہی میں سے تمہاری بیبیاں بنائیں اور تمہاری بیبیوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے

دیئے اور پاک چیزوں کا رزق نہیں دیا تو کیا اس پر بھی وُہ باطلی قوتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر اُن کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں سے کسی چیز کے رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ یہ کام اُن کے کرنے ہی کا ہے۔ اللہ کے لیے مثالیں نہ گڑھو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ نے ایک مثال دی ہے ایک بندہ غلام ہے جو کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اچھی خاصی روزی دے رکھی ہے وہ اس میں سے ظاہر بظاہر اور خفیہ دونوں طرح راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہیں (ہرگز نہیں) الحمد للہ (کہ وہ بھی اس کے مقر ہیں) ان میں سے بہت سے تو اتنا بھی نہیں جانتے۔

انسان کی خانگی زندگی کا سارا لُطف بی بی بچّوں پر منحصر ہے۔ بتاؤ اگر ہم تمہیں یہ نعمتیں نہ دیتے تو تم اکیلے کیا کرتے۔ کام کاج سے فارغ ہو کر جب سُونے گھر میں آتے تو وحشت ہوتی یا نہیں۔ نہ بچّے ہوتے جن سے دل بہلا سکتے نہ بی بی ہوتی جو تمہارے راحت و آرام کا ذریعہ بنتی۔ پس اکیلے گھر میں پڑے یا مکھیاں مارتے یا پھر چُپ چاپ پڑے اپنی قسمت کو رُوتے۔ پھر ہم نے تمہیں اچھے سے اچھے کھانے دیئے ہیں۔ اس احسان کا تم نے ہمیں کیا بدلہ دیا۔ یہ دیا کہ تم باطل کی طرف جُھک پڑے اور ہماری نعمتوں کے مُنکر بن گئے بلکہ ان کو اپنے بُتوں کے عطیات سمجھنے لگے تم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اُن بیچاروں کی مقدرت کیا ہے۔ وہ آسمان و زمین میں سے کسی چیز کا رزق بھی تم کو نہیں دے سکتے۔ دے تو جب سکتے کہ اُن میں کوئی قوت ہوتی۔ وہ تو کسی مرض کی دوا ہی نہیں پھر تم ان سے کیوں لَو لگائے بیٹھے ہو۔ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ دیا کرو۔ کون سی چیز اللہ کی مثل ہے جسے تم مثال میں لاتے ہو تم تو بادشاہوں، وزیروں اور راجوں مہاراجوں کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہو جن تک تمہاری رسائی بڑی سعی اور سفارش سے ہوتی ہے۔ ان کے درباری ہر وقت انہیں گھیرے رہتے ہیں۔ یہ تو خدا کی مخلوق ہیں پھر خدا اُن جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ وزیروں مشیروں اور درباریوں کے حلقہ میں نہیں رہتا۔ اس کا ہر بندہ اگر اس سے ملنا چاہے تو مل سکتا ہے جو مانگنا چاہے مانگ سکتا ہے جب اس کے دربار میں آنا چاہے آ سکتا ہے۔

اچھا ہم ایک مثال سے تمہیں سمجھاتے ہیں۔ ذرا سمجھو، ایک ایسا غلام ہے جو دوسرے کا تابعدار ہے اور اس کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں وہ خدا کی راہ میں کچھ نہیں خرچ کر سکتا۔ دوسرا وہ ہے جسے ہم نے دولت دی ہے اور وہ راہِ خدا میں بظاہر بھی اور چھُپا کر بھی خرچ کرتا ہے بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہیں اگر جواب میں اس کا اقرار کرتے ہو کہ برابر نہیں تو ہمارے رسولؐ کہیں گے الحمد للہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی اور تم کو تردید کی ہمت نہ ہوئی اور خاموش ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ خدا اور بندہ کا مقابلہ کیا۔ بندہ مجبور محض، بے بضاعت۔ خدا مالکِ کُل، تم دونوں کو مقابلہ میں کیسے لاتے ہو۔ کہاں خالق کہاں مخلوق۔ بادشاہوں وغیرہ سے اس کی مثال دینا تمہاری حماقت ہے لیکن اکثر لوگ اس فرق کو سمجھتے ہی نہیں۔ جو بکو اس چاہتے ہیں کر دیتے ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ
هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ
وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

خدا ایک دوسری مثال بیان کرتا ہے دو آدمی ہیں ایک اُن میں سے بالکل گونگا بہرا ہے اور پھر غلام ہے بات کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وُہ اپنے مالک کو دُوبھر ہو رہا ہے اُسے جدھر بھیجتا ہے کبھی بھلائی نہیں لاتا۔ کیا ایسا غلام اور وہ شخص جو لوگوں کو عدل کا حکم کرتا ہے اور وہ خود بھی صحیح راستہ پر قائم ہے دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)۔ آسمان و زمین کی چھُپی ہوئی باتیں خدا ہی کے لیے مخصوص ہیں اور قیامت کا واقع ہونا تو ایسا ہے جیسے پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلد تر، بے شک خدا ہر شے پر قادر ہے۔

پہلی مثال میں خدا نے یہ بتایا کہ خدا اور بندوں کی مثال اُس غلام و آقا کی سی ہے کہ غلام کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اب دوسری مثال میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایک شخص کا غلام بہرا اور گونگا ہے۔ آقا جو کچھ اس سے کہتا ہے وہ سُنتا اور سمجھتا ہی نہیں۔ آقا حکیم و عادل ہے، سیدھے راستہ پر ہے پس یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کہاں خُدا کہاں یہ اندھے گونگے بہرے بُت جو نہ کسی کی بات سُنتے ہیں نہ اپنے منہ سے کچھ کہتے ہیں۔ بالکل نکمے۔ پھر لوگ ان کو خدا کا مقابل کیوں بتلاتے ہیں۔ اب اس کے بعد ان لوگوں کی بات کا جواب دیا جا رہا ہے جو کہتے تھے کہ قیامت آخر کب آئے گی اور کیسے آئے گی۔ فرماتا ہے آئے گی اور ضرور آئے گی اور پلک جھپکتے آ جائے گی۔

تاکہ تم نہ کچھ غور کر سکو نہ اس سے بچنے کی تدبیر کر سکو۔ خدا ہر شے پر قادر ہے وہ ایسا ہی کر سکتا ہے کہ تم دیکھتے ہی رہ جاؤ گے اور وہ تم پر چھا جائے گی۔ جلدی نہ کرو، وہ آنے ہی والی ہے۔ تم اُسے دُور سمجھتے ہو لیکن خدا کے نزدیک تو قریب ہے۔ ایام شماری میں تمہارا حساب اور ہے اور خدا کا حساب اور ہے۔ تمہارا سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اس کے یہاں ایک دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى
الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ
وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّ
مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہیں (سوچنے سمجھنے کے لیے) کان۔ آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم خدا کا شکر ادا کرو۔ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ آسمان کے نیچے ہوا میں گھرے ہوئے ہیں (اُڑ رہے ہیں)۔ خدا کے سوا انہیں گرنے سے کون روکتا ہے۔ اسی میں ایمان لانے والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ اور خدا نے تمہارے گھروں کو تمہارا مسکن قرار دیا اور اس نے تمہارے واسطے چوپاؤں کی کھالوں سے تمہارے ہلکے پھلکے ڈیرے بنائے جنہیں تم سُبک پاکر اپنے سفر و حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اُون اور

رُوؤں اور بالوں سے ایک خاص وقت (قیامت) تک کے لیے بہت سے سامان اور کار آمد چیزیں بناتے ہو۔

۔ بُتوں کی نااہلی کا ذکر کرنے کے بعد پھر اپنے احسانات کا ذکر کرتا ہے۔

(۱) خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ غور کرو، ولادت کا معاملہ کتنا سخت تھا۔ تم ایک اندھیری کوٹھڑی میں پڑے تھے۔ خدا نے ہی تم کو انسانی شکل دے کر ایک نہایت تنگ راستہ سے باہر نکالا۔ اور تم اس حالت میں نکلے کہ نہ ماں کو پہچانتے تھے نہ باپ کو۔ خدا نے تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی تمہاری غذا کا بندوبست کر دیا تھا اور تمہیں غذا حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور یہ کام کر سکتا تھا۔ پھر خدا نے تم کو کان دیئے سُننے کے لیے، آنکھیں دیں دیکھنے کے لیے اور دل دیا بات کو سمجھنے کے لیے اور ارادوں کو حرکت دینے کے لیے۔ کیا یہ احسانات ایسے ہیں کہ تم خدا کی خدائی کا ذکر نہ کرو اور اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناؤ۔

(۲) کیا تم اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ نہیں دیکھتے کہ مابین زمین و آسمان پرندے ہوا میں کیسے پھُر پھُر اُڑتے پھرتے ہیں۔ خدا کے سوا ان کو زمین پر گرنے سے کون روکے ہوئے ہے۔

(۳) اچھا اسے جانے دو جن گھروں میں تم رہتے ہو کیا اُن کو نہیں دیکھتے۔ تم نے جو یہ شاندار کوٹھیاں خوبصورت بنگلے کئی کئی منزل اونچی عمارتیں بنا کھڑی کی ہیں، بتاؤ اس کے بنانے کا سامان کس نے مہیا کیا۔ یہ پتھر کس کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ درخت کس کے اُگائے ہوئے ہیں۔ یہ شیشے کے سامان یہ لوہے کے دروازے اور کھڑکیاں یہ فرش فروش آخر کس کے خزانہ سے تم کو ملے ہیں۔ یہ سب خدا کی ہی تو مخلوق ہے۔ پھر تم اُسے اپنا معبود کیوں نہیں مانتے۔

(۴) اچھا اور سنو: یہ چوپائے کس کی مخلوق ہیں۔ خدا ہی کی تو ہیں جن کی کھالوں سے تم چھوٹے بڑے خیمے بناتے ہو۔ ان کو سفر حضر میں ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو۔ ان کی اُون سے ان کے رُوئیں سے ان کے بالوں سے کیسے کیسے شاندار اور خوبصورت کپڑے بناتے ہو اور طرح طرح کے سامان تیار کرتے ہو۔ کیا یہ سب چیزیں تمہارے بتوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیا تمہارے دیوی دیوتاؤں کی کارگزاریاں ہیں۔ سوچو سمجھو اور شرماؤ۔ اور خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ

أَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾ ع

اور خدا ہی نے تمہارے آرام کے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور اس نے پہاڑوں میں (تمہارے چھپنے کے لیے) غار بنائے اور تمہارے لیے ایسی پوشِشیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور ایسے لباس جو میدانِ جنگ میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا اپنی نعمتیں تم پر تمام کرتا ہے تاکہ تم اس کی فرمانبرداری کرو۔ اگر یہ لوگ ایمان سے رُوگردانی کریں تو اے رسول تمہارا کام ہمارے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بہت سے ناشکرے ہیں۔

خدا اپنی نعمتوں کے بیان کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے تمہارے آرام کے لیے گھنے درختوں اور پہاڑوں کے لمبے لمبے سلسلے پیدا کیے تاکہ گرمی کے دنوں میں تم درختوں کی چھاؤں میں اور بحالتِ سفر پہاڑوں کے سایہ میں آرام سے بیٹھو، سوؤ اور جو کام چاہو کرو۔

اس کے علاوہ ہم نے تمہیں ایسے لباس دیئے کہ گرمی کی شدت سے محفوظ رہو۔ جن ملکوں میں سخت گرمی پڑتی ہے اور لُو چلتی ہے وہاں کے لوگ جب گھر سے نکلتے ہیں تو پگڑیاں سر پر باندھتے ہیں کوئی کپڑا سر اور گردن پر ڈالتے ہیں چادروں سے بدن لپیٹتے ہیں تب ان کی جان بچتی ہے۔ اور لڑائی کے میدانوں میں اپنی حفاظت کے لیے زرہ بکتر سے کام لیتے ہیں۔ سوچو تو یہ سب نعمتیں خدا نے تمہیں کیوں دی ہیں۔ محض اس لیے کہ تم اس کے فرماں بردار بندے بن کر رہو مگر تم ہو کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سب چیزیں کام میں لاتے ہوئے پھر بھی اکڑے رہتے ہو۔ ہم تمہارے محتاج نہیں۔ ہمارے رسولؐ کا کام تو یہ ہے کہ وہ ہمارے احکام تم تک پہنچا دے۔ اگر نہیں مانتے تو اس کا وبال بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا
هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا

إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

جس روز ہم ہر گروہ میں اُن ہی کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے تو پھر نہ تو اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ہے بات کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ استغفار کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جب سرکشی کرنے والے لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو نہ تو ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ جب وہ لوگ جنہوں نے خدا کا شریک دوسروں کو بنایا تھا ان شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہی تو وہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔ وہ ان کو صاف جواب دے دیں گے کہ یہ جھوٹے ہیں اور اس دن یہ سب خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور ساری افترا پردازیاں رفوچکر ہو جائیں گی۔

مطلب یہ ہے کہ بُت پرست جب خدا کے سامنے یہ بیان کریں گے کہ یہی وُہ بُت ہیں جن کو ہم تیرا شریک قرار دے کر پکارا کرتے تھے تو وُہ شریک کہیں گے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم ہمیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارو۔ ہمیں تو خبر بھی نہیں کہ تم کیا کہہ کر ہمیں پکارتے تھے اور ہم سے کیا چاہتے تھے۔ ایسی صورت میں کوئی الزام ہم پر لگانا غلط ہے۔ قیامت کے دن خدا کے سامنے کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ وہاں کسی کا جھوٹ نہ چلے گا۔ مشرکین کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم سخت دھوکہ میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہو۔ وہاں کوئی تمہارا معاون و مددگار نہ ہو گا۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا
كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ ع

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکا اُن کی مفسدہ پردازیوں کی وجہ سے ہم ان پر عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ اور وہ دن یاد کرو جب ہم ہر گروہ میں سے انہی میں کا ایک گواہ (قیامت میں) لا کھڑا کریں گے اور اے رسول تم کو اُن لوگوں پر اُن کے مقابل گواہ بنا کر لائیں گے۔ ہم نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے سراپا رحمت اور خوش خبری ہے۔

روزِ قیامت میں جب کفار کوئی عذر پیش کریں گے تو ان کی مفسدہ پردازی کو ثابت کرنے کے لیے انہی میں سے کچھ گواہ ان کی کذب بیانی کو ثابت کریں گے اور سب سے بڑھ کر گواہ خود رسولؐ ہوں گے۔ کتابِ خدا (قرآن) جس میں ہر شے کا بیان تھا اور ہر امر کے متعلق ہدایت تھی ان کو سُنا دی گئی تھی مگر اس پر بھی یہ ایمان نہ لائے۔ البتہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے ان پر خدا کی رحمت نازل ہو گی اور جنت کی بشارت ان کو دی جائے گی۔ قرآنِ حکیم میں بے شک ہر شے کا بیان ہے یعنی فلاحِ دنیا و آخرت کے لیے جتنی باتیں ضروری ہیں اس میں سب کا بیان ہے۔ خواہ وہ مادی ہوں یا رُوحانی۔ اخلاقی ہوں یا معاشرتی۔ تمدنی ہوں یا سیاسی۔ لیکن ان سے ہر شے کا اخذ کرنا ہر شخص کا کام نہیں، صرف وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں جو مکتبِ مِنْ لَدُنْ کے تعلیم یافتہ اور راسخون فی العلم ہیں یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَ
أَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا
تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۖ تَتَّخِذُونَ
أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا
يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ

فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

اللہ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بدکاری ناشائستہ حرکات اور سرکشی سے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ جب تم قول و قرار کر لیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو درآنحالیکہ تم خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُسے ضرور جانتا ہے اور تم (قسموں کے توڑنے میں) اس عورت جیسے نہ بنو جو اپنا سُوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکر و فریب کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدہ حاصل کرے حالانکہ اس عہد و پیمان کے ذریعہ سے اللہ تمہیں آزمائش میں ڈالتا ہے وہ ضرور قیامت میں تمہارے اختلافات کی حقیقت کو ظاہر کرے گا۔

یہاں سے انسان کے اخلاق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنے کا ضرورتمند ہے پس ناگزیر ہے کہ اس کے معاشرہ کے لیے کوئی قانون ہو تاکہ آپس میں ان کا میل جول قائم رہے اور ایک دوسرے سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرے فتنہ و فساد کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تاکہ امن و سکون سے ہر شخص اپنی زندگی کے کاروبار کو چلا سکے۔ ان آیات میں چند باتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہی معاشرہ کی جان ہے۔

(۱) **عدل:** اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔ اور اُن کے باہمی معاملات میں انصاف سے کام لیا جائے۔ اگر اس کا لحاظ نہ ہو گا تو ضرور اس معاشرہ میں فتنہ و فساد کو راہ مل جائے گی۔ ہر شخص اپنے حقوق کی نگہداشت اور باہمی تنازعہ میں انصاف سے فیصلہ چاہتا ہے۔ جن کو کسی معاشرہ میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو وہ عدل سے کام لیں۔

(۲) **احسان:** لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی لازم ہے تاکہ مُحسن کی طرف اُن کے دل کھنچے جائیں محبت کا نقش دوسروں کے دل پر اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک نیکی نہ کی جائے۔ ایک بیمار کی عیادت۔ اس کی ضرورت کو پورا کرنا۔ ایک غلام کو آزاد کرنا۔ ایک مقروض کا قرض ادا کرنا۔ ایک مصیبت زدہ کی تکلیف دُور کرنا۔ ایک جاہل کو تعلیم دینا وغیرہ محبت کی مقناطیس ہیں ایسے لوگوں کا وقار بلند ہوتا ہے اور قوم ان کو عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

(۳) **صلۂ رحم:** یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا، اُن کی ضرورتوں کو پُورا کرنا، شادی و غم میں

ان کے شریکِ حال رہنا محبّت کے ساتھ ان سے ملنا جُلنا۔ اگر یہ تینوں باتیں معاشرہ میں پائی جائیں تو وُہ معاشرہ جنّت نشان اور باعثِ سکون و اطمینان بن جائے گا۔

● اس کے بعد اُن چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے جو معاشرہ کے لیے زہر ہیں :

(۱) **بدکاری** : اگر کسی معاشرہ میں بدکار لوگ پائے جاتے ہیں جیسے زناکار، چور ڈاکو، ظلم پسند۔ تو وہاں آئے دن لوگوں کو مصائب و آلام کا سامنا ہوگا لہٰذا ایسے لوگوں سے معاشرہ کو پاک بنانے کے لیے جو تدابیر ہوسکتی ہیں وُہ عمل میں لائی جائیں۔ خدا نے بدکاری سے منع کیا ہے بس اس کو عمل میں لانے والا خدا کا باغی بندہ ہے۔

(۲) **فحشاء** : اس سے بھی خدا نے روکا ہے یعنی ایسی ناشائستہ حرکات کرنا جو انسانی تہذیب کے خلاف ہیں۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا۔ افترا پردازی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، کسی بے گناہ پر الزام لگانا۔ ایسی بُری عادتیں ہیں جو انسان کو معاشرہ میں ذلیل بناتی ہیں۔ خدا ان سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

(۳) **بغاوت** : خدا سے بغاوت ہو یا بندوں سے جہاں کہیں اس کا غبار اُڑے گا سکون و اطمینان وہاں سے رخصت ہوجائے گا۔ خدا سے بغاوت شرک و الحاد ہے۔ بندوں سے بغاوت مُلکی قانون شکنی ہے اور معاشرہ کے آداب سے رُوگردانی ہے۔

(۴) **وعدہ خلافی** : خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کسی وعدہ کو توڑ دینا، بندوں سے کوئی عہد کر کے اس کے خلاف کرنا پستیِ اخلاق کی بدترین مثال ہے۔ یہ تو خدا اور بندوں کو کھُلا دھوکا دینا ہے۔ اس کی خدا نے ایک مثال دی ہے کہ ایک عورت اپنا سُوت کاتتی ہے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اس صُورت میں اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اسی طرح وعدہ خلافی کرنے والا خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے یعنی اس کی ذات پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور پھر وُہ اس سے کوئی معاملہ نہیں کرتے۔

بہت سے لوگ دُنیا میں ایسے ہیں کہ فوقیت و برتری حاصل کرنے کے لیے خدا سے نڈر ہو کر سب کچھ کر جاتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیئے کہ خدا ان کا امتحان لے رہا ہے۔ روزِ قیامت ان تمام اختلافات کی جو لوگوں نے یہاں پیدا کر رکھے ہیں جانچ پڑتال ہونی ضروری ہے۔

اسلام سے قبل عرب والوں کا یہ پسندیدہ طریقہ تھا کہ آج ایک قوم سے معاہدہ کیا کل اُسے توڑ کر دُوسری قوم سے کر لیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ رات دن تلوار چلتی رہتی تھی۔ خدا نے سختی کے ساتھ ان کو منع کیا ہے کیونکہ اگر مسلمان ایسا کرتے تو لوگ اسلام کے پاس بھی نہ پھٹکتے۔ کیونکہ بدعہدی سے سب ڈرتے ہیں۔ اس صورت میں اسلام کی ترقی رُک جاتی حضرت رسولِ خدا جن قبائل سے معاہدہ کر لیتے تھے تاوقتیکہ وہ خود نہ توڑیں اپنی طرف سے کبھی نہ توڑتے تھے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ
بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ کا بنا دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے جو کچھ تم دُنیا میں کرتے ہو اس کی باز پُرس ضرور کی جائے گی۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب نہ بناؤ تاکہ لوگوں کے قدم جمنے کے بعد اسلام سے اُکھڑ نہ جائیں اور تمہیں قیامت میں لوگوں کو خدا کی راہ میں روکنے کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے وہ بڑا سخت عذاب ہو۔

خدا اس پر قادر ہے کہ جتنے لوگ اس نے پیدا کیے ہیں ان سب کو ایک ہی دین پر قائم رکھتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا اگر سب خدا کے بنائے ہُوئے خدا پرست ہوتے تو پھر جزا و سزا بیکار اور جنّت و دوزخ عبث ہو جاتے کیونکہ جیسا خدا نے بنا دیا بن گئے۔ اس نے تو دین کا معاملہ ہر شخص کی عقل و فہم پر چھوڑ دیا ہے جو نیکی کی طرف مائل ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے اور جو کفر کو پسند کرتا ہے خدا اُسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس سے بھی اپنے بندوں کو آگاہ کرتا ہے کہ جو کچھ تم اس دُنیا میں کر رہے ہو روزِ قیامت اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ تم بحیثیت مسلمان اپنے معاہدوں پر قائم رہو ورنہ جو مسلمان ہوئے ہیں وہ تمہاری بدعہدی سے گھبرا جائیں گے اور پھر اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جائیں گے کیونکہ تم میں اور کافروں میں ان کو کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ خدا کی راہ میں آنے والوں کے لیے یہ رُکاوٹ تمہارے لیے عذابِ عظیم کا باعث بن جائے گی۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

مَنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدے کے لیے نہ بیچ ڈالو اور اگر تم جانتے ہو تو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ صبر سے کام لینے والے ہیں ہم ان کو ان کے اعمال سے بھی زیادہ اجر دیں گے جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اگر وہ مؤمن ہے تو ہم اس دُنیا میں بھی ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے۔ اور آخرت میں بھی ان کو اعمال کا بہترین اجر ملے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی قسمیں کھا کر تھوڑے سے مال کے لالچ میں اپنی قسمیں توڑ دیتے ہیں وہ اپنے حق میں بُرا کرتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو جو اجر خدا ان کو دے گا وہ اس سے کہیں زیادہ ہو گا جسے وہ دُنیا میں حاصل کر رہے ہیں۔ جو بدلہ قسم توڑنے کا لو گے وہ کے دن کھاؤ گے چند روز بعد وہ ختم ہو ہی جائے گا لیکن جو بدلہ خدا دے گا، وہ تو ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ اسی طرح صبر کرنے والوں کے لیے بھی خدا کے یہاں بڑا اجر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عمل صالح کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں، کان کھول کر یہ بات سُن لیں کہ اگر وہ مومن ہیں تب تو دُنیا و آخرت دونوں جگہ ان کے لیے بھلائی ہے ورنہ بے ایمان کے لیے ہمارے یہاں کوئی اجر نہیں چاہے کتنا ہی نیک عمل کرے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ
لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ ع ۱۳ ۱۹
اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

جب قرآن پڑھو تو اللہ سے شیطان مردود کے متعلق پناہ مانگو۔ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں اُن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اس کی حکومت تو انہی لوگوں پر ہے جو اُسے دوست بنائے ہوئے ہیں اور جو لوگ اُسے خدا کا شریک بناتے ہیں۔ اے رسول جب ہم ایک آیت کے بدلے دوسری آیت نازل کرتے ہیں تو حالانکہ خدا نازل کرتا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا نازل کرے مگر یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے خود ہی نہیں جانتے۔ تم کہدو کہ رُوح القدس (جبریل) نے تمہارے رب کی طرف سے حق نازل کیا ہے تاکہ جو ایمان لاچکے ہیں انہیں ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے تو سرتاپا ہدایت و خوشخبری ہے۔

یعنی جب قرآن پڑھتے ہو تو پہلے یہ کہو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ شیطان جو لوگوں کو گمراہ کرنے پر تُلا ہوا ہے نہیں چاہتا کہ لوگ پُورے خلوص اور توجہ سے قرآن پڑھیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھیں لہٰذا وُہ ان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تاکہ پڑھنے سے ان کا دل اُچاٹ جائے یا اس کی طرف سے بُرے خیالات ان کے دل میں قائم ہو جائیں۔ جو ایمان لاتے ہیں جب وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر پڑھتے ہیں تو اس مردود کے وسوسوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے جب ایک آیت کسی دوسری آیت کو منسُوخ کرتی تھی یا کئی بار ایک حکم مختلف صُورت سے آتا تھا کبھی بصورت اجمال کبھی بصورت تفصیل۔ کبھی کسی سائل کے جواب میں۔ تو کفار و مشرکین کہتے تھے یہ سب محمدؐ کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ اگر خدا کی طرف سے یہ کلام ہوتا تو وہ ایک بار ہی پوری بات نازل کرتا، یہ بار بار بدلنا کیسا۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ان کو سلمان فارسی جو بوڑھا آدمی ہے رات کو سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے ایک رُومی غلام سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے ایک نصرانی جوان پُرانے قصے سُنایا کرتا ہے وہ ہی محمدؐ بیان کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم اُن سے کہو یہ کلام نہ تو میرا گڑھا ہوا ہے نہ کسی اور کا بنایا ہوا بلکہ یہ تو روح القدسؑ نے تمہارے رب کی طرف سے حق بات مجھ تک پہنچائی ہے۔ بجائے جبریل روح القدس کہا گیا ہے یعنی لانے والا نہایت مقدس ہے جو بڑا امین ہے نہ کوئی غلط بات بیان کر سکتا ہے نہ کم و بیش کر سکتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک وہی بات مجھ تک پہنچاتا ہے جو خدا نے اس سے کہی ہو۔ رہا ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کا آنا تو خدا کی مصلحت پر موقوف ہے جسے ہم تم نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کلام تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے یک وقت نہیں آیا کبھی لوگوں کی عقل و فہم کے لحاظ سے ایک بات ایک طریقہ سے سمجھائی گئی ہے کبھی دوسرے طریقہ سے، کبھی ایک مثال سے کبھی دُوسری مثال سے تاکہ مختلف قابلیتیں رکھنے والے سمجھ سکیں۔ کبھی لوگوں کی سرکشی کے لحاظ سے سزا بڑھا دی جاتی ہے کبھی کمزوری کے لحاظ سے گھٹا دی جاتی ہے۔ خدا کے علم کے مقابلہ میں

انسان کا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پس کفّار و مشرکین کے اعتراضات کوئی وزن نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ
اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ
بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ
مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو ایک آدمی تعلیم دیتا ہے (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے) جس کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور قرآن تو صاف صاف عربی زبان میں ہے۔ جو لوگ آیاتِ خدا پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ جھوٹ بہتان وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ اس شخص کے سوا جو کلمہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا اور خوب سینہ کھول کر کفر اختیار کرے گا تو اس پر خدا کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے۔

اُوپر کی آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ابن عامر حضرمی جس کا خادم ابُوفکیہہ رومی تھا وہ تلواروں پر صیقل کیا کرتا تھا اور شب و روز توریت و انجیل کی تلاوت میں مصروف رہتا تھا۔ وُہ رات کو حضرت رسولؐ خدا کی خدمت

میں حاضر ہو کر قرآن سیکھتا تھا۔ مشرکینِ عرب کو ایک شگوفہ ہاتھ آیا کہنے لگے کہ ابُوفکیہہ محمدؐ کو قرآن کی تعلیم دیا کرتا ہے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کیسے احمق ہیں کہ خود عربی زبان کے ماہر ہو کر ایک سورہ کا جواب تو لا نہ سکے پھر ایک رُومی شخص جو عربی زبان اچھی طرح سمجھتا بھی نہیں کیونکر قرآن تعلیم کر سکتا ہے۔

مَن کفر باللّٰہ الخ۔ ہجرت سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے مشرکینِ مکّہ ان کو طرح طرح سے ستاتے تھے چنانچہ منجملہ ان لوگوں کے جن کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ عمّار یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد و والدہ بھی تھے۔ ان کے ماں باپ کو تو ظالموں نے مار مار کر شہید کر دیا اور حضرت عمّارؓ کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بیچارے کلمۂ کفر کہنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت رسولؐ خدا کو عمّارؓ کے کافر ہونے کی اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا عمّار ہرگز کافر نہیں ہو سکتا اس کی ہڈیوں تک میں ایمان بھرا ہُوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد عمّار روتے ہوئے آئے اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا تمہارا دل نورِ ایمان کی طرف سے مطمئن ہے انہوں نے کہا بالکل فرمایا تو کوئی حرج نہیں اگر پھر ایسی صورت پیش آئے تو پھر کہہ دینا۔ اس سے تقیہ ثابت ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے دونوں صورتیں ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی حفاظتِ ایمان میں اگر جان دے دے تو بھی درست ہے جیسے عمّارؓ کے والدین نے مرنا قبول کیا لیکن کلمۂ کفر نہ کہا اور تقیہ بھی جائز ہے جیسے عمّارؓ نے کیا۔ اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی خلافِ شرع ہوتی تو رسولؐ اس کی مذمت کرتے۔ اگر کوئی جلد جنّت میں جانا چاہتا ہے تو پہلی صورت اختیار کرے اور اگر دین کی مزید کچھ خدمت کر کے جانا چاہتا ہے تو تقیہ کرے۔ مقصد ایمان کا تحفظ ہے۔ اگر دل مطمئن ہے تو صرف زبان سے کلمۂ کفر کہنا مُضرِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسی مشرک کا صرف زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا اس کو مسلمان نہیں بنا سکتا۔

اس مسئلہ میں شیعوں پر اعتراض کرنے والے غلطی پر ہیں۔ وقتِ ضرورت وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ مگر چونکہ شیعوں سے ضد ہے لہٰذا بغیر اعتراض کیے رہ نہیں سکتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے۔

تقیہ کے معنی نگہداشتِ نفس کے ہیں۔ جب انسان مجبور ہو جائے اور کسی صورت سے جان نہ بچ سکتی ہو تو کلمۂ کفر کہہ دینا چاہیئے بشرطیکہ دل میں نورِ ایمان کی روشنی ہو۔

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں یہی تقیہ کی سپر تھی جس نے لاکھوں شیعوں کی جانیں بچالیں ورنہ ان کا ڈھونڈے نشان نہ ملتا۔ بہت سے صوفیائے کرام اسی تقیہ کے بھیس میں ہندوستان آئے اور انہوں نے بہترین طریقہ سے تبلیغِ اسلام کی۔ اگر مارے جاتے تو کتنا نقصان پہنچتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ
بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

(جن لوگوں کے دل میں کُفر بھرا ہُوا ہے اُس کی وجہ یہ ہے) اُنہوں نے زندگانیٔ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا ہے۔ اور اللہ اسی وجہ سے کافر لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ یہی وُہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے علامت مقرر کر دی ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) یہی لوگ (عاقبت سے) بے خبر ہیں۔ بے شک یہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والے ہیں بے شک تمہارا رب اُن لوگوں کو جنہوں نے مصیبتوں میں مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑے پھر راہِ خدا میں جہاد کیے اور تکلیفوں پر صبر کیا ان سب کے بعد تمہارا پروردگار بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔

راہِ ہدایت حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ ہادی کی ہدایت کو کانوں سے سُنے۔ آثارِ قدرت کو آنکھوں سے دیکھے پھر اپنے دل سے فیصلہ کرے کہ اُسے اپنا معبود کسی ذات کو بنانا چاہیئے لیکن جو لوگ اپنے کفر پر ایسے اَڑے ہوئے ہیں کہ نہ رسولؐ کی بات کو سُنتے ہیں نہ آثارِ قدرت کو دیکھتے ہیں نہ سوچتے ہیں تو ان سے یہ امید ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایمان لائیں گے لہٰذا خدا ان چہروں پر کوئی ایسی علامت مقرر کر دیتا ہے کہ فرشتے آسانی سے پہچان لیں کہ یہ ایمان لانے والوں میں سے نہیں۔ ان سے عذابِ الٰہی ٹل نہیں سکتا۔ برخلاف ان کے جو خدا کے نیک بندے ہیں اور ہجرت کر کے آئے ہیں، جہادوں میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کی تکلیفوں پر صبر کیا ہے بے شک وُہ خدا کی مغفرت اور مہربانی کے مستحق ہیں۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً
يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا
اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

(اس دن کو یاد کرو) جب ہر نفس اس طرح آئے گا کہ اپنے ہی نفس کے بارہ میں جھگڑا کرتا ہو گا۔ ہر نفس کو جو کچھ اُس نے کیا ہو گا اس کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو گا۔ اللہ نے اس گاؤں کی ایک مثال بیان کی ہے جس کے رہنے والے بڑے چین سے زندگی بسر کر رہے تھے ہر طرف سے بافراغت روزی اُن کے پاس چلی آ رہی تھی۔ پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اللہ نے بھی ان کے کرتوتوں کا مزہ چکھا دیا۔ بھُوک اور خوف کی مصیبتوں نے اُن کو گھیر لیا۔ اُن کے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا، اُنہوں نے اُسے جُھٹلا دیا پس عذابِ خدا نے اُن ظالموں کو دھر پکڑا پس (اے مسلمانو) اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال اور پاک رُوزی دی ہے اُسے کھاؤ پیئو اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو تو خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

جس بستی کا اِن آیات میں ذکر ہے مفسّرین کا اس کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس سے مکّہ والے مراد ہیں جن کی ناشکری کی بنا پر بعد بعثت ان پر قحط کا عذاب آیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی بستی تھی جس کے باشندے بڑے مالدار تھے اس دولت نے ان کا دماغ ایسا خراب کیا کہ روٹیوں سے استنجا کرتے اور پاخانے کی جگہ صاف کرنے لگے آخر کار کئی سال تک شدید قحط میں مبتلا ہوئے۔ جو رسول ان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا اُسے اُنہوں نے جُھٹلا دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ عذابِ خدا نے انہیں گھیر

لیا اور وہ سب ہلاک ہوگئے جو لوگ خدا کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں اُنہیں ایسی ہی سزا ملتی ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ
مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

تمہارے اُوپر مُردار، خُون، سُوَر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیئے گئے۔ ہاں جو شخص بھوک سے مجبُور ہو (مرنے کے قریب ہو) لیکن خدا کے حکم سے بغاوت کرنے والا اور حدِّ ضرورت سے بڑھنے والا نہ ہو (اور حرام کھالے) تو خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور یہ جو تمہاری زبانیں بے سوچے سمجھے کہہ دیا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے وُہ حرام ہے۔ نہ کہو اس طرح تم خدا پر جھُوٹ بہتان نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر جھُوٹ بُہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ دُنیا کا فائدہ ذرا سا ہے اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

حرام چیزیں اور مجبوری میں ان کے کھانے کی اجازت

سورۂ انعام میں حرام چیزوں کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہاں پھر ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان بار بار کے ذکر سے یہ جان لے کہ اُن سے بچنا بہت ضروری ہے۔ مُردار کے اندر چونکہ خونِ بستہ رہ جاتا ہے اور وہ سخت مضرِ صحت ہے لہٰذا مردار کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ دُوسرے وہ خون جو وقتِ ذبح دھار کے ساتھ نکلے وہ حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ ہاں جو ذبح کے بعد جسم میں رہ جائے وہ نجس نہیں اور نہ حرام ہے کیونکہ اس کی گرمی نکل جاتی ہے۔ تیسرے سؤر نجس العین بھی ہے اور حرام گوشت بھی۔ قدرت نے اُن جانوروں کا گوشت حرام کیا ہے جو بدصورت اور ڈراؤنے ہیں یا جن کی غذا فُضلہ ہے۔ کیونکہ فُضلہ کے جراثیم ان کے اندر جاتے ہیں اور جو اُن کا گوشت کھاتا ہے اُس کے جسم میں داخل ہو کر مختلف قسم کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں جو مرغ جلّالہ ہو یعنی پاخانہ

کھاتا ہو حکم ہے کہ اُسے تین روز بند رکھ کر ذبح کریں۔ سؤر گندی جگہ میں رہتا ہے اور گندگی کھاتا ہے۔ اسی طرح جو پرندے پنجوں میں دبا کر گوشت کھاتے ہیں وہ بھی حرام قرار دے دیئے گئے ہیں۔ جو دانہ چُگتے ہیں وہ حلال ہیں۔ اسی طرح جو چوپائے گھاس کھاتے ہیں حلال ہیں جو گوشت کھاتے ہیں حرام ہیں۔ جو مچھلیاں پانی کے اندر کی نباتات کھاتی ہیں حلال ہیں جو مچھلیاں دریائی جانوروں کا گوشت کھاتی ہیں اور بدصورت ہیں وہ بھی حرام ہیں۔

جس خدا نے جانوروں کو پیدا کیا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا گوشت انسان کے لیے مُضر ہے اور کس کا فائدہ مند۔ انسان کو خود حرام و حلال قرار دینے کا کوئی حق نہیں۔ جو لوگ اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دے کر اس کو خدا کی طرف منسُوب کرتے ہیں وُہ خدا پر بہتان باندھتے ہیں اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے اُوپر اُونٹ کا گوشت خود بخود حرام کر لیا تھا حالانکہ توریت میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں حضرت یعقوبؑ نے ایک بیماری کی وجہ سے کھانا ترک کیا تھا بنی اسرائیل نے اُسے اپنے اُوپر حرام کر لیا۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا
۱۵ ع ۹ ۲۱ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دیں جو تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وُہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ اے رسول جن لوگوں نے نادانستہ گناہ کیا اس کے بعد اخلاصِ دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک تمہارا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہودیوں نے بہت سی چیزوں کو خود بخود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ خدا نے ان کی سرکشی کی سزا میں اُن پر حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔ یہ ظلم خود انہوں نے اپنے اوپر کیا ہے نہ خدا کے اختیارات میں دخل دیتے نہ اس عذاب میں گرفتار ہوتے۔ اللہ کی مہربانی دیکھو فرماتا ہے جو لوگ نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھیں اور پھر صدقِ دل سے توبہ کر لیں اور اپنی بُری عادت سے باز آجائیں تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾
شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ
فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِنَّمَا
جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾

اس میں شک نہیں ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے خدا کی نعمتوں کے شکرگزار تھے خدا نے انہیں منتخب کر لیا تھا اور اپنی سیدھی راہ کی انہیں ہدایت کی تھی انہیں دنیا میں ہر طرح کی بہتری عطا کی تھی اور وہ آخرت میں بھی نکوکاروں میں سے ہوں گے۔ اے رسول ہم نے تمہیں وحی کی کہ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اے رسول ہفتہ کے دن کی تعظیم تو بس انہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی (یہود و نصارٰی) جو اس کے بارہ میں اختلاف کرتے تھے۔ جس میں وہ اختلاف کرتے تھے تمہارا رب قیامت کے دن اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

یہاں اُمّت کا لفظ فردِ واحد کے لیے یعنی حضرت ابراہیمؑ کے لیے بولا گیا ہے پس خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دُعا حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی کہ امّتِ مسلمہ میں سے رسول کو مبعوث کرنا تو وہاں امّتِ مسلمہ کا وقتِ بعثت رسول موجود ہونا ضروری ہوا یعنی ایسے مسلمان کا جو خدا کے یہاں سے اسلام لیے ہوئے آیا ہو۔ چنانچہ بعثتِ رسول کے وقت اس امّتِ مسلمہ کا ایک فرد حضرت علیؑ موجود تھے اور سب سے پہلے رسالتِ رسولؐ کی تصدیق انہوں نے ہی کی۔ حضرت ابراہیمؑ پر امّت کا لفظ اس لیے بولا گیا کہ جب کوئی مسلمان نہ تھا تو وہ اکیلے تبلیغ دینِ برحق میں ایک پوری امّت کا کام کر رہے تھے۔

اس آیت میں کفارِ مکہ کو یہ بتایا گیا کہ ابراہیمؑ خدا کے سچے فرمانبردار بندے تھے تم کو یا یہودیوں کو ان سے کیا واسطہ۔ تم مشرک ہو۔ یہودی دینِ خدا سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ ان کے راستہ پر چلنے والے حضرت رسولِ خدا ہیں نہ کہ تم۔ یہود و نصارٰی کے درمیان جو جھگڑا چل رہا ہے کہ یہودی کہتے ہیں، ابراہیمؑ یہودی تھے اور نصارٰی کہتے ہیں نصرانی تھے۔ خدا فرماتا ہے قیامت کے روز ہم اس اختلاف کا فیصلہ کر دیں گے۔ وہ نہ یہودی طریقہ پر عمل کرنے والے تھے نہ نصارٰی کے طریقہ پر بلکہ جو خدا کا صحیح راستہ ہے اس پر چلنے والے تھے۔
سبت یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے عبادت کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں آچکا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ
اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا
صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿١٢٨﴾ ع ١٦ ٩ ٢٢

اے رسول اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ بھی کرو، تو شائستہ طریقہ سے بے شک تمہارا رب اسے بھی جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔ مخالفین پر سختی کرو بھی تو اتنی ہی جتنی انہوں نے تمہارے ساتھ کی ہے اور اگر صبر سے کام لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اے رسول تم صبر ہی کرو اور خدا کی مدد کے بغیر تو تم صبر کر بھی نہیں سکتے اور ان لوگوں کے حال پر تم رنج نہ کرو اور جو مکّاریاں یہ لوگ کرتے ہیں تم اس سے دل تنگ نہ ہو۔ بے شک جو لوگ پرہیزگار اور نکوکار ہیں اللہ تو ان ہی کے ساتھ ہے۔

حکمت سے یہ مُراد ہے کہ لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ کرکے بحث کی جائے۔ اندھا دھند نہ کی جائے۔ غیظ و غضب کو اور طعنہ زنی کو راہ نہ دی جائے کیونکہ اس سے سُننے والے کے جذباتِ مخالفت بھڑک اُٹھتے ہیں پھر وقت اور ماحول کے لحاظ سے بھی بحث کی جائے۔

موعظہ حسنہ سے یہ مراد ہے کہ کسی کے دل کو دُکھانے والے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ لوگوں کے جذبات کا لحاظ رکھا جائے۔ جو گفتگو ہو بعنوان شائستہ ہو۔ صرف دلیلوں ہی سے کام نہ لو بلکہ گفتگو ایسے دلکش پیرایہ میں ہو کہ مخالف کو اپنے عقیدہ سے نفرت اور تمہارے عقیدہ سے محبّت پیدا ہو۔ اگر اثنائے گفتگو میں مخالف کی طرف سے لب لہجہ میں سختی پیدا ہو جائے اور سخت کلامی پر اُتر آئے۔ تم بھی صرف اتنی ہی سخت کلامی سے کام لو جتنی وُہ کر رہا ہے اس سے زیادہ نہیں بلکہ اس کی تُرش کلامی پر صبر ہی کر لو تو بہتر ہے کیونکہ اس کا نتیجہ تمہارے ہی حق میں اچھا ہوگا۔ مباحثہ کو دنگل نہ بناؤ بلکہ دوستانہ اور مہذبانہ انداز میں گفتگو ہے۔

○

(۱۷) سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّةٌ (۵۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

پاک ہے وُہ اللہ جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصٰی (انتہائی مسجد) تک سیر کرائی جس کے اردگرد کو ہم نے ہر قسم کی برکت مہیّا کی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سب کچھ سُنتا اور دیکھتا ہے۔

۔ اس آیۂ مبارکہ میں بہت سی باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱) یہ آیت حضور سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کے متعلق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اس کا منکر کافر ہے۔

(۲) یہ واقعہ کب پیش آیا، مفسّرین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے مگر تاریخ میں اختلاف ہے۔ اختلاف حسب ذیل ہے:
۱۷ ربیع الاوّل، ۲۷ رجب، ۱۷ ماہِ رمضان، ۲۱ رمضان۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ کے حجرہ سے ہوئی یا خانۂ اُمّ ہانی خواہر حضرت علی علیہ السّلام سے۔

(۳) اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج رُوحانی تھی یا جسمانی۔ خواب میں ایسا دیکھا تھا یا جسمانی طور سے گئے تھے۔ جو لوگ روحانی معراج کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ خواب میں تو ایسی عجیب چیزیں ایک کافر کو بھی نظر آسکتی ہیں۔ رسولؐ کا کیا ذکر۔ دُوسرے اگر روحانی معراج ہوتی تو اس اہتمام سے اس کا ذکر نہ کیا جاتا۔ کہ شروع ہی میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ کہہ کر اپنی عظمت و جلالت کا اظہار کرتا ہے پھر لفظ عَبْدِهٖ کا ذکر کرتا ہے۔ عبد کا اطلاق جسم و رُوح دونوں پر ہوتا ہے نہ صرف رُوح پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

المنزل ۴
الجزء الخامس عشر (۱۵)
معراج رسول

عبدیت کا مرتبہ رسالت و نبوت دونوں سے بلند ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ میں رسالت کے پہلے عبدیت کی گواہی دی جاتی ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۴) معراج رات کو ہوئی، جس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں کے ایمان کا اندازہ کیا جائے۔ چنانچہ جب حضورؐ نے معراج سے واپس آکر لوگوں سے یہ ذکر کیا تو کفار و مشرکین نے بڑا مذاق اُڑایا۔ بلکہ بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہوگئے اور آپس میں کہنے لگے یہ سب جھوٹی داستان ہے۔ آخر آیت میں هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کا یہی مطلب ہے کہ اللہ ان کی باتیں سُنتا اور ان کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

(۵) جب تک یونانیوں کا یہ فلسفہ انسانی دل و دماغ پر چھایا رہا کہ آسمان ٹھوس مادہ کے بنے ہوئے طبق در طبق ہیں معراج کے سلسلہ میں خرق والتیام کے جھگڑے میں لوگ پھنسے رہے لیکن اب کہ راکٹوں نے چاند وغیرہ پر جاکر یہ ثابت کر دیا کہ یونانیوں کے نظریات وہم و قیاس سے زیادہ نہ تھے لہٰذا اب حضرتؐ کی معراج کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

(۶) حضورؐ کے آسمانوں پر جانے کے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ جبریل امینؑ بُراق لے کر آئے جس کی شکل ایک گھوڑے کی سی تھی اس کے دو پَر بھی تھے۔ سر سے پیر تک جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی روشن تھیں۔ وہ حضرت کو اپنے اوپر بٹھانے میں سرکشی کر رہا تھا۔ جبریلؑ نے کوڑا مار کر کہا، تو نہیں جانتا یہ کون ہیں یہ فخر اولین و آخرین سیّد الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفٰے ہیں تب وہ رام ہوا بیان کرنے والے نے اس گھوڑے کے ایک ایک عضو کی سجاوٹ کا ذکر اس شان سے کیا ہے گویا وہ وہاں اس وقت موجود تھا۔ اور ایک ایک چیز کو خوب نظر جما کر دیکھ رہا تھا۔ اللہ ان مسلمانوں پر رحم کرے چونکہ مادیت میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا ان کو ہر شے مادی شکل میں نظر آتی ہے۔ کوئی ان سے پُوچھے جب حضرت عیسٰیؑ و ادریسؑ کا رفع ہوا تھا تب کون سا بُراق آیا تھا۔ دریاؤں سے لاکھوں من پانی سورج کی کرنیں اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہیں کیا اسی طرح برقی قوت سے رسولؐ معراج میں نہیں جاسکتے تھے۔ اس برقی قوت کا نام اگر بُراق رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔ انسان کے قبضہ میں جو برقی طاقت ہے وہ سمندر میں ڈوبے ہوئے لاکھوں من وزنی جہازوں کو سمندر سے نکال کر سطح زمین پر لے آتی ہے تو اللہ کی بھیجی ہوئی برقی قوت سے کیا رسولؐ اوپر نہیں جاسکتے تھے۔ حضور سرکارِ دوعالم خود مجسّم نور تھے ان کو ایسے وسائل کی کیا ضرورت تھی۔ صرف ارادۂ الٰہی ان کے لیے کافی تھا۔ معراج رات میں ہوئی تھی اس وقت براق کی شکل و صورت کو اس تفصیل سے دیکھنے والا کون تھا۔ سب پڑے سو رہے تھے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ حضرتؐ کب گئے۔ جب صبح کو حضورؐ نے بیان کیا تب لوگوں کو پتہ چلا۔

(۷) مسجدِ اقصٰی کیا ہے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہی مسجدِ اقصٰی ہے جو رُوئے زمین پر موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تک پہنچانے میں کیا اعجازی شان پیدا ہوئی اور کیا عجائباتِ قدرت دکھانے کو خدا نے وہاں تک پہنچایا۔ اس مسجدِ اقصٰی تک تو آئے دن لوگ آتے جاتے رہتے ہیں

اگر رسولؐ چلے گئے تو کیا کمال دکھایا۔

مسجدِ اقصٰی سے مراد ہے وہ مسجد جو انتہائی سجدہ کی جگہ ہے یعنی عالمِ امکان کی آخری حد۔ جس سے اوپر کوئی ممکن نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اس سے بالاتر لامکاں ہے۔ یہی خدا کی سب سے بڑی آیت ہوسکتی ہے کہ خدا نے حضورؐ کو عالمِ امکان کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ جہاں مقرب فرشتہ جبریلؑ تک بھی نہ جاسکا۔ کیونکہ جبریلؑ نے سدرۃ المنتہٰی تک جاکر ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ کہہ کر علیحدہ ہوگئے تھے ؎

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

یعنی لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ (الحدیث) (اگر اب میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو میرے پر جل جائیں گے)۔ جبریلؑ کو سدرہ پر چھوڑ کر آپ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (۵۳/۹) کے مقام تک پہنچے جس کا تفصیلی بیان ستائیسویں پارہ میں سورۂ والنجم میں آئے گا۔ سدرہ سے آگے بڑھنے میں راویوں نے کسی بُراق کا ذکر نہیں کیا۔ اور نہ واپسی کے وقت یہ بتایا کہ وہ بھی براق ہی کے ذریعہ سے ہوئی تھی یا کوئی اور صورت تھی۔

(۸) ایک روایت ہے کہ جب حضورؐ مکّہ سے روانہ ہوکر زمین والی مسجد اقصٰی پر پہنچے تو تمام انبیاءؑ وہاں جمع تھے۔ حضورؐ نے ان کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی۔ یعنی ان سب کے آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ خوش خیالوں سے کوئی پوچھے کہ جب انبیاء علیہم السّلام اس دار التکلیف سے آزاد ہوکر ایک دُوسری دُنیا میں چلے گئے تو پھر نماز کیسی۔ کیا انبیاء علیہم السّلام وہاں بھی نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔

(۹) ایک روایت ہے کہ جب حضورؐ بارگاہِ ایزدی میں پہنچے تو خدا نے ان کی دعوت کی اور شیر و برنج پلیٹ میں رکھ کر پیش کیا۔ اللہ اس مادیت میں پھنسی ہوئی ذہنیت پر رحم کرے عالمِ نور میں بھی دُودھ چاول ہی یاد آئے۔ خدا کی دعوت بھی ہم انسانوں ہی کی سی دعوت بنا دی گئی۔

(۱۰) سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا وہاں بیٹھا تھا جس سے ملنے کو رسولؐ وہاں پہنچے۔ کیا رسولؐ نے خدا سے ملاقات کی اس سے ہاتھ ملایا۔ استغفر اللہ، ایسا خیال اُنہی کے دل و دماغ میں گردش کرسکتا ہے جو خدا کے مجسّم ہونے کے قائل ہیں اور قیامت میں خدا کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں۔ خدا نے رسولؐ کو اس لیے نہیں بُلایا تھا کہ وہ رسولؐ سے ملاقات کرے۔ جو ذات پاک رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے اس کو وہاں ملاقات کے لیے بُلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی ملاقاتیں تو ہمارے مادی وجود میں ہی ہوتی ہیں۔ خدا تو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبرّا و منزّہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالمِ امکان ہے ایک عالمِ نور ہے۔ رسولؐ عالمِ نور کی مخلوق تھے جہاں وقت، جگہ اور جہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے چاہا کہ اپنے حبیبؐ کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرائے اور اس کی حدِ آخر دکھائے جو عالمِ نور سے ملی ہوئی ہے اور جہاں قدرتِ الٰہی کے کرشمے عالمِ امکان سے کہیں زیادہ ہیں وہ خود فرماتا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی آیات دکھا دیں نہ کہ اپنے کو دکھا دیں اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے اُس

مسجدِ اقصیٰ کو اپنی برکات سے پُر نور بنا رکھا ہے۔

(۱۱) ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے رسولؐ کو جنّت و دوزخ کی سیر کرائی اور ملائکہ کے مقامات دکھائے۔ تو گویا کسی کو دوزخ میں جلتے اور کسی کو جنّت میں آرام کرتے دکھایا تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا رسولؐ نے دوزخ میں جاکر لوگوں کے عذاب کی صورت دیکھی تھی یہ تو بعید از عقل ہے۔ اسی طرح جنّت میں جاکر پھر باہر کیسے آئے حالانکہ اس کی صفت یہ ہے کہ جو جائے گا وہ ہمیشہ رہے گا۔ نیز یہ کہ جنّت اور دوزخ میں لوگوں کی حالت کیسے دکھائی جبکہ قیامت کے سوال و جواب سے پہلے نہ کوئی جنّت میں جاسکتا ہے نہ دوزخ میں۔

جواب یہ ہے کہ یہ سیر دُور سے بھی ہو سکتی ہے جنّت و دوزخ کوئی بند مقام نہ تھے کہ ان کے اندر ہی جاکر دیکھا جائے۔ ان کے متعلق بوقتِ سیر یہ بھی اشارہ سے بتایا جا سکتا ہے کہ یہ جنّت ہے یہ دوزخ ہے۔ اندرونی حالات سے فرشتہ آگاہ کر سکتا تھا۔ اب رہا جنّتیوں اور دوزخیوں کے حالات کا مشاہدہ، یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ جنّتیوں اور دوزخیوں پر لبعد قیامت جو کچھ گزرے گی وہ حضورؐ کو قرآن سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۱۲) یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ اتنے جلد جاکر واپس آجائیں کہ بستر خواب گرم ہی رہے۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ قدرتِ الٰہی کا اندازہ اپنی قوّت سے کرتے ہیں جس خدائے قادر و قیوم نے انسان کی آنکھ میں یہ قوت دی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں سارے آسمان کا مشاہدہ کرکے پلٹ آتی ہے۔ اور اسی قلیل مدّت میں چاند تارے سب کچھ دیکھ لیتی ہے اُس خدا نے اگر اپنی ایک خاص مخلوق کو اتنی جلد سیر کرا کر واپس کر دیا تو کیا تعجب کی بات ہے۔

جس خدا نے جناب ابراہیمؑ کو زمین پر ملکوت سماوات والارض کو پلک جھپکتے دکھا دیا تھا جس خدا نے آصف کو یہ قوت دی تھی کہ وہ پلک جھپکتے سینکڑوں میل دُور سے بلقیس کا تخت اٹھا لائیں اُس کے لیے کیا دشوار تھا کہ تھوڑی سی مدّت میں اپنے محبوب کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرا دے۔ اب تو یہ بات سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے انسان کا بنایا ہوا راکٹ ایک منٹ میں ہزار ہا میل طے کر جاتا ہے تو خدا اپنے بندہ کو عالمِ امکاں کی سیر کرا کے اتنی جلد کیوں نہیں واپس لا سکتا۔ فرشتے کی طاقت کو دیکھو جب جناب ابراہیمؑ منجنیق سے جدا ہو کر آتشِ نمرود کی طرف چلے تو جبرئیل نے آدھی راہ میں آسمان سے نزول کرکے انہیں آلیا۔ کیا یہ سرعت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہمارے رسولؐ جبرئیل سے برتر و افضل ہیں اگر ان کے لیے ایسا ہوا تو کیا تعجب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کے راز ہیں ان کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا
مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا

شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي
الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ
بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی اور ہم نے اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا کر (حکم دیا کہ) اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اللہ کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ بیشک نوح خدا کے شکر گزار بندے تھے اور ہم نے بنی اسرائیل سے اس کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ تم روئے زمین پر دو بار فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ جب دو فسادوں میں سے پہلے کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑنے والے بندوں (بخت نصر) کو مسلط کر دیا وہ لوگ تمہارے گاؤں کے اندر گھس پڑے اور خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تم کو دوبارہ اُن پر غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور تمہاری مدد کی مالوں سے اولاد سے اور تم کو بڑے جتھے والا بنا دیا۔

خدا نے بنی اسرائیل کے دو فسادوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے ایک ارمیا نبی کا حکم نہ ماننا اور اشعیا پیغمبر کا قتل کرنا دوسری بار حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو شہید کرنا اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرنا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں کتاب سے مراد توریت نہیں ہے بلکہ صحف آسمانی کا مجموعہ ہے جس کے لیے قرآن میں اصطلاح کے طور پر لفظ الکتاب کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

پہلے فساد کی سزا میں بخت نصر کا حملہ تھا جس میں اس نے قتلِ عام کیا تھا اور بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا تھا۔ دوسری بار حضرت ذکریاؑ و یحییٰؑ کی شہادت کے بعد ستّر ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے تھے۔

اس سورہ کا آغاز آیۂ معراج سے ہوا ہے جس کے بعد ہی حضرت موسیٰؑ کا قصّہ چھیڑ دیا گیا جو بظاہر بے ربط معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں کفارِ مکہ جو آنحضرتؐ ختمی مرتبت کو نفرت کی نظروں سے دیکھتے تھے ان پر واقعۂ معراج

سے حضرتؑ کی عظمت و جلالت کا اظہار کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے انبیاءؑ کی تکذیب اور ان کی نافرمانی کر کے سخت سے سخت عذاب کے مزے چکھے اس طرح تم بھی ہمارے رسولؐ کی نافرمانی کر کے اور ان کے قتل کا منصوبہ بنا کر سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ
وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

اگر تم نیکی کرتے ہو تو اپنے لیے اور اگر بُرائی کرتے ہو تو اپنے لیے۔ پس جب دوسرا وعدہ آیا (تو ہم نے طرطوس بادشاہ کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد بیت المقدس میں اس طرح گھس پڑیں جس طرح پہلے دشمن گھس پڑے تھے اور جو چیز ہاتھ لگے اُسے تباہ کر کے رکھ دیں (اگر تم نے شرارت چھوڑ دی تو ہو سکتا ہے کہ) تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر شرارت کی طرف عود کیا تو پھر ہم بھی پھر پڑیں گے اور ہم نے کافروں کے لیے جہنّم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔

بنی اسرائیل بڑے فسادی۔ بے ایمان اور جھگڑالو تھے۔ انبیاءؑ کو سب سے زیادہ ستانے والی یہی قوم تھی حد یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے۔ دو بار جب ان کی شرارت حد سے زیادہ بڑھی، تو خدا نے پہلی بار بخت نصر کو مسلط کیا جس نے لاکھوں آدمی قتل کیے اور بیت المقدس کو ڈھا کر تباہ و برباد کر دیا۔ دوسری بار جب شرارت حد سے بڑھی تو طرطوس بادشاہ کو ان پر مسلط کیا گیا اس نے بھی بخت نصر کی طرح انہیں خوب قتل کیا خوب لوٹا اور ان کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں کی بے عزتی کی ان کے مکانوں میں آگ لگا دی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے بادشاہ سے مراد جالوت ہے اور دوسرے سے بخت نصر۔ باوجود ان سخت ترین عذابوں کے ان کی شرارتیں کم نہ ہوتی تھیں نسلیں تباہ ہوتی رہیں مگر انہیں ہوش نہ آیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ
دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ
شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

بے شک یہ قرآن اُس راستہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں اُن کو اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ عنداللہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ آدمی (کبھی عاجز آکر) اپنے لیے بُرائی کی اس طرح دُعا کرتا ہے جیسے وُہ اپنے لیے بھلائی کی دُعا کرتا ہے۔ اور آدمی تو بڑا جلد باز ہے۔ ہم نے رات اور دن کو اپنی دو نشانیاں بنایا ہے۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو دُھندلا بنایا (یعنی چاند کو) اور دن کی نشانی (سورج کو) روشن بنایا تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (روزی) تلاش کرتے پھرو اور اس لیے بھی کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو اور ہم نے ہر شئے کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

یہ قرآن جس راستہ پر لوگوں کو لے جانا چاہتا ہے وہ صحیح راستہ ہے اور جو ہدایت کرتا ہے وہ دین و دُنیا میں باعثِ فلاح و برکت ہے۔ نظامِ حیاتِ انسانی کو سنوارنے کے لیے ایک بہترین ضابطۂ حیات ہے۔
کفارِ مکّہ بار بار کہا کرتے تھے کہ جس عذاب سے آپ ہمیں ڈرایا کرتے ہیں اُسے لے کیوں نہیں آتے انہی کے

جواب میں خدا فرما رہا ہے کہ لوگوں کو جس طرح اچھی چیز کے ملنے میں جلدی کرنی چاہیئے یہ کفار بُری چیز یعنی عذاب کے لیے اتنی ہی جلدی کر رہے ہیں۔ انسان جلدباز ہے یعنی نتائج پر غور کیے بغیر ہر بات کو جلد پورا کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے رات و دن میری دو نشانیاں ہیں ایک جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔ کبھی رات کی تاریکی ہے تو کبھی دن کی روشنی۔ اگر ایک ہی حالت ہوتی تو دنیا میں جو چہل پہل نظر آتی ہے اور کاروبار میں گہماگہمی ہے سرد پڑ جاتی۔ ایک ہی حالت میں زندگی بسر کرنا مصیبت بن جاتا۔ یہی صورت انسان کی زندگی میں اختلاف حالات کی ہے کبھی تندرست ہے کبھی بیمار، کبھی محتاج ہے کبھی مالدار۔ اس تغیر سے آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیئے اگر ایک ہی حالت پر قیام ہوتا تو زندگی بے مزہ ہو جاتی۔

رات کو چاند نکلتا ہے دن کو سورج انہی کے حساب سے سال کے مہینے اور مہینے کے دن بنتے ہیں۔ کچھ اپنا حساب شمسی سال سے رکھتے ہیں کچھ قمری سال سے۔ ان سب کی تفصیل قرآن میں بتا دی گئی ہے۔ بلحاظ سال و ماہ و ایام جو عبادتیں معین ہیں وہ بھی بتا دی گئی ہیں ان پر عمل کرنا صحیح راستہ پر چلنا ہے۔

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا
يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾
مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾
وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ
وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے (کہ اس کی قسمت اس کے ساتھ ہے) قیامت کے دن ہم اس کے سامنے نکال کر رکھ دیں گے کہ وہ اس کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں اپنے سامنے

پائے گا اور ہم اس سے کہیں گے کہ اپنا نامۂ عمل پڑھ لے اور آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے جو صحیح راستہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے چلتا ہے اور جو گمراہ ہے اس نے گمراہ ہو کر اپنا ہی بگاڑا کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے سر نہیں لے گا ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں۔ جب ہمیں کسی بستی کو ویران کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم نے وہاں کے خوش حال لوگوں کو (اطاعت کا) حکم دیا تو وہ لوگ اس میں نافرمانیاں کرنے لگے تب وہ بستی عذاب کی مستحق ہو گئی اور ہم نے اسے اچھی طرح تباہ کر دیا۔ نوح کے بعد سے اب تک ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

انسان جو کچھ عمل اس دنیا میں کرتا ہے خدا کے معین کردہ فرشتے ہر ایک عمل کو چھوٹا ہو یا بڑا لکھے جاتے ہیں پس اپنی قسمت انسان گویا خود بناتا رہتا ہے آخرت میں اس کے انجام کی بھلائی یا بُرائی اس کے سیرت و کردار پر موقوف ہوگی۔ عذاب و ثواب کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔ روزِ قیامت وہی اعمالنامہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا اسے پڑھ لے اور نیکی بدی کا حساب کر کے خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں جو نیکی کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو گمراہ رہ کر بُرائیاں کرے گا اس کا نقصان اس کی ذات ہی کو پہنچے گا کسی کا کیا بگاڑے گا

ولید بن مغیرہ کفار قریش سے کہا کرتا تھا تم اسلام قبول نہ کرو اور میری پیروی کرو تم سب کے گناہوں کا بوجھ میرے سر ہے اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا بلکہ خود اسی کو اٹھانا ہوگا۔

سابقہ اُمتوں پر وقتاً فوقتاً عذاب آتے رہے ان کے قصے سُن کر کفار کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا خدا بڑا ظالم ہے اس نے بیشمار بے گناہوں پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے۔ ہم نے کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کیا جب تک ہدایت کے لیے ان کے پاس اپنے کسی رسول کو نہیں بھیجا۔ لیکن جب انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔ طرح طرح سے ستایا، یہاں تک کہ قتل سے بھی نہ چُوکے اور اپنی بدکرداری سے خلق اللہ کو گمراہ کرتے اور ان پر ظلم ڈھاتے رہے تب ہم نے ان پر عذاب نازل کیا۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

ہم کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو اس کے باشندوں کے اعمالِ بد کی بنا پر تباہ و برباد کریں تو یونہی یکایک برباد نہیں کرتے بلکہ پہلے ان کے مالدار لوگوں کے پاس جو سرکشی پر آمادہ رہتے ہیں اپنے رسول کے ذریعہ اپنے احکام بھیجتے ہیں جو ان کو بداعمالی کا انجام سمجھاتے ہیں۔ عذابِ خدا سے ڈراتے ہیں لیکن جب وہ نافرمانیوں سے

باز نہیں آتے تب ہم نظامِ عالم برقرار رکھنے کے لیے ان کو اچھی طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں پس ہم پر الزام لگانا غلط ہے۔ نوحؑ کے بعد ایسا ہی ہوتا رہا۔ قومیں اسی زمین پر بستی رہیں ہماری نافرمانی کرتی رہیں اور ہلاک ہوتی رہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے بے خبر رہتا ہے نہیں ہرگز نہیں وہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ اگر انہیں سزا نہ دی جائے تو وہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں اور انسانی تمدّن میں فتنہ و فساد کو ہر طرف پھیلاتے رہیں۔

ایک بار رکن الدولہ دیلمی نے جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ جب خدا نے عذاب نازل کر کے قوموں کو ہلاک کر دیا تو پھر ان کا جہنّم میں بھیجنا کیا معنی رکھتا ہے کیا دو دو بار وہ سزا پائیں گے یہ تو انصافِ الٰہی کے خلاف ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے فرمایا، گناہ دو قسم کے ہیں ایک خدا کی نافرمانی سے متعلق ہوتے ہیں ان کی سزا میں عذاب نازل ہوتا ہے دوسرے بندوں سے متعلق ہوتے ہیں جیسے رسول کو ستانا یا اپنے بنی نوع کی حق تلفی کرنا ان پر ظلم کرنا، اس کی سزا میں روزِ قیامت ان کو جہنّم رسید کیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَ
سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا
نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ
مَحْظُورًا ﴿۲۰﴾ انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ
أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ
فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَخْذُولًا ﴿۲۲﴾ ع ۲

جو شخص دُنیا کا خواہاں ہو تو ہم جسے چاہتے اور جو چاہتے ہیں اس دُنیا میں اُسے عطا کر دیتے ہیں۔ پھر ہم نے تو اس کے لیے جہنّم بنا ہی رکھا ہے کہ وہ اس میں بُری طرح سے ذلیل اور راندہ ہُوا داخل ہو گا۔ اور جو آخرت کا خواستگار ہے اور اس نے اس کے لیے اچھی خاصی کوشش بھی کی ہے اور

وہ ایماندار بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہو گی ان کو اور اُن کو (غرض سب کو) تمہارا پروردگار (اپنی) بخشش سے مدد دیتا ہے اور تمہارے رب کی بخشش (تو عام ہے) کسی پر بند نہیں۔ ذرا دیکھو تو کہ ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر کیسی فضیلت دی ہے اور آخرت کے درجات تو یہاں کے درجات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبُود قرار نہ دو ورنہ تم بُرے حال میں ذلیل و رسوا ہو کر بیٹھے کے بیٹھے رہ جاؤ گے۔

دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وُہ جو اپنے اعمال کا بدلہ اس دُنیا میں چاہتے ہیں، تاکہ راحت و آرام سے زندگی بسر کریں آخرت کی جزا سے اُنہیں کوئی واسطہ نہیں گویا وُہ اس پر ایمان نہیں رکھتے خُدا فرماتا ہے ہم جسے چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے اسی دُنیا میں دے کر اُن کا پلّہ پاک کر دیں گے۔ اس کے بعد قیامت میں اُن کے لیے جزا کا کوئی حصّہ نہ ہو گا وہ نہایت ذلّت و خواری کے ساتھ جہنّم میں ڈھکیل دیئے جائیں گے کہ اس کی آگ میں جلتے رہیں۔ دُوسرے وہ لوگ ہیں جنہیں اپنی آخرت سنوارنے کی فکر ہے وہ دنیا میں کوئی صِلہ نہیں چاہتے وہ صاحبِ ایمان ہیں اور حسنات کے اکتساب میں پوری پوری کوشش کرتے ہیں خدا فرماتا ہے کہ ان کی کوششیں قابلِ شکریہ ہیں ان کو آخرت میں اچھی جزا ملے گی۔

دُنیادار ہوں یا دین دار دونوں کو جو کچھ رزق مِل رہا ہے خدا ہی کی طرف سے مل رہا ہے۔ کوئی کسی کا رزق بند نہیں کر سکتا۔ اگر بندوں کا رزق بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو بے شمار خدا کی مخلوق فاقوں مر جاتی۔ چونکہ اچھے اور بُرے سب خدا ہی کی مخلوق ہیں اور اس نے سب کی رزق رسانی کا وعدہ کیا ہے لہٰذا وہ سب کو رزق دیتا ہے۔ رزق رسانی اس نے اعمال پر موقوف نہیں رکھی۔

دُنیا میں دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک باعتبار مال و دولت، جاہ و اقتدار خدا کی بارگاہ میں اس کی پرسش نہیں ہاں ایسی صورت میں جبکہ مالدار لوگ حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال رکھیں اور اپنی دولت میں اپنے محتاج بھائیوں کو شریک سمجھیں۔ دوسری فضیلتِ نفس تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ خدا کے نزدیک اس فضیلت کی بڑی قدر ہے۔ اگرچہ دُنیا والے اُن غریبوں کو صاحبِ فضل نہ سمجھیں مگر خدا تو سمجھتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۴۹/۱۳) (جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے خدا کے نزدیک وہی زیادہ عزّت والا ہے) ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں بھی عزّت ہے اور آخرت میں تو ان کے درجات کا ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔ آخر میں فرماتا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو اپنا معبُود بنا کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ وہاں جو ذلّت تم کو نصیب ہو گی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ
لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾

والدین کی تعظیم

اور خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اگر ان میں ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو (خبردار) ان سے اُف تک نہ کہو اور کسی بات پر ان کو جھڑکو نہیں اور ان دونوں سے بہت ادب سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور خدا سے یہ دُعا کرو اے پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحم کر جیسے انہوں نے ہمیں بچپن میں پالا ہے۔ تمہارے دل کی بات تمہارا رب خُوب جانتا ہے اگر تم (واقعی) نیک ہو (اور بھولے سے ان کی خطا کی ہے) تو وُہ تم کو بخشش دے گا کیونکہ وہ تو توبہ کرنے والوں کا بڑا بخشنے والا ہے۔

یہاں سے اللہ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے حقوق کو بتانا شروع کیا ہے کیونکہ تمدن و معاشرہ کی ساری فلاح و بہبود بنی نوع کی حقوق شناسی ہی پر موقوف ہے۔

سب سے پہلی بات یہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ کا جو تمہارا ضامن اور رزق رساں ہے تم پر حق ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بناؤ ورنہ بصورتِ شرک نہ تم دُنیا کے رہو گے نہ دین کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ ہرگز ان کے سامنے زور سے بات نہ کرو اور انہیں جھڑکو نہیں ان سے نہایت ادب سے بات چیت کرو اور نہایت تواضع و انکساری کے ساتھ ان سے ملو۔ اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔

جو لوگ اپنے ماں باپ کا احترام نہیں کرتے وہ نوعِ انسانی کے بدترین انسان ہیں۔ ماں باپ جس شفقت اور محبت سے ان کو پالتے ہیں اولاد اس کا بدلہ دے نہیں سکتی۔ ماں باپ کی محبت اولاد سے فطری ہوتی ہے ورنہ اولاد پرورش نہیں پا سکتی۔ اس نے ان کو اولاد کی محبت کا حکم نہیں دیا بلکہ اولاد کو ماں باپ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے۔

کوئی شخص اپنے اُوپر دُوسرے کی فضیلت گوارا نہیں کرتا لیکن صرف ماں باپ ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اوپر اپنی اولاد کی فضیلت کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ اسی طرح دُنیا میں ایک دوسرے پر حسد ہوتا ہے لیکن ماں باپ کو اولاد کی برتری پر کبھی حسد نہیں ہوتا۔

اگر اولاد اپنے ماں باپ کا احترام کرتی ہے تو دوسرے لوگ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ماں باپ کی دُعا اولاد کے حق میں رد نہیں ہوتی اگر کوئی خاص مصلحت مانع نہ ہو تو خدا اس کو ضرور قبول کرتا ہے

ایک شخص حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں چاہتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کے حقوق سے سبکدوش ہو جاؤں مجھے اس کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا اگر تُو روئے زمین کی تمام دولت بھی لُٹا دے تب بھی تُو ان کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں ہے کہ تیز نظر سے ان کی طرف نہ دیکھو ان کی آواز پر اپنی آواز ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو۔ ان سے آگے نہ چلو۔ ان کا نام لے کر نہ پکارو، ان کے آگے نہ بیٹھو۔ وہ کام نہ کرو جس سے کوئی ان کو گالی دے۔ اگر وہ آئیں اور تم بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جاؤ، اگر مؤمن ہوں تو ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ اگر کافر ہوں تو ان کے لیے دُعائے ہدایت کرو

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ
كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا
فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ ع

اور قرابت داروں محتاج اور پردیسی کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی مت کرو۔ فضول خرچی

رسول کا قرابت داروں سے

کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کی بڑا ناشکری کرنے والا ہے اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے (مجبوراً) ان غریبوں سے منہ موڑنا پڑے تو نرمی سے انہیں سمجھادو اور اپنے ہاتھ نہ تو گردن سے بندھے رکھو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) کہ تم کو آخر میں ملامت زدہ حسرتناک بیٹھنا پڑے۔ بیشک تمہارا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی حالت سے خبردار اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ اَلْقُرْبٰی سے مراد قرابت جناب رسولِ خداؐ ہے اور یہ آیت جناب سیّدہؑ کی شان میں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت رسولِ خداؐ نے فدک کا علاقہ جناب سیّدہؑ کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور مسکین سے مراد اولادِ فاطمہؑ اور مسافر سے مراد بھی وہی ہیں تفسیر دُرِ منثور سیوطی میں مردویہ نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خداؐ نے جناب سیّدہؑ کو بلایا اور فدک عطا فرمایا۔

مروی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد جب اسیرانِ اہلبیتؑ کا قافلہ دمشق پہنچا اور ایک شامی نے حضرت علیؑ بن الحسینؑ سے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں تو آپؑ نے فرمایا تُو نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت نہیں پڑھی وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ تو اس نے منہ پیٹ کر کہا کیا آپ ہی اس آیت کا مصداق ہیں۔

اکثر مفسرینِ اسلام نے اس آیت کو جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے متعلق تسلیم نہیں کیا بلکہ ذوی القربیٰ سے مراد لوگوں کے رشتہ دار لیے ہیں۔ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیتے تو پھر حق فاطمہؑ آیتِ قرآنی سے ثابت ہو جاتا۔ اس صورت میں اس کی تردید ایک یتیم الاسناد حدیث سے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ سب کے حقوق کی نگہداشت تو علمائے اسلام نے منظور کی لیکن اولادِ رسولؐ کے متعلق ان کے نزدیک نگہداشت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ گویا اموالِ مسلمین میں ان کا کوئی حق نہیں۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

خدا سب کے حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہے پھر کیا وجہ کہ اولادِ رسولؐ کا حق مقرر نہ کرے۔ مسلمان مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر تو قرآن میں کئی جگہ ہو چکا ہے۔ یہ آیت عام نہیں خاص ہے جس کا تعلق صرف جناب فاطمہ زہراؑ اور ان کی اولادؑ سے ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ فضول خرچی نہ کریں کیونکہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارے اردگرد بے شمار حاجت مند پائے جاتے ہیں تو ہمارا فضول خرچی کرنا ان بیچاروں پر ظلم ہے۔ اس زمانہ میں فضول خرچی کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جن میں بے شمار پیسہ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں ایسے کاموں پر خرچ والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ پیسہ محنت سے کمایا جاتا ہے۔ اس کو

فضول خرچی اور بخل کی ممانعت

سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ آئے دن انسان حوادثِ ارضی و سماوی کی زد میں آتا رہتا ہے۔ اس کے لیے کسی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر خرچ ہی کرنا ہے تو ایسے کاموں میں کیوں نہ صرف کیا جائے جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو۔

فضول خرچی کی طرح بُخل کی بھی روک تھام کی گئی ہے۔ یہ بھی ایک مذموم عادت ہے۔ مقصد خدا کا یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک اعتدالی صورت میں اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ نہ تو اللے تللے ہی ہوں نہ یہ کہ پیسہ کو تل تل کر خرچ کیا جائے اور اہلِ حاجت کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ معاشرہ کی فلاح و بہبود کے دشمن دونوں ہیں۔ فضول خرچ بھی اور بخیل بھی بخیل آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا حتّٰی کہ اس کے اہل و عیال بھی۔ اس کے متعلقین اس کے مرنے کی دعائیں مانگتے ہیں اس سے زیادہ ذلیل زندگی اور کیا ہو گی۔

رزق کا بڑھانا گھٹانا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقتِ ضرورت اسی سے لو لگانی چاہیئے۔ فضول خرچ سمجھتا ہے کہ خدا اُسے دیئے ہی جائے گا بخیل سمجھتا ہے کہ اگر خرچ ہو جائے گا تو پھر کون دے گا۔ بات کی تہ کو دونوں ہی نہیں پہنچے شیطان ان دونوں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ معمولی معمولی چیزوں میں ہم فضول خرچ ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً بے ضرورت بجلی جلانا، بے ضرورت پانی کا نل کھلا رکھنا، بے ضرورت برقی پنکھا چلانا، بے ضرورت لباس بنانا، سامانِ آرائش خریدنا، شادیوں میں دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا، زیور پر زیور بنوائے چلے جانا، یہ سب فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے کھانا نہ پکوانا، لباس نہ بنوانا، مکان کی درستی نہ کرنا، محتاج بھائیوں کی خبر نہ لینا، بخل نہیں تو اور کیا ہے۔ جیسا کہ حکم الٰہی ہے انسان کو اپنی زندگی اعتدالی حالت میں بسر کرنی چاہیئے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ
ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾

مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک اُن کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بدکاری ہے اور بُرا راستہ ہے۔ اور جس کا قتل کرنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُسے قتل مت کرو مگر جائز طریقہ سے۔ جو شخص مظلوم قتل کیا جائے گا، ہم نے اس کے وارث کو (قاتل پر قصاص کا) قابو دیا ہے پس اُسے چاہیئے کہ قتل (خون کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے بے شک وہ مدد دیا جائے گا۔ اور مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اچھے طریقہ سے جب تک وہ جوانی کو نہ پہنچے اور عہد کو پورا کرو عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ناپ تول کر (کوئی چیز) دینا ہو تو پیمانہ کو پُورا بھرا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو (ڈنڈی نہ مارا کرو) یہ طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

کوئی معاشرہ بدنظمی اور پریشانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا اگر لوگوں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا بندوبست نہ ہو۔ ان آیات میں چند باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے:

(۱) جب بستیوں میں قحط پڑتے ہیں اور بھوک مارنے کا کوئی سامان مہیا نہیں ہوتا تو لوگ اپنے بچوں کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ انہیں بھوک سے تڑپتا نہ دیکھیں اور ان کی روزی کی فکر سے آزاد ہو جائیں۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے اس سے شقاوتِ قلبی کا اظہار ہوتا ہے اگر قحط کے زمانہ کو طول ہو جائے اور رزق یابی کی کوئی صورت نہ ہوگی تو وہ خود بھوک سے مر جائیں گے ورنہ خدا رازق ہے کہیں نہ کہیں سے ان کی روزی کا بندوبست کر دے گا۔

(۲) زنا کاری سے روکا گیا ہے کسی کو حق نہیں ہے کہ ناجائز طریقہ سے کسی کی آبرو ریزی کرے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسے کھیت میں تخم ریزی کرنا جس کا مالک کوئی اور ہے۔ اگر عورت و مرد دونوں راضی بھی ہوں تب بھی شرعی عقد سے پہلے ایسا کرنا دونوں کے لیے رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ اور معاشرہ میں بدکاری کی رسم جاری ہو کر فتنہ و فساد کا باعث بنتی ہے۔

(۳) بے جرم و قصور کسی کو قتل کرنا گناہِ عظیم ہے۔ خواہ غیر کا قتل ہو یا اپنا ہی قتل ہو یعنی خودکشی۔ سوائے خدا کے کسی کی جان کا کوئی مالک نہیں ایسے شخص کے لیے کھلی سزا جہنم ہے۔ جس تمدن میں بے محابا لوگ بے جرم و قصور قتل کر دیئے جاتے ہوں وہاں کوئی فرد بھی سکون و اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ خدائی قانون

یہ ہے کہ مقتول کے وارث کو وہ قاتل کے اوپر غلبہ دیتا ہے لیکن بدلہ لینے کی یہ صورت ہونی چاہیئے کہ صرف قاتل ہی کو قتل کیا جائے ایسا نہ ہو جیسا زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا کہ ایک جان کا بدلہ قاتل کے پُورے قبیلہ سے لیا جاتا تھا اور برسوں جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

(۴) مالِ یتیم کی حفاظت بھی فرائضِ انسانیت میں داخل ہے جن کی پرورش میں یتیم ہو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر جائز حق کے اس کے مال کو کھا پی کر برابر کر دیں۔ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کی حفاظت کریں۔ اور بالغ و راشد ہونے پر اس کے سپرد کر دیں۔

(۵) قومِ شعیب علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ جب غیروں سے مال لیتے تو ناپ سے ہوتا یا تول سے زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیز دیتے تو کم ناپتے اور کم تولتے۔ قومِ شعیب ہی پہ کیا موقوف ہے بے ایمان تاجر اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

غور کیجیے جس بستی کے باشندوں میں یہ خراب عادتیں نہ ہوں ان کی زندگی کیسی پُر سکون و پُر امن ہوگی۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے افعالِ بد سے محفوظ رہ کر اپنے فرائضِ زندگی انجام دیں اور زندگی کی تھوڑی سی مدت باایمان رہ کر گزار دیں۔

(۶) عہد پورا کرنا اور وعدہ وفا کرنا ایک باایمان اور نیک انسان کا فرض ہے کیونکہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ روزِ قیامت ہر عہد شکن سے پُوچھ گچھ ہوگی۔ لہٰذا ایک مسلمان کو وعدہ خلافی سے ڈرنا چاہیئے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ
لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ
سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ
الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اِنَاثًاؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ؏ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِيَذَّكَّرُوۡاؕ وَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

جس چیز کا تمہیں علم نہیں خواہ مخواہ اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔ بیشک کان آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو۔ تم اپنے دھماک کی چال سے نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالو گے اور نہ تن تن کر چلنے میں پہاڑوں سے اونچے ہو جاؤ گے۔ اے رسول ان سب باتوں میں سے جو بات بُری ہے وہ تمہارے پروردگار کو ناپسند ہے۔ یہ بات تو حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تمہارے پروردگار نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ ملامت زدہ راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں چن چن کر بیٹے دیئے ہیں اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنایا ہے۔ اس میں شک نہیں تم بڑی سخت بات کہتے ہو ہم نے تو اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کر دیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر اس سے تو ان کی نفرت ہی بڑھتی گئی۔

یعنی جب تک کسی چیز کے متعلق پورا علم حاصل نہ ہو محض گمان و قیاس سے کام لے کر کسی پر الزام نہ لگاؤ اگر تم کسی بات کے متعلق غلط بیانی کرو گے تو خدا کے یہاں روز قیامت پوچھ گچھ ہو گی۔ اگر وہ بات غلط ثابت ہوئی تو سزا پاؤ گے۔

کان۔ آنکھ اور دل واقعات کی تحقیق کے لیے یہ ذرائع تم کو دیئے گئے ہیں ان سے کام لو اور جب تک کوئی واقعہ پوری طرح تحقیق نہ ہو جائے اپنی کوئی رائے قائم نہ کرو کیونکہ ھر اٹکل پچو بات کے متعلق تم سے روز قیامت سوال کیا جائے گا۔

اکڑ اکڑ کر اور سینہ تان کر مت چلو۔ یہ چال خدا کو پسند نہیں۔ اکڑتے کس بات پر ہو تمہاری ابتدا نطفۂ گندیدہ ہے اور انتہائی سڑا ہوا مردہ اس کے بیچ کی جو زندگی ہے وہ ہزار بلاؤں میں گرفتار، تمہیں اپنی احتیاجوں میں کس کس کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے سب کو جانے دو یہ ریشمی کپڑا جو تم پہن کر اکڑتے ہو ایک چھوٹے سے ذلیل کیڑے کے منہ سے نکلی ہوئی رال ہے۔ یہ شہد جسے تم کھا کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہو ایک چھوٹی سی مکھی کی قے ہے۔ تم کو شرم آنی چاہیئے۔

افسوس ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے پتھروں کو اپنا معبود بناتے ہو۔ تمہاری عقل کیسے گوارا کرتی ہے کہ جو تمہاری مخلوق ہے وہی تمہاری خالق ہے۔

تم کس قدر احمق ہو کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بناتے ہو اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو اور خدا کے لیے ان کو تجویز کرتے ہو۔ خدا تو نہ بیٹے رکھتا ہے نہ بیٹیاں۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ خدا کے لیے تم کتنی سخت بات کہتے ہو کیا ایسی گستاخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہو گی۔

قُلۡ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ﴿۴۲﴾ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾

اے رسول تم کہدو کہ جیسا تم لوگ کہتے ہو اگر خدا کے سوا کچھ اور معبود بھی ہوتے تو ضرور وہ صاحب عرش خدا تک پہنچنے کا راستہ نکالتے۔ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، خدا کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند و برتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوق بھی ان کے اندر ہے سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ کوئی شے ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ خدا کی حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔ بے شک وہ بڑا پُر وقار اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے۔

خداوندِ عالم نے اپنی وحدانیت کا جابجا قرآن میں ذکر کیا ہے منجملہ ان کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر خدا کے سوا کچھ اور بھی خدا ہوتے تو خدا تک پہنچتے اور اس سے جھگڑا کرنے کے لیے کوئی راستہ ضرور نکالتے لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو ان کا وجود بھی ثابت نہیں۔ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ جب دو بادشاہ ایک ملک میں حکومت نہیں کر سکتے تو بھلا کئی خدا کیسے خدائی کر سکتے ہیں۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ان کے بھیجے ہوئے انبیاء و مرسلین بھی اسی طرح دنیا والوں کے پاس آتے جس طرح خدائے وحدہٗ لاشریک کے بھیجے ہوئے برابر آتے رہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے ان کا جو نظام ہے وہ ازل سے اب تک ایک ہی سا چلا آرہا ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ان کا نظام اس نظام سے ضرور برخلاف ہوتا۔ مگر جب ایسا نہیں تو کیسے مان لیا جائے کہ خدا کے شریک کچھ اور خدا بھی ہیں۔ ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔ ہر ایک کی تسبیح

جُداگانہ ہے اور حمد کا طریقہ بھی الگ ہے۔ ان کی زبان پہ تالا پڑا ہوا ہے۔ اگر ان کو خدا کی طرف سے بولنے کی اجازت
مِل جائے تو بولنے بھی لگتے ہیں۔ جیسے حضرت رسولؐ خدا کے ہاتھ پر سنگریزوں نے کلمہ پڑھا یا حجرِ اسود نے حضرت
امام زین العابدینؑ کی امامت کی گواہی دی۔ یا حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے۔ جو لوگ خدا
کو نہیں مانتے خدا ان کی گردن مروڑ سکتا ہے ان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن وُہ حلیم ہے اور خطاؤں کا بخشنے والا
ہے۔ نافرمانیاں دیکھتا ہے اور حلم سے کام لیتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ
اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي
اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ
وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

مشرکین کی حالت

جب تم قرآن پڑھتے ہو تو تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے
ہم ایک گہرا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم خود ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیتے ہیں تاکہ یہ اُسے
سمجھیں ہی نہیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے رب
کی توحید کا ذکر کرتے ہو تو وہ اُلٹے پاؤں تمہارے پاس سے نفرت کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں
جب یہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ کیا کان لگا کر سنتے ہیں اور جب یہ آپس
میں کانا پھوسی کرتے ہیں تو یہ ظالم (ایمانداروں سے) کہتے ہیں تم تو بس ایک دیوانے آدمی کے
پیچھے پڑے ہو۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جب قرآن میں اس کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے کانوں اور تمہاری آواز
کے درمیان ایسے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ تمہاری کوئی آواز ان کے کان تک نہیں پہنچتی چونکہ وہ خود اسے

مُقر تھے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں لہٰذا قدرت نے اسی کو دُہرا دیا ہے۔ خدا نے اس کو اپنی طرف
نسبت دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب کوئی بات کسی کی سننا ہی نہیں چاہتا
تو وہ گراں گوش بن جاتا ہے اور اس کا دل اس کے سننے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ یہ تو عام طور پر مشاہدہ میں آنے کی
چیز ہے۔

جب تم قرآن میں صرف خدا کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہو اور ان کے معبودوں کا حال نہیں پڑھتے تو وہ بیزار
ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وہ خدا کا وحدہٗ لاشریک ہونا پسند ہی نہیں کرتے۔ وہ کان لگا کر یہ سننا چاہتے
ہیں کہ ان کے معبودوں کی تعریف بھی قرآن میں ہے یا نہیں جب نہیں سنتے تو پھر تمہارے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوتے
ہیں اور چپکے چپکے ایمانداروں سے کہتے ہیں یہ شخص تو معاذ اللہ دیوانہ ہے تم اس کی پیروی کیوں کرتے ہو۔

خدا نے تو قرآن کو اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگ اسے سنیں اور سمجھیں لیکن جب ان مشرکین نے اپنے دلوں
میں یہ ٹھان لی ہے کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں آخرت کوئی چیز نہیں تو پھر ان کے کان بہرے نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا
انہیں اس ذکر سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ وہ کسی بات کو دل میں جگہ دینی ہی نہیں چاہتے پھر خدا زبردستی ان کے کانوں
کی یہ گرانی کیوں دُور کرے اور ان کے قلوب کو جبراً ایسا کیوں بنا دے کہ وہ قبول کر لیں۔ اس نے تو کان سننے
کے لیے بنائے ہیں اور دل سمجھنے کے لیے، یہ فطری قانون ہے لیکن جو اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر اچھی بات کو سننا
اور سمجھنا چاہتا ہی نہیں۔ خدا کی توفیق اس کا ساتھ کیوں دے وہ بہرے ہیں نہ اندھے نہ بے عقل ہیں انہوں
نے خود کو ایسا بنا لیا ہے۔ اس میں خدا پر کیا الزام۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَ
قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾
قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ
فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ
اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾
يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

ع ۵ ۵

(اے رسول) دیکھو تو (یہ کمبخت) تمہارے اوپر کیسی کیسی پھبتیاں کستے ہیں۔ یہ گمراہ ہوگئے براہِ حق کو کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ یہ کہتے ہیں کیا ہم جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) ہڈیاں رہ جائیں گے اور ان کا بھی چورا چورا ہو جائے گا تو کیا پھر از سرِ نو ہم کو پیدا کر کے اُٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ ان سے تم کہدو کہ مرنے کے بعد چاہے تم پتھر بنو یا لوہا یا اور کوئی چیز جو تمہارے خیال میں اس سے زیادہ سخت ہو (وہ ضرور زندہ ہوگی) وہ عنقریب تم سے پوچھیں گے ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا تو تم ان سے کہدو جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے (وہی دوبارہ زندہ کرے گا) اس پر یہ لوگ تمہارے سامنے سر مٹکائیں گے اور کہیں گے ایسا کب ہوگا تم کہدو عنقریب ہی ہوگا جس دن خدا تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کی تعمیل کروگے اور خیال کروگے (مرنے کے بعد قبروں میں) بہت ہی کم ٹھہرے۔

کفار و مشرکین حضورؐ کی خدمت میں آکر مختلف قسم کے سوال کرتے تھے اور جب حضورؐ جواب دیتے تھے تو اس کو صحیح نہ مان کر مسخرہ پن سے سر مٹکاتے تھے۔ منجملہ اور سوالوں کے ایک سوال یہ تھا کہ جب بدن یہاں گل سڑ کر رہ جائے گا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو پھر ہمارا نئے سرے سے زندہ ہونا کیا معنی۔ خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان سے کہدو کہ ہڈیوں کا کیا ذکر اگر تمہارے بدن پتھر یا لوہے یا اس بھی زیادہ سخت چیز کے ہوں تب بھی وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

اب انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ اس کا جواب خدا کی طرف سے دیا گیا کہ وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا۔ اس پر تم نے کیوں نہیں تعجب کیا۔ آخر یہ گوشت پوست اور ہڈیاں کہاں سے آگئے۔ جو خدا تمہیں عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں نہیں قدرت رکھتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ایسا کب ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہت جلد ہوگا تم اس دنیا کی عمر کا حساب اپنے معین کردہ سالوں سے لگاتے ہو لیکن قدرت کے یہاں ایک دوسرا حساب ہے۔ تمہارے ہزار سال قدرت کے کیلنڈر میں ایک دن کے برابر ہیں۔ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (۲۲/۴۷) اس لحاظ سے ابھی تم کو دنیا میں بسے ہوئے کے دن ہوئے ہیں۔ خدائی حساب سے وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے۔

جب تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے تو خدا کی حمد کرتے اٹھو گے۔ دُنیا میں تم نے فطرت کو مسل مسل کر رکھا تھا اور خدا کے وجود سے انکار کرتے رہے تھے مگر وہاں فطرت اپنے اصلی رنگ میں ہوگی اور اپنے خالق و معبود کی حمد کرتی ہوئی اُٹھے گی۔ وہاں اس پر تمہارا زور نہ چلے گا۔ اس وقت تم کو یہ خبر بھی نہ ہوگی کہ تم کتنی مدت قبر میں رہے ہو

اس قسم کے سوالات کفار و مشرکین کے دلوں میں اس لیے پیدا ہوتے تھے کہ تقریباً چھ سو برس تک انبیاءؑ کا آنا بند رہا تھا۔ اس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ اس مدت میں جہالت کا ایسا شدید دَور دورہ تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ فطرت کے قوانین سے لوگ قطعاً بے خبر ہوگئے تھے۔ آخرت کا خیال دلانے والا کوئی نہ تھا۔ ان کے عقیدہ میں سب کچھ یہ دُنیا ہی تھی۔ آنحضورؐ کے ظہور کے بعد جب یہ سینکڑوں برس کا بھولا ہوا سبق ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ بوکھلا گئے۔ قیامت کے ذکر سے انہیں وحشت ہونے لگی پرسشِ اعمال کا جن کے دلوں میں دھڑکا بھی نہ تھا دوبارہ زندہ ہونے کا خدشہ ہی نہ تھا اب جو یہ اذکار اُن کے کانوں میں پڑے تو دینِ اسلام سے انہیں نفرت پیدا ہوگئی۔ کیونکہ ہر عمل پر احتیاط کا پہرہ دار بیٹھا دیکھ کر ان کو زندگی کا مزہ کرکرا ہوتا دکھائی دینے لگا۔ اور آخرت کا تصوّر وبالِ جان سمجھا جانے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھبرا گھبرا کر مختلف قسم کے سوالات آنحضرتؐ سے کرتے تھے۔ اور کسی جواب سے انہیں تسکین نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کی آزادی احتیاط کے کسی جال میں پھنسنا نہیں چاہتی تھی۔ بت پرستی میں انہیں ہر قسم کی آزادی نصیب تھی۔ ایمان لانے کے بعد چونکہ وہ سلب ہو جاتی اس لیے بھی وہ ایمان لانے سے گریز کرتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ اگر رسولؐ کی رسالت کی تکذیب ہو جائے تو ان کے سر سے ایک بڑا بار اُتر جائے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ
الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ
یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَ
رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ
عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓىٕكَ
الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ
رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

(اے رسول) میرے بندوں (مؤمنوں) سے کہدو (کہ کافروں سے) بہ نرمی سے بات کریں کیونکہ شیطان تو ایسی ہی باتوں سے فساد ڈلواتا ہے بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اللہ تمہارے حال سے خوب واقف ہے اگر چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا اور اگر چاہے گا تو تم پر عذاب کرے گا۔ اے رسول ہم نے تمہیں ان کا (ان کے اعمال کا) ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا رب جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اس کا جاننے والا ہے اور بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (اے رسول مشرکوں سے) کہدو کہ خدا کے سوا جن کو تم (اپنا معبود سمجھ کر) پکارتے ہو (پکار دیکھو) وہ تو نہ تمہاری کسی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ یہ مشرک جن کی عبادت کرتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ (دیکھیں ان میں سے) کون زیادہ قربت رکھتا ہے اور خدا کی رحمت کی امّید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تمہارے ربّ کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ جب مشرکین سے مسلمانوں کا مباحثہ ہوتا تھا تو مسلمان ان کی توہین آمیز باتوں پر مشتعل ہو جاتے تھے اور سخت کلامی کرنے لگتے تھے خدا ان کو ہدایت کرتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اس طریقہ سے ہدایت کا کام رُک جائے گا اور شیطان کا جو منشا ہے وہ پُورا ہو جائے گا۔ وہ تمہارا پکا دشمن ہے وہ تو یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح ہدایت کے کام میں رخنہ پڑ جائے۔ تم کسی سے یہ بھی نہ کہو کہ تُو دوزخی ہے اور میں جنّتی ہوں۔ تمہارے کہنے سے کوئی دوزخی یا جنّتی نہیں بن جائے گا یہ کام تو خدا کے اختیار میں ہے جس پر چاہے رحم کرے اور جس پر چاہے عذاب کرے۔ جنّت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے تم نہیں ہو۔ ہم نے رسولؐ کو بھی اس کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہو رہا ہے خدا وہ سب کچھ جانتا ہے لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق جیسا فیصلہ چاہے گا کرے گا۔

مشرکین آنحضرتؐ کو ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاءؑ پہلے گزر چکے ہیں فضیلت ان ہی کے لیے تھی۔ تم بی بی بچّوں والے آدمی ہو۔ دُنیا کے معاملات میں پھنسے ہوئے تم کو نہ ہم پر فضیلت ہے نہ تم رسول اللہ بننے کے قابل ہو۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم کیا جانو کہ انبیاءؑ کے درمیان فضیلت کو ہم نے کس بنا پر قائم کیا ہے۔ داؤدؑ سلطنت کے مالک تھے بال بچّوں والے بھی تھے مگر اس سے ان کے ایمان میں کوئی فرق پیدا نہیں ہُوا اور ہم نے ان کو اپنا رسول بنایا اور زبُور جیسی کتاب بھی دی پس تم ہمارے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہو۔ ہمارے تمام انبیاء صاحبِ اہل وعیال ہوئے ہیں لیکن اس سے نہ کارِ رسالت میں رکاوٹ پیدا ہوئی نہ ان کی فضیلت میں فرق آیا۔ بلکہ اہل وعیال کے ساتھ رہ کر تو ان کی پاکیزگی نفس کا

اور زیادہ ثبوت مِلا۔

تم مشرکین سے کہو جن کو تم خدا سمجھتے ہو ذرا وقتِ مصیبت پُکار کر دیکھو تو سہی۔ دیکھیں تو وہ تمہاری مصیبت میں کیا کام آتے ہیں۔ کیا خاک کام میں آئیں گے نہ کسی تکلیف کو تم سے دُور کر سکیں گے نہ زیادہ تکلیف کو کم تکلیف سے بدل سکیں گے۔ وہ تو خود خدا کی قربت کا وسیلہ تلاش کرنے والے ہیں تاکہ خدا سے زیادہ قریب ہو جائیں۔ اور جب وہ خود محتاجِ امداد ہیں تو بھلا تمہاری کیا مدد کر سکیں گے۔ یعنی یہ بُت جن بڑے لوگوں کی یاد میں تم نے بنا رکھے ہیں وہ بھی ہماری مخلوق تھے اور ہماری امداد کے محتاج اور ہم سے ڈرنے والے تھے۔ جب وہی تمہارے کام نہیں آسکتے تو بھلا ان کے مجسّمے جو تم نے بنا رکھے ہیں کیا کام آئیں۔ یہ تو بے حس و بے جان ہیں۔ اپنے منہ پر آئی مکھی نہیں اُڑا سکتے۔

جو لوگ حضرت عیسیٰؑ یا حضرت مریمؑ یا فرشتوں کو خدا مانتے ہیں اُن سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے یہ معبود تو خود خدا کے تقرب کے خواہاں ہیں اگر یہ سچ مچ خدا ہوتے تو پھر خدا سے دُعا کیوں کرتے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا
عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ
نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ
مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا
لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا
فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا
يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

کوئی بستی ایسی نہیں ہے مگر قیامت سے پہلے ہم اُس کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیں گے (یا نافرمانی کی وجہ سے) اُن پر سخت عذاب نازل کریں گے۔ یہ کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہُوا ہے۔ ہمیں

معجزات کے بھیجنے میں اور کوئی شے مانع نہیں ہوتی مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو (معجزہ سے) اونٹنی عطا کی جو ہماری قدرت کو دکھانے والی تھی۔ ان لوگوں نے اس پر ظلم کیا (مار ڈالا) ہم تو معجزات صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔ (اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارے پروردگار نے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھا ہے (کہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے) اور ہم نے جو خواب تمہیں دکھایا تھا تو ہم نے اُسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا تھا اور اس طرح وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (باعثِ آزمائش ہے) ہم نے باوجودیکہ لوگوں کو طرح طرح سے ڈرایا مگر ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی گئی۔

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ ہر بستی کے باشندے قیامت سے پہلے ایک نہ ایک دن یا تو طبعی موت سے مر جائیں گے یا پھر عذابِ خدا سے ہلاک ہوں گے۔ یہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا جا چکا ہے اُسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ معجزات کا سلسلہ ہم نے اس لیے بند کر دیا کہ لوگ انبیاء کو جھٹلاتے تھے اور کوئی فائدہ ان سے حاصل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بہت سے انبیاء کو ہم نے بغیر معجزہ ہی کے ہدایت کا حکم دیا۔

ہم نے صالح کی قوم کی خواہش پہ پہاڑ سے اونٹنی نکالی جو ہماری قدرت کی ایک روشن نشانی تھی لیکن ان ظالموں نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور اُسے مار ہی ڈالا۔ ہم آیات کو ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں مگر اس پر بھی لوگ نہیں ڈرتے۔

جس خواب کا ذکر ہے یہ وہ خواب ہے جو حضرت رسولؐ خدا نے دیکھا تھا کہ بنی امیہ حضرت کے منبر پہ بندروں کی طرح اُچک رہے تھے۔ اس خواب کے دیکھتے ہی حضرت رسولؐ خدا رنجیدہ ہوئے کہ پھر عمر بھر نہ ہنسے اور جس درخت پر لعنت کی گئی ہے اس سے مراد مروان بن حکم اور اس کی اولاد ہے جو حضرت عثمانؓ کا وزیر تھا اور جس کو حضرت رسولؐ خدا نے اس کی شرارت کی وجہ سے مدینہ سے نکلوا دیا تھا اور اس کو لوگ طرید رسول کہا کرتے تھے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ مصر)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿٦١﴾ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِى كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْأَمْوَٰلِ وَالْأَوْلَٰدِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ انہوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا اُس نے کہا کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تُو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور (شوخی سے) بولا بھلا دیکھو تو سہی یہی وہ شخص ہے جس کو تُو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تُو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں (دعویٰ سے کہتا ہوں) تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی نسل کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا چل دُور ہو ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (یاد رہے) سب کی سزا جہنّم ہو گی۔ وہ بھی پوری پوری سزا ان میں سے جن پر (چکنی چپڑی) باتوں سے قابو پا سکے بہکا اور اپنے چیلوں کے (لشکر) سوار اور پیادے سب سے چڑھائی کر اور مال و اولاد میں ان سے شرکت کر لے اور خوب وعدے کر (یہ سب بیکار ہو گا) اور شیطان تو ان سے جو وعدے بھی کرتا ہے دھوکہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چل سکتا اور کارسازی کے لیے تیرا پروردگار کافی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا بھی ایک لشکر ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ جب کسی شخص کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک بچہ شیطان کے بھی پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ شیطان نے جو فوج بنائی ہے وہ بنی آدم ہی سے بنائی ہے وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کے ذریعے سے دوسروں کو بہکاتا ہے۔ یعنی آدمی کا شیطان آدمی ہی بن جاتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

مال و اولاد میں شرکت کا یہ مطلب ہے کہ جو اولاد زنا سے پیدا ہوتی ہے چونکہ وہ شیطانی کام ہے لہٰذا وہ اُسی کی اولاد ہوئی اور مال میں شرکت کا یہ مطلب ہے کہ حرام مال انسان شیطانی وسوسہ سے حاصل کرتا ہے۔ جو لوگ

شیطانی وسوسہ کا شکار نہیں ہوتے وہی خدا کے خالص بندے ہیں۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ
تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ
الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ
عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ
یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ
فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

تمہارا پروردگار وہ ہے جو سمندروں میں جہازوں کو چلاتا ہے تاکہ تم اپنی معاش تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ جب تمہیں سمندر کے سفر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں لیکن جب خدا نے تمہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیا تو تم اس سے منہ موڑ بیٹھے اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے تو کیا اس کا اطمینان ہو گیا کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لے جا کر (قارون کی طرح) زمین میں نہ دھنسا دے گا یا تم پر (قوم لوط کی طرح) پتھروں کا مینہ نہ برسا دے گا اس وقت تم کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ گے یا تمہیں اس طرف سے اطمینان ہو گیا ہے کہ تم کو دوبارہ اسی سمندر میں لے جائے اور ہوا کا ایسا جھونکا لے آئے کہ (جہاز کے پرخچے اُڑ جائیں اور پھر تمہیں (کفر کی سزا میں) ڈبو کر ہلاک کر دے اور تم کو کوئی ایسا حمایتی نہ ملے جو ہمارا پیچھا کر کے تمہیں ہمارے عذاب سے بچا لے۔

خدا اپنے احسانات کا ذکر کر رہا ہے۔ یہ خدا ہی کا تو فضل ہے کہ تم تلاطم خیز سمندروں میں جہازوں کو لیے پھرتے ہو اور ملکوں ملکوں سے تجارت کر کے اپنی روزی بہم پہنچاتے ہو۔ اگر جہاز طوفان میں آ جائے تو اس وقت خدا کے سوا تمہیں کون بچاتا ہے جن جھوٹے معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو جب انہیں مدد کے لیے پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں وہ تو سب غائب ہو جاتے ہیں خدا ہی طوفان سے بچا کر لاتا ہے۔ خشکی میں بھی اگر چاہتا تو زمین میں دھنسا دیتا یا پتھر برسا کر ہلاک کر دیتا۔ غرض کہ ہر طرح تمہاری زندگی اور موت پر اُسے اختیار ہے تم اس خدا کو چھوڑ کر ایسوں کو خدا مانتے ہو جنہیں کوئی قوت حاصل نہیں۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾ ع یَوْمَ نَدْعُوْا
كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ
یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾

ہم نے اولادِ آدم کو عزّت دی اور خشکی اور تری میں (حیوانوں اور کشتیوں کے ذریعے) ہم ان کو لیے پھرے اور ہم نے ان کو پاک چیزوں کا رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی کثیر مخلوق پر ترجیح دی۔ اُس دن کو یاد کرو جب ہم ہر گروہ کو اُس کے امام کے ساتھ بُلائیں گے پس جس کے داہنے ہاتھ میں اُس کی کتاب دی جائے گی وہ (خوشی سے) اپنی کتاب پڑھیں گے اور اُن پر ذرا سا ظلم بھی نہ کیا جائے گا۔

انسان پر یہ اللہ تعالےٰ کا لطف و کرم ہے کہ اپنی تمام مخلوقات پر اس کو اشرفیت عطا کی اور ان پر اس کو قابو عطا فرمایا۔ وہ خشکی میں جانوروں کی پشت پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتا ہے اور تری میں کشتیوں اور جہازوں پر جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ پھر گندی چیزوں کے رزق سے اس کو بچایا۔ پاک صاف رزق اس کو عطا کیا اور اپنی کثیر مخلوق پر اس کو فضیلت دی۔ ہر مخلوق اس کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد دیکھنا ہے کہ وہ کیا کرتا ہے قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بُلایا جائے گا۔ جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ان کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ خوش ہو کر اس کو پڑھیں گے

ہر گروہ کو امام کے ساتھ اس لیے بُلایا جائے گا کہ وہ لوگوں کے اعمال کی گواہی دے۔ امام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک امام ہدایت کرنے والا ہوگا دوسرا گمراہ کرنے والا۔ جو گمراہ کرنے والا ہوگا اُسے بھی اُس کے پیروؤں کے ساتھ سزا دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جو ان کو ہدایت کرے ہر انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنی فضیلت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے۔ بد اعمال انسان کی فضیلت خدا کی کوئی مخلوق تسلیم نہیں کرے گی۔ جو شخص خدا کو چھوڑ کر پتھروں، درختوں اور حیوانوں کو اپنا معبود بناتا ہے اور ان کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کرتا ہے وہ کیوں اس کی فضیلت کو تسلیم کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر ہوں یا درخت یا حیوان، گنہگار انسانوں کی بات کا نہ جواب دیتے ہیں نہ ان کا حکم بجا لاتے ہیں لیکن جو معصوم ہستیاں ہوتی ہیں ان کے مطیع و فرمانبردار بن جاتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾
وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا
غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ
تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ
الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

جو شخص اس دُنیا میں (جان بُوجھ کر) اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور نجات کے راستہ سے بھٹکا ہوا۔ اے رسول لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کمی نہیں کی کہ جو قرآن ہم نے تمہارے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے اس سے بہکائیں تاکہ تم قرآن کے علاوہ دُوسری باتوں کا افترا باندھو اگر تم یہ کر گزرتے تب لوگ تمہیں اپنا سچا دوست بنا لیتے اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو تم بھی ضرور ذرا جھکنے لگتے اور اگر تم ایسا کرتے تو ہم اس وقت تم کو زندگی میں بھی اور مرنے پر بھی دوہرے دوہرے عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس دُنیا میں سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا اور اپنے ہادی و رہنما کو نہیں پہچانتا باوجود آنکھیں ہونے کے اندھا بنا ہوا ہے تو آخرت میں بھی اندھا ہی بنا رہے گا۔

مشرکین مکہ کی بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حضورؐ اپنی تبلیغ سے رُک جائیں اس بارہ میں جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب کیا۔ شاعر کہا۔ مجنون کہا۔ طرح طرح ستایا بھی۔ بڑے بڑے لالچ بھی دئیے۔ فریب سے بھی کام لیا لیکن جب کسی طرح مطلب برآری نہ ہوئی تو آخر میں مصالحت پر اُتر آئے یعنی آنحضرتؐ اُن کے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں۔ اس کے عوض وہ ان کو اپنا سردار تسلیم کر لیں گے۔ ان کے سامنے دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔ مگر آنحضرتؐ ان کی کسی بھی پیش کش پر راضی نہ ہوئے۔

سورۂ النجم کی شرح کے سلسلہ میں بعض مفسرین نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ جب مشرکین نے آنحضرتؐ کی خوشامد درآمد کی تو آپؐ اخلاقاً کچھ نرم پڑ گئے۔ چنانچہ جب سورۂ النجم نازل ہوئی اور آپؐ مشرکین کو سُنانے لگے تو جب اس آیت پر پہنچے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔ "۵۳/۱۹، ۲۰" (بھلا تم نے لات و عزّیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا) تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دئیے تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْاُوْلٰى اِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ سَتُرْتَجٰى (یہ بڑی گرانقدر ہستیاں ہیں ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے) یہ سنتے ہی مشرکین خوشی سے اچھل پڑے اور کہنے لگے بس اب بات بن گئی۔ (استغفر اللہ) "ایسے مفسر کی تفسیر ضبط کر کے جلا دینی چاہیئے" (کاتب)

بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آنحضرتؐ نے خانۂ کعبہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ جا کر بُت شکنی شروع کی تو مشرکین بلجاجت کہتے تھے صرف ایک بُت کو جو کوہِ مروہ پر ہے چھوڑ دیجئے۔ حضرتؐ اس پر راضی ہو گئے لیکن بعد میں آپ نے اس کے بھی ٹکڑے کرا دئیے۔

بھلا غور کیجئے ایک نبی اور وہ بھی خاتم الانبیاءؐ جس کا مشن ہی بتوں کو تہس نہس کرنا تھا اس طرف کیسے مائل ہو سکتا تھا۔ مذکورہ بالا آیت میں جو کچھ تاکیداً کہا گیا ہے وہ فرضی طور پر رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ بعض مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ اوروں کا کیا ذکر اگر ہمارا نبی بھی بُت پرستی کی طرف ذرا سا رجحان ظاہر کرے اور بُت پرستوں سے میل جول کی طرف مائل ہو تو ہم اس پر بھی دُونا عذاب نازل کر دیں گے لہٰذا تم کو بُت پرستوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر ان کی دوستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیئے اور بتوں کی مذمت سے نہ رُکنا چاہیئے۔ اپنے دین پر مضبوط ارادہ کے ساتھ ثابت قدم رہو اور ذرا سا بھی ان کی طرف مائل نہ ہو۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ
رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸

یہ لوگ تمہیں سرزمین (مکہ) سے دل برداشتہ کرنے لگے تاکہ وہاں سے (شام کی طرف) نکال باہر کریں لیکن اگر ایسا کرتے تو تمہارے جانے کے بعد یہ لوگ چند روز کے سوا یہاں ٹھہر ہی نہ پاتے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ان سے ہمارا یہی طریقہ رہا اور ہمارے طریقہ میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

شانِ نزول یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا تمام انبیاء ملک شام میں قیام پذیر رہے۔ ان کے خلاف آپؐ نے اپنا مسکن مکہ کو بنایا یہ سنّتِ انبیاءؑ کے خلاف ہے لہٰذا اگر آپؐ یہاں سے منتقل ہو کر شام چلے جائیں تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرتؐ کی طبیعت کا میلان کچھ اس طرف ہوا مگر خدا نے منع کر دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ آپؐ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کے ساتھ بھی ہمارا یہی دستور رہا کہ لوگوں نے جس سرزمین سے ان کو نکالا وہ خود بھی چند روز سے زیادہ وہاں نہ رہ سکے اور ذلت کے ساتھ نکال دیئے گئے۔ پس خدا کے اس دستور کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

یہودیوں کا یہ ایک فریب تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں چونکہ آنحضرتؐ کی جماعت زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا کسی صورت سے اُسے توڑا جائے۔ جب حضرتؐ یہاں سے چلے جائیں تو تھوڑے سے مسلمان آپؐ کے ساتھ جا سکیں گے باقی جو رہ جائیں گے ان کو ہم آزار پہنچا کر یا لالچ دے کر اپنے میں شامل کر لیں گے۔

مشرکینِ مکہ نے اسی خیال سے آنحضرتؐ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا کہ غیر وطن میں جا کر انہیں کامیابی نہ ہو گی اور اہلِ مکہ ان کے زیرِ اثر آنے سے بچ جائیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد ہی ان پر مصیبت نازل ہو گئی۔ فتحِ مکہ کے بعد وہ آنحضرتؐ کے قدموں پر سر رکھے ہوئے جان کی امان چاہ رہے تھے اور بہت سے لوگ ترکِ وطن کر کے نکل بھاگے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

نماز پڑھو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء) اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح پر (دن رات دونوں کے فرشتوں کی) گواہی ہو گی اور رات کے خاص حصہ میں نماز تہجد پڑھا کرو یہ سنّت تمہاری (خاص) فضیلت ہے قریب ہے کہ (قیامت کے دن) خدا تم کو مقامِ محمود تک پہنچائے اور یہ دُعا مانگا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں پہنچا اچھی طرح پہنچا اور مجھے جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایک صاحبِ قوت مددگار عطا فرما جس سے ہر قسم کی مدد پہنچے اے رسول کہہ دو کہ (دین) حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ باطل مٹنے والا ہی تھا۔ ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے مگر (خدا) نافرمانوں کے لیے تو گھاٹے کے سوا کچھ بڑھاتا ہی نہیں۔

صبح کی نماز پڑھنا چونکہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے دشوار ہوتا ہے اس لیے اس کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے نمازِ تہجد میں رسولؐ کے لیے خاص فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی نمازِ تہجد کبھی قضا نہ ہوتی تھی۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ جب حضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے چلے تو دُعا کرنے کے لیے خدا کا حکم پہنچا۔ آپؐ نے دُعا کی جسے خدا نے قبول فرمایا۔ اور یوں سچ کر دکھایا کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ خانۂ کعبہ میں تشریف لائے اور اُسے بتوں سے پاک کیا۔ اس واقعہ کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری سے یوں بیان کیا ہے کہ جب ہم مکہ میں رسولؐ اللہ کے ساتھ داخل ہوئے تو خانۂ کعبہ میں آئے وہاں تین سو ساٹھ بُت خانہ کعبہ کے گرد عرب کے مختلف قبیلوں کے پُوجنے کے واسطے نصب تھے حضرت رسولِ خدا نے ان کے گرانے کا حکم دیا چنانچہ وہ سب بُت گرا دیئے گئے۔ آخر ایک بہت بڑا بُت جس کا نام ہُبَل تھا اور اوپر نصب تھا باقی رہ گیا جب اس کو آپؐ نے دیکھا تو حضرت علیؑ سے فرمایا تم میرے شانوں پر چڑھو یا میں تمہارے شانوں پر چڑھوں اور اس کو گرا دیں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی، آپؐ میرے شانوں پر سوار ہوں۔ غرض حضرت رسولِ خدا ان کے شانوں پر چڑھے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے اس وقت نبوت کا بار بہت گراں گزرا مجھ سے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اپنے کو حرکت دے سکوں۔ تب آپؐ اُتر گئے اور مجھے اپنے شانوں پر سوار کیا۔ غرض جب میں سوار ہوا تو خدا کی قسم میں نے اپنے کو

اس قدر بلند پایا کہ اگر چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ سچ ہے ؎

علیؑ بر دوشِ احمدؐ چشم بد دُور　　　عیاں شُد معنی نُورٌ علیٰ نُور

آپؐ نے ہُبل کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا تب حضرت رسولؐ نے فرمایا جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب)

صاحب روضۃ الاحباب نے لکھا ہے جب حضرت علی شانۂ رسولؐ پر سوار ہوئے تو حضرت رسولؐ نے فرمایا:

(مرحبا تم پر کہ کارِ حق کر رہے ہو اور مرحبا مجھ پر کہ بارِ حق اٹھا رہا ہوں)

اس قول کے مطابق حضرت علیؑ مجسّم حق تھے۔

....وَاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا[۸۰] سے یہ مراد ہے کہ میرے لیے اپنی طرف سے ایک صاحبِ قوت کو مددگار قرار دے۔ چنانچہ حضرتؐ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپؐ کو علیؑ جیسا مددگار عطا فرمایا۔ امرِ تبلیغ میں صرف زبانی ہدایت سے کام نہیں چلتا بلکہ قوت سے بھی باطل کا زور توڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب تک حضورؐ مکہ میں رہے باطل پرستوں کو ہدایت فرماتے رہے لیکن جب ہدایت کسی طرح مؤثر نہ ہوئی تو پھر قوت سے اُن کا زور توڑنے کی ضرورت ہوئی اس لیے آپؐ نے یہ دُعا کی تھی۔

قرآن کریم مؤمنوں کے لیے شفائے امراض صدور ہے جو لوگ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کے قلوب امراضِ نفسانی سے پاک ہو جاتے ہیں اور جو خدا کے نافرمان بندے اس کو نہیں مانتے ان کے لیے آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جسمانی امراض میں بھی قرآن کی تلاوت شفا بخش ہوتی ہے بشرطیکہ پڑھنے والا صاحبِ ایمان ہو اور قدرتِ خدا پر پورا پورا یقین رکھتا ہو۔

وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ
يَـــُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ
اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿۸۴﴾ع وَيَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ ع ۹ ۹
رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾ وَلَـئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ
بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ﴿۸۶﴾ۙ اِلَّا رَحۡمَةً

مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ﴿۸۷﴾

جب ہم نے انسان کو کوئی نعمت عطا فرمائی (تو بجائے شکریہ کے) اُلٹا ہم سے منہ پھیرا اور پہلو تہی کرنے لگا اور جب اُسے کوئی تکلیف چھُو بھی گئی تو مایوس بن بیٹھا (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پر کارگزاری کرتا ہے پھر تم میں سے جو شخص صحیح راستہ پر ہے تمہارا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔ اے رسول تم سے لوگ رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں، تم ان سے کہو کہ رُوح بھی میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور اس کے متعلق تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے (اس کی حقیقت کا علم تم کو بہت کم دیا گیا ہے) اے رسول اگر ہم چاہیں تو جو قرآن ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اُسے اُٹھا لے جائیں۔ پھر تم اپنے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ مگر یہ صرف تمہارے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہ کیا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے۔

پہلی آیت میں انسان کی ایک عادت کو بیان کیا گیا ہے یعنی جب اُسے کوئی آرام کی صورت نظر آتی ہے تو اللہ کو یاد ہی نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب میری کوششوں کا نتیجہ ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو کر اور منہ بنا کر رہ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سب مصیبتیں خدا نے ڈالی ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھگتتا ہے جو صحیح راستہ پر چلتا ہے خدا اس سے واقف ہے۔

کسی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ رُوح کیا ہے؟ چونکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا انسان کی طاقت سے باہر تھا لہٰذا ایک مجمل جواب دے دیا گیا کہ یہ حکمِ خدا ہے جس کے متعلق تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

رُوح کو خدا نے عالمِ امر سے بیان فرمایا ہے۔ عالم دو ہیں۔ ایک عالمِ خلق دوسرا عالمِ امر۔ عالمِ خلق سے وہ عالم مراد ہے جس میں ہر شے اسباب و وسائل کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، جیسے دنیا کی ہر شے اپنی خلقت میں محتاجِ وسائل ہے۔ دوسرا عالمِ امر ہے جس میں اسباب و وسائل سے تعلق نہیں ہوتا۔ بس خدا کہتا ہے ہو جا تو وہ شے ہو جاتی ہے۔ جیسے آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو بے باپ کے۔ روح بھی عالمِ امر ہی سے ہے چونکہ اسباب و وسائل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں لہٰذا اس کی حقیقت کا سمجھنا انسان کے لیے ناممکن ہے۔ صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے یعنی اس کے عمل کا جو بدن پر ہوتا ہے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ روح کوئی چیز ہے وہ نہ دیکھنے میں آتی ہے نہ مس کی جا سکتی ہے نہ اس کی کوئی جگہ بتائی جا سکتی ہے۔ جب روح کا دیکھنا یا چھونا کسی وقت ممکن نہیں تو خالقِ روح کے دیکھنے کی امید عبث ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ رُوح سے مُراد جان نہیں بلکہ وحی یا وحی کا لانے والا ہے کیونکہ مشرکین کا سوال رسولؐ سے یہ تھا کہ قرآن تم کہاں سے لاتے ہو۔ پس خدا نے فرمایا، اے محمدؐ لوگ تم سے قرآن یا ذریعہ حصولِ قرآن کے متعلق سوال کرتے ہیں لہٰذا تم کہدو کہ رُوح یعنی وحی میرے ربّ کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں کو اتنا کم علم ہے کہ تم انسانی ساخت کے کلام اور وحیٔ ربانی سے نازل ہونے والے کلام کا فرق نہیں سمجھ سکتے۔ آگے کی آیت اس کا ثبوت ہے کہ رُوح سے مراد وحی ہے اگر جان مراد لی جائے تو کلام بے ربط ہو جائے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مُراد رُوحِ نبوّت ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انبیاءؑ کے اندر رُوحِ نبوّت کیا کام کرتی ہے۔ عام انسانوں میں جو رُوح ہے اُس کو رُوحِ نبوّت سے علیٰحدہ رکھا گیا ہے۔

بعض نے لکھا ہے رُوح وُہ قوّت ہے جو نظامِ بدن کو قائم رکھتی ہے۔ چونکہ وہ ایک قوّت ہے لہٰذا اس کی حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ بدن پر اس طرح چھائی ہوئی ہے جیسے پھُول پر خوشبُو جو نہ دیکھنے میں آتی ہے نہ مَس کی جا سکتی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اے رسول تم (منکرانِ قرآن سے) کہدو کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن جیسی کتاب بنا کر لاسکیں تو اس کی مثل لانا ان سے ہرگز ممکن نہ ہوگا چاہے ایک دوسرے کے مددگار بن کر ہی ایسا کرنا چاہیں ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں اَدَل بدَل کر لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کر دی ہیں اس پر بھی لوگ بغیر ناشکری کے نہیں رہتے۔

اس سے پہلے سورتوں میں مطالبہ کیا گیا دس سورتوں کا پھر ایک سورہ کا اور اب پورے قرآن کا مطالبہ ہے یہ بے ترتیب بات قرار پاتی ہے۔ پورے قرآن کا مطالبہ سب سے پہلے ہونا چاہیئے۔ پھر لوگوں کی عاجزی پر نظر رکھ کر دس کا ہوتا پھر ایک سورہ کا ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ جامع قرآن نے اس کا خیال نہیں رکھا اور کہیں کی آیات کو کہیں رکھ دیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع
ع ۱۰ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

(اے رسول تم سے کفارِ مکّہ نے) کہا جب تک تم زمین سے ایک چشمہ بہتا ہُوا نہ نکالو گے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے (اگر یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھا دو یا ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے رہنے کے لیے کوئی طلائی محل سرائے ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر خدا کے یہاں کی کتاب نازل نہ کراؤ گے کہ ہم اُسے خود بھی پڑھ لیں اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے کے قایل نہ ہوں گے۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو، سبحان اللہ میں ایک آدمی رسول کے سوا اور کیا ہوں۔ ہدایت آنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے کسی اور چیز نے سوائے اس کے نہیں روکا کہ وہ کہنے لگے کیا خدا نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آنحضرتؐ سے کفار و مشرکین نے جو بار بار معجزات طلب کیے ان کا سیدھا سادا جواب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو یہ بتایا کہ تم ان سے کہو میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں خدا ہوں اور دُنیا کی ساری چیزیں میرے اختیار میں ہیں۔ میں تو خدا کا ایک رسول ہوں اس کا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ یا تو اس پر ایمان لاؤ یا اس پیغام میں غلطی ہو تو اُسے ثابت کرو، یہ احمقانہ کج بحثی چھوڑو۔ اگر ایک بشر خدا کا رسول بن کر آیا ہے تو بتاؤ اس کو رسول نہ ماننے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ کیا تمہاری طرح اس کا جینا پھرنا، کھانا پینا، صاحبِ عیال ہونا پیغام رسانی میں کوئی سقم پیدا کرتا ہے۔ کیا مجھ سے پہلے جو پیغمبر آتے تھے وہ یہ سب باتیں نہیں کرتے تھے۔ تمہاری ہدایت کے لیے تم ہی جیسا آدمی آنا چاہیئے تاکہ تم اس سے مانوس ہو سکو اور اس کی بات کان دھر کر سنو اگر کوئی جن یا فرشتہ آتا تو کیا تم اس سے مانوس ہو جاتے۔ تم اس سے بھی یہی کہتے کہ اس کا ثبوت پیش کرو کہ تم خدا کے رسول ہو، چونکہ تم ہماری جنس کے نہیں لہٰذا ہماری ضرورتوں کو تم سمجھ ہی نہیں سکتے، لہٰذا واپس جاؤ۔

اگر کوئی رسول امت کے کہنے پر معجزات دکھاتا رہے تو وہ اسی کا ہو جائے۔ ایک کہے یوں کر کے دکھاؤ، دوسرا کہے یوں دکھاؤ، تیسرا کہے یوں دکھاؤ اور دیکھنے کے بعد ایمان نہ لائیں بلکہ یہ کہہ دیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ
مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ
كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اے رسول کہہ دو اگر رُوئے زمین پر فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کے لیے آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اے رسول کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے، بیشک وہ اپنے بندوں کے حالات سے خبردار اور دیکھنے والا ہے اور جس کو اللہ ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو خدا کے سوا کسی کو اس کا ولی نہ پاؤ گے۔ روزِ قیامت ہم ان لوگوں کو منہ کے بل اندھا، گونگا اور بہرا اُٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جب اس کی آگ بجھنے لگے گی تو ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ اس کا بدلہ ہوگا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور چُورا چُورا بن جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے اُٹھائے جائیں گے۔

مشرکوں کا یہ کہنا کیونکر قابلِ پذیرائی ہو سکتا ہے کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے فرشتہ کیوں نہ بھیجا۔ خدا نے جواب دیا کہ اگر رُوئے زمین پر فرشتے بسے ہوئے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لیے بھی کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تاکہ ہدایت کا حق ادا ہو سے

دل پر کرتا ہے اثر ہم جنس کا کہنا ضرور　　ہم بھی مانیں گے نصیحت پر کوئی ہم سا بنے

آدمی کی عادتوں اور خصلتوں کو آدمی ہی سمجھ سکتا ہے۔ ان کے جذبات و احساسات سے انسان ہی واقف ہو سکتا ہے۔ ان کے معاشرے اور ان کے ماحول کی پیچیدگیوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان ہی جیسا ہو۔ فرشتہ بیچارہ انسانی زندگی کے اُوٹ پھیر کو کیا جانے وہ تو صرف اتنا ہی کر سکتا ہے کہ جو پیغام اس کو دیا گیا ہے وہ خدا کے بندوں تک پہنچا دے وہ خود عملی صورتوں میں ان باتوں کو پیش نہیں کر سکتا جن سے ان کی ہدایت کا تعلق ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہادی کا ہم جنس ہونا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ حضرت رسولِ خداؐ کو قومِ جن کا ہادی بنایا گیا۔ جبکہ جن کی نوع انسان کی نوع سے مختلف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جنات حضورؐ کی اُمت میں داخل نہیں ہیں۔ فروعِ دینِ اسلام کے بجا لانے پر جنات مکلّف نہیں تھے۔ حضرت رسولِ خداؐ کی ہدایت ان سے اگر متعلق تھی تو خدا کی توحید اور اپنی نبوت سے تھی نہ کہ احکامِ شریعت سے۔ اگر قومِ جن کا ایک گروہ قرآن کے کلامِ خدا ہونے پر ایمان لے آیا اور بعض جنات نے اظہارِ طاعت و محبت کیا تو اس سے حضرت کی اُمت میں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حضورؐ کی رسالت کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف انسانوں ہی سے ہے۔ جنات کا تابع ہونا جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے اور بات ہے اور داخلِ اُمت ہونا اور بات ہے۔

چونکہ جنات ارضی ساکنوں میں سے ہیں لہٰذا قدرت نے انسان کے ساتھ شامل کر کے ان کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ

وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا" الرحمٰن ۳۳؍۵۵" (اے جنّ وانس اگر تم میں قدرت ہے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل کر (موت کے عذاب سے) بھاگ سکو تو نکل جاؤ (نہیں نکل سکتے) یا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ "سورہ رحمٰن ۵۵" میں دونوں کو شریک کر لیا ہے۔ کیونکہ نعماتِ الٰہی سے دونوں ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بہر حال رسولؐ کی تسخیر میں ہونے سے رسولؐ کی اُمّت میں ہونا لازم نہیں آتا۔ چونکہ جنّات ہماری طرح مکلّف نہیں لہٰذا حضورؐ صرف نوعِ انسانی ہی کے لیے مبعوث برسالت ہوئے تھے۔

مشرکین کے محشور ہونے کے بارہ میں فرماتا ہے کہ ان کو اندھا گونگا یا بہرا محشور کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے زندگانیٔ دُنیا میں اُن احکام سے انکار کیا تھا جو رسولؐ کی معرفت ان تک بھیجے گئے تھے اور نہ آنکھوں سے آثارِ قدرت کو دیکھ کر نہ رسولؐ کی باتیں سُن کر ایمان لائے تھے اور نہ حق بات کہنے کے لیے زبانیں کھولی تھیں لہٰذا قیامت میں یہ قوتیں ان سے چھین لی جائیں گی کیونکہ دُنیا میں انہوں نے ان کو بیکار بنا کر رکھا تھا۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ
مِثۡلَهُمۡ وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾
قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَةَ
الۡاِنۡفَاقِ ؕ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱

کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کی مثل اور پیدا کر دے اور اس نے ان کی موت کی میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اس پر یہ ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے۔ اے رسول تم ان سے کہو اگر تم میرے رب کی رحمت کے تمام خزانوں کے مالک بھی ہو جاتے تب بھی مفلسی کے خوف سے ان کو بند رکھتے اور انسان تو ہے ہی سنگدل۔

کفارِ مکّہ سے کہا جا رہا ہے کہ باوجود خدا کی بیشمار نشانیاں دیکھنے کے پھر بھی تم ایسے تنگدل واقع ہوئے ہو کہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ تمہاری تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے خزانے تمہارے قبضہ میں دے دیئے جائیں تب بھی تم افلاس کے خوف سے خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہو گے۔ اگر تم میں کشادہ دلی ہوتی تو کوئی

وجہ نہ تھی کہ خدا کے معبود ہونے سے انکار کرتے۔ تمہارے تنگ دلوں میں اس کی خدائی کو تسلیم کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ کفارِ مکّہ میں بہت سے لوگ مالدار بھی تھے مگر ایسے بخیل کہ کسی کو دینا جانتے ہی نہ تھے۔ غرض ان میں دونوں طرح کی تنگدلی پائی جاتی تھی۔ نہ مال خرچ کرنا چاہتے تھے نہ نبوت پر ایمان لانا۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ
فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدۡ
عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ
اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ
الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ
اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا
بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾

ہم نے موسیٰ کو نو ۹ معجزے دیئے تھے جو صریحی دکھائی دے رہے تھے تو (اے رسول) تم بنی اسرائیل سے پوچھو کہ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تھے تو فرعون نے یہی کہا تھا کہ اے موسیٰ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ کسی نے تم پر جادو کر کے دیوانہ بنا دیا ہے۔ موسیٰ نے کہا تم یہ ضرور جانتے ہو کہ معجزے سارے آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے نازل کیے ہیں۔ (اور وہ بھی لوگوں کے لیے) سوجھ بوجھ کی باتیں ہیں۔ اے فرعون میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ تیری شامت آئی ہے۔ فرعون نے یہ ٹھان لیا تھا کہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال باہر کرے ہم نے اُسے اور جو اُس کے ساتھی تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا، اب تم اس مُلک میں آرام سے رہو۔ جب آخرت کا

کا وعدہ آپہنچے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

جو نو معجزے حضرت موسیٰؑ کو دیئے گئے وہ یہ تھے۔ عصا[1]، ید بیضا[2]، قحط[3]، طوفان[4]، ٹڈیوں کا عذاب[5]، جوں کا عذاب[6]، مینڈک کا عذاب[7]، پانی کے خون بن جانے کا عذاب[8]، میووں کی کمی[9]۔ (اس کا مفصل ذکر سورۂ اعراف میں آچکا ہے)۔

مشرکین مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ جس طرح فرعون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم دیوانے ہو گئے ہو کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے اسی طرح اب تم ہمارے اس رسولؐ کے متعلق لوگوں سے کہہ رہے ہو، اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا " بنی اسرائیل ۱/۴۷ " (تم تو ایک دیوانے کے پیچھے چلے جا رہے ہو)۔ پس سمجھ لو جو فرعون کا حشر ہوا تھا وہی تمہارا ہونے والا ہے۔

فرعون کا حضرت موسیٰؑ سے یہ کہنا کہ تم پر جادو کا اثر ہے اور کفارِ مکہ کا آنحضرتؐ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مسحور ہیں یعنی جادو کا ان پر اثر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر جادو کا اثر ہو جاتا ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلا ظاہری بدن پر اثر دوسرے قوائے عقلیہ پر اثر۔ ظاہراً اثر تو ہو سکتا ہے جیسے فرعون کے ساحروں نے جب جادو دکھایا تو فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۔ " طٰہٰ ۶۷/۲۰ " (موسیٰ اپنے دل میں خوفزدہ ہوئے۔) چونکہ وہ جسم پر اثر کرنے والی ایک چیز تھی لہٰذا اس کا اثر ہوا۔ لیکن قوائے عقلیہ پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے متعلق کفارِ مکہ جو غلط بیانی کر رہے تھے اس کی بھی یہی صورت تھی۔ حضورؐ سے کبھی کوئی بات ایسی سرزد نہیں ہوئی جو خلافِ عقل و فہم ہو یا منافی ہدایت ہو۔ برخلاف اس کے جن پر جادو کا اثر ہوتا ہے ان کی عقل ماری جاتی ہے اور ان کی ظاہری قوتیں بھی اپنا کام انجام دینے سے باز رہتی ہیں۔ انبیاءؑ کے لیے ایسا بھی نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ پر ایک وقتی کیفیت تھی جو تھوڑی دیر بعد زائل ہو گئی۔ مسحور انسان کے لیے ایسا نہیں ہوتا، بلکہ جب تک جادو کا اثر نہ ہو وہ اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو کھوئے ہوئے رہتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فرعون کا اور کفارِ مکہ کا کہنا از راہِ عداوت تھا جس کا حقیقت سے تعلق نہ تھا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝١٠٥ وقف لازم

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝١٠٦

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝١٠٧ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝١٠٨ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝١٠٩ السجدة السجدۃ ۴

ہم نے قرآن کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے اور بالکل ٹھیک ہی ہے۔ ہم نے تم کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے حسبِ ضرورت (مہلت دے دے کر) پڑھتے رہو۔ اسی وجہ سے اُسے وقفہ وقفہ سے نازل کیا۔ تم ان سے کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (تمہیں اختیار ہے) بے شک اس سے قبل جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم عطا کیا گیا اُن کے سامنے جب پڑھا جاتا تو ٹھڈیوں سے (منہ کے بل) سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب ہر عیب سے پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہوتا ہے اور یہ لوگ سجدہ کے لیے منہ کے بل گرتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور یہ قرآن ان کی خاکساری کو بڑھاتا جاتا ہے۔

کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ بار بار یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ کتبِ آسمانی اور صحائف سماوی کے خلاف قرآن کے نزول کا یہ کیا ڈھنگ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہو رہا ہے ایک بار ہی کیوں نہ نازل ہو گیا۔ کیا خدا سوچ سوچ کر نازل کرتا ہے۔ اسی کا جواب دیا گیا یہ اس لیے ہے کہ لوگوں کو ایک ایک حصہ پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے رسولؐ سے پوچھتے رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مختلف اوقات میں لوگ مختلف باتوں کا جواب چاہا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو موقع موقع کے لحاظ سے جواب دیئے جاتے تھے۔
جو لوگ قرآن سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کا علم رکھتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اندازِ کلامِ الٰہی کو سمجھتے ہوئے قرآن کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور سجدہ میں جا کر زار زار روتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝١١٠

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى

الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝١١١ ع ۱۲

اے رسول لوگوں سے کہدو تم اُسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر (تمہیں اختیار ہے) جس نام میں پکارو اللہ کے تو سب نام اچھے ہی ہیں۔ (اے رسول) نہ تو اپنی نماز بہت چلا کر پڑھو نہ بالکل چپکے سے بلکہ ان کے درمیان ایک اوسط طریقہ اختیار کرلو اور کہو حمد ہے اُس خدا کے لیے جو نہ تو کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ اس میں کوئی کمزوری ہے کہ اُس کا کوئی سرپرست ہو۔ اے رسول تم اس کی بڑائی اچھی طرح کرتے رہو۔

یہ جواب ہے کفّار کے اس اعتراض کا جو کہتے تھے اللہ نام تو ہم نے سُنا ہے مگر یہ رحمٰن نام آپ نے کہاں سے نکال لیا۔ خدا کے سب نام اچھے ہیں جس نام کی چاہو تسبیح کرو۔ مگر یاد کرو دل سے یہ نہیں کہ زبان سے تو سب کچھ کہے جاؤ مگر دل اس کی طرف رجوع نہ ہو۔

---

(۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾
قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ
یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾
وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا
لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا
كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا

الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ
اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

سزاوار حمد ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ رکھی اور ہر طرح سے ٹھیک ہے تاکہ جو سخت عذاب خدا کی طرف سے کافروں پر نازل ہونے والا ہے اُس سے ڈرائے اور ان مؤمنوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں یہ بشارت دے کہ ان کے لیے (خدا کے یہاں) اچھا اجر ہے جس میں وُہ ہمیشہ (اطمینان سے) رہیں گے اور ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جائے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ نہ تو انہیں اس کی خبر ہے نہ ان کے باپ دادوں کو تھی۔ یہ بہت سخت کلمہ ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے۔ یہ لوگ جھوٹ کے سوا بولتے ہی نہیں۔ اے رسول اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان ہی دے ڈالو گے۔ جو کچھ رُوئے زمین پر ہے ہم نے اُسے زینت قرار دیا تاکہ ہم آزمائیں کہ ان میں از روئے عمل کون اچھا ہے اور پھر ہم ایک دن جو کچھ اس (زمین) پر ہے چٹیل میدان بنادیں گے۔

رسولؐ خدا چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس بارہ میں آپؐ سخت پریشان رہتے تھے۔ خدا حضرتؐ کو تسکین دیتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کے لیے کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہو جو ایمان لانے والے نہیں۔ یہ دُنیا کی چیزوں کی زینت پر مٹے ہوئے ہیں انہیں یہ خبر ہی نہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہم اس ساری زمین کو چٹیل میدان بنادیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾
اِذْ اَوَى الْفِتْیَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ
هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ
عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا

ع ١٢/١٣

اَمَدًا ﴿١٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿١٣﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔ جبکہ یکبارگی کچھ جوان غار میں آپہنچے اور دُعا کرنے لگے، اے ہمارے پروردگار اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں کامیابی عطا کر۔ تب ہم نے کئی برس تک ان کے کانوں پر پردے ڈال دئیے (انہیں سُلا دیا) پھر ہم نے انہیں چونکایا تاکہ ہم دیکھیں کہ دو گروہوں میں سے کس کو (غار میں) ٹھہرنے کی مدت خوب یاد ہے۔ اب ہم ان کا حال تم سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی سوچ سمجھ اور زیادہ کردی اور ان کے دلوں پر صبر سے استقلال کی گرہ لگادی (مضبوط دل بنادیا) جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے (بادشاہ کے کفر پر مجبور کرنے کی وجہ سے) اور کہنے لگے ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو اپنا معبود نہیں بنائیں گے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم نے عقل سے دُور بات کہی۔

یہ قصہ مکی سورہ کا ایک جزو ہے جو اُن بیکس و مجبور مسلمانوں کی تسلی و تشفی کے لیے بیان کیا گیا ہے، جنہیں مشرکینِ مکہ بے حد ستاتے تھے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی خدا پرست لوگوں پر بڑے بڑے ظلم ہو چکے ہیں لہٰذا جیسے انہوں نے صبر و استقلال سے مصائب کو جھیلا تم بھی جھیلو۔

اصحابِ کہف ان کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنی بستی سے نکل کر ایک غار میں روپوش ہوگئے تھے۔ کہف کے معنی چونکہ غار کے ہیں اس لیے اصحابِ کہف کہلاتے ہیں۔ دوسرے ان کو اصحابِ رقیم بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حالات ایک تختی پر لکھ کر غار کے دہانہ پر لگا دئیے گئے تھے۔

جس زمانہ میں یہ لوگ تھے وہ (دقیانوس) بادشاہِ روم کی سلطنت کا زمانہ تھا جو سنہ ٢٢٩ء سے سنہ ٢٥١ء تک بادشاہت کرتا رہا۔ یہ بُت پرست تھا۔ عیسائیوں پر اس نے بڑے ظلم کیے۔ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اس کا نام

مؤرخین نے "افسوس" لکھا ہے۔ بہت بڑا شہر تھا۔

دقیانوس لوگوں کو بُت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ جو بُت پرست نہ بنتا تھا اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس بستی کے چند لوگ جو خدا پرست تھے بُت پرستی پر راضی نہ ہو کر بستی سے نکل گئے۔ ان چھ کے نام یہ تھے، مسلمینا، سارنیولس، تملیخا، مرطوس، نیتونس، ڈلش۔ شہر کے ہر دروازہ پر دربان معین تھے کہ جو شہر سے باہر نکلے وہ پہلے بُتوں کو سجدہ کرے۔ یہ لوگ دربان کو کسی طرح دھوکا دے کر شہر سے باہر نکل گئے۔ کچھ دُور جا کر ایک چرواہے پر نظر پڑی ان لوگوں نے ہدایت کرکے اُسے اپنے ساتھ لینا چاہا مگر وہ راضی نہ ہُوا۔ یہ لوگ اُسے چھوڑ کر آگے بڑھے۔ چرواہے کا کتا جس کا نام قطمیر تھا ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے ہر چند بھگانا چاہا مگر اُس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جب یہ لوگ کچھ دُور نکل بھاگے تو دقیانوس بادشاہ کو ان کے جانے کی خبر لگی اور وجہ معلوم ہوئی کہ وہ لوگ بُت پرستی سے انکاری ہیں۔ بادشاہ نے چند سواروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ جب ان لوگوں نے سواروں کو دیکھا، تو پہاڑ کی ایک کھوہ میں جا چھپے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ ٣/١٧٣ اُن کا غار میں جانا تھا کہ خدا نے نیند کو ان پر غالب کر دیا اور سب کے سب سو گئے۔ کتا غار کے باہر آگے کے دونوں پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ جب دقیانوس غار کے پاس پہنچا تو اپنے وزیر سے جس کا نام داریوس تھا اور بباطن باایمان تھا، کہنے لگا تُو غار کے اندر جا اور ان کا حال معلوم کر۔ داریوس نے اندر جا کر ہر چند لوگوں کو پکارا مگر آواز نہ آئی۔ اس کو بھی چونکہ ان کی نجات مقصود تھی باہر جا کر کہنے لگا یہ لوگ سب کے سب تیرے خوف سے مر گئے۔ یہ سُن کر دقیانوس خوش ہوگیا اور حکم دیا غار کے دروازہ کو بند کردو۔ داریوس نے ایک تختی پر ان کے نام اور نسب اور بھاگنے کی وجہ لکھ کر یہ تختی غار کے دروازہ پر لٹکا دی۔

یہ لوگ غار میں ایسے سوئے کہ تین سو نو ٣٠٩ برس تک سوتے ہی رہے۔ اس اثنا میں دقیانوس مر گیا اور اس کے بعد کئی اور بادشاہ ہوئے اور بُت پرستی ختم ہو کر عیسائیت کا دَور شروع ہُوا۔ جب یہ لوگ اُٹھے تو دروازہ بند پایا۔ سب نے مل کر خدا سے دُعا کی تو دروازہ کھل گیا۔ اس کے بعد باہم مشورہ کیا کہ ایک شخص شہر میں جا کر کچھ کھانے کو لائے مگر اس طرح چھپ چھپا کر جائے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ وُہ اس خیال میں تھے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم سوئے ہیں۔ غرض تملیخا دس درہم لے کر شہر میں آئے۔ شہر کو دیکھا تو کچھ اور ہی تھا۔ وہ تعجب کرنے لگے الٰہٰ ایک دن میں اس شہر کا حال اس قدر متغیر ہوگیا۔ تملیخا جب بازار میں آئے تو نہ یہ کسی کو پہچانتے تھے نہ کوئی ان کو۔ جب نانبائی کی دکان پر پہنچے تو کھانے کے بدلے اُسے دقیانوسی درہم دئیے۔ نانبائی نے کہا تم نے خزانہ کہاں سے پایا؟ وہ بولے کہیں سے نہیں یہ سُن کر کچھ لوگ جمع ہو گئے اور ان کو قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے درہموں کا حال پوچھا انہوں نے کہا، میں اپنے باپ کے گھر سے فلاں روز لے گیا تھا۔ یہ سُن کر وہ متحیر ہُوا۔ آخر لوگ ان کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے چلے تو یہ رو کر کہنے لگے، مجھے دقیانوس کے پاس نہ لے جاؤ وُہ مجھے مار ڈالے گا۔ لوگوں نے پوچھا دقیانوس کون ہے؟ کہنے لگے، شہر کا بادشاہ۔ لوگوں نے کہا تُو دیوانہ ہُوا ہے اُس کو تو مدت ہوئی واصلِ جہنم

ہوُا، اب تو فلاں شخص بادشاہ ہے جو دیندار اور حضرت عیسٰیؑ کے دین کا پابند ہے۔ غرض ان کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنا پُورا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے علماء کو بُلایا اور تملیخا کے ساتھ غار کے پاس آیا تو تختی پر ان لوگوں کے نام دیکھے۔ تملیخا اندر گیا اور اپنے ساتھیوں سے اپنا حال بیان کیا، ان لوگوں نے یہ سُن کر سجدہ میں یہ دُعا کی، خداوندا پھر ہم پر نیند کو غالب کر۔ غرض وُہ لوگ پھر سو رہے۔ بادشاہ کچھ دیر بعد اندر گیا تو ان کو سوتا پایا۔ بادشاہ کے ساتھیوں نے ان کی تعداد میں اختلاف کیا۔ جس نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔ الغرض وہ سوئے تو پھر حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں چونکے اور پھر سو رہے۔ اب امام آخر الزمانؑ کے ظہُور فرمانے پر جاگیں گے اور حضرتؑ کا ساتھ دیں گے۔ (منقول از حاشیہ مترجم قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

~ ~ ~

اصحابِ کہف کے متعلق دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ تین سو نو برس تک سوتے رہے لیکن حشرات الارض میں سے کسی نے ان کے جسم کو کوئی اذیت نہ دی۔ حالانکہ وہ نہ کوئی نبی تھے نہ رسول۔ دوسرے اتنی طویل مدت تک بھُوک نے اُن پر کوئی اثر نہ کیا۔ حالانکہ خالی پیٹ میں نیند نہیں آتی۔ تیسرے اتنی مدتِ دراز تک سوتے رہنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اُس وقت سے اِس وقت تک کسی نے ان کے غار کے اندر جا کر ان کی حالت معلوم نہ کی۔ حسبِ صراحتِ قرآن وہ زندہ ہیں اور وُہ غار بھی موجود ہے، لوگ وہاں تک جاتے بھی ہیں لیکن کیا وجہ کہ کسی سلطنت میں کسی نے وہاں جانے کی کوشش نہیں کی۔ بڑی بڑی لمبی تاریک سرنگوں کے اندر لوگ چلے جاتے ہیں مگر اس غار میں کوئی نہیں جاتا اور ان کے حال کا سُراغ نہیں لگاتا۔ مسلمان یہ تو مانتے ہیں کہ تقریباً سترہ سو سال سے وہ زندہ ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ غار بھی موجود ہے۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان تک کوئی نہیں گیا لیکن جب حضرت قائم آلِ محمد علیہ السّلام کا ذکر آتا ہے تو نہ ان کی طولانی عمر مانتے ہیں اور نہ ان کا زندہ رہنا۔ کہتے ہیں دُنیا کے سیاحوں نے اس زمین کا چپہ چپہ دیکھ مارا اگر کسی خطۂ زمین پہ یا کسی جزیرہ میں ہوتے تو کبھی تو کسی کو نظر آتے۔

~ ~ ~

خدا کی شان دیکھو کہ چند اولیائے خدا کی اس عجیب و غریب زندگی میں ایک کتا بھی شریک ہے۔ معلوم ہوُا، کہ ایمانی قوت کا مظاہرہ جانور بھی کرتے ہیں۔ یہ کتا دروازہ کے پاس ڈٹا بیٹھا ہے۔ نہ تو بھونکتا ہے نہ روتا چلاتا ہے نہ غار کی تاریکی سے گھبراتا ہے، جانتا ہے کہ میرے ساتھ چند خاصانِ خدا ہیں مجھے کیسے تکلیف پہنچ سکتی ہے دوسرا جانور بلعم باعور کا گدھا ہے، وہ بھی اتنا صاحبِ عقل تھا کہ یہ پتہ چلا کر کہ بلعم حضرت موسٰیؑ کے لیے بددعا کرنے کو مجھ پر سوار ہو کر اپنی خانقاہ میں جا رہا ہے تو پٹتے پٹتے مر گیا مگر اس نے قدم نہ اُٹھایا۔ ایسا ہی کنعان کا بھیڑیا تھا کہ جب حضرت یعقوبؑ نے بُلایا تو نبی کی آواز پہچان کر دوڑا چلا آیا۔ اور جب یعقوبؑ نے پوچھا کیا تُو نے میرے یُوسف کو کھایا ہے۔ تو اُس نے کہا یا نبی اللہ، انبیاءؑ اور اولادِ انبیاءؑ کا گوشت ہم پہ حرام ہے قدرتِ الٰہیہ

سے ان کرشموں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی کام لاء آف نیچر کے خلاف نہیں ہوتا وہ ان تمام واقعات سے سبق لیں۔

اصحابِ کہف کے اس الہامی ایمان کا بھی اندازہ کیجئے۔ وُہ کیسے سخت کفر پرست دَور میں تھے جہاں خدا پرستی کا نام و نشان نہ تھا، جہاں بُتوں کو سجدہ نہ کرنے پر آدمی جان سے مار دیا جاتا تھا۔ جہاں کوئی رسول بھی ان تک نہیں پہنچا تھا۔ ان کی ہدایت کا ذریعہ صرف رحمتِ الٰہی تھی۔ ایمان تھا اور کیسا پختہ ایمان کہ اپنی جانوں پر کھیل گئے مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایسے ہی کامل الایمان تھے کہ خدا نے ان کے وجود کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے قرار دیا۔

جس طرح قدرت نے ہمارے بارھویں امام علیہ السّلام کو نظرِ خلائق سے چھُپا کر رکھا ہے اسی طرح حضرتؑ کے کامل الایمان معاونوں کو بھی چھُپا دیا ہے۔ وقتِ ظہُور جو تین سو تیرہ امام مہدی علیہ السّلام کے مددگار ہوں گے ان میں یہ لوگ بھی شامل ہوں گے۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کے عہدِ مبارک میں صرف حضرت علی علیہ السّلام نے اصحابِ کہفؓ سے ملاقات کی ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ
بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ‏ ﴿١٥﴾ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ
وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ
رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا‏ ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا
طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ
ع ٥ ١٤ ٢ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ‏﴿١٧﴾

(وُہ آپس میں کہنے لگے) افسوس یہ ہماری قوم ہے جس نے خدا کو چھوڑ کر اپنے لیے بہت سے معبود

بنا لیے ہیں۔ یہ لوگ ان کے معبود ہونے کی کوئی صریحی دلیل کیوں نہیں پیش کرتے۔ جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ پس جب تم نے اُن لوگوں سے اور اِن سے بھی جن کی عبادت یہ خدا کے سوا کرتے ہیں کنارہ کشی اختیار کر لی تو چلو (فلاں) غار میں چل بیٹھیں۔ تمہارا پروردگار اپنی رحمت تم پر وسیع کر دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کر دے گا۔ (غرض وہ غار میں جا پہنچے) تو دیکھے گا کہ جب سورج طلوع کرتا ہے تو ان کے غار سے داہنی طرف جھک کے نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے۔ وہ لوگ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں لیٹے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جسے خدا ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اس کا سرپرست رہنما ہرگز نہ پاؤ گے۔

یہ غار کچھ ایسے زاویہ پر واقع تھا کہ سورج کی روشنی کسی وقت بھی اس کے دہانہ پر نہیں پڑتی تھی۔ اس لیے لوگ غار کے باہر سے ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۖ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ
الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ
لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ
لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا
أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ
بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ
بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ
إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي

مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا
أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ
بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ ۖ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ
قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿٢١﴾

تم انہیں جاگتا گمان کرتے ہو حالانکہ وہ سو رہے ہیں ہم انہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف کروٹیں بدلوا دیتے ہیں۔ ان کا کتا دونوں پاؤں پھیلائے چوکھٹ پر ڈٹا بیٹھا ہے اگر تُو ان کو جھانک کر دیکھے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو تیرے دل میں دہشت سما جائے (جس طرح) اپنی قدرت سے ان کو سُلایا (اپنی قدرت سے) ان کو (جگا کر) اُٹھایا تاکہ آپس میں کچھ پُوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا (بھلا) اس غار میں تم کتنی مدت ٹھہرے۔ کہنے لگے، ایک دن یا اس سے بھی کم (اس کے بعد) کہنے لگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدت ٹھہرے (خیر) اب اپنے میں سے کسی کو اپنا روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو تو وُہ جا کر دیکھ بھال لے کہ کونسا کھانا اچھا ہے اس میں سے (بقدرِ ضرورت) تمہارے لیے کھانا لے آئے اور چاہیئے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے ایسا نہ ہو کہ کسی کو تمہاری خبر ہو جائے۔ اگر ان لوگوں کو تمہاری اطلاع ہو گئی تو یا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر تم کو اپنے دین کی طرف پھیر لے جائیں گے تو پھر تم کبھی کامیاب نہ ہو گے (غرض) ہم نے یوں ان کی قوم کے لوگوں کو ان کی اطلاع کرائی تاکہ وُہ دیکھ لیں کہ خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کچھ بھی شبہ نہیں (اطلاع ہونے کے بعد قوم کے لوگ) ان کے بارہ میں جھگڑنے لگے۔ ان کی رائے یہ ہوئی کہ (بطور یادگار) یہاں کوئی عمارت بنوا دو۔ ان کا پروردگار ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جن مؤمنین کی رائے ان کی رائے پر غالب آئی انہوں نے کہا ہم تو یہاں پہ (غار کے پاس) ایک مسجد بنائیں گے۔

کروٹیں بدلنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ وُہ جاگ نہیں رہے

بلکہ سو رہے ہیں۔ ہم اپنی قدرت سے ان کو کروٹیں بدلوا دیتے ہیں تاکہ دورانِ خون کا سلسلہ جاری رہے۔

حسبِ تصریحِ قرآنی تین سو سال کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو جس وقت وہ سوئے تھے اور جس وقت وہ بیدار ہوئے تھے اس کے لحاظ سے انہوں نے ایک دن یا اس سے زیادہ وقت بتایا۔ اس سے قبل یہ واقعہ ہو چکا ہے کہ حضرت عزیرؑ کو سو برس مُردہ رکھنے کے بعد خدا نے اٹھا کھڑا کیا تھا اس کے ید قدرت میں سب کچھ ہے۔

شہر افسُس میں اس وقت دو گروہ تھے۔ ایک بت پرستوں کا دوسرے عیسائیوں کا۔ بُت پرستوں کی تجویز یہ تھی کہ بطور یادگار ایک مقبرہ بنا دیا جائے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ لوگ کس عقیدہ کے تھے اور کس ارادہ سے یہاں آئے تھے۔ عیسائی گروہ نے کہا یہاں مسجد کیوں نہ بنا دی جائے یعنی گرجا جہاں لوگ خدا کی عبادت کیا کریں۔

عیسائی مؤرخین نے لکھا ہے کہ اصحابِ کہف دو سو برس بعد جاگے تھے لیکن قرآن تین سو نو برس بیان کرتا ہے لہٰذا عیسائیوں کا کہنا غلط ہے کیونکہ خدا سے بہتر ان کے حالات وہ نہیں جانتے تھے وہ جو کچھ کہتے تھے سُنی سُنائی باتیں تھیں۔

اصحابِ کہف کے سلسلہ میں جن لوگوں کی رائے غار پر مقبرہ بنانے کی تھی، مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۱۸ پر قبور صلحا پر عمارت یا مسجد بنانا جائز قرار نہیں دیا اور گمراہی قرار دیا ہے اور زیارتِ قبور کرنے والوں پر احادیث سے ممانعت ثابت کی ہے۔ اس سلسلہ میں چار حدیثیں بھی لکھی ہیں۔ بہرحال وہ جانیں ان کا عقیدہ جانے۔ ہمارے ائمہ کی احادیث سے نہ قبروں پر عمارت بنوانا ممنوع ہے نہ زیارتِ قبور۔

عَنۡ اَبِیۡ عَبۡدِ اللّٰهِ عَلَیۡهِ السَّلَامُ فِیۡ زِیَارَةِ الۡقُبُوۡرِ قَالَ اِنَّهُمۡ یَاۡنَسُوۡنَ بِکُمۡ فَاِذَا غِبۡتُمۡ عَنۡهُمۡ اسۡتَوۡحَشُوۡا (فروع کافی جلد ۲)

فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارتِ قبور کے متعلق کہ مُردے تم سے مانوس ہوتے ہیں۔ جب تم ان سے الگ ہوتے ہو تو گھبراتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ہماری کتب احادیث میں موجود ہیں جن کو طوالت کے خیال سے ترک کیا جاتا ہے۔ قبور بنانا یا ان پر مقبرہ تعمیر کرانا درحقیقت اپنے عزیزوں، بزرگوں یا دینی رہنماؤں کی یادگار کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کی زیارت کرنا یا فاتحہ پڑھنا داخلِ شرک کیوں ہے۔ اگر خدا سمجھ کر کوئی زیارت کرتا تو بے شک شرک ہوتا۔ رہا مسجد بنانا تو کوئی مقبرہ کو مسجد نہیں بناتا اور نہ سمجھتا ہے۔ مسجد علیحدہ سے بنائی جاتی ہے۔ ہاں ان مشاہد مقدسہ میں خدا کی عبادت کرنا کیوں شرک بن جائے گا۔ شرک کو سستا سودا سمجھ کر لُٹانے والے ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ شرک کا اطلاق کس صورت میں ہوتا ہے۔ مسجدِ نبوی میں جہاں قبر مبارک رسولؐ ہے وہیں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگر یہ شرک ہے تو وہاں ایسا کرنے کی کیوں اجازت دی جاتی ہے۔ شرک تو اس صورت میں ہوگا جبکہ خدا کا شریک سمجھ کر کسی کی عبادت کی جائے۔ قبرِ رسولؐ کی زیارت کرنے والے کیا مشرک کہے جائیں گے۔ کیا حضرت رسولِ خداؐ جنت البقیع میں قبور کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے جاتے تھے۔ کیا حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کے لیے نہیں جاتے تھے فَاعۡتَبِرُوۡا

یَا اُولِی الۡاَبۡصَارِ۔ جنت البقیع کے مقابرِ متبرکہ کو مسمار کرنے والوں میں طاقت ہے کہ خاکم بدہن روضۂ رسولؐ کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکیں۔ قانون تو ایک ہی ہونا چاہیئے، مگر شیعوں کی عداوت میں اور حنفیوں سے بغض رکھنے میں لوگوں نے امرِ حق کو ترک کر دیا ہے۔

سَیَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ کَلۡبُهُمۡ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ کَلۡبُهُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ کَلۡبُهُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ ۬ۚ ۵

عنقریب کچھ لوگ (نصاریٰ) کہیں گے وہ تین نہیں ہیں چوتھا ان کا کتّا ہے اور دُوسرے (یہودی) کہیں گے وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتّا ہے۔ یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں۔ کچھ لوگ کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتّا ہے۔ اے رسولؐ تم کہہ دو، میرا رب اُن کے شمار کو خوب جانتا ہے اور ان کی گنتی تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔

بعض مفسّرین کا کہنا ہے کہ چونکہ سات کے بعد خدا نے کوئی قول ذکر نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی تعداد صحیح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قصہ یہودیوں نے آنحضرتؐ سے اس لیے پوچھا تھا کہ آپؐ نہ جانتے ہوں گے تو ہم آپ کی کتب سماوی سے بے خبری ثابت کریں گے۔ تعداد بتانے سے خدا نے اس لیے گریز کی کہ اگر صحیح تعداد بتائی جائے گی تو یہودی ازراہِ عناد آنحضرتؐ کو جھوٹا کہنے لگیں گے اور جھگڑے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس بارہ میں خموشی ہی بہتر ہے البتہ رسولوں کو آگاہ کر دیا گیا یہی مطلب ہے مَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ کا۔

فَلَا تُمَارِ فِیۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۳/۱۵
وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫
وَاذۡکُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ
مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیۡنَ

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج

اے رسول تم ان لوگوں سے اصحابِ کہف کے بارہ میں سرسری گفتگو کے سوا زیادہ جھگڑا نہ کرو اور اُن کے بارہ میں کسی سے کچھ پوچھو بھی نہیں اور کسی کام کی نسبت نہ کہا کرو کہ میں اس کو کل کروں گا مگر انشاء اللہ کہہ کر۔ اگر (انشاء اللہ) کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اپنے پروردگار کو یاد کرلو (انشاءاللہ کہہ لو) اور کہو امید ہے کہ میرا رب ایسی بات کی ہدایت فرمائے جو رہنمائی میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو اصحابِ کہف اپنے غار میں نو اُوپر تین سو برس رہے تم کہدو کہ خدا ان کے ٹھہرنے کی مدت سے خوب واقف ہے

یعنی اصحابِ کہف کے بارہ میں یہودیوں سے جھگڑا نہ کرو اور اس معاملہ میں ان کی رائے بھی نہ لو ان کی تعداد کا معلوم کرنا یا کیسے رہے کب تک رہے کتا کیسا تھا۔ کوئی بات نہیں جس کے لیے جھگڑا ہو اصل تو وہ سبق ہے جو اس واقعہ سے ملتا ہے۔

یہودیوں نے جب حضرتؐ سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے حالات پوچھے تھے تو آپؐ نے فرمایا تھا میں کل بتاؤں گا لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ لہٰذا وحی ایک آن کے لیے رُک گئی۔ پھر بتایا گیا کہ جس وقت یاد آجایا کرے کہہ لیا کرو۔ اصحابِ کہف غار میں تین سو نو سال رہے اس کے بعد فرماتا ہے اللہ بہتر جانتا ہے کتنے دن رہے۔ پہلے تعداد بتانا پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تین سو نو کی تعداد لوگوں کی بیان کی ہوئی ہے۔ اصلی تعداد خدا ہی جانتا ہے۔

ان کے رہنے کی مدت کو اور اُن کی تعداد دونوں کو خدا نے ظاہر کرنا مصلحت نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر ظاہر کیا جاتا تو یہودی حضرتؐ کو جھٹلانے لگتے اور جھگڑے کی بنیاد پڑ جاتی۔ تعداد کے معلوم نہ ہونے سے ایمان میں کیا فرق پڑتا ہے اور جو سبق اس واقعہ سے ملتا ہے اس میں کیا سقم پیدا ہوتا ہے سبق تو یہ دینا تھا کہ جو لوگ حیات بعد الموت کے قائل نہیں وہ سمجھ لیں کہ جیسے ان لوگوں کو تین سو نو برس سُلا کر اُٹھا کھڑا کیا ایسے ہی قبر سے مُردوں کو نکال کھڑا کرے گا۔ یہاں نسیان کی نسبت رسولؐ کی طرف دی گئی ہے جو ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے۔ دراصل یہ رسولؐ کو مخاطب کر کے امت کو تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ قرآن میں اور بھی کئی جگہ ایسا ہے۔ رسول کی ذات سہو ونسیان سے مبرا ہوتی ہے۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ط مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ

مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ج لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ قف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾

آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کا وہ جاننے والا ہے۔ کیا کہنا اس کے دیکھنے کا کیا کہنا اس کے سننے کا، لوگوں کے لیے اس کے سوا کوئی سرپرست نہیں اور وہ اپنے کام میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اے رسول جو کتاب تمہارے رب کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے اُسے پڑھا کرو۔ اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور تم اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ بھی نہ پاؤ گے جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں، اور اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں ان کے ساتھ تم خود بھی اپنے نفس پر صبر کرو اور اُن کی طرف سے اپنی نظر کو نہ پھیرو کہ تم دنیا کی زندگی کی آرائش کو چاہنے لگو اور جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اس کی بات نہ ماننا۔ اس کا کام سراسر زیادتی ہے۔

مشرکینِ مکہ آنحضرتؐ سے بار بار کہا کرتے تھے کہ آپؐ ہمارے معاملہ میں روز بروز سخت ہوتے جا رہے ہیں ہمارے آباؤ اجداد کو جاہل بتاتے ہیں اور ہمارے بُتوں کی توہین کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ آپؐ اپنے رویّہ میں تبدیلی کریں۔ کچھ ہم آپؐ کی مان لیں کچھ آپؐ ہماری مان لیجئے تاکہ قوم میں پھوٹ نہ پڑے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کلامِ خدا میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ رسولؐ صرف ہمارا کلام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں ان کو تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں۔

جو مالدار لوگ تھے وہ غریب مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور رسولؐ کے پاس ان کا بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جو رسولؐ کے بڑے مقرب صحابی تھے اور زہد و فقر کا یہ عالم تھا کہ ایک اُونی چادر پُرانی ان کے پاس تھی۔ ساری ضروریاتِ لباس اسی سے پُوری کرتے تھے۔ گرمی کا

موسم تھا اس کو اوڑھے ہوئے خدمتِ رسولؐ میں آئے اور آپؐ کے پاس بیٹھے۔ اتنے میں عینہ ابن حصین یہودی آپؐ سے ملنے آیا تو اُسے حضرت سلمانؓ کی چادر کی بُو بُری معلوم ہوئی کہنے لگا جب میں آیا کروں تو ان لوگوں کو ہٹا دیا کیجئے۔ اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور رسولؐ کو ایسے لوگوں کی بات ماننے سے منع کیا گیا کیونکہ یہ دُنیا کی زینت کے خواہاں تھے اور ہمارے ذکر سے غافل۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ إِنَّآ
أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا
يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ
مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اے رسول کہدو تمہارے رب کی طرف سے جو آیا ہے وہ حق ہے پس جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہی بنا رہے۔ ہم نے ظالموں کے لیے (دوزخ کی) آگ تیار رکھی ہے جس کی قناتیں (دیواریں) اسے گھیر لیں گی اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا وہ منہ کو بھون ڈالے گا۔ کیا بُرا پانی ہے اور جہنم کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ
عَمَلًا ج ﴿۳۰﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ
سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ط نِعْمَ الثَّوَابُ ط
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

ع ۴ ۱۶

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو ہم کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے جنتیں ہیں۔ ان لوگوں کے (قدموں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا اور ان کو باریک ریشم اور دبیز ریشم کے (اعلیٰ قسم کے ریشم سے بنے ہوئے) سبز لباس پہنائے جائیں گے اور تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیسا اچھا ثواب اور کیسی اچھی جگہ ہے۔

بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ کنگن عورتوں کا زیور ہے نہ کہ مردوں کا۔ جواب یہ ہے کہ کسی مُلک کے رسم و رواج کا قیاس تمام دُنیا کے رسم و رواج پر نہیں کیا جاتا۔ ایک زمانہ میں بادشاہ لوگ سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ پس مقصود یہاں شاہانہ شان سے رہنا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن نیک بندوں نے راہِ خدا میں مظلوم بن کر لوہے کی ہتھکڑیاں پہنی ہوں گی قیامت میں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے ڈالے جائیں گے اور اس طرح ان کی امتیازی شان ظاہر کی جائے گی۔ اور جن لوگوں نے ظالموں کے ہاتھوں میں مقید ہو کر بوسیدہ لباس ہو جانے پر صبر کیا ہوگا ان کو حریر و دیبا کے لباس پہنائے جائیں گے۔ یہ دونوں چیزیں اظہارِ شان و علوِ مرتبت کے بیان میں ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ
أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ ۙ وَّكَانَ لَهٗ
ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ
نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج قَالَ مَآ أَظُنُّ أَنْ
تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ أَبَدًا ﴿۳۵﴾ ۙ وَّمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ
إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ ج قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ

يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

ان لوگوں سے اُن دو شخصوں کی مثال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے ہیں اور ان کے چاروں طرف خرمے کے درخت لگا دیئے ہیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگا دی ہے - یہ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پھل لانے میں کچھ کمی نہیں کی۔ ان کے درمیان نہر بھی جاری کر دی ہے - جب اس میں پھل لگے تو اپنے ساتھی سے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی بڑھا ہوا ہوں (یہ باتیں کرتا ہوا) اپنے باغ میں جا پہنچا (اس کی حالت یہ تھی) کہ (کفر کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا (غرض) وہ کہہ بیٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ کبھی یہ باغ اُجڑ جائے گا اور میں یہ قیاس بھی نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی (اور بالفرض اگر ہوئی بھی تو) جب میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جاؤں گا تو اس سے کہیں اچھی جگہ پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہا کیا تُو اُس پروردگار کا منکر ہے جس نے پہلے تجھے مٹّی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر بالکل ٹھیک مرد بنا دیا لیکن ہم (تو یہ کہتے ہیں کہ) وہی خدا میرا پروردگار ہے اور میں تو اپنے پروردگار کا کسی کو ساتھی نہیں بناتا -

---

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ
خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا
زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ
بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ
فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

جب تُو اپنے باغ میں آیا تو یہ کیوں نہ کہا کہ یہ سب خدا ہی کے چاہنے سے ہُوا ہے کیونکہ بغیر خدا کی مدد کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر مال و اولاد کے لحاظ سے تُو مجھے کم سمجھتا ہے تو عنقریب ہی میرا پروردگار مجھے وہ باغ عطا فرمائے گا جو تیرے باغ سے کہیں بہتر ہوگا اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت نازل کرے گا کہ (خاک سیاہ ہو کر) چٹیل چکنا صفا چٹ میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی نیچے اُتر کر ایسے خشک بنا دے تو پھر تُو کسی طرح اُسے نہ پا سکے گا (چنانچہ عذاب نازل ہُوا) اور اس کے باغ کے پھل (آفت میں) گھر گئے تو وہ اُس مال پر جو اس باغ کی تیاری میں صرف کیا تھا کفِ افسوس ملنے لگا۔ باغ (کی یہ حالت تھی کہ) اپنی ٹہنیوں پر اوندھا گرا ہُوا تھا۔ وہ کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہ بناتا اور خدا کے سوا کوئی گروہ نہ تھا کہ اس کی مدد کرتا اور نہ اس کی مدد کی گئی -

اس واقعہ سے یہ سبق ملا کہ انسان کو اپنی دولت اور اپنی جماعت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے - خدا کو کسی کی حالت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اسی سے طالبِ امداد رہے - دُنیا میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی کا ہے - تکبّر اور غرور خدا کو پسند نہیں - ایسا کرنا درحقیقت خدا کی عظمت و کبریائی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور اس کی خدائی کا انکار کرنا ہے - مغرور کا سر ایک دن نیچا ہو کر ہی رہتا ہے - اس کے ید قدرت میں سب کچھ ہے - وہ دم بھر میں مالدار کو غریب اور غریب کو امیر بنا سکتا ہے - عزیز کو ذلیل اور ذلیل کو عزیز کر سکتا ہے -

---

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ ۵ ع ۱۳ ۱۷
لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

یہیں سے معلوم ہوا کہ کارسازی خدائے برحق کے لیے ہے جو انعام ہیں دے دے وہی بہتر ہے اور جو انجام وہ دکھائے وہی سب سے اچھا ہے۔ اے رسول ان لوگوں سے زندگانیِ دُنیا کی مثال بیان کرو جو اس پانی کی مانند ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پس اس سے نباتات پھوٹ نکلی پھر وہ بھُس بن کر رہ گئی جسے ہواؤں نے اُڑا دیا اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد زندگانیِ دُنیا کی زینت ہیں، اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں اس سے کہیں زیادہ اچھی ہیں اور آرزو کی راہ سے بھی (بہتر ہیں)۔

دُنیا میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں اوّل وہ جن کو مال جمع کرنے کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی صرف جان بچانے کے لیے تھوڑا سا کھا لیتے ہیں۔ بوریا ان کا فرش ہوتا ہے اور ایک پھٹی پُرانی چادر ان کا لباس یہ خدا کے نیک بندے ہیں جو زینتِ دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے صرف آخرت کی بہتری پر اُن کی نظر رہتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو مال جمع تو کرتے ہیں مگر حلال طریقہ سے۔ راہِ خدا میں خرچ بھی کرتے ہیں۔ روزِ قیامت ان سے حساب کتاب ہوگا۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر مال جمع کیے جاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے کھُلا جہنّم ہے۔

خدا نے زندگانیِ دُنیا کی ایک مثال دی ہے وہ بارش کے پانی کی مانند ہے کہ اس کی وجہ سے کھیتیاں لہلہا اُٹھتی ہیں لیکن یہ چند روز کی بہار ہوتی ہے۔ سبز ہونے کے بعد وہ پیلی پڑنے لگتی ہیں پھر ہواؤں کے جھونکوں سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑتی ہیں پھر بھُس بن کر ہوا میں اُڑ جاتی ہیں۔ ایسے ہی آدمی پیدا ہوتا ہے رفتہ رفتہ جوان ہوتا ہے آخر ایک روز مر کر قبر میں جا پہنچتا ہے اور جو مال و متاع جمع کیا تھا سب چھوڑ جاتا ہے۔

بے شک مال اور اولاد زندگانیِ دُنیا کی زینت ہیں لیکن اگر مال کو حکمِ خدا کے مطابق صرف نہ کیا جائے اور اولاد کی صحیح طریقہ سے تربیت نہ کی جائے تو یہی دونوں بلائے جان بن جاتی ہیں۔ انسان مال کے جمع و خرچ میں ہزار گناہ کا بوجھ اپنے سر پر لے لیتا ہے اور نالائق اولاد اس کی نجاتِ آخرت میں خلل ڈالنے والی ہو جاتی ہے۔ خدا کے یہاں بہترین اجر ان نیکیوں کا ملے گا جو دُنیا میں باقی رہنے والی ہیں جیسے اچھی کتابیں تصنیف کرنا۔ کنواں کھدوانا۔ دینی درسگاہیں قائم کرنا۔ مسجدیں بنوانا۔ غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ۔

وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ
اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى
الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ
لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا
ع ۶ ۵ ۱۸ حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

قیامت کے روز ہم پہاڑوں کو (بادل کی طرح) چلائیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ کھُلی پڑی ہوگی (کہیں نام کو نباتات نہ ہوگی) اور ہم ان کو جمع کریں گے کسی ایک کو (بغیر بُلائے) نہ چھوڑیں گے۔ وہ سب کے سب تمہارے رب کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے (اس وقت ہم یاد دلائیں گے کہ) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح (آج کے دن) تم کو ہمارے پاس آنا پڑا۔ تم سمجھتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر ہی نہیں کیا۔ لوگوں کے اعمال کی کتاب سامنے رکھی جائے گی۔ اس وقت تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے ہائے ہائے (ہماری کم بختی) یہ کیسی کتاب ہے جس میں نہ ہمارا کوئی چھوٹا سا عمل چھوڑا گیا ہے نہ بڑا سب ہی کو تو درج کر لیا ہے جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا سب اُن کے سامنے موجود ہوگا۔ تمہارا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

جو لوگ قیامت کو بھُولے پڑے ہیں اور اس خیال میں مست ہیں کہ مرنے کے بعد کچھ نہ ہوگا۔ ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ بچّہ سے لے کر بوڑھے تک سب ہی کو بُلایا جائے گا اور اوّل روز سے آخر تک جو کچھ کسی نے کیا ہوگا اس کی آنکھوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انبیاء نے جو قیامت کی خبر

دی تھی وہ بالکل سچی تھی۔ دیکھو خدا کا وعدہ پورا ہوگیا۔ آج کا دن ہے جس کے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب بتاؤ بچ کر کہاں جاؤ گے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ جو سزا تم کو ملے گی وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت ملے گی ۔

ع کردنی خویش آمدنی پیش

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ
الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ
دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ
عَضُدًا ﴿۵۱﴾

وُہ وقت یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وُہ قوم جن سے تھا پس حکم خدا سے نکل بھاگا تو (اے بنی آدم) کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا سرپرست بنالو گے حالانکہ وُہ تمہارا پکّا دشمن ہے اور (ہمارے یہاں) ظالموں کے لیے بُرا بدلہ ہے میں نے نہ تو ان کو آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت مدد کو بُلایا تھا نہ ان کے نفسوں کی خلقت میں ان کو شریک کیا تھا۔ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بنایا کرتا ۔

ابلیس کا قصہ

قیامت کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر آدمؑ اور شیطان کی نافرمانی کا قصہ چھیڑا ہے تاکہ لوگ آگاہ ہوں کہ نافرمانی کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ وہ سمجھ لیں کہ شیطان اُن کے پیچھے لگا ہُوا ہے اور وہ ان کا کھُلا دشمن ہے۔ اس نے آدم سے اپنی دشمنی کا اظہار اُسی وقت کر دیا تھا جب ہم نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح تمام ظالموں کو بُرا بدلہ ملے گا۔ جو لوگ شیاطین کے پجاری ہیں وہ دام فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ ذرا یہ سمجھیں کہ شیاطین کو سرپرستی کا کیا حق ہے۔ وہ خدا کی مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں۔ وہ نہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت موجود تھے کہ اللہ اُن سے مدد لیتا اور نہ خود اپنی تخلیق کے وقت ان کا وجود تھا کہ ان کے کہنے کے مطابق ان کو بنایا جاتا۔ پس ایسی صورت میں خدا کو چھوڑ کر مخلوق کو اپنا سرپرست بنا لینا کونسی دانائی ہے۔ یہاں یہ سوال

شیطان کو سرپرست نہ بناؤ

پیدا ہوتا ہے کہ اگر آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت شیاطین موجود نہ تھے تو اور کون موجود تھا۔ جیسے اور کوئی نہ تھا وُہ بھی نہ تھے۔ پھر اس کا ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اے رسول اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا) سے یہ پتہ چلتا ہے کہ افلاک و زمین کی پیدائش کے وقت وجود محمدیؐ بجسم نوری موجود تھا۔ وہ اپنے وجود مادی کی خلقت کے وقت بھی موجود تھے ۔

ایک مجرم ایک مُضل ایک خدا کی نافرمان مخلوق کب اس قابل ہوسکتی ہے کہ اُسے کوئی اپنا ولی و سرپرست بنائے۔ آتش پرستوں نے شیطان کو شریک خدا بنا کر اس کی پرستش کی اور اب تک کر رہے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں دو خدا ہیں، ایک یزداں دوسرے اہرمن یعنی شیطان ہے۔ وہ خدا سے زیادہ شیطان سے ڈرتے ہیں، کہتے ہیں کہ نیکی کی دُنیا کا مالک خدا ہے اور بدی کی دُنیا کا شیطان ہے۔ اگر ہم شیطان کی عبادت نہ کریں گے تو وہ ہم کو بدی کے سمندر میں ڈبو دے گا۔ جب شیطان و خدا کے درمیان کشتی ہوتی ہے تو شیطان غالب آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں بدی زیادہ ہے نیکی کم ہے۔ انسان کی حماقت کی یہ حدِ آخر ہے ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر شیطان خدا کی مخلوق ہے تو خدا نے اس مایۂ فساد کو پیدا ہی کیوں کیا۔ نہ اسے پیدا کرتا نہ دُنیا میں گمراہی پھیلتی۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے شیطان کو شیطان بنا کر پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود شیطان بنا۔ اگر شیطان ہی پیدا کرتا تو خلقت آدم سے لاکھوں برس پہلے وہ خدا کی عبادت کیوں کرتا۔ وجودِ آدم سے حسد کرنے اور سجدہ کے حکم سے نافرمانی کرنے پر وہ شیطان بن گیا۔ رہا یہ کہ اُسے مہلت کیوں دی گئی تو یہ اُس کی سابقہ عبادت کا اجر تھا۔ اگر نہ دیا جاتا تو حسبِ اصحاب انصاف قرار نہ پاتا۔

دُوسرے انسان کی نیکی اُس وقت تک نیکی ہے جب تک وہ شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کر کے بدی سے بچتا ہے۔ اگر بدی نہ ہوتی تو پھر نیکی قابلِ اجر قرار نہ پاتی۔ جب نیکی کرنے سے کوئی چیز مانع ہی نہ ہو تو پھر نیکی کرنا اختیاری نہ ہوگا بلکہ مجبوراً ہوگا ۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ
جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى

ع ۷ ۹

وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ سُنَّۃُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ
الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

(ڈرو اس دن سے) جب خدا فرمائے گا کہ جن لوگوں کو تم میرا شریک بنائے ہوئے تھے اب ان کو پکارو وہ لوگ پکاریں گے وہ کوئی جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان دونوں کے درمیان ایک مہلک آڑ بنا دیں گے اور گنہگار لوگ آگ کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ وہ اس میں جھونکے جائیں گے اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ انہیں نہ ملے گا۔ ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں پھیر پھیر کر مثالیں بیان کر دی ہیں لیکن انسان تو تمام مخلوق سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ جب ان کے سامنے ہدایت آ چکی تو اسے ماننے اور اپنے رب کے سامنے معافی چاہنے سے کس چیز نے روک دیا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جو پہلی قوموں کے ساتھ ہوا ہے یا وہ عذاب کو سامنے آتا دیکھ لیں۔

قرآن میں ہدایت کا کوئی گوشہ چھوڑا نہیں گیا۔ روشن دلائل اور واضح براہین بیان کی گئیں۔ پہلی قوموں کے واقعات سامنے رکھے گئے۔ طرح طرح سے مثالیں دے کر سمجھایا گیا۔ اس کے بعد امرِ حق سے رُوگردانی کرنے کا کیا موقع تھا مگر نہیں انسان تو بات بات پر جھگڑا کرتا ہے۔ وہ تو اس عذاب کا منتظر ہے جو پہلے لوگوں پر آ چکا ہے

وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَ یُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ الۡحَقَّ وَ اتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَ مَاۤ اُنۡذِرُوۡا ہُزُوًا ﴿۵۶﴾
وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡہَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ
یَدٰہُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ
وَقۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَدۡعُہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی فَلَنۡ یَّہۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَ رَبُّکَ

الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَۃِ ؕ لَوۡ یُؤَاخِذُہُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَہُمُ الۡعَذَابَ ؕ
بَلۡ لَّہُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلۡکَ الۡقُرٰۤی
اَہۡلَکۡنٰہُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَ جَعَلۡنَا لِمَہۡلِکِہِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

ہم نے مرسلین کو نہیں بھیجا مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر کافر لوگ جھوٹی باتوں کا سہارا پکڑ کے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے حق کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ انہوں نے ہماری آیات کو اور جس سے وہ ڈرائے گئے تھے مذاق قرار دیا۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جسے جب خدا کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو وہ ان سے منہ پھیر لے اور جو کام اس کے ہاتھوں نے کیے ہیں انہیں بھول جائے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ حق بات کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ ہرگز ہدایت قبول کرنے والے نہیں اور (اے رسول) تیرا رب بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر اُن کے گناہوں کی سزا میں دھر پکڑتا تو فوراً ان پر عذاب نازل ہو جاتا لیکن ان کے لیے ایک وعدہ کا وقت مقرر ہے وہ (اس سے بچنے کے لیے) کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ یہ بستیاں (جو تم دیکھتے ہو) اِن کے سرکش باشندوں کو ہم نے ہلاک کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔

ہمارے انبیاء و مرسلین جب کافروں کے سامنے دلائل و براہین کو پیش کرتے ہیں تو اپنی جہالت کی بناء پر بجائے ان کو تسلیم کرنے کے لڑائی جھگڑے پر اُتر آتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اس شور و شغب میں حق کو دبا لیں۔ وُہ آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں تاکہ لوگ ان آیات کی طرف توجہ نہ کریں۔ جب حق بات کسی طرح مانتے ہی نہیں تو گویا یوں سمجھو کہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں کو بہرا کر دیا یعنی اپنی توفیقات ان سے سلب کر لیں۔ اب وہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو ڈالیں، ہمارا فرض ہے کہ رسولوں کو بھیج کر انہیں سمجھائیں بجھائیں۔ رسولوں کا کام یہ ہے کہ ہمارے پیغام اُن تک پہنچائیں۔ ہم زبردستی کسی کی گردن پکڑ کر اپنی بات منوانا نہیں چاہتے۔ وہ کیوں نہیں عقل سے کام لیتے۔ ہم عذاب میں جلدی اس لیے نہیں کرتے کہ شاید سمجھ جائیں ورنہ ان کے عذاب کا جو وقت ہے اس پہ تو وہ آکر ہی رہے گا اور پھر اُن کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىہُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ

حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي
الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا
مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ
فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ
سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا
عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

موسیٰ اور خضر کی ملاقات کا قصہ

جب موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر نہ پہنچ جاؤں چلنے سے باز نہ آؤں گا (درصورت ملاقات نہ ہونے کے) چاہے برسوں یوں ہی چلنا پڑے۔ جب یہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے تو اپنی (بھُنی ہوئی) مچھلی چھوڑ چلے تو اُس نے دریا میں اپنا راستہ بنا کر راہ لی۔ جب دونوں کچھ اور آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر سے ہمیں بڑی تھکن ہوگئی ہے۔ جوان نے کہا آپ نے اس پر غور نہیں کیا جب ہم دریا کے کنارے اس پتھر پر بیٹھے تھے تو میں مچھلی وہیں بھُول گیا اور اس کا ذکر کرنا آپ سے مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا اور عجیب طرح سے اُس نے دریا میں جانے کی راہ نکال لی۔ فرمایا یہی وُہ جگہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر دونوں اپنے نشانِ قدم دیکھتے ہُوئے لوٹے۔

یہاں سے حضرت موسیٰؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ خدا سے باتیں کرنے اور توریت کے ملنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ خدا نے مجھ پر بڑا فضل کیا ہے اب مجھ سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔ اتنی سی بات گرفت میں آگئی کہ نبی ہو کر تم نے ایسا گمان کیوں کیا۔ دوسرا ہوتا تو کچھ بھی پوچھ گچھ نہ ہوتی مگر ع۔ جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ غرور کا ہلکا سا شائبہ بھی دل میں کیوں آیا۔ ایسی ہی باتوں کو ترکِ اولیٰ کہتے ہیں۔ فوراً جبریلؑ آموجود ہُوئے اور خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ تم سفر کرو اور جہاں روم و فارس کی حدوں پر دو دریا ملتے ہیں وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوگی اُس سے مل کر علم سیکھو۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ مقام وہ تھا جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو شاخیں البحر الابیض اور البحر الازرق آکر ملتی ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ جوان جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا کون تھا۔ اکثر مفسّرین شیعہ و سنّی نے اس کا نام یوشع بن نون بن افراہیم بن یوسف لکھا ہے جو نبی تھے لیکن عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاءؑ پر شیطان کا تسلّط نہیں ہوتا لیکن یہاں تو شیطان کا تسلّط ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ جوان کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہیں بھلایا اُس کو مگر شیطان نے۔

بہت جستجو کے بعد مولانا سیّد علی حائری صاحب مرحوم کی تفسیر لوامع التنزیل کے دیکھنے کے بعد یہ مشکل حل ہوئی۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ جوان حضرت موسیٰؑ نے بطور ایک راہنما کے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب مجمع البحرین کا پتہ چل گیا تو اُسے رخصت کر دیا۔ اگر حضرت یوشع بن نون ہوتے تو حضرت موسیٰؑ انہیں رخصت نہ کرتے۔ اور آخر تک اپنے ساتھ رکھتے۔

دوسری بات یہ قابلِ غور ہے کہ جو ناشتہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا اس میں بھُنی ہوئی مچھلی شامل تھی۔ دریا کے کنارہ کے پتھر پر یہ دونوں صاحب بیٹھے تھے وہیں ناشتہ رکھا تھا۔ جب گردِ سفر دُور کرنے کے لیے منہ ہاتھ دھویا ہوگا تو پانی کی چھینٹیں مچھلی پر پڑی ہوں گی اور وہ زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی ہوگی۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پھر یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی کہ یہ آبِ حیات ہے لیکن نہ تو جنابِ موسیٰؑ نے پیا نہ ہی ان کے ساتھی نے۔ اس کی کوئی وجہ مفسّرین نے نہیں لکھی۔ ایک صاحب نے یہ وجہ لکھی ہے کہ جب لوٹے تو راستہ بھول گئے اور وہ جگہ نظروں سے غائب ہوگئی۔ چونکہ حضرت خضرؑ سے ملنے کی جگہ کا پتہ چل گیا تھا لہٰذا زیادہ جستجو اُس جگہ کے ملنے کی نہ کی گئی بلکہ ذہن حضرت خضرؑ کی ملاقات کی طرف متوجہ رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت خضرؑ کے متعلق تفسیر البرہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان کا اصلی نام تالیا بن عامر بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ فریدوں بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ ان کا معجزہ یہ تھا کہ خشک لکڑی ہاتھ میں لیتے تو سبز ہو جاتی اور بے گیاہ زمین پر چلتے تو سبزہ لہلہانے لگتا۔ ان کا قصہ قرآن میں صرف ایک ہی جگہ ملتا ہے۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس قوم پر مبعوث تھے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ
لَدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ

مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ
اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾

وہاں دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی بارگاہ سے علم بخشا تھا۔ خضر سے موسٰی نے کہا کیا (آپ کی اجازت ہے کہ) میں اس غرض سے آپ کے ساتھ رہوں کہ جو رہنمائی کا علم خدا کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے۔ خضر نے کہا تم میرے ساتھ رہ کر صبر کی طاقت نہیں رکھتے (اور سچ یہ ہے کہ) جو بات آپ کے علمی احاطہ سے باہر ہے اس پر آپ صبر کیسے کر سکیں گے۔ موسٰی نے کہا آپ اِنْ شَآءَ اللّٰہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی امر میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت خضرؑ نے یہ کیسے جان لیا کہ حضرت موسٰیؑ صبر نہ کر سکیں گے ابھی تو کوئی معاملہ سامنے آیا ہی نہ تھا قبل از وقت کسی پہ بالخصوص نبی پر الزام لگانا کہاں تک درست تھا۔ بات یہ تھی کہ حضرت خضرؑ کو اللہ تعالےٰ نے علمِ باطنی عطا فرمایا تھا لہٰذا انہوں نے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی ان کی طبیعت کا اندازہ کر لیا تھا۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ صبر کے معنی یہاں کیا ہیں۔ عام طور پر کسی مصیبت کے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں لیکن یہاں کونسی مصیبت نازل ہوئی تھی جس کے متعلق حضرت خضرؑ نے کہا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ صبر کے معنی فعلِ فاعل پر اعتراض نہ کرنے کے ہیں اور بے صبری کے معنی ہوئے اعتراض کرنے کے۔ اگر کسی عزیز یا پیشوائے دین کے مرنے پر رو یا جائے تو اُسے بے صبری نہیں کہتے۔ لہٰذا غمِ حسین علیہ السلام پر اعتراض کرنا عصبیت نہیں تو اور کیا ہے۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ
ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ع فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓي اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ ٩ ع ١١ ٢١
اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَـيْـــًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا

نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓي اِذَا
لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ
شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

خضر نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا ہی چاہتے ہیں تو آپ کسی چیز کے متعلق مجھ سے سوال نہ کریں جب تک میں آپ سے خود نہ بیان کروں۔ غرض دونوں چل دیئے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو (پار اُترنے کے بعد) خضر نے اس میں سوراخ کر دیا۔ موسٰی نے کہا، یہ کیا عجیب بات آپ نے کی۔ خضر نے کہا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ موسٰی نے کہا جس امر کو میں بھول گیا ہوں اس کے بارہ میں مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور مجھ پر اس معاملہ میں اتنی سختی نہ کی جائے (جو ہو گیا اسے جانے دیجئے) غرض پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے خضر نے اُسے قتل کر دیا۔ موسٰی نے کہا (کیا خوب) کیا آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا جس نے کسی کو قتل بھی نہیں کیا یہ آپ نے بُرا کام کیا۔

پہلی بار حضرت خضرؑ نے اَلَمْ اَقُلْ کہا یعنی میں نے نہیں کہا تھا اس کے بعد آگے چل کر اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ فرمایا یعنی کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔ "تم سے" کہہ کر مخاطب پر تاکید کرنا مقصود تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ موسٰی علیہ السلام باوجودیکہ اولوالعزم انبیاء میں سے تھے مگر پھر بھی انہوں نے تین بار وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا۔ وعدہ خلافی تو عام لوگوں کے لیے بھی قابلِ مذمت ہے اور نبی تو پیغمبر ہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعتِ ظاہری کی رُو سے حضرت موسٰی علیہ السلام کو یہی کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضرت خضرؑ نے ایک بار نہیں تین بار وہ کام کیا جس سے ایک دیندار آدمی کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ جب کوئی خلافِ شرع امر ایک مقدس انسان کی طرف سے دیکھا جاتا ہے تو بے اختیار دیکھنے والے کے منہ سے ایسا ہی نکلتا ہے جیسا کہ حضرت موسٰیؑ کی زبان سے نکلا۔ لہٰذا یہ امر قابلِ مُواخذہ نہیں ہو سکتا۔ اب رہا حضرت خضرؑ نے ایسا کیوں کیا، اس کی وجہ آگے آئے گی۔

علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علمِ ظاہری دوسرے علمِ باطنی۔ شریعت کا تعلق علمِ ظاہری سے ہوتا ہے یعنی جب تک کوئی عمل وقوع میں نہ آئے شریعت اس پر کوئی حکم نہیں لگاتی۔ جناب امیرؑ کے زخمی ہونے کے بعد کسی نے عرض کیا جب آپؑ جانتے تھے کہ ابن مُلجم آپ کا قاتل ہے تو آپؑ نے اُسے قتل کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا صدورِ جرم سے پہلے سزا دینا شریعت میں نہیں۔ علمِ باطنی رکھنے والا ظہورِ عمل سے پہلے ہی جان لیتا ہے کہ فلاں

شخص پر عمل کرنے والا ہے لہٰذا وہ اس کے انسداد کے لیے اپنا حکم جاری کرتا ہے۔ جناب موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے علم میں یہی فرق تھا۔ یہی علم سیکھنے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو خضرؑ کے پاس بھیجا گیا تھا جس سے تعلیم دینا مقصود تھا کہ اے موسیٰ تم کو علم ظاہری دیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جس کے تم عالم نہیں اُسے جاکر علم باطنی رکھنے والے عالم سے حاصل کرو۔ یہ علم ہر نبی کو نہیں دیا گیا تھا۔ حضور سرورِ کائناتؐ دونوں طرح کا علم رکھتے تھے۔ لیکن آپؐ کو شریعتِ ظاہری پر عمل کرنے کا حکم تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ علم باطنی کی تعلیم کا نمونہ دکھانے کے لیے صرف ایک ہی واقعہ قرآنِ کریم کے اندر ہے۔

حضرت خضرؑ شریعتِ ظاہری کے مبلغ نہیں تھے نہ ان کی کوئی اُمت تھی۔ صرف حضرت موسیٰؑ کی آگاہی کے لیے یہ تمام واقعہ پیش آیا۔ اگر یہ واقعات پیش نہ آتے تو جناب موسیٰؑ کو کیسے پتہ چلتا کہ علم باطنی کی کیا صورت ہوتی ہے یہاں ایک امر یہ بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ یہاں جنابِ موسیٰؑ نے نسیان کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں نسیان کا تعلق انبیاءؑ سے دکھایا گیا ہے اس سے مراد وہ نسیان نہیں جو باغوائے شیطان ہوتا ہے بلکہ کسی بات کا اثنائے کلام میں رہ جانا مراد ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے بعض باتوں کا ذکر رہ جاتا ہے یعنی حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا ہے کہ اس امر پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجیے جو میرے خیال میں رہ گیا ہے۔ اگر شیطانی غلبہ سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ جسے شیطان نے مجھے بھلا دیا جو امر بمقتضائے عادتِ انسانی ہوتا ہے اس پر گرفت نہیں کی جاتی۔ اسے زیادہ سے زیادہ ترکِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔

○

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ
شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ
حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا
فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ
لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

(حضرت) موسیٰ نے کہا خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے اگر اس کے بعد میں آپ سے پوچھوں تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ آپ میری طرف سے معذرت کی حد کو پہنچ گئے پھر وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کو اپنا مہمان بنانے سے انکار کردیا۔ اس بستی میں انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے (پیٹھ لگاکر) اُسے سیدھا کردیا۔ موسیٰ (سے ضبط نہ ہوسکا) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو (ان بخیلوں اور کج خلقوں سے) اس کے سیدھا کرنے کی مزدوری لے سکتے تھے۔ یہ سُن کر خضر نے کہا بس اب میرے اور آپ کے درمیان جُدائی کا وقت آگیا۔ میں اب ان چیزوں کی تاویل آپ کو بتائے دیتا ہوں جن پر آپ کو صبر نہ ہوسکا۔

حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بار بار ٹوکنا ناگوار گزرا۔ ممکن ہے اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہتا لیکن حضرت موسیٰؑ کی ناقابلِ برداشت قوت نے آخر اُسے بند ہی کرادیا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا
وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾
فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾
وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ
كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ
اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ق صلے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ج وَمَا فَعَلْتُهٗ
عَنْ اَمْرِىْ ط ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ط ﴿۸۲﴾ ع ۱۲/۱

(اچھا جن باتوں پر آپ صبر نہ کر سکے اُن کی وجہ سُنیئے) یہ کشتی کچھ غریبوں کی تھی جسے دریا میں چلایا کرتے
تھے میں نے اُسے اس لیے عیب دار بنا دیا کہ ان کے پیچھے (ایک ظالم) بادشاہ آرہا تھا جو ہر کشتی کو
بیگار میں پکڑ لیتا تھا۔ رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے والدین مؤمن تھے (اور وہ کافر تھا) ہمیں خوف ہُوا کہ
یہ ان کو بھی اپنی سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ پس ہم نے چاہا کہ اس کو مار ڈالیں اور ان کا پروردگار اس کے
بدلہ میں ایسا فرزند عطا فرمائے جو اس سے پاک نفسی اور پاک قرابت میں بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی (جسے
میں نے سیدھا کیا) وہ ترکے میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے باپ کا چھوڑا ہُوا
خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ مردِ صالح تھا تمہارے پروردگار نے چاہا کہ جب دونوں لڑکے اپنی جوانی
کو پہنچ جائیں تو تمہارے پروردگار کی مہربانی سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار
سے نہیں کیا بلکہ حکمِ خدا سے کیا ہے، یہ ہے حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔

اس قصہ میں بہت سی باتیں قابلِ بیان ہیں:
(۱) حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ان تینوں واقعات
سے حضرت موسیٰؑ کے علم میں کتنا اضافہ ہُوا۔ کوئی خاص تعلیم سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو
شریعتِ ظاہری کا علم دیا گیا تھا وہ سمجھے پُورا پُورا علم یہی ہے اس لیے وہ دل میں اپنے کو سب سے بڑا عالم سمجھے۔

لہٰذا انہیں بتانا تھا کہ اس کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جس کو علمِ باطنی کہا جاتا ہے یعنی وقوعِ واقعہ سے قبل کسی بات
کا علم ہو جانا۔ اس کی تعلیم خدا نے خاص نور سے حضرت خضرؑ کو عطا کی تھی۔ پس حضرت موسیٰؑ کو یہ بتایا گیا کہ علمِ ظاہر سے علمِ باطن
کا درجہ زیادہ ہے اس کو سمجھانے کے لیے پے در پے یہ تین واقعات سامنے لائے گئے۔
(۲) سوال یہ ہے کہ حضرت خضرؑ کو یہ حق کہاں سے حاصل ہُوا کہ وہ شریعتِ ظاہری پر عمل ترک کر دیں۔ ہر نبی
شریعتِ ظاہری پر عامل ہوتا ہے پھر خضرؑ اس سے کیوں مستثنیٰ ہوئے۔ اوّل اور تیسرے واقعہ کے متعلق تو یہ کہا جا
سکتا ہے کہ عمل بالاحتیاط تھا اور کشتی والے مسکینوں اور دیوار والے یتیموں کو نقصان سے بچانا مقصود تھا لیکن تیسرے واقعہ
کے متعلق کیا کہا جائے گا جبکہ اُس لڑکے نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا تو اس کو کس جُرم میں قتل کیا گیا۔ صدُورِ فعل سے پہلے کسی
کو سزا دینا شریعت میں کب جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس کے قتل کے جواز کے لیے تو اس کا کافر ہونا ہی کافی تھا۔
آنحضرتؐ کے زمانہ میں بے شمار کافر جُرمِ کُفر میں قتل کیے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی ایسا ہو چکا تھا۔ بالخصوص
ایسے کافر کا قتل کرنا جو دُوسروں کو کافر بنانا اور قتل کرنا چاہتا ہو۔ شریعتِ ظاہری اور باطنی دونوں کا حکم یہاں آکر مِل
جاتا ہے۔ شرک کا گناہ تو قتل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور علمِ باطنی سے اس کا شرک ثابت تھا۔
(۳) جناب خضرؑ کے کسی عمل پر جو موسیٰؑ کے ساتھ ظہور میں آئے اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انہوں نے صاف
لفظوں میں یہ ظاہر کر دیا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ حکمِ خدا سے کیا ہے لہٰذا اس صورت
میں خضرؑ کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔
(۴) اب رہا یہ سوال کہ خدا نے خلافِ عدل ایسا حکم کیوں دیا تو عدالت مؤمن کے مقابل ہوتی ہے نہ کہ کافر کے
مقابل میں۔ جو خدا کا شریک بنا کر اس کی عبادت کرتا ہے اس کے مقابل عدالت کیسی؟ مشرک تو واجب القتل ہوتا ہے
عدالت تو دو فریق کے درمیان ہوتی ہے۔ یہاں تو وہ لڑکا اپنے کفر کی وجہ سے خود خدا کے مقابل تھا لہٰذا اس کے
مقابل عدالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
(۵) فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا ۱۸/۸۰ میں خضر علیہ السلام نے خوف میں موسیٰ علیہ السلام کو کیوں شامل کیا بلحاظ
علمِ باطن خَشْيَةٌ کا تعلق صرف جناب خضرؑ سے تھا نہ کہ جناب موسیٰؑ سے۔ جواب یہ ہے کہ یہ خوف جناب موسیٰؑ
کی مصاحبت کی وجہ سے ظاہر کیا گیا۔ شریعتِ ظاہری کے لحاظ سے جناب موسیٰؑ کو یہ خوف ہونا چاہیئے تھا کیونکہ
وہ لڑکا کافر تھا اور ماں باپ مؤمن تھے۔ اس کا امکان تھا کہ وہ ان کو نقصان پہنچائے۔
(۶) اس واقعہ سے حضرت موسیٰؑ کو یہ بتایا گیا ہے کہ شریعتِ ظاہری جو تم کو دی گئی ہے وہ صحیح و درست ہے لیکن
اگر کسی کو بباطن امور سے آگاہی ہو اور ظاہری شریعت جو تم کو دی گئی ہے کا فیصلہ مضرت رساں ہو تو اس کے خلاف
کرنا مصلحتِ الٰہی کے موافق ہوتا ہے مثلاً۔
اگر کشتی میں سوراخ نہ کیا جاتا تو ضرور ظالم بادشاہ اس کو درست سمجھ کر لے جاتا۔ اس صورت میں مسکینوں کو جو
کشتی کے مالک تھے کتنا نقصان پہنچ جاتا ؎ متاعِ شکستہ کہ در دستِ تست — ازاں بہ کہ در دستِ دشمن درست

سوراخ جو خضرؑ نے کیا تھا اس کی مرمت ہوسکتی تھی اور کشتی کو پھر دریا میں چلایا جاسکتا تھا۔ لیکن دشمن لے جاتا تو کب ہوتا۔

اسی طرح اگر لڑکے کو قتل نہ کیا جاتا اور وہ مؤمن ماں باپ کو کافر بنا لیتا یا کفر اختیار نہ کرنے پر ان کو مار ڈالتا تو دو مؤمنوں پر کیسا ظلم ہوتا۔ خدا کو مؤمنوں کی حفاظت ضروری ہوتی ہے یا ایک کافر کی۔

رہا دیوار کا مسئلہ، اگر خضرؑ اُسے سیدھا کھڑا نہ کرتے اور گر پڑتی اور لوگ ان یتیموں کے باپ کا دفن کردہ خزانہ لُوٹ کرلے جاتے تو یتیموں کو کتنا سخت نقصان پہنچتا۔ خدا نے یتیموں کا لحاظ کرنا ضروری سمجھا نہ کہ ان لٹیروں کا جو ناجائز مال پر تصرّف کرنا چاہتے تھے۔

خلاصہ اس تعلیم کا یہ ہے کہ کسی نبی کو اپنے علم پر مغرور نہ ہونا چاہیئے فوق کلّ ذی علمٍ علیم۔ اس دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر عالم پایا جاتا ہے۔ اسی علم کی بنا پر خدا نے انبیاءؑ کے درمیان فضیلت کے درجات قائم کیے ہیں، تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م۔ (۲/۲۵۳)

تمام انبیاءؑ میں ازروئے علم سب سے بڑا درجہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے۔ آپ کو خدا نے مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ کا علم عطا فرمایا تھا اور جو کچھ حضرتؐ نہ جانتے تھے وہ سب سکھا دیا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے، وعلّمك ما لم تكن تعلم۔

نبوّت ناشناس لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے پے در پے جھوٹ بولے۔ بار بار کہتے تھے اب میں ایسا نہیں کروں گا اور پھر اعتراض کر بیٹھتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب کوئی امر خلافِ شرع دیکھتا ہے تو بے خود ہو کر اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ چونکہ شریعتِ ظاہری کی رُو سے تینوں واقعے خلاف شرع تھے اور حضرت موسیٰؑ سے ضبط نہ ہوسکا لہٰذا اعتراض کر دیا۔ یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ فطری اور شرعی جذبہ کا اظہار تھا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ ﴿۸۳﴾
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ
سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ
حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ
وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ

نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ط

اے رسول تم سے لوگ ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ میں ابھی تم کو اس کا حال بتائے دیتا ہوں (خدا فرماتا ہے) بے شک ہم نے ان کو روئے زمین پر قدرتِ حکومت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ہر چیز کے ساز و سامان دے رکھے تھے۔ اس نے پہلے (مغرب کی طرف جانے کے لیے) سامانِ سفر درست کیا جب چلتے چلتے آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اُسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج کالی کالی کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اور اسی جگہ کے قریب ایک قوم آباد پائی۔ ہم نے کہا، اے ذوالقرنین تم کو اختیار ہے خواہ ان کو (کفر کی وجہ سے) سزا دو (کہ ایمان لے آئیں) یا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا طریقہ اختیار کرو (کہ وہ ایمان قبول کرلیں)۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو سرکشی کرے گا ہم بہت جلد اس کو ضرور سزا دیں گے پھر وہ (قیامت میں) اپنے پروردگار کے سامنے لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور وہ (خدا) بُری سے بُری سزا دے گا۔ اور جو ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اس کے لیے اچھے سے اچھا بدلہ ہے اور ہم بہت جلد اسے اپنے کاموں میں سے آسان کام کرنے کو کہیں گے (یعنی نرم احکام دیں گے)۔

سکندر ذوالقرنین کے بارہ میں مفسّرین کا سخت اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے یا نہ تھے۔ نبی ہوں یا نہ ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مردِ صالح اور دیندار تھے ورنہ قرآن میں ان کا ذکر اس شان سے نہ ہوتا۔ اسی ہدایت کے سلسلہ میں مخالف قوموں نے دو بار ان کی پیشانی پر تلوار ماری جس کے دو نشان بن گئے اسی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہتے تھے۔ یہ ایک جلیل القدر اور صاحبِ ہمت بادشاہ تھے۔ یونان کا شہر مقدونیہ ان کا دار السلطنت تھا۔ مغرب سے مشرق تک اور جنوب سے شمال تک اُن کی حکومت کا پرچم لہراتا تھا اپنی سلطنت میں جو دَورے کیے ان کا ذکر قرآن میں ہے۔

جب ان کا سفر مغرب کی طرف ہوا تو سورج کو ایک گدلے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی کوئی سمندر آخری حد پر تھا۔ خدا نے ان سے کہا یہاں قُلْنَا کا لفظ ہے اَوْحَيْنَا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ان کو بذریعہ الہام بتایا گیا کہ جو کافر قومیں ان علاقوں میں بستی ہیں چاہے تو ان کو کفر اختیار کرنے کی وجہ سے سزا دو تاکہ وہ دینداری اختیار کریں یا ان سے اچھا سلوک کرو تاکہ وہ خود سمجھ بوجھ کر خدا پرست بن جائیں۔ چنانچہ

ذوالقرنین نے یہ طے کر لیا کہ ایسا ہی کروں گا۔
ذوالقرنین کا زمانہ پانسو سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے ۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى
قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا
لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ
مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا
الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ
لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

چلتے چلتے جب آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے (مغرب سے مشرق کی طرف چلے) تو سُورج ایک ایسی قوم کے سر پر طلوع کر رہا تھا جن کے لیے ہم نے آفتاب کے سامنے (دُھوپ سے بچنے کے لیے) کوئی آڑ نہیں بنائی تھی اور تھا بھی ایسا ہی (کوئی مکان ان کے لیے نہ تھا) اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس سے پُوری واقفیت تھی۔ وہاں سے ایک اور راہ اختیار کی یہاں تک کہ جب چلتے چلتے دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو دونوں دیواروں کے اس طرف ایک قوم ملی جس کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی (ایک ترجمان کے ذریعہ) انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج روئے زمین پر فساد کرتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے پاس اس غرض کے لیے چندہ جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں۔

جب سکندر اور اُن کے ساتھی مشرقی حصہ میں پہنچے تو وہاں ایک ایسی وحشی قوم کو دیکھا جو آفتاب کی تمازت سے بچنے کے لیے گھر بنانا بھی نہیں جانتے تھے۔ نباتات اُن کی خوراک تھی۔ بارش ہوتی تو پہاڑوں کے غاروں میں

جا چھپتے۔ وہاں سے چلے تو دو پہاڑوں کے درمیان ایک اور وحشی قوم کو آباد پایا جن کی بات بھی سکندر اور ان کے ساتھیوں کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر کسی ترجمان کے ذریعہ سے انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ یاجوج ماجوج بڑے فسادی ہیں ہمیشہ لُوٹ مار کرتے رہتے ہیں ہم ان وحشیوں سے سخت پریشان ہیں۔ آپ ہمیں ان کے ظلم سے بچا لیجئے۔ آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار ایسی کھڑی کر دیں کہ وہ پھر ہم تک نہ آسکیں جو کچھ خرچ ہوگا ہم چندہ کر کے آپ کو دے دیں گے۔

ـــ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"ایک روایت میں ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے دو گروہ ہیں بعض کو ترک اور بعض کو پہاڑی کہتے ہیں۔ یہ لوگ تین قسم کے تھے۔ ایک ایسے لمبے تڑنگے جن کے قد تاڑ کے درخت کے برابر تھے۔ دوسرے ایسے چوڑے جن کی لمبائی چوڑائی برابر تھی۔ تیسرے بڑے کہ ان کا ایک کان اوڑھنا اور ایک بچھونا تھا اور ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ ان میں سے کوئی نہ مرتا، جب تک اپنے نُطفہ سے ہزار جوان لڑنے والے دیکھ نہ لیتا۔ یہ اس قدر قوی تھے کہ پہاڑ اور لوہے کی بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ گھاس، پتّے، آدمی اور جانور حرام و حلال ہر چیز کھا جاتے تھے۔ جب یہ حملہ کرتے تو اُس قوم کا ستیاناس کر دیتے۔"

خدا کی جہاں بے شمار مخلوق اس دُنیا میں بستی ہے ان میں سے ایک مخلوق یہ بھی ہے چونکہ قرآن میں ذکر ہے لہٰذا انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات کان کو نہیں لگتی کہ وُہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ کیونکہ نسلِ انسانی میں سوائے اس نسل کے جس کا بیان ہوُا اور کہیں جسمانی اور نفسانی حالت میں اتنا تغیر نہیں پایا گیا کہ انسانوں سے مشابہت ہی نہ رہے۔ قد ہوں تو تاڑ جیسے، کان ہوں تو ہاتھی کے کانوں سے بڑھ کر، عادتیں ایسی کہ اَلا بَلا سب کی سب کھا جائیں۔ ایک جنگلی وحشی مخلوق تو ہو سکتی ہے لیکن انسان کی نسل کیسے مان لیا جائے۔
پھر کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ امر کہ جب تک اس قوم کا کوئی شخص اپنے نطفہ سے ایک ہزار لڑنت جوان نہ دیکھ لیتا، مرتا ہی نہ تھا۔ گویا یہ سب باتیں اس کے اختیار میں تھیں، مرنا بھی اور ایک ہزار جوان پیدا کرنا بھی۔ ایسی داستانیں طلسمِ ہوشربا میں تو کھپ سکتی ہیں لیکن قرآن جیسی مقدس کتاب کے حاشیہ پر زیب نہیں دیتیں۔
مولانا مرحوم نے اس روایت کا حوالہ بھی کسی کتاب سے نہیں دیا۔ اگر یہ لکھ دیتے کہ خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی تھی جن کے حالات یہ تھے تو خیر مضائقہ نہ تھا۔ نسلِ انسانی سے اس کا پیوند لگانا کیوں ضروری سمجھا گیا۔ ہم نے اپنی اس تفسیر میں ایسی باتوں میں جو مفسرین نے بے پرواہی سے لکھ دی ہیں تنقید کرنا ضروری سمجھا ہے۔

قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ
انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾
فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾

ذوالقرنین نے کہا جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ (تمہارے چندہ سے) کہیں بہتر ہے۔ بس تم اپنی قوت سے میری مدد کرو۔ تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دوں (اچھا تم مجھے کہیں سے) لوہے کی سلیں لادو۔ تاکہ میں دونوں کنگروں کے درمیان بلند دیوار بنا دوں۔ (چنانچہ وہ لوگ لے آئے اور بڑی دیوار بنائی گئی) پھر حکم دیا کہ (اس کے گرد آگ لگا کر) پھونکو یہاں تک کہ اس کو لال انگارا بنا دیا تو کہا کہ اب مجھے تانبا دو کہ اُسے پگھلا کر دیوار پر اُنڈیل دوں۔ غرض وہ دیوار ایسی (مضبوط اور اونچی) بنی کہ (یاجوج ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ سب میرے رب کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کا وعدہ (قیامت) آئے گا تو اس کو ڈھا کر ہموار کر دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔

ذوالقرنین کا دیوار بنانا

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱) وہ قوم دولت مند تھی ورنہ دیوار کا خرچ برداشت کرنے کی پیش کش نہ کرتی۔

(۲) ذوالقرنین نے جب لوہے کی سلیں ان سے مانگیں تو انہوں نے لا کر حاضر کر دیں۔ ایک ایسی اونچی دیوار کے لیے ہزاروں سلوں کی ضرورت ہوئی ہوگی۔ اتنا لوہا فراہم کرنا پھر اُسے گلا کر سلیں بنانا ظاہر کرتا ہے کہ فنِ حدادی میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا۔ کتنی لمبی چوڑی بھٹیاں بنائی گئی ہوں گی اور پھر ان میں آنچ تیز کرنے کے لیے جو ایندھن استعمال کیا گیا ہوگا، سمجھ سے باہر ہے۔ پھر سلوں کی درازوں کے اندر تانبا پگھلا کر ڈالنا سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ اتنی بلندی پر یہ شعلہ خیز تانبا کیونکر پہنچایا گیا ہوگا اور کس ظرف کے ذریعہ سے

ڈالا گیا ہوگا۔ عقل حیران ہے کہ اس زمانہ میں جو سائنس کا زمانہ کہلاتا ہے اور برقی قوت کے ذریعہ سے دھاتیں پگھلائی جاتی ہیں یہ کام آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اب سے ہزارہا برس پہلے انسان کی یہ ترقی ضرور محیّر العقول ہے۔

(۳) یہ دیوار جو اس قدر مضبوط تھی کہاں گئی۔ اب تو کسی ملک میں اس کا وجود نظر نہیں آتا۔ ورنہ روئے زمین کی سطح پر دوڑ لگانے والے اور چپہ چپہ کو چھان مارنے والے ضرور اس کا ذکر کرتے۔ یاجوج و ماجوج کا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ قدرت نے ان دونوں کو نگاہِ خلائق سے پوشیدہ کر دیا ہے قیامت میں دونوں چیزیں ظاہر ہوں گی۔ چائنا وال (دیوارِ چین) جسے سدِ سکندر کہتے ہیں یقیناً وہ دیوار نہیں جو ذوالقرنین نے بنائی تھی کیونکہ یہ لوہے کی بنی ہوئی نہیں۔ تصور کیجئے کہ اس دیوار کی تعمیر میں کس قسم کے آلات استعمال کیے گئے ہوں گے اور کتنی محنت و مشقت کے بعد اس کو بنایا گیا ہوگا۔ حالانکہ ذوالقرنین کے سفر میں جن قوموں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت جاہل قومیں تھیں۔ بعض تو گھر بنانا بھی نہ جانتی تھیں۔ پس ایسے زمانہ میں فنِ حدادی اور تعمیر میں یہ ترقی خدا کی شان ہی شان ہے۔

یہاں ذوالقرنین کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہودیوں نے مشرکینِ مکہ سے مل کر کہا کہ محمدؐ سے جا کر اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا حال پوچھو۔ منشا یہ تھا کہ چونکہ وہ تاریخ سے نابلد ہیں اور ہماری کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں کیا، اس لیے یا تو جواب دے ہی نہ سکیں گے یا دیں گے تو غلط سلط ہوگا لہٰذا دونوں حالتوں میں ہم ان کا مذاق اڑائیں گے۔ لیکن جب قرآن نے یہ دونوں قصے بیان کیے تو حیران ہو گئے۔ کیونکہ پورے واقعات سے وہ خود بے خبر تھے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
جَمْعًا ﴿٩٩﴾ ۙ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ ۙ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع
اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ
اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

اس روز ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ آپس میں ٹکرا کر سمندر کی موجوں کی طرح گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو جمع کریں گے اور اس دن کافروں پر جہنم کو کھلم کھلا پیش

کریں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی آنکھیں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں اور (عداوت کی وجہ سے) رسول کی بات کو سُن ہی نہ سکتے تھے۔ کیا جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اس خیال میں ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو سرپرست بنا لینے پہ ان سے کوئی پُوچھ گچھ نہ ہوگی ہم نے کافروں کی مہمانداری کے لیے جہنّم تیار کر رکھی ہے۔

ذوالقرنین کے قصّہ کے بعد کافروں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو مہلت ہم نے دے رکھی ہے اس کی وجہ سے قیامت سے بے خبر نہ ہوں۔ جب صور پھونکا جائے گا تو عرصہ محشر میں سب جمع ہوں گے وہاں ان کافروں کی خبر لی جائے گی جو دُنیا میں دولت کے نشہ میں ہم کو بھولے پڑے رہے اور مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا معبود و سرپرست بنا بیٹھے۔ مجھ سے بھاگ کر جائیں گے کہاں؟

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا
وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

اے رسول کہدو کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتا دیں جو از روئے اعمال سب سے زیادہ خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگانی دُنیا کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور وُہ اس خیال میں پڑے ہُوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں یہی وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو اور (روز قیامت میں) اس کی ملاقات کو جھٹلا دیا تھا ان کے سب اعمال ضائع گئے پس ہم (روز قیامت) ان کے لیے میزان حساب قائم نہ

کریں گے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے یہی جہنّم ان کی سزا ہے۔ انہوں نے میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔

مروی ہے کہ ابن کوّا نے جناب امیر علیہ السّلام سے پوچھا کہ ان آیات سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا، خوارج۔ پھر فرمایا تُو اور تیرے اصحاب۔ کیونکہ ابن کوّا بھی خوارج سے تھا۔ آخر آیت میں جن ایمان والوں کا ذکر ہے ان سے مراد ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ و عمار یاسرؓ ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا
لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ
وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا
يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

(یہ ایمان و عمل صالح کرنے والے جنت الفردوس ہیں) ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے ہٹنے کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔ اے رسول کہدو اگر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لیے تمام سمندر کا پانی سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات تمام ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم ویسا ہی ایک سمندر اس کی مدد کو لے آئیں۔ اے رسول کہدو بے شک میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں (مگر فرق یہ ہے کہ) میرے اُوپر وحی ہوتی ہے۔ تمہارا معبود خدائے واحد ہے پس جو اپنے رب کی ملاقات کی امّید رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

کلمات سے مراد خدا کی نعمتیں اس کی صنعتیں اور اس کی حد و حساب سے باہر مخلوق ہے کس کی طاقت ہے کہ ان کو شمار کر سکے۔ بنا بر مشہور روایت خدا نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے ان میں سے ایک زمین بھی ہے اس زمین کے بحر و بر

ہیں اُس کی کتنی مخلوق بستی ہے اور کیسی کیسی صنعتیں اُس نے دکھائی ہیں وہ شمار و اعداد کی حد سے باہر ہیں۔ اس کی مخلوق میں ایک ذات علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کی ہے۔ جن کے متعلق حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے، لَوْ كَانَ الرِّيَاضُ اَقْلَامًا وَّالْبُحُوْرُ مِدَادًا وَّالْجِنُّ حُسَّابًا وَالْاِنْسُ كُتَّابًا مَا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (اگر تمام باغات قلم بن جائیں اور تمام دریا سیاہی بن جائیں اور تمام جنّ حساب کرنے والے اور تمام انسان لکھنے والے ہوں تو بھی علیؑ کے فضائل کا احصا نہیں کر سکتے۔) پس جب ایک انسان کے فضائل کی یہ صورت ہے تو کس کی طاقت کہ خدا کی صنعتوں کا احصا کرے۔ ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں شامل ہوتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۴۱/۶)۔ خداوند عالم نے تمام اقوام عالم کی ہدایت کے لیے جن انبیاء و مرسلین کو بھیجا۔ وہ انہی کی ایک فرد تھے۔ لوگوں نے ان کی ہدایت کو قبول کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ وہ اُن ہی جیسے آدمی تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک آدمی خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے وہ چاہتے تھے کوئی فرشتہ آتا یا ان کی قوم کا کوئی امیر کبیر ہوتا۔ اور اسی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق بھی یہی صورت رہی۔ کفار و مشرکین یہی کہتے رہے آپؐ تو ہم ہی جیسے آدمی ہیں۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ میں تم جیسا آدمی ضرور ہوں لیکن خدا نے مجھے صاحب وحی بنایا ہے میں جو کچھ کہتا ہوں اسی وحی کے مطابق کہتا ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لباسِ بشری میں ضرور تھے لیکن عام انسانوں سے بلحاظ خصوصیات آپؐ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ سنگریزے بھی اگرچہ پتھر ہوتے ہیں لیکن جواہرات سے اُن کو کیا نسبت۔ خاک کا اکسیر سے کیا مقابلہ۔ فرشتہ اگر بشری لباس میں آجائے جیسا کہ اکثر ایسا ہوا۔ مریمؑ کے پاس فرشتہ بشری لباس میں آیا۔ حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ کے پاس فرشتے جوان لڑکوں کی صورت میں آئے۔ سرکار دو عالمؐ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں آئے تو کیا اس سے اُن کی ملکی خصوصیت برطرف ہو جاتی تھی۔ لباس بدلنے سے ذات تو نہیں بدلی جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک نوری مخلوق ہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے جب ان کو بھیجا گیا تاکہ لوگ ان سے مانوس رہیں۔ اگر فرشتہ کو بھی بھیجا جاتا تو جیسا خدا فرماتا ہے مرد ہی بنا کر بھیجا جاتا۔ پس رسولؐ کو عام لوگوں کی طرح سمجھ لینا غلطی ہے۔ لوازم بشری کے علاوہ بہت سی باتیں اُن کے اندر ایسی پائی جاتی تھیں جو بشریت کی حدود سے باہر تھیں مثلاً سوتے وقت آنکھوں کا سونا دل کا نہ سونا، جس طرح آگے سے دیکھنا اسی طرح پیچھے سے دیکھنا، ان کے بدن پر مکھی نہ بیٹھنا، اندھیری رات میں جسم سے اتنی روشنی پھوٹنا کہ رات کو راستہ چلنے میں شمع کا کام دے، پسینہ میں خوشبو آنا، ان کے فضلہ کو زمین کا نگل لینا، جماہی یا انگڑائی نہ لینا۔ ان جسمانی امتیازات کے علاوہ سیرت میں بھی عام انسانوں سے ممتاز تھے پس ان سب باتوں کے پیش نظر ان کو عام انسانوں جیسا نہیں کہا جا سکتا۔ وحی سے جو اُن کے اور عام انسانوں کے درمیان فصلِ ممیز ہے اُس کا تعلق عام انسانوں سے نہیں ہو سکتا۔ ہر ظرف کے لیے ایک مظروف جداگانہ ہوتا ہے۔ عطر کو مٹی کے کوزوں میں نہیں رکھا جاتا۔ وحی کا تعلق نبی سے ہوتا ہے اور نبی اکملِ افرادِ انسانی ہوتا ہے وہ صورت میں ضرور بشر ہوتا ہے لیکن اپنی خصوصیات کی بنا پر

نوعِ انسانی سے جداگانہ ایک نوع ثابت ہوتا ہے۔

(۱۹) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۴۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٓعٓصٓ (۱) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (۲) اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ
نِدَآءً خَفِيًّا (۳) قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ
شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (۴) وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ
مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (۵)
يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (۶)

کٓ ھا یا عٓ صٓ۔ (اے رسول) یہ تمہارے رب کی اس خاص رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ جب اُس نے اپنے رب کو دھیمی آواز سے پکار کر کہا اے میرے پالنے والے میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بڑھاپے (کی آگ) سے بھڑک اُٹھا (بال سفید ہو گئے) اور میرے رب میں تیری بارگاہ میں دُعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں (مبادا دین کو برباد کر دیں۔) اور میری بی بی (اُمّ کلثوم بنت عمران) بانجھ ہے پس تو مجھے اپنی بارگاہ سے ایک جانشین (فرزند) عطا فرما جو میری اور یعقوب کی نسل کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار اُس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنانا۔

یہ سورہ ہجرتِ حبشہ سے پہلے نازل ہوا تھا کیونکہ حضرت جعفرؑ نے نجاشی بادشاہِ حبشہ کے سامنے جب اُس نے

قرآنی آیات سُننی چاہی تھیں اسی سورہ کی تلاوت کی تھی۔

جناب زکریاؑ نے دھیمی آواز میں اس لیے دُعا کی کہ ان کو بڑھاپے میں اولاد کے لیے دُعا کرتے شرم آتی تھی۔ اُن کی عمر اس وقت ۹۹ سال کی ہو چکی تھی اور بی بی کی عمر ۸۸ سال کی تھی اور پھر فطرۃً بانجھ تھیں۔ خیال ہوگا اگر باآوازِ بلند دُعا کی اور لوگوں نے سُن لی تو میرے اوپر ہنسیں گے کہ اس گئی گزری عمر میں اولاد کے لیے دُعا کر رہے ہیں۔ دُعا میں اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ اب میں اس قابل نہیں رہا کہ میرے اولاد ہو لیکن چونکہ تُو نے میری کوئی دُعا رد نہیں کی اس لیے اُمید ہے کہ یہ دُعا بھی ردّ نہ کرے گا۔ اس دعا میں یہی عرض کر رہے ہیں کہ میں ایک فرزند کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ بیت المقدس کی جو خدمت میری سپرد ہے اپنے خاندان میں کسی کو اس کے لیے اہل نہیں پاتا۔ خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خدمت اولادِ یعقوبؑ سے نکل جائے اور ایسے لوگوں کے پاس پہنچ جائے جو اس کے اہل نہ ہوں۔ اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بی بی بھی بانجھ ہے مگر جو میرا مقصد ہے وہ تیری بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں اور تیرے رحم و کرم کا اُمیدوار ہوں بیٹا دے اور ایسا نیک دے جو تیرا پسندیدہ ہو۔

حضرت زکریاؑ حضرت ہارونؑ کی اولاد سے تھے۔ بیت المقدس کے اندر ان کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ یہی اندر جا کر روشنی کرتے اور بخور جلاتے تھے۔ راہب لوگ دوسرے حصّوں میں رہتے تھے یا صحن میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ یہ بڑی مقدس خدمت تھی جو قوم نے اُن کے سپرد کی تھی۔ اسی خدمت کے برقرار رہنے کے لیے بیٹا مانگ رہے تھے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ
الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ
مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا
تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪

(خدا نے کہا) اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے

کسی کو اس کا ہم نام نہیں پیدا کیا۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں حد سے زیادہ بڑھاپے تک پہنچ گیا ہوں۔ خدا نے کہا، ایسا ہی ہوگا۔ خدا نے کہا تیرے رب پر ایسا کرنا آسان ہے۔ میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا کیا درآنحالیکہ تُو کوئی شے نہ تھا۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لیے کوئی علامت مقرر کر فرمایا، تیرے لیے علامت یہ ہے کہ تُو لوگوں سے تین رات دن بات نہ کر سکے گا۔ پس زکریا محرابِ عبادت سے نکل کر قوم کے پاس آئے اور اشارہ سے بتایا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی تسبیح کیا کرو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت زکریاؑ اور خدا کے درمیان جو کلام ہوا وہ فرشتہ کے ذریعہ سے ہوا۔ حضرت یحییٰؑ سے پہلے یہ نام کسی کا نہ تھا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت یحییٰؑ چھ ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہوئے۔ سوائے حضرت یحییٰؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے اور کوئی بچہ چھ ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت زکریاؑ دعا میں یہ اقرار کر چکے کہ تُو میری ہر دُعا کا قبول کرنے والا ہے میں مایوس نہیں ہوں تو پھر کیا معنیٰ ہیں اس کہنے کے کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میں بوڑھا ہوں اور بی بی بانجھ ہے۔ اس سے تو صاف مایوسی ٹپکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ کیسے پیدا ہوگا۔ اس شک کو دُور کرنے کے لیے تھا کہ آیا مجھے اور میری بی بی کو جوان کر کے بیٹا دے گا یا موجودہ صورت ہی میں۔ خدا نے جواب دے دیا کہ اسی حالت میں ہوگا۔

نشانی طلب کرنا اس لیے تھا کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے اگر یہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اطلاع ہوگی تو لوگ خیال کریں گے کسی اور کا بچہ اُٹھا لیا ہے۔ اس شک کا دُور کرنا ضروری تھا۔

محراب کے معنی مصلّے کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اُس جگہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ تین رات سے مراد تین رات اور دن ہیں۔ وقتِ عبادت ان کی زبان کھلی رہتی تھی۔ البتہ جب قوم کے پاس آتے تھے تو زبان بند ہو جاتی تھی۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ
لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا
عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ع ۵

اے یحییٰ، کتاب (توریت) کو مضبوطی کے ساتھ لو۔ ہم نے انہیں بچپن ہی میں یہ قوتِ فیصلہ (نبوت)

عطا کی اور اپنی طرف سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ خود بھی پرہیزگار اور ماں باپ سے نیکی کرنے والے تھے اور سرکش و نافرمان نہ تھے سلام ہو اُن پر جس روز پیدا ہوئے اور جس روز مریں گے اور جس روز زندہ (قبر سے) اُٹھائے جائیں گے۔

حضرت یحییٰؑ خدا کے مخصوص بندوں میں سے تھے۔ چار برس کے سِن میں انہوں نے پوری توریت حفظ کر لی تھی۔ خدا کا خوف اس قدر اُن کے دل پر غالب تھا کہ سوکھی روٹی کے سوا کوئی چیز نہ کھاتے تھے ٹاٹ کے کپڑے پہنتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ ان کے رُخسارے زخمی ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نے نمدے کے دو ٹکڑے ان کے رخساروں پر باندھ دیئے تھے مگر وہ ان کو بھی رہنے نہ دیتے تھے۔

حضرت زکریاؑ ان کی موجودگی میں عذابِ جہنّم کا ذکر نہ کرتے تھے ایک بار سُن لیا تو گھر چھوڑ کر روتے پیٹتے ہوئے جنگل کی طرف نکل گئے۔ ماں باپ تلاش کو نکلے تو سجدہ میں پایا۔ بمشکل تمام سمجھا بجھا کر گھر لائے۔ عمر بھر شادی نہ کی۔ لوگوں کی ہدایت میں اپنا وقت زیادہ صرف کرتے تھے۔ ان کی شہادت کا سبب یہ ہوا کہ اس زمانہ کے بادشاہ کے پاس ہیروڈیس نامی ایک حسین عورت تھی جو اس کے بھائی فلپ کی بیوی تھی۔ اس جُرم پر حضرت یحییٰؑ نے اُسے ملامت کی اور کہا یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ اس پر وُہ عورت اُن کی جانی دشمن بن گئی۔ جب خود بوڑھی ہونے لگی اور بادشاہ کی توجہ اپنی طرف کم پائی تو اپنی نوجوان لڑکی کو جو پہلے شوہر سے تھی بنا سجا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرنے لگی۔ بادشاہ اس پر عاشق ہو گیا اور اپنی زوجیت میں لینا چاہا۔ حضرت یحییٰؑ سے رائے لی۔ آپؑ نے فرمایا وہ تیرے اوپر حرام ہے۔ ایک جشن میں جب بادشاہ نشہ میں چُور تھا اُس خبیث عورت نے اس لڑکی کو سولہ سنگھار سے آراستہ کر کے پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے کہا پہلے میری ایک خواہش پُوری کیجئے۔ اُس نے کہا بتاؤ وہ کیا ہے۔ وہ بولی، یحییٰؑ کا سر۔ اُس نے فوراً حضرت یحییٰؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ علمائے یہوُد نے کہا اگر اُن کا خون زمین پر گرے گا تو پھر زمین سے ایک دانہ روئیدہ نہ ہو گا۔ اُس نے کہا، اُن کا خون ایک گڑھے میں گراؤ اور طشت میں رکھ کر ان کا سر لاؤ۔ آپؑ کے قتل کے بعد گڑھے سے خوُن نے جوش مارنا شروع کیا ہر چند اس پر مٹی ڈالتے تھے مگر وہ برابر جوش کھا کر اوپر آ رہا۔ یہاں تک کہ ایک ٹیلہ بن گیا پھر بخت نصر عیسائی بادشاہ نے حملہ کیا اور قتلِ عام کا حکم دیا۔ بادشاہ کے ساتھ ستر ہزار یہودی مارے گئے تب اس خون کا جوش ختم ہوا۔

حضرت یحییٰؑ کی غذا ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا وہ بھی بقدر سدِّ رمق۔ فقیرانہ لباس میں وہ لوگوں کو ہدایت کرتے پھرتے تھے اور توبہ کا حکم دیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے اگر دو کُرتے تمہارے پاس ہوں تو ایک اپنے ننگے بھائی کو دے دو یا جس کے پاس دو روٹیاں ہوں وہ ایک اپنے بھُوکے بھائی کو دے دے۔ لوگوں کو ظلم کرنے اور حق سے زیادہ لینے سے روکتے تھے تاکہ ظاہر و باطن دونوں پاک ہو جائیں۔ لوگ ان کو یوحنّا بپتسمہ دینے والا کہتے تھے۔ ان کی نبوّت کو تمام بنی اسرائیل نے تسلیم کر لیا تھا۔

عند اللہ ان کا کتنا بڑا مرتبہ تھا کہ خدا نے ان پر زندگی میں سلام بھیجا، ان کے مرنے کے دن بھی اور ان کے قبر سے اُٹھنے کے دن بھی۔ پھر خدا نے ان کا نام بھی خود ہی رکھا۔ نیز بچپن میں ہی ان کو نبوّت عطا کی۔ وہ ایک دشمن ایمان کے حکم قتل پر ذرا ہراساں نہ ہوئے سر کٹوا دیا مگر جو حکم شرع تھا اُس کے خلاف حکم دینا گوارا نہ کیا۔ کس قدر مشابہ ہیں حضرت یحییٰؑ کے حالات حضرت امام حسینؑ سے۔ جناب یحییٰؑ کا خون ستر ہزار بنی اسرائیلیوں کے قتل کے بعد جوش مارنے سے رُک گیا تھا مگر امام حسین علیہ السلام کا خون ابھی تک جوش مارنے سے نہیں رُکا اور ظہور قائم آلِ محمدؐ کے وقت تک جوش مارتا رہے گا۔ امرِ حق کے احیا میں جس طرح جناب یحییٰؑ نے سر کٹوا دیا، امام مظلومؑ نے بھی اسی طرح اپنی جان عزیز نہیں کی۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾
فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى
يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ
قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ
اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

(اے رسول) اس کتاب (قرآن) میں مریم کا ذکر بھی کرو جب وہ لوگوں سے الگ ہو کر (غسل کے لیے) پُورب والے مکان میں چلی گئیں اور اُس نے لوگوں کے سامنے پردہ کر لیا۔ ہم نے اپنی روح (جبریل) کو ان کے پاس بھیجا۔ وُہ اچھے خاصے آدمی کی صُورت میں ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مریم نے کہا اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتہ نے کہا میں تمہارے ربّ کا پیغام بر ہوں تاکہ تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا

عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا، تم نے ٹھیک کہا لیکن تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ یہ بات (بے باپ کے بچّہ پیدا کرنا) میرے لیے آسان ہے۔ تاکہ اس کو پیدا کرکے ہم لوگوں کے لیے اپنی نشانی قرار دیں اور اپنی رحمت کا ذریعہ بنائیں۔ اور یہ بات فیصل شدہ ہے۔

بنی اسرائیل میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی عورت چاہتی تھی کہ اس کا لڑکا بیت المقدس کی خدمت کرے تو بحالتِ حمل یہ نذر مان لیتی تھی کہ جب پیدا ہوکر ذرا سیانا ہوگا تو میں اس کو بیت المقدس کی نذر کردوں گی۔

جناب مریمؑ کی والدہ حنّہ نے بھی یہ نذر بحالتِ حمل مانی۔ لیکن ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی۔ سخت پریشان تھیں کہ اب کیا کروں۔ لڑکی کو نذر کرنے کا دستور نہ تھا۔ بہرحال خدا نے ان کی نذر قبول کرلی۔ یہ تمام واقعہ سورہ آل عمران میں بیان ہوچکا ہے۔ یہاں پھر یہ واقعہ اس وقت سے بیان کیا جاتا ہے جب سیانی ہوکر حضرت مریمؑ بیت المقدس میں آچکی تھیں اور حضرت زکریاؑ نے ان کے لیے ایک حجرہ مخصوص کردیا۔ وُہ وہیں مُعتکف رہ کر عبادتِ خدا بجالاتی تھیں۔ ایک دن غسل کیلئے پورب کی طرف ایک مکان میں چلی گئیں اور پردہ چھوڑ دیا۔ ناگاہ جبریلؑ امین بصورتِ انسان وہاں آگئے۔ حضرت مریمؑ انہیں دیکھ کر گھبرائیں اور خدا سے پناہ مانگنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا گھبرائیے نہیں خدا کا فرستادہ پیغام بر ہوں۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔

جس طرح حضرت زکریاؑ نے اظہارِ تعجب کیا تھا جناب مریمؑ نے بھی کیا۔ اگرچہ صورتیں مختلف تھیں۔ وہاں کبرسنی تھی تو یہاں بے شوہر کے بچہ ہونا۔ خدا نے دونوں جگہ یہی فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔

غور طلب یہ امر ہے کہ مَس کے معنی کیا ہیں۔ اگر چھُونا مراد ہے تو یہ غلط ہے کیا بچپن سے ابھی تک کسی مرد نے ان کے بدن کو چھُوا تک نہ تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ مَس کے معنی تعلّق کے ہیں۔ یعنی جب میرا کسی مرد سے تعلق ہی نہیں رہا تو پھر ولادتِ فرزند کیسی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو علم سے مَس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں بدکار عورت بھی نہیں، اس معنی کی مؤید ہے عورت کا کسی مرد سے ناجائز تعلّق ہونا ہی بدکاری کہلاتا ہے یہی صورت قرآن کے متعلق لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ (۵۶/۲۷) کی ہے۔ وہاں بھی مَس کے معنی تعلّق رکھنے اور اس کے معانی و مطالب سمجھنے کے ہیں نہ کہ چھُونے کے۔ اگرچہ شرعی حکم یہی ہے کہ اس کے الفاظ کو بغیر وضو نہ چھُوا جائے۔ مگر بغیر طہارت بھی لوگ چھُو لیتے ہیں۔ لیکن معنوی اعتبار سے ایک جاہل آدمی ان کے مفاہیم سے اس کی تفسیر و تاویل سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اس سے حقیقی تعلق تو ان ہی لوگوں کا ہوسکتا ہے جو مصداق آیتِ تطہیر ہیں۔ یوں سمجھنے کا دعویٰ جو چاہے کرلے۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى

جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾

(فرشتہ کے بشارت دینے کے بعد ہی) وہ حاملہ ہوگئیں پھر اس کی وجہ سے لوگوں سے الگ ہوکر ایک دُور کے مکان میں چلی گئیں (جب جننے کا وقت قریب آیا) تو دردِ زہ ان کو ایک سوکھے درخت خرما کی جڑ کے پاس لے آیا (اس وقت) مریم کہنے لگیں، کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھُولی بسری ہوجاتی۔

یہ حمل عام عورتوں کا سا نہ تھا جو نو ماہ بعد بچہ پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا تعلق عالمِ امر سے تھا۔ جہاں اسباب و وسائل مفقود ہوتے ہیں اور صرف کُن کہنے یا ارادہ کرنے سے وہ شئے وجود میں آجاتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی خلقت کا تعلق عالمِ امری سے تھا نہ کہ عالمِ خلقی سے۔

جب دردِ زہ عارض ہُوا تو جناب مریمؑ بیت المقدس سے نکل کر بہت دُور کسی مقام پر چلی گئیں۔ اس کی جہت یہ تھی کہ وہ کنواری تھیں اگر بیت المقدس ہی میں بچہ پیدا ہوتا تو جو لوگ بیت المقدس کے خدمتگار وہاں رہتے تھے انہیں گھیر لیتے اور بازپرس شروع ہوجاتی۔ سوچتی ہوں گی یہاں سے دُور جاکر بچہ جنوں اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہ تو سمجھتی تھیں کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ معمولی بچہ نہیں حکم خدا سے ہے۔ لیکن پھر جو عورت کی حیا کا تقاضا تھا اُسے پُورا کیا۔

جہاں پہنچیں وہاں کھجُور کے دو سُوکھے درخت کھڑے تھے۔ ایک چادر تان کر ہو بیٹھیں۔ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو ان کو یہ فکر ہوئی کہ میں اس کے متعلق لوگوں سے کیا کہوں گی اور اپنی برأت کا کیا ثبوت دوں گی۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور کوئی میری اس حالت کو نہ دیکھتا۔

یہودیوں کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے نہیں پیدا ہوئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جناب مریمؑ کی منگنی ایک شخص یوسف نجار سے ہوئی تھی چونکہ یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ شادی یعنی رخصتی سے پہلے عورت اپنے منگیتر سے ہم بستر نہیں ہوسکتی تھی اور مریم و یوسف مِل گئے تھے لہٰذا اس رسم کی خلاف ورزی مریم کے لیے باعثِ پریشانی بنی ہوئی تھی۔ سر سیّد احمد خاں صاحب نے اس روایت کو قبول کیا ہے اور وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان میں بھی یہی رسم ہے۔

لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اگر عیسیٰؑ کا کوئی باپ ہوتا تو قرآن میں جا بجا عیسیٰؑ بن مریمؑ نہ کہا جاتا بلکہ اس ابنیت کا تعلق باپ سے ظاہر کیا جاتا۔ دوسرے جناب مریمؑ کو خداوندِ عالم صدیقہ کا لقب نہ دیتا۔ ان کی طہارت اور اصطفا کا ذکر نہ کرتا تیسرے ایسے لڑکے کو جو ناجائز طریقہ سے پیدا ہوا ہو خدا اپنی آیت بیان نہ کرتا۔ ان کو اپنا رسول نہ بناتا۔ چوتھے یہودی اتنا سخت ہنگامہ نہ کرتے۔ پانچویں حضرت عیسیٰؑ آغوشِ مادر میں اپنی ماں کی عصمت کی گواہی نہ دیتے۔ یہودیوں کو چونکہ حضرت عیسیٰؑ سے سخت عداوت تھی اور وُہ ان کو خدا کا رسول نہیں مانتے تھے اس بنا پر انہوں نے یہ جھوٹی روایت گڑھ لی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب یہ ولادت بحکمِ خداوند اور بارادۂ الٰہی ہوئی تھی تو پھر حضرت مریمؑ نے یہ کیوں کہا، کاش میں مرجاتی

جواب یہ ہے کہ یہ صرف اس ہنگامہ آرائی کے خوف سے کہا گیا جو یہودی بچہ کو دیکھ کر کرنے والے تھے اور یہ بھی دھڑکا تھا کہ یہودی ان کی پیش کردہ صفائی کو قبول کریں گے یا نہیں۔

حضرت مریمؑ کی پریشانی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو کنواری لڑکی پھر خاندانِ نبوّت سے۔ پھر عام عورتوں کی سی ولادت نہیں اس وقت وہ ایک سخت کش مکش میں مبتلا تھیں۔ وہ تو جانتی تھیں کہ جو کچھ ہوا ہے حکمِ خدا سے ہوا ہے لیکن لوگ تو اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان کی زبانِ طعن و طنز تو کھلنی ضرور تھی۔ پھر کوئی ان کا شریکِ حال نہ تھا۔ اکیلی ایک لق و دق میدان میں بچہ کو لیے بیٹھی تھیں۔ سوچ رہی ہوں گی کیا کروں۔ اسے لے کر پھر بیت المقدس میں جاؤں یا کہیں اور ممکن ہے بیت المقدس والے نگہبان مجھے داخل نہ ہونے دیں یہ تو زخم پر اور نمک پاشی ہوگی۔ غرض ایک سر اور ہزار سودے کا مصداق بنی ہوئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بیت المقدس کے اندر حضرت مریمؑ کو دردِ زہ عارض ہوا تو آپ نے چاہا کہ اسی حجرہ میں بچہ پیدا ہو جس میں عبادت کرتی تھیں تو ایک آواز آئی اے مریم یہ جائے عبادت ہے نہ کہ جائے ولادت۔ اس کی وجہ یہ تو نہیں ہوسکتی کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے جو کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے بیت المقدس کی تقدیس میں کوئی فرق آجاتا بلکہ غالباً یہ وجہ ہو کہ عیسائیوں کو ان کے ابن اللہ ہونے کا ایک بیّن ثبوت مل جاتا۔ ورنہ خاصانِ خدا کے خانۂ خدا میں پیدا ہونے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ
هُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِىْ
وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ
نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا
تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا
كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

تب جبرئیل نے مریم کے پائنتی طرف سے آواز دی کہ تم کڑھو نہیں۔ دیکھو تو تمہارے پروردگار نے تمہارے

نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور خرمے کے درخت کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکے پکے تازے خرمے جھڑ پڑیں گے انہیں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور (دیدار فرزند سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو (اور وہ تم سے کچھ پوچھے) تو تم (اشارہ سے) کہدو میں نے خدا کے واسطے روزہ کی نذر کی ہے تو میں آج ہرگز کسی سے بات نہیں کرسکتی پھر مریم لڑکے کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں وہ لوگ (دیکھ کر) کہنے لگے اے مریم تم نے تو یقیناً بُرا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔

بعض مفسرین نے فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جبرئیل نے نیچے کی طرف سے کہا اور ثبوت یہ دیا ہے کہ مریمؑ بلند مقام پر تھیں۔ یہ اُونچے نیچے کی بات تو کان کو نہیں لگتی۔ نیچے سے آواز دینے سے کیا مصلحت تھی اور اگر اُوپر سے دیتے تو کیا خرابی تھی۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ پائنتی کی جانب سے یعنی مریمؑ کے سامنے ہوکر کہا۔

چونکہ ولادت کے بعد عورت کو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی اس لیے جناب مریمؑ پریشان تھیں کہ پانی اور غذا کہاں سے آئے۔ لہٰذا فرشتہ نے ان سے کہا آپ پریشان نہ ہوں تمہارے رب نے تمہارے پیروں کے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے۔ چنانچہ جب مریمؑ نے دیکھا تو پیروں کے نیچے چشمہ پھوٹ نکلا۔ رہا غذا کا معاملہ تو اس کے متعلق بتایا گیا کہ جس درختِ خرما کے پاس بیٹھی ہو اگرچہ یہ خشک درخت ہے مگر اس کی جڑ پر ہاتھ رکھ کر ہلاؤ، تو تازے تازے خرمے گرنے لگیں گے۔ چنانچہ مریمؑ کا ہاتھ جڑ پر آنا تھا کہ وہ سرسبز ہوکر تازہ خرمے گرانے لگا۔ وہ انہوں نے کھائے اور چشمہ کا پانی پی کر سیر و سیراب ہوگئیں۔ کھاتے ہی چھاتی میں دودھ بھی پیدا ہوگیا۔ پیار سے بچہ کو دودھ پلانے لگیں۔

کتنا فرق ہے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت علیؑ میں۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بیت المقدس کے باہر ہوئی اور حضرت علیؑ کی خانۂ کعبہ کے اندر۔ حضرت عیسیٰؑ کی پہلی غذا جو ان کی ماں کی چھاتی میں پیدا ہوئی دنیوی درخت کے ایک پھل سے تھی لیکن حضرت علیؑ کی سب سے پہلی غذا لعابِ دہنِ رسولؐ تھی۔ مادرِ جناب عیسیٰؑ کے لیے جنّت سے میوے نہیں آئے لیکن مادرِ جناب امیر المؤمنینؑ کے لیے جنّت کے میوے آئے۔

لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ معجزات کا تعلق صرف انبیاءؑ سے ہے۔ کیونکہ واقعات بتا رہے ہیں کہ باوجود عورت اور غیر نبی ہونے کے حضرت مریمؑ سے معجزہ کا اظہار ہوا۔ مثلاً سوکھے درخت کا ہرا ہونا۔ چشمہ کا پیدا ہونا۔ چشم زدن میں درخت میں پھل آنا اور پکے ہوکر جناب مریمؑ کے دامن میں گرنا۔

بہرحال جب جناب مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کو لے کر چلیں تو حکم خدا تھا کہ اگر کوئی آدمی تم سے ولادتِ فرزند کے متعلق بات چیت کرنا چاہے تو زبان سے کچھ نہ کہنا۔ اشارہ سے بتا دینا کہ میں نے چُپ کا روزہ رکھا ہے۔ آج میں

کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ مقصد یہ تھا کہ اب اس معاملہ میں تم اپنی زبان سے کچھ نہ کہو۔ جو کوئی اعتراض کرے گا اس کی جواب دہی ہمارے ذمّہ ہے۔ بنی اسرائیل میں چُپ روزہ رکھنے کا طریقہ جاری تھا۔ جب کوئی امر اہم پیش آجاتا تو وہ چُپ روزہ رکھتے تھے۔ جنابِ مریمؑ کا روزہ اظہارِ تشکّر کی بنا پر تھا کہ خدا نے ان کو ایک امر اہم سے نجات بخشی۔ اسلام میں چُپ روزہ جائز نہیں۔

جب بچہ کو مریمؑ گود میں لے کر چلیں تو یہودی راہبوں وغیرہ نے انہیں آگھیرا اور کہنے لگے، اے ہارُن کی بہن یہ تو بہت بُری بات تم سے عمل میں آئی۔ ہارون کی بہن کے متعلق مفسّرین میں اختلاف ہے۔

(۱) ہارون بنی اسرائیل میں ایک بدکار آدمی تھا۔

(۲) چونکہ جنابِ مریمؑ اولادِ ہارونؑ سے تھیں لہٰذا بطورِ طنز کہا گیا کہ ایسے جلیل القدر خاندان کی لڑکی ہو کر تم نے یہ کام کیوں کیا۔ عرب میں یہ طریقہ ہے کہ کسی خاندان کی طرف نسبت دے کر کسی کو پکارتے تھے۔ مثلاً یا اخا ہمدان (اے ہمدانی بھائی) پس لوگوں کا یہ کہنا "اے ہارون کی بہن" انہیں شرمانے کے لیے تھا۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (٢٩) قَالَ إِنِّي
عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (٣٠) وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا
كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (٣١) وَبَرًّا
بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا (٣٢) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ
وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (٣٣) ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ
الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ (٣٤) مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ
سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (٣٥) وَإِنَّ اللَّهَ
رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (٣٦)

حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا (کہ جو پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو) انہوں نے کہا

بھلا ہم گود کے بچہ سے کیونکر کلام کریں (اس پر وہ بچّہ بقدرتِ خدا خود ہی) بول اٹھا، میں بے شک خدا کا بندہ ہوں مجھے اُس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔ اور جہاں کہیں میں رہوں مجھے صاحبِ برکت بنایا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی ہے اور والدہ کا فرماں بردار رہنے کی اور مجھے سرکش اور نافرمان نہیں بنایا (اور خدا کی طرف سے) جس دن پیدا ہُوا ہوں اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اُٹھا کھڑا کیا جاؤں گا خدا کا مجھ پر سلام ہے۔ یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کا سچّا قصّہ جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کیا کرتے ہیں۔ خدا کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ اس سے پاک ہے۔ وہ تو جب کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا بس وہ شے ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں شیطان کا بندہ نہیں یعنی زنا زادہ نہیں جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبِ کتاب ہوں یعنی رسول ہوں۔ تیسرے نبی ہوں۔ چوتھے میں جہاں کہیں رہوں گا اللہ کی برکت میرے ساتھ رہے گی۔ اللہ کا بندہ کہہ کر نصاریٰ کے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ رسول و نبی کہہ کر یہودیوں کے اس عقیدہ کا ابطال کر دیا کہ عیسیٰؑ پیغمبر نہیں۔ مبارک کہہ کر یہودیوں کے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا جو کہتے تھے ان کا وجود بنی اسرائیل کے لیے باعثِ نحوست ہے۔ خدا فرماتا ہے عیسیٰؑ کے بارہ میں لوگ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں اللہ کا بیٹا سمجھ کر امرِ حق سے عدولی کر رہے ہیں۔ خدا کا کوئی بیٹا نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی بی بی ہے نہ بیٹا نہ کوئی کنبہ۔ اب رہا عیسیٰؑ کا بے باپ کے پیدا کرنا تو خدا کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ ہر شے کو اسباب و وسائط سے پیدا کرے بلکہ جب وہ کسی مخلوق کی خلقت کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔ ایسی مخلوق عالمِ امری کی مخلوق کہلاتی ہے۔ خدا کی طرف جانے کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ
عَظِيمٍ (٣٧) أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي
ضَلَالٍ مُبِينٍ (٣٨) وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي
غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (٣٩) إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ

عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے بڑے سخت دن ہیں (قیامت) خدا کے سامنے حاضر ہونے سے خرابی ہوگی۔ جس دن یہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے کیا کچھ سنتے اور دیکھتے ہوں گے مگر آج تو ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (اے رسول) تم ان کو حسرت اور افسوس کے دن سے ڈراؤ جب قطعی فیصلہ کر دیا جائے گا اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ایک دن زمین اور جو کچھ اس پر ہے اس کے وارث و مالک ہم ہی ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹ کر جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں اختلافی صورتیں پیدا ہوئیں۔ یہودیوں نے ان کی نبوت سے انکار کیا، عیسائیوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہا اور مسلمانوں نے انہیں خدا کا رسول کہا۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ
يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ
اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا
سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ
عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ
لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ
تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

(اے رسول) قرآن میں ابراہیم کا بھی ذکر کرو وہ بڑے سچے نبی تھے (وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے

اپنے (منہ بولے) باپ سے کہا اے باپ آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ آپ کے کام ہی آسکتے ہیں۔ باباجی میرے پاس (خدا کی طرف سے) وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔ باباجی شیطان کی عبادت نہ کیجئے بے شک شیطان خدا کا نافرمان بندہ ہے۔ باباجی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہیں خدا کا عذاب آپ پر نازل نہ ہو جائے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں (آذر نے) کہا، اے ابراہیم کیا تم ہمارے خداؤں سے نفرت کرتے ہو۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ میرے پاس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ۔

آذر، حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ آپؑ کے والد کا نام تارخ تھا۔ چونکہ تارخ انتقال کر گئے تھے اس لیے حضرت ابراہیمؑ، آذر کی پرورش میں آگئے تھے۔ کسی نبی کا باپ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عہدۂ نبوت کی توہین ہے۔ آذر بت تراش تھا وہ نہ صرف کافر تھا بلکہ کافر گر تھا۔ اس کے یہاں بت سازی کی فیکٹری تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ جرأت دیکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ تمام قوم کافر تھی اور ان کے ساتھ وہ چچا بھی تھا جس کی پرورش میں تھے مگر پھر بھی امرِ حق کی تبلیغ سے نہ رکتے تھے اور پوری قوت سے اس کی مخالفت کرتے رہتے تھے شیطان کی لوگ عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن اس کے بہکانے میں آکر بتوں کی عبادت کرتے تھے پس یہ بھی بالواسطہ شیطان ہی کی عبادت تھی۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ‌ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ
وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ
رَبِّىۡ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا
لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ
رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

حضرت ابراہیم نے کہا (اچھا لومیں تو چل دیا) سلام میں تیرے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا بیشک وہ میرے اوپر بڑا مہربان ہے۔ میں تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان بتوں کو بھی جن کی خدا کو چھوڑ کر تم لوگ پوجا کرتے ہو اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ امّید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت سے محروم نہ رہوں گا غرض جب ابراہیم نے ان لوگوں کو اور جن کی عبادت کرتے تھے ان کو چھوڑ دیا تو ہم نے انہیں اسحٰق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا اور ہم نے سب کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے کچھ عنایت فرمایا اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان علی کو عطا کیا۔

اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک کافر کے لیے سلام علیک کیوں کہا یعنی سلامتی کیوں چاہی؟ جواب یہ ہے کہ عام طریقہ یہی ہے کہ چلتے وقت کہا کرتے ہیں اچھا سلام یعنی میں چل دیا۔ اس سے سلامتی مقصود نہ تھی بلکہ رخصت کا اظہار تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک کافر کے لیے دعائے مغفرت کا وعدہ کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ یا تو یہ اس لیے ہے کہ پرورش کے سلسلہ میں جو احسان آذر نے ان پر کیے تھے اس کے صلہ میں فرمایا قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کے اختیار میں تھا۔ انہوں نے بطور شکریہ یہ جملہ کہہ دیا۔ یا پھر یہ اس کے قبولِ ایمان کے متعلق تھا یعنی میں خدا سے دعا کروں گا کہ اسے قبولِ ایمان کی توفیق دے کر اس کے گناہ بخش دے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (مریم ۱۹/۵۰) کا ترجمہ مفسّروں نے مختلف کیا ہے:

(۱) ہم نے ان کو سچی نام وری عطا کی۔

(۲) ہم نے ان کے لیے اعلیٰ درجہ کا ذکرِ خیر دنیا میں بھی قرار دیا۔

(۳) ہم نے ان کے لیے ایک سچی بلند آواز عطا کی۔

اکثر مفسّرین نے مؤخر الذکر ترجمہ کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلند زبان ہونا کوئی تعریف نہیں، نہ عرفِ عام میں ایسا کہا جاتا ہے۔ بلند زبان کہنا تو صاحب زبان کی توہین ہے۔

حضرت ابراہیمؑ جب خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے تو جہاں اور کئی دعائیں کی تھیں ایک دعا یہ بھی تھی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۲۶/۸۴) یعنی میرے لیے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان عطا کر۔ آخری زمانہ سے مراد نبوت کا آخری زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی نبوّت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک سچی زبان قرار دے۔

تفسیرِ صافی میں بحوالہ تفسیر قمی امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیہ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔ میں دو جگہ لهم آیا ہے اور اس ضمیر هُم کا مرجع

حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ علیہم السّلام ہیں اور ساری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کو اپنی رحمت سے اپنا رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کیا۔ اور اُن کے لیے سچائی کی زبان علی بن ابی طالب کو مقرر کیا (اس کی مزید توضیح القرآن المبین ترجمہ مولانا امداد حسین صاحب کاظمی مطبوعہ انصاف پریس لاہور میں ملاحظہ کیجئے)۔

پس آیۂ مذکورہ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (۱۹/۵۰) میں عَلِيًّا صفت نہیں ہے بلکہ اسمِ معرفہ ہے یعنی علیؑ بن ابی طالب مراد ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نبوّت کے آخری دور میں جب جھوٹ کی کثرت ہو گی اور کتابِ خدا کی غلط تاویلیں اور غلط معانی بیان ہونے لگیں گے تو اس وقت ایک سچی زبان (علیؑ) ان کو صحیح معانی و مطالب بتانے کے لیے موجود ہونی چاہیئے اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ایک سچی زبان موجود رہے گی۔ حضرت ابراہیمؑ بابل سے نکل کر کوہستان فارس میں چلے گئے اور وہاں سات برس تک رہے۔ اس کے بعد پھر بابل میں آگئے اور بتوں کو توڑا پھوڑا۔ اسی زمانہ میں نمرود کی آگ میں پھینکے گئے جو ان پر گلزار بن گئی۔ اس کے بعد حبران پہنچے اور حضرت سارہؑ سے نکاح کیا۔ کچھ دن بعد وہاں سے سارہؑ اور اُن کے بھائی لوطؑ کو ساتھ لے کر ملک شام پہنچے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ؗ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾
وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا
لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ؗ
اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ
اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ
فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا
عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ
اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؗ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ؗ
وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ

السجدة ٥

خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (٥٨) السجدة

(اے رسول) قرآن میں موسیٰ کا ذکر کرو وُہ میرا خالص بندہ اور صاحبِ شریعت نبی تھا ہم نے ان کو طور کے دامن کی طرف سے آواز دی اور ہم نے انہیں راز کی باتیں کرنے کے لیے قریب بُلایا اور ہم نے ان کو اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون نبی کو عنایت فرمایا۔ اور اس کتاب (قرآن) میں اسمٰعیل کا ذکر کرو وُہ وعدہ کے سچّے تھے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کیا کرتے تھے اور خدا کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ اور کتاب میں ادریس کا ذکر کرو وُہ بڑے سچّے نبی تھے۔ ہم نے ان کو بلند کر کے اونچی جگہ پہنچا دیا۔ یہ انبیأ جنہیں خدا نے اپنی نعمت دی آدم کی اولاد سے ہیں جنہیں ہم نے (طوفان کے وقت) کشتی میں سوار کر لیا تھا اور ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور منتخب کیا جب ان کے سامنے خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

رسول کا درجہ نبی سے اونچا ہوتا ہے لیکن یہاں دو نبیوں کے لیے رَسُوْلًا نَّبِيًّا کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا اطلاق فرشتہ پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اس شبہ کو دُور کرنے کے لیے نبی ساتھ میں رکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ رسول نبی تھا فرشتہ نہ تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ بڑے صادق الوعد تھے جس سے جو وعدہ کر لیتے تھے اُسے بغیر پُورا کیے نہ رہتے تھے۔

حضرت ادریسؑ حضرت آدمؑ کی پانچویں پشت میں تھے اور حضرت نوحؑ کے پردادا تھے۔ آپؑ پر بہت سے صحیفے نازل ہوئے۔ فنِ کتابت، علمِ نجوم، علمِ حساب، علمِ ہیئت اور فنِ خیاطت ترازو اور پیمانہ کے موجد ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اتنی عبادت کرتے تھے کہ فرشتوں کو حیرت ہوتی تھی۔ خدا نے آپؑ کو آسمان پر اُٹھا لیا تھا۔

ان انبیاء کا سلسلہ نسل آدم علیہ السلام سے چلا۔ طوفانِ نوحؑ میں ان کے آباؤ اجداد کشتیٔ نوحؑ میں تھے۔ جب طوفان ختم ہُوا تو ان کی نسل سے حضرت ابراہیمؑ ہوئے اس سے آگے جو سلسلہ چلا اس کا ذکر آیت میں ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ
يَلْقَوْنَ غَيًّا (٥٩) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا (٦٠) جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ
عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا (٦١) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا
سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (٦٢) تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (٦٣)

ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، عنقریب ہی یہ لوگ اپنی گمراہی کی سزا بھگتیں گے مگر ہاں جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے وہ سدا بہار باغوں میں رہیں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اپنی جنّتوں کا خدا نے ان سے غائبانہ وعدہ کر لیا ہے بیشک اس کا وعدہ آنے والا ہے لوگ وہاں سلام کے سوا کوئی بیہُودہ بات سُنیں گے ہی نہیں، وہاں صبح و شام ان کے لیے ان کا کھانا تیار رہے گا یہی وہ جنّت ہے کہ ہمارے بندوں میں سے جو پرہیزگار ہوگا ہم اُسے اس کا وارث بنائیں گے۔

ابنِ عبّاسؓ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے نمازیں پڑھنی چھوڑیں اور شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہوئے ان سے مراد یہودی ہیں۔ انہوں نے انبیاء علیہم السّلام کی نسلوں کو تباہ کیا۔ جب نماز چھُوٹی تو خدا سے بھی ترکِ تعلق ہُوا۔ اس کے بعد شیطان کو اپنے جال میں پھانسنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ میری ہجرت کے سات سال بعد پیدا ہو گئے اور جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے واسطے بڑی مضبوط عمارتیں بنوائیں گے اور قیمتی گھوڑوں پر سوار ہوں گے یہ بنی امیّہ کا زمانہ تھا جنہوں نے اُسوۂ رسولؐ کو ترک کر کے قیصر و کسریٰ کے طرزِ زندگی کو اختیار کیا اور خلافتِ الٰہیہ کو ملوکیت کے قالب میں لا ڈھالا نتیجہ یہ ہُوا کہ نام کے مسلمان تو رہ گئے مگر اسلام غائب ہو گیا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ
ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (٦٤) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

فاعبده واصطبر لعبادته هل تعلم له سميا ۞۶۵ ويقول الانسان
ءاذا ما مت لسوف اخرج حيا ۞۶۶ اولا يذكر الانسان انا خلقناه
من قبل ولم يك شيئا ۞۶۷

فرشتوں نے کہا (اے رسول) ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے بغیر (دُنیا میں) نازل نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کچھ اُسی کا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے سارے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا مالک وہی ہے پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تمہارے علم میں کوئی اس کا ہم نام بھی ہے اور بعض آدمی (اُبیؓ بن خلف) تعجب سے کہا کرتے ہیں کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر جیتا جاگتا قبر سے نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ آدمی اس کو یاد نہیں کرتا کہ اس کو اس سے پہلے ہم نے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

یہودیوں نے کفارِ قریش سے کہا کہ محمدؐ سے ایسا سوال کرنا چاہیئے جس کا جواب وہ دے ہی نہ سکیں۔ اس صورت میں ہم کو ان کا مذاق اڑانے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ یہودیوں نے کہا ان سے جاکر پوچھو کہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کون تھے اور ان کا قصہ کیا ہے۔ چنانچہ جب یہ سوال کیا گیا تو حضرتؐ خاموش رہے اور وحی کا انتظار کیا۔ اس پر کفار نے طعنہ زنی شروع کر دی، کہنے لگے محمدؐ کو خدا نے چھوڑ دیا اب وہ انہیں کچھ نہیں بتاتا جب جبریلؑ وحی لے کر آئے تو آپؐ نے تاخیر کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا ہم حکم خدا کے پابند ہیں جب وہ حکم دیتا ہے تب نازل ہوتے ہیں۔

فوربك لنحشرنهم والشياطين ثم لنحضرنهم حول جهنم
جثيا ۞۶۸ ثم لننزعن من كل شيعة ايهم اشد على الرحمن عتيا ۞۶۹
ثم لنحن اعلم بالذين هم اولى بها صليا ۞۷۰ وان منكم الا واردها

كان على ربك حتما مقضيا ۞۷۱ ثم ننجي الذين اتقوا ونذر
الظالمين فيها جثيا ۞۷۲ واذا تتلى عليهم اياتنا بينات قال الذين
كفروا للذين امنوا اي الفريقين خير مقاما واحسن نديا ۞۷۳

(اے رسول) تمہارے پروردگار کی قسم ہم اُن کو اور شیاطین کو جمع کریں گے پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے پھر ہم ہر گروہ میں سے ایسے لوگوں کو الگ نکال لیں گے جو دنیا میں خدا سے اوروں کی نسبت زیادہ اکڑے پھرتے تھے۔ پھر جو لوگ جہنم میں جھونکے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر سے نہ گزرے (کیونکہ پُل صراط اسی پر ہے) یہ تمہارے پروردگار کا حتمی و لازمی وعدہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو گھٹنوں کے بل اس میں چھوڑ دیں گے۔ جب ہماری روشن آیات ان کے سامنے پڑھی گئیں تو جو لوگ کافر ہیں ایمان والوں سے پوچھتے ہیں ہم دونوں میں سے کون زیادہ بہتر ہے اور کس کی محفل زیادہ اچھی ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم پر جو پُل صراط قائم ہوگا اُس پر سے گزرنا تو سب ہی کو پڑے گا جو نیک ہوں گے وہ نہایت تیزی کے ساتھ اس پر سے گزر جائیں گے جو بد ہوں گے وہ اس میں اِدھر اُدھر کٹ کٹ کر گریں گے۔

وكم اهلكنا قبلهم من قرن هم احسن اثاثا ورءيا ۞۷۴ قل من كان
في الضلالة فليمدد له الرحمن مدا حتى اذا راوا ما يوعدون
اما العذاب واما الساعة فسيعلمون من هو شر مكانا واضعف
جندا ۞۷۵ ويزيد الله الذين اهتدوا هدى والباقيات الصالحات

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا
وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾
وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

حالانکہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو ان سے ساز و سامان اور ظاہری نمود میں کہیں زیادہ اچھے تھے۔ اے رسول کہدو جو گمراہی میں پڑا ہے خدا اس کو ڈھیل ہی دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے عذاب یا قیامت تو اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ رتبہ میں کون بدتر ہے اور یہ کہ جتھے کے لحاظ سے کون کمزور ہے۔ جو لوگ راہِ راست پر ہیں خدا ان کی ہدایت کو اور زیادہ کرتا جاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تو تمہارے پروردگار کے نزدیک بلحاظ ثواب بھی بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے بھی۔ اے رسول، تم نے اس شخص پر بھی نظر کی جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہنے لگا (اگر قیامت ہوگی تو بھی) مجھے مال اور اولاد ضرور ملے گی۔ کیا اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا ہے یا اس نے خدا سے عہد و پیمان لے رکھا ہے، ہرگز نہیں۔ جو کچھ یہ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور اس کے لیے اور زیادہ عذاب بڑھاتے ہیں اور اولاد کے متعلق جو کچھ بک رہا ہے ہم ہی اس کے مالک ہوں گے اور یہ تو ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔

باقیات الصالحات وہ چیزیں ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً مسجد بنوانا، کنواں کھدوانا، کوئی سڑک بنوانا، سرائے یا پُل بنوانا وغیرہ۔

کفار و مشرکین میں جو لوگ مال دار تھے جب ان سے قیامت کا ذکر ہوتا تو ازراہِ تمسخر مسلمانوں سے کہتے تھے جس طرح ہمیں مال و اولاد میں تمہارے اوپر یہاں فوقیت ہے قیامت میں بھی ہوگی۔

مروی ہے کہ عاص بن وائل نے خبابؓ بن ارت صحابی رسولؐ سے کچھ قرض لیا تھا اور دینے میں ٹال رہا تھا جب خبابؓ نے زیادہ تقاضا کیا تو اس نے کہا کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ بہشت میں سونا، چاندی، ریشمی پوشاکیں غرض سب کچھ

ملے گا انہوں نے کہا بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ عاص نے کہا تو بس میں وہیں تمہارا قرضہ چکا دوں گا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور عذاب کی خبر دی گئی۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ
بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ
عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾
يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلٰى
جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا إِدًّا ﴿٨٩﴾

ع ٨ — وقف لازم — وقف لازم

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنایا تاکہ انہیں عزت حاصل ہو۔ (ہرگز نہیں ہوگی) بلکہ ان کے معبود ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور وہ ان کے دشمن بن جائیں گے (اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے تاکہ وہ ان کو خوب بہکائیں۔ (اے رسول) تم ان کے معاملہ میں جلدی نہ کرو ہم تو ان کے لیے عذاب کے دن گن رہے ہیں۔ قیامت کے دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی یعنی اپنی طرف مہمانوں کی طرح جمع کریں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہنکائیں گے۔ یہ لوگ وہاں شفاعت کے بھی مالک نہ ہوں گے بلکہ وہی شفاعت کر سکیں گے جنہوں نے خدا سے اجازت لے لی ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان خدا نے (عُزیر) نبی کو بیٹا بنا لیا ہے (اے رسول کہدو) تم نے اتنی سخت بات کہی ہے

شیاطین کو کافروں کے بہکانے کے لیے معیّن کرنا بظاہر یہ بتاتا ہے کہ خدا خود لوگوں کو بہکوانا چاہتا ہے بات یہ ہے کہ جو لوگ کفر میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور کسی طرح ایمان کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے تو خدا نے ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لی اور ان کو شیاطین کے حوالے کر دیا کہ اور زیادہ گناہ کریں تاکہ وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہوں

قیامت میں کسی کو اجازت نہ ہوگی کہ کسی گنہگار کی سفارش کرے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے سفارش کرنے کی اجازت لے لی ہو اور وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔

یہودیوں نے عزیزؑ نبی کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ کم بختوں نے کیسی سخت بات کہی ہے کہ (تفصیل آگے آئے گی)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾
اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾
اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدۡ
اَحۡصٰٮهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ
بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ
مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾ ع

(اس سخت کلمہ سے کہ خدا کے بیٹا ہے) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں لوگوں نے خدا کے لیے بیٹا قرار دیا حالانکہ خدا کے لیے کسی طرح شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ آسمان و زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ خدا کے سامنے بندہ ہی بن کر آنے والی ہیں۔ خدا نے ان سب کو اپنے علم کے احاطہ میں گھیر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے۔ روز قیامت سب کے سب اس کے سامنے اکیلے آئیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں خدا ان کی محبت لوگوں کے دل میں پیدا کر دے گا (اے رسول) قرآن کو تمہاری (عربی) زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو بشارت دو اور جھگڑالو قوم کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر ڈالا

بھلا ان میں سے تم کسی کو دیکھتے ہو یا ان کی کچھ بھنک ہی سنتے ہو۔

لوگوں کے لیے بیٹا تو اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر ان کا مددگار ہوگا۔ بھلا خدا کو اس کی کیا ضرورت۔ وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے نہ کسی کے مشورہ کا۔ جن لوگوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہا (یہودی) یا حضرت عیسٰیؑ کو ابن اللہ کہا (نصارٰی) انہوں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور وحدہٗ لاشریک خدا کے متعلق بڑی سخت بات کہی۔ مابین آسمان و زمین جتنی مخلوق پائی جاتی ہے وہ سب خدا کی مخلوق ہے وہ ایک ایک کو جانتا ہے۔ قیامت میں سب اس کے بندے بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

جو لوگ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں خدا ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے تاکہ ان کی دوستی سے وہ بھی اعمالِ صالح بجالاتے رہیں اور ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

تفسیر درِ منثور سیوطی و مواہب لدنیہ اور صواعق محرقہ میں ہے کہ دیلمی نے براء سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علی، کہو خدا دنیا میں اپنی بارگاہ سے میرے لیے عہد و پیمان اور محبت قرار دے اور مومنین کے دل میں میری محبت قائم کرے۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابنِ عباسؓ سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام سے محبت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ صاحب ارجح المطالب نے یہ حدیثِ رسولؐ نقل کی ہے۔ اے علی اگر کوئی شخص اتنی عبادت کرے جتنے دن نوحؑ اپنی قوم میں رہے (۹۵۰ برس) اور کوہ اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں دے اور پا پیادہ ایک ہزار حج کرے اور صفا و مروہ کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور اے علی اگر وہ تمہاری محبت نہ رکھتا ہو تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ؎

اِلٰى مَا اُلَامُ وَحَتّٰى مَتٰى
اُعَاتِبُ فِىۡ حُبِّ هٰذَا الۡفَتٰى
فَهَلۡ زُوِّجَتۡ فَاطِمَةٌ غَيۡرَهٗ
وَفِىۡ غَيۡرِهٖ هَلۡ اَتٰى هَلۡ اَتٰى

اس جوان کی محبت میں مجھے کب تک لوگ ملامت کریں گے۔ کیا فاطمہؑ کا شوہر ان کے سوا کوئی اور ہے کیا ان کے سوا کسی اور کی شان میں بھی سورہ ھل اتٰی نازل ہوا ہے

۲۰ سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۞ ۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ ۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ
يَّخْشٰى ۞ ۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞ ۴ اَلرَّحْمٰنُ
عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞ ۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۞ ۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ
اَخْفٰى ۞ ۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞ ۸ وَهَلْ اَتٰىكَ
حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ ۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞ ۱۰

(اے طٰہٰ "لقب رسولؐ) ہم نے قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم اپنے کو مشقّت میں ڈالو۔ یہ تو نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور بلند آسمانوں کو بھی وہ رحمٰن ہے جو عرش (کی سلطنت پر) حکمران ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے وہ سب اسی کا ہے (وہی سب کا مالک ہے) اگر تم پکار کر بات کرو (تو کیا) وہ تو ہر بھید اور چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے نام بڑے اچھے ہیں۔ (اے رسول) تم تک موسٰی کی خبر بھی پہنچی جب

انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا یہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے کیا عجب کہ میں اس میں سے ایک انگارہ تمہارے لیے لے آؤں یا آگ کے پاس جاکر راستہ کا پتہ چلاؤں۔

طٰہٰ حضرت رسولِ خدا کا لقب خدا کا دیا ہوا ہے جس کے معنی ہیں "اے میرے طیّب و طاہر بندے۔" واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا ابتدائے رسالت میں بڑی سخت عبادت کرتے تھے۔ شب و روز اس عبادت کا سلسلہ جاری رہتا تھا یہاں تک کہ آپؐ کے پائے اقدس پر ورم آجاتا تھا۔ جسم میں درد رہتا تھا مگر آپؐ عبادت میں کمی نہ کرتے تھے۔ دس سال اسی حالت میں گزرے لہٰذا اس سورہ میں خدا نے سب سے پہلے رسولؐ کو اتنی زیادہ عبادت سے روکا ہے۔ فرمایا ہے، اے رسولؐ یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا جا رہا کہ تم اپنے کو اتنی مشقّت میں ڈالو۔

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کا یہ مطلب نہیں کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی مکان نہیں کوئی چیز اُسے احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہاں عرش سے مراد تمام کائنات ہے یعنی وہ تمام کائنات پر اپنا حکم چلا رہا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کائنات کو پیدا کر کے معطّل ہو بیٹھا ہے بس اب کچھ نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ کھلا کفر ہے وہ معطّل نہیں بلکہ اس کا حکم جاری و ساری ہے اور تمام کائنات اس کے اقتدار کے تحت ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ منجملہ اس کی مخلوق کے عرش بھی ہے جب اس پر حکمران ہے تو تمام کائنات پر حکمران ہے۔ بلاشک یہ حقیقت ہے کہ اس کی یہ حکومت تمام عوالم پر قائم ہے اٹھارہ ہزار عالم اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے زیرِ حکم ہیں۔ وہ ہر مخفی بات کو جانتا ہے چاہے وہ کہیں بھی ہو اب اس کے بعد حضرت موسٰیؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسٰیؑ جب مصر سے نکل کر شہر مدین پہنچے تو حضرت شعیبؑ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ دس برس ان کے پاس رہے اس کے بعد وطن لوٹنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ بی بی کو ساتھ لے کر پیادہ پا چل پڑے۔ وادی طور میں پہنچے تو رات نے آلیا۔ ادھر بی بی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اوّل تو اندھیری رات پھر سخت سردی پھر بی بی کا یہ عالم۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بچہ پیدا ہوا تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کا بندوبست کریں۔ اسی فکر میں تھے کہ طور کی طرف سے ایک درخت سے آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آئے۔ بی بی سے کہا میں جاتا ہوں تاکہ اس آگ سے کوئی انگارہ لا کر یہاں آگ روشن کر دوں۔ غرض درخت کے قریب گئے تو ایک عجیب عالم نظر آیا کہ درخت جل رہا ہے لیکن اس کی سبزی بدستور ہے۔ زمین سے آسمان تک نور پھیلا ہوا ہے۔ تسبیح کی آواز بھی آرہی ہے۔ ایسا خوف دل پر چھایا کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ آواز کان میں آئی، اے موسٰی! آپ نے حیرت زدہ ہو کر کہا، اے پکارنے والے تو کون ہے؟ آواز سنتا ہوں مگر تجھے دیکھتا نہیں۔ جواب ملا، میں تیرے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر طرف ہوں تیرے نفس سے زیادہ قریب ہوں۔ سمجھے کہ یہ آواز غیر معمولی ہے کہنے لگے آخر تو کون ہے۔ آواز آئی اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ میں تیرا رب ہوں۔ اللہ اللہ کیسا عجیب وقت تھا کہ خدا اپنے بندہ سے کلام کر رہا تھا۔ موسٰیؑ گھبرا گئے۔ زبان کچھ کہنے کے لیے نہ کھلی۔

پھر آواز آئی فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (۲۰/۱۲) لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اپنے زن و فرزند کی محبت دل سے نکال دو۔ مگر یہ تاویل کان کو نہیں لگتی۔ اگر زن و فرزند کی محبت، محبتِ خدا کے خلاف ہے تو اس کا حکم کیوں دیا گیا تاکید کیوں کی گئی ہے۔ تمام انبیاءؑ کو اس محبت سے بچایا کیوں نہیں گیا۔ بات تو اتنی ہی تھی کہ تم وادیٔ مقدس طوٰی میں اس وقت ہو اور خدا تم سے ہمکلام ہو رہا ہے لہٰذا عظمتِ الٰہی کا اقتضا یہ ہے کہ تعظیماً پا برہنہ ہو جاؤ۔ خدا تو خدا ہی ہے مشاہد مقابر میں جانے والے پا برہنہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مردار کھال کی جوتیاں تھیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک نبی مردار کھال کی جوتیاں پہنتا۔ جو لوگ جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز جانتے ہیں وہ عظمتِ الٰہی پر ایک کاری ضرب لگاتے ہیں۔

ہاں جن کا یہ خیال ہے کہ جوتیاں اتارنے سے یہ مطلب تھا کہ فی الحال زن و فرزند کا خیال دل سے نکال کر ہماری طرف متوجہ ہو تو یہ ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے دل میں بی بی بچہ ہی سمائے ہوئے تھے اور خدا نبوت کے معاملہ میں بات چیت کرنا چاہتا تھا لہٰذا ہر طرف سے خیال ہٹا کر اس کی بات سُننی چاہیئے تھی۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ۝۱۱ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ
الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝۱۲ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۝۱۳ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝۱۴ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ
اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی ۝۱۵ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا
یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ۝۱۶

اب موسیٰؑ اور خدا کے درمیان بات چیت یوں شروع ہوئی :

جب موسیٰ وہاں آئے تو آواز آئی اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں پس اپنے جوتے اتار دو۔ کیونکہ تم وادیٔ مقدس طوٰی میں اس وقت ہو۔ میں نے تمہیں (نبوت کے لیے) منتخب کر لیا۔ پس جو وحی کی جا رہی ہے اُسے کان دھر کر سنو۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں مگر میں۔ لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو اور میرے ذکر سے نماز پڑھو۔ قیامت ضرور آنے والی ہے میں اُسے چھپائے رکھوں گا تاکہ ہر شخص

(اس کے خوف سے نیکی کرے اور) جیسی کوشش کی ہے اُسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص اُسے (دل سے) نہیں مانتا اور اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے پڑا ہے وہ تمہیں اس (فکر سے) روک دے تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔

کیسی پیاری گفتگو ہے اپنا تعارف بھی کرایا جا رہا ہے اور نبوت کے فرائض بھی بتائے جا رہے ہیں، قیامت سے ڈرایا بھی جا رہا ہے اور محتاط رہنے کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے ہلاکت سے بچنے کو بھی کہا جا رہا ہے

وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ۝۱۷ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ
بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ۝۱۸ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۝۱۹ فَاَلْقٰىهَا
فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۝۲۰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا
الْاُوْلٰی ۝۲۱ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ
اٰیَةً اُخْرٰی ۝۲۲ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ۝۲۳ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
ع طَغٰی ۝۲۴ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝۲۵ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝۲۶ وَاحْلُلْ
عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝۲۷ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝۲۸ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝۲۹
هٰرُوْنَ اَخِی ۝۳۰ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ۝۳۱ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ۝۳۲ كَیْ
نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝۳۳ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ۝۳۴ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝۳۵

اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں تکیہ کر لیتا ہوں اور اپنی بکری کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ

اسے (زمین پر) ڈال دو۔ جونہی اُسے ڈالا وُہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم پھر اسے پہلا ہی سا بنا دیں گے اور اپنے ہاتھ کو ذرا اپنی بغل میں کر لو اور وہ بغیر کسی بیماری کے سفید روشنی والا ہو کر نکلے گا یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیاں دکھائیں۔ اب تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بُہت سرکشی اختیار کی ہے۔ موسٰی نے کہا اے میرے رب میرے سینہ کو کُشادہ کر دے اور میرے خاندان سے میرے بھائی ہاؔرون کو میرا وزیر بنا دے اور اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے امرِ نبوّت میں اسے شریک قرار دے تاکہ ہم بکثرت تسبیح کریں اور تیری یاد بہت زیادہ کریں تُو ہی ہمارے حال کا دیکھنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ اور وزارت ہارون

ذرا دیکھنا بیان کا انداز کیسا عجیب و غریب ہے۔ یہ سمجھتے ہُوئے کہ موسٰی دہشت زدہ ہیں کیسا نرم لہجہ اختیار کیا ہے۔ علاّم الغیوب کا اُس لاٹھی کے متعلق جو کھلی ہوئی ہاتھ میں تھی یہ سوال کہ یہ کیا ہے بڑی مصلحت پر مبنی تھا۔ چونکہ عصائے موسٰیؑ سانپ بننے والا تھا لہٰذا پہلے موسٰیؑ کی زبان سے اس کی تصدیق کرالی کہ یہ لاٹھی ہی ہے تاکہ بعد میں موسٰیؑ کو یہ شبہ نہ ہو کہ دھوکہ سے میں نے رات میں کسی سانپ کو تو نہیں پکڑ لیا تھا جو سردی سے ٹھٹھرا پڑا ہو۔ موسٰیؑ کو کہنا چاہیئے تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے سوال کا جواب ختم ہو جاتا لیکن انہوں نے بات کو بہت بڑھا دیا تاکہ اپنے معبُود سے ذرا زیادہ دیر بات چیت رہے۔ دوسرا معجزہ یدِ بیضا تھا۔ سفید ہاتھ تو برص کی بیماری میں بھی ہو جاتا ہے لہٰذا موسٰیؑ کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ برص کی وجہ سے سفید نہ ہوگا بلکہ ہماری قدرت سے آفتاب کی طرح چمکدار ہو گا۔

جب یہ دو معجزات دے دیئے گئے تب ان کی نبوّت کا پورا ثبوت ہو گیا۔

یہ دونوں معجزے کیوں دیئے گئے۔ ہر نبی کو وہی معجزہ دیا جاتا ہے جو اس کمال کا توڑنے والا ہو جو اس کی امّت کو حاصل ہو۔ فرعون کے زمانہ میں جادوگروں کو کمال حاصل تھا۔ خدا کو معلوم تھا کہ موسٰیؑ کا مقابلہ جادوگروں سے کرایا جائے گا۔ لہٰذا عصا کے سانپ بننے کا معجزہ دیا گیا اور اس خیال سے کہ پبلک یا فرعون کے کارکن اُن پر نہ ٹوٹ پڑیں یدِ بیضا کا معجزہ دیا گیا جس کی چمک دیکھتے ہی بیہوش ہو جائیں یا زمین پر گر پڑیں۔

جب یہ دونوں معجزے دے دیئے گئے تب حکم ہُوا کہ اب فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے سرکش لوگ جو خدائی کا دعوی کرتے ہوں خدا ان کو خود کیوں نہیں ہلاک کر دیتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا کی خدائی کوئی چھن جانے والی چیز نہیں وہ اپنے سرکش بندوں کو انبیاء کے ذریعہ سے راہِ ہدایت دکھانے کا موقع دیتا ہے۔ وہ پہلے اس کو ہر طرح سمجھاتے بجھاتے ہیں خدا کی حجّت اس پر تمام کرتے ہیں۔ جب کسی طرح نہیں مانتا تو مجبوراً اس کو ہلاک کیا جاتا ہے۔

نبوّت ملنے کے بعد موسٰیؑ نے جو دُعائیں مانگیں اب ذرا ان کو سمجھیئے :

١۔ میرے سینہ کو کشادہ کر دے یعنی میں دشمن کے مقابلہ میں تنگ دل نہ ہوں پوری ہمت سے اس کا مقابلہ کروں۔
٢۔ امرِ نبوّت کو آسان کر دے یعنی یہ بھاری بوجھ جو مجھ اکیلے پر ہے اس کو میرے کسی ساتھی کے ذریعہ ہلکا کر دے
٣۔ میری زبان کی بستگی کو کھول دے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت موسٰیؑ بچپن میں فرعون کے محل میں پہنچے تھے تو آسیہ و فرعون دونوں کو پسند آئے تھے اور انہوں نے حضرت موسٰیؑ کو اپنا بیٹا بنانا چاہا تھا۔ فرعون کو جب پیار آیا تو اُس نے گود میں اُٹھا لیا۔ حضرت موسٰیؑ نے اس کی داڑھی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے ایسا تپانچہ مارا کہ وہ بلبلا گیا اور حضرت موسٰیؑ کو یہ کہہ کر زمین پر پٹک دیا کہ ہو نہ ہو یہ وہی بنی اسرائیل والا بچہ ہے جس کے متعلق نجومیوں نے پیش گوئی کی ہے کہ وہ میرا قاتل ہوگا اور میری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا۔ آسیہ نے کہا کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ بچہ ہے تمہارے گال پر ہاتھ رکھ دیا ہوگا۔ فرعون نے کہا یہ بات نہیں اس نے اس زور سے مارا ہے جیسے لوہے کا ہتھوڑا لگتا ہے۔ میرا جبڑا نکل گیا ہے آخر طے پایا کہ امتحان لیا جائے۔ چنانچہ ایک طشت میں دہکتے ہوئے کوئلے اور دوسرے میں چمکتے ہوئے لعل رکھے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اس نے لعل اٹھا لیا تو یقیناً وہی خطرناک بچہ ہے اور اگر دہکتا ہُوا کوئلہ اُٹھا لیا تو بے شک عام بچّوں جیسا بچہ ہے حضرت موسٰیؑ نے بوحیِ ربّانی کوئلہ منہ میں رکھ لیا جس سے ان کی جان بچ گئی لیکن زبان جَل جانے سے لکنت پیدا ہو گئی۔ خاص دُعا یہ تھی کہ میرے خاندان سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے اور میری پشت کو اس سے مضبوط کر دے۔ یہاں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

(١) نبوّت ملتے پر نبی کا جانشین بننا ضروری ہوتا ہے۔ پس اس قاعدہ کے مطابق ہمارے رسولؐ کا جانشین بھی اعلانِ رسالت کے ساتھ ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ دعوتِ ذوالعشیرہ میں ہُوا۔
(٢) نبی کو اپنا جانشین خود بنانے کی اجازت نہیں ورنہ موسٰیؑ خدا سے یہ دعا کیوں کرتے۔
(٣) نبی کا جانشین نبی کے خاندان میں سے ہونا چاہیئے کسی غیر خاندان سے نہیں ورنہ حضرت موسٰیؑ اپنے خاندان سے مخصوص کیوں کرتے۔
(٤) اخصِ خاندان ہونا چاہیئے جیسے بھائی یا بیٹا جیسا کہ موسٰیؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کے لیے درخواست کی۔
(٥) وہ جانشین نبی کا پشت پناہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت موسٰیؑ نے کہا، میری کمر اس سے مضبوط کر دے۔

سورۂ الم نشرح پارہ ٣٠ میں رسولؐ سے کہا جا رہا ہے،

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ "٩٦/١-٣" (اے رسول کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا اور جو بوجھ تمہاری پُشت کو توڑے، اُسے اُتار نہیں دیا۔) حضرت موسٰیؑ اور حضرت رسولِ خدا کے واقعات وزارت کے سلسلہ میں کتنے ملتے جُلتے ہیں۔ جب ہی تو حضرت رسُولِ خدا نے فرمایا ہے، یَا عَلِیُّ اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزِلَةِ هَارُوۡنَ مِنۡ مُوۡسٰی (اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسٰی کے نزدیک تھی) یعنی جس طرح ہارون علیہ السلام امرِ رسالت میں موسٰیؑ کے شریک تھے اسی طرح تم امرِ رسالت میں میرے شریک ہو۔

ابنِ مردویہ اور ابنِ عساکر نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خدا کو وہ ثبیر (مکہ کا ایک پہاڑ) کے مقابلہ میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے تھے کہ خداوندا میں علی کے بارہ میں تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰ نے کیا تھا کہ میرے سینہ کو کشادہ فرما اور میرا کام میرے لیے آسان فرما میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات اچھی طرح سمجھیں اور میرے اہلبیت میں سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو شریک بنا تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیری یاد کریں تو ہماری حالت دیکھ ہی رہا ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ مطبوعہ مصر)۔

قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡکَ مَرَّۃً اُخۡرٰۤی ﴿۳۷﴾ اِذۡ
اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوۡحٰۤی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡہِ فِی
الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِہِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡہُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَ عَدُوٌّ لَّہٗ ؕ وَ اَلۡقَیۡتُ
عَلَیۡکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیۡ ۬ۚ وَ لِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ ﴿۳۹﴾

اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور کی گئیں اور ہم تو تم پر ایک بار اور احسان کر چکے ہیں جب ہم نے تمہاری ماں کو وحی کی جو یہ تھی کہ تم اسے (موسیٰ کو) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ دریا اُسے دھکیل کر کنارہ سے لگا دے گا، اسے میرا دشمن اور موسیٰ کا دشمن اُٹھا لے گا اور میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا (جو دیکھتا پیار کرتا) تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پالے پوسے جاؤ۔

یہاں وحی کا لفظ جو مادرِ موسیٰؑ کے لیے فرمایا گیا ہے وہ بمعنی الہام ہے۔ وحی تشریعی صرف مرسلین پر نازل ہوتی ہے۔ نحل (شہد کی مکھی) کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ (۱۶/۶۸) اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ یہ بات خدا نے مکھی کے دل میں ڈال دی۔

چونکہ فرعون کا یہ حکم تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو اسے فوراً ذبح کر دیا جائے اس لیے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو یہ خوف تھا کہ اگر فرعون کو پتہ چل گیا تو بچہ تو ذبح ہوگا ہی میں بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گی۔ لہٰذا مطابق وحی الٰہی ایک لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں حضرت موسیٰ کو لٹایا اور صبر کی سل سینہ پر رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ کر چلی آئیں۔ فرعون و آسیہ صبح کے وقت محل کی چھت پر بیٹھے دریا کی موجوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ صندوق یا تابوت موسیٰ کا

بہتا بہتا محل کے پاس جا لگا۔ فرعون نے دیکھا تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے نکال کر محل میں لے آؤ۔ آگے کا قصہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اِذۡ تَمۡشِیۡۤ اُخۡتُکَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی مَنۡ یَّکۡفُلُہٗ ؕ فَرَجَعۡنٰکَ اِلٰۤی اُمِّکَ
کَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُہَا وَ لَا تَحۡزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّیۡنٰکَ مِنَ الۡغَمِّ وَ فَتَنّٰکَ
فُتُوۡنًا ۬ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِیۡنَ فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی ﴿۴۰﴾
وَ اصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ ﴿۴۱﴾ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ اَخُوۡکَ بِاٰیٰتِیۡ وَ لَا تَنِیَا فِیۡ
ذِکۡرِیۡ ﴿۴۲﴾ اِذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ
یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾

جب تمہاری بہن چلی اور فرعون کے گھر میں جا کر کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتا دوں جو اسے اچھی طرح پالے تو اس تدبیر سے ہم نے تم کو پھر تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور تمہاری جدائی میں کڑھے نہیں اور تم نے ایک شخص قبطی کو مار ڈالا تھا (اور سخت پریشان تھے) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہارا اچھی طرح امتحان کر لیا۔ پھر تم کئی برس تک مدین کے لوگوں میں جا کر رہے پھر تم (عمر کے) ایک اندازہ پر آگئے اور میں نے تم کو اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا پس اب تم اپنے بھائی کو لے کر مع ہمارے معجزات کے جاؤ اور (دیکھو) میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اس کے پاس جا کر نرمی سے بات کرو تاکہ وہ نصیحت مان لے اور ڈر جائے۔

جب حضرت موسیٰؑ کی ماں صندوقِ موسیٰ کو دریا میں ڈالنے چلیں تو اپنی لڑکی کو بھی ساتھ لے لیا جب صندوق دریا میں چھوڑا تو لڑکی سے کہا میں تو جاتی ہوں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو، تم یہاں کھڑی دیکھتی رہو کہ جاتا کہاں ہے۔ جب فرعون کے نوکر صندوق کو محل میں لے گئے تو وہاں دائی کی تلاش ہوئی۔ کئی دائیاں آئیں مگر حضرت موسیٰؑ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا۔ فرعون اور آسیہ سخت پریشان تھے کہ کیا کریں۔ دائیوں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی محلِ فرعون میں داخل

ہوگئی تھیں۔ انہوں نے کہا اگر آپ لوگ کہیں تو میں ایک شریف خاندان کی دائی کو بلا لاؤں ممکن ہے ان کا دُودھ پی لیں۔ فرعون نے کہا، جلدی بُلا لاؤ۔ یہ وہاں سے اپنی ماں کے پاس آئیں اور ان کو ساتھ لے گئیں۔ موسیٰؑ نے فوراً ان کی گود میں جاکر غٹ غٹ ان کا دُودھ پینا شروع کر دیا۔ یُوں مادرِ موسیٰؑ کو اپنا چھٹا ہوا بیٹا مل گیا۔ جس خدا نے موسیٰؑ کو کافرہ عورت کا دودھ نہ پینے دیا کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خدا کو کافرہ کا دُودھ پلواتا۔ پس معلوم ہوا کہ حلیمہؓ اور ثوبیہؓ جن کا دودھ حضرتؐ نے پیا تھا مسلمان تھیں۔ ملّتِ ابراہیمی پر تھیں۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ محلِ فرعون میں پل کر جوان ہوئے تو ایک روز سیر کرنے کے لیے شہر میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک قبطی (قومِ فرعون کا آدمی) ایک اسرائیلی سے لڑ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو مدد کے لیے بُلایا۔ انہوں نے پہلے تو اس قبطی کو سمجھایا بجھایا جب نہ مانا تو ایک گھونسہ اس کو مارا جس کے صدمے سے وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰؑ سخت پریشان ہوئے۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ ایک قبطی اسی اسرائیلی سے لڑ رہا ہے۔ اُس نے پھر موسیٰؑ کو مدد کے لیے بُلایا۔ آپؑ نے کہا تُو بڑا شرّی آدمی ہے روز کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ پھر قبطی کو ڈانٹا۔ اُس نے کہا، کیا آپ مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل ایک قبطی کو قتل کر چکے ہیں۔ غرض اس قبطی نے جاکر فرعون کو اطلاع دی اُس نے کہا کہ موسیٰؑ کو پکڑ لاؤ۔ اتنے میں مومن آلِ فرعون موسیٰؑ کے پاس پہنچے اور کہا لوگ آپکے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا فوراً یہاں سے چلے جائیے۔ چنانچہ اس کے بعد موسیٰؑ مدین میں حضرت شعیبؑ کے پاس چلے گئے۔

میں نے اپنے نفس کے لیے تمہیں انتخاب کر لیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کام کے لیے۔ فرعون کی طرف موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں کو بھیجا اور تاکید کر دی کہ بہ نرمی اس سے بات چیت کرنا تاکہ اس کے دل پر اثر ہو۔ سختی سے بات کروگے تو وُہ بدک جائے گا اور کام بگڑ جائے گا۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ
اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ
مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ
عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي
مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

موسیٰؑ و ہارونؑ نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا

سرکشی دکھائے۔ خدا نے کہا ڈرو مت میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ تم دونوں اُس کے پاس جاؤ اور کہو، ہم تیرے ربّ کے رسول ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ستانا چھوڑ دے ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ہم پر یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب نازل ہوگا اُس شخص پر جو (آیاتِ خدا کو) جُھٹلائے اور ان سے رُوگردانی کرے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ
ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ
فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا
وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا
نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾

فرعون نے کہا تم دونوں کا رب کون ہے حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی پھر اسے (راہِ راست کی طرف) ہدایت کی۔ فرعون نے کہا پہلے لوگوں کا حال تو بتاؤ موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے ربّ کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ میرا ربّ بہکتا ہے نہ بھُولتا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پس ہم نے اس سے مختلف قسم کی گھانسیں نکالیں۔ کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ۔ بے شک

اس میں عقلمندوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ ہم نے اسی زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں (مرنے کے بعد) ہم تم کو لوٹا کر لائیں گے اور دوبارہ اسی سے تم کو نکالیں گے۔ ہم نے فرعون کو ساری نشانیاں دکھا دیں مگر اُس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔

فرعون نے سوال کیا تمہارا رب کون ہے۔ یہ نہیں کہا کہ تمہارا خدا کہاں ہے چونکہ وہ اس کا مدعی تھا کہ سب لوگوں کا پالنے والا وہی ہے لہٰذا یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کے سوا موسیٰؑ وہارونؑ اور کس کو اپنا رب مانے ہوئے ہیں۔ وہ سب سے کہتا تھا انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا پالنے والا ہوں)۔ جناب موسیٰؑ صرف اتنا جواب دے سکتے تھے ربنا اللہ مگر انہوں نے حسبِ ضرورت کلام کو طول دیا اوّل تو ذکرِ معبود میں لذت حاصل کی دوسرے یہ کہ اس کی مخصوص صفات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھا پہلے یہ کہ ہر شے کو مناسب صورت سے پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ضمناً یہ بھی بتایا گیا کہ تُو اپنے کو رب کہتا ہے مگر تو کسی چیز کا پیدا کرنے والا نہیں۔ دوسرے میرے خدا نے ہر شے کو پیدا کر کے اُسے صحیح راستہ بھی بتایا۔ تجھ میں یہ طاقت نہیں تُو تو ہر ایک کو گمراہ کرنے والا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا اس اسلوبِ بیان کا کہ کم الفاظ میں سب کچھ بتا گئے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ
بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ
مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ
ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى
وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ
مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے ہمیں نکال دو۔ ہم بھی تمہارے سامنے ویسا ہی جادو پیش کریں گے لہٰذا اب تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک

وقت مقرر کرو اس کے خلاف نہ ہم کریں گے نہ تم۔ ایک صاف ستھری جگہ میں مقابلہ ہو۔ موسیٰ نے کہا، تمہارے مقابلے کا وقت زینت (عید) کا دن ہو سب لوگ دن چڑھے وہیں جمع ہو جائیں۔ پس فرعون لوٹ گیا اور اپنے جادو کا سامان جمع کرنے لگا پھر مقابلہ کے لیے آیا۔ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا تمہارا ستیاناس ہو اللہ پر جھوٹ بہتان مت باندھو ورنہ تم پر عذاب نازل کر کے ملیامیٹ کر دے گا جس نے اس پر افترا کیا وہ نامراد رہا۔ پھر انہوں نے اپنے معاملہ میں جھگڑا شروع کیا اور چپکے چپکے باتیں کرنے لگے

فرعون نے اپنے محل میں داخل کے سات دروازے رکھے تھے اور سب پر پہرہ دار بٹھا دیئے تھے تاکہ کوئی اجنبی داخل نہ ہو۔ آخری دروازہ پر درندے چھوڑ دیئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ وہارونؑ جب ساتویں دروازہ پر پہنچے تو درندے ان کے قدموں پر لوٹنے لگے اور یہ دونوں بھائی بے خوف وخطر فرعون کے محل میں داخل ہو گئے۔ فرعون مع اپنے درباریوں کے تخت پر بیٹھا تھا۔ موسیٰؑ وہارونؑ کو دیکھ کر غصہ میں بھر گیا۔ ڈانٹ کر کہا، تم کون ہو اور بے اجازت کیسے آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہم خدا کے رسول ہیں ہم تیری ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے۔ اس نے سپاہیوں کو بلا کر حکم دیا کہ انہیں پکڑ کر قید خانہ میں بند کر دو۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا ہاتھ سے چھوڑا وہ اژدھا بن کر فرعون کی طرف چلا خوف سے اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اور یدِ بیضا دکھا کر درباریوں کو بیہوش کیا۔ فرعون نے فریاد کی موسیٰؑ اسے روکو۔ حضرت موسیٰؑ نے اژدھے کو پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ فرعون نے سمجھا کہ یہ سب جادو کا کھیل ہے۔ اب نرمی سے باتیں کرنی شروع کیں۔ اس زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا اور ملکِ مصر میں بڑے بڑے گرو گھنٹال پائے جاتے تھے۔ فرعون نے مقابلہ کے لیے ایک دن مقرر کیا۔ حالانکہ جادوگروں کی کبھی کسی ملک پر حکومت نہیں ہوئی مگر یہ فرعون کی خردماغی تھی کہ اس نے سمجھا موسیٰؑ ملک پر جادو سے قبضہ کرنے آئے ہیں۔ الغرض مہلت لے کر وہ موسیٰؑ سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔ جہاں جہاں نامور جادوگر تھے سب کو بلا لیا۔ اور انہیں بڑے بڑے انعام دینے کا وعدہ کیا۔

فرعون معجزہ اور جادو کے فرق کو سمجھا ہی نہ تھا۔ کیا سمجھتا اس نے ایسا مقابلہ کبھی دیکھا ہی نہ تھا مگر تھا بہت گھبرایا ہوا۔ موسیٰؑ کا رعب اس کے دل پر اچھی طرح چھا گیا تھا۔ اس نے اس بارہ میں اپنے سارے درباریوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ

الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

انہوں نے (درباریوں نے) کہا (آپ پریشان نہ ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں) کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اس ارادہ سے آئے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں اس ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے اچھے خاصے مذہب کو مٹا دیں تو تم بھی اپنے چلتر (جادو) جمع کرو اور پَرا باندھ کر مقابلہ کے لیے آپڑو۔ جو آج غالب آگیا وہی فائز المرام رہے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ
اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾
فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾
وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

انہوں (جادوگروں) نے کہا اے موسٰی پہلے تم ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسٰی نے کہا تم ہی ڈالو۔ (پس انہوں نے اپنے کرتب دکھائے)۔ موسٰی کو ایسا معلوم ہوا کہ ان کی رسیاں اور چھڑیاں دوڑ رہی ہیں تو موسٰی نے اپنے دل میں کچھ دہشت سی پائی۔ ہم نے کہا اے موسٰی ڈرو نہیں، غالب تم ہی رہو گے۔ جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (عصا) اُسے زمین پر ڈالو جو کرتب انہوں نے دکھائے ہیں وہ ان سب کو نگل جائے گا۔ انہوں نے جو کچھ دکھایا ہے وہ ایک جادوگر کا کرتب ہے۔ جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پس تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے ہم ہارونؑ و موسٰی کے رب پر ایمان لے آئے۔

صورت یہ ہوئی کہ جب وعدہ کا دن آیا تو مصر کے تمام لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے میدان میں جمع ہو گئے۔ فرعون بڑے ٹھسّے سے کامیابی کی امید میں تخت پر بیٹھا تھا سارے درباری بھی حاضر تھے۔ جادوگر کئی سو کی تعداد میں غرور و تکبر میں جھکے ہوئے ایک طرف تھے اور موسیٰؑ و ہارونؑ کمبل کے کرتے پہنے ہوئے دوسری طرف علیحدہ کھڑے تھے۔ جادوگروں کے گرو گھنٹال نے اپنے چیلوں کو حکم دیا، کام شروع کرو۔ انہوں نے رسیوں اور پتلی پتلی چھڑیوں کو ہوا میں پھینکا۔ وہ سب سانپ بن کر لہرانے لگے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا کو زمین پر چھوڑا تو وہ اژدھا بن کر ہوا میں اُڑا اور جادوگروں کے سارے سانپوں کو نگل گیا۔

ساحر بڑے سمجھدار تھے۔ ناکام ہوتے ہی سمجھ گئے کہ موسیٰؑ نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو نہیں ہے جادو سے الگ کوئی چیز ہے۔ وہ جادوگری میں اتنا کمال رکھنے والے تھے کہ اس فن میں اس سے بالاتر کوئی کرتب ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ جب اپنے اس کمال کو ذلیل و خوار ہوتے دیکھا تو یہ یقین کر لینا ضروری تھا کہ موسیٰؑ نے جو دکھایا ہے وہ صرف خدا کی طرف سے عطا کردہ کوئی چیز ہے جب ہی تو فوراً ایمان لے آئے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ ہم رب ہارونؑ و موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ یعنی فرعون جو اپنے کو ہمارا رب بتاتا ہے ہمارا رب نہیں ہے بلکہ رب موسیٰؑ و ہارونؑ ہمارا رب ہے۔ یہیں سے معجزہ اور جادو کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ معجزہ پر جادو غالب نہیں آسکتا معجزہ جادو پر غالب آجاتا ہے

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ
جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا
خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

فرعون نے (جادوگروں سے) کہا تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے یہی تمہارا وہ گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پیر اس طرح کاٹ دوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ دوسری

طرف کا پیر اور خرما کی شاخوں پر تمہیں سُولی پر چڑھا دوں گا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم دونوں میں کون عذاب دینے میں سب سے زیادہ سخت ہے اور کس کا عذاب زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا جو معجزات ہمارے سامنے آئے ہیں انہیں دیکھ کر ہم کبھی تجھے ترجیح نہیں دے سکتے اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اب جو تیرا دل چاہے کر۔ تُو ہم پر اس دُنیا کی زندگی میں حکومت کر سکتا ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخشدے خاص اس جادو کے گناہ کو جس پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ اللہ کی ذات سب سے بہتر ہے اور اس کو سب سے زیادہ قیام ہے۔

سُبحان اللہ ان جادوگروں کا کیسا پختہ ایمان تھا کہ باوجود ایسی سخت سزا سننے کے ان کے ایمان میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔ توفیقِ الٰہی جس کے شاملِ حال ہو ذرا سی دیر میں اس کی حالت بدل جاتی ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾
وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ
تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ ع ۳ ۲۲ ۱۲
طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ
فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ
قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا اس کے لیے جہنّم ہے جہاں نہ تو وہ مرے ہی گا نہ زندہ ہی رہے گا اور جو مؤمن بن کر رہے گا اور نیک اعمال کیے ہوں گے تو ان کے لیے بلند درجات ہیں جنّت کے

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے جو پاکیزہ نفس بن کر رہے گا اس کی یہی جزا ہے۔ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ پھر دریا میں لاٹھی مار کر ایک سُوکھا راستہ ان کے لیے نکالو تم کو نہ تو دشمن کے پیچھا کرنے کا خوف رہے گا نہ ڈوبنے کا ڈر۔ فرعون نے مع اپنے لشکر کے ان کا پیچھا کیا پھر دریا (کے پانی کا ریلا) جب ان پر چھا گیا سو چھا گیا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر کے (ہلاک کر ڈالا) اور ان کو ہدایت نہ کی۔

جب فرعون نے شکست کھائی تو موسیٰؑ بحکم خدا بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں دریا حائل تھا مطابق وحی آپؑ نے پانی پر عصا مارا، پانی اِدھر اُدھر پھٹ گیا اور دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل ان راستوں سے بآرام دریا عبور کر کے اس پار جا پہنچے۔ جب فرعون کو یہ پتہ چلا کہ موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر چل دیئے ہیں تو اس نے ان کا پیچھا کیا جب دریائے نیل پر پہنچا تو دیکھا کہ بنی اسرائیل دریا کو عبور کر گئے ہیں۔ اس نے چاہا کہ جو راستے دریا میں بنے ہوئے تھے انہی سے دریا پار کر جائے۔ جب مع لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو دریا کا رُکا ہُوا پانی ریلا مار کر اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔ فرعون مع لشکر کے غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔ کم بخت نہ خود بچا نہ اپنی قوم کو بچا سکا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ
عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طُور کے دائیں طرف تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اور ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل کیا جو پاک چیزوں کا رزق ہم نے دیا ہے وہ کھاؤ اور کسی قسم کی شرارت نہ کرو ورنہ تم پر میرا عذاب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہُوا وہ ہلاک ہو گیا اور جو

کوئی توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے میں اس کے گناہ بخشنے والا ہوں جبکہ وہ ثابت قدم رہے

طور پر بلانے کا وعدہ توریت دینے کے لیے تھا۔

من وسلویٰ کے متعلق بائبل میں ہے کہ شبنم کی طرح درختوں کی جھاڑیوں پر ایک چیز نمودار ہوتی تھی جو دھنیے کی گری کی طرح ہوتی تھی۔ لوگ اُسے چکی میں پیس کر آٹا بناتے اور روٹی پکاتے تھے اور بٹیریں وہاں کثرت سے پیدا ہوگئیں انہیں کاٹ کر بھون لیتے تھے۔ یہ کھانا چالیس برس لوگوں کو کھانا پڑا۔

مؤرخین اسلام کا بیان یہ ہے کہ صبح سویرے جھاڑیوں پر ترنجبین جیسی قسم کے اناج کی ایک روٹی ہوتی تھی جس پر ایک بھنی ہوئی بٹیر رکھی ہوتی تھی۔ یہ کھانا چالیس روز تک آیا اس کے بعد اٹھ گیا۔

مفسرین کا بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم تھا کہ ہر شخص ایک روٹی اور ایک بٹیر اپنے حصہ کی اُٹھائے اس سے زیادہ نہیں مگر بنی اسرائیل نے سرکشی کی اور بعض لوگ اس خوف سے کہ کل نزول بند نہ ہوجائے کئی کئی روٹیاں اٹھا لاتے تھے اور جو تاخیر سے پہنچتے تھے وہ محروم رہ جاتے تھے لہٰذا خدا نے نازل کرنا بند کر دیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

ثُمَّ اهْتَدٰى کا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح کے بعد اگر محبت اہلِ بیتؑ پر انسان ثابت قدم نہ رہے تو اس کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے۔ ابنِ حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت رسولِ خدا کے اہلبیتؑ کی ولایت ھدایت ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمّد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے یہ آیت پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اِلٰی ولایتنا یعنی اس سے مراد ہماری ولایت ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾

جب موسیٰ اپنی قوم کے ستّر آدمی لے کر طُور کی طرف چلے اور فوراً آگے بڑھ گئے تو ہم نے کہا اے موسیٰ، تم نے اپنی قوم سے آگے چلنے میں کیوں جلدی کی۔ عرض کی وہ بھی تو میرے پیچھے پیچھے ہی چلے آرہے ہیں۔ اے میرے رب، یہ جلدی کر کے اس لیے بڑھ آیا ہوں کہ تو مجھ سے خوش رہے۔ خدا نے فرمایا ہم نے تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم کا امتحان لیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر چھوڑا۔ پس موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج کی حالت میں پلٹے اور قوم سے کہنے لگے کیا تم سے تمہارے پروردگار نے (توریت دینے کا) اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تمہارے وعدہ میں عرصہ لگ گیا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب ٹوٹ پڑے کہ تم نے میرے وعدہ (خدا کی عبادت) کے خلاف کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب خدا نے توریت دینے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو طُور پر بُلایا تو قوم نے ہٹ ماری کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ستّر آدمی منتخب کیے اور ان کو لے کر چلے۔ وہ لوگ ہلکے ہلکے چل رہے تھے حضرت موسیٰؑ توریت ملنے کے شوق میں بھرے ہوئے تھے لہٰذا ان لوگوں کو راستہ ہی میں چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد سامری نے یہ غضب ڈھایا کہ بنی اسرائیل جتنا زیور قبطیوں کی عورتوں سے چھین کر لے آئے تھے اس کو اکٹھا کیا جو منوں کی مقدار میں تھا۔ اُس نے بنی اسرائیل سے کہا جس خدا سے ملنے موسیٰؑ طور پر جاتے ہیں میں اُسے یہیں تمہارے لیے بُلائے دیتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے وہ سب سونا پگھلا کر ایک بچھڑے کی مُورتی بنائی۔ بنی اسرائیل موسیٰؑ سے پہلے گائے کی پرستش کر چکے تھے ان کے دل میں اس کی محبت تھی۔ سامری نے ان کے دل کی بیماری سمجھ کر اس بچھڑے سے ایک ایسی آواز پیدا کی جو گائے کے بچھڑے کی آواز سے مشابہ تھی۔ بنی اسرائیل سے کہا یہ تمہارا خدا بول رہا ہے تم اس کی بات نہیں سمجھتے میں سمجھتا ہوں، یہ کہہ رہا ہے کہ تم مجھے سجدہ کرو میں تمہارا معبود ہوں۔ وہ احمق یہ سُن کر سجدہ میں گر پڑے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ سامری کون تھا۔ بعض نے لکھا ہے یہ سامرہ کا رہنے والا تھا، بنی اسرائیل سے آملا تھا۔ بعض نے لکھا ہے یہ سناری کا پیشہ کرتا تھا اس لیے اُس نے سونے کا بچھڑا بنا ڈالا۔ آواز کے پیدا کرنے میں بھی اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے اُس نے جادو کے زور سے آواز پیدا کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے اندر دو سوراخ کر دیئے تھے جب ہَوا ان میں سے گزرتی تھی تو آواز نکلتی تھی۔ لیکن یہ بچھڑے کی سی آواز تو نہیں ہوسکتی تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے اندر ایک آدمی بٹھا دیا تھا وہ بچھڑے کی سی آواز نکالتا تھا۔ لیکن بچھڑے کے قالب میں آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش کہاں۔ دوسرے بنی اسرائیل کتنے ہی احمق سہی کیا اتنا بھی پتہ نہ چلا سکتے تھے کہ اس کے اندر آدمی گھُسا بیٹھا ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا اور بجائے خدا کے وہ بچھڑے کی پُوجا کرنے لگے۔ جب حضرتؑ توریت لے کر طُور سے لَوٹے اور قوم کا یہ حال معلوم ہُوا تو بڑا غصہ آیا اور سخت رنج ہُوا۔ اور

ڈانٹ کر کہا کم بختو! میرے آنے سے پہلے ہی یہ تم کیا کر بیٹھے۔ میرا انتظار تو کیا ہوتا۔

بعض لوگوں نے سامری کے متعلق ایک عجیب حکایت بیان کی کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا جب پیدا ہوا تو اس کی ماں کو یہ خوف ہوا کہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ لہٰذا نیل کے کنارے ایک جزیرہ میں ڈال دیا تھا۔ خدا نے جبریل کو اس کی پرورش کا حکم دیا اس لیے وہ جبریل کی صورت کو پہچانتا تھا اور چونکہ موسٰیؑ سے سن چکا تھا کہ جبریل کے مرکب کے سُم تلے کی خاک جس چیز میں ڈال دی جائے وہ بولنے لگتی ہے لہٰذا وہی خاک اُس نے بچھڑے میں ڈال دی تھی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایک مشرک اور جبریل کے ہاتھوں پرورش۔ (آگے مفصل ذکر آئے گا۔)

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ
الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا
جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا
يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَ ع ۱۳ ۱۳
لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ
فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى
يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ بات یہ ہوئی کہ قبطیوں کے زیورات جو ہم پر لادے گئے تھے ہم نے ان کو لا کر پھینک دیا اور سامری نے بھی ایسا ہی کیا پس اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا جو ڈکراتا تھا۔ لوگ پکار اُٹھے یہ تمہارا خدا ہے اور موسٰی کا خدا ہے موسٰی اُسے بھول گیا۔ کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ وہ نہ تو ان کی بات کا جواب دیتا ہے نہ ان کے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ ہارون نے پہلے ہی اُن سے کہا تھا اے میری قوم تمہارا اس کے ذریعے سے امتحان لیا جا رہا ہے اس میں شک نہیں کہ

تمہارا رب خدائے رحمٰن ہے تو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ انہوں نے کہا جب تک موسٰی نہ آئیں ہم تو اس کی پرستش پر ڈٹے بیٹھے رہیں گے۔

کیسی بے وقوف قوم تھی جو یہ نہ سمجھی کہ جس کو سامری نے خود بنا لیا ہے وہ ان کا معبود کیسے ہو سکتا ہے نہ بولتا ہے نہ کسی مصرف کا ہے۔ حضرت ہارونؑ برابر سمجھاتے رہے کہ تمہاری عقلوں پر کیا پردے پڑ گئے ہیں کہ اس بچھڑے کی پوجا پر آمادہ ہو گئے ہو۔ مگر شیطان جو اُن کے سر پر سوار تھا۔ کیا مانتے اس کو معبود سمجھ دھڑا دھڑ سجدے کرتے گئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ
اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ
اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ
قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾
قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ
مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

موسٰی نے کہا اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو تمہیں میری پیروی (قتال) کرنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے کہا اے میرے ماں جائے آپ نہ میری داڑھی پکڑیئے نہ

میرے سر کے بال، میں تو اسی سے ڈرا کہ آپ (واپس آکر) یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔ پھر سامری سے فرمایا، تُو بتا تیرا کیا حال ہے۔ اُس نے کہا مجھے وہ چیز دکھائی دی جو اور لوگوں کو نہ سُوجھی، میں نے جبریل کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی ایک مُٹھی خاک اٹھالی وہی میں نے (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دی اس وقت میرے نفس نے مجھے یہی سجھائی موسٰی نے کہا چل (دُور ہو) تیرے لیے اس دنیا کی زندگی میں تو (یہ سزا ہے) کہ کہتا پھرے گا مجھے نہ چھُونا (ورنہ بخار چڑھ آئے گا۔ اور آخرت میں) تیرے لیے یقینی (عذاب کا) وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ کیا جائے گا اور تُو اپنے معبُود کو دیکھ جس کی عبادت پر تُو ڈٹا بیٹھا ہے کہ ہم یقیناً اسے جلا کر (راکھ کر) ڈالیں گے۔ پھر اسے تتر بتّر کر کے دریا میں اُڑا دیں گے۔ تمہارا معبُود تو بس وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی اور معبُود برحق نہیں اس کا علم ہر چیز پر چھایا ہُوا ہے۔

سامری کا یہ کہنا کہ میں نے جبریلؑ کے گھوڑے کے قدم کی خاک اُٹھالی تھی اس کی من گھڑت بات تھی جس کو باور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ درایت اس کے خلاف ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ سامری بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، یقیناً وہ سب کے ساتھ دریا سے پار ہُوا۔ فرعون نے جب چاہا کہ دریا پار کرے تو اس کا گھوڑا آگے نہیں بڑھتا تھا تو جبریلؑ گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور اُسے آگے بڑھایا۔ تب فرعون کا گھوڑا دریا میں داخل ہُوا۔ اس صورت میں سامری نے ان کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی کیسے اُٹھالی۔ قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سامری کا قول ہے نہ کہ خدا کا۔ وہ اپنے بیان میں درحقیقت دھوکہ سے کام لے رہا تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز اوروں کو نظر نہ آئی ہو وہ سامری کو نظر آگئی ہو۔ یہ قدوسیت اس میں کہاں سے آگئی کہ جبرئیل کو بھی پہچان گیا اور ان کے گھوڑے کے قدم کی مٹی کی اس تاثیر کو بھی۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں جو اُس نے حضرت موسٰیؑ سے بیان کیں اور جن پر حضرت موسٰیؑ کو سخت غصہ آیا اور اپنے سامنے سے ہٹ جانے کو کہا۔ جیسا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یہ روایت تو بالکل ہی بے سر و پا ہے کہ سامری کو جو بنی اسرائیل سے تھا قتل کے خوف سے جب اس کی ماں نے ایک جزیرہ میں ڈال دیا تو جبرئیل نے اس کو بحکم خدا پرورش کیا۔ جبریلؑ نے نہ کسی نبی کو پالا نہ رسول کو، سامری میں یہ خصوصیت کیوں کر پیدا ہو گئی کہ جبریلؑ اس کی دایا بن کر بیٹھے۔ نہ وہ نبی تھا نہ نبی کا بیٹا نہ صاحبِ ایمان۔ پھر یہ تک کیسے بیٹھے گی۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وہ جبریلؑ کو پہچانتا تھا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ حضرت جبرئیل اس کو بتاتے تھے کہ میں جبرئیل ہوں، تیری پرورش کے لیے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ روایت مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھ دی ہے۔

اب ذرا حضرت ہارونؑ کی بات پر ایک گہری نظر ڈالیے۔

جناب موسٰیؑ نے جب سُنا کہ قوم گمراہ ہو گئی تو غصہ میں بھر گئے۔ الواحِ توریت کو زمین پر پھینک کر حضرت ہارونؑ کی طرف بڑھے اور ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھا کیے۔ اور ان کی روک تھام نہ کی، ان سے کیوں نہ لڑے۔ حضرت ہارونؑ نے عرض کی صرف اس خیال سے میں نے ایسا نہ کیا کہ آپ واپس آکر مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا لحاظ نہ رکھا کہ میں کہہ گیا تھا کہ ان کو سنبھالے رہنا متفرق نہ ہونے دینا۔

حضرت ہارونؑ نے سورۂ اعراف میں جو کچھ کہا تھا اس کو بھی اس آیت سے ملا لیجئے تو پوری بات سمجھ میں آ جائے گی۔ اس قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں پس آپ قوم میں میری شماتت نہ کریں اور مجھے ظالم قوم میں سے قرار نہ دیں۔ اب بات صاف ہو گئی۔ حضرت ہارونؑ پوری قوم سے کیسے جنگ کرتے جبکہ ان کے ساتھی بہت ہی کم تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جب خلافت حضرت علیؑ کو نہ دی گئی تو انہوں نے جنگ کیوں نہ کی۔ ایسی حالت میں جبکہ ہارونؑ کی طرح آپؑ کو حد درجہ کمزور بنا دیا گیا تھا اور چند آدمیوں کے سوا کوئی آپؑ کا ناصر و مددگار نہ تھا آپؑ کیسے جنگ کرتے۔ دوسرے اگر کرتے تو مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور جو نئے مسلمان تھے وہ اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جاتے۔ اس سے اسلام کو کیسا شدید نقصان پہنچتا جسے علیؑ جیسا حامیٔ اسلام کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔

سامری کو دنیا میں جس عذاب کا سامنا ہُوا وہ یہ تھا کہ اُسے ایسا شدید بخار چڑھا کہ لوگوں سے کہتا تھا مجھے نہ چھُونا ورنہ تم بھی بخار میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مارا مارا پھرتا تھا لوگ اس کے قریب جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اسی حالت میں واصلِ جہنم ہُوا۔ حضرت موسٰیؑ نے اس کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں رکھ دیا جب جل کر خاک ہو گیا تو اسے دریا میں بہا دیا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا
ذِكْرًا ۖۚ (۹۹) مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ (۱۰۰) خٰلِدِيْنَ
فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ (۱۰۱) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚ (۱۰۲) يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ
لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (۱۰۳) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ

طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

ایسے ہی ہم تم سے پہلے لوگوں کے قصّے بیان کرتے ہیں اور ہم نے ہی تمہارے لیے اپنے پاس سے قرآن عطا کیا جو کوئی اس سے رُوگردانی کرے گا وُہ روز قیامت گناہوں کا بوجھ اُٹھائے گا۔ اور وُہ اس حال میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ لوگ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔ جس دن صُور پھُونکا جائے گا اور ہم اس روز مجرموں کی آنکھیں نیلی (اندھی) کر کے جمع کریں گے۔ آپس میں چُپکے چُپکے کہتے ہوں گے ہم لوگ (بہت سے بہت) کوئی دس دن ٹھہرے ہوں گے۔ جو کچھ یہ لوگ کہیں گے ہم خوب جانتے ہیں۔ جو ان میں سب سے زیادہ ہوشیار ہو گا بول اُٹھے گا ہم تو (زیادہ سے زیادہ) ایک دن ٹھہرے ہوں گے۔

پہلے صُور میں سب لوگ مر جائیں گے، دوسرے صُور میں سب اُٹھ کھڑے ہوں گے اور میدان حشر کی طرف دوڑتے جائیں گے۔ ان کے ہوش ایسے پراگندہ ہوں گے اور دہشت اتنی چھائی ہوئی ہوگی کہ انہیں یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ وہ مرنے کے بعد قبر میں یا عالم برزخ میں کتنے دن ٹھہرے تھے۔ کوئی کہے گا دس دن کوئی کہے گا صرف ایک ہی دن۔ زمین اس روز ہموار ہو کر ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر سطح ارض پر پھیل جائیں گے۔ دریاؤں کا پانی زمین سوکھ لے گی، جنگل جل کر خاک ہو جائیں گے یہی میدان حشر ہو گا اس کے بعد اللہ جو چاہے گا کرے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا
صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ
الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا
هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ
ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا
هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ
الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

لوگ تم سے پہاڑوں کے متعلق پُوچھتے ہیں کہ (قیامت میں) ان کا حشر کیا ہو گا۔ (اے رسول) تم کہدو کہ میرا پروردگار انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا اور زمین کو ایک چٹیل میدان بنا دے گا۔ نہ تُو اس میں موڑ دیکھے گا نہ اُونچ نیچ، اس روز لوگ ایک پکارنے والے (اسرافیل) کے پیچھے سیدھے دوڑے آئیں گے کوئی کجی نہ ہو گی اور آوازیں اس دن خدا کے سامنے اس طرح بیٹھ جائیں گی کہ گنگناہٹ کے سوا کچھ اور نہ سُنے گا۔ اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی مگر جس کو خدا نے اجازت دی ہو اور اس کا بولنا پسند کرے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے یا کچھ ان کے پیچھے ہے خدا سب باتوں کو جانتا ہے اور لوگ اپنے علم سے اس پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ (اس دن) لوگوں کے منہ زندہ و پایندہ خدا کے سامنے جھک جائیں گے۔ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ یقیناً ناکامیاب رہا اور جس نے اچھے کام کیے اور خاموش رہا اس کو نہ کسی طرح کی بے انصافی کا ڈر ہے نہ کسی نقصان کا۔ ہم نے اسی طرح قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا اور اس میں عذاب کے وعدے طرح طرح سے بیان کیے تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں یا ان کے مزاج میں عبرت پیدا کر دے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى
اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا
عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

پس دو جہاں کا بادشاہ خدائے برتر و اعلیٰ ہے۔ اے رسول قرآن پڑھنے میں اس سے پہلے کہ تم پر پُوری وحی نہ آجائے جلدی نہ کرو اور یہ کہا کرو میرے رب میرے علم کو اور زیادہ کر۔ ہم نے آدم سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا (کہ اس درخت کے پاس نہ جانا) تو آدم نے اُسے ترک کر دیا اور ہم نے ان میں ثبات و استقلال نہ پایا۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ ہم نے کہا اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دُشمن ہے۔ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ بہشت میں تمہیں یہ آرام ہے کہ نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ ننگے نہ پیاسے رہو گے نہ دُھوپ کھاؤ گے۔

قرآن کو جلدی نہ پڑھنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو اس خیال سے کہ شاید وحی کا کوئی لفظ دھیان سے جاتا رہے آپؐ بعض الفاظ کو جبریلؑ کے ساتھ دہرانے لگتے تھے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آغازِ رسالت میں جب آپؐ کو اخذِ وحی کی عادت نہ ہوئی تھی تو جو وحی اُترتی تھی آپؐ اس کو بار بار دہراتے تھے تاکہ کوئی لفظ ذہن سے نکل نہ جائے۔

بعض نے لکھا ہے کہ انتہائی شوق میں آپؐ اس کو پڑھنے میں جلدی کرتے تھے۔

باوجودیکہ حضرتؐ کو ہر قسم کا علم دے دیا گیا تھا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۴/۱۱۳) مگر پھر بھی آپؐ کو حکم تھا کہ یہ کہا کرو، "میرے پالنے والے میرا علم زیادہ کر"۔ بندہ کو چاہیئے کہ خدا کتنا ہی علم دے دے پھر بھی خدا کے علم کے مطابق وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک قطرہ سمندر کے مقابلے میں۔ لہٰذا اس سے ہر وقت زیادتیِ علم کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔

آدم کا قصہ۔ پہلے سورۂ بقر میں گزر چکا ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اے آدم جنت میں جو تمہیں آرام ہے وہ دُنیا میں نہ ملے گا۔ وہاں بُھوک بھی لگے گی پیاس بھی۔ بدن کے لیے لباس بنوانا بھی ہوگا۔ دُھوپ سے بچنے کا سامان بھی کرنا ہوگا۔ پس شیطان کے بہکانے میں آکر جنت کو نہ کھو بیٹھنا۔ آدمؑ نے وعدہ کر لیا تھا کہ شیطان کے

بہکانے میں نہ آئیں گے مگر پھر بھول گئے۔ یہ سب وہاں کی باتیں ہیں جہاں کے معاملات کو سمجھنا ہماری عقل سے باہر ہے قرآن شروع ہی سے یہ کہتا چلا آرہا ہے کہ شیطان کی پیروی نہ کرو یہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس سے بچے رہو۔ آدمؑ جو شیطان کے بہکانے میں آگئے وہ اس لیے نہیں کہ وہ خدا کے حکم کو ماننا ضروری نہ سمجھتے تھے یا نعوذ باللہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے وعدہ کر لیا تھا مگر بھول گئے۔ یہ صرف اس بنا پر ہُوا کہ ان کے ارادہ میں کمزوری تھی۔ عزم و ارادہ ہی ایک چیز ہے جو کسی بات پر قائم رکھتا ہے۔ انبیائے اولوالعزم وہ انبیاء ہیں جو اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قائم رہے۔ ہزار بلائیں سر پر آئیں مگر انہوں نے اپنے ارادوں میں جنبش نہ پیدا ہونے دی۔ آدم علیہ السلام سے جو ترکِ اولیٰ ہُوا وہ صرف عزم کی کمزوری سے ہُوا۔ وہ وعدہ کو نہ بھولتے مگر ظالم شیطان نے وہ چکنی چپڑی باتیں کیں اور ایسا فریب کیا کہ آدمؑ اپنا وعدہ بھول گئے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰي شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ
لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ۖ ثُمَّ اجْتَبٰهُ
رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ڏ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا
يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

شیطان نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا، کہنے لگا آدم کیا میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی کا درخت اور ہمیشہ رہنے والی سلطنت بتا دوں پس ان دونوں نے اس میں سے کچھ کھایا اور ان کا آگا پیچھا ان پر ظاہر ہو گیا اور وہ دونوں بہشتی درخت کے پتّے اپنے آگے پیچھے چپکانے لگے اور آدم نے

اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس بے راہ ہوگئے اس کے بعد ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا، ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت کی۔ خدا نے کہا تم دونوں بہشت کے نیچے اُتر جاؤ تم میں ایک دُوسرے کا دشمن ہے۔ اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (تم اس کی پیروی کرنا کیونکہ) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذکر سے رُوگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی سے بسر ہوگی اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے۔

ان آیات میں چند باتوں پر غور کرنا ہے :

۱۔ دشمن جب اپنے تمام حیلوں میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر دوستی کا اظہار کرکے اپنے مقابل کو چت کر دیتا ہے شیطان نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ خیرخواہ بن کر آدمؑ سے کہا: تمہیں ایک ایسی تدبیر بتاتا ہوں کہ ہمیشہ جنت ہی میں رہو اور ایک ایسی حکومت کے مالک بنو جو کبھی ختم نہ ہو۔

۲۔ اُونچے درجہ کی خواہش بشریت کی رگوں کا خون ہے آدمؑ لالچ میں آکر یہ بھول گئے کہ یہ کون کہہ رہا ہے۔ شیطان نے جو کچھ کیا تھا ان کی نظر کے سامنے تھا۔ قدرت کی طرف سے جو سزا ملی تھی وُہ بھی پیشِ نظر تھی۔ مگر بشریت کے تقاضے کو کیا کرتے آ گئے شیطان کے پھندے میں۔

۳۔ خدا نے آدمؑ کو جتا دیا تھا کہ تم یہاں ایک ایسے مقام پر ہو جہاں نہ تمہیں بھوک پیاس کی تکلیف ہے نہ لباس کی فکر، نہ رہنے کے لیے کسی مکان بنوانے کا غم۔ یہاں سے جاؤ گے تو یہ ساری تکلیفیں ایک بار تم پر ٹوٹ پڑیں گی اور چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہاؤ گے تب ایک لقمہ میسّر آئے گا۔ یہ سب کچھ آدمؑ کے علم میں تھا مگر ان کی اور ان کی اولاد کی قسمت میں جو لکھا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔
لیکن اس کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ آدمؑ سے جو کچھ باغوائے شیطانی ظہور میں آیا وُہ نہ ازراہِ سرکشی و بغاوت تھا نہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی میں ازراہِ شک و شبہ تھا بلکہ بھول چوک کے آزار میں مبتلا ہو کر اپنا نقصان کر بیٹھے۔

۴۔ پھل کھاتے ہی جنت کا لباس بدن سے اُتر پڑا۔ یہ پہلی تکلیف تھی جو شیطان کے پھندے میں آکر اُن کو پہنچی۔ پھر زمین پر آکر جو محنت و مشقت کے پہاڑ ان پر گرے۔ دونوں میاں بی بی اپنی اپنی شرمگاہوں کو درخت کے پتّوں سے چھپانے لگے۔ زمین کے باسی بننے کے لیے یہ پہلا سبق تھا جو آدمؑ و حواؑ کو دیا گیا کہ وہاں جا کر اپنا لباس اپنے ہاتھ سے تیار کرنا ہوگا۔ جنت کی رعائتیں ختم ہوئیں۔ خدا کے حکم کی تعمیل میں بجا ہے بھول چوک ہی سے ہوا تی کوتاہی بھی کیوں ہوئی۔

۵۔ آدمؑ کی نافرمانی ہماری جیسی نافرمانی نہ تھی۔ ہم تو جو گناہ کرتے ہیں باغیانہ حیثیت سے کرتے ہیں آدمؑ تو خدا کے فرمانبردار بندے تھے۔ رُوئے زمین پر نبی بنائے گئے تھے۔ ان کی گرفت اس لیے ہوئی

کہ بھول کر بھی ایسا کیوں ہُوا۔ اولادِ آدمؑ کے لیے بھول چوک معاف ہے لہٰذا آدمؑ کی اس نافرمانی کو عام انسانوں کی معصیت کی فہرست میں داخل نہ کرنا چاہیئے۔ بشریت کے تقاضا سے راہِ راست سے ہٹ ضرور گئے۔ مگر عبدیت کے کسی گوشہ میں آگ نہیں لگی شیطان کی طرح اکڑ مکڑ نہیں تھی۔ ورنہ نہ تو ان کا انتخاب عمل میں آتا نہ توبہ قبول ہوتی اور نہ اللہ کی ہدایت (توفیق) کا ان سے تعلق ہوتا۔

۶۔ ان کو خلیفۃ الارض ہی بننا تھا ایک نہ ایک دن آنا تو انہیں زمین پر ہی تھا لیکن ذرا جلدی کر بیٹھے اور حکم خداوندی میں جو وقت معیّن تھا اس سے پہلے ان کو زمین پر آنا پڑ گیا۔

۷۔ بتا تو پہلے ہی دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے جو اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئے گا۔ تمہاری اولاد کو چاہیئے کہ اس سے باخبر رہیں اور تمہارے واقعہ سے سبق لیں اور جو ہادی ہماری طرف سے وقتاً فوقتاً آتے رہیں ان کی ہدایت پر عمل کرتے رہیں۔

۸۔ جو نافرمانی ہوئی تھی وہ آدمؑ و حوّاؑ دونوں سے ہوئی تھی۔ مگر ذکر کیا گیا ہے صرف عصیانِ آدمؑ کا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حوّا کا چونکہ نبوّت سے تعلق نہ تھا اس لیے گیہوں کھانا ان کے لیے دخلِ عصیاں نہ تھا۔ آدمؑ کے لیے بلحاظِ نبوّت اتنی ہی بات بھی داخلِ عصیاں بن گئی۔ سچ ہے جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيٓ أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ
أَتَتْكَ ءَايَٰتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ ٱلْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى
مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنۢ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِۦ ۚ وَلَعَذَابُ ٱلْـَٔاخِرَةِ أَشَدُّ وَ
أَبْقَىٰٓ ﴿١٢٧﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ ٱلْقُرُونِ يَمْشُونَ
فِى مَسَٰكِنِهِمْ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلنُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ع ٣ ١٦
سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَا
يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ ٱلشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (۱۳۰)

وہ کہے گا الٰہی میں تو دُنیا میں سیانکھا تھا تُو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا۔ خدا فرمائے گا، ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں تُو انہیں بُھلا بیٹھا اسی طرح آج تُو بھی بُھلا دیا جائے گا اور جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لایا اُس کو بھی ہم یوں ہی بدلہ دیں گے اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا ان (اہلِ مکّہ) کو خدا نے یہ نہیں بتا دیا تھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ جن کے گھروں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں اس میں عقلمندوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک وعدہ اور (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا تو (ان کی حرکتوں سے) عذاب آنا لازمی بات تھی۔ (اے رسول) جو کچھ یہ کفّار کہا کرتے ہیں تم اس پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے قبل اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کیا کرو، اور کچھ رات کے وقتوں میں اور ان کے کناروں میں تسبیح کرو تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔

طلوعِ آفتاب سے قبل نمازِ صبح مراد ہے اور قبل غروب سے نمازِ عصر اور اطرافِ شب سے مغرب وعشا اور دن کے اطراف سے نمازِ ظہر و نافلۂ ظہر مراد ہے۔ یوں پانچوں نمازوں کی تصریح ہو جاتی ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى (۱۳۱) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا
نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (۱۳۲) وَ
قَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا

فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (۱۳۳) وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (۱۳۴) قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ
فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ
اهْتَدٰى (۱۳۵) ع

اے رسول تم آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو زندگانیِ دُنیا کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور تم خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے روزی تو طلب کرتے نہیں ہم تو خود تم کو روزی دیتے ہیں اور پرہیزگاری کا تو انجام بخیر ہے۔ (اہلِ مکّہ) کہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہماری مرضی کے مطابق) کیوں نہیں لاتے تو کیا جو (پیش گوئیاں) اگلی کتابوں اور (توریت و انجیل) میں ہیں (اس کی گواہ ہیں) وہ بھی ان کے پاس نہیں پہنچیں۔ اگر ہم ان کو اس رسول سے پہلے ہلاک کر ڈالتے تو کہہ دیتے کہ اے پالنے والے تُو نے اس سے پہلے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا۔ ہم اپنے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کرتے۔ کہدو ہر شخص اپنے انجام کا منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی راہ والے ہدایت یافتہ کون ہیں (اور کج رَو کون ہیں)۔

یہاں سے آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اے رسولؐ جن لوگوں نے حرام طریقہ سے دولت جمع کرلی ہے اور بڑے ٹھاٹ سے زندگی بسر کر رہے ہیں تم انہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ حلال روزی جو ہم نے تم کو دی ہے چاہے وہ تھوڑی ہی ہے لیکن وہ اس حرام کمائی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ایک بار آپؐ کے یہاں مہمان آیا۔ آپؐ نے ایک یہودی سے قرض آٹا مانگا۔ اُس نے کہا بغیر کوئی چیز گرو رکھے نہ دوں گا۔ پس

یہ آیت آپؐ کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ (۲۰/۱۳۲) تو آپؐ آٹھ ماہ تک حضرت علیؑ کے دروازہ پہ نمازِ صبح کے وقت آکر فرماتے تھے :

اَلصَّلٰوةُ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۔" (اَلۡاَحۡزَاب ۳۳/۳۳)

یہودیوں سے کہا جارہا ہے کہ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوچکی ہیں کیا وہ تم نے پڑھی نہیں، ان سب کا عطر اس قرآن میں موجود ہے ۔ یہ کتاب ایک ایسا شخصؐ پیش کر رہا ہے جسؐ نے تمہاری کتابوں کو پڑھا ہی نہیں ۔ پس اس سے بڑا ثبوت اسؐ کی نبوت کا اور کیا ہوسکتا ہے ۔ اس پر مزید یہ کوئی چیز طلب نہیں کرتا پھر اسے نہ ماننا تمہاری حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔

اس عملِ رسولؐ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کے اہلِ بیتؑ کون تھے ۔ آپؐ نے کبھی کسی بی بی کے دروازہ پر جاکر ایسا نہیں کیا ۔

(۲۱) سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ ﴿۱﴾ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ
مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۙ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً
قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثۡلُكُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ قٰلَ رَبِّىۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ
فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۴﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ
اَحۡلَامٍۢ بَلِ افۡتَرٰٮهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۖ ۚ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ
اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آپہنچا اور وُہ غفلت میں منہ موڑے ہی پڑے ہیں ۔ جب ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نیا حکم آتا ہے تو اُسے کان لگا کر سُن تو لیتے ہیں پھر ہنسی مذاق میں اُڑا دیتے ہیں ۔ ان کے دل (آخرت کے خیال سے بالکل) بے خبر ہیں ۔ یہ ظالم چپکے چپکے کانا پھُوسی کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص (محمدؐ کچھ بھی نہیں) بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو کیا تم دیدہ و دانستہ جادُو میں پھنستے ہو ۔ رسول نے کہا میرا رب ان تمام باتوں کو سُنتا ہے جو آسمان میں ہوں یا زمین میں ، وہ بڑا سُننے والا اور جاننے والا ہے ۔ بلکہ بعض تو یہ بھی کہنے لگتے ہیں یہ قرآن تو

خوابہائے پریشاں کا مجموعہ ہے بلکہ جھوٹ موٹ بنا لیا ہے بلکہ یہ شخص شاعر ہے اگر یہ سچا رسول ہے تو جس طرح پہلے پیغمبر معجزات اپنے ساتھ لاتے تھے یہ بھی کوئی معجزہ لاتا۔

قیامت کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمانؐ آ چکے اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ زندگانی کائنات کا بڑا حصہ ختم ہو گیا تھوڑا سا حصہ باقی ہے کیونکہ خدا نے اپنا آخری نبی بھیج کر آگاہ کر دیا کہ بس اس کی آمد قرب قیامت کی دلیل ہے۔

غفلت میں پڑے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دُنیا کے عیش و آرام اور کاروبار کی گہما گہمی نے ان کو آخرت کی طرف سے غافل بنا دیا ہے اور دنیا کے کھیل تماشوں میں ایسے غرقاب ہوئے ہیں کہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔

مشرکین مکہ سرگوشیاں اس بارہ میں کرتے تھے کہ یہ شخص جو دعویٰ رسالت کرتا ہے آخر ہے کیا۔ یہ رسول تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ہم ہی جیسا آدمی ہے۔ ہماری طرح سارے کام کرتا ہے پھر اسے رسول کیسے مان لیا جائے بھلا اس کی باتوں میں جو خوابہائے پریشاں کی طرح کبھی کچھ کبھی کچھ بیان کرتا ہے دیدہ و دانستہ کیسے آجائیں۔ اور ان افترا پردازیوں کو کیسے صحیح مان لیں یہ کچھ بھی نہیں ایک مرد شاعر ہے یا دیوانہ ہے اگر رسول ہوتا تو جیسے پہلے انبیاءؑ معجزات دکھاتے تھے یہ بھی کوئی ایسا معجزہ دکھاتا جیسا ہم چاہتے ہیں۔ چونکہ جاہل تھے اور بات سمجھنے کی قابلیت نہ تھی لہٰذا ایسی ہی بکواس کرتے رہتے تھے۔ چاہے وہ کتنی ہی کانا پھوسی کریں اللہ تو ان سب کی باتوں کو سنتا ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧

ہم نے ان سے پہلے جن بستیوں کو ہلاک کیا تھا کیا (وُہ معجزہ دیکھ کر) ایمان لے آئے تھے (جو یہ ایمان لے آئیں گے) اے رسول ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا ہم ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے (جیسے تمہارے پاس بھیجتے ہیں)۔ اگر تم غور نہیں کرتے تو عالموں سے پوچھ دیکھو۔

مفسرین نے اہل الذکر کے مصداق میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد علمائے اہل کتاب ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے پاس محرّف کتابیں ہیں جن میں سے آنحضرتؐ کا ذکر ہی اُڑا دیا ہے۔ بعض نے کہا قرآن مراد ہے لیکن قرآن صامت ہے وہ کیونکر بتائے گا۔ بعض نے کہا کہ علمائے وقت مراد ہیں لیکن ان کے درمیان تو بے حد اختلاف ہے۔ تہتر فرقے بنائے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا اہل الذکر کچھ اور ہی لوگ ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے ہم اہل ذکر ہیں، ان سے پوچھنے کے لیے اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ کتب سماوی کے عالم ہیں وہ انبیاءؑ کے حالات کو صحیح طور سے بتا سکتے ہیں۔ ان کے معجزات اور ان کی قوموں کے انکار کا پورا پورا حال بتا سکتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ
صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ ع وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ
قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝١١ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا
بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝١٢ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ
فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ۝١٣ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝١٤
فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝١٥

ہم نے ان پیغمبروں کو ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور اس دُنیا میں ہمیشہ رہنے والے ہوں۔ پھر ہم نے (کافروں کے متعلق) جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ ان (پیغمبروں) کو اور جن کو ہم نے چاہا عذاب سے بچا لیا اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کیا۔ ہم نے تو تم لوگوں پر وُہ کتاب (قرآن) نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر بھی ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ بہت سی بستیوں کو جن کے باشندے ظالم تھے ہم نے تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔

جب لوگوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو ایکا ایکی بھاگنے لگے (ہم نے کہا) بھاگو نہیں اور انہیں بستیوں میں لَوٹ جاؤ جن میں تم چین کرتے تھے تاکہ تم سے کچھ پُوچھ گچھ کی جائے۔ وُہ لوگ کہنے لگے، ہائے ہماری شامت بیشک ہم سرکش تھے۔ غرض وُہ تو برابر یہی پکارا کیے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ٹھنڈا کرکے رکھ دیا۔

اہلِ مکّہ سے کہا جارہا ہے کہ تم ہمارے رسولؐ کی رسالت سے اس لیے انکار کرتے ہو کہ وہ کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہیں لیکن بے وقوفو ہم نے اس سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے تھے۔ جو لوگ حد سے آگے بڑھ گئے اور انہوں نے ہمارے رسولوں کو ستایا تو آخر ہم نے ان کو ہلاک کردیا اور اس شرک و کفر کی سزا میں بستیوں کی بستیاں تباہ کردیں۔ تم ان سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى
الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾
وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ
عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾
اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ
اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا
يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار تو نہیں پیدا کیا اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے

اور بس یہی ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے (یعنی ہم خود ہی کھیل لیتے مگر ہمارے لیے یہ شایاں نہیں) بلکہ ہم تو حق کو ناحق کے سر پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ باطل کے سر کو کچل دیتا ہے اور وُہ اسی وقت نیست و نابُود ہوجاتا ہے افسوس ہے تم پر کہ ایسی ناحق باتیں بنایا کرتے ہو حالانکہ جو فرشتے آسمان و زمین میں ہیں سب اُسی کے بندے ہیں اور جو فرشتے اس کی سرکار میں ہیں نہ تو وہ اس کی عبادت کی شیخی مارتے ہیں اور نہ (عبادت سے) تھکتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ کبھی کاہلی نہیں کرتے۔ اُن لوگوں نے جو معبُود زمین پر بنا رکھے ہیں کیا وہی (لوگوں کو) زندہ کریں گے اگر آسمان و زمین میں چند معبُود ہوتے تو دونوں کب کے برباد ہوگئے ہوتے۔ جو باتیں لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں وہ ان تمام عیبوں سے پاک ہے، وہ عرش کا مالک ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی پُوچھ گچھ نہیں ہوسکتی ہاں اور لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی۔

یعنی آسمان و زمین اور کچھ ان کے درمیان مخلوق پائی جاتی ہے یہ ہم نے کوئی کھیل تماشہ نہیں بنایا۔ ان کے درمیان ایک حکیمانہ نظام ہے ہر شے میں اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہیں۔ ذرّہ سے لے کر آفتاب تک قطرہ سے لے کر سمندر تک ایک پتی سے لے کر پورے درخت تک ایک مدبّر کامل اور قادرِ مطلق کا بنایا ہوا نظام ہے جو چل رہا ہے۔ دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والا دل ہونا چاہیئے۔ کیا کھیل تماشے کی چیزیں ایسی ہی بنائی جاتی ہیں۔ اگر ہمیں کھیلنا ہی ہوتا تو خود اس سے لطف اندوز ہوکر رہ جاتے۔ اپنی مخلوق کو اس کشمکش میں کیوں ڈالتے۔ انسانوں کے لیے ایک نظام حیات کیوں قائم کرتے ان کی عقلوں کا امتحان کیوں لیتے۔ ان سے حق و باطل میں تمیز کیوں کراتے۔ دُنیا و آخرت کے جھگڑے میں انہیں کیوں ڈالتے۔ یہ سب کارخانہ بے شمار مصالح پر مبنی ہے۔ اس کے راز سمجھانے کے لیے ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ اپنی کتابیں نازل کیں نیکی و بدی کی جزا مقرّر کی۔

ہم نے جو کچھ بنایا ہے اس کے متعلق اپنے بندوں کے لیے جو احکام نازل کیے ہیں وہ سب حق ہی حق ہے۔ باطل کو ہماری حکومت میں کوئی راہ نہیں۔ ہم حق کے ہاتھوں باطل کی سرکوبی کراتے رہتے ہیں۔ حق کے سامنے باطل کے پیر نہیں جمنے دیتے۔

تمہارا ستیاناس ہو تم خدا کے متعلق کیسی لغو اور دُور از عقل باتیں کرتے ہو۔ کہتے ہو فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے نہ جورُو ہے نہ اولاد۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے ہماری مخلوق ہے۔ یہ فرشتے سب ہمارے بندے ہیں ہمارے عبادت گزار ہیں وہ عبادت کرکے شیخی نہیں بگھارتے کہ ہم نے اتنی عبادت کی ہے۔ تم لوگ اکڑتے ہو ان میں یہ بات نہیں۔ وہ دن رات خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ غور تو کرو کیا جن چیزوں کو ہماری مخلوق میں سے تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ کرسکیں۔ اتنی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ہوتے تو کیا یہ نظام

برقرار رہ سکتا تھا۔ کیا یہ کارخانہ اس عاقلانہ نظام کے ساتھ چل سکتا تھا۔ ایک جسم میں اگر دو دماغ ہوں تو کیا نظام جسم برقرار رہ سکتا ہے ایک چھوٹے سے گھر میں اگر دو حکومتیں ہوں تو کیا وہ گھر تباہی و بربادی سے بچ سکتا ہے۔ ہر مدبر و منتظم یہی چاہے گا کہ جو کچھ ہو میری رائے سے ہو میرے حکم سے ہو۔ کیا اس صورت میں دو حکمرانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہوگا سر پھٹول نہ ہوگی۔ پس جب یہ چھوٹے چھوٹے نظام دو حکمرانوں کے درمیان نہیں چل سکتے تو کارخانۂ عالم کیسے چل سکتا ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو یہ قوکب کا بگڑ چکا ہوتا۔ پس جن بتوں کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو ان کو نظام عالم میں کوئی دخل نہیں۔ یہ سب تمہارے خیالی پلاؤ ہیں، جن کو حقیقت سے دُور کا واسطہ نہیں سمجھو اور اپنی حماقت پر شرماؤ۔ خدا قادرِ مطلق ہے اس سے پوچھ گچھ کا انہیں کوئی حق نہیں وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے ہاں وہ تمہاری ایک ایک بات کے متعلق باز پرس کرے گا اس کے لیے تیار رہو۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ
وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ
مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ
مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ یَعْلَمُ مَا
بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ
خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ
نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۹

کیا اُن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر کچھ اور معبود بنا رکھے ہیں (اے رسول اُن سے کہو تم کوئی دلیل تو پیش کرو جو لوگ میرے ساتھ ہیں (اس زمانہ والے) ان کی کتاب (قرآن) اور جو مجھ سے پہلے تھے ان کی کتابیں

(توریت وغیرہ) موجود ہیں ان سے خدا کا شریک ثابت کرو بلکہ ان میں سے اکثر تو حق بات کو جانتے ہی نہیں تو جب حق کا ذکر آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجا تو اس کے پاس بھی وحی بھیجتے رہے کہ ہمارے سوا کوئی معبود و قابلِ پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو۔ (اہلِ مکّہ) کہتے ہیں خدا نے فرشتوں کو اپنی اولاد (بیٹیاں) بنا رکھا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے) خدا کے معزز بندے ہیں وہ اس کے سامنے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور وہ اس کے حکم پر چلتے ہیں۔ غرض جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب خدا جانتا ہے یہ لوگ اس شخص کے سوا جس سے خدا راضی ہو کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے اور وہ اس کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں جو کوئی کہے کہ خدا نہیں ہیں خدا ہوں تو ہم اس کو جہنّم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

پہلے خدا نے عقلی دلائل سے سمجھایا کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اب نقلی دلائل سے سمجھایا جاتا ہے کہ انبیائے سابقین پر جو کتابیں یا صحیفے نازل ہو چکے ہیں ان سے خدا کے سوا اور کسی کا معبود ہونا کہیں ثابت نہیں۔ اسی طرح تمہارے زمانہ میں جو قرآن نازل ہو رہا ہے اس سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ (اے اہلِ مکّہ) اگر تم خدا کے سوا اوروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو تو عقلی یا نقلی کسی دلیل سے اپنے اس عقیدہ کو صحیح ثابت کرو۔ فرشتوں کو تم اس لیے قابلِ پرستش سمجھتے ہو کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں لیکن یہ تمہاری بکواس ہے۔ یہ ثابت کرو کہ خدا کو انہیں بیٹیاں بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور اگر اس لیے تم ان کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے تو تمہارا یہ عقیدہ بھی غلط ہے اس کے سامنے بغیر اجازت کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ فرشتے اس کے بندے ہیں اور اس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔ تم اس پر غور کرو کہ جن مشرکوں سے خدا راضی نہیں اس کے فرشتے اُن کی سفارش کیوں کریں گے۔ وہ تو اس کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کو خدا کہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ
جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ
رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾
وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا

مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

یہ کافر لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ یہ آسمان و زمین بستہ تھے ہم نے انہیں کھول دیا اور پانی (برساکر) ہر شئے کو اس سے زندہ کیا۔ کیا وہ اسے نہیں مانتے۔ اور ہم نے زمین پر پہاڑ قائم کیے تاکہ انہیں لے کر جھک نہ جائے اور زمین میں ہم نے اس لیے لمبے چوڑے راستے بنائے تاکہ وہ اپنی منزل تک جا پہنچیں اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا درآنحالیکہ وہ خدا کی آیات سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا اور یہ سیارے آسمان میں تیر رہے ہیں۔

آسمان و زمین کے بستہ ہوتے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دونو آپس میں بندھے ہوئے تھے اور خدا نے ان کو کھول دیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ آسمان پانی نہیں برساتا تھا ہم نے اس سے پانی برسایا اور زمین نباتات نہیں اُگاتی تھی ہم نے اس سے غلہ اُگایا اور پانی سے ہر شئے کو زندگی بخشی اس کے معنی یہ ہیں کہ روئے زمین پر جتنے جاندار پائے جاتے ہیں ان کی زندگی پانی پر موقوف ہے۔ نباتات کی زندگی پانی سے ہے اگر پانی نہ ملے تو روئے زمین کی تمام مخلوقات مر جائے گی۔

زمین پر پہاڑ اس لیے بنائے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے جلنے نہیں۔ اجرام سماوی میں زمین سب سے چھوٹا کرّہ ہے اور سب سے ہلکا ہے لہٰذا پہاڑوں کی میخیں اس میں ٹھونک کر مضبوط بنا دیا۔ علاوہ بریں پہاڑوں سے بے شمار فوائد ہیں پھر اس نے اپنی قدرت سے پہاڑوں میں اور زمین کی سطح پر چوڑے اور تنگ راستے بنائے تاکہ آدمی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کر سکے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی جا سکے۔ اُس نے آسمان کو کیسی محفوظ چھت بنایا کہ اس کا کوئی گوشہ ٹوٹتا ہے نہ گرتا ہے نہ کہنگی کے آثار اس پر نمایاں ہیں۔ پھر اس نے رات اور دن بنائے، چاند سورج بنائے ان کے علاوہ اور بہت سے سیارے بنائے جو اپنے اپنے مدار پر تیرتے رہتے ہیں۔ یعنی گھومتے رہتے ہیں۔ تیرتے رہنے سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ فلک کوئی ٹھوس چیز نہیں بلکہ ایک خلا کا سمندر ہے جس میں سیارے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے گزرتے رہتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ثبوت میں بہت سی چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنا نظام جدا جدا رکھنے والی ہیں ان سب نظاموں کو بیک وقت چلانے والا خدا ئے واحد و یکتا ہے کیا یہ سب چیزیں کھیل تماشا کہی جا سکتی ہیں۔ کیا اس تمام مخلوقات سے جو فوائد انسانی نظام حیات کے برقرار رکھنے

میں پہنچ رہے ہیں کوئی ذی عقل اُن سے انکار کر سکتا ہے۔

کافر لوگ اگر اس پر بھی خدا کو نہیں مانتے اور اس کا ذکر سُن کر منہ موڑ لیتے ہیں۔ سوائے کی بات کان لگا کر نہیں سنتے تو یہ ان کی دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو خدا بنائے ہوئے ہیں کیا وہ اس قابل نہیں کہ انہیں جہنّم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دیا جائے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ
نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا
تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ
أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾
خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾

ہم نے تم سے پہلے (اے رسول) کسی آدمی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پس اگر تم مر جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے (ہرگز نہیں) ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ ہم تم کو بدی اور نیکی میں امتحان لے کر آزمائیں گے اور ہماری طرف تم لوٹ کر آؤ گے۔ اے رسول جب کافر لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں کہتے ہیں کیا یہی حضرت ہیں جو ہمارے معبودوں کا ذکر (بُرائی سے) کرتے ہیں اور یہ لوگ خدا کی یاد سے انکار کرتے ہیں (تو ان کی بیوقوفی پر ہنسنا چاہیئے) آدمی تو بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے عنقریب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا پس تم جلدی نہ کرو۔

جب یہ طے شدہ بات ہے کہ اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں ایک نہ ایک دن سب کو مرنا ہے تو یہ کفار و مشرکین اپنی موت کو کیوں بھولے بیٹھے ہیں۔ تمہارے مرنے کی تو دعائیں مانگتے ہیں لیکن اپنی موت کا تصوّر نہیں کرتے۔ کیا یہ موت کے پنجہ میں آنے سے بچ جائیں گے۔ ہم نے جو لوگوں کو مہلت دی ہے وہ صرف اس لیے کہ خوش حالی اور بدحالی دونوں میں ان کا امتحان لیں اور یہ دیکھیں کہ خوش حالی کے زمانہ میں یہ متکبر و مغرور تو نہیں

ہوجاتے ہمیں یاد رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور مفلسی ہیں اور تنگدستی کے وقت ہیں یہ کینہ خصلت تو نہیں بن جاتے ہیں۔ ہماری طرف سے منہ تو نہیں موڑ لیتے۔ ہماری رحمت سے مایوس تو نہیں ہوجاتے۔ بہرحال دونوں حالتوں ہیں اپنے عمل کے یہ مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ آخر ایک دن انہیں ہمارے سامنے آنا پڑے گا تب اُن سے سمجھ لیں گے۔

کفار حضرت رسولِ خدا کا مذاق اڑاتے تھے۔ نمعلوم کیا کیا کہتے ہوں گے۔ ان میں سب سے بڑی بات جو بار بار ان کی زبان پر آتی ہوگی وہ یہ ہے کہ حضرتؐ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ یہ ہیں وہ جناب جو ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں، ان کو باطل قرار دیتے ہیں انہیں تو درحقیقت اپنی بے عقلی کا مذاق اڑانا اور باطل پرستی کا ماتم کرنا چاہیئے تھا کہ وہ ایسے بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں جنہیں خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے اور جو کسی مصرف کے نہیں۔ نہ لیپتے نہ پوتتے۔

چونکہ انسان فطرتاً جلد باز ہے اس لیے جب رسولؐ ان کو عذاب سے ڈراتے ہیں تو کہتے ہیں اُسے ہم پر لاتے کیوں نہیں یعنی طلبِ عذاب ہیں اپنی فطرت کے مطابق جلدی کرتے ہیں۔ وہ جلدی نہ کریں عنقریب ان پر عذاب آئے گا اور ضرور آئے گا۔ وہ بچنے کے نہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَ
لَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ
رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾ ع ۳ ۲

کافر لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا جو لوگ کافر ہوگئے ہیں کاش اس روز کی حالت سے واقف ہوتے جب جہنّم کی آگ ہیں کھڑے ہوں گے تو نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (قیامت کچھ جتا کر تو آنے سے رہی) بلکہ وہ تو اچانک ان پر آپڑے گی وہ حیران ہوکر رہ جائیں گے نہ اس کے ہٹانے کی ان میں طاقت ہوگی۔

نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اے رسول تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ مسخراپن کیا جاچکا ہے تو ان مسخراپن کرنے والوں کو اس سخت عذاب نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

قیامت کے حالات جب حضورؐ بیان فرماتے تو مشرکین مذاق اُڑاتے، کہتے یہ سب ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں جو صورتیں عذاب کی یہ بیان کرتے ہیں سب من گھڑت ہیں۔ اگر سچے ہیں تو خدا کے اس وعدہ کو پورا کرکے کیوں نہیں دکھلاتے۔ خدا جہنّم کے عذاب کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے قیامت جب آئے گی تو ایکایک اُن پر آن پڑے گی ایسا نہیں ہوگا کہ پہلے سے اس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے۔ جب آئے گی تو کسی کی مجال نہیں کہ اُسے ہٹا دے۔ یا مہلت مانگ لے۔ اس کے بعد رسولؐ کی تسلی کے لیے کہا جارہا ہے کہ کفار و مشرکین تم سے پہلے رسولوں کا مذاق بھی اُڑا چکے ہیں۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو، اپنے کام کو جاری رکھو ہم ان سے بھگت لیں گے۔

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
مُعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ
نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ
حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا
يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿۴۵﴾

(اے رسول اُن سے پوچھو) رات یا دن ہیں خدا کے عذاب سے تمہیں بچانے والا کون ہے (ڈرنا کیسا) بلکہ یہ لوگ تو خدا کے رب ہونے کا ذکر سننے سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیا ان کے کچھ معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکتے ہیں (وہ کیا بچائیں گے) خود اپنی مدد آپ نہیں کرسکتے اور نہ ہماری ہی تائید انہیں حاصل ہوگی۔ بلکہ ہم ہی نے ان کو اور ان کے بزرگوں کو آرام اور چین دیا یہاں تک کہ ان

کی عمریں بڑھ گئیں کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم روئے زمین پر چاروں طرف سے قبضہ کرتے اور اس کو فتح کرتے چلے آتے ہیں تو کیا (اب بھی) یہی لوگ غالب ہیں تو ان سے کہہ دو میں تو لوگوں کو وحی کے مطابق عذاب سے ڈراتا ہوں مگر تم لوگ تو گویا بہرے ہو بہروں کو جب ڈرایا جاتا ہے تو آواز ہی کو نہیں سنتے۔

اے رسول جو لوگ ہمارے ذکر کو سننا نہیں چاہتے ان سے کہو کہ اگر رات یا دن میں خدا کا عذاب تمہیں آ گھیرے تو تمہارا کون سا پہریدار ہے جو اس سے تم کو بچا لے گا جو تمہارے معبود خود اپنے کو عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے وہ بھلا تم کو کیا بچائیں گے۔ انہیں ہماری کوئی تائید حاصل نہیں چونکہ یہ لوگ اور ان کے آباؤ اجداد خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوگئیں لہٰذا اس کی بدمستی میں یہ آخرت کا خیال اور خدا کی بالادستی سب کچھ بھول گئے اور اس خیال میں مگن رہے کہ ہماری حکومت ہماری دولت اور عزت کون ہم سے چھین سکتا ہے لیکن وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم انہیں زمین کے ہر حصہ میں گھیرتے چلے آ رہے ہیں اور اپنی حکومت کی شان دکھا رہے ہیں۔ طرح طرح کی بلائیں ان پر آتی رہتی ہیں۔ کبھی قحط ہے کبھی کوئی بیماری۔ کبھی سیلاب کبھی آتشزدگی۔ کبھی باہمی جنگ، ان سب بلاؤں سے عرصۂ حیات ان پر تنگ ہو جاتا ہے اور ان کی ساری ہیکڑی دم بھر میں نکل جاتی ہے۔ جس زمین پر ان کی حکومت ہوتی ہے حوادثِ روزگار سے وہ ان کے قبضہ سے نکل جاتی ہے۔

اے رسولؐ، تم ان سے کہہ دو کہ میں جس عذاب سے تمہیں ڈراتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وحی کی بتائی ہوئی بات کہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ تم تو دل کے بہرے ہو تمہیں کیا ڈراؤں۔ میری بات سن تو لیتے ہو مگر اس کو مانتے نہیں اور سنی ان سنی کرتے رہتے ہو پس گویا تم کانوں سے نپٹ بہرے ہو۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ
شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا
حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر کہیں تمہارے پروردگار کے عذاب کی ذرا سی ہوا بھی لگ گئی تو کہنے لگے ہائے افسوس واقعی ہم ہی

ظالم تھے اور ہم قیامت کے دن (بندوں کے اعمال تولنے کے لیے) انصاف کی ترازوئیں کھڑی کر دیں گے پس کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اسے حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

روزِ قیامت جو میزانِ اعمال نصب ہوگا اس سے مراد میزان عدل و انصاف ہے یعنی از روئے عدل ہر ایک کے نیک و بد عمل کو جانچا جائے گا۔ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ترازو کا ذکر کیا گیا۔ ورنہ وہ کوئی ایسی ترازو نہ ہوگی جیسی ہم چیزوں کے تولنے میں استعمال کرتے ہیں۔

بعض علمائے لکھا ہے کہ ہر امت کے اعمال اس کے نبی کے اعمال کے مقابل رکھ کر دیکھے جائیں گے کہ کتنے عمل اس نبی کے عمل سے ملتے جلتے ہیں کتنے اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے، "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔" ۲۵/۵۷ "(ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان نازل کی)۔ کتاب سے مراد کتاب تشریعی نہیں کیونکہ ایسی کتاب کوئی رسول اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا بلکہ اس کتاب سے مراد کتابِ وجودی ہے۔ میزان سے مراد اس کے اعمال ہیں پس اسی کے مطابق اس کی امت کے اعمال کی جانچ ہوگی۔

علمائے اخلاق کا خیال ہے کہ یہ میزان اخلاق حسنہ کا خطِ وسط ہوگا جو میزان اعمال قرار دیا جائے گا۔ جو عمل اس خط وسط سے نیچے اوپر ہوں گے وہ افراطی صورت میں ہوں گے یا تفریطی۔ انہی کے لحاظ سے ان کو جزا و سزا ملے گی۔

لوگوں کا یہ خیال کہ کوئی عمل خدا سے پوشیدہ رہے گا غلط ہے وہاں تو رائی کے دانہ کے برابر جو عمل جہاں بھی کیا ہوگا اس کو خدا کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اس کو اس کے لحاظ سے اچھا بدلہ ملے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اس کو اس کے لحاظ سے سزا دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ
هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے موسٰی و ہارون کو (ایسی کتاب دی جو) حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جو قلوب میں روشنی

پیدا کرنے والی ہے جس میں ذکرِ الٰہی ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے جو بے دیکھے اپنے ربّ سے خوف کھاتے ہیں اور روزِ قیامت سے بھی ڈرتے ہیں۔ یہ (قرآن بھی) مبارک ذکر ہے جسے ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو کیا تم لوگ اُسے نہیں مانتے۔

خدا سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو توحید، بہشت، دوزخ، قیامت، حساب میزان کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ حدیث ابنِ عباسؓ سے مروی ہے۔

توریت اگرچہ سب کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی تھی مگر اس سے فائدہ حاصل کرنے والے پرہیزگار لوگ ہی تھے، یہی صورت قرآن کی ہے جیسا کہ سورۂ بقرکے آغاز ہی میں کہا گیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (متقیوں کے لیے سرتاپا ہدایت ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ
رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ
الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے (بچپن ہی سے) فہم سلیم عطا کر دی تھی اور ہم ان کی حالت سے خوب واقف تھے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے (اپنے منہ بولے) باپ سے اور اس کی قوم سے

کہا یہ کیسی مورتیاں ہیں جنہیں تم گھیرے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے (حضرت) ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے بزرگ کھُلی گمراہی میں تھے۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔ فرمایا (یہ مورتیاں تمہارے خدا نہیں ہیں) بلکہ تمہارا ربّ آسمان و زمین کا ربّ ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں خود تمہارے سامنے گواہ ہوں خدا کی قسم تمہارے منہ پھیرنے کے بعد میں تمہارے بُتوں سے ایک چال چلوں گا۔ پس ان سب کو توڑ پھوڑ کر چکنا چُور کر دیا مگر بڑے بُت کو (اس خیال سے) رہنے دیا کہ (جب وہ لوگ عیدگاہ سے واپس آئیں تو) اپنے بڑے بُت کی طرف رجوع کریں۔

ان آیات کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے مذہب کو ان لوگوں سے چھپائے ہوئے تھے موقع محل سے بتوں کی بُرائیاں کرتے رہتے تھے۔ عید کے دن جب سب لوگ عیدگاہ جانے لگے تو حضرت ابراہیمؑ سے بھی چلنے کو کہا آپؑ عذر کرکے رُک گئے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو آپؑ کلہاڑا لے کر ان کے مندر میں پہنچے اور جاتے ہی بزن بول دیا۔ سارے بتوں کو چکنا چور کرکے زمین پر ڈال دیا۔ بڑے بُت کو چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کے گلے میں ڈال کر مندر سے نکل آئے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى
يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾
قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾
فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا
عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

(جب وہ عیدگاہ سے لوٹے اور بتوں کی یہ مٹی پلید دیکھی تو آپس میں) کہنے لگے جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ عمل کیا ضرور ظالموں میں سے ہے۔ کچھ لوگ کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کا (بُری طرح) ذکر کرتے سُنا ہے سب نے کہا تو اس کو (گرفتار کر کے) سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ جو کچھ وہ کہے سب اس کے گواہ رہیں۔ جب حضرت ابراہیم پکڑے ہوئے آئے تو انہوں نے کہا کیا تم نے ہمارے خداؤں کی یہ گت بنائی ہے انہوں نے فرمایا بلکہ ان کے بڑے نے یہ حرکت کی ہے اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان سے پُوچھ لو۔ وُہ اپنے دلوں میں سوچنے لگے پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے بے شک تم خود ہی برسرِ ناحق ہو، ان لوگوں کے سر (اس گمراہی میں) جھکا دیئے گئے (اور جب کچھ کہتے نہ بن پڑا) تو کہنے لگے تم جانتے ہو کہ بُت بولا نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیم نے کہا تو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو اپنا معبُود بنائے ہوئے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ہی کر سکتے ہیں۔ تُف ہے تم پر اور اس چیز پر جسے تم خدا کے سوا پُوجتے ہو تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

جن لوگوں کو عصمتِ انبیاءؑ پر ضرب لگانے میں مزہ آتا ہے، کہتے ہیں، ابراہیمؑ نے جھُوٹ بولا جو کام خود کیا تھا وہ مندر کے بڑے بُت کے سر تھوپ دیا۔ یہ ناسمجھی کی باتیں ہیں جھوٹ تو جب ہوتا جب ان لوگوں کے پوچھنے پر یہ کہتے میں نے ایسا نہیں کیا۔ آپؑ نے اپنے فعل کی نسبت حقیقی خدا کی طرف دی تھی یعنی ان معبودوں میں جو سب سے بڑا معبودِ حقیقی ہے اُس نے کیا ہے۔ چونکہ انبیاءؑ کے کام خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں لہٰذا اس میں جھوٹ کیا ہُوا۔ اس کا ثبوت شبِ ہجرت کا واقعہ ہے جب آنحضرتؐ نے محاصرہ کرنے والے کفار کی طرف خاک پھینکی تھی تو خدا فرماتا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ ۱۷/۸ " (اے رسولؐ جو خاک تم نے پھینکی وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی)۔ پس مطلب یہ ہُوا کہ جن لوگوں کی طرف خدا ہونے کی نسبت دی جاتی ہے ان میں سب سے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک شرط کے ساتھ ایسا فرمایا تھا یعنی اگر یہ بولتے ہوں تو ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے ورنہ پھر کسی اور نے کیا ہے چونکہ وُہ نہ بولا لہٰذا وہ فعل اس کا نہ ہُوا۔

حضرت ابراہیمؑ کو ان پر عملاً یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس بڑے نے اپنی چھوٹوں سے ناخوش ہو کر انہیں توڑا پھوڑا ہوگا اور اگر اس میں یہ طاقت نہ تھی تو کسی دوسرے کا فعل تھا۔ اس بھاری بھر کم سردار نے جب اپنے ساتھیوں کی یہ

گت بنتے دیکھی تو بُت شکن کو روکا کیوں نہیں۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ ان چھوٹے معبُودوں سے ناخوش تھا ان کا معبود بننا اُسے پسند نہ تھا پس اس صورت میں جبکہ ان کا سردار ان کی خدائی نہیں مانتا تو تم کیوں مانتے ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اتنا ناکارہ تھا کہ بُت شکن کا ہاتھ نہ روک سکا پس تم ایسے ناکاروں کو اپنا معبود کیوں مانتے ہو دونوں صورتوں میں تمہاری باطل پرستی کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔

اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ یہ سمجھاتے رہے کہ خدا کے سوا کوئی معبُود نہیں ان بتوں میں کوئی طاقت نہیں۔ لیکن جب لوگ نہ مانے تو اب عملاً ان کو دکھاتا تھا کہ یہ بُت ناکارہ ہیں یہ تمہیں تو کیا بچائیں گے ان میں تو اپنی ذات کو بچانے کی بھی طاقت نہیں پھر اللہ کو چھوڑ کر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو حضرت ابراہیمؑ کی یہ ہمّت دیکھئے کہ اگرچہ ساری قوم میں ان کے سوا کوئی خدا پرست نہیں اور سب دشمنِ جاں ہیں لیکن کس دلیری سے ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کے مفسرین نے دو معنی لیے ہیں اوّل یہ کہ ان کے سر جھکا دیئے گئے۔ یعنی اپنے اس کہنے پر انہیں شرم آئی دوسرے یہ کہ اپنے سروں کے بل اوندھا دیئے گئے۔ سیاقِ کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے یعنی پہلے تو دلوں میں سوچا کہ واقعی ظالم تو ہم خود ہی ہیں کہ ان ناکارہ بتوں کو معبود مانے ہوئے ہیں۔ پھر عصبیت ان پر غالب آگئی اور اس کی وجہ سے ان کی عقل اوندھی ہوگئی اور بتوں کی حمایت پر تُل بیٹھے۔ اگر وہ اپنے عقیدہ پر شرمندہ ہوتے تو حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کا منصُوبہ نہ باندھتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو سچی بات کہی تھی اس کی چوٹ تو ان کے دلوں پر پڑی مگر ضد نے دیرپا ثابت نہ ہونے دی فوراً پلٹ گئے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

(حضرت ابراہیمؑ کا کلام سُن کر) ان لوگوں نے کہا اِسے جلا دو اور اگر کر سکتے ہو تو (اس طرح) اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ (انہوں نے جب آگ کی طرف پھینکا) تو ہم نے آگ سے کہا اے آگ تُو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور ان کو صحیح سلامت رکھ۔ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ چالبازی کی تھی مگر ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔

جب یہ طے پا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلا دینا چاہیئے تو ایک جگہ لکڑیوں کا انبار لگا یا گیا اور اس پر

ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا

تیل چھڑک کر آگ لگائی گئی۔ اس کے بے پناہ شعلوں نے کئی میل تک فضا کو اتنا گرم کر دیا کہ پرندے جھلس جھلس کر گرتے تھے اس کے بعد ایک منجنیق ڈھیکلی کی صورت میں بنائی گئی تاکہ حضرتؑ کو اس میں بٹھا کر آگ کی طرف پھینک دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر فرشتوں میں اضطراب پیدا ہوا اور بارگاہِ باری میں عرض کرنے لگے۔ بارِ الٰہا روئے زمین پر تیرا نام لینے والا صرف ایک ابراہیمؑ ہی ہے کیا تو اُسے جلوا دے گا۔ اجازت دے کہ ہم اس کی مدد کو جائیں۔ حکم ہوا، جاؤ اور اگر وہ تمہاری مدد قبول کرے تو کرو۔ ابھی ابراہیمؑ منجنیق سے جُدا ہو کر آگ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ جبریلؑ نے آ لیا پوچھا اے ابراہیمؑ، کیا تمہاری کوئی حاجت ہے۔ فرمایا ہے تو مگر تم سے نہیں۔ جبریلؑ نے کہا۔ پھر جس سے ہے اُس سے کہو۔ فرمایا، اس سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تم واپس جاؤ۔ غرض ابراہیمؑ آگ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وُہ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور وہاں انگاروں کی جگہ پھول بکھرے پڑے تھے اور شعلوں کی جگہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ نمرود اپنے محل سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دل میں کہنے لگا، ابراہیمؑ کا خدا ضرور سچا اور قابلِ پرستش ہے۔ لیکن اپنی خدائی کی لاج میں پھر اس کا خیال بدل گیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا
لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ
اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ
حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع ۵

ہم نے ابراہیم اور لوط کو (ان سرکشوں سے بچا کر) سرزمینِ شام میں پہنچا دیا جس میں ہم نے سارے جہان کے لیے برکتیں نازل کی تھیں اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) انعام میں دیا

اور سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو لوگوں کا پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو وحی کی نیک کام کرنے کی، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور لُوط کو بھی ہم ہی نے حکمت اور علم عطا کیا اور اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ بدکاریاں کیا کرتے تھے وہ لوگ بُرے اور بدکار تھے اور ہم نے لُوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ نیک بندوں میں سے تھے۔

جب قوم کی مخالفت بڑھی تو حضرت ابراہیمؑ مع لوطؑ کے ملکِ شام کی طرف چلے گئے۔ یہ ملک اوّل تو زرخیز تھا دوسرے انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تعداد اسی ملک میں رہی تھی۔ اسی برکت کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو سو سال کی عمر میں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ سلطنتِ نمرود سے نکلنے کے بعد کئی سال تک ملکِ شام میں رہے اس کے بعد پھر واپس آئے۔ یہودیوں کی ایک روایت میں ہے کہ پچاس سال تک شام میں رہے اس کے بعد واپس آئے اور یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اسحاقؑ اور یعقوبؑ وہیں پیدا ہوئے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ ۚ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور موسیٰ سے پہلے ہم نے نوح کو نجات دی تھی جب انہوں نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دُعا سُن لی اور ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو طوفان کی سخت مصیبت سے نجات دی اور اس قوم کے مقابل ان کی مدد کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ وہ بہت بُرے لوگ تھے ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ
وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا
وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا

فَعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

(اے رسول) ان کو داؤد و سلیمٰن کا واقعہ یاد دلاؤ، جب یہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں گھس کر چر گئی تھیں فیصلہ کرنے بیٹھے اور ہم ان لوگوں کے تصفیہ کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے سلیمان کو اس کا فیصلہ سمجھا دیا اور یوں تو ہم ہی نے سب کو فہم سلیم اور علم عطا کیا ہے۔ ہم ہی نے پہاڑوں کو داؤد کا تابع بنا دیا کہ ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا کیا کرتے ہیں اور ہم نے داؤد کو تمہاری جنگی پوشش یعنی زرہ بنانا سکھا دیا تاکہ تمہیں (ایک دوسرے کے) وار سے بچائے تو کیا اب بھی تم اس کے شکر گزار نہ ہو گے۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح

شروع میں جس قصّہ کو مجملاً بیان کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ یوحنا نامی ایک شخص جب رات کو سو رہا تھا تو اس کی بکریاں ایلیا کے کھیت میں گھس گئیں اور کچھ اسے کھایا کچھ روندا۔ صبح کو ایلیا نے حضرت داؤدؑ کی عدالت میں نالش کر دی۔ یوحنا طلب ہوا۔ اس نے اپنی نیند کا عذر پیش کیا۔ حضرت داؤد نے ایلیا کے کھیت کے نقصان کا اندازہ لگایا تو یوحنا کی بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ آپؑ نے فیصلہ کیا کہ یوحنا اپنی بکریاں ایلیا کو دے دے۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو حضرت سلیمانؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے فیصلہ سُنا تو دونوں کو ساتھ لیے حضرت داؤد کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ اگر یہ فیصلہ دوسرا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ پوچھا وہ کیا۔ عرض کی جب تک یوحنا کھیت کی خدمت کرے اس وقت تک اس کی بکریاں ایلیا کے پاس رہیں اور ایلیا ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے۔ اس کے بعد جب کھیت ویسا ہو جائے تو بکریاں واپس کر دے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤدؑ کو بھی پسند آیا اور اپنا حکم واپس لے کر یہی حکم دیا۔

اس قضیہ کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت داؤدؑ بشر تھے خدا نہ تھے ان سے غلطی کا صدور ممکن تھا۔ یہ خطائے اجتہادی تھی جو قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ نبی سے ایسی غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ فیصلے دونوں درست تھے۔ البتہ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ اس لیے بہتر تھا کہ خدا کا سکھایا ہوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ کسی طرح بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جس کا کھیت تباہ کیا گیا تھا اس کے کھیت کے نقصان کی تلافی یوں ہی ہو سکتی تھی کہ یوحنا کی بکریاں ایلیا کو دے دی جاتیں۔

جو لوگ انبیاءؑ کی عصمت کے قائل نہیں وہ ایسے مواقع ڈھونڈا کرتے ہیں کہ کسی صورت سے انبیاءؑ کی عصمت کا دامن داغدار ہو جائے۔ ہمارے عقیدہ میں چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں لہٰذا ایسی غلطیاں ان سے ممکن نہیں ہوتیں۔

دوسری قابلِ غور بات جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور ان کی تسبیح کا معاملہ ہے۔ اس میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت داؤدؑ وجد میں آکر زور زور سے زبور کو انتہائی خوش الحانی سے پڑھتے تھے تو پہاڑوں سے صدائے بازگشت پیدا ہوتی تھی اور پرندے آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے لیکن یہ تو کوئی قابلِ ذکر بات نہ ہوئی۔ پہاڑوں کے درمیان کھڑے ہو کر جو کوئی بلند آواز سے کچھ کہے گا پہاڑوں میں اس کی آواز ضرور گونجے گی۔ اگر حضرت داؤدؑ کی آواز گونجی تو کیا کمال ہوا اور اس معمولی بات کو قرآن میں ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو مسلّم ہے کہ دُنیا کی ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے گو ہم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ قرآن یہی کہہ رہا ہے تو اگر بصورتِ اعجاز پہاڑوں کی تسبیح کی آواز حضرت داؤدؑ سنتے تھے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھوں پر آکر سنگریزے کلمہ پڑھتے تھے تو حضرت داؤدؑ کو اگر پہاڑوں نے تسبیح کی آواز سُنائی دی تو کیا تعجب کی بات ہے۔ رہے پرندے تو کیا طیور آدمی کی آواز پر آواز نہیں لگانے لگتے۔ طوطے مینا وغیرہ کیا انسانی آواز کو نہیں دُہراتے تو اگر حضرت داؤدؑ کے الفاظ کو طیور دہراتے تھے تو اس پر اعتراض کیوں ہے۔

مروی ہے کہ خدا نے حضرت داؤدؑ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ وہ اس کے تار بنا کر نہایت چھوٹے چھوٹے حلقوں کی زرہ تیار کرتے تھے۔ آپؑ کی زرہ سب سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی تھی اور لوگ اس کی خریداری کے مشتاق رہتے تھے۔ آپؑ کی روزی کا دار و مدار اسی زرہ سازی پر تھا۔ جب زرہ فروخت ہوتی تو بقدرِ قوت لایموت اس کی قیمت میں سے روک لیتے باقی راہِ خدا میں محتاجوں کو دے دیتے تھے۔ جس روز زرہ فروخت ہونے کا دن ہوتا تو بہت سے محتاج آپؑ کے دروازہ پر جمع ہو جاتے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے آپؑ نے سلطنت کے محاصل سے کبھی ایک پائی اپنے ذاتی خرچ کے لیے نہ لی۔

توریت میں جہاں انبیاءؑ کے تذکرے ہیں، حضرت داؤدؑ کے متعلق یہ بے سر و پا روایت بھی تاریخوں میں پائی جاتی ہے کہ آپؑ کی فوج میں ایک شخص اوریا نامی تھا۔ اس کی بی بی نہایت حسین تھی آپ اس پر عاشق ہو گئے چاہا کہ اوریا کا قصہ بیچ میں سے پاک کریں ایک جنگ میں اس کو بھیج دیا اور اس کی ایسی ڈیوٹی لگائی کہ وہ بچ کر آ ہی نہ سکے۔ چنانچہ وہ مارا گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بی بی سے شادی کر لی۔ استغفراللہ۔ نبی کا کیا خدا کے نیک بندے بھی اتنی اخلاقی اور ایمانی کمزوری نہیں دکھاتے بعض مفسرین نے حضرت داؤد پر یہ طوفان باندھا ہے کہ آپ کی تین سو بیبیاں تھیں گویا ایک چھاؤنی آپ کی ازواج کی تھی۔ ایسی شرمناک روایتیں لکھتے لوگوں کو حیا نہیں آتی۔ ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ یہ کثرت صورتیں دیکھنے کے لیے تھی یا حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لیے۔ ایک مرد کہاں تک اتنی عورتوں سے مباشرت کر سکتا ہے اور اس کے بعد کتنی اولاد ان سے ہونی چاہیے۔ مفسرین نے حضرت داؤدؑ کے چار یا دس فرزند لکھے ہیں تو باقی عورتیں کیا سب بانجھ تھیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی ایک جہیتی بی بی تھیں ان کے لڑکے کو آپ اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ وحی ہوئی کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو ہم چند سوالات بھیجتے ہیں جس کے جوابات اچھے ہوں گے وہی تمہارا جانشین ہوگا چنانچہ جناب سلیمانؑ کے جوابات چونکہ سب سے اچھے تھے لہٰذا انہی کو جانشین بنا دیا گیا۔ چونکہ یہ طریقہ سنّتِ الٰہیہ کے خلاف ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ خدا خود انتخاب کرتا ہے۔ اس طرح کے امتحانی سوالات دے کر اس نے کبھی کسی کو نبی نہیں بنایا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں جو سنہ ۱۰۲۰ سے سنہ ۹۸۰ قبل مسیح تھا۔ ان کی قوم لوہے کے گلانے اور اس سے ہتھیار بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ بھٹیاں بنانے کا ایک خاص طریقہ انہیں معلوم تھا جو کسی کو بتاتے نہیں تھے۔ ان ہتھیاروں کے زور پر انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اللہ نے ان کا زور توڑنے کے لیے حضرت داؤدؑ کو لوہا نرم کرنے کا معجزہ دیا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ
وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ
يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ ۙ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى
رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ
فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ہم نے زوردار ہوا کو سلیمان کا تابع بنا دیا۔ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین (بیت المقدّس) پر چلتی تھی جسے ہم نے برکت دی ہے اور ہم تو ہر شے کے جاننے والے ہیں اور جنّات کو بھی تابعدار بنایا جو سلیمان کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے (موتی نکالنے کے لیے) اور دُوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے کہ بھاگ نہ جائیں۔ (اور اے رسول ایوّب کو بھی یاد کرو)۔ جب انہوں نے اپنے رب سے دُعا کی کہ بیماری مجھے لپٹ گئی ہے اور تُو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے

حضرت سلیمان کا ذکر

پس ہم نے دُعا قبول کی اور جو تکلیف انہیں تھی اُسے دُور کر دیا۔ انہیں صرف ان کے لڑکے بالے ہی نہیں دیے بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور دیئے اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لیے کہ یہ سبق ہو عبادت گزاروں کے لیے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہوا کی تسخیر سے یہ مطلب ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تجارتی جہاز مشرق و مغرب میں جایا کرتے تھے۔ خدا نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ کا حکم ہوتا تھا تو تیز چلتی تھی اور جب حکم ہوتا تھا تو مدھم چلنے لگتی تھی۔ اگر یہ بات تھی تو اس میں کوئی اعجازی شان نہ ہوئی۔ آج کل فنِ جہازرانی نے جو ترقی کی ہے وہ ظاہر ہے جہازراں جب چاہیں تیز لے جاتے ہیں جب چاہیں رفتار مدھم کر دیتے ہیں۔ بات تو اس ہوا سے متعلق ہے جو حضرت سلیمانؑ کے تخت کو اُڑا کر لے جاتی تھی۔ اُسے جب آپؑ تیز چلنے کا حکم دیتے تو تیز چلتی اور جب مدھم چلنے کا حکم دیتے تو مدھم چلتی۔ معلوم یہ تجارتی قصہ کہاں سے لا کھڑا کیا۔

شیاطین سے مراد یہاں جِنّ ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک جنّات سے مراد وہ نہیں جس کو ہم ایک نوعِ جداگانہ سمجھتے ہیں اور جن کی بی بیوں کو پریاں کہتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک اس عہد کے لمبے تڑنگے سرکش لوگ تھے۔ لیکن یہ بھی زبردستی ہے۔ اگر وہ نوعِ انسان میں شامل ہوتے تو قرآن میں انسانوں سے علیحدہ ان کا ذکر نہ کیا جاتا اور یا معاشر الجن والانس نہ کہا جاتا۔ شیطان کے لیے یہ نہ کہا جاتا کان من الجن۔ اگر جنّ کے معنی سرکش انسان لیے جائیں تو وہاں انسان کہاں تھے جن میں سے شیطان کو قرار دیا گیا۔ دوسرے آدمیوں کو مسخر کر لینا کونسی بڑی بات ہے۔ بادشاہ لوگ بڑے بڑے سرکشوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔ اگر حضرت سلیمانؑ نے ایسا کیا تو کیا کمال کیا۔ علاوہ بریں خدا فرماتا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کرتے تھے کہ بھاگ نہ جائیں۔ یہ حفاظت خدا نے اپنے ذمّہ کیوں لی۔ انسانوں کی پہرہ داری تو انسان بھی کر سکتے ہیں اور جیلوں میں کیا ہی کرتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ ان سے بڑی بڑی عمارتیں وغیرہ بھی بنواتے تھے۔ بڑی بڑی دیگیں بنواتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ کام لیتے تھے جو انسانی طاقت کی حد سے باہر ہوتا تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

حضرت سلیمانؑ کی سی سلطنت نہ دنیا میں کسی نے کی ہے نہ کرے گا۔ آپؑ نے سات سو چھ سال سلطنت کی، اور آدمی، جنّات، چوپائے، پرند، درخت ہوا غرض دنیا کی ہر چیز پر آپؑ کی حکومت تھی۔ آپؑ نے لکڑیوں پر شیشہ کے ایک ہزار عالی شان مکان بنوائے تھے۔ آپ کا لشکر سو کوس طول میں اور سو کوس عرض میں پھیل جاتا تھا۔ آپؑ نے ایک تخت بنوایا تھا جو بہت لمبا چوڑا تھا اور اس کے گرد چھ سو کرسیاں سونے چاندی کی رکھی جاتی تھیں۔ ان پر حضرت کے مقربین بیٹھتے تھے ان کے پیچھے اور لوگ کھڑے ہوتے، اُن کے پیچھے جِنّ ہوتے اور ان سب پر پرند صف باندھ کر اپنے پروں کا سایہ کرتے اور اُن سب کو ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا تی۔ اس پر پہلے لوگوں کو

متعجب ہوتا تھا لیکن اب کہ ہوائی جہاز نکل آیا ہے جو بہت سے آدمیوں کو لے کر سینکڑوں کوس چلا جاتا ہے یہ امر متعجب خیز نہ رہا۔"

اس روایت کے متعلق جو کچھ ہمیں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ایک نبی کے دربار میں سونے چاندی کی کرسیوں کا ہونا ان کی شانِ نبوت کے کس قدر خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کے عیش پرستوں کو کتنا بڑا سبق دیتا ہے۔

ھ اس کے بعد حضرت ایوبؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت ایوبؑ کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے نوسو سال قبل بتایا جاتا ہے۔ آپؑ جنابِ اسحٰقؑ کی نسل سے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی پوتی بی بی رحیمہؑ سے آپؑ کی شادی ہوئی تھی جن سے سات بیٹے تھے۔ خدا کے صابر و شاکر بندے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو سب کچھ دیا تھا۔ مویشی، باغات، مکانات، اولاد، نوکر چاکر وہ بھی کثرت سے۔ گردشِ روزگار سے رفتہ رفتہ یہ سب چیزیں ضائع ہوگئیں مگر وہ صبر و شکر کے سوا ایک کلمہ زبان پر نہ لائے۔ اتفاقاً بیمار بھی ہوگئے اور بیماری طول پکڑ گئی۔ بستی والوں نے منحوس سمجھ کر شہر سے باہر نکال دیا۔ تب بارگاہِ باری میں اپنے دکھ کی شکایت کی مگر دیکھنا کیا پیارا انداز ہے۔ صرف اتنا کہہ کر کہ اب یہ درد و دکھ مجھے لپٹ گیا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد ارحم الراحمین کہہ کر اس کی مدد طلب کی۔ دو لفظوں میں اپنی تکلیف بھی بیان کردی اور اس سے رحمت بھی طلب کرلی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کرلی اور جو کچھ گیا تھا پھر واپس مل گیا صحت بھی ہوگئی۔

اب ذرا ان مؤرخوں کی بھی سُن لیجئے جنہیں واقعات گھڑنے میں بہت مزہ آتا ہے اور عصمتِ انبیاءؑ پر ضرب لگانا تو اپنا شاید کوئی فریضہ سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

حضرت ایوبؑ بہت مالدار تھے۔ پانچسو جوڑے بیلوں کے تھے بہ کثرت بکریاں، اونٹ، گھوڑے اور خچر تھے۔ چارسو غلام چرواہے اور سائیس تھے۔ سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ ہر وقت مصلے پر بیٹھے ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ ایک روز شیطان نے خدا سے کہا، ایوبؑ کو تُو نے چونکہ سب کچھ دے رکھا ہے اس لیے تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں اگر تُو مجھے ان پر قابو دے دے تب دیکھوں کیسے صبر کرنے والے ہیں۔ خدا نے فرمایا، جا تجھے قابو دے دیا۔ اُس نے پہلے تو ایک وبا پھیلا کر ان کے سارے مویشی ہلاک کیے۔ حضرت ایوبؑ کو خبر ملی تو صبر سے کام لیا۔ اور بدستور اپنی عبادت میں مشغول رہے۔ پھر اس نے جنگل میں آگ لگا دی جس سے ساری کھیتیاں جل گئیں۔ پھر سب نوکر چاکر مر گئے۔ پھر مکانات کی چھتیں گرنے سے اولاد مرگئی مگر حضرت ایوبؑ بدستور صبر کرتے رہے۔ پھر شیطان نے انہیں بیمار ڈال دیا اور ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ بستی والوں نے انہیں منحوس سمجھ کر نکال دیا۔ بستی سے باہر ایک درخت کے نیچے جا پڑے۔ ان کی بی بی رحیمہؑ نامی ان کی تیمار دار تھیں۔ جب صبر کی کوئی منزل ایوبؑ سے نہ چھوٹی تو خدا نے شیطان سے کہا تُو نے دیکھ لیا ایوبؑ کا صبر۔ غرض اس کے بعد خدا نے وہ سب چیزیں انہیں دے دیں جو ان سے لے لی گئیں تھیں۔

غور کرو کیسی لغو اور قابلِ اعتراض روایت ہے گویا شیطان اللہ کو ایسا پیارا تھا کہ اس کی ہٹ پوری کرنی

ضروری تھی وہ جو کچھ کہتا گیا اللہ منظور کرتا گیا۔ استغفر اللہ۔ انبیاء علیہم السلام پر اوّل تو شیطان کا تسلط ہوتا نہیں۔ پھر کیا خدا کو ایوبؑ کا حال معلوم نہ تھا کہ شیطان کے ذریعہ سے امتحان کی ضرورت پیش آئی۔ پھر نبی کے بدن میں معاذ اللہ کیڑے پڑ گئے۔ کیسی ایمان شکن اور ضلالت آگیں باتیں ہیں۔ خدا مسلمانوں کی اس ذہنیت پر رحم کرے اور وہ انبیاءؑ کے مرتبہ شناس بنیں۔ نہ تو ان کے پاس اتنا ساز و سامان تھا جس کی نمائش کرائی گئی ہے نہ معاذ اللہ ان کے بدن میں کیڑے پڑے تھے۔ بقیہ حال آگے بیان ہوگا۔ جو کچھ ان کی کائنات ضائع ہوئی تھی خدا نے ان کے صبر کے صلہ میں وہ بھی دے دی اور اتنی ہی اور دی۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ
فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا
فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ
سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ
مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ
لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا
لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ
وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

(اے رسول) اور اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل کے واقعات یاد کرو۔ یہ سب صابر بندے تھے ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ یہ صالحین میں سے تھے اور ذوالنون (یونسؑ) کا واقعہ یاد کرو جب وہ غصہ میں بھر کر چلتے ہوئے اور خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے (پس وہ مچھلی کے پیٹ میں پہلے

گئے) وہاں (پیٹ کی) تاریکیوں میں پکارے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو ہر عیب سے پاک ہے۔ پس ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور غم سے نجات دی۔ ایمان والوں کو ہم یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں۔ اور (اے رسول) زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب سے دُعا کی، اے میرے پالنے والے، مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے۔ ہم نے اس کی دُعا بھی قبول کی اور انہیں یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا فرمایا اور ہم نے ان کے لیے ان کی بی بی کو اچھا بنا دیا۔ اس میں شک نہیں یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے ہمیں بڑی رغبت اور خوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے آگے گڑگڑایا کرتے تھے۔

حضرت ذوالکفل کا نام قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ذوالکفلؑ ان کا لقب ہے جس کے معنی اخلاقی بزرگی رکھنے والے کے ہیں۔ ان کے بارہ میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے کہ یہ کون تھے۔ ایک روایت ہے کہ ان کا اصلی نام بشرؑ تھا اور حضرت ایوبؑ کے بیٹے تھے۔

حضرت یونسؑ کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا ذکر ہے کہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چل دیئے تھے اور کشتی میں بیٹھ کر وہاں سے کہیں جانا چاہتے تھے کہ کشتی طوفان میں آگئی۔ لوگوں نے کہا ہم میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی نافرمانی کر کے بھاگا ہے وہی منحوس ہماری تباہی کا باعث ہو رہا ہے۔ لہٰذا اسے کشتی سے باہر پھینک دو، قُرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ چنانچہ کشتی سے پھینک دیئے گئے اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ اس کے پیٹ میں انہوں نے یادِ خدا کی اور اپنی نجات کی دُعا مانگی۔ خدا نے ان کی دُعا قبول کی اور مچھلی نے انہیں اُگل دیا۔

قوم سے ناراض ہو کر اس لیے بھاگے تھے کہ خدا سے اپنی قوم پر نزولِ عذاب کی درخواست کی تھی۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ قوم کو یہ بتا کر کہ فلاں وقت عذاب آئے گا خود ایک پہاڑی پر چلے گئے۔ قوم نے میدان میں جا کر رونا پیٹنا شروع کیا اور عذاب ہٹا لینے کی درخواست کی۔ خدا نے عذاب ہٹا لیا۔ حضرت یونسؑ اس خیال سے وہاں آئے کہ قوم ہلاک ہو چکی ہو گی۔ لیکن سب چلتے پھرتے دیکھا تو غصہ آیا۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا، ہلاک کرنے کا نہ کیا تھا۔ یونسؑ سمجھے ہلاک بھی کرے گا۔ غصہ اس پر تھا کہ قوم کے سامنے میں جھوٹا بنا۔ چونکہ بغیر حکم خدا وہاں سے چل دیئے تھے لہٰذا اس ترکِ اولیٰ کی سزا میں وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ قرآن میں ان کو کہیں یونسؑ کہا گیا ہے کہیں ذوالنون، کہیں صاحب الحوت۔ وعدۂ الٰہی کا منشا نہ سمجھنے کی وجہ سے اور صبر کا دامن چھوڑ دینے کی وجہ سے یہ بلا ان کے سر پر آئی۔ حضرت رسولِ خداؐ کو خدا نے نصیحت فرمائی تھی لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (۶۸/۴۸) (تم یونس جیسے نہ بن جانا) یعنی صبر سے کام کیے جانا۔

اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (ہم نے ان کی بی بی کو درست کر دیا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا بانجھ پن دُور

کر دیا اور وہ صاحبِ اولاد ہو گئیں۔ جن انبیاءؑ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ بڑی رغبت سے ہماری یاد کرتے تھے اور ہمارے عذاب سے بہت ڈرتے تھے اور ہمارے سامنے بہت گڑگڑا کر اپنی عبدیت کا اظہار کرتے تھے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ
اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

(اے رسول) وہ بی بی (مریم) بھی قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے اپنی عفّت کی حفاظت کی پس ہم نے ان میں اپنی رُوح کو پھونک دیا اور انہیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا والوں کے لیے اپنی (قدرت کی) نشانی بنایا۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا
ع ۶ ۱۸ اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓي اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ
وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ
شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ
اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ

وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

بے شک یہ تمہارا دین تو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو۔ (لوگوں نے اختلاف کر کے) دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا حالانکہ وہ سب (جمع ہو کر) ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ جو اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم اس کے اعمال لکھتے جاتے ہیں۔ جس بستی کو ہم نے تباہ کر ڈالا ہے ممکن نہیں کہ وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے پاس نہ آئیں (بس اتنا توقف تو ضرور ہو گا) کہ جب یاجوج و ماجوج (سدِ سکندر کی قید سے) کھول دیئے جائیں گے تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے اور قیامت کا سچا وعدہ نزدیک آ جائے گا تو پھر کافروں کی آنکھیں ایک دم سے پتھرا جائیں گی اور کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہم تو اس دن سے غفلت ہی میں پڑے رہے بلکہ (سچ یہ ہے کہ) اپنے اوپر ہم آپ ظالم تھے۔ اس دن کہا جائے گا کہ اب تم اور جس چیز کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے تھے یقیناً جہنم کے ایندھن ہو گے تم سب کو اس میں اترنا پڑے گا اگر یہ سچے معبود ہوتے تو انہیں جہنم میں نہ جانا پڑتا اور اب تو سب کے سب اسی میں رہیں گے ان لوگوں کی جہنم میں چیخ چنگھاڑ ہو گی اور یہ اس شور و غل میں کسی کی بات بھی نہ سنیں گے۔

تمام انسانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم جو مختلف دینوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہو ذرا اس پر غور کرو کہ اس تفریق کا سبب کیا ہوا۔ تم سب کا پیدا کرنے والا ایک ہی تو ہے لہٰذا اس کا بھیجا ہوا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اس نے جتنے انبیاء بھیجے وہ سب ایک ہی خدا کے احکام لائے تھے ان کے بیانات میں بھی کوئی اختلاف نہ تھا۔ پس اس تفرقہ کے پیدا کرنے والے تم خود ہوئے۔ جو نبی آیا یا تو تم نے اس کے نبی ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی تعلیم کے خلاف اپنی طرف سے کچھ باتیں گڑھ کے ایک نیا دین بنا کھڑا کیا۔ یا پھر اس نبی کی کچھ باتوں کو مانا اور کچھ کو نہ مانا یا اس کے بیان کردہ احکامات کے غلط معنی سمجھے اور ان اختلافات سے مختلف مذاہب بنا لیے۔ بہرحال یہ تفریق خود تمہاری پیدا کردہ ہے۔ خدا نے کسی وقت یہ نہیں چاہا کہ اس کے ایک دین کے ٹکڑے کر کے لوگ بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ اس اختلاف نے تمہارے اندر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔ تمہیں خونریزی پہ آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے نظامِ حیات میں ابتری پیدا ہوئی۔ تمہارے معاشرہ سے امن و سکون رخصت ہوا۔ آخر تم اتنی موٹی بات سمجھتے کیوں نہیں کہ تمہیں ایک دن ہمارے سامنے حاضر ہونا ہے جو فتنے تم نے برپا کیے ہوں گے ان کی پوچھ گچھ تم سے ضرور ہو گی۔

قربِ قیامت کی جہاں اور بہت سی نشانیاں بیان کی گئی ہیں جیسے دجّال اور دابۃ الارض کا نکلنا، مغرب سے

سورج کا نکلنا، حضرت عیسیٰؑ کا نزول، بارہویں امام علیہ السلام کا ظہور، ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یاجوج و ماجوج جنہیں قدرت نے چھپا دیا ہے یکایک اس طرح اپنے مخفی مقام سے نکل کر دوڑ پڑیں گے جیسے قیدی جیل سے نکل کر بھاگتا ہے پھر یہ وحشی قوم ہر طرف پھیل جائے گی اور بستیوں کو اس طرح تباہ و برباد کرے گی کہ لوگ چیخ اٹھیں گے ہر طرف بھاگے بھاگے پھریں گے اور کہیں امن کی جگہ نہ ملے گی۔ یہ وحشی قوم خود بھی آپس میں لڑے گی۔ ان کی لڑائی بھی لوگوں کے لیے مصیبت بن جائے گی۔ جو دیوار سکندر ذوالقرنین نے ان سے حفاظت کے لیے بنائی تھی وہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ بہرحال قیامت کا پیش خیمہ بھی قیامت ہی ہو گا۔ اس پُرآشوب دور میں حضرت حُجّت کی حکومت قائم ہو گی اور آپؑ سرکش قوتوں کو قتل کر کے دنیا میں امن و امان قائم کریں گے اور زمین کو عدل و داد سے اس طرح پُر کر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔

عبداللہ بن زبعری نے اعتراض کیا کہ جب وہ لوگ جہنم میں جائیں گے جن کی عبادت کی جاتی ہے تو اس بنا پر عزیرؑ و مسیحؑ اور ملائکہ کو بھی جہنم میں جانا چاہیئے کیونکہ عبادت تو ان کی بھی کی جاتی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ معبود جائیں گے جو اپنی عبادت پر راضی ہوں گے۔ چونکہ عزیرؑ و مسیحؑ اور ملائکہ اپنے معبود بنائے جانے پر راضی نہ تھے لہٰذا ان سے یہ سوال متعلق نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا
يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا
بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ
كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ
الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دُور ہی دُور رہیں گے

اس کی بھنک بھی ان کے کانوں میں نہ پڑے گی اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا وہ ہمیشہ انہیں ملتی رہے گی قیامت کا سخت دردناک دن ان کے لیے حزن کا باعث نہ ہوگا اور ملائکہ بڑی خواہش کے ساتھ ان سے ملیں گے اور کہیں گے یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس دن ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے جیسے ہم نے ان کو اوّل بار پیدا کیا تھا ویسے ہی دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ یہ ہمارا (پکّا) وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم پر لازم ہے ہم نے توریت کے بعد زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ۔ حضرت علی علیہ السّلام نے آیت کی تلاوت فرما کر کہا اَنَا مِنْھُمْ، "ان میں سے میں بھی ہوں"۔ (تفسیر کشاف جلد ۲۔ دُرِ منثور سیوطی جلد ۴)۔

آخر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے وارث عبادِ صالحین ہوں گے یعنی دُنیا میں روئے زمین پر حکومت نیک ہی بندوں کی ہوگی۔ حالانکہ دنیا میں یہی پایا گیا ہے کہ حکومت کرنے والے فاسق و فاجر ظالم اور بے ایمان لوگ ہوتے رہے ہیں۔ چند نیک بندوں کے سوا جتنے رُوئے زمین کے حاکم ہوئے اور اب بھی ہیں وہ خدا کے صالح بندے نہیں کہلائے جاسکتے۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

اس کے متعلق بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ وراثتِ زمین سے مراد جنّت کی وراثت ہے نہ کہ اس زمین کی لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ خدا بات کرے زمین کی اور آپ بات کرنے لگیں آسمان کی۔ یہ عقلی فتور اس بنا پر ہے کہ حصولِ تعلیم کا وہ مرکز چھوڑ دیا جو خدا اور رسولؐ نے بتایا تھا۔ ایک ہاتھ میں قرآن تو رہا لیکن دوسرے ہاتھ سے اہلبیتؑ کا دامن چھوٹ گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت دو طرح کی دُنیا میں پائی گئی ہے ایک حکومت شیطانی دوسرے رحمانی۔ جو لوگ تلوار کے زور سے ملک فتح کر کے بادشاہ بن بیٹھتے ہیں وہ خدا کے بنائے ہوئے حکمران نہیں ہوتے بلکہ شیطان کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ جابرانہ اور غاصبانہ حکومت خدا کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے۔ دوسری نیک بندوں کی حکومت ہے جس میں قوانینِ الٰہیہ کا نفاذ ہوتا ہے جیسے حضرت یوسفؑ کی حکومت، حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کی حکومت اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی حکومت۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارض پر الف لام خصوصی داخل ہے یعنی تمام روئے زمین کی حکومت بہ مشیتِ ایزدی نہ کسی ظالم سفاک کو ملی ہے اور نہ قیامت تک ملے گی۔ تمام روئے زمین مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک، ہر چپہ پر، ہر چھوٹی بڑی چیز پر جس کی حکومت ہوگی اور جس کی حکومت میں سوائے دینِ اسلام کوئی دوسرا دین نہ ہوگا وہ حضرت صاحب العصر والزمان قائم آلِ محمد حضرت امام مہدی آخر الزمانؑ کی حکومت ہوگی۔

آیت میں وراثت سے مراد حکومت ہے۔ اگر ارض سے مراد جنّت لی جائے تو جنّت میں حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں تو سوائے خدائے واحد و قہار کے دوسرے کی حکومت ہو ہی گی نہیں۔ اگر ایسی وراثت مراد ہے جیسی یہاں ایک کسان کے بعد اس کا بیٹا وارث ہو جاتا ہے یا ایک بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا مالکِ سلطنت ہو جاتا ہے تو جنّت میں یہ بھی صحیح نہیں وہاں یہ وراثت نہیں چلتی جو جس مقام کا ہوگا ہمیشہ وہیں رہے گا۔

جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اور دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے کو محال جانتے ہیں انہیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جب تم کچھ بھی نہ تھے تو خُدا نے کیسے آدمی کی شکل بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا اور پھر کس طرح تم کو جوانی کی حد تک پہنچایا۔ پھر بڑھاپے تک پہنچا کر تمہیں مار دیا اور تم قبر میں جا لیٹے پس اس کے لیے کیا دشوار ہے کہ گلنے سڑنے کے بعد تمہیں پھر قبر سے اُٹھا کھڑا کرے۔ اور تم اس کے سامنے حاضر ہو تاکہ جو اعمال کیے ہیں ان کا حساب دو۔

اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَھَلْ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ وَاِنْ
اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ
الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّہٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَ
مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ع ۱۹/۱۰

اس میں شک نہیں کہ اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے (احکامِ خدا کی) تبلیغ ہے۔ (اے رسول) ہم نے تم کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تم کہدو کہ میرے پاس تو بس یہی وحی

آئی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے پس کیا تم فرمانبردار بندے بنتے ہو۔ اگر یہ سُن کر رُوگردانی کریں تو کہدو میں نے تم سب کو یکساں طور پہ آگاہ کر دیا جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے میں نہیں بتا سکتا کہ وُہ قریب ہے یا بعید۔ خدا زور کی آواز کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جو تم چھُپاتے ہو اور میں نہیں جانتا کہ (یہ تاخیرِ عذاب) تمہارے لیے شاید امتحان ہی ہو یا کچھ مدّت کے لیے تمہیں چین کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہو۔ رسول نے دعا کی میرے پروردگار میرے اور کافروں کے درمیان (ٹھیک ٹھیک) فیصلہ کر دے ہمارا پروردگار رحم کرنے والا ہے۔ اُس سے اُن باتوں میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

کفارِ مکہ آنحضرتؐ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس شخص نے ہمیں سخت زحمت میں ڈال رکھا ہے۔ ہمارے درمیان جدائی ڈال دی ہمارے معبودوں کو بُرا کہہ کر ہمارے کلیجے چھلنی کر دئیے۔ خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے ان کفار کو کہنے دو ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کیونکہ تم ان کو عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور نیکی کا راستہ دکھانے والے ہو۔ یہ تو ضلالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ تم ان کو اس سے نکال کر روشنی کی سطح پر لاتے ہو یہ تو جانوروں سے بھی بدتر تھے تم نے ان کو انسان بنایا۔ یہ جو تم سے پوچھا کرتے ہیں کہ جس عذاب سے تم ڈراتے ہو وہ کب ہم پہ آئے گا تو تم ان کے جواب میں کہو، میں یہ نہیں جانتا کہ وہ جلد آئے گا یا بدیر۔ یہ تو خدا کے اختیار میں ہے ممکن ہے تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ تمہاری عقلوں کا تھوڑا سا امتحان اور لے لیا جائے یا کچھ دن تم کو چین کرنے کے لیے اور چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب گناہ کر لو اور سخت سے سخت عذاب کے مستحق بن جاؤ۔

---

(۲۲) سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ
يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

لوگو! اپنے رب سے ڈرو قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دُودھ پلانے والی خوف کے مارے اپنے دُودھ پیتے بچّہ کو بھول جائے گی اور حاملہ عورتیں اپنے اپنے حمل کو گرا دیں گی۔ تم دیکھو گے کہ (گھبراہٹ میں) لوگ متوالے معلوم ہوں گے حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے۔ بلکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہو گا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر جانے خدا کے بارہ میں جھگڑتے ہیں اور سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیے ہیں جس کی پیشانی پر لکھا جا چکا ہے (بخطِ تقدیر) کہ جس نے اس سے دوستی کی وہ اسے گمراہ کیے بغیر نہ چھوڑے گا اور دوزخ کے عذاب تک پہنچا دے گا۔

مشرکینِ مکّہ جو قیامت کو بھُولے پڑے تھے اور نبی کریمؐ سے بطور تمسخر اس کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے ان کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ بڑا سخت خوف کا دن ہو گا۔ جب پہلی صور پھونکی جائے گی اور زمین کے زلزلوں سے پہاڑوں کی چٹانیں کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح زمین پہ آ رہی ہوں گی۔ لوگوں کی بے چینی اور گھبراہٹ کا یہ عالم ہو گا کہ جو مائیں پیار سے بچے کو دُودھ پلاتی ہیں ان کی مامتا ختم ہو جائے گی اور وہ اپنے بچّوں کو چھوڑ کر بھاگیں گی اور دہشت کی زیادتی سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ ہوش و حواس اس حد تک گُم ہوں گے کہ یہ معلوم ہوتا ہو گا کہ لوگ نشہ میں ہیں جنہیں اپنے کو سنبھالنے کا بھی ہوش نہ ہو گا۔ وہ نشہ میں ہوں گے نہیں بلکہ از خود رفتہ ہوں گے۔ یہ بڑے سخت عذاب کا وقت ہو گا۔ جو لوگ یہاں شیطان ملعون کے مُرید بنے ہوئے ہیں اور جس طرف وہ لے جانا چاہتا ہے چل رہے ہیں وہ اس دن ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور سیدھے جہنّم رسید ہوں گے۔

خدا نے اپنی حجّت ہر طرح سے اپنے بندوں پر تمام کر دی۔ نکوکاروں کو جو نیک بدلہ ملے گا وہ بھی بتایا بدکاروں کو جو سخت سے سخت سزا ملے گی اس کا نقشہ بھی پیش کر دیا۔ اس پر بھی اگر کفار و مشرکین اپنی ہٹ اور ضد پر جمے رہیں تو پھر جہنّم کے سوا ان کا ٹھکانا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ
مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمۡ ؕ وَنُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَ
مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا ؕ
وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ
وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۝۵

لوگو (اگر تم قیامت میں زندہ ہو کر) اُٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو (اس پر غور کرو) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پُورا یا ادھورا تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں (تو پھر تمہارا زندہ کرنا کیا مشکل ہے) پھر ہم عورت کے رحم میں جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک ٹھہرا رکھتے ہیں پھر بچے کی صورت اُسے نکالتے ہیں تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں (جو بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتے ہیں اور بعض ناکارہ زندگی (بڑھاپے) تک لوٹائے جاتے ہیں تاکہ وہ سمجھنے کے بعد (سٹھیا کے) کچھ بھی نہ سمجھ سکے اور جس زمین کو مُردہ (بیکار) دیکھتا ہے جب ہم نے اس پر پانی برسا دیا تو کھیتی سے لہلہانے لگتی اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔

جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے کے قائل نہیں اُن کو اپنی قدرتِ کاملہ کے نمونے پیش کر کے سمجھانا چاہتا ہے اُس نے انسان کو (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا۔ اس کے بعد نسلِ انسانی میں نطفہ سے پیدا کرنے کا سلسلہ چلایا۔ نطفہ کیا ہے جسمِ انسانی کا تخم جو مرد کے صلب سے خارج ہو کر عورت کے رحم میں پہنچتا ہے۔ یہ زمین کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے بنتا ہے۔ اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو زمین کی کسی چیز کا کوئی جز اس میں نظر نہیں آتا۔ پھر نطفہ کو جو گدلے رنگ کا سفیدی مائل ہوتا ہے کچھ دن رحمِ مادر میں رکھ کر اس کو جما ہوا خون بنا دیتا ہے۔ نطفہ کو خون بنانے میں کوئی مشین کام نہیں کر رہی تھی۔ یہ صرف خالقِ مطلق کی قدرت کا کمال تھا کہ نطفہ کی ہیئت کو بالکل بدل دیا۔ اس کے بعد اس خون کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنا دیا۔ جس کا نظام ہی دوسرا تھا۔

انسانی خلقت کا کمال

اس کے اندر باریک باریک رگیں اجزا کو آپس میں جوڑے ہوئے تھیں۔ یہ سب کام اُس کی قدرت رحم کے اندر کرتی رہتی ہے۔ یہ صورت کچھ دنوں رحم میں رہتی ہے وہاں کیا کیا ہوتا ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ خلقت کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے۔ اس گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیاں بننے لگیں اعصاب اور عروق کے جال بچھ گئے۔ چھوٹے چھوٹے اعضا نمایاں ہونے لگے ہاتھ پاؤں نکل آئے۔ سینہ کے اندر وہ تمام اعضا اُبھر کر آ گئے جو نظامِ حیاتِ انسانی کو چلانے والے ہوتے ہیں یہ سب جمود کی حالت میں تھے کہ یکایک ایک رُوح نے اس جسم کے اندر داخل ہو کر ان میں حرکت پیدا کر دی۔ بچہ کلبلانے لگا۔ ایک معین مدت کے بعد وہ بچہ ایک ایسے تنگ راستے سے باہر آیا کہ اس کا گلا گھٹ کر مر جانا چاہیئے تھا۔ گویا اس کی قدرتِ کاملہ نے اُونٹ کو سُوئی کے ناکے سے نکال دیا۔ ماں کے پیٹ میں جو غذا کھا رہا تھا وہ منہ سے نہیں پیٹ کے ذریعہ سے کھاتا تھا اب نہایت لطیف غذا بچہ کی کمزوری کے پیشِ نظر ماں کی چھاتی سے ملنے لگی۔ یہاں تک بڑھتے بڑھتے جوان ہو گیا۔ کچھ عمر کے ان مختلف حصوں میں مرتے چلے گئے کچھ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اب وجود کے دائرہ کا حصہ اوّل حصہ آخر سے ملنے لگا جیسے رفتہ رفتہ عقل بڑھتی گئی تھی اب وہ گھٹنی شروع ہو گئی۔ آخر ایسا سٹھیا گیا کہ عقل و فہم کے سارے دروازے اس پر بند ہو گئے بچہ اور بوڑھا ایک سطح پر آ گئے۔ طاقت جیسے رفتہ رفتہ آئی یوں ہی رفتہ رفتہ رخصت ہونی شروع ہو گئی۔ نہ پیٹ میں آنت نہ منہ میں دانت نہ اعضا میں سکت نہ حواس میں قوت، بچہ کی طرح ایک مضغۂ گوشت ہے کہ چارپائی پر پڑا آہ آہ کر رہا ہے۔ اے انسان! دیکھ تیرے خالق نے اپنی قدرت کے کیا کیا کرشمے دکھلائے کیا اب بھی تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جس خدا کو یہ سب کچھ کرنے پر قدرت ہے کیا وہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ جس نے تجھے نیست سے ہست کیا تھا کیا پھر تیرے بکھرے اجزا کو جمع کر کے تجھے اُٹھا کر کھڑا نہیں کر سکتا۔

اچھا ایک مثال سے سمجھ۔ ایک زمین خالی پڑی تھی ایک گھاس کا پتہ بھی اس پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خدا نے اس پر مینہ برسایا۔ یہاں تک کہ اس مُردہ مٹی میں جان آ گئی پھر کیا تھا، لگی اپنے اندر سے ذخیرے نکالنے۔ طرح طرح کے درخت اُگے۔ پھول کھلے پھل لگے جہاں خاک اُڑتی تھی وہاں باغ بغیچے لہلہانے لگے، پھلواریاں مہکنے لگیں۔ او بے وقوف انسان! کیا اب بھی تیری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ

وَلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨

(یہ قدرت کے سب کرشمے اس لیے دکھائے جاتے ہیں تاکہ تم سمجھو) کہ بے شک خدا برحق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وُہ ہر شے پر قادر ہے قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرا سا بھی شک نہیں۔ اور جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے گا بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی علم و ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر گردن اکڑائے ہُوئے خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں تاکہ خدا کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم انہیں عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ لوگ ہیں جو خدا کے بارہ میں کوئی علم نہیں رکھتے۔ یعنی نہ تو اپنے تجربوں سے سبق لیتے ہیں نہ آثارِ قدرت سے کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو رسولؐ سے ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ رسولؐ جو بتاتے ہیں اس کو کان لگا کر نہیں سنتے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو خدا کی کتاب جو تاریکی سے روشنی میں لانے والی ہے پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ نہ اسے خود پڑھتے ہیں اور نہ کسی سے سنتے ہیں۔ ایسے نالائق لوگ خدا کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے جو صحیح راستہ پر ہیں جھگڑا کرنے لگتے ہیں اور حق بات کہی جاتی ہے تو منہ موڑنے لگتے ہیں۔ یا ایسے ہیں کہ جیسے خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت عذاب۔

خلاصہ یہ ہے کہ تین طریقوں میں سے جو شخص کسی ایک طریقہ سے بھی معرفتِ باری تعالیٰ حاصل نہیں کرتا اس کا ایمان محض زبانی ہے۔ اگر وہ اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے بارہ میں کچھ کہتا ہے تو اس کی کوئی بات قابلِ قبول نہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ
وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا
لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ
نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

(اُس سے کہا جائے گا) یہ اُن اعمال کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے پہلے سے کیے ہیں۔ خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ اللہ کی عبادت کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو فائدہ ہو گیا تو مطمئن ہو گیا اور اگر کوئی مصیبت آپڑی تو منہ پھیر کر کفر کی طرف پلٹ پڑا۔ اس کی دنیا و آخرت دونوں گھاٹے میں رہے اور سب سے بڑا گھاٹا یہی ہے خدا کو چھوڑ کر ان کو وقتِ حاجت بُلاتا ہے جو اس کو نہ تو نقصان ہی پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ ہی۔ یہی تو پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔ وہ ایسے کو پکارتا ہے جس سے نقصان پہنچنا بہ نسبت اس سے نفع پہنچنے کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک ایسا مالک بھی بُرا ہے اور ایسا رفیق بھی۔

منقول ہے کہ ایک یہودی ایمان لایا۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں دُکھنے لگیں یہاں تک کہ بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد کچھ اور بلاؤں میں بھی مبتلا ہُوا۔ گھبرا کر حضرت رسولؐ کے پاس آیا کہ اسلام میرے حق میں نہایت منحوس ثابت ہُوا آپ میرے اسلام کو توڑ دیجئے۔ فرمایا اسلام تو نہیں ٹوٹ سکتا۔ آخر وہ مر گیا۔ یہ آیت اسی کی شان میں ہے۔

دُنیا میں کئی قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کی طرف کھنچ کر دین کی طرف سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ان کے دین کا تو خاتمہ ہو جاتا ہے مگر انہیں دُنیا مل جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو دین کے معاملہ میں پورا یقین نہیں رکھتے ان کا مقصد پورا ہو گیا تو دین کو اچھا کہنے لگے۔ نقصان پہنچ گیا تو دین کو بُرا سمجھنے لگے۔ یعنی کبھی خدا سے خوش ہیں کبھی ناخوش ان کی دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو دین کے مقابل دنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ کتنی ہی تکلیفیں پہنچیں مگر اُن کے ایمان میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ

اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ
هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ
وَّأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يُّرِيدُ ﴿۱۶﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں اللہ اُن کو ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (کوئی اس کو روکنے والا نہیں)۔ جو شخص (غصّہ میں) یہ بدگمانی کرتا ہے کہ دُنیا و آخرت میں خدا اس کی ہرگز مدد نہ کرے گا اُسے چاہیئے کہ آسمان تک ایک رسّی تانے (اور اپنے گلے میں پھانسی ڈال لے) پھر اُسے کاٹ دے (تاکہ گھٹ کر مر جائے) پھر دیکھے کہ جو چیز اُسے غصّہ میں لا رہی تھی اُسے اس کی تدبیر دفع کر دیتی ہے یا نہیں۔ اس طرح ہم نے اس قرآن کو واضح نشانیاں بنا کر نازل کیا۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

مشرکین کہا کرتے تھے محمدؐ جھوٹے ہیں (استغفر اللہ) خدا ان کی مدد نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لو۔ اور اے مشرک، دیکھ کہ تیرا چاہا کبھی کچھ نہ ہوگا۔ اللہ اپنے رسولؐ کا دنیا و آخرت دونوں جگہ مددگار ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصّٰبِـِٔينَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوسَ
وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ
وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا

لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿۱۸﴾ السجدة هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوا
فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۖ يُصَبُّ مِنْ
فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿۱۹﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور یہودی اور لامذہب اور نصاریٰ اور مجوسی اور مشرکین۔ خدا ان لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا بے شک خدا ہر چیز کو دیکھ رہا ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کو سجدہ کر رہے ہیں وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بکثرت انسان اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر (نافرمانی کی وجہ سے) عذاب لازم ہو چکا ہے جس کو اللہ ذلیل کرے پھر اس کا کوئی عزّت دینے والا نہیں۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دونو (مؤمن و کافر) دو فریق ہیں۔ آپس میں اپنے پروردگار کے بارہ میں لڑتے ہیں پس جو کافر ہیں ان کے لیے تو آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

بخاری نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن اُن سب سے پہلے استغاثہ کے لیے میں کھڑا ہوں گا قیس نے کہا کہ آیہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ..... الخ انہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں جہاد کو نکلے۔ یعنی حضرت علیؓ، حمزہؓ اور ابو عبیدہؓ جن کے مقابل تھے شیبہ، عتبہ اور ولید۔

ادیان کی تقسیم دنیا میں یوں پائی گئی ہے: خدا کو ایک ماننے والے یعنی مسلمان۔ دو ماننے والے مجوسی یا آتش پرست۔ خدا کا ساتھ ایک ماننے والے یہودی اور نصرانی۔ بہت سے شریک ماننے والے بودھ۔ ہندو وغیرہ ان میں سے ہر ایک دین اپنے اندر بہت سے فرقے رکھتا ہے۔ یہودیوں میں اکہتر ہیں، نصاریٰ میں بہتر اور مسلمانوں میں تہتر ہیں۔ یہ تینوں اہلِ کتاب کہلاتے ہیں۔ باوجود کتابِ خدا نازل ہونے کے فرقہ بندی سے باز نہ رہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ بڑھتا ہی جا رہا ہے گھٹنے کی صورت نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں ان سب کے اختلاف دُور کر دئے جائیں گے یعنی ان پر ان کے عقیدہ کی غلطی واضح کر کے ان کو سزا دی جائے گی۔

خدا فرماتا ہے کہ جتنی چیزیں آسمان و زمین میں اور ان کے درمیان ہیں وہ سب خدا کو سجدہ کرتی ہیں۔ سجدہ سے یہ مراد نہیں کہ وہ ہماری طرح اپنا ماتھا زمین پر رکھتی ہیں بلکہ ان کی فطرت یہ بتاتی ہے کہ وہ کسی بڑی قوّت (خدا) کے تحت

اپنے اپنے نظامِ زندگی کو چلا رہی ہیں۔ ان کی فطرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی خالق کی مخلوق ہیں اور اپنی بقا میں کسی قادرِ مطلق کی محتاج ہیں۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾
كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۲ ۹

جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور کھالیں سب گل جائیں گی اور ان کے (مارنے کے لیے) لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب ان کی مار سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی کے اندر دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلا دینے والے عذاب کے مزے چکھو۔

جہنم کی زندگی ایسی ہوگی جس کے لیے موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا ہر مومن کو بچائے رکھے۔ ایک طرف بے پناہ شعلے جسم کو جلا رہے ہوں گے پیٹ کی آلائش پگھل پگھل کر گر رہی ہوگی اور پھر پیدا ہو کر نکل رہی ہوگی یہی صورت دوامی ہوگی لوہے کے شعلے برساتے ہوئے گرز سروں پر پڑ رہے ہوں گے اور برابر پڑتے ہی رہیں گے۔ وہاں سے نکلنے کا کسی حالت میں سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ
فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ
الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ

ع ۳ ۱۰ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ان کو سونے کے کنگنوں اور موتیوں کے ہاروں سے سجایا جائے گا اور ان کے لباس ریشمی ہوں گے۔ انہیں اچھی بات کی (کلمۂ توحید) قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور قابلِ حمد صفاتِ خدا کا راستہ دکھایا گیا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے اور اس مسجد الحرام کے داخلہ سے روکتے ہیں جس میں شہری اور بدوی سب کا حق برابر ہے جو شخص اس میں شرارت سے گمراہی کرے گا ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

کافروں سے مراد اہلِ مکہ ہیں جو مسلمانوں کے درپے آزار ہو کر ان کو سابق دین کی طرف پلٹ آنے کی طرف رغبت دلاتے تھے اور مسجد الحرام یعنی کعبہ میں جانے اور مناسک حج بجا لانے سے مسلمانوں کو روکتے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے خدا کا گھر ہے جس میں شہری اور بدوی ہر ایک کو عبادت کرنے کا حق ہے۔ اگر تم اپنی کافرانہ چالوں سے باز نہ آؤ گے تو تمہیں دردناک عذاب آ دبائے گا۔ جب تک حضورؐ مکہ میں رہے مشرکین مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو حضرتؐ کو حج کرنے میں مانع ہوئے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ آیات انہی کے متعلق ہیں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْــــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ
لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾
لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ
الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۲۹﴾

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ ظاہر کر دی (اور یہ کہہ دیا کہ) میرا کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھنا اور یہ کہ لوگوں کو حج کی خبر کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیادہ اور دُبلی پتلی سواریوں پر جو راہ دُور دراز طے کر کے آئی ہوں گی (بڑھ چڑھ کے) آپہنچیں گے تاکہ اپنے دُنیا و آخرت کے فائدے حاصل کریں اور جو جانور چوپائے خدا نے انہیں عطا فرمائے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) چند معیّن دنوں میں خدا کا نام لیں تو تم لوگ (قربانی کا گوشت) خود بھی کھاؤ اور بھوکے محتاجوں کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے بدن کی کثافت دُور کریں اور اپنی نذریں پُوری کریں اور قدیم عبادت خانہ (خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

جس جگہ اب خانہ کعبہ بنا ہُوا ہے اس کی نشاندہی جبرئیلؑ نے کی تھی۔ ایک روایت ہے کہ طوفانِ نوحؑ سے پہلے بھی بیت اللہ اسی مقام پر تھا۔ طوفان کے وقت اسے اُٹھا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر اسی جگہ بنایا گیا۔ اسی لیے اس کو بیت العتیق یا پرانا گھر کہتے ہیں۔

اس گھر کو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ دونوں نے بنایا تھا۔ ابراہیمؑ معمار تھے اور اسمٰعیلؑ مزدور۔ پتھر اُٹھا کر لانے میں جبرئیلؑ بھی مدد دیتے تھے۔ اگرچہ یہ مختصر سا ایک کمرہ تھا جو اَن گڑھے پتھروں سے بنایا گیا تھا مگر خدا کی طرف سے خاص احترام اس کا معیّن کیا گیا۔ اس گھر میں کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا۔ اگر قاتل داخل ہو جائے تو جب تک خود نہ نکلے کوئی جبراً نکال نہیں سکتا۔ کوئی شکار نہیں کر سکتا۔ وہاں کی گری ہوئی چیز اٹھا کر اپنے قبضہ میں نہیں کر سکتا۔ حج و عمرہ کے زمانہ میں بغیر احرام باندھے ارکانِ عبادت بجا نہیں لا سکتا۔

خانہ کعبہ کی تیاری کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہُوا کہ لوگوں کو حج کے لیے بُلاؤ۔ عرض کی پالنے والے یہ تو وادیٔ غیر ذی زرع ہے یہاں کوئی بستی نہیں کون حج کو آئے گا۔ حکم ہُوا نہیں، تم بلاؤ۔ دُور دُور سے لوگ اونٹوں پر بیٹھے چلے آئیں گے اور نیچے اونچے راستوں، پہاڑی گزرگاہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے آواز دی یَآ اَیُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوۡا اِلَى الۡحَجِّ (لوگو حج کے لیے آؤ)۔ یہ آواز ہر اس جگہ پہنچ گئی جہاں کوئی آدمی بستا تھا۔ بلکہ ان بچّوں تک جو بطنِ مادر میں تھے بلکہ ان نطفوں تک جو صلبِ پدری میں تھے حج میں آخری منزل جس کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے کسی چوپائے کی قربانی ہے جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکرا۔ خدا کا نام لے کر منیٰ میں اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت خود بھی کھائے اور اپنے رشتہ داروں اور محتاجوں کو

بھی کھلائے۔ اس کے بعد نہائے دھوئے اور دورانِ سفر جو کثافت بدن پر ہو اس کو دُور کرے۔ جو منّتیں ہوں وہ پوری کرے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو، آدابِ زیارت بجا لائے اور خانہ کعبہ کا طواف نساء بجا لائے۔ اس کے بغیر مرد پر عورت حلال نہ ہوگی۔ حج صاحبِ استطاعت پر عمر بھر میں ایک بار واجب ہے باقی سنّت ہے جتنے چاہے کرے

ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ

اس کے علاوہ جو شخص حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لیے خدا کی درگاہ میں بہتر ہے

قبلِ اسلام بھی لوگ حج کرتے تھے مگر وہ عبادت نہ تھی بلکہ کھیل تماشا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ خانۂ کعبہ کے اندر جو بُت رکھے تھے ہر قبیلہ کا آدمی اپنے اپنے بُت کی پُوجا کرتا تھا۔ ان کے سامنے سجدے کرتے تھے پرشاد چڑھاتے تھے۔ اسلام نے ارکانِ حج کو ان تمام لغویات سے پاک کیا۔ پہلی آیتوں میں جو ایّامِ معلومات آیا ہے اس سے مراد ذی الحجہ کی دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخ مراد ہے باقی احکام فقہ کی کتاب الحج میں دیکھنے چاہئیں۔

وَاُحِلَّتۡ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامُ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ
مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ
بِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ
اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ
شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ ع ۴ ۸ ۱۱

اور اُن جانوروں کے علاوہ جو تم سے بیان کیے کُل جانور تمہارے واسطے حلال کیے گئے۔ تم

بتوں سے بچو اور لغو باتوں سے بچو، خالص اللہ کے بندے ہو کر رہو اور جس کسی نے خدا کا شریک بنایا گویا وہ آسمان سے گر پڑا اور کسی (مُردار خور) پرندہ نے اُسے اُچک لیا یا تیز ہوا کے جھونکے نے اُسے دُور جا پھینکا (اور اس کے چیتھڑے اُڑ گئے) جس شخص نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو اس میں شک نہیں کہ وہ دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اور (ان چارپایوں میں) ایک مدت تک تمہارے لیے فائدے ہیں پھر ان کے ذبح ہونے کی جگہ قدیم عبادت خانہ (کعبہ) ہے۔

جن چوپایوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے تم اپنی طرف سے حرام مت بناؤ اور جن کو حرام کیا ہے ان کو حلال مت قرار دو۔ تمہیں اس بارہ میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ بتوں کی نجاست سے بچے رہو۔ ان کے سامنے ان کے نام سے ذبح نہ کرو نہ ان کے لیے قربانی کرو ان کو خدا کا شریک بنانا انسان کے لیے انتہائی ذہنی گندگی ہے اور قول زُور سے بھی بچو۔ قول زُور کے مفسرین نے مختلف معانی تحریر کیے ہیں۔ جیسے جھوٹی قسم، جھوٹی گواہی، شرک، گانا، مکاری۔ یہاں تو بلحاظ سیاق و سباق شرک کے ہی معنی لینے چاہئیں۔ لیکن لفظ زُور کا اطلاق جن معانی پر بھی ہوتا ہے ان سب ہی سے بچنا چاہیئے۔

جو مثال شرک کی یہاں دی گئی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو خدا نے بلند فطرت پیدا کیا ہے لیکن شرک کرنے کے بعد وہ اس بلندی سے نیچے گرنے لگتا ہے گویا آسمان سے زمین کی طرف آنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیاطین کو اس پر غلبہ حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور پھر وہ انسانیت سے بے تعلق ہو کر اپنی قابلِ ملامت زندگی بسر کرتا ہے۔ یا پھر اس کی نفسانی حالت اتنی تباہ ہو جاتی ہے کہ وہ کسی امر نیک کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ شرک ہزار بیماریوں کی ایک بیماری ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق سب کے سب انسانیت کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔

شعائر اللہ سے مراد اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں جیسے بدنہ (قربانی کا اُونٹ) شعائر اللہ میں سے ہے صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ جو ان کی تعظیم کرتا ہے وہ اپنے دل کی پاکیزگی کا ثبوت دیتا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن
بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ

الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ
مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾

ہم نے ہر امّت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی خدا نے ان کو عطا کیے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں۔ تمہارا معبُود تو خدائے واحد ہے تو اس کے فرماں بردار بن جاؤ۔ (اے رسول) ہمارے ان گڑگڑانے والے بندوں کو (بہشت کی) خوش خبری دے دو، جن کے سامنے جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو صبر کرتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ ہر قوم کے لیے خدا کی عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا گیا تھا اور ان سب میں خدا کی طرف رجوع کرنا لازم قرار دیا گیا ورنہ وہ عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔ کوئی امر خیر بھی ہو اگر اس کا مقصد خوشنودئ خدا نہیں تو وہ عبادت بیکار ہے۔ عبادت تو اسی کی ہونی چاہیے جس کا انسان بندہ ہے اگر وہ کسی کو اس کا شریک قرار دے کر عبادت کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے معبُود کو پہچانا ہی نہیں۔

یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو جانور حلال قرار دئے گئے ہیں وہ بلحاظ اپنے گوشت کی افادیت کے لیے حلال ہیں اگر وقتِ ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے تو گوشت کی خوبی میں کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں گوشت کی افادیت سے بحث نہیں بلکہ ذبح کرنے والا خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے یا نہیں۔ اس کی نیت بخیر ہے یا نہیں۔ وہ اللہ کے نام سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے یا نہیں جس نے اس کو یہ نعمت دی ہے اس کا وقتِ ذبح ذکر کرتا ہے یا نہیں۔ کیا یہ انتہائی ناشکری نہیں ہے کہ نعمت کے وقت منعم کا نام بھی نہ لیا جائے۔ اسلام میں تاکید ہے کہ جب کھانا کھانے بیٹھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کے بعد لقمہ منہ میں دو۔ اس لیے نہیں کہ خدا کا نام لینے سے کھانا زیادہ لذیذ ہو جائے گا بلکہ اس لیے کہ کھانے والے سے اللہ پر ایمان رکھنے کا ثبوت ملے گا۔ اس کا پتہ چلے گا کہ وہ خدائے واحد کے سوا کسی دُوسرے پر ایمان نہیں رکھتا۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو لینے والا سب کے سامنے یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ فلاں شخص نے مجھے دیا ہے اس سے اس کے شکر گزار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ کیا جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے وہ خدا کی ایک بڑی نعمت نہیں ہے۔ اگر خاص اُسی کی بخشی ہوئی ہے تو کیا وجہ اس کے ذبح کے وقت اس کا نام نہ لیا جائے۔

۵ آگے چل کر خدا نے ان خاص بندوں کو بہشت کی خوشخبری دی ہے جو چار صفتیں رکھتے ہیں۔

۱۔ جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں (تو بصورتِ نافرمانی اس کے عذاب کے خوف سے) ان کے دل سہم جاتے ہیں۔

۲۔ ہر مصیبت پر صبر کرتے ہیں یعنی خدا پر کسی حالت میں اعتراض نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہتے کہ خدا نے ہم پر ظلم کیا ہے یا ناانصافی کی ہے۔

۳۔ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ طبیعت میں کسل کو راہ نہیں دیتے۔ وقت نماز آجانے پر کسی اور کام کو اس پر ترجیح نہیں دیتے۔

۴۔ جو رزق اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں خدا کے محتاج بندوں کو بھی شریک سمجھتے ہیں اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ صفات انفرادی طور اور لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر اور بہترین صورت میں ان کے مصداق اہلبیتِ رسولؐ ہیں جنہوں نے کسی موقع پر اپنے نفس کی کمزوری ظاہر نہیں کی خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ وضو کرتے وقت اور نماز ادا کرتے وقت قرآن میں آیاتِ عذاب پڑھتے وقت ان کے بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی گویا ایک جلیل القدر بادشاہ کے سامنے ایک گنہ گار غلام کھڑا ہے۔ بڑے بڑے جانفرسا مصائب کا اُنہیں سامنا ہوا۔ اُن کے حقوق غصب کیے گئے اُن کی میراث ضبط کی گئی۔ اُنہیں قید و بند کی اذیتیں دی گئیں مگر انہوں نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ نماز کی پابندی کا یہ عالم کہ میدانِ جنگ میں جبکہ دشمن ہر طرف سے تیروں کی بارش کر رہا تھا وہ مُصلّہ بچھا کر نماز کا وقت آنے پر نماز پڑھنے لگتے تھے۔ خدا کی راہ میں دینے کا یہ عالم کہ اپنے گھر میں سامانِ دنیا سے کوئی چیز ذخیرہ نہ کی۔ جو ملا راہِ خدا میں دے دیا۔ خود فاقے کیے مگر کسی کا بھوکا رہنا گوارا نہ کیا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا
الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لَنْ
يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ

لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ
وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿٣٩﴾

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں قرار دیا ہے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے پھر انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو (نحر کرو) جب ان کے دست و بازو کٹ کر زمین پر گریں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت پیشہ فقیروں اور مانگنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے یوں ان جانوروں کو تمہارا تابع کر دیا کہ تم شکر گزار رہو۔ خدا تک نہ تو ان کے گوشت پہنچیں گے اور نہ ان کے خون البتہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچے گی۔ ان جانوروں کو اس لیے تمہارے قابو میں کر دیا ہے کہ جس طرح خدا نے تمہیں ہدایت کی ہے اسی طرح اس کی بڑائی کرو اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری دے دو بے شک اللہ ایمانداروں سے کفار کو دفع کرتا رہتا ہے۔ خدا کسی بد دیانت ناشکرے کو دوست نہیں رکھتا۔ جن مسلمانوں سے کفار لڑا کرتے تھے (چونکہ بہت ستائے گئے) لہٰذا ان کو بھی جہاد کی اجازت دے دی گئی اور خدا ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

بُدنہ اس موٹے تازے اُونٹ کو کہتے ہیں جو موسم حج میں قربانی کے لیے لے جاتے ہیں۔ اُسے خدا نے شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ جب قربانی کے لیے لے جاتے ہیں تو اس کے بدن کا کچھ خون لے کر اس کے اگلے حصّہ پر مل دیتے ہیں تاکہ یہ شناخت رہے کہ یہ قربانی کا اُونٹ ہے۔

صواف کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اگلے دونوں پیر باندھ کر پھر اس کے حلقوم میں نیزہ مارا جائے تاکہ خوب خون بہہ نکل جائے۔ جب وہ گر پڑے اور اس کی تڑپ جاتی رہے تب اس کے اعضا کھال اُتارنے کے بعد علیحدہ کیے جائیں۔ اس قربانی سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس کے گوشت۔ کھال اور ہڈی اور اُون سے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ بتوں کے سامنے جو قربانی کی جاتی ہے اس کا ایک تہائی حصّہ خدا کو ملتا ہے۔ انہی کی تردید میں خدا فرما رہا ہے کہ تمہاری اس قربانی کا کوئی حصّہ خدا تک نہیں پہنچتا نہ گوشت نہ خون بلکہ وہ تمہارے تقویٰ اور پرہیزگاری کی جانچ کرتا ہے۔ خدا نے ان مویشیوں کو تمہارا تابعدار بنا دیا ہے۔ تم ان پر سوار ہوتے ہو۔ ان سے باربرداری کا کام لیتے ہو۔ ان کی اُون سے فائدہ اُٹھاتے ہو۔ چنانچہ تمہاری بہت سی خدمتیں انجام دیتے ہیں۔

لہٰذا ان کو عزیز رکھتے ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم ہماری خوشنودی کے لیے ان کو قربان کرتے ہو یا نہیں۔ اس قربانی کے بعد تمہیں بھی اور تمہارے محتاج بھائیوں کو بھی بہت سا گوشت کھانے کو ملتا ہے جو عام دنوں میں اتنا میسر نہیں آتا۔

یہ قربانی صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں رکھی گئی جو فریضۂ حج ادا کریں بلکہ ہر اس مسلمان پر فرض کی گئی جو کسی بھی خطۂ زمین پر آباد ہو۔ تاکہ اگر وہ فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تو حج کرنے والے مسلمانوں کے اس فریضہ میں تو شرکت کر سکے۔ اور مویشیوں کی جو نعمت خدا نے دی ہے اس کا کم از کم سال میں ایک بار تو شکریہ ادا کر لیا کرے۔ یہ ایسا ضروری قرار دیا گیا کہ قربانی کے بجائے اس کی قیمت دینے کا حکم نہیں۔ نیز یہ کہ موسم حج میں جب تک قربانی نہ کرے احرام کا لباس نہیں اتار سکتا۔

یہ قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کی یادگار بھی ہے چونکہ ایک عظیم الشان واقعہ تھا، باپ کا بیٹے کے ذبح پر تیار ہونا معمولی بات نہ تھی لہٰذا قدرت نے اس قربانی کی یاد باقی رکھنے کے لیے تاکیدی حکم دیا۔ جس طرح قدرت اس واقعہ کی یاد باقی رکھنا چاہتی ہے اسی طرح کربلا میں جو ذبح عظیم ہوا اس کی یادگار بھی انشاء اللہ دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس واقعہ کو بھلانے کے لیے سلطنتوں نے بڑے بڑے زور صرف کیے لیکن جسے خدا باقی رکھنا چاہے اسے کون مٹا سکتا ہے۔ چنانچہ آج تک عزاداری شہدائے کربلا باقی ہے۔ ذبح اسمٰعیلؑ کی یاد صرف ایک دن منائی جاتی ہے اور واقعۂ کربلا کی یاد سال کے ہر حصہ میں ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے اس کو ذبح عظیم کہا گیا ہے۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا
دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ
وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

ایسے لوگ بھی ہیں جو ناحق صرف اس بات کے کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے

اور اگر خدا لوگوں کو ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے دُور دفع نہ کرتا رہتا تو گرجے یہودیوں کے عبادت خانے اور مجوسی کے معبد اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کب کے ڈھا دیئے گئے ہوتے اور جو شخص خدا کی مدد کرے گا خدا بھی اس کی مدد ضرور کرے گا۔ بے شک خدا زبردست غالب ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دے دیں تو بھی یہ لوگ پابندی سے نمازیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے اور یوں تو سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

جب تک مسلمان مکہ میں رہے ان کو صبر و ضبط کی تعلیم تھی۔ بیچارے طرح طرح کی اذیتیں جھیلتے رہے لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا اور وہاں سے کچھ مسلمان نکلے تو مشرکوں نے اُن پر بڑے ظلم و ستم کیے۔ صہیبؓ کا سارا مال چھین لیا۔ بمشکل بدن پر کپڑے لے کر مکہ چھوڑا۔ اُمّ سلمہ ارمانؓ کے شوہر ابو سلمہؓ جب چلنے لگے تو اُمّ سلمہ کے خاندان والوں نے اُم سلمہؓ کو روک لیا اور ابو سلمہؓ سے کہا تم جا سکتے ہو تمہاری بی بی جو ہمارے قبیلہ کی ہے نہیں جا سکتی۔ اسی طرح جس نے نکلنا چاہا مشرک مانع آتے، حتیٰ کہ ماؤں کی گود سے بچے چھین لیتے۔ ۲ھ میں حضرت رسولؐ خدا کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ اس وقت مدینہ میں مہاجر و انصار مل کر ایک ہزار سے زیادہ نہ تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ پھر سامانِ جنگ بھی ان کے پاس نہ تھا۔ مشرکوں کے پاس بڑی قوت تھی۔ مکہ والوں کے علاوہ اردگرد کے تمام قبائل اُن کے حلیف تھے پھر اُنہوں نے یہودیوں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ وہ اس غرور میں چھکے ہوئے تھے کہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے سامنے ہیں کیا۔ جب تلوار لے کر اُٹھیں گے چٹکی بجاتے خاک میں ملا کر رکھ دیں گے۔ لیکن انہوں نے جنگِ بدر کے پہلے ہی موقع پر دیکھ لیا کہ خدا نے کس طرح مسلمانوں کی مدد کی اور مشرکین کی ناکیں کس طرح رگڑی گئیں۔ اس میں شک نہیں اگر مشرکین مسلمانوں پر پہلی ہی لڑائی میں غالب آ جاتے تو ان کے ہاتھوں وہ تمام عبادت خانے مسمار ہو جاتے جہاں اللہ کا نام لیا جاتا تھا اور ان سب معبدوں کو بُت خانہ بنا دیا جاتا۔

اس آیت کے مصداق بعد میں امام حسین علیہ السلام قرار پائے جن کو یزیدی دَور میں بے جرم و خطا مدینہ سے نکالا گیا۔ اگر واقعۂ کربلا پیش نہ آتا تو یزید بھی تمام عبادت خانوں کو مسمار کرا کر بُت خانہ بنا دیتا کیونکہ شرک اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا اور وہ دَورِ جاہلیت کو پلٹانا چاہتا تھا۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَ
قَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

فاملیت للکفرین ثم اخذتهم فکیف کان نکیر ﴿۴۴﴾ فکاین من
قریة اهلکنها وهی ظالمة فهی خاویة علی عروشها وبئر
معطلة وقصر مشید ﴿۴۵﴾

(اے رسول) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو تم سے پہلے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم ابراہیم و لوط و مدین والوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا اور موسیٰ کو جھٹلایا تھا۔ ہم نے کافروں کو مہلت دے دی تھی پھر ہم نے ان کو دھر پکڑا پس کیسا عذاب تھا۔ بہت سی بستیاں ظلم پسند تھیں پس ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی تھیں اور کنویں بیکار ہو گئے تھے اور کتنے مضبوط محل ویران تھے۔

افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان
یسمعون بها فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی
فی الصدور ﴿۴۶﴾ ویستعجلونک بالعذاب ولن یخلف الله وعده
وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون ﴿۴۷﴾

کیا لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل حق بات کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے اور ان کے کان حق بات کو سُننے لگتے۔ ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ اُن کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ تم سے عذاب میں جلدی چاہتے ہیں اور خدا نے جو (عذاب کا) وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتا لیکن اس کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں جاکر قوموں کی تباہی و بربادی کے حالات سُنیں اور

ان کی تباہ شدہ بستیوں کو دیکھیں تو ان کو پتہ چلے کہ خدا کے نافرمان بندوں کو کیا سزا ملا کرتی ہے اور جب کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو اس آبادی کی حالت کیسی تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ آنکھوں کے اندھے تو نہیں کہ ان بربادیوں پر اُن کی نظر نہ جاتی ہو مگر اسے کیا کہیے کہ ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ دیکھتے سب کچھ ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں۔

اے رسولؐ، جس عذاب سے تم ان لوگوں کو ڈراتے ہو تو اس کے آنے میں جلدی مچانے لگتے ہیں تاکہ تمہاری سچائی کا اندازہ کر سکیں۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کا حساب بھی ہماری ہی جنتریوں اور کیلنڈروں جیسا ہے کہ جو وعدہ کیا ہے وہ دو چار روز ہی میں پورا ہو جانا چاہیئے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کا وعدۂ عذاب اس کے الوہی حساب سے ہے اور تمہارے وعدے تمہارے حساب سے ہوتے ہیں۔ اس کے یہاں ایک دن تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر وہ ایک دن کا وعدہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ایک ہزار سال کے اندر جب چاہے پورا کر سکتا ہے۔ دو برس میں چار برس میں دس برس میں یا بیس برس میں، وہ ہو گا ایک ہی دن کے اندر۔ عذاب کا جو وعدہ ہے وہ پورا ضرور ہو گا۔

عذاب میں مہلت اس لیے دی جاتی ہے کہ شاید یہ لوگ سمجھ جائیں۔ اس لیے رسولؐ بار بار ان کو ہدایت کرتے ہیں۔ ان کی عقلوں سے پردے ہٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ اگر عذاب میں جلدی کی جاتی تو یہ ایمان والے بھی اس کی زد میں آجاتے۔ اس کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب اور کتنے لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

وکاین من قریة املیت لها وهی ظالمة ثم اخذتها والی
المصیر ﴿۴۸﴾ قل یایها الناس انما انا لکم نذیر مبین ﴿۴۹﴾ فالذین ع ۶ ۱۰ ۱۲
امنوا وعملوا الصلحت لهم مغفرة ورزق کریم ﴿۵۰﴾ والذین
سعوا فی ایتنا معجزین اولئک اصحب الجحیم ﴿۵۱﴾ وما
ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن
فی امنیته فینسخ الله ما یلقی الشیطن ثم یحکم الله ایته
والله علیم حکیم ﴿۵۲﴾

بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کے باشندوں کو مہلت دی ہوئی ہے درآنحالیکہ وہ سرکش تھے
پھر میں نے ان کو لے ڈالا اور ان کی بازگشت میری ہی طرف ہے (اے رسول) تم لوگوں سے کہہ دو
میں تم کو صاف طریقہ سے ڈرانے والا ہوں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے
لیے مغفرت ہے اور (جنّت کا) رزق کریم ہے۔ اور جن لوگوں نے آیات کے (جھٹلانے کے
بارہ میں) ہم کو عاجز کرنے کی کوشش کی وہ جہنمی لوگوں میں سے ہیں۔ اے رسول تم سے پہلے ہم
نے جس رسول یا نبی کو بھیجا جب انہوں نے (تبلیغ احکام کی) آرزو کی تو شیطان نے خلل ڈال دیا
جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اللہ اُسے ملیامیٹ کر دیتا ہے پھر خدا اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے اور
اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔

خدا نے اپنی حجت تمام کرنے کے لیے بہت سی بستیاں ایسی تھیں جن پر عذاب کو نازل کرنے میں ڈھیل
دی حالانکہ اُس کے باشندے سرکشی دکھا رہے تھے۔ یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ شاید سنبھل جائیں اور ایمان لے آئیں
مگر جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر وہ عذاب سے بچ کہاں سکتے تھے۔ جو لوگ خدا کی آیات کی تکذیب کر کے
خدا کو عاجز دکھانا چاہتے تھے وہ یقیناً جہنمی ہیں۔ اُس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے بعد رسولؐ کی تسلی
کے لیے فرمایا کہ تم سے پہلے بھی انبیاء و مرسلین آئے۔ جب انہوں نے چاہا کہ تبلیغ دین کریں شیطان نے لوگوں
کو بہکایا اور ان کی اُس آرزو کے پورا ہونے میں آڑے آگیا لیکن اس کی یہ کارستانی کامیاب نہ ہوئی۔ جو
وسوسے اس نے پیدا کیے تھے اللہ نے لوگوں کے دلوں سے وہ مٹا دیئے اور اپنی آیات کا نقش لوگوں
کے دلوں پر جما دیا۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ
الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ (۵۳) وَّلِيَعْلَمَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ
لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵۴)
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ (۵۵) اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ
لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ (۵۶)

(یہ شیطان اس لیے وسوسے ڈالتا ہے) تاکہ جن لوگوں کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں
ان کو اپنے وسوسوں سے ڈرا کر فتنہ کا باعث بنا دے اور یہ مشرکین پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑے
ہوئے ہیں اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے (وحی) حق ہے
پس اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں
بے شک خدا ان کو صراطِ مستقیم تک پہنچا تا رہتا ہے۔ کافر لوگ اس قرآن کی طرف سے ہمیشہ شک
ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت یکایک ان کے سر پر آموجود ہو یا منحوس دن ان کو
آلے سلطنت تو اس دن (قیامت میں) اللہ ہی کی ہوگی وہ لوگوں کے درمیان حکم کرے گا پس
ایمان لانے والے اور عملِ صالح کرنے والے نعمتوں سے بھرے باغوں میں ہوں گے۔

کہا یہ جا رہا ہے کہ جب کوئی نبی امرِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو
پوری ہونے میں خلل انداز ہوتا تھا۔ ایک گروہ نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان نبی یا رسول کے دل میں وسوسہ
ڈال کر خلل انداز ہو جاتا تھا۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ نبی یا رسول پر شیطان کا قابو چلتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں
آیت کے الفاظ تو صاف یہی بتا رہے ہیں کہ جب انبیاء و مرسلین یہ چاہتے تھے کہ سارا جہان خدا کی توحید پر
ایمان لے آئے تو شیطان چاہتا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی ایمان نہ لائے وہ لوگوں کو بہکانے میں لگ جاتا تھا۔
جن لوگوں کے دل میں کفر کی بیماری تھی یا جن کے دل ہدایت قبول کرنے میں پتھر جیسے سخت ہو گئے تھے۔ وہ
شیطان کے بہکائے میں آ ہی جاتے تھے۔ لیکن خدا اپنے نبی و رسول کی آرزو کو پورا کرتا ہے اور ان کو اپنے
مساعی جمیلہ میں کامیاب ہونے کا موقع دیتا ہے۔

یوم عقیم۔ عقیم کے معنی بانجھ کے ہیں پس یا تو اس یومِ عقیم سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں
تعلقات کے سلسلے منقطع ہو جائیں گے یا روزِ بدر کی جنگ مراد ہے کہ باوجود مسلمانوں کی کمزوری کے کفار
کے لیے وہ بہت زیادہ سخت دن تھا۔

ع ۹ ۱۴ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع
وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ
رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا
يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ج وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ
مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑا پھر قتل کیے گئے یا اپنی موت مر گئے تو خدا انہیں آخرت میں بہتر روزی عطا کرے گا اور بے شک اللہ تمام رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور خدا بے شک جاننے والا بردبار ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ جو شخص اپنے دشمن کو اتنا ہی ستائے جتنا وہ اس کے ہاتھوں ستایا گیا ہے (تو ٹھیک ہے) اس کے بعد پھر (دشمن کی طرف سے) زیادتی ہو تو بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک وقت وہ تھا سب بیچارے مسلمان مشرکوں سے ان کے ظلم و ستم کا کوئی بدلہ نہ لے سکتے تھے پھر اللہ نے وہ دن بھی دکھایا کہ مدینہ میں آکر ان کی طاقت بڑھی اور وہ ظالموں سے بدلہ لینے کے قابل ہوئے۔ خدا فرماتا ہے بدلہ لو مگر اس طرح کہ جو کچھ عمل وہ تمہارے ساتھ کریں اتنا ہی تم ان کے ساتھ کرو۔ اگر انہوں نے تمہارے اوپر تلوار کا ایک وار کیا ہے تو تم بھی ایک ہی وار کرو۔ اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہے تو تم بھی اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اگر وہ دوبارہ بغاوت کریں گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر معاف کر دو تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ تمہارا خدا درگزر کرنے اور بخشنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ آخر میں اچھا نکلتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام پر جب مسجد کوفہ میں ابن ملجمؒ نے تلوار کا وار سرِ اقدس پر کیا تھا تو آپؑ نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میں زندہ رہا تو خود اس سے انتقام لوں گا اور اگر نہ رہا تو تم جو کچھ اس نے

کیا ہے اتنا ہی تم بھی کرنا اس سے زیادہ نہیں یعنی ایک وار ہی تم بھی کرنا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

(یہ بدلہ اس لیے ہے کہ خدا نظامِ عالم کا چلانے والا قادرِ مطلق ہے) وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور بے شک اللہ بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے اور اس لیے بھی خدا ہی برحق ہے۔ خدا کے سوا لوگ جس کو دعا میں پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اللہ ہی سب سے بلند و بزرگ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ز فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ
ع ۸ ۱۵ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى
الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ
الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ز ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

(اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جب خدا آسمان سے مینہ برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ مہربان اور خبردار ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور بے شک اللہ غنی اور قابلِ حمد ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ہر اس چیز کو جو روئے زمین پر ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اسی کے حکم سے دریا میں کشتی چلتی ہے اور وہی تو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے جب اس کا حکم ہوگا (گر پڑے گا) بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہی تو ہے جس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں مار دیتا ہے پھر تمہیں زندہ کر دے گا۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔

وہ مشرکین کو بتا رہا ہے کہ تم اس خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے ہو جس کی قدرت سے دنیا کا یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے سوا کون ہے جو مینہ برسا کر اجڑی ہوئی زمین کو پھر لہلہا دیتا ہے۔ وہی تو سب پر مہربان ہے اور تمہاری کیا ساری کائنات کی ایک ایک بات سے خبردار ہے۔ آسمان و زمین میں جتنی مخلوق پائی جاتی ہے سب اس کی پیدا کردہ ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ اُسے کسی کی پروا نہیں سب اس کی حمد کرتے ہیں۔ کیا تمہاری آنکھیں پھوٹ گئیں تمہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ روئے زمین کی تمام چیزوں کے جو تم مالک بنے بیٹھے ہو کس نے ان کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے۔ کیا بغیر اس کے حکم کے تم ان پر حاکمانہ تصرّف رکھ سکتے تھے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے حکم سے کشتیاں اور جہاز کس طرح پانی پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ نظر نہیں آتا کہ یہ آسمان زمین پر کیسے رکا ہوا ہے اور یہ تمام سیارے یہ تمام ستارے جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں کس طرح اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں اور زمین پر گرتے نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی گر پڑتا تو تمہاری ساری زمین بھسم ہو کر رہ جاتی۔ یہ اسی کی مہربانی ہی تو ہے کہ تم سُکھ چین سے زمین پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہو۔ ایک وقت تھا کہ تم نہ تھے۔ اسی نے اپنے لطف و کرم سے تمہیں پیدا کیا، نیست سے ہست ہوئے اگر وہ ہمیشہ تمہیں عدم کی تاریکی میں رکھتا تو تمہارا کیا حق تھا کہ عدم سے وجود میں آتے۔ وہ صاحبِ اختیار ہے پھر تمہیں مار دے گا اور قیامت میں پھر تمہیں زندہ کر دے گا۔

انسان بڑا ناشکرا ہے باوجود ان سب چیزوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے پھر اسے نہیں مانتا اور اسے چھوڑ کر بتوں کو خدا سمجھتا ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ
وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ

فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا
كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

ہم نے ہر اُمّت کے لیے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتے ہیں پس اُنہیں (دینِ اسلام کے احکام میں) تم سے جھگڑا نہ کرنا چاہیئے اور اے رسول تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو بُلاتے ہی رہو بے شک تم سیدھے راستہ پر ہو اگر وہ اس پر بھی تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ قیامت کے دن جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے ہو اللہ تمہارے درمیان ان کا فیصلہ کر دے گا۔ (اے رسول) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب جانتا ہے اور یہ سب باتیں لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے۔

مَنسک کے بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے قربانی مراد لی ہے اور اس کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ بدیل بن ورقا اور بشیر بن سفیان نے جو قبیلہ خزاعہ سے تھا مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ تمہاری بھی عجیب حالت ہے جس جانور کو اپنے ہاتھ سے مارتے ہو اس کو تو کھاؤ اور جس کو خدا نے مارا ہو اس کو نہ کھاؤ۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے جس کا جو طریقہ ہے اس پر عمل کرے باقی رہی اس کی مصلحت تو ہر شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کنہ اور حقیقت سمجھائی جائے کیونکہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جاتا ہے اور مردار میں یہ بات نہیں دوسرے مردار کے کھانے میں طبّاً بہت سے نقصانات ہیں۔ مگر عرب کے جاہل ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان مصالح سے واقف ہوتے اس وجہ سے ایسا جواب دیا گیا (منقول از حاشیہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب)۔

بعض نے منسک کے معنی طریقۂ عبادت لیے ہیں۔ یعنی ہر قوم کا طریقِ عبادت جداگانہ۔ بعض نے شریعت مراد لی ہے۔ یہاں طریقۂ عبادت ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ مشرکین و کفار چاہے تمہاری کتنی ہی مخالفت کریں مگر تم اپنا کام کیے جاؤ۔ تم سیدھے راستہ پر ہو لہٰذا انہیں کبھی اپنی تبلیغ میں کمزوری محسوس نہ ہوگی جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ

عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ
بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ
اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ان کو کوئی سند نہیں ملی اور نہ اس کے حق ہونے کا خود انہیں علم ہے۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں سے ناخوشی کے آثار دیکھتے ہو (ایسا معلوم ہوتا ہے) کہ عنقریب یہ ان لوگوں پر جو ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں حملہ کر بیٹھیں گے۔ تم ان سے کہہ دو کیا میں اس سے بھی بدتر چیز بتا دوں۔ وہ جہنم ہے جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ خدا نے کسی کتاب میں ایسا حکم بھیجا ہے کہ تم میرے ساتھ عبادت میں ان کو بھی شریک کر لو، کسی نبی نے کسی زمانہ میں ایسا بتایا تھا کہ یہ بت بھی خدا کے ساتھ عبادت میں شریک ہیں یا کوئی عقلی ثبوت تمہارے پاس ہے کہ یہ عبادت کے لائق ہیں؟ جب یہ کچھ بھی نہیں تو پھر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جب تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو غصہ میں کیسا منہ بناتے ہو اور ان لوگوں پر جو آیات پڑھتے ہیں حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہو لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری اس گستاخی کی سزا کیا ہے۔ وہ جہنم ہے جس سے بری کوئی جگہ ہو نہیں سکتی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾

لوگو، ایک مثل بیان کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو۔ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو تو یہ لوگ اگر سب کے سب بھی جمع ہو جائیں تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو اسے چھڑا نہیں سکتے (عجیب لطف ہے کہ) مانگنے والا (عابد) اور جس سے مانگا گیا (معبود دونوں) کمزور ہیں۔ خدا کی قدر جیسی کرنی چاہیئے ان لوگوں نے نہ کی اس میں شک نہیں کہ خدا زبردست غالب ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے بعض کو اپنے احکام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے اسی طرح آدمیوں میں سے بھی۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے تو یغوث بت تھا اور دائیں بائیں جانب یعوق و نسر نامی بت تھے۔ کفار جب خانہ کعبہ کے اندر جاتے تو پہلے یغوث کے سامنے سجدہ کرتے اس کے بعد اور بتوں کو اس کے بعد تلبیہ کرتے اپنے ساتھ مشک و عنبر اور شہد لاتے وہ ان بتوں پر مل دیتے تھے مکھیاں دنا دن ان پر آتیں اور سب چاٹ جاتیں نہ تو بت ان کو اپنے سے دفع کر سکتے اور نہ ان کے پجاری۔ بہت اڑاتے مگر وہ کہاں اڑنے والی تھیں۔ غرض پجاری اور بت دونوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ جو بت اتنا بھی نہیں کر سکتے ان میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ ایک چھوٹی سی مکھی بنا دیں۔ جب یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو پھر عقل ان کا معبود ہونا کیسے گوارا کر سکتی ہے۔ یہ بتوں کے خدا نہ ہونے کا ایسا واضح ثبوت ہے کہ بت پرستوں کو ڈوب مرنا چاہیے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدۃ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ

اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ
اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ
الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۶/۱۷

خدا جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور پیچھے ہے سب کو جانتا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم بہتری حاصل کرو۔ اور راہِ خدا میں ڈٹ کر جہاد کرو اس نے تم کو منتخب کیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (دین) ہے اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے ہی سے اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں اور تم عام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔ اور تم پابندی سے نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا کے احکام کو مضبوطی سے پکڑو وہی تمہارا دوست ہے اور کیسا اچھا سرپرست ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

جاھدوا حقّ جھادہٖ کے متعلق مفسرین نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرو اور ہر نیکی کی طرف قدم اٹھانے میں کسل سے کام نہ لو۔ تلوار اور نیزہ سے لڑنے کی نسبت یہ جہاد بہتر ہے۔ جہادِ اکبر اسی کا نام ہے۔ اگر اس جہاد سے مراد تلوار ہی سے لڑنا ہو تو یہ حکم عام نہ رہے گا۔ بلکہ ان ہی کے لیے ہوگا جو ہتھیار بدن پر سجا کر لڑ سکتے ہیں۔ لیکن رکوع و سجدہ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی عام ہونا چاہیے۔

ملّتِ ابراھیمؑ۔ اگرچہ دینِ اسلام آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک برابر چلا آرہا تھا اور تمام انبیاء اسلام ہی کی تعلیم دیتے چلے آئے تھے لیکن قرآن میں خصوصیت سے ملتِ ابراہیمؑ کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء میں صرف حضرت ابراہیمؑ ہی ایسے تھے جن کو یہودی، نصرانی، ستارہ پرست اور آتش پرست

سب مانتے تھے۔ دوسرے جتنی ملتیں ہیں وہ سب حضرت ابراہیمؑ کے بعد بنیں لہٰذا ملتِ ابراہیمؑ کو سب پر اوّلیت حاصل ہے۔

ملّت کی جمع مِلل ہے جو ادیان اہلِ کتاب کے ہیں وہ مِلل کہلاتے ہیں اور جو اہلِ کتاب نہیں وہ نِحل کہلاتے ہیں دونوں کو ملا کر اربابِ مِلل و نِحل کہا جاتا ہے۔

---

٢٣ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ٧٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ② وَ
الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ⑪

وہی ایمان لانے والے فلاح پانے والے ہوتے ہیں جو خضوع و خشوع سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جو لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا زرخرید لونڈیوں سے پرہیز نہ کرنے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جو شخص کسی اور طریقہ سے (ازراہِ شہوت پرستی) ایسا کرے تو یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور اپنی نمازیں پابندی سے پڑھا کرتے ہیں یہی لوگ سچّے وارث ہیں جو بہشت بریں میں حصّہ لیں گے اور ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

کیا کہنا ان مؤمنوں کا جن کے اندر یہ صفات پائی جائیں۔ اصل میں جنّت کے وارث یعنی صاحبانِ استحقاق یہی لوگ ہیں۔ محمد بن محمود قزوینی شافعی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے اور رسُول اللہ آپؑ کو دیکھنے کے لیے کعبہ میں آئے تو حضرت علیؑ رسُول اللہ کو دیکھ کر مسکرائے اور عرض کی السّلام علیکم یا رسُول اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ اور آپؐ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پڑھنا شروع کیا۔ حالانکہ قرآن اس وقت تک نازل بھی نہ ہوا تھا۔ اور سورۂ مؤمنون کو شروع سے "خالدون" تک تلاوت کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تمہاری وجہ سے ان مومنین نے رستگاری حاصل کی۔

مؤمن ہونا۔ یعنی اللہ اور رسُولؐ اور اہلبیّت رسولؐ کی دل سے تصدیق کرے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور رسولؐ اور اہلبیّتِ رسولؐ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر صرف اللہ اور رسولؐ پر ایمان لایا ہے تو وہ مسلمان کہلائے گا مؤمن نہیں۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلامی کلمہ ہے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰهِ کہنا ایمانی کلمہ ہے۔

خٰشِعُوْنَ سے یہ مطلب ہے کہ نماز کو خدا کی خوشنودی کے لیے پوری توجہ کے ساتھ پڑھے اپنا خیال اِدھر اُدھر نہ لے جائے۔ یہ سمجھ کر مشغولِ نماز ہو کہ میں ایک بادشاہِ جلیل القدر کے سامنے کھڑا ہوں جو ہر چیز کا مالک اور ہر شے پر قادر ہے میں اسی کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔

لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ یعنی اللہ نے جو رزق اپنے لطف و کرم سے دیا ہے اس میں سے شرائطِ زکوٰۃ پیدا ہونے کے بعد مطابقِ نصاب زکوٰۃ مال نکالے اور اس کے مستحقوں کو دے۔

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ یعنی سوائے اپنی بی بیوں اور کنیزوں کے جن سے مباشرت حلال ہے اور کسی کے سامنے اپنی شرمگاہ کو برہنہ نہ کرے۔ یہاں سے زنا کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح لواطت بھی حرام ہے البتہ اگر کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ ڈاکٹر یا طبیب کو بغیر دکھلائے علاج ممکن نہ ہو تو دکھا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی ستر کو کھولے گا تو وہ گنہ گار ہوگا۔

مؤمن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی شے امانت رکھی جائے مؤمن کی ہو یا کافر کی، تو اس میں خیانت نہ کرے یعنی اس میں کوئی تصرّف اپنے لیے نہ کرے اور وہ امانت عند الطلب بدستور امانت رکھنے والے کے سپرد کر دے۔

اسی طرح جو وعدہ کسی سے کیا ہے اس کا پوری طرح خیال رکھے اور اس کو حتی الامکان بروقت پورا کرے ٹال مٹول کو روا نہ رکھے۔ بغیر کسی معقول وجہ کے نقضِ عہد پر آمادہ نہ ہو۔

اسی طرح اپنی نماز کی حفاظت کرے یعنی اُسے بحالتِ اختیاری کسی حالت میں ترک نہ کرے اور ہر نماز کو اوقاتِ معیّنہ پر بجا لائے۔ اور اس کے ارکان کو صحیح طور سے ادا کرے۔

ان سب احکام کا بجا لانے والا جنّت کا مستحق ہوگا۔ بلکہ مالکِ جنّت ہوگا اور اُس میں ہمیشہ رہے گا۔ ان میں سے جس حکم کی بجا آوری میں جتنی کمی ہوگی اسی قدر اس کے ایمان میں نقص ہوگا اور اسی کے لحاظ سے اس کے اجر میں کمی واقع ہوگی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ
قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا
اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اُسے نطفہ کی شکل دے کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا پھر نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اُسے ایک نئی صُورت دے کر کھڑا کیا پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے بعد پھر تم مردہ بن جاؤ گے۔ پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

یُوں تو خدا نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں سب اس کی قدرتِ کاملہ اور صنعتِ بے مثال کے شاہکار ہیں کس میں طاقت ہے کہ ان کے اسرار کو سمجھ سکے لیکن خلقتِ انسانی ان سب سے بالاتر ہے۔ کس کے تصور میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیم برحق نطفہ کی ایک سڑی ہوئی بوند سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرتا ہے جو اشرف المخلوقات کہلائی جاتی ہے۔ اور تمام دنیا جس کی تسخیر میں دے دی جاتی ہے۔ ابتدا کو دیکھو اس کی حقیقت کیا تھی پھر رفتہ رفتہ جو عمارت

اس پر بلند ہوئی اور جو قوتیں اس کو عطا کی گئیں کس کی طاقت ہے کہ ان کے حقائق کو سمجھ سکے کہاں مٹی کہاں وجود انسانی جو تمام دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ جس چیز پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ جھک جھک کر اسے سلام کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی طاقت و قوت کو تسلیم کرتی ہے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کرتی ہے۔ وہ روئے زمین پر ہر طرف چلتا پھرتا ہے۔ تلاطم خیز سمندروں میں تیرتا ہے ہواؤں میں اُڑتا ہے۔ پہاڑوں پر چڑھتا ہے۔ گویا سب چیزیں اس کے تحت حکومت ہیں۔ کائنات کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرتا ہے۔ ہر مخلوق کو چیر پھاڑ کر اس کی بند تہوں کو کھول کر اس کے وجود کا تجزیہ کر کے قدرت کے راز معلوم کرتا ہے۔ بازار عالم کی ایک ایک دوکان، دوکان کا ایک ایک گوشہ اسی کا سجایا ہوا ہے۔ کیا یہی وہ حقیر سی بُوند ہے جس کو ایک لذّتِ خاص کے تحت صلبِ مرد سے ایک عورت کے رحم میں اپنی حکمتِ کاملہ سے امانت رکھا گیا۔ یہ رنگ کا دھندلا سفید تھا چند روز بعد سُرخی جھلکی پھر خون کی ایک جمی ہوئی مخلوق بن گیا۔ پھر تخلیق کے درجات طے کرتا ہوا ایک روز بطنِ مادر سے باہر آ گیا۔ کون سی آنکھ تھی جس نے اسے بنتے دیکھا کون سی عقل تھی جس نے مدارجِ تخلیق کو سمجھا۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جثّہ ہے، ہاتھی جیسا ڈیل نہ شیر کی سی قوت۔ نہ پہاڑ سی بلندی نہ درخت کا سا پھیلاؤ۔ نہ سمندر جیسا تلاطم نہ آسمان جیسا محیط نہ زمین جیسی پہنائی۔ مگر باوجود کچھ نہ ہونے کے اس کے اندر سب کچھ ہے۔ اٹھارہ ہزار عالم کا عطر ہے۔ ساری مخلوقِ الٰہی کے جوہر اس کے اندر سمائے ہوئے ہیں گویا قدرت نے قطرہ میں سمندر کا دریا نہ لا ڈالا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَتَزۡعَمُ اَنَّکَ جِرۡمٌ صَغِیۡرٌ وَفِیۡکَ انۡطَوٰی عَالَمُ الۡاَکۡبَرُ
وَاَنۡتَ الۡکِتَابُ الۡعَظِیۡمُ الَّذِیۡ بِاَحۡرُفِہٖ یَظۡهَرُ الۡمُضۡمَرُ

"اے انسان کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو چھوٹا سا جُثّہ ہے حالانکہ ایک عالمِ اکبر تیرے اندر لپٹا ہوا ہے تُو حضرت اکی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے حرفوں سے بڑے بڑے راز ظاہر ہوتے ہیں"

ذرا اس کے بنائے ہوئے کارخانوں کو دیکھو ذرا اس کی چہل پہل پر نظر کرو۔ ایک ہاتھ اس کا آسمان پر ہے ایک ہاتھ زمین کی تہہ میں لیکن یہ سب چند روزہ بہار ہے۔ آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ موت کا زبردست شکاری اس کا گلا آ دبوچتا ہے۔ سارا طمطراق ہوا ہو جاتا ہے۔ ایک بے حس بے بس لاش ہے کہ زمین پر پڑی ہوئی ہے گلنے سڑنے کے لیے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا تھا اسی میں مل جانے کے لیے۔ اس کے بعد قیامت میں قدرت پھر اپنی صناعی دکھائے گی۔ اس کی خاک کے ہوا میں اڑتے ہوئے متفرق ذرّے جوڑ جاڑ کر پھر قبر سے ویسا ہی نکال کھڑا کرے گی جیسا ماں کے پیٹ کی قبر سے نکالا تھا۔ جس نے وہاں نہ کچھ سے کچھ بنایا تھا وہی قبر سے پھر نکال کر زندہ اٹھا رہا ہے۔ یہ کفن بردوش مخلوق دوڑتی ہوئی میدانِ حشر میں جا رہی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی زندگی میں جو جو کام کیے تھے اب ان کا حساب دے اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے۔

سُبحانہٗ ما اعظم شانہٗ

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا کُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ
غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡکَنّٰہُ فِی
الۡاَرۡضِ ٭ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ۚ فَاَنۡشَاۡنَا لَکُمۡ بِہٖ
جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ ۘ لَکُمۡ فِیۡهَا فَوَاکِهُ کَثِیۡرَۃٌ وَّمِنۡهَا
تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ۙ وَشَجَرَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَیۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ
لِّلۡاٰکِلِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ
بُطُوۡنِهَا وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ کَثِیۡرَۃٌ وَّمِنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۲۱﴾ۙ وَ
عَلَیۡهَا وَعَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲۲

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازہ کے ساتھ برسایا پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم تو یقیناً اس کے غائب کر دینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس پانی سے ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ ان سے تمہارے لیے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور طور سینا میں ایک درخت (زیتون) پیدا ہوتا ہے جس سے تیل بھی نکلتا ہے اور کھانے والے سالن بھی بنا کر کھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ چوپاؤں میں تمہارے لیے عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ (گھاس پات) ہے اس سے ہم تمہیں دُودھ پلاتے ہیں اور ان سے تمہیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے بھی ہو اور انہی جانوروں اور کشتیوں پر چڑھے چڑھے پھرتے بھی ہو۔

اس پر بلند ہوئی اور جو قوتیں اس کو عطا کی گئیں کس کی طاقت ہے کہ ان کے حقائق کو سمجھ سکے کہاں مٹی کہاں وجود انسانی
جو تمام دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ جس چیز پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ جھک جھک کر اسے سلام کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی
طاقت و قوت کو تسلیم کرتی ہے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کرتی ہے۔ وہ روئے زمین پر ہر طرف چلتا پھرتا ہے۔
تلاطم خیز سمندروں میں تیرتا ہے ہواؤں میں اُڑتا ہے۔ پہاڑوں پر چڑھتا ہے۔ گویا سب چیزیں اس کے تحت حکومت
ہیں۔ کائنات کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرتا ہے۔ ہر مخلوق کو چیر پھاڑ کر اس کی بند تہوں کو کھول کر اس
کے وجود کا تجزیہ کر کے قدرت کے راز معلوم کرتا ہے۔ بازار عالم کی ایک ایک دوکان، دوکان کا ایک ایک گوشہ
اسی کا سجایا ہوا ہے۔ کیا یہی وہ حقیر سی بوند ہے جس کو ایک لذتِ خاص کے تحت صلبِ مرد سے ایک عورت کے
رحم میں اپنی حکمتِ کاملہ سے امانت رکھا گیا۔ یہ رنگ کا دھندلا سفید تھا چند روز بعد سُرخی جھلکی پھر خون کی ایک جمی ہوئی
مخلوق بن گیا۔ پھر تخلیق کے درجات طے کرتا ہوا ایک روز بطنِ مادر سے باہر آگیا۔ کون سی آنکھ تھی جس نے اسے بنتے
دیکھا کون سی عقل تھی جس نے مدارجِ تخلیق کو سمجھا۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جثہ ہے، ہاتھی جیسا ڈیل نہ شیر کی سی قوت۔ نہ
پہاڑ سی بلندی نہ درخت کا سا پھیلاؤ۔ نہ سمندر جیسا تلاطم نہ آسمان جیسا محیط نہ زمین جیسی پہنائی۔ مگر باوجود کچھ نہ
ہونے کے اس کے اندر سب کچھ ہے۔ اٹھارہ ہزار عالم کا عطر ہے۔ ساری مخلوقِ الٰہی کے جوہر اس کے اندر سمائے
ہوئے ہیں گویا قدرت نے قطرہ میں سمندر کا دریا نہ لا ڈالا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ انْطَوٰى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ
وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْعَظِيْمُ الَّذِىْ بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

"اے انسان کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو چھوٹا سا جُثہ ہے حالانکہ ایک عالمِ اکبر تیرے اندر
لپٹا ہوا ہے تُو خدا کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے حرفوں سے بڑے بڑے راز ظاہر ہوتے ہیں"۔

ذرا اس کے بنائے ہوئے کارخانوں کو دیکھو ذرا اس کی چہل پہل پر نظر کرو۔ ایک ہاتھ اس کا آسمان پر ہے ایک
ہاتھ زمین کی تہہ میں۔ لیکن یہ سب چند روزہ بہار ہے۔ آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ موت کا زبردست شکاری اس کا
گلا آدبوچتا ہے۔ سارا طمطراق ہوا ہو جاتا ہے۔ ایک بے حس بے بس لاش ہے کہ زمین پہ پڑی ہوئی ہے
گلنے سڑنے کے لیے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا تھا اسی میں مل جانے کے لیے۔ اس کے بعد قیامت میں قدرت پھر
اپنی صناعی دکھائے گی۔ اس کی خاک کے ہوا میں اڑتے ہوئے متفرق ذرے جوڑ جاڑ کر پھر قبر سے ویسا ہی نکال
کھڑا کرے گی جیسا ماں کے پیٹ کی قبر سے نکالا تھا۔ جس نے وہاں نہ کچھ سے کچھ بنایا تھا وہی قبر سے پھر نکال کر
زندہ اٹھا رہا ہے۔ یہ کفن بردوش مخلوق دوڑتی ہوئی میدانِ حشر میں جا رہی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی زندگی میں
جو جو کام کیے تھے اب ان کا حساب دے اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے۔

سبحانہ ما اعظم شانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى
الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ
جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ
لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ
بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ
عَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۱/۲۲

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم نے
آسمان سے پانی ایک اندازہ کے ساتھ برسایا پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم تو یقیناً
اس کے غائب کر دینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس پانی سے ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور
انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ ان سے تمہارے لیے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے
بعض کو تم کھاتے ہو اور طورِ سینا میں ایک درخت (زیتون) پیدا ہوتا ہے جس سے تیل بھی نکلتا
ہے اور کھانے والے سالن بھی بنا کر کھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ چوپاؤں میں تمہارے
لیے عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ (گھاس پات) ہے اس سے ہم تمہیں دودھ پلاتے
ہیں اور ان سے تمہیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے بھی ہو
اور انہی جانوروں اور کشتیوں پر چڑھے چڑھے پھرتے بھی ہو۔

انسان کی خلقت کا حال بیان کرنے کے بعد اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اس کے نظام حیات کو برقرار رکھنے کے لیے ہم نے کیا کیا انتظامات کیے ہیں۔

آسمان کے سات راستے بنائے ہیں جن سے سات سیارے اپنی گردش میں گزرتے رہتے ہیں اور اس گردش میں ان کی شعاعیں ہر زاویہ کے لحاظ سے مختلف اثرات اہلِ زمین پر ڈالتی رہتی ہیں۔ ہم چونکہ اپنی مخلوق کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے اور ان کی ضروریات کو جانتے ہیں لہٰذا ان سیاروں کی گردش سے ان کی بہت سی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اگر یہ ایک جگہ قائم رہتے تو ان کی شعاعیں ایک ہی طرح کے اثرات ڈالتیں لیکن اب چونکہ مختلف سمتوں میں ان کا دورہ ہوتا ہے لہٰذا ہر سمت کے لحاظ سے ان کی شعاعوں کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور اُسے زمین کے اندر بھی محفوظ رکھا تاکہ کنوئیں کھودو تو وہ نکل کر تمہاری ضروریات پوری کرے اور اوپر کے حصہ میں دریاؤں، تالابوں، جوہڑوں اور گڑھوں میں محفوظ کر دیا تاکہ موسم برسات کے علاوہ بھی تمہاری ضروریات اس سے پوری ہوتی رہیں۔

تیسرے ہم نے پانی برسا کر زمین سے مختلف قسم کے درخت پیدا کیے جیسے کھجور اور انگور اور بہت سے میوے اور ان باغوں سے بہت سی چیزیں تم کھاتے ہو اور زیتون کے درخت اُگائے جن کی دراز عمریں ہوتی ہیں ان کے پھلوں سے تم تیل نکالتے ہو اور پتوں سے سالن بناتے ہو۔

چوتھے تمہارے فائدے کے لیے چوپائے پیدا کیے جن سے تم دودھ حاصل کرتے ہو اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ تم ان کا گوشت بھی کھاتے ہو۔ اور اُن پر اور کشتیوں پر سوار ہو کر دنیا بھر کا سفر کرتے ہو ذرا سمجھو اور غور کرو کہ ہم نے کیسے کیسے احسان کیے ہیں اس پر تم ہم ہی سے فرنٹ ہو اور ہمیں چھوڑ کر ہماری مخلوق کو معبود بناتے ہو۔ ذرا اسٹھو اور اپنی بے عقلی کا ماتم کرو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا، یہ شخص تو تم ہی جیسا بشر ہے یہ تم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو (رسول بنا کر) بھیجنا ہی ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے تو اپنے باپ دادا سے ایسا سنا نہیں۔ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ دیوانہ ہے پس تم ایک خاص وقت تک (اس کے انجام کا) انتظار کرو۔ نوح نے کہا اس وجہ سے کہ یہ لوگ مجھے جھٹلا رہے ہیں تو اے خدا میری مدد کر۔

حضرت ادریسؑ کے بعد حضرت نوحؑ تک جو قومیں ہوئیں انہوں نے چونکہ ایک مدت بغیر نبی کے گزاری تھی لہٰذا ان کو اس کا پتہ ہی نہ تھا کہ خدا آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ تو اس خبط میں مبتلا تھے کہ جو کچھ ہیں وہ بُت ہی ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت نوحؑ کو دیوانہ سمجھا کہ وہ بشر ہو کر خدا کے فرستادہ ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا
وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا
مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ
اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ
مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ
كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر ہم نے اُسے وحی کی کہ تم ہماری نگرانی میں ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ۔ پس جب ہمارا

عذاب آجائے اور تنور سے پانی اُبلنے لگے تو تم اس میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے (نر و مادہ) رکھ لو اور اپنے گھر کے لوگوں کو بٹھا لو مگر اُن کو نہیں جن کے غرق ہونے کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے اور جن لوگوں نے میرے حکم سے سرکشی کی ہے ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ کہو وہ تو ڈوب کر ہی رہیں گے پس جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں درست ہو بیٹھو تو کہو حمد کا سزاوار وہی اللہ ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی اور یہ بھی کہو کہ اے میرے پروردگار تو مجھے (کشتی سے) مبارک جگہ میں اتارنا اور تو تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ اس میں ہماری قدرت کی بے شک نشانیاں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہم کو تو بس اُن کا امتحان لینا منظور تھا۔ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم (ثمود) کو پیدا کیا۔

قوموں میں جو لوگ مالدار اور ذی اقتدار ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ نبی کے اثرات اگر قوم میں بڑھ جائیں گے تو قوم پر ان کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ہم رہ جائیں گے۔ ہر زمانہ میں انبیاءؑ کے ساتھ یہی ہوتا رہا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ بغیر کسی ذاتی غرض کے ایک شخص اپنے کو طرح طرح کی تکلیفوں میں کیوں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ قوم نوح کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا۔ ہر چند سمجھاتے رہے مگر وہ ان کو دیوانہ ہی کہتے رہے اور ان کے اثر کے اکھاڑنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ جب سرکشی حد سے بڑھ گئی تو حضرت نوحؑ نے ان کے لیے عذاب کی خواہش کی۔ تب حکم خدا ہوا کہ تم ایک کشتی ہمارے حکم کے مطابق بناؤ۔

چنانچہ جبریلؑ امین جیسے جیسے بتلاتے گئے۔ حضرت نوحؑ کشتی کو ایسا ہی بناتے رہے جب کشتی تیار ہو گئی تو حکم خدا ہوا کہ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لو اور سوائے اپنی کافرہ بی بی کے سب کو بٹھا لو۔ اور کسی سرکش نافرمان کی سفارش ہم سے نہ کرنا۔ الغرض جب یہ سب کچھ ہو چکا تو عذاب کا آغاز ہوا سب سے پہلے ایک تنور سے بے پناہ پانی اُبلنا شروع ہوا۔ پھر آسمان سے موسلا دھار بارش ہوئی اور زمین سے جا بجا چشمے پھوٹ نکلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب ظالم ڈوب کر رہ گئے۔ قوم نوح کے بعد قوم ثمود زمین پر بسی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا ع ۲
بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ
اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر ہم نے قوم ثمود میں ایک رسول (صالح) کو انہی میں سے بھیجا انہوں نے (قوم سے) کہا، اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم اس سے ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سرداروں نے ان کی بات ماننے سے انکار کیا اور قیامت میں خدا کی ملاقات کو جھٹلایا اور دُنیا کی زندگی میں ہم نے انہیں دولت بھی دے رکھی تھی۔ وُہ آپس میں کہنے لگے یہ تو ہم ہی جیسا آدمی ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے اور جو تم پہنتے ہو یہ بھی پہنتا ہے اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کی اطاعت کر لی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔

قوم نوح ہو یا قوم عاد و ثمود یا قوم شعیب، انبیاء کے متعلق سب کی ذہنیت ایک ہی تھی یعنی وہ اپنے جیسا آدمی نبی یا رسول نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اندر اتنی اہلیت ہی نہ تھی کہ نبی کے باطنی حالات کو سمجھ سکتے وہ ظاہری صورت کے دیکھنے والے تھے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

کیا یہ تم کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈی بن کر رہ جاؤ گے تو پھر قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ بالکل عقل سے بعید ہے۔ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی ہی نہیں کہ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں ہم تو پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یہ (صالح) وہ شخص ہے جس نے خدا پر جھوٹ موٹ بہتان باندھا ہے۔ صالح نے دعا کی میرے پالنے والے چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے لہٰذا میری مدد کر۔ خدا نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ پشیمان ہو جائیں گے پس یقیناً ان کو ایک چنگھاڑ نے لے ڈالا اور ان کو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا دیا پس ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

قیامت کا مسئلہ کسی طرح لوگوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ الجھن یہ تھی کہ جب مرنے کے بعد مٹی ہو گئے تو پھر دوبارہ زندہ ہونا کیسا۔ اسی دنیا میں جینا اور مرنا دونوں ہیں اس کے بعد پھر کچھ نہیں۔ خدا کی طرف سے ایسی بے عقلی کی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ جو صالحؑ نے کہا ہے خود اس کا من گھڑت فسانہ ہے۔

انبیاء کی مخالفت دو باتوں میں کی جاتی تھی۔ ایک یہ کہ اتنی بڑی دنیا کا مدبر ایک نہیں ہو سکتا اس کے ساتھ کچھ شریک ہونے چاہئیں دوسرے مسئلہ قیامت۔ انبیاء ان ہی دونوں مسئلوں کو سمجھانے میں اپنی ساری قوت صرف کرتے رہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا
وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً
رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ
سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

پھر ہم نے ان کے بعد اور قوموں کو پیدا کیا کوئی امت اپنے وقتِ معیّنہ سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ جب اس کا رسول کسی امت کے پاس آیا تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا تو ہم نے بھی ایک کے بعد دوسری امت کو ہلاک کر ڈالا اور ان کو ایک افسانہ بنا دیا۔ خدا کی لعنت ہے اس قوم پر جو ایمان نہیں لاتی۔ پھر ہم نے موسٰی اور اُن کے بھائی ہارُون کو بھیجا اپنی نشانیاں اور روشن دلائل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، انہوں نے تکبّر سے کام لیا اور وہ لوگ تھے بھی بڑے سرکش۔ انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں جو ہم ہی جیسے ہیں اور جن دونوں کی قوم ہماری خدمت کرتی رہتی ہے پس انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا اور وہ سب ہلاک کر ڈالے گئے۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو خدا نے اپنی آیات اور روشن دلائل دے کر بھیجا۔ آیات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو حضرت موسیٰؑ سے مصر میں ظاہر ہوئیں یعنی ان کی دعاؤں سے طرح طرح کے عذاب آتے رہے اور روشن دلائل سے مراد عصا اور ید بیضا کا معجزہ ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کئی وجہ سے مستحق عذاب ہوئی۔ پہلی بات یہ کہ وہ اپنے کو رب اعلیٰ کہلوا کر خدا کا شریک بن رہا تھا اور اُس کی قوم اُسے ایسا ہی مان رہی تھی۔ دُوسرے مال و دولت کی کثرت سے ان میں تکبّر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ تیسرے حد درجہ سرکش۔ اپنے سامنے کسی کی بات چلنے ہی نہ دیتے تھے۔ آخر ان سب باتوں کا نتیجہ بھگت لیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا تو اُس نے اپنی سرکشی کی سزا بھگت لی۔ اب آخرت میں اُسے کوئی سزا نہ ملنی چاہیئے۔ لیکن قرآن میں تو اس کی سزائے آخرت کا بھی ذکر ہے۔ پھر یہ دو سزائیں کیسی؟ جواب یہ ہے کہ دریائے نیل میں اس کا غرق ہو کر ہلاک ہو جانا اس کی سزا نہ تھی کہ وہ اپنے کو خدا کا شریک جانتا تھا۔ اس کی سزا تو اُسے آخرت میں ملے گی۔ یہ سزا تو خدا کے رسولؑ کے ساتھ سرکشی کرنے اور ان کی نافرمانی کرنے کی تھی۔ جیسا کہ سورۂ مزمل میں فرماتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ؀ (۷۳/۱۶) (فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اُسے سختی سے دھر پکڑا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ
كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ ؕ

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (توریت) تاکہ یہ لوگ ہدایت یافتہ بنیں اور ہم نے عیسیٰ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا اور ہم نے دونو کو ایک اونچی ہموار چشمہ والی زمین پر ٹھہرنے کی جگہ دی۔ (اور میرا عام حکم تھا کہ) میرے پیغمبرو، پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔

خدا نے جا بجا حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریم کہا ہے۔ اگر یہودیوں کی تہمت کی بنا پر وہ یوسف نجار کے بیٹے ہوتے تو ابنِ یوسف کہا جاتا۔ ہر بیٹا اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی باپ نہ تھا۔ دوسرے عیسیٰؑ و مریمؑ دونوں کو ملا کر خدا نے اپنی نشانی فرمایا۔ اگر مریمؑ کسی مرد سے حاملہ ہوتیں اور بچہ جنتیں تو پھر خُدا کی نشانی کیسے بنتیں۔

موسیٰؑ کی طرح نجومیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق بھی پیشن گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس زمانہ میں ہیروڈیس بادشاہ تھا۔ اس کو اپنی بادشاہت کے زوال کا خطرہ پیدا ہوا اور اس نے حضرت عیسیٰؑ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ باندھا۔ حضرت مریمؑ کو پہلے سے اس کی اطلاع ہوگئی وہ ہیروڈیس کے خوف سے حضرت عیسیٰؑ اور اپنے چچا زاد بھائی یوسف بن شاباں کے ساتھ ملک شام کو چلی گئیں اور بارہ برس وہاں مقیم رہیں۔ یہ مقام ایک بلند جگہ تھی۔ سرسبز و شاداب اور ایک چشمہ بھی بہتا تھا۔ جب ہیروڈیس مرگیا تو پھر واپس آئیں۔ اس تمام مدت میں حضرت مریمؑ سوت کات کر اپنی روزی حاصل کرتی تھیں اور یہی ماں بیٹے کا ذریعۂ بسر اوقات تھا۔
يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ کا یہ مطلب نہیں کہ تمام رسول ایک جگہ جمع تھے اور بہ حیثیت مجموعی ان سے یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ جس زمانہ میں جس جگہ کوئی رسول آیا تھا ان سب کے لیے قدرت کا ایک ہی حکم تھا۔ کہ پاک رزق کھاؤ اور اعمالِ صالح بجا لاتے رہو۔ راہبوں کی طرح زہد اور رزقِ حلال کے کھانے سے گریز نہ کرو۔ آنحضرتؐ اور آپؐ سے پہلے جو رسول گزرے ان سب کے لیے ایک ہی حکم تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آئندہ بھی رسول آتے رہیں گے عقل کی کمزوری ہے۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ

فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ
مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لا نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

(لوگو) یہ (دین اسلام) تم سب کا مذہب ہے اور ایک ہی مذہب ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر لوگوں نے اس میں اختلاف کر کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس میں خوش ہے (اے رسول) تم ان کو تاریکی کی حالت میں پڑا ہوا (وقتِ خاص تک) چھوڑ دو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم جو ان کو مال و اولاد میں ترقی دے رہے ہیں گویا ہم ان کے ساتھ بھلائیاں کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (ایسا نہیں) بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔

خدا نے جتنے انبیاءؑ بھیجے خواہ وہ کسی خطہ میں آئے ہوں یا کسی قوم میں آئے ہوں ان سب کا اصول ایک ہی تھا۔ گویا وہ سب ایک ہی گروہ تھا۔ سب دینِ اسلام کی تعلیم کے لیے آئے تھے لیکن اُمتوں نے اپنے باہمی اختلاف کی بنا پر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے مذہب پر خوش رہنے لگا۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے ان کو اسی غفلت کی حالت میں چھوڑ دو۔ ان کا یہ گمان غلط ہے کہ ہم انہیں مال و دولت بڑھانے میں مدد دے رہے ہیں اور اس میں جلدی کر رہے ہیں کہ انہیں سب کچھ مِل جائے یہ احمق اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ لا وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ لا وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ لا وَ الَّذِيْنَ
يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾
اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ
لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ
يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں بناتے اور جو لوگ خدا کی راہ میں جو کچھ بن پڑتا ہے دیتے ہیں ان کے دل اس خیال سے کانپتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہ لوگ نیکیاں حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف لپکتے ہیں ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس جو کتاب ہے وہ ٹھیک ٹھیک حال بتاتی ہے۔ ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا لیکن ان کے دل اس طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں یہ برابر کیا کرتے ہیں (اور باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے مالداروں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو اس وقت یہ لوگ واویلا کرنے لگیں گے۔

مؤمن جو اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے وہ اس خوف میں رہتا ہے کہ خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں گے یا نہیں؟ وہ عملِ نیک کر کے اتراتے نہیں اپنی فوقیت دوسروں پر جتاتے نہیں۔

اپنے خدا کی نشانیوں پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہیں اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں بناتے اور راہِ خدا میں جو دیتے ہیں وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ ہر وقت ان کے دلوں کو یہ خوف لرزائے رہتا ہے کہ ایک دن لوٹ کر خدا کے یہاں جانا ہے نہ معلوم وہاں کیا صورت پیش آئے۔ خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس لیے اس نے جو احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ انسان ان کو بجالا سکتا ہے۔ پھر بھی بیماری وغیرہ کی حالت میں ان کے اندر سہولت پیدا کر دی ہے۔ یہی دینِ اسلام کی سچائی کی دلیل ہے جن مذاہب میں ایسے احکام ہیں جو فطرتِ انسانی کو لرزا دیتے ہیں وہ خدائی احکام نہیں کہے جا سکتے۔ مثلاً گالوں کے اندر بھالا گھسیڑ لینا، یا لوہے کی سلاخوں پر بیٹھ جانا، یا بجائے رزقِ الٰہی ریت پھانکنا، یا صومِ اتصال رکھنا وغیرہ۔ لَدَيْنَا كِتٰبٌ سے مراد ہر انسان کا نامۂ اعمال ہے جس میں تمام زندگی کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حال

درج ہے کسی پر روزِ قیامت کوئی ظلم نہ ہوگا بلکہ اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ افسوس ہے لوگ ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور غفلت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں یہ بچ کر کہاں جائیں گے کسی قوم کے مالدار سب سے زیادہ سرکش ہوتے ہیں۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو بلبلا اٹھیں گے اور چیخ پکار مچائیں گے مگر پھر اس سے کوئی فائدہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ قف صلے بِهٖ
سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ
اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

ان سے کہا جائے گا اب واویلا مت کرو تم کو ہماری طرف سے مدد نہیں مل سکتی۔ جب تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو اس وقت اکڑتے ہوئے قصہ کہانی بتاتے اور بیہودہ باتیں کرتے الٹے پاؤں پھر جاتے تھے تو کیا ان لوگوں نے ہماری آیات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی نئی چیز آئی جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی یا ان لوگوں نے اپنے رسول ہی کو نہیں پہچانا اس وجہ سے انکار کر بیٹھے۔

جب جہنمی لوگ ہائے واویلا مچائیں گے تو ان سے کہا جائے گا یہ چیخ پکار اب فضول ہے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو اس وقت کیسے اکڑا کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے یہ قصہ کہانیاں ہیں کبھی کہتے تھے یہ بکواس ہے۔ انہیں سن کر کیسا منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگا کرتے تھے۔ کہتے تھے صاحب ہم نے تو ایسی باتیں کبھی اپنے بزرگوں سے سنی ہی نہیں۔ کیا تم رسول کو نہیں پہچانتے تھے۔ ضرور پہچانتے تھے پھر انکار کی کیا وجہ تھی اب بتاؤ تمہاری وہ اکڑ فوں کہاں گئی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ط بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا
فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى
الربع صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ
لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہوگیا ہے (ہرگز اسے جنون نہیں) بلکہ وہ تو ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے اور ان کے اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور اگر کہیں حق ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین میں جو لوگ ہیں سب برباد ہو جاتے بلکہ ہم تو ان کے ذکر (جبریل کے واسطے سے) لے کر آئے ہیں تو یہ لوگ اپنے ہی تذکروں سے منہ موڑتے ہیں (اے رسول) کیا تم ان سے اپنی رسالت کی کچھ اُجرت مانگتے ہو تو تمہارے پروردگار کی اجرت ان سے کہیں بہتر ہے اور وہ تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تم تو انہیں سیدھے راستہ کی طرف بُلاتے ہو۔ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں اگر ہم ان پر ترس کھائیں اور جو تکلیفیں ان کو (کفر کی وجہ سے) پہنچ رہی ہیں ان کو رفع کر دیں تو یقیناً یہ لوگ اور بھی اپنی سرکشی پر اَڑ جائیں اور بھٹکتے پھریں۔

بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ اگر امرِ حق لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو زمین و آسمان کی یہ تمام مخلوق تباہ و برباد ہو جائے۔ کون نہیں جانتا کہ لوگوں کی خواہشیں کس قدر مختلف ہوتی ہیں بلکہ یہ کہیے کہ جتنے لوگ اتنی خواہشیں۔ امرِ حق تو ایک ہی ہوتا ہے وہ کس کس کی خواہش کو پورا کرے۔ اگر خدا ان کی خواہشوں کا

پابند ہو جائے تو دنیا کا کوئی کام انجام ہی نہیں پا سکتا۔ مثلاً ایک کہے مینہ برسے دوسرا کہے نہ برسے تیسرا کہے تھوڑا برسے چوتھا کہے بہت زیادہ برسے یا مثلاً ایک کہے نماز دو رکعت ہونی چاہیے اس سے زیادہ نہیں اور صرف قیام ہی ہو دوسرا کہے صرف رکوع ہو تیسرا کہے نہیں صرف سجدہ ہی ہو۔ چوتھا کہے بیٹھ کر یادِ خدا کی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز ہی ختم ہوگی۔ اگر قانونِ شرعی خواہشوں کو محدود اور آزادی کو مقید نہ کرے تو ایک ہی دن میں سب کٹ مریں اور جھگڑا ابھی ختم ہو جائے۔ اس لیے قدرت کا جو قانون ہے وہ اٹل ہے لوگوں کی خواہش سے ادلتا بدلتا نہیں۔

فرماتا ہے جو کچھ ہم قرآن میں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ انہی کے حالات ہیں ان ہی کے اعمال کا ذکر ہے انہی کے باپ دادا کی کہانیاں ہیں کسی اور مخلوقات کے حالات نہیں۔ ان ہی کی فطرت کے مقتضیات سے بحث ہے۔ انہی کے اخلاق و عادات کا تذکرہ ہے پھر وہ اُسے سنتے کیوں نہیں۔ اس کے سننے سے منہ کیوں موڑتے ہیں۔ ہم تو اچھی بُری دونوں باتیں ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ہر ایک کے نتیجہ سے باخبر کر دیتے ہیں پھر یہ اکڑ مکڑ اور نفرت کیسی؟

اے رسولؐ، تم جو کچھ انہیں بتا رہے ہو یہ کسی لالچ سے تو نہیں بتا رہے۔ مال و دولت کی حرص سے تو نہیں کہہ رہے۔ یہ سب تبلیغ تمہاری فی سبیل اللہ ہے۔ یہ لوگ بیچارے تمہیں کیا دیں گے تمہارا تو سب سے بہتر رزق دینے والا رب ہے۔ تم تو ان کو صراطِ مستقیم کی طرف بُلا کر ان پر احسان کر رہے ہو۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بھی عجیب ہے اگر ہم ان کی کوئی مصیبت دُور کریں تو بجائے ہمارا شکر ادا کرنے کے اپنی سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ ان کو بھٹکتے پھرنا ہی پسند ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾
حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع ۴/۴
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَ

إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾

جب ہم نے ان کو تکلیف میں مبتلا کیا تب بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ گڑگڑائے ۔ یہاں تک کہ جب سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھول دیا گیا تب یہ بے آس ہو کر بیٹھ رہے۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان ، آنکھ اور دل کو پیدا کیا۔ تم ہو ہی بہت کم شکر کرنے والے اللہ وہی تو ہے جس نے زمین پر ہر طرف تمہیں پھیلا دیا اور اسی کے سامنے تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات دن کا اُلٹ پھیر اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو وہی کہنے لگے جو اُن سے پہلے کہا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) اُٹھائے جائیں گے ۔

جس عذاب کا بیان ہے وہ اہلِ مکہ پر ہجرت سے پہلے آیا تھا۔ یہ ایسا سخت عذاب تھا کہ دانہ دانہ کو ترس گئے تھے لیکن اس پر بھی ایسے کڑے کافر تھے کہ خدا کے سامنے نہ جھکے نہ گڑگڑائے ۔ مایوسی ان پر چھائی ہوئی تھی مگر شرک سے باز نہ آتے تھے ۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ جس خدا نے ان کو آنکھ کان اور دل دیا ہے۔ آخر یہ کس کام کے لیے دیا ہے۔ کیا یہ چیزیں ان کو حیوانوں کی طرح دی گئی ہیں یا اس لیے کہ ہدایات کو سنیں آثارِ قدرت کو دیکھیں اور اس پر غور کریں کہ مرنے کے بعد جب خدا کے سامنے جانا ہوگا تو وہاں کیا بنے گا اور اس کفر و شرک کی کیا سزا ملے گی۔ جو خدا پیدا کرتا اور مارتا ہے اور جس کے حکم سے رات دن آتے جاتے ہیں اس کی قدرت و حکمت کا یہ اقرار کیوں نہیں کرتے ۔ آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں بلکہ اپنے سے پہلوں کی طرح وہی احمقانہ رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد جب خاک میں مل جائیں گے تو پھر دوسری زندگی کیسی خدا نے بہت سی مثالیں دے کر سمجھایا ہے مگر کان لگا کر نہ سنتے ہیں نہ اس کی قدرت کے کرشمے آنکھوں سے دیکھتے ہیں نہ کچھ سوچتے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں تو یہ احمقانہ بات ۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾

ایسے وعدے تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے (بارہا) پہلے بھی کیے جا چکے ہیں۔ یہ تو سب پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (ڈھکوسلے ہیں) اے رسول تم ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے تو وہ بہت جلد بول اُٹھیں گے، اللہ کا۔ تو تم ان سے کہو تو کیا تم اب بھی غور نہ کرو گے۔ ان سے پوچھو ان سات آسمانوں اور اس عرشِ عظیم کا مالک کون ہے تو جلدی سے کہہ دیں گے اللہ۔ تم کہو تو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ۔ ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ ہر چیز پر کس کو اقتدار حاصل ہے اور وہ کون ہے جو پناہ دینے والا ہے ۔ اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ دے نہیں سکتا ۔

مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو کہتے تھے کہ ایسے جھوٹے وعدے تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بہت ہو چکے کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا لیکن ہوتا ہواتا کچھ بھی نہیں۔ یہ قرآن ہے کیا پہلے لوگوں کے قصے ہی قصے بھرے پڑے ہیں ۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ اگر تم ان باتوں کو نہیں مانتے تو بتاؤ اس دنیا و مافیہا کا مالک کون ہے چونکہ خدا کے منکر نہیں بلکہ اس کا شریک دوسروں کو مانتے ہیں لہٰذا انہیں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ یہ سب کارخانہ خدا ہی کا ہے ۔ پھر ان سے یہ بھی پوچھو کہ یہ سات آسمان اور عرشِ عظیم کس کے بنائے ہوئے ہیں اور ان کا مالک کون ہے ۔ وہ یہی کہیں گے اللہ ۔ پھر پوچھو ان سب پر کس کی حکومت ہے اور پناہ دینے والا کون ہے ۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ
اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع
قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾

تو وہ یہی جواب دیں گے، اللہ۔ تم ان سے کہو پھر دھوکا کس بات میں ہے۔ جو بات حق ہے ہم نے ان تک پہنچا دی۔ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں نہ تو خدا نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا نہ کوئی اس کے ساتھ دوسرا خدا ہے (اگر ایسا ہوتا تو) ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور یقیناً ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ جو باتیں یہ لوگ خدا کی نسبت بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک ہے۔ وہ غیب و حاضر سب کا جاننے والا ہے۔ غرض وہ ان کے شرک سے بالاتر ہے۔ اے رسول تم دعا کرو کہ اے میرے پروردگار، جس عذاب کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے اگر میری موجودگی میں تو لائے تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیو۔ ہم یقیناً اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں انہیں دکھا دیں۔ تم بری بات کے جواب میں اس بات کو کہو جو نہایت اچھی ہو۔ ہماری نسبت جو یہ بیان کرتے ہیں ہم اس کو خوب جانتے ہیں۔

یعنی جب سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا کو خالق۔ مالک۔ حاکم سب کچھ مانتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسروں کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ خدا پرستوں نے یہ الزام لگایا تھا کہ بت خدا کی اولاد ہیں

یا اس کے شریک کار۔ کس قدر احمقانہ بات ہے اس کا نہ تو کوئی بیٹا ہے نہ کوئی ساتھی۔ اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کی بھی مخلوق ہوتی۔ اور اس مخلوق کی فطرت، طبیعت، ساخت، رنگ، نظام حیات مختلف ہوتے۔ پتہ چل جاتا کہ یہ کسی دوسرے کی مخلوق ہے مثلاً کسی چوپایہ کے تین پیر ہوتے اس کا منہ پشت پر ہوتا۔ پرند کی چونچ دم کے اوپر ہوتی وغیرہ لیکن جب ایسا نہیں تو پھر کیسے سمجھا جائے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور خالق بھی ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ضرور ان میں سے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا اور اس صورت میں ان کے درمیان جھگڑا ہونا ضرور تھا۔ اور جھگڑے کی صورت میں کائنات کی تباہی لازم تھی۔ سابقہ آیات میں خدا نے اپنی صفات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ باتیں خدا کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ بت پرستوں کو ان باتوں کا اقرار ہے پھر بھی بتوں کو خدا کا شریک کار ماننا کتنی حماقت ہے جبکہ ان سے مذکورہ صفات میں سے کسی صفت کا اظہار بھی ممکن نہیں۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی ہے کہ مخالفوں سے گفتگو کے وقت نرم الفاظ سے بات کریں ورنہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بتوں کی مذمت نہ کرو کیونکہ آپؐ کی نبوت کا تو مقصد ہی یہ تھا۔ مشرکین تو حضرتؐ سے یہی چاہتے تھے کہ بتوں کی مذمت کرنا چھوڑ دیں۔ اس پر بڑے بڑے لالچ بھی دیئے، ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن ان کا یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ پس معلوم ہوا بروں کی برائی کرنا یا ان سے بیزاری ظاہر کرنا گالی نہیں جیسا کہ عوام کہا کرتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ﴿٩٩﴾
لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ
وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

اے رسول یہ دعا کرو کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں (اور کفار تو مانیں گے نہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آئی تو کہنے لگے پروردگار اس دنیا میں جسے میں چھوڑ رہا ہوں پھر

واپس کر دے تاکہ میں اچھے اچھے کام کروں (جواب دیا جائے گا) ہرگز نہیں، یہ ایک لغو بات ہے جسے وہ بک رہا ہے (اس کے مرنے کے بعد عالم) برزخ ہے جہاں قبروں سے اٹھائے جانے کے دن تک رہنا ہو گا پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ لوگوں کی قرابت داریاں ہوں گی نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے گا۔

عالم برزخ کیا ہے؟ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے۔ انسان نام تین چیزوں کا ہے۔ بدن ۔ نفس اور رُوح ۔ نفس کا تصرف بدن پر ہوتا ہے اور رُوح کا نفس پر۔ نفسِ انسانی ہو بہو ایسا ہی بدن رکھتا ہے جیسا جسمِ مادی ہے۔ لیکن وہ مٹی سے بنا ہوا نہیں ہوتا بلکہ برزخی مادہ سے بنایا جاتا ہے۔ اُسے ہم نہ چھو سکتے ہیں نہ ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ بدن کے تمام افعال اسی کی زیرِ حکومت صادر ہوتے ہیں۔ قیامت میں ہر عمل کا جواب دہ وہی ہو گا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ "الرّعد ۱۳/۳۳" (ہر نفس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہو گا)۔ موت کا ذائقہ بھی وہی چکھتا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ مرتا نہیں ہے موت کا ذائقہ چکھتا ہے یعنی موت کی سختی کو جھیلتا ہے۔ جب جسم انسانی سے اس کا تصرف ہٹتا ہے اور بدن کی ایک ایک رگ سے اس کو نکالا جاتا ہے تو تکلیف اسی نفس کو ہوتی ہے۔ اسی کو ہم جان کہتے ہیں۔ خواب میں یہ بدن سے ہلکے ہلکے اپنے کو علیحدہ کرتا جاتا ہے۔ جب زیادہ حصہ الگ ہو جاتا ہے تو انسان سو جاتا ہے لیکن قطعاً علیحدہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ذرا سی تکلیف بدن کو پہنچتی ہے تو وہ فوراً اپنے بدن میں آجاتا ہے جو صورتیں ہم خواب میں دیکھا کرتے ہیں وہ اسی برزخی مادہ کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ خواب میں چونکہ ہمارا نفس بھی جسم سے باہر ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی برزخی آنکھوں سے برزخی اجسام کو دیکھ لیتا ہے۔ اسے ایک مثال سے یوں سمجھیئے ایک شخص خواب میں ایک باغ دیکھتا ہے۔ اس کا ایک دوست اس باغ کا مالک ہے وہ طرح طرح کے پھل اُسے پیش کرتا ہے کھاتے کھاتے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے ہونٹ چپکنے لگتے ہیں۔ اُنگلیوں پر بھی رس کا اثر ہے اس کے کپڑوں پر بھی رس گرا ہے۔ آنکھ کھُل جاتی ہے۔ جیسا بھُوکا سویا تھا ویسا ہی اُٹھتا ہے نہ ہونٹوں پر اثر نہ انگلیوں پر نہ کپڑے پر کوئی دھبہ۔ یہ کون کھا رہا تھا۔ برزخی جسم اور یہ پھل کیسے تھے، برزخی۔ وہ دوست کون تھا برزخی انسان۔

جس طرح آدمی کیلئے تین قسم کے جسم ہیں اسی طرح تین عالم ہیں۔ ایک مادی دنیا جس سے جسم متعلق ہے۔ مرنے کے بعد وہ یہیں چھوٹ جاتا ہے۔ مٹی سے بنا تھا مٹی میں مل گیا۔ دوسرا عالم برزخ ہے جہاں مرنے کے بعد نفس اور روح دونوں جاتے ہیں۔ قیامت تک یہ دونوں برزخ میں رہیں گے۔ برزخ میں نفس کی غذا وہ نیکیاں ہوں گی جو دنیا کے احباب اس کے لیے کرتے ہوں گے۔ یہاں بھی دوزخ اور جنت ہوں گے۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں بد اعمال دوزخ میں رہیں گے نیک اعمال بہشت میں۔ دوزخ کی سزا ان لوگوں کو ملے گی جن کے معاملات

خدا اور بندہ کے درمیان ہوں گے۔ جو بنی نوع انسان سے متعلق ہوں گے ان کی سزا قیامت میں حساب کتاب کے بعد ملے گی۔ جب کسی عمل کے سارے گواہ عرصۂ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔

عالم برزخ کہاں ہے اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ برزخی اجسام اس دُنیا میں آتے ہیں اور اپنے احباب کی زیارت کرتے ہیں اور اگر انہوں نے نیکی کی ہے تو ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جب پہلی صور پھونکی جائے گی تو سب مر جائیں گے اور یہ سب کائنات موت کی نیند سو جائے گی۔ دوسری صور میں سب قبروں سے نکل پڑیں گے۔ تیسری دنیا عالم حیات محضہ ہے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہو گا خواہ دوزخ ہو یا بہشت۔

قیامت میں سب رشتہ داریاں قطع ہو جائیں گی۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہو گا۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میرے حسب نسب کے سوا سب حسب نسب منقطع ہو جائیں گے یعنی ایک کو دوسرے سے سروکار نہ ہو گا اور نہ کسی کی کوئی خبر لے گا مگر خاندانِ رسولؐ کا وہاں بھی لحاظ کیا جائے گا۔ یہ بات سادات کے فخر کے لیے کافی ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے بہشت پرہیزگاروں کے لیے ہے، اگرچہ حبشی غلام ہو اور گنہ گار کے لیے جہنّم ہے اگرچہ سید ہی کیوں نہ ہو۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ
مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

پس جن کے نیک اعمال کا پلّہ بھاری ہو گا وہ خوشحال ہوں گے اور جن کا پلّہ ہلکا ہو گا تو یہ وہ لوگ

ہوں گے جنہوں نے اپنے نفس کا نقصان کیا ہوگا یہ ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے۔ جہنّم کی آگ ان کے منہ جُھلس دے گی۔ وہ وہاں منہ بنائے ہُوئے ہوں گے (تب ہم پوچھیں گے) کیا ایسا نہیں ہے کہ جب میری آیات تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ وہ جواب میں کہیں گے۔ اے ہمارے پالنے والے، شقاوت ہم پر غالب آگئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب، ہمیں اس سے نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو البتہ ہم قصوروار ہیں۔ خدا فرمائے گا دُور ہو تم کو اسی میں رہنا ہوگا اور مجھ سے بات نہ کرو۔ میرے بندوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو یہ دعا کرتا تھا کہ اے ہمارے پالنے والے ہم ایمان لائے ہیں ہمارے گناہ بخش دے۔ ہم پر رحم کر تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں اِرْجِعُوْنِ جمع کا صیغہ خدائے واحد کے لیے لایا گیا ہے جس سے مقصد تعظیم ہے اور بعض مفسرین نے لکھا کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی پہلے خدا کو پکارا گیا پھر فرشتوں سے کہا گیا۔
آخر آیت میں جو دُعا کرنے والے ہیں ان سے مراد اصحاب صُفّہ، بلالؓ، عمارؓ اور صہیبؓ وغیرہ ہیں۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ
تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ
اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ

فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَقُلْ رَّبِّ
اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١١٨﴾

تو تم لوگوں نے انہیں مسخرا بنا لیا یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بُھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں تم ان سے برابر ہنستے رہے۔ میں نے ان کے صبر کا آج اچھا بدلہ دیا۔ وہ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہو گئے پھر خدا ان سے پُوچھے گا تم زمین پر کتنے برس رہے وہ کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم، تو شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔ خدا فرمائے گا بے شک تم اس زمین میں بہت ہی کم ٹھہرے کاش تم اتنی بات بھی سمجھے ہوتے۔ تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے حضور میں لوٹائے نہ جاؤ گے تو خدا تو سچّا بادشاہ ہر چیز سے برتر و اعلیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبُود نہیں وہ بزرگ عرش کا مالک ہے جو شخص خدا کے سوا کسی دُوسرے کو پُوجتا ہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس کا حساب کتاب اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ کفّار ہرگز اپنی مراد کو پانے والے نہیں اور اے رسول تم کہو خداوندا میری امّت کو بخش دے اور ان پر رحم کر، تُو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

جو کفّار و مشرکین انبیاء کا مذاق اڑاتے تھے وہ خدا کا ذکر بھی بھول گئے اور مذاق ہی میں لگے رہے۔ جن لوگوں نے ان کے مذاق پر صبر کیا ہم ان کے صبر کا بہترین بدلہ دیں گے وہی کامیاب ہونے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر خدا پُوچھے گا کہو دُنیا میں کتنے دن ٹھہرے۔ وہ کہیں گے ایک دن یا اس سے کم۔ خدا کہے گا، اگر تم جانتے ہو تو سمجھ لو بہت کم ٹھہرے۔ یعنی وہاں کی زندگی جو راحت کی زندگی تھی بات کہتے گزر گئی۔ زندگی تو اب ہوگی جس کی حد ہی نہیں۔ عیش کے دن جلد کٹ جاتے ہیں اور مصیبت کا تو ایک ایک پل بھاری ہوتا ہے۔ تم نے دنیا میں رہ کر یہ سمجھا تھا کہ خدا نے ہم کو یونہی بیکار پیدا کیا ہے کوئی غرض و غایت نہیں۔ ہمیں کھیل تماشے کرنے اور مزہ اُڑانے کے لیے پیدا کیا اور ہمیں پلٹ کر اس کے حضور میں جانا ہی نہیں۔ اگر تم اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہوتے تو ہمیں بھول کیوں جاتے اور ہمارے احکام کی بجا آوری تم پر گراں نہ گزرتی۔ تم نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبُود ہے ہی نہیں۔ جن کو تم خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہو بتاؤ تو ان کے پاس خدا ہونے کی کیا دلیل ہے، کچھ بھی نہیں۔ ان کا حساب کتاب سب ہمارے پاس ہے قیامت میں تم سے اور ان سے اچھی طرح بُھگت لیا جائے گا۔ کافروں کے لیے تو وہاں فلاح و بہبود کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی۔

اگرچہ یہاں مخاطبہ رسولؐ سے ہے کہ تم مغفرت کی دُعا مانگو مگر درحقیقت مراد اُمّت ہے۔ یعنی اُمّت سے کہو کہ وہ یوں دُعا کریں، "اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہماری حالت پر رحم فرما"۔ خدا نے باتمام حجت اپنے بندوں کو سب کچھ بتا دیا۔ ایک ایک پہلو زندگی کا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا مگر جو کافر تھے وہ کہاں ماننے والے تھے۔ وہ تو رسولوں کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ دُنیا کے عیش و نشاط میں ایسے غٹ غپ ہوئے کہ آخرت کے عذاب کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا۔ لیکن وہ بھلا دیں خدا تو ان کو نہیں بھولے گا۔

---

(۲۴) سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ
لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا اور (ان احکام کو) فرض کیا اور ہم نے اس سورہ میں واضح نشانیاں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سَو کوڑے مارو۔ اگر تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو دین کے معاملہ میں کسی طرح ترس کا لحاظ نہ ہونے پائے

اور ان دونوں کی سزا کے وقت مومنین کا ایک گروہ گواہی کے لیے موجود رہے۔ زانی نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ نہیں نکاح کرتی مگر زانی یا مشرک سے۔ مؤمنین پر یہ چیز حرام کر دی گئی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں زنا کو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ عورتیں بڑے آدمیوں سے زنا کروا کے فخر محسوس کرتی تھیں اور یہ وبا تمام قبائل میں عام ہو رہی تھی جس سے بے شمار حرامی بچے پیدا ہو کر معاشرہ میں گندگی پھیلاتے تھے۔ اسلام نے اس کی روک تھام کی اور بڑی سختی سے کی یعنی جو چیزیں زنا کی محرّک ہو سکتی تھیں ان کا سدِّباب کیا۔ مثلاً عورت و مرد کا نامحرم سے آنکھیں نہ لڑانا۔ نیچی نظر کر کے چلنا۔ عورت کا پردہ میں رہنا۔ سوائے محرم مردوں کے عورت اپنا بناؤ سنگھار کسی کو نہ دکھائے۔ نامحرم سے چکنی چپڑی باتیں نہ کرے۔ کوئی نامحرم مرد بے اجازت گھر میں داخل نہ ہو۔

اسلامی حلقوں میں جہاں جہاں یہ قیود ٹوٹ گئی ہیں وہاں زنا جیسا قبیح جرم جو قتل سے بھی بدتر ہے پایا جاتا ہے۔

زنا سے اپنی قوتِ شہوی کو تسکین دینے والے کہتے ہیں جب عورت راضی ہو تو پھر یہ جرم جرم نہیں رہتا۔ یہ ان کا مجرمانہ اور احمقانہ فیصلہ ہے۔ انہوں نے اس کے نقصانات پر قطعاً نظر نہیں ڈالی۔ ان کی خواہشِ بد نے ان کو اندھا بنا دیا ہے۔

آیت میں زانیہ کا ذکر پہلے ہے اور زانی کا بعد میں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کے ارتکاب میں عورت کا حصّہ زیادہ ہے۔ اگر عورت اپنے کو بچائے رکھے اور مرد کی عاشقانہ حرکات کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھے تو مرد کو ضرور اپنے ارادہ میں ناکامی ہوگی۔ جب دونوں کی آنکھیں شوق کے جادو میں لپٹی ہوئی ایک دُوسرے سے ملتی ہیں تب جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے حکم دیا ہے کہ عورت اور مرد نیچی نگاہ کر کے چلیں۔

زنا کیا ہے؟ کسی مرد کا کسی ناکتخدا لڑکی پر ناجائز تصرّف۔ غور کیجئے اس سے معاشرہ کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ اوّل تو مرد و عورت دونوں کو بدنامی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے قوم کی نظروں سے ان کا وقار گر جاتا ہے۔ ایسی بدکردار لڑکی سے شریف خاندان والے رشتہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایک دو بار لذتِ نفس حاصل کرنے کے بعد وہ لڑکی اپنے عصمت کے تابناک جوہر کو خاک میں ملا کر ہمیشہ کے لیے ندامت کے پسینہ میں ڈوبی ہوئی اپنے گھر میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر شاید اس زانی کے سوا دوسرا کوئی اس کو اپنا چاہنے والا شریف آدمی نہیں ملتا۔ دوسرے ایسی لڑکیوں میں رہ کر اور لڑکیوں کو بھی زنا کی طرف رغبت ہوتی ہے اور وہ بھی تمام شرعی رکاوٹوں کو برطرف کر کے اپنی خواہش پر اپنی عفت کو قربان کر دیتی ہیں۔ تیسرے اگر اس کنواری لڑکی کے حمل قرار پا جاتا ہے تو اگر قوم میں رسوا ہونے کے خیال سے وہ اس معصوم بچہ کا گلا گھونٹ کر کہیں پھینک آتی ہے تو قتلِ عمد کی مرتکب ہوتی ہے جس کی شرعی سزا جہنم ہے اور حکومتِ وقت کو پتہ چل جاتا ہے تو اس پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو بتاؤ اس بچہ کو پالے کون؟

اِس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے۔ اس قسم کی بیشمار خرابیاں اس عملِ زنا میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اس لئے شریعت نے سختی کے ساتھ اس کو روکا ہے اور اس کے بُرے نتائج کو بیان کیا ہے لیکن اگر اس پر بھی مرد و عورت باز نہیں آتے تو پھر اس کی سزا منظرِ عام پر سو کوڑے مارنا ہے اور اس سزا میں کسی طرح کی نرمی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ تو بیان تھا ناکتخدا لڑکی کے ساتھ زنا کا۔ اب رہا وہ زنا جو شوہر دار عورت کے ساتھ کیا جائے۔ اس کی قباحت کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ ایک شخص کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کرنا معاشرہ کا کتنا سخت جرم ہے پھر جو بچہ پیدا ہو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے۔ زانی تو زنا کر کے چلتا بنے گا جائز شوہر اس بچہ کی پرورش کا شرعاً ذمہ دار نہیں۔ پھر اس بچہ کا حشر کیا ہوگا۔ وہ میراث سے محروم رہے گا۔ اپنے صحیح باپ کی شفقت کی صورت نہ دیکھے گا۔ بحیثیت ایک زنا زادہ ہونے کے قوم کی نظر میں ذلیل ہوگا۔ عورت اور شوہر کے درمیان ناچاقی پیدا ہوگی جس کا نتیجہ اُس زانیہ کی طلاق تک منجر ہوگا۔ غرض گھر برباد ہو جائے گا اور خاندانی تنازعات کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ اسی لیے قرآن نے کہا ہے کہ زنا قتل سے بھی بدتر ہے کیونکہ قتل میں تو ایک ہی شخص مارا جاتا ہے اور زنا بہت سے لوگوں کے قتل کا باعث بن سکتا ہے۔

جو زنا پسند لوگ ہیں وہ زانیہ عورتوں ہی سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔ "کبوتر با کبوتر، باز با باز" مشہور مثل ہے۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو جب کوئی شریف آدمی نکاح کے لیے نہیں ملتا تو وہ زانی مردوں ہی کو تلاش کر کے اپنا گھر بسانا چاہتی ہے۔ جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں اور عذابِ خدا سے ڈرتے ہیں وہ زنا کے پاس نہیں جاتے اور ایسے تعلقات سے نیچے رہتے ہیں۔ یہ حکم تحریمی نہیں بلکہ تشریعی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ
اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ

اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ
غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اپنے دعویٰ پر چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسّی کوڑے مارو اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ لوگ بدکار ہیں مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو لوگ اپنی ہی بیوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور اس کے ثبوت میں اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ایک کی گواہی چار مرتبہ اس طرح ہوگی کہ وہ ہر مرتبہ خدا کی قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں ضرور سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یوں بیان کرے کہ اگر وہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کا غضب ٹوٹے اور عورت کے سر سے اس طرح سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر بیان کرے کہ اس کا شوہر اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اگر یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ اگر تم پر خدا کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو دیکھتے کہ تہمت لگانے والوں کا کیا حال ہوتا۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عداوت کی بنا پر لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگا کر انہیں بدنام کرنا چاہا کرتے ہیں۔ لہٰذا غلط الزام سے بچانے کے لیے شریعت کا یہ قانون ہے کہ الزام لگانے والا چار گواہ پیش کرے کہ ہم نے اس عورت کو مرتکبِ زنا ہوتے دیکھا ہے۔ اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے مارے جائیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور ایسے جھوٹے الزام لگانے والوں کی گواہی کسی مقدمہ میں قبول نہ کی جائے۔ اگر شریعت کا یہ قانون نافذ العمل نہ ہو تو بے شمار پاکدامن عورتیں ایسے مردوں کے فریب میں آ جائیں جو ان کی آبروریزی اپنے کسی مطلب کے تحت کرنا چاہتے ہیں ایسے الزام معاشرہ میں بڑے فساد کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس طرح اگر عورت کسی پاکدامن مرد پر زنا بالواطت کا الزام لگائے تو اس کی بھی یہی صورت ہوگی کہ اگر چار گواہ نہ ہوں تو چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ کہے اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔

مرد چار مرتبہ کہے اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّیْ لَمِنَ الصَّادِقِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُهَا۔ پانچویں دفعہ کہے، اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیَّ اِنْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُهَا بِهٖ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ درصورت کذب بیانی وہ یہ کہہ کر غضبِ الٰہی سے چھوٹ جائے گا۔ شرعی سزا سے اگرچہ

بھی گیا تو خدائی عذاب سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے۔

غور کیجیے شریعت نے اسلامی معاشرہ کو زنا کی گندگی اور جھوٹی تہمت سے بچانے کے لیے کیسا مکمل انتظام کیا ہے ایک طرف تو زنا کی روک تھام ہے دوسری طرف تہمت کی روک تھام ہے۔ یہ دونوں چیزیں معاشرہ میں سخت فتنہ و فساد کا باعث بن جاتی ہیں۔ جس معاشرہ میں ایسی باتوں کا رواج ہو گا وہاں عورتیں اپنی عصمت کے پاک دامن کو جلنے سے نہیں بچا سکتیں اور ان کے رشتہ دار امن و امان سے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ
هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي
تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ
الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾
لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ
عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾
إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ
وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ
قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ
عَظِيمٌ ﴿١٦﴾

جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے تم اپنے حق میں اس تہمت کو برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان لوگوں میں سے جس نے جتنا گناہ سمیٹا وہ اس کی سزا خود بھگتے گا اور اس میں سے جس نے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑی سخت سزا ہو گی اور جب تم لوگوں نے اسے سنا تھا تو اس وقت ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا یہ تو کھلا بہتان ہے جن لوگوں نے کھلی تہمت لگائی تھی اپنے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ پیش کیے پھر جب انہوں نے گواہ پیش نہ کیے تو خدا کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں اور اگر تم لوگوں پر آخرت و دنیا میں خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم لوگوں نے چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تم پر کوئی سخت عذاب آ پہنچتا کہ تم اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم و یقین نہ تھا اور تم نے اس کو ایک آسان بات سمجھی تھا حالانکہ وہ خدا کے نزدیک ایک بری بات تھی اور جب تم نے ایسی بات سنی تھی تو تم نے لوگوں سے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنی مناسب نہیں۔ سبحان اللہ یہ بڑا بھاری بہتان ہے۔

یہاں سے حضرت عائشہؓ کے افک کا قصہ شروع ہوتا ہے جسے ہم مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے محشّٰی و مترجم قرآن سے نقل کرتے ہیں:

"علمائے اہلسنت نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپؐ کسی جنگ میں تشریف لے جاتے تو بی بیوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اُسے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ جنگ بنی مصطلق میں میرے نام کا قرعہ نکلا اور میں ساتھ گئی۔ واپسی میں مدینہ کے قریب ایک منزل میں شب کے وقت میں ایک عورت کے ساتھ رفع حاجت کو گئی۔ جب اپنی جگہ پر آئی تو اپنے گلے کا ہار نہ پایا۔ قافلہ کوچ کے لیے تیار تھا۔ میں اس عورت کو ساتھ لے کر ڈھونڈنے لگی وہ مل گیا تو میں اپنی جگہ پر آئی۔ قافلہ کوچ کر چکا تھا اور میرے اونٹ والے نے بھی یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں ہودج کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کیا۔ میں وہیں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں سو گئی۔ صفوان بن حنظلہ جو پیچھے رہ گیا تھا جب اس جگہ پہنچا تو مجھے اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار کھینچتا ہوا قافلہ میں جا پہنچا، عبداللہ بن اُبی (منافق) وغیرہ مجھے صفوان کے ہمراہ دیکھ کر مجھ پر منہ آئے اور سب لوگ اس کے ہم رائے ہو گئے اور مجھ پر تہمت لگائی۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچی تو حضرتؐ کی توجہ میری طرف باقی نہ رہی۔ حتیٰ کہ میں ایک

مہینہ تک بیمار رہی مگر آپؐ مجھے دیکھنے نہ آتے اور اندر آتے بھی تو دوسروں سے میرا حال پوچھ لیتے اور میں اس کی وجہ بالکل نہ سمجھی آخر چند روز بعد پھر ایک دن مسطح کی ماں کے ساتھ رات کو رفع حاجت کے لیے نکلی اور جب اتفاقاً اس کا پاؤں پھسلا تو اس نے مسطح کو بُرا بھلا کہا۔ میں نے منع کیا تو بولی تم کیا جانو اس نے تم پر ایسی تہمت لگائی ہے۔ مجھے یہ سُن کر سخت رنج ہوا اور اس وقت حضرتؐ کی بے توجہی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ غرض میں پھر حضرتؐ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آئی اور اپنی نسبت لوگوں کے خیالات دریافت کیے تو معلوم ہوا لوگ مجھے ایسا ایسا کہتے ہیں پھر تو مجھے رونے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ کھانا پینا ترک ہو گیا اور حضرتؐ نے اسامہؓ اور علیؑ سے مشورہ کیا تو اسامہؓ نے کہا میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ علیؑ نے کہا آپؐ رنج نہ کریں آپؐ کے لیے ان کے سوا اور بہت سی عورتیں ہیں۔ اگر اس عورت سے جو ساتھ تھی دریافت کریں تو آپؐ کو تصدیق ہو جائے گی۔ غرض آپؐ نے بریرہ سے دریافت کیا اس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی اور میں نے حضرتؐ کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس تہمت سے بری ہوں اس کے بعد خدا نے میری عفّت کے متعلق یہ آیات نازل کیں تب حضرتؐ کو اطمینان ہوا۔"

حسبِ روایت اہلسنت مسطح پر قذف (تہمت) کی حد جاری کی گئی۔ یہ مسطح بدری صحابی تھے۔ لہٰذا یہ اصول ٹوٹ گیا کہ کُل صحابہ عادل ہیں۔

یہ سب کارستانی منافقوں کی تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرتؐ کو بدنام کریں۔ یہ موقع ان کے ہاتھ آ گیا۔ خوب خوب اُچھالا۔ عبداللہ بن اُبی مشہور منافق تھا اور سب منافقین کا سرغنہ تھا۔ کئی صحابہ بھی اس کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے جیسے اسامہ، حسان بن ثابت اور ابوایوب انصاری وغیرہ۔ ان کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ صفوان جو امّ المؤمنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر لایا اوّل تو مسلمان تھا۔ جو یہ جانتا تھا کہ مادرِ مؤمنین ہیں، دوسرے اس لشکر کا سپاہی تھا، تیسرے مدینہ کا رہنے والا تھا۔ چوتھے بصدق دل حضرتؐ پر ایمان لائے ہوئے تھا کیسے ممکن تھا کہ ایسے فعلِ قبیح کا مرتکب ہوتا۔ بلکہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تھا۔ اگر کسی عزیز رشتہ دار کی عورتیں کہیں ایسی حالت میں تنہا ہل جائیں تو ایک شریف آدمی یہی چاہے گا کہ بخیر و خوبی گھر پہنچا دے اور رسولؐ تو رسول ہی تھے۔

حضرت علیؑ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس قصّہ کو ہوا دینے میں حضرت علیؑ کا زیادہ ہاتھ تھا۔ (استغفر اللہ)۔ آیاتِ مذکورہ میں وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡھُمۡ انہی کی شان میں ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹا بہتان ہے۔ جو صاحبانِ انصاف اہلِ سنّت ہیں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن جلد ۳، صفحہ ۳۶۷ پر صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کا اس قصّہ میں کوئی دخل نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے جب آنحضرتؐ کو زیادہ رنجیدہ پایا تو بطور تسلّی دینے کے عرض کیا تھا کہ حضورؐ اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں؟ آپؐ کے لیے بہت سی عورتیں ہیں۔ اس میں امّ المؤمنینؓ کے کردار پر کوئی حملہ نہ تھا نہ ہی افک کی تصدیق

تھی۔ کہتے ہیں امّ المؤمنینؓ کو اسی وجہ سے امیر المؤمنینؑ سے بُغض رہا۔ بظاہر تو یہ بُغض کی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی باقی اس کے علاوہ تو امّ المؤمنینؓ کے بُغض کے لیے کچھ اور وجوہ بھی تھے جن کو تاریخ سے معلوم کرنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کا تو ذکر ہی کیا آنحضرتؐ کی قدر و منزلت کو پہچاننے والا اور امّہات المؤمنینؓ کے احترام کو سمجھنے والا کوئی معمولی آدمی بھی ایسا گمان تک نہیں کر سکتا تھا چہ جائیکہ اس الزام میں شریک ہوتا۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۞۱۷ وَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞۱۸ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ
اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ فِى الدُّنۡيَا
وَالۡاٰخِرَةِ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞۱۹ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ
عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۞۲۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ
يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ
مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰـكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ
سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۞۲۱

خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو خبردار پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور خدا تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ سب باتوں کا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے تو ان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے

اللہ خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ وہ بندوں پر مہربان ہے (تو تم دیکھتے کہ کیا ہوتا)۔ اے ایمان والو، شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شیطان کے قدم بقدم چلے گا تو وہ یقیناً اُسے بدکاری اور بُری بات کرنے کا حکم دے گا اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی پاک صاف نہ ہوتا مگر خدا جسے چاہتا ہے پاک و صاف کر دیتا ہے اور اللہ بڑا سننے والا واقف کار ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی کے گناہ کو مشہور کرتا ہے وہ مثل اس کے ہے جو خود گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن ایسے گناہوں کی روک تھام کی جائے جو بدکاری اور بُری باتوں کو رواج دینے والے ہوں، جیسے زناکاری۔ جوئے بازی۔ اور شراب خوری کے اڈے ہے۔ ایسے سب کارخانے لوگوں کے نفسوں کو خراب کرتے ہیں۔ یا چور ڈاکوؤں سے بچانے کے لیے ان لوگوں کی شناخت کرا دی جائے تاکہ ان کی دست اندازیوں سے لوگ محفوظ رہیں مطلب یہ ہے کہ معاشرہ میں جن امور سے خرابی پیدا ہوتی ہے ہر طرح ان کی روک تھام کی جائے۔ مؤمنوں کے درمیان فواحش کو اس لیے نہ پھیلایا جائے کہ ان کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو گی۔ جھوٹے الزامات کی اشاعت سخت گناہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ چونکہ مسطح (حضرت ابوبکرؓ کے خالو زاد بھائی تھے) نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی تھی اس لیے میرے باپ نے قسم کھائی تھی کہ مسطح کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہ کروں گا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جلسۂ عام میں بیٹھ کر لوگوں پر جھوٹے الزام ازراہِ دل لگی اور تمسخر بیان کرنے لگتے ہیں۔ معاشرہ میں اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا خدا نے اس سے روک دیا ہے اور اگر ایک بار ایسی غلطی سرزد ہو جائے تو ہرگز ہرگز اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے مؤمن بھائی کے ایسے عیب بیان کرنا جن کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہے اور بہتان کسی کے متعلق ایسی بُری بات کو نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ سنی سنائی باتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر مؤمن کے کسی عمل کو آنکھ سے بھی دیکھے تو چشم پوشی سے کام لے۔ مؤمن کا کوئی عیب افشا کرتے ہیں اس کے دل کو رنج پہنچے گا اور وہ تمہارا دشمن ہو کر تمہارے عیوب افشا کرنے میں آمادہ ہو جائے گا۔ اس طرح یہ بیماری متعدی بن جائے گی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ

يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

تم میں سے جو لوگ صاحب ثروت و مقدرت ہیں وہ رشتہ داروں محتاجوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کے متعلق یہ قسم نہ کھائیں کہ ہم ان کی مدد نہ کریں گے انہیں چاہیئے کہ ان کی خطا معاف کر دیں۔ اور ان سے درگزر کریں کیا تم اس کو دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے۔ اللہ تو بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کے متعلق لوگوں نے یہ طے کیا کہ ان کی مدد نہ کریں گے خصوصاً حضرت ابوبکرؓ نے مسطح کے متعلق یہ عہد کیا کہ وہ اس کی مدد کسی حالت میں نہ کریں گے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو عہد کرنے والوں نے اپنا یہ عہد توڑ دیا۔

مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اس قسم کے توڑنے کے بعد کفارہ دینا لازم ہو گا یا نہیں بعض کہتے ہیں نہیں قسم توڑ کر کسی امرِ نیک کی طرف جانا ہی اس کا کفارہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کفارہ دینا ہو گا۔ اس آیت میں کہیں اس کا ذکر نہیں کہ کفارہ معاف کر دیا گیا لہٰذا حضرت ابوبکرؓ وغیرہ پر کفارہ دینا لازم تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ
وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ
اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

جو لوگ پاک دامن بے خبر مؤمنات پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اس دن خدا ان کو ٹھیک ان کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ خدا بالکل برحق اور (حق کا) ظاہر کرنے والا ہے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسی پاکدامن سیدھی سادی مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو بیچاری اپنے سیدھے پن کی وجہ سے تہمت سے بے خبر ہوتی ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں لعنت ہے۔ قیامت میں تہمت لگانے والوں کے اعضا ہر اس بات کی گواہی دیں گے جو دُنیا میں کی گئی ہو گی۔

یہاں تک کا تمام بیان بہتان تراشی اور افترا پردازی سے روک تھام کے متعلق تھا۔ خدا نہیں چاہتا کہ کسی بے قصور پاکدامن عورت پر زنا کا الزام لگا کر اس عورت کو بدنام کیا جائے اور معاشرہ میں گندگی پھیلائی جائے۔ اس کے نقصانات معاشرہ کی رگوں میں زہر کی طرح سرایت کر جاتے ہیں۔ عورتوں کی زندگیاں تباہ ہوتی ہیں اور اس کے رشتہ داروں کے دل میں تہمت لگانے والوں کے خلاف جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے اور اس بغض و عناد سے آپس میں جنگ و پیکار کی نوبت آجاتی ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
ع ٣ ٩ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ
لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ
مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے مناسب ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے۔ پاک عورتیں

پاک مردوں کے لیے (موزوں) ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔ لوگ جو کچھ ان کی نسبت بکا کرتے ہیں، اس سے یہ لوگ بری الذمہ ہیں پاک لوگوں کے لیے (آخرت میں) بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ اے ایمان والو، دوسروں کے گھروں میں درّانہ نہ چلے جاؤ جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لو اور گھر کے رہنے والوں سے صاحب سلامت نہ کر لو یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ نصیحت اس لیے ہے) تاکہ تم یاد رکھو اگر ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک اجازت حاصل نہ ہو جائے ان میں داخل نہ ہو۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو (بے تأمل) پھر جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے اور جو تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے اس میں البتہ تم پر کوئی الزام نہیں کہ تم غیر آباد مکانات میں جس میں تمہارا کچھ سامان ہو (بے اجازت) چلے جاؤ۔ اللہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہے۔

زنا اور تہمت تراشی کے متعلق جو بیان اوپر سے چلا آرہا ہے اور جس کی روک تھام کے لیے بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے یہ آیات بھی اسی کا ضمیمہ ہیں۔ مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔

۱- یہ حکم نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ اور بیانِ فطرت ہے مطلب یہ ہے کہ اچھا اچھے ہی کو پسند کرے گا اور بُرا بُرے کو۔ مگر اس سے عصمت و غیر عصمت سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں خبائث سے مراد زنا پسندی ہے۔

۲- جو زناکار لوگ ہیں وہ ایسی ہی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر کوئی پاکدامن عورت ہے وہ کبھی ایسے مرد کو پسند نہ کرے گی جو زناکار ہو۔ اسی طرح کوئی مرد صالح اس عورت کو پسند نہ کرے گا جو بدکار ہو۔ اور اگر بدقسمتی سے ان کا جوڑ امل جائے تو ان میں نباہ مشکل ہو گا۔

۳- زانی مرد کو مومنہ عفیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ بدکار یا مشرکہ عورتوں سے شادی کریں۔ اسی طرح زانیہ عورت کو مومن پاکباز کے عقد میں نہیں جانا چاہیئے بلکہ وہ اپنے جیسے مردوں ہی کی صحبت میں رہنے کی زیادہ سزاوار ہے۔

۴- عہدِ رسالت میں چونکہ چند مرد اور چند عورتیں زانی تھیں لہٰذا مؤمنوں کو ان کے ساتھ رشتے ناطے کو منع کیا گیا تاکہ معاشرہ میں گندگی نہ پھیلے۔ تاکیداً ایک ہی مضمون کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح پاکدامن عورتیں پاکدامن مردوں سے تعلق رکھیں اور پاکدامن مرد پاکدامن عورتوں سے۔

۵- بُرے مرد بُری باتوں کے لیے موزوں ہیں اور اچھے مرد اچھی باتوں کے لیے۔ اسی طرح بُرے لوگ بُری باتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نیک لوگ نیک باتوں کی طرف۔

۶- یہاں ایک فطری حالت کا اظہار کیا گیا ہے جو مرد زناکاری اور بداطواری کی گندگی میں ملوث ہوں وہ کبھی

ایسی عورت سے شادی پسند نہیں کرتے جو نماز گزار عبادت گزار اور اپنے ایمان کی نگہداشت کرنے والی ہو۔ ایسی عورت سے اس بدکار کی طبیعت میل ہی نہ کھائے گی اور اسی طرح ایک نکوکار مرد کسی بدکار عورت سے اپنا تعلق پیدا نہ کرنا چاہے گا اور اگر یہ انمل بے جوڑ تعلق ہو جائے تو نتیجہ خراب ہوگا۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

چہ عجب گر فرو رود نفسش　　عندلیبِ غراب ہم قفسش

ایسی بے جوڑ شادیاں ہمیشہ مبنی بر طلاق ہوتی ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک ضروری بات اور کہی جا رہی ہے۔ اہلِ ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ کسی کے گھر میں بے اجازت نہ گھس پڑو نہ معلوم اس گھر کی خواتین کس حال میں بیٹھی ہوں۔ ممکن ہے تمہاری بدنظر کسی پر پڑ جائے اور پھر تم اس سے ناجائز تعلقات پیدا کرنے پر آمادہ ہو جاؤ یا اسی قسم کا کوئی اور فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے داخلہ کے لیے گھر والوں سے اجازت لے لو اور یہ کہ پہلے سے تمہارے ان کے صاحب سلامت بھی تو ہو۔ کسی اجنبی کے گھر میں بے اجازت داخل ہو جانا ایک اخلاقی جرم ہے۔

یہ گھر چاہے اپنے کسی رشتہ دار کا ہو یا اجنبی کا۔ بعض نے تُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا کا یہ مطلب لکھا ہے کہ داخل ہونے پر گھر والوں کے اُوپر سلام کرو یعنی السّلام علیکم کہو۔

کسی نے حضرت رسولِ خدا سے پوچھا کیا ماں کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت کی ضرورت ہے۔ فرمایا، ہاں! اُس نے کہا، میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں تو کیا ہر دفعہ اجازت لوں؟ فرمایا، کیا تُو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے بدن پر نگاہ کرے۔ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا، تو اجازت لے کر جایا کرو۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ باپ کو بیٹے کے یہاں جانے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں لیکن بیٹے کو ہے۔

اگر تم کسی ایسے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو جس میں گھر والے موجود نہیں تو مت داخل ہو جب تک گھر والے نہ آجائیں اور تمہیں داخلہ کی اجازت نہ دیں۔ اگر تم بے اجازت داخل ہو گئے ہو اور وہ کہیں کہ گھر سے نکل جاؤ تو فوراً باہر آجانا چاہیئے پس و پیش کی ضرورت نہیں۔

ہاں اگر غیر آباد گھر میں جاؤ اور وہاں تمہارا کچھ سامان رکھا ہے تو بے شک بے اجازت جا سکتے ہو۔

غور کیجیئے اسلام نے حفظِ ناموس کے لیے کتنی احتیاط ملحوظ رکھی ہے مگر افسوس ہے کہ اب یہ سب حدود منہدم کر دیئے گئے اور معمولی تعلقات والے گھروں میں بے دھڑک گھسے چلے آتے ہیں جس کے نتائج آنکھوں کے سامنے ہیں۔ احتیاط کے دروازے بند ہو کر بے حیائی کے دروازے کھل گئے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ

اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ
اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ
غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي
عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱

(اے رسول) مؤمنین سے کہدو کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لیے پاکیزگی (نفس) کی بات ہے۔ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے۔ اور اے رسول، ایماندار عورتوں سے بھی کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار (کے مقامات) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے (اُس کا گناہ نہیں) اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگھٹ مار کے) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں یا اپنے باپ داداؤں یا اپنے شوہر کے باپ

داداؤں یا اپنے بیٹوں یا شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی قسم کی عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہوں (مگر بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے) عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے آگاہ نہیں۔ اور نہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے پوشیدہ بناؤ سنگھار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہو جائے اور اے ایماندارو تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ بھی زنا سے بچانے اور ناموس کا تحفظ کرنے کا ایک حصّہ ہے۔ مردوں اور عورتوں سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم راستہ میں چلو یا مرد و عورت کسی جگہ آمنے سامنے ہوں تو دونوں کو چاہیئے کہ اپنی اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ فطرت کے رازدار جانتے ہیں کہ نگاہ میں ایک جادو ہے جو محبت کو اس طرح کھینچتا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو۔ جوان عورت و مرد کی نظر ملتے ہی دونوں کے دِلوں پر جو گزرتی ہے اُس کو دل والے ہی جانتے ہیں عشق و محبت کی بنیاد انہی نگاہوں کے غیر محسوس لطیف تاروں پر رکھی جاتی ہے۔ یہ جادو دونوں دلوں میں اوّل تو اضطرابی کیفیت پیدا کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ جنون کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی روک تھام کے لیے قدرت نے یہ احتیاطی تدبیر بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اب اس عقلی اور فطری احتیاط کو نہایت بے پرواہی کے ساتھ پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ عورتیں جی بھر کے مردوں کو دیکھتی ہیں اور مرد عورتوں کو، جب تک آیہ حجاب نازل نہ ہوئی تھی زناکاری لوگوں کا محبوب مشغلہ بنی ہوئی تھی۔ لیکن جب پردہ کا حکم ہُوا تو یہ شیطانی طوفان ایک بڑی حد تک رُک گیا تھا۔ اہلِ مغرب کی تقلید نے عورتوں کو بے حجاب کر کے اسلام پر ایسا ظلم کیا کہ بے شمار عفتیں نہایت بے باکی سے لُوٹی جا رہی ہیں۔

نگاہوں کی تڑپ سے بچانے کی تعلیم کے بعد دوسری احتیاط قدرت نے یہ بتائی کہ عورتیں دوپٹوں سے اپنے سینوں کو چھُپائے رہیں۔ کیونکہ چہرہ کے بعد مرد کی نگاہ عورت کی چھاتی پر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد شیطانی وسوسوں کی مرد کے دل میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور پھر جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ احتیاط بھی ختم ہو گئی۔ اب دوپٹہ ایک مفلر کی طرح گلے میں ڈال لیا جاتا ہے۔ تیسری احتیاط اس سلسلہ میں یہ تھی کہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کسی نامحرم کو نہ دکھائیں۔ ہاں جو چیزیں نہ چھپ سکیں ان کے لیے مجبوری ہے جیسے پاجاموں کے پائنچے کی گوٹ یا چادر کے کنارے۔ برقع اس لیے رکھا گیا تھا کہ زینت کی ہر چیز چھپی رہے لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی سے وہ بھی اُٹھ گیا اور جو کہیں کہیں رہ گیا ہے وہ لباس کے لیے گرد پوش کی حیثیت سے ہے نہ کہ بناؤ سنگھار چھپانے کے لیے۔ غرض ساری احتیاطی تدابیر ختم ہو گئیں۔ نتیجہ چاہے بُرا نہ نکلے مگر حکمِ حسنہ کی نافرمانی بذاتِ خود ایک بُرائی ہے۔ دروازے تو گھروں میں اس لیے لگائے جاتے ہیں کہ چور گھر میں داخل نہ ہو لیکن اگر اس پر بھی داخل ہو جائے تو مجبوری قابلِ معافی ہے۔ تمام اسلامی ممالک سے پردہ اُٹھ گیا اور جہاں سے

وہاں سے اٹھتا جا رہا ہے۔ اب کوئی پردہ کی حمایت میں ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتا اور آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کر کے یا مجبوریاں ظاہر کر کے بے پرواہی سے اس کے فوائد کے فتوے دیئے جاتے ہیں۔

مرد کی نظر اگر اچانک کسی عورت کے چہرے پر پڑ جائے تو گناہ نہیں لیکن بدنظر سے لذتِ نفس کے لیے دیکھنا گناہ ہے۔ کہا جاتا ہے، حج میں عورت کا چہرہ کھُلا رہتا ہے لیکن وہاں کوئی اس کی طرف دیکھنے والا ہی نہیں ہوتا۔ عورت کے چہرہ پر نظر کر کے کون کفارہ دے، کون اپنا حج ناقص بنائے لہٰذا وہاں مرد کسی عورت کی طرف نظر بھر کر دیکھتے ہی نہیں۔ ہاں یہود و نصاریٰ کی عورتیں جو بے پردہ گھومتی پھرتی ہیں۔ ان کی طرف نگاہ کرنا گناہ نہیں مگر بدنظر ڈالنے سے گریز کی جائے۔

یہ سب کچھ اس لیے کہا ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے شیطان کے جال ہیں۔ البتہ نیک نیتی سے کسی عورت کا مرد پر نظر کرنا گناہ نہیں لیکن اس نیک نیتی کا قائم رہنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہلکا سا شرارہ ایسا شعلہ بھڑکاتا ہے کہ بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ مرتے دم تک بجھتا ہی نہیں۔ مُلکی قوانین اور دفاتر کی پابندیاں اب کچھ ایسی ہو گئی ہیں کہ مرد سارے دن گھر سے باہر رہتا ہے اگر عورت گھر سے باہر نہ نکلے تو گھر کی ضروریات کیسے پوری ہوں۔ غریب آدمی نوکر رکھ نہیں سکتا۔ یہ سچ ہے لیکن عورتیں برقع میں نکل کر بھی یہ ضرورتیں پوری کر سکتی ہیں جیسا کہ محتاط عورتیں کرتی ہیں۔ بہرحال جتنی احتیاط ممکن ہو اتنی تو کی جائے۔ مجبوری کو خدا دیکھتا ہے وُہ معاف کرنے والا ہے۔

جو لوگ مغربی ممالک میں ملازمت کی غرض سے جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم اپنی بی بیوں کو برقع پوش بنا کر گھروں سے نکالیں تو وہ سو مکھٹوں میں ایک ناک والے کی مثال قرار پاتی ہیں۔ جہاں ایک حمام میں سب ہی ننگے ہوں وہاں ایک ستر پوش کی کھِلّی نہ اُڑے گی تو کیا ہوگا۔ ان سے عرض ہے، بے شک آپ کا کہنا درست ہے لیکن اگر مسلمان طے کر لیں کہ ہم برقع میں نکالیں گے تو دوسروں کو پتہ چل جائے گا کہ مسلمانوں میں یہ رسم ہے وہ اس کو توڑ نہیں سکتے تو یہ مضحکہ خیزی ختم ہو جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ شریعت کا حکم تو بدلا جا نہیں سکتا۔ رہا عمل تو اس کا بخشنا نہ بخشنا خدا کے اختیار میں ہے۔

سکھوں کو دیکھو وہ اپنی مذہبی رسم کے مطابق سر پر کیس بھی رکھتے ہیں اور پگڑی بھی باندھتے ہیں اور داڑھی رکھتے ہیں کرپان بھی باندھتے ہیں اور اس طرح ملکوں ملکوں میں گھومتے ہیں۔ سب جانتے ہیں یہ ان کی مذہبی چیزیں ہیں لہٰذا کوئی مذاق نہیں اُڑاتا۔ اگر سب مسلمان اس پر متفق ہو جائیں کہ ہم فرمانِ الٰہی کے مطابق اپنی عورتوں کو برقع پوش ہر جگہ لے جائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا مذاق اُڑایا جائے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ

يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِينَ
يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ
خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيٓ اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ
عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ
يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾

جو لوگ تم میں بے بیاہے ہیں اور جو نیک بخت غلام یا لونڈیاں ہیں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اگر وُہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں مالدار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی گنجائش والا واقف کار ہے اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیئے کہ پاکدامنی اختیار کریں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے۔ تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش کریں تو تم اگر ان میں کچھ صلاحیت دیکھو تو مکاتب کر دو اور خدا کے مال سے جو اس نے تمہیں دیا ہے ان کو بھی دو۔ اور تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں ان کو دُنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کرے گا تو خدا ان کی بے بسی کے بعد بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیامٰی، ایّم کی جمع ہے۔ ہر اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو غیر شادی شدہ ہو۔ عورت ہو یا مرد غلام ہو یا کنیز اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو غنی کر دے گا اس کے یہ معنی نہیں کہ شادی کرتے ہی ان کے گھر میں ہُن برسنے لگے گا یا کوئی خزانہ ان کے لیے اُبل پڑے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھر میں عورت کے آجانے سے نظام خانہ داری درست ہو جائے گا۔ عورت مرد کی آمدنی کو کفایت شعاری سے خرچ کرے گی۔ آمدنی کے اضافہ میں مدد دے گی۔ اکثر عورتیں جہیز بھی خاصہ لے آتی ہیں یہ بھی امکان ہے کہ انہیں اپنے میکے سے میراث میں کچھ حصہ مل جائے۔

جن لوگوں کی مالی حالت کمزور ہے اور اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ شادی کرنے کے بعد عورت کے اخراجات برداشت کر سکیں انہیں چاہیئے کہ پاکدامنی سے اتنا وقت گزاریں کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کی مالی حالت درست کر دے۔

اگر تمہارے غلام یا کنیز تمہیں کچھ روپیہ قسط وار دیتے رہیں کہ اُس کے بعد ان کو آزاد کر دو گے تو اسے قبول کر کے اسے مکاتب بنا دو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ جتنا روپیہ ادا کیا جائے اتنا آزاد ہوتا جائے۔ اُسے مکاتب مطلق کہتے ہیں۔ دوسرے جب تک کل رقم ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا اسے مکاتب مشروط کہتے ہیں لیکن یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ آوارہ تو نہیں اور رقم ادا کرنے میں ہٹ دھرمی سے تو کام نہ لے گا تو اُسے مکاتب بنا دو۔ کیونکہ خدا ہر مسلمان کو آزاد پسند کرتا ہے۔ اور یہ بھی تم پر فرض ہے کہ جو رقم طے ہوئی ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کو ۱/۴ رقم معاف کر دیا کرتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اگر غلام مکاتب ان سے مدد طلب کرے تو جو مال خدا نے ان کو دیا ہے اس میں سے اس کی حاجت بر آری کریں۔

جو کنیزیں پاکدامن زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں آقاؤں کو جائز نہیں کہ انہیں خرچ کمانے پر مجبور کریں لیکن اگر کوئی کنیز بدکاری کی مرتکب ہو تو اس کی ذمہ داری اس کی ذات پر ہے لیکن اگر مالک قحبہ گری پر مجبور کرے گا تو مالک اس کا ذمہ دار ہوگا اور یہ رقم اس کے لیے جائز نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں کنیز کا گناہ خدا بخشنے والا ہوگا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾ ع

ہم نے تمہاری طرف روشن آیات کو نازل کر دیا اور ان حالتوں کو بھی بیان کر دیا جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں یہ متقیوں کے لیے نصیحت بھی۔

زنا، افترا پردازی اور بے پردگی سے سابق قوموں پر جو مصیبتیں نازل ہو چکی ہیں تمہیں ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ حقیقتاً ہماری اس نصیحت سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کریں گے جو متقی و پرہیزگار ہیں۔ بے احتیاط اور لا اُبالی لوگوں کے اوپر کیا اثر ہوگا۔ وہ اپنی رائے و قیاس سے کام لے کر ہمارے احکام سے منہ موڑ لیں گے۔ لیکن وہ یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ افعال کے نتائج رائے اور قیاس کے ہٹانے سے ہٹتے نہیں۔

اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ اَلْمِصْبَاحُ

فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ
مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَ
لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ
وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (٣٥) فِي
بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا
بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (٣٦) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن
ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ
فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (٣٧) لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (٣٨)

اللہ آسمان و زمین (تمام کائنات کا) نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس کے اندر چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو اور وہ شیشہ روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہو۔ اور وہ چراغ درخت مبارک زیتون (کے تیل) سے روشن کیا گیا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی اور وہ تیل ایسا (روشن و شفّاف) ہو کہ اگر آگ اُسے چھوئے بھی نہیں تو ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا۔ غرض نور ہی نہیں بلکہ نور پہ نور کی جوت پڑ رہی ہے۔ خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ خدا لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے اور (وہ چراغ) ان گھروں میں روشن ہیں جن کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے ان میں اللہ کا

نام لیا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو تجارت غافل کر سکتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی (اس کی عبادت اس لیے کرتے ہیں) کہ خدا ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ بھی دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

ان آیات میں مفسرین کا بہت کچھ اختلاف ہے ہم ان سب سے قطع نظر کر کے صرف وہ تفسیر لکھتے ہیں جو ہمارے آئمہ سے منقول ہے۔ اللہ آسمان و زمین کا نُور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین یعنی ساری کائنات کا روشن کرنے والا ہے۔ یہ نہیں کہ آسمان و زمین کے اندر محدود ہے۔ کوئی حلقہ کوئی دائرہ کوئی مخلوق اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اب وہ اپنے روشن کرنے کی یعنی لوگوں کو ہدایت کرنے کی ایک مثال بیان کرتا ہے ایک طاق ہے (یعنی سینۂ رسالتؐ) اس میں ایک چراغ ہے یعنی نبوت۔ اور یہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہے یعنی اس روشنی کی حفاظت اس شیشہ سے ہوتی ہے جس سے مراد ہے امامت۔ جس طرح چراغ کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کے لیے چراغ پہ فانوس لگایا جاتا ہے اس طرح امامت اس چراغ نبوت کو کفار و مشرکین کے حملوں سے بچاتی ہے۔ فانوس سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی میں زیادہ چمک پیدا ہو اور یہ چراغ جس تیل سے روشن کیا گیا ہے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ اس سے مراد یہ ہے آنحضرتؐ نسل ابراہیمی سے ہیں جو نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ یہودی کہتے ہیں ابراہیمؑ ہم میں سے تھے یعنی یہودی تھے۔ نصرانی کہتے تھے ہم میں سے تھے یعنی نصرانی تھے۔ خدا کہتا ہے وہ سچے مسلمان تھے نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ نُورٌ عَلٰی نُورٍ سے مراد یہ ہے کہ حفاظتِ شریعت نبویؐ کے لیے شیشہ پر شیشہ لگا ہوا تھا یعنی بارہ امام اس کے محافظ تھے۔ گویا نور پہ نور چڑھا ہوا ہے۔ اب اس مثال کی اور زیادہ وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن ہے جو عظمت و احترام والے گھر ہیں اور جن میں ہمیشہ خدا کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور صبح و شام اس کی تسبیح ہوا کرتی ہے۔ یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا گھر۔ اس کے بعد اور وضاحت کی جاتی ہے کہ اس مثال کے مصداق وہ لوگ ہیں جن کو ذکرِ خدا سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت روکتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ تمام مسلمانوں کی طرح نہیں ان کے درجات بہت بلند ہیں وہ اس دن (قیامت) سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے لوگوں کے دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی جو اس بات سے ہو جائیں گے۔ یہ نیک اعمال ہی اس لیے کرتے ہیں کہ روزِ قیامت انہیں بہتر سے بہتر جزا ملے۔ اور خدا اپنے فضل و کرم سے ان کے اجر میں اور زیادتی کرے۔

ـــ لوگوں نے اس کے علاوہ جو تفسیریں بیان کی ہیں وہ ان آیات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

لفظ نُور کے بارہ میں بھی لوگوں کا بڑا اختلاف ہے عموماً کہا جاتا ہے کہ نور وہ ہے جو اپنی ذات

میں روشن ہوا ور دوسرے کا روشن کرنے والا ہو لیکن یہ حقیقت نہیں صفت ہے۔ اس کی حقیقت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ خدا کی سب سے پہلی مخلوق نورِ محمدیؐ ہے۔ جیساکہ حضرتؐ نے فرمایا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حضورؐ اوّل مخلوق تھے تو تھے کہاں؟ جواب یہ ہے کہ کہاں اور کب کا سوال اُس کے لیے ہے جو عالمِ امکان کے اندر ہو۔ اور جہات میں محدود ہو۔ لیکن چونکہ نورِ محمدیؐ جہات کے پیدا ہونے سے پہلے خلق ہوا تھا لہٰذا اس کے متعلق یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وقت اور مکان دو چیزوں کے درمیان کسی چیز کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً سورج جب نصف النّہار پر آتا ہے تو آپ کہتے ہیں بارہ بجے ہیں۔ پس اگر سورج کا مشرق اور خطِ استواء نہ ہو تو آپ وقت معلوم نہیں کرسکتے۔ یہ تو مادے کے مکان و زماں کے اصول ہیں آپ اس کو نُوری دُنیا میں کیوں تلاش کرتے ہیں وہاں کے اصول آپ کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتے کیونکہ آپ کی عقل جہات کے اندر ہی چکر کھا سکتی ہے۔ کنوئیں کی مینڈک کیا جانے کہ سمندر کتنا بڑا ہے اور اس کی حدود کہاں تک ہیں۔

یونانی فلاسفروں کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا مادہ کے اجزائے لایتجزیٰ سے بنی ہے۔ اس نظریہ کے تحت وہ مادہ کو قدیم مانتے تھے اور اجزائے لایتجزیٰ مادہ کے وہ جز سمجھے جاتے تھے جن کا تجزیہ نہ ہوسکے یعنی ایٹم۔ لیکن جدید سائنس نے یہ ثابت کردیا کہ اجزائے لایتجزیٰ کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب ایسے کسی جز کو توڑا جاتا ہے تو بجلی کی دو شعاعیں نکل کر اس کے وجود کا خاتمہ کر دیتی ہیں یعنی جب بجلی کی دو شعاعیں مِل جاتی ہیں تو ایک مادی جز بن جاتا ہے۔ اس عمل سے یہ پتہ چلا کہ جس چیز سے کائنات بنی ہے اس کی اصل مادّہ نہیں ہے بلکہ برقی یعنی نورانی شعاعیں ہیں انہی کے عمل سے مادہ کے ذرّات بنے اور ان ذرّات سے تمام کائنات وجود میں آئی۔

پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ اوّل مخلوق نُورِ محمدیؐ ہے تو حضورؐ کے اس قول پر بھی نظر ڈالیے اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ (میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں)۔ برقی قوت نام ہے دو شعاعوں کا مثبت و منفی۔ ورنہ ایک شعاع کوئی چمک پیدا نہیں کرسکتی نہ کوئی قوت کہلا سکتی ہے جب تک دو شعاعیں مِل کر کام نہ کریں۔ پس اب بات صاف ہوگئی۔ یہ کائنات نورِ محمدؐ و علیؑ کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ بنیادِ تمام کائنات کی نورِ محمدؐ و علیؑ ہے اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ بھی خلق نہ ہوتا۔ جیساکہ حدیثِ قدسی میں ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ (اے محمدؐ، اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا)۔ یعنی افلاک کا وجود تمہارے بعد ہے۔ افلاک کے بعد رفتہ رفتہ تمام مخلوق وجود میں آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ اولیںؐ کو تمام مخلوق پہچانتی ہے اور ان کی تعظیم بجا لاتی ہے۔

جس طرح یہ عالم مادی ہے اسی طرح ایک عالمِ نُور بھی ہے اس کی خصوصیات عالمِ مادی سے جداگانہ ہیں۔ لہٰذا ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم تو ابھی تک عالمِ مادی کو بھی نہیں سمجھ سکے عالمِ نُور کو کیا سمجھیں گے لہٰذا اس کے متعلق عقل لڑانی بے سُود ہے۔ عرشِ الٰہی بھی اس عالمِ نُور کی ایک مخلوق ہے۔ نورِ محمدیؐ اس کے تحت تسبیح و تقدیسِ الٰہی کرتا تھا، جیساکہ حضورؐ نے فرمایا ہے، کُنَّا اَشْبَاحًا مِنْ نُوْرٍ تَحْتَ عَرْشِ اللّٰہِ

نُسَبِّحُہٗ وَنُقَدِّسُہٗ۔ (ہم ایک نورِ قدیم کا پرتو تھے عرشِ الٰہی کے نیچے تسبیح و تقدیس کرتے تھے)۔ اور جیساکہ حضورؐ نے فرمایا یہ نُور خلقتِ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا ہوا تھا جبکہ عالمِ نور کا ایک دن ہماری دنیا کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے۔ ہے کسی محاسب کے قلم کی طاقت کہ اس کا شمار کرسکے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ
حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ۙ۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ
مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ
اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ
مِنْ نُّوْرٍ ۝ۧ۴۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ع ۵ ۱۱
وَالطَّيْرُ صٰۗفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲

جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان کا چمکتا ہوا ریت جسے پیاسا دُور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا (اور پیاسا تڑپ کر مرجاتا ہے) اور اس نے خدا کو اپنے پاس موجود پایا خدا نے جس کا حساب چکا دیا اور خدا تو بہت جلد حساب کرنے والا ہے یا (کافروں کے اعمال کی مثال) اس بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی سی ہے جس کے اُوپر ایک موج اس پر دوسری موج اس کے اوپر بادل (تہ بر تہ) غرض تاریکیاں ہیں کہ ایک دوسرے پر اُمڈی چلی آتی ہیں کہ اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو (شدّتِ تاریکی سے) اُسے دیکھ نہ سکے اور جسے خود خدا

ہی نے ہدایت کی روشنی نہ دی ہو اس کے لیے کہیں کوئی روشنی ہی نہیں۔ کیا تُو نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوق آسمان وزمین کے درمیان ہے اور پرندے پر پھیلائے اُسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں اور جو کچھ یہ کیا کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے آسمان وزمین کی سلطنت سب اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہاں کفّار کے اعمال کی دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال سَراب کی ہے کہ دُور سے تو وہ پانی معلوم ہوتا ہے لیکن پاس جاؤ تو کچھ بھی نہیں۔ پیاسا ایک قطرہ وہاں سے نہیں پاسکتا۔ کفّار کی ظاہری تزک بھڑک سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت معقول لوگ ہیں ان کے اعمال بہت اچھے ہیں لیکن حقیقت میں وُہ کچھ بھی نہیں۔ ان کے اعمال کا کوئی اجر نہیں، کفر نے سب پر پانی پھیر دیا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی بداعمالیوں کی تہ پرتہ جمی چلی جاتی ہے چاہے وہ کیسے ہی رفاہِ عام کے کام کرتے ہوں مگر ان کے کفر کی وجہ سے سب بے اجر رہیں گے۔ خدا کی سرکار سے ان کو کوئی اجر نہ ملے گا کیونکہ کفر کی تاریکیاں تہ بہ تہ اس پر اس طرح چھائی ہوئی ہیں جیسا قرآن نے بیان کیا ہے۔ پھر ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی کیا اُمّید ہوسکتی ہے۔ آج کل کی دنیا میں سائنس دانوں کے کام تو لوگوں کو بڑے محیّر العقول نظر آتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے کرتے مرے جاتے ہیں مگر خلّاقِ عالم کی صنعتوں پر نظر نہیں کرتے۔ ہوائی جہاز ہوا میں اُڑتا ہے، تو کہتے ہیں واہ واہ، اس کے صانع نے کیا کام کیا ہے کہ عقل حیران ہے لیکن کبھی اس خدا کی تعریف نہیں کرتے جس نے بے شمار پرندے ہوا میں اُڑا رکھے ہیں اور جن کو دیکھ کر آدمی نے ہوائی جہاز بنایا ہے۔ جتنی مشینیں آج دنیا میں کام کر رہی ہیں یہ سب خدا کی صنعت کی رہینِ منّت ہیں، انہی کو دیکھ کر تو ہر مشین بنائی گئی ہے۔ اگر وہ خدا کی صنعتوں کو سمجھتے تو پھر اس کے وجود سے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہر جانور اپنے خالق کو پہچانتا ہے اور اس کی حمد کی تسبیح کرتا ہے لیکن اسے نہیں پہچانتا تو یہ کافر انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پرندوں کی تسبیح کیسے سمجھی جائے تو جواب یہ ہے کہ علم منطق الطیر پہلے حاصل کرو ورنہ اپنے اور اُن کے خالق کے فرمانے پر ایمان لاؤ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ

يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۞٤٣ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۞٤٤

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو چلاتا ہے پھر وہی اسے باہم جوڑتا ہے پھر اُسے تہ بہ تہ رکھتا ہے پھر بارش اس کے درمیان سے پھوٹ نکلتی ہے اور آسمان میں جو (جمع شدہ بادلوں کے) پہاڑ ہیں ان میں سے وہی برساتا ہے پھر انہیں جس کے (سر) پر چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی کوند آنکھوں کی روشنی اُچک لے جائے۔ خدا ہی رات اور دن کو پھیر بدل کرتا رہتا ہے بیشک اس میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

پہاڑوں سے مراد سردی سے جمے ہوئے بادل ہوسکتے ہیں جو اُولے گراتے ہیں۔ یہ بادل اپنی قدرت سے جس جگہ چاہتا ہے برساتا ہے کس میں یہ طاقت ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے بارش کرائے۔ یہ بھی اس کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ پانی کے دامنوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ یہی پانی جب تک دریاؤں اور سمندروں میں رہتا ہے چاہے کیسا ہی سیلاب آئے کیسا ہی طوفان برپا ہو بجلی کی چمک اس میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اوپر جاتے ہی حالت بدل جاتی ہے، کھاری پانی میٹھا ہو کر برستا ہے، بجلیوں کی تڑپ پیدا ہوجاتی ہے، رعد کی گرج سُنائی دیتی ہے بہت امراض کا یہ پانی علاج بن جاتا ہے۔ صدف کے منہ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔ سانپ کے پیٹ میں جاتا ہے تو زہر ہوجاتا ہے۔ شہد کی مکھی کے پیٹ میں جاکر شہد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ریشم کے کیڑے کے دہن سے نکلتا ہے تو ریشم کا تار نظر آتا ہے۔ سُبحانہٗ ما اعظم شانہٗ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا
يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞٤٥

اللہ نے زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا، ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو پیٹ کے بَل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ خدا جو

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ہر شئے پر قادر ہے۔

ہر زمین پر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے قدرت نے جانوروں کی درجہ بندی (Classification) اُن کے چلنے کے طریقہ پر کی ہے۔ کچھ پیٹ کے بل چلتے ہیں کچھ دو پاؤں پر اور کچھ چار پر۔ ماہرینِ علمِ حیوانات کے لیے لمحۂ فکر ہے جنہوں نے درجہ بندی ریڑھ کی ہڈی ہونے اور نہ ہونے پر کی ہے۔

جس جانور کے نظامِ حیات برقرار رکھنے کے لیے جو صورت مناسب سمجھی ہے وہ عطا فرمائی ہے۔ کسی کو اعتراض کا اس لیے حق نہیں کہ وہ رموزِ قدرت سے واقف ہی نہیں۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤٦)
وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (٤٧) وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (٤٨) وَاِنْ يَّكُنْ
لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ (٤٩) ؕ اَفِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ
ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٥٠) ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (٥١)

ہم نے روشن آیات کو نازل کیا اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت اختیار کی اس کے بعد ان میں سے ایک

منافقوں کی علامات

گروہ (حکمِ خدا سے) منہ پھیر لیتا ہے یہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بُلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے درمیان (جھگڑے کا) فیصلہ کر دیں تو ایک گروہ ان میں سے منہ پھیر لیتا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) اگر حق ان کی طرف ہوتا تو گردن جھکائے (چپکے سے) رسول کے پاس دوڑے ہوئے آتے۔ تو کیا ان کے دل میں (کفر کا) مرض باقی ہے یا شک میں پڑے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مبادا خدا اور اس کا رسول ان پر ظلم کر بیٹھیں گے (یہ سب کچھ نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی ظالم۔ ایمانداروں کا قول تو یہ ہے کہ جب ان کو خدا و رسول کے پاس بُلایا جاتا ہے کہ ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیں تو کہتے ہیں ہم نے سُنا اور دل سے مان لیا اور یہی لوگ آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

عہدِ رسالت میں منافقوں کا ایک پُورا گروہ تھا جو سب کے سامنے تو یہ ظاہر کرتے پھرتے تھے کہ ہم اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اور ان کے حکم کے ماننے والے ہیں لیکن ان کے دل میں چور تھا یہ جو کچھ کہتے تھے وہ اُن کے دل کی آواز نہ ہوتی تھی اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب ان کے درمیان کوئی باہمی جھگڑا ہوتا تھا اور رسولؐ اُن کو فیصلہ کے لیے بُلاتے تھے تو جو فریق حق پر نہیں ہوتا تھا وہ اس خوف سے رسولؐ کے پاس نہیں آتا تھا کہ آپؐ اس کے خلاف فیصلہ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل میں کفر کا مرض باقی ہے اور وہ رسولؐ کی صداقت اور اللہ و رسولؐ کے فیصلہ پر ایمان نہیں لائے۔ مؤمن کبھی ایسا نہیں کرتے۔ وہ جب کوئی مقدمہ رسولؐ کے سامنے لاتے ہیں تو ان کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے ہیں اور جو حکم وہ دیتے ہیں بجا لاتے ہیں۔ آخرت میں فلاح پانے والے ایسے ہی لوگ ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ (٥٢) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ
لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ (٥٣) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ
تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (٥٤)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور خدا سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو یہ لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں (اے رسول) ان (منافقوں) نے تمہاری اطاعت کے بارہ میں خدا کی سخت سے سخت قسمیں کھائی ہیں کہ تم اگر انہیں حکم دو تو بلا عذر (گھر چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں گے۔ تم ان سے کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے جو عمل تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے، اے رسول کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم منہ پھیرو گے تو (سمجھ لو) رسول پر جو بار رکھا گیا ہے وہ اس کا ذمّہ دار ہے اور تم پر جو بار رکھا گیا ہے اس کے تم ذمّہ دار ہو۔ اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور ہمارے رسول پر تو واضح طریق سے (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا فرض ہے۔

جس جھگڑے کا گزشتہ آیات میں ذکر ہے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ بشر منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی آنحضرتؐ کو یہ سمجھتے ہوئے کہ آپؐ کا فیصلہ برحق ہوگا حکم بنانا چاہتا تھا اور بشر کعب بن اشرف یہودی کو ثالث بنانے کا خواہشمند تھا اس کے دل میں یہ ڈر لگا تھا کہ شاید حضرتؐ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا حضرت علیؑ اور مغیرہ بن وائل کے درمیان تھا۔ مغیرہ حضرتؐ کو حکم بنانے پر راضی نہ تھا اس نے حضرتؐ کو ظالم کہا تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ سے ایک زمین خریدی تھی۔ اس میں پتھر نکل آنے کی وجہ سے واپس کرنا چاہا۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اپنا حکم رسولؐ کو قرار دیا اس پر حکم بن العاص نے حضرت عثمانؓ سے کہا تم اس کو نہ مانو کیونکہ رسولؐ اللہ اپنے چچازاد بھائی کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ دیں گے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

(مسلمانو) تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جنہوں نے اعمالِ صالحہ کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین کا اس طرح خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس پر ان کو پوری قدرت دے گا اور ان کے خوفزدہ ہونے کے بعد ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت اطمینان سے کریں گے اور میرا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد بھی انکار کرے تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔

اس آیت کو آیۂ استخلاف کہتے ہیں اس کی تفسیر میں مسلمانوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے بعض لوگ اس سے خلافت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی حقانیت پر دلیل لاتے ہیں بعض خلافتِ اجتماعی کا برحق ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ہم شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آیت ظہور قائم آلِ محمدؐ کے متعلق ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق ہم یہاں چند ضروری باتیں بیان کرتے ہیں

ــ اللہ کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان لانے والے اور عملِ صالح بجا لانے والے ہیں۔ اگر اس وعدہ کا تعلق عام مومنین و صالحین سے ہو تو آیت میں جو مضمون آگے بیان کیا گیا ہے اس کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ مومنین و صالحین کا ایک گروہ ہے جن کے مختلف طبقات و درجات ہیں لہٰذا یہ وعدہ صفِ اوّل کے مومنین و صالحین سے متعلق ہونا چاہیئے۔ ورنہ افضل کے ہوتے مفضول سے کوئی ایسا وعدہ کرنا صاحبانِ فضیلت پر ظلم ہوگا۔ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ یہ وعدہ ایسے مومنوں سے متعلق ہونا چاہیئے جن کے ایمان میں کسی وقت بھی جھول نہ آیا ہو نہ ہی سلوٹ پڑی ہو۔ اوّل سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہے ہوں کسی مسئلہ دین میں کبھی کوئی ہلکا سا شک بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوا ہو۔ ایسے مومنین کاملین سوائے اہلبیتِ رسولؐ مسلمانوں کے کسی طبقہ میں نہیں پائے جاتے۔ انہی مومنین کی ایک فرد یعنی علیؑ بن ابی طالب کے متعلق رسولؐ نے یومِ فتح خندق پر فرمایا۔ بَرَزَ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ اِلَى الْكُفْرِ كُلِّهٖ انہی مومنین میں کی ایک فرد ہر زمانہ میں لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پ۱۳) کی مصداق بنتی چلی آرہی ہے۔ رہے صالحین تو سوائے اہلبیتِ رسولؐ کوئی گروہ ایسا نہیں پایا جاتا جس کے اعمالِ صالحہ اوّل سے آخر تک بے دھبّہ رہے ہوں۔ بے راہ روی کی ہلکی سی چھینٹ بھی ان کے دامنِ اعمال پر نہ پڑی ہو۔ جا بجا آیتوں میں صالح المومنین سے مراد امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔

پس تختِ شاہی پر بیٹھنے والے مسلمانوں میں چاہے کتنے ہی ہوں اور مشرق سے مغرب تک پرچم سلطنت کو لہرانے والے کوئی بھی ہوں یہ وعدہ ان سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایمان و عمل صالحہ کے دائرہ میں ان کا اقتدار اعلیٰ تسلیم نہ ہو، جب تک قرآن و حدیث دونوں سے ان کی عصمت کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ جو لوگ عصمت کے دائرہ سے باہر نظر آئیں گے ایمان و عملِ صالح کی کمزوری کا امکان ان کی ذات سے کسی وقت جدا نہیں ہو سکتا۔

ــ وعدۂ الٰہی یہ ہے کہ ان کو اسی قاعدۂ قانون کے تحت خلیفہ بنایا جائے گا جیسا اس نے پہلے بنایا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ استخلاف کن اصولوں کے تحت تھا۔

ہر رسول کا خلیفہ منصوص من اللہ ہوتا ہے۔ نبی یا رسول کو اپنا جانشین بنانے کا خدا نے کوئی حق نہیں دیا تھا

آیہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی (طٰہٰ ۲۰/۳۰) سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اپنے خلیفہ یا جانشین کے لیے صرف سفارش کر سکتا ہے خود نہیں بنا سکتا۔ دوسرے کسی رسول کی خلافت اس کے خاندان والوں میں سے ہی مخصوص ہوتی ہے اور وہ بھی قریب ترین فرد سے۔ تیسرے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ کام امت کے سپرد کیا گیا ہو کہ تم جسے چاہو بنا لو۔

پس جبکہ قاعدہ مسلم ہے تو وعدۂ الٰہی کسی ایسے شخص ہی سے متعلق ہو سکتا ہے، جو صاحب ایمان کامل ہو۔ صالحین کی ممتاز فرد ہو۔ رسولؐ کے خاندان والا ہو۔ خدا اور رسولؐ نے اس کو معین کیا ہو۔ اس کی خلافت پر نص ہو۔

وعدہ یہ ہے کہ دینِ اسلام پر پورا پورا تمکّن اس کو حاصل ہوگا جس سے یہ وعدہ کیا گیا ہے۔ پورا پورا اقتدار اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ سوائے دینِ اسلام اور کوئی دین دُنیا میں پایا ہی نہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک سے آج تک کوئی وقت ایسا نہیں آیا کہ تمام ادیان مٹ کر صرف دینِ اسلام ہی کا پرچم ہر خطۂ زمین پر لہرایا جاتا رہا ہو۔ ہر زمانہ میں ہر دین موجود رہا ہے۔ بودھ مت۔ ہندو دھرم۔ مذہب زرتشت۔ یہود و نصاریٰ دہریہ۔ زندیق میں سے کوئی مذہب بھی غائب نہیں ہوا۔ پھر کیسے مان لیا جائے کہ دینِ اسلام کو سطح زمین پر پورا پورا تمکن حاصل ہو گیا ہو۔ اور اسلامی سلطنت کے سوا کوئی حکومت دُنیا میں قائم ہی نہیں رہی۔

یہ مبارک دَور سوائے ظہورِ قائم آلِ محمدؐ کوئی دوسرا دَور نہیں ہو سکتا۔ آپؑ ہی کے ظہور کے وقت مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک سوائے دینِ اسلام کے کوئی دوسرا دین پایا ہی نہ جائے گا۔ جیسے آبادیِ زمین کے آغاز میں ایک ہی امت تھی اس طرح آخر زمانہ میں بھی ایک ہی امت ہوگی۔ حسب فرمودۂ رسولؐ حضرت حجت قائم آلِ محمدؑ تمام دُنیا کو عدل و داد سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اس کا نام ہے تمکن فی الدین۔ اور یہ ہوگا وہ دَور یعنی استخلاف جو اسی قاعدہ کے تحت ہوگا جو انبیاءؑ و مرسلینؑ میں جاری رہا ہے۔ حضرت حجتؑ منصوص من اللہ خلیفہ بھی ہیں اور رسولؐ کی اولاد بھی۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا، هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح ۴۸/۲۸)۔ (اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔) اس آیت کی رُو سے دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب آنا چاہیے۔ پس یہ پیش گوئی جواب تک پُوری نہیں ہوئی آخر زمانہ میں ظہورِ امامِ عصرؑ کے وقت ہی پوری ہوگی۔ یہ وہی وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰؑ جو بنی اسرائیل کے حجت آخر تھے آسمان سے اتریں گے اور حضرت حجت علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

سب سے آخر میں کہا گیا ہے کہ خدا اس زمانہ میں خوف کو امن سے بدل دے گا تاکہ سب لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت بے کھٹکے کریں ایسا وقت بھی ابھی تک نہیں آیا کہ مسلمان ہر خطۂ زمین پر بے خوف و خطر عبادت بجا لاتے رہے ہوں جہاں جہاں غیر مسلمین کی حکومتیں ہیں وہاں آزادی سے مسلمان عبادت نہیں کر سکتے۔ تاریخ اسلام میں دیکھو کیسے کیسے ظلم ان پر ہوئے ہیں۔ ان کو عبادت سے روکا گیا ہے۔ ان کے عبادت خانے مسمار کیے گئے ہیں۔ شعائرِ اسلام کی بے حرمتی کی گئی ہے اور اب بھی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا عقلی اور نقلی فیصلہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا ہونا چاہیے کہ

ہر رکاوٹیں برطرف ہو جائیں۔ دُنیا ظلم و تشدد کے دروازے بند ہو جائیں۔ شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگیں۔ رُوئے زمین پر کہیں خدائے واحد کی عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ ہو۔ انشاء اللہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا۔ لوگ اسے دُور سمجھتے ہیں اور ہم بہت قریب۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾ ع يٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾

ع ۷/۱۲

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے رسول، تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ کفار زمین پر چل پھر کر ہمیں عاجز کر دیں گے (یہ خود عاجز ہو جائیں گے) ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو، تمہارے لونڈی غلام اور وہ لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو چاہیئے کہ (دن رات میں) تین بار تمہارے پاس آنے کی اجازت تم سے طلب کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جب تم (گرمی کی وجہ سے) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان کے علاوہ آنے میں نہ تم پر

اوقاتِ عورت

کوئی الزام ہے نہ ان پر کیونکہ باقی اوقات ایک دوسرے کے پاس آیا جایا ہی کرتے ہیں۔ اللہ اپنے احکام کو یونہی کھول کر بیان کیا کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

کفار و مشرکین اِدھر اُدھر قبائل میں چکر لگا کر حضورؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتے تھے لوگ جب یہ خبریں حضورؐ سے بیان کرتے تھے تو آپؐ پریشان ہوتے تھے۔ خدا تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ تم ان باتوں کا خیال ہی نہ کرو۔ یہ ہم پر غالب نہیں آسکتے۔

مذکورہ تین اوقات میں اس لیے بے اجازت آنے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگ عموماً ان تین اوقات میں بے تکلفی سے کپڑے اُتار دیا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی کا بے اجازت آجانا لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾
وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ
جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ
يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

(اے ایماندارو) جب تمہارے بچے حدِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو یہ بھی اسی طرح تم سے اذن حاصل کریں جس طرح ان کے قبل (بڑی عمر) والے (گھر میں آنے کی) اجازت لیا کرتے تھے۔ یوں ہی خدا اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ بڑا واقف کار حکیم ہے۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی خواہش نہیں رکھتیں وہ اگر اپنے کپڑے (دوپٹہ وغیرہ) اُتار کر (سر ننگا کر لیں) تو اس میں ان پر گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو اپنا بناؤ سنگھار دکھانا مقصود نہ ہو اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔

والقواعد من النساء (بیٹھ رہنے والی عورتیں) ان سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جنہیں نکاح کی خواہش نہ رہی ہو اور جنہیں دیکھ کر لوگوں کے دل میں کوئی بدخواہش پیدا نہ ہو۔ ایسی عورتیں اگر گرمی کی وجہ سے اپنا دوپٹہ یا چادر اُتار دیں بشرطیکہ ان کو اپنی کوئی زینت دکھانا مقصود نہ ہو تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ زینت نہ دکھانے کی قید اس لیے لگا دی ہے کہ بصورتِ زینت معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مردوں کو رجھانے کا جذبہ چاہے وہ ہلکی ہی صورت میں ہو اس کے اندر باقی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ
بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ
اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا
جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

اس امر میں نہ تو اندھے آدمی کے لیے مضائقہ ہے نہ لنگڑے پر الزام نہ بیمار پر کوئی گناہ نہ خود تم لوگوں پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا نانا وغیرہ کے گھروں سے یا اپنی ماں دادی نانی وغیرہ کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور

اس میں بھی تم پر کوئی الزام نہیں کہ سب مِل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ بس جب تم گھروں میں داخل ہو (اور وہاں کسی کو نہ پاؤ) تو خود اپنے اوپر سلام کر لیا کرو جو خدا کی طرف سے ایک پاکیزہ تحفہ ہے خدا اسی طرح اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

غور کیجیئے اسلام نے محبت بڑھانے اور اتحاد قائم کرنے کے لیے کیا اچھا طریقہ تعلیم کیا ہے۔ جب معذور و مجبور لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے تو اوّل تو ان معذوروں کی ہمت افزائی ہوگی دوسرے تندرست و لتمند افراد کی تواضع و انکساری کا اظہار ہوگا۔

دوسرے رشتہ داروں کے پاس جا کر کھانا بھی باہمی ربط و ضبط کو بڑھائے گا اور رشتہ داری کے تعلقات مضبوط ہوتے جائیں گے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب کوئی گھر بند کر کے کسی دوسرے کے یہاں جانے لگے تو اپنے گھر کی کنجی اپنے پڑوسی کو کسی ضرورت کی بنا پر دے جائے، یہ بھی باہمی اعتماد اور صحت مند تعلقات کا ایک طریقہ سمجھو کنجی لینے والا اپنی دیانت کا ثبوت پیش کرتا ہے اور دینے والا ہمسایہ کی ذات پر پورے وثوق کا۔ قدیم عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ الگ الگ کھاتے اور ہندوؤں کی طرح ایک جگہ مل کر کھانا بُرا سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس رسم کو توڑ دیا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى
اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ
شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ایماندار تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہوں اور جب کسی ایسے کام کے لیے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے رسول کے پاس جانا ہو تو بغیر ان سے اجازت لیے نہ جائیں۔ اے رسول جو تم سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ (دل سے) خدا اور اس کے رسول پر ایمان

بے اجازت رسولؐ کے پاس سے نہ جاؤ

لاتے ہیں۔ جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو تم ان میں سے جن کو چاہو اجازت دے دیا کرو اور خدا سے ان کی بخشش کی دعا بھی کرو۔

ایمان کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی ضرورت سے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہو تو یوں ہی بے تأمّل و توقف حضرتؐ کے پاس نہ جا بیٹھنا چاہیئے بلکہ حضورؐ سے آنے کی اجازت لینی چاہیئے۔ اسی طرح جب جانا ہو تو بھی بے اجازت اُٹھ کر نہ چل دینا چاہیئے۔ ان آداب کا لحاظ جنگ و صلح دونوں حالتوں میں ہونا چاہیئے۔

جنگِ اُحد سے ایک روز قبل حنظلہؓ بن عباس نے حضرتؐ سے اجازت لے کر عقد کیا اور دوسرے ہی دن باذنِ رسولؐ لڑائی میں شرکت کر کے شہید ہوئے۔ اسی کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ
اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ
اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

اے مسلمانو، جس طرح تم میں سے ایک دُوسرے کو نام لے کر بُلایا کرتا ہے اس طرح رسول کا بلانا نہ سمجھو۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر (پیغمبر کے پاس سے) کھسک جاتے ہیں تو جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہ مبادا ان پر کوئی مصیبت آ پڑے یا ان پر دردناک عذاب نازل ہو خبردار جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے جس حالت میں تم ہو خدا خوب جانتا ہے اور جس دن یہ لوگ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو کچھ ان لوگوں نے کیا کرایا ہے خدا بتا دے گا اور خدا تو ہر شے سے خوب واقف ہے۔

خدا نے اپنے رسولؐ کی ایک اعزازی اور احترامی شان رکھی ہے۔ امت والوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ

حضرتؐ کا نام لے کر پکاریں بلکہ یا رسولؐ اللہ، یا نبیؐ اللہ کہہ کر پکارنا چاہیئے۔ یا محمدؐ کہہ کر نہیں۔ خدا نے اس احترام کو اس حد تک محفوظ رکھا ہے کہ خود بھی کہیں قرآن میں یا محمدؐ کہہ کر نہیں پکارا بلکہ صفات سے پکارا ہے جیسے یٰسٓ، المزمّل، المدثر، یا ایہا النبیؐ، یا ایہا الرسولؐ۔ اس نے مسلمانوں کو اجازت نہیں دی کہ رسولؐ کی مخالفت کریں۔ درصورتِ مخالفت ان پر سخت عذاب آئے گا یا کوئی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ یہ بھی اجازت نہیں دی کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز بھی بلند کر سکیں۔ جن لوگوں نے ایسا کیا ہوگا سمجھ لیجئے ان کا کیا حشر ہوگا۔

(٢٥) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (٤٢)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ (١)
الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ
شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (٢) وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (٣)

مبارک ہے وہ ذات (خدا) جس نے قرآن کو اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کو ڈرانے والا ہو۔ وُہ وہ خدا ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے نہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں شریک ہے ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے اور اس کو ایک خاص اندازہ سے پیدا کیا ہے لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وُہ خود دُوسرے کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور نہ وہ اپنے نقصان پر قدرت رکھتے ہیں نہ اپنے نفع پر اور نہ ان کو اپنی موت

پر قابو ہے نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد اُٹھنے پر۔

قرآن کریم میں بار بار اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ خدا کے نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی نہ جورو نہ کوئی اس کا خاندان ہے۔ یہ سب نسبتیں اور تعلقات تو اس کی مخلوق کے ہوتے ہیں اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ شریک کیسے ہوں جبکہ سب اس کی مخلوق ہیں اور کسی نے کوئی چیز اس دُنیا میں خلق نہیں کی۔ خدا نے ہر شے کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے یعنی جس مخلوق کو جو قد و قامت رنگ ڈھنگ دیا ہے یا جو اس کی نشو و نما کا طریقہ ہے وہ سب اس کے حسبِ حال ہے۔ اگر اس میں ذرا سی تبدیلی کر دی جائے تو اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ خواہ غذا میں ہو یا مقامِ رہائش میں۔

جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پُوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ ان کی کس بات پر مرمٹے ہیں نہ تو اُن کو اپنے نفع پر قابو ہے نہ نقصان پر نہ زندگی پر نہ موت پر پھر ان کی کون سی ادا ہے جس کے پیشِ نظر ان کے سامنے سجدہ ریزی بھی ہو رہی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا بھی سمجھا جا رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ
اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ (٤) وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ
اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (٥) قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ
یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (٦) وَقَالُوْا
مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ
اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ (٧) اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ
جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (٨)

معانقة ١٠ عند المتأخرين ١٢

کافر لوگ کہنے لگے یہ تو سب جھُوٹ مُوٹ کی باتیں ہیں جسے اس (شخص) نے خود گڑھ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں لوگوں نے اس کی مدد بھی کی ہے۔ بے شک ان لوگوں نے خود ہی ظلم و فریب کیا

رسول کے متعلق دوسرا اعتراض

ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں جن کو یہ شخص (محمدؐ) لکھواتا ہے اور وہی صبح و
شام اُسے سنائے جاتے ہیں۔ اے رسول تم کہہ دو یہ کتاب تو اُس اللہ نے نازل کی ہے جو زمین و آسمان کے
بھید جانتا ہے وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اور وہ یہ بھی تو کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کھانا کھاتا ہے بازاروں
میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا بن
جاتا یا اس کے لیے آسمان سے کوئی خزانہ ہی گرا دیا جاتا یا اس کا کوئی (ہرا بھرا) باغ ہی ہوتا جس کے
پھل پھلاری کھاتا اور یہ ظالم کفار (مؤمنوں سے) کہتے ہیں تم تو ایک ایسے شخص کا اتباع کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے،

قرآن کے متعلق مشرکین نے یہ ہوائی اڑا رکھی تھی کہ محمدؐ کے پاس ایک شخص رات کو آتا ہے وہ عبرانی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کے ترجمے سناتا ہے وہی آپؐ صبح کو اپنے اوپر ایمان لانے والوں کے سامنے پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ کس قدر غلط پسند اور فریب کار تھے۔ یہ لوگ اگر ایسا تھا تو کسی روز اس آنے والے کو پکڑ کیوں نہیں لیا۔ یہود و نصاریٰ سے کیوں نہیں پوچھا کہ جو باتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں وہ توریت و انجیل یا صحف انبیاء میں بجنسہٖ موجود ہیں یا نہیں۔ یہ سب عداوت و ہٹ دھرمی کے کرشمے تھے۔ باوجود ان لغویات اور کذوبات کے خداوندِ عالم ان سے درگزر کرتا ہے تاکہ وہ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ شخص بہرحال رہنے والا تو مکہ ہی کا تھا اس پر قابو حاصل کر کے پوچھا جا سکتا تھا۔ دوسرے چالیس برس سے پہلے آنحضرتؐ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ شخص گھر میں چھپ کر یہ سبق پڑھاتا تھا تو کسی روز گھر میں گھس کر اُسے پکڑ کیوں نہ لیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر یہ دعویٰ نبوت کسی پڑھانے سکھانے والے کے زور پر کیا گیا تھا تو پھر اصحابِؓ خاص اپنے ایمان میں اتنے پختہ کیوں تھے بالخصوص حضرت علی علیہ السلام جو ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ یہ فریب ان پر نہ کھلا۔ اگر یہ سب بناوٹی باتیں ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ حضرت علیؑ اور دیگر صحابہؓ اپنی جانیں قربان کرتے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح چلتا پھرتا بھی ہے اور کھاتا پیتا بھی ہے۔ گویا ان کے نزدیک نبی ایسا ہونا چاہیئے تھا جو ہوا سے پیٹ بھرتا اور بادشاہانِ دنیا کی طرح محلوں کے اندر چھپ کر رہتا۔ دروازہ پر پہرہ دار ہوتے کسی کو اندر جانے نہ دیتے۔ لوگ اس کی زیارت کو ترستے یا بتوں کی طرح ایک جگہ دھنّا دیئے بیٹھا رہتا نہ کھانے پینے سے غرض ہوتی نہ چلنے پھرنے کی اس میں طاقت ہوتی۔ لوگ خود ہی اس کے پاس آکر ہدایت پاتے۔ وہ نہ کہیں آتا نہ جاتا۔ نبوت کا یہ عجیب مفہوم وہ اپنے ذہن میں لیے ہوئے تھے۔ کیا ان سے پہلے انبیاء اس دنیا میں نہیں آئے تھے۔ کیا ان کی زندگی کے حالات ان تک نہیں پہنچے تھے۔ کیا وہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے نہ تھے۔ ضرور ان سب باتوں کو جانتے تھے مگر جب مفت کی چھیڑ چھاڑ ہی منظور ہو تو پھر معقول باتوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ نبی کے ساتھ ایک فرشتہ بھی کوڑا یا لٹھ لیے چلتا۔ جو نبی کی بات نہ مانتا تڑ سے لٹھ اُس کے

سر پر مار کر بھنڈار کھول دیتا۔ پھر کیا تھا ایمان کے ہر طرف ڈھیر لگ جاتے اور کفر کا کوئی نام نہ لیتا۔

وہ تو یہ بھی کہتے تھے کہ ایک خزانہ آسمان سے برس جاتا، سونے چاندی کے ڈھیر لگ جاتے اور نبی یہ اعلان کرتا جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کی گود سونے چاندی سے بھر دی جائے گی پھر تو لوگ ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسے کنوئیں پر اور ایسے روپہلی سنہری ایمان کا نبی کے ارد گرد انبار لگ جاتا۔ وہ تو یہ بھی کہتے تھے کہ نبوت کی ملکیت کوئی پھلا پھولا باغ ہوتا، جس میں قسم قسم کے میوے لگے ہوتے۔ سیب۔ انار۔ انگور۔ کھجور۔ آم۔ جامن پھلوں کی خوشبو مہکتی ہوتی اور لوگ دیوانہ وار باغ کی طرف لپکتے ہوتے۔ نبی پھل کھاتا جاتا اور ان کے رس سے چپکے ایمان کی گٹھڑیاں باندھتا جاتا۔

ان تمام اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا مفہوم سمجھے ہوئے نہ تھے۔ سمجھتے تو جب کہ سمجھنے کی کوشش کرتے۔ باوجود اس ظالمانہ اور احمقانہ چھیڑ چھاڑ کے خدا ان کو مہلت دیتا رہا کہ شاید سمجھ جائیں لیکن وہ کہاں سمجھنے والے تھے۔

رسولؐ کی اس حالت سے کہ وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ امیروں سے زیادہ غریبوں سے ملتے تھے۔ حضرات علماء کو سبق لینا چاہیئے۔ اور اپنے اس طرزِ زندگی کو ترک کرنا چاہیئے کہ میر مہین و مرزا پھویا بنے ہوئے ہیں۔ بغیر سواری کے گھر سے قدم نہیں نکالتے۔ پیدل چلنا شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بازار سے سودا سلف لانا گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ مؤمنین سے مصافحہ کرتے ہیں تو عبا کا دامن ہاتھ پر ڈال لیتے ہیں۔ غریبوں سے کم ملتے ہیں امیروں سے زیادہ۔ بات بات سے رعونت ٹپکتی ہے۔ اپنی محنت سے نہیں بلکہ دوسروں کی دولت سے آرام و آسائش کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ قوم ان کے ناز نخرے اس بنا پر اٹھاتی ہے کہ وہ ان کے مذہب کے عالم کہلاتے ہیں۔

ع ۹/۱ ۱۶
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ ع
تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ قف
وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ
بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا
مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ط لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭

(اے رسول ذرا دیکھو) ان لوگوں نے تمہارے لیے کیسی کیسی پھبتیاں گڑھ لی ہیں۔ یہ لوگ گمراہ ہو گئے اب کسی طرح راہِ راست پر نہیں آسکتے۔ خدا تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے (تو ایک باغ کیا چیز ہے) ایسے بہتیرے باغ تمہارے لیے پیدا کردے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور تمہارے واسطے محل بنادے (یہ سب کچھ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ) ان لوگوں نے قیامت کو جھوٹ سمجھا ہے اور جس نے جھوٹ سمجھا ہم نے اس کے لیے جہنّم کو تیار کر رکھا ہے۔ جب وہ ان لوگوں کو دُور سے دیکھے گا تو (جوش مارے گا) اور یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آواز سُنیں گے اور جب یہ لوگ زنجیروں سے جکڑ کر اس کی کسی تنگ جگہ سے جھونک دیئے جائیں گے تو اس وقت موت کو پکاریں گے (اس وقت ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہتیری موتوں کو پکارو۔

جہنّم کی آگ دُنیا کی آگ کی طرح بے شعور نہ ہوگی۔ وہ کافروں کو دیکھتے ہی پہچان لے گی اور جوش میں آجائیگی۔ وہاں ایسا نہ ہوگا کہ جل بھن کر آدمی عذاب سے نمٹ جائے بلکہ موت کا وہاں سوال ہی نہ ہوگا ہمیشہ ہمیشہ جلتے ہی رہیں گے

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ
جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ
وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ⑯ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ⑰

اے رسول تم ان لوگوں سے کہو آیا یہ جہنّم بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ بہشت، جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے اعمال کا صلہ ہوگا اور آخری ٹھکانہ۔ جس چیز کی خواہش کریں گے ان کے لیے وہاں موجود ہوگی اور وُہ ہمیشہ وہاں اس حال میں رہیں گے۔ یہ تمہارے پروردگار کا (ایک

لازمی اور) مانگا ہُوا وعدہ ہے اور جس دن خدا ان لوگوں کو اور جن کی یہ عبادت کرتے تھے ان کو جمع کریگا اور پُوچھے گا کیا تم ہی نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ لوگ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے۔ (تو کیا جواب دیں گے)۔

وَعْدًا مَّسْئُوْلًا سے یہ مراد ہے کہ جنّت دینے کا جو وعدہ خدا نے کیا ہے اس کو پُورا کرنے کا مطالبہ کیا جاسکے گا۔
جن بتوں کی یہاں عبادت کی جاتی ہے اگرچہ یہاں وہ گونگے ہیں مگر قیامت میں جب ان سے سوال کیا جائیگا تو وہ بولنے لگیں گے جیسے انسان کے اعضاء جو یہاں خاموش ہیں وہاں ان میں بولنے کی طاقت آجائے گی۔
بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن معبودانِ باطل سے سوال کیا جائے گا ان سے مراد بُت نہیں ہیں بلکہ وہ فرشتے انبیاء۔ مرسلینؑ اور اولیاء ہیں جنہیں لوگ اپنا معبود بنا بیٹھے تھے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ
وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ⑱
فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَ
مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ
بَصِيْرًا ⑳ ع ۲/۱۱/۱۷

(ان کے معبود) کہیں گے سُبحان اللہ (ہم تو خود تیرے بندے ہیں) ہمیں یہ کسی طرح زیبا نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی دُوسرے کو اپنا سرپرست بناتے (پھر اپنے کو کیوں معبود بناتے)۔ مگر

بات یہ ہے کہ تُو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو چین دیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے تیری راہ بُھلا دی اور یہ خود ہلاک ہونے والے لوگ تھے (تب کافروں سے کہا جائے گا) تم جو کچھ کہہ رہے ہو، تمہارے معبودوں نے تمہیں جُھٹلا دیا تو اب تم نہ تو ہمارے عذاب ہی کو ٹال دینے کی طاقت رکھتے ہو نہ کسی سے مدد ہی لے سکتے ہو (یاد رکھو) تم میں سے جو ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اے رسول تم سے پہلے ہم نے جن رسولوں کو بھیجا تھا وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے بھی تھے اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کا ذریعۂ آزمائش بنایا ہے۔ (مسلمانو) کیا تم اب بھی صبر کرتے ہو (یا نہیں) اور تمہارا پروردگار سب کا حال دیکھ رہا ہے۔

یہاں جواب دیا گیا ہے اہلِ مکہ کے اس اعتراض کا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا ہے ان سے کہا جا رہا ہے کہ اس رسول سے پہلے بھی رسول آتے تھے جیسے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ جن کو تم بھی مانتے ہو تو کیا وہ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے نہ تھے۔ کیا ان کے واقعات کو تم نے سُنا نہیں۔ پس یہ اعتراض تمہارا پیغمبرِ آخر الزماں ہی پر کیونکر ہے۔

اب رہا ایک کا دوسرے کے ذریعۂ امتحان لینا تو دُنیا میں ایسے امتحان ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہ انسان کی مختلف حالتوں سے لیے جاتے ہیں۔ کسی کو غریب بنا کر کسی کو امیر بنا کر۔ کسی کو مؤمن بنا کر کسی کو کافر بنا کر۔ انبیاءؑ کا امتحان امت کی ایذا رسانی پر صبر میں اور زحمتِ تبلیغ میں لیا جاتا ہے۔ اور امت کا امتحان رسولوں کے احکام ماننے اور ان کی فرمانبرداری میں لیا جاتا ہے۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ جو تکلیفیں تمہیں کفار سے پہنچ رہی ہیں ان پر صبر کرو۔ یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے خدا تم کو اس صبر کی بہت اچھی جزا دے گا۔

فہرستِ موضوعات

الف

ابراہیمؑ (سُورہ)	۲۷۵
ابراہیمؑ کا قِصّہ	۲۸۸ ; ۲۸۹
ابراہیمؑ کا تذکرہ	۲۳۱ ، ۲۳۰
ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت	۸۰
ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کا حکم	۱۳۴
ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قِصّہ	۸۰
ابراہیمؑ مشرک نہ تھے	۱۳۴
اسمٰعیلؑ کا تذکرہ	۲۳۴
ادریسؑ کا تذکرہ	۲۳۴
اُبیّ بن خلف کا قِصّہ	۲۳۶
اپنے گھر والوں کو نماز پنجگانہ کا حکم دو	۲۷۱
آدمؑ اور شیطان کا قِصّہ	۲۶۶ ، ۱۹۸ ،۱۶۲
آدمی جلد باز پیدا ہُوا ہے	۲۸۳ ، ۱۴۳
اسلام کے عام مسائل مبنی بر عقل ہیں	۲۶
اسمٰعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ صابرین میں سے تھے	۲۹۹
آسمان بغیر ستونوں کے پیدا کیا پھر عرش کو بنایا اور چاند سورج کو مسخر کیا	۲۷
آسمان و زمین میں بسنے والے بخوشی یا بہ جبر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں	۳۵ ،۳۴
آسمانی کتاب کا عالم کون ہے ؟	۴۷
آسمان و زمین کی خلقت اور اس کے فوائد	۷۳ ، ۷۲
اصحابِ کہفؓ کا قِصّہ	۱۷۶
اِفک کا قِصّہ	۳۶۷
اگلے پیغمبروں کی بھی بہت سی بیبیاں تھیں	۴۵
انسان بڑا جھگڑالو ہے	۲۰۰
انسان بڑا ناشکرا ہے	۱۶۴
انسان سنگدل ہے	۱۷۶
انسان کو اکثر مخلوق پر فضیلت دی	۱۶۵
انسان کو نطفہ سے پیدا کیا وُہ جھگڑنے والا ہے	۸۸
انسان کی خِلقت اور حالت	۳۰۹ ، ۳۳۹
انسان کی فطرت	۱۷۱
انسانی خِلقت کا حال	۳۰۸
اولادِ اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ پر صدقہ حرام نہ تھا	۱۷، ۱۸
اے رسولؐ تم بہ عنوانِ شائستہ کافروں سے درگزر کرو	۸۵
ایمان والوں کی جزا	۲۱۷
ایمان والے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں	۵۴
آیۂ استخلاف	۳۸۸، ۳۸۹
انبیاءؑ اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے	۶
اگلوں کا تذکرہ	۳۲۴
اکڑ کر نہ چلو	۱۵۴

اگر حق انسان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا تو لوگ برباد ہو جاتے	۳۵۲
ایک جڑ والے اور دو شاخ والے درخت پیدا کیے	۲۹
آسمان و زمین قدرت کی نشانیاں ہیں	۲۴
آسمان و زمین ایک مصلحت سے پیدا کیے گئے	۸۸, ۵۶

ب

بارش کے فوائد	۹۰, ۳۴۱
باقی رہنے والی نیکیاں ثواب اور انجام میں بہتر ہیں	۲۳۸
بُتوں کی مجبوری کی ایک مثال	۳۳۳
بعض کو بعض پر فضیلت دی	۱۴۷
بُری بات کے جواب میں اچھی بات کہو	۳۵۶
بلا اجازت کسی کے گھر میں نہ جاؤ	۳۷۳
بنی اسرائیل کا حال	۵۰
بہت سے لوگ شرک کیے جاتے ہیں	۲۵
بہشتیوں کے حالات	
بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا	۲۵۷
بنی اسرائیل کو سامری نے گمراہ کیا	۲۶۱
بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں	۱۶۰
بُوڑھی عورتیں ننگے سر رہ سکتی ہیں	۳۹۲
برزخ	۲۵۸
بن بیاہوں کے نکاح کا حکم	۳۷۸
بدعہدی کی مذمت	۱۲۵
بروج و شہاب	۷۲, ۷۱
بدعت کرنے والوں کی مذمت	۹۵
بھروسہ کرنے والے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں	۱۳

پ

پرہیزگاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت بہتر ہے	۲۶
پردہ کا حکم	۳۷۵
پرہیزگاروں اور گنہگاروں کا حشر	۲۳۹

ت

توحید کی تعلیم	۱۰۷
توحید کی دلیل	۳۵۶

ج

جاندار پانی سے پیدا کیے، جانوروں کی اقسام	۳۸۵
جس کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑا کرو	۱۵۴
جادوگروں کا ایمان لانا	۲۵۴
جس نے خدا سے منہ موڑا وہ قیامت میں اندھا اُٹھایا جائے گا	۲۶۸
جنّ و انس مل کر بھی قرآن کا مثل نہیں لا سکتے	۱۷۲
جہنّم پر سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا	۲۳۷
جنّت کا ذکر	۲۳۵, ۱۹۳
جہنّم کا ذکر	۱۹۲
جب تک کوئی قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی خدا اُس کی حالت نہیں بدلتا	۳۳
جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ نزولِ احکام سے خوش ہوتے ہیں	۴۴, ۴۵
جنّات کو بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا	۷۵
جنّتیوں اور دوزخیوں سے وعدہ وعید	۷۹

جہاد کا حکم پہلی بار	۳۲۱
جہاد کی ضرورت کفّار کی شرارتوں کی وجہ سے پیش آئی	۳۲۸
جو خُدا سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے خُدا اُس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا	۱۷
جہنّم کے سات دروازے ہیں	۷۹
جہنّم والوں کی حالت	۴۰۰

ح

حج (سُورہ)	۳۰۶
حج اور قربانی	۳۱۵
حجر (سُورہ)	۶۸
حرام جانور	۱۳۲
حیات کے بعد موت	۲۰

خ

خاص خاص اوقات میں لونڈی غلام اور لڑکے بلا اجازت رسولؐ سے نہ ملیں	۳۹۱
خالص بندوں کو شیطان نہ بہکا سکے گا	۷۷
خُدا پر غصّہ کرنا حماقت ہے	۳۱۲
خُدا زمین اور آسمان کا پالنے والا ہے	۳۵
خُدا جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے	۳۹
خُدا جسے ذلیل کرے اُسے کوئی عزّت نہیں دے سکتا	۳۱۳
خُدا طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا	۳۵۲
خُدا ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہیں	۶۵
خُدا ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے	۳۲
خُدا فرشتوں اور آدمیوں میں سے بعض کو احکام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے	۳۳۳
خُدا کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا	۱۰
خُدا کُل کا مالک ہے	۲۴۲
خُدا کو آسمان و زمین کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے	۳۵
خُدا کو سائے بھی سجدہ کرتے ہیں	۳۵
خُدا کو ہر شے سجدہ کرتی ہے	۳۵، ۳۱۲، ۳۱۳
خُدا کو ہر حاجت کے لیے پکارنا چاہیئے	۳۵
خُدا کی اولاد ہرگز نہیں ہو سکتی	۲۴۰
خُدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے	۱۷
خُدا کی قدرت کے دلائل	۲۵۵
خُدا کی قدرتیں اور احسانات	۸۹، ۹۱، ۹۲
خُدا کی کوئی اولاد نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے	۱۸۱، ۳۹۶
خُدا کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا	۹۱
خُدا کے خاص بندوں کی مدح	۳۱۹
خُدا کی نعمتیں بے شمار ہیں	۹۴
خُدا کے سب نام اچھے ہیں	۱۸۰
خُدا کے معبُود ہونے اور بُتوں کے معبُود نہ ہونے کی مثال	۱۱۵، ۱۱۶
خُدا کے معبُود ہونے اور بُتوں کے معبُود نہ ہونے کی دُوسری مثال	۱۱۷
خُدا مارتا اور جلاتا ہے	۷۴
خُدا مغفرت کی طرف بُلاتا ہے	۵۲
خُدا نے انسان کو مٹّی سے پیدا کیا	۷۴، ۷۵

خُدانے تمہارا نام مُسلمان رکھا ۳۲۵
خُدانے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی ۳۶۱
خُدا کے لڑکیاں اور اپنے لیے لڑکے تجویز کرتے ہیں ۱۰۶، ۱۰۷
خُدا وعدہ خلافی نہیں کرتا ۶۷
خُدا ہر شے کا خالقِ یکتا اور ہر شے پر غالب ہے ۳۵
خُدا ہر عیب سے پاک ہے ۲۵
خُلق کی تعلیم ۸۶
خوارج کی مذمّت ۲۱۶، ۲۱۷
خوف اور ہلاکت کی حالت میں کلمۂ کفر بکنے میں مضائقہ نہیں ۱۲۸
خُدا کی نشانیاں ۲۷، ۲۹، ۵۰، ۸۲، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۱۸، ۱۱۲، ۱۱۱

د

داؤدؑ اور سلیمانؑ کا قصّہ ۲۹۳
دھات کو تپانے سے پھین نکلتا ہے اور پانی کے ریلے سے جھاگ نکلتا ہے ۲۶
دُعائے حضرت ابراہیمؑ ۶۲
دُعائے حضرت یُوسفؑ ۲۴
دِلوں کو خُدا کی یاد سے تسلّی ہوتی ہے ۴۱
دُنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے ۳۹

ذ

ذوالقرنین کا قصّہ ۲۱۱
ذکریاؑ اور یحییٰؑ کا قصّہ ۲۱۹

ر

رات اور دِن قدرت کی نشانیاں ہیں ۱۴۳
رب کے کلمات لاتعداد ہیں ۲۱۷
رسولؐ اور علیؑ کا بھائی چارہ ۷۹
رسولؐ کا سچّا پیرو ۲۵
رسولؐ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۳۹۵
رسولؐ کو اُمّت کی شفاعت کی دُعا کرنے کی ھدایت ۳۶۱
رسولؐ کو جُھٹلانے کا نتیجہ آخرت میں مِلے گا ۲۶
رسولؐ کو مشقّتِ عبادت کی ممانعت ۲۴۰
رسولؐ کوئی معجزہ بغیر اذنِ خدا نہیں دکھا سکتے ۵۳
رسولؐ کی ہنسی اُڑانے والوں کی سزا ۸۷
رسولؐ کے قرابت دار کون ہیں؟ ۱۵۰
رعد (سورہ) ۲۷
رُوح امرِ ربّی ہے ۱۷۱
رونا خلافِ صبر نہیں ۱۵
رسولؐ خُدا سے ڈرانے والے ہیں ۷۹
رسولؐ سے ارشادِ باری کہ اچھّے عنوان سے تبلیغ کرو ۱۳۵
رسولؐ سے ارشادِ باری کہ مخالفوں پر اتنی سختی کرو جتنی انہوں نے کی تھی اور صبر کرنا بہتر ہے ۱۳۵
رسولؐ نے فرمایا کہ: "میں اور علی ایک نُور سے ہیں۔" ۳۰
رسولؐ نے فرمایا کہ: "علی ہدایت کرنے والے ہیں۔" ۳۱
رسولؐ کو سُورۂ حمد اور قرآن عطا کیا ۸۶

رسولؐ تم دل تنگ نہ ہو ۸۷
رسولانِ ماسلف کی حالت ۳۸۷
رسولِ خُدا کی معراج ۱۳۷

ز

زلیخا کا دوبارہ جوان ہونا ۲۳
زلیخا کی اولاد ۲۳
زنا کی تہمت کی سزا ۲۷۱، ۳۶۵
زنا کی سزا ۳۶۰
زمین کے ٹکڑے مِلے جُلے ہیں ۲۹
زنا کے قریب بھی نہ جاؤ ۱۵۲
زندگانیٔ دُنیا کی تشبیہ ۱۹۶

س

ساری مخلوق خُدا کی تسبیح کرتی ہے ۳۸۴
سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤ ۸۷
سرکشوں کو خُدا گمراہی میں چھوڑ دے گا ۵۹
سرکشوں کی ہلاکت لازمی ہے ۵۵
سُورۂ حمد کی اہمیّت اور قرآن کی عظمت ۸۶
سلام کی تاکید ۲۹۴

ش

شکرِ نعمت اور کُفران سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے ۵۲
شرک کی ممانعت ۲۱۷
شمس و قمر کو مسخّر کیا ۲۷
شہد بیماریوں کی شفا ہے، شہد کی مختلف اقسام ہوتی ہیں ۱۱۲
شہد کی مکھّی کو وحی کی گئی ۱۱۲
شیطان اور خُدا کی گفتگو ۷۷
شیطان کا سجدہ کرنے سے انکار ۷۴
شیطان سے دوستی کرنے والے گمراہ ہوئے ۳۰۸
شیطان نے ہر نبی کے کام میں خلل ڈالا ۳۲۶

ص

صالحؑ کا قصّہ ۳۴۲
صبر کی تلقین ۱۹۱
صبر کی مدح و ثنا ۱۲۶
صور ۳۵۸
صراطِ مستقیم کیا ہے ۷۸

ط

طٰہٰ (سُورہ) ۲۴۲
طوبیٰ کی حقیقت اور اہمیت اور فضیلت ۴۲

ظ

ظالموں کو اللہ تعالیٰ تباہ کر دیتا ہے ۲۷۷
ظالموں کی عرضداشت اور اس کا جواب ۶۵

ع

عاص بن وائل کو جواب ۲۲۸
عدل و احسان کا حکم اور بُرائیوں کی ممانعت ۱۲۳
عزیرؑ نبی خُدا کے بیٹے نہ تھے ۲۲۹
علمِ ذات اور علمِ وہبی کا فرق ۱۱۰

علیؓ بالکلیہ رسولؐ کا اتباع کرنے والے ہیں ۲۶
علیؓ نے سب سے پہلے رسولؐ کی نبوت کی تصدیق کی ۳۸
عصمتِ انبیاءؑ اور آئمہؑ ۷۷
عہد و قسم نہ توڑو ۱۲۳
عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کا قصہ ۳۴۸
عیسیٰؑ کی ولادت ۲۲۳
عیسیٰؑ کی بچپنے میں گفتگو ۲۲۹

غ

غرور کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا ۹۵

ف

فرشتے خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں ۱۵۴
فرشتوں کی مدح ۲۸۰، ۲۷۸
فرشتے ہر شخص کے محافظ ہیں ۳۳
فرعون اور موسیٰؑ کی باتیں ۲۵۱
فرقان (سورہ) ۳۹۶
فضول خرچی مت کرو نہ اپنے اوپر تنگی کرو ۱۴۹، ۱۵۰

ق

قحط سالی ۶
قدرت کی نشانیاں ۲۷، ۲۹
قرآن سارے جہان کے لیے نعمت اور رحمت ہے ۱۱۰، ۲۶
قرآن کو حسبِ حال ڈھالنا منع ہے ۸۶
قرآن لوگوں کے لیے اطلاع ہے تاکہ عقل والے عبرت حاصل کریں ۶۷
قومِ حجر کا قصہ (اَصْحٰبُ الْحِجْر) ۸۶
قومِ شعیبؑ کا قصہ ۸۹
قیامت اچانک آئے گی ۲۸۴، ۲۵
قیامت ضرور آئے گی ۸۵
قیامت کا ذکر ۶۵، ۲۱۵، ۲۶۴
قیامت میں رسولؐ اور دوسرے انبیاءؑ گواہی دیں گے ۱۱۹
قیامت میں خزانے کام نہ آئیں گے ۳۷
قیامت کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا ۳۲۴
قیامت میں ظالموں کی کوئی مدد نہ کرے گا ۳۳۲
قیامت میں کافروں اور مؤمنوں کا فرق ۳۱۳
قومِ لوطؑ کا قصہ ۸۱
قربانی کا حکم ۳۲۰
قرآن اللہ نے نازل فرمایا ۱۸۱
قرآن کی حقیقت ۲۶۴
قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے ۱۲۲
قرآن جب پڑھو تو شیطان سے پناہ مانگو ۱۲۸

ک

کتاب کی آیتیں ٹھیک ہیں ۲۷
کان، آنکھ اور دل قیامت میں سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا ۱۵۴
کسی کو ناحق قتل نہ کرو ۱۵۲
کفار اگر جھگڑا کریں تو اس کا جواب ۳۳۱
کفار اور مؤمنین کی تشبیہ ۱۹۴
کفار کی خصوصیات ۴۹، ۳۹

کفار کے اعمال جیسے آندھی میں مشتِ خاک ۵۶
کفار کے اعمال کی مثال ۳۸۳
کفارِ مکہ کی انوکھی فرمائش ۱۷۳
کفارِ مکہ کی جسارت ۶۹
کفارِ مکہ کی حالت ۳۵۴
کفار نے خدا کی قدر نہ کی ۳۳۳
کلمۂ خبیثہ کی مثال ۵۹، ۵۸
کلمۂ طیبہ کی مثال ۵۸
کُن فَیَکُون ۱۰۳، ۱۰۲
کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائے گا ۱۴۵
کھانے کی تہذیب ۳۹۴، ۳۹۳
کہف (سورہ) ۱۸۰
کئی خدا نہیں ہو سکتے ۱۵۵

گ

گمراہوں کو خدا ڈھیل دیتا ہے ۲۲۸

ل

لڑکیوں کو عرب میں زندہ دفن کرتے تھے ۱۰۹، ۱۰۸
لعن کا حکم اور طریقہ ۳۶۵
لونڈیوں سے خرچی نہ کماؤ ۳۷۸

م

مرنے کے بعد برزخ ہے ۳۵۸
مریم (سورہ) ۲۱۹
مریمؑ کا قصہ ۲۲۳
مشرکین کا اعتراض اور اس کا جواب ۲۷۰
مشرکینِ مکہ کی حالت ۳۲۷
معراج کا ذکر ۱۳۷
مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو ۱۵۲
مکاتبت کا حکم ۳۷۸
ملعون درخت کون ہے ۱۶۲
ملکِ مصر میں کوئی ایسا نہ تھا جو حضرت یوسفؑ کا غلام نہ بن گیا ہو ۶
موسیٰؑ کو نو ۹ معجزات دیئے ۱۷۷
موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ۲۰۲
موسیٰؑ اور خضرؑ کے سوال و جواب کا انجام ۲۰۸
موسیٰؑ کا تذکرہ ۲۴۴، ۲۴۲
موسیٰؑ کا پہلی بار خدا سے ہمکلام ہونا ۲۴۴
موسیٰؑ کی طرح اپنے رسولؐ کی دُعا ۲۴۶
موسیٰؑ پر خدا کا احسان جتانا ۲۴۸
موسیٰؑ کی نبوت ۲۴۹
موسیٰؑ سے مقابلہ کے لیے فرعون نے جادوگر بلائے ۲۵۴
موسیٰؑ اور جادوگروں کا مقابلہ ۲۵۴
موسیٰؑ کا کوہِ طور پر جانا ۲۵۹
موسیٰؑ اور ہارونؑ کا قصہ ۳۴۷
موسیٰؑ کو ہادی بنا کر بھیجا ۱۴۱
مہاجرین کی مدح ۳۲۸
مؤمنون (سورہ) ۳۳۷
مؤمنین خالص کی صفات ۳۳۷
مُردے اپنی اپنی جگہ سے نکل کھڑے ہوں گے ۶۷
مصیبت میں صبر کرنے والوں کا اجر خدا ضائع نہیں کرتا ۱۸

مشرکین سے علیحدگی کا حکم	۸۶، ۸۷
مشرکین کی بکواس	۲۷۵
موسیٰؑ اور ہارونؑ کی مدح	۲۸۷، ۲۸۸
معبود بس خدا ہی ہے	۳۵
معجزہ کی خواہش	۴۲، ۴۶
"مَن عندہٗ علم الکتاب" سے کون مراد ہیں	۴۷
مؤمنین کی صفت	۲۸
ملائکہ کی حالت	۱۰۵
مؤمنین کو خدا دُنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے	۵۹
منّ و سلویٰ	۳۳
موت کا وقت معیّن ہے	۶۹، ۱۱۰
مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت اور اس کی آبادکاری کی دُعا	۶۳
موت کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے	۲۸۳
میووں کی دو دو قسمیں پیدا کیں	۲۷

ن

ناپ تول پوری پوری دو	۱۵۲
ناشکری سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا	۵۲
ناشکری کی سزا	۱۳۱
نامحرم کی طرف نظر کی ممانعت	۳۷۵
نامۂ اعمال	۱۴۴، ۱۹۷
نبی اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ کرتا ہے	۵۰
نحل (سورہ)	۸۷
نعمت کو خدا اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کوئی قوم خود نہ بدلے	۴۳
نفس امّارہ	۵
نعمت کی ناشکری کا نتیجہ	۶۰
نمازِ پنجگانہ کا ذکر	۱۶۹
نمازِ پنجگانہ کی تصریح	۲۷۰
نمازِ تہجد کا حکم	۱۶۹
نماز متوسط آواز سے پڑھو	۱۸۰
نماز کی پابندی کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا	۶۳
نمرود کی خدا سے جنگ	۶۶
نوحؑ کا قصّہ	۳۴۲
نوحؑ کو طوفان سے نجات	۲۹۳
نُور (سورہ)	۳۶۰
نورِ خدا کس گھر میں اُترا	۳۸۰
نورِ خدا کی تشبیہ	۳۸۰

و

والدین سے اُف تک نہ کہو	۱۴۸
والدین کی تعظیم	۱۴۸
وحدانیت کی دلیل	۳۶، ۲۷۸
وحی میں جلدی نہ کرو	۲۶۶
وقتِ معلوم	۷۶، ۷۷

ہ

ہر چیز ایک اندازے سے قائم کی	۳۲
ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے	۱۵۵
ہر عالم سے بڑھ کر ایک اور عالم ہے	۱۲
ہر قوم کے لیے ایک ہادی آیا ہے	۳۱
ہر کام میں انشاءاللہ ضرور کہو	۱۹۰

ہم زمین کو اُس کے اطراف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں	۴۷

ی

یاجوج ماجوج کا قصّہ	۲۱۲
یتیم کا مال نہ کھاؤ	۱۵۲
یحییٰؑ اور زکریاؑ کا قصّہ	۲۹۹
یعقوبؑ بڑے صابر تھے	۱۵
یعقوبؑ کا بن یامین کو مصر بھیجنے پر پس و پیش	۹
یعقوبؑ کا عزیزِ مصر کے نام خط	۱۸
یعقوبؑ کا فرمان کہ غلّہ کے ساتھ جو قیمت واپس آگئی ہے اُسے واپس کردیا جائے	۱۰
یعقوبؑ کا گریہ	۱۷
یعقوبؑ کو بن یامین کی واپسی کی یقین دہانی	۸
یعقوبؑ کی اپنے لڑکوں کو نصیحت	۱۳
یوسفؑ پر چوری کا الزام	۱۳
یوسفؑ سے بھائیوں نے غلّہ بطور صدقہ مانگا	۱۷
یوسفؑ کا مصداقِ اوّل اُن کا وزیر مقرر ہوا	۲۲
یوسفؑ کا نفس کے بارے میں ارشاد	۵
یوسفؑ کو اُن کے بھائیوں نے سجدہ کیا	۲۱
یوسفؑ کو بڑھیا کا تحفہ پیش کرنا	۲۳
یوسفؑ کی بطور خزانچی اور معتمد تقرری	۵
یوسفؑ کی بن یامین کو بُلانے کی تدبیر	۷
یوسفؑ کی بن یامین کو روکنے کی تدبیر	۱۲
یوسفؑ کی زلیخا سے شادی	۲۳
یوسفؑ کی قید سے رہائی	۵
یوسفؑ کے بھائیوں کا غلّہ لینے کے لیے آنا	۷
یوسفؑ کے کُرتے کی کرامت	۱۹
یوسفؑ نے بھائیوں کی خطا معاف کردی	۱۹
یوسفؑ نے غلامی کا دھبّہ مٹا دیا	۶
یونسؑ کا قصّہ	۲۹۹
یہودا کا واپسی سے انکار	۱۴
یہودی	۳۱۱
یہودا کا اعتراض	۴۵، ۴۶

کتبہٗ محمود ابن الماس رقم لاہور
معاون عنبرین زہرا ندیم

ز فیضِ مت ہم کسے در دست گیر ما — من نیز حاضر می شوم تفسیر آں دلیل

تفسیر القرآن

پارہ وَقَالَ الَّذِیْنَ ۱۹ تا فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴

مفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنّفِ دو صد سیزدہ کتب
و
بانیٔ جامعۂ امامیہ

جلد چہارم

شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲ ● کراچی ۱۸

۷۸۶

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ ۱۹ تا پارہ ۲۴ کی تصحیح کی۔ اب اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالرؤف

حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

۲۲ فروری ۱۹۸۲ء

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد چہارم

مفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاجؒ مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

ناشر: شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸

مطبع: الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت: محمود ابن الیاس رقم

بار اوّل — ہدیہ: ۸۵٫۰۰ — ۱۹۸۲

فہرست

نام پارہ		صفحہ	نام سورہ		صفحہ
وَقَالَ الَّذِيْنَ	(۱۹)	۵	اَلْفُرْقَان	(۲۵)	۵
اَمَّنْ خَلَقَ	(۲۰)	۸۱	اَلشُّعَرَآء	(۲۶)	۲۰
اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ	(۲۱)	۱۴۳	اَلنَّمْل	(۲۷)	۶۰
وَمَنْ يَّقْنُتْ	(۲۲)	۲۱۷	اَلْقَصَص	(۲۸)	۹۲
وَمَا لِيَ	(۲۳)	۲۸۹	اَلْعَنْكَبُوْت	(۲۹)	۱۲۸
فَمَنْ اَظْلَمُ	(۲۴)	۳۶۱	اَلرُّوْم	(۳۰)	۱۵۳
			لُقْمٰن	(۳۱)	۱۷۶
			اَلسَّجْدَة	(۳۲)	۱۹۰
			اَلْاَحْزَاب	(۳۳)	۲۰۰
			سَبَا	(۳۴)	۲۲۵
			فَاطِر	(۳۵)	۲۶۵
			يٰسٓ	(۳۶)	۲۸۲
			اَلصّٰفّٰت	(۳۷)	۳۰۱
			صٓ	(۳۸)	۳۲۲
			اَلزُّمَر	(۳۹)	۳۳۶
			اَلْمُؤْمِن	(۴۰)	۳۷۴
			حٰمٓ السَّجْدَة	(۴۱)	۴۰۱

معاونین

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی، بی۔ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس
سید شمیم الحسن صاحب نقوی ایم۔اے ایل ایل بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ بنک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن
سید نسیم الحسن صاحب نقوی بی۔ایس سی انجینئر۔سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس، کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج، کراچی
سید کاظم حسین صاحب نقوی، سٹیٹ بنک آف پاکستان، کراچی
پروفیسر مولانا سید عنایت حسین صاحب جلالوی بانی مجلس ملی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم۔اے، ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سید شبیہ الحسن صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، بی سی سی آئی کراچی
سید عرفان حسن صاحب زیدی ایم۔اے، بی۔ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت، پی ایچ ڈی، اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سید خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر
سید عالیجاہ حسین صاحب ایم۔ایس سی، اے۔ایس۔سی۔پی (امریکہ)
ڈاکٹر سید توصیف الحسن صاحب ایم ایس سی پی ایچ ڈی۔
سید قسیم الحسن صاحب بی۔ایس سی، بی۔ای۔ایم ایس، پرنسپل گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج، کراچی
سید شفیق العباس صاحب ایم۔اے جارچوی، ایم اے ایل ایل بی
سید سلیمان جاہ صاحب بی فارمیسی
سید علی امجاد صاحب نقوی بی۔اے، ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر پاکستان ریویو
سید محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
پروفیسر سید غلام عباس صاحب ایم۔اے انگلش، ایم۔ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب، ایم۔بی۔بی ایس
سید سبطین محمد نقوی بی۔اے یونائیٹڈ بنک
سید جعفر نسیم صاحب، ایم۔ایس سی
مس نسرین عرفان، بی۔ایس سی، ایم۔اے، ایم ایڈ
خلیفہ سید حسن مہدی صاحب آف لاہور
فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای ۔سید علی شمیم نقوی۔
سید مہدی حسن صاحب عابدی
سید آصف جاہ صاحب، ایم۔ایس سی

سید احمد رضا صاحب مرشد آبادی
سیدہ زیبا صاحبہ ایم ایس سی، سیدہ کامنی صاحبہ ایم ایس سی، سیدہ ہما صاحبہ ایم ایس سی۔
سیدہ حمیدہ سلطانہ صاحبہ ایم ایس سی، سیدہ سکینہ و سیدہ طاہرہ حسن۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ
نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾
يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ
حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ
هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ
مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ
تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٍۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور جو لوگ (قیامت میں) ہماری حضوری کی اُمید نہیں رکھتے کہا کرتے ہیں آخر فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بڑی سرکشی اختیار کی ہے۔ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کو کچھ خوشی نہ ہوگی اور فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے دُور دفان۔ پھر ہم متوجّہ ہوں گے ان کاموں کی طرف جو (دُنیا میں) اُنہوں نے کیے ہوں گے پس ہم انہیں غبار کی طرح اُڑا دیں گے۔ اس دن جنّت والوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی بہتر سے بہتر ہوگی اور آرام کا مقام بھی اچھّے سے اچھا۔ اور جس دن آسمان کو چیرتا ہُوا ایک بادل نمودار ہوگا اور بکثرت فرشتے نازل کیے جائیں گے اُس دن کی سلطنت خاص خُدا ہی کے لیے ہوگی اور وُہ دن کافروں کے لیے بہت سخت ہوگا۔

يَقُوْلُوْنَ کے کہنے والے اگر فرشتے مراد لیے جائیں تو وُہ مجرموں سے کہیں گے دُور ہو جاؤ جنّت تم پر حرام ہے۔ کفّار و مشرکین آنحضرتؐ کی رسالت کو ناکام بنانے کے لیے نئے سے نئے اعتراض سوچتے تھے۔ کبھی کہتے تھے اس شخص (محمدؐ) پر ہی ملائکہ کیوں آتے ہیں ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ یہ بھی آدمی ہم بھی آدمی، اس میں اور ہم میں فرق کیا ہے۔ بالفرض اگر فرشتے ان کے پاس آتے تو ہر گروہ کہتا ہمارے پاس بھی آئیں تو کس کس کے پاس جاتے اور کس سے تصدیق کراتے کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آتے تو بہر حال بشری صورت میں ہی۔ تو لامحالہ انہیں تصدیق کرانے والے بھی اپنے ساتھ ہی لانے ہوتے اور اگر وہ فرشتوں کی صورت میں آتے تو ان گمراہوں کے کلیجے پھٹ کر رہ جاتے۔ تو اس آنے سے فائدہ کیا ہوتا۔ کبھی کہتے تھے خدا ہمارے پاس کیوں نہیں آتا۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وُہ گھر گھر جاتا اور کہتا پھرتا ہاں میرے بندو، اب تو مجھے مان لو میں خود ہی آگیا ہوں۔

خدا نے ان اعتراضوں کا جواب ان آیات میں اس طرح دیا ہے کہ جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو چیخ پکار مچا دیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے دُور ہو جاؤ مردودو، جنّت میں تمہارے لیے کوئی مقام نہیں۔ اور جب خدا کا سامنا ہوگا تو وُہ ان کی ساری کارستانیوں کو کاٹ کر پھینک دے گا کوئی عمل بھی ان کا قابلِ جزا نہ ہوگا۔

قیامت کا دن کافروں کے لیے بڑا سخت دن ہوگا۔ ایک بادل گرجتا ہوا آسمان کو چیرتا ہوا نمودار ہوگا لوگوں کا خوف کے مارے بُرا حال ہوگا۔ فرشتے جوق در جوق نازل ہو رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کی گردنیں پکڑی جا رہی ہوں گی۔ اس روز خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ ہوگی۔ ایمان والے تو جنّت میں بیٹھے مزے اُڑا رہے ہوں گے اور کفّار و مشرکین کے لیے کوئی جگہ آرام کی نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

اُس روز ایک ظالم (افسوس کے مارے) اپنا ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش کہ رسول کے ساتھ

میں بھی (دین کا سیدھا) راستہ اختیار کر لیتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا جس نے نصیحت آنے کے بعد مجھے بہکایا اور شیطان تو انسان کا رسوا کرنے والا ہے اور رسُول اس وقت (بارگاہِ باری میں) عرض کریں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو بیکار (یا بکواس) بنا دیا تھا۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ عتبہ بن ابی معیط جب سفر سے آتا تو اشرافِ قوم کی دعوت کرتا اور حضرت رسولؐ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتا۔ ایک مرتبہ حسبِ دستور اس نے دعوت کی اور حضرتؐ کو بھی مدعو کیا۔ آپؐ نے فرمایا جب تک تو ایمان نہ لائے گا میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس نے کلمۂ شہادت کہا تو آپؐ نے کھانا نوش کیا۔ یہ خبر اُبی بن خلف کو معلوم ہوئی جو عتبہ کا گہرا دوست تھا تو اس نے عتبہ کو بہت بُرا بھلا کہا کہ تو نے بہت بُرا کیا اپنے آبائی مذہب کو ترک کیا۔ عتبہ نے کہا میں نے محض مہمان کی خاطر سے کہہ دیا تھا ورنہ میں تو اپنے مذہب پر باقی ہوں۔ اُبی نے کہا، اگر تو سچا ہے تو اس کے منہ پر تھوک دے تو جانوں۔ غرض عتبہ بدبخت نے نماز کی حالت میں تھوکا۔ خدا کی شان اس کا تھوک واپس اسی کے منہ پر آکر پڑا اور شعلہ بن کر اس کے چہرہ کو جلا گیا اور عمر بھر اس کی سیاہی نہ گئی۔ عتبہ اور اُبی دونوں جنگِ بدر میں واصلِ جہنّم ہوئے۔

عتبہ اور اُبی ہی پر موقوف نہیں جو لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ رہ کر کسی شیطان صفت انسان کے بہکانے میں آجائیں گے وُہ ضرور ایسی ہی سزا بھگتیں گے۔ رسولؐ قیامت میں اپنی قوم کی یعنی مسلمانوں کی یہ شکایت کریں گے کہ ان لوگوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا یا بکواس سمجھتے تھے یعنی اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ قرآن ان کے ہاتھوں میں ضرور تھا مگر ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾

اور ہم نے (گویا خود) گنہگاروں میں سے ہر نبی کے دشمن بنا دیئے ہیں اور تمہارا پروردگار تمہاری

ہدایت اور مدد کے لیے کافی ہے۔ اور کفّار کہنے لگے ان کے اُوپر قُرآن کُل کا کُل ایک دفعہ ہی کیوں نہیں نازل کیا گیا (ہم نے اس لیے اس طرح نازل کیا) تاکہ تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کے نازل کیا اور (یہ کفّار) چاہے کیسی ہی انوکھی مثل بیان کریں ہم تمہارے لیے اس کا ٹھیک اور عمدہ جواب بیان کر دیں گے۔

خُدا نے کسی مجرم کو نبی کا خود دشمن نہیں بنایا بلکہ ایسے لوگوں کو اپنی فطرت پر جو خدا کی بنائی ہوئی ہے قابو نہیں رہتا اور وُہ خود قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی پر اُتر آتے ہیں۔ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ وُہ ہر اُس بات کو قبول کرے جو اس کے لیے مفید ہو مگر کچھ لوگ انبیاء کے دشمن بن کر اپنی فطرت پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن اے رسولؐ، تم ان کی دشمنی سے پریشان نہ ہو کیونکہ خدا تمہارا ہادی و مددگار ہے۔

لوگ کہتے ہیں قرآن ایک بار ہی بصُورت کتاب کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام احکام ایک بار ہی نازل کیے جاتے تو لوگ گھبرا جاتے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ توریت لے کر آئے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا تھا بھلا اتنی موٹی کتاب پر ہم کیسے عمل کر سکتے ہیں جس کا بوجھ اُٹھانا بھی ہم پر بار ہے۔ چنانچہ انہوں نے توریت کے بعض حصّوں پر عمل کیا اور بعض کو ناقابلِ عمل سمجھ کر چھوڑ دیا۔

دُوسرے حضرت رسولِ خُدا کی خدمت میں کفّار و مشرکین مختلف اوقات میں مختلف قسم کے سوالات کرتے تھے۔ اگر پُورا قرآن بیک وقت نازل ہو جاتا تو ان کے سوالات کا جواب قبل از وقت کیسے دیا جاتا۔

تیسرے عملِ کفار سے آنحضرتؐ اکثر اوقات شکستہ دل ہو جاتے تھے تو ضرورت تھی کہ وقتاً فوقتاً آپ کے قلب کو تسکین دی جائے اور دشمنوں کی چالوں کا توڑ آپؐ کو بتایا جائے۔

چوتھے باختلافِ اوقات کچھ مسائل مسلمانوں کو سمجھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جیسے جہاد وغیرہ۔ وُہ قبل از وقت کیسے سمجھائے جاتے اور جنگ کے جو مواقع درپیش ہوتے ہیں ان کے لیے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بروقت سمجھائے جائیں۔

پانچویں کفّار و مشرکین آنحضرتؐ کی رسالت کو باطل کرنے کے لیے نئی سے نئی مثالیں پیش کرتے تھے لہٰذا ان کے جوابات رسولؐ کو بتانے کے لیے سرِ وقت آیات کا نزُول ضروری تھا۔

چھٹے تھوڑی تھوڑی آیات کے نزُول میں ایمان والوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ ان کو آسانی سے حفظ کر لیتے تھے۔

الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ ع

جو لوگ قیامت کے دن اپنے مونہوں کے بل جہنّم کی طرف ہنکائے جائیں گے تو ایسے ہی لوگ بدتر جگہ میں ہوں گے اور سب سے زیادہ راہِ راست سے بھٹکنے والے ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب توریت دی اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر بنا کر بھیجا۔ پس ہم نے دونوں سے کہا تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو چھوڑ دیا ہے پس ہم نے انہیں اچھّی طرح برباد کر دیا اور قومِ نوحؑ نے رسُولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ڈبو دیا اور لوگوں کے لیے ان کو نشانی قرار دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب مہیّا کر رکھا ہے اور قوم عاد و ثمود اور رَس والے اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کر ڈالا) اور ہم نے پہلے (تباہ ہونے والوں کی) مثالیں دے دے کر سمجھایا (جب نہ سمجھے) تو آخر کار ہر ایک کو ہلاک کر ڈالا۔

اصحابِ رَس سے مراد وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اندھے کنوئیں میں اپنے نبی کو پھینکوایا تھا۔ رَسّ کے معنی کنوئیں کے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ صنوبر کے درخت کی پرستش کرتے تھے اور ان کے بارہ شہر ایک نہر کے کنارے تھے جس کا نام رَسّ تھا اور ان شہروں کے وُہی نام تھے جو فارسی مہینوں کے ہیں۔ اِس درخت تک اس شہر کی ایک شاخ دوڑائی تھی۔ اس درخت پر قربانی کر کے چڑھاتے اور سجدہ کرتے تھے۔ سال میں

ایک بار دارالسلطنت میں جہاں اہل صنوبر کا درخت تھا جسے یافث بن نوحؑ نے لگایا تھا جمع ہو کر پرستش کرتے تھے۔ قوموں کی تباہی کا باعث خود اُن کی سرکشی اور بداعمالیاں تھیں۔ اُنھوں نے انبیاء کو نہ صرف جھٹلایا بلکہ ان کی ایذا رسانی پر کمر باندھی۔ اللہ نے پہلے تو ان کو مہلت دی جب کسی طرح باز نہ آئے تو آخر کار ان پر مختلف صورتوں سے عذاب نازل کیے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

یہ کفارِ مکہ اُس بستی کی طرف سے گزرے ہیں جن پر پتھروں کی بڑی سخت بارش ہوتی تھی تو کیا ان لوگوں نے اس کو دیکھا نہ ہوگا مگر یہ لوگ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی اُمید ہی نہیں رکھتے (پھر کیوں ایمان لائیں)۔ اے رسول جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کی باتیں کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی وُہ حضرت ہیں جن کو اللہ نے رسُول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر ہم بُتوں کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس شخص نے ہم کو ہمارے معبُودوں کی پرستش سے بہکا ہی دیا تھا۔ (قیامت میں) جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ راہِ راست سے کون زیادہ بھٹکا ہُوا تھا۔ تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبُود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس کے

ذمّہ دار ہو سکتے ہو (کہ وُہ گمراہ نہ ہوں) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ان کفار میں اکثر بات سُنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو بالکل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہُوئے۔

یہاں جس تباہ شدہ بستی کا ذکر ہے اس سے مُراد قوم لُوط کی بستی ہے جو حجاز و شام کے درمیان کھنڈروں کی صُورت میں اب بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ جو اُدھر سے نہ گزرے تھے وُہ وہاں کے قصے تو لوگوں سے سُنتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے قائل نہ تھے۔

جب آنحضرتؐ کفارِ مکہ کی طرف سے گزرتے تھے تو وُہ ظالم تمسخر کے طور پر کہتے تھے یہ ہیں وہ حضرت جو اپنے کو خدا کا رسُول کہتے ہیں۔ خیریت ہوگئی کہ ہم اپنے پُرانے عقیدہ پر جمے رہے ورنہ یہ حضرت تو ہم سب کو گمراہ کر رہے تھے۔ مشرکوں میں جن لوگوں نے اپنے نفس کو عقل کا تابع بنایا ہے اور بات کو سوچتے سمجھتے ہیں ان سے راہِ راست پر آنے کی اُمید ہو سکتی ہے لیکن جو لوگ اپنی عقل کو اپنی خواہشات کا غلام بنا لیتے ہیں اور خواہشِ نفس کے مقابلہ میں عقل کی بات نہیں سُنتے اور وہی کرتے ہیں جو اُن کی خواہش ہوتی ہے تو وُہی سب سے بڑے مشرک ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی توہین و تحقیر کرتے ہیں۔ وُہ بجائے خدا کے اپنے نفس کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ احادیث کی رُو سے وہ بدترین مشرک ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کسی ہادی کی ہدایت کو نہیں سُنتے اور جو بات کان میں پڑ جاتی ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ چوپاؤں سے بھی بدتر لوگ ہیں۔ چوپائے اپنے مالک کی آواز کو سُنتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں اس کے اشارہ کو سمجھتے ہیں اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں مگر یہ بدبخت تو نہ سُنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بس جو دل میں آگیا اُسے کر بیٹھتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

کیا تم نے اپنے رب کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی کہ اُس نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہے اگر وُہ چاہتا تو اُسے ساکن کر دیتا۔ پھر سُورج کو اس پر دلیل بنایا پھر ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُسے

اپنی طرف کھینچ لیا اور وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت اور دن کو (کاروبار کے لیے) اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

سایہ اور دُھوپ دو چیزوں کو نظامِ حیاتِ انسانی کے باقی رکھنے میں بڑا دخل ہے اگر صرف سایہ ہی سایہ ہوتا دُھوپ کا نام نہ ہوتا تو انسانی زندگی کا ڈھانچہ بالکل بگڑ جاتا بلکہ ہر شے کُھلا کر رہ جاتی۔ درختوں کی نشو ونما ہی خلل پڑ جاتا۔ حیوانات کی صحت خراب ہو جاتی اور اگر سایہ نہ ہوتا اور تمام دن دُھوپ ہی دُھوپ رہتی تو انسان بلبلا اُٹھتا۔ ہر ذی حیات تڑپ اُٹھتا اور درخت مرجھا جاتے۔ پس خدا نے اپنی مخلوق کی آسائش کے لیے یہ صورت رکھی کہ کبھی سایہ کو بڑھاتا ہے کبھی اس کو گھٹاتا ہے۔ جس طرح دُھوپ ہلکے ہلکے پھیلتی ہے اسی طرح سایہ ہلکے ہلکے گھٹتا بڑھتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ سایہ سے مراد زمانۂ فترت ہے جس میں کوئی نبی حضرت عیسیٰؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک نہیں آیا۔ چھ سو برس بعد جب سرکارِ دو عالمؐ دُنیا میں آئے تو گویا علمِ دین کا آفتاب طلوع ہوا اور جوں جوں حضورؐ کی تعلیم و تبلیغ بڑھتی گئی تاریکی دُور ہوتی چلی گئی۔

سایہ کے لیے سُورج اس لیے دلیل بنایا گیا کہ سورج کے طلوع و غروب و نصف النہار پر پہنچنے سے سایہ کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے۔

رات کو خدا نے پردہ پوشش بنایا ہے اور نیند کو اس لیے غالب کیا کہ دن کی تکان دُور ہو جائے اور دن کو اس لیے بنایا کہ آدمی خواب سے بیدار ہو کر اپنے کام کاج میں لگ جائے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۴۸) لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ
اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (۴۹)

اور وُہ وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت سے بارش کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک اور ستھرا ہوا پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے مُردہ (ویران) شہر کو زندہ (آباد) کر دیں اور اپنی مخلوقات میں سے چوپاؤں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کر دیں۔

خدا نے اپنی توحید کے جہاں اور بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ پانی برسانے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر پاک صاف پانی برساتا ہے جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوتا ہے اور زہریلے جراثیم جو زمین کے اوپر والے پانی میں پیدا ہو جاتے ہیں بارش کے پانی کو ان سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ گویا قدرت کی ناقابلِ رویت چھلنی میں وہ پانی چھن چھن کر آتا ہے۔ بارش کا پانی اسی لیے اکثر بیماریوں میں مفید ثابت ہوتا ہے اِس پانی سے تالاب جوہڑ اور گڑھے بھر جاتے ہیں جس سے چوپائے سیراب ہوتے ہیں اور آدمی بھی اُسے پیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۵۰) وَلَوْ
شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا (۵۱) فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ
بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (۵۲) وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۵۳)
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِيْرًا (۵۴) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (۵۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ
نَذِيْرًا (۵۶) قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۵۷)

اور ہم نے پانی کو ان کے درمیان تقسیم کیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا کچھ نہ مانا۔ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک (عذاب سے) ڈرانے والا پیغمبر بھیجتے تو اے رسول تم کافروں کی اطاعت نہ کرنا اور ان سے قرآنی دلائل کے ساتھ خُوب لڑو اور وہی تو وُہ خدا ہے

اپنی طرف کھینچ لیا اور وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت اور دن کو (کاروبار کے لیے) اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

سایہ اور دُھوپ دو چیزوں کو نظامِ حیاتِ انسانی کے باقی رکھنے میں بڑا دخل ہے اگر صرف سایہ ہی سایہ ہوتا دُھوپ کا نام نہ ہوتا تو انسانی زندگی کا ڈھانچہ بالکل بگڑ جاتا بلکہ ہر شے کُھلا کر رہ جاتی۔ درختوں کی نشوونما میں خلل پڑ جاتا۔ حیوانات کی صحت خراب ہو جاتی اور اگر سایہ نہ ہوتا اور تمام دن دُھوپ ہی دُھوپ رہتی تو انسان بلبلا اُٹھتا ہر ذی حیات تڑپ اُٹھتا اور درخت مرجھا جاتے۔ پس خدا نے اپنی مخلوق کی آسائش کے لیے یہ صورت رکھی کہ کبھی سایہ کو بڑھاتا ہے کبھی اس کو گھٹاتا ہے۔ جس طرح دُھوپ ہلکے ہلکے پھیلتی ہے اسی طرح سایہ ہلکے ہلکے گھٹتا بڑھتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ سایہ سے مراد زمانۂ فترت ہے جس میں کوئی نبی حضرت عیسیٰؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک نہیں آیا۔ چھ سو برس بعد جب سرکارِ دو عالمؐ دنیا میں آئے تو گویا علمِ دین کا آفتاب طلوع ہُوا اور جوں جوں حضورؐ کی تعلیم و تبلیغ بڑھتی گئی تاریکی دُور ہوتی چلی گئی۔

سایہ کے لیے سُورج اس لیے دلیل بنایا گیا کہ سورج کے طلوع و غروب و نصف النہار پر پہنچنے سے سایہ کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے۔

رات کو خدا نے پردہ پوشش بنایا ہے اور نیند کو اس لیے غالب کیا کہ دن کی تکان دُور ہو جائے اور دن کو اس لیے بنایا کہ آدمی خواب سے بیدار ہو کر اپنے کام کاج میں لگ جائے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ
اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

اور وُہ وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت سے بارش کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک اور ستھرا ہُوا پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے مُردہ (ویران) شہر کو زندہ (آباد) کر دیں اور اپنی مخلوقات میں سے چوپاؤں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کر دیں۔

خدا نے اپنی توحید کے جہاں اور بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ پانی برسانے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر پاک صاف پانی برساتا ہے جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوتا ہے اور زہریلے جراثیم جو زمین کے اوپر والے پانی میں پیدا ہو جاتے ہیں بارش کے پانی کو ان سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ گویا قدرت کی ناقابلِ رویت چھلنی میں وہ پانی چھن چھن کر آتا ہے۔ بارش کا پانی اسی لیے اکثر بیماریوں میں مفید ثابت ہوتا ہے اس پانی سے تالاب جوہڑ اور گڑھے بھر جاتے ہیں جس سے چوپائے سیراب ہوتے ہیں اور آدمی بھی اُسے پیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ
شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ
بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ
نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

اور ہم نے پانی کو ان کے درمیان تقسیم کیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا کچھ نہ مانا۔ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک (عذاب سے) ڈرانے والا پیغمبر بھیجتے تو اے رسول تم کافروں کی اطاعت نہ کرنا اور ان سے قرآنی دلائل کے ساتھ خوب لڑو اور وہی تو وُہ خدا ہے

جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا ایک خالص مزہ دار میٹھا ہے اور دُوسرا کھاری کڑوا (مگر دونوں کو ملا دیا) اور ان کے درمیان ایک آڑ اور مضبُوط اوٹ بنا دی (کہ مِل نہ سکیں) اور خدا وہی ہے جس نے آدمی کو پانی (منی) سے پیدا کیا اور پھر اُس کو خاندان اور سُسرال والا بنایا اور اے رسول تمہارا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ لوگ اس کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان اور کافر (ابوجہل) تو ہر وقت اپنے رب کی مخالفت پر زور لگائے ہوئے ہے اور ہم نے تم کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (اے رسول) کہہ دو میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اَجر نہیں مانگتا (مگر میری خواہش یہ ہے) جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کی راہ پکڑ لے۔

خُدا کی قدرت کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وُہ ایسے دو دریاؤں کو ملاتا ہے جن میں سے ایک کا پانی میٹھا ہوتا ہے دُوسرے کا کھاری۔ جہاں یہ ملتے ہیں وہاں صرف ایک لکیر ایسی نظر آتی ہے جو ان دونوں کو الگ کرتی ہے۔ بصرہ کے قریب جہاں سمندر کا پانی دریائے دجلہ سے ملتا ہے وہاں خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ جہاز والوں کے دیکھنے میں آتا ہے۔ نہ ان دونوں کے درمیان کوئی دیوار ہے نہ کوئی رکاوٹ، دونوں کے پانی ملتے مُلتے بہتے چلے جاتے ہیں لیکن اس خطِ قدرت کے ایک طرف سے پیو تو پانی خوشگوار اور میٹھا ہے دوسری طرف سے چکھو تو کڑوا بدمزہ بُودار کیا صنعت خدا کے سوا کوئی دکھا سکتا ہے کہ بیک وقت ایک ہی سمندر میں سرد و گرم پانی کی علیحدہ علیحدہ نہریں جاری کرے۔

اُس نے اپنی قدرت کا ایک کمال اور بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ پانی (منی) کے ایک قطرے سے انسان کو پیدا کیا ہے اور ان کے درمیان رشتہ داریاں نسبتی صورت میں بنائیں اور ان میں رشتہ داریاں سسرالی صورت میں دکھائیں۔ یوں انسان کا حسب و نسب درست کیا۔ ایک ہی چیز ہے جس سے دو خاندانوں کے درمیان تعلقات کو وابستہ کیا ہے۔ بعض سے مباشرت حلال قرار دی ہے بعض سے حرام۔ یہ سب اس کی قدرت کے کھیل ہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ
عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي
سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾
وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ

مع ۱۲

ع ۵ ۱۶ ۳
السجدۃ ۷

لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿٦٠﴾ ع السجدة

اے رسول اس زندہ خدا پر بھروسہ کرو جو کبھی مرنے والا نہیں اور اسی کی حمد کی تسبیح کرو اور جو اپنے بندوں کے گناہوں کی خبرداری میں کافی ہے۔ وُہ وُہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو پیدا کیا۔ پھر عرش بنانے پر آمادہ ہوا۔ وُہ بڑا مہربان ہے تو تم اس کا حال کسی باخبر ہی سے پوچھنا۔ جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے کیا تم جس کے لیے کہتے ہو ہم اُسی کو سجدہ کرنے لگیں اور اس سے اُن کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

سوائے خدا کے اس تمام کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ایسی زندہ ہو کہ کبھی مرنے والی نہ ہو۔ بندوں کے تمام گناہوں سے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، پوشیدہ ہوں یا ظاہر خدا خوب واقف ہے۔ خدا نے جابجا قرآن میں واضح طور سے یہ بیان کر دیا ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا کے پیدا کردہ ہیں عرش کے پیدا کرنے پر آمادہ ہوا یا جیسا کہ بعض نے ترجمہ کیا ہے سلطنت عرش پر قابض ہوا۔ اس کا صحیح مطلب رسولؐ و آئمہؑ کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ سورۂ اعراف میں تھوڑی سی وضاحت کی جا چکی ہے۔ عالمِ نُور کی سب سے بڑی مخلوق عرش ہے جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے کیونکہ وُہ عالمِ مادی سے پارہ کوئی علیحدہ ایک جُداگانہ چیز ہے نہ کوئی اس کی وسعت کو سمجھ سکتا ہے نہ اس کی خصوصیات کو۔ خدا فرماتا ہے اس کے متعلق اگر کچھ پوچھنا چاہو تو باخبر لوگوں سے یعنی اس کے رسولؐ سے پوچھو ورنہ کسی غیر سے پُوچھنے میں گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ الٰہیات کے مسائل بہت عمیق و دقیق ہیں۔ چونکہ انسانی سمجھ میں آن کا آنا مشکل ہے لہٰذا اس بحرِ ذخار میں امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا غوطہ نہ لگاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس کی کُنہ ذات کے متعلق تو غور ہی نہ کرو صرف اس کو صفات سے اتنا ہی سمجھو جتنا تمہارا علم و عقل تحمل کر سکے۔

جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وُہ تعجب سے پُوچھتے ہیں رحمان کہاں ہے۔ گویا یہ لفظ اُنہوں نے سُنا ہی نہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اقوام عرب میں خدا کے لیے استعمال ہوا ہی نہ تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ کلام اُن کا گستاخانہ تھا۔ جیسے فرعون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ رب العالمین کیا ہے۔ پہلے معنی ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جب ان سے سجدہ کو کہا گیا تو انہوں نے غیر مانوس لفظ سمجھ کر سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگے یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے بھی تم سجدہ کرانا چاہو تو ہم تمہارے کہنے سے اُسے سجدہ کرنے لگیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا
مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ
يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى
الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ
عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

پاک ہے وہ اللہ جس نے آسمان میں برجوں کو بنایا اور اس میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنایا۔ وہ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔ یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام (سلامت رہو) اور وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب کے سجدے اور قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں اور وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنّم کے عذاب کو دُور رکھ بے شک اس کا عذاب بہت سخت اور پائدار ہوگا۔ وہ ٹھہرنے کا برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ اس کے درمیان اوسط درجہ کا ہوتا ہے۔

سورج اور چاند کا آگے پیچھے نکلنا اور غروب ہونا اور رات دن کا آنا جانا خدا کی —— قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں جن سے لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے اور خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ بے شمار فوائد ان سے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ یوں تو ہر آدمی خدا کا بندہ ہے اسی کا پیدا کیا ہوا ہے لیکن اس کے خاص بندوں میں چھ صفات پائی جاتی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ وہ زمین پر انکساری اور فروتنی سے چلتے ہیں نہ اترا کر اکڑ کر۔ دھم دھم کرتے ہوئے نہیں چلتے بلکہ ہلکے ہلکے قدم رکھتے ہیں۔

۲۔ جب بے ادب اور گستاخ لوگ ان سے کلام کرتے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں سلامت رہو۔ یعنی اُن کو گستاخ انداز میں جواب نہیں دیتے۔ مروی ہے کہ ایک بدتمیز بد زبان آدمی نے امام زین العابدینؑ کے سامنے آپؑ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ آپؑ نے اس کے جواب میں فرمایا، اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے تو خدا مجھے بخشے اور اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھے بخشے۔ یہ جواب سن کر وہ بہت نادم ہوا اور آپؑ کے دوستوں میں داخل ہوگیا۔

۳۔ وہ لوگ عام لوگوں کی طرح رات کو لمبے پاؤں کر کے نہیں سوتے۔ سجدے کرنے اور بحالتِ قیام عبادت کرنے میں اپنی راتیں گزارتے ہیں اور خدا سے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں عذابِ جہنّم سے بچائے رکھنا۔ کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہوگا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہوگا۔

۴۔ وہ اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ نہ تو اللّے تللّے کا ہی ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں آیا اُسے اُڑاتے چلے گئے نہ ایسا کہ ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہ ہوں بلکہ درمیانی چال چلتے ہیں اور خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا —— (بہترین طریقہ ہر کام میں اعتدال کا ہے) پر نظر رکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو گناہ میں خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے جو حقوق ادا نہ کرے بخل ہے اور جو حکم خدا کے مطابق کرے تو یہ اعتدال ہے۔

یہ تمام صفتیں اہلبیتِ رسولؐ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اُن کی زندگی کا ہر لمحہ بنی نوع انسان کے لیے سبق آموز ہے اور اُن کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے خدا کے خاص بندے کہلاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ

سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

اور وہ لوگ خُدا کے ساتھ کسی دُوسرے معبُود کو نہیں پکارتے اور جس جان کے مار دینے کو خدا نے حرام کر دیا ہے اُسے ناحق قتل نہیں کرتے اور مستوجبِ قتل کو قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا۔ روزِ قیامت اس کے لیے عذاب دُونا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا مگر ہاں جس نے توبہ کر لی ایمان لایا نیک کام کیے تو خُدا اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

خدا کے نیک بندوں کی صفتوں کے بیان کرنے کا سلسلہ جاری ہے:

۵۔ وہ کسی کو خدا کا شریک بنا کر اُس کی عبادت نہیں کرتے۔

۶۔ کسی شخص کو بے جرم و گناہ قتل نہیں کرتے ہاں جو مستوجبِ قتل ہو اُسے قتل کرتے ہیں۔

۷۔ زنا نہیں کرتے۔

دُونا عذاب کرنے کی تفسیر میں بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس کے عذاب کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا، پے در پے اس پر عذاب ہوتا رہے گا۔ بعض نے لکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایک تو خدا سے بغاوت کی سزا میں عذاب ملے گا دوسرے ہر عملِ بد کی سزا میں۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا
يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا
وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ
كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

جس نے توبہ کر لی اور اعمالِ نیک بجا لایا تو اُس نے سچّے دل سے اللہ کی طرف رجُوع کی اور وہ لوگ جو فریب کے پاس کھڑے نہیں ہوتے اور جب بیہُودہ کام کی طرف سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ شان سے گزر جاتے ہیں اور یہ وُہ لوگ ہیں جب اُنہیں ان کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو بہرے اور اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے (بلکہ کان لگا کر سُنتے ہیں) اور وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بی بیوں اور اولاد کی طرف سے ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے عطا کیے جائیں گے اور وہاں انہیں تعظیم و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے گا وہاں وُہ لوگ ہمیشہ رہیں گے اور وُہ رہنے اور ٹھہرنے کی کیا اچھی جگہ ہے (اے رسول) تم کہدو کہ اگر تم دُعا نہیں کرتے تو میرا پروردگار بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تم نے اس کے رسول کو جھٹلایا تو عنقریب اس کا وبال تمہارے سر پڑے گا۔

خدا کے نیک بندوں کی صفات کا سلسلہ ابھی جاری ہے:

۸۔ وُہ لوگ مکر و فریب کی باتوں کے پاس بھی کھڑے نہیں ہوتے۔ امیر المومنین علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے "معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں مگر میرے لیے ایسی باتیں زیبا نہیں۔ یعنی میں مکر و فریب سے کسی کو اپنے دامِ تسخیر میں پھانسنا نہیں چاہتا۔" اگر کہیں ایسی باتیں ہوتی ہوں تو وہاں کھڑے بھی نہیں ہوتے۔

۹۔ جب آیاتِ الٰہی کا بیان اُن کے سامنے ہوتا ہے تو اندھے بہرے نہیں بنے رہتے بلکہ ان کو پورے ذوق و شوق سے سُنتے ہیں اور ان پر پُوری توجہ دیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔

۱۰۔ وہ دُعا کرتے ہیں کہ ہماری بی بیوں اور اولاد سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان آغازِ اسلام میں مکّہ میں تھے ان میں سے اکثر اس پریشانی میں مُبتلا تھے کہ کسی کا باپ کافر تھا تو کسی کا بیٹا، کسی کا چچا کسی کا ماموں۔ اس سے ان کے دل کو سخت تکلیف پہنچتی تھی۔ پس وُہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ خداوندا ہم سے یہ مصیبت ہٹائے رکھنا کہ ہماری بی بیوں یا اولاد میں سے کوئی کافر بنے بلکہ ان کو ہماری طرح اسلام کی توفیق دے کہ ان کی طرف سے ہمارا دل خوش رہے۔

یہ دس صفتیں بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے جن لوگوں نے ایسی مشکلات میں صبر سے کام لیا روزِ قیامت

اُن کو بڑا اچھا بدلہ ملے گا۔ وُہ جنّت کے بلند مقامات پر رہائش پذیر ہوں گے۔ فرشتے ان کی تعظیم کریں گے اور سلام کا تحفہ انہیں پہنچائیں گے۔ یہ آرام کی جگہ ان کے لیے دوامی ہوگی۔

جو لوگ ہم سے اپنی اس برتری کی دُعائیں نہیں مانگتے تو نہ مانگیں ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ رسولؐ کو جُھٹلانے والے بے خبر نہ رہیں اُنہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی بڑی سخت سزا اُن کو ملے گی۔

(۲۶) سُوْرَةُ الشُّعَرَاۗءِ مَكِّيَّةٌ (۴۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ
اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً
فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا
فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى
الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ⑨ ع ۵ ۹

طٰسٓمّٓ۔ یہ واضح روشن کتاب کی آیتیں ہیں (اے رسول) شاید تم (اس فکر میں) اپنی جان ہلاک

کر ڈالو گے کہ یہ کفّار مؤمن کیوں نہیں ہو جاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں پر آسمان سے کوئی ایسا معجزہ نازل کریں کہ ان لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جُھک جائیں اور (لوگوں کا قاعدہ ہے کہ) جب ان کے پاس کوئی نصیحت کی بات خُدا کی طرف سے آئی تو یہ لوگ اس سے منہ پھیرے بغیر نہیں رہتے اب کہ یہ جُھٹلا چکے تو عنقریب ہی انہیں اس عذاب کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جس کی یہ لوگ ہنسی اُڑاتے تھے کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے ہر رنگ کی عُمدہ عُمدہ چیزیں اس میں کس کثرت سے اُگائی ہیں یقیناً اس میں قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب (ہر شے پر) غالب اور مہربان ہے۔

کتاب مبین سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی آیات میں ہر بات صاف صاف بیان کر دی گئی ہے نہ یہ کوئی معمہ ہے نہ چیستان کہ جس کے سمجھنے میں دقّت پیش آتی ہو۔ کوئی سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے تو یہ دوسری بات ہے کفّار و مشرکین کی سخت گیری اور اشاعتِ اسلام میں رخنہ اندازی سے آنحضرتؐ سخت پریشان رہتے تھے۔ گویا آپؐ کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ آپؐ چاہتے تھے کہ یہ سب ایمان لے آئیں۔ خدا حضورؐ کی تسلّی کے لیے فرماتا ہے کہ تم اپنی جان ضیق میں نہ ڈالو۔ ہم ایسا کر تو سکتے ہیں کہ کوئی بلا ان پر ایسی نازل کر دیں کہ ان سب کی گردنیں اسی کے سامنے جُھک جائیں مگر ہم جبراً کسی کو مومن بنانا نہیں چاہتے۔ ہم نے انسان کو مختار بنایا ہے مجبور نہیں بنایا چاہتے ہیں کہ وُہ اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان قبول کرے۔

ان کافروں کا حال یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور رسولؐ کو جُھٹلانے لگتے ہیں لیکن اس سے ہوتا کیا ہے۔ رسولؐ کی تبلیغ تو رُک نہیں سکتی۔ یہ مذاق اُڑاتے ہیں تو عنقریب اس کی سزا بُھگتیں گے۔

یہ کیسے بے عقل جہالت کے مارے لوگ ہیں کہ ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے فائدہ کے لیے زمین پر کیسی رنگ برنگ کی نباتات پیدا کر دی ہے۔ اس میں ہماری قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں مگر اُنہیں کے لیے جو کچھ سمجھیں بوجھیں۔ ان میں سے اکثر تو ایمان لانے والے ہیں ہی نہیں۔ لیکن ایسی باتوں سے کیا وہ خدا پر غالب آ جائیں گے۔ وہ تو سب پر غالب ہے اور گنہگاروں پر رحم کرنے والا بھی ہے ورنہ کبھی کا ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ۭ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ
وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ
فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ۚ

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے ربّ نے موسیٰ کو پکار کر کہا تم ظالم قومِ فرعون کی طرف جاؤ (ہدایت کرو) کیا یہ لوگ (میرے غضب سے) نہیں ڈرتے۔ موسیٰ نے کہا میرے رب مجھے یہ خوف ہے کہ یہ مجھے جھٹلا دیں گے اور (ان کے جھٹلانے سے) میرا دم رُک جائے گا۔ میری زبان اچھی طرح نہ چلے گی لہٰذا تو ہارون کے پاس پیغام بھیج دے اور اُن لوگوں کا میرے اُوپر ایک جرم بھی ہے مجھے یہ خوف ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔

قومِ فرعون کو خدا نے ظٰلِمِیْن سے کہا ہے۔ ان سے زیادہ کون ظالم ہوگا جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کے شبہ میں بنی اسرائیل کے دس ہزار بچے ذبح کیے۔

ھ جب حضرت موسیٰؑ کو قومِ فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے تین عُذر کیے :

۱۔ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے سامنے جا کر ہدایت کرنا معمولی بات نہ تھی۔ اوّل تو وہ بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا، پھر بڑا شقی اور جبّار تھا، پھر اپنی خدائی کا مدعی تھا۔ ایسے شخص کے سامنے ایک تن تنہا کا جانا معمولی بات نہ تھی پھر اس کے جُھٹلانے کا خوف اور اس کے ساتھ اس کی سزا کا ڈر بھی تھا۔

۲۔ موسیٰؑ کے دل میں تنگی پیدا ہو رہی تھی اس خیال سے کہ مجھے کیسے کامیابی ہوگی۔ نہ معلوم وہاں مقابلہ میں کیا صورت پیش آئے کوئی تو مددگار ساتھ ہو۔

۳۔ زبان میں لُکنت، صاف الفاظ زباں سے ادا نہ ہونا کارِ تبلیغ میں کتنا نقصان رساں تھا۔

۴۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال پہلے ایک قبطی کو قتل کیا تھا لہٰذا یہ بھی خوف تھا کہ کہیں اس کے انتقام میں لوگ مجھے قتل نہ کر دیں۔ سچ پوچھئے تو حضرت موسیٰؑ کی پوزیشن تمام انبیاء سے نازک تھی۔ اس لیے اُن کا گھبرانا بجا تھا۔

ایک لطیف بات سمجھنے کے قابل یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملی تھی تو حضرت ہارُونؑ کو اپنا وزیر بنانے کی درخواست کی تھی۔ خدا نے وعدہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان کو حضرت ہارونؑ کو مطلع کر دینا چاہیئے تھا کہ خدا نے تمہیں

میرا وزیر مقرر کیا ہے لیکن اُنھوں نے بذاتِ خود یہ پیغام پہنچا دینا مناسب نہیں سمجھا اور خدا سے درخواست کی کہ تو ہی براہِ راست ان کو اپنا پیغام بھیج تا کہ ان کی وزارت پر نصِ جلی ہو جائے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کے وصی کے لیے بھی براہِ راست خدا کا حکم پہنچنا ضروری ہوتا ہے تا کہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ نبی نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا۔ یہی صورتِ وزارت حضرت علیؑ کے متعلق تھی کہ بحکمِ خدا حضرت رسولِ خدا مدت العمر وزارت کا کام لیتے رہے لیکن چاہتے تھے کہ مجمعِ عام میں نصِ جلی اس کا اعلان ہو جائے چنانچہ غدیرِ خم میں اس امر کی تکمیل کے لیے جبریلِ امینؑ خاص طور سے حضرت علیؑ کو وزیر بنانے کے لیے حکم لائے اور ان کی خلافت پر یوں نص قائم ہوئی۔

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے، اے علیؑ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کی منزلت موسیٰؑ کے نزدیک تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس جو خصوصیات حضرت ہارونؑ کو حاصل تھیں وہی حضرت علیؑ کو حاصل ہوئیں۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ قصہ اب اس لیے چھیڑا گیا ہے کہ کفارِ مکہ کو جتا دیا جائے کہ تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے ہم نے اپنے رسولؑ کے مقابل فرعون جیسے جابر صاحبِ حکومت کو زیر کر دیا تھا اور اُس کی ساری شیخی خاک میں ملا دی تھی۔ جس طرح ہم وہاں موسیٰؑ کے ساتھ تھے اسی طرح اب یہاں اپنے رسولؐ کے ساتھ ہیں۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ
فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ؕ
قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ۙ
وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ
اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ؕ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ
لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا
عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ؕ
قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ

مُوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾

خدانے کہا وُہ کچھ نہیں کرسکتا تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری باتوں کو سُنتے رہیں گے پس دونوں فرعون کے پاس آئے اور دونوں نے کہا ہم رب العالمین خدا کے رسول ہیں۔ (اس لیے آئے ہیں) کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا ہم نے تمہیں یہاں رکھ کر بچپنے میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم اپنی عمر کے برسوں ہمارے پاس رہ چکے ہو اور تم اپناوُہ کام (قبطی کا قتل) جو کرنا تھا وہ کر گئے اور تم احسان فراموش ہو۔ موسیٰ نے کہا یہ کام اُس وقت میں نے نادانستگی میں کیا تھا پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ نکلا۔ پس میرے ربّ نے مجھے نبوت عطا کی اور مجھے بھی ایک پیغمبر بنایا یہ بھی کوئی احسان ہے جسے تُو مجھ پر جتا رہا ہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے کہا (بتاؤ) رب العالمین کون ہے۔ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے بنو۔

یعنی تم دونوں فرعون کے سامنے جانے سے ڈرو نہیں ہماری دو نشانیاں عصا اور ید بیضا تمہارے پاس موجود ہیں ان سے کام لو۔ جو تمہاری بات چیت فرعون سے ہوگی ہم اس کو سُنتے رہیں گے اور جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی کریں گے۔

موسیٰؑ سے کہا گیا تم جب اس کے سامنے جاؤ تو یہ کہنا میں رب العالمین کا رسولؑ ہوں۔ رب العالمین خاص طور سے اس لیے کہنے کا حکم ہوا کہ فرعون کے دعویٰ پر یہ بڑی سخت چوٹ تھی کیونکہ وہ اپنی رعایا سے متکبرانہ انداز میں کہا کرتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى سورۃ النٰزعٰت ۲۴ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔) وہ اپنے سوا کسی کو رب سمجھتا ہی نہ تھا۔ دوسری بات اس سے یہ کہنا کہ میں خدا کا رسولؑ بن کر اس لیے تیرے پاس آیا ہوں کہ تُو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور سالہا سال سے جو تُو اُن کو غلام بنائے ہوئے ہے اور قید میں ڈال رکھا ہے اس ظلم سے باز آ۔ معلوم ہُوا موسیٰؑ کی نبوت کے دو مقصد تھے اوّل فرعون کو ہدایت کرنا دُوسرے بنی اسرائیل کو ظلمِ فرعون سے نجات دلانا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیسا سخت معاملہ تھا۔ ایک جابر بادشاہ کے سامنے دو بظاہر کم حیثیت والے آدمیوں کا بے باکی سے یہ کہنا اس کی فرعونیت کے سر پر کیسی کاری ضرب تھی۔

فرعون کے محل میں چونکہ موسیٰؑ نے پرورش پائی تھی اور سن شباب تک اس کی نظر کے سامنے رہے تھے لہٰذا فوراً پہچان گیا۔ کہنے لگا کیا تم وہی نہیں ہو جو اپنی عمر کا ایک بڑا حصّہ میرے محل میں گزار چکے ہو اور

تم نے ایک قبطی کو بے وجہ قتل کر کے جو گناہ کیا ہے اس سے میں خوب واقف ہوں (سورۂ قصص میں یہ قصّہ تفصیلاً دیکھئے)۔ تم بڑے احسان فراموش ہو۔ یہ تمام کاروائیاں کر کے اب پھر میرے سامنے آکھڑے ہوئے اور انتہائی بے باکی سے وُہ مطالبہ میرے سامنے پیش کر رہے ہو جس کے خلاف میں ایک لفظ سننا نہیں چاہتا۔ موسیٰؑ نے کہا میں نے اُس قبطی کو دانستہ قتل نہیں کیا تھا۔ صرف ایک گھونسہ بغیر ارادہ قتل اُس کو مارا تھا وُہ مر گیا تو اس میں میرا کیا قصور۔ ایک گھونسہ کی زد سے آدمی مرا نہیں کرتا۔

الضالین کے لغتِ عرب میں بہت سے معنی ہیں، ناواقفیت۔ نادانی۔ نسیان۔ نادانستگی؛ اس جگہ سب سے موزوں معنی نادانستگی ہی کے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے عمداً اُس کو قتل نہیں کیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش کر رہے تھے کہ اوّل تو میں نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا دوسرے مجھے خوف تھا کہ تُو بے سوچے سمجھے میرے قتل کا حکم دے دیگا۔ لہٰذا میں اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے چل دیا تھا خدا کا میرے اُوپر خاص فضل ہُوا کہ اس نے مجھے اپنا رسول بنا لیا۔ چنانچہ اب میں تیرے سامنے آیا ہوں تو بحیثیت خدا کے رسول کے آیا ہوں۔

یہ جو میرے اوپر میری پرورش کرنے کا احسان جتا رہا ہے تو ظالم تیرے ظلم کے مقابل جو میری تمام قوم پر کر رکھا ہے تیرا یہ احسان پرِ مگس کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک شخص پر احسان اور ہزارہا بندگانِ خدا کے بچوں کا قتل اور پوری قوم کو غلام بنا لینا کیونکر برابر ہو سکتا ہے۔

چونکہ موسیٰؑ نے یہ کہا تھا کہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں لہٰذا فرعون نے جو اپنے آپ کو رب العالمین سمجھے بیٹھا تھا غصّہ میں آ کر یہ سوال کیا کہ ربّ العالمین کون ہے۔ یعنی میرے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا، تیری ہستی ہی کیا ہے۔ ربّ العالمین وُہ ہے جو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا مالک ہے اگر تم یقین کرتے ہو تو کرو (ورنہ اس کی سزا بھگتو گے)۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾
قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ
فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ ع ۲
عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرعون نے (اپنے درباریوں سے جو) — اُس کے اِردگرد بیٹھے تھے خطاب کرکے کہا، کیا تم نہیں سُن رہے (یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)۔ موسیٰؑ نے کہا (وہ صرف آسمان و زمین وغیرہ کا پیدا کرنے والا ہی نہیں) بلکہ وُہ تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے تمہارے آبا و اجداد کا بھی۔ فرعون نے کہا کہا (لوگو) یہ شخص جو رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ موسیٰؑ نے کہا اتنا ہی نہیں اگر تم سمجھو تو وہ خدا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ فرعون نے (غصہ میں بھر کر) کہا (یاد رکھو) اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبُود بنایا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ نے کہا کیا تُو جب بھی (ایسا ہی کرے گا) کہ (اپنی رسالت کی) کوئی روشن دلیل تجھے دکھا دوں۔ فرعون نے کہا (پھر دیر کیا ہے) اگر تم سچے ہو تو پھر اُسے ظاہر کرو۔ (یہ سُن کر) موسیٰؑ نے اپنا عصا (ہاتھ سے) چھوڑ دیا جو فوراً ایک کھُلّم کھُلّا اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ بھی (گریبان سے) نکالا جو دیکھنے والوں کو بڑا سفید چمکدار نظر آیا۔ فرعون نے اپنے گرد کے سرداروں سے کہا یہ تو بڑا کھلاڑی جادوگر ہے یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادُو کے زور سے تمہیں تمہارے مُلک سے نکال باہر کرے پس تم لوگ اس کے بارے میں کیا رائے دیتے ہو؟

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو سمجھانے کے لیے پہلے یہ تو کہا کہ رب العالمین دُنیا و مافیہا کا مالک ہے۔ پھر اس دائرہ کو اس خیال سے تنگ کیا کہ ان لوگوں نے شاید یہ سمجھا ہو کہ سب کا رب ہے مگر ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا تو نہیں ہے لہٰذا اس خبط کو بھی دُور کرنے کے لیے کہا کہ تمہارا رب بھی ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی۔ پس اگر تم میں سے کوئی اپنے کو ربّ اعلیٰ کہے تو مجنون ہے، خبط الحواس ہے۔ اس کے بعد خدا کی ربوبیت کے دائرہ کو اور وسیع کرکے بتایا کہ وُہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی جس کے متعلق فرعون یہ کہہ سکے کہ میں اس کا رب ہوں۔

فرعون یہ سُن کر چڑ گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا اگر میرے سوا تُو نے کسی اور کو معبُود مانا تو قید کر دوں گا۔ یہ پہلی دھمکی تھی جو فرعون کی طرف سے موسیٰؑ کو دی گئی۔ موسیٰؑ نے کہا خواہ مخواہ ہی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ اگر میں اس کا ثبوت دے دوں کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں تب بھی کیا تو میری بات نہ مانے گا۔ فرعون نے یہ سمجھ کر کہ یہ جھُوٹا ہے حضرت موسیٰؑ سے کہا اگر سچا ہے تو لا دکھا تیرے پاس کیا ثبوت ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پہلے تو عصا کو زمین پر ڈالا۔ جب وہ اژدھا بن کر فرعون کی طرف منہ سے شعلے نکالتا بڑھا تو وُہ خوف سے بھاگا۔ دہشت زدہ ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ کہنے لگا، موسیٰ اسے روکو اور مجھے سوچنے کا موقع دو۔ درباریوں کو اپنا ہاتھ دکھایا تو وہ سب غش کھا گئے۔

حضرت موسیٰؑ فرعون کی خُدائی پر پہلا وار کرکے چلے آئے اور اُسے سوچنے کی مہلت دی۔ جب فرعون اور اس کے درباریوں کے ہوش درست ہوئے تو فرعون نے کہا، یہ تو پکّا جادوگر معلوم ہوتا ہے اس سے کیسے پیچھا چھُوٹے گا۔ یہ تو اس کا خواہشمند معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب کو یہاں سے نکال کر خود بادشاہ بن بیٹھے۔ مقابلہ بہت سخت ہے بتاؤ اس کے متعلق کیا کیا جائے۔

اُن لوگوں کی نظر میں معجزے کی کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ جادُو اُن کی نظر میں سب کچھ تھا۔ اس زمانہ میں مُلک میں بڑے بڑے باکمال جادُوگر بستے تھے۔ فرعون نے اُن کے خوف سے اُن سب کو اپنا وظیفہ خوار بنا رکھا تھا۔ سال میں ایک بار اُن سب کو جمع کرکے اُن سب کے کمالات دیکھتا اور بڑے بڑے انعامات اُن کو دیتا تھا۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾ یَاْتُوْكَ
بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾
وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ

اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا
لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾
فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا
لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

درباریوں نے کہا ابھی اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ دن مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لیے ہرکارے بھیجئے تاکہ وہ بڑے بڑے کھلاڑی جادوگروں کو آپ کے سامنے حاضر کریں۔ (غرض وقت مقرر ہوا) سب جادوگر اس مقررہ وقت پر جمع کیے گئے اور لوگوں کو منادی کر دی گئی کہ تم لوگ اب بھی جمع ہو گے (یا نہیں) تاکہ اگر جادوگر غالب آئیں تو ہم لوگ اُن کی پیروی کریں۔ جب جادوگر آ گئے تو اُنہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہم کو ضرور کچھ انعام ملنا چاہیئے۔ فرعون نے کہا بے شک (انعام کیا چیز ہے) تم اس وقت میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے جادوگروں سے کہا (جنتر منتر) جو کچھ تمہیں پھینکنا ہو پھینکو۔ اس پر جادوگروں نے اپنی رسیاں اور چھڑیاں (میدان میں) ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کے جلال کی قسم ہم ضرور غالب آئیں گے۔

درباریوں کے مشورہ کے مطابق شہروں شہروں سے بڑے گرو گھنٹال جادوگر بُلائے گئے۔ مقابلہ کے لیے ایک دن اور ایک وقت مقرر ہوا۔ شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ سب لوگ فلاں میدان میں جمع ہو کر جادوگروں کے کمالات کا تماشا دیکھیں۔ جادوگروں کو چونکہ اپنے غالب آنے پر پورا یقین تھا لہٰذا اُنہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو سرکار سے کیا انعام ملے گا۔ اُس نے کہا، انعام کیسا تم تو میرے دربار کے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔ جب اُنہیں اِس طرف سے اطمینان ہو گیا تو لنگوٹے کس کس کر میدان میں آ ڈٹے۔ ادھر ہزاروں جادوگر فوں فاں کر رہے تھے ادھر صرف دونوں بھائی ایک طرف خاموش کھڑے تھے۔ جب مقابلہ کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰؑ نے کہا، دیر کیا ہے جو کرتب دکھانا چاہتے ہو دکھاؤ۔ جادوگروں نے رسیوں کے ٹکڑے اور اپنی چھوٹی چھوٹی دستی چھڑیاں فضا میں پھینکیں اور غرور میں چمک کر کہنے لگے، فرعون کے جاہ و جلال کی قسم، غالب ہم ہی رہیں گے۔

جب حضرت موسیٰؑ پہلی بار دربارِ فرعون میں گئے تھے اور عصا اور یدِ بیضا کے دونوں معجزے دکھائے تھے اور فرعون بدحواس ہو کر بھاگا تھا اور درباری بیہوش ہو کر گرے تھے اس کی خبر چھپی کہاں رہتی۔ تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور لوگوں میں چرچے ہونے لگے کہ یہ کیسا خدا ہے کہ دو آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور وہ بھی ایسے جو معمولی لباس پہنے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ اس کی خدائی کی طرف سے بدظن ہو گئے۔ جب یہ خبریں فرعون کو پہنچیں تو اس نے مناسب سمجھا کہ تمام شہر والوں کو میدان میں بُلوا کر موسیٰؑ اور ہارونؑ کی شکست کا تماشہ اور اپنی سربلندی کا نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کرے اور شیخی مار کر کہے کہ جو شعبدہ اُنہوں نے دکھایا تھا وہ کوئی خوفزدہ کرنے والی چیز نہ تھی۔ جو خبریں لوگوں نے اُڑائی ہیں وہ بے بنیاد اور غلط افواہیں تھیں۔

جو دن مقابلہ کے لیے رکھا گیا تھا وہ قبطیوں کی عید کا دن تھا۔ جس میں ہر شخص نئے لباس پہنے ہوئے میدان میں آیا تھا۔ عورتیں بچے جوان اور بوڑھے سب جمع ہوئے تھے اور آپس میں چرچے کر رہے تھے ان دو آدمیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان تمام جادوگروں سے مقابلہ کو آ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کو اپنی جان کا ذرا خوف نہیں۔ لیکن کچھ ایسے سمجھدار لوگ بھی تھے جو اس پر غور کر رہے تھے کہ یہ عجیب ماجرا ہے کہ ان دو آدمیوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کے چہروں پر ذرا ہراس نہیں۔ کس قدر استقلال کے ساتھ ان کے پیرجے ہوئے ہیں۔ ضرور جادو کے علاوہ کوئی طاقت ان کے ساتھ ہے۔ ورنہ ایسے موقعوں پر تو آدمی کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

فرعون اس میدان میں ایک عالیشان تخت پر مع اپنے درباریوں کے بیٹھا تھا اور اس کا منتظر تھا کہ کب اس کے جادوگروں کو فتح نصیب ہو اور وہ خوشی کی تالیاں بجائے اور ایک نئی عید منائے۔ غرض جادوگروں نے اپنے کرتب دکھانے شروع کیے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ

إِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا مُنقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ
أَنْ كُنَّآ أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ ع

بس موسٰی نے اپنا عصا ڈالا۔ اُس نے جادوگروں کی تمام شعبدہ بازی کو نگل لیا۔ (یہ دیکھ کر) جادُوگر (موسٰی کے سامنے) سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے اُس رب العالمین پر ایمان لے آئے جو کہ موسٰی و ہارُون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا، میری اجازت سے پہلے ہی تم (کیوں) ایمان لے آئے۔ یہ تم سب کا گرُو ہے، اسی نے تم کو جادُو سکھایا ہے۔ خیر عنقریب تم اس کا نتیجہ دیکھ لو گے۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دُوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور یقیناً تمہیں سُولی پر چڑھا دُوں گا اُنہوں نے کہا ہمیں پرواہ نہیں ہمیں تو بہرحال اپنے رب کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔ ہماری دِلی تمنّا ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے اور ہم اُس پر ایمان لانے والوں میں اوّل ہیں۔

جادوگروں کا خیال تھا کہ جو کرتب ہم دکھا رہے ہیں یعنی سانپ بنا کر لہرا رہے ہیں اُن سے موسٰیؑ و ہارُونؑ خوفزدہ ہو جائیں گے۔ لیکن جب عصا اژدہا بن کر ان سب کو ہڑپ کر گیا تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ یہ ہمارے کمالِ فن سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ ہمارے جادُو پر غالب آنے والا ضرور خدا کی طرف سے بھیجا ہُوا ہے۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ موسٰیؑ و ہارُونؑ اِس دعوٰی کے ساتھ میدان میں آئے ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں جادوگر نہیں۔ لہٰذا جادوگروں نے سمجھ لیا کہ اگر موسٰیؑ جادوگر ہوتے تو ہمارے جادو پر ان کا غلبہ اس لیے نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے فنِ جادوگری کا وُہ کمال دکھایا تھا جس سے بالاتر کمال ہو نہیں سکتا۔ بس وہ سب بے تامّل سجدہ میں گر پڑے اور سچے دل سے ایمان لے آئے۔ اُنہوں نے فرعون کے انعام واکرام پہ لات مار دی اور قطعاً اس کا خیال نہ کیا کہ اس ہار مان لینے میں ہماری کیسی ندامت ہوگی۔

فرعون کُودن مغز تھا وہ اب بھی بات کی تہہ کو نہ پہنچا۔ اور اُن سے کہنے لگا تم نے میری اجازت کے بغیر اُن کی فوقیت کیوں تسلیم کی۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری مِلی بھگت تھی یہ شخص تمہارا گرو گھنٹال ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تمہارے اور اُس کے درمیان یہ طے ہُوا ہے کہ جب سلطنت پر قبضہ ہو جائے گا تو تم سب کو بقدر علم و فن اس میں شامل کیا جائے گا۔

اگر جادوگروں کے ایمان میں کمزوری ہوتی تو جب فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سُولی دینے کی دھمکی دی تھی فوراً اُس کے قدموں میں گر جاتے اور معافی مانگنے لگتے۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کہا

کہ مر کر ایک دن خدا کے سامنے تو جانا ہی ہے وُہ تیرے ظالم ہاتھوں سے آج ہی سہی۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰٓى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيْٓ إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلَ
فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾
وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنٰهُمْ
مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۚ وَ
أَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَأَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ
الْجَمْعٰنِ قَالَ أَصْحٰبُ مُوْسٰٓى إِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ
مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾

ور ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات چل دو کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ فرعون نے شہروں میں ہرکارے روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ یہ لوگ (موسٰی اور اُن کے ساتھی بنی اسرائیل) مختصر سی جماعت ہیں اور ان لوگوں نے ہمیں سخت غصّہ دلایا ہے اور ہم سب کے سب باساز و سامان ہیں (تم بھی آجاؤ) تو سب مِل کر تعاقب کریں۔ غرض ہم نے ان کو مصر کے باغوں، چشموں، خزانوں اور عزّت کی جگہ سے یُوں نکال باہر کیا (اور نافرمانی کرنے والوں کی) یہی سزا ہوگی اور آخر ہم نے ان چیزوں کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا (پس موسٰی تورات ہی کو چلے گئے) اُن لوگوں نے سُورج نکلتے نکلتے اُن کا پیچھا کیا۔ جب دونوں جماعتیں (اتنے قریب ہوئیں کہ) ایک دُوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسٰی کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسٰی نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وُہ مجھے ضرور (رہائی کا) راستہ بتا دے گا۔

بعض مفسرین کا یہ خیال غلط ہے کہ جادوگروں کے ایمان لانے اور فرعون کے شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل وہاں سے موسیٰؑ کے ساتھ چل دیئے تھے۔ ایسا نہیں تھا بلکہ برسوں بعد وہاں سے ہجرت کی صورت پیش آئی تھی۔ اگرچہ جادوگروں کا مقابلہ فرعون کے خلاف ہوا مگر وہ صاحبِ سلطنت تھا اس لیے فوراً اس پر قابو پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُس نے حضرت موسیٰؑ سے اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لیے مہلت مانگی تھی۔ خدا بھی چاہتا تھا کہ غور و فکر کرنے کے بعد ہی ایمان لائیں۔

موسیٰ علیہ السلام مذکورہ واقعہ کے بعد تمام بنی اسرائیل کو لے کر ہجرت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بنی اسرائیل صرف مصر ہی میں سکونت پذیر نہ تھے بلکہ اطرافِ مصر میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو مصر میں جمع کر کے ہجرت کرنا چاہتے تھے۔ یہ کام ایک دو دن کا نہ تھا۔ کئی سال لگ گئے۔ جب وہ سب کے سب مصر میں آگئے اور فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ مصر سے جانے والے ہیں تو اُس نے بھی ان تمام علاقوں میں جو اس کی زیرِ حکومت تھے اپنے سپاہی بھیجے اور اعلان کرایا کہ بنی اسرائیل جو اَب تک ہماری غلامی میں رہے تھے اب ہم سے فرنٹ ہو کر یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ ان کی بغاوت نے ہمیں سخت غصہ دلایا ہے لہٰذا تم سب یہاں جمع ہو جاؤ۔ ان کی تعداد ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہوگی۔ گھیرے میں لے کر ایک ایک کو چُن چُن کر قتل کر دیں گے۔ غرض اس طرح ہر طرف سے فرعون کے پرستار جمع ہونے لگے اور ان سب کی کڑی نگاہیں بنی اسرائیل پر پڑنے لگیں۔ ہلکی ہلکی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔

آخر حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ اب تم اپنی قوم کو ساتھ لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ یہ لوگ وہاں سے چل دیئے اور قریب صبح دریائے نیل کے کنارے جو کئی میل دُور تھا جا پہنچے۔ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل صحیح سلامت نکل بھاگے تو اُس نے اپنی ساری فوج کو حکم دیا کہ فوراً میرے ساتھ چل کر ان کو راستہ ہی میں گھیر لو۔ غرض فرعونی فوج کا ایک ٹڈی دَل روانہ ہوا اور نہایت تیزی سے چل کر دریائے نیل کے قریب جا پہنچا جب بنی اسرائیل نے فرعونی لشکر کو دُور سے آتا دیکھا تو ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ گھبرا کر حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے، لیجیے ہم تو پکڑے گئے اب معلوم ہمارا حشر کیا ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد پر نظر رکھو وہ ہمارے ساتھ ہے عنقریب وہ ہمیں نجات کا کوئی راستہ دکھائے گا۔

یہاں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ فرعون کے ساتھی جلدی میں اپنا تمام ساز و سامان یُوں ہی کھلا چھوڑ کر چل دیئے تھے۔ ان کی عورتوں کے پاس کافی سونے چاندی کے زیورات تھے۔ بھولے سے بھی ان کے دل میں یہ خیال نہ آیا تھا کہ اب ہمیں واپس آنا نصیب نہ ہوگا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع

وقف لازم
ع ۴ ۱۷ ۸

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ دریا پر اپنا عصا مارو (عصا مارنا تھا کہ) دریا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو گویا ہر ٹکڑا ایک بڑا اُونچا پہاڑ تھا اور اس جگہ دُوسرے فریق (فرعون) کو قریب کر دیا اور موسیٰ اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ڈُوبنے سے بچا لیا اور پھر ہم نے دُوسرے فریق کو ڈبو (کر ہلاک کر) دیا۔ اس میں یقیناً ایک بڑی عبرت تھی (لیکن) اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب سب پر غالب اور بڑا مہربان ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد تین لاکھ تھی جسے فرعون نے مٹھی بھر جماعت ظاہر کیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔

جب بنی اسرائیل دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو خدا نے وحی کی کہ اے موسیٰ، اپنا عصا اس دریا کے پانی پر مارو۔ چنانچہ جب عصا مارا تو پانی پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے۔ ہر راستہ کے درمیان پانی کی اتنی اُونچی دیوار کھڑی ہو گئی گویا ایک پہاڑ ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل بارہ[۱۲] فرقوں میں منقسم تھے اور ہر قبیلہ کی رہائش الگ الگ تھی لہٰذا وہ نہیں چاہتے تھے کہ سب قبیلے مل جُل کر چلیں۔ خدا نے ان میں سے ہر ایک کا راستہ الگ الگ بنا دیا اور پانی کی دیوار کو اتنا شفاف بنا دیا کہ ایک قبیلہ دُوسرے کو پانی میں سے گزرتا دیکھ رہا تھا۔ یہ راستے بالکل سُوکھے تھے پیروں کے نیچے نام کو پانی نہ تھا۔

سر سید احمد خاں صاحب آنجہانی نے اس کو معجزہ تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جب موسیٰؑ مع بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے تو پانی اُتار پر تھا۔ اور جب فرعون اور اُس کے ساتھی داخل ہوئے تو پانی چڑھاؤ پر تھا لہٰذا وُہ ڈوب گیا۔ دریاؤں کے مدّ و جزر میں ایسا ہی ہُوا کرتا ہے۔ اُنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس مقام پر دریا میں یہ سب کچھ ہُوا تھا وہ مقام جزر و مد کے وقت کا تھا۔ لیکن

سرسید صاحب کی یہ تاویل کان کو نہیں لگتی اگر یہ کوئی اَن نیچرل بات نہ تھی تو اس کو اس شان سے قرآن میں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ موسیٰؑ کو حکم دیا جاتا کہ عصا مارو۔ اور اس کے مارتے ہی دریا کا پانی شگافتہ ہوگیا اور بارہ راستے بن گئے۔ کیا جزر و مد کے وقت ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ پانی میں بارہ بارہ راستے بن جاتے ہیں اور خشک ریت نکل آتی ہے۔ ایک بار کے بعد پھر کبھی ایسا کیوں نہ ہوا۔

فرعون کی جب ساری فوج بیچ دریا پہنچ گئی اُس وقت دریا میں تلاطم آیا اور وُہ سب ڈوب گئے اور ہلاک ہوگئے۔ اگر یہ خلافِ معمول بات نہ ہوتی تو بار بار قرآنِ مجید میں اس کا تذکرہ نہ کیا جاتا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾
قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ
اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾

اے رسول، ابراہیم کا قصہ بھی ان سے بیان کرو۔ ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اس کی قوم سے کہا۔ یہ تم کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم بُتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کو گھیرے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کیا جب تم پکارتے ہو تو یہ تمہاری باتیں سُن لیتے ہیں یا تمہیں کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر رسانی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا جن بُتوں کی تم یا تمہارے باپ دادا پُوجا پاٹ کرتے تھے کبھی ان کے متعلق تم نے غور بھی کیا کہ یہ ہیں کیا بلا۔ یہ تو میرے (کھلے) دشمن

ہیں سوائے رب العالمین خدا کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے (میرا کوئی دوست نہیں) وہی مجھے ہدایت کرتا ہے۔

یہاں سے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے آذر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ لکھا ہے وُہ غلطی پر ہیں۔ آپؑ کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔ جو آپؑ کی ولادت سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ اور آپؑ کے چچا آذر نے آپؑ کو پرورش کیا تھا۔ عُرفِ عام میں چونکہ چچا کو بھی باپ کہہ دیا کرتے ہیں اس بنا پر قرآن میں یا اَبَت کا لفظ آیا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ خدا اپنا رسول ایک کافر زادہ کو بنائے جبکہ آذر صرف بُت پرست ہی نہ تھا بلکہ بُت تراش بھی تھا۔ اور لوگ اس بنا پر اُس کو سردارِ قوم بنائے ہوئے تھے۔ لوگ صبح و شام اُس کے گھر میں جمع ہوتے اور چھوٹے بڑے بُت جو وہ تیار کرتا اُن کو بیچ میں رکھ کر چاروں طرف ہو بیٹھتے۔ جناب ابراہیمؑ نے بحالتِ کم سنی یہ سوال کیا کہ یہ کون ہیں جن کی آپ اتنی تعظیم بجالاتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہُوئے کہ کم سنی کی وجہ سے ایسا سوال کر رہا ہے بہت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ یہ بُت ہیں ان کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اب حضرت ابراہیمؑ نے دوسرا سوال کیا۔ جب تک تو یہ سمجھتے رہے کہ بچّہ ہے لہٰذا بتقاضائے عُمر پوچھا ہے یہ کون ہیں لیکن جب یہ سوال آیا کہ جب تم انہیں پُکارتے ہو تو کیا تمہاری فریاد سُن لیتے ہیں یا ان میں اتنی قوّت ہے کہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکیں تو اُن سب کے سر چکرا گئے۔ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کا اقرار کرتے نہ بنی۔ اس کے سوا اور کیا جواب دیتے کہ یہ ہماری پُرانی رسم ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ اب ایک اور سوال ہوا، تم نے اور تم سے پہلے لوگوں نے جو تمہارے باپ دادا تھے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے یہ ہیں کیا بلا؟ جب یہ بُت کسی مصرف ہی کے نہیں تو پھر تم نے اپنی اُمیدیں ان سے کیوں وابستہ کر رکھی ہیں۔ تمہاری عقل پر کیسے پتھر پڑے ہیں کہ اتنی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اُنہوں نے کہا تو کیا تم ان سے محبت نہیں کرتے۔ فرمایا، محبت کیسی، میں تو ان کو اپنا دشمن جانتا ہوں کیونکہ یہ میری تبلیغِ حق میں رُکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ میرا دوست تو وُہ خدا ہے جو رب العالمین ہے اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اور وُہی مجھے راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔

(ابھی یہ سلسلہ جاری ہے جو اگلی آیات میں آرہا ہے۔)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ

خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ
جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا
تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ
اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ
الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور وُہ رب العالمین ایسا ہے کہ مجھے کھانا دیتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے مارے گا اور وہی مجھے زندہ کرے گا اور اُس سے میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ روزِ قیامت میری خطاؤں کو بخشے گا۔ (پھر یہ دُعا کی) اے میرے رب مجھے علم و فہم عطا فرما اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر اور آخر زمانہ میں میرے لیے سچی زبان قرار دے اور مجھے جنّتِ نعیم کے وارثوں میں سے قرار دے اور میرے باپ (آذر) کے گناہ بخش دے بے شک وُہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا۔ اُس دن کہ لوگوں کو نہ مال فائدہ پہنچائے گا نہ اولاد مگر (اُس کو فائدہ پہنچے گا) جو اللہ کے سامنے پاک دل لے کر حاضر ہوگا اور جس دن جنّت پرہیزگاروں سے قریب کر دی جائے گی۔ اور گمراہوں پر دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

اِن آیات میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں:

ابراہیم علیہ السّلام نے جو صفتیں خدا کی بیان کی ہیں وہ اُصولی حیثیت سے اسلام کی جان اور بُت پرستی کی موت ہیں:

(۱) اُس نے مجھے پیدا کیا۔ یعنی یہ بُت جن کی یہ بُت پرست عبادت کرتے ہیں ان میں کسی چیز کو پیدا کرنے

کی قوّت نہیں بلکہ یہ خود خدا کی مخلوق ہیں اور تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہُوئے۔

(۲) خدا مجھے کھانا پانی دیتا ہے یعنی آسمان سے وہی پانی برساتا ہے جس سے کھانے پینے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ تم جن کی عبادت کرتے ہو کیا ان میں یہ قوّت ہے کہ وُہ کسی کی زندگی کا سامان مہیا کر دیں۔ تم ان کے سامنے کھانا پانی خود رکھتے ہو۔ انہیں اپنا پرشاد کھلانا چاہتے ہو مگر ان میں کھانے پینے کی قوّت ہی نہیں دُوسروں کو کیا کھلائیں گے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ وہ عاجز و قاصر ہیں اور ان میں معبود بننے کی صلاحیت نہیں۔

(۳) وہ بیماروں کو شفا بخشتا ہے۔ تمہارے بُتوں میں یہ قوّت مفقود ہے۔

(۴) وُہ مارتا ہے اور جِلاتا ہے۔ تمہارے بُتوں میں یہ طاقت نہیں۔ اس بیان سے قیامت میں جِلانے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ غور کیجئے کیسا مکمل درسِ توحید ہے جن میں سے کسی ایک کا انکار کوئی بُت پرست نہیں کر سکتا۔ چونکہ نظامِ حیاتِ انسانی کی بقا انہیں چیزوں پر قائم ہے۔ تو جس کے قابو میں یہ سب چیزیں ہیں وہی معبود از رُوئے عقل اس قابل ہے کہ اُس کی پرستش کی جائے نہ کہ ناکارہ بُتوں کی۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے استدلال سے ثابت کر دیا کہ جب تمہارے نزدیک بھی مذکورہ صفات کا اِن بُتوں میں فقدان ہے اور تم ان میں یہ صفات ثابت نہیں کر سکتے تو تمہارا عقیدہ کس قدر احمقانہ عقیدہ ہے اور تمہارا دین کیسا دین ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جیسے کرتے دیکھا ویسا ہی ہم کر رہے ہیں اس کی دلیل ہے کہ تمہارا دین و مذہب عقلی نہیں بلکہ تقلیدی اور بے سوچے سمجھے کا ہے۔

عرب والے اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو بتاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم ملّتِ ابراہیمی پر ہیں۔ قرآن اعتقادِ ابراہیمؑ پیش کر کے ان کے دعوٰی کو باطل کر رہا ہے۔ وُہ ثابت کر رہا ہے کہ جب ابراہیمؑ بُت پرست نہ تھے تو تم بُت پرست بن کر اُن کے پیرو کیسے کہے جا سکتے ہو۔ اگر ابراہیمؑ بُت پرست ہوتے تو ہزاروں جھگڑے کیوں مُول لیتے اور اپنی قوم کو اپنا مخالف کیوں بناتے اور انہیں چھوڑ کر شام وغیرہ کی طرف کیوں جاتے۔ ایک چھوڑ تین تین محاذوں پر (بُت پرستی، ستارہ پرستی، شخصیت پرستی) قوم کا مقابلہ کیوں کرتے۔

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو اپنا دشمن اور رب العالمین کو اپنا دوست بتایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ اس صورت میں نزاعی سوال پیدا ہو جاتا۔ وُہ کہتے آپ غلط کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ لیکن جب یہ کہا، یہ میرے دشمن ہیں تو اب دشمن کو اعتراض کا موقع نہ رہا کیونکہ منشائے ابراہیمؑ یہ تھا کہ اگر یہ میرے دشمن نہ ہوتے تو بھلا تمہاری طرح ان کی پُوجا پاٹ کیوں نہ کرتا۔ میں تو رب العالمین کو دوست رکھتا ہوں اس کا ثبوت ہے کہ میں ساری قوم کے خلاف تنِ تنہا ایک ایسی ذات کو معبود سمجھتا ہوں جو تمہارے معبودوں سے بالکل الگ ہے اور اس کی ذات پر بھروسہ کر کے تمہارے مقابلہ کے لیے آیا ہوں۔ اگر تمہارے بُتوں کی طرح اس میں بھی کوئی طاقت نہ ہوتی تو پھر میں تمہارے بُتوں کو اپنا معبود کیوں نہ مانتا۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ (۲۶/۸۶) "میرے باپ کو بخش دے" کے متعلق یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ

نے ایک کافر کے لیے بخشش کی دُعا کیوں کی۔ مفسرین نے مختلف جواب دئیے ہیں :

(۱) یہاں مغفرت سے مُراد رحم کرنا ہے یعنی مشرک باپ پر رحم کر تاکہ وہ مسلمان ہو جائے۔

(۲) یہ استغفار اس لیے تھا کہ آذر نے اسلام لانے کا وعدہ کیا تھا جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے کہ جب ابراہیمؑ کو پتہ چل گیا کہ یہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے اپنی برأت کا اظہار کر دیا۔

(۳) چونکہ آذر نے حضرت ابراہیمؑ سے مہربانی کا سلوک کیا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے، جب قوم کے برتاؤ سے پریشان ہو کر آذر کے گھر سے چلنے لگے تو یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے لیے دُعائے مغفرت تیرے حسن سلوک کی بنا پر کروں گا۔ چنانچہ اس وعدہ کے ایفا کے لیے دُعائے مغفرت کی مگر جب معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو ہدایت کی تھی اس کا آذر پر کوئی اثر نہیں ہوا تو بے زار ہو گئے۔ اس کے بعد دُعائے مغفرت نہیں کی۔

۴۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۲۶/۸۴) کے معنی میں بین المفسرین اختلاف پایا جاتا ہے :

(۱) بعد کے آنے والوں میں مجھے سچی ناموری عطا کر یعنی بعد کی نسلیں مجھے خیر کے ساتھ یاد کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آنے والی نسلیں مجھے ظالموں میں شمار کریں۔

(۲) علامہ مردویہ نے یہ روایت کی ہے کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ جب آپؑ کی ولایت حضرت ابراہیمؑ پہ پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ (خدایا اس کو میری اولاد سے قرار دے)۔ خدا نے یہ دُعا قبول کی۔ پس اس دُعا سے مراد یہ ہوئی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ صَادِقٌ۔ (یا اللہ میری ذُرّیت سے اسے صادق بنا دے۔)

(۳) تفسیر صافی میں بحوالہ کافی منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا منشا یہ تھا کہ میری اولاد میں سے ایک سچے شخص کو مقرر فرما جو میرے اصل دین کی تجدید کرے اور لوگوں کو اس دین کی طرف دعوت دے جس کی طرف میں دعوت دیا کرتا تھا۔ اور وہ محمدؐ اور علیؑ ہیں جو ذُرّیتِ ابراہیمؑ سے ہیں اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ایک لسان صدق ائمۂ طاہرین میں سے موجود ہے۔ تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

(۴) لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد علیؑ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا منشا یہ تھا کہ نبوت کے آخری زمانہ میں ایک سچی زبان والا پیدا کر جو قرآن کے متعلق غلط تاویلوں کی تصحیح کرتا رہے اور سچی زبان ایسی ہو کہ اس کی نسل سے ہر زمانہ میں ایک لِسَانَ صِدْقٍ موجود رہے تاکہ وہ قرآن میں جو اختلافات ہوں اُن کو دُور کر سکے۔ رسولؐ کے بعد یہ لسان صدق علی علیہ السلام قرار پائے۔ رسولؐ نے فرمایا ہے اے علیؑ جس طرح میں نے تنزیل القرآن پر قتال کی ہے تم تاویلِ قرآن پر کرو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے بعد تاویلِ قرآن میں اختلاف ہو گا پس اس اختلاف کو مٹانے کے لیے ایک لِسَانَ صِدْقٍ ہونی چاہیئے جو ان کے درمیان حق فیصلہ کرے۔ خدا نے جنابِ ابراہیمؑ کی اس دُعا کو قبول کیا اور فرمایا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا "۱۹/۵۰ مریم" (ہم نے علی کو ان کے لیے سچی زبان قرار دیا)۔ یہاں عَلِيًّا اسم معرفہ ہے صفت نہیں ہے کیونکہ اُونچی زبان ہونا زبان کے لیے توہین ہے ممدوح صفت نہیں۔

علاوہ بریں جب قرآن میں تمام مسلمانوں کے لیے جو قیامت تک ہونے والے ہیں یہ حکم دیا جا چکا ہے يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔ "۹/۱۱۹ سورۂ توبہ" (اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)۔ تو لامحالہ ہر زمانہ میں ایک سچا ہونا چاہیئے۔ ورنہ مابعد کے زمانہ والوں کے اختلاف دُور کون کرے گا۔

آیہ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا گروہ عام مسلمانوں سے علیحدہ ہے انہی کے ساتھ مسلمانوں کو رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر سب مسلمان صادقین قرار دیئے جائیں تو آیت کے معنی مہمل ہو جاتے ہیں کیونکہ جب سب ہی صادق ہیں تو پھر ان کو کس کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ صادقین کا گروہ الگ ہے۔ رسولؐ نے روزِ مباہلہ اُن کی معرفت تمام کو کرا دی۔ رسولؐ کے ساتھ جانے والے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ نصاریٰ نجران کا مباہلہ سے گریز کرنا بتاتا ہے کہ اُنہوں نے رسولؐ کے ساتھ جانے والوں کو صادق تسلیم کر لیا تھا۔

پس حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا مطلب یہی تھا کہ نبی آخر الزمانؐ کے مابعد جو زمانہ قیامت تک آئے گا، اس میں ہر عہد میں ایک لسانِ صدق یعنی امام معصوم ضرور موجود رہے گا تاکہ وہ ملتِ ابراہیمی کی حفاظت کرتا رہے ان محافظینِ ملتِ ابراہیمی کے نقطۂ اوّل حضرت علیؑ تھے۔ اور نقطۂ آخر قائم آلِ محمدؐ حضرت امام مہدیؑ آخر الزمان ہوں گے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ میں لِيْ سے مراد میری ملت ہے یعنی میری ملت کے بچاؤ کے لیے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان پیدا کر۔ سچی زبان والا وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو۔ اُمتِ رسولؐ میں سوائے اہلبیتِ رسولؐ کوئی دُوسرا معصوم ہوا ہی نہیں۔

ایک مفسر کا لسانِ صدق سے یہ مراد لینا کہ ہمیں سچی ناموری عطا کر، کان کو لگتی بات نہیں یہ دُعا آخر زمانہ ہی سے کیوں مخصوص ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد برابر نبوت کا سلسلہ قائم رہا۔ ان ازمنہ کے لیے یہ دُعا کیوں نہ مانگی۔ صرف اپنی ناموری چاہنا ایک رسول کے لیے رسول کی خود غرضی کی دلیل قرار پاتا ہے رسول کو تو اپنی ملت کی بقا کے لیے دُعا کرنی چاہیئے نہ کہ اپنی شہرت و ناموری کے لیے اور ملت کی بقا کا پورا پورا بندوبست اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے محافظ ہر زمانہ میں معصوم ہوں۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾
وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾
وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا
صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

ان لوگوں سے (اہلِ جہنم سے) پوچھا جائے گا خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے تھے (آج) وُہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا وُہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں پس وُہ اور گمراہ لوگ اور شیطان کا لشکر سب کے سب جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے اور یہ لوگ جہنم میں باہم جھگڑا کریں گے اور (گمراہ اپنے معبود سے کہیں گے) خُدا کی قسم ہم لوگ سراسر گمراہی میں تھے کہ ہم لوگ تم کو سارے جہان کے پالنے والے (خدا) کے برابر سمجھتے رہے اور ہم کو تو ان گنہگاروں نے گمراہ کیا تھا تو اب نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے کاش ہمیں دُنیا میں دوبارہ جانے کا موقع ملتا تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے (حضرت ابراہیم کے) اِس واقعہ میں یقیناً ایک بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب سب پر غالب اور مہربان ہے۔

کِس قدر دردناک منظر ہوگا جب وُہ لوگ جو دُوسروں کے بہکانے سے گمراہ ہو گئے ہوں گے اور جہنم

کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہونگے وہ اپنے گمراہ کرنے والوں سے کہیں گے، ارے ظالمو تم نے ہی ہماری لُٹیا ڈبو دی۔ ہم تمہارے ہی بہکانے سے گمراہ ہوئے۔ اور ہم نے تمہیں خدا کا شریک بنایا تھا۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ نہ تو اُن کو کوئی سعی سفارش کرنے والا نظر آئے گا نہ کوئی ڈھارس بندھانے والا نہ پھر دُنیا میں واپس آنا نصیب ہوگا کہ ایمان لائیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ
تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی (قومی بھائی) نوح نے کہا کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس خدا کی امانت اور رسول بن کر آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین (خدا) پر ہے پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُنہوں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں درآنحالیکہ ذلیل لوگ تمہارے پیرو بنے ہوئے ہیں۔ نوح نے کہا میں نہیں جانتا وہ از رُوئے عمل کیسے ہیں ان کا حساب تو میرے رب سے متعلق ہے کاش تم اتنا شعور رکھتے۔ میں تو مؤمن بھائیوں کو اپنے پاس سے

بتانیوالا نہیں ہیں تو کھلم کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا بن کر آیا ہوں ۔

ہر زمانہ میں لوگوں کے علو مرتبت کو جانچنے کا معیار یہ رہا ہے کہ کتنے اُمرا و رؤسا اور منصب دار اس کے پاس ملنے کو آتے ہیں۔ حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے بہت غریب لوگ تھے اُن کی قوم کو یہ بات ناگوار تھی۔ جب نوحؑ اُن سے ایمان لانے کو کہتے تو وُہ جواب میں کہتے تمہاری حیثیت ہی ہمارے نزدیک کیا ہے جو تمہارے اوپر ایمان لانا ضروری سمجھیں۔ ہماری قوم کے رذیل و ذلیل لوگ تمہارے ہم صحبت ہیں۔ ہم ان کے ساتھ تمہارے پاس بیٹھ کر بات کرنے کو تیار نہیں۔ اُنہیں اپنی صحبت سے دھتکارو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر پوچھیں گے کہ تم کہتے کیا ہو۔ حضرت نوحؑ کہتے، تم اُن کی ظاہری حالت کو دیکھنے والے ہو اور خدا اُن کے نیک اعمال کو دیکھتا ہے اُن کے ایمان پر نظر رکھتا ہے پھر میں اُنہیں کیسے نکال باہر کروں۔ میرا کام عذابِ خدا سے ڈرانے کا ہے نہ کہ امیر و غریب کو چھاج میں پھٹکنے کا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ
رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ
وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

اُنہوں نے کہا نوحؑ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ نوحؑ نے خدا سے عرض کی اے میرے پالنے والے میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے پس میرے اور ان کے درمیان ایک قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مؤمنین میرے ساتھ ہیں ان کو اُن کے ظلم سے نجات دے۔ پس ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی اور باقی کو ڈبو دیا۔ بے شک اس میں عبرت کے لیے نشانی تھی اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے

تھے ہی نہیں بے شک تمہارا رب غالب مہربان ہے ۔

ایسی حالت میں جبکہ نوحؑ اُن سے کچھ مانگ نہیں رہے تھے صرف اُن کو غلط راستہ سے بچانا چاہتے تھے اُن کی قوم کو اس قدر سخت مخالفت کیوں پیدا ہوئی کہ اُن کے سنگسار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ وُہ صرف یہی تو کہتے تھے کہ بُت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔ اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سب کے سب عذاب خدا میں گرفتار ہو گئے۔ طوفان آیا اور سب کو ڈبو دیا گیا۔ وُہ اپنے جتھے کی طاقت پر تو نظر رکھتے تھے لیکن خدائے واحد و قہار کی قوت و قدرت پر اُن کی نظر نہ تھی۔ اگر وہ خدا سے معافی مانگتے تو اُس کی ذات رحیم و کریم ہے ضرور بخش دیتا مگر ان کی سرکشی تو دمبدم بڑھتی ہی چلی گئی۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ
رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾
وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب اُن کے بھائی ہُود نے اُن سے کہا کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں ہیں تمہارے پاس بحیثیت خدا کے ایک امانت دار رسُول کے آیا ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں کارِ رسالت کی تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین پر

ہے۔ تم کیا ہر اُونچی جگہ پر بیکار یادگاریں بناتے پھرتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سرکشی سے ہاتھ ڈالتے ہو۔ پس تم خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جن کو تم خوب جانتے ہو اور تمہاری مدد چوپاؤں، لڑکے بالوں، باغوں اور چشموں سے کی۔ مجھے خوف ہے تمہارے متعلق سخت عذاب کے دن کا۔

حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد جس قوم نے رُوئے زمین پر نمایاں ترقی کی وہ قومِ عاد تھی۔ یہ دولتمند بھی زیادہ تھے اور طاقتور بھی۔ اس طاقت و دولت کے غرّہ میں سخت متکبّر اور مغرور بن گئے تھے۔ اُنہوں نے اُونچے اُونچے ستونوں پر بڑی عالیشان عمارتیں بنائیں جو محض نام و نمود کے لیے تھیں۔ جب حضرت ہودؑ نے ایک خدا کی پرستش کی طرف اُن کو توجہ دلائی تو یہ بات اُن کی سمجھ ہی میں نہ آتی تھی کہ چند معبودوں کو چھوڑ کر وہ ایک اکیلے خدا کے معبود ہونے کے قائل کیسے ہو جائیں۔ کچھ تو اس پر حضرت ہودؑ سے وہ لوگ بگڑے ہوئے تھے کہ وہ اُن کے آبائی دین سے کیوں ہٹا رہے ہیں دوسرے حضرت ہودؑ اُن سے کہتے تھے کہ یہ اُونچی اُونچی اور عظیم الشان عمارتیں بنوانے میں تم اپنا وقت، پیسہ اور اپنی قوت کیوں صرف کر رہے ہو کیا تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ تیسرے تم سخت متکبر و مغرور اور سنگدل ہو۔ جب کسی پر غالب آتے ہو تو اس سے نہایت ظالمانہ برتاؤ کرتے ہو۔ جس خدا نے تمہیں یہ تمام نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس سے کیوں نہیں ڈرتے اور میری اطاعت کیوں نہیں کرتے۔ جب وہ اپنی سرکشی پر ڈٹے رہتے تو حضرت ہودؑ ان سے کہتے دیکھو ہوش میں آؤ مجھے تو ڈر ہے کہ خدا کا عذاب تمہیں دھر پکڑے قیامت میں جو سب سے زیادہ سخت دن ہوگا تم عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ
اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع

وُہ کہنے لگے خواہ تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے سب برابر ہے۔ یہ ڈراوا تو اگلے لوگوں کی عادت

ہی رہا ہے ہمارے لیے عذاب وذاب کچھ نہیں ہوگا۔ جب اُنہوں نے ہود کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس واقعہ میں ایک بڑی عبرت ہے۔ اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب غالب و مہربان ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (۲۶، ۱۳۷) اِس کے دو معنی ہیں، اوّل یہ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ وہی ہے جو ہم سے پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔ پس اُن پر کونسا عذاب آیا تھا جو ہم پر بھی آگرے گا۔ دُنیا تو ہمیشہ سے یونہی چلی آرہی ہے۔ ہر قوم اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے کام کرتی آئی ہے۔

دوسرے یہ کہ تم لوگوں کی عادت ہی یہ ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی بات منوانا چاہتے ہو تو ہم ایسے کمزور دل والے نہیں کہ تمہارے اس ڈرانے دھمکانے میں آجائیں۔ جو ہم کر رہے ہیں وہ کرتے ہی رہیں گے۔ تمہارا نصیحت کرنا یا نہ کرنا ہمارے نزدیک برابر ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ ج اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا
هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا
هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ
فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

قومِ ثمودؔ نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی صالحؑ نے اُن سے کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ میں اللہ کی طرف سے بہ حیثیت ایک امانتدار رسول کے تمہارے پاس آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور

میری اطاعت کرو۔ میں اپنی رسالت کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین پر ہے کیا جو چیزیں یہاں دُنیا میں موجود ہیں، باغات۔ چشمے۔ کھیتیاں۔ خرمے کے درخت جن کی کلیاں نازک ہوتی ہیں کیا تم ان میں بسر کرنے کے لیے (ہمیشہ کو) چھوڑ دئیے جاؤگے؟ اور تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو (کیا ہمیشہ رہنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہو)۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور زیادتی کرنے والوں کا کہنا مانو جو رُوئے زمین پر فساد پھیلایا کرتے ہیں اور خرابیوں کی اصلاح نہیں کرتے۔

قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود نے بہت ترقّی کی۔ فنِ سنگتراشی میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں میں غاروں کے اندر شاندار مکانات بناتے تھے اور جس طرح دکن میں ایلورا اور اجنتا کے غاروں میں بودھ اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں دیواروں پر بنائی تھیں یہی صورت اس قوم نے بھی اختیار کی تھی۔ اچھے خاصے مالدار بھی تھے اور صاحبِ ثروت بھی۔ ان میں جو سردار تھے وہ بڑے متکبّر و مغرور تھے۔ ان کے بہت سے باغات تھے چشمے تھے کھیتیاں اور کھجور کے درخت تھے۔ غرض وہ بڑی عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت صالحؑ کی بات پر کان ہی نہ دھرتے تھے جب وہ کہتے کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو تو کہتے ہم تمہاری اطاعت کیوں کریں تم تو ہماری قوم کے معمولی آدمی ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ
بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ
الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع ١٩ ١٢

جب صالح نے زیادہ کہا تو کہنے لگے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (تم

میں کیا خصوصیت ہے) ہم ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اگر اپنے دعوٰی میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ (جب باعجاز پہاڑ میں سے ایک اُونٹنی نکل کر آئی تو) صالح نے کہا (میرا معجزہ) یہ اونٹنی ہے (خدا کا حکم ہے) چشمہ کا پانی ایک دن اس کے لیے ہوگا اور دُوسرے دن تمہارے لیے، اِسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آلے گا۔ اُنہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور پھر نادم ہوئے۔ پس عذاب نے اُن کو دھر پکڑا۔ اے رسول اس میں تمہارے رب کی قدرت کی بڑی نشانی ہے لیکن اُن کے اکثر ایمان لانے والے نہ بنے اور تمہارا رب سب پر غلبہ رکھنے والا اور رحیم ہے۔

جس سرزمین پر یہ قومِ ثمود آباد تھی وہ عہدِ رسالت میں وادیٔ القرٰی کہلاتی تھی۔ ان کے کھنڈروں کی نشانیاں اب بھی موجود ہیں۔ مدینہ اور تبوک کے درمیان بستیاں تھیں۔ جب اس قوم نے حضرت صالحؑ سے معجزہ طلب کیا تو آپؑ نے خدا سے دُعا کی جس پہاڑ کی ایک چٹان کو یہ قوم پوجتی تھی اس سے قوم کی خواہش کے مطابق ایک فربہ اندام اونٹنی مع اپنے بچے کے نکل کر آئی۔ وہاں سب سے بڑا سوال پانی کا پیدا ہوا کیونکہ اونٹنی کے لیے کافی پانی درکار تھا۔ حضرت صالحؑ نے دُعا کی چنانچہ ایک چشمہ بھی پھوٹ نکلا۔ اس زمین پر یہ سب سے پہلا چشمہ تھا جو جاری ہوا۔ وہاں ایک حوض بنا دیا گیا اور یہ طے ہوا کہ ایک دن کا پانی اس اونٹنی سے مخصوص ہوگا اور دوسرے دن کا تمام بستی کے آدمیوں اور جانوروں سے۔ اونٹنی ایک دن کا پانی پی کر اتنا دُودھ دیتی تھی کہ ساری بستی والے ڈٹ ڈٹ کر پی لیتے تھے۔ اس معجزہ کے ظہور پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثریت ایمان سے بے نصیب ہی رہی۔ اس قوم کے سرکش سرداروں نے کہا، صالح نے یہ بہت بڑی مصیبت ہم پر نازل کی۔ پانی ہر وقت کے استعمال کی چیز ہے۔ پورے ایک دن اس سے محروم رہنا کتنا تکلیف دہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس قوم میں قدار نامی بڑا شقی القلب انسان تھا۔ کچھ لالچ دے کر اسے اونٹنی کی ہلاکت پر آمادہ کیا۔ اُس نے رات کو موقع پاکر اس کے ٹخنوں کے پٹھے کاٹ دئیے اسی کو کونچیں کاٹنا کہتے ہیں۔ اونٹنی زمین پر گر گئی اور جب چشمہ تک جانے کے قابل نہ رہی تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اس کا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور اپنا منہ آسمان کی طرف اُٹھا کر خدا سے فریاد کی ادھر صالحؑ نے بد دُعا کی نتیجہ یہ ہوا، ایسا زلزلہ آیا اور اتنا سخت دھماکا ہوا کہ ساری بستی تباہ و برباد ہو گئی۔ نہ بستی رہی نہ بستی والے۔

خداوند عالم سلسلہ وار معتوب قوموں کا حال بیان کر رہا ہے۔ پہلے قومِ نوحؑ کا ذکر کیا پھر قومِ عاد اور پھر قومِ ثمود کا۔ اب قومِ لوط کا ذکر کرتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾
وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾
اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِکُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

لُوطؑ کی قوم نے بھی لُوط سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ جب ان سے ان کے بھائی لُوط نے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، میں تمہارے پاس بحیثیت ایک امین رسول کے آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم لوگ (رفعِ شہوت کے لیے) دُنیا کی مخلوق میں صرف مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے رب نے تمہاری بی بیوں کو جو تمہارے لیے پیدا کیا ہے اُن کو چھوڑتے ہو۔ بلکہ (بات یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے ہی گزر گئے ہو۔

شیطان نے لوطؑ کی قوم کے پیچھے یہ لت لگا دی تھی کہ وہ بجائے عورتوں کے مردوں سے اپنی خواہش نفسانی غیر فطری طور پر پوری کرتے تھے۔ بلکہ عورتوں سے بھی جماع فی الدبر ہی کے عادی ہو گئے تھے حضرت لُوطؑ ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ اُنھوں نے کہا کیا تم ہی اس دُنیا میں وہ عجیب لوگ ہو جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی ہوس رانی کی آگ بجھاتے ہو۔ ظالمو ایسا تو جانور بھی نہیں کرتے معلوم ہُوا تم ان سے بھی گئے گزرے ہو۔ اُن کی بے حیائی حد کو پہنچ گئی تھی کہ سب کی آنکھوں کے سامنے وہ یہ عملِ بد کر گزرتے تھے اور ذرا اُن کو شرم نہ آتی تھی۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ
اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ۭ وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾

قوم لُوط کے سرداروں نے کہا، اے لُوط اگر تم (اپنی پند و نصیحت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں شہر سے نکال باہر کریں گے۔ (حضرت لُوطؑ نے کہا، تمہاری اس ناشائستہ حرکت سے بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار، مجھے اور میرے گھر والوں کو اس عمل سے جو یہ لوگ کرتے ہیں نجات دے پس ہم نے اُس کو اور اُس کے لڑکے بالوں سب کو نجات دی مگر اُس کی بُوڑھی بی بی کہ پیچھے رہ گئی (اور ہلاک ہو گئی) پھر اُن لوگوں (قوم لُوط) کو ہلاک کر ڈالا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا جن لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرایا گیا تھا اُن پر کیا بُری بارش ہوئی۔ اس میں بے شک عبرت تھی اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔

یہ واقعات تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کے ہیں۔ چونکہ قوم لُوط کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر ان کے فعلِ قبیح کی مخالفت حضرت لُوطؑ اسی طرح کرتے رہے تو کیا بعید ہے کہ قوم اس مذموم رسم کو ترک کر دے لہٰذا مناسب ہوگا کہ ان کو جلد از جلد یہاں سے چلتا کر دو۔ حضرت لُوطؑ کی بی بی ان بداعمالوں سے ملی ہوئی تھی اور چونکہ وہ کافرہ تھی لہٰذا اس کی خواہش یہ تھی کہ قوم کے مقابل لُوطؑ ذلیل ہوں اور کوئی اُن کی بات کان دھر کر نہ سُنے۔

قرآن میں دو نبیوں کی کافرہ بی بیوں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ ایک حضرت نوحؑ کی بی بی جس کا انجام یہ ہُوا کہ کافروں کے ساتھ وہ بھی طوفان میں غرق ہو کر ہلاک ہوئی۔ دوسری لوطؑ کی بی بی جس کو کفر پرستی کی یہ سزا ملی کہ قوم لوط کی طرح اس پر بھی پتھروں کی بارش ہوئی۔

صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے لیکن جو نااہل ہوتے ہیں مرد ہوں یا زن اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لوطؑ کی بی بی اپنے شوہر کی سخت نافرمان بی بی تھی۔ وہ حضرت لوطؑ سے کہا کرتی تھی کہ پرائے پھٹے میں تم کیوں پیر اڑاتے ہو، یہ لوگ جو کرتے ہیں کرنے دو۔

کوئی بُری رسم جب کسی قوم میں پھیل جاتی ہے تو اس کی روک تھام مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت لوطؑ کو بڑی دقتوں کا سامنا ہُوا۔ بہت سے لوگ اس فعلِ شنیع کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور حضرت لوطؑ کی ہدایت کو قابلِ عمل جانتے تھے۔ لیکن قوم کے سرکش سرداروں کی وجہ سے اُن کے خلاف بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ ع كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ٩ ١٢
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا
تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾

بے شک تیرا رب غالب اور رحیم ہے۔ ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب شعیب نے ان سے کہا، کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہے۔ تم ناپ تول پوری کیا کرو اور کم دینے والے نہ بنو۔ جب تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کو جو چیزیں وُہ خریدیں کم نہ دیا کرو۔ اور رُوئے زمین پر فساد برپا نہ کرو۔

اصحابِ ایکہ یعنی جنگل والے حضرت شعیبؑ کی قوم سے نہ تھے جب ہی تو اور انبیاء کی طرح ان کو اصحابِ ایکہ کا بھائی نہ کہا جیسے پہلے کہا ہے اَخَاهُمْ هُوْدٌ اَخَاهُمْ صَالِحٌ اَخَاهُمْ لُوْطٌ۔
جناب ہودؑ سے لے کر جناب لوطؑ تک جتنے انبیاء آئے اُنہوں نے اپنی اپنی قوم سے جو کہا وُہ یہ تھا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ (و ۷، ۲۶) اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو جانتے پہچانتے تھے لیکن خدا سے ڈرتے نہ تھے اور جو احکام انبیاءؑ دیتے تھے اُن کو بجا نہیں لاتے تھے اُن کا کردار خراب تھا۔ قسم قسم کی بداعمالیاں اُن میں پائی جاتی تھیں۔ انبیاءؑ انہی سے روکنے کے لیے آئے تھے۔

اصحابِ ایکہ میں جو تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اُن کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شے کسی سے لیتے تو پیمانہ اور ترازو میں دھاندلی کرکے زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیزوں کو دیتے تو ڈنڈی مار کر کم دیتے۔ جب اس کی شکایت عام ہوئی تو حضرت شعیبؑ نے اُن کو ہدایت کی عذابِ خدا سے ڈرایا مگر وہ لوگ ماننے ہی نہیں اور جو چالبازیاں کرتے تھے کرتے ہی رہے آخر اُن کا بھی وہی حشر ہُوا جو اُن سے پہلے سرکشوں اور نافرمانوں کا ہُوا تھا۔
اس سلسلہ میں جن معذّب قوموں کا ذکر کیا گیا ہے سوائے قومِ نوح آج تک اُن کی تباہ شدہ بستیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ لوگ ان کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان سے عبرت حاصل کرنے والے بہت ہی کم لوگ ہوتے رہیں۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ
الْكٰذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ
فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
ع لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ ١٠ ١٤

شعیب نے کہا، اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُس مخلوق کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے تم پر کسی نے جادُو کر دیا ہے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو (پھر ہم تمہاری ہدایت پر کیوں عمل کریں) ہم تو تمہیں جھُوٹا سمجھتے ہیں اگر سچے ہو تو بھلا آسمان سے ایک ٹکڑا تو ہمارے اُوپر گرا دو۔ شعیب نے کہا جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس کو بہتر جانتا ہے

(جب وُہ چاہے گا تو عذاب نازل کرے گا۔) غرض اُنہوں نے شعیب کو جھٹلایا اور اُن کی کوئی بات نہ مانی (نتیجہ یہ ہُوا کہ) ایک ہوا سائبان کی صُورت میں آئی اور وُہ (اُن کے لیے) سخت عذاب کا دن تھا۔ اِس واقعہ میں خدا کی قدرت کی نشانی تھی لیکن اس پر بھی اُن میں سے اکثر ایمان نہ لائے۔ (اے رسول) بے شک تیرا رب سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

اہلِ مدین اور اہلِ ایکہ دونوں کے لیے ایک ہی پیغمبر (شعیب علیہ السلام) مبعوث ہوئے تھے۔ دونوں ایک ہی قوم کی دو شاخیں تھیں۔ شعیبؑ اہلِ مدین میں سے تھے اسی لیے قرآن میں اہلِ مدین کا بھائی کہا گیا ہے یہ تجارت پیشہ لوگ تھے ان کا صدر مقام تبوک تھا۔ یہ لوگ بعل بُت کی پرستش کرتے تھے۔ قرآن نے ان دونوں قوموں کے متعلق فرمایا ہے اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر ١٥/٧٩) یعنی ایک کھلی شاہراہ پر یہ لوگ آباد تھے۔ زناکاری کا ان میں عام رواج تھا، وہ اس کو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی زنا کو حرام نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ کسی معزز اور امیر کبیر آدمی سے زنا کرانا عورتیں فخر سمجھتی تھیں۔ انہی کی طرح اصحابِ ایکہ میں بھی اس قسم کے تعلقات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

جناب شعیبؑ سے اُن کی قوم نے جب نزولِ عذاب کی خواہش کی تو اُنہوں نے جواب میں کہا، اللہ تمہاری حالتوں کو خوب جانتا ہے وہ جب چاہے گا نازل کرے گا۔ اسی طرح اور انبیاءؑ نے بھی کہا تھا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ عذاب نازل کرانا انبیاءؑ کے اختیار میں نہ تھا بلکہ خدا کی مرضی پر تھا۔ ہاں وہ نزولِ عذاب کے لیے دُعا کر سکتے تھے۔

جب کسی قوم کی بداعمالی حد سے بڑھ جاتی ہے اور تمدن میں خرابی واقع ہونے لگتی ہے انسانی نظامِ حیات میں اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔ خدا کے نافرمان بندے اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آتے اور انبیاءؑ کو قتل کرتے سخت اذیتیں پہنچانے پر آمادہ ہو جاتے، تب خدا اُن پر عذاب نازل کرتا۔ جابجا اُس نے اپنی دو صفتوں کا اظہار فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ (٢٦/١٩١) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب پر غالب ہے جب چاہے اُن کو تہس نہس کر دے لیکن اگر لوگ گناہوں سے توبہ کر لیں تو وہ رحیم بھی ہے عذاب کو ہٹا بھی سکتا ہے جیسا کہ قومِ یونسؑ پر آیا ہُوا عذاب ہٹ گیا تھا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (١٩٢) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (١٩٣) عَلٰى
قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (١٩٤) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (١٩٥) وَاِنَّهٗ

لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (١٩٦) اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ (١٩٧) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ (١٩٨) فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا
كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (١٩٩) كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ (٢٠٠)
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (٢٠١) فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ
هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (٢٠٢) فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ (٢٠٣) اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ (٢٠٤)

بے شک یہ قرآن ساری خدائی کے پالنے والے کا نازل کیا ہُوا ہے جسے صاف عربی زبان میں روح الامین (جبرئیل) لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں تاکہ تم بھی اور پیغمبروں کی طرح (لوگوں کو عذابِ خدا سے) ڈراؤ، بے شک اس کی خبر اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں بھی موجود ہے کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی دُوسری زبان والے پر نازل کرتے اور وہ ان عربوں کے سامنے اس کو پڑھتا بھی تو یہ لوگ اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اسی طرح ہم نے (گویا خود) اس انکار کو گنہگاروں کے دلوں میں راہ دی کہ یہ لوگ جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں گے اس پر ایمان نہ لائیں گے وہ یکایک اس حالت میں اُن پر آپڑے گا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی تب وُہ لوگ کہیں گے کیا ہمیں مُہلت مِل سکتی ہے تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۔

انبیاءؑ اور اُن کی قوموں کے حالات ذکر کرنے کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے اہلِ مکہ یہ قرآن جس سے تم انکار کر رہے ہو معمولی کلام نہیں ہے بلکہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا رسولؐ تک پہنچانے والا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ وُہ فرشتہ ہے جس کی صفت امین ہے وہ کسی طرح کا تصرف اس کلام میں نہیں کر سکتا۔ نہ یہ کوئی معمّہ ہے نہ چیستان بلکہ صاف عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں آچکا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم

انکار کرتے ہو۔ یہودی علمائے سے پوچھو کہ اُنہوں نے صحفِ انبیائ اور توریت میں قرآن اور اس رسولؐ کا جو ذکر ہے وہ اُنہوں نے پڑھا ہے یا نہیں۔ اگر پڑھا ہے اور سمجھ کر پڑھا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ جو احکام رسولؐ کے ذریعہ سے پہنچائے جا رہے ہیں کیا اس سے پہلے آسمانی کتابوں میں یہ باتیں انبیاء پر نازل نہیں ہوئی تھیں۔ پھر اگر انہیں باتوں کو عربی زبان میں بیان کر دیا گیا تو تم چراغ پا کیوں ہو رہے ہو، صرف اس وجہ سے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہے عربی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ اگر بالفرض ایک غیر عرب اس کلامِ الٰہی کو تمہیں اپنے لب و لہجہ میں پڑھ کر سُناتا تو تم ایمان نہ لانے کے لیے کوئی حیلہ تراش لیتے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ تم میں کا ایک مردِ عربی یہ کلام پیش کر رہا ہے تو تم اس لیے نہیں مانتے کہ ایک عرب کا ایسا کلام کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں اس کو معجزہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ فصحائے عرب آئے دن ایسا کلام کیا ہی کرتے ہیں۔ غرض تم بڑے ضدی اور ہٹی ہو، تمہاری اس سمجھ میں تو سب کچھ آتا ہے مگر تم ایمان لانے سے بھاگے بھاگے ہی پھرتے ہو۔ بہرحال تم عذابِ الٰہی سے بچ کر جاؤ گے کہاں؟ وہ تو اچانک آ کر تمہیں دبا ہی لے گا۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾
مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا
لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ
بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ
عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ
مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو سالہا سال چین کرنے دیں اس کے بعد جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے آ پہنچے تو جن چیزوں سے یہ لوگ چین کیا کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آئیں گی۔ ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ اس کے سمجھانے کو (پہلے سے) ڈرانے والے پیغمبر بھیج دیئے

اور ہم ظالم نہیں ہیں اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوئے اور یہ کام نہ تو اُن کے لیے مناسب تھا اور نہ وہ کر سکتے تھے بلکہ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم ہیں تو اے رسولِ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ورنہ تم بھی مبتلائے عذاب کیے جاؤ گے۔

کفّار و مشرکین کو جو چین کی زندگی نصیب ہے اُس نے اُن کو بدمست بنا کر انجام سے بے خبر کر دیا ہے لیکن انہیں اس کی خبر نہیں کہ عذاب کا وعدہ جو ان سے کیا گیا ہے وہ ان عیش و آرام کی چیزوں اور قیمتی سامانوں سے ٹلنے والا نہیں۔ ہم ظالم نہیں کہ بے وجہ کسی پر عذاب نازل کر دیں بلکہ اپنی حجت تمام کرنے کے لیے پہلے کسی بستی والوں کے پاس اپنے عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں تاکہ اچھی طرح ان کو سمجھائیں بجھائیں۔ لیکن جب وہ کسی طرح مانتے ہی نہیں تب ہم ان کو ہلاک کرتے ہیں۔ کفّار و مشرکین کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن شیاطین کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔ شیاطین کی پہنچ وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ایسے کاموں سے ان کو کوئی نسبت ہے۔ یہ تو کلامِ خدا ہے جو وحی کے ذریعہ رسولؐ پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین وحی کی آواز سُن ہی نہیں سکتے۔ کاہنوں تک جو چیز شیاطین پہنچاتے ہیں اس کو وحی سے کوئی نسبت نہیں۔ ہمارا کلام تو فرشتوں کے ذریعہ رسولؐ تک پہنچایا جاتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ
تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ
فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى
مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ
السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع سے پیش آؤ) اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو

تم کہدو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں اور سب سے غالب اور مہربان خدا پر بھروسہ رکھو جب تم (نمازِ تہجد میں) کھڑے ہوتے ہو تو سجدہ کرنے والوں میں تمہارا پھرنا (اٹھنا بیٹھنا) رکوع و سجود کو خدا دیکھتا ہے، وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے کیا میں تمہیں بتادوں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوا کرتے ہیں (سنو) یہ لوگ ہر جھوٹے بدکردار پر نازل ہوا کرتے ہیں۔ فرشتوں کی باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں کہ کچھ سُن پائیں حالانکہ ان میں اکثر بالکل جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ آیات دعوتِ ذوالعشیرہ کے متعلق ہیں۔ یعنی خدا کا حکم ہوا کہ اے رسولؐ، اپنی رسالت کا اعلان سب سے پہلے اپنے کنبہ والوں میں کرو۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے خاندان کے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور بروایت معالم التنزیل حضرت علیؑ سے فرمایا تم اس دعوت کا سامان کرو۔ ایک مُد آٹے کی روٹیاں پکواؤ۔ بکرے کی ایک ران کا سالن اور ایک پیالہ دُودھ ہو۔ چنانچہ جب چالیس آدمی جمع ہو گئے تو حضرت علیؑ نے وہ کھانا تقسیم کیا۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھالیا اور کھانا بدستور باقی رہا۔

یہ حال دیکھ کر سب بھاگ کھڑے ہوئے کہ یہ سب جادُو کا کھیل ہے۔ دوسرے روز پھر آپؐ نے سب کو بُلایا۔ جب کھانا کھا چکے تو فرمایا، میں تمہارے پاس آخرت کی ایسی خبر لایا ہوں جو میرے بعد اب کوئی نہ لائے گا۔ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اگر تم نے میری ہدایت پر عمل کیا تو ایک بڑی سلطنت کے مالک بن جاؤ گے بہت بڑا اجر خدا کے یہاں سے تم کو ملے گا۔ کون ہے تم میں کہ میرا وصی و وزیر میرا خلیفہ اور جانشین ہو۔ یہ سُن کر سب ہنسنے لگے اور حضرتؐ کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے، سبحان اللہ آپ ہیں ہی کس سلطنت کے مالک جس کے لیے وزیر و خلیفہ کی ضرورت آپؐ کو پیش آئی ہے۔ ابولہب نے ازراہِ دل لگی ابُوطالب سے کہا، لو مبارک ہو آپ کا بھتیجا بادشاہ بن گیا۔ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا، یا رسولؐ اللہ، میں آپؐ کا وصی و خلیفہ بنوں گا۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپؐ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال لوں گا، اُن کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا، علی بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ تین بار آپؐ نے اہلِ خاندان سے یہی فرمایا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ہنستے اور مذاق اڑاتے رہے۔ ہر بار حضرت علیؑ اٹھے اور کہا یا رسولؐ اللہ میں آپؐ کا وصی و وزیر بنوں گا۔ تب حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ، تم میرے وصی و وزیر و خلیفہ و جانشین ہو۔ یہ سُن کر لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابولہب نے ابوطالب سے کہا، مبارک ہو صاحبزادے وزیر ہو گئے۔ اب ان کا حکم تم کو ماننا پڑے گا۔

جہاں تک اس واقعہ کا تاریخی تعلق ہے لکھا جا چکا ہے اب حسب ذیل چند امور پر غور کیجئے:

۱۔ یہ اعلانِ رسالت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ یہیں سے اعلانِ وزارت کا آغاز ہوتا ہے۔ لامحالہ یہ اعلان حکمِ خدا سے ہوگا۔ پس یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ حضورؐ بغیر کسی کو اپنا جانشین بنائے دُنیا سے رخصت

ہو گئے تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملتے ہی ان کے وزیر کا تعین ہوا تھا اسی طرح آنحضرتؐ کو بھی آغازِ رسالت ہی میں اپنے وصی کا تعین کرنا ضروری ہوا۔

۲۔ اس واقعہ کے ثبوت میں صاحب ارجح المطالب نے بہت سے ثبوت کتبِ اہلسنّت سے دیئے ہیں اور انگریز مؤرخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ (دیکھو کتاب اعجاز التنزیل مصنفہ وزیر الدولہ خان بہادر خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ)۔

۳۔ اس دعوت میں سب سے پہلے رسولؐ نے اپنی اعجازی شان دکھائی۔ جو کھانا صرف ایک آدمی کے لیے بمشکل کافی ہو سکتا تھا اس سے چالیس آدمی شکم سیر ہو گئے اور وہ جوں کا توں بچ رہا۔ غور کرو تین پاؤ آٹے کی روٹی، بکرے کی ایک ران اور ایک دودھ کا پیالہ سوائے اعجازی شان کے کیسے کافی ہو سکتا تھا۔

۴۔ گویا حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ حضورؐ نے مہمانوں کے لیے جو کھانا تیار کرانے کا حکم دیا ہے وہ سب کے لیے کافی ہوگا۔ اگر حضرتؐ کی نبوت میں ذرا سا بھی شک ہوتا تو ضرور عرض کرتے، یا رسولؐ اللہ یہ اتنا ذرا سا کھانا چالیس آدمیوں کے لیے کیسے کافی ہوگا۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ شروع ہی سے حضرت علیؑ کا ایمان کیسا تھا۔

۵۔ حضرت رسولِ خداؐ نے دعوت کا اہتمام حضرت علیؑ سے صرف اس لیے مخصوص کیا تھا کہ یہ برکت صرف معصوم ہی کے ہاتھ میں ہو سکتی ہے۔

۶۔ اگر حضرت علیؑ کی نظر رسالت رسولؐ کے آئندہ کاموں پر نہ ہوتی تو جب رسولؐ نے یہ خدمت سپرد کی تھی اُسی وقت یہ عرض کرتے یا رسولؐ اللہ کونسی سلطنت آپؐ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے آپؐ کو وزیر کی ضرورت ہے۔

۷۔ حضرت علیؑ کو بعلمِ امامت معلوم تھا کہ حضورؐ کو دشمنوں سے جنگ کرنا ہوگی جب ہی تو یہ کہا کہ میں آپؐ کے دشمنوں کا پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اور ان کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

۸۔ حضرت علیؑ کی شجاعت پر آنحضرتؐ کو اوّل روز ہی سے کتنا اعتماد تھا کہ ان کو وزیر بنانا منظور کر لیا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ اگرچہ مجازی معنی تو اس کے یہی ہیں کہ انکساری و فروتنی سے پیش آنا۔ لیکن اصل معنی یہ ہیں کہ اپنا کندھا اس کے لیے جھکا دو جو تمہارا سچا پیرو ہے۔ تمام مسلمانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حقیقی معنی میں اپنا کندھا جھکایا ہو سوائے علی بن ابی طالبؑ کے جن کو اپنے کندھوں پر خانہ کعبہ میں بت شکنی کے لیے سوار کیا تھا۔ یہ بھی حضرت علی علیہ السلام ہی کی ذات ہے کہ جس نے مُہرِ نبوت پر اپنا قدم رکھا۔

تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اے رسولؐ تمہارے نُور کو ہم سجدہ کرنے والے مخلصین میں گردش دیتے رہے۔ یعنی آپؐ کا نور اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم کو رکوع و سجود و قیام کرنے والوں میں چلتے پھرتے دیکھا۔ آغازِ رسالت میں حضورؐ ان چند مسلمانوں کے ساتھ جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ اس وقت کی جماعت میں

بجز حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؑ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ پس یہی لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔ انہی عبادت گزاروں کے درمیان خدا اپنے رسولؐ کو دیکھتا تھا۔

۹۔ کیا وجہ تھی کہ حضورؐ کو چالیس سال بعد اعلانِ رسالت کا حکم ہوا اور آپؐ کو نبی بنایا گیا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ وغیرہ بچپن ہی میں نبی تھے۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ سرکارِ دو عالم تو اس وقت سے نبی تھے جب آدمؑ آب و گل ہی میں تھے۔ نبی تو بطنِ مادر ہی سے نبی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مشیتِ ایزدی اس کی نبوت کا اعلان بعد میں کرے۔ ہر نبی یا رسول اپنی قوم ہی میں سے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ ان کے اخلاقی و معاشرتی حالات اور رسم و رواج سے خوب واقف ہو اور انہی کو پیشِ نظر رکھ کر طریقۂ ہدایت اختیار کرے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہوئے تھے نہ صرف عرب کی طرف۔ چونکہ حضورؐ کا تعلق مختلف اقوامِ عالم سے تھا لہٰذا ضرورت تھی کہ بحیثیت ایک ہادی و مصلح قوم آپؐ سب کے حالاتِ زندگی سے پوری طرح واقف ہوں اور یہ کام ایک دو دن کے کرنے کا نہ تھا، بلکہ سالہا سال اس کے لیے درکار تھے لہٰذا اللہ نے چالیس سال اس غرض کو پورا کرنے کے لیے حضورؐ کو دیئے۔ آپؐ نے قومی حالات کو الٹ پلٹ کر ان کی تہوں کو کھول کر اچھی طرح مطالعہ کیا جب حالات سے پوری واقفیت ہو گئی اور اصلاحِ نفوس اور ہدایتِ عمل کے متعلق طریقہ کار سمجھ میں آ گیا تو خدا نے اعلان کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد اس زور شور سے تبلیغ ہوئی جس کی نظیر انبیائے ماسلف میں نہیں ملتی۔

ایک سوال یہ ہے کہ اعلانِ رسالت سے پہلے آپؐ کی عبادت کا کیا طریقہ تھا۔ جب آپؐ بت پرستی نہیں کرتے تھے تو کفار و مشرکین نے اس وقت آپؐ سے اظہارِ عداوت کیوں نہ کیا اور آپؐ کے ساتھ ملے جلے رہے؟ جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو کھلم کھلا بت پرستی کرتے تھے دوسرے جو اپنے کو ملتِ ابراہیمیؑ پر ظاہر کرتے تھے اور بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر بتوں کی عبادت کے بارہ میں افرادِ قوم سے چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدینِ خود پر عمل ہو رہا تھا۔ جماعتی نظام میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور معاشرتی تعلقات میں ہم آہنگی تھی۔ جب تک حضورؐ نے اعلانِ رسالت سے پہلے کھلم کھلا بتوں کی مذمت نہیں کی اور بت پرستوں پر لعن طعن شروع نہ ہوئی، قوم نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ آنحضرتؐ کی صفاتِ حمیدہ کی بنا پر آپؐ کی عزت کرتے رہے۔ آپؐ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے رہے لیکن جب آپؐ نے تبلیغ کا کام شروع کیا اور لوگوں کو بت پرستی سے روکنا چاہا تب سے مخالفت کا آغاز ہوا جو تبلیغِ رسالت کے زور کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ پس جس طرح آنحضرتؐ چالیس سال تک ملتِ ابراہیمی پر چلتے رہے یعنی خدائے واحد پر اور قیامت پر ایمان رکھتے رہے اسی طرح اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ جیسے حضرت عبدالمطلب حضرت ابو طالب اور حضرت عبداللہ وغیرہ۔

نماز، روزہ وغیرہ تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔ ان سے پہلے کعبہ کی طرف رُخ کر کے یادِ خدا کی جاتی تھی اس کی نعمات کا شکر ادا کیا جاتا تھا۔ اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ رہتی تھی۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھا جاتا تھا حضرت ابراہیمؑ کی سنتوں پر عمل تھا۔ یہی ملتِ ابراہیمیؑ کہلاتی تھی۔

آیات کے آخر میں کفار و مشرکین کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ پر شیاطین نازل

ہوتے ہیں۔ انہی کے سکھانے پڑھانے کا نام محمدؐ نے وحی رکھ لیا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ شیاطین کے نزول کا انبیاء سے کیا تعلق شیاطین تو ہر جھوٹے گنہگار کے پاس آیا کرتے ہیں۔ "کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔"

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱/۳۶ ۱۵

اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل جنگل مارے مارے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں مگر ہاں جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اعمالِ صالحہ بجا لائے اور کثرت سے خدا کا ذکر کیا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جا چکا تب انہوں نے بدلہ لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے۔

یہ جن شاعروں کی مذمت کی گئی ہے وہ عرب کے گمراہ شاعر تھے جن کے کلام میں یا تو عشقیہ مضامین ہوتے تھے یا کسی فاسق و فاجر بادشاہ کی تعریف میں غلط بیانیاں اور مبالغہ آمیزیاں۔ یا شجاعان کی شجاعت کے جھوٹے افسانے یا ان بداخلاقیوں کا ذکر جس سے لوگوں میں ہوس رانیوں اور عیش پسندیوں کا رواج ہو اور معاشرہ میں فتنہ و فساد کو راہ ملے۔ یہ ان پاکیزہ خیال نیک نفس شاعروں کے متعلق نہیں جو معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں خدا و رسولؐ کی تعریف کرتے ہیں اخلاقِ حسنہ کا ذکر کرتے ہیں پاکیزگیٔ نفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ گمراہوں کو راہِ راست پر لانے میں اپنا زورِ طبع صرف کرتے ہیں۔ حضورؐ کی صحبت میں ایسے ہی شاعروں کو جگہ ملتی تھی جو حق گو ہوتے تھے جیسے حسان بن ثابتؓ وغیرہ۔ حضرت علی علیہ السلام اور ہمارے دیگر آئمہ نے بھی اشعار کہے ہیں جو ایمان افروز اور روح پرور ہیں۔ حضور سرکارِ دو عالمؐ نے خود کبھی شعر نہیں کہا اس لیے کہ اگر حضورؐ شعر کہا کرتے تو مشرکین، قرآن کو آپؐ کا شاعرانہ کلام مشہور کرتے۔ اور بجائے نبی و رسول کے آپؐ کو شاعروں کے زمرہ میں محسوب کرتے۔

مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ زنگی پوری نے اپنی کتاب "نوادر الادب" فی کلام سادۃ العجم والعرب میں حضورؐ کا

ایک شعر نقل فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ عمر بھر میں آپؐ نے بس یہی ایک شعر کہا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِب

○

(۲۷) سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ (۴۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰی
لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ
سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ
لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴿۶﴾

(نمل کے معنی چیونٹی کے ہیں چونکہ اسی سورہ میں وادیٔ نمل کا ذکر ہے لہٰذا یہ نام رکھا گیا۔)

طٰسٓ یہ قرآن کی آیات ہیں اور یہ روشن کتاب ہے سرتا پا ہدایت ہے اور ان مؤمنین کے لیے خوشخبری ہے جو نماز پابندی سے پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو ہم نے ان کے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا کر دکھایا ہے تو یہ لوگ بھٹکے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے (قیامت میں) بہت بڑا عذاب ہے اور یہی لوگ آخرت میں

سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہوں گے (اے رسول) تم کو تو قرآن ایک بڑے واقف کار حکیم کی بارگاہ سے عطا کیا جاتا ہے۔

یہ بیان کیا جارہا ہے کہ یہ آیات قرآن کی ہیں اور وہ ایک واضح کتاب ہے۔ جو احکام کہ بندوں کے لیے بھیجے گئے ہیں وہ مبہم نہیں کہ سمجھ میں نہ آئیں بلکہ صاف صاف اور روشن ہیں۔ جو سمجھنے کی کوشش کرے گا ایک ایک بات اس کی سمجھ میں آجائے گی۔ اس میں ہدایت بھی ہے آخرت میں نیک اعمال کے بہترین اجر ملنے کی خوشخبری بھی ہے مگر یہ اُن مؤمنوں کے لیے ہے جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جابجا آخرت پر یقین رکھنے کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ بغیر اس پر ایمان لائے اعمالِ صالحہ بجالانے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ توجہ کا مرکز دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو کسی اجر ملنے کی امید ہو یا کسی سزا کا خوف۔ پس جو قیامت پر ایمان نہیں رکھے گا وہ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہو کر اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہی نہ ہوگا اور اس کو اپنی غلط کاریاں ایسی اعلیٰ معلوم ہوں گی گویا خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے غفلت شعاروں اور ناستودہ کاروں کو قیامت میں سخت سزا ملے گی۔ بچ کر جا نہیں سکتے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ
اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾

جب موسیٰ نے اپنے بال بچوں سے کہا میں نے اپنے (بائیں طرف) آگ دیکھی ہے (ذرا ٹھہرو تو) میں وہاں سے کچھ (راہ کی) خبر لاؤں یا تمہیں سلگتا ہوا انگارہ لا دوں تاکہ تم تاپو۔

جو واقعہ یہاں بیان کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ مدین میں دس برس قیام کے بعد جب حضرت موسیٰؑ مع اپنی بی بی بچوں کے ساتھ وطن کو چلے تو یہ سفر پا پیادہ تھا۔ چلتے چلتے جب وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو رات ہوگئی۔ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی، اجنبی راستہ تھا سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائیں کہ دور سے ایک درخت سے شعلے نکلتے نظر آئے سمجھے ضرور یہاں کوئی بستی ہوگی جس میں روشنی کے لیے یہ آگ جلائی ہے۔ بی بی کو ایک درخت کے نیچے بٹھا کر کہا کہ تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں جاتا ہوں، قریب کوئی بستی ہوگی تو وہاں راستہ کا پتہ بھی چلاؤں گا اور تمہارے لیے آگ کا ایک انگارہ بھی لیتا آؤں گا تاکہ تم لوگ یہاں آگ روشن کرکے تاپو۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹
وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ
یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ
بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ
جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ
وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۱۲

جب موسٰی وہاں پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں (تجلی دکھاتا ہے) اور جو اس کے گرد ہے اور وُہ خدا سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ پاک و پاکیزہ ہے (ہر عیب سے پاک ہے) اے موسٰیؑ میں اللہ ہوں سب سے زبردست حکمت والا۔ اپنا عصا تو زمین پر ڈالو۔ جب موسٰیؑ نے اس کو دیکھا، کہ اس طرح لہرا رہا ہے گویا وہ زندہ اژدہا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسٰی ڈرو نہیں۔ میرے پاس پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے مگر جو شخص گناہ کرے پھر گناہ کے بعد اُسے توبہ سے بدل دے تو میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور (ہاں ذرا) اپنا ہاتھ گریبان میں تو ڈالو، وہ سفید براق ہو کر بے عیب نکل آئے گا۔ یہ دو معجزے منجملہ نو معجزوں کے ہیں (جو تم کو ملیں گے) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں۔

جب موسٰیؑ اس درخت کے پاس گئے جس سے آگ بھڑک رہی تھی اور اس کے اردگرد کا رقبہ روشن ہو رہا تھا۔ تو عجیب بات یہ دیکھی کہ وہ درخت نہ تو جل رہا تھا نہ اس سے دھوُاں نکل رہا تھا۔ وہ اچھی طرح ہرا بھرا تھا۔ اس درخت سے آواز آ رہی تھی۔ یکایک ایسے واقعہ کا پیش آنا انسان کے اندر انتہائی اضطراب پیدا کر دینے کا باعث ہونا چاہیئے تھا مگر انبیاؑ کے حواس عام لوگوں سے جُدا ہوتے ہیں ان کے اندر وُہ قوت ہوتی ہے جو عام لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ موسٰیؑ سمجھ گئے کہ یہ آواز نہ کسی شیطان کی ہے نہ کسی جن کی۔ نہ یہ ان کے حواس کے اختلال کا باعث ہے۔ بلکہ یہ

یا تو خدا کی طرف سے آواز یا اس کے فرشتے کی۔ تاہم ایک قسم کا اضطراب تو لاحق ہوا ہی۔ ایک انسان کا خدا کی طرف سے یا فرشتہ کی آواز معمولی بات نہ تھی۔ ایک نئی آواز آج کانوں میں پڑی تھی۔ خدا نے بہت جلد یہ کہہ کر ان کی پریشانی کو دُور کر دیا، میں اللہ ہوں جو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ تم اپنا عصا زمین پر ڈالو۔ عصا کا زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ اژدھے کی صورت میں دوڑنے لگا۔ انسانی فطرت ہے کہ ایسی موذی اور خطرناک چیزوں کو دیکھ کر بھاگتا ہے چنانچہ موسٰیؑ بھی بھاگے اور دل پر اتنی دہشت تھی کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

خدا نے یہ حال دیکھ کر فرمایا موسٰیؑ ڈرو نہیں۔ ہمارے پاس آنے والے رسول ڈرا نہیں کرتے ہاں اگر کسی سے ترکِ اولیٰ ہو جائے تو توبہ کے بعد ہم بخش دیتے ہیں۔ ترکِ اولیٰ گناہ نہیں بلکہ ترکِ احتیاط کا نام ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی کہ میں رسول بنایا جا رہا ہوں۔ اس کے بعد دہشت دُور ہوئی۔ پھر آواز آئی اے موسٰی، ذرا اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو۔ ڈال کر نکالا تو سورج کی طرح چمکدار تھا۔ سفید بُراق جو کسی بیماری کی وجہ سے سفید نہ تھا جو برص کی بیماری سے پیدا ہوتا ہے اس کے بعد آواز آئی، موسٰی جو نو معجزات ہم تم کو آگے چل کر دینے والے ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔ تم فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ یہ لوگ بڑے بدکار ہو گئے ہیں۔

خدا کی دین کا موسٰیؑ سے پُوچھیئے احوال   کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

خدا صاحبِ جسم نہیں کہ اس طرح کلام کرے جیسے ہم زبان سے کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی کسی مخلوق میں کلام پیدا کر دیتا ہے۔ ذرا اندازِ کلام کو دیکھو اور وجد کرو۔

نہایت سادہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ سردی کا موسم ہے راستہ بھول گئے ہیں۔ اُنہیں آگ کی ضرورت ہے تاکہ خود بھی تاپیں اور ان کے اہل و عیال بھی۔ اس حالت میں ان کو متوجہ کرنے کے لیے اس سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا تھا کہ انہیں جلتی ہوئی کوئی شے دکھائی جائے تاکہ وہ اس مقام تک بخوشی خاطر چلے آئیں جہاں ان سے بات کرنی مقصود ہے جب وہ آ جاتے ہیں تو وہاں بجائے نار کے نُور کو جلوہ نما دیکھتے ہیں۔ اگر آگ مل جاتی تو موسٰیؑ اُسے لے کر چلتے بنتے۔ جب آگ نہ ملی تو اب عالمِ غربت میں گھرے ہوئے ہیں اور دہشت دل پر چھائی ہوئی ہے کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ ایسی صورت میں بڑی نرم آواز سے کوئی بات کہنے کی ضرورت تھی، لہٰذا یوں کہا گیا میں اللہ ہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ موسٰیؑ کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ کوئی شیطان یا جن تو ایسا نہیں کہہ رہا، ان کے عصا کو سانپ بنا دیا اور جب وہ ڈرے تو جو اصلی بات تھی ان سے کہہ دی کہ تم ہمارے رسول آج سے قرار پا گئے۔ اب موسٰیؑ کی سمجھ میں آیا کہ میں اللہ سے باتیں کر رہا ہوں، اور میں رسول بنایا گیا ہوں۔ تب خوف و ہراس دُور ہوا۔ سُبحان اللہ کیسا عجیب وقت تھا کہ ایک بندہ سے اس کا خالق اور معبود کلام کر رہا تھا۔ اس کے بعد خدا نے یہ بھی واضح کر دیا کہ تمہیں ہدایت کے لیے فرعون کے پاس جانا ہے۔ پس چند لفظوں میں سب کچھ معلوم ہو گیا۔ معجزات بھی مل گئے رسالت بھی مل گئی اور جو کام لینا تھا اس کا اظہار بھی کر دیا گیا۔

قرآن میں کہیں اژدھا ظاہر کیا گیا ہے کہیں سانپ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ صورت میں تو اژدھا جیسا تھا لیکن چال میں سانپ جیسا تیز چلتا ہوا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ کبھی تو سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا کبھی اژدھے کی کہتے ہیں

وادیٔ طور میں وہ مقام اب تک موجود ہے اور سرسبز و شاداب ہے وہاں یہودی مرتاض لوگوں کے لیے ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ لوگ اس مقام کو دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا
وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ ع ۱۶
لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ
دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ
كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

جب ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں ان کے پاس آئیں تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے باوجودیکہ ان کے دل کو معجزات کا یقین تھا پھر بھی سرکشی اور تکبر کی وجہ سے ان لوگوں نے نہ مانا۔ تو اے رسول دیکھو ان مفسدوں کا انجام کیا ہوا اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا۔ (خوش ہو کر) ان دونوں نے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت دی اور (علم جائداد منقولہ و غیر منقولہ سب میں) سلیمان و داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا لوگو ہم کو (خدا کے فضل سے) پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں (دُنیا کی) ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یہ خدا کا صریحی فضل و کرم ہے۔

جو دو نشانیاں (عصا کا سانپ بننا اور ید بیضا) حضرت موسیٰؑ، فرعون اور اس کی قوم کے پاس لے کر آئے تھے۔ ان کو اُن کے دل تو مان گئے تھے کہ یہ کوئی غیر معمولی قوت ہے لیکن چونکہ ان کی کمر سرکشی پر بندھی ہوئی تھی اس لیے انکار کر دیا اور کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ فرعون کے زمانہ میں مصر میں جادو کا بڑا زور تھا۔ لہٰذا باوجود سب کچھ سمجھنے اور یقین کرنے کے ان کی عقلوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ جادو ہے۔ آخر اس بے عقلی اور فساد برپا کرنے کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا۔
یہاں سے حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے:

ہم نے داؤدؑ کو زرہیں بنانے کا اور سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی کا علم عطا کیا تو وہ خوش ہو کر کہنے لگے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے مومن بندوں پر فضیلت دی۔ یوں تو تمام انبیاء و مرسلین کو خدا کی طرف سے علم ہوتا ہے کوئی نبی جاہل پیدا نہیں ہوتا، مگر بعض انبیاء کو کچھ خصوصی علم بھی دیئے جاتے ہیں جیسے حضرت داؤدؑ کو زرہ بنانے کا علم دیا گیا تھا اور حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا۔ حضرت خضرؑ کو باطنی علم اور حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر خواب۔

یوں تو ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے لیکن یہاں خصوصیت سے حضرت سلیمانؑ کے وراثتِ پدر پانے کا ذکر ہے۔ یعنی مادّی اور روحانی دونوں قسم کی وراثتیں جناب سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ سے ملیں۔ وہ صاحبِ حکمت بھی ہوئے اور سلطنتِ داؤدؑ بھی بطور ورثہ ملی۔ اس سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ انبیاء میں وراثت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہی وہ آیت ہے جس کو سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمۃ الزہراءؑ نے اپنے دعویٰ کی تائید میں اس وقت پیش کیا تھا۔ جب بعد رسولؐ حکومتِ وقت نے ان کو ورثۂ رسولؐ سے محروم کر دیا تھا اور ایک سقیم الاسناد حدیث اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی تھی نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ یعنی ہم گروہ انبیاء میں وراثت نہیں چلتی نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ اگر انبیاء میں وراثت کا قانون جاری نہ تھا تو حضرت داؤدؑ کی سلطنت کے مالک حضرت سلیمانؑ کس قانون کی رُو سے ہوئے اگر کہا جائے کہ مراد یہاں وراثتِ علمی ہے تو اوّل تو علم وراثت میں چلتا نہیں۔ دوسرے اگر چلے بھی تو جو لڑکا اپنے باپ کا علم و حکمت میں وارث ہو کیا وجہ ہے کہ اس اعلیٰ قسم کی وراثت کا مالک و وارث ہوتے ہوئے ادنیٰ قسم کی مادی وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ مالی وراثت کا مالک تو ایسے ہی شخص کو ہونا چاہیئے جو از روئے علم و حکمت اس کا صحیح مصرف جانتا ہو اگر اولادِ انبیاء وراثت سے محروم کر دی جائے تو کس قصور کی بنا پر ان کی فطرت پر یہ ظلم کیا جائے اور ان کی معاشی حیثیت پر یہ کاری ضرب لگائی جائے۔ مثلاً اس محرومی میں کوئی جواز کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آیۂ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں وراثت سے مراد علمی وراثت ہے نہ کہ مالی۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ کے تو بہت سے لڑکے تھے صرف حضرت سلیمانؑ ہی اکیلے کیوں وارث ہو گئے۔ لہٰذا حدیث معاشر الانبیاء سے جو فیصلہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا وہ صحیح تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتاً علم میراث میں چلنے کی چیز نہیں، ورنہ ہر عالم کا بیٹا عالم ہوتا اور ہر حکیم کا بیٹا حکیم۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی عالم کا بیٹا عالم ہوتا ہے تو وہ علم کو حاصل کر کے ہوتا ہے نہ کہ بطور میراث اس کو علم ملتا ہے۔ اگر مراد علم بالمیراث لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کی ساری اولاد میں یہ میراث نہ چلی۔ خدا نے سلیمانؑ ہی کو کیوں مخصوص کیا۔

اب رہا وراثتِ مال کا معاملہ تو مانا کہ حضرت داؤدؑ کے کئی فرزند تھے اور میراث اُن سب ہی میں تقسیم ہونا چاہیئے تھی نہ کہ صرف حضرت سلیمانؑ کو ملتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کئی اولادیں ہونے سے حقِ وراثت کی نفی تو نہیں ہوتی۔ کم ملے یا زیادہ وارث تو بہرحال وارث ہی رہتا ہے۔ اگر حضرت سلیمانؑ بقدر اپنے حصہ ہی کے وارث تھے تو اس بنا پر انبیاء میں وراثت کا سلسلہ تو ثابت ہو گیا۔ دوسرے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت داؤدؑ کی سلطنت کو تمام بیٹوں پر کیوں نہ تقسیم کیا۔ چونکہ اس سلطنت پر نبوت کا سایہ بھی تھا لہٰذا یہ ورثہ اسی کو مل سکتا تھا جو معصوم ہو۔ چونکہ حضرت داؤدؑ کی اولاد میں صرف حضرت سلیمان

ہی معصوم تھے لہٰذا سلطنتِ حضرت داؤدؑ بنوت کے سایہ میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کی نگرانی میں رہ سکتی تھی۔ ممکن ہے حضرت داؤدؑ کی بقیہ اولاد کو بھی ان کے ترکہ سے از قسم مکانات و باغات و اراضیات حصہ ملا ہو لیکن سلطنت کے حقدار وہ نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاءؑ میں وراثت تھی اور حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے مالی وارث تھے۔ جناب فاطمۃ الزہراؑ حضرت رسولِ خداؐ کی واحد وارث تھیں۔ اس میراث میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ وہ معصوم تھیں۔ اگر حدیث معاشر الانبیاء انہوں نے سُنی ہوتی تو وہ ضرور اس کی تصدیق کرتیں۔ کبھی صدقہ کھانا گوارا نہ کرتیں کیونکہ صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مالی ترکہ حضرت سلیمانؑ کو نہیں ملا تھا تو یہ باپ کی سلطنت کے مالک کیسے ہو گئے۔ یہ سلطنت سب اولاد میں تقسیم کیوں نہ ہوئی اور اگر علم و حکمت کی وراثت مراد ہے تو اولادِ داؤدؑ میں یہ تقسیم برابر کیوں نہ ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انیس ۱۹ بیٹے تھے ان میں سب سے زیادہ ذی علم حضرت سلیمانؑ تھے حضرت سلیمانؑ نے سو سال تک حکومت کی۔

اگر انبیاءؑ میں میراث کا قانون نہ تھا تو حضرت عبداللہ کی کنیز اُمِّ ایمن بطور میراث حضرت کے حصہ میں کیسے آئیں۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾
حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا
مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾
فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ
الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾
لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

اور سلیمان کے سامنے ان کے لشکر میں جنّ انسان اور پرندے جمع کیے جاتے تھے اور پورے ضبط سے رکھے جاتے تھے یہاں تک کہ وادیٔ نمل سے گزر ہوا ایک چیونٹی نے (اپنی قوم سے) کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل ڈالے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ اس کی بات سُن کر حضرت سلیمان مسکرائے اور فرمایا اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھے اور میرے باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک عمل کروں جو تیری پسندیدگی کا باعث ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر سلیمان نے پرندوں کے لشکر کی حاضری لی تو (ہُدہُد غائب تھا) فرمایا یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ اگر وہ واقعی کہیں غائب ہو گیا ہے تو میں اُسے سخت سزا دوں گا یا میں اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ (اپنی بے گناہی کی) کوئی روشن دلیل بیان کرے۔

لشکرِ حضرت سلیمانؑ کے متعلق مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"حضرت سلیمانؑ کے لشکر کی تعداد تو معلوم نہیں لیکن ایک روایت ہے کہ آپؑ کا لشکر سو کوس میں رہتا تھا۔ پچیس کوس میں آدمی، پچیس کوس میں جنّات، پچیس کوس میں پرند اور پچیس کوس میں مویشی۔"

قرآن میں لشکر سلیمانؑ کو انسان و جنّات و طیور پر مشتمل بیان کیا گیا ہے چوپاؤں کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔

جنّات کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جنّات سے مراد انسانوں سے علیحدہ کوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ انسان ہی ہیں جو بہت موٹے تازے قدآور اور سرکش طبیعت کے ہوتے تھے۔ لیکن یہ قرآنی صراحت سے کھلی ہوئی رُوگردانی ہے قرآن نے جا بجا جنّات کو انسانوں سے الگ ایک نوع ظاہر کیا ہے۔ اگر دونوں ایک ہی نوع کے ہوتے تو جنّات کا علیحدہ ذکر نہ کیا جاتا اور نہ یہ کہا جاتا یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (سورہ رحمٰن ۵۵/۳۳) (تم دونوں "جنّ و انس" خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے) شیطان کے متعلق کہا گیا كَانَ مِنَ الْجِنِّ (۱۸/۵۰-الکہف) (وہ جنّوں میں سے تھا)۔ انسان کی خلقت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنّ کے لیے کہا گیا ہے وہ نار سے پیدا ہوا ہے۔ پس جب دونوں کی طینت جدا ہے تو ان کی نوع ایک کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر دونوں ایک ہی نوع کے ہوتے تو دونوں کی شرعی تکالیف بھی ایک ہی سی ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

وادیٔ نمل سے مراد چیونٹیوں کا میدان ہے جہاں بہ کثرت چیونٹیاں تھیں۔ جب حضرت سلیمانؑ گھوڑے پر سوار مع لشکر اُدھر سے گزرے تو ایک چیونٹی نے جو ان کی سردار تھی اپنی قوم سے کہا، تم سب اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں کچل ڈالے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ چیونٹی کی آواز نہیں ہوتی۔ لیکن حسبِ تصریحِ قرآنی ان کا بولنا ثابت ہے۔ اگر اس کی آواز ہوا کی موجوں میں جذب ہو کر رہ جاتی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی آواز ہی نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اوّل تو چیونٹی کی آواز ہوتی ہی نہیں اور اگر ہوتی بھی ہو تو ایک نخلی وادی میں کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچ جاتی اور حضرت سلیمانؑ اُسے سُن کر ہنس پڑتے۔ ان لوگوں نے اپنے ناقص حواس پر انبیاء کے کامل حواس کو قیاس کر لیا ہے۔ حضرات انبیاء کے حواس ہمارے حواس سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے جب حج کے لیے پکارا تو ان کی آواز ہر اُس انسان کے کانوں تک پہنچ گئی جو کسی بھی خطۂ ارض پر پایا جاتا تھا بلکہ اُن بچوں نے بھی سُن لی جو رحمِ مادر میں تھے بلکہ ان نطفوں نے بھی جو صلبِ آبا میں تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے زمین پر ہی سے ملکوت سمٰوات و الارض کا معائنہ کر لیا۔ حضرت یعقوبؑ نے بُوئے پیراہنِ یوسفؑ کو سینکڑوں میل دُور سے سُونگھ لیا۔

الغرض جب چیونٹی کی یہ آواز حضرت سلیمانؑ کے کان میں پڑی تو آپؑ گھوڑے پر سے اُتر پڑے اور اُس چیونٹی کو جا پکڑا جو بولی تھی۔ یہ تھی ایک نبی کی قوتِ بصارت کہ ایک کھُلے میدان میں چیونٹیوں کے دَل کے اندر اُسے پہچان کر پکڑ لیا ورنہ ایک چیونٹیوں میں امتیاز نہیں ہوتا۔ پھر بے شمار چیونٹیوں کے اندر سے اُسے پکڑ لینا ایک نبی کے سوا دوسرے سے ممکن ہی نہیں۔ آپؑ نے اُسے ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا، تُو نے کیسے جانا کہ میرا لشکر تیرے لشکر کو کچل ڈالے گا۔ اُس نے کہا یا نبی اللہ اس تمام لشکر میں معصوم تو صرف آپ ہی ہیں باقی تو سب غیر معصوم ہیں اور غیر معصوم سے ہر امر ممکن ہے آپؑ نے پوچھا، تیری پوزیشن اس قوم میں کیا ہے۔ اُس نے کہا جو کچھ بھی ہو مگر اس وقت تو میں آپ سے بہتر ہوں۔ آپ کی سواری ایک چوپایہ ہے اور میری سواری ایک نبی کا ہاتھ ہے۔ یہ سُن کر حضرت سلیمانؑ حیران رہ گئے۔

بعض مفسرین نے تو اس روایت کو تسلیم نہیں کیا اور مبالغہ آمیزی کہا ہے۔ ہمیں اس کی تحقیق میں پڑنا ضروری نہیں لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چیونٹی کی آواز حضرت سلیمان نے خود سُنی تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو ایسی قوتِ سماعت دی گئی جس پر اُنہوں نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور ایسے اعمالِ صالحہ کے لیے دُعا کی جو خدا کو راضی کرنے والے ہوں۔ یہ دُعا بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اتنی نعمتوں کے بعد کہیں میرے اندر غرور و تکبر پیدا نہ ہو جائے اور میرا قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ نہ جائے۔ اس لیے دُعا کی کہ میرا کوئی عمل جادۂ اعتدال سے ہٹا ہُوا نہ ہو۔

اس کے بعد ایک دوسرا قصہ شروع ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اُڑا جا رہا تھا اور آپؑ کے سر پر پرندے سایہ کیے ہوئے تھے تو ایک گوشہ سے سورج کی کرن آپؑ پر پڑی۔ آپؑ نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو ہُدہُد کو اپنے مقام پر نہ پایا۔ فرمایا، یہ کیا بات ہے کہ ہُدہُد کو میں اس کی جگہ پر نہیں پاتا۔ کہیں چھُپ گیا ہے یا یہاں سے کہیں اور چل دیا۔ اگر اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول دلیل پیش نہ کی تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا مفسرین نے لکھا ہے او لا اذبحنّہٗ میں لا زاید ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہُدہُد کے لیے اتنی سخت سزا کیوں تجویز کی گئی وہ کسی جہاد سے تو فرار نہیں کر گیا تھا کسی کو

قتل کر کے تو نہیں بھاگا تھا۔ پھر ذبح سے اس کا کیا تعلق تھا۔ جواب یہ ہے کہ نبی کے حکم سے انحراف کسی صورت میں ہر زمانہ میں شرعاً مستوجبِ قتل بنا دیتا تھا۔ اطاعتِ رسول اطاعتِ مطلقہ ہے۔ کسی زمانہ میں کیوں نہ ہو اور کسی صورت میں کیوں نہ ہو۔

ہُدہُد ایک چھوٹی سی چڑیا ہے اس کے پروں کا سایہ ہی کیا، مگر یہ ایک نبی کا احساس تھا کہ ذرا سی خالی جگہ سے جو کرن پڑی تو فوراً اُوپر کو نگاہ اُٹھ گئی اور سمجھ لیا کہ اُس جگہ پر رہنا ہُدہُد کی ڈیوٹی تھی۔ بغیر اجازت کے وہ اپنی ڈیوٹی پر سے غائب ہو کیوں گیا۔ خدا کی طرف سے انبیاء کا احترام یہ ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر فوج کا کوئی فرد اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ
سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ
شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ السجدۃ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

غرض سلیمان نے تھوڑی دیر انتظار کیا (کہ ہُدہُد آگیا) عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جو اب تک حضور کو بھی معلوم نہیں۔ میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو وہاں کے لوگوں پر سلطنت کرتی ہے اور اسے دُنیا کی ہر شے عطا کی گئی ہے

اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے میں نے خود ملکہ کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ (خدا کو چھوڑ کر) آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے کرتوتوں کو اُن کی نظر میں اچھا کر دکھایا ہے اور ان کو راہِ راست سے روک رکھا ہے اور انہیں اتنی سی بات نہیں سُوجھتی کہ وہ اُس خدا ہی کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کے پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور ہم لوگ جو چُھپا کر یا ظاہر میں کرتے ہیں وہ ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وُہ ہی تو بڑے عرش کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا (اچھا) ہم بھی دیکھتے ہیں کہ تُو نے سچ سچ بیان کیا ہے یا تُو جھوٹا ہے۔

شہر سبا یمن سے تقریباً سو میل دُور تھا جس پر حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بلقیس بنت شراحیل کی حکومت تھی۔ ہُدہُد کا سلیمانؑ جیسے جلیل القدر بادشاہ سے یہ کہنا کہ میں وُہ جانتا ہوں جس کا آپؑ کو علم نہیں بظاہر ایک گستاخانہ کلام تھا لیکن چونکہ وہاں کے واقعات کو ہُدہُد چشم دید بیان کر رہا تھا اس لیے حضرت سلیمانؑ خاموش رہے ورنہ ان کو یہ معلوم تھا کہ شہر سبا فلاں جگہ ہے اور فلاں قوم اس میں آباد ہے لیکن اس وقت کے جو حالات ان تک نہیں پہنچے تھے، ہُدہُد ان کو آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اس مُلک کا تو پتہ تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وُہ آفتاب پرست ہیں اور ان کی حکمران ایک عورت ہے یا اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ ہُدہُد یہی کہہ رہا تھا کہ جن باتوں کا علم آپؑ کو نہیں وہ مجھے معلوم ہیں یعنی میں بچشمِ خود دیکھ کر آیا ہوں۔

مفسرین نے الا یسجدوا للہ الذی الخ کو بھی ہُدہُد کے کلام میں شامل کر لیا ہے لیکن یہ غلط ہے اس کا کلام لا یھتدون پر ختم ہوگیا۔ آگے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔

جو خبر ہُدہُد نے بیان کی تھی اس کا جانچنا ضروری تھا کہ سچ بیان کر رہا ہے یا جھوٹ۔

بلقیس کے تخت کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لمبائی چوڑائی اور اُونچائی میں تیس تیس گز تھا۔ جا بجا قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس کے اوپر کے حصّہ میں سات خانے تھے جن میں بڑے بڑے موتی لٹکتے تھے۔ اس کے چاروں پائے یاقوت و زمرد و پکھراج و موتی کے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا
یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ
مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ
وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ج ع ۲ ۱۴

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

(حضرت سلیمان نے کہا) میرا یہ خط لے جا اور اُن کے پاس ڈال کر پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا۔ پھر دیکھتے رہنا کہ آخر وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (جب خط بلقیس کو ملا تو) اُس نے کہا اے میرے سردارو، ایک واجب الاحترام خط میرے پاس ڈالا گیا ہے (جس میں لکھا ہے) یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے (اس کا سرنامہ ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مضمون یہ ہے) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ اُس نے کہا، اے میرے سردارو، اس معاملہ میں اپنی رائے مجھ پر ظاہر کرو (کیونکہ میرا قاعدہ ہے کہ) جب تک تم میرے سامنے موجود ہو (اور اپنی رائے نہ دو) میں کسی امر کا (بطورِ خود) فیصلہ نہیں کیا کرتی۔

بلقیس جبکہ محوِ خواب تھی یہ خط ہُدہُد نے ایک روشن دان سے محل کے اندر داخل ہو کر اس کے سینہ پر رکھ دیا جب وہ بیدار ہوئی اور خط کو سینہ پر رکھا دیکھا تو سخت پریشان ہوئی کہ یہ کہاں سے آگیا۔ کھولا اور مضمونِ خط سے آگاہ ہوئی، تو اپنے درباریوں کو بُلا کر کہا، ایسا ایسا خط میرے پاس آیا ہے معلوم ہوتا ہے کسی عظیم الشّان بادشاہ کا خط ہے کیونکہ اس کی عظمت کا ایک نشان تو یہی ہے کہ پرندے اس کے تابع فرمان ہیں۔ دُوسرے اس کی عظمت کا میرے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا زمانہ تقریباً گیارہ ہزار سال قبل مسیح تھا۔ اس وقت بھی کسی تحریر یا تقریر کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جاتا تھا۔ یعنی اس وقت کی زبان میں بھی عربی کے یہ الفاظِ پاک بدستور بولے جاتے تھے۔ اس بسم اللہ کا اثر تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے خط سے بلقیس خوفزدہ ہوگئی۔ حضرت سلیمانؑ کا خط بہت مختصر تھا یعنی کُل دو باتیں تھیں ایک یہ کہ سرکشی اختیار نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ چُپ چاپ فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ
مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ
جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ
اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

سرداروں نے کہا ہم بڑے زور دار اور لڑاکا لوگ ہیں (ہم اس سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں) آگے ہر امر کا آپ کو اختیار ہے (آپ جو حکم دیں) اس کے انجام پر آپ خود ہی غور کر لیں۔ بلقیس نے کہا بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فاتحانہ انداز سے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے عزت دار باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یہی کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پاس کچھ تحفے بھیج رہی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ایلچی لوگ کیا جواب لاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جو تحفے بھیجے تھے وہ یہ تھے:

خوبصورت غلام زنانہ لباس میں، طلائی زیوروں اور قیمتی لباس سے آراستہ پانسو لونڈیاں مردانہ لباس میں، سنہری جڑاؤ زین کے گھوڑے پر سوار، ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں، ایک ہزار عربی گھوڑے جڑاؤ زین کے۔ ان کے ساتھ ایک جڑاؤ تاج اور ناسفتہ موتیوں کے ڈبے تھے۔ یہ سب سامان منذر بن عمرو کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ امتحان یہ تھا کہ اگر دنیوی بادشاہ ہیں تو لے لیں گے ورنہ واپس کر دیں گے۔ اور یہ بھی پہچان لیں گے کہ لونڈی کون ہے اور غلام کون اور ناسفتہ موتیوں میں کسی ایسی چیز سے سوراخ کرا دیں گے جو نوعِ جن و انس سے نہ ہو گی۔

ہُدہُد نے ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آکر حضرت سلیمانؑ کو خبر کر دی کہ بڑا سامان آ رہا ہے تو آپ نے بھی اپنے دربار کی آراستگی کا حکم دیا اور وہ یوں مرتب ہوا کہ سات کوس کے طولانی میدان میں چاندی سونے کی اینٹیں بچھیں اور موتی اور یاقوت کا جڑاؤ فرش بچھا۔ اعلیٰ گھوڑے مختلف رنگوں کے جڑاؤ زین سے سجے ہوئے منگائے گئے۔ جو دن منذر کے آنے کا تھا اس روز بیچ میں تختِ شاہی رکھا گیا۔ اس پر چار ہزار طلائی و نقرئی کرسیاں بچھائی گئیں۔ وزرأ و علمأ ان پر بٹھائے گئے۔ سب سے آگے آدمی ان کے بعد دیو پھر درندوں اور چوپاؤں کے لشکر صف بہ صف کھڑے ہوئے پھر پرندوں نے اپنے پروں کا سایہ کیا۔ غرض اس شان سے حضرت سلیمانؑ جلوہ فرما ہوئے۔ جب منذر آیا تو یہ سامان دیکھ کر اپنے تحفوں پر سخت نادم ہوا۔ پھر آپؑ نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔ دیمک سے موتی میں سوراخ کرایا۔ لونڈیوں اور غلاموں کو پہچانا اور سب تحفے واپس کر دیئے۔

اُوپر کی دونوں روایتیں مبالغہ آمیزی کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ اگرچہ بادشاہ تھے مگر اس کے ساتھ نبی بھی تھے۔ ان کی بادشاہت نبوت کے سایہ میں جلوہ نما تھی۔ انہوں نے جو خط بلقیس کو لکھا تھا اس سے مقصد اس کو مسلمان بنانا تھا نہ کہ اپنی بادشاہت کا کرّ و فر دکھانا۔ اگر بادشاہت کا طمطراق دکھانا ہوتا تو جو خط سادہ طریقہ سے بھیجا گیا تھا وہ بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ بھیجا جاتا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا ایک سادہ پرچہ پر دو لفظ لکھ کر ہُدہُد کی چونچ میں دے دیئے تھے۔ اس سادہ خط کا جو نبوت کی شان لیے ہوئے تھا بلقیس کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ پس اس طرح اگر بلقیس نے تحفے بھیجے تھے تو انہیں اپنی شان دکھانی تھی نہ کہ سات کوس تک سونے چاندی کے جڑاؤ فرش پر چار ہزار نقرئی و طلائی کرسیاں بچھانے کی۔ کیا بلقیس کے وفد کو کوسوں سیر کرانا مقصود تھا یا صرف اپنے دربار کی شان دکھانی تھی۔ ایک نبی ایسی باتوں کو

پسند نہیں کر سکتا۔ تاریخِ اسلام میں یہ واقعہ ہماری نظر کے سامنے آتا ہے کہ بادشاہِ رُوم کا وفد زرق برق لباس میں جب مدینہ منورہ آیا اور اس کی پیشی سرکارِ دو عالمؐ کے سامنے ہوئی تو آپؐ اس وقت زمین پر صحابہؓ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے اس سادگی کا یہ اثر ہوا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے اور اس کا اقرار کیا کہ خدا کے اور بندوں کے بنائے ہوئے بادشاہوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات افسانہ نویسوں کے خود ساختہ واقعات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ
اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْ
تِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ
يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ
اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ
عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ
فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ڐ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ
اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ
غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾

جب منذر سلیمان کے پاس آیا (اور تحفے پیش کیے) تو آپ نے فرمایا کیا تم مجھے مال میں مدد دینے کے لئے ہو

جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو تم لائے ہو۔ ان اپنے تحفوں سے تم لوگ ہی خوش رہا کرو۔ تم ان کے پاس پلٹ کر جاؤ (اور کہہ دینا) ہم ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کا اُن سے مقابلہ ہو نہ سکے گا۔ ہم شہر سے ان کو ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہوں گے (اس کے بعد) آپ نے اپنے درباریوں سے فرمایا، تم میں کون ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت اس سے پہلے اُٹھا لائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار بن کر آئے۔ گروہِ جن میں سے ایک دیو نے کہا، آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں اس کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور یقیناً میں اس پر قابو رکھتا ہوں اور ذمہ دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا (آصف برخیا وزیر سلیمان) اُس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لائے دیتا ہوں جب حضرت سلیمان نے اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا پایا تو فرمایا، یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر بجا لاتا ہوں یا کفر اختیار کرتا ہوں اور جو شکر گزار ہوگا وہ اپنی ذات کے لیے ہوگا اور جو کفر کرے گا تو میرا رب بے پرواہ ہے اور سخی ہے۔

جب ملکہ بلقیس کا وفد شہر سبا میں پہنچا اور ملکہ سے حضرت سلیمانؑ کے حالات بیان کیے تو وہ سمجھ گئی کہ یہ صرف بادشاہ ہی نہیں ہیں بلکہ بالیقین خدا کے نمایندہ بھی ہیں۔ لہٰذا اس نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر بھیجنے سے پہلے ہی مع اپنے تمام لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے وہاں سے کوچ کیا تاکہ بیت المقدس میں خود حضرت سلیمانؑ کے سامنے جا کر اپنے اسلام کو ظاہر کرے۔ ابھی بیت المقدس سے فاصلہ پر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے اس کے تخت کو اٹھا لانے کے لیے فرمایا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس تخت کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتے تھے اگر وہ آجاتی تو پھر ان کو اس کے لینے کا کوئی حق نہ رہتا کیونکہ وہ مسلمان ہو جاتی۔ اسلام لانے سے پہلے کافرہ کے مال پر ان کو قبضہ کر لینے کا حق تھا۔ لاحول ولا قوۃ ایک نبی کے دل میں ایسا حریصانہ خیال کبھی نہیں آسکتا تھا۔ اُن کے پاس کیا کم تھا جو تخت کا لالچ کرتے بلکہ وہ بلقیس کو نبوت کا معجزہ دکھانا چاہتے تھے تاکہ خدا کی قدرت کا ایک گہرا نقش اس کے دل پہ بیٹھ جائے۔

جس شخص نے کہا تھا کہ میں طرفۃ العین میں ملکہ کو مع تخت حاضر کیے دیتا ہوں وہ حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف برخیا تھے جن کو حضرت سلیمانؑ نے اسم اعظم کی تعلیم دی تھی اور کتابِ خدا کا کچھ علم بھی رکھتے تھے اس لیے ان کے اندر وہ قوت پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے اشارہ کرتے ہی زمین سمٹ آئی اور تخت ان کے سامنے رکھا گیا۔

آیت میں عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ہے یعنی کتاب کے بعض حصوں کا ان کو علم تھا پوری کتاب کا نہیں من الکتاب ہے جس کے معنی بعض کے ہیں۔ پس کون اندازہ کر سکتا ہے اس شخص کی طاقت اور قوت اور تصرف فی العالم کا جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہو۔ آیہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ (الرعد ١٣ - ٤٣)

(اے رسول) تم کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو ایک تو اللہ کافی ہے دوسرا وہ شخص جس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔“ متعصب مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اور جو کتاب توریت کے عالم تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ سورۂ مکی کی آیت ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے۔ دوسرے گواہی تو اس شخص سے دلوائی گئی ہے جو قرآن کا علم رکھتا تھا تاکہ یہ تصدیق ہو کہ یہ کتاب خدا کی نازل کی ہوئی ہے نہ کہ ایک نومسلم کی جو قرآن کی تعلیم سے ابھی واقف بھی نہ ہوا تھا۔ اگر کہا جائے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ طرفۃ العین میں وہ تخت کیسے آگیا تو میں کہتا ہوں کہ معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو پھر وہ معجزہ ہی نہیں۔ کیا موسیٰؑ کے لیے عصا کا اژدہا بن جانا اور عیسیٰؑ کا مٹی سے پرندہ بنا کر اڑا دینا حضرت رسولِ خداؐ کے دستِ مبارک پر سنگریزوں کا تسبیح کرنا سمجھ میں آتا ہے؟ تو اس کے سمجھ میں نہ آنے سے کیوں بلبلایا جائے۔

جو لوگ جنات کو انسانوں ہی میں شمار کرتے ہیں وہ بتائیں کیا ایک انسان میں اتنی طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت کو لا رکھوں گا۔ دربار زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹے میں برخاست ہو جاتا۔ بلقیس کا دارالسلطنت بیت المقدس سے ہزار ڈیڑھ ہزار میل دُور تھا۔ کیا سوائے جن کے کسی انسان میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عظیم الشان تخت اتنی دُور سے سر پہ رکھ کر لے آئے اور اتنی جلد اُٹھا لائے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا
يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۗ قَالَتْ كَاَنَّهٗ
هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا
كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٤٣﴾ قِيْلَ لَهَا
ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ
قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع ۱۳ ۱۸

فرمایا اس کے تخت میں اس کی عقل کے امتحان کے لیے تغیر کر دو تاکہ ہم سمجھ لیں کہ سمجھ رکھتی ہے یا اُن لوگوں

میں سے ہے جو نہیں سمجھتے۔ جب بلقیس سلیمان کے پاس آئی تو پوچھا گیا کہ یہ تمہارا تخت ویسا ہی ہے اُس نے کہا گویا یہ وہی ہے۔ ہم کو تو پہلے ہی آپ کی نبوّت کا علم ہو گیا تھا اور ہم تو آپ کے پہلے ہی فرمانبردار تھے۔ پس سلیمان نے جسے وہ پہلے پُوجتی تھی اُس کی عبادت سے روک دیا، کیونکہ وہ کافر قوم کی تھی۔ پھر اس سے کہا گیا کہ اب آپ محل میں چلئے۔ جب اُس نے محل میں شیشہ کا فرش دیکھا تو اُسے گہرا پانی سمجھا اور گزرنے کے لیے اس طرح اپنے دونوں پائنچے اُٹھائے کہ دونوں پنڈلیاں کھول دیں حضرت سلیمان نے کہا (تم ڈرو نہیں) یہ پانی نہیں ہے محل ہے جو شیشوں سے منڈھا ہوا ہے۔ اُس نے کہا پروردگارا میں نے (سورج کو پُوج کر) اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اب میں سلیمان کے ساتھ سارے جہان کے پالنے والے خدا پر ایمان لاتی ہوں۔

بلقیس کے آنے سے پہلے قوم جن کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر سلیمان نے اس سے شادی کر لی تو ایک عورت ہم پر حکومت کرے گی۔ لہٰذا انہوں نے مشہور کر دیا کہ وہ بے عقل ہے دوسرے پنچے کے حصّہ پر کر سے لے کر پیروں تک ریچھ کے سے بال ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کا دل اس کی طرف سے ہٹ جائے۔ جب وہ آ گئی تو ان دونوں باتوں کا امتحان لینا ضروری ہو گیا۔ سب سے پہلے عقل کا امتحان کرنا تھا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخت بلقیس کے آنے سے پہلے دربارِ سلیمانؑ میں پہنچ گیا تھا۔ اور اُس کے آنے سے پہلے آپؑ نے تخت میں تبدیلی کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ اس کے پہنچنے تک اس میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ جب وہ آئی تو تخت اُس کو دکھایا گیا۔ اُس نے کہا گویا یہ وہی ہے۔ اس طریقہ سے اس کی عقل کا امتحان ہو گیا۔ اب رہا ٹانگوں پر بالوں کا امتحان تو اس کی تدبیر بھی پہلے سے کر لی گئی کہ شیشہ کے فرش کے نیچے پانی چھوڑ دیا گیا تھا اور بر دلیتے اس میں مچھلیاں بھی ڈال دی گئی تھیں۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی اور یہ سماں دیکھا تو پانی خیال کر کے دونوں پائنچے اُٹھا لیے۔ حضرت سلیمانؑ نے دیکھ لیا کہ دونوں پنڈلیاں صاف ہیں۔ چونکہ آپؑ ایک نامحرم عورت کی پنڈلیاں کھول کر نہیں دیکھ سکتے تھے اس لیے یہ عمل کیا گیا۔ اُس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے نکاح کر لیا۔ اور اُس کے مُلک کو اُسے واپس کر دیا بلکہ اُسی کو بخش دیا۔ ہر مہینہ خود اُس کے پاس جایا کرتے تھے۔ بلقیس کے بطن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ اس واقعہ میں سبق آموز بات یہ ہے کہ ایک عورت کی دانائی نے کس طرح اپنے ملک کو بھی تباہی سے بچا لیا اور اپنے کو بھی رسوائی سے محفوظ رکھا۔ اگر غرورِ سلطنت میں آ کر اور درباریوں کی رائے پر عمل کر کے لڑتی تو سب کچھ کھو بیٹھتی اور قیدیوں کی صورت میں سلیمانؑ کے سامنے پیش ہوتی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۤىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے قومِ ثمُود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا، اللہ کی عبادت کرو۔ حضرت صالح کے آتے ہی (اُن کی قوم کے) دو فریق بن کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا، اے میری قوم (آخر) تم لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کی طرف جانے کی کیوں جلدی کر رہے ہو۔ تم خدا سے توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ وُہ بولے ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بُرا شگون پایا ہے۔ صالح نے کہا، تمہاری بدقسمتی خدا کے پاس ہے (یہ بات نہیں جو تم سمجھتے ہو) بلکہ تم لوگوں کی آزمائش کی جا رہی ہے۔ اور اُس شہر میں نو ۹ آدمی تھے جو مُلک میں بانیٔ فساد بنے ہوئے تھے اور اصلاح کا ذکر نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا باہم خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اُس کے لڑکے بالوں پر شب خون ماریں گے۔ اس کے بعد (صالح کے) وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم لوگ ان کے ہلاک ہوتے وقت موجود ہی نہ تھے۔ ہم لوگ تو یقیناً سچّے ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تدبیر کی، ہم نے بھی ایک تدبیر کی۔ ہماری تدبیر کی اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔

حضرت صالحؑ چونکہ قوم کو بداعمالیوں پر ہمیشہ ٹوکتے رہتے تھے لہٰذا وہ ان کے سخت دشمن ہو گئے کہتے تھے ہم سب پر تمہاری نحوست چھا گئی ہے۔ جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی گئیں تو حضرت صالحؑ نے اُن کو عذاب کی خبر دی۔ اس سے ان کا غصہ اور زیادہ ہو گیا۔ اس قوم میں نو آدمی سب سے زیادہ سرکش تھے۔ حضرت صالحؑ نے پہاڑ کے ایک غار میں مسجد بنائی تھی وہیں مع بال بچوں کے رہتے تھے۔ جب انہوں نے قوم کو یہ خبر سنائی کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب نازل ہو جائے گا تو ان نو آدمیوں نے آپس میں قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ رات کو حملہ کر کے صالحؑ اور ان کے بال بچوں کا صفایا کر دیں گے۔ اگر ان کے قبیلہ کے لوگ پوچھ گچھ کریں گے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں ایسا کس نے کیا۔ خدا کہتا ہے اُنہوں نے بھی تدبیر کی اور ہم نے بھی کی جس کی اُنہیں خبر نہ ہوئی یعنی ہمارا عذاب اُن پر آگیا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ
اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

(اے رسول) دیکھو اُن کے مکر کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے اُن کو اور اُن کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا جنہوں نے ظلم کیا تھا یہ اُن کے خالی گھر پڑے ہوئے ہیں۔ جاننے والے لوگوں کیلئے اس میں عبرت ہے اور لوطؑ کا قصہ یہ ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم بدکاری پر آمادہ ہو گئے ہو حالانکہ تم جان بوجھ کر ایسا

کر رہے ہو۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت کی آگ بجھاتے ہو۔ بلکہ تم جہالت سے بھری ہوئی قوم ہو۔

ے ان کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ
قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ
اٰۗللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوط خاندان کو اپنی بستی سے نکال دو یہی تو سب سے زیادہ پاک و پاکیزہ لوگ بنتے ہیں۔ پس ہم نے لوط اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بی بی کے بچا لیا اور اس کی بی بی کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے قرار دیا تھا اور ان پر پتھروں کا مینہ برسایا اور اُن لوگوں پر جنہیں ڈرایا گیا تھا کیسا بُرا مینہ برسا۔ اے رسول، کہو حمد اللہ ہی کے لیے ہے اور سلام ہو خدا کے برگزیدہ بندوں پر اور اللہ بہتر ہے ہر اُس چیز سے جسے لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا
شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ
الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ
بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ ﴿۶۱﴾
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ
خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ ﴿۶۲﴾

اور وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے تمہارے لیے مینہ برسایا پھر اس مینہ سے خوشنما باغ اُگائے۔ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ تم درختوں کو (باغوں میں) اُگا سکتے تو پھر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ خود (اپنے جی سے گھڑھ کے بُتوں کو) اس کے برابر بناتے ہیں۔ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں بہائیں اور اس کی مضبوطی کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک روک بنائی (کہ میٹھا پانی کھاری سے نہ ملے) کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ کون ہے جو دُکھیا انسان کی دُعا کو سُنتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے اور تکلیف کو اس سے دُور کر دیتا ہے۔ وُہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔ اس پر بھی تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

جو مشرکین خدا کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو اپنا معبود بنا بیٹھے ہیں اس سورہ میں ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا بتاؤ کون ہے کیا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ایسی مخلوق بنا سکے اور جس نظام کے

ساتھ دُنیا چل رہی ہے اُسے برقرار رکھ سکے۔ اس پر غور نہیں کرتے کہ بنانے والے نے یہ تمام نظام کس حکمت سے بنایا ہے کہ لاکھوں برس سے چل رہا ہے اور اس میں کہیں تبدیلی کی ضرورت نہیں پیدا ہوئی۔ وہی آسمان ہے وہی زمین وہی چاند سورج وہی رنگ وہی بلندی وہی خصوصیات وہی حالات۔ تمہارے سروں پر کیسے خوشنما رنگ کا ایک سائبان تنا ہوا ہے۔ نہ جلتا ہے نہ پھٹتا ہے نہ گردشِ ایام سے کہنہ ہوتا ہے۔ نہ اُونچا ہوتا ہے نہ نیچا۔ نہ اُس کا کوئی ٹکڑا تمہارے سروں پر گرتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی اپنی حالت پر قائم ہے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی۔ تمہاری فطرت کے لحاظ سے ہر شے مناسب ہے۔ چوڑی چکلی مسطح، بڑے مزہ سے اس پر چلو پھرو سیر سپاٹا کرو۔ آسمان اور زمین کے درمیان کئی میل تک ایک ہوا کا کُرہ رکھ دیا گیا تاکہ کروڑوں شہابِ ثاقب (شوٹنگ اسٹار) جو چکر لگا رہے ہیں وہ اس میں ٹکرا کر آگ کے شعلے نکالتے رہیں تو ان کو ہمارے سروں پر گرنے سے روکے اور اس ہوائی کُرہ سے ستاروں اور سیاروں کی شعاعیں ہم تک پہنچتی ہیں یعنی چھَن چھَن کر زمین تک آتی ہیں تاکہ ہماری فطرت کے مناسب حال بنی رہیں اسی کرہ میں پرندے اُڑتے پھرتے ہیں۔ بتاؤ اگر اس نظامِ قدرت میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو کیا ہم زندہ رہ سکتے ہیں یہ سب نظام خدا ہی تو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو وہ ضرور اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرتا۔

خدا فرماتا ہے پھر ذرا اس پر بھی غور کرو ہم کیسی حکمت کے ساتھ سورج کی کرنوں کے ذریعے زمین کا پانی اُٹھا اُوپر لے جاتے ہیں۔ پہلے اسے ہوا کے لطیف ذرّات پر پھیلاتے ہیں پھر اس سے چھما چھم زمین پر مینہ برساتے ہیں۔ کیا ہمارے سوا کوئی اور ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر اس پانی سے زمین کے اُوپر کیسے باغ بغیچے اُگاتے ہیں کیسے کیسے درخت لہلہاتے ہیں کیسے کیسے پھل پھُول مہکاتے ہیں اسی سے تمہارے لیے غلہ پیدا ہوتا ہے اسی سے ترکاریاں اُگتی ہیں اسی سے جانوروں کے لیے چارہ اُگتا ہے جہاں چٹیل میدان ہوتے ہیں۔ جنگل میں منگل نظر آتا ہے کیا یہ کام ہمارے سوا اور کسی کے بس کا ہے۔ پس تم اس سے یہ نتیجہ کیوں نہیں نکالتے کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں لیکن تمہاری عقلوں پر تو ایسے پتھر پڑے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر ہماری مخلوق کی پُوجا پاٹ کرنے لگتے ہو۔

دیکھو تو ہم نے زمین کو تمہارے لیے کیسا اچھا فرش بنایا ہے اور ہر طرف تمہارے لیے نہریں بہا دی ہیں کہ ان کے پانی سے اپنی تمام ضرورتیں پُوری کرو۔ تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ سمندروں کے کھاری اور میٹھے پانی کے درمیان ہم نے تفریق کا ایک ایسا خط کھینچ دیا ہے کہ وہ آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ ایک طرف سے پیو تو کھاری پانی تمہارے ذائقہ کو خراب کرتا ہے، دوسری طرف سے پیو تو نہایت خوشگوار پانی حلق سے اُترے گا۔ دونوں کے درمیان نہ کوئی دیوار ہے نہ کسی دھات کی چادر، بس ہماری قدرت کا یہ سب کرشمہ ہے۔ بتاؤ کیا ہمارے سوا یہ کام کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔ کیا غضب کی بات ہے تم سب کچھ جان کر بھی ہم سے منہ موڑتے ہو۔ اگر ہم چاہیں تو ذرا دیر میں تمہاری کل مروڑ دیں تو تم ہائے واویلا کرنے لگو مگر ہم باوجود تمہاری نافرمانی اور بغاوت کے مہلت دے رہے ہیں۔

دیکھو جب کوئی مصیبت اچانک تم پر آپڑتی ہے اور تم بلبلا کر ہمیں پکارتے ہو اس سے نجات کے خواہشمند ہوتے

ہو تو کیا ہم تمہاری مصیبت کو دُور نہیں کرتے۔ پھر بھی تم ہم پر ایمان نہیں لاتے۔ اور ہمیں چھوڑ کر دُوسری چیزوں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

میرے بندو ذرا سمجھو تو ہم نے تمہیں روئے زمین پر اشرف المخلوقات بنا کر اس لیے ہی تو بھیجا ہے کہ تم امن و سکون سے یہاں زندگی بسر کرو۔ ہماری قدرت کے آثار بنگاہِ غور دیکھو۔ ہماری خالقیت اور ربوبیت کا اقرار کرو۔ ہمارے احکام کی تعمیل کرو۔ مگر تم ہو کہ اکڑے اکڑے پھرتے ہو اور اپنی زندگی کے مقصد کو بھُول کر دُنیا کے کھیل تماشوں میں مست ہو جاتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

(اچھا اب ذرا اس پر غور کرو) خشکی اور تری میں جب رات کی تاریکیاں تم پر چھا جاتی ہیں تو تمہیں راستہ کون دکھاتا ہے (منزلِ مقصود تک کون پہنچاتا ہے) اور کون ہے جو بارش سے پہلے اس کی خوشخبری دے کر (ٹھنڈی) ہواؤں کو بھیجتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے کہ جس کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو، خدا کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خُدا ہے۔ اے رسول تم ان سے کہو (اگر خدا کے شریک ہونے کے قائل ہو) تو اپنی صداقت پر کوئی دلیل پیش کرو۔

اُس کی رحمتِ بے پایاں کا کیا ٹھکانا ہے اپنے باغی بندوں کو کیسی کیسی نرمی کے ساتھ سمجھا رہا ہے۔ فرماتا ہے:

جب رات کی تاریکیوں میں تم ریگستانوں اور سمندروں میں سفر کرتے ہو اور ایسی تاریکی ہوتی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور تم راستہ بھول جاتے ہو۔ ہر طرف ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہو۔ بتاؤ اس دل گداز پریشانی میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر سیدھی راہ پر کون لگاتا ہے اور بھولا ہوا راستہ کون دکھاتا ہے منزل مقصود تک کون پہنچاتا ہے ہمارے سوا۔ کیا اس پر بھی خدا کا شریک کسی کو بناؤ گے۔ دیکھو تو تمہیں عدم کے تاریک پردوں سے نکال کر وجود کی روشن سطح پر کون لایا۔ تمہیں نیست سے ہست کس نے کیا۔ کیا یہ کام ہمارے سوا کوئی اور بھی کر سکتا تھا۔ پھر تمہیں کچھ دن زندہ رکھا۔ پھر تمہیں مار دیا۔ اس کے بعد قیامت میں پھر اُٹھا کھڑا کرے گا۔ کیا اس پر بھی تم ہمیں وحدہٗ لاشریک لہٗ نہیں مانتے۔

اچھا اور سنو، تمہیں یہ رزق کون دیتا ہے۔ ہمارے سوا وہ کون ہے جو تمہارے لیے زمین سے غلہ اگاتا ہے درختوں میں پھل پکاتا ہے۔ ہم ہی تو ہیں۔ پھر تم یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کام کسی اور کے بوتے کا نہیں تم ہمارا شریک کسی کو کیوں قرار دیتے ہو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو اور یہ ثابت کرو کہ خدا کا کوئی شریک ہے تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ جب اس کا کوئی شریک ہی نہیں تو تم کیا خاک ثابت کرو گے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۶۵ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ
فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝۶۶ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا
كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝۶۷ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ
وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸

(اے رسول تم ان مشرکین سے) کہو کہ آسمان و زمین میں جتنے لوگ بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی خدا کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا اور انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ قبروں سے کب اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے بلکہ آخرت کا علم ہی ان لوگوں سے گم ہو گیا ہے بلکہ وہ تو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ (یوں کہو) اس سے لوگ اندھے بنے ہوئے ہیں۔ کفار کہنے لگے جب ہم اور ہمارے باپ دادا (گل سڑ کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ اس کا تو پہلے ہی ہم سے اور

ہمارے باپ دادا سے وعدہ کیا گیا تھا (کیسا اُٹھنا کیسی قیامت) ہو نہ ہو یہ تو ان لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں

ف اپنی توحید کے بہت سے ثبوت دینے کے بعد اب مسئلہ قیامت کو سمجھاتا ہے۔
غیب کا علم بالذات خدا کے سوا کسی کو نہیں، خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء۔ ہاں اگر خدا اپنے انبیاء و صیاء کو بعض باتوں کی خبر دیتا ہے تو بذریعہ وحی یا الہام۔ خواب یا صحیفہ کے ذریعہ سے دے دیتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اسی ذریعہ سے پیشگوئیاں کیا کرتے ہیں۔ منجملہ اخبار غیب قیامت کی خبر بھی ہے اس کو بھی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ چیز انبیاء کو بھی نہیں بتائی گئی۔ کوئی نہیں جانتا کہ لوگ کب قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ ایسا تو جب ہی ہو گا کہ جتنی مخلوق اُسے پیدا کرنی ہے وہ سب منصۂ شہود پر آ جائے اور جو کارخانہ قدرت نے بنا دیا ہے اس کی ایک ایک چیز انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے دکھا دے کیونکہ انسان اس کی معرفت کا خزینہ دار ہے۔ اور کائنات کا ہر ذرہ اس کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے علم سے اُس نے ہر شخص کو بے خبر رکھا ہے۔ جو لوگ اہل ایمان ہیں وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت آئے گی ضرور آئے گی اور یہ کہ وہ لوگوں کے بلانے سے نہیں آئے گی بلکہ جب خدا چاہے گا تب آئے گی لیکن کفار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں مُردوں کا زندہ ہونا ممکن ہی نہیں۔ جب ایک جسم گل سڑ کر مٹی بن گیا تو پھر اس کا زندہ ہونا کیسا؟ انبیاء و مرسلین ہمارے باپ داداؤں کو پہلے بھی قیامت سے ڈراتے چلے آئے ہیں لیکن باوجود ہزاروں سال گزرنے کے آج تک یہ منظر سامنے آیا نہیں، کیسی قیامت کیسا قبروں سے اُٹھنا، یہ سب ڈھکوسلے اور لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۶۹
وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۷۰ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ
لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۷۲ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۴

اے رسول تم ان لوگوں سے کہو، ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ خدا کے نافرمان بندوں کا انجام کیا ہوا۔ اے رسول تم ان کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو اور جو چالیں یہ لوگ چل رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں۔ یہ لوگ (مسلمانوں سے) پُوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ (قیامت یا عذاب کا) وعدہ کب پُورا ہوگا۔ ان سے کہو جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو کیا عجب ہے کہ اس میں سے کچھ قریب آگیا ہو۔ بے شک تمہارا رب لوگوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن بہت سے لوگ اس کا شکر نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ جو باتیں ان کے دل میں پوشیدہ ہیں اور جو کچھ یہ علانیہ کرتے ہیں تمہارا پروردگار وُہ سب جانتا ہے۔

اُن لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے یہ بتایا جا رہا ہے کہ زمین کے مختلف حصّوں میں ذرا چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے قیامت کو نظر انداز کر کے یا اس سے انکار کر کے لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے تھے اور اس سے بے خبر تھے کہ ایک دن اس ظلم کی ان سے باز پُرس ہوگی۔ ان پر اس دنیا میں کیسے کیسے عذاب آئے اور ان کی بستیاں کس صورت سے تباہ ہوئیں۔ جن مظلوموں کو انہوں نے کچلا تھا، جن بے قصوروں کے گلے پر چھری چلائی تھی اور وہ انتقام لیے بغیر اس دُنیا سے چلے گئے تھے کیا ان کی داد رسی کہیں نہ ہوگی۔ کیا ان کے خونِ ناحق کا بدلہ ان کے دشمنوں سے نہ لیا جائے گا۔ ایسی صورت میں وہ ظالم بے سزا پائے اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے تھے۔ مظلوموں کا انتقام یوں ہی کرا ہتا رہ جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس خدائے عادل نے یہ کائنات بنائی ہے جو مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے وہ ایک دن ضرور ظالموں کو اس ظلم کی سزا دے گا۔ اسی روز کا نام قیامت ہے۔ اس کے آنے میں شبہ نہیں۔ اسے دُور نہیں قریب ہی سمجھو۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ مجرموں کو مہلت دے رہا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مجرموں سے بدلہ نہ لے گا اور مظلوموں کی فریاد رسی نہ کرے گا۔ تمہارے سب اعمال خواہ ظاہر میں کیے ہوں یا باطن میں، اس کی نظر کے سامنے ہیں۔ اُس نے اس کی جانچ پڑتال کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ تم اس کی جلدی مچا رہے ہو۔ حالانکہ وہ قریب ہی ہے جب تم قبروں سے نکالے جاؤ گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک دن یا اس سے کچھ زیادہ قبر میں رہے ہو۔ تمہیں قیامت کا دن یک لخت بہت قریب معلوم ہوگا۔

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ
مُّبِينٍ ﴿٧٥﴾

کوئی چھپی ہوئی چیز خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں، ایسی نہیں جو روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں نہ ہو

(سب حالات وہاں لکھے ہوئے ہیں۔ پس کوئی بچ کر کہاں جا سکتا ہے۔ قیامت میں سربستہ راز کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ایک ایک بات کی جواب دہی کرنا ہوگی۔)

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ
يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ
إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن
ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا
وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ
النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ ع

یہ قرآن بنی اسرائیل کی اکثر اُن باتوں کو جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے ظاہر کر دیتا ہے اور یہ قرآن ایمانداروں کے لیے سرتا پا ہدایت و رحمت ہے۔ بے شک تمہارا پروردگار اپنے حکم سے ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کر دے گا اور وُہ غالب اور حکمت والا ہے پس تم اللہ پر بھروسہ کرو بیشک تم صریحی حق پر ہو۔ بے شک نہ تم مُردوں کو اپنی بات سُنا سکتے ہو نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہو خاص کر جب وُہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راہِ راست پر لا سکتے ہو تم تو بس انہی لوگوں کو اپنی بات سُنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یہی لوگ تو ماننے والے ہیں۔ جب ان لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ پُورا ہوگا تو ہم ان کے واسطے زمین سے

ایک چلنے والا نکال کھڑا کریں گے جو اُن سے باتیں کرے گا کہ (فلاں فلاں لوگ) ہماری آیتوں کا یقین نہیں رکھتے تھے۔

بنی اسرائیل کے درمیان بہت سے اختلافات تھے مثلاً بعض لوگ تو توریت کے بعض احکام پر ایمان لائے ہوئے نہ تھے۔ بعض عزیر نبی کو ابن اللہ کہتے تھے بعض نہیں۔ بعض ان کے مرکر زندہ ہونے کے قائل تھے بعض نہیں اسی طرح جو اختلافات اہلِ ایمان اور کفارِ قریش کے درمیان تھے۔ خدا اپنے رسولؐ سے کہتا ہے تم خدا پر بھروسہ رکھو ان کا فیصلہ بھی ہم کردیں گے۔ تم چونکہ حق پر ہو اس لیے تم ان کی باتوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ تم ان لوگوں کو اپنی باتیں نہیں سُنا سکتے جن کے ضمیر مردہ ہوچکے ہیں یا جو تمہاری باتیں کان دھر کر سنتے ہی نہیں بلکہ جب تم کچھ کہتے ہو تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

دوسرے قیامت کے قریب دَآبَّۃُ الْاَرْضِ کے خروج کا ذکر ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، مفسرینِ اہلسنّت نے ایک چوپایہ مراد لیا ہے جو بقدرت خدا لوگوں سے باتیں کرے گا۔

مفسرینِ شیعہ نے لکھا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے نزدیک سے نکلے گا اور اس کے پاس حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰؑ کا عصا ہوگا۔ وہ انگوٹھی سے مؤمنوں کے چہرہ پر نشان بنائے گا تو اُن کا چہرہ نورانی ہو جائے گا اور یہ لکھا نظر آئے گا کہ یہ مؤمن ہے۔ اور کفار کے چہروں پر عصا سے نشان کرے گا تو ان کے چہروں پر لکھا جائے گا کہ یہ کافر ہے۔ اس وقت مؤمنوں کی خوشی اور کفار کے رنج کی کوئی حد نہ ہوگی اور یہ علامت آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اس وقت ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوگا۔

اس آیت سے رجعت کا ثبوت واضح طور سے ملتا ہے۔ حدیث میں ہے امام آخرالزمانؑ کے ظہور کے وقت اور قیامت سے قبل خدا کچھ لوگوں کو جو اُن کے سچے دوست یا پکے دشمن تھے زندہ کرے گا تاکہ وہ لوگ ثواب یا عذاب اخروی کے علاوہ اپنی کارستانیوں کا عوض دُنیا میں بھی دیکھ لیں اور یہ مطلب اس آیت سے واضح ہے۔ کیونکہ اگلی آیت میں ہے کہ ہم ایک گروہ کو جمع کریں گے اور یہ بات قیامت میں نہ ہوگی بلکہ اس وقت تو سب ہی زندہ ہوں گے بلکہ قبل از قیامت وہ گروہ زندہ ہوگا۔

دابۃ الارض سے مراد چوپایہ جانور نہیں ہے بلکہ زمین پر چلنے والا مراد ہے۔ اس سے مراد امیرالمؤمنینؑ ہیں تفسیر قمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علیؑ ریت کے ڈھیر پر سر رکھے سو رہے ہیں حضورؐ نے پیر سے چھو کر فرمایا قم یا دابۃ الارض۔ کسی نے کہا کیا ہم بھی ایک دُوسرے کو اس نام سے پکار سکتے ہیں۔ فرمایا نہیں! یہ صرف علیؑ ہی کا لقب ہے۔

دابۃ الارض کے معنی ہیں زمین پر چلنے والا۔ یوں تو زمین پر چلنے والے سب ہی ہیں لیکن یہاں وہ چلنے والا مُراد ہے جس نے معصیت کے ساتھ کبھی کوئی قدم زمین پر رکھا ہی نہ ہو۔ زمین سے امیرالمؤمنینؑ کو ایک خاص نسبت

ہے اس لیے آپؑ کا لقب ابوتراب ہوا جس کے ظاہری معنی مٹی کے باپ کے ہیں۔ لیکن اصلی معنی ہیں انکساری کرنے والا اس نسبت کی بنا پر آپؑ قربِ قیامت میں جب زمین زلزلہ میں آئے گی تو سوال کریں گے قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ (۳-۴(۹۹) الزلزال)۔ یعنی جب زمین کا زلزلہ کسی طرح ختم نہ ہوگا تو ایک انسان اس سے کہے گا تجھے کیا ہوگیا ہے تب وہ اسی انسان سے اپنی خبریں بیان کرے گی۔ وہ انسان حضرت علیؑ ہیں جن کا ایک لقب دابۃ الارض ہے دوسرا ابوتراب۔ زمین سے سوال کرنے اور اس کی خبریں اس کی زبان سے سننے کی خصوصیت بھی علیؑ کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔ جن مفسروں نے دابۃ الارض سے چوپایہ مراد لی ہے ان سے کوئی پوچھے کہ چوپایہ کا آدمیوں سے کلام کرنے کا کیا مقصد ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾
حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾
أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ
دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾

جس دن ہم ہر اُمت سے ایسے گروہ جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے (زندہ کرکے) جمع کریں گے۔ پھر ان کی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ کردیں گے یہاں تک کہ وہ سب (خدا کے سامنے آئیں گے) اور خدا ان سے کہے گا کیا تم نے ہماری آیتوں کو بے سمجھے بوجھے جھٹلایا۔ بھلا بتاؤ تم کیا کیا کرتے تھے۔ ضرور چونکہ یہ لوگ ظلم کیا کرتے تھے لہٰذا اُن پر عذاب کا وعدہ پُورا ہوگیا۔ پھر یہ لوگ کچھ بھی بول نہ سکیں گے۔ کیا ان

لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ لوگ اُس میں چین کریں اور دن کو روشن بنایا (تاکہ اُس میں دیکھ بھال کریں)۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور (وہ دن یاد رکھو) جب صور پھونکا جائے گا تو جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں دہل جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا وہ (خوفزدہ نہ ہوگا) اور سب اُس کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

یعنی اُس دن ہر قوم کے اُن لوگوں کو جمع کیا جائے گا جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کو اُن کی تکذیب کے لحاظ سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا، پھر اُن سے پوچھا جائے گا کیا وہ تم ہی ہو کہ بے سمجھے بُوجھے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ آخر تم کرتے کیا تھے کہ بے تحقیق جھٹلا بیٹھے ان ظالموں سے جو وعدۂ باز پرس تھا وہ اس طرح پُورا ہوگا۔ اب یہ کیا جواب دے سکتے تھے۔ ہماری آیات کو جھٹلانے والوں نے (کم از کم) رات اور دن پر ہی غور کر لیا ہوتا کہ ہم نے رات کو ان کے آرام کے لیے بنایا ہے اگر نہ بناتے تو رات آتی ہی نہ تو بتاؤ تم جب کام کرتے کرتے تھک جاتے تو آرام کا وقت کہاں سے پاتے۔ دن کو اُس لیے روشن بنایا کہ تم ہر معاملہ کو دیکھو بھالو اور جو کام کرو وہ طریقے سے کرو اندھوں کی طرح نہ کرو۔ جو لوگ قیامت سے بے خبر ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جب صور پھونکا جائیگا تو آسمان والے ہوں یا زمین والے ہوں سب بے ہل کردہ جائیں گے۔ ہاں جس پر اللہ رحم کرے وہ تو دہشت سے بچ جائے گا باقی سب بے حال ہو جائیں گے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ
اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَاۗءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾
وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

جن پہاڑوں کو (آج) تم مضبُوط جما ہُوا دیکھتے ہو وہ (قیامت کے دن) بادل کی طرح اُڑتے نظر

آئیں گے۔ یہ اللہ کی صنعت ہے کہ اُس نے ہر شے کو مضبُوط بنا دیا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے خبردار ہے۔ جو نیکی کریں گے ان کے لیے اُس کی جزا اس سے کہیں بہتر ہے اور وہ روز قیامت کے خوف سے محفوظ رہیں گے اور جو بُرائی کریں گے تو وُہ اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے جو کچھ دُنیا میں کرو گے اُس کا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ
وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ اُس شہر کے رب کی جسے اللہ نے عزت دی عبادت کروں اور ہر شے اُسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار بندہ ہوں اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں پس جس نے ہدایت پالی اُس نے اپنی ذات کے نفع کے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہُوا تو اے رسول، تم کہدو میں بھی (عذابِ خدا سے) ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہوں اور کہدو الحمدللہ خدا عنقریب تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھا دے گا اور تم انہیں پہچان لو گے۔ جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا رب اُس سے غافل نہیں۔

کفّار و مشرکینِ مکّہ سے کہا جا رہا ہے کہ باوجود خدا کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے اس سے منحرف ہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس محترم شہر کے رب کی عبادت کروں۔ افسوس ہے کہ تم ایک ایسے اچھے شہر میں رہتے ہو جہاں زندگی کا ہر سامان تمہارے لیے موجود ہے پھر بھی تم اس شہر کے رب اور مالک کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی

فرمانبرداری پر آمادہ نہیں ہوتے۔ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں گا۔ جو ہدایت پائے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا۔ اور جو گمراہ ہے گا وہ عذابِ خدا میں مبتلا ہوگا۔ تم خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر ضرور اس کو پہچان لوگے۔ مگر باوجود اس کے بُت پرستی کرنا تمہارے لیے عذاب کا باعث ہوگا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تم سے غافل ہے وہ سب کچھ جانتا ہے تم اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ تمہارا کوئی عمل خدا سے چھپا ہوا ہے۔

(٢٨) سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (٤٩)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

طسٓمٓ ﴿١﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿٢﴾ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِن نَّبَإِ مُوسَىٰ
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣﴾ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ
وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ
وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ
عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ
وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ
أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا
تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾

طٓ۔ سٓ۔ مٓ، یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہم تمہارے سامنے ایمانداروں کے فائدہ کے لیے موسیٰؑ و فرعون کا سچا قصہ بیان کرتے ہیں۔ فرعون نے (ملکِ مصر میں) بہت سر اُٹھایا تھا وہاں کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو بہت کمزور بنا دیا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو رُوئے زمین پر کمزور بنا دیئے گئے ہیں۔ ہم ان کو امام بنائیں گے اور ہم اُن کو مالکِ زمین بنائیں گے اور روئے زمین پر اُن کو پُوری قدرت دیں گے اور ہم فرعون اور ہامان کو اور دونوں کے لشکروں کو اُن کے کمزور ہاتھوں سے وہ چیزیں دکھائیں جن سے یہ لوگ ڈرتے تھے اور ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی کہ تم اس کو دُودھ پلالو اگر اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اس کو (ایک صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دو اور تم اس پر نہ ڈرنا نہ کُڑھنا (تم اطمینان رکھو) ہم اس کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو اپنا رسول بنا لیں گے۔

مصر اور مضافاتِ مصر پر فرعون کی حکومت تھی وہ بڑا سرکش بادشاہ تھا۔ اپنے کو تمام لوگوں کا ربِ اعلیٰ یعنی سب سے بہترین پرورش کرنے والا سمجھتا تھا۔ جو اس کی خدائی پر ایمان نہ لاتا تھا اسے قتل کرا دیتا تھا۔ ایک بار نجومیوں نے اسے خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہونے والا ہے جو تیری تمام سلطنت کو نہ صرف تباہ و برباد کرے گا بلکہ تیری ہلاکت کا باعث بھی ہوگا۔ اس روز سے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی جو عورت حاملہ ہو اس پر ایک زنِ قبطی کو پہرہ دار بنا کر بٹھا دیا جائے۔ جس وقت بچہ پیدا ہو فوراً تھانہ میں اطلاع دے اگر لڑکا ہو تو فوراً اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ جب ذرا سیانی ہو تو اُسے قبطیوں کے گھر بطور کنیز کام کرنے کے لیے رکھا جائے۔

بروایتے حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں آپؑ کی پیدائش سے قبل دس ہزار بچّے اس ظالم نے قتل کرائے۔ خدا کی شان دیکھو حضرت موسیٰؑ کا حمل ہی ظاہر نہ ہُوا۔

فرعون نے اپنی رعایا کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کے خاندان والے جو قبطی تھے راٹل فیملی بنے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل بھی بارہ گروہوں میں تقسیم تھے۔ حکومتِ فرعون میں کوئی کلیدی عہدہ ان کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ محنت مزدوری کا کام اُن سے لیا جاتا تھا۔ اور معمولی معمولی قصور پر قبطی ان کو سخت سزا دیتے تھے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل سخت عذاب میں مبتلا تھے۔ ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ وہ مصر سے باہر بھی نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ناکوں پر پہرے بیٹھے ہوتے تھے۔

ھ آگے چل کر قدرت اپنا ایک قانون بیان کرتی ہے وہ یہ ہے:
جو لوگ روئے زمین پر کمزور بنا دیئے گئے ہیں ان کو خلق کا امام و پیشوا بنائے گا اور جس زمین پر وہ مظلومانہ زندگی بسر کریں گے اُن کو اُسی ملک کا مالک بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی ہُوا، حضرت موسیٰؑ کے آنے کے بعد

فرعون و ہامان کو سخت سزا ملی یعنی وہ دونوں اور ان کا سارا لشکر غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعونی مظالم پہ صبر کرنے کے عوض ملک مصر کی سلطنت عطا کی گئی۔ قدرت کا یہ قانون صرف اسی وقت کے لیے نہ تھا بلکہ ہر زمانہ کے لیے ہے۔ جو جابر قومیں حکمران ہیں ایک دن ان کے غرور و تکبر کی ناک رگڑی جائے گی اور مظلوم قوموں کا جوتا ان کے سر پر ہوتا ہے جلد یا بدیر ایسا ہونا ضرور ہے۔ فرعون اور ہامان جس عذاب سے ڈرتے تھے آخر وہ ایک دن اُن کے سر پر آ کر رہا۔ ان کی تمام املاک پر ان کے عام ساز و سامان پر بھی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت موسیٰؑ جب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ محترمہ کے دل پر سخت خوف و رنج چھایا ہوا تھا کہ اگر بچّہ کے رونے کی آواز کسی نے سن لی اور پولیس میں اطلاع دے دی تو بچّہ تو ذبح کیا ہی جائے گا میری جان بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ خدا نے وحی کی کہ تم مضطرب نہ ہو۔ موسیٰؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دو ہم اسے پھر تمہاری طرف لوٹا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حزقیل بن صبور سے جو فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا ایک ۵ بالشت کا صندوق بنوایا، اس میں حضرت موسیٰؑ کو لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ مگر غلطی یہ کی کہ حزقیل کے پوچھنے پر یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس میں بچّہ کو رکھ کر دریا میں چھوڑ دوں گی۔ اس نے فرعون کو اطلاع دینی چاہی لیکن اس کی زبان ایسی بند ہوئی کہ ایک لفظ نہ بول سکا۔ جب دکان پر آیا تو زبان کھل گئی۔ پھر ارادہ کیا پھر زبان بند ہو گئی۔ تین بار ایسا ہی ہوا، آخر اس نے سچے دل سے عہد کیا کہ اب نہ کہوں گا اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آیا۔

جب موسیٰؑ محلِ فرعون میں پہنچے اور کسی دائی کا دودھ نہ پیا تو ان کی بہن نے جو دائیوں کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوئی تھیں آسیہ زوجہ فرعون سے کہنے لگیں کہ میں ایک ایسے خاندان کی عورت کو لا سکتی ہوں جو اس بچّہ کی کفالت کر سکے گی۔ اجازت ملنے پر وہاں سے اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں ساتھ لے گئیں۔ موسیٰؑ نے ان کا دودھ غٹ غٹ پی لیا اور موسیٰؑ کو اُن کی کفالت میں دے دیا گیا اور یوں وعدۂ الٰہی پورا ہوا۔

فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا ان فرعون و
هامن وجنودهما كانوا خطئين ⑧ وقالت امرات فرعون قرت
عين لي ولك لا تقتلوه عسى ان ينفعنا او نتخذه ولدا وهم
لا يشعرون ⑨ واصبح فؤاد ام موسى فرغا ان كادت لتبدي
به لولا ان ربطنا على قلبها لتكون من المؤمنين ⑩

(جب وہ صندوق بہتا بہتا فرعون کے قریب پہنچا) تو فرعون کے لوگوں نے اُسے اُٹھا لیا تاکہ یہی ایک دن اُن کا دشمن اور اُن کے رنج کا باعث بنے۔ بے شک فرعون و ہامان اور اُن دونوں کے لشکر غلطی پر تھے (جب موسیٰ محل میں لائے گئے تو) فرعون کی بی بی آسیہ اپنے شوہر سے کہنے لگی، یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کیا عجب ہے کہ یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ اُنہیں خبر نہ تھی (کہ اسی کے ہاتھوں سے برباد ہونا ہے)۔ (یہاں تو یہ ہو رہا تھا) اُدھر موسیٰ کی ماں کا دل ایسا بے چین ہو گیا کہ اگر ہم اسے مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتی (ہم نے اسے ڈھارس دی کہ) وہ ہمارے وعدہ کا یقین رکھے۔

وقالت لاخته قصيه فبصرت به عن جنب وهم لا يشعرون ⑪
وحرمنا عليه المراضع من قبل فقالت هل ادلكم على اهل
بيت يكفلونه لكم وهم له نصحون ⑫ فرددنه الى امه كي
تقر عينها ولا تحزن ولتعلم ان وعد الله حق ولكن اكثرهم
لا يعلمون ⑬ ع

اور حضرت موسیٰ کی ماں نے موسیٰ کی بہن کو کہا تم اس کے پیچھے پیچھے لگ جاؤ۔ وہ دُور سے دیکھتی رہی اُن لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ ہم نے پہلے ہی سے دائیوں کا دودھ موسیٰ پر حرام کر دیا تھا۔ موسیٰ کی بہن نے کہا کیا میں تمہیں ایک ایسا شریف) خاندان بتاؤں کہ وہ تمہاری خاطر سے اس بچّہ کی پرورش کر دے اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔ (اس ترکیب سے) ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں تک پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے اور رنج نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کا وعدہ بالکل ٹھیک ہے مگر اُن میں سے اکثر نہیں جانتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کی بہن دائیوں کے ساتھ محل میں داخل ہو گئیں۔ وہاں یہ صورت پیش آئی کہ موسیٰؑ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ ہی نہ لگایا۔ تب حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا اگر آپ کہیں تو میں شریف خاندان کی ایک ایسی عورت کو بُلا لاؤں جو اس بچّہ

کی اچھی طرح پرورش کرے۔ چنانچہ اجازت ملنے پر اپنی ماں کو بُلا لائیں اور جب اُنھوں نے موسیٰؑ کو گود میں لے کر چھاتی منہ میں دی تو اُنھوں نے بے تامّل دُودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کو بڑا تعجب ہوا، پوچھا تو کون ہے اور اس لڑکے نے تیرا ہی دودھ کیوں پیا۔ اُنھوں نے کہا میں ایک شریف خاندان کی عورت ہوں۔ صاف ستھری رہتی ہوں اور میرا دودھ صاف ستھرا ہے۔ غرض اس طرح موسیٰؑ کی پرورش ماں کی آغوش میں ہوئی۔ روز صبح و شام جاکر دُودھ پلا آتیں۔

اس قصہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خدا فرماتا ہے ہم نے کافرہ دائیوں کا دودھ موسیٰؑ پر حرام کر دیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ نبی نہ کافرہ عورت کے بطن سے پیدا ہوتا ہے اور نہ کافرہ عورت کا دودھ پیتا ہے۔ پس کس قدر غلط ہے یہ کہنا کہ حلیمہؓ اور ثویبہؓ کنیزِ ابولہب جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دودھ پلایا کافرہ تھیں۔ بھلا جس خدا نے موسیٰؑ کو اس نجاست سے بچا لیا وہ بھلا اپنے حبیبؐ کو کیوں نہ بچاتا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ
فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ
الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ
قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

جب موسیٰؑ اپنی جوانی کو پہنچے اور ان کے اعضا مضبوط ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ایک دن موسیٰ شہر میں ایسے وقت آئے کہ وہاں کے لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے آپ نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں ایک ان کی قوم (بنی اسرائیل) کا ہے اور دوسرا ان کی دشمن قوم کا ہے۔ پس اُس شخص نے جو موسیٰ کی قوم کا تھا اُس شخص پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے جو اُن کا دشمن تھا موسیٰ سے مدد مانگی۔ موسیٰ نے اس (قبطی) کے ایک گھونسہ مارا، وُہ مر گیا پھر (دل میں) کہنے لگے کہ یہ شیطان کا کام تھا۔ بے شک شیطان کُھلم کُھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ جوانی تک حضرت موسیٰؑ محلِ فرعون میں رہے۔ گاہے گاہے شہر میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن علی الصبح جبکہ لوگ پڑے سو رہے تھے شہر کی کسی سڑک پر سے گزرے۔

۲۔ خدا نے ان کو دو چیزیں عطا فرمائیں (جبکہ بدن میں خوب طاقت آگئی) ایک حکمت (دانشمندی) دوسرے علم۔ یہ ثبوت ہے اس کا کہ انبیاء کو علم و فہم خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے وہ دُنیا میں کسی سے سیکھنے کے محتاج نہیں ہوتے۔

۳۔ جن دو شخصوں کو لڑتے دیکھا تھا ایک ان میں سے قبطی (شاہی خاندان کا آدمی) تھا اور دوسرا موسیٰؑ کے خاندان بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لکڑ ہارا تھا۔ لکڑیاں چُن کر بیچنے کے لیے شہر کو جا رہا تھا قبطی اس سے بزبردستی چھین لینا چاہتا تھا۔

۴۔ یہ اسرائیلی ان کا شیعہ تھا۔ شیعہ کے معنی پیرو کے ہیں۔ اس کو موسیٰؑ کا پیرو کیسے کہا گیا جبکہ موسیٰؑ نے پہلی ہی بار اس کو دیکھا تھا۔ یہ معلوم ہوا یہاں مراد اس ملت و مذہب کا پیرو ہے جس پر موسیٰؑ تھے۔

۵۔ لفظ شیعہ ہی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے۔ باقی جو ۷۲ فرقے اس کے علاوہ اسلام میں پیدا ہوئے ان کے ناموں سے کسی نام کو بھی قرآن کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

۶۔ معلوم ہوا کہ پیغمبروں کی راہ پر چلنے والے کو شیعہ کہتے ہیں۔

۷۔ اسرائیلی نے یہ کیسے جانا کہ یہ اجنبی (موسیٰؑ) اس کی مدد کرے گا۔ جواب یہ ہے کہ قبطیوں اور اسرائیلیوں کی شکل و صورت میں نمایاں فرق تھا چونکہ حضرت موسیٰؑ کی صورت قبطیوں سے بالکل الگ اور اسرائیلیوں سے ملتی جلتی تھی لہٰذا اس نے ان سے فریاد کی۔

۸۔ موسیٰؑ نے ایک بے گناہ کو قتل کیوں کیا اس سے تو بہت بڑے گناہ کا کرنا ان سے لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قتلِ عمد نہ تھا نہ تو ایک گھونسے سے کوئی مر ہی جاتا ہے نہ موسیٰؑ نے یہ گھونسہ قتل کے ارادہ سے مارا تھا۔ اتفاقی بات تھی کہ وہ مر گیا۔ دوسرے قبطی کافر تھا اگر عمداً بھی اسے مار دیتے تو گناہ نہ تھا۔

۹۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اپنی زبان سے اس کا اقرار تھا کہ اُنھوں نے ایک شیطانی کام کیا۔ حالانکہ انبیاء کا کوئی عمل شیطان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ تو من المہد الی اللحد معصوم ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ موسیٰؑ نے اپنے عمل کے متعلق نہیں کہا تھا بلکہ اس قبطی کے عمل کے متعلق کہا تھا جو زبردستی ایک غریب آدمی سے لکڑیاں چھین لینی چاہتا تھا۔

۱۰۔ اس وقت کے متعلق جب موسیٰؑ وہاں پہنچے تھے اختلاف ہے۔ بعض نے صبح کا وقت لکھا ہے بعض نے گرمیوں کی دوپہر کا جبکہ عموماً لوگ سو جاتے ہیں۔ بہرحال جو وقت بھی ہو سڑکیں اس وقت سنسان تھیں۔

۱۱۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی محلات عام آبادی سے باہر تھے۔

~~~
~~~

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِیْمُ (١٦) قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ (١٧)
فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ
یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ (١٨) فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ
یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا
تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ (١٩)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا (کہ اس شہر میں آیا)، پس تو مجھے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ، پس خدا نے پوشیدہ رکھا۔ بے شک خدا بڑا پردہ پوش اور مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار، تو نے مجھ پر احسان کیا ہے تو میں بھی کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ ہوں گا (خیر وہ رات تو جیسے تیسے گزری) صبح ہوتے ہی امید و بیم کی حالت میں پھر شہر گئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی آج پھر فریاد کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تو تو کھلا ہوا لغو آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جب انہوں نے چاہا کہ اس شخص پر جو دونوں کا دشمن تھا چھڑانے کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو اس قبطی نے کہا اے موسیٰ جس طرح کل تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتے ہو تم تو یہ چاہتے ہو کہ روئے زمین پر تم ہی سرکش بن کر رہو اور مصلح قوم بن کر رہنا چاہتے ہی نہیں۔

ان آیات کے متعلق بھی چند اعتراضات پیدا ہوتے ہیں:
١۔ جب موسیٰؑ نے گناہ نہیں کیا تھا تو اس کا اقرار کیوں کیا اور خدا سے مغفرت کیوں چاہی۔ جواب یہ ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ میں شہر میں کیوں آیا تھا کہ اس قتل کا باعث ہوا۔ خواہ مخواہ شہر والوں کو اپنا دشمن بنالیا۔ رہا یہ فرمانا، فاغفر لی تو غفر کے معنی عربی زبان میں پوشیدہ کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے میرے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ پر قابو پاکر مجھے قتل کر ڈالیں۔
٢۔ جب موسیٰؑ ایک دن پہلے قتل کر چکے تھے تو پھر شہر میں کیوں آئے۔ جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ پھر محلِ فرعون میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ خوف تھا کہ اگر اسے قتل کی خبر مل گئی تو مجھے قتل کر ڈالے گا یا کوئی اور سزا دے گا اور امید یہ تھی کہ شاید میں مصر سے نکل جانے کا راستہ پالوں۔
٣۔ اس قبطی کو ان کا نام کیسے معلوم ہوا۔ جواب یہ ہے کہ قتل کے بعد شہر میں چرچا شروع ہوا۔ لوگوں نے قیاس آرائی کی کہ ہو نہ ہو یہ موسیٰؑ ہوں گے کیونکہ قبطیوں سے ان کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ دوسرے ممکن ہے کہ اُس نے ان کا نام لے کر اپنی مدد کو بلایا ہو۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ؗ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ
بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ (٢٠) فَخَرَجَ مِنْهَا
خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (٢١) ع ٢ ٨ ٥

ایک شخص شہر کے آخری حصہ سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ، سردارانِ قوم تمہارے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں پس تم شہر سے (جلد از جلد) نکل جاؤ، میں تمہارے نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں پس موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں نکلے اور خدا سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔

یہ شخص حزقیل مومن آلِ فرعون وہی ہے جس نے صندوقِ موسیٰؑ بنایا تھا۔ اس سے پہلے اس کا حال بیان ہو چکا۔ یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے تھا مگر چھپا رہا۔ حضرت موسیٰؑ یہ خبر سن کر امید و بیم کی حالت میں چل کھڑے ہوئے اور دعا کرتے جاتے تھے کہ اے میرے رب مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔
صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں۔ مومن آلِ فرعون جو حضرت موسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور صاحب آل یٰسین جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور علی ابن ابی طالب جو حضرت رسولِ خدا پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور علیؑ ان سب سے افضل ہیں۔

~ ~ ~

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾
وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ
مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى
يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ سکتہ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ
فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا
تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ
لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ وقفۃ نَجَوْتَ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

جب مدین کی طرف چلے تو کہتے جاتے تھے عنقریب خدا مجھے صحیح راستہ کی طرف لے جائے گا۔ جب مدین کے کنوئیں پر پہنچے (جو شہر سے باہر تھا) تو دیکھا کنوئیں پر لوگوں کی بھیڑ ہے وہ (اپنے اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے پیچھے دو عورتوں (حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں) کو دیکھا کہ وہ (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے پوچھا، تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ کہنے لگیں جب تک سب چرواہے (اپنے جانوروں کو) پانی پلا کر چلے نہ جائیں گے ہم نہیں پلا سکتے اور ہمارے باپ بوڑھے ہیں (خود نہیں آسکتے) موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر چھاؤں میں جا بیٹھے (چونکہ بہت بھوکے تھے) دُعا کی میرے پروردگار، اس وقت جو نعمت تیرے پاس ہے بھیج دے، میں اس کا سخت حاجتمند ہوں۔ اتنے میں ان دو میں سے ایک عورت شرمیلی چال سے آئی اور موسیٰ سے کہنے لگی میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اُس کی مزدوری دیں۔ غرض جب موسیٰ اُن کے پاس آئے اور اُن سے

اپنا قصہ بیان کیا تو انہوں نے کہا اب تم کچھ اندیشہ نہ کرو تم نے ظالم لوگوں کے ہاتھ سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰؑ مدین کو پیادہ پا روانہ ہوئے تھے کٹھن منزلیں طے کر کے آ رہے تھے۔ راستہ میں کہیں کھانا نہ ملا۔ درختوں کے پتّے کھا کھا کر بسر کی تو مدین پہنچنے پر ان کا بھوک سے بُرا حال تھا۔ بدن کی کھال پر سبزی جھلک آئی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کی مدد سے پہلوتہی نہ کی۔ یہ کام انبیاء کے سوا دوسرا نہیں کر سکتا۔ پھر سوائے خدا کسی سے کھانے کی درخواست نہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا صبر و ضبط انہی کے ساتھ تھا۔
حضرت شعیبؑ نے یہ سنتے ہی کہ ایک اجنبی شخص نے ان پر احسان کیا ہے فوراً ان کو بلا بھیجا تاکہ اس خدمت کا اجر ان کو دیں۔
مدین مصر کی حکومت سے خارج تھا اس لیے شعیبؑ نے کہا کہ اب تم کو ظالموں سے نجات مل گئی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ
تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ
اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ
بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

اُن لڑکیوں میں سے ایک نے کہا، ابّا جان ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ آپ جس کو بھی نوکر رکھیں سب میں بہتر وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔ حضرت شعیب نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہارا اس (مہر) پر نکاح کر دوں کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو اور اگر تم دس برس پورے کر دو تو تمہارا احسان، میں تم کو محنتِ شاقہ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھے نیکوکار آدمی پاؤ گے

موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی پوری کر دوں۔ (مجھے اختیار ہے) پھر مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں خدا اس پر گواہ ہے۔

حضرت موسیٰؑ جب مدین پہنچے تھے تو پہلے تو اُن پر تکان غالب تھی دوسرے بھوکے تھے تیسرے قیام کرنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جب شعیبؑ کی صاحبزادی نے آکر کہا کہ ہمارے باپ بلاتے ہیں تو انہوں نے وہاں جانا غنیمت جانا۔ لڑکی نے آگے چلنا چاہا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، تم میرے پیچھے چلو اور پیچھے سے ہی راستہ بتاتی جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ میں نامحرم ہوں تمہارے جسم پر میری نظر نہ پڑے۔

جناب شعیبؑ نے جب موسیٰؑ کے حالات سُنے تو یقین ہو گیا کہ یہ مرد شریف اور حیادار ہے اور طاقتور بھی ہے پھر سوچا، اگر اس کو بطور مہمان رکھتا ہوں تو جوان لڑکیاں گھر میں ہیں اس صورت میں ایک اجنبی کو گھر میں رکھنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ایک لڑکی کا اس سے نکاح کر دوں۔ حضرت شعیبؑ نے اپنے ارادہ کا اظہار کرکے یہ شرط بھی بیان کی کہ آٹھ برس تم کو میری بکریاں چرانی ہوں گی۔ حضرت موسیٰؑ کے لیے اس سے بہتر موقع کیا تھا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں اُن کا کوئی شناسا نہ تھا اور کیا ہو سکتا تھا کہ یہ شرط منظور کر لیں۔ اس کے بعد ان کی پریشانی دُور ہو گئی۔ آپؑ کی بی بی صاحبہ کا نام صفورا تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا جب آپ نے اپنی بکریاں چرانے کا کام میرے سپرد کیا ہے تو مجھے ایک لاٹھی بھی دیجئے تاکہ اس سے درختوں کی پتیاں بھی جھاڑوں اور اگر کوئی درندہ حملہ کرے تو اس سے اس کے حملہ کو رفع کروں۔ جناب شعیبؑ نے بیٹی سے کہا، فلاں عصا اُٹھا لاؤ۔ جب وہ لے کر آئی تو فرمایا یہ نہیں دوسرا لاؤ۔ وہ گئیں اور پھر وہی لے آئیں۔ فرمایا یہ نہیں دوسرا لاؤ۔ وہ گئیں اور پھر وہی لے آئیں۔ انہوں نے غصہ ہو کر کہا میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ یہ نہیں۔ انہوں نے عرض کیا، میں کیا کروں آپ کے جتنے عصا ہیں اُن میں سے جب میں کسی اور کو پکڑنا چاہتی ہوں تو ہر بار میرے ہاتھ میں یہی آجاتا ہے۔ فرمایا، اچھا تو یہی لاؤ۔ اسی وقت حضرت شعیبؑ سمجھے کہ اس شخص میں خدا کی برگزیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ یہی وہ عصا تھا جو اعجازی صورت میں اژدہا بن جاتا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ
قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ
مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ
الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ

اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا
جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ
الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّ
اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی (جو نکاح کی شرط تھی) تو اب مدین سے اپنی بی بی کو لے کر چلے (تو اندھیری رات تھی کہ وادیٔ طور میں پہنچے سردی کا موسم تھا کہ بی بی صفورا کو دردِ زہ عارض ہوا) کوہِ طور کی طرف آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) تاکہ وہاں سے راستہ کی خبر لاؤں (کہ کدھر جانا ہے) یا آگ کا کوئی انگارہ لیتا آؤں کہ تم لوگ تاپو۔ جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو وادی کی داہنی جانب سے اس مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی، اے موسیٰ میں رب العالمین اللہ ہوں اور اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ (جب ڈال دیا) تو دیکھا وہ تو ایک اژدھے کی طرح بل کھا رہا ہے تو منہ پھیر کے بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ (آواز آئی) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو نہیں تم ہر طرح سے امن و امان میں ہو اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید براق نکلے گا اور خوف کی وجہ سے اپنے بازو اپنی طرف سمیٹ لو (تاکہ خوف جاتا رہے) یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری نبوت کی دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے۔ یہ بدکار لوگ بن گئے ہیں۔

جب حضرت موسیٰؑ نے سسرال میں بجائے آٹھ سال دس سال پورے کر دیئے تو اب وطن کی طرف مراجعت کا خیال پیدا ہوا۔ بی بی بچوں کو ساتھ لے کر چل پڑے پا پیادہ۔ مصر کے اس راستہ میں طور بھی پڑتا تھا۔ جب اس کے اپنی طرف پہنچے تو سردی کا موسم تھا۔ اور اندھیری رات ایک درخت کے نیچے بال بچوں کو بٹھا کر کہا میں آگ دیکھ رہا ہوں وہاں جا کر پتہ لگاتا ہوں کہ کس راستہ سے ہمیں جانا ہے اور وہاں سے ایک انگارہ بھی تم لوگوں کے لیے لیتا آؤں گا تاکہ تاپو۔ وہاں جس درخت سے آگ نکلتی دیکھی تھی وہ جل نہیں رہا تھا بلکہ خدا کا پیدا کردہ نور اس پر چھایا ہوا تھا

بہرحال جب موسیٰؑ اس مبارک سرزمین تک پہنچ گئے تو آواز آئی میں رب العالمین خدا ہوں۔ پھر حکم ہوا اپنا عصا زمین پر ڈالو، جب ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا۔ یہ قصہ ہم سورۂ نمل میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ جو کہا گیا کہ اپنے دونوں ہاتھ بغلوں میں دے لو تو یہ خوف دور کرنے کے لیے کہا گیا۔ انسان کی یہ فطری خصوصیت ہے کہ خوف یا سردی کے وقت جب انسان بغلوں میں ہاتھ دے لیتا ہے تو سردی یا خوف کم ہو جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي هَارُونُ
هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ
يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا
يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ ﴿۳۵﴾

(حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا تو) کہنے لگے اے میرے رب، میں نے ان میں (قبطیوں میں) سے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ (اس کے بدلے میں وہ) مجھے قتل کر دیں گے۔ میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح ہے بطور مددگار میرے ساتھ بھیج۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے ضرور جھٹلائیں گے۔ خدا نے فرمایا ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی سے مضبوط بنا دیں گے اور ہم اپنی نشانیوں (عصا و ید بیضا) کے ذریعہ سے ایسا غلبہ تم کو عطا کریں گے کہ وہ تم دونوں کے قریب تک نہ آسکیں گے۔ تم دونوں اور جو تمہارے ساتھ ہوں گے وہ غالب آکر رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا خوف بیجا نہ تھا۔ مقابلہ کسی چھٹیر آدمی سے نہ تھا کسی سردار قوم سے نہ تھا بلکہ ایک ایسے بادشاہ سے تھا جس کا رعب تمام ملک پر چھایا ہوا تھا۔ جس کے قبضہ میں بڑے بڑے لشکر تھے چھلکتے خزانے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک تن تنہا کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے اس لیے مدد مانگی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا مدد مانگی، کوئی لشکر نہیں مانگا، دس بیس آدمی نہیں مانگے، مانگا تو ایک اپنے بھروسہ کا آدمی جس کے متعلق وہ خوب جانتے تھے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت یہ کسی حالت میں بھی مجھے تنہا چھوڑ کر نہ بھاگے گا کیونکہ میرا بھائی ہے میرا قوتِ بازو ہے۔ "جگر جگر است دگر دگر است"۔ دوسرے میں ہکلا ہوں وہ صاف بولتا ہے۔ فرعون کے سامنے جا کر

زوردار تقریر کر سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ میں کام انہی لوگوں سے چلتا ہے جو اپنے سردار سے پُرخلوص محبت رکھتے ہوں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑنے والے ہوں۔ جیسے کہ حضرت علی علیہ السلام تھے، جن کی منزلت آنحضرتؐ کے نزدیک وہی تھی جو ہارونؑ کی منزلت موسیٰؑ کے نزدیک تھی۔ حضرت علیؑ ہر وقت حضورؐ کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ ہر خوفناک سے خوفناک موقع پر رسولؐ کا ساتھ دیا۔ اپنی جان اُنؐ کے قدموں پر چھڑکتے رہے۔

الغرض خدا نے اس وعدہ کے ساتھ موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا کہ تم ذرا نہ ڈرو کسی کی طاقت نہیں کہ تم کو ضرر پہنچا سکے۔ ہماری دو نشانیاں تمہارے ساتھ ہیں ان سے کام لو۔ جب خدا اپنے کسی بندہ سے ایسا وعدہ کر لے تو پھر خوف و ہراس سے اس کا کیا تعلق۔ فرعون کی طرف دونوں گئے اور نہایت نڈر اور بیباک ہو کر گئے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى وَمَا
سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ
بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۷﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ
عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ
مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾

الغرض جب موسیٰ ہماری کھلی نشانیاں لے کر (فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس) آئے تو انہوں نے کہا، یہ ہے کیا، جھوٹا جادو ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے ایسی باتیں کبھی سنی بھی نہیں۔ (سب جھوٹ ہے)

موسٰی نے کہا میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور اُسے بھی جانتا ہے جس کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ ظالم تو کبھی کامیاب ہوا نہیں کرتے۔ فرعون نے کہا اے میرے دربار کے سردارو، میں تو اپنے سوا کسی اور کو تمہارا معبود نہیں جانتا (اور موسٰیؑ دوسرے کو خدا بتاتا ہے) پس (اے ہامان) تو میرے لیے مٹی (کی اینٹوں کا) پجاوا سلگادُ (اینٹیں بنانے کی بھٹی)، پھر میرے لیے ایک (اُونچا محل) بنوا دو تاکہ میں (چڑھ کر) موسٰی کے خدا کو دیکھوں کہ (وہ کہاں ہے) میں تو موسٰی کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ فرعون اور اس کے لشکر نے روئے زمین پر ناحق سر اُٹھایا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ہماری طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔

ان آیات کے سلسلہ میں چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے:

۱۔ فرعون کا عقیدہ کیا تھا؟ آیاتِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو خدا نہیں سمجھتا تھا وہ خود بُتوں کی پرستش کرتا تھا۔ بلکہ اس کا دعوٰی یہ تھا کہ میں تم سب کا ربِ اعلٰی ہوں یعنی حاکم علی الاطلاق ہوں۔ میرے سوا کوئی حکومت کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ موسٰی کے متعلق اُس نے اپنے درباریوں سے بھی کہا تھا کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے ہمیں اس ملک سے نکال دے اور ہمارے بجائے اس ملک پر حکومت کرے۔ یہ دعوٰی اُس نے بار بار ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے یہ کون معبود ہے جس کی حکومت میرے سوا موسٰی مصر میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ سمجھوں کہ اس کو کس طاقت کی بنا پر موسٰی مجھ سے حکومت چھین کر دوسرے کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ الٰہ کے معنی وہ حاکمِ علی الاطلاق کے لیتا ہے نہ کہ اس خدا کے جو خالقِ کائنات ہے۔ وہ کبھی اس کا مدعی نہیں ہوا کہ وہ اس دُنیا کا یا کم از کم انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر وہ ایسا دعوٰی کرتا تو کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس دعوٰی کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

م یہ ایک مفسّر کی رائے ہے۔

۲۔ اکثر مفسّرین کی رائے یہی ہے کہ وہ خدائی کا مدعی تھا اور جہاں جہاں اُس نے یہ کہا ہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں وہاں معبُود مراد ہے۔ ربِ اعلٰی کہنے سے اس کی مراد یہ تھی کہ سب کا پرورش کرنے والا میں ہوں۔ فرعون جیسے بے عقل انسان سے ہر قسم کے دعوٰی کی اُمید کی جا سکتی ہے جو ربِ اعلٰی ہونے کا دعوٰی کر سکتا ہے۔ اور رب العالمین کو اللہ ماننے سے انکار کرتا ہو۔ بھلا اس سے خدائی کا دعوٰی کرنا کیا بعید ہے۔ احمق کو اپنے دعوٰی کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

۳۔ قرآن میں جس مینار کے بنانے کا ذکر ہے جس کے اُوپر چڑھ کر خدائے موسٰیؑ کو دیکھے اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ صرف اُس کا خیال تھا۔ اُس نے ایسا چاہا ضرور تھا لیکن بعد میں ایسا ہوا نہیں خواہ اس کی سمجھ میں بات آ گئی ہو یا کسی اور نے سمجھایا ہو کہ اے احمق، موسٰیؑ کا خدا کیا آسمان جمائے ہیں بیٹھا ہے کہ تو

اُسے دیکھ پائے گا۔

۴۔ اکثر مفسّرین کا اس پر اتفاق ہے کہ زرِ کثیر خرچ کر کے اُس نے ایک نہایت بلند مینار بنوایا تھا۔ لیکن اس پر چڑھنے سے پہلے وُہ گر گیا۔ جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے اور بہت سے مکان تباہ ہو گئے۔ یہ سب مال و زر کی زیادتی اور وسعتِ حکومت کے شیطانی کرشمے تھے جو آئے دن دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ دولت کا دباؤ جب عقل پر پڑتا ہے تو اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ شدّاد، نمرود، فرعون وغیرہ اسی احمق دُنیا کے بسنے والے ہیں۔ اور اس صدی میں بھی بہت سے لوگ اس سوسائٹی کے ممبر ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو دھر پکڑا پس دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہوا ہم نے انکو گمراہوں کا امام بنایا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بُلانے والے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی ہم نے دنیا میں بھی تو ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن انکے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور ہم نے موسٰیؑ کو کتاب عطا کی، اس کے بعد کہ ہم نے بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ تمام کتاب لوگوں کے لیے سراپا بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

دُنیا میں دو قسم کے امام پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو لوگوں کو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ دوسرے وہ جو جنت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ائمہ نار کو جو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے یعنی ہم نے اُن کو بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن اسباب کی بنا پر وہ سرکش بنے وہ ہمارے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اُنہوں نے ان اسباب اور ذرائع کا غلط استعمال کیا اس لیے وہ ہمارے نافرمان بندے قرار پائے۔ انہیں سوچنا چاہیئے تھا کہ جس نے یہ قوتیں ہم کو دی ہیں اس پر

ایمان لانا چاہیئے نہ یہ کہ اس کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کریں۔ نتیجہ ان کی بغاوت کا یہ ہوا کہ قیامت میں کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا اور دُنیا میں قیامت تک ان پر پھٹکار برسے گی۔ موسیٰؑ تو بعد میں آئے ہیں اُن سے پہلے قوم نوحؑ، قوم عادؑ و ثمودؑ اور قوم شعیبؑ پر کیسے کیسے ہم نے عذاب نازل کیے۔ یہ شیطان کے مجرمانہ کردار کی سزا تھی۔ پھر ہم نے رحم کھا کر بعد والی قوموں کے لیے کتاب توریتؔ نازل کی کہ شاید یہ لوگ پہلے لوگوں کے حال سے نصیحت حاصل کریں۔

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾

(اے رسولؐ) جس وقت ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا تھا تو تم طُور کی مغربی جانب موجود نہ تھے اور نہ تم ان واقعات کو بچشم خود دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی اُمتیں پیدا کیں پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (تاکہ تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو تم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی تھی (تاکہ تم دیکھتے) مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا ڈراؤ تاکہ وہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اگر یہ نہ ہوتا کہ جب اُن پر اُن کے اگلے کرتوتوں کی بدولت کوئی مصیبت پڑتی، تو

(بے ساختہ) کہہ اُٹھتے کہ پروردگارا تُو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہ بھیجا کہ ہم تیرے حکموں پر چلتے اور ایمانداروں میں سے ہوتے۔

یہ آیات آنحضرتؐ کی نبوتؐ کی تصدیق میں نازل ہوئی ہیں یعنی اے رسول تم لوگوں کے سامنے وہ واقعات بیان کر رہے ہو جو تم سے دو ہزار برس پہلے ہو چکے ہیں تو کیا یہ تمہاری نبوت کی تصدیق کے لیے کافی نہیں۔ تم نہ وہاں موجود تھے نہ تم نے اُن کے حالات کے بارے میں کوئی کتاب پڑھی تھی۔ تو پھر بغیر ہمارے بتائے تم کیسے بیان کر رہے ہو۔ موسیٰؑ کے واقعات، اہلِ مدین کے واقعات اور سچے واقعات۔ اگر تم نبی نہ ہوتے تو بھلا کیسے بیان کر سکتے تھے۔ کتنی قومیں تم سے پہلے اس دُنیا میں آئیں اور گزر گئیں۔ کتنے انبیاء و مرسلین ان میں ہدایت کے لیے آئے اور گزر گئے۔ تم ان کے حالات جو بیان کر رہے ہو تو کیا یہ تمہاری نبوت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ چھ سو برس تک کوئی نبی نہ آیا۔ ہم نے پھر تم کو اپنی رحمت بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو روزِ قیامت یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ جب کوئی ہادی ہمارے پاس آیا ہی نہ تھا تو پھر ہم سے باز پرس کیوں ہے اگر آتا تو ہم ضرور مومن ہی ہوتے۔ یہ زمانہ جو انبیاء سے خالی رہا جس کو زمانۂ "فترت" کہتے ہیں اس مصلحت پر مبنی تھا کہ لوگ نبی کی ضرورت کا احساس کریں اس زمانۂ فترت سے پہلے تک ہوتا یہ رہا کہ انبیاء و مرسلین آتے رہے اور لوگ ان کو جھٹلاتے رہے بلکہ ان کو قتل کرتے رہے لہٰذا ہم نے ان کی تمام آمد روک دی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انبیاء کی آمد رُک جانے سے ان کو کتنا نقصان پہنچا۔ چند سو برس کے اندر دُنیا بھر کی بُرائیاں ان کے اندر اس تیزی سے آئیں کہ نیکی کا نام تک بھول گئے۔ اخلاقی، معاشی اور تمدنی غرض ان کے ہر طریقہ زندگی میں کیڑے پڑ گئے۔ رات دن کی جنگ و پیکار نے ان کے امن و امان کا خاتمہ کر دیا۔ زنا کاری، لوٹ مار، سود خواری، ظلم پسندی، ریاکاری، معاشقت، آبروریزی غرض کونسی بُرائی تھی جو اُن کے اندر نہ پائی جاتی تھی۔ اُن کا نظامِ حیات کسی قانون کا پابند نہ تھا۔ وہ جذبات سے کھیلتے اور ہوا و ہوس سے دل بہلاتے تھے۔ وہ شکل و صورت میں انسان تھے مگر سیرت میں حیوان بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ قبائل کی باہمی دشمنی نے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر تین سو ساٹھ بتوں کے پرستار بنے ہوئے تھے۔ ہر نعمت کی قدر چونکہ بعد زوال ہوتی ہے اس لیے اب احساس ہوا کہ انبیاء کے نہ آنے سے انکو کتنا سخت نقصان پہنچا ہے۔ جو پیشگوئیاں نبی آخر الزماںؐ کے متعلق سنتے تھے اب شدت سے اس نبی کے آنے کی گھڑیاں گننے لگے۔ اگر حضورؐ نہ آتے تو اُن کی ہدایت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی غلطی کا احساس بہت جلد انہیں ہونے لگا اور دینِ اسلام نے اُن کا بیڑا غرق ہونے سے بچا لیا۔

خدا یہی سب باتیں اپنے رسولؐ کو بتا رہا ہے اور انؐ کے مخالفین کو سمجھا رہا ہے۔

خدا نے آخر میں ایک ایسا نبیؐ بھیجا جس کی شریعت ہر طریقہ سے کامل ہے اب قیامت تک کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ دین و دُنیا کی تمام ضروریات کو مکمل طور سے سمجھا دیا گیا ہے اور اس کی تعلیم کو تمام ارضی خطوں میں پھیلا دیا گیا۔ پوری طرح اشاعت کر دی گئی۔ اور نورِ ہدیٰ کی تابشوں کے لیے ہر زمانہ کے لیے امام مقرر کر دیا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ
اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۫
وَقَالُوْآ اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى
مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ
اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى
مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ ع ۸
الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ
هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب ہماری بارگاہ سے دینِ حق ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے جیسے (معجزے) موسٰی کو عطا ہوئے تھے ویسے ہی اس رسول کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ کیا جو معجزے اس سے پہلے موسٰی کو دیئے گئے تھے اُن سے اُن لوگوں نے انکار نہیں کیا تھا۔ کفّار تو یہ بھی کہہ گزرے کہ یہ دونوں (توریت و قرآن) جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو گئے ہیں اور یہ بھی کہہ چکے ہم تو سب کے منکر ہیں (اے رسول) تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کی طرف سے بنا کر ایک ایسی کتاب جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو لے آؤ کہ میں بھی اس پر چلوں۔ پس اگر یہ لوگ اس پر بھی نہ مانیں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں اور جو شخص خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرے تو اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ بے شک خدا سرکش لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور ہم نصیحتاً اپنے لگاتار احکام بھیج کر ان کو نصیحت کرتے رہے ہیں کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا کی ہے وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

کفارِ قریش کا یہ اعتراض آنحضرتؐ پر تھا کہ اُن کو وہ تمام معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو حضرت موسٰیؑ کو دیئے گئے تھے جیسے عصا کا سانپ بننا، ہاتھ کا روشن ہونا، پتھروں سے پانی کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔ اُن سے جواباً کہا جا رہا ہے کہ تمہارے باپ دادا نے باوجود ان سب معجزات کے موسٰیؑ کی رسالت سے کیوں انکار کیا تھا۔ تم کہتے ہو کہ توریت و قرآن یہ دونوں جادو کی کتابیں ہیں۔ اچھا اگر تم سچے ہو تو ان کے علاوہ کوئی اور خدا کی ایسی کتاب پیش کرو جو ان سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو۔ یہ کیا جواب دے سکتے ہیں، یہ لوگ تو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے دل میں آتا ہے زبان سے بک دیتے ہیں نہ سوچتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ ان سے زیادہ گمراہ اور کون ہوگا جو خدا کی ہدایات کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم تو لگاتار اپنی ہدایات بھیجتے ہی جاتے ہیں تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی تھی ان میں سے بعض لوگ قرآن پر ایمان بھی لے آتے ہیں۔ اس آیت سے مراد وہ نصارٰی ہیں جو حضرت رسولِ خدا پر ایمان لائے تھے ان میں سے ۳۲ آدمی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ شام سے۔ بحیرا۔ ابراہیم۔ اشرف۔ عامر۔ ایمن۔ ادریس۔ نافع۔ تمیم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو عیسائی مذہب کو چھوڑ کر داخلِ اسلام ہوئے تھے جو ۳۲ آدمی حضرت جعفر کے ساتھ آئے تھے وہ اس کا ثبوت ہیں کہ بادشاہ حبشہ نبی اکرمؐ پر ایمان لا چکا تھا ورنہ وہ یہ سُن کر کہ ۳۲ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں جعفرؓ کی گردن مار دیتا اور جو مسلمان وہاں تھے اُن سب کو قتل کرا دیتا۔

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ
قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا
سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں یہ ہمارے رب کی

طرف سے بالکل حق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی اُسے مانتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کی دوہری جزا دی جائے گی۔ چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا اور بدی کا دفعیہ نیکی سے کرتے رہے اور جو رزق ہم نے دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، سلامٌ علیکم۔ ہم جاہلوں کی صحبت کے خواہشمند نہیں۔

بعض مفسرین نے ان ایمان لانے والوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا کی بعثت کی خبر اطراف و جوانب میں پھیلی تو حبش کے عیسائیوں نے تحقیقِ حال کے لیے ایک وفد بھیجا جس میں ۳۰ آدمی تھے۔ جب یہ وفد مکہ آیا اور حضور سرورِ دو عالمؐ سے ملا، بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپؐ نے اُن کے سامنے قرآن پڑھا تو اُن پر وجد طاری ہوا اور اس کی صداقت کی تصدیق کی اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے آپؐ سے چند سوالات کیے، جن کے جوابات سن کر رسولؐ کی حقانیت کا اُن پر اور زیادہ اثر ہوا۔ پھر حضورؐ نے اُن کو دعوتِ اسلام دی۔ اُنہوں نے اسلام قبول کیا۔ جب واپس جانے لگے تو ابوجہل وغیرہ نے ان کو راستہ میں جا لیا اور کہا تم نے یہ کیا کیا۔ تم تو اسلام کی تحقیق کرنے کے لیے آئے تھے کہ ٹھیک ٹھیک حال جا کر بیان کرو۔ نہ یہ کہ تم اپنا قدیمی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اُنہوں نے کہا، بس تمہیں ہمارا سلام، ہم ایسی جہالت کی باتوں میں نہیں آ سکتے۔ تمہارا دین تمہارے لیے ہمارا دین ہمارے لیے ہے۔ ہم اس سے پہلے ہی انبیاء کے دین پر ایمان لائے ہوئے تھے اب جو ہم نے قرآن کو اس کے مطابق پایا تو اس رسولؐ پر ایمان لے آئے۔

قرآن کہتا ہے ان لوگوں کو دُہرا اجر ملے گا۔ پہلی کتابوں پر بھی ایمان لانے کا اور اس کتاب پر بھی۔ اُنہوں نے لغو مکالموں کو سننا گوارا نہ کیا اور صاف کہہ دیا ہم پہلے بھی خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے اور اس کے فرمانبردار بندے تھے اور اب بھی ہیں۔ ہم تمہارے بہکانے میں نہیں آ سکتے پس تمہیں دُور سے سلام۔ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ ہم تمہاری صحبت میں ایک منٹ رہنا گوارا نہیں کرتے۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶

(اے رسول) تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے لیکن اللہ جسے چاہے منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا

ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے چونکہ ابوطالب نے حضرتؐ کو پرورش کیا تھا اس لیے آپؐ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ابوطالب مسلمان تھے اور مسلمان ہی مرے۔ جس کے بے شمار ثبوت ہیں۔

ہدایت کے دو معنی ہیں اوّل ارائۃ الطریق یعنی راستہ دکھانا رسول کا یہی کام ہے کہ وہ گمراہوں کو سیدھا راستہ دکھا دیں نہ کہ اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں۔ ایسا ہوتا تو سب کافر مسلمان ہو جاتے۔ دوسرے معنی ہیں ایصال الی المطلوب یعنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا یہ کام خدا کا ہے۔ پس مذکورہ بالا آیت میں ہدایت کے یہی دو معنی ظاہر کیے گئے ہیں، یعنی اے رسول تمہارا کام راستہ دکھانا ہے اور ہمارا کام منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ اس کا ابوطالب سے کیا تعلق۔ ابوطالب چونکہ حضرت علیؑ کے باپ تھے۔ لہٰذا لوگوں کو ہمیشہ یہ کد رہی کہ ابوطالب کا کافر ہونا ثابت کر دیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ابوطالب کے گھر والے کہتے ہیں وہ مؤمن تھے اور باہر والے کہتے ہیں وہ کافر تھے۔ حالانکہ گھر والوں کا حال سب سے زیادہ گھر والے ہی جانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند باتوں پر غور کیجیے:

۱۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو حضرت علیؑ خانہ کعبہ میں ہرگز پیدا نہ ہوتے۔ ایک کافر بچہ کو جو کفر کے نجس نطفہ سے پیدا ہونے والا ہو خدا اپنے گھر میں اس کا پیدا ہونا کیونکر گوارا کر لیتا۔

۲۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو خدا اپنے رسولؐ کو ان کی پرورش میں دینا کیوں منظور کر لیتا۔ کیونکہ کافر کی تربیت میں رہ کر جو بچہ نشو و نما پائے گا اس میں لامحالہ کافر ہی کے عادات و خصائل ہوں گے۔

۳۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو کبھی حضورؐ سے ان کو اتنی محبت نہ ہوتی کہ ان کی وجہ سے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے اور اپنی قوم سے سخت عداوت مول لیتے۔ شعب ابی طالب میں تین سال جس مصیبت میں کاٹے وہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب مؤمن تھے، ورنہ کفر و ایمان میں اتنی شدید محبت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو اپنے بیٹے علیؑ کو رسولؐ کی پرورش میں نہ دیتے اور جب علیؑ کو ان کے نقشِ قدم پر چلتا دیکھتے تو اس کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ اس کی اولاد اس کے دین کے خلاف ہو کر زندگی بسر کرے۔

۵۔ اگر عبداللہ پدرِ آنحضرتؐ اور ابوطالب دونوں سگے بھائی تھے ایک ماں سے تھے ایک ہی آغوش میں، تو کیسے ممکن تھا کہ ایک بھائی کافر رہے اور ایک مؤمن۔ یہ تو مسلّم ہے کہ فاطمہ بنت اسد مومنہ تھیں ورنہ رسولؐ اپنی قمیص کا کفن نہ دیتے اور قبر میں ان کو نہ اتارتے اور ان کو قبر میں تلقین نہ کرتے۔ ان کو امّی بعد امّی نہ کہتے۔ کیونکہ مؤمن و کافر میں رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ مسلمان حضرت عبداللہ کے متعلق یہ بحث کبھی نہیں چھیڑتے معرضِ بحث میں جب آتا ہے ایمانِ ابوطالبؑ۔ صرف اس لیے کہ وہ حضرت علیؑ کے باپ تھے۔

۶- جامع الاصول میں ہے اهل البیت یقولون انّ اباطالب کان مسلماً و مات مسلماً -
(اہلِ بیت کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو طالب مسلمان تھے اور مسلمان مرے)-

۷- محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے، آپ کا نقشِ نگیں یہ تھا، رضیت باللہ ربّاً و بابن اخی نبیّاً و بابنی علی وصیّاً - (میں اللہ کے پروردگار ہونے اور اپنے بھتیجے کے نبی اور اپنے بیٹے کے وصی ہونے کو پسند کرتا ہوں -

۸- حضرت ابو طالب نے آنحضرتؐ کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں وہ ایک کافر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے وہ اس کی دلیل ہیں کہ آپ مومن تھے حضورؐ کا نکاح جناب ابو طالب نے پڑھایا جو الحمد للہ الّذی سے شروع ہوتا ہے

وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّن
لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا
فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ
الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾

(اے رسول کفارِ مکہ) تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ دینِ حق کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے (یہ کیا بکتے ہیں) کیا ہم نے انہیں حرم مکہ میں جہاں ہر طرح کا امن ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل ہماری بارگاہ سے ان کے لیے کھچے چلے آتے ہیں مگر بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور ہم نے تو بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں جن میں بڑی اترا ہٹ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے (دیکھو) یہ ان کے اُجڑے ہوئے گھر ہیں جو اُن کے لیے پھر آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم - آخر ہم ہی اُن کے مال و اسباب کے وارث تھے -

قبیلہ قریش کو تمام اقوامِ عرب میں بہت سی امتیازی خصوصیات حاصل تھیں - اوّل تو یہ کہ ان کو نسبی شرافت

حاصل تھی یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے، دوسرے وہ خانہ کعبہ کے متولّی تھے - اس بنا پر لوگ ان کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، تیسرے اُن کی تجارت کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا - جب حضورؐ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو قریش کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم اس نئے دین کو قبول کر لیتے ہیں تو حجاز و عراق وغیرہ میں تمام بُت پرست ہمارے خلاف ہو جائیں گے اور ہمارا تمام وقار خاک میں مِل جائے گا - اس کا اثر سب سے زیادہ ہماری معاشی حالت پر پڑے گا لوگ ہم سے تجارت کرنا بند کر دیں گے اور رقابتوں کے بند دروازے ہم پر کھل جائیں گے کچھ بعید نہیں کہ لوگ حملہ آور ہو کر ہمیں مکہ سے نکال باہر کریں اور ہمیں در در ٹھوکریں کھانا نصیب ہو - یہ سب سے بڑی رکاوٹ تھی جو اسلام قبول کرنے میں سدِّ راہ ہوئی - اس کے متعلق خدا فرما رہا ہے کہ ان کا یہ وسوسہ غلط ہے - ہم نے اس شہر کو جائے امن قرار دیا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ حملہ کر کے ان کو تباہ و برباد کر دے - ہم نے وعدہ کیا ہے کہ ہر قسم کے پھل ان کو ملتے رہیں گے اور غلّہ کی فراہمی میں رکاوٹ نہ ہوگی - پھر انہیں کیا تامل ہے - وہ عیش و آرام کے سامان ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں حالانکہ اگر ایمان نہیں تو ان کو عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں - ہم نے معلوم کتنے عیش پرستوں کی کتنی بستیاں تباہ و برباد کر دیں - دیکھو تو کتنے گھر ایسے خالی کھنڈر بنے نظر آتے ہیں گویا ان میں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا - ان سب پر ہمارا قبضہ ہے جب چاہیں گے کسی دوسری قوم کو وہاں آباد کر دیں گے - لہٰذا انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس ساز و سامان پر جو دُنیا میں انہیں حاصل ہے اترائیں نہیں اور ایمان لانے سے گریز نہ کریں - اگر وہ ایمان لے آئیں گے تو ان کی حفاظت کرنے والے ہم ہوں گے -

یہی سب سے بڑا کھٹکا تھا جو مشرکین کے دل میں سمایا ہوا تھا - اس سے بچنے کے لیے وہ اسلام کی مخالفت اور بُت پرستی سے اپنا لگاؤ مختلف صورتوں سے ظاہر کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت سے یہ تحریک (اسلام) دب جائے تو اچھا ہے تاکہ ہمارے دنیوی کاروبار میں خلل نہ پڑے اور آسانی کے ساتھ ہمیں آنے والے خطرات سے نجات مِل جائے - چنانچہ وہ مختلف حیلوں سے کام لے رہے تھے - کبھی کہتے تھے یہ جادو ہے کبھی کہتے تھے شاعری ہے کبھی کہتے تھے پُرانے لوگوں کے قصّے کہانیاں ہیں - لیکن ان کی ایسی بکواس سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا اور خدا جو چاہتا تھا وہ ہو کر رہا -

---

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا
أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ اللَّهِ
ع ٦ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٠﴾ أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا

فهو لاقيه كمن متعناه متاع الحيوة الدنيا ثم هو يوم
القيمة من المحضرين ﴿٦١﴾

اور تمہارا پروردگار جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا پیغمبر نہ بھیجے اور وہ ان کے سامنے ہماری آیات نہ پڑھ دے اُس وقت تک ان بستیوں کو تباہ نہیں کرتا اور ہم بستیوں کو تباہ کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں۔ اور تم لوگوں کو جو کچھ عطا ہوا ہے تو وہ دنیا کی ذرا سی زندگی کا فائدہ اور اس کی آرائش ہے۔ اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ کہیں بہتر و پائدار ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا وہ شخص جس سے ہم نے (بہشت کا وعدہ) اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اُسے پا کر رہے گا، اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کے چند روزہ فائدے عطا کیے ہیں پھر قیامت کے دن جوابدہی کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم کے معنی صدر مقام کے ہیں۔ مکہ کو اُم القریٰ اسی لیے کہتے تھے کہ وہ بہت سی بستیوں کا صدر مقام تھا پس اُمّی کے معنی ہوئے صدر مقام یعنی مکہ کا رہنے والا، نہ کہ یعنی جاہل، جیسا کہ عام لوگ ترجمہ کرتے ہیں۔ اُمّیین ہوئے مکّہ کے رہنے والے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا (۶۲/۲ جمعہ) معنی ہوئے اللہ وہ ہے جس نے مکّہ والوں میں ایک شخص کو انہی میں سے رسول بنا کر بھیجا۔

ان آیات میں مکہ والوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم چند روزہ زندگی کے ساز و سامان پر کیا فریفتہ ہو رہے ہو اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب یہیں چھوٹ جائے گا۔ البتہ جو تمہارا اجر خدا کے پاس ہے وہ اس سامان سے ہزار درجہ بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ اور وہ ضرور ایک دن تم کو مل کر رہے گا۔

ويوم يناديهم فيقول اين شركاءى الذين كنتم تزعمون ﴿٦٢﴾
قال الذين حق عليهم القول ربنا هؤلاء الذين اغوينا
اغوينهم كما غوينا تبرانا اليك ما كانوا ايانا يعبدون ﴿٦٣﴾
وقيل ادعوا شركاءكم فدعوهم فلم يستجيبوا لهم

ورأوا العذاب لو انهم كانوا يهتدون ﴿٦٤﴾ ويوم يناديهم فيقول
ماذا اجبتم المرسلين ﴿٦٥﴾ فعميت عليهم الانباء يومئذ فهم
لا يتساءلون ﴿٦٦﴾ فاما من تاب وامن وعمل صالحا فعسى ان
يكون من المفلحين ﴿٦٧﴾

جس روز خدا ان کفّار کو پکارے گا اور پوچھے گا جن کو تم ہمارا شریک خیال کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں (وہ شرکا بھی بلائے جائیں گے)۔ وہ لوگ جو ہمارے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں کہہ دیں گے اے پروردگار، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے اسی طرح ہم نے ان کو گمراہ کیا۔ ہم تیرے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور کہا جائے گا ان شریکوں کو جنہیں تم خدا کہتے تھے بلاؤ۔ غرض وہ لوگ انہیں بلائیں گے اور وہ جواب نہ دیں گے (اور اپنی آنکھوں سے) عذاب کو دیکھیں گے۔ کاش یہ لوگ دنیا میں راہِ راست پر آ گئے ہوتے اور جس دن خدا ان کو پکار کر پوچھے گا تم لوگوں نے پیغمبروں کو (ان کے سمجھانے پر) کیا جواب دیا تھا (تب اس دن) انہیں باتیں نہ سوجھ پڑیں گی اور پھر باہم ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے تو قریب ہے کہ یہ لوگ اپنی مراد پانے والوں میں سے ہو جائیں۔

احمق لوگوں کو دنیا میں دو قسم کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک وہ گروہ جو راہِ راست سے ہٹا ہوا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح وہ خود گمراہ ہے دوسروں کو بھی گمراہ کر کے اپنا جتھا بڑھا لے۔ دوسرے وہ جن و انس وغیرہ ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ خواہ اُن کی پرستش خدا سمجھ کر کرتے ہوں یا ان کے احکام پر اس طرح عمل کرتے ہوں جیسے خدا کے احکام پر کرنا چاہیئے۔ روزِ قیامت ان سب کو جمع کیا جائے گا۔ پہلے گمراہ ہونے والوں سے پوچھا جائے گا بتاؤ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے تم کو گمراہ کیا تھا۔ جب وہ آئیں گے اور گمراہ ہونے والے کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو وہ جواب میں کہیں گے ہم نے تم پر

کوئی جبر نہیں کیا تھا۔ تمہارا ہاتھ پکڑ کر راہِ راست سے نہیں ہٹایا تھا۔ ہم جیسے خود گمراہ تھے اسی طرح تم کو بھی چاہا تھا تم ہماری باتوں میں کیوں آگئے تھے۔ اسی طرح جب وہ لوگ آئیں گے جن کو خدا کا شریک بنا کر عبادت کرتے تھے تو ان عبادت کرنے والوں کی بات کا جواب ہی نہ دیں گے اور ان سے اظہارِ برأت کریں گے اس وقت سب سے سوال ہوگا یہ بتاؤ جب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آئے تھے اور انہوں نے تمہیں ہدایت کی تھی اور خدا پر ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے کے لیے کہا تھا تو تم نے ان کی ہدایت سے کیوں منہ موڑا۔ غرض کسی سے جواب دیتے نہ بن پڑے گا اور پھر دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ
وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک و برتر ہے (اے رسول) یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لیے حمد ہے دُنیا و آخرت میں اور اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

پہلی آیت یہ بتاتی ہے کہ کسی عہدہ کا انتخاب خدا کے اختیار میں ہے کسی دوسرے کو منتخب کرنے کا حق نہیں۔ کوئی بھی ایسا عہدہ جس کا تعلق ہدایتِ خلق سے ہے اس کے لیے کسی کو منتخب کرنا خدا ہی سے مخصوص ہے انسان کسی کے دل کی چھپی ہوئی بات کو نہیں جان سکتا۔ اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا رُخ آیندہ زمانہ میں کس طرف مڑ جائے گا۔ اس کے حالات میں کیا کیا تغیرات پیدا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بندوں کے منتخب کیے ہوئے لوگ اپنے عہدوں پر ہمیشہ قائم نہیں رہے آج ووٹ دے کر جس کو سلطنت کا اہل سمجھا جاتا ہے کل وہی ووٹ دینے والے

اس کو حکومت سے برطرف کرتے ہیں۔ جب تک یہ انتخاب بندوں کے ہاتھ میں رہے گا یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ قدرت کے اس قانون کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ عام لوگوں کا کیا ذکر، انبیاءؑ کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ بطورِ خود کسی کو منتخب کر لیں۔ ہاں سفارش کر سکتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے لیے سفارش کی تھی۔ طور پر لے جانے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے ستر ہزار بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی ایسے انتخاب کیے تھے جن کو بڑا ایمان کا پتلا سمجھتے تھے وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا (الاعراف ۱۵۵/۷)۔ لیکن طور پر جاتے ہی یہ لوگ مچل گئے کہنے لگے، ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمیں خدا کو کھلم کھلا نہ دکھادیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے کسی نبی کے جانشین بنانے کا کام اس نبی کی اُمت کے سپرد نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ نبوت تو خیر بڑی چیز ہے جو بادشاہتیں تحتِ نبوت ہوتی ہیں وہاں بھی کسی نبی بادشاہ کا وزیر بغیر حکم خدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں یہ واقعہ موجود ہے۔ (سورۂ یوسف) جب حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ ہوئے تو خدا نے وحی کی اے یوسف، تم نے اپنا وزیر کس کو بنایا۔ عرض کی، میں تیرے اوپر کیسے سبقت لے جا سکتا ہوں جسے تو حکم دے اسی کو بنالوں۔ خدا نے فرمایا، فلاں مقام پر جاؤ وہاں درخت کے نیچے ایک جوان کھڑا ملے گا وہی تمہارا وزیر ہے۔ جب وہاں پہنچے تو ایک خوبرو جوان کو موجود پایا۔ عرض کی، خداوندا اس کو کس حق کی بنا پر میرا وزیر بنایا جا رہا ہے۔ وحی ہوئی، اے یوسف تم نے اسے پہچانا نہیں، یہ وہی بچہ ہے جس نے خانۂ زلیخا میں سب سے پہلے تمہاری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ معلوم ہوا، مصدقِ اوّل وزارت کا حق دار ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام آنحضرتؐ کی رسالت کے مصدقِ اوّل تھے لہٰذا سب سے پہلے ان کو جانشین ہونا چاہیے تھا۔

بنی اسرائیل جالوت کے مقابل باختیارِ خود جو بادشاہ بناتے رہے وہ ان کی شکست کا باعث ہوتا رہا اور ان کو بار بار تبدیل کرتے رہے۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے شموئیل نبی سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کرے۔ چنانچہ جب خدا نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا تو جالوت کے مقابلہ میں ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔

بندوں کے بنائے ہوئے حکمران بار بار تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن خدا کے بنائے ہوئے کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نبی کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ بندوں کو چونکہ غیب کا علم نہیں ہوتا لہٰذا وہ انتخاب میں غلطیاں کر جاتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۗ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾

(اے رسول تم ان لوگوں سے) یہ کہو کہ بھلا تم نے اس پر بھی غور کیا، اگر قیامت تک تمہارے سروں پر رات کو چھائے رکھتا تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہارے پاس روشنی لے آتا تو کیا تم سنتے نہیں اے رسول، ان سے کہو کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اگر خدا ہمیشہ کے لیے قیامت تک تمہارے اُوپر دن ہی کو روشن کیے رہتا تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے اوپر رات کو لے آتا کہ تم لوگ اس میں آرام کر سکتے۔ تو کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ اُس نے اپنی مہربانی سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن میں اس کے فضل وکرم سے (روزی) تلاش کرو تاکہ تم خدا کے شکر گزار بنو۔ اور (وہ دن یاد کرو) جب خدا تمہیں پکار کر پوچھے گا کہ تم جن کو خدا کا شریک بتاتے تھے وہ آج کہاں ہیں۔

نظامِ حیاتِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لیے خدا نے رات اور دن بنائے ہیں۔ رات اس لیے ہے کہ دن بھر کام کرنے کے بعد جب آدمی تھک جائے تو پیر پھیلا کر رات کو سوئے تاکہ تکان دُور ہونے کے بعد اگلے روز کام کرنے کے لیے پھر چاق وچوبند ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی وبال ہو جاتی۔ خدا کے سوا اور کون ہے جو اس نظام کو برقرار رکھ سکتا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ خدا کے اس فضل وکرم پر لوگوں کی نظر نہیں اس کا شکر ادا نہیں کرتے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ وہی تو ہماری زندگی برقرار رکھنے کے لئے کیا کیا نعمتیں ہم کو دے رہا ہے اور ہم ہیں کہ اس کی ناشکری پر تلے بیٹھے ہیں۔ کیا اپنے محسنِ حقیقی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا ہمارے لیے زیبا ہے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ
ع ٥ ١٠ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ ع اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى
فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ
اُولِى الْقُوَّةِ ق اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾
وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا
وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾

ہم (قیامت کے دن) ہر ایک اُمت کا ایک گواہ بُلائیں گے۔ پھر اس دن مشرکین سے کہیں گے اپنی (برأت کی) دلیل پیش کرو تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق خدا ہی کی طرف ہے اور جو افترا پردازیاں وہ لوگ کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گی۔ (ناشکری کا اب ایک قصّہ سُنو) موسٰی کی قوم میں قارُن نامی ایک شخص تھا۔ اُس نے ان پر سرکشی کی۔ ہم نے اُس کو اس قدر خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک سکت دار جماعت کو اُٹھانا دوبھر ہوتا تھا۔ جب ایک بار اُس کی قوم نے اُس سے کہا (اپنی دولت پر) اتراؤ مت، خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس میں آخرت کی بہبودی کا خیال رکھ اور دُنیا سے جس قدر تیرا حصّہ ہے اُسے مت بھول اور جس طرح خدا نے تیرے اُوپر احسان کیا ہے تُو بھی اسی طرح لوگوں پر احسان کر اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔

روزِ قیامت ہر اُمت کے ساتھ اُس کا رسول گواہ بن کر آئے گا۔ پہلے رسول سے سوال ہو گا کہ تم نے تبلیغ حق کی؟

وہ گواہی دے گا کہ میں نے جتنے احکام تھے سب من وعن پہنچا دئے تھے۔ پھر اُمّت سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے رسول نے تم کو ہمارے احکام پہنچائے تھے۔ اُمّت میں جو صاحب ایمان ہوں گے وہ اقرار کریں گے اور جو کفار و مشرکین ہوں گے وہ انکار کریں گے۔ اس وقت خاتم النبیینؐ ان رسولوں کے بیان کی تصدیق کریں گے گویا حضورؐ بطور سرکاری گواہ ہوں گے جیسا کہ آیہ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ! (سورۃ النسآء ۴) سے ظاہر ہے۔

قارُون حضرت موسیٰؑ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ پہلے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لایا تھا اور توریت پڑھا کرتا تھا لیکن جب اس کو کیمیا کا نسخہ معلوم ہو گیا اور سونا بنانے لگا تو اُس کا دماغ خراب ہو گیا، ایمان بھی رخصت ہوا حضرت موسیٰؑ کو حقیر سمجھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی دولت اتنی بڑھ گئی کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی وزنی ہو گئیں کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت مشکل سے اُٹھا سکتی تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی دولت کا یہ مبالغہ آمیز بیان ہے جس سے محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ بہت ہی دولتمند تھا۔ لیکن خدا کے بیان کو مبالغہ آمیز کہنا ایمان سے ہاتھ دھونا اور خدا کے ساتھ انتہائی گستاخی ہے۔ ممکن ہے اس زمانہ میں ایسے قفل ہوتے ہوں جن کی کنجیاں وزنی ہوتی ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اُس زمانہ میں بھی ایسے ہی خوشنما مختصر سے تالے بنتے ہوں جیسے آج کل بنتے ہیں۔ ہر زمانہ کی صنعتیں جداگانہ رہی ہیں۔ اب سے سو سال پہلے بڑے بھاری تالے ہوتے تھے جو جھڑکے تالے کہلاتے تھے۔ اُن کی کنجیاں بڑی لمبی اور وزنی ہوتی تھیں آج کی نسبت کئی گنا زیادہ وزنی تھیں۔ پس اس قسم کے تالے اُس زمانہ میں بھی ہوتے ہوں گے اور ان کی کنجیاں وزنی ہوتی ہوں گی۔ جب وہ جمع کی جاتی ہوں گی تو کئی من وزنی ہو جاتی ہوں گی۔

قارون اپنی دولت پر بے حد مغرور ہو گیا تھا باوجود اس کثیر دولت کے بخیل بھی پرلے درجہ کا تھا۔ نہ تو زکوٰۃ دیتا تھا اور نہ محتاجوں کی خبر لیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے بار بار اس کو سمجھایا مگر وہ زکوٰۃ دینے پر راضی نہ ہوا۔ کہتا تھا یہ سب دولت میں نے خود اپنے ہنر سے پیدا کی ہے خدا سے کچھ نہیں لیا پھر میں خدا کی راہ میں کیوں دوں۔

ایک دن بڑی شان و شوکت سے اپنے ٹھاٹ دکھانے کے لیے نکلا۔ زرّیں لباس۔ گھوڑا سونے کے ساز سے سجا ہوا آگے پیچھے غلام زرّیں پٹکا باندھے دوڑتے ہوئے۔ اس کو دیکھ کر بہت سے کم ظرفوں کے ایمان ٹوٹ گئے۔ اپنے دل میں کہنے لگے، موسیٰؑ کا ساتھ دے کر ہم نے کیا پایا۔ قارون کے خدا پر کیوں نہ ایمان لائیں کہ ہم بھی اس کی طرح مالدار ہو جائیں۔

جب حضرت موسیٰؑ نے اُسے ڈرایا دھمکایا تو وہ اُن کا دشمن بن گیا۔ اُسے یہ فکر تھی کہ کسی طرح میں موسیٰؑ کو ایسا بدنام کروں کہ قوم میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ایک روز ایک فاحشہ عورت کو بُلا کر کہا کہ میں تجھے دو تھیلے اشرفیوں کے بھرے ہوئے دوں گا اگر تو اُس وقت جبکہ موسیٰ وعظ دے رہے ہوں یہ کہدے کہ موسیٰؑ نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک روز وعظ فرما رہے تھے اور زنا کی مذمت کر رہے تھے۔ قارون نے کہا آپ دوسروں کو زنا سے بچانا چاہتے ہیں اور خود زنا کرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ قارون نے اس عورت سے کہا، میرے قول کی تصدیق کر۔ اس عورت پر موسیٰؑ کی نبوّت کا ایسا رُعب چھایا، کہ خلافِ واقعہ بات کہنے کے لیے اس کی زبان نہ کھلی، اُس نے کھڑے ہو کر کہا، لوگو میں گواہی دیتی ہوں کہ قارُون جھوٹا ہے اور موسیٰؑ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔ قارون نے دو تھیلے اشرفیوں کے مجھے اس لیے دئیے تھے کہ موسیٰؑ پر یہ تہمت لگاؤں۔ چنانچہ میں دونوں تھیلے ساتھ لائی ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے قوم کو دکھائے۔ اب تو ہر طرف سے اس پر پھٹکار پڑنی شروع ہو گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ اس جھوٹے کو نگل لے چنانچہ وہ اپنے سارے خزانوں سمیت ٹخنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ تب وہ توبہ تِلّا کرنے لگا کہ موسیٰؑ میں ایمان لے آؤں گا مجھے اس عذاب سے نجات دو۔ جب باہر نکلا تو پھر وہی قارون کا قارون تھا۔ موسیٰؑ نے پھر بددعا کی تو کمر تک دھنس گیا۔ پھر فریاد کی پھر نکل آیا۔ جب پھر بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو اب کی بار پُورا زمین میں دھنس گیا۔ "خس کم جہاں پاک"۔

اہلِ مکّہ کو یہ مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کیا اور تمہاری دولت کیا، جس پر اتنا گھمنڈ کر رہے ہو۔ اور اہلِ ایمان کو بے مایہ ہونے کی وجہ سے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ قارون کی حالت پر نظر کرو کہ کتنی دولت اُس کے پاس تھی لیکن اس کے غرور و تکبّر اور بے راہ روی کا آخر نتیجہ کیا ہوا۔ نہ وہ خود رہا نہ اُس کی دولت رہی۔ جب عذابِ الٰہی اس پر آیا تو چشم زدن میں سارا کارخانہ ریت کا پہاڑ بن کر رہ گیا۔

خدا یہ نہیں کہتا کہ تم دولت نہ کماؤ اور مسکین و محتاج بن کر بیٹھ جاؤ۔ نہیں، حلال طریقہ سے اپنی معاش حاصل کرو پھر جو تم نے کمایا ہے اس میں سے اللہ کا اور اُس کے بندوں کا شرعی حق ادا کرتے رہو۔ ایسی صورت میں جو دولت تمہارے پاس ہوگی اُس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ قارون بدبخت اگر حق اللہ اور حق الناس کو ادا کرتا رہتا تو اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوتا۔ اُس کا یہ کہنا کہ جو دولت میں نے خود کمائی ہے اس میں زکوٰۃ کیوں دوں، محتاجوں کی خبر کیوں لوں انتہائی باغیانہ خیال تھا۔ اگر خدا اُسے اس قابل ہی نہ رکھتا کہ وہ دولت کما سکے بلکہ ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں رکھ سکے تو وہ کیا کر لیتا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ
مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ
قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا
يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا
كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

(جب حضرت موسیٰؑ اس سے زکوٰۃ دینے کو کہتے تو کہتا کا ہے کی زکوٰۃ مانگتے ہو خدا نے مجھے کیا دیا ہے۔) یہ دولت جو میرے پاس ہے مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیا قارون نے یہ بھی نہ خیال کیا کہ اللہ نے اس سے پہلے اُن لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے جو اس سے قوت وجمعیت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کی سزا کے وقت پُوچھ گچھ نہیں ہُوا کرتی۔ ایک روز (قارون) اپنی قوم کے سامنے بڑی آرائش دار ٹھاٹ کے ساتھ آیا۔ (اسے دیکھ کر) جو زندگانیٔ دُنیا کے طالب تھے کہنے لگے، جو مال و دولت قارون کو ملا ہے کاش ہمارے لیے بھی ایسا ہی ہوتا۔ بے شک قارون بڑا نصیبہ ور ہے۔ اور جن لوگوں کو ہماری بارگاہ سے علم عطا ہُوا تھا کہنے لگے، تمہارا ناس ہو جائے۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اُن کے لیے خدا کے یہاں اس سے کہیں بہتر اجر ہے اور یہ اجر صبر کرنے والوں کے سوا دوسرے نہیں پا سکتے۔ ہم نے قارون اور اس کے گھر بار کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر خدا کے سوا کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اُس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون کو حضرت موسیٰؑ سے اس بنا پر عداوت تھی کہ فرعون کے غرق ہونے اور قبطیوں کی تباہی کے بعد حضرت موسیٰؑ نے مصر کی حکومت حضرت ہارونؑ کے حوالے کر دی تھی۔ اگر قربانی کوئی کرنا چاہتا تو حضرت ہارونؑ اپنے ہاتھ سے اُسے قربان گاہ میں پہنچاتے۔ تب آسمانی آگ اُسے آ کر جلاتی۔ قارون کو اس پر حسد پیدا ہُوا۔ حضرت موسیٰؑ سے گستاخانہ انداز میں کہنے لگا سب کچھ تو آپؑ نے ہارونؑ کے حوالے کر دیا مجھے کچھ بھی نہ دیا۔ حالانکہ میں قوم کا ایک دولتمند آدمی ہوں۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا، یہ میرے اختیار کی چیز نہیں خدا جسے چاہے دے

اس پر قارون بھڑک اُٹھا اور اسی دن سے حضرت موسیٰؑ کے درپے آزار ہُوا۔

اس زمانہ میں جب بنی اسرائیل وادیٔ تیہ میں محصور تھے حضرت موسیٰؑ نے اُن سے توبہ کرنے کو کہا تو اسی نے اس حکم کو بے حقیقت سمجھا اور مذاق اُڑایا۔ پھر جب زکوٰۃ کا حکم آیا تو کہنے لگا یہ تو بہت مال ہوا میں تو نہ دوں گا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے ہزار دینار میں سے ایک دینار دینے کو کہا۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہُوا اور کہنے لگا موسیٰؑ ہمیں غریب بنانا چاہتے ہیں۔ میں ان کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا موسیٰؑ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بددعا کی۔ خدا نے وحی کی کہ اس کی ہلاکت کو میں نے تمہارے اختیار میں دیا جو چاہو کرو۔ قارون کے جھوٹ اور انکار زکوٰۃ پر آپ نے زمین سے فرمایا، اس کو نگل جا، غرضیکہ جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں زمین نے اُس کو مع اُس کے تمام خزانہ نگل لیا۔

تب وہ لوگ جن کے ایمان میں خلل آ چکا تھا سمجھے کہ امیر و غریب بنانا سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے ہمارے امکان کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس آ کر انہوں نے توبہ کی اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، خدا اُن دولتمندوں کو کبھی دوست نہیں رکھتا جو اُس کے محتاج اور غریب بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ یہ سُن کر اُن تمام لوگوں نے جو اس زمانہ میں دولتمند تھے اپنی اپنی دولت سے اُن کے حقوق ادا کیے۔ جو محتاج تھے اور جس کی جو ضرورت تھی اُس کو پُورا کیا۔

قرآن میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ لوگ عبرت حاصل کریں اور ایسے کام نہ کریں جن کی وجہ سے پہلی قوموں پر عذاب آیا تھا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ
بِنَا ۗ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى
الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

یہ تو اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اگر خدا ہم پر مہربانی نہ کرتا تو ہمیں بھی اسی طرح دھنسا دیتا (اے معاذ اللہ سچ ہے) کفار ہرگز اپنی مراد نہ پائیں گے یہ آخرت کا گھر تو ہم اُن کے لیے خاص کر دیں گے جو زمین پر نہ تو سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا۔ پھر اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے جو نیکی کرے گا وہ اس سے بہتر بدلہ پائے گا جو بُرائی کرے گا تو اُس کا اُسے اتنا ہی بدلہ ملے گا جو دُنیا میں کر چکا ہوگا۔

خدا فرماتا ہے کہ آخرت میں فلاح و بہبود انہی لوگوں کو نصیب ہوگی جو اپنی بلندی نہیں چاہتے۔ اپنے کو اوروں سے برتر نہیں سمجھتے۔ جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، "جو شخص چاہے کہ میری جوتی کا تسمہ میرے دوست کی جوتی کے تسمہ سے بہتر ہو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں جتنے فسادات ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ تر فوقیت و برتری کے خبط کی بنا پر ہوتے ہیں۔ فلاں شخص کے مکان سے ہمارا مکان اچھا ہو۔ ہمارا فرنیچر اچھا ہو، ہمارا لباس فلاں کے لباس سے اچھا ہو۔ ہماری دولت فلاں کی دولت سے زیادہ ہو۔ ایک دو کیا فوقیت و برتری کے ہزار ڈھنگ ہیں۔ اس کے شوق میں آدمی کیا نہیں کر گزرتا۔ ہر گناہ اس خبط میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ فساد کے معنی یہ ہیں کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کر کے اپنے من کی جوت جلائی جائے۔ معاشرہ تباہ ہو یا برباد ہم جو چاہیں وہی ہو۔ لوگ ہم سے دب کر رہیں۔ اگر ہمارا منشا حکمِ خدا کے خلاف ہے تو ہوا کرے۔ یہی وہ زہر ہے کہ جس سوسائٹی کی رگوں میں سرایت ہوا پھر اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دُنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہوئی۔

آخرت کی بہتری تو صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو پرہیزگار ہیں اور پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو بُرائیوں سے بچے رہیں احکامِ خدا کی خلاف ورزی نہ کریں۔

خدا کے لطف و کرم پر بھی ایک نظر ڈالو کہ اس نے ہماری عاقبت سنوارنے کا کیا ہی حوصلہ افزا وعدہ کیا ہے اور ہماری سزا کو کتنا ہلکا بنایا ہے۔ فرماتا ہے جو کوئی نیکی کرے گا میں اس کو دس گنا بدلہ دوں گا اور جو بُرائی کرے گا اس کو سزا اُس کی بُرائی کے مطابق ہی ملے گی۔ اب اس سے زیادہ رعایت کیا ہو سکتی ہے۔ سزا کم جزا زیادہ۔ ایک دیکر جہاں دس ملیں وہاں عقلمند ایسے سودے میں کیوں نہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا کُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ

یُّلْقٰۤی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ وَ ادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع

اے رسول جس خدا نے تم پر قرآن نازل کیا ہے ضرور تمہیں ٹھکانہ تک پہنچا دے گا۔ اے رسول تم کہدو کہ کون راہ پر آیا اور کون صریحی گمراہی میں پڑا رہا۔ اس سے میرا رب خوب واقف ہے۔ تم کو تو یہ امّید نہ تھی کہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے نازل ہوئی تو تم کافروں کے پشت پناہ نہ بننا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ احکامِ خدا نازل ہونے کے بعد یہ لوگ تم کو اس کی تبلیغ سے روک دیں اور تم لوگ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بُلائے چلے جاؤ اور خبردار مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جانا اور خدا کے سوا کسی اور معبود کی پرستش نہ کرنا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے اس کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر سے تم کو نکالا گیا ہے اللہ تمہیں وہیں پہنچائے گا۔ اس سے فتحِ مکہ کی پیش گوئی ثابت ہوتی ہے۔ جب حضورؐ بوقت ہجرت مکہ سے چلے تھے تو حضرتؐ کے دل کو وطن کے چھوٹنے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے محروم رہنے کا بڑا صدمہ تھا۔ چنانچہ جبریلؑ نے آکر جب یہ خوشخبری حضورؐ کو دی تو آپؐ بہت خوش ہوئے۔

پھر فرماتا ہے، یہ خدا کی رحمت ہی رحمت ہے کہ اُس نے قرآن جیسی کتاب تم پر نازل کی۔
پہلے گزر چکا ہے کہ کفارِ مکہ کو یہ دھڑکا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو بُت پرست قومیں ہمیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گی۔ خدا نے اُن کو یہ دکھا دیا کہ رسولؐ کس شان سے اس میں داخل ہوئے اور پھر کتنا

عروج ان کو حاصل ہوا۔ بُت پرستوں کی ناک رگڑی گئی اور سلاطین کے غرور خاک میں مل گئے۔ کس کی طاقت تھی کہ مکہ سے ان کو نکال سکتا اب تک ہجرتِ نبوی کو چودہ سو برس ہو چکے ہیں۔ کوئی قوم مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ سے نہیں نکال سکی۔ یہ اللہ کی خاص رحمت اور فضل ہے۔ پھر قرآن جیسی کتاب رسولؐ پر نازل کی۔ اس سے پہلے جو کتابیں آئی تھیں وہ منسوخ ہو گئیں۔ لیکن قرآن قیامت تک چلنے والا ہے اور ایسا مکمل قانون ہے کہ اس کی کوئی دفعہ نہ بدلی گئی ہے نہ بدلی جائے گی۔

رسولؐ کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ کافروں کی مخالفت کو اپنی نظر میں نہ لاؤ اور اپنے رب کی طرف لوگوں کو برابر بلاتے رہو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ یہ تمام مخالف قوتیں ایک روز تمہارے قدموں پر سر رکھے پڑی ہوں گی۔ تم مشرکوں سے کوئی تعلق نہ رکھو یہ تو ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ جن بُتوں کی یا جس چیز کی بھی یہ پرستش کرتے ہیں یہ سب ایک دن صفحۂ روزگار سے مٹ جائیں گے۔ سوائے خدا کی ذات کے کوئی بھی باقی رہنے والا نہیں۔ مشرکوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ معبود ایسا ہونا چاہیئے جس کا گلا موت آکر گھونٹ دے اس کو اپنا معبود مانو جس کو کبھی فنا لاحق ہی نہ ہو۔ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ نہ اس کی ابتدا ہو نہ انتہا۔ حکومت صرف اسی کی ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

---

(۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ
اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ
الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦

الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اتنی بات کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں اُن کو بھی آزمایا تھا۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے (ایسا ہے تو) یہ لوگ کیسا بُرا حکم لگاتے ہیں جو خدا سے (قیامت میں) ملنے کی اُمید رکھتا ہو تو اللہ کی (مقرر کی ہوئی) میعاد ضرور آنے والی ہے اور وہ سب کی سنتا اور جانتا ہے اور جو شخص (عبادت میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے واسطے کرتا ہے کیونکہ خدا تو سارے جہان (کی عبادت سے) بے نیاز ہے۔ جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں تو ہم اُن کے گناہوں کا ان کی طرف سے کفارہ قرار دیں گے اور اس دُنیا میں جو نیک کام کیے ہیں اس کی اچھی سے اچھی جزا دیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین مسلمانوں کو بُری طرح ستاتے تھے۔ نہ صرف جسمانی اذیتیں دیتے تھے بلکہ اُن کے مال و اسباب تک چھین لیتے تھے۔ اُن کے کاروبار میں رخنہ ڈالتے تھے۔ دکاندار اُن کے ہاتھ سودا نہیں بیچتے تھے۔ بدکلامی سے پیش آتے تھے۔ غرض جو کچھ اُن سے بن پڑتا تھا کرتے ہی رہتے تھے۔ مسلمانوں کی پوزیشن اس زمانہ میں اتنی کمزور تھی کہ کہیں سے اُن کو مدد بھی نہ ملتی تھی۔ ایک دن چند مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے اپنی مصیبتیں بیان کر کے آپؐ سے عرض کی، آپؐ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے۔ یہ سُن کر حضرتؐ کا چہرۂ اقدس غصہ سے تمتما اُٹھا۔ فرمایا، کیا تم اتنی سی بات پر ایمان لائے ہو اپنے کو جنت کا مستحق سمجھنے لگے ہو۔ تم سے پہلی اُمتوں پر تم سے کہیں زیادہ مصیبتیں پڑتی تھیں۔ اُن کو زمین میں آدھا دبا کر چیر دیا گیا تھا، اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تھے، اُن کی کھال کھینچی گئی تھی۔ خدا صبر میں تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ اس کے متعلق ان آیات میں تذکرہ ہے۔ فرماتا ہے:

کیا تمہارے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ بس اس کے بعد تمہارے ایمان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ تم سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی گئی تھی تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ سچے مومن کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ کیا بُرے کام کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے اس کی اُن سے

کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اُن کا یہ فیصلہ اپنے حق میں بالکل غلط ہے۔ وقت آنے پر اُن کو پتہ چل جائے گا۔ جو لوگ قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہونے کی اُمید رکھتے ہیں ان کے اجر کا وقت بھی آنے والا ہے خدا ہر ایک کی بات کو سُنتا اور ہر ایک کے حال کو جانتا ہے۔ جو لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لیے کرتے ہیں۔ خدا کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں۔ اس کی ذات غنی ہے وہ تمام عالموں کا خالق ہے، سب کا کارساز ہے کسی کا محتاج نہیں نیکی کرنے والوں کو ہم اچھا بدلہ دیں گے اور بدی کرنے والوں کو اُن کی بدی کے لحاظ سے سزا دی جائے گی۔

جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اُن کو جو تکالیف پہنچ رہی ہیں ہم اُن کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک دن اُن کو بہت اچھا بدلہ ہماری سرکار سے ملے گا۔ انہیں صبر سے کام لینا چاہیئے۔ جو ستانے والے ہیں وہ ہمارے عذاب سے غافل نہ رہیں، اس چند روزہ زندگی کے بعد انہیں اپنے ظلم کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اس وقت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا
لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ⑧ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي
الصَّالِحِينَ ⑨ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي
اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن
رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ
الْعَالَمِينَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ⑪

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور (یہ بھی کہہ دیا) اگر تجھے میرا شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تجھے علم بھی نہیں تو اُن کی اطاعت نہ کرنا۔ تمہاری بازگشت میری طرف تو ہے تب جو کچھ تم (دُنیا میں) کرتے تھے ہم بتا دیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کیے ہیں

انہیں ہم نیک بندوں میں ضرور داخل کریں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں لیکن جب راہِ خدا میں ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو عذابِ خدا جیسا جانتے ہیں اور اگر تیرے رب کی مدد آجاتی ہے تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں جو کچھ سارے جہان (والوں) کے دلوں میں ہے کیا اللہ اس کو نہیں جانتا (ضرور جانتا ہے)۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ان کو بھی جانتا ہے اور منافقوں کو بھی۔

اس آیت کی شانِ نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ جب میرے اسلام قبول کرنے کا حال میری ماں کو معلوم ہوا تو اس نے مجھ سے کہا کہ جو نیا دین تُو نے اختیار کیا ہے اسے ترک کر دے ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی اور یوں ہی اپنی جان دے دوں گی اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں گے۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں کہ اس دین کو چھوڑ دوں۔ غرض اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ جب دو وقت گزر گئے تب میں نے کہا اے ماں، اگر تُو ہزار بار بھی یوں مرے گی اور زندہ ہوگی تب بھی میں اس دین کو ترک نہ کروں گا۔ جب اس نے مجھ کو اتنا سخت پایا تب کھانا پینا اختیار کیا۔

قرآن کریم نے ماں باپ کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اُن کے مقابل اُف تک کہنے کی اجازت نہیں دی لیکن یہ اطاعت اُس وقت تک ہے کہ دائرۂ ایمان سے خارج نہ ہونے دے۔ اگر ماں باپ کہیں کہ خدا کے کسی شریک کی عبادت پر ایمان لا۔ حالانکہ تمہارے علم میں ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تو ایسی حالت میں ہرگز ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ اطاعت تو خدا کی خوشنودی کے لیے کی جاتی ہے۔ اور جب خدا پر ایمان ہی صحیح نہ رہا تو پھر خوشنودی کس کی۔

جا بجا یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہونی ہے اور ضرور ہونی ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگ روزِ قیامت کو بھول نہ جائیں۔ قیامت کی یاد ہی لوگوں کو بُرائیوں سے روک سکتی ہے۔ اگر بازپُرس کا خیال ہی ختم ہو جائے تو پھر بُرائی کرنے سے انسان کہاں باز رہے گا۔ ایمان لانا اور پھر اس پر استقامت بڑی کٹھن چیز ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جو زبان سے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں مگر اس عقیدہ میں بودے ثابت ہوتے ہیں جب مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا جاتے ہیں اور اسے اتنا بُرا سمجھتے ہیں گویا عذابِ خدا نازل ہو گیا۔ لیکن اے رسولؐ جب تمہیں کسی جنگ میں فتح حاصل ہوتی ہے اور مالِ غنیمت ملنے کا وقت آتا ہے تو جھٹ تمہارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہیں یعنی مومن ہیں ہمارا حصّہ بھی دیجیے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانتا حالانکہ اللہ ایمان والوں اور منافقوں کو خوب جانتا ہے۔

کلمۂ شہادت زبان پر جاری کر کے ایک کافر مسلمان تو ہو جاتا ہے لیکن اس پر ثابت قدم رہنا اور آخر وقت

تک اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے۔ بعد رسالت بہت سے مسلمان ایسے تھے جو کہ عمر کا ایک حصّہ تک اعمالِ نیک کرنے والوں کے ساتھ شریک رہے لیکن آخر میں ان کی نیتیں فاسد ہوگئیں تو ایسی حالت میں جو کیا کرایا تھا سب کالعدم ہوگیا۔ اور قیامت میں اجر کے مستحق تو وہی لوگ ہوں گے جو آخر وقت تک صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے اور کسی وقت بھی احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ
خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَ
لَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا ع ۱۳/۱۴
إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ
الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا
آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾

کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں ہمارے راستہ پر چلو ہم (قیامت میں) تمہارے گناہوں کا بوجھ اُٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا ذرا سا بوجھ بھی نہ اُٹھائیں گے۔ یہ تو جھوٹے ہیں۔ وہ تو اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اُٹھائیں گے اور ان کے گناہوں کا بھی (جن کو گمراہ کیا ہے) اور یہ (دنیا میں) جو جو افترا پردازیاں کرتے رہے قیامت میں ان سب کے متعلق بازپُرس ہوگی۔ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں نو سو پچاس برس تک رہے۔ پھر انہیں طوفان نے آپکڑا کیونکہ وہ ظالم تھے۔ ہم نے نوح کو اور جو کشتی میں سوار تھے اُن کو طوفان سے بچالیا اور اس واقعہ کو تمام عالموں (زمانوں) کے لیے اپنی نشانی بنایا۔

ایک روز ابوسفیان اور امیہ بن خلف نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی اگر آپ اپنے گڑھے ہوئے دین سے ہٹ جائیں اور اپنے سابقہ دین کی طرف آجائیں تو قیامت میں آپ کے جتنے گناہ ہوں گے ان سب کا بوجھ ہم اُٹھالیں گے۔ یہ آیت ان ہی کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جنہیں اوّل تو قیامت کا یقین ہی نہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ لہٰذا جب مرنے کے بعد کچھ ہونا ہی نہیں تو ایسا وعدہ کرنے میں کہ ہم سارا بوجھ تمہارا اُٹھالیں گے ہمارا بگڑتا ہی کیا ہے اور اگر بالفرض قیامت کا عقیدہ سچ ہے تو بھی ہم خدا سے کہہ دیں گے کہ انہیں چھوڑ دے اور ان کے گناہ کا سارا بوجھ ہماری گردن پر رکھ دے۔ ان احمقوں نے قیامت کے دن کو دنیا کے کسی قاضی کی عدالت سمجھ رکھا تھا کہ اس کے سامنے جو چاہا کہہ دیا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں کس کی طاقت ہوگی کہ بے اذنِ الٰہی ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ جب فرشتے کشاں کشاں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جاتے ہوں گے، اس وقت کس کی طاقت ہوگی کہ زبان کھول سکے۔ اور اگر بالفرض کھول بھی سکے تو سُننے گا کون؟

حضرت نوحؑ کی عمر جو ساڑھے نو سو برس ظاہر کی گئی ہے۔ یہ ان کی تبلیغ و ہدایت کا زمانہ ہے۔ ورنہ ان کی عمر تو ڈھائی ہزار برس تھی۔ چالیس سال کی عمر میں ان کو حکمِ تبلیغ ملا تھا۔ طوفان کے بعد پندرہ سو برس زندہ رہے اتنی بڑی عمر کسی اور نبی کی نہیں ہوئی۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنی طویل عمر پانے والے نے اپنے رہنے کے لیے کوئی گھر نہ بنایا۔ ساری عمر ایک پھونس کی بنی ہوئی جھونپڑی میں گزار دی۔ جس میں دُنیا کا کوئی سامان نہ تھا۔ اُن کی کافرہ بی بی اس وجہ سے اُن کے خلاف تھی کہ ان کے گھر میں کوئی آسائش اُسے نصیب نہ تھی۔ جب موت کا فرشتہ حضرت نوحؑ کے پاس آیا تو اس خیال سے کہ اتنی طویل عمر میں دُنیا کے متعلق ان سے زیادہ تجربہ کس کو ہوگا، اُس نے سوال کیا، اے نوحؑ، آپ نے اس دُنیا کو کیسا پایا۔ فرمایا کھا بابان من باب دخلت و من باب خرجت۔ (دنیا ایک گھر ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ میں سے داخل ہُوا اور دوسرے سے نکل آیا)۔

حضرت نوحؑ کی قوم ایسی کٹر بُت پرست تھی کہ ساڑھے نو سو برس ہدایت کرنے کے باوجود صرف اسی آدمی آپؑ پر ایمان لائے تھے۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ
إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا
عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا، اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں اپنے دل سے گھڑتے ہو اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری رزق رسانی پر قادر نہیں۔ پس تم اپنا رزق اللہ سے مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ
تُقْلَبُوْنَ ㉑ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ㉒

(اے اہلِ مکہ) اگر تم نے ہمارے پیغمبر کو جھٹلایا (تو کوئی پروا نہیں) تم سے پہلے لوگ بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہمارے رسول کا فرض تو ہمارے احکام پہنچا دینا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا اللہ نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔ (اے رسول) تم ان سے کہو کہ روئے زمین کی سیر کرو اور یہ دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو کیسے پیدا کیا ہے پھر اللہ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرے گا وہ ہر شے پر قادر ہے۔ جس پر چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے۔ تم سب (ایک دن) اسی

کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم نہ تو خدا کو زمین ہی میں عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور خدا کے سوا نہ کوئی تمہارا سرپرست ہے اور نہ مددگار۔

اے اہلِ مکہ اگر تم نے ہمارے رسول کو جھٹلایا تو اس سے پہلے بھی اور لوگ بھی ہمارے رسولوں کو اسی طرح جھٹلاتے رہے ہیں تو کیا اس سے ہماری تبلیغ رک گئی تھی۔ کیا ہمارے رسولوں نے اپنا کام بند کر دیا تھا پس جب ایسا نہیں ہوا تو اس پیغمبر کو جھٹلانے سے بھی تمہارا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تم قیامت میں خدا کے دوبارہ پیدا کرنے کو نہیں مانتے آخر کیوں جبکہ تم یہاں اس کی قدرت کا تماشہ دیکھ رہے ہو وہ برابر لوگوں کو پیدا کر رہا ہے پس جو یہاں پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں نہیں قدرت رکھتا تم روئے زمین پر ذرا چلو پھرو۔ دیکھو کہ خدا نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہے اور پیدا کرنے کے بعد کس طرح سب کو مار دیتا ہے۔ پھر ایسا قادرِ مطلق دوبارہ تمہیں کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ گے جب تمہاری گردن اس کے ہاتھ میں ہے تو تم کیسے نکل جاؤ گے۔ کیا تم میں اتنی قوت ہے کہ اس پر غالب آجاؤ یا اس کی گرفت سے بچ سکو۔ پھر جب یہ سب کچھ نہیں تو پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس کے عذاب کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ قیامت کے عقیدہ سے گریز کیوں کرتے ہو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ
وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ㉓ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ㉔ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ
بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉕

جن لوگوں نے خدا کی آیات اور قیامت کے دن اس کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرض ابراہیم کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ باہم کہنے لگے اسے قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا ڈالو۔ اللہ نے اُن کو آگ سے بچا لیا۔ اس میں ایمان لانے والوں کے لیے قدرت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر بُتوں کو صرف دنیوی زندگی میں محبت کرنے کی وجہ سے خدا بنا رکھا ہے قیامت کے دن تم میں ایک ایک کا انکار کرے گا اور بعض بعض پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہاں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑا پھوڑا اور قوم کو پتہ چلا کہ یہ کام ابراہیمؑ کا ہے تو انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا کر خاک کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک مقام پر لکڑیوں کا انبار لگا کر آگ لگا دی۔ اس کے شعلے بھڑکے تو دور دور تک پرندے جل جل کر گرنے لگے۔ ایک آلہ جس کو منجنیق کہتے ہیں ایسا بنایا تھا جس میں رکھ کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا جا سکے۔ جب وہ منجنیق سے جدا ہو کر آگ کی طرف جا رہے تھے، تو جبرئیل امینؑ نے راستہ میں آ لیا اور ان سے کہا، اے ابراہیمؑ کوئی حاجت ہے۔ فرمایا ہے تو مگر تم سے نہیں ہے۔ کہا پھر جس سے ہے اُسی سے بیان کرو۔ فرمایا، اُس سے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ غرض جب آگ کے قریب پہنچے تو خدا کی طرف سے آگ کو ندا آئی یا نارُ کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم (اے آگ ابراہیمؑ پر سلامتی سے ٹھنڈی ہو جا)۔ مودۃ بینکم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگ حق کی بات تحقیق ہو جانے اور اپنی غلطیاں ظاہر ہونے کے بعد کچھ شرم اور کچھ رشتے ناطے کے لحاظ سے اس غلطی پر جمے رہتے ہیں۔ یا یہ کہ اپنے بزرگوں کی محبت کی وجہ سے کسی غلط فیصلہ پر قائم رہتے ہیں۔ انسان اگر کسی غلط عقیدہ سے تائب ہو کر صحیح عقیدہ کی طرف آنا چاہتا ہے تو اپنے رشتہ داروں سے ترک تعلق ہو جانے کا خوف اسے امرِ حق کے اظہار سے روک دیتا ہے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٢٧﴾

تب حضرت لوطؑ ابراہیمؑ پر ایمان لائے تو ابراہیم نے کہا، میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف (جہاں اُسے منظور ہوگا) نکل جاؤں گا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) بخشا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھا اور ہم نے دُنیا میں بھی اُن کو اجر دیا اور آخرت میں بھی کہ ہمارے نیک بندوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے نجات پانا ایسا واقعہ نہ تھا کہ قوم مسلمان نہ ہو جاتی۔ مگر حضرت لوطؑ کے سوا جو حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اور کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ حضرت لوطؑ معاذ اللہ پہلے صاحب ایمان نہ تھے اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نجات پانے کے بعد ایمان لائے، ایسا نہیں کیونکہ خدا نے کبھی کسی مشرک کو نبی نہیں بنایا۔ یہاں مومن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی طاعت و پیروی اختیار کی۔

حضرت علیؑ کے ایمان لانے کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ پہلے صاحب ایمان نہ تھے بعد میں ہوئے وہ تو پیدا ہی مومن ہوئے تھے صرف اُس وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا جب حضورؐ کو رسالت کے اعلان کا حکم ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت لوطؑ اُس وقت کم سن تھے جب حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے۔ پس اگر کم سنی میں حضرت لوطؑ کا ایمان لانا صحیح ہو سکتا ہے اور قرآن میں خدا اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہے تو حضرت علیؑ کے کم سنی میں ایمان لانے پر اعتراض کرنا فضول ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں صرف حضرت اسحٰقؑ اور اُن کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کا جس میں صرف حضرت رسولِ خداؐ مبعوث بر رسالت ہوئے ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ انبیاء حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں ہی ہوئے اور کتابیں اور صحیفے بھی اسی نسل میں آئے لہٰذا اس کو نسل حضرت اسماعیلؑ سے الگ کر کے دکھایا گیا ہے۔

یہ عزت بھی حضرت ابراہیمؑ کو ہی حاصل ہوئی کہ اُن کی نسل سے ایک دو نہیں ہزاروں پیغمبر پیدا ہوئے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٨﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ

السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ
إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ
رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ ع ۳/۸/۱۵

حضرت لُوط نے اپنی قوم سے کہا تم وہ بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا کیا تم (عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پُوری کرنے کے لیے) مردوں کی طرف گِرتے ہو اور مسافروں کی راہ زنی کرتے ہو اور تم اپنی محفلوں میں بڑی بُری حرکتیں کرتے ہو۔ لُوط کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ کہنے لگے، اگر تم سچے ہو تو ہم پر خدا کا عذاب لے آؤ۔ تب لوط نے دُعا کی، پروردگار! ان مفسدوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

دُنیا میں سب سے پہلے جس نے لواطت کا آغاز کیا وہ قومِ لُوط تھی۔ شیطان نے اُن کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ عورتوں کو خونِ حیض آتا ہے ان کے ساتھ صحبت کرنے میں انسان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ایسے بے حیا لوگ تھے کہ کھُلے جلسوں میں یہ شرمناک فعل بجالاتے تھے اور ایک دوسرے سے شرم نہیں کرتا تھا۔ دوسرا عیب ان میں یہ تھا کہ راستہ میں مسافروں کو لُوٹ لیتے تھے۔ حضرت لوطؑ ہر چند ان کو سمجھاتے تھے مگر یہ بدکار کسی طرح باز نہ آتے تھے۔ جب حضرت لوطؑ عذابِ الٰہی سے ڈراتے تو وہ کہتے اگر تم سچے ہو تو اس عذاب کو لا کر دکھاؤ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ
هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا
نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ
الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ

إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ
الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا
آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾

جب ہمارے رسول (فرشتے) ابراہیم کے پاس (اسحاق و یعقوب کی پیدائش کی) بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں اس کے باشندے یقیناً ظالم ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی رہتے ہیں۔ فرشتوں نے کہا جو رہتے ہیں ہم اُن کو جانتے ہیں۔ ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر اس کی بی بی (نہیں بچے گی) وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ جب (وہاں سے) یہ فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُن کے آنے سے بہت رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے (کیونکہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے تھے) فرشتوں نے کہا آپؑ ڈریں نہ رنج کریں ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ سوائے تمہاری بی بی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ چونکہ اس بستی کے رہنے والے بدکار ہیں لہٰذا ہم اُن پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے (اس اُلٹی ہوئی بستی کو) سمجھ دار لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کی ایک روشن نشانی باقی رکھی ہے۔

فرشتے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے اور ان کو پہلے حضرت اسحاق کی اور بعد میں حضرت یعقوبؑ کی ولادت کی خوشخبری دی۔ پھر کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ قومِ لُوط پر عذاب نازل کریں۔ انہوں نے کہا، وہاں تو لوطؑ بھی رہتے ہیں فرشتوں نے کہا ہم انہیں بچالیں گے۔ اس کے بعد وہ لوطؑ کے پاس آئے۔ چونکہ یہ فرشتے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے اس لیے حضرت لوطؑ کو یہ خوف ہُوا کہ خبر سنتے ہی وہ بدکار دوڑ پڑیں گے اور ان کو اٹھا کر لے جائیں گے فرشتوں نے جب ان کی پریشانی محسوس کی تو دلاسا دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ اور آپ کے گھر والے عذاب سے بچ رہیں گے۔ مگر آپ کی بی بی مغضوب ہو کر رہے گی۔ کیونکہ وہ کافرہ تھی اور کافروں کی اس بدکاری کو بُرا نہیں جانتی تھی اور حضرت لوطؑ پر ایمان نہیں لاتی تھی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ
الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن
مَّسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَ
كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾

اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو اور روزِ آخرت کی امید رکھو اور روئے زمین پر فساد برپا نہ کرو۔ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پس انہیں زلزلہ نے لے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور عاد و ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر ڈالا (اے اہلِ مکہ) تم کو تو اُن کے اُجڑے ہوئے گھر بھی (راستہ میں) دکھائی دیتے ہیں۔ شیطان نے اُن کی بداعمالیوں کو اُن کی نگاہوں میں زینت دے دی تھی اس لیے انہوں نے راہِ خدا سے لوگوں کو روکا حالانکہ وہ ہوشیار لوگ تھے۔

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا
فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم
مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ
خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن
كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

اور قارون و فرعون و ہامان بھی (ہلاک ہوئے) ان کے پاس موسیٰ روشن آیات لے کر آئے تھے مگر انہوں نے روئے زمین پر سرکشی سے کام لیا لیکن وہ ہم سے سبقت لے جانے والے نہ تھے ہم نے سب کو اُن کے گناہ کی وجہ سے لے ڈالا (یعنی ہماری گرفت سے نکل نہ سکے)۔ بعض تو ان میں وہ تھے جن پر ہم نے پتھر والی آندھی بھیجی۔ بعض وہ تھے جنہیں ایک چنگھاڑ نے لے ڈالا۔ بعض وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھانس دیا۔ بعض کو ڈبو کر رکھ دیا اور یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

قومِ عاد پر مسلسل آٹھ دن ہوا کا طوفان آیا۔ قومِ ثمود کو زلزلہ نے ہلاک کیا۔ قارون زمین میں دھنسا۔ فرعون کو غرق کیا گیا۔ یہ قومیں جن پر عذاب آتے تھے بے وقوف نہ تھیں۔ دنیوی معاملات میں کافی ہوشیار تھیں۔ تجارتی کاروبار خوب چلا رہے تھے۔ جو ہدایت انبیاء کرتے تھے وہ ان کے کان کو نہیں لگتی تھی۔ بات یہ تھی کہ وہ معاشرہ میں ایسی آزادی چاہتے تھے جس میں حرام و حلال کی قید نہ ہو۔ نیز زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم و ستم سے نہ روکا جائے کمزور لوگ اُن کی حکومت کو ہر حالت میں تسلیم کرتے رہیں۔ اسلام ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا اس لیے وہ انبیاء کے دشمن بن جاتے تھے۔

یہاں تک جو قصے بیان کیے گئے وہ کفار و مشرکین مکہ کو یہ بتانے کے لیے تھے کہ جس طرح اقوامِ سابقہ کی سرکشی خدا کے سامنے نہ چلی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اسی طرح تمہاری سرکشی بھی نہ چلے گی۔ وہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور بھی تھے اور تعداد میں زیادہ تھے۔ پس جب وہ خدا کی گرفت سے باہر نہ جا سکے تو تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ
اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا
يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا
يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ ع

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اُن کی مثال مکڑی کی سی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے۔ اگر تم جانتے ہو تو سمجھو کہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں خدا انہیں خوب جانتا ہے وہ غالبؒ حکمت والا ہے۔ یہ مثالیں ہم عام لوگوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں ان کو عام لوگ ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے آسمان و زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔

کفار و مشرکین جن بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوتے ہیں اور اُن سے اپنی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں وہ احمقانہ خیالات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان میں کیا طاقت ہے کہ وہ کسی کی بھی حاجت برآری کر سکیں۔ اُن کے یہ خیالات اُن کے یہ وا ہے، مکڑی کے جالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ جالا ہوتا ہی کیا ہے۔ ذرا انگلی لگ جائے تو فوراً ٹوٹ جاتا ہے پس یہ سب خیالات انتہائی کمزور ہیں۔ جب کوئی مصیبت پڑے گی تو ان کے یہ فرضی معبود انہیں کیا مدد دے سکیں گے۔ جس طرح مکڑی کے جالے سے کوئی کام نہیں ہو سکتا اسی طرح ان معبودوں سے کوئی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ جس طرح مکڑی اپنے جالے میں خود پھنس کر رہ جاتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی بد اعمالیوں میں مبتلا ہو کر اپنی بدبختی کا باعث خود ہی بن جاتے ہیں۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷

(اے رسول) جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھتے رہو۔ بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور خدا کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے مناظرہ نہ کرو مگر شائستہ طریقہ سے، ہاں ان میں سے جو ظالم ہیں ان سے نہیں (مسلمانو) تم ان سے کہو ہم تو جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اور جو تم پر نازل کی گئی ہے سب پر ایمان لے آئے ہیں۔ تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ اور اے رسول ہم نے اسی طرح تم پر کتاب نازل کی جیسے تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل کی تھی اور جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب عطا کی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لے آئے ہیں اور ان میں (عرب والوں) سے بھی بعض ایمان لے آئے ہیں اور ہماری آیات کا کافروں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔

اگرچہ تلاوتِ کلامِ پاک اور نماز پڑھنے کا حکم بظاہر رسول کو دیا گیا ہے لیکن درحقیقت یہ حکم ہے سب مسلمانوں کے لیے۔ ان دو چیزوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ تزکیۂ نفس اور رجوع الی اللہ میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

لیکن صرف زبان سے الفاظ ادا کرنا اور نماز میں صرف بدن کو حرکت دینا اس فرض کو پورا نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک شخص صرف الفاظ تو اپنی زبان سے نکالتا ہے مگر اس کے معانی سے کوئی غرض نہیں رکھتا تو اس تلاوت سے جو فائدہ اس کو ہونا چاہیے وہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ صرف الفاظ کا تلاوت کرنا بھی مردِ جاہل کے لیے باعثِ ثواب ہے لیکن جب کسی بات کو سمجھا ہی نہیں تو دل پر اس کا اثر کیسے ہوگا۔ تلاوت کی غرض تو اسی وقت پوری ہوگی جبکہ ہر آیت کے معانی پر غور کیا جائے۔ اور ان کے بیان کا جو مقصد ہے اس کو عملاً پورا کیا جائے۔ ترتیلِ الفاظِ کتاب اور تعمیلِ احکامِ کتاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسان کے دل میں ایک دو نہیں ہزارہا برائیاں چھپی بیٹھی ہیں جو اپنے اپنے وقت پر نکلنا چاہتی ہیں۔ ان کا نکلتے رہنا اس پھوڑے کی مانند ہے جس سے مواد برابر رِستا رہتا ہو۔ جب تک یہ رِسنا بند نہیں ہوگا پھوڑا اچھا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ رِسنا پھوڑے کے منہ پر کپڑا باندھ دینے سے بند نہیں ہو سکتا جب تک پھوڑے کے اندر کوئی دوا نہ پہنچائی جائے۔ اگر قرآن کو غور سے پڑھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے تو انسان کے دل سے برائیوں کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور نزولِ قرآن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ حضور سرکارِ دو عالم جب مبعوث ہوئے اس وقت عربوں کی حالت اخلاقی لحاظ سے نہایت پست تھی۔ کون سی برائی تھی جو ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ قرآن نے ان کو کھود کھود کر نکالا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ ان کے پاس بھی نہ جانا۔ نیز یہ کہ جو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم قرآن دے رہا ہے ان سے آراستہ ہو کر ان بدو عربوں کے سامنے اپنے کو پیش کرو تاکہ تمہاری عملی حالت دیکھ کر ان کے دل پر اچھا اثر ہو اور خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلے۔ غرض خوش الحانی سے پڑھنا کافی نہیں تاوقتیکہ سمجھا نہ جائے۔

تلاوت کے حکم کے بعد نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے پھر جو فائدہ ہوتا ہے وہ بھی بتا دیا کہ یہ نماز بے حیائی اور بدکاری سے روکنے والی چیز ہے۔ صرف قیام و قعود اور رکوع و سجود کر لینا اس فرض کو پورا نہیں کرتا۔ نمازی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ بے حیائی اور بدکاری سے بچا یا نہیں۔ اگر نہیں بچا تو نماز کا صرف اعضا کی حرکت کا کام ہوا یہ تو ایک قسم کی ورزش ہوئی۔ جو شخص پانچ وقت اپنے معبود کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور ہر بار سیہ کاریوں کے داغ دھبے اس کے دامنِ دل پر لگے ہوتے ہیں تو اس کو شرم آنی چاہیے۔ ایک غیرتمند ضرور اس بات کا خیال رکھے گا کہ برے کاموں سے بچا رہے۔ دنیوی بادشاہوں کے دربار میں جانے والے صاف ستھرے لباس میں جانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دربار سے بذلت و خواری نکال نہ دیے جائیں۔ پس بادشاہِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہونے والوں کو بھی چاہیے کہ اپنا دل صاف ستھرا بنا کر اس کے سامنے حاضر ہوں۔ جو شخص پابندی سے نماز پڑھے گا کبھی تو اسے یہ خیال آئے گا کہ میں اپنے دل کی حالت درست کروں۔

فروعِ دین میں نماز کو اسی لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ ایک گنہگار بندہ جب پانچ وقت اپنے معبود کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے گا اور آئندہ گناہ کرنے سے توبہ کرے گا تو اس کے دل میں صفائی اور روشنی پیدا ہوگی اور نمازی کہلا کر لوگوں کے سامنے گناہ کرتے شرم آنے لگے گی۔ قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا اور یہ جانچا جائے گا کہ مدت العمر میں اس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور کتنی چھوڑیں اور جو پڑھیں

ان میں قابلِ قبول کتنی ہیں اور کتنی نہیں۔ اللہ کی سرکار میں صرف متقیوں کی عبادت قبول ہوگی۔ پس جو برائیوں سے نہیں بچا، اس کی عبادت کسی اجر کی مستحق قرار نہیں پائے گی۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اے رسول قرآن نازل ہونے سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھا کرتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھا ہی کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو ضرور یہ جھوٹے تمہاری نبوت میں شک کرنے لگتے مگر جن لوگوں کو خدا کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اُن کے دلوں میں یہ (قرآن) واضح اور روشن آیتیں ہیں اور سرکشوں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (کفارِ عرب) کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) پر خدا کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ تم کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں، میں تو صاف صاف (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھنا پڑھنا سب کچھ جانتے تھے مگر آپؐ کو اجازت نہ تھی کہ کوئی کتاب پڑھیں یا کاغذ پر کچھ لکھیں۔ لوگوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ آپؐ کو لکھنا پڑھنا آتا ہی نہ تھا مبعوث بر رسالت ہونے کے بعد علوم کے خزانے یکایک آپؐ کو مل گئے۔ یہ بات کی تہ تک نہ پہنچنے کے نتیجے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر حضورؐ لکھتے پڑھتے ہوتے تو مشرکین یہ الزام لگاتے کہ توریت و انجیل اور آسمانی صحیفوں کو پڑھ کر قرآن بنا لیا ہے یہ بھی ان کا اعتراض تھا کہ ایک شخص رات کو آتا ہے اور وہ مضامینِ قرآن انؐ کو لکھوا دیتا ہے صبح ہی وہ صحابہ کرامؓ کے سامنے وحی کہہ کر پڑھ دیتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات کے رد کے لیے خدا نے اُن کو لکھنے پڑھنے سے روک دیا تھا۔ جب کسی نے آپؐ کو لکھتے پڑھتے دیکھا ہی نہیں تھا تو یہ اعتراض بالکل احمقانہ تھا۔ لیکن اس کے بیا

معنی نہیں کہ حضورؐ لکھے پڑھے آدمی نہ تھے اُمّی محض تھے۔ یہ تو ایک رسول کی کھلی توہین ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا ایک مردِ جاہل کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمالے۔ اس کے ہمعصر تو پڑھے لکھے ہوں اور وہ علم سے کورے ہوں۔

جو شخص پہلی قوموں کے عقاید، اُن کی زندگی کے حالات، اُن پر عذاب کے واقعات، اُن کی اخلاقی و معاشرتی کیفیات کو نہایت مفصل اور وضاحت سے بیان کر رہا ہے اور وہ ایک ایسا شخص ہے جس کو کسی نے کبھی لکھتے پڑھتے نہیں دیکھا تو لامحالہ یہ علم اُسے وحی کے ذریعہ ہی سے ملا ہوگا۔ پس جس کا علم وحی پر منحصر ہو وہ ضرور نبی ہے۔ اس کی رسالت میں شک کرنے والے جو کچھ کہتے ہیں وہ ضرور اُس سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ قرآن ان آیاتِ بیّنات پر مشتمل ہے جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتابِ خدا کا نزول قلبِ رسولؐ پر ہوتا رہا۔ کوئی لکھی ہوئی کتاب حضورؐ کے پاس یکبارگی نہیں آئی بس قلمِ قدرت نے قلبِ رسولؐ پر جو لکھ دیا وہی اصل کتاب ہے اور جو حضورؐ نے پڑھ کر سُنا دیا اور لوگوں نے لکھ لیا وہ قرآن ہے۔ پس کتابِ خدا کی ایک اصل کاپی ہر زمانہ میں موجود رہنی چاہیئے تاکہ اگر آیاتِ قرآنی میں کوئی اختلاف کی صورت پیدا ہو تو اصل کتاب سے اُس کو ملا لیا جائے۔ یہ اصل کتاب خدا نے اُن لوگوں کے سینوں میں رکھی ہے جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ دُنیا کے کسی مدرسہ میں اُنھوں نے تعلیم نہیں پائی۔ نیز یہ کہ ایسے لوگ معصوم ہونے چاہئیں تاکہ کسی قسم کی غلطی کا صدور ان سے ممکن نہ ہو۔ اور ہر زمانہ میں ان میں سے کسی ایک کا وجود پایا جائے۔ یہ لوگ سوائے ائمہ اثنا عشر کے جن کے اوّل حضرت علی علیہ السلام ہیں اور آخر قائمِ آلِ محمدؐ ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔!

فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت ہے۔ عہدِ رسالتؐ سے آج تک مسلمانوں میں کوئی شخص اس کا مدّعی نہیں ہوا کہ وہ خدا کے یہاں سے پڑھا ہوا آیا ہے سوائے اہلبیتِ رسولؐ کے۔ پس اوتوا العلم سے وہی مراد ہیں۔ کتابِ خدا کا علم انہی میں سینہ بہ سینہ چل رہا ہے۔ یہی ہر اختلاف کو مٹانے کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ انہی سے تمسک نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں میں تہتّر فرقے بن گئے ہیں اور ہر فرقہ قرآن سے استدلال کرتا اور اپنے کو حق پر بتاتا ہے۔ قرآن تہتّر طریقوں سے تو نازل نہیں ہوا وہ تو ایک ہی طریق سے نازل ہوا ہے۔ اگر مرکزِ تعلیم نہ بدلا جاتا تو یہ اختلافی صورتیں پیدا نہ ہوتیں۔

آخر آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین جو اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ رسولؐ اپنے معجزے کیوں نہیں دکھاتے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ نے دکھائے تھے۔ اُن کے جواب میں خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ معجزات دکھانا خدا کے اختیار میں ہے اور اُس کی مصلحت پر موقوف ہے۔ میں تو تم لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔ اگر تم میری بات نہ مانو گے تو خدا جب چاہے گا تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا۔ تمہاری حسبِ خواہش اگر میں معجزات دکھانے والا ہوتا تو اسی کا ہو رہتا۔ آج ایک شخص کہتا یہ معجزہ دکھاؤ کل دوسرا کہتا یہ دکھاؤ۔ تو تم معجزات کو ایک کھیل بنا دیتے۔

اَوَلَمۡ یَکۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ
لَرَحۡمَةً وَّ ذِكۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵ قُلۡ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَكُمۡ
شَهِیۡدًا ۚ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَ
كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ
وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ
لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

(جو لوگ معجزہ کے طالب ہیں) کیا اُن کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت ہے اور ایمان لانے والی قوم کے لیے نصیحت ہے۔ اے رسول کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے اور جو باطل کو ماننے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ہے وہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہیں۔ یہ لوگ تم سے عذاب لانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ اگر عذاب کے لیے ایک وقت معین نہ ہوتا تو عذاب اُن کے پاس آچکا ہوتا اور آخر ایک دن اُن پر اچانک ضرور آپڑے گا اور اُنہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔

جو لوگ کہتے تھے کہ رسولِ خدا کوئی معجزہ اور رسولوں کی طرح کیوں نہیں دکھاتے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن تو رسولؐ کا معجزہ مستمرہ ہے اسے کیوں نہیں مانتے۔ اگر اس کا جواب لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ مگر تم اس دعوٰی کی تردید اب تک نہیں کر سکے اور نہ کر سکو گے۔ پھر اس معجزہ کے ہوتے ہوئے اور معجزہ کہاں طلب کر رہے ہو۔ میں اپنی نبوّت پر اللہ کی گواہی پیش کر سکتا ہوں۔ وہ اس قرآن میں جابجا میری رسالت کا ذکر کر رہا ہے۔ اگر اسے اللہ کی کتاب مانتے ہو تو میری رسالت مانو اور اگر نہیں مانتے تو یہ ثابت کرو کہ میں نے دل سے گڑھ کر پیش کی ہے رہا تمہارا عذاب میں جلدی کرنا تو خدا نے جو وقت مقرر کر دیا ہے اس پر ضرور نازل ہوگا اور جس وقت آئے گا تو ایسا اچانک آئے گا کہ تمہیں خبر ہی نہ ہوگی۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۵۴
يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۵ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ
فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ
الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹ وَكَاَيِّنْ
مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰

یہ لوگ عذاب میں بڑی جلدی کر رہے ہیں (انہیں خبر نہیں کہ) دوزخ کافروں کو اس طرح گھیر کر رہے گا (کہ روک نہ سکیں گے) وہ وہ دن ہوگا کہ عذاب اُن کے سر کے اُوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اُن کو ڈھانک لے گا اور خدا (اُن سے) کہے گا، جو عمل تم دُنیا میں کرتے تھے اب اُس کا مزہ چکھو۔ اے میرے ایماندار بندو، میری زمین تو یقیناً کشادہ ہے تو تم میری ہی عبادت کرو۔ (ایک نہ ایک دن) ہر شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے اُن کو ہم بہشت کے جھروکوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اچھے چلن والوں کی کیا اچھی مزدوری ہے جنہوں

نے (دنیوی مصیبتوں میں) صبر سے کام لیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ زمین پر چلنے والوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو اپنی روزی اپنے اُوپر لادے نہیں پھرتے۔ خدا ہی اُن کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ لوگ عذاب میں جلدی کر رہے ہیں انہیں خبر نہیں کہ جہنم سے بچ کر کافر کہیں نہیں جا سکتے۔ ان پر عذاب آئے گا اور بلا کا عذاب آئے گا۔ اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ اُس وقت کہا جائے گا کہ اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھو۔ ایک دن ہر شخص کو مرنا ہے اور خدا ہی کی طرف جانا ہے پھر اس کے عذاب سے بچنا کیسا؟

نیچے کا حصہ اُن مسلمانوں کے لیے ہے جو ہجرت کرنے کے بعد افلاس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اُن سے کہا جا رہا ہے کہ راہِ خدا میں جو تکالیف تم کو پہنچ رہی ہیں ان کو صبر سے برداشت کرو، خدا پر بھروسہ کرو۔ ہر زمین پر چلنے والے کا رازق اللہ ہے وہی تم کو بھی رزق بہم پہنچائے گا۔ اس صبر کا تمہیں روزِ قیامت بڑا اچھا بدلہ ملے گا۔ ایمان کی نگہبانی سب سے مقدم ہے اس کے مقابل کسی چیز کو عزیز نہ سمجھو۔

مسلمانوں میں ایسے لوگ زیادہ تھے جو عسرت و تنگدستی سے گھبرائے ہوئے تھے اور کفار و مشرکین کو آسودہ حالت میں دیکھ کر اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہم نے مسلمان ہو کر کیا پایا۔ طرح طرح کی پریشانیاں اپنے لیے مول لے لیں۔ خدا اُن کو دلاسا دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ جو کامل الایمان ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ تنگدستی یا کسی اور مصیبت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اُن کی نظر میں ہر وقت آخرت کی نجات رہتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب تم کسی ایسی سرزمین میں ہو جہاں کے لوگ نافرمان ہوں تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ دوسری جگہ منتقل ہونے سے تمہاری پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ مثل مشہور ہے، "ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست"۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اپنی روزی دوسرے دن کے لیے نہیں اُٹھا رکھتے یعنی جمع نہیں کرتے۔ یہ جمع کرنے کا خاصہ ذی حیات کے لیے ہے، چیونٹی، چوہا اور انسان۔ باقی تمام جانور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہ بھوکا اُٹھاتا ہے بھوکا سُلاتا نہیں۔ خدا پر رزق رسانی کا بھروسہ نہ کرنا ایمان کی کمزوری ہے۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲ وَلَىِٕنْ

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا
هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ
الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے۔ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں میں جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے اور بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان سے پانی برسانے والا کون ہے جس سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین زندہ ہو جاتی ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے اللہ! اے رسول تم کہو الحمد للہ، لیکن اکثر لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ دُنیا کی یہ زندگی لہو و لعب کے سوا اور کیا ہے۔ بے شک آخری زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ سمجھتے بوجھتے ہوں۔

لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور سورج اور چاند کو مسخر کرنے والا خدا ہی ہے لیکن پھر یہ اس کی قدرت کے بارہ میں بہک کیوں جاتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں مانتے کہ بندوں کے رزق کا کم و بیش کرنا خدا کے اختیار میں ہی ہے۔ وہی مینہ برساتا ہے جس سے زمین غلّہ اُگانے کے قابل بنتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر یہ کام کون کر سکتا ہے۔

سورج اور چاند کی تسخیر سے یہ مراد ہے کہ اُس نے ان دونوں کو تمہاری خدمت کے لیے معیّن کر دیا ہے صبح و شام ان کا طلوع ہونا اور غروب ہونا ہوتا رہتا ہے وہ اس سے رُک نہیں سکتے۔

جو خاصانِ خدا ہیں حقیقی معنوں میں چاند سورج اُن کی تسخیر میں پائے جاتے ہیں، جیسے حضرت رسولِ خدا نے شق القمر دکھایا اور حضرت علیؑ کے لیے ردِّ شمس ہوا۔

ہر ملک میں منصوبہ بندی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشش اس وجہ سے جاری ہے کہ آدمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور غلّہ کی پیداوار کم ہے لیکن اس کمی کا ذمہ دار خدا نہیں بلکہ بندے خود ہیں۔ خدا تو جتنے انسان رُوئے زمین پر بستے ہیں ان کے لحاظ سے غلّہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہی۔ لیکن انسان

اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ اگر ملک کے حکمرانوں کی کاشتکاری کی طرف زیادہ توجہ رہے تو غلّہ کی کمی کی شکایت نہ ہو۔ لیکن جب کاشتکار بجائے زراعت کرنے کے صنعتی اداروں میں بُلا لیے جائیں یا کاشتکاروں پر نئے نئے ٹیکس لگائے جائیں۔ آب پاشی کا پورا انتظام نہ کیا جائے تو غلّہ کی پیداوار میں اضافہ کیسے ہو؟ اگر زرِ مبادلہ میں غلّہ نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو کسی ملک میں غلّہ گراں نہ ہو۔ لیکن بین الاقوامی نظام نے کچھ ایسے چکر میں ہر ملک کو ڈالا ہے کہ کوئی ملک اپنی پیداوار کو اپنی ہی رعایا کے لیے مخصوص نہیں کر سکتا۔ بہر حال جو ہو رہا ہے ہوتا رہے گا لیکن خدا کے اس ارشاد پر نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے کوئی کمی نہیں اس نے ہر اس مخلوق کا رزق جو رُوئے زمین پر چلنے والی ہے اپنے اُوپر لے رکھا ہے۔

لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا نے رزق و پانی اپنے ذمّہ لیا ہے تو پھر قحط کی مصیبت میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ وہ وقتِ ضرورت پانی کیوں نہیں برساتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا ظالم نہیں اور نہ ظلم پسند ہے وہ اپنی مخلوق پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے لیکن جب کسی خطہ کی مخلوق اس کی نافرمانی کرتی ہے، بداعمالیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اس کے نیک بندوں کو ستاتی ہے تب اُسے غصّہ آتا ہے اور وہ اُن کے رزق کو کم کر دیتا ہے لہٰذا قحط کا سبب خود بندے بنتے ہیں، خدا پر اس کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ اگر نظامِ کائنات کے تحت کسی خطہ میں غلّہ کی پیداوار رُک جاتی ہے یا قحط پڑ جاتا ہے تو خدا آس پاس کے خطّوں میں زیادہ غلّہ پیدا کر کے اس کمی کو پُورا کر دیتا ہے۔

اب رہا شخصی اعتبار سے کسی کا بھوکوں مرنا تو اس میں بھی کوتاہی بندہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو حصولِ معاش میں سُست قدم اُٹھاتا ہے محنت مزدوری سے جان چُراتا ہے۔ اپنے کو دوسروں کی مدد کا محتاج بنا لیتا ہے اور در در بھیک مانگتا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ وہ اپنے اوپر رزق کا دروازہ خود بند کرتا ہے۔

آخر میں اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے کہ دُنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ اس کے عشق میں دیوانے مت بنو، یہ تو چند روز کی بہار ہے جیسے مسافر کسی سرائے میں آ ٹھہرتا ہے یا کوئی راہرو پل پر سے گزرتا ہے۔ یہی صورت دُنیا کی ہے۔ اس کا نہ عیش دوامی ہے نہ تکلیف۔ اگر عیش میں یہ چند دن گزرے تو کیا اور اگر تکلیف میں گزر گئے تو کیا آخر ایک دن مرنا ہی ہے۔ مرنے کے بعد سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اصلی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں اُسے سنبھالنا چاہیئے۔ ایسا بندوبست کرنا چاہیئے کہ وہاں تکلیف نہ ہو کیوں اُس تکلیف کا تو خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ جو خاصانِ خدا ہیں اور جنہوں نے زندگی کے اس راز کو سمجھ لیا ہے انہوں نے مزخرفات دنیوی کی طرف کبھی توجہ نہیں کی اور آخرت کی زندگی کے سنوارنے میں مرتے دم تک لگے رہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ فَلَمَّا

نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ
وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا
وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ
اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

(لوگوں کا حال یہ ہے) جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (خیریت سے کنارہ تک پہنچنے کے لیے) بڑے خلوص سے خدا کی عبادت کرنے والے بن جاتے ہیں لیکن جب صحیح سلامت خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا کا شریک بنانے لگتے ہیں تاکہ جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں انکار کر بیٹھیں اور چند روزہ زندگی آرام سے گزاریں۔ عنقریب جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے حرمِ مکہ کو جائے امن بنایا ہے (حالانکہ اس سے پہلے) آس پاس کے لوگ انہیں اُچک لے جاتے تھے "یعنی لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کر ڈالتے تھے"۔ تو کیا جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں تو اُن سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور حق بات جب اس کے پاس آئے تو اُسے جھٹلائے۔ تو کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہے ہم اُن کو اپنے راستہ پر لگا دیں گے اور خدا تو احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں اور کشتی گرداب میں پھنس جاتی ہے تو اُس وقت کیسے بلک بلک کر پُرخلوص دل سے دُعا مانگتے ہیں، یا اللہ تو ہی ہمیں اس طوفان سے نجات دینے والا ہے۔ لیکن جب خدا ان کی حالت پر رحم کر کے انہیں صحیح سلامت کنارہ پر پہنچا دیتا ہے تو پھر ان کے سر بتوں کے سامنے جھکنے لگتے ہیں اور خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اور ہماری نعمتوں سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ چند روزہ زندگی آرام سے گزارنے کے لیے ہمارے احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں لیکن کیا ایسا کرنے کے بعد اپنی غلط کاریوں کی سزا سے بچ جائیں گے۔ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام سے پہلے ان کی حالت کیا تھی۔ آئے دن قتل و غارت۔ ہم نے شہر مکہ کو اس سے بچائے رکھا اور ان کفار و مشرکین مکہ پر آنچ نہ آنے دی تو کیا اس احسان کا یہی بدلہ ہے کہ وہ بتوں پر ایمان لائیں اور ہمارے احسانات کو بھلا دیں۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں کہ ہم پر افترا پردازی کرتے ہیں اور قرآن جو اُن کی ہدایت کے لیے آیا ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیا انہیں پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ ہاں جو لوگ ہماری راہ میں ان کافروں سے جہاد کرتے ہیں اور ہمیں خوش رکھنا چاہتے ہیں ہم ان کو اپنے راستہ پر لگائے رہتے ہیں، گمراہ نہیں ہونے دیتے۔

---

(۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۸۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ
وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

الف ۔ لام ۔ میم ۔ بہت قریب کے ملک میں رومی نصاریٰ (اہلِ پارس آتش پرستوں سے) ہار گئے مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہلِ پارس پر) غالب آجائیں گے (اس سے) پہلے اور بعد (ہر زمانے میں) ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے اور اس دن ایماندار لوگ خدا کی مدد سے خوش ہو جائیں گے ۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے وہ تو بس دُنیوی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں ۔

ان آیتوں سے رسولؐ کی عظمت اور نبوت کی تصدیق ہوتی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ بعثت کے نویں سال جبکہ روم نصاریٰ کے قبضہ میں تھا اور فارس آتش پرستوں کے زیرِ حکومت تھا ۔ دونوں ملکوں میں فلسطین پر جنگ ٹھہری تھی ۔ مسلمانوں کو رومیوں سے بہ نسبت اہلِ کتاب ہونے کے ہمدردی تھی وہ ان کی فتح کے خواہشمند تھے ۔ لیکن ان کی خواہش کے خلاف ایرانیوں کو فتح ہوئی ۔ جس سے مشرکین خوش ہوئے اور اپنے لیے فال نیک سمجھے اور مسلمانوں پر آوازے کسنے لگے کہ جس طرح آتش پرستوں کو اہلِ کتاب پر فتح ہوئی ہے اسی طرح ایک دن ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے ۔ مسلمان یہ سن کر غمگین ہوئے ۔ خدا نے ان کی تشفی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ چند سال میں رومیوں کو فتح ہوگی ۔ مسلمان اس خوشخبری سے خوش ہوئے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسی بنا پر اُبی بن کعب سے تین برس کے دس دس اونٹوں پر شرط کی ۔ جب حضورؐ نے سُنا تو فرمایا ، اس میں مدت کی قید نہ لگاؤ کیونکہ بضع سنین تین برس سے نو برس تک کو کہتے ہیں ۔ غرض سو اونٹوں پر نو برس کی شرط ہوئی ۔ اور جنگ ہونے پر رومیوں نے ایرانیوں پر فتح پائی اور حضرت ابوبکرؓ نے اُبی بن کعب کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کیے ۔ شرط لگانا اس وقت تک حرام نہیں ہوا تھا ۔ یہ پیش گوئی قرآن کے کتابِ خدا ہونے کی قطعی دلیل ہے ۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان جو رائے اپنے قیاسات کی بنا پر قائم کرتا ہے وہ کوئی قابلِ یقین چیز نہیں ہوتی ۔ البتہ خدا جو وعدے کرتا ہے وہ پورے ہو کر رہتے ہیں خواہ وہ دُنیا سے متعلق ہوں یا دین سے ۔ پس لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا نے جو وعدے آخرت کے عذاب یا ثواب کے متعلق کیے ہیں وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے ، ان سے بے خبر نہ رہنا چاہیئے ۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ

رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۸

کیا اُنہوں نے اپنے نفسوں پر غور نہیں کیا ۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے بالکل ٹھیک اور مقررہ میعاد کے لیے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ روزِ قیامت اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں ۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا ۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وجودِ انسانی میں نفس کا کیا مرتبہ ہے ۔ یہ ایک غیر مرئی چیز ہے جو تمام انسانی بدن پر اپنا کنٹرول قائم کیے ہوئے ہے ۔ اس ایک نفسِ انسانی کے اندر کتنی قوتیں ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے ۔ علمائے اخلاق نے فضائلِ نفسانی کی بنیاد چار چیزوں پر رکھی ہے ، حکمت ۔ عفت ۔ عدالت ۔ شجاعت ! ان چاروں سے جو شاخیں نکلتی ہیں وہ سب مل کر ۴۸ ہو جاتی ہیں ۔ جب انسان کا نفس ان منزلوں سے گزر جاتا ہے تو روحانیت کی پہلی منزل میں داخل ہوتا ہے یعنی حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے ۔ اس کے بعد دوسری منزل وجدان کی اور تیسری منزل جاذب کی اور چوتھی منزل فنا کی آتی ہے ۔ اس کے بعد نفس کی ترقی کے لیے کوئی درجہ باقی نہیں رہتا ۔

ان تمام منزلوں کو سوائے اہلبیتؑ رسولؐ کسی نے طے نہیں کیا ۔ اسی لیے صوفیائے کرام و مشائخ عظام کے تمام سلسلے حضرت علی علیہ السلام پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں اور ان ہی کی پیروی کو سالکانِ راہِ طریقت اپنے نفس کا کمال سمجھتے ہیں ۔ نفس کی ایک ایک منزل میں ہزار ہزار منزلیں اور ایسی سامنے آتی ہیں کہ ان کے درمیان جو لطیف فرق ہوتا ہے انسانی طاقت نہیں کہ انہیں بیان کر سکے ۔

مثال کے طور پر ایک محبت کو لیجئے ۔ یہ بھی نفس کی ایک قوت ہے مگر کوئی بتا سکتا ہے کہ محبت کے بیشمار دھارے جو قلبِ انسانی سے پھوٹتے ہیں ان کے درمیان کیا فرق ہے ۔ ایک محبت وہ ہے جو ماں باپ کو اولاد سے ہوتی ہے ۔ ایک محبت وہ ہے جو اولاد کو ماں باپ سے ہوتی ہے ۔ ان کے درمیان کیا فرق ہے ۔ ایک روشن دماغ حکیم بھی نہیں بتا سکتا ۔ پھر ایک محبت رشتہ داروں سے ہوتی ہے ۔ ایک اُستاد کو شاگرد سے اور شاگرد کو استاد سے ہوتی ہے ۔ ایک محبت شوہر کو بی بی سے اور بی بی کو شوہر سے ہوتی ہے ۔ پھر کھانے پینے کی اور لباس کی محبت ۔ مکان کی محبت ، اسبابِ خانہ داری کی محبت ۔ اہلِ فنون کی اپنے اپنے فن سے محبت ، غرض اس محبت کی ہزارہا قسمیں ہیں اور ان سب کے دھارے ایک دل سے پھوٹ رہے ہیں ۔ کیسا صاحبِ حکمت و قدرت ہے ہمارا خالق کہ اُس نے ایک کوزہ میں سمندر کو بند کر دیا ہے ۔ غور کرو کہ جب اپنے نفس کی قوتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں تو خالقِ نفس کی قوتوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ پھر ہمارے دل میں ایک جذبۂ محبت ہی تو نہیں ہے ۔ جذبۂ عداوت بھی ہے پھر اُس کی بھی اتنی ہی دھاریں لیجئے ۔ پھر جذبۂ نفرت و حقارت و تعظیم و تکریم بھی ہے ۔ ۵۲ منزلیں جو بتائی گئیں ان کی اقسام کو جمع کیجئے ، لاکھوں قوتیں ایک دل کے اندر سموئی ہوئی ہیں ۔

پھر نفس کے تین رُخ ہیں۔ ایک کو نفسِ شہوی کہتے ہیں جس سے چیزوں کی طرف انسان کو رغبت ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو یا اس میں کوئی روگ لگ جائے تو سارا نظامِ حیات بگڑ کر رہ جائے۔ پھر دوسرا رُخ وہ ہے جسے نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہر بُرے کام پر انسان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ چور چاہے چوری کا اقرار نہ کرے مگر اس کا ضمیر نیش زنی سے باز نہیں رہتا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اکتسابِ شر کے ہزاروں دروازے انسان پر کھل جاتے۔ تیسرا رُخ نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے جو ہر مصیبت میں اور ہر مقامِ آزمائش میں صبر کے جوہر دکھاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان کا نفس کمال کے درجہ پر پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔

پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کے اندر جو خدا کی صنعتیں ہیں ان پر غور کرے تاکہ اسے معرفتِ خدا حاصل ہو اسی کی طرف خدا توجہ دلا رہا ہے کہ خدا کی قدرت کی بیشمار نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اگر ایک اپنے نفس ہی پر غور کر لیا کرو تو معرفتِ باری تعالیٰ کا ایک خزانہ تم کو مل جائے گا۔

نفس کے تمام کاموں کے لیے قدرت نے حدود معیّن کی ہیں۔ ان میں سے صحیح راستہ سے اگر ذرا سا قدم ہٹ جائے گا تو روزِ قیامت اس کی باز پرس ہوگی اور ذرا ذرا سی بات معرضِ حساب میں آئے گی۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا
أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ
أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾ ع
اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ
السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٢﴾ وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ
شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ﴿١٤﴾

کیا اُن لوگوں نے روئے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وُہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا وُہ اُن سے قوّت میں بہت زیادہ تھے اور جتنی زمین اُن لوگوں نے آباد کی تھی اُس سے زیادہ کاشت بھی کی تھی۔ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن آیتیں (معجزات) لے کر آئے۔ اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُن کے نفسوں نے خود اُن پر ظلم کیا پھر جن لوگوں نے بُرائی کی تھی اُن کا انجام بُرا ہی ہوا (بُرائی یہ تھی کہ) انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اللہ نے سب سے پہلے مخلوق کو پیدا کیا پھر دوبارہ اُن کو پیدا کرے گا پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ جب قیامت آئے گی تو گنہگار لوگ مایوس ہو کر رہ جائیں گے اور جن لوگوں کو اُنہوں نے خدا کا شریک بنایا تھا وُہ اُن کے شفیع نہ بنیں گے اور یہ لوگ خود بھی اپنے شریکوں سے انکار کر جائیں گے اور جب قیامت آئے گی تو یہ سب ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں گے۔

کفّارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے ذرا مکہ سے باہر نکل کر روئے زمین کی سیر کرو اور دیکھو کیسی کیسی بستیاں تباہ و برباد پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی بستیاں ہیں جو تم سے طاقت و قوت میں کہیں زیادہ تھے۔ جنہوں نے بہت سی عمارتیں بنائی تھیں، دور دور تک ان کے کھیت لہلہاتے تھے۔ ہزاروں من گندم پیدا ہوتا تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم کافی عقلمند ہیں۔ جب ہم دُنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کر رہے ہیں تو خدا ہم پر کیوں عذاب نازل کرے گا۔ ایسے لوگوں کے پاس جب ہمارے رسول آئے اور اُن کو اپنی نبوّت کے ثبوت یعنی معجزات بھی دکھلائے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی نتیجہ میں ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ ظلم خود انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا، خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ تو سرکشی و بدکاری کی سزا میں عذاب نازل کرتا ہے۔ جو کوئی بُرائی کرے گا، اس کی سزا ضرور بھگتے گا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ بُرے کام کرنے کے بعد اچھے نتیجہ کی امید رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

بُتوں کے پجاری اس پر غور نہیں کرتے کہ اُن میں کیا کمال ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کی پُوجا کی جائے۔ اللہ نے بغیر کسی نمونہ کو سامنے رکھے بغیر کسی سے مشورہ کیے سب سے پہلے مخلوق کو پیدا کیا اور پھر مار کر دوبارہ ایسا ہی بنا دے گا۔ پس جب اس کی ذات ایسی قادر و توانا ہے تو پھر اُسے چھوڑ کر کسی اور کو جو اس کی مخلوق ہے کیوں معبود بنایا جائے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ جب قیامت تمہارے سر پر آ کھڑی ہوگی تو جتنے گنہگار ہیں ان پر ہر طرف سے مایوسی چھا جائے گی اور جن لوگوں کو انہوں نے خدا کا شریک بنا رکھا تھا، جیسے دیوی دیوتا، جن، شیطان، بُت، سورج، چاند سانپ، گائے، دریا وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی اُن کی سفارش نہ کرے گا۔ سفارش تو کجا ان کو تو اپنی جان کے لالے

پڑے ہوں گے۔ وہ تو اپنے پجاریوں کو پہچانیں گے بھی نہیں اور صاف لفظوں میں کہہ دیں گے ہم نہیں جانتے کہ تم کون بلا ہو۔ ہم نے کب تم سے کہا تھا کہ ہمیں اپنا معبود بناؤ۔ ہم تو خود تم سے بیزار تھے۔ تب پتہ چلے گا کہ کیسا عذاب ان کے سر پر آ پڑا ہے۔ قیامت کے دن ان سب کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے گا کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ نفسی نفسی کی صدائیں میدانِ حشر میں ہر طرف سے آ رہی ہوں گی نہ باپ بیٹے کا ہوگا نہ بیٹا باپ کا، نہ ماں اولاد کی نہ اولاد ماں کی۔ ایک دوسرے کی طرف سے گزرتا چلا جائے گا اور کچھ کرتے نہ بنے گی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي
الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ
تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ
حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ
جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کیے پس وہ جنت کے باغ میں نہال ہو کر جائیں گے اور

جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔ پس تسبیح کرو اللہ کی جس وقت تم لوگوں کی شام ہو اور جس وقت تمہاری صبح ہو اور وہی قابلِ حمد ہے آسمانوں میں زمین میں اور جس وقت تمہاری شام ہو اور جب دوپہر ہو جائے وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے اور زمین کو مرنے کے بعد وہی زندہ کرتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی مرنے کے بعد نکالے جاؤ گے اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم آدمی بن کر زمین پر چلنے پھرنے لگے اور رب کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ رہ کر چین کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار اور محبت پیدا کر دی اس میں شک نہیں کہ غور کرنے والوں کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ کے معنی یوں تو مطلق ذکر ہے چاہے جس وقت ہو مگر یہاں مراد نماز پنجگانہ ہے۔ اسی بنا پر تمسون سے مراد ہے نماز مغرب و عشاء اور تصبحون سے نماز صبح اور عشیا سے نماز عصر اور تظہرون سے مراد نماز ظہر ہے۔

جو لوگ نماز کو کھڑاگ سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے خدا نے یہ پانچ وقت کی کثرت ہمارے پیچھے کیوں لگائی ہے۔ صرف ایک وقت رات کا دن کے تمام جھگڑوں سے نمٹنے کے لیے کافی تھا۔ یا صبح کا وقت ہوتا جیسے یہود و نصاریٰ اور زرتشتی مذہب میں ہے۔ پانچ وقت کی قید کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کو چونکہ معرفتِ خدا حاصل نہیں اور وہ دنیوی کاموں میں غرق ہو چکے ہیں اس لیے اُن کو اول تو نماز ہی بار ہے اور پھر پانچ وقت کی قید کے ساتھ ان کے اوپر وہی مثل صادق آتی ہے "گدھے کو دیا نون گدھا کہے میری آنکھیں پھوٹی جاتی ہیں"۔ خدا چاہتا ہے کہ بندوں کے گناہوں کا بوجھ کم ہوتا جائے اور بندے چاہتے ہیں کہ ان کے شیشۂ دل پر خوب میل کچیل گرد و غبار جمتا چلا جائے تاکہ بعد میں رگڑنے سے بھی صاف نہ ہو۔

صبح کی نماز اس لیے رکھی گئی ہے کہ رات کے اس حصہ میں کہ جب تک وہ جاگتا رہا ہے اگر کچھ گناہ ہو گیا ہے تو صبح ہوتے ہی خدا کی بارگاہ میں استغفار کر لے۔ اس کے بعد ظہر کے وقت تک جو گناہ صادر ہوتے ہیں۔ نماز ظہر کے وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی مانگ لے، پھر شام تک جو گناہ سرزد ہوں نماز عصر میں ان کی معافی مانگے۔ رات کا آغاز ہونے سے پہلے جو گناہ ہوں ان کی معافی نماز مغرب کے وقت مانگے۔ پھر نماز عشاء کے وقت ایسا ہی کرے۔ جب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد معافی مانگتا رہے گا تو اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہوتا جائے گا اور بار بار معافی مانگنے کے سلسلہ میں گناہ کرنے کی جرأت کم ہوتی جائے گی۔

جو لوگ نماز کو کھڑاک سمجھتے ہیں وہ کسی وقت کی نماز پڑھتے ہی نہیں یا جو نماز قضا ہو جاتی ہے اس کا انہیں اتنا بھی غم نہیں جتنا ایک مٹی کے آبخورہ کے ٹوٹنے کا وہ لوگ درحقیقت خدا کے بندے نہیں بلکہ شیطان کے

بندے ہیں۔ بظاہر اپنے کو مسلمانوں کے زمرہ میں اپنے ذاتی نفع کی وجہ سے شامل کیے رہتے ہیں ورنہ ان کو اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ دفتروں کے ملازم حکومت کے ہر حکم کی تعمیل ہر وقت کرنا اپنے فرائض میں داخل سمجھتے ہیں لیکن چونکہ خدا کو ایک دفتر کے حاکم سے بھی کم سمجھتے ہیں اس لیے وہ نماز کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک دن اس غفلت کی سزا ان کو ضرور بھگتنی پڑے گی۔

اس کے بعد ان آیات میں خدا اپنی خاص خاص نشانیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے :

۱ ۔ وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ خدا کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ نطفۂ انسانی تعجب خیز چیز ہے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ رحم مادر میں لے جا کر اس سے چند ماہ کے بعد ایک زندہ بچہ نکال کھڑا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک زندہ پرندے کے پیٹ سے بظاہر انڈے کو پیدا کرتا ہے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

۲ ۔ زمین کو مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دیتا ہے۔ جب زراعت کے بعد کسی کھیت کی مٹّی بے جان ہو جاتی ہے اس کی انرجی ختم ہو جاتی ہے۔ دوبارہ اُگانے کی طاقت نہیں رہتی تو خدا آسمان سے مینہ برسا کر پھر اس میں قوتِ نمو پیدا کر دیتا ہے۔ اور جو بیج اس میں ڈالا جاتا ہے وہ اُگنا بڑھنا اور پھل پھول لانا شروع کر دیتا ہے۔ غور کرو یہ قوت کس طرح رازدارانہ طور پر اس کے اندر ودیعت کی جاتی ہے۔

۳ ۔ اُس نے انسان کو مٹّی سے پیدا کیا لیکن کیا اس کے بدن کے کسی حصّہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مٹّی کا کھلونا ہے۔ اس کا گوشت پوست ہڈّی، خون، رگیں، اعصاب، کیا اس کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ مٹّی سے بنایا گیا ہے۔ اس قادرِ مطلق نے ایک مٹّی سے کتنے اعضا اس کے بدن میں پیدا کر دیئے۔ جو اپنے حالات، کیفیات اور رنگ وغیرہ میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ دل والا گوشت جس طرح کا ہے پھیپھڑے کا گوشت اس سے الگ ہے گردے کا گوشت جگر اور تلی سے الگ ہے۔ معدہ کا رنگ کچھ اور ہی ہے۔ اعصاب کی صورت کچھ اور ۔ یہ سب پرزے ہیں مٹّی ہی کے۔ اور یہ مٹّی کی مشین کے پرزے بن کر کس خوبی سے اسے چلا رہے ہیں۔ دماغ ہی کو لو، مٹّی کے اندر کیسی کیسی قوتیں رکھی ہیں۔ پھر جو غذا بھی آدمی کھاتا ہے وہ سب مٹّی کی ہے۔ وہ قادرِ مطلق مٹّی کو پلاؤ، قورمہ نان کباب اور شیرمال بنا کر کھلا رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب آدمی قبر میں جاتا ہے اور چند روز بعد یہ راز کھل جاتا ہے، کہ جسے اشرف المخلوقات کہتے تھے جو کائنات کی تسخیر میں لگا ہوا تھا وہ مٹّی کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیسی عجیب قدرتِ الٰہی ہے، وہ مٹّی کو سونا اور سونے کو مٹّی بنا کر دکھاتا رہتا ہے۔ سبحان اللہ۔

۴ ۔ جو لوگ قیامت میں زندہ ہونے کو بعید از عقل سمجھتے ہیں وہ ذرا زمین کی اس حالت سے سبق لیں کہ ایک کھیت کٹنے کے بعد دوبارہ پھر ایسے ہی پودے زمین سے کس طرح اُگ آتے ہیں۔ پس جس خدا نے اوّل پیدا کیا تھا اُسے آخر میں پیدا کرنا کیا دشوار ہے۔

۵ ۔ ہر طرف روئے زمین پر لوگ دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ پہاڑ ہوں یا دریا، ہر جگہ انسان موجود ہے

کون سی جگہ روئے زمین پر ایسی ہے جہاں انسان کی دوڑ دھوپ نہیں ہے۔ اس کے بدن میں یہ طاقت کس نے دی ہے ہر اونچی نیچی خشک تر، سرد و گرم جگہ پر اسے کس نے پہنچایا ہے۔ کیا ایسا خدا جو نظامِ حیاتِ انسانی کو اس خوبی سے چلا رہا ہے قابلِ عبادت نہیں ؟

۶ ۔ اُس نے یہ کمال بھی دکھایا ہے کہ مردوں ہی کی نوع سے ان کی بیبیوں کو بنایا ہے تاکہ وہ تنہا وحشیانہ زندگی بسر نہ کریں۔ ایک مخلوق اُس کے ساتھ ایسی رہے جس سے اُسے اُنس ہو۔ زندگی کے کاروبار میں اس سے مدد ملے۔ اسی نوع کی ایک فرد عورت ہے۔ دیکھو اپنی خصوصیات میں مرد سے کتنی جداگانہ ہے۔ مرد کا دل اس کی طرف کس طرح کھنچا ہوا ہے۔ دیکھو بچّوں کے پیدا کرنے اور ان کو پالنے میں کیسا کمال اس کو حاصل ہے۔

قدرت نے اپنی یہ سب نشانیاں اس لیے بیان کی ہیں کہ انسان کو اس کی معرفت حاصل ہو اور وہ کسی اور کو اُس کا شریک نہ بنائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ
مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ
مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے

اس میں اہلِ عالم کے لیے نشانیاں ہیں خدا کی' اور اُس کی نشانیوں میں رات اور دن ہیں۔ رات ہماری نیند کے لیے ہے اور دن روزی کی تلاش کے لیے ہے۔ جو لوگ بات کو سُنتے ہیں ان کے لیے اس میں خدا کی نشانیاں ہیں۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور اُمید دلانے کے لیے بجلی چمکاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے جس سے مُردہ زمین میں جان آجاتی ہے۔ اس میں عقل والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں اور اُس کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب ایک بار تم سب کو بُلائے گا تو تم زمین سے نکل پڑو گے اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

ابھی خدا کی نشانیوں کا بیان جاری ہے :

۷ ۔ اس کی نشانیوں میں آسمان و زمین کا پیدا کرنا بھی ہے۔ دیکھو آسمان کو اُس نے کیسا عجیب و غریب بنایا ہے۔ جب سے بنا ہے آج تک ویسا ہی ہے ذرا رنگ نہیں بدلا، کبھی ستونوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ کبھی اپنی خصوصیات نہیں کھو بیٹھا۔ کبھی کسی کے سر پر آج تک اس کا کوئی حصّہ ٹوٹ کر نہیں گرا ستاروں کی ہزار ہا مچھلیاں اس سمندر میں تیر رہی ہیں مگر کوئی مچھلی آج تک مری نہیں۔ راکٹوں اور ہوائی جہازوں سے لاکھوں میل تک لوگ اوپر گئے مگر یہ پتہ نہ چلا کہ اُس کی موٹائی اور پہنائی کتنی ہے۔ اس کی حدود کیا ہیں۔ بتاؤ ایسا شامیانہ خدا کے سوا کوئی بنا سکتا ہے۔ زمین کو دیکھو اوّل روز سے آج تک جیسی تھی ویسی ہی ہے۔ نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ نہ کسی طرف کو جھکتی ہے نہ مُڑتی ہے۔ جو خصوصیات پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں۔ معلوم ہوا اُس کا بنانے والا ایک ہی حکیم مطلق ہے۔ دوسرا ہوتا تو ضرور کوئی تبدیلی کرتا۔

۸ ۔ ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہر خطّہ کی زبان مختلف ہے۔ دُنیا میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔ زبان ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے، اس سے پھر کروڑوں آوازیں نکل رہی ہیں۔ بڑی بڑی ڈکشنریاں لغات کی کتابیں بنتی چلی جارہی ہیں۔ ہر باجہ سے ایک ہی لہجہ کی آواز نکلتی ہے۔ دیکھو یہ عجیب باجہ ہے کہ نہ اس کے الفاظ کی کوئی حد نہ سُروں کا کوئی ٹھکانہ۔ جس ملک میں جاؤ نئی زبان، نئے الفاظ، نئے محاورے، کیا یہ اُس کی قدرت کی محیر العقول نشانی نہیں ؟

۹ ۔ آگے پھر انسان کے رنگوں پر خیال کرو۔ افریقہ کے آدمیوں کا رنگ اور ہے یورپ والوں اور ایشیا والوں کا اور، بنگالی دُور سے پہچان لیا جاتا ہے، پنجابی اور سندھی کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ بلوچی اور سرحدی اپنے ہی رنگ میں رنگے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے باشندے اپنا نیا رُوپ دھارے ہوئے ہیں۔ غرض ہر خطّہ کے رنگ میں اختلاف ہے اور ایسا بیّن فرق ہے کہ اہلِ نظر فوراً پہچان لیتے ہیں۔

۱۰ ۔ اُس کی ایک نشانی نیند بھی ہے۔ کہاں سے آتی ہے اور سکون دے کر کہاں چلی جاتی ہے اچھا خاصہ آدمی باتیں کرتا ہوا نیند آتے ہی دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے اور ہوش و حواس سب رخصت۔ خیالات کی دُنیا میں اندھیرا، احساسات غفلت کے سمندر میں غرق۔ نہ سر کا ہوش نہ تن کی خبر یکایک یہ کیسا انقلاب آگیا۔ یہ رنگ ساری مخلوق پر چھایا ہوا ہے۔ نیند نہ آئے تو نظامِ حیات ابتر، آجائے تو صحت کی نشانی۔ سوائے خدا کے جسے نہ نیند ہے نہ غنودگی اور سب پر نیند غالب ہے۔

۱۱ ۔ اس کی ایک نشانی بجلی کی چمک اور گرج ہے۔ جس میں خوف بھی ہے اور اُمید بھی۔ خوف اس کا کہ اگر گر جائے گی تو خرمنوں کو جلا کر خاک کر دے گی۔ جس آدمی پر گرے گی اُسے کالا کوئلہ بنا دے گی۔ لباسِ حیات میں آگ لگ جائے گی۔ غرض جس چیز پر گرے گی اُس کی خیر نہیں۔ اُمید ہے تو یہ کہ اس کی گرج چمک بتاتی ہے کہ پانی برسے گا سُوکھے کھیت لہلہا اُٹھیں گے۔

۱۲ ۔ اُس کی قدرت کی ایک نشانی آسمان سے پانی برسنا بھی ہے۔ سُورج کی کرنیں کس طرح الفاظِ پانی سمندروں اور دریاؤں سے لے جا کر ہوا کے نرم و نازک دامن پر پھیلا دیتی ہیں اور پھر وہاں اُسے اُلٹ پلٹ کر زمین پر برساتی ہیں جو ہر مخلوقِ زمین کے لیے ایک حیاتِ نو بن کر آتا ہے۔

کیا ان سب نشانیوں کو دیکھ کر بھی اُس کی اُلوہیت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے خلاف سمجھنا عقل کا پھیر ہی ہو سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ ع
ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ
شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ
أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ
ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا
لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۳ ۸

اللہ وہ ہے جس نے پہلی بار لوگوں کو پیدا کیا، مرنے کے بعد پھر اُن کو (قبروں سے) اٹھا کھڑا کرے گا وہ اس پر آسان ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین میں سب سے بالاتر اس کی شان ہے وہ سب پہ غالب اور حکیم ہے۔ اُس نے تمہارے سمجھانے کے لیے تمہاری ہی ایک مثل بیان کی ہے۔ ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے کیا اس میں تمہارے لونڈی غلاموں میں سے کوئی بھی تمہارا شریک ہے کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو جاؤ اور تم اُن سے اس طرح ڈرتے ہو جتنا تمہیں اپنے لوگوں کا (حق حصّہ نہ دینے کا) خوف ہوتا ہے (پھر بندوں کو خدا کا شریک کیوں بناتے ہو) عقلمندوں کے واسطے ہم یوں ہی تفصیل وار آیات بیان کرتے ہیں۔ سرکشوں نے بغیر سمجھے بُوجھے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر لی (اور خدا کا شریک ٹھہرا دیا) جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اسے راہِ راست پر کون لا سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار بھی نہیں۔

خدا نے سب سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ مارنے کے بعد پھر انہیں زندہ اٹھائے گا اور یہ کام اس کے لیے کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ آسمان و زمین میں جتنی مخلوق ہے اس کی ذات سب سے اعلیٰ و برتر ہے۔ پھر تم کسی کو اُس کا شریک کیوں بناتے ہو۔ ایک مثال سے سمجھو جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے کیا تم اپنے لونڈی غلاموں کو اس میں برابر کا شریک سمجھتے ہو اور کیا تم ان سے ایسا ہی ڈرتے ہو جیسا اپنے برابر والوں سے۔ تم نے اپنے لونڈی غلاموں کو پیدا نہیں کیا ہے صرف خریدا ہے اس پر تم ان کو اپنے رزق میں برابر کا شریک نہیں جانتے اور اُن کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تو جس خدا نے تم کو اور سب کو پیدا کیا ہے اور سب کا رازق ہے کسی کو اُس کا شریک کیسے قرار دیتے ہو۔ مخلوق اپنے خالق کے برابر کیسے ہو جائے گی۔ جن سرکشوں نے بے سمجھے بوجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کر کے خدا کا شریک بنا لیا ہے تو تم اُن کی پیروی کیوں کرو وہ تو شیطان کے پیرو ہیں اللہ نے اُن کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے بھلا اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہے اور کوئی اس کا مددگار ہو سکتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙۗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۙۖ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

(اے رسول) تم باطل سے کترا کے اپنا رُخ خدا کے دین کی طرف کیے رہو۔ خدا کی بناوٹ وہ ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور خدا کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے جانتے نہیں۔ اس کی طرف رجوع ہو کر اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں تفرقہ پردازی کی اور مختلف فرقے بن گئے۔ جو دین جس فرقہ کے پاس ہے اُسی میں خوش ہے۔

فطرت ان قوانینِ الٰہیہ کا نام ہے جن کے مطابق انسان کو پیدا کیا ہے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اصلی دین یہی ہے جس دین میں فطری قوانین کا لحاظ نہیں وہ خدا کا دین نہیں کہلایا جا سکتا۔ پس ہر انسان کو ان کی نگہداشت ضروری ہے قوانینِ فطرت کے خلاف کرنے والا ملزم اور مستوجبِ سزا ہے۔ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ بغیر کسی دینی تعلیم کے چھوڑ دیا جائے تو وہ حدِ بلوغ کو پہنچ کر ضرور خدائے وحدہٗ لاشریک کی خالقیت کا اقرار کرے گا۔ کیونکہ اس کی فطرت اُس کی عقل و فکر کو اسی طرف لے جائے گی۔

انسان کی فطرت یا بناوٹ ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ خدا کی ربوبیت کے اقرار کی طرف لے جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ ایک ہی قلب تمام جسم پر کنٹرول کرتا ہے۔ اگر اس کے خلاف دو دل کسی کے اندر ہوتے تو نظامِ حیات بگڑ جاتا اور آدمی کی موت واقع ہو جاتی۔ خون قلب سے دورہ کرتا ہوا جسم کی ایک ایک رگ سے ہوتا ہوا پھر قلب میں آجاتا ہے۔ اگر دو دل ہوں اور اُن میں سے ایک خون کو دوسری طرف جانے نہ دے تو نصف بدن خون سے محروم ہو کر خشک ہو جائے۔

دینِ اسلام میں بھی یہی خوبی ہے کہ اس کے تمام احکام موافقِ فطرت ہیں۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ خدا کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ رہبانیت کو اسلام میں اسی لیے نہیں رکھا گیا کہ دنیا سے الگ ہو کر یک بینی و دو گوش جب کوئی جنگلوں میں جا پڑتا ہے اور بنی نوع انسان کی سوسائٹی سے الگ ہو جاتا ہے تو فطرت پر ناقابلِ برداشت بوجھ پڑتا ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے اور دوسروں کی امداد کا محتاج ہے، دوسروں کو اس کی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر یہ سلسلہ قطع ہو جائے تو فطرت پر بار ہو گا یا نہیں۔ بیماری کی حالت میں کون اس کی خبر لے گا۔ کون دوا دارو کرے گا۔ کون اس کی خدمت میں رہ کر مرض کے علاج کی کوشش کرے گا۔ بجائے اس کے کہ خود کسبِ معاش کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا اب وہ خود دوسروں کا محتاج بن کر رہ گیا ہے۔ اگر وہ اپنے رشتہ داروں کے حلقہ میں رہتا

تو ہر حالت میں وہ اس کے معین و مددگار ہوتے۔

تمام عبادات میں خدا نے انسانی سہولت کو مدِ نظر رکھا ہے۔ جہاں فطرت پر دباؤ پڑتے دیکھا ہے وہیں اس میں سہولت پیدا کر دی ہے مثلاً اگر انسان بیمار ہو اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اشارات سے پڑھ لے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ تمام احکام میں سہولتیں رکھ دی گئیں۔ اصل میں سچا دین یہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ خدا خالقِ فطرت ہے لہٰذا فطرت کی کمزوری پر نظر رکھتے ہوئے اُس نے تمام احکام دیئے ہیں۔ اللہ ہماری آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں۔

پس جب فطرتِ انسانی یہ ہے کہ خدا کو پہچانے اور اسے واحد و یکتا جانے تو اس کے خلاف عمل کرنا تقاضائے فطرت کی گردن پر چھری پھیر دینا ہے۔ ہر گروہ جس دین پر ہے اس میں خوش ہے لیکن یہ اُس دین کی صداقت کی دلیل نہیں۔ یہ تقلیدی صورت ہے تحقیقی نہیں۔ دین تو سچا ایک ہی ہو سکتا ہے اس کی تحقیق لازم ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم
مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا
آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا
فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً
فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ
وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾

لوگوں کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اپنے رب کو گڑگڑا کر پکارتے ہیں، جب وہ اپنی رحمت کا انہیں مزہ چکھاتا ہے تو اُن میں سے ایک گروہ اپنے رب کی ذات میں شریک بنانے لگتا ہے تاکہ جو کچھ ہم نے اُن کو نعمتیں دی ہیں اُن کا انکار کریں۔ خیر (چند روز) مزے اُڑا لیں اس کے بعد عنقریب وہ جان جائیں۔ کیا ہم نے اُن پر کوئی ایسی دلیل نازل کی جو اُن کے شرک کرنے کو حق بتاتی ہو۔ جب ہم نے لوگوں کو اپنی رحمت کی لذّت چکھائی تو خوش ہو گئے اور اُن کی کارستانیوں کے سبب سے جب کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو رحمتِ خدا سے مایوس ہو بیٹھتے ہیں۔ کیا وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھاتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹاتا ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیے خدا کی بڑی نشانیاں ہیں پس ذوی القربیٰ کا حق ادا کرو اور مسکین کا و مسافر کا بھی۔ یہی بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

مشرکوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو بڑے خلوص سے خدا کے سامنے فریاد کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح اپنی نجات کی دُعا کرتے ہیں گویا خدا ہی بس اُن کا معبود ہے لیکن جب خدا اُن پر رحم فرما کر مصیبت کے اس شکنجہ سے اُن کو نکالتا ہے تو پھر وہی شرک، وہی بت پرستی۔ جو نعمتیں ہم نے دی ہیں اُن سے انکار۔ اُن کو ہماری دی ہوئی سمجھتے ہی نہیں بلکہ بتوں کا عطیہ جانتے ہیں۔ کیا اُن کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل ہماری طرف سے ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ شرک جائز ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اُنہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ شرک اُن کا خود پیدا کردہ ہے ہماری طرف سے کوئی اجازت نہیں۔ ان مشرکوں کی ہٹ دھرمی دیکھو جب ہماری طرف سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو خوشی سے بغلیں بجانے لگتے ہیں اور جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو منہ پھیر کر ہماری رحمت سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ اُنہوں نے ہمارے متعلق کوئی حتمی و اذعانی فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ اپنی غرض کے بندے اور مطلب کے یار ہیں۔ روزی کو گھٹانا بڑھانا خدا کے اختیار میں ہے پھر ہر حالت میں انسان کو اسی سے لو لگانا چاہیئے اور اس کے ہر فیصلہ پر سرِ اطاعت خم کر دینا چاہیئے کمیٔ رزق کی حالت میں اسی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ مایوس ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا کی قدرت کو سمجھتے ہی نہیں۔ کاش وہ اپنے اعمال پر بھی ایک نظر ڈال لیتے۔

اے رسول، جو تمہارا حصّہ مالِ فَے سے ہم نے مقرر کیا ہے اس میں سے اپنے رشتہ داروں کا حق ادا کرو اور تمہارے رشتہ داروں میں جو مسکین اور مسافر بھی ہوں اُن کا بھی حق دو۔

شانِ نزول اس کی یہ ہے کہ جنگِ خیبر میں جب مسلمانوں کو خیبر والوں پر فتح حاصل ہوئی اور اُن کا سب سے بڑا

قلعہ قموص فتح ہو گیا تو حضورؐ فتحیاب ہو کر وہاں سے چلے۔ راہ میں فدک کا علاقہ پڑتا تھا۔ یہاں بھی یہودی آباد تھے۔ ان کی طرف حضرت علیؑ کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ مصالحت پر آمادہ ہوں تو اُن سے صلح کر لینا۔ غرض حضرت علیؑ وہاں پہنچے اور بات چیت کے بعد صلح کی یہ صورت طے ہوئی کہ جو باغات وہاں ہیں وہ کُل حضرت رسولِ خدا کی ملکیت قرار پائیں۔ زمین آدھی تو یہودیوں کے پاس رہے اور آدھی کے مالک رسولِ خدا ہوں۔ غرض جب یہ صلح ہو چکی تو جبریلؑ امین حضرت رسولِ خدا کے پاس یہ آیت لے کر آئے۔ یعنی اپنے قرابت داروں کو اُن کا حق دے دو۔ پوچھا، وہ قرابت دار کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے۔ حکم ہوا، فدک، اس کے باغات اور وہ چیزیں جو خدا و رسولؐ کا حق ہوں، فاطمہؑ کو دے دو۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بلا کر ایک دستاویز اس کے متعلق لکھ دی۔ یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت فاطمہؑ نے رسولِ خدا کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے سامنے پیش کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ رسولؐ اللہ کا نوشتہ ہے جو آپؐ نے میرے اور حسنؑ و حسینؑ کے متعلق لکھ کر دیا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد۲ صـ۲۷)

اس آیت کے متعلق چند باتیں توضیح طلب ہیں:

۱۔ مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں ایک فرق ہے۔ جنگ کے بعد دشمن کا جو اثاثہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس میں سب مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اس میں سے بقدر ان کی جد و جہد کے حصہ دیا جاتا ہے۔ اور مالِ فَے وہ ہوتا ہے جو بغیر جنگ دشمن کا مال بصورت صلح ہاتھ لگے۔ یہ خالصتاً رسولؐ کا حق ہوتا ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی جد و جہد کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۲۔ فدک کا علاقہ مالِ غنیمت نہیں تھا بلکہ مالِ فَے تھا۔ لہٰذا حقِ رسولؐ ہوا۔ اب رسولؐ کو حق ہے جس کو چاہیں دے دیں۔

۳۔ جب رسولؐ اللہ نے حضرت فاطمہؑ کے نام یہ علاقہ اپنی زندگی میں ہبہ کر دیا تو اب کسی کو اس کے ضبط کرنے کا حق نہ تھا مگر ضبط کر لیا گیا۔ اور وراثتِ رسولؐ سے حضرت فاطمہؑ کی محرومی کے متعلق حدیث نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ پیش کر کے جواز کی ایک صورت نکالی گئی تھی جو قطعاً غلط تھی، کیونکہ یہ ایک یتیم الاسناد حدیث تھی جس کے راوی صرف حضرت ابو بکرؓ تھے۔ رہا ہبہ کا ضبط تو اس کے ضبط کے متعلق تو کسی جواز کا امکان ہی نہیں۔

۴۔ تمام مسلمانوں کو جب مالِ غنیمتِ خیبر سے حصہ مل گیا تو اب مالِ فَے سے اُن کا حق کیوں نکالا جائے ورنہ مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

۵۔ جنابِ فاطمہؑ صدیقہ طاہرہ تھیں وہ کوئی غلط دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر اُنؑ کے دعویٰ کو کیوں رد کیا گیا جبکہ حضرت علیؑ بھی اس دستاویز پر حاشیہ کے گواہ تھے۔

۶۔ اس دستاویز پر رسولؐ کی مہر تھی۔ مسلمان اس مُہر کو بخوبی پہچانتے تھے پھر اس دستاویز کی تصدیق کیوں نہیں کی گئی۔

۷۔ جب مقدمہ میں یہ دستاویز پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کیوں پھاڑ ڈالا۔ اگر وہ کوئی جھوٹی تحریر تھی تو

جنابِ سیدہؑ مسلمانوں کو دکھا کر اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش ہی نہ کر سکتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ وہ سچی دستاویز تھی۔ — یقین تھا کہ اگر یہ دستاویز باقی رہی اور مسلمانوں کی اس پر نظر پڑی تو وہ ضرور اس کی تصدیق کریں گے۔

۸۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؑ نے یہ مُہر خود دستاویز لکھ کر لگا دی تھی تو ایسا جعلساز شخص کیا صدیقِ اکبر کا لقب پا سکتا تھا۔ کیا خلافتِ رسولؐ کے پانے کا اہل ہو سکتا تھا۔ کیا یہ شہرت نہیں دی جا سکتی تھی کہ (نعوذ باللہ) علیؑ نے جعلسازی کی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ عدالت والوں نے بھی ان کے لیے کبھی نہیں کہا۔

۹۔ ہر بادشاہ کی اولاد کا کچھ حق ہوتا ہے اگر بحکم خدا رسولؐ نے اپنی اولاد کو اتنی سی چیز دے دی تھی تو مسلمانوں نے اسے کیوں نہ منظور کیا، حالانکہ اور لوگوں نے بڑی بڑی جائدادیں قبضہ میں کر رکھی تھیں۔

۱۰۔ اگر جنابِ سیدہؑ کا دعویٰ غلط تھا تو پھر ایک اموی بادشاہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کا جائز حق سمجھ کر اُن کی اولاد کو کیوں واپس کیا تھا۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ع۴
لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

تم لوگ جو سُود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال و دولت میں ترقی ہو تو (یاد رہے کہ ایسا مال) خدا کے یہاں پھولتا پھلتا نہیں اور تم جو خدا کی خوشنودی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسے لوگ (خدا کی بارگاہ میں سے) دوناؔ دُون لینے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے بنائے ہوئے خدا کے شریکوں میں سے

کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ جسے یہ لوگ شریک بناتے ہیں خدا اُس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ خود لوگوں کے ہاتھوں ان کی کارستانیوں کی بدولت خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ تاکہ جو کچھ یہ لوگ کر چکے ہیں خدا اُن میں سے بعض کو اُن کے کرتوتوں کا مزہ چکھا دے تاکہ یہ لوگ (اب بھی) باز آ جائیں۔

تفسیر قمی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ سود کی دو صورتیں ہیں ایک حلال ہے دوسری حرام۔ حلال صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے دینی بھائی کو اس بدلے میں قرض دے کہ وہ واپس کرتے وقت کچھ بڑھا کر واپس کرے گا۔ اس بڑھوتری کے متعلق دونوں میں کوئی شرط نہ ہو۔ پس اگر قرض واپس کرنے والا واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دے دے آنحالیکہ زیادتی کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ زیادہ رقم دینے والے کے لیے مباح ہوگی مگر اس کو اس قرض دینے کا خدا کی طرف سے کوئی ثواب نہ ملے گا۔ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللّٰهِ ج کا یہی مطلب ہے۔ اور حرام کی صورت یہ ہے کہ قرض دیتے وقت شرط کر لی جائے کہ ادائگی کے وقت اتنا اور زیادہ لوں گا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی اس نیت سے کسی کو تحفہ دے کہ وہ اس سے بڑھ کر تحفہ دے گا تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔

زکوٰۃ اگر خوشنودئ خدا کے لیے دی جائے گی تو اس کا دُونا ثواب ملے گا۔

اس کے بعد خدا اپنے بندوں کی اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ میں نے بغیر کسی استحقاق کے تم کو پیدا کیا اور پھر انسان پیدا کیا پھر تم کو طرح طرح کے رزق دیئے۔ پھر میں تم کو مار دیتا ہوں، پھر قیامت میں تم کو دوبارہ زندہ کروں گا۔ کیا میرے سوا کوئی اور یہ کام کر سکتا ہے۔ تم جن چیزوں کو میرا شریک بنا کر اُن کی عبادت کرتے ہو کیا یہ قدرت ان کے اندر بھی پائی جاتی ہے (ہرگز نہیں)۔ دنیا میں خشکی اور تری کے اندر جو فسادات ہوتے رہتے ہیں وہ خود انسانوں نے اپنے اُوپر نازل کیے ہیں اگر بُرے کام نہ کرتے اور نکوکاری سے زندگی بسر کرتے تو یہ لڑائی جھگڑے کیوں ہوتے، قتل و غارت کے بازار کیوں گرم ہوتے، یہ عیاشی و بدکاری کے اڈّے کیوں قائم ہوتے۔ بہر حال جیسا کرتے ہیں اسی کا مزہ چکھتے ہیں۔ اپنے پیر میں خود کلہاڑی مارنے والے دوسروں کو کیوں الزام دیتے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ

كُفْرُهٗ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

(اے رسول) لوگوں سے کہو روئے زمین کی سیر کرو اور یہ دیکھو کہ تم سے پہلے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے۔ اے رسول تم اپنا رُخ مضبوط اور سیدھے دین کی طرف کیے رہو، اس سے قبل کہ وہ دن آ جائے جو خدا کی طرف سے آ کر رہے گا اور جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس روز سب الگ الگ ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا ہے اس پر کفر کا وبال ہوگا اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں وہ اپنے ہی لیے آسائش کا سامان کر رہے ہیں تاکہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے اچھے کام کیے ہیں خدا اُن کو اچھا بدلہ دے اور اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

روئے زمین پر سیر کرنے کا جا بجا قرآن میں حکم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر انسان کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے خدا سے سرکشی کی اور نافرمانی پر کمر باندھی خدا نے اُن کو کیسی سخت سزا دی۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت اُلٹ دیئے۔ اِن کے ان پُر غرور سروں کو جن پر تاج رکھے جاتے تھے ٹھوکروں میں رکھ دیا۔ اُن کے شہر تباہ کر دیئے، اُن کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹا دیا۔ کہاں گئے فرعون و ہامان، نمرود و شداد۔ زمین سب کو کھا گئی۔ نیک عمل کرنے والے مرتے نہیں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

انسان کی زندگی کا مقصد ایمان و عملِ صالح ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا
مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (بارش کی) خوشخبری دینے والی ہواؤں کو چلاتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور کشتیاں اُس کے حکم سے پانی میں چلیں اور اس کے فضل و کرم سے اپنی روزی تلاش کرو۔ ہم نے (اے رسول) تم سے پہلے بھی رسولوں کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تھا پس وہ معجزات لے کر اُن کے پاس آئے تو انہوں نے نہ مانا۔ ہم نے ان مجرموں سے خوب بدلہ لیا اور ہم پر مؤمنین کی مدد کرنا لازم تھا ہی۔

بارش سے پہلے ہوا کا چلنا اس کی خبر دیتا ہے کہ بارش آنے والی ہے۔ یہ بارش دریاؤں میں پانی جمع کرتی ہے اور اُن میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اور کشتیوں کے ذریعہ سے لوگ روزی حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں۔ خدا کی اس نعمت کا لوگوں کو شکرگزار ہونا چاہیئے۔ اگر یہ بارش نہ ہو اور دریاؤں کا پانی سوکھ جائے تو کھیتی باڑی کہاں سے ہو اور کشتیاں کیسے چلیں۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ سرکشوں کی سرکشی سے مت گھبراؤ۔ تم سے پہلے بھی ہم نے قوموں کے پاس رسول بھیجے تھے۔ پس جنہوں نے سرکشی کی ہم نے اُن پر عذاب نازل کر کے اُن کو سرکشی کی سزا دی اور جن مومنوں کا ہم پر ایمان تھا ہم نے اُن کی مدد کی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ
يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ
بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ
كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے اور وہی ہوائیں بادلوں کو اُڑائے اُڑائے پھرتی ہیں۔ پس وہ

جس طرح چاہتا ہے بادل کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور (کبھی) اس کو ٹکڑے (ٹکڑے) کر دیتا ہے پس اس کے بیچ میں سے تم بوندوں کو گرتا دیکھتے ہو پھر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں اگرچہ بارش ہونے سے پہلے وہ مینہ برسنے سے مایوس تھے پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو۔ زمین کے مُردہ ہونے کے بعد کس طرح اس کو زندہ کرتا ہے ایسے ہی وہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

خدا کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں کس کی طاقت ہے کہ ان کا شمار کر سکے یا ان میں سے کسی ایک نشانی کے اسرار بھی کما حقہٗ بیان کر سکے۔ یہاں ایک نشانی کا حال بیان کرتا ہے۔

وہ ہواؤں کو چلاتا ہے جو بادلوں کو اُڑا کر لے جاتی ہیں اور اپنے نرم و لطیف دامنوں پر اُن کو چادروں کی طرح پھیلا دیتی ہیں۔ پھر اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور ان سے بوندوں کو ایسا لگاتار برساتا ہے کہ مینہ کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے، جہاں وہ برسانا نہ چاہے کوئی برسا نہیں سکتا، جہاں برسانا چاہے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس پانی کو مُردہ زمینوں کی جان بنا دیتا ہے۔ جہاں گھاس کا ایک پتہ نظر نہ آتا تھا وہاں گھاس کا بن نظر آنے لگتا ہے۔ پھلواریاں لہلہانے لگتی ہیں، درختوں کے پودے جھومنے لگتے ہیں کس کی طاقت ہے کہ قدرت کے اس نظام کو بدل سکے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾
فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ
بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
۵ ع ۱۲ ۸ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ
ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا
يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

اگر ہم کھیتی کیلئے (نقصان رساں) ہوا بھیجیں اور وہ اُسے (بجائے ہرے بھرے کے) پیلے رنگ کا

دیکھیں تو اس کے بعد وہ فوراً ناشکری کرنے لگیں گے۔ اے رسول تم (اپنی آواز) نہ مردوں کو (مردہ دل کو) سُنا سکتے ہو نہ بہروں کو سُنا سکتے ہو خصوصاً جب وہ منہ پھیر کر بھاگ جائیں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر کر راہ پر لا سکتے ہو، تم تو بس انہی کو (ہماری آیات) سُنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہمارے فرماں بردار ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزور چیز سے (نطفہ سے) پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ قوت کے بعد پھر تمہیں کمزور بنایا اور بڑھاپا پیدا کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر بات کا جاننے والا، قدرت والا ہے۔

یعنی لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر ہم ان کے کھیتوں کو سُکھا دیتے ہیں تو وہ ہم پر الزام لگا کر ہمیں ناسزا الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ہماری ان نعمتوں کو بھول جاتے ہیں جو ہم نے ان کو دے رکھی ہیں، اپنے اعمال پر نظر نہیں رکھتے جو ان کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ اے رسول، تم اپنی آواز (ہدایت) کسے سُناتے ہو، یہ کفار و مشرکین تو مُردوں جیسے ہیں۔ اُن کے کان ہیں مگر یہ بہرے بن بیٹھے ہیں۔ یہ تو تمہارے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمہاری نصیحت کا کیا اثر ہو، یہ تو اندھے ہیں انہیں کیسے راہِ راست پر لگاؤ گے۔

کیسے کوئی انہیں سمجھائے کہ اللہ نے تمہیں ایک نہایت حقیر کمزور پانی کی بُوند (نطفہ) سے پیدا کیا ہے۔ پھر اُس نے اپنی رحمت سے اس کمزور کو قوت والا بنایا، تم بچہ سے جوان ہوئے۔ پھر جوانی کے بعد تمہاری قوتیں گھٹنے لگیں اور تم بُوڑھے ہو گئے۔ تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ کس کی قوت تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لا رہی ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ۙ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

روزِ قیامت مجرم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم تو (دُنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرتے یہ تو ایسی ہی افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ ایمان اور علم والے ہیں وہ کہیں گے (غلط کہتے ہو) تم تو کتابِ خدا کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے ہو۔ پس یہ قبروں سے اُٹھنے کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے۔ اُس روز سرکشی کرنے والوں کو اُن کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ اُن کی شنوائی ہو گی۔

جب یومِ محشر مجرموں کو قبر سے اُٹھایا جائے گا تو انہیں ایسا معلوم ہو گا جیسے گھڑی بھر سو کر اُٹھے ہیں۔ اگر قیامت پر ایمان لائے ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ ایسی ہی غلط باتیں یہ دنیاوی زندگی میں بھی کیا کرتے تھے قیامت کے قائل ہی نہ تھے۔ کہا کرتے تھے قیامت ویامت کچھ نہیں آنی، جو کچھ ہے یہ دُنیا ہی ہے۔ ان کی عقلوں پر یومِ محشر ایسے پردے پڑے ہوں گے کہ وہ یہ بتا ہی نہ سکیں گے کہ وہ قبر میں کتنے دن رہے ہیں۔ ہاں جو صاحبانِ علم و ایمان ہیں وہ بتا دیں گے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۖ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾ ع

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے ہر طرح کی مثلیں بیان کر دی ہیں۔ اگر تم اُن کے پاس آؤ تو یہ کافر ضرور کہیں گے کہ تم لوگ باطل پرست ہو۔ جو لوگ عقل و فہم نہیں رکھتے اللہ اُن کے دلوں پر نظر کر کے یہ تصدیق کرتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ تم صبر سے کام لو، خدا کا وعدہ سچا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جو لوگ تمہاری تصدیق نہیں کرتے تمہیں بہکا کر خفیف کر دیں۔

آیات کے آخری حصہ میں اگرچہ مخاطب رسولؐ ہیں لیکن مراد مسلمان ہیں کیونکہ رسولؐ تو کسی کے بہکانے میں آ ہی نہیں سکتے۔

(۳۱) سُورَۃُ لُقمٰنَ مَکِّیَّۃٌ (۵۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

الف۔لام۔میم۔کتابِ حکیم کی یہ آیات نکوکاروں کے لیے سر تا پا ہدایت اور رحمت ہیں۔جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ قصہ کہانیوں کی کتابیں خریدتے ہیں تاکہ بے سمجھے بُوجھے لوگوں کو راہِ خدا سے گمراہ کر دیں تاکہ وہ آیاتِ خدا سے مسخرہ پن کریں، ایسے لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

ابن حارث بغرض تجارت شام گیا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے قصّے خرید لایا اور مکہ میں لوگوں کو سُنا سُنا کر کہنے لگا، اگر محمدؐ عاد و ثمود اور ملک سلیمان کے قصّے بیان کرتے ہیں تو میں رستم و اسفندیار کے قصّے سُناتا ہوں بعض لوگ اس کی باتوں میں آجاتے۔اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔بعض مفسرین نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ

سے گانا بجانا مراد لیا ہے۔بعض مشرکین نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ خوبصورت لونڈیاں خرید لاتے اور اُن کو گانا بجانا سکھاتے۔جب وہ لوگوں کے سامنے گاتیں تو وہ اُن پر فریفتہ ہو جاتے۔وہ لونڈیاں اُن کو اپنا عاشق پا کر کہتیں، تم دینِ اسلام ترک کر دو تو ہم تمہارے پاس رہ کر تم کو روزمرّہ گانے سُناتی رہیں گی۔اس لالچ میں آکر کچھ لوگ ترکِ اسلام پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ
اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى
فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ
فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ
ع ۱ / ۱۰ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ایسا اکڑ کر بھاگتا ہے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں گویا کانوں سے بہرا ہے۔ان کو (اے رسول) دردناک عذاب کی خبر دو۔جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے نعمتوں سے بھری جنّت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ کا وعدہ سچّا ہے وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔اُس نے آسمان کو بغیر ستون کے پیدا کیا جیسے تم دیکھ رہے ہو اور زمین پر (پہاڑوں کے بھاری بھاری) لنگر ڈال دیئے تاکہ تمہیں لے کر کسی طرف جُھک نہ جائے اور زمین پر ہر طرح کے چلنے والے پھیلا دیئے اور آسمان

سے پانی برسایا اور اس سے زمین میں ہر رنگ کے نفیس پودے پیدا کیے۔ یہ ہے اللہ کا پیدا کرنا۔ پس مجھے دکھاؤ کہ خدا کے سوا جو شریک بنائے جاتے ہیں اُنھوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

کفار و مشرکین نے یہ حرکت اختیار کی تھی کہ جب آنحضرتؐ کے پاس آکر بیٹھتے اور حضرت آیاتِ قرآنی کی تلاوت شروع فرماتے تو ازراہِ تکبر منہ پھیر لیتے اور ایسے بن جاتے گویا بہرے ہیں کچھ سنتے ہی نہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ ان کے ایسا کرنے سے کیا خدا کی ہدایت رُک جائے گی۔ یہ بدبخت اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے آسمانوں کا اتنا بڑا شامیانہ بغیر ستونوں کے ایسا بنایا ہے کہ کبھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لاکھوں برس سے ایک رنگ اور ایک وضع پر چلا آرہا ہے۔ پھر زمین کو دیکھو اس پر پہاڑوں کا ایک سربفلک سلسلہ قائم کر دیا ہے تاکہ اِدھر اُدھر ہلے ڈلے نہیں گویا اس کے دامن پر میخیں ٹھوک دی ہیں۔ پھر اس کی قدرت کا کمال دیکھو کہ ہاتھی سے لے کر رینگنے والی چیونٹی تک اپنی بے شمار مخلوق اس پر پھیلا دی ہے جو اس کی قدرت کے سہارے بے خوف و خطر ہر طرف چل پھر رہی ہے پھر یہ لوگ قدرت کے اس کمال پر بھی نظر نہیں کرتے کہ آسمان سے پانی برسا کر زمین کے اوپر کیا گل بوٹے اور پھل پھلاری اگائی ہے۔ اے رسولؐ، ان لوگوں سے کہو کہ اگر خدا کے سوا کسی اور نے کوئی چیز پیدا کی ہے، تو مجھے دکھاؤ۔ مشرکوں کے ان بتوں نے تو ایک مکھی اور ایک مچھر تک بھی پیدا نہیں کی۔ یہ بیچارے کیا پیدا کرتے یہ تو خود خدا کی مخلوق ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا
يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ
لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ
عَظِيْمٌ ⑬

ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور (حکم دیا کہ) اللہ کا شکر ادا کرو۔ جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے تو اللہ اس سے بے نیاز ہے اور لائق حمد ہے جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا درآنحالیکہ وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے اے میرے بیٹے

اللہ کا کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت لقمانؑ بن باعور حضرت ابراہیمؑ کے بھائی باعور بن تارخ کے پوتے تھے اور حضرت ایوبؑ کے بھانجے تھے۔ حضرت داؤدؑ کے زمانہ سے حضرت یونسؑ کے زمانہ تک ایک ہزار برس زندہ رہے۔ پہلے بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ نہایت پاکیزہ اعتقاد اور پرہیزگار بندے تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور غور و فکر میں محو رہتے۔ دن کو کبھی نہ سوتے تھے۔ مجلس میں تکیہ لگا کر نہ بیٹھتے تھے۔ گناہ کے خوف سے کبھی نہ ہنستے۔ نہ کسی پر کبھی غصہ کیا نہ کسی کا مذاق اُڑایا۔ کہیں جھگڑا ہوتا تو صلح کرا دیتے۔ غرض انہی وجوہ سے خدا نے اُن کو حکمت عطا فرمائی۔ آپ کا سینہ علم و حکمت کے نور سے معمور تھا۔ غرض خدا کے پسندیدہ بندوں میں سے تھے۔ ہر وقت شکرِ خدا بجا لاتے۔

اُنھوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کبھی ذاتِ باری تعالےٰ میں کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

سوائے شرک کے ہر گناہ بخشا جا سکتا ہے۔ مُشرک درحقیقت خدا کی توہین کرتا ہے۔ وہ خدا کے مقابلہ میں اس کی مخلوق کو لا کھڑا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ خدا کی توہین کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ایک پتھر کی مورتی اپنے ہاتھ سے گھڑ کر اُسے خدا کا شریک اور قابلِ عبادت قرار دیتا ہے۔ شرک انسان کی انتہائی کمزوری کا نتیجہ ہے جس کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ باوجود یہ بات دیکھنے کے کہ بتوں میں کوئی قوت نہیں نہ وہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ پھر بھی ان کی عبادت کرتا ہے کیا یہ عقل کی کمزوری نہیں۔

۲۔ عقلِ انسانی فطرۃً اپنے سے فاضل کی تعظیم بجا لانے پر مجبور ہوتی ہے کمتر کی نہیں۔ پس انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اگر ارذل مخلوق کو اپنے سے بہتر سمجھنے لگے تو کیا یہ عقل کی کمزوری نہیں۔

۳۔ انسان میں خدا کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان کے حالات کانوں سے سنتا ہے۔ لیکن جن کو وہ خدا کا شریک قرار دیتا ہے ان میں سے کسی ایک کی مخلوق حتّٰی کہ ایک چیونٹی اور مکھی تک اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی۔ پھر خدا جیسے قادر و قیوم خالق و رازق قہار و جبّار کے مقابلہ میں ایک ناکارہ چیز کو لا کھڑا کرنا اور خدا کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنا کیا بے عقلی نہیں۔

۴۔ بُت پرست سب جاہل نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے حکماء و فلاسفر ان میں پائے جاتے ہیں اور پہلے بھی ہو گزرے ہیں۔ کیا ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ بے جان مورتیاں قابلِ عبادت کیسے ہو سکتی ہیں۔ مگر جو چیز اُن کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتی اور ان کی عقل و فہم پر پردہ ڈالے ہوئے ہے وہ اُن کا ماحول ہے، اُن کا کنبہ قبیلہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بتوں کو پوجنا چھوڑ دیں گے تو اپنے سب رشتہ داروں سے چھوٹ جائیں گے۔ اور جس ماحول میں ہم آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ہمارے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لیکن چند روزہ زندگی کی خاطر ابدی آرام کو چھوڑ دینا اور بندوں کی خوشنودی کے لیے خدا سے رشتہ قطع کر لینا کیا بے عقلی نہیں۔

۵۔ دیوی یا دیوتاؤں کے اندر خدا کا حلول کرنا اور بھی زیادہ بے عقلی ہے۔ اگر خدا حلول کرتا تو اس کے

کچھ تو آثار اُن سے ظاہر ہوتے۔ جب کوئی تغیّر اُن میں نہیں پایا جاتا تو کیسے سمجھا جائے کہ اُن کے اندر خدا سمایا ہُوا ہے اگر وہ ایک جگہ میں محدود ہو جائے تو کائنات پر اس کی حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر خدا کسی شریک کا محتاج ہے تو وہ خدا بننے کے قابل ہی نہیں کیونکہ محتاج ہونا مخلوق کی شان ہے نہ کہ خالق کی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ
فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ
عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى
الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَىَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ
مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِىْ صَخْرَةٍ اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يَاْتِ
بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ ۚ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ
مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ ۚ

ہم نے انسان کو جس کی ماں نے اُسے دُکھ پر دُکھ سہہ کر پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کی دُودھ پلانے کی الگ تکلیف اُٹھائی یہ تاکید کی کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرے اور یہ (بتایا) کہ میری طرف اس کی بازگشت ہے اور یہ کہ اگر تیرے ماں باپ کسی ایسے کو میرا شریک بنانے پر

مجبور کریں جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کی (اس بارہ میں) اطاعت نہ کرنا اور دُنیا کے کاموں میں اچھی طرح اُن کا ساتھ دے اور اُس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔ تمہاری بازگشت تو میری طرف ہے ہی۔ پھر (دُنیا میں) جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ لقمان نے کہا، اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل (اچھا ہو یا بُرا) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا اور کسی پتھر کی چٹان کے نیچے بھی دبا پڑا ہوگا یا آسمان یا زمین میں ہوگا تو (قیامت میں) خدا اُسے برآمد کرے گا اور اللہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔ اے بیٹے، نماز کو قائم کرنا اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر۔ اور جو مصیبت آپڑے اس پر صبر کر، یہ بڑی ہمّت کا کام ہے اور لوگوں کے سامنے غرور سے منہ پھلا کر نہ چل اور زمین پر اِترا کر نہ چل کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اِترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ ۔ خدا نے انسان کو ماں باپ کے حق کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ اس کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کی ماں نے بحالتِ حمل (نو ماہ تک) کیسی تکلیف اٹھائی ہے کہ اس کے وجود کا بوجھ پیٹ میں لیے لیے پھری ہے۔ پھر کیسی تکلیف سے اُسے جنا ہے۔ پھر دودھ پلائی تک دو سال ماں باپ دونوں اس کی پرورش میں شریک رہے۔ ہر حالت میں اس کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دی۔ پھر آگے چل کر بھی اس کی راحت میں لگے رہے۔ اس کی ضروریاتِ زندگی میں تن من دھن سے مصروف رہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ میرا ہی شکر ادا کرے کہ میں اس کو عدم سے وجود میں لایا اور میں نے ہی ماں باپ کو اس پر مہربان بنایا۔ میرے بعد ماں باپ کے شکرگزار رہو اور ہر امر میں ان کی اطاعت مدِّنظر رکھو۔

لیکن اگر وہ کافر ہوں اور خدا کی ذات میں کسی کو شریک بنانے پر تیرے اوپر زور دیں حالانکہ تیرے علم میں ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تو اُن کے اس حکم کو ہرگز نہ ماننا اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہ مان لینا بلکہ خدا پرستوں کا راستہ اختیار کرنا۔ لیکن باوجود کافر ہونے کے انہیں تکلیف نہ دینا اور دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کا مرتبہ پیشِ خدا کیا ہے۔

کسی نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی، میرے ماں باپ مر گئے ہیں میں اُن کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں۔ فرمایا، اگر یہ پہاڑ جو تیرے سامنے ہے سونا بن جائے اور تُو اُسے اُن کے لیے راہِ خدا میں خرچ کر دے تب بھی ایک شمّہ اُن کے حق کا ادا نہیں کر سکتا۔ اس نے عرض کیا، پھر کیا کروں؟ فرمایا، زندگی بھر اُن کی مغفرت کی دعا کیا کر۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق زیادہ ہے کیونکہ آیت میں اسی کی تکلیف

کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر بھائی کو ماں جایا کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی تکلیف میں دونوں بھائی برابر کے شریک رہے ہیں۔
اب اس کے بعد لقمانؑ کی نصیحتوں کا پھر ذکر آتا ہے:

١۔ کوئی عمل نیک ہو یا بد، چاہے مقدار میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، چاہے کتنا ہی چھپا ہوا ہو قیامت کے دن اُسے ضرور ظاہر کرے گا۔ لہٰذا بڑی احتیاط سے کوئی عمل کرنا چاہیئے اور اس پر نظر رکھنی چاہیئے کہ ایک دن یہ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ملے گا۔

٢۔ نماز پابندی سے پڑھا کرو کہ نماز سے ہزار بلائیں دُور رہتی ہیں۔

٣۔ لوگوں کو نیکی کرنے کی طرف رغبت دلاؤ اور بُرے کاموں سے روکو۔ اس فرض کے پورا کرنے میں بے شمار لوگ غفلت کرتے ہیں۔ اپنے عزیزوں دوستوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے روزہ نہیں رکھتے۔ مگر نہ تو اُن کو ٹوکتے ہیں نہ اُن سے اظہارِ نفرت کرتے ہیں۔ یہ اُن کے گناہوں میں ایک قسم کی شرکت ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ گناہوں سے ڈرتے نہیں۔

٤۔ انسان کو مصیبتوں میں صبر کرنا چاہیئے کہ خدا کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے۔ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ صبر نہ کرنے سے ایک مصیبت میں کئی مصیبتیں اور شامل ہو جاتی ہیں۔ صبر کے یہ معنی ہیں کہ خلافِ عقل انسان سے کوئی عمل سرزد نہ ہو۔ اللہ پر اعتراض نہ کرے اور اس کی طرف سے بدظن نہ ہو۔

٥۔ عزت و وقار دجاہ و مال کے گھمنڈ میں انسان کو چاہیئے کہ اکڑ کر نہ چلے، اِترا کر نہ چلے۔ یہ باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔ اُسے کل مروڑتے دیر نہیں لگتی ہے۔ جس نے انسان کو دولت دی ہے وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ ایسی چالوں سے دوسروں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ جو انسان ایک نطفۂ گندیدہ سے پیدا ہوا ہے اور ایک مردۂ گندیدہ بن جانا جس کی انتہا ہو، اور اپنی زندگی میں قدم قدم پر دوسروں کا محتاج ہے اُسے اکڑ، تکبر اور اترانا زیبا نہیں۔

وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾ ع ٢ ١١

اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز دھیمی رکھو کیونکہ آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔

جو شخص چال میں میانہ روی اختیار نہیں کرتا وہ احمق سمجھا جاتا ہے۔ اگر تیز چلتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے جو یوں قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے اور اگر بہت نزاکت سے قدم اٹھاتا ہے، اور میر نہیں اور مرزا پھویا بن کر چلتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں یہ کچھ بیمار ہے۔ چلنے میں لوگوں کے ساتھ ساتھ قدم

اٹھانا چاہیئے اسی طرح اگر دھیمی آواز سے بولو گے تو لوگوں کی سمجھ میں بات نہ آئے گی اور اگر زیادہ زور سے بولو گے تو لوگوں کو ناگوار ہوگا۔ حدیث میں ہے خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔ درمیانی درجہ ہر امر میں بہتر ہوتا ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اُدھر پیچھے جانا تو عیب میں شمار ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا
مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ
اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے ہر اُس چیز کو مسخر کر دیا ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور اُس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم اور ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم تو وہی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے شیطان اُن کو عذابِ جہنم کی طرف بُلاتا ہی ہو۔ جو شخص اللہ کی طرف سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اُس نے خدا کی مضبوط رسّی کو تھام لیا اور تمام کاموں کا انجام خدا ہی کی طرف ہے۔

آسمان وزمین اور ان کے اندر جو چیزیں ہیں اُن کو مسخر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے نظامِ حیات کو برقرار رکھنے کے لیے وہ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ اپنے فرض کو بھول جائے۔

خدا نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی انسان پر موسلا دھار مینہ برسا دی ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ انہیں شمار کرسکے۔ کھانے پینے کے لیے قسم قسم کی غذائیں موجود ہیں۔ مکان بنانے کو لکڑی پتھر موجود۔ لباس کے لیے ریشم، روئی اور اُون اور درختوں کی پیداوار موجود۔ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کان سُن رہے ہیں زبان چکھ رہی ہے ناک سُونگھ رہی ہے اور یہ سب حواس پتہ دے رہے ہیں کہ فلاں چیز کیا ہے۔ پھر باطنی نعمتوں پر نظر کرو، اس کے قلب کو طرح طرح کے جذبات کا خزینہ دار بنا دیا ہے۔ نفس کو قسم قسم کی قوتیں دے دی ہیں۔ گو ہمیں کوئی قوت نظر نہیں آتی مگر وہ سب اپنے کام میں مصروف ہیں۔ دماغ کے اندر قوتِ حافظہ ہے۔ حسِ مشترک ہے۔ قوتِ فکر ہے قوتِ تمیز ہے قوتِ مدرکہ ہے۔ پیٹ کے اندر قوتِ ممسکہ ہے، قوتِ دافعہ ہے، قوتِ ہاضمہ ہے۔ غرض جدھر دیکھو ایک طلسمات کا عالم ہے۔

باوجود ان سب باتوں کے بے وقوف انسان خدا سے لڑتا ہے۔ ایسے آدمی کے پاس نہ علم ہے نہ فہم۔ نہ کسی سے اس نے ہدایت حاصل کی ہے نہ خدا کی کسی کتاب کو پڑھا ہے۔ پھر بھی خدا سے لڑ رہا ہے۔ اس کے احکام کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ اس کے رسولؐ کی بات پر کان نہیں دھرتا۔ یہ سب سرکشی اور برگشتگی اس بنا پر ہے کہ وہ لکیر کا فقیر ہے۔ جو کچھ اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا ہے اس سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتا۔ اس نے اپنی عقل کو معطل بنا رکھا ہے۔ شیطان نے اپنے جال میں اچھی طرح جکڑ لیا ہے وہ اس کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہے مگر بے وقوف انسان کی سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں۔ ہاں جو خدا کے نیک بندے اس کی رسّی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جادۂ ایمان سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتے ان کا انجام بخیر ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ
إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ
نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۲۴﴾

اور جس نے ہماری نعمتوں سے انکار کیا تو اے رسول تم اُن کے کُفر سے غمگین نہ ہو۔ لوٹنا تو اُن کو آخر کار ہماری ہی طرف ہے۔ اُس وقت ہم بتا دیں گے جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے۔ اللہ تو سینوں کے اندر کا حال بھی جاننے والا ہے۔ چند دن ہم انہیں آرام کرنے دیں گے پھر ہم انہیں ایک سخت عذاب

کی طرف کھینچ لائیں گے۔

اپنے رسول سے فرما رہا ہے کہ اے رسول، جو لوگ کفر پہ قائم ہیں تو ان کے کفر سے تمہیں رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔ آخر یہ بچ کر جائیں گے کہاں، انہیں لوٹ کر تو ہماری ہی طرف آنا ہے۔ جب یہ قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تب ہم انہیں بتائیں گے کہ بحالتِ کفر یہ کیا کیا بدکاریاں کرتے تھے اور ہمارے احکام کی کیا کیا خلاف ورزیاں انہوں نے کی تھیں۔ ان کے دلوں میں جو پاپ بسے ہوئے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں۔ زندگانی دُنیا کے چند روز یہ آرام سے بسر کرلیں پھر تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا ہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جن قوموں پر خدا نے یہاں عذاب نازل کیا ہے اُن پر آخرت میں کیوں عذاب نازل ہوگا، انہیں جہنم میں کیوں جگہ دی جائے گی۔ دو دو بار عذاب کیسا؟ کسی جُرم کی سزا تو ایک ہی بار ہونی چاہیئے۔ جواب یہ ہے کہ جرم کی تین صورتیں ہیں: اوّل خدا کا شریک کسی کو قرار دینا، یہ اتنا بڑا جُرم ہے کہ اس کی سزا تو جہنم کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرا جرم بدکاری ہے، جیسے شراب خوری، اغلام، زناکاری۔ اس کی سزا دُنیا میں مل جاتی ہے کیونکہ وہ معاشرہ کو تباہ کرتے ہیں، رسولؐ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔ تیسرا جرم لوگوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس کی سزا قیامت میں ظالم و مظلوم کی موجودگی اور تمام لوگوں کی حاضری کے بعد ہوگی۔

مثلاً فرعون کو غرق کرنے کے متعلق فرماتا ہے فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (۴۳/۱۶) فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اُسے سختی سے دھر پکڑا۔ یعنی فرعون کو غرق کرکے ھلاک کرنے کی سزا دی گئی۔ وہ سزا تھی رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اب رہا اس کا اپنے کو خدا کہلانا، اس کی سزا تو قیامت ہی میں اس کو ملے گی۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ
الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۶﴾

اے رسول اگر تم ان سے پوچھو، آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ ہے تم کہو ہر قسم کی مدح وثنا بس اللہ ہی کے لیے ہے لیکن بہت سے لوگ اسے جانتے ہی نہیں جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ بے شک اللہ سب سے بے پروا قابلِ حمد ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس سوال کا جواب کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے مشرکین یہ دیں کہ اللہ ہے، تو پھر وہ مشرک ہی کیوں رہے۔ جب وہ خدا کو مانتے ہی نہیں تو پھر یہ جواب کیسا؟

تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس حدیثِ رسولؐ کے موافق کہ ہر بچّہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔ ہر انسان فطرۃً خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے ماں باپ اُسے گمراہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس سے خدا کا واحد و یکتا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کوئی بچّہ مشرک و کافر پیدا نہیں ہوتا۔ مشرک و کافر تو بعد میں بنا لیا جاتا ہے جب اس کے سینہ میں دو دل نہیں ہوتے جب اس کے اوپر دو روحوں کا تصرف نہیں ہوتا تو کیسے مان لیا جائے کہ اس کائنات کے دو خالق ہیں۔ لوگوں سے سوال کرنے کے معنی ان کی فطرت سے سوال کرنا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ
سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ
وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ
اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾

اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بنے اور اس کے ختم ہونے کے بعد اور سات سمندر سیاہی بن جائیں اور خدا کی باتیں لکھی جائیں تو بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا (مرنے کے بعد) پھر زندہ کر کے اُٹھانا اس کے لیے ایک شخص کے پیدا کرنے اور پھر جلا کر اُٹھانے کے برابر ہے، بے شک اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے یہ خیال نہ کیا کہ خدا رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو بڑھا کر رات میں داخل کر دیتا

ہے۔ اُس نے سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار بنا دیا ہے کہ ایک مقررہ میعاد تک یوں ہی چلتا رہے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

کَلِمَاتُ اللّٰہ سے بعض مفسّرین نے مخلوقات مراد لی ہے یعنی خدا نے اتنی مخلوق پیدا کی ہے کہ اگر تمام دُنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بن جائیں تو ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ ہر مخلوق کے اندر قدرت کے جو راز پوشیدہ ہیں اور جن سے ان کا حیاتی نظام قائم ہے وہ حدِ شمار سے باہر ہے۔ اس کی ایک ایک مخلوق میں ہزار ہزار راز اُس کی قدرت کے مخفی ہیں۔ کہاں تک کوئی ان کے متعلق لکھ سکتا ہے۔ اُس نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے اور ہر عالم میں لاتعداد اس کی مخلوق آباد ہے اور ہر مخلوق اس کی ہزارہا صنعتوں کا مجموعہ ہے تو پھر دُنیا کے درختوں کے قلم اور سات سمندروں کی سیاہی ان کے حالات لکھنے کے لیے کیسے کافی ہو سکتی ہے۔ خوردبین سے دیکھو تو پانی کے ایک قطرہ کے اندر اُس کی ہزارہا مخلوق تیرتی نظر آتی ہے اور ان کے اندر حیات ہے اُن کے اندر تیرنے کی قوت ہے۔ جب ایک قطرہ کا یہ حال ہے تو پورے سمندر کا کیا حال ہوگا۔ یہ تمام مخلوق جو اٹھارہ ہزار عالموں میں پائی جاتی ہے ان سب کا پیدا کرنا اُس کے لیے اتنا ہی آسان ہے جیسے ایک جان کا پیدا کرنا۔

پھر فرمایا اس پر بھی غور کرو کہ کبھی رات کو دن میں داخل کر کے دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو رات میں داخل کر کے رات کو بڑھا دیتا ہے۔ گرمیوں میں دن بڑھ جاتا ہے جاڑوں میں رات۔ اُس کے سوا کوئی یہ کام کر سکتا ہے؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ اُس نے چاند اور سورج کو ایسا مسخر کر دیا ہے کہ جو وقت اُن کے طلوع کا ہے ہمیشہ اسی پر طلوع کرتے ہیں جو غروب کا وقت ہے اُسی پر غروب ہوتے ہیں۔ جو اُن کی معینہ منزل ہے اُسی پر حکمِ الٰہی کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔ اُس نے یہ سب نظام مخلوق کی بقائے حیات اور اُن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ
وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۳۰﴾ ع ۳/۱۲

یہ سب باتیں اس سبب سے ہیں کہ خدا معبود برحق ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں باطل ہے اور بے شک اللہ عالی شان والا اور بڑے رتبے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ کے فضل سے کشتیاں دریاؤں میں چلتی ہیں تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے اس میں خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب اُن کو سائبان کی طرح پانی کی موجیں ڈھک لیتی ہیں تو خدا کو کیسے سچے دل سے پکارتے ہو۔ لیکن جب خدا انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو اُن میں سے بعض تو کچھ روز اعتدال پر رہتے ہیں (اور بعض پکے کافر بنے رہتے ہیں) ہماری قدرت کی نشانیوں سے نہیں انکار کرتے مگر بدعہد اور ناشکرے لوگ۔

ایک روز ایک دہریہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے لگا جس خدا کو ہم نے دیکھا ہی نہیں اُس پر ایمان کیسے لائیں۔ آپؑ نے فرمایا، تُو نے کبھی دریائی سفر کیا ہے؟ اُس نے کہا بارہا کیا ہے۔ فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تیری کشتی طوفان میں پھنس گئی ہو اور تجھے اپنے ڈوبنے کا یقین ہو گیا ہو۔ اس نے کہا، ایسا بھی ہوا ہے فرمایا، اس وقت تیرا دل کیا چاہا کرتا ہے۔ اُس نے کہا، ایک ایسی ذات کو دل ڈھونڈنے لگتا ہے جو کشتی کو طوفان سے نکال دے۔ فرمایا، بس وہی خدا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب مصیبت سے نجات پا جاتے ہیں تو پھر اپنے نجات دہندہ کو بھول جاتے ہیں یا یاد رکھتے بھی ہیں تو چند روز۔

کشتیوں کا دریا میں چلنا۔ ہواؤں کا اُسے کھینچ کر منزلِ مقصود کی طرف لے جانا۔ طوفان سے کشتیوں کو نکال کر ساحل تک پہنچانا۔ یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان حوادث سے بچنے کے بعد بھی لوگ بجائے خدا کے شکرگزار ہونے کے اس پاک ذات پر ایمان نہیں لاتے تو ان سے زیادہ غدار اور ناشکرا کون ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز

وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا
تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۲ / ۱۴

لوگو! اللہ سے ڈرو اور اُس دن کا خوف دل میں رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (قیامت ضرور آئے گی) اور کہیں تم کو دُنیا کی چند روزہ زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور کہیں تمہیں فریب دینے والا (شیطان) اللہ کے معاملہ میں دھوکہ نہ دے دے۔ خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب مناسب سمجھتا ہے) پانی برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ عورتوں کے رحموں میں (نر یا مادہ) کیا ہے اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

قیامت کا دن ایسا سخت ہوگا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی۔ ہر شخص کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوگی۔ باپ نہ بیٹے کا پُرسانِ حال ہوگا نہ بیٹا باپ کا۔ اس دُنیا کی چند روزہ زندگی پر کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ خدا کی بخشش کی امید پر گناہ کرنے پر دلیر نہ ہو جاؤ اور توبہ کے بھروسہ پر گناہ نہ کرنے لگو اور زندگی میں موہوم امید پر توجہ بھی نہ کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آدمی کے تین دن ہیں، کل جو گزر گیا وہ تو نکل گیا پھر ہاتھ نہیں آسکتا۔ اور کل جو آنے والا ہے اس کے ملنے کا یقین نہیں کیونکہ موت ہر وقت موجود ہے۔ رہا تیسرا دن جو آج کا ہے اُس میں جو کچھ کرنا ہے کرلو۔

چند چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں
۱۔ قیامت کب آئے گی، خدا ہی جانتا ہے، انبیاء و مرسلین بھی اس کا وقت نہیں بتا سکتے تھے۔
۲۔ مینہ کا برسنا وہی جانتا ہے کہ جو بادل آسمان پر چھایا ہوا ہے وہ کب برسے گا اور کہاں برسے گا اور کتنا برسے گا؟

٣ ۔ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ جو بچّہ ماں کے پیٹ میں ہے وہ کالا ہے یا گورا۔ لڑکا ہے یا لڑکی۔ شقی ہے یا سعید۔ کامل الخلقت ہے یا ناقص الخلقت۔

٤ ۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کوئی شخص کل کو کیا عمل کرے گا۔ نیکی کرے گا یا بدی۔ یا کسی کا ظلم سہے گا یا کسی پر ظلم کرے گا۔

٥ ۔ کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ کس سرزمین پر مرے گا اور کیسے مرے گا؟

جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ ان پانچ باتوں کا خاص خیال رکھو۔ (نہج البلاغہ)

---

٣٢ سُوۡرَةُ السَّجۡدَةِ مَكِّيَّةٌ ٧٥

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ ﴿٢﴾
اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ۚ بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ
اَتٰىهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى
عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿٤﴾ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ
فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿٥﴾

الف لام میم ۔ رب العالمین کی طرف سے یہ وہ کتاب (قرآن) نازل کی گئی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خود گڑھ کر (تم نے) بنالی ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ تو تمہارے رب کی طرف سے برحق کتاب اس لیے نازل ہوئی ہے کہ تم اس قوم کو ڈراؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وُہ لوگ ہدایت پائیں۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش بنانے پر متوجّہ ہوا اس کے سوا تمہارے لیے نہ کوئی سرپرست ہے نہ شفاعت کرنے والا۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ خدا آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر یہ بندوبست اُس دن جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار برس ہوگی اُس کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔

لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا .... الخ چونکہ آنحضرتؐ سے پہلے حضرت عیسٰیؑ کے بعد قوم عرب کو ڈرانے والا کوئی اور پیغمبر نہیں آیا تھا اس لیے آخر میں آنحضرتؐ کو اس لیے بھیجا گیا کہ اس قوم کو عذاب خدا سے ڈرائیں۔

فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔ سے مراد یہ ہے کہ آسمان و زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں چھ دن میں بنائی گئی ہیں یعنی ان کا تعلق عالم امری سے نہیں ہے جہاں اسباب و وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی بس کُن کہا اور ہوگیا۔ بلکہ عالم خلقی سے ہے۔ جہاں کوئی چیز بتدریج ظہور میں آتی ہے یعنی اسباب و وسائط کے ذریعہ سے چھ دن کے اندر یہ چیزیں وجود میں آئیں۔ چونکہ دُنیا والے کسی چیز کا حساب تعمیر و تخلیق دنوں سے لگاتے ہیں لہٰذا ان کو سمجھانے کے لیے ایسا کہا گیا ورنہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح اور کتنی مدت میں پیدا کیا۔ ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں لہٰذا ان میں سے چھ دن میں ان کی تخلیق ہوئی اور ایک دن ان کی تنظیم میں صَرف ہوا۔ اس طرح ایک ہفتہ پورا ہوا۔

والعلم عند اللہ۔

عرش پر غالب آیا۔ عرش کے کئی معنی لغت عرب میں ہیں۔ زیادہ تر تخت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کی پاک ذات مکان و مکانیات سب سے مبرّا ہے۔ عرش کو بھی لوگوں نے کوئی مادی چیز سمجھ رکھا ہے اس لیے خدا کو اس پر بٹھا دیا ہے۔ اور روز قیامت اسی عرش پر اس کو بیٹھا ہوا دیکھیں گے اور آمنے سامنے بات چیت کریں گے۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ مِنۡ هٰذِهِ الۡهَفَوَاتِ ۔

عرش عالم نور سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ جو جہاتِ عالمِ امکاں سے بالکل الگ ایک مخلوق ہے۔ عالم نور میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شش جہات کا تعلق عالم مادی سے ہوتا ہے نہ کہ عالم نوری سے۔ عالم امکاں میں تین چیزوں کے بغیر نہ وقت بنتا ہے نہ مکان یعنی جب کوئی چیز ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کی طرف جاتی ہے تو وقت کا تعین آتا ہے مثلاً ہماری گھڑی جب بارہ کے ہندسہ سے چل کر ایک والے ہندسہ پر پہنچے گی تو ہم کہیں گے کہ ایک گھنٹہ ہوگیا۔ یعنی وقت کا تعین ہوا۔ اور یہاں گھڑی کی سوئی جہاں تک چلی وہ جگہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا جگہ اور وقت مادی چیزوں کے

لیے ضروری ہوتا ہے۔ اگر عالمِ نوری میں بھی ایسا ہی ہو تو پھر دونوں میں فرق کیا رہا ہے۔ بس عرش کے لیے کسی جگہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ نہ اس پر بیٹھنے کا سوال ہوتا ہے کیونکہ جس پر بیٹھا جاتا ہے اس کے لیے جہات ضرورت ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ تمام کائنات سے بالاتر ہے اس لیے ہم اُس کی طرف دونوں ہاتھ وقتِ دُعا اُٹھاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے، وہ تو ہر جگہ موجود ہے۔

اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ قیامت کا دن ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کا ہوگا۔ صرف اس کی اہمیت کو سمجھانے کے لیے ایسا کہا گیا ہے ورنہ وہ الوہی سال کا ایک دن ہوگا۔ تمام عالموں کے دن یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

ہم مولانا امداد حسین صاحب کاظمی کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے اس فرق کو واضح کرتے ہیں؛

"زمین کا ایک سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ عطارد کا ۸۸ دن کا۔ زہرہ کا ۲۲۵ دن کا۔ لیکن مشتری کا ہمارے ۱۲ سال کے برابر یعنی ۴۳۲۸ دن کا۔ زحل کا ایک دن ہمارے ۲۸½ سال کے برابر ہوتا ہے یعنی ہمارے ۱۰۷۶۲ دن کے برابر۔ نیپ چون کا سال ہمارے ۱۶۰ سال کے برابر ہے یعنی ۶۰۲۲۵ دن کے برابر۔"

ہمیں سمجھانے کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ جیسے تم قیامت کا ایک دن سنتے ہو وہ تمہارے دنوں کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔ ایک ہزار دن نہیں بلکہ ایک ہزار سال اور اس طویل مدت میں ہر انسان کو اپنا حساب کتاب چکانا ہوگا۔ سمجھئے کیا حال ہوگا وہاں ہم انسانوں کا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے، ہم بے چاروں پر۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑥ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ
نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ⑨

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے سب پر غالب و مہربان ہے۔ اُس نے جو چیز بنائی ہے خوب دُرست بنائی ہے۔ انسان کی ابتدائی خلقت مٹی سے کی۔ پھر اس کی نسل ذلیل پانی

(نطفہ) سے بنائی پھر اس (پتلے) کو دُرست کیا اور اس میں اپنی طرف سے رُوح پھونکی اور تم لوگوں کو (سننے کے لیے) کان اور (دیکھنے کے لیے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لیے) دل بنائے (اس پر بھی) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

جب خدا ہر چیز کا جاننے والا اور ہر شے پر غالب ہے تو قیامت کے دن کوئی اس سے بچ کر کہاں جائے گا۔ وہ تو ایسا صاحبِ قدرت ہے کہ اس نے ہر چیز کو بہترین خلقت عطا فرمائی ہے اور ایسی بنائی ہے کہ اس میں کمی زیادتی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہر حیثیت سے مکمل ہے۔

اُس نے بغیر کسی نمونہ کے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ایک نطفۂ گندیدہ سے اس کی نسل کو چلایا۔ پھر رحمِ مادر میں اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی پیدا کردہ رُوح ڈالی۔ پھر تمہیں کان آنکھ اور دل جیسی قوتیں دیں۔ تو کیا یہ اس کی قدرت کے معمولی کرشمے ہیں جن پر تم اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جو اعضا اُس نے تم کو دیئے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو کیا دنیا کی کوئی صنعت اس جیسا عنصر بنا سکتی ہے۔ اور کیا اس میں وہ قوت پیدا ہو سکتی ہے جو خدا کا عطیہ ہے۔ اگر تمہارے بدن سے ایک بال اُکھڑ جائے تو کیا جن و انس مل کر بھی اُسے اُس جگہ پر جما سکتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ
بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
ع ١ ١٤ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا
رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬

لوگ کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں ناپید ہو جائیں گے تو پھر ہم ایک نیا جنم لیں گے (ایسا کیسے

ہوسکتا ہے)۔(بات یہ ہے) کہ یہ لوگ اپنے رب کی حضوری سے انکار کرنے والے ہیں۔ تم ان سے کہہ دو کہ ملک الموت جو تم پر تعینات ہے وہی تمہاری رُوح قبض کرے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اے رسول (تم کو بہت افسوس ہوگا) جب تم مجرموں کو اس حال میں دیکھو گے کہ اُن کے سر اُن کے رب کے سامنے جُھکے ہوئے ہوں گے (اور وہ کہتے ہونگے) اے ہمارے رب ہم نے خُوب دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہم کو دُنیا کی طرف پھر لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں، ہم قیامت پر یقین لے آئے (خدا کہے گا) ہم تو دنیا میں ہر شخص کو راہِ راست پر لے آتے مگر (میری طرف سے) یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں انسانوں اور جنّوں سے جہنّم کو بھر دوں گا۔

لوگ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مِل کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ جی اُٹھنا اور زندگی بھر کے اعمال کا حساب دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ چونکہ یہ بڑی خوف دلانے والی چیز ہے لہٰذا وہ قیامت ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ خدا نے ان کو کیا یوں ہی کھیل تماشے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ تمام عظیم الشان کارخانہ جو اس کے لیے بنایا گیا ہے وہ محض اس لیے ہے کہ آدمی یہاں رہ کر خوب کھائے پیئے۔ اچھے اچھے مکانوں میں رہے۔ عمدہ لباس پہنے۔ بال بچے پیدا کرے اور خوب رنگ رلیاں منا کر یہاں سے چلتا بنے۔ نہ اس کے ظلم و ستم کی پُوچھ گچھ ہو نہ لُوٹ مار اور بدکرداریوں کی گرفت۔ پُوری آزادی کے ساتھ حیوانوں کی طرح جو چاہے کرتا پھرے۔ مظلوم روتے پیٹتے یہاں سے چلے جائیں کوئی اُن کی فریاد سُننے والا نہ ہو۔ تو پھر اس دُنیا کا مدبّر و منتظم ایک عدل گزار اور انصاف پسند تو نہ ہُوا۔ اُس نے قیامت کا ایک دن اسی لیے رکھا ہے کہ اس دُنیا میں جس نے جو کچھ کیا ہے اُس کی باز پُرس کے بعد ظالموں کو سزا دے مظلوموں کو جزا دے۔ نیکوں کو جنت میں جگہ دے اور بدوں کو دوزخ میں ڈالے۔ جا بجا قرآن میں قیامت کے دن سے اسی لیے ڈرایا گیا ہے کہ لوگ بدکاریوں سے بچیں اور اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ کریں۔

موت کا فرشتہ جب سینہ پر سوار ہو کر گردن مروڑے گا تو کوئی چیز اس سے بچانے والی نہیں ہو سکتی۔ پس جب پکڑے جاؤ گے تو پھر اپنے بچاؤ کی کیا صورت سوچی ہے؟ وہاں تو نہ کوئی سفارش چلے گی نہ رشوت دے کر جان چھوٹے گی۔ نہ خاندان والوں کی چیخ و پکار مفید ہوگی۔ نہ یار و رنہ مددگار ہوں گے۔ اُس وقت اگر خدا کے سامنے قیامت کا اقرار بھی کرو گے تو کیا فائدہ۔ اگر تم یہ درخواست کرو گے کہ پھر دُنیا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ تو یہ درخواست ہرگز منظور نہ ہوگی۔ جب دُنیا ہی نہ رہے گی تو تم جاؤ گے کہاں؟ دوسرے یہ تجربہ ہو چکا کہ دنیا میں جا کر پھر تم وہی کرو گے جو زندگانی دُنیا میں کرتے رہے تھے۔ جب تمہیں وہاں برسوں رہ کر ہوش نہ آیا تو اب کیا آئے گا۔ لہٰذا توبہ کا وقت نکل گیا۔ استغفار کی گھڑی بیت گئی۔ اب تو تم ہو اور جہنّم کے لپکتے ہوئے شعلے۔ تمہیں

بارہا سمجھایا گیا، مہلت دی گئی، بدکار لوگوں کے انجام کا نقشہ تمہارے سامنے پیش کیا گیا مگر تم تھے کہ کسی طرح ہوش میں آتے ہی نہ تھے۔ بس اب ہم سے کچھ نہ کہو اور اپنے کیے کی سزا بھگتو۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينٰكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ
الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا
بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿۱۵﴾ السجدة
تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫
وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ
أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

تم نے آج کے دن ہماری حضوری کو جُھٹلا دیا تھا۔ ہم نے بھی قصداً تمہیں نظرانداز کر دیا اب اس بھُولنے کا مزہ چکھو۔ دُنیا میں جو کچھ تم کرتے رہے تھے (اس کی سزا میں) اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ ہماری آیات پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ اُن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہے تو فوراً سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔ اور رات کو اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے (خدا کے عذاب کے) خوف سے اور اُس کی رحمت کی اُمید پر اُسے پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے رکھی ہے اس کو تو کوئی جانتا ہی نہیں۔

إِذَا ذُكِّرُوا..... الخ یہ آیت اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن حقیقتاً ہمارے آئمہ معصومینؑ کی شان میں ہے۔ تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السّلام اور اُن کے اُن تابعین کی شان میں

نازل ہوئی ہے جو آپؐ کی سیرت پر چلنے والے ہیں۔ وہ اوّل شب میں سوتے ہیں اور جب دو تہائی رات یا جتنی خدا کو منظور ہو گزر جاتی ہے تو اُٹھ کر اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور امید و بیم کی حالت میں اُس سے دُعا کرتے ہیں۔ پس اللہ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کر دیا۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا
أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ
دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ
بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾

جو شخص مومن ہو کیا وُہ کسی فاسق کی مثل ہو گا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُن کے لیے اُن کے اعمال کی جزا جنّت کے باغات ہیں ضیافت کا سامان ہے اور جو لوگ بدکار ہیں اُن کا ٹھکانہ جہنّم میں ہے جب اُس سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا، اس آگ کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ہم انہیں (قیامت کے) عذابِ اکبر سے پہلے (اس دُنیا میں ہی) عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھا دیں گے تاکہ وہ میری طرف رجوع کریں اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا .... الخ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضرت علی علیہ السلام سے کہنے لگا، اے علیؑ تم بچے ہو میں جوان ہوں۔ میں تم سے قوت اور زبان دانی میں بھی زیادہ ہوں تیز نیزہ بازی میں بھی تم سے بہتر ہوں لشکر میں ثابت قدم ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، تیری یہ مجال ہے کہ میرا مقابلہ کرے اور مجھ پر فخر کرے۔ کہیں مومن و بدکار برابر ہو سکتے ہیں۔ خدا نے بھی آپؑ کی تائید فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ اس روایت کو ابنِ مردویہ خطیب خوارزمی اور ابنِ عساکر نے ابنِ عباسؓ کی سند سے بیان کیا ہے۔ (کتاب الاغانی - واحدی) یہ وہی حضرت ولید ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا اور جنہوں نے نشہ میں صبح کی چار رکعت پڑھا کر کہا تھا، اس وقت طبیعت جوش میں ہے کہو تو اور پڑھا دوں۔

عذابِ ادنیٰ وہ ہے جو اس دُنیا میں نازل ہو۔ جیسے قومِ عاد و ثمود و قومِ فرعون پر نازل ہوا۔ اور عذابِ اکبر وہ ہے جو قیامت میں نازل ہو گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ
هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا
لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ
كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا کی پس تم بھی اس کتاب (قرآن) کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں شک میں نہ پڑو۔ ہم نے توریت کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت قرار دیا تھا۔ ہم نے اُن میں سے بعض کو اُن کے صبر کرنے کی وجہ سے امام بنایا تاکہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کریں اور وُہ ہماری آیات پر یقین کرنے والے تھے۔ بے شک تمہارا رب روزِ قیامت جن باتوں

میں وہ اختلاف کرتے تھے اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ اس میں ہماری نشانیاں ہیں تو کیا یہ لوگ سُنتے نہیں۔

توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھی اور قرآن مجید قیامت تک ہونے والے لوگوں کے لیے نازل ہوا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل میں خدا نے کچھ لوگوں کو امام بنایا تھا اسی طرح ہمارے رسولؐ کے عہد میں بھی خدا نے کچھ لوگوں کو امام بنایا جن سے تاقیامت ہدایتِ خلق وابستہ رہے گی۔ حضرت موسیٰؑ کے نقبا یعنی اوصیاء کی تعداد بارہ تھی۔ اسی طرح اوصیائے رسولِ خدا کی تعداد بھی بارہ ہے۔ اکثر واقعات حضرت موسیٰؑ اور حضرت رسولِ خداؐ کے ملتے جلتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو توریت ملی تو آنحضرتؐ کو قرآن ملا۔ موسیٰؑ کی معراج طور پر ہوئی تو حضرت رسولِ خدا کی معراج قاب قوسین او ادنیٰ تک۔ حضرت موسیٰؑ کو جہاد کا حکم ہوا تو حضرت رسولؐ خدا کو بھی۔ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ وصی تھے اور حضرت رسولؐ خدا کے بھائی حضرت علیؑ ان کے وصی تھے۔ حضرت ہارونؑ کے دو بیٹے شبر و شبیر تھے، اُن کے بعد بنی اسرائیل کے امام ہوئے۔ اور حضرت علیؑ کے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ امام خلق ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر فتح ہوئی اور حضرت علیؑ کو قوم قریش پر۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابل تین شخص خصوصیت سے تھے، فرعون، ہامان اور قارون۔ حضرت رسولِ خدا کے مقابل بھی تین خاص آدمی تھے، ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان۔ حضرت موسیٰؑ کی بی بی صفورا اُن کے وصی سے لڑیں اور حضرت رسولِ خدا کی ایک بی بی ان کے وصی حضرت علیؑ سے لڑیں۔ حضرت موسیٰؑ کے بارہ اوصیا اسباط و نقیب کہلائے اور حضرت رسولؐ خدا کے بارہ اوصیا امام کہلائے۔ اشقیائے بنی اسرائیل کے ہاتھوں جس طرح اوصیائے موسیٰؑ کو طرح طرح کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں اُسی طرح اوصیائے رسولِ خدا کو اُن کی اُمت کی دشمنی کی وجہ سے بڑے بڑے مصائب آلام کا سامنا کرنا پڑا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ: تمہارا رب ان کے درمیان روزِ قیامت فیصلہ کرے گا۔ یعنی بنی اسرائیل مسائل توریت کے متعلق جو آپس میں اختلافات رکھتے تھے جس کی وجہ سے یہودیوں میں اکہتر فرقے بن گئے۔ اسی طرح روز قیامت اُمتِ رسولؐ خدا میں اختلاف کی بنا پر جو تہتر فرقے بن گئے ہیں ان کا فیصلہ بھی ہو گا اور خدا بتائے گا کہ ان فرقوں میں کونسا حق ہے۔

کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلی اُمتوں پر عذاب نازل ہوتے رہے تھے اور اُن کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے اُن کے گھروں کو کھنڈر بنا کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ تم کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ ہمارے رسولؐ کی مخالفت کرنے میں تم کو بھی اسی طرح سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ بدر، اُحد، خندق وغیرہ کی لڑائیوں میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے نامی سردار کتّے کی موت مارے گئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ
زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ
لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع
۳ ع ۸ ۱۶

کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم چٹیل میدانوں میں پانی کو بہاتے ہیں اور پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جسے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔ تو کیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یوم فتح کب آئے گا۔ (اے رسول) تم ان سے کہہ دو جس روز وہ آئے گا تو کفر کرنے والوں کو ان کا ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ اے رسول تم ان لوگوں سے درگزر کرو اور اس وقت کا انتظار کرو وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ۔ تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے رجعت کے بارہ میں اور ظہور قائم آلِ محمدؐ کے بارہ میں بیان فرمائی ہے۔ جب منکروں کو حضرت رسولِ خدا نے رجعت کی خبر دی تو انہوں نے کہا کہ یہ فتح کا دن کب ہو گا اور ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس قول پر معطوف ہے، وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (عذاب اکبر سے پہلے ہم انہیں عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھائیں گے) پس عذابِ ادنیٰ اسی زمانۂ رجعت میں ان پر ہو گا۔ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے یوم الفتح کا ترجمہ روز قیامت لیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ جو لوگ کافر ہیں قیامت میں ان کے ایمان کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مراد تو وہی ایمان ہے جو زمانۂ رجعت میں ظہور قائم آلِ محمدؐ کے بعد لوگ زبان سے کہنے لگیں گے کہ ہم ایمان لے آئے۔ اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہو گا۔ دوسرے مہلت نہ دیا جانا اور انتظار کرنا یہ سب باتیں اس کی مؤید ہیں کہ یوم فتح سے مراد زمانۂ رجعت ہے نہ کہ روز قیامت۔

(۳۳) سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۰)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾
مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ
الّٰٓیِٔ تُظٰہِرُوْنَ مِنْہُنَّ اُمَّہٰتِکُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ ؕ
ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاہِکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَہُوَ یَہْدِی
السَّبِیْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْہُمْ لِاٰبَآئِہِمْ ہُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ
لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَہُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ ؕ وَلَیْسَ
عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ ۙ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵﴾

اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے اور تمہارے رب کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہے

اُس کی پیروی کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے باخبر ہے اور اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کی وکالت تمہارے لیے کافی ہے۔ اللہ نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں پیدا کیے اور نہ اُس نے تمہاری بی بیوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنا دیا ہے اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنا دیا ہے یہ تو تمہاری منہ بولی بات ہے (زبانی جمع خرچ) اور اللہ تو سچی بات کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لے پالکوں کو اُن کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو یہی خدا کے نزدیک بہت ٹھیک ہے۔ ہاں اگر تم ان کے اصلی باپوں کو نہ جانتے ہو تو وُہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور ہاں اگر کسی وقت بھول چُوک ہو جائے تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ مگر جب تم دل سے جان بوجھ کر عمداً ایسا کرو تو ضرور گناہ ہے۔ اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت نمبر ۲ میں بظاہر خطاب رسولؐ سے ہے لیکن درحقیقت مخاطب اُمت ہے۔ خدا نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے۔ یہ بہت بڑا ثبوت اس بات کا ہے کہ اس تمام کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے اگر دو ہوتے تو یہ سب کارخانہ تباہ و برباد ہو جاتا۔ جب جسم کی مختصر سی دنیا دو دل برداشت نہیں کر سکتی تو بھلا یہ اتنا بڑا عالم دو مدبروں کے تحت کیسے صحیح رہ سکتا ہے۔ اگر دو دل ہوتے تو ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف ہوتا۔ اگر دونوں کا کام ہر حیثیت سے ایک ہی ہوتا تو دو کی ضرورت کیا ہوتی، اگر مختلف ہوتا تو تباہی آجاتی۔

اس سورہ کا نام احزاب اس لیے ہے کہ اس میں جنگِ احزاب کا ذکر ہے۔ احزاب جمع حزب کی ہے۔ حزب کے معنی گروہ کے ہیں۔ چونکہ جنگِ خندق میں قریش کے علاوہ اور بہت سے قبائل بھی شامل ہو گئے تھے اس لیے اس کا نام جنگِ احزاب ہے۔

ایک سینہ میں دو دل ہونے کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایک وقت میں ایک شخص مومن و منافق، جھوٹا اور سچا، مشرک و مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ایک دل سے تو اس کی ایک ہی حالت ظاہر ہوگی۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک رسم تھی کہ اگر کوئی شخص غصہ میں اپنی بی بی سے یہ کہہ دیتا کہ تیری پشت میری ماں کی سی ہے تو پھر وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ اس کو ظہار کہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ایسا کہنے سے بی بی، ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو وہی ہے جس نے اُسے جنا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ فاسد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ اپنے لے پالک کو اپنا اصلی بیٹا سمجھتے تھے اور اس کی ابنیت اپنی طرف منسوب کرتے تھے اُس کے باپ کا نام نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ زیدؓ بن حارثہ کو جو حضورؐ کا پروردہ تھا، لوگ زیدؓ بن محمدؐ کہتے تھے۔ خدا فرماتا ہے کہ ایسا نہ کہو۔ لے پالک صلبی فرزند نہیں ہو سکتا۔ اُس کو اُس کے باپ کے نام سے

ہی پکارو یعنی زیدؓ بن حارثہ کہو۔ زیدؓ بن محمدؐ نہیں۔ ایسی باتیں خود تمہاری وضع کردہ ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں
اگر کسی لے پالک کے باپ کا نام معلوم نہ ہو تو اُسے اپنا دینی بھائی یا دینی دوست کہو۔ اگر بھول چوک میں اپنی اِبنیت
سے پکار لو تو معاف کر دیئے جاؤ گے ورنہ عمداً ایسا کرنا گناہ ہوگا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا
الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ
اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ
مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ
وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا
غَلِیْظًا ﴿۷﴾ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ
عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾ ع

نبی تو مومنین سے خود اُن کی جانوں سے بھی بڑھ کر حق رکھتے ہیں (کیونکہ وہ گویا اُمّت کے مردوں کے باپ ہیں) اور اُن کی بی بیاں گویا اُمّت کی مائیں ہیں اور مومنین و مہاجرین میں کچھ (لوگ باہم) قرابتدار ہیں۔ کتابِ خدا کی رُو سے تو غیروں کی نسبت (ایک دوسرے کے ترکہ کے) زیادہ حقدار ہیں لیکن اگر تم اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہو (تو دوسری بات ہے) یہ تو خدا کی کتاب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے پیغمبروں سے اور تم سے اور نوح و ابراہیم و موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے عہد و پیمان لیا اور اُن لوگوں سے ہم نے سخت عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) سچوں (پیغمبروں) سے ان کی سچائی (تبلیغِ رسالت) کا حال دریافت کریں اور کافروں کے لیے تو

اُس روز دردناک عذاب ہے ہی۔

اِن آیات میں چند باتوں پر غور کرنا ہے :

۱۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی لوگوں پر اُن کے نفسوں سے زیادہ نبی کی حکومت ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ نبی کے حکم کے خلاف کوئی امر کر سکے۔

یہاں اَوْلٰی کے معنی اولیٰ بالتصرف ہیں۔ ان کا قول واجب الاطاعت اور ان کا ہر فعل واجب العمل اور لائقِ تقلید ہے۔ غدیرِ خم کے موقع پر جو خطبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا اُس میں اپنی اولویت کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ ۔ کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حقِ تصرف نہیں رکھتا۔ یعنی کیا میں تم پر اللہ کی طرف سے حقِ حکومت نہیں رکھتا۔ ہر طرف سے آواز آئی بے شک آپؐ ہم پر حاکم ہیں۔ جب یہ حکومت تسلیم کرا لی تو فرمایا، مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۔ جس کا میں مولا ہوں اُس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ ایسی صورت مولا کے معنی دوست کے لینا عربی زبان پر کتنا ظلم ہوگا۔ ایسا کہنے والا یا تو عربی سے واقف نہیں یا پھر از راہِ تعصب ایسا کہہ رہا ہے۔

۲۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ نبی کی بی بیاں اُمّت کی مائیں ہیں۔ یعنی جب نبی اُمّت کے لیے مثل باپ کے شفیق و مہربان ہے تو لامحالہ اُس کی بی بیاں اُمّت کی مائیں ہوئیں۔ ان کی عزّت کرنا اُمّت کا فرض ہے۔ نبی کے بعد کوئی شخص نبی کی کسی بی بی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

۳۔ مومنین اور مہاجرین کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو تمہارے رشتہ دار ہوں تمہارے احسان کے وہ سب سے پہلے مستحق ہیں۔ اُن کے ہوتے غیر سے سلوک نہ کیا جائے تاکہ صلہ رحم میں خلل نہ پڑے۔

۴۔ خدا نے تمام انبیاءؑ سے بالخصوص آنحضرتؐ سے یہ پکا عہد لیا تھا کہ وہ احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں سے بھی عمل کروائیں گے۔ ہر حکمِ خدا کے نافذ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ احکامِ الٰہی کے جاری کرنے میں کسی مصیبت کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ عہد یہاں اس لیے یاد دلایا جا رہا ہے کہ نبی کو چند مواقع ایسے پیش آنے والے ہیں جن سے اُمّت کے خلاف ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ لہٰذا یہ بتایا جا رہا ہے کہ میں تم سے پکا عہد لے چکا ہوں پس ایسے موقعوں پر اُمّت کی مخالفت کے خوف سے میری نافرمانی نہ کر بیٹھنا۔ تمہاری نظر میں خدا کا خوش رکھنا ہونا چاہیئے نہ کہ اُمّت کا۔ میں نے یہ معاہدہ صرف زبانی کر کے ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کے متعلق ہر ایک سے سوال بھی کروں گا تاکہ وہاں سچوں کی سچائی ظاہر ہو۔

ایک نبی کی ذمہ داریاں بہت سخت ہوتی ہیں۔ پہلے یہ کہ بے کم و کاست بیان کرے۔ اپنی طرف سے ایک لفظ دکھائے نہ بڑھائے۔ پھر وقت پر اُس حکم کو پہنچائے کسی خطرہ کی وجہ سے رُکے نہیں۔ پھر خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرائے۔ تبلیغ کا کام ہر حالت میں جاری رکھے۔ یہ معمولی باتیں نہیں۔ ان کی تبلیغ میں انبیاءؑ کی جانوں پر

بن جاتی تھی۔ قوم کی دشمنی سے جان اجیرن ہو جاتی تھی مگر وہ کسی بات کی پرواہ کیے بغیر اپنے فرائض انجام دیتے تھے اسی لیے ان کی اطاعت کو امت پر واجب کیا گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ۚ ﴿٩﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿١٠﴾
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿١١﴾ وَاِذْ
يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢﴾

اے ایمان والو، اللہ کی نعمتوں کا جو تم کو ملیں اُن کا ذکر کیا کرو (جنگِ خندق میں) جب تم پر کافروں کا لشکر آ پڑا تو ہم نے تمہاری مدد کی، آندھی بھیجی اور (فرشتوں کا) ایسا لشکر بھیجا جسے تم نے دیکھا تک نہیں اور جو کچھ تم کر رہے تھے خدا اُسے دیکھ رہا تھا۔ جس وقت وہ لوگ تمہارے اوپر سے بھی آ پڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جس وقت ان کی کثرت سے تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اور خوف سے تمہارے کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور خدا کے بارے میں بُرے خیالات کرنے لگے تھے۔ یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے۔ جب منافق اور جن کے دل ہیں (کفر کا) مرض ہے کہنے لگے کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ بالکل دھوکے کی ٹٹی تھے۔

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس نظر نہ آنے والے لشکر سے کیا مراد ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ اندرونی قوتیں ہیں جو انسان میں سچائی کی نئی رُوح پھونکتی ہیں۔ اور چونکہ یہ کام فرشتوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کو فرشتوں کا لشکر بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ جس طرح جنگِ بدر میں خدا نے فرشتوں سے مدد کی یہاں بھی اسی طرح کی مدد تھی یعنی دشمنوں کو فرشتوں کی مسلح فوجیں نظر آتی تھیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہاں جنگِ بدر کی طرح مسلمانوں کا اطمینانِ قلب مقصود ہے یعنی بڑے اطمینان سے وہ لڑے یہی وہ لشکر تھا جس سے خدا نے مدد کی نہ کہ حقیقتاً فرشتے مدد کو آئے تھے۔ چونکہ یہ باطنی قوتیں بھی نظر نہیں آتیں لہٰذا یہ کہا گیا کہ تم ان کو دیکھتے نہ تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک قبیلہ جو بنی نضیر کہلاتا تھا اپنی سرکشی اور سازشی کارروائیوں کی بدولت جب مدینہ سے نکالا گیا اور شام پہنچا تو اُن کی تباہ حالی دیکھ کر وہاں کے یہودیوں کے دل بھر آئے اور ان کے سردار ابی الحقیق زرغی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن نصر کی ایک جماعت کو لے کر مکہ میں آئے اور ابوسفیان وغیرہ سردارانِ قریش کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ قریش نے کہا، تم تو اہلِ کتاب ہو تم نے مذہبی معاملہ کو خوب تحقیق کیا ہو گا۔ بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا۔ اُن کی تو غرض اَڑی ہوئی تھی کہنے لگے، دین تو تمہارا بہتر ہے یہود ان سے مطمئن ہو کر قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے، اُن کو بھی آمادہ کیا اور اس کے بعد اور قبائل کو بھی سبز باغ دکھا کر اپنا ہم خیال بنایا۔ غرض دس ہزار کا لشکر تیار ہُوا اور مدینہ پر حملہ کے لیے چلا۔ جب حضرتؐ کو پتہ چلا تو آپؐ ایک ہزار سات سو آدمیوں کو لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ اور جبل سلع کے سامنے قیام فرمایا۔ دشمن کی فوجوں کی تعداد کا حال سُن کر لوگوں کے ہوش اُڑ جاتے رہے۔ اگرچہ حضرت رسولِ خداؐ نے فتح کا وعدہ بھی کیا مگر اُن کو قرار نہ تھا۔ آخر صحابہؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ نے خندق کھودنے کی رائے دی۔ چنانچہ سب نے مل کر خندق کھود دی۔ حضرت رسولِ خداؐ نے سب سے زیادہ حصہ کھودا۔ اس خندق کے آٹھ دروازے تھے جہاں سے آ جا سکتے تھے۔ ان دروازوں پر پہرہ دار بٹھا دیئے گئے۔

اس اثنا میں حی بن اخطب بنی قریظہ کے پاس پہنچا باوجودیکہ ان سے کفّار کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ تھا مگر وہ لوگ حی بن اخطب کی باتوں میں آ گئے اور کفّار کے ساتھی بن گئے۔ خندق تیار ہونے کے چار دن بعد کفّار کا لشکر بھی آ گیا اور مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ کفّار کا لشکر مدینہ سے پچھمی میدان میں خیمہ زن ہُوا۔ مسلمان خندق کے قلعہ میں تھے اور کفّار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ۲۷ روز گزر گئے اور طرفین سے پتھر اور تیر چلتے رہے اور موقع پا کر شبخون بھی ہوئے۔ حضرتؐ اس کا دفعیہ کرتے رہے۔ مگر جب سختی انتہا کو پہنچی اور مسلمانوں کی وہ حالت ہوئی جس کا ذکر آیت میں ہے تو آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے مشورہ کیا اور فرمایا، ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر واپس کیا جائے ان دونوں نے نہایت دلیری اور جوش کے ساتھ جواب دیا اگر اس بارے میں وحی آ چکی ہے تب تو جائے دم زدن نہیں ورنہ ہم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے۔ ان کو تلوار کی کاٹ کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔ یہ سُن کر آپؐ کو ان کی طرف سے اطمینان ہُوا۔

اب اُدھر کا حال سنیئے۔ عمرو بن عبدوَد نے جو عرب کا نامور پہلوان تھا اپنے ساتھیوں سے کہا، ہم کہاں تک محاصرہ کیے رہیں گے ہم میں اب تابِ ضبط باقی نہیں۔ چلو خندق پھاند کر حملہ کریں۔ غرض چند آدمیوں کو لے کر ایک دروازہ سے اس پار آ پہنچا اور اپنا نیزہ گاڑ کر جوشِ شجاعت میں اپنا گھوڑا گُھمانے لگا۔ اور مقابل طلب کیا۔ حضرتؐ نے اپنے اصحاب سے اس کے مقابلہ کے لیے جانے کو کہا۔ سب نے اپنے سر جھکا لیے۔ حضرت علیؑ کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ دوسری بار حضورؐ نے پھر یہی فرمایا، لہٰذا اس بار بھی سب چُپ ہو رہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ، کس کو اپنی جان عزیز نہیں کہ اس کے مقابلہ کو جائے۔ میں ایک دفعہ اس کے ساتھ سفر میں تھا کہ ایک ہزار آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا، یہ خالی ہاتھ تھا۔ اس نے ایک اونٹ کے بچہ کو اپنی سپر بنا لیا اور ایک کھجور کے درخت کو ہتھیار بنا کر ان پر حملہ آور ہوا اور سب کو مار کر بھگا دیا۔ اور اُن کو لوٹ بھی لیا۔ اس سے صحابہؓ پر جو اثر ہوا اس کا آیت میں بیان ہے۔ الغرض سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی اس کے مقابلہ پہ جانے کی ہمت نہ کر سکا جب حضرت علیؑ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، اے علی سمجھ لو کہ یہ عمرو ہے۔ فرمایا، تو میں بھی علی ہوں۔ غرض تین دفعہ یہ فرمانے کے بعد حضورؐ نے اپنی زرہ حضرت علیؑ کو پہنائی اور اپنا عمامہ باندھا اپنی تلوار دی روانہ کرتے وقت دعا کی، خدایا تو اس کا ہر طرف سے نگہبان رہنا۔ خدایا میرے تین نگہبان تھے۔ عبیدہ کو تو نے جنگِ بدر میں اُٹھا لیا۔ حمزہؓ کو اُحد میں لے لیا۔ اب یہی ایک باقی رہ گیا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے اور چلتے وقت فرمایا، آج کُل ایمان کُل کفر کے مقابل جا رہا ہے۔

غرض جب شیرِ خدا جنابِ امیر علیہ السلام اُس کے پاس پہنچے تو پہلے اُس نے آپؑ کے مقابلہ سے انکار کیا۔ حضرت علیؑ کے سرزنش کرنے کے بعد وہ مقابل ہوا۔ دونوں میں حملوں کی ردّ و بدل ہوتی رہی۔ اس قدر غبار بلند ہوا کہ دونوں چھپ گئے۔ آخر اُس نے جھنجھلا کر ایک وار کیا جسے آپؑ نے سپر پر روکا جس سے آپؑ کا سر مبارک زخمی ہو گیا۔ پھر آپؑ نے زخم باندھ کر ایک وار ایسا کیا کہ اُس کا پیر کٹ گیا اور وہ بے قابو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ آپؑ فوراً اُس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور اُس کا سر کاٹنے کے بعد نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کا سر لے کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا،

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔
(علیؑ کی ایک ضرب خندق کے روز دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے روزِ قیامت تک)

عمرو کے قتل ہونے کے بعد اُس کے ساتھی تتر بتر ہو گئے۔ نوفل بن عبداللہ خندق میں گرا اور اس پر مسلمانوں نے پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ جنابِ امیرؑ لوگوں کو ہٹا کر خندق میں کود ے اور اس سے لڑے اور اس کو قتل کیا باقی لوگ بھاگ گئے۔

لشکرِ کفار میں پھوٹ پڑنے اور ناکام واپس جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے آنے سے تین روز قبل نعیم بن مسعود اشجعی حضرتؐ کے پاس آکر ایمان لایا اور عرض کی اگر مجھے حضرتؐ کا حکم ہو تو اس کے لیے حاضر ہوں اور اگر اس کی اجازت نہ ہو تو اُن کے درمیان پھوٹ ڈال دوں۔ مگر ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ نازیبا کلمات آپؐ کے متعلق میری زبان سے نکلیں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ فرمایا تجھے اختیار ہے۔ غرض وہ پہلے ابوسفیان کے پاس آیا اور کہنے لگا،

خدا تجھے دشمن پر فتح دے۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بنی قریظہ نے جو بدعہدی محمدؐ سے کی ہے اس پر سخت نادم ہیں اور محمدؐ کو یہ کہلا بھیجا ہے کہ ہم عرب لوگوں میں سے کچھ اشراف کو آپؐ کے پاس بطور یرغمال بھیجتے ہیں اگر ہم سے بدعہدی سرزد ہو تو آپؐ ان کو قتل کر دیں اور پھر ہم آپؐ کے ساتھ ہو کر ان سب کو شہر سے نکال باہر کر دیں گے۔ پس اے ابوسفیان اس دھوکہ میں نہ آجانا، ان سے کچھ لوگ طلب کرو اور انہیں بطور ضامن لے کر مکہ بھیج دو تاکہ اطمینان ہو۔ ابوسفیان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور نعیم کو دعائیں دیں۔

اس کے بعد نعیم بنی قریظہ کے پاس آیا اور ان سے کہا، تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔ ابوسفیان یہ کہتا ہے کہ ہم ان یہودیوں کی محمدؐ سے لڑائی کرا دیں گے اور انہی کو آگے کر دیں گے۔ اگر فتح ہوئی تو اور شکست ہوئی تو یہ مارے جائیں گے۔ دیکھو جب تک تم ان کے کچھ لوگ اپنے پاس رہن نہ رکھ لو ان کو اپنے میں شامل نہ کرنا ورنہ دھوکہ کھاؤ گے۔

غرض یوں ایک کو دوسرے سے غیر مطمئن بنانا چاہا۔ یہ خیالات تو فریقین کے دماغ میں چکر کھا ہی رہے تھے اب جو ابوسفیان نے بنی قریظہ کو بُلایا تو وہی دس آدمیوں کے رہن کی شرط پیش کی۔ انہوں نے انکار کیا۔ ابوسفیان برافروختہ ہوا اور نعیم کے بیان کی اُسے تصدیق ہو گئی اور دوستی مخالفت سے بدل گئی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خدا نے ان پر آندھی بھیجی۔ جو بہت سرد اور سخت تھی جس سے بہت سے خیمے اکھڑ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں گھوڑے بھاگ گئے آنکھوں میں کوڑا کرکٹ پڑ گیا اور آگ بجھ گئی۔ کفار کے دل خوف سے دہل گئے، سب کے قدم اکھڑ گئے۔ ابوسفیان بدحواس ہو کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اس کے ساتھ سب چلتے ہوئے۔ یوں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

جہاں تک تاریخی واقعہ کا تعلق تھا ہم نے مختصراً نقل کر دیا۔

اب ذرا حضرت علی علیہ السلام کے فضائل پر نظر ڈالیے:

۱۔ عمرو کا ایسا رُعب لشکرِ اسلام پر چھایا ہوا تھا کہ مسلمانوں کا خوف سے یہ حال تھا کہ ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور ان کے دل منہ کو آ رہے تھے۔ یہ خوف کی انتہائی صورت ہے۔ کوئی عمرو کا مقابلہ کرنے پر تیار نہ تھا۔ عمرو کی بہادری کے افسانے سنا کر مسلمانوں پر اور زیادہ ہیبت طاری کی جا رہی تھی اور حضرت رسولؐ خدا کو پریشانی میں ڈالنے کی فکر تھی۔ کیا اس کو اسلامی حمیت کہا جائے گا۔ کیا اس پر حضورؐ کی ہمدردی کا اطلاق ہوتا ہے۔

۲۔ بروایت طبری اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے گویا اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ یہ حال صرف ایک شخص کی بہادری سے خوف کھانے کا تھا۔

۳۔ حضرت رسولِ خداؐ کا یہ فرمانا کہ اے علی جس کے مقابلہ کو جاتے ہو یہ عمرو ہے اور علیؑ کا برابر یہ جواب دینا کہ میں بھی علی ہوں اپنی بہادری پر کتنا اعتماد ظاہر کرتا ہے۔

۴۔ علیؑ کو اپنے دستِ مبارک سے سلاحِ جنگ پہنانا اس کی دلیل ہے کہ حضورؐ کو یہ یقین تھا کہ علی علیہ السلام ناکام واپس نہ آئیں گے۔

۵۔ چلتے وقت آنحضرتؐ کا یہ فرمانا، بَرَزَ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ اِلَى الْكُفْرِ كُلِّهٖ (آج پورا پورا ایمان پورے پورے

کفر کے مقابل جا رہا ہے، ایمانِ علیؑ کی انتہائی معراج ہے۔ کُل ایمان کا لفظ سوائے حضرت علیؑ کے اور کسی صحابی کے متعلق کبھی رسولِ خداؐ کی زبانِ اقدس سے نہیں نکلا۔

۶۔ عمرو کے قتل کرنے کے بعد اس کا اسلحہ اور قیمتی لباس اس کے جسم سے نہ اُتارنا اور لاش برہنہ نہ کرنا بے غرض جنگ کا بہترین ثبوت ہے۔

۷۔ علیؑ کی ایک ضرب کو قیامت تک عبادت ثقلین سے بہتر فرمانا بڑا معنی خیز جملہ ہے۔ اگر اس روز خاکم بدہن علیؑ قتل ہو جاتے تو اسلام ختم ہو جاتا اور قیامت تک اسلامی دائرہ کے اندر جو عبادت کی جاتی وہ بھی ختم ہو جاتی۔

۸۔ خدا کے متعلق مسلمانوں کا بُرے بُرے گمان کرنا اور خدا و رسولؐ کے وعدوں کو دھوکہ قرار دینا اسلامی کفر نوازی کی ایک زلزلہ خیز داستان ہے جس کے لیے مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

۹۔ اس فتح کا سہرا اگر علیؑ کے سر نہ بندھتا تو مسلمان تجویز کریں کہ اور کس کے سر بندھتا۔ ہے کوئی اور سر جو اس سہرے کے بندھوانے کے لائق ہو۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا
وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا
هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ
اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے مدینہ والو، اب دشمن کے مقابلہ میں تمہارا کہیں ٹھکانہ نہیں بہتر ہے کہ اب پلٹ چلو اور اُن میں سے کچھ لوگ گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے لگے تھے اور کہتے تھے ہمارے گھر (مردوں سے) بالکل خالی (غیر محفوظ) پڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہ تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہی لشکر ان لوگوں پر مدینہ کی طرف سے آپڑے اور ان سے فساد (خانہ جنگی) کی درخواست کی جائے تو یہ لوگ اس کے لیے فوراً آموجود ہوں گے

اور اپنے گھروں میں بہت کم توقف کریں گے۔ (اگر جہاد سے گریز ہے)۔

منافق تو ایسے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے کہ کسی بہانہ سے جہاد میں شریک نہ ہوں۔ جب بنی قریظہ لشکرِ قریش میں شامل ہو گئے تو انہیں یہ خوف ہُوا کہ وہ مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے جہاد پر جانے والوں کو روکنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ اب مدینہ غیر محفوظ ہے۔ تم لوگ جاؤ اور واپس آجاؤ۔ بظاہر تو ان کا یہی مطلب تھا لیکن حقیقتاً ان کی مراد یہ تھی کہ دینِ اسلام ترک کر دو کیونکہ اس میں جان و مال کا تحفظ نہیں۔ کتنے دن کی لڑائیاں ہیں کہاں تک لڑتے جاؤ گے۔ اور اپنے لیے یہ عذر تراشا کہ جب سب مرد جہاد پر چلے آئے اور ہمارے گھر مردوں سے خالی ہو گئے تو دشمن ہماری عورتوں پر حملہ کر کے ہمیں تباہ و برباد کر دے گا۔ حالانکہ ان کا یہ خیال غلط تھا۔ حملہ کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ دوسرے یہ بندوبست حضورؐ کے ذمہ تھا جس کی حفاظت کے لیے آپؐ نے کچھ لوگ چھوڑ دیئے تھے۔ پھر سب سے بڑی خدا کی نگہبانی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جنگ سے فرار کرنا چاہتے تھے۔ خانہ جنگی کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے تھے مگر باہر جانے اور راہِ خدا میں قتال سے جان چُراتے تھے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ
الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

حالانکہ ان لوگوں نے پہلے خدا سے عہد کیا تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہم پیٹھ نہ پھیریں گے اور خدا کے عہد کی پُوچھ گچھ تو ایک روز ہو کر رہے گی اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ اگر موت یا قتل کے خوف سے بھاگے ہو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے مفید نہ ہوگا۔ بس اس دُنیا میں چند روز چین کر لو گے۔ تم ان سے کہو اگر خُدا تم سے بُرائی کا ارادہ کرے تو تم کو اس سے کون بچائے گا اور اگر تم سے بھلائی کرنا

چاہے تو کون روک سکتا ہے اور یہ لوگ خدا کے سوا نہ کسی کو اپنا سرپرست پائیں گے اور نہ مددگار۔

منافقوں نے جنگِ خندق سے پہلے قسمیں کھائی تھیں اور اقرار کیا تھا کہ ہم اس جہاد میں ضرور شریک ہوں گے اور میدانِ جنگ سے ہرگز منہ نہ موڑیں گے لیکن جب سُنا کہ دشمن کی کثرت ہے تو میدانِ جنگ سے فرار کرنے کی سُوجھی اور لگے بہانے تلاش کرنے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اگر خدا کسی کو ہلاک کرنا چاہے گا یا اس پر کوئی مصیبت نازل کرنی چاہے تو بھلا کس کی مجال ہے کہ اُسے روک سکے۔ کیا وہ گھر میں بستر پر نہیں مار سکتا۔ دُنیا کی جس چند روزہ زندگی پر وہ مرمٹے ہیں وہ ہے کیا، ایک ہوا کا جھونکا ہے، ایک بجلی کی چمک ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَاۚ
وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ
رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ
فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِؕ
اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

جو لوگ تم میں سے دُوسروں کو جہاد سے روکتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس چلے آؤ اور خود بھی (الزام مٹانے کو) لڑائی کے میدان میں ذرا رُکے اور چلے آئے۔ تم دیکھتے ہو کہ جب لڑائی میں سخت موقع آ پڑا تو تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی چھا رہی ہو۔ جب خطرہ ہٹ جاتا ہے (اور ایمانداروں کی فتح ہوتی ہے) تو مالِ غنیمت پر گرنے لگتے ہیں اور تم پر اپنی تیز زبانیں طعنہ کے لیے کھولنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اللہ نے

ان کے تمام اعمال ضبط کر لیے اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے۔

منافقوں کی حالت یہ تھی کہ شرما حضوری کو حضرتؐ کے ساتھ چلے تو جاتے لیکن فکر یہ ہوتی کہ کسی طرح چھپ چھپا کر یہاں سے رفو چکر ہو جائیں۔ لوگوں کو اپنے ساتھ میدانِ جنگ سے نکل بھاگنے کی طرف رغبت دلاتے۔ اگر لڑائی زور پکڑ جاتی اور دشمن کا ذرا سا غلبہ دیکھتے تو اُن کے اوسان خطا ہو جاتے اور اس طرح آنکھیں پھرا کر دیکھتے جیسے مرنے والا دیکھتا ہے۔ یعنی اُن پر سکراتِ موت کا عالم طاری ہو جاتا اور جب خطرہ ٹل جاتا اور مسلمانوں کو فتح ہو جاتی تو شیخی بگھارنے کے لیے آ جاتے اور لفاظی سے کام لینے لگتے کہ ہم نے یہ کیا وہ کیا۔ مالِ غنیمت سے ہمیں اچھا حصہ دیجئے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں اس لیے ان کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْاۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ
اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْؕ وَلَوْ كَانُوْا
فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ ع ۲ ۱۸
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾
وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗؗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

(مدینہ کا محاصرہ کرنے والے چل بھی دیئے) مگر یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ کافروں کے لشکر ابھی نہیں گئے اور اگر کہیں کفار کا لشکر پھر آ پہنچے تو یہ لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ جنگلوں میں گنواروں میں جا بستے اور (وہیں بیٹھے بیٹھے) سب حالات دریافت کرتے رہتے اور اگر ان کو تم میں رہ کر کہیں رہنا پڑتا تو (چھدا چھڑانے کو) ذرا دیر کہیں لڑ لیتے۔ مسلمانو، تمہارے لیے تو خود رسول کا (خندق میں بیٹھنا) ایک اچھا نمونہ تھا مگر ہاں یہ اُس شخص کے واسطے ہے جو خدا سے ملنے روزِ آخرت کی

اُمید رکھتا ہو اور خدا کی بکثرت یاد کرتا ہو اور جب سچے مسلمانوں نے کفّار کے جمگھٹوں کو دیکھا تو (بے تکلّف) کہنے لگے یہی چیز تو ہے جس کا خدا اور اُس کے رسول نے وعدہ کیا تھا (اور اس کے دیکھنے سے) اُن کا ایمان اور اُن کی اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔

اِن آیات میں مسلمانوں کی اس افسوسناک حالت کا اظہار کیا جا رہا ہے جس کا مظاہرہ اُن سے جنگِ خندق میں ہوا۔ حالت اُن کی یہ تھی کہ دشمن محاصرہ ہٹا کر چلا بھی گیا مگر یہ لوگ سمجھتے رہے کہ ابھی موجود ہے۔ اور اس ارادہ سے پَر تولے بیٹھے رہے کہ موقع ملے تو یہاں سے چل چھپت ہوں اور بدّو عربوں سے مل کر جنگلوں میں اپنی بود و باش اختیار کر لیں تاکہ ان جہادوں کے قصّہ سے نجات مل جائے اور وہیں سے مسلمانوں کی جنگ کی خبریں لوگوں سے معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر میدانِ جنگ میں بہ مجبوری انہیں رہنا پڑا تا بھی تو بزدلی کا الزام مٹانے کے لیے یُوں جھوٹ مُوٹ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر دشمن کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتے اور دو چار چوٹیں کر کے پھر لشکر میں آ چھپتے۔

کاش یہ لوگ رسولؐ کے رویہ کو اپناتے اور جیسا رسولؐ کو کرتے دیکھتے ویسا ہی خود بھی کرتے۔ رسولؐ نے خندق کھودنے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا تھا اور سردی اور بھوک پیاس کی حالت میں محاذِ جنگ پر ڈٹے رہے تھے۔ اپنے بچانے کی کوئی تدبیر نہیں کی۔ دشمن کی کثرت دیکھ کر کبھی خوف و ہراس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔ مدینہ میں لوگوں کے بال بچوں کے بچانے کے لیے جو تدبیر سب کے لیے کی وہی اپنے بال بچّوں کے بچانے کے لیے کی تھی۔ اپنے گھر کی حفاظت کا خصوصیت سے کوئی اہتمام نہ کیا تھا۔ نہ محاصرہ میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی خاص تدبیر فرمائی تھی۔ وہ ہر حالت میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔

جو صاحبِ ایمان تھے اُنہوں نے تو کبھی ایسے احمقانہ منصوبے نہیں بنائے وہ تو ذرا بھی نہیں ڈرے جب کفّار کو محاذِ جنگ پر دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ وہی وعدہ ہے جسے اللہ و رسولؐ سے ہم نے کیا تھا۔ یعنی اگر ہم اس جنگ میں شہید ہو جائیں گے تو اس کے صلہ میں ہم کو جنّت مل جائے گی اور اگر فتح نصیب ہوگی تو اسلام کا بول بالا ہو گا۔ جب رسولؐ فتح کی پیش گوئی کر چکے ہیں تو پھر کیا وجہ کہ ہم فتحیاب نہ ہوں اور وسوسہ کیسا۔ جو خدا اور رسولؐ کا وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ جنگ کی سختی میں اُن کا ایمان کمزور نہیں ہُوا بلکہ زیادہ ہی ہوتا رہا۔ اور خدا و رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بڑھتا ہی رہا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ

الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۴﴾ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا
خَیْرًا ؕ وَكَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾ ۚ وَ
اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾

اور مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے اُنہوں نے (فرمانبرداری کا) جو عہد کیا تھا اُسے پُورا کر دکھایا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو (مر کر) اپنا وقت پُورا کر گئے اور ان میں سے بعض حکمِ خدا کے منتظر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی (یہ امتحان) اس لیے تھا کہ سچے ایماندار کو ان کی سچائی کی جزائے خیر دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے (اگر وہ لوگ توبہ کریں تو) خدا ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک خدا غفور و رحیم ہے اور خدا نے کافروں کو مدینہ سے نکال دیا (اور یہ لوگ) غصّہ میں بھرے ہوئے (نکل گئے) اور اُنہیں کچھ فائدہ بھی نہ ہُوا اور خدا نے مومنوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی اور خدا تو (بڑا) زبردست غالب ہے اور اہلِ کتاب میں جن لوگوں (بنی قریظہ) نے کفّار کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے (بے دخل کر کے) نیچے اُتار دیا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا۔ تم اُن کے کچھ لوگوں کو قتل کرنے لگے اور کچھ کو قیدی بنا لیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ ...... الخ بعض تفاسیر میں ہے کہ جنگِ خندق میں جن لوگوں نے خدا سے کیے ہوئے وعدہ کو پُورا کیا اُن کے پیشوا جنابِ امیر علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے عمرو بن عبدِ وُد کو قتل کیا۔
نیچے کی آیات اس واقعہ سے متعلق ہیں کہ جنگِ خندق فتح کرنے کے بعد جب مسلمان مدینہ واپس آئے اور آنحضرتؐ ہتھیار کھول کر ہاتھ پاؤں دھو رہے تھے تو حضرت جبریلؑ بنی قریظہ پر چڑھائی کرنے کا تاکیدی حکم لے کر آئے۔ آپؐ نے

مسلمانوں کو ندا کرائی کہ نمازِ عصر وہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ لشکر روانہ ہوا جب وہاں پہنچے تو بنی قریظہ گھبرا گئے۔ اُن کے سردار حی بن اخطب نے کہا، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو خود مسلمان ہو جاؤ یا اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے دلیری سے مقابلہ کرو۔ آج کی رات شنبہ کی رات ہے۔ محمدؐ ہم سے مطمئن ہیں کہ عبادت کا دن ہونے کی وجہ سے ہم اُن سے جنگ نہ کریں گے لہٰذا ان پر شبخون مارو۔ مگر اُنہوں نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور صلح کے درپے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم پہلے اپنے قلعوں سے باہر نکلو تب مناسب حکم دیا جائے گا۔ مگر وہ باہر نہ آئے یہاں تک کہ پچیس روز ان کو محاصرہ میں گزر گئے اور رسد جو اُن کے پاس تھی ختم ہو گئی۔ تب خود ہی اُتر آئے اور معافی مانگنے لگے۔ حضرتؐ نے فرمایا، تم لوگوں نے معاہدہ کو توڑا اور کافروں کے ساتھ ہو کر ہماری تباہی کے درپے ہوئے۔ پھر میں نے حکم دیا تھا کہ قلعہ سے نکل آؤ، تم نے اُس کو نہ مانا۔ اچھا اب تم اپنے واسطے ایک پنچ مقرر کرو اور جو وہ حکم دے وہ مانو۔ انہوں نے سعدؓ بن معاذ کو پنچ بنایا۔ اُنہوں نے فیصلہ سُنایا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان کے مرد قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر کے لونڈی اور غلام بنائے جائیں۔ غرض اس حکم کی تعمیل کی گئی اور یوں بنو قریظہ کا خاتمہ ہوا۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۱۹

اور پھر خدا نے تم لوگوں کو اُن کی زمین اُن کے گھروں اُن کے مالوں اور اُس زمین (خیبر) کا تمہیں مالک بنا دیا جس پر تم نے قدم تک نہیں رکھا تھا اور خدا تو ہر شے پر قادر ہے۔

خدا کے ان احسانات کو دیکھنے کے بعد بھی اگر تم اُس کے احکام کو نہ مانو اور اُس کے رسولؐ کے فرمانبردار نہ بنو تو تم سے زیادہ ناشکرا کون ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ مَنْ يَّاْتِ

مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی اپنی بی بیوں سے کہو اگر تم زندگانیِ دُنیا اور اس کی آرائش و زینت کی خواستگار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے دوں اور بعنوان شائستہ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اُس کے رسول اور دارِ آخرت کی خواہاں ہو تو خیال رکھو کہ تم لوگوں میں نکوکار عورتوں کے لیے خدا نے یقیناً بڑا اجر و ثواب رکھا ہے۔ اے پیغمبر کی بی بیو، تم میں سے جو کوئی کسی صریحی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی تو (یاد رہے) اُس کا عذاب بھی دوگنا کر دیا جائے گا اور یہ اللہ کے اُوپر آسان ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب جنگِ خندق کے بعد مالِ غنیمت کے ساتھ حضورؐ مدینہ واپس آئے تو حضرتؐ کی بی بیوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے ہم لوگوں کو دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اسے حکمِ خدا کے مطابق مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ اس پر وہ غصہ سے بولیں کہ کیا آپؐ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپؐ ہم کو طلاق دیدیں گے تو ہم کو کوئی دوسرا شوہر نہ ملے گا۔ یہ سُن کر حضرتؐ کو بڑا رنج ہوا اور آپؐ ان سے کنارہ کش ہو کر ۱۹ دن تک مشربۂ اُمِّ ابراہیم میں رہے۔ اسی کے متعلق یہ آیت ہے۔

ان آیات کو پڑھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے کہ ازواجِ رسولؐ اور یہ سخت حکم۔ بات یہ ہے کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ رسولؐ کی کوئی بی بی بھی عام عورتوں کی طرح بنی ٹھنی رہے اور اس طرح اپنے گھر میں ساز و سامان رکھنا چاہے جس طرح عام گھروں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر رسولؐ کے گھر میں یہ چیز پائی جائے گی تو پھر اُمت کی عورتوں کا کیا بنے گا۔ کھلی ہوئی بُری باتیں جب خدا عام گھروں میں پسند نہیں کرتا تو بھلا رسولؐ کے گھر میں کیوں کر پسند کرے گا۔ اس لیے تنبیہہ کی گئی کہ اگر ایسا ہوگا تو تم کو دُگنا عذاب ملے گا۔

وَمَن يَّقْنُتْ مِنكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا
مَرَّتَيْنِۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ
مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ
الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾ ع

تم میں سے جو بی بی خدا اور اس کے رسول کی تابعداری اور اچھے اچھے کام کرے گی تو ہم اس کو دوہرا ثواب عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے جنّت میں عزّت کی روزی تیار رکھی ہے۔ اے نبی کی بی بیو تم معمولی عورتوں جیسی نہیں ہو اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے (تو اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں (بدکاری) کا مرض ہے وہ کچھ اور آرزو تم سے نہ کرے اور بعنوان شائستہ بات کہا کرو اور اپنے گھروں میں قرار سے رہا کرو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہلبیت، خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی بُرائی سے پاک رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں

اور عقل و حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو بے شک خدا بڑا باریک بین اور واقف کار ہے۔

ازواجِ محترمات کو جو کچھ تنبیہ ان آیات میں کی گئی ہے ان کے متعلق کچھ لکھنا گستاخی ہوگی۔ رسولؐ کے گھر کا معاملہ ہے۔ رسولؐ جانیں اور اُن کی ازواج جانیں۔ کہا جاتا ہے یہ کسی گناہ کے متعلق تنبیہ نہ تھی بلکہ اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کو بحیثیتِ عمل تمام مسلمان عورتوں کے لیے نمونۂ عمل بننا چاہیئے۔ بے شک ہونا تو یہی چاہیئے لیکن قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کی خلاف ورزی اور آیہ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ (۶۶/۴ تحریم) کا نزول اس خیال پر جمنے نہیں دیتا۔

انہی آیات کے بیچ میں جو ازواجِ محترمات کے متعلق ہیں ہم کو آیتِ تطہیر بھی نظر آ رہی ہے۔ بہت کچھ غور کرنے کے بعد بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آیتِ تطہیر کے اوپر اور نیچے جو آیات ہیں ان کو آیۂ تطہیر سے کیا نسبت ہے اوّل و آخر تنبیہ اور بیچ میں اُن کی انتہائی فضیلت کا اظہار ایک بے جوڑ بات ہے۔ آیۂ تطہیر کے اوپر جتنے افعال آئے ہیں وہ سب جمع مؤنث کے صیغے ہیں جیسے اِنِ اتَّقَیْتُنَّ۔ فَلَا تَخْضَعْنَ۔ قَرْنَ۔ لَا تَبَرَّجْنَ۔ اَقِمْنَ۔ اٰتِیْنَ۔ اَطِعْنَ۔ اس کے بعد یکایک جمع مذکر حاضر کی ضمیریں استعمال ہونے لگیں عَنْکُمُ۔ یُطَهِّرَکُمْ۔ پھر جمع مؤنث کے فعل آنے لگے وَاذْکُرْنَ۔ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ۔

اگر آیۂ تطہیر میں ازواجِ رسولؐ شامل ہوتیں تو بجائے مذکر کے اس آیت میں بھی جمع مؤنث حاضر کی ضمیریں ہوتیں۔ ایسی بے ربطی تو فصیح و بلیغ انسان کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی، چہ جائیکہ مَلِکُ العلّام کے کلام میں۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیتِ تطہیر کا ٹکڑا کہیں اور کا ہے۔ جو یہاں جامعِ قرآن نے مصلحتاً لا کر رکھا ہے۔ اس آیت کا مصداق تو وہ گروہ ہونا چاہیئے جس میں اکثریت مردوں کی ہو۔ چنانچہ جن کی شان میں یہ آیت ہے اُن میں چار مرد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ حضرت علی علیہ السلام۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ایک عورت بھی یعنی حضرت فاطمہؑ۔ پس بقاعدۂ تغلیب۔ یعنی مردوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ضمیر جمع مذکر حاضر عَنْکُمْ و یُطَهِّرَکُمْ میں لائی گئی۔

آیتِ تطہیر کا مفہوم بتاتا ہے کہ ان حضراتؑ کو خدا نے ہر قسم کے عیب سے خواہ جسم سے متعلق ہو یا نفس و رُوح سے پُوری پوری طرح پاک کر دیا ہے۔ چنانچہ ان حضراتؑ کے سوانح حیات کو پڑھنے والا ان میں شمہ بھر عیب بھی تلاش نہیں کر سکتا۔ ان کے سوا اور کسی نے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

اہلِ بیت کے لفظ سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں۔ لیکن واقعات بتاتے ہیں، کہ رسولؐ نے خود اس شبہ کا ازالہ فرما دیا ہے۔

بالاتفاق تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ آیتِ تطہیر خانہ جنابہ امِ سلمہ میں نازل ہوئی۔ اُس وقت جبکہ پنجتن علیہم السلام ایک چادر میں جمع تھے۔ مباہلہ سے پہلے۔ اور حضرتؐ نے فرمایا تھا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُبَیْتِیْ (خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں) جناب امِ سلمہ نے چادر کا ایک کونہ اُٹھا کر اندر داخل ہونا چاہا۔ مگر حضورؐ نے اُن کو یہ کہہ کر داخلہ سے

روک دیا اَنْتِ اِلَی الْخَیْرِ (تم نیکی پر ہو) مگر اس مجمع میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ پس اگر ازواج کا شمول ہوتا تو ایک نیک بی بی اس چادرِ تطہیر میں کیوں نہ داخل کر لی جاتی۔ معلوم ہوا کہ اہلِ بیتؑ کی کوئی صفت نیکی سے بالاتر تھی یعنی یہ سب معصوم تھے۔ ازواج میں کسی کی عصمت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا گیا۔

دُوسرا عملِ رسولؐ یہ تھا کہ اس آیۂ تطہیر کے نزول کے چند ماہ بعد تک جب نمازِ صبح کے لیے مسجد کو تشریف لے جاتے تو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازہ پر دستک دے کر فرماتے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْبَیْتِ الصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ۔ (تفسیر درمنثور جلد ۵)۔

تیسرا عملِ رسولؐ یہ تھا کہ جب مباہلہ کے لیے تشریف لے چلے تو آپؐ کے ساتھ سوائے حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہؑ اور حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ، ازواج میں سے کوئی نہ تھا۔ معلوم ہوا، اہلبیتؑ صرف یہی تھے۔ رسولؐ میں دو جنبہ تھے۔ ایک جنبہ بشریت تھا دوسرے جنبہ رسالت تھا۔ بلحاظ بشریت آپؐ کے اہلبیت اور تھے جن میں ازواج شامل ہیں۔ دوسرے بلحاظ رسالت آپؐ کے اہلبیتؑ اور تھے اور یہ وہی تھے جن کو اپنی رسالت کی تصدیق کرانے کے لیے مباہلہ میں لے کر چلے تھے۔ کیا وجہ تھی کہ عورتوں میں سوائے حضرت فاطمہؑ کے اور کسی عورت کو ساتھ نہ لیا۔ اس کی کوئی وجہ بتائی نہیں جا سکتی سوائے اس کے کہ ان کے چہروں پر انوارِ رسالت چمک رہے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ابنائے محمدؐ اور ہیں اور ابنائے رسالت اور ہیں۔ نساءِ محمدؐ اور ہیں نساءِ رسالت اور ہیں۔ نفسِ محمدؐ اور ہے نفسِ رسالت اور ہے۔

اہلبیتِ رسولؐ کے فضائل میں جتنی آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کو کوئی نہ کوئی من گھڑت تاویل کر کے اس کی فضیلت سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے مگر آیۂ مباہلہ میں کوئی تاویل بن نہیں پڑی کیونکہ اس میں عملی صورت شامل تھی۔

علمائے اسلام میں امام احمد حنبلؒ۔ ابنِ مردویہؒ۔ ثعلبیؒ اور سیوطیؒ وغیرہ نے تقریباً تیس حدیثیں اس مضمون کی تحریر فرمائی ہیں کہ جب آنحضرتؐ امِ سلمہؓ کے گھر میں آئے اور حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بُلا کر اپنے پاس بٹھایا اور پھر اپنے سمیت سب کو ایک چادر اوڑھا دی اور دعا کی، خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں ان کو ہر بُرائی سے دُور رکھ اور ہر طرح پاک و پاکیزہ رکھ۔ یہ سُن کر امِ سلمہؓ نے بھی داخل ہونا چاہا تو روک دی گئیں اور حکم ہوا تم اہلبیت میں نہیں ہو۔ بلکہ ازواج میں ہو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد مدتوں ہر نماز کے وقت جب آنحضرتؐ حضرت علیؑ کے مکان کے پاس آتے تو چوکھٹ کو تھام کر فرماتے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۵، مطبوعہ مصر)۔

زید بن ارقم کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت نہیں۔ کیونکہ آج ہیں کل ان کو طلاق ہو گئی الگ ہو گئیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر اللہ نے صدقہ حرام کیا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ نے حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہلِ بیتؑ کو کیا ہے اور اس سے پہلے عِتْرَتِیْ کا لفظ بھی فرمایا ہے جس کے معنی ایک واحد کی اولاد کے ہیں۔ پس ازواج خاندان سے نہیں تھیں۔ دوسرے قرآن

جب تک باقی ہے اہلبیتؑ میں سے کسی ایک کا اُس کے ساتھ ہر زمانہ میں باقی رہنا ضروری ہے۔ اس لیے ازواج اہلبیتؑ میں داخل نہیں کیونکہ وہ تو پہلی صدی ہجری ہی میں وصال فرما گئی تھیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ
وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ
وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ
وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتیں۔ بے شک خدا نے ان سب کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

تمام مومنین اور مومنات کو ان کے اعمالِ خیر کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اُن کو صرف کلمۂ طیبہ زبان پر جاری کرنے پر اکتفا نہ کرنی چاہئیے۔ چاہے مرد ہو یا عورت، بلکہ وہ نظامِ حیات اختیار کرنا چاہئیے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام نام ہے زندگی بھر عمل نیک کرنے کا۔ روزِ قیامت اللہ ایسے لوگوں کو بہت بڑا اجر دے گا اور ایک ایک نیکی کا دس گنا ثواب دے گا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن

يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (۳۶) وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي
نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ
فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَ
طَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا (۳۷) مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ
فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۚ
وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (۳۸)

نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے نہ کسی ایماندار عورت کو، کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی امر کا حکم دیں تو اُن کو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ اے رسول وہ وقت یاد کرو جب اس شخص (زید) سے کہہ رہے تھے جس پر خدا نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تم اس سے ڈرو۔ بس جب زید اپنی ضرورت پوری کر چکا (طلاق دے دی) تو ہم نے (حکم دے کر) اس عورت (زینب) کا نکاح تم

سے کر دیا تاکہ تمام مومنوں کو اپنے لے پالکوں سے نکاح کرنے میں جب اپنا مطلب ان عورتوں سے پورا کر چکیں (طلاق دے دیں) کسی طرح تنگی نہ رہے اور خدائی حکم تو کیا کرایا ہوا (قطعی) ہوتا ہے۔ جو حکم خدا نے پیغمبر پر فرض کر دیا اُس کے کرنے میں اُس کے لیے کوئی حرج نہیں۔ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں اُن کے بارے میں بھی خدا کا یہی حکم تھا (کہ نکاح میں تنگی نہ کی) اور خدا کا حکم تو ٹھیک انداز سے کیا ہوا ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب قوم کے اندر کچھ ایسی رسوم پائی جاتی تھیں جن کو اسلام نے جاری نہیں رکھا۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ ان رسوم کو جاری رکھنے پر مُصر تھے اور کسی طرح چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ درصورت اس کی روک تھام میں حضورؐ کو مسلمانوں کی مخالفت کا خوف رہتا تھا۔ لہٰذا پہلی آیت میں یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ خدا و رسولؐ کر دیں تو پھر کسی مومن و مومنہ کو اس کا اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اپنی مرضی کے موافق انجام دے۔ جو لوگ نافرمانی کریں گے تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔ اس حکم نے کُھلم کُھلا مخالفت سے عملاً تو روک دیا لیکن جو لوگ منافق تھے وہ درپردہ طعنہ زنی کرتے رہتے۔

اگلی آیت کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی کے بیٹے تھے اور ان کی ماں بنی طے کی شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک قبائلی جنگ میں زید جن کا سن اس وقت آٹھ برس کا تھا قید ہو گئے اور پھر بازار عکاظ کے میلہ میں فروخت کر دیئے گئے۔ حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے تھے مکہ میں لاکر جناب خدیجہؓ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ جناب خدیجہؓ نے زید کو آپؐ کی نذر کر دیا۔ آپؐ نے بیٹے کی طرح زید کو بڑی شفقت و محبت سے پالا یہاں تک کہ لوگ زید کو زید بن محمدؐ کہنے لگے۔ اس وقت عرب میں یہ رسم رائج تھی کہ جس کسی کو لے پالک بنا لیا جاتا تھا اُس کو ابنیت کے تمام حقوق حاصل ہو جاتے تھے یعنی وہ ترکہ کے وارثوں میں شامل ہو جاتا تھا اور مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد اُس کی بی بی اُس شخص پر حرام ہو جاتی تھی جس کا وہ لے پالک ہوتا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ لوگ اس رسم پر شدت سے قائم تھے۔

جب زید بالغ ہوئے اور اُن کے ماں باپ کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا آنحضرتؐ کے پاس ہے تو زید کا باپ اور چچا حضورؐ کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ ہمارا بیٹا زید آپؐ کے پاس ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا معاوضہ جو کچھ آپؐ تجویز فرماویں وہ ادا کر کے زید کو حاصل کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا، میں زید کو بُلاتا ہوں، اگر وہ تمہارے ساتھ جانے پر راضی ہو تو میں بخوشی بغیر کسی معاوضہ کے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا۔ چنانچہ زید بُلائے گئے۔ حضورؐ نے اُن کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے کہا میں کسی صورت میں بھی آپؐ کے قدموں سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ اُن کے باپ نے کہا مجھے تعجب ہے کہ تم اپنے باپ اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر ایک شخص غیر کے پاس رہنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں! جن کے پاس میں رہنا چاہتا ہوں وہ نوعِ انسان کی بہترین فرد ہیں۔ انہوں نے اخلاقِ حسنہ کی جس طرح مجھے تعلیم دی ہے

اور جس شفقت سے مجھے رکھا ہے کسی دُوسرے سے ایسا کرنے کی مجھے امید نہیں۔ آخر زید کا باپ مایوس ہو کر چلا گیا اور آپؐ نے زید کو آزاد کر دیا اور ایک بھرے جلسے میں آپؐ نے زید کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ چونکہ زید کا تعلق اس خاندانِ گرامی سے قطع ہو گیا تھا لہٰذا حضورؐ نے چاہا کہ اس کی شادی کر دیں تاکہ وہ بفراغت اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اب سوال یہ تھا کہ زید کی شادی کہاں ہو؟ عرب غلام کو اپنی بیٹی دینا اپنی انتہائی ذلت سمجھتے تھے اور کسی کنیز سے شادی کرنا حضورؐ زید کی نیک نفسی اور ماں باپ کو چھوڑ دینے کی قربانی پر نظر رکھتے ہوئے پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے چاہا کہ اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بنتِ جحش سے زید کی شادی کر دیں۔ اس سے حضرتؐ کا خاص مقصد یہ تھا کہ عرب کی اس رسم کو توڑ دیا جائے کہ لے پالک مثل صلبی فرزند ہوتا ہے اور زید کا مقام بلند ہو جائے اور اپنے خاندان کو چھوڑ دینے سے جو دل شکنی اس کی ہوئی ہے اُس کی تلافی ہو جائے۔ نیز یہ رسم توڑ دی جائے کہ غلام کو بیٹی دینا خاندان کے لیے بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔

مگر دقت یہ تھی کہ زینب اور اُن کے قریبی رشتہ دار اس رشتہ پر کسی طرح راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم عالی نسب ہیں ہماری لڑکی ایک غلام سے نہیں بیاہی جاسکتی۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ و رسولؐ جو فیصلہ فرما دیں کسی مومن و مومنہ کو اس کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ورنہ درصورت نافرمانی وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ تب وہ راضی ہو گئے اور حضرت زیدؓ کا عقد زینبؓ کے ساتھ پڑھا دیا گیا۔

زینبؓ نے حضورؐ کے حکم کے مطابق زیدؓ کو اپنا شوہر بنانا گوارا تو کر لیا مگر کسی وجہ سے زیدؓ کے ساتھ اُن کے تعلقات خوشگوار نہ رہے۔ اوّل تو یہ کہ زینبؓ حد درجہ حسین تھیں اور زید معمولی شکل و صورت کے تھے۔ دوسرے قریش کی عورتیں ہر مجمع میں طعنہ زنی کرتی تھیں اور کہتی تھیں حضرتؐ نے تمہاری آبرو خاک میں ملا دی۔ تیسرے زید اور ان کے مزاج میں بھی فرق تھا جس کی شکایت اکثر اوقات وہ رسولؐ سے کیا کرتی تھیں۔ غرض ان وجوہ کی بنا پر زید نے ان کو طلاق دے دی۔

اب زینبؓ کی دوسری شادی کا معاملہ بہت زیادہ سخت ہو گیا۔ اوّل تو وہ ایک غلام کی مطلقہ تھیں۔ کوئی اچھے خاندان والا ان سے رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ دوسرے وہ زید کے رشتہ سے بہت دل شکستہ ہو چکی تھیں۔ تیسرے حضورؐ اس رسمِ بد کا انسداد چاہتے تھے کہ لے پالک مثل صلبی فرزند ہوتا ہے، طلاق کے بعد لے پالک بنانے والا اس کی بی بی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ان تمام باتوں پر نظر رکھ کر آپؐ نے زینبؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس سے دو فائدے ہوئے، ایک تو یہ کہ زینبؓ کی دل شکستگی دور ہوئی اور عورتوں میں جو مرتبہ ان کا گر گیا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔ دوسرے ایک رسمِ بد کا خاتمہ ہو گیا۔

منافقوں اور یہودیوں نے اس کو خوب اُچھالا اور حضرتؐ پر خوب طعنہ زنی کی۔ جس سے حضورؐ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کچھ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہو جائیں۔ خدا نے اس کے متعلق رسولؐ کو تسلی دی کہ تم لوگوں سے کیوں ڈرتے ہو۔ ڈرنا تو خدا سے چاہیئے نہ اُن دشمنانِ دین سے جو خدا کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔ جو طریقہ خدا رائج کرنا چاہتا ہے رسولؐ کا

فرض ہے کہ اس کو پورا کرے۔

ان آیات نے چند مسائل پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ مسلمان مسلمان کا کفو ہے۔ مولا و آزاد۔ آقا و غلام سب برابر ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ کی ایک لڑکی کا عقد زید سے کر کے یہ ثابت کر دیا۔

۲۔ لے پالک فرزند صلبی فرزند کی طرح نہیں ہوتا۔ میراث میں اس کا کوئی حصّہ نہیں۔

۳۔ لے پالک کی مطلقہ بی بی سے اس کا منہ بولا باپ عقد کر سکتا ہے۔

۴۔ غلام سے عقد کے بعد کسی عورت کی خاندانی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۵۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال کیے بغیر جو امرِ حق ہو اس کو بجا لانا چاہیئے اور طعنہ زنوں کی طعنہ زنی سے خوف نہ کرنا چاہیئے۔

● عیسائیوں آریوں اور یہودیوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ حضرتؐ کو موردِ الزام قرار دینے کی مذموم کوشش کی ہے انہوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ چونکہ حضرت زینبؓ نہایت حسین تھیں اس لیے حضرتؐ اُن سے عقد کرنا چاہتے تھے۔ اور عیسائیوں نے تو یہ بے پَر کی اُڑائی کہ حضورؐ نے ایک دن زینبؓ کو نہاتے ہوئے دیکھ لیا وہ بس اس روز سے اُن پر عاشق ہو گئے۔ چاہتے تھے کہ جب زید طلاق دے دے تو میں زینب سے شادی کر لوں۔ جب زید نے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو بظاہر آپؐ نے منع کیا لیکن حقیقتاً آپؐ یہی چاہتے تھے چنانچہ آیت کا یہ حصّہ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ اس کا مؤید ہے یعنی آپؐ عقد کرنے کا خیال چھپائے ہوئے تھے اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔ (استغفر اللہ نقلِ کفر، کفر نہ باشد)۔ رسولؐ کی بشریت کو اپنی بشریت جیسا سمجھنا ضعفِ عقل و بصیرت ہے۔

● ایسے اعتراضات محض بر بنائے تعصب آنحضرتؐ کی عداوت میں کیے جاتے ہیں۔

ان دشمنانِ عقل سے کوئی یہ پوچھے کہ زینبؓ کوئی غیر نہ تھیں جنہیں کبھی دیکھا نہ تھا۔ اپنے خاندان کی لڑکی تھیں بارہا دیکھا ہوگا۔ اگر آپؐ چاہتے تو ان سے پہلے ہی شادی کر سکتے تھے۔ جس عورت پر کسی کا دل ریجھا ہوگا وہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کی شادی کسی دوسرے سے کرا دے۔ رہا دل میں چھپانے کا معاملہ تو خدا نے زید کے طلاق دینے کے بعد آپؐ کو حکم دیا تھا کہ زینبؓ سے شادی کر لو۔ مگر آپؐ اس حکم کو دل میں اس لیے چھپاتے ہوئے تھے کہ منافقوں اور دشمنانِ اسلام کے مطعون کرنے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ لے پالک کی مطلقہ بی بی سے عقد کرنا خلافِ رسم تھا۔ پس خدا نے ظاہر کر دیا اور اپنے حکم کی تعمیل کا حکم دے دیا۔ اور فرما دیا کہ سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو اور جو امرِ حق ہے اسے ظاہر کرتے رہو۔

الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع

ع ۵ ۲

جو لوگ خدا کے احکام لوگوں تک پہنچاتے تھے وہ خدا سے ڈرتے تھے اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (پھر تم کیوں ڈرتے ہو) اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔ محمّد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور رسولوں کی مُہر ہیں (اُن پر نبوت ختم ہوتی ہے) اور خدا تو ہر شے سے خوب واقف ہے۔

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کی مروجہ رسوم کے خلاف کوئی عمل ہوتا تھا تو وہ بڑی سختی سے اس کا مواخذہ کرتے تھے، اسے مطعون کرتے تھے۔ اس کا بائیکاٹ کرتے تھے۔ بعض اوقات اس کو اپنے قبیلہ سے خارج کر دیتے تھے۔ لہٰذا جب حضورؐ نے اپنے لے پالک زید کی مطلقہ بی بی سے عقد کیا اور لوگوں نے اس کے خلاف شورش کی، تو حضرتؐ اس بات سے ڈرے کہ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کا مسلمانوں پر جو ابھی بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، بُرا اثر پڑے گا تو خدا آپؐ کی تسلّی کے لیے فرماتا ہے کہ تم ان سے ڈرو نہیں (یہ امر اللہ کی سنّت ہے اُن لوگوں کیلیے) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبہ کرنے والا تو اللہ ہے۔ جب کسی رسمِ بد کا انسداد منظور ہوتا ہے تو انبیاءؑ اس کی ابتدا اپنے گھر سے ہی کرتے ہیں۔ لوگ زید کو ابنِ محمّدؐ کہہ کر پکارتے تھے۔ لہٰذا خدا نے اس کی روک تھام کے لیے فرمایا کہ ہمارے رسولؐ نبی امت میں سے کسی کے باپ نہیں اور تم زید کو ابنِ رسولؐ نہ کہا کرو۔ وہ تو حسنؑ و حسینؑ کے باپ ہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّیَّةَ كُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِهٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ (اللہ نے ہر نبی کی اولاد اُس کے صلب میں قرار دی ہے اور میری اولاد صلبِ علیؑ سے ہے) "ارجح المطالب"

آیہ اَبْنَآءَنَا کی عملی تفسیر میں آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ساتھ لے جا کر ثابت کیا کہ میرے بیٹے یہ ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُمت میں کسی کو کوئی نسبی تعلق رسولؐ سے نہیں سوائے حسنینؑ علیہما السلام کے۔

یہ بھی کس قدر لطیف بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دونوں شاخوں میں جو آخری ہادیؑ ہوئے ہیں اُن کا نسبی سلسلہ عورت سے رکھا گیا ہے۔ حضرت اسحاقؑ کے سلسلہ کی آخری کڑی حضرت عیسٰیؑ بھی جو ذریتِ ابراہیمؑ میں ماں کی طرف سے شامل ہوئے یعنی آخری حجت حضرت مریمؑ کے بیٹے ہوئے۔ اس طرح اسماعیلیؑ سلسلہ کے آخری ہادی حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوئے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیان تو اس بات کا ہو رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے

کسی کے باپ نہیں۔ اس کے بعد لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا کیا تعلق ہے۔ بات یہ ہے کہ دو رسموں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے اور لوگ مخالف ہیں۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ حکم خدا جو شخص تمہیں سنا رہا ہے وہ معمولی آدمی نہیں اللہ کا رسول ہے۔ اور چونکہ وہ خاتم انبیاء ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا وہ اپنے سامنے تمام جاہلانہ رسموں کو ختم کر کے جائے گا تاکہ بعد میں کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنے عہد میں عرب کی تمام جاہلانہ رسموں کا خاتمہ کر دیا۔

نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ بجائے خاتم النبیّٖن کے خاتم النبیین پڑھتا ہے جس کے معنی ہوئے آپ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ حالانکہ یہ صفت خدا کی ہے خدا ختم کرنے والا ہے نہ کہ نبی آخر الزمان۔ آپ تو خاتم ہیں یعنی وہ ذات جن پر نبوت ختم کی گئی ہے۔ یعنی ماختم بہ۔

حضورؐ کی حدیث جو تمام علمائے اسلام نے لکھی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یَا عَلِیُّ اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزِلَۃِ ھَارُوۡنَ مِنۡ مُّوۡسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ (اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)۔

اب ایک اور طریقہ سے سمجھئے۔ تمام انبیاء احکام اخلاق کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے کیونکہ معاشرہ کے حسن نظام کا تعلق اور دینی و دنیوی فلاح کا انحصار اسی تعلیم پر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے اِنِّیۡ بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ (میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو مکمل کر دوں)۔ معلوم ہوا کہ بعثت انبیاء کی یہ غرض ہے۔ بعثت رسول سے پہلے تک یہ تعلیم پوری ہوئی تھی۔ اس کی تکمیل کے لیے حضورؐ کو بھیجا گیا جب حضورؐ نے اس کو مکمل کر دیا تو رسالت کے آخری دور میں آیہ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ کی سند حاصل ہوئی جب دین کامل ہو گیا تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت کیا باقی رہی۔ شریعت محمدی میں چھوٹی چھوٹی چیز کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ رفتار، گفتار، کھانے پینے کے اور اٹھنے بیٹھنے کے طریقے۔ مسواک کرنے کا طریقہ، پاخانہ میں جانے اور بالوں میں کنگھی کرنے تک کے آداب جب بتا دیئے گئے تو اب کیا چیز باقی رہ گئی جس کے بیان کرنے کے لیے کسی نبی کو بھیجا جائے۔ ظلی یا ——— نبی اسلام کی کوئی اصطلاح نہیں بنی ظل اللہ یعنی خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ پھر سایہ کا سایہ کیسا؟ نبی نے اپنے بعد اپنی شریعت کی تبلیغ اور دینِ الٰہی کی ترویج کے لیے اپنے قائم مقام بارہ مقرر کر دیئے ہیں جو سب معصوم ہوئے۔ ان کے ہوتے کسی مرزا یا شیخ کی تعلیم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک جماعتی نظام کو الوہی نظام سے کیا تعلق؟

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰہَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً
وَّاَصِیۡلًا ﴿۴۲﴾ ھُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَکَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُھُمۡ یَوۡمَ
یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَھُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ
شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا
مُّنِیۡرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ بِاَنَّ لَھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَضۡلًا کَبِیۡرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا
تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَدَعۡ اَذٰىھُمۡ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ
وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۴۸﴾

اے ایمان والو، اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ وہ، وہ ہے جو تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے ملائکہ بھی تاکہ تمہیں تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے جس دن اس کے حضور میں حاضر ہوں گے اس دن ان کی مدارات اس کی طرف سے ہر قسم کی سلامتی ہوگی اور خدا نے ان کے لیے بہت اچھا بدلہ (جنت میں) تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اے رسول) مومنوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑی مہربانی اور بخشش ہے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا اور ان کی ایذا رسانی کا خیال چھوڑ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو اور اللہ کی حمایت تمہارے لیے کافی ہے۔

صَلٰوۃ کے معنی رحمت کے ہیں۔ جب مومنین درود بھیجیں تو اس کے معنی طلب رحمت کے ہیں۔ ملائکہ کا درود مومنین کے لیے طلب مغفرت ہے اور اللہ کا درود نزولِ رحمت ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یہاں رسالت پر نبوت کو مقدم کر کے خطاب کیا ہے۔ سب سے پہلا جو عہدہ آنحضرتؐ کو

بارگاہِ ایزدی سے عطا ہوا تھا وہ عہدۂ نبوت تھا۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گِل میں تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ الخ یہ آیت حضور سرکارِ دو عالمؐ کی شان میں ایک بہت بڑا قصیدہ ہے۔ اب اس کے الفاظ پر غور کیجئے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ ۔ نبوت رسالت سے پہلے ہوتی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے ہمارے نبی کہ جس کی نبوت سب سے پہلے ہے ہم تم کو رسولؐ بنا کر ان اوصاف کے ساتھ بھیجتے ہیں۔

شَاهِدًا ۔ تم گواہ ہو ہماری توحید کے۔ اور ہماری طرف سے لوگوں پر بھی گواہ ہو جیسا کہ سورۂ مزمّل میں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۷۳/۱۵) ہم نے تمہاری طرف ایک نبی کو بھیجا جو تم پر گواہ ہوگا جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا)۔ یعنی تم ہماری وحدانیت کے بھی گواہ ہو اور لوگوں کے اعمال کے بھی۔

مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ یعنی تم اُن لوگوں کو جو اعمال نیک کرنے والے ہیں بہشت کی خوشخبری دینے والے ہو اور بد اعمالوں کو ہمارے عذاب سے ڈرانے والے بھی۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ ۔ اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف لوگوں کو بلانے والے بھی ہو، یہ ردّ ہے اُن لوگوں کی لن ترانی کا جو کہتے تھے کہ معاذ اللہ حضورؐ سچے نہیں۔ حضورؐ کی دعوت بصیرت کے ساتھ تھی یعنی یوں ہی اندھا دھند لوگوں کو اسلام میں داخل نہیں کرتے تھے بلکہ بصیرت کی روشنی میں مسلمان بناتے تھے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (۱۲/۱۰۸ یوسف) (میں لوگوں کو خدا کی طرف عقل کی روشنی میں بلاتا ہوں، میں بھی اور جو میرا اتباع کریں وہ بھی)۔ اس سے یہ امر واضح ہوا کہ اسلام فطری اور عقلی دین ہے جیسا کہ حدیث میں ہے كُلَّمَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ ۔ یعنی جو حکم عقل ہے وہی حکم شرع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں عقل انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے شریعت بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ نابالغ انسان جس کی عقل پختہ نہیں اور مجنون سے تکلیف شرعی ساقط ہوتی ہے۔

سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ یعنی ہم نے تم کو روشن چراغ بنایا۔ تمام روشنیوں میں چراغ ہی ایک ایسی روشنی ہے جو امیر و غریب سب کے گھروں کو روشن کرتا ہے چونکہ حضورؐ کی رسالت کا تعلق امیر و غریب سب سے یکساں ہے اس لیے سراجِ منیر آپؐ کی شان میں فرمایا گیا ہے۔

اب غور کیجئے ایک رسولؐ کے لیے جتنی صفات درکار ہوتی ہیں اور اس کی عظمت و جلالت کا پتہ دیتی ہیں وہ سب ان چند الفاظ میں بیان کر دی گئیں۔ کسی نبی کی تعریف اس شان سے نہیں کی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (۴۹) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا
لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ
اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ
خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۵۰)
تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ
وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ
قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا (۵۱)

اے ایمان والو، اگر تم مؤمنہ عورتوں سے (بغیر مہر مقرر کیے) نکاح کر لو، اس کے بعد ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو پھر تم کو ان پر کوئی حق نہیں کہ ان سے عدّہ پورا کراؤ۔ ان کو کچھ (کپڑے یا روپے دے کر) عنوانِ شائستہ سے رخصت کر دو۔ اے نبی، ہم نے تمہارے واسطے تمہاری

ان بی بیوں کو حلال کر دیا ہے جن کو تم مہر دے چکے ہو اور تمہاری ان لونڈیوں کو بھی جو خدا نے (بغیر لڑے بھڑے) مالِ غنیمت میں عطا کی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں (حلال کر دیں) اور ہر وہ ایماندار عورت بھی (حلال کر دی) جو اپنے کو بغیر مہر نبی کو دے دے اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں۔ اے رسول یہ حکم خاص تمہارے ہی لیے ہے مومنین کے لیے نہیں اور ہم نے جو (مہر یا قیمت) عام مومنین پر اُن کی بی بیوں اور اُن کی لونڈیوں کے بارے میں مقرر کر دیا ہے ہم خوب جانتے ہیں (اور تمہاری رعایت اس لیے ہے) کہ تم کو بی بیوں کی طرف سے کوئی دقت نہ ہو اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ ان میں سے جس کو جب چاہو الگ کر دو، جس کو (جب تک) چاہو رکھو اور جن عورتوں کو تم نے الگ کر دیا تھا اگر پھر ان کے خواہاں ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں یہ (اختیار جو تم کو دیا گیا ہے) ضرور اس لیے ہے کہ تمہاری بی بیوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزردہ خاطر نہ ہوں اور جو کچھ تم انہیں دے دو سب کی سب اس پر راضی رہیں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اُسے خوب جانتا ہے اور خدا تو بڑا واقف کار بردبار ہے۔

ان آیات میں نکاح کے متعلق چند مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی زن مومنہ سے عقد کرے اور وہ اس کو پسند نہ آئے پس اگر خلوت سے قبل وہ اس کو طلاق دے دے تو ایسی صورت میں عورت پر عدت لازم نہیں بلکہ وہ بعد طلاق جس سے چاہے عقد کر سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں لازم ہے کہ مرد اس عورت کو کچھ روپیہ یا جو شادی کا جوڑا وغیرہ اُسے دیا تھا واپس نہ لے اور اسے عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کر دے اور اس کے متعلق دوسروں سے کوئی عیب اس کا بیان نہ کرے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عقد کر سکیں۔ آگے چل کر ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے نکاح کرنا حضورؐ کے لیے جائز تھا۔ حضورؐ نے جناب خدیجہؓ کے بعد جناب سودہ سے نکاح کیا۔ قبل ہجرت حضرت عائشہؓ سے رخصتی ان کی ۱ھ میں ہوئی ۳ھ میں حضرت حفصہؓ سے پھر ۴ھ میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح کیا اور ان سب کے مہر ادا کیے۔

منافقین یہ اعتراض کرتے تھے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عام مسلمانوں کو تو بیک وقت چار بی بیاں رکھنے کی اجازت ہو اور حضورؐ کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت دی گئی۔ چونکہ نبی کے ہر عمل کی تاسّی امت پر فرض ہے لہٰذا اس بنا پر امت کے ہر فرد کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی کچھ خصوصیات ہیں۔ امت کو ان میں کوئی دخل نہ تھا۔ ان خصوصیات کا عطا کرنے والا خدا تھا اور اسے اختیار ہے کہ اپنے نبیؐ کے لیے کچھ ایسے احکام مخصوص کرے جن کا تعلق اوروں

سے نہ ہو مثلاً نمازِ تہجد حضرتؐ پر واجب تھی امت کے لیے نفل تھی۔ صدقہ آپؐ پر اور آپؐ کے اہلبیتؑ پر حرام تھا۔ امت کے لیے ایسا نہ تھا۔ عقدِ ہبہ آپؐ پر حلال تھا امت کے لیے نہ تھا۔ آپؐ کے وصال یا طلاق دینے کے بعد امت کے کسی فرد کے لیے حلال نہ تھا کہ آپؐ کی کسی بی بی سے نکاح کر سکے۔ پس نبی کے تمام معاملات میں امت کا مساوی ہونا لازمی نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضورؐ کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کی خواہشِ نفسانی زیادہ تھی۔

اس کا جواب چند طریقہ سے ہے:

۱۔ حضرتؐ کی پہلی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جبکہ آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا اس وقت سے لے کر ۵۰ سال کی عمر تک آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ اگر سرکارِ رسالتؐ کو ہوس رانی مقصود ہوتی تو یہ زمانہ چند شادیاں کرنے کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ نے حضرت سودہؓ سے عقد کیا جو ایک سن رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ سے عقد کیا۔ جو خواتین آپؐ کی زوجیت میں آئیں وہ سب سن رسیدہ اور بیوہ تھیں ایک عیش پرست انسان ایسی عورتوں سے عقد کرنا پسند نہیں کر سکتا۔

۲۔ آپؐ کے مشن کا تعلق جس طرح مردوں سے تھا اسی طرح عورتوں سے بھی تھا اور قبائلِ عرب میں مختلف تہذیبیں پائی جاتی تھیں لہٰذا ضرورت تھی کہ مختلف قبائل کی عورتوں سے عقد کر کے اُن کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب پھیلائی جائے۔ مختلف قبائل کی عورتیں حضورؐ کی ازواج محترمات سے نمونۂ عمل حاصل کریں۔

۳۔ مختلف قبائلِ عرب کی خواتین سے رشتہ کرنے میں ایک خاص فائدہ یہ تھا کہ قبائل کی سرکشی کا سدِّباب کر کے اُن کی ہمدردی حاصل کی جائے۔

۴۔ مسلمانوں کو چار بی بیاں رکھنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جبکہ وہ چاروں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لے سکیں۔ ورنہ پھر ایک ہی کی اجازت ہے۔ لوگ چار بی بیاں کر لیتے تھے لیکن ان کے درمیان انصاف نہیں کرتے تھے اور یہ عذر پیش کرتے تھے کہ انصاف ممکن ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عملاً دکھایا تھا کہ آدمی اگر چاہے تو چار کیا نو بی بیوں کے درمیان بھی انصاف کر سکتا ہے۔

۵۔ تعددِ ازدواج کے ساتھ امت کو یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ باوجود بی بیوں کی کثرت کے آپؐ دینی اور دنیوی امور کے انجام دینے میں کسی وقت بے خبر نہیں ہوئے۔ جہاد بھی فرماتے تھے معاشرہ کی درستی پر بھی نظر تھی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود بھی پیشِ نظر تھی۔ امورِ دینی کی طرف توجہ دلانا بھی مقصود تھا۔ آپؐ کی یہی وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے لوگوں کو اسلام کی طرف اس طرح کھینچا جیسے مقناطیس سوئی کو کھینچتا ہے۔

اس کے بعد اُن رشتہ داروں کی ایک فہرست بیان کی گئی ہے جن کی لڑکیوں سے عقد کرنا جائز ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ دستور تھا کہ سات پشت تک رشتہ داری کے تعلقات مانع عقد رہتے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ خاندان کے اندر کوئی رشتہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے نسبی تعلقات منقطع ہوتے گئے۔ اور کسی کو کسی سے ہمدردی باقی نہ رہی۔ اسلام نے اس کو ناپسند کیا کہ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں سے ناطہ جوڑا جائے۔

نکاح کی ایک اور صورت بھی رسولؐ سے مخصوص کی گئی وہ یہ کہ اگر کوئی عورت بغیر مہر کے اپنے نفس کو رسولؐ کی زوجیت میں دینا چاہے اور رسولؐ بھی اس سے عقد کرنا چاہیں تو کر لیں۔ اس کو نکاح ہبہ کہتے ہیں۔ اس کا واقعہ یہ ہے:

ماہ رمضان ۲ھ میں قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام ام شریک بنت جابر تھا، نفیس جوڑا پہنے اور ہر قسم کی زینت سے آراستہ ہو کر جبکہ حضورؐ حضرت حفصہؓ کے گھر میں تھے آپؐ کے پاس آکر کہنے لگی، میں ایک کنواری عورت ہوں کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اگر آپؐ مجھے قبول فرمالیں تو میں اپنے نفس کو بخشتی ہوں۔ حضرتؐ نے اُسے دُعا دی اور فرمایا اے انصار کی بہن، خدا تجھے جزائے خیر دے۔ تمہارے مردوں نے میری نصرت کی اور عورتوں نے رغبت کی۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جو خدا کا حکم ہوگا وہ میرے پاس پہنچے گا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا اے عورت تُو کس قدر بے حیا اور دلیر ہے کہ مردوں پر گری پڑتی ہے۔ حضرتؐ نے اُن سے فرمایا، یہ تجھ سے بہتر ہے کہ اُس نے خدا کے رسولؐ کی طرف رغبت کی ہے اور تُو ہے کہ اس سے نفرت کرتی ہے اور حضرتؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ اس رغبت کی وجہ سے خدا نے بہشت کو تیرے اوپر واجب کیا۔ غرض یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ وہ بے چاری چند ماہ زندہ رہ کر داہئ جنت ہوئی۔

زیادہ ازدواج کی اجازت حضورؐ کو یوں بھی دی گئی کہ حضرتؐ ازواج کی طرف سے تنگدل نہ ہوں۔ اگر ان میں سے بعض نافرمانی پر کمر باندھیں تو دیگر ازواج سے حضرتؐ کی دلبستگی باقی رہے اور حضرتؐ کو یہ اختیار دیا گیا کہ جس کو چاہیں الگ کر دیں اور جس کو چاہیں رکھیں اور جن کو الگ کر دیا ہے اُن کو پھر اپنے تصرف میں لے سکتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں اور بی بیوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جو کچھ رسولؐ حکم دیں اس پر اعتراض نہ کریں بلکہ بخوشی اُسے مان لیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ﴿۵۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ

مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿۵۳﴾

اب ان (نو بی بیوں) کے بعد اور بی بیاں تمہارے لیے حلال نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر ان کے بدلے اور کسی کو کر لو چاہے اُن کا حسن تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ معلوم ہو مگر تمہاری لونڈیاں (اس کے بعد بھی تمہارے لیے جائز ہیں) اور خدا تو ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اے ایمان والو، تم لوگ پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب تم کو کھانے کے لیے (اندر آنے کی) اجازت دی جائے مگر اس کے پکنے کا انتظار (نبی کے گھر میں بیٹھ کر) نہ کرو۔ جب تم کو بُلایا جائے تو ٹھیک وقت پر جاؤ اور جب کھا چکو تو (فوراً اپنی اپنی جگہ) چلے جایا کرو اور باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ اس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے۔ وُہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور تم سے چلے جانے کو نہیں کہتے) اور خدا تو ٹھیک بات کہنے میں نہیں شرماتا اور جب پیغمبر کی بی بیوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے دلوں اور اُن کے دلوں کے لیے بڑی صفائی کی بات ہے۔ تمہارے واسطے یہ جائز نہیں کہ رسول کو کسی طرح کی اذیت دو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بی بیوں سے نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک ایک بڑا گناہ ہے

رسولؐ کے لیے یہ حکم تھا کہ جو نو بی بیاں آپؐ کے تصرف میں ہیں اور عسرت کے ساتھ دینی فلاح پر نظر کر کے اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں ان ہی کو رہنے دیں۔ یہ جائز نہیں کہ انہیں طلاق دے کر ان کی جگہ دوسری بی بیاں لا بسائیں کیونکہ اس میں بدنامی کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔ ان نو کے علاوہ جو کنیزیں ہیں ان سے تصرف کر سکتے ہو لیکن ان کی تعداد بھی تھوڑی سی ہونی چاہیئے ورنہ منافقین عیاشی کا الزام عاید کریں گے۔

بعض مسلمان ایسے بے تکلف تھے کہ رسولؐ کے گھر میں بے تحاشا بغیر اجازت لیے گھُس جاتے تھے یہ کس قدر بدتمیزی کی بات تھی۔ خدا نے حکم دیا کہ جب گھر کے اندر جانا چاہو چاہے کسی بی بی کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت حاصل کرو۔ اگر وہ بُلائیں تو اندر جاؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔

بدو عرب تہذیب و شائستگی سے کوسوں دُور مسلمان تو ہو گئے تھے مگر جو پرانی عادات تھیں ان پر عمل کیے چلے

جاتے تھے۔ اس پر بار بار اُن کو ٹوکا جاتا تھا اور ان کو اسلامی تہذیب کے درس دیئے جاتے تھے۔ ایک بار کا قصہ سنو، جب حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح فرمایا تو بہت سے لوگوں کو دعوت ولیمہ دی۔ جب سب لوگ کھا کر چلے گئے تو دو تین آدمی آپس میں باتیں کرنے لگے اور کیے ہی چلے جا رہے تھے۔ حضرتؐ اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ اُٹھیں لیکن تہذیب اجازت نہ دیتی تھی کہ ان سے کہیں کہ اب تم لوگ باہر جاؤ۔ جب بہت دیر ہو گئی تو آپؐ ٹہلتے ہوئے ازواج کے گھروں کی طرف چلے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو بھی ان لوگوں کو بدستور باتیں کرتے پایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح جب کسی کو کوئی چیز ازواجِ رسولؐ سے مانگنی ہوتی تھی تو گھر کے اندر جا کر مانگتا تھا۔ حکم ہوا کہ دروازہ کے باہر سے مانگو۔ اس میں نہ کوئی قباحت ازواج کے لیے ہے نہ مسلمانوں کے لیے۔

ایک بار حضورؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کھانے کے لیے کہا تو بیٹھ گئے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی اُنگلی حضرت عائشہؓ کی اُنگلی سے لگ گئی تو حضورؐ کو ناگوار ہوا۔ اسی وقت آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۵)

بعض بدتمیز ایمان سے عاری لوگ کہا کرتے تھے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد ہم حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیں گے۔ خدا نے یہ حکم بھیجا کہ رسولؐ کی کسی بی بی سے اُنؐ کے وصال کے بعد کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا۔ خدا کے نزدیک یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

دنیوی بادشاہوں کے محلات کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والے سخت سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ ان کے محلات کے دروازہ پر پہرہ دار بیٹھے ہوتے ہیں اور کسی کی کیا مجال کہ ڈیوڑھی کے اندر ایک قدم تو بے اجازت رکھ لے یا شاہی بیگمات کی طرف آنکھ اُٹھا کر تو دیکھ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بادشاہِ دین و دُنیا تھے وہ اگرچہ عالیشان محلات میں تو نہ رہتے تھے نہ کوئی دربان یا چوکیدار دروازہ پر بیٹھا ہوتا تھا بلکہ وہ عام لوگوں کی سی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن نبوت کا ادب و لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری تھا ورنہ توہینِ نبوت تھی۔ اس لیے کچھ قواعد معین کیے گئے تاکہ عام آدمیوں سے پیغمبرؐ کو امتیاز حاصل ہو۔ ان میں سے چند ان آیات میں مذکور ہیں۔

۱۔ جو چیز مانگنی ہو باہر سے آواز دے کر مانگو۔
۲۔ بے اجازت رسولؐ کے گھر میں داخل نہ ہو۔
۳۔ جب رسولؐ کھانے پر بُلائیں تو کھانے کے بعد فوراً وہاں سے چل دو۔
۴۔ حضورؐ کی کسی بی بی کے چاہے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے بدن کو مس نہ کرو۔
۵۔ کسی بی بی سے بے تکلفانہ بات نہ کرو۔
۶۔ حضورؐ سے زیادہ دیر بات چیت میں نہ لگے رہو۔
۷۔ انؐ کے وصال کے بعد انؐ کی کسی بی بی سے نکاح کا ارادہ بھول کر بھی نہ کرو۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا شَیۡئًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ
عَلَیۡہِنَّ فِیۡۤ اٰبَآئِہِنَّ وَ لَاۤ اَبۡنَآئِہِنَّ وَ لَاۤ اِخۡوَانِہِنَّ وَ لَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِہِنَّ
وَ لَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِہِنَّ وَ لَا نِسَآئِہِنَّ وَ لَا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ ۚ وَ اتَّقِیۡنَ
اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۵۵﴾

تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے عورتوں کو نہ اپنے باپ داداؤں کے سامنے ہونے میں گناہ ہے نہ اپنے بیٹوں کے نہ اپنے بھائیوں کے نہ اپنے بھتیجوں کے نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی قسم کی عورتوں سے اور نہ اپنی لونڈیوں کے سامنے ہونے میں گناہ ہے (اے پیغمبر کی بی بیو) تم خدا سے ڈرتی رہو اس میں شک نہیں کہ (جو اعمال تم بجا لاتی ہو) خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اس سلسلہ میں وہ تمام رشتہ دار آجاتے ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔ خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ چچا اور ماموں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ بمنزلہ باپ کے ہیں یا پھر اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ جب بھتیجے اور بھانجے سے پردہ نہ ہوا تو ان کے باپ سے تو بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ
وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی
الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ
ع اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡہِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِہِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی

اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

بے شک اللہ اور اُس کے ملائکہ دُرُود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو تم بھی اُس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جو سلام بھیجنے کا حق ہے۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اُن کے لیے اللہ کی لعنت دُنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ اور خدا نے ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ جو لوگ ایماندار مَردوں اور ایماندار عورتوں کو بغیر کچھ کیے ستاتے ہیں تو وُہ ایک بُہتان اور صریحی گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اُٹھاتے ہیں۔ اے نبی تم اپنی بی بیوں اور اپنی لڑکیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہدو کہ (باہر نکلتے وقت) اپنے (چہروں اور گریبان پر) چادروں کا گھونگٹ نکال لیا کریں۔ یہ ان کی (شرافت کی) پہچان کے واسطے بہت مناسب ہے تو انہیں کوئی چھیڑے گا نہیں۔ اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیۂ دُرُود کے متعلق چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱ ۔ صرف نبی پر درود بھیجا جائے یا آل کو بھی شامل کیا جائے۔ لوگوں نے آل کو درود سے الگ کر دیا محض اس لیے کہ شیعہ حضرات آل کو شامل کرتے ہیں۔ ضِد کی تو دوسری بات ہے ورنہ آل کو کسی طرح جُدا نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ایک جان دو قالب ہیں۔ جس طرح وہ عالمِ نُور میں شریکِ نورِ رسالت تھے اسی طرح عالمِ ظہور میں بھی شریک ہیں۔ اس کے ثبوت میں ملاحظہ ہو

ا ۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ پانچ چیزوں میں آپؐ کے برابر ہیں۔ منجملہ ان کے تشہد میں درود بھیجنا۔

ب ۔ امام بیہقی نے سنن میں لکھا ہے، مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلٰى اَهْلِبَيْتِهٖ فَلْيُعِدْ صَلٰوتَهٗ ۔ جو نماز میں اہلبیتؑ رسولؐ پر درود نہ بھیجے اُس کو چاہیئے کہ اپنی نماز کا اعادہ کرے ۔

ج ۔ تفسیر درِ منثور میں امام شافعی کے یہ اشعار موجود ہیں :

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ — فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفِى الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمْ بِعَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ — مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

(اے اہلبیتؑ رسولؐ تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے اور قرآن میں اس کا ذکر ہے تمہاری عظمتِ قدر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو تم پر دُرُود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی ۔)

د ۔ صواعقِ محرقہ میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے لَا تُصَلُّوا عَلَىَّ صَلٰوةَ الْبَتْرَ۔ (میرے اوپر دم بریدہ صلوات نہ بھیجا کرو)۔ لوگوں نے کہا، دُم بریدہ صلوٰۃ کیسے ہوتی ہے۔ فرمایا صرف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

کہہ کر نہ رہ جایا کرو۔ بلکہ یوں کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

ہ ۔ سنن ابوداؤد میں ابنِ شیبہ سے روایت ہے اور اس کی تصحیح امام ترمذی ۔ حاکم ۔ ابو القاسم ۔ ابنِ خزیمہ اور ابنِ مسعود بدری نے کی ہے کہ لوگوں نے حضرت رسولِ خدا سے پوچھا، آپؐ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر ہم آپؐ پر درود کیسے بھیجیں۔ آپؐ نے فرمایا، یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ ۔

و ۔ مواہب الدنیہ میں ہے کہ رسولؐ نماز میں فرماتے تھے، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

۲ ۔ جب طہارت و تحریمِ صدقہ میں اور وجوبِ محبت میں رسولؐ کے ساتھ آلِ رسولؐ شریک ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دُرود میں شریک نہ ہوں ۔

۳ ۔ جب قرآن میں تمام مومنین پر صلوات بھیجنے کا حکم ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرآیت، ۵)۔ "ان لوگوں کو بشارت دے دو جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

تو کیا آلِ رسولؐ عام لوگوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے کہ ان کو درود میں شامل نہ کیا جائے ۔

۴ ۔ کتبِ احادیث اہلسنت میں امام ترمذی و نسائی وغیرہ نے ایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں محمدؐ کے ساتھ آلِ محمدؐ کو شامل کیا ہے لیکن بعض اہلسنت نے وہاں آل سے مراد تمام اُمت لی ہے اور اس کے ثبوت میں واغرقنا آلِ فرعون کی آیت پیش کی ہے اور کہا ہے کہ یہاں تمام پیروانِ فرعون مراد ہیں نہ کہ اولادِ فرعون، کیونکہ فرعون تو صاحبِ اولاد تھا ہی نہیں ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں خصوصیت سے ذکر خاندانِ فرعون کے ڈوبنے کا کیا گیا ہے جو برسرِ حکومت تھا۔ اس ڈوبنے کے تحت میں فرعون کے پیرو بھی آ جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے بنی امیہ کا خاندان تباہ کر دیا تو اس تباہی میں ان کی رعایا بھی شامل رہتی ہے لیکن رعایا کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ حکمران خاندان والوں کا ذکر ہوتا ہے۔ بس آلِ فرعون سے فرعون کے خاندان والے مراد ہیں۔ ان کے ضمن میں تمام فرعون کے پیرو بھی آ جاتے ہیں ۔

اگر آل کے معنی پیرو یا اُمت مراد لیے جائیں تو کیا معنی ہوں گے اس آیت میں وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ کے معنی بنی اسرائیل کے پاس جو تابوتِ سکینہ تھا اس میں بقیہ تھا ان تبرکات کا جو آلِ موسیٰؑ و ہارونؑ نے چھوڑا تھا تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ موسیٰؑ کے تمام پیرووں نے یا اُن کی اُمت نے جو تبرکات چھوڑے تھے اُن سب کا بقیہ اس صندوق میں تھا جسے تابوتِ سکینہ کہتے تھے۔ کوئی ذی عقل اسے کیسے مان سکتا ہے۔ یہاں مراد صرف موسیٰؑ و ہارونؑ کے خاندان والے ہیں یعنی ہارونؑ کی اولاد کے تبرکات تھے یا خود موسیٰؑ و ہارونؑ کے۔ تمام اُمت سے کیا واسطہ۔ جب حضرت موسیٰؑ کے اولاد نہ تھی تو لامحالہ ان کی اولاد اولادِ ہارونؑ ہی کہی جائے گی۔ بنی اسرائیل میں ایک نبی ایسے ہوئے کہ ان کے بھائی کی اولاد اُن کی اولاد کہلائی۔ بنی اسمٰعیل میں ایک نبی ایسے ہوئے جن کے بھائیؑ کی اولاد ان کی اولاد کہلائی

یعنی حضور سرکارِ دو عالمؐ کی۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے، ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار پائی اور میری اولاد صلبِ علیؑ میں ودیعت ہوئی۔ (ارجح المطالب)۔

پس جب اولادِ علیؑ اولادِ رسولؐ کہلائی تو درود میں انہیں کیوں نہ شریک کیا جائے فاطمہؑ تو بیٹی ہیں ہی۔ رہے علیؑ تو آیۂ مباہلہ بتا رہی ہے کہ وُہ نفسِ رسولؐ ہیں پس وہ یوں داخلِ صلوات ہوتے۔

آل و اہل ایک ہی چیز ہیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ جناب موسیٰؑ کی بہن نے کہا، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ (۱۲/۲۸ قصص) کیا میں ایسا خاندان بتا دوں جو اس لڑکے کو شفقت و محبت سے پالے) یہاں خاندانِ موسوی مراد ہے نہ کہ تمام بنی اسرائیل۔

اسی طرح جب فرشتے جناب ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوشخبری دی تو بی بی سارہؑ کو اس پر تعجب ہوا تو فرشتہ نے کہا، اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (۷۳/۱۱ ھود) (اے اہلِ بیت کیا تم اس امر سے تعجب کرتی ہو حالانکہ اے اہلِ بیت تم پر اللہ کی برکت ہمیشہ نازل ہوتی رہی یہاں اہلِ بیت سے مرادِ خاندانِ رسالت ہے نہ کہ پیروانِ جناب ابراہیم علیہ السلام۔

آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ (۳۳/۳ عمران) میں کیا تمام پیروانِ ابراہیم و عمران مراد ہیں۔ کیا سب کے سب چھوٹے بڑے اچھے بُرے انتخاب ہی میں آ گئے تھے۔ کیا کوئی عقل اس رائے پر صاد کر سکتی ہے۔

پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جہاں کسی حدیث میں محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے وہاں آلِ محمدؐ سے مراد پیروانِ محمدؐ ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جملہ امتِ محمدؐ۔ جس میں ہر قسم کے فاسق و فاجر بھی شامل ہیں اللہ اور ملائکہ کے درود کے مستحق ہیں۔ ذرا اس پر اور غور کیجیے آیہ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۲۸/۴۰ مومن) میں مومن آلِ فرعون جس کی شان میں یہ آیت ہے فرعون کا چچا زاد بھائی تھا یعنی اس کے خاندان سے تھا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ پیروانِ فرعون میں سے تھا۔ وہ فرعون کا ہرگز پیرو نہ تھا بلکہ موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں میں سے تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جہاں کہیں احادیث میں محمدؐ کے ساتھ آلِ محمدؐ ہے وہاں مراد اہلبیتِ رسولؐ ہی ہیں۔

اس درود میں اللہ اور ملائکہ بھی چونکہ مومنین کے ساتھ شامل ہیں لہٰذا ہر ایک کے لحاظ سے درود کے معنی الگ ہوں گے۔ مومنین کا درود طلبِ رحمت ہے ملائکہ کا طلبِ مغفرت اور خدا کا نزولِ رحمت۔ پس ملائکہ جیسی معصوم ہستیاں کیا تمام پیروانِ رسولؐ کے لیے جن میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں طلبِ مغفرت کر سکتی ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو صرف اُنہی کے لیے طلبِ مغفرت کریں گے جو معصوم ہوں اور شریکِ کارِ رسالت ہوں۔

درود کے ساتھ سلام بھیجنے کا بھی حکم ہے مسلمان سلامٌ علیٰ آلِ یٰسین کی جگہ الیاسین پڑھتے ہیں۔ یعنی سلام ہو الیاس کی اولاد پر۔ تعجب کی بات ہے کہ الیاس کی اولاد تو اتنی پیاری کہ اُن پر سلام بھیجنے میں کوئی تکلف نہیں لیکن اپنے نبی کی اولاد سے اتنی دشمنی کہ ان پر درود نہ سلام۔

ایک مفسر صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں احادیث میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ہے،

وہاں آل سے مراد تابعین رسولؐ ہیں۔ ان سے عرض ہے کہ صلوات بھیجنا واجب ہے کیونکہ صلّوا و سلّموا دو نوں امر کے صیغے ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اگر تابعین سے مراد عام تابعین ہیں تو ان کا مرتبہ آنحضرتؐ کے برابر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جب ہم کہیں گے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ تو ایک ہی فعل کے تحت دونوں داخل ہوں گے اور یہ تو رسالت کی کھُلی توہین ہے کہ امت کے تمام لوگوں کو اس اعزازی شان میں رسول کے برابر سمجھا جائے۔

صلوات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے ایک اعزازی شان ہے۔ کفار و مشرکین آپؐ کو اپنی ذلیل نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس آیت نے بتایا کہ خدا کے نزدیک اور فرشتوں کے نزدیک اُن کا یہ مرتبہ ہے کہ قیامِ قیامت تک اللہ اُن پر نزولِ رحمت کرتا رہے گا اور فرشتے بھی ان کے لیے طلبِ مغفرت کرتے رہیں گے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام رحمتِ الٰہی کا بے بہا خزانہ ہیں۔ مومنین کے لیے طلبِ رحمت کی درخواست پر جو رحمت نازل ہوتی ہے وہ اس خزانہ میں جمع ہوتی ہے اور وہیں سے اُن مومنوں پر تقسیم ہوتی ہے جو ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اپنے اشعار میں جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اے آلِ محمدؐ تمہاری محبت کو خدا نے واجب کیا ہے کیا اہلبیتِ رسولؐ کے سوا مسلمانوں میں کوئی اور گروہ ایسا ہے جس کی محبت واجب ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان پر درود و سلام بھیجنا واجب نہ ہوگا۔

ان آیات کی آخری آیت نمبر ۵۹ میں فرمایا گیا ہے، اے رسولؐ اپنی ازواج و بنات و نساء مومنین سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے منہ اور گردن پر ڈال لیا کریں۔ اس میں لفظ بنات سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر حضورؐ کی صرف ایک ہی صاحبزادی جناب فاطمہؑ ہوتیں تو بنات بصورت جمع نہ لایا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کئی لڑکیاں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بنات سے مراد صرف لڑکیاں ہی لی جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نواسیاں اور پوتیاں اس پردہ کے حکم سے خارج ہیں، حالانکہ ایسا نہیں۔ پوتیاں اور نواسیاں چونکہ اولاد ہی میں داخل ہیں لہٰذا ان کے لحاظ سے بنات بصورت جمع لایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی آیت ۵۵ ملاحظہ ہو جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں کو کس کس سے پردہ نہ کرنا چاہیے۔ ان میں بھتیجے اور بھانجے بھی شامل ہیں لیکن چچا اور ماموں کا ذکر نہیں اس لیے کہ وہ مثل باپ کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اسی طرح بنات میں پوتیوں اور نواسیوں کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ وہ بنات میں داخل ہیں ورنہ درصورت استثنا ان کے لیے پردہ کا حکم ثابت کیا جاتا۔

آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیہ حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ شرفا کی عورتیں جب پیشاب یا پاخانہ کے لیے گھر سے باہر جاتیں تو شریر لوگ لونڈیاں سمجھ کر چھیڑتے۔ اس لیے ان کے لیے یہ شناخت رکھی گئی کہ وہ اپنا منہ اور چہرہ چھپا کر نکلیں۔ چنانچہ ایسا کرنے کے بعد لوگ احتیاط سے کام لینے لگے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي

الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ
اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

(اے رسول) منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اور جو لوگ مدینہ میں بُری خبریں اُڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو اُن پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ تمہارے پڑوس میں چند روز کے سوا ٹھہرنے نہ پائیں گے۔ یہ لعنت کے مارے جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بُری طرح قتل کیے گئے۔ جو لوگ پہلے گزر گئے اُن کے بارے میں خدا کی یہی عادت جاری رہی ہے اور یہ کہ خدا کی عادت میں تم ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔

منافقین اس کوشش میں رہتے تھے کہ کسی طرح اسلام کی ترقی کو روک دیں اور مسلمانوں کو سرکارِ دو عالم کا مخالف بنا دیں۔ منجملہ ان کی شرارتوں کے ایک شرارت یہ بھی تھی کہ جب کوئی لشکر مدینہ سے باہر جاتا تو یہ جھوٹی خوفناک خبریں اُڑانا شروع کر دیتے تاکہ جو لوگ مدینہ میں ہیں وہ خائف ہو جائیں اور جو مجاہد اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر گئے ہیں ان کے اہل و عیال میں ایک اضطرابی صورت پیدا ہو جائے اور وہ مسلمان ہو کر پچھتانے لگیں۔ کبھی یہ خبر اُڑاتے کہ فلاں فلاں شخص مارے گئے۔ کبھی یہ مشہور کرتے کہ دشمن کی فوج بے پناہ ہے اور کبھی کہتے عنقریب مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ خدا مسلمانوں کی تسکین کے لیے فرما رہا ہے کہ یہ ملعون لوگ ہیں یہ تمہارے ساتھ زیادہ نہیں رہ سکیں گے۔ ان کا بُرا حشر ہو گا، پکڑے جائیں گے، مارے جائیں گے۔ پچھلے زمانوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہم ان لوگوں کو ذلیل و خوار کرتے رہے ہیں۔ خدا کی سنت یہ ہی تھی اب بھی ویسا ہی ہو گا۔ یہ بچ کر جا نہیں سکتے۔ یہ شریر الطبع لوگ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے لیکن ان کے دلوں میں کفر بسا ہوا تھا اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے تھے۔ مسلمانوں کو بہکاتے رہتے تھے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ

فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ
اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ
الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

(اے رسول) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے اور تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہی ہو خدا نے تو کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں نہ کسی کو اپنا سرپرست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اس دن اُن کے منہ جہنم کی طرف پھیر دیئے جائیں گے تب وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور یہ بھی کہیں گے، ہم نے اے ہمارے پروردگار اپنے سرداروں اور اپنے بزرگوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار، ان لوگوں پر دُہرا عذاب نازل کر اور ان لوگوں پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔ اے ایمان والو! تم لوگ ان جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تو خدا نے اُن کی تہمتوں سے موسیٰ کو بری کر دیا اور موسیٰ خدا کے نزدیک ایک وجیہہ شخص تھے۔

کفار، مشرکین اور منافقین اکثر حضرتؐ سے ازراہِ تمسخر سوال کرتے تھے کہ ہاں صاحب تو قیامت کب آئے گی کوئی دن اس کا مقرر تو کیجئے۔ یوں خالی دھمکی سے کیا فائدہ۔ ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ قیامت کا وقت معلوم کر کے نیکیوں کی طرف مائل ہوں بلکہ حضورؐ سے مذاق کرنا تھا۔ خدا نے فرمایا، اے رسولؐ تم کہہ دو کہ اس کا علم تو خدا کے پاس ہے لیکن اگر میں کہوں کہ وہ قریب ہے تو تم کیا نیک اعمال کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے (ہرگز نہیں) پھر تمہیں اس سے کیا بحث ہے جب آنی ہو گی آ جائے گی۔

مگر یہ سمجھ لو کہ جو لوگ قیامت سے انکار کرنے والے ہیں اُن کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جہاں وہ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ کوئی ان کا بچانے والا نہ ہو گا۔

دنیا میں وہ جن سرداروں اور امیروں کے بہکانے میں ساری عمر بسر کرتے رہے قیامت میں پیشِ خدا اُس پر افسوس کرتے نظر آئیں گے لیکن اس ندامت سے ہو گا کیا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

آخر آیت میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق جس اذیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ قارون کا اتہام تھا۔ اُس نے ایک عورت کو بہت سی دولت دے کر اس پر آمادہ کیا تھا کہ جب موسیٰؑ بھری مجلس میں ہوں زنا پر وعظ کر رہے ہوں، کہہ دینا آپ نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا کہہ نہ سکی اور قارون کی اس مکاری کا اظہار کر دیا جو موسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لیے اس نے سوچی تھی۔ خدا نے موسیٰؑ کو اس الزام سے بری کر دیا۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ہمارے رسولؐ کو ہرگز ایسی افترا پردازی کر کے اذیت نہ دینا۔ غالباً یہ اشارہ ہے منافقوں کی اسی طعنہ زنی پر جو زینبؓ بنت جحش سے عقد کے بعد انہوں نے شروع کر رکھی تھی۔ اوّل یہ کہ اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ دوسرے زیدؓ کو طلاق دینے پر مجبور کیا۔ تیسرے آنحضرتؐ زینبؓ پر عاشق تھے۔ یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے تفصیل وہاں دیکھیے۔

جن لوگوں نے انبیاء پر جھوٹے الزام لگائے وہ خود ذلیل ہوئے اور اللہ نے انبیاءؑ کو ان الزاموں سے بری ثابت کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ ع ٩ ٥

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور درست بات بولا کرو تو خدا تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی وہ اپنی مراد کو اچھی طرح

پہنچ گیا۔ بے شک ہم نے (روزِ اوّل) اپنی امانت آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کو پیش کی انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ انسان نے اس کو اٹھا لیا اس لیے کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم اور نادان ہے۔ (اس کا) نتیجہ یہ ہوا کہ خدا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (ان کے کیے کی) سزا دے گا اور ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں کی (تقصیر لامانت کی) توبہ قبول فرمائے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے متعلق چند سوالات پر غور کرنا ہے:

١۔ وہ کیا امانت تھی جس کو خدا نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ امانت سے مراد نیابتِ الٰہیہ ہے۔ یہ عہدہ چند شرائط کے ساتھ کسی کے سپرد کرنا تھا۔ اپنی تمام کائنات کو اس شخص کے سپرد کرنا تھا جو اس امانت کا امین ہوگا۔ اس کو افعال میں مختار بنایا جائے گا۔ وقتاً فوقتاً اس کا امتحان بھی لیا جاتا رہے گا۔ افعالِ بد کی سزا ملے گی اور افعالِ نیک کی جزا۔ ذرہ بھر نیکی کی ہوگی تو اور ذرہ بھر بدی کی ہوگی تو، سب کا حساب لیا جائے گا۔ غور کیجیے کتنی سخت ذمہ داریاں اس امین پر عاید ہوتی ہیں۔ یہ ذمہ داریاں بتا رہی ہیں کہ اُسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ راہِ اعتدال پر قائم رہنا ہے کہ درصورتِ نافرمانی اس کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

یہ امانت روزِ ازل پیش کی گئی اور وہیں اس کا فیصلہ کیا گیا۔

٢۔ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو کیوں پیش کیا گیا جبکہ خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کی ان میں اہلیت نہ تھی۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ آسمان سے مراد اہلِ آسمان یعنی فرشتے اور زمین سے مراد اہلِ زمین یعنی انسان و دیگر مخلوق ہے اور اہلِ جبال سے مراد قومِ جن ہے جن کو خدا نے پہاڑوں پر آباد کیا ہے۔ چونکہ یہ سب ذی عقل و ذی شعور ہیں۔ لہٰذا اتمامِ حجت کے لیے ان تینوں گروہوں کے سامنے امانتِ الٰہیہ کو پیش کیا گیا۔

٣۔ مذکورہ بالا شرائط پر نظر رکھتے ہوئے اہلِ آسمان و اہلِ جبال نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دیا اور وہ ڈر گئے۔ کہ ایسے بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز راستہ پر کون چلے گا۔ ہماری توبہ ہے ہمارے بس کا یہ روگ نہیں۔ آزادی سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ تاج اپنے سر پر رکھ کر کون بے شمار مصیبتوں میں اپنے کو پھانسے۔

اب حضرتِ انسان کی سنیے اس امانت کے اندر حکومت کی چمک دیکھ کر رال ٹپک گئی اور جھٹ اقرار کر لیا کہ اس بار کو اٹھا لوں گا۔ ایسا کیوں کیا اس لیے کہ قوتِ شہوی کی بنا پر جاہل تھا اور قوتِ غضبی کی بنا پر ظالم نے فوراً ہاتھ ڈال دیا اور یہ امانت کا تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کام کو اس کے سوا دوسرا کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ظالم اور جاہل ضرور تھا لیکن اس کے ساتھ عقل کا پتلا بھی تھا۔ ان سرکش قوتوں کا گلا گھونٹنا بھی جانتا تھا۔ گرنے پر آئے تو حیوانوں سے بدتر ہو جائے۔ اُبھرنے پر آئے تو فرشتوں سے اونچا جائے۔ نیک و بد دونوں راستوں کو سمجھنے والا بھی ہے، صاحبِ اختیار بھی ہے۔ جس

راستہ کو چاہے اختیار کرلے۔ جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اُن کی تو بلا جانے۔ رہے منازلِ حیات پر سوچ سمجھ کر چلنے والے تو وہ جانتے ہیں کہ انسان کیسے خطرناک موڑ پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کے ایک طرف بدبوؤں کا انبار ہے اور دوسری طرف خوشبوؤں کا ذخیرہ۔ اس کو بیچ میں کھڑا کر دیا گیا ہے اور اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں سے جس طرف کی جو چیز پسند ہو، اٹھاتا ہوا زندگی کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔ اس کا دامنِ دل دونوں طرف کھنچ رہا ہے۔ اب اپنے اختیار کو صحیح طریقہ سے صرف کرنا اس کی فلاح کا باعث ہوگا ورنہ ذرا سی چوک میں جہنم رسید۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ امانت سے مراد معرفتِ الٰہی ہے یہ انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو اس مقام تک نہیں پہنچا سکتی جس سے بالاتر کوئی مقامِ معرفت نہیں۔ انسان سے کمتر حیوان ہے اس کا معرفت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے وہ مکلف نہیں۔ اس کے اندر شوقِ معرفت کا بھی فقدان ہے۔ انسان سے بالاتر ملائکہ ہیں ان کی معرفت محدود ہے جو جس مقام پر ہے قیامت تک اسی جگہ رہے گا جو قیام میں ہے وہ قیام ہی میں رہے گا جو رکوع میں ہے وہ رکوع میں ہی رہے گا جو سجدہ میں ہے وہ سجدہ میں ہی رہے گا۔ معرفت میں کوئی ترقی اس کے لیے نہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں انسان ہے، جو اگر شوقِ معرفت نہیں رکھتا تو حیوانوں سے جا ملتا ہے اور مکلف ہونے کے باوجود وہ قلادۂ تکلیف اپنی گردن سے نکال دیتا ہے۔ اور اگر شوقِ معرفت ہے تو ترقی کرتا کرتا کُن فیکون کی دولت پا لیتا ہے اور فرشتے اس کی منزلِ معرفت کو تکتے رہ جاتے ہیں۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہاں تک مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ نوعِ انسان سے من حیث الانسان متعلق ہے۔ لیکن امانت یا خلافتِ الٰہیہ کا تعلق تو انبیاء و مرسلین سے ہوتا ہے اور آیت میں ظلم و جہول کا لفظ ہے۔ انبیاءؑ میں یہ عیب ہوتے نہیں پھر امانت کا تعلق اُن سے کیسے ہوگا۔

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کا لفظ نوعِ انسانی کی فطرت و جبلت کی بنا پر کہا گیا ہے یعنی قوتِ غضبی اور شہوی کے لحاظ سے اور یہ دونوں قوتیں ہر نبی و رسول میں ہوتی ہیں۔ اگر یہ دونوں قوتیں نہ ہوں تو وہ حکومتِ الٰہیہ کے فرائض انجام دے ہی نہیں سکتا۔ پھر ان کو جو روحِ نبوتی دی جاتی ہے اس سے وہ ان قوتوں پر اس طرح کنٹرول کرتے ہیں کہ ان کا ایک قدم جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹتا۔ وہ ان دونوں قوتوں سے کام لیتے ہیں مگر بہت سوچ سمجھ کر۔ اگر ان میں قوتِ غضبی نہ ہوتی تو کفار و مشرکین سے جنگ نہ کر سکتے اور اگر شہوی نہ ہوتی تو ان کے اولاد نہ ہوتی اور کھانے پینے کی طرف رغبت نہ ہوتی

بہرحال آیت میں الانسان سے مراد تمام انسان نہیں بلکہ الف لام تخصیصی کی بنا پر وہ انسان مراد ہوگا جو انتخابِ الٰہی میں آچکا ہوگا۔ عام انسانوں میں تو فاسق و فاجر ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ امانت و خلافتِ الٰہیہ کے امین کیسے بن سکتے ہیں۔

---

(۳۴) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ (۵۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

حمد صرف اُسی اللہ کے لیے ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور آخرت میں حمد اسی کے لیے ہے اور وہ صاحبِ حکمت اور واقف کار ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اُسے بھی اور جو آسمان سے برستا ہے اُسے بھی اور جو چیز اس پر چڑھتی ہے (بخارات، فرشتے وغیرہ) اُسے بھی جانتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ کافر لوگ کہتے ہیں ہم پر تو قیامت آئے گی ہی نہیں۔ اے رسول تم کہدو قسم ہے اپنے رب کی وہ تم پر ضرور آئے گی۔ وہ غیب کا عالم ہے۔ آسمانوں میں یا زمین میں کوئی چیز ذرہ برابر بھی اُس سے

چھپی ہوئی نہیں کوئی چیز ذرہ سے بھی چھوٹی ہو یا بڑی وہ روشن کتاب کے اندر لکھی ہوئی ہے تاکہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو اجر دے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور اچھا رزق ہے۔

جو گنہگار لوگ چھپ کر گناہ کرتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں کسی نے دیکھا نہیں اس آیت سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ ایک گناہ بندوں سے تو چھپ سکتا ہے لیکن وہ خدا سے کیسے چھپ سکتا ہے۔ اگر ایک بال بھی کسی کا چرایا ہے اور کسی نے دیکھا نہیں تو خدا نے اس کو دیکھ لیا ہے اور روز قیامت نامۂ اعمال میں وہ بھی درج ہوگا اور اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۵
وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ
وَيَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۶ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ
نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۷ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۸

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تحقیر کی کوشش کی ہے ان ہی کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہوگی۔ اے رسول جن لوگوں کو ہماری بارگاہ سے علم عطا کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور سزاوارِ حمد و ثنا غالب خدا کی راہ دکھاتا ہے۔ کفار (ازراہِ تمسخر باہم) کہتے ہیں کہ کہو تو ہم تمہیں ایسا آدمی (محمدؐ) بتا دیں جو تم سے بیان کرے گا کہ جب تم (مرکر) ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم لوگ ایک نئے جنم میں آؤ گے کیا اس شخص (محمدؐ)

نے خدا پر جھوٹ طوفان باندھا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے (نہ محمدؐ جھوٹا ہے نہ اسے جنون ہے) بلکہ وہ خود جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

عہدِ رسالت میں بہت سے لوگ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح کسی آیت کے مضمون کو جھوٹا ثابت کر دیں مگر یہ قرآن کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنی کوششوں میں ناکام رہتے تھے۔ جن لوگوں کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا تھا وہ کہتے تھے جو کچھ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ایسے لوگ جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے یا تو انبیاءؑ ہوتے ہیں یا اہلبیتؑ طاہرین۔ ان کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کسی وقت ان کے دل میں احکامِ الٰہی کے متعلق کبھی کوئی شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے جن کو دنیا والوں سے علم حاصل ہوتا ہے ان کے دلوں میں چھوٹے بڑے بہت سے شبہے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

ساتویں آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ کافر لوگ حضرت رسولِ خداؐ کو جھٹلانے میں تو کامیاب نہ ہوتے تھے، کیونکہ مشرکینِ مکہ آنحضرتؐ کو صادق اور امین تسلیم کر چکے تھے۔ البتہ قیامت کے مسئلہ میں ان کو مذاق اڑانے کا موقع ملتا تھا۔ آپس میں کہتے تھے یہ شخص کہتا ہے کہ جب ہم مر کر گل سڑ جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو قیامت میں ہمیں پھر ایک نیا جنم دے کر اٹھایا جائے گا۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل میں آنے والی بات ہے۔ پس یا تو یہ شخص اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے۔ غرض اس طرح حضرتؐ کی بات اکھاڑنا چاہتے تھے لیکن کس کی طاقت تھی کہ خدا کی ہدایات کا دروازہ بند کر سکتا۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ
اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ
ع اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۹

کیا ان لوگوں نے زمین و آسمان میں جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے کبھی غور سے نہیں دیکھا اگر ہم چاہیں تو زمین میں ان کو دھنسا دیں یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ان پر گرا دیں۔ پھر خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لیے اس میں خدا کی نشانیاں ہیں۔

نافرمان بندے کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا باوجود ان کی نافرمانی کے ان کو مہلت دے رہا ہے اگر وہ چاہتا تو

بات کہتے ان کو ہلاک کر دیتا۔ بہت سے لوگ ہیں کہ کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے ان پر کیا کیا احسان کیے ہیں۔ کیا اُن کا یہی بدلہ ہے کہ اُس پر ایمان نہ لایا جائے اور اس کے احکام کی تعمیل میں سرکشی سے کام لیا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَ
اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا
شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ
يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ
تَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ
شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے داؤد کو اپنی بارگاہ سے بزرگی عطا کی (اور پہاڑوں کو حکم دیا) اے پہاڑو تسبیح کرنے میں اُن کا ساتھ دو اور پرند کو اس کا تابع کر دیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ وکشادہ زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو اور تم سب اچھے اچھے کام کرو، جو کچھ تم کرتے ہو میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ اور ہوا کو سلیمان کا تابعدار بنا دیا۔ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی بھی ایک ماہ کی مسافت اور ہم نے اس کے لیے تانبے کو پگھلا کر چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنات کو ان کا تابع کر دیا تھا کہ ان میں سے کچھ جنّ ان کے پروردگار کے حکم سے ان کا کام کاج کرتے تھے ان میں سے جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم جہنّم کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ غرض

سلیمان کو جو کچھ بنوانا منظور ہوتا یہ جنّات ان کے لیے بناتے تھے۔ مسجدیں۔ محل۔ قلعے اور (فرشتوں اور انبیاء کی) تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور بڑی بڑی دیگیں ایک جگہ گڑی ہوئی۔ اے اولادِ داؤد اللہ کا شکر کرتے رہو۔ میرے بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔

ان آیات میں چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے :

۱۔ حضرت داؤدؑ ایک غریب آدمی کے بیٹے تھے اور چھوٹے سے جسم والے تھے لیکن جب طالوت کے لشکر میں شامل ہو کر انہوں نے اپنی گوپھن سے ایک پتھر مار کر جالوت جیسے گرانڈیل دشمن کو قتل کر دیا تو ان کا وقار بہت بلند ہو گیا۔ طالوت کے مرنے کے بعد ایک چھوٹی سی سلطنت کے مالک ہوئے اس کے بعد تمام بنی اسرائیل پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔

۲۔ حضرت داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی۔ جو مناجات کا مجموعہ تھی۔ جب بستی سے باہر جا کر کھلے میدان میں نہایت خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے تو پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور نہایت شوق سے ان کی تلاوت سنتے تھے۔ ان کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز آتی تھی۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پہاڑ بے زبان ہیں ان کا تسبیح سے کیا تعلق۔ اگر بطور صدائے بازگشت کوئی آواز آتی ہو گی تو وہ پہاڑوں کی تسبیح نہیں کہی جا سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صدائے بازگشت ہوتی تو خدا اس کو اپنے ان احسانات کی فہرست میں نہ رکھتا جو اُس نے داؤدؑ پر کیے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک پہاڑ قابلِ تسبیح نہیں لیکن ان کے خالق نے تو ان کو قابلِ تسبیح بنایا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے (کوئی شے ایسی نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں)۔ سورۂ ص میں حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں کی تسخیر کا ذکر ہے۔ سورۂ انبیاء میں بھی یہ ذکر ہے۔ اگر پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح نہ کرتے ہوتے تو بار بار اس کا ذکر کیوں ہوتا۔

۳۔ "ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا" یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے تار بنا کر زرہ کی کڑیاں بناتے تھے اور اس میں چھوٹے چھوٹے حلقے ہونے کی وجہ سے حضرت داؤدؑ کی زرہ بہترین زرہ سمجھی جاتی تھی۔ لوگ اس کو بڑی خوشی سے خریدتے تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ کی قیمت میں سے بقدر قوت لایموت اپنے پاس رکھتے تھے باقی راہِ خدا میں دے دیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو خدا نے ایسی خوش الحانی عطا کی تھی کہ جب آپؑ زبور پڑھتے تھے تو جنگل کے چرند پرندے اور درندے سب نکل آتے تھے اور آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور سننے میں ایسے محو ہو جاتے تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہتی تھی۔ درندے کسی پر حملہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ شوق ہوا کہ میں ایسی جگہ خدا کی تسبیح کروں جہاں میرے سوا کوئی عبادت کرنے والا نہ ہو۔ بڑی تلاش کے بعد ایک لق و دق صحرا میں ایک تالاب کے کنارے مصلیٰ بچھایا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ تالاب سے ایک مینڈک کے ٹرّانے کی آواز آئی۔ آپؑ نے فرمایا، اے مخلوقِ خدا خاموش ہو جا مجھے ذکرِ خدا

کرنے دے۔ اُس نے کہا، اے نبی اللہ، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں صرف آپ ہی ذکرِ خدا کر رہے ہیں۔ اس تالاب میں ہزارہا مخلوقِ خدا یادِ خدا میں مصروف ہے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ یہ سُن کر حضرت داؤدؑ سجدہ میں گر گئے اور عرض کی کہ اے میرے معبود کس کی طاقت ہے کہ تیری حمد کر سکے۔

۴۔ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ خدا نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا آپؑ کے بساط کو وقتِ صبح ایک ماہ تک اُڑا کر لے جاتی تھی اور ایک ماہ کی راہ شام کو۔

اس بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ایک ماہ کی راہ لیجانے سے کیا مراد ہے۔ سورۂ نحل میں اس کے متعلق ہم کچھ لکھ آئے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت اتنی وسیع تھی کہ ہوا آپؑ کے بساط کو اپنی پوری رفتار کے مطابق ایک ماہ میں جتنی مسافت طے کرتی ہے وہ صبح سے شام تک طے کر لیتی ہے۔ ہوا کی رفتار کتنی تیز ہوتی ہے اس سے ان کی وسعتِ سلطنت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنی ہی مسافت وہ شام کو طے کرتی تھی۔

بعض نے لکھا ہے کہ ایک تیز رفتار سے تیز رفتار سواری ایک مہینہ میں جہاں تک پہنچ سکتی ہے وہاں تک ہوا وقتِ صبح بساطِ سلیمانی کو لے جاتی تھی اور اسی طرح شام کو۔ یعنی صبح کو اپنی سلطنت کے مشرقی حصہ کو دیکھتے تھے اور شام کو مغربی حصہ۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ آپؑ ہر روز ہی ایسا کرتے تھے بلکہ جب آپؑ کا ارادہ ہوتا تب یہ صورت اختیار کرتے۔

۵۔ ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ نکالا۔ اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ بعض کے نزدیک پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ چھوٹا۔ بعض کے نزدیک آپؑ کی سلطنت میں بکثرت تانبا پایا جاتا تھا جس کو پگھلا کر بڑی بڑی دیگیں بنائی جاتی تھیں۔

۶۔ اس تانبے سے جنّات ان کے لیے بڑے بڑے ظروف بناتے تھے۔ ایک ایک دیگ اتنی بڑی ہوتی تھی کہ ایک ہزار آدمیوں کے لیے اس میں سالن پک سکے۔ چونکہ آپؑ کا لشکر بروایتے سو کوس تک پھیلا ہوا تھا۔ ۲۵ کوس تک آدمی تھے ۲۵ کوس تک۔ جن ۲۵ کوس تک پرندے اور ۲۵ کوس تک چوپائے۔ لہٰذا ۲۵ کوس تک پھیلے ہوئے آدمیوں کے لیے کھانا اتنی ہی بڑی دیگوں میں پکنا چاہیئے تھا۔

۷۔ خدا نے جنّات کو حضرت سلیمانؑ کا تابع بنا دیا تھا۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ جنّات سے کیا مراد ہے بعض نے لکھا ہے کہ قوی ہیکل سرکش اور غنڈہ ور انسان مراد ہیں جو کسی کے قابو میں نہیں آتے تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ اگر جن علیحدہ سے کوئی قوم نہیں ہے تو خدا نے ان کو نوعِ انسانی سے الگ کر کے کیوں بیان کیا ہے۔ جنّات کی خلقت آگ سے کیوں بیان کی ہے وہ انسانوں میں شامل ہوتے تو ان کی خلقت عام انسانوں کی طرح مٹی سے ہونی چاہیئے تھی۔ الغرض جن جنّات کو جناب سلیمانؑ کی تسخیر میں دیا تھا وہ ضرور نوعِ انسانی سے الگ نوع تھی۔ سورۂ جنّ کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں سے الگ ایک مخلوق ہے۔

۸۔ جنّات سے جو کام حضرت سلیمانؑ لیتے تھے ان میں بڑی بڑی مسجدیں بنوانا بھی شامل تھا اور انبیاءؑ کے مجسمے بھی ان کی یاد دلانے کے لیے بنواتے تھے۔

تماثیل کے معنی میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے تصاویر مراد لی ہے۔ بعض نے مجسمے۔ کہا جاتا ہے کہ جب دونوں چیزیں بنانا اسلام میں ناجائز ہیں تو حضرت سلیمانؑ نبی ہو کر ایسا کیوں کرتے تھے۔ پس پہلے تو یہ طے

ہونا چاہیے کہ تماثیل سے مراد تصاویر ہیں یا مجسمے۔

سورۂ انبیاء (۲۱/۵۲) میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے منہ بولے باپ اور اپنی قوم سے کہا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (یہ کیسی مورتیاں ہیں جنہیں تم گھیرے بیٹھے ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمثال مجسمہ کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا انبیاء کے مجسمے بنوانا اس لیے نہ تھا کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ برائے تذکر اور یادگار تھا۔ مقامِ ابراہیمؑ جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان ہے آج تک بطور تذکر خانۂ کعبہ میں موجود ہے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنا ارکانِ حج میں شامل ہے۔ ممکن ہے اس وقت جواز کی کوئی صورت نکلتی ہو لیکن بعد میں یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ ان مجسموں کو پوجنے لگے ہیں ان کا بنانا حرام قرار دیا گیا ہو۔

۹۔ بڑے بڑے پیالے حوضوں کے برابر اس لیے بنوائے گئے کہ دعوت کے وقت ان میں سالن رکھ کر کھلایا جائے اور بڑی بڑی دیگیں جو زمین میں گڑی رہتی تھیں اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر بنوائی جاتی تھیں۔

۱۰۔ یہ روایت صحیح نہیں لگتی کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر چھ ہزار سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن پر ان کے درباری بیٹھتے تھے۔ ایک آرائشی دربار بادشاہانِ دنیا کو تو زیب دیتا ہے لیکن انبیاء کے دربار کا اس طرح سجایا جانا قرینِ عقل نہیں۔ وہ تو خرافاتِ دُنیا سے لوگوں کا دل ہٹانے آتے تھے نہ کہ اس لیے کہ لوگوں کی للچائی نگاہیں سونے چاندی کی کرسیوں پر پڑیں اور انہیں عیش پرستی کی طرف راغب کریں۔ اگر دنیاوی شان و شوکت اللہ کے پیاروں کو زیبا ہوتی تو امیرالمؤمنین حضرت علیؑ مسجد کے ننگے فرش پر جَو کی سوکھی روٹی نہ کھا رہے ہوتے۔

۱۱۔ یہ روایت بھی غلط ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی تین سو بیبیاں تھیں اور ان کے لیے تین سو محل تھے۔ ایک نبی کا گھر کیا ہوا کہ بیبیوں کی چھاؤنی بن گیا۔ ایک مرد کو خدا نے اتنی بیبیوں کی اجازت کیسے دے دی۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو وہ مر گئے مگر لکڑی کے سہارے کھڑے رہے اور جنّات کو کسی نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر زمین کی دیمک نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھا رہی تھی پھر (جب کھوکھلا ہو کر ٹوٹ گیا اور) سلیمان کی لاش گری تب جنّات نے جانا۔ اگر وہ غیب دان ہوتے تو (اس) ذلیل کرنے والی

(کام کرنے کی) مصیبت میں مبتلا نہ رہتے۔ (فوراً الگ ہو جاتے۔)

حضرت سلیمانؑ جنات کو برابر کام میں لگائے رہتے تھے اور جو سرکشی کرتا تھا اُسے زنجیروں میں جکڑ کر دریا میں ڈال دیتے تھے۔ بیت المقدس کی مسجد بھی انہی سے بنوائی۔ اس کی ابتداء حضرت داؤدؑ نے کی تھی لیکن جب قدِ آدم اس کی دیواریں بلند ہو گئیں اور ان کی عمر ۱۲۰ سال کی ہوئی تو حکم خدا ہوا کہ اب اس کی تعمیر بند کر دو۔ چنانچہ اسی سال اُن کا انتقال ہو گیا اور حضرت سلیمانؑ ۱۳ سال کی عمر میں اُن کے جانشین ہوئے۔ آپؑ نے قیمتی پتھر لگوا کر اُسے مزین کیا۔ بخت النصر اس کے جواہرات اکھاڑ کر عراق لے گیا اور خدا کا گھر تباہ و برباد کر گیا۔ جو عمارت اب ہے یہ بعد کی بنوائی ہوئی ہے۔ مسجد بیت المقدس ابھی زیرِ تعمیر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے ارکانِ سلطنت سے فرمایا، خدا نے مجھے اتنی بڑی سلطنت عطا فرمائی لیکن میں ایک دن آرام سے نہ بیٹھا۔ آج فلاں محل میں جاتا ہوں میرے پاس کوئی نہ آئے۔ غرض آپؑ محل کے بالاخانے پر گئے۔ اطراف و جوانب کا نظارہ کر رہے تھے اور عصا پر سہارا لئیے کھڑے تھے کہ ملک الموت نے اسی حالت میں آپؑ کی روح قبض کر لی اور آپؑ اسی طرح کھڑے رہے۔ جنات اس خیال سے کہ آپؑ زندہ ہیں اور کھڑے دیکھ رہے ہیں، اپنے اپنے کام میں مشغول رہے۔ جب ایک رات گزر گئی اور مسجد بھی مکمل ہو گئی تب دیمک نے آپؑ کے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا اور آپؑ کی لاش گر پڑی۔ جنات کو جب پتہ چلا تو وہ اسی وقت تسخیر سے آزاد ہو کر چلتے بنے۔

جنات کے متعلق لوگوں کا یہ خیال اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے کہ یہ لوگ غیب دان ہوتے ہیں مگر اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ انہیں غیب کا علم نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت سلیمانؑ کی موت کا علم ہوتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوتے اور مسجدِ بیت المقدس کی تعمیر کو ناتمام چھوڑ دیتے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ
رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ
خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ
وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا

لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

سبا والوں کے لیے ان کے مساکن میں ہماری (قدرت کی) نشانی تھی۔ داہنے بائیں دو (ہرے بھرے) باغ تھے (ہمارا حکم تھا) اپنے رب کے رزق کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ (دنیا میں) پاک صاف شہر دیا ہے اور (آخرت میں) خدا جیسا بخشنے والا (جنت میں گھر دے گا) پس انہوں نے (پیغمبروں کے کہنے سے) منہ پھیر لیا (جس کی سزا میں) ہم نے بڑے زور کا سیلاب بھیجا اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جن کے پھل کڑوے تھے اور ان میں جھاڑ کے درخت تھے اور تھوڑی سی بیریاں تھیں یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم تو بڑے ناشکروں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اہلِ سبا اور شام کی بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، چند بستیاں (سرِ راہ) تھیں جو باہم نمایاں تھیں اور ہم نے ان میں آمد و رفت کی راہ مقرر کی تھی کہ رات اور دن میں جب چاہو امن کے ساتھ چلو پھرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ پروردگارا (قریب کے سفر میں لطف نہیں) تو ہمارے سفروں میں دُوری پیدا کر دے اور اُن لوگوں نے خُود اپنے اُوپر ظلم کیا تو ہم نے بھی اُن کو (تباہ کر کے) افسانے بنا دیا اور (اُن کی دھجیاں اُڑا کے) تتر بتر کر دیا۔ اس میں بے شک ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے بڑی عبرتیں ہیں۔

یہ شہر سبا وہی ہے جہاں بلقیس کی حکومت تھی۔ یمن سے شام تک بستیوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا۔ شہر سبا یمن کا علاقہ تھا نہایت سرسبز و شاداب دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ شہر کے دونوں طرف ایسے گنجان باغ تھے کہ مسافر دس روز کی مسافت تک سایہ میں چلا جاتا تھا۔ ایک دریا سے پانی لیتے تھے اور اس کا مضبوط بند بندھا ہوا تھا۔ یہ بند ملکہ بلقیس نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد ان لوگوں نے پیغمبروں کو جھٹلانا شروع کیا اور خدا کے احکام کا مضحکہ اڑانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دریا کا بند ٹوٹ گیا اور سخت سیلاب آیا کہ تمام باغات تباہ ہو گئے اور باغوں کی جگہ جنگلی درخت اُگ آئے۔ ان لوگوں کی یہ خواہش کہ لمبے سفروں کے راستے بن جائیں۔ یا تو اس بنا پر ہو گی کہ جا بجا گنجان آبادی کی وجہ سے غلّے کی قلت ہوتی ہو گی یا آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے دُور دُور رہنا چاہتے ہوں گے۔ غرض سیلاب آنے کے بعد جب ان

کی بستیاں تباہ ہوئیں تو وہ لوگ متفرق ہو کر دُور دُور جا بسے اور جو آرام اُن کو یکجائی میں حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب خدا کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا تو اُسے ایسی ہی تباہی و بربادی کا سامنا ہوتا ہے۔ زوالِ نعمت کے بعد پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢٠ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝٢١ ع

شیطان نے اپنے خیال کو جو ان کے بارے میں کیا تھا سچ کر دکھایا۔ ان لوگوں نے اس کی پیروی کی مگر ایمانداروں کا ایک گروہ نہ بھٹکا اور شیطان کا اُن لوگوں پر کچھ قابو تو تھا نہیں مگر یہ (مطلب تھا) کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور ان کو جو اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوتے ہیں جان لیں اور تیرا رب ہر شے کا نگران ہے۔

پانچ سو سال قبل مسیح شہر سبا میں دو قسم کے لوگ بستے تھے۔ ایک جو خدا پرست تھے اور بُت پرستی کو بُرا جانتے تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جن پر شیطان نے قابو پا کر اُن کو گمراہ کر دیا تھا۔ اور خدا فرماتا ہے، شیطان جبراً تو کسی کو گمراہ کرتا نہیں۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دے یا اپنے چیلوں چانٹوں میں سے ایسے لوگوں کو ان کے پیچھے لگا دے جو ان کو صحیح عقیدہ سے ہٹا دیں۔ اس کے ایسا کرنے کے بعد خدا فرماتا ہے، ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون شک میں پڑا ہوا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝٢٢ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝٢٣ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٤

(اے رسول) تم ان سے کہدو کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا معبود سمجھتے ہو انہیں پکارو تو (معلوم ہو جائے گا) کہ وہ ذرّہ برابر نہ تو آسمانوں میں اختیار رکھتے ہیں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے اور خدا کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر جس کو خدا چاہے عطا فرمائے (اس کے دربار کی ہیبت) یہاں تک ہے کہ جب شفاعت کا ذکر ہو گا تو گھبرا جائیں گے۔ جب گھبراہٹ دُور ہو گی تو وہ سفارش کرنے والوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا وہ کہیں گے ٹھیک جواب دیا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔ اے رسول اُن سے کہو کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون روزی دیتا ہے (وہ کیا کہیں گے) تم کہدو خدا دیتا ہے۔ ہم اور تم دونوں میں سے ایک تو ضرور راہِ راست پر ہے دوسرا کھلی گمراہی میں پڑا ہے۔

مشرکین حضرتؐ کے پاس آکر اکثر کج بحثیاں کیا کرتے تھے اور اپنے بتوں کی تعریفوں کے پُل باندھا کرتے تھے۔ خدا کہتا ہے اے رسولؐ، ذرا تم ان سے یہ تو پوچھو کہ ان کے معبودوں کی زمین یا آسمان میں کہیں ذرہ برابر بھی ملکیت ہے۔ پھر یہ عبادت میں خدا کے شریک کیسے ہو گئے اور نہ یہ مدد دینے والوں میں سے ہیں۔ جب تک خدا اجازت نہ دے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ وہاں ہیبت کا یہ عالم ہو گا کہ لوگ گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ یہ لوگ جو بُت پرستی کر رہے ہیں ان سے پوچھو کہ آج تمہیں رزق کون دے رہا ہے۔ آسمان سے مینہ کون برساتا ہے اور زمین سے غلہ کون اُگاتا ہے۔

اے رسولؐ، تم ان سے کہو کہ میں تم سے معقول بات کہتا ہوں تو تم سے اس کا جواب تک نہیں بن پڑتا تو بتاؤ کہ ہم دونوں میں کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے۔ دونوں تو حق پر ہو نہیں سکتے نہ باطل پر۔ ضرور ایک حق پر ہو گا، ایک باطل پر، میری بات کا تو معقول جواب دو ورنہ یہ مانو کہ تم باطل پر ہو۔ ضد پر اڑے رہنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٢٥ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝٢٦ قُلْ

اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان سے کہدو نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پوچھ گچھ ہوگی نہ تمہارے گناہوں کی ہم سے۔ اے رسولؐ ان سے یہ بھی کہدو کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار سب کو اکٹھا کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا اور وہ تو بڑا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا واقف کار ہے۔ اے رسول تم کہدو کہ جن کو تم (خدا کا شریک بنا کر) خدا کے ساتھ ملاتے ہو انہیں مجھے بھی تو دکھا دو۔ (ہرگز کوئی اُس کا شریک نہیں) بلکہ وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے رسول ہم نے تم کو دُنیا کے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تمام انبیاءؑ میں جن کی تعداد بروایتے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں جس کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہو۔ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء و مرسلین آئے ان کا حلقۂ تبلیغ و ہدایت محدود تھا صرف سرکار رسالتؐ ہی ایسے رسول ہیں جن کی اُمت میں قیامت تک کے تمام لوگ شامل ہیں۔ خواہ وہ کسی خطۂ زمین پر کسی ملک میں بستے ہوں کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ کالے ہوں یا گورے۔ آپؐ کی ہدایت کسی نہ کسی طرح سے اُن تک پہنچ چکی ہے اور جہاں نہیں پہنچی وہاں پہنچ کر رہے گی۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ
لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ ۹
نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ

الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ (قیامت) کا دن کب آئے گا۔ تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگوں کے لیے ایک خاص دن مقرر ہے جسے ایک گھڑی نہ تم پیچھے ہٹا سکو گے نہ آگے بڑھا سکو گے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے آچکی ہے۔ اے رسول، کاش تم ان ظالموں کو دیکھتے جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں (ذلیل و خوار) کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے۔ کمزور زبردستوں سے کہیں گے اگر تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم ایمان والے ہوتے۔

یہ سوال بار بار لوگ کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ مسلمانوں سے کہتے تھے اگر تم سچے ہو تو اس کا دن اور وقت بتاؤ۔ خدا نے اُن کو بتایا نہیں بلکہ یہ کہدیا کہ وہ آئے گی ضرور۔ پھر ایک منٹ آگے ہوگا نہ پیچھے، ٹھیک وقت پر آجائے گی۔ بالفرض اگر انہیں وقت بتا بھی دیا جاتا تو چونکہ ان کو یقین نہ تھا لہٰذا سوائے مذاق اُڑانے کے اور کیا کرتے۔ کفارِ مکہ نے یہودیوں سے پوچھا، تمہاری توریت میں قیامت کے متعلق کیا لکھا ہے۔ اُنہوں نے کہا محمدؐ کا یہ کہنا تو سچا ہے قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ ہماری کتاب میں تو محمدؐ کی تعریف بھی لکھی ہے۔ یہ سُن کر ابوجہل نے جھلا کر کہا تو ہم تمہاری کتاب کو کب مانتے ہیں، دونوں جھوٹی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
آگے اُن کمزوروں کی گفتگو کا ذکر ہے جن کو اُن کی قوم کے سرداروں نے بہکایا تھا۔ وہ کہیں گے یہ مصیبت ہمارے اُوپر تمہاری وجہ سے نازل ہوئی۔ اگر تم نہ بہکاتے تو آج قیامت کے دن ہم خدا کے سامنے مومن بن کر آتے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی
بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ
اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا

الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

زبردست کمزوروں سے کہیں گے کیا تمہارے پاس ہدایت آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا۔ بلکہ تم خود ہی مجرم بنے۔ کمزور زبردستوں سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات دن کی فریب دہی نے ہم کو گمراہ کیا۔ تم ہم کو خدا کے نہ ماننے اور اس کا شریک بنانے کے لیے برابر حکم دیتے رہے (تو ہم ویسا ہی کرتے رہے) جب یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے اور جو لوگ کافر تھے ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے ۔ جو کارستانیاں یہ لوگ دُنیا میں کر آئے ہیں اس کے مطابق تو اُن کو سزا ضرور دی جائے گی۔

جب قوم کے کمزور صاحبانِ جاہ و اقتدار پر الزام لگائیں گے کہ تم نے ہمیں لے جا کر کافر بنایا تو وہ جواب میں کہیں گے، احمقو ہم نے کیا تمہارے گلے پر چھری رکھی تھی کہ کافر بن جاؤ۔ اگر تم مومن بننا چاہتے تو ہم بہ جبر تمہارا دل چیر کر اس میں کفر کو نہیں بھر سکتے تھے۔ تم نے ہماری مخالفت کیوں نہ کی۔ تم زیادہ تھے ہم کم۔ اگر تم ہمارا گھیراؤ کرتے اگر تم ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے تو تمہاری کثرت پر ہماری قلت کیسے غالب آجاتی ۔ ہم لوگوں سے جو فائدے تم کو پہنچتے تھے تم ان کے لالچ میں آگئے اور جیسا ہم کہتے گئے تم کرتے گئے پھر ہم پر الزام کیوں لگاتے ہو۔ جب تمہارے پاس پیغمبر آئے تو تم نے انہیں کیوں جھٹلایا، تم نے اُن کو کیوں ستایا۔ تم ہمارے تابع فرمان محض ہماری دولت کے لالچ میں بنے رہے۔ اب یہاں کیا منہ لے کر آئے ہو۔ جو ہم پر پڑے گی ہم بھگتیں گے جو تم پر پڑے تم بھگتو۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾
قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا

زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ
بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے بڑے لوگ کہنے لگے جو احکام دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اُن کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہنے لگے کہ ہم تو (ایمانداروں سے) مال و اولاد میں کہیں زیادہ ہیں اور ہم پر آخرت میں عذاب نہیں کیا جائے گا۔ اے رسول کہدو بے شک میرا رب جس کا رزق چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اور تمہارے اموال و اولاد کی یہ ہستی نہیں کہ تم کو ہمارے نزدیک مقرب بنا دیں مگر (ہاں) جس نے ایمان قبول کیا اور اعمالِ صالحہ بجالایا۔ ان لوگوں کے لیے تو ان کی کارگزاریوں کی دوہری جزا ہے اور وہ بہشت کے جھروکوں میں آرام سے رہیں گے ۔

کسی بستی میں سب سے پہلے پیغمبروں کے مقابل سرکشی دکھانے والے مالدار لوگ ہوتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مالُ دولت کے غرور میں کسی پیغمبر کی اطاعت قبول کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ دوسرے ان کے دماغوں میں یہ خبط سمایا ہوا ہوتا ہے کہ اگر ہم خدا کو پیارے نہ ہوتے تو ہمیں مالدار کیوں بناتا۔ ہماری مال و اولاد میں زیادتی اس کا ثبوت ہے کہ قیامت میں ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اُن کے جواب میں خدا فرماتا ہے کہ کسی کا رزق بڑھانا یا گھٹانا خدا کی مصلحت پر موقوف تھا۔ اگر مال و اولاد کی زیادتی خدا کی محبت کا ثبوت ہوتی تو مشرک و بُت پرست تو بھیک مانگتے پھرتے اور خدا کے نیک بندے سیٹھ ساہوکار بنے نظر آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ ایماندار و عملِ صالح کرنے والے ہیں وہ فاقوں میں گزارتے ہیں اور بداعمال بڑے اکڑے پھرتے ہیں۔ خدا کی محبت کا معیار مال و اولاد کی زیادتی نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ بداعمال کو اُس نے فارغ البال کیوں بنایا ہے تو ان پر حجت تمام کرنے کے لیے کہ ہم نے تم کو سب کچھ دیا مگر اس پر تم نے ہم کو نہ پہچانا۔ لہٰذا قیامت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ مال و دولت کی زیادتی خدا سے قربت کو دلانے والی نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کے ذریعے سے تم اپنے ایمان پر قائم رہے ہو اور اعمالِ صالحہ بجالائے ہو تو ضرور تم خدا کے مقرب بندوں میں سے ہو جاؤ گے ۔ اور وہاں تمہیں اپنے اعمالِ صالحہ کا اچھا خاصہ بدلہ ملے گا۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ
یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ
اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگ ہماری آیات کو بے اثر بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں وہ جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ لے رسول کہدو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ جو کچھ بھی تم اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ جس دن وہ سب لوگوں کو اکٹھا کرے گا، پھر ملائکہ سے کہے گا کیا یہی لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے، بار الٰہا، تو ہر عیب سے پاک ہے، یہ لوگ ہماری نہیں بلکہ جنات (بھوت پریت) کی پرستش کرتے تھے ان میں سے اکثر اُن پر ایمان رکھتے تھے۔

دُنیا میں ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ بھوتوں اور چڑیلوں سے بہت ڈرتے ہیں بالخصوص عورتیں۔ ان کے عقیدہ میں وہ سروں پر آکر کھیلتی ہیں۔ خوابوں میں ان کو ڈراتی ہیں۔ بلکہ مجسّم ہو کر ان کے سامنے آجاتی ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔ محض وہم و خیال مجسمے بنا کر ان کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ اس کا تجربہ جب چاہے کر لیجئے۔ ایک نئے مکان میں آنے والوں سے یہ کہہ دیجئے کہ اس میں بھوت پریت رہتے ہیں بس اسی روز سے اس میں بھوت نظر آنے لگیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی نظر نہ آتے تھے۔ قوتِ واہمہ کو ایسی چیزیں بنانے میں بڑا دخل ہے۔ کسی مرنے والے کی رُوح عالمِ برزخ میں یوں آزاد نہیں چھوڑ دی جاتی کہ جہاں چاہے آزادی کے ساتھ گھومے پھرے اور جو شکل چاہے اختیار کرے۔ دماغ جتنا کمزور ہوگا قوتِ واہمہ اتنی ہی قوی ہوگی۔ البتہ جنات کا وجود ہے۔ ان میں دو قسم کے جن ہوتے ہیں۔ نیک اور بد۔ جو بد ہوتے ہیں وہ لوگوں کو مختلف

صورتوں میں آکر ستاتے ہیں۔ اگر انہی کا نام بھوت، چڑیل اور پری ہے تو ٹھیک ہے۔

قیامت میں فرشتوں سے یہ پوچھا جانا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے اور ان کا یہ جواب دینا کہ ہماری نہیں بلکہ جنات کی پوجا کرتے تھے۔ اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ جو خوفناک مجسمے لوگوں نے بنا کھڑے کیے ہیں، جیسے کالی دیوی، مہادیو۔ یہ جنوں کی صورتیں دیکھ کر انہوں نے بنائے ہیں۔ فرشتوں کی صورتیں تو وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔ پھر اُن کی مورتیاں کیسے بناتے۔

فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا
ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی
عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ
مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫
ع ۸ / ۱۱ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾

تب خدا فرمائے گا آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے نہ نقصان کا، اور ہم سرکشوں سے کہیں گے آج اس عذاب کا مزہ چکھو جسے تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جب ان کے سامنے ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ شخص ہم ہی جیسا ہے یہ چاہتا ہے کہ جن چیزوں کو تمہارے باپ دادا پوجتے تھے ان سے تم کو روک دے اور یہ بھی کہتے تھے کہ قرآن تو نرا جھوٹ ہے۔ اپنے

دل سے گھڑ لیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں جب ان کے پاس حق بات آئی تو اس کے بارے میں کہنے لگے یہ تو بس کُھلا ہُوا جادُو ہے اور ہم نے قرآن کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھیں جنہیں پڑھتے اور نہ تم سے پہلے ان لوگوں کے پاس کوئی پیغمبر ڈرانے والا بھیجا۔ جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا حالانکہ جتنا ہم نے ان کو دیا تھا اس کے دسویں حصّہ کو وُہ نہیں پہنچے اس پر بھی ان لوگوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو تم نے دیکھا میرا عذاب اُن پر کیسا سخت تھا۔

ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب قوموں کے پاس انبیاء آئے تو اُن کی بات سُننے سے اس لیے انکار کر دیا کہ جب یہ ہم ہی جیسے لوگ ہیں تو خدا نے ان کو اپنا رسول بنا کر کیوں بھیجا۔ یہ ہم سے آخر کس بات میں زیادہ ہیں کہ ہم کو نصیحت کرنے آئے ہیں۔ ان کا منشا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے باپ دادا جن بُتوں کی پرستش کرتے چلے آ رہے ہیں ہم کو اُن کی پُوجا پاٹ سے روک دیں اور ان کے بتائے ہُوئے اس خدا کی عبادت کرنے لگیں جس کو کبھی دیکھا نہ بھالا۔ اجی یہ سب جھوٹ ہے اور دل سے گھڑی ہوئی باتیں ہیں جن کو یہ لوگ خدا کی طرف منسوب کر کے ہمیں سُنایا کرتے ہیں۔ کافر لوگ تو صاف کہہ دیتے تھے کہ جو قرآن یہ سُنا رہے ہیں وہ کُھلا ہُوا جادو ہے جس کے ذریعہ سے یہ ہمارے اوپر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے، ان کے پاس نہ تو کوئی کتاب ایسی آئی ہے جسے پڑھتے۔ نہ اے رسول تم سے پہلے کوئی نبی ان کے پاس ایسا آیا ہے جس نے ان کو یہ بتایا ہو کہ خدا کے سوا جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ بُت پرستی کی گندگی انہیں کہاں سے آکر لپٹ گئی۔ نہ تو خدا نے ان سے کہا کہ میرے سوا کسی دوسرے کی پرستش کرو اور نہ ان بُتوں نے ہی ان سے کہا کہ ہماری پرستش کرو۔ پھر یہ تعلیم انہوں نے کس سے حاصل کی۔

مکّہ کے یہ مشرکین تو ہیں کیا ان سے پہلے بڑی بڑی طاقت والی قومیں گزر چکی ہیں۔ ان کے پاس دولت زیادہ تھی ان کے قد بھی لمبے تڑنگے ہوتے تھے۔ اولاد بھی زیادہ تھی، سامانِ زندگی بھی زیادہ تھا۔ رُوئے زمین پر بادشاہت کرتے تھے۔ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم سے سرکشی کی تو عذاب کا کیسا مزہ چکھا۔ تباہ و برباد ہوئے۔ بھلا ان کے مقابلہ میں تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے۔ نکیر کے معنی خفگی و ناراضی کے ہیں۔ چونکہ خدا کی ناراضی باعثِ عذاب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ عذاب کیا گیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

اے رسول ان سے کہو میں تم کو نصیحت کے لیے ایک بات کہتا ہوں وُہ یہ ہے کہ تم محض خدا کے واسطے ایک ایک

دو دو اٹھ کھڑے ہو اور اچھی طرح غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) کو کسی طرح کا جنون نہیں ہے وہ تو تمہیں ایک سخت آنے والے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

خلاصہ اس نصیحت کا یہ ہے کہ اے کفارِ مکّہ، تم مجھے مجنون کہتے ہو لیکن تم یہ نہیں بتاتے کہ آخر جنون کی کیا علامت مجھ میں پائی جاتی ہے۔ تم فرداً فرداً بھی اس پر غور کرو اور کئی کئی آدمی سر جوڑ کے اس امر پر غور کرنے کے لیے بیٹھو کہ آخر میرے اندر تمہیں کیا ایسی بات نظر آ رہی ہے کہ مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہو۔ میں کوئی اجنبی نہیں ہوں تم ہی میں پلا بڑھا ہوں، تم ہی میں رہا سہا ہوں، تم مجھے ہمیشہ صادق و امین کہتے رہے ہو۔ اہم معاملات میں مجھ سے رائے لیتے رہے۔ پھر اب کیا بات میرے اندر ایسی پیدا ہو گئی کہ تم نے مجھے مجنون کہنا شروع کر دیا۔ کیا تم نے کوئی خلافِ عقل بات مجھ سے سُنی۔ کیا تم نے مجھے کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس سے میرا مجنون ہونا تم پر ثابت ہُوا۔ پس ذرا عقل سے کام لو۔ میں نہ مجنون نہ کم عقل۔ اللہ نے مجھے تمہارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہتا ہوں۔ تمہیں خدا کے عذاب سے بچانا چاہتا ہوں۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع

ع ۹
۱۲

اے رسول تم ان سے کہو کہ تبلیغ رسالت کی میں نے تم سے کوئی اُجرت مانگی ہو تو وہ تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہوگی میرا اجر تو اللہ کے اُوپر ہے اور وُہ ہر شے پر گواہ ہے۔ تم یہ بھی کہہ دو کہ میرا رب جس بات کو میرے دل میں اُتارتا ہے وہ غیب کی تمام باتوں کا جاننے والا ہے۔ کہہ دو حق آگیا (تم اتنا تو سمجھو) کہ باطل معبود نہ شروع میں کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے نہ مرنے کے بعد زندہ کر سکتا ہے۔ اگر میں گمراہ ہوں تو اپنے نفس کے لیے اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں تو مطابق اس وحی کے ہوں جو میری طرف کی گئی ہے میرا رب سب سے زیادہ سننے والا قریب ہے۔ کاش تم دیکھتے جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے اور پاس ہی سے وہ گرفتار کر لیے جائیں گے اس وقت کہیں گے ہم اس پر ایمان لے آئے لیکن اب دُور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے اس سے پہلے لوگ بھی اس سے منکر ہو چکے تھے اور (دُنیا میں تمام عمر کے دیکھے بھالے اٹکل کے) تکّے بڑی دُور سے چلاتے رہے اور اب تو ان کے اور ان کی تمناؤں کے درمیان اس طرح پردہ ڈال دیا گیا ہے جس طرح ان سے پہلے ان کے ہم رنگ لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جا چکا ہے۔ بے شک وہ لوگ بڑے بے چین کرنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے۔

کسی رسول کی تبلیغ کا اجر اس کی اُمت نہیں دے سکتی کیونکہ اس میں نبی کے نفس کو بڑی بڑی اذیتیں اُٹھانا پڑتی ہیں۔ خصوصاً حضرت رسول خدا کو تو تمام انبیاء سے زیادہ تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ "کوئی نبی مثل میرے اذیت نہیں دیا گیا"۔ پس جب لوگوں نے آپ کو اجر دینے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میرا اجر تو اللہ پر ہے۔ لیکن میری رسالت کا جو اجر ہے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ حضورؐ کی رسالت کا اجر جو خدا نے معین فرمایا وہ آپ کے ذوی القربیٰ سے محبت ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورہ شوریٰ ۴۲/۲۳) اے رسول کہہ دو میں تم سے سوائے اپنے رشتہ داروں کی محبت کے اور کوئی اجر نہیں چاہتا۔ کفار و مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر رسول گمراہی پر ہیں تو اس سے وہ اپنے ہی نفس کو نقصان پہنچائیں گے۔ لیکن کوئی عقلمند ایسا کیوں کرنے لگا اور اگر وہ صحیح راستہ پر ہیں تو سمجھو کہ وحی ان کو خدا کی طرف سے آتی ہے کیونکہ دُنیا کے کسی ہادی سے انہوں نے ہدایت نہیں پائی۔

اے رسول، اس دنیا میں ان کفار و مشرکین کو چین کر لینے دو۔ وہ وقت آرہا ہے کہ قیامت میں یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں ان کو فرار کا راستہ نہ ملا ہوگا۔ بھاگ کر جائیں گے کہاں۔ پکڑنے والا ان کو آسانی سے اس طرح پکڑ لے گا گویا وہ ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس وقت وہ کہیں گے ہم رسول پر ایمان لے آئے لیکن اب تو یہ موقع ہاتھ سے نکل چکا اب وہ ان کے ہاتھ کیسے آسکتا ہے دُنیا میں تو یہ کافر بنے رہے اور بڑی دُور کی باتیں اٹکل پچو بیان کرتے رہے۔ گویا یہ قیامت کے متعلق سب کچھ جانتے تھے۔ اب تو ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان وہی عمل کیا جائے گا جو ان سے پہلے ان کے ہم خیال و ہم مشرب لوگوں کے ساتھ جو کہ شکی تھے کیا جا چکا ہے۔

---

(۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ (۴۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ
مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ
لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ
هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڭ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④

حمد ہے اُس خدا کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے دو تین اور چار بازو والے ملائکہ کو اپنا پیغام رساں بنایا اور اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ اپنی رحمت کا دروازہ جس پر کھول دے کوئی اُسے بند نہیں کر سکتا اور جو چیز بند کر دے اُس کے بعد اُسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم کہاں بہکے جاتے ہو۔ اے رسول اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو تم سے پہلے رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

اللہ کی بیشمار مخلوق میں ایک گروہ ملائکہ کا بھی ہے۔ اُن کی طاقتیں مختلف ہیں جن کو دو دو تین تین اور چار چار بازوؤں سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے کام بھی مختلف ہیں۔ بعض رسولوں کے پاس خدا کے احکام لے کر آتے تھے۔ بعض نظامِ عالم سے جو امور متعلق

ہیں اس کو انجام دیتے ہیں۔ بعض موت پر متعین ہیں۔ یہ سب حکمِ خدا کے پابند ہیں۔ یہ باختیارِ خود کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اس دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کو چھوڑ کر اس نادیدہ مخلوق کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں اور اپنی تمام اُمیدیں انہی سے وابستہ رکھتے ہیں۔ یہ عقل کے اندھے ملائکہ کو خدا کی لڑکیاں کہتے ہیں۔ یہی دیوی اور دیوتا کی شکل میں ان کے پاس آتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ ان کے مجسمے بنا کر انہوں نے مندروں میں رکھ لیے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کارسازِ عالم یہی ہیں۔ انہیں سب کچھ انہی سے ملتا ہے۔ ان لوگوں کے عقیدۂ باطل کی تردید میں خدا فرماتا ہے کہ دینے والا خدا ہے۔ وہ جسے دینا چاہے کوئی اُسے روک نہیں سکتا اور جسے نہ دینا چاہے کوئی شے نہیں سکتا۔ دیوی دیوتاؤں کے اندر کوئی قوت نہیں وہ نہ کسی کو قوت رکھتے ہیں دینے کی نہ روکنے کی۔ جو نعمتیں بندوں کو ملتی ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کو رزق وہی دیتا ہے۔ وہی آسمان سے مینہ برساتا ہے اور وہی زمین سے غلہ اگاتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶

اے لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں تمہیں دُنیا کی زندگی فریب نہ دے دے اور (ایسا نہ ہو کہ شیطان) تمہیں خدا کے بارے میں دھوکا دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے اپنا دشمن بناتے رہو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ لوگ سب کے سب جہنم میں جانے والے بن جائیں۔

شیطان انسان کے پیچھے شروع سے ہی لگا ہوا ہے۔ انسانوں کی گردن پھانسنے کے لیے اس کے پاس مختلف قسم کے جال ہیں۔ ان کے دل میں یہ وسوسے ڈالتا ہے کہ جو کچھ ہے یہ دُنیا ہی ہے۔ یہاں خوب کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کبھی کہتا ہے خدا کا کوئی وجود نہیں یہ دُنیا تو ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آتی ہے اور ایسی ہی چلتی رہے گی۔ کبھی کہتا ہے، انبیاء و مرسلین سب جھوٹے ہیں۔ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے خدائی نمائندے بنے پھرتے ہیں۔ غرض سو طرح کے فریب میں لا کر انسان کو جہنمی بنا دیتا ہے۔ جو احمق ہیں وہ بہت جلد اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ ع ۱۴

اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

جو لوگ کافر بن بیٹھے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان والے اور عملِ صالح والے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے کیا وہ شخص جس کے بُرے کاموں کو (شیطان نے) اچھا کر دکھایا ہے اور وہ اُسے اچھا سمجھتا ہے (مومن کے برابر ہو سکتا ہے) اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے پس اے رسول کہیں بدبختوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں خدا خوب جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا اور وہ بادلوں کو اُڑائے اُڑائے پھرتی ہیں ایک مُردہ شہر کو سیراب کرتی ہیں پھر اس پانی سے ہم زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔ یہی تو قیامت میں لوگوں کو (قبروں سے) اُٹھائے جانے کی صورت ہوگی۔

شیطان کی یہ خاص کارستانی ہے کہ وہ لوگوں کے اعمالِ بد کو ان کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے اور ان کے دل میں کوئی ایسی بات ڈالتا ہے جس سے وہ اس بدی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں۔ مثلاً چور چوری کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فعلِ بد ہے لیکن شیطان اس سے کہتا ہے کہ دولت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں کیا یہ انصاف ہے کہ ایک کے گھر میں تو ہزار ہا روپیہ تجوری میں بیکار پڑا ہے اور دوسرا شخص روٹی کپڑے کو محتاج ہے۔ کیوں نہ اس کی دولت کا ایک حصّہ غریب آدمی اپنے تصرّف میں لائے۔ پس جب عقلِ انسانی کی چمک ماری جاتی ہے تو انسان بُری باتوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے ایسی صورت میں خدا اپنی توفیق کو اس سے سلب کر لیتا ہے۔ اس کو گمراہی میں چھوڑ دینا کہتے ہیں۔ اور جو لوگ بدی کر کے شرماتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں صحیح راستہ پر لگا دیتا ہے۔

رُوئے زمین پر جہاں نظامِ حیات پایا جاتا ہے ہوا کو اس میں بڑا دخل ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سارا کارخانہ ٹھپ ہو کر رہ جائے یہی ہوا بادل بناتی اور ان کو ہر طرف اڑاتی ہے۔ بادلوں سے جب زمین پر مینہ برستا ہے تو سوکھی زمین جہاں سبزہ کا نام نہ تھا یکایک لہلہا اٹھتی ہے۔ کھیتوں میں پودے جھومنے لگتے ہیں پس یہی طریقہ ہوگا قیامت میں مُردوں کے زمین سے نکلنے کا۔ قدرت نے ایک چھوٹی سی مثال سے کتنے بڑے مسئلہ کو سمجھا دیا۔

غلہ کے ایک دانہ کو ہاتھ پر رکھ کر دیکھو کیا اس کے اندر کوئی پودا چھپا ہوا نظر آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ زمین میں دبانے کے بعد

جب اس پر مینہ برستا ہے تو وہ چھوٹا سا دانہ اپنے اندر سے وہی پودا نکالنا شروع کرتا ہے جس کا وہ دانہ تھا۔ جہاں جہاں اس کے اجزا تھے سمٹ سمٹ کر آگئے اور رفتہ رفتہ وہ پورا پودا بن کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے پودے کے اجزا جس کا وہ دانہ تھا خدا جانے کہاں بکھرے پڑے تھے جو پھر اکٹھے ہو گئے۔ اس دانہ کے اندر جو اس کے اجزائے اصلیہ چھپے ہوئے تھے انہوں نے اپنے اجزائے زائدہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسی طرح جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو اس کے اجزائے اصلیہ اس کے جسم سے کھینچ لیے جاتے ہیں۔ اجزائے زائدہ قبر میں گل سڑ کر خاک ہو جاتے ہیں قیامت میں جب خزانۂ قدرت سے نکال کر اس کے اجزائے اصلیہ رکھ دیئے جائیں گے تو اس کے اجزائے زائدہ اس سے مل کر وہی شکل پیدا کر دیں گے، جو مرتے وقت تھی۔ یہی تو خدا کی قدرت کا کمال ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

جو کوئی عزّت چاہتا ہے (وہ خدا سے مانگے) کیونکہ ہر قسم کی عزّت تو خدا ہی کے لیے ہے۔ پاک کلمات اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عملِ صالح اس کو بلند کرتے ہیں۔ جو لوگ بُری تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

خدا کی بارگاہ میں صرف اُسی بات کی قدر ہوتی ہے جو سچی ہو مکر و فریب سے پاک ہو۔ اچھی بات کا بلند ہونا اور خدا تک پہنچنا بھی اس پر موقوف ہے کہ عملِ نیک بھی اس کے ساتھ ہو ورنہ صرف کہنے سے کام نہیں چلتا۔ اسلام میں دو ہی چیزوں کی قدر ہے اور اس پر فلاحِ دین و دنیا موقوف ہے۔ اوّل صادق قول دوسرے عملِ صالح۔ جو لوگ اس دنیا میں مکر و فریب کی مدد سے ترقی حاصل کرتے ہیں وہ کچھ ترقی نہیں بلکہ ان کے لیے تو آخرت میں اس کی سخت سزا دی جائے گی اور دُنیا میں بھی کسی روز ان کو سخت ذلت نصیب ہو گی اور قید و بند کی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑا (نر و مادہ) بنایا اور بغیر اس کے علم کے نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور نہ کوئی عورت جنتی ہے اور کسی کی عمر میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ضرور ہوتی ہے اور یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے اور (یہ اس کی قدرت دیکھو) دو سمندر باوجود ایک ساتھ بہنے کے یکساں نہیں ہو جاتے۔ یہ میٹھا خوش ذائقہ ہے اور اس کا پینا لذت بخشتا ہے۔ دوسرا نمکین کڑوا (مگر آپس میں ملتے نہیں پھر اسی پانی سے) تم تازہ گوشت مچھلیوں کا کھاتے ہو اور اپنے لیے زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور اسی پانی میں تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہیں، تاکہ تم اپنی روزی تلاش کرو۔ اور اللہ کے شکرگزار بندے بنو۔

انسان کو اس کی خلقت کی طرف کئی جگہ توجہ دلائی گئی ہے تاکہ وہ اس پر غور کرے کہ جس کی بنیاد ایک قطرۂ نجس سے تھی خدا نے اُسے کیا سے کیا بنا دیا (اشرف المخلوقات) پھر اس نطفہ سے مرد و عورت بنائے جن کی صورتیں بھی مختلف ہیں اور عادات بھی مختلف۔ اور جن کے فرائض بھی جُداگانہ ہیں اور عقل و فہم بھی الگ الگ۔ لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتا اور دُنیا کی رنگ رلیوں میں ایسا مست ہوتا ہے کہ احکامِ خدا کے خلاف کرنے میں اُسے مزہ آنے لگتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ میں نے پانچ چیزیں پانچ جگہوں میں رکھی ہیں مگر لوگ انہیں دوسری جگہ ڈھونڈتے ہیں، پھر وہ انہیں کیونکر پا سکتے ہیں۔ میں نے عزت فرماں برداری میں رکھی ہے۔ اور لوگ اُسے بادشاہوں کے دروازوں پر ڈھونڈتے ہیں۔ میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھا ہے، لوگ اسے سیری میں تلاش کرتے ہیں۔ راحت و آرام کو میں نے بہشت میں رکھا ہے، لوگ دُنیا میں تلاش کرتے ہیں۔ تونگری کو میں نے قناعت میں رکھا ہے لوگ اُسے اطاعتِ نفس میں ڈھونڈتے ہیں۔ پھر کیسے ملے گی۔

علاوہ اس کی خلقت کے سربستہ رازوں کے اس کی عمر کے کم و بیش کرنے کا اختیار بھی ہم ہی کو ہے۔ اس کی طاقت نہیں کہ اپنی عمر میں ایک دن بڑھا سکے۔ پھر دریاؤں میں سفر کرتا پھرتا ہے۔ ایک جگہ پانی میں ایسی دو دھاریں ملی ہوئی نظر آتی ہیں کہ ایک طرف کا پانی میٹھا خوشگوار ہوتا ہے، دوسری طرف کا کھاری بدذائقہ۔ اُن کے درمیان کوئی روک نہیں ہوتی۔ مگر اس کی قدرت کا کمال دیکھو، وہ دھاریں آپس میں گڈمڈ نہیں ہو سکتیں۔ پھر ذرا اس پر غور کرو کہ ان سمندروں میں جو مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کے گوشت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کو تم مزہ سے کھاتے ہو۔ پھر یہ بھی سمجھو کہ وہ پانی میں موتی پیدا کرتا ہے۔ صدف ایک جانور ہوتا ہے اس کے

دو باز و ہوتے ہیں جو سیپ کہلاتے ہیں ۔ وہ سمندر کی تہ میں چٹانوں پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے ۔ اس کا خالق وہیں اس کو رزق پہنچاتا ہے ۔ جب ابر نیسان گرجتا ہے تو اس کی آواز سنتے ہی وہ اپنی چٹان پر سے حرکت کرتا ہے اور سطح آب پر آ کر اپنا منہ کھول دیتا ہے ۔ تاکہ اس کی رحمت کا ایک قطرہ اس کے اندر آجائے ۔ جیسے ہی وہ قطرہ اس میں گرتا ہے اپنا منہ بند کر کے پھر سمندر کی تہ میں چلا جاتا ہے جیسے نطفہ رحم مادر میں جا کر رفتہ رفتہ بچہ بن جاتا ہے اسی طرح یہ قطرہ صدف میں جا کر رفتہ رفتہ موتی بننا شروع ہو جاتا ہے ۔ پہلے پانی کا قطرہ منجمد ہوتا ہے پھر اس میں سختی آجاتی ہے پھر چمک پیدا ہوتی ہے ۔ یہ سب کام ایک سال کے اندر ہوتا ہے ۔ کسی انسان کی طاقت ہے کہ ایسا موتی بنا سکے ۔ انسان بھی موتی بناتا تو ہے مگر قدرتی موتی اور انسان کے بنائے ہوئے موتی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے قدرتی موتی کی چمک ہی اور ہوتی ہے اس کی مضبوطی ہی اور ہوتی ہے ۔ خدا اور انسان کے بنائے یکساں کیسے ہو سکتے ہیں ۔ یہ خدا نے انسان کے لیے اس کی زینت کا سامان بنایا ہے ۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ
لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ
أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾

اس کی قدرت کا یہ کمال بھی دیکھو کہ رات کو دن سے اور دن کو رات سے ملاتا ہے یعنی دن کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹتی اور تاریکی بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح رات کے آخری حصے میں اُفق پر ہلکی روشنی نمودار ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ دن نکل آتا ہے اس نے سورج اور چاند کو تابعدار بنا دیا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے وقت مقررہ پر چلا کرتا ہے ۔ وہی خدا تمہارا رب ہے (تمام عالموں پر) اس کی سلطنت ہے ۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو چھوہارے کی گٹھلی کی جھلی پر بھی قدرت نہیں رکھتے ۔

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سنتے نہیں اور اگر (بالفرض محال) سُنیں بھی تو تمہاری کوئی دُعا قبول نہیں کرتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر بیٹھیں گے اور واقف کار شخص کے سوا کوئی دوسرا تمہیں ان کی پُوری حالت نہیں بتا سکتا ۔ لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور وُہ غنی اور قابلِ حمد ہے اگر چاہے تو تمہیں یہاں سے لے جائے اور تمہاری بجائے ایک نئی مخلوق لے آئے اور اللہ پر یہ کوئی دشوار امر نہیں ۔

جو لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں وہ اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ ان کے اندر کونسی ایسی طاقت ہے جس سے مرعوب ہو کر ان کو اپنا معبود تسلیم کر لیا ہے ۔ ان کے قبضہ میں جب ایک تنکا بھی نہیں ۔ جب وہ کسی کی بات سنتے ہی نہیں ، جب وہ کسی کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے سامنے حاضر ہو کر سجدے کیے جائیں ۔ کیا ان کی طرف سے کسی زمانہ میں کچھ ایسے لوگ آئے تھے جو ان کے احکام لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے ۔ کیا انہوں نے کوئی کتاب ایسی بھیجی کہ جس میں اپنے رسولوں کو کچھ ہدایت کی ہو ۔ اگر یہ کچھ بھی نہیں تو اس خدا کو کیوں نہیں مانتے جس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ان کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں جیسے دن رات جو کہ زمین کی محوری گردش کے مرہون منت ہیں

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ
مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ
وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ
مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا
نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

(یہ یاد رہے کہ) قیامت میں کوئی کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا ۔ اگر کوئی اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بُلائے گا تو اس کے بوجھ سے کچھ بھی نہ اُٹھایا جائے گا ۔ چاہے کوئی کسی کا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو تم تو

صرف انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے بھالے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ جو شخص اپنے کو پاک صاف رکھتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے پاک رکھتا ہے اور آخر کار سب کو خدا کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔ اندھا اور آنکھوں والا (کافر و مومن) اندھیرا (کفر) اور اُجالا (ایمان) اور شام (بہشت) اور دھوپ (دوزخ) کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور یہ زندہ (مومنین) اور مُردہ (کافر) کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ خدا جسے چاہتا ہے اچھی طرح سُنا (سمجھا) دیتا ہے (اے رسول) جو کفّار مردوں جیسے قبروں میں ہیں انہیں تم اپنی باتیں نہیں سمجھا سکتے۔ تم تو (عذاب سے) ڈرانے والے ہو۔

مکّہ میں جو لوگ مسلمان ہوتے تھے، کفارِ مکّہ جہاں ان کو پانے طرح طرح سے ستاتے تھے۔ ایک چال یہ بھی چلتے تھے کہ ان سے دوستانہ انداز میں یہ بھی کہتے تھے کہ تم ترکِ اسلام کر کے اپنے سابق دین کی طرف لوٹ آؤ۔ تمہارے جتنے گناہ ہوں گے ان سب کا بار ہم اپنے اوپر لیے لیتے ہیں۔ ان کے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں کوئی کسی کے گناہ کا بار اپنے اوپر نہ لے گا۔ وہاں پر ہر شخص اپنے گناہ کا خود ذمّہ دار ہو گا۔

اے رسول تمہارے عذاب سے ڈرانے کا اثر صرف وہی لوگ لے سکتے ہیں جن کے نفس میں پاکیزگی ہے۔ جو کفر و شرک کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ان پر تمہارے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

بھلا کافر اور ایمان والا، شرک کی تاریکی میں لپٹا ہوا اور توحید کی نورانی فضا میں رہنے والا، بہشت کا طلبگار اور دوزخ کا مستحق کیسے برابر ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ تم اُن کو تو سُنا سکتے ہو جو سننے کی اہلیت رکھتے ہیں اور جن کے ضمیر مُردہ ہو چکے ہیں انہیں تم کیا سناؤ گے اور وہ تمہاری کیا سُنیں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾
وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ ع ٣ ١٥

اے رسول ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی اُمّت ایسی نہیں

جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر یہ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو ان لوگوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن رسولوں کو بھی جھٹلایا تھا جو ان کے پاس معجزات صحیفے اور آسمانی کتابیں لے کر آتے تھے۔ پھر ہم نے کفر کرنے والوں کو لے ڈالا اور ہمارا عذاب کیسا سخت تھا۔

ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے حالانکہ وہ معجزات لے کر بھی آتے تھے۔ صحیفے اور کتابیں بھی پیش کرتے تھے مگر ان کے دلوں پر کفر کی تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ ہدایت کی روشنی کی چمک ان کے دلوں پر پڑتی ہی نہ تھی۔ آخر نتیجہ کیا ہوا ہمیشہ کے لیے اپنے واسطے عذاب خرید لیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ
سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعٰمِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ ۗ
إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ
الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ
وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهِ
لَخَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے

اور پہاڑوں میں گھاٹیاں (بکثرت راستے) ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ کچھ تو سفید براق کچھ لال اور کچھ بالکل کالے ہیں اور آدمیوں، جانوروں اور چوپاؤں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہیں اس نے پیدا کیے ہیں۔ خدا کا خوف کرنے والے تو علماء ہیں۔ بے شک خدا سب پر غالب اور بخشنے والا ہے بے شک جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس کو چھپا کر اور دکھا کر خدا کی راہ میں دیتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی گھاٹا نہ ہوگا خدا انہیں اُن کی مزدوریاں بھرپور عطا کرے گا اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور بڑھا دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے اور جو کتاب ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے آچکی ہیں اُن کی تصدیق کرتی ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خبردار اور واقف کار ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کر رہا ہے:

۱۔ درختوں سے مختلف رنگ اور مختلف ذائقے اور مختلف قدوقامت کے پھل پیدا کرتا ہے۔

۲۔ پہاڑوں پر مختلف رنگ کے پتھر پیدا کرتا ہے۔

۳۔ زمین پر مختلف قسم کے جانور چلتے پھرتے پیدا کرتا ہے۔ ان میں اُس کی قدرت کے ہزارہا کمالات پوشیدہ ہیں۔ جن کو دیکھ کر عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے۔

۲۸ ویں آیت میں فرمایا ہے، اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں اس کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے تفسیر میں ہے اس سے مراد آنحضرتؐ کی آت کے وہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین ہیں جو قیامت تک کتابِ خدا کے سچے وارث اور اس کے مطابق ہادی ہوں گے اور جن کو خدا نے شہداء علی الناس فرمایا ہے۔

لوامع التنزیل میں ہے کہ علماً سے مراد خدا کی حجت اور خلقِ خدا کے گواہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔ اس کی تائید حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے بھی کی ہے اور صاف لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ ابن حجر مکیؒ نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے سوا کسی نے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر آپؑ کتابِ خدا کے عالم نہ ہوتے تو یہ دعویٰ نہ کرتے۔ یُوں تو دنیا میں کتابِ خدا کے بیشمار عالم ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں لیکن کوئی ایک شخص بھی ایسا تو نہیں بتایا جا سکتا جو پوری کتاب کی ہر حقیقت کا عالم ہو اور جو اس کی تنزیل و تاویل کے تمام متعلقات کو جانتا ہو۔ خدا سے حقیقی معنوں میں ڈرنے والے وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو ہر حکمِ الٰہی پر پوری طرح عمل کرنے والے ہوں اور جنہوں نے امرِ الٰہی کے خلاف کوئی قدم مدت العمر اُٹھایا ہی نہ ہو۔ ایسے لوگ معصومین کے سوا دوسرے ہو ہی نہیں سکتے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا ہے (ہمارے بندے تین قسم کے ہیں) بعض ان میں سے (نافرمانی کی وجہ سے) اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض میانہ رو ہیں، اور بعض ان میں نیکی کی طرف باذنِ خدا دوڑ لگانے والے ہیں۔ سب سے بڑا فضل خدا کا یہی ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ وراثت سے کیا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قرآن کا ایک نسخہ کسی کتب فروش سے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور نہ یہ مراد ہے کہ روزانہ اس کی تلاوت کرتے رہے نہ یہ مراد ہے کہ اُسے گلے میں لٹکائے پھرتے رہے، نہ یہ مراد ہے کہ اُسے خوش الحانی سے تلاوت کر کے قاری کہلانے لگے۔ بلکہ وراثتِ کتاب کا یہ مطلب ہے کہ کتابِ خدا سے ایسا مکمل علم حاصل ہو کہ ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دیا جا سکے۔ اس کے تمام احکام پر پُورا پُورا عمل ہو۔ ہر گمراہ کو کتابِ خدا کی رُو سے ہدایت کر سکے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وارثِ کتاب اللہ رسولؐ کے بعد کون ہیں۔ رسولؐ مورثِ کتاب اللہ تھے۔ پُوری کتاب کا علم ان کے سینہ میں تھا لہٰذا ان کے بعد جو وارثِ کتاب ہیں وہ بھی ان ہی جیسا ہوگا یعنی پوری کتاب کا علم اس کے بھی سینہ میں ہونا چاہیئے۔

مفسرین نے اس کے تعین میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے وارثِ کتاب وہ ہیں جو نماز پڑھتے روزہ رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور حج کرنے میں عام لوگوں پہ فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن ایسی وراثت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ خدا اور رسولؐ کی طرف سے کوئی نص نہیں۔ یہاں جنتی ہونے کا ذکر نہیں بلکہ وارثِ کتاب ہونے کا ذکر ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں وارثِ کتاب علمائے دین ہیں لیکن یہ بھی صحیح نہیں۔ جبکہ ان کے درمیان تنزیل و تاویلِ قرآن میں شدید اختلاف ہے تو ان میں سے کس کو وارثِ کتاب قرار دیا جائے۔ اگر سب وارثِ کتاب ہیں تو کس کی بات کو فوقیت دی جائے۔

ایک مفسرِ کتاب کا بیان بھی سُن لیجئے جو بڑے پایہ کے عالم سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تین قسمیں کی ہیں، اوّل وہ جو ظالم لنفسہ ہیں یعنی کتابِ خدا کو پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ یہ مجرم تو ہیں مگر کافر نہیں لہٰذا کتابِ خدا کے وارثوں میں یہ بھی ہیں۔ دوسرے میانہ رو ہیں یعنی کتابِ خدا پڑھتے ہیں عمل بھی کرتے ہیں مگر پُورا نہیں بعض احکام بجا لاتے ہیں بعض نہیں۔ یہ بھی وارثِ کتاب ہیں، کیونکہ گنہ گار تو ہیں مگر باغی نہیں۔ مومن ہیں کافر نہیں۔ اب رہی تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو پُوری سرگرمی سے احکامِ خدا کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ حقیقی وارثِ کتاب اللہ یہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

ان عالم صاحب نے کیسی کمزور بات کہی ہے، جب سبھی کتاب اللہ کے وارث ہیں پھر ان میں انتخاب کیسا۔

خدا فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جن کو ہم نے چن لیا ہے انہی کو اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جب سب ہی وارث ہیں تو پھر انتخاب کن لوگوں میں سے ہوا۔ سب سے گھٹیا قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے تو ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ جب ورثا کی فہرست میں یہ بھی داخل ہیں تو پھر وہ کونسی قسم باقی رہی جن میں سے انتخاب کیا گیا۔ اگر کافر و مسلم میں سے انتخاب ہوتا تو شاید اس انتخاب کے جواز میں کچھ کہا جا سکتا۔ لیکن کافر کا چونکہ قرآن سے تعلق ہی نہیں لہٰذا منتخب ہونے والوں کی فہرست میں اس کے نام کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کہا تو یہ جا رہا ہے کہ ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا ہے جنہیں ہم نے خود منتخب کیا ہے بندوں کے انتخاب کو اس میں دخل نہیں۔ اس کے بعد اپنے بندوں کی قسمیں بتاتا ہے یعنی ان بندوں کی جن کا ایمان قرآن پر ہے وہ تین قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ اعمالِ خیر بجا نہیں لاتے لہٰذا وراثتِ قرآن کا ان سے تو تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

جو اپنے نفس کو ظلم سے نہیں بچا سکیں گے وہ قرآن کی تعلیم دوسروں کو کیا پہنچا سکیں گے اور جب نہ پہنچا سکیں گے تو ان کے وارثِ قرآن ہونے سے کیا فائدہ؟ دوسرا گروہ میانہ روی اختیار کرنے والوں کا ہے یعنی ان کے نامۂ اعمال میں نیکی و بدی دونوں درج ہیں غلط کاریاں اور بداعمالیاں کرنے والا خدا کا محبوب بندہ نہیں ہو سکتا۔ پھر خدا اُسے کتاب کا وارث کیسے بنائے گا۔ دوسرے جب ان سے اوپر ایک طبقہ اور موجود ہے تو اُسے چھوڑ کر درمیانی طبقہ کو وارث بنانا عدلِ الٰہی کے خلاف ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ دونوں وارث ہیں تو بھی غلط بات ہے جبکہ سابق بالخیرات موجود ہیں تو پھر ان سے نیچے کے طبقہ کو وارث بنانے کی ضرورت کیا پیش آئے گی۔ اگر ایک اونچا طبقہ ضرورتِ ہدایت کو پورا کر سکتا ہے تو پھر ان کے گروہ میں ادھ کچرے لوگوں کو شامل کیوں کیا جائے۔ ایک مثال سے اس کو سمجھئے۔

ایک مسافر کراچی سے لاہور جانا چاہتا ہے۔ اُسے ایک راہنما کی تلاش ہے اُسے تین قسم کے آدمی ملتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میں حیدرآباد تک ساتھ چل سکتا ہوں، لاہور تک نہیں۔ دوسرا کہتا ہے میں ایک بار لاہور گیا تو ہوں مگر راستہ بھول گیا ہوں راستہ میں لوگوں سے پوچھتے چلے جائیں گے۔ تیسرا کہتا ہے میں تو لاہور کے راستہ سے خوب واقفیت رکھتا ہوں بار بار گیا ہوں، اس کی ہر منزل کا مجھے پتہ ہے۔ ہر سڑک میری دیکھی بھالی ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں، انشاء اللہ آپ کہیں نہ بہکیں گے سیدھے لاہور پہنچ جائیں گے۔ بتائیے یہ مسافر کس کو راہنما بنائے۔ ہر صاحبِ عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اُسی کے ساتھ جانا چاہیئے جو راستہ سے باخبر ہو۔ پہلے اور دوسرے کے ساتھ جانے میں بہک جانے کا قوی خطرہ ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ سابق بالخیرات یعنی نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہیں؟

آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد سب سے پہلے نیکی کیا تھی اور اس کی طرف سب سے پہلے کون بڑھا۔ تمام مفسرین و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضورؐ پر ایمان لانے والے حضرت علی علیہ السلام تھے۔ کہا جاتا ہے، تھے تو مگر کم سنی کی وجہ سے ان کا ایمان مقبول نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان لانا بغیر دعوتِ اسلام دیئے تھا یا دعوتِ اسلام دینے کے بعد۔ اگر دعوتِ اسلام دینے سے پہلے تھا تو علیؑ کا مرتبہ اور بلند ہو جاتا ہے کہ باوجود کم سنی کے انہوں نے حقیقتِ اسلام کو اس حد تک سمجھ لیا تھا کہ حضورؐ کے دعوت دینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ اور اگر آنحضرتؐ کے دعوتِ اسلام دینے کے بعد اظہارِ ایمان کیا تو آیا یہ دعوت رسولؐ نے اپنی طرف سے دی تھی یا

بحکمِ خدا دی تھی۔ اپنی طرف سے تو دے نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ تو بغیر وحی کے کلام نہ کرتے تھے اور اگر بحکمِ خدا ایسا کیا تھا تو خدا نے ایسے شخص کو دعوت دینے کا حکم کیوں دیا جس کو اسلام لانے کی دعوت دینا صحیح نہ تھا۔ بس معلوم ہوا کہ بچپن میں حضرت علیؑ کا اسلام لانا صحیح تھا اور بحکمِ خدا تھا۔ اور سبقت الی الاسلام میں سب سے آگے قدم حضرت علیؑ کا تھا۔ اب ذرا نیکیوں کی طرف ایک نظر ڈالیے اور دیکھیے سبقت کرنے والا کون تھا۔ کتابِ خدا کے وارث کے لیے سب سے بڑی چیز صاحبِ علم ہونا ہے امتِ رسول میں کوئی ایک شخص بھی آپ کو ایسا نظر آتا ہے جس نے علیؑ کے برابر علمی فضیلت کے دعوے کیے ہوں۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں يَنْحَدِرُ عَنِّي السَّيْلُ وَلَا يَرْقَىٰ إِلَيَّ الطَّيْرُ (علم کا ایک سیلاب میرے اندر سے نکلتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک ایک پرندہ بھی اڑ کر نہیں جا سکتا۔)

کون ہے جو سرِ منبر یہ دعویٰ کرے سَلُوْنِيْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِيْ (میرے مرنے سے پہلے جو چاہو مجھ سے پوچھ لو)۔ سوائے علی علیہ السلام کے کس کی زبان سے یہ الفاظ نکل سکتے ہیں کو شئت لَاَوْقَرْتُ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا مِنْ تَفْسِيْرِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں عِلْمِيْ مِنْ عِلْمِ عَلِيٍّ وَعِلْمُ عَلِيٍّ مِنْ عِلْمِ النَّبِيِّ وَعِلْمُ النَّبِيِّ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ وَمَا عِلْمِيْ وَعِلْمُ جَمِيْعِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِيْ عِلْمِ عَلِيٍّ اِلَّا كَقَطْرَةٍ فِيْ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ۔ میرا علم علیؑ کے علم سے اور علیؑ کا علم نبیؐ کے علم سے اور نبیؐ کا علم خدا کے علم سے ہے اور میرا اور تمام اصحابِ محمدؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ۔

رسول اللہؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ۔ (ارجح المطالب) "علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔" پس ایسی صورت میں علیؑ کے سوا وارثِ کتاب اللہ کون ہو سکتا ہے۔

آپؑ ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دیتے تھے اور ہر قضیہ کا فیصلہ قرآن سے کرتے تھے۔ پس وارثِ قرآن کو ایسا ہی ہونا چاہیے وارثِ قرآن جانتا ہو کہ کون سی آیت کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی، کس کے متعلق نازل ہوئی۔ سفر میں نازل ہوئی یا حضر میں۔ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ آیاتِ متشابہات کی تاویل کیا ہے۔ یہ علم علیؑ کے سوا کسی دوسرے کو نہ تھا۔

مفسرین حضرات جسے چاہیں وارثِ کتاب بنا دیں لیکن خدا اور رسولؐ نے تو علیؑ کو ہی بنایا ہے۔ غیر معصوم وارثِ کتاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے بھول چوک ہو سکتی ہے۔

کتابِ خدا قیامت تک چلنے والی ہے لہٰذا اس کا ایک وارث بھی جو معصوم ہو قیامت تک اس کے ساتھ چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ ثقلین میں رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا ہے۔ جن میں کا ایک ہر زمانہ میں قرآن کے ساتھ رہا اور اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ

اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۴ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا
فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ
كُلَّ كَفُوْرٍ ۝۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ
النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸

(اس کا صلہ) جنّت کے سدا بہار باغ ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک خالص ریشمی ہوگی اور وُہ لوگ (خوشی میں) کہیں گے خُدا کا شُکر ہے جس نے ہم سے ہر قسم کا رنج و غم دُور کر دیا ہے۔ ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشگی کے گھر میں اُتارا، جہاں کوئی تکلیف ہمیں چھوئے گی نہیں اور نہ کوئی تھکان ہی پہنچے گی۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے جہنّم کی آگ ہے۔ نہ ان کو قضا ہی آئے گی کہ وہ مر جائیں، اور نہ ان کے عذاب میں ہی کمی کی جائے گی۔ ہم ہر ناشکرے کو یُوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے چلّایا کریں گے اور کہیں گے پروردگارا اب ہم کو نکال دے تاکہ جو کچھ پہلے کرتے تھے اُسے چھوڑ کر نیک کام کریں۔ (خدا جواب دے گا) کیا ہم نے تم کو لمبی عمریں نہ دی تھیں کہ جس کو سوچنا سمجھنا ہو خوب سوچ سمجھ لے۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) بھی پہنچ گیا تھا تو اب (اپنے کیے کا) مزہ چکھو، کیونکہ سرکش لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک اللہ سارے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں سے باخبر ہے اور دلوں کے پوشیدہ راز بھی جانتا ہے۔

اہلِ جنّت کے لیے خصوصاً آئمہ معصومین کے لیے جو آسائش و آرام اور زیب و زینت کا سامان ہوگا اُس کا اندازہ اہلِ دُنیا نہیں کر سکتے۔ دنیا والے چونکہ زینت کا سب سے بڑا سامان سونے، موتیوں اور ریشمی لباس کو سمجھتے ہیں لہٰذا اس کو ذرا سا سمجھانے کے لیے ایسا لکھا گیا ہے ورنہ دُنیاوی آرائش کے سامان کی وہاں کیا وقعت۔ جس طرح اہلِ جنّت ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد ہوں گے کوئی خلش اُن کے دل میں ہوگی ہی نہیں۔ اسی طرح جو اہلِ جہنّم ہیں اُن کو ہر قسم کی تکلیفوں کا سامنا ہوگا۔ وہ چاہے کتنا ہی چیخیں چلائیں لیکن اُن کے عذاب میں ذرا سی کمی بھی نہ ہوگی۔ ان سے کہا جائے گا تم کو کیسی کیسی لمبی عمریں دی گئیں، کس قدر راحت کا سامان تمہارے لیے مہیا کیا گیا۔ جب وہاں تم نے سوائے بداعمالیوں کے اور کچھ نہ کیا تو بھلا اب دُنیا میں جا کر کیا کرو گے۔ وہی تم ہو گے اور وہی دنیا کے خرافات و لغویات۔ تم سے کوئی اُمیدِ عملِ صالح کی نہیں ہو سکتی۔ اب تو جو کچھ کر چکے ہو اُس کا یہاں مزہ چکھو۔ یہاں کوئی تمہاری فریاد سننے والا نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا
يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ
اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰

اللہ وُہ ہے جس نے تم کو پچھلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ پس جو کافر ہوگا اُس کے کفر کا وبال اس پر پڑے گا اور کافروں کا کفر اُن کے پروردگار کی بارگاہ میں خدا کے غضب کے سوا اور کچھ بڑھائے گا نہیں۔ اور کافروں کا کفر نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ خدا کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو تم نے انہیں جانچا بھی؟ مجھے بھی ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کی چیزوں میں سے کیا چیز پیدا کی۔ یا آسمان میں ان کا آدھا ساجھا ہے کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اسے دلیل بناتے ہیں (یہ سب تو

کچھ نہیں) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے دھوکہ اور فریب ہی کا وعدہ کرتے ہیں۔

بعض مفسروں نے یہ مراد لی ہے کہ اُس نے تمام انسانوں کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے لیکن یہ تو کھُلی غلطی ہے۔ بھلا کافر، مشرک، غلط کار و بدکار، ظالم اور غارت گر خدا کے خلیفہ کیسے کہے جاسکتے ہیں۔ خدا کا خلیفہ تو نبی و امام کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ بس صحیح معنی یہ ہیں کہ تم کو لوگوں کا جانشین بنایا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تم کو ان کے بعد پیدا کیا گیا۔ اگر پیدا نہ کرتا تو تم کیا کرتے۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہو بیٹھے ہیں وہ خدا کا کیا بگاڑتے ہیں اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ کفر میں جتنے دن آگے بڑھتے جائیں گے گناہوں کا بوجھ ان پر اور زیادہ لدتا چلا جائے گا اور جس قدر گناہ بڑھتے جائیں گے اتنا ہی خدا کا غصہ ان پر زیادہ ہوتا جائے گا۔

پھر مشرکوں سے پوچھا جا رہا ہے یہ بتاؤ جن چیزوں کو تم نے خدا کا شریک بنا کر قابلِ عبادت سمجھا ہے، انہوں نے زمین میں یا آسمان میں کوئی ایک چیز بھی پیدا کی ہے اگر کی ہو تو دکھا دو۔ اگر ایسا نہیں تو ان کو خدا کا شریک بنانا تمہاری حماقت ہے۔ کیا خدا نے ان پر کوئی صحیفہ یا کتاب نازل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں۔ جب ایسا بھی نہیں پھر یہ کھُلی باطل پرستی ہے یا نہیں۔ بُت پرستی کے ابطال میں یہ ایسی مضبوط دلیلیں ہیں کہ کوئی مشرک ان کی تردید نہیں کر سکتا۔ جب ان دلائل کو آنحضرتؐ نے پیش کیا تو کسی مشرک کی مجال نہ تھی کہ ان کے خلاف کہہ سکتا۔ سُن کر چُپ چاپ وہاں سے چل دیتے تھے۔ آپس میں کہتے تھے بھلا کیسے ممکن ہے کہ جو عمل ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں محمدؐ کے کہنے سے ہم اس کو چھوڑ دیں۔ کیا ہمارے سب بزرگ احمق تھے بس ایک عقلمند یہی شخص پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو دھوکہ میں ڈالے رکھتا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا
مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۱﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ
أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا
جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ
السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا
سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ

اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿۴۳﴾

بے شک اللہ آسمان و زمین کو اپنی جگہ سے ہٹنے سے روکے ہوئے ہے۔ اگر (بالفرض) یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو پھر خدا کے سوا کوئی اُنہیں روک نہیں سکتا وہ بڑا بُردبار اور بخشنے والا ہے۔ یہ لوگ خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) آئے گا تو ہر اُمّت سے زیادہ وہ ہدایت کے طلبگار ہوں گے لیکن جب ان کے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر آیا تو اس کے آنے سے ان کی سرکشی اور بڑھی۔ بُری تدبیروں کے ساتھ ان کی نفرت کو اور ترقی ہوتی ہی گئی اور بُری تدبیر کی بُرائی تو بُرائی کرنے والے ہی پر پڑتی ہے (معلوم ہوتا ہے) یہ لوگ اگلے ہی لوگوں کے برتاؤ کے منتظر ہیں (اچھا یوں ہی سہی) تم خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ خدا کی عادت میں کوئی تغیر دیکھو گے۔

پچھلے دلائل توحید کے بعد اب ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کون ہے جو آسمان و زمین کو اپنے مقام پر روکے ہوئے ہے۔ لاکھوں برس اس کارخانہ کو یوں ہی چلتے ہوئے گزر گئے۔ جن قواعد و قانون کے تحت وہ چل رہے ہیں۔ ان کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ یہ مشرک جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اب کوئی پیغمبر ہمارے پاس آگئے گا تو ہم اس کا کہنا مانیں گے۔ لیکن جب کوئی ہمارا پیغمبر آیا تو یہ پھر اکڑ گئے اور اُسے ستانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ یہ نہیں سمجھے کہ اس فریب کا وبال پڑے گا کس پر؟ انہی پر تو پڑے گا وہ بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو حشر ان سے پہلے ان لوگوں کا ہوا وہی ان کا ہو گا۔ خدا کا طریقۂ کار بدلنے والا نہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا
كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ
ع ۵ ۸ ۱۷ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿۴۵﴾

تو کیا ان لوگوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا انجام نظر کے سامنے آتا جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں

اور جو ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے۔ خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں یا زمین میں سے کوئی چیز اُسے عاجز کر سکے۔ وُہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اگر اس پر انہیں دھر پکڑے تو پھر زمین پر کوئی ایک چلنے والا باقی نہ رہے گا۔ لیکن خدا نے ایک وقتِ معیّن تک انہیں ڈھیل دے رکھی ہے (جو کرنا ہو کر لو) جب ان کا وقت آجائے گا تو (ہٹنے کا نہیں) خدا بالیقین اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے۔ (پس جو جیسا کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا)۔

جن لوگوں پر عذابِ الٰہی نازل ہو چکا ہے ان کے نشانات روئے زمین پر اب بھی موجود ہیں۔ پس یہ کفار و مشرکین ذرا چل پھر کر انہیں دیکھتے کیوں نہیں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ خدا سے سرکشی کرنے والوں کو خدا کیسی کیسی سخت سزائیں دیا کرتا ہے کس کی طاقت ہے کہ خدا کو عاجز بنا سکے۔ خدا نے اپنے گنہ گار بندوں کو مہلت دے رکھی ہے۔ اگر وہ پکڑنا چاہے تو روئے زمین پر اس کے مواخذہ سے ایک بھی نہ بچ سکے گا۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر کہاں پناہ ملے گی۔ جس نے جیسا کیا ہو گا اس کی سزا پائے بغیر رہ نہ سکے گا۔

---

(۳۶) سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ (۴۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ④ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ
اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ
مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ

لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ
بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪

یٰسٓ۔ اس پُر حکمت قرآن کی قسم (اے رسول) بے شک تم پیغمبروں میں سے اور (دین کے) سیدھے راستہ پر (ثابت قدم) ہو جو بڑے مہربان غالب خدا کا نازل کیا ہوا ہے تاکہ تم ان کو ڈراؤ، جن کے باپ دادا تم سے پہلے (کسی پیغمبر سے) ڈرائے نہیں گئے اور وہ (دین سے بالکل) بے خبر ہیں اور ان میں سے اکثر پر تو (عذاب کی باتیں) بالکل ٹھیک پُوری اُتریں۔ یہ لوگ تو ایمان لائیں گے نہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھُڈیوں تک پہنچے ہُوئے ہیں کہ وہ گردنیں اُٹھائے ہوئے ہیں (سر جھکا نہیں سکتے) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے، پھر اُوپر سے ان کو ڈھانک دیا ہے جس سے وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ (اے رسولؐ) ان کے لیے برابر ہے چاہے انہیں ڈراؤ چاہے نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ تم تو اُس شخص کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت مانے اور بے دیکھے بھالے خدا کا خوف رکھے تو تم ان کو گناہوں کی معافی اور اچھے اجر کی خوشخبری دے دو۔

یٰسٓ۔ تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ یٰسٓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کفار و مشرکین چونکہ آپؐ کو جھُوٹا جانتے تھے لہٰذا اس سورہ میں سب سے پہلے حضورؐ کی رسالت کی تصدیق کی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ آپؐ جس دین کو پیش فرما رہے ہیں وہ صحیح راستہ ہے باقی سب غلط راستے ہیں جو گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قرآن کو آنحضرتؐ نے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ غالب و حکیم خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ ہم نے ایک مقصدِ خاص کے لیے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے بعد سے کوئی رسول نہیں آیا۔ لہٰذا اس زمانہ میں کفار و مشرکین کے باپ دادا کو چند سو سال کے اندر عذابِ خدا سے ڈرایا نہیں گیا۔ پس ان کے باپ دادا غفلت میں پڑے رہے اور بجائے خدا کے بتوں کو پُوجتے رہے۔ اُن کی دیکھا دیکھی یہ لوگ بھی وہی کر رہے ہیں لیکن کفر و شرک ان کے اندر ایسا رچ بس گیا ہے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔ لیکن لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے ان مشرکوں کی گردن میں ایسے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں کہ یہ سر اوپر کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دو دیواریں کھڑی کر دی ہیں جن کی وجہ سے یہ جنت والوں کو نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اے رسولؐ تم ان مشرکوں کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ تو ایمان لانے والے ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈرانے سے کیا فائدہ۔ ان کے ضمیر مُردہ ہو چکے ہیں۔ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ ڈرانا تو ان کے لیے ہی مفید ہو سکتا ہے جو بے دیکھے بھالے خدا سے ڈرنے والے ہوں۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَ
كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (١٢) ع

ع ١٢ ١٨

ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو عمل انہوں نے کیے ہیں اور دُنیا میں جو آثار چھوڑے ہیں وہ سب ہم لکھ لیتے ہیں اور امام مبین میں گھیر دیا ہے۔

نشانات جو لکھے جاتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ کوئی شخص ایسی عمارتیں بنوا گیا ہے جن میں عملِ خیر ہوتا ہے جیسے مسجد، مدرسہ، امام باڑہ، سرائے، پُل، کنواں وغیرہ جب تک یہ چیزیں باقی رہیں گی اور ان سے لوگ فائدہ اُٹھائیں گے، مرنے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ دوسرے وہ آثار ہیں جن کا تعلق نفوسِ انسانی سے ہے۔ مثلاً اولاد کی تربیت اور لوگوں کو اچھی تعلیم دینا تو جب تک اس تعلیم کا اثر رہے گا ثواب ملتا رہے گا اور اگر بُری تعلیم دی ہے لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو مستحق عذاب ہوتا رہے گا۔

امام مبین سے مفسرین نے لوح محفوظ مراد لی ہے۔

علمائے شیعہ نے لکھا ہے کہ امام مبین سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت آنحضرتؐ کے پاس حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کھڑے تھے۔ دونوں نے پوچھا، امام مبین سے مراد توریت ہے؟ فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا انجیل مراد ہے؟ فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا قرآن ہے؟ فرمایا، نہیں۔ اتنے میں حضرت علیؑ سامنے سے نمودار ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ ہیں امام مبین۔ اس کی موید میں وہ روایت ہے جو جلال الدین سیوطی نے بیان کی ہے کہ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن خاتم نے اس آیت کے بارے میں روایت کی کہ ہر چیز کا ایک پیشوا ہے جو خدا کے نزدیک محفوظ ہے اور وہ علیؑ ہیں۔ (تفسیر درمنشور سیوطی)۔

تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا، خدا کی قسم وہ امام مبین مَیں ہوں۔ میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ حضرت رسولِ خدا سے ورثہ میں پایا ہے۔ احتجاجِ طبرسی میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا، لوگو، کوئی علم ایسا نہیں کہ میرے خدا نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھایا ہو۔ جو علم بھی خدا نے مجھ میں احصا فرما دیا ہے میں نے اس کو امام مبین علیؑ میں احصا کر دیا ہے۔

علامہ ہروی اعلی اللہ مقامہٗ نے "مواعظِ حسنہ" میں بیان فرمایا ہے کہ عربی زبان میں شمار کرنے کے لیے دو لفظ ہیں ایک لفظ عدد ہے دوسرا احصا ہے۔ عدد زبانی شمار کو کہتے ہیں اور احصا عملی شمار کو۔ حصاۃ عربی میں کنکری کو کہتے ہیں۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب شمار میں بھولنے کا اندیشہ ہوتا تو کنکریوں پر شمار کرتے۔ اس کو احصا کہتے تھے۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ عملاً ہر شے کا احصا ہم نے امام مبین کے اندر کر دیا ہے۔ قرآن میں عملاً احصا کی چیزیں تھیں۔ لہٰذا قرآن مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کے اندر تعلیم قرآن کی عملی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ بتا سکتا ہے کہ کونسا عمل قابل جزا ہے اور کونسا قابل سزا۔ قرآن مبین خزانہ علم ہے اور امام مبین اس کی عملی تفسیر ہے۔ اگر امام مبین اس کی عملی صورت بتانے والا نہ ہو تو قرآن سے عملی صورت

کیسے لی جائے گی مثلاً قرآن نماز کا حکم دیتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ اس کی عملی صورت کیا ہو گی یہ امام مبین بتائے گا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ (١٣) اِذْ
اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ (١٤) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ (١٥) قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ (١٦) وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (١٧) قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا
بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (١٨)
قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (١٩) وَ
جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ (٢٠)
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (٢١)

اے رسول تم ان سے ایک گاؤں کا قصہ بیان کرو کہ جب وہاں ہمارے پیغمبر آئے اس طرح کہ جب ہم نے ان کے پاس دو پیغمبر (یوحنا اور یونس) بھیجے تو انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ تب ہم نے ایک تیسرے پیغمبر سے (شمعون) ان کو مدد دی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ وہ کہنے لگے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو، خدا نے کچھ (تم پر) نازل نہیں کیا ہے، تم سب کے سب جھوٹے ہو۔ تب ان پیغمبروں نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم یقیناً اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور (تم مانو یا نہ مانو) ہمارا فرض تو کھلم کھلا احکام کا پہنچا دینا ہے وہ کہنے لگے ہم نے تم لوگوں کو بہت منحوس پایا (تمہارے آتے ہی قحط میں مبتلا ہوئے) اگر تم اپنی

باتوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کردیں گے اور تم کو یقیناً ہمارا دردناک عذاب پہنچے گا۔ پیغمبروں نے کہا تمہاری کرنی تمہارے ساتھ ہے کیا جب نصیحت کی جاتی ہے تو تم اُسے فالِ بد کہتے ہو۔ تم خود اپنی حد سے بڑھ گئے ہو ایک شخص شہر کے اُس سرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کہا اے قوم ان پیغمبروں کا کہا مانو ان لوگوں کا ضرور کہنا مانو جو تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی مزدوری نہیں مانگتے اور وہ لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

یہ آیات ایک واقعہ کے متعلق ہیں جب انطاکیہ والوں کی گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یحییٰؑ اور یونسؑ کو اپنے دین کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی حبیب النجار کو دیکھا اسے سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دے کر پوچھا تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم شہر والوں کو خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے اور بتوں کی پرستش سے روکنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ بولا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو انہوں نے کہا ہم خدا سے دعا کر کے بیمار کو اچھا کر دیتے ہیں اُس نے کہا میرے لڑکے کو جو عرصہ سے بیمار ہے اور تمام اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں اگر اچھا کر دو تو جانوں۔ انہوں نے کہا اُسے لے آؤ۔ وہ دوڑا ہوا گیا اور لے آیا۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو وہ ایمان لے آیا۔ اس کے بعد دونوں پیغمبر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اس سے بھی اسی قسم کی باتیں ہوئیں۔ اُس نے کہا، ابھی تم لوگ ٹھہرو میں اس بارے میں غور کروں گا۔ اس کے بعد یہ لوگ اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ایک دن بادشاہ کی سواری جارہی تھی کہ ان حضرات نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ بادشاہ کو بُرا معلوم ہوا، اس نے ان دونوں کو بتخانہ میں قید کر دیا جب یہ خبر حضرت عیسیٰؑ کو معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت شمعون کو جو آپ کے خلیفہ تھے ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو شہر پناہ کے دروازہ کے پاسبان نے کہا تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ خدا کی عبادت کروں۔ غرض یہ داخلِ شہر ہو گئے۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کو اسی بتخانہ میں عبادت کرنے کا حکم دیا جہاں یحییٰؑ و یونسؑ قید تھے۔ اس کے بعد برابر بادشاہ کے پاس جاتے رہے۔ بادشاہ کو ان سے محبت ہو گئی اور وہ ان سے امورِ سلطنت میں مشورہ کرنے لگا۔ ایک دن موقع پا کر کہنے لگے ان بتخانوں میں دو اجنبی آدمی کون ہیں؟ بادشاہ نے کہا، وہ دونوں ایک نئے دین کا پیغام لے کر آئے تھے اس لیے میں نے اُن کو قید کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا، انہیں بُلا کر پوچھنا تو چاہیے کہ وہ کہتے کیا ہیں۔ آن سے پہلے ہی کہہ آئے تھے کہ جب میں بلواؤں تو تم وہاں میری شناسائی کا ذکر نہ کرنا اور بالکل اجنبی بنے رہنا۔ غرض ایک روز دونوں کو بُلایا گیا۔ حضرت شمعون نے کہا، آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے اندھے کو بُلایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان بھی نہ تھے۔ حضرت شمعون نے کہا اسے بینا کر دو۔ اُنہوں نے دُعا کی تو آنکھوں میں شگاف ہو گیا۔ پھر مٹی کے دو ڈھیلے ان میں رکھے تو وہ سیا نکھے ہو گئے۔ حضرت شمعون نے پوچھا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے؟ وہ بولے، مُردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔ فرمایا، بادشاہ کے بیٹے کو مَرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے زندہ کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ضرور۔ غرض وہ دونوں اُس کی قبر پر گئے اور دُعا کی وہ زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا اور کہنے لگا، میں فلاں فلاں صورت کے لوگوں کی دُعا سے زندہ ہوا ہوں۔ پھر اُس نے دونوں کو پہچان بھی لیا۔ تب تو وہ دونوں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے اور بڑا تیسے بادشاہ

ایمان لے آیا مگر اور لوگوں نے ان کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور اپنے کفر پر جمے رہے اور ان حضرات کو ستانا شروع کر دیا تو حبیب النجار نے آ کر سفارش کی۔ اس پر ان لوگوں نے اُسے اتنا مارا کہ وہ بے چارہ راہیِ جنت ہوا۔

اس قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ طریقِ ہدایت ذرا سا بدل جانے میں کس طرح بات بگڑ جاتی ہے۔ اگر حضرت یحییٰؑ اور یونسؑ اس [illegible] سے بدظن نہ ہوتا اور ان کو قید نہ کرتا۔ حضرت شمعون نے حسنِ تدبیر سے کام لیا تو مقصدِ ہدایت پورا ہو گیا۔ [illegible] کہ صدیق تین ہیں۔ اوّل آل فرعون جس نے موسیٰؑ کی تصدیق کی دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی [illegible] کی تصدیق کی۔ ان تینوں میں حضرت علیؑ کی تصدیق کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اوّل عمر سے آخر [illegible] کی تصدیق کی۔

وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ
فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ
مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَي الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور مجھے کیا (خبط) ہُوا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اُس کی عبادت نہ کروں۔ حالانکہ تم سب اسی کی طرف لَوٹ کر جاؤ گے کیا میں اُسے چھوڑ کر دوسروں کو معبُود بنالوں۔ اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ تو اُن کی سفارش میرے کچھ کام آئے گی اور نہ یہ لوگ مجھے (اس مصیبت سے) چھڑا ہی سکیں گے (اگر ایسا کروں) تو اس وقت میں صریحی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا تو میری بات سنو اور مانو مگر اُن لوگوں نے اسے سنگسار کر ڈالا (تب اسے) خدا کا حکم ہُوا کہ جنّت میں جا (اُس وقت بھی اُسے قوم کا خیال آیا تو کہا) کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے خدا نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں شامل کیا۔ ہم نے اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم پر (تباہی کے لیے) نہ تو کوئی آسمان سے لشکر اُتارا اور نہ ہم (اتنی سی بات کے لیے لشکر) اُتارنے والے تھے وہ تو صرف چنگھاڑ تھی جس کے بعد وہ (چراغ سحری کی طرح) خاموش ہو کر رہ گئے۔ ہائے افسوس ان لوگوں کے حال پر کہ جب اُن کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کے ساتھ مسخرا پن ضرور کیا۔

وقف غفران ۱۲

یہ بقیہ ذکر ہے اس حبیب النجار کا جو حضرت عیسٰیؑ کی رسالت پر حضرت شمعون کی معرفت ایمان لے آیا تھا۔ اس کی قوم نے
جب اُسے قتل کرنا چاہا تو اس سے کہا اگر تم اس دین سے پلٹ کر پھر بُت پرستی اختیار کرلو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اُس وقت
اس بندۂ مومن نے جو کچھ اپنی قوم سے کہا قرآن اُس کی حکایت یوں کرتا ہے، میں اس خدا کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا
ہے اور جس کی طرف تم سب لَوٹ کر جانے والے ہو۔ کیا میں ایسے ناکارہ بتوں کی عبادت پھر کرنے لگوں کہ اگر میرا خدا مجھے کوئی نقصان پہنچانا
چاہے تو نہ اُن کی سفارش کام دے گی نہ وہ مجھے اس مصیبت سے بچا سکتے ہیں۔ میں اُس رب پر ایمان لایا ہوں جو میرا ہی
رب نہیں ہے بلکہ تم سب کا بھی رب ہے۔ پس جو میں کہتا ہوں اُسے کان لگا کر سنو۔ جب فرشتوں نے اُسے جنت میں جانے کی بشارت
دی تو اُس نے بطور نصیحت کہا، کاش میری قوم اس بات کو سمجھ لیتی کہ خدا نے میری خطائیں بخش کر مجھے جنت میں جانے کی بشارت دے کے
میری عزت کتنی بڑھا دی۔

قوم نے اُس کی بات نہ سنی اور از راہِ تکبر کہنے لگی تیرے خدا کا جب کوئی لشکر ہمارے مقابلہ کو آئے گا تو ہم اس سے لڑیں گے
خدا فرماتا ہے یہ کون سا بڑا معاملہ تھا کہ ہم کوئی لشکر آسمان سے ان کے ہلاک کرنے کے لیے اُتارتے ایک چیخ کی آواز ہی نے ان سب
کا کام تمام کر دیا۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ
کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ ع ۲
اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْکُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ
مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْکُلُوْا مِنْ
ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر ڈالا اور وہ لوگ ان کے پاس ہرگز پلٹ کر نہیں آ سکتے۔ البتہ سب کے سب اکٹھے ہو کر ہماری بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ مُردہ زمین کو ہم (پانی برسا کر) زندہ کر دیتے ہیں اور ہم ہی نے اس میں سے دانہ نکالا جسے لوگ کھاتے ہیں اور ہم ہی نے زمین میں کھجور اور انگوروں کے باغ لگائے اور ہم ہی نے اس میں پانی کے چشمے جاری کیے تاکہ لوگ اس کے

پھل کھائیں۔ ان کے ہاتھوں نے اس میں سے کچھ نہیں کیا۔ تو کیا اس پر بھی شکر نہیں کرتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ
مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ
الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾
لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَکُلٌّ
فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْکِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْکَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ
نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۴۴﴾

ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی نباتات سے ہوں یا خود ان کے ہم نفس ہوں (انسان) یا اُن چیزوں سے جن کو وہ جانتے نہیں اور میری (قدرت کی) ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔ اُس وقت یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور ایک نشانی آفتاب ہے جو اپنے ایک ٹھکانے پر چل رہا ہے۔ یہ غالب اور واقف کار خدا کا باندھا ہوا اندازہ ہے اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں) کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا (پتلا ٹیڑھا) ہو جاتا ہے۔ نہ تو آفتاب ہی سے یہ بن پڑتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن کے آگے بڑھ سکتی ہے (چاند سورج ستارے)

ہر ایک اپنے اپنے فلک میں چکر لگا رہے ہیں اور ان کے لیے (میری قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا پھر اس کشتی کی مثل ان کے لیے اور وہ چیزیں (کشتیاں) پیدا کر دیں جن پر یہ لوگ سوار ہوا کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ڈبو دیں، پھر نہ کوئی ان کا فریاد رس ہوگا اور نہ وہ چھٹکارا ہی پاسکتے ہیں۔ مگر ہماری مہربانی سے وقتِ خاص تک چین کرنے کے لیے ایسا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے پہلی آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام انسانوں کے جوڑے تین چیزوں سے پیدا کیے بعض اس چیز سے جو زمین سے اگتی ہے جیسے گھاس پات پھل پھلاری اور ترکاری۔ ان چیزوں سے انسان کا مادی جسم بنتا ہے۔ دوسری چیز نفس ہے اور تیسری چیز وہ ہے جس کو لوگ نہیں دیکھ سکتے وہ روح ہے۔ انسان کے لیے تین ہی عالم ہیں، عالمِ مادی، جہاں موت کے بعد جسم رہ جاتا ہے۔ یہیں سے پیدا ہوتا ہے یہیں چھوٹ جاتا ہے۔ دوسرا عالم برزخ ہے۔ نفسِ انسانی چونکہ برزخی مادہ سے بنتا ہے لہٰذا مرنے کے بعد مع رُوح کے عالمِ برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ تیسرا عالم حیات یعنی آخری عالم روح ہے وہاں کی ہر لذت رُوح کو کیف بخشتی ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ جسم و نفس بھی ہوں گے لیکن کیف اسی کو حاصل ہوگا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی ایک غذا ہے۔ دُنیاوی جسم کی غذا مادی چیزیں ہیں، نفس کی غذا تقویٰ ہے اور رُوح کی غذا معرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرماتا ہے ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ نر و مادہ بنائے۔ ان کے اجسام کی ساخت میں فرق پیدا کیا۔ ان کی شکل و شباہت ان کے رنگ ان کے حالات و خصائل میں اختلاف پیدا کیا۔ ہر جسم پر نفس و رُوح کے تصرفات جدا ہیں۔ ارادوں میں فرق محبتوں میں فرق حمیت و غیرت میں فرق۔ گویا ایک ایک پیکر کو لاکھ لاکھ طریقہ سے سجایا ہے۔

دوسری نشانی رات ہے کہ رات میں سے دن کو نکالتا ہے اور رات کو دن میں سے۔ تاکہ کبھی دن بڑا ہو کبھی رات۔ اور اس طرح جاڑے گرمی کے موسم آتے جاتے رہیں۔ دن کی روشنی کے بعد کس طرح رات کی تاریکی رفتہ رفتہ چھاتی چلی جاتی ہے۔

تیسری نشانی سورج کا قدرت کے مقرر کیے ہوئے اندازہ کے مطابق ہر روز چلتے رہنا۔ کیا مجال کہ منٹ اور سیکنڈ کا فرق ہو جائے۔ جس راستہ سے جانا معین کر دیا ہے اسی راستہ سے جاتا ہے۔

چوتھی نشانی چاند ہے۔ یہ سورج کی طرح ایک حالت پر نہیں رہتا۔ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ سورج کی روشنی تیز ہوتی ہے، اس کی ٹھنڈی۔ مہینہ کے آخر میں کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح پتلا اور خمیدہ ہو جاتا ہے۔ یہی طریقہ اس کے لیے معین کر دیا گیا ہے کوئی طاقت اس کے خلاف کر کے نہیں دکھا سکتی۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک سال میں ایک سورج کے قائم مقام بارہ چاند ہوتے ہیں۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ پھر سب کی صورتیں اوّل سے آخر تک ایک سی رہتی ہیں۔ تین دن تک اس کی روشنی کم رہتی ہے۔ چوتھی منزل میں آکر روشنی بڑھ جاتی ہے چودھویں منزل پر پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ آخر میں جا کر تین دن غائب رہتا ہے۔ پہلی کو پھر رجعت کرتا ہے۔ عبادت کے اوقات کا تعین چاند ہی سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ عید ہو، بقر عید ہو، رمضان ہو، نماز ہو، زکوٰۃ ہو، خمس ہو، حج ہو سب چاند ہی کے حساب سے ہوتے ہیں۔ جسے چاند کی معرفت نہیں اس کی عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص کو چاند کی تاریخوں کا صحیح علم نہیں اور وہ حج کے ایام کے خلاف حج کرے تو اس کا حج باطل ہوگا۔ اسی طرح دیگر عبادات کا حال ہے۔

پانچویں نشانی یہ ہے کہ اُس نے نوحؑ کی بھری ہوئی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا جو پانی کی اتنی بلند سطح پر جا رہی تھی کہ پہاڑ بھی اس کی لہروں میں چھپ گئے تھے پھر کشتی کے علاوہ اور بھی بہت سی سواریاں خدا نے عطا فرمائی ہیں جن پر لوگ سوار ہو کر ادھر اُدھر آتے جاتے ہیں اور اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ جیسے بڑے بڑے جہاز۔ اسٹیمر۔ اگر خدا چاہے تو ان سب کو ڈبو دے اور پھر ڈوبنے والوں کی فریاد کو کوئی سننے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی ڈوبنے سے بچانے والا۔ مگر اُس نے دُنیا کی زندگی کے چند دن آرام سے بسر کرنے کے لیے چھوڑ دیئے ہیں اگر باوجود قدرت کی ان تمام نشانیوں کو دیکھ کر بھی انسان اس کو نہ پہچانے تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾
وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ
مُّبِينٍ ﴿۴۷﴾

جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (اس عذاب سے) ڈرو، جو تمہارے پیچھے بھی ہے اور تمہارے سامنے بھی۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو پروا نہیں کرتے) اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے، جب کوئی نشانی آتی ہے تو فوراً اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں بھی دو تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں (جنہیں تمہارے خیال کے مطابق) خود خدا کھلاتا ہے۔ تم لوگ بس صریحی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

خدا اپنی توحید اور بنی نوع انسان پر اپنے احسانات بتانے کے بعد فرماتا ہے کہ جب ان کافروں کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے جو ان کے آگے پیچھے لگا رہتا ہے تو اس کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے اور ہم اپنی قدرت کی کسی نشانی کی طرف جب متوجہ کرتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتے ہی نہیں۔ جو رزق ان کو اللہ نے دیا ہے اگر اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو غریب مومنوں سے کہتے ہیں، ہم سے کیوں مانگتے ہو، تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ سب کو خدا ہی رزق دیتا ہے پھر اس سے کیوں نہیں مانگتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک نے ان کے روحانی فضائل

بھی ان سے چھین لیے۔ انسانی اخلاق کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کسی محتاج کو بھوکا دیکھے تو اس کی مدد کرے۔ مگر وہ تو ایسے سنگدل بن بیٹھے ہیں کہ کسی مصیبت زدہ پر رحم کھانا جانتے ہی نہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ
اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا
مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

ع ۲ — وقف لازم

(اور مسلمانوں سے ازراہِ تمسخر) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ تو بتاؤ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ (اے رسول) یہ لوگ ایک سخت چنگھاڑ (صور) کے منتظر ہیں، انہیں ایسے وقت لے ڈالے گا جب یہ لوگ باہم جھگڑ رہے ہوں گے اور پھر یہ لوگ نہ تو وصیت ہی کرنے پائیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر ہی آسکیں گے۔ اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اس وقت یہ سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی بارگاہ کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور کہیں گے ہائے یہ ہمیں کس نے قبروں سے اُٹھا کھڑا کیا (اُن سے کہا جائے گا) یہ وہی (قیامت کا) دن ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے بھی سچ کہا تھا (قیامت تو) بس ایک سخت چنگھاڑ ہوگی پھر یہ سب کے سب (یکایک) ہمارے حضور میں حاضر کیے جائیں گے۔

کفار و مشرکین مسلمانوں سے ہمیشہ قیامت کے متعلق چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ جب اُنہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تھا تو ازراہِ تمسخر کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ وہ آئے گی کب؟ خدا فرما رہا ہے، گھبراؤ مت! جب آئے گی تو یکایک

آپڑے گی۔ تمہیں تو سانس لینے کا موقع ہی نہ ملے گا۔ ایک چیخ میں سب کا قصہ ختم ہو جائے گا۔ دوسرا صور پھونکتے ہی تم سب قبروں سے نکل پڑو گے، تب پتہ چلے گا کہ جس قیامت کا انکار کیا کرتے ہیں وہ آج کا دن ہے۔ بتاؤ اُس وقت کیا کرو گے۔ خدا کی گرفت سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾
سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

آج (روز قیامت) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور جو کچھ تم عمل کر چکے ہو اسی کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔ آج جنت والے ایک نئے ایک (دلچسپ) مشغلہ میں جی بہلا رہے ہیں۔ وہ اور اُن کی بی بیاں درختوں کے سایہ میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے لیے میوے ہیں اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا وہ حاضر ہوگی۔ مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کا پیغام آئے گا۔ اے گنہ گارو! تم ان سے الگ ہو جاؤ۔

جو لوگ دُنیا میں ہمیشہ نیکیاں کرتے رہے ہوں گے اور جن کے اعمالنامہ پر غلط کاریوں کے دھبے نہ ہوں گے انہیں زیادہ دیر روکا نہ جائے گا اور وہ جلد جنّت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اور ان کے گنہ گار ساتھی جو ان کے ساتھ کھڑے ہوں گے اُن کو ان سے جُدا کر دیا جائے گا۔ دُنیا میں جو تعلقات ان کے درمیان تھے آج وہ سب قطع ہو جائیں گے۔ گنہ گار جنّت میں جانے والوں کو حسرت سے تکتے رہ جائیں گے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ
جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ

وقف غفران ۱۲

تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى
اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾

اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ اس (شیطان) نے تم میں بہت سوں کو گمراہ کر چھوڑا تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو اب چونکہ تم کفر کرتے تھے لہٰذا اب تم جہنم میں چلے جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مُہریں لگا دیں گے اور جو کارستانیاں وُہ دُنیا میں کیا کرتے تھے ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مُونْد دیں تو یہ لوگ راہ کو پڑے چکر لگا کے ڈھونڈتے پھریں گے مگر کہاں دیکھ پائیں گے اور اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ ہیں ان کی صورتیں بدل کر (پتھر، مٹی کی) بنا دیں۔ پھر نہ تو ان کو آگے جانے کا قابُو رہے گا نہ گھر کو لَوٹ سکیں پھر ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم اُلٹ دیتے ہیں۔ تو کیا یہ اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے۔

خُدا اپنے بندوں کو روزِ اَلَسْت کا عہد یاد دلا رہا ہے۔ جب ہم نے کہا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (اعراف/۱۷۲) تو کیا تم سب نے بلٰی (ہاں) نہیں کہا تھا، یعنی ہماری ربوبیت کا اقرار نہیں کیا تھا؟ کیا ہم نے تم کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلکہ میری عبادت کرنا۔ یہی تمہارے لیے سیدھا راستہ ہے۔ مگر تم دُنیا میں جا کر اپنا یہ عہد بھول گئے اور بجائے میرے شیطان کی پُوجا کرنے لگے۔ ہمارے پیغمبروں نے تمہیں بار بار ٹوکا مگر تم نہ مانے۔ تمہیں کتنا عذابِ جہنم سے ڈرایا مگر تمہارے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ تو اب جہنم کی آگ کا مزہ چکھو۔

آج ہم تمہاری جھوٹی زبان سے تمہارے اعمال کی گواہی دلوانا نہیں چاہتے بلکہ سرکاری گواہوں کی زبان سے تمہارا گنہگار ہونا ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو یہ تمہارے ہاتھ آج بول رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ تم نے ان سے کیا کیا بدکاریاں کی تھیں۔

یہ تمہارے پاؤں بول رہے ہیں کہ تم ان سے کہاں کہاں گناہ کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ ہمارے جاسوس تھے جو تمہارے ایک ایک کام کو دیکھتے رہتے تھے۔ کیا تم انہیں جھٹلا سکتے ہو۔ ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ جب تم گناہ کرنے کے لیے چلتے تو تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیتے اور تم اندھے بن کر راستہ ٹٹولتے پھرتے۔ اگر ہم چاہتے تو تمہاری ساخت بگاڑ کر رکھ دیتے تو تم نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ کیا تم نے اس پر نظر نہ کی کہ تم جب بچے تھے تو کتنے کمزور تھے نہ بول سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے۔ پھر تم کو جوان بنایا۔ پھر تمہیں زیادہ عمر دے کر دوبارہ پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا۔ تم پھر بچوں کی طرح بن گئے۔ نہ بولنے کی طاقت رہی نہ چلنے پھرنے کی۔ تمہاری عقل رخصت ہو گئی تمہارے جذبات مر گئے۔ تم ایک منقفد گوشت بن کر رہ گئے۔ ہم سب کچھ کر سکتے تھے مگر تمہیں مہلت دیتے رہے کہ شاید سمجھ جاؤ۔ اور ہمیں اپنا خدا سمجھ کر عبادت کرنے لگو مگر تم ایسے کہاں تھے کہ ان باتوں پر غور کرتے۔ بدستور شیطان کے جال میں پھنسے رہے۔ پس اب تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔ اب اپنے اعمالِ بد کی سزا تمہیں بھگتنا ہوگی جہنم کے سوا اب کہیں تمہارا ٹھکانہ نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ
مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ
لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾
وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا
يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

ہم نے اس (پیغمبر) کو نہ شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے ۔

یہ (کتاب) تو بڑی نصیحت ہے اور صاف صاف قرآن ہے تاکہ جو زندہ دل ہوں اُن کو عذاب سے ڈرایا جائے اور کافروں پر (عذاب کا) قول ثابت ہو جائے۔ (اور حجّت باقی نہ رہے) کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان کے فائدے کے لیے چوپائے اس چیز سے پیدا کیے جسے ہماری قدرت نے بنایا تو یہ لوگ (خواہ مخواہ) مالک بن بیٹھے۔ پھر ہم ہی نے چوپاؤں کو ان کا مطیع بنایا۔ ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں بعض کو کھاتے ہیں اور چوپایوں میں ان کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور پینے کی چیز ہے (دُودھ)۔ تو کیا یہ لوگ اس پر بھی شکر نہیں کرتے۔ اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر (فرضی) معبود بنا لیے ہیں تاکہ ان سے انہیں کچھ مدد ملے حالانکہ وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور یہ کفّار ان معبُودوں کے لشکر ہیں اور قیامت میں ان سب کی حاضری لی جائے گی۔ اے رسول، تم ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو، جو کچھ یہ لوگ چھپا کر کرتے ہیں اور جو کھُلم کھُلا کرتے ہیں ہم سب جانتے ہیں۔

کفّار حضور سرکارِ دو عالم پر الزام لگاتے تھے کہ آپؐ شاعر ہیں اور قرآن میں جو کچھ ہے سب شاعری ہے۔ آخرت کے متعلق سب باتیں شاعرانہ تخیلات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے انؐ کو شعر کہنے کی تعلیم ہی نہیں دی وہ شعر کہتے ہی نہیں اور نہ شاعری اُن کو زیب دیتی ہے۔ اگر حضورؐ شعر کہتے ہوتے تب تو یہ الزام کسی حد تک ٹھیک ہوتا لیکن جب انہوںؐ نے عمر بھر شعر کہا ہی نہیں تو پھر یہ الزام کیسا؟ قرآن شاعری نہیں ہے بلکہ یہ تو سراپا نصیحت ہے۔ ہم نے اس کو اس لیے نازل کیا ہے کہ جن لوگوں کے ضمیر مُردہ نہیں ہوئے جن کی عقلوں پر پردہ نہیں پڑا ہمارا رسولؐ ان کو عذابِ آخرت سے ڈرائے۔ کیا غضب کی بات ہے کہ یہ لوگ خدا کے ان احسانات کو بالکل بھُولے ہوئے ہیں جن سے ان کو ہزارہا فائدے پہنچ رہے ہیں۔ کیا یہ چوپائے جن کے یہ مالک بنے بیٹھے ہیں انہوں نے خود بنائے ہیں۔ ان کو تو ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا ہے اور ہم ہی نے ان کو ان لوگوں کا تابعدار بنا دیا ہے، ورنہ یہ ان پر قابو حاصل نہ کرنے کی صورت میں کیسے فائدہ اٹھاتے۔ وہ ان پر سواری بھی کرتے ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیتے ہیں۔ کیا ان سب منافع کے پیشِ نظر ان کو خدا کا شکرگزار نہ ہونا چاہیئے۔ اور بجائے خدا کی عبادت کرنے کے انہوں نے اور بہت سے فرضی معبود بنا لیے۔ تاکہ وہ بوقتِ مصیبت ان کی مدد کریں۔ وہ کیا ان کی مدد کر سکتے ہیں، ان میں کوئی طاقت ہی نہیں۔ ابھی تو یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ پتہ تو اُس وقت چلے گا جب اُن کے معبود اور یہ سب بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں گے۔ ان کی سرکشی کا بدلہ وہاں دیا جائے گا۔ ہم ان کی سب کارروائیوں کو خوب جانتے ہیں۔ چاہے چھُپ کر کریں یا ظاہر بظاہر۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿٧٩﴾

کیا انسان نے اس پر بھی غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ (جیسی حقیر چیز) سے پیدا کیا۔ پھر وہ ہمارا ہی کھُلم کھُلا دشمن بن بیٹھا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنی خلقت کو بھُول گیا۔ کہنے لگا، ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے رسول (ان سے) کہدو، وہی انہیں زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر چیز کی پیدائش سے خوب واقف ہے

اُبی بن خلف ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت قریش کے بڑے بڑے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے ہڈی کو چورا کر کے ہوا میں اڑا دیا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا بھلا کون ہے جو ان ریزوں کو جمع کر کے پھر زندہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا، خدا زندہ کرے گا اور تجھے واصلِ جہنم کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ہر زمانہ کے لوگ انبیاءؑ سے اس بارے میں جھگڑا کرتے رہے کہ مرنے کے بعد جب ہر شخص گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا زندہ ہونا کیسا؟ خدا فرماتا ہے، ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی جبکہ وہ آئے دن یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ نطفہ سے ایک آدمی کا بچہ رحمِ مادر میں کیسے بن جاتا ہے نطفہ تو محض ایک قطرۂ آب تھا۔ اس کو آدمی کی شکل کس نے دی۔ اس کے اندر خون، گوشت، پوست، ہڈی، اعصاب وغیرہ کس نے بنائے۔ جو ابتداء میں ایسا کر سکتا ہے وہ انتہا میں کیوں نہیں کر سکتا۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی

اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۔ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ
شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وقف غفران ۲ ع ۵

خدا وہ ہے جس نے ہرے بھرے درخت سے آگ کو پیدا کیا، جس سے تم پھر اور آگ جلا لیتے ہو۔ کیا وہ خدا جس نے تمام آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان کی مثل اور لوگ پیدا کر دے۔ ہاں (وہ قدرت رکھتا ہے) وہ بڑا پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔ پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس کے ید قدرت میں ہر چیز پر حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔

پچھلی آیات میں برابر ان نعمات کا سلسلہ چلا آرہا ہے جو خدا نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں اور جو اس کی قدرت کی حیرت انگیز نشانیاں ہیں۔ اب اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اس نے ہرے درختوں میں کس طرح آگ پیدا کی ہے۔ ہری شاخوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے اندر آگ کے شعلے چھپے ہوئے ہیں۔ گھنے جنگلات میں جب یہی ہری شاخیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو ان سے شعلہ نکل کر سارے بن میں آگ لگا دیتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو ہمیں آگ ڈھونڈے نہ ملتی۔ یہی لکڑیاں جلا کر ہم کھانا پکاتے ہیں، تنور گرم کرتے ہیں، بھٹیوں کو روشن کرتے ہیں۔

پھر یہ بتا رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کے پیدا کرنے پر اسے پوری قدرت ہے آغاز آفرینش سے یہی ہو رہا ہے۔ ایک قوم مرتی ہے اور دوسری قوم اس کی جگہ پر آجاتی ہے۔ اس کے خلق کرنے کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اسباب و وسائط کے سلسلہ سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ مثلاً زن و مرد ہم بستر ہوں، ان کے نطفے عورت کے رحم میں قرار پکڑیں، پھر نطفہ سے علقہ بنے، علقہ سے مضغہ بنے، پھر ہڈی بنے، ہڈی پر گوشت چڑھے، پھر روح داخل ہو تب انسان کا بچہ بنے۔ اگر یہ وسائط نہ ہوں تو کوئی بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کو عالم خلق کہتے ہیں۔ دوسرا عالم امر ہے جہاں ان اسباب و وسائط کا تعلق نہیں۔ صرف اس کا حکم ہوتا ہے فقط کُن کہا اور وہ چیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ کا حمل رحم مادر میں بغیر شوہر قرار پا گیا۔ یا باذن الٰہی حضرت عیسیٰ نے مٹی کی چڑیا بنا کر اُڑا دی۔

خدا کے لیے لفظ کُن کہنا محض ہمارے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ وہ اس طرح الفاظ منہ سے نہیں نکالتا جیسے ہم نکالتے ہیں۔ صرف اس کا ارادہ خلق اشیاء کے لیے کافی ہوتا ہے۔ الفاظ کا نکلنا زبان سے تعلق رکھتا ہے اور زبان بغیر منہ

کے نہیں ہوتی، اور خدا کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔

عالم ملکوت کی سررشتے اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ طاقت جو کسی چیز میں حرکت پیدا کرتی ہے یا اس کو دباتی ہے یا ان پر حکومت کا اظہار کرتی ہے وہ سب اس کے اختیار میں ہے۔ دوسرے معنی میں یوں سمجھئے کہ ہر شے کا نظام حیات اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتی۔ اس کائنات میں اس کی بے شمار مخلوق آباد ہے۔ ہر ایک کا نظام حیات مختلف ہے، ایک دوسرے سے ملتا نہیں۔ وہ سب کسی علم و قدرت کے تحت ہو رہا ہے۔ یعنی بلاتشبیہ ایک بہت بڑی مشین ہے۔ جس میں لاکھوں پرزے کام کر رہے ہیں۔ ہر پرزہ کو اس نے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی کام سپرد کیا ہے، وہ کبھی اس کام سے غافل نہیں ہوتا۔ ورنہ نظام کائنات مختل ہو جائے۔ کس کی طاقت ہے کہ اس نظام کو سمجھ سکے۔ جو مخلوق عالم امری کی ہے اس کی خلقت صرف ارادہ کے ہوتے ہی ہو جاتی ہے۔

﴿۳۷﴾ سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿۵۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ
اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ
جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ
الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا
اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

(عبادت یا جہاد میں) پرا باندھنے والوں کی قسم (بُرائی سے) ڈانٹنے والوں کی قسم (قرآن کے) پڑھنے والوں کی قسم، تمہارا معبود ایک ہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، (سب کا) پروردگار ہے اور (چاند سورج ستارے کے) طلوع (و غروب) کے مقامات کا بھی مالک ہے ہم نے آسمانِ دُنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ہر سرکش شیطان سے حفاظت کے لیے بھی (پیدا کیا) کہ اب شیاطین عالمِ بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ ان کے کھدیڑنے کے لیے شہاب پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے پائدار عذاب ہے مگر جو (شیطان شاذ و نادر فرشتوں کی) کوئی بات اچک لے بھاگتا ہے تو آگ کا دہکتا ہوا تیر اس کا پیچھا کرتا ہے تو (اے رسول) تم ان سے پُوچھو تو کہ ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا اُن (مذکورہ) چیزوں کا جن کو ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے تو ان کو لَسدار مٹی سے پیدا کیا ہے۔

تین قسمیں جو بیان کی گئی ہیں بعض نے ان سے مراد فرشتوں کی صفیں لی ہیں صفیں باندھنے سے یہ مراد ہے کہ جو کام نظامِ کائنات کے سلسلہ میں ان سے متعلق ہیں وہ ان کو صفیں باندھ کر بجالاتے تھے اور زاجرات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بدکاروں کو ڈانٹتے اور پھٹکارتے ہیں۔ اگرچہ لوگ ان کی آواز سنتے نہیں اور تالیات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو درپردہ امرِ حق کی طرف لوگوں کو پکارتے ہیں۔

رب المشارق اس لیے کہا گیا ہے کہ سورج ہر روز ایک ہی مطلع سے نہیں نکلتا بلکہ اس کا زاویہ بدلتا رہتا ہے۔ مشارق کے بعد مغارب خود سمجھ میں آجاتا ہے لہٰذا اُس کو ترک کیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے رفع سے پہلے شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتیں سُن کر کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے رفع کے بعد اُن کا آسمان چہارم اور اس کے اوپر تک جانا ممنوع قرار دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیدائش کے وقت تمام آسمانوں پر جانا بند کیا گیا۔ اگر چھپ چوری کوئی بات سُن لیتا ہے تو اُس کو شہابِ ثاقب سے مارا جاتا ہے۔ اس کا مفصل بیان سورۃ الحجر میں دیکھئے۔

آخر میں خدا فرماتا ہے کہ اے رسولؐ، ان کفار و مشرکین سے پوچھو، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا بنانا ستاروں سے آسمانوں کو مزین کرنا زیادہ دشوار ہے یا ان انسانوں کا بنانا جو لَس دار مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ جب ایسی عظیم الشان مخلوق اُس نے بنا دی تو قیامت میں دوبارہ ان کو زندہ کر کے دکھانا خدا کے نزدیک کونسی بڑی بات ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ (١٢) وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ (١٣) وَاِذَا رَاَوْا
اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ (١٤) وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (١٥) ءَاِذَا مِتْنَا

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (١٦) اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (١٧)
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ (١٨) فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
يَنْظُرُوْنَ (١٩) وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ (٢٠) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ
ع ١ ٥ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (٢١)

(اے رسول) تم ان کے حال پر تعجب کرتے ہو اور وہ تم سے مسخراپن کرتے ہیں جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑانے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے (کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہم پھر زندہ ہو کر اُٹھیں گے اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی (پھر زندہ ہوں گے) اے رسول کہدو (ہاں ایسا ہی ہوگا) اور تم ذلیل ہوگے اور وہ قیامت تو ایک للکار ہوگی پھر تو وہ آنکھیں (پھاڑ پھاڑ کر) دیکھنے لگیں گے اور کہنے لگیں گے ہائے ہائے یہ قیامت کا دن ہے (جواب ملے گا) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم (دُنیا میں) جھٹلایا کرتے تھے۔

کفار و مشرکین قیامت کے ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟ ہر زمانہ میں انبیاءؑ سے قیامت کے متعلق مختلف قسم کے سوالات ہوتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بس جو کچھ ہونا ہے اسی دُنیا میں ہو رہے گا۔ قیامت کی باز پرس سے ان کے دل گھبراتے تھے اس لیے وہ اس اعتقاد کو پاس ہی نہ آنے دیتے تھے لیکن ان کے انکار سے قیامت ٹل تو نہیں سکتی۔ آخر وہ دن آئے گا اور جب وہ پکڑے جائیں گے تب ہائے وائے کریں گے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (٢٢) مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (٢٣) وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ (٢٤)
مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ (٢٥)

(فرشتوں کو حکم ہوگا) اکٹھا کرو ان لوگوں کو جو سرکشی کرتے تھے اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن
کی عبادت یہ خدا کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے اور انہیں جہنّم کی راہ دکھاؤ (اور ہاں ذرا) ان کو ٹھہراؤ تو
ان سے کچھ پوچھنا ہے (اے کم بختو) اب تمہیں کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

آخر آیت کے متعلق علامہ حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابن عباس نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کا اہلِ محشر سے سوال کیا جائے گا اور یہ امر واضح ہے کہ وہ امر اہم جو شل الوہیت و نبوت کے پوچھا جائے گا۔ فقط محبت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ولایت ہے جس کے متعلق سوال ہوگا۔ حدیثِ ثقلین وغیرہ میں اشارہ ہے اسی لئے قرآن کے ساتھ اہلبیتؑ کو کیا ہے اور اس کی مؤید علامہ واحدی کی وہ عبارت ہے جو اس آیت کے تحت میں ہے۔ لکھتے ہیں، روایت ہے کہ حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ خدا نے اپنے رسولؐ کو یہ حکم دیا تھا کہ خلقِ خدا کو یہ بتلا دیں کہ میں اپنی رسالت کی تبلیغ کی اُجرت اپنے اہل بیتؑ کی مودّت کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ نبیؐ کی وصیت کے مطابق تم نے ان کی ولایت یونہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

مشرکین خدا کو تو مانتے تھے لیکن اس کی تعریف کا ذریعہ بُتوں کو سمجھتے تھے اور بُتوں کو شریکِ عبادت کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی یہ معرفت قابلِ قبول نہ تھی۔ اس لیے کہ ذریعۂ معرفت غلط تھا۔ صحیح ذریعۂ معرفت رسولؐ تھے۔ پس جس طرح توحیدِ باری کا صحیح عقیدہ رکھنے کے لیے رسولؐ کی معرفت ضروری تھی اور اس کو ذریعۂ معرفت بنانا لازم تھا۔ اسی طرح رسولؐ کی معرفت کے لیے بھی ایک ذریعہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ غلط ذریعہ سے معرفتِ رسولؐ ناقص رہے گی اور وہ صحیح ذریعہ علی علیہ السلام ہیں۔ امّت کو یہ حق نہیں کہ وہ ذریعہ خود بنائے بلکہ اسی کو بنائے جس کو خدا نے بتایا ہو۔ آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ (۵۵/۵ المائدہ) میں جس کی ولایت رسولؐ کی ولایت کی طرح ہو اور آیہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (۵۹/۴ النساء) میں جس کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح فرض ہو وہی معرفتِ رسولؐ کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اگر صرف رسولؐ کی ولایت و اطاعت کافی ہوتی تو تیسرے شخص کو شامل کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس قیامت میں جس طرح رسولؐ کی معرفت کے متعلق سوال ہوگا اس ذریعہ کے متعلق بھی سوال ہوگا جس سے معرفتِ رسولؐ حاصل کرنا ضروری تھا۔ تمام حساب کتاب کے بعد اس لیے کچھ لوگوں کو روکا جائے گا کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے۔

فرماتا ہے، کہ ان ٹھہرنے والوں سے کچھ پوچھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُنیا میں کوئی سوال امّت کے سامنے رکھا گیا تھا اور وہ یہی تھا قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۲۳/۴۲ شوریٰ) اجرِ رسالت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرنا)۔ حضرتؐ کا یہ سوال تمام امّت سے تھا۔ پس حضورؐ کے بعد ذوی القربیٰ کی مودّت کے متعلق سوال ہوگا اور جواب حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ اسی سوال کے جواب کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ورنہ سوال بے جواب رہے گا۔ آیہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (۳۶/۱۷ بنی اسرائیل) میں، کان آنکھ اور دل تینوں سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ 'عنہ' کی ضمیر کا مرجع وہی ہوگا جس کے متعلق سوال کیا جا چکا ہوگا۔ غدیرِ خم میں لوگوں نے علیؑ کا نام بھی سُن لیا تھا، آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تھا اور دل سے سمجھ بھی لیا تھا۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾
قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾
وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا
قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ
يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا
لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

(وہ کیا جواب دیں گے) مگر وہ تو آج گردن کو جھکائے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے اور کہیں گے تم ہی تو ہماری داہنی طرف سے ہمیں بہکانے کو چڑھ آتے تھے۔ وہ جواب دیں گے ہم کیا جانیں تم تو خود ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہماری تم پر کچھ حکومت تو نہ تھی بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے بس اب ہمارے رب کا (عذاب کا) قول ہم پر پورا ہو گیا لہٰذا اب ہم سب عذاب کا ذائقہ چکھیں گے۔ ہم خود گمراہ تھے اس لیے تم کو بھی گمراہ کیا۔ غرض اس روز یہ لوگ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔ ہم تو گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے (شریر) تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اکڑا کرتے تھے اور یہ لوگ کہنے لگے کیا ایک دیوانے

شاعر کے لیے ہم اپنے معبود چھوڑ بیٹھیں۔ (یہ رسول دیوانہ نہیں) بلکہ حق بات لے کر آیا ہے اور اگلے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے۔ تم لوگ اگر نہ مانو گے تو دردناک عذاب کا مزہ چکھو گے اور تمہی کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دُنیا میں کرتے رہے ہو لیکن جو خدا کے مخلص بندے ہیں بہشت ہیں۔

آیت ۲۸ میں تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۔ کے معنی یہ ہیں کہ تم بڑی قوت کے ساتھ ہمارے پاس آتے تھے اور بہکاتے تھے۔

آیت ۳۶ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین حضورؐ کو ایک دیوانہ شاعر سمجھتے تھے اور یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو جن کی ہم عبادت کرتے چلے آرہے ہیں کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اسلام کی طرف آنے میں بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد کی تقلید تھی۔ بُت پرستی کا رنگ ان کی طبیعتوں میں اچھی طرح رچ بس گیا تھا۔ بتوں کی عبادت ترک کرنا وہ اپنے لیے ایک عذابِ عظیم سمجھتے تھے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کی عبادت ترک کی تو ضرور کسی جان لیوا مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ کوئی عقیدہ جس قدر پرانا ہوتا جاتا ہے اُسی قدر لوگوں کے دلوں پر اس کا رنگ زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾ فِي جَنَّٰتِ
النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن
مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشَّٰرِبِينَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا
يُنزَفُونَ ﴿۴۷﴾ وَعِندَهُمْ قَٰصِرَٰتُ ٱلطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۸﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ
مَّكْنُونٌ ﴿۴۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ
مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۱﴾ يَقُولُ أَءِنَّكَ لَمِنَ ٱلْمُصَدِّقِينَ ﴿۵۲﴾

(ان مخلص بندوں کے لیے) مقررہ روزی ہے (اور وہ ایسی ویسی نہیں) ہر قسم کے میوے ہوں گے اور وہ بڑی رغبت کے ساتھ جنت کے باغوں میں آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ان پر صاف

سفید براق شراب کے دَور چل رہے ہونگے جو پینے والے کو بڑا مزہ دے گی۔ نہ تو اس شراب میں (خمار کی وجہ سے) دردِ سر ہوگا اور نہ اس کے پینے سے متوالے ہوں گے اور ان کے سامنے (شرم سے) نیچی نگاہیں رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی (ان کی گوری گوری رنگتوں میں ہلکی سی سُرخی ایسی جھلکتی ہوگی) گویا وہ انڈے ہیں جو چھپائے ہوئے رکھے ہیں۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوں گے۔ ایک کہنے والا کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک دوست تھا وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں ہو۔

جنت کے میوے ہماری دُنیا کے میووں کی طرح نہ ہوں گے۔ صرف ہمیں سمجھانے کے لیے انار، انگور اور کھجور کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ وہاں کے میووں کو یہاں کے میووں سے رنگ اور لذت میں کوئی نسبت نہ ہوگی۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے ان کے اوصاف سُنے ہوں گے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کے اوصاف کا خیال گزرا ہوگا۔

وہاں کی شراب بھی یہاں کی سی شراب نہ ہوگی جو غلّہ اور پھلوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے اور بدبودار ہوتی ہے — پینے والا نشہ میں بے ہوش ہو جاتا ہے اور نازیبا حرکات کرنے لگتا ہے اور جب اس کا نشہ اُترتا ہے تو بدن ٹوٹنے لگتا ہے، دردِ سر ہونے لگتا ہے۔ جنت کی شراب ایک چشمہ سے نکل کر نہر کی صورت میں آئے گی۔ پینے والوں کے لیے بڑی مزہ دار ہوگی۔ نہ اس میں نشہ ہوگا نہ خمار۔ بلکہ ایک ایسا سرور روحانی ہوگا جس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔ اگر جنت کی نعمتیں یہاں جیسی ہوں تو پھر وہ جنت ہی کیا ہوئی۔ شراب پینے والے کو خوبصورت لڑکے جام بھر بھر کے دیں گے اور جنتیوں کے گرد چکر لگاتے ہوں گے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ لڑکے کون ہوں گے۔ اکثر کا قول ہے کہ خدا کے نکوکار بندوں کے وہ لڑکے جو ایامِ طفلی میں مر گئے ہوں گے انہیں کو خوبصورت بنا کر اس خدمت کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ لیکن یہ بات کان کو نہیں لگتی۔ ائمہ اہلبیتؑ کی تفسیر یہ ہے کہ حوروں کی طرح یہ لڑکے بھی جنت ہی کی پیداوار ہوں گے۔ خدا نے ان کو اہلِ جنت کی خدمت کے لیے خلق فرمایا ہے۔ ان کو غلمان کہتے ہیں۔ اہلِ جنت کی دلچسپی کے لیے جو عورتیں ہوں گی وہ بڑی حسین اور شرمیلی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی۔ ان انڈوں کی طرح جن کو چھپا کر رکھا گیا ہو تاکہ صاف ستھری گرد و غبار سے محفوظ رہیں۔ کنواری ہوں گی کسی مرد نے ان کو چھوا تک نہ ہوگا۔

بَيْضٌ مَّكْنُونٌ کے متعلق تفسیر صافی میں ہے کہ ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ انہیں اپنے پروں میں چھپائے رکھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہر قسم کی گرد و غبار سے پاک صاف رہتے ہے۔ ان انڈوں کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے۔ اور یہ رنگ جسم کے رنگوں میں سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔

آگے اہلِ جنّت و اہلِ دوزخ کے درمیان بات چیت کا ذکر آتا ہے ظاہر ہے کہ جنت و دوزخ کے گھر ملے ہوئے تو ہوں گے نہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے بآسانی بات کرلے۔ ہزارہا میل کا فاصلہ ہوگا مگر انسان کی آواز اور سماعت میں اتنی قوت پیدا ہوجائے گی کہ وہ آپس میں بات چیت کرسکیں گے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝۵۳ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ
مُّطَّلِعُوْنَ ۝۵۴ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝۵۵ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ
لَتُرْدِيْنِ ۝۵۶ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۵۷ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝۶۱

(دُنیا میں دوزخ میں جانے والا جنّت میں جانے والے سے کہا کرتا تھا کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹّی اور ہڈّی بن جائیں گے تو (ہمیں زندہ کرکے) پھر ہم سے ہمارے اعمال کا بدلہ لیا جائے گا (یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے)۔ پھر بہشت میں جانے والا اپنے ساتھیوں سے کہے گا تو کیا تم بھی (میرے اس ساتھی کو جو اب جہنّم میں ہے) جھانک کے دیکھو گے غرض وہ جھانکے گا تو اس کو بیچ جہنّم میں پڑا ہوا دیکھے گا تو اس سے کہے گا کہ خدا کی قسم تُو تو مجھے بھی تباہ کرنے والا تھا۔ اگر میرے پروردگار کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (اس وقت تیرے ساتھ) جہنّم میں گرفتار ہوتا۔ (اچھا اب بتاؤ) کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ ہم کو اس پہلی موت کا سامنا پھر نہیں ہے اور نہ ہم پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے۔ عمل کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنی کامیابی کے لیے اس طرح عمل کریں یعنی قیامت پر یقین رکھتے ہوئے عمل کریں۔

آیت ۵۸، ۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّتی شخص دوزخی سے بات کرکے اب اپنے نفس کی طرف مخاطب ہوکر کہتا ہے۔ وہ بھی مرگیا میں بھی مرگیا۔ بس اب مجھے موت نہیں اور نہ کوئی عذاب ہے۔ یہی میرے لیے

بڑی کامیابی ہے۔ میں نے حیاتِ دُنیا میں قیامت کا تصوّر رکھا تھا اور عذابِ خدا سے ڈرتا تھا۔ اسی کا یہ بدلہ خدا نے مجھے دیا ہے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝۶۳
اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝۶۵
فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا
مِّنْ حَمِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ
ضَآلِّيْنَ ۝۶۹ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝۷۰ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝۷۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝۷۲ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۷۴

بھلا مہمانی کے لیے یہ سامان (جنّت) بہتر ہے یا تھوہر کا درخت (جو جہنّمیوں کے لیے ہوگا) جسے ہم نے یقیناً ظالموں کی سزا کے لیے بنایا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جو جہنّم کی تہہ میں اُگتا ہے اس کے پھل (ایسے بدنما ہیں) گویا سانپ کے پھن ہیں (جسے چھونے سے ڈر معلوم ہو) یہ جہنّمی لوگ یقیناً اس میں سے کھائیں گے اس سے اپنا پیٹ بھریں گے پھر اس کے اوپر سے ان کو خوب کھولتا ہوا پانی پیپ وغیرہ ملا کر پینے کو دیا جائے گا (پھر کھا پی کر) ان کو جہنّم ہی کی طرف لوٹ جانا ہوگا۔ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا۔ تو یہ لوگ بھی ان کے پیچھے دوڑے چلے جارہے ہیں۔ ان سے پہلے اگلوں میں سے بہت سے گمراہ ہوچکے ہیں حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ ذرا دیکھو تو جو لوگ ڈرائے جاچکے تھے ان کا کیسا بُرا انجام ہوا سوائے ان کے جو خدا کے خاص مخلص بندے تھے۔

خدا کی قدرت کے منکر جہنّم میں درخت کے اُگنے پر مذاق اڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں لیجئے یہ نئی بات سُنیئے۔ جہنّم کے

بھڑکتے شعلوں میں ایک ہرا بھرا درخت تھوہر کا بھی ہوگا۔ سخت سے سخت گرم ملکوں میں جہاں پانی کا نام و نشان نہیں ہوتا کیا وہاں درخت نہیں اُگتے۔ سرد ملکوں میں جہاں ہر وقت پالا پڑتا رہتا ہے کیا وہاں درخت پیدا نہیں ہوتے۔ شملہ کی چوٹی پر جہاں برف کا ایک گنبد سا بنا رہتا ہے اور جس سے نیچے وادی میں پانی کی کئی گز لمبی چادر گرتی ہے اسی گنبد کے چاروں طرف جہاں مٹی کا نام نہیں ہوتا، ڈیلیا پھول کس طرح لہلہاتا ہے۔ آتش باز آتش بازی سے کیسے پھول دار درخت نکالتے ہیں۔ جو آگ ابراہیمؑ پر اُس کے حکم سے سرد پڑ جاتی ہے کیا وہ جہنم میں تھوہر کے درخت کو جلانے سے نہیں رُک سکتی۔ یہ ان ظالموں کے عقل کی آزمائش ہے جو خدا کو نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دوزخیوں کے عذاب کی ایک انتہائی صورت بیان کی گئی ہے تاکہ وہ خوف زدہ ہوں۔ جس خدا نے دُنیا میں بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں ان سے خدا کی معرفت حاصل نہ کرنا اور بجائے اُس کے اُس کی مخلوق کی عبادت کرنا ایک ایسا سخت ترین گناہ ہے جس کی سزا جو بھی دی جائے کم ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾

نُوحؑ نے (قوم سے مایوس ہو کر) ہمیں پکارا تھا تو ہم کیا اچھے جواب دینے والے تھے۔ ہم نے ان کو اور اُن کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے نجات دی اور اُن کو اور اُن کی اولاد کو دُنیا میں باقی رکھا اور بعد کو آنے والے لوگوں میں ان کا چرچا باقی رکھا۔ تمام دُنیا میں نُوحؑ پر سلام ہی سلام ہے۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔

حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کے ایمان لانے کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو خدا سے ان کے لیے بددعا کی۔

خدا نے ان کی دُعا قبول کی اور سخت مصیبت سے ان کو نجات دی اور ان کی اولاد سے پھر دُنیا بسائی۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ
لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ
سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾
فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي
الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾

بے شک ابراہیم نوح کے پیرو تھے وہ اپنے پروردگار کی طرف ایسا دل لیے ہوئے بڑھے جو ہر عیب سے پاک تھا۔ جب انہوں نے اپنے منہ بولے باپ سے اور اس کی قوم سے کہا تم لوگ کس چیز کی پرستش کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر دل سے گڑھے ہوئے معبودوں کی طرف رجوع کرتے ہو۔ ساری خدائی کے پالنے والے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ (پھر عید کے دن ان لوگوں نے عیدگاہ چلنے کو کہا) ابراہیم نے ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا پھر کہنے لگے میں عنقریب بیمار پڑنے والا ہوں۔ وہ پیٹھ پھیر کر ابراہیم سے منہ موڑے ہوئے چل دیئے۔ اس کے بعد ابراہیم ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے (ان کے مندر میں گئے) اور ان سے کہنے لگے (تمہارے سامنے اتنے چڑھاوے

رکھے ہیں) تم کھاتے کیوں نہیں، تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ تم بولتے تک نہیں۔ پھر اپنے ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑے (اور توڑ پھوڑ کر ان کے بڑے بُت کے گلے میں کلہاڑی ڈال دی۔ (جب وہ لوگ لوٹے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو دوڑے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور پُوچھ گچھ کرنے لگے) انہوں نے کہا۔ افسوس ہے تمہارے حال پر تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے حالانکہ اللہ ہی تمہارا بھی خالق ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو اس کا بھی (یہ سُن کر وہ آپس میں) کہنے لگے، اس کیلیے (بھٹی جیسی) ایک عمارت بنواؤ اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ مکّاری کرنی چاہی۔ ہم نے (آگ کو ٹھنڈا کر کے) انہیں نیچا دکھا دیا۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ توضیح ہیں:

۱۔ لفظ شیعہ سب سے پہلے ایک نبی کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوا نبی کے پیرو کو شیعہ کہتے ہیں۔ اسلام کے تمام فرقوں میں صرف لفظ شیعہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔

۲۔ آیت ۸۸۔ جو لوگ سعادتِ انبیاء کو داغدار بنانا سعادتِ ابدی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ بیمار نہ تھے مگر اپنے کو بیمار ظاہر کیا۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ بیمار نہ تھے اور انہوں نے اپنے کو بیمار ظاہر کیا۔ اگر بیمار نہ ہوتے تو خاندان والے ضرور کہتے کہ تم تو اچھے خاصے ہو، خواہ مخواہ بہانہ بازی کر رہے ہو۔ دوسرے بیماری دو طرح کی ہوتی ہے۔ اوّل جسمانی دوسرے رُوحانی۔ ایک نبی کے لیے اس سے بڑی روحانی بیماری اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کی قوم بُت پرست ہو۔ تیسرے ہو سکتا ہے تقیہ کے طور پر ایسا کہہ دیا ہو۔

۳۔ جب وہ ستارہ پرست نہ تھے تو ستاروں کی طرف نظر کر کے ایسا کیوں کہا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو تین قسم کے کافروں سے جنگ کرنا تھی۔ ایک ستارہ پرست دوسرے بُت پرست تیسرے شخصیت پرست جو نمرود کو خدا سمجھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے جو لوگ عید گاہ لے جانا چاہتے تھے وہ بُت پرست بھی تھے اور ستارہ پرست بھی۔ چونکہ وہ صحت و بیماری کو ستاروں کا کرشمہ جانتے تھے لہٰذا ان کی تسکینِ خاطر کے لیے ستاروں کی طرف دیکھ کر ایسا کہا چنانچہ وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

۴۔ جب بُت نہ بولتے تھے نہ کھاتے تھے تو بُتوں سے ایسا کیوں کہا۔ جواب یہ ہے کہ جوشِ ایمانی میں بے ساختہ یہ کلمہ حضرتؑ کی زبانِ اقدس پر جاری ہو گیا۔ دوسرے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر کوئی آدمی آس پاس لگا کھڑا ہو تو وہ اس کلام کو سُن لے اور بُتوں کی بے چارگی کا قائل ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جوشِ ایمانی اور بہادری دیکھنے کے قابل ہے۔ دوسرا ہوتا تو اتنا بڑا کام کر کے ڈر جاتا۔ کہیں بھاگ کھڑا ہوتا۔ مگر آپ کے دل میں ذرا بھی ہراس پیدا نہ ہوا اور اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ اور ہدایت کا

مناسب موقع پا کر دلیرانہ چوکے۔ نہایت دلیرانہ انداز میں کہا، بدبختو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ جن بُتوں کو تم نے اپنے ہاتھ سے گڑھا ہے اُنہی کو اپنا معبود مان کر پُوجتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا قصّہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

آخر آیت میں نیچا دکھانے کا یہ مطلب ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی اور کفار کی تدبیر کارگر نہ ہوئی

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (٩٩) رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ (١٠٠) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (١٠١) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ
اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ
مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (١٠٢) فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ
لِلْجَبِیْنِ ج (١٠٣) وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ لا (١٠٤) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (١٠٥) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ (١٠٦) وَفَدَیْنٰهُ
بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (١٠٧) وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (١٠٨) صلے سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ (١٠٩)
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (١١٠) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (١١١)

جب آذر نے حضرت ابراہیمؑ کو نکال دیا تو انہوں نے فرمایا، اچھا تو میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے صحیح رستہ پر لگا دے گا (جہاں چاہے گا پہنچا دے گا)۔ (پھر خدا سے دُعا کی) پالنے والے مجھے ایک نیکوکار فرزند عطا کر۔ پس ہم نے انہیں ایک بُردبار لڑکے کی (ولادت کی) خوشخبری دی۔ جب وہ (اسمٰعیلؑ) اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے لگے تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا، بابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اُسے بجا لائیے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے یہ ٹھان لی تو (باپ نے

بیٹے کو) ماتھے کے بل لٹایا۔ ہم نے ندا دی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔ ہم نے اس (اسمٰعیل) کا فدیہ ایک ذبح عظیم کو قرار دیا اور ہم نے ان کا چرچا بعد میں آنے والوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود سے بچ نکلے تو یہ امر آذر کو بہت شاق ہوا۔ اس نے سختی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ سے کہا جب تم ہمارے دین پر نہیں ہو تو یہاں سے نکل جاؤ، ہم تم کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا یہ بات ہے تو میں جا رہا ہوں۔ میرا اللہ جہاں مجھے لے جائے گا میں پہنچ جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک صاحبِ اولاد نہ تھے لہٰذا اپنی بی بی اور اپنے بھتیجے کو ساتھ لے کر وہاں سے چل دیئے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے فرزند کے لیے دُعا کی آپؑ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ چنانچہ بڑھاپے میں جب حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو آپؑ کی عمر ۸۶ سال کی ہو چکی تھی اور جب حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے تو آپؑ کی عمر سو برس کی تھی۔

نبی کی خواب بھی بمنزلہ وحی ہوتی ہے اس لیے جو خواب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا تھا وہ سچا تھا۔ اس لیے اس کی تعمیل میں آپؑ نے تاخیر نہ کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی صفت قرآن میں غلامٍ حلیم بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا جب حضرت ابراہیمؑ نے خواب بیان کیا تو وہ گھبرائے نہیں، جذبات میں کوئی ہیجان پیدا نہ ہوا۔ بلکہ باطمینانِ قلب یہ جواب دیا کہ میں راضی ہوں جو حکم دیا گیا ہے اُس کو بجا لائیے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو بغیر ذبح واقع ہوئے خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ تم نے خواب کی تصدیق کر دی ہے۔ یہ تصدیق تو ذبح کے بعد ہوتی۔ اس کے دو جواب ہیں: اوّل یہ کہ خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر دیا ہے یعنی ذبح کا فعل اختتام کو پہنچتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی فعل کے مقدمات کو انجام دے لینا گویا اس فعل کا کر لینا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آقا غلام سے کہے کہ تم فلاں مقام پر جا کر دشمنوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ تم قتل کر دیئے جاؤ۔ وہ غلام یہ حکم سُن کر بطیبِ خاطر بدن پہ ہتھیار سجاتا ہے اور جانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آقا کسی وجہ سے اُسے روک لیتا ہے اور کہتا ہے شاباش! مجھے یقین ہو گیا کہ تم وفادار غلام ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کرنے کے تمام مقدمات پُورے کر لیے تھے۔ چھری اور رسی گھر سے لے کر گئے تھے۔ بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے تھے۔ چھری گلے پر رکھ دی تھی۔ اب ذبح میں بات کیا باقی رہ گئی۔ پس جہاں تک مقدماتِ ذبح کا تعلق تھا حضرت ابراہیمؑ نے پُورے کر دیئے اب یہ مصلحتِ الٰہی تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح سے بچا لیا گیا۔

ذبح کے لیے اُلٹا اس لیے لٹایا تھا کہ وقتِ ذبح بیٹے کا چہرہ نظر نہ آئے بلکہ بڑھاپے آنکھوں پر پٹی بھی باندھ لی تھی تاکہ بیٹے کے خون کی دھار نکلتے نہ دیکھیں۔

اس کے بعد خدا نے فرمایا، یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔

سوال یہ ہے کہ یہ آزمائش کس مقصد کے لیے تھی۔ بے وجہ اپنے جلیل القدر پیغمبر کا ایسا سخت امتحان لیا گیا۔ ایک

باپ کے ہاتھ سے اس کے جوان بیٹے کو ذبح کرانا فطرتِ انسانی کو ذبح کرنا تھا۔ کوئی مفسّر اس پر روشنی نہیں ڈالتا۔ پھر ذبح عظیم سے مراد ایک دُنبہ کی قربانی لینا اور بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ کہاں ایک نبی معصوم کی قربانی، کہاں ایک دُنبہ۔ اگر یہ قربانی قیامت تک بھی ہوتی رہے تب بھی ایک نبی کے خون کے ایک قطرہ کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔ ضرور اس کی تہ میں کوئی راز ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ستارہ پرست قوم نے ہر ستارہ کا ایک ہیکل یا مندر بنایا تھا اور اس میں اس کی مورتی رکھی تھی جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ سب سے بڑا مندر ستارہ زحل کا تھا۔ اس زمانہ میں لوگ زحل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے لڑکوں کی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔ کسی بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ماں باپ منت مان لیتے تھے کہ ہم اس کو زحل کے سامنے ذبح کریں گے۔ چنانچہ جب لڑکا دس بارہ برس کا ہو جاتا تو اس کو بنا سجا کر قربانی کے لیے وہاں لے جاتے۔ وہاں مندر میں ایک تیز خنجر زحل کی مورتی کی گردن میں لٹکا رہتا اور ایک سنگِ مرمر کی لمبی سِل پڑی ہوتی تھی۔ اس سِل پر لٹا کر اسی خنجر سے ذبح کر دیتے تھے۔ یہ سب سے بڑی عبادت مانی جاتی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس مذہب میں انسان کی قربانی نہیں ہوتی وہ مذہب سچّا نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دعوتِ اسلام دیتے تھے تو وہ ان سے یہی کہتے تھے کہ آپ کے مذہب میں چونکہ انسانی قربانی کا حکم نہیں لہٰذا ہم اسے سچّا مذہب تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہرچند سمجھاتے تھے مگر وہ مانتے ہی نہ تھے۔ اس خواب کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لیے لے چلے اور ان لوگوں کو خبر ملی تو بہت خوش ہوئے کہ اب ابراہیمؑ نے ہمارے مذہب کی صداقت کو قبول کر لیا۔ مقامِ منیٰ میں جب وہ لوگ بھی جمع ہو گئے۔ جب اسمٰعیلؑ ذبح سے بچ گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں سے کہا، دیکھو اگر خدا کو انسانی قربانی پسند ہوتی تو میرے بیٹے سے بہتر قربانی کس کی ہو سکتی تھی۔ چونکہ یہ سب واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لہٰذا ان کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور اسی روز سے انہوں نے انسانی قربانی بند کر دی۔ چونکہ اس واقعہ سے ایک بہت بڑی رسمِ بد کا انسداد ہوا اور بیشمار انسانی جانیں بچ گئیں لہٰذا اس کی یادگار منانے کے لیے وہ دن عید کا قرار دیا گیا اور اس کی یاد میں جانور کی قربانی رکھ دی گئی۔ (یہ واقعہ کتاب "ابن الذبیحین" میں جو عربی زبان میں ہے میں نے وزیر الدولہ خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ افسوس ہے کہ تقسیم ملک کے وقت یہ کتب خانہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ کتاب ایک ایرانی عالم کی تصنیف ہے۔)

فدیناہ بذبحٍ عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عید الضحیٰ کی قربانی ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ایک معصوم نبی زادے کے خون کا بدلہ ایک دُنبہ کے خون کو کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یادگار منانا دوسری چیز ہے اور ذبحِ عظیم دوسری چیز ہے۔ بے شک وہ واقعہ اتنا عظیم تھا کہ ہر سال اس کی یادگار منائی جائے اور دھوم سے منائی جائے۔ لیکن جناب اسمٰعیلؑ کے ذبح میں جو راز مضمر تھا وہ اس قربانی سے کیونکر پُورا ہو سکتا ہے۔ وہاں تو ایک رسمِ بد کا انسداد مقصود تھا۔ دُنبہ کی قربانی سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ فدیہ اسمٰعیلؑ تو کوئی ایسا ہی ذبحِ عظیم ہو سکتا ہے جس میں بہت سی رسومِ بد کے انسداد کے پیشِ نظر بہت سی قربانیاں کی جائیں۔ یہ ذبحِ عظیم سوائے واقعہ کربلا کے تاریخ اسلام میں اور کوئی واقعہ نظر نہیں آتا۔ یزید کے زمانہ میں جو بدعت و ضلالت کا طوفان اُٹھا تھا اس کی روک تھام ایک عظیم الشان قربانی سے ہی ہو سکتی تھی۔ جہاں کہیں جناب اسمٰعیلؑ کو بچا لینے میں انسداد ہو سکتا تھا خدا نے بچا لیا۔ اور جہاں بچانے میں نہیں بلکہ ذبح کرا دینے میں ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا وہاں ذبحِ عظیم منظور کر لیا گیا۔ جس داستان کی ابتداء اسمٰعیلؑ سے ہوئی تھی اس کی انتہا امام حسینؑ

پرہوئی۔ دونوں کے اچھے چرچے کی ذمہ داری خدا نے اپنے اوپر لی ہے۔ اسمٰعیلؑ کے واقعہ کی یادگار ۱۰ ذی الحجہ ہے اور حسینؑ کے واقعہ کی یادگار ۱۰ محرم ہے۔ وہاں ایک قربانی کی یادگار ایک دن ہے، یہاں بہتر کی قربانی کی یادگار بہتر دن ہیں۔ بلکہ پورا سال۔ نہ کوئی طاقت اسے مٹا سکتی ہے نہ بند کر سکتی ہے۔ قیامت تک ان دونوں یادگاروں کا سلسلہ دنیا میں باقی رہے گا۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳۹ ۷

اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحٰق نبی کی جو صالحین میں سے تھے اور ابراہیم پر برکت نازل کی اور اسحاق پر اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نکوکار ہیں اور بعض نافرمان اپنی جانوں پر صریحی ظلم کرنے والے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت سے چودہ برس بعد حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔ ان کی اولاد میں جہاں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے وہاں ان سے بھی زیادہ سرکش اور ظالم لوگ ہوئے۔ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے۔ انہی کا نام اسرائیل (بندۂ خدا) ہے۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا
فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم نے موسیٰ و ہارون پر بہت سے احسانات کیے اور ان دونوں اور ان کی قوم کو سخت مصیبت سے بچایا

اور ہم نے ان کی مدد کی تو آخر یہی لوگ غالب رہے اور ہم نے ان دونوں کو ایسی کتاب عطا کی جس کے مطالب بہت واضح ہیں (توریت) اور دونوں کو سیدھی راہ کی ہدایت کی اور بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔ سلام ہو موسیٰ و ہارون پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی جزائے خیر دیتے ہیں۔ وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سب سے بڑا احسان خدا کا یہ تھا کہ ان کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی اور اس ظالم قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا۔ کتاب توریت جو حضرت موسیٰؑ کو دی تھی اس میں تمام احکام نہایت واضح طریق سے بیان کیے گئے تھے مگر باوجود اس کے بنی اسرائیل نے ان میں اتنا اختلاف کیا کہ ان کے اکہتر فرقے بن گئے۔ کتنا بڑا مرتبہ ہے ان انبیاءؑ کا جن پر خدا کا سلام ہو۔ اور جن کو خدا اپنے مومن بندوں میں شمار کرے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ
بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا
ع ۴۰ ۸ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

الیاس بھی رسولوں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم احسن الخالقین خدا کو چھوڑ کر بعل (نام بت)

کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی ۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ یہ لوگ یقیناً (جہنم میں) گرفتار کیے جائیں گے مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہیں گے اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر بعد کے آنے والوں میں باقی رکھا اور سلام ہو الیاس والوں پر۔ اور ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ نیک اور ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اور لوطؑ بھی بے شک مرسلین میں سے تھے۔ جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی، مگر ان کی بڑھیا (بی بی) پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے باقی لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (اے اہلِ مکہ) تم بھی ان پر سے کبھی صبح اور کبھی شام کو گزرا کرتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت الیاسؑ بن یاسین حضرت ہارونؑ کی اولاد سے تھے۔ یہ اور حضرت خضرؑ دونوں پیغمبر زندہ ہیں۔ مگر لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ حضرت حزقیلؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو حضرت الیاسؑ ان کی ہدایت کو بھیجے گئے اس وقت کا بادشاہ کافر تھا اور اس کی رعایا بھی بت پرستی کرتی تھی۔ حضرت الیاسؑ نے ہر چند سمجھایا مگر اس پر اثر نہ ہوا۔ بادشاہ کی بی بی کو ایک عابد کا باغ پسند آیا۔ اس نے عابد کو قتل کرا کے اس باغ پر قبضہ کر لیا۔ اس پر خدا کا عذاب نازل ہوا۔ حضرت الیاسؑ نے اسے عذابِ خدا سے ڈرایا۔ بادشاہ کو ان پر غصہ آیا۔ اور ان کے درپے آزار ہو گیا اور گرفتاری کا حکم دیا۔ مگر آپؑ کی بددعا سے اس کا بیٹا بیمار ہوا۔ وہ اس کے غم میں بہنے لگا۔ حضرت الیاسؑ شہر سے نکل کر ایک پہاڑ پر عبادت میں مشغول ہو گئے بادشاہ نے کچھ لوگوں کو شام کے بتوں کے سامنے دعائے صحت کے لیے بھیجا تو ان لوگوں سے آپؑ کی ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا، بادشاہ سے کہو اللہ پر ایمان لائے تو صحت ہوگی۔ جب بادشاہ کو حضرت الیاسؑ کے قیام کی جگہ معلوم ہو گئی، تو اس نے لوگوں کو آپؑ کی گرفتاری کے لیے بھیجا مگر سب کے سب آپؑ کی بددعا سے مر گئے۔ آخر اس نے اپنے وزیر کو بھیجا جو ایماندار تھا۔ وہ بھی وہیں رہ گیا۔ غرض اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ اس کے بعد سخت قحط آیا۔ جب کئی سال گذر گئے تو حضرت الیاسؑ پھر شہر میں آئے اور ان سے کہا، تم اپنے بتوں کے سامنے دعا کرو۔ اگر پانی برس جائے تو اپنے مذہب پر قائم رہو، ورنہ میں اپنے خدا سے دعا کروں۔ اگر پانی برس جائے تو ایمان لے آنا۔ ان لوگوں نے اقرار کر لیا۔ بتوں کے سامنے دعا کی مگر کیا ہوتا۔ پھر حضرت الیاسؑ نے دعا کی تو پانی خوب برسا مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔ آخر بحکمِ خدا الیسعؑ نبی کو اپنا خلیفہ بنا کر وہاں سے نکل گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ خدا نے ان پر ایک ایسے بادشاہ کو مسلط کیا جس نے ان کی خوب خبر لی اور بادشاہ اور اس کی بی بی کو قتل کر کے اس باغ میں ڈال دیا۔ جہاں پرندوں نے ان کا گوشت نوچ نوچ کھایا یوں خدا نے بے گناہ عابد کے قتل کی سزا ان کو دی۔

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ۔ مفسرین عامہ نے اس سے مراد الیاسؑ ہی لی ہے۔ لیکن شیعہ مفسرین نے لکھا ہے، کہ یہ آلِ یٰسین ہے۔ مگر امام رازی، کلینی، اور روزبہان نے اس سے آلِ محمد مراد لی ہے۔ کیونکہ یٰسین آنحضرتؐ کا نام ہے۔ اور قراء شیعہ میں سے ابنِ عامر۔ نافع یعقوب کی قراءت میں بھی آلِ یٰسین ہے۔ اس کی مزید وہ روایت ہے جسے

ابنِ ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آلِ یٰسین آلِ محمد ہیں (دیکھو تفسیر در منثور سیوطی، جلد ۵ مطبوعہ مصر، منقول از حاشیہ قرآن ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)۔

یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ الیاس والوں میں کیا ایسی خصوصیت تھی کہ ان پر خدا کا سلام ہو۔ الیاس والوں کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں۔ ان کی اولاد میں تو کوئی نبی بھی نہیں ہوا۔

رہا یہ کہنا کہ ذکرِ الیاس میں آلِ یٰسین کے ذکر سے کیا ربط۔ تو یہ تو جامع القرآن سے پوچھا جائے کہ انہیں الیاس والوں سے اتنی محبت کیوں ہے۔ آلِ محمد سے کیوں نہیں۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى
يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَاَنْۢبَتْنَا
عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ
الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ
شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ
تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾

اور بے شک یونس نبی مرسلین میں سے تھے۔ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے، تو اہلِ کشتی نے قرعہ ڈالا (جو انہی کے نام نکلا) تو یونس نے زک اٹھائی (دریا میں گر پڑے) اور ان کو ایک مچھلی نگل گئی اور یونس اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر یونس خدا کی تسبیح نہ کرتے تو روزِ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو (مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) ایک کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار نڈھال ہو گئے تھے۔ ہم نے ان پر (آرام کے لیے) ایک کدّو کا درخت اُگا دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے ان کو ایک لاکھ اور کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو وہ لوگ ان پر ایمان لے آئے تو ہم نے بھی ایک مدت تک انہیں چین سے رکھا۔ اے رسول، ان کفار سے پوچھو کہ کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں اور ان لوگوں کے بیٹے ہیں (کیا واقعی) ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا۔ تو کیا یہ لوگ اس وقت موجود تھے۔ آگاہ ہو یہ لوگ اپنے دل سے گڑھ کر کیسی باتیں بناتے ہیں کہ خدا اولاد والا ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی ہے۔ تمہیں کیا (خبط) ہو گیا ہے، تم لوگ (بیٹھے بیٹھے) کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔

حضرت یونسؑ کا ذکر سورۂ انبیاء میں اور سورۂ یونس میں بھی ہے۔ یہ ارضِ نینوا پر ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ کافر و مشرک تھے۔ حضرتؑ نے ان کو بُت پرستی سے روکنے اور خدا پر ایمان لانے کے متعلق بہت کچھ سمجھایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت یونسؑ نے قوم کو خبر دی کہ تیسرے دن عذاب آ جائے گا۔ تیسرا دن آنے سے پہلے ہی بستی سے نکل گئے۔ تیسرے دن جب عذاب اس قوم کے سر پر آ گیا اور انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت یونسؑ کو تلاش کیا۔ وہ نہ ملے۔ آخر اپنے بال بچوں اور جانوروں کو لے کر جنگل میں پہنچے اور روتے پیٹتے ایمان کا اظہار کیا اور توبہ کی۔ خدا نے رحم کھا کر عذاب کو ہٹا دیا۔

خدا نے عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا، ان کو ہلاک کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ حضرت یونسؑ چوتھے دن اس خیال سے بستی کی طرف آئے کہ وہ سب ہلاک ہو گئے ہوں گے۔ جب ان کو چلتا پھرتا دیکھا تو ان کو اس بات پر غصہ آیا کہ قوم مجھے جھوٹا کہے گی۔ اور نبوت کی توہین ہو گی۔ وحی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیئے۔ دریائی راستہ سے سفر کرنا چاہا۔ دریا کے کنارہ پر پہنچے تو ایک کشتی کھچا کھچ مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ جس طرح بنا اس پر چڑھ گئے۔ ملّاح نے کہا کشتی میں وزن زیادہ ہو گیا ہے۔ ڈوبنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایک آدمی تم میں سے اُتر جائے۔ لوگوں نے یہ بھی کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کا نافرمان بن کر بھاگا ہے۔ الغرض قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ کشتی والوں نے انہیں پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ فوراً ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ تین روز تک اس کے پیٹ میں تسبیح الٰہی کرتے رہے۔ بعض روایات میں ہے چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اگر یہ تسبیح نہ کرتے تو وہی مچھلی ان کا مقبرہ بن جاتی اور قیامت تک کے لیے بن جاتی۔ جب بحکمِ خدا مچھلی نے ان کو اُگلا اور زمین پر آئے تو فوراً قدرت نے کدّو کا درخت وہاں اُگا دیا۔ اس کی بیل میں یہ خصوصیت ہے کہ پتا چوڑا ہوتا ہے دوسرے اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ چونکہ ان کا بدن مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے نہایت سقیم ہو گیا تھا لہٰذا دھوپ برداشت نہیں کر سکتا تھا اور نہ مکھی بیٹھنے کی تاب ہی لا سکتا تھا۔ اسی لیے قدرت کی طرف سے ایسا انتظام ہوا۔ یقطین اس بیل کو کہتے ہیں جس کا پتّہ چوڑا ہو اور بڑا پھل لگے۔ جیسے کدّو، تربوز وغیرہ۔ ممکن ہے تربوز ہو اور اس کو کھایا بھی ہو۔

وہاں سے پھر قوم کے پاس آئے اور اس کو ہدایت کرتے رہے۔

آیت ۱۴۷ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا خدا کو پوری تعداد معلوم نہیں تھی جو یہ فرمایا، ایک ہزار یا اس سے زائد لوگ بستے تھے۔ جواب یہ ہے کہ خدا کو پورا علم تھا۔ مگر عام لوگ جیسا کسی بستی کے متعلق تخمیناً کہا کرتے ہیں کہ ایک ہزار یا کچھ زائد لوگ ہوں گے لہٰذا عرفِ عام کی بنا پر ایسا کہا گیا۔

آیہ ۱۴۹ کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ملائکہ کو اللہ کی لڑکیاں کہا کرتے تھے۔ یہ کیسی غضب کی بات تھی۔ اپنے لیے لڑکے پسند کرتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرنا ان کے نزدیک ٹھیک تھا۔ خدا دریافت کرتا ہے جب ملائکہ کو لڑکیاں بنا کر پیدا کیا تھا تو کیا اس وقت یہ لوگ دیکھ رہے تھے۔ ورنہ انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ وہ لڑکیوں کی صورت میں ہیں اور خدا کے لیے لڑکوں کی بجائے لڑکیوں کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ عقل سے کام لیتے ہی نہیں۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

کیا تمہارے پاس اس کی کوئی ایسی دلیل ہے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔ ان لوگوں نے

خدا اور جنّات کے درمیان رشتہ ناطہ قرار دیا ہے (یہ تو) جنّات بخوبی جانتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً قیامت میں
بندوں کی طرح (محشور) حاضر کیے جائیں گے۔ یہ لوگ جو باتیں کیا کرتے ہیں وہ ان سے پاک ہے، مگر خدا کو ماننے
والے بندے ایسا نہیں کہتے۔ غرض تم لوگ خود اور تمہارے معبود اس کے خلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ مگر
اسی کو جو جہنّم میں جھونکا جانے والا ہے۔ (فرشتے تو یہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کا درجہ مقرر ہے۔ ہم تو
(اس کی عبادت کے لیے) صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور ہم تو اس کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں۔

اگر تم اپنے اس قول میں صادق ہو کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور جنات اور خدا کے درمیان رشتہ ناطہ ہے تو کوئی دلیل پیش کرو۔ یا کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس سے تمہارے قول کی تصدیق ہو۔ خدا کا کوئی رشتہ دار نہیں، فرشتے ہوں یا جنات سب اسی کے بندے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام کا جاننے والا ہے۔ وہ تو اس کی عبادت اور تسبیح کرنے والے ہیں پھر ان سے خدا کی رشتہ داری کا کیا تعلق۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا
لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾ ع ۵ ۹

(یہ کفّار، اسلام سے قبل) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا قصّہ کسی کتابِ خدا میں ہوتا تو ہم بھی

خدا کے مخلص بندے ضرور ہو جاتے۔ مگر (جب کتاب آئی تو) ان لوگوں نے انکار کیا۔ عنقریب اس کا نتیجہ بھی
معلوم ہو جائے گا۔ اپنے خاص بندوں سے ہماری بات پکی ہو چکی ہے کہ ان کی ہماری بارگاہ سے ضرور مدد
کی جائے گی اور ہمارا لشکر تو یقیناً غالب رہے گا۔ اے رسول تم ان سے ایک خاص وقت تک منہ پھیرے رہو۔
اور انہیں دیکھتے رہو۔ عنقریب یہ اپنا نتیجہ دیکھ لیں گے تو کیا یہ لوگ اپنے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں جب
عذاب ان کے صحن میں اُتر پڑے گا تو جو لوگ ڈرائے جا چکے ہیں ان کی کیسی بُری صبح ہوگی۔ ان لوگوں
سے ایک خاص وقت تک منہ پھیرے رہو اور دیکھتے رہو کہ یہ لوگ عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے۔
جو کچھ یہ کہتے ہیں تمہارا پروردگار جو عزّت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے اور پیغمبروں پر درود و سلام
ہو۔ اور حمد کا سزاوار وُہ خدا ہے جو تمام عالموں کا رب ہے۔

کفّار و مشرکین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب تک کوئی کتاب نہ آئی وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہتے، جب کتاب آئے گی تو ہم ضرور اس کے احکام پر عمل کریں گے اور خدا کے مخلص بندے بن جائیں گے لیکن جب آئی تو صاف انکار کر بیٹھے اور رسولوں کو ستانے لگے۔ ہم نے اپنے رسولوں سے کہہ رکھا تھا کہ گھبراؤ نہیں تمہاری مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر "جو ایمان والے تمہارے ساتھ ہوں گے" وُہ ان پر ضرور غالب آئیں گے۔ یعنی اگر بزور طاقت و قوت ان کو زیر نہ بھی کر سکیں گے تو ان کی اخلاقی برتری ان کو ذلیل کر کے رہے گی۔

اے رسول، تم ان سے کچھ نہ کہو ان سے بالکل علیحدہ رہو اور جو کچھ یہ کرتے ہیں کرنے دو۔ عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا کہ ان کی سرکشی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ تم سے ہمارے عذاب کے متعلق جلدی کیا کرتے ہیں، انہیں کیا خبر کہ جب ان پر ہمارا عذاب نازل ہوگا تو ان کی صبح جس میں یہ لوٹ مار کو نکلتے ہیں کیسی بُری صبح بن جائے گی۔ اور اس وقت ان کے کیے کچھ نہ بنے گا۔ تم ان کی طرف سے منہ پھیرے رہو پھر جو کچھ ہوگا اسے تم بھی دیکھو گے اور یہ بھی دیکھیں گے۔ یہ لوگ جو خدا کے متعلق افترا پردازیاں کرتے ہیں، کرنے دو۔ خدا کی عزّت و جلال میں ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تو ہر عیب سے پاک ہے۔

---

(۳۸) سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾
کَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَبْلِہِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾
وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَہُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْہُمْ ز وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ہٰذَا سٰحِرٌ
کَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِہَۃَ اِلٰہًا وَّاحِدًا ج اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾
وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْہُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِہَتِکُمْ ج اِنَّ ہٰذَا
لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِہٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ ج اِنْ ہٰذَآ اِلَّا
اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا ط بَلْ ہُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ
ذِکْرِیْ ج بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَہُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ
الْعَزِیْزِ الْوَہَّابِ ﴿۹﴾ اَمْ لَہُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا قف
فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا ہُنَالِکَ مَہْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

صٓ - نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم (تم برحق ہو) مگر یہ کفار (خواہ مخواہ) تکبّر اور عداوت میں (اندھے ہو رہے) ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے کتنے گروہ ہلاک کر دیئے تو (عذاب کے وقت) یہ لوگ چیخ

اٹھیں گے مگر چھٹکارے کا وقت ہی نہ رہے گا اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان میں ڈرانے والا پیغمبر اُن کے پاس آیا۔ کافر لوگ کہنے لگے، یہ تو بڑا پکّا اور جھوٹا جادوگر ہے۔ اس نے تمام معبودوں کو (ملیامیٹ کر کے) ایک ہی معبود قائم کر رکھا ہے' یہ تو یقیناً ایک بڑی تعجب خیز بات ہے۔ ان میں سے چند سرمار مجلس وعظ سے یہ (کہہ کر) چل کھڑے ہوئے کہ یہاں سے چل دو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔ یقیناً اس میں اس کی کوئی غرض ہے۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سُنی (ہو نہ ہو) یہ ان کی من گھڑت ہے۔ کیا ہم میں بس (محمدؐ اس قابل تھے کہ) اسی پر قرآن نازل فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ان کو میرے کلام پر شک ہے کہ میرا ہے یا نہیں۔ کہ انہوں نے ابھی تک عذاب کے مزے ہی نہیں چکھے (اس وجہ سے یہ شرارت کر رہے ہیں۔) کیا اے رسول تمہارے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں یا سارے آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت ان ہی کے لیے خاص ہے۔ تب ان کو چاہیئے کہ رستے یا سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور انتظام کریں۔ اے رسول۔ ان پیغمبروں کے ساتھ جھگڑا کرنے والے گروہوں میں سے تمہارے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ جو اس جگہ شکست کھانے والا ہے۔

یہ آیات کفار قریش کے متعلق ہیں جو غرور و تکبّر میں چھکے ہوئے خواہ مخواہ حضرتؐ کے دشمن بن گئے تھے۔ کیا انہیں یہ پتہ نہیں کہ ہم نے اسی سرکشی کی بنا پر ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ لیکن ان کے سمجھنے سے بھی کیا ہونا ہے، نجات پانے کا وقت تو گزر گیا۔ یہ اسی خبط میں مبتلا ہیں کہ انہی میں سے ایک شخص کو جو امیر کبیر بھی نہیں پیغمبری مل کیسے گئی، یہ شخص بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم کو بہت سے معبودوں کی عبادت سے روک کر ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کی طرف لانا چاہتا ہے۔ جو ان میں قوم کے سردار تھے، کہنے لگے یہاں سے چل دو۔ اس کی کوئی بات نہ سنو یہ (نبی) کسی ذاتی غرض کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔ ہم نے اپنے سے پہلے لوگوں سے بھی ایسی بات نہیں سُنی۔ یہ من گھڑت بات نہیں تو اور کیا ہے۔ ساری قوم میں ایک محمدؐ ہی ایسا شخص نظر آیا جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے تو قریش میں ہل چل مچ گئی۔ قریش کے ممتاز لیڈر ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ہشام اور عاص ایک روز حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے ہمارے سردار ہم آپ کے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔ آپ کے بھتیجے محمدؐ نے غضب کیا کہ ہمارے بتوں کو بُرا کہتا ہے اور ان کی سخت توہین کرتا ہے۔ ہماری عقلوں کو واہی بتاتا ہے۔ ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف کہتا ہے۔ ہمارے بیوقوفوں کو اپنے دین میں لے لیتا ہے۔ اس نے ہمارے دین میں تفرقہ ڈال دیا ہے جس نے ہمارے راحت و آرام میں

خلل ڈال دیا ہے۔ آپ ان کو سمجھائیے کہ ان باتوں سے باز آجائیں ورنہ اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔ حضرت ابوطالب نے
حضرت رسولِ خدا کو بلایا اور قوم کی شکایت بیان کی۔ حضرتؐ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا، چچا جان میں تو ان سے صرف
ایک بات میں مدد مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ سلطنتِ عرب و عجم کا وعدہ کرتا ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں
اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیں تب بھی میں ان کے بتوں کو برا کہنے سے باز نہ
آؤں گا۔ یہاں تک کہ میں اس کلمہ کو جاری کروں۔ یا قتل کیا جاؤں۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا، بیٹا تم اطمینان سے اپنا
کام کیے جاؤ۔ میں ہر طرح تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں۔ یہ سن کر ابوجہل کہنے لگا، اس نے تو سب خداؤں کو ملیا میٹ
کر کے ایک ہی خدا کو قائم کر رکھا ہے۔ بھلا اس کی یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے۔

حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ابوجہل وغیرہ نے حضرتؐ پر اتنے پتھر مارے، کہ
آپؐ کا بدن مبارک ہر طرف سے زخمی ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے، لوٹے تو ان کی کنیز نے کہا، ابوجہل
نے آج آپ کے بھتیجے پر یہ ظلم کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ کو غصہ آیا، کمان لیے ہوئے ابوجہل کی تلاش میں چلے۔
وہ اس وقت خانۂ کعبہ میں تھا۔ آپؓ نے جاتے ہی کمان کو زور سے اس کے سر پر مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اور
فرمایا، میں بھی آج سے مسلمان ہوتا ہوں۔ حضرت حمزہؓ چونکہ قریش کے نامور بہادر تھے اس لیے قریش میں ہل چل مچ گئی۔
عتبہ نے کہا معلوم ہوتا ہے محمدؐ کا کام اب رکنے والا نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی روک تھام کیسے کی جائے۔

آخر آیات میں بتایا گیا ہے کہ ان کفار نے بت پرستی کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے کہ یہ ہماری خلاقیؐ پر ایمان
لاتے ہی نہیں۔ جب تک یہ عذاب کا مزہ نہ چکھیں گے اپنے فاسد عقائد سے توبہ کرنے والے نہیں۔ ان سے پوچھو کہ یہ
کس بل بوتے پر اتنی سرکشی کر رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس اللہ کی رحمت کے خزانے جمع ہو گئے ہیں جس پر یہ اکڑ رہے ہیں۔ یا
آسمان و زمین کی سلطنت ان کے حصہ میں آگئی ہے جس پر یہ اترا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا سامان ہے کہ یہ
آسمانوں پر چڑھ کر ہم سے ٹکر لیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جب عذاب آئے گا تو کوئی طاقت ان کے پاس
ایسی نہیں کہ اسے روک سکیں۔ ان کو ہوش میں آنا چاہیئے اور اپنے سے پہلے لوگوں کے انجام کو دیکھنا چاہیئے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُودُ
وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ إِنْ كُلٌّ
إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً ع ۱۰
وَاحِدَةً مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ

يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون اور ثمود اور قوم لوط اور جنگل کے رہنے والے
(قوم شعیب) یہ سب پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ یہی گروہ ہیں (جو شکست کھا چکے ہیں) ان سب نے
پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا عذاب ٹھیک ان پر نازل ہوا۔ یہ کافر لوگ بس ایک چیخ کے منتظر ہیں جو
انہیں چشم زدن کی مہلت نہ دے گی اور یہ لوگ مذاق سے کہتے ہیں کہ پروردگار حساب کے دن (قیامت)
جو ہماری قسمت میں لکھا ہے جلدی سے ہمیں دے دے۔ اے رسول جو باتیں یہ لوگ کرتے ہیں اس
پر صبر کرو۔

فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جب کسی کو سزا دیتا تھا تو اس کے ہاتھ پاؤں میں
میخیں ٹھکوا دیتا تھا۔ کفار و مشرکین کو بتایا جا رہا ہے کہ جس عذاب کو تم جھٹلا رہے ہو اس کے آنے میں وقفہ نہیں ہوگا۔
بلکہ ایک دم سے وہ ایک چیخ کی صورت میں ظاہر ہو کر تم سب کو ہلاک کر دے گا۔
کفار کا یہ کہنا کہ قیامت آنے سے پہلے جو ہمارا حصہ ہے وہ پہلے ہی مل جائے، از راہِ مذاق تھا۔ یعنی نبی سے
کہتے تھے کہ جو سزا روزِ قیامت ہمیں ملنے والی ہے وہ ہمیں یہیں دلوا دو۔ ہم اس کے انتظار میں رہنا نہیں چاہتے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَهُ
أَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾
وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ
دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾
إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ

وَاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ السجدة فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

اے رسول، ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جو بڑے قوت والے اور ہماری طرف بڑی رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو بھی ان کا تابعدار بنا دیا تھا، جو صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی (یادِ خدا کے وقت) سمٹ آتے تھے۔ اور ان کے فرماں بردار تھے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور مقدمات کی فیصلہ کی نعمت عطا کی۔ اے رسول، کیا تم تک ان دعویداروں کی بھی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ حجرۂ (عبادت) کی دیوار پھاند پڑے اور جب داؤد کے پاس آکھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے۔ انہوں نے کہا، آپ ڈر گئے لیکن ہم دونوں ایک مقدمہ کے فریقین ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے۔ اور ہمیں سیدھی راہ دکھائیے (مقدمہ یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے۔ یہ کہتا ہے یہ دُنبی بھی مجھی کو دے دو اور بات چیت میں مجھ پر سختی کرتا ہے۔ داؤد نے (بغیر مدعا علیہ سے پوچھے) کہہ دیا کہ جو تیری دُنبی مانگ کر اپنی دُنبیوں میں ملانا چاہتا ہے تو یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء کی یہی حالت ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم کیا کرتے ہیں مگر جن لوگوں نے ایمان قبول

کیا اور نیک عمل کیے (وہ ایسا نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ (یہ سُن کر) دونوں چل دیئے۔ اب داؤد نے سمجھا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا تھا۔ پس وہ اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا مانگنے لگے اور سجدہ میں گر پڑے اور ہماری طرف رجوع کی۔ ہم نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی اور اس میں شک نہیں کہ ہماری بارگاہ میں ان کا تقرب اور اچھا انجام ہے۔

ذَا الْاَيْد کے معنی ہیں طاقتور، جنابِ داؤدؑ کی طاقت کا اظہار کئی طریقہ سے ہوا۔ اوّل یہ کہ انہوں نے جالوت کو قتل کیا۔ دوسرے عبادت کی طاقت اتنی تھی کہ وہ نصف شب کے بعد صبح تک برابر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کرنے کی طاقت بھی ان میں زیادہ تھی۔ صبح سے شام تک برابر مقدمات فیصل کرتے رہتے تھے۔

اَوَّاب کے معنی ہیں خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر تسبیح الٰہی میں گزارتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ خدا نے ان کو علم عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً قضایا فیصل کرنے کا علم۔ ایک دن جبکہ وہ محراب عبادت میں مشغولِ تسبیح تھے کہ دو شخص دیوار پھاند کر وہاں آئے۔ جناب داؤدؑ ڈر گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بلا اجازت دیوار پھاند کر آئے تھے ایک بادشاہِ وقت کے پاس اس طرح گستاخانہ انداز میں دوسرا نہیں آسکتا۔ جب انہوں نے اپنا قضیہ پیش کیا تو حضرت داؤدؑ نے بغیر مدعا علیہ کا بیان سنے فیصلہ کر دیا۔ بہت سے لوگ اس کو داخل گناہ سمجھتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو وہ داخلِ معصیت نہ تھا۔ کیونکہ مدعا علیہ کے سامنے یہ بیان تھا۔ اس کا خاموش رہنا اور کوئی جوابی تقریر نہ کرنا اس کی دلیل تھا کہ اس نے مدعی کے بیان کو سچ مان لیا تھا۔ دوسرے مدعی یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ اس نے میری دُنبی مجھ سے چھین لی ہے بلکہ یہ کہہ رہا تھا کہ وہ میری دُنبی بھی مانگ رہا ہے۔ اس بنا پر جب کوئی امر صرف زبان تک محدود ہو تو اس کو سمجھانے تک ہی رکھنے کی ضرورت تھی، کسی حکم کو صادر کرنے کی نہیں۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ۔ (داؤد نے سمجھا ہم نے انہیں امتحان میں ڈالا ہے)۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا جوڑ اوریا کے قصہ سے جا لگایا ہے۔ اور توریت سے یہ غلط واقعہ نقل کر دیا۔ کہ اوریا ایک سپاہی تھا اور اس کی بی بی بڑی حسین تھی۔ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ اگر کسی کی بی بی کسی کو پسند آتی تھی تو وہ اس کو اس عورت کے شوہر سے مانگ لیتا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے ایک روز اوریا کی بی بی کو دیکھا تو اس کو حسب رسم زمانہ مانگا۔ اوریا نے انکار کیا۔ حضرت داؤدؑ خاموش ہو گئے۔ لیکن اس عورت کا عشق اس حد تک پہنچ گیا کہ انہوں نے اوریا کو ایک جنگ پر بھیجا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ اسے ایسے شخص کے مقابل بھیجنا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ جب اس کے قتل کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس کی بی بی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ دو فرشتے جو محراب عبادت میں آئے تھے وہ اس واقعہ پر متنبہ کرنے آئے کہ تم بادشاہ ہو۔ تمہارے قبضہ میں بہت سی بی بیاں ہیں پھر بھی تم ایک شخص کے پاس ایک عورت نہیں دیکھ سکے۔ چنانچہ جب حضرت داؤدؑ نے اس امتحان کو سمجھا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا سے مغفرت

کی دُعا مانگی ۔ ایک دو نہیں ایسے بہت سے واقعات توریت میں درج ہیں جو یہودیوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے ہیں ۔ اور مسلمانوں نے بے تامل اپنی تفسیروں میں درج کر دیا ہے اور قطعاً اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ایسے واقعات سے عصمتِ انبیاءؑ پر کیسی کاری ضرب لگتی ہے ۔ کیا وہ شخص نبوت کے قابل ہو سکتا ہے جو ایک شخص کو اس بنا پر قتل کرا دے کہ وہ اس کی بی بی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا ۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ نہ تھا تو پھر داؤدؑ اتنا کیوں روئے کہ نماز کے سوا چالیس روز تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا اور اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس پر سبزہ اُگ آیا ۔ جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ اپنی ذرا سی لغزش کو بھی گناہِ کبیرہ سمجھتے تھے ۔ عام آدمیوں میں اور انبیاءؑ کے احساسِ عبدیت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔ دونوں فرشتوں کے واقعہ کو اوریا کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ چونکہ خدا نے ان کو علم و فضلِ خطاب عطا فرمایا تھا لہٰذا یہ امتحان تھا اس کا کہ وہ قضایا فیصل کرتے وقت کہاں تک اس علم سے کام لیتے ہیں جو ہم نے ان کو دیا ہے ۔

اب رہا اوریا کا معاملہ ۔ اگر جنگ میں اس کے مارے جانے کے بعد اس کی دل شکستہ عورت کو تسکین دینے کے لیے حضرت داؤدؑ نے شادی کر لی تھی تو یہ کوئی گناہ نہ تھا بلکہ ایک بیوہ عورت کی دلجوئی کی بنا پر امرِ خیر تھا ۔ اس بنا پر جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ایامِ سلطنت میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ جو کوئی حضرت داؤدؑ کا قصہ، قصہ خوانوں کی طرح بیان کرے گا اس کو ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا ۔ غرض اوریا کا قصہ محض افترا پردازی اور بہتان ہے ۔ بحمداللہ شیعہ مفسرین نے اس قصہ کو اپنی تفسیروں میں کہیں جگہ نہیں دی ۔

ایک مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی رسم کے مطابق حضرت داؤدؑ نے اوریا سے اس کی بی بی مانگی تھی، لیکن جب اُس نے انکار کر دیا تو خاموش ہو گئے لیکن جب وہ جنگ میں مارا گیا تو اس کی بی بی سے شادی کرنا کوئی گناہ نہ تھا ۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس زمانہ میں ایک شخص کسی دوسرے کی بی بی مانگ سکتا تھا ۔ مگر ایک نبی کے لیے کہاں تک زیبا تھا کہ اس رسمِ بد کی پابندی کرے ۔ کسی کو کسی کی بی بی مانگنے کا کیا حق تھا ۔ نبی تو رسمِ بد مٹانے کے لیے آتا ہے نہ کہ رسمِ بد کو بجا لانے کے لیے ۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دونوں فرشتوں کے مقدمہ کا فیصلہ اس کے ثبوت میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اوریا سے اس کی بی بی کو مانگا ضرور تھا ۔ ورنہ ان کی تنبیہ کے لیے دونوں فرشتے ایک فرضی قضیہ بنا کر کیوں آئے تھے ۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ خدا کی طرف سے حضرت داؤدؑ کو قضایا فیصل کرنے کا علم دیا گیا تھا لہٰذا اس کا امتحان لینا بھی ضروری تھا ۔ جیسا کہ عام طور پر قاعدہ ہے کہ جب کسی افسر کو کوئی خدمت سپرد کی جاتی ہے تو بادشاہ یا اس کا نائب جانچتا ہے کہ وہ اس خدمت کو صحیح طور پر انجام دے رہا ہے یا نہیں ۔ فصلِ قضایا کوئی معمولی بات نہ تھی اس میں ذرا سی چوک پر ایک شخص کا حق مارا جاتا ہے ۔ پس قدرت کی طرف سے جو امتحان لیا گیا، اس کا اوریا کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ اگر اوریا سے حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی مانگی ہوتی تب تو یہ مقدمہ ضرور ان کی تنبیہ کے لیے ہوتا ۔ لیکن جب ان کا مانگنا ہی عقلاً و نقلاً ثابت نہیں تو پھر اس واقعہ کو اس واقعہ کا شاخسانہ بنانا ایک نبی کی سخت توہین ہے اور اس کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنا ہے ۔ توریت میں

مذکورہ روایت کا پایا جانا ہمارے لیے سند نہیں کیونکہ وہ محرف ہے ۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ع ﴿۲۶﴾ ع ۱۲ ۱۴

اے داؤد ، ہم نے تم کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا پس لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرو ۔ اور خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ خواہش کی پیروی تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی ۔ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ قیامت کو بھلا بیٹھے ہیں ۔

انبیاءؑ میں تین ہی ایسے ہیں جن کی خلافت کا ذکر قرآن میں آیا ہے ۔ اوّل حضرت آدم علیہ السلام دوسرے ہارون علیہ السلام اور تیسرے داؤد علیہ السلام ۔ حضرت داؤدؑ کی خلافت کا اعلان اس بات کی دلیل ہے کہ جو الزام لوگوں نے حضرت داؤدؑ پر لگایا ہے وہ قطعاً غلط ہے ۔ ورنہ اس کے بعد خلیفہ بنانے کا ذکر بھی نہ ہوتا ۔ ایک ایسا شخص جو دوسرے کی بی بی پر خلافِ شرع قابض ہوتا ہے خلیفہ بنائے جانے کے قابل ہو ہی نہیں سکتا ۔ نیز حضرت داؤدؑ سے یہ بھی کہا جا رہا ہے ۔ کہ خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرو ورنہ راہِ راست سے ہٹ جاؤ گے اور اس کی سزا سخت عذاب ہے ۔ پس اگر حضرت داؤدؑ نے خواہشِ نفس کی پیروی کی ہوتی اور یہ سخت گناہ کرتے تو یہ سزا ان کو ضرور ملتی ۔ پس معلوم ہوا کہ ان سے کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا سرزد ہوا ہی نہیں ۔ اور پھر نبی تو معصوم ہوتا ہے ۔

ایک مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں، قصور تو ضرور ہوا ۔ لیکن ان کے رونے اور فریاد کرنے سے بخش دیا گیا ۔ واہ، سبحان اللہ ! اگر انبیاء علیہم السلام ایسے ہی قصوروار ہوتے ہیں تو پھر ان میں اور عام لوگوں میں فرق ہی کیا رہا ۔ عجیب بات یہ ہے کہ گناہ بخشنے کے بعد خلافت بھی ان کو دے دی ۔

ایک اور مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ بخش دینے کے بعد خلافت ملی تھی ایسے ہی حضرت داؤدؑ کو ملی ۔ ان سب تفسیروں سے ثابت یہ ہوا کہ مسلمان انبیاءؑ کو معصوم دیکھنا چاہتے ہی نہیں ۔ بھلا یہ بتایئے کہاں آدمؑ کا قصور اور کہاں حضرت داؤدؑ کا قصور ۔ آدمؑ سے جو کچھ ہوا اس کا اثر صرف اُن کی ذات تک تھا لیکن حضرت داؤدؑ سے جو ہوا تو صریحاً ایک ایسے شخص پر جو اُن کی رعایا تھا ۔ یہ تو دوسرے پر کھلا ظلم تھا ۔ داؤدؑ، خدا کی طرف سے بادشاہ

ہو کر اگر ایسا ظلم کر سکتے تھے تو پھر دُنیا کا ہر بادشاہ بڑے بڑے ظلم کے بعد اپنی بخشش کا جواز پیش کر سکتا تھا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾
كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ جو کافر ہو بیٹھے ہیں تو جو لوگ دوزخ کے منکر ہیں ان پر افسوس ہے۔ تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کرنے والے ہیں ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے، جو رُوئے زمین پر فساد کرنے والے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر بنا دیں۔ (اے رسول) قرآن جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے وہ برکت والا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان مخلوقِ الٰہی پائی جاتی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی خدا نے بیکار پیدا نہیں کی۔ بلکہ اس کا ایک ایک پُرزہ کارخانۂ عالم کی مشین کا ایک کارآمد پُرزہ ہے اور ساری مشین جس کو اٹھارہ ہزار عالم کہا جاتا ہے نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ ہم اپنے نیک بندوں اور فسادی لوگوں کو بھلا ایک حالت میں کیسے رکھ سکتے ہیں۔ اگر بدکرداروں کو ہم جہنم رسید نہ کریں تو پھر نیک و بد سب برابر ہی نہ ہو جائیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ اس کی آیات کو لوگ غور سے پڑھیں اور جو عقلمند ہیں نصیحت حاصل کریں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ
بِالْعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّىْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَىَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا
بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا
ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ
بَعْدِىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

ہم نے داوٗد کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا (سلیمان) کیا اچھے بندے تھے۔ بے شک وُہ ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ایک دفعہ تیسرے پہر کو اصیل گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے (وہ دیکھنے میں ایسے اُلجھے کہ نوافل میں دیر ہو گئی جب یاد آیا تو) کہنے لگے، میں نے خدا کی یاد پر مال کی الفت کو ترجیح دی یہاں تک کہ آفتاب مغرب کے پردہ میں چھُپ گیا تو کہنے لگے، اچھا ان گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور کہنے لگے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔ اور ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ان کے تخت پر ایک بے جان دھڑ لا کر گرا دیا پھر سلیمان نے میری طرف رجوع کی اور کہا، پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسی کے واسطے شایان نہ ہو بے شک تُو بڑا بخشنے والا ہے۔

ــه مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن پر حضرت سلیمانؑ کے متعلق حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:
"حضرت سلیمانؑ اگرچہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھے مگر ساتھ ہی نبی بھی تھے۔ دمشق اور نصیبین کے کفار پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کی تیاری میں عمدہ عمدہ گھوڑے اپنے سامنے طلب کیے جو کسی نے تحفۃً بھیجے تھے۔ آپؑ ان کے دیکھنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ آخر وقت جو دعائیں یا وظائف پڑھتے تھے ترک ہو گئے اور آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کا آپؑ کو ایسا صدمہ ہوا کہ باوجودیکہ یہ بھی امرِ خیر تھا کہ جہاد کے لیے گھوڑے چُنے جاتے تھے مگر چونکہ اپنے

ذاتی شوق کی چیز تھی اس وجہ سے ان مستحباتی۔ وظائف کے ترک ہو جانے کے کفارہ میں آپؑ نے ان گھوڑوں کی راہِ خدا میں قربانی کر دی اور ان کا گوشت فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔"

اس بیان پر جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مستحبات ترک ہو گئے تھے تو خدا سے استغفار کرنا چاہیئے تھا نہ کہ ان گھوڑوں کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالنا، جن کی جہاد کے لیے ضرورت تھی۔ واجب عبادت تو ترک نہ ہوئی تھی بلکہ مستحب وظائف ترک ہوئے تھے۔ ان کے لیے استغفار کیا جا سکتا تھا

تفسیر صافی میں بحوالہ **من لا یحضرہ الفقیہ** امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن شام کے وقت حضرت سلیمانؑ کے سامنے گھوڑے پیش ہو رہے تھے اور وہ ان کے دیکھنے میں مشغول تھے کہ سورج غروب ہو گیا انہوں نے کہا کہ اے فرشتو، ہمارے واسطے سورج کو لوٹا دو کہ ہم ٹھیک وقت پر نماز ادا کر لیں۔ چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں پنڈلیوں اور گردن پر مسح کر لیا اور اپنے اصحاب کو جن کی نماز فوت ہوئی تھی ایسا کرنے کا حکم دیا کیونکہ نماز کے لیے ان کا وضو یہی تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج ڈوب گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی ٹانگیں اور گردنیں نہیں کاٹی گئی تھیں بلکہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی ٹانگوں اور گردن کا مسح کیا تھا۔ غالباً اس زمانہ میں تیمم کا یہی طریقہ ہو گا جس کو راوی نے وضو سے تعبیر کیا ہے۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ جہاں تک الفاظِ قرآن سے سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے سامنے گھوڑے لائے گئے تو فرمایا، یہ مال مجھے کچھ اپنی بڑائی یا اپنے نفس کی خاطر محبوب نہیں بلکہ ان چیزوں سے دلچسپی کو میں اپنے رب کا کلمہ بلند کرنے کے لیے پسند کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی۔ یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اس کے بعد انہوں نے گھوڑوں کو واپس بلایا اور ازراہِ شفقت اُن کی ٹانگوں اور گردن پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس آیت سے نہ سورج پلٹنے کا تعلق ہے نہ گھوڑوں کے کاٹنے کا نہ سلیمانؑ کے وظائف ترک ہونے کا۔

ہم نے آخر کی تفسیر مولانا مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے نقل کی ہے۔ اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ گھوڑوں کو اتنا دوڑانا کہ وہ ان کی نظر سے غائب ہو جائیں۔ پھر اُن کی واپسی پر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا غیر معمولی باتیں نہیں جن کا ذکر خاص طور سے قرآن میں کیا گیا ہو۔ عام طور پر گھوڑوں کی طاقت جانچنے کے لیے ان کو دوڑایا جاتا ہے اور پیار سے ان کی ٹانگوں پر ہاتھ بھی پھیرا جاتا ہے۔ یہ امر صرف حضرت سلیمانؑ ہی سے مخصوص نہیں تھا ایسی معمولی باتوں کو قرآن بیان نہیں کرتا۔ ہاں سورج کا چھپ جانا ضرور غیر معمولی چیز ہے۔ اور اس زمانہ کی شریعت کے وضو یا تیمم کا بیان بھی، ایک غیر معمولی بات کا انکشاف ہے کیونکہ اسلام میں وضو یا تیمم کا یہ طریقہ نہ تھا۔

وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا - (ہم نے اس کے تخت پر ایک جسد کو ڈال دیا)۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:

"حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں آدمی بھی اگرچہ تھے مگر جنات زیادہ کام کرتے تھے۔ آپؑ کو ان کی دلجوئی کرنا پڑتی تھی اور جنات نخرے بہت کرتے تھے۔ ایک بار ان کے بے جا ناز پر آپؑ نے فرمایا۔ میری ستر بی بیاں

ہیں۔ میں سب کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں گے۔ مگر اس وقت انشاءاللہ نہیں کہا تھا۔ پیغمبر کی اتنی بات بھی شانِ نبوت سے گری ہوئی ہوتی ہے خدا کو ناگوار گزرا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب بی بیوں کے پاس گئے مگر صرف ایک بی بی کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ۔ لوگوں نے اس کو آپ کے تخت پر لا کر ڈال دیا کہ لیجئے یہ وارث تاج و تخت ہے۔ اب آپ کو انشاءاللہ نہ کہنے کا خیال آیا۔ بارگاہِ باری میں توبہ و گریہ و زاری میں مشغول ہوئے تو اس نے درگزر فرمائی۔"

قرآن میں یہ واقعہ اہم ترین واقعات میں سے ہے جس کی تفسیر میں مفسرین کا بے حد اختلاف ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی بی بیوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ ستر سے سو تک لکھی ہیں۔ یہاں سوال تو یہ ہے کہ ایسا نبی جس کی تعریف نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ؀ سے کی گئی ہے یعنی بڑی عبادت کرنے والا، بڑی رجوع کرنے والا۔ اس نے اتنی کثیر بی بیوں کی چھاؤنی کیوں بنائی۔ اس کے علاوہ آپ کے اس فرمانے سے کہ میں اگر سب بی بیوں کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں گے، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کی صحبت سے کنارہ کش تھے پھر ان کو اپنی زوجیت میں لینے سے کیا فائدہ تھا۔ تیسرے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ لاولد تھے۔ بلکہ روایتوں سے مؤرخین نے آپ کی تین اولادیں لکھی ہیں۔ پھر انشاءاللہ نہ کہنے پر ان کو اتنی سخت سزا کیوں دی گئی کہ مقطوع النسل بنا دیا گیا۔ ایسے سوالات اکثر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دل میں یہ خواہش تھی کہ ان کے بعد اُن کا بیٹا جانشین ہو۔ اور آنے والی حکومت انہی کی نسل میں رہے۔ اس چیز کو اللہ نے ان کے حق میں فتنہ قرار دیا اور ان کا ولیعہد ایسا نالائق نوجوان بن گیا تھا جس کے کچھن صاف بتلا رہے تھے کہ وہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کی سلطنت چار دن نہ سنبھال سکے گا۔ ان کی کرسی پر ایک جسد لا کر ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بیٹے کو وہ اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ نااہل تھا تو انہوں نے اپنی اس خواہش کو ترک کیا اور اللہ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھی پر ختم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے مرتے وقت کسی کے لیے کوئی وصیت نہیں کی۔

ایک مفسّر لکھتے ہیں حضرت سلیمانؑ کے اگرچہ سو بی بیاں تھیں مگر ایک بی بی کو وہ سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ جو بچہ اس بی بی سے پیدا ہو گا اس کو اپنا جانشین بناؤں گا۔ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ جب اس بی بی کا بچہ پیدا ہوا تو وہ مردہ تھا۔ جو لوگ اس بی بی سے عداوت رکھتے تھے انہوں نے اس مردہ بچہ کو اُٹھا کر تخت پر لا ڈالا۔ اور ازراہِ طنز حضرت سلیمانؑ سے کہا، لیجئے یہ ہے آپ کا وارثِ تخت۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد آپؑ کی سلطنت کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کی یہ دُعا پائی جاتی ہے۔ خداوندا، مجھے ایسی حکومت دے کہ میرے بعد پھر کسی کو نہ ملے۔

بظاہر اس سے خود غرضی ثابت ہوتی ہے۔ ایک نبی کو ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ اوّل وہ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد کفار و مشرکین کو جو حکومتیں ملیں وہ میری حکومت سے زیادہ نہ ہوں تاکہ انہیں طنزاً یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ دنیا میں خاصانِ خدا سے زیادہ ہماری حکومت رہی ہے۔ دوسرے آپ کی حکومت انسانوں اور جنات پر تھی۔ اور جنات نے آپؑ کو بے حد پریشان کیا تھا لہٰذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا اس جنجال

میں پھنسے۔

تیسرے آپؑ کے قبضہ میں انسان، جن، طیور، چرند اور ہوا یہ سب مخلوق تھی۔ لہٰذا آپؑ چاہتے تھے کہ اس حکومت کی خصوصیت صرف آپ ہی پر ختم ہو اور دُنیا میں تا قیامِ قیامت میری حکومت کی خصوصیت کا چرچا رہے۔ ہر شخص اپنی فضیلت کا خواہاں ہوتا ہے۔

چوتھی بات ایسی حکومت کے متعلق آپؑ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر میرے سوا کسی اور کو ملے گی تو ممکن ہے وہ اس کا بوجھ نہ اُٹھا سکے اور اپنی طاقت کے بل پر دُنیا میں فتنہ و فساد کا سیلاب لے آئے۔

پانچویں بات، حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، جو جبر و تشدد سے حاصل کی جاتی ہیں اور ان میں ہر قسم کی بدکاریوں کو راہ ملتی ہے۔ دوسرے خدا کی دی ہوئی حکومتیں، جن میں غلط کاریوں کی پوری طرح روک تھام کی جاتی تھی۔ آپؑ یہ چاہتے تھے کہ ایسی سلطنت جو مجھے ملی ہے کسی دوسرے ظالم و غاصب کو نہ مل جائے جو کسی سلطنت سے ٹکر لے کر اُسے تباہ و برباد کر دے۔ اور خلقِ خدا کی تباہی کا باعث ہو۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيَاطِينَ
كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هَٰذَا
عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا
لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي ع
مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا
مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً
مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ
وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے ان کے حکم کے مطابق دھیمی چال چلتی تھی۔

اور وہ (اس طرح) جتنے شیاطین (دیو) عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا (اور اس کے علاوہ) دوسرے دیووں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (اے سلیمان) یہ ہماری بے حساب عطا ہے۔ پس (اسے لوگوں کو دے کر) احسان کرو یا (سب) اپنے ہی پاس رکھو اور اس میں شک نہیں کہ سلیمان کی ہماری بارگاہ میں قربِ منزلت اور عمدہ جگہ ہے اور (اے رسول) ہمارے خاص بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب سے فریاد کی، مجھ کو شیطان نے بہت اذیت و تکلیف پہنچا رکھی ہے تو ہم نے کہا اپنے پاؤں سے زمین ٹھکرا دو (اور چشمہ نکلا، تو ہم نے کہا) اے ایوب تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ ٹھنڈا پانی حاضر ہے اور ہم نے ان کے لڑکے بالے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور خاص اپنی مہربانی سے عطا کیے ان کو عقلمندوں کے لیے نصیحت و عبرت قرار دیا۔ ہم نے کہا تم اپنے ہاتھوں میں سینکوں کا مٹھا لو اور اس سے اپنی بی بی کو مارو تاکہ اپنی قسم میں جھوٹے نہ بنو۔ ہم نے ایوب کو صابر پایا۔ وہ اچھے بندے تھے اور ہماری بارگاہ میں جھکنے والے۔

سورۂ انبیاء میں بھی حضرت سلیمانؑ کے متعلق تسخیرِ ہوا کا ذکر ہے لیکن وہاں عاصفہ یعنی تیز آندھی کا ذکر ہے یہاں مدھم ہوا کی تسخیر کا ذکر آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوا اپنی اصلی حالت میں تیز تھی لیکن جب حضرت سلیمانؑ کا بحری بیڑا تجارت کے لیے چلتا تھا تو ہوا ان کی خواہش کے مطابق ہلکی اور دھیمی چلنے لگتی تھی۔

شیاطین سے مراد جنات ہیں۔ یہ دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو حضرت سلیمانؑ کے فرماں بردار تھے۔ یہ عمارتیں بناتے تھے اور سمندروں میں غوطے لگا کر دریائی ذخائر نکال کر لاتے تھے۔ دوسرے وہ سرکش جنات تھے جو تعمیلِ حکم نہیں کرتے تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر دریا میں ڈال دیا جاتا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کی اگرچہ بہت بڑی سلطنت تھی۔ وسعتِ ملکی کے علاوہ ہوا اور جن وغیرہ کو بھی ان کی تسخیر میں دے دیا گیا تھا۔ خدا ان سے فرماتا ہے، یہ سب ہمارے نزدیک کوئی بڑی چیز نہیں جسے چاہو دے دو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور چاہو تو اپنے پاس ہی رہنے دو ہم اس کے متعلق کوئی حساب تم سے نہیں لیں گے۔

اس کے بعد جناب حضرت ایوبؑ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جناب ایوبؑ کو خدا نے بڑی دولت دی تھی۔ اولاد سے بھی گھر بھرا ہوا تھا۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ قدرت کو ان کا امتحان منظور ہوا کہ آیا یہ تنگدستی اور بیماری میں بھی اسی طرح ہمیں یاد کریں گے یا نہیں۔ چنانچہ امتحان میں آ گئے۔ ساری املاک تباہی میں آ گئیں اولاد بھی مر گئی اور خود بھی بیمار ہو گئے مگر سبحان اللہ، کیا کہنا ان کے صبر و شکر کا کہ ہر حالت میں صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ کسی وقت یادِ خدا سے غافل نہ رہے۔

آیۂ مبارکہ میں جو شیطان کے ستانے اور نقصان دینے کا ذکر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ شیطان ان پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ انبیاءؑ پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے یہ روایت گڑھی ہے کہ شیطان نے

خدا سے کہا، مجھے ایوبؑ پر مسلط کر دے پھر میں جانوں کہ وہ کیسے صابر و شاکر ہیں۔ چنانچہ خدا نے اس کو مسلط کر دیا۔ اور اس نے ان کے تمام املاک تباہ کر دیئے اور گھر کی چھتیں گرا کر ان کی اولاد کو مار ڈالا۔ اور ان کو ایسا بیمار ڈالا کہ ان کے بدن میں معاذ اللہ کیڑے پڑ گئے۔ اور بستی والوں نے منحوس سمجھ کر بستی سے نکال دیا۔

ایسے لوگوں نے نبوت کو پہچانا ہی نہیں۔ شیطان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے مخلص بندوں پر غلبہ حاصل نہ کروں گا۔ اور یہاں ایک معصوم نبی کو اپنے پنجہ میں دبائے ہوئے جو چاہتا ہے کر رہا ہے۔ اس روایت سے تو خدا پر یہ الزام عاید ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ایک دشمن کو اپنے ایک دوست پر کیوں مسلط کر دیا۔ کیا شیطان ایسا مقرب بارگاہِ ایزدی تھا کہ خدا کو اس کی خاطر ایسی عزیز ہوئی کہ اس کو ہر کام کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ سب خرافات ہے۔ مفسرین نے توریت سے لے کر غلط سلط جو چاہا لکھ دیا ہے۔ نہ صحیح روایت تلاش کرتے ہیں نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ جہاں جو روایت دیکھی لکھ دی۔ ایک نبی کا بدن اور اس میں کیڑے پڑنا، لکھنے والوں سے خدا ہی سمجھے۔

حضرت ایوبؑ نے جو شکایت شیطان کی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے شیطان نے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے۔ یا میرے اوپر قسم قسم کے مصائب نازل کر دیئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن تکالیف و آلام میں میں مبتلا ہوں اس پر مزید ایک تکلیف یہ ہے کہ شیطان مختلف روپوں میں آ کر مجھے بہلانا چاہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر مجھے ان کی نظروں میں منحوس ثابت کرتا ہے۔ مجھے اپنے رب کی رحمت سے مایوس بنانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ میں صبر و شکر سے باز رہوں۔ شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی کو بالخصوص خاصانِ خدا کو بیمار ڈال دے یا ان کی املاک تباہ و برباد کر دے۔ اس کا کام صرف دلوں میں وسوسے پیدا کرنا ہے نہ کہ کوئی عملی کارروائی دکھانا۔

مقام امتحان کو شیطانی تسلط سے کیا واسطہ۔ خدا اپنے خاص بندوں کا امتحان مختلف طریقوں سے لیتا رہتا ہے۔ جناب ایوبؑ کی دولت و ثروت کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ سب عبادت اور شکر اس لیے ہے کہ خدا ان پر اور زیادہ مہربان ہو۔ ان لوگوں کو یہ دکھایا گیا تھا کہ ایوبؑ ہر حالت میں ہمارے شکر گزار بندے ہیں۔

بہر حال جب حضرت ایوبؑ نے اپنی پریشان حالی کا ذکر خدا سے کیا اور رحمتِ الٰہی کے نزول کی خواہش کی تو خدا نے امتحان کو ختم کر کے وہ سب ان کو پھر عطا فرما دیا جو ان سے لیا گیا تھا۔ زیادہ تکلیف ان کو بیماری کی وجہ سے تھی تو خدا نے ایک چشمہ پیدا کر کے انہیں حکم دیا کہ اس کے پانی میں غسل کرو۔ چنانچہ غسل کرتے ہی صحیح و سالم ہو گئے۔ سات برس کامل اپنی زندگی تکالیف میں بسر کی لیکن خدا سے شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ آیا۔ ہر موقع پر شکر ہی کرتے رہے۔

آخر آیت میں ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آپؑ کی بی بی نبی زادی تھیں۔ مصیبت کے اس تمام دور میں آپؑ کے ساتھ رہیں۔ شوہر کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھیں۔ خود ہی محنت مزدوری کر کے جو کچھ ملتا اسی سے اُن کی دوا اور غذا لے کر آتیں۔ ایک دن شیطان ایک طبیب کے رُوپ میں ان سے کہنے لگا کہ میں ایک طبیب حاذق ہوں۔ میں ایوبؑ کا علاج اس طرح کر سکتا ہوں کہ وہ صحت کے بعد صرف اتنا کہہ دیں کہ میں نے تمہاری وجہ سے صحت پائی ہے۔ وہ خوش خوش حضرت ایوبؑ کے پاس آئیں اور شیطان کا قول بیان کیا۔ آپؑ کو یہ سُن کر بڑا غصہ آیا اور جھنجھلاہٹ میں قسم کھائی کہ صحت

کے بعد سو قمچیاں تمہیں ماروں گا۔ مجھے صحت دینے والا خدا ہے، نہ کہ وہ مردود طبیب، مردود شیطان ہے جو مجھے خدا کی طرف سے بدظن کرنا چاہتا ہے۔ الغرض جب صحت ہو گئی تو آپؑ نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ وحی ہوئی اے ایوب، وہ بے قصور ہیں انہوں نے جو کچھ کیا تھا ہمدردی میں کیا تھا۔ اپنی قسم پوری نہ کرو۔ مگر اس طرح کہ سو سینکوں کا مٹھا بنا کر ایک بار ہی ان کو مار دو۔ اپنے جس بندہ کو خدا نے صابر اور شاکر کہا ہو اس کی فضیلت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

(اے رسول) ہمارے بندوں میں ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کا ذکر کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے ہم نے ان لوگوں کو ایک خاص صفت آخرت کی یاد سے ممتاز کیا تھا کہ یہ لوگ ہماری بارگاہ میں برگزیدہ اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور (اے رسول) اسمٰعیل والیسع و ذوالکفل کو بھی یاد کرو یہ سب نیک بندوں میں سے ہیں۔

'اولی الایدی' یعنی ہاتھوں والے۔ اس سے مراد ہے قوت والے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے بدن میں بڑی طاقت تھی اور بلاشبہ اپنے زمانہ کے رستم و سہراب تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کی طرف رجوع کرنے کی بڑی قوت تھی۔ اور نیک کام بجا لانے میں چاہے ان پر کیسی ہی مصیبت نازل ہوتی وہ اسے بسکونِ قلب برداشت کر لیتے۔ اور بڑے بصیرت والے تھے یعنی ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں۔ ہر نیک و بد میں بآسانی تمیز کر سکتے تھے اور ذکرِ آخرت سے انہیں بڑی دلچسپی تھی اور اکثر اس کی یاد میں اپنا وقت صرف کرتے تھے یہاں خدا نے الدّار کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت ہی اصلی گھر ہے جہاں جانا ہے۔ دُنیا میں جو گھر ہے وہ عارضی ہے جیسے کوئی مسافر سرائے میں جا ٹھہرے۔ الیسع کا ذکر سورۂ انعام میں بھی ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے نامور انبیاء میں سے تھے۔ حضرت الیاسؑ نے ان کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر قرآن میں دو جگہ ہے یہ بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے۔ اور ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ ذوالکفل کے معنی ہیں کفایت کرنے والا۔

حضرت ذوالکفلؑ کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے پیغمبروں کے قتل کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ آپؑ نے سو پیغمبروں کی جان بچائی تھی۔ آپؑ اتنے بڑے عابد تھے کہ دن اور رات کا زیادہ تر وقت آپؑ عبادت میں گزارتے تھے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً
لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ
وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا
تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ
نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ
فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ
مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا
بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا
بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

یہ ایک نصیحت ہے بے شک پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں بھی آرام گاہ ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے لیے بہشت کے سدا بہار باغات ہیں جن کے دروازے ہر وقت کھلے ہوں گے۔ یہ لوگ وہاں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں کثرت سے میوے اور شراب (طہور) منگوائیں گے۔ ان کے پاس نیچی نظروں والی (شرمیلی) بی بیاں ہوں گی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے دینے کا وعدہ قیامت کے دن تم سے کیا جاتا ہے۔ یہ ہماری دی ہوئی روزی ہے جو کبھی تمام نہ ہوگی یہ (پرہیزگاروں کا انجام) ہے

اور سرکشوں کا تو یقیناً بُرا ٹھکانہ ہے، جہنم میں ان کو جانا پڑے گا وہ کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ اور اسی طرح کی انواع و اقسام کی دوسری چیزیں ہیں تو یہ لوگ پڑے چکھا کریں گے۔ کچھ لوگوں کے بارے میں بڑے لوگوں سے کہا جائے گا یہ (تمہارے چیلوں کی) فوج بھی تمہارے ساتھ ہے (ٹھونس دی گئی ہے) ان کا بُرا ہو یہ بھی دوزخ کے جانے والے ہیں (تو چیلے) کہیں گے (ہم کیوں) تم جہنمی ہو، تمہارا ہی بُرا ہو تم ہی لوگوں نے اس بلا سے ہمارا سامنا کرایا ہے۔ جہنم بھی کیا بُری جگہ ہے۔

دُنیا میں جن لوگوں نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا وہاں اپنے پیروؤں سے بات کرنا بھی گوارا نہ کریں گے پیر اپنے پیروؤں پر الزام لگائیں گے اور مرید اپنے پیروں پر۔ غرض کوئی کسی کو اچھا نہ کہے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾
وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ
تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا ع ۱۴/۱۳
اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ
مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾
اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

وہ عرض کریں گے اس شخص نے ہمارا اس (بلا) سے سامنا کرا دیا تو اس پر ہم سے بڑھ کر جہنم

میں دوگنا عذاب کر (پھر) خود ہی کہیں گے ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم جن لوگوں کو (دُنیا میں) شریر شمار
کرتے تھے ہم ان کو (یہاں دوزخ میں) نہیں دیکھتے کیا ہم ان سے مسخرا پن کرتے تھے یا ان کی طرف
سے ہماری آنکھیں پلٹ گئی ہیں۔ بے شک جہنمیوں کا یہ جھگڑا بالکل ٹھیک ہے (اے رسول)
تم کہہ دو میں تو بس (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔ سوائے خدائے واحد و قہار کے کوئی
معبود قابلِ پرستش نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے
سب پر غالب اور بخشنے والا ہے۔ اے رسول، کہدو کہ یہ قیامت ایک بہت بڑا واقعہ ہے
جس سے تم منہ پھیر رہے ہو۔ عالمِ بالا کے رہنے والے (فرشتے) جو باہم بحث کرتے تھے اس کی
مجھے بھی خبر نہ تھی، میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں خدا کے عذاب سے صاف صاف
ڈرانے والا ہوں۔

جہنم میں جاکر وہ لوگ کہیں گے جن کو بہکایا گیا تھا کہ پروردگار ان بہکانے والوں کو دوگنا عذاب کر اور وہ
یہ بھی کہیں گے کہ دنیا میں جن لوگوں کو ہم بدکردار اور شریر سمجھا کرتے تھے دوزخ میں وہ ہمیں کہیں نظر نہیں
آتے۔ یہ استفسار خدا کے ان نیک بندوں کے متعلق ہوگا جن کو وہ دُنیا میں بُرا سمجھتے تھے۔ کیا ہم ان سے مسخرا پن
کیا کرتے تھے یا ہماری آنکھیں ان کی طرف سے پھر گئی ہیں۔ جہنمیوں کے درمیان یہ جھگڑا ہوتا رہے گا۔
اے رسول، تم ان کفار و مشرکین کو سمجھاؤ اور کہو، خدائے واحد و یکتا کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ جو
کچھ تمہیں آسمانوں اور زمین کے اندر نظر آرہا ہے ان سب کا پالنے والا خدا ہی ہے۔ بس اپنی بت پرستی سے
باز آؤ ورنہ قیامت میں تمہارا بہت بُرا حشر ہوگا۔ قیامت کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ بہت بڑا واقعہ ہے بڑی اہم
چیز ہے جس کی بات سنتے ہی تم منہ پھیر لیتے ہو۔
ملاءِ اعلیٰ کے ساکنوں یعنی فرشتوں کے درمیان جو آدمؑ کے بارے میں جھگڑا ہوا تھا، میں خود وہاں موجود
نہیں تھا۔ مجھے تو جو کچھ معلوم ہوا ہے وحی کے ذریعہ سے ہوا۔ یاد رکھو، میں تو کھلم کھلا تم کو عذابِ خدا سے
ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَآئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ
وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَآئِكَةُ

كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾
قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ
أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَ
خَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ
عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾

جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں
اُسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اپنی روح (روحِ نبوّتی) اس میں پھونک دوں تو تم سجدہ میں گر
پڑنا۔ سب ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ اکڑ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔
پس خدا نے کہا اے ابلیس، جس کو میں نے اپنی قدرت کے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اُسے سجدہ
کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔ تُو نے تکبّر سے کام لیا ہے یا تُو عالین میں سے بن بیٹھا ہے اُس
نے کہا (میں کیوں سجدہ کروں) تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹّی سے پیدا کیا ہے۔
(اور آگ مٹی سے بہتر ہے) خدا نے فرمایا، تو یہاں سے نکل جا تُو یقیناً مردود ہے اور تیرے اوپر
قیامت تک لعنت کی پھٹکار رہے گی۔

آدمؑ کا واقعہ پہلے بھی کئی سورتوں میں بیان ہو چکا ہے۔ ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں :
۱۔ لفظ بشر کا اطلاق کھلی ہوئی جلد کی مخلوق پر ہوتا ہے اور مخلوق میں صرف آدمی ہی ایسی مخلوق ہے
جس کے بدن پر اون یا بال باہر نہیں۔ آدم کی تعریف منطق میں یہ ہے :
بادی البشرہ (کھلی جلد والا) عریض الاظفار (چوڑے کھلے ناخن والا) ضحاک بالطبع (ہنسنے کی طبیعت رکھنے والا)
نطق رکھنے والا۔ یہ چاروں باتیں من حیث المجموع خدا کی کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔
۲۔ آدم کے سوا کسی مخلوق کے متعلق خدا نے یہ نہیں فرمایا، کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے (قدرت سے) پیدا کیا
ہے۔ یعنی اور مخلوق کی خلقت میں فرشتوں سے کام لیا گیا ہے مگر صرف ایک مخلوق ایسی ہے جسے میں نے خود بنایا ہے
یعنی اپنی قدرت کے ہاتھوں سے خود تیار کیا ہے۔ اس بنا پر اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

۳- یہ عالین کون تھے جن کے متعلق شیطان سے پوچھا گیا کہ کیا تُو عالین میں سے ہوگیا ہے۔ بظاہر اس وقت دو ہی گروہ تھے۔ فرشتے اور شیطان۔ یہ تیسری نوع کونسی تھی۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ یہ عالین سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دوسرا گروہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہی لوگ حسبِ حدیثِ رسولؐ خلقتِ آدمؑ سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور زیرِ عرش ان کا نُور جلوہ نما تھا۔ ملائکہ اور ابلیس سب ان کو پہچانتے تھے۔

۴- سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ اُس نے جو قیاس کیا وہ غلط تھا۔ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل نہیں۔ مٹی کی جو خصوصیات ہیں وہ آگ کو حاصل نہیں۔ آگ جلانے والی ہے مٹی جِلانے والی ہے۔ آگ خائن ہے اور مٹی امین ہے۔

۵- جہاں سے ابلیس کو نکلنے کے لیے کہا گیا وہ وہی مقام تھا جہاں آدمؑ اُس وقت موجود تھے۔ جنت میں داخل ہونے سے پہلے۔

۶- قیامت تک بنی آدم، خدا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ یعنی اس سے بیزار رہیں گے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ
الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ
لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ
فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ
مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ
الْمُتَکَلِّفِیْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ
بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

(جب شیطان رحمتِ الٰہی سے مایوس ہوگیا) تو اُس نے کہا، اے میرے رب مجھے قیامت تک

(زندہ رہنے کی) مہلت دے۔ خدا نے فرمایا، تجھے ایک وقتِ معلوم تک مہلت دی گئی
اُس نے کہا، پس تیری عزت کی قسم، میں سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے اُن مخلص بندوں کے جو تیرے خالص فرمانبردار ہوں گے۔ خدا نے فرمایا، حق بات کہے دیتا ہوں اور میں تو حق ہی کہا کرتا ہوں میں تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والے جو بھی ہوں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (اے رسول) تم (لوگوں سے) کہہ دو نہ تو میں تجھ سے اجرِ رسالت مانگتا ہوں اور نہ میں بناوٹی باتیں کرنے والا ہوں۔ یہ قرآن تو بس سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور کچھ دن بعد تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

کفارِ مکہ کو یہ سُنایا جا رہا ہے کہ جس طرح شیطان نے آدمؑ سے حسد کر کے اپنا ستیاناس کر لیا اور ہمیشہ کے لیے عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوگیا اسی طرح تمہارا حشر بھی ہوگا۔ تم ہمارے رسولؐ سے عداوت کر کے ایک دن یونہی جہنم کا ایندھن بنو گے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو یہ سب شیطان کے اغواء سے کر رہے ہو۔ پس جب ہمارے عذاب سے تمہارا اگرو گھنٹال نہ بچا تو تم کیا بچو گے۔ اور اے رسولؐ، تم یہ بھی ان کے کان میں ڈال دو کہ میں تبلیغِ رسالت کی تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میں جو کچھ کر رہا ہوں بے غرضی سے کر رہا ہوں۔ اور یہ قرآن میرا من گھڑت نہیں اور نہ یہ کوئی قصہ کہانی کی کتاب ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ قرآن تمام عالموں کے لیے نصیحت ہے۔ کچھ مدت بعد تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ تم نے مجھ سے عداوت کر کے کیا پایا۔
شیطان کو وقتِ معلوم تک کیوں مہلت دی گئی۔ اس کے لیے جلد اوّل سورۂ بقرہ میں ملاحظہ فرماویں۔

---

(۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ
اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۥ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴

اس کتاب کا نازل کرنا اُس خدا کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ (اے رسول) ہم نے قرآن کو تم پر بالکل ٹھیک نازل کیا ہے پس تم خالص اُس کے بندہ بن کر عبادت کرو اور عبادت تو خالص خدا ہی کے لیے ہے۔ جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو اپنا سرپرست بنا رکھا ہے (کہتے ہیں) ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں ہمارا تقرب بڑھائیں گے۔ جس بات میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں خدا اس کا قیامت میں فیصلہ کر دے گا۔ بے شک خدا جھوٹے ناشکرے کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔ مگر وہ تو اس سے پاک و پاکیزہ

ہے اور اکیلا زبردست ہے۔

اس سورہ کا آغاز چند باتوں کے سمجھانے سے کیا گیا ہے :

۱۔ جو لوگ کہتے تھے کہ قرآن محمدؐ نے خود بنا لیا ہے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ اے رسول، تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے۔

۲۔ اے رسول، تم سچے دل سے اس کی عبادت کرتے رہو۔ جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت باطل ہے۔ عبادت صرف خدا ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ جس کو بھی عبادت میں شریک کیا جائے گا وہ خدا کی مخلوق ہی میں سے کوئی ہوگا۔ پس ایک مخلوق اور ایک خالق کیسے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ خالق تو ہم خدا کو ہی مانتے رہے ہیں۔ بتوں کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ جانتے ہیں۔ چونکہ خدا کی ذات بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور ہم اس حد تک نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا ہم نے ان بتوں کو اس تک پہنچنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بنایا ہے اور اسی لیے ان کی عبادت کرتے ہیں لیکن وہ لوگ کیا ذریعۂ تقرب بن سکتے ہیں جو اوّل تو بے جان ہیں دوسرے خود محتاجِ امداد ہیں تیسرے ان کو ذریعہ بنانے میں خود ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں کو بے سوچے سمجھے ذریعہ بنا رکھا ہے اور یہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک گروہ جس کو ذریعۂ تقرب سمجھتا ہے دوسرا اس سے انکار کرتا ہے اور کسی اور کو ذریعہ سمجھتا ہے۔ دوسرا گروہ ان دونوں کو باطل پر سمجھتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انہی کے عقیدہ کی بنا پر ان میں سے کوئی بھی سچا ذریعۂ تقرب نہیں۔ خدا اس جھگڑے کو قیامت کے دن فیصل فرما دے گا۔ یعنی جب اس کے سوا کسی کی حکومت ہوگی نہ کسی کا وہاں زور چلے گا۔ اس وقت ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ خدا کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تھا۔ فرشتے ہوں یا جن۔ کوئی دیوی ہو یا دیوتا، خود وہاں اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہ ہماری عبادت غلط کرتے تھے۔ کیونکہ ہم تو خود خدائے واحد و قہار کو اپنا معبود جانتے تھے۔

جو لوگ عزیر یا مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سراسر باطل پرست ہیں۔ اگر خدا کو بیٹا بنانا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا خود بنا لیتا۔ تم اس کے لیے کسی کو بیٹا بنانے والے کون ہو۔ خدا ایسے تعلقات سے بے نیاز ہے اس کی ذات پاک ان آلائشوں سے پاک ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، وہ سب سے زیادہ زبردست ہے کسی کی اس پر حکومت نہیں۔ کسی کا اس پر زور نہیں چلتا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ
فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ قف
وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اُس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ سے پیدا کیا ہے۔ وہی رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اُس نے سُورج اور چاند کو مسخّر کیا ہے۔ سب کے سب اپنے وقتِ مقرّرہ تک چلتے رہیں گے۔ آگاہ ہو کہ وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ اُس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے اور اُس کی (باقی مٹّی سے) اس کی بی بی (حوّا) کو پیدا کیا۔ اور اس نے تمہارے لئے چوپاؤں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے اور اُس نے تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک قسم کی خلقت کے بعد دوسری قسم کی خلقت سے تہرے تہرے اندھیروں کے اندر (پیٹ، رحم اور جھلّی) پیدا کیا ہے، وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اُسی کی بادشاہت ہے۔ اس کے

سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ اگر تم ان سب باتوں سے انکار کرو (اور اسے خدا نہ مانو تو) خدا تم سے بالکل بے پروا ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ (قیامت میں) کوئی کسی کے (گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تمہاری رجوع اپنے رب کی طرف ہوگی۔ پس وہ تمہیں بتا دیگا کہ (دُنیا میں) تم کیا کیا (بھلائی یا برائی) کیا کرتے تھے۔ وہی سب کے دلوں کے حال جاننے والا ہے

یہاں سے خدا اپنے اُن احسانات کا بیان کرتا ہے جو اُس نے انسانوں پر کیے ہیں اور جن سے اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا آنا، بتاتا ہے کہ وہ کس قدر صاحبِ قدرت اور صنّاعِ مطلق ہے۔ کیا خدا کے سوا کسی کی طاقت ہے کہ یہ کام کر سکے۔ دن اس لیے ہے کہ تم اس میں کام کر کے اپنی روزی ڈھونڈو۔ اور رات اس لیے ہے کہ جب کام کاج کرتے کرتے تھک جاؤ تو آرام کے ساتھ اس میں سو جاؤ۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو نظامِ حیاتِ انسانی برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

۲۔ چاند سُورج کے لیے اس نے ایک ضابطۂ طلوع و غروب اور قاعدۂ رفتار پیدا کر دیا ہے۔ وہ اس کے پوری طرح پابند ہیں۔ کیا مجال کہ ذرا خلاف ورزی کر سکیں۔ کائنات کا سارا نظام ان کے دم سے وابستہ ہے۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو رُوئے زمین پر کوئی چیز زندہ نہ رہ سکتی تھی۔

۳۔ ایک آدمی (آدمؑ) سے اس نے کتنے آدمی پیدا کر دیئے کہ ہر زمانہ میں ہر خطۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مرتے جاتے ہیں اور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اگر سب زندہ رہتے تو نہ تو ان کو اس زمین پر قدم رکھنے کی جگہ ملتی نہ غلہ کا ایک دانہ کھانے کو ملتا۔ کیا اچھا قانون ہے کہ باری باری لوگوں کو بساتا چلا جاتا ہے۔

۴۔ آدمؑ کی بقیہ مٹّی سے ان کی بی بی کو پیدا کیا تاکہ دونوں مونسِ تنہائی بھی ہوں اور ان سے سلسلۂ نسل بھی چلے۔

۵۔ تمہارے لیے مختلف قسم کے چوپائے پیدا کیے یعنی آٹھ کار آمد مویشی۔ جو ہر وقت تمہاری خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ یعنی اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بھیڑ نر و مادہ، بکری نر و مادہ۔ ان سے بیشمار قسم کے فائدے تم کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی ہر چیز تمہارے کام میں آتی ہے۔

۶۔ ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ اس قادرِ مطلق نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے کیسے پیدا کیا ہے اور تمہاری خلقت نے کیا کیا رنگ بدلے ہیں۔ نطفۂ پدری کو کس عجیب طریقہ سے تمہاری ماؤں کے رحم میں جگہ دی۔ پھر نطفہ کو علقہ یعنی خون کا لوتھڑا بنایا پھر علقہ کو تبدیل کر کے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر اس کو ہڈی کی صورت

میں لایا پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا۔ پھر آدمی کی صورت بنا کر اس میں روح پھونکی اور یہ سب کام تین تین اندھیر پردوں کے اندر ہوتے رہے۔ ایک پیٹ کا پردہ، دوسرے رحم کا پردہ اور تیسرے وہ جھلی جس میں بچہ رہتا ہے۔ کیا یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی بہترین نشانی نہیں۔ پس جب وہ ایسا ہے تو تم اس کو اپنا معبود ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو وہ حقیقتاً تمہارا رب ہے اور حکومت بس اسی کی حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ کہ اُسے چھوڑ کر نہ معلوم کس کس کی عبادت کرنے پر تُل بیٹھے ہو۔ تم سوچتے کیوں نہیں ابوالفضیل کے متعلق مروی ہے کہ جب کوئی تکلیف پہنچتی تو خدا کو یاد کرتا اور اس کی تصدیق کرتا۔ جب نجات پا جاتا تو حضرتؐ کو جادوگر کہتا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو خدا کا کیا بگاڑو گے۔ اس کی ذات تو ہر شے سے بے نیاز ہے تمہارے شکریہ کی محتاج نہیں۔ مگر ہاں، یہ بات ہے کہ وہ اپنے بندوں سے کفرانِ نعمت کو پسند نہیں کرتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ تم رات دن اس کی نعمتوں کو ہپ ہپ کرتے رہو۔ عیش و آرام کے مزے اڑاؤ۔ پھر بھی اس کا اقرار نہ کرو کہ یہ سب چیزیں تمہیں خدا نے دی ہیں۔ خدا تو یہی بات پسند کرتا ہے کہ تم اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو تاکہ تمہاری نعمتوں میں اور زیادتی فرمائے۔

اور دیکھو، کان دھر کر سُن لو، قیامت میں جب خدا کے حضور حاضر ہو گے تو وہاں کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ جو لوگ اس عقیدہ پر جی رہے ہیں کہ مسیحؑ نے ہم سب کی گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے اور قیامت میں ہم بے فرخشے سیدھے جنّت میں چلے جائیں گے وہ سخت دھوکہ میں ہیں۔ وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا یا جو مشرک مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام کو ترک کر کے اپنے سابق دین کی طرف پلٹ آؤ تمہارے تمام گناہ ہم اپنے سر لے لیں گے، کھلا دھوکہ ہے۔ کوئی کسی کا گناہ وہاں اپنے اوپر نہیں لے سکے گا۔ اور یہ بھی کیسے وہ خود اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہوگا۔ جب دنیا میں کوئی کسی کا بوجھ اپنے سر لینے پر تیار نہیں ہوتا تو خدائے عادل کی سرکار میں یہ جھوٹی ہمدردی کیا کام دے گی۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن تمہیں خدا کے سامنے جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہارے اعمال کے اسرار پیتر کھول کر دکھا دے گا۔ بھلا علام الغیوب سے تمہاری کوئی بات چھپ کر رہ سکتی ہے۔ وہاں تو ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ تو تمہارے دل کی چھپی ہوئی باتوں تک کو ظاہر کر کے دکھا دے گا۔ ذرا ہوش میں آؤ۔ اور سوجھ بوجھ سے کام لو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ
نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ

اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ ق اِنَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ
قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ⑨ ع قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ ع ۱ ۹ ۱۵
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩

(آدمی کی حالت یہ ہے) جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے گڑگڑا کر دعا کرنے لگتا ہے اور جب خدا اپنی طرف سے اُسے نعمت عطا فرماتا ہے تو پہلے جس کام کے لیے دعا کی تھی اُسے بھلا دیتا ہے اور خدا کا شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے اور لوگوں کو بھی بہکا دے (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ اپنے کفر کی حالت میں کچھ دن چین کر لو، آخر تو تمہیں جہنّم میں جانا ہی ہے۔ کیا جو شخص رات میں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو کیا وہ ناشکرے کافر کے برابر ہو سکتا ہے۔ کیا جو لوگ جاننے والے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو بس عقلمند لوگ ہی مانتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو، تم اپنے رب سے ڈرتے رہو کیونکہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی، ان ہی کے لیے (آخرت میں) بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین تو کشادہ ہے (اگر جہاں عبادت نہ کر سکو اُسے چھوڑ دو) صبر کرنے والوں ہی کو تو ان کا بھرپور بے حساب بدلہ دیا جائے گا۔

انسان کو اُس کی ایک عادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب کوئی مصیبت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے تو بہت رجوعِ قلب سے گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگنے لگتا ہے لیکن جہاں وہ بلا سر سے ہٹی اُسے بھول جاتا ہے اور اس کے جو شریک بنا رکھے ہیں ان کے آگے سجدہ ریزی کرنے لگتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے یہی میرے کارساز ہیں۔

بات یہ ہے کہ انسان کا ضمیر حق نواز ہے۔ جب کوئی بلا آتی ہے تو وہ اپنے معبودِ حقیقی کو یاد کرتا ہے۔ اس کی آواز غلط نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ بدکاری کرنے والوں کا ساتھ ان کا ضمیر نہیں دیتا۔ وہ برابر سرزنش کرتا رہتا ہے کہ جو تُو نے کیا یہ فعلِ بد ہے۔ زبان لاکھ بار انکار کرے مگر ضمیر کی آواز وہی رہے گی جو مبنی بر حق ہوگی۔ پس مصیبت کے وقت جو آواز بصورتِ دعا نکلتی ہے وہ سچی آواز ہوتی ہے۔ لیکن جب بلا ٹل جاتی ہے تو پھر جذباتِ بد اس کے ضمیر پر چھا جاتے ہیں اور وہ بھول جاتا ہے کہ جس کو پکارا تھا وہ کون تھا۔

کفار و مشرکین کو خدا نے مہلت دے رکھی ہے کہ زندگی کے چند دن آرام سے بسر کر لیں۔ اس کے بعد تو ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے ہی۔ بھلا ایسے لوگوں کا اُن لوگوں سے کیا مقابلہ جو رات دن یادِ الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔ جو اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ ہمیں ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے۔ وہ اُن جاہلوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جن کے دل کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

آخر میں مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم کسی ایسی سرزمین پر آباد ہو گئے ہو جہاں تم آزادی سے عبادتِ خدا نہیں کر سکتے تو تم کو چاہیئے کہ جس وقت موقع ملے وہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ خدا کی زمین تنگ نہیں۔ ہر جگہ کا حال یکساں نہیں۔ وطن کی محبت میں اپنی نکوکاری کے ترک پر کیوں آمادہ ہوتے ہو۔ جہاں پر جاؤ گے اور عبادتِ خدا کرو گے خدا کی رحمت تمہارے ساتھ رہے گی۔ مکہ میں جب مسلمانوں کو مشرکین نے زیادہ ستایا تو حکم ہوا کہ اس سرزمین کو چھوڑ دو اور ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ تاکہ اس آئے دن کی مصیبت سے تم کو نجات مل جائے۔ خدا کا یہ دوامی حکم ہے ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لیے۔

جن لوگوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور وہیں مصیبتیں جھیلتے رہے، خدا کی نظر میں نامقبول ہوئے مسلمانوں کو ان سے میل جول ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔

قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ⑪ وَأُمِرْتُ لِأَنْ
أَكُونَ أَوَّلَ ٱلْمُسْلِمِينَ ⑫ قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑬ قُلِ ٱللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ⑭ فَٱعْبُدُوا

مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِۦ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْخَٰسِرِينَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ
وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْخُسْرَانُ ٱلْمُبِينُ ⑮
لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ ٱلنَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذَٰلِكَ
يُخَوِّفُ ٱللَّهُ بِهِۦ عِبَادَهُۥ ۚ يَٰعِبَادِ فَٱتَّقُونِ ⑯

(اے رسول، تم لوگوں سے) کہدو، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں پُرخلوص دل سے اللہ کی عبادت کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا کا سب سے پہلا فرمانبردار بندہ بنوں۔ (اے رسول) کہہ دو کہ اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں مَیں قیامت کے دن کے سخت عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہدو، میں تو پُرخلوص دل سے بس اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ تم لوگ اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو (میرا ان سے کوئی تعلق نہیں) تم کہدو، گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو اور اپنے لڑکے بالوں کو قیامت کے (حساب کتاب کے) معاملہ میں خسارہ میں ڈالا۔ آگاہ ہو، سب سے بڑا اور کھلا گھاٹا یہی ہے۔ ان کے اوپر بھی آگ ہی کے اوڑھنے ہوں گے اور نیچے بھی آگ ہی کے بچھونے۔ یہ وہ عذاب ہے جس سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس مجھ سے ڈرتے رہو۔

خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ بس اُسی کی عبادت کروں کسی اور کو اس میں شامل نہ کروں اور سب سے پہلا اس کا فرمانبردار بندہ میں بنوں تو میں ویسا ہی ہوں اور چاہتا ہوں کہ دوسروں کو بھی ویسا ہی بناؤں۔ ایسا نہیں ہے کہ میں دوسروں کو حکم دیتا ہوں اور خود ویسا نہ ہوں۔ میں سب سے پہلے اپنی طرف سے ایک نمونۂ عمل تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اپنے اور اپنے لڑکے بالوں کو بڑے گھاٹے میں ڈال دیا۔ لڑکے بالوں کو اس لیے کہ تمہاری بداعمالی دیکھ کر وہ بھی ویسا ہی کریں گے۔

وَٱلَّذِينَ ٱجْتَنَبُوا ٱلطَّٰغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوٓا إِلَى ٱللَّهِ لَهُمُ

الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱
اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ⑲
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ⑳

اور جو لوگ بتوں کے پُوجنے سے بچے رہے اور انہوں نے خدا کی طرف رجوع کی ان کے لیے جنّت کی خوش خبری ہے پس میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں اور ان میں سے اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی ہدایت خدا نے کی ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں (اے رسول) جس شخص پر عذاب کا وعدہ پورا ہو چکا ہو تو کیا تم اس شخص کو بچا سکتے ہو تو ہاں، جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لیے اُونچے اونچے محل اور بالاخانوں پر بالاخانے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

یعنی جن لوگوں نے سرکش شیطان کی عبادت سے گریز کی اور اللہ کی طرف رجوع کی تو ایسے لوگوں کے لیے جنّت کی بشارت ہے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کو خدا نے راہِ راست تک پہنچا دیا۔ جس پر عذاب کا وعدہ پُورا ہو چکا اس کا مصداق ابولہب ملعون ہے۔ اسے عذابِ الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ رہے جنتی لوگ تو ان کے لیے بڑے شاندار محل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ دوزخیوں اور جنتیوں کے متعلق جو خدا کا وعدہ ہے وہ پُورا ہو کر رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ

يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ㉑ اَفَمَنْ
شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ㉒ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ
الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ هَادٍ ㉓

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کیا جو اس کے ذریعہ سے رنگ برنگ کے غلّے اُگاتا ہے پھر (پکنے کے بعد) پودے سُوکھ جاتے ہیں تو تم کو وہ زرد دکھائی دیتے ہیں۔ پھر خدا انہیں چُور چُور (بھُوسا) کر دیتا ہے اس میں بے شک عقلمندوں کے لیے بڑی نصیحت و عبرت ہے جس کے سینہ کو خدا نے (قبولِ) اسلام کے لیے کشادہ کر دیا تو وہ اپنے پروردگار (کی ہدایت) کی روشنی پر (چلتا) ہے۔ (وہ گمراہوں کے برابر کیسے ہو سکتا ہے)۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جن کے دل خدا کی یاد سے (غافل ہو کر) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریحی گمراہی میں پڑے ہیں۔ خدا نے بہت اچھا کلام (قرآن) نازل فرمایا جس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایک بات کئی کئی بار دُہرائی گئی ہے، جس کے سُننے سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے

ڈرتے ہیں۔ ان کے جسم نرم ہو جاتے ہیں اور ان کے دل خدا کی یاد کی طرف باطمینان متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ خدا کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دے پھر اس کا کوئی ہادی نہیں۔

خدا کی قدرت کا کمال دیکھو کہ وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اُسے زمین میں ذخیرہ کرتا ہے پھر زمین سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ بلکہ ہزاروں فٹ اونچے پہاڑوں پر بھی چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ سوائے اس کی قدرتِ کاملہ کے کون ہے جو زمین سے نکال کر اتنی بلندی تک اُس پانی کو لے جاتا ہے۔ پھر زمین پر اس پانی سے کھیت اُگتے ہیں لہلہاتے ہیں پھر سوکھ کر زرد پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ چور چور ہو کر بھس بن جاتے ہیں دانہ ان سے جدا ہو جاتا ہے غلّہ کے دانے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں، کوئی سبز جیسے مونگ کوئی پیلا جیسے گیہوں کوئی زرد جیسے جوار کوئی کالا جیسے ماش۔ غور کرو زمین ایک، پانی ایک، ہوا ایک، فضا ایک لیکن جو غلّہ اُگتا ہے اپنا اپنا رنگ رُوپ لے کر نکلتا ہے، دُور سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ پودا فلاں غلّہ کا ہے۔

جو شخص اسلام لاتا ہے خدا اس کے سینہ کو اعمالِ خیر بجا لانے کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور اسے اپنی ہدایت کی روشنی میں چلاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو کفر پر جمے رہتے ہیں ان کے دل سیاہ و سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں ذکرِ الٰہی کی گنجائش نہیں رہتی اور وہ مکمل گمراہی میں پڑے اپنی زندگی تباہ کرتے ہیں۔

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ۲۳ سال مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے لیکن کیا ممکن کہ کہیں کوئی اختلافی صورت پائی جائے۔ یا کوئی آیت دوسرے کے متضاد ہو۔ حالانکہ دوسرا کوئی اگر اتنی دراز مدت میں تھوڑا تھوڑا لکھتا تو ایک جگہ جو لکھتا دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتا، تحریر کا رنگ بدل جاتا۔ اور تحریر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی۔ مگر یہاں اوّل سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے اور یہ دعوٰی ہے کہ کم سے کم ایک سورۃ تو ایسی بنا لاؤ اس سے معلوم ہوا کہ شروع سے آخر تک ۲۳ سال کے اندر ایک ہی اعجازی شان ہے۔ ایک مضمون کئی کئی بار بیان ہوا ہے لیکن اپنے موقع و محل کے لحاظ سے کہیں بے جوڑ نہیں کہیں بے ربط نہیں۔

اثرانگیزی کا یہ عالم ہے کہ ہزار بار پڑھو طبیعت نہیں اکتاتی، دل نہیں گھبراتا۔ ہر بار عذاب کی آیات کو پڑھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سخت دلوں میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ خیالات نیکی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ خدا کے ذکر کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہیں خدا کی ہدایت کے واضح نشانات ا

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا
لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ
ع ۳ ۱۷ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

تو کیا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے دن عذاب کی سپر بنائے گا (اس کی بدحالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے (نہیں) ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم (دُنیا میں) جو کچھ کیا کرتے تھے اب اس کا عذاب دیکھو جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان پر یکایک اس طرح عذاب آ پڑا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی تو خدا نے اس دنیا ہی میں عذاب کی لذت چکھا دی اور اگر وہ سمجھیں تو آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں بڑا ہے۔ ہم نے تو اس قرآن کے اندر لوگوں کو سمجھانے کے واسطے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ہم نے قرآن کو صاف و سلیس عربی زبان میں نازل کیا ہے جس میں ذرا بھی کجی نہیں

یعنی پیچیدہ نہیں تاکہ لوگ سمجھ کر خدا سے ڈریں۔ خدا نے ایک مثال بیان کی ہے۔ ایک شخص (غلام) ہے جس کے کئی جھگڑالو ساتھی ہیں۔ اور ایک غلام ہے کہ پورا ایک شخص کا ہے تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے (ہرگز نہیں) الحمد للہ، مگر ان میں سے اکثر اتنا بھی نہیں جانتے۔ (اے رسول) تم بھی تو مرنے والے ہو اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کی بارگاہ میں باہم جھگڑو گے۔

آیت ۲۴ میں منہ کو سپر بنانے کا ذکر ہے۔ آدمی پر جب مار پڑتی ہے تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے منہ کو بچائے رہتا ہے اور اعضا کو پٹنے دیتا ہے۔ لیکن دوزخ میں تو اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے لہٰذا جو ضرب پڑے گی، منہ ہی پر پڑے گی۔

کفار سے جب نزولِ عذاب کو کہا جاتا تھا تو وہ سمجھتے تھے یہ صرف دھمکی ہے لیکن عذاب ان پر اس طرح یکایک آن پڑا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ پس اے رسولؐ، ان کافروں کو آگاہ کر دو۔ ایسے ہی تم بھی کسی روز یکایک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جیسے وہ لوگ دُنیا میں ذلیل ہوئے تھے ایسے ہی تم بھی ہو گے اور اس کے بعد عذابِ آخرت تو اس سے کہیں بڑا ہے۔

ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے قرآن کو صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ جب تمہیں اس کے سمجھانے کے لیے کسی ترجمان کی ضرورت نہیں۔ تمہاری مادری زبان ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کے معانی و مطالب پر غور نہیں کرتے۔ کوئی مضمون اینچ پینچ سے نہیں بیان کیا گیا کہ سمجھ میں نہ آئے۔

آیت نمبر ۳۰ میں شرک و توحید کی ایک بڑی واضح مثال دی گئی ہے۔ ایک غلام کے آقا کئی لوگ ہیں جو بدمزاج اور جھگڑالو ہیں۔ وہ جس کی اطاعت نہیں کرتا وہی اسے مارتا ہے تو ایسے غلام کی جان کیسی ضیق میں ہو گی۔ سب کو کیسے راضی کرے گا۔ دُوسرا غلام ایک ہی شخص کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے کو ہر طرح خوش رکھ سکتا ہے۔ مثلاً پہلے غلام کا ایک آقا بُدھ ازم رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ غلام بُدھ مت کے مطابق عبادت کرے۔ دوسرا ہندو ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہندوؤں کی سی عبادت کرے۔ تیسرا یہودی ہے۔ چوتھا نصرانی ہے۔ وہ اپنے اپنے طریقہ پر اُسے رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ غلام ہر دین کے مطابق عمل کر سکے۔

کفار و مشرکین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کئی کئی بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ اگر یہ سب تم سے ایک ہی طریقہ عبادت چاہتے ہیں تو پھر ان سب کی ضرورت کیا ہے۔ کسی ایک کا دامن پکڑ لو۔ اور اگر ان کا طریقہ عمل جُدا جُدا ہے تو تمہاری جان جھگڑے میں پڑ جائے گی۔ مثلاً ایک دیوتا کے سامنے ہتیا کرنا عین عبادت ہے،

دوسرے کے نزدیک جیو ہتیا کرنا پاپ ہے۔ بتاؤ دونوں کو کیسے خوش رکھ سکو گے۔ اور اگر ایک ہی خدا کے ماننے والے ہو تو یہ دقت پیش نہ آئے گی۔ یہ توحید انسانی معاشرہ کی جان ہے۔ ایک خدا کا ماننا آپس میں اختلافی صورت پیدا نہ کر سکے گا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا سب کو موت ہے۔ خواہ کوئی نبی ہو یا رسول۔ جب سب کو مرنا ہے اور ایک دن خدا کے سامنے ہونا ہے تو ہر ایک کے سامنے اس کا انجام آجائے گا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ
أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ (۳۲) وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۳۳) لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ
جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ (۳۴) لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَ
يَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (۳۵) أَلَيْسَ اللَّهُ
بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ
فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (۳۶) وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ
اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ (۳۷)

اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ بولے اور جب سچّی بات اس کے پاس آئے تو اُسے جھٹلا دے۔ کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنّم نہیں ہے۔ اور جو شخص سچّائی کو لایا (رسول) اور جس نے اس کی تصدیق کی اور یہی پرہیزگار لوگ ہیں۔ یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لیے خدا کے پاس وہی چیز ہے۔ نیکی کرنے والوں کا تو یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان کی بُرائیوں کو جو انہوں نے کی ہیں بدل دے اور جو اچھے کام وہ کر چکے تھے اس کا ثواب عطا فرمائے۔ کیا خدا اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی نہیں ہے۔ اے رسول، لوگ تمہیں خدا کے سوا دوسرے معبُودوں سے ڈراتے ہیں۔ جس کو خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ کیا خدا زبردست اور بدلہ لینے والا نہیں۔

اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے متعلق جھوٹ بولا اور اس کے لیے بیٹیاں اور بیٹے بنا کر رکھے۔ اور جب رسولؐ نے قرآن کو ان کے سامنے پیش کیا تو اس کو جھٹلایا۔ ان کی رسالت کی تکذیب بھی کی۔ تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔ متقی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس خبر کی تصدیق کی جو رسولؐ خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ۔ اگرچہ اکثر مفسرین نے جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد توحید یا قرآن کو لیا ہے تو اس کو جھٹلانے والا منکرِ توحید ہوگا۔ لیکن حضرات اہلسنت کے ایک زبردست عالم حافظ ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ جو شخص رسالتمآبؐ کو علیؑ کے بارہ میں جھٹلائے وہ مراد ہے۔ پس صدق سے حضرت علیؑ کے بارہ میں حضرت رسولِ خداؐ کا فرمانا مراد ہوا۔

علاوہ بریں سب سے پہلے جس نے ماجاء بہ النبی کی تصدیق کی وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدیق تین ہیں، مومن آلِ فرعون جس نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کی۔ حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی۔ اور علی ابن ابی طالب جنھوں نے حضرت رسولِ خداؐ کی تصدیق کی۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُہَا بَعْدِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُّفْتَرٍ۔ (میں سب سے بڑا تصدیق کرنے والا ہوں میرے بعد ایسا نہیں کہے گا مگر جھوٹا مفتری۔)

اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ان کے ربّ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کو دیا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ جنت میں جو چاہیں گے دیا جائے گا بلکہ عند ربّھم کہا گیا ہے یعنی ان کے ربّ کے پاس جو ہے۔ تو ان کے ربّ کے پاس کیا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کتنا صاحبِ عظمت ہے وہ شخص جو رسول اللہؐ کا مصدقِ اوّل ہے۔ یعنی علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام۔ پس اس کے بعد اگر علیؑ کو قسیم النار والجنۃ کہا جائے تو کیا قابلِ اعتراض ہے۔

مشرکین حضرت رسولِ خداؐ کو یہ کہہ کر ڈرایا کرتے تھے کہ تم ہمارے بتوں کو بُرا کہہ کر اچھا نہیں کرتے۔ یہ بڑی بُری بات ہے۔ یہ بڑی ہستیاں ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکے۔ اگر تم نے ان کو بُرا کہنا نہ چھوڑا تو ایک دن یہ تمہیں دے پٹکیں گے۔ وہ ظالم یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی قوت کیا ہے۔ بُتوں میں کوئی طاقت نہیں۔

خدا جسے گمراہی میں چھوڑ دے گا پھر اُسے کوئی طاقت نہیں سنبھال سکتی اور جسے راہِ راست پر لگا دے گا پھر کوئی وہاں سے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ وقت آ رہا ہے کہ خدا تم سے اس سرکشی کا بدلہ لے کر رہے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
ع ۱۸ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

(اے رسول) اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے تو کہہ دیں گے، اللہ نے، تم ان سے کہو، ذرا اس پر تو غور کرو، اگر اللہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ لوگ (بُت) نقصان کو دُور کر سکتے ہیں۔ اور اگر خدا مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ لوگ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں۔ اے رسول، تم کہہ دو کہ خدا میرے لیے کافی ہے۔ اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اے قوم، تم اپنی جگہ پر جو عمل چاہو کیے جاؤ، میں اپنی جگہ جو کچھ کر رہا ہوں۔ عنقریب تمہیں (اپنے عمل کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا کہ کس پر آفت آتی ہے جو دُنیا میں اُسے رسوا کرے گی اور آخرت میں اس پر دائمی عذاب بھی نازل ہوگا ہم نے تم پر قرآن سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے پس جو ہدایت پائے گا تو اپنے ہی لیے پائے گا اور جو گمراہ ہوا تو گمراہی کا وبال اُسی پر ہوگا اور تم کچھ ان کے ذمہ دار تو نہیں ہو۔

پہلی آیت کے متعلق سوال یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین اللہ کو مانتے تھے اور خالقِ ارض و سماوات جانتے تھے تو پھر ان کو مشرک کیوں کہا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ خدا کو مانتے تو تھے لیکن جن صفات کے ساتھ مانتے تھے خدا کی ذات ان سے منزہ و مبرا ہے۔ دوسرے وہ بتوں کو خدا کا شریک بھی سمجھتے تھے۔ ان کے عقیدہ میں خدا تک پہنچانے کا ذریعہ بُت تھے۔

خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان سے یہ پوچھو کہ تم جن کو اپنا معبود سمجھتے ہو کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ اگر خدا کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ روک دیں یا فائدہ پہنچانا چاہے تو اُسے نہ پہنچانے دیں۔ پس جب خدا

کی بارگاہ میں ان کا کوئی دخل ہی نہیں تو پھر تم نے انہیں اپنا معبود کیسے بنالیا۔

پھر رسولؐ سے کہا جارہا ہے کہ تم ان سے کہو میں تو اپنا کام کیے جارہا ہوں اس سے رکنا نہیں۔ تمہارا جو جی چاہیے کرو۔ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ مجھے کارِ تبلیغ سے روک سکتے ہو۔ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کون ذلیل ہوا اور کس کے سر پر عذاب آکھڑا ہوا۔ تم اگر ہدایت یافتہ ہوگے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا اور اگر گمراہی میں پڑے رہوگے تو اس کا وبال تمہارے ہی سر پڑے گا۔ رسولؐ کا کام صحیح راستہ کا دکھانا ہے۔ اس پر منزلِ مقصود تک پہنچانے کی ذمہ داری نہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۗ
قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ
جَمِيْعًا ۗ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ
الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کے نفس (اپنی طرف) کھینچ بُلاتا ہے اور جو لوگ نہیں مرے ان کے (نفس) خواب میں کھینچ لیے جاتے ہیں پس جن کے بارہ میں خدا موت کا حکم دے چکا ہے ان کے نفس کو روک رکھتا ہے اور باقی (سونے والوں کے نفسوں) کو پھر ایک وقت تک کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے قدرت کی بہت نشانیاں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے سفارشی بنا رکھے ہیں۔ اے رسول تم کہدو کہ جب وہ لوگ

نہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں پھر بھی ان کو سفارشی بناؤگے۔ تم کہہ دو کہ ساری سفارش تو خدا کے لیے خاص ہے۔ سارے آسمانوں اور زمین کی حکومت تو بس اسی کے لیے ہے۔ اور پھر لوگوں کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منتشر ہوجاتے ہیں اور جب خدا کے سوا اور معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔

نفسِ انسانی جو عقل و تمیز کی کنجی ہے سوتے وقت بدن سے بے خبر ہوجاتا ہے اور اس کے تمام حواس معطل ہوجاتے ہیں اور مثل مُردوں کے ہو جاتا ہے۔ پس جن کو ابھی نہیں مرنا ہے ان کے نفس کو واپس بھیج دیا جاتا ہے اور نیند کے بعد وہ جاگ اُٹھتے ہیں اور جنکو مرنا ہے انکی (روح) اور نفس کو واپس نہیں بھیجا جاتا۔ یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کا وقت کب پورا ہوجائے گا۔ ایک شخص بولتا چالتا دنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے اور ہر ایک کو وقتِ معین تک زندہ رکھا جاتا ہے۔ نہ تو کوئی موت کا وقت جانتا ہے اور نہ کوئی آنے والی موت کو روک سکتا ہے۔ کیا یہ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے نہیں ہے۔

جن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کے جھوٹے معبود سفارش کر کے انہیں بچالیں گے وہ دھوکہ میں ہیں دوسروں کی سفارش تو بڑی بات ہے وہ تو اپنے بچانے پر بھی قادر نہ ہوں گے۔ سفارشوں کا قبول کرنا یا نہ کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے آسمان و زمین سب اسی کے ہیں۔ اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ اپنے کو اس کے سامنے حاضر ہونے سے روک سکے۔

ان مشرکوں کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کی صفات بیان کی جاتی ہیں تو حواس باختہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں سننا گوارا نہیں کرتے۔ ہاں جب ان کے بتوں کی تعریف کی جاتی ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ مادہ پرستی ان پر غالب ہے وہ کسی ایسی ذات کو معبود ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو انہیں نظر نہیں آتا اور جس کے صفات انسانی صفات سے بالکل الگ تھلگ ہوں۔ رہے بُت چونکہ ان کے مجسمے ان کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا ان کو معبود بنانے پر بخوشی راضی ہوجاتے ہیں اور ان کے اندر ان تمام کو فرض کر لیتے ہیں جو ایک مقتدرِ اعلیٰ کے لیے ہونی چاہئیں۔ قرآن جابجا ان کو بتاتا چلا آرہا ہے کہ ان بتوں کے اندر کوئی قدرت نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ
دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾

(اے رسول کہدو) اے خدا اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، اے ظاہر و باطن کے جاننے والے جن باتوں میں تیرے بندے آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں تو ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اگر نافرمانوں کے پاس روئے زمین کی ساری کائنات ہو بلکہ اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو اور وہ قیامت کے دن سخت عذاب کا بدلہ دینا چاہیں تو ان کے سامنے خدا کی طرف سے وہ بات پیش آئے گی جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا اور جو بدکرداریاں انہوں نے کی ہیں وہ سب ان کے سامنے کھل جائیں گی اور جس عذاب کے متعلق یہ لوگ قہقہے لگاتے تھے وہ انہیں لے ڈالے گا۔ انسان کو جب کوئی برائی چھو جاتی ہے تو ہم سے دعائیں مانگنے لگتا ہے اور جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہنے لگتا ہے یہ تو صرف میرے علم کے زور سے مجھے ملی ہے۔ مگر یہ تو ایک آزمائش ہے جسے ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آیت نمبر ۴۷ کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین پر جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔ چاہے وہ یہ تمام دنیا بلکہ ایسی ایک اور دنیا بدلہ میں دے کر اپنے کو عذاب سے بچانا چاہیں تو بھی نہیں بچا سکتے۔ وہاں ان کے سارے کرتوتوں کے اثر پتر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور وہ عذاب انہیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے اور جب ہم اس کو اپنی کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو میری حسن تدبیر کا نتیجہ ہے، خدا کا اس میں کیا دخل۔ وہ سمجھتا نہیں کہ یہ

ایک طرح کی آزمائش ہے کہ جب ہم نعمتیں دیتے ہیں تو وہ ہمارا شکریہ ادا کرتا ہے یا نہیں اور جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو ہم سے لو لگاتا ہے یا نہیں۔ ہم سے فریاد کرتا ہے یا نہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ
مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ ع
قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾ وَاَنِيْبُوْٓا
اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ
لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٥٤﴾

جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی ویسی ہی باتیں کیا کرتے تھے (جب عذاب آیا) تو ان کی کارستانیاں کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں۔ غرض انہیں اپنے برے اعمال کے نتیجے بھگتنے پڑیں گے اور یہ لوگ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے۔ اس میں ایماندار لوگوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اے رسول کہو، اے میرے ایماندار بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو

اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے۔

ان مشرکین مکہ سے پہلے بھی جو کفار و مشرکین گزر چکے ہیں وہ بھی خدا کے متعلق ایسی ہی بکواس کیا کرتے تھے جیسی یہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کی سزا یہ ملی کہ جو عذاب آنا تھا وہ ان پر آہی گیا۔ کیا یہ احمق خدا کے عاجز بنانے کی فکر میں تھے۔ ان کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ روزی کو کشادہ کرنا اور کم کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ قحط کا عذاب لاتا ہے تو کون روک سکتا ہے اور اگر کھیتوں میں خوب غلہ پیدا ہو تو کس کی یہ طاقت ہے کہ زمین کی اس پیداوار کو کم کر دے۔

جو لوگ ایماندار ہیں مگر بھولے بسرے گناہ کر جاتے ہیں تو ان کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی رحمت اور بخشش سے مایوس نہ ہوں، اس سے توبہ و استغفار کرو۔ دل کو اسی سے لگائے رکھو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کمر باندھو۔ وہ ایسا غفور و رحیم ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى
عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ
تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ
تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور جو اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان پر چلو۔ اس سے پہلے کہ تم پر یکبارگی عذاب نازل ہو اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (کہیں ایسا نہیں کہ) تم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے تقربِ خدا حاصل کرنے میں کی اور میں تو ان باتوں پہ ہنستا ہی رہا یا یہ کہنے لگے کہ اگر خدا میری ہدایت کرتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا جب عذاب آتا دیکھے تو کہنے لگے کاش مجھے دنیا میں پھر جانا ملے تو میں نکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔

جنب اللہ ۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے بسبب خدا سے انتہائی قربت کے۔ مطلب یہ ہے کہ

منافقین حسرت سے کہیں گے کاش ہم نے اہلِ بیتؑ کی پیروی میں کوتاہی نہ کی ہوتی اور حضرت علیؑ کی فضیلت کا مذاق نہ اُڑایا ہوتا۔ لیکن قیامت کے روز ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ توبہ استغفار کرنے اور نیک عمل کر کے دکھانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔

بعض مفسرین نے جنب اللہ کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ کتابِ خدا کے بہترین پہلو سے درگزر نہ کرنا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ کتابِ خدا میں تو کوئی پہلو بھی ناقص نہیں پھر بہترین و کمترین کا کیا سوال۔ یہ سب کوششیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کو مٹانے کے لیے ہیں۔

حقیقی معنی جنب اللہ کے ہیں "اللہ کا پہلو"۔ جیسا کہ ید اللہ و عین اللہ محتاجِ تاویل ہیں۔ اسی طرح پہلو سے مراد انتہائی قربت ہی ہو سکتی ہے اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ قربت صرف حضرت علیؑ کو حاصل تھی۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ
مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾

ہاں، تیرے پاس میری نشانیاں آئیں تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹے بہتان باندھے قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے اور جو لوگ پرہیزگار ہیں انہیں ان کی کامیابی (اور سعادت) کے سبب نجات دے گا اور انہیں کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾
وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ
لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ
كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ
جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ
وُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾

خدا کے پاس آسمان وزمین کی کنجیاں ہیں جن لوگوں نے آیاتِ خدا سے انکار کیا وہ گھاٹے میں رہے۔ اے رسول، کہدو اے جاہلو! تم مجھ سے کیا یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ اے رسول تمہاری طرف اور تم سے پہلے جو رسول گزر چکے ہیں ان کی طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے شکر گزار بنے رہو۔ ان لوگوں نے جیسی کہ خدا کی قدر کرنی چاہیئے تھی کچھ بھی نہ کی اور روز قیامت یہ ساری زمین گویا اس کی مٹھی میں ہوگی

اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اور جسے یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک و پاکیزہ ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو بھی مخلوق آسمانوں اور زمین پر ہے بیہوش ہو کر گر پڑے گی (مر جائے گی) مگر جسے اللہ چاہے گا بچ جائے گا پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب سب کے سامنے رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

آیت نمبر ۶۳۔ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں ہر ایک ارضی و سماوی شے پر اس کو پورا پورا اختیار ہے۔ ہر شے کا بنانے والا اور بگاڑنے والا وہی ہے۔

خدا نے کسی شخص کو شرک کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ مشرک کا کوئی عمل صالح قابلِ پذیرائی نہیں ہوگا۔ ایسے شخص نے جو اعمالِ خیر کیے ہوں گے وہ قابلِ جزا قرار نہ پائیں گے۔

لوگوں نے خدا کی عظمت و جلالت کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ یہ لوگ بتوں جیسی ناکارہ چیزوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے مقابل لا کر کیوں رکھتے۔

زمین و آسمان پر پوری حکومت رکھنے کو مٹھی میں رکھنے سے تعبیر کیا گیا جس طرح کسی چھوٹی سی چیز کو انسان بغیر کسی زحمت کے مٹھی میں داب لیتا ہے ایسے ہی یہ سب آسمان و زمین روز قیامت اس کی مٹھی میں دبے ہوئے ہونگے جیسے کوئی کسی کپڑے کو ہاتھ پر لپیٹ لیتا ہے اسی طرح یہ سب آسمان اس کی قدرت کے ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں تمہاری نگاہوں میں بڑی لمبی چوڑی نظر آتی ہیں اس کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی بار سب دہشت زدہ ہو کر بیہوش ہو جائیں گے دوسری بار سب مر جائیں گے تیسری بار پھر زندہ ہوں گے۔ ایک روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ پہلے دو صوروں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔

کتاب سامنے رکھی جانے سے مراد ہے کہ ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں ڈالا جائے گا اور ہر ایک عمل کے متعلق گواہ طلب کیے جائیں گے ان میں فرشتے بھی ہوں گے انبیاء بھی ہوں گے اور ہر شخص کے اپنے اعضا بھی گواہی دیتے ہوں گے۔ اس وقت کوئی بات کیسے چھوٹ سکے گی۔ جب ایسا ہے تو انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں ہر قدم پوری احتیاط سے اٹھائے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَسِيْقَ

الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ
رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ
حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

جس شخص نے جیسا کیا ہوگا اس کو اس کا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے اور جو لوگ کافر تھے ان کے غول کے غول جہنّم کی طرف ہنکائے جائیں گے یہاں تک کہ جب جہنّم کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، اس کے پہرہ دار کہیں گے کیا تم میں سے کسی کے پاس ایسے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیات کو تمہارے سامنے تلاوت کرتے اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے۔ وہ کہیں گے وہ آئے تو تھے لیکن (ہم نے ان کی بات مانی نہیں) کافروں کے عذاب کی بات ثابت ہو کر رہی۔ ان سے کہا جائے گا جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ سرکشی کرنے والوں کے لیے کیا بُری جگہ ہے۔

جب کسی کے متعلق یہ طے کر لیا جائے گا کہ اس کو جہنّم میں جانا ہے تو فرشتگانِ عذاب اسے کشاں کشاں جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔ یہ تین قسم کے لوگ ہوں گے۔ اوّل مشرک دوسرے کافر تیسرے منافق۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے آلِ رسولؐ کے حق کو نہیں پہچانا اور طرح طرح سے انہیں ستایا اور ان کے حقوق کو غصب کیا وہ لوگ عذابِ جہنّم سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ جن حضراتؑ سے ان کی ہدایت وابستہ تھی انہوں نے ان کا دامن چھوڑ کر اسی طرح دوسروں کا دامن پکڑ لیا جیسے مشرکوں اور کافروں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنا معبود بنا لیا تھا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا
جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَ
تَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾ ع

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے تھے وہ جنّت کی طرف بُلائے جائیں گے۔ جب اس کے پاس پہنچیں گے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان کے پاسبان ان سے کہیں گے، سلامٌ علیکم! اچھے رہے پس وہ جنّت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جائیں گے۔ وہ (مومن لوگ) کہیں گے، حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اور اس زمین کا مالک بنایا کہ ہم جنّت میں جہاں چاہیں رہیں۔ پس اچھے کام کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے اور (اے رسول) تم ملائکہ کو دیکھو گے کہ وہ عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہونگے اور اپنے رب کی تسبیح کر رہے ہوں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر طرف سے یہی صدا بلند ہوگی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (۴۰) (۶۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ (۱) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۲) غَافِرِ
الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۳) مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ (۴) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ
لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (۵) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (۶) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا
وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا
سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۷)

حا۔میم ، یہ کتاب سب پر غالب اور سب کچھ جاننے والے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

جو گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا صاحبِ فضل وکرم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔ آیاتِ خدا کے بارے میں وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ پس (اے رسول) ان لوگوں کا شہر شہر گھومنا (مال حاصل کرنا) تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے قومِ نوح نے اور ان کے بعد اور اُمتوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ ہر امّت نے اپنے رسول کے بارے میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ انہیں گرفتار کر کے (قتل کر ڈالیں) اور بیہودہ باتوں کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگیں۔ تاکہ اس کے بعد حق بات کو اکھاڑ پھینکیں تو میں نے انہیں گرفتار کیا پھر دیکھا ان پر کیسا سخت عذاب آیا۔ اسی طرح تمہارے پروردگار کا عذاب کا حکم ان کافروں پر پورا ہو چکا ہے۔ یہ لوگ یقیناً جہنمی ہیں۔ جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد تعینات ہیں سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بخشش کے لیے دُعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستہ پر چلے ہیں ان کو جہنّم کے عذاب سے بچالے۔

آیت نمبر ۴ میں آیاتِ خدا میں جھگڑا کرنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ یہ کافر لوگ انہیں کلامِ خدا مانتے نہیں اور اگر آیات سے مراد دلیلیں ہیں تو ان کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش کرتے ہیں اور ان پر خواہ مخواہ کی کج بحثی کر کے ان کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے نوحؑ اور دیگر پیغمبروں کی جو اُمتیں تھیں انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ اوّل تو انبیاء کو جھٹلایا پھر ان کے قتل پر آمادہ ہوئے پھر جو حق بات تھی اس پر امرِ باطل کو غالب کرنا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں دھر پکڑا اور سخت عذاب نے ان کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ تو جہنمی تھے ہی، اس لیے ایسی باتیں کرتے تھے۔ انہوں نے خدا کے عظمت وجلال کو سمجھا ہی نہیں۔ ان کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ جو عظیم المرتبت فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے آس پاس رہتے ہیں وہ ہر وقت اس کی حمد کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ہر طرح اس کے فرماں بردار ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

جو ایمان والے عہدِ رسالت میں مشرکین کے ظلم و ستم سے سخت تنگ دل ہو رہے تھے ان کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ بدبخت اگر تمہارا مرتبہ نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں۔ ہم تو اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ سب سے بلند مرتبے والے فرشتے جو حاملانِ عرش ہیں وہ تمہارے لیے خدا سے دعائے مغفرت مانگتے ہیں اور تم کو عذابِ جہنم سے بچانے کی درخواست کرتے ہیں۔ پس اس چند روزہ تکلیف سے تم دل شکستہ نہ ہو۔ آخرت میں تمہیں اس کا بڑا اجر ملے گا۔ یہ دُنیا کیا اور اس کا عیش و آرام کیا۔

ہمیشہ کا آرام تو مرنے کے بعد تمہیں ملنے والا ہے۔ (سنو وہ اور کیا کہتے ہیں، اگلی آیات میں پڑھو)۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ﴿۸﴾
وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ؑ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ ع ۹
اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾
قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ
كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ﴿۱۲﴾
هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا
یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اے ہمارے پروردگار انہیں جنّتِ عدن کے اُن باغوں میں داخل کر جن کا تُو نے ان سے وعدہ کیا تھا اور ان کے آباؤ و ازواج و اولاد میں جو تیرے نیک بندے تھے اُن کو بھی۔ بے شک تُو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ان کو ہر قسم کی بُرائیوں سے محفوظ رکھ اور جن کو تُو نے اس دن کے

عذاب سے بچا لیا اس پر بڑا رحم کیا اور ان کے لیے یہ بڑی کامیابی ہے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اُن سے پکار کر کہہ دیا جائے کہ جتنا تم آج اپنی جان سے بیزار ہو اس سے بڑھ کر خدا تم سے بیزار ہے۔ جب تم ایمان کی طرف بُلائے جاتے تھے تو کفر کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار تو ہمیں دو بار مار چکا اور دو بار زندہ کر چکا تو اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے، یہ اس لیے ہے کہ جب خدائے وحدہٗ لاشریک کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے تو آج اس خدا کی حکومت ہے جو غالب اور بزرگ ہے۔ وُہ وہی تو ہے جو تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے روزی نکالتا ہے اور نصیحت کو بس وہی حاصل کرے گا جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے پس تم لوگ خدا کو سچّے دل سے پکارو اگرچہ کفار بُرا مانیں۔

یعنی فرشتے نہ صرف نیک بندوں کے لیے دُعائے مغفرت کریں گے بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور ازواج و اولاد کے لیے بھی۔ اللہ اللہ خدا کے نیک بندوں کو کیا مرتبہ حاصل ہے۔

آیت نمبر ۱۱ میں جو دو مرتبہ مرنے اور دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قتادہ ضحاک اور ابنِ عباس کا خیال ہے کہ پہلی موت نطفہ کی حالت ہے اور دوسری موت زندگانی دنیا کے بعد کی ہے۔ اور پہلی بار زندہ کرنا شکمِ مادر میں زندہ کرنا ہے اور دُوسری دفعہ قیامت میں زندہ کرنا ہے۔ اور سدی وغیرہ کا خیال ہے کہ پہلی موت دُنیا کی اور دوسری قیامت کے قبل کی ہے اور پہلی زندگی قبر میں سوال و جواب کی اور دوسری قیامت میں ہوگی۔ جبائی کا خیال ہے کہ پہلی زندگی دُنیا میں اور دوسری قبر میں۔ اور پہلی موت دنیا میں اور دوسری قبر میں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ نہ نطفہ کی حالت کو کوئی مارنا کہہ سکتا ہے اور نہ پیدائش کو زندہ کرنا۔ اس طرح قبر کی قلیل زندگی کو نہ کوئی زندگی کہہ سکتا ہے اور نہ اس کے خاتمے کو مرنا۔ جس طرح افاقۂ الموت کو کوئی صحت نہیں کہہ سکتا اور نہ سونے کے بعد جاگ اُٹھنے کو زندہ ہونا کہا جاتا ہے۔ صحیح خیال یہ ہے کہ پہلی موت ہے زندگی کے بعد کی موت، دوسری موت ہے رجعت کے بعد کی۔ اور پہلی مرتبہ زندہ ہونا رجعت کا زندہ کرنا اور دوسری دفعہ زندہ کرنے سے قیامت میں زندہ کرنا ہے۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

کفار و مشرکین چونکہ قیامت میں مرنے اور زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے اس لیے اس کے منکر تھے۔ بہرحال قرآن میں دو بار زندہ ہونے اور دو بار مرنے کا ذکر ہے۔ ان کو اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ہوگا اور چاہیں گے کہ دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے لیکن یہ ممکن نہ ہوگا۔ یہ سزا ان کو خدا کی خدائی سے انکار کرنے کی بنا پر ملے گی۔ دُنیا میں رہ کر تم نے اس بات پر غور نہ کیا کہ اس مرنے کے بعد پھر تمہیں زندہ ہو کر خدا کے سامنے جانا ہے۔ اب تو تم نے دونوں بار زندہ ہونا اور دونوں بار مرنا دیکھ لیا۔ پس جب قیامت میں زندہ ہو کر تم خدا کے سامنے آؤ گے تو جس عذاب کا

وعدہ کیا تھا وہ بھی پُورا ہو کر رہے گا۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (۱۵) يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى
اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۱۶) اَلْيَوْمَ
تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ (۱۷) وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ
كٰظِمِيْنَ ۥ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (۱۸) ۭ يَعْلَمُ
خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (۱۹) وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ
الْبَصِيْرُ (۲۰) ع ۲

وُہ بڑا عالی مرتبہ ہے۔ عرش والا ہے وُہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے صاحبِ وحی بنا دیتا ہے تاکہ وہ قیامت کے دن سے ڈرائے۔ جس دن وہ قبروں سے نکل پڑیں گے ان کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس روز ندا ہوگی (بتاؤ) آج کس کی حکومت ہے؟ (خود ہی فرمائے گا) اُس خدا کی ہے جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔ آج ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا ہو گا اُس کا بدلہ ملے گا۔ آج کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے ان لوگوں کو اس آنے والے دن سے ڈراؤ جب کہ لوگوں کے دل گھٹ گھٹ کے (خوف کے مارے)

منہ کو آجائیں گے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ کوئی شفاعت کرنے والا جس کی اطاعت کی جائے۔ خدا دزدیدہ نگاہوں کو بھی جانتا ہے اور جو دلوں میں چھپا ہُوا ہے اسے بھی۔ اور اللہ ٹھیک ٹھیک حکم دیتا ہے۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے اور بیشک اللہ سب سے اچھا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یلقی الروح سے مراد روحِ نبوتی ہے۔ اس روحِ خاص کو جو آراستہ کمالات ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ نبی یا رسول کو جو کچھ ملتا ہے اُسے کوئی شخص بطور اکتساب پیدا نہیں کر سکتا۔ نبی کے فرائض میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرائے اور زندگی کے ایسے طریقے بتائے جو عذابِ آخرت سے بچانے والے ہوں لیکن ایسا جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ ان چیزوں سے بچے جن سے وہ دوسروں کو بچانا چاہتا ہے۔

محشر میں جب وہ سب لوگ جو آدمؑ سے لے کر وقتِ قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے حاضر ہوں گے۔ اس وقت قدرت کی آواز آئے گی۔ بتاؤ آج کس کی خدائی ہے۔ تم دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں کرکے آئے ہو۔ اپنے برابر کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ اب بتاؤ تمہاری وہ حکومتیں کہاں گئیں۔ وہاں کس کی مجال ہوگی کہ زبان کھول سکے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہو گا۔ اس وقت خدا خود فرمائے گا للہ الواحد القہار۔ آج اُس خدا کی حکومت ہے جو ایک ہے اور جو تمام طاقتوں کو زیر کرنے والا ہے۔ دُنیا میں جو کچھ کسی نے کیا ہو گا خواہ چھوٹا سا کام ہو یا بڑا۔ سب کا حساب لیا جائیگا اور ہر ایک عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

کسی نے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ خدا اتنی کثیر مخلوق کا حساب اتنی جلد کیسے کرے گا۔ فرمایا، اس طرح جیسے ایک وقت میں سب کو روزی تقسیم کر دیتا ہے۔

قیامت کا دن معمولی دن نہ ہو گا۔ خدا اس کی سختی سے ہر بندہ مومن کو بچائے۔ لوگوں کے اضطراب کی یہ صورت ہو گی کہ کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا ہو گا کہ کیا کریں۔ وہاں نہ کوئی کسی کا دوست ہو گا نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ دُنیا کے سارے رشتے تمام تعلقات قطع ہو جائیں گے۔ جن بتوں سے دیوی دیوتاؤں سے پیروں اور شہیدوں سے سفارش کی امید تھی وہ خود بے بسی کے عالم میں کھڑے تھر تھرا رہے ہوں گے۔ دزدیدہ نگاہوں سے بُرے خیال سے اگر کسی کو دیکھا ہو گا یا دل میں کسی بُرے خیال کو بسایا ہو گا وہ سب سامنے موجود ہو گا۔ بھلا اللہ کے سامنے کون سی بات چھپنے والی ہو گی۔ خدا کے سوا جن بتوں کو جنات کو دیوی دیوتاؤں کو پُوجتے رہے تھے۔ اب وہ کہیں ڈھونڈے نظر نہ آئیں گے اور اگر مل بھی جائیں گے تو صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے کب ان سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر ہماری عبادت کرو۔ یہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔ ہم ان کی کیا مدد کریں۔ جب کہ ہم خود ہی محتاجِ امداد ہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا
مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ
اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ
قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ
مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا
جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾

کیا ان (کافروں اور مشرکوں) نے رُوئے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا تاکہ ان کو پتہ چلتا کہ ان سے پہلے لوگوں کا (جو انہی کی طرح تھے) کیا انجام ہوا۔ وہ تو ان سے زیادہ طاقتور لوگ تھے اور رُوئے زمین پر بڑی بڑی عمارتیں انہوں نے بنا کھڑی کی تھیں۔ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں لے ڈالا اور خدا کے غضب سے کوئی ان کو بچانے والا نہ تھا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ جب کبھی ہمارے رسول ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا پس اللہ نے ان کو دھر پکڑا۔ وہ بے شک قوی ہے اور سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ہم نے موسیٰ کو معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ فرعون و ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تھا تو انہوں نے کہا، یہ جادوگر اور جھوٹا ہے۔ جب موسیٰ ہماری طرف سے سچا دین لے کر ان کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو اور کافروں کی یہ چالیں گمراہی کے

سوا اور کیا تھیں۔

کفارِ مکہ اس خیال میں مست تھے کہ ہماری طاقت چونکہ زیادہ ہے اس لیے ہم رسولِ اسلام کو شکست دے کر رہیں گے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ احمقو، تم تو ہو ہی کیا۔ تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں وہ دولت و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھو ان پر کیسے سخت سے سخت عذاب آئے۔ ان کے کھنڈر اب بھی سطحِ ارض پر موجود ہیں۔ انہیں جا کر دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ خدا نے ان لوگوں کو کس طرح تہس نہس کیا تھا فرعون و ہامان و قارون کے قصے نہیں پڑھے۔ انہوں نے سالہا سال بنی اسرائیل پر یہ ظلم کیا کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رکھ کر ان سے نوکرانیوں کا سارا کام لیتے تھے۔ موسیٰ کی انہوں نے تکذیب کی، اُن کو جادوگر بتایا لیکن ان سرکشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان سب کو اور ان کے تابعین کو ہلاک کر ڈالا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن
يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي
عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

(اور فرعون نے تو یہاں تک زور باندھے تھے) کہنے لگا مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰ کو تو قتل کر ڈالوں (اور میں دیکھوں) اپنے رب کو مدد کے لیے بُلا تو لے (بھائیو) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا تمہارے دین کو الٹ پلٹ کر ڈالے یا ملک میں فتنہ و فساد برپا کر دے۔ موسیٰ نے کہا میں تو اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبّر سے جو روزِ قیامت پر ایمان نہیں لایا۔

فرعون اپنی سلطنت کے غرور میں چھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا میں موسیٰ کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا پھر دیکھوں گا وہ اپنے رب کی مدد سے میرا کیا بگاڑ لے گا۔ موسیٰ چاہتا ہے کہ ہمارے دین کو ملیامیٹ کر کے ایک نیا دین اس کی جگہ لے آئے۔ یا یہ کہ ملک میں فساد برپا کر کے ہماری سلطنت کو تباہ کر ڈالے اور خود بادشاہ بن بیٹھے۔ موسیٰ نے جب اس کے واہی خیالات سنے تو کہا، مجھے اس کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں۔ جو کوئی روزِ قیامت پر ایمان نہیں لایا مجھے اس سے کیا ڈرنا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

فرعون کے خاندان میں سے ایک شخص (حزقیل) نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، لوگوں سے کہا، کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہے (بالفرض) اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کے جھوٹ کا وبال اُس پر پڑے گا اور اگر وُہ سچّا ہے تو جس عذاب کی یہ تمہیں دھمکی دیتا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ خدا اس شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا اور جھوٹا ہو۔ اے لوگو! آج بے شک تمہاری بادشاہت ہے اور مُلک میں تمہارا بول بالا ہے کل اگر خدا کا عذاب ہم پر آ جائے تو ہماری مدد کون کرے گا۔ میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں جو میں خود سمجھا ہوں اور وہی راہ دکھاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

اس آیت میں مومن آلِ فرعون کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ شخص جن کا نام حزقیل تھا فرعون کے بھتیجے یا بھانجے تھے۔ یعنی خاندانِ فرعون سے تھے۔ پس جن لوگوں نے آل کا ترجمہ قوم کیا ہے اور آلِ محمدؐ سے مراد قومِ محمدؐ لی ہے وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ قرآن میں کہیں آل بمعنی قوم نہیں آیا۔ ہر جگہ خاندان کے خاص لوگ مراد ہیں۔ اگر آلِ محمد سے مراد

قومِ محمدؐ ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ درود میں امتِ محمدؐ کا ہر آدمی شریک ہو گا خواہ وُہ فاسق و فاجر ہو یا ظالم و منافق اس کے بعد درود کی کیا اہمیت باقی رہ جائے گی۔

آیہ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ (۳۳/۳ آلِ عمران) میں اگر تمام قوم مراد ہو تو پھر یہ انتخاب کا لفظ غلط ہو گا۔ اسی طرح فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ (۵۴/۴ النساء) میں اگر تمام قومِ ابراہیمؑ مراد ہو تو گویا مومن و کافر سب ہی کو خدا نے کتاب و حکمت عطا فرمائی تھی۔

لہٰذا آلِ فرعون سے مراد اس کے خاندان کا ایک شخص مراد ہے نہ کہ تمام قوم۔

اس مومنِ برحق کی خدا نے خاص طور سے یہ صفت بیان فرمائی ہے یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یعنی تقیہ کرتا تھا۔ بظاہر فرعون پر ایمان لانے والا بنا ہوا تھا مگر بباطن موسیٰؑ پر ایمان لایا ہوا تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے یہ چغلی کھائی اور فرعون سے کہا کہ حزقیل موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے ہے اور تیری خدائی کا منکر ہے تو اس نے حزقیل کو بُلا کر پوچھا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ انہوں نے ازراہِ تقیہ کہا۔ لوگو! میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ جو تمہارا خالق و رب ہے وہی میرا ہے۔ فرعون اس جواب سے خوش ہوا اور چغلی کھانے والوں کو سزا دی۔

حزقیل کا مطلب یہ تھا کہ جو تمہارا خالق اور ربِ حقیقی ہے (خدا) وہی میرا بھی ہے۔ یہ تقیہ کے الفاظ تھے۔

فرعون سمجھا کہ وہ میری خالقیت اور ربوبیت کا اقرار کر رہا ہے۔

پس جو لوگ تقیہ کو جائز نہیں جانتے وہ ذرا اس آیت کو غور سے پڑھ کر اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں۔ بات تو بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے اور یہ کہے چلا جائے کہ شیعوں کے یہاں جھوٹ بولنا جائز ہے تو وہ جانے اور اس کا ایمان۔ عہدِ رسالتؐ میں عمار یاسر کا واقعہ بھی اس کا شاہد ہے کہ تقیہ وقتِ ضرورت جائز ہے۔

حضرت حزقیل نے جو نصیحت اپنی قوم کو فرمائی بظاہر اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے ہیں بلکہ ایک علم بات کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ شخص (موسیٰؑ) اپنے دعوٰی میں جھوٹے ہوں گے تو اس کا وبال ان پر پڑے گا اور اگر سچّے ہوئے اور جس عذاب کے نازل ہونے کا وعدہ کر رہے ہیں وہ نازل ہو گیا تب کیا ہو گا کون ہمیں بچائے گا۔

آخر کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگوں نے فرعون کے سامنے حزقیل کی باتیں نقل کی ہوں گی تب اُس نے ان سے ایسا کہا ہو گا کہ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں یعنی میری پیروی میں اور خدا کو رب ماننے میں تمہارا بھلا ہے۔

فرعون اپنے کو خدا نہیں کہلاتا تھا بلکہ یہ کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی میں سب سے بہتر تمہارا روزی رساں ہوں۔ جو شخص اس کا اقرار نہیں کرتا تھا اُسے زمین پر لٹا کر ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھکوا دیتا تھا۔ اسی لیے اس کو فرعون ذوالاوتاد یعنی میخوں والا فرعون کہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت آسیہ کا جو اس کی بی بی تھیں ایمان اس پر ظاہر ہو گیا تو اس نے انہیں یوں میخا کرا کے ہلاک کر دیا تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾
مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ
يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾
يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ
فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾

توجو شخص (در پردہ ایمان لایا تھا) کہنے لگا مجھے تو تمہاری نسبت بھی اور امتوں کی طرح روز (بد) کا اندیشہ ہے (کہیں) تمہارا وہی حال نہ ہو جو قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کا ہوا۔ خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنا چاہتا ہی نہیں۔ اور اے میری قوم مجھے تو تمہاری نسبت قیامت کے دن کا اندیشہ ہے جس دن تم پیٹھ پھیر کر جہنم کی طرف چل کھڑے ہو گے اور اللہ کے عذاب سے تمہارا کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (اس سے پہلے) یوسف بھی تمہارے پاس معجزات لے کر آئے تھے تو جو لائے تھے تم ان کے بارہ میں برابر شک میں ہی پڑے رہے اور جب انہوں نے وفات پائی تو تم کہنے لگے خدا اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ جو حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا ہوگا، خدا اُسے یُوں ہی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

یہ کلام بھی مومن آلِ فرعون ہی کا ہے۔ اُنہوں نے اپنی قوم کو قوم نوحؑ، عاد و ثمود وغیرہ پر جو عذاب نازل ہوتے تھے اُن سے ڈرایا ہے اور قیامت کے دن کی حالت بیان کی ہے۔ اس کے بعد جناب یوسفؑ کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انہوں نے قحط سے بچانے کی کیا اچھی تدبیر کی تھی اور ان کی سلطنت کیسی عدل و انصاف پر مبنی تھی۔ ان کے اخلاق و عادات کے بھی تم معترف تھے لیکن اس پر تم نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہتے تھے اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن پھر خدا اپنے رسول بھیجتا رہا اور لوگ انکار کرتے رہے۔ پس وہی طریقہ تم نے اختیار کیا ہے۔ اور اب موسیٰؑ کی رسالت کے منکر بن رہے ہو۔ حزقیل چونکہ تقیہ میں تھے لہٰذا لوگوں کو عقل کی باتیں سمجھاتے تو تھے مگر اس طرح کہ موسیٰؑ کی جنبہ داری ثابت نہ ہو اور اپنا فرض بھی ادا ہو جائے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ
جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾
اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ
اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل خدا کی آیات کے بارے میں ہو خواہ مخواہ جھگڑا کیا کرتے ہیں وہ خدا کے نزدیک اور ایمان داروں کے نزدیک سخت قابلِ نفرت ہیں۔ یوں ہی خدا ہر متکبّر و سرکش کے دل پر علامت مقرر کر دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا، اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنوا دے تاکہ (اس پر چڑھ کر) راستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی آسمان کے راستوں پر) پھر موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھ تو لوں، میں تو اسے یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اس طرح فرعون کی بدکرداریاں اُسے بھلی کر کے دکھائی گئیں اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر

تو غائب غلط ہو گئی۔

ابھی تک مومن آلِ فرعون کے کلام کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں وہ پسندیدہ لوگ نہیں بلکہ خدا اور خدا کے بندوں کی نظر میں ذلیل و خوار اور قابلِ نفرت ہیں۔ خدا نے ایسے لوگوں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے تاکہ فرشتے آسانی سے پہچان سکیں۔

قوم نوح و عاد و ثمود کے قصوں سے درگزر کر کے وہ کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت یوسفؑ زندہ تھے تو تم اُن کی نبوت کے قائل نہ ہوئے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی تم ان کو دنیا کا معمولی بادشاہ سمجھتے رہے مگر جب وہ چل بسے اور جو انتظامات وہ کر گئے تھے اُس کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت میں بدنظمیاں پھیل گئیں تو تمہیں یوسفؑ کی قدر ہوئی اور سمجھے کہ واقعی وہ نبی تھے اور کہنے لگے اب ان جیسا کوئی نہ ہو گا۔ لہٰذا مکہ والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اب ہوش درست کرو اور جس رسول کو ہم نے بھیجا ہے اُس کی قدر کرو۔ تم مصر کے باشندوں کی طرح نہ بنو۔

موسیٰؑ کی جب یہ باتیں فرعون کے کان میں پڑیں تو اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ایک بہت اُونچا محل بنواؤ۔ میں اُس پر چڑھ کر آسمانوں کے راستے معلوم کروں گا اور پھر ان راستوں سے موسیٰؑ کے خدا تک پہنچوں گا۔ میں موسیٰؑ کو جھوٹا جانتا ہوں۔ ایسی ایسی خراب باتیں فرعون کے ذہن میں جم گئی تھیں۔ یہ سب تدبیریں اُس کی ہلاکت کا سامان تھا۔

غور کرنا اس بات پر ہے کہ جو شخص اپنے کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا وہ کیسی موٹی عقل کا آدمی تھا۔ وہ سمجھا کہ آسمان چھت ہے اور اس میں خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں۔ لہٰذا ایک بہت اونچے محل پر چڑھ کر میں آسمانی راستوں کے ذریعے موسیٰؑ کے خدا تک پہنچ جاؤں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کے چڑھنے سے پہلے ہی وہ مینار گِر کر زمین پر آ رہا تھا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمام قوم فرعون میں صرف ایک شخص مومن تھا۔ اُس کو ایسے معاشرہ میں رہ کر کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مگر وہ سب کو جھیل گیا اور جو حق باتیں قوم کے لیے مفید ہو سکتی تھیں ان کے بیان کرنے سے ذرا نہ چُوکا اور وہ پیرایۂ تقریر اختیار کیا کہ فرعون کو ذرا پتہ نہ چلا کہ یہ موسیٰؑ پر ایمان لا چکا ہے۔ فرعون گاہ گاہ ان کے بیانات سُن کر جو قوم کے سامنے ہوتے چونکتا ضرور تھا کیونکہ ان کا بیان عام لوگوں کے بیان سے بالکل جُدا گانہ ہوتا تھا۔ ایک روز فرعون نے ٹوکا بھی تو انہوں نے کہا میں اپنی قوم کو نکو کاروں کے راستہ پر لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ چُپ تو رہا مگر یہ کھٹک دل میں رہی کہ جب تک موسیٰؑ کے خدا کا قصہ پاک نہ ہو گا میری خدائی معرضِ خطر میں ہے۔ اس بنا پر ہی اُس نے ایک بلند مینار بنوانے کا حکم دیا تھا۔

~

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ (٣٨)
یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ
الْقَرَارِ (٣٩) مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ
فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ (٤٠) وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ
اِلَی النَّارِ (٤١) تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ
عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ (٤٢)

جو شخص (در پردہ) ایماندار تھا (مومن آلِ فرعون) کہنے لگا، بھائیو میرا کہنا مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے دکھا دوں گا۔ اے قوم یہ دنیوی زندگی تو صرف چند روز کے فائدہ کی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والا گھر ہے۔ جو بُرا کام کرے گا تو اُسے بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت مگر ایماندار ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب روزی ملے گی۔ اے میری قوم مجھے کیا ہُوا ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بُلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بُلاتے ہو۔ تم مجھے اس لیے بُلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور اُس چیز کو اُس کا شریک بناؤں جس کا مجھے علم بھی نہیں۔ اور میں تو تمہیں غالب اور بخشنے والے خدا کی طرف بُلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی

اَلْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ
فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

بے شک جس چیز کی طرف تم مجھے بُلاتے ہو وہ نہ تو دُنیا ہی میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں۔ ہم سب کو خدا ہی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے اور اِس میں شک نہیں کہ حد سے بڑھ جانے والے جہنمی ہیں۔ جو میں تم سے کہتا ہوں عنقریب ہی تم اسے یاد کرو گے اور میں تو اپنا کام خدا ہی کو سونپے دیتا ہوں۔ بے شک خدا بندوں کے حال کو خوب دیکھ رہا ہے تو خدا نے اسے ان کی تدبیروں کی بُرائی سے محفوظ رکھا اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا
اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

(اور اب تو قبر میں دوزخ کی) آگ پر صبح و شام لاکھڑے کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں جھونک دو۔ یہ لوگ

جب جہنم میں باہم جھگڑا کریں گے تو کم حیثیت والے بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا اس وقت تم دوزخ کی آگ کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔

اُس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے جو فرعون اور اس کے تابعین کو اور تمام خطاکاروں پر قبر میں ہوگا۔ یہ چھوٹا سا عذاب ہوگا کہ صبح و شام انہیں جہنم کی آگ کے سامنے کیا جائے گا اور یہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد قیامت میں جیسا جس کسی کا حساب ہوگا ویسی سزا دی جائے گی۔ وہ کمزور لوگ جو امراء و رؤسا کے دباؤ میں کافر بنے رہے وہ جب جہنم میں دھکیلے جائیں گے تو ان امراء سے کہیں گے ہم تمہاری بدولت اس عذاب میں گرفتار ہوئے تو کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ عذاب ہمارا بانٹ لو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ
الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ
يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

متکبرین ان کو جواب دیں گے ہم تو سب ہی دوزخ میں جل رہے ہیں (ہم تمہیں کیا بچائیں) خدا تو جو فیصلہ کرنا تھا کر چکا۔ جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ جہنم کے داروغاؤں سے کہیں گے آپ لوگ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس

تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں گئے تھے۔ وہ کہیں گے آئے تو تھے۔ فرشتے کہیں گے تو تم خود کیوں نہ دعا کرو حالانکہ کافروں کی دعا تو بس بیکار ہی ہے۔ ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی، اور ان کی بھی جو دنیاوی زندگی میں ایمان لائے اور اس دن پر بھی جب گواہ (پیغمبر) اُٹھ کھڑے ہونگے اور اُس دن ظالموں کو معذرت کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

بڑے لوگ اُن جہنمی زیر دستوں کو جواب دیں گے، یہاں تو ہم سب ایک ہی حال میں ہیں۔ خدا تو ہم سب کے متعلق جو فیصلہ کرنا تھا کر چکا۔ جہنمی لوگ جہنم کے اہل کاروں سے کہیں گے ہمارے رب سے ذرا تم ہی دعا کرو کہ کم از کم ایک ہی دن عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس خدا کے رسول دلائل لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ کہیں گے آئے تو تھے لیکن ہم نے ان کو مانا ہی نہیں تھا۔ فرشتے کہیں گے، پھر ہم سے دعا کرنے کو کیوں کہتے ہو۔ جو کچھ تم نے رسولوں کے ساتھ کیا خدا نے اسی کی وجہ سے تم کو جہنمی قرار دیا۔ بات ختم ہو گئی۔ اب تم چاہو تو خود دعا کرو لیکن فائدہ کیا ہوگا کیونکہ کافروں کی دعا تو سُنی ہی نہ جائے گی۔ تمہاری دعاؤں کے جواب میں خدا یہی فرمائے گا ہم یا تو اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں یا اُن مومنوں کی جو زندگانیِ دُنیا میں ہم پر ایمان لائے تھے اور اس دن پر بھی جب گواہ (رسول) حاضر ہوں گے۔ ظالموں کا سخت معذرت کرنا اب کوئی نفع نہیں دے گا اب تو ان کے لیے لعنت ہے اور جہنم جیسا بُرا گھر۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾
هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ
اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

ہم نے موسیٰ کو ہدایت کی کتاب (توریت) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ یہ

عقلمندوں کے لیے سراپا ہدایت ہے اور نصیحت۔ تو (اے رسول) تم (ان کی شرارت پر) صبر کرو۔ بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے (امت کے گناہوں کی) معافی مانگو اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرو۔ جو لوگ خدا کی آیات کے بارے میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے دل میں بُرائی کے سوا کچھ بھی نہیں حالانکہ یہ لوگ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ پس تم خدا سے پناہ مانگتے رہو۔ بے شک وہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آیت نمبر ۵۵ میں حضرت رسولِ خداؐ کو گناہوں کے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد اُمت کے گناہوں کی معافی مانگنا ہے۔ چونکہ انبیاءؑ و مرسلین سے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کسی زمانہ میں بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کو حکم استغفار دینا اُمت کی تعلیم کی غرض سے ہے تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور بندوں سے عبدیت کی شان ظاہر ہو اور جو اس کے خاص بندے ہیں ان سے اور زیادہ ظاہر ہو اور بندگی کی شان یہی ہے کہ ہمیشہ اپنے کو خدا کے سامنے حاضر سمجھ کر سر جھکائے رہے اور گڑگڑاتا رہے۔ ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دشمنوں کے ستانے کی وجہ سے چونکہ حضورؐ بہت تنگ دل ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ جلد کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو کہ یہ مخالفت ٹھنڈی پڑ جائے۔ اگرچہ اضطراب کوئی گناہ نہ تھا تاہم حضورؐ کے مقام بلند کے لحاظ سے اس کو بھی گناہ سمجھا گیا اور استغفار کا حکم دیا گیا۔ ع۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

آیت نمبر ۵۶ کا مطلب یہ ہے کہ ان کفار کے پاس قرآن کو جھٹلانے کی کوئی معقول دلیل تو ہے نہیں بس خواہ مخواہ کی کج بحثی کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں عداوت بھری ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے یہ اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں کہ کسی طرح قرآن کو رسولؐ کا من گھڑت افسانہ ثابت کر دیں لیکن ان کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔ پس اے رسولؐ، تم ان کی مخالفت کا خیال چھوڑ دو اور اپنے خدا سے پناہ مانگتے رہو کہ وہ تمہیں ان ظالموں کے شر سے بچائے رکھے۔ خدا تو تمہاری ہر بات کا سننے والا اور ہر حالت کا دیکھنے والا ہے پھر تمہیں خوف کیا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ
ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْ
خُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶ ۱۱

آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے یقیناً بڑا کام ہے لیکن لوگ اتنا بھی نہیں جانتے اندھا اور دیکھنے والا دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور نہ اچھے کام کرنے والے مومنین، بدکاروں کے برابر ہو سکتے ہیں۔ تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو۔ قیامت تو ضرور آنے والی ہے اس میں کسی طرح کا شک ہی نہیں لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ تکبر کی وجہ سے ہماری عبادت نہیں کرتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل و خوار ہو کر داخل جہنم ہوں گے۔

جو لوگ حشر و نشر کے منکر ہیں اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کیا دشوار ہے۔ جو لوگ آثارِ قدرت میں غور نہیں کرتے اور اندھے بنے ہوئے ہیں بھلا وہ ان لوگوں کے برابر کیسے ہو جائیں گے جو خدا کی قدرت کے آثار پر غائرانہ نظر ڈالا کرتے ہیں۔ جو لوگ قیامت کے خوف سے ایمان لائے ہوئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ گنہگاروں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ کم لوگ ایسی باتوں سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، قیامت تو بلا شک و ریب ایک دن ضرور آ کر رہے گی۔ تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ تم مجھ سے دعا مانگو میں ضرور قبول کروں گا۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب اس نے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو پھر ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ یہ اعتراض عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ انسان کے دل میں خواہشوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جو کسی حالت میں ختم نہیں ہوتا۔ ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو فوراً دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ ہر دعا میں اپنے مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اُسے اس سے غرض نہیں ہوتی کہ میری اس دعا کے بعد دوسروں کو نفع پہنچے گا یا نقصان۔ ایک بڑھیا آندھی کے رک جانے کی دعائیں اس لیے مانگ رہی ہے کہ اس کا جھونپڑا اُڑ جائے گا۔ اُس کو اس سے غرض نہیں کہ آندھی کے آنے سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔ کائنات کا نظام برقرار رکھنے کے لیے ایسی بہت سی چیزوں کو عمل میں لانا قدرت کے پروگرام میں داخل ہوتا ہے

جنہیں دنیا کے اکثر لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ پس اگر ہر ایک کی دعا قبول کر لی جائے تو نظامِ کائنات ابتر ہو جائے۔ ایک شخص دعا کر رہا ہے کہ مینہ نہ برسے، دوسرا دعا کر رہا ہے برسے، تیسرا کہہ رہا ہے کم برسے، چوتھا کہہ رہا ہے خوب برسے۔ اگر ان سب کی دعائیں بیک وقت قبول کر لی جائیں تو فرمائیے یہ نظامِ عالم کیسے برقرار رہے گا۔

ایک شخص دعا مانگ رہا ہے کہ مجھے دولت مند بنا دے۔ قدرت کے علم میں ہے کہ دولت پاتے ہی یہ عیاشی کرنے لگے گا۔ زناکاری پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس صورت میں اس کی دعا کیسے قبول ہو۔

ایک شخص دعا کر رہا ہے کہ مجھ بیمار کو شفا دے لیکن اس کی موت کا وقت آ چکا ہے۔ اگر اس کی دعا قبول کی جائے تو موت کا اٹل وقت ٹالنا پڑے گا۔

بہر حال خدا نے دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن چند شرطوں سے۔ اوّل یہ کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور سچے دل سے لاؤ۔ صرف زبان سے کہہ دینے کا اعتبار نہیں۔ دوسرے اس کا یقین رکھو کہ میرا ہر کام مبنی بر حکمت و مصلحت ہوتا ہے تیسرے میں تمہاری وہی دعا قبول کرتا ہوں جو تمہارے لیے آئندہ مفید ہو۔ تم اپنے مستقبل کا حال نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ چوتھے تمہاری دعائیں ایسی نہ ہوں جو کسی مردِ مومن کو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ پانچویں جو دعا مانگو وہ مجھ سے لو لگا کر مانگو۔ یہ نہیں کہ رسمی طور پر یہ کہے جاؤ یا اللہ یہ دے وہ دے۔ چھٹے میں نے اپنے بندوں کی دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا پہلے اپنے کو میرا سچا بندہ ہونا تو ثابت کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وقتِ مناجات خدا نے فرمایا، یٰمُوْسٰی هَبْ لِیْ مِنْ قَلْبِكَ الْخُشُوْعَ وَمِنْ عَیْنَیْكَ الدُّمُوْعَ ثُمَّ ادْعُنِیْ تَجِدْنِیْ قَرِیْبًا مُّجِیْبًا۔ یعنی (اے موسیٰ ایک تو اپنے دل کی رجوع مجھے دو، دوسرے میری محبت میں اپنی آنکھوں کے آنسو، پھر مجھے پکارو میں تمہارے قریب ہوں گا اور تمہاری دعا کا قبول کرنے والا۔) پس دل کا رجوع ہونا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونا وقتِ دعا ضروری ہے۔ اور وقتِ دعا یہ دونوں چیزیں دعا کرنے والوں میں کم پائی جاتی ہیں۔

ایک بار بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے ضد کی کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق مینہ برسایا کرے۔ جب ہم دعا کریں تو برسا دے اور جب کہیں روک دو تو روک دے۔ وہ اپنی مرضی سے برساتا ہے تو ہماری کھیتیاں بسا اوقات تباہ ہو جاتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے بارگاہِ باری میں قوم کی یہ خواہش پیش کی۔ خدا نے فرمایا اب ایسا ہی ہوگا۔ بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جب ان کی خواہش کے مطابق مینہ برسا تو کھیتی خوب لہلہائی اور بکثرت غلہ پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا، دیکھا آپ نے کتنا کثیر غلہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن بعد میں ہوا یہ کہ جس نے کھایا مرگیا جب موت کی وبا پھیلی تو حضرت موسیٰؑ سے آکر فریاد کی اور کہا، خدا سے پوچھئے، ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی تو جواب ملا اے موسیٰ، وہ کیا سمجھ سکتے تھے کہ زمین سے فائدہ اٹھانے اور نقصان سے بچنے کے لیے کس وقت بارش کی ضرورت ہوتی ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حاجت برآری خدا کی مصلحت پر موقوف ہے تو ہمیں دعا کا حکم کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اوّل تو دعا سے بندگی کی شان کا اظہار مقصود ہے۔ جب بندہ اس سے کوئی چیز مانگتا ہے تو خدا اُسے پسند کرتا ہے۔ اگر مطلب پورا نہ بھی ہو تو کم از کم خدا سے رجوع کرنے کا ثواب تو اُسے مل ہی جائے گا کیونکہ اس بندہ نے غرور تنی

کا اظہار تو کیا۔ خدا بے بس و مجبور تو نہیں۔ وہ جب چاہے حالات کو بدل سکتا ہے اور از راہِ لطف و کرم جو مانگے دے سکتا ہے
ہمیں کیا خبر کہ اس کی مصلحت کیا ہے۔ لہٰذا مانگنا ہمارا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ہماری دُعا کا مقصد کسی دوسری صورت
سے پورا کرے۔ آج نہ کرے کل کر دے۔ ہماری دُعا اس کی بارگاہ میں محفوظ رہتی ہے۔ کسی مومن کو اپنی بارگاہ سے ناکام
نہیں جانے دیتا۔ اس لیے مانگنا ہمارا فرض ہے اور ہماری عبدیت کا نشان ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو پیدا کیا تاکہ تم
(دیکھ بھال کر) کام کرو۔ اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن بہتیرے لوگ اس کے شکر گزار
نہیں بنتے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر شے کا خالق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم
کہاں بہکے جا رہے ہو۔ جو لوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے وہی اس طرح بھٹک رہے تھے۔
اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری

صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں کا تمہیں رزق دیا۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے
پس مبارک ہے وہ اللہ جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں
پس سچے کھرے دل سے اس کو پکارو۔ اور حمد اس اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ
الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی
مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ
الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ
اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اے رسول کہہ دو کہ جب میرے رب کی طرف سے دلائل آ چکے تو مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں خدا کو چھوڑ
کر اُن کی عبادت کروں جن کو تم پُوجتے ہو اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین خدا کا فرمانبردار
رہوں۔ وہ وُہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر علقہ سے پھر تمہیں طفل بنا کر (ماں
کے پیٹ سے) نکالا۔ (پھر تمہیں زندہ رکھا) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تم بُوڑھے ہو جاؤ۔ بعض تم میں
سے اس سے پہلے ہی مر جائیں گے (غرض تمہیں اس وقت تک زندہ رکھنا ہے) کہ تم وقتِ مقررہ
تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم صاحبِ عقل بنو۔ وہ وُہی ہے جو تمہیں زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے جب وہ

کسی امر کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو کہتا ہے اس سے ہو جا، پس ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو آیاتِ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ پس یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

خدا اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کر رہا ہے کہ اس نے انسان کو مٹی سے کیسے بنایا۔ پہلے مٹی کو نطفہ کی صورت بخشی۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا۔ پھر ماں کے پیٹ میں ایک بچہ بنا کر اُسے ماں کے پیٹ سے نکالا۔ پھر بچہ سے جوان کیا۔ پھر جوان سے بوڑھا بنایا۔ کسی کو بڑھاپے سے پہلے ہی مار ڈالا۔ غور کرو نطفہ کے ایک قطرہ کو ان منازل سے گزارنا، کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا کر سکتا تھا۔ ہر ایک کو زندہ کرنے اور مارنے والا اس کے سوا اور کون ہے وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بلسانِ قدرت کہتا ہے ہو جا پس وہ چیز بن جاتی ہے۔ تو اس کو کسی مشورہ کی ضرورت نہ کسی سامان کی حاجت نہ کسی مددگار سے تعلق۔ بس اس کا ارادہ ہی سب کچھ ہے۔ لوگو، کیا ایسے خدا سے انکار کرتے ہو اور اس کے سوا دوسروں کو پوجتے ہو جن میں کوئی قدرت نہیں

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (٧٠)
إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ (٧١) فِي الْحَمِيمِ
ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ (٧٢) ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ (٧٣)
مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ
كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ (٧٤) ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ (٧٥)

جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا وہ عنقریب جان لیں گے (کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا) جب (بھاری بھاری) طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہونگی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنّم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے

پوچھا جائے گا جنہیں تم خدا کا شریک بناتے تھے وہ اب کہاں ہیں۔ وہ کہیں گے کھوئے گئے وہ ہم سے بلکہ (سچ تو یہ ہے کہ) ہم تو پہلے ہی خدا کے سوا کسی دوسرے کو نہ پکارتے تھے خدا اس طرح کافروں کو بوکھلا دے گا۔ یہ اس کی سزا ہے کہ تم دُنیا کی ناحق بات پر خوش تھے اور یہ اس کی سزا ہے کہ تم اترایا کرتے تھے۔

ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (٧٦)
فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ (٧٧) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ
مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ
لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ (٧٨) اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ
الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (٧٩) وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا
عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ (٨٠)

(ان سے کہا جائے گا) جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تکبّر کرنے والوں کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔ (اے رسول ان کی باتوں پر) صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اس میں سے کچھ تو تمہیں دکھا دیں گے۔ اور اگر اس سے قبل تمہیں دُنیا سے اُٹھا لیں گے تو آخر ان کو لوٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ ہم نے تم

سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے ان میں سے بعض کے حالات تو تم سے بیان کر دیئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تم سے نہیں دُہرائے۔ کسی پیغمبر کی یہ مجال نہ تھی کہ خدا کے اختیار دیئے بغیر کوئی معجزہ دکھا سکے۔ جب خدا کا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا گیا۔ اور اہلِ باطل ہی اس وقت گھاٹے میں رہیں گے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے۔ جن میں سے کسی پر تم سوار ہوتے ہو اور کسی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان سے اور بھی منافع ہیں اور یہ کہ تم ان پر چڑھ کر اپنے دلی مقصد تک پہنچو اور ان پر نیز کشتیوں پر سوار پھرتے رہو۔

آیت ۷۷۔ یعنی اے رسولؐ، یہ کفار تم سے اُجڈ پن سے پیش آتے ہیں اور نامعقول دلیلوں سے تمہیں زیر کرنا چاہتے ہیں۔ تم صبر سے کام لو۔ ہم یا تو تمہاری زندگی میں ان پر عذاب نازل کر کے دکھائیں گے اور اگر نزولِ عذاب سے قبل تم کو ہم نے اُٹھا لیا تو جس جس نے تم سے گستاخی کی ہے وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یہ بچ کر جائیں گے کہاں، لوٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے۔

کفارِ مکہ حضورؐ سے کہا کرتے تھے آپؐ کی تصدیق کے لیے ہم قرآن کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو جب مانیں گے کہ آپؐ ہمارے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ دکھا دیں۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے رسولؐ، جن رسولوں کا ذکر ہم نے قرآن میں کیا ہے یا جن کا نہیں کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ اختیار نہ تھا کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی معجزہ دکھا سکے۔ معجزہ دکھانے کی ضرورت کو ہم خود سمجھتے ہیں۔ جب ہم مناسب سمجھتے ہیں اپنے نبی کے ذریعہ سے اس کا اظہار کرا دیتے ہیں۔ یہ کوئی کھیل تماشہ تو نہیں کہ جب تم کہو رسولؐ معجزہ دکھانے لگیں۔ تم میں سے ایک کہے گا کہ میری منشاء کے موافق دکھاؤ، دوسرا کہے گا میری منشاء کے موافق دکھاؤ، تو ہمارا رسولؐ کیا اسی کا ہو کر رہے۔

اس کے بعد اُن چوپاؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے لوگوں کو بڑے فائدے ہیں بعض سواری کیلئے ہوتے ہیں جیسے اُونٹ، گھوڑا، بیل یا خچر۔ بعض کا گوشت کھاتے ہیں جیسے گائے بھینس بھیڑ بکری۔ اس کے علاوہ ان کی اُون سے ان کی کھال سے ان کی ہڈی سے بھی بہت سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔

یہ سواری کے جانور جہاں تم جانا چاہتے ہو پہنچا دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو بتاؤ تم کیا کرتے۔ اس کے بغیر پہنچ تو جاتے مگر بڑی تکلیف کے بعد۔ اسی طرح دریائی سفر کے لیے کشتیاں ہیں جن پر بیٹھ کر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو۔ اگر ہماری ہوائیں ان کو پانی کی موجوں پر بہا کر لے جائیں تو بتاؤ تم دریائی سفر کیسے طے کرو۔ ہم نے تمہارے لیے ہر طرح کی آسائشیں فراہم کر دی ہیں۔ جب ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بھی ہمارے اوپر ایمان نہیں لاتے اور ہمارے رسول کو سچا نہیں سمجھتے تو بھلا تمہاری منشاء کے مطابق اگر کوئی معجزہ دکھا بھی دیں تو تم اس کو کیا مانو گے۔ جاہلانہ بحثیں کر کے اس سے بھی انکار

کر دو گے۔ پہلے انبیاء نے کتنے معجزات دکھائے۔ لوگ کب مانے، برابر انکار ہی کرتے رہے تو بھلا تم کب ماننے والے ہو

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ
يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ
فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ
وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَ
خَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

وہ (خدا) جو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اس کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے۔ کیا تم رُوئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے اُن کا انجام آخر کیا ہوا۔ وُہ تم سے تعداد میں بھی زیادہ تھے اور قوت میں بھی، اور زمین پر اپنی یادگار نشانیاں چھوڑنے میں بھی کہیں بڑھے چڑھے تھے تو جو کچھ اُن کا کیا کرایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر واضح معجزات لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اُس پر نازاں ہوتے اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑاتے تھے اُس نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو جب

انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم وحدہٗ لاشریک خدا پر ایمان لے آئے اور جس چیز کو اس کا شریک بناتے تھے اُن کو نہیں مانتے لیکن جب انہوں نے عذاب کو آتے دیکھ لیا تو ان کا ایمان لانا کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتا۔ یہ خدا کی عادت ہے جو اپنے بندوں کے بارہ میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ یہی کافر لوگ اس وقت گھاٹے میں رہیں گے۔

اللہ کی روئے زمین پر بے شمار نشانیاں ہیں تو بھلا یہ لوگ کہاں تک ان کا انکار کریں گے۔ یہ لوگ روئے زمین پر سفر کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو پتہ چل جاتا کہ جو لوگ ان سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے اور طاقت اور عمارات وغیرہ بنانے میں بھی ماہر تھے، اس سرکشی کی بدولت ان کا انجام کیا ہوا۔ کیسے کیسے عذاب ان پر آئے کس بُری طرح تباہ و برباد ہوئے ان کے ڈھے مکانات اور مٹی لبستیاں زمین پر اب بھی موجود ہیں۔ ان سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے۔ باوجود اس زور و قوت کے انہوں نے اپنے کو بچا نہ لیا۔

جس زمانہ میں یُونانیوں کا فلسفہ بہت ترقی پر تھا۔ اور علمائے یونان کی حکمت و فلسفہ و منطق و اخلاق کی برتری کی دھوم مچی ہوئی تھی وہ انبیاء و مرسلین کو نظر میں نہ لاتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جب فلسفیوں سے کہا گیا کہ تم حضرت موسیٰؑ سے جاکر تحصیلِ علم کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے کہا، ہم کو اور سے تحصیلِ علم کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہودی علماء نے اپنی علمی قابلیت کا غُل مچا رکھا تھا اور کہتے تھے ہم ایک مرد اُمّی کو اپنے اوپر کیونکر ترجیح دے سکتے ہیں۔ لیکن جب ان مشرک قوموں پر عذاب نازل ہوئے تو ان کی ساری شیخی کرکری ہوگئی اور راہِ چارہ مسدود ہوگئی۔ کہتے تھے ہم خدائے واحد پر ایمان لائے لیکن اب ایمان ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ یہی طریقہ خدا کا ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ پہلے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے ان کو سمجھاتا ہے لیکن جب کسی طرح نہیں مانتے تو اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور جب ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پھر ان کی کوئی فریاد نہیں سنتا۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ ١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ ٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ ٣ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ ٤ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ
حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞ ٥ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى
اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۞ ٦ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ ٧

حا۔ میم۔ یہ قرآن رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ سمجھ دار لوگوں کے لیے اس کتاب میں تفصیل سے آیات بیان کی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے (نیکوں کو) خوشخبری دینے والا ہے (بدوں کو) عذاب سے ڈرانے والا ہے۔ ان میں اکثر نے رُوگردانی کی۔ وہ اس کو سُنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بُلاتے ہو ہمارے دل تو اس کے متعلق پردہ میں ہیں (اس کی بات دل کو لگتی ہی نہیں) اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اے رسول، ان سے کہہ دیں

(اگرچہ صورت میں) تم ہی جیسا بشر ہوں لیکن (فرق یہ ہے کہ) میرے اُوپر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبودُ بس وہی اکیلا خدا ہے تو سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکوں کے لیے افسوس ہے کہ وہ خدا کو نہیں مانتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کلام پیغمبر اسلام کا تصنیف کردہ ہے انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ پیغمبر کا کلام نہیں بلکہ اُس خدا کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اسی لیے اپنی رحمت کی مختلف صورتیں دکھانے کے لیے یہ کلام نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کوئی پیچیدہ یا مہمل کلام نہیں۔ ہر بات نہایت تفصیل کے ساتھ صاف صاف الفاظ میں بیان کردی گئی ہے۔ کسی غیر زبان میں نہیں عربی زبان میں جسے تم لوگ اچھی طرح سمجھتے ہو۔ پھر اس سے انکار کیا معنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل سے کام لیتے ہی نہیں۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں ہم یہ کلام سنتے ہی نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم ازراہِ تعصب و عناد اس کو قصداً سُننا نہیں چاہتے۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تمہارے پاس اس کے کلام انسان ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں عقل و فہم کے خلاف اس میں کوئی ایک جملہ بھی نہیں۔ پھر اس سے انکار کی وجہ تو بتاؤ۔

میں تمہارے ان تعصب کے پردوں کو چاک تو نہیں کرسکتا۔ میں ضرور تم ہی جیسا آدمی ہوں مگر تم میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ مجھ پر خدا نے وحی کی ہے پس میں جو کچھ کہتا ہوں وحی کے مطابق کہتا ہوں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا۔ میں تمہیں سمجھانے کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے سمجھو کہ ایک کے سوا بہت سے معبود کیوں نہیں ہوسکتے۔ تم نے جو بکثرت خدا مان رکھے ہیں اور اصلی خدا کو چھوڑ کر ان کی پوجا پاٹ کرتے ہو تو کیا وہ سب تمہاری مدد کرتے ہیں؟ تم سے بولتے چالتے ہیں؟ تمہاری بات سنتے ہیں؟ تمہارے نفع و نقصان پر بھی ان کا قابو نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم ان کو خدا مانتے ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم میری رسالت کو صرف اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں لیکن یہ تو سمجھو اگر میں تم جیسا نہ ہوتا اور کوئی غیر جنس تمہاری ہدایت کے لیے آتی تو کیا تم اس سے مانوس ہوجاتے۔ ہاں میں اگر اپنی طرف سے کوئی بات کہوں تو تم نہ مانو۔ لیکن جب خدا کی طرف سے کہتا ہوں اور تمہارے فائدے کی بات کہتا ہوں تو تم کیوں نہیں مانتے تم سے پہلے بھی لوگوں نے انبیاء کی بات کو اسی لیے نہ مانا تھا کہ وہ ان جیسے بشر تھے۔

جو وحی میرے اوپر کی جاتی ہے چونکہ وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا اس میں غلطی کا امکان نہیں۔ تم وحی کو ازراہِ تعصب جھٹلاتے تو رہتے ہو لیکن یہ نہیں بتاتے کہ تمہارے جھٹلانے کی وجہ کیا ہے۔ پس تمہیں چاہیئے کہ اللہ ہی سے رجوع کرو اور اسی سے پناہ مانگو اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو خدا کو نہیں مانتے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کا انجام بہت خراب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ
لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ
ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ⑨ ج وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ⑩

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتے رہے ان کے لیے وہ اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا ہی نہیں۔ اے رسول یہ کہدو اگر تم اُس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور تم ہو کہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو، وہ تو سارے جہان کا سرپرست ہے۔ اور اُس نے زمین کے اوپر پہاڑ پیدا کیے اور اس میں ہر نعمت عطا فرمائی اور اس نے ایک مناسب اندازہ پر اس میں سامانِ معیشت کا بندوبست کیا اور چار دن میں یہ سب کچھ کیا اور تمام طلبگاروں کے لیے برابر کا بندوبست کیا۔

یہاں کسی کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں کہ خدا نے زمین کو دو دن میں کیسے پیدا کیا اور زمین و آسمان کو چھ دن میں کیسے پیدا کیا اور زمین کے سامانِ معیشت کو چار دن میں کیسے پیدا کیا۔ تمام کائنات کا خالق خود ہی جانتا ہے کہ اس نے کس چیز کو کب پیدا کیا اور کتنے دنوں میں پیدا کیا۔ یہ دو دن، چار دن اور چھ دن صرف ہمیں تھوڑا سا تصور دلانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ تاکہ یہ اندازہ ہوجائے کہ جو چیز دو دن میں پیدا ہوئی اس کی صنعت آسان تھی بہ نسبت اس چیز کے جس کو چار دن میں پیدا کیا اور اس سے زیادہ دشوار تھی اس کی خلقت جس کو چھ دن میں پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تکوینی امور پر غور کرنا ہماری تکلیف میں داخل نہیں اور نہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ہم تو انسانی ایجادات کے متعلق بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کتنے وقت میں مکمل ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ٹیلی گرام کا سسٹم بیس برس میں مکمل ہو پایا تھا۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ اس نے زمین جیسی مخلوق کو دو دن میں مکمل کردیا۔ اور آسمان و زمین کو چھ روز میں۔ اور غلات کو چار روز میں پیدا کیا۔ وہی جان سکتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں کتنے اسباب پیدا کرنے پڑے اور کس کس صنعت سے کام لیا گیا ہو سکتا ہے کہ دن سے مراد کائناتی دن (COS MIC DAY) ہو۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جو رزق کا دسترخوان اُس نے سطحِ ارض پر بچھایا ہے اس کے

کھانے والے سب یکساں ہیں۔ امیر ہو یا غریب، غلام ہو یا آقا، بچّہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، سب اس میں برابر کے شریک ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا
طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ
فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا
بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ
اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾
اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ دھُواں ہو رہا تھا۔ اس سے اور زمین سے کہا تم دونوں آؤ۔ خوشی سے یا کراہت سے۔ انہوں نے کہا مطیع ہو کر آتے ہیں۔ پس دو دن میں اس دھوئیں سے سات آسمان بنائے اور پھر آسمان کے نظام کا حکم (کارکنانِ قضا و قدر کے پاس) بھیجدیا اور ہم نے آسمانِ دُنیا کو (ستاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ غالب اور واقف کار خدا کے اندازے ہیں۔ اگر وہ رُوگردانی کریں تو ان سے کہو۔ میں تم کو ایک بجلی کی چمک سے ڈراتا ہوں جو قوم عاد و ثمود پر کڑکی تھی۔ جب ان کے پاس آگے سے اور پیچھے سے پیغمبر (یہ خبر لے کر) آئے اور کہا، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تو انہوں نے

کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کرتا اور جو باتیں تم دے کر بھیجے گئے ہم انہیں نہیں مانتے۔

ان آیات کے بارہ میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں ؛

۱۔ قرآن مجید علمِ ہیئت کی کتاب نہیں اور نہ قرآن خوانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر ہر بات کو علمِ ہیئت کے اصول پر جانچیں۔ خداوندِ عالم مختلف طریقوں سے اپنی صنعتوں کو بیان فرما رہا ہے۔ لہٰذا اس طرف توجہ کی ضرورت نہیں کہ پہلے آسمان بنا یا زمین۔ اس کو بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۔ یہاں بیان یہ ہے کہ آسمان و زمین بننے سے پہلے دھُواں ہی دھُواں فضا میں تھا جو بخارات کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے تموج سے جھاگ پیدا ہوتے۔ اس جھاگ کے سرد ہونے پر زمین بنی پھر اور ستارے بنتے چلے گئے نہج البلاغہ میں امیر المومنین نے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔ ہمیں ہر جگہ سائنس سے مطابق کرنے کی ضرورت نہیں۔ سائنس بعد کی چیز ہے۔ وہ کائنات کی تخلیق کے بعد اس کے آثار سے بنی ہے۔

اب رہا دُخان اور ارض کو بُلانا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لا یعقل اور بے جان ہیں۔ ان کو بُلانا کیسا۔ تو اس کا جواب ہے کہ بے شک ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے لیکن خدا جو ان کا خالق ہے وہ ان کو زبانِ بیان دے سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بزبانِ حال ان سے سوال و جواب ہو یعنی انہوں نے بزبانِ حال اپنی اطاعت کا اقرار کر لیا ہو یعنی جو صورت تُو ہمیں دے گا یا جس حالت پر تُو ہمیں رکھے گا ہم اس پر راضی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا تھا سب حکمِ خدا کے تحت ہو رہا تھا۔ یہ کسی اور کی بنائی ہوئی چیزیں نہیں ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق اس جستجو میں پڑنا کہ یہ کیسے بنیں، کون پہلے بنا اور کون بعد میں، کون کتنا بڑا تھا اور کون کتنا چھوٹا، تکوینی معاملات میں دخل اندازی ہے جو ہماری عقل و فہم سے باہر ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور جو کچھ اس نے بنایا کسی کو اس میں چون و چرا کا حق نہیں۔ اگر کوئی سر مارے گا بھی تو دردِ سر کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ یہ کہنا بھی بے وقوفی ہے کہ جب یہ چیزیں پیدا ہی نہ ہوئی تھیں تو خدا نے کہا کس سے؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ بوجود مادی ظہور میں نہ ہوں لیکن علمِ الٰہی میں تو تھیں۔

۴۔ آسمان کو روشن ستاروں سے زینت بخشی۔ ان سے بنی نوعِ انسان کو بے شمار فوائد پہنچتے ہیں۔ یہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہیں، جہازوں کو سمت بتانے والے بھی ہیں اور آسمان کی زینت کا باعث بھی ہیں۔

۵۔ **حفظا** بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شیطانوں سے حفاظت کا باعث ہیں وہاں تک شیطان نہیں جا سکتے۔ اگر سُن گُن لینے اور فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چلے بھی جاتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کو وہاں سے کھدیڑ ڈالتے ہیں۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ان کی شعاعیں بہت سے حوادثِ ارضی و سماوی سے محفوظ رکھتی ہیں۔ بہت سے مضر مواد کو جلا دیتی ہیں۔

۶۔ یہ خدا کا اندازہ ہے یعنی خدا نے ہر چیز کو ایک مناسب اندازہ سے پیدا کیا ہے اور اسی پر وہ قیامت تک باقی رہیں گی۔

۷۔ صاعقہ ہلاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ عاد و ثمود وغیرہ قوموں کی ہلاکت کا باعث بجلی کی کڑک چمک تھی۔ جو ایک چنگھاڑ کی صورت میں ان سب کو مار گئی۔

۸۔ انبیاء و مرسلین کے آگے پیچھے آنے سے یہ مراد ہے کہ خود ان کے ملکوں سے بھی آئے اور آس پاس کے دوسرے ملکوں میں بھی۔ اور ان کی ہدایت لوگوں کے ذریعہ سے ان تک پہنچتی رہی۔ اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ پے در پے آگے پیچھے وقفہ کے ساتھ آتے رہے۔

۹۔ باوجودیکہ انبیاء نے ان کو طرح طرح سے سمجھایا اور اپنی رسالت کے بیّن ثبوت دیئے معجزات دکھلائے۔ مگر وہ یہی رٹ لگاتے رہے کہ تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ بجائے تمہارے خدا نے اپنے فرشتے کیوں نہ بھیجے۔ تمہاری باتیں تو ہمارے کانوں کو لگتی ہی نہیں۔ لہٰذا ہم ان کو نہیں مان سکتے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ
مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

قوم عاد (کا حال سنو) یہ لوگ خالقِ روئے زمین سے غرور و تکبّر کرنے لگے اور کہنے لگے (بھلا) ہم سے قوت میں کون زیادہ ہے۔ انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا جس نے انہیں پیدا کیا ہے قوت میں ان سے بے انتہا زیادہ ہے۔ وہ ہماری آیات سے انکار کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی ان کے نحوست کے دنوں میں تیز آندھی چلادی تاکہ زندگانیِ دُنیا میں وہ رسوا کرنے والے عذاب کا مزہ چکھیں اور عذابِ آخرت تو اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی

منحوس دنوں سے یہ مطلب ہے کہ یہ ایام قوم عاد کے لیے بڑے منحوس ثابت ہوئے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى
النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ
سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ
قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ
اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ
وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

لیکن ثمود کو ہم نے ہدایت کی مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو زیادہ پسند کیا تو ان کے کرتوتوں کی بدولت ذلت کے عذاب کی بجلی نے انہیں لے ڈالا۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان والے تھے اور متقی تھے عذاب سے نجات دے دی۔ اور جس دن خدا کے دشمن دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے اور ترتیب وار کھڑے کیے جائیں گے یہاں تک کہ سب کے سب جب جہنم کے پاس جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں، ان کے بدن کی کھال، ان کے خلاف ان کی کارستانیوں کی گواہی دیں گے۔ وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گے جس خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اُس نے ہم کو بھی گویا کیا اور اُس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اور (تمہاری تو یہ حالت تھی کہ تم لوگ

اس خیال سے اپنے گناہوں کی پردہ داری بھی نہ کرتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم تو اس خیال میں تھے کہ خدا کو تمہارے بہت سے کاموں کی خبر ہی نہیں۔

جن اعضاء کو ہم اپنا سمجھتے ہیں درحقیقت وُہ خدا کے جاسوس ہیں۔ قیامت میں یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے کان کہیں گے فلاں فلاں وقت اس نے میرے ذریعہ سے غیبت سُنی تھی۔ آنکھ کہے گی میرے ذریعہ سے فلاں فلاں وقت حرام چیزوں پر نظر ڈالی تھی۔ بدن کی کھال کہے گی اس نے مجھے نامحرم سے مَس کیا تھا۔ میرے اندر حرام شئے کھا کر خون دوڑایا تھا۔ اُس وقت انسان تعجب سے کہے گا، تمہیں میرے خلاف گواہی دینے پر کس نے آمادہ کیا سب کہیں گے ہمیں اُس ذاتِ واحد و یکتا نے ناطق کیا ہے جس نے ہر شئے کو قوتِ گویائی دی ہے۔ تمہیں کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ یہ اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ تم تو اس خبط میں مبتلا ہے کہ تمہاری کارستانیوں کا خدا کو بھی علم نہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ
الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا
فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا
بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۵﴾

یہ تھا تمہارا گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا، تمہیں لے ڈوبا اور تم گھاٹا پانے والوں میں سے بن گئے۔ یہ لوگ اگر اب صبر بھی کریں (تو کیا ہونا ہے اب تو) جہنم ہی ان کے قیام کی جگہ ہے اب یہ اگر معذرت کرنا چاہیں گے (توبہ کریں گے) تو ان کی معذرت قبول نہ کی جائے گی ہم نے (گویا قوی شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انھوں نے ان کے اگلے پچھلے کام ان کی نگاہوں میں بھلے کر دکھائے۔ آخر ان کے حق میں بھی فیصلہ ہو کر رہا جو ان سے پہلے کے جنّوں اور انسانوں

کے حق میں کیا گیا تھا۔ یقیناً وُہ خسارہ پانے والوں میں سے تھے۔

ان کفار کے دلوں میں جب خدا کے متعلق بدگمانیاں بڑھتی ہی چلی گئیں تو اس کا نتیجہ یہی تھا کہ وہ ہلاکت کے بھنور میں پھنس گئے اور انہوں نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔ اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ، اس کا وقت تو گزر چکا۔ انہیں شیطان کے مشورے ایسے پسندیدہ معلوم ہوتے گویا ہم نے حکم دیا تھا کہ تم شیطان کی باتوں پر عمل کیا کرو۔ اُس نے ان کے آگے پیچھے سے آکر خوب خوب بہکایا۔ ان کی بداعمالیوں کو ان کی نظر میں زینت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو فیصلہ ان سے پہلے کی سرکش قوموں کے حق میں کیا گیا تھا جن ہوں یا انسان، وہی ان لوگوں کے لیے بھی کیا گیا۔ یعنی یہ کہ ان پر عذاب نازل ہوگیا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ
اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ
لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور کافر لوگ کہنے لگے کہ اس قرآن کو مت سنو اور جب پڑھیں تو اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ، تو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے اور ان کی کارستانیوں کی بہت بڑی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ خدا کے دشمنوں کا بدلہ یہی ہے اور یہی جگہ ان کے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ یہی سزا ہے اُن کے لیے جو ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب بڑے بڑے کفار قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے تو اُن کو یہ خوف ہوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اطراف و جوانب کے صحرائی عرب آکر قرآن کو سُن لیں اور ایمان لے آئیں۔ غرض ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ جب حضرتؐ قرآن سنانا شروع کریں تو خوب غل مچائیں، تالیاں بجائیں اور بیہودہ باتیں کریں۔ یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَنْ ع ٤ ١٨
اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور (قیامت کے دن) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا (کہیں گے) اے ہمارے رب، ایک نظر ہمیں اُن جنّوں اور انسانوں کو دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا (کہ) ہم انہیں اپنے پیروں تلے روند ڈالیں اور وُہ (خوب) ذلیل ہوں۔ بے شک جن لوگوں نے کہا تھا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اُس پر قائم بھی رہے ان پر ملائکہ یہ کہتے نازل ہوں گے تم کچھ خوف نہ کرو اور رنجیدہ نہ ہو اور جس بہشت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں (خوب) خوشیاں مناؤ۔ دُنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے دوست تھے اور اب آخرت میں بھی، یہاں تمہارے لیے ہر وُہ چیز ہے جسے تمہارا دل چاہے اور جو چیز طلب کروگے وُہ حاضر ہوگی۔ یہ خدائے غفور و رحیم کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بُلائے اور اچھے اچھے کام کرے اور کہتے ہیں ہم یقیناً خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ہیں۔

جو لوگ اس دُنیا میں کفر اختیار کیے ہوئے ہیں یہاں اُن لوگوں کی نظر میں شیطانوں کی بڑی وقعت ہے جو اُن کو بہلا کر راہِ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ وہ ان کے چشم و ابرُو کے اشارہ پر اعمالِ بد کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وُہ ان

گمراہ کرنے والوں کے مقابل رسول کی ہدایات کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ لیکن قیامت میں جب خدا کا سامنا ہوگا اور ان کی فردِ جرم ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی اُس وقت ان کی سمجھ میں آئے گا کہ بہکانے والوں نے ان کو کیسا سخت دھوکا میں رکھا تھا وہی آج اس کا باعث ہوئے کہ ان کو جہنّم کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ اس وقت ان کی یہ خواہش ہوگی کہ ان گمراہ کرنے والوں کو ان کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ ان کو اپنے پیروں سے کچل ڈالیں اور ان کو اچھی طرح ذلیل کریں۔ لیکن ایسا کہنے کا اب وقت کہاں۔ جب دُنیا میں یہ اس وقت اپنے بھلے بُرے کو نہیں سمجھے۔ جس وقت بہکانے والے بہکا رہے تھے تو اس وقت ہدایت کرنے والے ہدایت بھی کر رہے تھے۔ دونوں راستے ان کے سامنے تھے۔ ان کی عقل نے کیوں نہیں یہ بتایا کہ انہیں رسولؐ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیئے۔

برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے بہشت میں سب کچھ ہوگا جو مانگیں گے ملے گا، جو خواہش ہوگی وہ پوری ہوگی۔

اچھے قول والا اس سے بہتر کون ہوگا جو لوگوں کو اللہ کی طرف بُلائے، نیک عمل کر کے دکھائے اور یہ بتائے کہ میں خدا کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ آنحضرتؐ نے جن لوگوں کو دعوتِ اسلام دی ان پر قولاً و فعلاً یہ ثابت کر دیا کہ وہ جو کچھ کرتے یا کہتے ہیں وہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں اور باوجود ہر طرح کے مصائب برداشت کرنے اور قوم کی سخت مخالفت کے، کبھی ان کا قدم جادۂ حق سے بال برابر نہیں ہٹا۔ کفار و مشرکین نے اپنی کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لالچ بھی دیئے، ڈرایا دھمکایا بھی، اذیت بھی دی، بائیکاٹ بھی کیا، وطن سے نکالا۔ اگر خدا کی قوت ان کے اندر کام نہ کر رہی ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی موڑ پر کمزوری کا اظہار ہوتا۔ آپؐ کا یہ استقلال، یہ ثابت قدمی اور صبر و تحمل اس کی دلیل ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی باطل کے سامنے جھکنے والے اور امرِ حق کی تبلیغ سے رُکنے والے نہ تھے۔ وہ خدا کے سچے بندے اور رسولؐ ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا
الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ
اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿٣٦﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ
اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ
لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْــٴَـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة

السجدة ۱۱

بھلائی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی (سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرنے پر تم دیکھو گے کہ) جن لوگوں میں اور تم میں دُشمنی تھی گویا وُہ تمہارے دوست بن گئے ہیں۔ یہ بات بس انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیبہ ور ہیں اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ وہ سب کی سنتا اور جانتا ہے اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن اور آفتاب اور چاند ہیں تو تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو (سورج چاند) پیدا کیا ہے۔ اگر تم کو خدا کی عبادت کرنی مرغوب ہے۔ پس اگر یہ لوگ سرکشی کریں (تو خدا کو ان کی کچھ پرواہ نہیں) تمہارے رب کی بارگاہ میں ایسے لوگ ہیں (فرشتے) جو رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اُکتاتے نہیں۔

مناظرہ کا جو بہترین اُصول تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حریف جب کوئی دلیل پیش کیے تو اس کی تردید نہایت شائستہ طریقہ سے کی جائے۔ کسی کو بُرا نہ کہا جائے۔ گستاخانہ کلام نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن بھی دوست بن جائے گا۔ اکثر لوگ مناظرہ میں نامناسب بات سُن کر غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اول فول بکنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ مجادلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور عداوت کے شعلے اور زیادہ بھڑکنے لگیں گے۔

آگے چل کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب شیطان وسوسہ ڈالے تو خدا سے پناہ مانگو۔ اس میں بظاہر مخاطبہ رسولؐ سے ہے لیکن حقیقتاً مراد اُمت ہے۔ کیونکہ رسولؐ معصوم ہیں ان کے دل میں شیطانی وسوسہ کا گذر ہو ہی نہیں سکتا۔ شیطان نے یہ عہد کر لیا ہے کہ تیرے مخلص بندوں کو نہیں بہکاؤں گا باقی سب کو بہکاؤں گا۔ پس معلوم ہوا کہ مراد اُمت ہے۔

آگے چل کر ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے جو سورج اور چاند کی پوجا کرتے ہیں کہ یہ قابلِ پرستش نہیں۔ یہ تو خدا کی مخلوق ہے۔ قابلِ عبادت تو وہ ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم ازراہ تکبر اس کی عبادت نہیں کرنے تو نہ کرو۔ اس کی عبادت کرنے والے بہت ہیں جن میں ایسے بھی ہیں جو شب و روز اس کی عبادت کرتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں یعنی فرشتے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰىؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَاؕ
اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ اِعْمَلُوْا
مَا شِئْتُمْۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم جس زمین کو خشک و بے گیاہ دیکھتے ہو جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور پھول جاتی ہے جس نے مُردہ زمین کو دوبارہ زندہ کیا وہ مُردوں کو بھی جلائے گا۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔ جو لوگ ہماری آیات میں ہیر پھیر کرتے ہیں وُہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ جو شخص (قیامت میں) آگ میں ڈالا جائے گا آیا وہ بہتر ہے یا وُہ جو روزِ قیامت بے خوف و ہراس آئے گا۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس کا دیکھنے والا ہے۔

ایک ایسی زمین جو مُردہ پڑی تھی، گھاس کا ایک پتہ تک اس پر کہیں نظر نہ آتا تھا جب خدا نے اپنی قدرت سے اس پر پانی برسایا تو پھر دیکھو وہی زمین مرنے کے بعد کس طرح جی اُٹھی اور اس پر گھاس پات اور پودے کس طرح لہلہانے لگے۔ پس جس طرح زمین سے نباتات کو نکالتا ہے اسی طرح قیامت میں زمین سے مُردوں کو نکالے گا۔ اتنا کھُلا ثبوت دیکھنے کے بعد اگر قیامت میں مُردوں کے زندہ ہونے سے انکار کرو تو ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾ۙ
لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ
حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَؕ اِنَّ

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، جن لوگوں نے نصیحت کو جب ان کے پاس آئی نہ مانا (تو اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے) اور بے شک یہ تو ایسی عالی مرتبہ کتاب ہے کہ نہ تو باطل اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ پیچھے۔ یہ تو حکمت والے لائقِ حمد خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (اے رسول) تم سے بھی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے آنے والوں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک تمہارا رب بخشنے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔

قرآن کی صداقت سے انکار کرنے والوں پر یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ اس کو منسوخ کرنے والی اب کوئی کتاب موجود ہے نہ اس سے پہلے کوئی ایسی کتاب نازل ہوئی تھی۔ اے رسولؐ، تمہاری ہدایت بھی اسی طریقہ کی ہے جیسی تم سے پہلے رسولوں کی تھی۔ یعنی خدا کی توحید کی طرف لوگوں کو بُلانا، قیامت کا اقرار، خدا کی کتاب کی تصدیق، رسول کی رسالت کو ماننا، اس کے علاوہ تم کچھ اور نہیں کہتے۔ پھر یہ لوگ تمہاری رسالت کو کیوں نہیں مانتے اور قرآن کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ کس امر نے ان کو شبہ میں ڈال رکھا ہے۔ اگر وہ مان لیں گے تو خدا ان کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا ورنہ پھر وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ
وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ
يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۵ ع ۱۲ ۱۹
فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اگر ہم اس قرآن کو عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہہ بیٹھتے کہ اس کی آیات ہماری زبان میں تفصیل سے کیوں نہ بیان کی گئیں (کیا خوب) قرآن تو عجمی اور مخاطب عربی۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ ایمانداروں کے لیے تو یہ قرآن (سرتاپا) ہدایت اور (ہر مرض کی) شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور وہ ان کے لیے نابینائی کا سبب ہے۔ تو گویا گرانی کی وجہ سے وہ لوگ بڑی دور سے پکارے جاتے ہیں۔

ہم نے موسیٰ کو کتاب 'توریت' دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا کب کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ اور یہ لوگ ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں بے چین کر دیا ہے۔ جس نے اچھے اچھے کام کیے تو اپنے فائدہ کے لیے کیے اور جو بُرے کام کرے گا اس کا وبال اس پر ہے اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

کفار کا اعتراض یہ تھا کہ قرآن عربی زبان میں جو محمدؐ کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے کونسی مشکل بات ہے اگر ایسی کتاب بنا لیں۔ مزہ تو جب تھا کہ کسی غیر زبان میں جیسے فارسی، رومی، یونانی جسے وہ نہیں جانتے فر فر تقریریں شروع کر دیتے تو ہم جانتے کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ یہ تو ان زبانوں سے واقف ہی نہ تھے ضرور یہ خدا نے ان کو تعلیم دی ہے۔
خدا فرماتا ہے یہ عجیب بات ہے اگر ہم عربی کے سوا کسی اور زبان میں نازل کرتے تو تم لوگ پھر یہ کہتے کہ

واہ جی واہ! کیا کہنا اس کلام کا جو ایسی زبان میں بھیجا جا رہا ہے جسے ہم سمجھتے ہی نہیں' پھر اس کے نازل کرنے سے فائدہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل میں عداوت ہے۔ لہٰذا ہر صورت میں اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔ چاہے تک بیٹھے یا نہ بیٹھے۔ یہ اس قرآن سے کیا فائدہ حاصل کریں۔ بھینس کے آگے بین بجائی بھینس پڑی پگرائے یہ تو ہی لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور شفائے امراضِ رُوحانی و جسمانی ہو سکتا ہے جو ایمان لانے والے ہیں۔ رہے ایمان نہ لانے والے تو وہ تو خود بخود بہرے بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان کے کان ہیں۔ مگر جب سُننا ہی نہ چاہیں اور اندھے بن کر دیکھنا ہی نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج۔

اس سے پہلے جب موسیٰؑ کو کتاب توریت دی گئی تھی اس وقت بھی کافروں کا یہی عمل رہا تھا۔ خواہ مخواہ کے اعتراض کر کے اختلافی صورتیں پیدا کر دیں۔ اگر ان کے عذاب کے لیے ایک وقت معیّن نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ یہ تو طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہیں۔ حق بات تو ان کے کان کو لگتی ہی نہیں بہر حال جو نیک کام کرے گا اس کا فائدہ اُسی کی ذات کو پہنچے گا اور جو بداعمال بن کر رہے گا اس کا وبال بھی اُسی پر پڑیگا خدا تو اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا، بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور قیامت میں اس کی سزا بھگتیں گے

○

ختم شُد

فہرستِ موضوعات

الف

آتش پرست	۱۵۴
آثارِ قیامت	۸۹
آدمؑ	۳۸۳، ۲۲۸
آدمی کی پیدائش	۳۹۵
آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا	۳۵
آسمان قیامت میں لپیٹ لیے جائینگے	۳۷۱
آسمان میں بُرج بنائے اور روشن چاند بنایا	۱۶
آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیے	۱۵
آسیہ زن فرعون	۳۸۶، ۹
آصف برخیا	۷۸
آلِ ابراہیمؑ	۳۸۳
آلِ عمران	۳۸۳
آلِ فرعون	۳۸۵، ۳۸۳، ۲۸۷
آلِ محمدؐ	۳۸۳، ۳۸۶
آیہ تطہیر	۲۱۸، ۲۱۷
ابراہیمؑ	۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۸۶، ۳۵، ۳۴
ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت	۱۳۸
ابراہیمؑ کی آذر کے لئے دعا	۳۸، ۳۶
ابراہیمؑ کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھا	۱۳۶
ابراہیمؑ کی بُت پرستوں سے باتیں	۱۳۶، ۱۳۴، ۳۵، ۳۴
ابراہیمؑ کی دعائیں	۳۷، ۳۶
ابراہیمؑ کے واقعہ میں عبرت	۴۰
ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا	۱۸۹، ۳۵
ابراہیمؑ نے حج کے لئے پکارا	۶۸

ابن حجر مکّی	۲۶۴
ابن خانم	۲۸۴
ابن خزیمہ	۲۳۷
ابن عامر	۱۹۷
ابن عباس	۴۰۹، ۱۹۷
ابن عساکر	۱۹۷
ابن مردویہ	۲۲۱، ۱۹۷
ابن مسعود بدری	۲۳۷
ابوالقاسم	۲۳۷
ابوبکرؓ	۲۸۴، ۱۵۴
ابوتراب	۸۸
ابوجہل	۲۵۷، ۱۴
ابوسفیان	۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۸، ۱۳۳
ابوطالب	۱۱۳، ۱۱۲
ابولہب	۱۹۸
ابولہب کا تمسخر کرنا	۵۶
اُبی الحقیق زرقی بن اخطب	۲۰۵
اُبی بن خلف اور عقبہ بن مغیط کی گفتگو	۱۵۴
اجر دیکھو جزا	
اُبی بن کعب	۱۵۴
اِحتجاج طبرسی	۲۸۴
اُحد جنگ	۲۰۶، ۱۹۸
احزاب سورہ	۲۰۰
احسن الخالقین	۳۱۷
احمد بن حنبل	۳۱۹

ارجح المطالب ۲۳۸، ۲۲۵ و ۵۷
ازواج رسولؐ ۲۳۸ و ۲۱۸، ۲۱۷ و ۲۱۵، ۲۰۲
اسحاقؑ ۲۲۵، ۱۳۸، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴
اسراف اور کنجوسی کی ممانعت ۱۶
اسفندیار ۱۷۹
اسمٰعیلؑ ۲۲۵، ۱۳۶ و ۱۱۴
اعمال صالح ۲۶۸، ۲۶۷ و ۲۲۰، ۱۲۹، ۱۲۸ و ۵۹ و ۱۹، ۱۸
اعمال نامہ ۳۷۱
اعجاز التنزیل ۵۷
اگلوں کا انجام ۲۸۱، ۱۶۸، ۱۵۷ و ۱۱۳ و ۸۵ و ۳۹، ۴۲
۳۹۹، ۳۸۰ و ۱۸۲
الیاسؑ ۲۳۸
اُم القراء ۱۱۵
امام مہدیؑ (دیکھو امام آخرالزماں) ۲۲۵ و ۸۷
امام مبین ۲۸۴
امانت ۲۴۳
امتحان آزمائش ۱۲۸
اُم سلمہؓ ۲۳۰ و ۲۱۸
اُم شریک ۲۳۲
اُمہات المومنین ۲۰۲
امیر المومنین ۱۵۵، ۸۷ و ۱۹
امیر بن خلف ۱۳۲
انجیل ۲۸۴
انسان کی خلقت ۱۴
انصاف دیکھو عدل
انطاکیہ ۲۸۶
اوتوا العلیم ۱۴۶
اولاد داؤدؑ ۲۴۹
اہلبیت ۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۱ و ۲۱۹، ۲۱۷ و ۱۱۳، ۱۷
ایکہ والوں پر عذاب ۵۲
ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۵۰
ایجنٹا ۴۶
ایلورا ۱۷۹
ایوبؑ ۱۷۹

ب

باحور ۱۷۹
بارش سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے ۸۱، ۱۲
بازار عکاظ ۲۲۲
باعور ۱۷۹
بخت النصر ۲۵۲
بدر جنگ ۲۰۶، ۱۹۸
بلقیس سے حضرت سلیمانؑ کا نکاح کرنا ۷۶
بلقیس کا ایمان لانا ۷۶
بلقیس کا تذکرہ ۷۰
بلقیس کا سرداروں سے مشورہ ۷۲
بلقیس کی عقل کا امتحان ۷۹
بلقیس کی غلط فہمی ۷۶
بن حارث ۱۷۶
بنی اسد ۲۳۲
بنی اسرائیل کا تعقب ۳۲، ۳۱
بنی اسمٰعیل ۲۳۷
بنی امیۃ ۲۳۷
بنی طے ۲۲۲
بنی قریظہ ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۰۹، ۲۰۶، ۲۰۵
بنی معین ۲۲۲
بنی نضر ۲۰۵

بودھ ۴۶
بیت المقدس ۲۵۲، ۷۴
بہشت ۲۱۷ و ۱۹۶، ۱۷۷ و ۱۴۸ و ۱۱۵ و ۳۶ و ۱۹ و ۵
۳۸۷، ۳۷۳، ۲۷۸، ۲۵۹ و ۲۳۲

پ

پردہ کا حکم ۲۳۶، ۲۳۵

ت

تابوت سکینہ ۲۳۷
تابعین ۲۷۴، ۲۳۹
ترکہ ۲۰۰
ترمذی (امام) ۲۳۷
تفسیر درمنثور ۲۸۴، ۲۳۶، ۲۱۹
تفسیر صافی ۲۸۳، ۱۹۹
تفسیر قمی ۲۸۲، ۱۹۹
تفسیر کبیر ۲۳۶
تقیۃ ۳۸۵، ۲۸۳
تکبر ۴۰۶، ۳۹۷
تلاوت ۱۴۲
تمیم بن مسعود اشجعی ۲۰۶
توبہ کرنے والوں کو خدا بخش دیتا ہے ۶۲، ۱۹، ۱۸
توریت ۴۱۲ و ۲۸ و ۲۵۷، ۱۹۸ و ۱۹۷، ۱۰۹، ۱۰۳
تہجد ۵۶

ث

ثعلبی ۲۱۹
ثمود ۱۷۶، ۱۳۹، ۹
ثوبیہ دائی جنھوں نے رسول اکرم کو دودھ پلایا
کافرہ نہ تھیں ۹۵

ج

جادوگروں کی شعبدہ بازی ۳۰، ۲۸
جالوت ۲۴۹ و ۱۱۸
جبرئیل امین ۱۳۵ و ۲۳
جبل سفع ۲۰۵
جزا ۴۰۳ و ۲۶۷، ۱۲۸ و ۱۲۵ و ۱۲۳، ۸۹
جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے گنہگار خوش نہ ہونگے ۵
جعفرؓ ۱۱۰
جعفر صادق علیہ السلام ۱۷۰
جنّات ۲۵۷، ۲۵۲، ۲۵۱ و ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸
جلال الدین سیوطی (دیکھو سیوطی) ۳۶۸
جنب اللہ ۲۶۸
جنت دیکھو بہشت
جہاد ۱۵۲
جہالت کی بات کا جواب سلام ہے ۱۱۲، ۱۶
جہنم ۲۴۱ و ۱۹۶ و ۱۵۲، ۱۴۸ و ۴۰، ۳۶، ۱۹ و ۱۴
۲۷۸، ۲۶۸، ۲۶۰، ۲۴۸ و ۲۴۳

چ

چیونٹی اور حضرت سلیمان کی گفتگو ۶۸ و ۶۷

ح

حافظ ابوبکر بن مردویہ ۲۷۴
حاکم ۲۳۷
حٰم سجدہ (سورہ) ۳۰۱
حبشہ ۱۸۶، ۱۱۱ و ۱۱۰
حبیب نجار ۳۶۲ و ۲۶۰، ۲۸۶، ۹۸
حدیث قدسی ۲۶۹
حزقیل ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۳، ۳۸۲
حسنؑ و حسینؑ ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۸، ۱۹۸

حفصہؓ ۲۳۲، ۲۳۰

حکیم حزام ۲۲۲

حلیمہ دائی کافرہ نہ تھیں ۹۵

حمد باری ۳۶۵، ۲۴۶، ۲۴۵، ۱۶۸، ۱۱۸، ۱۵

حمزہ ۲۷۱، ۱۹۶، ۱۸۶، ۳۹۱

حوّا کی پیدائش ۳۴۸

حیّی بن اخطب ۲۱۴، ۲۰۵

خ

خاتم النّبیین ۲۲۶، ۲۲۵، ۱۲۱

خدا باریک بیں اور خبردار ہے ۲۳۰، ۲۱۸، ۱۸۶، ۱۸۱

خدا پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پھر زندہ کریگا ۱۳۳، ۸۸، ۸۲
۱۸۶، ۱۷۳، ۱۶۹، ۱۶۴، ۱۶۲، ۱۵۹، ۱۵۷

خدا جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے ۱۱۷

خدا حیّ ہے۔ ۴۱۳، ۳۹۵، ۱۴

خدا خالق ہے۔ ۱۷۷، ۱۶۲، ۱۵۵، ۱۵۰، ۷۹، ۱۶، ۱۵، ۱۴
۳۹۸، ۳۹۵، ۳۹۲، ۲۶۹، ۱۹۲، ۱۸۵

خدا دل کے بھید جانتا ہے۔ ۱۸۴، ۸۵

خدا دوبارہ زندہ کریگا ۳۶

خدا دوبار ماتا اور دوبار زندہ کرتا ہے ۳۷۷

خدا ظالم نہیں۔ ۳۷۱، ۱۴۰، ۵۵

خدا عالم، علیم اور حکیم ۱۲۸، ۱۲۶، ۱۱۷، ۹۰، ۸۶، ۱۹
۱۷۹، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۶۴، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۳۶
۲۶۹، ۱۹۲

خدا کا ذکر کرو ۲۲۷

خدا کا وجود ۸۳، ۷۹

خدا کا وعدہ ۱۸۹، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۵۴، ۱۱۵، ۵۴
۳۹۷، ۲۹۶

خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہوتی ۲۸۱، ۱۶۵

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۳۶۷

خدا کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے ۴۰۰، ۲۹۱، ۲۸۹

خدا کی قدرت ۳۶۷، ۳۶۳، ۷۹، ۱۶، ۱۴، ۱۲، ۱۱
۴۰۳، ۳۹۵، ۳۷۱، ۳۷۰

خدا کی صفات ۶۱، ۵۰، ۴۵، ۴۰، ۳۶، ۲۵، ۳۳، ۱۸
۲۵۹، ۲۵۵، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۳۳، ۲۳۰، ۸۵، ۸۲، ۶۳
۳۶۱، ۲۸۰، ۲۷۴، ۲۷۱، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۰
۳۹۴، ۳۷۸، ۳۷۵، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۶، ۳۶۵
۴۱۴، ۴۱۳، ۳۹۵

خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۲۰

خدا کے اچھے بندے فروتنی سے چلتے ہیں ۱۶

خدا موت کے بعد آدمی کو پھر زندہ کریگا ۲۸۴

خدا مہربان ہے غفور، غالب اور رحیم ہے ۴۰، ۱۸، ۱۵
۲۱۳، ۱۵۴، ۱۲۵، ۵۲، ۵۰، ۴۷، ۴۵، ۴۳

خدا نے آسمان، زمین چھ دن میں پیدا کیے ۱۹۱، ۱۵

خدا نے ہر نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کو ڈراؤ ۵۰، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۱
۵۴، ۵۱

خدیجہؓ ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۲، ۵۸

خضرؑ ۶۵

خندق جنگ ۲۱۰، ۲۰۶، ۲۰۴، ۱۹۸

خیبر ۱۶۷

د

دابۃ الارض ۲۵۲، ۲۴۹، ۲۴۸، ۱۶۹

داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا فرمایا ۶۴

داؤدؑ کو زرہیں بنانا سکھایا ۶۵

دجلہ اور سمندر خدا کی نشانیاں ہیں ۱۴

دربار حضرت سلیمانؑ ۷۶

درود اور سلام ۲۳۷، ۲۲۶

دریائے نیل پر بنی اسرائیل اور فرعون کا پہنچنا ۳۳، ۳۲

دعا کی ترغیب اور طریقہ ۳۹۲، ۱۹

دعوتِ ذُو العشیرہ ۵۶

دعوتِ غور و فکر ۱۹۳

دن کاروبار کے لئے بنایا ۱۲

دُنیا اور آخرت کی زندگی کا محاسبہ ۱۱۵

دو دریاؤں کو ملایا اور ان کے درمیان اوٹ بنایا ۷۹، ۱۴

دو دن میں سات آسمان بنائے ۲۰۹

دیمک ۲۵۱

دینِ حق ۱۱۳، ۱۰۹

ذ

ذوی القربیٰ، مساکین اور مسافروں کا حق ۱۶۷

ر

رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت ۱۲

رجعت ۳۷۷، ۱۹۴

رحمت ۲۶۵، ۲۲۸، ۲۲۷، ۱۷۲، ۱۴۷، ۸۶، ۶۷، ۱۲

ردِ شرک ۱۲۷، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۸، ۱۱۷، ۸۲، ۷۹، ۴۰، ۱۸
۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۷، ۱۶۴، ۱۳۰
۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۴، ۲۶۰، ۲۵۶، ۲۵۵، ۱۸۰
۴۰۰، ۳۹۷، ۳۹۵، ۳۷۱، ۲۸۰، ۲۷۹

ردِ شمس ۱۵۰

رزّاق ۱۶۱، ۶۷

رزّاقیت ۳۹۵، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۳۳، ۱۲۴، ۸۲

رستم ۱۷۶

روزِ الست ۲۹۶

رس والے ۹

رسولؐ بشر ہیں مگر ان پر وحی نازل ہوتی ہے ۴۰۲

رسولؐ سے آہستہ بولو ۱۸۲

رسولؐ شاعر نہیں ہیں ۲۹۷، ۵۹

رسولؐ رسالت کی اُجرت نہیں مانگتا ۴۶، ۴۳، ۴۱، ۱۴
۴۸۔

رسولؐ بشیر و نذیر ہیں ۲۷۲، ۲۲۷، ۱۴۵، ۱۴

رسولؐ قیامت میں کہیں گے، میری قوم نے قرآن
کو بیکار بنا دیا تھا۔ ۷

رسولؐ کو جھٹلانے کی سزا ملے گی ۱۷۲، ۲۰، ۱۹

رسولؐ کی شان ۲۲۸، ۲۲۷

رسولؐ کے فرائض ۱۳۳، ۱۰۷، ۹۰

رنگ برنگ کی نباتات قدرت کی نشانیاں ہیں ۲۱

روح الامین قرآن لے کر رسولؐ کے دل پر نازل ہوئے ۵۳

روشن کتاب (لوح محفوظ) ۸۴

روم سورۃ ۱۵۳

روح ۱۵۴

ز

زبور ۲۴۹

زکوٰۃ ۴۰۲، ۱۶۹، ۱۲۴، ۱۲۲، ۱۲۱

زلیخا ۱۱۷

زمانۂ فترت ۱۰۸، ۱۲

زمین کو جائے قرار بنایا ۷۹

زمین کو دو دن میں پیدا کیا ۴۰۳، ۱۲۱، ۱۸

زنا ۱۸

زید بن ارقم (صحابی) ۲۱۷

زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۰۱
۲۴۲، ۲۲۵

زینب بنت جحش ۲۴۲، ۲۳۴، ۲۲۳، ۲۲۱

زین العابدینؑ ۱۷

س

سائے کو پھیلایا ۱۱
سبا سورہ ۲۳۶
سبا والے ۲۵۳
سجدہ اور قیام میں رات بسر کرنے والوں کی تعریف ۱۶
سزا ۲۷۳ ، ۲۵۸ و ۱۲۵ و ۹۰
سرسید احمد خاں ۳۴ ، ۳۳
سعد بن عبادہؓ ۲۰۳
سعد بن معاذ ۲۱۴ و ۲۰۵
سلمان فارسیؓ ۲۰۵
سلیمانؑ ۲۵۱ و ۲۵۰ ، ۲۴۹ و ۲۴۸ ، ۱۶۹
سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے ۶۴
سلیمانؑ کا خط ملکہ سبا کے نام ۷۱
سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی سکھائی ۶۴
سلیمانؑ کو علم عطا کیا ۶۴
سلیمانؑ کو ملکۂ سبا کا حال ہدہد نے بتایا ۷۰
سلیمانؑ کی چیونٹی سے گفتگو ۶۸
سلیمانؑ کی دعا ۶۸ و ۶۷
سلیمانؑ کے لشکر میں انسان جن اور پرندے شامل تھے ۶۷
سلیمانؑ نے بلقیس کا امتحان لیا ۷۶
سلیمانؑ نے بلقیس کے تحائف واپس کر دیئے ۷۴ ، ۷۲
سنن ۲۳۶
سنن ابوداؤد ۲۳۷
سود ۱۴۹
سودا ۲۳۱ و ۲۳۰
سیوطی ۲۸۴ ، ۲۱۹

ش

شاعر جو کہتے ہیں کرتے نہیں ۵۹
شافعی (امام) ۲۳۶
شبیر و شبر ۳۰۵ و ۱۹۸
شرک کی ممانعت ۱۸
شداد ۱۷۱
شعرا سورہ ۲۰
شق القمر ۱۵۰
شہر سبا کا واقعہ ۷۰ و ۶۹
شیاطین جھوٹے بدکاروں پر نازل ہوتے ہیں ۵۶
شیاطین وحی نہیں سنتے ۵۵
شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے ۷
شعبِ ابوطالب ۱۱۲
شعیبؑ ۱۳۹ ، ۹۹ ، ۵۲ ، ۵۱ و ۵۰
شعیبؑ نے کہا میں رسالت کا اجر نہیں مانگتا ۵۰
شموعیل نبی ۱۱۸
شمعون (نبی) ۲۸۷ ، ۲۸۶ و ۲۸۵
شیعہ ۲۸۴ ، ۲۳۶ ، ۹۶ و ۹۵

ص

صالحؑ اور ان کے کنبے کو قتل کرنے کی سازش ۷۷
صالحؑ کی تبلیغ ۴۶
صالحؑ نے کہا میں تبلیغ کا اجر تم سے نہیں مانگتا ۴۶ و ۴۵
صبر ۱۹۷ ، ۱۸۱ و ۱۷۵ ، ۱۴۹ ، ۱۲۸ و ۱۲۳ و ۱۱۱ و ۱۹
صدقہ ۲۳۱
صدیق ۹۸
صفورا زوجہ حضرت موسیٰؑ ۱۰۲
صواعق محرقہ ۲۶۰ و ۲۷۴ ، ۲۳۶
صور ۸۹

ط

طالوت ۲۴۹
طبری ۲۰۷
طلاق ۲۳۱ ، ۲۲۹
طور ۱۰۷ ، ۱۰۱
طوفان نوح ۱۳۰ ، ۳۲ ، ۹

ظ

ظالم اور ان کا انجام ۱۹۶ ، ۱۷۸ ، ۱۵۱ ، ۱۱۵ ، ۱۰۶ ، ۵۹ و ۹
۳۷۹ ، ۳۶۱ ، ۲۸۰
ظالم کی پشیمانی ۷
ظلم کا بدلہ لیا جا سکتا ہے ۵۹
ظہار ۲۰۰

ع

عاد ۱۶۷ ، ۱۳۹ و ۹
عائشہؓ ۲۳۴ و ۲۳۰
عبداللہ (پدر بزرگوار رسول مقبولؐ) ۱۱۲
عبداللہ بن حمید ابن جریر ۲۸۴
عبرت دیکھو اگلوں کا انجام
عبیدہ ۲۰۶
عقبہ بن مُعیط کا واقعہ ۷
عترت ۲۱۹
عدل ۳۷۱ و ۱۱۵
عدہ ۲۲۹
عذاب ۶۰ و ۵۵ ، ۵۴ و ۵۳ و ۵۲ ، ۴۹ و ۲۱ ، ۱۸ ، ۱۶
۱۸۵ و ۸۸ و ۱۳۵ ، ۱۳۸ ، ۱۴۶ و ۱۵۹ ، ۱۶۹ و ۱۷۷
۱۸۳ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ۱۹۶ ، ۱۹۷ ، ۲۰۳ ، ۲۴۹ ، ۲۴۷
۲۵۸ و ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۶۸ و ۲۶۳ ، ۳۶۷ ، ۳۶۸ و
۳۷۲ و ۳۷۵ ، ۳۸۲ ، ۳۸۴ ، ۳۸۶ و ۳۹۸ ، ۴۰۶ ، ۴۰۷
عزیرؑ ۸۷
عصائے موسیٰ ۱۰۲ ، ۹۲ ، ۳۰ و ۲۶ و ۲۴
عکاظ (بازار) ۳۲۲
علامہ ہروی ۲۸۴
علم غیب ۸۳
علیؑ ۱۸۹ و ۱۹۸ و ۱۵۵ ، ۱۱۹ ، ۱۰۳ ، ۳۹ و ۲۳ و ۱۹
۲۰۸ و ۲۰۷ ، ۲۰۶ و ۲۰۵ و ۱۹۸ ، ۱۹۷ ، ۱۹۵ ، ۱۹۰
۲۷۷ و ۲۷۶ ، ۲۷۴ ، ۲۲۶ و ۲۲۵ ، ۲۱۹ و ۲۱۸
۳۸۴ ، ۳۷۹ ، ۳۴۹ ، ۲۶۸ ، ۳۶۲ ، ۳۸۷ ، ۲۸۴
علیؑ کا دعوت ذوالعشیرہ میں وزیر بنایا جانا ۵۸ ، ۵۷ و ۵۶
۲۸۴ ، ۲۳۴ ، ۲۰۶ و ۱۴۶
عمار یاسر ۳۸۳
عمرو ابن عبدود ۲۰۸ و ۲۰۷ و ۲۰۵
عمل صالح دیکھو اعمال صالح
عنکبوت سورہ ۱۲۷
عیسیٰؑ ۲۸۷ و ۲۲۵ و ۲۰۲ ، ۱۲
عین اللہ ۳۶۹

غ

غدیر خم ۲۳
غرور ۱۹۵ ، ۱۸۲ ، ۱۸۱
غطفان ۲۰۵

ف

فاسق ۱۹۵
فاطر سورہ ۲۹۳
فاطمہ بنت اسد ۱۱۲
فاطمہ زہرہؑ ۲۲۵ و ۲۱۹ ، ۲۱۸ ، ۹۹ و ۹۵
فترت کا زمانہ ۱۲۱
فخر الدین رازی (امام) ۲۳۶

فدک ۱۶۸
فسادمت کرو ۵۰
فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس آنا ۱۳۸
فرشتوں کو لوگ دیکھیں گے تو خوش نہ ہوں گے ۵
فرشتوں کی دعا ۳۷۶ و ۳۷۵
فرعون ۱۰۶، ۱۰۵، ۹۴، ۹۲، ۳۲، ۳۱، ۲۸، ۲۶، ۲۴
۳۸۰، ۲۳۷، ۲۲۸، ۱۸۵، ۱۷۱، ۱۴۰، ۱۲۷
۳۸۶، ۳۸۳، ۲۸۱
فرعون کا موسیٰ کے پاس جانا ۶۳، ۶۲
فرعون کے لشکر کا ڈوبنا ۳۳
فروتنی کی تعریف ۱۶
فضل و رحمت خداوندی ۱۸۸، ۸۴

ق

قارون ۳۸۰، ۱۴۰، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۴۰
قائم آل محمد ۱۹۹
قبطی کا قتل ۹۷، ۹۶، ۹۵
قدرت کی نشانیاں ۲۷۴، ۲۷۳، ۱۳۱، ۸۹
قرآن پاک یا کتاب ۹۰، ۸۶، ۶۱، ۶۰، ۵۵، ۵۳، ۲۰
۱۹۱، ۱۴۷، ۱۴۴، ۱۴۲، ۱۲۵، ۱۱۰، ۱۰۹
۲۸۳، ۲۷۴، ۲۵۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۰۲، ۱۹۷
۴۱۴، ۴۰۹، ۴۰۱، ۳۷۴، ۳۶۳، ۲۸۴
قرآن ایمانداروں کے لئے ۴۱۵
قرآن ہدایت اور شفاء ہے
قرآن ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا گیا ۹ و ۸
قرآن روشن کتاب اور ہدایت ہے ۱۴۵، ۶۰
قرآن عربی میں نازل کیا گیا ۴۱۵، ۴۰۱، ۵۳
قرآن کی خبر اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں دی گئی ہے ۵۳
قرآن ہدایت رحمت ہے ۱۷۶، ۸۹

قصص سورہ ۹۰
قلعہ قموص ۲۱
قوم ثمود ۴۰۷، ۴۰۴، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم ثمود کا انجام ۱۹۷، ۷۹، ۴۹، ۴۷، ۹
قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا ۴۵
قوم ثمود کے خالی گھر باعث عبرت ہیں ۸۰
قوم ثمود کے دو فریقوں میں جھگڑا ۷۷
قوم عاد ۴۰۶، ۴۰۴، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم عاد کا انجام ۱۹۷، ۴۵، ۹
قوم عاد کی سرکشی ۴۴
قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا ۴۵
قوم عاد و ثمود اور رس والوں کی ہلاکت ۹
قوم فرعون ۱۹۷، ۲۲
قوم لوط ۴۸، ۱۱
قوم لوط پر تیروں کی بارش ۷۹
قوم لوط کا انجام ۴۹
قوم لوط کی بدکاری ۹۱، ۸۰، ۴۸
قوم نوح ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا ۳۷۵، ۴۱، ۹
قیامت ۱۰۶، ۹۰، ۸۵، ۶۰، ۳۶، ۲۱، ۱۸، ۹، ۶، ۵
۱۷۶، ۱۷۵، ۱۵۷، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۰، ۱۱۵
۲۰۲، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۱، ۱۸۹
۲۹۹، ۲۷۱، ۲۶۷، ۲۵۷، ۲۴۲، ۲۴۱
۴۱۳، ۳۹۲، ۳۷۰، ۳۶۹
قیامت میں آسمان کو چیرتا ہوا بادل نمودار ہوگا ۵
قیامت میں اعضائے جسم انسان کے خلاف گواہی
دیں گے ۴۰۷
قیامت میں کوئی کہے گا کہ کاش فلاں کو دوست نہ بناتا ۷

ک

کافروں سے قرآنی دلائل کے ساتھ لڑو ۷
کتاب دیکھو قرآن
کتاب الاغانی واحدی ۱۹۷
کتاب مبین ۲۴۶، ۲۴۵، ۹۱
کعبہ ۲۴۱
کفار ۱۲۵، ۱۲۱، ۱۱۶، ۱۱۳، ۸۲، ۲۱، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۵
۲۰۲، ۱۷۵، ۱۷۱، ۱۵۲، ۱۴۸، ۱۳۵، ۱۳۰، ۱۲۷
۲۵۷، ۲۴۶، ۲۳۹، ۲۱۴، ۲۱۲، ۲۱۰، ۲۰۴
۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۲، ۲۶۷، ۲۶۴، ۲۵۸
۴۰۹، ۴۰۰، ۳۷۷، ۳۷۵، ۳۷۲، ۳۶۹، ۳۶۱
کن فیکون ۳۹۶

گ

گواہ ۱۲۱، ۱۲۰
گواہی ۱۴۷

ل

لسان صدق ۳۹، ۳۸، ۳۶
لقمان سورہ ۱۷۶
لقمانؑ ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۷۸
لوامع التنزیل ۲۷۴
لوح محفوظ ۲۸۴، ۲۶۹، ۸۵
لوطؑ ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵
لوطؑ کی بددعا ۴۹
لوطؑ کی بی بی عذاب سے نہ بچ سکی ۷۹
لوطؑ نے کہا کہ میں تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا ۵۰، ۴۸

م

مادر موسیٰ کو وحی کی گئی ۱۰۲، ۹۲
مال غنیمت ۱۶۸

مال فے ۱۶۸
ماں باپ کی اطاعت کرو ۱۸۰
مباہلہ ۲۱۹، ۲۱۸
محدث دہلوی ۱۱۳
محمدؐ ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۰۷، ۲۰۲، ۱۷۶، ۳۸
۳۲۵، ۲۸۷، ۲۸۲، ۲۶۳، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۳۹
محمد باقرؑ ۱۹۵، ۱۷۰
محمد ہارون زنگی پوری ۵۹
مدین ۱۴۰، ۱۰۷
مدین میں حضرت موسیٰ کا نکاح اور قیام ۱۰۰، ۹۹
مدینہ ۲۱۵، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۵
مرج البحرین ۱۲
مریم ۲۰۲
معاویہ ۱۹
معجزہ ۳۹۶، ۱۵۷، ۱۴۷، ۱۴۵
معراج ۱۹۸
معصوم ۲۱۹، ۲۱۸
معیشت ارضی کو چار دن میں پیدا کیا ۴۰۳
مکڑی کا گھر ۱۴۱
مکہ ۲۲۲، ۱۵۲، ۱۱۵، ۱۱۳
ملت ابراہیمی ۵۸
مناظرہ شائستہ طریقہ سے کرو ۱۴۲
منافق ۲۳۰، ۲۲۷، ۲۲۳، ۲۱۳، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۴
۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۰
مندربن عمرو ایلچی ملکہ سبا ۷۳، ۷۲
مواعظ حسنہ ۲۸۴
مذاہب الدنیہ ۲۳۷
موسیٰؑ ۱۲۱، ۱۱۸، ۱۰۹، ۱۰۷، ۵۷، ۳۲، ۳۰، ۲۲، ۲۰

۲۳۷، ۲۲۹، ۲۰۲، ۱۹۷، ۱۳۰، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲
۴۱۵، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۳، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۶۲، ۲۸۷، ۲۴۱
موسیٰؑ اور فرعون کا مقابلہ ۲۶، ۲۴
موسیٰؑ قتل ہونے سے بچ گئے ۹۸
موسیٰؑ کا آگ لینے جانا ۱۰۲، ۶۱
موسیٰؑ کا عصا اژدہا ہوگیا ۶۲
موسیٰؑ کو توریت عطا کی گئی ۱۹۷، ۹
موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ دریائے نیل پر عصا مارو ۳۳
موسیٰؑ کو رسول بنایا اور حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ ۱۰۵، ۴۳
موسیٰؑ کو علم اور حکمت عطا فرمایا ۹۵
موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ راتوں رات چل دو ۳۲، ۳۱
موسیٰؑ کی پرورش ۹۴
موسیٰؑ کی خدا سے گفتگو ۶۲
موسیٰؑ کی دعا ۹۹، ۹۸
مشربۂ ام ابراہیم ۲۱۵
مومن ۲۱۰، ۲۴۴، ۱۹۵، ۶۰، ۵۵، ۴۲، ۴۱، ۲۱
۲۳۸، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۱۳
مومن سورہ ۳۷۴
مومن آل فرعون ۳۶۰، ۳۸۹، ۳۸۳، ۳۹۰
میانہ روی ۱۸۲

ن

ناپ تول پوری کرو ۵۰
ناحق قتل کی ممانعت ۱۸
ناشکری ۱۸۹، ۱۶۴
ناقۂ صالح ۴۷
نبی امت کے مردوں کے باپ ہیں ۲۰۲
نسائی ۲۳۷
نشانیاں ۸۹، ۶۴، ۵۳، ۵۲، ۴۷، ۴۲، ۲۴، ۲۱، ۹

۱۹۸، ۱۸۸، ۱۷۳، ۱۶۲، ۱۹۲، ۱۵۹، ۱۴۱، ۱۳۷
۴۱۳، ۴۱۲، ۳۹۹، ۲۵۳، ۲۴۷
نصاریٰ ۲۲۴، ۱۴۲، ۱۱۱، ۱۱۰
نفسانی خواہشات کو بعض لوگوں نے معبود بنالیا ۱۰
نعمتیں ۱۹۳، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۱۹، ۱۱۴، ۸۲، ۷۹
۴۰۳، ۲۰۴
نکاح ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۹
نکاح ہبہ ۲۳۲
نماز و زکوٰۃ ۲۱۷، ۱۸۲، ۱۷۹، ۱۵۹، ۱۲۲، ۶۰
۲۷۵، ۲۷۴، ۲۳۷، ۲۳۶
نمرود ۱۷۱
نمل سورہ ۶۰
نوحؑ کو ان کی قوم کی دھمکی ۴۲
نوحؑ کی بددعا اور طوفان کا آنا ۴۲
نوحؑ کے پیرو غربا تھے ۴۲
نوحؑ کے ساتھیوں کو کشتی نے نجات دی ۴۲
نوحؑ نے کہا میں تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا ۴۱
نوادر الادب ۵۹
نوشیرواں ۱۵۱
نوفل بن عبداللہ ۲۰۹
نہج البلاغہ ۴۲
نیک بندوں کی صفات ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۴
نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا ۱۲

و

واحدی ۱۹۷
وادیٔ تیہ ۱۲۵
وادیٔ طویٰ ۶۴، ۶۱
وادیٔ نمل ۶۷

وارث کتاب ۳۷۵، ۲۷۶
والدین کے ساتھ نیکی کرو ۱۲۹
وحدانیت ۱۱۷، ۸۲، ۳۷، ۳۶
وحی ۲۰۰
وراثت انبیاء ۶۹، ۱۵
وزیر الدولہ خاں ۵۷
ولید بن عقبہ ابی معیط ۱۹۷

ہ

ہارونؑ ۲۲۶، ۱۹۸، ۱۱۸، ۱۰۳، ۳۰، ۲۶، ۹
ہارونؑ کو خدا نے موسیٰؑ کا وزیر بنایا ۲۲، ۹
ہامان ۳۸۹، ۳۸۵، ۳۸۰، ۱۷۱، ۱۴۰، ۹۴، ۹۱
ہدہد کا بیان ۷۰، ۶۹
ہدہد کی غیر حاضری پر حضرت سلیمان کی خفگی ۶۹، ۶۸، ۶۷
ہدہد ملکہ سبا کے پاس خط لے گیا ۷۱
ہودؑ کی تبلیغ ۴۲
ہودؑ نے کہا میں رسالت کی اجرت نہیں مانگتا ۴۲، ۴۲

ی

یٰسین سورہ ۲۸۲
یافث بن نوح ۱۰
یحییٰؑ ۲۹۰، ۲۸۹
یداللہ ۳۶۹
ید بیضاء ۱۰۲، ۹۴، ۶۲، ۲۶، ۲۴
یعقوبؑ ۱۳۸، ۱۳۶، ۶۷
یمن ۷۰
یوحنا ۲۸۵
یوسفؑ ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۱۱۸
یوسفؑ کو علم تعبیر خواب سکھایا ۶۵
یونسؑ ۲۸۷، ۲۸۵، ۱۷۹
یہود ۲۲۴، ۲۲۳، ۱۴۲، ۱۱۰

۷۸۶

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ نمبر ۲۵ تا پارہ نمبر ۳۰

کی تصحیح کی۔ اب اس کے متن میں کوئی کمی

بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

انشاءاللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالروف

حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ

تفسیر القرآن

جلد پنجم

اِلَیْهِ یُرَدُّ ۲۵ سے عَمَّ ۳۰ پارہ

مُفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: شمیم بک ڈپو، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی نمبر ۱۸
مطبع: الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی
کتابت: محمود بن الماس رقم، لاہور
سید محمد رضا زیدی کراچی

بار اوّل ـــــــــــ ۱۹۸۵ء
ھدیہ: -/۱۰۰ روپے

فہرست

نام پارہ

۱	اِلَیۡہِ یُرَدُّ	۲۵	۵	۴	قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ	۲۸	۲۲۳
۲	حٰمٓ	۲۶	۷۵	۵	تَبٰرَکَ الَّذِیۡ	۲۹	۲۹۳
۳	قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ	۲۷	۱۳۹	۶	عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ	۳۰	۳۶۳

نام سورہ

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ
۴۱	سورہ حٰمٓ السجدہ	۵	۶۰	سورہ ممتحنۃ	۲۴۵	۷۹	سورہ نازعات	۳۶۸	۹۸	سورہ بینۃ	۴۱۴
۴۲	سورہ شوریٰ	۱۸	۶۱	سورہ صف	۲۵۳	۸۰	سورہ عبس	۳۷۲	۹۹	سورہ زلزال	۴۱۸
۴۳	سورہ زخرف	۳۴	۶۲	سورہ جمعۃ	۲۵۹	۸۱	سورہ تکویر	۳۷۶	۱۰۰	سورہ عادیات	۴۱۹
۴۴	سورہ دخان	۵۴	۶۳	سورہ منافقون	۲۶۴	۸۲	سورہ انفطار	۳۷۹	۱۰۱	سورہ قارعۃ	۴۲۱
۴۵	سورہ جاثیہ	۶۴	۶۴	سورہ تغابن	۲۶۹	۸۳	سورہ مطفّفین	۳۸۱	۱۰۲	سورہ تکاثر	۴۲۲
۴۶	سورہ احقاف	۷۵	۶۵	سورہ طلاق	۲۷۵	۸۴	سورہ انشقاق	۳۸۵	۱۰۳	سورہ عصر	۴۲۳
۴۷	سورہ محمّد	۹۰	۶۶	سورہ تحریم	۲۸۲	۸۵	سورہ بروج	۳۸۷	۱۰۴	سورہ ھمزہ	۴۲۳
۴۸	سورہ فتح	۱۰۵	۶۷	سورہ ملک	۲۹۳	۸۶	سورہ طارق	۳۹۰	۱۰۵	سورہ فیل	۴۲۴
۴۹	سورہ حجرات	۱۲۳	۶۸	سورہ قلم	۳۰۰	۸۷	سورہ اعلیٰ	۳۹۲	۱۰۶	سورہ قریش	۴۲۵
۵۰	سورہ قٓ	۱۳۲	۶۹	سورہ حاقۃ	۳۰۸	۸۸	سورہ غاشیۃ	۳۹۴	۱۰۷	سورہ ماعون	۴۲۵
۵۱	سورہ ذاریات	۱۴۳	۷۰	سورہ معارج	۳۱۵	۸۹	سورۃ فجر	۳۹۹	۱۰۸	سورہ کوثر	۴۲۶
۵۲	سورہ طور	۱۵۴	۷۱	سورہ نوح	۳۲۰	۹۰	سورہ بلد	۴۰۱	۱۰۹	سورہ کافرون	۴۲۷
۵۳	سورہ والنجم	۱۶۲	۷۲	سورہ جن	۳۲۵	۹۱	سورہ شمس	۴۰۳	۱۱۰	سورہ نصر	۴۲۷
۵۴	سورہ قمر	۱۷۵	۷۳	سورہ مزمّل	۳۳۲	۹۲	سورہ لیل	۴۰۵	۱۱۱	سورہ لھب	۴۲۸
۵۵	سورہ رحمٰن	۱۸۶	۷۴	سورہ مدثّر	۳۳۹	۹۳	سورہ ضحیٰ	۴۰۷	۱۱۲	سورہ اخلاص	۴۲۹
۵۶	سورہ واقعہ	۱۹۷	۷۵	سورہ قیامۃ	۳۴۵	۹۴	سورہ انشراح	۴۰۹	۱۱۳	سورہ فلق	۴۳۰
۵۷	سورہ حدید	۲۰۷	۷۶	سورہ دھر	۳۵۰	۹۵	سورہ تین	۴۱۰	۱۱۴	سورہ ناس	۴۳۲
۵۸	سورہ مجادلۃ	۲۲۳	۷۷	سورہ مرسلات	۳۵۷	۹۶	سورہ علق	۴۱۱			
۵۹	سورہ حشر	۲۳۳	۷۸	سورہ نبا	۳۶۳	۹۷	سورہ قدر	۴۱۳			

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: شمیم بک ڈپو، ناظم آباد نمبر۲۔ کراچی نمبر ۱۸

مطبع: الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت: محمود بن الماس رقم، لاہور

سید محمد رضا زیدی کراچی

بار اول ―――――― ۱۹۸۵ء

ھدیہ: -/۱۰۰ روپے

فہرست

نام پارہ

۱	اِلَیۡهِ یُرَدُّ	۲۵	۵	۴	قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ	۲۸	۲۲۳
۲	حٰمٓ	۲۶	۷۵	۵	تَبٰرَكَ الَّذِیۡ	۲۹	۲۹۳
۳	قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ	۲۷	۱۴۹	۶	عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ	۳۰	۳۶۳

نام سورہ

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ
۴۱	سورہ حٰم السجدہ	۵	۶۰	سورہ ممتحنۃ	۲۴۵	۷۹	سورہ نازعات	۳۶۸	۹۸	سورہ بینۃ	۴۱۷
۴۲	سورہ شوریٰ	۸	۶۱	سورہ صف	۲۵۳	۸۰	سورہ عبس	۳۷۲	۹۹	سورہ زلزال	۴۱۸
۴۳	سورہ زخرف	۳۴	۶۲	سورہ جمعۃ	۲۵۹	۸۱	سورہ تکویر	۳۷۶	۱۰۱	سورہ عادیات	۴۱۹
۴۴	سورہ دخان	۵۴	۶۳	سورہ منافقون	۲۶۴	۸۲	سورہ انفطار	۳۷۹	۱۰۱	سورہ قارعۃ	۴۲۱
۴۵	سورہ جاثیہ	۶۳	۶۴	سورہ تغابن	۲۶۹	۸۳	سورہ مطففین	۳۸۱	۱۰۲	سورہ تکاثر	۴۲۲
۴۶	سورہ احقاف	۷۵	۶۵	سورہ طلاق	۲۷۵	۸۴	سورہ انشقاق	۳۸۵	۱۰۳	سورہ عصر	۴۲۲
۴۷	سورہ محمّد	۹۰	۶۶	سورہ تحریم	۲۸۲	۸۵	سورہ بروج	۳۸۷	۱۰۴	سورہ ہمزہ	۴۲۳
۴۸	سورہ فتح	۱۰۵	۶۷	سورہ ملک	۲۹۳	۸۶	سورہ طارق	۳۹۰	۱۰۵	سورہ فیل	۴۲۴
۴۹	سورہ حجرات	۱۲۳	۶۸	سورہ قلم	۳۰۰	۸۷	سورہ اعلیٰ	۳۹۲	۱۰۶	سورہ قریش	۴۲۵
۵۰	سورہ قٓ	۱۳۳	۶۹	سورہ حاقۃ	۳۰۸	۸۸	سورہ غاشیۃ	۳۹۳	۱۰۷	سورہ ماعون	۴۲۵
۵۱	سورہ ذاریات	۱۴۳	۷۰	سورہ معارج	۳۱۵	۸۹	سورۃ فجر	۳۹۶	۱۰۸	سورہ کوثر	۴۲۶
۵۲	سورہ طور	۱۵۴	۷۱	سورہ نوح	۳۲۰	۹۰	سورہ بلد	۴۰۱	۱۰۹	سورہ کافرون	۴۲۷
۵۳	سورہ والنجم	۱۶۲	۷۲	سورہ جن	۳۲۵	۹۱	سورہ شمس	۴۰۳	۱۱۰	سورہ نصر	۴۲۷
۵۴	سورہ قمر	۱۷۵	۷۳	سورہ مزمّل	۳۳۲	۹۲	سورہ لیل	۴۰۵	۱۱۱	سورہ لہب	۴۲۸
۵۵	سورہ رحمٰن	۱۸۶	۷۴	سورہ مدثّر	۳۳۹	۹۳	سورہ ضحیٰ	۴۰۷	۱۱۲	سورہ اخلاص	۴۲۹
۵۶	سورہ واقعہ	۱۹۷	۷۵	سورہ قیامۃ	۳۴۵	۹۴	سورہ انشراح	۴۰۹	۱۱۳	سورہ فلق	۴۳۰
۵۷	سورہ حدید	۲۰۷	۷۶	سورہ دھر	۳۵۰	۹۵	سورہ تین	۴۱۰	۱۱۴	سورہ ناس	۴۳۲
۵۸	سورہ مجادلۃ	۲۲۳	۷۷	سورہ مرسلات	۳۵۷	۹۶	سورہ علق	۴۱۱			
۵۹	سورہ حشر	۲۳۳	۷۸	سورہ نبا	۳۶۳	۹۷	سورہ قدر	۴۱۳			

معاونین

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی، بی ایس سی،
ایم بی بی ایس۔
الحاج سید شمیم الحسن صاحب نقوی ایم اے ایل ایل بی سینئر ایگزیکٹو
وائس پریذیڈنٹ بینک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن۔
سید نسیم الحسن صاحب نقوی بی ایس سی انجینئرنگ، چیف انجینئر
کے ای ایس سی۔
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی، پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ
میڈیکل کالج کراچی۔
الحاج سید کاظم حسین صاحب نقوی اسٹیٹ بینک آف پاکستان کراچی
الحاج پروفیسر مولانا سید عنایت حسین صاحب جلالوی، بانی مجلس
ملی پاکستان۔
سید شبیہ الحسن صاحب ایم اے ایل ایل بی، پی سی آئی کراچی
سید عرفان حسن صاحب زیدی ایم اے، بی ایڈ، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیدہ پروین دولت صاحبہ، ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت پی ایچ ڈی اسسٹنٹ پروفیسر
کراچی یونیورسٹی۔
ڈاکٹر سید خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی سی ایس آئی آر کراچی
سید عالیجاہ حسین صاحب ایم ایس سی ، اے ایس سی پی (امریکہ)
پروفیسر سید تسنیم الحسن صاحب نقوی بی ایس سی، بی ای، ایم آئی ای، ایم ایس
(یو ایس اے) پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ٹیکنولوجی خیرپور۔
سید علی امجاد صاحب نقوی۔ بی اے ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر
سیدہ رئیس بانو صاحبہ

الحاج سید محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
الحاج پروفیسر سید غلام عباس صاحب ایم اے انگلش، ایم ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سید شہنشاہ حسین صاحب، ایم بی بی ایس۔
سید سبطین محمد نقوی، بی اے، یونائیٹڈ بینک
سید جعفر نسیم صاحب، ایم ایس سی۔
مس نسرین عرفان، بی ایس سی، ایم اے، ایم ایڈ۔
خلیفہ سید حسن مہدی صاحب آف لاہور۔
الحاج مولانا سید کاظم نقوی صاحب پرنسپل جامعہ امامیہ کراچی
سید فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای، ایم ایس امریکہ
سید علی شمیم صاحب نقوی
سید مرتضیٰ ندیم صاحب بی کام، بی سی سی آئی۔
غلام حیدر صاحب بی۔ اے۔
سید مجتبےٰ ندیم۔
سید حسن نسیم نقوی صاحب۔
سیدہ صاجدہ خاتون، بی اے
سیدہ گلفام زہرہ بی ایس سی (آنرز)
مس طلعت نقوی، ایم اے
سیدہ شمع زہرہ نقوی، بی اے
سیدہ میمونہ شمیم نقوی
سیدہ ذکیہ نقوی
سید آصف جاہ صاحب ایم ایس سی

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
اَيْنَ شُرَكَآءِىْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا
يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ
قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ
اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا
عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف راجع ہوتا ہے (وہی جانتا ہے) اور بغیر اس کے علم و (ارادہ) کے نہ تو پھل اپنے پودوں سے نکلتے ہیں نہ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے جس دن خدا ان مشرکوں کو پکارے گا (اور دریافت کرے گا) میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے ہم تو تجھ سے کہہ چکے کہ ہم میں سے کوئی ان سے واقف نہیں اور جن لوگوں کی یہ پرستش کرتے تھے، وہ پہلے ہی غائب ہوگئے ہونگے اور یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ اب ان کی رہائی نہیں ہوگی۔ انسان بھلائی کی دعا مانگنے سے تو کبھی تھکتا ہی نہیں اور اگر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو فوراً مایوس اور نا امید ہو بیٹھتا ہے اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہے ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے یہ تو

میری ہی تدبیر کا نتیجہ ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں گا تو میرے لیے یقیناً اس کے یہاں بھلائی ہے اور کافر لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں ہم (قیامت میں) ضرور ان پر ظاہر کر دیں گے اور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

قیامت کے متعلق بار بار یہ سوال کرتے تھے کہ کب آئے گی۔ ان کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اس کا علم تو خدا کے سوا کسی کو ہے نہیں۔ وہ تو بہرحال ایک روز آنا ہی ہے۔ بجائے اس کے کہ لوگ اس کا وقت معلوم کریں ان کو اس کے آنے سے پہلے اپنے کو تیار کر لینا چاہیئے۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت میں ان سے یہ سوال ضرور ہوگا کہ جن لوگوں کو تم خدا کا شریک قرار دیتے تھے بتاؤ اب وہ کہاں ہیں۔ وہ بھلا کیا بتائیں گے وہ تو جہنم رسید ہو چکے ہوں گے۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر یہی کہیں گے، وہ تو ہمیں کہیں نظر نہیں آتے اب ان کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

دنیا میں جو لوگ بداعمالیاں کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدا انہیں کہاں دیکھ رہا ہے۔ انہیں آگاہ ہونا چاہیئے کہ جو اتنا جانتا ہے کہ کون سا پھل کس بُور سے نکلنے والا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کس ماں کے پیٹ سے کیسا بچہ پیدا ہوگا اور کب وہ جنے گی بھلا وہ تمہارے اعمال سے بے خبر رہنے والا ہے۔ وہ تمہارے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے تم کتنا ہی چھپا کر کوئی عمل کرو اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

اب انسان کی ایک عادت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اپنے فائدہ کے لیے دُعائیں مانگنے سے تو انسان (کافر) کبھی تھکتا ہی نہیں۔ کبھی دولت کے لیے دُعا کرتا ہے کبھی صحت کے لیے کبھی اولاد کے لیے۔ غرض دُنیا کے سارے کاموں کے لیے دعائیں مانگتا ہی رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو رحمتِ خدا سے مایوس و ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور جب خدا اس کی مصیبت کو دُور کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے، دیکھا میری تدبیر کیسی کارگر ہوئی۔ یعنی بجائے خدا کا شکرگزار ہونے کے اپنی کارکردگی کی ڈینگیں مارنے لگتا ہے۔

اور یہی کافر یہ بھی کہنے لگتا ہے کہ قیامت ویامت کوئی نہیں آنے والی اور اگر بالفرض آئے بھی تو خدا ہمارے ساتھ کوئی بُرائی نہ کرے گا بلکہ بہشت میں کوئی اچھی جگہ دے گا۔ یہ کفّار جو چاہے خیال کریں اور شیخ چلی کے سے منصوبے بناتے رہیں خدا تو ان کے ایک ایک فعل کو دیکھ رہا ہے۔ قیامت کا دن آنے دو پھر ان کی بداعمالیوں کی وہ سخت سزا دی جائے گی کہ بس یاد ہی کریں گے۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖۚ وَاِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾

جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل کر چل دیتا ہے اور جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو کیسی لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے بیٹھ جاتا ہے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ
مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ
وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ
بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ
رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾

(اے رسول) ان سے کہہ دو کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہُوا اور تم اس سے انکار کر بیٹھے تو اس شدید مخالفت کے بعد تم سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ ہم عنقریب ہی اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کے نفسوں میں بھی دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر پُوری طرح ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن یقیناً حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر شے پر گواہ ہے۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ خدا کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق شک میں پڑے ہُوئے ہیں (اُن کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ) وہ ہر شے پر حاوی ہے۔

جو لوگ بے سوچے سمجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے نازل کیا ہُوا نہیں ہے انہیں ذرا اس پر غور کر لینا چاہیئے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہُوا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے متعلق تم سے پوچھ گچھ ہونے لگی تو بتاؤ اس وقت کیا کرو گے۔ یقیناً تمہاری یہ شدید مخالفت تمہیں سب سے زیادہ گمراہ بنا دینے والی ہے اور اس کے لیے جو سخت سزا ہے وہ تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ یہ کفّار عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس دین کو انہوں نے نظر سے گرایا ہے اُس نے دنیا میں اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے کیسا عظیم انقلاب پیدا کیا ہے اور کس طرح وحشی قوموں کو انسان بنایا ہے اور ان کو اخلاقِ حسنہ کا نمونہ بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ خود ان کے نفسوں میں

جو تغیر پیدا ہوگا اُسے بھی جان لیں گے۔ جو لوگ قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں کہ خدا کا علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے وہ ان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ قیامت میں یہ لوگ اس کے عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔

---

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞١ عٓسٓقٓ ۞٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۞٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي
الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۞٦

حا۔م۔ع۔س۔ق۔ اے رسول تمہاری طرف اور جو تم سے پہلے رسول آچکے ہیں ان کی طرف عزیز و حکیم خدا یوں ہی وحی بھیجتا رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے وہ بلند مرتبہ اور بڑی شان والا ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک خدا غفور و رحیم ہے۔ جن لوگوں نے خدا کے سوا اپنے سرپرست بنا رکھے ہیں خدا ان کی نگرانی کر رہا ہے اور تم ان کے نگہبان نہیں ہو۔

کفارِ قریش اپنے اپنے مکانوں میں، جلسوں میں، پرائیویٹ صحبتوں میں حضرت رسولؐ خدا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ جو باتیں یہ شخص بیان کرتا ہے ہم نے تو اس سے پہلے کسی سے سُنی ہی نہیں۔ نہ ہمارے باپ دادا نے کبھی ہمارے سامنے ایسے تذکرے کیے۔ یہ سب یونہی باتیں ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے یہ سب جھوٹے ہیں۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے جتنے انبیاء و مرسلینؑ آئے ہماری وحی کے مطابق سب ایسی ہی باتیں بیان کیا کرتے تھے جیسی آپؐ بیان کرتے ہیں یہ نئی باتیں نہیں جن پر انہیں تعجب ہو رہا ہے۔ اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اس نے نہ کبھی کسی سے دب کر بات کی اور نہ حکمت سے خالی اس کی کوئی بات ہوتی ہے۔ یہ آسمان و زمین سب اسی کے ہیں اور ہر جگہ اسی کی حکومت ہے۔ اس سے زیادہ عظمت والا کوئی ہے ہی نہیں۔

خدا کے متعلق جو کفار جاہلانہ بکواس کرتے ہیں، کبھی کہتے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے کبھی کہتے ہیں بت اسکی خدائی میں شریک ہیں کبھی کہتے ہیں فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ کبھی کہتے ہیں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر آسمان ان کے سروں پر پھٹ پڑے تو بعید نہیں۔ یہ گستاخیاں اس ذاتِ پاک کے متعلق ہیں جس کی حمد کی تسبیح ملائکہ کرتے ہیں۔ اور اہلِ زمین جو گناہ کر رہے ہیں ان کے لیے خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک اگر وہ توبہ کر لیں تو خدا ان کے گناہ بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو، درختوں کو، جنات کو، شیاطین کو اور دیوی دیوتاؤں کو اپنا ولی اور سرپرست بنائے ہوئے ہیں اللہ ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ یعنی وہ سب اس کی نظروں میں ہیں اس سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اے رسولؐ، تم ان کے نگہبان نہیں بنائے گئے بلکہ ان کو عذابِ خدا سے ڈرانے والے اور اچھے کاموں کی ہدایت کرنے والے ہو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ ان ظالموں سے ہم نمٹ لیں گے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ
حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ
فِي السَّعِيْرِ ۞٧ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ
مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞٨
اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ⑨ ع

اس طرح ہم نے لے رسول تمہاری طرف قرآن کو عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تم مکہ والوں کو اور جو بستیاں اس کے ارد گرد ہیں ان کے باشندوں کو ڈراؤ اور اس دن (قیامت) سے ڈراؤ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا تو نہ کوئی سرپرست ہے نہ مددگار۔ کیا انہوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز بنائے ہیں حالانکہ (اصلی) کارساز تو خدا ہی ہے وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ یعنی ان کفار و مشرکین سے جو آئے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور قرآن کو منزل من اللہ نہیں جانتے تھے کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن کسی اور زبان میں تو نہیں تمہاری مادری زبان میں ہے جسے تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔ اور جب ایسا ہے تو اس پر غور کرو کہ وہ تم سے کیا کہہ رہا ہے اور ہمارے رسولؐ تم کو کیا ہدایت کر رہے ہیں۔ یہی نا کہ تم اعمالِ بد سے باز آؤ اور بد اخلاقیوں کو ترک کرو ورنہ تم سے قیامت میں باز پرس ہوگی اور جب تم مجرم قرار دیئے جاؤ گے تو تم کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ رسولؐ اس سے تو ڈرا رہے ہیں۔ یہ کوئی ایسی گہری اور پیچیدہ بات تو نہیں کہ تمہاری سمجھ میں نہ آتی ہو۔ تمہاری بد اخلاقیوں اور ظلم پسندیوں سے جو مصیبتیں تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور آئے دن آپس میں جنگ ٹھنی رہتی ہے۔ رسولؐ اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ قرآن اس کے سدِ باب کے لیے نازل کیا گیا ہے مگر تم ایسے کوڑھ مغز ہو کہ تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہیں۔

تمہیں قیامت کے دن سے ڈرایا جاتا ہے اس دن تم سب خدا کے سامنے جمع ہو جاؤ گے۔ اس دن نیکوں اور بدوں کے درمیان فرق کر دیا جائے گا۔ ایک گروہ کو جو خدا کا نافرمان ہوگا جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور جو گروہ فرمانبردار ہوگا اسے داخلِ جنت کیا جائے گا۔

لوگ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ جب خدا کو سب کا مسلمان ہونا ہی پسند ہے تو اس نے سب کو ایک ہی دین پر کیوں نہ پیدا کر دیا۔ سب کے سب مسلمان ہی ہوتے تاکہ اہلِ ادیان کے درمیان جو جھگڑے ہیں وہ سب ختم ہو جاتے۔ نہ کسی نبی و رسول کے آنے کی ضرورت ہوتی نہ کسی کتاب کے بھیجنے کی۔ لیکن یہ اعتراض احمقانہ ہے اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کی عقلوں کا امتحان کیسے ہوتا۔ مسلمان تو بن جاتے لیکن خدا کے احکام سے واقفیت انہیں کیسے ہوتی۔ دوسرے اگر اسلام قہری و جبری ہوتا اس کی وقعت کیا ہوتی۔ خدا کی معرفت کا امتحان کیسے ہوتا۔ انسانی

مدارج میں ترقی اور فضیلت کی صورت کیسے پیدا ہوتی۔ تمدن و معاشرت کی راہیں کیسے نمودار ہوتیں۔ اخلاقی اتار چڑھاؤ کی جانچ پڑتال کیسے ہوتی۔

پیدا تو اس نے سب کو مسلمان ہی کیا ہے لیکن جو مختلف ادیان و مذاہب ہیں اور زندگی گزارنے کی مختلف راہیں ہیں وہ خود انسان ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ خدا اپنی رحمت کو اس پر نازل کرتا ہے جو اس کا زیادہ فرمانبردار بندہ ہو کر رہے۔ ظالم و سرکش کا نہ تو خدا ولی و سرپرست ہے اور نہ مددگار، وہ جانے اور اس کے اعمال۔ وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا ایک روز سب کو زندہ کر کے ان کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡهِ مِنۡ شَیۡءٍ فَحُکۡمُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبِّیۡ
عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ ٭ۖ وَ اِلَیۡهِ اُنِیۡبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ
لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ یَذۡرَؤُکُمۡ
فِیۡهِ ؕ لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِیۡدُ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ
بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ⑫

تم لوگ جس چیز میں اختلاف رکھتے ہو اس کا فیصلہ خدا ہی کے حوالے ہے۔ وہی خدا تو میرا پروردگار ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور چوپاؤں کے جوڑے بھی اس نے بنائے اور وہی تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں وہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ آسمان و زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور جس کا رزق چاہتا ہے گھٹاتا ہے۔ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

یعنی اختلافات کی صورت میں ہمارے فیصلے قابلِ وثوق نہیں ہوتے لیکن اصل فیصلہ کرنے والا خدا ہے

جو ہر معاملہ کی تہ کو پہنچا ہُوا ہے۔ تمہارے ہمارے درمیان جو جھگڑا ہے تم میری بات کو نہیں مانتے اور اس میں خواہ مخواہ کی باتیں پیدا کر کے فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہونے دیتے تو پس میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا خدا ہے وہی میرا رب ہے اسی پر میں نے ہر معاملہ میں بھروسہ کیا ہے اور اب بھی میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور کیوں نہ کروں جبکہ وہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہم انسانوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور چوپاؤں کے بھی تاکہ ہم راحت و آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس نے ہم سب کو روئے زمین پر پھیلایا ہے۔ جب اس کی مثل کوئی ہے ہی نہیں تو ہم اسے اپنا معبود کیوں نہ مانیں۔ رزق کے کم و زیادہ کرنے کا اختیار بھی اُسی کو ہے۔ وہ ہر شے کا حال جاننے والا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رزق کو بڑھاتا اور گھٹاتا کیسے ہے۔ اگر قحط کے ذریعہ سے گھٹاتا ہے تو اس میں ہر مومن و کافر سب شریک ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یوں تو رزق دینے کا وعدہ اس نے سب سے کر لیا ہے۔ پیٹ تو وہ سب کا بھرتا ہے۔ یہاں کمی بیشی سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ اس کے نافرمان بندے ہیں ان سے ترقیِ رزق کے ذرائع کو روک لیتا ہے اور اگر نہیں روکتا تو اس ترقیِ رزق سے جو کارِ خیر ان سے ہوتے ہیں ان کو بے اجر و ثواب قرار دیتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس رزق میں سے ان کا صرف اتنا ہی حصّہ رہتا ہے جتنا عام لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زیادتیِ رزق سے بسبب کسی مصیبت میں مبتلا ہونے یا کسی بلا میں گرفتار ہونے کے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ تیار کھیتوں کو برباد کر دیتا ہے۔ باغوں کے تیار پھلوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ
وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ
يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ١٣ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ١٤

اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس (پر چلنے) کا حکم نوح کو دیا تھا اور اے رسول اس کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی اور اس کا ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو حکم دیا تھا۔ وہ یہ ہے، کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ جس دین کی طرف تم مشرکین کو بُلاتے ہو وہ ان پر بہت شاق گزرتا ہے خدا جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھا دیتا ہے اور یہ لوگ متفرق ہوئے بھی تو علم (حق) آنے کے بعد (اور وہ بھی) محض آپس کی ضد میں اور اگر تمہارے رب کی طرف ایک وقتِ مقررہ (قیامت) تک کے لیے وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان میں کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جو لوگ ان کے بعد کتابِ خدا کے وارث ہوئے وہ اس کی طرف سے بہت سخت شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوحؑ تک احکامِ الٰہی کے متعلق صحیفے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے جن کے مطابق وہ اپنی اپنی اُمتوں کو ہدایت کرتے رہے۔ طوفان کے بعد جب نیا از سرِ نو پھر زمین پر آباد ہوئی تو پہلی شریعت کا نزول حضرت نوحؑ پر ہوا پھر دینِ اسلام کا ایک مکمل قانون کتاب کی صورت میں حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ پیروانِ حضرت نوحؑ میں سے تھے اور شریعتِ نوحؑ کے علاوہ ان پر صحیفے یعنی وقتی احکام بھی آتے رہے جن سے اس شریعت میں تبدیلی ہوئی اور توریت بصورتِ کتاب حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ پہلی شریعت میں اُمت کے ہاتھوں جو تبدیلیاں ہوتی تھیں توریت میں ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل ہوئی۔ پھر حضرت رسولِ خدا پر قرآن نازل ہُوا جو پہلی تمام شریعتوں کا ناسخ تھا۔ اس کے بعد اب کوئی کتاب قیامت تک آنے والی نہیں اور نہ شریعتِ محمّدیہ میں کوئی تبدیلی ہونے والی ہے۔

اس آیت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ شریعتِ نوحؑ کے بعد شریعتِ محمدی کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ شریعتِ ابراہیمؑ کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اوّل و آخر کی دونوں شریعتوں کو بتایا گیا پھر درمیانی شریعتوں کو حضرت ابراہیمؑ کو تمام قومیں مانتی تھیں اس لیے ان کو تیسرا نمبر دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ اور ان کے بعد شریعتِ عیسیٰؑ کا ذکر کیا گیا۔

دین سے مراد شریعت ہے۔ اس پر عمل کے بعد خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے فرقہ فرقہ نہ ہو لیکن کوئی شریعت ایسی نہیں رہی کہ اختلافات کی بنا پر اس میں فرقہ بندی نہ رہی ہو۔ چنانچہ یہودیوں میں اکہتر فرقے ہوئے۔ عیسائیوں میں بہتر اور مسلمانوں میں تہتر ہو گئے۔

اس فرقہ بندی کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا ذمّہ دار خدا نے جن لوگوں کو بنایا تھا۔ اُمت والوں نے ان سے احکام کو نہ لیا۔ بلکہ جس نے جس کو چاہا اپنا پیشوا مان کر اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔ جب قیادت غیر معصوموں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو احکامِ الٰہیہ کو جیسا جس کے دل میں آیا بدل ڈالا۔ اسلام کو

اسی بے احتیاطی نے تباہ کر دیا۔

آنحضرتؐ کا مشرکین کو خدائے واحد کی طرف دعوت دینا اور بُتوں کی عبادت سے منع کرنا مشرکوں کو سخت ناگوار تھا۔ باوجودیکہ آسمانی کتابوں کے ذریعے اور رسولوں کی معرفت امرِ حق ان پر واضح ہوچکا تھا مگر ضد، ہٹ اور شرارت نے اس طرف ان کو آنے نہ دیا اور رسولؐ کی مخالفت پر جمے ہی رہے۔ اگر تمہارے خدا نے ایک وقت (قیامت) ان کے عذاب کے لیے مقرر نہ کر دیا ہوتا تو کب کا ان کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا مگر خدا نے ان کو مہلت دے رکھی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا دین کبھی نہیں بدلا اس کے جو اصول آدمؑ کے وقت میں تھے وہی نوحؑ کے وقت میں رہے۔ وہی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے وقت میں رہے اور وہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وقت رہے۔ البتہ شریعتیں بدلتی رہیں۔ توحید۔ رسالت اور قیامت پر ایمان لانا کبھی نہیں بدلا۔ اور شریعت میں جو فطری احکام تھے، وہ کبھی نہیں بدلے۔ زنا کبھی حلال نہیں ہوا۔ مردہ کا گوشت کبھی حلال نہیں ہوا۔ خون پینا کبھی حلال نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ جب خدا ایک ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ شریعتوں کے بدلنے کا سبب یہ ہوا کہ امتوں نے اپنی خواہش کے مطابق احکامِ الٰہی کو بنالیا۔

آخری آیت کے آخری حصہ میں یہ بتایا گیا کہ رسولوں کے بعد جب کتابِ خدا کے وارث کسی امت کے بعد کی نسلیں ہوئیں تو اصلی کتاب ان تک پہنچی ہی نہیں بلکہ علمائے نے جو تصرفات کر لیے تھے ان کے ساتھ پہنچیں۔ اس بنا پر وہ لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ علماء نے اپنی اپنی عقل کے مطابق ترجمے اور تاویلیں کیں جن کی وجہ سے اصل و نقل میں فرق پیدا ہو گیا۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے پاس صرف ترجمے ہی رہ گئے اور اصل کتاب غائب ہوگئی۔ جب کلامِ خدا کا اصلی مفہوم غائب ہو گیا تو لامحالہ اس میں شکوک پیدا ہو جانے ہی تھے۔ کتابوں کا ذمہ دار خدا نے معصوم ہستیوں کو بنایا تھا وہ ایک ایک جملے کے نگہبان ہوتے تھے اور امت کو ہر آیت کا وہی مفہوم بتاتے تھے جو خدا کا تعلیم کردہ ہوتا تھا۔ علماء کو یہ بات کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ جب کلام کے مفہوم میں اختلاف پیدا ہوا تو تفرقہ پیدا ہو جانا یقینی امر تھا۔

دُور کیوں جائیے قرآن ہی کو لیجئے۔ خدا و رسولؐ نے اس کے سمجھانے کا ذمہ دار محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بنایا تھا۔ رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلِ بیتؑ کو کیا تھا۔ اگر امتِ رسولؐ قرآن کی آیات کا مطلب رسولؐ کے بعد ان ہی سے سمجھتی تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے ایسا ہوا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دین تہتر حصوں میں تقسیم ہو گیا اور کوئی آیت ایسی نہ رہی جس کے مفہوم میں اختلاف نہ ہو۔ آیات متشابہات کی تاویلیں جس نے جو چاہا اپنے دل سے بیان کر دیں حالانکہ یہ حق راسخون فی العلم کا تھا۔

متکلم اپنے کلام کا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے نہ کہ دس بیس۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہر فرقہ اپنے کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنی حقانیت کی دلیل قرآن سے بیان کرتا ہے مگر عقلِ صحیح کا فیصلہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ تہتر فرقوں میں سے صرف ایک ہی حق پر ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو تہتر کے تہتر فرقے ہی ناجی نظر آتے ہیں۔ فرقوں کے باہمی تعصب اور

ضد نے اس اختلاف کو اور زیادہ ہوا دی ہے۔ اور دین میں فی سبیل اللہ فساد ہر طرف اپنا رنگ بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ
اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا
وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ
اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ⑮ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ
بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ⑯ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ⑰ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا
الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ⑱

(اے رسول) تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاتے رہو اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے اس پر قائم رہو۔ اور ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور (صاف صاف) کہدو کہ جو کتاب خدا نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے معاملات میں عدل سے کام لوں - خدا ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ تم میں اور ہم میں حجت و تکرار کی ضرورت نہیں۔ خدا ہم سب کو قیامت میں اکٹھا کرلے گا اور اس کی طرف ہی سب کی بازگشت ہے۔ جو لوگ خدا کو مان لینے کے بعد اس کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں

ان کے رب کے نزدیک ان کی دلیل لغو و باطل ہے اور ان پر خدا کا غضب اور سخت عذاب ہے۔ اللہ خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی اور عدل و انصاف (بھی نازل کیا) اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی ہو (پھر غفلت کیسی)۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ تو اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں (اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینی اور برحق ہے)۔ خبردار جو لوگ قیامت کے بارہ میں شک کیا کرتے ہیں وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

پہلی آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ حضرتؐ سے کہنے لگا کہ اگر آپؐ اپنے دین سے پھر جائیں تو میں اتنی دولت آپؐ کو دے دوں گا کہ سنبھالے نہ سنبھلے اور شیبہ بن عتبہ نے کہا کہ میں اپنی خوبصورت بیٹی تمہیں بیاہ دوں گا۔

خدا فرماتا ہے اے رسولؐ، تم ان کافروں کی بکواس پر کوئی توجہ نہ کرو اور اپنا کام کیے جاؤ۔ فَادۡعُ وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ۔ اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے سیدھے کھڑے رہو۔ یہ آیت سورۂ ہودؑ میں بھی ہے۔ حضورؐ نے ایک روز فرمایا شَیَّبَتۡنِیۡ سُوۡرَۃُ هُوۡدٍ۔ سورۂ ہود نے مجھے بڈھا کر دیا۔ لوگوں نے عرض کی، یہ کیسے؟ فرمایا اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ۔ پس معلوم ہوا صراطِ مستقیم پر اس طرح قائم رہنا کہ نہ بال برابر قدم نیچے ہو نہ اوپر۔ کتنا مشکل مرحلہ ہے۔ صراطِ مستقیم دو نقطوں کے بیچ کا ایک سیدھا خط ہوتا ہے۔ (•——•)۔ اس کے اوپر نیچے جتنے خط نکلیں گے ٹیڑھے ہی ہوں گے اور درمیانی خط سے زیادہ لمبے بھی۔ مثلاً شجاعت ایک درمیانی خط ہے اگر اس سے بال برابر بھی نیچے اترے گا تو بزدلی میں شمار ہوگا اور اگر بال برابر بھی اس سے اوپر ہوگا تو تہوّر یا اجڈپن ہو جائے گا۔ خدا نے اس کی تصدیق کر دی کہ رسولِ خدا صراطِ مستقیم پر ہیں۔ سورۂ یٰسٓ میں فرماتا ہے یٰسٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (اے سیّد، قرآن حکیم کی قسم تم مرسلین میں سے ہو اور صراطِ مستقیم پر ہو۔

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ۔ (اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو)۔ کفار و مشرکین کی خواہشیں مختلف قسم کی تھیں۔ کبھی کہتے تھے ہمارے دین میں آجاؤ تو جو کہو ہم دینے کو تیار ہیں۔ کبھی کہتے تھے ہمارے بتوں اور ہمارے باپ دادا کو برا کہنا چھوڑ دو۔ کبھی کہتے تھے اس کا اقرار کرو کہ قرآن تمہارا گھڑا ہوا ہے۔ کبھی کہتے تھے اپنے دین کی علانیہ تبلیغ چھوڑ دو تو ہمارے تمہارے درمیان صلح ہے۔ خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان کی خواہشوں کی طرف کوئی توجہ نہ کرو اور ان سے کہو میرا ایمان تو بس انہی باتوں پر ہے جو خدا نے قرآن میں نازل کی ہیں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان جو جھگڑے ہوں اُن کا فیصلہ انصاف سے کر دوں بے رو رعایت۔

جو اللہ میرا ہے وہی تمہارا ہے۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں میرے اعمال میرے ساتھ ہیں پھر میرے

اور تمہارے درمیان جھگڑا کیسا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اگر تمہاری سمجھ میں آجائے تو قبول کر لو، نہ سمجھ میں آئے تو چھوڑ دو۔ مجھے اور تمہیں سب کو ایک دن خدا کے سامنے پیش ہونا ہے وہاں تمہارے اعمال کی پوچھ گچھ ضرور ہونی ہے پس اس کے جواب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام قبول کر چکے تھے مشرکین کا ان سے جھگڑا کرنا بے دلیل اور عبث و لغو تھا۔

اللہ نے حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل کی اور اس میں جو شریعت رکھی ہے وہ ایک میزان کی مانند ہے جو ہر عمل کو تول کر ٹھیک ٹھیک بتا دیتی ہے کہ کوئی عمل کس وزن کا ہے اس کے اندر ایسے قواعد ہیں جو حق کو باطل سے الگ کر کے بھی دکھاتے ہیں اور ہر عمل کی حیثیت بھی بتا دیتے ہیں۔

قیامت کو قریب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ سمجھ کر زندگی بسر کرنی چاہیئے گویا قیامت اس کے سر پر کھڑی ہے۔ کون جانتا ہے کس وقت موت آجائے۔ گویا اس کے لیے وہی قیامت ہے پھر وہ کسی عمل کے کرنے کے قابل نہ ہوگا۔ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں وہ سخت گمراہی میں ہیں۔

ع ۲

اَللّٰهُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا کَلِمَۃُ الۡفَصۡلِ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۱﴾

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جسے "جتنا" چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ زبردست اور غالب ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُسے اسی میں سے دیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ کیا ان لوگوں

کے بنائے ہوئے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔ اگر فیصلہ کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں اب تک فیصلہ کر بھی دیا جاتا۔ سرکشوں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔

جہاد میں شریک ہونے والے دو قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ اوّل وہ جو دینِ خدا کی حمایت اور خوشنودئ خدا کی خاطر سربکف ہو کر دشمنوں سے لڑتے تھے ان کا کوئی ذاتی مقصد نہ ہوتا تھا۔ ایسے لوگوں کو مالِ غنیمت سے بھی حصّہ ملتا تھا اور آخرت میں بھی ان کے لیے اجر و ثواب تھا۔ دوسرے وہ منافق تھے جو محض مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بادلِ نخواستہ شریکِ جنگ ہوتے تھے۔ ان کو مالِ غنیمت تو مل جاتا تھا لیکن آخرت میں ان کے لیے کوئی حصّہ نہ تھا۔

جن لوگوں نے خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے قواعد پر عمل پیرا ہیں۔ قرآن کو چھوڑ کر جن لوگوں کے یہ پیرو بنے ہوئے ہیں اور دینی اور دنیوی احکام میں ان عقلائے روزگار کو انہوں نے خدا کا شریک بنا لیا ہے اور خدا کے اوامر و نواہی سے افضل ان کے مفروضہ احکام پر عمل کر رہے ہیں کیا خدا نے انہیں اجازت دی ہے کہ وہ ایک نیا دین بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈالیں۔ خدا نے اس کام کے لیے کب انہیں اپنا شریک بنایا ہے۔ ایسے نالائق لوگوں کے حق میں جو اندھا دھند پیروی کر رہے ہیں بہت جلد نزولِ عذاب کا فیصلہ کر دیا جاتا مگر چونکہ خدا نے فیصلہ کا ایک دن مقرر کر دیا ہے اس لیے ان کی رسّی دراز کیے ہوئے ہے۔ قیامت میں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَـنّٰتِ‌ۚ لَـهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ
عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ؕ

(قیامت کے دن) تم ظالموں کو دیکھوگے کہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں (اس کی سزا کے خوف سے) ڈر رہے ہوں گے مگر وہ عذاب تو ان پر آ کر ہی رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں وہ جنّت کے باغوں میں ہوں گے۔ جو کچھ وہ چاہیں گے خدا سے ان کو ملے گا یہی تو بہت

بڑا فضل ہے یہی تو وہ چیز ہے جس کی بشارت اللہ نے اپنے ان بندوں کو دی ہے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں۔

جو خدا کے نافرمان بندے یہاں بیدھڑک بداعمالیاں کرتے چلے جا رہے ہیں قیامت میں ان کا حال دیکھنا ڈر کے مارے کیسے کپکپا رہے ہوں گے۔ وہاں تو ان کو سزا مل کر ہی رہے گی۔ برخلاف ان کے خدا کے نیک بندے جنّت کے باغوں میں گلگشت کرتے نظر آئیں گے اور جو چاہیں گے وہ ان کو ملے گا۔

قُلۡ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى‌ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ
حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ
افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا‌ ۚ فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ‌ؕ وَيَمۡحُ اللّٰهُ
الۡبَاطِلَ وَيُحِقُّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ‌ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾

(اے رسول) کہہ دو میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابتداروں (اہلبیتؑ) کی محبت کے سوا کوئی اجر نہیں چاہتا۔ اور جو نیکی کرے گا ہم اس کی خوبی میں اضافہ کر دیں گے۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے کیا یہ لوگ (تمہارے متعلق) یہ کہیں گے کہ اس نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے (اگر ایسا ہوتا تو) خدا چاہتا تو تمہارے دل پر مُہر لگا دیتا (کہ تم بات ہی نہ کر سکتے) اور خدا تو جھوٹ کو نیست و نابود کرتا اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے اور وہ یقیناً دلوں کے راز سے خوب واقف ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک روز انصار ایک بڑے جلسہ میں اپنی کارروائیاں بڑے فخر و مباہات سے بیان کر رہے تھے کہ ہم نے یہ کیا اور وہ کیا۔ ابن عباسؓ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اُٹھے تم لوگوں کی فضیلت مسلّم لیکن تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ جب اس مناظرہ کی خبر حضرت رسولؐ کو پہنچی، تو آپؐ ان کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا اے گروہِ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے خدا نے ہماری بدولت تم کو معزز بنایا۔ سب نے عرض کیا بے شک۔ پھر فرمایا، کیا تم لوگ گمراہ نہ تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہاری

ہدایت کی۔ انہوں نے کہا بے شک۔ فرمایا کیا میرے مقابل تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ جب تمہاری قوم نے تم کو نکال باہر کیا تو ہم نے پناہ دی۔ انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے تصدیق کی۔ انہوں نے ذلیل کیا تو ہم نے مدد کی۔ غرض اسی قسم کی باتیں فرماتے جاتے تھے اور وہ لوگ سر جھکائے سنتے رہے۔ پھر انہوں نے عرض کی حضورؐ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب حضورؐ کا ہے۔ جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا، آگاہ ہو، جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ تائب مرتا ہے، وہ مغفور مرتا ہے۔ سنو جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ کامل الایمان مرتا ہے۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے اسے ملک الموت اور منکر و نکیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے وہ بہشت میں اس طرح جائے گا جیسے دلہن اپنے شوہر کے گھر۔ جو آلِ محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے خدا اس کی قبر کو فرشتوں کی زیارت گاہ بناتا ہے۔ آگاہ ہو جو دشمنیٔ آلِ محمدؐ پر مرا وہ کافر مرا۔ روز قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا۔ یہ رحمتِ خدا سے مایوس ہے۔ وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا۔

کسی نے پوچھا، حضورؐ جن کی محبت کو خدا نے اس آیت میں واجب کیا ہے وہ کون ہیں؟ فرمایا، علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ۔ پھر فرمایا، جو کوئی میرے اہلبیتؑ پر ظلم کرے اور مجھے میری عترت کے بارہ میں اذیت دے اس پر بہشت حرام ہے (دیکھو تفسیر کشاف جلد ۳، صحیح بخاری و مسلم، مسند ابن حنبل، درمنثور سیوطی)۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیۂ مودّت نازل ہوئی تو کچھ لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایسا حضرتؐ اپنی طرف سے فرماتے ہیں۔ اس پر آیہ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۚ (۴۲ شوریٰ ۲۴) نازل ہوئی۔ جیسا کہ تفسیر ثعلبی میں ہے۔

آیۂ مودّت کے بارہ میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم تقربِ ایزدی حاصل کرو۔ کسی نے کہا کہ اس سے اولادِ عبدالمطلب مراد ہے۔ کسی نے کہا حضرت علیؑ و فاطمہؑ مراد ہیں۔ لہٰذا بہت سے اقوال ہیں۔ لہٰذا ہم اس مضمون پر ایک محققانہ نظر ڈالتے ہیں۔

مَوَدَّةُ فِي الْقُرْبٰی کو اجرِ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ یہ اجر نہ صرف ان لوگوں پر واجب کیا گیا ہے جو عہدِ رسالت میں تھے بلکہ ان سب پر ہے جو آپؐ کی امت میں قیامت تک ہوں گے۔ اگر صرف وہی رشتہ دار اس کے مصداق ہوں جو اس وقت موجود تھے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بعد والوں پر اجرِ رسالت دینا ضروری نہ ہو گا۔ لیکن ایسا کیوں ہو گا جبکہ آنحضرتؐ کی رسالت کا احسان ساری امت پر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جن ذوی القربیٰ کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا گیا ہے تو ان کا تاقیامت باقی رہنا ضروری ہے تاکہ لوگ ان سے اپنی محبت کا اظہار کر کے اجرِ رسالت ادا کریں۔ عہدِ رسالت والے رشتہ دار تو پردہ فرما گئے۔ لہٰذا بعد والے ان سے اپنی محبت کا اظہار کس طرح کریں۔ صرف ایک گروہ اہلبیتِ رسولؐ کا ہی ایسا تھا جن میں سے کوئی ایک ہر زمانہ میں موجود رہا۔

دوسرے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ذوی القربیٰ کی مودّت کو واجب قرار دینے کا مطلب کیا ہے اور رسالت کا اس مودّت سے کیا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مودّت کے لیے اطاعت لازم ہے۔ اور اطاعت کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جن سے محبت کی جائے عمل میں ان کی پیروی کی جائے۔ یہ اطاعتِ مطلقہ معصوم کے

سوا دوسرے کی مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت میں گناہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

تیسرے مودّت ذوی القربیٰ کو اجرِ رسالت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں۔ احادیث سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث ثقلین میں کتاب اللہ کے ساتھ حضورؐ نے اپنے اہلبیتؑ کو کیا ہے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اور یہ کہ ہر زمانہ میں ان میں سے ایک معصوم موجود رہے جو قرآن کے صحیح معانی و مطالب بتا سکے۔ پس ان کی محبت اجرِ رسالت قرار پا سکتی ہے عام لوگوں کی نہیں۔ اسی طرح حدیث سفینہ میں فرمایا تھا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا۔ یعنی جو اہلبیتؑ کے ساتھ رہے گا وہ ناجی ہو گا۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ایک فرد اہلبیتؑ میں سے موجود رہتا ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دینا امتِ رسولؐ کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لیے ہے ورنہ اس کے تعین کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ رسالت سے ذوی القربیٰ کی محبت کا کوئی خاص تعلق ہے۔ آگے آیت کا یہ ٹکڑا بھی قابلِ غور ہے کہ جو نیکی کرے گا اس کا ثواب ہم زیادہ کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ سے محبت کرنا نیکی میں داخل ہے۔ رسولِ خدا کے تمام رشتہ داروں کی محبت نیکی میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سب معصوم نہ تھے۔

آگے آیت کا ٹکڑا یہ ہے کہ لوگ کہنے لگے کہ رسولؐ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ رسول یعنی اہلبیتِ رسولؐ کے جو لوگ دشمن تھے ان کو اہلبیتؑ کی یہ فضیلت پسند نہ آئی اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہے۔ کہ رسول اللہؐ نے اپنے اہلبیتؑ کی محبت میں ایسا کہہ دیا ہے۔

اگر ذوی القربیٰ سے مراد تمام اولادِ عبدالمطلب ہو تو ان میں پھر ابولہب بھی شامل ہے اور وہ عباس بھی ہیں جو فتح مکہ تک حضورؐ پر ایمان نہ لائے اور جنگِ بدر میں لڑنے کے لیے آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ آئے اور ہجرت کی سعادت سے محروم رہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی محبت اجرِ رسالت کیسے قرار پا سکتی ہے۔

رہا یہ کہنا کہ اس وقت تک حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی شادی نہ ہوئی تھی تو اولاد یعنی حسنؑ و حسینؑ کا ذکر کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضورؐ بعلم نبوت جانتے تھے کہ میرے اہلبیتؑ میں کون کون شامل ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے جناب جابرؓ بن عبداللہ انصاری کو اپنے بارہ نائبوں کے نام تک بتا دیئے تھے اور ان کے حالات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ پس اگر حسنؑ و حسینؑ کے نام بھی بتا دیئے تو اس میں تعجب کیا ہے۔

یہ کہنا بھی دھوکا ہے کہ حضورؐ کے رشتہ داروں کی محبت کو اس لیے اجرِ رسالت قرار دیا گیا کہ حضورؐ کو سکون و اطمینان حاصل رہے۔ جب سب لوگ آپؐ کے رشتہ داروں سے محبت کریں گے تو آپؐ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا چیستان ہے۔ کہا تو مسلمانوں سے جا رہا ہے کہ ایسا کرو نہ کہ کفار سے۔ اور مسلمان تو حضورؐ کے رشتہ داروں سے کوئی خاص عداوت نہ رکھتے تھے۔ اگر عداوت تھی تو اہلبیتِ رسولؐ سے تھی اور بالخصوص امیرالمومنین حضرت علیؑ سے تھی۔

ایک مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں، ذوی القربیٰ کی مودّت سے یہ مراد ہے کہ تم سب رشتہ دار آپس میں مِل جُل کر رہو۔ یہی اجرِ رسالت ہے۔ غور کیجیئے رشتہ داروں کے باہم میل محبت سے رہنے کو اجرِ رسالت کیسے قرار دیا جائے ۔ فرض کیجیئے ایک کنبہ بہت مِل جُل کر رہتا ہے لیکن بداعمال ہے۔ کیا اس کے متعلق یہ کہا جاسکے گا کہ یہ لوگ اجرِ رسالت کو ادا کر رہے ہیں رسالت کا اجر جب نہ مال و دولت ہوسکتا ہے نہ دُنیا کا ساز و سامان تو لامحالہ اس کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہوگا۔ لیکن اعمالِ صالحہ کا یہ کیسے یقین ہو کہ یہ صحیح لائن پر جارہے ہیں۔ جب تک کوئی نمونۂ عمل سامنے نہ ہو کسی عمل کی صحت پر یقین نہیں ہوسکتا اور نمونۂ عمل کسی ایسے شخص کا ہونا چاہیئے جس سے صدورِ گناہ ممکن نہ ہو۔ ذوی القربیٰ رسولؐ میں سوائے اہلبیتؑ طاہرین اور کوئی معصوم نہیں پایا جاتا لہٰذا اَلْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى سے انہی کی محبت مراد ہوئی۔

جو لوگ عداوتِ اہلبیتؑ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور کسی فضیلت کو ان سے متعلق ہونا پسند ہی نہیں کرتے، وہ اُن آیات کی ایسی ہی نامعقول تاویلیں کیا کرتے ہیں جو ان حضرات علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ ذوی القربیٰ سے مراد حضورؐ کے رشتہ دار ہیں اور ان کی محبت واجب کی گئی ہے تو اِس زمانہ والوں کے لیے اجرِ رسالت ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے مسلمان ہیں کہ اس راستہ پر چل کر اجرِ رسالت ادا کر رہے ہیں۔ ان کے اظہارِ محبت کرنے کا کیا طریقہ ہے اور زمانۂ رسالت کے کتنے رشتہ دار ہیں جن سے مسلمانوں کو خاص عقیدت ہے۔

آیت بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا ذوی القربیٰ کی مودّت کی صورت میں سوال کیا گیا ہے تو ضرور قیامت میں رسولؐ اس کا جواب مانگیں گے۔ آیہ وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُولُوْنَ (۲۴/۳۷ والصّٰفّٰت) (انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھا جائے گا)۔ یہ بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا جو سوال مسلمانوں سے کیا گیا تھا اس کا جواب مانگا جائے گا۔

اکثر مفسرین نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ ایک اخلاقی ہدایت ہے۔ مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں سے محبت پیدا کرنے اور مِل جُل کر رہنے کے لیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دُنیا کی تمام قومیں اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتی ہیں تو اس میں اجرِ رسالت کی کیا خصوصیت ہے۔ کافر و مشرک سب اپنے رشتہ داروں کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ان سے میل جول رکھتے ہیں۔ تو ایک ایسی عام بات کو اجرِ رسالت قرار دینے سے کیا فائدہ ہوا۔

رسالت کا فرض لوگوں کو ہدایت کرنا ہے۔ جاہلوں کی جہالت کو دور کرنا ہے۔ گمراہوں کو راہِ راست پر لانا ہے تو اس کا اجر بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جس سے غرضِ رسالت ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہے اور یہ غرض اُس وقت تک پُوری نہیں ہوسکتی جب تک ایسے لوگوں سے محبت نہ کی جائے جن کی زندگی کا مقصد ہی تبلیغِ دین و احیائے ملت ہو جن کا ہر کام تحتِ مشیتِ ایزدی ہو۔ جو مرضئ الٰہی کے خلاف کبھی کوئی کام کرتے ہی نہ ہوں اور ایسے لوگ امتِ محمدیؐ میں سوائے اہلبیتِؑ رسولؐ دوسرے پائے ہی نہیں گئے ۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ
وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ
وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ
وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے جانتا ہے اور جو لوگ ایمان والے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کی دُعائیں قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے اگر خدا اپنے بندوں کے رزق میں زیادتی کردے تو وہ روئے زمین پر بغاوت کرنے لگیں لیکن وُہ بقدر ان کی ضرورت کے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی حالت سے باخبر ہے۔ اور ہر بات کو دیکھنے والا ہے۔ وہ وہی ہے جو بندوں کے مایوس ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کی برکتوں کو پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز حمد و ثنا کے لائق ہے۔

اگرچہ بداعمالوں کو سزا دینا ضروری ہوتا ہے مگر خدا کی رحمت دیکھو تو اُن کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور ان کے گناہ معاف کردیتا ہے محض اس لیے کہ آئندہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور خدا کے فرماں بردار بندے بن کر رہیں۔ یہ مہلت صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اپنی بگڑی ہوئی زندگی کو سنوار لیں۔ جو کرچکے وہ کرچکے۔ توبہ کے بعد ان کو بخش دیتا ہے لیکن جو لوگ اپنی غلط کاریوں سے باز ہی نہیں آتے اور وُہی کیے چلے جاتے ہیں جو ان کو نہ کرنا چاہیئے تو

پھر اس کی رحمت کا سایہ ان پر سے ہٹ جاتا ہے اور وہ سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

ایک بار کچھ مسلمانوں نے حضورؐ سے کمی رزق کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم مسلمانوں پر خدا نے روزی کو کیوں تنگ کر دیا ہے حالانکہ ہم اس کے فرماں بردار بندے ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ خدا روزی کو اس لیے کشادہ نہیں کرتا کہ جو نیک بندے ہیں وہ بغاوت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور اپنے اعمال سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مال کی محبت میں انہیں حلال و حرام کی تمیز نہیں رہتی۔ چنانچہ حضورؐ کے عہد میں جب فاقہ کش مسلمانوں کے گھر مالِ غنیمت سے بھر گئے تو ان کے ایمان میں ضعف پیدا ہو گیا اور اعمالِ صالحہ بجا لانے میں سستی کرنے لگے۔ جب باہر کے لوگ تجارت کے لیے مدینہ میں آتے تو وہ لوگ جو حضورؐ کے پیچھے نماز جماعت پڑھتے ہوتے نماز ترک کر کے بھاگ کھڑے ہوتے تاکہ جلدی سے مال خرید لیں۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر میں وہ چیز ختم ہو جائے جسے وہ خریدنا چاہتے تھے۔ سورۂ جمعہ میں اس کا ذکر ہے۔

ایک بار بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے خواہش کی کہ ہم بہت تنگدست ہیں۔ خدا سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں مال و دولت عطا کرے تاکہ ہم اپنے دشمنوں سے قدم جما کر لڑیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، اپنی اس حالت کو غنیمت سمجھو ورنہ ایمان کھو بیٹھو گے۔ وہ نہ مانے۔ اتفاقاً ایک جنگ میں خاصی دولت ہاتھ لگ گئی۔ بس پھر کیا تھا، رنگ رلیاں منانے لگے۔ جب ایک جہاد کے لیے حضرت موسیٰؑ نے بلایا تو انہوں نے ہزار عذر پیش کیے۔ آپؑ نے فرمایا، اسی لیے میں نے منع کیا تھا کہ دولت کی حرص میں نہ پڑو ورنہ ایمان کھو بیٹھو گے۔

آئے دن کا تجربہ ہے کہ مفلسی میں یادِ خدا خوب کی جاتی ہے لیکن جہاں دولت ہاتھ لگی اور ایمان بگڑا پھر کیسی نماز اور کیسا روزہ۔ عیش پرستی اور ہوس رانی کے دروازے کھل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں کو مالدار نہیں بناتا۔ رہے کفار اور نافرمان بندے تو ان پر جہاں رزق کے دروازے کھولتا ہے وہاں جہنم کی بھڑکتی آگ بھی ان کے سامنے کر دیتا ہے۔

آخر میں اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کرتا ہے کہ جب قحط پڑ جاتا ہے اور لوگ دانہ دانہ کو محتاج ہو جاتے ہیں رحمتِ خدا سے مایوس ہو کر گھٹنوں میں گردن دے کر ہو بیٹھتے ہیں تو اس وقت خدا ان پر رحم فرماتا ہے اور سوکھی زمین پر چھاچھم مینہ برسا کر کھیتوں کو لہلہا دیتا ہے اور کثرت سے غلہ پیدا کر کے لوگوں کی روزی کا سامان فراہم کر دیتا ہے۔ مگر ناشکرے اس پر بھی اس کی رحمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اور دوسروں کو اس کا شریک مان کر ان کی پرستش کیے چلے جاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ط وَ
هُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ع وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ
فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ

فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ
الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ
عَلٰی ظَهْرِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا
كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ط مَا
لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ان میں ہر قسم کے جاندار جو اُس نے پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے گا تو ان سب کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے جو مصیبت تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے اور تم زمین پر رہ کر کسی طرح خدا کو ہرا نہیں سکتے اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز و مددگار ہے اور اس کی نشانیوں میں سے وہ بادبانی جہاز ہیں جو گویا پہاڑ جیسے دریاؤں میں نظر آتے ہیں۔ اگر خدا ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ پانی کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ بے شک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ یا (چاہے تو) ان کو (ان کے اعمالِ بد) کے سبب تباہ و برباد کر دے مگر وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔ جو لوگ آیاتِ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں وہ ان کو جانتا ہے۔ ان کے لیے عذابِ خدا سے چھٹکارا نہیں۔

پہلی آیت میں آسمانوں اور زمین میں جانداروں کے پھیلانے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں پر زندگی ہے۔ انسان نے ابھی تک اس کا کھوج نہیں لگایا۔ ابھی وہ گیا ہی کتنی دور ہے۔ چند قدم چاند کی سطح پر ٹہلا ہے اور وہاں سے چند پتھر اٹھا لایا ہے۔ جب پورے کرے کی یا دوسرے کروں کی سیر کرے گا تب پتہ چلے گا کہ کہاں کہاں اور کس شان کے جاندار پائے جاتے ہیں۔ احادیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہر کرہ پر کوئی جاندار مخلوق ہے عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جب خدا نے ان کروں میں اپنی بے شمار صنعتوں کو ودیعت فرمایا ہے تو ان سے فائدہ اٹھانے والی

بھی کوئی مخلوق ہونی چاہیئے۔

دوسری بات کا تعلق اہلِ مکّہ سے ہے۔ قحط کا الزام وہ خدا پر لگاتے تھے۔ خدا کہتا ہے یہ مصیبت جو تم پر آئی ہے تمہاری ہی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اگر تم خدا پر ایمان لائے ہوتے، اگر تم بداعمال بجا نہ لاتے تو یہ عذاب تم پر نازل نہ ہوتا۔ تمہارے کرتوت مستحقِ عذاب ہیں۔ تم نے ہمارے رسولؐ کو طرح طرح سے ستایا، ہماری کتاب کو برحق نہ جانا۔ اس کی ہلکی سی سزا تم کو یہ دی گئی ہے۔ کیا تم ہمیں ہرا سکتے ہو۔ ہمارے مقابلہ میں تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں ہو سکتا۔

تم نے ہمارے احسانات بھلا دیئے ہیں۔ تم بغرض تجارت جب بادبانی کشتی اور جہاز میں سوار ہو کر جاتے ہو۔ بتاؤ تمہیں ساحل پر کون لگاتا ہے۔ اگر ہم ہوائیں نہ چلائیں تو کیا تمہاری کشتیاں دریاؤں کے کھڑے ہوئے پانی پر ذرا بھی آگے بڑھ سکتی ہیں۔ ہم چاہیں تو ذرا دیر میں تمہیں ہلاک کر دیں، پانی میں ڈبو دیں، آندھیوں میں اُڑا دیں، بیمار ڈال کر مار ڈالیں۔ مگر ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر کر کے تمہیں مہلت دے رہے ہیں کہ شاید سنبھل جاؤ۔ خدا کی نشانیوں میں جھگڑا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ہر کام کو اپنی ہی عقل و تدبیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خدائی اختیار کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

لوگو تمہیں جو کچھ مال و متاعِ دُنیا دیا گیا ہے وُہ دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں سے اور بدکاریوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے وُہ چند روزہ ہے اس کے لیے بقا نہیں۔ مرتے ہی سب جاہ و حشم اور مال و دولت خاک میں مل جاتا ہے۔ ہاں آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ باقی رہنے والا ہوگا اور یہاں سے ہزار درجہ بہتر ہوگا۔ یہ سب سامان ایسے لوگوں کو دیا جائے گا جو ایمان والے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اور بدکرداری سے بچتے ہیں اور جب کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کی خطا بخش دیتے ہیں اس سے

بدلہ لینے کا ارادہ نہیں کرتے۔

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾

اور پروردگار کا حکم مانتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کل کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر کسی قسم کی زیادتی ہوتی ہے تو وہ بس واجبی بدلہ لیتے ہیں اور بُرائی کا بدلہ بس ویسی ہی برائی ہے اور جو شخص معاف کر دے اور معاملہ کی اصلاح کر دے تو اس کا ثواب خدا کے ذمّہ ہے۔ خدا ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو بس انہی لوگوں پر ہوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین پر ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ان آیات میں مومنین کی چند خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں۔
۲۔ جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

۳۔ حکمِ خدا کو مانتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں۔ جو رزق اللہ نے دیا ہے اُس میں کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے تو اُس سے واجبی بدلہ لیتے ہیں زیادتی نہیں کرتے۔

۵۔ اگر کسی پر ظلم کیا جائے اور وہ اُس سے بدلہ لے تو اُس پر کوئی الزام نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے زیادہ بدلہ نہ لے۔ مثلاً اگر کوئی کہے خدا تمہیں ذلیل کرے تو بدلہ میں تم بھی اتنا ہی کہو۔

گالی دینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اگر کوئی تمہیں زخم لگائے تو تم اتنا ہی زخم اُسے لگاؤ زیادہ نہیں۔ ابنِ ملجم نے جب سرِ اقدس امیرالمومنینؑ پر زخم لگایا تو آپؑ نے حضرت امام حسنؑ کو وصیت فرمائی کہ اگر میں مرجاؤں تو تم اسے تلوار کا ایک ہی وار کر کے زخمی کرنا اور اگر میں زندہ رہا تو مجھے اختیار ہوگا کہ بخش دوں یا بدلہ لوں۔

ان آیات میں مشورے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ یہ مشورہ دنیوی معاملات میں کرنے کا حکم ہے نہ کہ جانشینیٔ رسولؐ میں۔ کیونکہ جانشینِ رسولؐ کے لیے خدا اور رسولؐ کی نص ہونی چاہیے۔ وہاں اجماع اور شوریٰ سے بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ غیر معصوم کا شوریٰ قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا۔

ع ۴
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

جو شخص صبر کرے اور معاف کردے قصور، یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اُس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں۔ تم ظالموں کو دیکھوگے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کیا دُنیا کی طرف پلٹ جانے کی کوئی سبیل ہے۔ تم ان کو دیکھوگے کہ جب دوزخ کے سامنے

کھڑے کیے جائیں گے تو ذلت کے مارے کٹے جاتے ہوں گے اور کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہتے ہوں گے اصل خسارہ میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو گھاٹے میں رکھا۔ آگاہ ہو کہ ظالموں کے لیے مستقل عذاب ہے۔

سب سے بڑا حوصلہ مند آدمی وہ ہے جو کسی کے ظلم پر صبر کرے اور اُس کا قصور معاف کردے۔ یہاں تک جو باتیں اہلِ ایمان کی صفات کے متعلق بیان کی گئی ہیں ان سے اسلامی ہدایات کی برتری کا پتہ چلتا ہے اور اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں وہاں کے معاشرہ میں کتنی خوبیاں رونما ہوں گی۔ کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ جس اسلام کے تم دشمن ہو ذرا غور سے دیکھو تو کہ وہ اپنے ماننے والوں میں کیسی دماغی صلاحیتیں پیدا کرنے کا ضامن بنتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے ہدایت حاصل نہ کی اور گمراہی میں پڑے رہے تو پھر خدا کا عذاب تم پر نازل ہو کر رہے گا اور مرنے کے بعد پھر تم کو اس دُنیا کی طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ
لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ
نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

(جن ظالموں کا پہلے ذکر ہوچکا) اللہ کے سوا کوئی ان کا مدد کرنے والا سرپرست نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ لوگو اپنے رب کا حکم مان لو اس دن سے پہلے جو تمہارے رب کے حکم سے آئے گا اور کسی طرح ٹالے نہ ٹلے گا۔ اس دن نہ تو تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ ہوگی اور نہ تم کو انکار کرتے ہی بن پڑے گی۔

یعنی قیامت کا دن آنے سے پہلے خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لے آؤ اور اُس کا حکم مان لو۔ ورنہ جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی تو پھر ٹالے نہ ٹلے گی، بتاؤ اس وقت کیا کروگے۔ اُس دن تمہیں کہیں نہ تو سر چھپانے کی جگہ ملے گی اور نہ اپنی بداعمالی سے انکار کرنے کا موقع ملے گا کیونکہ تمہارے خلاف بہت سے گواہی دینے والے اس وقت وہاں موجود ہوں گے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا
الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ
يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَ
يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ
يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا
فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

(اگر سب کچھ سمجھانے بجھانے کے بعد بھی) یہ لوگ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارا فرض تو صرف ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے۔ جب انسان ہماری رحمت کا مزہ چکھتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور جب اس کو پہلے کرتوتوں کی بدولت کوئی تکلیف پہنچتی ہے (تو سب احسان بھول جاتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ آسمان اور زمین کی حکومت بس اللہ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں قسمیں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ بڑا جاننے والا اور قدرت والا ہے۔ کسی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے (جیسے داؤدؑ) یا پردہ کے پیچھے سے (جیسے موسیٰؑ) یا فرشتہ بھیج دے (جیسے محمدؐ) غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے وہ بلند مرتبہ والا

اور حکمت والا ہے۔

رسولؐ کا فرض یہ ہے کہ وہ احکامِ خدا بندوں تک پہنچا دے کسی کو مجبور کر کے صاحبِ ایمان نہیں بنا سکتا۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب خدا بندہ پر احسان کرتا ہے اور خوش حال بنا دیتا ہے تب تو خوشی سے بغلیں بجانے لگتا ہے اور اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو خدا کے سارے احسان بھلا کر اس کی شکایت کرنے لگتا ہے حالانکہ جو مصیبت اس پر آتی ہے وہ خود اس کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس طرح جن لوگوں کے یہاں بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں وہ رنجیدہ ہو کر منہ بنانے لگتے ہیں اور خدا کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔ وہ قادرِ مطلق ہے جسے چاہتا ہے اپنی مصلحت کے مطابق لڑکے ہی لڑکے عطا کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ یہ امورِ تخلیقی و تکوینی ہیں اس میں کسی بندہ کو کیا دخل۔

عرب کے لوگوں کو جاہلیت کے زمانہ میں لڑکیوں سے بڑی نفرت تھی۔ وہ لڑکی پیدا ہوتے ہی یا تو اس کا گلا گھونٹ دیتے تھے یا زندہ زمین میں دبا دیتے تھے۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے وہ عورت بہت بابرکت ہے جو پہلے بیٹی جنے۔ کیونکہ خدا نے بھی پہلے بیٹیوں کا ذکر کیا ہے پھر بیٹوں کا۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا، بیٹی رحمت ہے اور بیٹا ہے نعمت۔ ایک اور حدیث میں ہے، بیٹی محبت ہے اور بیٹا نعمت ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کو شاق ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نعمت کے بعد ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ محبت کے بعد ملتا ہے۔

خدا اور بندے کے درمیان کلام کی تین صورتیں ہیں جو آخر کی آیت میں بیان کی گئی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ خدا اپنے بندہ کے دل میں کوئی بات ڈال دے۔ یہ صورت انبیاءؑ کے علاوہ غیر انبیاء کے لیے بھی ہوتی ہے مگر اس کا تعلق امورِ شریعت سے نہیں ہوتا۔ جیسے خدا نے مادرِ موسیٰؑ کو وحی کی۔ بلکہ غیر انسان کو بھی وحی ہوتی ہے جیسے وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (سورہ نحل ۱۶/۶۸) "خدا نے شہد کی مکھی کو وحی کی"۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے آواز سنائی دے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز آئی تھی۔ تیسرے یہ کہ فرشتہ احکامِ خدا رسولؐ تک پہنچائے۔ جیسے جبریلؑ حضرت رسولِ خدا کو احکامِ الٰہی پہنچاتے تھے۔ حضرت رسولِ خدا سے ان تینوں اقسامِ وحی کا تعلق رہا ہے۔ دل میں ڈالنے سے بھی جو خواب میں حضورؐ کو بتایا جاتا تھا اور پسِ پردہ بھی جیسا کہ معراج میں ہوا اور فرشتے کے ذریعہ بھی۔ وحی کی یہ سب صورتیں آنحضرتؐ سے مخصوص تھیں۔

چونکہ خدا صاحبِ جسم نہیں اس لیے وہ کسی سے اس طرح کلام نہیں کرتا جیسے ہم کرتے ہیں۔ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی قدرت سے جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے درخت سے آواز آئی تھی۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا

اَلۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ
مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۲﴾
صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ
تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ ع ۵ / ۶

اسی طرح ہم نے اپنے حکم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجے تم تو نہ کتاب ہی کو جانتے تھے کہ کیا ہے نہ ایمان ہی کو مگر اس رُوح کو ہم نے نُور بنا دیا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ تم اے رسول سیدھا ہی راستہ دکھاتے ہو۔ اس خدا کا راستہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ اُسی کا ہے اور سُن رکھو یہ سب معاملات خدا ہی کی طرف رجوع ہوں گے اور وہی فیصلہ کرے گا۔

اُوپر کی آیت بہت زیادہ قابلِ غور ہے مفسرین کا اس میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر لوگوں نے یہی لکھا ہے کہ حضورؐ قبل از نبوت نہ کتاب سے واقف تھے اور نہ ایمان سے۔ لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بعثت سے پہلے تک ایمان سے بے نصیب رہے۔ یعنی چالیس سال تک آپؐ کا تعلق ایمان سے نہ رہا۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو بچپن ہی میں صاحبِ رُشد و ہدایت بنا دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو آغوشِ مادر ہی میں کتاب نبوت عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰؑ کو بھی بچپن ہی میں کتاب دے دی تھی۔ لیکن آخری نبی اور سید المرسلینؐ کے لیے یہ کہ پورے چالیس برس تک انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ خدا نے ایک ایسے شخص کو خاتم الانبیاء کیسے بنا لیا جو چالیس برس اپنے ایمان سے بے خبر تھا۔ اللہ ان مفسرین کے دل میں اپنا خوف ڈالے یہ کیا کیا ستم کر جاتے ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں، میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی آب گِل میں تھے۔ سبحان اللہ، کیا شان ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ میں خلقتِ آدم سے ۱۴ ہزار برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ اور یہ برس بھی آخرت کے برس تھے جن کا ایک دن یہاں کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ پس جو ذاتِ اقدس خلقتِ آدم سے بھی ہزاروں برس پہلے منصبِ نبوت پر جلوہ گر ہو، کیونکر یہ مان لیا جائے کہ وہ ایمان سے بے نصیب تھا۔ ایمان سے بے نصیب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کو نہ پہچاننا۔ سبحان اللہ کیا اچھا نبی تھا کہ نبی بھی تھا اور خدا کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ میرے نزدیک نبوت کی اس سے زیادہ توہین نہیں ہو سکتی۔ کہ کبھی حضورؐ کو اُمّی (جاہل) بتایا جائے اور کبھی کتاب سے ناواقف

اور ایمان سے بے نصیب۔ مختصر یہ کہ لوگوں نے مضمونِ آیت پر غور ہی نہیں کیا۔

کَذٰلِکَ (ایسے ہی) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جس طرح عالمِ ظہور میں تین طریقہ سے ہم نے تم کو وحی کی اسی طرح عالمِ نُور میں جب ہم نے اپنی رُوحِ نبوتی تم کو عطا کی تھی اس وقت بھی بذریعہ وحی تم کو کتاب اور ایمان کی تعلیم دے دی تھی ورنہ اس سے پہلے تم کتاب اور ایمان کو کہاں جانتے تھے۔ یعنی ہماری وہ بخشش ہے جو تمہاری خلقت کے وقت تم پر کی گئی تھی۔ پس تمہاری یہ روحِ نبوتی جس میں نورِ قرآن سمویا ہوا تھا ایک ایسی روشنی تھی جس سے ہمارے بندوں کو ہدایت کی گئی۔

آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپؐ کو بعثت کے بعد ایمان کی تعلیم دی گئی۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو قبل بعثت جب آپ ایمان سے بے نصیب تھے تو بُت پرستی ضرور کرتے اور بت پرستوں سے آپ کا میل جول ہوتا۔ لیکن آپ سے چالیس برس تک وہی کام سرزد ہوتے جو اہلِ ایمان کے ہوتے ہیں۔

اب ایک اور رُخ سے دیکھئے

یعنی جب روزِ قیامت ہم ہر اُمت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے تو اے رسول تم ان سب پر گواہ قرار دیں گے)۔ جو اُمتیں مع اپنے انبیاء و مرسلین کے قیامت میں آئیں گی ان کے اعمال کی گواہی اور رسولوں کی تبلیغ کی شہادت کے لیے (معاذ اللہ) ایک ایسا شخص گواہ بن کر آئے گا جو خود ایمان سے بے نصیب رہا ہو۔ کیا یہ بات کسی سمجھدار آدمی کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

اگر بعثت سے پہلے حضورؐ نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو تو جو معجزات آپؐ کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوئے کیا وہ ایک ایسے شخص کے لیے ہو سکتے تھے جو ایمان سے بے نصیب ہو۔ جب ایک شخص پیدائشی صاحبِ ایمان ہی نہ ہو تو پھر وہ کیا ہو گا۔ کیا ایسے شخص کو خاتم الانبیاء بنایا جا سکتا ہے۔ کتاب و ایمان کا علم تو روحِ نبوتی کے خمیر میں تھا۔ رہا بعدِ بعثت موقع و محل سے کتاب کا آتا رہنا مشیتِ ایزدی کے مطابق تھا نہ یہ کہ اس وقت آپؐ کو تعلیم دی جا رہی تھی۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اَلنَّبِیُّ نَبِیٌّ وَلَوۡ کَانَ صَبِیًّا (نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی ہو)۔ یعنی بطنِ مادر ہی سے وہ نبی پیدا ہوتا ہے۔ اگر حضرت موسیٰؑ بچپن سے نبی نہ ہوتے تو ان کے صندوق کو دریائے نیل کی لہریں ڈبو کر رکھ دیتیں اور کافر دائیوں کے دودھ پینے سے گریز نہ کرتے۔ اگر وہ بچپن میں صاحبِ ایمان نہ ہوتے تو یہ معجزات ان سے ظہور میں آ ہی نہ سکتے تھے۔

نبی بطنِ مادر سے ہی نبی پیدا ہوتا ہے لیکن اظہارِ نبوت اور بعثت کا اعلان اس وقت کرتا ہے جب اس کو حکمِ خدا ہوتا ہے۔

رُوحِ نبوتی ودائعِ علم و ایمان ہوتی ہے۔ چنانچہ جب تک جسدِ آدم میں روحِ نبوتی داخل نہ ہوئی اُس وقت تک ملائکہ کو جو معصوم تھے سجدۂ آدم کا حکم نہیں دیا۔ روحِ نبوتی میں اگر علم و ایمان سمویا ہوا نہ ہوتا تو فرشتوں کو ایک جاہل اور ایمان سے بے نصیب وجود کے لیے ہرگز سجدہ کا حکم نہ دیا جاتا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے رسولؐ، روحِ نبوتی کے داخل ہونے سے پہلے تم نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔

یعنی یہ آگاہ کرنا تھا کہ روح نبوتی میں یہ چیزیں سموئی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُدھر تمہارے اندر روح نبوتی ہم نے ڈالی اور تم کو کتاب کا پورا پورا علم ہوگیا اور صاحبِ ایمان بھی بن گئے۔ اس مسئلہ میں علامہ سیّد محمد سبطین صاحب قبلہ مرحوم نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

تتمہ کلام آخری دلیل ہماری یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن میں ہے ؛

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی، پھر انسان کو پیدا کیا، پھر اسے بیان کرنا سکھایا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلقِ انسان سے پہلے انہیں قرآن تعلیم کیا گیا ہے اور خلق کے بعد اُسے بیان کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

تمام مفسّرین کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے مراد ذاتِ سرورِ کائناتؐ ہے۔ پس جس کو قبلِ خلقت تعلیمِ قرآن دی گئی ہو وہ کتاب و ایمان سے بے نصیب کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر حضورؐ کی خلقت کے بعد تعلیم قرآن ہوتی تو علم القرآن پہلے نہ کہا جاتا۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ حضورؐ کا علم لدُنّی اور وہبی تھا۔ پس اگر وہ قرآن سے متعلق نہ تھا تو پھر کونسا علم مدرسۂ من لدن سے حاصل کرکے آئے تھے۔ کیا قرآن کے علم سے افضل کوئی اور علم ہو سکتا تھا۔

بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے مرتبۂ رسالت کو پہچانا ہی نہیں وہ حضرتؐ کی شان میں جو ان کی عقلِ ناقص اور دلِ مردہ میں آئے کہہ دیتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرتؐ کی شان ایک چٹھی رساں کی سی تھی جیسے وہ خط پہنچا دیتا ہے ایسے ہی حضورؐ بھی حکمِ خدا پہنچا دیتے تھے۔ کوئی کہتا ہے حضرتؐ اُمّی تھے کوئی کہتا ہے قبلِ بعثت ان کو کچھ نہیں آتا تھا۔ جب انشراحِ صدر کرکے جبریلؑ نے حضرتؐ کے دل سے نکتۂ سیاہ نکال دیا تب عالم بنے۔ کوئی کہتا ہے قبلِ بعثت نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔ غرض جتنے منہ اتنی بکواسیں۔

---

(۴۳) سُوْرَۃُ زُخْرُف مَکِّیَّۃ (۶۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ مع
تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾ اَفَنَضْرِبُ
عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

حا۔ م۔ روشن کتاب (قرآن) کی قسم ہم نے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھو۔ یہ قرآن ہمارے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہے جو عالی مرتبہ اور پُر از حکمت ہے۔ کیا اس وجہ سے کہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو ہم نصیحت کرنے سے درگزر کریں گے (ہرگز نہیں)۔ ہم نے پہلے زمانوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے۔ مگر جب کوئی نبی ان کے پاس آیا تو انہوں نے مذاق ہی اُڑایا تو ہم نے بھی ان لوگوں کو جو بڑی قوت والے تھے ہلاک کر ڈالا اور ان کے افسانے جاری ہوگئے۔

جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قرآن معمولی کتاب نہیں ہے اس میں قدرتِ خدا کی بڑی واضح اور روشن نشانیاں ہیں اور اس کی اصل یعنی لوحِ محفوظ ہمارے پاس ہے۔ یہ رسولؐ کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے (اے اہلِ مکہ) کیا اس وجہ سے کہ تمہاری سرکشی حد سے بڑھ گئی ہے ہم تمہیں پند و نصیحت کرنے سے رُک جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا کام تم پر حجت تمام کرنا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ کہ جب ان کے پاس ہمارا کوئی نبی آیا تو لگے اس کا مذاق اڑانے۔ تو کیا ہم ان کے اس گستاخانہ رویہ سے تنگ آکر رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنا بند کر دیتے اور اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے اور کل روزِ قیامت اُن کو یہ عذر کرنے کا موقع دے دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی ہدایت کرنے والا آیا ہی نہ تھا پھر ہم سے باز پرس کیسی۔ ہمارے رسول بھی آتے رہے اور کتابیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ان میں جو سرکش اور بڑے گھمنڈی تھے ان کو ہلاک کر دیا تاکہ ان کے قصے لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہوں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑪ وَالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ⑫
لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ
تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ⑬ وَاِنَّآ
اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ⑭

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ صرف یہ کہیں گے کہ اُس خدا نے پیدا کیا ہے جو سب پر غالب اور علم والا ہے اور وُہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جُھولا بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم راہ معلوم کرو۔ اور وہ وہی ہے جس نے اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا پھر اس (کے ذریعہ) سے مردہ شہر کو زندہ کیا۔ اسی طرح تم بھی (قیامت کے دن قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جس نے ہر قسم کی چیزوں کے جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھو اور اپنے پروردگار کا احسان یاد کر کے کہو، وہ خدا ہر عیب سے پاک ہے جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنایا حالانکہ ہم تو اس پر قابُو پانے والے نہ تھے اور ہم کو تو یقیناً اپنے پروردگار کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔

جو لوگ خدا کا شریک دوسروں کو بناتے ہوئے ہیں اُن سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو کس نے بنایا ہے تو وہ یہی کہیں گے اللہ نے۔ یعنی ان کے ضمیر سے یہی آواز نکلے گی کیونکہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کسی میں بھی یہ طاقت ان کو نظر نہ آئے گی کہ وہ ان چیزوں کو پیدا کر سکے۔

اب اس کے بعد بنی نوع انسان پر جو اُس کے احسانات ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

١۔ اس نے زمین کو جھُولا بنایا جو حرکت میں رہتی ہے اور تقریباً ساڑھے چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے لیکن تم کو ذرا جھٹکا محسوس نہیں ہوتا بڑے اطمینان سے اس پر چلتے پھرتے ہو۔ اس کے اندر نہ معلوم کتنے آتشیں مادے بھرے ہوئے ہیں مگر وہ تمہاری راحت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ پھر دیکھو اتنی چوڑی چکلی زمین میں پہاڑوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے کہ چلا جاتا ہے۔ سمندر ہیں کہ دو تہائی زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔

پھر دریا ہیں ندی نالے ہیں غار ہیں کھڈ ہیں۔ مگر باوجود ان سب کے قادرِ مطلق نے تمہارے آنے جانے کے لیے راستے بھی بنا دیے ہیں تاکہ تم آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکو۔ پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں، دریاؤں میں گھاٹ ہیں۔ میدانوں میں درخت اور ٹیلے ہیں جن سے تم راستہ کا پتہ لگا لیتے ہو۔ اگر یہ نہ ہوں تو تم ایک ہی مقام پر رہ جاؤ۔

٢۔ کیا اس کا یہ احسان بھلا دینے کے قابل ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ہر جگہ بقدرِ ضرورت آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ جس سے اس علاقہ کی بےجان مٹی میں جان پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اپنے دبے ہوئے خزانے اگلنے شروع کر دیتی ہے کھیت لہلہانے ہیں۔ پھلواریاں مہکتی ہیں۔ گھاس اگتی ہے۔ درختوں کے پودے سر نکالتے ہیں۔ غرض جنگل میں منگل ہونے لگتا ہے۔ پس جیسے زمین میں یہ دبے ہوئے پودے یکایک نکل آتے ہیں ایسے ہی وہ قیامت میں تم سب کو قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

٣۔ ذرا اپنی کشتیوں پر نظر کرو تم لکڑی کے تختے جوڑ جاڑ کر ایک کشتی کی صُورت میں دریا کے اندر ڈال دیتے ہو۔ ان کے ذریعے ان کا چلانے والا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے والا خدا کے سوا کون ہے۔ اگر ہوا رک جائے تو کیا تمہاری یہ طاقت ہے کہ ایک انچ آگے بڑھا سکو۔ کیا تمہاری طاقت ہے کہ طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے اُسے بچا سکو۔

٤۔ اچھا اسے چھوڑو، یہ تو تمہارے دریائی سفر کا بندوبست ہے۔ اب خشکی کی طرف آؤ۔ یہاں تمہاری مشکل آسان کرنے کے لیے اُس نے چوپائے پیدا کر دیے۔ ہاتھی، اُونٹ۔ گھوڑے۔ خچر جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر تم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہو۔ اپنا بھاری سامان ان پر لاد کر سینکڑوں میل دُور نکل جاتے ہو۔ اگر یہ نہ ہوتے تو بتاؤ کیا کرتے۔ کیا اس کی یہ نعمتیں قابلِ شکر نہیں۔ کیا تم ان ڈیل ڈول والے سرکش جانوروں کو اپنے قابُو میں لا سکتے تھے۔ وہ تو وہی ہے جس نے اپنی رحمت سے ان چوپاؤں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور ایسا تابعدار بنایا کہ جہاں چاہو لے جاؤ۔

ان سب سہولتوں کے بعد ایک دن تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہو گی۔ تو کچھ تیاری اس دن کے لیے بھی کر رہے ہو یا یوں ہی خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ اَمِ اتَّخَذَ ع ١٥ ٧
مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑯ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا
ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ⑰ اَوَمَنْ
يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ وَجَعَلُوا

اَلۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ
سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا
عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۗ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾ؕ اَمۡ
اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں نے خدا کے لیے اس کے بندوں میں سے اولاد قرار دی ہے۔ بے شک انسان کھُلم کھُلا ناشکرا ہے کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لی ہیں اور تم کو چُن چُن کر بیٹے دیئے ہیں حالانکہ ان میں جب کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی مثل اُس نے خدا کے لیے بیان کی ہے تو وُہ غصّہ کے مارے سیاہ ہو جاتا ہے اور تاؤ پیچ کھانے لگتا ہے۔ کیا وہ عورت جو زیوروں میں پالی پوسی جائے اور جھگڑے میں (اچھی طرح) بات نہ کر سکے (خدا کی بیٹی ہو سکتی ہے) ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں بنایا ہے۔ کیا یہ لوگ فرشتوں کی پیدائش کے وقت دیکھ رہے تھے۔ ابھی تو ان کی گواہی قلمبند کر لی جاتی ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان کو اس کی کچھ خبر ہی نہیں یہ لوگ تو بس اٹکل پچّو باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ یہ لوگ اُسے پکڑے ہوئے ہیں۔

لوگوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنایا

ایسے لوگ بھی دُنیا میں ہوتے ہیں جنہوں نے خدا کے بندوں کو اس کی اولاد بنا ڈالا۔ کیا مزہ کی بات ہے کہ لوگ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ جاہلیت کے زمانہ میں جب کسی کو خبر دی جاتی تھی کہ تیرے لڑکی پیدا ہوئی ہے تو غصّہ سے اس کا چہرہ سُرخ پڑ جاتا تھا۔ ایسی مخلوق کو جو زیوروں میں پلی بڑھی ہو جو جھگڑوں میں سیدھی طرح بات نہ کر سکتی ہو، وُہ بھلا خدا کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے۔ ان عقل کے دُشمنوں نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ ملائکہ عورتیں ہیں۔ بھلا ان سے پوچھو کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے کیا یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ مرد ہیں یا عورت۔ ان کی یہ باتیں اٹکل پچّو ہیں جو جی میں آیا کہہ دیا ان کے پاس کیا ثبوت اس بات کا ہے کہ فرشتے عورتیں ہیں کیا آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل ہوئی ہے جس سے ان کے مؤنث ہونے کا پتہ چلا ہے۔ باوجودیکہ ان کو لڑکیوں سے سخت نفرت ہے پھر بھی ان کی طرف ایسے مائل ہیں کہ اپنے

بتوں کے نام بھی مؤنث رکھ چھوڑے ہیں۔ جیسے نائلہ۔ عزّیٰ وغیرہ۔ کبھی تو مؤنث سے اتنی نفرت کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیں کبھی اس کی اتنی عزت کہ ملائکہ بھی مؤنث اور بت بھی مؤنث۔

بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾
وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ
مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾
قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا
بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۵﴾ ع

ع ۱۰ ۲ النصف

(ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا ہے پس ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس طرح تم سے پہلے جب ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا تو وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا تھا۔ پس ہم انہی کے قدم بقدم چلے جا رہے ہیں۔ اس پر ان کے پیغمبر نے کہا اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے لیے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا (تو بھی نہ مانو گے) انہوں نے کہا ہم تو اس دین کو ماننے والے نہیں۔ جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

باپ دادا کی تقلید

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تقلید آدمی کی چشم بصیرت پر پردہ ڈال دیتی ہے اور سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی کہ جن کی ہم پیروی کر رہے ہیں وہ صحیح راستہ پر تھے یا غلط راستہ پر۔ بُت پرست قوموں میں سب جاہل ہی نہیں ہوتے بڑے بڑے صاحبانِ علم و فہم بھی ہوتے ہیں فلاسفر ہوتے ہیں سائنس دان ہوتے ہیں۔ موجدین و مخترعین ہوتے ہیں۔ کیا ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ پتھر کے بے جان بُت جو انسانوں نے ہاتھوں سے گڑھ لیے ہیں ان میں کیا طاقت

ہوسکتی ہے ان سے کسی دُعا کے قبول ہونے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ وہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں مگر تقلید کا جو بھاری طوق اُن کی گردن میں پڑا ہوا ہے وہ انہیں کچھ نہیں کرنے دیتا۔ بُت پرستی کو قوت دینے والی صرف یہی چیز تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر بستی میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے انحراف کرنے والے وہاں کے مالدار لوگ تھے جس کی کئی وجوہات ہیں :

۱۔ وہ نہیں چاہتے کہ پبلک پر اُن کے سوا کسی دوسرے کی حکومت ہو خواہ جسمانی ہو یا رُوحانی۔
۲۔ اُن کے لایعنی مشاغل اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ وہ انبیاءؑ کی تعلیم پر غور کریں اور حق و باطل میں تمیز کریں۔
۳۔ اپنی دولت کے گھمنڈ میں اُن کی نظر میں انبیاءؑ کی کوئی وقعت ہی نہ ہوتی تھی۔
۴۔ انبیاء کو وہ جھوٹا سمجھتے تھے اس لیے ان کی بات پر غور کرنا عبث جانتے تھے۔
۵۔ وہ اپنے سے اپنے باپ دادا کو زیادہ عقلمند سمجھتے تھے۔
۶۔ انبیاء علیہم السلام لاکھ لاکھ انہیں سمجھاتے کہ جو طریقہ ہم تعلیم کرتے آئے ہیں وہ تمہاری دینی اور دنیوی فلاح کے لیے بہتر ہے۔ اس کو کیوں نہیں مانتے۔ اس کے جواب میں وہ ہٹی اور ضدی یہی کہتے کہ ہم تمہارے بنائے ہوئے طریقہ پر ہرگز عمل نہیں کریں گے۔

جب معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا تھا تو پھر خدا ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا دینے پر آمادہ ہوتا تھا۔ اس لیے سخت سے سخت عذاب قوموں پر نازل ہوتے تھے تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا
الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ
الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ
اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ
مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اُس کی قوم سے کہا جن چیزوں کی تم لوگ عبادت کرتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں تو اُسی کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہی بہت جلد مجھے ہدایت کرے گا۔ ابراہیم اپنی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والی یہی بات چھوڑ گئے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ میں ان کو اور ان کے باپ دادا کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ لیکن جب ان کے پاس دینِ حق اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول آیا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہا کہ یہ قرآن دو بڑی بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اے رسول، کیا یہ تیرے رب کی رحمت کو بھی تقسیم کرنے لگے ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیا کی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو مال و متاع یہ لوگ جمع کرتے ہیں خدا کی رحمت (پیغمبر) اس سے کہیں بہتر ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے والدِ گرامی کا نام تارخ تھا۔ آذر آپؑ کا چچا تھا۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش سے قبل آپؑ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور چچا کی پرورش میں آ گئے تھے اس لیے چچا کو باپ کہتے تھے۔ آذر کافر تھا اور بُت تراش تھا۔ چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ بھی بُت پرست بن جائیں۔ آپؑ نے صاف صاف اس سے اور اس کی قوم سے کہہ دیا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا معبود تو وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میرا رب میری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ یہ کلمۂ توحید ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لیے باقی رہا۔

ان کی قوم کے لوگوں کو خدا نے مدت تک خوش حال بنائے رکھا۔ لیکن جب ان کے پاس خدا کا رسولؐ کلمہ حق لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ یعنی حضرت رسولِ خداؐ کی رسالت کے ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ تمام اولادِ ابراہیمؑ میں صرف محمدؐ ہی اس قابل تھے کہ ان کو رسول بنایا جائے۔ آخر ان کو ہم پر کیا برتری حاصل ہے۔ مکہ میں ولید بن مغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں عروہ بن مسعود۔ حبیب بن عمرو جیسے سیٹھوں کے موجود ہوتے ہوئے

ان جناب کو کس فوقیت کی وجہ سے رسول بنایا گیا ہے۔ ایک ایسے شخص کو ہم کیونکر خدا کا رسول مان لیں جسے کوئی فضیلت ہم پر نہیں خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ! کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت (رسالت) کو بھی تقسیم کرنے لگے۔ حالانکہ ہم ان کے درمیان دنیا کی دولت کو تقسیم کر چکے ہیں اور از راہِ دولت بعض کے درجات بعض سے بلند کر چکے ہیں تاکہ بلند مرتبہ والے کم درجہ والوں سے خدمت لے سکیں۔ یہ لوگ جو مال و دولت جمع کر کے فخر کر رہے ہیں۔ خدا کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

یہ آیت صاف اس بات کی دلیل ہے کہ خدائی عہدے مال و دولت پر تقسیم نہیں ہوتے نہ چھٹے پڑتے جاتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے مناسب سمجھتا ہے رسول بناتا ہے۔ یہ دولت دنیا کی طرح تقسیم ہونے والی چیز نہیں۔ یہی قاعدہ نیابتِ رسولؐ کے لیے بھی ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ رسالت اور خلافت ایک ہی خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں اور اس کو جام و ساغر کی طرح گردش میں رہنا چاہیئے۔ کون اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا والوں کے بنائے ہوئے چند ہی روز بعد نظروں سے گر جاتے ہیں اور کسی دوسرے کو ان کی جگہ بٹھا دیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے خدا کے انتخاب میں آئے ہوئے کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں ہوتے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ
بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ
ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳ ۹
وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾
وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ

وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی طرح کے ہو جائیں گے تو ہم ان کے لیے جو خدا سے انکار کرتے ہیں ان گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں جن سے وہ چڑھتے اُترتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر تکیہ لگاتے ہیں سب چاندی سونے کے بنا دیتے اور آخرت کا سامان تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے اور جو شخص خدا کی یاد سے اندھا بنتا ہے ہم اس کے واسطے شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ وہی اس کا ہر دم کا ساتھی ہے اور وہ شیاطین ان کو خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ وہ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں یہاں تک کہ جب (قیامت میں) ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا کاش تجھ میں اور مجھ میں پورب پچھم کا فاصلہ ہوتا تو تو بدترین ساتھی نکلا اور جب تم نافرمانیاں کر چکے تو (شیاطین کے ساتھ) تمہارا عذاب میں شریک ہونا بھی آج تم کو (کسی عذاب میں) فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اے رسول کیا تم بہروں کو سنا سکتے ہو، اندھے کو اور اس کو جو صریحی گمراہی میں پڑا ہو راستہ دکھلا سکتے ہو، ہرگز نہیں۔

خدا فرماتا ہے، جس سونے چاندی کی تمہاری نظر میں بڑی وقعت ہے اور اس کی وجہ سے تم امیروں کو سر چڑھا لیتے ہو اور سمجھتے ہو جو کچھ ہیں سب یہی ہیں۔ ان کے مقابل ہمارے رسولؐ کو حقیر سمجھتے ہو۔ ہماری نظر میں ان کے مال و دولت کی کیا قدر ہے۔ اگر ہمیں یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ دولت کے بڑھ جانے سے کفر میں زیادتی نہ ہو جائے گی تو ہم ان کے گھروں کی چھتیں، ان کے در و دیوار، ان کے مکان ان کے دروازے اور ان کے زینے سب سونے چاندی کے بنا دیتے۔ یہ تو متاعِ دنیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کیا قدر ہے۔ فرعون کے پاس کتنا بڑا خزانہ تھا کہ اس کی کنجیاں بہت سے لوگ اُٹھا کر چلتے تھے۔ اس نے سونے کے گھر بنا لیے تھے لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ نافرمانی کی بنا پر وہ بھی زمین میں دھنسا اور اس کا خزانہ بھی۔

آخرت کا گھر تو متقیوں کے لیے ہے۔ وہاں جو سامان ان کو ملے گا وہ دوامی ہوگا۔ جو لوگ ذکرِ خدا کو بھولے بیٹھے ہیں ہم نے شیطان کو ان پر مسلط کر دیا ہے جو انہیں بہکاتا رہتا ہے۔ جب قیامت میں ایسے لوگ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سمجھ میں آ جائے گا کہ شیطان ان کا کیسا بُرا ساتھی تھا۔ اس وقت دونوں عذاب میں یکساں شریک ہوں گے۔ اُس وقت شیطان سے بیزاری کوئی فائدہ نہ دے گی۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَ

عِدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ
تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ
دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

اے رسول اگر ہم تم کو دُنیا سے اُٹھا لیں تب بھی ہم ان سے انتقام ضرور لیں گے یا تمہاری زندگی ہی میں جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا ہے تمہیں دکھا دیں گے۔ بے شک ہم ان پر ہر طرح قدرت رکھتے ہیں پس تم پر جو وحی کی گئی ہے اُسے مضبوط پکڑے رہو بے شک تم سیدھے راستہ پر ہو۔ بے شک یہ قرآن تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے بڑا شرف ہے عنقریب ان سے باز پُرس کی جائے گی تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے تھے ان سے پوچھو کیا ہم نے خدا کے سوا کچھ اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

رسولؐ کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے تمہاری بات کان لگا کر نہیں سُنی اور تمہاری ہدایت پر عمل نہیں کیا ان کو اس سرکشی کی سزا ضرور ملے گی۔ ہمارا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ خواہ تمہاری زندگی ہی میں پورا ہو یا تمہارے اُٹھائے جانے کے بعد۔ ان کافروں کو اس کی طرف سے مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ تمہیں جو وحی کی گئی ہے اس پر قائم رہو تمہارا راستہ بالکل سیدھا ہے اسی پر چلے جاؤ اور بال برابر ہٹنے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ کافر جو کچھ بک رہے ہیں بکنے دو۔ اس خدائی راستہ پر چلنا تمہارے لیے بھی باعثِ شرف ہے اور تمہاری قوم کے لیے بھی۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے جو رسول آئے تھے، اُن کی زندگی کے طریقوں پر غور کرو اور جو آیات ہم نے ان کو بھیجی تھیں اُن پر ایک نظر ڈالو۔ کیا ہم نے کبھی کسی نبی کے زمانہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہے، ہرگز نہیں! پس کیسے ممکن ہے کہ ان کافروں کے ڈنڈ پکار مچانے اور تم کو ستانے کی بنا پر ہم بُت پرستی پر راضی ہو جائیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰي بِاٰيٰتِنَآ اِلٰي فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف اپنے معجزات دے کر روانہ کیا۔ موسیٰ نے اُن سے کہا، میں رب العالمین خدا کا رسول ہوں۔ جب وہ ہمارے معجزات کے ساتھ ان کے پاس آئے تو وہ ان معجزات کا مذاق اڑانے لگے اور ہم جو معجزہ ان کو دکھاتے تھے وہ پہلے سے بڑھ کر ہوتا تھا اور جب وہ نہ مانے تو ہم نے ان کو عذاب میں دھر لیا۔ جب (عذاب میں گرفتار ہوئے تو) کہنے لگے اے جادوگر اُس عہد کے مطابق جو خدا نے تم سے کیا ہے اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کرو تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔

جب حضرت موسیٰؑ فرعون اور اس کی قوم کے پاس گئے اور ان کو ہدایت کی اور بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی تو فرعون اور اس کی قوم نے مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد عذابوں کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے قحط کا عذاب آیا۔ پھر شدید بارش اور بجلی کی کڑک چمک کا، پھر ان کے کپڑوں اور جسم میں جوئیں پیدا ہونے کا۔ پھر پانی کے خون ہو جانے کا، پھر جا بجا مینڈکیں پیدا ہونے کا۔ جو ظرف اُٹھاتے اس میں مینڈک نظر آتے۔ غرض جو عذاب آیا وہ پہلے سے زیادہ سخت ہوتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ مصیبت کسی طرح ٹلتی ہی نہیں تو حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگا، اے جادوگر، خدا سے دعا کر، یہ عذاب ہم سے ٹال دے تاکہ ہم راہِ راست پر آجائیں۔

یہاں حضرت موسیٰؑ کو "اے جادوگر" کہہ کر خطاب کیا ہے جس کی مفسرین نے کئی وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ چونکہ فرعون کی نظر میں جادوگروں کی بڑی وقعت تھی لہٰذا اس نے حضرت موسیٰؑ کو تعظیماً جادوگر کہا۔
۲۔ چونکہ جادوگروں کو وہ حقیر سمجھتا تھا اس لیے جادوگر از راہ تذلیل کہا۔
۳۔ چونکہ معجزہ اور جادو میں اُسے تمیز نہ تھی لہٰذا جادوگر کہا۔
۴۔ چونکہ وہ معجزہ کو جادو ہی جانتا تھا اس لیے جادوگر کہا۔

فرعون جب ایک عذاب سے نجات پاتا تھا تو پھر اپنے وعدہ سے پھر جاتا تھا۔ اس کو یہ شرم لاحق نہ ہوتی تھی کہ جب میں خدا

بنا ہوا ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے اعلیٰ کیسے قرار دوں۔ دوسرے اس کی قوم کے سردار بھی اُسے موسیٰؑ کی پیروی سے روکتے رہتے تھے۔ تیسرے اُسے یہ اندیشہ تھا کہ اگر موسیٰؑ نے ملک مصر پر قبضہ کر لیا تو میری بادشاہت ختم ہو جائے گی۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ
فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ
وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

جب ہم نے ان سے عذاب کو ہٹا لیا تو فوراً عہد کو توڑ بیٹھے۔ فرعون نے اپنی قوم سے کہا پکار کر، اے میری قوم کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے کیا یہ نہریں جو ہمارے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں ہماری نہیں ہیں۔ کیا تم کو بھی نہیں سوجھتا۔ کیا میں اس شخص (موسیٰؑ) سے جو ذلیل ہے اور (ہکلے پن کی وجہ سے) صاف بات نہیں کر سکتا بہتر نہیں ہوں۔

فَلَوْلَا اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾
فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ
اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ
مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ
يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا
جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا

عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

(اگر موسیٰؑ مجھ سے بہتر ہوتا تو) اُس کے لیے (خدا کے ہاں سے) سونے کے کنگن کیوں نہیں اُتارے گئے۔ یا اُس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے۔ غرض فرعون نے (باتیں بنا کر) اپنی قوم کی عقل مار دی اور وہ لوگ اُس کے تابعدار بن گئے وہ لوگ بدکار تھے ہی۔ جب ان لوگوں نے ہم کو جھنجلا دیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لے لیا۔ ان سب کو ڈبو دیا۔ جسے ہم نے گیا گزرا اور پیچھے آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ اور اے رسول جب مریم کے بیٹے (عیسیٰؑ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تمہاری قوم کے لوگ کھل کھلا کر ہنسے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰؑ)۔ ان لوگوں نے جو عیسیٰ کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ تو بس ہمارے ایک بندے تھے جس پر ہم نے احسان کیا (نبی بنایا اور معجزے دیئے) اور بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا۔ اگر چاہتے تو تم ہی لوگوں میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین پر رہتے۔

جب پہلا عذاب ہٹ گیا تو اس خیال سے کہ قوم اس سے برگشتہ نہ ہو جائے، وہ ایک ٹیلہ پر جا چڑھا اور بآوازِ بلند اپنی قوم کو وہاں بُلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو کہنے لگا۔ لوگو، کیا میں اس ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں۔ کیا یہ سب میری ملکیت نہیں۔ کیا یہ نہریں جو میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں میری ملکیت نہیں۔ ذرا سوچ سمجھو۔ اس شخص یعنی موسیٰؑ کی حقیقت میرے سامنے کیا ہے۔ ایک چھوٹا آدمی ہے۔ کمبل کا کرتا پہنے ہوئے اور ایک چھڑی ہاتھ میں لیے پھرتے ہے۔ اُسے تو بات کرنی بھی نہیں آتی ہکلا کر بولتا ہے۔ غور تو کرو، اگر یہ خدا کا فرستادہ ہوتا تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن نہ ہوتے۔ (اس زمانہ میں بادشاہوں کا دستور تھا کہ سونے کے کنگن پہنتے تھے)۔ اور اگر اس کے خدا کی سلطنت میں یہ رواج نہ تھا تو کم سے کم کچھ فرشتے ہی اس کے ساتھ بھیجے جاتے جو اس کی گواہی دیتے کہ یہ خدا کا فرستادہ ہے۔ غرض اس نے ایسی باتیں کر کے قوم کی عقل مار دی۔ اور وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اور اس کی اطاعت پر بدستور قائم رہے۔ بدکار لوگ تھے اس کی مخالفت کی جرأت کیسے کرتے۔ اس سرکشی اور مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب الٰہی نے اُنہیں لے ڈالا اور اُن سب کو غرق کر دیا گیا اور اُن کی یہ ہلاکت آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا ایک افسانہ ہو گئی۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے جتنے پیغمبر بھیجے ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا تھا کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرو۔ اس سلسلہ میں حضورؐ ایک روز بتوں کی مذمت کر رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

جَهَنَّمَ ۚ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ " (تم اور وہ چیزیں جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے) ۔ یہ سُن کر کفار کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ وہ غصہ میں عبداللہ بن زبعیر کو حضرتؐ کے مقابلہ کے لیے لے آئے ۔ اُس نے کہا ، اگر آپؐ یہ کہتے ہیں کہ پُوجنے والے اور جن کی پُوجا کی جاتی ہے سب جہنم رسید ہوں گے تو اس سے فرشتوں کا حضرت عیسٰیؑ و عزیرؑ کا بھی جہنمی ہونا لازم آتا ہے ۔ کیونکہ لوگ تو ان کی بھی پرستش کرتے ہیں ۔ یہ سُن کر آپؐ ان کی نادانی پر چُپ رہے ۔ اُس نے کہا ، بس ہم جیت گئے اور اس کے ساتھی قہقہے لگانے اور غل مچانے لگے کہ میدان مار لیا ۔ حالانکہ یہ اس کمبخت کی بے عقلی کی دلیل تھی ۔

خدا نے مذکورہ آیت میں لفظ مَا استعمال کیا ہے جو بے جانوں پر بولا جاتا ہے ۔ ہاں اگر اس کی جگہ لفظ مَن ہوتا تو البتہ جاندار بھی اس میں شامل ہوتے ۔

اس موقع پر آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا ، اے علیؑ ، تمہاری مثال بھی عیسٰیؑ جیسی ہے کہ کچھ لوگ تو ان کی دوستی میں گمراہ ہوئے اور کچھ ان کی دشمنی میں ۔ یہ سُن کر منافقین کہنے لگے ، آپؐ کو بھی عیسٰیؑ کے سوا کوئی دوسری مثال ہی نہ ملی ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اسی کی موید وہ روایت ہے جس کو امام احمد حنبل نے آٹھ طریقوں سے اور صواعق محرقہ میں ابن حجر نے بیان کیا ہے ۔

کفار کا کہنا یہ بھی تھا کہ آیا ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسٰیؑ ۔ یہ مسئلہ انہوں نے صرف جھگڑا کرنے کے لیے چھیڑا تھا ۔ ورنہ حضرت عیسٰیؑ کا معبود ہونے سے کوئی تعلق ہی نہ تھا ۔ وہ خواہ مخواہ اُن کو اپنے معبودوں کے مقابلہ میں لا رہے تھے ۔

عیسٰیؑ تو خدا کے ایک بندے تھے جن پر خدا نے بہت سے احسان کیے تھے ۔ مثلاً مردہ کو زندہ کرنا ، کوڑھیوں اور جذامیوں کو اچھا کرنا ۔ چڑیا بنا کر اُڑانا ۔ ان باتوں سے وہ خدا تو نہیں بن گئے تھے ۔

خدا فرماتا ہے ہم جیسا چاہیں کسی کو بنا دیں ۔ ہماری قدرت میں سب کچھ ہے ۔ عیسٰیؑ کا ذکر کیا ہم تم میں سے جن کو چاہیں فرشتے بنا دیں کہ اس زمین پر وہ تمہارے قائم مقام بن کر رہیں ۔

بہر حال ہمارے انبیاء جو معجزات دکھاتے ہیں وہ ہمارے حکم سے دکھاتے ہیں ۔ اس سے ان کا خدا ہونا لازم نہیں آتا ۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾
وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

وہ (عیسٰی) قیامت کی ایک روشن دلیل ہے تم لوگ اس میں ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو ، یہی سیدھا راستہ ہے شیطان تم لوگوں کو اس سے روک نہ دے ۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ جب عیسٰی واضح اور روشن معجزے لے کر آئے تو لوگوں سے کہا ، میں تمہارے پاس دانائی (کتاب) لے کر آیا ہوں ۔ تاکہ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے تم کو صاف صاف بتلا دوں کہ تم خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ۔ بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۔ پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۔

حضرت عیسٰیؑ کو علامتِ قیامت فرمایا گیا ہے ۔ یعنی کس لحاظ سے وہ علامتِ قیامت ہیں ۔ آپؑ کا قربِ قیامت آسمان سے نزول ہے ۔ عرف الوردی اور کتاب صراط سوی میں بکثرت احادیث اس بارہ میں موجود ہیں کہ جب قائم آل محمد حضرت امام مہدی آخر الزمان کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا تو اس وقت حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اُتریں گے اور امام آخر الزمانؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۔ مرزائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو گئے ہیں اس آیت کی رُو سے غلط ہے ۔ صواعق محرقہ اور درمنثور سیوطی میں ہے کہ یہ آیت امام آخر الزمانؑ کے ظہور کے ثبوت میں ہے ۔

اس سے پہلے حضرت عیسٰیؑ کے معجزات کا اشارۃً ذکر کر کے ان کی عبدیت کو بیان کیا گیا ہے ۔ پھر ان کو علامتِ قیامت بیان کر کے ان کی عبدیت ظاہر کی گئی ۔ ان سب باتوں کے بیان سے غرض یہ ہے کہ وہ نہ خدا ہیں اور نہ اُس کے شریک بلکہ خدا کے خاص بندے ہیں ۔ پس اے اہلِ مکہ تم ان کے بارہ میں کیوں شک میں پڑے ہوئے ہو ۔ میرا اتباع کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے ۔ حضرت عیسٰیؑ پُر از حکمت کتاب لے کر آئے تھے تاکہ بنی اسرائیل میں جو اختلاف ہے اس کو مٹا دیں ۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔ اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ
يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾
يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ
تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

(اس کے بعد) ان میں سے کئی اختلاف کرنے لگے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ان پر دردناک دن کے عذاب آنے کا افسوس ہے۔ کیا یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر بیٹھے ہیں کہ اچانک ان پر آہی جائے اور ان کو خبر تک نہ ہو۔ دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے مگر پرہیزگار (کہ وہ دوست ہی رہیں گے اور خدا ان سے کہے گا) اے میرے بندو، آج نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرمانبردار رہے (ان سے کہا جائے گا) تم مع اپنی بی بیوں کے اعزاز و اکرام کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ نے (معاذ اللہ) ان پر ناجائز ہونے کی تہمت لگائی اور اُن سے اس درجہ شدید عداوت رکھی کہ اُن کو سُولی پر چڑھوا دیا۔ اور دوسرے گروہ نے اس شدت سے محبت کی کہ (معاذ اللہ) ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ یہ لوگ جو سرتاسر ظلم کرنے والے ہیں قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یہ لوگ جس قیامت کے منتظر ہیں وہ اچانک ان پر آجائے گی اور انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ ابھی انہیں پتہ نہیں کہ قیامت کا دن کیسا سخت ہوگا۔ آج دُنیا میں جو ان کے لنگوٹیا یار ہیں، جن کی صحبت میں وہ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے ہیں قیامت کے دن وہی ان کے دشمن بن کر ان کے خلاف گواہیاں دیں گے۔ ہاں جو لوگ متقی ہیں خدا کے نیک بندے ہیں۔ وہ وہاں بھی ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ جنت میں مع اپنے دوستوں اور بی بیوں کے داخل ہوں گے۔ اور خوشیاں منائیں گے۔

یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَکۡوَابٍ ۚ وَفِیۡهَا مَا
تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلۡكَ
الۡجَنَّةُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ لَکُمۡ فِیۡهَا

فَاکِهَةٌ کَثِیۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ
عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِیۡهِ
مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷۶﴾

ان (جنتیوں) پر سونے کی رکابیوں اور پیالوں کا دور چلے گا اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا، اور جس چیز سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی (سب موجود ہوگا) اور تم ہمیشہ وہاں رہوگے۔ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہاری نیک اعمال کا صلہ ہے وہاں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جن کو تم کھاؤ گے اور مجرم تو ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے جو ان سے کبھی ناغہ نہ کیا جائے گا اور وہ اپنے عذاب میں ناامید ہو کر رہیں گے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظلم کرتے رہے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب انسان اس جسم مادی کے ساتھ جنت میں جائے گا اور قسم قسم کے میوے کھائے گا تو اس کے بدن سے فضلہ نکلے گا یا نہیں۔ اُن کو جاننا چاہیے کہ وہاں کے میووں کا قیاس اس دنیا کے میووں پر نہیں کرنا چاہیے جو مادی غذائیں ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ ایسے میوے ہوں گے کہ جتنے بھی انسان کھائے گا سب اس کے بدن کا جزو بن جائیں گے۔ انسان کو کھانے میں لذت محسوس ہوگی مگر اس کے شکم پر بار نہ ہوگا۔ جنت کی تمام نعمتوں کا یہی حال ہوگا۔ وہاں اس جسم مادی کے خصوصیات بھی بدل جائیں گے۔

وَنَادَوۡا یٰمٰلِكُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّکُمۡ مّٰکِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾
لَقَدۡ جِئۡنٰکُمۡ بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَکُمۡ لِلۡحَقِّ کٰرِهُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا
اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَ
نَجۡوٰهُمۡ ؕ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیۡهِمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ قُلۡ اِنۡ کَانَ

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

دوزخیوں کی فریاد

جہنمی لوگ داروغۂ جہنم سے (گڑگڑا کر) کہیں گے اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے وہ جواب دے گا تمہیں یہیں ٹھہرنا ہوگا۔ (اے کفارِ مکہ) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق بات سے کراہت ہی کرتے رہے۔ کیا انہوں نے کوئی بات ٹھان لی ہے تو ہم نے بھی کچھ ٹھان لی ہے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سُنتے۔ ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں سب باتیں لکھتے جاتے ہیں (اے رسول) تم کہدو کہ اگر خدا کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوتا۔ یہ لوگ جو کچھ خدا کے متعلق بیان کرتے ہیں ہمارے آسمان و زمین کا مالک عرش کا مالک اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔

دوزخیوں کو کبھی موت نہ کَٹے گی۔ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

جنت و دوزخ کا حال سُناکر اب کفارِ مکہ سے فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس امرِ حق کو اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے بھیجا لیکن تم نے ان کی بات کو سننا بھی گوارا نہ کیا۔ تم رسولؐ کے خلاف جو منصوبے باندھے ہوئے ہو، اور آپس میں مل کر ان کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیں ان باتوں کی خبر نہیں۔ ہمیں سب خبر ہے۔ ہمارے علاوہ ہمارے فرشتے جو تمہارے کندھوں پر سوار ہیں تمہاری ایک ایک بات لکھتے جاتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یا عیسیٰؑ و عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں ان سے کہو اگر خدا کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اُن کی عبادت کرتا۔ لیکن ہے ہی نہیں تو تم لوگ خواہ مخواہ کیوں اُسے اولاد والا فرض کر رہے ہو۔ ایسی باتوں سے خدا کی ذات منزّہ و مبرّہ ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَ

هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾
وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ
بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

(اے رسول) تم انہیں چھوڑو کہ پڑے بَک بَک کرتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے سامنے آموجود ہو۔ وہ وہی ہے جس کی عبادت آسمان میں بھی کی جاتی ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے وہ واقف کار حکمت والا ہے وہ بہت بابرکت ہے جس کے لیے آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کی حکومت ہے قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے خدا کے سوا یہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ تو سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے، مگر ہاں جو سمجھ بُوجھ کر حق کی گواہی دیں۔ اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہدیں گے اللہ نے (پھر باوجود اس کے) یہ کہاں بہکے جارہے ہیں اور اس کو رسول کے اس قول کا بھی علم ہے کہ پروردگار یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے تو تم ان سے منہ پھیر لو اور کہدو کہ تمہیں سلام۔ عنقریب (شرارت کا نتیجہ) یہ لوگ جان لیں گے۔

رسولؐ سے کہا جارہا ہے کہ جو لوگ بکواسی ہیں اور آپس میں بیٹھ کر اُمورِ دین کا مذاق اُڑاتے ہیں اور لغویات میں اپنی عمر گنوا رہے ہیں انہیں چھوڑ دو۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرو۔ بات چیت تو معقول لوگوں سے کی جاتی ہے نہ ایسے مسخروں اور لایعنی لوگوں سے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آسمان کا خدا اور ہے اور زمین کا اور۔ انہوں نے اپنے خداؤں کے متعلق علاقے

تقسیم کر دیئے ہیں۔ یہ کوئی بس نہیں تو اور کیا ہے۔ آسمان ہو یا زمین یا ان کے درمیان کا حصّہ ہو، ہر جگہ خدا ہی کی عبادت کی جاتی ہے اور ان کو ایک خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اِن بُت پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ روزِ قیامت اُن کے بُت ان کی سفارش کریں گے۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰؑ نے ان کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہم تو عزیرؑ نبی کے رشتہ سے خدا کی اولاد ہیں اور خدا کے دوستوں میں سے ہیں۔ خدا ہمارے معاملہ میں عزیرؑ کی سفارش کو کیسے ٹال دے گا۔ ان کا یہ کہنا شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ بغیر اس کے اذن کے شفاعت کر سکے۔ انبیاء اُن لوگوں کی کبھی سفارش نہیں کر سکتے جو خدا کے نافرمان بردار بندے تھے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے "اللہ نے"۔ جب ایسا ہے تو پھر یہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں جن کو خدا نے پیدا کیا ہے۔

وَقِيلِهٖ میں بعض مفسرین نے واؤ قسمیہ کہا ہے۔ یعنی قسم ہے رسولؐ کے اس قول کی کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ خدا ان کے اس جواب میں فرماتا ہے، ان سے درگزر کرو۔ علیحدہ ہو جاؤ۔ یہ ملنے کے قابل لوگ نہیں۔ اِن کو اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

---

(۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ
عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۙ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ
مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ
هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا
مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

حا۔ میم۔ قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے اس کتاب کو اس رات میں نازل کیا ہے جو برکت والی ہے کیونکہ ہم لوگوں کو آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ رات تھی جس میں حکمت کی رُو سے فیصلے کیے جاتے ہیں ہمارے حکم سے ہم ہی پیغمبروں کو بھیجنے والے ہیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ بے شک وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ داداؤں کا۔ لیکن وہ تو شک میں پڑے کھیل رہے ہیں پس تم اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے ظاہر بظاہر دھوآں نکلے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب اس کو ہم سے ہٹا لے۔ ہم ایمان لاتے ہیں۔

جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے کتابِ مبین کی قسم کھا کر بیان کیا جا رہا ہے۔ کس قدر اسرار و غوامض سے پُر ہے اور رُوحانی کمالات کا مرکز ہے۔ وہ کتاب جس کی قسم اٹھارہ ہزار عالموں کا بنانے والا کھا رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کتاب کی قسم کھا کر وہ کہہ کیا رہا ہے۔ ضرور کوئی اہم بات اس کتاب کے متعلق ہے۔

ہم نے اس کتاب کو ایک بابرکت رات میں لوحِ محفوظ میں اتارا۔ یعنی ماہ مبارک رمضان کی اُس رات میں اتارا جو شبِ قدر کہلاتی ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷/۱ سورۃ القدر) مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی اچھائی برائی سے آگاہ کر دیا جائے۔ فرشتے اس کتاب کے تھوڑے تھوڑے حصّے بقدرِ ضرورت ہمارے رسولؐ کے پاس لے جاتے رہیں اور وہ اُن لوگوں کو سُناتے رہیں جن کے پاس برسوں سے کوئی ہدایت کرنے والا نہ آیا تھا۔

جس رات میں نزولِ قرآن ہوا وہ ایسی مبارک رات ہے کہ اس میں خدا کے حکم سے لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ اگلے سال تک کر دیا جاتا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ سَلٰمٌ ۚ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۹۷/۴-۵ سورۃ قدر) اس رات کو ملائکہ اور روح فرشتہ ہر امر کو لے کر صبح تک نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک مفسر صاحب فرماتے ہیں کہ اس رات کو وہ تمام معاملات جو نظامِ کائنات سے متعلق ہوتے ہیں،

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سپرد کردیتا ہے۔ وہ موقع اور محل کے لحاظ سے سال بھر تک انہیں جاری کرتے رہتے ہیں۔

یہ تفسیر اپنے کسی جذبے کے تحت لکھ ڈالی پر آنکھوں پر پٹی باندھ کر۔ یہ سراسر قرآن کی عبارت کے خلاف ہے۔ آیت کہتی ہے کہ ہر امر کو لے کر فرشتے شب قدر میں اول رات سے لے کر صبح تک نازل ہوتے رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ کہاں نازل ہوتے ہیں اور کس پر نازل ہوتے ہیں۔ اگر زمین پر کوئی صاحب امر موجود نہ ہو تو ان کا نزول کہاں ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے۔ کیا فرشتے محض تفریح طبع کے لیے زمین کی سیر کرنے آتے ہیں اور صبح تک سلامتی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر وہ ذات جس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اولی الامر میں سے نہیں ہے تو رسولؐ کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر واجب نہیں ہے۔ اگر وہ علم و حکمت کو خدا کے یہاں سے لے کر نہیں آیا ہے تو اس کو یہ خاص امانتِ الٰہی پہنچانا بھی عبث ہے۔ کیونکہ عام لوگ اس خدمت کو انجام نہیں دے سکتے۔

چونکہ شب قدر ہر سال آتی ہے اور نزولِ ملائکہ ہر سال قیامت تک اس رات کو ہوتا رہے گا لہٰذا اس صاحبِ امر کا ہر زمانہ میں زمین پر ہونا ضروری ہے اور یہ سلسلہ سوائے اہلبیتؑ رسولؐ اور کسی جماعت میں نہیں پایا جاتا۔ جبکہ خدا فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ "(۷/۱۳ الرعد)" (اے رسول تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے)۔ بس یہی ہادی جو زمانہ میں موجود رہتا ہے وہ صاحبِ امر ہوتا ہے جس کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بعدِ رسولؐ جن پر نزولِ ملائکہ ہوتا ہے وہ اصحابؓ تھے اُن کے بعد تابعین اور ان کے تبع تابعین یعنی علمائے کرام ہیں۔ لیکن آج تک تو کسی صحابی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے اوپر ملائکہ نازل ہوئے تھے۔ اور یہ حکم مجھے سُنا گئے۔ نہ کسی عالم نے۔ سب خاموش ہیں۔ شب قدر ہر سال آتی ہے اور فرشتے اپنا فرض پورا کر کے چلے جاتے ہیں۔ مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس آئے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے صاحب امر قائمؑ آلِ محمد ہیں جو رسول کی طرح معصوم اور خدا کے خاص بندے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے آپ کے کسی صحابی نے کہا کہ مسئلہ امامت میں ہمارے مخالفین ہم سے اکثر مناظرہ کیا کرتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا، تمام دلائل کو چھوڑ کر تم سورۂ قدر کی اس آیت پر بحث کیا کرو اور یہ پوچھا کرو کہ ملائکہ کس پر نازل ہوتے ہیں۔

اس کے آگے جو آیات ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جب بُت پرست اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک خدا ہے تو پھر یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا شریک کیوں بناتے ہیں۔ خدا کی صفت تو یہ ہے کہ وہ پیدا کرتا اور مارتا ہے تو کیا جن لوگوں کو خدا کا شریک بنایا گیا ہے وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا سب کا رب اللہ ہے۔ تم چونکہ غور نہیں کرتے اور کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو اس لیے یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

اے رسولؐ، جب یہ لوگ نہیں سمجھتے تو انہیں چھوڑ دو اور اس دن کا (قیامت کا) انتظار کرو۔ جب یہ آسمان تمام کا تمام دھوئیں سے بھر جائے گا۔ جس سے گنہ گاروں کا دم گھٹنے لگے گا اور مومن کو کوئی خاص تکلیف نہ ہوگی۔ کافروں کے لیے یہ بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کی پہلی علامت یہ

ہوگی کہ عدن میں ایک آگ ظاہر ہوگی جس کا دھوآں تمام عالم میں پھیل جائے گا اور چالیس روز تک رہے گا۔ کفار سخت تکلیف میں رہیں گے۔ ان کی آنکھ، کان اور تمام اعضا سے یہ دھوآں نکلے گا اور اُن کے سر بھُنے ہوئے معلوم ہوں گے۔ مگر مومنوں کو ایک زکام سے زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔ کفار گھبرا کر کہیں گے۔ اے ہمارے رب، اس عذاب کو ہم سے ہٹا لے ہم تو ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس وقت اُنکی فریاد نہ سنی جائے گی کیونکہ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا
عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا
اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا
مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

وقف لازم وقف لازم

اس وقت بھلا ان کو کیا نصیحت ہوگی جب ان کے پاس صاف صاف بیان کرنے والے پیغمبر آئے تھے تو ان لوگوں نے اُن سے منہ پھیرا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے (اچھا خیر) تھوڑے دن کے لیے عذاب کو ٹالے دیتے ہیں (مگر ہم جانتے ہیں کہ) تم ضرور کفر کرو گے ہم ان سے پورا بدلہ تو بس اُس دن لیں گے جس دن سخت پکڑ کریں گے۔

کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے۔ کوئی شخص اس کے پاس آتا ہے وہ اسے اِدھر اُدھر کی باتیں سکھا کر چلا جاتا ہے اور اس دیوانہ کو پریشانی میں ڈال جاتا ہے۔ لوگ ان پر پتھر برساتے ہیں بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ چونکہ دیوانہ ہے اس لیے اس کی کوئی بات سمجھنے میں نہیں آتی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا محض عداوت کی وجہ سے تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی حضرتؐ کی بات کان دھر کر نہ سُنے۔ یہ بدبخت کہنے والے آنکھوں کے اندھے تو نہ تھے۔ اگر کوئی معلم حضرتؐ کو سکھانے آتا تو کیا اُن کو وہ نظر نہ آتا۔ کسی روز اُسے پکڑ کر مارتے پیٹتے۔ لوگوں کو دکھاتے کہ بانیٔ فساد یہ شخص ہے۔ یہی سکھاتا پڑھاتا ہے۔ لیکن کوئی ہوتا تو ضرور دیکھتے۔ دوسرے اگر چھُپ کر وہ رات کو آتا تو باہر والے اگر اس کو نہ دیکھتے تو گھر والے تو ضرور دیکھتے۔ جناب خدیجہؓ اور حضرت علیؑ سے تو چھپا نہ رہ سکتا تھا۔

وہ اس حالت میں آنحضرتؐ پر کیسے ایمان لاتے۔ اور جان و مال سے ان کے فدائی کیوں بنتے۔ عقیدت کا رشتہ فوراً ٹوٹ جاتا۔ خدا فرماتا ہے کہ اگر اس وقت اپنی مصلحت کے مطابق ہم ان کافروں سے عذاب روک لیتے ہیں تو قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب ان پر نازل ہوگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾
اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا
تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ
فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

ان (کفارِ مکہ) سے پہلے ہم نے قومِ فرعون کی آزمائش کی۔ اُن کے پاس ایک عالی مرتبہ رسول آیا اور اُن سے کہا، خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کرو۔ میں امانت دار رسول بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو میں کھُلے ہوئے معجزات لے کر آیا ہوں۔ اگر تم مجھے سنگسار کروگے تو میں اپنے اور تمہارے ربّ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

یعنی جب فرعون اور اُس کی قوم کی سرکشی حد سے بڑھی تو ان کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا جو بڑے پاکیزہ خصلت انسان تھے۔ انہوں نے کہا، بنی اسرائیل کو جو سالہا سال سے تیرے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں میرے ساتھ بھیج دے۔ اس لیے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ میں اُس کا رسول امین ہوں یعنی کوئی بات اپنی طرف سے بنا کر نہیں کہتا۔ خدا کے مقابل زیادہ ہیکڑی نہ دکھاؤ۔ میں بہت سے معجزات واضح لے کر آیا ہوں۔ اگر باز نہ آؤ گے تو پھر ان معجزات سے کام لے کر عذابِ خدا کو تم پر لا ڈالوں گا۔ اگر تم مجھے سنگسار کرنا چاہو گے تو ایسا کر نہیں سکتے۔ میں خدا کی پناہ طلب کروں گا اور وہ ضرور مجھے بچا لے گا۔ اگر تم مجھ پر ایمان لانا نہیں چاہتے تو پھر اتنا کرو کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ میرے پیچھے نہ پڑو میرے ستانے کے درپے نہ ہو۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا
اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾
كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا
مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

(جب وہ لوگ موسیٰ کو ستانے لگے تو) اُنہوں نے اپنے ربّ سے دُعا کی کہ یہ لوگ شریر ہیں (حکم خدا ہوا) کہ میرے ان بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ ان کا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو اپنی حالت پر ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جاؤ۔ یہ سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ معلوم کتنے باغ۔ چشمے۔ کھیت اور اچھی اچھی عمارتیں چھوڑ گئے اور آرام کی وہ چیزیں جن سے وہ عیش سے بسر کرتے تھے۔ پس نہ تو اُن پر آسمان رویا نہ زمین روئی اور نہ اُن کو مہلت ملی۔

جب موسیٰؑ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور فرعون کو پتہ چلا تو اُس نے حکم دیا کہ سارا لشکر اور قوم کا ہر شخص موسیٰؑ کا پیچھا کرنے کے لیے چل پڑے۔ چنانچہ جلدی میں وہ اپنا سارا سامان چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے۔ جناب موسیٰؑ مع بنی اسرائیل دریا سے پار ہو گئے اور فرعون اور اس کی ساری قوم ڈوب گئی۔ ان کی تمام املاک اور ساز و سامان پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ کم بخت ایسے کتّے کی موت مارے گئے کہ نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی ان کو مہلت ملی۔
فرعون اور اس کی قوم پر آسمان و زمین کا نہ رونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ان میں رونے کا ملکہ ہے۔ لہٰذا کسی واقعہ سے اس کا ثبوت ملنا چاہیئے کہ آسمان و زمین روئے تھے۔
مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:
اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو اس مصیبت پر آسمان و زمین روئے۔ آسمان کا رونا اس کا سُرخ ہو جانا ہے۔ اس کی مؤید وہ روایت ہے جسے علامہ ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں ذکر

کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کا کربلا سے گزر ہوا۔ جب قبرِ حسین علیہ السلام کی جگہ پر پہنچے تو فرمایا، یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے۔ یہی ہمارے خون بہانے کی جگہ ہے۔ رسولؐ کے اہلبیتؑ میں سے کچھ لوگ اس میدان میں شہید کیے جائیں گے۔ جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی۔

زمین کا رونا یہ تھا کہ بعد از شہادتِ امامِ مظلوم کربلا میں جہاں کہیں سے کوئی پتھر اکھاڑا جاتا تھا تازہ خون جوش مارتا نکلتا تھا۔ آسمان کا خون رونا یہ تھا کہ عشرۂ محرم الحرام کو تمام آسمان میں سُرخی پھیل گئی تھی۔

مفسرینِ عامہ نے یہ معنی لیے ہیں کہ نہ آسمان والے ان پر روئے نہ زمین والے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معنی کہاں سے لیے گئے۔ قرآن کہتا ہے، نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین۔ اور مفسرین صاحبان کہتے ہیں کہ نہ آسمان والے روئے نہ زمین والے۔ اگر ایسا تھا تو خدا نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ نہ اہلِ آسمان روئے نہ اہلِ زمین۔ بالفرض اگر ایسا ہی تھا تو پھر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اہلِ آسمان کب روئے اور کس پر روئے۔ کوئی ایک واقعہ تو ایسا بتایا جائے۔ لیکن تاریخ میں تو کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ فرشتے کسی کے مرنے پر روئے ہوں یا حوروں نے کسی کے حالِ زار پر آنسو بہائے ہوں۔ جب ایسا کبھی نہیں ہوا تو پھر اہلِ آسمان کے نہ رونے کا ذکر ہی کیوں کیا گیا۔ جن کے لیے رونا ثابت ہی نہ ہو تو ان کا فرعون اور اس کی قوم پر نہ رونے کا ذکر ہی کیوں آیا۔

سب سے بڑا ثبوت اس امر کا کہ آسمان و زمین میں قوتِ فہم و ادراک ہے، یہ آیت ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ احزاب (۷۲/۳۳)

(ہم نے اپنی امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ پس انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے جو بڑا ظالم اور جاہل تھا اسے اُٹھا لیا۔)

غور کیجئے اگر آسمان و زمین میں فہم و ادراک کی قوت نہ ہوتی وہ امانتِ الٰہیہ کے بار کو سمجھتے ہی نہ ہوتے تو اس کے اُٹھانے سے انکار کیوں کرتے اور ڈرتے کیوں۔ پس جس طرح وہ سب ڈرے اور اس بار کا احساس کیا اسی طرح امام حسینؑ کی شہادت کا احساس کیا دل پر چوٹ لگی اور رونے لگے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ

بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا۔ وہ بیشک سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمجھ بوجھ کر سارے جہان سے برگزیدہ کیا تھا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دی تھیں جن میں ان کی آزمائش تھی (کفارِ مکہ مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ ہمیں تو صرف ایک بار مرنا ہے اور پھر ہم دوبارہ زندہ کرکے نہ اُٹھائے جائیں گے۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرکے) لے تو آؤ۔ بھلا یہ لوگ قوت میں اچھے ہیں یا تبّع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں۔ ہم نے اُن کو بھی ہلاک کیا کیونکہ وہ ضرور گنہ گار تھے۔

ذلیل کرنے والا عذاب یہ تھا کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی قوم کی کنیزی میں دے دیا تھا اور مردوں کو بھی غلام بنا لیا تھا۔ وہ ان سے سخت سخت کام لیتے تھے۔ ایک دم بھی ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ فرعون اپنے مظالم میں حد سے گزر گیا تھا۔ وہ معمولی معمولی جرم پر لوگوں کو چو مینا کرا دیتا تھا۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو جن کے متعلق اُسے پتہ چلتا تھا کہ یہ موسیٰؑ پر ایمان لے آئے ہیں۔ خدا نے بنی اسرائیل کو عام لوگوں کی نگاہ میں عزت دے رکھی تھی اور کچھ اپنی نشانیاں دی تھیں جن سے ان کی آزمائش بھی کی جاتی تھی مگر ان میں کچھ کمینے لوگ ایسے بھی تھے جو قیامت کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس ایک ہی بار مرنا ہے۔ پھر ہم دوبارہ زندہ کرکے نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا زندہ کرکے دکھاؤ۔ ان لوگوں کو اپنی قوت پر ناز تھا لیکن قوم تبع سے زیادہ قوت والے تو نہیں۔ جب ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا تو ان کی کیا حقیقت ہے۔

قوم تُبّع آنحضرت کی بعثت سے ایک ہزار برس قبل یمن میں آباد تھی ان کو تبع حمیری بھی کہتے تھے ان میں سے کسی بادشاہ نے سمرقند کو برباد کرکے دوبارہ آباد کیا تھا یہ قوم پہلے آتش پرست تھی مدینہ کے لوگوں نے کسی وجہ سے ان کے ایک بادشاہ کی بیٹی کو قتل کر ڈالا تو اس نے مدینہ پر چڑھائی کی لیکن بنی قریظہ کے دو اشخاص (کعب اور ملسہ) نے اسے سمجھایا کہ مدینہ پیغمبر آخرالزماں کی ہجرت کی جگہ ہے اور حضرتؐ کی بہت تعریف کی۔ تو وہ ایمان لایا اور پلٹ گیا۔ راستہ ہی میں کچھ لوگوں نے خانہ کعبہ کی ویرانی پر آمادہ کیا اور کہا اس کے نیچے جواہرات جڑے ہیں۔ مگر علماء نے بہت مدح و ثنا کی اور اس ارادہ سے باز رکھا۔ پھر تو وہ اتنا خوش اعتقاد

ہوا کر سب سے پہلے خانۂ کعبہ پر اُس نے پوشش چڑھائی اور ہزار جانور قربانی کیے۔ اور ایک عریضہ شاموں یہودی کے پاس حضرت رسولِ خدا کے نام لکھ کر رکھ دیا کہ اگر تجھ سے ملاقات ہو تو خود ورنہ اپنی اولاد کو وصیت کر دینا۔ اس خط کو ابوایوب انصاریؓ نے جو شاموں کی اکیسویں پشت سے تھے حضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اُس کی قوم بڑی زبردست تھی وہ خدا پر ایمان نہ لائے۔ آخر کار خدا نے اس کو ہلاک کیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵ ۳

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں ان کو ہم نے کھیل کود کے طور پر نہیں بنایا ہے ہم نے تو ان دونوں کو مصلحت سے پیدا کیا ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ بے شک فیصلہ کا دن (سب کے زندہ ہونے) کا مقررہ وقت ہے۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی مگر جس پر خدا رحم فرمائے بے شک وہ سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

خدا نے آسمان و زمین کو کھیل نہیں بنایا

جو لوگ اس دُنیا کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں اور عیش و عشرت میں وقت گزاری کرتے رہتے ہیں اُن کو چونکانے کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ خدا نے اس کارخانۂ دنیا کو کھیل تماشہ تو نہیں بنایا بلکہ کسی مقصدِ خاص کے لیے بنایا ہے۔ یہ سارا کارخانہ اس کی مصلحت کے مطابق چل رہا ہے۔ کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں کی گئی۔ لیکن اکثر لوگ اس کو سمجھتے ہی نہیں اور احمقانہ طریقہ سے اپنی زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ خیر وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ یہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ وہاں کوئی دوست یا رشتہ دار کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ ہاں جس کسی پر خدا رحم کرے وہ ضرور اس مصیبت کے دن سے بچ جائے گا۔

قرآن میں مختلف طریقوں سے قیامت کے مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے اور سب سے زیادہ سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ جب تک یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے گا اور پورا پورا اعتقاد اس پر نہ ہوگا وہ غلط کاریوں اور بداعمالیوں سے باز نہ آئیں گے۔ کیونکہ بعد کی باز پرس کا خوف تو دل میں ہوگا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن میں خدا کے واحد پر ایمان لانے

پر زور دیا گیا ہے ساتھ ہی قیامت پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي
الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾
ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(آخرت میں) تھوہر کا درخت ضرور گنہگاروں کا کھانا ہوگا جیسے پگھلا ہوا تانبا وہ پیٹوں میں اس طرح اُبال کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش میں آتا ہے (فرشتوں کو حکم ہوگا) انہیں پکڑ لو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچ میں لے ڈالو۔ ان سب پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو (اور ان سے کہو) تم بڑے عزت دار سردار بنے پھرتے تھے اب اسے چکھو یہی دوزخ ہے جس کے بارہ میں تم شک کیا کرتے تھے۔

تھوہر کا

دُنیا کی جیلوں کی سختیاں اس خیال سے آدمی جھیل جاتا ہے کہ سزا کی مدت ختم ہونے کے بعد چھوٹ جاؤں گا۔ مگر آخرت کی جیل ایسی نہیں جس سے مجرم کبھی چھوٹ سکے۔ پھر وہاں کی تکلیفیں استغفر اللہ۔ دُنیا کی جیلوں سے اُسے کیا نسبت؟

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ
مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ
عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ
فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ
بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۳ ۱۶

بے شک پرہیزگار لوگ مقام امن میں ہوں گے سندس و استبرق کے لباس پہنے ہوئے ایک دُوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ایسا ہی ہوگا ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کے جوڑے لگا دیں گے۔ وہاں ہر قسم کے میوے منگوا کر کھائیں گے۔ وہاں پہلی دفعہ کی موت کے سوا ان کو موت کی تلخی چکھنی ہی نہ پڑے گی اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ یہ تیرے رب کا ان پر فضل ہوگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں اس لیے آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں تو نتیجہ کے تم بھی منتظر رہو اور یہ بھی انتظار کریں۔

مقامِ امن سے یہ مراد ہے کہ نہ وہاں کوئی خطرہ ہوگا نہ رنج وغم کا حملہ نہ کسی بیماری کا کھٹکا نہ کسی دشمن کا خوف۔ سندس باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور استبرق دبیز ریشمی کپڑے کو۔
آمنے سامنے ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپس میں بات چیت کرتے ہوں گے۔
ہم نے قرآن کو عربی زبان میں بھیج کر لوگوں کے لیے سمجھنے میں آسانی کر دی تاکہ جو احکام ان کو دیئے گئے ہیں وہ ان کو سمجھ لیں۔ پس جو نتیجہ اس کا پھر ہوگا اس کا انتظار تم بھی کرو اور وہ بھی۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿۴۵﴾ ﴿۶۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا
يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ
اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ
اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ
اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾

حا۔ م۔ یہ کتاب نازل کی گئی ہے اس خدا کی طرف سے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں بھی اور جو چوپائے وہ زمین میں پھیلاتا رہتا ہے یقین کرنے والوں کے لیے اس میں بھی خدا کی نشانیاں ہیں اور رات اور دن کے اُلٹ پلٹ کر آنے میں اور خدا نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے اس میں۔ اس بارش سے اُس نے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں کہ ہواؤں کو چلایا عقلمند لوگوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جن کو ٹھیک ٹھیک تمہارے لیے پڑھتے ہیں۔ تو خدا اور اُس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ افسوس ہے ہر جھُوٹے اور گنہ گار کی حالت پر کہ جو آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ان کو سُنتا ہے پھر بھی از راہِ تکبر کُفر پر اَڑا رہتا ہے گویا اس نے سُنا ہی نہیں ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

ان آیات میں خدا نے جو نشانیاں بیان کی ہیں ان پر وہی ایمان لاتے ہیں جو خدا کے نیک بندے ہیں۔ اور صاحبانِ یقین ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نظامِ حیاتِ انسانی میں ان چیزوں کو کتنا بڑا دخل ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں، تو کوئی ذی حیات اس زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پس جو خدا ہمارے اوپر اتنا مہربان ہے اس پر کیوں نہ ایمان

لائیں لیکن جو ضدی اور ہٹی لوگ ہیں وہ باوجود سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں اور ایسے بن جاتے ہیں گویا انھوں نے نہ کچھ سنا ہے نہ دیکھا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ۝٩ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا
شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ۝١٠ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ
عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيْمٌ ۝١١ ع

اور جن لوگوں نے ہماری آیت سے کچھ سمجھ لیا ہے تو ان کا مذاق اُڑاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور ان کے پیچھے جہنّم ہے۔ جو کچھ ایسے لوگوں نے عمل کیا ہے وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ وُہ جن کو خدا کے علاوہ اپنا سرپرست بنا رکھا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ ہدایت ہے (ہماری طرف سے)۔ پس جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے قبول کرنے سے انکار کیا اُن کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہوگا۔

یعنی ایسے لوگ بھی ہیں کہ ہماری آیات میں سے بعض جان بھی لیتے ہیں پھر بھی ان کا مذاق اُڑاتے ہیں گویا ان کے نزدیک وہ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں ایسے لوگوں کو قیامت کے دن ذلیل ہونا پڑے گا اور اس کے پیچھے وہ جہنّم لگا ہوگا جس سے وہ بالکل بے خبر ہیں اور اس پر یقین نہیں رکھتے۔ جو بدکاریاں وہ دنیا میں کرتے تھے وہاں ان کو پتہ چلے گا کہ کوئی عمل بھی ان کو آخرت کی سزا سے نہ بچا سکے گا۔ جن بُتوں کی یہ لوگ پُوجا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ قیامت میں یہ ان کے کام آئیں گے وہ کچھ بھی مدد نہ دیں گے۔ کافروں کے لیے وہاں بڑی سخت سزا ہوگی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١٣ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ أَيَّامَ
اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝١٥

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو مسخّر کیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں اور تاکہ تم اس کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور تاکہ تم اُس کے شُکرگزار بنو اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو (اپنے حکم سے) تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ (اے رسول) تم مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی (جو جزا کے لیے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تاکہ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔ جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے کرتا ہے جو بُرے کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

خدا نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کے حکم سے تمہاری کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اور تم اپنی روزی تلاش کرنے کے لیے ان کے ذریعہ سے شہروں شہروں کا سفر کرتے ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ تاکہ تم خدا کی ان نشانیوں کے متعلق فکر کرو اور اس کے شکرگزار بنو۔ جو لوگ قیامت کے دن کے منکر ہیں اے ایمان والو! ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ تاکہ وہ اپنے کیے کو بھگتیں۔ جو نیک کام کرے گا اس کا فائدہ اُسی کو حاصل ہوگا اور جو بُرے کام کرے گا تو اس کی سزا اُسی کو بھگتنی پڑے گی۔ اُسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔ بچ کر جائیں گے کہاں۔ دُنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے آخری ٹھکانہ تو آخرت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ
الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾
ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی حکومت اور نبوّت دی اور ہم نے ان کو پاک و پاکیزہ رزق دیا۔ اور عالمین پر اُن کو فضیلت دی اور ان کو دین کے متعلق کھُلی ہوئی دلیلیں دیں۔ تو انہوں نے علم آچکنے کے بعد اُس کی ضد میں ایک دُوسرے سے اختلاف کیا۔ یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں، تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا۔ (اے رسولؐ) ہم نے تم کو دین کے کھُلے راستے پر قائم کر دیا ہے تو تم اس رستہ پر چلے جاؤ اور نادانوں کی پیروی نہ کرو۔ یہ لوگ خدا کے سامنے تمہارے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور ظالم لوگ یہاں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور خدا تو پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔

نزولِ قرآن سے پہلے ہم نے بنی اسرائیل کو توریت دی۔ معاملات کو فیصل کرنے کی صلاحیت دی۔ کتاب کو سمجھنے کے لیے عقل و فہم دی۔ ملکی معاملات کو چلانے کی صلاحیت بخشی۔ دین کی تبلیغ کے لیے نبوّت عطا کی۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے، سارے جہاں پر فضیلت دی معجزات دیئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہمارے فرمانبردار بن کر رہتے اور باہمی اختلاف کو راہ نہ دیتے مگر ہوا یہ کہ باوجود ہدایات کا علم آجانے کے۔ اُنھوں نے آپس کی ضد اور عداوت کی بنا پر گروہ بندی اختیار کر لی اور ایک دین اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔ اے رسولؐ، تمہارا پروردگار قیامت کے دن اختلافات کا فیصلہ کر دے گا۔ یعنی صرف ایک فرقہ کو برحق قرار دے کر باقی سب کو عذاب کے شکنجہ میں کس دے گا۔ خیر ان کا قصہ تو ختم ہوا۔ اب ہم نے ان کو ایک راستہ پر قائم کر دیا ہے۔ ایک شریعت قائم کی ہے پس اس پر قائم رہو۔ پس اسی پر قائم رہو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو۔ جو امر دین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں۔ ان سے خلط ملط نہ

رہے۔ اور ان کے خیالات پر عمل کرنے میں تمہارا بھلا نہ ہوگا۔ ان ظالموں نے اس دُنیا میں ایک دوسرے کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔ لیکن اس سے ہونا کیا ہے۔ یہ دوستی چند روزہ ہے۔ قیامت میں اس کا تار و پود بکھر جائے گا۔ اور یہی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اللہ تو صرف متقیوں کا سرپرست ہے کافروں سے اس کا کیا واسطہ۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ
الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں اُن کے لیے یہ قرآن مجموعۂ ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لانے والے اور اچھے اچھے کام کرنے والے ہیں اور سب کا مرنا اور جینا یکساں ہوگا۔ یہ لوگ کیا بُرے حکم لگاتے ہیں۔

یہ قرآن عقلی روشنی میں لوگوں کو تعلیم دیتا ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ہم ایمان والوں اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے اور اُن کی زندگی و موت یکساں ہو جائے گی۔ یہ لوگ کیسا بُرا حکم لگاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نیک و بد اور مومن و کافر برابر ہو جائیں۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ
بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ
قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ

بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا
الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ
بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾

اللہ نے آسمان و زمین کو (اپنی مصلحت کے موافق) ٹھیک پیدا کیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے جان کر اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مُہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس خدا کے سوا اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہماری زندگی تو بس دُنیا ہی کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور کوئی ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ۔ اور ان کو اس کی کچھ خبر تو ہے نہیں۔ اٹکل سے باتیں کرتے ہیں۔ جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی کج بحثی بس یہی ہوتی ہے کہ کہنے لگتے ہیں اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھاؤ۔

اللہ نے آسمان و زمین کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انسان ان کے درمیان رہے بسے اور نیک کام کرے تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ اے رسولؐ تم نے ان بُت پرستوں کو دیکھا کہ آج ایک بُت کی عبادت کرتے ہیں کل جب اس سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے تو اس کی پُوجا پاٹ کرنے لگتے ہیں پس یہ بتوں کی پُوجا تو نہ ہوئی بلکہ ان کی خواہشوں کی پُوجا ہوئی۔ خدا نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ لوگ راہِ راست پر آنے والے نہیں ان کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور ان کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے کہ فرشتے آسانی سے ان کو پہچان

لیں اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اُن کے سمجھنے بوجھنے کے ذرائع تھے اُن کو بیکار کر دیا۔ کیونکہ جب وہ ان کو کام ہی میں نہیں لاتے تو حق بات سننے سے انہیں محروم کر دیا۔ کان تو ہیں مگر حق بات سننے کے نہیں۔ دل تو ہیں مگر سمجھنے کے لیے نہیں۔ آنکھیں ہیں مگر حق بات دیکھنے کے لیے نہیں۔ گویا ان پر مہریں لگ گئی ہیں اور پردے پڑ گئے ہیں۔ خدائی توفیق سلب ہو گئی۔ اب خدا کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ ان کو سنوائے اور دکھائے۔ یہ نہیں سمجھتے نہ سمجھیں، نہیں دیکھتے نہ دیکھیں۔ اس کا جو انجام ہو گا انہیں بھگتنا پڑے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں رات دن مرے جیا ہی کرتے ہیں۔ اس میں خدا کے مارنے جلانے کا کیا سوال۔ ہمیں تو زمانہ مارتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کارخانہ قدرت میں اب اس کی ضرورت نہیں مار دیتا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ اہلِ علم کی سی باتیں نہیں ہیں بلکہ اٹکل پچو باتیں ہیں۔ جو جس کے جی میں بات آئی اتنی کہہ دی۔ چاہے وہ حقیقت ہو یا نہ ہو۔ دہریہ فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا سے ہماری حیات و ممات کا کوئی تعلق نہیں بلکہ زمانہ کے چکر ہماری موت کا باعث ہیں۔ ایسے لوگ حیات بعد الموت کے بھی قایل نہیں۔ ان کے عقیدہ میں خدا کا وجود نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے، گردشِ روزگار کی بنا پر ہوتا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس عالمِ کون و فساد میں بے شمار نظام چل رہے ہیں اور ہر نظام ایک قانونِ معینہ کے تحت چل رہا ہے۔ اگر ان کا چلانے والا کوئی صاحبِ حکمت اور قادرِ مطلق نہیں ہے تو یہ تمام خود بخود چل کیسے رہا ہے۔ کائنات میں فعل و انفعال، محرک و متحرک، نظم و ضبط سب کچھ ہو رہا ہے یہ بغیر کسی قادرِ مطلق کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جس ذاتِ احد کے قبضہ میں یہ تمام نظام ہے کیسے ممکن ہے کہ موت و حیات کا اس سے تعلق نہ ہو۔ مادّہ کی کوئی صورت بھی صاحبِ عقل و شعور نہیں اور بغیر کسی مخفی طاقت کے اس میں حرکت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی حرکت رُک سکتی ہے۔ جو بچہ بیشمار ردّ و بدل کے بعد بطنِ مادر میں بنتا ہے صرف اسی کی خبر دیتا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا صاحبِ قدرت و حکمت ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کا مارنے والا ایسا نہ ہو۔ ایک گھڑی ساز اس کے کل پُرزے اس طرح سے بناتا ہے کہ وہ ایک مدتِ معیّن تک کام کر سکتے ہیں اسی لیے وہ گارنٹی لیتا ہے کہ مثلاً پانچ برس تک یہ گھڑی چلتی رہے گی۔ چنانچہ پانچ برس بعد وہ چلنے سے رُک جاتی ہے۔ پس جس طرح ایک گھڑی کی رفتار کا تمام قانون گھڑی ساز کے اختیار میں ہے اسی طرح انسان کی موت کا قانون خدا کے ہاتھ میں ہے۔ زمانہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ
ع ۳ ۵ ۱۹ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلۡكُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ

اَلْمُبْطِلُوْنَ (۲۷) وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً قف کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓی اِلٰی
کِتٰبِهَا ط اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۸) هٰذَا کِتٰبُنَا
یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۹)
فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ
رَحْمَتِهٖ ط ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ (۳۰)

اے رسول کہہ دو اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے اور اللہ ہی تم کو مارتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا لیکن بہت سے لوگ اس بات کو جانتے نہیں اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست خسارہ میں رہیں گے اور تم ہر اُمت کو دیکھو گے کہ فیصلہ کی منتظر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور ہر اُمت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بُلائی جائے گی۔ جو کچھ یہ کرتے رہتے تھے آج تم کو اس کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب (جس میں اعمال لکھے ہیں) تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہی ہے۔ جو کچھ تم کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔ لیکن جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں خدا ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

پہلی آیت میں جواب ہے دہریوں کی اس بات کا کہ موت خود ہی آجاتی ہے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا خدا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ یاد رکھو جب قیامت آئے گی تو جو لوگ اس دُنیا میں باطل پرست ہیں خدا کو چھوڑے ہوئے ہیں وہ سب سے زیادہ خسارہ میں رہیں گے کیونکہ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

ہر اُمت پر وہاں اس قدر خوف و ہراس طاری ہوگا کہ گھٹنوں کے بل لوگ بیٹھے ہوئے اپنے متعلق فیصلہ کا انتظار کر رہے ہوں گے اور جو اعمال نامہ جس کسی کا ہوگا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس میں سب سچی سچی

باتیں لکھی ہوں گی۔ ہر ایک سے ایک ایک بات کا جواب طلب کیا جائے گا۔ یہ سب تحریر خدا کے قلمِ قدرت کی لکھی ہوئی ہوں گی یا وہ ہوگی جس کو کراماً کاتبین نے بطور اپنی ڈائری کے لکھا ہوگا۔ اس میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی درج ہوگی۔ انسان سمجھتا ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کا نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ سننے والا۔ نہ میرے کرتوتوں کی کبھی کہیں پرسش ہونے والی ہے۔ اس روز غلط کار و بدکار پر وہ مصیبت نازل ہوگی جسے کوئی ہٹانے والا نہ ہوگا۔ البتہ جو ایمان والے اور اعمالِ صالحہ کرنے والے ہوں گے رحمتِ الٰہی ان پر سایہ فگن ہوگی۔ ان لوگوں کے لیے یہ کتنی بڑی کامیابی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قف اَفَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ
وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ (۳۱) وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ
السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ لا اِنْ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (۳۲)

لیکن جو لوگ کافر رہے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تم پر پڑھی نہیں گئی تھیں۔ پس تم نے تکبّر سے کام لیا اور مجرموں میں سے ہو گئے اور جب تم سے کہا گیا تھا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے ہم تو ایک خیالی بات سمجھتے ہیں اور ہم اس پر یقین لانے والے نہیں۔

قرآن کریم میں مختلف طریقوں سے قیامت کے آنے کا یقین دلایا گیا ہے لیکن ہر نبی کی اُمت میں ایسے لوگ بکثرت پائے گئے جو قیامت پر ایمان لائے ہی نہیں اور یہی کہتے رہے کہ یہ ایک ڈھکوسلا ہے جو ہمیں ڈرانے کے لیے گڑھ لیا گیا ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۳)

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا
وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ
اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ
لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ
السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

ان کے اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہوگئیں اور جس عذاب کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اُس نے ان کو گھیر لیا اور ان سے کہا جائے گا ہم نے تمہیں اس طرح بُھلا دیا جیسے تم نے ہماری آج کی ملاقات کو بُھلا دیا تھا۔ اب تمہارا ٹھکانہ جہنّم ہے اور تمہاری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ عذاب اس وجہ سے تم پر نازل ہُوا کہ تم نے آیاتِ خدا کا مذاق اُڑایا تھا اور زندگانیٔ دُنیا نے تمہیں دھوکا دیا تھا پس اب نہ تو یہ لوگ اُس سے نکالے جائیں گے اور نہ (اس کا ان کو موقع دیا جائے گا) کہ وہ (توبہ کرکے) خدا کو راضی کرسکیں گے حمد تو بس اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمان کا بھی پالنے والا ہے اور زمین کا بھی اور تمام عالموں کا پالنے والا بھی وہی ہے۔ آسمان و زمین میں اُسی کے لیے بڑائی ہے اور وُہ غالب حکمت والا ہے۔

خدا کے بُھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دُنیا میں تم نے ہم کو نظر انداز کر دیا تھا اور ہماری کسی بات پر توجہ نہیں کرتے تھے اسی طرح آج ہم نے بھی تمہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ تم نے آیاتِ خدا کا مذاق اڑایا تو اب تم کو اس گستاخی کی سزا مل کر رہے گی۔ اب تو دوزخ کی بھڑکتی آگ ہے اور تم ہو۔

---

(۴۶) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (۶۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا
خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ
لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ
اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ
عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾

حا۔ م۔ یہ کتاب عزیز و حکیم خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ ہم نے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بڑی حکمت سے ایک وقتِ مقررہ تک کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا گیا ہے وہ اس سے منہ پھیرے ہیں۔ تم ان سے کہو جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے۔ اگر تم نے دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھاؤ۔ یا ان (بُتوں) کی آسمانوں کی خلقت میں (خدا کی) شرکت ہوگئی ہے

اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا ان کے علم کا کوئی حصّہ ہو تو ذرا مجھے بھی دکھاؤ۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کو پکارے جو قیامت تک اس کی بات کا جواب ہی نہ دے اور ان کو ان کے پکارنے تک کی خبر ہی نہ ہو۔

ان آیات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین کو ایک کھلونا نہیں بنایا ہے بلکہ بڑی گہری مصلحت سے بنایا ہے اور یہ نظام ہمیشہ کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ اس کے بعد یہ سب کارخانہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور قیامت کے بعد ایک دوسرا نظام چلے گا۔ جو لوگ اس دُنیا میں بستے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ یہ آخر سب نظام قدرت نے کس طرح قائم کیا ہے اور انسان یہاں کیوں آیا ہے۔ اگر انہوں نے اس نظام کے بنانے والے کو پہچانا ہی نہیں اور اس کے سوا دوسری چیزوں کی عبادت کی ہے تو یہ اس معبودِ حق کی کھلی نافرمانی ہوگی۔ جس کی سزا ایک دن ان کو ملے گی۔ کافر لوگوں کو جب اس آنے والے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور توجہ سے نہیں سنتے۔ اے رسولؐ، ان سے پوچھو تو کہ خدا کو چھوڑ کر جن بتوں کی تم پُوجا کرتے ہو کیا تم نے ان کو کبھی کوئی چیز روئے زمین پر پیدا کرتے دیکھا ہے۔ اگر دیکھا ہے تو ذرا مجھے بھی دکھاؤ۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ کیا خدا نے آسمان و زمین کے نظام قائم رکھنے میں ان بُتوں کو اپنا شریک بنا لیا ہے۔ اگر تمہارے نزدیک شریک بنایا ہے تو ذرا قرآن سے پہلے کی کوئی کتاب مجھے لا کر دکھاؤ کہ اس میں اس شرکت کا کوئی ذکر ہے یا کسی علم کے ذریعہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ فلاں فلاں خدا کے شریک ہیں۔ تمہارے عقلاؑ کے ابطال کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ جن کو تم اپنی مشکلات کے حل کرنے کے لیے پکارا کرتے ہو کیا انہوں نے تمہاری کسی بات کا جواب دیا ہے۔ اگر ایسا نہیں اور قیامت تک ایسا نہ ہوگا تو پھر تم سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ انہیں تمہاری دعاؤں کی خبر تک نہیں ہوتی اور تم ہو کہ انہیں کے آگے سر جھکاتے فریاد کیے چلے جا رہے ہو۔ اس سے زیادہ بے عقلی کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

اس پر بُت پرست کہتے ہیں کیا جب تم اپنے خدا سے فریاد کرتے ہو تو خدا تمہاری بات کا جواب دیتا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ وہ تمہاری بات سنتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے اپنی کتابوں میں یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ وہ فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سنتا ہے۔ علاوہ بریں اس نے اپنے انبیاؑء و مرسلینؑ سے مکالمہ کیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ وہ ہر ایک کی آواز کو سنتا ہے۔ برخلاف اس کے بتوں نے کبھی کسی سے نہ کلام کیا اور نہ کوئی کتاب ان کی ایسی سامنے آئی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اپنے پجاریوں کا کلام سنتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ پجاریوں کا یہ فرض کر لینا کہ بت ان کی آواز سنتے اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں خود ان کا من گھڑت عقیدہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کتنے بُت شکنوں نے ان کے سر پر کلہاڑے مار کر ان کی کل کل توڑ دی لیکن وہ ان کا کچھ نہ کر سکے تو جو اپنے آپ کو نہ بچا سکے وہ دوسروں کو کیا بچا سکیں گے۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ⑦ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧

قیامت میں جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو یہ ان کے معبود وہاں ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی پُوجا پاٹ سے انکار کر دیں گے۔ جب ہماری روشن آیات ان کو پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو کافر لوگ باوجود حق بات ان کے سامنے آجانے کے کہتے ہیں یہ تو کُھلا جادو ہے یا یہ کہتے ہیں یہ تو (محمدؐ نے) اپنے دل سے گڑھ لیا ہے۔ تم ان سے کہو اگر میں نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے تو تم خدا کے سامنے میرے کچھ بھی کام نہ آؤ گے۔ جو جو باتیں تم اس کے بارہ میں کرتے رہتے ہو وہ ان سب کو خُوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو بس وہی کافی ہے وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قیامت میں جن معبودوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے ان سے مراد پتھر کے بُت نہیں بلکہ فرشتے، جنّ، بھُوت وغیرہ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا قیامت میں پتھروں کے بُتوں کو بھی قوّتِ گویائی عطا کر دے۔

جو لوگ یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قرآن اپنے جی سے گڑھ لیا ہے۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے تم ان سے کہو کہ اگر میں نے بالفرض یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے اور قیامت میں مجھ سے اس کے متعلق باز پرس ہوئی تو کیا تم مجھے وہاں خدا کے عذاب سے بچا لوگے۔ یہاں انکار کر دینا تو آسان ہے لیکن وہاں جب

مار پڑے گی تو اپنا بچاؤ کیسے کرو گے۔ میرا معاملہ تو چھوڑو۔ ذرا اپنی خبر لو۔

تم اس معجزانہ کلام کو جادو کہتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے غیر معمولی ہونے کے قائل ہو۔ لیکن جب میں کہتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں تو تم نہیں مانتے۔ اگر تمہارے نزدیک یہ میرا ہی کلام ہے تو میری طرح تم بھی تو انسان ہو۔ پھر ایسا کلام بنا کیوں نہیں لاتے اور قرآن کے اس دعویٰ کو کیوں نہیں توڑتے کہ اس جیسا ایک سورہ بھی تم بنا کر نہیں لا سکتے۔ تم انسان اس فکر میں سر دھن رہے ہو کہ اس کی مثل ایک سورہ بنا لاؤ اور تم اب تک ایسا نہیں کر سکے تو پھر یہ بات کیوں نہیں مانتے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان خدا کی گواہی کافی ہے یعنی اس کا کلام ہی اس کی گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کا سچا رسولؐ ہوں اور جو کلام پیش کر رہا ہوں وہ خدا کا کلام ہے میرا نہیں۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۱۰ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا
مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ
اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۱۱

(اے رسول) تم ان کافروں سے کہو کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جو مجھ پر وحی کی گئی ہے میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں۔ میں تو کھلم کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ ان سے کہو ذرا غور تو کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہوا

اور تم اس سے انکار کر بیٹھے درآنحالیکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کے بے مثل ہونے کی گواہی بھی دے چکا ہے اور ایمان بھی لے آیا اور تم نے سرکشی کی (تو تمہارے ظالم ہونے میں کیا شک ہے) بے شک خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ کافروں نے ایمان لانے والوں سے کہا اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے اور چونکہ قرآن کے ذریعے ان کی ہدایت نہیں ہوئی لہٰذا اب یہی کہیں گے۔ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

کفار کہا کرتے تھے بھلا ہم محمدؐ کو کیسے رسول مان لیں جبکہ ان کی ساری باتیں ہم ہی جیسی ہیں۔ وہ بال بچوں والے ہیں۔ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے۔ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ دنیا میں میں ہی تو ایک رسول نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں تو کیا ان میں وہ باتیں تھیں جو مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ کیا وہ چلتے پھرتے نہ تھے۔ کھاتے پیتے نہ تھے۔ گھر گرہستی والے نہ تھے۔ اگر تم نے ان کو نبی مان لیا تھا تو میرے ماننے میں کیوں تامل ہے۔ تم کہتے ہو کہ خدا ہمارے ساتھ کوئی برائی نہ کرے گا کیونکہ ہم اولادِ انبیاء ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے پیارے بندوں کی اولاد سے برا سلوک کرے۔ اے رسولؐ! کہدو کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اس کا پتہ تو قیامت میں چلے گا۔ سنو، جو وحی مجھ پر کی جاتی ہے میرا کام تو اس پر عمل کرنا ہے۔ میں تو اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تم کو عذابِ آخرت سے ڈراؤں اور وہ صحیح راستہ تم کو دکھاؤں جس پر چلنے سے خدا خوش ہو اور آخرت میں تمہیں اس کا اچھا بدلہ ملے۔

اگر تم اس قرآن کو خدا کی طرف سے آیا ہوا نہیں مانتے تو اس کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیئے۔ بنی اسرائیل میں توریت کا سب سے بڑا عالم عبداللہ بن سلام ہے۔ اس نے قرآن کی صداقت کی گواہی دی ہے اور منزل من اللہ ہونے کا نہ صرف اقرار کیا ہے بلکہ ایمان بھی لے آیا۔ مگر اس پر بھی تم اکڑے ہوئے ہو تو سمجھ لو کہ خدا ظالم لوگوں کو کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

کافر لوگ اہلِ ایمان سے کہتے ہیں کہ یہ دین برحق ہوتا تو تم مومنوں سے پہلے ہم ایمان لاتے چونکہ یہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں لہٰذا یہی بکتا رہتا ہے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔ انبیاء یوں ہی ڈراتے دھمکاتے چلے آئے ہیں۔ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

چونکہ قرآن میں بت پرستی کی مذمت ہے اور بت پرستوں کو جہنمی بتایا گیا ہے اس لیے جو بت پرست تھے ان کو قرآن سے سخت عداوت تھی اور وہ اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے تھے مومنوں سے کہتے تھے اگر یہ خدا کی کتاب ہوتی تو تم سے پہلے ہم اس پر ایمان لے آتے۔ تم نے دھوکا کھایا ہے کہ اسے کتابِ خدا سمجھ کر ایمان لے آئے ہو۔

عبداللہ ابن سلام کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ یہ یہودی توریت کے بہت بڑے عالم تھے اور یہودیوں کے پیر اور سرتاج تھے۔ اور حضرتؐ کی نبوت کی پیشگوئیاں توریت میں دیکھے ہوئے تھے۔ جب آپؐ کی خبر معلوم

ہوئی تو آکر کہنے لگے میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں اگر آپ نے درست جواب دیئے تو سمجھوں گا آپ سچے پیغمبر ہیں :

۱۔ قیامت کے آنے کی پہلی علامت کیا ہے ؟

فرمایا، مشرق کی طرف سے ایک آگ پیدا ہوگی جو تمام لوگوں کو مغرب کی طرف لے جائے گی ۔

۲۔ بہشت میں سب سے پہلے کیا چیز کھانے کو ملے گی ؟

فرمایا، مچھلی کی کلیجی ۔

۳۔ بعض لڑکے باپ سے کیوں مشابہ ہوتے ہیں ؟

فرمایا، اگر مرد کی منی پہلے نکلے تو باپ سے اور اگر عورت کی نکلے تو اُس سے مشابہ ہوتے ہیں ۔

یہ سُن کر عبداللہ فوراً ایمان لے آئے ۔ اُن کے ایمان لانے پر یہودی ان کو بُرا بھلا کہنے لگے ۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ
لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ
لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ
شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ
اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڐ اِنِّىْ تُبْتُ
اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور اس قرآن سے پہلے موسٰی کی کتاب (توریت) پیشوا اور رحمت بن کر آئی تھی - اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں اس کی تصدیق کرتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو ڈرائے جو ظلم کرنے والے ہیں اور نیکوکاروں کے لیے قرآن خوش خبری ہے - جن لوگوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر قائم رہے ان کے لیے نہ خوف ہے نہ وُہ غمگین ہوں گے - یہ جنتی لوگ ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے - یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وُہ دُنیا میں کرتے تھے اور اُس نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا (کیونکہ) اس کی ماں نے رنج کی حالت میں اس کو پیٹ میں رکھا اور رنج ہی سے اس کو جنا اور اس کے حمل اور دُودھ بڑھائی کے تیس مہینے ہُوئے یہاں تک کہ جب پُوری جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کے سِن کو پہنچا تو خدا سے کہا اے میرے رب، تُو مجھے توفیق عطا فرما کہ تُو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں اُن کا شکریہ ادا کروں اور یہ بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک کام کروں جسے تُو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح و تقوٰی عطا کر میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں یقیناً فرمانبرداروں میں ہوں ۔

آخر آیت میں جس انسان کی ولادت کا ذکر کیا گیا ہے اس کے حمل اور دُودھ بڑھائی کی مدّت تیس ماہ بیان کی گئی ہے ۔ عموماً دودھ بڑھائی کی مدّت دو سال ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ " البقرہ ۲/۲۳۳ " (ماؤں کو چاہیئے کہ اپنی اولادوں کو دو سال یعنی چوبیس ماہ تک دودھ پلائیں) ۔ پس ۲۴ ماہ دودھ پلائی کے نکالنے کے بعد حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ چھ ماہ حمل والا بچہ زندہ نہیں رہتا ۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ چھ ماہ حمل والے صرف دو ہی بچے زندہ رہے ۔ ایک حضرت یحییٰؑ دوسرے حضرت امام حسینؑ ۔ پس یہ آیت انہی کی شان میں ہے ۔

اگر عام بچے مراد لیے جائیں اور حمل کی مدّت نو ماہ لی جائے تو پھر دودھ بڑھائی کی مدّت ۲۱ ماہ رہتی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ کم سے کم دودھ بڑھائی کی مدّت ۲۱ ماہ ہونی چاہیئے ۔ افسوس ہے کہ ماؤں کے دُودھ پلانے کا طریقہ ہی اب اسلامی دُنیا سے اٹھتا جا رہا ہے بلکہ اُٹھ ہی گیا ہے ۔ اب مائیں یہ تکلیف گوارہ ہی نہیں کرتیں ادھر بچہ پیدا ہُوا اور دودھ کی شیشی اُس کے منہ میں لگا دی ۔ اور مادری فریضہ سے آزاد ہو گئیں ۔ یا انا یا گورنس کے حوالے کر دیا کہ تُو اپنا دودھ پلائے جا ۔ قدرت نے بچہ کا رزق اس کی ولادت سے پہلے جہاں پیدا کیا تھا اس سے وہ محروم ہو گیا ۔ اگر شیشی کا دودھ پلوانا مقصود ہوتا تو خدا ماں کی چھاتی میں دودھ ہی پیدا نہ کرتا ۔ کاش ان مہربان ماؤں کو معلوم ہوتا کہ ان کے بچے کے لیے سب سے زیادہ سازگار، صحت بخش اور محبت کے قریں دودھ وہی ہے جو ان کی چھاتیوں سے اُبلتا ہے ۔ اس کو پی کر بچہ کی نشو و نما جلد ہوتی ہے اور اس کی صحت برقرار رہتی ہے ۔

جو بچے ماں کے دُودھ سے محروم رہتے ہیں اُن کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی روگ پیدا ہو جاتا ہے اور ماں کی محبت کا وہ جوش ان کے اندر باقی نہیں رہتا جو اُن بچوں میں پایا جاتا ہے جو ماں کا دودھ پی کر پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دودھ خشک ہو جائے تب تو مجبوری ہے ورنہ خدائی چھلکتے ہوئے چشموں کا منہ بند کر دینا کہاں کی دانائی ہے۔

جو خصوصیات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں اگرچہ مفسرین عامہ نے ان کا مصداق کسی خاص انسان کو نہیں ٹھہرایا لیکن ان پر غور و خوض کرنے والے پر ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ سے لے کر مِنَ الْمُسْلِمِينَ تک جو باتیں ذکر ہوئی ہیں وہ امام حسین علیہ السلام کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا
يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾

(جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا) یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک عمل کو ہم قبول فرمائیں گے اور جنّت والوں میں قرار دے کر اُن کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔ یہی وہ سچا وعدہ ہے جو ان کے لیے کیا جاتا تھا اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تمہارا بُرا ہو تم کیا مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے (اور کوئی نہ زندہ ہوا)۔ اور وہ دونوں فریاد کر رہے تھے کہ تجھ پر وائے ہو ایمان لے آ۔ بے شک خدا کا وعدہ حق ہے (وہ پورا ہو کر رہے گا)۔ تو وہ کہنے لگا یہ تو بس پہلے لوگوں کے جھوٹے افسانے ہیں۔

اُفّ کے معنی میل کچیل کے ہیں۔ مجازی معنی تنگ دل ہو کر کچھ کہنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے اُکتا کر اپنے ماں باپ سے کہا، تمہارا بُرا ہو کیا تم اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے پھر اُٹھا کھڑا کیا جاؤں گا

میں کیسے مان لوں۔ مجھ سے پہلے بیشمار لوگ مر چکے ہیں۔ کیا ان سے کوئی آج تک اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکلا ہے جو میں بھی نکلوں گا۔ ماں باپ فریاد کر رہے تھے ارے یہ کیا بک رہا ہے قیامت پر ایمان لے آؤ۔ خدا نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بالکل سچا ہے۔ وہ بدبخت جواب میں کہتا ہے۔ اجی یہ بات یوں ہی پرانے فرسودہ قصے ہیں جو لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ مومن ماں باپ اور کافر اولاد کا حال سُنایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا
عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ
يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ
الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ
بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ع ۲

یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان سے پہلے جنّوں اور انسانوں کے جو گروہ (اس قسم کے) ہو چکے ہیں انہی میں یہ شامل ہوں گے۔ یہ خسارہ پانے والوں میں سے ہیں جیسے جس کسی نے اعمال کیے ہوں گے ایسے ہی ان کے درجات ہوں گے اور یہ اس لیے ہے تاکہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور کافر لوگ جب جہنم پر پیش کیے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا) تم تو اپنی زندگانی دُنیا کے مزے اُڑا چکے اور چین سے بسر کر چکے آج تم کو رسوا کرنے والے عذاب سے بدلہ دیا جائے گا اس لیے کہ تم روئے زمین پر خواہ مخواہ اکڑا کرتے تھے اور بدکاریاں کیا کرتے تھے۔

جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لائے اور اس کو پرانے قصے کہانی سمجھتے ہیں ان کا شمول ان ہی لوگوں میں ہو گا جو ان سے پہلے قوم جنّ و انسان میں گزر چکے ہیں۔ قیامت میں حساب کتاب کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جنّت یا دوزخ میں کوئی درجہ دیا جائے گا اور وہ اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔ کسی پہ ذرّہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ جب بدکار لوگ جہنّم کے سامنے پیش ہوں گے تو اُن سے کہا جائے گا دُنیا کی زندگی تو خوب عیش و آرام سے تم گزار چکے اور خوب خوب مزے اُڑا چکے۔ آؤ اب اپنی بدکاریوں کا مزہ چکھو۔ تم تو زمین پر خواہ مخواہ اکڑے اکڑے پھرا کرتے تھے اور غرور و تکبّر میں چھکے رہتے ہیں۔ بدکاریاں کر کے خوش ہوتے تھے۔ دیکھو اس کے بدلے میں کیسا ذلیل کرنے والا عذاب تمہارے سر پر ہے۔

یہ جواب ہے کفارِ مکّہ کی اُن لن ترانیوں کا جو مسلمانوں کے سامنے بگھارا کرتے تھے اور کہتے تھے تم نے مسلمان ہو کر کیا پایا۔ دیکھو ہمارے بُتوں نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا۔ دوست بھی، دولت اور عزت بھی غرض سب کچھ حاصل ہے اس خبط میں تم مبتلا ہو کر غریب مسلمانوں کو ستاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد تمہاری بدکاریوں کا کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہ ہو گا

وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ ؕ اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ
مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ
عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ
اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا
الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَلٰـكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ
قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا
هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىۡءٍۢ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا

يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

اے رسول تم عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف پر (عذابِ خدا سے) ڈرایا اور ان سے پہلے اور بعد بھی بہت سے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے (ہود نے کہا) خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس دن کے سخت عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم پر آنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمارے معبودوں کی طرف سے ہمارے دل پھیر دو۔ اگر تم سچّے ہو تو وہ عذاب دکھاؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو۔ انہوں نے فرمایا اس کا علم تو خدا ہی کے پاس ہے میں تو جو احکام خدا کی طرف سے دے کر بھیجا گیا ہوں، وُہ پہنچائے دیتا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو لیکن جب انہوں نے (اس عذاب کو) دیکھا کہ (بادل کی طرح) ان کے میدانوں کی طرف اُمڈا چلا آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔ (ہودؑ نے کہا نہیں) یہ وہی (عذاب ہے) جس کی تم جلدی مچا رہے تھے یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر شے کو ہلاک کر دے گا (پس وہ ایسے تباہ ہوئے) کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

قوم عاد بڑی طاقتور قوم تھی۔ احقاف کے علاقہ میں آباد تھی اور یہ لوگ عمّان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ بڑے سرکش اور ظالم تھے۔ ان کے ڈھے ہُوئے مکانات کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں۔ جن کو سیّاح دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ ان کو ہدایت کے لیے حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔ حضرت ہودؑ نے بُت پرستی سے روکنے کی ہر چند کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ حضرت ہودؑ سے کہتے تھے اگر تم ہمارے بُتوں کی مذمّت سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ حضرت ہودؑ نے ان کو عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے ہم تمہارے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اگر سچّے ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ۔ آخر ایک روز آندھی اُٹھی۔ ہودؑ نے کہا دیکھو عذاب آرہا ہے اب بھی خدا پر ایمان لے آؤ انہوں نے کہا یہ عذاب نہیں ہے بلکہ بادل ہے جو ہم پر برسنے کے لیے آرہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آندھی نے اُن کو آلیا اور ایسے کنکر اُن پر برسائے کہ سب ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کے گھروں کی چھتیں اُکھڑ اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑیں اور ساری بستی ویرانہ بن کر رہ گئی۔

ولقد مکنّٰهم فیما ان مکنّٰکم فیه وجعلنا لهم سمعا
وّابصارا وّافـٕدة ۖ فما اغنٰی عنهم سمعهم ولا ابصارهم
ولا افـٕدتهم من شیء اذ کانوا یجحدون ۙ باٰیٰت الله و
حاق بهم ما کانوا به یستهزءون ﴿٢٦﴾

ہم نے انہیں جو کچھ دیا تھا تم کو کچھ بھی نہیں دیا۔ ہم نے اُن کو کان دیئے تھے انہیں دل دیئے تھے اور آنکھیں دی تھیں مگر چونکہ انہوں نے آیاتِ خدا سے انکار کیا لہٰذا نہ اُن کے کان کام آئے نہ آنکھیں نہ دل اور جس عذاب کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اُس نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

کفارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں جیسے قوم عاد وغیرہ۔ وُہ مقدرت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ ان کے پاس کیا نہ تھا۔ مال و دولت۔ عزت و وقار۔ جماعتی قوت۔ تمہارے پاس تو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ پھر کان۔ آنکھ اور دل بھی دیئے تھے گونگے بہرے نہ تھے۔ واقعات کے نتائج سے صحیح فیصلہ کرنے والے بھی تھے۔ مگر تمہاری طرح انہوں نے بھی ان قوتوں سے کچھ کام نہ لیا۔ آیاتِ خدا سے انکار ہی کرتے رہے نہ کمبختوں نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے ہدایت کو سُنا اور نہ دلوں سے سمجھا۔ یہ ساری قوتیں انہوں نے بیکار بنا ڈالیں۔ وہی حال تمہارا ہے۔ جس طرح اُن لوگوں نے عذاب کا مذاق اُڑایا اور اُس کی لپیٹ میں آگئے یہی حشر تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

ولقد اهلکنا ما حولکم من القرٰی وصرّفنا
الاٰیٰت لعلهم یرجعون ﴿٢٧﴾ فلولا نصرهم الذین اتخذوا
من دون الله قربانا اٰلهة ۖ بل ضلّوا عنهم ۚ وذٰلک افکهم
وما کانوا یفترون ﴿٢٨﴾

(اے اہلِ مکہ) ہم نے تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیوں کو تباہ کر دیا اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں ان کو دکھائیں تاکہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں۔ جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبُودوں کو خدا کے تقرب کا ذریعہ بنایا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی بلکہ وہ تو غائب ہو گئے۔ یہ حقیقت تھی ان کے جھوٹ اور ان کی افترا پردازی کی۔

(اے اہلِ مکہ) ذرا اس پر تو غور کرو کہ تمہارے آس پاس کی بستیوں والوں نے خدا کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا معبُود بنایا تھا۔ ہم نے اس جرم کی سزا میں ان سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہم نے اسی طرح سے اپنی نشانیاں بھیج کر ان کو سمجھانا چاہا تاکہ وہ اپنی کافرانہ حرکات سے باز آجائیں مگر نہ مانے۔ اُنہوں نے سمجھا تھا کہ ان کے معبُود (بُت) خدا کی درگاہ میں ان کے تقرب کا باعث ہوں گے۔ لیکن وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور جب عذاب آیا تو غائب غلّا ہو گئے۔ پس اے اہلِ مکہ سمجھ لو کہ تمہارے یہ بُت بھی تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔ تم نے سمجھ لیا کہ ان کے جھوٹ اور ان کی افترا پردازیوں کا انجام کیا ہوا۔

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القراٰن ۚ فلما
حضروه قالوا انصتوا ۚ فلما قضی ولوا الٰی قومهم
منذرین ﴿٢٩﴾ قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتٰبا انزل من بعد موسٰی
مصدقا لما بین یدیه یهدی الی الحق والٰی طریق مستقیم ﴿٣٠﴾
یٰقومنا اجیبوا داعی الله واٰمنوا به یغفر لکم من ذنوبکم
ویجرکم من عذاب الیم ﴿٣١﴾

اور جب ہم نے جنّوں میں سے کئی شخصوں کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ دل لگا کر قرآن سُنیں تو جب اُس کے پاس حاضر ہوئے (تو ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش بیٹھے سنتے رہو۔ جب

جنوں کا ایمان لانا

پڑھنا تمام ہُوا تو اپنی قوم کے پاس واپس گئے کہ ان کو عذاب سے ڈرائیں۔ کہنے لگے، اے بھائیو، ہم ایک ایسی کتاب سُن کر آئے ہیں جو موسٰی کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جو کتابیں پہلے نازل ہوئی ہیں، اُن کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ میرے بھائیو اللہ کی طرف بُلانے والے کی بات کو قبول کرو اور خدا پہ ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور دردناک عذاب سے بچالے گا۔

جنوں کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد جب آنحضرتؐ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی میرا مددگار نکل آئے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے اشقیا نے بجائے خاطر مدارت کرنے کے حضرتؐ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ بازاری لونڈوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ حضرتؐ کو ڈھیلے اور پتھر مارنے لگے آپؐ کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔ وہاں سے حضرتؐ پریشان حال واپس چلے۔ راہ میں کھجوروں کا ایک باغ تھا، تنہا شب کو وہیں قیام فرمایا۔ جب نماز کو اُٹھے تو نصیبین و نینوا کے رہنے والے سات جن اُدھر سے گزرے۔ آپؐ کو قرآن پڑھتے دیکھ کر ٹھہر گئے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ ظاہر ہوئے اور ایمان لائے اور اپنے مقام پر جا کر دینِ اسلام کو جاری کیا۔

اس سے معلوم ہُوا کہ یہ جن حضرت موسٰیؑ پر ایمان لائے تھے۔ جب ہی تو انہوں نے قرآن سُن کر اس کے منجاب اللہ ہونے کی تصدیق کی۔ یہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے اکثر ان کے وفود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

بعض تفسیروں میں جنات کے متعلق بہت سی غیر ضروری باتیں بھی لکھی ہیں۔ جیسے وہ کس ہیئت میں رہتے ہیں کہاں رہتے ہیں ان کی ازدواجی شان کیا ہے۔ میں نے ان سب بحثوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ ایک امر ضرور قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ہماری اُن کی شریعت ایک ہے یا مختلف۔ آیا وہ ہماری طرح ہی نماز ادا کرتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں یا کچھ اختلاف ہے۔ نیز یہ کہ وہ ہمارے ساتھ تمام نعمتوں میں شریک ہیں یا نہیں؟

بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے روزِ حشر مؤاخذہ ہماری طرح ہوگا۔ وہ ہماری طرح مکلف ہیں ان کو بھی ہماری طرح عبادت کا حکم ہے۔ آیہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نعمتوں میں شریک ہیں۔ ایمان لانا بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ جو قرآن ہمارے لیے باعثِ ہدایت ہے اُن کے لیے بھی ہے۔ خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت پر وُہ بھی ایمان لاتے ہیں۔ رہا طریقِ عبادت، تو ممکن ہے اس میں اختلاف ہو کیونکہ وہ ہماری جنس سے نہیں ہیں۔

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن و کافر ان میں بھی ہوتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کا بیر العلم میں کافر جنوں کو قتل کرنا اس کا ثبوت ہے۔ مومن جنوں سے اکثر لوگوں کو فائدے پہنچتے ہیں۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٣﴾

جس نے خدا کی طرف بُلانے والے کی بات نہ مانی وہ خدا کو روئے زمین پر عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اس کے سوا اس کا کوئی سرپرست ہوگا یہی لوگ سخت گمراہی میں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اس پر بھی غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے ذرا بھی نہیں تھکا۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جو کفّار و مشرکین حضرتؐ کے کام میں رکاوٹ ڈالتے تھے وہ سمجھتے تھے ہم اپنی اس منصوبہ میں غالب آجائیں گے اور اللہ جو چاہتا ہے اُسے پورا نہ ہونے دیں گے۔ ان کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ تم کتنی ہی کوشش کرو ہمارے دین کی تبلیغ کو نہیں روک سکتے اور نہ ہمیں عاجز بنا سکتے ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے بھلا وہ تم سے دب کر رہے گا۔ کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ تم اس کے ارادہ کے مقابل کامیاب ہو سکو گے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً
مِنْ نَهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾

جس دن کفار جہنم کی آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو ان سے پوچھا جائے گا) کیا اب بھی (قیامت) برحق نہیں ہے۔ وہ کہیں گے اپنے پروردگار کی قسم برحق ہے۔ خدا فرمائے گا تو اب اپنے انکار کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔ اے رسول پیغمبروں میں سے جس طرح اولوالعزم رسول کرتے تھے تم بھی صبر کرو اور ان کے لیے (عذاب میں) جلدی کی خواہش نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو معلوم ہو گا کہ گویا یہ لوگ (دُنیا میں) بہت رہے ہوں گے تو سارے دن میں سے ایک گھڑی بھر۔ بات پہنچا دی گئی تو وہی لوگ ہلاک ہوں گے جو بدکار تھے۔

انبیائے اولوالعزم وہ لوگ ہیں جو صاحبِ شریعت تھے۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ان میں سے ہر ایک کی شریعت اپنے سے پہلے کی شریعت کی ناسخ تھی۔
حضورؐ سے کہا جا رہا ہے جس طرح تم سے پہلے انبیاء اولوالعزم نے اپنی اپنی امتوں کے ظلم پر صبر کیا تم بھی کرو۔ ان کے عذاب میں جلدی نہ کرو۔ جب وقتِ عذاب ان کے سر پر آ جائے گا تو ان کو اپنی زندگی کا دن ایک گھڑی کے برابر معلوم ہو گا۔ یعنی دنیا کی ساری زندگی ایک گھڑی بھر کی برابر معلوم ہو گی۔

﴿۴۷﴾ سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ﴿۹۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ

مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ
بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ
اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا تو اُن کے اعمال اکارت ہو گئے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور ایمان لائے اُن باتوں پر جو محمدؐ پر نازل کی گئیں اور وہ اُن کے رب کی طرف سے برحق ہیں تو اُن کے گناہ خدا نے دُور کر دیئے اور اُن کی حالت سنوار دی۔ یہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے باطل کا اتباع کیا اور جو لوگ ایمان لائے اُس حق کا اتباع کیا جو اُن کے رب کی طرف سے آیا۔ لوگوں کے لیے اللہ ایسی ہی مثالیں بیان کیا کرتا ہے۔

جو لوگ خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو احکام رسولؐ پر نازل ہوئے ہیں اُن کو دل سے مانتے اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں خدا اپنی رحمت سے جو گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں اُن کو بخش دے گا۔ لیکن جن کافروں نے باطل پرستی اختیار کی ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہو گی۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا
أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً
حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَا
نْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا

فِی سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۴﴾ سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَ یُصۡلِحُ
بَالَہُمۡ ﴿۵﴾ وَ یُدۡخِلُہُمُ الۡجَنَّۃَ عَرَّفَہَا لَہُمۡ ﴿۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ﴿۷﴾ وَ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّہُمۡ وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۸﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ
کَرِہُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۹﴾

نصف الحزب الاول

جب جنگ میں کافروں سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں زخموں سے چُور چُور کر ڈالو تو اُن کی مشکیں کس لو اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو، یا معاوضہ لے کر رہا کرو۔ یہاں تک کہ دشمن لڑائی کے ہتھیار رکھ دے۔ یہ (یاد رکھو) اگر اللہ چاہتا تو اور طرح بدلہ لے لیتا مگر اُس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک دوسرے سے لڑوا کر کرے۔ جو لوگ راہِ خدا میں شہید ہو گئے ان کے اعمال کو خدا ہرگز اکارت نہ کرے گا۔ انہیں عنقریب منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا اور اُن کی حالت سنوار دے گا اور اس بہشت میں داخل کرے گا جس کا انھیں پہلے سے شناسا کر رکھا ہے۔ اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جن لوگوں نے کفر کیا تو اُن کے لیے تباہی و بربادی ہے اور ان کے اعمال برباد کر دے گا۔ یہ اس لیے ہے کہ خدا نے جو چیز نازل فرمائی اُنہوں نے اسے ناپسند کیا پس ان کے اعمال اُس نے اکارت کر دیئے۔

جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے مشرکین کے دل میں عداوت کی بے پناہ آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ ہر روز مسلمانوں کو ستانے کے منصوبے بناتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کے اونٹ بھگا کر لے جاتے کبھی تنہا پا کر اُن کو شہید کر دیتے۔ کبھی ان کا قافلہ لُوٹ لیتے۔ آخر خدا نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم بھی ڈٹ جاؤ اور ان کا مقابلہ کرو۔ جنگ میں جو لوگ ہاتھ لگیں ان کی کس کر مشکیں باندھیں اور اُن کو اتنی مار مارو کہ زخموں سے

چُور چُور ہو جائیں۔ جب تک یہ اپنے ہتھیار نہ ڈالیں اور تمہارے مقابل جنگ سے باز نہ آئیں ان کے مقابلہ سے جی نہ چراؤ۔ جن کو تم قیدی بنا لو یا تو اُن پر احسان رکھ کر اور یہ وعدہ لے کر چھوڑ دو کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے یا پھر رہائی کے بدلہ میں کوئی موٹی رقم ان سے لو۔

پھر فرماتا ہے کہ اُن کو بغیر تم سے لڑائے بھی تباہ و برباد کر سکتے تھے لیکن ہم نے ایسا اس لیے کیا کہ تمہاری قوتِ ایمانی کا امتحان لے لیں اور یہ دیکھ لیں کہ محبتِ دین اور حمایتِ حق میں تم کس طرح سر بکف ہو کر لڑتے ہو۔ مسلمانو! یہ بھی یاد رکھو، اگر تم میری مدد کرو گے یعنی میرے دین کی حفاظت و حمایت کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا تمہارے مقابلہ میں تمہارے دشمنوں کو شکست دے گا اور میدانِ جنگ میں تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔ جو لوگ میدانِ جنگ میں قدم جما کر نہیں لڑتے تھے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے خدا اُن کی مدد اس لیے نہیں کرتا تھا کہ اُن کے ایمان پکے نہ تھے۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ
قَبۡلِہِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ۫ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُہَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِکَ
بِاَنَّ اللّٰہَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱ ۵

کیا ان لوگوں نے روئے زمین پر سیر نہیں کی تاکہ یہ دیکھتے کہ ان سے پہلے (کافروں کا) انجام کیا ہُوا ہے۔ خدا نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لیے ایسی ہی تباہی ہو گی۔ یہ اس لیے ہے کہ ایمان والوں کا سرپرست اللہ ہے اور کافروں کا سرپرست کوئی نہیں۔

اہلِ مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ہمارے رسولؐ کو بے وجہ ستا رہے ہیں۔ کیا انہوں نے روئے زمین پر چل پھر کر ان لوگوں کی تباہی و بربادی کا حال نہیں دیکھا ان کے کھنڈر نہیں دیکھے جو ان سے پہلے گزرے تھے۔ اور ہمارے پیغمبروں کو ستایا کرتے تھے پس یہی انجام اس پیغمبرؐ کے ستانے والوں کا ہو گا۔

یہاں "مولیٰ" کے معنی سرپرست اور کارساز کے ہیں، دوست کے نہیں۔ کیونکہ آیت کا سیاق و سباق یہی بتا رہا ہے کہ معنی سرپرست ہے۔ اسی طرح غدیرِ خم میں آنحضرتؐ نے جو فرمایا تھا من کنت مولاہ فھٰذا علیؑ مولاہ۔ اس میں بھی مولا کے معنی اولیٰ بتصرف ہی ہیں۔ کیونکہ حضورؐ نے اس سے پہلے فرمایا الست اولیٰ بکم من انفسکم۔ کیا میں تمہارے نفسوں سے بہتر نہیں ہوں۔ پس جن لوگوں نے مولا کے معنی دوست لیے ہیں،

اُنہوں نے حدیث کی عظمت کو گرا دیا ہے۔ اور رسولؐ کے کلام کو ایک معمولی انسان کے کلام سے بھی زیادہ بے ربط قرار دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے خدا اُن کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کفر کی حالت میں ہیں وُہ دُنیا میں اس طرح جیتے مرتے اور کھاتے پیتے ہیں جیسے چوپائے۔ (مرنے کے بعد) جہنّم ان کا ٹھکانہ ہو گا۔ اے رسول، جس بستی سے اِن لوگوں نے نکالا، ان سے طاقت و قوت میں بڑھ کر بہت سی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی اُن کا ناصر و مددگار نہ تھا۔

مکّہ والوں نے کونسا ظلم تھا جو حضرت رسولؐ پر نہ کیا۔ مگر آپؐ مکّہ کی محبت میں وہ تمام مظالم جھیلتے رہے لیکن جب وہ اشقیا حضرتؐ کے قتل پر آمادہ ہوئے تب حکمِ خدا ہُوا کہ اے رسولؐ، اب تم یہاں سے مدینہ کو ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ آپؐ انتہائی پریشانی میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ راہ میں مڑ مڑ کر مکّہ کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اور فرطِ محبت میں فرماتے تھے، اے مکّہ تُو مجھے سب شہروں سے زیادہ محبُوب ہے اگر یہاں کے لوگ میرے قتل کا ارادہ نہ کرتے تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔

حضرتؐ کے ہجرت کرنے کے بعد مشرکینِ مکّہ بہت خوش تھے کہ محمدؐ کی وجہ سے ہمارے دین پر جو مصیبت آگئی تھی وہ ٹل گئی۔ لیکن بہت جلد ان کو پتہ چل گیا کہ اُس نکالنے کا انجام کیا ہُوا۔ چند ہی سال کے اندر لڑائیوں میں ان کے نامی گرامی سردار مارے گئے اور ان کا عسکری نظام اتنا درہم برہم ہُوا کہ پھر ان میں حضرت سے لڑنے

کی طاقت باقی نہیں رہی۔

آٹھ ہی سال بعد انہی ظالموں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ جس رسولؐ کو انہوں نے بیکس و بے بس بنا کر مکّہ سے نکالا تھا وہ کس فاتحانہ انداز سے اُسی مکّہ میں داخل ہو رہا تھا اور وہ ظالم کیسی ذلّت کے ساتھ مجرمانہ حیثیت میں اُس کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

کیا ایسا شخص جو اپنے رب کی طرف سے (اپنی صداقت پر) روشن دلیل لے کر آیا ہو، اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کی بداعمالی کو اُس کی نظر میں زینت دی گئی ہو اور جنہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہو (ہرگز نہیں ہو سکتا) جس جنّت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اُس کی صفات یہ ہیں کہ اس میں جو نہریں ہیں ان کا پانی (کبھی) بدبودار نہیں ہوتا۔ ان میں دُودھ کی ایسی نہریں ہیں جن کا ذائقہ کبھی نہیں بدلتا۔ اور شراب کی ایسی نہریں ہیں جن کے پینے سے پینے والوں کو لذّت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نہریں ہیں جن میں صاف و شفّاف شہد لہریں مارتا ہو گا اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی مغفرت ان پر سایہ فگن ہو گی۔ کیا یہ لوگ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں جھونک دیئے گئے ہوں اور ان کو ایسا کھولتا ہُوا پانی پلایا جائے گا۔

جو اُن کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

دُنیا کی نعمتوں کا قیاس جنّت کی نعمتوں پر نہ کرنا چاہیئے۔ یہاں کی نعمتیں ایک حالت پر نہیں رہتی تھوڑا سا وقت گزرنے، ناموافق ہواؤں کے چلنے، موسمی حالت بدلنے سے ان کے ذائقہ میں فرق آجاتا ہے۔ پانی میں بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ دُودھ بُودار اور کھٹا ہو جاتا ہے۔ شراب میں تلخی آجاتی ہے۔ شہد کا مزہ بدل جاتا ہے۔ پھل سڑ جاتے ہیں۔ جن کے کھانے سے بیماریاں پھوٹ نکلتی ہیں۔

جنّت کی نعمتوں کی خوبیاں ہمارے تصوّر میں بھی نہیں آسکتیں۔ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہوں گی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی ہوں گی نہ کانوں نے سُنی ہوں گی اور نہ کسی دل میں ان کی صفات کا گزر ہُوا ہو گا۔ نہ وہ پانی ایسا پانی ہو گا نہ وہ دُودھ ایسا دُودھ ہو گا۔ نہ وہ شراب ایسی شراب ہو گی۔ نہ وُہ شہد ایسا شہد ہو گا نہ وہ پھل ایسے پھل ہوں گے۔

صرف اہلِ ایمان کو رغبت دلانے کے لیے ان ناموں کا ذکر کیا گیا ہے جو یہاں لذّتِ کام و دہن سمجھے جاتے ہیں۔ ورنہ کہاں وہ لذّتِ رُوح و ایمان کہاں یہ محرّک ہوا و ہوس۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا
لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ
هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ
تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ
ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾

(اے رسولؐ) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں لیکن جب تمہارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں (قرآن کا) علم دیا گیا ہے پوچھتے ہیں اس شخص نے ابھی

کیا کہا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے علامت مقرر کر دی ہے اور جنہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا ہے اور ان کو پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔ تو کیا ہوا جو لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یکایک قیامت ان کے پاس آجائے۔ تو اس کی نشانیاں آ ہی چکی ہیں تو جس وقت قیامت ان کے سر پر آ پہنچے گی پھر انہیں نصیحت کہاں مفید ہو گی۔

آیت نمبر ۱۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محفلِ پند آموز کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آنحضرتؐ کی باتیں تو بہت کان لگا کر سنتے تھے مگر سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ باہر نکلتے تو صاحبِ علم حضرات سے پوچھتے کہ حضرتؐ ابھی کیا فرما رہے تھے۔ اس درسگاہِ تعلّم کے انوکھے طالبِ علم کون تھے جنہوں نے باوجود صحبتِ رسولؐ میں موجود رہنے کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ یا تو یہودی و مشرکین ہوں گے مگر یہ صحبتِ رسولؐ میں جم کر کہاں بیٹھا کرتے تھے کبھی کبھی آ بھی جاتے ہوں گے تو چونکہ اُن کا مقصد حضورؐ پر اعتراض کرنا ہوتا تھا لہٰذا ضرور پوری توجہ سے باتیں سنتے ہوں گے دوسرے ایسا کبھی کبھار ہوتا ہو گا۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے سننے والے ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اگر یہودی وغیرہ نہ تھے تو پھر مسلمانوں ہی میں کچھ لوگ ہوں گے یعنی اصحابِ رسولؐ ہی میں سے۔ غالباً ایسا کرنے والے منافق ہی ہوں گے۔ جو بظاہر اصحابِ رسولؐ میں داخل تھے مگر صحبت سے کیا فیض پاتے تھے اُسے آیت بتا رہی ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں سے نہیں پوچھتے تھے کہ حضرتؐ نے کیا فرمایا۔ بلکہ اُن لوگوں سے پوچھتے تھے جنہیں خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن میں جہاں کہیں اُوْتُوْا بصیغہ ماضی مجہول آیا ہے وہاں وہ لوگ مراد ہیں جنہیں خدا کی طرف سے علم عطا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہُوا کہ حضرت رسولِ خداؐ جب آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے اور کچھ لوگوں کی سمجھ میں مطلب نہیں آتا تھا تو اُن لوگوں سے مطلب دریافت کرتے تھے جن کے متعلق انہیں علم ہوتا تھا کہ ان کو علم وہبی ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ صحبتِ رسولؐ میں دو قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ایک وہ جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ دوسرے وہ جنہوں نے دُنیا والوں سے حاصل کیا تھا۔ بس پوچھنے والے اس دوسرے گروہ سے نہیں پوچھتے تھے۔ غالباً جانتے ہوں گے کچھ۔

ورنہ اوتوا لعلم کی قید بیکار تھی۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سب مسلمان اوتوا العلم والے تھے تو پھر کوئی مسلمان جاہل قرار ہی نہیں پاسکتا اور سب کے سب خدا کے یہاں کے پڑھائے ہوئے بن جاتے ہیں۔ اور یہ مسلم نہیں۔

قرآن کی تعلیم کو صحیح معنوں میں محفوظ رکھنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کا علم وہبی ہو۔ اگر تمام اصحابِ رسولؐ اوتوا العلم والے ہوتے پھر ان کے درمیان آیات کے معانی و مفاہیم و تاویلات میں

اختلاف نہ ہوتا اور ایک کو دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور ایک مفسر کے قول کو دوسرے کے قول پر ترجیح نہ دی جاتی۔

آخر آیت میں اشراط قیامت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کے قریب ہونے کی ایک بڑی علامت تو وجودِ رسولؐ ہے کہ وہ نبیِ آخر الزمان ہیں۔ اب انؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اب کائنات کے بند ہونے کا وقت قریب آگیا ہے

۱۔ لوگ نماز ضائع کریں گے۔ ۲۔ نفسانی خواہشوں کی پیروی کریں گے۔ ۳۔ مالداروں کی تعظیم کریں گے۔ ۴۔ دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالیں گے۔ ۵۔ جب مومن بدی کو دیکھے گا اور اس کے دُور کرنے کی قوت نہ ہوگی تو اس کا دل اس طرح پگھلے گا جیسے پانی میں نمک۔ ۶۔ ظالم حکام اور بدکار وزیر پیدا ہوں گے۔ ۷۔ اچھی بات بُری ہو جائے گی اور بُری بات اچھی۔ ۸۔ خائن امین ہوگا اور امین خائن۔ ۹۔ عورتیں حکومت کریں گی۔ ۱۰۔ لونڈیوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ ۱۱۔ لڑکے ممبروں پر بیٹھیں گے۔ ۱۲۔ جھوٹ اور ظرافت شغلِ محفل ہوگا۔ ۱۳۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا۔ ۱۴۔ والدین پر ظلم ہوگا۔ ۱۵۔ عورتیں زیادہ ہوں گی۔ ۱۶۔ دمدار ستارہ ظاہر ہوگا۔ ۱۷۔ زنا کا بازار گرم ہوگا۔ ۱۸۔ عورتیں تجارت میں شوہر کی شریک ہوں گی۔ ۱۹۔ بارش کم ہوگی۔ ۲۰۔ تنگدست ذلیل ہوگا۔ ۲۱۔ عورتیں مردوں کی طرح ذلیل ہوں گی۔ ۲۲۔ سود کی ترقی ہوگی۔ ۲۳۔ گانے والیوں کی کثرت ہوگی۔ ۲۴۔ ظاہر میں دوستی ہوگی مگر دل میں بغض ہوگا۔ ۲۵۔ دولتمند سیر و تماشے کے لیے۔ متوسط تجارت کے لیے۔ فقراء دکھاوے کے لیے حج کریں گے۔ ۲۶۔ پردہ داری دُور ہو جائے گی۔ ۲۷۔ جھگڑے بہت ہوں گے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ع ۴
اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ
فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّ
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ

خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

اور یہ جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے اپنے اور مومنین و مومنات کے گناہوں کی معافی مانگو۔ اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں (جہاد کے بارہ میں) کوئی سورہ کیوں نہیں نازل ہوا۔ لیکن جب کوئی صاف صریح معنوں کا سورہ نازل ہوا اور اس میں قتال کا ذکر کیا گیا تو تم نے دیکھا ہوگا کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی چھائی ہو (آنکھیں پتھرا جائیں) وائے ہو ان کے لیے۔ (اچھا کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات ہے۔ پس جب لڑائی ٹھن جائے، تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے ہیں تو ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔

پہلی آیت میں جو رسولؐ سے کہا گیا ہے کہ تم اپنے گناہ کے لیے استغفار کرو تو اس سے یہ مراد نہیں کہ معاذ اللہ رسولؐ سے صدورِ گناہ ہوتا تھا۔ رسول معصوم ہوتا ہے من المہد الی اللحد اس سے عمداً یا سہواً کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں۔ پس یہاں طلبِ مغفرت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

اوّل یہ کہ رسول چاہے کتنا ہی عالی مرتبت ہو اُسے اپنے کو خدا کے سامنے قصور وار ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ عبدیت اس کی متقاضی ہے۔ اخلاقِ انسانی میں انکساری اور فروتنی بہترین صفت ہے۔ پس رسولؐ جو اعلیٰ مراتبِ اخلاق پر فائز ہوتا ہے سب سے زیادہ اس کی عملی صورت پیش کرے۔

دوسرے اس لیے بھی کہ لوگ حضورؐ کی اس مبارک سنت کو دیکھ کر اپنے اندر بھی یہ عادت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اپنے بڑوں کو جیسا کام کرتے دیکھتا ہے ویسا ہی کرتا ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے خدا سے طلبِ مغفرت کرے۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہلکی ہلکی فروگزاشتیں بطور ترکِ اولیٰ انبیاء سے ہو جاتی ہیں ان کو بڑا گناہ سمجھ کر توبہ و استغفار کی جائے۔ اور اس پر نظر رکھی جائے۔ حسنات الابرار سیّئات المقربین (نیکوں کی نیکیاں مقربانِ بارگاہِ ایزدی کے نزدیک بمنزلہ گناہ ہوتی ہیں۔)

آیت کے آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر مسلمان یہ چاہتے تھے۔ کہ ہمارے لیے جہاد کا حکم کیوں نہیں نازل ہوتا تاکہ ہم ان کافروں سے جی کھول کر لڑیں اور مارے جائیں تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو۔ لیکن جب جہاد کا حکم آگیا تو جو منافق مومنوں میں ملے ہوئے اپنے کو تیس مار خاں ظاہر کرتے تھے۔ اہلِ ایمان سے جُدا نظر آنے لگے۔ وہ لڑنے والے کہاں تھے بس یوں ہی شیخیاں مارا کرتے تھے۔ حکمِ جہاد جوں ہی کھلے لفظوں

میں آیا تو اُن کی جان پر بن گئی اور رسولؐ کی طرف اس امید میں دیکھنے لگے کہ شاید حضرتؐ خود ہی جہاد سے گریز کریں۔ یا ہمیں قابلِ جہاد نہ سمجھ کر لڑنے کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ بھلا ایسے لوگ فی سبیل اللہ کہاں لڑتے۔ اگر شرما شرمی میں ساتھ چلے بھی جاتے تو سوائے اس کے کہ بھاگنے کے لیے راہیں تلاش کریں اور کیا کرتے۔ یا مدینہ سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ بس بہانے تراش لیتے۔ کبھی کہتے حضورؐ ہمارے گھر خالی ہو جائیں گے۔ سوائے عورتوں کے جب کوئی مرد نہ رہے گا، تو دشمن آسانی سے لوٹ لے گا۔ کبھی کہتے ہمارے باغوں میں پھل پکے ہوئے ہیں اگر ہم چلے گئے تو کون توڑے گا اور کون بیچے گا۔ کبھی کہتے یہ موسم ایسا سخت ہے کہ سفر کرنا مشکل ہے۔ وہ بھی نہ جائیں جب موسم ٹھیک ہو جائے تو ہم سب بھی حضورؐ کے ساتھ ہوں گے۔ بعض اِدھر بن کر وہیں پہ گر پڑتے اور ظاہر کرتے کہ بیماری کی وجہ سے قابلِ سفر نہیں جو سچے مومن تھے اُن کا ان حیلہ سازیوں اور فریب کاریوں سے کیا تعلق تھا۔ فوراً تیار ہو جاتے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا
اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى
اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

(منافقو) کیا تم سے کچھ دُور ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین پر فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناطے توڑنے لگو، یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور گویا خود اُس نے اُن کے کانوں کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ لوگ قرآن میں غور کرتے ہی نہیں یا ان کے دلوں پر تالے لگے

ہوئے ہیں۔ بے شک جو لوگ راہِ راست ٹھیک ٹھیک معلوم ہونے کے بعد بھی اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھر گئے شیطان نے انہیں (پیچھے دے کر) ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی تمناؤں کی رسیاں دراز کر دی ہیں۔ جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے بیزار ہیں یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات مان جائیں گے اور خدا ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔

معلوم ہوا، اصحابِ رسولؐ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ حاکم ہو جائیں گے تو اپنی حکومت کے زور میں فساد برپا کریں گے اور اپنی خود غرضی کی بنا پر اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیں گے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو گی۔ کلمۂ حق سننے سے یہ لوگ بہرے بن جائیں گے اور حقیقتِ امر کو دیکھنے سے اندھے۔ یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کرنے سے اسلئے باز رہیں گے گویا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ جو لوگ راہِ حق ظاہر ہونے کے بعد بھی پلٹ گئے تو گویا شیطان کا ان پر غلبہ ہے اور اُس نے اعمالِ بد کرنے کے لیے انہیں چھوڑ رکھا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

اصحابِ رسولؐ جو سب کے سب عدول ہیں ان کی شان میں ایسی آیات کا نزول سخت تعجب ڈالتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا
رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ
فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ
مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

ایسے لوگوں کی جب فرشتے جان نکالیں گے اُس وقت اُن کا کیا حال ہوگا۔ فرشتے ان کے

چہروں اور پُشت پر (کوڑے) ماریں گے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہے اُس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں تو خدا نے بھی ان کے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا ان کے دل کے کینوں کو کبھی ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان لوگوں کو دکھا دیں تو تم ان کی پیشانی سے ان کو پہچان لوگے اور تم ان کو ان کے اندازِ گفتگو ہی سے ضرور پہچان لوگے اور خدا تو تمہارے اعمال سے واقف ہے اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ تم میں سے جو لوگ جہاد کرنے والے اور (تکلیف) جھیلنے والے ہیں ان کو دیکھ لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔

یہ آیات اُن منافقوں کے بارہ میں ہیں جو بظاہر دائرہ اسلام میں تھے اور رسولؐ کے صحابی بھی بنے ہوئے تھے اور باطن میں اسلام کے دشمن بھی تھے اور ایسے اعمال کرتے تھے جو خدا کی ناخوشنودی کا باعث ہوتے تھے۔ رضی اللہ عنہم کہلانے والے رضوانِ الٰہی کو کیوں ناپسند کرتے تھے۔ جو کینہ ان کے دلوں میں رسولؐ کی طرف سے تھا وہ سمجھتے تھے کہ یہ چھپا رہے گا لیکن خدا سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔ خدا فرماتا ہے، اے مسلمانو! تم ان کے چہرے دیکھتے ہی پہچان لوگے کہ یہ منافق ہیں۔ اُن کی باتیں ہی کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان سے ان کا نفاق ٹپکتا ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے دکھانے کو جیسے وہ اعمال کرتے ہیں اللہ ان کی حقیقت سے خوب واقف ہے۔ اے مسلمانو، ہم نے جہاد کا جو حکم دیا ہے تو اس آزمائش کے لیے کہ تم میں کون سچے دل سے اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ان پر صبر کرتا ہے اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی جانچ تو جنگ ہی کے موقعوں پر کی جاتی ہے ورنہ دسترخوان پر تر لقمے اڑانے والے تو بے شمار ہوتے ہیں۔ غزوات ہی تھے جنہوں نے مومنوں سے منافقوں کو جدا کیا اور اُن کے زبانی دعووں کی قلعی کھولی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ
اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور دین کے راستہ سے لوگوں کو روکا اور ہدایت ظاہر ہونے کے بعد جنہوں نے رسول کو ستایا تو انہوں نے اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ ان کے سب اعمال اکارت ہو گئے۔ اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عمل ضائع نہ کرو۔

یہ اُن کافروں کے متعلق ہے جو مکہ میں طرح طرح سے رسول کو ستا رہے تھے ان کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے تھے اور جو لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے حالانکہ ہدایت کی تمام صورتیں اُن پر واضح ہو چکی تھیں اس مخالفت سے انہوں نے خدا کا کیا بگاڑا، اپنے ہی اعمال غارت کرائے کیونکہ بغیر اطاعت اللہ و رسولؐ کوئی عمل مقبول ہو ہی نہیں سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾
اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ
اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ
تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ
لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ
فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ
اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا
اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۸

خدا کفر کرنے والوں، راہِ خدا سے روکنے والوں اور کفر ہی کی حالت میں مرنے والوں کو ہرگز نہ بخشے گا۔ پس تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف دعوت نہ دو تم غالب ہو ہی اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ دُنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ ہے اگر تم خدا پر ایمان رکھو گے اور پرہیزگار بنے رہو گے تو تم کو تمہارے اعمال کا اجر فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا اور اگر وہ تم سے مال طلب کرلے اور سب کا سب طلب کرلے تو تم ضرور بخل سے کام لوگے اور خدا تمہارے کینے ضرور ظاہر کرکے رہے گا۔ دیکھو تم لوگ وہی تو ہو کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بُلائے جاتے ہیں تو بعض تم میں سے ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں (یاد رہے) جو بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے۔ خدا تو بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم خدا کے حکم سے منہ پھیرو گے تو خدا تمہارے سوا دوسروں کو بدل دیگا جو تمہارے ایسے بخیل نہ ہوں گے۔

کفارِ مکہ کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ جو کافر ہیں اور اسلام میں داخلہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں، اللہ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا۔ کیوں بخشے جبکہ وہ خدا کے کھُلے دشمن ہیں۔ اے مسلمانو! اگرچہ تم تھوڑے سے ہو اور تم کو دشمنوں سے مقابلہ کرنا دشوار ہے لیکن ہمت سے کام لو۔ اپنے ایمان کی کمزوری نہ دکھاؤ۔ ان سے صلح کی بات چیت بھی نہ کرو۔ اس لیے نہیں کہ صلح بُری چیز ہے بلکہ اس لیے کہ اس وقت اس سے تمہاری کمزوری ظاہر ہوگی، اور دشمن تم پر دلیر ہو جائے گا۔ گھبراؤ مت، اُن پر غالب تم ہی رہو گے۔ آج نہیں تو کل۔ کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ جو کچھ کرو گے اس کا بہترین اجر تم کو دے گا۔ اس دنیا کی راحت و آرام کو دھیان میں نہ لاؤ۔ یہ دنیا ہے کیا، کھیل تماشہ ہے۔ اگر تم ایمان پر قائم رہو گے اور پرہیزگاری کو اپنائے رہو گے تو اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ وہ تمہارے مالوں کے متعلق سوال نہ کرے گا کہ زندگانیٔ دنیا میں تم نے کتنی دولت کمائی تھی یا کتنی دولت تمہارے پاس ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہیں مال کی کتنی محبت ہے۔ اگر وہ تم سے ساری دولت مانگ لے تو کیا تم دے دو گے۔ نہیں، تم بخل سے کام لو گے۔ مگر یہ یاد رکھو جو بخل سے کام لے گا وہ اپنے ہی لیے نقصان کرے گا۔ اللہ کو تمہارے مال کی احتیاج نہیں۔ وہ غنی ہے تم سب اس کے محتاج ہو۔ تم جو کچھ راہِ خدا میں دو گے اس سے تمہارے ہی اعمالِ خیر میں اضافہ ہوگا۔ اللہ کو تمہارے مال سے کیا فائدہ۔ اگر تم احکامِ الٰہی سے رُوگردانی کرو گے تو کرو اُسے تمہاری کیا پرواہ ہے۔ تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے گا جو تم جیسے کنجوس نہ ہوں گے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے پر خدا نے اس لیے زور دیا ہے کہ اس سے وہ اپنے نادار اور محتاج بندوں کو

فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ اس بات سے کیسے خوش ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ بندے تو افراطِ دولت کے سبب مزے اڑائیں، رنگ رلیاں منائیں اور کچھ لوگ فاقہ پر فاقہ کریں۔ ننگے بدن مارے مارے پھریں۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح انسان ہیں۔ اُن کی ضروریاتِ زندگی بھی وہی ہیں جو تمہاری ہیں۔ تمہیں شکر گزار ہونا چاہیئے کہ تمہارے ہاتھ سے اپنے محتاج بندوں کی ضرورتوں کو پورا کراتا ہے۔ کیا ناشکری کی صورت میں اُسے یہ قدرت نہیں کہ تم کو بھی ان ہی جیسا بنا دے۔

---

(۴۸) سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن
ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ
السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ
وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

(اے رسول یہ حدیبیہ کی صلح نہیں) بلکہ ہم نے حقیقتاً تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی ہے تاکہ خدا تمہاری

اُمّت کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت پُوری کر دے اور تمہیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔ خدا وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلّی نازل فرمائی تاکہ اپنے پہلے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھائیں اور سارے آسمان و زمین کے لشکر تو بس خدا ہی کے ہیں اور خدا بڑا واقف کار حکیم ہے۔ تاکہ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بہشت کے باغوں میں جا پہنچائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ ہمیشہ وہاں رہیں گے اور تفکرات کو ان سے دُور کر دے اور یہ خدا کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ ۶ھ میں حضرت رسولِ خدا نے خواب دیکھا کہ میں خدا کے حکم سے چند اصحاب کے ساتھ مکّہ گیا ہوں۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور عمرہ بجا لایا۔ آپؐ نے یہ خواب مسلمانوں سے بیان کیا۔ اصحاب یہ سمجھے کہ اس کی تعبیر اسی سال ظاہر ہوگی۔ غرض آپؐ پہلی ذیقعدہ کو سات سو آدمیوں کے ساتھ عمرہ کو روانہ ہوگئے اور قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لے گئے۔ جب مکہ کے قریب ذوالحلیفہ پر پہنچے اور احرام باندھا تو جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ آپؐ کی آمد کی خبر سُن کر جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مکہ کے سوانہ پر بھیج دیا ہے قریش بالاتفاق آپؐ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ اسی اثنا میں جب حضورؐ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو آپؐ کا اُونٹ چلتے چلتے رُک گیا۔ چنانچہ آپؐ نے وہیں قیام کیا۔ حدیبیہ میں ایک خشک کنواں تھا۔ اصحاب نے اُسے کھودا مگر پانی نہ نکلا۔ حضورؐ نے وضو فرما کر ایک کلّی اس میں ڈالی اور خدا سے دعا کی تو چشمہ پھوٹ نکلا۔ غرض جب یہ خبریں متواتر آپؐ تک پہنچیں تو آپؐ نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ تم لوگ ان سے جنگ کرو گے یا جب یہ لوگ حملہ کریں گے تب صرف اُن کا جواب دو گے۔ اصحاب نے کہا ہم لوگ تو زیارتِ کعبہ کو آئے ہیں۔ دوسری ہی صورت اچھی ہے۔ جب آپؐ نے ان کو پست ہمت پایا تو صلح کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ سے فرمایا، تم مکہ جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔ صرف اعمالِ عمرہ بجا لا کر چلے جائیں گے۔ مگر حضرت عمرؓ نے عذر کیا کہ اب خاندانِ بنی کعب میں کوئی نہیں کہ میری مدد کو اُٹھ کھڑا ہو گا۔ مجھے لوگ مار ڈالیں گے۔ آپؐ عثمانؓ کو بھیجیں کہ اُن کے بہت سے اعزہ موجود ہیں۔ غرض حضرت عثمانؓ یہ پیغام دے کر بھیجے گئے۔ راستہ میں قبیلہ ہوازن کے ثوبان بن سعد سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان کی بہت خاطر کی اور اپنے گھوڑے پر آگے بٹھا لیا۔ جب مکہ میں پہنچے اور پیغام پہنچایا تو وہ لوگ جہالت پر اُتر آئے اور کہنے لگے ہم محمدؐ کو مکّہ کے اندر نہ آنے دیں گے۔ اگر تیرا جی چاہے تو طواف کر لے۔ جب یہ جواب لے کر پلٹنے لگے تو اُن کو قید کر دیا۔ اور یہاں اصحاب میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ تب حضرتؐ نے اصحاب کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ لڑائی سے کبھی نہ بھاگیں گے ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ مارے جائیں یا فتح ہو جب آپؐ اس سے

فارغ ہوئے تو طرفین سے صلح کی گفتگو ہوئی۔ کئی آدمی اِس میں آگے ہو گئے۔ آخر بڑی تُو تُو میں میں کے بعد جناب امیر علیہ السلام صلحنامہ لکھنے لگے تو ایک ایک لفظ پر وہ وہ بحثیں ہوئیں کہ صلحنامہ لکھنا دشوار ہو گیا۔ جناب امیرؑ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو کفار نے کہا ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں مانتے۔ اس کی جگہ بسمک اللّٰھم لکھو۔ غرض جب یہ طے ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے لکھا ھٰذَا مَاقَاضٰی بِہٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)۔ اس پر کفار پھر برافروختہ ہوئے اور کہا اگر ہم محمدؐ کو رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ اسے کاٹو، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تو اسے کاٹ نہیں سکتا کیونکہ میں آپؐ کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں۔ غرض آنحضرتؐ نے اُسے کاٹ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھا۔ الغرض بعد از خرابیِ بسیار صلح ہوئی کہ دس برس تک دونوں فریق میں جنگ موقوف رہے گی اور اس سال حضورؐ عمرہ کیے بغیر ہی واپس جائیں گے۔ اگلے سال تین روز کے لیے کفار مکہ کو خالی کر دیں گے مگر کوئی مسلمان مکہ میں تین روز سے زیادہ نہ رہے گا اور ان تین دن کے اندر کوئی مسلمان اپنی تلوار نیام سے نہیں نکالے گا۔ زمانہ صلح میں اگر کوئی کافر مسلمانوں سے جا ملے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان یا کافر کسی ضرورت سے مکہ یا مدینہ جائے تو جان و مال سے محفوظ رہے گا۔ غرض یہ صلحنامہ جوں توں کر کے لکھا گیا مگر اس قدر دب کر صلح کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوئی اور طرح طرح کے وسوسے اور خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ اس دن جیسا گہرا شک مجھے حضرت کی نبوت میں جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی نہ ہوا تھا۔ اس پر بھی اکتفا نہ کی حضرت سے دو بدو گفتگو کی۔ جب اس پر بھی شک زائل نہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ سے اسی قسم کی باتیں ہوئیں۔

غرض اس کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو ایک متفقہ جگہ پر سر منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے مکرر کہنے پر بھی ایسا نہ کیا۔ آپؐ رنجیدہ ہو کر حضرت اُم سلمہؓ کے خیمے میں چلے گئے اور لوگوں کی حالت بیان کی۔ انہوں نے عرض کی آپؐ اپنے اُونٹ قربانی کر دیں اور سر منڈوا لیں اور ان لوگوں سے کچھ نہ کہیں۔ غرض آپ نے ایسا ہی کیا تب سب مسلمانوں نے قربانی دی۔

صلح حدیبیہ اگرچہ بہت دب کر ہوئی تھی مگر حقیقتاً اس میں مسلمانوں کی بڑی جیت تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے اس صلح کو فتح مبین فرمایا ہے۔ ایک تو ابتدائے اسلام میں آئے دن کی لڑائی سے مسلمان پنپنے نہ پاتے تھے اب دس برس کے لیے اطمینان ہو گیا۔ اتنی لمبی مدت میں مسلمان اچھی طرح اپنا سامانِ جنگ درست کر سکتے تھے۔ دوسرے معلوم تھا کہ کفار کی طرف سے بدعہدی ضرور ہو گی اور ہوئی۔ بنی خزاعہ اور بنی بکر عرب کے دو قبیلے تھے۔ بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار تھے اور بنی بکر کفار کے۔ اور یہ دونوں صلح کی شرائط میں داخل بھی تھے مگر چند ہی روز بعد ان میں جنگ ہو گئی اور کفار نے در پردہ بنی بکر کی مدد کی۔ صلح ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کو حجّت ہاتھ آئی اور دوسرے ہی سال مکہ پر چڑھ دوڑے اور خدا کا کرنا کہ مکہ بے لڑے بھڑے فقط مسلمانوں کے رُعب سے فتح ہو گیا۔ تیسرے حضرت رسولِ خدا حدیبیہ سے فارغ ہو کر خیبر کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ وہاں کے یہودی بھی مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ پھر خدا کی شان تھوڑی مدت میں حضرت علی علیہ السلام کے زورِ بازو سے خیبر بھی فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ چوتھے

اس زمانہ میں رومیوں نے اہلِ فارس پر فتح پائی۔ اس کی پیشگوئی حضرت رسولِ خدا کر چکے تھے۔ یہ بھی گویا مسلمانوں ہی کی فتح تھی۔ کیونکہ کفار اس سے بہت دل شکستہ ہوئے اور کفار پر حضرتؐ کی صداقت کا بڑا اثر پڑا تھا جس سے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس صلح سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

جو لوگ عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں اور جن کو ان حضراتِ معصومین کو گنہ گار ثابت کرنے میں مزہ آتا ہے اور گویا دین کی بڑی خدمت انجام دیتے ہیں وہ کہتے ہیں دیکھیے سورہ کے اوّل میں خدا فرماتا ہے تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے اس سے ثابت ہوا کہ (معاذ اللہ) رسول گنہ گار تھے۔

پہلے تو ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر معاذ اللہ رسول گنہ گار تھے تو ایک گنہ گار کا اتباع بھی گناہ ہو گا اور امت پر اس کی اطاعت مطلقہ واجب نہیں ہو سکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار فتح مکہ سے پہلے جو گناہ تم سے منسوب کرتے تھے جیسے کہتے تھے کہ تم شاعر ہو، کاہن ہو، افترا پرداز ہو یہ سب تہمتیں تم سے ہٹا دی گئیں۔ فتح مکہ کے بعد سب پر ثابت ہو گیا کہ وہ الزام تراشیاں سب بے معنی تھیں۔

مغفرت کے معنی کسی شے کو دبانے یا چھپانے کے ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار جو الزام کھلم کھلا تم پر لگاتے تھے اب وہ سب چھپ گئے یعنی نیست و نابود ہو گئے۔

بعض مفسرین نے یہ معنی لیے ہیں کہ اس سے مُراد امت کے گناہ ہیں یعنی مسلمانوں نے دینِ اسلام کی حمایت میں جو کمزوریاں دکھائی تھیں وہ معاف کر دی گئیں لیکن یہ بات تو کان کو نہیں لگتی کہ فتح مکہ ہوتے ہی ان کے پچھلے گناہ بھی معاف ہو گئے اور آگے جو کریں گے وہ بھی معاف کر دیئے گئے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے اعمال کی جانچ پڑتال ختم، سارا اعمال نامہ پُر نور، سارے گناہ معاف، ہر مسلمان جنّت کا مستحق۔

صحیح بات یہی ہے کہ کفار جو الزام تم پر پہلے لگاتے تھے یا بعد کو لگائیں گے وہ سب ختم کر دیئے گئے اور یہ بہت بڑی فتح ہوئی۔ کیونکہ اسلام کی صداقت کا نقش لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ جس مکہ سے ظالموں نے رسولؐ کو نکالا تھا، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس مکہ میں آنحضرت بغیر لڑے بھڑے کس طرح فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں سے جو کوتاہیاں عمل میں آتی رہیں، وہ اسلام کے حق میں کارآمد ثابت نہ ہوئیں اور انہی کی وجہ سے فتح مبین میں تاخیر ہوتی رہی۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جماعت سے کسی عمل میں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں تو ان کو سردارِ جماعت ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک فوج اگر کسی میدان میں شکست کھا جائے تو عموماً یہ کمزوری جنرل سے منسُوب کی جاتی ہے حالانکہ اس تمام تر کمزوری کی ذمّہ دار فوج ہوتی ہے۔

آگے جو حضرتؐ پر نعمت کے تمام کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کفار و مشرکین سے جو پریشانیاں تم کو لاحق تھیں اور تبلیغ دین میں جو رکاوٹیں پڑ رہی تھیں فتح مکہ کے بعد وہ دُور ہو گئیں اور تبلیغ رسالت میں تمہارے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ فتح مکہ کے بعد خدا نے تمہیں اس راستہ پر لگا دیا

جو تمہارے کام میں ہر طرح سہولت پیدا کرنے والا ہے۔ اب اسلام کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

دیکھو خدا نے اس فتح مکہ اور حدیبیہ کی صلح میں تمہاری کیسی شاندار مدد کی اور مومنین جو صلح حدیبیہ کے بعد گھبرا گئے تھے ان کے دلوں کو خدا نے کیسی تسکین دی اور کیسی عزت و رفعت کے ساتھ ان کو مکہ میں داخل کیا۔ اس کامیابی سے ان کے ایمانوں میں کیسی زیادتی ہو گئی۔

کفار و مشرکین ہیں کیا، اُن کی طاقت ہی کیا ہے۔ اللہ کے پاس آسمان و زمین کے لشکر موجود ہیں۔ اُس نے نمرود کے لشکر کو مچھروں سے ہلاک کرا دیا اور ابرہہ کے لشکر کو جو خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے آئے تو ابابیل کی فوج سے دم کے دم میں نیست و نابود کرا دیا۔ یہ خدائی بمبار طیارے تھے ان سے مقابلہ کرنے کی کس میں طاقت تھی۔

جن مومنین و مومنات نے ایمان پر ثابت قدم رہ کر اچھے کام کیے۔ اُن کے ہمیشہ رہنے کے لیے جنّت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ خدا اُن کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور یہی ان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ
الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝٦ وَلِلّٰهِ
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝٧

منافق مرد اور منافق عورتیں مشرک مرد اور مشرک عورتیں عذاب دی جائیں گی کیونکہ یہ خدا کے متعلق بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں۔ ان پر مصیبت کی بڑی گردش ہے خدا ان پر غضب ناک ہے اور اس نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنّم مہیّا کیا ہے جو کیا بُری جگہ ہے۔ آسمان و زمین کے لشکر اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔

یہاں منافقوں کو مشرکوں سے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ اسلام کے حق میں یہ مشرکوں سے زیادہ خطرناک تھے مشرک تو کھلے ہوئے دشمن تھے ان سے بچنا آسان تھا۔ لیکن منافق تو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے تھے۔ ظاہر میں دوست باطن میں دشمن۔ یہ مسلمانوں سے بھی ملے رہتے تھے اور کفار و مشرکین سے بھی۔ یہ دونوں طبقے اللہ کے متعلق بُرے بُرے خیالات رکھتے تھے۔ اُن پر خدا کا غضب تھا۔ لعنت بھی اور اُن کا آخری ٹھکانہ جہنّم تھا۔

اللہ نے اپنے آسمان وزمین کے لشکروں کا ذکر پہلے بھی کیا ہے۔ وہ مشرکوں اور منافقوں کو بار بار آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ تم خدا کے خلاف کارروائیاں کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے پاس آسمان وزمین میں بے شمار لشکر ہے۔ وہ اپنی جس فوج کو اشارہ کرے گا وہ دم کے دم میں تباہی مچا دے گی۔ تم اس سے بچ کر جا نہیں سکتے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۟ۙ ٨ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ٩
اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ
اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا
عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ؑ ١٠ سَيَقُوۡلُ لَكَ ع
الۡمُخَلَّفُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ شَغَلَتۡنَاۤ اَمۡوَالُنَا وَاَهۡلُوۡنَا فَاسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ۚ
يَقُوۡلُوۡنَ بِاَلۡسِنَتِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ
لَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ ضَرًّا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ نَفۡعًا ؕ بَلۡ
كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ١١

اے رسول ہم نے تم کو (تمام دُنیا پر) گواہ اور خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ (مسلمانو) تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر بھی اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح وشام تسبیح کرتے رہو۔ اے رسول جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ (بیعت کے وقت) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اُوپر

ہوتا ہے پس جو کوئی عہد کو توڑے گا اس کا نقصان اُسی کی ذات کو پہنچے گا اور جس نے خدا کے عہد کو پُورا کیا تو ہم اُسے بہت بڑا اجر دیں گے جو دیہاتی لوگ حدیبیہ میں جانے سے رہ گئے تھے اب وہ تم سے کہیں گے کہ ہمارے مال اور لڑکے بالوں نے ہمیں روک رکھا تھا۔ آپ خدا سے ہماری مغفرت کے لیے دُعا مانگیے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ اے رسول، تم اُن سے کہہ دو کہ اگر خدا تم لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کیا خدا کے مقابلہ میں تمہارے گرد وپیش کا بس چل سکتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

بیعت کے یہ معنی ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو رسولؐ کے ہاتھ بیچ ڈالتا تھا۔ یعنی رسولؐ کو اپنے نفس کا مالک بنا دیتا تھا پھر اس کو رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا اختیار نہیں رہتا تھا۔ اور رسولؐ اس سے روزِ قیامت اس کی بخشش کا وعدہ کرتے تھے۔ معصوم کے سوا دُوسرے کی بیعت جائز نہیں کیونکہ سوائے معصوم کے تمام افعال واقوال میں دوسرے کا اتباع نہیں کیا جاسکتا۔

حدیبیہ میں جن لوگوں نے رسولؐ سے بیعت کی تھی، خدا فرماتا ہے وہ بیعت درحقیقت ہم سے تھی۔ وقتِ بیعت جو تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا تھا وہ درحقیقت ہمارا ہاتھ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا فعلِ رسولؐ، خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ سوائے معصوم کے دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے کہ حدیبیہ میں صلح کرنے کے بعد بیعت کو توڑ بیٹھے اور لڑائیوں سے جان چرانے لگے اور ایسے بھی تھے جو مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔

بیعتِ رضوان

جب حضورؐ حدیبیہ کو جا رہے تھے تو بہت سے بدوِ عرب اس خیال سے حضرتؐ کے ساتھ نہ گئے کہ سب مارے جائیں گے کیونکہ اوّل تو ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے دوسرے ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن جب وہاں سے واپس آکر حضورؐ نے جنگِ خیبر کا ارادہ کیا تو یہ بدو مالِ غنیمت کے لالچ میں چلنے پر تیار ہوگئے اور حضورؐ سے معذرت کرنے لگے کہ ہمیں مال اور گھر، اہل وعیال نے روک لیا تھا۔ اب ہمارا عذر قبول فرما کر ہمیں ساتھ لے چلیے۔ خدا فرماتا ہے یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے جو زبان سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہے یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ خیبر میں ان کو اپنے ساتھ نہ لے گئے اور وہاں کا مالِ غنیمت صرف انہی لوگوں میں تقسیم کیا جو صلح حدیبیہ کے وقت وہاں موجود تھے یہ لوگ بھی صحابہ کرام میں داخل تھے۔ ایک حدیث بڑے زور شور سے سُنائی جاتی ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اگر عادل کی یہی تعریف ہے کہ منہ سے کچھ کہے اور دل میں کچھ ہو تب تو بے شک عدول کی فہرست میں داخل تھے ورنہ ان کو صحابہ کی فہرست میں شامل کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی رسولؐ کو دیکھا تھا۔ رسولؐ کے ساتھ رہے تھے

رسولؐ کی صحبت میں بھی بیٹھے تھے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ
اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ
قَوْمًا بُوْرًا ﴿١٢﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٤﴾
سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا
ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ
تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ
بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾

(اے حدیبیہ میں نہ جانے والو) تم تو یہ گمان لیے بیٹھے تھے کہ رسول اور مومنین ہرگز اپنے اہل و عیال کی طرف پلٹ کر آنے والے ہی نہیں اور یہی بات تمہارے دلوں میں جم گئی تھی اور طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے آخر کار تم لوگ آپ برباد ہوئے اور جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آسمان و زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے۔ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مسلمانو اب جو تم (خیبر کی) غنیمتوں کو لینے جانے لگو گے

تو جو لوگ حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے تم سے کہیں گے، ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو ہم تمہارا اتباع کریں گے۔ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے قول کو بدل دیں۔ تم کہہ دو، تم ہرگز ہمارے ساتھ چلنے نہ پاؤ گے۔ خدا نے پہلے ہی ایسا قرار دیا ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم سمجھ ہیں۔

یہ انہی لوگوں کا ذکر ہے جو حدیبیہ کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ نہ گئے تھے۔ وہ اپنے مقام پر خوش تھے کہ ہم ہلاکت سے بچ گئے جو لوگ رسولؐ کے ساتھ گئے ہیں وہ بچ کر زندہ آ ہی نہیں سکتے۔ اور یہ بدگمانی ان کے دلوں میں ایسی جمی کہ خدا کے متعلق نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔

اب حضورؐ چند ماہ بعد ہی خیبر میں یہودیوں سے جنگ کرنے جانے لگے تو یہ تخلف کرنے والے اس لالچ میں کہ بہت سا مالِ غنیمت ملے گا مسلمانوں سے آ کر کہنے لگے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو۔ ہم تمہارے کہنے پر چلیں گے خدا نے ان کے بارہ میں جو کچھ نازل کیا تھا یہ اس کو بدلنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے۔ خدا نے ہمارے بارہ میں ایسا ہرگز نہیں کہا۔ تم از راہِ حسد ہم سے ایسا بیان کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ گنوار لٹیرے عرب بات کو سمجھتے تو تھے نہیں چاہتے یہ تھے کہ جان بھی بچی رہے اور مالِ غنیمت بھی مل جائے۔ یہ ایک دو نہیں بہت سے قبیلے تھے جنہوں نے مل کر یہ طے کیا ہوا تھا کہ ہمیں حضورؐ کے ساتھ مکہ کی طرف نہیں جانا۔ رسولؐ ہم سب کو موت کے منہ میں لیے جا رہے ہیں ہم کیوں ان کا ساتھ دیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ
اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع

اے رسول تم بدّو عربوں سے جو (حدیبیہ والے واقعہ میں) تمہارے ساتھ نہیں گئے تھے کہہ دو کہ عنقریب ہی تم ایک ایسی سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بُلائے جاؤ گے کہ تم یا تو ان سے لڑتے ہی رہو گے یا وہ مسلمان ہی ہو جائیں گے۔ اگر تم خدا کا حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر پہلے کی طرح تم نے اب بھی رُوگردانی کی تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا ۔ (جہاد میں شریک نہ ہونے پر) اندھے لنگڑے اور بیمار پہ گناہ نہیں۔ جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا خدا اُسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو سرتابی کرے گا اُسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی دائرہ میں داخل ہو جاتے تھے۔ ان سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ پوری طرح حکم رسولؐ کی پیروی کریں گے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی مسلمان کہلانے لگے تھے۔ جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے لیکن حقیقتاً وہ اسلامی احکام سے متفق نہ تھے۔ بالخصوص حکم جہاد سے۔ مالِ غنیمت کے لالچ میں لشکر میں شامل تو ہو جاتے تھے مگر لڑنے سے اپنے کو حتی الامکان بچائے ہی رکھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ دوسرے کٹ کٹ مریں اور جب فتح ہو تو غنیمت میں سے سب کے برابر ہمیں بھی حصہ ملے۔ بعض ایسے تھے جو حضرتؐ کے ساتھ لڑنے کے لیے جاتے ہی نہ تھے۔ چنانچہ جب عمرہ کے خیال سے حضورؐ مکہ کو جا رہے تھے تو دیہاتی عربوں کے بہت سے قبیلے آپؐ کے ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ جانے والے بچ کر نہ آئیں گے۔ اوّل تو ان کی تعداد کم ہے دوسرے ان کے پاس تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں۔ خدا کو ان کی یہ غدّاری سخت ناپسند آئی۔ اوّل تو ان کو خیبر کے مالِ غنیمت سے محروم کیا گیا۔ دوسرے ان کو یہ سُنا دیا گیا کہ تمہاری اس غدّاری کی سزا میں تمہارا مقابلہ ایک سخت طاقتور قوم سے کرا دیا جائے گا کہ ان کے مقابل یا تو تم لڑتے لڑتے مر جاؤ گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی قوم تھی جس کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد خلفائے ثلٰثہ کے زمانہ میں ہوئیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ جن عرب بدّوؤں کے متعلق یہ کہا گیا ہے ان میں سے بہت سے مر چکے تھے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خیبر کے بعد جو لڑائیاں ہوئیں وہ جنگِ حنین۔ موتہ۔ تبوک تھیں۔ ان ہی معرکوں میں سخت رَن پڑے تھے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

بیعتِ رضوان

جس وقت مومنین تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا اُن سے اس بات پر ضرور خوش ہؤا۔ غرض جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا خدا نے اسے دیکھ لیا۔ پھر ان پر تسلّی نازل فرمائی اور اس کے عوض بہت جلد انہیں فتح عنایت کی اور (اس کے علاوہ) بہت سی نعمتیں بھی انہوں نے حاصل کیں اور خدا تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اُسی بیعتِ حدیبیہ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی۔ لوگوں نے اُسے ایسا مقدّس اور متبرک سمجھا کہ اس کے نیچے دُور دُور سے آ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہؤا تو انہوں نے لوگوں کو بُلا کر ڈانٹا اور اس کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ بیعت، بیعتِ رضوان کہلاتی ہے۔ خدا چونکہ ان کے دلوں کی حالت کو جانتا تھا کہ سخت پریشان ہیں لہٰذا اس نے ان پر تسکین نازل کی۔ یعنی ان کی بے چینی دُور ہو گئی اور اس کے بعد اُن کو مالِ غنیمت دِلانے کا بھی وعدہ کیا تاکہ خوش ہو جائیں۔

جن مومنین نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اللہ اُن سے راضی ہؤا یعنی اس وقت کے اس عمل سے راضی ہؤا نہ یہ کہ اللہ سے رضامندی کا عمر پٹہ لکھوا لیا۔ آیندہ جیسا کوئی کرے گا ویسا اس کا بدلہ پائے گا۔ اسی طرح جہاں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ اُن کے اس وقت کے عمل سے راضی ہؤا۔ نہ یہ کہ عمر بھر جو کچھ وہ کرتے رہیں گے ان سب اعمال سے خوش ہونے کا اقرار نامہ اُس نے لکھ دیا۔ اس میں بھی شرط مؤمنین کی لگی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں کسی کے ایمان میں کمزوری پیدا ہوئی رضائے الٰہی کا اس سے تعلق نہ رہے گا۔

یہ ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں سے اللہ راضی ہؤا اُن سے اس سے پہلے ناراض تھا ورنہ راضی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا تعین کون کر سکتا ہے کہ جن سے راضی ہؤا ہے ان کے کس کس عمل سے وہ ناراض رہا تھا۔ تیسرے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ جو اعمال ان سے سرزد ہوں گے وہ ان سب سے راضی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص تمام عمر اچھے اچھے کام کرتا رہا ہو لیکن آخر عمر میں اس سے کچھ ایسے اعمال سرزد ہو گئے ہوں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے تو پھر خدا کی رضا کا تعلق اس سے کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ آخر وقت تک کوئی گناہ اس سے سرزد ہی نہ ہؤا ہو۔ تمام اصحابِ رسولؐ میں صرف ایک حضرت علیؑ ہی ایسے نظر آتے ہیں جن کے نام پاک کے آگے رضی اللہ عنہ نہیں لکھا جاتا بلکہ کرم اللہ وجہہ لکھا

جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صدورِ گناہ کا ان سے تعلق نہیں رہا۔ جب سے ان کا چہرہ ہے جب ہی سے وہ مکرم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بُت کے سامنے سجدہ ہی نہیں کیا۔ کبھی کوئی شرک کا کلمہ زبان پر جاری ہی نہ ہوا۔ کبھی ان کو رسولؐ کی رسالت میں شک ہی نہیں ہوا۔ کبھی انہوں نے رسولؐ کے کسی حکم کو ماننے سے انکار ہی نہیں کیا۔ انتہا یہ ہے کہ جب صلحنامہ حدیبیہ میں مشرکوں نے لفظ رسول اللہ کو مٹانے پر زور دیا اور حضورؐ نے فرمایا اسے مٹا دو تو آپؑ نے اس کے مٹانے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں حضورؐ کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں پھر کن ہاتھوں سے اس کو مٹا دوں۔ چنانچہ حضورؐ نے خود مٹایا۔ علیؑ کا چہرہ مبارک ایسا چہرۂ منور تھا کہ اس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ۔ علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ
بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ
اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾
وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ
مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم ان پر قابض ہوگے۔ تو اس نے یہ (خیبر

کی غنیمت) تو جلدی دلوا دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور غرض یہ تھی کہ یہ مومنین کے لیے قدرت کا نمونہ ہو اور خدا تم کو سیدھی راہ پر لے چلے اور دوسری (غنیمتیں) بھی دیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے اور خدا ہی ان پر حاوی تھا۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے اگر کفار تم سے لڑتے تو تم ضرور پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتے۔ پھر وہ نہ اپنا کسی کو سرپرست پاتے نہ مددگار یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے ہی سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی سنت میں تبدیلی تک نہ دیکھو گے اللہ وہ ہے جس نے تم کو ان کفار پر فتح دینے کے بعد مکہ کی سرحدیں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے اور تم جو کچھ کرتے تھے خدا اُس کو دیکھ رہا تھا۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ حُدیبیہ کے بعد ہم نے پہلی غنیمت تو خیبر سے دلوا دی اور تم اچھی طرح اس پر قابض ہوگئے۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ ہم نے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روکے رہے۔ تیسرے جب تم خیبر کے محاصرہ میں مشغول تھے تو قبیلہ بنی اسد نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو قید کرلیں اور تمہارا ساز و سامان لوٹ کر لے جائیں۔ مگر ہم نے مسلمانوں کا ایسا رعب ان کے دلوں پر ڈالا کہ وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خیبر کی فتح تمہارے لیے کیسی مشکل ہوگئی۔ تم ہر روز میدان سے شکست کھا کر واپس آتے تھے مگر ہم نے علیؑ کے زورِ بازو سے فتح کرا دیا۔ اور وہاں سے اتنا مالِ غنیمت تم کو ملا کہ اس سے پہلے کہیں سے نہ ملا تھا۔

جب حدیبیہ کا صلحنامہ لکھا جا رہا تھا، کفارِ قریش کے ستّر آدمی جبل تنعیم کی راہ سے چھپکے سے اندر آئے۔ حضرتؐ نے بد دعا کی اور مسلمانوں نے باسانی ان کو گرفتار کر لیا۔ مگر حضورؐ نے بمصلحتِ وقت ان کو چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کی بیعت کے بعد خدا نے تم پر کتنی مہربانیاں کیں۔ اگر حدیبیہ میں کفار تم سے لڑ پڑتے تو تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور تم کو ہم نے مکہ میں جنگ کرنے سے بچا لیا ورنہ حرمِ خدا میں جنگ کرنے کا الزام تم پر عاید ہوتا۔ تمہارے سب عمل ہماری نظر میں ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد تم نے کیا کیا رنگ نہیں دکھائے مگر ہم نے اپنا طریقہ بدلا نہیں برابر تمہاری مدد کرتے ہی رہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ
مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا
لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

یہ اہلِ مکّہ وہی تو ہیں جو کافر تھے اور تمہیں مسجد الحرام تک اور قربانی کو اس کے اصلی مقام تک جانے نہ دیا اگر مکّہ میں کچھ ایسے ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں نہ ہوتیں جن سے تم واقف نہ تھے تو تم ان کو (لڑائی میں کفّار کے ساتھ) پامال کر ڈالتے پس تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا۔ تم کو فتح تو ہوئی مگر ذرا تاخیر سے تاکہ خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر وہ ایماندار کفّار سے الگ ہو جاتے تو جو کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی ضرور سزا دیتے۔

حدیبیہ کی جو صلح دب کر ہوئی تھی وہ مسلمانوں کو سخت ناگوار تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مکّہ میں داخل ہو کر خون خرابہ کریں اور اس گستاخی کا مزہ چکھائیں کہ عمرہ کے لیے انہیں خانہ کعبہ تک نہیں جانے دیا اور نہ ان کی قربانیوں کو صحیح مقام تک پہنچنے دیا۔ خدا فرماتا ہے تم نے سمجھا نہیں کہ ہم نے کس مصلحت سے اس وقت جنگ کو روکا۔ مکّہ میں کچھ ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں تھیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے اور چھپ چھپاتے اپنے خدا کو یاد کرتے تھے۔ اگر اس وقت تم مکّہ میں داخل ہو کر جنگ کرتے تو گیہوں کے ساتھ گھُن پس جاتا۔ یعنی وہ مومن بے قصور تمہارے ہاتھوں سے مارے جاتے۔ اگر وہ ان سے الگ ہو گئے ہوتے تو پھر کافروں کو دردناک سزا دی جاتی۔ اللہ نے اپنی رحمت سے ان مومنوں اور مومنات کو بچا لیا۔ اور تم پر ان کے قتل کا الزام عاید نہ ہونے دیا۔ غرض حدیبیہ کی صلح سے بڑے بڑے فائدے مسلمانوں کو پہنچے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ
كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ
وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ
ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾

جب کافروں کے دلوں میں جاہلیت کی ضد سما گئی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنا سکینہ (تسلّی) نازل کی اور پرہیزگاری کے طریقہ پر انہیں قائم رکھا اور وہ اس کے حق دار اور اہل بھی تھے۔ اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ خدا نے اپنے رسول کو ایک سچّا خواب دکھایا تھا۔ کہ تم لوگ انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور تھوڑے سے بال کترواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ جسے تم نہ جانتے تھے خدا اسے جانتا تھا اور اس کے قریب ہی تمہیں ایک اور فتح (خیبر کی) دے دی۔

پہلے اوراق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ۶ھ میں حضورؐ نے یہ خواب دیکھا کہ مسلمان خانہ کعبہ میں عمرہ کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے تھے اور پھر حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسی سال اس خواب کی تعبیر ملے گی۔ جب عمرہ بجا لا نہ سکے اور خانہ کعبہ تک نہ پہنچ سکے تو ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے یہ خبر نہیں دی تھی کہ اسی سال ایسا ہو گا، بلکہ فتح مبین کی خبر دی تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کی صلح سے پہلی فتح مبین ظاہر ہوئی۔ پھر اس کے بعد ہی خیبر فتح ہوا۔ مسلمانوں کو وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت ملا پھر اگلے سال مکہ فتح ہوا اور مسلمان وہ اعمال بجا لائے جو خواب میں دکھلائے گئے تھے یعنی سر بھی منڈائے تھوڑے سے بال بھی کٹوائے اور قربانیاں بھی کیں۔ اس سورہ میں اس خواب کا سلسلہ بیان ہوتا چلا آ رہا ہے۔

چونکہ اس خواب کی تعبیر میں ذرا سی تاخیر ہو گئی تھی اس لیے مسلمانوں کے ایمان شیشہ کی طرح ٹوٹ گئے اور رسولؐ کی رسالت میں بڑے بڑے شک پیدا ہوئے اور خدا سے بدگمان ہو گئے۔ آپس میں کہتے تھے، حضرتؐ نے یہ خواب غلط بیان کیا ہے۔ کوئی کہتا تھا خدا نے مسلمانوں کے مقابل کفّار کی بات اونچی رکھی۔ کوئی کہتا تھا کہ فتح کا وعدہ جھوٹا تھا۔ کوئی کہتا مالِ غنیمت ملنے کا وعدہ جھوٹا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ انہی لوگوں کی بدگمانی اور غلط خیال کو دُور کرنے کے لیے دُور سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ عمرہ کے سلسلہ میں جو لوگ حضرتؐ کے ساتھ گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے تاکہ وہاں خوب لوٹ مار مچائیں۔ حالانکہ یہ ان کا غلط خیال تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے

مسلمان مارے جاتے کیونکہ اوّل تو اُن کی تعداد تھوڑی تھی دوسرے سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار اُن کے پاس نہ تھا۔ کفار اُن سب کو گھیر کر ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی کہ جو غریب مسلمان مکہ میں چھپے چھپائے زندگی بسر کر رہے تھے وہ سب مارے جاتے اور انہی مسلمانوں کے ہاتھوں جنہیں اُن کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی۔ خدا کی مصلحتوں کو رسولؐ کے سوا کون سمجھ سکتا تھا مسلمانوں کی بہادری کے دعوے جھوٹے تھے۔ چنانچہ چند ماہ بعد ہی جب خیبر کا واقعہ پیش آیا تو اُن کی شجاعت کی قلعی کھل گئی۔ اگر علیؑ جیسا بہادر ساتھ نہ ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ ان کی بہادری کتنے گہرے پانی میں ہے۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ
عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ
وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ
رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاهُمۡ
فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ ۚۖۛ
وَمَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ
فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِهِمُ
الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ
مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس سچے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں

پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے والے ہیں تم ان کو رکوع کرتے پاؤ گے یا سجدہ کرتے اور خدا کے فضل اور خوشنودی کے خواستگار ہوں گے۔ کثرتِ سجود سے ان کی پیشانیوں پر گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔ یہی اوصاف ان کی توریت میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں بھی۔ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس سوئی کو مضبوط کیا تو وہ موٹی ہوئی۔ پھر اپنی جگہ پر سیدھی کھڑی ہوئی اور اپنی تازگی سے کسانوں کو خوش کرنے لگی اور اتنی جلد ترقی اس لیے دی کہ اس کے ذریعہ سے کفار کا جی جلائے۔ جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالحہ بجا لائے خدا نے ان سے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

ان آیات میں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے :

۱۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ تمام ادیان پر دین کے غالب کر دینے کے یہ معنی نہیں کہ بہت سے ملک فتح ہو جائیں اور مسلمانوں کی تعداد تمام ادیان والوں سے بڑھ جائے۔ اگر یہ مراد ہو تو اب تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اسلام کے جو اصول اور نظامِ حیات و اخلاق ہے وہ ایسا فطری اور عقلی ہے کہ اس کے مقابل کوئی دین ٹھہر نہیں سکتا۔ جب کسی دین سے مقابلہ ہوگا تو اسلام اپنے دلائلِ عقلی و نقلی سے اس پر غالب آئے گا۔ تو اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہر زمانہ میں ایک شخص ایسا موجود رہے جو اس دین کا پورا پورا علم رکھنے والا ہو۔ اور اس دین کا پورا قانون جس کتاب کے اندر ہے اس کے سینہ میں محفوظ ہو تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے صحیح ہدایت بھی کر سکے اور دین کی ضرورت کو واضح بھی کر سکے۔ اس غلبہ کی پوری شان تو اُس وقت نظر آئے گی جب دنیا میں سوائے دینِ اسلام اور کوئی دین نظر ہی نہ آئے گا۔ سب ادیان باطل قرار پا کر خس و خاشاک کی طرح اُڑ جائیں گے اور یہ صورت اُسی وقت ہوگی جب قائم آلِ محمد امام مہدیؑ آخر الزماں کا ظہور ہوگا۔ وہی حدیثِ رسولؐ کے مطابق تمام روئے زمین کو عدل و داد سے اسی طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جَور سے بھر چکی ہوگی۔ اسلام کے غالب آنے کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے۔ کیونکہ اسلام کے علاوہ تمام ادیان کے قوانینِ حیات میں ظلم و جَور کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد یہ آیت ہے کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں اُن کی صفات یہ ہیں جو بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے متعلق یہ پتہ چلانا ضروری ہے کہ یہ صفات حضورؐ کے تمام ساتھیوں یعنی اصحاب میں پائی جاتی تھیں یا کچھ خاص ہستیاں تھیں جو ان صفات کی مصداق تھیں۔

(۱) اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ۔ (کافروں پر سخت) کیا اس صفت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اسلامی معرکوں میں کبھی قدم جما کر نہ لڑے ہوں اور جنگِ احد کے سلسلہ میں جو لوگ پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے ہوں اور رسولؐ ان کو بلند آواز سے پکار پکار کر واپس بُلا رہے ہوں۔ کیا وہ لوگ اس آیت کے مصداق ہوں گے جن کی تعریف جنگِ خندق

کے سلسلہ میں یوں آتی ہو کہ ان کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور اللہ کے متعلق بڑی بڑی بدگمانیاں ان کے دلوں میں پیدا ہو رہی تھیں۔ یا جنگِ حنین میں رسولؐ ان کو پکار رہے ہوں اور وہ بھاگے چلے جا رہے ہوں۔

(ب) رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ۔ (آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے)۔ کیا اس صفت کے مصداق ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے کسی کا حق غصب کر لیا ہو یا کسی مظلوم بی بی کو ایسا ستایا ہو کہ وہ خوف سے سامنے تڑپ رہی ہو۔ یا کسی صحابیٔ رسولؐ کو اتنا پٹوایا ہو کہ اسے عارضہ فتق لاحق ہو گیا ہو یا کسی حق گو کو سچی بات کہنے کی سزا میں جلاوطن کر دیا ہو۔

(ج) تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا۔ (تم ان کو رکوع میں یا سجدہ کرتے پاؤ گے)۔ یوں نماز سب ہی پڑھتے تھے۔ کیا ایسے لوگوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جن کی راتیں عبادتِ خدا میں بسر ہوتی ہوں۔ جن کے دن ذکرِ الٰہی میں بسر ہوتے ہوں۔

اگر ایسے لوگ مراد نہیں ہو سکتے تو غالباً وہی لوگ مراد ہوں گے۔ جنہوں نے بقول ابنِ عباسؓ دس ہزار مشرکوں کو تہ تیغ کیا ہوگا جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح میدانِ جنگ میں جم کر لڑے ہوں گے۔ جنہوں نے رحماء بینہم کی یہ شان دکھائی ہوگی کہ خود فاقہ پر فاقے کیے ہوں گے۔ اور دوسروں کو سیر کیا ہوگا۔ جن کی عبادت کی یہ شان ہوگی کہ ساری رات رکوع و سجود میں گزارتے تھے۔ سجدہ کرتے کرتے جن کے ماتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے۔

اگر ان الفاظ کو جدا جدا لوگوں میں تقسیم کیا جائے تو عبادت کا اعجاز تو بڑی چیز ہے نحوی قاعدہ سے بھی یہ تاویل صحیح نہ رہے گی۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ والذین معہ ایک شخص کی شان میں ہے اور اشداء علی الکفار دوسرے کی شان میں اور رحماء بینہم تیسرے کی شان میں۔ کیونکہ الذین معہ مبتدا ہے اور اشداء علی الکفار وغیرہ اس کی خبر ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ شخص مراد ہو تو پھر مبتدا کس کو بنائیں گے اور خبر کس کو۔

اگر معیت سے یہ مراد ہے کہ حضرتؐ کے فدائی جانثار یا ساتھ رہنے والے صرف چار آدمی تھے تو یہ غلط ہے کیا رزم و بزم میں صرف چار ہی حضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ باقی صحابہ کو شرفِ معیت سے کیوں خارج کیا گیا۔ پس اگر یہ صورت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس معیت سے مراد کارِ رسالت میں معیت ہے۔ کارِ رسالت میں فروغ ایسی ہی صفات والوں سے ہو سکتا ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دشمنوں کے حملوں کا سختی سے مقابلہ کرنے والا ہو۔ ان کے شر کا دفع کرنے والا ہو۔ دوسرے غریب مسلمان حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں ان کی ہر طرح مدد کرنے والا ہو۔ ان سے پوری پوری ہمدردی رکھتا ہو۔ تیسرے یہ کہ خدا کا عبادت گزار بندہ ہو جس سے اس کے کامل الایمان ہونے کا پتہ چلے اور اس کی دیکھا دیکھی لوگوں کو عبادت کا شوق پیدا ہو۔ چوتھے خدا کی مرضی کا خواستگار ہو۔ ہر امر میں خدا کی خوشنودی کو مدنظر رکھے شیطان کے جال میں پھنسنے والا نہ ہو۔ ایسا شخص ہی صحیح معنوں میں کارِ رسالت میں مددگار ہو سکتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم جلوہ گر تھیں۔

ایسے لوگوں کی مثال توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ ابتداءً اُن کی حالت کمزور تھی۔ رفتہ رفتہ

اُن میں قوت پیدا ہوتی گئی اور پھر تو اُن میں اتنی طاقت آگئی کہ کفار اُن کو دیکھ کر جلنے لگے۔

پھر فرمایا ہے، اللہ نے ایمان لانے والوں اور عملِ صالحہ کرنے والوں سے گناہوں کے بخشنے اور اجرِ عظیم دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ پس ایمان میں جس کا درجہ جتنا بلند ہوگا اتنا ہی اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ کون تصور کر سکتا ہے ان کے اجر کا جو کُل ایمان تھے اور روزِ خندق جن کی ایک ضربت عبادتِ ثقلین سے بہتر تھی۔

---

(۴۹) سُوۡرَةُ الۡحُجُرَاتِ مَدَنِیَّةٌ (۱۰۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ
وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ① یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡہَرُوۡا
لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ
اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ② اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ
رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ
لَہُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ③

اے ایمان والو کسی بات میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھ جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور جس طرح ایک دوسرے کے زور زور سے بولا کرتے ہو رسول کے سامنے اپنی آوازوں

سے بولا کرتے ہو، رسول کے سامنے اس طرح نہ بولو ورنہ تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔ اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ جو لوگ رسول کے سامنے اپنی آوازوں کو دھیما رکھتے ہیں۔ اللہ نے تقویٰ میں ان کے قلوب کا امتحان لے لیا ہے ان کے لیے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

اوّل تو عرب کی اخلاقی حالت یوں ہی گری ہوئی تھی پھر بدّو عرب تو کھلے وحشی تھے وہ رسولؐ کے اعزاز و اکرام کو کیا سمجھتے۔ انہیں خصوصیت سے اور تمام مسلمانوں کو عمومیت سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ کسی معاملہ میں اپنی رائے کو خدا اور رسولؐ کی رائے پر مقدم نہ رکھو اور رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو اور اس طرح رسولؐ کے سامنے زور زور سے گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں گستاخانہ انداز میں بولا کرتے ہو ورنہ تمہارے سارے اعمال ضبط ہو جائیں گے۔
باوجود اس تاکیدی حکم کے اور اس سخت سزا کے حضورؐ کے مرض الموت میں وصیت نامہ لکھتے وقت جو ہنگامہ ہوا اُسے تاریخوں میں پڑھ لیجئے۔ وہ شور و غل تھا کہ حضورؐ کو غصہ میں آکر یہ کہنا پڑا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ (میرے پاس سے ہٹ جاؤ) میرے سامنے یہ جھگڑا کرنا سزاوار نہیں۔ جو اس وقت موجود تھے وہ سب ماشاء اللہ مرتبہ شناسِ رسالت ہی تھے۔ اس صورت میں ان کے سابقہ اعمال کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ کتابِ خدا سے پوچھئے۔ اس کے بعد اُن کے پاس کیا رہ گیا ہوگا اپنی عقل سے فیصلہ کیجئے۔
دھیمی آواز سے رسولؐ کے سامنے بولنے والوں کا یہ مرتبہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ ان کے قلوب کا امتحان لے لیا ہے یعنی عند اللہ وہ متقی قرار پا گئے ہیں۔ اُن کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ
فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ
نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ
کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ

وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ
اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ
عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۸﴾

اے رسول جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں کے اکثر بے وقوف ہیں اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو اُن کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے ایمان والو اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُسے خوب تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے فعل پر شرمندہ ہونا پڑے اور یہ سمجھ لو کہ تمہارے درمیان خدا کا رسول ہے۔ اگر بہتیری باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیں تو (اُلٹے) تم ہی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر و بدکاری اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے۔ یہی لوگ خدا کے فضل و احسان سے راہِ ہدایت پر ہیں اور اللہ بڑا واقف کار حکمت والا ہے۔

کچھ جاہل مسلمان ایسے بھی تھے جو حضرتؐ کو بار بار اس طرح پکارتے تھے جیسے عام لوگوں کو پکارا کرتے ہیں۔ اگر ٹھہر جاتے اور صبر کرتے تو حضورؐ خود ہی حجرے سے باہر تشریف لے آتے۔ اللہ غفور و رحیم ہے کہ ایسے گناہ بخش دیتا ہے۔
فاسق کے خبر لانے کا قصہ یہ ہے:
ولید بن عقبہ جو حضرت عثمانؓ کے مادری بھائی تھے اور اُن کی خلافت کے زمانہ میں سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کے گورنر بھی تھے ان ہی نے لوگوں کو ایک دن صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی تھی اور پھر یہ بھی پوچھا تھا کہ اگر کہو تو اور زیادہ کر دوں۔ ان ہی کو حضرت رسولؐ نے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کو بھیجا۔ ان دونوں میں پہلے ہی سے کچھ خلش آ رہی تھی۔ جب قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کو نکلے۔ آپ سمجھے کہ یہ لوگ ہمیں مارنے آ رہے ہیں بس پھر کیا تھا آپ وہیں سے پھرے اور مدینہ میں آکر دم لیا اور حضرت رسولؐ سے یہ بات دل سے گڑھ کر کہہ دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے یہ سن کر حضرتؐ کو رنج ہوا اور ان سے جہاد کا قصد کیا۔ یہ خبر اُن بیچاروں کو پہنچی تو وہ دوڑے آئے اور حضورؐ سے عرض کی کہ یہ بات ہمارے متعلق بالکل لغو اور بہتان ہے ہم خدا و رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں مگر آپؐ کو ان کے کہنے کا یقین نہ آیا اور فرمایا، تم لوگ توبہ کرو ورنہ میں ایسے شخص کو تمہارے پاس بھیجوں گا جو بمنزلہ میری جان کے ہے جو تم سے جہاد کرے گا اور تمہاری عورتوں

اور بچوں کو اسیر کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت علیؑ کے شانہ پر ہاتھ مار کر فرمایا، اس کو بھیجوں گا۔ اس کے بعد آپؐ نے خالد بن ولید کو بھیجا تو اُن کو ارکانِ اسلام بجالاتے پایا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کشاف جلد ۳)

غور کرو اگر ولید کی بات پر اعتبار کر لیا جاتا تو کتنے مسلمان ناحق قتل کر دیئے جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنی جان سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جبکہ آیہ مباہلہ میں خدا علیؑ کو نفسِ رسولؐ بنا چکا تھا۔

کچھ منہ چڑھے اور خود پسند لوگ ایسے بھی تھے جو یہ چاہا کرتے تھے کہ حضورؐ اکثر معاملات میں ہماری رائے پر عمل کریں خدا ان سے فرماتا ہے کہ تمہارے درمیان کوئی معمولی شخص نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا رسولؐ ہے۔ اگر یہ تمہاری باتوں پر عمل کرنے لگیں اور تمہارے مطیع بن جائیں تو اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا۔ کیونکہ اوّل تو تمہاری عقلیں ناقص ہیں۔ دوسرے تم اکثر خود غرضی کا پہلو سامنے رکھ کر کوئی رائے دیا کرتے ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں کو اس سے زینت دی ہے لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ اپنے ایمان کو کمزور ہونے سے بچاؤ۔ اور اس کی محبت اپنے دل میں قائم رکھو۔ ایمان ہی انسانیت کی جان ہے اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نور ہے جس سے تمہارے دل روشن و منوّر رہتے ہیں تین چیزیں ایمان کی اور انسانیت کی دشمن ہیں۔ خدا نے ان سے تمہیں بیزار کیا ہے۔ پہلی چیز کفر ہے یعنی خدا کے احکام قبول کرنے سے انکار۔ دوسرے بدکاری اور تیسرے نافرمانی۔ جو شخص بدکار اور خدا کا نافرمان بردار بندہ ہے وہ راندۂ درگاہِ الٰہی ہے۔ اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ ایمان کو دوست رکھنے والے ہیں اور کفر و فسق و عصیان سے نفرت کرتے ہیں پس یہی لوگ نیک بندے ہیں۔ یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ
بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ
اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۗ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا
بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾

اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صُلح کرا دو۔ اگر ان میں سے ایک

دُوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے اور جب رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ایمان لانے والے آپس میں ایک دُوسرے کے بھائی ہیں تو تم اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دو اور اللہ سے ڈرو۔

ان آیات میں اشارہ ہے دو اختلافوں کی طرف۔ اس سے پہلی آیت میں جو ولید بن عقبہ نے غلط بات بیان کی تھی اصحاب میں اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ بنی مصطلق کی سزا کے لیے لشکر بھیجا جائے دوسرا گروہ اس کے خلاف تھا۔ اس میں تُو تُو مَیں مَیں ہو کر معاملہ بڑھ گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ خچر پر سوار ہو کر انصار کے مجمعے میں پہنچے اور وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ آپؐ کے خچر نے پیشاب کیا۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا اس خچر کو یہاں سے ہٹاؤ اس کی بدبُو نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ عبداللہ بن رواحہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا اس کی بدبو تجھ سے اچھی ہے۔ حضرتؐ تو وہاں سے چلے گئے۔ پھر دونوں میں بات بڑھی۔ آخر نوبت ہاتھاپائی تک پہنچی اس کے بعد دونوں قبیلے اوس و خزرج جن کی لڑائیاں مشہور ہیں چڑھ دوڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ جب حضرتؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ پھر تشریف لائے اور دونوں میں صلح کرا دی۔ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا
تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۗ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو کسی قوم کا کوئی مرد دوسری قوم کے مرد کا مذاق نہ اُڑائے ممکن ہے وہ لوگ (خدا کے نزدیک) ان سے اچھے ہوں اور نہ ایک قوم کی عورت دوسری قوم کی عورت کا مذاق اُڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور تم آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو۔ ایمان

لانے کے بعد بدکاری کا نام ہی بُرا ہے اور جو لوگ باز نہ آئیں تو وُہ لوگ ظالم ہیں۔

ثابت بن قیس بہرا تھا اس لیے اُسے حضرتؐ اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ ایک روز صبح کی نماز میں ثابت اُس وقت شریک جماعت ہُوا جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ جب نماز سے فارغ ہُوا تو اُس نے حضرتؐ کے قریب جانا چاہا۔ جب قریب پہنچا تو ایک شخص سے جو حضرتؐ کے قریب تھا وہاں سے ہٹنے کی خواہش کی مگر وہ نہ ہٹا۔ جب دن نکلا تو ثابت نے اُس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا تو ثابت نے کہا، اچھا تُو فلاں عورت کا بیٹا ہے اس کے بعد اس کی ماں کو بُرے الفاظ میں یاد کیا۔ یہ آیت اس سلسلہ میں ہے۔

عورتوں کے مذاق اڑانے کا قصہ یہ ہے کہ ام المومنین صفیہؓ جنگ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ حضرتؐ نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو یہ ناگوار تھا۔ مگر حضرتؐ سے کیا کہہ سکتی تھیں مگر دل کا غبار نکالنا تو ضروری تھا۔ جب کسی بات پہ جھگڑا ہوتا تو طنزاً کہتیں تُو یہودی کی بچّی کیا جانے۔ جس سے انہیں صدمہ پہنچتا۔ آیت نے نازل ہو کر اس سے روکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ
اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (١٢) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (١٣) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ
تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْـــًٔا ۭ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (١٤)

اے ایمان والو بہت زیادہ گمان (بد) کرنے سے بچے رہو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے احوال کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے ضرور نفرت کرو گے اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر لے۔ بے شک خدا کے نزدیک تم سب میں عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو۔ بے شک خدا بڑا واقف کار خبردار ہے۔ دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ اے رسول کہہ دو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو اسلام لے آئے۔ ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں گزرا ہی نہیں اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔

قابلِ غور یہ بات ہے کہ اسلام نے اخلاقی قدروں کی کتنی زبردست نگہداشت کی ہے۔ ان ہدایات پر اگر عمل نہ کیا جائے تو انسانیت اپنی سطح سے گر جاتی ہے اور معاشرہ میں کیڑے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جس دائرہ محبت میں خدا نے مسلمانوں کو رکھنا چاہا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان نام کا رہ جاتا ہے اسلام نہیں رہتا۔ ان آیات میں جن باتوں پر توجہ دلائی گئی ہے ان پر عمل نہ کرنے کی خرابیوں پر نظر کرو۔

١۔ آپس میں ایک گروہ مرد ہوں یا عورت، دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے۔ کیونکہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور اسلامی اخوت کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ گناہ ہے اور بے لذت۔

٢۔ طعنے نہ دو۔ کہ یہ بھی دوستی کا قاتل ہے۔ اگر تم کسی کے لیے طنزیہ باتیں کرو گے تو وہ تمہیں کب چھوڑے گا لیکن ان باتوں سے دونوں فریق میں سے کسی ایک کو بھی فائدہ نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ تھوڑی دیر کو ناروا طریقہ سے دل خوش ہوگا۔

٣۔ بُرے نام نہ رکھو۔ وہی نام لو جو اس کے ماں باپ نے رکھا ہے۔ تم اس کا نام رکھنے والے کون۔ یہ دوسرے کے دل کو اذیت پہنچانے کا سبب ہوگا۔ اور تم سے بدلہ لینے کی فکر میں رہے گا۔

٤۔ کسی مومن کے متعلق بدگمانی سب سے بڑا عیب ہے۔ تم کسی کے دل کا حال جاننے والے نہیں۔ کبھی کبھی یہ بدگمانیاں بڑے بڑے گناہوں کا باعث بن جاتی ہیں۔

۵ - ایک دوسرے کے حالات کا پتہ چلانے کی اس خیال سے کوشش نہ کرو کہ اُسے نقصان پہنچاؤ گے کہ یہ بھی عداوت کا باعث بن جائے گا۔

۶ - کسی کی غیبت نہ کرو کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جو بات تم کسی کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے اس کو اس کے پیٹھ پیچھے مت کہو ممکن ہے تمہارا خیال غلط ہو یا تم نے غلط سنا ہو۔ یہ افترا پردازی ہو جائے گی۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ مطبوعہ مصر میں ہے کہ ایک دفعہ سفر میں حضرت رسولؐ کے ساتھ کچھ صحابی بھی تھے۔ ان لوگوں نے حضرت سلمانؓ وغیرہ کی غیبت کی۔ اس کے بعد کھانے کے وقت کسی آدمی کو سالن لانے کے لیے حضرتؐ کے پاس بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا، وہ لوگ تو گوشت سے خوب پیٹ بھر چکے تو اب سالن کا کیا ہوگا۔ اس نے جا کر ان صاحبان سے حضرت کا یہ جواب بیان کیا۔ ان کو بڑی حیرت ہوئی۔ دوڑے ہوئے حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے یا حضرت ہم نے تو ایک عرصہ سے گوشت کو دیکھا تک نہیں۔ حضرت نے فرمایا، اب تک تمہارے دانتوں میں گوشت بھرا ہوا ہے کیا تم لوگوں نے فلاں کی غیبت کر کے اس کا گوشت نہیں کھایا۔ اسی کے متعلق یہ آیت ہے۔

بد اخلاقی کی یہ جڑیں جن سے بے شمار بداخلاقیاں اور پھوٹ نکلتی ہیں۔ اگر کسی معاشرے سے یہ کانٹے نکل جائیں تو پھر کسی کا دل زخمی نہ رہے اور آپس میں ہی ایک دوسرے کا سچا دوست بنا رہے۔ یہ خوبی صرف اسلام ہی کی تعلیم میں ہے کہ اس نے انسانی فطرت کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کو بھی جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں جاتی واضح کر دیا ہے۔ تاکہ آئندہ لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہیں۔ آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ خدا کے نزدیک تو صاحبِ عزت انسان وہی ہے جو پرہیزگار ہو اور بری باتوں سے بچا رہے۔ اس کے یہاں سیٹھ ساہوکاروں کی عزت نہیں، صاحبانِ اقتدار کی عزت نہیں، جرگہ والوں کی عزت نہیں اگر ان میں تقویٰ نہیں پایا جاتا۔ ایک کا دوسرے کو ذلیل سمجھنا اور اپنی فوقیت و برتری کے ڈنکے بجانا خدا کو پسند نہیں کیونکہ تم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔ یہ تمہارے قبیلے اور جرگے جو بن گئے ہیں ایک دوسرے کے تعارف کے لیے بنے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اپنی چودھراہٹ تسلیم کرانے کے لیے ایک دوسرے کے سر پر ڈنڈے بجاؤ۔ اگر فوقیت و برتری چاہتے ہو تو زہد و تقویٰ میں دکھاؤ۔ ورنہ یوں پدرم سلطان بود کے کھوکھلے نعروں سے کام نہیں چلتا۔

آیت نمبر ۱۴ میں اب ایک دوسرا بیان شروع ہوتا ہے۔

وہ وحشی اور خانہ بدوش عرب کے قبائل جن پر صدیوں سے تہذیب و شائستگی نے اپنا سایہ تک نہ ڈالا تھا اور علم سے کورے تھے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر کچھ تو جان کے خوف سے کچھ مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمان تو ہو گئے تھے مگر بس اتنے ہی کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے لگے تھے اور اتنی سی بات پر شیخی بگھارتے تھے کہ ہم بھی مومن ہیں ہمارے ساتھ بھی وہی رعائتیں ملحوظ رکھو جو سب کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ خدا فرماتا ہے اے رسولؐ ان جاہلوں سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ اپنے کو مومن نہ سمجھو بلکہ تم اسلام لائے ہو ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا نجات کے لیے کافی نہیں۔ ایسا شخص صرف نام کا

مسلمان ہوگا جب تک توحید اور نبوت کی دل سے تصدیق نہ کرے گا اور اعمالِ صالحہ بجا نہ لائے گا وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بغیر کسی عمل کی جزا اسے نہیں مل سکتی۔ اب رہا عملِ صالحہ کا صحیح طور پر بجا لانا تو جب تک یہ عمل اُن سے نہ لیا جائے گا جو معصوم ہستیاں تھیں اور رسولؐ نے جن کو قرآن کے ساتھ کیا تھا قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اس لیے ہم کلمہ میں محمد رسول اللہ کے ساتھ علیؑ ولی اللہ کہتے ہیں۔ اُن کی ولایت کا اقرار کیے بغیر ایمان حاصل نہ ہوگا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول پر۔ پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔ اے رسول کہہ دو کیا تم خدا کو اپنی دینداری جتاتے ہو حالانکہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا تم پر احسان رکھتے ہیں۔ ان سے کہو تم اپنے اسلام کا میرے اوپر احسان نہ رکھو بلکہ یہ تو خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم کو ایمان کا راستہ دکھایا اگر تم

سچے ہو تو اس بات کو مانو۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان کا دیکھنے والا ہے۔

عہدِ رسالت میں یوں تو ہر شخص اپنے کو مومن سمجھتا تھا اور لوگ بھی ایک دوسرے کو مومن کہتے تھے لیکن اللہ کے نزدیک جو مومن اور صادق ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اس اعتقادِ کامل کے ساتھ ایمان لایا ہو کہ پھر کبھی بھول کر بھی نہ تو اللہ کی توحید میں شک کیا ہو اور نہ رسولؐ کی رسالت میں، خواہ چھوٹا شک ہو یا بڑا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُس نے راہِ خدا میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ہو۔ جان سے جہاد تو ظاہر ہے۔ مال سے جہاد یہ ہے کہ اُس نے اپنے مال کو راہِ خدا میں خدا کے محتاج بندوں کو اس حد تک دیا ہو کہ اس کی جان پر بن گئی ہو وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر ۹/۵۹) (اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے انہیں کیسی ہی تکلیف ہو) کا مصداق ہو۔ عہدِ رسالت میں ایک ذات امیر المومنین علیہ السلام کی ایسی تھی جنہوں نے نہ کبھی شک کیا اور نہ دوسروں کی ہمدردی میں کبھی پیٹ بھر کر کھایا۔

عہدِ رسولؐ میں بنی اسد قحط سے گھبرا کر مدینہ آئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے تاکہ کھانے کو ملے۔ ورنہ ان کے دل میں ایمان کی کوئی محبت نہ تھی۔ خدا نے اس سے پہلی آیتوں میں اسلام و ایمان کا فرق بتایا ہے اور یہاں ایمان کو بتایا کہ وہ کیا ہے۔ اسلام صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور ایمان دل سے ماننے کا نام ہے۔ دوسرے اسلام صرف تقلیدی طور پر مان لینے کا نام ہے اور ایمان دلائل سے ماننے کو کہتے ہیں۔ نمازِ میت میں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وارد ہے۔ یعنی وہ مسلمان مراد ہیں جو جہالت کی وجہ سے دلائل کو نہیں جانتے تھے۔ تیسرے جو لوگ صرف توحید و نبوت و قیامت کا اقرار کرتے ہیں وہ مسلم ہیں اور جو ان چیزوں کے ساتھ عدل اور امامت کو بھی مانتے ہیں وہ مومن ہیں۔

قرآن میں جا بجا يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا آیا ہے۔ یا ایہا الذین اسلموا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چاہے وہ کسی طبقہ کا مسلمان ہو اس کی دل شکنی نہ ہو۔ اور ہر ایک اپنے کو مومن ہی سمجھے شاید اس طریقہ سے کسی وقت وہ مومن بن جائے۔

ایمان کی ایک علامت محبتِ علی علیہ السلام ہے جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے یا علیؑ حبک ایمانٌ و بغضک کفرٌ۔ (اے علیؑ تمہاری محبت ایمان ہے اور تم سے بغض رکھنا کفر ہے)۔ "ارجح المطالب"

ایک فرق یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کافر بھی ہو سکتا ہے اور منافق بھی اور مرتد بھی لیکن ایمان کے بعد پھر ان نجاسات کا تعلق مومن سے نہیں رہتا۔ جنگِ احد میں جب رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اور لوگوں کے ساتھ تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا، لَا كُفْرَ بَعْدَ الْإِيْمَانِ۔ (ایمان کے بعد کفر نہیں ہوتا)۔

(۵۰) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (۳۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ
مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ
مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

ق۔ قرآن مجید کی قسم (محمدؐ پیغمبر ہیں) لیکن (ان کافروں کو) تعجب ہے کہ انہی میں سے ایک (عذاب سے) ڈرانے والا (پیغمبر) ان کے پاس (کیسے) آ گیا۔ کفار کہنے لگے یہ تو ایک عجیب بات ہے، بھلا جب ہم مر جائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہونا (عقل سے بعید بات ہے) ان کے جسموں سے زمین جس چیز کو کھا کھا کر کم کرتی ہے وہ ہم کو معلوم ہے اور ہمارے پاس تو تحریری یادداشت کتاب (لوحِ محفوظ) موجود ہے مگر جب اُن کے پاس حق (دین) پہنچا تو اُنہوں نے اُسے جھٹلایا۔ وہ لوگ ایسی بات میں (اُلجھے ہوئے) ہیں جسے قرار نہیں۔

قرآنِ مجید کی قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ تم برحق رسولؐ ہو۔ یعنی یہ قرآن خود اس پر گواہ ہے کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہو۔ اگر کفار قرآن کے اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے کہ اس کی مثل تم ایک سورہ بنا کر نہیں لا سکتے تو تمہاری رسالت کو بھی غلط ثابت کرتے مگر جب ایسا نہیں کر سکے تو رسالت کو بھی غلط ثابت نہ کر سکے۔

ان کفار کو بڑا تعجب اس پر ہے کہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول کیوں بنایا گیا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر کسی فرشتہ کو بنا کر بھیجا جاتا یا کسی غیر ملکی تورانی۔ ایرانی یا رومی کو ہم بنا کر بھیجتے تو کیا وہ

اس سے ہدایت پا سکتے تھے۔ ہمارا مقصد تو ہدایت کرنا تھا پس اس کے لیے یہی بہتر صورت ہوسکتی تھی کہ انہی میں کا ایک شخص انہی کی زبان میں ان کو ہدایت کرے۔

دوسری یہ بات ان کو تعجب میں ڈال رہی ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو پھر کیسے زندہ ہوں گے۔ ان کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزا کو زمین جہاں جہاں لے جائے گی وہ سب ہمارے علم میں ہے ہماری کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہُوا ہے۔ پس قیامت میں اس کے جسم کے جو اجزا جہاں کہیں ہونگے ہم ان کو وہیں سے اُٹھا کر جمع کردیں گے۔ اور پھر ایسا ہی جسم بن جائے گا۔

انہوں نے حق بات کو جھٹلایا اور رسولؐ کو رسول مانا ہی نہیں۔ وہ تو اس الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ رسول کو کیا سمجھیں۔ کبھی کہتے ہیں وہ شاعر ہیں کبھی کہتے ہیں وہ کاہن ہیں کبھی کہتے جادوگر ہیں۔ کبھی کہتے ہیں مجنون ہیں کبھی کہتے ہیں ان پر کسی نے جادو کردیا ہے۔ ان کا ذہن اُلجھا ہُوا ہے ہر طرف جاتا ہے مگر اس طرف نہیں جاتا کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ کسی شخص کا مر کر زندہ ہونا تو عجیب بات سمجھتے ہیں۔ اسی میں اپنے ذہن کو اُلجھاتے ہیں۔ لیکن اس طرف غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے کائنات کا اتنا بڑا کارخانہ بنایا ہے جس میں اربوں سنکھوں کُرے جو ہماری زمین سے کہیں بڑے ہیں اور جو ہمیں ستاروں کی صورت میں نظر آتے ہیں اور جو ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ ان میں سے بعض کی روشنی ۳ ہزار سال بعد ہماری زمین تک پہنچتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ جو نظامِ شمسی ہمیں نظر آرہا ہے اسی جیسے ہزار نظام اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے مرنے کے بعد کسی کو زندہ کردینا کیا مشکل کام ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ

الْخُرُوْجُ ⑪

(اب وُہ زندہ کرنے کو سمجھاتا ہے) کیا انہوں نے آسمان کی طرف نظر نہیں کی جو اُن کے سروں پر ہے کہ ہم نے کیسا اُسے بنایا ہے اور کس طرح اُسے (ستاروں سے) زینت دی ہے اور اس میں کہیں شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس پر بوجھل پہاڑ رکھ دیئیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں تاکہ (ہماری طرف) رجوع کرنے والے بندے ہدایت اور عبرت حاصل کریں۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا اور اس سے باغ اُگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا بُور باہم گتھا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ سب بندوں کی روزی دینے کے لیے (پیدا کیا) اور پانی ہی سے ہم نے مردہ شہر (افتادہ زمین) کو زندہ کیا اسی طرح قیامت میں مُردوں کو نکلنا ہوگا۔

جو لوگ مُردوں کو زندہ کرنے پر تعجب کرتے ہیں وہ ہماری قدرت کو تو پہلے سمجھیں۔ ذرا سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھیں کیسی عمارت ہے جس میں کہیں ستون نہیں۔ کیا شامیانہ ہے جس کے لیے روک نہیں۔ پھر اس میں ستاروں کے کیسے چراغ جلاتے ہیں جو کبھی بجھتے نہیں۔ کہیں شگاف پڑتا نہیں۔ بے شمار کُرے اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں جو ہماری زمین سے ہزاروں درجے بڑے ہیں مگر آپس میں ٹکرا تے نہیں۔ اپنے اپنے راستہ پر ہر ایک کی گردش ہے۔ اب آسمان سے نظر نیچے لاؤ زمین کو دیکھو کس طرح ہم نے اُسے پھیلایا ہے کس طرح پہاڑوں کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ اس پر قائم کردیا ہے کہ کسی طرف کو ہلے ڈلے نہیں۔ پھر اس زمین پر کیسی کیسی خوشنما چیزیں لگائیں۔ پھر بادل برسایا جس سے باغوں میں بہار آئی۔ کھیت لہلہائے۔ لمبے لمبے درخت جھومے۔ اس کے بعد گتھے ہوئے بُور سے خُرمے نکلے۔ یہ سب انسانوں کی روزی کا سامان ہے۔ اے بیوقوفو! یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی تم کو اس کا یقین نہیں آتا کہ ہم مرنے کے بعد مُردوں کو زندہ کردیں گے۔ بات یہ ہے کہ انسان ایسا بے وقوف نہیں کہ دُنیا کی ان سب چیزوں کے اہم معجزات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہ نکالتا ہو کہ کسی زبردست طاقت کا ہاتھ اس عظیم الشان کارخانہ کو چلا رہا ہے اور اس مشین کے بے شمار پُرزوں میں سے کسی ایک کی مجال نہیں کہ معیّنہ قانون کے خلاف ذرا سی حرکت بھی کرسکے۔ مگر وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کے اقرار سے اس لیے گھبراتا ہے کہ پھر اُسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دوبارہ زندہ ہونا کسی مقصد سے ہونا چاہیئے۔ اور جب یہ بات اس کے کان میں پڑتی ہے کہ قیامت میں ہر انسان سے اس کے اعمال کا پُورا پُورا حساب لیا جائے گا تو بس یہیں سے اس کی طبیعت گھبرانے لگتی ہے اور اُسے بھی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کا سرے ہی سے انکار کردے اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنے مضطرب قلب کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَ
عَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ
تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ
الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ
وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ
الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿۱۷﴾
مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ
الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿۱۹﴾

اور ایسے ہی ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور اصحاب رس اور ثمود و عاد و فرعون و برادرانِ لُوط (قومِ لوط) اور ایکہ والوں اور قوم تُبّع میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ تو ہمارے عذاب کا وعدہ پُورا ہو کر رہا تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں۔ (ہرگز نہیں) مگر وہ لوگ تو نئی پیدائش کے متعلق شک میں پڑ گئے ہیں۔ اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ اس کے دل میں گزرتا ہے ہم اس کو جانتے ہیں اور ہم تو اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو دو دیکھنے والے (کراماً کاتبین) جو اس کے داہنے بائیں بیٹھے لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان ہر وقت اس کے پاس موجود رہتا ہے اور جب اس پر موت کی بیہوشی یقیناً طاری ہوگی۔ (تب ہم کہیں گے) یہی وہ ہے جس سے تُو بھاگا پھرتا تھا۔

آیت نمبر ۱۳ میں قومِ فرعون کی جگہ صرف فرعون فرمایا ہے اس لیے کہ وہ بجائے خود سرکشی میں ایک قوم بنا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے مصر میں تیس بادشاہ اور ہوئے تھے جو فرعون کہلاتے تھے۔ ان کا آخری بادشاہ وہ فرعون تھا جو دریائے نیل میں غرق کیا گیا۔ انہی فرعونوں کی اولاد قبطی کہلاتی تھی اور اس لحاظ سے اس قوم کو آلِ فرعون کہا جاتا تھا۔

ان تمام اقوام نے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ انبیاء کو جھٹلایا تھا اور ان سب کے جھٹلانے کا طریقہ ایک ہی تھا یعنی اپنے نبی کے پیغمبر ہونے سے اس بنا پر انکار کرتے تھے کہ وہ بشری صورت میں ہوتا تھا اور ان کی طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا تھا۔ دوسرا انکار یہ تھا کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے اور قیامت کے آنے کو نہیں مانتے تھے ان کے اس عقیدہ باطل کے جواب میں خدا فرماتا ہے کہ ہم پہلی بار پیدا کر کے کیا تھک گئے ہیں جو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے۔ پہلی بار بھی تو انسان کو ہم نے ہی پیدا کیا تھا۔ پس اس سلسلہ میں جو وسوسے ان کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں ہم ان سے دُور ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان چیزوں سے ناواقف ہیں لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے ہم تو ان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ہمارا علم اور ہماری قدرت ان کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ اس سے باہر کوئی چیز نہیں جا سکتی۔ جس طرح رگِ گردن اس کے قلب کی ہر حرکت کی نشاندہی کرتی ہے ہم اس سے بھی زیادہ اس کے اعمال کی خبر رکھنے والے ہیں۔ ہمارے علاوہ ہمارے مقرر کیے ہوئے دو فرشتے اس کے داہنے بائیں بیٹھے ہوئے اس کے ہر عمل کو لکھ رہے ہیں۔ داہنی طرف والا نیکیاں لکھتا جاتا ہے اور بائیں طرف والا بدیاں۔ جو لفظ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے ہمارے معین کردہ نگہبان جھٹ اس کو لکھ لیتے ہیں۔ بتاؤ ایسی صورت میں تمہارا کوئی عمل ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ تم ان غلط خیالوں کو اس لیے دل میں جگہ دیتے ہو اور گناہ کرنے پر اس لیے تم کو جرأت ہو رہی ہے کہ تم موت کا وقت بھولے ہوئے ہو۔ جب وہ وقت آئے گا اور تم پر موت کی بیہوشی طاری ہوگی۔ اس وقت تم سے کہا جائے گا یہی ہے وہ وقت جسے تم بھولے پڑے تھے اس وقت تمہارے لیے کچھ نہ بن پڑے گی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿۲۰﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ
مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا
عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿۲۲﴾

اور (قیامت کے دن) صور پھونکا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہی (عذاب کے) وعدہ کا دن ہے اور ہر شخص ہمارے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہنکانے والا ہوگا اور ایک

اس کے اعمال کا گواہ ہوگا۔ اُس سے کہا جائے گا کہ اس دن کے آنے میں تو غفلت میں پڑا ہُوا تھا تو اب ہم نے تیرے سامنے سے پردے کو ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔

قیامت کے دن کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی علامت یہ ہوگی کہ صُور پھونکا جائے گا۔ اس وقت لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور عرصۂ محشر میں اس طرح آئیں گے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ ہوگا جو اُسے ہنکائے لاتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اس کا نامۂ اعمال لیے ہوئے ہوگا اور کہے گا اس دن کے متعلق تُو غفلت میں پڑا ہُوا تھا۔ اب ہم نے تیری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیے ہیں۔ پس آج تیری نگاہ کافی تیز ہے کوئی پردہ اس کے سامنے نہیں۔ دیکھ ان سب چیزوں کو جن کی خبر رسولؐ نے تجھے دی تھی اور تُو اُن کو نہیں مانتا تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ شہید سے مراد وہ رسول ہے جو اپنی اُمّت کا گواہ بن کر اس کے ساتھ ہوگا اور یہ گواہی دے گا کہ میں نے اس پر احکامِ خدا کی تبلیغ کر دی تھی اور اس کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا مگر اس نے مجھے جھٹلایا تھا۔ ایک اور آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے (۴۱/۸۹ النحل)

(کیا ہوگا اس روز جب ہم ہر اُمّت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسولؐ تم ان سب کے گواہ ہوگے۔) یعنی ہر امّت کا رسولؑ اس کے ساتھ ہوگا اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سب پر گواہ ہوں گے۔ یعنی اگر کسی امّت کے افراد اپنے رسول کی تبلیغ سے انکار کریں گے تو حضرت رسولؐ اس رسول کی تبلیغ کی گواہی دیں گے۔ اسی لیے نورِ محمّدی کو ہر رسول اور ہادی کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ
كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِي جَعَلَ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِينُهُ
رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهُ وَلٰكِنْ كَانَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا
لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ
وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾ ع

اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا یہ اس کا عمل جو میرے پاس ہے حاضر ہے (تب کہا جائے گا) تم دونوں سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو جو مال میں بخل کرنے والا (واجب حقوق ادا کرنے میں) حد سے بڑھنے والا اور دین میں شک کرنے والا تھا۔ یہ وہ ہے جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبُود بنایا تھا۔ تو تم دونوں اُسے عذابِ سخت میں ڈال دو۔ اس وقت اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود سخت گمراہی میں مبتلا تھا۔ اس پر خدا فرمائے گا ہمارے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تو تم کو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون دو ہیں۔ جن سے کہا گیا کہ تم دونوں اسے جہنّم میں ڈال دو۔ مفسرین عامہ نے لکھا ہے کہ یہ کراماً کاتبین فرشتوں سے کہا جائے گا لیکن شیعی مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

مُسند احمد حنبل میں یہ روایت مرقوم ہے:

شریک بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ ابو محمد اَعمش کے مرض الموت میں عیادت کو گئے۔ حضرت ابو حنیفہ اور ابنِ ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ بھی آ گئے۔ ابو حنیفہ نے کہا، اے ابو محمد خدا سے ڈرو۔ یہ تمہارے لیے آخرت کا پہلا دن ہے اور دُنیا کا آخری دن۔ تم بہت سی ایسی حدیثیں علیؑ بن ابی طالب کے متعلق بیان کرتے ہو کہ نہ بیان کرتے تو اچھا تھا۔ یہ سُن کر اَعمش کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگے کیا مجھ جیسے آدمی کے متعلق ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ مجھے ذرا تکیہ لگا کر بٹھا دو۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ابو المتوکل نے ابو سعید خُدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو مجھ سے اور علیؑ سے کہا جائے گا کہ اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو اور اپنے دشمنوں کو جہنّم میں ڈالو۔ یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ۔

جو لوگ شیطان پر بہکانے کا الزام لگائیں گے۔ شیطان اُس وقت بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا میں نے انہیں سرکشی پر آمادہ نہیں کیا یہ تو خود ہی گمراہی میں پھنس گئے۔ جب دونوں میں نوک جھونک شروع ہوگی تو خدا فرمائے گا۔ یہ جھگڑا میرے سامنے نہ کرو۔ میں تو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکا تھا۔ پھر تم ڈرے کیوں نہیں، تم نے گناہوں کو چھوڑا کیوں نہیں۔ اب تو نزولِ عذاب کے متعلق جو میرا قول ہے وہ بدلنے والا نہیں۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا جو کچھ عذاب کسی پر نازل ہوگا وہ اس کے کرتُوتوں کا نتیجہ ہوگا۔ اپنے پیروں خود کلہاڑی مارنے والے کا کیا حق ہے کہ دوسروں کو ملزم قرار دے۔

شیطان اپنی برأت اس بنا پر ظاہر کرے گا کہ وہ کسی کو فعلِ بد کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس کا کام تو دل میں وسوسہ

ڈالتا ہے۔ جب خدا نے انسان کو عقل دی ہے تو وہ اس وسوسہ سے اپنے کو بچاتا کیوں نہیں اور اپنے بھلے بُرے کو سمجھتا کیوں نہیں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾
وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ
بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۨ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ
هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ
اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

اس دن ہم خود دوزخ سے پوچھیں گے کہ تُو بھر چکا۔ وہ کہے گا کیا کچھ اور بھی ہے اور بہشت کو پرہیزگار لوگوں سے بہت قریب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا اس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ہر اُس سے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا اور حدودِ الٰہیہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا رہا اور خدا کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا (اس سے بھی وعدہ تھا)۔ (حکم ہوگا) کہ اس میں صحیح سلامت داخل ہو جاؤ یہی تو ہمیشہ رہنے کا دن ہے اس میں یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لیے حاضر ہوگا اور ہمارے یہاں تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کیں جو ان سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں اور انہوں نے

قیامت میں بہشتیوں اور دوزخیوں کا حال

(موت کے خوف سے) شہروں کو چھان مارا کہ کہیں بھی بھاگنے کا ٹھکانہ ہے۔ اس میں بے شک آگاہ دل رکھنے والے اور حضورِ قلب سے سننے والے کے لیے بے شک نصیحت ہے درآنحالیکہ وہ گواہ ہے۔

خدا کا جہنم سے یہ کہنا کہ تُو پُر ہو گیا ہے یا نہیں اور اُس کا یہ جواب دینا کہ کچھ اور ہے تو دیجئے یہ معنی رکھتا ہے کہ جہنم میں اتنی وسعت ہے کہ آدم سے قیامت تک کی مخلوق بھی جب اس میں ڈالی جائے گی تو بھی وہ پُر نہ ہوگا اور برابر اس سے یہی آواز آئے گی کہ اور لائیے ابھی میں نہیں بھرا۔ جنت متقیوں سے نزدیک کر دی جائے گی۔ یعنی خود متقیوں کے پاس آجائے گی۔ متقیوں کو اس کے پاس جانا نہیں پڑے گا۔

جنت میں جو کچھ لوگوں کی خواہش ہوگی وہ سب ان کو ملے گا اور صرف اتنا ہی نہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق ہی وہاں سامان ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ نعمتیں ہوں گی۔ جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہ آئی ہوں گی۔ حضورؐ کے زمانہ کے کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ہو کیا چیز۔ تم سے پہلے ایسی امتیں گزر چکی ہیں جو مال و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ لیکن جب ہمارا عذاب آیا تو بھاگے بھاگے پھرے مگر انہیں کہیں جان بچانے کی جگہ نہ ملی۔ تم لوگوں کو ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖق
وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ ج وَمِنَ الَّيْلِ
فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ
مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ ۙ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ
الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ ۙ يَوْمَ
تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ
بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (٤٥) ع ١٦/١٧

ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں چھ دن میں پیدا کیا اور تکان تو ہمیں چھو بھی نہیں گئی۔ (اے رسول) یہ کافر جو کچھ کہا کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی تسبیح کرو۔ سورج نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور تھوڑی دیر رات کو اور نماز کے بعد بھی تسبیح کیا کرو اور کان لگا کر سُن رکھو جس دن لوگ ایک سخت چیخ قریب سے بخوبی سُن لیں گے وہی دن لوگوں کے قبروں سے نکلنے کا ہو گا۔ ہم بے شک لوگوں کو زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں اور ہماری طرف ہی پھر کر آنا بھی ہے۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے اور یہ اٹھانا اور جمع کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے اور اے رسول لوگ جو کچھ کہتے ہیں اسے ہم خوب جانتے ہیں اور تم ان پر جبر تو کرتے نہیں تو جو ہمارے وعدہ سے ڈرے اس کو تم قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو۔

یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ خدا آسمان و زمین کو چھ دن میں بنانے کے بعد تھک گیا اس لیے اب وہ آرام میں ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ خدا کو تکان عارض نہیں ہوتی۔ وہ آدمی جیسا نہیں کہ کام کرنے کے بعد تھک جائے۔

حضورؐ سے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر سُن کر کفار و مشرکین آپس میں بیٹھ کر مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ اے رسولؐ صبر سے کام لو اور بجائے ان کی طرف دھیان دینے کے اپنے رب کی حمد کی تسبیح کیا کرو یعنی نمازیں پڑھا کرو۔ طلوع شمس سے پہلے نماز صبح، غروب سے پہلے ظہر و عصر اور رات کو مغرب عشا کی نماز مراد ہے۔

سنو اس پکارنے والے کی آواز کہ جو قریب ہی جگہ سے پکار رہا ہو گا یعنی مرنے والا کہیں مرا ہو کہیں دفن ہوا ہو اسے کم ایسا سنائی دے گا کہ وہ بالکل پاس سے کہہ رہا ہے کہ قبروں سے نکلو اور اپنا حساب دینے کے لیے چلو۔ یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے اس آواز کو سب ہی سُن لیں گے کوئی ایسا نہ ہو گا جس کے کان میں یہ آواز نہ پہنچے۔ خواہ وہ کبھی کا مرا ہو۔ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا۔

ہم زندہ کرنے والے بھی ہیں اور مارنے والے بھی۔ سب کی بازگشت اس روز ہماری طرف ہی ہو گی۔ اُس روز

زمین پھٹ جائے گی قبریں کھل جائیں گی سب خود بخود نکل پڑیں گے۔ ہمارے لیے ان سب کو عرصۂ محشر میں جمع کرنا آسان ہو گا۔ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں تو ہوا کریں جو بکواس کرتے ہیں کرتے رہیں۔ تم ان پر جبر کر کے تو یہ عقیدہ نہیں منوانے گئے۔ تم تو قرآن کے ذریعہ سے انہی لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جو ہمارے وعدہ سے ڈرتے ہیں۔

(٥١) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (٦٧)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا (١) فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا (٢) فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا (٣)
فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (٤) اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ (٥) وَّاِنَّ الدِّيْنَ
لَوَاقِعٌ (٦) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (٧) اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ
مُّخْتَلِفٍ (٨) يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (٩) قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (١٠) الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (١١) يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ (١٢) يَوْمَ
هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ (١٣) ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ
بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (١٤) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (١٥) اٰخِذِيْنَ
مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ (١٦)

ان ہواؤں کی قسم جو بادلوں کو اُڑا کر تتر بتر کر دیتی ہیں پھر پانی کا بوجھ اُٹھاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں پھر ایک ضروری چیز (بارش) کو تقسیم کرتی ہیں کہ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ

(بالکل) سچا ہے اور اعمال کی جزا اور سزا ضرور ہوگی اور آسمان کی قسم جس میں راستے بنے ہوئے ہیں، (اے اہلِ مکہ) تم ایسی مختلف بے جوڑ بات میں پڑے ہو اس سے وہی پھیرا جائے گا (گمراہ ہوگا) جو علمِ خدا میں پھیرا جا چکا ہے۔ اٹکل پچو باتیں بنانے والے ہلاک ہوں جو غفلت میں بھولے پڑے ہیں پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا، اُس دن ہوگا جب ان کو جہنم کی آگ میں عذاب دیا جائے گا (اور اُن سے کہا جائے گا) اپنے عذاب کا مزہ چکھو یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں (عیش کرتے) ہوں گے اور جو ان کا پروردگار انہیں عطا کرے گا وہ خوش خوش لے رہے ہوں گے۔ یہ لوگ اس سے پہلے دُنیا میں نکوکار تھے۔

آیت نمبر۵ میں فرماتا ہے کہ جو وعدے تم سے کیے گئے ہیں یا جن سزاؤں سے تم کو ڈرایا گیا ہے وہ بالکل سچے وعدے ہیں ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ جزا اور سزا ضرور مل کر رہے گی۔

آیت نمبر۷ میں آسمان کو راستہ والا بتایا گیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ رات کو جو ستارے آسمان پر نظر آتے ہیں ان کے درمیان جو فرق ہے وہ گویا ایک سے دوسرے تک جانے کا راستہ ہے۔

آیت نمبر۸۔ تم قیامت کے متعلق مختلف خیالات میں پڑے ہوئے اٹکل پچو باتیں کیے جاتے ہو۔ ایسے لوگ بس مارے گئے جو غفلت میں روزِ جزا کو بھولے پڑے ہیں اور قیاس و تک بندیوں میں وقت گزار رہے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں بھلا قیامت کا دن کب کٹے گا۔ انہیں بتاؤ کہ یہ وہ دن ہوگا کہ جب یہ آگ پر تپائے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا، اپنے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہی وہ عذاب ہے جس کے متعلق تم ازراہِ تمسخر کہا کرتے تھے اسے جلدی بُلا لو، ہم اس سے ڈرتے نہیں۔

ہاں جو متقی لوگ ہیں اُن کا کیا کہنا۔ باغوں اور چشموں کے درمیان بیٹھے ان نعمتوں کو لے رہے ہیں جو اُن کا رب اُن کو دے رہا ہوگا۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ یہ لوگ زندگانی دُنیا میں نکوکار تھے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ

وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾ ع

ع ۲۳
۱۸

اور (عبادت کی وجہ سے) رات کو بہت ہی کم سوتے تھے اور پچھلے پہر اپنی مغفرت کی دُعائیں مانگتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حصّہ تھا اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو آسمان و زمین کے مالک کی قسم یہ (قرآن) بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا ہی جیسا تم بول رہے ہو۔

ان نیکی کرنے والوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ رات کے بہت کم حصّے میں سوتے ہیں۔ زیادہ حصّہ عبادتِ الٰہی میں بسر کرتے۔ اور صبح ہونے سے پہلے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتے۔ رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے۔ اور جو مال خدا نے ان کو دیا ہے اس میں غریبوں کا حق سمجھ کر مانگنے والوں کو بھی دیتے ہیں اور اُن غیرتمند غریبوں کو بھی جو شرم کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں چاہتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ زمین میں قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ جمادات کو دیکھو کیا کیا چیزیں اُس نے بنائی ہیں۔ رنگ برنگ کے پتھر۔ قسم قسم کی دھاتیں۔ سربفلک پہاڑ۔ نباتات میں سینکڑوں قسم کے اونچے نیچے درخت جن میں بعض پھل والے ہیں بعض بے پھل والے۔ پھر طرح طرح کی پھلواریاں اپنی خوشبو سے فضا کو معطّر بنا رہی ہیں۔ قسم قسم کی گھاس آنکھوں کو کیسی بھلی معلوم دیتی ہے۔ غرض بے شمار قدرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر ان کے لیے جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں جو عقل کے اندھے نہیں۔ ان سب باتوں کو چھوڑو، انسان صرف اپنے نفس ہی پر غور کرے کہ قدرت نے اس کو کیسے کیسے کمالات سے آراستہ کیا ہے۔ متضاد قوتوں کا مرکز بنایا ہے۔ وہ بے شمار جذبات کا مخزن ہے۔ ہزاروں خواہشوں کا مالک ہے۔ بہت سے علوم و فنون کا سمندر ہے۔ اس کی ایک ہی سطح پر ایک ہی وقت میں کتنی صورتیں نقش ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کبھی تو شیطانی رُوپ دھارتا ہے کبھی فرشتہ سا نظر آتا ہے۔ کبھی بہادر کبھی بزدل۔ کبھی بخیل ہے کبھی سخی۔ کبھی شقی ہے کبھی سعید۔ کبھی ظالم ہے کبھی مظلوم۔ سوچو تو کیسی قدرت والا ہے اس کا خالق۔ مگر انسان ہے کہ ان سربستہ رازوں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ اُسے اپنے لایعنی مشاغل سے فرصت ہی کہاں کہ ان گہری باتوں پر غور کرے۔

پھر فرمایا ہماری نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے تمہاری رزق رسانی کا جو وعدہ کیا ہے وہ آسمان

سے پانی برسا کر پُورا کر رہے ہیں۔ تم ہم سے غافل ہو ہم تم سے غافل نہیں۔ پانی برسا کر تمہارے لیے زمین سے غلّہ اگاتے ہیں اگر ہم ایسا نہ کریں تو تم کیسے زندہ رہ سکتے ہو۔ صرف اللہ ہی تو ہے جو درختوں میں تمہارے لیے کھانے کو مختلف ذائقوں کے پھل پیدا کرتا ہے۔ انہی درختوں کے اجزا سے تمہاری بے شمار بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ تمہاری زندگی کی ہزارہا ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ کیا اس پر تم ہمارے شکر گزار نہ ہوگے۔ کیا اس پر بھی تم ہمیں اپنا معبود نہ مانوگے۔ یہ قرآن جو ہم نے نازل کیا ہے بالکل ٹھیک ہے جیسے کہ تم سچی باتیں کرتے ہو۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾
فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾
فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾
قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزّز مہمانوں کی بھی خبر پہنچی ہے۔ جب وہ لوگ ان کے پاس آئے تو کہنے لگے۔ سلام علیکم! تو ابراہیم نے بھی (علیکم) سلام کہا۔ (دیکھا تو) ایسے لوگ ہیں جن سے جان نہ پہچان۔ پھر گھر میں جا کر جلدی سے (بھُنا ہوا) ایک موٹا تازہ بچھڑا لے آئے اور اُسے اُن کے آگے رکھ دیا اور کہنے لگے، آپ لوگ تناول کیوں نہیں کرتے (اس پر بھی جب انہوں نے نہ کھایا) تو ابراہیم اُن سے جی ہی جی میں ڈر گئے۔ وہ لوگ بولے، آپ اندیشہ نہ کریں اور اُن کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دی۔ (یہ سنتے ہی) ابراہیم کی بی بی (سارہ) چلاتی ہوئی اُن کے سامنے آئیں اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگیں (لے ہے) ایک تو میں بڑھیا اور دوسرے

بانجھ لڑکا کیونکر ہوگا۔ فرشتے بولے، تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے۔ وہ بے شک حکمت والا اور واقف کار ہے۔

یہ قصہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ جب فرشتے بشکلِ انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو پہلے فرشتوں نے سلام کیا۔ جس کا جواب حضرت ابراہیمؑ نے دیا۔ مگر وہ ان کو کچھ اجنبی سے لوگ نظر آئے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے لہٰذا فوراً ہی بی بی سارہؑ کے پاس آئے اور کہا، مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ انہوں نے کہا، اس وقت تو گھر میں کوئی چیز موجود نہیں۔ میرا ایک بچھڑا ہے اُسی کو ذبح کر کے کھلا دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا اور جناب سارہؑ نے فوراً اس کا گوشت بھون دیا۔ دسترخوان بچھا تو مہمانوں نے اس کی طرف ہاتھ ہی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا، آپ کھاتے کیوں نہیں۔ جو حاضر ہے اُسے شوق سے کھائیے۔ مگر اس پر بھی انہوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔ تب تو حضرت ابراہیمؑ دل ہی دل میں اُن سے ڈرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ جو دشمن ہوتا تھا اور کسی دشمنی کی نیت سے آتا تھا تو وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو پریشان دیکھ کر کہا، آپ گھبرائیں نہیں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں تاکہ آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دیں یعنی ایسا لڑکا جو بطنِ مادر ہی سے علم لے کر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءؑ خدا کے یہاں سے علم لے کر آتے ہیں دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ اس کا سب سے زیادہ قوی ثبوت سورۂ رحمٰن کی یہ آیت ہے :
اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔ (رحمٰن وہ ہے جس نے پہلے قرآن کی تعلیم دی پھر انسان کو پیدا کیا پھر اُسے بیان کرنا بتایا)۔

یہاں انسان سے مراد سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جن کو پیدائش سے پہلے علم عطا کیا گیا تھا۔

بہرحال جب حضرت سارہؑ نے یہ بشارت سُنی تو اپنا منہ پیٹ لیا۔ اور کہنے لگیں کیا کہہ رہے ہو کچھ ہوش کرو۔ نوّے برس کی بڑھیا پھر بانجھ۔ میاں کی عمر سو سال کی۔ ایسی صورت میں میرے بچّہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرشتوں نے کہا تمہارے خدا نے ایسا ہی کہا ہے۔ لہٰذا یہ ہو کر رہے گا۔ وہ صاحبِ علم و حکمت ہے۔

جو لوگ خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ نظامِ حیاتِ انسانی کے مروّجہ قاعدوں سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ایسا ہی واقعہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ معجزاتِ انبیاءؑ کا انکار اس بنا پر کر دیتے ہیں کہ لاآف نیچر کے خلاف خدا کوئی کام نہیں کرتا ورنہ نظامِ کائنات مختل ہو جائے۔ وہ ذرا اس واقعہ پر

غور کریں۔ یہاں تو لا آف نیچر کے خلاف ہی عمل ہوا۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ لا آف نیچر بھی خدا ہی کا بنایا ہوا ہے۔ خدا کسی قانون کو بنا کر عاجز نہیں ہو گیا۔ اپنی قدرت سے مستعفی نہیں ہو بیٹھا۔ وہ ہر وقت جو تبدیلی چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ نیچر اس کے حکم کے تابع ہے۔ وہ اس کا تابع نہیں۔ انسان لا آف نیچر کے خلاف نہ کر سکے تو نہ کرے مگر خدا پر یہ پابندی عاید نہیں ہو سکتی۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝٣١ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ
مُّجْرِمِينَ ۝٣٢ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝٣٣ مُّسَوَّمَةً عِندَ
رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝٣٤ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٣٥
فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝٣٦ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً
لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝٣٧

حضرت ابراہیم نے پوچھا اے خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتو) آخر تمہیں کیا مہم درپیش ہے۔ وہ بولے ہم گنہگاروں کی طرف (قومِ لوط) بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر مٹی کے پتھریلے کھرنجے برسائیں۔ جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے نشان لگا دیئے گئے ہیں۔ غرض وہاں (لوط کی بستی میں) جتنے لوگ مومنین سے تھے ان کو ہم نے نکال دیا اور وہاں تو ہم نے ایک کے سوا اور کسی مسلمان کا گھر پایا ہی نہیں اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے وہاں عبرت کی نشانی چھوڑ دی۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے پوچھا آپ لوگ کس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم کو ایک گنہگار قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ سوکھی مٹی کے ٹکڑوں کا جس پر خدا کی طرف سے کوئی نشانی بنی ہوگی ہم تابڑ توڑ ان پر مینہ برسائیں گے کیونکہ یہ لوگ بدکاری میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور اس لیے کہ کوئی مسلمان اس عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ ہم نے اس بستی میں جو مومن تھے انہیں باہر نکال لیا۔ اور وہاں ایک گھر کے سوا اور کسی مسلمان کا گھر تھا ہی نہیں۔ حضرت لوطؑ نے بیس برس تک اپنی قوم پر تبلیغ کی لیکن ان بدکرداروں پر کوئی اثر نہ ہوا صرف ایک گھر والے ایمان لائے۔ اس بدکرداری اور کفر پرستی کی کوئی انتہا ہے۔ ان کی بدکرداری (لواطت) دنیا میں ایک نیا گناہ تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ یہ غیر فطری طریقہ شیطان نے ان کو تعلیم دیا تھا۔ پہلے چند جوان اس بدکرداری میں ملوث ہوئے اس کے بعد رفتہ رفتہ ساری قوم اس کی لپیٹ میں

آگئی۔ وہ جناب لوطؑ کے سمجھانے پر اُن کے جانی دشمن بن گئے اور اُن کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ جب نوبت بایں جا رسید تو عذابِ الٰہی نے اُن کو لے ڈالا اور وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى
بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾
مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ
اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ہماری نشانی موسٰی کے حال میں بھی ہے جب ہم نے اُن کو فرعون کی طرف روشن دلیل کے ساتھ بھیجا تو اُس نے اپنے لشکر کے برتے پر منہ موڑ لیا۔ اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے پس ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو دھر پکڑا۔ اور اُنہیں دریا میں دے پٹکا اور وُہ قابلِ ملامت کام کرتا ہی تھا۔ اور عاد کی قوم کے حال میں بھی (ہماری نشانی ہے) جب ہم نے اُن پر ایسی بے برکت (نقصان رساں) آندھی چلائی کہ جس چیز پر چلتی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔ اور قوم ثمود میں بھی نشانی تھی جب اُن سے کہا گیا کہ ایک خاص وقت تک خوب چین کر لو تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں ایک روز کڑک اور بجلی نے لے ڈالا اور وہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

فرعون، قوم عاد اور ثمود وغیرہ کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ پیغمبروں کو معمولی لباس میں دیکھ کر اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جو کچھ وُہ کہتے تھے معاذ اللہ اُس کو دیوانے کی بڑ سمجھ کر توجہ سے سنتے بھی نہ تھے۔ لوگوں پر اِن کا شاعر

اور مجنون ہونا ظاہر کرتے تھے۔ سنّتِ الٰہیہ ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ پہلے انبیاء و مرسلین حق تبلیغ ادا کرتے ہیں۔ ان کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے دھمکاتے ہیں۔ نکوکاری کی خوبیاں اور بدکاری کی بُرائیاں کرتے ہیں لیکن جب وہ کسی طور قابو ہی میں نہ آتے تھے اور انبیاء کے قتل کا ارادہ کرنے لگتے تھے یا اُن کو طرح طرح سے ستانے تھے تب یکایک عذابِ الٰہی اُن پر نازل ہو جاتا تھا۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ
مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ
اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ
شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ
فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

پھر نہ اُٹھنے ہی کی طاقت رکھتے تھے نہ بدلہ ہی لے سکتے تھے ان سے پہلے قوم نوح ایک بدکردار قوم تھی۔ اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں (اپنی طاقت) سے بنایا اور بے شک ہم ہیں سب قدرت ہے اور زمین کو بھی ہم نے ہی بچھایا اور ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر شے کا جوڑ پیدا کیا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس تم اللہ کی طرف بھاگو، میں تم کو اس سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ۔ میں تم کو اس سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح جب ان سے پہلے کوئی رسول آیا تو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی بتایا۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح وصیت کرتے آئے ہیں۔ ہاں یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔ اے رسول، تم ان سے منہ پھیر لو تم پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ اور خدا کو یاد کرو کیونکہ یہ یاد کرنا مومنین کو نفع پہنچاتا ہے۔

جب عذاب آیا تو یہ سرکش قومیں نہ تو اپنی جگہ پر کھڑی رہ سکیں اور نہ ہی انبیاء و مرسلین سے بدلہ لے سکیں عاد و ثمود وغیرہ سے پہلے قوم نوح تھی بلا کی سرکش اور بدکردار لیکن وہ خدا کا کیا بگاڑ سکے خود ہی ڈوب کر رہ گئے۔

ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے دیکھو کیسا بنایا ہے اور ہم اس سے بھی زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں۔ ہماری قدرت کی انتہا کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ آسمان کے علاوہ ذرا زمین کو دیکھو فرش بچھایا اور کیسا اچھا فرش بچھایا۔ ہم نے ہر شے کے جوڑے پیدا کیے۔ جیسے عورت مرد۔ دن رات۔ روشنی تاریکی۔ خشک و تر۔ آسمان و زمین۔ جن و انس۔ صحت و بیماری۔ امیری غریبی وغیرہ۔ پس اے رسولؐ، تم ان سے کہو کہ اس بت پرستی کو چھوڑ کر خدا کی طرف دوڑو۔ اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ میں تم کو کھلم کھلا اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اے رسولؐ ان لوگوں کی بکواس سے تم رنجیدہ نہ ہو۔ تم سے پہلے بھی جب کوئی رسول آیا تو لوگوں نے اُن کو جادوگر یا مجنون ہی بتایا اور اُن کی باتوں کو کان دھر کر نہ سنا اور ایک دوسرے کو یہی وصیت کرتے رہے کہ اس مجنون کی بات پر عمل نہ کرنا۔ اور ایسا اس لیے کرتے تھے کہ وہ سرکش لوگ تھے۔ ان سے منہ پھیر لینے میں تم پر کوئی الزام عاید نہ ہوگا۔ اے رسولؐ، تم اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہو کہ یہی چیز اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچانے والی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾ ع ۳

اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ تو میں ان سے رزق کا طالب ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ خدا خود بڑا روزی دینے والا اور بڑا زبردست ہے۔ تو ان ظالموں کے لیے بھی عذاب کا کچھ حصّہ ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کے لیے حصّہ تھا تو ان کو ہم سے جس دن کا اُن کافروں سے وعدہ کیا ہے اس سے ان کے لیے خرابی ہے۔

ان آیات میں چند باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ جنّات کوئی علیحدہ مخلوق ہے یا انسانوں ہی میں سے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنّ ایسے انسانوں کو کہا جاتا ہے جو بڑے طاقتور اور غصیلے ہوتے تھے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ خدا نے جابجا دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کیا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت سلیمان کے ذکر میں ہم اس کو مفصل بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ جبکہ روئے زمین پر خدا کی بے شمار مخلوق ہے تو اس میں صرف جنّوں اور انسانوں ہی کو عبادت سے کیوں مخصوص کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ تمام مخلوق میں صرف دو ایسے ہیں جن کو اپنے افعال میں اختیار حاصل ہے۔ نیک و بد کی تمیز کر سکتے ہیں خدا کی معرفت اور احکامِ الٰہی کی پابندی ان سے ہی متعلق ہو سکتی ہے۔

۳۔ کیا جنّ و انس کی عبادت یکساں ہے؟ جہاں تک اعتقادات کا تعلق ہے یعنی خدا کی توحید۔ رسولؐ کی رسالت اور قیامت اور ولایتِ ائمہ معصومینؑ دونوں کے لیے یکساں ہے۔ رہا طریقۂ عبادت تو اس میں ایسا نہیں۔ کہ جنّ بھی ہماری طرح نماز و روزہ و حج وغیرہ عمل میں لاتے ہوں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے ان کے لیے کیا طریقۂ عبادت مقرر کیا ہے۔

۴۔ کیا انسانوں کی طرح جنّ بھی مومن و کافر ہوتے ہیں۔ بے شک ایسا ہی ہے۔ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّوں کے کئی وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوئے اور حضورؐ نے انہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کی قوم کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا۔

۵۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جنّ و انس کو محض عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ شب و روز انسان اس کی عبادت میں لگا رہے۔ ایسی صورت میں وہ زندگی کے دیگر فرائض کیونکر انجام دے سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص دن رات نمازیں پڑھے جائے یا تسبیح ہی گھمائے جائے۔ یہ تو وقتی عبادتیں ہیں۔ باقی ہر وہ کام جو احکامِ الٰہی کے مطابق کیا جائے عبادت ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لیے رزقِ حلال کی جستجو میں نکلتا ہے تو اس کا ہر قدم داخلِ عبادت ہے۔ حلال طریقہ سے کسبِ معاش میں جتنا وقت گزرے گا وہ داخلِ عبادت ہے۔ شادی بیاہ پرورشِ اولاد وغیرہ صلۂ رحم حقِ ہمسایہ وغیرہ سب داخلِ عبادت ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اپنا وقت صرف کرنا بھی داخلِ عبادت ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا مصیبت زدہ کو دُکھ درد سے نجات دلانا بھی عبادت ہے۔ اور اسلام کی حفاظت کرنا بھی عبادت ہے۔

خدا سب کو رزق دینے والا ہے وہ کسی کے رزق دینے کا محتاج نہیں۔
کافروں کے لیے جو عذاب دینے کا وعدہ خدا نے کر لیا ہے وہ ایک دن ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

﴿۵۲﴾ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ﴿۷۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ
الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ
عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ
مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۭ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ
دَعًّا ۭ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ
هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کوہِ طور کی قسم اور اس کتاب کی قسم جو کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے اور بیتِ معمور کی (جو کعبہ کے مقابل فرشتوں کا قبلہ ہے) اور اونچی چھت (آسمان) کی قسم اور جوش و خروش والے سمندر کی قسم کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا اور اس کا کوئی روکنے والا نہیں جس دن آسمان چکر کھانے لگے گا اور پہاڑ دوڑنے لگیں گے تو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

جو لوگ باطل میں کھیل رہے ہیں جس دن جہنّم کی آگ کی طرف ان کو دھکیل دھکیل کر لے جائیں گے۔ اور (ان سے کہا جائے گا) یہی وہ جہنّم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا۔

طُور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس سے خدا حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہوا تھا۔

کتابِ مسطور فی رقٍ منشور کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں جن کتابوں کو زمانہ دراز تک محفوظ رکھنا مقصود ہوتا تھا انہیں کاغذ کی بجائے ہرن کی کھال کی رقیق جھلی پر لکھا جاتا تھا۔ رق کے معنی باریک جھلی کے ہیں۔ پس یہاں کھلی کتاب سے مراد یہی مجموعہ کتبِ مقدسہ ہے جو اہلِ کتاب کے یہاں موجود تھا۔

تفسیر صافی میں ہے کہ رق اس جھلی کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا ہے۔ (مراد کتب آسمانی ہیں)۔

بیتِ معمور۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے عرش کے نیچے چار ستون قائم کیے اور ان کا نام صراح رکھا یہی بیت المعمور ہے۔ پھر کچھ فرشتوں کو بھیجا کہ زمین پر ایک مکان اس کی مانند بناؤ اور اہلِ زمین کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں۔ یعنی زمین پر انسانوں کے طواف کا مقام خانہ کعبہ ہے اور آسمان پر فرشتوں کے طواف کی جگہ بیت المعمور ہے۔ سقف مرفوع سے مراد آسمان ہے۔ بحر مسجور سے مراد بعض نے جوش کھانے والا سمندر مراد لیا ہے بعض نے آگ کا بھڑکتا ہوا سمندر۔

ان پانچ باعظمت چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا اور کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔ اس روز حالت یہ ہوگی کہ آسمان چکر کھانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے چلنے لگیں گے۔ تو اس روز ان جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہوگی۔ جو آج دُنیا میں باطل چیزوں میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ وہ سب جہنّم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا تم دنیا میں جس جہنّم کو جھٹلایا کرتے تھے۔ اپنی آنکھوں سے اب دیکھ لو یہ وہی ہے۔ کیا اب بھی اسے جادو کہہ دو گے یا یہ کہو گے کہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ اب اندھے نہیں ہو کھُلی آنکھوں دیکھ رہے ہو۔

قرآن مجید میں زیادہ زور توحید اور قیامت پر دیا گیا ہے۔ قیامت کو طرح طرح سے سمجھایا گیا ہے۔ کہیں اس کے ہولناک مناظر پیش کیے ہیں، کہیں ناقابلِ تردید دلائل، کہیں جہنمیوں کی تباہ حالت۔ بہرحال زیادہ زور اس لیے دیا گیا ہے کہ لوگ صدق دل سے قیامت کا اقرار کر لیں۔ اس کے اقرار کے بعد انسان بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا کیونکہ اُسے پرسشِ اعمال کا خوف رہے گا۔ ورنہ جو لوگ قیامت کا یقین نہیں رکھتے یا جنہیں جہنّم میں جھونکے جانے کا خوف نہیں ان کو بد اعمال بجا لانے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔

قرآن میں جن قوموں پر عذاب آنے کا ذکر ہے وہ اس غلطی میں مبتلا تھیں کہ انبیاء جس قیامت کا ذکر کرتے ہیں اور عذابِ جہنم کے قصّے سُناتے ہیں۔ یہ سب ہمیں دھمکانے کے لیے ہے ان کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آتی تھی، کہ مرنے کے بعد انسان پھر کیسے زندہ ہو سکتا ہے۔

آنحضرتؐ کی امت میں بھی بکثرت لوگ ایسے پائے گئے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جو زبان سے تو قیامت کا اور دوبارہ زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل پر اس اقرار کا کوئی اثر نہیں ورنہ ایسے اعمال اُن سے سرزد نہ ہوتے جن کی سزا جہنم ہے۔ کیسی بے باکی سے یہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں لوٹ مار کرتے ہیں، زنا کرتے ہیں عورتوں کی عصمت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، اغوا کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، طرح طرح کے مظالم روا رکھتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ قیامت کے مواخذہ کا انہیں کوئی خوف نہیں۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ
بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔـا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ
وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّـتُهُمْ
بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ
كُلُّ امْرِی ٔ ٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ
مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾
وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

اس (دوزخ) میں گھسو۔ تم صبر کرو یا بے چینی دکھاؤ، دونوں باتیں تمہارے لیے برابر ہیں۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ ہاں جو پرہیزگار لوگ ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں رہیں گے۔ جو کچھ اُن کے رب نے اُن کو دیا ہوگا اُس کے مزے اڑاتے ہوں گے۔ اُن کا رب اُن کو

دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا (اُن سے کہا جائے گا) مزہ کے ساتھ کھاؤ پیو۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو (دارِ دُنیا میں) تم کر چکے ہو برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اُن کا بیاہ رچائیں گے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کا ساتھ دیا تو ہم اُن کے عمل سے کوئی شے کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں گرو ہے جس قسم کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا ہم اس سے بھی کچھ اور بڑھا کر انہیں عطا کریں گے اور وہ ایک دوسرے سے شراب کے جام لیں گے جس میں نہ کوئی لغو بات ہوگی نہ کوئی گناہ (ان کی خدمت کے لیے) نوجوان لڑکے ان کے اردگرد چکّر لگایا کریں گے جو (حُسن و جمال میں) احتیاط سے رکھے ہوئے موتی جیسے ہوں گے۔

دوزخی خواہ چُپ چاپ رہیں گے یا شور و غل مچائیں گے اُن کی کسی بات پہ توجہ نہ ہوگی۔ دوزخ کے شعلوں پر صبر تو کسی سے نہ ہوگا۔ صرف عام محاورہ کے مطابق کہا گیا ہے کہ صبر کرو یا نہ کرو، برابر ہے کسی کی فریاد کی کوئی داد نہ ہوگی کیونکہ ہر شخص کے اعمال سے متعلق جو مبنی بر انصاف فیصلہ تھا وُہ کر دیا گیا اب اس پر نظرِ ثانی نہیں ہو سکتی۔

جن پرہیزگاروں نے دُنیا کی چند روزہ زندگی سخت پریشانی میں گزاری ہوگی ان کے لیے آخرت میں جو عیش ہوگا وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ جنّت کی وہ نعمتیں کھانے کو ملیں گی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ حسین حُوریں ان کی بی بیاں ہوں گی جن کو دیکھنے سے رُوحانی لذّت حاصل ہوگی۔ ان کے لڑکے بالوں کو جو مومن ہوں گے اُن کے ساتھ رہنے کی اجازت ہوگی۔ اس رعایت کے سلسلہ میں اُن کی جزا میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ہر شخص نے دُنیا میں رہ کر خدا کی جن نعمتوں سے فائدہ حاصل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں اُس کا نفس رہن ہوگا۔ اگر اُس نے نیکیاں کر کے اپنے نفس کو آزاد نہیں کیا تو آخرت میں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جنتیوں کو اُن کی حسبِ خواہش میوے کھانے کو ملیں گے گوشت ملے گا۔ یہ میوے ایسے نہ ہوں گے جو گل سڑ جائیں یا ان کے مزہ میں کوئی تبدیلی آجائے۔ یہ گوشت بھی یہاں کے جانوروں کا سا نہ ہوگا۔ اہلِ جنت طائروں کا ہوگا۔ نہایت خوش ذائقہ خوش رنگ روح کو لذت بخشنے والا جتنا چاہو کھاؤ پیٹ پر کوئی گرانی نہ ہوگی۔ پھر پاکیزہ شراب کا دور چل رہا ہوگا۔ یہ دُنیا کی سی شراب نہ ہوگی جو پھلوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے بلکہ شرابِ طہور پاک و شفاف جس کا پینا نہ گناہ ہوگا نہ اُسے پی کر آدمی بہکے گا نہ خمار میں بدن ٹوٹے گا۔ سرُور ہوگا کیف ہوگا اور مزید یہ کہ خوبصورت نوجوان لڑکے تختوں کے چاروں طرف خدمت کے لیے چکّر لگاتے ہوں گے۔ خوبصورت سے خوبصورت جیسے احتیاط سے رکھے ہوئے ڈبوں میں بند موتی۔ جن پر گرد و غبار کا کوئی اثر نہ ہو۔ چمکتے دمکتے۔

یہ ہے وہ جنت جس میں لے جانے کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ بادشاہوں کے زرنگار محل جس کے سامنے فقیروں کے جھونپڑے نظر آئیں گے۔ یہ صلہ ہوگا ایمان باللہ اور اعمالِ صالحہ بجا لانے کا۔ خوش نصیب ہیں جو ان

نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے اس دارِ دُنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں اور اس کی خرافات میں مبتلا نہ ہو کر اپنے کردار کے دامن پر گناہ کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ
اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ
اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ
طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے باتیں کریں گے۔ ان میں سے کچھ کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے گھر ہیں (خدا سے بہت ڈرا کرتے تھے تو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو جہنم کی لُو کے عذاب سے بچا لیا۔ اس سے قبل ہم اس سے دُعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔ (اے رسول) تم نصیحت کیے جاؤ۔ تم تو اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہو نہ مجنون تم کو یہ لوگ شاعر کہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو اس کے بارہ میں زمانہ کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم کہدو (اچھا) تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں کیا ان کی عقلیں اُن کو یہ باتیں بتاتی ہیں یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو گھڑ لیا ہے (بات یہ ہے کہ) یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

یعنی جنتی لوگ دنیوی زندگی کے متعلق ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوں گے۔ کہتے ہوں گے کہ ہم اپنے

گھروں میں جب عذابِ الٰہی کا ذکر سنتے تھے تو خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دوزخ کی گرم ہوا سے بچا لیا۔

اہلِ جنت کے بعد اب رسول سے کہا جا رہا ہے، اے رسولؐ! تم پر اللہ کا فضل ہے اُس کی رحمت ہے تم نہ کاہن ہو نہ مجنون ہو نہ شاعر ہو۔ ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ جو بات کہتے ہیں بے عقلی کی۔ تم ان کے درمیان برسوں سے رہتے ہو۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو شخص مجنون ہوگا وہ کاہن یعنی غیب گو کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دیوانہ شاعر کیسے بن سکتا ہے۔ جب ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم کیا ہو تو احمقوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور جو جس کے منہ میں آیا بک دیتا ہے۔

یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ چونکہ یہ شخص ہمارے بُتوں کو بُرا کہتا ہے لہٰذا کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر رہے گا۔ ان سے کہدو تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ دیکھوں تمہارے معبود میرا کیا بگاڑتے ہیں۔ کیا ان کی یہ باتیں عقل سے تعلق رکھتی ہیں ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ سرکشی پر آمادہ ہیں لہٰذا سوچ بچار سے ان کا تعلق ہی نہیں۔ چونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں لہٰذا تمہارا اثر اکھاڑنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔ لیکن ان کے اس کہنے سے ہوتا کیا ہے حق کو کوئی کتنا ہی چھپائے وہ چھپ ہی نہیں سکتا۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ
شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا
يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ
مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

(اگر یہ لوگ اس دعوٰی میں سچے ہیں کہ تم نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے تو) انہیں چاہیئے کہ ایسا ہی کلام پیش کریں۔ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے پیدا کیے ہوئے ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں یا

انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ حاکم بنا دیئے گئے ہیں یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمان سے باتیں) سُن آتے ہیں۔ جو سُن آتا ہو وہ کوئی دلیل پیش کرے کیا خدا کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں یا تم ان سے تبلیغ رسالت کی اُجرت مانگتے ہو کہ یہ لوگ قرض کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں یا ان لوگوں کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ لیتے ہیں۔

اس امر کو بار بار دُہرایا گیا ہے کہ جن لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ رسولؐ نے خود تصنیف کر لیا ہے تو انہیں چاہیئے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کوئی اور ایسا ہی کلام جو ان کا بنایا ہوا ہو پیش کریں۔ اگر بنا سکتے ہیں تو لاتے کیوں نہیں۔

اگر وہ خدا کو خالق نہیں مانتے تو کیا وہ بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل ان کے پاس ہو تو پیش کریں۔ اور اگر وہ کسی چیز کے خالق ہوں تو اُسے لا کر دکھائیں لیکن جب یہ دونوں باتیں غلط ہیں تو پھر کیوں نہیں مانتے کہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہیں۔ اگر وہ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ انہیں خدا نے پیدا کیا ہے تو پھر اس کو ثابت کریں اور بتائیں کہ کس نے پیدا کیا ہے۔ کیا ان بُتوں نے جن کو خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑ لیا ہے۔

اپنی دولت پر جو تم اتنا اکڑ رہے ہو کیا اللہ کے خزانے تمہارے قبضے میں آ گئے ہیں یا تم کو خدا نے حاکم بنا دیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ غرور و تکبر کیوں ہو۔ تم جو قرآن کو جھٹلا رہے ہو کیا کوئی سیڑھی لگا کر اس کی تحقیق کو آسمان پر پہنچے تھے۔ اگر وہاں تم نے کچھ سُنا ہے تو کس دلیل کے ساتھ! بیان کرو، ورنہ تم جھوٹے ہو۔

کس قدر شوخ چشم اور گستاخ ہو تم کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور فرشتوں کو کہتے ہو کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی تمہارے نزدیک خدا تم سے بھی گیا گزرا ہو گیا۔ خدا ان باتوں سے مبرا ہے۔

اے رسولؐ، کیا تم نے اجرِ رسالت میں ان سے کوئی رقم مانگی ہے جس کے بوجھ تلے یہ دبے جا رہے ہیں جب تم نے ان کو کوئی مالی نقصان نہیں پہنچایا تو پھر یہ خواہ مخواہ کیوں دشمن بنے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں جن کو یہ لکھتے جاتے ہیں اور اُن کے مطابق یہ تم پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ عداوت کی بنا پر یوں ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔

اَمْ يُرِيدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾ ع

کیا یہ لوگ کوئی داؤ چلنا چاہتے ہیں جو لوگ کافر ہیں وہ اپنی ہی چال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے جس کو یہ شریک بناتے ہیں اللہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے اگر آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرتا دیکھیں تو کہیں گے یہ تو کوئی دلدلا بادل ہے۔ اے رسول انہیں چھوڑ دو تاکہ یہ اس دن کو پالیں جس میں یہ بیہوش ہو جائیں گے اور جس دن نہ ان کی مکّاری ہی کام آئے گی اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ ظالموں کے لیے اس کے علاوہ اور بھی عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کیے رہو۔ تم تو ہماری نگہداشت میں ہو اور اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو۔ جب اُٹھو اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے غروب کے وقت بھی۔

حِيْنَ تَقُوْمُ سے نماز تہجد مراد ہے اور مِنَ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء اور اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے نماز صبح مراد ہے۔ یا تقوم سے یہ مراد ہے کہ جہاں کہیں سے اُٹھو خدا کی تسبیح کر کے اُٹھو۔

آیت نمبر ۴۲ میں جس چال کا ذکر کیا گیا ہے وہ وہی چالیں ہیں جو کفارِ مکہ حضورؐ کو ستانے یا آپؐ کے مشن کو

فیصل کرنے کے لیے سوچا کرتے تھے۔

آیت نمبر ۴۴ کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار آئے دن رسولؐ سے معجزہ دکھانے کی خواہش کیا کرتے ہیں لیکن اگر کوئی معجزہ دکھایا جائے تو اس سے انکار کر کے کج بحثی شروع کر دیتے ہیں مثلاً اگر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا نظر آئے تو کہہ دیں گے یہ تو کوئی دلدلا بادل ہے۔

آیت نمبر ۴۷ سے یہ مطلب ہے کہ اس بڑے عذاب سے پہلے جو قیامت میں ان پر آنے والا ہے ہم کوئی چھوٹا عذاب بھی ان پر نازل کریں گے۔

آیت نمبر ۴۸ کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ، تم ہماری حفاظت میں ہو اپنا کام کیے جاؤ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

---

۵۳ سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾

تارے کی قسم جب ٹوٹا کہ تمہارے رفیق نہ گمراہ ہوئے ہیں نہ بہکے۔ وہ تو اپنی خواہشِ نفسانی سے کبھی بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول شیعی روایات کی بنا پر یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک روز بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاق سے ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ستارہ جس کے گھر میں گرے گا وہی میرے بعد میرا وصی ہوگا۔ یہ سن کر لوگ اس کے دیکھنے کے لیے اٹھے تو دیکھا وہ علی ابن ابی طالبؑ کے گھر میں گرا تو لوگ گستاخانہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ آپ علی کی محبت میں گمراہ ہو گئے ہیں ماں پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مناقب ابو الحسن بن مغازلی شافعی)۔

اس روایت کے متعلق ہمارے مخالفین نے بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور کہا ہے کہ ستارہ کوئی چھوٹی سی چیز

نہیں وہ ایک کرہ ہوتا ہے اگر وہ علیؑ کے گھر میں گرتا تو سارا مدینہ تباہ ہو جاتا۔ ہم اس کو سمجھاتے ہیں: کوکب کا اطلاق سیاروں پر ہوتا ہے اور نجم کا اطلاق چھوٹے ستاروں اور نجمیہ جس کی جمع نجیمات ہے ان ستاروں پر ہوتا ہے جو زمین سے میلوں اوپر فضائے آسمانی میں گردش کرتے رہتے ہیں ان کو نجم ثاقب بھی کہا جاتا ہے۔ بُک آف نالج میں ہے کہ زمین سے جو موادِ ارضی بلند ہوتا ہے وہ خلاء سفر میں چکر کھانے سے گولے کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس پر اور مادہ جمتا چلا جاتا ہے اور اس کا حجم بڑھتا رہتا ہے اس کو میٹیور Meteor کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں فضا میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ جب رات کو ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو ایک شعلہ سا نظر آتا ہے جسے شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ ان کے ٹکڑے جب زمین پر گرتے ہیں تو کافی گرم ہوتے ہیں اور بعض ٹکڑے کئی کئی من وزنی ہوتے ہیں۔ یہ ٹکڑے لندن اور کلکتہ کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ پس یہاں نجم کے گرنے سے یہی میٹیور مراد ہے۔ یہ بھی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ اس میں اعتراض کے قابل کوئی بات نہیں۔ یہ میٹیور بھی ستارے ہی کہلاتے ہیں۔ بُک آف نالج میں ان کی تصویریں بھی دی ہوئی ہیں۔ چونکہ فضا میں گرد و غبار رہتا ہے اس لیے یہ گردش کرتے نظر نہیں آتے۔

مفسرینِ اہلسنت نے هَوٰى کا ترجمہ غروب ہونا لکھا ہے۔ لیکن آیت کے اگلے حصہ پر غور نہیں کیا گیا۔ ستارہ کے غروب ہونے کو کیا نسبت ہے اس کلام سے کہ تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ بہکا نیز یہ کہ وہ تو وحی کے سوا دوسرا کلام ہی نہیں کرتا۔ جب کسی واقعہ کے متعلق حضورؐ نے کسی سے کچھ فرمایا نہ ہو تو آیت کے اس حصہ کا جوڑ کیسے لگے گا۔

آیہ والنجم کی شانِ نزول میں ابن مردویہ نے ابو الحمراء اور حبۃ العرنی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب علیؑ کے دروازہ کے سوا مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم آیا تو لوگوں کو ناگوار ہوا اور حضورؐ سے عرض کی، آپؐ نے سب کے دروازے بند کرا دیئے سوا علیؑ کے دروازے کے۔ ایک گستاخ نے کہا یا رسولؐ اللہ، آپ نے فرطِ محبت میں علیؑ کا رتبہ سب سے بلند کر دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا، نہ میں نے اپنی خواہش سے کسی کا دروازہ کھولا تھا نہ بند کیا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے خدا کے حکم سے کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

آیہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے متعلق علمائے اسلام کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے جہاں تک نزولِ قرآن کا تعلق ہے حضورؐ بالکل مطابق وحی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ کسی معاملہ میں محتاجِ وحی نہ تھے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے حضورؐ کا ہر کلام مطابق وحی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ حضورؐ کا کلام چند قسموں پر منقسم تھا۔

۱۔ بیانِ قرآن۔ اس میں جو وحی کے الفاظ ہوتے تھے حضرتؐ وہی ادا فرماتے تھے۔
۲۔ حدیثِ قدسی۔ فرشتہ جو مفہومِ ربانی اپنے الفاظ میں بیان کرتا تھا حضورؐ اس کو ادا فرماتے تھے۔ بعض کے نزدیک مفہوم و الفاظ دونوں خدا کی طرف سے ہوتے تھے مگر قرآن کی طرح ان سے تحدی نہیں کی جاتی تھی۔
۳۔ حدیث غیر قدسی۔ جو مضمون فرشتہ لاتا تھا حضورؐ اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔
۴۔ تبلیغ دین میں جو گفتگو حضرتؐ فرماتے تھے بالقائے ربانی وہ سب الفاظ حضورؐ کے ہوتے تھے۔

۵ - جنگی معاملات میں حضورؐ اپنے اصحاب سے جو مشورہ کرتے تھے اس میں وہی رائے قبول فرماتے تھے جس کی حمایت الہامِ الٰہی کرتا تھا۔ مشورہ صرف صحابہ کی تالیفِ قلب کے لیے ہوتا تھا۔

۶ - نجی معاملات میں آپؐ کے فیصلے آپؐ کی قوتِ قدسیہ کرتی تھی اور اس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔

نزولِ وحی سے پہلے زندگی کے تمام معاملات کا تعلق آپؐ کی اسی قوتِ قدسیہ سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی امر قابلِ اعتراض آپؐ سے سرزد نہ ہوا۔ چونکہ روزِ پیدائش ہی سے روحِ نبوتی آپؐ کے اندر جلوہ فرما تھی لہٰذا آپؐ کا ہر قول و فعل مرضیِ الٰہی کے مطابق ہوتا تھا۔ یعنی بالہامِ ربّانی جو وحی کی ایک قسم سمجھئے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

اِن کو نہایت طاقتور (فرشتہ جبرئیل) نے تعلیم دی ہے جو زبردست ہے۔ جب یہ آسمان کے اونچے کنارہ پر تھا تو وہ (جبرئیل اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوا۔ پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا اور دو کمان کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی قریب، خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو وحی کی سو کی جو کچھ انہوں نے دیکھا اُن کے دل نے جھوٹ نہ جانا تو کیا جو رسول کہتا ہے لوگ اس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ انہوں نے اس (جبرئیل) کو ایک بار اور دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک جنت ہے جو

رہنے کی جگہ ہے۔ اس وقت سدرہ پر جو (نور) چھا رہا تھا وہ چھا رہا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ اس نے یقیناً اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ آیات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کے متعلق ہیں۔ جس کا مفصل بیان ہم پندرہویں پارہ میں کر چکے ہیں۔ ان آیات کا ایک ایک لفظ قابلِ غور اور توضیح طلب ہے۔

۱ - عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى - ان کو زبردست قوت والے نے تعلیم دی۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد خدا لی ہے یعنی خدا نے تعلیم دی لیکن آگے کا مضمون اس تفسیر کی تائید نہیں کرتا۔

اکثر نے مراد جبرئیل امینؑ لی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس پر یہ اعتراض بے جا ہے کہ اس صورت میں جبرئیل امینؑ استاد قرار پاتے۔ جبرئیلؑ نے جو تعلیم دی وہ اپنی طرف سے نہیں اپنے علم سے نہیں دی بلکہ جو خدا نے ان کو تعلیم دی تھی، وہ نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انہوں نے رسولؐ تک پہنچا دی۔ پس جبرئیلؑ اس صورت میں ایک واسطہ ہیں نہ کہ معلّمِ حقیقی۔

۲ - ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى - (وہ طاقتور ہیں پس ایک جگہ وہ ٹھہر گئے)۔ یہ بھی جبرئیلؑ ہی کی صفت ہے مراد یہ ہے کہ جب وہ سرکارِ دوعالمؐ کو ساتھ لے کر معراج کے لیے گئے تو ایک مقام پر رُک گئے۔ یعنی سدرہ پر۔ کیونکہ اس سے آگے بڑھنے کا مقام ان کے لیے نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود کو ظاہر کر دیا۔ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ یعنی اگر میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پرواز کا انتہائی مقام سدرہ ہے اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔

۳ - وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى - (اور حضور سرکارِ دوعالمؐ کائنات کے افقِ اعلیٰ پر تھے۔ یعنی وہ جگہ عالمِ مادی کی آخری حد ہے۔ یہاں مادیت کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔

۴ - ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى - (پھر وہ اور نزدیک ہوئے اور ہوتے چلے گئے) یعنی عالمِ مادی سے آگے اب عالمِ نور کی طرف حضورؐ بڑھے۔ (جہاں عالمِ ظہور میں آنے سے پہلے رہ چکے تھے)۔

۵ - فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى - (یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔) اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا کے اور حضورؐ کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ خدا کے لیے تو کوئی جگہ کا تعین ہی نہیں وہ تو لامکاں ہے بلکہ مراد وہ سرادقِ عظمت و جلال ہیں جہاں تک کسی کا گزر ہی نہیں۔ یہ صرف حضورؐ کی خصوصیت ہے کہ بجسمِ مادی وہاں تک پہنچ گئے جہاں کوئی مخلوق جا ہی نہ سکتی تھی۔ اب ان حجابوں سے اور حضورؐ سے دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ یعنی انتہائی مقامِ قربت میں پہنچ گئے۔ اَوْ اَدْنٰى سے مراد یہ ہے کہ وہاں اظہارِ قربت کے لیے عالمِ مکان کا کوئی لفظ بیان میں نہیں آ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ حدوث و قدیم یا واجب و ممکن کی جہاں حدیں ملتی ہیں وہاں تک پہنچے (واجب / ممکن) یعنی عالمِ مادی کا یہ نورانی انسان اس مقام پہ پہنچا ہوا تھا جس کے آگے واجب کی حد ہے ممکن کی نہیں نہ وہاں زمان ہے نہ مکان۔

۶۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۔ (پس خدا نے اتنے قریب بُلا کر وحی کی جو وحی کی۔) یہاں لفظاً ما کہہ کر وحی ختم کر دی گئی یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ وحی کیا تھی۔ نہ تو خدا نے بتایا نہ حضورؐ نے معراج سے واپس آکر بتایا کہ یہ وحی کی گئی تھی۔ معلوم ہوا کوئی خاص وحی تھی جس کو ایک وقتِ خاص تک پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔ خدا و رسولؐ کے درمیان جو بات چیت ہوئی ظاہر ہے کہ وہ گھریلو معاملات کے متعلق تو ہوگی نہیں۔ ضرور دین کے بقا کے متعلق کوئی اہم بات ہوگی اور وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس دین کو قیامت تک باقی رہنا ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی دوامی بند و بست ہونا ہے اور اس کی صورت یہی ہے۔ کہ تم اپنے بعد علیؑ کو اپنا جانشین بناؤ جو صحیح معنی میں ہمارے دین کی تبلیغ کریں۔ اُن کے بعد اُن کی وہ معصوم اولاد اپنے اپنے وقت پر یہ خدمت انجام دے جن کے نام یہ ہوں گے۔ ما اوحٰی کا یہ راز غدیر خم میں کھلا جب یہ آیت نازل ہوئی، يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ ۶/۵ المائدۃ (اے رسولؐ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو) پس غدیر خم میں برسرِ منبر جس کا اعلان کیا گیا وہ وہی راز تھا جو ما کے پردہ میں سالہا سال پوشیدہ رہا۔

مفسرین میں کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ آخر شبِ معراج خدا نے کیا وحی کی تھی۔ اگر اس کے اظہار میں کوئی خطرہ لاحق نہ تھا تو اُسے چھپایا کیوں گیا۔

۷۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۔ (رسولؐ نے جو دیکھا اُن کے دل نے اُسے جھٹلایا نہیں)۔ کیسے جھٹلا سکتی تھی عالمِ نور کی وہ مخلوق جس کی پیدائش خلقتِ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے تحتِ عرشِ الٰہی تسبیح و تہلیل کرتا رہا ہو۔ عالمِ نور میں جو چیزیں دیکھی ہوئی تھیں جب ان کو دوبارہ بہ چشمِ مادی دیکھا تو جھٹلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۸۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۔ جو رسولؐ نے معراج کے حالات تم سے بیان کیے تم اس میں جھگڑا کرتے ہو۔ کیا تم ہمارے رسولؐ کو جھوٹا سمجھتے ہو۔ وہ تو جو کچھ کلام کرتا ہے وحی سے کرتا ہے۔

۹۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۔ انہوں نے نیچے اُترتے وقت پھر جبریلؑ کو دیکھا یعنی جبریلؑ کو اصلی صورت میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کھڑے پایا۔ کسی نبی یا رسول نے جبریل امینؑ کو اپنی اصلی صورت میں سوائے سرکارِ دو عالمؐ کے نہیں دیکھا۔ جبریلؑ ہی لے گئے تھے اور پھر جبریلؑ ہی سدرۃ المنتہیٰ سے ساتھ واپس زمین پر پہنچا گئے۔

۱۰۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۔ سدرہ کے قریب ہی جنت ہے جو مومنین کے رہنے کی جگہ ہے۔

۱۱۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۔ (سدرہ پر جو کیفیت چھا رہی تھی چھا رہی تھی۔) یہ کوئی ضرور ایسی کیفیت تھی جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے بعض نے لکھا ہے کہ سدرہ ملاءِ اعلیٰ کے ساکنوں کے لیے اس طرح مرکزِ نور ہے جس طرح ہمارے لیے آفتاب۔ بعض نے لکھا ہے کہ نورِ محمدیؐ کا پرتو پڑنے سے ایک خاص نورانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

۱۲۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ (رسولؐ کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی) یعنی عظمت و جلال کو حضورؐ سرکارِ دو عالم نظر جما کر دیکھتے رہے۔ آنکھوں میں کوئی خیرگی پیدا نہ ہوئی۔ یہ موسیٰؑ نہ تھے جو کوہِ طور پر بجلی کی چمک دیکھتے ہی غش کھا کر گر گئے تھے۔ یہ محمد مصطفیٰؐ تھے۔ یہ عالمِ نور میں ہزاروں سال تک رہ چکے تھے اُن کی آنکھوں میں خیرگی کیوں پیدا ہوتی۔

۱۳۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔ (آپؐ نے خدا کی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دیکھیں)۔ مفسرین نے یہاں بھی عجیب بے تکی باتیں بیان کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے جبریلؑ کی اصلی صورت میں دیکھا۔ کوئی کہتا ہے سدرہ کو دیکھا کوئی کہتا ہے مخلوقاتِ سماوی کی سیر کی۔ لیکن جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ عالم دو ہیں۔ ایک عالمِ امکان و حدوث دوسرے عالمِ لامکاں و وجوب۔ کوئی نبی یا رسول نہیں بتا سکتا کہ عالمِ امکاں کی حد کہاں ختم ہوتی ہے۔ کونسا مقام ہے جو جہات و زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کے تمام ساکن عالمِ امکاں کی حدود کے اندر ہیں۔ ان کی پرواز پچاس ہزار سال تک کی مسافت میں ہو سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔ اب اس حد تک کون گیا ہے۔ فرشتے بھی ایک حد تک جا سکتے ہیں۔ عالمِ امکاں کی حدِ آخر کو وہ بھی نہیں بتا سکتے۔ ستارے عالمِ امکاں میں داخل ہیں۔ ان میں سے بعض ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ ان کی کرن زمین تک تین ہزار سال میں پہنچتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل ہے۔ اس سے سمجھئے کہ عالمِ امکاں کی حد کہاں تک ہے۔

پس مخلوقاتِ عالم میں صرف ایک ذات سرورِ کائناتؐ کی ایسی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ امکاں کی حدِ آخر تک پہنچا دیا۔ اس کا ثبوت سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت سے ملتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ الخ ۱/۱۷ بنی اسرائیل (پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے)۔ مسجدِ اقصیٰ کے معنی ہیں انتہائی سجدہ کی جگہ یعنی مخلوق کی پہنچ کی حدِ آخر۔ پس سب سے بڑی نشانی جو حضورؐ کو دکھائی گئی وہ عالمِ امکاں کی حدِ آخر تھی۔

بہت سے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ شبِ معراج حضورؐ نے خدا کو دیکھا تھا لیکن یہ عقیدہ فاسد ہے۔ جب خدا جسم و جسمانیات سے مبرا ہے تو وہ کسی کے دیکھنے میں کیسے آئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھنے کی خواہش کی تھی تو اُس نے جواب دیا تھا لَنْ تَرٰىنِيْ "تم مجھے ہرگز نہ دیکھو گے"۔ لن کا لفظ چونکہ مستقبل کی تاکیدی نفی کرتا ہے لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ کبھی مجھے نہ دیکھو گے۔ نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔ حضرت حضورؐ نے دیکھا ہوتا تو ضرور لوگوں سے اس کی شکل و شمائل بیان کرتے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ روحانی تھی یعنی حضورؐ نے عالمِ خواب میں اپنے کو عالمِ بالا کی سیر کرتے دیکھا تھا۔ وہ غلطی پر ہیں۔ خواب میں دیکھنا کسی کے لیے باعثِ فضیلت نہیں ہو سکتا۔ ایسی خوابیں تو سبھی دیکھ سکتے ہیں۔

ہم سورہ بنی اسرائیل میں بیان کر چکے ہیں کہ معراج کا مقصد کیا تھا۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝۱۹ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ
هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا
مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ
جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ
الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

تم لوگوں نے لات وعزّیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا (بھلا یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں)۔ کیا تمہارے بیٹے ہیں اور خدا کی بیٹیاں یہ تو بہت بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گڑھ لیے ہیں۔ خدا نے تو ان کے لیے کوئی سند جاری نہیں کی۔ یہ لوگ تو اٹکل اور اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت بھی آچکی ہے۔ جس چیز کی انسان تمنا کرے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ آخرت اور دُنیا تو بس خدا ہی کے اختیار میں ہے اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آتی مگر خدا جس کے لیے چاہے اجازت دے اور پسند کرے۔

لات وعزّیٰ دو بڑے بت تھے قبائلِ عرب کے اکثر لوگ ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ یہ مذکر مانے جاتے تھے۔ تیسرے منات تھا جو دیوی مانی جاتی تھی۔ آخر والا اس لیے کہا کہ لوگ اس کی پوجا کم کرتے تھے۔ ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ ان پر مشک و عنبر ملا جاتا تھا جسے مکھیاں چاٹ جاتی تھیں اور یہ ان کو اپنے بدن سے اُڑا نہ سکتے تھے۔ اتنی عاجز مخلوق انسانوں کی معبود بنی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ سرکارِ دو عالم کفار کی سخت گیریوں سے تنگ آکر چاہتے تھے کہ کوئی آیت ایسی آجائے جس میں ان کے بتوں کی تعریف ہو تاکہ یہ خوش ہو جائیں۔ جب آیہ والنجم نازل ہوئی اور آپ نماز میں

تلاوت فرما رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے۔ استغفر اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تلك الغرانيق الاولىٰ ان شفاعتهم لترتجى۔ (یہ بڑے مرتبہ والے ہیں انکی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

کفار بغلیں بجانے لگے کہ بس کام ہو گیا۔ آج محمدؐ نے ہمارے بتوں کی عظمت کا اقرار کر لیا۔ اور ان کی شفاعت کے قائل ہو گئے۔ یہ حکایت مولانا شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ میں لکھی ہے۔

یہ روایت درایتاً کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو حضورؐ پر شیطان کا تسلط ایک بے معنی بات ہے۔ دوسرے جب حضورؐ کی رسالت کا مقصد ہی بتوں کی تذلیل اور بُت پرستوں کی مذمت تھا اور آپؐ خدائے واحد کی توحید کا درس دیتے آئے تھے کیسے ممکن تھا کہ باغوائے شیطان آپؐ کی زبان سے ان کی تعریف نکلتی۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ کفار عجیب دماغ کے لوگ ہیں کہ اپنے بُتوں کے نام تو مذکر رکھتے ہیں اور فرشتوں کو کہتے ہیں یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ کیسی نامعقول تقسیم ہے۔ خدا نے ان کی پوجا پاٹ کرنے کا کہیں بھی حکم نہیں دیا۔ اے مشرکو، بُتوں کے یہ نام تم نے خود اپنی رائے سے رکھ چھوڑے ہیں۔ خدا کے رکھے ہوئے یہ نام نہیں۔ نہ ان کو کوئی طاقت دی گئی ہے۔ تم محض اپنی خواہش نفسانی سے ان کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ کیا امرِ حق تمہاری خواہشات کا تابع ہے کہ جو تم چاہو وہی ہو جائے۔ آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں بغیر اذنِ خدا جن کی شفاعت کام نہیں دے سکتی۔ پس جن فرشتوں کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا ان کی سفارش تمہارے کچھ کام آسکے گی؟ کچھ بھی نہیں۔

مشرکین نے جو بُت پُوجا کے قابل قرار دیے تھے اس کی کئی صورتیں تھیں :

۱۔ جن فرشتوں کا مجسمہ بنایا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ دعائیں ہم ان سے کرتے ہیں وہ فرشتے جن کے یہ مجسمے ہیں ہماری دعاؤں کو سنتے اور خدا سے ہماری خواہشیں پوری کراتے ہیں۔
۲۔ جو بُت جنّوں کے نام پر بنائے جاتے تھے تاکہ جنّات ان سے خوش ہو کر ان کی مدد کریں۔
۳۔ پہلے زمانہ میں جو خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں ان کے مجسمے جیسے رام چندر، کرشن، سیتا وغیرہ۔
۴۔ وہ روحانی قوتیں جن کو وہ حاجت روا سمجھتے تھے اور دیوی اور دیوتا کہتے تھے جن کے فرضی مجسمے بنا لیے تھے جیسے سرسوتی، علم کی دیوی۔ اِندر۔ برسات کا دیوتا۔
۵۔ ستاروں کو کارسازِ عالم سمجھ کر ان کے فرضی مجسمے بنائے تھے۔

ان سب کے نام خود ان کے وضع کیے ہوئے تھے۔ اور جبکہ خدا نے اُن کو کوئی طاقت ان میں نہیں دی تھی۔ انہوں نے مختلف قسموں کی طاقتوں کا پیکر بطورِ خود سمجھ لیا تھا۔ اس وجہ سے کئی کئی بتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ عرب میں ہر قبیلہ کا ایک جداگانہ بُت ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ چکی تھی۔ ان میں بعض مجسمے چھوٹے ہوتے تھے بعض بڑے۔ خانہ کعبہ کے اندر اور باہر ان کو رکھا گیا تھا۔ بعض کی تصاویر خانہ کعبہ کی دیواروں پر بنا دی گئی تھیں۔ بعض بڑے بھاری بھرکم پہاڑوں پر بھی رکھے جاتے تھے۔

ع

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ
الْأُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ
الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ
ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ ۙ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ
اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ
الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا
بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ ملائکہ کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں وہ تو بس خیالی وگمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔ جو ہماری یاد سے رُوگردانی کرے اور صرف دنیوی زندگی کا طالب ہو تو تم بھی اس سے منہ پھیر لو، اُن کے علم کی یہی انتہا ہے۔ تمہارا پروردگار اُس کو جو اُس کے راستہ سے ہٹ گیا ہے خوب پہچانتا ہے اور جو راہِ راست پر ہے اس سے بھی خوب واقف ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے تاکہ جنہوں نے بُرائی کی ہے اُن کو اُن کے عمل کی سزا دے اور جنہوں نے نیکی کی ہے اُن کو نیکی کی جزا دے۔

ملائکہ کے متعلق مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور جو مجسمے ان کے بناتے تھے اُن کے نام عورتوں کے سے رکھتے تھے۔ جیسے منات۔ اس بُت کو وہ عورت سمجھتے تھے اور اس کی شکل بھی عورتوں جیسی بنائی تھی۔

خدا فرماتا ہے اُن کے پاس ملائکہ وغیرہ کے متعلق کوئی علم تو تھا نہیں محض اپنے گمان وخیال کی بنا پر جو نام جس کا چاہا رکھ لیا۔ لیکن یہ گمان حق بات سے بے پروا تو نہیں کر سکتا۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ
أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ
أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾ ع

جو لوگ صغیرہ گناہوں کے سوا کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں، تو اے رسول تمہارا رب بڑی بخشش والا ہے۔ وہی تم کو خوب جانتا ہے جب اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو (تکبر سے) اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتایا کرو۔ جو پرہیزگار ہے اُس کو وہ خوب جانتا ہے۔

خدا اپنی مغفرت کی شان دکھاتا ہے کہ اگر کوئی بندہ بڑے بڑے گناہوں سے بچا رہے اور بے حیائی کی باتیں چھوڑ دے تو خدا اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ تمہاری کوئی حالت اس سے چھپی ہوئی تو ہے نہیں وہ تو تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ تمہیں اس نے مٹی سے بنایا ہے تمہاری اصل ایک نطفۂ گندیدہ ہے۔ ایسی حالت میں تم اپنے نفس کی بڑائی نہ ظاہر کیا کرو اور شیخی نہ بگھارا کرو۔ اصلی بندگی تو ان لوگوں کے لیے ہے جو صاحبانِ تقویٰ و پرہیزگار ہیں اور جو ایسے ہیں اُن کو وہ خوب جانتا ہے۔ پس تم اس کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے،

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ التِّمْثَالِ اَكْفَاءُ ... اَبُوْهُمْ اٰدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمْ مِّنْ اَصْلِهِمْ شَرَفٌ ... يُفَاخِرُوْنَ بِهٖ فَالطِّيْنُ وَالْمَاءُ

یعنی انسان صورت کے لحاظ سے تو سب برابر ہی ہیں کیونکہ ان سب کے ماں باپ آدمؑ اور حواؑ ہی ہیں۔ اگر ان کو فخر کرنے کے لیے کوئی شرف ہے تو یہ ہے کہ وہ مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔
مطلب یہ کہ انسان کو کسی طور پر تکبر و غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مٹی عاجزی کی اور پانی نرمی کی علامت ہے

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۙ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ اَعِنْدَهٗ
عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ﴿٣٦﴾
وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۙ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ﴿٣٨﴾ وَ
اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ﴿٣٩﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠﴿٤٠﴾ ثُمَّ
يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۙ﴿٤٢﴾ وَاَنَّهٗ
هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ﴿٤٣﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ﴿٤٤﴾ وَاَنَّهٗ
خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ﴿٤٥﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۠﴿٤٦﴾
وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۙ﴿٤٧﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ﴿٤٨﴾ وَ
اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ﴿٤٩﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ۙ﴿٥٠﴾

تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے رُوگردانی کی۔ تھوڑا سا راہِ خدا میں دیا اور رُک گیا۔ کیا اُس کے پاس علمِ غیب ہے کہ دیکھ رہا ہے۔ کیا اُس کو اُن باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسٰی کے صحیفوں میں تھا اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جنہوں نے اپنا پورا پورا حق ادا کیا۔ (ان صحیفوں میں یہ ہے) کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ ان کی کوشش عنقریب ہی (قیامت میں) دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو تمہارے رب کی طرف پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے اور وہی مارتا اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی نر و مادہ دو قسم کے (حیوان) نطفہ سے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے پیدا کرتا ہے

اور یہ کہ (قیامت میں) اس پر دوبارہ اُٹھانا لازم ہے اور یہ کہ وہی مالدار بناتا اور سرمایہ عطا کرتا ہے اور یہ کہ وہی شعرٰی کا مالک ہے اور اُس نے پہلے (قوم) عاد کو ہلاک کیا۔

آیت نمبر ٣٣ کے متعلق تفسیر کشاف جلد ٣ میں ہے :

حضرت اکثر خیرات زیادہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا آپ بہت زیادہ خیرات کیا کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ آپ فقیر ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا۔ بھائی میرے سر پر گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ چاہتا ہوں اس خیرات کے ذریعہ سے اُسے سر سے اُتار دوں۔ اُس نے کہا یہ سامان سے جو لدا ہوا اونٹ کھڑا ہے مجھے دے دیجئے میں نے آپ کے سارے گناہ اپنے سر لے لیے۔ وہ اس معاملہ پر راضی ہو گئے۔ ایک کاغذ لکھا گیا اور اس پر دو ولیوں کی گواہیاں لے لی گئیں اس کے بعد انہوں نے خیرات بند کر دی۔

اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ صحفِ ابراہیمؑ و موسٰیؑ میں ہم نے ان باتوں کو بیان کر دیا ہے۔ لوگ ان سے آگاہ کیوں نہیں ہوتے۔

١۔ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا ہر شخص اپنے گناہ کا ذمہ دار خود ہوگا۔
٢۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے حاصل کرنے کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بخیل کو بخل کا بدلہ ملتا ہے اور سخی کو سخاوت کا۔
٣۔ جس نے جو کوشش کی ہے عنقریب اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔
٤۔ قیامت میں پورا پورا بدلہ ملے گا کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔
٥۔ سب کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہونی ہے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔
٦۔ خدا ہی اپنی نعمتیں دے کر ہنساتا ہے خدا ہی اس کو سلب کر کے رُلاتا ہے۔
٧۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے۔
٨۔ اُس نے نطفہ سے ہر جاندار کا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہو کر رہیں اور اُنکی نسل بڑھے۔
٩۔ قیامت میں سب کو اُٹھانا اس پر لازم ہے۔
١٠۔ وہی مالدار بناتا اور سرمایہ عطا کرتا ہے۔
١١۔ شعرٰی ستارہ جس کو لوگ پوجتے ہیں اور اس کو بڑا قدرت والا سمجھتے ہیں اس کا رب بھی خدا ہی ہے۔
١٢۔ اُس نے قوم عاد کی سب سے پہلی نسل کو ہلاک کیا۔

وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۙ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ

اَظْلَمَ وَاَطْغٰی ۵۲ وَالْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی ۵۳ فَغَشّٰھَا مَا
غَشّٰی ۵۴ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ۵۵ ھٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ
الْاُوْلٰی ۵۶ اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ ۵۷ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَۃٌ ۵۸
اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۵۹ وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ ۶۰
وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۶۱ فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا ۶۲ السجدۃ

اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور کچھ باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا۔ یہ لوگ بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے اور اُس نے (قوم لوط کی) بستیوں کو اُلٹ کر ہلاک کیا۔ پھر ان پر جو چھایا سو چھایا پس اے انسان تو خدا کی کس کس نعمت پر شک کیا کرے گا یہ (محمدؐ) بھی انہیں ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہے۔ قیامت قریب آگئی۔ خدا کے سوا کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو۔ ہنستے ہو اور روتے نہیں تم کس قدر غافل ہو۔ خدا کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

کفارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے کتنی زبردست قوموں کو ہلاک کر دیا۔ پس تم ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ خدا نے جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان کے بارہ میں شک کیا کرو کہ خدا نے دی ہیں یا کسی اور نے۔ خدا کے سوا ان کا دینے والا بھلا کون ہو سکتا ہے۔ پہلی قوموں نے اس بارہ میں جھگڑا کیا تھا۔ اُن کے پیغمبروں نے خدا کی ناشکری پر ان کو ڈرایا تھا۔ انہی ڈرانے والوں میں ایک ہمارا یہ پیغمبر بھی ہے۔ دیکھو قیامت کا وقت قریب آلگا ہے۔ جب تم مر جاؤ گے تو پھر تمہیں سوچنے کا کوئی موقع نہ رہے گا۔ جو کچھ سوچنا ہے ابھی سوچ لو۔ جب اچانک قیامت آجائے گی تو پھر کیا کرو گے۔ جن باتوں سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے یہ متعجب کرنے یا ہنسنے کی باتیں نہیں۔ بلکہ تم کو اپنی بداعمالیوں پر رونا چاہیئے۔ یہ مختصر سی زندگی غفلت میں گزارنے کے لیے نہیں۔ بتوں کو چھوڑ کر اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو۔

سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ (۵۴) (۳۷)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۱ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً
یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۲ وَکَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا
اَھْوَآءَھُمْ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۳ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
مَا فِیْہِ مُزْدَجَرٌ ۴ حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۵
فَتَوَلَّ عَنْھُمْ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ ۶ خُشَّعًا
اَبْصَارُھُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۷
مُّھْطِعِیْنَ اِلَی الدَّاعِ یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ۸

قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ یہ کفار اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو زبردست جادو ہے ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے ان کے پاس تو وہ حالات پہنچ چکے ہیں جن میں کافی تنبیہہ تھی اور انتہا درجہ کی دانائی مگر (ان کو تو) ڈرانا کچھ فائدہ نہیں دیتا تو (اے رسول) تم بھی ان سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ جس دن بلانے والا ایک اجنبی اور ناگوار چیز کی طرف بلائے گا تو (قیامت میں) آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں، بلانے والے کی طرف گردنیں اٹھائے دوڑتے چلے جاتے ہوں گے۔ کافر لوگ کہیں گے یہ تو بڑا سخت دن ہے۔

آیہ شق القمر کی شانِ نزول یہ ہے :

ابنِ عباس کہتے ہیں حج کے زمانہ میں چودھویں شب کو ابوجہل ایک یہودی اور چند مشرکوں کے ساتھ حضرت رسولِ خدا کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ آپؐ اپنی نبوت کا کوئی معجزہ صریحی دکھاؤ۔ آپؐ نے پوچھا، آخر تُو کیا چاہتا ہے اُس نے یہودی سے مشورہ کر کے کہا، اگر اس چاند کے دو ٹکڑے کر دو تو جانوں۔ حضرتؐ نے دُعا کی اور انگلی کا اشارہ کیا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں میں اتنا فاصلہ ہو گیا کہ دونوں ٹکڑے الگ الگ نظر آنے لگے اور تھوڑی دیر تک یوں ہی رہا۔ حضرتؐ نے لوگوں کو پکار کر کہا، لوگو دیکھو۔ اس پر ابوجہل نے کہا، لوگو! محمدؐ نے نظر بندی کر دی ہے۔ یہاں سے جو لوگ باہر گئے ہیں اُن سے پوچھوں۔ اگر وہ لوگ تصدیق کر دیں تو البتہ مان لوں گا۔ جب اُن لوگوں سے تصدیق ہو گئی تو بولا، آپؐ نے ساری دُنیا کی نظر بند کر دی ہے۔

اس واقعہ کو ابنِ مسعود۔ انس بن مالک۔ حذیفہ۔ ابنِ عمر اور جبیر بن مطعم وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ اور حضرات ائمہ معصومینؑ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے اور صحابہ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ اس کے متعلق مفسرین میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں، حضرتؐ کی خواہش پر ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ حضرتؐ نے شق قمر دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ قربِ قیامت کی ایک نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ اتفاقاً چاند میں ایسی صورت پائی گئی تھی۔ جسے حضرتؐ نے قربِ قیامت کی دلیل قرار دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی کرہ کا ایسا شق ہونا کہ ایک ٹکڑا دوسرے سے میلوں دُور ہو جائے یہ بات عند العقل قبول نہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو نجومی لوگ اس کی ضرور خبر دیتے اور علم ہیئت کے ماہرین پر یہ عظیم الشان واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ بعض کہتے ہیں، یہ واقعہ ہوا نہیں بلکہ آئندہ ایسا ہو گا جو قربِ قیامت کی دلیل قرار پائے گا۔

لیکن سب باتوں کا عند الایمان کوئی جواز نہیں کیونکہ قرآن کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور وَانْشَقَّ الْقَمَرُ دونوں ماضی کے صیغے ہیں لہٰذا استقبال کا خیال بے معنی ہے۔ یہ واقعہ ہوا اور ضرور ہوا۔ معجزہ کہتے ہی اس فعل کو ہیں جس کی حقیقت سمجھ میں نہ آ سکے۔ اگر آ جائے تو پھر ہر کوئی معجز نما بن سکتا ہے۔

شق القمر کے متعلق کسی راوی کا یہ بیان نہیں کہ چاند کے دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو گئے تھے بلکہ ایک ایسی دراڑ پڑ گئی کہ بیچ میں خلا دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد باعجاز وہ دونوں کنارے مل گئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ شق کی وہ صورت کچھ عرصہ تک باقی رہی ہو اور یہ اعتراض ہو سکے کہ لوگوں نے دیکھا نہیں۔ جب تک ایسی چیزوں کا پہلے سے اعلان نہ ہو لوگوں کو کیا غرض تھی کہ اُسی رات کو صبح کے قریب تک برابر چاند کو گھورتے رہتے۔ اچانک ایک واقعہ ہوا اور ختم ہو گیا۔ جن کو یہ معجزہ دکھانا تھا انہوں نے دیکھ لیا۔ تمام دُنیا میں اس کا مشاہدہ کیسے ہوتا۔ بعض روایات سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ ہندوستان اور چین وغیرہ میں دیکھا گیا۔ اور اس کو چاند گرہن وغیرہ کی طرح عجائباتِ قدرت سمجھا گیا۔

رہا یہ کہنا کہ چاند کا جو اتنا بڑا کرہ ہے شق ہونا کیسے ممکن ہے تو معجزات سے امکان کا تعلق نہیں ہوتا۔ موسیٰؑ کے عصا کا سانپ بن جانا، یونسؑ کا مچھلی کے شکم میں زندہ رہنا، عیسیٰؑ کا مٹی سے چڑیا بنا کر اُڑا دینا، ابراہیمؑ پر آگ کا گل و گلزار بن جانا، کس کی سمجھ میں آتا ہے جو اس کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ابوجہل وغیرہ جو جہالت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے جب حضرتؐ کو رسول ہی نہ مانتے تھے تو آپؐ کے معجزات کو کیا مانتے۔ چنانچہ یہ کہہ کر منہ پھیر لیا، یہ تو جادو ہے محمدؐ نے نظر بندی کر دی ہے جو ہم کو ایسا نظر آ رہا ہے۔

اب رہا قیامت کے قریب ہونے کا سوال تو قیامت کے قریب جو کچھ ہونے والا ہے اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ چاند شق ہو جائے گا۔ لہٰذا خدا یہ فرما رہا ہے کہ قربِ قیامت کی ایک یہ بھی علامت ہے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ فلاں سال میں قیامت آ جائے گی۔ قربِ قیامت کا علم تو خدا ہی کو ہے۔

لوگ معجزاتِ انبیاء کو جھٹلا کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت کے وقت کو ہٹا کر لوگوں کی خواہش کے مطابق قبل از وقت ہی دکھا دیا جائے۔ انبیاء نے جو کچھ قیامت میں ہونے والا ہے وہ تو سب کچھ بتا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قیامت کا آنا ضروری ہے۔ یہ ہٹنے والی چیز نہیں۔ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرو لیکن جو اس پر بھی یقین نہیں کرتے تو اس کا کیا علاج۔ جتنی مخلوق خدا کو پیدا کرنی ہے جب تک ان سب کو پیدا نہ کرے گا قیامت کو کیوں برپا کرے گا۔ نظامِ عالم کا وہ چلانے والا ہے لوگوں کی خواہش پر تو اس کو نہیں چلا رہا۔ اس نے جو طلسمِ کائنات اپنی معرفت کے لیے بنایا ہے جب انسان کو وہ سب دکھا دے گا قیامت کو کیوں لائے گا اور اس پُر حکمت کارخانہ کو توڑ پھوڑ کر کیوں رکھ دے گا۔ انسان نے ابھی تو زمین اور اس کی مخلوق ہی کو دیکھا ہے۔ چند سال سے اب اس نے دوسرے کُروں پر کمند ڈالنی شروع کی ہے۔ صرف چاند پر جا کر تھوڑی سی خاک اُٹھا لایا ہے۔ چند قدم چلنے سے کیا پورے کرّے کا حال اُسے معلوم ہو گیا؟ ابھی تو لاکھوں کرّے اس کے آنے کے منتظر بیٹھے ہیں۔ جب یہ سب سَر کر لے گا اور خدا کی عجیب و غریب صناعیوں کو دیکھ لے گا تو قیامت بھی آ جائے گی۔ اس کے آنے میں جلدی کیوں مچائی جا رہی ہے۔ بجائے جلدی مچانے کے انسان کو اس کے آنے کے لیے اپنے کو تیار کیوں نہیں کرتا۔

ابھی تو مرتے جاؤ اور قبرستان آباد کرتے جاؤ۔ چھوٹی سی قیامت تو تمہارے لیے یہی ہے۔ پھر وہ وقت بھی آ کر رہے گا کہ تم ننگے سر خاک جھاڑتے قبروں سے خود بخود نکل کھڑے ہو گے اور پھر تمہارے ساتھ جو ہو گا وہ سب الف سے لے کر ی تک ہمارے پیغمبروں نے تم کو بتا دیا ہے۔ اس کی طرف کیوں نہیں توجہ کرتے۔ تمہارے انکار کرنے سے قیامت ہٹ نہیں سکتی اور جو اعمال تم اس دُنیا میں کر رہے ہو اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

یہ سمجھ لو کہ یہ دن کافروں کے لیے بڑا سخت ہو گا۔ وہ محشر کی طرف سر جھکائے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے۔ اعمال نامے گلے میں پڑے ہوں گے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات کی پرسش ہو گی اور پھر جہنم کی آگ ہو گی اور وہ۔ البتہ جو مومن و متقی ہوں گے ان کا کیا کہنا۔ ان کی بڑی ناز برداریاں ہوں گی۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو پھر ان کے لیے عیش ہی عیش ہو گا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ
وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ
السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى
الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾
تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً
فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا
فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ
مُنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾

قوم نوح و عاد

اس سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا۔ انہوں نے ہمارے بندے (نوحؑ) کو جھٹلایا اور کہنے لگے یہ مجنون ہے اور اُن کو جھڑکیاں بھی دی گئیں تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ بارالٰہا میں (ان کے مقابلہ میں) کمزور ہوں تو ہی ان سے بدلہ لے۔ پس ہم نے موسلا دھار پانی کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے بس ایک کام کے لیے جو مقرر ہو چکا تھا (دونوں) پانی مِل ملا کر ایک ہو گئے اور ہم نے ایک کشتی پر جو تختوں اور کیلوں سے بنائی گئی تھی سوار کیا اور وہ ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ اس شخص (نوحؑ) کا بدلہ لینے کے لیے ہوا جسے لوگ نہیں

مانتے تھے اور ہم نے اس کشتی کو عبرت بنا دیا تو کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے (دیکھو) ان کو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کون ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔ قوم عاد نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ پس ان کو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک سخت منحوس دن میں بڑے زنّاٹے کی آندھی چلائی جو لوگوں کو (ان کی جگہ سے) اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا وہ اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں پس میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ منحوس دن سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہفتہ میں کوئی دن منحوس نہیں ہوتا سب نیک ہوتے ہیں۔ جس کے لیے جو مصیبت کا دن ہو وہی منحوس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بُدھ کا دن ہفتہ میں سب سے زیادہ منحوس ہے اس میں کوئی اہم کام نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت نوحؑ کی کشتی بروایتے بیس سال میں تیار ہوئی تھی۔ خدا نے اس کشتی کو بنانے کے لیے حضرت نوحؑ کو فنِ نجاری کی تعلیم دی تھی۔ اس میں تمام کام حضرت نوحؑ نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔ کسی غیر معصوم کا ہاتھ اس میں نہیں لگا تھا۔ خود تختے چیرے تھے خود اس کا ڈھانچہ بنایا تھا خود ہی اس کے تختے جوڑے تھے۔ غرض ہر طرح یہ کشتی مقدس و مبارک تھی اس پر جتنے سوار تھے سب نے نجات پائی۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے کہ جو اس پر سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جس نے اس سے رُوگردانی کی ڈوب گیا اور ہلاک ہُوا۔ یہ کشتیٔ نوحؑ جن اجزا سے بنی تھی وہ بھی سب پاک و پاکیزہ تھے۔ اس وجہ سے اُن کے ساتھیوں کو طوفان میں غرق ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اسی طرح جن لوگوں کو اہلبیتؑ سے تمسک رہا ان کو طوفانِ ضلالت میں ڈوبنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ کشتیٔ نوح طوفان کے بعد کوہِ جُودی پر ٹھہری تھی جو سب سے چھوٹا پہاڑ تھا۔ لوگ کہتے ہیں ہوائی جہازوں کے ذریعہ بعض پہاڑوں پر اس کشتی کا ایک ڈھانچہ سا نظر آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

طوفانِ نوح کے بعد پھر کبھی ایسا طوفان دُنیا میں نہیں آیا نہ نوحؑ سے پہلے کبھی آیا تھا۔ روایت ہے کہ زمین کا کوئی حصہ اس طوفان سے محفوظ نہیں رہا تھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کشتیٔ نوح چالیس روز پانی پر رہی۔ اس عرصہ میں جو مخلوق کشتی پر سوار تھی اُس نے کھایا کیا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ تمام آدمیوں، درندوں، چرندوں اور پرندوں وغیرہ کے لیے اتنے عرصہ تک کھانے کا سب سامان کشتی میں رکھا ہو۔ درندوں کے لیے گوشت کا کیا بندوبست کیا ہو گا۔ جن جانوروں کو درندوں نے کھایا ان کے لیے تو کشتی نوح باعثِ نجات نہ بنی۔ مفسرین نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ شیخ احمد تبریزی نے کتاب الانبیاءؑ میں یہ ضرور لکھا ہے کہ خدا نے اس مدت میں ایسی ہوا چلائی کہ کشتی میں بیٹھنے والوں کو نہ بھوک لگی نہ پیاس۔

واللہ اعلم بالصواب

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ع ۲/۸
بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ
وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ
بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى
فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً
وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔ قومِ ثمود نے ڈرانے والے پیغمبروں کو جھٹلایا اور کہا کیا ہم ایک آدمی کی جو ہم ہی میں سے ہے پیروی کریں اگر ایسا کریں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے۔ کیا ہم سب میں سے بس اسی پر وحی نازل ہوتی ہے (نہیں) بلکہ یہ تو بڑا جھوٹا تعلّی کرنے والا ہے۔ ان کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا تکبر کرنے والا ہے (اے صالح) ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم دیکھتے رہو اور ذرا صبر سے کام لو اور ان کو خبردار کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر حاضر ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں نے اپنے رفیق (قدار نامے) کو بُلایا تو اس نے پکڑ کر اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں

پس دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک سخت چیخ کا عذاب بھیج دیا تو وہ باڑے والے (جانوروں کے بندھنے کی جگہ) چُور چُور بھُوسے کی طرح ہو گئے۔ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔

یہاں دو جگہ قرآن کے آسان ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اُس کی عبارت نہ تو ایسی پیچیدہ ہے کہ آدمی کی سمجھ میں نہ آئے۔ نہ منطقیانہ و فلسفیانہ ہے کہ آدمی اس کی اصطلاحوں میں گم ہو جائے اور یہی پتہ نہ چلے کہ زیرِ بحث کیا مسئلہ ہے بلکہ ہر مطلب کو نہایت واضح طریق سے بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ مقصد عبارت ہے کہ لوگوں کو اس سے ہدایت ہو۔

قومِ نوح کے بعد قومِ عاد و ثمود نے بڑا سر اُٹھایا تھا۔ جنابِ صالحؑ کو قومِ ثمود کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اُن کی قوم نے اُن کو بُری طرح جھٹلایا۔ وہ کہتے تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص (صالح) جو ہم ہی میں پلا بڑھا ہو اب وہ ایسا بڑا بن گیا ہے کہ ہمیں ہدایت کرتا ہے۔ ہم بھلا ایسے آدمی کو جو معمولی حیثیت کا ہے کیسے پیروی کر سکتے ہیں ایسے کی اطاعت تو کھُلی گمراہی اور دیوانگی ہے۔ یہ تو بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ خدا فرماتا ہے عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون جھوٹا اور تعلّی مارنے والا ہے۔

جنابِ صالحؑ سے کہا جا رہا ہے ہم (ان کی خواہش کے مطابق) ایک ناقہ کو ان کی آزمائش کے لیے بھیجتے ہیں۔ پس تم دیکھتے رہو کہ وہ اس کے ساتھ کیا عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ کریں کرنے دو صبر سے کام لو۔ انہیں یہ بتا دو کہ جس چشمہ سے تم پانی پیتے ہو اس کا پانی تمہارے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن ساری قوم اس کا پانی اپنے استعمال میں لائے اور دوسرے دن اونٹنی پئے اور وہ اتنا دودھ دے گی کہ ساری قوم کے لیے کافی ہوگا۔ مگر وہ اس تقسیم پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے ایک شقی کو جس کا نام قدار تھا اس کی ہلاکت پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اُس ملعون نے ایک رات کو اس اونٹنی کے چاروں پیروں کی کوچیں کاٹ دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اب ان کی سرکشی چونکہ حد کو پہنچ گئی تھی لہٰذا غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی سخت چیخ پیدا ہوئی کہ وہ سب مر گئے۔ اور ان پر مکانات اس طرح گرے کہ ان کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور وہ اُس بھُس کی مانند ہو گئے جسے مویشیوں نے اپنے پیروں تلے کچل ڈالا ہو۔ ہم نے یہ قصّہ قرآن میں اس لیے بیان کیا ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور جو باتیں پہلی قوموں کے لیے باعثِ عذاب بن چکی ہیں اُن سے پرہیز کریں۔ مگر نصیحت حاصل کرنے والے کم ہی لوگ ہیں۔ ایک معذب قوم کے بعد جب دوسری معذب قوم آئی تو وہاں سرکشی انہوں نے بھی اختیار کی اور اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور اس کے ستانے پر کمر باندھی۔ خدا نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے جو ہادی بھیجا وہ اسی قوم کا ایک فرد تھا۔ مقصد یہ تھا کہ چونکہ وہ اپنی قوم کی عادات و شمائل، رسم و رواج سے خوب واقف ہوتا تھا لہٰذا وہ اچھی طرح ہدایت کر سکتا تھا لیکن قوموں نے اُن کو اس لیے نہ مانا کہ وہ انہی میں کا کوئی رئیس اور زمیندار خان نہ ہوتا تھا بلکہ معمولی حیثیت کا آدمی ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ اس کی پیروی کرنے پر تیار نہ ہوتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ
نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِعْمَةً مِنْ عِنْدِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾
وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ
ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ
بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع

قومِ لوط نے ڈرانے والوں کو (پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ہم نے اُن پر کنکریوں بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والوں کو ہم نے اپنے فضل و کرم سے پچھلے پہر بچا لیا۔ ہم شکر کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ (عذاب) سے ڈرا بھی دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے ڈرانے ہی میں شک کیا اور اُنہوں نے فرشتے کے بارہ میں ہی ناجائز مطلب کی خواہش کی تو ہم نے اُن کی آنکھیں اندھی کر دیں کہ میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور صبح کے ہوتے ہی وہ عذاب آ گیا جو کسی سے ٹل نہیں سکتا تھا تو میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت حاصل کرے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی عجیب نالائق و بدکردار قوم تھی۔ وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کو بجائے عورتوں کے نوجوان لڑکوں سے پورا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل سے عورتیں تنگ آ گئی تھیں۔ ہر چند حضرت لوطؑ سمجھاتے تھے کہ ایسی زمین میں کیوں زیج ڈالتے ہو جس سے کوئی چیز پیدا ہونے کی امید نہیں۔ تمہارا یہ فعل غیر فطری ہے۔ اللہ نے تمہاری شہوت کی آگ بجھانے کے لیے عورتوں کو بنایا ہے۔ مگر وہ کہاں ماننے والے تھے۔ آخر سوائے لوطؑ کے خاندان کے ساری بستی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ گئی۔ ہم نے لوطؑ کے ذریعہ سے اپنے عذاب کی آمد سے ان کو خبردار کر دیا تھا مگر جب وہ نہ مانے تو پھر ہمارا عذاب تھا اور وہ تھے۔ اُن ظالموں نے تو یہ غضب ڈھایا کہ جو فرشتہ ہم نے نزولِ عذاب کے لیے لوطؑ کے پاس

بھیجا تھا اور ایک خوبصورت جوان کی صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ اس کی آمد کی خبر سنتے ہی وہ دوڑ پڑے اور اپنی خواہش کو اس سے پورا کرنا چاہا۔ ہم نے ان کی آنکھوں کو ایسا اندھا کیا کہ وہ اُن کو نظر ہی نہ آیا۔ صبح ہوتے ہی ہم نے لوطؑ کے خاندان کو جو وہاں تھا نکال لیا۔ باقی سب پر عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالا۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس قوم میں ایسے بوڑھے بھی تھے جو اس فعلِ بد کو نہیں کرتے تھے، اُن کو کیوں ہلاک کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ یا تو اس لیے وہ ہلاک ہوئے کہ جوانی میں ایسا فعل کر چکے تھے یا اس لیے جب حضرت لوطؑ نے اُن کو عذاب کی خبر دی تھی تو اس بستی سے نکل کر بھاگے کیوں نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت لوطؑ کو جھوٹا جانتے تھے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ
أَخْذَ عَزِيزٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُمْ
بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ
الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ
أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ
فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

فرعون کے لوگوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے اُنہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اس طرح دھر پکڑا جیسے ایک صاحبِ قدرت پکڑا کرتا ہے (اے اہلِ مکہ) کیا ان لوگوں سے بھی تمہارے کفار بڑھ کر ہیں یا تمہارے واسطے پہلی کتابوں میں معافی لکھی ہوئی ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم بہت قوی جماعت ہیں۔ عنقریب ہی یہ جماعت شکست کھائے گی۔ یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور تلخ چیز ہے۔ بے شک گنہگار لوگ گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں۔ اس روز اپنے منہ کے بل جہنم کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور کہا جائے گا) اب جہنم کی آگ کا مزہ چکھو۔

مفسرین عامہ نے آلِ فرعون سے مراد قومِ فرعون لی ہے۔ اسی طرح آلِ محمدؐ سے مراد قومِ محمدؐ ہے۔ پس درود شریف میں جو آلِ محمدؐ کہا جاتا ہے اس سے مراد وہ نہیں جن کو شیعہ اہلبیتؑ کہتے ہیں۔ بلکہ تمام قوم مراد ہے۔ یہ خیال کئی وجہ سے باطل ہے۔ اوّل یہ کہ آلِ فرعون سے فرعون کے قبیلہ یا خاندان کے لوگ مراد ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی امرِ اہم کا منسوب کرنا ہوتا ہے تو اس خاندان والوں ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً اس آیت میں فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ "۵۴ سورہ نساء" میں آل سے مراد صرف انبیاء ہیں، تمام اولادِ ابراہیمؑ مراد نہیں۔ دوسرے قبطی لوگ جو قومِ فرعون کہلاتے تھے درحقیقت اولادِ فرعون تھے۔ مصر میں تیس۳۰ بادشاہ ہوئے جو فرعون کہلاتے تھے۔ ان میں سے ایک وہ فرعون تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا۔ ان ہی فرعونوں کی اولاد قبطی تھے۔ پس آلِ فرعون سے مراد فرعونیوں کا خاندان ہے۔ اُن میں وہ لوگ داخل نہیں جو قبطیوں کے علاوہ مصر میں آباد تھے۔ تیسرے اگر آلِ محمدؐ سے مراد تمام مسلمان لیے جائیں تو ان میں فاسق و فاجر بھی بکثرت ہیں۔ تو کیا وہ اس قابل ہیں کہ اللہ اور ملائکہ اور مومنین درود بھیجیں۔ چوتھے اگر سب ہی آلِ محمدؐ ہیں تو درود بھیجا کس پر جائے گا۔ بھیجنے والے اور جن پر بھیجا جائے دونوں ایک تو نہیں ہو سکتے۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک لفظ ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ موقع و محل کے لحاظ سے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً سورہ بقر کی ۲۴۸ویں آیت میں جہاں تابوت سکینہ کا ذکر ہے وہاں یہ الفاظ ہیں بقیۃ ترک آلِ موسیٰؑ و آلِ ھارون یعنی اس تابوتِ سکینہ میں بقایا تھا ان تبرکات کا جو چھوڑے تھے آلِ موسیٰؑ و ھارون نے ظاہر ہے کہ یہاں آل سے مراد قومِ موسیٰؑ نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان کے تبرکات باعثِ برکت نہیں ہو سکتے بلکہ اس سے مراد یہاں اولادِ انبیاء ہے انھیں کے تبرکات باعثِ برکت ہو سکتے ہیں اسی طرح تمام اُمتِ رسولؐ کی نہیں ہو سکتی جن پر خدا و رسولؐ اور مومنین درود بھیجیں سوائے آلِ رسولؐ

آیات کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور فرعون والوں نے ان تمام معجزات کو جھٹلایا جو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ لے کر آئے تھے۔ مصر میں قومِ فرعون کا بڑا اقتدار تھا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے کو خدا کہتا تھا۔ دولت اور ملکی وسعت کے لحاظ سے وہ اہلِ مکہ سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ پس جب خدا نے اُسے سختی سے دھر پکڑا اور ہلاک کر دیا تو اے اہلِ مکہ تم اس سے زیادہ طاقت و اقتدار والے تو نہیں ہو یا تمہارے پاس عذاب سے برأت کا کوئی پروانہ آ گیا ہے۔ تمہیں اپنی جس جماعت پر گھمنڈ ہے قیامت میں اس کا حشر دیکھ لینا۔ کیسے ہر طرف بھاگے بھاگے پھرو گے۔ وہ تمہارے لیے بڑی سخت اور تلخ گھڑی ہوگی۔ تم سب کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

چونکہ مشرکینِ مکہ قیامت کے معتقد نہ تھے اور سب کچھ دُنیا ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ حضرتؐ سے بڑے اکڑ اکڑ کر بولتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہماری بہت بڑی جماعت ہے کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ آخر ایک روز انہوں نے اپنے غرور و تکبّر کا مزہ چکھ لیا۔ بدر و اُحد و خندق تین ہی جنگوں میں ان کے اتنے آدمی مارے گئے کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا اور جو بچے تھے اُن کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ ۸ھ تک ان کا زور اتنا ٹوٹ گیا کہ وہ حضورؐ کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے اور اپنے سابقہ کرتوتوں کی معافی مانگتے نظر آئے۔ یہ تو تھی ان کی دنیوی ذلت اور قیامت آنے پر جو سزا ملے گی اس کے تو تصوّر سے بھی کلیجہ لرزتا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۴۹) وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (۵۰) وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۵۱) وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ (۵۲) وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۵۳) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (۵۴) فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (۵۵) ع

ہم نے ہر شے کو ایک مقرر اندازہ سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم تو بس آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے اور ہم تمہارے ہم مشربوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے اور ہر وہ شے جو یہ لوگ کر چکے ہیں ان کے اعمال ناموں میں درج ہے اور ہر چھوٹا بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔ متقی لوگ جنتوں اور نہروں ہر طرح کے بادشاہ کی بارگاہ میں (مقرب) ہوں گے۔

یعنی خدا نے ہر چیز کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے۔ نہ اس سے آگے بڑھتی ہے نہ پیچھے ہٹتی ہے۔ جس درخت کا نشو و نما جس شان سے ہوتا آیا ہے ایسا ہی ہوگا۔ اس کا نقطۂ عروج جہاں تک ہے وہیں تک ہوگا۔ اُس کا پھیلاؤ جتنا موزوں ہے ہمیشہ اتنا ہی ہوگا۔ انار کا درخت برگد کے درخت کی برابر لمبا چوڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر جانور کے قد و قامت کا ایک پیمانہ قدرت کا بنایا ہوا ہے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لومڑی شیر کا ڈیل ڈول نہیں اختیار کر سکتی اور شیر لومڑی کے قد میں نہیں آ سکتا۔ بکری ترقّی کر کے بیل نہیں بن سکتی اور بیل بکری کے قد و قامت والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے قدرت کی طرف سے ایک اندازہ معیّن ہے۔

عالمِ امری سے جن چیزوں کی خلقت کا تعلق ہے انہیں اسباب و وسایط کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ چیز پلک جھپکتے ہو جاتی ہے۔ انسان اس زندگی میں جو کام کرتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا، دفترِ قدرت میں سب لکھ لیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دُنیا میں پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اُن کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے۔ جنت کے باغ ان کے رہنے کے لیے ہوں گے۔ نہریں ان کے قدموں کے نیچے تفریحِ طبع کے لیے بہتی ہوں گی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا کے مقرب بندے قرار پائیں گے۔

۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۞ ۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ ۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۞ ۴
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۞ ۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۞ ۶
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۞ ۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۞ ۸
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۞ ۹

بڑا مہربان ہے خدا۔ اُس نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا اُس نے بیان کرنا سکھایا۔ سُورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں اور جڑی بُوٹیاں اور درخت اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اُس نے آسمان کو بُلند کیا اور ترازو (انصاف) کو قائم کیا تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم نہ کرو۔

سب سے پہلے اس سورہ میں لفظ رحمٰن ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے اس کی رحمت کے تحت ہو رہا ہے چونکہ اپنے بندوں کو ہدایت کرنا خدا کا فرض ہے اور بندوں پر اس کی رحمت ہے لہٰذا لفظ رحمٰن سے سورہ کا آغاز کیا ہے۔

مفسرین عامہ نے لکھا ہے عَلَّمَ الْقُرْاٰن سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم دی۔ پھر انسان کو پیدا کیا اس کی تعلیم کا پہلے بندوبست کر دیا پھر اُسے بیان کرنا سکھا دیا۔ اس تفسیر میں ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں کیونکہ ترتیبِ کلام غلط ہو جاتی ہے۔ خلقتِ انسان کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے تعلیم کا بعد میں بیان معاملہ برعکس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے مراد عام انسان نہیں بلکہ وہ انسان ہے جس کی تعلیم وجودِ انسانی میں آنے سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ سوائے ذاتِ سرورِ کائناتؐ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ حضورؐ خدا کے یہاں سے تعلیم حاصل کیے ہوئے تھے لہٰذا انؐ کی تعلیم اس عالمِ مادی میں آنے سے پہلے ہو چکی تھی۔ یہاں آکر جب نزولِ قرآن ہوا تب بیان کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔ یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ رسول جاہل پیدا نہیں ہوئے تھے جن لوگوں نے

اُمّی کے معنی جاہل لیے ہیں انہوں نے غلطی کی ہے۔ اس کا ثبوت کہ حضورؐ دنیا میں آنے سے پہلے عالمِ قرآن تھے آپؐ کی یہ حدیث ہے کہ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔ (میں اُس وقت نبی تھا جب آدم آب و گِل میں تھے)۔ ظاہر ہے کہ ایک نبی جاہل نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر۵۔ سورج اور چاند اپنے حساب کے مطابق چل رہے ہیں۔ بال برابر اس سے ہٹ نہیں سکتے۔

آیت نمبر۶۔ نجم کے معنی اس بیل کے لیے ہیں جس کا تنا نہ ہو۔ جیسے کدّو یا خربوزے کی بیل۔ یعنی اونچے اونچے درخت ہوں یا زمین پر لیٹی ہوئی بیل سب خدا کو سجدہ کر رہے ہیں۔ درختوں کا سجدہ کرنا اس نظام کی پابندی کرنا ہے جو قدرت نے ان کے لیے معیّن کر دیا ہے۔

آیت نمبر۷۔ اُس نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو کو بنایا۔ ترازو سے مراد یہاں عدل و انصاف سے کام لینا ہے کیونکہ نظامِ عالم بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اس کو چار جگہ تنبیہاً ذکر کیا گیا ہے۔ تولنے میں حد سے نہ بڑھو۔ ڈنڈی نہ مارو۔ انصاف کے ساتھ تولو۔ تول میں کسی کو کم نہ دو۔ ناپ ہو یا تول انصاف کو ملحوظ رکھو۔ قومِ شعیب پر اس لیے عذاب آیا تھا کہ وہ بڑے ڈنڈی مار تھے۔ دوسروں سے لیتے تو زیادہ لیتے، انہیں کوئی چیز دیتے تو کم دیتے۔ یہ ڈنڈی مارنے کی رسمِ بد قومِ شعیب ہی سے چلی ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۞ ۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۞ ۱۱
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۞ ۱۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ ۱۳
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۞ ۱۴ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ
مِّنْ نَّارٍ ۞ ۱۵ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ ۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ
رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۞ ۱۷ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ ۱۸

اور لوگوں کے نفع کے لیے زمین کو بنایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج جس کے ساتھ بھُس ہوتا ہے اور یہ خوشبو دار پھُول۔ پس اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آدمی کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹّی سے پیدا کیا اور جنّات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس رحمت کو جھٹلاؤ گے۔

وہ مشرقین و مغربین کا مالک ہے پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اس سورہ میں اللہ نے اپنی نعمتوں کا جابجا ذکر فرمایا ہے اور ایک دو نعمت کا ذکر کرنے کے بعد بطور استفہام انسانوں اور جنوں سے پوچھا ہے کہ تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی نعمتیں اس سورہ میں ذکر کی گئی ہیں جنات ان میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ میوے کھجوریں۔ غلے اور پھول ان کے بھی استعمال میں آتے ہیں ورنہ ان سے سوال نہ ہوتا۔

آیت نمبر ۱۵، ۱۴ میں جو فرق انسان اور جنات میں ہے اُسے بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

انسان کی خلقت کے متعلق قرآن مجید میں مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں: تراب مٹی یا خاک۔ طین پانی ملی ہوئی مٹی۔ طین لازب لسدار مٹی۔ حماٍ مسنون بُودار مٹی۔ صَلْصَالٍ کالفخّار کھنکھناتی ہوئی مٹی۔ یہ سب صورتیں انسانی مزاج کے اعتبار سے ہیں۔ کبھی وہ سوکھی طبیعت کا بن جاتا ہے کبھی اس میں تھوڑی سی نرمی آجاتی ہے کبھی محبت کا جذبہ زیادہ ہو جاتا ہے کبھی قابلِ نفرت جذبات کا اظہار ہونے لگتا ہے کبھی سخت دل بن جاتا ہے۔

جنات کو آگ سے پیدا کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بدن سے شعلے نکلتے ہیں۔ جس طرح ہم مٹی سے بنے ہیں مگر بظاہر کسی حصہ میں مٹی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اُن کی خلقت آگ سے ہے مگر ظاہر جسم پر آگ کا اثر نہیں۔ ان کی اور ہماری طبیعتوں میں اختلاف ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم دونوں کی خلقت میں جو خدا کی نعمتیں ودیعت کی گئی ہیں تم ان کو کہاں تک جھٹلاؤ گے اور کس کس نعمت کا شکر ادا نہ کرو گے۔

آیت نمبر ۱۷ میں ربّ المشرقین والمغربین فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جاڑوں میں سورج کا مشرق اور ہوتا ہے اور گرمیوں میں اور اس طرح مشرق بدل جاتے ہیں اور موسم بنتے ہیں جن سے تم کو فائدہ ہوتا ہے اور تمہارا نظامِ حیات درست رہتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝١٩ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝٢٠ فَبِاَىِّ
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢١ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝٢٢
فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢٣ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِى الْبَحْرِ
كَالْاَعْلَامِ ۝٢٤ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢٥

اس نے دو دریا بہائے جو باہم مل جاتے ہیں ان کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے (آڑ) جس سے تجاوز

نہیں کر سکتے۔ تو اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں تو تم دونوں خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور جہاز جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے رہتے ہیں تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

خدا کی قدرت کی ایک عجیب و غریب نشانی یہ ہے کہ سمندر کا کھاری اور کڑوا پانی جہاں کے میٹھے پانی سے ملتا ہے وہاں قلمِ قدرت سے ایک امتیازی خط کھنچا ہوا ہے۔ صاف ایک لکیر نظر آتی ہے۔ یہ دونوں پانی ملتے نہیں۔ ایک طرف ملح اجاج (کھاری کڑوا) دوسری طرف عذبٌ فرات (میٹھا خوشگوار)۔ ان کے درمیان جو قدرت کی طرف سے حد بنائی گئی ہے کوئی اس کو توڑ نہیں سکتا۔ اس طرف خدا توجہ دلا رہا ہے کہ اے جن و انس تم خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جب جہاز کھاری پانی سے گزر کر میٹھے پانی کی حد میں آتا ہے اور دجلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہاں سے اہلِ جہاز کے لیے میٹھا پانی بھر لیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جہاز والوں کی ضرورت کیسے پوری کی جاتی۔ ان دونوں پانیوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں جو سامانِ آرائش اور قیمتی سرمایہ ہیں۔

اس کی ایک معنوی تفسیر اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ دو دریا علیؑ اور فاطمہؑ ہیں اور ان کے درمیان آڑ حضرت رسولِ خداؐ ہیں اور موتی اور مونگے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ آڑ ہونے سے یہ مطلب ہے کہ علیؑ اور فاطمہؑ میں سے کوئی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ مل جل کر پیار و محبت سے رہتے ہیں۔

آریوں نے اس سورہ پر کئی اعتراض کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دو دریاؤں کے ملنے اور ان سے موتی مونگے نکلنے کا فائدہ انسان کو تو پہنچ سکتا ہے لیکن جنوں کا اس سے کیا تعلق۔ جواب یہ ہے کہ موتی مونگے جنات بھی استعمال کرتے ہیں۔ جب میوے وغیرہ ان کے استعمال میں آتے ہیں تو ان کی بی بیوں کے استعمال میں موتی مونگے نہ آنے کی کیا وجہ۔

دوسری نعمت قدرت کی یہ ہے کہ پہاڑوں کی طرح اُونچے اونچے جہاز سمندر میں چلتے ہیں، ان کا چلانے والا بھی خدا ہے۔ پس خدا کی یہ نعمت جھٹلانے کے قابل نہیں۔ جن بھی ان جہازوں پر آدمیوں کی طرح سفر کرتے ہوں گے اگرچہ وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔ جب خدا نے ہر نعمت میں انسان کے ساتھ جنوں کو شریک کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانوں کی طرح کوئی نہ کوئی فائدہ ان کو بھی ہوتا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس فائدہ کو سمجھ نہ سکتے ہوں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٢٧
فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢٨

ہر وہ مخلوق جو زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے سوائے تمہارے رب کی ذات کے جو عظمت و کرامت

والی ہے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

بظاہر موت نعمت نہیں کہی جاسکتی ۔ لیکن غور کیجئے تو یہ بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ۔ اگر کسی انسان کو موت نہ آتی اور آدمؑ سے لے کر قیامت تک سب موجود رہتے تو اس زمین پر چپہ بھر زمین قدم رکھنے کو انہیں نہ ملتی اور نہ ایک دانہ غلہ کا کھانے کو میسر آتا ۔ پس جو نعمتیں ہم کو حاصل ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے جاتے ہیں ۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۚ ﴿۲۹﴾
فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

جو مخلوق آسمان و زمین میں ہے سب اسی سے مانگتے ہیں اور ہر روز وہ اپنی مخلوق کے ایک نئے ایک کام میں ہے ۔ پس تم اس کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یہ بھی خدا کی ایک بڑی نعمت ہے کہ تمام مخلوق اس ذاتِ واحد کے در کی بھکاری ہے ۔ اگر رزق رساں بہت سے ہوتے تو کسی کو کچھ بھی نہ ملتا ۔ بہت سے خداؤں کو راضی رکھنا مخلوق کے لیے وبال ہو جاتا ۔ ایک کسی کو دینا چاہتا اور دوسرا نہ چاہتا تو خداؤں کے درمیان لٹھ چلتا اور ہاتھیوں کی لڑائی میں بکری بیچاری پس جاتی ۔

اس آیت کا دوسرا ٹکڑا یہودیوں کے اس خیال کی تردید میں ہے کہ خدا شنبہ کو کوئی کام نہیں کرتا ۔ یہ دن چھٹی کا ہوتا ہے جس میں وہ آرام کرتا ہے ۔ دوسرے معتزلہ فرقہ کے عقیدہ کی بھی تردید ہے ۔ وہ کہتے ہیں ، خدا اپنا کام کچھ لوگوں کے سپرد کر کے خود علیحدہ ہو بیٹھتا ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو نظام کائنات میں ابتری پھیل جاتی ۔ بھلا اٹھارہ ہزار عالموں کا اتنا مربوط نظام کون سنبھالتا ؟ ۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ ﴿۳۱﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

اے دونوں گروہو ، ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے پس تم دونوں ہماری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی قیامت کا وقت قریب آرہا ہے ۔ اس دن جنہوں نے مظلوموں پر ظلم کیا ہوگا ۔ ہم مظلوموں کی فریاد رسی کریں گے ۔ کیا یہ تمہارے لیے بڑی نعمت نہیں ۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ ﴿۳۳﴾ فَبِاَىِّ
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

اے گروہِ جنّ و انسان اگر تم میں طاقت ہے کہ آسمان و زمین کے کناروں سے کہیں نکل سکو (کہ موت سے بچ جاؤ) تو نکل جاؤ مگر تم تو بغیر قوت کے نکل نہیں سکتے ۔ پس تم خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی جنات اور انسانوں سے کہا جارہا ہے کیا تمہاری یہ طاقت ہے کہ زمین و آسمان کی حدود سے باہر نکل جاؤ ۔ تم ایسا نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ تم کو ایسی طاقت دی ہی نہیں گئی ۔ یہ تمہاری کمزوری بھی تمہارے لیے ایک نعمت ہے ۔ اگر تم ایسا کر سکتے تو دنیا والوں کو تباہ کر کے بھاگ جاتے ۔ مظلوم لوگ تمہارا کیا بگاڑ سکتے اور تم سے انتقام کیسے لے سکتے ۔ دوسرے تم اس نظامِ شمسی سے نکل کر ایک منٹ زندہ نہ رہ سکتے کیونکہ تمہاری زندگی اسی نظام سے وابستہ ہے حقیقت یہ ہے کہ تم بھاگ سکتے ہی نہیں ۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ ﴿۳۵﴾ فَبِاَىِّ
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

(اے گنہ گار جنو اور آدمیو) تم دونوں پر آگ کا سبز شعلہ اور سیاہ دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو کسی طرح تم دونوں روک نہیں سکو گے تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔

یعنی گناہ کی صورت میں قیامت کے دن تم پر سخت عذاب نازل ہوگا ۔ اگر اس کا خوف تمہیں نہ دلایا جائے تو تم گناہ کرنے سے باز نہ رہو ۔ پس یہ عذاب کا بیان تمہارے حق میں نعمت ہے ۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ
فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾

جب (قیامت میں) آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سُرخ ہو جائے گا تو تم دونوں خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس دن نہ انسان سے اس کے گناہ کے بارہ میں پوچھا جائے گا نہ جنّ سے، پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگار لوگ تو اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے تم دونوں کو سر کے پٹوں اور پیروں سے پکڑ کر جہنّم کی طرف کھینچا جائے گا تو تم کس کس نعمت کا شکر ادا کرو گے۔

انسان کو کسی چیز کی طرف راغب کرنے یا باز رکھنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ کسی فائدہ کی امید یا کسی نقصان کا خوف دلانا۔ ان آیات میں انسان اور جنّ دونوں کے سامنے قیامت کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ یہ آسمان پگھل کر تیل کی طرح سُرخ ہو جائیں گے۔ اس نظارہ کا خوف جب تم کو گناہوں سے روکے گا تو اسے خدا کی ایک نعمت سمجھو۔

دوسری بات یہ بھی کان میں ڈال لو کہ وہاں نہ کسی انسان سے پوچھا جائے گا نہ جنّ سے کہ تم نے کیا کیا کیا۔ کیونکہ زندگی کا سارا ریکارڈ خدا کے سامنے ہوگا۔ بلکہ پوچھا یہ جائے گا کہ کیوں کیا۔ لہٰذا جو کچھ کرتے ہو سوچ سمجھ کر کرو۔ اس دن کی باز پرس کا خوف تم کو گناہوں سے روکے گا تو کیا یہ خدا کی نعمت نہیں کہ خطرہ سے پہلے ہی آگاہ کر دیا۔

تیسرے اس اپنی بے بسی پر غور کرو جب فرشتہ جہنّم کی طرف تمہیں اس طرح گھسیٹے لے جائیں گے کہ ایک فرشتے کے ہاتھ میں تمہارے سر کے بال ہوں گے اور دوسرا تمہارے قدم پکڑے ہوگا۔ یہ کیسی ذلت اور مصیبت کا جانا ہوگا۔ اس سے بچنے کے لیے اس دُنیا میں بُرے کام ترک کرو۔ یہ ڈرانا تمہارے لیے نعمت ہے ورنہ تم کہاں باز آنے والے تھے۔ جب تک کوئی خطرہ سامنے نہیں ہوتا چلنے والا احتیاط سے قدم نہیں رکھتا۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا
وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

(اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنّم جسے گنہ گار لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ یہ لوگ دوزخ اور کھولتے پانی

کے درمیان چکر لگاتے پھرتے ہوں گے۔ پس تم دونوں کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

شرارت پسندوں اور نافرمان بندوں کو ڈرانے کے لیے یہ ایک اور منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ جب لوگ جہنّم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دوڑتے اور چکّر لگاتے پھریں گے تو خیال کرو ان کے جسموں پر کیا گزرے گی۔ اگر مذکورہ عذابوں کے برداشت کی تم میں طاقت نہیں تو پھر نیک کام کیوں نہیں کرتے۔ یہاں تک نیکیوں کی طرف رغبت دلانے کا ایک طریقہ بیان کیا گیا ہے یعنی جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا۔ اس کے بعد اب دوسرا طریقہ نیک آدمیوں کو خوش کرنے کا بیان کیا جاتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ
اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ
اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لیے دو دو باغ ہیں پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ ٹہنیوں سے ہرے بھرے، تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو چشمے بھی جاری ہوں گے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ان دونوں میں ہر قسم کے میوے دو دو قسم کے ہوں گے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ لوگ ان فرشوں پر جن کے استر اطلس کے ہوں گے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان دونوں باغوں کے میوے اس قدر قریب ہوں گے کہ اگر چاہیں تو لگے ہوئے کھا لیں تو تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں جنت کے دو باغوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے درختوں کی شاخیں ہری بھری جھومتی ہوں گی اور ان میں دو دو قسم کے پھل لگے ہوں گے۔ مثلاً انار دو قسم کے انگور دو قسم کے ہر ایک کا ذائقہ جُدا۔ ان میووں سے لدے درختوں کے نیچے تخت بچھے ہوں گے جن پر اطلس کا نرم و نازک فرش ہوگا۔ میوے اتنے قریب ہوں گے کہ چاہے بغیر توڑے منہ لگا کر انہیں کھالو۔ ان میں کون سی نعمت ہے جسے تم جھٹلاؤ گے۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾
فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

ان میں (پاکدامن) غیر کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ جن کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ جنّ نے، تو تم خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (ایسی حسین) گویا وہ (مجسم) یاقوت اور مونگے ہیں، تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں، تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت گہرے سرسبز و شاداب ہوں گے، تو تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے جوش مارتے ہوں گے۔ تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں چند نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ وہاں ایسی پاکدامن عورتیں ہوں گی جن کو جنتیوں کے علاوہ

نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ جنّ نے۔ جوانی سے ایسی بھرپور اور ایسی چمکتی دمکتی حسن میں ڈوبی گویا یاقوت و مرجان کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ سب بدلہ ہے ان نیکیوں کا جو دُنیا میں خدا کے نیک بندوں نے کی ہوں گی۔ جن دو باغوں کا پہلے ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دو باغ اور بھی ہیں۔ بڑے ہرے بھرے جن کے نیچے دو چشمے اُبلتے ہوں گے۔ جنت والے مزے اُڑا رہے ہوں گے۔ پہلوؤں میں حسین عورتیں، سر پہ ہرے بھرے درختوں کا سایہ، میووں کی بہار، اُبلتے چشمے ٹھنڈے پانی کے پیروں کے نیچے۔ نیکی کرنے والو، تمہیں نیکی کے بدلے میں اور کیا چاہیئے۔ کھانے پینے کا بہترین بندوبست، لذّتِ نفس کا روح افزا سامان، نہ کوئی رنج نہ کوئی غم، نہ درد نہ تکلیف۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾
فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ
مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ
يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي
الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع

ان دونوں باغوں میں میوے ہیں، کھجوریں ہیں اور انار ہیں پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان سب باغوں میں خوش خلق اور خوبصورت عورتیں ہوں گی پس تم کس کس نعمت کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ ایسی حوریں جو خیموں میں چھپی بیٹھی ہیں جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہے نہ کسی جنّ نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہ لوگ سبز قالینوں اور نفیس و حسین مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ مبارک ہے تمہارے رب کا نام جو صاحبِ عظمت و اکرام ہے۔

اس سورہ میں تیس مقام پر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ کو ذکر کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار دُہرانا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس چیز کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اُسے بار بار ذکر کیا جاتا ہے تاکہ بھول نہ جائے۔

یہ تو مسلّم ہے کہ انسان سہو و نسیان کا پتلا ہے کسی امر کے ترک پر اس کا بڑا عذر یہ ہوتا ہے کہ میں چونکہ بھول گیا ہوں اس لیے بے قصور ہوں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں قدرت نے یہ التزام کیا ہے کہ انسان کے بھولنے کا عذر ختم ہو جائے۔ انسان پر جو قیامت میں عذاب ہوں گے اور جنت میں جو جو سامان میسّر ہوگا اُن میں سے ہر ایک کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرما دیا کہ تم دونوں کہاں تک اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا بار بار شانہ جھنجوڑ کر کہا جا رہا ہے کہ بھولنا مت۔ جھٹلاؤ گے تو کہاں تک۔ ایک دو نہیں وہ تو بہت سی نعمتیں ہیں۔

جھٹلاتا ہے آدمی اس بات کو جو اس کے کان میں پڑ چکی ہو۔ پس ایک ایک کر کے اپنی نعمتیں تمہارے سامنے ذکر کر دی گئیں۔ ایسی صورت میں تم کہاں تک جھٹلاؤ گے۔ قیامت میں جب آؤ گے تو ان سب چیزوں کا سامنا ہوگا خواہ بطورِ سزا تمہارے سامنے آئیں یا بطورِ جزا۔ اگر رسولؐ کے بیان کرنے پر تم جھٹلاتے ہو تو کیا تمہارے جھٹلانے سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا (ہرگز نہیں)۔ ہم نے بار بار تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ تمہارے جھٹلانے کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ان سب باتوں کا سامنا تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ کان کھول کر سُن لو۔

یہاں چار باغوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے پہلے دو باغ بلحاظ نعمات فوقیت رکھتے ہوں گے اور دوسرے باغ ان سے کچھ کم درجہ کے ہوں گے۔

حُوریں اپنے حُسن و جمال میں بے نظیر ہوں گی۔ بی بیوں کے علاوہ یہ اہلِ جنت کی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں گی۔ ان کے لیے نورانی خیمے جنت میں نصب ہوں گے۔ جب اہلِ جنت جنت میں سیر کو نکلیں گے تو ان خیموں میں سے حُوریں نکل کر ان کی تفریح کا سامان بنیں گی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جن بھی انسانوں کی طرح مکلّف ہیں۔ ان کے اعمال کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ اور انسانوں کی طرح ان کو بھی ان کے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ ممکن ہے جنت میں ان کے لیے کوئی علیٰحدہ مقام ہو۔

جو لوگ جنوں کو بھی نوعِ انسان میں داخل سمجھتے ہیں وہ اس سورہ سے سبق حاصل کریں۔ اگر ایک ہی ہوتے تو بار بار انسانوں سے الگ ان کو بیان کرنے اور ان کی خلقت کی حقیقت بتانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جنت میں جو لوگ جائیں گے وہ سب جوان ہوں گے۔ یعنی بوڑھے مرد اور عورتیں سب جنت میں قدم رکھنے سے پہلے جوان ہو جائیں گے۔ اور جو کالے ہوں گے وہ گورے ہو جائیں گے۔

حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی، حضورؐ دُعا فرمائیں کہ خدا مجھے جنت میں جگہ دے۔ آپؐ نے مزاحاً اس سے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی۔ اس پر وہ روتی ہوئی نکلیں۔ بلالؓ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ اس نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی۔ بلالؓ نے کہا، میرے ساتھ چل۔ میں حضورؐ سے کہوں گا کہ سفارش فرمائیں۔ جب دونوں حضرتؐ کی خدمت میں آئے تو بلالؓ نے کہا، حضورؐ اس کی سفارش فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا، تم کیا کہتے ہو کالا آدمی بھی جنت میں نہ جائے گا۔ یہ سُن کر بلالؓ رونے لگے اور وہ بوڑھی عورت اور بلالؓ عباسؓ بن عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا آپ حضورؐ کے پاس جا کر سفارش کریں۔ وہ انہیں ساتھ لے کر حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور سفارش کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا، تم کیا کہتے ہو بوڑھے مرد بھی جنت میں نہ جائیں گے۔ اب تو تینوں نے مل کر گریہ و زاری شروع کی۔ تب حضرتؐ نے فرمایا، دل گرفتہ نہ ہو۔ بوڑھے مرد اور عورتیں جوان ہو کر جنت میں جائیں گے اور کالے گورے ہو کر۔

﴿٥٦﴾ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿٤٦﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ
رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾
فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ
مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ
الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾
وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾

جب قیامت برپا ہوگی کہ اس کے واقع ہونے میں جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے گی کسی کو بلند۔ جب زمین بڑے زوروں میں ہلنے لگے گی اور پہاڑ چور چور ہوجائیں گے پھر ذرّے بن کر اُڑنے لگیں گے اور لوگ تین ٹکڑیوں میں بٹ جائیں گے۔ داہنے ہاتھ والے، کیا کہنا داہنے ہاتھ والوں کا۔ بائیں ہاتھ والے، کیا بُرا ٹھکانہ ہے بائیں ہاتھ والوں کا اور جو آگے بڑھ جانے والے ہیں، واہ کیا کہنا آگے بڑھ جانے والوں کا۔ یہی لوگ خدا کے مقرب ہیں، آرام و آسائش کے باغوں میں ہوں گے بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے آخر والوں میں سے۔

قیامت میں لوگ تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ ایک وہ جن کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ وہ ہوں گے جنہوں نے دُنیا میں نیک کام کیے ہوں گے۔ دوسرے وہ جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ یہ بداعمال لوگ ہوں گے۔ تیسرے وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ یہی لوگ خدا کے مقرب بندے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک اوّلین سے مراد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت رسولِ خداؐ تک کے آدمی ہیں اور قلیل سے مراد حضورؐ کے زمانہ سے قیامت تک کے لوگ مراد ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ سے مراد عہدِ رسالت کے لوگ ہیں اور آخرین سے مراد بعد والے۔ لیکن عہدِ رسالت والے یا قرنِ اوّل والے ان لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتے جو قیامت تک ہوں گے۔

نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکمِ رسولؐ پر سب سے پہلے لبّیک کہنے والے، جہاد میں سب سے آگے بڑھ کر حصّہ لینے والے تھے۔ راہِ خدا میں سب سے بڑھ کر خرچ کرنے والے تھے۔ احیائے اسلام کی نشر و اشاعت میں سب سے آگے آگے تھے۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ سبقت کرنیوالے تین ہیں حزقیل مومن آلِ فرعون جس نے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے میں سبقت کی حبیب نجار مومن آلِ یٰسین جس نے حضرت عیسیٰؑ پہ ایمان لانے میں سبقت کی۔ اور حضرت علیؑ ابن ابی طالب جنہوں نے حضرت رسولِ خداؐ پہ ایمان لانے میں سبقت کی۔ اور یہ پہلے دونوں سے افضل ہیں کیونکہ سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے والے تھے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ ۱۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۱۶ يَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ ۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ

مَّعِيْنٍ ۙ ۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ ۱۹

(خدا کے مقرّب بندے جن کا ذکر اوپر ہوا) مرصّع تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کے گرد چکّر لگانے والے ایسے جوان لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ جوان ہی رہیں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ساغر۔ ٹونٹی دار کنٹر اور صاف شفّاف شراب کے جام ہوں گے۔ نہ تو ان کو (خمار میں) دردِ سر ہوگا اور نہ وہ بدحواس (مدہوش) ہوں گے۔

حوریں تفریحِ طبع کے لیے ہوں گی اور غلمان شرابِ طہورا پلانے والے ہوں گے۔ یہ دُنیا جیسی ناپاک شراب نہ ہوگی جس کا پینا حرام ہے اور جس کے نشہ کے اُتار کے وقت بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور سر میں درد ہو جاتا ہے۔ جنت میں ان تکالیف سے کیا واسطہ۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ ۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۲۱
وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ ۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۲۳ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ ۲۵
اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۲۶ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
الْيَمِيْنِ ۲۷ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ ۲۸ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ۲۹ وَّظِلٍّ
مَّمْدُوْدٍ ۙ ۳۰ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ ۳۱ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ ۳۲ لَّا
مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ ۳۳ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۳۴ اِنَّآ
اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ ۳۵ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ ۳۶ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ ۳۷
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۳۸ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ۳۹ وَثُلَّةٌ

مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۗ (٤٠)

اور جس قسم کے میوے پسند کریں اور جس طرح کا گوشت ان کا جی چاہے سب موجود ہے اور بڑی بڑی آنکھ والی حوریں جیسے احتیاط سے رکھے ہوئے موتی (صاف شفّاف)۔ یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا وہاں نہ تو بیہودہ بات سُنیں گے اور نہ گناہ کی بات (فحش)۔ بس ان کا کلام سلام ہی سلام ہوگا۔ اور داہنے ہاتھ والے (واہ) داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔ بے کانٹے کی بیریوں اور لدے گُتھے ہوئے کیلوں اور لمبی لمبی چھاؤں اور جھرنے کے پانی اور لاتعداد میووں میں ہوں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان کی کوئی روک ٹوک ہوگی اور اُونچے اُونچے نرم فرشوں میں (مزے کرتے) ہوں گے۔ اور ان کو وہ عورتیں ملیں گی جن کو ہم نے نیا پیدا کیا ہے اور ان کو کنواریاں پیاری پیاری ہمجولیاں بنایا ہے (یہ سب سامان) داہنے ہاتھ والوں (نیک کام کرنے والوں) کے واسطے ہے۔ ان میں بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور بہت سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

یہاں اہلِ جنت کے لیے جن نعمتوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :

۱ - جس پھل کو ان کا جی چاہے گا موجود پائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے پھل موجود ہوں گے۔ اگرچہ ان کے نام وہی ظاہر کیے گئے ہیں جو دُنیا کے پھلوں کے لیے ہیں مگر ذائقہ میں روح کی تازگی میں ان پھلوں سے ان کو کوئی نسبت نہ ہوگی۔ اگر کچھ نئے نام ذکر کیے جاتے تو چونکہ ان کے ذائقہ سے انسان بے خبر ہوتا لہٰذا ان کی طرف رغبت نہ ہوتی۔ اور نہ ان کی خواہش دل میں پیدا ہوتی۔

۲ - پرندوں کا گوشت جس کی انہیں خواہش ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوپاؤں کا گوشت جنت کی غذا نہیں۔ صرف طیور کا گوشت ملے گا۔ پھر جس قسم کے طائر کا گوشت وہ چاہے گا ملے گا۔ یہ طائر جنت ہی کے ہوں گے۔ جن کے گوشت کی لذّت ہی کچھ اور ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام گوشتوں میں طیور کا گوشت افضل ہے۔

۳ - کوئی لغو بات وہاں سنائی ہی نہ دے گی۔ وہاں کے تذکرے ہی کچھ اور ہوں گے۔ خدا کی حمد ہوگی، تسبیح ہوگی۔ دنیوی حالات سب بھُول بسر جائیں گے۔

۴ - وہاں تو جب کوئی ایک دوسرے سے ملے گا، سلام علیکم کہتا ہوا ملے گا۔ حتّٰی کہ فرشتے بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے۔

۵ - داہنی طرف والوں یعنی نیک اعمال والوں کا کیا کہنا۔ سُنو، اُنہیں کیا کیا عیش نصیب ہوگا :

الف : بے کانٹے کی بیریوں کا ان پر سایہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بیری کا درخت جنت کے درختوں میں سے ہے۔ جبھی تو مردہ کو آبِ سدر سے غسل دیا جاتا ہے۔ اطبا کہتے ہیں کہ بیری کے درخت کے نیچے سونا اور

بیٹھنا مفیدِ صحت ہے اور بیری کا پھل معدہ کی اصلاح کرتا ہے۔

ب : گُتھے ہوئے کیلے درختوں میں لگے ہوئے جتنے چاہو کھالو۔

ج : لمبے لمبے سائے ان میں گزرنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں۔

د : جھرنے کی ہلکی ہلکی پھوار، سبحان اللہ۔

ہ : پھر پھل ایسے نہیں جیسے دنیا میں ہوتے ہیں کہ ایک فصل کے بعد دوسری کا انتظار۔ بلکہ ہر پھل سدا بہار۔ کسی موسم کا ہو ہر وقت موجود۔

٦ - بی بیاں وہ جن کی خلقت نئی شان سے ہوئی ہوگی۔ کنواریاں حُسن کی پیاں، ادا و ناز کی دیویاں، دلفریبی کی پُتلیاں۔ جن کو کسی نے چھُوا تک نہ ہوگا۔ اللہ اللہ نیک بندوں کی کیا ناز برداریاں ہیں۔ دُنیا میں زندگی کے چند روز تکلیف میں گزار کر اگر یہ عیش و نشاط کی دُنیا ہمیشہ کے لیے مل جائے تو اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۗ (٤١) فِيْ سَمُوْمٍ وَّ
حَمِيْمٍ ۙ (٤٢) وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ (٤٣) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (٤٤) اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۚ (٤٥) وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ
الْعَظِيْمِ ۚ (٤٦) وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۥ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ (٤٧) اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (٤٨) قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ
الْاٰخِرِيْنَ ۙ (٤٩) لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (٥٠) ثُمَّ اِنَّكُمْ
اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ (٥١) لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ (٥٢)
فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۚ (٥٣) فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۚ (٥٤)
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۗ (٥٥)

اب رہے بائیں طرف والے ستیاناس ہو بائیں طرف والوں کا۔ یہ تو (دوزخ میں) کھولتے ہوئے پانی
اور کالے سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ خوش آئند۔ اس سے پہلے (دنیا میں)
یہ خوب عیش اُڑا چکے تھے اور بڑے بڑے گناہوں پر اَڑے رہتے تھے۔ کہا کرتے تھے کیا جب ہم
مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہم یا ہمارے اگلے باپ دادا پھر اٹھائے جائیں گے۔
اے رسول کہہ دو، اوّل والے ہوں یا آخر والے ضرور روزِ معیّن پر اکٹھے کیے جائیں گے۔ پھر تم اے
گمراہو، جھوٹو، تھوہڑ کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے اپنے پیٹوں کو بھرو گے اور اس پر
کھولتا پانی پیوگے ایسا ڈگڈگا کر جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے۔

خدا بچائے کیا بُرا حال ہوگا بدکار گنہگاروں کا۔ اوّل تو دوزخ کی آگ عیاذاً باللہ ہی بدن کی ہڈیوں تک کو جلا کر سرمہ بنا رہی ہوگی۔ پھر گرم گرم ہوا کے جھونکے اس پر گرم سیاہ دھوّاں ناک اور منہ میں گھُس رہا ہوگا دُنیا میں یہ لوگ بڑے عیش ونشاط میں گزارتے تھے اور اپنی بدکاریوں پر اَڑے رہتے تھے۔ انبیاءؑ کی بات پر کان نہ لگاتے تھے۔ قیامت کا ذکر سنتے تو کہتے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا جنہیں مرے ہوئے ہزارہا برس ہو گئے ہڈیاں تک گل سڑ کر خاک ہو گئیں وہ پھر از سرِ نو زندہ کیے جائیں گے، بھلا کوئی بات ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتی۔ رسولؐ کہتے تھے، تم کس ہوش میں ہو قیامت میں تم سب اگلے پچھلے ایک جگہ جمع کیے جاؤ گے۔ لے گمراہو، جھوٹو، وہاں تمہاری اچھی طرح خبر لی جائے گی۔ یہاں عمدہ عمدہ کھانے کھا کر مونچھوں کو تاؤ دے رہے ہو، خبر ہے وہاں پر کیا کھانے کو ملے گا۔ تھوہڑ کا درخت، اس کی کانٹے دار تلخی بھری شاخوں کو چاب کر پیٹ بھرنا پڑے گا۔ اور پھر اس کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈگڈگا کے پینا پڑے گا۔ سوچو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰۤى اَنْ
نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

یہ ہے قیامت کے دن اُن بدکاروں کی مہمانی کا سامان۔ ہم نے تم کو (پہلی بار) پیدا کیا تھا
تو اب تم (دوبارہ) پیدا ہونے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے تو کیا تم
نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو نطفہ تم (عورت کے) رحم میں ڈالتے ہو تو
کیا تم بچہ پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کر دیا ہے
اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل ڈالیں اور تم لوگوں کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں، اُن سے کہا جا رہا ہے، تمہارے انکار کرنے کی آخر وجہ کیا ہے۔ ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو اگر نہیں کر سکتے تو اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے کہ تمہیں پھر بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ غور کرو، تم جو نطفہ کسی عورت کے رحم میں ڈالتے ہو تو اس کے رحم کے اندر بچہ تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم ہی نے موت کو پیدا کیا ہے جو تمہاری زندگی کا خاتمہ کرے گی۔ اس کے بعد کیا ہم اس سے عاجز ہیں کہ تم ہی جیسے اور پیدا کر دیں اور ایسی شکل میں لے آئیں جن کا تم کو علم نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ جس قدرت کا مظاہرہ ہم اوّل میں کر سکتے ہیں اسے آخر میں نہیں کر سکتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ
نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ
نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ
الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِئُوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ ع الثلثة

تم نے پہلی پیدائش کو تو سمجھ ہی لیا ہے پھر تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے۔ جو تم کاشت کرتے ہو کیا تم کھیتی کو اُگاتے ہو یا ہم۔ اگر ہم چاہتے تو اُسے چُور چُور کر دیتے بس تم باتیں ہی بناتے رہ جاتے کہ (ہائے) ہم تاوان میں پھنسے بلکہ ہم تو بدنصیب ہیں۔ کیا تم بادلوں سے پانی برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اُسے کھاری بنا دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ پھر تم نے اس پر بھی غور کیا کہ جو آگ تم لکڑی سے نکالتے ہو اُس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے اُسے (جہنم کی) یاددہانی اور حاجت مندوں کے لیے زیست کا سامان بنایا ہے۔ پس اے رسول تم اپنے رب کی جو صاحبِ عظمت ہے تسبیح کرو۔

ان آیات میں خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ کے کئی ثبوت دیئے ہیں :

پہلے کھیتی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک کسان کھیتی میں بیج بو دیتا ہے۔ اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اب بیج کو زمین سے پودے کی صورت میں نکالنا، پروان چڑھانا اور غلہ پیدا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ چاہتا تو پودوں کے لہلہانے کے بعد گرم ہوا کا ایک جھونکا بھیج کر سب کو جلا کر بھُس بنا دیتا اور غلہ کا ایک دانہ تمہارے ہاتھ نہ آتا، بس ہاتھ ملتے رہ جاتے۔ بتاؤ تم خدا کے اتنے بڑے احسان کا کیا شکر ادا کرتے ہو۔

دیکھو جو میٹھا خوشگوار پانی تم رات دن پیتے رہتے ہو اُسے آسمان سے تم نے برسایا ہے یا ہم برساتے ہیں۔ سمندروں سے کھاری بھذالقہ سورج کی کرنوں کے ذریعہ سے قطرہ قطرہ اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پھر سب کو ملا کر بادل کی شکل بناتے ہیں جو اسے کچھ عرصہ الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ اس عمل کے بعد جب وہ پانی زمین پر آتا ہے تو میٹھا اور خوشگوار بن کر آتا ہے۔ کیا ہمارے سوا کسی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے۔ اس پانی سے کھیتیاں اُگتی ہیں سبزہ لہلہاتا ہے باغوں میں بہار آتی ہے۔ پھل پھول لگتے ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔ اس پانی کو پیتے ہو۔ اس پانی سے دریا اُبلنے لگتے ہیں نہریں بہنے لگتی ہیں تالاب بھر جاتے ہیں۔ بتاؤ خدا کی اس نعمت کا کیا شکر ادا کرتے ہو۔ اگر یہی پانی تم کو کچھ دیر نہ ملے تو تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ ایسی گرانقدر چیز ہم نے تمہارے قدموں کے نیچے ہر جگہ بہا دی ہے۔ جہاں چاہو کنواں کھود کر یا واٹر پمپ لگا کر نکال لو۔

اچھا اور سنو، جو آگ لکڑیاں جلا کر تم پیدا کرتے ہو اور اس سے اپنی بے شمار ضروریات پوری کرتے ہو کیا اس کے درخت تم نے اگائے ہیں یا ہم نے۔ ہماری قدرت کو دیکھو، ہرے بھرے درختوں کی شاخوں میں یہ آگ ہم نے کس حکمت سے چھپا رکھی ہے۔ جب لکڑیاں سوکھ جاتی ہیں تو تم ان سے آگ نکالنے کا کام لیتے ہو۔ جہاں چاہتے ہو انہیں جلا کر اپنا کھانا پکا لیتے ہو اور دیگر ضروریات بھی پوری کر لیتے ہو۔

یہ سب تمہاری زیست کا سامان ہے اگر تمہیں غلہ نہ ملے پانی نہ ملے آگ نہ ملے تو بتاؤ تم کیسے زندہ رہ سکتے ہو۔ تو باوجود ان نعمتوں کے جن سے بروقت تم فائدہ پاتے ہو۔ پھر بھی خدا کے شکر گزار نہیں ہوتے اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے۔ تم بڑے ناشکرے ہو۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ
لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ
وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾

میں تاروں کی منازل کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ بڑے مرتبہ کا قرآن ہے۔ جو کتاب (لوح) محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ یہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے تو کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو اور کیا تم نے اپنی روزی یہ قرار دے لی ہے کہ اس کو جھٹلاتے رہو تو کیا جب جان (بدن سے) نکل کر حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت کی حالت پڑے دیکھا کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا۔ تو اگر تم کسی کے دباؤ میں نہیں ہو اور اگر تم (اپنے دعویٰ میں)

سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں دیتے۔ پس اگر وہ مرنے والا خدا کے مقربین میں سے ہے تو اس
کے لیے آرام و آسائش ہے اور خوشبو دار پھول ہیں اور نعمتوں کے باغ ہیں۔

مہربان خدا نے ستاروں کی منازل کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے کیونکہ نظام شمسی کا برقرار رکھنا اور ستاروں کی چالوں کو اپنے تحت حکمت سے چلانا معمولی کام نہیں۔ پس جس خدا نے اس نظام کو قائم رکھا ہے سمجھ لو کہ وہ کیسی قدرت والا ہے۔ اس کا نازل کیا ہوا یہ قرآن ہے۔ جس کی اصل لوحِ محفوظ کے اندر ہے جسے مس نہیں کر سکتے مگر پاک و پاکیزہ لوگ۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ عبارتِ قرآن کو بے طہارت مس نہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بے وضو قرآن کی عبارت کو مس کرنا مکروہ ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بحالت جنابت اور حیض و انفاس قرآن کو مس کرنا حرام ہے باقی عام حالتوں میں مس کر سکتے ہیں۔

لفظ مس کے دو معنی ہیں۔ ایک مس ظاہری ایک مس باطنی۔ باطنی مس کے معنی ہیں جو اس سے تعلق نہیں رکھتے۔ یعنی پورا پورا اس کا علم نہیں رکھتے۔ مگر وہ لوگ جن کو خدا نے پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ یعنی بمصداق آیۂ تطہیر انہی کا اس سے معنوی تعلق ہے۔ ظاہری حکم الفاظ کا بے وضو نہ چھونے کا ہے لیکن باطنی اس کے معانی و حقائق سمجھنے کا ہے۔

مس کے معنی تعلق رکھنے کے اس آیت سے ثابت ہیں کہ حضرت مریمؑ نے فرمایا تھا

یعنی میرے بیٹا یقینی ہوگا درآنحالیکہ میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا۔ یہاں چھونے کے معنی مراد نہیں کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ مریمؑ کے جسم کو کسی انسان نے چھوا ہی نہ ہو یا جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص کو علم سے مس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔

پھر فرماتا ہے تم اس قرآن کے کلام خدا ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہو درآنحالیکہ تم اس کا جواب نہیں لا سکے۔ اس میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں ان کی معقول طریقہ سے تردید نہیں کر سکے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم نے اپنا وظیفہ ہی یہ قرار دے لیا ہے کہ جب قرآن کو سنو تو اس کا انکار کر دو۔

خیر وہ وقت آ رہا ہے جب تم اس دنیا سے رخصت ہونے لگو گے۔ جب تمہاری جان کھنچ کر حلق تک آ جائے گی اور تم بے کسی کے عالم میں ہر طرف دیکھتے ہو گے۔ اس وقت ہم تمہارے سب سے قریب ہوں گے لیکن تمہیں نظر کچھ نہ آئے گا۔ بتاؤ کیا اس وقت تم اپنی جان بچا سکو گے۔ پس جس قادر و قیوم کے ہاتھ تمہاری جان ہو گی اسی کا یہ کلام ہے۔ مرنے کے بعد اس انکار کی تم کو سزا ملے گی اور ضرور ملے گی۔ زندگی میں تم جو چاہو کر و لیکن مرنے کے بعد تمہاری اکڑفوں سب ختم ہو جائے گی اور جن حق باتوں سے تم از راہِ جہالت انکار کرتے رہو گے اُن کی حقانیت تم پر واضح ہو جائے گی۔ البتہ جو لوگ مقربانِ ایزدی ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے سب کچھ ہے۔ راحت ہے خوشبو ہے پھلواریاں ہیں نعمتوں سے بھری جنتیں ہیں۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ
الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ
مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

اگر وہ داہنے بازو سے ہے تو اس سے کہا جائے گا تم پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہے اور جہنم میں اس کا داخلہ ہوگا۔ یہ خبر یقیناً صحیح ہے۔ اے رسول تم اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

﴿۵۷﴾ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۹۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ
بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى
الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا

يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥

اللہ کی تسبیح کرتی ہے وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے آسمان و زمین کی حکومت اُسی کے لیے ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہ اوّل ہے اور آخر ہے ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اُس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا۔ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں داخل ہے اور جو اس سے خارج ہے اور جو آسمان سے نازل ہوا یا جو آسمان کی طرف بلند ہوا اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے۔ آسمان و زمین کی حکومت اسی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام اُمور لوٹتے ہیں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے وُہ سب کا جاننے والا ہے۔

ہر وہ چیز جو آسمان و زمین کے اندر پائی جاتی ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ ذرّہ ذرّہ قطرہ قطرہ پتہ پتہ حیوان و انسان مگر ہم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

آسمان و زمین پر اس کی حکومت ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں دخل دے سکے۔ وہ بچوں کو ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے اور زندہ کرنے کے بعد جسے چاہتا ہے مار دیتا ہے۔ اُسے ہر شے پر قدرت ہے کوئی اُس سے زیادہ قدرت والا نہیں۔

وہ اوّل ہے لیکن اس کی اولیت کے کوئی وقت معیّن نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آخر ہے لیکن آخریت کے لیے بھی کوئی وقت نہیں بتایا جا سکتا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شے سے اوّل ہے اور فلاں شے سے آخر۔ وُہ قیود زمان و مکان سے مبرّا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ ایسا ظاہر نہیں کہ کوئی اُسے دیکھ سکے اور ایسا باطن نہیں کہ کوئی اُسے معلوم کر سکے۔ نہ اس کی ذات کا تصوّر ہو سکتا ہے نہ صفات کا۔ کیونکہ وہ عین ذات ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے: لَا يُدْرِكُهٗ بُعْدُ الْهِمَمِ وَلَا يَنَالُهٗ غَوْصُ الْفِطَنِ یعنی ہمتیں کتنی ہی بلند ہوں اس کو نہیں پا سکتیں اور عقلیں کتنی ہی گہرائی میں جائیں اس کا پتہ نہیں لگا سکتیں۔ لہٰذا اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا اپنے کو گمراہی میں ڈال دینا ہے۔

عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا یعنی مخلوقاتِ سماوی میں سب سے بڑی مخلوق عرش ہے وہ بھی اس کا بنایا ہوا ہے مگر وہ اس کے رہنے کی جگہ نہیں کیونکہ اس کے لیے نہ کوئی جگہ ہے نہ کوئی وقت۔ وہ اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے جو مادہ جو قوت زمین کے اندر پائی جاتی ہے وہ اُس سے واقف ہے اور جو باہر ہے اس سے بھی۔ تم کہیں بھی رہو، وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اور ایسا موجود کہ رگِ گردن سے زیادہ قریب۔ مگر نہ وہ نظر آنے والی ذات ہے نہ کسی شے سے ادراک ہونے والی۔ وہ کبھی رات کو دن میں داخل کر کے رات کو لمبا کر دیتا ہے کبھی دن کو رات میں داخل کر کے دن کو لمبا بنا دیتا ہے۔ کوئی چیز اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی اور نہ دن و رات کی یہ طاقت کہ اس کے حکم کے بغیر کم و بیش ہو سکیں۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ
لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ
اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى
عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ
مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً

مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ ع

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنا کر دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو بُلا رہے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یہ باور کر لو کہ اللہ تم سے عہد لے چکا ہے جو اپنے بندہ پر اپنی روشن آیات اس لیے نازل کرتا ہے کہ تم کو تاریکی سے نکال کر نُور کی طرف لے جائے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان و رحیم ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ اور آسمان و زمین کا مالک و وارث تو اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح مکّہ کے بعد خرچ کریں گے اور خیال کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکّہ سے قبل (راہِ خدا میں) خرچ کیا ہے اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بہت بلند ہے اور اللہ نے ثواب کا وعدہ سب سے کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

یہاں خلیفہ بنانے کے وہ معنی نہیں جو ہدایتِ خلق کے لیے نبی یا عالم کے نام سے بنائے جاتے ہیں۔ بلکہ تقسیمِ رزق میں ان کو خدا نے اپنا نائب بنایا ہے۔ یعنی اصل مالک تو ہر چیز کا خدا ہے ہر ایک کو رزق وہی دیتا ہے پس جو شخص اس کے غریب بندوں کو رزق پہنچائے گا وہ گویا اس کا نائب ہو گا۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ مال تو میرا ہے اور مالدار میرے وکیل ہیں اور محتاج میرے عیال ہیں۔ تو اگر میرا وکیل میرے عیال کو خرچ نہ دے گا تو میں اُسے جہنم میں داخل کروں گا۔

جب کوئی انسان اپنی جائز ضرورتوں سے زیادہ دولت کا مالک ہو تو خدا کے اس احسان کا شکریہ یوں کیوں نہیں کرتا کہ جو اس کے محتاج بندے ہیں ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور بارگاہ سے بہت بڑا اجر حاصل کرے۔

آیت نمبر ۶ میں جس میثاق کا ذکر ہے یہ وہی عہد ہے جو روزِ الست ہر شخص سے لیا جا چکا ہے۔ اس روز خدا نے ہر اُس شخص سے جو کسی وقت بھی اس دُنیا میں آنے والا ہو گا یہ سوال کیا تھا الستُ بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قالوا بلٰی۔ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا تھا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ تو اب تم اس سے پھر کیوں گئے۔ اور جب میرا رسولؐ تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو تم ایمان کیوں نہیں لاتے کیا اس عہد کو بھول گئے۔ اس نے اپنے

رسُول پر کیسی کیسی روشن نشانیاں نازل کیں۔ ان میں سے ایک قرآن جیسی کتاب بھی ہے۔ معجزات بھی ہیں۔ یہ سب اس لیے ہیں کہ تم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے اور جو گناہ تم سے سہواً سرزد ہو جائیں انہیں بخش دے پھر کیا وجہ کہ تم راہِ خدا میں خرچ کرنے سے جی چراتے ہو۔ جس خدا نے تمہیں اب دیا ہے وہ خرچ کے بعد اور زیادہ دے گا۔ آسمان و زمین میں جو کچھ دولت ہے وہ سب بلاشرکتِ غیرے خدا ہی کی تو ہے۔ وہ ہر وقت تم کو جتنا چاہے دے سکتا ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھو فتحِ مکّہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنا مال راہِ خدا میں دیا اور دشمنوں سے جہاد کیا اُن کا مرتبہ ایسے لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے بعد میں ایسا کیا۔ کیونکہ قبل از فتح مکہ ان کے پاس دولت کم تھی۔ اور طرح طرح کی سختیوں کا ان کو مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو تم ایک سلطنت کے مالک بن گئے تھے۔ تاہم ثواب دونوں گروہوں کے لیے ہے۔ تمہاری خدمات بھی اجر سے خالی نہیں رہ سکتیں۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝۱۳ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۱۴

ایسا کون ہے جو (خالص نیت سے) اللہ کو قرضِ حسنہ دے اور خدا اس کو کئی درجہ بڑھا دے۔ اور آخرت میں تو اس کے لیے اجرِ عظیم ہے ہی۔ اس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کے ایمان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا اور ان کے داہنی طرف چل رہا ہوگا تو ان سے کہا جائیگا تم کو بشارت ہو کہ آج تمہارے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہوگے اور یہ تمہارے لیے بڑی کامیابی ہے۔ اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی ایک نظرِ شفقت) ہماری طرف بھی کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ تو ان سے کہا جائے گا، پیچھے ہٹو کہیں اور نور کو تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اور اس کے اندر کی جانب تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔ منافقین مومنوں سے پکار کر کہیں گے کیوں بھائی کیا تم بھی ہمارے ساتھ نہ تھے۔ مومن کہیں گے، تھے تو مگر تم نے خود اپنے کو بلا میں ڈالا اور (ہمارے حق میں گردشوں کے) منتظر رہے اور (دین میں شک کرتے رہے) اور تمہاری تمنّاؤں نے تمہیں دھوکہ میں رکھا۔ یہاں تک کہ خدا کا حکم آپہنچا اور ایک بڑے دغا باز (شیطان) نے خدا کے بارہ میں تم کو فریب دیا۔

مدینہ کے یہودی بڑے مالدار تھے۔ جب مسلمان مکہ پہنچے تو سخت پریشان حال پہنچے۔ یہودیوں سے قرضہ لینے پر مجبور ہوئے۔ انہوں نے بڑے بڑے سود پر قرضے دے کر اور سود در سود کی بلا میں پھنسا کر سخت مصیبت میں مبتلا کردیا۔ مدینہ میں انصار تھے وہ بھی مدّت سے یہودیوں کے قرضدار بنے ہوئے تھے اور اس سود کے چکر میں اپنی کمائی کا بہت بڑا حصّہ اُن کو دیتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں جو حال بنیوں کا تھا وہی مدینہ میں یہودیوں کا تھا۔ آخر خدا نے اس مصیبت سے نجات دینے کی یہ صورت نکالی کہ مومنوں کو قرضِ حسنہ دینے کی طرف توجہ دلائی۔ یعنی ان میں جو لوگ مالدار تھے اُن سے کہا گیا کہ اپنے غریب بھائیوں کو اس نیت سے قرضہ دو کہ جب ان کے پاس ہوگا تو وہ رقم جوں کی توں بغیر کسی زیادتی کے انہیں لوٹا دیں گے اور اگر وہ کسی وقت بھی ادا کرنے کے قابل نہ ہوں گے تو خدا کی خوشنودی کے لیے انہیں معاف کردیں گے۔ خدا نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا کہ اس کے بدلہ میں وہ کئی گنا ان کو زیادہ دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کئی گنا اجر ملے گا۔ اور قرض لینے والوں کو تاکید کی گئی کہ جس وقت وہ رقم ان کے پاس ہو جائے فوراً بغیر کسی حیلے حوالے کے واپس کردیں۔ اس طریقۂ کار سے مسلمان یہودیوں کے پنجۂ ظلم سے رہا ہوگئے۔

اب قیامت میں مومنوں اور منافقوں کا جو حال ہوگا اس کا ذکر بھی سن لیجئے۔

مومنوں کے جسموں پر ایسا نور ہوگا جو ان کے سامنے کے حصّہ کو بھی روشن کرتا ہوگا اور داہنی طرف کے حصّہ کو بھی۔ جس کے جیسے اعمال ویسی ہی اس کی روشنی۔ جب عرصۂ محشر سے جنت کی طرف چلیں گے تو ان کا راستہ بالکل روشن

ہوگا۔ داہنی طرف صرف اس لیے کہا گیا کہ جب سامنے بھی روشنی ہوگی اور داہنی طرف بھی تو بایاں حصّہ خود بخود روشن رہے گا۔

اب رہے منافق تو عرصۂ محشر میں ان کے لیے تاریکی ہی تاریکی ہوگی۔ راستہ چلنا اُن کو دشوار ہوگا۔ وہ مومنوں سے کہیں گے بھائیو ذرا اپنا رُخ ہماری طرف کرلو تاکہ کچھ روشنی ہمیں بھی مل جائے۔ وہ جواب میں کہیں گے، پیچھے ہٹو کہیں اور سے تلاش کرو یہاں سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ دُنیا کی طرف پلٹ کر کیوں نہیں جاتے وہاں سے نور لے کر آؤ۔ یعنی دُنیا میں تم نے بے خبری میں بسر کی۔ اب یہاں تمہیں نور کہاں ملے گا۔ یونہی ٹاپک ٹوئیے مارتے پھرو۔

ان منافقوں، کافروں اور مشرکوں کے آگے ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی اور اس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر خدا کی رحمت ہوگی۔ جنت کی بہاریں ہوں گی اور باہر کی طرف عذابِ خدا ہوگا جو دوزخیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہوگا باب جنت کے دربان ان دوزخیوں سے یہ مذاق کریں گے کہ دروازہ کھول دیں گے۔ جب یہ عذابِ خدا کے گرفتار دوڑتے ہوئے اس کی طرف جائیں گے تو وہ اُسے بند کردیں گے اور یہ ناکام لوٹیں گے۔ کئی بار ایسا ہی ہوگا۔

باہر والے دوزخی، جنت والوں سے پکار کر کہیں گے، کیوں بھائیو کیا تم دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے سہتے نہ تھے یہاں آکر ایسے بے مروّت بن گئے۔ وہ کہیں گے ہاں ٹھیک ہے ضرور ایسا ہی تھا۔ لیکن تم نے اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی ماری۔ بدکاریاں کرتے رہے اور خوش ہوتے رہے۔ آج کے دن کا خیال ہی تمہارے دل میں نہ آیا۔ تمہیں تو یہ فکر تھی کہ ہم ایمان والے کسی مصیبت میں مبتلا ہوجائیں تو تمہارے گھروں میں گھی کے چراغ جلیں۔ تمہاری آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا۔ شیطانی جال میں پھنسے رہے۔ اب اس کی سزا بھگتو۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾

آج نہ تو تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور

وہی تمہارے لیے مناسب جگہ ہے ۔ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے ۔ کیا ایمان داروں کے لیے اب تک اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد اور قرآن کے لیے جو خدا کی طرف سے نازل کیا ہُوا ہے ان کے دل نرم ہوں اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب (توریت و انجیل) دی گئی تھی تو ایک زمانہ دراز گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہتیرے بدکار بن گئے اور یہ جان لو کہ خدا زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے ہم نے تم سے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو ۔

قیامت کے روز کسی کے گناہ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا ۔ یہی حال کافروں کا ہوگا ۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے وہی ان کے لیے سزاوار ہے ۔ اور بعض نے مولیٰ کے معنی کارساز لیے ہیں ۔ یعنی جن لوگوں نے خدا کو اپنا کارساز نہیں سمجھا تھا آج دوزخ ان کی خبر لینے والا بنے گا ۔ خدا کی طرف سے حق بات (قرآن) نازل ہونے کے بعد اہلِ ایمان کے لیے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکرِ خدا سے ان کے دل میں نرمی پیدا ہو اور وہ خدا کی طرف رجوع کریں ۔ قرآن کے نزول کے بعد بھی اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کون سا وقت آئے گا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں ۔ ایمان والوں کو ان لوگوں جیسا نہ بننا چاہیئے جن کو توریت و انجیل جیسی کتابیں دی گئیں تو کچھ مدت بعد ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کے احکام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان میں سے اکثر بدکار بن کر رہ گئے ۔ اے منکرو ، افسوس کہ وہ لوگ تو مدت دراز کے بعد بدکار اور منکرِ کتاب بنے تھے اور تمہارا حال یہ ہے کہ رسول تمہارے سامنے موجود ہیں اور تم احکامِ الٰہیہ سے منہ موڑے ہوئے ہو ۔ اللہ جس طرح مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے اگر تم بھی اس کی طرف رجوع کرو گے تو تمہارے دلوں کو بھی نورِ ایمان سے منوّر کر دے گا ۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ
هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَ
نُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۵ ۱۸

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو قرضِ حسنہ دیتے ہیں ان سب کے لیے کئی گنا بدلہ ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وُہ اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہداء ہیں ۔ ان کے لیے اجر ہے اور نُور ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنم والے ہیں ۔

صدقہ دینے والوں اور قرضِ حسنہ دینے والوں کا پیشِ خدا بڑا رتبہ ہے ۔ جتنا انہوں نے دیا ہے خدا ان کو اس سے کئی گنا زیادہ دے گا اور اس کے علاوہ آخرت میں ان کے اجرِ عظیم ہوگا ۔

یہ لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہ صدیق و شہداء ہیں ۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ آیت ہر اس شخص سے متعلق ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لایا ہو ۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام مسلمان صدیق و شہید ہیں ۔ لیکن جب ایسا نہیں ہو سکتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ ایمان لانے والے کچھ خاص لوگ ہیں جن کے ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی آنِ واحد کے لیے بھی نہ خدا کے بارے میں شک کیا نہ رسول کے بارہ میں ۔ چنانچہ اسی بنا پر امام احمد حنبلؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ اسی بنا پر آپؑ نے برسرِ منبر فرمایا ۔ انا الصدیق الاکبر ۔ علامہ سیوطی نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ روایت کی ہے کہ قیامت میں آپؑ ہی سب سے پہلے حضرت رسولِ خداؐ سے مصافحہ کریں گے ۔ آپؑ ہی صدّیق اکبر اور اس امت کے فاروق ہیں ۔

اجر کے بعد نور کا بھی ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ روزِ حشر ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے نور حاصل کرے گا چونکہ حضرت علیؑ کا رتبہ تمام ایمان والوں سے زیادہ ہوگا لہٰذا آپؑ کا نور بھی سب سے زیادہ ہوگا ۔

اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ
وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ
ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا

مَتَٰعُ الْغُرُورِ ﴿٢٠﴾

یہ جان لو کہ زندگانی دنیا ایک کھیل تماشہ۔ زینت۔ ایک دوسرے پر فخر کرنا۔ مال و اولاد کی زیادتی پر اترانا ہے۔ اس کی مثال بادل کی سی ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی کھیتی لہلہا کر انہیں خوش کر دیتی ہے پھر وہی سوکھ جاتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو گئی ہے پھر چور چور ہو جاتی ہے اور آخرت میں کفار کے لیے سخت عذاب ہے اور (مومنوں کے لیے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے۔

دنیاوی زندگی کی بہترین مثال دی گئی ہے۔ کھیل تماشہ۔ زیب زینت۔ ایک دوسرے پر فخر۔ مال و اولاد پر اترانا انسانی زندگی کا پورا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اس کو عیش و آرام کی زندگی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہوتا کیا ہے کہ رفتہ رفتہ سب کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کل کے بادشاہ آج کے فقیر کہلانے لگتے ہیں۔ اولاد مر گئی تو بے سہارا ہو بیٹھے۔ اور اگر سب کچھ ہو بھی تو جب موت نے آکر گلا دبایا تو سب چھوڑ چھاڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے چل دیئے۔ یہ ریاست۔ یہ حکومت یہ مال دولت سب دھوکا تھا۔

سَابِقُوٓا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ
أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن
يَشَآءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢١﴾ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي
الْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ إِنَّ
ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾

تم اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف بڑھ جاؤ جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے جو ایسے لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا

تمہارے نفس پر نازل نہ ہوئی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (لوح محفوظ) میں نہ لکھ دیا ہو اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔

(جب تم کو پتہ چل گیا کہ دنیا دار امتحان ہے) تو اب ایسے کام کرو کہ اللہ کی بخشش اور ایک لمبی چوڑی جنت کے حق دار بن جاؤ۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں کو بے شمار اذیتوں کا سامنا تھا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بلائیں تم پر اس لیے نازل ہو رہی ہیں کہ تم مضبوط ایمان والے بن جاؤ۔ سونا اس لیے تپایا جاتا ہے کہ کندن بن جائے۔ یہ اچانک نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہمارے یہاں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ ان سب باتوں کا تم کو اجر ملے گا۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا
يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾
لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَٰفِعُ
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ
قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾

(یہ اس لیے ہے) تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو مل جائے اس پر اترایا نہ کرو۔ خدا کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں۔ اب اگر کوئی ان باتوں سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس سے بے پرواہ اور صاحب حمد و ثنا ہے ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح اور روشن معجزے دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی

نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم ہی نے لوہے کو نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے نفع ہے اور تاکہ خدا دیکھ لے کہ بے دیکھے بھالے خدا اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔

مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم کو کچھ نقصان پہنچ جائے تو اس کا رنج نہ کرو اور جو تمہارا فرض ہے اس کو انجام دیتے جاؤ اور اگر کہیں سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے تو اتراؤ مت۔ مالِ دُنیا تو آنے جانے والی چیز ہے اس کا غم کیا اور خوشی کیسی۔ ہاں اس بات پر جمے رہو تو تم کو اللہ آگے چل کر دوامی خوشی بخشنے والا ہے۔ منافقوں کا حال یہ ہے کہ وہ راہِ خدا میں دینے سے اس لیے بخل کرتے ہیں کہ غریب ہو جائیں گے یا اس لیے کہ ہم کیوں اپنی دولت دوسروں کی حاجت برآری کے لیے برباد کریں بلکہ وہ تو دوسروں کو بھی یہ سمجھاتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیوں دیتے ہو۔ یہ کونسی دانائی ہے کہ خواہ مخواہ اپنی دولت لُٹا بیٹھو۔ خدا فرماتا ہے نہیں دیتے نہ دیں مجھے کیا پرواہ ہے میں ان کے مال کا محتاج نہیں۔ دیتے تو ان ہی کو فائدہ ہوتا۔

اگلی آیت میں فرماتا ہے ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف سے کام لیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کوئی رسول اپنے ساتھ نہ کتاب لے کر آتا ہے نہ کوئی ترازو۔ لیکن آیت میں **معہم** کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں بطنِ مادر سے اس کے ساتھ آتی ہیں۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں کتاب سے مراد کتابِ تشریعی نہیں بلکہ کتاب وجودی ہے۔ ہر انسان کا وجود قدرت کی ایک کتاب ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ ‏ وَفِيْكَ انْطَوىٰ عَالَمُ الْاَكْبَرُ
وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْعَظِيْمُ الَّذِیْ ‏ بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

یعنی اے انسان کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو چھوٹا سا جثّہ ہے حالانکہ تیرے اندر ایک عالمِ اکبر لپٹا ہوا ہے اور تو تو خدا کی وہ بڑی کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف میں بڑے بڑے راز چھپے ہوتے ہیں۔ عام انسانوں کی اور انبیاء کی کتاب وجودی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان کے عام قوائے ظاہری و باطنی عام انسانوں سے جُدا ہوتے ہیں ان کے تمام اعمال سبق آموز ہوتے ہیں۔ وہ ہماری طرح کانوں سے غیبت نہیں سنتے۔ زبان سے جھوٹ نہیں بولتے۔ آنکھوں سے غلط چیز کو نہیں دیکھتے۔ نجس چیز کو نہیں چھوتے۔ بدبُو کو نہیں سونگھتے۔ ان کی تمام حرکات و سکنات باعثِ ہدایت ہیں۔ اب رہی میزان تو اس کی یہ صورت ہے کہ ہر شے کے تولنے کی ایک جداگانہ ترازو ہوتی ہے۔ جس ترازو سے غلّہ تولا جاتا ہے اس سے سونا چاندی نہیں تولتے۔ اور جس سے سونا چاندی تولتے ہیں اُس سے بال کا وزن نہیں کیا جاتا۔ جس سے بال تولتے ہیں اس سے بخار کا وزن نہیں تولا جاتا، اس کے لیے تھرمامیٹر ہوتا ہے۔ اگر شعر کا وزن تولنا ہوتا ہے تو اس کے اوزان فاعلوا فاعلن وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر سخاوت کو تولنا ہے تو اب شخصیت بیچ میں آئے گی۔ مثلاً کہیں گے کہ فلاں شخص حاتم جیسا سخی ہے۔

شجاعت میں رستم جیسا ہے۔ عدل میں نوشیرواں جیسا ہے۔ پس معلوم ہوا، انبیاءؑ کا وجود ان کی اُمّت کے لیے میزانِ اعتدال ہوتا ہے۔ اس میزان سے اُمّت کے اعمال کی جانچ ہوگی۔ جس قدر کسی کے اعمال پیغمبر کے اعمال سے ملتے جلتے ہوں گے ویسے ہی اس کا درجہ ہوگا۔ ہمارے رسولؐ نے اپنی اُمّت کے لیے حضرت علیؑ کو میزانِ عمل بنایا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے یَا عَلِیُّ اَنْتَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ وَمِيْزَانُ الْاَعْمَالِ۔ (اے علیؑ تم صراطِ مستقیم اور میزانِ اعمال ہو)۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ رسول تین طریقہ سے ہدایت کرتا ہے۔ اوّل معجزات سے دوسرے کتابِ خدا سے تیسرے اپنے عمل سے۔ جو حدِ اعتدال سے بال برابر تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن زیر بحث آیت میں **معہم** ہے۔ یعنی میزان و کتاب رسول کے ساتھ آتی ہیں۔ موسیٰؑ ہوں یا عیسیٰؑ یا ہمارے رسولؐ۔ ان کے پاس عمر کا ایک حصّہ گزرنے کے بعد کتاب آئی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس کتاب سے مراد کتابِ شریعی نہیں بلکہ کتابِ وجودی ہے جو اپنے مقام پر ایک واضح اور روشن آیتِ الٰہی ہے۔ اس لیے ان کا ہر قول و فعل حُجّت ہے۔ ان کے اس وجود میں میزان داخل ہے۔ جیسا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، مجھے سورۂ ھود نے بوڑھا کر دیا لوگوں نے پوچھا یہ کیسے فرمایا، اس میں حکم فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (سیدھے کھڑے رہو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے)۔ یعنی اپنے کسی عمل میں صراطِ مستقیم بال برابر کسی طرف نہ جھکو۔ اعتدالی شان ہر صورت میں باقی رہے۔ اسی کا نام میزان ہے۔ کوئی شے اس وقت پوری تلتی ہے جب ترازو کے دونوں پلّے برابر ہو جائیں۔

پس جب اُمّتِ رسول میدانِ حشر میں آئے گی اور اس کے اعمال کی جانچ ہوگی تو اعمالِ علیؑ کو سامنے رکھا جائے گا پس ان کی عدالت ان کی شجاعت ان کی سخاوت ان کی عبادت وغیرہ سے کس کی عبادت کس حد تک ملتی ہے۔ وہ اعمال کے تولنے کے لیے کوئی ایسی ترازو نہیں ہوگی جیسی دنیا میں ہماری ترازوئیں ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ہر شخص کے پیشِ نظر ایک نمونۂ عمل ہوتا ہے ورنہ وہ بے پیر اکہلاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایسی نماز نہیں پڑھتا جیسی رسولؐ پڑھتے تھے یا ایسا نہیں کرتا جیسا رسولؐ کرتے تھے تو نہ وہ نماز مقبول ہوگی نہ وہ حج۔ بعض صورتوں میں انبیاءؑ کے لیے بھی نمونۂ عمل پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے حضورؐ سے فرمایا گیا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (اے رسول ایسا کرو جیسے اولوالعزم رسول کیا کرتے تھے۔ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ [۴۶/۳۵ الاحقاف] سبأ (یونس جیسے نہ بنو)۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا کہ احکامِ قرآنی کے ساتھ ساتھ نمونۂ عمل بھی رہے ورنہ عمل سے غلطی ابھر سے محروم بنا دے گی۔ قرآن سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے عمل نہیں۔ عمل حاصل کرنے کے لیے اہلبیتِ رسولؐ ہیں۔ معصوم ہونے کی بنا پر جن کے عمل میں غلطی کا امکان نہیں۔

آیت کے آخر میں لوہے کے نازل کرنے کا ذکر ہے۔ مفسرین نے کانوں کے اندر سے نکلنے والا لوہا مراد لیا ہے۔ لیکن آیت میں نازل کرنا مراد ہے۔ شیعہ مفسرین نے وہ تلوار مراد لی ہے جو آسمان سے رسولؐ پر نازل ہوئی جس کا نام ذوالفقار ہے اور جو رسولؐ نے علیؑ کو عطا کی تھی۔ اس کے متعلق روزِ اُحد جبرئیلؑ نے ندا کی تھی لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار اس کی دھاک نے یاس شدید یعنی سخت خوف و ہراس کفار کے دل میں پیدا کیا تھا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾

ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب کو قرار دیا۔ پس اس اولاد میں کچھ لوگ تو ہدایت یافتہ تھے اور اکثر ان میں فاسق تھے۔ پھر ان کے پیچھے پیچھے قدم بقدم اور رسولوں کو بھیجا اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں مہربانی اور رحم کو ڈال دیا اور انہوں نے لذّاتِ دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ان لوگوں نے ایک نئی بات اپنے دل سے نکال لی۔ ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (خود ایجاد کیا) تو اسے جیسا چاہیئے نبھانا نبھا سکے۔ تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ہم نے ان کو اجر دیا۔ ان میں سے بہتیرے تو بدکار ہی ہیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اور نبوّت اولادِ انبیاءؑ سے مخصوص ہیں۔ اور ان میں سے بھی صرف انہی لوگوں سے جو ہدایت یافتہ ہوں۔ یعنی ہدایتِ خلق کا کام مخصوص کیا گیا تو اولادِ انبیاءؑ میں سے صرف ہدایت یافتہ لوگوں سے۔ اور ہدایت یافتہ سے مراد صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے آنِ واحد کے لیے بھی کفر اختیار نہ کیا ہو اور نہ کسی بُت کے سامنے سجدہ کیا ہو۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ تابعین عیسیٰ علیہ السلام نے بغیر خدا کے حکم کے ایک طریقہ خود ایجاد کر لیا۔ جس کا نام رہبانیت یا ترکِ لذّات ہے۔ لیکن اس طریقہ کو وہ بطریقِ احسن انجام نہ دے سکے۔ یعنی دُنیا والوں سے قطع تعلق کر کے یک بینی و دوگوش صحرائی خانقاہوں میں جا بیٹھے اور لوگوں کو اس فائدہ سے محروم کر دیا جو اُن کی ذات سے دوسروں کو پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا اس کا کوئی اجر ان کو نہ ملے گا۔ خدا نے اہلِ ایمان کے لیے اس کی بجائے زہد کو قرار دیا۔ یعنی دنیا میں رہ کر خرافاتِ دنیا سے اپنے کو محفوظ رکھیں اور اہلِ حاجت کی ضرورتوں کو اپنے نفس پر ترجیح دیں۔ دین کے ساتھ ساتھ دنیا کے کام بھی انجام دیتے رہیں۔ جو دُنیا سے الگ تھلگ ہو کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا بیٹھا۔ اس کا عبادت کرنا باعثِ اجر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ عبادت میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں عبادت نہ کرے تو اب کیا کرے۔ دنیا کشتِ آخرت ہے۔ اس سے آخرت کے لیے سامانِ نجات فراہم کیا جاتا ہے۔ جب کھیتی ہی اُجاڑ دی تو اب اس سے فصل کا انتظار دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایماندارو، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو خدا تم کو اپنی رحمت سے دُہرا حصہ عطا فرمائے گا اور ایسا نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تم کو بخش بھی دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (یہ اس لیے کہا جاتا ہے) تاکہ اہلِ کتاب یہ نہ سمجھیں کہ یہ مومنین خدا کے فضل و کرم پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ فضل خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

دوہرے نُور سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں بھی بصیرت سے کام لو گے اور آخرت میں بھی اپنے نُور کی روشنی میں چلو گے۔

۵۸ سُورَۃُ الْمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۖ
وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ① اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ
مِنْکُمْ مِّنْ نِّسَآئِھِمْ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ ؕ اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓـئِیْ وَلَدْنَھُمْ ؕ
وَاِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②
وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ
رَقَبَۃٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمْ تُوْعَظُوْنَ بِہٖ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

اے رسول جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارہ میں جھگڑتی اور خدا سے شکایت کرتی ہے تو خدا نے اس کی بات سُن لی اور خدا تم دونوں کی گفتگو سُن رہا ہے۔ بے شک خدا بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے جو لوگ اپنی بی بیوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں (اپنی بی بی کو ماں کہتے ہیں) وہ کچھ اُن کی مائیں نہیں ہو جائیں۔ اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جو اُن کو جنتی ہیں۔ وہ بے شک ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور خدا بے شک معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بی بیوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر اپنی بات واپس لیں تو دونوں ہم بستر ہونے سے پہلے (کفّارہ میں) ایک غلام آزاد کریں اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

مجادلہ کے معنی جھگڑا کرنے کے ہیں۔ یہ آیات مسئلہ ظہار کے متعلق ہیں۔ ظہار کی صورت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں
مرد اگر اپنی بی بی سے ناخوش ہو کر یہ کہہ دیتا تھا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی سی پیٹھ ہے تو جاہلیت کے قاعدکی رُو سے وہ عورت
ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی مسلمانوں میں یہ رسم جاری رہی۔ ایک روز یہ واقعہ پیش
آیا کہ خولہ زوجہ ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اُس کا شوہر ثعلبہ اُسے دیکھ کر دوسری دھن میں ہُوا۔ اُس نے کسی وجہ
سے انکار کیا تو اُس نے غصہ میں آکر جھٹ سے یہ کہہ دیا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی سی ہے۔ یہ سُن کر خولہ بہت پریشان ہوئی
بھاگی ہوئی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرتؐ نے اس کا حال سُن کر فرمایا، رسم جاہلیت کی بنا پر تم دونوں ایک
دوسرے پر حرام ہو گئے۔ وہ فریاد کرنے لگی کہ میں بڑھیا ہوں کئی بچوں کی ماں ہوں۔ میں شوہر سے جُدا ہو کر کیونکر پرورش
کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں حکم خدا کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُس نے رو رو کر خدا سے فریاد کی۔ اُس وقت یہ آیت
نازل ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک جاہلانہ رسم تھی کہ کسی نے ظہار کیا تو بی بی اس پر حرام ہو گئی۔ پھر اسلام نے اس کو جائز کیوں رکھا
بات یہ ہے کہ وہ جاہل بدو جو ایام جاہلیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اگر ان کی تمام رسوم کو یک لخت منسوخ کر دیا
جاتا تو وہ ضرور بدک جاتے اور کچھ بعید نہ تھا کہ اپنے قدیم مذہب کی طرف عود کر جاتے۔ مسئلہ ظہار کے متعلق جن لوگوں کو
تفصیل درکار ہو وہ فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرماویں۔

مسلمان اس عورت (خولہؓ) کی اس بنا پر بڑی عزت کرتے تھے کہ اس کی بات خدا نے سُن لی اور اس کی شکایت
کو دُور فرمایا۔

کفارہ ظہار کا نہیں بلکہ شوہر کے عود کرنے کا ہے کہ اس نے ایک لغو بات کر کے عورت کو اذیت دی۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

جو شخص غلام آزاد نہ کر سکے وہ متواتر دو مہینے روزے رکھے اس عورت کے پاس جانے سے پہلے
اور جو یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے (یہ حکم اس لیے ہے) تاکہ تم خدا اور اس
کے رسول کی پوری تصدیق کرو۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک
عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ
نَسُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي ع
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ
وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا
هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦

جو لوگ خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت کریں گے وہ اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان
سے پہلے ذلیل کیے گئے تھے۔ ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے رسوا
کرنے والا عذاب ہے۔ جس دن خدا ان سب کو اُٹھائے گا تو جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا اس سے آگاہ کر
دے گا۔ اگرچہ وہ خدا کو بھُول گئے ہیں مگر خدا نے ان کو یاد رکھا ہے اور اللہ تو ہر شے پر گواہ ہے
کیا تم نے غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ وہ سب جانتا ہے۔ جہاں تین آدمی باتیں کرتے
ہیں وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ باتیں کرتے ہیں وہ اُن کا چھٹا ہوتا ہے۔ چاہے اس سے
کم ہوں یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے اور جو کچھ وہ دُنیا میں کرتے
رہے ہیں قیامت کے دن اس سے آگاہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ساتھ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان کے ساتھ کہیں چھپا بیٹھا رہتا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جہاں کہیں دو چار

آدمی یا کم و بیش مل کر مشورہ کرتے ہیں وہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے تاکہ منافق یہ نہ سمجھیں کہ جو کچھ مشورہ وہ چپکے چپکے کرتے ہیں خدا ان سے ناواقف ہے۔ روز قیامت وہ ان سب باتوں سے آگاہ کرے گا۔

تفسیر صافی اور کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت فلاں فلاں اور ابو عبیدہ جراح اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سالم غلام ابو حذیفہ اور مغیرہ بن شعبہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ ان لوگوں نے مشورہ کر کے ایک نوشتہ لکھا تھا اور باہمی عہد کیا تھا کہ اگر محمد رسول اللہ کا وصال ہو گیا تو ہم خلافت و نبوت کو بنی ہاشم میں ہرگز جمع نہ ہونے دیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ
وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ
حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا
اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑧
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي
إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ⑨ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ
آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ⑩

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ پھر بھی جس کام کی ممانعت کی گئی تھی اسی کو کرتے ہیں۔ اور لطف تو یہ ہے کہ گناہ اور (بے جا) زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی

سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جن لفظوں سے خدا نے تمہیں سلام نہیں کیا، ان لفظوں سے سلام کرتے ہیں اور اپنے جی میں کہتے ہیں (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ اے رسول، ان کو دوزخ ہی کی سزا کافی ہے جس میں یہ داخل ہوں گے اور وہ تو بری جگہ ہے۔ اے ایمان دارو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو۔ بلکہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی سرگوشی کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو جس کے سامنے ایک روز پیش کیے جاؤ گے۔ سرگوشی شیطانی کام ہے اور اس لیے کرتے ہیں تاکہ ایمانداروں کو اس سے رنج پہنچے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آزادی دیئے بغیر سرگوشی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور مومنین کو خدا پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔

منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب جہاد کو جاتے تو باہم سرگوشیاں کرتے جس سے مومنین یہ سمجھتے کہ شاید مجاہدوں پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ اس کے متعلق یہ لوگ چپکے چپکے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ اس سے ان کو رنج پہنچتا اور رسول سے شکایت کرتے۔ حضورؐ نے ان منافقوں کو بار بار اس سے روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اس سرگوشی میں وہ جہاد سے فرار کرتے۔ مجاہدوں کو اذیت پہنچاتے اور رسولؐ کی برائیاں کی جاتیں۔

یہودیوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا تھا کہ جب حضورؐ کی خدمت میں آتے تو السلام علیکم کی بجائے دبی زبان سے السام علیکم کہتے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔ حضورؐ اس کے جواب میں صرف علیکم فرماتے یعنی تم پر آئے۔

اگر سرگوشی امورِ نیک کے متعلق کی جائے یا کوئی ایسا امر ہو کہ بالاعیان کہنے میں مومنین کو نقصان پہنچ جائے گا تو اس سرگوشی کی اجازت ہے لیکن اگر مبنی بر شرارت ہو تو عملِ شیطان ہے اور داخلِ معصیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ
فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑪

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کر دو تو کر دیا کرو۔ خدا تم کو کشادگی عطا کرے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ خدا ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا۔ جو تم میں سے ایماندار ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اصحابِ رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ جب حضورؐ کے پاس آتے تو آپؐ کے گرد گھس کر بیٹھتے کہ کسی دوسرے کو جگہ نہ دیتے ایک دن جمعہ کے روز مسجد میں اصحاب جمع تھے۔ حضرتؐ مسجد کے در میں تشریف فرما تھے کہ بعد میں کچھ لوگ آئے اور سلام کیا۔ حضرتؐ نے جواب دیا مگر اصحاب نے ان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ حضرتؐ کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور ان کو جگہ دینے کا حکم دیا۔ بعض کو ناگوار ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری خراب عادت یہ تھی کہ حضرتؐ کی خدمت میں بیٹھتے تو اٹھنے کا نام نہ لیتے۔ غپ شپ کیے ہی چلے جاتے۔ یہ بات بھی حضرتؐ کو ناگوار ہوتی تھی۔ آخر اس سے بھی روکا گیا۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو فلکِ ہدایت کے ستارے کہلاتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو، جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی (کانا پھوسی) سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ لیکن اگر تم اتنا بھی نہ کر سکو تو اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے مسلمانو، کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ رسول سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا

کرو۔ اگر تم میں اتنی سکت بھی نہیں تو اللہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اصحابِ رسولؐ کی یہ عادت تھی کہ بار بار حضرتؐ سے تخلیہ چاہتے تھے۔ اس سے اوّل تو حضرتؐ کو تکلیف پہنچتی تھی۔ دوسرے بااثر حضرات غریب لوگوں کو پاس آنے اور گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ ہر روز یہی سلسلہ رہتا تھا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی کہ تخلیہ سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ کوئی بڑی بات تو نہ تھی مگر دیتا کون۔ بادل چھٹ گئے اور مطلع صاف ہو گیا۔ مقصد اس صدقہ دلوانے سے یہ تھا کہ جن غریبوں کو حضورؐ سے بات چیت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اور وہ دل شکستہ ہو کر واپس جاتے ہیں کم سے کم ان کو مالی فائدہ تو پہنچ جائے گا۔

ان تمام عاشقانِ رسولؐ میں صرف حضرت علیؑ ایسے رہ گئے جنہوں نے دس روز بار بار صدقہ دے کر حضورؐ سے خلوت کی اور اسرارِ ربانی کی تعلیم حاصل کی۔ کبھی چھپ کر صدقہ دیا کبھی بظاہر۔ کبھی رات کو دیا کبھی دن میں۔ دس روز جب سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی صاحب خلوت کے خواستگار ہی نہ ہوئے تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک ایسی آیت بھی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل ہی نہیں کیا۔ اور وہ آیہ نجویٰ ہے۔ بھلا بتائیے اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو یہ آیت بغیر تعمیلِ حکم یوں ہی واپس جاتی۔ یہ آیت کی کتنی توہین تھی۔ علیؑ نے اس آیت کو توہین سے بچا لیا۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف جلد ۳ میں امیرالمومنینؑ کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اصحابِ کرام کے ایمان کا کونسا درجہ سمجھا جائے کہ چند درم صدقہ دینا گوارا نہ کیا۔ سب ایسے محتاج تو نہ تھے کہ دس روز تک چند پیسے دینے کے قابل نہ ہو سکے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جو غریب روزمرہ آ کر ان کے تخلیہ میں مخل ہونا چاہتے تھے ان پر غصہ تھا پھر ان کو فائدہ کیوں پہنچاتے۔ علیؑ اور اصحاب میں جہاں اور بہت سے فرق ہیں ایک یہ بھی ہے۔ اس کے بعد کسی کو اب یہ دعویٰ کرنے کا حق نہ رہا کہ کُل قرآن پر اس کا عمل ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

تم لوگوں نے ان کے حال پر بھی غور کیا جو ایسے لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب

نازل کیا ہے وہ نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب مہیا کر رکھا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں بُرا کر رہے ہیں۔

یہودیوں میں عبداللہ بن نبیل جیسے لوگوں نے منافقوں کو اپنا یار بنا رکھا تھا۔ وہ منافقوں سے دل کھول کر مسلمانوں کی بُرائیاں بیان کرتے تھے۔ منافق تو منافق ہی تھے۔ وہ بظاہر تو مسلمانوں سے ملے رہتے تھے لیکن ان کی بُرائیاں سُن کر دل ہی دل میں خوش ہوتے۔ جب اُن کو روکا ٹوکا جاتا تو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ لیکن ان کے ایسا کہنے سے ان کا نفاق چھُپ تو نہ سکتا تھا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

عہدِ رسولؐ میں تو ایسے بہت سے لوگ تھے۔ چنانچہ ایک پورا سورہ منافقون ان ہی کے متعلق نازل ہوا لیکن رسولؐ کے دُنیا سے روپوش ہوتے ہی خدا جانے ان کو آسمان نے اٹھا لیا یا زمین نگل گئی یا سب مومن بن گئے۔

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ
مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ
جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾

ان منافقوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی سپر بنا رکھا ہے۔ لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکتے ہیں ان کے لیے نہایت رسواکن عذاب ہے۔ خدا کے سامنے تو ان کے مال کچھ کام آئیں نہ ان کی اولاد۔ یہ تو کھلے دوزخی ہیں۔ اس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ جس دن (قیامت میں) خدا سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ لوگ اسی طرح اُس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ وہ راہِ صواب پر ہیں۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

یہ ایسے مکار لوگ ہیں کہ مسلمانوں کی بُرائیاں کرکے پھر قسمیں کھاتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ پھر جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کو بہکاتے ہیں اور جو مسلمان ہونا چاہتے ہیں ان کو روکتے ہیں کہ اس دین میں آکر کیوں اپنی زندگی تباہ کرتے ہو۔ چونکہ یہ لوگ مالداروں میں سے ہیں اور زیادہ اولاد کی وجہ سے جتھے والے بن گئے ہیں۔ اس لیے لوگ ان کے دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو کچھ دے دلا کر روکتے ہیں اور کچھ کو ڈرا دھمکا کر۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا
وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ
أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ
وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا
إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ع

شیطان ان پر غالب آگیا ہے اُس نے ان کو خدا بھُلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں بیشک شیطانی گروہ گھاٹا پانے والوں میں ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگ ہیں۔ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ بے شک اللہ

قوی و عزیز ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں ان کو ایسے لوگوں کا دوست نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں چاہے وہ ان کے باپ دادا، بیٹے پوتے، بھائی اور باہم قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے نورؐ کو ثابت کر دیا ہے اور اپنے نورؐ سے ان کی تائید کی ہے اور ان کو داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ بے شک اللہ کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں ان کو ایسے لوگوں سے ہرگز محبت نہ کرنی چاہیئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے مخالف ہوں۔ کیونکہ نور اور تاریکی، عداوت و محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مخالفینِ خدا و رسولؐ چاہے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں اُن سے رشتۂ محبت کو قطع کر لینا چاہیئے ورنہ اُن کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی محبت نہیں۔ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے مخالف ہیں ان پر شیطان نے پُورا پُورا غلبہ حاصل کر لیا ہے۔

جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تھے اپنے بہت سے عزیز جو مشرک و کافر تھے مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب بدر و اُحد کے معرکوں میں وہ عزیز مسلمانوں سے لڑنے آئے تو مسلمانوں نے ذرا اس کی پرواہ نہیں کی کہ وہ ان کے قریبی عزیز ہیں، بیدریغ ان کو قتل کیا، قید کیا اور کسی نرمی کو ان کے ساتھ روا نہ رکھا۔ یہ اُس روحانی اور ایمانی قوت کا زور تھا جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ بعض کافروں نے جبکہ وہ اپنے مسلمان عزیز کی تلوار کے نیچے آ چکے تھے اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قتل ہونے سے بچنا چاہا تو مسلمان مجاہدوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مومن و کافر میں کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

آنحضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب جنگِ بدر کے بعد جب قید ہو کر آئے تو انہوں نے حضورؐ سے کہا میں تو مسلمان ہوں مجھے کیوں قید کیا گیا ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا، دل کا حال تو اللہ جانتا ہے اس وقت تو تم کافروں کے گروہ میں شامل ہو کر ہم سے لڑنے آئے تھے۔ اس صورت میں میں کوئی رعایت آپ کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ جب ان سے فدیہ طلب کیا گیا تب انہوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا حضورؐ نے فرمایا کافروں کے شریکِ حال ہو کر آنا اس کی دلیل ہے کہ تم کو بجائے مسلمانوں کے کافروں سے ہمدردی تھی لہٰذا فدیہ معاف نہیں ہو سکتا۔ اُس مال سے ادا کرو جو تم مکہ سے چلتے وقت اپنی بی بی ام الفضل کو دے کر آئے تھے۔ انہوں نے تعجب سے کہا، آپؐ کو اس کا پتہ کیسے چلا۔ میں نے تو یہ رقم ایسے وقت اپنی بی بی کو دی تھی جب میرے گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ فرمایا مجھے اطلاع دی ہے اللہ نے جو علیم و خبیر ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ نے اجازت نہیں دی کہ مخالفینِ خدا و رسولؐ کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے چاہے کوئی کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو۔

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (١)
هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ
الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي
الْاَبْصَارِ (٢)

ہر وہ چیز جو آسمان و زمین کے اندر ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ وہ وہی تو ہے جس نے کفارِ اہلِ کتاب (بنی نضیر) کو اوّل حشر (جلائے وطن) میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ یہ نکال دیئے جائیں گے اور وہ بھی یقین کیے ہوئے تھے کہ ان کے مستحکم قلعے ان کو عذابِ خدا سے بچا لیں گے۔ مگر جدھر سے انہیں گمان بھی نہ تھا خدا نے اُن کو آ لیا اور اُن کے دلوں میں (مسلمانوں کا) ایسا رعب ڈالا۔ کہ وہ خود اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنے گھر اجاڑنے لگے۔ پس اے آنکھوں والو، (اس واقعہ سے) عبرت حاصل کرو۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ بنی عامر اور بنی نضیر یہودیوں کے دو قبیلے تھے۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پہ رہتے تھے۔ عمر بن ضمیری نے عامر کے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور چونکہ یہ دونوں قبیلے آپؐ کے اُمتی تھے اس وجہ سے

آپؐ چند اصحاب کے ساتھ دونوں کا خون بہا دلوانے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس آئے اور ان سے مدد چاہی۔ انھوں نے بظاہر تو اطمینان دلایا لیکن خفیہ طور پر یہ مشورہ کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اس کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ پر گرا کر آپؐ کا کام تمام کر دیں۔ بالہام غیبی آپؐ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپؐ وہاں سے اٹھ کر مدینہ آ گئے اور اصحاب نے وہیں قیام کیا تاکہ ان کی شرارت کھُل جائے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی مدینہ آ گئے۔ آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ بنی نضیر کے کعب بن اشرف کا سر کاٹ لائیں۔ یہ چند آدمیوں کے ساتھ گئے اور کامیاب آ گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب تمہاری مکاری ظاہر ہو گئی لہٰذا تم ہماری حکومت سے نکل جاؤ یا لڑنے پر تیار ہو جاؤ اور دس روز کی مہلت دی گئی۔ ادھر ابن اُبی نے اُن کا دل بڑھایا اور دو ہزار کی کمک کا وعدہ کیا۔ وہ لڑنے پر تیار ہوئے مگر جب مسلمانوں کا حملہ ہوا تو اپنے قلعہ میں محصور ہو گئے۔ جب کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی تو جلاوطنی پر آمادہ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، اس شرط پر کہ اپنے ہتھیار یہیں چھوڑ دو اور جس قدر مال و دولت لے جا سکو لے جاؤ۔ غرض وہ لوگ جلاوطن ہو کر شام کے مقام اُریحا اور روزعاہ میں جا کر آباد ہوئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنی نضیر جو یہودی تھے مدینہ سے باہر عرصہ دراز سے رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے مستحکم قلعے بنا لیے تھے اور ان کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اسلامی حکومت سے ان کا معاہدہ تھا۔ اگرچہ بظاہر انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی لیکن حضرتؐ کے قتل کی سازش کا سب سے بڑا الزام ان پر عاید تھا جس کا وہ انکار نہ کر سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ باوجود ایک طاقتور جماعت ہونے کے چند روز میں وہ جلاوطنی پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب ان پر چھایا کہ اپنے مقام پر ٹھہرے رہنا اُن کے لیے ناممکن ہو گیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ
يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ
اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ
الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

اگر خدا نے ان کی قسمت میں جلاوطنی کو نہ لکھا ہوتا تو ان پر دُنیا میں (دوسری طرح) عذاب کرتا۔ اور آخرت میں تو ان پر جہنم کا عذاب ہے ہی۔ کیونکہ ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جس نے خدا کی مخالفت کی تو خدا (اس کو) بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔ (مومنو) تم نے جو کھجور کا درخت کاٹ ڈالا یا جوں کا توں اس کی جڑوں پر قائم رہنے دیا تو خدا ہی کے حکم سے تھا اور مطلب یہ تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے تو جو مال خدا نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بے لڑے دلوا دیا اس میں تمہارا حق نہیں کیونکہ تم نے اس کے لیے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں نہ گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے اور خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

یعنی بنی نضیر جلاوطن نہ ہوتے تو خدا ان پر دُوسرے طریقہ سے عذاب نازل کرتا۔ غرض یہ ہے کہ وہ عذاب سے بچ نہ سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے خدا اور اُس کے رسولؐ سے دشمنی مول لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ جو خدا کا مخالف ہوگا اس کے لیے سخت عذاب ضرور ہوگا۔

جب لشکرِ اسلام بنی نضیر سے لڑنے کے لیے گیا تو وہاں کھجوروں کے بہت درخت تھے۔ ایسے بلے مجلے کہ قلعہ کے محاصرہ میں ان سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی لہٰذا ان کو کاٹ ڈالا اور جن سے کوئی رکاوٹ نہ تھی اُسے چھوڑ دیا اس پر یہودیوں نے بہت غل مچایا اور کہا کہ محمدؐ دوسروں کو تو فساد فی الارض سے روکتے ہیں اور خود ایسا کرتے ہیں۔ درختوں کو کاٹنا فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ فساد فی الارض نہیں بلکہ جنگی ضرورت کا پورا کرنا ہے۔ فساد فی الارض یہ ہے کہ بلا وجہ کسی پر چل دوڑیں اور بستیوں کو تباہ و برباد کر دیں۔ کھیتیاں اجاڑ دیں۔ باغوں کو کاٹ ڈالیں۔

جب بنی نضیر جلاوطن ہوئے تھے تو اپنے قلعہ میں پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں چھوڑ گئے تھے اور ان میں صرف دو آدمی ایمان لائے تھے۔ سفیان بن عمیر اور سعد بن وہب۔ چونکہ یہ مال بغیر جنگ کیے ملا تھا لہٰذا یہ مالِ غنیمت نہیں تھا اور مالِ فئے تھا جو خاص طور سے حقِ رسولؐ ہے اور رسولؐ کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کو چاہیں دیں۔ چنانچہ آپؐ نے کُل مال جو وہاں سے ملا تین مہاجروں پر تقسیم کر دیا۔ جو ابودجانہ، سہیل بن حنیف اور زید بن ظہیر تھے۔

اسی طرح جنگِ خیبر کے بعد فدک کا علاقہ جو یہودیوں سے بغیر جنگ کے ہاتھ آیا حاصل ہوا تھا مالِ فئے تھا کیونکہ اس علاقہ میں یہودیوں سے کوئی جنگ نہ ہوئی تھی۔ کل کا کل رسولؐ کی ملک تھا۔ اس کا ایک حصہ تھا باغ فدک۔

جو حضورؐ نے اپنی صاحبزادی جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا تھا اور اس کے متعلق دستاویز لکھ دی۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی حکومت نے معصوم کو نہ تو وراثت میں دیا اور نہ ہی ہبہ کو تسلیم کیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو یہ کمال کیا کہ وہ دستاویز ہی پھاڑ ڈالی تاکہ آگے کو یہ سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ صفائی لاکھ پیش کی گئی مگر صدیقہ کی درخواست دربار میں قبول نہ ہوئی۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَہْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَہٰىکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑦ لِلْفُقَرَآءِ الْمُہٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَاَمْوَالِہِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧

جو مال خدا نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے بے لڑے دلوایا ہے وہ خاص خدا اور رسول اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا ہے تاکہ تم میں جو دولتمند ہیں ہر پھر کر دولت اُن ہی کے پاس نہ رہے۔ جو کچھ تم کو رسول دے دیں وہ لے لیا کرو اور جس کے لیے منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔ ان مفلس مہاجروں کا حصہ بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اور خدا کے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ سچے ایماندار ہیں۔

شریعت میں تقسیم ہونے والے مال تین قسم کے ہیں۔ اوّل زکوٰۃ۔ بنی ہاشم پر غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ حرام ہے۔

دوسرے مالِ غنیمت جو کفار سے لڑ کر حاصل ہو۔ اس میں سے خمس تو بنی ہاشم کا حق ہے باقی کل مجاہدین کا۔ دسویں پارہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ تیسرے مالِ فئے جو بے لڑے حاصل ہو، وہ خاص رسولؐ کا ہے۔ جس کو چاہے دیں مگر اس کے مستحق بھی بنی ہاشم ہی ہیں۔ یعنی اولاد ابوطالبؑ عباسؓ۔ اور دوسری چیزوں کا خمس بھی ان ہی کا ہے اور ان لوگوں میں بھی شرط ہے کہ یتیم و محتاج و پردیسی بھی ہوں بنی ہاشم سے ہوں ورنہ نہیں۔ رسولؐ کی زندگی میں تو اس پر عمل ہوا مگر حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سادات بنی ہاشم کو اس سے محروم کر کے بیت المال میں داخل کیا جانے لگا۔

خدا نے جب زکوٰۃ سے بنی ہاشم کو محروم کیا تھا تو اس کے بدلے ان کے بسر اوقات کے لیے خمس کو رکھا تھا۔ یہ خاندانِ رسولؐ کے لیے ایک خاص رعایت تھی۔ لیکن جن لوگوں کو خاندانِ رسولؐ بالخصوص علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ کوئی رعایت منظور ہی نہ تھی انہوں نے اس جائز حق کو ان سے روک لیا۔ تاکہ وہ مفلوک الحالی میں اپنی زندگی بسر کریں اور اس قابل ہی نہ رہیں کہ اہلِ حاجت ان کے دروازہ پر جا کر اپنی حاجتیں بیان کریں۔

تفسیر صافی میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ اس آیت میں ذوی القربٰی سے ہم مراد ہیں اور سب کو اپنی ذات اور اپنے نبی سے ملا دیا ہے۔ جہاں یہ ارشاد فرمایا ہے ما افاء اللہ الخ اور یتامیٰ و مساکین سے خاص ہمارے یتیم و مساکین مراد ہیں۔ اس لیے خدا نے صدقات میں ہمارا حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ اور صدقہ ہم پر حرام کر دیا۔ اللہ نے ہمارا اور اپنے نبیؐ کا اکرام فرمایا ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا میل کچیل ہمیں نہیں کھلایا۔ تفسیر مجمع البیان میں امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ اس آیت میں الیتامیٰ سے مراد ہمارے یتیم اور مساکین اور ابن السبیل سے ہمارے مسافر مراد ہیں۔

ان حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کن رعایتوں کو ملحوظ رکھا۔ بنتِ رسولؐ کو جو چیز ورثہ میں ملی تھی یا بطور ہبہ حاصل ہوئی تھی اس سے ان کو محروم کر دیا گیا۔ خمس جو اُن کا خاص حصہ تھا اس کو بحق بیت المال ان سے روک دیا گیا۔ خدا نے ان کی محبت واجب کی تھی، اس حق کو ان کے گلے کاٹ کر ادا کیا گیا۔ خلافت جو اُن کا حق تھا اس سے محروم کر دیا گیا۔ رسولؐ کی صاحبزادی صاحبہؑ کو غضبناک کیا گیا۔ دربارِ حکومت سے جو وظائف اصحابؓ ازواج کے لیے مقرر کیے گئے سب سے کم حصہ ان کا رکھا گیا۔ اگر خدانخواستہ حضرتؐ کی اولاد خدا کی نافرمان بھی ہوتی تب بھی ان کے ساتھ مراعات ملحوظ رکھنا ضروری تھا چہ جائیکہ وہ تو نورانی پیکر تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے میری اولاد میں جو خدا کے فرمانبردار ہیں اُن کو خدا کی رعایت سے اور جو نافرمان ہیں ان کو میری رعایت سے عزیز رکھو۔ اہلبیتؑ رسولؐ جو سب سے زیادہ خدا کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے تھے اور اسلام پر جن کے بڑے بڑے احسان تھے اُن پر یہ ظلم کس بنا پر روا رکھا گیا۔

مالِ فئے میں سے جو خالص رسولؐ کا حصہ ہے اس میں سے جو کچھ رسولؐ بخوشی دے دیں اُسے قبول کر لو اور جو دینا نہ چاہیں اس کے لینے کی خواہش نہ کرو۔ اور رسولؐ کو اپنی ناخوشی کا اظہار کر کے اذیت نہ پہنچاؤ۔

مالِ غنیمت وہ کہلاتا تھا جو مفتوحہ ہوتا تھا اور جسے دشمن چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔ مال فئے جو رسولؐ کا حق تھا اس میں باغات وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ
اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ
يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ
بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ
اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

اور ان لوگوں کے لیے بھی حصّہ ہے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارِ ہجرت میں مقیم تھے یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے اور جو کچھ اُن کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود اپنی جگہ محتاج ہوں اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا اور ایسے ہی لوگ اپنی مرادیں پائیں گے اور (ان لوگوں کا بھی حصّہ ہے) جو ان کے بعد آئے اور (رو رو کر) کہتے ہیں ، اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کے بھی جنہوں نے ایمان میں ہم سے سبقت کی اور ہمارے مومن بھائیوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کوئی کینہ نہ آنے دے اے ہمارے رب تو مہربان و رحیم ہے۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (یعنی مالِ فے میں ایسے لوگوں کا حق ہے جو اپنے نفس پر دوسروں کے نفس کو ترجیح دیتے ہیں چاہے وہ اس چیز کی طرف خود حاجتمند ہوں۔ علمائے اسلام نے اس آیت کو ہر اس شخص سے متعلق کر دیا ہے جس میں یہ صفت پائی جائے اور اس کی خصوصی تفسیر سے اس لیے

گوارا کی ہے کہ اس سے اہلبیتِ رسولؐ کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔
ہو سکتا ہے کہ ایک وقتِ خاص میں ایسا کسی اور شخص نے بھی کر دکھایا ہو لیکن اس صورت کو اپنی زندگی کا جزو بنا لینا حضرت علی علیہ السلام کے گھرانے کے سوا اور کسی میں نہیں پایا گیا۔ ایک دو بار نہیں ساری عمر ایسا ہی ہوا کہ کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہیں جانے دیا۔ خود خوشی سے فاقہ کر لیا۔ پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ فاقہ پر فاقہ کر لیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ کوئی مسلمان بھوکا رہے اور اس بے نظیر سخاوت میں عجب بات یہ ہے کہ عام لوگوں کو اس طرزِ عمل میں تکلیف محسوس ہوتی تھی لیکن حضرت علیؑ اور ان کے گھر والوں کو ایسا کرنے میں روحانی لذت حاصل ہوتی تھی اور اس تکلیف سے اکتانا جانتے ہی نہ تھے۔
ملا ابوالقاسم دمشقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام نے حضرت سیدہؑ سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے کہا، اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ آپؑ یہ سُن کر باہر تشریف لائے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے۔ دیکھا کہ مقداد رضی اللہ عنہ باحال پریشان چلے آتے ہیں اور دھوپ سے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ حضرتؑ نے پریشانی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے، اس وقت کچھ نہ پوچھئے اور مجھے جانے دیجئے۔ فرمایا، بھائی اپنا حال مجھ سے چھپانا مناسب نہیں۔ تب انہوں نے کہا، میرے بچے اس وقت بھوک سے رو رہے ہیں۔ مجھ سے اُن کا حال دیکھا نہ گیا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ فرمایا، اے بھائی جو باعث تمہارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی صورت میرے لیے بھی ہے مگر میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دینار اُن کے حوالہ کر دیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس تشریف لائے۔ خدا نے اس عمل کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی اور بہشت کا کھانا اُنؑ کے لیے بھیجا۔
سورۂ دہر میں آپؑ کی بے نظیر سخاوت کا تذکرہ آگے آ رہا ہے کہ تین روز ایسا ہی عمل ہوا۔ پھر انؑ کی سخاوت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ کسی کے ساتھ کرتے تھے نہ اس سے کسی بدلہ کی خواہش رکھتے تھے نہ شکریہ ہی کے خواستگار تھے، نہ دکھاوے سے کوئی غرض نہ اظہارِ برتری سے کوئی واسطہ۔ محض خوشنودیٔ خدا کے لیے یہ عمل کرتے تھے۔
مالِ غنیمت میں سے جو کچھ ملا کرتا تھا اس سے لوگ اپنے گھر بھر لیتے تھے، ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ آرام و آسائش کے سامان مہیا کرتے تھے۔ مگر مؤرخین کا بیان یہ ہے کہ حضرت علیؑ اپنے حصّہ کو کبھی گھر میں لے ہی نہ گئے۔ دروازہ ہی پر کھڑے کھڑے تقسیم کر دیتے تھے۔ مدینہ کے محتاج اس تاک میں رہتے تھے کہ کب آپؑ کو مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملے اور ہم اس پر قبضہ کر لیں۔ ایک بار چند اونٹ آپؑ کو ملے۔ ایک سائل نے روٹی کا سوال کیا۔ آپؑ نے قنبر سے فرمایا کہ اس کی حاجت پوری کر۔ اُس نے کہا، چند روٹیاں زادِ راہ سے بچی ہیں مگر وہ اونٹ کے کجاوہ میں ہیں۔ فرمایا، وہ اونٹ ہی اس کو دے دو۔ اُس نے کہا، اونٹ قطار میں ہے۔ فرمایا، مع قطار کے دے دو۔ کوتاہ نظر اس سخاوت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس سائل کا سوال روٹی کا تھا اُسے اُونٹ کی قطار کیوں دے دی۔ بات یہ تھی کہ سوال کرنے والا مدینہ سے باہر کسی قبیلہ کا ایک فرد تھا آپؑ نے اس کے قبیلہ کا حال بھی اُس سے پوچھا۔ اس نے سب کی پریشان حالی بتائی۔ لہٰذا آپؑ نے چند اونٹ جو قطار میں تھے اُسے دے کر فرمایا، ان سے اپنی ضرورت بھی پوری کرنا اور باقی اپنے قبیلہ والوں میں تقسیم کر دینا تاکہ اُن کا افلاس دُور ہو۔ علی کو ایسے اونٹوں کی ضرورت نہیں۔ علیؑ کے سوا اصحابِ رسولؐ میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس ایک ایک ہزار اونٹ تھے جو چراگاہوں میں چرتے پھرتے تھے۔ کتنا فرق ہے علیؑ میں اور دوسرے اصحاب میں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
أَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ
أَحَدًا أَبَدًا ۙ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكٰذِبُونَ ⑪ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا
لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُونَ ⑫ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ⑬ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ
جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ⑭

(اب کامل الایمان لوگوں کے ذکر کے بعد منافقوں کا حال بیان ہوتا ہے)۔ کیا تم نے ان منافقوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اپنے کافر بھائیوں اہلِ کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر کہیں تم گھروں سے نکالے گئے تو یقین جانو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے معاملہ میں کسی کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ضرور تمہاری مدد کریں گے مگر خدا بیان کیے دیتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اگر کفار نکالے بھی جائیں تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر اُن کو کہیں سے کمک بھی نہ ملے گی (مومنو) تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں خدا سے زیادہ ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے

یہ سب کے سب مِل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے مگر ہر طرف محفوظ بستیوں میں یا دیواروں (شہر پناہ) کی آڑ میں تو ان کی بڑی دھاک ہے۔ تم خیال کرو گے یہ سب ایک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

یہ آیات عبداللہ بن ابی ابو لیلٰے اور رفاعہ وغیرہ منافقوں کے بارہ میں ہیں۔ جب لشکرِ اسلام نے بنی نضیر پر چڑھائی کی اور ان کی جلاوطنی کا حکم حضورؐ نے دیا تو کچھ منافقوں نے خفیہ طور سے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ گھبراؤ مت ہم ہر طرح تمہاری مدد کے لیے موجود ہیں۔ اگر تم ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر تم مغلوب ہوگئے اور تم کو جلاوطن ہونا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے۔ لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ نہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑنے والے تھے نہ جلاوطن ہونے والے۔ اُن کا منشا تو یہ تھا کہ ان کی بھبکیوں میں آکر بنی نضیر لڑ پڑیں تو یہ مسلمان جن کی تعداد تھوڑی ہے مارے جائیں گے اور ہمارا مطلب حاصل ہو جائے گا۔ لیکن خدا کی شان، تھوڑے سے مسلمانوں کا ایسا رعب بنی نضیر پر چھایا کہ انہیں لڑنے کی ہمت ہی نہ ہوئی اور جلاوطنی کی راہ اختیار کی۔

بنی نضیر کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی مگر ان کی بہادری کی گونج ان کے قلعوں اور شہر پناہوں کے اندر ہی اندر تھی۔ وہ بظاہر سب ملے جلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کے دل ان کی زبان کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی خصومت کو دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ اسی کمزوری سے اُن کو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ برخلاف اس کے مسلمان اگرچہ تھوڑے تھے مگر ان کے دلوں میں ایمانی قوت کا جوش تھا۔ خدا کی مدد بھی ان کو حاصل تھی۔ یہودیوں میں کچھ ایسا رعب ان کا چھایا کہ لڑائی سے جان چرانے لگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ منافق مسلمانوں کی آستین کا سانپ بنے ہوئے تھے۔ جنگ کے ہر موقع پر اُن کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ ان کے دلوں میں خدا کی نہیں بلکہ بتوں کی محبت جڑ پکڑے ہوئے تھی۔ اپنی جان کے خوف سے یا مالِ غنیمت کے لالچ میں بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ خدا نے ہر موقع پر ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھا۔ اور ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا اور ان کی کافرانہ کوششوں کو پُھولنے پھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو خفیہ طور پر دشمنانِ اسلام سے ملے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو لڑائی میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو میدان چھوڑ کر بھاگ آتے تھے۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ⑮ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَکَانَ
عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا
قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا
تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اِن لوگوں کا حال اُن لوگوں کا سا ہے جو اُن سے کچھ ہی پہلے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کافر ہو جاؤ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں سارے جہان کے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔ ان دونوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دونوں دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی تمام ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ کل (قیامت) کے واسطے اُس نے کیا بھیجا ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس سے باخبر ہے۔ اور ان لوگوں میں نہ ہو جاؤ جو خدا کو بھلا بیٹھے ہیں تو خدا نے اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے کو بھول گئے۔ یہی لوگ بدکار ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے جنت والے کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

ان منافقوں کا وہی حال ہو گا جو ان سے قبل والوں کا ہوا تھا کہ انھوں نے اپنی سرکشی کا مزہ چکھا تھا۔ یہ منافق بنی نضیر کو جنگ پر یہ کہہ کر اکسا رہے ہیں کہ ہم دو ہزار آدمیوں کی جمعیت سے تمہارے ساتھی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ شامل ہو جائینگے لہٰذا جم کر لڑو۔ اے مسلمانو، ان خبروں سے دل شکستہ نہ ہوں۔ یہ سب شیخیاں اور تعلیاں ہیں۔ ان منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ اس نے انسان سے کہا، کافر ہو جا، میں تیری پشتی پر ہوں۔ لیکن جب وہ کافر ہو گیا تو اُس سے یہ کہہ کر الگ جا کھڑا ہوا کہ میں رب العالمین خدا سے ڈرتا ہوں۔ پس یہی حال ان منافقوں کا ہے کہ بنی نضیر کو تڑی دے کر پہلے تو جنگ پر آمادہ کر دیا اس کے بعد ان کے سارے وعدے ختم ہوئے۔ جب بنی نضیر جلاوطن ہوئے، تو یہ منافق انھی پر الزام لگانے لگے کہ تم نے جلاوطنی کیوں منظور کر لی۔ ہم تو تمہاری کمک کو آنے والے تھے۔ اے مسلمانو! تم ان منافقوں سے ہوشیار رہو اور ان کے بہکانے میں آ کر ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود ہی کو بھول گئے۔ یہ بدکار لوگ اپنی زندگی میں کبھی اہلِ جنت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے اپنی سعی میں کامیاب ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ
خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ جھکا اور پھٹا جاتا ہے۔ یہ مثالیں ہم اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر سے کام لیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے اور اس میں جو ذمہ داریاں تم پر عائد کی گئی ہیں اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک دن تم سے ان کے متعلق ضرور جواب طلب کیا جائے گا۔ اگر یہ ذمہ داریاں اسی شان سے پہاڑوں پر واضح کی جاتیں تو وہ بھی کانپ اُٹھتے اور خوف سے پھٹ جاتے۔ مگر تمہیں کچھ احساس نہیں۔ قرآن پڑھتے ہو سمجھتے نہیں۔ سمجھتے ہو تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ تم تو کچھ ایسے بےحس ہو بیٹھے ہو گویا تم سے کسی معاملہ کی پوچھ گچھ ہو گی ہی نہیں۔ کتنی مثالیں اُن لوگوں کی جو فرض ناشناس تھے اور اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرنے کی سزا میں مارے گئے تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہیں مگر تم ہو کہ کسی طرح چونکتے ہی نہیں۔ گویا تم اس معاملہ میں پتھروں سے بھی بدتر بن گئے ہو۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ

الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَ
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ چھپی ہوئی اور ظاہر سب باتوں کا جاننے والا ہے وہ دین و دُنیا ہر جگہ رحم کرنے والا ہے۔ وُہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہر عیب سے پاک امن دینے والا، نگہبانی کرنے والا، غالب زبردست بڑائی والا، جس کو (لوگ) اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس سے پاک ہے۔ وہی خدا تمام چیزوں کا خالق، موجد صورتوں کا بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ جو چیزیں تمہارے آسمان و زمین میں ہیں سب اُس کی تسبیح کرتی ہیں وہ غالب حکمت والا ہے۔

عقلاً یہ مسلم ہے کہ ایک خدا کے سوا دوسرا کوئی بھی اس تمام نظامِ کائنات کا چلانے والا ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا کے سوا کوئی دوسرا ایسا ہے جو غائب و حاضر ہر چیز کا پُورا علم رکھتا ہے۔ خدا کے سوا کون سا حاکم ہو سکتا ہے جو ہر عیب سے پاک ہو۔ ہر بُرائی سے بری ہو۔ تمام عالم میں امن برقرار رکھنے والا ہو۔ پھر سب کا نگہبان ہو۔ سب پر غالب بھی ہو۔ اپنی عظمت کے اعتبار سے سب سے بڑا بھی ہو۔ جن بتوں کو لوگوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے وہ سب باطل ہیں۔ ان میں کوئی معبود بننے کے قابل نہیں۔ صرف خدا ہے جو سب کا خالق اور ہر چیز کا ایجاد کرنے والا ہے۔ مخلوق کی تمام صورتوں کا بنانے والا صرف وہی ہے۔ سب اچھے اچھے نام اُسی کے ہیں۔ یعنی اس کا کوئی نام ایسا نہیں جس سے اس کی اچھائی کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ چاہے اس کو تم سمجھو یا نہ سمجھو۔ اور کیوں نہ کرے جبکہ ہر شے کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر شے پر حاکمانہ تصرف رکھتا ہے اور یہ تصرف حکمت و مصلحت کے ساتھ ہے۔

~

(۶۰) سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ
تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ۚ
يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۚ إِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱﴾

اے ایمان والو، تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور اُن کا حال یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس خدا کی طرف سے آیا ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر گھروں سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو۔ پس اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے کے لیے گھر سے نکلتے ہو تو اس بات کا خیال رکھو۔ تم ان کے پاس چھُپ چھُپ کر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور جو کچھ تم چھُپا کر یا بالاعلان کرتے ہو، میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں اور جو ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے یقیناً بھٹک گیا۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو آپ نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا لیکن اس کو بطور راز رکھا۔ چند اصحاب کے سوا اور کسی سے اس منصوبہ کو بیان نہ کیا۔ اس زمانہ میں ایک عورت مکہ سے مدینہ آئی۔ جو پہلے

بنی عبد المطلب کی کنیز تھی، بعد میں مکہ میں جا کر اس نے گانے بجانے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جب حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اپنی مفلسی بیان کر کے طالبِ امداد ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا تو نے اہلِ مکہ سے کیوں نہ مدد چاہی۔ اُس نے کہا، جنگِ بدر کے بعد سے پھر کسی نے میرا گانا سُنا ہی نہیں۔ حضرتؐ نے اولادِ عبد المطلبؑ سے کہہ کر اُس کی مدد کرا دی۔ جب وہ مکہ جانے لگی تو حاطب بن ابی بلیتعہ نے ایک خط خفیہ طور سے اس کو دیا کہ اس کے عزیزوں کے پاس پہنچا دے۔ اس میں لکھا، قریش سے کہو ہوشیار رہیں حضرتؐ مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب بذریعہ وحی اس کی اطلاع آپؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور مقداد کو حکم دیا کہ راستہ میں اس عورت کو جا پکڑیں اور وہ خط اس سے چھین لیں۔ ابھی وہ مدینہ سے ۱۲ میل دور پہنچی تھی کہ حضرت علیؑ نے اُسے جا پکڑا اور کہا وہ خط ہمیں دے۔ اُس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہر چند اس پر سختی کی مگر اُس نے خط نہ دیا۔ آخر آپؑ نے فرمایا اگر تو خط نہ دے گی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی اطلاع مل چکی ہے کہ خط تیرے پاس ہے۔ وہ اس دھمکی میں آ گئی اور اپنے بالوں میں سے وہ خط نکال کر آپؑ کو دے دیا۔ حضرت علیؑ وہ خط لے کر واپس ہوئے۔ جب حضرتؐ نے وہ خط پڑھا تو مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں سے کہا، تم میں سے ایک شخص نے مکہ والوں کو خط لکھا ہے اگر وہ اقرار کر لے تو خیر ورنہ وہ رسوا ہوگا اور سزا پائے گا۔ یہ سُن کر حاطب اُٹھا اور کہنے لگا، میں نے لکھا ہے مگر خدا گواہ ہے میں نے اسلام کے بعد نفاق اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے رشتہ داروں کے خیال سے ایسا کیا۔ کیونکہ جو لوگ رہ گئے ہیں ان میں میری ماں بھی شامل ہے۔ اس خیال سے کہ اس خط سے قریش پر میرا احسان ظاہر ہوگا اور وہ میرے رشتہ داروں کو ستانے سے باز رہیں گے۔ حضرتؐ نے حکم دیا اسے مسجد سے نکال دو۔ غرض لوگ مارتے ہوئے اسے باہر لے گئے۔ چونکہ بدر کی جنگ میں یہ شریک تھا لہٰذا اسے واپس بُلایا اور توبہ کرائی۔

چونکہ کفار، خدا و رسولؐ اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور اسلام کی تباہی کے درپے ہو رہے تھے لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنا جلنا ترک کر دیں اور کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے خفیہ طور پر ان کا ملنا ثابت ہو۔ کیونکہ اس سے اسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ منافق درپردہ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے رہتے تھے۔ بلکہ جنگ کے موقعوں پر بھی ایسی تدابیر کرتے تھے جس سے کفار کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمان دل شکستہ ہو کر پوری طرح جنگ میں حصہ نہ لیں۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ
اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ ۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ
وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۳

اگر یہ تم پر قابو پا جائیں گے تو تمہارے دشمن نظر آئیں گے اور تمہاری ایذا کے لیے اپنے ہاتھ بھی بڑھائیں گے اور زبانیں بھی۔ اور یہ چاہیں گے کاش تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز خدا تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کا دیکھنے والا ہے۔

مسلمان اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے کفار رشتہ دار ان سے محبت و شفقت کا سلوک کریں گے۔ وہ موقع کے متلاشی ہیں جب موقع پائیں گے تو ہاتھوں سے بھی تمہاری خبر لیں گے اور زبان سے بھی۔ یعنی لوگوں سے تمہاری برائیاں بیان کریں گے۔ اگر تم بالفرض ان سے دوستی بھی کرو گے تو یہ چند روزہ ہوگی۔ قیامت کے دن یہ سب رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا
لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ كَفَرْنَا
بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ
لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۵

تمہارے واسطے تو ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے قول و فعل کا اچھا خاصہ نمونہ موجود ہے کہ جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اور ان بتوں سے جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے دین کے منکر ہیں اور جب تک تم یکتا خدا پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے تمہارے درمیان کھلم کھلا عداوت و دشمنی قائم ہو گئی مگر ہاں ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ سے یہ البتہ کہا تھا

کہ میں آپ کے لیے مغفرت کی دُعا ضرور کروں گا اور خدا کے سامنے تو میں آپ کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا ۔ اے ہمارے پالنے والے ہم نے تجھی پر بھروسہ کر لیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے ۔ اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں کافروں کی آزمائش (کا ذریعہ) نہ قرار دے ۔ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں بخش دے ۔ بیشک تُو غالب اور حکمت والا ہے ۔

جن مسلمانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ تم اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لو تو انہی سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اس معاملہ میں ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی کرو جنہوں نے اپنی قوم اور اپنے منہ بولے باپ سے ترکِ تعلق کر لیا تھا کیونکہ ان کے معبود بُت تھے اور حضرت ابراہیمؑ کا معبود خالقِ یکتا ۔ اس صورت میں باہمی محبت کیسے قائم رہ سکتی تھی ۔ ہاں اس بات میں ابراہیمؑ کی تقلید نہ کرو کہ انہوں نے اپنے منہ بولے باپ سے استغفار کا وعدہ کیا ۔ چنانچہ جب آذر نے ان سے کہا کہ اگر تم ہمارے بتوں کی مذمت کرو گے اور ان کو اپنا معبود نہ مانو گے تو میں سنگسار کر دوں گا ۔ اس پر انہوں نے کہا لو میں چل دیا ۔ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا ۔ یہ اس بنا پر تھا کہ آذر نے ان سے ایمان لانے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن جب انہیں پتہ چل گیا کہ یہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے برائت ظاہر کی اور اپنا مشروط وعدہ توڑ دیا چونکہ اس پر وہ خود قائم نہیں رہے لہٰذا اس استغفار میں ان کی تاسّی نہیں کرنی چاہیئے ۔ اور کوئی مسلمان یہ سمجھ کر کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے کافر باپ کے لیے استغفار کیا تھا لہٰذا ہم بھی اپنے کافر ماں باپ کے لیے استغفار کر سکتے ہیں ۔

سورۂ شعراء آیت ۸۶ اور سورۂ ابراہیم میں دو بار حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے استغفار کا ذکر ہے ۔

حضرت ابراہیم کا وعدۂ استغفار صرف اس وقت تھا جبکہ آپؑ کو اس کی امید تھی کہ آذر ایمان لے آئے گا ۔ لیکن جب یہ محقق ہو گیا کہ وہ دشمنِ ایمان ہے تو انہوں نے فوراً اس سے قطع تعلق کر لیا ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا کہ ابتدائی حالات میں ابراہیمؑ کے سمجھانے سے آذر نے وعدہ کیا ہو گا اس لیے آپؑ نے استغفار کا وعدہ کیا ہو گا ۔ لیکن جب اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تو پھر اس سے ترکِ تعلق کر لیا ۔ اور استغفار کا قصہ ختم ہوا ۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا سورۂ ابراہیم میں رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ تو یہ دُعا حقیقی والدین کے لیے تھی یعنی جناب تارخ اور اپنی والدہ کے لیے جو مومن تھے نہ کہ آذر کے لیے ۔ سورۂ شعراء میں جو دعا ہے وہ آذر سے متعلق ہے وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ یہ ہے اس وعدہ کا ایفا جو آذر سے استغفار کے متعلق کیا تھا ۔ الشعراء ۲۶/۸۶

بہر حال اگر استغفار کا سلسلہ جاری رہتا تب تو حضرت ابراہیمؑ پر الزام تھا لیکن جب انہوں نے ترکِ تعلق کر لیا تو پھر استغفار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آذر چچا تھا مگر ایمان کے مقابلہ میں آپؑ نے اس کے رشتہ کا خیال نہ کیا اور اظہارِ برائت کر کے اس سے الگ ہو گئے ۔

پس کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خداؐ حضرت ابوطالب کے ساتھ رہتے ، اگر وہ مومن نہ ہوتے تو ان کے ساتھ رہنا اور اظہارِ محبت کرنا اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب کافر نہ تھے اور مرتے دم تک مومن رہے ۔

آیت نمبر ۵ میں جس آزمائش کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کافر ہم پر اتنے ظلم و ستم نہ کریں کہ ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائیں اور ہم صبر کے امتحان میں ناکام رہ جائیں ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
ع الْاٰخِرَ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ عَسَى اللّٰهُ
اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ
قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ
تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا
يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

ان لوگوں کے افعال کا جو خدا اور روزِ آخرت کے امیدوار ہوں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے اور جو منہ موڑے تو اللہ اس سے بے پروا اور سزاوارِ حمد ہے ۔ قریب ہے کہ خدا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے ۔ خدا قادر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۔ جو لوگ تم سے تمہارے دین کے بارہ میں نہیں لڑتے بھڑتے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ، ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا ۔

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ خدا تو ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارہ میں لڑائی کی اور تم کو گھروں سے نکال باہر کیا۔ اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو ان سے دوستی کریں گے وہ لوگ ظالم ہیں ۔

جو مسلمان اپنے کافر عزیزوں سے بچھڑ گئے تھے ان کی جُدائی دلوں پر شاق تھی ۔ زبان سے کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے مگر دل میں تڑپ ضرور تھی ۔ ان کی تسلّی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان دوستی کے تعلقات قائم ہو جائیں گے چنانچہ فتح مکہ کے بعد برسوں کے بچھڑے مل گئے اور مشرک مسلمان ہو گئے ۔ ان کے درمیان رشتہ داری کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ جیسے ابوسفیان اگرچہ اوپری دل سے مسلمان ہوا مگر اس کی بی بی ام حبیبہؓ سے حضرت رسول خداؐ نے عقد کر لیا ۔ اگرچہ بظاہر برسوں کے ٹوٹے ہوئے تعلقات کا جُڑنا بہت مشکل نظر آتا تھا مگر اللہ کی قدرت کے سامنے کیا مشکل تھا ۔ چند ہی سال میں وہ وقت بھی آ گیا کہ جو خون کے پیاسے تھے وہ پکّے دوست بن گئے ۔

خدا نے ایسے دشمنوں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے نہ تو برسر پیکار ہوئے اور نہ ان کو گھروں سے نکالا جبکہ وہ اسلام نہیں لائے تھے ۔ البتہ جن لوگوں نے مسلمانوں پر ظلم کیے ، ان کو گھروں سے نکالا ان کے ساتھ کسی رعایت کو ملحوظ رکھنے کی اجازت نہیں ۔

جب تک کافر مسلمان نہ ہو جاتے دونوں کے درمیان رشتۂ اخوت استوار نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے خطرہ لاحق رہتا ہے ۔ اب تو دُنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے ۔ مسلمان کافروں سے زیادہ مسلمانوں کے گلے کاٹ رہے ہیں ۔ مشرقی پاکستان میں جس بُری طرح مسلمانوں نے مسلمانوں کو کاٹا اس کے تصور سے کلیجہ لرزتا ہے ۔ مغربی پاکستان میں کیا نہیں ہو رہا ۔ رات دن چاقو زنی اور رائفلوں اور پستولوں سے قتل کرنے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں ۔ کیا یہ اسلامی زندگی ہے ۔ کیا اس طرزِ عمل سے اسلام برباد نہیں ہوتا ۔ محبت ، اخوت اور ہمدردی کا جذبہ ایک بڑی حد تک مسلمانوں کے دل سے نکل گیا ۔ مسلمان کا مسلمان کو قتل کر دینا ایک چوہے کے مارنے سے بھی کم سمجھا جاتا ہے ۔ کون سا عیب ہے جو اب ہم میں نہیں پایا جاتا ۔ مسلمان آج سُود خوار ہے رشوت خور ہے زناکار ہے اغوا کرنے والا ہے چور ہے ڈاکو ہے قاتل ہے ۔ حد درجہ کا بے ایمان ہے دھوکہ باز ہے جھوٹا ہے فریب کار ہے ۔ غرض کونسا گناہ ہے جو آج مسلمان سے سرزد نہیں ہو رہا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف ان کے دل سے بالکل نکل گیا ہے ۔ بازپرسِ قیامت پر اس کا ایمان ہی نہیں ۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے ۔ آمین !

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ
مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کے ایمان کی آزمائش کر لو ۔ اور خدا تو ان کے ایمان کو جانتا ہی ہے ۔ اگر ان کا مومنہ ہونا ثابت ہو جائے تو ان کو کفّار کے پاس لوٹ کر نہ جانے دو کیونکہ وہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ کفّار ان کے لیے حلال ہیں اور جو کچھ کفّار نے ان پر (مہر میں) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو ۔ اور جب تم نے ان کا مہر انہیں دے دیا تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو ۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بی بیوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہو وہ بھی تم سے مانگ لیں ۔ یہی خدا کا حکم ہے جو تمہارے درمیان صادر کرتا ہے اور اللہ واقف کار اور حکیم ہے اگر تمہاری بی بیوں میں کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے (اور خرچ نہ ملے) اور تم ان (کافروں) سے لڑو اور لوٹو تو (مالِ غنیمت سے) جن کی عورتیں چلی گئی ہیں اُن کو اتنا دے دو جتنا ان کافروں کا ہوا ہے ۔ اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو ۔

آغازِ اسلام میں یہ صورت تھی کہ شوہر مسلمان بی بی کافرہ ۔ یا بی بی مسلمان اور شوہر کافر ۔ مذہب کا یہ اختلاف دونوں

کے لیے تکلیف دہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد یہ قاعدہ جاری ہُوا کہ جو مومن عورتیں مکہ سے ہجرت کرکے آئیں ان کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کرلو کہ آیا وہ جذبۂ ایمانی کے تحت مدینہ آئی ہیں یا کسی اور وجہ سے۔ مثلاً اپنے شوہر سے لڑ کر یا کسی دنیوی فائدہ کی غرض سے۔ ایسی عورتوں کو واپس بھیج دینا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ صادق الایمان ہیں اور اپنے دین کے تحفظ کے لیے یہاں آئی ہیں تو ان کو واپس نہیں بھیجنا چاہیئے کیونکہ اب وہ کفّار کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ کفّار ان کے لیے حلال ہیں۔ ایسی عورتوں سے مہر دے کر نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر کافر عورت مسلمان ہو جائے اور اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی آئے تو مسلمان اس کے پہلے شوہر کا مہر ادا کردیں۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی کافرہ بی بی کفّار سے جا ملے تو کفّار اس کا مہر ادا کردیں اور اگر کفّار ایسا نہ کریں تو آئندہ اگر کسی دوسرے کافر کو اس کی بی بی کا مہر دینے کی نوبت مسلمان کو آئے تو اس کے بدلے اس مسلمان کو دے دیں جس کا مہر نہ ملا ہو اور اگر اس کا موقع بھی نہ ملے اور جہاد کی نوبت آجائے تو مالِ غنیمت سے اس کا مہر دے دیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا
يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ
فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا
مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کے لیے آئیں تو اس اقرار کے ساتھ کہ وہ شرک باللہ نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے کوئی بہتان (لڑکے کا شوہر پر) گڑھ کر نہ لائیں گی اور نہ کسی کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی۔ تم ان سے بیعت لے لو اور خدا سے ان کی مغفرت کی دُعا مانگو۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اے ایمان والو، جن لوگوں پر خدا نے اپنا غضب ڈھایا ہے ان سے دوستی نہ کرو یہ آخرت سے اس طرح

مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں۔

آیت نمبر ۱۲ میں ہاتھ پاؤں کے سامنے بہتان گڑھ کر نہ لائیں گی، عرب کے ایک محاورہ کی بنا پر ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں۔ کہ جان بوجھ کر بہتان نہ باندھیں گی۔

عورتوں سے بیعت لینے کے چند طریقے تھے۔ کبھی حضرتؐ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیتے تھے تاکہ اُس کے ہاتھ سے آپؐ کا ہاتھ مس نہ ہو۔ کبھی پیالہ میں پانی بھروا کر اپنا ہاتھ رکھتے پھر اس کا ہاتھ رکھواتے۔ کبھی کپڑے کے ایک سرے کو خود تھامتے اور دوسرا سرا اس کے ہاتھ دیتے۔ کبھی امینہؓ خواہر خدیجہؓ کو حکم دیتے کہ وہ آپؐ کی طرف سے بیعت لیں۔ یہ سب اس لیے ہوتا کہ نامحرم کے ہاتھ سے آپؐ کا ہاتھ مس نہ ہو۔

عرب کی عورتوں میں چند غلط کاریاں عام تھیں۔ بُت پرستی ان کو زیادہ مرغوب تھی۔ وہ مردوں سے زیادہ بُتوں کی پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ دوسرے چوری کرنے کی عادی تھیں تیسرے زنا کرانے میں ان کو شرم نہ آتی تھی۔ چوتھے اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے قتل کرنے میں کوئی باک نہ ہوتا۔ غور کیجئے ان باتوں سے معاشرہ میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اسلام ان غلاظتوں سے اپنے دامن کو بچائے ہوئے ہے۔ لہٰذا بیعت سے پہلے حضورؐ بیعت کرنے والیوں سے یہ اقرار لینا ضروری سمجھتے تھے۔

---

(۶۱) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

جتنی مخلوق زمین و آسمان میں ہے وہ سب خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وُہ غالب اور حکیم ہے۔ اے ایمان والو، ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے تم کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ

تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔ خدا تو ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔

لشکرِ اسلام میں کچھ ایسے شیخی خورے مسلمان بھی تھے جو آپس میں بیٹھ کر بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں بات خدا کو پسند ہے تو ہم اس کے لیے اپنے جان و مال کو نثار کرنے میں ذرا دریغ نہ کریں۔ لیکن جب میدانِ جنگ میں زناٹے کے رَن پڑتے تو وہ شیخی سب کرکری ہو جاتی اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتے۔ میدانِ احد میں اکثر افراد تھے جو رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور ایسے اوپچے گئے کہ رسولؐ پکارتے رہ گئے کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

اگر صاحب ذوالفقار حیدرِ کرّارؑ جان نثارِ رسولؐ مختار اس موقع پر نہ ہوتے تو دشمن شمع رسالتؐ کو گُل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یہ حضرت علیؑ ہی تھے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمنوں کا صفایا کر رہے تھے۔ کبھی حضورؐ کے زخم دُھلانے کے لیے ڈھال میں پانی بھر بھر لاتے تھے کبھی حملہ آور دشمنوں کو حضورؐ کے قریب آنے سے روکتے تھے۔ مؤرخ واقعات طبری میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت علیؑ کی اس شجاعت کی تعریف میں اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ نازل ہوئی ہے۔ ایک اُحد ہی کیا ہر جنگ میں حضرت علی علیہ السلام اس جوانمردی سے لڑے کہ کسی جنگ میں فرار کیا ہی نہیں۔ جہاں لڑے قدم جما کر لڑے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ
اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

(اے رسول وُہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا بھائیو تم مجھے کیوں ستاتے ہو،

حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا رسول بن کر آیا ہوں۔ مگر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا ہی رہنے دیا۔ خدا بدکار لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور وہ (وقت بھی یاد کرو) جب عیسٰی بن مریم نے کہا تھا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اور جو توریت میرے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور خوشخبری سُناتا ہوں اس نبیؐ کی جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ لیکن جب وہ پیغمبر اُن کے پاس روشنی اور واضح معجزات لے کر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے چھیڑا گیا ہے تاکہ اُمتِ رسولؐ کے نافرمانوں کو یہ بتایا جائے کہ تم اُمتِ موسیٰؑ جیسے نہ بنو۔ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو طرح طرح سے ستایا۔ اور جب وہ عمالقہ سے لڑنے گئے تو بہت سے لوگوں نے یہ کہہ کر اُن کا ساتھ چھوڑ دیا کہ یہ قوم جبّار اور بڑی طاقتور ہے ہم ان سے نہیں لڑ سکتے۔ آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں کجی آ گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اسی کجی کی حالت میں ان کو چھوڑ دیا ایک روز اس کجی کا نتیجہ ان کے سامنے آجائے گا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس رسولؐ کے بارہ میں تمہارے دل میں شبہات ہیں یہ وہ رسولؐ ہیں جن کے آنے کی بشارت عیسٰیؑ بن مریمؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو دے چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ وہ تمہاری کتاب توریت کے مصدّق ہوں گے اور میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمدؐ ہوگا۔ یعنی سب سے زیادہ حمدِ خدا کرنے والے۔ پس جن کی تصدیق عیسٰیؑ بن مریمؑ کر چکے ہوں جن کے آنے کی دعا ابراہیمؑ کر چکے ہوں اُن کی رسالت میں شک کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔

حضور سرکارِ دو عالمؐ اس دنیا میں آنے سے پہلے احمد تھے اور خدا محمود تھا۔ لیکن جب اس دنیا میں آئے تو محمدؐ (تعریف کیے ہوئے) بن کر آئے اور خدا ان کا حامد (تعریف کرنے والا) بنا۔ افسوس ہے کہ یہودی جن کی آمد کے منتظر تھے جب وہ دُنیا میں تشریف لائے تو یہودیوں نے ان کی تصدیق نہ کی اور الٹی سیدھی ہانکنے لگے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ سے پہلے کسی کا نام احمدؐ نہیں ہوا۔ جب انجیل میں احمد نام بتایا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نام خدا کا رکھا ہوا ہے۔ یہ خصوصیت اہلبیتِ رسولؐ کو حاصل ہے کہ ان کے تمام نام اللہ کے رکھے ہوئے ہیں۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ۔ یہی وجہ ہے کہ بارہ اماموں کے نام ان پانچ ناموں سے باہر نہیں گئے۔ کیونکہ یہ خدا کے رکھے ہوئے نام ہیں۔

عیسائیوں نے انجیل میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کی گویا انجیل ہی باقی نہ رہی۔ چنانچہ یہ پیش گوئی ان الفاظ کے ساتھ اب انجیل میں نہیں ہے۔ لیکن اصل انجیل جو عبرانی میں ہے یہ پیش گوئی پائی جاتی ہے۔ باوجود اس تحریف کے اب بھی بہت سی عبارتوں سے اس پیش گوئی کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً انجیل یوحنا باب ۱۴ میں حضرت عیسٰیؑ کا یہ قول ہے اگر تم مجھے عزیز جانتے ہو تو میرے حکموں کو یاد رکھو میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا وہ تم کو دوسرا وکیل دے گا جو

ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا یعنی فارقلیط روح صدق جسے دنیا قبول نہیں کرتی۔ چونکہ اسے دیکھتے نہیں جانتے نہیں۔ باب ۱۵ میں ہے جب وہ وکیل شافع جسے میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح صدق کہ باپ سے نکلتا ہے آوے تو وہ میرے لیے گواہی بھی دے گا۔ باب ۱۶ میں ہے تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُس کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ جب وہ آئے گا تو جہان کو توبیخ کرے گا اور گناہوں کا الزام دے گا۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں کہ اگر میں تم سے کہوں تو تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روح صدق آئے گا تو تم کو بہت سی راستی کی چیزیں دے گا اور وہ میری ستائش کرے گا اس لیے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گا اور تم کو دکھلائے گا۔ سب چیزیں جو باپ کی ہیں مجھ میں۔ اسی لیے میں نے کہا کہ وہ میری چیزیں لے لے گا اور تم کو دکھلائے گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں۔ (منقول از حاشیہ قرآن مترجم مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ
الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع ۹

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کرے حالانکہ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ لوگ اپنے منہ سے (پھونک مار کر) خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ خدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کفار بُرا ہی کیوں نہ مانیں۔ وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے اور تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین بُرا ہی کیوں نہ مانیں۔

اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کے ایک بھیجے ہوئے رسولؐ کو جھٹلا رہا ہے اس کو ستا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی خدا پر جھوٹے الزام لگا رہا ہے کہ اس نے ایسے آدمی کو کیوں بھیجا جو ہماری قوم کا نہ تو کوئی رئیس و سردار ہے نہ مالدار۔ چونکہ کفار مکہ زیادہ قوت والے تھے اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کا خاتمہ کر دیں۔

اور حضرتؐ کو قتل کر ڈالیں۔ خدا فرماتا ہے یہ وہ چراغ نہیں جو پھونکوں سے بجھایا جا سکے۔ اللہ اس کے نور کو کمال کی حد تک پہنچانے والا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان پر اُسے غالب کر دے۔
یہ پیشگوئی اس معنی میں تو پوری ہو گئی کہ ملک عرب میں جتنے ادیان پائے جاتے تھے چند سالوں کے اندر وہ سب دین اسلام کے تحت آ گئے۔ ہر خطۂ زمین پر اسلامی پرچم لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ لیکن اس معنی میں اس پیشگوئی کا پورا ہونا باقی ہے کہ دنیا کے تمام ادیان مٹ کر صرف ایک دین اسلام باقی رہ جائے گا۔ یہ صورت ظہور میں آئے گی قائم آل محمدؐ کے ظہور کے وقت انشاء اللہ۔ اس وقت تمام زمین عدل و داد سے اس طرح پُر ہو جائے گی جیسی کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ
وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ
طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ وَاُخْرٰی
تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

عذاب سے بچانے والی تجارت

اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے دے (وہ یہ ہے) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے (ایسا کرو گے تو) وہ بھی اس کے عوض تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور پاکیزہ مکانات میں جگہ دے گا جو جاودانی بہشت میں ہیں۔ یہ تو بڑی کامیابی ہے اور دوسری چیز جس کے تم دلدادہ ہو وہ یہ کہ خدا کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور عنقریب فتح ہوگی اور مومنوں کو بشارت دے دو۔

تجارت میں کچھ دیا جاتا ہے کچھ لیا جاتا ہے خدا اور بندوں کے درمیان تجارت کی صورت یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ پر

ایمان لاؤ اور اپنی جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرو اس کے بدلہ میں جو کچھ تمہیں خدا کی طرف سے ملے گا وہ ایسے باغات ہوں گے جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور پھر ان میں تمہارے لیے نہایت شاندار سجے سجائے مکانات ہوں گے اس کے علاوہ دوسری چیز جو تم کو ملے گی وہ اللہ کی نصرت ہوگی اور عنقریب فتح مکہ تمہیں حاصل ہوگی۔ اس کے بعد تمہیں چین ہی چین ہوگا۔ دُنیا و آخرت دونوں جگہ یہ سودا تمہارے لیے مفید ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ
فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۱۴ ع

اے ایمان والو اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جس طرح عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا، خدا کی طرف بُلانے میں میرے مددگار کون کون لوگ ہیں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ پس بنی اسرائیل کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہوگیا۔ پس جو لوگ ایمان لائے تھے کافروں کے مقابلہ میں ہم نے اُن کی مدد کی آخر وہی غالب رہے۔

حضرت عیسیٰؑ باوجود پیغمبر اولوالعزم ہونے کے حواریوں سے مدد مانگ رہے ہیں براہِ راست اللہ سے کیوں نہیں کہتے۔ معلوم ہوا غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ پس اگر ہم اپنے ائمہ سے مدد مانگتے ہیں تو اس کو لوگ شرک باللہ کیوں قرار دیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ مُردوں سے مدد مانگنا جائز نہیں تو جب خدا انہیں مردہ نہیں کہتا تو ہم مردہ مان کر خدا کی نافرمانی کیوں کریں۔ خدا فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ "۵/۳۵ سورہ المائدہ" (اس کی طرف جانے کے لیے وسیلہ تلاش کرو)۔ بس جب حضرت عیسیٰؑ اہلِ حق کی مدد کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں تو ہم پر کیوں الزام ہے۔

اگر خدا کو چھوڑ کر صرف وسیلہ پر ہی اکتفا کر لیا جائے تو بے شک شرک ہے لیکن جب ایسا نہیں تو کفر کیوں لازم آئے اصل مرکزِ توجہ تو صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے وسیلہ اس تک پہنچنے کا ایک قریبی ذریعہ ہے۔ ہم ائمہ طاہرینؑ سے جب مدد مانگتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر کے ہماری حاجت پُوری کرا دیں یا خدا کے اذن سے اُس کے

نائندے ہو کر خود ہمیں دے دیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص وزیرِ مملکت سے کوئی شے طلب کرے۔ پس وزیر جو کچھ دیتا ہے وہ بادشاہ کا ہی دیا ہوا دیتا ہے کیونکہ بادشاہ ہی نے اس کو صاحبِ اختیار بنایا ہے۔

---

(۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا
بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۴

آسمان و زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں حقیقی بادشاہ وہی ہے پاک و پاکیزہ ہے غالب ہے حکمت والا ہے۔ وہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول کو انہی میں سے بھیجا تاکہ ان پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیۂ نفس کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ وہ پہلے سے کھُلی گمراہی میں ہوں اور اُن لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی تک اُن سے ملحق نہیں ہوئے اور وہ تو غالب و حکیم ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ فضل و کرم کا مالک ہے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب خانہ کعبہ کی بنیادیں ڈال رہے تھے تو انہوں نے خدا سے دُعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ

اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" البقرۃ آیت ۱۲۹/۲۔ (اے ہمارے رب اس امتِ مسلمہ میں ایک رسول کو بھیج جو انہی میں سے ہو تاکہ تیری آیات ان پر پڑھے اور کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دے اور ان کا تزکیۂ نفس کرے بے شک تو عزیز و حکیم ہے۔) خدا نے جناب ابراہیم علیہ السّلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں اس دُعا کے مطابق اللہ نے ایک رسولؐ کو بھیجا ہے

ہوئی بطنِ آمنہؑ سے ہویدا　　　دُعائے خلیلؑ اور نویدِ عیسیٰؑ

اکثر مفسرین نے فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کا ترجمہ کیا ہے جاہلوں میں سے ایک رسول کو بھیج جو انہی میں سے ہو۔ یعنی اُمّی کے معنی جاہل کے لیے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اُمّی کے معنی یہاں جاہل کے نہیں بلکہ مکّہ والوں کے ہیں۔ اُم کے معنی اصل اور جڑ کے بھی ہیں جیسے زکام کو امّ الامراض اور شراب کو امّ الخبائث کہتے ہیں یعنی تمام بُرائیوں کی جڑ۔ سورۂ قصصؑ میں ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ " آیت ۵۹/۲۸ (اور تمہارا پروردگار جب تک ان باتوں کے صدر مقام میں اپنا پیغمبر نہ بھیج لے اور وہ ان کے سامنے ہماری آیتیں نہ پڑھ دے اس وقت تک بستیوں کو برباد نہیں کر دیا جاتا اور ہم بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں)۔ یہاں اُمّ کے معنی صدر مقام کے ہیں مکہ چونکہ ارد گرد کی بستیوں کا صدر مقام تھا اس لیے اس کو امّ القریٰ کہتے تھے اور اس کے رہنے والوں کو اُمّی۔ پس معنی یہ ہوئے ہم نے مکہ والوں میں ایک رسول کو بھیجا جو انہی میں سے تھا۔ یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہم نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو بھیجا۔ یہ اس رسول کی فوقیت نہیں بلکہ منقبت قرار پاتی ہے۔ کیا خدا کو عالموں میں سے کوئی رسول نہ ملتا تھا جو اس نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو منتخب کیا۔ رسول تو کسی حالت میں بھی جاہل ہو ہی نہیں سکتا۔ النّبیُّ نبیٌّ وَلَوْ كَانَ صَبِيًّا (نبی تو نبی ہی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔) جناب ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت جو دُعا کی تھی اس کے پہلے حصّہ پر بھی غور کیجئے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (۱۲۸/۲ سورہ بقر) "اے ہمارے رب ہم دونوں باپ بیٹوں کو اپنا مسلمان بندہ بنائے رکھنا اور ہماری اولاد کو بھی امتِ مسلمہ بنائے رکھنا۔" چند الفاظ کے بعد یہ دُعا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۱۲۹/۲ البقر (اور اس امتِ مسلمہ میں سے ایک رسول کو بھیج۔) یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا اسلام تو بلا واسطہ تھا۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ۱۳۱/۲ سورہ البقرہ" (جب ان کے رب نے کہا اسلام لاؤ تو انہوں نے کہا میں رب العالمین پر اسلام لایا۔) اس طرح کا اسلام یعنی بلا واسطہ وہ اپنی اولاد خاص کے لیے مانگ رہے ہیں کہ میری طرح وہ بھی مسلمان پیدا ہوئے ہوں کسی نے ان کو کافر سے مسلمان نہ بنایا ہو۔ اور اسی امتِ مسلمہ میں سے وہ ایک رسول کی بعثت کے لیے دُعا مانگ رہے ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ جو رسول امتِ مسلمہ میں سے مبعوث ہو وہ جاہل ہو۔ پس معلوم ہوا کہ رسول جس امتِ مسلمہ میں سے مبعوث ہوا وہ مکہ والوں میں سے تھی اور انہی کے ایک فرد رسولؐ تھے۔ جب تک اس امتِ مسلمہ کا ایک شخص پیدا نہ ہوا رسولؐ نے اعلانِ رسالت نہ کیا۔ یہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ امت کا لفظ فردِ واحد پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے سورہ نحل میں ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا (ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے تھے)۔ ۱۲۰/۱۶

حضرتؐ مکّہ کے جاہلوں کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اگر وہ خود جاہل ہوتے تو ان کو کیا تعلیم دیتے۔ رہا بعد بعثت عالم ہونا تو یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک شخص چالیس سال تک جاہل محض رہے اور یکایک وہ تعلیم یافتہ ہو جائے اور چالیس سال پہلے اس کا کوئی عمل جاہلوں کا سا نہ ہو۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع

جن لوگوں کے سروں پر توریت لادی گئی پھر انہوں نے اس کے بار کو نہ اُٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ان کی کیا بُری مثال ہے اور خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔ اے رسول تم کہہ دو کہ اے یہودیو، اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنّا تو کرو۔ یہ لوگ ان اعمال کے سبب جو پہلے کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے، اللہ ظالموں کا حال خوب جانتا ہے۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ جس موت سے تم

بھاگتے ہو وہ ضرور تمہارے سامنے آئے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ تمہیں بتایا جائے گا۔

یہودیوں کا یہ حال تھا کہ وہ توریت کی کتابیں تو لادے پھرتے تھے مگر انہیں پڑھتے پڑھاتے نہ تھے ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند　　چار پائے برو کتابے چند

شیخی یہ تھی کہ ہم توریت کے عالم ہیں حالانکہ اس کے علوم سے قطعاً بے بہرہ تھے۔ دوسرے یہ خبط ان پر سوار تھا کہ بس وہی خدا کے نرالے دوست ہیں۔ کہا کرتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ ۵/۱۸ المائدۃ ہمیں اللہ کے دوست ہیں ہم ہی اللہ کی اولاد ہیں۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ ہمیں جہنم میں جلائے۔ لہٰذا ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ذرا تمنائے موت تو کرو۔ جب قیامت میں تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا تو مرنے سے ڈرتے کیوں ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنا اولیائے خدا کا کام ہے۔ دُنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل وہ جو موت کے نام سے کانپنے لگتے ہیں۔ دوسرے وہ جو سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ٹلنے والی نہیں بغیر کسی اضطراب کے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تیسرے وہ ہیں جو بقائے الٰہی کے شوق میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت اہلبیتِ رسولؐ کے سوا دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔ جب موت کا پسینہ آتا ہے تو بڑے بڑے قوی دل کانپنے لگتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جیسا نبی موت کی صورت دیکھ کر پریشان ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ اے میرے معبود اس تلخی کے لیے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اگر اہلبیتِ رسولؐ نہ ہوتے تو ان کا یہ بیان بے معنی ہو کر رہ جاتا دیکھو حضرت امیر المومنینؑ ابن ملجم کی تلوار کا زخم کھا کر اور خون میں نہا کر کیا فرماتے ہیں، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔) ہے کوئی موت کو کامیابی کہنے والا۔ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو امام حسنؑ سے یہ فرماتے ہوئے جاتے ہیں، "بیٹا تیرا باپ موت کا اتنا ہی مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی پستان کا ہوتا ہے۔ واللہ ابو طالب کے بیٹے کو قطعاً اس کی پرواہ نہیں کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع ۱۲

اے ایماندارو، جب نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو ذکرِ خدا کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ جب نماز پڑھ لی جائے تو روئے زمین پر جہاں چاہو جاؤ اور اپنی روزی تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو اور ان لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب سودا بکتا یا تماشہ ہوتا دیکھتے ہیں تو تمہیں کھڑا چھوڑ کر جھٹ چلے جاتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اللہ کے نزدیک اس تماش بین اور تجارت میں کوئی بہتری نہیں۔ اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

ایک بار ہوا یہ کہ حضورؐ مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ شام کا ایک تجارتی قافلہ ڈھول بجاتا آ پہنچا۔ بس پھر کیا تھا نماز توڑ توڑ کر تو چل میں چل ساری مسجد خالی ہو گئی صرف بارہ آدمی حضرتؐ کے پیچھے رہ گئے۔ کوئی خریداری کے شوق میں بھاگا اور کوئی ڈھول کی آواز سن کر دوڑا کہ دیکھیں کیا تماشہ ہے۔ ختم نماز کے بعد حضرتؐ نے مڑ کر دیکھا تو صحابۂ کرامؓ کی یہ شان نظر آئی۔ غضبناک لہجہ میں بقیہ لوگوں سے فرمایا اگر تم بھی چلے جاتے تو خدا ایک ایسی آگ بھیجتا کہ تم سب جل کر خاک ہو جاتے۔

یہ درج پرورِ منظر ایک بار نہیں کئی بار پیش آئے اور ایسا تو اکثر ہوا ہی کرتا تھا کہ لوگ حضرتؐ سے پہلے ہی رکوع میں چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضورؐ نے فرمایا، لَا تَسْبِقُوْنِيْ فِي الرُّكُوْعِ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ قُدَّامِيْ۔ (تم مجھ سے پہلے رکوع میں نہ جایا کرو میں پیچھے سے بھی تم کو اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں۔) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضورؐ کا اتباع کوئی ضروری امر نہ سمجھا جاتا تھا۔

---

(۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا لیا ہے۔ بس راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں یہ لوگ بے شک بُرا کام کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پس ان کے قلوب پر مُہر لگا دی گئی اس لیے یہ سمجھتے نہیں۔

اس سورہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضورؐ مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے ایک شخص عبداللہ بن ابی انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کا سردار تھا۔ بڑا صاحبِ اثر تھا۔ یہ قبیلہ خزرج ہی سے تھا لیکن ان کے مخالف قبیلہ اوس پر بھی اس کے خاصے اثرات تھے۔ گویا یہ دونوں قبیلوں کا بادشاہ تھا۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے آپؐ سے بیعت کرنی شروع کی تو عبداللہ کو اپنی سرداری خطرہ میں نظر آئی۔ لوگوں کو حضرتؐ کی بیعت سے روکنا چاہا مگر حق پرستی کا جذبہ اس حد تک ان پر غالب ہوا کہ اس کو اپنی کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر اس نے بیعت تو کر لی مگر اس کے دل میں حضورؐ کی مخالفت کی آگ بھڑکتی رہی اور در پردہ یہودیوں اور مشرکوں کو حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور

مسلمانوں میں جو لوگ اس کے زیرِ اثر تھے ان کو بھی حضرتؐ کے خلاف بھڑکاتا رہا اور اسلام کے احکام کو ان کی نظر میں بے وقعت کرنا چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ منافقوں کی کئی سو کی جماعت بن گئی۔

غزوات کے موقع پر جب لشکرِ اسلام کسی مہم پر روانہ ہوتا تو یہ اپنی جماعت کو روکنے کی کوشش کرتا۔ وہ لوگ کبھی تو یہ غور کرتے کہ ہمارے گھر مردوں سے خالی ہو جائیں گے اگر ہمارے پیچھے دشمن حملہ آور ہوا تو ہمارے گھروں کو لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو قید کر کے لے جائے گا۔ کبھی کہتے گرمی بہت زیادہ ہے ہم اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتے۔ کبھی کہتے کہ ہمارے باغوں میں کھجوریں پکی ہوئی ہیں اگر بروقت ان کو نہ توڑیں گے تو خراب ہو جائیں گی۔ کبھی لدھڑ بن کر زمین گیر ہوتے کہ ہم میں چلنے کی طاقت نہیں۔ غرض اس طرح کے عذرِ لنگ کر کے یا تو جانے سے رُک جاتے اور اگر جاتے تو موقع پلٹتے ہی میدانِ جنگ سے فرار کر جاتے۔ یہی شخص تھا جو جنگِ احد میں اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آگیا تھا۔ حضورؐ اس موقع پر کفار کی تین ہزار فوج کے مقابلہ میں جو ایک ہزار فوج لے کر نکلے تھے ان میں سے بھی تین سو الگ ہو گئے اور اب سات سو کو تین ہزار کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اگرچہ اس کی سازشوں کا پتہ چل گیا تھا اور اس سے صاحبانِ ایمان متنفر ہوتے جاتے تھے لیکن جب حضورؐ یا اصحابِ خاص ان کے نفاق کی قلعی کھولتے تو ہزاروں جھوٹی قسمیں کھا کر کہنے لگتے کہ یہ سب افترا پردازی ہے۔ جب مجمع میں حضرتؐ کوئی تقریر فرماتے تو کھڑے ہو کر حضرتؐ کی تعریفیں کرنے لگتا اور اپنے آپ کو حضرتؐ کا سچا فرمانبردار ہونا ظاہر کرتا لوگوں نے اس کے قتل کی حضرتؐ سے اجازت بھی چاہی مگر آپؐ نے انکار کیا اور فرمایا میں لوگوں سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ محمدؐ پہلے تو لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں پھر خود ہی انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔

وہ انصار کے گھر جا جا کر انہیں سمجھاتا تھا کہ ان مہاجروں کو پناہ دے کر تم نے ایک آفت مول لے لی۔ تم نے ان کو گھر دیئے دولت دی مگر اس پر بھی یہ تمہارے نہ ہوئے۔ پھر یہی لوگ تمہاری اتنی بڑی جماعت پر غالب آگئے ہیں۔ یہ لڑائیوں میں تمہیں کٹوا کر خود تم پر حکومت کرنی چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بچے ان کے دروازوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔ اس کی اس زہریلی تقریر کا منافقوں پر بڑا اثر ہوتا۔

غزوہ بنی مصطلق سے جب حضورؐ واپس تشریف لا رہے تھے تو اس عبداللہ نے کہا کہ جب ہم مدینہ میں داخل ہوں گے تو ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ یہ خبر حضرتؐ تک پہنچ چکی تھی۔ اور مسلمانوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اسی عبداللہ بن ابی سلول کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ تھا تلوار سونت کر باپ کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر بغیر حضورؐ کی اجازت کے ایک قدم آگے بڑھایا تو اس تلوار سے تیرا سر اُڑا دوں گا۔ اس وقت تجھے پتہ چلے گا کہ کون عزیز ہے اور کون ذلیل۔ عبداللہ چیخ چیخ کر کہنے لگا، لوگو! ذرا یہ تماشا دیکھو کہ میرا بیٹا میرے قتل پر آمادہ ہے یہ ہے اسلام کی تعلیم کا اثر۔ جب حضرتؐ کے پاس یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے اس کے بیٹے کے پاس حکم بھیجا کہ ایسا نہ کرے۔

اس واقعہ سے یہ تو سمجھ میں آگیا کہ حضرتؐ کی حیات میں کم سے کم تین سو منافق مدینہ میں موجود تھا۔ بعض کی منافقت کا پردہ چاک ہو گیا تھا اور بعض ٹٹی کی آڑ میں تھے۔ لیکن اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوگی کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ سب یکایک

غائب ہوگئے۔ خدا جانے آسمان نے کھینچ لیا یا زمین نگل گئی۔ تاریخوں میں پھر ان کا ذکر نہیں آتا۔ یہ سب بے مِل جُل گئے کہ اُن کے درمیان تمیز ہی اُٹھ گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ منافق درپردہ اسلام کی بیخ کنی کر رہے تھے تو پھر حضورؐ نے ان کو اپنے ساتھ کیوں رکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو جماعت سے خارج کر دیا جاتا تو یہ کھلم کھلا آمادۂ فساد ہو جاتے اور مدینہ میں خونریزی شروع ہو جاتی۔ اور اس طرح شیرازہ بکھر جانے سے مفادِ اسلامی کو سخت نقصان پہنچ جاتا۔ انصار کی اکثریت مہاجرین سے جُدا ہو جاتی۔ دوسرے چاہے کیسے ہی تھے مگر ان سے لشکر کی تعداد تو بڑھ جاتی، جس سے دشمن پر اثر پڑتا تھا۔ تیسرے جب زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے تھے تو اس اقرار کے بعد ان کو مسلمانوں کی صف سے خارج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ورنہ یہ الزام آتا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی یہ لوگ چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ چوتھے ان کو خارج کرنے کے بعد جو ان کے رشتہ دار ہوتے وہ بگڑ جاتے اور رفتہ رفتہ وہ بھی علیحدہ ہونے شروع ہو جاتے۔ نفاق دل کی بیماری ہے وہ کسی کے چہرے سے تو ظاہر نہیں ہوتی لہٰذا ظاہر پر عمل کرنا ضروری تھا۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ
الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

جب تم ان کا ڈیل ڈول دیکھو گے تو تعجب کرو گے (موٹے تازے) اور جب وہ بولیں گے تو اس طرح کہ تم توجہ سے سنو گے۔ (مگر عقل سے خالی) گویا بیکار لکڑی کے کندے دیوار سے لگے ہوئے ہیں جو ہر چیخ کی آواز کو یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر آپڑی۔ وہ دشمن ہیں پس ان سے بچے رہو۔ اللہ انہیں مار ڈالے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ کہ رسولؐ اللہ تمہارے لیے مغفرت کی دُعا کریں تو وہ لوگ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ از راہِ تکبر منہ موڑے ہوئے ہیں۔

یعنی یہ منافق جسمانی لحاظ سے اچھے خاصے ہیں لیکن جب رسولِ خداؐ کی خدمت میں آتے تو دیواروں کی طرح اس طرح تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں جیسے لکڑی کے کُندے دیوار سے لگے ہوں اور باتیں بڑی لچھے دار کرتے۔ جن سے معلوم ہوتا کہ رسولؐ کے بڑے خیرخواہ اور اسلام کے بڑے سچے جاں نثار ہیں۔ ہر آواز کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے خلاف اُٹھ رہی ہے۔ یعنی چونکہ ان کے دل میں چور ہے اور اپنے نفاق کے کُھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے لہٰذا جب کوئی بولتا ہے تو اس پریشانی میں رہتے ہیں کہ یہ کہیں ہمارے خلاف تو نہیں بول رہا۔

جب کسی کا راز فاش ہونے پر اہلِ ایمان اس سے کہتے ہیں آؤ رسولؐ اللہ کے پاس چلیں تاکہ وہ تمہارے لیے دعائے مغفرت کریں تو اس بات کو توجہ سے نہیں سنتے اور اپنا سر پھیر لیتے ہیں یعنی یہ سننا بھی نہیں چاہتے کہ حضورؐ ان کے لیے استغفار کریں۔ یہ ہے ان کے غرور و تکبر کا معاملہ۔ گویا خدا سے مغفرت طلب کرنا اپنے لیے توہین سمجھتے ہیں۔

سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ
خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

اے رسول ان کے لیے تمہارا استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ خدا بدکار لوگوں کو منزلِ مقصود تک کبھی نہیں پہنچاتا۔ یہ وہی لوگ ہیں (جو اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں) جو لوگ (مہاجرین) رسول کے پاس رہتے ہیں ان پر (ایک پائی) خرچ نہ کرو تاکہ یہ تتر بتر ہو جائیں (ان کو معلوم نہیں) آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

منافق کے لیے اگر رسولؐ بھی استغفار کریں تو قبول نہ ہوگا۔ یہ منافق وہی لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ان مہاجروں کی مدد کرنا چھوڑ دو۔ پریشان ہو کر یہ خود بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان بدبختوں کو یہ پتہ نہیں کہ آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک تو خدا ہے ان کے پاس ہے ہی کیا۔ اگر یہ ان کی مدد کرنا روک دیں گے تو خدا تو ان کی مدد کرنے والا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ
وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ
وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩﴾ وَأَنفِقُوا مِن مَّا
رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا
أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾
وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

یہ منافق یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو جو عزیز (عزت والے) ہیں یعنی منافق وہ ذلیل ترین (مہاجرین) کو (مدینہ سے) نکال دیں گے۔ (ان احمقوں کو) یہ خبر ہی نہیں کہ خالص عزت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے۔

اے ایمان والو، تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ذکرِ خدا سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہ خسارہ میں رہیں گے۔ جو ہم نے رزق دیا ہے اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ورنہ یہ کہو گے، اے پروردگار تو اگر تھوڑی سی مہلت دے دے تو میں خیرات کروں اور نیک بندوں میں سے ہو جاؤں۔ جب کسی شخص کی موت آجائے گی تو خدا ہرگز تاخیر روا نہ رکھے گا اور اللہ تو اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

جیسا کہ ہم تم سے بیان کر چکے ہیں منافق یہ بھی کہتے تھے کہ اصلی عزت دار تو ہم ہیں۔ یہ رسولؐ اور ان کے ساتھی سب ذلیل ہیں۔ مدینہ پہنچتے ہی ہم ان کو نکال باہر کریں گے۔ جو کچھ عزت انہیں ملی ہے وہ ہم ہی سے تو ملی ہے ان کمبختوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اصلی عزت کے مالک تو خدا و رسولؐ اور مومنین ہیں۔ تم کیا اور تمہاری عزت کیا۔ تم تو اوّل درجے کے ذلیل ہو۔

اس کے بعد اہلِ ایمان سے فرمایا جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ مرنے سے پہلے راہِ خدا میں دو ورنہ جب موت کا وقت آجائے گا تو پھر ہٹے گا نہیں اور حسرت بھرے لہجے میں یہی کہتے رہ جاؤ گے کاش تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو ہم خیرات کر کے نیک بندوں میں ہو جاتے۔ اب ایسا کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

ع اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

﴿٦٤﴾ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ﴿١٠٨﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ
كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢﴾ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿٣﴾
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤﴾

جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اسی کے لیے حکومت ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض مومن اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور کیسی اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو

با ظاہر کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے اور اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں تک سے آگاہ ہے۔

خداوند عالم نے ان آیات میں چند باتوں کو بیان فرمایا ہے پہلے یہ کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہماری طرح کرتی ہیں۔ ہر مخلوق کی تسبیح جداگانہ ہے۔ دوسرے یہ بھی مراد لے سکتے ہیں کہ ہر شے کا وجود ایسا کامل اور پُرازحکمت ہے کہ اس کا خالق حمد کیے جانے کا سزاوار ہے اور اس تمام کائنات پر اس کی حکومت ہے اور حمد کا حقیقی مستحق وہی ہے کیونکہ کوئی اس سے بالا و برتر نہیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو پیدا کیا ہے مگر جبر کسی پر نہیں کیا بلکہ صاحبِ اختیار بنایا ہے۔ اسی وجہ سے تم میں بعض مومن بنے اور بعض کافر ہو کر رہ گئے لیکن اس کے ساتھ وہ ہر شے کو دیکھ بھی رہا ہے۔

اُس نے آسمانوں کو حق پر پیدا کیا ہے یعنی ان کی ساخت پُرازحکمت ہے، لونڈوں کا کھیل نہیں۔ ایک ایک ڈالی اور ایک ایک پتہ بے شمار حکمتوں سے پُر ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہاری صورتیں کیسی بنائی ہیں اور کیسی اچھی بنائی ہیں۔ صورت سے مراد چہرہ نہیں بلکہ سارا بدن ہے۔ تناسبِ اعضا کا نام حسن ہے۔ بس اس کارساز نے انسان کو ایسے مناسب اعضا دیئے ہیں اور اس کے اندر ایسے ایسے راز ودیعت فرمائے ہیں کہ آدمؑ سے لے کر اب تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئے۔ بدن کا ایک ایک خلیہ ایک ایک ریشہ خون کا ایک ایک قطرہ اسرارِ الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ پھر اُس نے جو چیزیں بنائی ہیں ان کی ہر بات کو جانتا ہے۔ عمل کرنے والا کوئی کام چھپ کر کرے یا ظاہر میں، ہر بات اس کے علم میں آجاتی ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى
اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ
قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧

کیا تم لوگوں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا تھا اور انہوں نے اپنے کام کی

سزا کا (دُنیا میں) مزہ چکھا اور آخرت میں تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے پاس رسول معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کیا آپ آدمی ہو کر بھی ہدایت کریں گے اس بنا پر انکار کر دیا، منہ پھیر لیا تو اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ بے پرواہ قابلِ حمد ہے کافروں نے یہ خیال باندھ رکھا ہے کہ قیامت میں وہ اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ اے رسول کہہ دو کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور جو کچھ تم کر چکے ہو اس سے تمہیں ضرور آگاہ کیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

جو لوگ رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تھے ان سے کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان قوموں کا حال معلوم نہیں کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی بداعمالی کا کیسا بار ان کے سر آ پڑا تھا۔ ان قوموں کے پاس برابر رسول آتے رہے سمجھاتے رہے عذابِ آخرت سے ڈراتے رہے مگر ان کو یقین ہی نہ آیا کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ یہی کہتے رہے کہ اب کیا آدمیوں کے ذریعہ سے ہدایت آنے لگی۔ وہ اس خبط میں مبتلا تھے کہ آدمی کی ہدایت آدمی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب وہ ہم جیسے ہی ہوئے ہماری طرح چلنا پھرنا کھانا پینا، گھر گرہستی والا ہوتا ہے تو بھلا وہ ہم کو کیا ہدایت کریں گے۔ خصوصیاتِ انبیاء سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک ہدایت کے لیے کوئی فرشتہ آنا چاہیے تھا۔ اس بددماغی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر عذاب پر عذاب آتے رہے۔

دوسرے رسولوں کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ رسولوں کی اس تعلیم کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ مرنے کے بعد قبروں سے پھر اُٹھائے جائیں گے۔ وہ کہتے کہ یہ لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہیں آسکتیں۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی جب گل سڑ کر خاک ہو جائے پھر وہ ایک دن ایسا آئے کہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔ چونکہ یہ رسالت کے دعویدار ایسی بے سروپا باتیں کرتے ہیں لہٰذا ہم اس کو رسول نہیں مان سکتے۔
خدا ان کو آگاہ کرتا ہے کہ یہ امر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ تب تمہارے اعمال کی قلعی کھولی جائے گی۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ۝٨ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۹)
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۱۰) ع ۱۵

پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر جس کو ہم نے نازل کیا اور خدا تو جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ جب قیامت کے روز وہ تم سب کو جمع کرے گا تو یہی دن ہار جیت کا دن ہوگا۔ پس جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو خدا اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے (برخلاف اس کے) جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

جسے نور کو نازل کیا ہے اس سے مراد قرآن ہے۔

قیامت کے دن سب کو آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ پیدا ہوں گے ان سب کو ایک میدان میں جمع کر لیا جائے گا۔ مرد ہوں یا عورت، بچے ہوں یا جوان، بوڑھے ہوں یا کھوسٹ سب موجود ہوں گے کیسی ہل چل کا وقت ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا۔ وہاں جانچ پڑتال ہوگی۔ کون مومن ہے کون کافر۔ جو مومن ثابت ہوں گے ان کے لیے تو جنت ہے اور جو کافر ہیں ان کے لیے جہنم ہوگا۔ اور دونوں ہمیشہ کے لیے اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے۔ یہ وہ مدت ہوگی جس کا علم کسی کو نہیں۔ کہ کب تک وہاں رہنا ہوگا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی جگہ یہیں دنیا میں بنانی ہے۔ اس زندگی کے بعد پھر کوئی دوسری زندگی ملنے والی نہیں کہ پھر دوبارہ اعمالِ صالحہ کرنے کا موقع مل سکے۔ یہی دنیا مزرعہ آخرت ہے۔ یہاں جیسا بوؤ گے آخرت میں ویسا ہی کاٹو گے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ
قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۱۱) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۱۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ
عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ
وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَ
تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۴) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ
فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۱۵)

اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا کے اذن سے آئی جو شخص ایمان لاتا ہے تو خدا اس کے قلب کو ہدایت کرتا ہے اور خدا ہر شے کا جاننے والا ہے اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو ہمارے رسول پر صرف پیغام کا واضح طریق پر پہنچا دینا فرض ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان والے اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ اے ایمان والو، تمہاری بی بیوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تم ان سے بچے رہو، (اگر وہ غلطی کریں تو) تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور خدا کے یہاں تو بڑا اجر موجود ہے۔

جو مصیبت انسان پر نازل ہوتی ہے اگر خدا چاہے تو اسے روک دے۔ وہ اپنی مصلحت کی وجہ سے کبھی روکتا ہے کبھی نہیں روکتا۔ جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں خدا ان کے دل میں صبر کرنے کی قوت عطا کرتا ہے اور جو منہ پھیرے رہتے ہیں اور حق بات کو نہیں سنتے تو رسولؐ کا فرض تو بس اتنا ہے کہ واضح طریق سے خدا کا پیغام ان تک پہنچا دے۔

اولاد اور ازواج کو جو فتنہ بیان فرمایا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ حضرتؐ کے مدینہ آنے کے بعد کچھ لوگ جب ہجرت کرنا چاہتے تھے تو ان کے بی بی بچے ان کو روکتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے جانے کے بعد ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے اس پر وہ لوگ رک جاتے تھے۔ خدا نے ان کے آگاہ کرنے کو یہ آیت نازل کی اور بتایا کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں جو ہجرت کی مخالفت کر کے تمہیں دشمنوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچے رہو

ازواج اولاد دشمن ہیں

اور ہجرت اختیار کرو۔ اور جو لوگ آجاتے تھے اور اپنے بی بی بچوں پر عتاب کرنا چاہا تو خدا نے اُن کو اس سے روکا ہے۔ اور ان کو ہدایت کی ہے کہ انہیں معاف کر دو۔ ان سے درگزر کرو، ان کی غلطی کو بخش دو تاکہ تمہارے اور ان کے درمیان تعلقات باقی رہیں۔ مال اور اولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ کبھی تو مال کی محبت تم کو امرِ نیک سے روکتی ہے اور کبھی اولاد کی محبت۔

بات یہ ہے کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مومن مشرکوں میں گھرا رہے کیونکہ اس صورت میں ان کے لیے بہت سے خطرات تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کافروں کے خوف سے یا ان کے طمع دلانے کی وجہ سے پھر کفر اختیار کر لیں۔ ہجرت کی صورت میں جن تکالیف کا ان کو سامنا ہو انہیں خوشی سے برداشت کر لیں تاکہ آئندہ ان کے لیے بہتری کا باعث ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع ۲ / ۱۴

بس جہاں تک تم سے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے احکام سنو اور ان کو مانو اور اپنی بہتری کے لیے (اس کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے نفس کو حرص سے بچا لے گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی مرادیں پانے والے ہیں۔ اگر تم خدا کو قرض جس قدر دو گے تو وہ تمہارے لیے دونا کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بڑا قدردان و بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر سب جاننے والا ہے، غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ جتنی جتنی کسی میں طاقت ہو اللہ سے ڈرے اور اپنے نفس کو حرص سے بچائے رکھے کہ اس میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

---

(۶۵) سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (۹۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾

اے نبی (مسلمانوں سے کہہ دو) کہ جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (پاکی) کے وقت طلاق دو اور عدہ کا شمار رکھو اور اپنے پروردگار خدا سے ڈرو اور عدہ کے اندر انہیں گھر سے نکالو اور وہ خود بھی گھر سے نہ نکلیں مگر جب وہ صریحی بے حیائی کا کام کریں (تو نکال دینے میں مضائقہ نہیں) اور یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو نہیں جانتا کہ شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کرے۔ عدہ طلاق

طلاق بدرجہ مجبوری ہے جب کسی صورت زن و مرد کے درمیان اتفاق کی پیدا نہ ہو تو پھر آخری درجہ طلاق ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا، اَبْغَضُ الْاَشْيَآءِ عِنْدِی الطَّلَاقُ (سب سے بُری چیز میرے نزدیک طلاق ہے)۔ عورت کو طلاق ایامِ حیض میں نہ دی جائے۔ اس کی مفسرین نے دو وجہیں لکھی ہیں پہلی یہ کہ طلاق کے بعد عدت تین بار حیض سے پاک ہونا ہے۔ اگر حالتِ حیض میں طلاق دی جائے گی تو حکم خدا کے

خلاف چار حیض ہو جائیں گے۔ دوسرے اس میں ایک طبی راز ہے۔ وہ یہ کہ حالت حیض میں عورت کے مزاج میں ناہمواری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ باہمی جھگڑے کو رفع دفع کرنے میں اکثر اوقات مانع ہو جاتی ہے۔ اگر بحالت مرد مباشرت کر چکا ہو تب بھی اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک حمل کے نہ ہونے کا یقین نہ ہو جائے مصلحت یہ ہے کہ شاید بچے کے خیال سے عورت و مرد کے خیالات میں کچھ تبدیلی ہو جائے اور مرد طلاق سے رُک جائے۔

دو بار طلاق کے بعد عدہ کے اندر بغیر نکاح مرد عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر دوسری بار رجوع کرنے کے بعد پھر تیسری بار طلاق دے گا تو اب عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ وہ عورت ایک دوسرے مرد سے عقد کرے اور وہ مرد بخوشی خاطر اُسے طلاق دے ایسے مرد کو محلل کہتے ہیں۔ اس کی طلاق کے بعد پہلا شوہر نکاح کر سکتا ہے۔ تیسری بار طلاق، طلاق بائن کہلاتی ہے اور دو بار کی طلاق رجعی ہوتی ہے۔

طلاق کے بعد ختم عدہ تک مرد مطلقہ عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ عورت کو چاہیئے کہ وہ گھر سے باہر قدم رکھے۔ ہاں اگر عورت بدکاری اختیار کرے تو نکال سکتا ہے۔ عدہ تک روکنا اسی مصلحت سے ہے کہ شاید اس مدت میں مرد اور عورت کے درمیان موافقت ہو جائے اور مرد رجوع کرلے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غصہ کی حالت میں مرد بے سوچے سمجھے طلاق دے دیتا ہے لیکن جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو پچھتاتا ہے۔ لہٰذا قدرت نے زن و مرد دونوں کو سوچنے کا یہ موقع دیا ہے۔ مطلقہ عورت کو خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، شوہر کو عدہ تک اس کے تمام اخراجات برداشت کرنا ہوں گے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ
يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾

جب یہ اپنا عدہ پورا کرنے کے قریب پہنچیں تو یا تو انہیں بعنوان شائستہ روک لو یا اچھی طرح رخصت ہی کر دو اور (طلاق کے وقت) اپنے لوگوں میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ قرار دے لو۔ اور گواہ ہو تم خدا کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا۔ ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو خدا اور

روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو خدا سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دے گا۔

طلاق کے بعد جب عدہ ختم ہونے کے قریب آئے گا تو یا تو بعنوان شائستہ اُسے روک لو، نکاح کی ضرورت نہیں۔ اور اگر علیحدگی ہی کی ٹھان لی ہے تو شریفانہ طریقہ سے رخصت کر دو۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ صرف زبان سے یہ کہہ دینا یا کاغذ پر لکھ کر بھیج دینا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی کافی نہیں جب تک باقاعدہ صیغۂ طلاق جاری نہ کیا جائے۔ ایک عالم صیغۂ طلاق پڑھے اور دو عادل گواہ اس کے سننے والے ہوں۔ ان گواہوں کو چاہیئے کہ صحیح صحیح گواہی دیں یعنی لوگوں سے یا اس عورت کے متعلق جس کو طلاق دی گئی ہے بیان کریں کہ ہمارے سامنے شرعی طلاق دی گئی ہے۔ جو احکام الٰہی کی پابندی کرے گا تو خدا اس کے لیے نجات کی صورت پیدا کرے گا۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾ وَاللَّائِي يَئِسْنَ
مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ
وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٤﴾ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ
إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿٥﴾

اور ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اس کے لیے کافی ہے۔ بے شک خدا اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے۔ خدا نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔

اور جو تمہاری عورتیں حیض سے مایوس ہو جائیں اگر تم کو ان کے عدہ میں شک ہو تو ان کا عدہ تین مہینے ہے اور وہ (اس طرح) جن کو ابھی حیض آیا ہی نہیں ان کا عدہ تین ماہ ہے اور حاملہ عورتوں کا

عدّہ تا وضع حمل ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اُس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔ یہ خدا کا حکم ہے جو خدا نے تم پر نازل کیا ہے۔ اور جو خدا سے ڈرتا رہے گا وہ اُس کے گناہ اس سے دُور کرے گا اور اُسے بڑا اجر دے گا۔

عدّہ طلاق کی حسبِ ذیل صورتیں ہیں :

۱- جب اس میں شک ہو کہ اُس کا خون زیادہ سن ہونے کی وجہ سے بند ہوا ہے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کا عدّہ تین ماہ ہے۔

۲- جس عورت کا سن اتنا زیادہ ہو گیا ہو جس میں حیض نہیں آتا تو اُس پر عدّہ نہیں۔

۳- نابالغ لڑکیوں کے لیے بھی عدّہ نہیں۔ عدّہ صرف اُن عورتوں سے متعلق ہو گا جن کا سن حیض آنے کا ہو مگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے نہ آتا ہو۔

۴- حاملہ عورت کا عدّہ اس بچّہ کے پیدا ہونے تک ہے جو اُس کے بطن میں ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے اس کو ماننا چاہیئے۔ تاکہ خدا گناہ معاف کر کے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ
حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ
وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ
اُخْرٰى ⑥ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ
رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ
اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ ع

مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق عدّہ تک وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور انہیں تنگ

کرنے کے لیے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچّہ جَننے تک ان کا خرچ دیتے رہو بس تمہاری خاطر سے دُودھ پلائیں تو انہیں اُس کی مناسب اُجرت دے دو اور باہم صلاحیت سے دستور کے مطابق بات چیت کرو۔ اگر تم باہم کشمکش کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی گنجائش والے کو اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی روزی تنگ ہو تو جتنا خدا نے اُسے دیا ہے اُس کے مطابق خرچ کرے گا۔ خدا نے جتنا دیا ہے اُس کے لحاظ سے تکلیف دیتا ہے عنقریب ہی تنگی کے بعد فراخی عطا کرے گا۔

ہم لوگوں میں کیا بُرا دستور ہے کہ حکمِ خدا کے خلاف طلاق دے کر ہی عورت کو اپنے سے جُدا کر دیتے ہیں اور پھر اُس سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ ختمِ عدّہ تک یعنی تین ماہ اُسے اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کپڑا دینا چاہیئے۔ اگر وُہ حاملہ ہو تو بچّہ جَننے تک اُسے الگ نہیں کرنا چاہیئے۔ جب بچّہ پیدا ہو تو اگر ماں کا دودھ پلوانا ہے تو اُس کی اُجرت طے کر لینی چاہیئے۔ یہ اُجرت امیر و غریب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق طے کریں۔ اور اُس صورت پر اگر اتفاق نہ ہو تو کسی اور عورت سے پلوائیں اور اُس سے معاملہ طے کریں۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اجرت طے کرے۔ خدا کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اگر احکامِ خداوندی کا پاس و لحاظ رکھا جائے تو اللہ بہت جلد تنگدستی کو فراخی سے بدل دے گا۔

غور کرو اسلام نے عورت کے حقوق کا کتنا لحاظ رکھا ہے۔ مگر بہت سے شوہر ایسے ظالم ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک حکم کا لحاظ نہیں رکھتے اور طلاق دیتے ہی گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اور اگر اختلاف کی صورت میں عورت اپنے میکہ میں یا کسی عزیز کے یہاں چلی جائے تو اس کا نان و نفقہ روک لیتے ہیں اور صرف طلاق کی اطلاع دینا ضروری سمجھتے ہیں باقی قصہ کوتاہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا
شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ
عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩ مع ۱۴

رَسُولًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

بہت سی بستیوں والے ایسے تھے کہ انہوں نے خدا کا حکم نہ مانا اور حکم رسول سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا بڑی سختی سے حساب لیا اور انہیں بڑے عذاب کی سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزا چکھ لیا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہی تھا اور خدا نے ان کے لیے سخت عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ پس اے عقلمندو جو ایمان لا چکے ہو خدا سے ڈرتے رہو۔ تمہارے پاس ذکرؐ اپنا رسول بھیج دیا ہے جو اللہ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں ان کو تاریکی سے نکال کر نُور کی طرف لے جائے۔

یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے واقعات سے سبق حاصل کرو جنہوں نے خدا کی نافرمانی کرکے اپنی تباہی مُول لی تھی اور خدا نے ان پر سخت عذاب نازل کیا تھا۔ ان کی اس سرکشی کا نتیجہ کیسا تباہ کُن ہُوا وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ گھاٹے میں رہے۔ اے عقلمندو! پچھلی قوموں کے واقعات سے سبق حاصل کرو۔ اور بھُولے سے بھی بدکاریوں اور خدا کی نافرمانیوں کی طرف نہ جاؤ۔ خدا نے تمہاری طرف ایک ذکر کو بھیجا جو خود رسولؐ ہیں۔ معلوم ہُوا رسول کا ایک نام ذکر بھی ہے۔ اسی بنا پر آیہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "۴۳/۱۶ النحل" (اگر تم نہیں جانتے تو ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو) یعنی اہلبیتؑ رسولؐ سے۔ بعض لوگوں نے ذکر سے مراد قرآن کو لیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے تمہارے پاس قرآن کو بھیجا ہے اور اپنا رسول بھیجا ہے۔ پھر دونوں کے درمیان حرفِ عطف نہیں اور آیت پر ۚ ہے تو یہ معنی صحیح نہ ہوں گے اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر اور رسول ایک ہی ذات ہے۔

تاریکیوں سے نور کی طرف نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کفر و شرک سے نکال کر ایمان کی طرف لے آئے۔ ذکر اور رسول جب ایک ہی ذات ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ وہ اپنے قول و فعل دونوں سے لوگوں کو ہدایت کرے جیساکہ آیت کے آخری حصّہ میں ہے کہ ایمان اور عملِ صالح والوں کو کفر سے ایمان کی طرف لائے۔ لہٰذا اس نکالنے میں رسول کے عمل صالح کو بھی دخل ہے یعنی ایک رسول کی ذات سے ہی دونوں باتیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ خود بھی نصیحت اور عمل بھی نصیحت۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫ ع ۵ ۱۸ ۲

اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ان کو اچھی سے اچھی روزی دی ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں اور ان میں خدا کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور بے شک خدا اپنے علم سے ہر شے پر قادر ہے۔

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی ایک زمین نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی زمینیں ہیں۔ خدا نے ان سب سیاروں کو یوں ویران اور بنجر بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہماری زمین کی طرح وہاں بھی آبادی ہے۔ وہاں کی مخلوق کیسی ہے، اس کا حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اب انسان سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے ممکن ہے کچھ دنوں بعد یہ پتہ چلا کر آئے کہ وہاں آبادی ہے یا نہیں۔ چاند پر جا کر ابھی تو چند قدم ڈرتا ڈرتا ٹہل کر واپس آ گیا ہے۔ جب پُورے کرّے کی سیر کرے گا تب پتہ چلے گا کہ وہاں کیا کچھ ہے۔ تفسیر صافی میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے بھی سات زمینوں کی تصدیق کی ہے اور جس طرح اس زمین کے متعلق نظام شمسی ہے اسی طرح اور زمینوں کے متعلق بھی جداگانہ نظام ہے جیساکہ علم ہیئت والوں نے رصد گاہوں میں بیٹھ کر دُور بینوں کے ذریعے سے پتہ چلایا ہے۔

(۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ
اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱) قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۲) وَاِذْ اَسَرَّ
النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ
اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ
قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۳)

اے نبی جو چیز خدا نے تم پر حلال کی ہے تم اس سے اپنی بی بیوں کی خوشنودی کے لیے کیوں کنارہ کشی کرو اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا نے تم لوگوں کے لیے قسموں کو توڑ ڈالنے کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور خدا ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی واقف کار حکمت والا ہے اور جب نبی نے اپنی بعض بی بی (حفصہؓ) سے چپکے سے کوئی بات کہی تو اس نے (باوجود ممانعت) اس بات کی (عائشہ کو) خبر دے دی خدا نے اس بات کو رسول پر ظاہر کر دیا تو رسول نے (عائشہ کو) بعض بات (قصہ ماریہ) بتا دی اور بعض بات (قصہ شہد) ٹال دی۔ جب رسول نے اس واقعہ (افشائے راز کی) اس (عائشہؓ) کو خبر دی تو انہوں نے کہا آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی۔ فرمایا مجھے بڑے واقف کار خبر دینے والے (خدا) نے بتایا ہے۔

اس سورہ کا پس منظر ہم مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم کے مترجم قرآن کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں:
آنحضرتؐ کی ازواج میں ماریہ قبطیہ اور ریحانہ تو آپؐ کی کنیزیں تھیں اور ام شریک وام سبیل نے اپنا اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ حضورؐ نے پندرہ نکاح کیے تھے۔ خدیجہ۔ ام سلمہ۔ میمونہ۔ سودہ۔ زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ ام حبیبہ۔ صفیہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ زینت بنت خمیس۔ خولہ۔ عمرہ۔ ان میں سے آخر الذکر دو عورتیں آپ کی تصبحت سے سرفراز نہ ہو سکی تھیں۔ تین بی بیاں بالترتیب سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے علاوہ اول الذکر نو بی بیاں آپؐ کی وفات کے وقت موجود تھیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں تو کسی دوسری عورت سے تعلق نہیں کیا۔ البتہ ان کی وفات کے بعد جب تعداد بڑھی تو آپؐ نے اپنی بی بیوں کے الگ الگ کمرے بنوا دیئے اور سب کی باری کے وقت مقرر کر دیئے تھے۔ ہر ایک کے پاس ایک ایک رات بسر فرماتے۔ صبح کو روزانہ ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر کے لیے ہو آتے۔ اس زمانہ میں (۷ھ) میں مقوقس سلطان روم نے ماریہ قبطیہ کنیز کو تحفۃً آپؐ کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے بی بیوں کے کمروں سے الگ ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے قیام فرمایا تھا ماریہ کو اُتارا اور رفتہ رفتہ آپؐ ان پر بھروسہ کرنے لگے کہ اپنے پینے کے پانی کا انتظام بھی انہی کے یہاں رکھا اور جس قدر آپؐ کی ذاتی چیزیں تھیں وہ بھی ان ہی کے پاس رہتی تھیں۔ اس وجہ سے اس گھر کو مشربہ ام ابراہیم کہتے تھے۔ خدا کی مہربانی کہ تھوڑے دن بعد ان کو حمل رہا تو ان کو حضرت حفصہ کے رشک و حسد کی وجہ سے طرح طرح کا خوف پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حضورؐ ان کے یہاں قیام فرمانے لگے۔ غرض جب ابراہیم پیدا ہوئے تو ماریہ کو دودھ نہ اُترا۔ آپؐ نے ایک بکری خرید دی جس کے دودھ سے ان کی پرورش ہونے لگی اور تھوڑے ہی دنوں میں ہاتھ پاؤں نکل آئے اور پھول سا چہرہ دمکنے لگا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ میں بڑا میل جول تھا سوتاپا نہ تھا بلکہ بہناپا تھا اور ایک دوسرے کی ہمراز تھیں اور حضرتؐ کا دوسری بی بیوں کی طرف توجہ کرنا یا کسی کے پاس زیادہ دیر بیٹھ جانا بھی گوارا نہ تھا۔ فقط ان موجودہ بی بیوں سے ہی رشک نہ تھا بلکہ حضرت خدیجہؓ پر بھی فوقیت کا حوصلہ تھا۔ حضرت رسولؐ چونکہ حضرت خدیجہؓ کے مالی درجات ان کی سچی محبت اور ان کے خالص الایمان ہونے کی وجہ سے اکثر ان کا ذکر خیر کیا کرتے تھے تو جب آپؐ ان کا ذکر فرماتے تو حضرت عائشہؓ کو بہت ناگوار ہوتا۔ بعض اوقات جل کر کہتیں کہ آپ بار بار ایک بوڑھی عورت کو کیوں یاد کرتے ہیں۔ کبھی اس سے بھی زیادہ کلمات سخت کہہ بیٹھتیں جنہیں سُن کر حضرت فاطمہؑ رونے لگتیں۔ حضرت کا یہ ظرف تھا کہ بہت سے مصالح پر نظر کر کے خاموش ہو جاتے۔ ایک بار کسی نے آپ کے پاس عمدہ شہد بھیجا۔ آپ نے ام سلمہ یا زینب یا سودہ کے پاس بحفاظت رکھوا دیا۔ جب وہاں جاتے تو کچھ دیر بیٹھ کر وہ شہد نوش فرماتے۔ اتنا بیٹھنا بھی ان دونوں بی بیوں کو ناگوار گزرا۔ آپس میں مشورہ ہوا۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ کو اس بات پر تیار کیا کہ آج حضرت سے کسی تدبیر سے شہد چھڑانا چاہیئے تاکہ وہاں کا بیٹھنا چھوٹے۔ غرض وہاں سے جب حضرت آپ کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ سبب پوچھا تو کہنے لگیں آپ کے منہ سے تو مغافیر کی بُو آتی ہے۔ اس کے بعد حضور حضرت حفصہ کے پاس آئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو صرف شہد کھایا ہے۔ حضرت عائشہ نے

کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے شہد کی مکھیوں نے فس فیر کے پھول چوسے ہوں گے۔ غرض آپ نے ان سے راز کے طور پر فرمایا کہ اب یہ شہد نہ کھاؤں گا اور غالباً اس خیال سے کہ جس بی بی کے پاس شہد رکھا تھا ان کی خاطر شکنی نہ ہو یہ بھی فرما دیا کہ اس کو نہ بتانا۔ مگر وہ اپنی ہمراز سے کیوں چھپاتیں فوراً جاکر حفصہ سے کہہ دیا کہ لو آج سے وہاں کا بیٹھنا چھوٹا۔

دوسرا قصہ اس زمانے میں یہ ہوا کہ اتفاقاً حفصہ ایک روز اجازت لے کر اپنے میکے گئیں وہ رات انہی کی باری کی تھی۔ جب حضرت اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اندر آئے تو گھر خالی پایا۔ آپ نے ماریہ قبطیہ کو بلالیا۔ آپؐ ابراہیم کو اپنے شانوں پر بٹھلائے ہوئے تھے کہ حضرت عائشہ آگئیں۔ آپنے فرمایا دیکھو یہ مجھ سے کس قدر مشابہ ہیں۔ انہوں نے کہا، مجھے تو کوئی مشابہت نہیں معلوم ہوتی۔ آپ نے فرمایا کیا جسم میں بھی مناسبت نہیں۔ انہوں نے طنزاً کہا جو بچہ بکری کا دودھ پیئے گا اس کا بدن تو ضرور خوبصورت ہوگا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت حفصہ ہانپتی کانپتی غصہ میں بھری وہاں آگئیں۔ ایک تو دونوں کو حضرت کی توجہ ماریہ قبطیہ کی طرف یوں ہی ناگوار تھی اس پر اس شب کے واقعہ نے آگ پر اور تیل چھڑک دیا اور پھر ابراہیم کو حضرت کے کاندھوں پر دیکھا۔ کہنے لگیں (نعوذ باللہ) آپنے میری عزت و حرمت کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اور ایک لونڈی کو میرے برابر کر دیا، یہ کیا اندھیر ہے کہ میرا ہی مکان پھر میرا ہی بستر۔ اس لونڈی کو آپنے سر چڑھا لیا ہے۔ اگرچہ آپ نے فرمایا بھی کہ کیا تمہارے خیال میں یہ میرے لیے حلال نہیں۔ مگر وہ خواہ مخواہ غل مچانے لگیں۔ آپنے انہیں سمجھایا اور الگ لے جاکر فرمایا، میں تمہاری خاطر سے قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ماریہ سے صحبت نہ کروں گا۔ مگر دیکھو خبردار یہ ایک راز ہے اس کی بُو نہ چھوٹنے۔ اور کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔ مگر ان کے پیٹ میں بات نہ تھمی اور فوراً حضرت عائشہ کو سارا قصہ جا سنایا کہ میں نے آج یہ کارِ نمایاں کیا ہے کہ ماریہ کو حضرت سے چھڑا دیا۔

جب یہ دونوں واقعے گذر گئے تو خدا نے وحی کے ذریعہ سے قلعی کھول دی اور سارے راز حضرت کو معلوم ہوگئے۔ آپنے ماریہ کا قصہ اور بی بی حفصہ کی شرارت کا حال حضرت عائشہ سے بیان کر دیا اور شہد کا واقعہ چونکہ ان ہی کا تھا اس لیے آپنے شدتِ حیا سے قصداً ذکر نہ کیا۔ اس پر عائشہ کو تعجب ہوا۔ اور پوچھنے لگیں بھلا ہم سے حفصہ کے بیان کا حال آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا، خدا نے۔ اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جنہیں ان دونوں کو سخت عتاب کے ساتھ سرزنش کی گئی ہے اور حضرت کو حکم ہوا کہ آپ قسم کا کفارہ دے کر ماریہ کا تعلق باقی رکھو اور شہد بھی کھاؤ۔

اس واقعہ سے چونکہ حضرت کو سخت صدمہ پہنچا تھا لہٰذا آپؐ نے حفصہ کو طلاق دے دی اور ہمیشہ کے لیے اپنے میکے کو رخصت کی گئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ کو رنج ہوا اور غصہ کے لہجہ میں فرمایا، اگر خطاب کی اولاد میں کچھ نیکی ہوتی تو رسول اللہ تجھے ہرگز طلاق نہ دیتے۔

اس کے بعد حضرتؐ تمام ازواج سے الگ ہو کر ماریہ قبطیہ کے گھر میں ۲۹ روز تک برابر رہے اور کسی کے پاس نہ گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ آپؐ نے کل بی بیوں کو طلاق دے دی ہے۔

کتب تفاسیر میں یہ واقعات مختلف الفاظ میں نقل کیے گئے ہیں۔ (دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی۔ تفسیر کشاف جلد ۳، بخاری و مسلم و سنن ابوداؤد وغیرہ (واللہ اعلم)

اِن واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مقدس خواتین سے جو امہات المومنین کہلاتی تھیں۔ جو دوسروں کو اخلاقی تعلیم دینے کی ذمہ دار تھیں، احادیثِ رسولؐ کی راوی تھیں۔ رسولؐ کی صحبت میں رہنے والی تھیں، ایسے احوال کا جو ان کی شان کے خلاف تھا صدور کیوں کر ہوا۔ اس کا جواب خدا اور رسولؐ ہی دے سکتے ہیں ہمارے دائرۂ عقل و فہم سے باہر ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ رسولؐ کو جب معصوم مانا جا چکا ہے تو ان سے ایسا عمل (ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کر لینا) کیوں سرزد ہوا، جو خدا کو ناپسند آیا۔ جواب یہ ہے کہ عصمت کے خلاف وہ امر ہوتا ہے جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔ جو عمل حضورؐ نے کیا وہ گناہ نہ تھا۔ آپؐ کو شریعت کی رُو سے ایسا کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ آپ اپنے نجی معاملات میں مختار تھے اگر مجبور ہوتے تو پھر آپؐ کا کوئی فعل قابلِ ستائش نہ ہوتا۔ نجی معاملات اگر رسولؐ کوئی ایسی بات کریں جو داخلِ گناہ نہ ہو تو اس کا اختیار آپؐ کو حاصل تھا۔ لِمَ تُحَرِّمُ سے رسول کو کوئی سرزنش نہیں کی گئی ہے بلکہ سمجھایا جا رہا ہے کہ تم نے اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا جسے خدا نے حلال کیا ہے۔ اے رسول ایسا نہ کرو، کفارہ دے کر بات کو ختم کر دو۔ اگر گناہ سرزد ہوتا تو اس کے لیے الفاظ کی صورت ہی دوسری ہوتی۔ اس کو یوں سمجھیئے کہ ایک شخص اپنی بی بی کی نافرمانی پر قسم کھالے کہ اب میں گھر میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ اور اس کا دوست سمجھا کر کہے کہ یہ کھانا ہم پر حرام تو نہیں ہے کیوں نہ کھائیں۔ قسم کھالی ہے تو کفارہ دے کر قصہ ختم کرو۔

رسولؐ کی عصمت پر ایسی حالت میں حرف آسکتا ہے جب کسی حلال کو شرعی حکم کے خلاف حرام کیا ہو۔ وہ تو ایک وقتی ضرورت کو پورا کیا گیا تھا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت یعقوبؑ نے کسی مرض کی وجہ سے اونٹ کا گوشت اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ اونٹ کا گوشت بجائے خود حرام نہیں تھا بلکہ ایک خاص صورت میں انہوں نے اپنی ذات پر حرام کیا تھا پس ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے شریعتِ الٰہیہ میں تصرف کیا اور حلال چیز کو حرام بنا دیا۔ جب تک گناہ ثابت نہ ہو دامنِ عصمت پر دھبہ نہیں آتا۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ
بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴿٤﴾ عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا
خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵

(اے دونوں بی بیو (عائشہ اور حفصہ) اگر تم دونوں (اس حرکت سے) توبہ کر لو (تو خیر) ورنہ تم دونوں کے دل تو ٹیڑھے ہو چکے ہیں اور اگر تم دونوں رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) خدا اور جبریلؑ اور تمام ایمانداروں میں نیک شخص ان کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے مددگار ہیں۔ اگر رسول تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تم سے اچھی بی بیاں عطا کرے گا جو فرماں بردار، ایماندار، خدا و رسول کی مطیع گناہوں سے توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بیاہی اور بن بیاہیاں کنواریاں ہوں گی۔

یہ لکھتے ہوئے قلم کانپتا اور دل لرزتا ہے کہ رسولؐ کی بی بیاں مومنین کی مائیں اور ان کے دل ٹیڑھے مگر کیا کیجئے آیت صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ ایسا ہی تھا۔ تمام مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے اور جو خطائیں سرزد ہوئیں انہیں تسلیم کیا ہے اور آیت کا مصداق انہی دو بی بیوں (حضرت عائشہ۔ حفصہ) کو بتایا ہے۔ معمولی شوہر کے ساتھ سرکشی ہوتی تو بات رہ جاتی لیکن ہوئی ہے اس ذات کے ساتھ جو سید المرسلین اور خاتم النبیینؐ ہے۔ جس کی آواز سے اونچی آواز کرنے میں سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ سازشیں ہوئیں اور رسولؐ کے گھر میں۔ اس تصور سے کلیجہ کانپتا ہے۔ دل ٹیڑھے ہوئے تو گویا ہدایت کا دروازہ ہی بند ہوا۔ توبہ کرنے کا حکم ہے لیکن آگے چل کر کہیں یہ ذکر نہیں کہ توبہ کر لی گئی۔ لوگ کہتے ہیں کر لی تھی لیکن یہ تو روایت ہوئی اور آیت درایت ہے۔ درایت کے مقابل روایت کی کیا قدر۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ رسولؐ کے خلاف یہ شورہ پشتی کس قدر زوردار تھی کہ اس کے دفعیہ اور اپنے رسولؐ کی مدد کے لیے خدا نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی تمام فوج مقابلہ پر لانے کا اعلان کیا ہے۔ جبریلؑ جیسا فرشتہ جس نے پَر مار کر بستیوں کی بستیاں اُلٹ دی تھیں۔ پھر صالح المومنین فاتح خندق و خیبر جس کی تلوار کی دھاک نے تمام عرب میں ہل چل ڈال دی تھی، اس کے سارے ملائکہ جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے اس سے زیادہ دھمکی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کچھ ہوا اور کیا کچھ ہونے والا تھا جس کی روک تھام کے لیے یہ فوج بلائی جانے والی تھی۔ العلم عند اللہ۔ ہم تو اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ امہات المومنین ہیں اور ہمیں کوئی حق بھی کہنے کا نہیں۔ رسولؐ کے گھر کی بات ہے۔ خدا جانے اور اس کا رسولؐ۔

یہ بھی کچھ کم تعجب خیز بات نہیں کہ درصورتِ طلاق جن عورتوں کو لانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں کیا وہ ان دونوں بی بیوں میں نہ تھیں۔ اس کا کوئی جواب دے سکتا ہے۔ خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ
اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع ۱ ۴۸ ۱۹

اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے بال بچوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اور جس پر تند خو سخت مزاج فرشتے متعین ہوں گے جو اللہ کے حکم کے کبھی خلاف نہیں کرتے، جو حکم دیا جاتا ہے اُسے بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو آج (قیامت) کے دن کوئی عذر پیش کرو جو کچھ تم کرتے تھے اس کا بدلہ تمہیں دیا جائے گا (تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى
رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

اے ایمان والو خالص دل سے اللہ سے توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہارے گناہ دُور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ایسا دن ہو گا کہ اللہ اپنے نبی اور اُن لوگوں کو

جو اِن کے ساتھ ایمان لائے ہیں ذلیل نہیں کرے گا بلکہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا اور اُن کی داہنی طرف روشن کرتا چل رہا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

توبۃ النصوح سے مراد وہ خالص دل سے توبہ کرنا ہے جو خوشنودی خدا کے لیے ہو اور پھر اس کو نہ توڑے اس بنا پر جناب امیرؑ نے ایک اعرابی کو جو بہت توبہ توبہ کرتا تھا فرمایا کہ فقط زبان سے توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ توبہ یہ ہے کہ اس میں چند باتیں پائی جائیں۔

۱۔ اپنے گذشتہ افعال پر پشیمانی و ندامت۔
۲۔ جو فرائض ترک کیے ہیں ان کو بجا لانا۔
۳۔ لوگوں کے جو حقوق ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا۔
۴۔ جو تیرے حقوق دوسروں پر ہیں ان کو بحل کر دینا۔
۵۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمم ارادہ کرنا۔
۶۔ خدا کی خوشنودی اور اطاعت میں اپنے کو فنا کر دینا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت میں جن کے نور کا ذکر ہے وہ علیؑ اور ان کے اصحاب ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

اے نبی، کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ خدا نے کافروں کی عبرت کے لیے نوح کی بی بی (واعلہ) اور لوط کی بی بی (واہلہ) کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے تصرف میں تھیں۔ دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر خدا کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کفار سے جہاد بالسیف کیا۔ منافقوں سے جہاد بالسیف نہیں کیا۔ یہ کام حضرت علی علیہ السلام کے سپرد ہوا، جس کو آپؑ نے بعد وفات رسولؐ انجام دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے منافقوں سے جہاد بالنفس کیا۔ ان کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آیت میں جہاد بالکفار والمنافقین کی ایک ہی صورت بیان کی گئی ہے۔ جیسا جہاد کفار کے ساتھ ہوگا ویسا ہی منافقوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

جہاد کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے جہاد بالسیف ہی کے لیے آیا ہے۔

ان آیات میں دو بی بیوں کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی، دوسرے حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی۔ یہ دونوں انتہا درجہ کی نافرمان تھیں۔ یہ دونوں کافروں سے ملی ہوئی تھیں اور ان کو اپنے شوہروں کے خلاف ابھارتی تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی کشتی میں سوار نہ ہوئی۔ اس نے کافروں کے ساتھ غرق ہونا گوارا کیا لیکن کشتی میں نہ بیٹھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی نے ان فرشتوں کے آنے کی خبر قوم کے بدکار نوجوانوں کو جا کر سنائی جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی پوری قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔

یہ سچ ہے کہ،

صحبت اثر می دارد لیکن تا بکس
بہ تربیت نشود اے حکیم کس۔

جس میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ اپنی حالت کبھی نہیں بدل سکتا۔ اوروں کا کیا ذکر، نبی کی بی بی اور نبی کا بیٹا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ
اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ
الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ
رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَ
كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾

دُوسری مثال ایمانداروں کے لیے فرعون کی زوجہ کی ہے۔ جب اس نے کہا، اے میرے رب، میرے لیے اپنے ہاں ایک گھر جنّت میں بنا دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور (دوسری بی بی) مریم بنت عمران تھی جنہوں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی۔ پس ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

اب دو نیک بی بیوں کا ذکر فرماتا ہے۔ ایک ان میں جناب آسیہؑ زنِ فرعون تھیں۔ یہ بھی بڑی نیک بی بی تھیں اور نہایت حسین تھیں۔ فرعون نے ان کو اپنی بی بی بنا لیا تھا۔ مگر وہ فرعون کی خدائی پر ایمان نہیں رکھتی تھیں۔ دل ہی دل میں یادِ خدا کیا کرتی تھیں۔ جب فرعون کو یہ پتا چلا کہ وہ اس کی خدائی پر ایمان نہیں

رکھتیں تو پہلے تو اس نے جبراً اپنے کو خدا منوانا چاہا لیکن جب انہوں نے اقرار نہ کیا تو انہیں زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر بھاری پتھر کی سِل رکھ دی۔ جس کے وزن سے تڑپ تڑپ کر مر گئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کو لٹا کر ہاتھ پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔

حضرت رسولِ خدا نے چار نیک بی بیوں کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے: آسیہؑ زنِ فرعون، مریمؑ بنت عمران، خدیجہؑ بنت خویلد اور فاطمہؑ بنت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔

دوسری نیک بی بی جناب مریمؑ تھیں۔ جو پاک و پاکیزہ تھیں اور حضرت عیسیٰؑ جیسے فرزند کی والدہ محترمہ تھیں۔

(۶۷) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ①
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ② الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ
مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ
تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارے جہان کی بادشاہت ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کام میں سب سے اچھا کون ہے وہ غالب اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اس نے سات آسمان تلے اُوپر بناڈالے بھلا تجھے خدا کی آفرینش میں کوئی کسر نظر آتی ہے تو پھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھلا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نظر اُٹھا کر دیکھ، ہر بار

تیری نظر ناکام اور تھک کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ اور ہم نے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب بنا کر رکھا ہے۔

اللہ نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنے بندوں کی آزمائش کرے کہ کون کون اچھا کام کرتا ہے۔ اگر موت کا دھڑکا نہ لگا ہوتا تو نیک کام کرنے میں آدمی ٹال مٹول کرتا ہی چلا جاتا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

انسان اپنے کاموں میں اس لیے جلدی کر رہا ہے کہ اُسے مرنے کا خوف ہے۔ چاہتا ہے مرنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ سب کر لوں۔ موت کو اس لیے مقدّم کیا کہ آدمی اسے بھُولے نہیں۔ بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ وجود سے پہلے عدم تھا۔ لہٰذا موت کو مقدم کیا۔ خدا عالم الغیب ہے اُسے آزمائش کی ضرورت نہیں۔ آزمائش ہے صرف انسان پر حجّت قائم کرنے کے لیے تاکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کی اچھائی بُرائی کو سمجھ لے۔ وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے قابُو سے باہر ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خطاؤں کا بخشنے والا بھی ہے تاکہ گنہگاروں کے دل کو ڈھارس رہے۔

اُس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے اور ان کے اندر چاند۔ سورج۔ ستارے۔ سیّارے اور اجرام سماوی سے متعلق نہ معلوم کتنی چیزیں بنا ڈالیں۔ ذرا غور سے دیکھو کہیں کوئی کمی کوئی قابلِ اصلاح چیز تم کو نظر آتی ہے؟ پھر دیکھو پھر دیکھو، نگاہ تھک کر واپس آجائے گی لیکن بال برابر کہیں کوئی چیز اصلاح کے قابل نظر نہ آئے گی۔ لاکھوں کروڑوں برس سے اس کا یہ کارخانہ یوں ہی بنا چلا آرہا ہے۔ آج تک تو کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ملے تو جب کہ کوئی کوتاہی کوئی کمی ہو۔ رات کو دیکھو، یہ ستارے جو دن میں بُجھے ہوئے چراغ بنے رہتے ہیں رات آتے ہی کیسی چمک دکھانے لگتے ہیں۔ ایسے روشن چراغ کہ دُنیا کی کوئی طاقت انھیں بجھا نہیں سکتی۔ ان کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ شیطانوں کی مجال نہیں کہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی کوئی بات لے اُڑیں اور نجومیوں کو جا بتائیں۔ اگر جاتے ہیں تو شہابِ ثاقب کا کوڑا اگر کر ایسا پڑتا ہے کہ فوراً بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

شہابِ ثاقب کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے ستاروں سے کچھ اجزا چھوٹتے ہیں اور زمین پر گرتے ہیں لیکن یہ تحقیق صحیح نہیں بلکہ اس سے مراد وہ میٹیور ہیں جو مابین آسمان و زمین گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ سوادِ ارض سے بنے ہوئے چھوٹے بڑے گولے ہیں جو شب و روز فضا میں چکر لگاتے رہتے ہیں جب یہ ٹکراتے ہیں تو ان سے شعلہ نکلتا ہے جو ہمیں اکثر راتوں کو نظر آتا ہے اسے شیطان کی لُپکی کہتے ہیں یعنی وہ روشنی جو شیطان کو بھگانے والی ہوتی ہے اس کے گرم ٹکڑے جب زمین پر گرتے ہیں تو بعض ٹکڑے کئی کئی من وزنی ہوتے ہیں۔ یہ عجائب خانوں میں رکھے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا ٹکڑا لندن کے میوزیم میں ہے جو چھ سات من وزنی ہے۔ چھوٹے ٹکڑے کلکتہ میوزیم میں بھی ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥
اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ
الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا
نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ
كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩
فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪

اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ جب وہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس سے بڑی چیخ پکار سُنیں گے اور جہنّم جوش مار رہا ہوگا گویا غیظ میں پھٹ پڑے گا۔ جب کوئی انبوہ اس میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کا پہرے دار ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (رسول) نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس ڈرانے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے اُسے جھٹلایا اور کہا تھا کہ خدا نے کوئی شے نازل نہیں کی تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو اس بھڑکتے جہنّم والوں میں سے نہ ہوتے۔ غرض وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لعنت ہو جہنّم والوں پر۔

داروغہ جہنم کا یہ سوال محض اس لیے ہوگا تاکہ اُن جہنمیوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جا رہا بلکہ ان کے ہی کرتوتوں کی سزا ہے۔ خدا نے قرآن کی ہدایت کا پورا بندوبست اپنا رسول بھیج کر اپنی کتاب نازل فرما کے کر دیا تھا لیکن نہ انہوں نے رسول کی بات کان لگا کر سنی اور نہ کتاب خدا کو پڑھ کر سمجھا۔ جو بداعمالیاں وہ کرتے تھے کرتے رہے۔ جب خدا نے اپنی حجّت ان پر تمام کر دی تو اب یہ کہنے کا کوئی حق نہیں رہا کہ ہمیں کیوں جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾
وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾
أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ ع
لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ
النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ
فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾

جو لوگ خدا سے بے اس کے دیکھے بھالے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا تو دلوں کی بات کا بھی جاننے والا ہے۔ کیا جس کو اس نے پیدا کیا ہے اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو بڑا باریک بین واقف کار ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم (ہموار) کر دیا تاکہ اس کے اطراف وجوانب میں چلو پھرو اور جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اسی کی طرف سے قبر سے اٹھ کر جانا ہے۔ کیا تم اس ذات کی طرف سے جو آسمان پر حکومت کرتا ہے اس بات سے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھانس دے اور پھر وہ یکبارگی اُلٹ پلٹ کرنے لگے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ جو آسمان میں سلطنت کرتا ہے تم پر پتھر بھری آندھی چلائے، تمہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

کفار و مشرکین پہلے کھلم کھلا اسلام کے خلاف بات چیت کرتے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ہماری باتیں حضرتؐ سے بیان کر دیتے ہیں تو پھر خلوت میں چپکے چپکے باتیں کرنے لگے تاکہ محمدؐ کے خدا کو خبر نہ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو دلوں کے راز جانتا ہے اس سے تم کسی بات کو کیسے چھپا سکتے ہو۔ خدا نے زمین کو کچھ ایسا

بنا دیا ہے کہ نہ تو زیادہ نرم ہی ہے نہ زیادہ سخت نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد۔ آرام کے ساتھ لوگ اس پر چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن کافروں کو اس کے عذاب سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے وہ اسی زمین میں لوگوں کو دھانس بھی سکتا ہے اور پتھروں بھری ہوائیں چلا کر لوگوں کو ہلاک بھی کر سکتا ہے لہٰذا اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ
يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ
إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ
جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا
فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ
بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ
أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ هُوَ
الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ
قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ
وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا اور دیکھو میری گرفت کیسی سخت تھی کیا انہوں نے

اپنے سروں پر چڑیوں کو اُڑتے نہیں دیکھا جو پَروں کو پھیلائے رہتی ہیں اور سمیٹ لیتی ہیں، خدا کے سوا انہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا خدا کے سوا ایسا کون ہے جو تمہاری فوج بن کر تمہاری مدد کرے۔ کافر لوگ تو دھوکے میں ہیں۔ بھلا اگر خدا انہیں دی ہوئی روزی روک لے تو کون ایسا ہے جو انہیں رزق دے۔ مگر یہ کفّار تو سرکشی اور نفرت (کے بھنور) میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بھلا جو شخص اوندھا منہ کے بل چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا برابر راہِ راست پر چل رہا ہے۔ اے رسول، تم کہہ دو، خدا وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دِل بنائے مگر تم تو بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ کہدو خدا وہی تو ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے۔ کفّار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پُورا ہو گا۔

جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں تم نے ان کا حال سُنا ہوگا کہ ہماری پکڑ کیسی سخت تھی۔ ایسے سخت عذاب اُن پر آئے کہ وہ اس سے بچ کر جا نہ سکے۔ ہر وقت تم ہماری قدرت کے تماشے دیکھتے رہتے ہو پھر بھی ہم پر ایمان نہیں لاتے۔ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ فضا میں کس طرح پَر پھیلائے اُڑ رہے ہیں۔ پھیلاتے بھی ہیں اور سمیٹتے بھی ہیں کیا خدا کے سوا یہ قدرت ان کو کوئی اور بھی دے سکتا ہے۔ کفّار اپنے منہ کے بل چل رہے ہیں یعنی اپنی نافرمانی اور سرکشی کی بدولت جو صحیح راستہ ہے اسے چھوڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ ان ایمان والوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اپنے پیروں سے صحیح راستہ پر چل رہے ہیں۔ بہت فرق ہے ایمان و کفر میں۔ آخر یہ کفّار و مشرکین غلط راستہ پر چل کیوں رہے ہیں۔ کیا ہم نے انہیں کان نہیں دیئے کہ ہمارے رسولؐ کی بات سُنیں۔ کیا ان کے منہ پر آنکھیں نہیں کہ مشرکوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ کیا ان کے سینہ میں دل نہیں کہ اپنی بھلائی بُرائی کو سوچیں۔ یہ سب کچھ ہے مگر یہ جہالت کے بھنور میں پھنسے ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ خدا ہی نے تو ان کو ہر جگہ زمین پر بسایا ہے اگر وہ زندگی بسر کرنے کے سامان مہیا نہ کرتا تو کس کی مجال تھی کہ کسی خطۂ زمین پر آباد ہو سکتا۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دن وہ سب خدا کے سامنے جمع ہوں گے اور ان کو کفر و شرک کی سزائیں بھگتنی ہوں گی۔ کفّار کا یہ کہنا کہ قیامت کا وعدہ کب پُورا ہوگا، ان کے جواب میں اے رسول کہو،

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا
رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے میں کُھلم کُھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں جب یہ کافر اسے قریب سے دیکھ لیں گے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کے تم خواستگار تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ
الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ
مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

تم ان سے کہو اگر خدا مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا۔ ان سے کہہ دو وہی خدا بڑا رحم کرنے والا ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور ہم نے تو اُس پر بھروسہ کر لیا ہے تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریحی گمراہی میں کون ہے۔ اے رسول کہدو اگر تمہارا پانی زمین کے اندر چلا جائے تو کون ایسا ہے جو تمہارے لیے پانی کا چشمہ بہا لائے۔

اے کافرو تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ پانی جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اگر خدا کے حکم سے زمین اس کو سُوکھ لے تو بتاؤ کون ہے جو تمہارے لیے پانی کا چشمہ زمین سے نکال دے گا۔ درصورت پانی نہ ملنے کے کیا تم زندہ رہ سکتے ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تم اس خدا پر ایمان کیوں نہیں لاتے جو کارسازِ عالم ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری زندگی کا ایک ایک سامان ہے۔

﴿۶۸﴾ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾
وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾
اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

نون ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ اس سے لکھتے ہیں اس کی ۔ کہ تم اے رسول اپنے رب کے فضل و کرم سے دیوانے نہیں ہو بے شک تمہارے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے ۔ بے شک تم خُلقِ عظیم پر فائز ہو۔ تم بھی دیکھ لوگے اور کفّار بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے ۔ تمہارا رب اچھی طرح جانتا

ہے کہ اس کے راستہ سے کون بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے تم جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانو۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم نرم ہو جاؤ تو وہ بھی نرم ہو جائیں اور تم کہیں ایسے کے کہنے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھاتا ہے ذلیل اوقات ہے عیب جُو اعلیٰ درجہ کا چغلخور، مال کا بہت بخیل حد سے بڑھنے والا گنہ گار تُند مزاج اس کے بعد بدذات (حرام زادہ) بھی ہے ۔ چونکہ مال اور بہت سے بیٹے رکھتا ہے جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پُرانے قصّے ہیں ۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے ۔

خدا نے اس قلم کی قسم کھائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے اور جو کچھ لکھا گیا یعنی قرآن، اس کی ۔ اس کے بعد فرماتا ہے ، اے رسولؐ، تم مجنون نہیں ہو۔ نزولِ قرآن سے پہلے تک مکّہ والے حضورؐ کو بڑا عقلمند انسان سمجھتے تھے اور اکثر اہم معاملات میں حضورؐ سے مشورہ لیتے تھے ۔ آپؐ کو صادق و امین کہتے تھے ۔ لیکن جب قرآن نازل ہوا اور آپؐ نے تبلیغ شروع کی تو دیوانہ کہنے لگے لیکن کسی کو یہ نہ بتا سکے کہ دیوانگی کی کیا بات پائی جاتی ہے ۔ صرف اس بنا پر کہ حضورؐ بُت پرستی سے منع فرماتے تھے اور ان کے ناکارہ بتوں کو ناکارہ ظاہر فرماتے تھے ۔ عداوۃً ایسے ناسزا الفاظ حضورؐ کی شان میں کہتے تھے ۔

اے رسولؐ، تم نے ہمارے دین کی تبلیغ میں سعیٔ بلیغ فرمائی ہے ۔ ہم اس کے بدلہ میں تم کو وہ اجر دیں گے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ۔ دُنیا میں تو وہ اجر یہ ہوگا کہ قیامت تک تمہارے اہلبیتؑ میں ہدایت کا سلسلہ جاری رہے گا اور آخرت میں تو روزِ محشر کے تم مالک و مہتمم ہوگے ۔ جسے چاہو گے جنت میں بھیجو گے جسے چاہو گے جہنم میں دھکیلو گے ۔

بے شک اے رسولؐ تم خُلقِ عظیم پر فائز ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی ترقی کا باعث سب سے زیادہ حضورؐ کا وہ خلق تھا جس کی نظیر دُنیا کے کسی ہادی ۔ ریفارمر اور مصلح قوم میں ڈھونڈے نہیں ملتی ۔ یعنی اخلاقی کمالات میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو حضورؐ کی ذاتِ اقدس میں نہ پائی جاتی ہو ۔ اور حضورؐ نے عملاً اس کو کر کے نہ دکھایا ہو ۔ یہی لوگ جو کسی وقت میں آپؐ سے برگشتہ تھے اور آپؐ کو مجنون کہتے تھے اور آپؐ کے جانی دشمن تھے، ایک وقت آیا کہ انہی کے سر آپؐ کے قدموں پر تھے ۔ اس کی مثال دُنیا کی تاریخ میں کہاں ملتی ہے کہ بادشاہ اور اس کی تمام رعایا برابر خاک نشین ہو، پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھیں ۔ لوگوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ جو لوگ حضورؐ کو مجنون کہتے تھے وُہ خود دیوانے تھے ۔ جھٹلانے والے کتنا ہی جھٹلاتے رہے آپؐ نے ان کی باتوں پر توجہ ہی نہ فرمائی ۔

کفّار نے کونسی تدبیر تھی جو حضورؐ کو اپنی طرف مائل کرنے میں اٹھا نہ رکھی ۔ ہر قسم کے لالچ بھی دیئے ہر طرح کی دھمکی بھی دی ۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح حضورؐ میں ذرا سی لچک پیدا ہو جائے ۔ ان کے بتوں اور بُت پرستوں

کو بُرا کہنا چھوڑ دیں مگر ان کی یہ خواہش پُوری ہی نہ ہوئی۔ بجائے اس کے کہ حضورؐ ان کی طرف جھکتے ان کو ہی آخر کار حضرتؐ کی طرف جھکنا پڑا۔

آیت نمبر ۱۰ سے ۱۶ تک جس ملعون انسان کا ذکر ہے وہ ولید بن مغیرہ تھا جس کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ ۱۸ برس کی عمر تک آوارہ پھرتا رہا۔ ایسا ذلیل کہ کوئی اس سے منّہ بھر کے بات نہ کرتا تھا۔ چونکہ شریر طبیعت تھا لہٰذا حضورؐ کو مختلف طریقہ سے ستاتا تھا۔ لہٰذا مغیرہ نے اس کو اپنے کام کا آدمی پاکر اپنا بیٹا بنا لیا۔ تاکہ حضورؐ کی دشمنی میں اس کی بدنفسی اور شرارت پسندی سے فائدہ اٹھائے۔ بیٹا بننے کے بعد مغیرہ کی دولت کا مالک بن گیا اور شادی کے بعد بہت سے بال بچے ہوگئے لہٰذا اور زیادہ تکبّر کی شان پیدا ہوگئی۔ اس کی عادت تھی جہاں حضرتؐ کو لوگوں کے مجمع میں آیات کی تلاوت کرتے دیکھتا تو چلّا کر کہتا، کیا بیٹھے سُن رہے ہو یہ تو سب پُرانے زمانے کے قصّے ہیں۔ ان میں کیا کوئی نئی بات ہے جس کو تم کان دوگے۔

چونکہ اپنے کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا لہٰذا خدا نے اس کی ناک کو خرطوم یعنی داغدار فرمایا ہے اور اس پر نشان لگانے کا یہ مطلب ہے کہ ہم اسے دُنیا و آخرت میں ایسا ذلیل کریں گے کہ یاد ہی کرے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا
مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن
رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا
مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾
فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم
مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا
إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ
أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا

ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا
يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا
مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾

جس طرح ہم نے ایک باغ والوں کا امتحان لیا تھا اسی طرح ان کا امتحان لیا۔ جب انھوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہم اس کا میوہ ضرور توڑ لیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا۔ یہ لوگ صبح سویرے پڑے سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) ایک بلا چکر لگا گئی تو وہ سارا باغ جل کر (ایسا) ہوگیا جیسے بہت کالی رات۔ پھر یہ لوگ تڑکے تڑکے لگے غل مچانے کہ اگر تم کو پھل توڑنا ہے تو اپنے باغ میں سویرے سے چلے چلو۔ غرض وہ لوگ چلے اور آپس میں چُپکے چُپکے کہتے جاتے تھے کہ آج مبادہ تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے تو یہ لوگ روک تھام کے اہتمام کے ساتھ پھل توڑنے کی ٹھانے ہُوئے سویرے ہی جا پہنچے۔ جب اسے (جلا ہُوا) سیاہ دیکھا تو کہنے لگے ہم لوگ بھٹک گئے ہیں (یہ ہمارا باغ نہیں پھر سوچ کر بولے) بات یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے بدنصیب ہیں۔ جو ان میں منصف مزاج تھا کہنے لگا، میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ بولے ہمارا پروردگار پاک ہے ہم ہی قصوروار ہیں۔ پھر لگے ایک دوسرے کے منہ ازمنہ ملامت کرنے۔ آخر سب نے اقرار کیا کہ ہائے افسوس ہم ہی خود سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت فرمائے گا، ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس سے پہلے سورۂ کہف میں بھی ایک قصّہ اس طرح باغ والوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اب لوگوں کی تنبیہ کے لیے دوسرے لوگوں کا قصّہ بیان کیا جاتا ہے۔

مضافاتِ یمن میں ایک شہر صنعا ہے وہاں ایک نیک دل آدمی کا باغ تھا۔ اس کا مالک پھل پکنے پر زکوٰۃ بھی دیتا تھا۔ محتاجوں کو بھی کھلاتا۔ مسافروں کی بھی جو اس راہ سے گزرتے خاطر تواضع کرتا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹے اس باغ کے مالک ہوئے۔ اس سال باغ خوب پھلا۔ دو بیٹوں نے یہ صلاح کی کہ اس سال ہم ان پھلوں میں سے

کچھ بھی کسی کو نہ دیں گے نہ محتاجوں کو نہ مسافروں کو نہ رشتہ داروں کو، سب اپنے ہی پاس رکھیں گے۔ اپنی چیز دوسروں کو کیوں دیں۔ تیسرے بیٹے نے جو چھوٹا تھا باپ کے رویے کے خلاف عمل کرنے سے روکنا چاہا مگر وہ اپنے ارادہ سے نہ ہٹے، مجبوراً ان کا ساتھی بن گیا۔ الغرض جب باغ تیار ہوگیا تو ایک دن قریب شام لوگ آئے اور ارادہ کرکے آئے تھے کہ کل صبح اس کے پھل ضرور توڑیں گے مگر حق اللہ اور حقِ عباد بند کر دینے کی وجہ سے رات ہی کو ایسی آفت آئی کہ سارا باغ تباہ ہوگیا اور صبح جاکر دیکھا تو وہاں جلے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس واقعہ سے یہ آگاہی ہوئی کہ خدا پر بھروسہ رکھ کر انسان کو اپنا ہر کام کرنا چاہیئے اور اس کے آغاز سے پہلے انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ دوسرے خدا سے رشتہ توڑ کر اپنی قوت پر ہی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ تیسرے جو رزق اللہ نے دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں بھی دینا چاہیے۔ اور فقیروں اور محتاجوں کے دینے سے گریز نہیں کرنی چاہیے۔ چوتھے وقتِ مصیبت خدا سے لو لگانی چاہیے اور اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ بگڑے کام بنا دے۔ غرض ہر کام کے آغاز میں اس کی کامیابی کے لیے خدا سے مدد کی درخواست کرنی چاہیئے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴
اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۵ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ
تَحْكُمُوْنَ ۝۳۶ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝۳۷ اِنَّ
لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝۳۸ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا
بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝۳۹
سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝۴۰ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاۗءُ ڔ فَلْيَاْتُوْا
بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۴۱

ایسے ہی عذاب آتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ متقی لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت سے بھری ہوئی جنتیں ہیں تو کیا ہم فرماں بردار بندوں کو نافرمانوں کے برابر بنا دیں گے (ہرگز نہیں) تمہیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے (غلط) حکم لگایا کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب آئی ہے جس میں تم نے یہ پڑھا ہے کہ آخرت میں تمہیں وہی ملے گا جو تم پسند کرتے ہو یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو روزِ قیامت تک چلی جائیں گی کہ جو کچھ تم حکم دوگے وہی تمہارے لیے حاضر ہوگا۔ ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس میں کون ذمہ دار ہے (اس باب میں) ان کے اور لوگ بھی شریک ہیں تو اگر یہ لوگ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو سامنے لائیں۔

کافر لوگ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ خدا فرماتا ہے کیا تمہارے پاس کوئی ایسی نازل شدہ اللہ کی کتاب ہے جس میں خدا نے تم سے یہ وعدہ کر لیا ہو کہ آخرت میں جو چیز تم پسند کروگے وہی تم کو مل جائے گی۔ یا پھر ہم نے قیامت تک کے لیے کوئی عہد و پیمان کر لیا ہے کہ جو تم ہمیں حکم دوگے ہم اُسے پورا کریں گے۔ اے رسولؐ، ان سے پوچھو ان باتوں کا ضامن کون ہے۔ تم یا ہم۔ یا تمہارے بتوں نے جنہیں تم نے ہمارا شریک بنایا ہے ایسا تم سے کہا ہے تو اگر تم سچے ہو تو ذرا ان کو ہمارے سامنے لاؤ تاکہ اُن سے پوچھا جائے۔ غرض یہ ہے کہ یہ سب تمہارے لغو بیان ہیں۔ خدا نے نہ تم سے کوئی وعدہ کیا ہے نہ وہ تمہارا محکوم ہے۔ تم اپنے دل میں جو چاہو فرض کر لو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۴۲
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ
اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝۴۳ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا
الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۴ وَاُمْلِيْ
لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝۴۵ اَمْ تَسْــَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ
لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ
مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ
وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور لوگ سجدہ کے لیے بُلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی آنکھیں جُھکی ہوئی ہوں گی رُسوائی ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ لوگ سجدہ کے لیے بُلائے جاتے تھے اور ہٹے کٹے تندرست تھے (مگر سجدہ نہ کرتے تھے) تو مجھے اس کلام کے جھٹلانے والے سے سمجھ لینے دو۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ اے رسُول کیا تم ان سے تبلیغ رسالت کا کوئی صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ یہ لوگ لکھ لیا کرتے ہیں۔ تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کرو اور مچھلی کا نوالہ بننے والے (یونسؑ) جیسے نہ ہو جاؤ کہ جب وہ غصہ میں بھرے ہوئے تھے اپنے رب کو پکارا۔ اگر تمہارے رب کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا برا حال ہوتا۔ ان کے پروردگار نے برگزیدہ کر کے نکوکاروں میں سے بنا دیا۔

عرب میں پنڈلی کھولنے کا مطلب کسی سخت مصیبت کا آنا ہے۔ قیامت کے دن سے زیادہ مصیبت اور کس دن ہوگی۔ باوجودیکہ کفّار جسم کے لحاظ سے صحیح سالم ہوں گے لیکن ان کی گردنیں ایسی اکڑی ہوں گی کہ سجدہ کے لیے جُھک نہیں سکیں گے۔ جب دُنیا میں خُدا کو سجدہ نہ کیا تو اب ان کا سجدہ کیوں قبُول کیا جائے۔

صاحب الحوت سے مراد حضرت یونسؑ ہیں۔ جو قوم کی سرکشی سے اور ان پر عذاب ٹل جانے کی وجہ سے غصہ میں بھرے ہوئے چل دیئے تھے۔ انہوں نے صبر سے کام نہ لیا۔ لہٰذا اے رسولؐ، تم ان جیسے نہ بنو۔ تمہاری قوم جو ظلم تم پر کر رہی ہے اُسے صبر و استقلال کے ساتھ جھیلو۔ اگر حضرت یونسؑ بطن ماہی میں یادِ خدا نہ کرتے تو وہ زندہ

رہ نہیں سکتے تھے۔ تسبیح خدا کی برکت سے جب زندہ و سلامت مچھلی نے انہیں اُگلا تو وہ ایک چٹیل میدان کے کنارہ پر پڑے۔ بدن میں اتنی سکت کہاں تھی۔ جلدِ بدن نہایت نرم و نازک ہوگئی تھی۔ خدا نے اپنی رحمت سے ایک کدو کی بیل وہاں اُگا دی جس کے چوڑے چوڑے پتوں نے ان کو ڈھانپ لیا۔ جس سے نہ تو سُورج کی کرنوں سے انہیں تکلیف پہنچی اور نہ مکھی وغیرہ کے بیٹھنے سے تکلیف ہوئی۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

یہ کافر لوگ تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں گویا تمہارے قدم اُکھاڑ دیں گے اور جب قرآن کو سُنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے حالیکہ یہ قرآن تمام عالموں کے لیے نصیحت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ سے یہ مراد ہے کہ وہ غیظ بھری نگاہوں سے ایسا گھور کر دیکھتے ہیں گویا کھا جائیں گے۔ جب حضورؐ قرآن پڑھ کر سُناتے تھے تو کفّار و مشرکین بڑی غیظ آلود نگاہوں سے حضرتؐ کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے، سُننے والو! اس کی باتیں کیا سُن رہے ہو۔ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ حالانکہ جو چیز اُن کو سُنائی جا رہی تھی وہ تمام عالموں کے واسطے نصیحت تھی۔ جو کلام تمام عالموں کے لیے باعث ہدایت ہو بھلا اس کا بیان کرنے والا دیوانہ کیسے ہو سکتا ہے۔

نظرِ بد کا اثر اگر کسی پر ہو گیا ہو تو سات مرتبہ یہ آیت اس پر دم کر دے یقیناً اُسے صحت حاصل ہوگی۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے اگر قبروں کو کھود کر دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر اموات نگاہِ بد کے اثر سے ہوئی ہوں گی۔

---

۶۹ سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳
كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۴ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا
بِالطَّاغِيَةِ ۵ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ
عَاتِيَةٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ
حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ
خَاوِيَةٍ ۷ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۸ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ
وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ۹ فَعَصَوْا رَسُولَ
رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً ۱۰

سچ مچ ہونے والی قیامت ۔ وہ سچ مچ ہونے والی کیا چیز ہے ، وہی کھڑکھڑانے والی جس کو عاد و ثمود نے جھٹلایا ۔ غرض ثمود تو چنگھاڑ سے ہلاک کر دیئے ۔ رہے عاد تو وہ بہت شدید تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے ۔ خدا نے اسے سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلایا تو لوگ اس طرح ڈھے (مرے) پڑے تھے گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے تھے ۔ تو کیا ان میں سے کسی کو بچا کھچا دیکھتا

قوم عاد و ثمود پر عذاب

ہے اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور وہ (قوم لوط) جو الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تو خدا نے بھی ان کو بڑی سختی سے دھر پکڑا ۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں لوگ قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے یہ بات تو عقل میں آنی والی ہی نہیں ، ہم اسے کیسے مان لیں ۔ ان سے کہا جا رہا ہے وہ تو آ کر رہے گی ۔ تمہارے انکار سے اس کا آنا رک نہیں سکتا ۔ جو لوگ تم سے پہلے انکار کرتے تھے ۔ ان کا جو حشر ہوا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قوم عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت جس طرح ہوئی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ زمین پر اب تک ان کے نشانات موجود ہیں ۔ پس جب ہمارے عذاب سے وہ نہ بچے تو تم کیا بچوگے ۔

انبیائے سابقین کی امتوں پر جو عذاب آئے ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آخرت میں وہ معتوب نہ ہوں گے یہاں کی سزا ان کو وہاں کی سزا سے بری نہ کرے گی ۔ یہاں تو جو سزا ان کو دی گئی تھی وہ محض رسول کی نافرمانی کی سزا تھی ۔ جیسا کہ فرماتا ہے فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا "۱۶/۷۳ المزمل (فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اسے سختی کے ساتھ دھر پکڑا) ۔ پس رہا احکام الٰہی کو نہ ماننا اور حقوق العباد کا ضائع کرنا ۔ بے گناہوں پر ظلم کرنا ۔ معاشرہ میں فساد پھیلانا تو اس کی سزا تو ظالم و مظلوم دونوں کی موجودگی میں حساب کتاب کے بعد ہوگی ۔

ہمارے رسولؐ چونکہ رحمۃ للعالمینؐ ہیں لہٰذا ان کی امت میں من حیث المجموع کسی قوم پر عذاب نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا بلکہ آخرت میں ان پر دہرا عذاب ہوگا ۔ رسولؐ کی نافرمانی بے حرمتی اور ایذا رسائی کا بھی اور حقوق الناس کی ضبطی ۔ ستم پروری اور فتنہ پروری کا بھی ۔

إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۱۱ لِنَجْعَلَهَا
لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۱۲ فَإِذَا نُفِخَ فِي
الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۱۳ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ
فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۱۵

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى
اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾
يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

جب پانی چڑھنے لگا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اسے تمہاری یادگار بنائیں اور (سننے والے) سُن کر یاد رکھیں پھر جب صور میں ایک بار پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اکبارگی (ٹکرا کر) ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز قیامت آ ہی جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ پھُس پھُسا ہوگا اور فرشتے اس کے کنارہ پر ہوں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم سب (خدا کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔

پہلی آیت میں نوحؑ کے طوفان کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ جب طوفانِ نوحؑ میں پانی چڑھنے لگا تو ہم نے تم کو سوار کیا۔ یہاں تم کو سے مراد وہی لوگ ہیں جو کشتیٔ نوحؑ میں سوار تھے۔ لیکن عہدِ رسالت والے لوگوں سے خطاب اس بنا پر ہے کہ تم انہیں کی اولاد ہو۔ اگر وہ نہ بچا لیے جاتے تو تم کہاں سے ہوتے۔ پس ان کا کشتی میں سوار کرنا گویا تمہارا سوار کرنا تھا۔

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ سے مراد ایسے کان ہیں جو بات کو سُن کر یاد رکھتے ہیں بھُول نہیں جاتے۔ ایسے کان والے سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ تفسیر دُرِّ منثور جلد۶ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے فرمایا، میں نے خدا سے عرض کی تھی کہ ایسے کان علیؑ کے بنائے جو کبھی کسی بات کو سُن کر نہ بھُولیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے جو بات میں نے رسولؐ سے سُنی وہ کبھی نہ بھُولا اور بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور دُور نہ ہونے دوں۔ اور تم کو تعلیم دوں اور تم یاد رکھو تم کو حق کی قسم یاد رکھنا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا، اے علی! تُو میرے علم کی یاد رکھنے والا کان ہے۔

غور کیا جائے تو امیر المومنین کی یہ ایک بہت بڑی صفت ہے جس میں دوسرے شریک نہیں۔ صحابِ رسولؐ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جاتا تھا جس نے آنحضرتؐ کی تعلیم کو اس طرح یاد رکھا ہو کہ کوئی جُز اس کا بھولا ہی نہ

ہو قرآن بتا رہا ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو حضورؐ کے مواعظ کے سننے کے بعد جب باہر نکلتے تھے تو اہلِ علم سے پوچھتے تھے مَاذَا قَالَ اٰنِفًا (حضورؐ نے ابھی کیا فرمایا تھا) حضرت علیؑ فرماتے تھے میں نے رسولؐ سے تعلیم اس طرح حاصل کی کہ جب میں نے جو کوئی بات پوچھی تو حضرتؐ نے اس کا جواب دیا۔ اور جب میں خاموش رہا تو اپنی طرف سے خود حضرتؐ نے تعلیم دی۔ اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرماتے تھے۔ هٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ هٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا زَقَّنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَقًّا۔ (میرا یہ سینہ علم کی گٹھڑی ہے یہ لعابِ رسولؐ کا اثر ہے یہ وہ علم ہے جس کو رسولؐ نے اس طرح تعلیم دیا ہے جیسے طائر اپنے بچّہ کو بھراتا ہے)۔ پس تعلیمِ رسولؐ کو محفوظ رکھنے والا حضرت علیؑ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کو اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی تاویل راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا نہ صاحبِ جسم ہے نہ صاحبِ جہت و مکاں، نہ وہ ہماری طرح بیٹھا ہوا ہے جسے آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہی کہا جاسکتا ہے کہ جب آسمان پھٹیں گے تو آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کی حفاظت پر مامور ہوں گے اور اُسے پھٹنے سے بچائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مجسّمہ فرقہ کا یہ خیال کفرِ محض ہے کہ قیامت کے دن تمام کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا۔ سوائے خدا کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ خدا عرش پر بیٹھ کر تمام مخلوق کو اپنا جلوہ دکھائے گا اور لوگوں سے خود سوال و جواب کرے گا۔ ورنہ محاسبہ کیسے ہوگا۔ اس صورت میں تو خدا صاحبِ جسم قرار پاتا ہے اور جو صاحبِ جسم ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ جلوہ آرائی تو صاحبِ جسم ہی کر سکتا ہے نہ کہ وہ ذاتِ پاک جو جسم و جسمانیات سب سے مبرّا ہے۔ اب رہا سوال و جواب کرنا تو جس طرح آج اس دُنیا میں وہ اپنے احکام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے پہنچا رہا ہے اور دُنیا والوں کی باتوں کا جواب دے رہا ہے اسی طرح قیامت میں ہوگا۔ حضرت رسولِ خدا اہلِ محشر سے بات چیت کریں گے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ میدانِ حشر میں ایک آواز پیدا ہوگی جو اہلِ محشر سے بات چیت کرے گی۔ یہ آواز خدا کسی چیز میں پیدا کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اس میں زیادہ غور و فکر کرنے سے انسان حدودِ ایمان سے باہر ہو کر گمراہی میں جاسکتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾
اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾
فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا

بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۲۴) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ
بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ (۲۵) وَلَمْ اَدْرِ مَا
حِسَابِيَهْ (۲۶)

جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (لوگوں سے) کہے گا (لیجئے) میرا اعمال نامہ پڑھیئے میں تو جانتا تھا کہ میرا حساب کتاب ضرور ہوگا۔ پھر وہ دل پسند عیش میں ہوگا بڑے عالیشان باغ میں جس کے پھل بہت جھکے ہوئے قریب ہوں گے مزے سے کھاؤ پیو ان کارروائیوں کے صلہ میں جو تم گزشتہ زمانہ میں کر آئے ہو اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور نہ مجھے معلوم ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۲۷) مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ (۲۸) هَلَكَ
عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ (۲۹) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ (۳۱)
ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ (۳۲) اِنَّهٗ كَانَ
لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ (۳۳) وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۳۴)
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ (۳۵) وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (۳۶)
لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ (۳۷) فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ (۳۸)
وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (۳۹) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۴۰) وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ

شَاعِرٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (۴۱) وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ (۴۲) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۳)

کاش موت نے میرا کام تمام کر دیا ہوتا۔ افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری سلطنت خاک میں مل گئی (حکم ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر ایک زنجیر میں جس کی ناپ ستر گز کی ہے اسے خوب جکڑ دو کیونکہ نہ تو یہ صاحبِ عظمت خدا ہی پر ایمان لایا تھا نہ محتاج کے کھلانے پر (لوگوں کو) آمادہ کرتا تھا تو آج یہاں نہ کوئی اس کا غمخوار ہے اور نہ پیپ کے سوا اس کا کچھ کھانا ہے جس کو گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ مجھے ان چیزوں کی قسم جو تم کو دکھائی دیتی ہیں اور جو دکھائی نہیں دیتیں بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کی تک بندی نہیں، تم لوگ تو بہت کم ایمان لائے ہو۔ یہ نہ کسی کاہن کی خیالی بات ہے۔ تم لوگ تو بہت کم غور کرتے ہو، یہ تو سارے جہان کے پالنے والے خدا کا نازل کیا ہوا قرآن ہے۔

قرآن مجید کے متعلق کفار مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے یہ رسولؐ نے خود گھڑ لیا ہے۔ ۲۔ اس میں شاعری کے سوا کیا رکھا ہے۔ ۳۔ یہ تو پرانے زمانے کے قصے ہیں۔ ۴۔ یہ ایک نجومی (کاہن) کا کلام ہے۔ ۵۔ انمل بے جوڑ باتیں ہونے کی وجہ سے ایک دیوانہ کا کلام ہے۔ خدا نے ان سب کی تردید میں فرمایا ہے، نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا بلکہ رب العالمین خدا کا نازل کیا ہوا کلام ہے جسے ایک بزرگ پیغامبر (فرشتہ) کے ذریعے سے اپنے رسول (محمد مصطفیٰ) کے پاس بھیجا گیا ہے اور اس کی صداقت کے متعلق جا بجا ثبوت قرآن میں مذکور ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خدا کے سوا دوسرے کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (۴۴) لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (۴۵)
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (۴۶) فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ

حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ
اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

اگر رسول ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لائے تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور ان کی گردن اُڑا دیتے تو تم میں سے کوئی مجھے اس سے روک نہ سکتا۔ یہ تو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کافروں کے لیے حسرت کا باعث ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ یقیناً برحق ہے پس تم اپنے بزرگ پروردگار کی تسبیح کرو۔

جو لوگ کہتے تھے کہ یہ قرآن رسولؐ نے گھڑ لیا ہے اُن کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ پوری کتاب کا کیا ذکر اگر نبی ایک بات بھی ہماری طرف سے بنا کر کہہ دے تو ہم اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیں۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیرو کہتے ہیں اگر ہمارا نبی جھوٹا ہوتا تو خدا اس کو ضرور ہلاک کر ڈالتا۔ لہٰذا اس کو ہلاک نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ سچا نبی ہے۔

اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا جو کچھ فرما رہا ہے وہ اس نبی کے متعلق ہے جس کو اس نے خود بنایا ہے نہ یہ کہ وہ خود نبی بن بیٹھا ہو۔ ایسے شخص کو تو سزا آخرت میں ملے گی۔ یہاں تو اس کی باطل نبوت کا راز خود ہی لوگوں پر کھل جائے گا۔

﴿٧٠﴾ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ﴿٧٩﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ
دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ
وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ
سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ
بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾
يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ
بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ
تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾
كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ
اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا جو کافروں پر آتا ہے اور جس کا دفع کرنے والا کوئی نہیں

ہوتا جو صاحبِ درجات خدا کی طرف سے (ہونے والا) تھا۔ جس کی طرف رُوح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں اور یہ ایک دن میں اتنی مسافت طے کرتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس ہے تو تم ان تکلیفوں کو اچھی طرح برداشت کرتے رہو۔ قیامت اُن کی نگاہ میں بہت دُور ہے اور ہماری نظر میں نزدیک ہے۔ اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کا سا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی جیسا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے کو دیکھتا ہو گا لیکن کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ گنہ گار آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب کے بدلے اس کے بیٹوں اس کی بی بی اس کے بھائی اور اس کے کنبہ میں جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی رُوئے زمین پر ہیں سب کو لے لیں اور اس کو چھٹکارا دے دیں مگر یہ ہرگز نہ ہو گا۔ اس کے لیے وہ جہنّم کی آگ ہے جو کھال کو ادھیڑ کر رکھ دے گی اور ان لوگوں کو بُلاتی ہو گی جنہوں نے دین سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑ لیا۔ اور مال جمع کیا اور قید کر رکھا۔

شیعہ مفسّرین نے اس سورہ کی شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے جنابِ امیرؑ کو غدیرِ خم میں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور یہ خبر اطراف و بلاد میں پھیلی تو حارث بن نعمان فہری مدینہ آیا اور اپنے ناقہ سے اُترا اور ایک جگہ اسے باندھ کر حضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ اس وقت اصحابؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ یہ آتے ہی بے باکی سے کہنے لگا اے محمدؐ تم نے توحید کو کہا ہم نے مان لیا۔ نماز کو کہا ہم نے نماز پڑھی۔ روزہ کو کہا ہم نے رکھا۔ حج کو کہا ہم نے کیا۔ اس پر بھی تم کو چین نہ آیا اور اپنے چچازاد بھائی کو ہم پر حاکم بنا دیا۔ یہ تم نے اپنی طرف سے کیا ہے یا خدا کی طرف سے۔ فرمایا، خدا کی قسم خدا کی طرف سے کہا۔ یہ سن کر حارث پچھلے پاؤں پلٹا اور یہ کہتا ہوا چلا کہ خداوندا اگر یہ سچ کہتے ہیں تو مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر یا کوئی عذاب نازل کر۔ ابھی وہ اپنی سواری تک نہ پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور اس کے پاخانہ کے مقام سے نکل گیا۔ (تفسیر ثعلبی)۔

اکثر مفسّرین سوادِ اعظم کی یہ عادت ہے کہ جو چیز فضائلِ اہلبیتؑ سے متعلق ہوتی ہے اُسے ہٹانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ شانِ نزول کو بدل دینا تو ان کے لیے معمولی بات ہے چنانچہ ان آیات کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، کسی سائل نے پوچھا، کافروں پر ایسا عذاب کب آئے گا جس کا کوئی دفع کرنے والا نہ ہو گا اس بلندی والے خدا سے کہا گیا جس تک پہنچنے کے لیے ملائکہ کو پچاس ہزار برس کی مسافت طے کرنا ہوتی ہے۔ خدا کسی جگہ بیٹھا نہیں جس تک پہنچنے کے لیے اتنی مدّت درکار ہو۔ بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ کائناتی نقطۂ آخر وہاں ہے کہ ملائکہ اس تک پچاس ہزار سال میں پہنچ سکتے ہیں۔ (ہمارے سال کے اعتبار سے)۔

تفسیر صافی اور اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قیامت میں ٹھہرنے کے

پچاس مواقع ہیں اور ایک ایک موقع پر ہزار برس ٹھہرنا ہو گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کسی نے حضرت رسولِ خداؐ سے پوچھا یہ دن کیسا لمبا معلوم ہو گا۔ فرمایا، خدا کی قسم، مومن کے لیے تو وہ اتنا چھوٹا ہو گا جتنی دیر میں وہ دو رکعت نماز پڑھتا ہے۔

پھر رسولؐ کو حکم ہوتا ہے کہ تم کو کافروں سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں ان پر صبر کرو پورا پورا صبر۔ اس کے بعد قیامت کا ذکر آیا ہے۔ فرماتا ہے، لوگ اسے دُور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب جانتے ہیں۔

اکثر جگہ قرآن میں اور احادیث میں قربِ قیامت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ لوگ ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں، یہ کیسا قرب ہے کہ آتا ہی نہیں۔ ہزارہا برس اسی وعدہ میں گزر گئے۔ ان کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں کہ کائنات کی عمر کیا ہے۔ پس جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے قیامت قریب ہی آتی جاتی ہے۔ جیسے انسان کی عمر کا جتنا حصّہ گزرتا جاتا ہے موت اس سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ کائنات کی عمر کتنی ہے خدا اس کو بتانا نہیں چاہتا۔ یہ اس کے مصالح پر موقوف ہے۔ البتہ اس نے اس کی علامتیں بتا دی ہیں۔ آسمان تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا یعنی اس قدر آگ بھڑکے گی کہ تانبے کی طرح سرخ معلوم ہو گا۔ اور یہ اونچے اونچے سربفلک پہاڑ جو رُوئے زمین کے ایک بڑے حصّہ پر پھیلے ہوئے ہیں دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہر طرف اُڑتے اُڑتے پھرتے ہوں گے اور یہ ایسا سخت وقت ہو گا کہ کوئی کسی کا دوست نہ ہو گا۔ جو مجرم قرار پائیں گے وہ کوئی بدلہ دے کر چھٹکارا چاہیں گے۔ تب بھی ممکن نہ ہو گا چاہے وہ تمام دُنیا کو بدلہ میں دے دیں تو بھی جہنم سے آزادی نہ ملے گی، وہ ضرور جہنم کے شعلوں میں ڈالے جائیں گے جو ان کی کھال کو جھلس کر رکھ دیں گے۔ پھر کھال پیدا ہو گی اور پھر جھلس جائے گی۔ یہی ہوتا رہے گا کب تک ایسا ہو گا اسے کوئی نہیں بتا سکتا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾
وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ
عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ
مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ
الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ اِنَّ

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾

انسان بے شک بڑا لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف چھو بھی گئی تو گھبرا گیا اور جب ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا۔ مگر جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں جو اپنی نماز کا التزام رکھتے ہیں اور جن کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والے کے لیے مقرر حصّہ ہے اور جو لوگ روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک ان کو رب کے عذاب سے بے خوف رہنا چاہیئے۔

یعنی انسان کو جب مالی تکلیف ہوتی ہے تو بلبلا بلبلا کر خدا سے دُعا مانگتا ہے اور جب اللہ اپنے فضل سے دولت کا مالک بنا دیتا ہے تو پھر بخل سے کام لیتا ہے اور محتاجوں کو کوڑی نہیں دیتا۔ یہ بھلا دیتا ہے کہ میں بھی کبھی محتاج تھا ہاں وہ لوگ ایسے نہیں جو بڑی پابندی سے نمازیں پڑھتے ہیں اور جو روزی خدا نے دی ہے اس میں سے مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کو جنہیں مانگتے شرم آتی ہے کچھ حصّہ دیتے رہتے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ واجب مراد نہیں بلکہ ازراہِ ہمدردی اور اخوّتِ اسلامی ان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ
وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ
لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ
قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ
فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾ ع

اور وہ اپنی شرمگاہوں کی اپنی بی بیوں اور اپنی کنیزوں کے سوا حفاظت کرتے ہیں ایسے لوگوں

کو ہرگز ملامت نہیں کی جائے گی مگر جو لوگ ان کے سوا اور کے خواستگار ہوں تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی شہادتوں (گواہیوں) پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ایسے ہی لوگ بہشت کے باغوں میں عزت سے رہیں گے۔

فروج کی حفاظت سے مراد زنا سے بچنا ہے اور عریانی سے بھی۔ جو لوگ اپنی بی بیوں اور لونڈیوں کے سوا دوسری عورتوں سے زنا کریں گے وہ حدودِ شریعت سے باہر ہو جائیں گے۔

سچی گواہی دینا اور سچی گواہی سے اپنے کو بچانا بھی گناہ ہے۔ اس سے پہلے بھی نماز کی حفاظت کا ذکر تھا۔ اب دوبارہ نمازوں کی حفاظت کے لیے بیان کیا گیا ہے یہ بغرضِ تاکید ہے۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِينِ
وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ
يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾
فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿٤٠﴾ عَلَىٰ
أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ
يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾
يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ
يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ
الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾ ع

(اے رسولؐ) ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ تمہارے پاس گروہ کے گروہ داہنے بائیں سے دوڑے ہوئے چلے آرہے ہیں کیا ان میں سے ہر شخص اس کا متمنّی ہے کہ آرام دہ جنّت میں داخل ہوگا۔ ہرگز نہیں، ہم نے جس گندی چیز سے پیدا کیا تو یہ لوگ اسے جانتے ہیں تو میں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم ضرور اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے ان سے بہتر لوگ لا بسائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں تو تم ان کو چھوڑ دو کہ باطل میں پڑے کھیلتے رہیں یہاں تک کہ جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آموجود ہو۔ اس دن یہ لوگ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے گویا وہ کسی جھنڈے کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ان پر رسوائی چھائی ہوئی ہوگی یہ وہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کافر لوگ تمہارا مذاق اڑانے کے لیے ہر طرف سے دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں کیا یہ لوگ جنّت میں داخل ہونے کے قابل ہیں یا وہ لوگ جن کی صفات پہلے بیان کی گئی ہیں۔
چونکہ موسموں کے لحاظ سے چاند سورج مشرق و مغرب بدلتے رہتے ہیں اس لیے رب المشارق والمغارب فرمایا ہے۔ رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ ان کافروں کو یوں ہی کھیل کود کر زندگی بسر کرنے دو یہاں تک کہ جس قیامت کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کو آئے۔ اس روز یہ نہایت ذلت سے قبروں سے نکالے جائیں گے۔

---

(۷۱) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ (۷۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ۝٢ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝٣ يَغْفِرْ لَكُمْ
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ

لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ
قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝٥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝٦

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور کہا تم اپنی قوم کو ڈراؤ۔ اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کے پاس آجائے۔ انہوں نے کہا اے قوم میں واضح طریق سے تم کو ڈرانے والا ہوں تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں (موت کے) مقررہ وقت تک زندہ رکھے گا۔ اللہ کا معین کردہ وقت جب آجائے گا تو ٹلنے کا نہیں کاش تم جانتے ہوتے۔ نوحؑ نے کہا اے میرے رب، میں نے دن رات اپنی قوم کو (امر حق کی طرف) بلایا لیکن وہ میرے بلانے سے اور زیادہ گریز کرتے ہی رہے۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو ہدایت کی مگر چند آدمیوں کے سوا کسی پر اثر نہ ہوا ان کا کہنا یہ تھا کہ بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کے عبادت گزار بنو اور گناہوں سے اپنے کو بچاؤ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اگر تم نے میرا کہنا مانا تو جو کچھ گناہ تم نے اب تک کیے ہیں خدا ان کو بخش دیگا مگر وہ ایسی نالائق قوم تھی کہ حضرت نوحؑ کی بات کو کان دھر کر سنتی ہی نہ تھی۔

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝٧ ثُمَّ
اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝٨ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ
اِسْرَارًا ۝٩ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ يُّرْسِلِ
السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ
يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝١٢ مَا لَكُمْ لَا

تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

مَیں نے جب کبھی ان کو بُلایا (کہ توبہ کرلیں) تاکہ تُو ان کو بخشش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور (چھُپنے کے لیے) اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ بیٹھے اور اکڑ مکر کرنے لگے۔ پھر میں نے بالاعلان بُلایا پھر ظاہر بظاہر سمجھایا ان کو پوشیدہ طور پر بھی فہمائش کی اور ان سے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت کی دُعا مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا اور مال اور اولاد میں ترقّی دے گا۔ تمہارے لیے باغ اگائے گا اور نہریں جاری کرے گا تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ خدا کی عظمت کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے حالانکہ اُس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا ہے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو ہدایت کرنے میں ہر طریقہ استعمال کرتے رہے۔ بالاعلان بھی سمجھایا۔ پھر ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ بھی خفیہ طریق سے راہِ راست دکھائی۔ یہ بھی کہا کہ خدا تمہارے پچھلے گناہ معاف کردے گا۔ یہ بھی کہا کہ خدا موسلا دھار رو برسا کر تم کو قحط سے بچالے گا۔ یہ بھی کہا کہ مال اور اولاد میں تمہاری ترقی ہوگی۔ مگر وہ ایسے چکنے گھڑے تھے کہ کسی بات کا ان پر اثر ہی نہ ہوا۔ جب حضرتؑ کچھ کہنا چاہتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ ان کے سامنے سے گزرتے تو کپڑوں سے منہ لپیٹ لیتے تاکہ وہ پہچان کر کسی کو بُلائیں نہیں۔ یا اُن کی آواز کانوں میں نہ آسکے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ
الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا
فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ع قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ ع ۲۰ ۱ ۹

مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ
وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا
كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

(اور حضرت نوحؑ نے یہ بھی کہا) کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا نے سات آسمان تہ بتہ بنائے اور چاند کا ان میں نور دکھا دیا اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ اس نے زمین میں سے تمہارے لیے نباتات کو اُگایا۔ اس زمین میں پھر تم کو داخل کردے گا اور پھر اسی سے (قیامت کے دن) تمہیں باہر نکالے گا۔ خدا ہی نے تو زمین کا فرش بچھایا تاکہ تم اس کے چوڑے راستوں پر چلو پھرو۔ (جب نہ مانے) تو نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان رئیسوں کے تابعدار بن گئے جنہوں نے مال و اولاد میں نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ انھوں نے بڑی بڑی مکّاریاں کیں۔ انھوں نے (لوگوں سے) کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ کو نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑنا۔ اور انہوں نے بہت سوں کو بہکایا۔ تُو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقّی نہ دے۔

قوم نوح کے سردار اور رئیس عام لوگوں کو مختلف طریقہ سے بہکاتے تھے۔ کبھی کہتے تھے نوحؑ میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ اللہ نے اسے اپنا رسول بنایا ہے۔ یہ تو بہت معمولی آدمی ہے۔ نہ تو اس کے پاس کوئی خزانہ ہے نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں وہ ہماری قوم کے رذیل لوگ ہیں جن سے ہم بات کرنا بھی نہیں چاہتے۔

جن بتوں کے نام آیت میں ذکر کیے گئے ہیں یہ مختلف قوموں کے بُت تھے جن کو جسیم آدمیوں کی صورت میں پتھر کا بنایا گیا تھا۔ جن میں سے بعض کو مرد مانا جاتا تھا اور بعض کو عورتیں۔ طوفانِ نوح کے بعد انہی کی پوجا ہونے لگی تھی۔ بعض کے نام بدلے گئے بعض لات وعزّیٰ اور منات کے نام کے نئے بُت بنا کھڑے کیے۔ یہی وہ ہیں جو ہندوؤں میں دیوی دیوتا کہلائے۔ آغاز اس کا یوں ہوا کہ جس قوم میں کوئی بڑا پارسا روحانی عظمت والا انسان ہوتا تھا جس کے تقدس کی ساری قوم قائل ہوتی تھی مرنے کے بعد اس کا پُتلا بطور

یادگار بنالیا جاتا تھا۔ کچھ دن تو لوگ تعظیماً اُس کے سامنے جھکتے تھے پھر رفتہ رفتہ یہ خیال پیدا ہُوا کہ اُس کی رُوح اس پتلے کے اندر حلُول کر گئی ہے لہٰذا اُس کے آگے سجدہ ریزی ہونے لگی پھر اُس کو خدا کا رُوپ سمجھ کر پوجا ہونے لگی۔ ان کے نام وضع کر لیے گئے۔ سب سے پہلے دُنیا میں حضرت شیث بن آدمؑ کا پتلا بنایا گیا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ تک بُت پرستی اس درجہ پھیل گئی کہ خدا پر ایمان لانے والے خال خال نظر آنے لگے۔ باوجود ساڑھے نو سو سال کی شب و روز ہدایت کرنے کے چند آدمیوں سے زیادہ مسلمان نہ ہو سکے۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد کشتی میں جو لوگ تھے جب ان کی نسل چلی تو کچھ مدت بعد پھر بُت پرستی کا عقیدہ زور پکڑ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک یہ وبا اتنی عام ہوئی کہ مسلمان ڈھونڈے نہ ملتا تھا اس منزل پر پہنچ کر منکرینِ خدا تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک بُت پرست دوسرے ستارہ پرست تیسرے شخصیت پرست یعنی نمرود کو خدا ماننے والے۔ آخر کار خود حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں مومن و کافر دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے تھے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا
يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ
دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

آخر وہ اپنے گناہوں کی سزا میں پہلے تو ڈوبائے گئے پھر جہنّم میں جھونک دیئے گئے۔ پھر انہوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور نوحؑ نے کہا اے میرے رب، ان کافروں میں سے کسی کو روئے زمین پر بسا ہُوا نہ رہنے دے اگر تُو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔ اے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ اور جو مومن میرے گھر میں آئے

اور تمام ایماندار مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کی تباہی کو اور زیادہ کر۔

زمانہ نوحؑ کے کفار پر دوہرا عذاب نازل ہُوا۔ ایک یہ کہ ان کو غرق کر دیا گیا دوسرا یہ کہ ان کی روحوں کو داخلِ جہنم کیا گیا۔ یہی صورت فرعون کے لیے ہوئی۔ جناب نوحؑ اپنی قوم کے مظالم سے اتنا پریشان ہو چکے تھے کہ انہوں نے تمام قوم کی تباہی کے لیے بددعا کی۔ اس سے معلوم ہُوا کہ بستیوں میں کفار کی تعداد زیادہ تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی کافر کا گھر آباد ہی نہ رہے ورنہ یہ لوگ یوں ہی بہکاتے رہیں گے اور جو اولاد ان کی ہوگی وہ کافر ہی رہے گی۔

---

(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا
سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ
نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ
صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ
شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ
مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

اے رسول لوگوں سے کہو کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے (قرآن کو) جی لگا کر سُنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان

لے آئے اور اب ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بڑی ہے۔ اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے نہ بیٹا بیٹی۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض بے وقوف خدا کے بارہ میں حد سے زیادہ لغو باتیں بکا کرتے ہیں اور یہ کہ آدمی اور جن خدا کی نسبت جھوٹی بات نہیں بول سکتے۔ اور یہ کہ آدمیوں میں سے کچھ لوگ جنّات میں سے بعض کی پناہ پکڑا کرتے ہیں اور اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔

ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت رسولؐ مبعوث برسالت ہوئے اور جنّوں کا آسمان پر جانا بند ہُوا۔ تو وہ لوگ سمجھے کہ دُنیا میں کوئی نیا حادثہ ہوا ہے اس بنا پر کچھ جنّات اس کی تحقیق کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور وہ اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔ چنانچہ جو مکہ آئے تھے انہوں نے بازار عکاظ میں حضرتؐ کو دیکھا کہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ نمازِ صبح میں مشغول ہیں۔ جب انھوں نے حضرتؐ کو قرآن پڑھتے سُنا تو کہنے لگے یہی وہ واقعہ ہے جس نے ہم لوگوں کو آسمان پر جانے سے روکا ہے آخر یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور حال بیان کیا۔ (بخاری و مسلم)

پہلی آیت بتاتی ہے کہ حضورؐ کو جنّوں کے قرآن سُننے کی خبر نہ تھی بعد کو بذریعہ وحی پتہ چلا۔ قُرْاٰنًا عَجَبًا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایسا کلام سُنا ہے جو بلحاظ الفاظ و معانی بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنّوں کا یہ گروہ عربی زبان جانتا تھا۔ نیز یہ کہ ان کی قوم میں کافر و مشرک و موحد ہر قسم کے لوگ تھے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ کچھ لوگ جنّوں کی پناہ میں رہنے والے تھے اور جنّوں کی سرپرستی اور ہمدردی کی وجہ سے ان میں سرکشی پیدا ہو گئی تھی۔

قومِ جن کے متعلق لوگوں کے خیالات عجیب و غریب ہیں:

۱۔ یہ مخلوق انسان سے علیحدہ ہے۔ قرآن میں ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سے ذکر کیا گیا ہے جیسے یامعاشر الجنّ والانس۔ (اے گروہ جنّ و انسان)۔ آدم کو مٹی سے بنایا ہے اور جنّات کو آگ سے۔

۲۔ قومِ جن کوئی علیحدہ سے جنس نہیں بلکہ انسانوں میں شامل ہیں۔ انسانوں میں جو لوگ قوی اور تند مزاج ہوتے ہیں وہ جن کہلاتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ایسے ہی سرکش لوگوں کو اپنے قبضہ میں کیا تھا۔

۳۔ جن کا علیحدہ سے کوئی وجود نہیں اگر ہوتا تو کہیں نظر آتے۔ لیکن یہ بہت کمزور بات ہے۔ کیا کوئی چیز نظر نہ آوے تو اس کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو جنّت و نار بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ تک سے انکار کرنا ہوگا۔

۴۔ قومِ جن کی کوئی تاریخ نہیں نہ یہ پتہ کہ یہ قوم کہاں رہتی ہے۔ یہ بھی غلط ہے وجودِ آدمؑ سے پہلے زمین پر یہی قوم بستی تھی جن کا سردار ابلیس تھا۔ ان میں رات دن خونریزی ہوتی رہتی تھی۔ آخر خدا نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ اس قوم کو جو خنّاس کہلاتی تھی تباہ و برباد کیا اور ان کو بجائے زمین کے فضائے آسمان میں جگہ دی۔ بعض کے نزدیک یہ زمین ہی پر ہیں مگر ان کی بستیاں نظر نہیں آتیں۔

الغرض تمام اقوال میں صحیح قول یہی ہے کہ قومِ جن علیحدہ سے ایک قوم ہے یہ اپنا حلیہ بدل کر جس شکل میں چاہیں آسکتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کو مسخر کر لیا تھا اور یہ قوی ہیکل انسانوں کی طرح ان کے لشکر میں شامل تھے جو سرکشی کرتے تھے حسبِ تصریح قرآن ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ احادیثؐ سے ثابت ہے کہ ان کے وفد مختلف اوقات میں حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں آتے رہتے تھے اور آپؐ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں بھی انسانوں کی طرح مومن و مشرک ہوتے ہیں عقیدۂ توحید و نبوت و قیامت میں یہ لوگ انسانوں کے شریک ہیں اور انہی باتوں میں آنحضرتؐ کی رسالت کا ان سے تعلق ہے۔ ہماری طرح قرآن وہ بھی پڑھتے ہیں عبادات میں بھی وہ ہمارے شریک ہیں۔ جس طرح انسانوں کی غرض خلقتِ عبادات قرار دی گئی ہے اسی طرح جنّوں کی غرض خلقت بھی عبادت ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ "۵۶/۵۱ الذاریات" اگر جن انسانوں میں شامل ہوتے تو انسانوں سے الگ کر کے ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ اب رہی ان کی تکلیف شرعی۔ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کا بیرالعلم کنویں میں کود کر جنّوں کو قتل کرنا ثابت ہے۔ شیطانی گروہ میں جس طرح انسان شامل ہیں اسی طرح جن بھی داخل ہیں۔ اس لیے دونوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم خدا نے دیا ہے جیسا کہ سورۂ الناس میں ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔ الناس ۱۱۴/۴–۶

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّ
اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا
وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ
يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ
اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا
مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝۱۱

اور جیسا کہ تمہارا گمان تھا ویسا ہی اُن انسانوں کا بھی اعتقاد تھا کہ خدا ہرگز کسی کو نبی بنا کر نہیں بھیجے گا،

اور یہ کہ ہم نے انسانوں کو ٹٹولا تو اس کو بہت قوی نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ ہم وہاں بہت سے مقامات میں (باتیں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے مگر اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے شعلہ کو تیار پائے گا۔ اور یہ کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اہلِ زمین کے حق میں بُرائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور یہ کہ ہم میں کچھ لوگ تو نکوکار ہیں اور کچھ لوگ اور طرح کے ہیں۔ ہم لوگوں کے بھی تو کئی طرح کے فرقے ہیں۔

آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے شیاطین و جنات آسمان پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتوں پر کان لگا کر جو کچھ ملتا تھا وہ کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے۔ ان کو گمان بھی نہ تھا کہ اب دُنیا میں اور کوئی رسول بھی آئے گا۔ لیکن جب ہمارا جانا آسمانوں پر بند ہوا تو ہمیں فکر ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے، ہر وقت آسمانوں پر چوکی پہرے بیٹھے ہوئے ہیں اور جو اوپر جانا چاہتا ہے تو شہابِ ثاقب کے کوڑے اس پر پڑتے ہیں تو غور کیا یہ معاملہ کیا ہے کوئی نئی چیز دُنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ آیا خدا نے اس جدید نظام سے جو آسمانوں میں قائم کیا ہے اہلِ زمین کی کوئی بُرائی مقصود ہے یا بھلائی یا کوئی نبی مبعوث ہوا ہے اور اس کی ہدایات کے لیے خدا کا یہ انتظام ہو کہ جو احکام اس تک بھیجے جائیں ان پر شیاطین کو قطعاً کوئی اطلاع نہ ہو تاکہ وہ غلط بیان کر کے اپنے دوستوں تک نہ پہنچا سکیں۔

اور ان جنوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ اور یہ کہ ان میں فرقہ بندی بھی ہے۔

یہ تھے وہ انتظامات جو حضورؐ کی بعثت کے بعد کیے گئے۔ شیاطین کا آسمانوں پر جانا قطعاً بند کر دیا گیا۔ حضورؐ کی بعثت کے متعلق فرشتے آسمانوں میں جو باتیں کرتے تھے اب ان کی سُن گُن لینے کا شیاطین سے کوئی تعلق نہ رہا۔ یہ خصوصیت صرف ختم الانبیاءؐ کے لیے تھی۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (۱۲)
وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا
يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (۱۳) وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

الْقٰسِطُوْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (۱۴) وَاَمَّا
الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (۱۵)

اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ تو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر ہرا سکتے ہیں۔ جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سُنی تو اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خدا پر ایمان لائے گا اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا۔ ہم میں کچھ لوگ تو (خدا کے) فرمانبردار ہیں اور کچھ لوگ نافرمان اور پس جو فرمانبردار ہیں وہ تو سیدھے راستہ پر چلے اور جو نافرمان ہیں وہ جہنّم کا ایندھن بنے۔

یعنی ہم اس یقین پر تھے کہ ہم کسی حالت میں بھی خدا کو ہرا نہیں سکتے، اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں جا سکتے۔ لہٰذا جب ہم نے قرآن کو سُنا تو ہم ایمان لے آئے۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہو گا اس کی حق تلفی نہ ہو گی۔ ہم میں فرماں بردار بھی ہیں اور نافرمان بھی۔ جو فرماں بردار ہیں وہ چونکہ صحیح راستہ پر ہیں لہٰذا اچھا بدلہ پائیں گے اور جو نافرمان ہیں وہ جہنّم میں جائیں گے۔ بعض لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ جب جن آگ سے بنائے گئے ہیں تو جہنّم کی آگ انہیں کیسے جلائے گی۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار بہلول دانا ایک طرف سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے ایک مقام پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ایک واعظ کی تقریر سُن رہے ہیں۔ یہ بھی وہاں جا کھڑے ہوئے۔ واعظ کہہ رہا تھا کہ شیعوں کے تین عقیدے سر تا پا باطل ہیں: اوّل یہ کہ خدا کا دیدار نہ ہو گا۔ جب ایک چیز موجود ہے تو دکھائی بھی ضرور دے گی۔ دوسرے یہ کہ خدا نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے حالانکہ وہ اپنے افعال میں مجبور ہے۔ تیسرے یہ کہ خدا شیطان کو آگ میں جلائے گا۔ جب شیطان آتشیں مخلوق ہے تو اُسے کیا جلائے گا۔ یہ سُن کر بہلول نے مٹی کا ڈھیلا اس کو کھینچ کر مارا۔ لوگوں نے بہلول کو پکڑ لیا۔ واعظ ان کو ساتھ لیے قاضی کے پاس پہنچا اور بہلول کی شکایت کی۔ بہلول نے کہا، میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ یہ کہہ رہا تھا بندہ اپنے فعل میں مجبور ہے تو جو فعل میں نے خود کیا ہی نہیں اس کا میں مجرم کیسے قرار پایا۔ دوسرے میرے ڈھیلا مارنے سے اسے کیا تکلیف پہنچی۔ اس نے کہا میرے سر میں درد ہو گیا۔ بہلول نے کہا مجھے دکھلا وہ درد کہاں ہے۔ اس نے کہا درد دکھانے کی کوئی چیز ہے کہ تجھے دکھاؤں۔ فرمایا تُو کہتا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور دکھائی نہ دے پس دکھا مجھے نہیں۔ تیسرے تُو بھی مٹی کا بنا ہوا ہے اور ڈھیلا بھی مٹی کا تھا پھر اس نے تجھے کیسے تکلیف پہنچائی۔ تُو نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان جہنّم میں کیسے جلے گا جبکہ وہ خود آگ کا بنا ہوا ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (۱۶)

لِتَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ
عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ
أَحَدًا ﴿١٨﴾ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ
عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

اور یہ کہ اگر یہ لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو الفاروں پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس سے ان کی آزمائش کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے گا تو وہ اس کو سخت عذاب میں جھونک دے گا۔ مسجدیں خالص خدا کی ہیں تو تم لوگ خدا کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرنا جب اس کا بندہ (محمدؐ) اس کی عبادت کو کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے گرد ہجوم کر کے گرے پڑتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ صحیح راستہ پر آجاتے تو انہیں قحط کی کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ ہم بکثرت بارش کر کے ان کے کھیت لہلہا دیتے اور یہ دیکھتے کہ یہ ہمارے شکر گزار ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر اس پر بھی یہ ہم سے روگردانی کرتے تو پھر ان کی سزا جہنّم کے سخت عذاب کے سوا اور کیا ہے۔

مسجدیں تو اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں تو اے رسولؐ، تم نہ تو یہودیوں کی طرح بنو جنہوں نے عزیرؑ کو ابن اللہ فرض کر کے خدا کی عبادت میں انہیں شریک کر لیا اور نہ عیسائیوں جیسا بنو جنہوں نے عیسٰیؑ بن مریمؑ کو خدا کا بیٹا بنا کر عبادتِ خدا میں شریک بنا لیا۔ تم تو بس خالص ایک ہی خدا کی عبادت کرو کسی اور کا خیال ہی دل میں نہ آنے دو۔

جب آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو لوگ ایک نئی عبادت دیکھ کر بھاگے ہوئے آتے اور حضورؐ کے گرد جمع ہو جاتے اور جب آپؐ رکوع و سجود کرتے تو قہقہے مار کر ہنستے اور کہتے یہ کس کی عبادت ہو رہی ہے سامنے تو ان کے کوئی ہے نہیں۔ یہ عجیب قسم کی عبادت ہے۔ جیسے ہمارے سامنے بُت ہوتے ہیں ان کے سامنے بھی ان کے معبود کو ہونا چاہیئے۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ إِنِّي لَا

أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ
اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِنَ
اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ
جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ
فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾

(اے رسول تم ان مشرکوں سے) کہدو کہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں میں اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ بھی کہدو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی ہی کا اختیار رکھتا ہوں، نہ بھلائی کا اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے خدا کے عذاب سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ دیکھتا ہوں۔ میں خدا کی طرف سے (احکام کے) پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا اور جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے یقیناً جہنّم کی آگ ہے جس میں وہ ابد تک رہے گا یہاں تک کہ جب یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ لیں گے جن سے ان کا وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا شمار

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں میرا فرض یہ ہے کہ میں اس کے پیغامات تم تک پہنچا دوں۔ میں کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا ذمہ دار بن کر نہیں آیا، یہ کام خدا کا ہے۔ میں تو یہ بتانے آیا ہوں کہ جو خدا کی نافرمانی کرے گا اس کی سزا جہنّم ہے۔ کفارِ مکہ کو بڑا گھمنڈ تھا کہ ہماری بہت بڑی جماعت ہے ہم ان چند مسلمانوں کو جو رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں پیس کر رکھ دیں گے تو رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان سے کہہ دو ذرا وہ وقت جس کا وعدہ ہے آنے دو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ کون زبردست ہے اور کون کمزور، کس کی طاقت کم ہے اور کس کی زیادہ۔

قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي

اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ
ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ
رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا
لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اے رسول تم کہہ دو میں نہیں جانتا کہ جس دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی مدت دراز کر دی ہے غیب دان تو وہی ہے وہ اپنے غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند فرماتے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان (فرشتے) مقرر کر دیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے وہ ان کی ہر چیز کو اپنے احاطۂ علم میں لیے ہوئے ہے اور اُس نے تو ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے۔

رسولؐ کے عالم الغیب ہونے کے متعلق مفسرین کے دو گروہ ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ غیب کا علم رسولؐ کو بالذات حاصل تھا یعنی اُن کی ذات میں داخل تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ غیب کا علم بالذات خدا کے لیے ہے یعنی علم عین ذات ہے زائد بر ذات نہیں اور رسولؐ کا علم زائد بر ذات ہے یعنی ذات سے الگ ایک چیز ہے۔ جب خدا نے عطا فرمایا تب رسولؐ کو حاصل ہوا۔ عین ذات اور داخل بالذات میں فرق ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ جب خدا کسی غیب کی بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے تو اپنے رسولؐ کو بتا دیتا ہے۔ رسولؐ بطور خود کوئی خبر نہیں دے سکتے۔ جب رسولؐ وحی کے سوا کوئی کلام نہیں کرتے تو کسی غیب کا اظہار تو لامحالہ بذریعہ وحی کرتے ہیں۔

﴿۷۳﴾ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ﴿۳﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ

انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ
الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِی
النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ﴿۷﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ
اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ﴿۹﴾

اے چادر لپیٹنے والے رسول رات کو (نماز کے واسطے) کھڑے ہو (مگر پوری رات نہیں) تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم عنقریب تم پر ایک بھاری حکم نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اُٹھنا پامال کن اور بہت ٹھکانہ سے ذکر کرنے کا وقت ہے دن کو تو تمہارے بہت سے اشغال ہیں پس تم اُن میں اپنے رب کے نام کو یاد کر لیا کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف ہو رہو وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو کارساز بناؤ۔

نبی آخر الزمانؐ کا یہ خاص اعزاز ہے کہ خدا نے ان کا نام لے کر کہیں نہیں پکارا۔ ہر نبی کا نام لے کر پکارا۔ یا آدمؑ۔ یا نوحؑ۔ یا ابراہیمؑ۔ یا موسیٰؑ۔ لیکن قرآن میں کہیں یا محمدؐ نہ ملے گا۔ حضورؐ کو جہاں پکارا ہے صفات کے ساتھ پکارا ہے جو ادا جو حالت حضورؐ کی پسند کی اسی سے پکار لیا۔ یا ایّھا المزمّل (کمبل پوش) یا ایّھا المدثر (اے چادر پوش)۔ یٰس، یا ایّھا النّبیّ، یا ایّھا الرّسول۔ مسلمان حضورؐ کو کملی والا کہہ زیادہ یاد کرتے ہیں۔ ع میری جان تجھ پہ فدا کملی والے۔ لیکن کوئی ردا یا چادر والا کہہ کر خوش نہیں ہوتا۔ کسا والا کہہ ان کا دل خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رسولؐ کے ساتھ کسا میں، چادر تطہیر میں کچھ اور لوگ بھی شریک تھے جن سے مسلمانوں کو بس اتنی ہی محبت ہے جتنی عام مسلمانوں سے ہوتی ہے۔
یا ایّھا المزمّل سے اس سورہ کا آغاز کیا گیا ہے۔ وحی کے وقت حضرتؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔

بعض اوقات شدت کے جاڑے میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ابتدائے نبوت میں جب آپؐ فرشتہ کی آواز سنتے تو بیوی حضرت خدیجہؓ سے فرماتے کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔ چنانچہ آپؐ اس حالت میں ایک بار تھے کہ خدا کو اپنے محبوبؐ کی یہ ادا پسند آئی۔ اسی وجہ سے خدا نے آپؐ کو یاایہا المزمل کہہ کر پکارا ہے۔

حضرتؐ رات رات بھر عبادت کرتے تھے نمازیں پڑھتے پڑھتے آپؐ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ لہٰذا آپؐ سے کہا جا رہا ہے بس آدھی رات یا اس سے کچھ کم و زیادہ کافی ہے۔ سورہ طٰہٰ میں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے تم پر نازل نہیں کیا کہ تم اپنے کو مشقت میں ڈالو۔ آدھی رات عبادت میں گزارو اور کچھ دیر سوؤ۔ قرآن کو جلدی نہ پڑھو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر بھاری کلام نازل کریں گے۔ بھاری اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا آسان نہیں ہے یا اس اعتبار سے کہ جب وحی نزولِ قرآن ہوتا تھا تو اگر حضرتؐ اونٹ پر ہوتے تھے تو اس کا شکم زمین سے زیادتیِ وزن سے جا لگتا تھا۔ ابنِ عباسؓ کا قول ہے کہ ایک بار نزولِ وحی کے وقت حضورؐ کا سرِ اقدس میری ران پر تھا مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میری ران کی ہڈی چٹخ جائے گی۔ روزِ فتح مکہ جب بت شکنی کے لیے حضرت علیؑ کے کاندھے پر قدم رکھ کر آپؐ نے چڑھنا چاہا تو حضرت علیؑ اس بار کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ وہ نزولِ وحی کا وقت تھا۔

پھر یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ رات کے وقت بھری نیند میں اُٹھنا ہے تو دشوار لیکن ٹھکانہ سے یادِ خدا کرنے کا وہی وقت ہے سوائے خدا کے کسی اور کی توجہ ہی نہ کرو۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ترتیل کے معنی الفاظ کو مخارج سے ادا کرنا ہے۔ حضرت نے فرمایا جو ۳۴ رکعتیں نافلہ نمازوں کی بشمول تہجد آنحضرتؐ پر واجب تھیں عام لوگوں پر نہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ
وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ
اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬
يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭
اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ
اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ

اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯

جو کچھ یہ کفّار تمہارے بارہ میں کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور بعنوان شائستہ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور مجھے اور ان مالدار جھٹلانے والوں کو سمجھ لینے دو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور جلانے والی آگ بھی اور گلے میں پھنسنے والا کھانا بھی اور دردناک عذاب بھی ہے۔ جس روز زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلے جیسے بھُر بھُرے ہو جائیں گے (اے مکّہ والو) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح ایک رسول (محمدؐ) بھیجا ہے جو تمہارے معاملہ میں گواہی دے جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی ہم نے بھی اس کی سزا میں اس کو سخت پکڑا۔

کفار و مشرکین حضورؐ کے پاس آکر بہت بدتمیزی سے گستاخانہ انداز میں بولتے تھے اور آپؐ کے منہ پر آپؐ کو جھوٹا کہتے تھے۔ خدا رسولؐ سے کہتا ہے کہ اے رسول، ان کی باتوں کو نظر انداز کر کے صبر سے کام لو کہ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ہاں ان سے الگ رہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تبلیغ کا کام بند کر دو بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات پیدا نہ کرو۔ جہاں ان کا مجمع دیکھو اپنا فرض ادا کرو۔ ان کے رؤساتم کو اور قرآن کو جھٹلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور دولت کے نشہ میں مست ہیں۔ اچھا ان کو میرے اوپر چھوڑ دو میں انہیں سمجھ لوں گا۔ ذرا وہ دن تو آنے دو جو ان کے عذاب کے لیے معین کیا گیا ہے (قیامت) پھر دیکھو کہ ان کی کیسی خبر لی جائے گی۔ بھاری بھاری بیڑیاں ان کے پیروں میں ہوں گی اس لیے نہیں کہ بھاگ نہ جائیں بلکہ اس لیے کہ قدم اُٹھا کر ادھر اُدھر نہ ہو سکیں، وہیں کھڑے کھڑے جلتے بھنتے رہیں اور جہنم رسید ہونے کے بعد ایسا کھانا ان کو دیا جائے گا جو حلق سے اُتر نہ سکے گا اور اس کے علاوہ بھی دردناک عذاب کا انہیں سامنا ہوگا۔ یہ اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرزتے ہوں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بھُربھُرے بن جائیں گے۔

آخر آیت میں مکّہ والوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری طرف ایک رسولؐ اس طرح کا بھیجا گیا ہے جیسے فرعون کی طرف موسیٰؑ کو بھیجا گیا تھا۔ حضور سرکارِ دو عالمؐ اور حضرت موسیٰؑ کے بہت سے واقعات ملتے جلتے ہیں۔

۱ - حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تین سرکش تھے۔ ایک فرعون دوسرا ہامان اور تیسرا قارون۔ لیکن فرعون کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ اور تو کافر تھے اور یہ کافر گر تھا اور اپنی خدائی کا مدعی تھا۔ اسی طرح حضورؐ کی قوم میں تین سب سے زیادہ سرکش تھے۔ ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان۔ چونکہ ابولہب سب سے زیادہ حضورؐ کا دشمن تھا اس لیے قرآن میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ جب حضرت موسیٰؑ نبی بنائے گئے تو انہوں نے ہارونؑ کو اپنی مدد کے لیے خدا سے مانگا اور ان کی وزارت کی منظوری چاہی۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کے بعد بحکمِ خدا حضرت علیؑ کو اپنا وزیر بنایا۔

۳۔ موسیٰؑ نے خدا سے شرحِ صدر کی دعا کی۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (۲۰/۲۵ طٰہٰ)۔ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی درخواست کے آپؐ کی شرح کی۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۹۴/۱ الم نشرح) "کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا" شرحِ صدر کی تشریح سورۃ ۹۴ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۴۔ حضرت موسیٰؑ صاحبِ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دل شکستہ تھے خدا نے اولادِ ہارونؑ کو آلِ موسیٰؑ قرار دیا جیسا کہ تابوتِ سکینہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس میں قصہ تھا ان چیزوں کا جو آلِ موسیٰؑ و ہارونؑ نے اپنے بعد چھوڑی تھیں۔ یہاں آلِ موسیٰؑ سے اولادِ ہارونؑ مراد ہے۔ اسی طرح حضرت رسولؐ کے اولادِ ذکور میں سے کوئی نہ تھا۔ اور لوگ آپؐ کو ابتر یعنی مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ خدا نے ان کے بھائی حضرت علی علیہ السّلام کی اولادؑ کو آلِ رسولؐ قرار دیا۔ جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے۔

۵۔ حضرت موسیٰؑ کی ایک بی بی صفوراؑ بنت شعیبؑ حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نون سے لڑیں۔ اسی طرح حضورؐ کی ایک بی بی حضرت علیؑ وصیِ رسولؐ سے لڑیں۔

۶۔ حضرت موسیٰؑ کے بارہ اولیاء ہوئے جو اسبا کہلائے۔ اسی طرح حضرت رسولؐ کے بارہ جانشین ہوئے جو امام کہلائے۔

۷۔ جو منزلت ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی وہ علیؑ کی منزلت حضرت رسولؐ کے نزدیک تھی۔ جیسا کہ حدیثِ منزلت سے ظاہر ہوتا ہے۔

۸۔ وصیِ موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کے تین بیٹے ہوئے شبر، شبیر و مبشر۔ اسی طرح وصیِ رسولؐ حضرت علیؑ کے تین بیٹے ہوئے حسنؑ و حسینؑ و محسنؑ۔

۹۔ جس طرح حضرت ہارونؑ کے تیسرے بیٹے پیدا ہوتے ہی انتقال کر گئے اسی طرح محسنؑ لبطنِ مادر ہی میں شہید کیے گئے۔

۱۰۔ حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی اور حضورؐ پر قرآن۔

۱۱۔ موسیٰؑ کی قوم اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی اور حضورؐ کی تہتر فرقوں میں۔

۱۲۔ موسیٰؑ کی معراج طُور پر ہوئی اور حضورؐ کی "قابَ قوسین او ادنیٰ" پر۔

۱۳۔ موسیٰؑ سے خدا نے طور پر کلام کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عالمِ امکان کی آخری حد پر۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فرعون کو غرق کر دیا گیا تو اب اس کو روزِ قیامت کوئی سزا نہ ملنی چاہیے کیونکہ ایک ہی جرم کی بار بار سزا دینا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے۔

یہ اعتراض عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ فرعون کو دنیا میں جو سزا دی گئی وہ خدا کے رسولؐ کی نافرمانی کی سزا تھی،

جیسا کہ فرماتا ہے فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ الخ (آخر آیت)۔ اب رہا روزِ قیامت جہنّم میں جھونکا جانا تو یہ سزا ہوگی اس کے دعوئ خدائی کی اور حقوق النّاس غصب کرنے کی اور روئے زمین پر فساد پھیلانے کی۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ
مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾

اگر ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔ جس دن آسمان پھٹ پڑے گا۔ یہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

کفار جو آج رسولؐ کی بات ماننے سے انکار کر رہے ہیں یہ اس روز اپنے کو کیسے بچائیں گے جس کی سختی کا یہ عالم ہوگا کہ لڑکے قبل از وقت اس کی تاب نہ لاکر بوڑھے بن جائیں گے۔ آسمان پھٹ پڑیں گے یعنی ٹکڑے پھٹ پھٹ کر زمین پر گریں گے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی زلزلے آ رہے ہوں گے۔ خدا کا یہ وعدہ ایسا نہیں کہ پورا نہ ہو۔ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ پس جو ان چیزوں سے سبق حاصل کر کے خدا کا راستہ اختیار کرے گا اور بت پرستی کا راستہ چھوڑ دے گا اس کا بھلا ہوگا۔ ورنہ پھر جہنّم ہے اور وہ۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ
وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا
تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا
تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ
اَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اے رسول تمہارا رب جانتا ہے کہ کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات تم اور تمہارے چند ساتھی (نماز میں) کھڑے رہتے ہو۔ خدا ہی رات اور دن کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس پر پوری طرح حاوی نہیں ہوئے تو اُس نے تم پر مہربانی کی تو جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو وُہ جانتا ہے کہ عنقریب تم میں سے بعض بیمار ہو جائیں گے اور بعض فضلِ خدا کی تلاش میں روئے زمین پر سفر اختیار کریں گے اور کچھ لوگ راہِ خدا میں جہاد کریں گے تو جتنا تم سے بآسانی ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ نماز پابندی سے پڑھو زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا کو قرضِ حسنہ دو اور جو عملِ نیک اپنے لیے خدا کے سامنے پیش کرو گے تو اس کا خدا کے ہاں بہتر اور صلہ میں بزرگ تر پاؤ گے۔ خدا سے مغفرت کی دُعا مانگو بے شک خدا بڑا بخشنے والا ہے۔

نمازِ تہجد پہلے آدھی رات تک پڑھنے کا حکم تھا یا اس سے کچھ کم و بیش۔ لیکن آنحضرتؐ اور آپ کے بعض ساتھی محویت کے عالم میں دو تہائی رات تک پڑھتے رہتے تھے اس وقت گھڑی تو تھی نہیں کہ وقت کا صحیح اندازہ ہو سکتا اس لیے وقت کبھی بہت زیادہ ہو جاتا تھا۔ وقت کا اندازہ تو خدا کو ہی ہو سکتا ہے۔ حکم ہُوا کہ بجائے لمبے سورے پڑھنے کے چھوٹے سورے پڑھا کرو۔ زیادہ حصّہ رات کا نمازوں میں نہ گزارو کیونکہ لوگوں کو کچھ اور کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔ بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اس لیے زیادہ رات تک عبادت نہیں کر سکتے۔ بعض کو حصولِ معاش کے لیے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ بعض کو جہاد میں شرکت کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔ ہاں جو نمازیں فرض ہیں انہیں پابندی سے پڑھتے رہو زکوٰۃ دیتے رہو۔ لوگوں کو قرضِ حسنہ دیتے رہو کہ یہ گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ جو کچھ نیک اعمال تم دُنیا میں کرو گے اس کا ذخیرہ خدا کے پاس پاؤ گے اور وہ تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا۔ اللہ

سے استغفار کرتے رہو کہ وہ سب سے بڑا گناہوں کا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

﴿۷۴﴾ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴿۳﴾ وَ
ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ﴿۶﴾
وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۭ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

اے میرے کپڑا اوڑھنے والے رسول، اُٹھو اور لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو اور اس طرح احسان نہ کرو کہ زیادہ کے خواستگار بنو اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو جب صور پھونکا جائے گا تو وہ کافروں کے لیے بڑا سخت دن ہو گا، آسان نہیں ہو گا۔

المدثر کہنا اسی طرح کا اندازِ تخاطب ہے جیسا المزمل میں تھا۔ یعنی عاشق کو اپنے معشوق کی ہر ادا پسند ہے۔ کمبل اوڑھ لیا تو اسی حالت سے پکار لیا، چادر اوڑھ لی تو وہی ادا پسند آ گئی۔
ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے مراد مفسرین مختلف لیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لباس زیادہ لمبا نہ ہو کہ اس سے تکبّر کی شان پیدا ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بدوؤں کی طرح میلا کچیلا لباس نہ پہنو اور کثیف لباس پہننے والوں کو سبق سکھاؤ۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد اپنے نفس کو پاک رکھنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اور گندگی سے الگ رہو کا مطلب یہ ہے کہ باطنی گندگی سے دُور رہو اور اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ بنائے رہو۔ بعض نے کہا ہے کہ جس طرح عام طور پر عرب کے لوگ نجاستوں سے بچتے نہیں تھے تم ایسے نہ بنو۔ گندی چیزوں کو اپنے لباس تک نہ آنے دو۔ کسی پر اس لیے احسان نہ کرو کہ وہ تمہارے ساتھ اس سے زیادہ احسان کرے گا۔ احسان

کرو تو خوشنودیٔ خدا کے لیے کرو۔ احسان جس نے کیا ہے تو زیادہ ملنے کی توقع پر نہیں۔ جو مصیبت تمہارے سامنے آئے اُسے اپنے خدا کی خوشنودی کے لیے جھیلو۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے لیے بڑا سخت ہوگا۔ کوئی سہولت ان کے لیے ہوگی ہی نہیں۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیۡنَ
شُہُوۡدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿۱۵﴾
کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ﴿۱۷﴾

مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو (نمٹنے دو) جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے اور میں نے اسے بہت سا مال دیا اور نظر کے سامنے رہنے والے بیٹے دیئے اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی پھر اس پر بھی وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اور بڑھاؤں، ہرگز نہ ہوگا یہ تو میری آیتوں کا دشمن تھا میں اسے عنقریب سخت عذاب میں مبتلا کروں گا۔

یہ شخص جس کے متعلق ان آیات میں بیان ہوا ہے وہ ولید بن مغیرہ ہے جو قبائل عرب میں آپؐ کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کرتا پھرتا تھا۔ مالدار بھی ہے اور اولاد والا بھی۔ اس پر بھی اسے چین نہیں۔ زیادتی مال کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ قرآن کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ لیکن کیا وہ اپنی فریب کاری سے ہم پر غالب آسکتا ہے۔ عنقریب ہم اسے اس سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اِنَّہٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ
قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ
اسۡتَکۡبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنۡ ہٰذَاۤ
اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصۡلِیۡہِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

لَا تُبۡقِیۡ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾
وَ مَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً ۪ وَّ مَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ
اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۙ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ
وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا
الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ
مَّرَضٌ وَّ الۡکٰفِرُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ؕ کَذٰلِکَ
یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ
ع ۳۱ ۱۵ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ مَا ہِیَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡبَشَرِ ﴿۳۱﴾

اس نے (ولید بن مغیرہ) فکر کی اور تجویز کی کہ یہ تو مار ڈالا جائے اس نے کیوں کر یہ تجویز کی پھر غور کیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پلیٹھ پھیر کر چلا گیا اور اکڑ بیٹھا پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو اگلوں سے چلا آتا ہے یہ تو آدمی کا کلام ہے (خدا کا نہیں) میں اسے عنقریب جہنّم میں جھونک دوں گا تم کیا جانو جہنّم کیا ہے وہ نہ باقی رکھے گا نہ چھوڑے گا یہ بدن جلا کر سیاہ کر دے گا اس پر انیس ۱۹ فرشتے معیّن ہیں۔ ہم نے جہنّم کا نگہبان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے اور ان کا یہ شمار بھی کافروں کی آزمائش کے لیے مقرّر کیا ہے تاکہ اہلِ کتاب فوراً یقین کر لیں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہلِ کتاب اور مومنین کسی طرح کا شک نہ کریں۔ اور جن لوگوں کے دل میں نفاق کا مرض ہے (وہ) اور کافر لوگ کہہ بیٹھیں گے اس مثل کے بیان کرنے سے خدا کا کیا مطلب ہے۔ یوں خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور یہ تو آدمیوں کے لیے بس نصیحت ہے۔

ابتدائی آیات ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ صورت یہ ہوئی کہ جب سورہ حٰم نازل ہوئی تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں اصحاب کے سامنے پڑھنے لگے۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ولید بھی بیٹھا ہوا ہے تو دوبارہ پڑھا وہ بغور سنتا رہا۔ اس کے بعد اپنے جتھے میں آیا کہنے لگا، خدا کی قسم میں نے محمدؐ سے وہ کلام سنا ہے جو نہ تو آدمی کا ہے نہ جن کا۔ ایسی شیرینی کسی کلام میں نہیں۔ یہ کبھی مغلوب ہونے والا نہیں اور نہ بلندی میں پستی کی طرف مائل ہوگا۔ اتنا کہہ کر اپنے گھر میں چلا گیا۔ اس سے قریش میں ایک ہلچل مچ گئی اور سمجھے کہ ولید مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر ابوجہل اس کے پاس آیا اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا، کیا بات ہے؟ وہ بولا کہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ولید اپنے آبائی دین کو ترک کر کے مسلمان ہو گیا ہے۔ کیا بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل ماری گئی ہے۔ یہ سن کر ولید ابوجہل کے ساتھ اپنے جتھے میں آیا اور کہنے لگا کیا تم محمدؐ کو دیوانہ سمجھتے ہو۔ سب نے کہا، نہیں۔ پھر تم لوگ کیا اسے کاہن سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، کیا اُسے جھوٹا سمجھتے ہو تو سب نے کہا، نہیں! اس کا تو صادق لقب ہے۔ اُس نے کہا تو کیا اسے شاعر سمجھتے ہو۔ کہا، نہیں۔ اس نے کہا، پھر تم لوگ اسے کیا خیال کرتے ہو۔ وہ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ اس نے خود کہا کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ ایک مردِ جادوگر ہے اس کی وجہ سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ یہ سُن کر تمام قریش خوش ہو گئے۔ اسی کے متعلق یہ آیتیں ہیں اور اسی کی وہ صفتیں ہیں جو آیت میں مذکور ہوتی ہیں۔

یہی ولید ہیں جن کے صاحبزادے خالدؓ ہیں جن کو مسلمانوں نے سیف اللہ کا خطاب دیا ہے۔ ولید مالدار آدمی تھا اور اس کے دس لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مال اور اولاد پر بڑا گھمنڈ تھا۔ قوم کا سردار بنا ہوا تھا اس پر اس کی حرص ختم نہ ہوئی۔ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ دولت میں ترقی کس طرح ہو۔ اس کی گفتگو جو قوم سے ہوئی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی عظمت کا قائل ہو چکا تھا لیکن قوم میں اپنی چودھراہٹ برقرار رکھنے کے لیے اس کو جادو بتاتا تھا اور حضرتؐ کو بدنام کر کے لوگوں کو بہکاتا تھا۔

جہنم کے نگہبان خدا نے انیس ۱۹ فرشتے بیان فرمائے ہیں۔ سوائے خدا اور رسولؐ کے کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُن کی تعداد انیس کیوں رکھی ہے۔ یہ تعداد اس لیے بتائی گئی ہے کہ اہلِ کتاب اور اہلِ ایمان ان پر ایمان لائیں۔ یہ مومنوں اور کافروں کے امتحان کی ایک چیز ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ ایک بار قریش کے جلسہ میں اس آیت کے متعلق کہ جہنم کے نگہبان ۱۹ فرشتے ہوں گے مذاق اُڑایا جا رہا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہ آدمؑ سے لے کر قیامت تک کتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان کی تعداد کوئی نہیں بتا سکتا۔ بھلا ان سب کی نگہبانی صرف انیس ۱۹ فرشتے کیسے کریں گے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے اگر دس دس آدمی ایک فرشتہ سے زور آزمائی کریں گے تو ان انیس ۱۹ کی حقیقت ہی کیا ہے۔ سب کو جہنم میں دھکیل کر صاف نکل آئیں گے اُنہوں نے سمجھا ہی نہ تھا کہ فرشتوں کو خدا نے کیا طاقت دی ہے۔

اہلِ کتاب بھی انیس ۱۹ فرشتوں کا یقین رکھتے تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں اس کا ذکر تھا اگرچہ محرّف کتابوں میں اب تعداد نہیں ملتی۔ "جن کے دلوں میں مرض ہے" اس سے مراد منافق لوگ ہیں۔ وہ بھی کفار کے ساتھ انیس کی تعداد کا مذاق اُڑاتے تھے۔ گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے مگر ان کا دل نہیں مانتا تھا اور جب کفار سے خفیہ طور پر ملتے تھے تو ان

کے ہمنوا بن جاتے تھے اور آپس میں کہا کرتے تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے ایسی باتیں کیوں بیان کی ہیں جنہیں سُن کر خواہ مخواہ ہنسی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے فرشتوں کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنے ہیں اور کیسے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا
لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ
يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا
أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ مع

(کوئی بات مذاق اڑانے کے لائق ہرگز نہیں) قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ جہنم کی آگ ایک بہت بڑی (آفت) ہے اور لوگوں کو ڈرانے والی ہے (ان کے لیے نہیں) جو نیکی کے لیے آگے بڑھنے والا اور بُرائی سے پیچھے ہٹتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے۔ مگر داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ لینے والے (بہشت کے) باغوں میں گنہ گاروں سے پُوچھ رہے ہوں گے تمہیں دوزخ میں کونسی چیز گھسیٹ لائی۔

جو لوگ جہنم کا ذکر سن کر مذاق اُڑاتے تھے ان سے کہا جا رہا ہے کہ رات کو چاند کا چمکنا، رات کا رخصت ہونا، اور صبح کا نمودار ہونا جیسے خدا کی نشانیاں ہیں اسی طرح دوزخ بھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی تم دوزخ کے وجود سے انکار کرتے ہو جو اپنی نشانیاں ظاہر بظاہر تمہیں دکھاتا ہے وہ پوشیدہ بھی رکھ سکتا ہے۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ
الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ
حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ
الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾
وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى
وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

(جب ان سے کہا جائے گا کیا چیز تمہیں دوزخ میں گھسیٹ لائی تو وہ) کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ہم محتاجوں کو کھانا نہیں دیتے تھے اور اہلِ باطل کے ساتھ ہم بھی باطل باتیں سوچنے لگتے تھے ہم قیامت کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ پس اب شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑے ہوئے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے گدھا شیر کو دیکھ کر۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی آسمانی کتابیں آجائیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ یہ لوگ تو آخرت ہی سے نہیں ڈرتے ہاں ہاں بے شک یہ قرآن نصیحت ہے تو جو چاہتا ہے اسے یاد رکھے اور خدا کی مشیت کے بغیر تو یہ لوگ یاد رکھنے والے نہیں وہی ڈرانے کے قابل اور بخشش کا مالک ہے۔

نماز نہ پڑھنا اور محتاجوں کو کھانا نہ کھلانا۔ اور باطل پرستوں کا ہم خیال بننا۔ قیامت کو جھٹلانا ایسے امور ہیں کہ انسان کو مستحقِ جہنم بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی روز قیامت کوئی شفاعت کرنے والا شفاعت نہ کرے گا۔ یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس الگ الگ خط آجائیں کہ ہمارا یہ نبی سچا ہے تم سب اس کی اطاعت کرو۔ گویا خدا انہیں مطلع کرے کہ یہ میرا بھیجا ہوا نبی ہے۔ یہ لوگ روز قیامت سے قطعاً نہیں ڈرتے اور خدا کی بخشش کے خواہاں نہیں ہوتے۔

﴿۷۵﴾ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿۳۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾
اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ
عَلٰٓي اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ
اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔـلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾
وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ
الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں برائی پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں (کہ تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے) کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو (بوسیدہ ہونے کے بعد) جمع نہ کریں گے (ضرور کریں گے) ہم کو تو اس پر بھی قدرت ہے کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔ لیکن انسان تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے آگے بھی برائی کرتا چلے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا تو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور چاند سورج اکٹھے ہو جائیں گے، اس روز انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جاؤں۔

لَآ اُقْسِمُ میں لَا نفی کا نہیں ہے بلکہ زاید ہے۔
نفس کی تین قسمیں ہیں: نفسِ امّارہ جس کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے۔ دوسرے لوّامہ، تیسرے نفسِ مطمئنہ۔
نفسِ امّارہ کا کام یہ ہے کہ وہ ہر اچھی بری چیز کا حکم دیتا ہے تمام خواہشات کا مرجع و منبع یہی ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی کام کی خواہش ہی نہ کرے اور زندگی کے تمام کاروبار معطل ہو کر رہ جائیں۔ دوسرا النفس لوّامہ ہے، یعنی جب

انسان کوئی بُرائی کرتا ہے تو یہ نفس اُسے ملامت کرتا ہے۔ اس کو ضمیر کی نیش زنی کہتے ہیں۔ کوئی بُرا کام کرکے انسان چاہے زبان سے کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے ضمیر کی آواز یہی ہوگی کہ ضرور بُرا کیا ہے۔ تیسرا نفسِ مطمئنہ ہے۔ جو وساوسِ شیطانی سے پاک صاف رہ کر خدا کی طرف لو لگاتا ہے اس کا ذکر آخری پارہ میں آئے گا۔ نفسِ لوّامہ کی یہ عظمت کیا کچھ کم ہے کہ خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔

قیامت اور نفسِ لوّامہ کی قسم کھا کر خدا فرماتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو لوگ نہیں مانتے۔ کہتے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں جو خاک در خاک ہوں دوبارہ پھر بشکلِ انسان وجود میں آجائیں۔ فرماتا ہے، ہمارے لیے یہ کام مشکل نہیں ہم اس کی ایک ایک پور درست کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ جس خدا نے انسان کو پہلے بنایا تھا وہ پھر بھی بنا سکتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی۔ اچھا سمجھ لو جب آئے گی تو یہ صورت ہوگی کہ بجلیاں کوندنے سے تم کو چکا چوند ہوگی۔ چاند کو گہن لگ جائے گا اور چاند اور سورج ایک جگہ جمع ہو جائیں گے یعنی نظامِ عالم تہ و بالا ہو جائے گا۔ کہاں کی زمین کہاں کا آسمان۔ اس وقت انسان گھبرا کر کہے گا، کہاں بھاگ کر جاؤں؟ کہاں جا سکتا ہے۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا
الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ
نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ
لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾

کہیں پناہ نہ ملے گی اس روز تمہارے پروردگار ہی کی طرف ٹھکانہ ہے اس روز آدمی کو جو کچھ اس نے آگے پیچھے کیا ہے بتا دیا جائے گا بلکہ انسان تو اپنے نفس پر خود گواہ ہے اگرچہ وہ اپنے گناہوں کے متعلق عذرِ معذرت کرتا رہے (اے رسولؐ) وحی کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔

انسان اپنے گناہوں کے متعلق چاہے کتنی ہی معذرت کرے لیکن اس کا نفس خود جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا کوئی عذر قابلِ سماعت کیسے ہو سکتا ہے۔
رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جو آیات جبریلؑ تمہارے پاس لائیں جبریلؑ کا بیان ختم ہونے سے پہلے تم اس کے یاد

کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ
تَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا
نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ
بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ
رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ
بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ ع ۱ ۱۷
وَلَا صَلَّىٰ ﴿۳۱﴾ وَلَٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ
يَتَمَطَّىٰ ﴿۳۳﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿۳۵﴾
أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ
نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿۳۸﴾
وَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿۳۹﴾ أَلَيْسَ
ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۱۸

اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا تو ہمارے ذمّہ ہے - جب ہم اس کو (جبریل کی زبانی) پڑھیں تو تم بھی (پورا سننے کے بعد) اسی طرح پڑھا کرو پھر اس (کے مشکلات) کا سمجھا دینا بھی ہمارے ذمّہ ہے - مگر (لوگو) حق تو یہ ہے کہ تم دُنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو - اس روز بہت سے چہرے بشاش ہوں گے اور اپنے پروردگار (کی نعمت) کو دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے منہ اس وقت اُداس ہوں گے - سمجھ رہے ہوں گے کہ ان پر وُہ مصیبت پڑنے والی ہے کہ کمر توڑ دے گی - سُن لو، جب جان (بدن سے کھنچ) ہنسلی تک آ پہنچے گی اور کہا جائے گا کہ اس وقت کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور مرنے والا سمجھے گا کہ اب (سب سے) جدائی ہے اور (موت کی تکلیف سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اور اس دن تجھ کو اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہے تو اُس نے (غفلت میں) نہ (کلامِ خدا کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور (ایمان سے) منہ موڑا پھر اپنے گھر کی طرف اتراتا ہُوا چلا - افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے پھر تُف ہے تجھ پر پھر تُف ہے - کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا - کیا وہ ابتداءً منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم میں ڈالا جاتا ہے - پھر لوتھڑا ہُوا پھر خدا نے اُسے بنایا پھر اسے درست کیا - پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ (قیامت میں) مُردوں کو زندہ کر دے -

---

آیت ۲ کی شانِ نزول یہ ہے کہ آغازِ بعثت میں جب قرآن نازل ہونا شروع ہُوا تو حضورؐ جو کچھ سُنتے جاتے تھے تو اسے انتہائے شوق میں بھُول جانے کے خوف سے ساتھ ساتھ دُہرانے لگتے تھے - خدا فرماتا ہے تم ایسا نہ کرو - اس کا یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمّہ ہے تم پوری وحی کو سنتے رہو جب ختم ہو جائے تو پھر ہم اسے تمہارے ذہن نشین کرانے اور بیان کروانے کے ذمّہ دار ہیں - یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو وحی کے متعلق حضورؐ سے بیان کیا گیا - اس کے بعد پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھا جاتا ہے - لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو بھُولے پڑے ہو - یہ سمجھ لو کہ قیامت کے دن جو لوگ نکوکار ہوں گے ان کے چہرے بشاش ہوں گے اور وُہ اپنے رب کے انعام کی طرف نظر کر رہے ہوں گے - اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کو دیکھ رہے ہوں گے - خدا وہ ذات ہی نہیں جسے کوئی دیکھے - بخاری میں روایت ہے اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا - (تم اپنے پروردگار کو ظاہر بظاہر یعنی اپنے سامنے بیٹھا دیکھو گے) - مسلم اور ترمذی کی روایتوں سے بھی یہی ثابت ہے - سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اپنے کو دکھانا ہی تھا تو دُنیا میں کیوں نہ دکھایا تھا تاکہ وہ سب منکرانِ خدا ایمان لے آتے جو کہتے تھے کہ ان دیکھی ذات پر کیسے ایمان لے آئیں - اگر اپنے کو دکھانا ہی تھا تو طُور پر موسیٰؑ کی درخواست پر لن ترانی کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رویت کا سدِّ باب کیوں کر دیا - اس درخواست پر اتنا ناراض کیوں ہُوا - کہ طُور کو جلا دیا موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے اور اُن کے ستر ساتھی ہلاک ہو گئے - آخرت میں آخر انہی لوگوں کو تو اپنا دیدار کرائے گا پھر طُور پر پردہ داری کیا معنی رکھتی ہے - چلو یہاں نہ سہی معراج میں رسولؐ کے سامنے نقاب اُٹھا دی ہوتی - تاکہ وہاں سے پلٹ کر سارا رنگ رُوپ بیان کر دیتے - اگر حضورؐ نے وہاں دیکھا تھا تو امت سے چھپایا کیوں - جو چیز دیکھنے کے قابل ہے وہ ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے - آخرت کی قید لگانے سے کیا فائدہ - جو آخرت میں ایک مرصع تخت پر بیٹھ کر اپنا چاند سا چہرہ دکھا سکتا ہے اُسے یہاں دکھانے میں کیا بخل تھا - وہی بندے وہاں ہوں گے وہی یہاں - اگر یہاں جھلک دکھا دیتا تو تمام رسولوں کے بیان کی تصدیق ہو جاتی - کہنے والے کہتے ہیں کہ شبِ قدر میں آسمان اوّل پر اُتر آتا ہے اور کہتا ہے کہاں ہیں میرے گنہ گار بندے آئیں اور مجھ سے اپنی خطائیں معاف کرائیں - یہ لطف و کرم سے بھری آواز علمائے اسلام ہی کے کانوں میں آتی ہوگی - عام لوگ تو سنتے نہیں - لیکن اگر آسمان اوّل پر اپنے وجود سے پردہ ہٹا دیتا اور کھُلم کھُلا دکھائی دیتا تو سب گنہ گار دوڑ پڑتے اور مغفرت کی دُعا کرتے - کتنا بڑا فائدہ گنہ گاروں کو پہنچتا - ہم شیعوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ کبھی نہ دکھائی دے گا - نہ دنیا میں نہ آخرت میں - جو دکھائی دے گا وہ خدا نہ ہوگا بلکہ اس کی کوئی مخلوق ہوگی - اس لیے کہ خدا جسم و جسمانیات سے مبرّا ہے -

اس کے آگے بیان ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کفر و شرک کی تاریکیوں میں لپٹے رہے تھے اور نیکیوں کی طرف مائل نہ تھے قیامت کے اندر اُن کے چہرے اداس ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ ان پر یہ بہت بڑی مصیبت کا وقت ہے - ایسے ہی لوگوں کا مرتے وقت یہ حال ہوگا کہ جب جان کنی کے عالم میں ان کی جان کھنچ کر ہنسلی تک آ جائے گی اس وقت ایک غیبی آواز ان سے کہے گی، ہاں بتاؤ اب وہ جھاڑ پھونک کرنے والے کہاں ہیں جو تمہیں موت سے بچانے کے ذمّہ دار بنے ہوئے تھے - اس وقت ان کی سمجھ میں آئے گا کہ اب دُنیا سے چلے - اس وقت عالم یہ ہوگا کہ جان کنی کے کرب میں پنڈلی سے پنڈلی لپٹی ہوگی اور کوئی بچانے والا نہ ہوگا - اس وقت یقین ہو جائے گا کہ اب اپنے رب کی طرف جانا ہے - یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ نہ تو انہوں نے رسولؐ کی رسالت کی تصدیق کی نہ کبھی نماز پڑھی بلکہ رسولؐ کو جھٹلاتے رہے اور اس سے منہ پھیر کر چلتے ہی رہے اور اپنے بال بچوں میں اتراتے ہوئے جاتے تھے - تف ہے ایسے لوگوں کی زندگی پر - کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں گے اور اس کے اعمال کی پوچھ گچھ اس سے نہ ہوگی - کیا وہ یہ سمجھا بیٹھا ہے کہ مرنے کے بعد پھر اُسے زندہ نہیں کیا جائے گا - اس کو ہماری قدرت سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے - احمق اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ جس خدا نے اُسے ایک منی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے وہ دوبارہ اُسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا - جو ایک بار عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی ایسا کر سکتا ہے - اس کے نزدیک یہ کونسی بڑی بات ہے -

---

۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ ۹۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا
مَّذْكُوْرًا ۝١ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ
نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝٢ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ
اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝٣ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟
وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝٤ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ
مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝٥ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا
تَفْجِيْرًا ۝٦ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ
شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧

بے شک انسان پر ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں تو ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ بھی دکھا دیا اب وہ خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔ ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں۔ طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ نیکوکار لوگ شراب کے وہ ساغر پیئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے خدا کے خاص بندے پیئیں گے اور جہاں چاہیں گے بہالے جائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی ڈرتے ہیں۔

اس سورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرات حسنین علیہم السلام بیمار ہوئے اور علالت نے طول پکڑا۔ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ سے فرمایا تم ان کی صحت کے لیے تین روزے نذر کرو۔ چنانچہ جب ان دونوں نے نذر مان لی تو ان کے ساتھ جناب فضہ اور حسنین علیہم السلام نے بھی یہی نذر مان لی۔ جب صحت حاصل ہوئی اور ایفائے نذر کا وقت آیا تو ان پانچوں نے روزے رکھے۔ پہلا روزہ تھا مگر گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ امیر المومنینؑ نے ایک یہودی سے تین صاع جو اس شرط پر لیے کہ ان کے بدلے بطورِ اجرت کچھ اون کتوا کر دیں گے۔ دونوں چیزیں لے کر گھر آئے اور جناب سیدہؑ سے فرمایا یہ اون ہے اور اس کی کتائی کی یہ اجرت ہے۔ سیدۂ عالم نے اون کے تین حصے کیے اور پھر جو کے۔ جب ایک حصہ اون کا کات لیا تو ایک تہائی جو کی مستحق ہوگئیں پھر خود ہی چکی میں جو پیسے اور وقتِ روزہ پانچ روٹیاں پکائیں۔ جب افطار کا وقت آیا تو دروازہ پر ایک سائل نے جو مسکینوں میں سے تھا سوال کیا۔ چنانچہ پانچوں نے اپنی اپنی روٹی اٹھا کر اسے دے دی اور خود پانی پی کر روزہ افطار کیا۔ دوسرے روز پھر وہی عمل ہوا۔ جب کھانے بیٹھے تو ایک یتیم آپکارا۔ سب نے اپنی اپنی روٹی اس کے حوالے کر دی۔ تیسرے روز پھر یہی عمل ہوا۔ جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی آپکارا۔ سب نے پھر روٹیاں دے دیں۔ چوتھا روز ہوا تو حسنین علیہم السلام کا کمزوری سے برا حال تھا۔ حضرت رسولِ خداؐ تشریف لائے تو دیکھا بچے نڈھال ہیں اور فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا یہ حال ہے کہ شکم مبارک پشت مبارک سے لگا ہے۔ اس روز جبریلؑ یہ سورہ لے کر آئے۔ آپؐ نے سب کو مبارکباد دی۔

ایسی سخاوت سوائے آلِ رسولؐ کے نہ کسی نے کی نہ کر سکے گا۔ اسی بنا پر خدا نے ان کی تعریف کی ہے۔

اکثر مفسرین عامہ نے اس روایت کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور مختلف قسم کے اعتراض کیے ہیں جن میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ اس روایت میں قیدی کا آنا بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ درایتاً غلط ہے کیونکہ یہ دستور نہ تھا کہ قیدی بھیک مانگنے جایا کرتے۔ کسی شخص کو جس کی قید میں دیا تھا اس کی روزی کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ مانا کہ حضرات اہلبیتؑ مسکینوں۔ یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیتے تھے مگر یہ تسلیم نہیں کہ جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں قیدی کا آنا ثابت ہو۔

۲۔ تین دن متواتر بھوکا رہنا جن میں دو چھوٹے بچے بھی شامل تھے کونسی دانائی تھی۔ عقل کا اقتضا تو یہ تھا کہ دو روٹیاں سائل کو دی جاتیں اور باقی تین تھوڑی تھوڑی خود کھاتے تاکہ اس تکلیف مالا یطاق سے بچے رہتے۔ اگر ایسا کرتے تو ان کا شمار عام اسخیا میں ہوتا۔ ساری روٹیاں اس لیے دے دی جاتی تھیں کہ ممکن ہے وہ سائل بال بچوں والا ہو۔ ایک دو روٹی میں وہ سیری حاصل نہ کر سکے۔ عام لوگوں پر ان کے صبر و ضبط کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہ فاقہ کرنے کے عادی تھے۔ اس تکلیف کو برداشت کرنے کی ان میں قوت تھی۔ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ بحیثیت نفسِ مطمئنہ کے وہ سب برابر تھے۔ ان کی پاکیزہ نفسی کا اندازہ اگلی آیات میں ہوگا۔

۳ - یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر روز سائل اسی وقت آموجود ہوتا جب یہ افطار کرنا چاہتے ہوں۔ جواب یہ ہے
کہ یہ عام قاعدہ ہے کہ فقیر دروازہ پر اسی وقت آتا ہے جو کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ تین روز ایسا اتفاق ہونا کوئی
بڑی بات تو نہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ آنے والے تین فرشتے تھے جو آلِ محمدؐ کی بے مثل سخاوت کا مظاہرہ کرانے
کے لیے آئے تھے۔ وہ حقیقتاً یتیم و اسیر نہ تھے۔

۴ - صومِ اتصال شرعاً ممنوع ہے۔ پھر انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ جب پانی سے افطار کر لیا جائے تو
پھر اتصال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب ان آیات کا مطلب سمجھئے :

ھل کے معنی یہاں قد کے ہیں یعنی بے شک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔
یعنی عدم کے پردہ میں چھپا ہوا تھا۔ خدا کے علم میں اس کا وجود تھا، دنیا میں بھی کہیں نظر نہ آتا تھا۔ خدا نے اپنے لطف و
کرم سے ایک مخلوط نطفہ کو بوند سے پیدا کیا۔ یعنی مرد و زن کی ملی ہوئی منی سے۔ پھر اس نے اپنی خلقت کی منزلوں
کو بطنِ مادر میں طے کیا۔ پھر وہ آدمی کی شکل میں بطنِ مادر سے باہر آیا۔ اس کو سننے کی طاقت دی اور دیکھنے کی طاقت
دی تاکہ ہم اس کو آزمائیں کہ وہ ہمارے احسانات کو مانتا ہے یا نہیں۔ حواسِ ظاہری میں قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ
کو خصوصی ہدایت میں زیادہ دخل ہے۔ کانوں سے اچھی باتوں کو سنتا ہے اور آنکھوں سے آثارِ قدرت کو دیکھتا ہے۔
خدا نے اسے اچھی عقل دے کر اچھے بُرے دونوں راستے دکھا دیئے۔ اب اسے اختیار ہے کہ خدا کا شکر گزار بندہ بنے
یا ناشکرا۔ شکر گزار بن گیا تو بھلی بھلا ہے۔ مرنے کے بعد اس کے لیے سب کچھ ہے اور اگر کفر کیا تو پھر زنجیر و طوق
ہے اور جہنم کی بھڑکتی آگ۔ نیک لوگوں کے اجر کا کیا کہنا۔ چشمے پیروں کے نیچے بہتے ہوں گے۔ شرابِ طہور کے
جام پر جام پیتے ہوں گے۔ کیسی پُرلطف زندگی ہوگی۔ سدا پُرلطف اور ہر آن ایک نیا لطف۔ سبحان اللہ۔

اب ان نیک بندوں کا ذکر سنو جو اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن (قیامت) کی مصیبت سے
ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ﴿۸﴾
اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا
شُكُورًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿۱۰﴾

اور اس کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو خالص خدا کیلئے

کھانا کھلاتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر ہے
جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

وہی خیرات بارگاہِ باری میں مقبول ہو سکتی ہے جو بغیر کسی غرض اور ریا کے کی جائے نہ اس شخص سے جس کو
کچھ دیا جائے بدلہ کی امید رکھی جائے نہ شکر گزاری کی۔ اہلبیتِ رسولؐ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُورًا ﴿۱۱﴾
وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕينَ فِيهَا
عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾ وَ
دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا۠ ﴿۱۵﴾
قَوَارِيرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا
كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿۱۹﴾

بس خدا ان کو اس روز کی مصیبت سے بچا لے گا اور ان کو تازگی اور سرور عطا فرمائے گا اور ان
کے صبر کا بدلہ جنت اور ریشم (کا لباس) ہوگا وہ جنت میں تختوں پر بیٹھے ہوں گے نہ وہاں آفتاب
کی دھوپ دیکھیں گے نہ سخت سردی۔ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور میووں کے

گچھے ان کے بہت قریب ان کے اختیار میں ہوں گے (جب چاہیں توڑ لیں) اور ان کے سامنے چاندی کے ساغر اور شیشے کے نہایت صاف وشفاف، اس کا دَور چل رہا ہوگا اور شیشے بھی (کانچ کے نہیں) چاندی کے جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں اور انہیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کے پانی کی آمیزش ہوگی۔ (یہ بزم ہوگی) اس چشمہ پر جس کا نام سلسبیل ہے اور ایک حالت پر رہنے والے نوجوان لڑکے چکّر لگاتے ہوں گے کہ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ بِکھرے ہوئے موتی ہیں۔

جنّت کی جن نعمتوں کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اور مخلص مومنین بھی لطف اندوز ہوں گے مگر خاص طور پر ان کو مہیّا کیا گیا ہوگا چہاردہ معصومین کے لیے جنہوں نے دشمنانِ دین سے سخت مظالم برداشت کیے اور ایسا صبر کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ محض خوشنودیٔ خدا کے لیے ہر مصیبت پر صبر کرتے چلے گئے۔ ان کے حقوق ضبط کیے گئے ان کے روحانی وقار کو بُری طرح کچلا گیا۔ ان کو نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ان کو قید و بند کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کے متعلق جھوٹی احادیث بنائی گئیں۔ صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹانے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ ان کو اقتصادی مار دی گئی۔ ان تمام سخت منزلوں میں انہوں نے صبر کیا اور خدا کی خوشنودی کے لیے مرتے دم تک خدمتِ دین کرتے رہے۔ انہی کے صبر کا یہ اجرِ عظیم ہے۔

جنّت میں جو ساغر ہوں گے وہ شیشہ کے نہ ہوں گے بلکہ چاندی کے ہوں گے اور ایسے شفّاف کہ شیشہ کے معلوم ہوں گے۔ جو شراب پلائی جائے گی اس میں سونٹھ کی خوشبو ہوگی تلخی نہ ہوگی۔ عرب کے لوگ شراب میں سونٹھ کا پانی ملانا اچھا سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا گیا۔ سلسبیل چشمہ کے پانی میں ایسی خوشگوار سونٹھ کی خوشبو ہوگی کہ پینے والوں کو کیف حاصل ہوگا۔ نوجوان لڑکے جو خدمت کو حاضر ہوں گے اور اس لیے طواف کرتے ہوں گے کہ اشارہ پائیں تو تعمیلِ حکم کریں۔ بکھرے ہوئے موتیوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہر ایک اپنے مقام پر حُسن کی تصویر ہوگا۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ز وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ
فِضَّةٍ ج وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ

ع ۲ ۱۹

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾ ع

اور جب تم وہاں نگاہ اُٹھاؤ گے تو ہر طرح کی نعمت اور عظیم الشّان سلطنت دیکھو گے ان کے اُوپر سفید کریب اور اطلس کی پوشاک ہوگی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا یہ تمہارے لیے ہوں گے تمہاری کارگزاریوں کے صِلہ میں اور تمہاری کوششیں قابلِ شکرگزاری ہیں۔

یعنی جب بھی تم دیکھو گے وہاں نعمتوں کی بہار ہوگی اور ایک عظیم الشان سلطنت نظر آئے گی۔ ریشمی لباس جسم میں پہنے ہوں گے اور چاندی کے کنگن ہاتھوں میں۔ سورۂ کہف میں سونے کے کنگنوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی دونوں قسم کے موجود ہوں گے چاہے چاندی کے پہنو چاہے سونے کے۔ یہ صرف اس دستور کی بنا پر ہے کہ عرب کے بادشاہ سونے چاندی کے کنگن پہنا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بہترین امتیازی شان پائیں گے۔ یہ نہ کہنا کہ خالص سونا اور خالص ریشم مرد کے لیے حرام ہے۔ یہ تو صرف نماز کے اوقات میں ہے۔ اور وہاں نماز ہوگی ہی نہیں۔ جو اعمال خدا کو اپنے بندوں سے کرانے تھے ان کا وقت تو دُنیا میں ختم ہوگیا۔ جن لوگوں نے دُنیا میں خدا کی خوشنودی کے کام کیے تھے اب جنت میں خدا ان کو ہر طرح خوش رکھنا چاہتا ہے۔

یہ لباس اور یہ کنگن خدا کے ان مخصوص بندوں کے لیے مخصوص ہوں گے جنہوں نے اس دارِ فانی میں موٹا جھوٹا لباس پہنا ہوگا۔ ایک سر کی چادر میں اپنی سلطنت کا پورا زمانہ اس طرح گزارا ہوگا کہ جاڑے کے موسم میں ٹھٹھراتے ہوں گے۔ کنگن انہی کے لیے ہوں گے جنہوں نے دینِ الٰہی کی حفاظت میں ہتھکڑیاں پہنی ہوں گی۔ جیلوں میں رہے ہوں گے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ ج فَاصْبِرْ لِحُكْمِ
رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ ج وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا
طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ

يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا
شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہم نے قرآن کو رفتہ رفتہ نازل کیا ہے پس تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو اور ان میں سے کسی گناہ گار یا کافر کی پیروی نہ کرو اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو اور کچھ رات گئے اُسے سجدہ کرو اور طولانی رات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔ جو لوگ دُنیا کو دوست رکھتے ہیں اور بڑے بھاری دن کو اپنی پسِ پشت ڈال بیٹھے ہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے اعضا کو مضبوط بنایا ہے اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے انہی جیسے لوگ لے آئیں۔

رفتہ رفتہ قرآن نازل کرنے کا ذکر اس لیے ہے کہ کفار کہا کرتے تھے محمدؐ سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لاتے ہیں۔ اگر خدا کا کلام ہوتا تو ایک ہی بار کیوں نہ حاصل ہوتا، لہٰذا تصدیق کی گئی کہ یہ خدا ہی کا کلام ہے جس کو ہم اپنی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کر رہے ہیں۔

حکمِ رب پر صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو فرائض تمہارے لیے معین کیے ہیں اُن کے بجالانے میں چاہے کتنی ہی تکلیف ہو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو۔

یومِ ثقیل سے مراد قیامت کا دن ہے جو کافروں کے لیے بڑا بھاری بیٹھے گا اور مومنوں کے لیے آسان کافروں کے لیے قسم قسم کے عذاب تیار ہوں گے۔

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کو مضبوط بنایا۔ پس بجائے اس کے کہ وہ ان سے نیک کام کرتے بُرے کام کر رہے ہیں۔ کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ انہیں ہلاک کر کے انہی جیسے اور لوگ لے آئیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾
وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

یہ قرآن سراسر نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی راہ اختیار کرے اور جب تک خدا کو منظور نہ ہو تم لوگ کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔ بے شک خدا بڑا واقف کار دانا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور ظالموں کے لیے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شیعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ آیہ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ اے اہلِ بیتِ رسولؐ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے یعنی اللہ کی مرضی کے خلاف تمہاری کوئی خواہش ہوتی ہی نہیں۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو وہ تحتِ مشیتِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ یہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ سوائے اہلبیتِ رسولؐ کسی اور کو حاصل ہی نہیں۔ اُنہوں نے اپنی تمام عمر میں ایک کام بھی ایسا نہیں کیا جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف ہو۔ رضائے الٰہی کو اُنہوں نے ہمیشہ اپنے فعل کے سامنے رکھا۔ رضا بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) (۳۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ
نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾
عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ
طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ
نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ

یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمۡ نُہۡلِکِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
نُتۡبِعُہُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾ کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾

ان ہواؤں کی قسم جو پہلے دھیمی چلتی ہیں پھر زور پکڑ کے آندھی بن جاتی ہیں اور بادلوں کو اُبھار کر پھیلا دیتی ہیں پھر ان کو پھاڑ کر جُدا کر دیتی ہیں۔ اور فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں تاکہ حجّت تمام ہو اور ڈرا دیا جائے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور پُورا ہو کر رہے گا۔ پھر جب تاروں کی چمک جاتی رہے گی اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ (روئی کی طرح) اُڑے اُڑے پھریں گے اور جب پیغمبر لوگ ایک وقتِ معین پر جمع کیے جائیں گے۔ ان باتوں میں کس دن کے لیے تاخیر کی گئی ہے۔ فیصلہ کے دن کے لیے تم کو معلوم ہے فیصلہ کا دن کیا ہے اس دن جھٹلانے والے کی مٹی خراب ہے کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر ان کے پیچھے پچھلوں کو چلتا کریں گے ہم گنہ گاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۱ میں بتایا گیا ہے کہ قیامت میں تمام رسولوں کو جمع کیا جائے گا ان کی امتیں بھی موجود ہونگی وہاں رسولوں سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی اپنی امت پر ہمارے احکام کی تبلیغ بھی کی یا نہیں۔ وہ کہیں گے ضرور کی تھی۔ پھر امت سے سوال ہوگا کہ تم پر تمہارے رسول نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی۔ ان میں سے جو ایمان دار ہوں گے وہ اقرار کریں گے اور جو کافر ہوں گے وہ انکار کریں گے۔ اس وقت حضرت رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بطورِ سرکاری گواہ پیش ہوں گے وہ تصدیق کریں گے کہ ضرور تبلیغ کی گئی تھی۔ میرے بحالتِ جسمِ نوری ہر رسول کے ساتھ تھا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ وَّجِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا ؕ (۴۱ نسآء) "کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت کو اُس کے گواہ (رسول) کے ساتھ بُلائیں اور اے رسولؐ تم ان پر گواہ ہوگے"۔

آیت نمبر ۱۲ کا مطلب یہ ہے کہ بدکاروں کو سزا دینے میں جو تاخیر کی جا رہی ہے وہ فیصلہ کرنے کے دن تک کے لیے ہے اس روز جھٹلانے والوں کو پتہ چل جائے گا کہ قیامت کا دن کیسا ہوتا ہے۔ جو لوگ موت سے بے خبر بیٹھے ہیں انہیں یہ بات نہیں سُوجھتی کہ ہم سے پہلے لوگ کہاں گئے۔ جس خدا نے ان کو ہلاک کیا ہے اور ان پر عذاب نازل ہوئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ
مَّہِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلۡنٰہُ فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾
فَقَدَرۡنَا ٭ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۴﴾
اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحۡیَآءً وَّ اَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلۡنَا
فِیۡہَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَیۡلٌ
یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۸﴾

جھٹلانے والوں کی مٹی خراب ہے۔ کیا ہم نے تم کو ذلیل پانی (منی) سے پیدا نہیں کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک معیّن وقت تک ایک محفوظ مقام پر رکھا پھر اس کا ایک انداز مقرر کیا۔ ہم کیا اچھا انداز مقرر کرنے والے ہیں۔ اُس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو اندرُون اور بیرُون کو سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں اُونچے اونچے اٹل پہاڑ رکھ دیئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔ جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔

نطفہ کی ایک بُوند سے انسان کو بنانا صفتِ الٰہیہ کا بہترین نمونہ ہے۔ بُوند بھی ذلیل بُودار حقیر سی چیز۔ اس کو کیسے اہتمام سے رحم کے اندر جگہ دی۔ پھر ایک وقتِ مقررہ تک وہاں رکھا۔ نطفہ سے علقہ، اور علقہ سے مضغہ بنایا۔ ہڈی جیسی سخت چیز بنائی اور ہڈی پر گوشت چڑھایا۔

ڈاکٹروں کی نئی تحقیق یہ ہے کہ جسم کے ہر خلیہ سے دو تار برقی دماغ تک جاتے ہیں اور جس خلیہ کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے فوراً دماغ کو خبر دیتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ پیر کے انگوٹھے کے اگر کسی خلیہ میں سوئی کی ذرا سی نوک چُبھ جائے تو آناً فاناً میں برقی رَو دوڑ کر دماغ کو خبر دیتی ہے اور دماغ دفعیہ کی تدبیر سوچتا ہے۔ فوراً یہ حکم پیر کو ہوتا ہے کہ وہاں سے اپنے کو ہٹائے۔ سوئی تو سوئی ہے اگر کسی خلیہ میں مکھی کا پیر لگ جاتا ہے تو فوراً دماغ تک خبر پہنچ جاتی ہے اور وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے اس مکھی کو مارو۔ کون شمار کر سکتا ہے کہ جسمِ انسانی میں کتنے خلیے ہیں اور ان میں کس شان سے یہ بجلی کے تار دوڑے ہوئے ہیں۔ کس کی

طاقت ہے کہ ایسا پُر از حکمت بدن بنا سکے۔ یہی زمین ہے جس پر بڑے آرام سے انسان زندہ چل رہا ہے اور جب
مرجاتا ہے تو اسی زمین کے سپرد اسے کر دیا جاتا ہے کیونکہ اسی زمین کے اجزائے غیر مرئیہ سے وہ بنا تھا۔ اونچے اونچے
پہاڑ اس پر کھڑے کر لئے تاکہ وہ اس کے پہلو دبائے رہیں۔ ان پر برف جمتا ہے وہاں سے چشمے اُبلتے ہیں، دریا بنتے
ہیں۔ دریا سمندر میں جاکر گرتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق میں اس کی بیشمار صنّاعیاں ہیں۔ کیسا خوش ذائقہ پانی پینے کو دیتا ہے
اس پر اگر انسان اپنے پروردگار کو اپنا معبود نہ مانے تو اس کی جگہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہو سکتی ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ
ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا
تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾

جس کو تم جھٹلاتے تھے اب اسی کی طرف چلو۔ چلو اس سایہ کی طرف جس کے تین حصّے ہونگے
(ایک اوپر کی طرف ایک داہنے ایک بائیں) جس میں نہ ٹھنڈک ہے نہ جہنّم کی لپک سے بچائے گا
اس سے اتنے بڑے بڑے انگارے برستے ہوں گے جیسے اُونچے اُونچے محل۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ
وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ
ع ۲/۲۱ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾
وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

هَنِيْٓـئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

گویا وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہیں۔ جھٹلانے والوں کے لیے اُس دن تباہی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے
کہ لوگ زبان سے کچھ کہہ نہ سکیں گے۔ کسی عُذر کے پیش کرنے کی اُن کو اجازت نہ ہوگی۔ جھٹلانے
والوں کے لیے اُس روز تباہی ہوگی۔ یہ فیصلہ کا دن ہوگا۔ ہم تم کو اور تم سے پہلے والوں کو جمع
کریں گے۔ اگر تمہارے پاس بچنے کا کوئی حیلہ ہے تو اسے کر ڈالو۔ اُس روز جھٹلانے والوں
کے لیے تباہی ہوگی۔ البتہ متقی لوگ ٹھنڈے سایہ میں ہوں گے اور اُس کے سامنے چشمے بہتے
ہوں گے اور اُن کی حسبِ خواہش میوے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) جو کچھ تم دُنیا میں کرتے
تھے اُس کے بدلہ میں مزہ سے کھاؤ پیئو۔

اِن آیات میں کئی جگہ جھٹلانے والوں کی تباہی کا ذکر ہے۔ جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ قیامت کا دن کافروں
اور بدکاروں کے لیے کیسا سخت تباہی کا دن ہوگا۔ اس سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ ان کو ایسا کالا
دھوّاں گھیرے ہوگا جس سے اُونچے مکان یا اُونچے اونٹ کے برابر انگارے برستے ہوں گے۔ ہاں جو خدا کے
نیک بندے ہوں گے اُن کا کیا کہنا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں درختوں کے سایہ میں چلتی ہوں گی، چشمے بہتے ہونگے
پھر جس میوہ کو دل چاہے فوراً حاضر ہوگا۔ ندائیں آتی ہوں گی خوب مزے سے کھاؤ پیئو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا
لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَىِّ
ع ۲/۲۲ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جھٹلانے والوں کے لیے اُس دن بڑی تباہی ہوگی۔
(اس دُنیا میں) چند روز کھا پی لو۔ بے شک تم مجرم ہو۔ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے
بڑی تباہی ہوگی۔ ان سے جب کہا جاتا تھا رکوع کرو تو نہیں کرتے تھے۔ اُس دن جھٹلانے
والوں کے لیے بڑی تباہی ہوگی۔ اب اس کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یعنی سمجھانے کا جو حق تھا، اپنے رسول کو بھیج کر کتاب نازل کر کے ان کو سمجھا دیا گیا۔ اب وہ کونسی چیز رہ گئی جسے سُن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ یعنی یہ ایمان لانے والے ہی نہیں۔ یہ تو دوزخ کا ایندھن بن کر ہی رہیں گے۔ خدا نے اپنی حجت تمام کر دی۔ اب نہیں سمجھتے تو جائیں جہنم میں۔

---

(۷۸) سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ (۸۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (١) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (٢) الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ (٣) كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (٤) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (٥) اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (٦) وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (٧) وَّخَلَقْنٰكُمْ
اَزْوَاجًا (٨) وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (٩) وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا (١٠)
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (١١) وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (١٢)
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (١٣) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً
ثَجَّاجًا (١٤) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (١٥) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (١٦)

یہ لوگ آپس میں جس چیز کا حال پوچھتے ہیں ایک بڑی خبر کا حال جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا انہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ ہم نے تم لوگوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام کا باعث قرار دیا اور رات کو پردہ بنایا اور دن کو کسبِ معاش کا وقت بنایا اور تمہارے سر پر سات آسمان مضبوط بنائے اور ہم نے (سُورج کو) روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے (غلّہ کے) دانے۔ سبزی اور گھنے باغ پیدا کریں۔

لوگ قیامت کے بارے میں تذکرہ کیا کرتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے قیامت کا آنا برحق ہے۔ کوئی کہتا ہے قیامت ایک ڈھکوسلہ ہے۔ جس سے لوگوں کو ڈرا کر مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے اگر یہ کوئی حقیقت ہے تو آتی کیوں نہیں۔ خدا فرماتا ہے عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا۔ جب مر کر دوسری دنیا میں جانے لگیں گے تو کچھ آثار تو اس کے نظر آ ہی جائیں گے۔

اسلامی تبلیغ میں تین چیزیں بلحاظ تبلیغ مقدم رہی ہیں۔ اوّل توحید کے اقرار پر زور دیا گیا ہے۔ کسی زمانہ کے مشرکین کو وجودِ باری تعالیٰ سے انکار نہیں رہا۔ لیکن جن صفات کو وہ مانتے نہ تھے وہ شرک تھا۔ مثلاً وہ بتوں میں خدا کا حلول مانتے تھے۔ نظامِ کائنات میں خدا کا شریک ان کو قرار دیتے تھے۔ تمام انبیاءؑ سب سے پہلے یہی تعلیم دیتے تھے کہ وہ خدا میں مخلوق کی صفات پیدا نہ کریں اور بتوں کی عبادت ترک کریں۔

دوسری تبلیغ رسالت کی تھی۔ اس سے انکار اس بنا پر تھا کہ وہ کسی رسول کو اپنا جیسا آدمی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اُن کے نزدیک رسول قوم کا کوئی مالدار آدمی ہونا چاہیئے تھا یا اس کے ساتھ میں کوئی فرشتہ ہونا جو اس کا تعارف کراتا۔ یا ان کے پاس خدا کی کوئی تحریر آتی جس میں لکھا ہوتا کہ فلاں شخص ہمارا بھیجا ہوا رسول ہے۔ نیز یہ کہ وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا نظر نہ آتا۔ بال بچوں والا آدمی نہ ہوتا۔

تیسری تبلیغ قیامت سے متعلق تھی۔ ہر نبی کے زمانہ بکثرت لوگ ایسے رہے ہے جو قیامت کو نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی مر کر جب گل سڑ جائے، خاک میں مِل جائے اور پھر زندہ اُٹھا کھڑا کیا جائے۔ دوسرے تمام انبیاءؑ قیامت کے آنے سے ڈراتے رہے لیکن آئی وہ اب تک نہیں۔ یہی چیز لوگوں کے انکار کا زیادہ باعث ہوتی تھی۔ وہ قیامت کو اپنی خواہش کے مطابق بلانا چاہتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ دنیا کا یہ تمام کارخانہ جو ایک حکیمانہ نظام کے ساتھ چل رہا ہے کسی شخص کی خواہش پر یکایک تباہ و برباد نہیں کیا جا سکتا۔ جس حکیمِ مطلق نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے ہیں وہی بہتر جانتا ہے کہ اس تمام کارخانہ کو کب درہم برہم کرے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عنقریب آنے والی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ علمِ الٰہی میں جو وقت اس کے آنے کا مقرر ہے جتنی مدت گزرتی جاتی ہے اس کا وقت قریب ہوتا جاتا ہے۔ جیسے کسی کی عمر جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے اس کے مرنے کا وقت قریب ہوتا جاتا ہے۔

قدرت نے جو کارخانہ بنایا ہے جب تک انسان ان سب چیزوں کو دیکھ نہ لے گا اور اسرارِ الٰہیہ کو سمجھ نہ لے گا قیامت کیسے آجائے گی۔ آخر یہ سب چیزیں کسی کو دکھانے اور معرفت کا درس دینے ہی کے لیے تو پیدا کی ہیں۔ ابھی تو آدمی زمین کی مخلوق سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہوا۔ پھر اب اس نے سیاروں پر بھی جانا شروع کر دیا ہے دیکھیے وہاں سے کیا کیا لاتا ہے۔ نہ معلوم اسے ابھی کہاں کہاں پہنچنا ہے اور کیا کیا لانا ہے اور کیا کیا دیکھنا ہے۔ خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا مگر اپنے وقت پر۔ رفتہ رفتہ اس کے آثار پیدا ہوتے جا رہے ہیں اور آئندہ اور پیدا ہوں گے۔

انسان کے لیے موت ہی چھوٹی سی قیامت ہے۔ وہ اس سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتا۔ خدا انسان کو سمجھا رہا ہے کہ میں نے تیرے آرام و آسائش کے لیے تیرے نظامِ حیات کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کیا عجیب و غریب سامان کیے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تیری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ زمین کے فرش کو دیکھ! کیسا تیرے حال کے مناسب بنایا ہے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ پھر کیسے کیسے ذخیرے اس کے اندر تیرے لیے جمع کر دیئے ہیں۔

پہاڑوں کو دیکھ! ان میں ہر قسم کے پتھر تیرے فائدہ ہی کے لیے ہیں۔ ان کی چوٹیوں پر برف جما کر وہاں سے خوشگوار چشمے پانی کے بہائے جن سے سمندر اور دریا بنے۔ رات کو تیرے آرام کے لیے بنایا۔ دن کو روزی کمانے کے لیے۔ سرکے او پر سات آسمان بنائے ان سے پانی برسایا جس سے کھیتوں میں غلہ اُگا۔ درختوں میں پھل پھول آئے۔ کیا تو ان تمام نعمتوں کے بعد ہمیں بھول جائے گا۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝١٧ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ
فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝١٨ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝١٩
وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ
مِرْصَادًا ۝٢١ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ۝٢٢ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝٢٣
لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝٢٤ إِلَّا حَمِيمًا وَ
غَسَّاقًا ۝٢٥ جَزَاءً وِفَاقًا ۝٢٦ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝٢٧
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝٢٨

فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے اس روز صور پھونکا جائے گا پس تم سب گروہ کے گروہ حاضر ہو گے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور پہاڑ چل نکلیں گے اور ریت کا ڈھیر بن کر رہ جائیں گے۔ جہنم گھات میں لگا ہوگا۔ سرکشوں کا ٹھکانہ وہیں ہے جس میں وہ مدتوں رہیں گے

نہ وہاں اُس کو ٹھنڈک نصیب ہوگی اور نہ گرمی۔ اور نہ پیپ کے سوا پانی ملے گا۔ یہ (ان کی بدکرداری کا) پُورا بدلہ ہے یہ لوگ (قیامت میں) حساب کتاب کی امید ہی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بُری طرح ہماری آیات کو جُھٹلایا تھا۔

یوم الفصل سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں ہر شخص کے اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس روز جب صُور پھونکا جائے گا تو آدم سے لے کر قیامت تک جتنے انسان پیدا ہوں گے سب کے سب بارگاہِ باری میں حاضر ہو جائیں گے۔ یہ آسمان جو ہر طرف ہموار نظر آرہا ہے شق ہو جائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے چل کھڑے ہونگے اور ان کی چٹانیں ٹوٹ پھوٹ کر بھربھری ریت بن جائیں گی۔ جہنّم ان کی گھات میں ہوگا۔ خدا سے سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ یہی جہنّم ہے جہاں وہ مدّتوں رہیں گے احقا جمع ہے حقیقت کی، جس کے معنی مدّت دراز کے ہیں ایک مدّت کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری مدّت آتی رہے گی۔ یہ مدّت ہزارہا برس کی ہوگی۔ وہاں جہنّم کی آگ کے شعلوں کے سوا کہیں ٹھنڈک کا نام ونشان نہ ہوگا۔ پیاس میں ایسا گرم پانی پینے کو ملے گا جس میں بُو اور پیپ بھی شامل ہوں گے۔ جو لوگ اس دن کے آنے کے منکر تھے اور جنہوں نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا تھا اُن کی یہی پُوری پُوری سزا ہوگی۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ كِتَٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا
عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَأَعْنَٰبًا ﴿٣٢﴾
وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا
لَغْوًا وَلَا كِذَّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ
السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ
خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا
يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ

الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَـَٔابًا ﴿٣٩﴾ إِنَّآ
أَنذَرْنَٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ
وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَٰلَيْتَنِي كُنتُ تُرَٰبًا ﴿٤٠﴾

ہم نے ہر شئے کو پُوری طرح لکھ رکھا ہے۔ پس اب (سرکشی کا) مزہ چکھو جبکہ ہم تم پر عذاب کو بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔ ہاں جو متقی ہیں ان کے کامیابی کا دن ہوگا۔ ان کے لیے بے شک باغ ہوں گے اور انگور اور اٹھتی جوانیوں والی کنواری لڑکیاں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ ہوں گی اور شراب کے لبریز ساغر ہوں گے۔ وہاں نہ کوئی لغو بات سنائی دے گی نہ جھوٹی بات۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کافی انعام وصلہ ہے۔ وہ آسمان و زمین جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے رحم کرنے والا ہے۔ کسی کو اس سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اس روز جبریل اور ملائکہ صفیں باندھے کھڑے ہوں گے کسی کو کلام کرنے کی تاب نہ ہوگی مگر جس کو خدا اجازت دے گا وہ جو کچھ کہے گا ٹھیک ٹھیک کہے گا۔ بس جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف اپنا مقام بنائے۔ ہم نے تم کو قریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا۔ اس روز جس کسی نے اپنے ہاتھوں جو کچھ کیا ہوگا اپنے سامنے دیکھے گا اور کافر کہتا ہوگا کاش میں مٹی ہوتا۔

انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کی پُوچھ گُچھ کرنے والا کوئی نہیں۔ حالانکہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خدائی دفتر میں لکھا جا رہا ہے۔ کافروں اور بدکاروں پر عذاب پر عذاب آتا ہی رہے گا ایک منٹ کو انہیں سکون نصیب نہ ہوگا۔ ہرے بھرے باغوں کی بہار ہوگی۔ شاخوں میں انگوروں کے خوشے لٹکتے ہوں گے۔ چھلکتے ساغروں کا دَور چل رہا ہوگا اور ان کا دل بہلانے کے لیے کنواری نوجوان لڑکیاں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ ادا و ناز دکھاتی ہوں گی۔ کوئی لغو یا جھوٹی آواز کانوں میں پڑتی ہی نہ ہوگی۔ یہ سب ان کی نکوکاری کا بدلہ ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اپنے رب سے کچھ کہہ سکے۔ غلط ہے لوگوں کا یہ کہنا کہ اس دن خدا تخت پر آکر بیٹھے گا اور لوگ چٹاخ پٹاخ اُس سے بات چیت کریں گے۔ ملائکہ کا یہ عالم ہوگا کہ صفیں باندھے مؤدب کھڑے ہونگے مگر بے اجازت کوئی بات نہ کر سکیں گے جب تک خدا ان کو بولنے کی اجازت نہ دے۔ پھر جو کہیں گے ٹھیک ٹھیک

کہیں گے۔ کیا ممکن کہ کوئی جھوٹی بات منہ سے نکل جائے۔ یہ سچائی کا دن ہے۔ پس جس کا دل چاہے خدائی راستہ اختیار کرے جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے۔ خدا نے تو اس قریب آنے والے دن کے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ اس کی حجت اپنی مخلوق پر پوری ہو گئی۔ جو کچھ جس نے اچھا یا بُرا کام کیا ہے اس دن اس کے سامنے آجائے گا۔ کافر اس سختی کو دیکھ کر گھبرا جائے گا اور کہے گا کاش میں انسان کی بجائے مٹی ہوتا تاکہ اس دن کے عذاب سے بچ جاتا۔

﴿٧٩﴾ سُورَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿٨١﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ
سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ
تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کفار کی) رُوح ڈوب کر سختی سے کھینچ لیتے ہیں اور ان کی قسم جو (مومنین کی جان) آسانی سے کھول دیتے ہیں اور اُن کی قسم جو (آسمان و زمین کے درمیان) پیرتے پھرتے ہیں۔ پھر ایک کے آگے ایک بڑھتے ہیں پھر (دُنیا کے) انتظام کرتے ہیں۔ جس دن (قیامت) زمین کو بھونچال آجائے گا پھر اس کے بعد زلزلہ آئے گا۔

ڈوب کر جان نکالنے سے یہ مراد ہے کہ وہ جسم کے آخری حصّہ تک سے جان نکال لیتے ہیں۔ یعنی انسان کی رگ رگ سے جان کو کھینچ لیتے ہیں۔ کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں اور مومنوں کی آسانی سے۔ وہ تیرتے پھرتے ہیں یعنی حکم خدا کی بجا آوری میں ہر وقت دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی فرشتے تمام عالموں کے کام انجام دیتے ہیں۔ جو لوگ فرشتوں کو معبود مانتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب حکم خدا کے پابند ہیں۔ خدا کی مخلوق میں کیسی احمقانہ بات

ہے کہ لوگ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ اب قیامت کا حال بیان ہوتا ہے۔ زمین میں پیہم زلزلے آرہے ہوں گے۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ
ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾
قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

اس روز دل دھڑکتے ہوں گے۔ آنکھیں (ندامت سے) جھکی ہوئی ہوں گی۔ (کافر) کہیں گے کیا ہم اُلٹے پاؤں کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جبکہ ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو چکے ہیں کہتے ہونگے یہ لوٹنا تو بڑا نقصان دہ ہوگا۔ وہ تو ایک سخت چیخ ہوگی جبکہ وہ سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ ساہرہ اس زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب جبل ازکا کے اطراف میں ہے اس کو خدا قیامت میں وسیع کر کے میدانِ حشر بنا دے گا۔ بعض نے کہا وہ چاندی کی زمین ہوگی جس کو خدا اتنی وسعت دے گا کہ موجودہ زمین سے چالیس گنا زیادہ ہوگی۔ بعض نے لکھا ہے کہ قیامت میں یہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی لہٰذا میدانِ حشر اس کا کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک اور زمین بنائے گا۔ لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا جب لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ میدانِ حشر کی طرف دوڑیں گے تو لامحالہ وہ اسی زمین کا حصّہ ہوگا۔ اب رہا زمین کا شق ہونا اور زلزلوں کا آنا تو خدا اس وقت اُن کو روک دے گا یہ سب قیاسات ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں حشر برپا کرے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ
الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ

لَكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿۱۹﴾ فَأَرَاهُ
الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ
فَنَادَىٰ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۴﴾ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ
الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿۲۶﴾ أَأَنتُمْ
أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿۲۸﴾
وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿۲۹﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ
دَحَاهَا ﴿۳۰﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۳۲﴾
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

اے رسول کیا تم نے موسیٰ کا قصہ سُنا ہے جب طوی کی وادی مقدس میں رب نے اُن کو پکار کر کہا تم فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکشی کر رہا ہے اس سے کہو (کیا تُو چاہتا ہے کہ) میں تجھے کفر سے پاک کردوں اور تیرے رب کی طرف تجھے راستہ دکھا دوں۔ تاکہ تُو خدا سے ڈرے۔ موسیٰ نے اُسے ہماری بڑی نشانی (عصا) دکھائی۔ اُس نے جھٹلا دیا اور نافرمان بن گیا پھر اُس نے منہ پھیر لیا اور (موسیٰ کے خلاف) تدبیر کرنے لگا۔ اُس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پکار کر کہا میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں۔ پس خدا نے دُنیا و آخرت کے دونوں عذابوں میں گرفتار کیا۔ جو لوگ خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں اُن کے لیے اس واقعہ میں عبرت ہے۔ پھر فرماتا ہے، لوگو! کیا مجھے تمہارا بنانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا بنانا۔ اُس کی چھت کو بہت اُونچا رکھا پھر اُسے درست کیا۔ اُس کی رات کو تاریک بنایا اور دن کو اُس نے دُھوپ نکالی۔ اس کے بعد اُس نے زمین

کو بچھایا۔ اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس میں گاڑ دیا۔ یہ سب سامان تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ کئی جگہ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اس عجیب و غریب واقعہ سے عبرت حاصل ہو۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجنے کے دو مقصد تھے۔ اوّل یہ کہ فرعون اور اس کی قوم کو گمراہی سے بچائیں اور اسے سمجھا کر خدائی کے دعوٰی سے باز رکھیں دوسرا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو جو عرصہ سے فرعون کے مظالم کا شکار بنے ہوئے تھے اس کے پنجہ سے نکال لیں۔

آیتِ کبریٰ سے مراد حضرت موسیٰؑ کے عصا کا اژدھا بن جانا تھا جس کو پہلی بار دیکھ کر فرعون حواس باختہ ہو گیا تھا اور اس نے سمجھا تھا کہ موسیٰؑ بہت بڑے جادوگر ہیں۔ اس کو یہ خوف پیدا ہو چلا تھا کہ موسیٰؑ اپنے جادو کے زور سے میری سلطنت پر قبضہ کر لیں گے اور مجھے اپنا فرمانبردار بنا لیں گے۔ اس نے اپنی رعایا کو ایک مقام پر جمع کر کے پھر اس عہد کی تجدید کی کہ میں تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں۔ تم کو روزی دینا اور تمہاری مشکلات حل کرنا سب میرے قبضہ میں ہے۔ پس تم موسیٰؑ کے قبضہ میں نہ آنا۔ جب اس کی سرکشی اس حد تک پہنچی اور کسی طرح قبضہ میں نہ آیا تو پھر ہمارے عذاب نے اُسے لے ڈالا۔ دنیا کا عذاب تو یہ تھا کہ وہ غرق کر دیا گیا اور آخرت کا عذاب تو جہنم کا ایندھن بننا ہے ہی۔ یہ سب اس لیے کہا گیا کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے لیے عبرت ہو اور وہ کسی وقت بھی خدا کی نافرمانی پر آمادہ نہ ہوں۔

پھر اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے کہ تمہارا وجود تو ہے ہی کیا میں نے آسمان کو نہیں بنایا۔ اس کی بلندی کتنی ہے۔ رات کو تمہارے لیے تاریک اور دن کو روشن بنایا ہے۔ زمین کا فرش بچھا کر اس میں سے تمہارے لیے پانی نکالا ہے سبزہ اُگایا ہے۔ تاکہ تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے کھانے پینے کا سامان ہو اس پر بھی اگر تم مجھے نہ مانو تو پھر تمہاری سزا جہنّم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ
مَا سَعَىٰ ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿۳۶﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿۳۷﴾
وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿۳۹﴾ وَأَمَّا
مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ

الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ
اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ
يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

جب سب سے بڑی مصیبت آجائے گا اس دن آدمی نے جو کچھ کیا ہے اُسے یاد آئے گا اور دیکھنے والوں کے لیے جہنّم کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ پس جس نے سرکشی کی اور زندگانی دُنیا کو ترجیح دی ہوگی جہنّم میں اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا ہوگا اور اپنے نفس کو بُری خواہشوں سے روکا ہوگا تو اس کے رہنے کی جگہ جنت ہوگی لوگ تم سے سوال کرتے ہیں (اے رسولؐ) قیامت کب آئے گی تمہارا اس کے علم سے کیا واسطہ، اس کے علم کا تعلق اللہ سے ہے تم تو صرف ڈرانے والے ہو جو ڈرے، جس دن دیکھیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں ایک رات یا دن ٹھہرے،

اکثر لوگ حضرتؐ سے یہ سوال کرتے تھے کہ جس قیامت کا آپؐ ذکر کیا کرتے ہیں اس کے آنے کا کوئی وقت بھی مقرر ہے۔ تم کہدو کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے وہ جب چاہے گا اُسے لے آئے گا۔ اے رسولؐ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ انہیں خبردار کر دو جو خدا کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ جب وہ اُسے دیکھیں گے تو ان کے ہوش باختہ ہو جائیں گے۔

﴿۸۰﴾ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ﴿۲۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ
يَزَّكّٰٓى ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ
اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾

وہ چیں بجبیں ہو گیا اور منہ پھیر بیٹھا اتنی سی بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آ گیا تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ تعلیم سے پاکیزگی حاصل کرتا یا وہ نصیحت سُنتا تو نصیحت اُس کے کام آتی ۔ تو جو کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کے تو تم درپے ہو جاتے ہو حالانکہ وہ نہ مانے تو تم اس کے ذمّہ دار نہیں۔

اس سُورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرتؐ کے قریب بنی اُمیّہ کا ایک سردار بیٹھا تھا کہ عبداللہؓ بن مکتوم آئے جو آپؐ کے خاص صحابی تھے، مؤذن بھی تھے اور نابینا تھے، آپؐ کی خدمت میں آئے۔ عبداللہؓ کی والدہ اُمِ مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بہن بھائی تھے آدمی مقدس تھے۔ حضرتؐ نے اس مالدار سے اُوپر جگہ دی۔ اس پر وہ بہت ترش ہوا اور حضرتؐ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہؓ غریب آدمی تھے اور وہ دولتمند تھا۔ خدا نے رسولؐ سے فرمایا تمہیں کیا معلوم شاید وہ تمہارے پاس بیٹھ کر تزکیہ نفس کرتا یا نصیحت سنتا جو اُس کے کام آتی۔ لیکن جو نصیحت کی پرواہ نہیں کرتا تم اُس کے درپے ہوتے ہو حالانکہ وہ نہ سدھرے تو تم اس کے نہ سدھرنے کے ذمہ دار نہیں۔

مفسرین نے اس آیت کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ایک بڑے محقق مفسّر نے تحریر فرمایا ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ایک مالدار آدمی حضرتؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ عبداللہ بن مکتوم آ گئے۔ ان کے آنے سے حضرت ترش ہوئے اور اس سے منہ موڑ لیا۔ اس لیے کہ عبداللہ کا ایمان لانا حضرت نے اس مالدار کے ایمان لانے سے بہتر نہ سمجھا کیونکہ عبداللہ سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچنے کی اُمید نہ تھی۔ برخلاف اس مالدار کے، کہ وہ جتھے والا تھا۔ اگر ایمان لے آتا تو بڑا فائدہ پہنچتا۔ اس صورت میں رسولؐ کے اخلاق پر جو دھبہ لگتا ہے اُسے کون مٹا سکتا ہے۔ جو ہستیؐ پاکِ خلقِ عظیم پر فائز ہو اس سے ایسے عمل کا صادر ہونا کس قدر بعید از عقل ہے۔ بہرحال یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ جب عبداللہ حضرتؐ کے قریب بیٹھے تو اُس مالدار نے اپنا دامن ان کی طرف سے کھینچ لیا۔ حضرتؐ نے فرمایا، اے شخص تُو نے ایسا کیوں کیا۔ کیا اس کی فقیری تجھ سے آلپٹتی یا تیری تونگری اس کے پاس چلی جاتی۔ یہ سُن کر وہ شخص شرمندہ ہُوا اور کہا میں اپنی دولت کا نصف حصّہ اپنے اس غریب بھائیؐ کو دیتا ہوں۔ حضرتؐ نے ابنِ مکتوم سے پوچھا، کیا تمہیں منظور ہے۔ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ یہ شخص اس نجاست کو میری طرف پھینک رہا ہے جس نے اس کو اس بداخلاقی کی طرف مائل کیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾
كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾

جو تمہارے پاس لپکتا ہُوا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے تو تم اس سے بے رُخی کرتے ہو دیکھو یہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ پہلی غلطی تھی جو رسول سے سرزد ہوئی۔ اللہ نے ان کو تنبیہہ فرمائی کہ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی طرف توجہ کرو۔ ایمان لرزتا ہے یہ سنتے ہوئے کہ رسول سے غلطی سرزد ہوئی۔ اس آیت میں جو

کچھ کہا گیا ہے بظاہر رسولؐ سے مخاطبہ ہے لیکن درحقیقت امّت کو سبق دیا گیا ہے۔ قرآن میں اکثر مواقع پر بظاہر مخاطب رسولؐ سے کیا گیا ہے لیکن مراد امّت ہوتی ہے۔ جو رسول ایسی کھُلی ہوئی غلطیاں کرے اس کی اطاعتِ مطلقہ امّت پر کیوں کر ہوسکتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (۱۲) فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ (۱۳) مَّرْفُوْعَةٍ
مُّطَهَّرَةٍۭ (۱۴) بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ (۱۵) كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (۱۶) قُتِلَ
الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ (۱۷) مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (۱۸) مِنْ نُّطْفَةٍ
خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ (۱۹) ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (۲۰) ثُمَّ اَمَاتَهٗ
فَاَقْبَرَهٗ (۲۱) ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (۲۲) كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ
اَمَرَهٗ (۲۳) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ (۲۴) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ
صَبًّا (۲۵) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (۲۶) فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا (۲۷)
وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا (۲۸) وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا (۲۹) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (۳۰)
وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا (۳۱) مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۳۲)

پس جو چاہے اسے یاد رکھے (یہ قرآن لوح محفوظ کے) بہت معزّز اوراق پر لکھا ہوا ہے جو بلند مرتبہ اور پاک ہیں ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں سے جو بزرگ نکوکار ہیں۔ انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے۔ خدا نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے اُسے پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا پھر اس کا راستہ آسان کر دیا۔ پھر اُسے مارا اُسے قبر میں دفن کیا پھر جب چاہے گا اُٹھا کھڑا

کرے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا نے جو حکم اسے دیا ہے اس نے اسے پُورا نہ کیا۔ انسان کو اپنے کھانے ہی کی طرف غور کرنا چاہیئے کہ ہم نے بادل سے پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو درخت اُگا کر چیرا پھاڑا پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں پیدا کیں اور گھنے باغ میوے اور چارہ پیدا کیا۔ یہ سب تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے ہے۔

یعنی یہ قرآن جو رسولؐ کے پاس بھیجا گیا ہے پُوری احتیاط سے بھیجا گیا ہے اس کی اصل کاپی لوح محفوظ ہے۔ اس کو امین اور نیک فرشتہ کی معرفت بھیجا گیا ہے۔ انسان قتل کیا جائے بڑا ہی ناشکرا ہے۔ خدا نے نطفہ کی ایک بُوند سے پیدا کر کے کس مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ اُس نے صحیح راستہ اس کو دکھا دیا۔ پھر وہ مر گیا قبر میں دفن ہو گیا۔ پس جب خدا چاہے گا اُسے قبر سے اُٹھا کھڑا کرے گا۔ اس کا اُسے یقین نہیں آتا۔ اور جو حکم اسے دیا گیا ہے اُسے پُورا نہیں کرتا۔ جو کھانا روزمرّہ کھاتا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ یہ خدا کی کتنی صنعتوں اور مہربانیوں کے بعد اسے حاصل ہوا ہے۔ مینہ اس نے برسایا جس نے زمین میں داخل ہو کر اُسے نرم بنایا پھر اس میں سے دانہ کو اُگایا۔ غلّے اور میوے پیدا کیے مویشیوں کے لیے چارہ اُگایا۔ کیا اس پر بھی وہ ہمارا شکرگزار نہیں ہوتا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ (۳۴) وَاُمِّهٖ
وَاَبِيْهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (۳۷) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (۳۸) ضَاحِكَةٌ
مُّسْتَبْشِرَةٌ (۳۹) وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (۴۰) تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ (۴۱) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (۴۲)

جب وہ چنگھاڑ آموجود ہوگی اس روز آدمی اپنے بھائی سے اپنے ماں باپ سے اور اپنی بی بی اور اپنی اولاد سے بھاگتا دکھائی دے گا۔ اس روز ہر شخص کے لیے ایک ایسی شان ہوگی کہ دوسروں سے اس کو بے خبر رکھے گی۔ کچھ چہرے اس روز چمکتے ہوں گے ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے اور

کچھ ایسے ہوں گے کہ گرد آلود ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی ۔ یہی کافر اور بدکار لوگ تھے ۔

اس آیت میں ماں باپ سے پہلے بھائی کا اور باپ سے پہلے ماں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ معلوم ہوا کہ محبت میں بھائی اور ماں کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ باپ دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی بی بی کی اولاد سے بے تعلق ہو جاتا ہے لیکن بھائی اور ماں بے تعلق نہیں ہوتے ۔ اگر ماں بھی دوسری شادی کر کے بے تعلق ہو جائے تو بھائی ہر حالت میں قوتِ بازو ہوتا ہے ۔ قیامت کے دن دیکھنے والوں کو مومن و کافر میں صاف فرق نظر آئے گا ۔

---

(٨١) سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ (٧)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا
الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ
حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾
وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ
نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَا
أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾

جب آفتاب کی چادر کو لپیٹ لیا جائے گا اور جس وقت تارے گر پڑیں گے اور جب پہاڑ

چلائے جائیں گے اور جب جَننے والی اونٹنیاں چھوڑی جائیں گی اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے اور جب دریا آگ ہو جائیں اور جب رُوحیں ہڈیوں سے مِلا دی جائیں گی اور جس وقت زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے ماری گئی تھیں ۔ اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے اور جب آسمانوں کا چھلکا اُتار دیا جائے گا اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی جب جنّت قریب کر دی جائے گی ، تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ وہ کیا اعمال لے کر آیا ہے مجھے ان ستاروں کی قسم جو چلتے چلتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے ۔

آثارِ قیامت بیان کیے جا رہے ہیں :

۱ - یعنی جب سُورج کو بے نُور کر دیا جائے گا ۔

۲ - جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے ۔

۳ - پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر چل نکلیں گے ۔

۴ - جَننے والی اونٹنیاں معطل ہو جائیں گی ۔ عرب ایسی اونٹنیوں کی بڑی حفاظت کرتے تھے جو بچّہ جُننے کے قریب ہوتی تھیں کیونکہ ان سے نسل بڑھنے کی اُمید ہوتی تھی ۔ قیامت کے دن ایسی گھبراہٹ ہوگی کہ انہیں بھی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے ۔

۵ - وحشی جانور جمع ہو جائیں گے ۔ یعنی ایسی خوفناک صورت ہوگی کہ تمام وحشی جانور خوف زدہ ہو کر ایک مقام پر جمع ہوں گے اور کوئی کسی کو اذیت نہ پہنچا سکے گا ۔

۶ - اس وقت دریاؤں کا پانی آگ بن جائے گا ۔

۷ - پھر ہڈیوں میں جان ڈالی جائے گی اور مُردے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔

۸ - عربوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب ان کی عورتوں کے وضع حمل کا وقت قریب آتا اور دردِ زہ عارض ہوتا تو وہ ایک گڑھا کھود رکھتے ۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو فوراً اُسے گڑھے میں ڈال کر گڑھے کو مٹی سے پُر کر دیتے ۔ اس کی کئی وجہیں ! اوّل تو یہ کہ وُہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لڑکی پر اس کا شوہر حاکمانہ تصرّف دکھائے ۔ دوسرے اس کی پال گت میں اور شادی بیاہ میں روپیہ خرچ کرنا لازمی ہوتا تھا اور ان کی مفلسی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی ۔ تیسرے ان کو اس کی نگرانی کرنی پڑتی تھی کہ بدچلن ہو کر باعثِ بدنامی نہ ہو جائے ۔ برخلاف اس کے لڑکے جوان ہو کر ان کی آمدنی کا سبب ہوتے تھے ۔ چوتھے باہمی لڑائیوں میں لڑکے ان کا ساتھ دیتے تھے ۔ لڑکی رو پیٹ کر ان کی ہمّت پست کرتی تھی ۔ آیت میں لڑکیوں سے سوال کا ذکر ہے ماں باپ سے نہیں تاکہ ماں باپ انکار نہ کر دیں ، دوسرے

مظلوم کی فریاد پہلے سُنی جاتی ہے۔

۹ - لوگوں کے اعمال نامے کھُلے ہوں گے اور ایک ایک بات کے متعلق جواب طلب کیا جائے گا۔

۱۰ - آسمانوں سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جو ان کی اصلیت ہے وہ سب کے سامنے آجائے گی۔

۱۱ - دوزخ کی آگ خوب بھڑکا دی جائے گی۔

۱۲ - جنت کو متقی لوگوں سے قریب کر دیا جائے گا۔

۱۳ - کچھ ایسے ستارے بھی ہیں کہ پیچھے ہٹ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اسٹرا نومرس علم ہیئت کے ماہرین کی تحقیق یہ ہے کہ ستارے اپنے اندر سے گیسیں چھوڑتے رہتے ہیں۔ جس طرح زمین پر سمندر موجیں مارتا ہے اسی طرح وہاں گیسیں موجیں مارتی ہیں ان کو انگریزی میں نیبولاز کہتے ہیں۔ جب یہ رُش کرتی ہوئی طوفان کی صورت میں ایک طرف سے دُوسری طرف جاتی ہیں تو ان کا زور ستارے کو جگہ سے ہٹا دیتا ہے اور ان کی گریوٹی (قوتِ کشش) پھر غائب ہونے کے بعد ان کو اپنی جگہ پر لے آتی ہے۔ (منقول از کتاب بُک آف نالج)۔ علم ہیئت کے ماہرین کا بیان ہے کہ زحل۔ مریخ۔ زہرہ اور عطارد پانچ ستارے ایسے ہیں جو چلتے چلتے یکبارگی پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ (منقول از حاشیہ قرآن مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ
عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا
صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾
وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ
رَجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾
لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ
يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

ع

اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کی زبان کا پیغام ہے جو بڑی قوت رکھتا ہے۔ عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے سب فرشتوں کا سردار امانت دار ہے اور (مکّہ والو) تمہارے ساتھی (محمدؐ) دیوانے نہیں ہیں۔ بے شک انہوں نے جبریلؑ کو (آسمان کے) کنارہ پر دیکھا ہے۔ وُہ غیب کی باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں اور نہ یہ مرُدود شیطان کا قول ہے۔ پھر تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو، یہ تو سارے جہان کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے (مگر) اُسی کے لیے جو تم میں سیدھی راہ چلے اور تم تو سارے جہان کے پالنے والے خدا کے چاہے بغیر کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔

قولِ رسولِ کریمؐ سے یہ مراد ہے کہ اس قرآن کا لانے والا جبریلؑ جیسا فرشتہ ہے جو معمولی فرشتہ نہیں، بلکہ صاحبِ قوّت ہے اور تمام فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں یعنی سب فرشتوں کا سردار ہے اور امانتدار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کا کلام جو رسولؐ تک لانے والا ہے وہ کوئی معمولی فرشتہ نہیں، خدا کی بارگاہِ عالیہ میں خصوصیت رکھنے والا ہے۔ امانت دار ہے، کسی قسم کی خیانت نہیں کر سکتا۔ جو پیغام اس کے ذریعہ سے بھیجا جاتا ہے وہ اس میں اپنی طرف سے کتر بیونت نہیں کرتا، جُوں کا تُوں رسولؐ تک پہنچا دیتا ہے۔ رسولؐ نے اُسے شبِ معراج دیکھ بھی لیا ہے، جانا پہچانا ہے۔ پس اس صورت میں تمہارا رسولؐ کو دیوانہ کہنا تمہاری دیوانگی کی علامت ہے۔ یہ شیطان مردود کا کلام نہیں جو اول فول ہو۔ یہ تو جچا تُلا صداقت آگیں کلام ہے۔ تمام عالموں کے لیے نصیحت۔ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اسے نہیں مانتے۔ تم شیطان کے پجاری بن کر کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔ تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہونا تو وہی ہے جو خدا چاہے۔

---

(۸۲) سُورَةُ الْانْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (۸۲)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾
وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ

نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ
بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۷
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۹
وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا
تَفْعَلُوْنَ ۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۱۳ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ
جَحِيْمٍ ۱۴ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۱۶
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۱۷ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۱۸
يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۱۹

جب آسمان سُرخ ہو جائے گا، ستارے جھڑ پڑیں گے، جب دریا ایک دُوسرے سے مِل جائیں گے، جب قبریں اُکھیڑ دی جائیں گی، تب ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ اے انسان تجھے اپنے ربِ کریم کے بارہ میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست بنایا اور مناسب اعضا دیئے۔ جس صورت میں اُس نے چاہا تیرے جوڑ بند ملائے۔ ہاں بات یہ ہے کہ تم لوگ جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، بزرگ فرشتے سب باتوں کے لکھنے والے (کراماً کاتبین) جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ یقیناً جزا کے دن جہنّم میں جھونکے جائیں گے اور یہ لوگ اس سے چھُپ نہ سکیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیا ہے۔ پھر تمہیں کیا معلوم جزا کا دن کیا ہے۔ اس دن کوئی شخص کسی کی بھلائی نہ کر

سکے گا۔ اُس دن حکم صرف خُدا ہی کا ہوگا۔

یعنی قیامت کے دن قبریں کھول دی جائیں گی اور سب لوگ ان سے باہر آکر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اس روز انسان کو پتہ چلے گا کہ کیا کیا کام وہ اپنی زندگی میں کر چکا ہے اور کیا کیا کام اس سے چھُوٹ گئے ہیں۔ اے انسان تجھے بخشش کرنے والے رب کے متعلق کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا کہ تُو نے اُس کی عبادت چھوڑ دی اور اس کے احکام کی نافرمانی پر کمر باندھی۔ وہ تو رب کریم ہے اگر تُو اس سے معافی مانگتا تو وُہ بخش دیتا۔ مگر تُو تو اس سے منہ موڑے ہی رہا۔

ذرا تُو اس پر غور نہیں کرتا کہ خدا نے تجھے کس طرح بنایا ہے۔ تیری ساخت میں قدرت نے کیا کیا کرشمے دکھلائے ہیں۔ کیسی زیبا صورت تجھے دی ہے۔ اعضاء کے تناسب کے ساتھ تجھے کیسا حسین بنایا ہے۔ تُو اپنے دو ہاتھوں سے ہزار ہا کام کر سکتا ہے۔ تُو روزِ قیامت کو جھٹلاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تُو جو کچھ اس دُنیا میں کر رہا ہے اس کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ تیرے کاموں کی کسی کو خبر ہی نہیں۔ اے بے خبر انسان! ہم نے اپنے نگہبان فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تیرے کندھوں پر بیٹھے تیرے اچھے بُرے اعمال لکھتے جا رہے ہیں۔ یہی روزِ قیامت ہر شخص کے گلے کا ہار ہوں گے۔ پھر وہاں نیکوں کے لیے جنّت ہوگی اور بدکاروں کے لیے جہنّم۔ وہاں سے نہ کوئی بھاگ کر جا سکتا ہے نہ کوئی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

۸۳ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ۸۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ
يَسْتَوْفُوْنَ ۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۳
اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵ يَّوْمَ
يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی خرابی ہے جو اَوروں سے ناپ کر لیں تو پُورا پُورا لیں اور جب اُن کو ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑے (سخت) دن (قیامت) میں اُٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ سُن رکھو کہ بدکاروں کا نامۂ اعمال سجّین میں ہے اور تم کو کیا معلوم کہ سجّین کیا چیز ہے۔ لکھا ہُوا دفتر ہے (جس میں شیاطین کے اعمال درج ہیں)۔

مدینہ کے اکثر تاجر جب کوئی چیز دوسروں سے لیتے تو ڈنڈی مار کر زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیز دوسروں کو دیتے تو کم ناپتے اور کم تولتے۔ اس کی شکایت جب حضرت رسولِ خدا کے پاس پہنچی تو آپؐ نے بازار میں جاکر لوگوں کو یہ آیات سُنائیں۔ اسی طرح امیرالمومنین علیہ السلام بھی جب بازار میں جاتے تو دکانداروں کو ہدایت کرتے کہ کوئی کسی کو نہ کم دے نہ زیادہ لے۔ اور فرماتے کہ اس کا خمیازہ تم کو قیامت میں بھگتنا پڑے گا۔

قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ قیامت میں جو بڑا سخت دن ہوگا اپنی قبروں سے اُٹھائے نہیں جاؤ گے، ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور رب العالمینؐ کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی۔ بدکاروں کے تمام اعمال لکھے ہوئے اس کے سامنے آجائیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾
وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾
ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾

اُس روز اُن جُھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی جو روزِ قیامت کو جھٹلاتے تھے اور نہیں جُھٹلاتے اس کو مگر حد سے تجاوز کرنے والا گنہ گار، جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو کہتا تھا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جو اعمالِ بد کرتے ہیں ان کے دلوں میں اس کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ ضرور یہ لوگ اپنے رب کی رحمت سے روک دیئے جائیں گے پھر ان کو جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ
فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا
يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾

سُن رکھو نیکوں کے نامۂ اعمال علّیین میں ہوں گے تم کو کیا معلوم علّیین کیا ہے وہ ایک لکھا ہُوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے اعمال درج ہیں۔ اس کے پاس مقرّب فرشتے حاضر ہیں۔ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظّارے کریں گے تم ان کے چہروں سے راحت کی

تازگی معلوم کر لوگے - ان کو سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی - جس کی مُہر مشک کی ہوگی - اس کی طرف البتہ شائقین کو رغبت کرنی چاہیئے - اس شراب میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی - وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین پئیں گے - بیشک جو گنہگار مومنوں سے مذاق کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو چشمک کیا کرتے تھے -

عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ - بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دیدار الٰہی کا انتظار کر رہے ہوں گے یعنی کب خدا تخت پر آکر بیٹھے اور کب ہم کو اس کا دیدار نصیب ہو - اس عقیدہ میں کتنا وزن ہے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے - اگر وہ صاحب جسم ہوتا تو کبھی تو اس دُنیا میں اپنا رُخ انور دکھاتا ہی - تاکہ بے شمار عینی گواہ تو اس کو مل جاتے - جو لوگ اس بنا پر خدا کو نہ مانتے تھے کہ ان دیکھی چیز پر کیسے ایمان لے آئیں، ان کے مقابل تو خدا کی حجت تمام ہو جاتی کہ ہم تو ایک بار تمہارے پاس آچکے ہیں تمہیں اپنا چاند سا مکھڑا دکھا چکے ہیں پھر انکار کیسا؟
مہر لگی ہوئی شراب کا یہ مطلب ہے کہ کسی نے اس میں سے کچھ پیا ہی نہ ہوگا - ہر ایک کے حصّہ کی علیحدہ علیحدہ ہوگی - تسنیم ایک بہشت کا چشمہ ہے جس کا پانی خوشبودار ہے خدا کے خاص مقرب بندوں کو اس کا پانی پلایا جائے گا - جو گنہگار اہلِ ایمان پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کی طرف سے گزرتے تھے تو دل لگی کے طور پر آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے ان کو وہاں سے کچھ بھی نہ ملے گا -

---

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَکِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾
فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَی الْاَرَآئِکِ
یَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جب یہ کفّار اپنے گھر والوں کے پاس آتے تھے تو اتراتے ہوئے اور جب مومنین کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ تو گمراہ لوگ ہیں حالانکہ یہ لوگ اُن پر کچھ نگران بنا کر تو بھیجے نہیں گئے تھے تو آج (قیامت کے دن) ایماندار لوگ کافروں سے ہنسی کریں گے اور تختوں پر بیٹھے نظارے کریں گے تو اب کافروں کو ان کے کیے کا

پُورا پُورا بدلہ مل گیا -

﴿۸۴﴾ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّةٌ ﴿۸۳﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا
الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا
وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا
فَمُلٰقِیْهِ ﴿۶﴾

جب آسمان پھٹ پڑے گا اور اپنے رب کا حکم بجالائے گا اور اس کے لیے واجب بھی یہی ہے اور جب زمین تان دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے نکال پھینکے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم بجالائے گی اور اس کے لیے سزاوار بھی یہی ہے - اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے اور تو اُس سے ملنے والا ہے -

قیامت میں زمین کو ہموار کر کے بچھایا جائے گا - پستی بلندی ختم کر دی جائے گی - زمین کے اندر جو کچھ خزانہ چھُپا ہوا ہے وہ اسے نکال پھینکے گی - خالی رہ جائے گی - اس کی مجال نہ ہوگی کہ اپنے رب کے حکم کے آگے دم مارے - انسان روز بروز قیامت کے دن کی طرف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے - آخر ایک وقت ایسا آنا ہے کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو جائے گا -

---

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا

يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ
وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾
إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ ۚ
إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

جس کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اُس کا حساب بہت جلد ہو جائے گا اور وہ اپنے اہل وعیال کی طرف خوش خوش لوٹے گا اور جس کا نامۂ اعمال اُس کی پُشت کے پیچھے ہوگا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنّم میں جھونک دیا جائے گا (دُنیا میں) وہ اپنے اہل وعیال میں خوش تھا اور سمجھتا تھا کہ اُسے پلٹنا نہیں ہے (پلٹنا کیسے نہ ہوتا)۔ اس کا رب اس کے ہر عمل کو دیکھنے والا تھا۔

جو اعمال نامہ ہر شخص کا کراماً کاتبین لکھتے رہے ہوں گے وہ تحریر نیکوں کے تو داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور بدکاروں کے بائیں ہاتھ میں۔ وہ شرم سے اپنا ہاتھ پشت کی طرف کر لے گا۔ ایسا شخص بار بار موت کو پکارے گا تاکہ آنے والی مصیبت سے اُسے نجات مل جائے۔ مگر نجات کیسی وہ تو بہت جلد جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ دُنیا میں یہ شخص اپنے بال بچوں میں مگن رہتا تھا اور بھُولے سے بھی اُسے یہ خیال نہ آتا تھا کہ اسے پلٹ کر خدا کے پاس جانا ہے۔ لیکن وہ سزا سے بچ کیسے سکتا تھا جبکہ خدا اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا تھا۔ اور کراماً کاتبین اس کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو لکھتے جاتے تھے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ
عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾ ع

مجھے شام کی سُرخی کی قسم اور رات کی اور ان چیزوں کی جنہیں وہ ڈھانپ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پُورا ہو جائے تم ضرور ایک مصیبت کے بعد دوسری میں پھنسو گے۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر لوگ تو جھٹلاتے ہیں اور جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے پس تم ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ مگر جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں تو ان کے لیے بے انتہا اجر و ثواب ہے۔

ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت آنے سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں بڑی سخت منزلوں سے گزرنا ہے۔ قبر کے سوال و جواب۔ برزخ میں قیامت تک رہنا پھر قبروں سے اٹھایا جانا۔ میدانِ حشر میں آنا۔ پُل صراط سے گزرنا۔ حساب کتاب ہونا۔

(٨٥) سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ (٢٧)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَ
مَشْهُودٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ﴿٥﴾
إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ﴿٦﴾ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ﴿٧﴾
وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٨﴾
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾
إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ⑩ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ
ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ⑪

برجوں والے آسمان کی قسم اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور گواہ کی اور جس کی گواہی دی جائے گی اور اُس کی (کہ کفارِ مکّہ ہلاک ہوئے) جس طرح خندق والے ہلاک کر دیئے گئے جو خندقیں آگ کی تھیں جن میں اُنہوں نے (مسلمانوں کے لیے) ایندھن جھونک رکھا تھا جب وہ خندقوں پر بیٹھے ہوتے تھے اور جو سلوک ایمانداروں کے ساتھ کرتے تھے اس کو سامنے دیکھ رہے تھے اور ان کو مومنین کی یہی بات بُری معلوم ہوتی کہ وہ لوگ خدا پر ایمان لائے تھے جو زبردست وسزاوارِ حمد ہے وہ خدا جس کی سارے آسمان و زمین میں بادشاہت ہے اور وہ خدا جو ہر چیز سے واقف ہے بیشک جن لوگوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو تکلیفیں دیں پھر توبہ نہ کی ان کے لیے جہنّم کا عذاب تو ہے ہی اس کے علاوہ جلنے کا بھی عذاب ہوگا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے ایسے جنّت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ تو بڑی کامیابی ہے۔

شاہد و مشہود کے بارے میں مفسّرین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام حسن علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت رسولِ خداؐ ہیں اور مشہود سے مراد روزِ قیامت ہے۔

اصحابِ اخدود کا قصّہ یہ ہے کہ خدا نے ایک حبشی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اُس کی ہدایت سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اُس زمانہ کا بادشاہ بت پرست تھا اُس کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ اس نے پیغمبر سے کہا، یا تو تم اور تمہارے ساتھی ہمارا دین قبول کر لیں ورنہ میں تم سب کو جلا دوں گا۔ انہوں نے کہا ہمیں جلنا منظور ہے مگر بت پرست ہونا منظور نہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوائی اور اُس میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگی اور انگارے بن گئی تو اُس نے اعلان کرایا جو ہمارے دین میں نہیں آنا چاہتا وہ اس آگ میں کُود جائے ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے گا چنانچہ مسلمان اُس میں کُودنے لگے۔ ایک عورت کی گود میں تین ماہ کا بچہ تھا۔ اُسے اُس بچہ کی وجہ سے تامّل ہوا۔ بچہ بقدرتِ خدا گویا ہوا کہ اے ماں بے دھڑک اس میں کُود جا کچھ نہ ہوگا چنانچہ وہ کُود پڑی۔ اس وقت ایک آندھی چلی جس نے وہ سب آگ اُٹھا کر بادشاہ اور اُس کے لشکر پر ڈال دی۔ جس سے وہ سب جل گئے۔

الْحَمِيدِ کافروں کو صرف اس لیے عداوت تھی کہ وہ اللہ پر کیوں ایمان لائے ہیں۔ جن لوگوں نے مومنین و مومنات کو مصیبت میں ڈالا ان کے لیے عذابِ جہنّم کے علاوہ ایک عذابِ حریق (جلا دینے والا) بھی ہے معلوم ہوتا ہے یہ عذاب جہنّم کے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ چونکہ انہوں نے ایمان والوں کو جلایا تھا لہٰذا اس کی سزا آگ کی ہی جلائے گی۔

اُس بچّہ نے جو اس زمانہ کے نبی کی صداقت کی گواہی دی اس نے لوگوں کو تعجب میں ڈالا اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ پر حضرت علیؑ کم سنی میں ایمان لائے تھے لہٰذا ان کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔ میں کہتا ہوں قدرت نے ہمیشہ معصوم ہستیوں کی گواہی بچّوں سے ہی دلوائی ہے۔ حضرت مریمؑ کی گواہی آغوشِ مادر میں ہی حضرت عیسٰیؑ نے دی۔ حضرت یوسفؑ کی عصمت کی گواہی اس بچّہ نے دی جو خانۂ زلیخا میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا۔ مباہلہ میں جب حضورؐ اپنی رسالت کی گواہی دلوانے چلے تو امام حسینؑ آپؐ کی گود میں تھے اور امام حسنؑ کی اُنگلی پکڑے یعنی آگے جو دو گواہ تھے وہ بچّے تھے۔ پس جب اتنے کم سن بچّوں کی گواہی معتبر ہو تو حضرت علیؑ تو دس بارہ برس کے تھے۔ صاحبِ عقلِ سلیم تھے اور نورٌ علیٰ نور تھے۔ کیا وجہ کہ ان کی گواہی معتبر نہ ہو۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ⑫ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ⑬ وَهُوَ
الْغَفُورُ الْوَدُودُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ⑮ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ⑯
هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ⑱ بَلِ الَّذِينَ
كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ⑲ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ⑳ بَلْ
ع ۱ ۲۲ ۱۰ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ㉑ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ㉒

بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ قیامت میں زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک۔ بڑا عالی شان ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی۔ مگر کفار تو جھٹلانے ہی کی فکر میں ہیں اور خدا ان کو پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے (یہ تو قرآن مجید لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے (جھٹلانے کے قابل نہیں)۔

یہ لوگ خدا کی پکڑ کو ابھی سمجھے ہی نہیں۔ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ پھر انہیں زندہ کرکے اٹھائے گا۔ وہ عرش مجید جیسی عظیم الشان مخلوق کا خالق ہے۔ فرعون اور نمرود کے پاس کیسے بڑے بڑے لشکر تھے۔ کتنی بڑی سلطنتوں کے وہ مالک تھے لیکن کیا وہ خدا پر غالب آگئے تھے جو یہ کفارِ مکہ غالب آجائیں گے۔ یہ جھٹلانے والے تو جھٹلاتے رہے خدا تو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یہ بچ کر جائیں گے کہاں۔ یہ قرآن تو لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

---

(۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (۳۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (١) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (٢) النَّجْمُ
الثَّاقِبُ (٣) اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (٤) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ
مِمَّ خُلِقَ (٥) خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (٦) يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ
وَالتَّرَآئِبِ (٧) اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ (٨) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (٩)
فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (١٠) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (١١)
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (١٢) اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (١٣) وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (١٤)
اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا (١٥) وَّاَكِيْدُ كَيْدًا (١٦) فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ
اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (١٧)

آسمان کی اور رات کو آنے والے کی قسم۔ تم کیا جانو کہ رات کو آنے والا کیا ہے۔ وہ چمکتا ہوا تارہ

ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی نگہبان مقرر نہیں۔ انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے اُچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے اُس دن نہ اس کا زور چلے گا نہ کوئی مددگار ہوگا۔ چکر کھانے والے آسمان کی قسم اور پھٹنے والی زمین کی قسم بے شک یہ قرآن قولِ فیصل ہے اور لغو نہیں ہے۔ بے شک یہ کفار اپنی تدبیریں کر رہے ہیں۔ میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔ تو کافروں کو مہلت دو بس ان کو تھوڑی سی مہلت دو۔

نجم ثاقب سے مراد صبح کا چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی سب ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہر نفس پر ایک حافظ (نگہبان فرشتہ) رہتا ہے جو اس کو ضائع ہونے سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کو اس کی غفلت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ذرا سوچے تو وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس اُچھلنے والے مادہ سے جو انسان کی پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ یعنی بدن کی رگ رگ سے کھنچ کر دماغ میں جاتا ہے وہاں سے اعضائے رئیسہ میں ہوتا ہوا پیٹھ کی ہڈی میں پہنچتا ہے پھر گردہ میں آتا ہے۔ پھر فوتوں میں آکر بجائے سُرخ خون کے سفید رنگ اختیار کرتا ہے پھر مخرج سے نکل جاتا ہے۔ قدرت کی ان صناعیوں کو کس کی طاقت ہے کہ سمجھ سکے۔ نظام بدن کا تو یہ ایک بدیہی جزو ہے اس کے علاوہ اور بھی ہزارہا قدرت کے اسرار جسم انسان میں ایسے پائے جاتے ہیں جن کا سمجھنا انسان کی عقل و فہم سے باہر ہے۔ قدرت کے یہ سب کرشمے نظام بدنِ انسان کو دُرست رکھتے ہیں۔

اگر انسان کی بے احتیاطی سے اس نظام میں ذرا سا خلل پڑ جاتا ہے تو انسان کی جان پر آبنتی ہے پس جو یہ نظام قائم رکھنے اور اس کو بگاڑنے پر قادر ہے وہ اس کو دوبارہ ایسا ہی جسم بنا دینے پر بھی قادر ہے اور ایسا قیامت میں ہوگا جہاں انسان کے تمام اعمال کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ وہاں نہ تو کسی انسان کا کچھ زور چلے گا نہ وہاں کوئی اس کا مددگار ہوگا۔

پھر آسمان و زمین کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ بے شک قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ لغو باتیں نہیں ہیں، اس کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ یہ کفار اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں، میں بھی ان کو ذلیل و خوار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ اے رسولؐ، انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو پھر دیکھنا ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

---

(۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (۱) الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى (۲) وَالَّذِىْ قَدَّرَ
فَهَدٰى (۳) وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (۴) فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (۵)
سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (۶) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ
وَمَا يَخْفٰى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (۸) فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ
الذِّكْرٰى (۹)

(اے رسول) اپنے عالی شان رب کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور درست کیا جس نے اس کا اندازہ مقرر کیا اور راہ بتائی۔ جس نے حیوانات کے لیے چارہ اگایا پھر اسے سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔ ہم تمہیں ایسا پڑھا دیں گے کہ پھر بھولو ہی نہیں مگر جو خدا چاہے (منسوخ کر دے) بے شک وہ کھلی بات بھی جانتا ہے اور چھپی ہوئی بھی اور ہم تم کو آسان طریقہ کی توفیق دیں گے تو جہاں تک سمجھانا مفید ہو سمجھاتے رہو۔

اللہ کی تسبیح ان ہی ناموں سے کی جانی چاہئے جو اس کے قرآن میں مذکور ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام نہ بنا لیا جائے۔ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا اور جو چیز بھی بنائی ہے وہ اس کے حالات کے تحت اچھی ہی بنائی ہے۔ اس کا اندازہ کسی مخلوق کے متعلق غلط نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز شروع سے آخر تک ایک ہی صورت و حالت میں باقی ہے۔ اس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر چیز کو اس نے صحیح راستہ پر لگا دیا ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ وہ اپنی مصلحت سے پہلے گھاس کو زمین سے نکالتا ہے تاکہ جانوروں کے لیے چارہ بنے پھر اس کو سکھا کر کوڑا کرکٹ بنا دیتا ہے تاکہ وہ کھاد کے کام آئے۔ اے رسولؐ ہم تم کو قرآن اس طرح پڑھائیں گے کہ تم اسے بھولو گے ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم قرآن کے کسی لفظ کی جگہ بھول کر کوئی دوسرا لفظ پڑھ دو۔ اس کی

پوری حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ جن لوگوں کے یہاں یہ روایت ہے کہ حضورؐ ایک بار نماز میں ایک آیت بھول گئے تھے وہ خلافِ عقل ہے۔ جو رسول ایک آیت بھول سکتا ہے وہ کئی آیتیں بھی بھول سکتا ہے۔ ایسے رسول کی طرف سے امت تک صحیح قرآن پہنچانے کا اعتماد کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا فرماتا ہے ہم اس طرح پڑھائیں گے کہ تم بھولو ہی نہیں۔ اور بخاری کی روایت کہتی ہے بھول گئے تھے۔ ایسی ہی اور روایتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے بعض مورخین اسلام نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ایک بار نماز میں حضور نے باغوائے شیطان اتنا اور بڑھا دیا تھا نعوذ باللہ ایسا خیال بھی کرنا عصمتِ رسول کے خلاف ہے۔ پس جو رسول گھٹا بھی سکتا ہے بڑھا بھی سکتا ہے۔ اس کی تبلیغ پر کیسا اعتماد ہو سکتا ہے۔ قرآنؐ کہتا ہے کہ اگر رسول ایک لفظ بھی بڑھا کر ہماری طرف منسوب کرے تو ہم اس کی گردن کاٹ دیں گے (المعاذ)۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ اتنے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۱) الَّذِىْ يَصْلَى
النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۲) ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (۱۳) قَدْ اَفْلَحَ
مَنْ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا (۱۶) وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۱۷) اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ
ع ۹ ۱۲ الْاُوْلٰى (۱۸) صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (۱۹)

(جو تم سمجھاتے ہو) جو خدا سے ڈرتا ہے وہ تو فوراً ہی سمجھ جاتا ہے اور جو بدبخت ہے وہ پہلو تہی کرے گا۔ وہ (روزِ قیامت) بڑی تیز آگ میں داخل ہوگا پھر وہاں نہ مرے ہی گا نہ جئے ہی گا۔ جو شرک سے پاک ہوا وہ دلی مراد کو پہنچا۔ اپنے پروردگار کے نام ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا مگر تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔ بے شک یہی بات ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔

دوزخ کی زندگی ایک عجیب زندگی ہوگی نہ تو دوزخی کو موت ہی آئے گی نہ اس کا شمار زندوں ہی میں ہوگا۔ وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ مر کر اس کی جان عذاب سے چھوٹ جائے۔ دوزخ کی

آگ سے زیادہ تیز آنچ والی آگ ہوگی ہی نہیں۔ اس سے وہ لوگ نجات پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنا دل کفر کی حالت سے پاک کیا ہوگا۔ کلمہ شہادتین بصدقِ دل زبان پر جاری کیا ہوگا۔ پانچوں وقت نماز پڑھی ہوگی اور نیک اعمال بجا لایا ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ کل انبیاءؑ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں تین ہزار تیرہ رسولؑ صاحبِ کتاب ہیں۔ چار ہزار صحیفے خدا نے نازل کیے۔ بعض رسولوں کو کئی کئی صحیفے عطا ہوئے۔ عرب میں چار پیغمبر ہوئے ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور ہمارے پیغمبرؐ۔ (منقول از حاشیہ مترجمہ مولانا فرمان علی صاحبؒ)

---

(۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾
لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ
جُوْعٍ ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ
جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾

کیا تم کو ڈھانپ لینے والی مصیبت کا حال معلوم ہے اس دن بہت سے چہرے ذلیل و رسوا ہوں گے (طوق و زنجیر کی مشقت میں) تھکے ماندے دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں ایک کھولتے چشمہ کا پانی پلایا جائے گا۔ خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا جو نہ موٹائی پیدا کرے گا نہ بھوک کو روکے گا۔ بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنی کوشش کے نتیجہ پر خوش ایک عالی شان باغ میں ہوں گے، جہاں کوئی لغویات سُنیں گے ہی نہیں۔

ضریع۔ اس خاردار درخت کو کہتے ہیں جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں اور مزہ میں ایلوے سے زیادہ سخت تلخ ہوتا ہے اور جب خشک ہو جاتا ہے تو ایسا زہرِ قاتل بن جاتا ہے کہ جانور اس کے پاس نہیں پھٹکتے۔ ہماری زبان میں اس کو ناگ پھن تھوہڑ کہتے ہیں۔ دوزخی کو جب بھوک لگے گی تو پھر مجبوراً اس کو کھائے گا لیکن فائدہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ کتنا ہی کھائے گا اس کی بھوک کم ہی نہ ہوگی۔ یہ تو کھانا ہوگا اور اس پر کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ الامان الحفیظ

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ
مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾
اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ
سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ
بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

اس میں چشمے جاری ہوں گے اُونچے اُونچے تخت رکھے ہوں گے ان کے کناروں پر گلاس رکھے ہوں گے گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوئے نفیس مسندیں بچھی ہوئی ہوں گی تو کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف غور نہیں کیا کرتے، کیا عجیب پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا بلند بنایا گیا ہے اور پہاڑ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کس طرح بچھائی گئی ہے پس نصیحت کرتے رہو تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو تم ان پر داروغہ تو ہو نہیں۔ ہاں جس نے منہ پھیر لیا اور نہ مانا تو خدا اسے بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔ بے شک ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے

پھر ان کا حساب ہمارے ذمّہ ہے۔

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی جو بیشمار چیزیں ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ آخر ان کو کس نے بنایا ہے۔ وہ اونٹ جس پر ان کی زندگی کا بڑا دار و مدار ہے جس کے ذریعہ سے تپتے ہوئے ریگستانوں کو طے کرتے ہیں بڑے بڑے بھاری بوجھ اس کی کمر پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ اس کا دُودھ دوہتے ہیں اور طرح طرح کے کام لیتے ہیں۔ آخر ایسا مفید جانور ان کے لیے کس نے بنایا ہے آسمان ان کے سروں پر کس نے بلند کیا ہے۔ یہ سر بفلک پہاڑ کس نے بنائے ہیں۔ یہ ان کے پیروں تلے زمین کس نے بچھائی ہے بس جس خدا نے یہ سب کام کیے ہیں کیا وہ قیامت میں مُردوں کو زندہ کر کے کھڑا نہیں کر سکتا۔ کیا جس نے یہ کارخانہ بنایا ہے وہ اسے بگاڑ نہیں سکتا۔

---

(۸۹) سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ (۱) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۲) وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۳) وَالَّيْلِ اِذَا
يَسْرِ (۴) هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ (۵) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ
رَبُّكَ بِعَادٍ (۶) اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۷) الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا
فِي الْبِلَادِ (۸)

صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات جب آنے لگے۔ عقلمند کے لیے تو یہ بہت بڑی قسم ہے (کہ کفار پر ضرور عذاب ہوگا۔) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا کیا اونچے ستونوں والے عادِ ارم کی قوم کے ساتھ، جن کے برابر کوئی قوم دُنیا کے کسی شہر میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔

مفسّرین نے صبح اور دس راتوں اور شفع و وتر میں بڑا اختلاف کیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے جلد ۸ میں لکھا ہے: والفجر سے مراد محرم کی صبح ہے اور دس راتوں سے مراد یکم محرم سے دس محرم ہے اور اس میں ان ایّام کی بزرگی پر تنبیہ ہے اور اس میں یوم عاشورہ بھی ہے۔ تفسیر غیر منقوط سواطع الالہام میں ہے کہ مراد محرم کی فجر اور یوم عاشورہ ہے۔ تفسیر لوامع التنزیل میں بھی یہی ہے۔ اس کے علاوہ جو تاویلیں کی گئی ہیں وہ قابلِ قبول نہیں۔ شفع و وتر سے مراد شبِ عاشور کی نماز شب ہے جو کربلا میں امام حسین علیہ السّلام اور ان کے ساتھیوں نے تمام رات جاگ کر عبادتِ خدا میں بسر کی اور اس میں نمازِ تہجد ادا کی۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ دشمن کے چڑھ آنے کا ہر وقت خوف ہو دل جمعی کے ساتھ نمازیں پڑھنا اور بالخصوص نصف شب کے بعد نمازِ تہجد ادا کرنا ضرور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔

عاد ایک شخص اولادِ نوحؑ میں سے تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اس شاخ سے تعلق رکھتی تھی جو ارم بن سام بن نوحؑ سے چلی تھی۔ یہ عادِ اولیٰ کہلاتے تھے یہ قوم بڑی طاقتور تھی۔ فنِ تعمیر میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ پہاڑوں میں انہوں نے پتھر کاٹ کر اونچے اونچے ستونوں پر عالی شان مکانات بنائے تھے۔ اس لیے ان کو ذات العماد یعنی ستونوں والا کہا گیا ہے۔ یہ عاد حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شدّاد و شدید۔ شدید کے مرنے کے بعد شداد تمام ملکوں کا بادشاہ بن گیا۔ مولانا فرمان علی صاحبؒ نے حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:

"شدّاد کے ماتحت چار سو بادشاہ اور خراج گزار تھے۔ آخر اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اُس وقت کے پیغمبرؑ جب اُس کی ہدایت کو آئے اور اُس سے ایمان لانے کو کہا تو اُس نے کہا، ایمان لانے سے فائدہ کیا ہوگا۔ پیغمبر نے کہا، خدا تجھے بہشت دے گا۔ اُس نے پُوچھا، بہشت کیا ہے۔ اُنہوں نے بہشت کی تعریف بیان کی۔ اُس نے کہا، ایسا تو میں خود بنا سکتا ہوں۔ غرض اُس نے ایک معتدل آب و ہوا کی زمین تجویز کر کے بہشت بنوانا شروع کیا۔ ایک لاکھ مزدور اس میں کام کرتے اور تمام بادشاہانِ دُنیا کے پاس جو کچھ جواہرات، سونا اور چاندی تھی اُس نے وہ سب منگوا بھیجا اور سو برس میں وہ باغ تیار ہوا تو اُس کا نام اپنے دادا کے نام پر ارم رکھا۔ اس باغ کی دیوار کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ اس کے مکانوں میں موتی۔ یاقوت اور ہیرے تھے اس کی زمین مشک و عنبر کی تھی۔ اس میں ایک ہزار محل تھے۔ گرداگرد ہزار بالاخانے اور ہزار ایوان تھے۔ ہر مکان کے سامنے ایک درخت تھا جس کی ڈالیں سونے کی اور پتّے زبرجد کے اور خوشے موتیوں کے تھے۔ جب یہ باغ ہر طرح تیار ہو گیا تو شدّاد مع جذبہ و حشم اس کو دیکھنے چلا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچا تو ایک چیخ کی آواز سنی اور ایک خوفناک صورت اسے نظر آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا ملک الموت ہیں اور اس کی روح قبض کرنے آئے ہیں۔ اُس نے کہا، اتنی مہلت دو کہ باغ کو دیکھ لوں۔ ملک الموت نے کہا، اجازت نہیں۔ غرض ایک پاؤں چوکھٹ کے اندر تھا ایک باہر کہ اس کی روح قبض ہو گئی۔ باغ اُسی وقت لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ اپنا اونٹ تلاش کرتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ چنانچہ واپس آکر جو کیفیت

اس نے بیان کی اس کی تصدیق کعب الاحبار نے کی"۔ (حاشیہ ختم)

اس روایت میں جو ٹھاٹ اس باغ کے دکھائے گئے ہیں اس سے عقل کو حیرانی ہوتی ہے۔ چاندی سونا کیا ہوگیا کہ مٹی کے ڈھیر تھے کہ لگائے چلے گئے۔ جواہرات سنگریزے جنہیں بے تحاشا بکھیر دیا گیا۔ موتی کیا تھے شیشہ کے بگولے تھے کہ ہر طرف جڑ دیئے گئے۔ خوشے بنا کر لٹکا دیئے گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اتنا سونا چاندی جواہرات اور موتی کبھی دُنیا میں مل سکے ہوں گے جس سے دس ہزار گز زمین پر تین ہزار ایوان تعمیر ہوئے ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ اتنی لمبی چوڑی سرزمین پر مشک و عنبر ریت کی طرح بکھیر دیا گیا اور بجائے مٹی کے مشک و عنبر کی زمین بنا دی گئی۔ یہ روایت کیا ہے طلسم ہوشربا کی ایک داستان ہے۔

چھوڑیئے ان باتوں کو، دُنیا میں سب کچھ ممکن ہے مزہ کی بات تو یہ ہے کہ امیر معاویہ کی سلطنت کے زمانہ میں ایک شخص کو اس بہشت کا پتہ چل گیا اور کعب الاحبار جیسے معتبر شخص نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ ہاں یہی شدّاد کی بہشت ہے لیکن نہ تو عبداللہ بن قلابہ نے ہاتھ بڑھا کر کسی درخت کی شاخ توڑی نہ مٹھی بھر مشک اٹھایا نہ موتیوں کے کسی گچھے پر ہاتھ مارا۔ نہ جناب کعب الاحبار صاحب نے اپنی حرص و آز کے دروازہ کو کھولا۔ اگر یہ دونوں صاحب زاہدِ خشک مالِ دُنیا سے بے نیاز تھے تو امیر معاویہ کو اطلاع دے کر یہ خزانہ کیوں نہ برآمد کرا لیا۔ انہیں تو اس خبر کی ہَوا بھی لگ جاتی تو ملک عرب کے ہر گوشے کو کھدوا کر پُورا بہشت برآمد کر لیتے اور ایسے عظیم الشان سرمایہ کے مالک بن جاتے کہ اس کی بدولت ساری دُنیا پر چھا جاتے۔ قرآنِ مجید جیسی مقدس کتاب پر ایسی روایتیں اگر نہ لکھی جاتیں تو بہتر ہوتا۔

اس ارم کے متعلق بعض لوگوں نے یہ لکھ مارا ہے کہ خدا نے اُسے اُوپر کو اُٹھا کر آٹھواں بہشت قرار دے لیا اور اس کا نام ارم رکھ لیا۔ کیونکہ ایسا عظیم الشان بہشت جو سونے چاندی اور جواہرات و مشک و عنبر کی کان ہو خدا کے بنائے کہاں بن سکتا تھا لہٰذا جلدی سے اُٹھا لیا کہ اس کا رنگ میلا نہ ہو جائے۔ "عقل چہ است کہ پیشِ مرداں بیاید"۔

مزہ کی بات یہ ہے کہ قرآن میں اس بہشت کا کوئی ذکر نہیں۔ ارم تو عاد کے دادا کا نام ہے نہ کہ بہشت کا۔ اس کے نام کو ارم کا بہشت قرار دے لیا گیا۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ کوئی قوم اس کی مثل پیدا کی گئی۔ وہ اس قوم کی تعریف ہے نہ کہ ارم بہشت کی۔ جب قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں تو پھر اس روایت کو خواہ مخواہ کیوں درج کیا گیا۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾
الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ

عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾
فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ
فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ
فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ
عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَ
تُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

اور خدا نے قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی میں پتھر کاٹ کر گھر بناتے تھے اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو سزا میں ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھکواتا تھا۔ انہوں نے شہروں میں سرکشی کی تھی۔ اور ان میں بکثرت فساد برپا کیے تھے۔ پس تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا لگا دیا بیشک تمہارا رب ایسے لوگوں کی گھات میں ہے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب خدا اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے خدا نے مجھے عزت دی اور جب اس کی آزمائش اس طرح ہوتی ہے کہ اس کی روزی کم کر دی جاتی ہے تو کہتا ہے خدا نے مجھے ذلیل کیا۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم لوگ نہ تو یتیم کی خاطر داری کرتے ہو اور نہ محتاج کو کھانا دینے کی طرف رغبت دلاتے ہو اور میراث کے مال کو (حرام و حلال) سمیٹ کر چکھ جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

قومِ ثمود جس کی ہدایت کو جناب صالحؑ بھیجے گئے تھے، فنِ سنگ تراشی میں کمال رکھتی تھی اور اس کے ساتھ سرکش بھی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر ان میں عالیشان مکان بناتے تھے اور پتھروں پر تصاویر کندہ کی تھیں۔ جا بجا انہوں نے فساد برپا کر رکھے تھے۔ بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے ظلم و ستم پر کمر باندھے ہوتے تھے آخر خدائی عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد انسان کی

حالت بیان ہوتی ہے۔ جب خدا اُسے رزق دیتا ہے عزت دیتا ہے تو کہتا پھرتا ہے مجھے اللہ نے بڑی عزت دی ہے۔ لیکن جب مفلس ہو جاتا ہے تو کہتا ہے اللہ نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ اللہ نے یوں ہی ذلیل نہیں کیا بلکہ یہ اُس کی سزا دی ہے کہ وہ خدا کے غریب بندوں پر رحم نہیں کھاتا تھا۔ حرام میراث کھاتا تھا۔ مال کی اسے بے حد محبّت تھی۔ حقوق اللہ اور حقوق النّاس کو بھولا ہوا تھا۔ وہ عزت مال اور اقتدار کو سمجھتا تھا۔ اور زبردستی میراث پر قابض ہو کر جو حقدار تھے اُن کو اُن کے جائز حق سے محروم کر دیتا تھا۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا
صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ
الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ
اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ
ع ۳۰ / ۱۴ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

(سُن رکھو) جب (روزِ قیامت) زمین ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی اور تمہارے رب کا حکم اور ملائکہ صفیں باندھ کر آجائیں گے اور اُس دن جہنّم کو سامنے کر دیا جائے گا۔ تب انسان چونکے گا۔ لیکن اُس چونکنے سے کیا فائدہ ہوگا (چونکنے کا وقت تو گزر گیا) وہ اُس روز کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے پہلے کچھ بھیج دیا ہوتا۔ اس دن خدا ایسا عذاب دے گا جو کسی نے نہ دیا ہوگا اور ایسا جکڑ کر باندھے گا کہ کسی نے نہ باندھا ہوگا۔ (ہاں جو صاحبِ ایمان ہوں گے) اُن سے کہے گا اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس حالت میں لوٹ آ کہ تُو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ سے راضی ہے۔ میرے (خاص) بندوں میں داخل ہو جا

اور میری جنّت میں داخل ہو جا۔

وَجَآءَ رَبُّكَ کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ "خدا آئے گا"۔ لیکن خدا ہماری طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے والا نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی عظمت وجلال کے آثار ظاہر ہوں گے۔

یعنی قیامت کے دن انسان کو یاد آئے گا کہ میں نے رسولؐ کی ہدایت کو قبول نہ کر کے کس طرح اپنا ستیاناس مارا ہے۔ جس چیز سے میں بے خبر رہا تھا آج اُس کا عذاب میرے سر پر ہے۔ مگر اب یاد آنے اور افسوس کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو خدا اور رسولؐ پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہو اور پوری پابندی سے بڑے شوق سے احکامِ الٰہی بجا لایا ہو۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہؓ کے بارہ میں ہے۔

﴿۹۰﴾ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ﴿۳۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ
وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ
لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾
اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾
وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾

اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ
تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
الۡمَيۡمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ
الۡمَشۡــَٔمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع

ع ۴۰ ۱۵

میں اس شہر (مکّہ) کی قسم کھاتا ہوں اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو اور ایک باپ اور اُس کی اولاد کی قسم کہ ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اس پر قابو نہ پاسکے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے الغاروں مال اُڑا دیا۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں کیا ہم نے اُسے دونوں آنکھیں اور زبان اور دونوں لب نہیں دیئے اور اُس کو اچھی بُری دونوں راہیں بھی دکھا دیں پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر کیوں نہیں گزرا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے کسی کی گردن کا (قرض سے) چھڑانا یا بھوک کے دن رشتہ دار یتیم یا خاکسار محتاج کو کھانا کھلانا پھر ان لوگوں میں شامل ہو جاتا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور ترس کھانے کی وصیت کرتے رہے۔ یہی لوگ خوش نصیب ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے وہ لوگ بدبخت ہیں اُن کو آگ میں ڈال کر پھر آگ ہر طرف سے بند کر دی جائے گی۔

حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم حلال تھے یعنی حرمِ خدا میں تمہارا خون بہانا لوگ حلال جانتے تھے۔ بعض نے کہا اس کے معنی ہیں تم اس شہر میں رہتے تھے۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے تم اس شہر میں چلتے پھرتے تھے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس سے مُراد حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد ہے جس نے اسے بسایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد آدمؑ و ان کی اولاد ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں آدمؑ اور اُن کی اولاد کے ذکر کو کیا مناسبت۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد کا ذکر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ اے رسولؐ اُس شہر کی قسم جس میں تم چل پھر رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے بیشمار دشمن اور خون کے پیاسے ہیں لہٰذا اس کا ذکر ہونا چاہیئے جس نے تمہاری حفاظت کی ورنہ تم قتل کر دیئے جاتے اور وُہ حضرت ابوطالبؑ کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا جنہوں نے ابتدا

حضرتؐ کو مہلکوں سے بچایا۔ دُوسرا ان کا بیٹا ہے جس نے آگے چل کر ان کو ہر خطرہ سے بچایا۔ پہلے ابوطالبؑ کی حفاظت میں مکّہ کے اندر چلے پھرے۔ پھر فتح مکّہ کے بعد علیؑ کے ساتھ چلے پھرے۔ (ہم نے یہ مضمون کتاب ابی مؤلفہ علامہ احمد بردی سے لیا ہے۔)

اس کے بعد یہ ذکر کہ انسان کو مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے۔ یہ دُنیا چونکہ دار المحن ہے لہٰذا ہر انسان یہاں کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نظر آتا ہے خواہ وہ محنت کسبِ معاش میں ہو یا تربیتِ اولاد میں ہو یا ہجوم امراض میں ہو۔ ہر دل میں بادشاہ سے لے کر فقیر تک کوئی نہ کوئی کانٹا کھٹکتا ہوا ضرور ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ؎ ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایسا طاقتور ہے کہ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ بڑے فخر سے کہتا ہے اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لیے، میں نے لاکھوں روپیہ تقریبات میں اُڑایا ہے مجھ سے بڑا مالدار کون ہے۔ لیکن اسے اس کا پتہ نہیں کہ جس طرح یہ مال اُڑایا ہے خدا کو ایک ایک پائی خرچ کرنے کی خبر ہے۔ کیا اس کے منہ پر آنکھیں نہیں تھیں کہ مسرفوں کا انجام دیکھتا۔ کیا زبان نہ تھی، ہونٹ نہ تھے کہ حق بات کا اظہار کرتا۔ ہم نے اسے اچھا بُرا راستہ دکھا دیا تھا پھر اس نے غلط راستہ کیوں اختیار کیا۔ اس نے الغاروں مال اڑایا مگر بھوک کے یتیموں اور محتاجوں کی خبر نہ لی، ان کے لیے کوڑی صَرف نہ کی۔ عیاشی میں روپیہ لٹاتا رہا۔ پس قیامت میں اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی غلط کاری اور غلط فہمی کی سزا کیا ہے۔

﴿۹۱﴾ سُوۡرَةُ الشَّمۡسِ مَكِّيَّةٌ ﴿۲۶﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰٮهَا ۙ﴿۱﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰٮهَا ۙ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ
اِذَا جَلّٰٮهَا ۙ﴿۳﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰٮهَا ۙ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰٮهَا ۙ﴿۵﴾
وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰٮهَا ۙ﴿۶﴾ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰٮهَا ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا
فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰٮهَا ۙ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا ۙ﴿۹﴾ وَقَدۡ خَابَ
مَنۡ دَسّٰٮهَا ؕ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰٮهَآ ۙ﴿۱۱﴾ اِذِ انۢبَعَثَ

اَشۡقٰهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ⑬
فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ
فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ⑮ ع ۱۵/۱۶

قسم ہے سورج کی اور اُس کی دُھوپ کی اور چاند کی جو اُس کے پیچھے نکلے اور دِن کی جب اسے چمکا دے اور رات کی جب اُسے ڈھانک لے اور آسمان اور زمین کی جس نے اُسے بچھایا اُسے بنایا اور نفس کی اور جس نے اُسے درست کیا اور اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اُسے سمجھا دیا جس نے نفس کو گناہوں سے پاک رکھا وُہ کامیاب ہوُا اور جس نے اُسے (گناہ کرکے) دبا دیا وُہ نامراد رہا۔ قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جب اُن میں کا ایک بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوُا تو خدا کے رسول نے اُس سے کہا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اسکے پانی پینے سے تعرض نہ کرنا مگر ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب سے ان پر عذاب نازل کیا پھر ہلاک کرکے برابر کر دیا اور ان کو اس کے بدلہ کا کوئی خوف تو ہے نہیں ۔

نفس کے توبہ سے یہ مراد ہے کہ اُس کے جسم کو ایسے اعضأ جوارح دیئے گئے جو زندگی کے کام دینے میں اُس کی مدد کریں۔ اور الہامی طور پر نیکی و بدی کی طرف ہدایت کریں۔ ہر شخص کو بلکہ ہر جاندار کو اتنی عقل فطری دی گئی ہے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی غذا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ماں کے پستان اس کے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ لہٰذا وہ فوراً اس کو پکڑ کر دُودھ چُوسنے لگتا ہے۔ چند ہی روز میں وہ اپنے ماں باپ کو پہچاننے لگتا ہے۔ اجنبی کی گود میں جانے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ کوئی زور کی آواز ہو تو اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ یہ سب اس کی فطری عقل کے کرشمے ہیں۔

جس شخص نے اپنے نفس کو پاک بنا لیا یعنی بُری باتوں کی طرف راغب نہ ہوُا اس کو دُنیا میں بھی بھلائی حاصل ہو گی یعنی لوگوں کی نظروں میں وہ عزیز رہے گا اور آخرت میں بھی اس کو اپنے اعمالِ حسنہ کا اچھا بدلہ ملے گا اور جس نے اُسے بدکاریوں سے چھُپا لیا اُسے دونوں جہان میں نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ قوم ثمود نے سرکشی اختیار کی اور جو اونٹنی حضرت صالحؑ کی دُعا سے بطور معجزہ پہاڑ سے نکلی تھی اس کی قدر نہ کی اور اُسے ہلاک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ عذابِ الٰہی نے ان کو آ لیا۔ اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

تزکیۂ نفس کی منزلوں کو اور اس کے تعلیمی طریقوں کو ہم بھُول گئے ہیں۔ اب خانقاہوں کے دروازے ہم پر بند ہو چکے ہیں اور ان میں بیٹھ کر تعلیم دینے والے اولیاء و اتقیا ڈھونڈے نہیں ملتے۔ کیونکہ اس تعلیم کا حاصل کرنے والا اب کوئی نظر نہیں آتا۔ اب تو تمام دنیا میں اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کا چرچا ہے۔ روٹی کمانے کا ذریعہ اب تو یہی تعلیم ہے۔ کوئی بھُولے سے بھی خانقاہی نصاب کا ایک سبق حاصل نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ نفس روز بروز کثیف ہوتے جا رہے ہیں۔

کتاب تزکیۂ نفس ۴۸ باب پر ختم ہوتی ہے جو فضائلِ چہارگانہ حکمت و عفت و عدالت و شجاعت کی شاخیں کہلاتی ہیں۔ جب انسان ان منزلوں کو کامیابی کے ساتھ طے کر لیتا ہے تو وہ روحانیت کی پہلی منزل یقین میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اگلی منزل وجدانی ہے اور اس سے اگلی منزل جذب، اس سے اگلی منزل فنا ہے۔ بس اس سے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں۔

جو ۴۸ منزلیں تزکیۂ نفس کے لیے ضروری ہیں، ان میں سب سے پہلے صبر ہے پھر شکر۔ پھر توکل۔ قناعت پھر زہد۔ ورع۔ سرعتِ فہم وغیرہ ہیں۔ ان منزلوں کا حال اخلاق کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دس منزلوں تک پہنچنے کے بعد نفسِ انسان میں اتنی روشنی اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر وہ درخت سے کہے کہ اُکھڑ آ تو وہ اُکھڑ آتا ہے۔ نفس و روح کی یہ ۵۲ منزلیں سوائے علی علیہ السّلام اور کسی نے طے نہیں کیں۔ جب ہی تو رسولؐ نے علیؑ کو اپنے شہرِ علم کا دروازہ اور دارِ حکمت کا بیان فرمایا ہے۔ جن کا یقین اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ آگے یقین کا کوئی درجہ ہی نہ رہا تھا۔ جب ہی تو فرمایا کرتے تھے لَوۡ کُشِفَ الۡغِطَا لَمَا اَزۡدَدۡتُ یَقِیۡنًا۔ (اگر پردے چاک ہو جائیں تو میرے یقین میں ایک شمہ بھی زیادہ نہیں ہو سکتا۔

فنا کی صورت یہ تھی کہ بحالتِ نماز پیر میں سے تیر نکال لیا گیا اور خبر نہ ہوئی۔

ہم نے اپنی کتاب "اہلِ بیتؑ اور منازلِ روحانیت" میں ان سب منزلوں کا مفصل ذکر کر دیا ہے۔

---

⑨۲ سُوۡرَةُ الَّيۡلِ مَكِّيَّةٌ ⑨

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالۡاُنۡثٰٓى ③ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ⑤

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾
وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ
لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ
اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ
يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۲۱/۱۷

قسم ہے رات کی جب سورج کو چھپالے اور دن کی جب خوب روشن ہو اور اس ذات کی جس نے مرد و مادہ کو پیدا کیا۔ بے شک تمہاری کوششیں طرح طرح کی ہیں تو جس نے سخاوت کی اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات (اسلام) کی تصدیق کی تو ہم اس کے لیے راحت و آسانی کے سامان مہیّا کردیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی کی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اسے سختی (جہنّم) میں پہنچا دیں گے اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا۔ ہمیں راہ دکھانا ضرور ہے اور آخرت و دُنیا دونوں خاص ہماری چیزیں ہیں۔ ہم نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا، اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منّہ پھیر لیا جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس سے بچا لیا جائے گا جو اپنا مال خدا کی راہ میں دیتا ہے تاکہ پاک ہوجائے اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا اُسے بدلہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو اپنے عالی شان رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے اور عنقریب ہی خوش ہوجائے گا۔

اس کی شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری کے گھر میں خرمہ کا ایک درخت تھا جس کی کچھ ٹہنیاں ایک

ہمسایہ کے گھر میں جھک پڑی تھیں جو عیالدار محتاج تھا۔ جب انصاری خرمے توڑنے جاتا اور ایک آدھ گر پڑتا تو ہمسایہ کے بچے اُسے اُٹھا لیتے وہ بدبخت اُن سے چھین لیتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات بچوں کے منہ سے نکال لیتا۔ ہمسایہ نے اس کی شکایت حضرت رسولِ خدا سے کی۔ آپؐ نے انصاری کو بلا کر فرمایا اگر تو اس درخت کو بہشت کے خرمے کے درخت کے بدلے بیچے تو میں لیتا ہوں۔ اس نے انکار کیا۔ ایک صحابی نے یہ سن کر حضرتؐ سے عرض کی اگر میں اس درخت کو خرید لوں تو مجھے بہشت کا درخت اس کے عوض مل سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ضرور۔ غرض ان صحابی نے چالیس درخت کی قیمت کے بدلے اس درخت کو خرید لیا۔ اور لوگوں کو گواہ کر لیا تب حضورؐ نے وہ درخت ہمسایہ کے حوالے فرمایا۔

اس آیت میں صفت مقابلہ اس خوبی سے لائی گئی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى	وَاتَّقٰى	وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى	فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى
وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ	وَاسْتَغْنٰى	وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى	فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى

یعنی عطا کے مقابل بخل ہے۔ تقویٰ کے مقابل اس سے بے پرواہی ہے۔ نیکی کی تصدیق کے مقابلہ میں نیکی کا جھٹلانا ہے۔ نیسرہٗ کے مقابل نیسرہٗ ہے یسریٰ کے مقابل عسریٰ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے اور احکامِ اسلام کی تصدیق کرتا ہے خدا اُسے بہت جلد مالدار بنا دیتا ہے اور جو کوئی بخل سے کام لیتا ہے اور احکامِ اسلام کی تصدیق نہیں کرتا۔ عسرت و تنگدستی اُسے بہت جلد گھیر لیتی ہے۔ جب موت کا وقت آلگتا ہے تو پھر اس کا مال کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا یوں ہی خالی ہاتھ دُنیا سے چلا جاتا ہے اور دوسرے اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ آخرت کی نعمتیں دُنیا کی نعمتوں سے ہزارہا درجہ بہتر ہیں۔ دوزخ کی آگ میں وہی بدبخت جلے گا جس نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا ہوگا اور رسولؐ کی ہدایت سے منہ پھیر لیا ہوگا۔ جنّت کا مستحق تو وہی ہوگا جو کسی کے ساتھ ایسی حالت میں سلوک کرے کہ اس پر اس شخص کا کوئی احسان نہ ہو جس کے ساتھ وہ نیکی کر رہا ہے۔ اصلی نیکی تو وہی ہے جو بدلہ کی امید میں نہ کی جائے۔

﴿۹۳﴾ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ﴿۱۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

فَتَرْضٰى ۞ ۵ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ ۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا
فَهَدٰى ۞ ۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ ۸ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا
تَقْهَرْ ۞ ۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ ۱۰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ
فَحَدِّثْ ۞ ۱۱ ع

پھر دن چڑھے کی قسم اور رات کی جو چیزوں کو چھپالے تمہارا پروردگار نہ تو تم کو چھوڑ بیٹھا ہے اور نہ تم سے ناراض ہوا ہے اور اے رسول آخرت تمہارے لیے دُنیا سے کہیں بہتر ہے۔ تمہارا پروردگار عنقریب اس قدر عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے کیا اُس نے تمہیں یتیم بنا کر (ابوطالب) کی پناہ نہ دی تھی۔ تمہیں احکام سے ناواقف پاکر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ تمہیں تنگدست دیکھ کر غنی کر دیا تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔ اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہنا۔

اس سورہ کی شانِ نزول مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ ایک بار چند روز کے لیے بمصلحت خداوندی وحی بند ہو گئی۔ اس پر کافروں اور منافقوں نے طعنہ زنی شروع کی کہ محمدؐ کا رب محمدؐ سے خفا ہو گیا۔ امّ جمیل زوجہ ابولہب نے تو یہاں تک کہا کہ وہ تمہارا شیطان کہاں گیا۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں چھوڑ بھاگا۔ اب تم بھی اپنی پیغمبری سے باز آؤ۔ یہ باتیں سُن کر حضورؐ کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اس پر خدا نے حضورؐ کی تسلی کے لیے یہ سورہ نازل کیا۔ اور یہ بتایا کہ خدا نے نہ تو تم کو چھوڑا ہے اور نہ تم سے ناراض ہے۔ عنقریب تمہارا رب اِتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ چنانچہ یہ وعدہ اس طرح پُورا ہوا کہ تمام ملک عرب پر آپؐ کا قبضہ ہو گیا۔ اپنے رسولؐ کو دلاسہ دینے کے لیے فرمایا کہ تم یتیم تھے کوئی تمہارا پُوچھنے والا نہ تھا۔ ہم نے ابوطالب کی پناہ میں دے کر تمہاری کیسی حفاظت کی۔ تمہیں اپنے احکام سے ناواقف پاکر تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ یعنی قرآن نازل کر کے سب کچھ بتا دیا۔ تم تنگدست تھے خدیجہ سے تمہاری شادی کر کے تمہیں مال دار بنا دیا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ اب ہم تمہیں چھوڑ دیں۔ ہاں اس کا خیال رکھو کہ کسی یتیم کو ستانا مت اور کسی سائل کو جھڑکنا نہیں۔ ذرا اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہو۔

---

۹۴ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۞ ۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۞ ۲
الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۞ ۳ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۞ ۴ فَاِنَّ مَعَ
الْعُسْرِ يُسْرًا ۞ ۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۞ ۶ فَاِذَا فَرَغْتَ
فَانْصَبْ ۞ ۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۞ ۸ ع

اے رسول کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (ضرور کیا) اور تم سے وہ بوجھ اُتار دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور تمہارا ذکر بھی بلند کر دیا تو (ہاں) مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے، ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے پس جب تم (کارِ رسالت سے) فارغ ہو جاؤ تو مقرر کر دو، اور پھر اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو۔

سینہ کو کشادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دل تنگی جو ہجوم غم سے پیدا ہوتی ہے وہ دُور ہو جائے۔ حضورؐ کے سپرد چونکہ بڑا اہم کام تھا۔ دشمنوں کا ہجوم بے یاری و بے کسی، جتنا غم ہوتا کم تھا۔ مگر خدا نے ان کو ایسا کشادہ خاطر بنا دیا کہ کسی غم کی پرواہ نہ رہی۔ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے۔ حضرتؐ کی مصیبتوں پر نظر کر کے خدا نے بغیر حضرتؐ کی کسی درخواست کے خود ایسا کیا۔

بعض مفسرینِ اہلسنّت نے لکھا ہے کہ بعثت سے قبل جبرئیلِ امین، حضورؐ کی خدمت میں آئے اور حضورؐ کو زمین پر لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا اور پھر آپؐ کا دل نکال کر چیرا اور اس میں سے جو سیاہ نکتہ تھا جس سے انسان گناہ کرتا ہے نوچ کر نکال باہر کیا۔ اور پھر دل سینہ میں رکھ کر مرہم پٹی کر دی یعنی ٹھیک کر دیا۔ یہ روایت رسولؐ رب العالمین کی شان میں کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ کیا جب حضرت موسیٰؑ نے وادی ایمن میں نبوت ملنے کے بعد یہ درخواست کی تھی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ الخ (میرے رب میرے سینہ کو کشادہ کر دے) تو کیا وہاں بھی کسی فرشتہ نے ان کے ساتھ یہی عمل کیا تھا؟
اس کے بعد فرماتا ہے، تمہارے اس بوجھ کو اُتار دیا جو تمہاری کمر کو توڑ رہا تھا کیا اس کے یہ معنی

ہیں کہ نبوت کے فرائض کو تم سے واپس لے لیا گیا۔ ایسا تو ہوا نہیں۔ پھر کیا مطلب ہے اس آیت کا۔
بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے بہت سے ساتھی بنا کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ لیکن یہ بات بھی کان کو نہیں لگتی۔ کیا مسلمانوں کے زیادہ ہو جانے سے فرائض رسالت کچھ کم کر دیئے گئے تھے۔ استغفراللہ۔ جو فرائض آنحضرتؐ کے تحت ہدایت خلق اللہ، وہ تو آخر وقت تک آپؐ کے ساتھ رہے۔
سیدھی سی بات ہے مگر سمجھے کون۔ وِزر کے معنی بوجھ ہیں وزیر اسی سے بنا ہے یعنی بوجھ کو بٹا لینے والا۔ وزیر اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ کارِ سلطنت میں ممد و مددگار ثابت ہوں۔ یہ روایت ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کے دن ہی حضرت نے علی علیہ السلام کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے اس بوجھ کو بانٹ لیا۔ ہمیشہ ہر میدان میں حضرتؐ کی طرف سے لڑتے رہے۔ غریب مسلمانوں کی مدد کرتے رہے اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ ہر معاملہ میں سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ اے رسولؐ، ہم نے علیؑ کو تمہارا وزیر بنا کر تمہارے کمر توڑ بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ تمہارے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ ملک عرب کے خطہ خطہ پر اذان میں نماز میں ہمارے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائے گا۔ بلکہ عرب پر ہی کیا موقوف ہے دُنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اذان میں تمہارا نام لیا جاتا ہے۔ اے رسول ہم جانتے ہیں کہ تمہارے ساتھ مسلمان ہیں اور کفار و مشرکین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن گھبراؤ مت، اس پریشانی کے بعد ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ تمہارا بول بالا ہوگا اور یہ مشکلات تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر رہ جائیں گی۔ اس کو مزید تسلی کے لیے مکرر بیان فرمایا ہے کہ یہ سختی کے دن رہنے والے نہیں۔ پورے اطمینان کے ساتھ کام کیے جاؤ اور جب تم ہمارے تمام احکام اپنی امت تک پہنچا دو تو کھلم کھلا اپنا خلیفہ و جانشین سب کے سامنے مقرر کر کے ہمارے پاس چلے آؤ۔ چنانچہ اس کی تکمیل غدیر خم میں ۱۸ ذی الحجہ کو کر دی گئی۔ اور حضرتؐ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے مجمع میں علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ کی صدا سے بھرا میدان گونج اُٹھا اس کے چند روز بعد حضورؐ دُنیا سے تشریف لے گئے۔

---

⑨⑤ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ⑳⑧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ
الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ

رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ⑦
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧ ع

انجیر و زیتون کی قسم، طورِ سینا اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی قسم! ہم نے انسان کو اچھے کینڈے کا پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے (بوڑھا کر کے) پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا۔ مگر جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر ہے اس کے بعد روزِ جزا کے بارہ تمہیں کون جھٹلا سکتا ہے کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے (ضرور ہے)۔

انسان کو خدا نے بہترین شکل و صورت اور اخلاق و عادات والا بنایا ہے لیکن وہ اپنی غفلت سے گرتے گرتے پستی کی طرف اتنا جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی پستی نہیں رہتی حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے وہ وہ انسانیت سوز اور شرمناک کام کرتا ہے کہ حیوان بھی نہیں کرتا۔ ایسے ایسے ظلم کرتا ہے کہ اندھے بھی نہیں کرتے۔ خدا نے اس کو بنایا تھا کیسا اور وہ بن جاتا ہے کیسا۔ ایسے لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ان کی سزا روز قیامت سوائے جہنم میں جھونک دینے کے اور کچھ نہیں۔ ہاں جو لوگ ایمان لانے والے اور عملِ صالحہ بجا لانے والے ہیں بیشک خدا ان کا بے حساب اجر ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے جزا اور سزا کو روز قیامت کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے جبکہ انسانوں کی دونوں حالتیں نظر کے سامنے ہیں۔ کیا بد انسان کو سزا نہ ملنی چاہیئے ضرور ملنی چاہیئے۔ کیا نیک انسان کو اچھا بدلہ نہ ملنا چاہیئے ضرور ملنا چاہیئے پھر روز قیامت سے انکار کیسا اور خدائی فیصلہ سے بچنا کیا معنی۔

---

⑨⑥ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ①

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ②

اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ
مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ
اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾
اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيۡتَ
اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنۡ
لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾
فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ
وَاقۡتَرِبۡ ۩ ﴿۱۹﴾

اے رسول اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔ سنو، انسان جب اپنے کو غنی دیکھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا کہ ایک نیک بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے تو روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پر ہو اور پرہیزگاری کا کام کرے (تو روکنا کیسا) بھلا دیکھو تو اگر اس نے سچے کو جھٹلا دیا اور اس سے منہ پھیرا تو نتیجہ کیا ہوگا۔ کیا اس کو اس کا علم نہیں کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ دیکھو اگر اس سے باز نہ آئے گا تو ہم پیشانی کے پٹے پکڑ کر گھسیٹیں گے جھوٹے خطاوار کی پیشانی کے پٹے۔ تو وہ اپنے یارانِ جلسہ کو بلائے ہم بھی جلاد فرشتوں کو بلائیں گے۔ دیکھو ہرگز اس کا کہنا نہ مانا

سجدے کرتے رہو اور قرب حاصل کرو۔

سب سے پہلے حضورؐ پر یہی سورۃ نازل ہوئی۔ مفسرین عامہ نے لکھا ہے جب جبریلؑ نے رسولؐ سے کہا پڑھ، تو حضورؐ نے فرمایا، میں تو پڑھنا جانتا ہی نہیں۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے حضورؐ کا یہ کہنا ثابت ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا، حضورؐ کو جاہل بتانے میں لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے۔ جو ذات پاک عالم نور ہی میں عالم بن چکے تھے جو تمام انبیاء کی امتوں پر گواہ بنی رہی ہو وہ جاہل کیوں فرض کی جا رہی ہے۔ جو کچھ پڑھنے کو کہا جا رہا ہے وہ عربی زبان میں ہے جو حضورؐ کی مادری زبان بھی تھی۔ اس کے پڑھنے سے انکار کیسا۔ کہا جاتا ہے، جبریل لکھ کر لاتے تھے۔ اور آپؐ سے پڑھنے کو کہا تھا لیکن اس کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ کیا زبانی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میں جو کچھ کہوں تم بھی اسے کہو۔ جب بسم اللہ کی رسم ہوتی ہے تو عموماً کہتے ہیں، پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کبھی تحریر لانے کی ضرورت کیا پیش آئی ہے جبکہ زبانی ہی یہ سبق دیا جا سکتا تھا۔ اگر پڑھنا نہیں جانتے تھے تو پھر فوراً پڑھ کیسے لیا۔ اس سے تو جبریلؑ اُستاد بن گئے اس شخص کے جس کو خدا نے قرآن کی تعلیم عالم ظہور میں آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ جیسا کہ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ آیت سب سے اوّل نازل ہوئی تھی لیکن اس کو آخر پارہ میں جگہ دی گئی۔ معلوم جامع القرآن کی کیا مصلحت تھی کہ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی وہ پانچویں پارہ میں ہے۔

اس کے بعد اپنے رسولؐ کو بتاتا ہے اُس رب کے نام کو پڑھو جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ اس عمومیت کے بعد پھر خصوصیت سے انسان کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے کہ اُس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ خون سے انسان کو بنا دے۔ اپنی قدرت کا کمال بیان کر رہا ہے۔ پھر فرماتا ہے اپنے اُس رب کا نام جپو جو عالیشان ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا سکھایا۔ یعنی انسان کے اندر یہ صفت رکھی کہ وہ قلم سے حالات و واقعات کو لکھتا ہے گا۔ کتابت اسے نہ سکھائی جاتی تو انسان پر علوم کے دروازے بند ہو جاتے۔ اس کے بعد فرماتا ہے جو باتیں وہ نہ جانتا تھا وہ سکھا دیں ورنہ وہ زندگی کی منزلوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ اور کچھ اس کی سمجھ میں نہ آتا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ بولنا چالنا۔ کسبِ معاش۔ تربیتِ اولاد وغیرہ وغیرہ۔

آیت نمبر ۹ سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ابتدائے بعثت میں جب حضورؐ خدا کی عبادت کرتے تو کفارِ قریش آپؐ کو روکتے۔ ایک روز ابوجہل اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ محمدؐ تمہارے درمیان رہ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنا منہ خاک پر رگڑتا ہے اور تم اسے چھوڑ دیتے ہو کیا تمہارے بت اس پر راضی ہوں گے۔ اگر میں اس کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دوں گا اور اسے مار ڈالوں گا۔ ایک روز وہ اپنا یہ منصوبہ پورا کرنے چلا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور ہانپتا کانپتا واپس آیا۔ کسی نے پوچھا، کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک آگ کی خندق ہے ایک اژدہا منہ کھولے ہے اور پرندے پر سے پر ملائے اس پر سایہ فگن ہیں اس پر بھی وہ باز

نہ آیا اور نماز سے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ جنگِ بدر میں مارا گیا اور لوگوں نے اس کے پٹے پکڑ کر گھسیٹا اور اسے ایک گڑھے میں ڈال دیا اور یہ پیش گوئی خدا کی پوری ہوئی۔

---

(۹۷) سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ
فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات کو فرشتے اور جبرئیل (سال بھر کی) ہر بات کا حکم لے کر اپنے پروردگار کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات صبح کے طلوع ہونے تک سرتا پا سلامتی ہے۔

شبِ قدر رمضان المبارک کی تئیسویں شب ہے۔ یہ نزولِ رحمتِ باری تعالیٰ کی رات ہے جو ہزار مہینوں سے اعمالِ خیر کے اجر میں بہتر ہے۔

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اس رات کو اللہ میاں آسمانِ اوّل پر اُتر آتے ہیں اور ندا دیتے ہیں کہ کہاں ہیں میرے گنہ گار بندے، مجھ سے گناہوں کے بخشنے کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ اس روایت کی حقیقت اسی سے ظاہر ہے کہ کیا خدا صاحبِ جسم ہے کہ اُترے چڑھے۔ پھر اس آواز سے کیا فائدہ جسے کوئی نہ سُنے۔ اگر شبِ قدر میں بخشش کا سودا اتنا سستا ہو جاتا ہے تو پھر دوزخ کا پیٹ کون بھرے گا۔ سب کے گناہ تو معاف ہی کر دیئے جائیں گے۔

ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنی امیّہ کی حکومت جو ہزار مہینے رہی تھی ان میں جو نیکیاں ہوئیں وہ ایک رات کی نیکیوں کے برابر نہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنو امیہ حضرت کے منبر پر بندروں کی طرح اچک رہے ہیں اس سے آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپؐ کی تسکین کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ان کی ہزار ماہ

کی حکومت خدا کی نظر میں کچھ بھی نہیں۔

اس مبارک رات میں فرشتے اور جبرئیلؑ بحکمِ خدا سال کے تمام کے تمام احکام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ رہے ان پر نازل ہوتے رہے۔ اس کے بعد کس پر آتے رہتے ہیں۔ شبِ قدر تو ہر سال آتی ہے اور فرشتے بھی یقیناً زمین پر آتے ہیں۔ تو آتے کس پر ہیں؟ کیا صحابہ۔ اولادِ صحابہ۔ تابعین صحابہ۔ تبع تابعین میں سے کس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر آتے ہیں۔ کیا علمائے اسلام میں سے کوئی اس کا مدعی ہوا ہے کہ مجھ پر آتے ہیں۔ اگر ایسا کبھی کسی نے دعویٰ نہیں کیا تو پھر ہوتا کیا ہے۔ کیا اب آتے نہیں۔ کیا یہ طریقہ منسوخ ہو گیا ہے اگر نہیں تو پھر مسلمان بتائیں کہ کس پر آتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فرشتے کسی غیر معصوم کے پاس تو آتے نہیں اور نہ وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ احکامِ الٰہی کا امین بنے۔ ضرور ہر زمانہ میں اور ہمہ وقت کوئی معصوم اس زمین پر موجود رہتا ہے اور وہ وہی ہو سکتا ہے جو منصوص من اللہ ہادی ہو۔ آیہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ "۱۳/۷ رعد" (اے رسول تم لوگوں کو ڈراتے رہو عذاب سے اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے)۔ یہ بتاتی ہے کہ کوئی ہادی موجود ہے اس کے پاس احکام آتے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا ہے: من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مرا)۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ والوں کی ہدایت کے لیے ایک ہادی ایک امام ہوتا ہے۔ اس سے مراد قرآن نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو قیامت تک کے لیے سب ہی کا ہادی ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کا امام جداگانہ ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ رسولؐ کے بعد ہر زمانہ میں ایک امام منصوص من اللہ معصوم ضرور موجود رہا۔ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ ورنہ شب قدر فرشتوں اور روح الامین کا نزول کس پر ہوتا ہے۔

کافی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب تم سے امامت کے باب میں تمہارے مخالف جھگڑا کریں تو یہ آیت پیش کر دیا کرو اور پوچھا کرو، اب وہ کون ہے جس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ تمہارا مخالف ہرگز کوئی مسکت جواب نہ دے سکے گا۔

تفسیر دُرِّ منثور میں ہے کہ یہ آیت ائمہ اہلبیتؑ کی شان میں ہے۔

آیت بتا رہی ہے کہ ہر امر کو جو سال بھر تک ہونے والا ہے فرشتے لے کر آتے ہیں۔ تو اس پر غور کرنا ہے کہ جس کے پاس امرِ الٰہی آتا ہے وہ صاحبِ امر کون ہے۔ آیہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ "۵۹/۴ نساء" سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اولی الامر ایسے ہیں کہ ان کی اطاعت رسول جیسی اطاعت ہے۔ پس آیۂ زیرِ بحث نے بتایا کہ اولی الامر سے مراد نہ بادشاہانِ وقت ہیں نہ امرائے سرایا نہ علمائے امّت۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہر شبِ قدر میں امرِ الٰہی آتا ہے اور جن کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح واجب ہے اور جن کو نظامِ کائنات میں اتنا دخل ہے کہ ہر شبِ قدر میں ان کے پاس سال بھر ہونے والے واقعات آ جاتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کا امانتدار معصوم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

ہمارے ائمہ منصوصہ پر یہ ایک ایسی قوی دلیل ہے جس کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ مفسرین نے صاحب امر کے بتانے میں اگرچہ بہت سی باتیں کردی ہیں اور یہ بتانے سے گریز کیا ہے کہ کس کے پاس فرشتے پیغام لے کر آتے ہیں لیکن جو امر حق ہے وہ چھپانے سے چھپتا نہیں۔

---

(۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (۱) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (۲) فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۳) وَمَا تَفَرَّقَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (۴)
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ
حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ
الْقَيِّمَةِ (۵) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۶) اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ (۷) جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ
ع ۸/۲۲ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (۸)

اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے جو لوگ کافر تھے جب تک ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل نہ پہنچے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے یعنی خدا کے رسول جو پاک اوراق پڑھتے ہیں (آئیں اور) درست باتیں جو لکھی ہوئی ہیں (ان کو سنائیں) اور اہلِ کتاب متفرق ہوئے بھی تو جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آچکی اور انہیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ نرا کھرا اسی کا اعتقاد رکھ کے باطل سے کترا کر خدا کی عبادت کریں اور پابندی سے نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں یہی سچا دین ہے۔ بے شک اہلِ کتاب اور مشرکین سے جو لوگ اب تک کافر ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

اس سورہ میں اہلِ کتاب اور مشرکین کی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ جب تک ان کے سامنے وہ پاک کتابیں نہ پڑھی جائیں جن میں اچھے اعمال بجا لانے کی ہدایت ہے۔ ایسا کرنے پر کچھ تو ایمان لائے اور کچھ بدستور اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اہلِ کتاب نے توریت اور انجیل میں سب کچھ پڑھا مگر وہ اپنی کفر پرستی سے باز نہ آئے۔ اپنے واہی خیالات کی وجہ سے ان میں فرقے بنتے چلے گئے۔ حالانکہ ان کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص خدا کی عبادت کریں مگر ان کی سمجھ میں بات نہ آئی اور بدترین خلائق بن کر رہے۔ ہاں ان میں جو لوگ ایمان لے آئے، بہترین خلائق قرار پائے۔ ان کے رب نے اہلِ کتاب اور مشرکوں کو ہدایت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر جو انکار کرنے والے تھے وہ انکار ہی کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

آیت نمبر ے میں خیر البریہ کے متعلق درمنثور سیوطی میں ہے کہ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک روز کچھ لوگ حضرتؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت علیؑ تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ اور اس کے شیعہ روز قیامت خیر البریہ ہوں گے اور ان کے دشمن شر البریہ ہوں گے اور ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ، تم اور تمہارے شیعہ روز قیامت خوش اور پسندیدہ ہوں گے۔

(٩٩) سُورَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (٩٣)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾
وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ
رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾ يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّيُرَوۡا
اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَمَنۡ
يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

جب زمین بڑے زلزلوں کے ساتھ زلزلہ میں آجائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ (معدنیات) نکال ڈالے گی اور ایک انسان اس سے کہے گا اس کو کیا ہو گیا ہے اس روز وہ اپنے سب حالات بیان کرے گی کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے حکم دیا ہو گا۔ اس دن لوگ گروہ کے گروہ اپنی قبروں سے نکلیں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ زمین میں زلزلے آئیں گے اور بڑے سخت زلزلے۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ نکال پھینکے گی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہو گی بعض کہتے ہیں کہ جتنے معدنیات زمین کے اندر ہیں وہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں جو لوگ اس میں دفن ہیں ان کو نکال پھینکے گی۔ بعض کہتے ہیں جو خزانے اس کے اندر ہیں ان کو نکالے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان زلزلوں کے وقت ایک انسان اس سے کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اس میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ انسان کون ہو گا بعض نے لکھا ہے کہ سب انسان گھبرا کر کہیں گے یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن

یہ صحیح نہیں کیونکہ آگے ہے کہ زمین اس سے بات بھی کرے گی۔ تو وہ کیا سب انسانوں سے بات کرے گی۔ یہ تو کوئی خاص انسان ایسا ہو گا جو اس سے ہم کلام ہو گا اور زمین اس سے وحیِ الٰہی کے مطابق ہمکلام ہو گی۔ چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام کے سامنے یہ سورہ پڑھا گیا تو آپؑ نے فرمایا، میں ہوں وہ انسان جس سے زمین ہمکلام ہو گی۔ زمین ایک معصوم سے ہی کلام کر سکتی ہے۔ ایک ایسے گنہگار سے جس نے اس کے رُو پر گناہ کیے ہوں کلام نہیں کر سکتی۔

روایت ہے کہ ایک بار مدینہ میں زلزلہ آیا لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس دوڑے آئے۔ آپؑ ان کے ساتھ اس مقام پر پہنچے جہاں زلزلہ آ رہا تھا اور آپؑ نے اس جگہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، یَا اَرْضُ مَالَکِ لَا تَسْکُنِیْ (اے زمین تجھے کیا ہو گیا ہے تو ساکن نہیں ہو گی)۔ چنانچہ وہ زلزلہ رُک گیا۔ امامؑ کی آواز کو دُنیا کی ہر شے پہچانتی ہے اور امامؑ ہی سے اپنے حالات بیان کر سکتی ہے کہ میرے اندر کیا کیا چیزیں ہیں اور میرے اوپر انسانوں نے کس کس قسم کے گناہ کیے ہیں۔ بلقیس کا تخت پلک جھپکتے لانے میں اگر وزیرِ سلیمان کے لیے زمین سمٹ سکتی ہے تو وصیِ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لیے زمین اپنے اخبار کیوں نہیں بیان کر سکتی۔ یہاں زمین کو وحی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس کو حکم دے گا۔

انبیاءؑ و اولیاءؑ کی خصوصیات کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں یہ تو قدرت کے راز ہیں انبیاء و اولیاء کے امتیازات خصوصی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان پتھر پر آجاتا ہے۔ موسیٰؑ کا عصا مارنے سے پتھر پانی دینے لگتا ہے۔ ہمارے رسولؐ کے ہاتھ پر آ کر سنگریزے تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ حجرِ اسود امام زین العابدینؑ کی امامت کی گواہی دیتا ہے۔ حضورؐ کے لعابِ دہن ڈالنے سے سوکھے کنویں پانی اُچھالنے لگتے ہیں۔ یہ سب ان حضرات کو پہچانتے ہیں۔ پس اگر حضرت علیؑ سے زمین ہم کلام ہو تو کیا تعجب ہے۔

---

(١٠٠) سُورَةُ الۡعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (١٤)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِيۡرٰتِ
صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ
الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا
فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوۡرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ
يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱/۲۵

غازیوں کے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو نتھنوں سے خراٹے لیتے ہیں پھر پتھر پر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح ہی چھاپا مارتے ہیں دوڑ دھوپ کے بعد غبار بلند کر دیتے ہیں پھر دشمن کے دل میں گھس جاتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ یقینی خود بھی اس سے واقف ہے۔ بیشک وہ مال کا بڑا حریص ہے کیا وہ اس کو نہیں جانتا جب مُردے قبروں سے نکالے جائیں گے اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے بے شک اُس دن ان کا رب ان سے ضرور واقف ہوگا۔

عرب کے بنی سلیم قبیلہ نے مدینہ کے اطراف میں جمع ہو کر مسلمانوں پر شبخون مارنے کا قصد کیا۔ جب حضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپؐ نے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو بھیجا پھر حضرت عمرؓ کو۔ جب کامیابی نہ ہوئی تو حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا اور خود مسجد احزاب تک پہنچانے تشریف لائے۔ غرض حضرت علیؑ روانہ ہوئے تو یہ لوگ بھی ساتھ تھے۔ آپؑ راتوں رات صبح سویرے ان کے سر پر جا پہنچے۔ بہت سوں کو قتل کیا بہت سوں کو زنجیروں میں جکڑ کر واپس ہوئے۔ اس وجہ سے اس جنگ کو جنگِ سلاسل کہتے ہیں۔ ابھی مدینہ نہ پہنچے تھے کہ یہ سورہ نازل ہوا۔ اور حضرت رسولؐ خوش خوش پیشوائی کو نکلے۔ جب حضرت علیؑ کی نظر آپؐ پر پڑی تو گھوڑے سے اُتر پڑے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی، اگر مجھے اُمت کی گمراہی کا خیال نہ ہوتا تو تمہارے بارے میں وہ بات کہتا کہ جس کو سن کر لوگ تمہارے قدم کی خاک کو شفا کے لیے لے جاتے۔

اویسؓ قرنی جیسے روشن ضمیر انسان کا قول تھا۔ "علیؑ کے قدم کی خاک اُویس کی آنکھوں کا سُرمہ ہے۔"

﴿۱۰۱﴾ سُوۡرَةُ الۡقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿۳۰﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا الۡقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوۡمَ
يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ
الۡمَنۡفُوۡشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ
رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَاۤ
اَدۡرٰكَ مَا هِيَهۡ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱/۲۶

کھڑکھڑانے والی، کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اور تم کو کیا معلوم وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اس دن لوگ (میدانِ حشر میں) ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے مگر جس کے (نیک عمل کے) پلّے بھاری ہوں گے وہ من بھائے عیش میں ہوگا اور جس کے پلّے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کو کیا معلوم ہاویہ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ ہے۔

قیامت کا دن، قیامت ہی کا دن ہوگا۔ ایک سخت آواز ہوگی کہ لوگوں کو قبروں سے نکال باہر کرے گی اور پھر وہ میدانِ حشر میں ہر طرف بھاگے پھرتے ہوں گے جیسے ٹڈیاں اُڑی اُڑی پھرتی ہیں۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ پہاڑ روئی کی طرح دھنکے ہوئے اُڑ رہے ہوں گے۔ پس جس کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے وہ تو مزہ میں رہے گا اور ہلکے اعمال والا جہنم رسید ہوگا۔ خدا نے پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت ٹلنے والی نہیں، آئے گی اور ضرور آئے گی۔ انسان کو چاہیے کہ زندگی کے دن بہت سوچ سمجھ کر گزارے۔

(۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶

ع ۱ / ۲۷ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

مال و اولاد کی بہتات نے تمہیں غافل بنا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے قبریں دیکھیں (یعنی مرنے سے پہلے ہوش میں نہ آئے۔ دیکھو تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا، تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم کو یقینی طور پر معلوم ہوتا (تو ہرگز غافل نہ رہتے) تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے، تم یقیناً دیکھو گے۔ پھر وہاں تم سے نعمتوں کے بارہ میں ضرور باز پُرس کی جائے گی۔

آخرت سے انسان کی غفلت کا سبب دو ہی چیزیں ہیں ایک مال کی زیادتی دوسرے اولاد کی زیادتی۔ مرنے سے پہلے انسان ایسا غافل ہے کہ چونکتا ہی نہیں۔ پھر تاکید کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے۔ قیامت کیا ہے تم اسے ضرور جان لوگے ضرور جان لوگے۔ تم پورے یقین سے جان لو کہ دوزخ میں تمہیں جانا پڑے گا۔ اور پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ یہاں انسان خدا کی بیشمار نعمتیں مزے لے لے کر کھا رہا ہے اور بھول کر بھی ان نعمتوں کے دینے والے کا شکریہ ادا نہیں کرتا مالِ مفت سمجھ کر استعمال کر رہا ہے، اُسے اس کا یقین ہی نہیں کہ ان کے متعلق کوئی باز پُرس ہوگی۔ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور نیک کام کرتا خدا سے ڈرتا، اس کے احکام کی تعمیل کرتا۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا۔ ایسا ناشکرا ناحق شناس انسان خدا کا باغی بندہ ہے اسے سزا ملنی ضرور ہے مرنے کے بعد جب قیامت سر پہ آکھڑی ہوگی تب پتہ چلے گا کہ میں نے کس غفلت میں اپنی عمر گنوائی تھی مجھے جو سزا مل رہی ہے وہ میرے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ع ۱ / ۲۸ الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

نماز عصر کی قسم ! بے شک انسان گھاٹے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور آپس میں حق کا حکم اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔

یہ ابوجہل کے متعلق ہے۔ زمانہ کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ضلالت آگیں، خدا کا نافرمان، مشرک اور بے دین انسان خسارہ میں ہے۔ زمانہ اس کے اعمال دیکھتا ہوا گزرتا جا رہا ہے۔ ماضی حال مستقبل اس نے سارے زمانے ایک ہی حالت میں گزار دیئے جو اہلِ ایمان ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ حق کا ساتھ دو اور امرِ حق اختیار کرنے ہیں جو مصیبتیں تم پر پڑیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرو۔ اس کی مثال کربلا سے بہتر کہیں نہیں مل سکتی کہ سب کے سب امرِ حق کی حمایت میں انتہائی مصیبت کا سامنا صبر و ضبط کے ساتھ کر رہے تھے۔

(۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝۱ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ يَحْسَبُ اَنَّ مَا

لَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ

ع ۱ / ۲۹ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

ہر طعنہ دینے والے چغلخور کی خرابی ہے جو مال کو جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اسے زندہ و باقی رکھے گا ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا اور تم کو معلوم ہے حطمہ کیا ہے۔ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ جو (تلوے سے لگی تو) دلوں تک چڑھ جائے گی۔ یہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں ڈال کر بند کر دیئے جائیں گے۔

چغلخوری کی عادت بہت زیادہ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس سورہ میں جو سزا ان کی بیان کی گئی ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ
تَضْلِيْلٍ ۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّيْلٍ ۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۵

اے رسول کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُس نے ان کی تدبیریں ملیامیٹ نہیں کر دیں اور ان پر چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کھرنجوں کی کنکریاں پھینکتی تھیں (آخر) انہیں چبائے ہوئے بھُس کی طرح برباد کر دیا۔

اس سورہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی طرف عام لوگوں کا رجوع دیکھ کر ابرہہ بادشاہِ یمن کو رشک پیدا ہُوا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کو ڈھا کر مسمار کر دے اور اس کی جگہ یمن میں ایسا ہی گھر بنائے۔ چنانچہ وہ ایک بڑا لشکر جس میں بہت سے ہاتھی تھے، لے کر مکہ آیا۔ یہ حضرت عبدالمطلبؑ جدِ رسول اللہؐ کا زمانہ تھا۔ آپ کے اونٹ چراگاہ میں چرتے تھے۔ ابرہہ کے لشکر والے انہیں پکڑ کر لے گئے۔ جب حضرت عبدالمطلبؑ کو خبر ہوئی تو آپ ان کی واگزاشت کے لیے اُس کے پاس گئے۔ اُس نے پوچھا، آپ کیسے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے فوجی میرے اونٹ ہنکا لے گئے ہیں ان کی واگزاشت کے لیے آیا ہوں۔ اُس نے کہا مجھے آپ پر بڑا تعجب ہوتا ہے آپ سردارِ قوم ہیں آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کس ارادہ سے آیا ہوں۔ آپ نے مجھ سے خانہ کعبہ کے منہدم نہ کرنے کے متعلق تو کچھ کہا نہیں بس اپنے اونٹوں کے متعلق کہا۔ فرمایا، اونٹ میری ملکیت ہیں اس لیے میں نے اُن کے لیے کہا اور اس گھر کا مالک اور ہے وہ اُس کی حفاظت خود کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلبؑ موحد تھے بُت پرست نہ تھے اسی طرح ابوطالبؑ بھی جو اُن کے بیٹے تھے مومن و موحد تھے۔ الغرض ابرہہ نے جب اپنے ارادہ کو پُورا کرنا چاہا تو خدا نے ابابیل چڑیوں کا ایک لشکر بھیجا جن کے پنجوں اور چونچوں میں سخت مٹی کی کنکریاں تھیں۔ وہ جس کے سر پر گرتی تھیں سارا جسم توڑ کر نیچے سے نکل جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ سب کے سب ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ خدا کے ہوائی جہازوں کی یہ تھی وہ بمباری جس نے دم کے دم میں سب کو ہلاک کر دیا۔

---

۱۰۶ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ
هٰذَا الْبَيْتِ ۳ الَّذِيْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۴

چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کر دیا ہے تو ان کو مانوس کر دینے کی وجہ سے کعبہ کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کو بھُوک میں کھانا دیا اور ان کو خوف سے (بچا کر) امن میں رکھا۔

قریش وہ خاندان تھا جس میں رسولؐ پیدا ہوئے یہ لوگ عرصے سے خانہ کعبہ کے متولی بنے چلے آرہے تھے۔ اسی گھر کی برکت تھی کہ مکہ باوجودیکہ ایک پتھریلا مقام تھا زراعت وغیرہ کا کوئی ڈھنگ وہاں نہ تھا یہ ان پر خدا کی عنایت تھی کہ ہر چیز وہاں مل جاتی تھی۔ یہ قوم بُت پرست بھی تھی اور لُوٹ مار کرنے والی بھی۔ مگر خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے یہ جہاں جاتے تھے ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہ لوگ دو بڑے سفر بغرضِ تجارت کرتے تھے۔ جاڑوں میں یمن جاتے تھے اور گرمیوں میں شام۔ اس تجارت سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک خدا کی عبادت کریں جس نے ان کو ہر قسم کے خوف سے بھی محفوظ رکھا ہے اور اتنا غلہ دیا ہے کہ وہ بھُوکے نہیں مرتے۔

---

۱۰۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۲ وَلَا
يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُوْنَ ۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۷

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے اور یہی بدعمل ہے جو یتیموں کو جھڑکتا ہے اور

محتاجوں کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو راغب نہیں کرتا۔ ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور نمازوں میں ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی چیزیں دینے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔

یہ آیات کس کے متعلق ہیں، مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے ابوجہل مراد ہے کسی نے لکھا ہے ولید بن مغیرہ، کسی نے عاص بن وائل و ابوسفیان مراد ہیں۔

جو لوگ اپنی نمازوں سے غافل ہیں پابندی سے نہیں پڑھتے یا محض دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں قیامت میں ان کی بُری گت بنے گی کیونکہ یہ تو خدا سے کھلی بغاوت ہے۔ وہ لوگ بھی جہنم رسید ہوں گے جو معمولی معمولی چیزوں کے جیسے نمک، ماچس، آگ، پانی وغیرہ دینے سے اپنے ہمسایوں کو منع کرتے ہیں ایسے لوگ معاشرہ میں انس و محبت پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

(۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (۲) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (۳) ع ۳ ۳۳

اے رسول ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا پس تم اپنے رب کی نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو تمہارا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

چونکہ حضورؐ کے اولادِ ذکور میں سے کوئی زندہ نہ بچا تھا اس لیے کفارِ مکہ آپؐ کو مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے ہمارے بتوں کی مذمت کی یہ سزا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کی تسلی کے لیے یہ سورہ نازل کیا۔ کوثر کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے حوضِ کوثر مراد لیا ہے لیکن شانِ نزول کو اس سے کوئی ربط نہیں۔ بعض نے اس سے کثیر اولاد مراد لی ہے یہی صحیح ہے۔ حضرت کی اولاد کا سلسلہ بیٹی سے چلا۔ خدا نے رہتی دُنیا تک انہی کو اولادِ رسولؐ قرار دیا، جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے ظاہر ہے۔ دوسرے رسولؐ کی حدیث ہے اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِيْ صُلْبِهٖ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ فِيْ صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (خدا نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار دی ہے لیکن میری اولاد صلبِ علی سے ہے۔) یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کو سب ابنائے رسولؐ کہتے ہیں۔ دوسرے حضرت رسولِ خدا مثلِ موسیٰؑ ہیں۔ حضرت موسیٰؑ بھی لاولد تھے۔ ان کی اولاد بھی خدا نے ان کے وزیر حضرت ہارونؑ کی اولاد کو قرار دیا۔ چنانچہ تابوت سکینہ کے متعلق فرمایا ہے وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ (۲/۲۴۸ البقرہ) یعنی اس میں آلِ موسیٰ و آلِ ہارون کے تبرکات تھے۔ تیسرے حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے، اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل میں آخری حجت لڑکی کی اولاد قرار پائی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اسی سے حجت ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں بھی ایسا ہی ہوا کہ آخری حجت بجائے اولادِ ذکور کے لڑکی کی اولاد قرار پائی یعنی اولادِ فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا۔ چوتھے علیؑ بمصداق آیۂ مباہلہ نفسِ رسولؐ تھے لہٰذا ان کی اولاد رسولؐ کی اولاد قرار دی گئی۔ پانچویں حضرت رسولِ خدا میں دو جنبے تھے۔ ایک بشری دوسرے نبوتی۔ پس نبوتی اور رسالتی جنبہ کے اعتبار سے حسن و حسین ابنائے رسالت ہیں۔ بشری اعتبار سے اقربائے محمدؐ

اور ہیں اور نبوتی اعتبار سے اور ہیں۔ خدا نے حضورؐ کو اتنی کثیر اولاد دی کہ باوجودیکہ ہر زمانہ میں ساداتؑ کو کاٹتے رہے ان کو زندہ دیواروں میں چنتے رہے ان کے خون کا گارا بناتے رہے لیکن اب بھی سادات بکثرت دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۰۹) سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۱۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۱) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (۲) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ (۳) وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ (۴) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ (۵) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (۶) ع ۶ ۳۴

اے رسول کہہ دو کہ اے کافرو جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اُس کی عبادت نہیں کرتا اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے ہے۔

ان آیات میں زور دینے کے لیے ایک ہی بات کا تکرار کیا گیا ہے اور کافروں پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ میں کسی حالت میں کسی طرح بھی تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرنے والا ہوں اور تمہاری ہٹ اور ضد کے پیشِ نظر یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اے کافرو میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اُس خدا کی عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ دونوں یقینی باتیں ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عرب والے خدا کو تو مانتے تھے لیکن جن کی عبادت کرتے تھے اُن کو خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ پس اس تکرار سے یہ بھی بتا دیا گیا کہ جن صفات کے ساتھ تم خدا کو مانتے ہو میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ سے یہ بات نہ سمجھی جائے کہ خدا نے ان کو بُت پرستی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی غصہ میں کسی شخص سے کہہ دے کہ جب تم یہ بات نہیں مانتے تو جاؤ تمہارے جی میں جو آئے کرو میں تمہارا ساتھی نہیں۔

(۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ (۱) وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

جب خدا کی مدد آجائے گی اور فتح حاصل ہو گی تو تم دیکھو گے کہ لوگ دینِ خدا میں غول کے غول داخل ہو رہے ہیں پس اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو اور اس سے استغفار کرو۔ وہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

مولانا فرمان علی صاحب قبلہ نے فتح سے مراد فتح مکّہ لی ہے لیکن مفسّرین اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی ہے اور فتح مکّہ ۸ھ میں ہوئی ہے۔ لہٰذا مراد اس فتح سے اسلام کی وہ ترقی ہے جو فتح مکّہ کے بعد میں ہوئی۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سورہ میں یہ ہے کہ تم دیکھو گے حضوؐر نے غول کے غول داخلِ اسلام ہوتے ہوئے تو فتح مکّہ کے بعد ہی دیکھے تھے۔ بعد میں جو اسلام کو ترقی ہوئی وہ حضوؐر نے کہاں دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے اس سورہ کا نزول ۱۰ھ میں لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہو۔

۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا
كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ
الْحَطَبِ ۝۴ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور اس کا ستیاناس ہو جائے نہ اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا اور اس کی جورو بھی جو سر پر ایندھن اٹھائے پھرتی ہے اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی بندھی ہے۔

ابولہب حضوؐر کا چچا تھا اور بڑا کٹا کافر تھا۔ حضوؐر سے اس کو سخت عداوت تھی اور اس کی بی بی اس سے

بھی زیادہ حضوؐر کی دشمن تھی۔ جب دعوت ذوالعشیرہ میں حضوؐر نے سارے کنبہ کو دعوت کے لیے بلایا تھا تو یہ ملعون بھی آیا اور جب حضرتؐ نے اپنی نبوت کا ذکر کیا تو اس نے پتھر اٹھایا اور چیخنے لگا تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تمہارا ستیاناس ہو جائے کیا تم نے اس کام کے لیے ہمیں بلایا ہے۔ اس کے جواب میں یہ سورہ نازل ہوا۔ اس کی بی بی کا یہ حال تھا کہ جب حضوؐر گھر سے نکلتے تو یہ بالائے بام سے حضرتؐ پر کوڑا پھینکتی اور راستہ میں کانٹے بچھاتی۔ اسی لیے سورہ میں اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔
قیامت کے دن ابولہب کو تو جہنّم کی بھڑکتی آگ میں جھونکا جائے گا اور اس کی بی بی کے گلے میں ایک مضبوط بٹی ہوئی رسّی ہو گی۔ فرشتے اسے کھینچتے ہوئے جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔

۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

اے رسول کہہ دو، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں۔

اس مختصر سے سورہ میں مسئلہ توحید کو بہترین صورت میں بیان کیا گیا ہے۔
اَحَد ایک ہے کوئی اس کا ساتھی نہیں وہ ایسا ایک ہے کہ نہ اس سے پہلے کوئی ہے نہ اس کے بعد۔ کوئی اس کا شریک نہیں خواہ وہ زمین کا رہنے والا ہو یا آسمان کا۔ وہ ایک ہے کسی خاندان سے اس کا تعلق نہیں۔ وہ ایک ہے لیکن گنتی والا ایک نہیں جس کے بعد دو آتا ہے۔
صَمَد وہ سب سے بے پروا ہے۔ زمین کی مخلوق ہو یا آسمان کی۔ تکوین و تخلیق میں اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ کسی مشیر وزیر کا محتاج نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں نہ کسی مرکب کا محتاج ہے نہ آلے کا۔ سب کی احتیاج اسی کی طرف ہے۔
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ جننے جنانے کا تعلق جو مخلوق کے اندر ہے اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے نہ اس کی کوئی بی بی۔ جو لوگ عزیرؑ یا مسیحؑ کو اس کا بیٹا کہتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

کوئی اُس کا ہمسر نہیں وہ تمام عالموں کا واحد مالک ہے۔ جو لوگ بُتوں کو اس کا ہمسر سمجھتے ہیں وہ سرتاسر گمراہی میں ہیں۔

---

(۱۱۳) سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۲۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ
غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ
شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع ۵ ۳۸

اے رسول کہہ دو میں صبح کے مالک سے پناہ مانگتا ہوں اُس بُرائی سے جو اُس نے پیدا کی اور اُس اندھیری رات کی بُرائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کی برائی سے (جب وہ پھونکیں) اور حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب وہ حسد کرے۔

کفّارِ قریش نے تو حضرتؐ کی مخالفت ہلکے ہلکے کی لیکن جب آپ کا کام ترقی پذیر دیکھا تو مخالفت میں شدت ہونے لگی۔ مصالحت کی کوششیں بھی ہوئیں۔ جب ناکامی ہوئی تو جادو ٹونوں سے بھی کام لیا جانے لگا تاکہ حضرتؐ دُکھی ہوں یا بیمار پڑ جائیں۔ چنانچہ ملک کے نامور جادوگروں سے آپؐ پر جادو کرایا گیا۔ اُس کے ردّ میں یہ سورہ نازل ہوا۔

حسد کی آگ بھی بُری طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ابو جہل وغیرہ جلے تن تھے کہ بنی عبد المطلب کے اگر اس نبوّت کی بدولت عروج حاصل ہو گیا تو ہماری چودھراہٹ جاتی رہے گی۔ حاسدوں کی ایک بہت بڑی جماعت حضرتؐ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی۔ ان کے شر سے بچانے کے لیے یہ سورہ نازل ہُوا۔

---

(۱۱۴) سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ
صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ع ۶ ۳۹

اے رسول کہہ دو میں لوگوں کے پروردگار سے جو تمام لوگوں کا بادشاہ ہے تمام لوگوں کا معبُود ہے (شیطانی) وسوسوں کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کے دِلوں میں بار بار وسوسہ ڈالتا ہے جنّات میں سے ہو خواہ آدمیوں میں سے۔

شیطانی وسوسہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے جب انسان کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور شیطان اُس کے دِل میں خلفشار پیدا کر کے اُسے نیکی کی طرف سے ہٹا کر بُرائی کی طرف لے جاتا ہے یعنی بُرائی کو اس کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بُرائیوں کی طرف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک شر کو کامیاب بنانے کے لیے اُسے دس بُرائیاں اور کرنی پڑتی ہیں۔ یہ وسوسہ ڈالنے والے شیاطین بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ پہلے شیطان ایک بد آدمی کو اپنے قبضہ میں لیتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ لہٰذا جب انسان کے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اُسے چاہیئے کہ خُدا سے پناہ مانگے۔

فہرست موضوعات

الف

انسان کی ناشکری ۵
اعمال کی جزا و سزا ۱۰
اجر رسالت ۱۹
ایمان والوں کی علامات ۲۶
انبیاء بچپن سے باعلم ہوتے ہیں ۳۲ - ۳۳
آذر کافر تھا ۴۱
آخرت کا گھر متقیوں کے لئے ۴۳
آسمان وزمین فہم و ادراک رکھتے ہیں ۶۰
آسمان وزمین پیدا کرنے میں خدا کی بڑی مصلحت ۷۶
اولوا العزم رسولؑ ۹۰
اللہ کی مدد کرنیوالے کی مدد اللہ کرتا ہے ۹۲
ابرار کی نیکیاں مقربین ایزدی کے نزدیک سیئات ۹۹
اخلاقی اقدار ۱۲۹، ۱۳۰
اسلام لانے کا احسان نہ جتانے کا حکم ۱۳۱
انعامات الٰہیہ ۱۸۶-۱۹۶
اہل جنت کی نعمتیں ۲۰۰، ۲۰۱
اہل دوزخ کا حال ۲۰۲
ایمان تاریکی سے نور کی طرف لاتا ہے ۲۱۰
انسان کی حقیقت ۲۱۸
آداب مجلس ۲۲۸
آیت نجویٰ پر صرف حضرت علی کا عمل ۲۲۸، ۲۲۹
اللہ جن سے راضی ہوا وہ کون لوگ ہیں ۲۳۲
اللہ کن لوگوں کی دوستی سے منع نہیں کرتا ۲۴۹، ۲۵۰
آنحضرتؐ کا عورتوں سے بیعت لینا ۲۵۳
اُحد میں صاحب ذوالفقار حیدر کرار کے کارنامے ۲۵۴
آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں ۲۸۱
اہل الذکر سے پوچھنے کا حکم ۲۸۰
ازواج النبیؐ کے اسماء گرامی ۲۸۳
انسان لالچی واقع ہوا ہے ۳۱۸
آسمانوں پر شیاطین کے لئے رکاوٹ ۳۲۸
آیت الکبریٰ (عصائے موسیٰ کا اژدہا بن جانا) ۳۷۱
انسان کا جینا اور مرنا ۳۷۴
اصحاب اخدود ۳۸۷، ۳۸۸
امام کی آواز ہر شے پہچانتی ہے ۴۱۹
ابرہہ کا لشکر ۴۲۴

ب

بُرائی کا بدلہ ویسے ہی بُرائی ۲۸
بُرے اعمال کا اولاد پر اثر ۲۸
بنی اسرائیل پر خدا کے احسانات ۶۸
بتوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ۷۵
بچوں کو دودھ پلانے کی مدت ۸۱

فہرست موضوعات

الف

انسان کی ناشکری ۵
اعمال کی جزا وسزا ۱۰
اجرِ رسالت ۱۹
ایمان والوں کی علامات ۲۶
انبیاء بچپن سے باعلم ہوتے ہیں ۳۲ - ۳۳
آذر کافر تھا ۴۱
آخرت کا گھر متقیوں کے لئے ۴۳
آسمان وزمین فہم و ادراک رکھتے ہیں ۶۰
آسمان وزمین پیدا کرنے میں خدا کی بڑی مصلحت ۷۶
اولوالعزم رسولؐ ۹۰
اللہ کی مدد کرنیوالے کی مدد اللہ کرتاہے ۹۲
ابرار کی نیکیاں مقربین ایزدی کے نزدیک سیئات ۹۹
اخلاقی اقدار ۱۲۹، ۱۳۰
اسلام لانے کا احسان نہ جتانے کا حکم ۱۳۱
انعامات الٰہیہ ۱۸۶-۱۹۶
اہلِ جنت کی نعمتیں ۲۰۰ / ۲۰۱
اہل دوزخ کا حال ۲۰۲
ایمان تاریکی سے نور کی طرف لاتا ہے ۲۱۰
انسان کی حقیقت ۲۱۸
آداب مجلس ۲۲۸
آیت نجویٰ پر صرف حضرت علی کا عمل ۲۲۸، ۲۲۹
اللہ جن سے راضی ہوا وہ کون لوگ ہیں ۲۳۲
اللہ کن لوگوں کی دوستی سے منع نہیں کرتا ۲۴۹، ۲۵۰
آنحضرتؐ کا عورتوں سے بیعت لینا ۲۵۳
اُحد میں صاحب ذوالفقار حیدر کرار کے کارنامے ۲۵۴
آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں ۲۸۱
اہل الذکر سے پوچھنے کا حکم ۲۸۰
ازواج النبیؐ کے اسمار گرامی ۲۸۳
انسان لالچی واقع ہوا ہے ۳۱۸
آسمانوں پر شیاطین کے لئے رکاوٹ ۳۲۸
آیت الکبریٰ (عصائے موسیٰ کا اژدہا بن جانا) ۳۷۱
انسان کا جینا اور مرنا ۳۷۴
اصحاب اخدود ۳۸۷، ۳۸۸
امام کی آواز ہر شے پہچانتی ہے ۴۱۹
ابرہہ کا لشکر ۴۲۴

ب

بُرائی کا بدلہ ویسے ہی بُرائی ۲۸
بُرے اعمال کا اولاد پر اثر ۲۸
بنی اسرائیل پر خدا کے احسانات ۶۸
بتوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ۷۵
بچوں کو دودھ پلانے کی مدت ۸۱

بیعت رضوان ۱۱۱ و ۱۱۵
بیت المعمور ۱۵۵
بنی نضیر کا قصہ ۲۳۳ و ۲۳۴، ۲۳۵
بہلول دانا کا واقعہ ۳۲۹
بہشت کی بہار ۳۵۳، ۳۵۵
بخل و سخاوت ۴۰۶، ۴۰۷

ت

تابوت سکینہ ۱۸۴
توبۃ النصوح سے مراد ۲۸۸
تبلیغ اسلام میں تین اہم نکات ۳۶۴
تزکیہ نفس ۴۰۴، ۴۰۵

ج

جہاد میں شریک ہونیوالوں کی اقسام ۱۸
جنت کی نعمتیں ۱۵۷و ۹۵، ۵۱، ۶۴
جہنمیوں کا کھانا ۶۳
جنوں کا ایمان لانا ۸۸
جنگ کے بعد کافروں سے سلوک ۹۲
جن وانس کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے ۳۲۷، ۱۵۳
جنتیوں کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ اور
دوزخیوں کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے ۳۸۶، ۳۱۲
جنات کا قرآن سننا ۳۲۶
جہنم کا مستحق بنانے والے امور ۳۴۴

چ

چار نیک بی بیوں کا ذکر ۲۹۱
چغلخوری کی مذمت ۴۲۳

ح

حضرت موسیٰ اور فرعون ۳۷۰، ۴۵
حضرت عیسیٰ کے بارے میں جھگڑا ۴۷
حضرت علی کی مثال حضرت عیسیٰ جیسی ہے ۴۸
حضرت عیسیٰ علامت قیامت ہیں ۴۹
حضرت مہدی کا ظہور قرب قیامت ہوگا ۴۹
حضرت یحییٰ اور امام حسینؑ کی شان میں آیت ۸۱
حضرت ہود کا قصہ ۸۵
حضورؐ کو مکہ سے نکالنے والوں کا حال ۹۴
حکومت ملنے پر لوگوں کی حالت بدلنا ۱۰۱
حضورؐ کا عمرہ کرنے کے لئے خواب دیکھنا ۱۱۹
حضرت ابراہیم کا والدین کے حق میں استغفار کرنا ۲۴۸
حضرت ختمی مرتبت کے متعلق بشارت حضرت عیسیٰ ۲۵۵، ۲۵۶
حضرت عیسیٰ کا اپنے حواریوں کا مدد کے لئے بلانا ۲۵۸
حضرت ابراہیم کی دعائیں ۲۶۰
حضورؐ کا ایک نام ذکر بھی ہے ۲۸۰
حضورؐ کی سعیٔ بلیغ کا بدلہ ۳۰۱
حقوق العباد سے گریز کرنے کا نتیجہ ۳۰۳
حقیقت قرآن ۳۱۴
حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے تین سرکش ۳۳۵
حضرت علی مثل ہارون ہیں ۳۳۶

خ

خدا کی قدرت ۵، ۲۴
خدا کے وجود کی دلیل ۶
خدا کا مثل کوئی نہیں ۱۰
خدا ہر شے کا جاننے والا ۱۱
خدا رازق ہے ۱۲
خواہشات نفسانی کی ممانعت ۱۵
خدا کے نیک بندوں کے لئے جنت کے باغ ۱۹
خدا کی نشانیاں ۳۰، ۳۶، ۳۷ و ۶۵
خدا کے نزدیک سونے چاندی کی کوئی وقعت نہیں ۴۳

خدا کے سوا بت اور بتوں کی پوجا کرنے والے
جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ ۴۸
خدا نے آسمان وزمین کو کھیل نہیں بنایا ۶۲
خدا نے انسان کے لئے کیا کیا مسخر کیا ۶۷
خطبۂ غدیر خم ۹۳
خدا کا طریقہ بدلتا نہیں ۱۱۷
خدا نے ایمان کو محبوب بنایا ہے ۱۲۵، ۱۲۶
خدا رگ گردن سے زیادہ قریب ہے ۱۳۶
خدا کی قدرت کاملہ کے ثبوت ۲۰۴
خدا لوگوں کی گفتگو سنتا رہتا ہے ۲۲۵
خلافت و نبوت کو بنی ہاشم میں یکجا نہ ہونے
دینے کی سازش ۲۲۶
خدا منافقوں کو نہ بخشے گا ۲۶۷
خدا پر بہتان کی سزا ۳۱۴
خیر البریہ ۴۱۷

د

دنیا کا مال و متاع چند روزہ ہے ۲۶
دوزخیوں کی فریاد ۵۲
دہریوں کا عقیدہ ۷۰ و ۷۱
دین اسلام کا غالب آنا ۲۵۷
دوزخیوں کا ہادیوں کے آنے اور نصیحت حاصل
نہ کرنے کا اقرار ۲۹۵
دن کا وقت کسب معاش کے لئے بنایا گیا ہے ۳۶۳

ر

روز قیامت ایک سوال ۲۲
روح نبوتؐ ورائے علم و ایمان ہوتی ہے ۳۳
رسولؐ پر کفارہ کا بہتان ۵۷
رسولؐ بمطابق وحی کام کرتے ہیں ۷۸، ۱۶۲ و ۱۶۳
رسولؐ معصوم ہوتا ہے ۹۹
رسولؐ پر بدگمانیاں کرنیوالے (صلح حدیبیہ) ۱۱۲
رسولؐ کا اعزاز و اکرام ۱۲۴
رسولؐ نہ کاہن تھے نہ مجنوں ۱۵۸، ۱۵۹
رہبانیت ۲۲۱
رضاعت کی اُجرت ۲۷۹
رسالت مآب کا کفار اور منافقین سے جہاد ۲۸۹
رسولؐ کو ہذیان نہیں ہوسکتا ۳۰۰
رسولؐ کی عبادت کا ذکر ۳۳۳
رسولؐ مثل موسیٰ تھے ۳۳۵
رویت خدا ناممکن ہے ۳۴۸، ۳۴۹

ز

زیادہ تر مالدار لوگ انبیاء کے مخالف تھے ۳۹، ۴۰
زندگانیٔ دنیا کی مثال ۲۱۶
زندگانیٔ دوزخ کا حال ۳۹۴، ۳۹۵

س

سلام کا جواب علیکم السلام ۱۴۶،
ستارہ کا حضرت علی کے گھر میں اُترنا ۱۶۲، ۱۶۳
سفینۂ نوح کی مثال اہلبیت ہیں ۱۷۹
سرگوشی کی ممانعت ۲۲۶ و ۲۲۷
رسول سے سرگوشی کرنے سے قبل صدقہ دینے کا حکم ۲۲۸
ساحرہ ۳۶۹
سورۂ اخلاص توحید کے بارے میں بہترین سورۃ ۴۲۹

ش

شریعت اوّل کا نزول ۱۳
شریعت حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ ۱۳
شریعت حق کو باطل سے ممیز کرتی ہے ۱۷
شب قدر میں قرآن کا نزول ۴۱۶ و ۴۱۵، ۴۱۴ و ۵۵

شہادت امام حسینؑ پر زمین و آسمان کا رونا ۶۰ و
شیطان صرف وسوسہ پیدا کرتا ہے ۱۳۹
شق القمر ۱۷۵ و ۱۷۷
شہاب ثاقب شیطان کو آسمان پر جانے سے روکتے ہیں۔ ۲۹۴
شرح صدر ۴۰۹ و ۴۱۰
شیطانی وسواس برائیوں کی جڑ ہیں ۴۳۲

ص

صلح حدیبیہ ۱۰۵، ۱۰۶ و ۱۰۷
صحف حضرت ابراہیمؑ و حضرت موسیٰؑ ۱۷۲ و ۱۷۳
صدقہ ۲۱۵

ظ

ظہار کے متعلق ہدایات اور (کفّارہ) ۲۲۳، ۲۲۴

ع

علم رسول وہبی و لدنی تھا ۳۴
عبداللہ بن سلام کا ایمان لانا ۷۹
عصمت انبیاء ۱۰۸
علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے ۱۱۶
عبادت کے اوقات ۱۴۲
عدل و انصاف پر قائم رہنے کی ہدایت ۱۸۶
عبداللہ بن نبیل کی منافقین سے سازباز ۲۳
عبداللہ بن عبدالمطلب سے فدیہ طلب کیا جانا ۲۳۲
عذاب سے بچانے والی تجارت ۲۵۷
عدّہ و احکامات طلاق ۲۷۵ و ۲۷۸
علیؑ کا علم لعاب رسولؐ کا اثر ہے ۳۱۱

غ

غیب دان صرف خاصان خدا ہی ہوتے ہیں ۳۳۲
غفلت انسان کے اسباب ۴۲۲

ف

فرقہ بندی کی ممانعت ۱۳
فرشتے باتیں لکھتے جاتے ہیں ۱۸۵ و ۵۲
فرعون کا ذکر ۵۸
فرعون کا غرق ہونا ۵۹
فرعون کی بنی اسرائیل پر سختیاں ۶۱
فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس حضرت اسحاق کی بشارت لے کر آنا ۱۴۶
فرعون اور قوم عاد کی ہلاکت ۳۰۹ و ۱۵۰
فرشتوں کا جان نکالنے کا طریقہ ۳۶۸

ق

قیامت کے بارے میں علم ۶ و ۵۳
قرآن حق ہے ۷
قدرت خدا ۱۰
قبول توبہ ۲۳
قصور معاف کرنے کی مدح ۲۸
قرآن وحی اور نور ہے ۳۲ و ۳۷۲
فرعون کا معجزات کا مذاق اڑانا ۴۵
قیامت میں دوست دشمن ہو جائیں گے ۵۰
قیامت اچانک آجائے گی ۹۷ و ۵۰
قیامت کا منظر و ۳۷۷، ۳۷۲، ۳۵۸، ۷۲ و ۴۰۰
۳۸۰ و ۳۸۱
قیامت میں کافر جھٹلائے جائیں گے ۷۷
قرآن معجزانہ کلام ہے ۷۷
قیامت آنے کی علامات ۸۰
قوم عاد و ثمود ۳۹۹، ۸۵، ۳۰۸
قیامت میں بہشتیوں اور دوزخیوں کا حال ۱۴۰

قوم لوط پر عذاب الٰہی ۱۸۲ و ۱۴۹
قوم فرعون ۱۸۳، ۱۸۴
قرض حسنہ ۲۱۲، ۲۷۴
قیامت میں مومنوں اور منافقوں کا حال ۲۱۲، ۲۱۳
قرآنی اعجاز ۲۴۳
قصۂ مغافیر ۲۸۳، ۲۸۴
قوم نوح کی سرکشی ۳۲۱، ۳۲۵
قیامت کا حال ۳۳۹
قول رسولؐ کریم ۳۷۹
قوم نوح و قوم ثمود ۱۷۴، ۱۸۰ و ۱۸۱
قوم نوح و قوم عاد ۱۷۸

ک

کُتب سماوی میں تصرفات ۱۴
کافر انبیا کا مذاق اڑاتے تھے ۳۵
کافر و مشرک آباء و اجداد کی تقلید کی ممانعت ۳۹
کافروں اور مشرکوں سے بدلہ لیا جائے گا ۴۴
کفّار کا قیامت سے انکار ۷۳
کفّار کا حشر ۷۴
کافروں کا صورت سے پہچانا جانا ۱۰۲
کسی قوم کا مذاق اڑانے کی ممانعت ۱۲۷
کشتی نوحؑ ۱۷۹
کائنات کی ہر شئے تسبیح خدا کرتی ہے ۲۰۸
کتاب و میزان ۲۱۷، ۲۱۹
کتاب و نبوت اولاد انبیاء سے مخصوص ہے ۲۲۰
کفار و مشرکین کو دوست نہ بنانے کا حکم ۲۴۴، ۲۴۵ و ۲۴۶
کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کا حکم ۲۴۸
کائنات کی ہر شئے خدا کی تسبیح کرتی ہے ۲۶۹ و ۲۷۰
کافروں کی سزا ۳۶۵
کم تولنے اور کم ناپنے والوں کو تنبیہہ ۳۸۲
کوثر ۴۲۶

گ

گمان کرنے کی ممانعت ۱۲۹

ل

لڑکیوں سے نفرت کی مذمت ۳۱
لوگوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنایا ۳۷
لات و عزیٰ ۱۶۸
لوگوں نے ملائکہ کو عورتوں جیسے نام دیئے ۱۷۰
لُؤلُؤ اور مرجان ۱۸۹ و ۱۸۸
لفظ لمس کے معنی ۲۰۶

م

مشرکین کے لئے عذاب ۱۸
محبت اہل بیت اجر رسالت ہے ۲۰
مودۃ فی القربہ ۳۰، ۲۲
مشورہ کی مدح ۲۷
مطالب قرآن سمجھنے کی ہدایت ۳۵
منصب نبوت و رسالت کا تعلق دولت سے نہیں ۴۱
مومن و کافر برابر نہیں ۶۹
ماں باپ کا حکم ماننے کی تاکید ۸۲
منافقین اور مشرکین کی بدگمانیاں ۱۰۹
مومن، مومن کا بھائی ہے۔ ۱۲۷
مومن کہہ کر پکارنے کی توجیہہ ۱۳۲
مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ۱۳۴ و ۱۳۵
متقیوں کا حال ۱۴۵
معراج ۱۶۴ تا ۱۶۷
منافقین کی جھوٹی قسمیں ۲۳۰
مال فَے حق رسول ہے ۲۳۵، ۲۳۶ تا ۲۳۸

منافقین مسلمانوں کی آستین کا سانپ بنے ہوئے تھے	۲۴۱
مومنین کو نصیحت	۲۴۲
مومن و کافر عورتوں سے سلوک	۲۵۱-۲۵۲
موت کی تمنا کرنا اولیاء خدا کا کام ہے	۲۶۱
منافقین کی گواہی جھوٹی ہوتی ہے	۲۶۴، ۲۶۵
موت کا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا	۲۶۸
موت آنے سے قبل راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم	۲۶۸
موت و حیات انسان کا ذریعۂ آزمائش ہے	۲۹۴
ن	
نصاریٰ اور یہودیوں کے غلط عقائد	۵۴
نفخ صور	۱۴۷
نورِ محمدی کا ہر نبی اور رسولؐ کے ساتھ ہونا	۱۳۸
ناقۂ صالح	۱۸۱
نبیِ اُمّی کے معنی	۲۶۰
نمازِ جمعہ کی اذان سن کر دوڑ پڑنے کا حکم	۲۶۳
نظرِ بد سے بچنے کی دعا	۳۰۷
حارث بن نعمان فہری کا معذب ہونا	۳۱۶
نمازِ تہجد	۳۳۸
نطفہ سے تخلیق انسانی صنعت الٰہیہ کا بہترین نمونہ ہے	۳۵۹
ناقۂ صالح	۴۰۴
و	
وحی اور الہام کے طریقہ	۳۱
وسیلہ اختیار کرنے کا حکم	۲۵۸
ولید بن مغیرہ	۳۰۲، ۳۴۲
والفجر سے مراد	۳۹۷
ھ	
ہر قوم کے لئے ایک ہادی	۵۶
ہر شے کی تخلیق ایک مقرر اندازے سے ہے	۱۸۵، ۳۹۲
ہر شخص پہ ایک نگہبان مقرر ہے	۳۹۱
ی	
یوم الفصل (قیامت کا دن)	۳۶۵، ۳۶۶
یتیموں پر رحم اور مانگنے والوں کو نہ جھڑکنے کا حکم	۴۰۸

جناب سیّد شمیم الح
لاکھوں سینوں کو دین و ایمان
سامان یعنی تفسیر القرآن کی پا
انجام دے کر اپنی حیات ہی میں ا
سینے میں لئے اس دارِ فانی
اللہ اس پہ بارش
اسکے لئے کھلیں ترے
اے ربّ کریم، مالکِ دو جہا
کی طباعت کے عوض مرحوم کو
اس کو اس کی مغفرت کا ذریعہ بنا
ہو رہی ہیں خُلد میں
کھُل گیا دروازہ